بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الف

۱- آباء و اجداد

(نیز دیکھئے تقلید)

آباء (مادہ ء - ب - و)۔ (ابٌ) کی جمع ہے۔ جس کے معنی باپ یا ہر بڑا آدمی ہیں۔ آباء کا لفظ انہی معنوں میں آیا ہے جن معنوں میں ہم "آباء و اجداد" بولتے ہیں۔ یعنی اسلاف۔ مثلاً جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم کس خدا کو اپنا معبود تسلیم کرو گے تو انہوں نے کہا کہ اِلٰـہَ اٰبَآئِکَ اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ۔ (۲ : ۱۳۳)۔ تیرے آباء — ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کو۔ حضرت اسحٰق (حضرت یعقوبؑ) کے والد۔ حضرت اسماعیلؑ ان کے چچا اور حضرت ابراہیمؑ ان کے دادا تھے۔ ان سب کے لئے آباء کا لفظ آیا ہے۔

قرآن کریم میں "آباء و اجداد" کا ذکر بیشتر ان مقامات میں آیا ہے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس دین کو اختیار کیوں نہیں کرتے تو یہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اسی مسلک پر چلنا چاہتے ہیں جو مسلک ہمارے آباء و اجداد (اسلاف) سے متوارث چلا آ رہا ہے۔ قرآن کریم نے اس ذہنیت کی سختی سے مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ کسی بات کے صحیح ہونے کا یہ کوئی معیار، سند اور دلیل نہیں کہ وہ

اسلاف سے متوارث چلی آ رہی ہے۔ اسلاف بھی غلطی کر سکتے تھے۔ پیش نظر معاملہ کو خود پرکھنا چاہیئے۔ اور علیٰ وجہ البصیرت کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیئے۔ سند اس کے لئے صرف کتاب اللہ ہو سکتی ہے۔

چونکہ یہ موضوع تقلید سے متعلق ہے، اس لئے اس کی تفصیل وہاں بیان کی جائے گی۔ دیگر اہم مقامات جہاں یہ لفظ (آبآء) آیا ہے۔ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حج میں خدا کا ذکر اس طرح کرو جس طرح تم (ایام جاہلیت میں) اپنے آباء کا ذکر کیا کرتے تھے (۲ : ۲۰۰)

(۲) اگر تمہارے آبآء وغیرہ تمہارے نزدیک خدا و رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہو جائیں تو تم خدا کے فیصلہ کا انتظار کرو — (۹ : ۲۳) — (۵۸ : ۲۲)

(۳) معبودانِ باطل کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جو تمہارے آبآء نے رکھ دیئے یا اب تم نے رکھ لئے ہیں۔ — (۷ : ۷۱) — (۱۲ : ۴۰) — (۵۳ : ۲۳)

(۴) کفار کہتے ہیں کہ کیا ہم یا ہمارے آباء جو مٹی میں مل چکے ہیں، دوبارہ زندہ کئے جائینگے؟

(۲۳ : ۸۲—۸۳) — (۲۷ : ۶۷—۶۸) — (۳۷ : ۱۷) — (۳۶ : ۴۴) — (۴۵ : ۲۵) — (۵۶ : ۴۸)

(۵) تمہارا اور تمہارے آبآء کا رب — (۲۶ : ۲۶) — (۳۷ : ۱۲۶) — (۴۴ : ۸)

(۶) محض کسی کا باپ ہونا اسے داخلِ جنت نہیں کر سکتا۔ اس کے باپ کا صالح ہونا ضروری ہے۔

(۱۳ : ۲۳) — (۴۰ : ۸)

[اَبٌ (جمع آبآء) بمعنی باپ کے لئے دیکھئے عنوان (ب)]

——— (٠) ———

۲۔ آخر

(نیز دیکھئے۔ دنیا۔ ساعۃ۔ قیامت۔ جنت۔ جہنم)

اٰخِرَۃٌ — یہ آخِرٌ کی مؤنث ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں، وہ چیز جو کسی پہلے آنیوالی چیز کے بعد آئے۔ تفصیل اس اجمال کی آپ کو لغات القرآن میں ملے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ یہ لفظ بالعموم "مستقبل" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک انسان کی زندگی میں، ہر نیا دن، سابقہ دن کا مستقبل

ہے۔ ایک قوم کی زندگی میں، ہر آنے والی نسل، سابقہ نسل کی مستقبل ہے۔ لیکن قرآنی نظریۂ زندگی اس سے آگے بڑھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں۔ زندگی مرنے کے بعد بھی آگے چلتی ہے اور اسے حیاتِ آخرت یا اُخروی زندگی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مومن کے نزدیک، دنیا کی زندگی حال کی زندگی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی مستقبل کی زندگی۔ یعنی اس کے نزدیک جہاں اس کی دنیاوی زندگی کا ہر آنے والا دن مستقبل ہے اور ہر آنے والی نسل مستقبل۔ اس کے ساتھ اس زندگی کے بعد کی زندگی بھی مستقبل ہے۔ اس کے مستقبل کی حدیں اسی دنیا میں محدود ہو کر نہیں رہ جاتیں، اس سے آگے بھی جاتی ہیں۔

حیاتِ آخرت پر ایمان، مسلمان ہونے کے لئے بنیادی شرط ہے۔ یعنی مومن، صرف حال کی خوشگواریوں پر ہی نظر نہیں رکھتا، وہ حال کو سنوارنے کے ساتھ مستقبل کی کامرانیوں کو بھی اپنا نصب العین حیات سمجھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آخرت پر ایمان میں، اس دنیا میں مستقبل کی بہبود کا خیال رکھنا، اور مرنے کے بعد کی زندگی کو سامنے رکھنا، دونوں شامل ہونگے۔ جو افراد یا اقوام صرف اپنے حال کو سامنے رکھتی ہیں مستقبل کی خوش حالیوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس طرح جو لوگ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی کو سمجھتے ہیں، ان کا اُخروی مستقبل یعنی مرنے کے بعد کی زندگی، تباہ ہو جاتی ہے۔ مومن وہ ہے جس کا ہر آنے والا دن، سابقہ دن کے مقابلہ میں زیادہ درخشندہ ہو اور اس فروزاں مستقبل میں مرنے کے بعد کی زندگی بھی شامل ہو۔

۲۔ مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے قرآنِ کریم میں اور بھی الفاظ آئے ہیں مثلاً الساعة۔ القیامة وغیرہ۔ اس موضوع کو پورے طور پر سامنے لانے کے لئے متعلقہ عنوانات کو بھی دیکھ لینا چاہیئے۔

۳۔ ضمناً۔ اٰخَرٌ (خاء کی زبر کے ساتھ) کا لفظ، غیر کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنی دیگر اشیاء سے الگ، کوئی اور شے۔ اور اُخِّرَ کے معنی ہوتے ہیں، پیچھے ہونا۔ جیسے متقدّم کے مقابلہ میں متأخّر۔ یا کسی بات کو مؤخر کرنا۔

۴۔ یہ ظاہر ہے کہ عمل پہلے سرزد ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ اس کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ نتائج اعمال کے اس طرح ظاہر ہونے کو بھی آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھیئے کہ جن اعمال کے نتائج اسی زندگی میں سامنے آجائیں وہ تَقَدَّمَ کے زمرہ میں آجائیں گے اور جن کے نتائج اُخروی زندگی میں نمودار ہوں،

وہ آخَرَ میں۔ " مَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ " کی اصطلاح قرآنِ کریم میں اسی مفہوم کے لئے آئی ہے۔ یعنی جو کچھ انسان نے پہلے کیا اور جو کچھ مستقبل کی زندگی کے لئے بھیجا۔

(۵) زیرِ نظر عنوان میں آخرت کے اسی مفہوم کے متعلق بات کی جائے گی۔ ایمان بالآخرت کے معنی ہیں خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان۔ اس امر پر ایمان کہ انسان کا ہر عمل (حتیٰ کہ دل میں گزرنے والے خیالات اور نگاہ کی جنبشوں تک) اپنا نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نتیجہ اسی دنیا میں سامنے آجائے۔ اور یہ بھی کہ اس کے بعد، حیاتِ آخرت میں سامنے آئے۔ جو لوگ حیاتِ آخرت کے منکر ہوں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ایسا انتظام کرلیں کہ ان کی فریب کاریوں اور دیگر جرائم کی گرفت نہ ہوسکے، اور اس طرح وہ اس دنیا کی زندگی پوری کر کے مرجائیں، تو پھر ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ حیاتِ آخرت پر ایمان رکھنے والا ایسا نہیں سمجھتا۔ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اس کا ہر عمل نتیجہ خیز ہوکر رہیگا۔ اس دنیا میں نہیں تو اس کے بعد کی دنیا میں۔

سوچئے کہ (علاوہ دیگر امور) حیاتِ آخرت پر ایمان، اقوامِ عالم کے لئے کس قدر امن و سکون کا باعث ہوسکتا ہے۔

آخرت پر ایمان اور انکار

(۱) زبان سے کہنے والے کہ ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ درحقیقت ایمان نہیں رکھتے (یعنی منافق)۔
(۲:۸)—(۲:۲۶۴)—(۴:۳۸)—(۴:۳۹)۔

(۲) ایمان بالآخرت —(۲:۴)—(۲:۶۲)—(۲:۱۲۶)—(۲:۱۷۷)—(۲:۲۲۸)—(۲:۲۳۲)—(۳:۱۱۴)—(۴:۵۹)—(۴:۱۶۲)—(۵:۶۹)—(۹:۱۸)—(۹:۱۹)—(۹:۴۴)—(۹:۹۹)—(۲۴:۲)—(۲۹:۳۶)—(۳۱:۴)—(۳۳:۲۱)—(۳۹:۹)—(۵۸:۲۲)—(۶۰:۶)—(۶۵:۲)

(۳) دعائے ابراہیمی کہ ایمان بالآخرت والوں کو رزقِ حسنہ عطا کر۔ —(۲:۱۲۶)

(۴) اصل نیکی اس کی ہے جو (منجملہ دیگر) آخرت پر ایمان رکھتا ہے —(۲:۱۷۷)

(۵) ایمان بالآخرت کے ساتھ احکامِ خداوندی کی اطاعت —— (۲:۲۲۸)——(۲:۲۳۲)
(۴:۵۹)——(۲۴:۲)——(۶۵:۲)

(۶) مومن، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں —— (۲:۴)——(۳:۱۱۴)——(۴:۱۶۲)——(۹:۱۸)
(۲۷:۳)——(۳۱:۴)

(۷) آخرت سے انکار —— (۲:۲۶۴)——(۴:۳۸)——(۴:۳۹)——(۴:۱۳۶)——(۶:۱۱۳)
(۶:۱۵۰)——(۷:۴۵)——(۹:۲۹)——(۹:۴۵)——(۱۱:۱۹)——(۱۲:۳۷)——(۱۶:۲۲)
(۱۶:۶۰)——(۱۷:۱۰)——(۱۷:۴۵)——(۲۳:۳۳)——(۲۳:۷۴)——(۲۷:۴)——(۳۰:۱۶)
(۳۴:۸)——(۳۴:۲۱)——(۳۹:۴۵)——(۴۱:۷)——(۵۳:۲۷)——(۷۴:۵۲)——(۷۵:۲۱)

(۸) عام خیرات کے کام، اللہ اور آخرت پر ایمان کے برابر نہیں ہو سکتے —— (۹:۱۹)

(۹) منکرینِ آخرت کے خلاف جنگ کرو —— (۹:۲۹)

(۱۰) ایمان بالآخرت کا امتحان اعمال سے ہوتا ہے —— (۹:۴۴—۴۵)——(۲۴:۲)——(۵۸:۲۲)

(۱۱) اُخروی زندگی کی امید رکھنے والے —— (۲۹:۳۶)——(۳۳:۲۱)——(۶۰:۶)

(۱۲) آخرت پر ایمان رکھنے والے موت سے ڈرتے نہیں، بلکہ اس کی تمنا کرتے ہیں۔ (۲:۹۴)

(۱۳) آخرت پر ایمان رکھنے والے ہی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں —— (۶:۹۳)

(۱۴) انبیاءؑ کی تعلیم کے دشمن، آخرت کے منکرین کو اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں —— (۶:۱۱۳)

(۱۵) حیاتِ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کا اتباع مت کرو —— (۶:۱۵۱)

(۱۶) دینِ خداوندی میں پیچیدگیاں پیدا کرنے والے حیاتِ آخرت کے منکر ہیں —— (۷:۴۵)——(۱۱:۱۹—۲۱)

(۱۷) لقاءِ آخرت سے انکار سے حبطِ اعمال —— (۷:۱۴۷) —— عذاب —— (۱۶:۲۲—۲۹)

(۱۸) عذابِ آخرت سے ڈرنے والوں کے لئے نشانیاں —— (۱۱:۱۰۳)

(۱۹) حضرت یوسفؑ نے کہا کہ ہم نے ان کی ملت کو ترک کر دیا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ (۱۲:۳۷)

(۲۰) انکارِ آخرت کا نتیجہ فریب کارانہ عقل اور متکبرانہ دماغ ہوتا ہے۔ (۱۶:۲۲)۔ ان کا اخلاقی ڈھانچہ بڑا پست اور ناہموار ہو جاتا ہے —— (۱۶:۶۰)۔ ان کا سینہ کفر کے لئے کھل جاتا ہے —— (۱۶:۱۰۶—۱۰۷)

(۲۱) انکارِ آخرت سے عذاب الیم ـــ (۱۷ : ۱۰) ـــ (۳۴ : ۸)

(۲۲) آخرت سے انکار کرنے والوں اور مومنین کے درمیان ایک حجاب پیدا ہو جاتا ہے ـــ (۱۷ : ۴۵)

(۲۳) جو سمجھتا ہے کہ خدا دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ اسے چاہیئے کہ خدا کے پیدا کردہ اسباب سے اپنے رشتے منقطع کرکے دیکھ لے۔ ـــ (۲۲ : ۱۵)

(۲۴) جو آخرت کا انکار کرکے دنیاوی دولت فراواں کما لیتے ہیں، وہ انبیاء کے مشن کی مخالفت کرتے ہیں۔ ـــ (۲۳ : ۳۳)

(۲۵) آخرت کے منکر سیدھے راستے سے منہ موڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ـــ (۲۳ : ۷۴)

(۲۶) آخرت سے انکار سے غلط اعمال مزین بن جاتے ہیں۔ اور آخرت میں یہ بہت بڑے نقصان میں رہتے ہیں۔ ـــ (۲۷ : ۴-۵)

(۲۷) یہ اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے آخرت کے متعلق شک میں رہتے ہیں۔ اکثر ان میں سے اندھے ہوتے ہیں ـــ (۲۷ : ۶۶)

(۲۸) انہیں صرف عالمِ محسوسات کا علم ہے۔ آخرت سے بے خبر ہیں ـــ (۳۰ : ۷)

(۲۹) ازواجِ رسول اللہ سے کہا گیا کہ اگر تم دارالآخرت کی متمنی ہو تو اللہ اس کا اجرِ عظیم دے گا۔ (۳۳ : ۲۹)

(۳۰) جو آخرت کی بابت شک میں ہو، اس پر ابلیس کا تسلط ہو جاتا ہے ـــ (۳۴ : ۲۰-۲۱)

(۳۱) مومن، آخرت کے متعلق بڑے محتاط رہتے ہیں ـــ (۳۹ : ۹)

(۳۲) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جب ان کے سامنے خدائے واحد کا نام لیا جائے تو انہیں سخت اذیت ہوتی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ اور خدا ملا لئے جائیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ـــ (۳۹ : ۴۵)

(۳۳) مشرک وہ ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں ـــ (۴۱ : ۷)

(۳۴) آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے ملائکہ کو دیویاں بنا لیتے ہیں ـــ (۵۳ : ۲۷)

(۳۵) آخرت سے نا امید ہونے والوں کو اپنا دوست مت بناؤ ـــ (۶۰ : ۱۳)

(۳۶) یہ لوگ آخرت سے ڈرتے نہیں ـــ (۷۴ : ۵۳)

آخرت بمقابلہ حیٰوۃ الدّنیا

(۱) حیات دنیا کے عوض آخرت کو بیچ دینے والے — (۲ : ۸۶) — (۲ : ۱۰۲)
ان کے ساتھ جنگ کرو — (۴ : ۷۴)

(۲) جو ناجائز طور پر متاعِ دنیاوی حاصل کرتا ہے۔ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ —
(۲ : ۱۰۲) — (۳ : ۱۷۶)

(۳) صرف دنیا مانگنے والے کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں — (۲ : ۲۰۰) — (۱۱ : ۱۵—۱۶)

(۴) عہد اللہ اور اپنے پیمان کو دنیاوی مفاد کی خاطر بیچنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں — (۳ : ۷۷)

(۵) جو دنیا کا حصہ مانگتا ہے اسے وہ مل جاتا ہے۔ جو آخرت کا مانگتا ہے، اسے وہ مل جاتا ہے (۳ : ۱۴۴)

(۶) جنگ میں تم میں سے بعض کی نگاہ مفادِ عاجلہ (مالِ غنیمت۔ دنیا) پر تھی اور دوسرے لوگ مستقبل (آخرت) پر نگاہ رکھتے تھے۔ — (۳ : ۱۵۱) — (۸ : ۶۷) — (۹ : ۳۸)

(۷) متاعِ دنیا قلیل ہے۔ آخرت اس کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے — (۴ : ۷۷) — (۹ : ۳۸) — (۱۲ : ۵۷)

(۸) آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو زیادہ پسند کرنے والے سخت گمراہی میں ہیں — (۱۴ : ۳)
ان کا سینہ کفر کے لئے کھل جاتا ہے۔ — (۱۶ : ۱۰۷) — (۸۷ : ۱۶—۱۷)

(۹) جو مفادِ عاجلہ چاہتا ہے ہم اسے عاجلہ دے دیتے ہیں۔ جو (اس کے ساتھ) آخرت بھی چاہتا ہے، اس کی مساعی مشکور ہو جاتی ہیں۔ خدا ان دونوں گروہوں کو آگے بڑھنے کے مواقع دئے جاتا ہے۔ اس کی نعمتوں کے آگے پھاٹک نہیں لگا دیئے گئے — (۱۷ : ۱۸ ۱۹) — (۴۲ : ۲۰)

(۱۰) قارون سے کہا گیا ہے دنیا میں بھی اپنا حصہ لے اور آخرت کے گھر کو بھی طلب کر — (۲۸ : ۷۷)

(۱۱) دارِ آخرت ان کے لئے ہے جو دنیا میں ناحق سرکشی اختیار نہیں کرتے — (۲۸ : ۸۳)

(۱۲) عاجلہ کو پسند کرنے والے، آخرت کو چھوڑ دینے والے — (۳۰ : ۷) — (۷۵ : ۲۰—۲۱)

(۱۳) اے رسول! تیرے لئے اولیٰ کے مقابلہ میں آخرت زیادہ بہتر ہوگی۔ یعنی جو حالات اس وقت ہیں ان کے مقابلہ میں مستقبل زیادہ کامیاب ہوگا — (۹۳ : ۴)

(۱۴) جنگِ احد میں کچھ لوگ دنیا (مفادِ عاجلہ) کے پیچھے تھے اور کچھ مستقبل کے مفاد پر نگاہ رکھتے

تھے ــــ (۳: ۱۵۲)

(۱۵) دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اس لئے یہاں کا اندھا وہاں بھی اندھا ہوتا ہے (۱۷: ۷۲) ۔ قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے کی روزی تنگ ہوجاتی ہے اور وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھتا ہے ۔آخرت کا عذاب اور بھی زیادہ شدید ہوتا ہے ۔
(۲۰: ۱۲۴ــــ۱۲۷)

جب دنیاوی مفاد اور اُخروی متاع میں تصادم ہو تو

(۱) مفادِ آخرت کو ترجیح دینی چاہیئے ــــ (۴: ۷۷)ــــ(۶: ۳۲)ــــ(۷: ۱۶۹)ــــ(۹: ۳۸)
(۱۲: ۵۷)ــــ(۱۲: ۱۰۹)ــــ(۱۳: ۲۶)ــــ(۱۶: ۳۰)ــــ(۴۳: ۳۵)

(۲) آخرت کے درجات بلندتر اور افضل ہیں ــــ (۱۷: ۲۱) ۔ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ــــ (۸۷: ۱۷)

(۳) حقیقی زندگی تو آخرت ہی کی ہے ــــ (۲۹: ۶۴) ۔ وہی دارالقرار ہے ــــ (۳۹: ۴۰)

(۴) آخرت کا گھر قابلِ ترجیح ہے ــــ (۶۹: ۳۳)

(۵) دونوں زندگیوں کا تقابل ۔ جامع آیت ــــ (۲۰: ۵۷)

دنیا اور آخرت دونوں کی سرفرازیاں

(۱) حضرت ابراہیمؑ دنیا اور آخرت دونوں میں برگزیدہ تھے ــــ (۲: ۱۳۰)
حضرت مسیحؑ بھی ــــ (۳: ۴۵)ــــ(۱۶: ۱۲۲)ــــ(۲۹: ۲۷)

(۲) دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں مانگنے والے ــــ (۲: ۲۰۱)ــــ(۳: ۱۴۷)ــــ(۴: ۱۳۴)
(۷: ۱۵۶)ــــ(۱۰: ۶۴)

(۳) دنیا اور آخرت دونوں میں تفکر ــــ (۲: ۲۲۰)

(۴) دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کی سرپرستی ــــ (۱۲: ۱۰۱) خدا کا فضل ــــ (۲۴: ۱۴)

(۵) ایمان والے اپنے صحیح نظریۂ حیات کی بدولت دنیا اور آخرت میں محکم و استوار رہتے ہیں۔
(۱۴: ۲۷)

(۶) ہجرت کرنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں ـــــ (۱۶ : ۴۱)

(۷) خدا (یا ملائکہ) مومنین کا دنیا اور آخرت دونوں میں سرپرست ہے۔ ـــــ (۴۱ : ۳۱)

دنیا میں بھی عذاب اور آخرت میں بھی

(۱) مساجد میں ذکرِ خداوندی سے منع کرنے والوں کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ـــ (۲ : ۱۱۴)

(۲) دنیا اور آخرت دونوں میں اعمال غارت۔ ـــ (۲ : ۲۱۷) ـــ (۳ : ۲۲) ـــ (۵ : ۵)
(۷ : ۱۴۷) ـــ (۹ : ۶۹)

(۳) کفر سے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ـــ (۳ : ۵۶) ـــ (۲۷ : ۵)

(۴) بغاوت کرنیوالوں کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ـــ (۵ : ۳۳) ـــ (۵ : ۴۱) ـــ (۳۹ : ۲۶)
یہود، فتنہ انگیزوں کے لئے بھی ـــ (۵ : ۴۱) ـــ (۵۹ : ۳) منافقین کے لئے بھی ـــ (۹ : ۷۴)
تکذیب کرنے والوں کے لئے بھی ـــ (۳۹ : ۲۶)

(۵) مخالفت اور سازشیں کرنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ـــ (۱۳ : ۳۴)

(۶) یہاں کا اندھا آخرت کا بھی اندھا ہوتا ہے ـــ (۱۷ : ۷۲)

(۷) خدا کی عبودیت (محکومی) علیٰ حرف اختیار کرنے والوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں خسرانِ مبین ـــ (۲۲ : ۱۱)

(۸) معاشرہ میں فتنہ انگیزی سے دنیا اور آخرت میں عذاب آجاتا ہے۔ اس سے محفوظ رہنا خدا کی رحمت ہے ـــ (۲۴ : ۱۴) ـــ (۲۴ : ۱۹) ـــ (۲۴ : ۲۳)

(۹) اللہ اور رسول کو اذیت پہنچانے والوں کے لئے دنیا اور آخرت میں لعنت ـــ (۳۳ : ۵۷)

(۱۰) قومِ عاد کو دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ـــ (۴۱ : ۱۶)۔ فرعون کو بھی ـــ (۷۹ : ۲۵)

(۱۱) کفرانِ نعمت کرنے والوں کے لئے ـــ (۶۸ : ۳۳)

(۱۲) اہلِ فرعون کو اولیٰ اور اُخریٰ کی سزا ـــ (۷۹ : ۲۵)

(۱۳) غلط معاشی نظام سے دنیا بھی تباہ اور آخرت بھی برباد۔
(۶۸ : ۱۷ ـــ ۳۳)

آخرت میں عذاب اور خسران

(۱) اسلام کے علاوہ اور دین طلب کرنے والوں کو آخرت میں خسران۔(۳:۸۵)ـــ(۳:۱۷۵)ـــ(۵:۵)

(۲) آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو پسند کرنے والے۔ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔اور یہ آخرت میں سخت نقصان میں رہتے ہیں۔(۱۱:۲۲)ـــ(۱۶:۱۰۷-۱۰۹)ـــ(۲۷:۴-۵)

(۳) آخرت کا عذاب زیادہ شدید اور باقی رہنے والا ہوتا ہے(۲۰:۱۲۷)

(۴) لقاء آخرت سے انکار کرنے والے عذاب میں ماخوذ ہوں گے ـــ(۳۰:۱۶)

(۵) ایمان کو بیچ دینے والوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ـــ(۳:۷۷)

مَا قَدَّمَ وَمَا اَخَّرَ

(۱) اس دن انسان کو "ماقدم و اخر" سب کچھ معلوم ہو جاتے گا ـ(۷۵:۱۳)ـــ(۸۲:۵)

(۲) خدا کو مستقدمین (آگے بڑھ جانے والوں) کا بھی علم ہے اور مستاخرین (پیچھے رہ جانے والوں کا بھی) ـــ(۱۵:۲۴)

متفرق

(۱) جو انسان آگے بڑھنا چاہے آگے بڑھ جائے۔جو پیچھے رہنا چاہے پیچھے رہ جائے۔میدان عمل ہر ایک کے لئے یکساں طور پر کھلا ہے ـــ(۱۵:۲۴)ـــ(۱۷:۱۸-۲۰)ـــ(۷۴:۳۷)

(۲) عاجلہ بمقابلہ آخرت ـــ(۱۷:۱۸-۱۹)ـــ(۷۵:۲۰-۲۱)

(۳) جنگ میں بعض کی نگاہ قریبی مفاد (دنیا) پر، دوسروں کی مستقبل (آخرت) پر۔یہاں آخرت کا لفظ اسی دنیا میں مستقبل کی بہبود کے لئے آیا ہے ـ(۳:۱۵۱)ـــ(۸:۶۷)ـــ(۹:۳۸)

(۴) نشاۃِ آخرۃ ـــ(۲۹:۲۰)

(۵) خدا کے لئے آخرت میں حمد ـــ(۳۴:۱)، آخرت اور اولیٰ خدا کے لئے ہے ـــ(۲۸:۷۰)

(۹۲:۱۳)

يَنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔ (۵۷/۲۵)

اس مقصد کے لئے خدا نے ایسا انتظام کیا ہے کہ وہ مختلف اقوام کی طرف، اپنے رسولوں کو واضح دلائل دیکر بھیجتا ہے اور ہر رسول اپنے ساتھ ضابطۂ قوانین بھی لاتا ہے۔ وہ، اس ضابطۂ قوانین کی رُو سے ایسا معاشرہ قائم کرتے ہیں جس میں ہر شخص کا عمل، ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب کرے اور یوں لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔ اس معاشرہ کے استحکام کے لئے اس نے ضابطۂ قوانین کے ساتھ، شمشیرِ خارہ شگاف (فولاد) بھی نازل کی ہے جس میں بڑی سختی ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ سختی عدل و انصاف کے نظام کے قیام اور مظلوموں کی حفاظت کے کام آتی ہے اس لئے یہ نوعِ انسان کے لئے مضرت رساں ہونے کے بجائے بڑی منفعت بخش ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کون سے وفا شعار بندے ہیں جو اس نظامِ خداوندی کی مدد کرتے ہیں جو اس کے رسولوں کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے، حالانکہ اس کے درخشندہ نتائج ہنوز، مرئی شکل میں، ان کے سامنے نہیں آتے ہوتے اور وہ اپنے یقینِ محکم کی بنا پر اس کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں کرتے ہیں۔ یوں خدا کا وہ نظام، جو اپنے اندر غلبہ اور قوت رکھتا ہے، ان لوگوں کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے۔

اور سورۃ النور میں، اسلامی مملکت (خلافت) کی غرض و غایت کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (۲۴/۵۵)

ہم نے ان لوگوں سے جو قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں اور ہمارے متعین کردہ پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کریں، یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم انھیں اس زمین میں حکومت عطا کریں گے (۳۳/۴۷)۔ (اور ان کی حکومت، اس خطۂ ارض کو جنت میں تبدیل کر دے گی۔ ۳۹/۷۴) — یہ ہمارا ابدی قانون ہے جس کے مطابق ہم نے اقوامِ سابقہ کو بھی اسی قسم کی حکومت (تمکن فی الارض) عطا کی تھی (۶/۲)۔ اسی قانون کے مطابق ہم ان کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نتیجے میں انہیں حکومت عطا کر دیں گے اور ان کے اس نظامِ زندگی کو مستحکم کر دیں گے جسے ہم نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کا خوف، امن سے بدل جائیگا، تاکہ وہ نہایت اطمینان سے، ہمارے اور صرف ہمارے، قوانین کی اطاعت کریں اور ان پر کسی قسم کا جبر یا

زندگی کے انہی روزمرہ کے معاملات کے سلسلہ میں قرآنی راہ نمائی سامنے لائی جائے گی۔ اس سلسلہ میں جو احکام سامنے لائے جائیں گے ان کی تفصیل، ان سے متعلق عنوانات میں آئے گی۔ یہاں صرف ان کا ذکر مختصر طور پر کیا جائے گا۔ مثلاً یہاں کہا جائے گا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو السلام علیکم کی حیات بخش آرزوؤں کا اظہار کریں۔ یہ اس کا معاشرتی پہلو ہے۔ "السلام" کی تشریح و تفصیل "اسلام" کے عنوان میں سامنے آئے گی۔ اسی میں "سلام" کی حقیقت بھی بیان کی جائے گی۔ وَقِس علیٰ ھٰذا

باہمی میل ملاقات

(۱) جب کوئی تمہیں دعا دے تو تم اُسے یا تو اس سے بہتر دعا دو یا کم از کم ویسی ہی دعا دو — (۴ : ۸۶)۔ حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کو بھی اسی طرح دعا دو — (۲۴ : ۶۱)۔ دوسروں کے گھر جاتے وقت بھی — (۲۴ : ۲۷) حتیٰ کہ جہلا اور ناواقفوں کو بھی یہی دعا دو — (۲۵ : ۶۳) — (۲۸ : ۵۵)

اس دعا کے لئے ہمارے ہاں السلام علیکم کے الفاظ کہے جاتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہاری ہر طرح کی سلامتی کا آرزومند ہوں۔ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کے الفاظ سے اس دعا کو لوٹایا جاتا ہے۔

(۲) رسول اللہ سے کہا گیا کہ جب مومنین تمہارے پاس آئیں تو ان سے کہو "سَلَامٌ عَلَیْکُمْ" — (۶ : ۵۴)

(۳) اہلِ جنّت کا باہمی سلام بھی یہی ہوگا — (۷ : ۴۶) — (۱۰ : ۱۰) — (۱۴ : ۲۳) — (۱۶ : ۳۲) — (۳۹ : ۷۳)۔ وہاں ہر طرف سے یہی صدائیں بلند ہوں گی — (۵۶ : ۲۶)

(۴) خدا کی طرف سے انبیاء کو سلام کہا گیا ہے — (۳۷ : ۷۹-۱۰۹-۱۲۰-۱۸۱)

(۵) جو شخص تمہیں سلام کہے اس کے متعلق تمہارا پہلا ردِّعمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ مومن نہیں — (۴ : ۹۴)
[اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب کوئی تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے تو تمہارا پہلا ردِّعمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ امن کا خواہش مند نہیں۔ جس مقام پر یہ آیت آئی ہے وہاں اس کا یہی مفہوم زیادہ موزوں نظر آتا ہے۔]

(۶) مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں — (۴۹ : ۱۰) ایک دوسرے کے دوست ہیں — (۹ : ۷۱)۔ اگر ان میں کبھی تنازعہ ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ اور جو زیادتی کرے اس سے مؤاخذہ کرو — (۴۹ : ۹)

باہمی بات چیت۔ اندازِ گفتگو

(۱) ہمیشہ صاف، واضح اور سیدھی بات کرو جس میں کوئی پیچیدگی نہ ہو۔ ذو معنی نہ ہو ۔ (۳۳:۷۰)
(۲) ایسی زبان بولو جو معاشرہ میں شرفا کی زبان تسلیم کی جاتی ہو ۔ (۴:۵)
(۳) نہایت خوبصورت انداز سے، توازن کو برقرار رکھتے ہوئے باتیں کرو ۔ (۱۷:۵۳)—(۲:۸۳)
(۴) چیخ چیخ کر باتیں مت کرو ۔ (۳۱:۱۹)
(۵) گفتگو میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو ۔ (۶:۱۵۳)
(۶) تصنع، بناوٹ، فریب کاری کی باتیں مت کرو ۔ (۲۲:۳۰)
(۷) جھوٹ کو سچ کا لباس مت پہناؤ۔ غلط اور صحیح کو خلط ملط مت کرو حق بات کو چھپاؤ نہیں۔

(۲:۴۲)

لغویت۔ بے حیائی کی باتیں

(۱) ہر لغو بات اور بیہودہ کام سے پرہیز کرو ۔ (۶:۱۵۳)—(۲۳:۳)
(۲) لغو باتیں سنو بھی نہیں ۔ (۲۸:۵۵)
(۳) کہیں اتفاق سے لغویت کا آمنا سامنا ہو جائے تو وہاں سے شریفانہ انداز سے پہلو تہی کر کے آگے بڑھ جاؤ ۔ (۲۵:۷۲)
(۴) جنتی زندگی میں لغویت کا گذر نہیں ہوگا ۔ (۱۹:۶۲)—(۵۲:۲۳)—(۵۶:۲۵)—(۷۸:۳۵)

فواحش

فحش اور فحشار کی تفصیل کے لئے عنوان "فحش" دیکھئے۔ اس مقام پر ان آیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں جن میں عام بے حیائی کی باتوں سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) فواحش (بے حیائی کی باتوں) کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوئی ہوں یا پوشیدہ ۔ (۶:۱۵۱)۔ خدا نے اسے حرام قرار دیا ہے (۷:۳۳)۔ مومن ایسی باتوں سے مجتنب رہتے ہیں ۔ (۴۲:۳۷)(۵۳:۳۲)

(۲) اگر کبھی غیر ارادی طور پر اس قسم کی بات ہو جائے تو اس سے فوراً تائب ہو جانا چاہیے — (۳ : ۱۳۴)

(۳) معاشرہ میں فحش باتوں کو مت پھیلاؤ — (۲۴ : ۱۹)۔ اس میں فحش قسم کا لٹریچر، ڈرامے، سینما، ٹی۔ وی وغیرہ جن سے بے حیائی پھیل جانے کا اندیشہ ہو سب آجاتے ہیں۔

چلنا پھرنا

(۱) اوچھوں کی طرح تکبر سے اکڑ کر مت چلو — (۱۷ : ۳۷) — (۳۱ : ۱۸)۔ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو — (۲۵ : ۶۳) — (۳۱ : ۱۹)

(۲) عورتوں کو بھی اپنی رفتار میں حیاء کا پہلو مدنظر رکھنا چاہیے — (۲۸ : ۲۵)

(۳) راستہ چلتے وقت، دیدے پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر نہ دیکھتے پھرو بلکہ شریفوں کی طرح اپنی نگاہوں کو قابو میں رکھو۔ انہیں بے باک نہ ہونے دو۔ مرد بھی ایسا کریں اور عورتیں بھی — (۲۴ : ۳۰-۳۱)

(۴) خیانت نگاہوں سے بھی ہوا کرتی ہے۔ اس سے مجتنب رہو — (۴۰ : ۱۹)

بات کی تحقیق کرنا

(۱) جب تک کسی بات کی خود تحقیق نہ کر لو اس کے پیچھے مت لگو — (۱۷ : ۳۶)

(۲) دوسروں کے متعلق ہمیشہ حسن ظن سے کام لو — (۲۴ : ۱۲) — (۴۹ : ۱۲)

(۳) جب کسی کے خلاف کوئی بات سنو تو تمہارا پہلا ردعمل یہ ہونا چاہیے کہ نہیں، یہ اسکے خلاف بہتان ہے۔ پھر اس کی بابت تحقیق کرو۔ اور اس سے پہلے اس بات کو دوسروں تک مت پھیلاؤ۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ملزم کو اس وقت تک بے گناہ سمجھو جب تک اس کیخلاف جرم ثابت نہ ہو جائے — (۲۴ : ۱۲-۱۵-۱۶)

(۴) جب کوئی شرارتی کسی قسم کی افواہ پھیلائے تو، قبل اس کے کہ اسے تم آگے پھیلاؤ، اس کی بابت پوری پوری تحقیق کر لو — (۴۹ : ۶) اس کی اطلاع ذمہ دار حکام کو ... کر دو تاکہ وہ اس کی بابت تحقیق کر لیں — (۴ : ۸۳)

(۵) مظلوم کے سوا کسی کو حق نہیں کہ کسی کے خلاف یونہی بری باتیں کرتا پھرے — (۴ : ۱۴۸)

(۵) دوسروں کے معاملات میں یونہی بیکار ٹوہ نہیں لگاتے رہنا چاہیئے ـــــ (۴۹:۱۲)

تہمت لگانا

(۱) کسی کے خلاف تہمت نہ لگاؤ ـــ (۳۳:۴۲) . پاکباز عورتوں کے خلاف ناحق تہمت لگانا قانوناً جرم بھی ہے . عدمِ ثبوت کی صورت میں اس کی سزا اسّی کوڑے ہے ـــ (۴:۲۴)ـــ(۳۳:۵۸)

(۲) خود جرم کا مرتکب ہونا اور اس کا بہتان دوسروں پر لگا دینا سخت جرم ہے ـــ (۴:۱۱۲)

شریف زادیوں کو تنگ کرنا

یہ سنگین جرم ہے ، معاشرہ کو اس کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہیئے ـــ (۳۳:۵۹ ، ۶۰)

غیبت ، الزام تراشی ، حسد وغیرہ

(۱) ایک دوسرے کی غیبت مت کرو . یہ نہایت ناپسندیدہ بات ہے ـــ (۴۹:۱۲)
غیبت کے معنی ہیں کسی کے متعلق اس کی عدم موجودگی میں ایسی بات کہنا جسے تم اس کے سامنے بیان کرنا پسند نہ کرو .

(۲) ایک دوسرے کا تمسخر مت اڑاؤ ـــ (۴۹:۱۱) . تمسخر میں ہر وہ بات آجائے گی جس سے دوسرے کی ذلت ہوتی ہو .

کفار ، مومنین کا تمسخر اڑایا کرتے تھے ـــ (۲:۲۱۲)ـــ(۹:۷۹)

دین سے تمسخر اور استہزاء کرنے والوں سے الگ ہو جاؤ ـــ (۶:۷۰) . انکی مجلسوں میں بھی نہ بیٹھو ـــ (۴:۱۴۰)

(۳) ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی مت کرو ـــ (۴۹:۱۱)

(۴) ایک دوسرے کے بُرے بُرے نام مت رکھو ـــ (۴۹:۱۱)

(۵) کسی سے حسد نہ کرو . حسد سے مراد ہے کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر یونہی جلتے بھنتے رہنا . تم کوشش کرو کہ تم بھی محنت کر کے اس جیسی پوزیشن حاصل کر لو . لیکن حسد تو ایک نفسیاتی بیماری ہے جو احساسِ کمتری سے پیدا ہوتی ہے ـــ (۴:۵۴) . ایسے لوگ بڑے نقصان رساں ہوتے ہیں . ان سے اپنے آپ کو محفوظ

رکھنا چاہیئے۔ (۵: ۱۱۳)

غصہ۔ انتقام

قرآن کریم، انسان کو نہایت متوازن زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔لہذا، ہر وہ چیز جس سے انسان اپنا عقلی توازن کھو بیٹھے، مومن کی روش کے خلاف ہوگی۔خارجی طور پر ان میں منشیات (نشہ آور چیزیں) شامل ہیں اور داخلی طور پر، تعصب، تنگ نظری، حسد، کینہ وغیرہ۔ان نفسیاتی امراض میں غصہ سب سے زیادہ مہلک ہے کیونکہ اس میں انسان، فوری طور پر، پاگل ہوجاتا ہے۔جنون (دیوانہ پن) اور مغضوب الغضب ہونے میں فرق یہ ہے کہ مغضوب (مغلوب) الغضب انسان عارضی طور پر پاگل ہوتا ہے اور دیوانہ مستقل طور پر یا لمبے عرصہ کے لئے پاگل۔لہذا، قرآن کی رُو سے مغضوب الغضب ہوجانا مومنین کا شعار نہیں۔عام طور پر اس کا علاج یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ غصہ کو دبالے۔چنانچہ قرآن مجید کی آیت والکاظمین الغیظ (۳: ۱۳۳) کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔"غصہ کو دبانے والے" یہ صحیح نہیں۔مرض کو دبا دینے (SUPPRESSION) یا (REPPRESSION) سے نفسیاتی امراض کا ازالہ نہیں ہوتا۔اس سے اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

کظامت کے معنی بڑے غور طلب ہیں۔عربوں کے ہاں پانی کی بڑی قلت ہوتی تھی۔اگر کہیں ان کے ہاں کنوئیں سے پانی نکل بھی آتا تھا تو گرمیوں کے موسم میں اس کے پانی کی سطح بہت نیچے چلی جاتی تھی۔اس دِقت کو رفع کرنے کے لئے وہ دو چار کنوئیں پاس پاس کھود لیتے تھے اور انہیں زمین دوز نالیوں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے تھے۔اس سے ہوتا یہ تھا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کنوئیں میں پانی کم ہوجاتا تھا تو جس کنوئیں میں پانی زیادہ ہوتا تھا اُس کا پانی اس طرف آجاتا تھا۔اور اس طرح سب کنوؤں کے پانی کی سطح ہموار رہتی تھی۔ان کا توازن برقرار رہتا تھا۔اس عمل کو عربوں کے ہاں کظامت کہتے تھے۔یعنی زاید چیز کو دوسری طرف منتقل کر دینا۔یہیں سے لفظ کاظمین ہے۔

عصر حاضر میں سائیکالوجی (علم النفس) بتاتی ہے کہ جب اعصابی توازن بگڑ جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ جس زاید قوت سے وہ توازن بگڑا ہے اسے کسی دوسری طرف منتقل کر دیا جائے۔اسے ان کی اصطلاح میں (SUBLIMATION) کہتے ہیں۔یعنی اس زاید قوت کو پست سطح سے ابھار کر بلند سطح پر لے جانا تاکہ اس سے کوئی مفید کام لیا جاسکے۔قرآنِ کریم غصہ کا علاج کظامت (SUBLIMATION) بتاتا

ہے۔ یعنی اس بڑھی ہوئی حِدّت کو کسی دوسری طرف منتقل کر دو تاکہ اس سے مفید کام لئے جا سکیں۔ یہ ہے والکاظمین الغیظ سے مراد۔

یہ بڑھی ہوئی حِدّت جب دوسری طرف منتقل کی جاتی ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ اس سے انسان میں کشادہ نگہی اور وسعتِ قلب پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ فریقِ مخالف سے درگذر کرتا ہے۔ والعافین عن النّاس۔ (۱۳۴ : ۳)، "درگذر کرنا" تو پھر بھی ایک منفی عمل ہے، وہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور فریقِ مقابل کو اس کی غلطی کے نقصان رساں نتائج سے محفوظ رکھنے کا انتظام کرتا ہے۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔ (۳۷ : ۴۲) یہ سامانِ حفاظت کس طرح بہم پہنچایا جاتا ہے! اس شخص کی اصلاح سے۔

لیکن اصلاح اس کی ہو سکتی ہے جسے اپنی غلطی کا احساس ہو۔ جو اپنے کئے پر نادم ہو اور اپنی اصلاح پر آمادہ۔ (۵۴ : ۶) لیکن جو شخص جان بوجھ کر دوسروں کو ستائے، اور اسے معاف کر دینے سے، بجائے اس کے کہ اس کی اصلاح ہو، وہ اس سے الٹا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی غلط روش میں اور آگے بڑھتا چلا جائے تو اسے اس کے کئے کی سزا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سزا، اس کے جرم کی نسبت سے ہونی چاہیئے۔ (۳۹ : ۴۲) اس سے زیادہ نہیں۔ (۴۳-۴۰ : ۴۲)۔ کیونکہ مقصد اس طریق سے بھی اس کی اصلاح اور معاشرہ کی حفاظت ہے، نہ کہ انتقام جوئی۔ "انتقام" قرآن کی رُو سے، قوانینِ خداوندی کے مطابق جرم کی پاداش کا نام ہے، نہ کہ انسان کے ذاتی جذبات کی تسکین کا نام۔ یہی وجہ ہے کہ "انتقام لینے" کا حق صرف "خدا" کو حاصل ہے کسی انسان کو نہیں۔ قرآن کریم میں صرف خدا کو "انتقام لینے والا" کہا گیا ہے، انسانوں کو نہیں۔

عام آدابِ تمدّن

(۱)۔ بغیر اجازت کسی کے گھر نہ جاؤ۔ (۲۷ : ۲۴)

(۲)۔ اگر اس گھر میں کوئی نہ ہو تو گھر کے اندر داخل مت ہو۔ اور اگر اہلِ خانہ اُس وقت معذرت کر دیں تو بُرا مت مناؤ اور واپس چلے آؤ۔ (۲۸ : ۲۴)

(۳) اگر کسی جگہ تمہارا سامان وغیرہ پڑا ہو اور وہاں کوئی رہتا نہ ہو تو اس میں داخل ہونے کیلئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ (۲۹ : ۲۴)

(۴) اگر محفل میں کہا جائے کہ ذرا جگہ کھول دو، تو جگہ کھول دیا کرو۔ اور جب کہا جائے کہ محفل برخاست ہوتی ہے تو تم اٹھ کر چلے آؤ۔ (۵۸ : ۱۱)

(۵) مجلس میں ناشائستہ حرکات مت کرو۔ (۲۹ : ۲۹)

(۶) اگر تمہیں کسی کام کے لئے بلایا جائے تو اجازت لئے بغیر وہاں سے (یونہی) نہ چلے آؤ۔ (۶۲ : ۲۴)

(۷) اگر کوئی کھانے کے لئے مدعو کرے تو قبل از وقت نہ جا پہنچو۔ وقت پر جاؤ۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو باتیں کرنے کے لئے مت بیٹھے رہو۔ واپس چلے جاؤ۔ (۵۳ : ۳۳)

(۸) دوسروں کے ہاں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو باہر کھڑے ہو کر آواز دو۔ بلا محابا اندر نہ گھس جاؤ۔ (۵۳ : ۳۳)

صحت اور صفائی

(۱) علم اور جسمانی توانائی دونوں ضروری ہیں۔ (۲۴۷ : ۲)

(۲) مریض ہو جاؤ تو خدا نے صحت کے لئے جو قوانین بنائے ہیں ان کے مطابق علاج کرو۔

(۸۰ : ۲۶)۔ (۶۹ : ۱۶)

(۳) صحت کے لئے صفائی نہایت ضروری ہے۔ (۱۰۸ : ۹)۔ [اس آیت میں مطہرین میں جسمانی صفائی، اور قلب و دماغ کی تطہیر دونوں شامل ہیں۔]

(۴) غسلِ جنابت، استنجاء، وضو۔ (۴۳ : ۴)۔ (۶ : ۵)

لباس، زیب و زینت

(۱) زیب و زینت کی چیزیں حلال ہیں۔ انہیں کوئی حرام نہیں قرار دے سکتا۔ (۳۲ : ۷)

(۲) لباس، ستر پوشی کا ذریعہ بھی ہے اور زینت کا موجب بھی۔ (۲۶ : ۷)

کھانا پینا

(۱) کون کون سی چیزیں حرام ہیں۔ (۱۷۳ : ۲)، (تفصیل "حرام و حلال" کے عنوان میں دیکھئے)۔

(۲) حلال چیزوں میں سے وہ کھاؤ جو خوشگوار ہوں۔ یعنی طبیعت کو اچھی لگیں اور صحت کیلئے مفید

ہوں ــــــ (۲:۱۶۸)

(۳) کھانے پینے میں اسراف مت کرو۔ اعتدال کے ساتھ کھاؤ ــ (۷:۳۱) ــ (۱۷:۲۶)

(۴) خواہ مل کر کھاؤ، خواہ الگ الگ ــــ (۶۱ : ۲۴)

(۵) کون کونسے گھروں سے بلاتکلف کھاپی لینا چاہیئے ــــ (۶۱ : ۲۴)

خرچ اخراجات

(۱) حصولِ رزق کے لئے جد وجہد کرو ــــ (۱۷:۲۹)

(۲) جائز طریقے سے رزق حاصل کرو ــــ (۱۸۸ : ۲)

(۳) اخراجات میں میانہ روی اختیار کرو۔ نہ اسراف کرو نہ تبذیر۔ اور نہ ہی بخیل بن جاؤ۔

(۶:۱۴۱) ــ (۱۷:۲۶-۲۷) ــ (۱۷ : ۲۹) ــ (۶۷ : ۲۵)

گھر کی زندگی متعلقین کے ساتھ برتاؤ

(۱) بزرگِ خاندان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ہر قسم کے غلط اقدامات سے باز رکھے۔ قرآنِ کریم کے الفاظ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ ــ (۶۶:۶) یہ بڑی جامع تلقین ہے جس میں اہل وعیال کی ہر قسم کی تعلیم و تربیت آجاتی ہے۔ دوسری جگہ ہے کہ حقیقی نقصان میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں رکھا ــ (۱۵ : ۳۹) ــ (۴۵ : ۴۲)، لہٰذا بزرگِ خاندان کی ذمہ داری یہی نہیں کہ وہ اپنے اہل وعیال کی کفالت کرے۔ اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ انہیں غلط راہوں پر چلنے سے بچائے۔

لفظ "اھل" بیوی بچوں تک ہی محدود نہیں۔ اس میں "ساتھی" بھی شامل ہوتے ہیں۔

۲۔ میاں بیوی کے تعلقات ۱۔ میاں بیوی کے تعلقات مُودّت، رحمت اور سکینت کے ہونے چاہئیں ــ (۲۱ : ۳۰)۔ سارے گھر والوں (میاں، بیوی، اولاد) کے باہمی تعلقات اس قسم کے ہونے چاہئیں کہ ان سے ہر ایک کی آنکھوں میں ٹھنڈک آجائے ــ (۷۴ : ۲۵)

۲۔ تقسیم کار کی رُو سے، اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر عاید ہوتی ہے ــــ (۳۴ : ۴)

۳۔ اولاد اولاد کی پرورش، تعلیم، تربیت کا صحیح انتظام نہ کرنا، انہیں قتل کر دینے کے مرادف ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے ــــ (۱۴۱ : ۶) ــــ (۳۱ : ۱۷)۔ [واضح رہے کہ عربی زبان میں "قتل" کے معنی مار ڈالنے ہی کے نہیں۔ اس کے معنی کسی کو ذلیل وخوار کرنے کے بھی ہوتے ہیں]

۲۔ قرآن کی رُو سے لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے پرورش، تعلیم، تربیت کے سلسلہ میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیئے۔ (تفصیل اس کی "عورت" کے عنوان میں ملے گی۔)

۳۔ لیکن اہل وعیال کی کفالت کے سلسلہ میں، نہ ناجائز کمائی کرنی چاہیئے، نہ ہی ان کی خاطر کسی قسم کا غلط قدم اٹھانا چاہیئے۔ اگر ایسا کیا جائے تو اس قسم کے اہل وعیال کو جن کی خاطر غلط قدم اٹھانا پڑا، قرآن نے دشمن قرار دیا ہے ــــ (۱۴ : ۶۴)، اور فتنہ ــــ (۲۸ : ۸)

۴۔ والدین ۱۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے ــــ (۱۵۲ : ۶)

۲۔ بڑھاپے میں انسان کے اعصاب وغیرہ کمزور ہو جاتے ہیں ــــ (۶۸ : ۳۶)۔ حافظہ بھی کمزور ہو جاتا ہے ــــ (۷۰ : ۱۶) ــــ (۵ : ۲۲)۔ اس لئے وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس پر نہیں ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ان سے نرمی سے گفتگو کرنی چاہیئے ــــ (۲۳-۲۴ : ۱۷)

واضح رہے کہ جب تک بچہ چھوٹا ہو، اسے ماں باپ کی ہدایات کے مطابق چلنا چاہیئے۔ لیکن جب وہ اپنے معاملات آپ سنبھالنے کے قابل ہو جائے تو اسے اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے چاہئیں۔ یہ جو ہمارے ہاں عام خیال پایا جاتا ہے کہ "ماں باپ کی اطاعت فرض ہے" یہ قرآن کا حکم نہیں۔

۵۔ رشتہ دار رشتہ داروں سے بھی حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے ــــ (۸۳ : ۲)۔ اور ان میں سے جو ضرورت مند ہوں، حتیٰ المقدور ان کی مالی امداد بھی کرنی چاہیئے ــــ (۱۷۷ : ۲)

۶۔ ملازمین اور ماتحت اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ (۴ : ۳۶)

۲۔ کارندہ، تنومند و توانا بھی ہونا چاہیئے اور امانت دار بھی ــــــ (۲۶: ۲۸)

۷۔ ہمسایہ ہمسایوں سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ خواہ وہ رشتہ دار ہوں اور خواہ بیگانے ــــــ (۳۶: ۴)

۸۔ دوست

دوستوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے ــــــ (۳۶: ۴)

واضح رہے کہ جو لوگ قرآنی نظریۂ حیات کو تسلیم نہ کرتے ہوں (غیر مسلم ہوں) انہیں اپنا دوست نہیں بنایا جاسکتا ــــــ (۲۷: ۳)، خواہ وہ ماں باپ، یا بہن بھائی بھی کیوں نہ ہوں ــــــ (۲۳: ۹)

۹۔ یتیم ہر وہ شخص جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے یتیم کی اصطلاح میں آجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نہ صرف مدد کرنی چاہیئے، بلکہ ان کی عزت بھی کرنی چاہیئے ــــ (۱۷: ۸۹)۔ انہیں دھتکارنا نہیں چاہیئے (۹۳: ۹)

۲۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کرنی چاہیئے ــــــ (۱۵۳: ۶)

۱۰۔ حاجتمند۔ مساکین۔ سائل حاجتمندوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے ــــــ (۸۳: ۲)۔ انہیں دھتکارنا نہیں چاہیئے ــــــ (۹۳: ۱۰)۔ تمہاری دولت میں ان کا حق ہے ــــــ (۱۹: ۵۱)

۲۔ لیکن سائل سے مراد 'پیشہ ور گدا گر' نہیں، غیور ضرورتمند ہیں ــــــ (۲۷۳: ۲)

۳۔ لیکن کسی کی مدد کرکے، اس کے سر احسان نہیں دھرنا چاہیئے ــــــ (۲۶۴: ۲)۔ اس سے تو اچھا ہے کہ اسے نرمی سے بطریقِ احسن جواب دے دو ــــــ (۲۶۳: ۲)

۱۱۔ مسافر

ضرورت مند مسافر سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ (۳۶: ۴)

عندالضرورت ان کی مدد کرنی چاہیئے ــــــ (۲۶: ۱۷)

[واضح رہے کہ انفرادی خیرات (مالی امداد، قرض وغیرہ کے احکام، اس زمانہ سے متعلق ہیں جب

یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۔ (۱۶/۹۰)۔ "اللہ تمہیں عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے" عدل تو یہ ہے کہ جو کچھ کسی کا واجب ہے اسے وہ دلا دیا جائے۔ اور احسان یہ ہے کہ اس کی کمی پوری کر کے، اس کے توازن کو برقرار رکھا جائے۔ "عدل اور احسان" قرآن کریم کی دو بنیادی اصطلاحات ہیں جن کا عملی مفہوم، روزمرہ کے معاملات پر غور و فکر سے متعین کیا جا سکتا ہے۔ (مثلاً) چور کو قانون کے مطابق سزا دے دی گئی۔ یہ تو اس کے ساتھ عدل ہوا لیکن جس کا مال چوری ہو گیا ہے، اس سے اس کے نقصان کی تلافی تو نہیں ہوتی۔ عدل و احسان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی کمی بھی پوری کی جائے۔

(۳) جو کچھ وہ دوسروں سے کہیں اس پر خود بھی عمل کر کے دکھائیں۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (۶۱/۲-۳)

اے جماعتِ مومنین! تم اپنے دعوئے ایمان کا ثبوت اپنے عمل سے پیش کرو۔ ایسا کبھی نہ کرو کہ زبان سے بڑے بڑے دعوے کرتے رہو اور انہیں عملاً پورا کر کے نہ دکھاؤ۔ جو کچھ زبان سے کہو اسے عمل سے پورا کر کے دکھاؤ۔ قول و فعل میں ہم آہنگی، دعوئے ایمان کی صداقت کا ثبوت ہے۔ قانونِ خداوندی کی رُو سے یہ بات بڑی مذموم اور قابلِ گرفت ہے کہ ایسی باتیں کی جائیں جنہیں کر کے نہ دکھایا جائے۔

(۴) مملکت کی ہر شے (حتیٰ کہ اس کا ہر راز) ان کے پاس امانت ہے۔ ان امانات میں خیانت نہ کریں۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۸/۲۷)

اے جماعتِ مومنین! تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم، نہ تو اس نظامِ خداوندی (خدا اور رسول) سے کسی قسم کی خیانت کرو اور نہ ہی ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں جو تمہارے سپرد کی جائیں۔ تم جانتے ہو کہ ایسا کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔

(۵) ہر حقدار تک اس کا حق پہنچائیں۔ اور حکومت کی اسامیاں ان لوگوں سے پُر کریں جو اُن کے ہر لحاظ سے اہل ہوں۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ (۴/۵۸)۔ میں یہ دونوں مفہوم آ جاتے ہیں۔

(۶) اپنے اعتماد کو کبھی نہ توڑیں۔ سورۃ بقرہ کی اس آیت ــــ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ۔ (۲/۲۸۳)۔ کا بنیادی طور پر تعلق تو اشیائے مرہونہ سے ہے لیکن بطور اصول اس کا اطلاق ہر قسم کے اعتماد پر ہو سکتا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو کچھ بھی تم پر اعتماد کر کے تمہارے سپرد کیا جائے، تم اپنے اس

(۳) باہمی میل جول رکھنا چاہیئے۔ لوگوں سے ترش روئی سے پیش نہیں آنا چاہیئے ـــــ (۱۸ : ۳۱)

غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

(۱) حسنِ معاملات ہر انسان سے (بلا امتیاز اس امر کے کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم) یکساں طور پر رکھنے چاہئیں۔ غیر مسلموں کے (باطل) معبودوں کے حق میں گستاخی نہیں کرنی چاہیئے ـــ (۱۰۹ : ۶)۔ ان کی پرستش گاہوں کی حفاظت کرنی چاہیئے ـــ (۴۰ : ۲۲)

(۲) چونکہ قرآن نے بتایا ہے کہ خدا نے ہر قوم میں رسول بھیجے تھے اس لئے غیر مسلموں کے بانیانِ مذہب کی عزت کرنی چاہیئے ـــ (۳۵ : ۲۴) ـــ (۱۳ : ۷) ـــ (۱۶ : ۳۶)۔ لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان لوگوں کے پاس خدا کی طرف سے بھیجا ہوا دین اپنی اصل شکل میں کہیں موجود نہیں۔ وہ صرف قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اس لئے اب صحیح اور سچا دین صرف اسلام ہے جس کا ضابطہ قرآن ہے۔

(۳) دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ـــ (۲ : ۲۵۶) ـــ (۹ : ۶) ـــ (۱۸ : ۲۹)

(۴) دوسروں تک حق کی بات ہمیشہ بطریقِ احسن پہنچاؤ ـــ (۱۶ : ۱۲۵)۔ اگر کسی سے بحث کرو تو بھی حسن کارانہ انداز سے کرو ـــ (۱۶ : ۱۲۵)

اصلاحِ خویش

(۱) دوسروں کو نصیحت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کی بھی فکر کرو ـــ (۴۴ : ۲)
جو کہو اس پر (اپنی استطاعت کے مطابق) خود بھی عمل کرو ـــ (۲ : ۶۱)

(۲) یونہی اپنے آپ کو مقدس نہ جتاتے پھرو ـــ (۳۲ : ۵۳)
کبھی منافقت نہ برتو ـــ (۱۶۶ : ۳)

(۳) اگر کوئی تم سے اچھی بات کہے تو اسے یہ جواب نہ دو کہ پہلے تم خود اس پر عمل کرو۔ پھر مجھ سے کہو۔ اگر وہ بات اچھی ہے تو تم اس پر عمل کرو۔ اگر دوسرا اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا ـــ (۵ : ۱۰۵)

۴۔ آدم

(نیز دیکھئے ۔ انسان ، بشر)

اس لفظ کا مادہ (ا ۔ د ۔ م) ہے اُدْمَۃٌ کے معنی ہیں مل جل کر رہنے کی صلاحیت۔ باہمدگر مخلوط ہونا۔ اِدَامٌ کسی خاندان کا ایسا مثالی فرد جس سے، اس کے قبیلے کو پہچانا جائے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں آدمؑ سے متعلق جو قصہ بیان ہوا ہے، وہ کسی ایک فرد یا کسی جوڑے ۔ میاں بیوی ، کی داستان نہیں۔ وہ خود آدمی کی سرگزشت ہے جسے تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قدیم انسان کی ابتدائی زندگی بڑے امن اور فراوانی کی زندگی تھی۔ جب اس نے مل جل کر رہنے کی تمدنی زندگی شروع کی تو ان کے باہمی مفاد میں ٹکراؤ پیدا ہوا۔ اس ٹکراؤ کا نتیجہ فساد (ناہمواریاں) تھا۔ اسے دور کرنے کے لئے خدا کی طرف سے وحی کی راہ نمائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب اس نے اس راہ نمائی کے مطابق زندگی بسر کی، اس کا معاشرہ جنت بداماں ہو گیا جب اس نے وہ راستہ چھوڑ دیا، پھر جہنمی زندگی شروع ہو گئی ۔ یہی داستانِ آدم ہے۔ اس میں انسان کی بعض بنیادی خصوصیات اور نفسیاتی کیفیات کا بھی ذکر ہے۔ یعنی اس کی حیوانی سطح زندگی کی جبلتوں (INSTINCTS) کا۔ اور وحی کی راہ نمائی میں زندگی بسر کرنے کی انسانی سطح کا بھی۔

تخلیقِ آدم

(۱) انسان کے وجود میں آنے سے پہلے، زمین پر کوئی اور مخلوق بستی تھی جو اب ناپید (یا نگاہوں سے اوجھل) ہو چکی ہے۔ اسے الجانّ کہا گیا ہے۔ انسان اس مخلوق کا جانشین ہے۔ خلیفہ سے یہی مفہوم ہے ــــ

(۲ : ۳۰) ــــ (۱۵ : ۲۷-۲۸) ــــ (۳۸ : ۷۱)

(۲) ذکر ایک آدم یا اس کے جوڑے کا ہے لیکن صیغے جمع کے استعمال ہوتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ پوری نوعِ انسانی کی بات ہو رہی ہے۔ (جوڑے سے مراد مرد اور عورت ہے) ــــ (۲ : ۳۸-۳۹) ــــ (۷ : ۱۱) ــــ (۲۰ : ۱۲۳)

(۳) (حضرت) عیسےٰؑ کی تخلیق آدم (آدمی) کی پیدائش کی طرح تھی — (۳ : ۵۸)

(۴) آدم اور بشر ایک ہی ہیں — (۱۵ : ۲۸) — (۱۵ : ۳۳) — (۳۰ : ۲۰) — (۳۸ : ۷۱)

اِنسانی ممکنات

(۱) اِنسان کو اشیائے کائنات کا علم عطا کر دیا گیا۔ یعنی اس میں اس امر کی امکانی صلاحیت ہے کہ یہ کائنات میں کارفرما عناصر کا علم حاصل کر سکے۔ اسی کو قوانینِ فطرت کہتے ہیں۔ ملائکہ کے آدم کو سجدہ کرنے سے یہی مراد ہے — (۲ : ۳۰-۳۲)

(۲) انسان کو الوہیاتی توانائی (روحِ خداوندی) کا شمہ ڈال کر صاحبِ اختیار و ارادہ بنا دیا۔ اسی کو انسانی ذات کہتے ہیں — (۱۵ : ۲۹) — (۳۸ : ۷۲)

ملائکہ کا سجدہ

(۱) فطرت کی قوتیں انسان کے سامنے جھک سکتی ہیں۔ اسی کو ملائکہ کا سجدہ کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب انسان قوانینِ فطرت کا علم حاصل کر لیگا تو یہ قوتیں اس کے تابع تسخیر ہو جائیں گی — (۲ : ۳۴)

— (۷ : ۱۱) — (۱۵ : ۲۹) — (۱۷ : ۶۱) — (۱۸ : ۵۰) — (۲۰ : ۱۱۶) — (۳۸ : ۷۲-۷۳)

ابلیس کی سرکشی اور چیلنج

(۱) انسان کے اپنے جذبات اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ سرکش اور بیباک ہو جاتے ہیں اسی کو ابلیس کا تکبر کہا گیا ہے — (۲ : ۳۴) — (۷ : ۱۱-۱۸) — (۱۵ : ۳۰-۴۱)

(۱۷ : ۶۱) — (۲۰ : ۱۱۶) — (۳۸ : ۷۴-۷۸)

(۲) قیامت تک مہلت (یعنی جب تک انسان دنیا میں ہے، اس کے جذبات اس کے ساتھ رہیں گے)

(۷ : ۱۲-۱۴) — (۱۵ : ۳۶-۳۸) — (۱۷ : ۶۲) — (۱۸ : ۵۰) — (۳۸ : ۷۹-۸۰)

(۳) خدا کے مخلص بندوں پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو سکے گا۔

(۱۵ : ۴۰) — (۱۷ : ۶۵) — (۳۸ : ۸۳)

ابلیس کی وسوسہ اندازی

(۱) آدم مرنا نہیں چاہتا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ تمہیں حیاتِ جاوید، اولاد کے ذریعے مِل سکے گی۔ آدم میں جنسی شعور کی بیداری کے ذکر سے یہی مفہوم ہے — (۷ : ۱۹-۲۶) — (۲۰ : ۱۲۰-۱۲۱)

(۲) اسی سے نسل پرستی کا جذبہ بیدار ہوا اور انسانی برادری، قبائل، شعوب اور پھر اقوام میں بٹ گئی قرآن کا مقصد، ان تفرقات کو مٹا کر، نوعِ انسانی کو آسمانی اقدار کی بنیادوں پر پھر سے امتِ واحدہ بنا دینا ہے — (۲ : ۲۱۳)

آدمؑ کی جنّت

(۱) اُس جنت (جنتی معاشرہ) کی کیفیت یہ تھی کہ اس میں "میری اور تیری" کا سوال نہ تھا۔ انسان جہاں سے جی چاہے فراوانی سے کھا پی سکتا تھا۔ — (۲ : ۳۵) — (۷ : ۱۹)

(۲) اس جنتی معاشرہ میں بھوک، پیاس، سردی، گرمی سے بچنے کا سامان ہر ایک کو میسر تھا۔ اس کیلئے کسی کو جگر پاش مشقتیں برداشت نہیں کرنی پڑتی تھیں۔ بنیادی ضروریاتِ زندگی ہر ایک کی پوری ہوتی تھیں — (۲۰ : ۱۱۶-۱۱۹)

(۳) تم میں سے جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتے گا اس کی روزی تنگ ہو جائے گی — (۲۰ : ۱۲۴)

شجرِ ممنوعہ

(۱) انسان سے کہا گیا کہ تم ایک برادری بن کر زندگی بسر کرو۔ باہمی مشاجرت (مخالفت یا پھوٹ) نہ ڈالو۔ لیکن اس کے سرکش جذباتِ مفاد پرستی نے پھوٹ ڈلوا دی اور اس طرح وہ جنتی زندگی اس سے چھن گئی — (۲ : ۳۶) — (۷ : ۱۹) — (۲۰ : ۱۲۰)

آدم کی توبہ

(۱) آدم سے کہا گیا کہ تمہاری طرف خدا کی طرف سے راہ نمائی آئے گی۔ جو اس کا اتباع کرے گا اسے خوف اور

حزن نہیں رہے گا۔ جو اس کے خلاف جائے گا، تباہ و برباد ہو جائے گا ــــــ (۲ : ۳۹-۳۲)

(۷ : ۲۳-۲۵) ــــــ (۷ : ۳۵-۳۶) ــــــ (۲۰ : ۱۲۱-۱۲۳)

(۲) آدم نے اپنی خطا کا اعتراف کیا۔ یعنی اپنے عمل کا اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہرایا تو توبہ قبول ہوئی۔ ابلیس نے کہا کہ خدا نے مجھ سے خطا کرائی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو مجبور بتایا تو پھٹکار اگیا ــــــ (۷ : ۱۶؛ ۲۳)

جو اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتا اس کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

آدم کی خون ریزی

آدم (آدمی) کے دو بیٹوں کا تمثیلی بیان کہ ان میں باہمی خونریزی کس طرح ہوتی ہے ــــــ (۵ : ۲۷-۳۱)

بنی آدم (یعنی نوعِ انسان)

(۱) بنی آدم کو تنبیہ کہ تم اس داستان سے عبرت حاصل کرو ــــــ (۷ : ۲۶-۳۶)

(۲) انسانوں کے لئے لباس بنایا ــــــ (۷ : ۲۶)

(۳) کھاؤ پیو اور اطاعت گزاری حسین انداز سے کرو۔ دنیا کی زینت قابلِ نفرت نہیں ــــــ (۷ : ۳۱)

(۴) تمہاری طرف انبیاء آئیں گے ــــــ (۷ : ۳۵)

(۵) بنی آدم کو واجب التکریم بنایا ــــــ (۱۷ : ۷۰)

(۶) انبیاء ذریتِ آدم (بنی نوعِ انسان) سے تھے ــــــ (۱۹ : ۵۸)

(۷) بنی آدم سے کہا گیا کہ شیطان کی محکومیت اختیار نہ کریں ــــــ (۳۶ : ۶۰)

ایک فرد (آدم) کا ذکر

قرآن میں ایک جگہ آدم کا لفظ ایک فرد کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے جہاں کہا ہے کہ ہم آدم۔ نوح، آلِ ابراہیم، اور آلِ عمران کو برگزیدہ بنایا ــ (۳ : ۳۲-۳۳)۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ کوئی فرد تھا جس کا نام آدم تھا۔ (اب بھی ADAM نام رکھا جاتا ہے)۔ آدم کی نبوت کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ اصطفاء (برگزیدگی) سے لازماً نبوت مراد نہیں۔ قرآن نے سلسلہ انبیاء کی سرگزشت کا آغاز ہر جگہ حضرت نوحؑ سے کیا ہے۔

متفرقات

(۱) اس قدر موانعات اور مشکلات کے باوجود، نسلِ انسانی کا تسلسل خدا کی ربوبیت کے پروگرام کی زندہ شہادت ہے ـــــ (۱۷۲ : ۷)

(۲) تمام بنی آدم (انسانی بچے) یکساں طور پر واجب التکریم ہیں۔ لہٰذا پیدائش کے اعتبار سے ایک دوسرے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھنی چاہیئے۔ اس سے عیسائیت کے اس عقیدے کا بھی ابطال ہوگیا کہ ہر انسانی بچہ پیدائشی طور پر گنہ گار ہوتا ہے ـــــ (۷۰ : ۱۷)

(۳) آدم کا جرم یہ تھا کہ اس میں عزم (پختگی) نہیں تھی۔ وہ بات بھول جاتا تھا ـــــ (۱۱۵ : ۲۰)۔ (اس میں انسان کی نفسیاتی کمزوری کیطرف اشارہ ہے)

(نوٹ:۔ انسان کی پیدائش اور نسلِ انسانی کی افزائش کے لئے عنوان "انسان" دیکھئے)

ـــــ (۰) ـــــ

۵۔ آزر

آزر:۔ سورۃ انعام میں ہے۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ .... (۷۵ : ۶)

جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ "آزر" سے کہا۔

کہا جاتا ہے کہ آزر ایک بت کا نام تھا جس کے محافظ حضرت ابراہیمؑ کے باپ تھے جن کا نام تارخ تھا۔ اور اس بت کی نسبت سے انہیں آزر کہا جاتا تھا۔ بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ آزر دراصل تارخ ہی کا معرّب ہے۔ لیکن یہ بات بہت کمزور سی ہے۔ بہرحال، قرآن کریم میں صرف اسی ایک جگہ آزر کا ذکر آیا ہے۔ اس کی تفصیل نہیں آئی۔

(حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا ذکر عنوان ابراھیم میں ملے گا)۔

ـــــ (۰) ـــــ

۶- آل

آل۔ (مادہ ا۔ و۔ ل)۔ آدمی کے اہل وعیال نیز رفقاء متبعین۔ یہ لفظ اشراف کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اراذل کے لئے نہیں ہوتا۔

—— (۰) ——

آلِ فرعون

قرآن کریم میں تذکرۂ بنی اسرائیل (اور کشمکش فرعون وحضرت موسیٰؑ) میں آلِ فرعون کا ذکر بار بار آیا ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کے عذاب سے نجات دلائی (۲:۴۹)—(۷:۱۴۱)—(۱۴:۶)
آلِ فرعون 'مصائب میں مبتلا ہوگئے—(۷:۱۳۰)۔ آلِ فرعون کو غرق کر دیا—(۲:۵۰)۔ ظاہر کہ ان مقامات میں 'آل' سے مراد فرعون کے رفقاء، متبعین، یا اس کی قوم کے افراد ہیں۔ نیز (۳:۱۱)—(۸:۵۲)
(۸:۵۴) میں۔ آلِ فرعون کا رجلِ مومن—(۴۰:۲۸)۔ آلِ فرعون بدترین عذاب میں ماخوذ۔ (۴۰:۴۵)
(۵۴:۴۱)

آلِ لُوط

جب خدا کے فرستادگان 'آلِ لوطؑ کے پاس آئے (۱۵:۶۱) اس سے مراد اس قوم سے ہے جس کی طرف حضرت لوطؑ مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن ذرا پہلے یہ مذکور ہے کہ عذابِ خداوندی مجرمین پر آنے والا تھا۔ آلِ لوط پر نہیں۔ یہاں آل سے مراد حضرت لوطؑ کے رفقاء اور متبعین ہیں—(۱۵:۵۹) نیز (۲۷:۵۶)—(۵۴:۳۴)
یہاں آل میں حضرت لوطؑ کی بیوی بھی شامل نہیں کیونکہ وہ صاحبِ ایمان نہیں تھی—(۱۵:۶۰)

آلِ ابراہیمؑ وغیرہ

آلِ ابراہیم کو کتاب وحکومت ونبوت اور مملکتِ عظیم ملی—(۴:۵۴)۔ اس میں شبہ نہیں کہ

اس سے مراد حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہے۔ کیونکہ یہ سلسلہ ان کی اولاد میں قائم رہا تھا۔ لیکن اولاد میں سے ہر شخص، محض ان کی اولاد ہونے کے اعتبار سے اس کا مستحق نہیں قرار پاگیا تھا۔ اس کے لئے صلاحیت شرط تھی کیونکہ جب حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا امامتِ نوعِ انسانی کا منصب جو انہیں عطا کیا گیا ہے' ان کی نسل میں بھی باقی رہیگا تو جواب ملا کہ ان میں سے جو صحیح راستے پر نہیں رہے گا (ظالم ہوگا)۔ اس کے ساتھ ہمارا یہ عہد نہیں (۲ : ۱۲۴) حتیٰ کہ انہوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ "میرا وہی ہے جو میرا اتباع کریگا" (۱۴ : ۳۶) اس سے واضح ہے کہ محض کسی نبی کی اولاد میں سے ہونا، اسے کسی شرف اور عزت کا مستحق نہیں بنا دیتا۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے کہ وہ بیٹا ہونے کے باوجود حضرت نوحؑ کے اہل میں سے قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ اس کے اعمال صالح نہیں تھے۔ (دیکھئے عنوان نوح)

(۲) حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ کے سلسلہ میں آلِ داؤدؑ کہا گیا ہے (۱۳ : ۳۴)۔ اسی طرح آلِ یعقوبؑ کا (۱۲ : ۶) — (۱۹ : ۶)۔ نیز آلِ موسیٰؑ اور آلِ ہارونؑ کا بھی (۲ : ۲۴۸)۔ حتیٰ کہ آلِ عمران بھی — عمرآن حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام بتایا جاتا ہے (۳ : ۳۲) اس سے مراد بنی اسرائیل ہی ہیں۔ اسی جہت سے حضرت مریم کو بنتِ عمران (۱۲ : ۶۶) کہا گیا ہے۔

آلِ محمدؐ

قرآن کریم میں "آلِ محمد" کے الفاظ کہیں نہیں آتے۔

(-)

۷۔ آلاء

آلاء۔ اس کا مادہ (ا۔ل۔و اور ا۔ل۔ی) دونوں آتے ہیں۔ (واحد اس کا اَلْوٌ ہے) اس کے معنی نعمت اور قدرت دونوں کے آتے ہیں۔ نیز عجیب و غریب کاریگری کے کارناموں کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں یہ لفظ (آلاء) قریب قریب ہر آیت کے بعد آیا ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن (۵۵ : ۱۳) ان آیات میں سیاق و سباق کی رُو سے خود متعین کرنا چاہیئے کہ اس کے معنی

نعمت کے ہیں یا قدرت کے، یا کرشمہ کے۔ سورۃ الرحمٰن (۵۵) کے علاوہ یہ لفظ حسب ذیل مقامات میں آیا ہے۔
(۱) قوم عاد سے کہا گیا۔ تم آلاء اللہ کو یاد کرو ۔۔۔ (۶۹:۷)۔ قوم ثمود کو بھی ۔۔۔ (۷۴:۷)
(۲) سورۃ والنجم میں ہے کہ تم کون سی آلاء رب کے متعلق جھگڑے کرو گے ۔۔۔ (۵۵:۵۳)
اس سلسلہ میں عنوان نعمت بھی دیکھئے۔

—— (۰) ——

۸۔ آیت (آیات)

آیت۔ مادہ (ا۔ ی۔ ی)۔ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی ایسی علامت یا نشانی کے ہیں جس سے اس چیز کا پتہ نشان مل جائے۔ مثلاً فضا میں دھوآں اس بات کی آیت (علامت) ہوتا ہے کہ نیچے آگ جل رہی ہے۔ قرآنِ کریم میں کائنات کی محسوس اشیاء کو خدا کی آیات کہا گیا ہے۔ کیونکہ انسان مخلوق سے خالق کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسی طرح قوانینِ خداوندی بھی آیات اللہ (خدا کو جاننے کی نشانیاں) ہیں۔ کیونکہ ان قوانین کی محکمیت سے (خواہ یہ قوانینِ فطرت ہوں یا انسانی زندگی سے متعلق قوانین جو وحی کی رو سے ملتے ہیں) ان قوانین کے عطا کرنے والے (خدا) کے متعلق اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز یہ لفظ (آیت) دلیل و برہان کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ دلیل، دعویٰ کی صداقت کی علامت ہوتی ہے۔ مخالفین انبیاء کرامؑ سے حسی معجزات طلب کیا کرتے تھے تاکہ وہ ان (انبیاء) کے دعوے کی صداقت کی علامت بنیں۔ انہیں بھی آیات کہہ کر پکارا گیا ہے۔

قرآن کا ہر فقرہ آیت ہے کیونکہ وہ مندرجہ بالا معانی میں سے کسی نہ کسی معنی کو لئے ہوتا ہے۔ چونکہ قرآنِ کریم ضابطۂ قوانینِ خداوندی ہے اس لئے اس کی آیات خدا کے قوانین و احکام ہیں۔

۲۔ جو شخص کسی بات کی آیت (علامت) کو جھٹلاتا ہے، وہ درحقیقت اُس شے سے انکار کرتا ہے۔ مثلاً جو شخص دھوئیں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ دھوآں نہیں محض دھند ہے۔ وہ درحقیقت یہ کہتا ہے کہ وہاں آگ نہیں ہے۔ حقائق سے اس طرح انکار کر دینے کا نتیجہ نقصان اور تباہی ہوتا ہے۔ مثلاً جو شخص بھنور کو دیکھ لینے کے باوجود کہتا ہے کہ وہاں پانی گہرا نہیں اور اس میں کود پڑتا ہے، وہ ڈوب جاتا ہے۔ .. .. ..

.. .. یا مثلاً جو شخص کہتا ہے کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے، اس کا حساب کبھی درست نہیں رہ سکتا۔ آیات اللہ کے کفر یا تکذیب سے یہی مراد ہے۔

―――― (۰) ――――

کائنات کی محسوس اشیاء آیات اللہ ہیں

(۱) تخلیقِ ارض و سماء اور گردشِ لیل و نہار میں آیات ـــــ (۲ : ۱۶۴) ـــ (۳ : ۱۸۹) ـــ (۱۰ : ۶) ـــ (۱۰ : ۶۷) ـــ (۱۶ : ۱۲) ـــ (۲۱ : ۳۲) ـــ (۲۷ : ۸۶) ـــ (۲۹ : ۴۴) ـــ (۳۰ : ۲۰) ـــ (۳۰ : ۲۲-۲۶) ـــ (۳۶ : ۳۷) ـــ (۴۰ : ۱۳) ـــ (۴۱ : ۳۷-۴۴) ـــ (۴۲ : ۲۹) ـــ (۴۵ : ۳-۶) ـــ (۵۱ : ۲۰)

(۲) اجرامِ فلکی (چاند، سورج، ستارے) آیات اللہ ـــــ (۶ : ۹۸) ـــ (۱۰ : ۶۷) ـــ (۴۱ : ۳۷)

(۳) زمین کی پیداوار میں آیات اللہ ـــــ (۷ : ۵۸) ـــ (۱۰ : ۲۴) ـــ (۲۰ : ۵۳-۵۴) ـــ (۳۶ : ۳۳) ـــ (۴۰ : ۱۳) ـــ (۴۱ : ۳۷-۴۰) ـــ (۵۷ : ۱۷)

(۴) زمین اور آسمان میں بکھری ہوئی آیات ـــــ (۱۲ : ۱۰۵) ـــ (۱۳ : ۲-۵) ـــ (۱۴ : ۱۰-۱۳) ـــ (۱۶ : ۱۲) ـــ (۳۰ : ۱۹-۲۷) ـــ (۳۶ : ۳۳-۴۳) ـــ (۴۲ : ۲۹)

(۵) تخلیقِ انسانی میں آیت ـــــ (۳۰ : ۲۱)۔ موت اور نیند میں آیات ـــ (۳۹ : ۴۲)

(۶) اختلافِ رنگ اور زبان میں آیت ـــــ (۳۰ : ۲۲)

(۷) ہوائیں آیات اللہ ہیں ـــــ (۳۰ : ۴۶) ـــ (۴۲ : ۳۲-۳۵)

(۸) کشتیوں کے تیرنے اور چلنے میں آیت ـــــ (۳۱ : ۳۱) ـــ (۴۰ : ۸۰-۸۱) ـــ (۴۲ : ۳۲-۳۵)

(۹) نظامِ کائنات کے اس حسن و خوبی سے کارفرما رہنے میں آیت ـــــ (۳۴ : ۹)

(۱۰) انفس و آفاق کی آیات سے قرآن کی صداقت کا ثبوت ملتا جائے گا ـــــ (۴۱ : ۵۳) ـــ (۵۱ : ۲۰-۲۱)

(۱۱) قرآن کے قوانین اور قوانینِ فطرت، دونوں آیات اللہ ہیں۔ ان کے بعد وہ کونسی چیز باقی رہ جاتی ہے، جس پر یہ ایمان لائیں گے ـــــ (۴۵ : ۲-۶)

(۱۲) جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے انہیں یہ آیات کچھ فائدہ نہیں دیتیں ـــــ (۱۰ : ۱۰۰-۱۰۱)

جو شخص جرم یا خطا کا مرتکب تو خود ہو، اور اسے تھوپ دے کسی دوسرے بے گناہ کے سر تو سوچو کہ یہ کتنا سنگین جرم ہے۔ اس طرح اس نے اپنے اوپر دوہرا بوجھ لاد لیا۔ ایک تو اس جرم کا بوجھ جو اس نے خود کیا تھا اور دوسرا اس بہتان کا بوجھ جو اس نے دوسرے پر لگایا۔

(۱۲) سزا کا فیصلہ کرتے وقت مجرم کے ماحول، تربیت، ذہنیت، نفسیاتی حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ وجہ ہے کہ لونڈی کے جرم زنا کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی ہے (۴/۲۵)۔ اور ازواج رسول اللہؐ کے لئے سزا دگنی۔ (۳۳/۳۰)۔ واضح رہے کہ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب عرب معاشرہ میں غلام اور لونڈیاں ہوا کرتی تھیں۔ قرآن کریم نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا اس لئے اب لونڈیوں کا سوال نہیں رہا نہ ہی ازواج رسولؐ اللہ کا سوال۔ اس قسم کی آیات سے ایسے اصول مستنبط کئے جا سکتے ہیں جو ہمارے معاشرہ کے حالات پر منطبق ہوں۔

(۱۳) "سیئات کو حسنات سے دور کیا جائے"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرہ میں فضا ایسی پیدا کی جائے جس سے لوگ از خود جرائم سے مجتنب رہیں۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ - (۱۱/۱۱۴ نیز ۲۳/۹۶ ؛ ۲۸/۵۴) قرآن کریم کا عالمگیر اصول ہے جس سے مراد یہ ہے کہ سیئات (برائیوں) کا ازالہ حسنات (بھلائیوں) کے ذریعے کرنا چاہیئے۔ یہ اصول بڑا جامع اور نہایت خوشگوار انقلاب لانے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا، جرم کی سزا دیتے وقت، معاشرہ کی عام حالت کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

(۱۴) عدل سے مقصد صرف مجرموں کو سزا دینا ہی نہیں بلکہ مظلوم کے نقصان کو پورا کرنا بھی ہے۔ اس ضمن میں، قرآن مجید میں جرم قتل کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مقتول تو اس دنیا سے چلا جاتا ہے لیکن اس سے، اس کے وارثوں کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کی تلافی بھی ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں کہا کہ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا (۱۷/۳۳)۔ جو شخص بے گناہ مارا جائے تو نظام خداوندی اس اقتدار کی بنا پر جو اسے حاصل ہے، اس کے وارثوں کا پشت پناہ بنے گا۔ اس مثال سے ایسا اصول مستنبط کیا جا سکتا ہے جس کا اطلاق اسی قسم کے تمام واقعات پر ہو سکے۔ جہاں تک مظلوم کا نقصان پورا کرنے کا تعلق ہے، اس باب میں مظلوم مدعی ہوگا اور حکومت مدعا علیہ۔ اس لئے کہ حکومت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی حدود کے اندر بسنے والے افراد کی جان، مال، عزت۔ آبرو (ہر شے) کی حفاظت کرے۔ لہٰذا، اگر کسی شخص کا نقصان اس کی اپنی غفلت یا لاپرواہی سے نہیں ہوا تو اس کی تلافی حکومت کے ذمے ہوگی۔ اور اس نقصان میں مالی یا جسمانی نقصان ہی شامل نہیں، ذہنی اور قلبی اذیت بھی اس میں شامل ہے کیونکہ حکومت، افراد معاشرہ کو اس کی ضمانت دیتی ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ

(۱۴) بنی اسرائیل کے اچھے لوگ آیاتِ خداوندی پر ایمان رکھتے تھے ——— (۳۲ : ۲۴)

(۱۵) وحی کے احکام قانونِ مشیت کے مطابق ملتے تھے ——— (۴۰ : ۷۸)

(۱۶) قرآن کے احکام اور قوانینِ فطرت دونوں آیات اللہ ہیں ——— (۴۵ : ۲-۶)

(۱۷) ان کے سامنے آیات اللہ (خدا کے قوانین اور ان کے ثبوت میں دلائل) پیش کی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے مُردوں کو زندہ کرکے دکھاؤ، تب ہم ایمان لائینگے ——— (۴۵ : ۲۵)

(۱۸) یہ لوگ آیاتِ خداوندی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے ——— (۴۶ : ۷)

(۱۹) نبیؑ وحی کی رُو سے آیات (حقائق کائنات) کا مشاہدہ کرتا ہے ——— (۵۳ : ۱۸)۔ ملکوت السمٰوٰت والارض کا مشاہدہ ——— (۶ : ۷۵-۸۰)

(۲۰) رسولؑ لوگوں کے سامنے آیاتِ خداوندی پیش کرتے تھے۔ یتلوا علیکم ایات اللہ ——— (۲:۱۲۹)
(۲ : ۱۵۱) ——— (۳ : ۱۰۰) ——— (۳۹ : ۷۱) ——— (۶۲ : ۲) ——— (۶۵ : ۱۱)

(۲۱) مومنین آیات کی تلاوت کرتے تھے (تلاوت کے معنی پیروی کرنا بھی ہیں ——— (۳ : ۱۱۲)۔ اس سے ان کا ایمان بڑھتا تھا ——— (۸ : ۲)

یہ ان آیات پر ایمان لاتے ہیں ——— (۲۳ : ۵۸) ——— (۳۲ : ۱۵) ——— (۴۳ : ۶۹)

یہ ایمان علیٰ وجہ البصیرت ہوتا ہے ——— (۲۵ : ۷۳)

(۲۲) رسولوں کی طرف آیات (احکام) نازل ہوتی تھیں ——— (۲ : ۹۹) ——— (۳ : ۵۷) ——— (۳ : ۱۰۷)

(۲۳) اگر لوگ آیاتِ خداوندی (قوانینِ الٰہیہ) پر ایمان نہیں لائیں گے تو وحشی اقوام تباہی مچا دینگی (۲۷:۸۲)

آیت بمعنی دلیل و برہان

(۱) بنی اسرائیل کے مقتول کے سلسلہ میں کہا کہ اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیات دکھاتا ہے تاکہ تم عقل و فکر سے کام لو ——— (۲ : ۷۳)

(۲) اہلِ کتاب کے سامنے کتنی ہی آیات (دلائل و براہین) پیش کرو وہ تمہارے قبلہ کا اتباع نہیں کریں گے ——— (۲ : ۱۴۵)

(۳) بنی اسرائیل کو کتنی ہی واضح دلیلیں دیں ——— (۲ : ۲۱۱)

(۴) انفاقِ فی سبیل اللہ کے خوشگوار نتائج کی مثالیں آیات اللہ ہیں — (۲ : ۲۶۶)۔ دوسری مثالیں بھی —

(۳۰ : ۵۸) — (۵۷ : ۱۶-۱۷)

(۵) جملہ آیات (دلائل) سامنے آجانے کے بعد بھی ایمان نہیں لائینگے — (۶ : ۲۵)

(۶) حضرت موسےٰؑ کو آیات کے ساتھ فرعون کیطرف بھیجا۔ یہاں آیات کے معنی احکام اور دلائل دونوں ہوسکتے ہیں — (۷ : ۱۰۳) — (۱۰ : ۷۵) — (۱۴ : ۵) — (۱۷ : ۱۰۱) — (۲۰ : ۱۷-۲۳)

(۲۰ : ۴۲) — (۲۷ : ۱۲) — (۲۸ : ۳۲-۳۵) — (۴۰ : ۲۳)

(۷) یہ لوگ دلائل سے ایمان نہیں لائینگے — (۱۰ : ۹۶-۹۷)

(۸) کیا یہ بات آیت (دلیل) نہیں کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں — (۲۶ : ۱۹۷)

(۹) آیاتِ خداوندی پر عقل و فکر سے غور کرنے سے ایمان حاصل ہوسکتا ہے (یہاں آیات سے مراد مظاہرِ فطرت، قوانینِ خداوندی۔ یا دلائل و براہین سب ہوسکتے ہیں — (۲۷ : ۸۰-۸۱) — (۳۰ : ۵۲-۵۳)

(۱۰) نظامِ خداوندی کا غلبہ اس کی صداقت کی نشانی ہوگا — (۳ : ۱۲) — (۲۷ : ۹۳) — (۴۰ : ۷۸)

(۱۱) رزق کی بسط و کشاد میں آیت — (۳۰ : ۳۷) — (۳۹ : ۵۲)

(۱۲) سو برس تک مردہ رہنے کے بعد زندہ ہونے کی مثال میں (بنی اسرائیل کی بابل کی اسیری اور آزادی کی) آیت ہے — (۲ : ۲۵۹)

(۱۳) حضرت عیسےٰؑ کی انقلاب آفریں تعلیم کے نتائج اس کی آیات (اس تعلیم کی صداقت کی نشانیاں) تھیں — (۳ : ۴۷-۴۸)

(۱۴) کعبہ میں بیّن آیاتِ خداوندی ہیں کیونکہ نظامِ خداوندی کا مرکز ہے۔ اور اس نظام کے حیات بخش نتائج، اس کی محکمیت کی دلیلیں ہیں — (۳ : ۹۶)

(۱۵) ان کے سامنے جب کبھی کوئی آیتِ خداوندی آئی تو انہوں نے اس سے اعراض برتا — (۶ : ۴)

(۱۶) اگر لوگ آیات اللہ (قوانینِ خداوندی) پر یقین نہیں رکھینگے تو وحشی اقوام تباہی مچا دیں گی — (۲۷ : ۸۲)

آیات اللہ کے انکار یا تکذیب سے تباہی

آیات اللہ سے مراد قوانینِ فطرت ہوں یا قرآنِ کریم کے احکام و قوانین۔ ان سے مراد محسوس اشیائے کائنات

ہوں یا دلائل و براہین۔ اگر کوئی شخص یا قوم ان کی صداقت سے انکار کرتی ہے اور انہیں جھوٹا کہتی ہے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ محسوس اشیائے کائنات کے انکار یا تکذیب کی ایک شکل اس افلاطونی تصورِ کائنات میں ملے گی جس کی رو سے سمجھا جاتا ہے کہ مادی کائنات، سب وہم و قیاس اور فریب و سراب ہے۔ اس کا درحقیقت وجود ہی کوئی نہیں، وجود عالمِ امثال ہی کا ہے۔ یا عیسائیت کے اثر سے پیدا شدہ تصوف کا یہ عقیدہ کہ مادہ قابلِ نفرت ہے اور روح اور مادہ میں کشمکش اور تزاحم ہے۔ مقصدِ زندگی یہ ہے کہ روح کو مادی آلائشوں سے پاک اور صاف کر کے، اس کی اصل (خدا) سے ملا دیا جائے۔ یہ سب تصورات غیر قرآنی اور باطل ہیں اور ان کا نتیجہ انفرادی خسران اور اجتماعی تباہی ہے۔ اگر آپ اس حقیقت سے انکار کرتے رہیں کہ آگ جلاتی ہے تو آپ کے اس انکار سے آگ اپنی خصوصیت یا عمل ترک نہیں کر دیگی۔

(۱) آیات اللہ سے انکار یا تکذیب کا نتیجہ جہنم کا عذاب (دنیا اور آخرت میں تباہی) ہے ــــ (۲ : ۳۹)

(۳:۳)ــ(۳ : ۱۸)ــ(۳ : ۲۰)ــ(۳ : ۱۱۱)ــ(۵ : ۱۰)ــ(۵ : ۸۶)ــ(۷ : ۳۶)ــ

(۷ : ۷۲)ــ(۷ : ۷۵-۷۶)ــ(۷ : ۱۸۳)ــ(۱۰ : ۷)ــ(۱۰ : ۹۶)ــ(۱۸ : ۱۰۵)

(۲۰ : ۱۲۶-۱۲۷)ــ(۲۲ : ۵۲)ــ(۲۲ : ۵۷)ــ(۲۳ : ۶۶-۶۷)ــ(۲۳ : ۱۰۵)

(۲۷ : ۸۳-۸۴)ــ(۳۰ : ۱۶)ــ(۳۱ : ۷)ــ(۳۴ : ۵)ــ(۳۴ : ۳۸)ــ(۳۹ : ۵۸-۵۹)

(۳۹ : ۶۳)ــ(۴۰ : ۳۵)ــ(۴۰ : ۵۶)ــ(۴۰ : ۶۳)ــ(۴۰ : ۶۹)ــ(۴۱ : ۲۸)

(۴۲ : ۳۵) ــــــــ (۴۵ : ۲-۱۴)

(۲) الحاد فی آیات اللہ، یعنی کسی ایک روش میں افراط سے دور تک نکل جانا۔ دین، مختلف احکام و اصول میں توازن قائم رکھنے کا نام ہے ــ (۴۱ : ۴۰)

(۳) آیات اللہ سے انکار یا ان کی تکذیب کرنے والے ظالم ہیں اس لئے انہیں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

(۶ : ۲۱) ــــ (۱۰ : ۱۷)

(۴) تکذیبِ آیات کرنے والے جہالت کی تاریکی میں رہتے ہیں ــ (۶ : ۳۹)

(۵) تکذیبِ آیات سے تعمیری کاموں کے پلڑے ہلکے ہو جاتے ہیں ــ (۷ : ۹)۔ اس سے اعمال بے نتیجہ رہ جاتے ہیں۔ یعنی وہ نتائج پیدا نہیں کرتے جو ان لوگوں کی توقع کے مطابق ہوں ــ (۷ : ۱۴۶-۱۴۷)۔

(۶) آیات اللہ کا مذاق اڑانے والے ــ (۱۸ : ۵۶)ــ(۳۱ : ۶)ــ(۴۵ : ۹)ــ(۴۵ : ۳۶)۔

ان سے اعراض برتنے والے ——(۱۸ : ۵۷)

(۷) آیات اللہ سے انکار، رحمت سے مایوسی کا موجب ہوتا ہے —— (۲۹ : ۲۳)
(۸) قوانینِ فطرت سے انکار کر کے انسان کہیں نہیں جا سکتا —— (۴۲ : ۳۵)۔ اس کا نتیجہ جہنم ہے (۱۴-۲ : ۴۵)
(۹) تکذیب سے مراد ہے ان باتوں کا زبانی دعوے کرنا لیکن اپنے عمل سے انہیں جھٹلانا —— (۶۲ : ۵)۔ اس کا نتیجہ جہنم ہے —— (۱۰ : ۴۴) —— (۲۸ : ۷۸)۔ غلط نظام قائم کرنا —— (۹۰-۱۲ : ۹۰)
(۱۰) آیات اللہ کو اساطیر الاولین قرار دینا —— (۱۵ : ۶۸) —— (۱۳ : ۸۳)

امم سابقہ نے آیاتِ خداوندی سے انکار کیا تو تباہ ہو گئیں

قوانینِ خداوندی سے انکار و سرکشی کا نتیجہ تباہی ہونا ہی تھا۔ ان قوموں کی داستانیں بعد میں آنیوالوں کے لئے خدا کے قانونِ مکافات کی صداقت کی آیات بن گئیں۔ اس عنوان میں یہ دونوں باتیں سامنے آجائیں گی۔

(۱) قصہ حضرت طالوت و جالوت میں آیات —— (۲ : ۲۵۲)
(۲) قومِ نوح کی داستان —— (۷ : ۶۴) —— (۱۰ : ۷۳) —— (۲۱ : ۷۷) —— (۲۳ : ۳۰-۳۱) —— (۲۵ : ۳۷) —— (۲۹ : ۱۴-۱۵)
(۳) قومِ عاد —— (۷ : ۷۲) —— (۱۱ : ۵۹) —— (۱۵ : ۴۱)
(۴) قومِ ثمود۔ ناقہ حضرت صالحؑ اس معنی میں آیت تھی کہ قوم کے سرداروں نے عہد کیا تھا کہ تمام لوگوں کے مویشی باری باری پانی پیا کریں گے۔ حضرت صالحؑ نے کہا کہ اس بات کی نشانی کہ تم اس عہد کی پابندی کرتے ہو یا نہیں، یہ ہوگی کہ یہ ایک اونٹنی ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ کسی کی بھی نہیں۔ مخلوقِ خدا میں سے ایک جاندار (حیوان) ہے۔ اگر تم نے اسے اس کی باری پر پانی پینے دیا تو سمجھا جائے گا کہ تم عہد کے پابند ہو۔ اگر ایسا نہ کیا تو یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ تم عہد پر پابند نہیں رہنا چاہتے —— (۷ : ۷۳) —— (۱۱ : ۶۴) —— (۱۵ : ۸۱) —— (۱۷ : ۵۹) —— (۲۷ : ۵۲)
(۵) فرعون اور اس کی قوم —— (۳ : ۱۰) —— (۷ : ۱۳۶) —— (۸ : ۵۴) —— (۱۰ : ۹۲) —— (۲۳ : ۴۵-۴۶) —— (۲۵ : ۳۶) —— (۲۶ : ۱۵) —— (۲۶ : ۶۷) —— (۴۳ : ۴۶-۴۸) —— (۴۳ : ۵۴) —— (۲۰ : ۷۹)۔
(۶) ہر ظالم قوم کی تباہی —— (۱۱ : ۱۰۲-۱۰۳) —— (۱۴ : ۳۹) —— (۲۰ : ۱۲۸) —— (۲۶ : ۱۰۳) —— (۲۶ : ۱۲۱)

(۲۶: ۱۳۹ - ۱۵۸) — (۳۰ : ۹ - ۱۰) — (۳۲: ۲۶) — (۴۷: ۱۶ - ۳۱)

(۷) داستانِ حضرت یوسفؑ — (۱۲: ۷)

(۸) قومِ لوط — (۱۵: ۷۵) — (۲۹: ۳۵) — (۵۱: ۳۷)

(۹) جب تک کسی قوم کی طرف (اس کے مرکزی مقام میں) قوانینِ خداوندی نہ آ جائیں وہ قوم ہلاک نہیں ہوتی — (۲۸: ۵۹)

(۱۰) حضرت ابراہیمؑ کی سرگزشت — (۲۹: ۲۴)

(۱۱) قومِ سبا — (۳۴: ۱۵ - ۱۹)

(۱۲) بنی اسرائیل — (۴۴: ۳۳)

(۱۳) قوانینِ خداوندی سے انکار کیا جائے تو علم و بصیرت کبھی کام نہیں دیتے — (۴۶: ۲۶ - ۲۷)

آیت بمعنی معجزہ

معجزہ کی کنہ و حقیقت اور قرآن کی رو سے اس کی پوزیشن کے متعلق "معجزہ" کے عنوان میں گفتگو کی جائیگی یہاں صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ قرآن میں آیت کا لفظ معجزہ کے معنوں میں کہاں کہاں استعمال ہوا ہے۔

(۱) خدا محسوس نشانی کیوں نہیں دکھاتا — (۲: ۱۱۸) — (۶: ۳۷) — (۱۷: ۵۹)

(۲) محسوس نشان سامنے آجانے کے بعد ایمان فائدہ نہیں دے سکتا — (۶: ۱۵۹)

(۳) کفار اعتراض کرتے کہ رسول اللہ کو معجزہ کیوں نہیں دیا گیا — (۱۳: ۷) — (۱۷: ۹۰ - ۹۳)

(۴) اگر ہم آسمان سے کوئی محسوس نشانی نازل کر دیں تو اس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں لیکن ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ جبر سے منوانا ہوگا — (۲۶: ۴)

(۵) قومِ ثمود کا مطالبہ کہ جس تباہی سے تم ڈراتے ہو اس کی کوئی نشانی لاؤ — (۲۶: ۱۵۴)

(۶) کفار معجزہ طلب کرتے تھے۔ کہا کہ قرآن ہی معجزہ ہے — (۲۹: ۵۰ - ۵۱)

متفرقات

(۱) طالوت کے اقتدار کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ تابوتِ سکینت لائے گا — (۲: ۲۴۸)

(۲) حضرت زکریا کے لئے بیٹے کی پیدائش کی نشانی ــــ (۳:۴۰) ــــ (۱۹:۱۰)

(۳) ناقۂ حضرت صالحؑ ان لوگوں کی پابندیٔ عہد یا عہد شکنی کی نشانی ــــ (۷:۷۳) ــــ (۱۱:۶۴)

(۴) خدا، رسول اللہ کو مکے سے مدینے کی طرف لے گیا تاکہ وہاں آپ کو اپنی نشانیاں (یعنی نظامِ خداوندی کا غلبہ واستحکام) دکھائے ــــ (۱۷:۱)

(۵) حضرت عیسٰیؑ کو اس امر کی نشانی بنایا کہ یہودیوں کے تمام دعاوی باطل تھے۔ اور یہ کہ اگر وہ ان کی تعلیم کو تسلیم کرلیں گے تو تباہی سے بچ جائیں گے ــــ (۱۹:۲۱) ــــ (۲۱:۹۱) ــــ (۲۳:۵۰)

(۶) آیت بمعنی قومی یادگار ــــ (۲۶:۱۲۸)

(۷) خدا کی ہر آیت سے اعراض ــــ (۳۶:۴۶)

(۸) قرآنی آیات اور آیاتِ فطرت دونوں سے انکار تباہی کا موجب ہے ــــ (۴۵:۸-۱۳)

(۹) تکذیبِ آیات سے مراد ہے قوانینِ خداوندی پر عمل نہ کرنا ــــ (۶۲:۵)

(۱۰) فرعون کی لاش آنے والوں کے لئے آیت بنائی گئی ــــ (۱۰:۹۲)

(۱۱) آیات اللہ کو مذاق نہ سمجھو ــــ (۲:۲۳۱) ــــ (۶:۶۸) ــــ (۱۸:۵۶) ــــ (۴۵:۹) ــــ (۴۵:۳۵)

ــــ (۰) ــــ

۹۔ اب

(نیز دیکھئے ــــ آباء و اجداد و اولاد)

اب۔ (ا۔ب۔و)۔ باپ۔ نیز چچا اور مربی کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اور عمر اور مرتبہ کے لحاظ سے ہر بڑے آدمی کے لئے۔ اور کسی خاندان کے مورثِ اعلیٰ کے لئے بھی۔ (جہاں یہ لفظ باپ کے معنوں میں آیا ہے، ان تمام مقامات کے حوالے نہیں دیئے گئے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ البتہ احکام کے سلسلہ میں نیچے "رشتے ناطے" کے عنوان کے تابع حوالے دے دیئے گئے ہیں)

رسول اللہ

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ وہ خاتم النبیین ہیں ــــ (۳۳:۴۰)

اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم مجرم ہوں گے۔

(۸) لین دین کے معاملہ میں تحریر کے لئے دو مرد گواہ۔ اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ اس ضمن میں قرآن کریم نے جزئی ہدایات تک نہایت تفصیل سے دی ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک لین دین کے معاملہ کو کس قدر صاف اور پختہ ہونا چاہیئے۔ ہم یہاں وہ ہدایات پوری کی پوری درج کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ فرمایا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ۔ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۔ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا۔ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۔ وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ۔ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى۔ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا۔ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ۔ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا۔ وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ (۲/۲۸۲)

جب تم کسی سے ایک مقررہ مدت کے لئے، کچھ قرض لو، تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور چاہیئے کہ ایک لکھنے والا، تمھارے اس باہمی معاملہ کو عدل کے ساتھ لکھ دے۔ وہ اس سے انکار نہ کرے۔ جب اُسے اللہ نے علم عطا کیا ہے، تو اُسے چاہیئے کہ اُس سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ قرض لینے والا اس تحریر کو لکھوائے۔ کاتب کو چاہیئے کہ وہ قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرے اور جو کچھ لکھوایا جائے اُس میں کسی قسم کی کمی (بیشی) نہ کرے۔

اگر قرض لینے والا کم عقل ہو، یا ضعیف ہو یا اس تحریر کو لکھوانے کی بھی قابلیت نہ رکھتا ہو، تو اس کی طرف سے اس کا کوئی دوست یا سرپرست عدل و انصاف کے ساتھ لکھوائے۔

اور ایسے معاملات کے وقت، اپنے میں سے دو مرد بطور گواہ بھی بلا لیا کرو۔ اگر کسی وقت دو مرد موجود نہ ہوں، تو ان میں سے جن پر فریقین رضامند ہوں، ایک مرد اور دو عورتیں، بطور گواہ بلا لیا کرو — دو عورتیں

اس لئے کہ اگر ان میں سے کسی کو کچھ اشتباہ ہوجائے تو اُسے دوسری یاد دلا دے ـــ (۲/۲۸۲) ۔ اور جب گواہ بلائے جائیں تو انھیں چاہیئے کہ وہ انکار نہ کریں ۔ قرض تھوڑا ہو یا بہت، اُس کی میعاد کے اندر، دستاویز لکھنے میں کوتاہی نہ کرو ۔ قانونِ خداوندی کی رُو سے، یہ چیز تقاضائے انصاف کے زیادہ قریب ہے، اور شہادت کو محکم بنانے کا طریق، اور شکوک و شبہات کے ازالہ کی عمدہ تدبیر ۔

لیکن اگر تم آپس میں کوئی دست بدست سودا کرو جس کے لئے تم عام طور پر لین دین کرتے رہتے ہو، تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ اُسے تم ضبطِ تحریر میں نہ لاؤ ۔ البتہ ایسی خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ ضرور رکھ لیا کرو ۔ یہ بھی یاد رکھو کہ کاتب یا گواہ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ قانونِ خداوندی سے سرتابی ہوگی ۔ تم ہر معاملہ میں قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو ۔ اللہ تمھیں اِن قوانین کا (وحی کے ذریعے) علم عطا کرتا ہے ـــ اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے ۔

اس کے بعد ہے :۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۔ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَ لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۔ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۔ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۔ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۔ (۲/۲۸۳)

اگر تم حالتِ سفر میں ہو اور تمھیں کاتب نہ مل سکے، تو قرض لینے والے کی کوئی چیز بطورِ ضمانت اپنے پاس رکھ لو ۔ اور اگر تم ایک دوسرے پر اعتماد کرو، تو جس شخص پر اعتماد کیا گیا ہے، اسے چاہیئے کہ اپنی امانت کو (پوری پوری دیانت سے) واپس کر دے ۔ اور اس طرح اپنے نشوونما دینے والے کے قانون کی نگہداشت کرے ۔

اور تم شہادت کو کبھی نہ چھپاؤ ۔ جو ایسا کرتا ہے، (تو اگر، لوگوں کو اس کا پتہ نہ بھی چلے، اور وہ ان میں معتبر بنا رہے ۔ پھر بھی) اس کا نفس ضرور مجرم ہوتا ہے اور اس کی ذات کی نشوونما کی قوتیں مضمحل ہو کر رہ جاتی ہیں ۔ اس لئے کہ خدا کے قانونِ مکافات سے تو کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی ۔ اُسے ہر بات کا علم ہوتا ہے ۔

"دو عورتوں" کی ضرورت کے متعلق قرآن نے خود ہی بات واضح کر دی ہے ۔ یعنی یہ کہ اگر ایک عورت بھول جائے یا (CONFUSED) ہو جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے ۔ اس سے دو باتیں واضح ہیں ۔

(۱) یہ کہ اُس زمانے میں عورتوں کی حالت ایسی تھی کہ وہ (جہالت کی وجہ سے) دوسرے کا تو ایک طرف خود اپنا معاملہ بھی وضاحت سے بیان نہیں کرسکتی تھیں۔ (۴۳/۱۸) اور چونکہ انھیں اجتماعی امور میں حصہ لینے کے مواقع نہیں دیئے جاتے تھے اس لئے عدالت کے سامنے ان کا پریشان ہوجانا کچھ مستبعد نہیں تھا۔

(۲) دوسری عورت کی ضرورت اس وقت لاحق ہوتی تھی جب پہلی عورت کچھ بھول جائے یا اُسے الجھاؤ پیدا ہو جائے۔ اگر پہلی عورت کی حالت ایسی نہ ہو تو پھر نہ دوسری عورت دخل دے سکتی ہے نہ اُس کی گواہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ایک مرد کے عوض دو عورتیں بطور گواہ پیش نہیں ہوتی تھیں بلکہ گواہی ایک ہی کی کافی سمجھی جاتی تھی بشرطیکہ وہ عدالت میں آکر گھبرا نہ جائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عورت کو محض عورت ہونے کی جہت سے مردوں کے مقابلہ میں ناقص الاعتبار قرار نہیں دیا گیا، صرف عورت کی اُس مخصوص حالت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اگر وہ حالات نہ رہیں تو ایک عورت کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر تسلیم کی جائے گی۔

(۹) جیسا کہ شق (۷) میں بتایا گیا ہے، وصیت کے لئے کم از کم دو گواہ ہونے چاہئیں۔ (۵/۱۰۶)۔

(۱۰) جرمِ فحش (عام بے حیائی کی باتوں کے لئے) (کم از کم) چار گواہ۔ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ۔ (۴/۱۵)۔ یاد رہے کہ یہ گواہی عام بے حیائی کی باتوں کے لئے ہے جرمِ زنا کے لئے نہیں۔

(۱۱) باعصمت عورتوں کے خلاف تہمت کے ثبوت کے لئے (کم از کم) چار گواہ۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (۲۴/۴)۔

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور اپنے دعوٰی کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ۔ اور اس کے بعد ایسے ساقط الاعتبار لوگوں کی (جو دوسروں کے خلاف بے بنیاد الزامات لگائیں)، گواہی قبول نہ کرو (اور انھیں ان حقوق سے بھی محروم کردو جو اسلامی مملکت کے شریف انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں) اور اگر وہ اس پر بھی اس سے باز نہ آئیں تو انھیں اس سے بھی زیادہ سخت سزا دو (۲۴/۲۳)، اس لئے کہ یہ لوگ صحیح راہ چھوڑ کر دوسری طرف نکل جاتے ہیں۔

لیکن تہمت اگر اپنی بیوی کے خلاف ہے اور گواہ نہیں ملتے تو قسم اٹھا لینا کافی ہوگا۔ سورۂ نور میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۲۴/۶-۹)

جو لوگ خود اپنی بیویوں کے خلاف تہمت لگائیں، اور ان کے پاس سوائے اپنے آپ کے، اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ایسے معاملہ میں یوں فیصلہ کیا جائے گا کہ مرد، چار بار اللہ کو حاضر و ناظر جان کر گواہی دے کہ وہ سچ کہتا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر میں نے جھوٹ بولا ہو تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ (یعنی میں ان تمام حقوق و مفادات سے محروم کر دیا جاؤں جو مجھے مملکتِ خداوندی (اسلامی حکومت) کا شہری ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں۔

(اس سے وہ عورت مجرم قرار پا جائے گی۔ لیکن، اگر وہ، اپنی مدافعت میں بھی) اسی طرح خدا کو حاضر و ناظر جان کر گواہی دے کہ وہ مرد جھوٹ بولتا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو، (یعنی مجھے اس حلفِ دروغ گوئی کی سزا ملے) تو اس سے وہ بری الذمہ ہو جائے گی۔

(۱۲) طلاق کے آخری مرحلہ پر دو گواہ۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۔ (۶۵/۲)۔

جب عدت کا زمانہ ختم ہونے کو آئے تو اس وقت اس معاملہ پر پھر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ اگر نباہ کی صورت ممکن دکھائی دے تو خواہ مخواہ علیحدگی کیوں اختیار کرو۔ قاعدے اور قانون کے مطابق میاں بیوی کی زندگی بسر کرو۔ لیکن اگر نباہ کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر قاعدے اور قانون کے مطابق علیحدہ ہو جاؤ۔ اور اس آخری فیصلہ پر اپنے میں سے دو گواہ مقرر کر لو جو کسی کی رُو رعایت نہ کریں، اور اسے فریضۂ خداوندی سمجھ کر، گواہی برحق و انصاف سے قائم رہیں۔

(طلاق وغیرہ کے متعلق تفصیلی احکام آگے چل کر آئیں گے۔ یہاں صرف شہادت کی بات ہو رہی ہے)

(۱۳) گرد و پیش کے واقعات و حوادث سے استنباطِ شہادت (CIRCUMSTANTIAL EVIDENCE) جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف اتہام کے سلسلہ میں قمیص کے واقعہ سے استنباط کیا گیا تھا۔ وہ گواہ واقعہ کا عینی شاہد نہیں تھا لیکن اس نے کہا یہ تھا کہ:۔

ہوگا جن سے اقوامِ سابقہ گذری تھیں ـــــ (۱۶ : ۹) ـــ (۳-۲-۳ : ۲۹)

(۷) کنارے پر کھڑے ہو کر اطاعت کرنے والے ۔ فائدہ ہوا تو ساتھ ہو گئے، نقصان دکھائی دیا تو بدل گئے۔ یہ "عبادت علیٰ حرف" کہلاتی ہے ۔ یہ منافقین کا شیوہ ہے ـــ (۱۱ : ۲۲) ـــ (۱۱-۱۰ : ۲۹)

(۸) جنگِ احزاب میں سخت ابتلاء، منافقین کی حالت ـــ (۱۱-۹ : ۳۳)

(۹) مومنین کا ایمان ایسے مواقع پر اور مستحکم ہو جاتا ہے ـــ (۲۲ : ۳۳)

(۱۰) خدا یونہی فتح بھی دلا سکتا ہے۔ لیکن مقصد تو تمہاری صلاحیتوں کی نشوونما اور نمود ہے ـــ (۴ : ۴۷)

(۱۱) میدانِ جنگ میں مومن اور منافق چھٹ کر الگ الگ ہو جاتے ہیں ـــ (۳۲-۳۱ : ۴۷)

(۱۲) تمہارے مخالفین کو بھی اسی طرح زلزلہ انگیز مشکلات کا سامنا ہو گا۔ جیسا اقوامِ سابقہ کو ہوا تھا (۱۷-۱۶ : ۴۷)

(۱۳) احکامِ شریعت نمودِ ذات کے لئے مواقع بہم پہنچاتے ہیں ـــ (۹۴ : ۵)

رسول اللہ کی قومِ مخاطب کا ابتلاء

(۱) باغ والوں کی طرح کا ابتلاء ـــ (۳۳-۱۷ : ۶۸)

انسانی اختیار و ارادہ ابتلاء ہی کے لئے ہے

(۱) محسوس معجزات سامنے لائے جائیں تو انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے مضمر جوہروں کی نمود کا موقعہ نہیں رہتا۔ اس لئے اس طرح لوگوں کو راہِ راست پر نہیں لایا جاتا ـــ (۲۱۰ : ۲) ـــ (۸ : ۶)

(۲) خدا نے انسان کو، حیوانات کی طرح، ایک روش پر چلنے کے لئے مجبور پیدا نہیں کیا۔ اس طرح اس کی ذات کی نشوونما ہی نہ ہو سکتی۔ یہ اسی سے ہوتی ہے کہ انسان اپنے اختیار اور ارادے سے مشکلات پر قابو پائے ـــ (۴۸ : ۵) ـــ (۹۳ : ۱۶)

(۳) اگر کسی کی غلط روش کے جھٹ سے عذاب آجائے تو بات ہی ختم ہو جائے ـــ (۵۸-۵۷ : ۶)

(۱۹ : ۱۰) ـــــ (۶۱ : ۱۶)

(۴) مختلف انسانوں میں صلاحیتوں کا اختلاف اس لئے ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اپنی اپنی صلاحیت کی نشوونما کا موقعہ ملے۔ یکساں صلاحیتیں ایک نوع کے حیوانات میں ہوتی ہیں جن میں ذات کی نشوونما کا سوال

نہیں ہوتا ــــــ (۱۴۹ : ۶)

(۵) لغزش کے مقامات اس لئے آتے ہیں کہ انسان اپنی مرضی سے صحیح اور غلط راستہ اختیار کرے (۱۵۵ : ۷)

(۶) سلسلہ کائنات کی تخلیق اس لئے عمل میں لائی گئی ہے کہ انسان کی ارتقائے ذات کے مواقع بہم پہنچائے جائیں ــــــ (۷ : ۱۱)

(۷) زمین میں ایسی چیزیں پیدا کیں جو تمہارے لئے بڑی جاذبیت کا موجب ہیں۔ اس لئے کہ تمہاری صلاحیتوں کی نمود کے مواقع سامنے آجائیں کہ تم ان کے حصول کے لئے کس قدر کوشش کرتے ہو اور

(۸) انہیں حاصل کر کے کس مصرف میں لاتے ہو ــــــ (۷ : ۱۸)

(۸) مصائب و مشکلات ہی نہیں بلکہ فراوانیٔ رزق بھی وجۂ ابتلاء ہوتی ہے ــــ (۲۱ : ۳۰) ــــ (۵۸ : ۲۸) (۸۹ : ۱۵-۱۶)

(۹) خدا چاہتا تو تمہیں بتا دیتا کہ منافق کون کون سے ہیں لیکن اس طرح تمہاری بصیرت ناپختہ رہ جاتی۔ اس لئے اے رسولؐ تمہیں ان لوگوں کو ان کے اوضاع و اطوار سے خود ہی پہچاننا ہوگا ــــ (۳۰-۲۹ : ۴۷)

(۱۰) تباہیاں انسان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہیں ــــ (۱۶-۱۵ : ۸۹)

متفرقات

(۱) دنیا میں ایک قوم دوسری قوم سے آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے وہ فساد انگیز اور فریب دِہ طریقے اختیار کرتی ہے۔ حالانکہ اس کے لئے صرف صلاحیتوں کی نمود ہونی چاہیئے ــــ (۹۲ : ۱۶)

(۲) مصائب و مشکلات ہی نہیں بلکہ فراوانیٔ رزق بھی وجۂ ابتلاء ہوتی ہے ــــ (۲۰ : ۱۳۱)۔ اسی لئے کہا ہے کہ خیر اور شر دونوں وجۂ ابتلاء ہو سکتے ہیں ــــ (۲۱ : ۳۵) ــــ (۵۸ : ۲۸)

(۳) خوشحالی کے وقت مطمئن ہو کر بیٹھے رہنا اور مصیبت کے وقت اصولوں سے منہ پھیر لینا' تباہی کا باعث ہے ــــ (۱۱ : ۲۲)

(۴) شوکت و حشمت وجۂ ابتلاء ــــ (۴۰ : ۲۷)

(۵) موت و حیات، نمودِ ذات اور اس کی پختگی کی پرکھ کے لئے ہے ــــ (۲ : ۶۷)

(۶) مابعد الطبیعیات کے جن امور کا ذکر تشبیہات میں کیا جاتا ہے' وہ کفار کے لئے فتنہ کا موجب بن

جاتی ہیں — (۴۷ : ۳۱)

(۷) رحمِ مادر میں جنین مختلف پہلو بدلتا ہے تاکہ اس کے مضمر جوہروں کی نمود ہوتی جائے — (۷۶ : ۲)

(۸) قیامت میں ہر شخص دیکھ لے گا کہ اس نے دنیا میں کس قسم کے کام کئے تھے۔ یہاں ابتلاء کے معنی بالکل واضح ہیں۔ یعنی کسی مخفی امر کا ظاہر ہو جانا — (۱۰ : ۳۰) — (۸۶ : ۹)

(۹) خدا نے زندگی پر کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تاکہ انسانوں کو نمودِ ذات کے مواقع بہم پہنچ سکیں

(۷ : ۱۱) — (۳۰ : ۲۱)

(۱۰) یتیموں کی پرورش میں دیکھتے رہو کہ ان کی صلاحیتیں کس حد تک پرورش پا رہی ہیں — (۴ : ۶)

(۱۲) بنی اسرائیل کی فرعون کے عذاب سے نجات کو بلآءٌ من ربکم کہا ہے۔ یہاں بلآء کے معنی انعام یا احسان کے ہیں۔ یعنی یہ لفظ اچھے معنوں میں آیا ہے — (۲ : ۴۹) — (۷ : ۱۴۱) — (۱۴ : ۶) — (۴۴ : ۳۳)۔ دوسری جگہ "بلاءً حسنًا" کے الفاظ آتے ہیں — (۸ : ۱۷)

— (۰) —

۱۲- اَبد

ابد - (ا - ب - د)۔ ہمارے ہاں ازل اور ابد دو اصطلاحات ہیں۔ ازل سے مفہوم ہوتا ہے ماضی کا زمانہ جس کی ابتدائی حد کوئی نہ ہو۔ اور ابد کے معنی ہوتے ہیں مستقبل کا زمانہ جس کی انتہا نہ ہو۔ ذہنِ انسانی محدود ہے اس لئے وہ کسی لامحدود کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ یعنی ہم کسی ایسے زمانے کا تصور نہیں کر سکتے جس کا آغاز کبھی نہ ہوا ہو۔ نہ ایسے زمانے کا جس کا اختتام نہ ہو۔ یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں اصطلاحات صرف خدا کے لئے مختص ہیں۔ یعنی وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ قرآنِ کریم میں یہ الفاظ ان معانی میں نہیں آئے۔ (ازل کا تو لفظ ہی قرآن میں نہیں) ابد کا لفظ زمانۂ دراز یا طویل مدت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یا ان معانی کے لئے جیسے ہم کہتے ہیں کہ "میں کبھی ایسا نہیں کروں گا" لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا - (۲ : ۹۵)۔ وہ کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے۔ یا جیسے ہم کہتے ہیں کہ تم میں اور ہم میں ہمیشہ دشمنی رہے گی — (۶۰ : ۴)۔ زمانۂ دراز کے معنوں میں یہ لفظ جنت اور جہنم کے لئے آیا ہے۔ (تفصیل جنت اور جہنم کے عنوانات میں ملے گی)

مرد اور عورت کی حیثیت

~~~~~~ ۱۹۷۴ء ~~~~~~

قرآن کریم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے ایک انسانی بچے اور دوسرے انسانی بچے میں کوئی تفریق اور تمیز روا نہیں رکھی جا سکتی۔ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ (۱۷/۷۰) "ہم نے تمام انسانوں کو واجب التکریم بنایا ہے"۔ اس کا اصل الاصول ہے۔ ظاہر ہے کہ "نوعِ انسان" یا "بنی آدم" میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، اس لئے دونوں یکساں تکریم کے مستحق ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں لڑکی کو لڑکے کے مقابلہ میں فروتر سمجھا جاتا تھا، اور لڑکی کی پیدائش پر افسردگی چھا جاتی تھی۔ قرآنِ کریم نے اس ذہنیت کی بڑی سختی سے مذمت کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ:-

اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ۔ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ۔ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ۔ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔ (۱۶/۵۸-۵۹)۔ نیز (۴۳/۱۷)

جب ان میں سے کسی کو یہ خبر ملتی ہے کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کے چہرے کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے۔ وہ بیٹی کی پیدائش کی خبر کو اس قدر معیوب سمجھتا ہے کہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتا ہے ـــ اور سوچتا ہے کہ کیا بیٹی کو زندہ رکھ کر ہمیشہ کی ذلت برداشت کرے یا اسے زندہ دفن کر کے (اس ذلت سے نجات حاصل کرے!)

اُف! کس قدر بُرا ہے یہ فیصلہ جو یہ لوگ اپنی معصوم بچیوں کے متعلق کرتے ہیں!!

معاشرہ میں لڑکیوں کی اس پوزیشن کا نتیجہ تھا کہ انھیں علم و ہنر سے عاری رکھا جاتا۔ انہیں بے سمجھ اور ناقص العقل تصور کیا جاتا۔ نہ ان کی رائے کو کوئی وقعت دی جاتی، نہ انہیں اس قابل سمجھا جاتا کہ معاملات کے سلجھانے میں
~~~~~~

حضرت ابراہیمؑ

(۱) حضرت ابراہیمؑ کے لئے نمودِ ذات کے متعدد مواقع سامنے آئے اور انہوں نے ہر مقام پر اپنی پختگیٔ سیرت کا مظاہرہ کیا۔ اس سے انہیں نوعِ انسانی کی امامت کا سزاوار ٹھہرایا گیا۔ انہوں نے اپنی اولاد کے متعلق کہا تو جواب ملا کہ اگر وہ ظالم ہوں گے تو پھر اس مرتبہ کے مستحق نہیں سمجھے جائینگے۔ یہ شرف وراثت میں نہیں مل سکتا۔ جوہرِ ذاتی کی بنا پر مل سکتا ہے ——— (۲ : ۱۲۴) — (۱۴ : ۳۶)

(۲) امتِ مسلمہ کو تاکید کہ وہ مقامِ ابراہیمی کا اتباع کریں، تاکہ انہیں بھی نوعِ انسان کی امامت حاصل ہو جائے ——— (۲ : ۱۲۵) — (۳ : ۹۶)

(۳) تعمیرِ کعبہ ——— (۲ : ۱۲۶ - ۲۹) — (۱۴ : ۳۵ - ۴۱) — (۲۲ : ۲۶)۔
مناسکِ حج ——— (۲۲ : ۲۷ - ۳۸)

(۴) حضرت ابراہیمؑ دنیا میں بھی منتخب انسانوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوں گے
(۲ : ۱۳۰) — (۳ : ۳۳) — (۱۶ : ۱۲۲) — (۱۹ : ۵۰) — (۲۹ : ۲۷)
خلیل اللہ ——— (۴ : ۱۲۵)۔ صدیق ——— (۱۹ : ۴۱)

(۵) خدا کے سامنے جھک جانے والا ——— (۲ : ۱۳۱)۔ قلبِ سلیم لے کر آنے والا ——— (۲۶ : ۸۹) (۳۷ : ۸۴)۔ وفا شعار ——— (۵۳ : ۳۷)

(۶) حضرت ابراہیمؑ کی اپنی اولاد کو تاکید کہ وہ خدائے واحد کی محکومیت اختیار کریں ——— (۲ : ۱۳۲)

(۷) حضرت ابراہیمؑ کا بادشاہِ وقت کے ساتھ مباحثہ ——— (۲ : ۲۵۸)

(۸) حضرت ابراہیمؑ کا استفسار کہ وہ کون سا طریق ہے جس سے مردہ اقوام زندہ ہو سکتی ہیں۔ خدا کی طرف سے اس کا جواب کہ انہیں اس طرح سدھایا اور رام کیا جاتا ہے جس طرح نامانوس پرندوں کو۔ اس طرح جب یہ تم سے مانوس ہو جائیں گے تو پھر اطاعت کرنے لگ جائینگے۔ اس سے ان میں حیاتِ نو پیدا ہو جائے گی ——— (۲ : ۲۶۰)

(۹) حضرت ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک امت تھے۔ ——— (۱۶ : ۱۲۰ - ۱۲۲)

(۱۰) حضرت ابراہیمؑ کو رشد عطا ہوا تھا ——— (۲۱ : ۵۱)

(۱۱) آپ کی ارضِ شام کی طرف ہجرت — (۲۱ : ۷۱) — (۲۹ : ۲۶) — (۳۷ : ۹۹)

(۱۲) ایمانِ ابراہیمی و دعائے ابراہیمی — (۲۶ : ۷۸ - ۹۰)

(۱۳) میثاقِ ابراہیمی — (۳۳ : ۷)

(۱۴) ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ، صاحبانِ قوت و بصیرت تھے — (۳۸ : ۴۵ - ۴۷)

(۱۵) صحیفۂ ابراہیمی اور اس کی تعلیم — (۵۳ : ۳۷ - ۴۳) — (۸۷ : ۱۹)

(۱۶) حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں اسوۂ حسنہ، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ — (۶۰ : ۱-۹) اس سے آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر تشکیلِ قوم کا معیار سامنے آگیا — (نیز ۱۴ : ۳۶) کہ میرا اپنا وہ ہے جو میرے راستے پر چلتا ہے۔

(۱۷) میثاقِ انبیاء جن میں حضرت ابراہیمؑ بھی شامل تھے — (۳۳ : ۷)

(۱۸) حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ (یا خود خدا کی) پارٹی میں سے تھے — (۳۷ : ۸۳)

(۱۹) یہ اربابِ قوت بھی تھے — (۳۸ : ۴۵)

(۲۰) ابراہیمؑ، جو ہر معیار پر پورا اترا جس نے ہر وعدہ ایفا کیا — (۵۳ : ۳۷)

ملّتِ ابراہیمی

(۱) دین و ملتِ ابراہیمی سے منہ پھیرنے والا کوئی احمق ہی ہو سکتا ہے — (۲ : ۱۳۰)

(۲) دینِ ابراہیمی میں یہود و نصاریٰ کی گروہ بندیاں نہیں تھیں۔ اس میں شرک نہیں تھا — (۲ : ۱۳۵)
(۲ : ۱۴۰) — (۳ : ۶۴ - ۶۶)

(۳) حضرت ابراہیمؑ سے قریب تر وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا۔ یا اب رسول اللہ اور جماعتِ مومنین ہے — (۳ : ۶۷)

(۴) حضرت ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ وغیرہما کی طرف جو نازل کیا گیا تھا اس پر ایمان لانا — (۳ : ۸۳)

(۵) اسلام ملتِ ابراہیمی ہے — (۳ : ۹۴) — (۴ : ۱۲۵) — (۱۶ : ۱۲۳) — (۲۲ : ۷۸)
مسلم نام بھی اسی زمانہ کا رکھا ہوا ہے — (۲۲ : ۷۸)

(۶) ما انزل الیٰ ابراھیم پر ایمان — (۲ : ۱۳۶) — (۳ : ۸۴) — (۴ : ۱۶۳)

(۷) ملتِ ابراہیمی دینِ قیم ہے ۔ وہ مشرکین میں سے نہیں تھا — (۶ : ۱۶۱)

(۸) دین اصولی طور پر شروع سے ایک ہی تھا — (۴۲ : ۱۳)

آلِ ابراہیمؑ

(۱) آلِ ابراہیمؑ کو (بلند مقامات کے لئے) منتخب کیا گیا — (۳ : ۳۳)

(۲) آلِ ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم عطا کیا — (۴ : ۵۴)

(۳) آلِ ابراہیمی کے انبیاء کرام — (۶ : ۸۵ - ۹۱) ان انبیاء کے راستے پر چلنے کی ہدایت — (۶ : ۹۱)

(۱۹ : ۵۸) — (۲۱ : ۷۲-۷۳) — (۲۹ : ۲۷) — (۳۷ : ۱۱۱-۱۱۲) — (۲۶ : ۵۷)

(۴) حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد پر اتمامِ نعمت — (۱۲ : ۶) — (۱۲ : ۳۸)

ان میں انبیاء — (۱۹ : ۵۸)

(۵) حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے جو ظالم ہوں گے (غیر خداوندی راہ پر چلنے والے) انہیں شرفِ ابراہیمی سے کچھ حصہ نہیں ملے گا ۔ یہ چیزیں وراثت میں نہیں ملتیں ۔ جوہرِ ذاتی کی بنا پر حاصل کی جا سکتی ہیں (۲ : ۱۲۴)

(۶) حضرتِ ابراہیمؑ کا اعلان کہ جو میرا اتباع کرے گا وہ میرا اپنا ہے ۔ اسلامی قومیت کا اولین معیار ۔ اسی سے امتِ مسلمہ کی تشکیل ہوتی ہے ۔ یعنی آئیڈیالوجی کے اشتراک سے امت (قوم) کی تشکیل (۱۴ : ۳۶)

(۶۰ : ۱-۹)

(۷) انہیں توحید کی تعلیم دی گئی تھی — (۴۳ : ۲۸)

(۸) ان میں ہدایت یافتہ بھی تھے اور فاسقین بھی — (۵۷ : ۲۶)

(۹) حضرتِ ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بھی دینِ خداوندی اختیار کرنے کی وصیت کی تھی — (۲ : ۱۳۲-۱۳۳)

باپ کو تبلیغ

(۱) باپ کو نصیحت کہ وہ بت پرستی چھوڑ دیں — (۶ : ۷۵)

(۲) باپ کے لئے آرزو کہ خدا اسے (ایمان کے ذریعے) تباہی سے بچا لے لیکن جب دیکھا کہ وہ کفر سے باز

نہیں آتا تو اس سے بری الذمہ ہو گئے ــ (۹ : ۱۱۴) ــ (۶۰ : ۴)

(۳) بت پرستی کے خلاف تلقین ــ (۱۹ : ۴۱-۵۰) ــ (۲۱ : ۵۲) ــ (۲۶ : ۷۰) ــ (۳۷ : ۸۴)

میں تم سے، اور تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں ــ (۴۳ : ۲۶-۲۷)

قوم کو تبلیغ

(۱) ستارہ پرستی کے خلاف حضرت ابراہیمؑ کے مشاہداتی دلائل ــ (۶ : ۷۶-۸۴)

(۲) بت پرستی کے خلاف تلقین ــ (۲۱ : ۵۲-۵۶) ــ (۲۶ : ۶۹-۷۷) ــ (۴۳ : ۲۶-۲۷)

(۳) بت شکنی کا واقعہ ــ (۲۱ : ۵۷-۶۷) ــ (۳۷ : ۸۵-۹۶)

(۴) حضرت ابراہیمؑ کے خلاف قوم کی اشتعال انگیزی ــ (۲۱ : ۶۸-۷۰) ــ (۲۹ : ۲۴) ــ (۳۷ : ۹۷)

(۵) توحید کی طرف دعوت ــ (۲۹ : ۱۶-۲۵)

(۶) بادشاہ کے ساتھ مناظرہ ــ (۲ : ۲۵۸)

(۷) ملکوت السمٰوٰت والارض کا مشاہدہ ــ (۶ : ۷۵)

(۸) قومِ ابراہیمؑ ــ (۹ : ۷۰) ــ (۲۲ : ۴۳)

(۹) انتقام کی آگ کا ٹھنڈا پڑ جانا ــ (۲۱ : ۶۹)

بیٹے کی پیدائش

(۱) فرستگانِ خداوندی کا حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنا اور بیٹے کی خوشخبری دینا ــ (۱۱ : ۶۹-۷۶) ــ

(۱۵ : ۵۰-۵۵) ــ (۲۶ : ۶۹) ــ (۲۹ : ۳۱) ــ (۵۱ : ۲۴-۳۱)

(۲) بیٹے کی قربانی کے لئے آمادگی ــ (۳۷ : ۱۰۰-۱۱۰)

سلامٌ علیٰ ابراھیم ــ (۳۷ : ۱۰۹)

اسماعیلؑ

(۱) حضرت اسماعیلؑ عہد کے پابند اور سچے رسول اور نبی تھے ــ (۱۹ : ۵۴-۵۵) ــ (۲۱ : ۸۵)

(۲) حضرت اسماعیلؑ اخیار میں سے تھے ۔۔۔۔ (۳۸ : ۴۷-۴۸)
(مزید تفصیلات عنوان "ابراہیمؑ" میں آچکی ہیں)

(۰)

۱۴- ابل

ابل۔ یہ لفظ کثیر التعداد اونٹوں کے لئے آتا ہے اور اس کا واحد اس سے نہیں آتا (دیکھئے ۳ : ۶)۔ تشبیہ کے انداز سے بادل کو بھی ابل کہتے ہیں۔ چنانچہ (۸۸ : ۱۷) میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔ اِبِلؑ اَبَابِیلؑ کے معنی ہیں گلہ در گلہ اونٹ۔ (نیز دیکھئے عنوان ابابیل)۔

(۰)

۱۵- ابلیس

(نیز دیکھئے۔ شیطان)

ابلیس۔ اس کا مادہ (ب۔ ل۔ س) ہے جس کے معنی ناامیدی کے ہیں۔ اس اعتبار سے ابلیس کے معنی ہیں وہ جو نعمائے خداوندی سے محروم اور ناامید ہو۔ اور انسانوں میں ناامیدی پیدا کرے۔ اس سے افراد پژمردہ اور قومیں تباہ ہوتی ہیں۔ قرآنِ کریم نے ابلیس اور شیطان کو ایک ہی سکے کے دو رُخ اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو قرار دیا ہے۔ جب انسانی جذبات بیباک ہوتے ہیں تو اس کا پہلا نتیجہ اشتعال ہوتا ہے۔ (اسے شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے) اور جب یہ جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں تو اس سے ناامیدی اور افسردگی طاری ہو جاتی ہے۔ (یہ ابلیس ہے)۔ "آدمؑ" کے عنوان میں جن آیات کا حوالہ دیا ہے، ان میں دیکھئے کس طرح ایک ہی بات کو ایک جگہ شیطان کی طرف اور دوسری جگہ ابلیس کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ شیطان یا ابلیس انسان کے ان جذبات کا نام ہے جو وحی کے تابع نہ رہیں۔

(۰)

ابلیس اور شیطان

(۱) ابلیس کو سجدۂ آدم کا حکم (شیطان نے انہیں بہکایا) ۔۔۔ (۲ : ۳۴ - ۳۶) ۔ (۷ : ۱۱ تا ۱۸)
(۱۵ : ۳۰) ۔۔ (۱۵ : ۳۲) ۔۔ (۱۷ : ۶۲) ۔۔ (۱۸ : ۵۰) ۔۔ (۲۰ : ۱۱۶) ۔۔ (۳۸ : ۷۴)

(۲) ابلیس کی طرف سے دلیل کہ اس نے کیوں سجدہ نہیں کیا: "مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ اس لئے میں اس سے بہتر ہوں"۔ انسانی جذبات جب بے قابو ہو جائیں تو وہ آگ کی طرح بھڑک اٹھتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے ہاں بھی غصے کی آگ اور "انتقام کی آگ" اور "حسد کی آگ" کہتے ہیں ۔۔۔ (۳۸ : ۷۶)

ابلیس و آدم

(۱) ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان آدم)۔ ابلیس کے عزائم (۷ : ۱۱ تا ۱۸) آدم کو بہکانے کے لئے ۔۔ (۷ : ۱۷) ۔۔ (۱۵ : ۳۹) ۔۔ (۱۷ : ۶۱ - ۶۵) ۔۔ (۳۸ : ۸۲)

(۲) خدا کے بندوں پر ابلیس غالب نہیں آ سکے گا ۔۔ (۱۵ : ۴۲) ۔۔ (۱۷ : ۶۵) ۔۔ (۳۸ : ۸۳)

(۳) ابلیس کے حربے جن سے وہ انسانوں کو بہکاتا ہے۔ (ابلیسی اقوام و نظام کی حرکتیں)۔ (۱۷ : ۶۴)

(۴) آدم کو بھی ایک حکم دیا گیا (کہ شجرت کے پاس نہ پھٹکنا۔ اور ابلیس کو بھی کہ وہ آدم کو سجدہ کرے۔ آدم نے بھی معصیت کی اور ابلیس نے بھی۔ جب آدم سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہم سے بھول ہو گئی۔ ہم نادم ہیں۔ اس کی توبہ قبول ہو گئی کیونکہ اس نے اپنی ذمہ داری کو قبول کیا اور اس پہ اظہار ندامت کیا۔ لہذا اس میں اصلاح کی گنجائش تھی۔ لیکن جب ابلیس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں کون ہوں معصیت کرنے والا۔ تیرے حکم کے بغیر ایک پتہ نہیں ہل سکتا۔ تو نے ہی مجھے گمراہ کیا۔ اس پر اسے کہا گیا کہ جب تو اپنی ذمہ داری قبول نہیں کرتا تو تیری اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ تو ہمیشہ مردود رہیگا۔ یہ ہے ملخص قصۂ ابلیس و آدم کا ۔۔ (۷ : ۱۶) ۔۔ (۱۵ : ۳۹)

ابلیس نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے

(۱) چونکہ انسانی جذبات غیر مرئی ہوتے ہیں، اس لئے کہا گیا کہ ابلیس کا لشکر تمہیں ایسے مقامات سے

دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے ——— (۷:۲۷)

(۲) اسی اعتبار سے کہا ہے کہ وہ "جنات" میں سے تھا جن کے معنی ہیں وہ جو آنکھوں سے نہاں ہو۔ (دیکھو عنوان جن) ——— (۱۸:۵۰)

ابلیس جہنم میں

(۱) ابلیس اور اس کا لشکر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ وہ وہاں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے اس سے ظاہر ہے کہ یہ سب انسانوں کی باتیں ہو رہی ہیں ——— (۲۶:۹۵)

(۲) ابلیس اور اس کے متبعین سے جہنم بھر دیا جائے گا ——— (۳۸:۷۱-۸۵)

ابلیسی نظام (دیکھئے عنوان "کفر کا نظام")

متفرقات

ابلیس نے قوم سبا کے متعلق اپنا ظن سچا پایا، اس لئے کہ انہوں نے اس کا اتباع شروع کر دیا اور تباہ ہو گئے ——— (۳۴:۲۰-۲۱)

——— (۰) ———

۱۶- ابن

(نیز دیکھئے۔ اولاد)

ابن (ب-ن-ی یا ب-ن-و) ۔ بیٹے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَبْنَاءٌ ۔ بَنُوْنٌ ۔ بَنِیْنٌ آتی ہے۔ بِنْتٌ (جمع بَنَاتٌ) بیٹی کو کہتے ہیں۔ مجازی معنوں کے اعتبار سے اَبْنَاءٌ قوم کے معزز لوگوں کو کہا جائے گا۔ جیسے ابنائے قوم۔

——— (۰) ———

انہی شرائط کے ساتھ جن کے ساتھ مومن عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ لیکن مسلمان عورت، کسی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ آیت (۵/۵) میں صرف اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے، اہلِ کتاب کے مردوں کے ساتھ نہیں۔ بنابریں،

۱۔ مسلمان مرد، مسلمان عورتوں یا اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ اور

۲۔ مسلمان عورتیں صرف مسلمان مردوں سے۔

واضح رہے کہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کی صرف اجازت ہے، حکم نہیں۔ اس اجازت کو اسلامی مملکت دینی یا ملی مصالح کی خاطر عندالضرورت وقتی طور پر معطل کر سکتی ہے۔ یعنی وہ اس حکمِ قرآنی کو منسوخ تو نہیں کر سکتی، وقتی طور پر ساقط العمل قرار دے سکتی ہے۔ جیسے (مثلاً) بعض دنوں میں گوشت کا ناغہ کر دیا جاتا ہے۔

(۳) سورۃ النساء کی آیات ۴/۲۲ تا آیت ۴/۲۴ کی رو سے حسبِ ذیل عورتوں سے نکاح حرام ہے۔

ماں (حقیقی ہو یا سوتیلی)، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، جس عورت کا دودھ پیا ہو، یا جو لڑکی دودھ میں شریک ہو۔ بیوی کی ماں۔ جس عورت سے تم نے شادی کی ہو اگر اس کی پہلے خاوند سے لڑکی ہو جس نے تمہاری زیرِ نگرانی پرورش پائی ہو تو اس سے بھی نکاح جائز نہیں۔ البتہ اگر اس عورت سے نکاح ہوا ہو لیکن مقاربت نہ ہوئی ہو تو پھر اس کی اس لڑکی سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں ہوں نیز حقیقی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح جائز نہیں۔ نہ کسی ایسی عورت سے جو پہلے ہی کسی کے نکاح میں ہو۔[1] (۴/۲۲-۲۴)

قرآنِ کریم نے رضاعت (دودھ پینے) کی تصریح خود نہیں کی۔ یعنی یہ نہیں بتایا کہ رضاعت (دودھ پینے) کی شرط کس طرح پوری ہوتی ہے۔ نہ ہی یہ کہ "رضاعی بہن بھائی" بننے کے لئے کیا شرائط ہیں۔ ان امور کی تصریح اسلامی حکومت کرے گی۔

یاد رہے کہ حرام صرف وہ عورت ہوگی جس کا دودھ پیا ہے۔ یا وہ لڑکی جو دودھ میں شریک تھی۔

اوپر کہا گیا ہے کہ ان عورتوں سے بھی نکاح جائز نہیں جو پہلے ہی کسی کے نکاح میں ہوں۔ لیکن قرآن نے اس میں ایک استثناء کی ہے۔ جو مسلمان عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے آگئی تھیں اور ان کے خاوند پہلے موجود تھے۔ (ظاہر ہے کہ وہ خاوند غیر مسلم تھے ورنہ وہ بھی ہجرت کر کے آجاتے) ان سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی (۶۰/۱۰)

---

[1] آیت (۴/۲۴) میں جو محصنٰت کا لفظ آیا ہے تو اس کے معنی پاک دامن بھی ہوتے ہیں اور شادی شدہ عورتیں بھی۔ یہاں "شادی شدہ" ہی مراد ہیں۔

مستثنیٰ ہیں۔ ان میں حقیقی بیٹے اور سوتیلے بیٹے۔ بھائیوں کے بیٹے اور بہنوں کے بیٹے شامل ہیں ——

(۲۴ : ۳۱) ———— (۳۳ : ۵۵)

ابنائے قوم

قرآنِ کریم نے جہاں بنی اسرائیل کے متعلق کہا ہے کہ فرعون، ان کے ابناء کو قتل کرا دیا کرتا تھا۔ اور ان کی نساء کو زندہ رکھتا تھا، سو اس سے مراد قومِ بنی اسرائیل کے ان افراد سے ہے جن میں جوہرِ مردانگی پائی جاتی تھی۔ وہ انہیں ذلیل و خوار کیا کرتا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "بنی اسرائیل")۔ اسی طرح جہاں سورۂ آلِ عمران میں "مباہلہ" کا ذکر ہے، وہاں ابناء سے مراد عام مرد ہیں ——(۳ : ۶۰)۔ تفصیل "مباہلہ" کے عنوان میں ملے گی۔

منہ بولے بیٹے

(۱) منہ بولے بیٹے، حقیقی بیٹے نہیں بن جاتے —— (۳۳ : ۴)

(۲) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں —— (۴ : ۲۳)

رشتے ناطے

(۱) حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے —— (۴ : ۲۳)

(۲) حضرت نوحؑ نے کہا کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ جواب ملا کہ نہیں! تیرے اہل میں سے صرف وہ ہیں جو تمہارے ساتھ رشتۂ ایمان میں منسلک ہیں۔ دین میں اپنے اور بیگانے کا معیار، ایمان کا اشتراک ہے، نہ کہ خون کا رشتہ —— (۱۱ : ۴۵ - ۴۶)

(۳) اسی لئے کہا کہ اگر تمہارے رشتے دار (باپ۔ بیٹا وغیرہ) دین کے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہو گئے تو تم جماعتِ مومنین میں نہ رہے —— (۹ : ۲۴)۔ اگر وہ دین کے مخالف ہیں تو ان سے دوستداری کے تعلقات نہیں رکھے جا سکتے —— (۲۲ : ۵۸)

بنی آدم وغیرہ۔ بنی آدم کے لئے دیکھئے عنوان آدمؑ اور بنی اسرائیل کے لئے عنوان بنی اسرائیل۔

نیز ابن نوح، ابن لقمان وغیرہ کے لئے متعلقہ عنوانات

متفرقات

(۱) مال و بنون، حیاتِ دنیا کی زینت ہیں لیکن انہیں وجۂ تفاخر اور استکبار نہیں ہو جانا چاہیئے۔
(۳:۱۴)—(۱۶:۷۲)—(۱۷:۶)—(۱۸:۴۶)—(۲۶:۱۳۳)—(۶۸:۱۴)—(۷۱:۱۲)
(۷۴:۱۳)

(۲) قیامت میں مال و بنون کوئی کام نہیں دے سکیں گے—(۲۶:۸۸)—(۷۰:۱۱)—(۸۰:۳۶)۔

(۳) یہ مشرکین اپنے لئے بنون تجویز کرتے ہیں اور خدا کے لئے بنات—(۶:۱۰۱)—(۱۶:۵۷)—
(۳۷:۱۴۹)—(۳۷:۱۵۳)—(۴۳:۱۶)—(۵۲:۳۹)۔ ملائکہ کو اناث (دیویاں) کہتے ہیں (۱۷:۴۰)

(۴) رسول اللہ نے فرمایا کہ تم اپنے ابناء لاؤ میں اپنے ابناء لاتا ہوں—(۳:۶۱)۔ رسول اللہ کی بیٹیاں (۳۳:۵۹)

(۵) اہل کتاب رسول اللہ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو—(۲:۱۴۶)—(۶:۲۰)

(۶) بھائی کی بیٹی، بہن کی بیٹی، صلبی بیٹے کی بیوی۔ ان سے نکاح حرام ہے—(۴:۲۳)۔ رسول اللہ کے لئے خصوصی احکام—(۳۳:۵۰)

(۰)

”ابی لہب“

” ابی لہب “۔ لَھَبٌ۔ آگ کا شعلہ۔ سورۃ لہب میں، ابی لہب کا ذکر آیا ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ میں داخل ہوگا۔ ”ابی لہب“ نبی اکرمؐ کے چچا (عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب) کی کنیت تھی۔ غالباً اس کی شعلہ مزاجی کی وجہ سے۔ قرآن نے نبی اکرمؐ کی دعوت کے مخالفین میں سے اس کا ذکر خصوصیت سے ..... کیا ہے کہ وہ ایک خاص ٹائپ کے لوگوں کا ترجمان تھا۔ کعبہ کا متولی۔ جسے معلوم تھا کہ اسلام کی کامیابی سے اس کی پیشوائیت اور سیادت چھن جائے گی۔ بد دیانت ایسا کہ کعبہ کے خزانے سے سونے کا ایک ہرن (جو وہاں چڑھاوا چڑھا ہوگا) چرا لیا۔ بزدل اور شقی القلب ایسا کہ بدر کی لڑائی میں

جس میں قریش کے قریب قریب تمام سردار شامل تھے' یہ شریک نہ ہوا، اور اپنی طرف سے ایک ایسے شخص کو مرنے کے لئے بھیج دیا جو اس کا مقروض تھا اور اس میں قرضہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں تھی۔ بخیل بے حد تھا نیز اس کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی قرابتداری اس کے کسی کام نہ آسکی کیونکہ اسلام میں یگانگت کا معیار ایمان کا اشتراک ہے نہ کہ خون کا رشتہ۔ اس کی تباہی کے اعلان سے مراد یہ بھی کہ دعوت اسلام کے مخالفین تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اور ان کے مال و دولت ان کے کسی کام نہیں آئیں گے — (۵-۱ : ۱۱۱)

——— (۰) ———

۱۸- اتحاد

(نیز دیکھئے۔ فرقہ بندی۔ پارٹی بازی۔ اختلاف امت نیز دیکھئے۔ اختلافات)

اسلام کی دعوت کا منتہیٰ یہ ہے کہ تمام نوعِ انسان کو ایک عالمگیر برادری بنا دیا جائے۔ یہ برادری آئیڈیالوجی (نظریۂ حیات) کے اشتراک سے قائم ہوگی جسے ایمان کہتے ہیں۔ اس عظیم پروگرام کی ابتدا ایک امت کی تشکیل سے ہوتی ہے جسے امتِ مسلمہ (مسلمان) کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس امت میں باہمی اختلاف' اسلام کی بنیادی تعلیم اور اساسی مقصد کے خلاف ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے فرقہ بندی کو شرک اور پارٹی بازی کو جرمِ عظیم قرار دیا ہے۔ ساری دنیا میں پھیلی ہوئی امت میں وحدت قائم رکھنے کے لئے' ایک محسوس مرکز کی ضرورت ہے۔ یہ مرکز کعبہ ہے — یعنی اسلامی نظام کا مرکزی مقام — جب اس امت کا دائرہ وسیع ہوتا جائیگا تو یہی مرکز' نوعِ انسانی کی وحدت کا مرکز بن جائیگا — امتِ مسلمہ کے نظام کی بنیاد — وحدتِ قانون (قرآن) اور وحدتِ مرکز (کعبہ) پر رکھی گئی ہے۔ اختلاف اور تفرقہ سے یہ امت' امتِ مسلمہ رہتی ہی نہیں۔

——— (۰) ———

کعبہ — وحدتِ انسانی کا مرکزِ محسوس

(۱) تم دنیا میں جہاں بھی ہو' اپنی توجہات کا رخ' اپنے ملی مرکز (کعبہ) کی طرف رکھو (۱۴۹ : ۱۴۴ : ۲)

(۲) کعبہ تمام نوعِ انسانی کی منفعت بخشی کے لئے قائم کیا گیا ہے ——(۳ : ۹۵)
کعبہ کی مرکزیت سے مقصد یہ ہے کہ تمام نوعِ انسان اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے ——(۵ : ۹۷)
(مزید تفصیلات حج اور کعبہ کے عنوانات میں دیکھئے)

قرآن وجہِ جامعیت ہے

(۱) قرآن کے ساتھ وابستہ رہنے سے تمہاری جامعیت باقی رہے گی۔ تم سوچو کہ اس سے پہلے تمہاری حالت کیا تھی اور قرآن نے کس طرح تمہارے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی ——(۳ : ۱۰۲)
(۲) نزولِ قرآن سے مقصد ہی یہ ہے کہ اختلافات رفع ہوں ——(۲ : ۲۱۳)——(۱۰ : ۱۹)——(۱۶ : ۶۴)
(۳) خدا نے ابنائے آدم (انسانوں) سے کہہ دیا تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے لیکن اگر وحی کا اتباع کرو گے تو پھر یہ عداوت باقی نہیں رہے گی ——(۲ : ۳۶-۳۸)——(۷ : ۳۵)——(۲۰ : ۱۲۳)

فرقہ بندی کفر اور شرک ہے

(۱) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کر لیا اور عذابِ خداوندی کے مستحق قرار پا گئے ایمان لانے کے بعد فرقہ بندی کفر ہے ——(۳ : ۱۰۴-۱۰۶)
(۲) تم ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور باہوں میں باہیں ڈال کر حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرو ——(۳ : ۱۹۹)
(۳) جن لوگوں نے دین میں فرقے پیدا کر لئے، رسولؐ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ——(۶ : ۱۶۰)
(۴) ایسی مسجد کی تعمیر جس سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوتا ہو، کفر ہے۔ اس میں کسی کو قدم تک نہیں رکھنا چاہیئے (۹ : ۱۰۷-۱۱۰)۔ صلوٰۃ وحدت کا موجب ہونی چاہیئے ——(۳۰ : ۳۱-۳۲)
(۵) حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ تم نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکا کیوں نہ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ڈرتا تھا کہ اس سے قوم میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ گویا تفرقہ اتنی بڑی خرابی ہے کہ اس سے باز رہنے کے لئے وقتی طور پر قوم کی جہالت کو بھی گوارا کر لینا پڑتا ہے ——(۲۰ : ۹۴)
(۶) دیکھنا! تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر لئے پھر ہر فرقہ یہ کہہ کر مگن ہو جاتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور باقی سب باطل ہیں ——(۲۳ : ۵۳)——(۳۰ : ۳۰-۳۱)

(۷) تمام انبیاء کو یہی تعلیم دی گئی تھی کہ تفرقہ نہ پیدا کرنا۔ ان کے بعد لوگ اختلافات پیدا کرتے رہے۔ اب یہی تعلیم رسول اللہ کو دی جارہی ہے۔ (۱۵-۱۳ : ۴۲)۔ حضرت عیسیٰ، یہی تعلیم دیتے تھے (۶۵-۶۳ : ۴۳)

تفرقہ عذاب ہے

(۱) قوموں پر عذاب کی ایک شکل یہ ہے کہ وہ پارٹیوں میں بٹ جائیں اور پھر یہ پارٹیاں ایک دوسرے سے الجھتی رہیں۔ (۶۵ : ۶)

(۲) بنی اسرائیل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دنیا میں بکھر گئے۔ یہ خدا کا عذاب تھا۔ (۱۶۸ : ۷)

(۳) قوم سبا کو ریزہ ریزہ کر کے پراگندہ کر دیا۔ یہ خدا کا عذاب تھا۔ پھر ان کی صرف داستانیں باقی رہ گئیں۔ (۱۹ : ۳۴)

(۴) فرعون کا جرم عظیم یہ تھا کہ قوم میں تفرقہ ڈال کر انہیں پارٹیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ (۴ : ۲۸)

متفرقات

(۱) جنگ احد میں تم نے باہمی تنازعہ شروع کیا تو تمہاری فتح شکست میں بدل گئی۔ (۱۵۱ : ۳)

(۲) کسی مومن کا قتل عمد (بالارادہ قتل) سیدھا جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ (۹۳ : ۴)

(۳) تعلیم خداوندی کے فراموش کر دینے سے باہمی اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ (۱۴ : ۵)

(۴) پہلے تمام انسان ایک ہی برادری کی طرح رہتے تھے۔ پھر انہوں نے باہمی اختلاف پیدا کر لیا (۱۹ : ۱۰) اسی اختلاف کو مٹانے کے لئے انبیاء کرام آتے رہے۔ (۲۱۳ : ۲)

(۵) لوگ اختلاف کرتے رہیں گے لیکن جن پر خدا کی رحمت ہوگی وہ ایسا نہیں کریں گے۔ اور ان کی تخلیق کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ سے اپنے اختلافات مٹا کر رحمتِ خداوندی کے مستحق بن جائیں۔ (۱۱۸-۱۹ : ۱۱)

(۶) خدا انسانی اختیار و ارادہ کو سلب کر کے امت واحدہ نہیں بنانا چاہتا۔ انسانوں کو اپنے اختیار و ارادہ سے ایسا کرنا ہوگا۔ (۴۸ : ۵)۔ (۹۳ : ۱۶)۔ (۸ : ۴۲)۔ (۳۳ : ۴۳)

(۷) شیطان ایک دوسرے میں نزاع اور فساد پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تم اچھی باتیں کیا کرو تاکہ ایسی صورت

پیدا نہ ہو جائے ـــــ (۱۷ : ۵۳)

(۸) تمام انبیاءؑ امتِ واحدہ کے افراد تھے۔ ان کی وجہِ جامعیت، خدا کی محکومیت تھی۔ لیکن لوگوں نے باہمی اختلافات پیدا کر لئے ـــ (۲۱ : ۹۲-۹۳) ـــ (۲۳ : ۵۲-۵۳) ـــ (۴۲ : ۱۳-۱۴)

(۹) اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو بیٹھتا۔ لہٰذا ایک خدا کو ماننے کا عملی مفہوم یہ ہے کہ انسان ایک امت ہوں اور امت میں گروہ بندی نہ ہو ـــ (۲۳ : ۹۱)

(۱۰) فرعون کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو پارٹیوں میں تقسیم کر رکھا تھا ـــ (۲۸ : ۴)

(۱۱) یہودیوں کی حالت یہ تھی کہ بظاہر ایک قوم نظر آتے تھے۔ لیکن ان کے دل ایک دوسرے سے الگ الگ تھے۔ اس لئے ان پر الم انگیز عذاب طاری ہو گیا۔ وہ تباہ ہو گئے ـــ (۵۹ : ۱۳-۱۴)

(۱۲) رنگ اور زبان کا اختلاف وحدتِ انسانیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ـــ (۳۰ : ۲۲)۔ نہ ہی شعوب و قبائل کی تفریق جس سے مقصد تعارف کے سوا کچھ نہیں ـــ (۴۹ : ۱۳)

مومنین کی صفات

(۱) ایک دوسرے کے سامنے جھکے ہوتے اور مخالفین کے مقابلہ میں نہایت سخت ـــ (۵ : ۵۴) ـــ (۴۸ : ۲۹)

(۲) خدا و رسول (نظامِ خداوندی) کی اطاعت کرو۔ باہمی تنازعات مت پیدا کرو۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ـــ (۸ : ۴۶)

(۳) خدا نے مومنین کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی۔ ورنہ اگر تو (اے رسولؐ) ساری دنیا کی دولت صرف کر ڈالتا تو بھی یہ بات پیدا نہ ہوتی ـــ (۳ : ۱۰۲) ـــ (۸ : ۶۳)

(۴) مومن وہ ہے جو انہیں جوڑتا ہے جنہیں جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ کافر انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے ـــ (۲ : ۲۷) ـــ (۱۳ : ۲۱) ـــ (۱۳ : ۲۵)

(۵) جنتی زندگی یہ ہے کہ دلوں میں کوئی کدورت نہ رہے ـــ (۱۵ : ۴۷)

(۶) ایمان اور اعمالِ صالحہ سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے ـــ (۱۹ : ۹۶)

(۷) مومن ایک دوسرے کے ساتھ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح منضبط رہتے ہیں ـــ (۶۱ : ۴)

(۸) مومن ایک امت کے افراد ہیں۔ لہٰذا ان میں تفرقہ کیوں ہو! ـــ (۲ : ۱۴۳) (۳ : ۱۰۹)

(۹) گروہ یا پارٹیاں دنیا میں دو ہی ہیں۔ مومن اور کافر ـــ (۲ : ۶۴)۔ یا حزب اللہ اور حزب الشیطان۔ (۲۲ ; ۱۹ : ۵۸)

ـــــ (۰) ـــــ

۱۹۔ اثاثۃ

اثاثۃ۔ ہر چیز کا بڑا حصہ۔ مالِ کثیر۔ ساز و سامان۔ اس کی جمع اثاث ہے۔ یہ لفظ (۱۶:۸۰) میں آیا ہے۔ نیز ـــ (۷۴ : ۱۹) میں۔

ـــــ (۰) ـــــ

۲۰۔ اثر (آثار)

اثر (ا۔ ث۔ ر)۔ نشان۔ علامت۔ خبر۔ نتیجہ

علامت۔ آثارِ رحمت اللہ ـــ (۵۰ : ۳۰)۔ اطاعتِ خداوندی سے جو قلبی سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس کے جو آثار چہروں سے نمودار ہوتے ہیں انہیں اثر السجود سے تعبیر کیا گیا ہے (۲۹ : ۴۸)۔ اقوام سابقہ جو اپنے نشانات پیچھے چھوڑ جاتی ہیں انہیں ان کے آثار کہا گیا ہے ـــ (۲۱ : ۴۰) (۸۲ : ۴۰)

(۲) نقشِ قدم۔ وہ اپنے نقوشِ قدم پر پیچھے کی طرف لوٹے ـــ (۶۴ : ۱۸)۔ خدا نے رسولوں کے نقوشِ قدم پر اور رسول بھیجے ـــ (۲۷ : ۵۷)؛ (۴۶ : ۵) ـــ تقلیدِ آبا ـــ (۷۰ : ۳۷) ـــ (۲۳ ; ۲۲ : ۴۳)

(۳) مسلک و مشرب۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ سامری نے کہا کہ میں نے اثر الرسول سے تھوڑا سا حصہ پا لیا تھا ـــ (۹۶ : ۲۰)۔ اس کے معنی حضرت موسیٰؑ کے مسلک و مشرب کے ہیں۔ یہی معنی (۸۵ : ۲۰) میں ہیں۔

(۴) علمی دلیل اور نتیجہ ـــ (۴ : ۴۶)

(۵) اَثَرَ کے معنی ہیں کسی چیز کو نشان زدہ کر کے کسی کے لئے مخصوص کر دینا۔ اسی سے ایثار ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اپنے اوپر ترجیح دینا ــ (۱۲ : ۹۱) ــ (۲۰ : ۷۲) ــ (۳۸ : ۷۹) ــ (۱۶ : ۸۷)

(۶) اعمال کے نتائج۔ یعنی جنہیں انسان پیچھے چھوڑ آتا ہے ــ (۱۸ : ۶) ــ (۱۲ : ۳۶)

(۷) وہ بات جو پیچھے سے مسلسل چلی آئے ــ (۲۴ : ۷۴)

(۸) مومن، دوسروں کی ضروریات کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں ــ (۹ : ۵۹)

(۰)

۲۱۔ اثل

اثل۔ جھاؤ کا درخت ــ (۱۶ : ۳۴)

(۰)

۲۲۔ اِثم

(نیز دیکھئے۔ جُرم۔ عدوان۔ عصیان۔ معصیت)

اِثم۔ (مادہ۔ ا۔ ث۔ م) گناہ یا جرم کے لئے قرآن کریم میں ایک لفظ نہیں آیا۔ (گناہ تو ہے ہی فارسی کا لفظ) مختلف جرائم اور خطاؤں کے لئے ان کے اثرات کے لحاظ سے مختلف الفاظ آتے ہیں۔ ان میں ایک لفظ اثم بھی ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں ایسے کام جن سے انسان کے قوائے عملیہ مضمحل ہو جائیں، جن سے انسان میں افسردگی، سستی اور اضمحلال پیدا ہو جائے جن کی وجہ سے انسان دوسروں سے پیچھے رہ جائے جن سے انسانی ذات کی نشو و نما رک جائے یا اس میں تاخیر واقع ہو جائے۔ اس کے بعد یہ لفظ عام خطا، قصور، یا جرم کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا۔

(۰)

(۱) خمر اور میسرہ میں فوائد تو ہیں لیکن ان کا اثم ان کے فوائد سے کہیں بڑھ کر ہے ــ (۲ : ۲۱۹)

(۲) حالتِ اضطرار میں حرام شے کھا لینے سے کچھ اثم نہیں ہوتا ــــ (۱۷۳ : ۲)
(۳) اگر وصیت کرنے والا انصاف نہ کرے تو مصالحت کی صورت پیدا کر دینے میں کوئی اثم (مضائقہ) نہیں ــــ (۱۸۲ : ۲)
(۴) حج میں اگر تین دن کے بجائے کمی زیادتی کر لی جائے تو کوئی اثم (چنداں مضائقہ) نہیں ــــ (۲۰۳ : ۲)
(۵) بنی اسرائیل، اثم و عدوان (جرائم) کے معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے ــــ (۸۵ : ۲)
(۶) جھوٹی عزت (عزت بالاثم) انسان کو قوانینِ خداوندی کی طرف آنے نہیں دیتی ــــ (۲۰۶ : ۲)
(۷) ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جرم ہے ــــ (۱۸۸ : ۲)
(۸) جرم اور اس کے نتائج کے عملی طور پر سامنے آنے میں جو وقفہ ہوتا ہے، اس کی وجہ سے لوگ جرائم میں اور آگے بڑھ جاتے ہیں ــــ (۱۷۷ : ۳)
(۹) شرک اثم عظیم ہے۔ اس سے شرفِ انسانیت خاک میں مل جاتا ہے ــــ (۴۸ : ۴)
(۱۰) افترا علی اللہ (غلط بات خدا کی طرف منسوب کرنا) اثم مبین ہے ــــ (۵۰ : ۴)
(۱۱) خود جرم کرے اور اس کی تہمت دوسروں پر لگائے۔ یہ کھلا ہوا جرم ہے ــــ (۲۰ : ۴)-(۱۱۲ : ۴)
(۱۲) اثم اور عدوان کے معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو ــــ (۲ : ۵)
(۱۳) اہل کتاب کی اکثریت اثم و عدوان میں مبتلا تھی۔ ان کے علماء و مشائخ انہیں ایسی باتوں سے روکتے نہیں تھے ــــ (۶۲-۶۳ : ۵)
(۱۴) اثم کی سب باتیں حرام ہیں ــــ (۳۳ : ۷)
(۱۵) جو کوئی اثم کا کام کرتا ہے اس کا بدلہ اسی کو ملے گا ــــ (۱۱ : ۲۴)
(۱۶) اثم و عدوان کے لئے سازشیں مت کرو۔ راز کی باتیں نیکی اور تقویٰ کے لئے کرو ــــ (۹-۸ : ۵۸)
(۱۷) اثم کا ارتکاب کرنے والے، قانونِ خداوندی کی نگاہوں میں پسندیدہ نہیں ــــ (۲۷۶ : ۲) (۱۰۷ : ۴)
ایسے لوگوں پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے۔ یہ اپنے سرکش جذبات کے پیچھے چلتے ہیں ــــ (۲۲۲ : ۲۶)
ان کا سامانِ زیست جہنم کے شجرۃ الزقوم سے ترکیب پاتا ہے ــــ (۴۴ : ۴۴)
ان کا انجام تباہی ہے ــــ (۷ : ۴۵)۔ ان کی اطاعت جائز نہیں ــــ (۱۲ : ۶۸) ــــ (۲۴ : ۷۶)
یہ اس لئے ایسے کام کرتے ہیں کہ انہیں خدا کے قانونِ مکافات پر ایمان نہیں ہوتا ــــ (۱۲ : ۸۳)

(۱۸) زنا سے اثم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔۔۔ (۶۸ : ۲۵)
(۱۹) جنت (اور جنتی معاشرہ) میں کوئی بات ایسی نہیں ہوگی جس میں اضمحلال وافسردگی واقعہ ہو
(۵۲ : ۲۳) ۔۔۔ (۵۶ : ۲۵)
(۲۰) ظاہر و باطن اثم سے بچو ۔۔۔ (۶ : ۱۲۰) ۔۔۔ (۳۳ : ۷)
(۲۱) مومن، کبائر الاثم والفواحش سے بچتے ہیں ۔۔۔ (۴۲ : ۳۷) - بجز لمم کے ۔۔۔ (۳۲ : ۵۳)
(۲۲) بدظنی سے بچو - یہ اثم ہے ۔۔۔ (۱۲ : ۴۹)
(۲۳) کسی پر بہتان لگانا اثم ہے ۔۔۔ (۵۸ : ۳۳)
(۲۴) شہادت کا چھپانا اثم ہے ۔۔۔ (۲۸۳ : ۲) ۔۔۔ (۱۰۶ : ۵)
(۲۵) ربوٰ سے اثم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔۔۔ (۲۷۶ : ۲)
(۲۶) جنت کے مشروب میں نہ لغویت ہوگی نہ تاثیم ۔۔۔ (۲۳ : ۵۲) - اس میں کسی قسم کی لغویت اور تاثیم کی بات نہیں سنائی دے گی ۔۔۔ (۲۵ : ۵۶)

۲۳- اجاج

اجاج (ا-ج-ج) - اس کے بنیادی معنی شدت کے ہیں - ملحٌ اُجاج - سخت کڑوا یا کھاری پانی ۔۔۔ (۵۳ : ۲۵) ۔۔۔ (۱۲ : ۳۵) ۔۔۔ (۷۰ : ۵۶)

(نوٹ) یاجوج، ماجوج بھی اسی مادہ سے ہے - اس کے لئے عنوان یاجوج دیکھئے)

۲۴- اجتماعی زندگی

(نیز دیکھئے - امت - فرقہ بندی)

اسلام دین ہے، مذہب نہیں - مذہب میں زندگی کا مقصد، ایک فرد کی اپنی نجات ہوتا ہے اس

کے لئے وہ خدا سے اپنا پرائیویٹ تعلق قائم کرتا ہے۔ وہ جس قدر انسانوں سے دُور ہٹتا جائے اتنا ہی "خدا کے قریب" ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ پہلے، عبادت یا بھگتی یا پرستش کے لئے الگ گوشہ تجویز کرتا ہے۔ اس تنہائی میں وہ خدا سے لَو لگاتا ہے۔ پھر وہ جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے، دنیا سے دور ہٹتا جاتا ہے۔ چنانچہ خدا کے مقرب بندوں ۔ ایشور کے بھگتوں ۔ کی نشانی یہ ہے کہ وہ الگ خانقاہوں یا حجروں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور جنگلوں یا غاروں میں چلے جاتے ہیں۔ اور دنیا کے دھندے دنیا داروں کے سپرد کر دیتے ہیں کیونکہ دنیا اور اس کی جاذبیتیں، خدا کے راستے میں رکاوٹ' اس لئے قابلِ نفرت ہیں۔

دین کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔ وہ انسان کو دنیا میں رہنا سکھاتا ہے۔ چنانچہ دنیا کا ہر کام جو وحیٔ خداوندی کی روشنی میں سرانجام دیا جائے' دین بن جاتا ہے۔ دین نام ہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں مستقل اقدار کے مطابق، نوعِ انسان کی بہبود کے لئے صرف کرنیکا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے اجتماعی زندگی کی ضرورت ہے۔ دین "نام ہی اجتماعی نظامِ حیات کا ہے جو وحی کی مقرر کردہ حدود کے اندر متشکل ہو۔ اس اجتماعی نظام کے اندر، افرادِ معاشرہ کی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس سے ایک عجیب و غریب 'حسین' اثر وجود میں آتا ہے۔ افراد' اپنی صلاحیتوں کو اجتماعی نظام کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ وہ انہیں انسانیت کی تعمیر کے کاموں میں صرف کرے۔ اور اجتماعی نظام ان افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس لئے اسلام میں نہ فرد بلا جماعت کا تصور ہے نہ جماعت کا وجود مقصود بالذات ہے۔ جماعت کا مقصد فرد کی نشوونما ہے (اس کی طبیعی زندگی کی پرورش بھی اور اس کی ذات کی نشوونما بھی) قرآن تصور ہی اجتماعی زندگی کا دیتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ وہ "یاایھا الذین امنوا" یعنی جماعتِ مومنین سے خطاب کرتا ہے۔ افراد سے الگ الگ نہیں۔ حتیٰ کہ افرادِ امت کی دعائیں بھی (جو قرآن کریم میں آئی ہیں) اجتماعی ہیں' انفرادی نہیں۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے' وہ ایک امت تیار کرتا ہے جو دین کے نظام کو قائم کرتی ہے۔ اسے آج کی اصطلاح میں، نظامِ معاشرہ یا نظامِ مملکت کہہ لیجئے۔ لیکن نظامِ مملکت کا تصور محدود ہوتا ہے اس میں نگاہ صرف سیاسی امور تک جاتی ہے۔ قرآن کا نظامِ اجتماعی، انسانی زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہوتا ہے۔ (اس سلسلہ میں اسلام کے معاشی، معاشرتی، تمدنی، مملکتی نظام کے عنوانات دیکھئے) حیاتِ اجتماعیہ کے متعلق، قرآن کریم نے جو اصولی ہدایات دی ہیں' زیرِ نظر عنوان میں صرف ان کا ذکر کیا جائے گا۔

تشکیلِ امت۔ تاسیسِ جماعت۔ مرکزیت۔ اجتماعیت وغیرہ۔

واضح ہے کہ قرآن کریم میں جماعت کا لفظ تو نہیں آیا لیکن اس کی پیش فرمودہ تعلیم پر غائر نگاہ ڈالی جائے تو اس سے صاف نظر آجائے گا کہ اس کا مقصد امت مسلمہ کے سامنے اجتماعی زندگی کا تصور پیش کرنا ہے۔ اسی سے وہ دین بنتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔۔(۱۰۲ : ۳) اس کی بنیادی سند ہے۔ وہ اعتصام بحبل اللہ کو اجتماعی قرار دیتا ہے انفرادی نہیں۔ اسی کو اجتماعی زندگی یا جماعتی نظم و نسق کہتے ہیں۔

---(۰)---

تشکیل امت

(۱) تعمیر کعبہ کے وقت دعائے ابراہیمی کہ ہماری ذریت میں، ایک امتِ مسلمہ پیدا کر۔۔۔(۱۲۸ : ۲)

(۲) ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی امت بنایا ہے تاکہ تم (اقوام عالم کے اعمال کے نگران رہو اور تمہارے اعمال کی نگرانی تمہارا رسول (مرکزِ امت) کرے۔ اس امت کا مرکز محسوس کعبہ ہے (۱۴۳-۱۴۲ : ۲)

(۳) تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو۔۔۔(۱۰۳ : ۳)۔۔۔(۱۰۹ : ۳)۔ اس آیت (۱۰۳ : ۳) کا مطلب یہ نہیں کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جس کا فریضہ یہ ہو۔ بلکہ جیسا کہ (۱۰۹ : ۳) میں کہا گیا ہے۔ یہ فریضہ ساری امت کا ہے۔ اس لئے "منکم" میں "من" "تبعیض کے لئے نہیں آیا تبئین کے لئے آیا ہے۔

(۴) یہ وہ امت ہے جو حق (قرآن) کے ساتھ ہدایت کرتی ہے۔۔۔(۱۸۱ : ۷)

(۵) حضرت ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک اُمت لئے ہوتے تھے۔۔۔(۱۲۰ : ۱۶)

(۶) تمام انبیاءؑ ایک ہی امت کے افراد۔۔ یعنی ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں تھے۔ اس لئے کہ وحی کا سلسلہ شروع سے اخیر تک، اصولی طور پر، ایک ہی تھا۔۔(۹۲ : ۲۱)۔۔(۵۲ : ۲۳)

(۷) تمام انسان شروع میں ایک ہی امت تھے۔ پھر انہوں نے اختلافات شروع کر دیئے تو انبیاء کا سلسلہ شروع ہوا جس سے مقصد یہ تھا کہ انہیں پھر سے ایک عالمگیر برادری بنا دیا جائے۔۔۔(۲۱۳ : ۲)

(۸) جہنم میں امتیں (قومیں۔ جماعتیں) جائیں گی — (۳۸ : ۷) — (۷۱ : ۳۹)۔ یعنی غلط نظام میں رہنے والے افراد، ایک امت ہوتے ہیں اور جہنم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسی کی بڑھی ہوئی شکل اخروی جہنم کی زندگی ہوگی۔ (دیکھئے عنوان "جہنم")

(۹) اسی طرح جنت میں بھی زمر گروہ ہی جائینگے — (۷۳ : ۳۹)۔ اسی لئے خدا نے فرد سے کہا ہے کہ میرے بندوں کے ساتھ شامل ہو جا۔ اور اس طرح جنت میں داخل ہو جا — (۳۰-۲۷ : ۸۹)

مرکز سے اجتماعی وابستگی

(۱) مومن اپنا جان اور مال خدا کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ اور وہ اس کے عوض انہیں جنت عطا کرتا ہے۔ (9:111) — (۲/۲ : ۲۰۷ - ۲۰۸)

(۲) یہ بیع و شریٰ کا معاملہ، امت کے مرکز (رسول) کے ساتھ طے پاتا ہے — (۱۰ : ۴۸) — (۱۸ : ۴۸)

(۳) اسلامی مملکت کے کسی قانون سے سرکشی برتنا، خدا اور رسول کے خلاف جنگ ہے (۲۷۹ : ۲) اسی کو بغاوت کہا گیا ہے جو سنگین ترین جرم ہے اور شدید ترین سزا کا مستوجب — (۳۳ : ۵)

جماعتی زندگی

(۱) اے جماعتِ مومنین! خود جم کر رہو۔ دوسروں کی استقامت کا موجب بنو۔ رابطہ باہمی مضبوطی سے قائم کرو۔ اور اس طرح قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو — (۳:۱۹۹)

(۲) برّ و تقویٰ کے کاموں میں باہمی تعاون کرو — (۵ : ۲)

(۳) خدا اور رسول کی آواز پر لبیک کہو۔ اس سے تمہیں زندگی ملیگی۔ ایسا نہ کرو گے تو وہ فتنہ آجائیگا جو صرف ظالمین تک محدود نہیں رہا کرتا۔ ساری قوم اس کی لپیٹ میں آجایا کرتی ہے (۲۵-۲۴ : ۸)

(۴) اللہ اور رسول (نظامِ خداوندی) سے خیانت نہ کرو۔ نہ ہی اپنی امانات میں خیانت کرو (۲۸-۲۷ : ۸)

(۵) خدا نے مومنین کے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی۔ یہ متاع دنیا بھر کی دولت صرف کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی — (۱۰۲ : ۳) — (۶۳ : ۸)

(۶) اے نبی! تیرے لئے خدا، اور جماعتِ مومنین جو تیرا اتباع کرتی ہے، کافی ہیں — (۶۴ : ۸)

خدا نے تجھے اپنی نصرت اور جماعتِ مومنین کے ذریعے تقویت دی ۔۔ (۸ : ۶۲)

(۷) تم سب اجتماعی طور پر، حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ تفرقہ نہ پیدا کرو۔ یہ خدا کی نعمت ہے کہ اس نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ ورنہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور جہنم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ سو اس نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی ۔۔۔ (۳ : ۱۰۲) ۔۔ (۴ : ۱۴۶)

(۴ : ۱۷۵) ۔۔۔ (۲۲ : ۷۸)

(۸) باہمی تنازعات مت پیدا کرو۔ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ۔۔۔ (۸ : ۴۶)

(۹) قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور صادقین کے ساتھ رہو ۔۔۔ (۹ : ۱۱۹)

(۱۰) رکوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوع کرو۔ یعنی اجتماعی طور پر اطاعتِ خداوندی کرو۔ (۲ : ۴۳)

(۱۱) حضورؐ کو حکم کہ تم خود بھی استقامت اختیار کرو اور تمہارے ساتھ وہ بھی جو خدا کی طرف رجوع کریں

(۱۱ : ۱۱۲) ۔۔۔ (۱۸ : ۲۸)

(۱۲) حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ یا اللہ! میری ذریت کی طرف لوگوں کے دلوں کو مائل کر دے ۔۔ (۱۴ : ۳۷)

(۱۳) حضورؐ کو حکم کہ جماعتِ مومنین کو اپنے سایۂ عاطفت کے نیچے رکھو ۔۔۔ (۱۵ : ۸۸) ۔۔ (۲۶ : ۲۱۵)

(۱۴) جماعت میں ادنیٰ پیشوں کے لوگ بھی شامل ہوں گے۔ انہیں دھتکارنا نہیں چاہیئے

(۶ : ۵۲) ۔۔۔ (۲۶ : ۱۱۱-۱۱۴)

(۱۵) کونوا انصار اللہ ۔۔۔ (۶۱ : ۱۴) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا ۔۔ (۴۷ : ۷)

(۱۶) اللہ، جبریل اور صالح مومنین، رسول اللہ کے مولا ہیں ۔۔۔ (۶۶ : ۴)

(۱۷) انفرادی زندگی بسر کرنے والے چاہتے ہیں کہ ہر ایک کا پروگرام الگ الگ ہو ۔۔ (۵۳-۵۲ : ۴۷)

(۱۸) رسول کی مخالفت کرنا۔ اور سبیل المومنین (مومنوں کے راستے) سے الگ کوئی راہ اختیار کرنا، جہنم کی طرف لے جائیگا ۔۔۔ (۴ : ۱۱۵)

(۱۹) ان سے کہو کہ یہ میرا راستہ ہے۔ اس کا اتباع کرو۔ اگر تم نے مختلف راستے اختیار کر لئے تو وہ تمہیں میری راہ سے الگ کر دینگے ۔۔۔ (۶ : ۱۵۴)

(۲۰) میرے بندوں میں داخل ہو جا اور اس طرح جنت میں چلا جا ۔۔۔ (۸۹ : ۲۹-۳۰)

(۲۱) رسول اللہ نرم مزاج تھے۔ یہ خدا کا فضل تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ آپ کے ساتھ نہ رہتے (۳ : ۱۵۸)

(۲۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ۔ حضورؐ اور آپؐ کے رفقاء ۔ کی خصوصیات۔ (۴۸:۲۹)

(۲۳) مہاجرین و انصار مومن حقا تھے ــــ (۸ : ۷۴-۷۵)۔ ان کے بعد آنے والے بھی۔ خدا ان سے راضی وہ خدا سے راضی ــــ (۹ : ۱۰۰)

ــــــ (۰) ــــــ

۲۵۔ اجر

اجر ۔ (ا ۔ ج ۔ ر) ۔ کام کا بدلہ۔ اُجرت ۔ اس کے بنیادی معنی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے جوڑنے کے ہیں۔ مزدور کی مزدوری کو بھی اُجرت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے اس کی مشقت کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ اس کی چٹخ جانے والی ہڈیاں جُڑ جاتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ اجر ہمیشہ کام کا ہوتا ہے۔ جب خدا نے جنت کو اجرِ عظیم کہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انسان کے اپنے کاموں کا اجر ہوتا ہے۔ مفت میں یا بطور بخشش نہیں ملتی۔ (تفصیل جنت کے عنوان میں ملے گی۔ نیز "مکافاتِ عمل" کے عنوان میں)۔ (اجر کا لفظ عورتوں کے مہر کے لئے بھی آتا ہے۔ اس کی تفصیل مہر کے عنوان میں ملے گی)

ــــــ (۰) ــــــ

ایمان و تقویٰ کا اجر

(۱) اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو اس کا اجرِ عظیم ملے گا ــــ (۳ : ۱۷۸)

(۲) بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں، جدوجہد کرنے والوں کا اجر بہت زیادہ ہے ــــ (۴ : ۹۵)

(۳) اجر تو کام کرنے والوں ہی کو مل سکتا ہے ــــ (۳ : ۱۳۵) ــــ (۲۹ : ۵۸) ــــ (۳۹ : ۷۴)

ایمان و اعمال صالح (یا مومنین) کا اجر

(۱) جنت ــــ (۳:۱۳۵) ــــ (۳:۱۹۷:۱۹۸) ــــ (۹:۲۲) ــــ (۲۹:۵۸)۔ اجر العٰملین ــــ (۳۹:۷۴)

(۲) اجرِ عظیم ــــ (۲ : ۱۱۲) ــــ (۲ : ۲۶۲) ــــ (۲ : ۲۷۴) ــــ (۲ : ۲۷۷) ــــ (۳ : ۱۷۸) ــــ (۳ : ۱۷۲)

(۴ : ۴۰ ; ۶۷ ; ۷۴ ; ۹۵ ; ۱۰۰ ; ۱۱۴ ; ۱۴۶ ; ۱۶۲) — (۴ : ۱۵۲) — (۴ : ۱۷۳) — (۵ : ۹) — (۸ : ۲۸) — (۱۶ : ۹۶) — (۱۷ : ۹) — (۱۸ : ۲) — (۳۳ : ۲۹) — (۳۳ : ۳۵ ; ۴۴) — (۳۵ : ۷) — (۳۵ : ۳۰) — (۳۶ : ۱۱) — (۳۹ : ۳۵) — (۴۲ : ۴۰) — (۴۸ : ۱۰) (۴۸ : ۱۶) — (۴۸ : ۲۹) — (۴۹ : ۳) — (۵۷ : ۷) — (۵۷ : ۱۱ ; ۱۸) — (۵۷ : ۱۹) — (۵۷ : ۲۷) — (۶۴ : ۱۵) — (۶۵ : ۵) — (۶۷ : ۱۲) — (۷۳ : ۲۰)

(۳) اجرِ آخرت — (۱۲ : ۵۷) — (۱۶ : ۴۱)

(۴) اجرِ غیر ممنون — (۴۱ : ۸) — (۶۸ : ۳) — (۸۴ : ۲۵) — (۹۵ : ۶) - بغیر حساب — (۳۹ : ۱۰)

(۵) دنیا اور آخرت دونوں میں اجر — (۲۹ : ۲۷)

(۶) ازواجِ مطہرات کو دوہرا اجر — (۳۳ : ۳۱) - سزا بھی دوہری — (۳۳ : ۳۰)
اہلِ کتاب ایمان لے آئیں تو دوہرا اجر — (۲۸ : ۵۴)

کسی کا اجر ضائع نہیں ہوتا

(۱) خدا مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا — (۳ : ۱۷۰)

(۲) مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا — (۷ : ۱۷۰)

(۳) محسنین کا اجر ضائع نہیں ہوتا — (۹ : ۱۲۰) — (۱۱ : ۱۱۵) — (۱۲ : ۵۶) — (۱۲ : ۹۰) — (۱۸ : ۳۰)

(۴) حسنِ عمل کا اجر ضائع نہیں ہوتا — (۱۸ : ۳۰)۔ حسنِ عمل سے مراد ہے وہ کام جو وحیٔ خداوندی (قرآنِ کریم) کے مطابق ہو۔ نہ ہر وہ کام جسے کوئی شخص اپنی دانست میں اچھا کام سمجھ لے۔

(۵) ہر ایک کے کام کا پورا پورا بدلہ — (۳ : ۵۶) — (۳ : ۱۸۴) — (۴۷ : ۳۶)

انبیائے کرامؑ اجر نہیں مانگتے تھے

حضرات انبیائے کرامؑ کا فریضہ تھا کہ وہ خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ وہ اس کام کے بدلے میں لوگوں سے معاوضہ نہیں مانگتے تھے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے کسی سے معاوضہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جب وہ نظامِ خداوندی قائم کرتے تھے (یا اس نظام کے قیام کے لئے اپنی جماعت تیار کرتے تھے) تو

انہیں اپنا سارا وقت اس کے لئے دیدینا پڑتا تھا۔ اس لئے یہ نظام' ان کے کفاف کا ذمہ دار ہو جاتا تھا۔ اسے تقسیم کار کہا جائے گا، اجرِ رسالت نہیں کہا جائیگا۔ اجرِ رسالت 'خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ جس طرح ہر حسن عمل کا اجر اُس کے مقرر کردہ پیمانوں کے مطابق اس کے ہاں سے ملتا ہے؛ یہ الگ بات ہے کہ اس کا نتیجہ' زندگی کی خوشگواریوں کی شکل میں اس دنیا میں بھی مِل جاتا ہے۔

(۱) حضرت نوحؑ نے کہا کہ میں تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتا — (۱۰ : ۷۲) — (۱۱ : ۲۹) — (۲۶ : ۱۰۹)

(۲) حضرت ہودؑ نے کہا کہ میں تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتا — (۱۱ : ۵۱) — (۲۶ : ۱۲۷)

(۳) حضرت لوطؑ نے بھی یہی کہا — (۲۶ : ۱۶۴)

(۴) حضرت صالحؑ نے بھی یہی کہا — (۲۶ : ۱۴۵)

(۵) حضرت شعیبؑ نے بھی یہی کہا — (۲۶ : ۱۸۰)

(۶) رسولوں کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اجرِ رسالت نہیں مانگتے تھے — (۳۶ : ۲۱)

(۷) نبی اکرمؐ سے خدا نے کہا کہ تم ان سے کہہ دو کہ میں اجرِ رسالت نہیں مانگتا — (۶ : ۹۱) — (۱۲ : ۱۰۴)

(۲۵ : ۵۷) — (۳۴ : ۴۷) — (۳۸ : ۸۶)

(۸) رسول اللہؐ سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم ان سے کوئی اجرِ رسالت مانگتے ہو۔ جسے یہ جرمانہ سمجھ کر تم سے اعراض برتتے ہیں؟ — (۵۲ : ۴۰) — (۶۸ : ۴۶)

(۹) سورۃ شوریٰ میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى — (۴۲ : ۲۳) اس کے معنی عام طور پر یہ کئے جاتے ہیں کہ "میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا بجز اس کے کہ تم میرے رشتے داروں سے محبت کرو"۔ یہ معنی نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہیں بلکہ خود لغت کے بھی مطابق نہیں۔ اَلْقُرْبٰى کے معنی "رشتہ داری" ہیں۔ نہ کہ "رشتہ دار"۔ رشتہ دار کو ذَا الْقُرْبٰى کہا جاتا ہے — (۱۷ : ۲۶)۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ ہے کہ حضورؐ قریش سے کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے اجرِ رسالت تو مانگتا نہیں لیکن رشتہ داری کی وجہ سے جو ہمارے باہمی معاشرتی تعلقات ہیں، ان حقوق کا تو خیال رکھو۔ تم میری بیٹیوں کو (جن کی شادی تمہارے ہاں ہوئی ہے) اس لئے ستاتے ہو کہ میں تمہیں خدا کی طرف دعوت کیوں دیتا ہوں۔ سوچو کہ تمہارا یہ طرزِ عمل کسی طرح بھی انسانیت کے شایانِ شان ہے؟ یا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اگر تم اپنے رشتوں ناطوں'

کے حقوق ادا کرتے رہو تو یہی میرا اجر ہے۔ یہ وہی بات ہے جس کے متعلق دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ میں تم سے اگر کوئی اجر چاہتا ہوں تو اپنے لئے نہیں۔ خود تمہارے فائدے کے لئے ایسا چاہتا ہوں۔۔۔ (۴۷:۳۴)۔ (مزید تفصیل رسول کے عنوان میں ملے گی)

متفرق

(۱) مہر کے لئے بھی اجورھن آیا ہے۔۔۔ (۲۴-۲۵ : ۴)۔۔۔ (۵ : ۵)۔۔۔ (۵۰ : ۳۳)۔۔۔ (۱۰ : ۶۰)۔ (۶۵ : ۶)۔ لیکن مہر ازدواجی تعلقات کا بدلہ یا معاوضہ نہیں۔ قرآن نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ ایک تحفہ ہے جسے معاوضہ یا بدلہ کے خیال کے بغیر دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لفظ عربوں کے ہاں (مہر کے لئے) مستعمل تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے (جو ان کی زبان میں نازل ہوا تھا)، اسے مہر کے معنوں میں استعمال کر دیا۔ تفصیل مہر کے عنوان میں ملے گی۔

―――― (٠) ――――

۲۶- اجل

اجل - (مادہ ا-ج-ل) - مدت - میعاد - وہ آخری حد جس پر کوئی مدت یا میعاد ختم ہوتی ہو۔ ہمارے ہاں اجل کا لفظ موت کے لئے بولا جاتا ہے۔ (مثلاً، اس کی اجل آگئی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ موت کے معنوں میں نہیں آیا۔ قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے، عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس طریق پر سامنے آنے میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔ اسے بھی اجل کہا گیا ہے۔ چونکہ اس وقفہ کے ختم ہو جانے پر، اس عمل کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے، اس لئے اُسے بھی "خدا کی اجل"۔۔۔ یعنی خدا کا فیصلہ۔۔۔ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی خدا کا وہ فیصلہ جو اس کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے، معینہ مدت کے بعد مشہود طور پر سامنے آیا ہے۔ سورۃ نوح میں ہے کہ تم اپنی حفاظت کا سامان کرلو۔ خدا تمہارے اعمال کے نتائج کو ایک وقت تک کے لئے مؤخر کر دیتا ہے۔ لیکن اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۔۔۔ (۴ : ۷۱)۔ جب اُس مدت کی آخری حد آجاتی ہے تو پھر اُس نتیجے کے برآمد ہونے میں تاخیر نہیں ہوتی۔ اسی کو خدا کا فیصلہ، یا اس کے قانونِ مکافات کی رو سے عمل کے نتیجے کے محسوس

طور پر سامنے آنے کا وقت' کہا گیا ہے۔

قوموں کی اجل

(۱) جو قوم برسر اقتدار آتی ہے' یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس قسم کا نظام قائم کرتی اور کس قسم کے کام کرتی ہے۔ اس کے مطابق اس کے عروج واقتدار کی مدت کا تعین ہوتا ہے۔ یعنی جب تک وہ صلاحیت بخش کام کرتی رہتی ہے وہ برسر اقتدار رہتی ہے۔ اس لئے کہ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ــــ (۷ : ۳۴) یہ اَجل' یونہی مقرر نہیں کر دی جاتی۔ بلکہ اس کے لئے خدا کا قانون مقرر ہے۔ اس کا تعین اسی قانون کی رُو سے ہوتا ہے۔ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ــــ (۱۳ ، ۳۸) جب اُس قانون کی رُو سے' یہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو اس قوم پر زوال آجاتا ہے اس میں ایک ساعت کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی ــــ (۷:۱۸۵) ــ (۱۰:۴۹) ــ (۱۵:۴-۵) ــ (۱۶:۶۱) ــ (۲۳:۴۳) ــــ (۷۱:۴)

(اجل کے عام معانی (یعنی میعاد) اپنے اپنے مقام پر متعلقہ عنوانات میں سامنے آئینگے)

موت کی "اجل"

موت کے متعلق سورۃ آل عمران میں ہے کہ یہ خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق وارد ہوتی ہے۔ اور یہی قانون اس کے لئے مدت مقرر کرتا ہے ــــ (۳ : ۱۴۴)۔ اسی قانون کے مطابق (مثلاً صحت خراب کر لینے یا خودکشی کرنے سے) موت جلدی آجاتی ہے۔ اور دوسری طرف (مثلاً صحت کا خیال رکھنے اور ہلاکتوں سے بچنے سے) انسان لمبی عمر پا سکتا ہے۔ اسی کے لئے قرآنِ کریم میں ہے عمر کا لمبا یا چھوٹا ہونا قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے ــــ (۳۵ : ۱۱)

مختلف چیزوں کی اجل

(۱) ہر فرد' یا نوعِ انسان' دنیا میں ایک متعین میعاد (اجل مسمی) کے مطابق رہتی ہے۔ یعنی یہاں کا قیام ابدی نہیں ــــ (۶:۲) ــ (۶:۶۰) ــ (۱۷:۹۹) ــ (۳۹:۴۲) ــ (۴۰:۶۷) ــ (۶۳:۱۱)

(۲) قوموں کو متاع وثروت اجل مسمی تک کے لئے ــــ (۱۱:۳) ــ (۱۴:۱۰)

(۳) تباہی مہلت کے وقفہ کے بعد آتی ہے۔ یعنی اسے اجلِ مسمّیٰ تک کے لئے مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ (۱۸۵:۷)
(۱۱:۱۰)—(۱۰۴:۱۱)—(۶۱:۱۶)—(۱۲۹:۲۰)—(۵۳:۲۹)—(۴۵:۳۵)—(۱۴:۴۲)
(۷۱:۴)

(۴) سلسلۂ کائنات اجلِ مسمّیٰ تک کے لئے سرگرمِ عمل ہے — (۲:۱۳)—(۸:۳۰)—(۲۹:۳۱)
(۱۳:۳۵)—(۵:۳۹)—(۳:۴۹)

(۵) خدا کا آخری فیصلہ ضرور آ کر رہتا ہے — (۵:۲۹)

۲۷۔ اُحد (جنگ)

(نیز دیکھئے۔ جہاد۔ قتال۔ جنگ)

جنگِ بدر میں شکست کھا جانے کے بعد، قریشِ مکہ کے دل میں آتشِ انتقام اور تیزی سے بھڑک اٹھی اور انہوں نے اپنی پوری قوت اور ساز و سامان کے ساتھ دوسرے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ اور شوال ۳ھ میں مدینہ کی طرف امنڈ آئے۔ مسلمانوں نے پہلے یہ سوچا کہ شہر کے اندر پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن بعد میں فیصلہ یہی ہوا کہ میدان میں باہر نکل کر جنگ کی جائے۔ چنانچہ مدینہ سے قریب ڈیڑھ میل باہر کوہِ احد کے دامن میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں کے لشکر میں ایک جماعت منافقین مدینہ کی بھی تھی۔ انہوں نے عین میدانِ جنگ میں دھوکا دیا اور مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ اس پر بھی مسلمانوں کے لشکر نے مخالفین کو شکست دے دی۔ لیکن عین اس وقت، ان کے تیر اندازوں کے ایک دستہ سے ایک غلطی ہو گئی جس کی وجہ سے وہ فتح مبدل بہ شکست ہو گئی۔ لیکن پھر، نبی اکرمؐ کے عزم اور ہمت سے دوبارہ فتح حاصل ہو گئی۔ قرآنِ کریم کی سورۃ آلِ عمران میں اس جنگ کا ذکر آیا ہے۔ اُحد کا لفظ تو قرآنِ کریم میں نہیں آیا۔ لیکن جس جنگ کا ذکر ان آیات میں آیا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اُحد کے مقام پر لڑی گئی تھی۔

(۱)

(۱) جنگوں میں رسول اللہ خود کمانڈر ہوتے تھے — (۳:۱۲۰)

(۲) مقابلہ کی سختی کا اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے بھی دل دہل گئے۔ (۳:۱۲۱)

(۳) ملائکہ کے ذریعے مدد۔ (ملائکہ وہ قوتیں ہیں جو قوانینِ خداوندی کو بروئے کار لاتے ہیں)۔ اس مقام پر اور دیگر مقامات پر اس سے مراد وہ نفسیاتی تبدیلی ہے جو اپنے مسلک کی صداقت پر یقین محکم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور جس کا نتیجہ طمانیتِ قلب ہوتا ہے جو فتح کے لئے بنیادی شرط ہے۔ (۳:۱۲۳-۱۲۵)

(۴) استقامت اور قوانین کی پابندی (تقویٰ) کامیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ (۳:۱۲۴)

(۵) یہ جنگیں، خدا کے قانون کے مطابق ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کے متعلق کہا کہ وہ خدا کے "اِذن" سے ہوتی تھیں۔ (۳:۱۵۱) — (۲۲:۳۹)

(۶) باہمی جھگڑنے سے، اور کمانڈر کے حکم کی خلاف ورزی سے، فتح مبدل بہ شکست ہوگئی۔ (۳:۱۵۱)

(۷) رسول اللہ کی استقامت اور بلند حوصلگی۔ (۳:۱۵۲)

(۸) منافقین کی حالت۔ (۳:۱۵۳)

(۹) جن مسلمانوں سے لغزش ہوگئی تھی ان کی معافی کیونکہ انہوں نے فوراً ہی اس کی تلافی کر دی تھی (۳:۱۵۴)

(۱۰) مومنین سے تاکید کہ وہ ہمت نہ ہارا کریں اور منافقین کی باتوں پر کان نہ دھرا کریں۔ خدا کی راہ میں جان دینے کے لئے نکلنے والے، میدانِ جنگ میں قتل کر دیئے جائیں یا ویسے ہی وفات پا جائیں۔ خدا کے ہاں ان کا اجرِ عظیم ہے۔ (۳:۱۵۵—۱۵۷)

(۱۱) جنگِ احد میں تمہارا جس قدر نقصان ہوا اس سے کہیں زیادہ نقصان تم جنگِ بدر میں دشمنوں کو پہنچا چکے تھے۔ پھر اس میں افسوس کی کون سی بات ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ یہ نقصان خود تمہارے اپنے ہاتھوں کا لایا ہوا تھا۔ تمہاری اپنی غلطی کا نتیجہ تھا۔ (۳:۱۶۴-۱۶۵)

(۱۲) اس نقصان سے ایک فائدہ بھی ہوا۔ اور وہ یہ کہ منافق اور سچے مومن نکھر کر الگ الگ ہوگئے۔ (۳:۱۶۶)

(۱۳) منافقین، لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم جنگ میں نہ جانا، مارے جاؤ گے۔ انہیں کیا معلوم کہ موت کسے کہتے ہیں اور حیات کیا ہے۔ حیاتِ بے شرف کا نام موت ہے۔ اور مرگِ باشرف درحقیقت زندگی ہے۔ جسے اس طرح مرگِ باشرف حاصل ہو جائے اسے مردہ کہنا ہی نہیں چاہیئے۔ یہی تو زندہ ہیں۔ (۲:۱۵۴) — (۳:۱۶۶-۱۶۸)

(۱۳) مومنین کی شان یہ ہے کہ جب ان سے لوگ کہتے ہیں کہ دشمن نے تمہارے خلاف بڑی تیاریاں کر رکھی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ نعمائے خداوندی سے جھولیاں بھر بھر کر لوٹتے ہیں۔ خوف تو شیطان کا پیدا کردہ ہوتا ہے ــــــ (۱۷۳-۱۷۵ : ۳)

---

۲۸ - احزاب (جنگ)

احزاب - (ح - ز - ب)۔ حزب کے معنی گروہ یا پارٹی کے ہیں۔ احزاب اس کی جمع ہے۔ ۵ھ میں مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑا معرکہ بپا ہوا تھا۔ جس میں قریش کے مختلف قبیلے شریک تھے اور ان کے ساتھ یہودی بھی مل گئے تھے۔ اس اعتبار سے اسے جنگِ احزاب کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس کے لئے، مدینہ کے گرد ایک حفاظتی خندق کھودی گئی تھی، اس لئے اسے جنگِ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ سورۃ احزاب میں اس جنگ کی تفاصیل دی گئی ہیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ یہ معرکہ کس قدر صبر آزما اور حوصلہ شکن تھا ــــ (۱۰-۱۱ : ۳۳)۔ لیکن جماعتِ مومنین نے اس میں انتہائی عزم و ثبات کا ثبوت دیا۔ (۲۲ : ۳۳)۔ اور خود نبی اکرمؐ نے دلجمعی اور استقامت کی ایسی عدیم النظیر مثال پیش کی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوسروں کے لئے بطور اسوۂ حسنہ پیش کیا ــــ (۲۱ : ۳۳)۔ کئی دنوں کے محاصرہ کے بعد، مخالفین خاسر و نامراد واپس چلے گئے ــــ (۲۵ : ۳۳)۔ اور یوں اس جنگ کا فیصلہ جماعتِ مومنین کے حق میں ہوا۔

فرشتوں کی امداد

خدا کا وعدہ کہ وہ تمہاری امداد تین ہزار ملائکہ سے کرے گا (کیونکہ اُس وقت دشمن کی تعداد تین ہزار ہی تھی)، اور اگر ان کی تعداد پانچ ہزار ہو جائے گی تو پانچ ہزار ملائکہ سے تمہاری مدد کرے گا۔ اس "امداد" کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے قدموں میں ثبات و استحکام اور تمہارے دلوں میں سکینت و اطمینان پیدا ہو جائے گا۔ (۱۲۳-۱۲۵ : ۳)۔ (اس نکتہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "بدر")

۲۹-احسان

(نیز دیکھئے۔ مَنّ)

احسان (مادہ ح۔ س۔ ن)۔ حُسن کے بنیادی معنی ہیں صحیح توازن اور تناسب۔ احسان کے معنی ہیں کسی کے بگڑے ہوئے توازن کو درست کر دینا۔ جو کمی کسی میں آگئی ہو اسے پورا کر کے اس کا توازن ٹھیک کر دینا۔ محسن ایسے شخص کو کہیں گے جس کی زندگی بڑی متوازن ہو۔ جو (BALANCED PERSONALITY) کا مالک ہو۔ یہ انسان کی مرکزی صفت ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو بلند ترین صفت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ انسانی ذات میں صحیح توازن مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔

قرآنِ کریم نے "نیک اعمال" اور زندگی کی خوشگواریوں کے لئے "حسنات" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسے ہم نے الگ عنوان کے تحت لکھا ہے۔ نیز حُسن اور حُسن وجمال کو بھی۔

(۰)

محسنین

یعنی وہ جن کی ذات میں مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے سے صحیح توازن پیدا ہو چکا ہو یا وہ جو کسی کی کمی پوری کر کے اس کے بگڑے ہوئے توازن کو درست کر دے۔

(۱) خدا محسنین کو بہت زیادہ دیتا ہے ——— (۲ : ۵۸) — (۷ : ۱۶۱)

(۲) جو اپنے آپ کو قوانین خداوندی کے سامنے جھکا دے اور متوازن زندگی بسر کرے (محسن ہو) اسے کوئی خوف وحزن نہیں ہو سکتا ——— (۲ : ۱۱۲) — (۴ : ۱۲۵) — (۳۱ : ۲۲)

(۳) جو لوگ کسی فریضہ کو خوش اسلوبی سے ادا کریں، ان کے لئے بھی محسنین کا لفظ آیا ہے۔ مطلقہ عورت کے واجبات کو خوش اسلوبی سے ادا کرنے والے۔ ——— (۲ : ۲۳۶)

(۴) خدا محسنین سے محبت کرتا ہے۔ یہ لوگ قوانینِ خداوندی کی رو سے پسندیدہ زندگی بسر کرتے ہیں — (۲:۱۹۵)

(۳ : ۱۳۴) — (۳ : ۱۴۷) — (۵ : ۱۳) — (۵ : ۹۳)

(۵) مشکلات میں توازن کو ہاتھ سے نہ دینا، باعثِ اجرِ عظیم ہے — (۳ : ۱۷۲)

(۶) خدا محسنین کو بہت اچھا بدلہ دیتا ہے۔ (یہاں انبیائے کرامؑ کو محسنین کہا گیا ہے — (۶ : ۸۵) - حضرت یوسفؑ کے ضمن میں بھی یہی کہا — (۱۲ : ۲۲) — (۱۲ : ۵۶)۔ حضرت موسیٰؑ کے ضمن میں بھی — (۲۸ : ۱۴)، (۳۷ : ۱۲۱) حضرت نوحؑ کے ضمن میں — (۳۷ : ۸۰)۔ حضرت ابراہیمؑ — (۳۷ : ۱۰۵ و ۱۱۰)۔ حضرت الیاسؑ — (۳۷ : ۱۳۱)

(۷) خدا کی رحمت محسنین سے قریب ہوتی ہے — (۷ : ۵۶)

(۸) محسنین کا اجر ضائع نہیں ہوتا — (۹ : ۱۲۰) — (۱۱ : ۱۱۵) — (۱۲ : ۵۶) — (۱۲ : ۹۰)

جنت، محسنین کے لئے ہے — (۵ : ۸۵) — (۳۹ : ۳۴) — (۵۱ : ۱۶) — (۷۷ : ۴۴)

(۹) محسن کے معنی نیک یا شریف آدمی — (۱۲ : ۳۶) — (۱۲ : ۷۸)

(۱۰) خدا محسنین کے ساتھ ہے۔ یعنی اس کے ۔۔۔۔۔ قوانین کی تائید و نصرت محسنین کے ساتھ ہوتی ہے۔

(۱۶ : ۱۲۸) — (۲۹ : ۶۹)

(۱۱) محسنین کے لئے خوشخبری ہے — (۲۲ : ۳۷) — (۴۶ : ۱۲)

(۱۲) قرآن، محسنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے — (۳۱ : ۳) — (۴۶ : ۱۲)

(۱۳) محسنین کون ہیں؟ جنہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس نظریہ پر جم کر بیٹھ گئے۔ انہیں کسی قسم کا خوف و حزن نہیں — (۴۶ : ۱۳)، متقی ہی محسنین ہوتے ہیں — (۱۶ : ۵۱)

(۱۴) جو حسن پیدا کرتا ہے اس کے لئے اسی دنیا میں حسن پیدا ہو جاتا ہے — (۳۹ : ۱۰)

(۱۵) انداز زیست حسن کارانہ (محسنین کا سا) ہو تو جائز معذوری سے اجر میں کمی واقع نہیں ہوتی — (۹ : ۹۱)

(۱۶) مجرمین، عذاب جہنم کو دیکھ کر کہیں گے کہ اگر ہم ایک بار دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں، تو ہم محسنین میں سے ہو جائیں گے — (۳۹ : ۵۸)

(۱۷) محسنات کے لئے بھی اجر — (۳۳ : ۲۹)۔ واضح رہے کہ قرآن کریم میں جہاں محسنین آیا ہے، اسمیں عورتیں اور مرد دونوں شامل ہیں لیکن جہاں خصوصیت سے عورتوں کا ذکر آیا ہے، وہاں مؤنث کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱۸) جو کوئی اپنے آپ کو قوانین خداوندی کے سامنے جھکا کر حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے۔ اس کے

دین سے بہتر دین کوئی نہیں ہوسکتا ــــ (۲:۱۱۲) ــــ (۴:۱۲۵) ــــ (۲۲ : ۳۱)

(۱۹) ذریتِ حضرت ابراہیمؑ میں محسنین بھی اور وہ بھی جو اپنے آپ پر زیادتی کرتے تھے ــــ (۳۷ : ۱۱۳)

اِحسان کس کے ساتھ کرنا چاہیئے

(۱) والدین، رشتے دار، یتامیٰ (یعنی جو معاشرہ میں تنہا رہ جائیں)۔ اور مساکین کے ساتھ (یعنی جو حرکت سے معذور ہوں جن کا چلتا ہوا کاروبار رک جائے) ــــ (۲ : ۸۳) ــــ (۶:۱۵۲) ــــ (۱۷:۲۳)

(۸ : ۲۹) ــــ (۴۶:۱۵)

(۲) نیز پڑوسیوں سے، مسافروں سے، اپنے ماتحتوں سے ــــ (۴:۳۶)

(۳) انفاق فی سبیل اللہ سے معاشرہ کا بگڑا ہوا توازن درست ہوتا ہے ــــ (۲:۱۹۵)

احسان بمعنی خوش اسلوبی

ایک ہوتا ہے کسی فریضہ کا ادا کرنا۔ اور دوسرا ہوتا ہے اسے حسن کارانہ انداز سے، نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنا۔ اسے بھی احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیز خوش معاملگی بھی اس کے اندر آجاتی ہے۔

(۱) قصاص کے متعلق کہا کہ خون بہا نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرنا چاہیئے ــــ (۲ : ۱۷۸)

(۲) طلاق سے متعلق قوانین کے سلسلہ میں کہا کہ بیوی کو یا تو قاعدے قانون کے مطابق رکھو۔ یا حسن کارانہ انداز سے چھوڑ دو۔ یعنی اسے الگ بھی کرو تو نہایت خوش اسلوبی سے ــــ (۲ : ۲۲۹)

(۲ : ۲۳۶) ــــ (۴ : ۱۲۸)

(۳) مہاجرین، انصار اور جن لوگوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کا اتباع کیا، ان سب سے خدا راضی ہوگیا (۹:۱۰۰)

(۴) حضرت یوسفؑ کے متعلق، پہلے ان کے ساتھی قیدیوں نے اور پھر ان کے بھائیوں نے کہا کہ آپ ہمیں محسنین میں سے نظر آتے ہیں ــــ (۷۸ ؛ ۳۶ : ۱۲)

عدل و احسان

خدا عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ عدل کے معنی ہیں جو کچھ کسی کا واجب ہو وہ ادا کر دینا۔ اور احسان یہ ہے

کہ اگر اس کے باوجود اس کی ضرورت پوری نہیں ہوئی تو اس کی کمی کو پورا کر دینا۔ اسلامی معاشرہ میں عدل ہی فرض نہیں، احسان بھی فرض ہے۔ خدا نے دونوں کے لئے ایک ہی لفظ (امر حکم) استعمال کیا ہے۔ (۱۶:۹۰)

اِحسان کا بدلہ

احسان کا بدلہ بس احسان ہے (۵۵:۶۰)۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جس نے تم پر احسان کیا ہے وہ عمر بھر تم سے متوقع رہے کہ تم بھی اس پر احسان کرتے ہو یا نہیں۔ یا تم اس انتظار میں رہو کہ اس پر کب کوئی وقت پڑے اور تم اس پر احسان کرو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے کسی کی کمی پوری کی۔ اس کے بگڑتے ہوئے توازن کو درست کیا۔ اس کا توازن درست ہو گیا۔ بس یہی اس کا بدلہ ہے۔ اس کے سوا اس کا بدلہ اور کیا ہو گا؟ تم نے حسن پیدا کرنا چاہا۔ حسن پیدا ہو گیا۔ تمہیں تمہاری محنت کا معاوضہ مل گیا (۱۰:۳۹) (۴:۶۲) (۹:۷۶)

—— (۰) ——

۳۰۔ اَخٌ ۔ (اخوة ۔ اخت)

اَخٌ ۔ یہ لفظ آخِیَّۃٌ سے مشتق ہے۔ رسی یا لوہے کی تار کے دونوں سرے زمین میں دبا کر باقی حصے کا جو حلقہ بن جاتا تھا، اسے اَخِیَّۃٌ کہتے تھے۔ اس کے ساتھ جانوروں کو باندھ دیا جاتا تھا۔ لہٰذا اَخٌ کے معنی ہوئے ایک حلقے میں بندھے ہوئے۔ یہ لفظ بھائی کے لئے اور ہر اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی دوسرے شخص سے قبیلہ یا دین یا معاملہ یا محبت میں مشترک ہو۔

—— (۰) ——

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں!

(۱) قرآنِ کریم میں مومنین کی اولین جماعت کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ اسلام سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے، قرآن کے ذریعے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی اور اس طرح اپنی نوازش سے تمہیں اِخْوَانًا ۔ بھائی بھائی ۔ بنا دیا (۳:۱۰۲)

(۲) تمام مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں ــــ (۵: ۳۳) ـــ (۱۰: ۹۹)

(۳) اگر کبھی دو مسلمانوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو تم اپنے ان بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو ـــ (۱۰-۹: ۹۹) فریقین مقدمہ کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ــــ (۸۷: ۲)

(۴) اگر مخالفین اپنی غلط روش چھوڑ کر، تمہارے نظام میں شامل ہو جائیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہو جائینگے ــــ (۱۱: ۹)

(۵) منہ بولے بیٹے، حقیقی بیٹے نہیں ہو جاتے۔ وہ دین میں بھائی ہوتے ہیں ــ (۵: ۳۳)

(۶) جو مومن گزر گئے، وہ آنے والوں کے لئے بمنزلہ بھائی کے تھے ــــ (۱۰: ۵۹)

(۷) مومن جنت میں بھائیوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے دلوں میں کسی قسم کا کینہ یا دشمنی نہیں ہوگی ــ (۴۷: ۱۵)

ایک اور قسم کا بھائی

قصہ حضرت داؤدؑ میں ہے کہ جو دو آدمی اپنا مقدمہ ان کے پاس لائے تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ "یہ میرا بھائی ہے" اور کرتوت اس کی یہ ہے کہ اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ دنبی بھی مجھے دیدو۔ اور اس کے ساتھ دعویٰ یہ ہے کہ میں تمہارا بھائی ہوں ــ (۲۳: ۳۸)

برادرانِ حضرت یوسفؑ

سورۃ یوسف (بارہویں سورۃ) میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا تذکرہ مسلسل سامنے آتا ہے تفصیل وہاں دیکھی جائے ــ (نیز عنوان یوسف میں)

حضرت موسٰے و حضرت ہارونؑ

(۱) یہ دونوں بھائی تھے اور دونوں نبی تھے ــــ (۲۵: ۵) ــ (۷: ۱۱۱) ــ (۷: ۱۴۲) ــ (۷: ۱۵۰) ــ (۷: ۱۵۱) ــ (۱۰: ۸۷) ــ (۱۹: ۵۱-۵۳) ــ (۲۰: ۳۰) ــ (۲۰: ۴۲) ــ (۲۳: ۴۵) ــ (۲۵: ۳۵) ــ (۲۶: ۳۶) ــ (۲۸: ۳۴)

(۲) ماں جایا بھائی ــــــ (۱۵۰ : ۷)

اخوان بمعنی ہم مشرب و مسلک

(۱) منافق اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے ہیں کہ ..... ــــــ (۱۱ : ۵۹)

(۲) بے جا صرف کرنے والے (مبذرین) شیطان کے بھائی ہوتے ہیں ــــ (۲۷ : ۱۷)

(۳) کفار کو ان کے بھائی بند، گمراہی میں آگے بڑھاتے ہیں ــــ (۱۵۵ : ۳) ــ (۱۶۷ : ۳) ــ (۲۰۲ : ۷)
(۱۸ : ۳۳) ــــ (۱۱ : ۵۹)

(۴) ہم مشرب قومیں ایک دوسرے کی بہنیں ــــــ (۳۸ : ۷)

ہم قبیلہ

(۱) قوم نوح کو ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ کیا تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت نہیں کرو گے؟ ــ (۱۰۶ : ۲۶)

(۲) قوم عاد کو ان کے بھائی ھود نے کہا ــــ (۶۵ : ۷) ــ (۵۰ : ۱۱) ــ (۱۲۴ : ۲۶) ــ (۲۱ : ۴۶)

(۳) قوم ثمود کو ان کے بھائی صالحؑ نے کہا .... ــــ (۷۳ : ۷) ــ (۶۱ : ۱۱) ــ (۱۴۲ : ۲۶) ــ (۴۵ : ۲۷)

(۴) قوم لوط کو ان کے بھائی لوطؑ نے کہا..... ــــ (۱۶۱ : ۲۶)۔ واضح رہے کہ حضرت لوطؑ اس قوم کے ہم قبیلہ بھی نہیں تھے۔ لیکن چونکہ وہ انہی میں آبسے تھے اس لئے انہیں ان کا بھائی بند کہا گیا۔ اور انہیں انکے (حضرت لوطؑ کے) اخوان ــــ (۱۶۱ : ۲۶) ــ (۱۳ : ۵۰)

(۵) حضرت مریمؑ کو اُختِ ہارون کہا گیا ہے ــــ (۲۸ : ۱۹)

(۶) حضرت شعیبؑ کو اہل مدین کا بھائی کہا گیا ہے ــ (۸۵ : ۷) ــ (۸۴ : ۱۱) ــ (۳۶ : ۲۹)

رشتے ناطے ۔ وراثت

(۱) ان سے نکاح حرام ہے۔ اخوات یعنی بہنیں۔ بھائی کی بیٹیاں۔ بہن کی بیٹیاں۔ دودھ شریک بہنیں ــ اور بیک وقت دو بہنیں ــــ (۲۳ : ۴)

(۲) پردے کے احکام میں بھائیوں کا ذکر ــــ (۳۱ : ۲۴) ــ (۵۵ : ۳۳)

(۳) قانونِ وراثت۔ (۱) اگر متوفی کے بھائی ہوں تو اس کی والدہ کا حصہ ۱/۶ ہوگا۔ (۴ : ۱۱)

(۲) اگر مرد کلالہ ہو اور اس کے بھائی یا بہن ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک کا ۱/۶ حصہ ہوگا۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو سب ۱/۳ میں شریک ہونگے۔ (۴ : ۱۲)

(۳) اگر کلالہ کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے ۱/۲ ہوگا۔ اگر دو بہنیں ہوں تو وہ ۲/۳ میں شریک ہوں گی۔ اگر بہت بھائی بہن ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔ (۴ : ۱۷۶)

(۴) متوفیہ عورت کی اولاد نہ ہو تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ (۴ : ۱۷۶)

(۴) اپنے بھائیوں کے گھر سے تم کھا سکتے ہو۔ (۲۴ : ۶۱)

متفرق

(۱) کیا تم میں سے کوئی پسند کریگا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ (۴۹ : ۱۲)

(۲) جس دن (روز قیامت) بھائی بھائی سے دور بھاگے گا۔ (۷۰ : ۱۲)۔ (۸۰ : ۳۴)

(۳) یتیم بھی تمہارے بھائی ہیں۔ (۲ : ۲۲۰)

(۴) اہل کتاب ایمان لے آئیں تو تمہارے بھائی بن جائینگے۔ (۹ : ۱۱)

(۵) اگر تمہارے بھائی وغیرہ کفر کو ترجیح دیتے ہیں تو ان سے کوئی واسطہ نہ رکھو۔ (۹ : ۲۳)۔ (۵۸ : ۲۲)

(۶) حضرات انبیاء کرام کے آباء و اخوان۔ (۶ : ۸۸)

(۰)

۳۱۔ اختلاف

(نیز دیکھئے۔ اتحاد۔ تفرقہ۔ فرقہ بندی)

اختلاف (مادہ خ۔ ل۔ ف) اس مادہ کے معنی "پیچھے" کے ہیں۔ اس اعتبار سے اختلاف کے معنی بھی ایک دوسرے کے پیچھے (بعد) آنے کے ہیں۔ جیسے اختلاف اللیل و النھار (۲ : ۱۶۴)۔ لیکن اسکے

معنی موافقت یا اتفاق کی ضد کے بھی ہیں۔ اور یہی وہ مفہوم ہے جسے زیر نظر عنوان میں بیان کیا جائے گا یعنی اس معنی میں جس میں یہ لفظ (اختلاف) اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں جو حقائق بیان ہوئے ہیں، انہیں ہر دور میں، اس کی علمی سطح کے مطابق سمجھا جائیگا۔ اس لئے ہر نئے دور میں، ان کے مفہوم میں، سابقہ دور یا ادوار سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی دور میں، مختلف افراد کی سمجھ میں (ان کی ذہنی صلاحیتوں اور علمی نسبتوں کے اعتبار سے) اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے اختلافات میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ کوئی شخص اپنے مفہوم کو حرفِ آخر نہ سمجھ بیٹھے۔ اور کوئی شخص یا جماعت انہیں دینی عقاید کا درجہ نہ دے دے۔

جہاں تک قرآن کریم کے احکام کا تعلق ہے، ان میں (قرآن کریم کے دعوے کے مطابق) باہمی اختلاف نہیں۔ اس لئے ان میں اختلافی شکل قرآن کے خلاف ہے۔ اسی سے فرقے پیدا ہوتے ہیں جسے قرآن نے شرک قرار دیا ہے۔

قرآن کریم کے اصولی احکام کی جزئیات کا تعین، کسی فرد کا نہیں بلکہ) اسلامی نظامِ مملکت کا فریضہ ہے جس دور میں، جو شکل اس نظام کی طرف سے متعین ہوگی، اس کا اتباع تمام افرادِ امت کے لئے لازمی ہوگا اس طرح امت میں نہ اختلاف پیدا ہوگا نہ تفرقہ۔ وحدتِ امت قرآن کا بنیادی اور اساسی تقاضا ہے اور اس میں تفرقہ، اسلام کی نقیض۔ (تفصیل اس اجمال کی فرقہ بندی کے عنوان میں ملے گی) یہ ہے وہ اختلاف جسے قرآن نے، خدا کا عذاب قرار دیا ہے۔

امت میں جو اختلافات اس وقت پیدا ہو چکے ہیں، ان کے مٹانے کی واحد شکل یہ ہے کہ کوئی اسلامی حکومت، قرآن کریم کے احکام و قوانین کو مدار قرار دے کر، اس کے اصولی احکام کی جزئیات پر نظر ثانی کرے۔ اور عند الضرورت از سرِ نو متعین کرے۔ ان احکام کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں طور پر ہو۔ اس سے پھر سے امت میں وحدت پیدا ہو جائے گی۔ وہ وحدت جو عہد رسالتمآبؐ میں وجہ سرفرازیٔ امت اور باعثِ تمکن دین تھی۔

(۰)

قرآن کریم میں اختلاف نہیں

(۱) قرآن بالحق نازل ہوا ہے۔ جو لوگ اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ راہ راست سے دور ہٹ جاتے

ہیں — (۲ : ۱۷۶)

(۲) قرآن، بنی اسرائیل کے اختلافات مٹانے کے لئے آیا ہے (چہ جائیکہ مسلمانوں میں اس کے ہوتے ہوئے اختلاف پیدا ہوں) — (۲۷ : ۷۶)

(۳) قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف کوئی نہیں — (۴ : ۸۲)

وحی کا مقصد لوگوں کے اختلافات مٹانا ہوتا ہے

(۱) نوعِ انسان امتِ واحدہ تھی۔ لوگوں نے اختلاف پیدا کر لئے — (۱۰ : ۱۹)۔ خدا نے انبیاء کو بھیجا اور کتابیں نازل کیں کہ ان کے اختلافات رفع ہو جائیں — (۲ : ۲۱۳)

(۲) حضرت عیسےٰؑ کی بین تعلیم کے بعد لوگوں نے اختلاف کیا — (۲ : ۲۵۳) — (۴۳ : ۶۳-۶۵)

(۳) دین شروع سے اسلام ہی تھا۔ اہلِ کتاب نے باہمی ضد سے اس میں اختلاف پیدا کر دیا۔ (۲ : ۲۱۳)-(۳ : ۱۸)

(۴) دین کی اصل و بنیاد ایک ہی تھی۔ اس پر چلنے کے طور طریقے (اصول و احکام کی جزئیات) ہر قوم اور ہر زمانے میں الگ تھے — (۲۲ : ۶۷)

(۵) یہودیوں نے کتابِ موسےٰؑ میں اختلاف پیدا کر دیئے — (۱۱ : ۱۱۰) — (۴۱ : ۴۵)

(۶) اگر مقصد یہ نہ ہوتا کہ نوعِ انسانی بالآخر ایک برادری بن جائے تو نظامِ سرمایہ داری کو عام ہونے دیا جاتا — (۴۳ : ۳۳)

(۷) بنی اسرائیل نے باہمی اختلاف پیدا کر لئے تھے۔ اس کے بعد نبی اکرمؐ کو مبعوث کیا گیا — (۴۵ : ۱۷-۱۸)

(۸) اہلِ کتاب واضح تعلیم آجانے کے بعد اختلاف کرتے ہیں — (۱۰ : ۹۳) — (۹۸ : ۴)

(۹) قرآن اختلافات مٹانے کے لئے آیا ہے — (۳۹ : ۳) — (۳۹ : ۴۶)

اختلاف باہمی ضد سے پیدا ہوتے ہیں

(۱) کتاب مل جانے کے بعد اختلاف باہمی ضد اور سرکشی سے پیدا ہوتے ہیں۔
(۲ : ۲۱۳) — (۳ : ۱۸)

(۲) یہودیوں نے اسی طرح اختلاف پیدا کر لئے — (۴۵ : ۱۷)

اختلافات مٹانے کا طریقہ

(۱) اہل کتاب کے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے انہیں دعوت دی جاتی ہے ـــ (۲۳ : ۳)
(۲) اختلافی امور میں (قانونِ خداوندی کی طرف) رجوع کرنا چاہئے ـــ (۵۴ : ۳)
(۳) اہل کتاب کو دعوت کہ توحید کی مشترکہ تعلیم کی طرف (جواب قرآن میں ہے) آؤ ـــ (۶۳ : ۳)
(۴) افسرانِ ماتحت سے جس معاملہ میں اختلاف ہو۔ اسے "خدا اور رسول" (مرکزِ نظامِ خداوندی) کی طرف لوٹا دو ـــ (۵۹ : ۴)
(۵) اختلافی معاملات میں رسول کو حکم ماننا ہوگا ـــ (۶۵ : ۴) رسول کے بعد یہی منصب جانشینانِ رسول اللہ کا ہوگا
(۶) کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے سے اختلاف مٹ جاتے ہیں ـــ (۴۹ ـ ۴۸ : ۵)
(۷) صرف خدائے واحد کی طرف معاملات لوٹانے سے اختلافات مٹ سکتے ہیں یعنی کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرانے سے ـــ (۴۶ : ۳۹)
(۸) ہر اختلافی معاملہ میں (کتاب) اللہ سے فیصلہ لینا چاہئے ـــ (۱۰ : ۴۲)

مومنین میں اختلاف نہیں رہ سکتا

(۱) خدا کی کتاب مومنین کو راہ نمائی دے کر اختلاف مٹا دیتی ہے ـــ (۲۱۳ : ۲)
(۲) مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اختلاف اور باہمی تفرقہ کیا ـــ (۱۰۴ : ۳)
(۳) دعویٰ ایمان کا اور معاملات کے تصفیہ کے لئے طاغوت کی طرف جانا ـــ یہ کفر ہے ـــ (۶۰ : ۴)
(۴) اختلافی معاملات میں رسول کو حکم نہ مانا جائے تو یہ کفر ہوگا۔ (یہی پوزیشن رسول اللہ کی وفات کے بعد حضورؐ کے جانشینوں کی ہوگی) ـــ (۶۵ : ۴)
(۵) اختلافات مٹ جانا خدا کی رحمت ہے ـــ (۱۱۸ : ۱۱)

قیامت میں (ظہورِ نتائج کے وقت) اختلافات کا فیصلہ ہو جائیگا

(۱) اس زندگی میں ظہورِ نتائج کے وقت، اور مرنے کے بعد اختلافی امور کی وضاحت ہو جائے گی (۱۱۳ : ۲)

(۳:۵۵)—(۵:۴۸)—(۶:۱۶۴)—(۱۰:۹۳)—(۱۶:۳۹)—(۱۶:۹۲)—(۱۶:۱۲۴)

(۲۲:۶۹)—(۳۲:۲۵)—(۴۵:۱۷)

(۲) تمام مذاہب کے اختلافی امور کا قیامت میں فیصلہ ہوجائے گا—(۲۲:۱۷)۔ یعنی جب نتائج سامنے آئینگے۔ (ان میں سے اکثر نتائج اِس دنیا میں بھی سامنے آسکتے ہیں)۔

(۳) لوگ نبأ عظیم کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ سو انہیں اس کا عنقریب علم ہوجائے گا—(۷۸:۲)

(۴) اگر خدا کا قانونِ مہلت نہ ہوتا تو تمام اختلافات کے فیصلے جلد ہوجاتے—(۱۰:۱۹)

خدا زبردستی اختلافات نہیں مٹانا چاہتا

خدا چاہتا تو انسانوں کو (حیوانات کی طرح) مجبور پیدا کرتا جس سے وہ سب ایک ہی روش پر چلتے لیکن اس نے انسان کو اختیار و ارادہ دیا ہے تاکہ وہ اپنی مرضی سے اختلافات چھوڑ کر ایک راہ پر چلیں—(۵:۴۸) (۴۲:۸)۔ جن کے اختلافات مٹ جائینگے ان پر خدا کی رحمت ہوگی—(۱۱:۱۱۸)

۳۲۔ اخلاص

(نیز دیکھئے —— نفاق)

اخلاص (مادہ۔ خ۔ ل۔ ص) اس کے بنیادی معنی ہیں کھوٹ اور میل سے الگ ہوکر صاف اور خالص ہوجانا۔ مُخلِص۔ وہ جو لوگوں کی عام روش سے ہٹ کر صحیح راستے پر گامزن ہو۔ خالِصٌ جس چیز سے آمیزش کو الگ کر دیا جائے۔ الخلاص' اس مکھن یا سونے کو کہتے ہیں جسے تپا کر خالص کر لیا جائے۔

اعمال کے نتیجہ خیز ہونے کا مدار اخلاص پر ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کام صرف اس مقصد کے لئے کیا جائے جو مقصد خدا نے مقرر کر دیا ہے۔ اس میں کسی اور مصلحت، مفاد یا جذبہ کا دخل نہ ہو۔ اگر اس میں ان باتوں کی ذرا بھی آمیزش ہوگئی تو وہ کام اپنا نتیجہ مرتب نہیں کریگا۔ بیکار رجائے گا۔ ہر فارمولا اسی صورت میں نتیجہ خیز ہوتا ہے جب اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ کی جائے۔ اسی کو توحید بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس

شرک ہے۔

—— (۰) ——

مخلص

(۱) رسول اللہ سے کہا گیا کہ تم کہہ دو کہ ہم اپنے تمام اعمال میں خدا کے لئے مخلص ہیں۔ تمام کام خالصتہً اس کے لئے (للہ) کرتے ہیں۔ (للہ۔ یا فی سبیل اللہ کے معنی ہیں اس مقصد کے لئے جسے خدا نے تجویز کیا ہے۔ یہ مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس سے نوعِ انسان کی بہبود ہو اور اس طرح اُس شخص کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی جائے۔ یہی دین کی غایت ہے) —— (۲ : ۱۳۹)

(۲) مشکلات اور موانعات میں ثابت قدم رہنے سے انسان مخلص ہوجاتا ہے —— (۳ : ۱۴۰)

(۳) حضرت یوسفؑ خدا کے مخلص بندوں میں تھے —— (۱۲ : ۲۴)۔ حضرت موسیٰ بھی —— (۱۹ : ۵۱)۔ حضرت ابراہیمؑ، اسحٰقؑ و یعقوبؑ کو ایک اہم کام کے لئے دوسرے لوگوں سے الگ کر لیا گیا —— (۳۸ : ۴۶)

(۴) خدا کے مخلص بندے جنت میں جائینگے —— (۳۷ : ۴۰)

(۵) مخلص بندے تباہی سے محفوظ رہتے ہیں —— (۳۷ : ۷۴)

(۶) مخلص بندوں کو شیطان گمراہ نہیں کرسکتا —— (۱۵ : ۴۰) —— (۳۸ : ۸۲)

(۷) مخلص بندے بت پرستی نہیں کرتے —— (۳۷ : ۱۲۷-۱۲۸)۔ توہم پرستی بھی نہیں —— (۳۷ : ۱۶۰)

(۸) یہ (کفار) کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری طرف خدا کی کتاب آجائے تو ہم بھی اس کے مخلص بندے بن جائیں۔ (۳۷ : ۱۶۹)

مصیبت میں اخلاص

(۱) انسان جب مصائب میں گھر جاتا ہے تو نہایت خلوص سے خدا کو پکارتا ہے لیکن جب وہ مصیبت [illegible] ہوجاتی ہے تو سرکشی اختیار کرلیتا ہے —— (۱۰ : ۲۲-۲۳) —— (۲۹ : ۶۵) —— (۳۱ : ۳۲)

خالصتہً للہ

(۱) حج اور عمرہ خالصتہً للہ پورا کرو —— (۲ : ۱۹۶) —— (۳ : ۹۶)

(۲) مومن وہ ہے جو اپنے آپ کو خالصتاً اس پروگرام کے بروئے کار لانے کے لئے وقف کر دے جسے خدا نے مقرر کیا ہے۔ اسی کو رضا جوئی باریتعالےٰ کہتے ہیں ــــ (۲۰۷ : ۲)

(۳) ایمان اور اخلاص ایک ہی بات ہے جو اپنے عمل میں مخلص نہیں وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ ایمان بالآخرت کے معنی خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان ہے ــــ (۳۸ : ۴)

(۴) اطاعت کو خدا کے لئے مختص کر دو یعنی اطاعت قوانینِ خداوندی کی کرو۔ اور صرف اس مقصد کے حصول کے لئے کرو جو خدا نے تجویز کر رکھا ہے ــــ (۲۹ : ۷)ــــ(۳-۲ : ۳۹)ــــ(۱۴ : ۴۰)ــــ(۶۵ : ۴۰)

(۵) نیت میں اخلاص ہو اور معذوری ایسی حائل ہو جائے جو اپنے بس کی نہ ہو، تو اس سے کوئی الزام وارد نہیں ہوتا ــــ (۹۱ : ۹)

(۶) حضورؐ سے کہا گیا کہ اس بات کا اعلان کر دو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اطاعت کو خدا کے لئے خالص کر دوں ــــ (۲ : ۳۹)ــــ(۱۴-۱۱ : ۳۹)

(۷) اہلِ کتاب سے بھی یہی کہا گیا تھا کہ وہ اطاعت صرف خدا کی کریں۔ ظاہر ہے کہ خدا کی اطاعت قرآن پر عمل پیرا ہونے ہی سے ہو سکتی ہے ــــ (۵ : ۹۸)

(۸) منافقین کے مقابلہ میں مخلصین آیا ہے یعنی وہ لوگ جو غلط روش کو چھوڑ کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں اور پھر اطاعت کو خدا کے لئے مختص کر دیتے ہیں، ان کا شمار مومنین میں ہوتا ہے ــــ (۱۴۶-۱۴۵ : ۴)

(۹) دنیا کی خوشگواریاں تو قوانینِ طبیعی کے مطابق، مومن اور کافر سب کو مل سکتی ہیں۔ لیکن آخرت کی خوشگواریاں صرف (خالصتہً) مومنین کے لئے ہیں ــــ (۳۲ : ۷)

ــــــــ (-) ــــــــ

۳۴- اخلاق حسنہ

اخلاق۔ (مادہ خ۔ل۔ق) ۔خَلَقَ کے معنی ہیں کسی چیز کا اندازہ کرنا۔ اس کے حشو وزوائد کو دور کرنا اور پھر اسے اندازے اور پیمانے کے مطابق بنانا، اس طرح کہ اس کا توازن و تناسب بالکل درست رہے اور وہ صاف اور ہموار ہو جائے۔ اس سے خُلق کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایسے اطوار و کردار

جو صحیح صحیح توازن لئے ہوں۔ اس میں انسان کا پورا کیریکٹر آجاتا ہے لیکن چونکہ ہمارے ہاں یہ لفظ عام معاشرتی اطوار و عادات کیلئے بولا جاتا ہے، اس لئے اس عنوان کے تحت انہی امور کو درج کیا جاتا ہے۔ اس طرح "اخلاق حسنہ" کی جامع فہرست مرتب کرنا مشکل ہے۔ قرآن کریم نے مومنین کی جس قدر صفات بیان کی ہیں، وہ بھی اخلاق حسنہ کے زمرہ میں آجاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ عنوانات کا دیکھ لینا بھی مفید رہے گا۔ واضح رہے کہ اخلاق کے معنوں میں خُلق کا لفظ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ آیا ہے یعنی (۶۸ : ۴)۔ اور وہ رسولؐ اللہ کے متعلق ہے۔

—— (۰) ——

عام حسنِ اخلاق

(۱) لوگوں سے نہایت عمدگی سے بات کرو ——— (۲ : ۸۳)

(۲) ضرورتمند کی ضرورت پوری کرنے کے بعد، اسے احسان جتا کر اذیت مت پہنچاؤ۔ اس سے تو یہ اچھا ہے کہ اس سے شریفانہ طور پر نہ کر دو ——— (۲ : ۲۶۲-۲۶۴)

(۳) ترکہ کی تقسیم کے وقت اگر ایسے لوگ بھی آجائیں جنہیں قاعدے کیمطابق حصہ نہ مل سکتا ہو تو انہیں کچھ یونہی دے دلا کر، عمدگی سے سمجھا دینا چاہیئے کہ اس میں ان کا حصہ نہیں ہے ——— (۴ : ۸)

(۴) بُری باتوں کی تشہیر اچھی نہیں۔ البتہ جس پر کوئی ظلم ہو گیا ہو وہ اپنی فریاد کے لئے آواز بلند کر سکتا ہے (۴ : ۱۴۸)

(۵) اچھی اچھی باتیں کیا کرو۔ یاد رکھو! شیطان تم میں فساد ڈلوانا چاہتا ہے ——— (۱۷ : ۵۳)

(۶) برائی کو بھلائی سے دور کر دو۔ یعنی ناہمواریاں دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہمواریاں پیدا کرو ——— (۲۳ : ۹۶) ——— (۲۸ : ۵۴) ——— (۴۱ : ۳۴)

(۷) لوگوں سے بے رُخی نہ برتو۔ اکڑ کر نہ چلو۔ رفتار میں میانہ روی اختیار کرو۔ چلّا چلّا کر نہ بولو ——— (۳۱ : ۱۸-۱۹)

(۸) دو پارٹیوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو۔ ایک دوسرے کا تمسخر نہ اڑاؤ۔ دوسروں کے بُرے بُرے نام نہ رکھو۔ بدظنی سے بچو۔ لوگوں کے معاملات میں خواہ مخواہ کرید مت کرو۔ غیبت مت کرو۔ ذاتوں اور برادریوں کو عزت کا معیار مت بناؤ ——— (۴۹ : ۹ - ۱۳)

(۹) باہمی خونریزی مت کرو۔ لوگوں کو ان کے گھروں سے بیدخل مت کرو ــــ (۲ : ۸۴)

(۱۰) شیطان، بدی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ خدا کے متعلق ایسی ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں علم نہ ہو ــــ (۲ : ۱۶۹)

(۱۱) نیکی کیا ہے؟ ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے روپیہ خرچ کرنا۔ عہد کی پابندی کرنا مشکلات میں ثابت قدم رہنا ــــ (۲ : ۱۷۶)

(۱۲) یونہی قسمیں کھا کھا کر خدا کو اپنی سپر مت بناؤ ــــ (۲ : ۲۲۴)

(۱۳) مقروض اگر تنگدست ہو تو اسے مہلت دیدو۔ اور اگر نادار ہو تو قرضہ معاف کر دو ــــ (۲ : ۲۸۰)

(۱۴) پڑھے لکھے لوگوں کو چاہیئے کہ اَن پڑھوں کا لکھنے پڑھنے کا کام کر دیا کریں ــــ (۲ : ۲۸۲)

(۱۵) غیر مسلموں کی خوبیوں کا اعتراف کرو۔ عام اخلاقی خوبیاں ان میں بھی ہو سکتی ہیں ــــ (۳ : ۷۴)

(۱۶) ایفائے عہد کرو ــــ (۳ : ۷۵) ــــ (۵ : ۱) ــــ (۲۳ : ۸)

(۱۷) تنگی ہو یا آسودگی، ضرورت مند کی حاجت رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ غصے میں اپنی توانائی ضائع کرنے کے بجائے اس کا رُخ کسی تعمیری مصرف کی طرف موڑ دینا چاہیئے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ لوگ تم سے کس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں۔ تمہیں اپنے اصولوں کا پابند رہنا چاہیئے۔ زندگی حسن کارانہ انداز سے گزارنی چاہیئے۔ اگر کبھی غلطی سے کوئی بُرا کام ہو جائے تو اس کی فوراً تلافی کر دینی چاہیئے ــــ (۳ : ۱۳۳-۳۴)

(۱۸) اگر کبائر (بڑے بڑے جرائم) سے مجتنب رہا جائے تو چھوٹی چھوٹی لغزشوں کی تلافی ہو جاتی ہے

(۴ : ۳۱) ــــ (۴۲ : ۳۷) ــــ (۵۳ : ۳۲)

(۱۹) اپنے آپ کو مقدس اور متقی نہ ظاہر کرتے پھرو ــــ (۴ : ۴۹)

(۲۰) اچھی بات میں دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ بُری بات میں ایسا نہ کرو ــــ (۴ : ۸۵) ــــ (۵ : ۲)

(۲۱) کوئی زندگی بخش دعا دے (یا تمہارے لئے سامانِ زیست مہیا کرے) تو تم اس کے ساتھ اس سے بہتر سلوک کرو یا کم از کم اتنا ہی کرو ــــ (۴ : ۸۶)

(۲۲) کسی کے متعلق پہلا ردِّعمل ہمیشہ نیک ہونا چاہیئے۔ پھر تحقیق کے بعد دیکھنا چاہیئے کہ وہ فی الواقعہ کیسا ہے ــــ (۴ : ۹۴) ــــ (۲۴ : ۱۲)

(۲۳) برائی سے بچ کر آگے نکل جانا چاہیئے ــــ (۴ : ۱۴۹) ــــ (۷ : ۱۹۹)

(۲۴) دوسروں کے معبودوں کو گالی مت دو ــــ (۶ : ۱۰۹)

(۲۵) یتیموں کا مال مت کھاؤ۔ ماپ تول پورا رکھو۔ اللہ کے عہد کو پورا کرو ـــــ (۱۵۲ : ۶)

(۲۶) جہلا سے اعراض برتو۔ لوگوں کو قاعدے قانون کے مطابق چلنے کا کہو ـــــ (۱۹۹ : ۷)

(۲۷) وہ کام کرو جو نوعِ انسان کے لیے نفع بخش ہو ـــــ (۱۷ : ۱۳)

(۲۸) عدل و احسان کی راہ اختیار کرو۔ اقربین سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ بےحیائی اور فریب کاری کی باتوں سے بچو ـــــ (۹۰ : ۱۶)

(۲۹) جب تک کسی بات کے متعلق خود تحقیق نہ کر لو، اس کے پیچھے مت چلو ـــــ (۳۶ : ۱۷)

(۳۰) سرکش کو بھی پہلے نرمی سے سمجھاؤ ـــــ (۴۴ : ۲۰)

(۳۱) لغویات سے اجتناب کرو ـــــ (۳ : ۲۳) ـــــ (۵۵ : ۲۸)

(۳۲) مومنین کا باہمی ظن نیک ہونا چاہیئے ـــــ (۱۲ : ۲۴)

(۳۳) اوچھے پن کا تکبر نہیں کرنا چاہیئے اور ناواقفوں کے ساتھ معاملہ میں بھی ان کی سلامتی کا خیال رکھنا چاہیئے ـــــ (۶۳ : ۲۵)

(۳۴) بہترین کارندہ، قوی اور امین ہوتا ہے ـــــ (۲۶ : ۲۸)

(۳۵) کسی کو یونہی اذیت مت پہنچاؤ ـــــ (۵۸ : ۳۳)

(۳۶) بات صاف، سیدھی، غیر مبہم، دوٹوک کرو ـــــ (۷۰ : ۳۳)

(۳۷) زیادتی کا بدلہ اتنا ہی لیا جا سکتا ہے لیکن جو درگذر کر کے دوسرے کی اصلاح کر دے، یہ زیادہ اچھا ہے ـــــ (۴۰ : ۴۲)

(۳۸) قطع رحمی بُری چیز ہے ـــــ (۲۲ : ۴۷)

(۳۹) زنا سے بچنا۔ اور اپنی امانات، عہد اور شہادت کی حفاظت کرنا چاہیئے ـــــ (۲۹ ـــ ۳۴ : ۷۰)

(۴۰) برائی کو محض رسمی طور پر ہی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اس کے خلاف دل میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے چاہئیں۔

(۱۲۱ : ۶)

(۴۱) نادانستہ کوئی غلط کام ہو جائے تو اس سے فوراً باز آجانا چاہیئے اور اپنی اصلاح کر لینی چاہیئے (۱۱۹ : ۱۶)

[اس فہرست میں حسنِ اخلاق کی بڑی بڑی شقوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ مصنف کی ایک مختصر لیکن جامع کتاب ہے "اسلامی معاشرت"۔ اس میں روزمرہ کی زندگی کے متعلق قرآنی تعلیم و ارشادات ترتیب سے دیئے گئے ہیں۔ اسے

سامنے رکھ لینا مفید ہوگا۔)

رسول اللہ کی خصوصیّت

(۱) یہ خدا کی رحمت تھی کہ حضورؐ نرم دل تھے۔ اگر سخت دل ہوتے تو لوگ آپؐ کے پاس نہ آتے۔ اس لئے حضورؐ سے کہا گیا کہ لوگوں کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں سے درگذر کیا کرو۔ اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو (۳:۱۵۸)۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عیسائی راہبوں کی طرح ہر مقام پر نرمی برتنی چاہیئے۔ یہ نرمی ان کے لئے ہے جو سرکش اور منافق نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ہونا چاہیئے ــــ (۹:۷۳) ــــ (۴۸:۲۹) ــــ (۹:۶۶)

(۲) جن لوگوں سے اعراض برتا جائے، موقعہ ملنے پر انہیں بھی نصیحت کرتے رہنا چاہیئے اور اس انداز سے بات کرنی چاہیئے جو ان کے دل میں اتر جائے ــــ (۴:۶۳)

(۳) مومنین کے سر پر دستِ شفقت رکھو۔ انہیں اپنے بازوؤں کے نیچے سمیٹتے جاؤ ــــ (۸۸:۱۵) ــــ (۲۶:۲۱۵)

(۴) جس سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہو اس سے بھی نہایت عمدہ طریق سے کنارہ کشی اختیار کرو ــــ (۸۵:۱۵)(۱۰:۷۳)

(۵) خدا کی طرف دعوت نہایت حکیمانہ انداز اور خوش اسلوبی سے نصیحت کرتے ہوئے دو۔ اور اگر کسی نکتہ کے متعلق بحث و تمحیص کی نوبت آئے تو وہ بھی بطریقِ احسن کرو ــــ (۱۶:۱۲۵)

(۶) حضورؐ اخلاقِ انسانی کے بلند ترین مقام پر تھے ــــ (۶۸:۴)۔ ہمارے ہاں عام طور پر "اخلاق اور روحانی ترقی" کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اخلاق میں انسان کا پورا کیرکٹر آجاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا کیرکٹر بلند اور سیرت پختہ ہو۔ حضورؐ کو اخلاق (سیرت و کردار) کے بلند ترین مقام پر فائز بتایا گیا ہے۔ یہی شرفِ انسانیت کی معراج ہے۔ اخلاق کی بلندی کے معنی ہیں مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنا۔ قرآن میں "روحانی ترقی" کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

۳۴۔ ادریس (علیہ السلام)

(۱) حضرت ادریسؑ نبی تھے (۱۹:۵۶)

(۲) دیگر انبیاءؑ کے ساتھ آپ کا نام ـــــــ (۸۵ : ۲۱)
قرآن کریم میں آپ کا تفصیلی تذکرہ نہیں آیا۔ بس انہی دو مقامات میں آپ کا نام آیا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوحؑ سے بھی پہلے کا ہے۔ اور آپ کا نام تورات میں حنوک یا اخنوخ آیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ حضرت نوحؑ کے اجداد میں سے تھے کیونکہ تورات میں حضرت نوحؑ کا نسب نامہ یوں آیا ہے۔ نوح بن لمک ۔ بن متوسلح ۔ بن حنوک ـــــ (تورات ۔ کتاب پیدائش ۔ باب ۵ ۔ آیات ۲۹-۲۱) لیکن قرآن کریم نے سلسلۂ انبیاء کرام کا آغاز (بالعموم) حضرت نوحؑ سے کیا ہے حضرت ادریسؑ سے نہیں۔

۳۵۔ ارتداد (مرتد)

(مذہبی آزادی کے لئے دیکھئے عنوانات' دین۔ ایمان۔ اسلام)

<u>ارتداد</u> (مادہ ر - د - د) پلٹ جانا۔ واپس ہوجانا۔ لوٹ جانا۔ جس راستے سے کوئی آیا ہو، اگر وہ اسی راستے پر پلٹ جائے تو اسے ارتداد کہتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان' اسلام کو چھوڑ کر' کوئی اور مذہب اختیار کر لے تو اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ مرتد ہوگیا ' اور اس کی سزا موت بتائی جاتی ہے۔ لیکن یہ چیز قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا تو اگر (بدقسمتی سے) کوئی مسلمان، کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا چاہے تو اسے زبردستی مسلمان کس طرح رکھا جاسکتا ہے۔ ایمان تو دل و دماغ کی کامل رضامندی سے ابدی صداقتوں کو تسلیم کر لینے کا نام ہے۔ معنوی اعتبار سے بھی دیکھئے تو اس لفظ کا اطلاق ہر تبدیلیٔ مذہب پر نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے معنی ہیں اس حالت کی طرف پلٹ جانا جس پر کوئی شخص پہلے تھا۔ نبی اکرمؐ کے زمانے میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ اسلام لانے سے پہلے غیر مسلم (کافر) تھے۔ ان میں سے اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر پھر سے کفر اختیار کر لیتا تو اسے صحیح معنوں میں مرتد کہا جاسکتا تھا۔ لیکن اگر آج ایک پیدائشی مسلمان' (مثلاً) عیسائیت اختیار کر لیتا ہے تو اسے ارتداد (پہلی حالت کی طرف لوٹ جانا) نہیں کہا جائے گا۔ اسے تبدیلیٔ مذہب سے تعبیر کیا جائیگا۔ لیکن پہلے معنی لئے جائیں یا دوسرے' مذہب تبدیل کر لینا' قرآن کی رو سے کوئی جرم نہیں جس کی سزا دی جائے۔

قرآن مذہبی آزادی کا پیامبر ہے۔

(۰)

غیر مسلموں (بالخصوص اہل کتاب) سے متعلق

(۱) اہل کتاب اپنے لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم صبح کو مسلمان ہو جاؤ اور شام کو پھر سے کفر اختیار کر لو۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ خود مسلمانوں کے کچھ لوگ بھی تمہارے ساتھ دین سے منحرف ہو کر پلٹ آئیں (۳:۷۱)

مسلمانوں سے خطاب

(۱) کفار تم سے اس لئے جنگ کرتے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھرا دیں۔ جو تم میں سے دین سے پھر کر پھر سے کفار میں جا ملیگا تو اس کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو جائینگے ــــ (۲ : ۲۱۷)

(۲) جو لوگ دین کی حقانیت اور نظامِ خداوندی کے خوشگوار نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر، پھر غیر خداوندی نظام اختیار کریں، ان پر رشد کی راہ کس طرح وا ہو سکتی ہے۔ وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جائیں گے۔ ہاں! اگر وہ اپنی غلطی کو محسوس کر کے پھر اسلام کی طرف پلٹ آئیں تو انہیں پھر سے وہ خوشگواریاں حاصل ہو جائینگی۔ لیکن اگر وہ اپنے کفر میں آگے ہی بڑھتے چلے جائیں اور بحالتِ کفر ہی مر جائیں تو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے ــــ (۳ : ۸۵ – ۹۰)

(۳) اگر تم نے اہل کتاب کی اطاعت اختیار کر لی تو وہ تمہیں پھر سے کافر بنا دیں گے۔ (۲:۱۰۹)۔ (۳ : ۹۹)

(۴) دین، رسول اللہ کی زندگی تک ہی نہیں۔ لہٰذا، آپ کی وفات کے بعد، تم کہیں پھر سے پچھلے پاؤں نہ لوٹ جانا ــــ (۳ : ۱۴۲-۱۴۳)

(۵) اگر تم نے کفار کی بات مان لی (ان کی اطاعت اختیار کر لی) تو وہ تمہیں پھر سے کافر بنا دینگے ــــ (۳:۱۴۸)

(۶) جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے۔ پھر ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے۔ اور اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ تو انہیں مغفرت نہیں مل سکتی ــــ (۴ : ۱۳۷)

(۷) اگر تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا جو صحیح معنوں میں مومن ہوں گے ــــ (۵ : ۵۴)

(۸) صحیح مومن پھر کفر کی حالت اختیار نہیں کرتا۔ حضرت شعیبؑ کا بیان ــــ (۷ : ۸۹)
(۹) جس سے کفر کا کوئی کام زبردستی کرا لیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، اس پر کوئی الزام نہیں ــــ (۱۶ : ۱۰۶)
(۱۰) جو مسلمان بعض باتوں میں بھی غیر مسلموں کی اطاعت کر لے تو وہ بھی مرتد ہو جاتا ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جسے یا تو پورے کا پورا اختیار کیا جاتا ہے یا پورے کا پورا چھوڑا جاتا ہے۔ (۴۷ : ۲۵-۲۶)
(۱۱) مومنین کا کفار کو جواب کہ کیا تم ہمیں اپنے دین سے پھرانا چاہتے ہو! ــــ (۷ : ۸۹)

منافق بھی مرتد ہے

(۱) منافقین جو دین سے مذاق اور دل لگی کرتے ہیں، درحقیقت کافر ہو چکے ہیں ــــ (۹ : ۶۴-۶۶)
(۲) منافق درحقیقت کافر ہیں ــــ (۶۳ : ۳)

متفرق

جو لوگ مرتد کی سزا قتل بتاتے ہیں، وہ درحقیقت حکومت کے خلاف بغاوت اور انفرادی مذہبی تبدیلی میں فرق نہیں کرتے۔ حکومت کے خلاف بغاوت کی سزا تو بے شک موت ہے لیکن تبدیلیٔ مذہب کوئی جرم نہیں اس لئے اس کی سزا بھی کچھ نہیں۔

ــــ (۰) ــــ

۳۶ - ارتقاء

(نیز دیکھئے ــــ آدم - انسان - امم سابقہ - آخرت)

ارتقاء: (مادہ ر - ق - ی) - اوپر چڑھنا - بلند ہونا۔ قرآن کریم نے کائنات اور خود انسانی تخلیق کے متعلق بتایا ہے کہ ان کی تخلیق کس طرح ارتقائی انداز سے عمل میں آئی ہے۔ اس سے مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں ہمیں جتنی چیزیں نظر آتی ہیں وہ جھٹ سے اسی شکل میں نمودار نہیں ہو گئیں۔ ان کی پیدائش کا

آغاز ایک معمولی سے نقطہ سے ہوا۔ پھر وہ اپنے نقطۂ آغاز سے نشو و نما پاتی ہوئیں، اگلی منزل میں پہنچیں۔ اس طرح منزل بہ منزل، رفتہ رفتہ، بتدریج ارتقا کرتے ہوئے ہر شے اپنی موجودہ شکل میں پہنچی ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے، یہ بھی پیکر آدمی تک اسی پروگرام کے مطابق پہنچا ہے۔ لیکن اس کی موجودہ منزل سلسلۂ ارتقاء کی آخری کڑی نہیں۔ موت سے اس کے جسم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی اس کے بعد آگے چلتی ہے۔ جنت اس سلسلۂ ارتقاء کی اگلی کڑی ہے۔ آخری کڑی وہ بھی نہیں۔

(۰)

تخلیقِ کائنات

(۱) کائنات کے تخلیقی پروگرام کا نقطۂ آغاز امرِ خداوندی تھا ــــ (۸۲ : ۳۶)

(۲) وہ کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے ــــ (۱۱۷ : ۲) ــ (۱۴ : ۶) ــ (۸۰ : ۶) ــ (۱۰۱ : ۶)
(۱۰۱ : ۱۲) ــ (۱۰ : ۱۴) ــ (۱ : ۳۵) ــ (۱۱ : ۴۲)

(۳) تخلیق کی ابتداء کے بعد اسے مختلف گردشیں دے رہا ہے اور اس میں ہر شے کا قدم اس کیلئے متعین کردہ منزل کی طرف اٹھ رہا ہے ــــ (۱۰ : ۴) ــ (۳۴ : ۱۰) ــ (۶۴ : ۲۷) ــ (۱۹-۲۰ : ۲۹) ــ (۲۷؛۱۱ : ۳۰)

(۴) یہ پروگرام اشیائے کائنات میں سے ہر ایک کے اندر ودیعت کر کے رکھ دیا گیا ہے ــــ (۵۰ : ۲۰)

(۵) خدا تخلیقی اضافے کرتا رہتا ہے ــــ (۸ : ۱۶) ــ (۱ : ۳۵)

(۶) وہ ایسی مخلوق پیدا کرتا رہتا ہے جن کا تمہیں (ہنوز) علم نہیں ــــ (۸ : ۱۶)

(۷) لیکن یہ سب کارگہِ کائنات ایک متعین مدت کے لئے وجود میں لایا گیا ہے ــــ (۸ : ۳۰)

زندگی کی نمود

(۱) زندگی کی نمود پانی سے ہوئی ــــ (۳۰ : ۲۱)۔ اور اس اساسِ حیات پر کنٹرول خدا کا ہے ــ (۷ : ۱۱)

(۲) اس سے انواع و اقسام کی زندہ مخلوق کا سلسلہ چلا ــــ (۴۵ : ۲۴)

(۳) تخلیقی اعتبار سے یہ سب اور انسان ایک ہی زمرہ میں شامل ہیں ــــ (۳۸ : ۶)

(۴) اس تخلیقی پروگرام میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی نشانیاں ہیں ــ (۳-۴ : ۴۵)

انسانی تخلیق کے مراحل

(۱) انسانی تخلیق کی ابتداء غیر ذی حیات مادہ (تراب) سے ہوئی — (۳۰ : ۲۰) — (۴۰ : ۶۷)
طین سے ہوئی — (۶ : ۲) — (۲۳ : ۱۲) ۔ طین لازب (یعنی مٹی اور پانی کے امتزاج سے)۔ (۳۷ : ۱۱)
حماٍ مسنون — (۱۵ : ۲۶) صلصال کالفخار — (۵۵ : ۱۴)

(۲) کہیں اسے صرف ارض سے تعبیر کیا گیا ہے — (۱۱ : ۶۱) — (۲۰ : ۵۵) — (۵۳ : ۳۲) — (۷۱ : ۱۷)

(۳) انسان اپنی تخلیق سے پہلے کوئی شے نہیں تھا — (۱۹ : ۶۷) ۔ شے مذکور نہیں تھا — (۷۶ : ۱)

(۴) اس کی تخلیق کی ابتدا نفس واحدہ (UNITARY CELL) سے ہوئی — (۴ : ۱)
کنفس واحدۃ — (۶ : ۹۹) — (۳۱ : ۲۸)

(۵) پھر یہ منزل بمنزل آگے چلا۔ ہر منزل نے کچھ وقت کے لئے اس کارواں کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ اور اس کے بعد اگلی منزل کے سپرد کر دیا — (۶ : ۹۹) — (۱۱ : ۶)

(۶) نفس واحدہ کی اگلی منزل یہ تھی کہ وہ ٹوٹ کر جوڑا بن گیا۔ اس طرح سلسلۂ تخلیق زوجین سے آگے چلا
(۴ : ۱) — (۵۱ : ۴۹) — (۵۳ : ۴۵)

(۷) یہ مختلف اطوار میں سے گزرتا چلا گیا — (۷۱ : ۱۴)

(۸) انسانی بچہ کی پیدائش کے مختلف مراحل و مدارج — (۷۱ : ۱۱) — (۳۰ : ۲۱) — (۲۳ : ۱۳-۱۴)
(۲۵ : ۵۴) — (۳۲ : ۷-۹) — (۳۵ : ۱۱) — (۳۶ : ۷۷) — (۳۹ : ۶) — (۴۰ : ۶۷)
(۷۶ : ۲) — (۸۶ : ۵-۷) — (۹۶ : ۱-۲)

(۹) اسے قوت گویائی عطا کی — (۵۵ : ۳-۴) ۔ اور تحریر کی صلاحیت — (۹۶ : ۴-۵)

(۱۰) اسے صاحب اختیار و ارادہ بنایا — (۷۶ : ۳) — (۹۰ : ۸-۱۰)

(۱۱) یہ سمجھنا کہ انسانی زندگی حیوانات کی طرح محض طبیعی زندگی ہے، کفر ہے — (۴۷ : ۱۲)

(۱۲) انسان کو احسن صورت میں پیدا کیا گیا — (۴۰ : ۶۴) — (۶۴ : ۳)
اسے احسن تقویم میں پیدا کیا۔ لیکن یہ وحی کا اتباع چھوڑ کر پست ترین سطح پر پہنچ جاتا ہے۔
(۹۵ : ۴-۵)

تسلسل حیات

(۱) انسان کی طبیعی زندگی ایک مدت کے لئے ہے ـــــ (۲ : ۶)

(۲) لیکن انسانی زندگی آگے بھی چلتی ہے ـــــ (۴۹ : ۱۷) ـــ (۱۰ : ۳۲)۔ ایک بار اور بھی ـــ (۵۵ : ۲۰)

(۳) جس طرح ابتداء ہوئی تھی اسی طرح موت کے بعد حیاتِ نو عطا ہوگی ـــــ (۱۱ : ۳) ـــ (۱۰۴ : ۲۱)

(۱۹ : ۲۹) ـــ (۱۱ : ۳۰) ـــــ (۴-۳ : ۵۰)

خدا مبداء و معاد کا مالک ہے ـــــ (۱۳ : ۸۵)

(۴) جنت بھی آخری مقام نہیں۔ اہلِ جنت کا نور ان کے اگلے راستے روشن کرے گا۔ (۱۲ : ۵۷) ـــ (۸ : ۶۶)

(۵) آخری منزل کونسی ہے اس کا علم ہمارے شعور کی موجودہ سطح پر نہیں دیا گیا۔ اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ ارتقاء کا رخ ربّ کی طرف ہے ـــــ (۴۲ : ۵۳) ـــــ (۴۴ : ۷۹)

اجتماعی ارتقاء

(۱) ایک قوم کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے جو اس سے بہتر ہوتی ہے ـــــ (۱۳۴ : ۶)

(۳۸ - ۳۶ : ۴۷) ـــ (۴۱ : ۷۰)

(۲) خدا کی مشیت ہو تو پوری نوعِ انسان کی جگہ کوئی اور نوع لے آتے ـــــ (۱۹ : ۱۴) ـــ (۱۶ : ۳۵)

قانونِ ارتقاء

(۱) خدا اپنی اسکیم کا آغاز عالمِ امر سے کرتا ہے۔ اور اس کی محسوس شکل ارض سے شروع ہوتی ہے۔ پھر وہ شے اس پست سطح سے بلند ہوتی ہوئی اوپر کی طرف چڑھتی ہے۔ یہ ادوار و مراحل بڑے طویل المیعاد ہوتے ہیں۔ یعنی خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے ـــ (۵ : ۳۲)۔ بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ـــ (۴ : ۷۰)

(۲) محو و ثبات خدا کے محکم قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ جو اپنے آپ کو زندہ رہنے کا اہل ثابت کر دے وہ زندہ رہتا ہے۔ جو آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے، آگے بڑھ جاتا ہے ـــ (۳۹ : ۱۳)۔ اسی

کو قانونِ انتخابِ طبیعی کہا جاتا ہے ——— (۴۸ : ۲۸)

(۳) اس طرح، مخلوق کو طبقاً طبقاً، منزل بہ منزل اوپر کیطرف لئے جارہا ہے ——— (۱۴ : ۷۱)—(۱۹ : ۸۴)
اسی اعتبار سے خدا کو "سیڑھیوں والا" کہا جاتا ہے ——— (۳ : ۷۰)

(۴) یہ سب کچھ اس کے قانونِ ارتقاء کی رو سے ہوتا ہے جس میں 'اوپر چڑھنے' کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ انسانی اعمالِ صالح بھی لگ جائیں تو پھر اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ (۱۰ : ۳۵)

——— (۰) ———

۳۷۔ ارضْ وسمٰوٰت

(نیز دیکھئے ——— زمین)

ارض۔ مادہ (ا۔ ر۔ ض) ہر وہ چیز جو نیچے ہو' ارض کہلاتی ہے۔ عام طور پر زمین کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ذرائع پیداوار کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ نیز انسان کی معاشی زندگی اور ملک ومملکت کیلئے بھی۔

سماء۔ مادہ (س۔م۔و) ہر وہ چیز جو اوپر ہو۔ بادل اور بارش کو بھی کہتے ہیں۔ اگر یہ لفظ ارض کے اس مفہوم کے مقابل آئیگا جو انسان کی معاشی زندگی سے متعلق ہو' تو اس سے مراد وحی آسمانی یا کائناتی اقدار ہونگی۔

ارض وسمٰوٰت سے مراد کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہیں۔ یعنی جملہ کائنات۔

——— (۰) ———

ارض وسمٰوٰت کو خدا نے پیدا کیا

(۱) خدا نے ارض کو فرش اور سماء کو چھت بنایا ——— (۲ : ۲۲)—(۴۰ : ۶۴)—(۵ : ۵۲)

(۲) خدا نے 'جو کچھ ارض میں ہے' پیدا کیا۔ اور سبع سمٰوٰت (متعدد آسمانی کرے) پیدا کئے ——— (۲ : ۲۹)
(۲۳ : ۸۶)—(۱۲ : ۱۴)—(۳ : ۷۶)—(۱۵ : ۷۱)

(۳) وہ ارض وسماء کو عدم سے وجود میں لایا ——— (۲ : ۱۱۷)—(۶ : ۱۴)—(۶ : ۱۰۲)—(۱۲ : ۱۰۱)

(۱۴ : ۱۰)—(۲۱ : ۵۶)—(۳۵ : ۱)—(۳۹ : ۴۶)—(۴۲ : ۱۱)۔

(۴) خدا نے ارض وسمٰوٰت کو پیدا کیا — (۶ : ۱)

(۵) اس نے ارض وسمٰوٰت کو بالحق پیدا کیا ہے — (۶ : ۷۳)—(۱۴ : ۱۹)—(۱۵ : ۸۵)—(۱۶ : ۳)

(۲۹ : ۴۴)—(۳۰ : ۸)—(۳۹ : ۴۶)—(۴۴ : ۳۸)—(۴۵ : ۲۲)—(۴۶ : ۳)—(۶۴ : ۳)

باطل پیدا نہیں کیا — (۳۸ : ۲۷)۔ بطور کھیل تماشا پیدا نہیں کیا — (۲۱ : ۱۶)—(۴۴ : ۳۸)

(۶) ارض وسمٰوٰت کو چھ مدارج میں پیدا کیا — (۷ : ۵۴)—(۱۰ : ۳)—(۱۱ : ۷)—(۲۵ : ۵۹)—

(۳۲ : ۴)—(۵۰ : ۳۸)—(۵۷ : ۴)۔ ارض کو دو مدارج میں — (۴۱ : ۹)

(۷) تخلیقِ ارض وسمٰوٰت کے وقت سے، قانونِ خداوندی کے مطابق مہینے بارہ ہیں — (۹ : ۳۶)

(۸) اس نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور دیا۔ اور ان کی گردشیں مقرر کر دیں — (۱۰ : ۵)—(۷۱ : ۱۶)

(۹) اس نے سمٰوٰت کو بغیر مرئی ستونوں کے معلق رکھا ہے — (۱۳ : ۲)—(۳۱ : ۱۰)—(۳۵ : ۴۱)

(۱۰) جس خدا نے ارض وسمٰوٰت کو پیدا کیا وہ ان کی مثل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے — (۱۷ : ۹۹)—(۳۶ : ۸۱)

(۱۱) قرآن اس خدا نے نازل کیا ہے جس نے ارض وسمٰوٰت کو پیدا کیا ہے — (۲۰ : ۴)

(۱۲) زمین و آسمان کو یونہی بطور کھیل تماشہ پیدا نہیں کر دیا — (۲۱ : ۱۶)—(۴۴ : ۳۸)

(۱۳) ارض وسمٰوٰت کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے پانی برسایا۔ زمین سے نباتات اُگائی — (۲۵ : ۴۸-۴۹)

(۲۷ : ۶۰)—(۵۰ : ۶-۱۱)—(۷۱ : ۱۷-۱۹)

(۱۴) ارض وسمٰوٰت کو پیدا کرنے والا خدا ہی ہے — (۲۹ : ۶۱)—(۲۹ : ۶۳)

(۱۵) ارض وسمٰوٰت کی تخلیق، تخلیق انسانی سے اکبر تھی — (۴۰ : ۵۷)

(۱۶) زمین کو دو مرحلوں میں پیدا کیا۔ اسے ذریعۂ پیدائش رزق بنایا۔ اسے ہر ایک ضرورت مند کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہیئے۔ آسمان کا ابتدائی ہیولیٰ دھوئیں کی طرح تھا۔ ان سے کہا کہ طوعاً و کرہاً آجاؤ۔ وہ طوعاً آگئے۔ سبع سمٰوٰت کو دو مدارج میں مکمل کیا۔ ہر آسمان میں اپنی وحی بھیجی۔ قریبی آسمان کو کواکب سے مزین کیا — (۴۱ : ۹-۱۲)

(۱۷) کفار بھی اقرار کریں گے کہ ارض وسمٰوٰت خدا نے پیدا کئے ہیں۔ اس نے زمین کو آرام گاہ بنایا۔ آسمان سے بارش برسائی۔ زمین سے رزق پیدا کیا — (۳۲ : ۲۷)—(۳۵ : ۹)—(۳۹ : ۲۱-۲۲)

(۴۳ : ۹-۱۲) ــــ (۵۰ : ۶-۱۱)

(۱۸) تخلیق ارض وسمٰوٰت بالحق ہوئی ہے اور اس لئے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ مل سکے

(۴۵-۲۲) ــــ (۵۳ : ۳۱)

(۱۹) ارض وسمٰوٰت کو ایک متعینہ میعاد کے لئے پیدا کیا ہے ــــ (۴۶ : ۳)

(۲۰) معبودانِ باطل نے کون سی زمین یا اس کی کوئی شے پیدا کی ہے؟ ــــ (۴۶ : ۴)

(۲۱) خدا زمین وآسمان کو پیدا کرکے تھک نہیں گیا۔ وہ مُردوں کو بھی زندہ کرسکتا ہے ــــ (۴۶ : ۳۳)

(۵۰ : ۱۵) ــــ (۵۰ : ۳۸)

(۲۲) آسمان کو قوت کے ساتھ بنایا۔ زمین کو پھیلایا ــــ (۵۱ : ۴۸-۴۹) ــــ (۷۹ : ۲۸-۳۰)

(۲۳) آسمان کو بلند کیا۔ اور میزان قائم کی ــــ (۵۵ : ۷)۔ یعنی ہر شے کا توازن برقرار رکھا۔

(۲۴) اس نے ارض کو مخلوق کے فائدے کیلئے بنایا ہے ــــ (۵۵ : ۱۱-۱۲)

(۲۵) تخلیقِ خداوندی میں کہیں نقص، عیب یا جھول نہیں ــــ (۶۷ : ۴)

برجوں والا آسمان ــــ (۸۵ : ۱)۔ یعنی وہ خلا جس میں کرّے تیر رہے ہیں۔

(۲۶) گردشوں والا آسمان۔ پھٹ کر نبات پیدا کرنیوالی زمین ــــ (۸۶ : ۱۱-۱۲)

(۲۷) آسمان کا بلند کرنا اور ارض کا پھیلانا ــــ (۸۸ : ۱۸-۲۰)

(۲۸) ارض وسما کا ہیولیٰ ایک تھا۔ پھر انہیں الگ الگ کیا اور پانی سے ہر جاندار شے پیدا کی ــ (۲۱-۳۰)

(۲۹) اس نے ارض کو پیدا کیا اور پھر مستوی الی السماء ہوگیا ــ (۲ : ۲۹)۔ زمین کو بعد میں پیدا کیا۔ اس طرح جیسے گوپیے سے پتھر پھینکا جاتا ہے ــــ (۷۹ : ۲۸-۳۰)

(۳۰) جتنے سمآر اتنی ہی ارض۔ یعنی ہر بلندی کے مقابلہ میں ایک پستی ــــ (۶۵ : ۱۲)

ارض وسمٰوٰت میں مملکت خدا کی ہے

(۱) ارض وسمار کی مملکت خدا کی ہے ــــ (۲ : ۱۰۷) ــــ (۳ : ۱۸۸) ــــ (۵ : ۴۰) ــــ (۷ : ۱۵۸)

(۲) ارض وسمار میں ہر شے اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے ــــ (۲ : ۱۱۶)

(۳) ارض وسما میں سب اُس کے لئے ہے۔ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے ــــ (۲ : ۲۵۵)

(۴) ارض و سموٰت میں سب کچھ خدا کا ہے اور اسی کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے — (۲ : ۲۸۴)
(۳ : ۱۰۸) — (۳ : ۱۲۸) — (۴ : ۱۲۶) — (۴ : ۱۳۱-۱۳۲) — (۴ : ۱۷۱) — (۱۰ : ۵۵)
(۱۰ : ۶۶) — (۱۰ : ۶۸) — (۱۴ : ۲) — (۱۶ : ۵۲) — (۲۱ : ۱۹) — (۲۲ : ۶۴)
(۲۴ : ۴۲) — (۲۴ : ۶۴) — (۲۵ : ۲) — (۳۱ : ۲۶) — (۳۴ : ۱) — (۴۲ : ۴)
(۴۲ : ۴۹) — (۴۲ : ۵۳) — (۴۳ : ۸۵) — (۴۵ : ۲۷) — (۴۸ : ۱۴) — (۵۷ : ۲)
(۵۷ : ۵) — (۸۵ : ۹)

(۵) کائنات کی ہر شے اس کے قوانین کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ طوعاً و کرہاً — (۳ : ۸۲) — (۱۳ : ۱۵)
(۱۶ : ۴۹) — (۴۱ : ۱۱)

(۶) میراث (ملکیت) ارض و سموٰت خدا کی ہے — (۳ : ۱۷۹) — (۵۷ : ۱۰)

(۷) اگر تم قوانینِ خداوندی کو نہ مانو گے تو اس سے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ساری کائنات اس کی مملکت ہے — (۴ : ۱۳۱) — (۴ : ۱۷۰)

(۸) ارض و سموٰت اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے — (۵ : ۱۸) — (۵ : ۱۲۰)

(۹) ان سے پوچھو کہ ارض و سموٰت میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟ پھر کہو کہ یہ سب خدا کا ہے — (۶ : ۱۲)

(۱۰) ارض و سماء کی ہر شے اس کی تسبیح کرتی ہے (یعنی اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے) —
(۲۴ : ۴۱) — [illegible] — (۵۷ : ۱) — (۵۹ : ۲۴) — (۶۲ : ۱) — (۶۴ : ۱)

(۱۱) ارض اور جو کچھ اس میں ہے، سب خدا کا ہے۔ وہی ربّ السموٰت ہے۔ اس کے ہاتھ میں ہر شے کا اقتدار ہے — (۲۳ : ۸۴ - ۸۸)

(۱۲) خدا کو تم ارض و سماء میں عاجز نہیں کر سکتے — (۲۹ : ۲۲)

(۱۳) ربّ السموٰت والارض — (۳۷ : ۵) — (۳۸ : ۶۶) — (۴۳ : ۸۲) — (۴۴ : ۷) — (۵۱ : ۲۳)

(۱۴) کفار، جو قوانینِ خداوندی سے انکار کرتے ہیں، کیا حکومت السموٰت والارض ان کی ہے؟ — (۳۸ : ۱۰)

(۱۵) ارض و سماوات کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں — (۳۹ : ۶۳)۔ خزائن بھی — (۶۳ : ۷)

(۱۶) قیامت میں زمین اس کے قبضے میں ہوگی اور آسمان لپٹے ہوئے اس کے ہاتھ میں — (۳۹ : ۶۷)

(۱۷) الٰہ السماء بھی وہی ہے اور الٰہ الارض بھی وہی — (۶ : ۳) — (۱۶ : ۵۱-۵۲) — (۲۱ : ۲۱) — (۴۳ : ۸۴)

(۱۸) حمد فی السمٰوٰت والارض بھی اسی کے لئے اور کبریائی بھی اُسی کے لئے ـــــ (۴۵ : ۳۶-۳۷)

(۱۹) جنود السمٰوٰت والارض خدا کے ہیں ـــــ (۴۸ : ۴ ؛ ۷)

(۲۰) ارض وسماء کا اقتدار خدا کے ہاتھ میں ہے تاکہ ہر عمل کا نتیجہ مرتب ہو سکے ـــ (۴۵ : ۲۲) ـــ (۵۳ : ۳۱)

(۲۱) ارض وسمٰوٰت کی ہر شے اپنی نشو ونما کے لئے اس کی محتاج ہے ـــــ (۵۵ : ۲۹)

ارض وسماء میں کوئی شے خدا سے پوشیدہ نہیں

(۱) کوئی شے خدا سے مخفی نہیں ـــــ (۳ : ۴)

(۲) ارض وسماء میں جو کچھ ہے اس کا خدا کو علم ہے ـــ (۳ : ۲۸) ـــ (۵ : ۹۷) ـــ (۲۲ : ۷۰) ـــ (۴۹ : ۱۶) ـــ (۶۴ : ۴)

(۳) وہ ارض وسمٰوٰت کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے ـــــ (۲۷ : ۲۵)

(۴) غیب السمٰوٰت والارض کو خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا ـــ (۶۵ : ۲۷) ـــ (۲۷ : ۷۵) ـــ (۳۵ : ۳۸)

(۵) وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے ـــ (۳۴ : ۲) ـــ (۵۷ : ۴)

(۶) قرآن اس خدا نے نازل کیا ہے جو ارض وسمٰوٰت کے اسرار سے واقف ہے ـــ (۲۵ : ۶)

ارض وسمٰوٰت کی تخلیق میں نشانیاں ہیں

(نشانی کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان "آیات")

(۱) ارض وسماء کی تخلیق اور دیگر مظاہر فطرت میں ارباب بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں ـــ (۲ : ۱۶۴)
(۳ : ۱۸۹) ـــ (۱۰ : ۶) ـــ (۳۰ : ۲۴) ـــ (۵۱ : ۲۰)

(۲) کیا ان لوگوں نے ملکوت السمٰوٰت والارض پر غور نہیں کیا ـــ (۷ : ۱۸۵) ـــ (۳۴ : ۹)

(۳) ارض وسمٰوٰت میں غور کرو ـــ (۱۰ : ۱۰۱)

(۴) لوگ ارض وسمٰوٰت کی نشانیوں سے آنکھیں بند کئے گذر جاتے ہیں ـــ (۱۲ : ۱۰۵)

(۵) اس نے ارض وسمٰوٰت کو بالحق پیدا کیا ہے۔ اس میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں ـــ (۲۹ : ۴۴) ـــ (۴۵ : ۳-۵)

(۶) تخلیقِ ارض وسمٰوٰت خدا کی آیات میں سے ہے ـــ (۳۰ : ۲۲) ـــ (۴۲ : ۲۹)

(۷) زمینِ مردہ کی حیاتِ نو میں نشانیاں ہیں ـــ (۲۲ : ۶) ـــ (۲۲ : ۶۳) ـــ (۳۰ : ۲۴) ـــ (۳۰ : ۵۰) ـــ (۳۶ : ۳۳)

(۸) غور کرو کہ آسمان کو کیسا بلند کیا اور زمین کو کس طرح پھیلا دیا ــــ (۲۰ : ۱۸ : ۸۸)

تسخیرِ کائنات

(۱) ارض وسما میں سب کچھ انسان کے لئے مسخر (تابع قوانین) کر دیا ــــ (۲۰ : ۳۱) ــ (۱۳ : ۴۵)

(۲) ارض میں جو کچھ ہے انسان کے لئے مسخر کر دیا ــــ (۶۵ : ۲۲)

(۳) ارض وسما میں سب کچھ خدا کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوتے ہے۔ یہ دین (نظام) خداوندی ہے۔

(۳ : ۸۲)

(۴) ارض وسما طوعًا و کرہًا اس کے قوانین کے سامنے جھکے ہوتے ہیں ــــ (۱۱ : ۱۳)

متفرقات

(۱) جنت کی وسعت ارض وسماوات جتنی ہے ــــ (۳ : ۱۳۲) ــ (۲۱ : ۵۷)

(۲) ارض وسمٰوٰت میں ہر جگہ خدا چھایا ہوا ہے ــــ (۳ : ۶)

(۳) ابراہیمؑ کو ملکوت السمٰوٰت والارض دکھائی گئیں ــــ (۷۶ : ۶)

(۴) آیات اللہ کی تکذیب کرنیوالوں پر آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائینگے ــــ (۴۰ : ۷)۔ یہاں آسمان سے مراد کوئی طبیعی شے نہیں۔ برکاتِ سماوی (یعنی وحی کی رُو سے حاصل ہونے والی خوشگواریاں) مراد ہیں ــــ (۹۶ : ۷)

(۵) وہ ارض وسماء سے رزق دیتا ہے ــــ (۳۱ : ۱۰) ــ (۳۲ : ۱۴) ــ (۶۴ : ۲۷) ــــ (۴-۵ : ۴۵)

(۵۱ : ۲۲)

(۶) اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کیا ــــ (۶۱ : ۱۱)۔ یعنی تخلیقِ انسانی کی ابتداء بے جان مادہ سے ہوئی۔

(۷) عذاب کے دن یہ زمین و آسمان بدل جائینگے ــــ (۴۸ : ۱۴)

(۸) آسمان میں بروج بنائے ــ (۱۶ : ۱۵)۔ یعنی خلاء میں اجرامِ فلکی پیدا کئے۔

(۹) اُس نے زمین کو پھیلا دیا۔ اس میں پہاڑ بنائے اور رزق کی پیداوار کا ذریعہ ــ (۱۹-۲۰ : ۱۵) ــ (۱۰ : ۴۱)

البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم ایسے مکانات میں بلا اجازت داخل ہو جاؤ جن میں کوئی بستا نہیں اور ان میں تمہارا سامان رکھا ہے (جیسے گودام وغیرہ۔ لیکن اگر وہ مشترکہ گودام ہے اور اس میں تم کسی لئے داخل ہو رہے ہو، تو تمہارے دل میں کسی قسم کی بددیانتی کا خیال نہیں آنا چاہیئے)۔ یاد رکھو! خدا کا قانونِ مکافات اچھی طرح جانتا ہے کہ تم ظاہر کیا کرتے ہو اور دل میں کیا چھپاتے ہو۔

(۸) عورتوں کی طرف سے سرکشی

اس کے لئے پہلے افہام و تفہیم سے کام لیا جائے۔ پھر انہیں عارضی طور پر الگ کر دیا جائے۔ اگر اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو عدالت بدنی سزا دے سکتی ہے۔ (۴/۳۴)، عورت بھی مرد کے خلاف اسی قسم کی چارہ جوئی کر سکتی ہے۔ (۴/۱۲۸)، اس سلسلہ میں مزید وضاحت، اس سے پہلے (میاں بیوی کے تعلقات سے متعلق عنوان میں آ چکی ہے) دیکھئے عنوان "طلاق" اور "ایک غلط فہمی کا ازالہ" (ص ۶۸ و ص ۸۹)

(۲۸) نظریۂ ارتقاء "آسمان" سے زمین کی طرف تدبیرِ امر کرتا ہے۔ پھر وہ اسکیم بتدریج اپنے نصب العین کیطرف اٹھتی چلی جاتی ہے ــــ (۵ : ۳۲)

(۲۹) ارض وسماء میں زندہ مخلوق ہے (یعنی زمین اور بعض اجرامِ فلکی میں بھی)۔ اور خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ایسا بھی کرسکتا ہے کہ یہ مخلوق کسی دن آپس میں مل جائے ــ (۲۹ : ۴۲)

(۳۰) جنود السمٰوٰت والارض خدا کے ہیں ــــ (۷ : ۴۸ : ۴)

ــــ (۰) ــــ

۳۸۔ اِرَم

ارام نشانِ راہ ۔ یا کوئی نشان جس سے وہ شے پہچانی جاسکے۔

قرآنِ کریم میں قومِ عاد کے متعلق ہے۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۷ : ۸۹)۔ اِرَمْ اس مقام کا نام ہے جہاں وہ رہتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ارم ذات العماد سے ان کے وہ بلند ستون مراد ہیں جن پر وہ نقش ونگار بناتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ اِرَم، قومِ عاد کے مورثِ اعلیٰ کا نام تھا۔ ابنِ فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ (ارم) کے معنی ہیں چیزوں کا اوپر تلے رکھتے چلے جانا۔ اس میں ترتیب اور بلندی دونوں کا مفہوم آجاتا ہے۔

ــــ (۰) ــــ

۳۹۔ اِستخلاف

(نیز دیکھئے ــــ "امم سابقہ")

استخلاف۔ (مادہ خ ۔ ل ۔ ف) اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کے پیچھے (یا بعد)۔ اس اعتبار سے کسی کے جانشین کو خلیفہ کہتے ہیں۔ یعنی جو پہلے جانے والے کی جگہ آئے۔ چونکہ جانشینی میں غلبہ وتسلط اور اختیار واقتدار کا مفہوم آجاتا ہے، اس لئے استخلاف فی الارض کے معنی ہوتے ہیں ملک میں صاحبِ اختیار ہونا۔ حکومت۔ خلافت بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ــــ (۰) ــــ

مومنین سے کہا گیا کہ ایک دوسرے کو قتل مت کرو۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (4/29)

(۲) انسانی جان کو خدا نے واجب الاحترام بنایا ہے۔ اس لئے اسے حق کے بغیر ضائع کرنا جرم ہے۔ حق کے معنی ہوں گے قانونِ خداوندی کے مطابق۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔ (6/152؛ 17/33؛ 25/68)۔

"انسانی جان کو خدا نے واجب الاحترام قرار دیا ہے اس لئے اسے ناحق قتل مت کرو۔"

(۳) جرمِ قتل کا مؤاخذہ کرکے مجرم کو سزا دینا، اسلامی مملکت کا فریضہ ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ۔ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ۔ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (2/178-179)

اے جماعتِ مومنین! تم پر فرض قرار دیا جاتا ہے کہ تم قتل کے مجرم کا تعاقب کرکے اسے قانون کے مطابق سزا دو (بالفاظِ دیگر اسے قاتل اور مقتول کے وارثوں کے مابین نجی معاملہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے معاشرہ یا نظام کے خلاف جرم سمجھا جائے۔ یہ نظام اسے اپنے ہاتھ میں لے)

سزا کے سلسلہ میں، عدل اور مساوات کے بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ یعنی اس میں بڑے اور چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ سوال مقتول یا قاتل کی پوزیشن کا نہیں۔ اصل سوال تقاضائے عدل کا ہے جس کی رُو سے ہر انسانی جان یکساں قیمت رکھتی ہے۔ (مثلاً) اگر قاتل آزاد مرد ہے تو وہی آزاد مرد سزا پائے گا۔ اگر قاتل غلام ہے تو اسی غلام کو سزا دی جائے گی۔ اگر وہ عورت ہے تو اس کا عورت ہونا اُسے سزا سے نہیں بچا سکے گا، اسے بھی سزا بھگتنی پڑے گی۔

جرمِ قتل کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ قتل بالارادہ (قتلِ عمد) یا سہواً (نادانستہ) قتل۔ اوّل الذکر کی صورت میں سزائے موت ہے (زرِ فدیہ۔ دیت۔ خون بہا نہیں) ۔۔۔ یا جرم کی نوعیت کے لحاظ سے، انتہائی سزا سے کمتر کوئی اور سزا (4/92) ۔۔۔ لیکن سزا کو جرم کی حد سے بڑھ نہیں جانا چاہیئے۔ (42/40؛ 17/33)

لیکن قتل، اگر عمداً نہیں کیا گیا، یونہی سہواً ہو گیا ہے، تو اس صورت میں (4/92 کے مطابق) دیت (خون بہا) کی سزا دی جائے گی۔ اس دیت (کی رقم ہے) اگر مقتول کا وارث، برضا و رغبت کچھ چھوڑنا چاہے، تو اسے اس کا اختیار دیا گیا ہے (2/178)۔ اس صورت میں مجرم کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ طے ہو گیا ہے، اُس کی پابندی کرلے (حسن کارانہ

(۱۳) قومِ عاد کو قومِ نوحؑ کے بعد خلیفہ (ان کا جانشین) بنایا ——— (۶۹ : ۷)؛ قومِ ثمود کو ——— (۷۴ : ۷)
(۱۴) جس مال و دولت کا تمہیں جانشین (وارث) بنایا ہے اس میں سے انفاق کرو ——— (۷ : ۵۷)

استخلاف فی الارض

(۱) خدا چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ کسی اور قوم (یا نوع) کو تمہارا جانشین بنا دے جس طرح تمہیں پہلی اقوام کا جانشین بنایا یا تم سے پہلی نوع کا جانشین بنایا ——— (۱۳۴ : ۶)؛ یہ سب کچھ قوموں کے اعمال کے نتیجے میں ہوتا ہے ——— (۳۳ - ۱۳۲ : ۶)۔

(۲) قومِ نوح کے بعد قومِ عاد کو زمین کی حکومت (خلافت) ملی ——— (۶۹ : ۷)

(۳) قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود کو ان کا جانشین بنایا اور انہیں بڑا غلبہ و تسلط عطا کیا ——— (۷۴ : ۷)

(۴) جو قوم کسی پہلی قوم کی وارث ہوتی ہے اسے سابقہ قوم کے احوال و ظروف سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ اس میں کونسی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے ان سے تمکن چھن گیا ——— (۱۰۰ : ۷)

(۵) قومِ فرعون کی جانشینی بنی اسرائیل کے حصے میں آئی تاکہ دیکھا جائے کہ وہ کس قسم کے کام کرتے ہیں۔
(۷ : ۱۲۹) ——— (۷ : ۱۳۷)

(۶) پہلی قوموں کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھا جائے کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو ———
(۶ : ۱۶۶) ——— (۱۰ : ۱۴)

(۷) حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم قوانینِ خداوندی سے اعراض برتو گے تو خدا تمہاری جگہ اور قوموں کو حکومت عطا کر دیگا ——— (۵۷ : ۱۱)

(۸) ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض ہے۔ اور یہ اس لئے ہے تاکہ دین کا تمکن ہو۔ نظامِ صلوٰۃ قائم ہو سکے۔ زکوٰۃ کا انتظام کیا جا سکے۔ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہو۔ اس ایک آیت میں دین کا پورا نظام آ گیا ہے۔ اپنی آزاد مملکت کے بغیر دین کا تمکن ہو نہیں سکتا ——— (۵۵ : ۲۴)

(۹) حضرت داؤدؑ کو خلیفہ فی الارض بنایا اور کہا کہ وہ لوگوں کے فیصلے حق کے ساتھ کریں۔ یہاں سے خلیفہ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ——— (۲۶ : ۳۸)

(۱۰) وراثتِ ارض مشروط ہوتی ہے۔ قوانینِ خداوندی کی نہایت استقامت کے ساتھ اطاعت کرنے سے۔
(۷ : ۱۲۸)

ہو گی۔ لیکن اگر مستغیث، مجرم کو معاف کر دے، تو یہ چیز مجرم کی سزا کا کفارہ ہو جائے گی۔

یہ تھا وہ قانونِ قصاص جو ان کی کتابوں میں، ان کے لئے دیا گیا تھا۔ انہیں اسی کے مطابق فیصلے کرنے چاہئیں تھے۔ اس لئے کہ جو شخص اس ضابطۂ قوانین کے مطابق فیصلے نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ ہیں جو حق و انصاف سے کام نہیں لیتے۔ ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔

(۵) جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، قرآن کی رُو سے قتلِ عمد (بالارادہ) اور قتلِ خطا (سہواً) میں فرق کیا گیا ہے۔ قتلِ خطا کے لئے فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ۔ (۴/۹۲)

کسی مومن کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے، اِلّا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اگر کسی کے ہاتھوں کوئی مومن غلطی سے مارا جائے تو وہ اس کے بدلے میں، ایک مومن غلام آزاد کرے۔ نیز مقتول کے وارثوں کو اس کا خون بہا دے (۲/۱۷۸)۔ اگر وہ خون بہا معاف کر دیں تو پھر اور بات ہے ـــــ لیکن اگر ایسا ہو کہ کوئی قوم تم سے برسرِ پیکار ہے اور ان میں کوئی مومن مرد ہے جو تمہارے ہاتھوں غلطی سے مارا جاتا ہے، تو اس کے کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام آزاد کیا جائے گا۔ (خون بہا نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ جنہیں تم خون بہا دو گے وہ تو تم سے جنگ کر رہے ہیں)۔ لیکن اگر وہ شخص اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدۂ صلح ہے تو اس صورت میں اس کے وارثوں کو خون بہا بھی دینا ہوگا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا بھی۔ لیکن اگر قاتل کے پاس غلام آزاد کرنے کی مقدرت نہ ہو یا ایسی صورت ہو کہ غلام ملے ہی نہیں تو وہ دو مہینے کے متواتر روزے رکھے۔ یہ چیز، قانونِ خداوندی کی رُو سے عفوِ خطا کا موجب بن جائے گی۔ اس قانونِ خداوندی کی رُو سے جو سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔

اور قتل بالارادہ کے متعلق ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْھَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

اس کے معنی یہ ہونگے کہ جو معاملہ سامنے آئے اس میں دیکھا یہ جائے کہ اس باب میں قانونِ خداوندی کا تقاضا کیا ہے۔ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ جب قانونِ خداوندی کے مطابق عمل کیا جائے گا تو اس کا نتیجہ ہمیشہ خوشگوار اور ثمربار مرتب ہوگا۔ اسی کا نام خدا کی مدد ہے۔

(۲) سورۃ فاتحہ میں مؤمنین کو دعا یہ سکھائی گئی ہے کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ــــ (۱ : ۴)۔ ہماری آرزو یہ ہے کہ قانونِ خداوندی کے اتباع سے ہماری ذات کی صحیح صحیح نشو ونما ہو جائے۔

(۳) اَلْمُسْتَعَانُ ــــ (۱۲ : ۱۸)۔ یعنی جس سے مدد مانگی جائے۔ وہ صرف خدا کی ذات ہے۔

(۴) حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جو کچھ تم زیادتی کر رہے ہو میں اس کے خلاف خدا سے اعانت طلب کرتا ہوں ــــ (۱۲ : ۱۸)

استعانت کا طریق

(۱) صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے اعانت طلب کرو ــــ (۲ : ۴۵) ــــ (۲ : ۱۵۳)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں قوانین خداوندی کی اطاعت کرو۔ (صلوٰۃ سے یہی مراد ہے ــ دیکھئے عنوان صلوٰۃ)۔ اور اس میں استقامت سے کام لو۔

(۲) یہی تلقین حضرت موسےٰؑ نے اپنی قوم سے کی تھی ــــ (۷ : ۱۲۸)

غیر خدا سے استعانت

قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ نفع یا نقصان صرف قوانینِ خداوندی کے مطابق پہنچتا ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کے اتباع سے نفع ہوتا ہے اور ان کی خلاف ورزی سے نقصان۔ اس لئے، اس کی قوت کسی اور میں نہیں۔ لہٰذا، کسی انسان یا فطرت کی کسی شے کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس میں نفع یا نقصان پہنچانے کی قوت بالذات موجود ہے' اسے صفاتِ خداوندی میں شریک کرنا ہے جو شرک ہے۔ قرآن نے بار بار اس کی تردید کی ہے۔

(۱) اپنی اعانت کے لئے قانونِ خداوندی کے علاوہ اور کسی کی طرف رجوع مت کرو۔ ایسا کرنے کی قوت کسی اور میں نہیں ــــ (۱۰ : ۱۰۶ - ۱۰۷)۔

(۲) خدا کے علاوہ کسی میں اس کی قوت نہیں ــــ (۶ : ۷۱) ــــ (۲۱ : ۶۶) ــــ (۲۲ : ۱۲) ــــ (۲۵ : ۵۵)۔

حکومت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ مقتول کے ورثاء کے نقصان کی تلافی کرے۔ یہ تلافی حکومت خود کرے یا مجرم سے کرائے، مقتول کے ورثاء کو اس سے غرض نہیں۔ ان کے نزدیک مدعا علیہ حکومت ہوگی نہ کہ ملزم۔ اس لئے کہ حکومت نے پر امن شہریوں کو ان کی جان۔ مال۔ عصمت۔ عزت۔ آبرو۔ مساکن وغیرہ کی حفاظت کی ضمانت دی تھی۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی ضائع ہوگئی ہے (بشرطیکہ وہ اس کے مالک کی عدم احتیاط، تغافل، یا تساہل کی وجہ سے نہ ہو) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر رہ گئی ہے۔ اس لئے جس کا نقصان ہوا ہے اس کا دعویٰ حکومت کے خلاف ہوگا، نہ کہ براہِ راست مجرمین کے خلاف۔

کی تحقیر و تذلیل کرنا۔

جب کسی کے پاس دوسرے کے دعویٰ کی تردید کے لئے کوئی دلیل نہ رہے تو وہ مضحکہ انگیزی پر اتر آتا ہے۔ یہ انتہائی ذلیل حربہ ہوتا ہے اور نہایت پست ذہنیت کا مظہر۔ نفسیاتی طور پر اس کا محرک جذبۂ اپنی قوت کے گھمنڈ میں دوسرے کی تذلیل و تحقیر ہوتا ہے۔ اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کبھی صحیح بات تک نہیں پہنچ پاتا اور خود فریبی میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کیفیت کے اظہار کے لئے خدا نے کہا ہے کہ یہ لوگ زندگی سے مذاق کرتے ہیں تو زندگی خود ان کا مذاق اڑاتی ہے۔

مسلمانوں کے مخالفین کی طرف سے استہزاء

(۱) مخالفین کہتے ہیں کہ ہم جماعتِ مومنین کا مضحکہ اڑاتے ہیں حالانکہ قانونِ خداوندی کی رُو سے خود انکی اپنی حالت مضحکہ انگیز ہوتی ہے ـــــ (۲ : ۱۴-۱۵)

(۲) کفار اپنی دولت اور وجاہت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے تھے ـــــ (۲ : ۲۱۲)

(۳) جس تباہی کی بابت انہیں آگاہ کیا جاتا ہے، یہ اس وقت اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ لیکن وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جو واقع ہو کر رہے گی ـــــ (۶ : ۵) ـــ (۶ : ۱۰) ـــ (۱۱ : ۸) ـــ (۱۶ : ۳۴) ـــ (۲۱ : ۴۱) ـــ (۲۶ : ۶) ـــ (۳۹ : ۴۸) ـــ (۴۰ : ۸۳) ـــ (۴۳ : ۷) ـــ (۴۵ : ۳۳-۳۵) ـــ (۴۶ : ۲۶)

(۴) منافقین احکامِ خداوندی کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ کفر ہے ـــــ (۹ : ۶۴-۶۶)

(۵) مخالفین، آیاتِ خداوندی کو محض کھیل تماشے کے طور پر سنتے تھے۔ اور ان پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے تھے ـــــ (۲۱ : ۲) ـــ (۲۳ : ۶۶-۶۷)

(۶) کفار، خود رسول اللہ کی (معاذ اللہ) ہنسی اڑاتے تھے ـــــ (۲۱ : ۳۶) ـــ (۲۵ : ۴۱) ـــ (۳۴ : ۷)

(۷) یہ لوگ قیامت کی ہنسی اڑاتے ہیں ـــــ (۳۷ : ۱۴-۱۶)

(۸) آیاتِ خداوندی کا استہزاء کرنے والے ـــــ (۴۵ : ۹)

اقوامِ سابقہ کی بھی یہی روش تھی

(۱) اقوامِ سابقہ بھی رسولوں کی ہنسی اڑایا کرتی تھیں۔ سو جس بات کی وہ ہنسی اڑاتی تھیں وہ انہیں گھیر لیا

صرف کرنا پڑے، اُس سے اس کی اپنی آمدنی پر اثر پڑتا ہو اور اس طرح وہ تنگدست ہو جاتے) تو وہ قاعدے اور قانون کے مطابق، حق الخدمت لے لیا کرے۔ پھر جب تم ان کا مال ان کے سپرد کرنے لگو، تو اس پر گواہ لے لیا کرو۔ اور حساب فہمی کے وقت، اس حقیقت کو سامنے رکھو کہ تم یہ حساب خدا کو دے رہے ہو جو ظاہر اور پوشیدہ ہر بات سے واقف ہے، اس لئے ٹھیک ٹھیک حساب لے لینے والا ہے۔

(۳) جس طریق سے مذہبی پیشوا لوگوں کا مال کھا جاتے ہیں وہ بھی جرم ہے۔ سورۃ التوبہ میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۔ (۹/۳۴)

اے جماعتِ مومنین! ان کے علماء و مشائخ میں سے، جنہیں یہ خدائی درجہ دیتے ہیں، اکثر کی یہ حالت ہے کہ وہ دوسروں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں۔ اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ خدا کے راستے کی طرف نہ آنے پائیں۔ (کیونکہ اس سے ان کی پیشوائیت اور راقت ختم ہو جاتا ہے۔)

اصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے جو شخص (بجز معذورین) خود محنت کر کے نہیں کماتا، وہ دوسروں کا مال باطل طریق سے کھاتا ہے۔ اس میں سرفہرست مذہبی پیشوا آتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس کے بعد سرمایہ دار ہیں جو روپے کے بل بوتے پر دوسروں کی محنت کا ماحصل لے جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ توبہ کی مندرجہ بالا آیت کے پہلے حصہ میں مذہبی پیشواؤں کا ذکر ہے اور اگلے حصہ میں سرمایہ داروں کا۔ اگر بنظرِ تعمق دیکھا جائے تو مذہبی پیشوائیت شدید ترین قسم کی سرمایہ داری ہے۔ سرمایہ دار پھر بھی اپنا روپیہ لگا کر اس پر کچھ وصول کرتا ہے۔ یہ لوگ بلا سرمایہ لگائے دوسروں کی کمائی ہتھیا لیتے ہیں۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے اسے باطل ذریعۂ معاش قرار دیا ہے۔

(۴) رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلے مت لو۔ آیت (۲/۱۸۸) کا پہلا حصہ پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ (۲/۱۸۸)

(اور دیکھو!) آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے نہ کھاؤ۔ یا اگر معاملہ عدالت تک جا چکا ہے تو ایسا نہ کرو کہ حکام کو رشوت دے کر ایسا فیصلہ لے لو جس سے دوسروں کا کچھ مال ناجائز طور پر تمہیں مل جائے۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ جو مال اس طرح حاصل کیا جائے اس کے نتائج کیا ہوا کرتے ہیں؟

جماعت مومنین کیلئے ہدایات

(۱) عائلی قوانین کا بیان کرنے کے بعد کہا کہ انہیں مذاق مت سمجھو ـــــــ (۲۳۱ : ۲)

(۲) جس جگہ احکامِ خداوندی کا مذاق اڑایا جا رہا ہو وہاں مت بیٹھو ـــــــ (۱۴۰ : ۴)

(۳) جو لوگ دین سے استہزاء کریں انہیں اپنا دوست مت بناؤ ـــــــ (۵۷-۵۸ : ۵)

(۴) آپس میں ایک دوسرے سے تمسخر مت کرو ـــــــ (۱۱ : ۴۹)

متفرقات

(۱) سلسلۂ کائنات بطور کھیل تماشا پیدا نہیں کیا گیا۔ اس کا ایک مقصد ہے ـــــــ (۱۶-۱۷ : ۲۱)

(۲) دنیا اور اس کی زندگی ایک حقیقت ہے۔ لیکن جب اس میں اور زندگی کی بلند اقدار میں ٹکراؤ ہو جائے تو پھر اس کی حیثیت کھیل تماشے سے زیادہ کچھ نہیں رہ جاتی ـــــــ (۶۴ : ۲۹)

(۳) لوگ شکوک و شبہات میں پڑے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ انہیں دور کرنے کی کوششیں کریں، ان معاملات کو محض کھیل تماشہ سمجھ لیتے ہیں ـــــــ (۹ : ۴۴)

ـــــــ (۰) ـــــــ

۴۲- اِسحٰق

نیز دیکھئے ـــــــ ابراہیمؑ

اسحاق قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں کا ذکر نام لے کر آیا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ۔ یہ دونوں آپ کے بڑھاپے کی اولاد تھے ـــــــ (۳۹ : ۱۴)

(۲) بعض مقامات میں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا ذکر اکٹھا آیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے تھے ـــــــ (۶ : ۸۵) ـــ (۱۹ : ۴۹) ـــ (۲۷ : ۲۹)

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تمہارے آباء ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ تھے ـــ (۱۳۳ : ۲)

العداوة والبغضاء في الخمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوٰة -
فهل انتم منتهون - (۵/۹۰-۹۱)

اے جماعتِ مومنین ! خمر، میسرہ۔ انصاب۔ ازلام (جن کا ذکر ۲/۲۱۹ ؛ ۵/۳ میں آچکا ہے)، ایسے کام ہیں جن سے معاشرہ میں تخریب پیدا ہوتی ہے اور انسان کے قلب و دماغ کی صلاحیتیں ماؤف ہوجاتی ہیں (۵/۹۱) لہٰذا تم ان سے اجتناب کرو تاکہ یہ تمہاری کامیابی کے راستے میں روڑا بن کر نہ اٹک جائیں۔

اگر تم اپنے پست جذبات کی تسکین کے لئے خمر اور میسرہ جیسی عادات پر اتر آئے تو یہ چیزیں (انفرادی کمزوری پیدا کرنے کے علاوہ) تم میں باہمی عداوت اور کینہ پیدا کردیں گی، اور قوانین خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے اور نظامِ صلوٰۃ کے قائم کرنے سے تمہیں روک دیں گی۔ کیا اس قدر وضاحت کے بعد بھی تم ان چیزوں سے باز نہیں رہو گے؛

قرآنِ کریم نے خمر اور میسرہ کی سزا خود مقرر نہیں کی۔ اسے اسلامی مملکت پر چھوڑا ہے کہ وہ حالات کے مطابق ان کی سزا خود مقرر کرے۔

(۷) قرعہ اندازی۔ لاٹری

اسے بھی قرآن نے میسرہ کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ سورۃ المآئدہ کی مندرجہ بالا آیت (۵/۹۰) میں "ازلام" سے مراد قرعہ اندازی ہے۔ یہی الفاظ (۵/۳) میں آتے ہیں۔

۴۔ چوری (سرقہ)

سرقہ کی سزا "قطع ید" ہے۔ خواہ سارق عورت ہو یا مرد۔

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله -
والله عزيز حكيم - (۵/۳۸)

چور، مرد ہو یا عورت، مجرم ہونے کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ اس لئے ان کی سزا میں بھی کوئی فرق نہیں۔ اس کے لئے ایسا طریق اختیار کرنا چاہیئے جس سے خود چور کے ہاتھ چوری کرنے سے رُک جائیں اور دوسروں کے لئے بھی، قانونِ خداوندی کی رُو سے روک بن جائے۔ یعنی وہ مجرم کے لئے موجبِ اصلاح (CURATIVE) ہو اور دوسروں

ہیں کسی شے کو بکھیر دینا۔ مطلب ہوتا ہے اسے بالکل ضائع کر دینا۔ لہٰذا ' تبذیر' کے معنی ہوں گے کسی شے کا بلا ضرورت استعمال۔ اور اسراف کا مطلب ہوگا ضرورت سے زیادہ استعمال یا بے موقع استعمال۔ اور مسرفین کے معنی ہوں گے حدود فراموش یعنی حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے خواہ وہ کسی گوشے میں ہوں۔

———— (ن) ————

اسراف سے احتیاط

مجاہدین کی دعا ہیں کہ اگر ہم میدانِ جنگ میں کہیں حد سے آگے بڑھ گئے ہوں۔ قاعدے اور قانون سے تجاوز کر گئے ہوں تو ہماری اس لغزش سے درگزر کر دیا جائے۔ غور کیجئے کہ قرآن میدان کارزار میں بھی قواعد وضوابط کی حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا ——— (۳:۱۴۶)

اسراف مت کرو

(۱) اپنی فصلوں میں سے اپنی ضروریات کے مطابق رکھ کر باقی نظامِ خداوندی کے حوالے کر دو تاکہ اس سے دوسرے حاجتمندوں کی ضروریات پوری ہو سکیں ——— (۲:۲۱۹)۔ اور اپنی ضروریات کے تعین میں حد سے نہ بڑھو۔ خدا کو یہ بات پسند نہیں ——— (۶:۱۴۲)۔ تبذیر مت کرو ——— (۱۷:۲۶) مبذرین شیطان کے بھائی ہیں ——— (۱۷:۲۷)

(۲) کھاؤ پیو۔ زیب وزینت کی چیزوں کو بھی استعمال کرو۔ لیکن حد سے نہ بڑھو۔ نہ ہی انہیں رائیگاں جانے دو۔ ان سے مفید مقاصد حاصل کرو ——— (۷:۳۱)

مسرفین۔ اسراف کے نتائج

(۱) قومِ لوط' جو اغلام کی عادی تھی، مسرف تھی۔ اس سے اسراف کے معنی واضح ہو جاتے ہیں یعنی مادۂ تولید' افزائشِ نسل کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے اس طرح استعمال کرنا جس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو' اسراف ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ جنسی اختلاط (خواہ عورت کے ساتھ ہی ہو) جس سے افزائشِ نسل مقصود نہ ہو' اسراف میں داخل ہے۔ اور اس کی ممانعت ہے ——— (۷:۸۱) ——— (۵۱:۳۴)

مذکورہیں جو پہلے درج کی جاچکی ہے اور جو قرآنِ مجید کی سب سے لمبی آیت ہے ۔ ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کی تفاصیل ہدایات (DIRECTIVES) کی ذیل میں آئیں گی نہ کہ قوانین (LAWS) کے زمرے میں ۔

(۲) مقروض کو ادائیگیٔ قرضہ کی مہلت دینی چاہیئے ۔ اور اگر وہ اس قدر تنگ دست ہے کہ قرضہ ادا ہی نہیں کرسکتا تو اسے معاف کر دینا چاہیئے ۔ متعلقہ آیت (۲۸۰/۲) ربٰو کے عنوان میں سامنے آئیگی ۔

۴ ۔ رہن

اگر قرض کا معاملہ بہ حالتِ سفر طے پاتے اور تحریر کے لئے کاتب نہ مل سکے، تو مقروض کی کوئی چیز، قرض خواہ بطور ضمانت اپنے پاس رکھ سکتا ہے لیکن اگر اُسے اُس پر اعتماد ہو تو پھر اس کی ضرورت نہیں ۔ لین دین کی تفاصیل سے ملحق آیت میں ہے ۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا فَلۡيُؤَدِّ الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۔ (۲۸۳/۲)

اگر تم حالتِ سفر میں ہو اور تمہیں کاتب نہ مل سکے تو قرض لینے والے کی کوئی چیز بطور امانت اپنے پاس رکھو ۔ اور اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو پھر اس کی ضرورت نہیں ۔ اس صورت میں مقروض کو چاہیئے کہ دیانت داری سے قرض واپس کر دے اور اس طرح قانونِ خداوندی کی پابندی کرے ۔

۵ ۔ ربٰو

جیسا کہ "معاشی نظام" کے عنوان میں بتایا جائیگا، قرآنِ کریم کی رُو سے، معاوضہ محنت کا ہے سرمایہ کا نہیں سرمایہ پر نفع لینا ربٰو ہے خواہ اس کی شکل کوئی بھی کیوں نہ ہو ۔ کسی کو سرمایہ دے کر صرف سرمایہ واپس لیا جاسکتا ہے ۔ اس پر بڑھوتی نہیں لی جاسکتی ۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم متعلقہ آیات کو ترتیب وار درج کرتے ہیں ۔ پہلے ربٰو کے اثرات اور تخریبی عواقب کے متعلق دیکھئے ۔ فرمایا:-

اَلَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَقُوۡمُ الَّذِىۡ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ

(۱۱) کفارِ عرب کو مسرفین کہا گیا ہے۔ قانون شکن، حدود فراموش، بے نتیجہ کام کرنے والے، تخریبی نتائج پیدا کرنے والے۔ اس میں اس قسم کے تمام جرائم آجاتے ہیں ـــــ (۵ : ۴۳)

(۱۲) بنی اسرائیل کو بتایا گیا تھا کہ ناحق قتل کس قدر جرمِ عظیم ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ لوگ حدود شکنی کرتے رہے ـــــ (۵ : ۳۲)

(۱۳) یتیموں کے مال کی حفاظت کا ذمہ لو تو اس میں سے قاعدے اور قانون کے مطابق حسب ضرورت، اپنے لئے کچھ لے سکتے ہو۔ لیکن اسے اسراف کے طریق سے مت کھاؤ ـــــ (۴ : ۶ - ۷)

(۱۴) قتل کا بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کرو ـــــ (۱۷ : ۳۳)

ـــــ (۰) ـــــ

۴۵ - اِسْلام

(نیز دیکھئے ـــــ دین)

اِسْلام (مادہ س-ل-م)۔ یہ مادہ بڑا جامع ہے۔ اور اس سے جو الفاظ بنتے ہیں وہ وسیع المعانی ہیں۔ بنیادی طور پر اس مادہ کی مختلف شکلوں سے حسب ذیل معانی مرتب ہوتے ہیں:۔

(۱) ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک اور صاف ہو جانا۔ اس طرح مکمل ہو جانا کہ اس میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔

(۲) ہر قسم کے خطرات، آفات و حوادث سے محفوظ رہنا۔ سلامتی حاصل کرنا اور دوسرے کو سلامتی عطا کرنا۔

(۳) وہ ذرائع جن سے کوئی شخص نہایت حفاظت اور اطمینان سے بلندیوں تک پہنچ جائے۔

(۴) اطاعت، انقیاد، سپردگی، جھک جانا، سرتسلیم خم کر دینا۔

(۵) اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کرنا اور لغویت اور بیہودگیوں سے بچنا۔

(۶) حسن و خوشنمائی۔

کائنات میں ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ وہ ان قوانین کی پوری پوری اطاعت کرتی ہے۔ اس سے ہر شے نشو ونما پاتی ہوئی اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ یعنی جو کچھ اس نے بننا ہوتا

یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے سرمایہ میں کمی آجاتی ہے، خود بھی بڑھتا ہے اور اس قوم کے بڑھنے، پھولنے، پھلنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔

ربٰو سے یہ ذہنیت عام ہو جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے، سامانِ زیست کو لوگوں سے چھپا کر رکھا جائے تاکہ وہ اس کے محتاج ہوں اور قرض لینے پر مجبور۔ اور قرض دینے والا، ان کی محنت کی کمائی پر عیش اڑائے۔ اس سے انسان کی قوتِ عمل مفلوج ہو جاتی ہے اور وہ سفرِ زندگی میں آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہتا۔ لہٰذا، نظامِ سرمایہ داری کی حامل قوم، تباہ و برباد ہو کر رہتی ہے۔

دوسری جگہ ہے:۔

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۔ (۳۰/۳۹)۔

یاد رکھو! جو کچھ تم دوسروں کو اس لئے دو کہ اس کے بدلے میں، تمہیں، ان کے مال و دولت میں سے، اس سے زیادہ ملے جو تم نے انہیں دیا ہے، (تو ہو سکتا ہے کہ اس سے تمہیں، تمہارے حساب کے مطابق کچھ زیادہ مل جائے لیکن) قانونِ خداوندی کی رو سے، اس سے تمہارے مال و دولت میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا۔ (یہ تمہیں اس لئے اضافہ نظر آتا ہے کہ تم انفرادی طور پر حساب کرتے ہو۔ اگر تم پوری انسانیت کو سامنے رکھ کر غور کرو تو تم دیکھ لو گے کہ یہ اضافہ نہیں ہے)۔ اس کے برعکس، جو کچھ تم اس لئے دو کہ اس سے دوسروں کی نشوونما ہو جائے اور اس میں تمہیں کسی قسم کے ذاتی معاوضہ کا خیال نہ ہو، بلکہ تم یہ اس لئے کرو کہ اس سے تمہاری زندگی قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جائے گی، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دیئے ہوئے مال ہیں فی الحقیقت اضعفا ہوتے ہیں (۲/۲۷۶-۲۷۵-۲۷۷؛ ۳/۱۲۹؛ ۳۷/۴)۔

ربٰوا کو حرام قرار دینے کے بعد، سابقہ معاملات کے متعلق فرمایا:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔ (۲/۲۷۸)

اے جماعتِ مومنین! تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو، اور ربٰو میں سے جو کچھ کسی کے ذمے باقی رہ گیا ہے اسے معاف کر دو۔ تمہارے ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

یہاں مومن ہونے کی شرط یہ بتائی ہے کہ ربٰو کے بقایا کو چھوڑ دینا ہوگا۔ جو ایسا نہ کرے گا اس کے متعلق فرمایا۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ

جی چاہے اسے اختیار کرلے —— (۲ : ۶۲) —— (۲ : ۸۱ - ۸۲) —— (۲ : ۱۱۱-۱۱۲) — (۲ : ۱۴۰) - (۴ : ۱۲۳-۱۲۵)

(۳) اس میں مشرق و مغرب کا بھی کوئی امتیاز نہیں —— (۲ : ۱۱۵) - یعنی یہ زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے۔

(۴) اسلام خدائی راہنمائی کے مطابق چلنے کا نام ہے —— (۲ : ۱۲۰)

(۵) قرآن پر اور تمام انبیائے سابقہ کی وحی پر ایمان لانے کا نام اسلام ہے۔ اس طرح ایمان لانا جس طرح مسلمان ایمان لاتے ہیں —— (۲ : ۱۳۶-۱۳۷) —— (۲ : ۲۸۵) —— (۳ : ۸۳) —— (۴ : ۱۳۶) - سابقہ انبیاء کی وحی پر ایمان لانے سے مفہوم یہ ماننا ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے وقت میں خدا کی راہنمائی لاتے تھے۔ لیکن اب وہ راہ نمائی صرف قرآن کے اندر ہے۔

(۶) یہ خدا کے رنگ میں رنگے جانا ہے۔ یعنی اپنے اندر بہ حدِ بشریت صفاتِ خداوندی کی نمود کرتے چلے جانا

(۲ : ۱۳۸)

(۷) اسلام یہ نہیں کہ مشرق کی طرف منہ کرلیا جائے یا مغرب کی طرف۔ اسلام یہ ہے کہ ..... —— (۲ : ۱۷۷) یعنی محض چند رسوم کا میکانکی طور پر ادا کرلینا اسلام نہیں۔ اسلام بطیبِ خاطر قرآنی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام ہے

(۸) دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں حاصل کرنے کا نام اسلام ہے —— (۲ : ۲۰۱) —— (۳ : ۱۴۷)

(۹) اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے۔ اس میں پورے کا پورا داخل ہونا چاہیئے۔ (۲ : ۸۵) - (۲ : ۲۰۸)

(۱۰) اسلام، دنیا اور آخرت دونوں میں غور و فکر کی تاکید کرتا ہے —— (۲ : ۲۲۰)

(۱۱) دنیا کے تمام مظلوموں اور کمزوروں کی مدافعت کرنیوالا —— (۲ : ۲۵۱)

(۱۲) اسلام، دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ صداقت کو ماننا ہے۔ اس میں کسی قسم کی زبردستی نہیں —— (۲ : ۲۵۶)

(۱۳) احکامِ خداوندی کی پابندی سے خود انسانی ذات میں وسعت پیدا ہوتی ہے —— (۲ : ۲۸۶)

(۱۴) اسلام، دنیاوی زینت و آرائش اور ساز و سامان سے متمتع ہونے کے خلاف نہیں —— (۳ : ۱۳)
خدا کا مقرر کردہ نظامِ زندگی (دین) صرف اسلام ہے۔ یہی دین انبیائے سابقہ کو دیا جاتا تھا لیکن اس کے متبعین اس میں اختلافات پیدا کردیتے تھے —— (۳ : ۱۸) —— (۳ : ۸۴)

(۱۵) سابقہ اہلِ کتاب ہوں یا غیر اہلِ کتاب، سب کیلئے اسلام کو بطور نظامِ زندگی اختیار کرنا ضروری ہے

(۳ : ۱۹) —— (۳ : ۶۳)

(۱۶) اسلام میں اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہ حق کسی کو حاصل ہی نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے حتیٰ کہ رسول کو بھی نہیں ——— (۳ : ۷۸)

(۱۷) نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق نہ تمہارے مخالفین کی آرزوؤں کے مطابق۔ بلکہ اعمال کے مطابق نتائج مرتب ہوں گے ——— (۴ : ۱۲۳)

(۱۸) جو اپنے آپ کو قوانین خداوندی کے سامنے جھکا دے' اس سے اچھا نظامِ زندگی اور کس کا ہو سکتا ہے (۴ : ۱۲۵)

(۱۹) مختلف انبیاء میں تفریق کرنا بعض پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا، ایمان نہیں کفر ہے (۴ : ۱۵۰) ——— (۴ : ۱۵۲)

(۲۰) قرآن میں پہنچ کر' اسلام بہ حیثیت دین مکمل ہو گیا ——— (۵ : ۳)

(۲۱) جو تعصب اور تنگ نظری کو چھوڑ کر عقل و فکر سے کام لیتے ہیں' ان کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے ——— (۶ : ۱۲۶) ——— (۱۰ : ۱۰۰)

(۲۲) اسلام میں فرقہ بندی کی قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ شرک ہے ——— (۶ : ۱۶۰) ——— (۳۰ : ۳۲)

(۲۳) اسلام کا پیغام تو قرآن میں مکمل ہو گیا۔ لیکن اس کا مکمل طور پر ایک نظام کی شکل میں متشکل اور متمکن ہونا، ضروری نہیں تھا کہ حضورؐ کی زندگی ہی میں ایسا ہو جاتا ——— (۱۳ : ۴۰)

(۲۴) اسلام کے متعلق اعلان کہ یہ اس طرح متمکن ہوگا کہ مخالفین حسرت سے پکار اٹھیں گے کہ اے کاش ہم بھی مسلم ہوتے ——— (۱۵ : ۲)

(۲۵) اسلام میں ذات، گوت، پیشے کے امتیاز کو کوئی دخل نہیں۔ اصل شے ایمان ہے ——— (۱۲ - ۱۱۱ : ۲۶)

(۲۶) اسلام میں' دنیاوی نعماء کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ خانقاہیت کا مذہب نہیں ——— (۲۸ : ۷۷)

(۲۷) غور و فکر اسلام کی اولین خصوصیت ہے ——— (۴۶ : ۳۴)۔ مومن' احکامِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے بہرے بنکر نہیں جھکتے ——— (۲۵ : ۷۳)۔ اسلام کی دعوت علیٰ وجہ البصیرت دیجاتی ہے ——— (۱۲ : ۱۰۸)۔

(۲۸) استسلام کے معنی فرماں پذیری ——— (۳۷ : ۲۶)۔ اَسْلَمَ کے معنی اس نے سر جھکا دیا ——— (۳۷ : ۱۰۳)

(۲۹) رحمتِ خداوندی سے مایوسی کفر ہے۔ انسان جب بھی قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جائے، اسے خدا کی طرف سے سامانِ نشو و نما مل جاتا ہے۔ نشو و نما میں انسان کی طبیعی زندگی کی پرورش اور اسکی

ذات کی نشوونما دونوں شامل ہیں ـــــ (۴۲ـ۴۳ : ۳۹)

(۳۰) دین کا نظام باہمی مشاورت سے قائم ہوتا ہے ـــــ (۳۸ : ۴۲)

(۳۱) اسلام دینِ حق ہے۔ یہ تمام ادیان (دنیا کے مختلف نظامہائے حیات) پر غالب آکر رہے گا ـــــ

(۶۱ : ۹)ـــ(۴۸ : ۲۸)ـــ(۹ : ۳۳)

(۳۲) اسلامی حکومت کا مطیع ہوجانا، ایمان نہیں کہلاتا۔ ایمان دل کی گہرائیوں میں اترنا چاہیئے ـــ(۱۴ : ۴۹)

(۳۳) کتاب (ضابطۂ قوانین) میزانِ عدل۔ اور عدل قائم رکھنے کے لئے فولادی قوت۔ یہ سب اسلام کے لاینفک اجزاء ہیں ـــ(۲۵ : ۵۷)

(۳۴) اسلام کا چراغ کسی کے بجھائے بجھ نہیں سکے گا ـــ(۳۲ : ۹)ـــ(۸ : ۶۱)

(۳۵) یہ ایک ایسی تجارت ہے جو تمام نقصانات سے محفوظ رکھتی ہے ـــ(۱۰ : ۶۱)

(۳۶) اسلام میں نسل پرستی نہیں۔ نبی کی اولاد ہونا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا ـــ(۱۲۴ : ۲)

(۳۷) دنیا میں برگزیدگی اور آخرت میں صالحین کے زمرے میں شمولیت۔ یہ ہیں اسلام کی خصوصیات ـــ(۱۳۰ : ۲)

(۳۸) خدا آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا ـــ(۱۸۵ : ۲)

(۳۹) خدا اور بندے کے درمیان کوئی ذریعہ اور واسطہ نہیں۔ کوئی حاجب و دربان نہیں۔ قرآن کے ذریعے انسان کا تعلق براہِ راست خدا سے قائم ہوجاتا ہے ـــ (۱۸۶ : ۲)۔ [یہ تعلق خدا کی کتاب کے ذریعے قائم ہوتا ہے جو انسان کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے]

(۴۰) دنیاوی اسباب اور قوانینِ خداوندی کی نگہداشت۔ یہ ہے اسلام ـــ(۱۹۷ : ۲)

(۴۱) دنیا اور آخرت دونوں میں تفکر کرو ـــ(۲۲۰ : ۲)

(۴۲) اسلام میں خدا، ملائکہ اور انسان تینوں کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی۔ فطرت کی قوتوں۔ اور انسانوں کی صالح جماعتوں کی تائید و رفاقت۔ کفر میں ان سے محرومی ہوتی ہے۔

(۳ : ۸۵ـــ۸۶)

(۴۳) مسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قلبِ سلیم کا حامل ہوتا ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کے سامنے خودسپردگی کی ذہنیت رکھنے والا ـــــ

(۳۷ : ۸۴)ـــ(۲۶ : ۸۹)

(۳) خیانت کرنے والوں کی وکالت مت کرو۔ سورۃ النساء میں اس ضمن میں بڑے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں۔ فرمایا:۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۔ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۔ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۔ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۔ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۔ (۴/۱۰۵-۱۰۹)

(اے رسولؐ!) خدا نے تیری طرف یہ کتاب (ضابطۂ قوانین) نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے نزاعی امور کے فیصلے اس علم کے مطابق کرو جو اللہ نے تمہیں اس طرح عطا کیا ہے۔ اور ایسا کبھی نہ کرو کہ دغاباز اور خیانت کرنیوالوں کی طرف سے وکیل بن کر جھگڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔

حکومت اور عدالت کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اس میں انسان کے ذاتی میلانات، فیصلوں پر اثرانداز ہو جایا کرتے ہیں۔ اس سے انسان اسی صورت میں بچ سکتا ہے کہ وہ ہر وقت' قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھے اور اسی کے پیچھے پناہ لے۔ تم اِسی طرح' اپنی حفاظت کا سامان طلب کرتے رہو۔ قانونِ خداوندی میں ایسی حفاظت اور مرحمت کا پورا پورا انتظام ہے۔

اس بات کو پھر سمجھ لو کہ جو لوگ ایک دوسرے سے، یا خود اپنی ذات سے خیانت کرتے ہیں، ان کی طرف سے وکیل بن کر جھگڑنے کے لئے نہ اُٹھ کھڑے ہو۔ خیانت کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس سے اسے کچھ مل گیا ہے۔ حالانکہ اس سے' اس کی ذات میں ایسی کمزوری آجاتی ہے جس سے اُس کی انسانی صلاحیتیں مضمحل ہو کر رہ جاتی ہیں (اسی کو خود اپنی ذات سے خیانت کہتے ہیں)۔ سو ایسے لوگ قانونِ خداوندی کی نگاہ میں کیسے پسندیدہ قرار پا سکتے ہیں؟

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم اپنے جرائم' لوگوں سے چھپا سکتے ہیں' اس لئے ہم پر کیا گرفت ہوگی؟ لیکن یہ خدا کے قانون کی نگاہوں سے کیسے چھپ سکتے ہیں؟ وہ تو اُس وقت بھی اُن کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ راتوں کو

(۱۲) دربارِ فرعون کے ساحرین کی دعا کہ ہمیں مسلم کی حیثیت سے موت دینا ــــ (۱۲۶ : ۷)
(۱۳) حضرت نوحؑ نے کہا کہ میں مسلم ہوں ــــ (۷۲ : ۱۰)
(۱۴) بنی اسرائیل احکامِ خداوندی کی اطاعت سے مسلم کہلاتے ــــ (۸۴ : ۱۰)
(۱۵) حضرت یوسفؑ کی دعا کہ مجھے مسلم کی موت مار یو ــــ (۱۰۱ : ۱۲)
(۱۶) ہر رسول کی تعلیم کہ احکامِ خداوندی کی اطاعت اختیار کرو اور غیر خداوندی قوتوں کی محکومیت سے اجتناب کرو ــــ (۳۶ : ۱۶) ــــ (۲۵ : ۲۱)
(۱۷) مختلف انبیاءؑ سابقہ کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ سب ایک ہی برادری کے افراد تھے ــ یعنی احکامِ خداوندی کی محکومیت اختیار کرنے والے۔ اسی سے امتِ واحدہ کی تشکیل ہوتی ہے
(۲۱ : ۹۳) ــــ (۵۱ : ۲۳)
(۱۸) یہی تعلیم رسول اللہؐ کی تھی۔ اسی کی طرف دعوت دے کر آپؐ لوگوں کو امتِ مسلمہ کا رکن بناتے تھے ــــ (۱۰۸ : ۲۱)
(۱۹) اسلام ملتِ ابراہیمیؑ ہے۔ اسے ماننے والوں کا نام خدا نے مسلم رکھا تھا ــ اُممِ سابقہ میں بھی اور اب بھی ــــ (۷۸ : ۲۲)
(۲۰) وحی میں شروع سے آخر تک (تمام انبیاء کے سلسلہ میں) ربط رہا ہے۔ اس لئے کہ اصولاً یہ پیغام ایک ہی تھا ــــ (۵۱ : ۲۸)
(۲۱) انبیائے سابقہ کی وحی اور قرآن پر ایمان لانے سے مسلم بنا جاتا ہے۔ انبیائے سابقہ کی وحی پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرات اپنے اپنے وقت میں اصولی طور پر یہی پیغام خدا کی طرف سے لائے تھے۔ لیکن وہ پیغام محفوظ نہ رہا۔ اب وہی قرآن میں محفوظ ہے ــــ (۴۶ : ۲۹)
(۲۲) تمام انبیاءؑ کی طرف وحی کہ شرک سے اعمال غارت ہو جاتے ہیں ــــ (۶۵ : ۳۹)۔ وہ توحید کی تعلیم دیتے تھے ــــ (۱۴ : ۴۱) ــــ (۴۵ : ۴۳)
(۲۳) تمام انبیاءؑ کی طرف یہی وحی کی گئی تھی کہ وہ دین کے نظام کو قائم کریں۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ یہ شرک ہے۔ لوگ ان کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کر دیتے تھے ــــ (۱۳ : ۴۲)
(۲۴) بنی اسرائیل کو کتاب و حکم و نبوت دی۔ انہوں نے اختلافات شروع کر دیئے۔ اس کے بعد

رسول اللہ کو وہی پیغام دے کر بھیجا گیا۔ اب اتباع اس کا ضروری ہے ——(۱۸-۱۶ : ۴۵)

(۲۵) رسول اللہ کوئی انوکھے رسول نہیں تھے ——— (۹ : ۴۶)

(۲۶) حضرت لوطؑ کے پیروؤں کو بھی مومن اور مسلم کہا گیا ہے ——(۳۶-۳۵ : ۵۱)

(۲۷) صحف اولیٰ صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ میں بھی یہی تعلیم تھی —— (۱۹-۱۸ : ۸۷)

(۲۸) سابقہ اہل کتاب کو بھی یہی تعلیم دی گئی تھی —— (۵ : ۹۸)

امت مسلمہ (مسلم)

(۱) یہ اُمتِ وسطیٰ ہے جس کا فریضہ اقوامِ عالم کے اعمال کی نگرانی اور محاسبہ ہے ——(۲ : ۱۴۳)

(۲) اپنی خواہشات اور ارادوں کو منشاتے خداوندی (قوانینِ خداوندی) کے تابع رکھنے والا مسلم ہے (۲ : ۲۰۸)

(۳) مرتے دم تک مسلم رہنے والی امت ——(۳ : ۱۰۱)

(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والی قوم ——(۳ : ۱۰۳)۔ بہترین قوم جسے نوع انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے ——(۳ : ۱۰۹)

(۵) مومن ہمیشہ غالب رہیں گے ——(۳ : ۱۳۸)۔ کفار کبھی مومنین پر غلبہ حاصل نہیں کر سکینگے ——(۴ : ۱۴۱)

(۶) اسلام رسول اللہ کی وفات کے بعد بھی بدستور آگے چلیگا۔ امت اسے آگے چلائے گی ——(۳ : ۱۴۳)

(۷) ربط و ضبطِ باہمی سے امت کی قوت وجمعیت برقرار رہ سکتی ہے ——(۳ : ۱۹۹)

(۸) دین (نظامِ زندگی) کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ امت کا ایک مرکز ہو اور اس کے تابع باقی صاحبانِ اختیار۔ ان کی اطاعت سے یہ نظام قائم رہ سکتا ہے ——(۶۵-۶۴ ز ۶۱-۶۰ ز ۵۹ : ۴)

(۹) قتلِ مومن، سہواً اور عمداً ——(۹۳-۹۲ : ۴)

(۱۰) رسول کی مخالفت اور جماعتِ مومنین سے الگ راستہ اختیار کرنا، امتِ مسلمہ کا شیوہ نہیں ——(۴ : ۱۱۵)

(۱۱) امتِ مسلمہ کو میزانِ عدل قائم کرنے کی تاکید ——(۴ : ۱۳۵)

(۱۲) جماعتِ مومنین کی خصوصیات۔ آپس میں انکسار۔ مخالفین کے سامنے صاحبِ غلبہ۔ مجاہدین فی سبیل اللہ، کسی کی ملامت سے نہ ڈرنے والے ——(۵ : ۵۴)

(۱۳) امتِ مسلمہ کا اعلان کہ ہم خدا کے احکام کے سامنے جھکنے والے ہیں ——(۶ : ۷۱)

اگر دنیا کی کوئی شے اور کوئی رشتہ دار، خدا، رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ عزیز ہو گئے تو وہ قوم گمراہ ہو گئی۔ اسلام سے اسے واسطہ نہ رہا ــــــ (۲۴ : ۹)

(۱۴) منافق مسلمان نہیں رہتا۔ منافقت کفر ہے ــــــ (۸۷ : ۹)

(۱۵) مسلم کے معنیٰ احکام خداوندی کی فرمانبرداری اختیار کرنے والا ــــــ (۱۴ : ۱۱)

(۱۶) دنیاوی نعمتیں اور آسائشیں اس لئے دیجاتی ہیں کہ انہیں احکام خداوندی کے مطابق صرف کیا جائے۔

(۸۱ــ۸۰ : ۱۶)

(۱۷) قرآن میں ہدایت تو سب کیلئے ہے لیکن خوشگواریاں انہی کے لئے ہیں جو اس کے قوانین و احکام کی اطاعت کر کے مسلم بنتے ہیں ــــــ (۸۹ : ۱۶)

(۱۸) دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ قوانین خداوندی کی اطاعت کرنا، مشکلات میں مستقل مزاج رہنا، نظامِ صلوٰۃ قائم کرنا، رزق کے سرچشموں کو نوعِ انسانی کی پرورش کے لئے کھلا رکھنا۔ یہ ہیں مسلم کی خصوصیات۔

(۲۲ : ۳۵)

(۱۹) امتِ مسلمہ کو جب حکومت ملے گی تو ان کا فریضہ ان امور کو نافذ کرنا ہوگا جنہیں قرآن پسندیدہ قرار دیتا ہے اور ان سے روکنا جنہیں وہ ناپسندیدہ ٹھہراتا ہے نیز اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ــــــ (۴۱ : ۲۲)

(۲۰) خدا نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے ــــــ (۷۸ : ۲۲)

(۲۱) ایمان اور اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ دنیا میں حکومت اور تمکن کی زندگی ہے۔ اور یہ حکومت اس لئے ملتی ہے تاکہ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی کیجائے ــــــ (۵۵ : ۲۴)

(۲۲) مسلم کے لفظی معنی، محکوم، اطاعت گزار ــــــ (۴۲ ؛ ۳۸ ؛ ۳۱ : ۲۷)۔ جب کوئی شخص قوانینِ خداوندی کی اطاعت اختیار کرے تو وہ قرآنی مفہوم میں مسلم ہو جائیگا ــــــ (۴۴ : ۲۷)

(۲۳) عقل و فکر سے کام لینے والا ہی مسلم ہو سکتا ہے (۸۲ــ۸۰ : ۲۷) ــــــ (۵۳ــ۵۲ : ۳۰)

(۲۴) ابتدائے اسلام میں امتِ مسلمہ بہت کمزور تھی اسی لئے لوگ اس کی طرف آنے سے ڈرتے تھے کہ مخالفین اچک کر لے جائیں گے ــــــ (۵۷ : ۲۸)

(۲۵) حسن کارانہ انداز سے اپنے امیال و عواطف (جذبات و خواہشات) کو قوانینِ خداوندی کے تابع رکھنے سے انسان مسلم ہوتا ہے ــــــ (۲۲ : ۳۱)

(۲۶) امتِ مسلمہ (کے مردوں اور عورتوں) کی جامع خصوصیات ـــــ (۳۶ـ۳۵ : ۳۳)

(۲۷) امتِ مسلمہ' وارثِ کتابِ خداوندی ہے. یہ لوگ تین مدارج یا طبقات میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک بھلائی کے کاموں میں سب پر سبقت لے جانے والے۔ دوسرے بین بین چلنے والے۔ اور تیسرے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ـــــ (۳۲ : ۳۵) ـــــ (۱۱-۷ : ۵۶)

(۲۸) جس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہوجائے وہ اپنے رب کی طرف سے عطا کردہ روشنی میں آجاتا ہے یعنی اُسے قرآن کی ہدایت مل جاتی ہے جو انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتی ہے۔

(۲۲ : ۳۹)

(۲۹) جو خدا کی طرف دعوت دے، اعمالِ صالح کرے اور کہے کہ میں مسلم ہوں' اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ ـــــ (۳۳ : ۴۱)

(۳۰) ایمان لانے کے بعد' احکامِ خداوندی کی اطاعت کرنے سے انسان مومن اور مسلم ہوتا ہے (۶۹ : ۴۳)

(۳۱) خدا کی طرف پلٹ کر آئے اور مسلم ہو جائے۔ یہ روش صحیح ہے ـــــ (۱۵ : ۴۶)

(۳۲) مسلمانوں کے غلبہ کو دیکھ کر' ان کی حکومت کا مطیع ہو جانا، اسلام نہیں۔ اسلام نام ہے اس ایمان کا جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ اس اعتبار سے مسلم اور مومن میں فرق ہوگا ـــــ (۱۴ : ۴۹)

(۳۳) یہ لوگ اسلام لا کر تم پر احسان جتاتے ہیں. یہ تو ان پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے انہیں ایمان کی طرف ہدایت کی ـــــ (۱۷ : ۴۹)

(۳۴) امتِ مسلمہ کو وہ روشنی دی جسے لے کر وہ دنیا میں چلیں گے اور انسانوں کے راستوں کو روشن کریں گے ـــــ (۲۸ : ۵۷)

(۳۵) جسے اسلام کی طرف دعوت دی جائے اور وہ خدا پر افترا باندھے' اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے ـــــ (۷ : ۶۱)

(۳۶) مسلمان عورتوں کی خصوصیات ـــــ (۵ : ۶۶)

(۳۷) مسلم اور مجرم کبھی برابر نہیں ہو سکتے ـــــ (۳۵ : ۶۸)

(۳۸) عرب کے بادیہ نشین وحشی قبائل (جنّات) کا قبول اسلام۔ ان میں مسلم بھی تھے اور حق سے پھر جانے والے بھی ـــــ (۱۴ـ۱۳ : ۷۲)

(۳۹) "میری صلوٰۃ، میری زندگی کے طور طریق، میرا جینا، میرا مرنا، سب خدا کے لئے ہے": یہ ہے ایک مسلم کی خصوصیت ـــــ (۱۶۳ : ۶)

اسلامی نظام

اسلامی نظام کے سلسلہ میں اس اصولی حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ضمن میں جن ذمہ داریوں کو اپنے اوپر لیا ہے (مثلاً رزق بہم پہنچانا) ان کا پورا کرنا اسلامی نظام کی ذمہ داری ہوتا ہے اور جب وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے تو پھر افراد معاشرہ سے اسلامی احکام کی اطاعت کراتا ہے۔ اس میں اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوتی ہے۔ اس نظام کو سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا۔ حضورؐ ہی اس نظام کی مرکزی اتھارٹی تھے۔ لہٰذا اس نظام کی اطاعت کو "خدا اور رسولؐ کی اطاعت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضورؐ کے بعد حضورؐ کے جانشین اس نظام کی مرکزی اتھارٹی قرار پائے۔ اس لئے ان کی اطاعت بہ منزلہ اطاعتِ خدا و رسول تھی۔ یہ وجہ ہے جو قرآنِ کریم نے "خدا اور رسولؐ کی اطاعت" کے ساتھ اس کی صراحت کر دی ہے ـــــ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ـــــ (۸ : ۲۰)۔ درآنحالیکہ تم سن رہے ہو۔ لہٰذا اطاعت ایک زندہ محسوس اتھارٹی کے ذریعہ ہوگی جس کے احکام سنے جا سکیں۔ لیکن احکام وہ خدا ہی کے ہوں گے۔ اسلامی نظامِ مملکت، درحقیقت قرآنی احکام و قوانین و اقدار و اصول کے نفاذ کی ایجنسی ہوتا ہے۔

بہ ہئیتِ مجموعی، اسلامی نظام خدا کی ان صفات کا مظہر ہوتا ہے جن کا تعلق انسانوں سے ہے۔

ـــــ (۰) ـــــ

(۱) جس نظام میں حمدیت، ربوبیت اور رحمت پائی جائے اسی کو اقتدار کا حق حاصل ہوتا ہے ـــ (۳-۱ : ۱) اور اسی کی اطاعت اختیار کی جا سکتی ہے ـــ (۴ : ۱)۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کا نتیجہ انعاماتِ خداوندی ہے ـــ (۶ : ۱)۔ جو روش اس کے خلاف ہوگی اس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہوگا ـــ (۷ : ۱)

(۲) الکتاب پر ایمان، صلوٰۃ و زکوٰۃ کا قیام۔ یہ اس نظام کی بنیاد ہے اور اس کا نتیجہ فلاح ـــ (۵-۱ : ۲)

(۳) یہ نظام، وحی کی رُو سے قائم ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ خوف اور حزن کا ختم ہو جانا ہے۔ یعنی انسانی معاشرہ خوف و حُزن سے محفوظ و مامون اسی نظام کے تابع رہ کر ہو سکتا ہے ـــ (۳۸ : ۲)

(۴) سوسائٹی میں ایسی حالت پیدا کر دینا کہ ایک طبقہ محتاج اور مصائب کا شکار ہو جائے اور اس کی

امداد کو کارِ ثواب سمجھنا، باطل کا نظام ہے ــــ (۲ : ۸۵)

(۵) ضابطۂ خداوندی کے ایک حصّہ پر عمل کرنا اور دوسرے حصہ کو چھوڑ دینا، ذلّت و خواری کا موجب ہے ــــ (۲ : ۸۵)

(۶) اسلامی نظام کا مرکز، تمام عالمِ انسانیت کے لئے امن کا موجب ہوگا ــــ (۱۲۶-۱۲۵ : ۲)۔ اس میں سامانِ زیست کی فراوانیاں ہوں گی ــــ (۱۲۶ : ۲)

(۷) اس نظام میں وراثتی اقتدار نہیں ہوگا۔ معیار جوہرِ ذاتی ہوگا ــــ (۱۲۴ : ۲)

(۸) اس نظام کی علمبردار امت، تمام نوعِ انسانی کے اعمال کی نگران ہوگی۔ اور ان کی نگرانی ان کا مرکز کرے گا ــــ (۱۴۳ : ۲) ــــ (۷۸ : ۲۲)

(۹) اس نظام کا مرکز کعبہ، تمام امت کا واحد مرکز ہوگا ــــ (۱۴۸ و ۱۴۴ : ۲)۔ اس سے خدا کی نعمتوں کا اتمام ہوگا ــــ (۱۵۰ : ۲)

(۱۰) افرادِ معاشرہ کو ضابطۂ خداوندی کی تعلیم دینا، علم و بصیرت کی رُو سے اس کی غرض و غایت سمجھانا۔ ان کی طبیعی زندگی اور ذات کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا۔ یہ اس نظام کا فریضہ ہوگا ــــ (۱۵۱ : ۲)

(۱۱) باطل کا نظام یہ ہے کہ باتیں حیرت انگیز ہوں (یعنی وعدے بڑے تعجب انگیز کرے)، لیکن جب اقتدار حاصل ہو جائے تو رزق کے سرچشموں اور نسل انسانی کو تباہ کرنے کی کوشش کرے۔ اور ملک میں ناہمواریاں پیدا کرے ــــ (۲۰۵-۲۰۴ : ۲)

(۱۲) یہ نظام، پورے کا پورا اختیار کیا جائے گا۔ نہ اسے ادھورا چھوڑا جائے گا نہ کسی اور نظام کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا ــــ (۲۰۸ : ۲)

(۱۳) اس نظام کا مقصد نوعِ انسان کو ایک عالمگیر برادری بنانا ہے۔ لیکن یہ اسی طرح ممکن ہے کہ الکتاب، یعنی ضابطہ خداوندی کو اپنا آئین تسلیم کیا جائے۔ اس سے اختلافات مٹ سکتے ہیں ــــ (۲۱۳ : ۲)

(۱۴) قانون نافذ کرنے سے پہلے کا جرم، جرم نہیں ہوتا۔ بعد کا ہوتا ہے ــــ (۲۷۵ : ۲)

(۱۵) قانون کی دانستہ خلاف ورزی "خدا و رسول" (نظام) کے خلاف اعلانِ جنگ ہے ــــ (۲۷۹ : ۲)

(۱۶) "اطاعتِ خدا و رسول" (یعنی نظامِ خداوندی کی مرکزی اتھارٹی کی اطاعت) کی تاکید ــــ (۳۱ : ۳) نیز افسرانِ ماتحت کی اطاعت ــــ (۵۹ : ۴)۔ ان کے خلاف مرکز میں اپیل کی جا سکتی ہے

(۴:۵۹) — (۸:۲۰) — (۸:۴۶) — (۲۴:۵۱-۵۴) — (۳۳:۷۱) — (۴۷:۳۳)

(۱۷) نہ رسول کو اس کا حق حاصل ہے نہ کسی اور کو جسے حکومت ملے کہ وہ لوگوں کو اپنا محکوم بنائے۔ اسے قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنا چاہیئے ——— (۳:۷۸)

(۱۸) اس نظام میں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی ——— (۲:۲۵۶)

(۱۹) اس نظام کی اجتماعیت، قرآن کریم سے وابستہ رہنے سے قائم ہوگی اور باقی رہے گی۔ اسی سے اس امت کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت پیدا ہوگی جو اجتماعیت کی بنیادی شرط ہے ——— (۳:۱۰۲)

(۲۰) اس میں تفرقہ قطعاً نہیں ہوگا ——— (۳:۱۰۴)

(۲۱) اس نظام کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوگا۔ یعنی جن باتوں کو قرآن پسندیدہ قرار دیتا ہے ان کا حکم کرنا۔ اور جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے ان سے روکنا ——— (۳:۱۰۹)

(۲۲) اس نظام کا قیام، تمام نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے ہوگا ——— (۳:۱۰۹)

(۲۳) اس نظام میں غیر مسلم (یعنی جو اس آئین و قوانین کی صداقت پر ایمان نہیں رکھتے) مملکت کے رازداری کے امور میں شریک نہیں کئے جا سکیں گے۔ انہیں عام حقوقِ انسانیت حاصل ہوں گے۔ لیکن وہ شریکِ حکومت نہیں ہو سکیں گے۔ جس نظام کی بنیاد آئیڈیالوجی پر ہو اس میں وہ لوگ کیسے شریک کئے جا سکتے ہیں جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم نہ کریں ——— (۳:۱۱۷-۱۲۰) ——— (۵:۵۱) ——— (۸:۷۲-۷۳) ——— (۲۲:۵۸) ——— (۴:۶۰)

(۲۴) اسلامی نظام شخصیتوں کے سہارے قائم نہیں ہوتا۔ خدا کے غیر متبدل ضابطہ کی رو سے قائم رہتا ہے۔ اس لئے، اور تو اور، خود رسول اللہ کی وفات سے بھی اس پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا ——— (۳:۱۴۳)

(۲۵) یہ نظام امت کے باہمی مشورہ سے چلایا جاتا ہے حتیٰ کہ رسول اللہ کو بھی مشاورت کا حکم تھا ———

(۳:۱۵۸) ——— (۴۲:۳۸)

(۲۶) یہ نظام، افرادِ امت کے ربطِ باہمی سے قائم رہ سکتا ہے ——— (۳:۱۹۹)

(۲۷) اس نظام میں ذمہ داری کے امور ان کے سپرد ہوں گے جو ان کے اہل ہوں ——— (۴:۵۸)

(۲۸) غیر خداوندی نظام سے معاملات کے فیصلے کرانا، کفر ہے ——— (۴:۶۰)

(۲۹) ہر اختلافی معاملہ میں اپنی مرکزی اتھارٹی کو حکم بنانا چاہیئے۔ اس کے فیصلوں کے خلاف دل کی گہرائیوں

میں بھی گرانی نہیں گذرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق ہوں گے (۴:۶۴-۶۵)

(۳۰) جب کوئی بات سنو تو اسے پھیلانے کے بجائے حکومت کے ذمہ دار افراد کی طرف پہنچاؤ۔ تاکہ وہ تحقیق کرکے کسی نتیجہ تک پہنچیں ——— (۴ : ۸۳)

(۳۱) جہاں اسلامی نظام قائم ہو، یا اس کے قیام کے لئے حالات زیادہ سازگار ہوں، اس مقام کی طرف منتقل ہو کر آجانا ضروری ہے۔ اسے خدا اور رسولؐ کی طرف ہجرت کرنا کہتے ہیں۔ ایسے حالات کی موجودگی میں، غیر اسلامی نظام کے تابع زندگی بسر کرنا اور یہ سمجھ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لینا کہ ہم اپنے طور پر خدا کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں، اور یہی کافی ہے، سنگین جرم ہے۔ (لیکن یہ سب امور اسلامی نظام سے مشورہ کے ساتھ طے ہوں گے) ——— (۴ : ۹۷-۱۰۰)

(۳۲) رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو ——— (۴ : ۱۰۵)

(۳۳) ہدایت آجانے کے بعد، رسولؐ کی مخالفت اور جماعت مومنین سے الگ کسی اور راہ کا اختیار کرنا، جہنم کا موجب ہے ——— (۴ : ۱۱۵)

(۳۴) یہ نظام، برّ و تقویٰ کے کاموں میں دوسروں سے تعاون کرے گا۔ اثم و عدوان کے کاموں میں تعاون نہیں کرے گا ——— (۵ : ۲)

(۳۵) اس نظام میں دشمنی سے بھی عدل کیا جائے گا ——— (۵ : ۲)

(۳۶) اس نظام کی اطاعت، اس عہد پر مبنی ہے جو ہر عبد مومن اپنے خدا سے کرتا ہے کہ وہ اس کے قوانین و احکام کی اطاعت کرے گا ——— (۵ : ۷)

(۳۷) اسلامی نظام کے خلاف جنگ (بغاوت) کی سزا ——— (۵ : ۳۳)

(۳۸) جو ما انزل اللہ (کتاب اللہ) کے مطابق معاملات کے فیصلے نہیں کرتا وہ ظالم ہے، فاسق ہے بلکہ کافر ہے ——— (۵ : ۴۴ ; ۴۵ ; ۴۸)

(۳۹) رسولؐ اللہ کو حکم کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کریں ——— (۵ : ۴۹)

(۴۰) اسلامی نظام کا مرکز (کعبہ) نوع انسان کے قیام کا موجب ہے ——— (۵ : ۹۷)

(۴۱) جو کچھ دین سے متعلق تھا وہ اصولی طور پر قرآن میں آگیا ہے۔ جو بات اس میں نہیں دی گئی اس کے متعلق خواہ مخواہ کرید نہیں کرنی چاہیئے۔ اصولی احکام کی جزئیات اسلامی مملکت کو خود متعین کرنی

چاہئیں ——— (۱۰۱ : ۵)

(۴۲) اسلامی نظام میں حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ یعنی حکومت، کتاب اللہ پر عمل کرانے کے لئے قائم کی جائے گی ——— (۵۷ : ۶) ——— (۶۲ : ۶)

(۴۳) اس نے مفصل کتاب (ضابطہ قوانین) دے دی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور حکم نہیں تسلیم کرنا چاہیئے (۱۱۵ : ۶)۔ اتباع اسی کتاب کا ہوگا۔ اکثریت کے فیصلوں کا نہیں ——— (۱۱۷ : ۶)

(۴۴) قانون کے الفاظ اور روح دونوں کی پابندی لازمی ہے ——— (۱۲۱ : ۶)

(۴۵) حکومت اس لئے ملتی ہے تاکہ دیکھا جائے کہ تم اختیارات کا استعمال کس طرح سے کرتے ہو ——— (۱۶۶ : ۶)

(۴۶) بغیر حق کے بغاوت جائز نہیں۔ (حق سے مراد "قرآن کے مطابق" ہے) ——— (۳۳ : ۷) ——— (۴۲ : ۴۲)

(۴۷) اسلامی نظام، انسانوں کی خود ساختہ پابندیوں کو توڑتا ہے اور اس طرح انسانوں کو صحیح آزادی عطا کرتا ہے ——— (۱۵۷ : ۷)

(۴۸) آزاد خطۂ زمین، اقتدار، فراوانی رزق، حکومت کا مل جانا خدا کا فضل ہے ——— (۲۶ : ۸)

(۴۹) اسلامی نظام سے خیانت نہ کرو۔ اور جو امور تمہیں تفویض کئے جائیں انہیں امانت سمجھو اور ان میں بھی خیانت نہ کرو ——— (۲۷-۲۸ : ۸)

(۵۰) مال و دولت اور اولاد کی کشش تمہیں اپنے نظام سے خیانت پر آمادہ نہ کر دے ——— (۲۸ : ۸)

(۵۱) قوانینِ خداوندی اور جماعتِ مومنین کی تائید و نصرت کافی ہے۔ لیکن اسی جماعت کی جس کے افراد کے دلوں میں ائتلاف ہو ——— (۶۲-۶۴ : ۸)

(۵۲) اسلامی نظام کے مراکز، مسجدیں کہلاتی ہیں۔ یعنی وہ مقامات جہاں قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہوتی ہے۔ ان کی آبادی صرف مومنین سے ہوتی ہے مشرکین سے نہیں ——— (۱۷-۱۸ : ۹)

(۵۳) دنیا کی کوئی شے کبھی نظامِ خداوندی سے زیادہ عزیز نہیں ہونی چاہیئے ——— (۲۴ : ۹)

(۵۴) جو کچھ اسلامی نظام کی طرف سے ملے اس سے راضی ہو جانا چاہیئے ——— (۵۸-۵۹ : ۹)

(۵۵) مرکز (رسول) تک ہر ایک کی رسائی ہونی چاہیئے ——— (۶۱ : ۹)

(۵۶) مخالفین چاہتے ہیں کہ افراد مملکت کو راضی کریں۔ اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ نظامِ مملکت کو راضی کرنا چاہیئے۔ افراد کے لئے جائز نہیں کہ وہ نظام کے بغیر براہ راست مخالفین سے بات چیت کرنے لگ

مطلب واضح ہے۔ یعنی اگر ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ انسان بھوک سے مر رہا ہو اور کوئی حلال چیز دستیاب نہ ہوسکتی ہو تو اس وقت صرف جان بچانے کی خاطر، حرام اشیاء بقدر ضرورت کھائی جاسکتی ہیں۔ قرآن مجید نے حرام میں استثنا صرف اس مقام پر کیا ہے۔ اور کسی حرام چیز میں اس قسم کی استثنا نہیں کی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ کسی اور معاملہ میں قرآن اضطراری حالت تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن اگر یہ اصول وضع کر لیا جائے کہ عندالضرورت ہر حرام فعل حلال اور ہر ناجائز کام جائز ہوجاتا ہے تو حلت وحرمت اور جائز وناجائز کی تفریق ہی ختم ہوجاتی ہے۔ اس کی دو تین مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

(۱) سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے کہا ہے کہ۔

راست بازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اس کی نگاہ میں بدترین برائی ہے۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ (ترجمان القرآن۔ بابت مئی ۱۹۵۸ء)

ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں جنہوں نے اس قسم کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے کی کہیں بھی اجازت نہیں دی۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے کہ "عملی زندگی کی بعض ضرورتوں" کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہوجاتا ہے تو جھوٹ نہ کوئی برائی رہے گی نہ جرم۔ اس لئے کہ کوئی شخص بلاضرورت جھوٹ نہیں بولتا۔ جب آپ کسی سے کہیں کہ تم نے جھوٹ بولا ہے تو اس کا بیساختہ جواب یہ ہوتا ہے کہ "مجھے کیا ضرورت تھی جو میں جھوٹ بولتا"۔ جھوٹ بولنا تو ایک طرف، ہر مجرم اپنے جرم کے ارتکاب کے سلسلہ میں "ضرورت" کی دلیل پیش کرتا ہے۔ خواہ یہ ضرورت مادی ہو، اور خواہ جذباتی۔

لہٰذا حرام چیزوں کے کھانے کے سلسلہ میں اضطراری حالت کی آڑ میں ہر حرام کو عندالضرورت حلال اور ہر ناجائز کو بوقت ضرورت جائز قرار دیدینا، قرآن کریم کی کھلی مخالفت ہے۔ اس کے بعد، خدا کی مقرر کردہ حدود وقیود کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

(۲) جب صدر ایوب (مرحوم) کے دور حکومت میں صدارت کے لئے محترمہ مس فاطمہ جناح (مرحومہ) بطور امیدوار کھڑی ہوئیں تو جماعت اسلامی نے ان کی تائید کرنے کا فیصلہ کیا۔ مودودی صاحب اس سے پہلے فیصلہ دے چکے تھے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت سیاسیات میں حصہ لے۔ اس پر سوال پیدا ہوا کہ محترمہ مس فاطمہ جناح کا منصب صدارت پر فائز ہوجانا اسلام کی رو سے کس طرح جائز قرار پاسکتا ہے اور جماعت اسلامی ان کی

(۱۷) استخلاف فی الارض، ایمان و اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ محکومیت صرف خدا کی اختیار کی جائے۔ اسی کا نام دین کا تمکن ہے ــــ (۲۴ : ۵۵)

(۲۷) جب اسلامی نظام کسی اجتماعی معاملہ کے لئے بلائے تو بلا اجازت چلے نہیں جانا چاہیئے ــــ (۶۲ : ۲۴)

(۳۷) حکومت میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ لہذا اسلامی نظام خالص قرآن کے مطابق قائم ہوگا

(۲ : ۲۵) ــــ (۷۰ : ۲۸)

(۴۷) "خدا اور رسول" کے فیصلے کے بعد کسی کو اختیار باقی نہیں رہتا۔ آخری فیصلہ نظام کی مرکزی اتھارٹی کا ہے ــــ (۳۶ : ۳۳)

(۵۷) معاملات کے فیصلے الحق (قانونِ خداوندی) کے مطابق کرو۔ اپنے جذبات کا اتباع مت کرو ــــ (۲۶ : ۳۸)

(۶۷) نظام مشاورتی ہوگا ــــ (۳۸ : ۴۲)

(۷۷) بعض امور میں بھی غیر اللہ کے فیصلے قبول کرنا، باطل کا نظام ہے ــــ (۲۶ : ۴۷)

(۸۷) ہر معاملہ میں نظام کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اپنے فیصلے کو نظام کے فیصلہ پر مقدم نہیں رکھنا چاہیئے ــــ (۲-۱ : ۴۹)

(۹۷) جب فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ــــ (۶ : ۴۹)

(۸۰) اگر رسول اکثر معاملات میں تمہاری بات ماننے لگ جائے تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ ــ (۷ : ۴۹)

(۸۱) جب مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو مرکز ان میں صلح کرا دیگا۔ اور اس کے بعد جو زیادتی کریگا تو اس سے عندالضرورت جنگ کرے گا ــــ (۹ : ۴۹)

(۸۲) مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں ــــ (۱۰ : ۴۹)

(۸۳) ضابطۂ قوانین، میزانِ عدل، اور شمشیرِ خارہ شگاف۔ یہ چیزیں اسلامی نظام کے لئے ضروری ہیں (۲۵ : ۵۷)۔ کسی قانون کی دانستہ خلاف ورزی کرنا، درحقیقت نظام کیخلاف اعلانِ جنگ ہے ــــ (۵-۲ : ۵۸)

(۸۴) اگر نظام، واقعی نظامِ خداوندی ہو تو اس کا غالب رہنا یقینی ہے ــــ (۲۱ : ۵۸)

(۸۵) اطاعت "معروف" میں ہوگی۔ یعنی ان معاملات میں جنہیں نظام قانون کی حیثیت سے نافذ کرے۔ پرائیویٹ معاملات میں افراد کو آزادی ہوگی۔ (جیسے قصۂ حضرت زیدؓ میں مذکور ہے ــــ

(۳۷ : ۳۳) ــــ (۱۲ : ۶۰)

چاہیے کہ تم کیا کر (اور کیا کہہ) رہے ہو؟" اس کے بعد فرمایا:۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ...... (۲/۲۱۹)

اے رسولؐ! تم سے خمر اور میسرہ کی بابت پوچھتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ ان میں کچھ فائدہ بھی ہے اور مضرت بھی لیکن ان کی مضرت، ان کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے۔

اور آخر میں کہا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ (۵/۹۰-۹۱)۔

خمر، میسرہ، انصاب، ازلام (جن کا ذکر ۲/۲۱۹ ز ۵/۳ میں آچکا ہے) ایسے کام ہیں جن سے معاشرہ میں تخریب پیدا ہوتی ہے اور انسان کے قلب و دماغ کی صلاحیتیں ماؤف ہوجاتی ہیں (۵/۹۱)۔ لہٰذا، تم ان سے اجتناب کرو تاکہ یہ تمہاری کامیابی کے راستے میں روڑا بن کر نہ اٹک جائیں۔

اگر تم اپنے پست جذبات کی تسکین کے لیے خمر اور میسرہ جیسی عادات پر اتر آئے تو یہ چیزیں (انفرادی کمزوری پیدا کرنے کے علاوہ) تم میں باہمی عداوت اور کینہ پیدا کر دیں گی، اور قوانینِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے اور نظامِ صلوٰۃ کے قائم کرنے سے تمہیں روک دیں گی۔

کیا اس قدر وضاحت کے بعد بھی تم ان چیزوں سے باز نہیں رہو گے؟

اس سے خمر پر ممانعت عائد ہوگئی۔ ان تدریجی احکام سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ قوانین کا نفاذ معاشرہ کے حالات کے مطابق کیا جائے گا۔ اس میں افرادِ معاشرہ کی عام ذہنی اور نفسیاتی حالت بھی آجاتی ہے۔

(۲) خمر کے معنی ہیں ہر وہ چیز جو انسان کی عقل کو ڈھانپ دے۔ اس لفظ کا عام استعمال تو "شراب" کے لئے ہوتا ہے لیکن اس زمرہ میں دیگر نشہ آور اشیاء بھی شامل کی جاسکتی ہیں۔ مملکت کے قانون میں خمر کی تعریف اس طرح دی جانی چاہیئے کہ بات بالکل واضح ہوجائے کہ کس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ جب اسے قانونی حیثیت دی جائیگی تو خمر کی تعریف (DEFINITION) دینا لازمی ہوگا۔

(صمٌ، بکمٌ، عمیٌ)۔ یا ایک زلزلہ انگیز آسمانی انقلاب جس سے ڈر کر انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں۔ پھر کیفیت یہ ہوگئی کہ جہاں ذرا سی روشنی مل گئی، چل نکلے۔ ورنہ کھڑے ہو گئے ــــ (۲۰ ــ ۱۷ : ۲)

(۲) خدا سے عہد باندھ کر پھر توڑ دیا۔ نوعِ انسان کو امتِ واحدہ بنانے کے بجائے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کر دیں۔ اس کا نتیجہ نقصان اور تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا ــ (۲۷ : ۲)

(۳) انہیں امتِ وسطیٰ (ایسی قوم جسے دنیا میں مرکزی حیثیت حاصل ہو) بنایا گیا تھا۔ ان کے لئے نظام یہ تھا کہ یہ اقوامِ عالم کے اعمال کی نگرانی کریں اور ان کے اعمال کی نگرانی ان کا رسول (مرکزِ نظامِ خداوندی) کرے۔ جب تک یہ نظام قائم رہا انہیں وہ پوزیشن حاصل رہی۔ جب وہ بگڑ گیا ان کا وہ مقام بھی ان سے چھن گیا ــــ (۱۴۳ : ۲)

(۴) اسلام کا صحیح نظام اختیار کرنے کے بعد پھر کفر کا باطل نظام اختیار کر لیا۔ حالانکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تھا کہ ان کا رسول کتنی بڑی حقیقت کا حامل تھا۔ اور خدا کے قوانین ان کے سامنے واضح طور پر آچکے ہیں۔ اس روش کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوانین خداوندی کی برکات، فطرت کی قوتوں کے مفاد اور انسانی جماعتوں کے تعاون سے محروم رہ گئے۔ لیکن اگر یہ اب بھی اس روش کو چھوڑ کر صحیح نظام اختیار کریں تو انہیں وہی مقام مل سکتا ہے ــــ (۸۸ ــ ۸۵ : ۳)

(۵) نظامِ خداوندی کی تائید سے انہیں غلبہ حاصل ہوا تھا۔ اسے چھوڑ دیا تو ذلیل ہو گئے ــ (۱۵۹ : ۳)

(۶) مصیبتیں اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی تھیں (باہمی تنازعات اور قانون شکنی سے) ــــ (۳:۱۶۴)

(۷) ضابطۂ ہدایت اس لئے دیا جاتا ہے کہ اسے لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے۔ لیکن جب اسے پس پشت ڈال دیا جائے اور مذہبی پیشوائیت' دین کو ذریعہ معاش بنالے' تو پھر تباہی آتی ہے ــ (۱۸۶ : ۳)

(۸) خدا کا اعلان تھا کہ وہ مومنین پر کفار کو کبھی غلبہ نہیں دے گا۔ لہٰذا یہ اصول ایک اٹل معیار ہے اس بات کے پرکھنے کے لئے کہ ہم مومن ہیں یا نہیں۔ ــــــ (۱۴۱ : ۴)

(۹) دین میں فرقے پیدا کر لینے اور باہمی جنگ وجدال میں الجھ جانے سے تباہی آتی ــ (۱۶۰ ؛ ۶۵ : ۶)

(۱۰) جب دین کو کھیل بنالیا جائے تو اس کے تباہ کن نتائج سے کوئی نہیں بچا سکتا ــــ (۷۰ : ۶)

(۱۱) یہ مردہ تھے۔ انہیں زندگی عطا کی اور ایک نورانی شمع (کتاب اللہ) دی کہ اس کی روشنی میں' دنیا میں

يُوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ..... (۷/۲۶)

۳۔ جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں

علم (ذہنی صلاحیت) اور جسمانی قوت دونوں ضروری ہیں۔ جب (حضرت) طالوت کو بنی اسرائیل کا کمانڈر مقرر کیا گیا تو انہوں نے اعتراض کیا کہ وہ کوئی دولتمند شخص نہیں۔ اسے کس خصوصیت کی بنا پر کمانڈر مقرر کیا گیا ہے۔ اس پر ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ (۲/۲۴۷)۔ جنگ کی کمان کے لئے مال و دولت معیار نہیں ہوا کرتا۔ اس کا معیار یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کا علم کس قدر ہے اور جسمانی توانائی کا کیا حال ہے۔ طالوت کو یہ کچھ فراوانی سے میسر ہے۔ اس لئے اس کا انتخاب عمل میں لایا گیا ہے۔

۴۔ گفتگو

(۱) ہمیشہ صاف۔ سیدھی۔ دوٹوک بات کرو جس میں ابہام نہ ہو۔ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔ (۳۳/۷۰)۔

(۲) ایسی زبان استعمال کرو جو معاشرہ میں معروف اور مانوس ہو۔ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۴/۵)۔ نیز ایسا اندازِ کلام اختیار کرو جس میں حسن پایا جائے۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (۲/۸۳)۔

(۳) پُر از مکر و فریب اور تصنع آمیز گفتگو مت کرو۔ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ (۲۲/۳۰)۔

(۴) بات کرو تو عدل و انصاف کی کرو۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ (۶/۱۵۳)۔ جب بات کرو تو عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو خواہ یہ چیز تمہارے کسی رشتہ دار تک کے بھی خلاف کیوں نہ جائے۔

(۵) چیخ چیخ کر مت بولو۔ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ۔ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ۔ (۳۱/۱۹) "نرم دم گفتگو رہو۔ گدھے کی طرح چیخ چیخ کر بات نہ کرو۔ ایسی آواز سننے والوں کی طبیعت پر سخت گراں گزرتی ہے۔"

۵۔ لغو اور بے حیائی کی باتیں

ہر قسم کی لغویات سے مجتنب رہو۔ مومنین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ۔ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (۲۳/۳) "وہ لغویات سے اجتناب کرتے ہیں"۔ لغو، بیہودہ کے علاوہ بے معنی باتوں کو بھی کہتے ہیں۔ سورۂ انعام میں لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (۶/۱۵۲) کہا گیا ہے۔ اس میں بے حیائی کے جملہ امور آجاتے ہیں خواہ وہ اس قسم کی باتیں ہی کیوں نہ ہوں۔ فحش

(۲۴) ایک طبقہ خالص منافقین کا ہوتا ہے۔ انہیں اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ دوسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جنہیں اپنی غلطیوں کا احساس و اعتراف ہوتا ہے۔ ان سے اچھے اور بُرے دونوں قسم کے اعمال سرزد ہوتے ہیں ان کی بازآفرینی کی امید ہوسکتی ہے۔ یہ صحیح راستے پر آسکتے ہیں —— (۱۰۲—۱۰۱ : ۹)

(۲۵) مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے تو اگر مسجد بھی تعمیر کی جائے تو وہ جہنم میں لے جاتی ہے (چہ جائیکہ مسجدیں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے پہچاننے کی علامات بن جائیں) —— (۱۱۱—۱۰۷ : ۹)

(۲۶) مومنین کو غیر مساعد حالات سے نجات دلانا، خدا کے ذمہ فرض ہے۔ لہذا، اگر مسلمان غیر مساعد حالات سے باہر نہیں نکل سکتے تو بات واضح ہے کہ یہ مومن نہیں —— (۱۰۳ : ۱۰)

(۲۷) خدا کا اعلان کہ اگر تم اس نظام سے پھر جاؤ گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ (۵۷ : ۱۱) (۳۸ : ۴۷)

(۲۸) جب لوگ آسائشوں کے پیچھے پڑ جائیں اور دوسروں کی کمائی پر عیش کرنے کو اپنا شیوہ بنالیں تو قوم پر تباہی آجاتی ہے۔ جب تک کسی قوم میں زندہ رہنے کی صلاحیت باقی رہے وہ تباہ نہیں ہوتی۔ خدا کسی قوم کو یونہی دھاندلی سے تباہ نہیں کرتا —— (۱۱۷—۱۱۶ : ۱۱)

(۲۹) حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرنے کا نتیجہ تمکن فی الارض ہوتا ہے —— (۵۶ : ۱۲)

(۳۰) مسلمانوں کو ایسا ضابطۂ زندگی دیا گیا تھا جو شجرِ طیب کی طرح ہمیشہ ثمر بار رہنے والا تھا۔ اس کے ذریعے انہیں دنیا اور آخرت میں ثبات اور استحکام نصیب ہونا تھا۔ لیکن ان کے لیڈر ان کے قافلے کو ایسی منڈی میں لے گئے۔ جہاں اس جنسِ کا سدکا کوئی خریدار نہیں تھا۔ یعنی جہنم میں —— (۲۸—۲۴ : ۱۴)

(۳۱) مسلمانوں کو ان لوگوں کے ملکوں میں آباد کیا جنہوں نے ظلم اور زیادتی کی تھی۔ (جب انہوں نے ظلم اور زیادتی شروع کر دی تو ان کے ملکوں پر دوسری قومیں مسلط ہوگئیں) —— (۴۷—۴۵ : ۱۴)

(۳۲) مسلمانوں کی زندگی ایسی قابلِ رشک تھی کہ کفار حسرت سے کہتے تھے کہ کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے۔ (۲ : ۱۵)

(۳۳) کفرانِ نعمت سے قوموں پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے —— (۱۱۲ : ۱۶)

(۳۴) قرآن میں شفا اور رحمت ہے۔ لیکن ظلم کرنے والوں کے لئے یہی قرآن سخت نقصان کا موجب بن جاتا ہے (یعنی اس میں بیان کردہ قانونِ مکافات کی رو سے ظلم کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں)

(۸۲ : ۱۷)

(۳۵) نظامِ صلوٰۃ کے ضائع کر دینے سے تباہی آگئی۔ اگر یہ اسے پھر قائم کریں تو پھر وہی جنتی معاشرہ انہیں

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ - (۷/۱۷۹)۔

اور انسانوں کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ ـــ مہذب اقوام ہوں، یا جاہل بادیہ نشین ـــ ان کا انداز زیست ان کے اہل جہنم ہونے کی علامت بن جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سینے میں دل رکھتے ہیں لیکن اس سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ اُن کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں لیکن اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ کان بھی رکھتے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں، بالکل حیوان ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ (اس لئے کہ حیوان کم از کم اپنے جبلّی تقاضوں کے مطابق تو چلتے ہیں۔ اور اس قسم کے انسان، ان حدود سے بھی) بے خبر رہتے ہیں۔"

(۳) اچھی بات سنو تو اس پر عمل کرو۔ لغویات سنو تو اس سے پرہیز کرو۔ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا - (۲/۲۸۵)۔ "ہم نے سنا اور ہم اس کی اطاعت کریں گے" مومنین کا شیوہ بتایا گیا ہے۔" اور یہ بھی کہ إِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ - (۲۸/۵۵)۔ جب وہ کوئی لغویات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں۔"

ٹوہ میں نہ لگے رہو۔

دوسروں کی ان باتوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو جن کا تم سے کوئی تعلق نہ ہو۔ وَلَا تَجَسَّسُوا۔ (۴۹/۱۲)۔

علم

(۱) علم والا اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۳۹/۹)۔ "ان سے پوچھو کہ کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو علم نہیں رکھتے۔"

(۲) علم کی دنیا میں یہ کبھی نہ سمجھو کہ تم آخری حد تک پہنچ گئے ہو اور تم سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ یاد رکھو۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ - (۱۲/۷۶)۔ "ہر صاحب علم سے بالا اور صاحب علم بھی ہوتا ہے۔" نہ ہی یہ کہو کہ اب مجھے کچھ اور معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، میرے علم کا پیمانہ لبالب بھر چکا ہے۔ اس قسم کی ذہنیت کفار کی بتائی گئی ہے۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ - (۲/۸۸)۔ جو کہتے ہیں کہ" نہ ہمارے دلوں کو اس کی ضرورت ہے کہ باہر کی کوئی بات ان تک پہنچے نہ ہی ان میں مزید کچھ داخل ہونے کی گنجائش ہے۔" اس باب میں، اور تو اور، خود حضور نبی اکرم سے کہا گیا کہ وہ

(۴۹) قرآن میں پہنچکر دین مکمل ہوگیا۔ یہ دین (نظامِ زندگی) دیگر تمام نظامہائے حیات پر غالب آئے گا۔ خواہ مخالفین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔ اس کے لئے جماعتِ مومنین کو مسلسل جدوجہد کرنی ہوگی ——— (۱۲ — ۸ : ۶۱)

(۵۰) مسلمان، مجرمین کی طرح نہیں ہوسکتے (اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان مجرم نہیں ہوسکتا) ——— (۳۵ : ۶۸)

(۵۱) تم باہم دشمن تھے۔ خدا نے تمہیں قرآن کے رشتے میں منسلک کر کے بھائی بھائی بنا دیا۔ اور اس طرح ایک امّت وجود میں آگئی جس کا فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تھا۔ تمہیں تاکید کی گئی تھی کہ باہمی تفرقہ نہ پیدا کرنا۔ (تم نے اس روش کو چھوڑا تو تباہ ہوگئے۔ کتاب اللہ تمہارے پاس موجود ہے۔ اس سے پھر اجتماعی طور پر متمسک ہوجاؤ تو پھر وہی وحدت پیدا ہوجائے گی) ——— (۱۰۴ — ۱۰۲ : ۳)

(۵۲) اکثر لوگ مومن کہلاتے ہوتے بھی شرک کرتے ہیں ——— (۱۰۶ : ۱۲)

(۵۳) حالات کیسے ہی ہمت شکن اور یاس انگیز ہوں مسلمانوں کے لئے ناامید ہونے کی کوئی بات نہیں۔ یہ جب بھی قرآن کی طرف آجائیں گے ان کی چھینی ہوئی جنت انہیں واپس مل جائے گی ——— (۵۵ — ۵۳ : ۳۹)

——— (۰) ———

(۲۶) حضرت اسمٰعیلؑ

(نیز دیکھئے۔ ابراہیمؑ)

اِسمٰعیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑھاپے کی اولاد تھے ——— (۳۹ : ۱۴)۔ انہی کی بشارت دیتے وقت انہیں "غلام حلیم" کہہ کر پکارا گیا تھا ——— (۱۰۱ : ۳۷)

(۲) آپؑ حضرت یعقوبؑ کے آباء میں سے تھے۔ یعنی ان کے چچا ——— (۱۳۳ : ۲)

(۳) حضرت ابراہیمؑ اپنے ایک خواب کو اپنی دانست میں، اشارۂ خداوندی سمجھ کر، حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے۔ جب انہوں نے بیٹے کو لٹا دیا تو خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یہ ہمارا حکم نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کو اس طرح ذبح ہونے سے بچا لیا گیا اور انہیں تولیتِ کعبہ کے لئے منتخب کر لیا۔ یہ اُس وقتی قربانی کے مقابلہ میں، عمر بھر کی قربانی تھی اور اس لئے

بہت بڑی قربانی —— (۱۰۷-۱۰۰ : ۳۷)

(۴) حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے کعبہ کی تعمیر کی تھی —— (۱۲۷ : ۲)۔ تطہیرِ کعبہ خدا کے حکم کے مطابق کی گئی تھی —— (۲ : ۱۲۵)

(۵) حضرت اسمٰعیلؑ زمرۂ انبیاء کرام میں سے تھے - (۲ : ۱۳۶) —— (۳ : ۸۳) —— (۴ : ۱۶۳) (۶ : ۸۶) (۱۹ : ۵۴) —— (۲۱ : ۸۵) —— (۳۸ : ۴۸)

(۶) حضرت اسمٰعیلؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ (وہ ان گروہ بندیوں سے بلند، صرف مسلم تھے) —— (۲ : ۱۴۰)

(۷) صادق الوعد —— (۱۹ : ۵۴)

—— (۰) ——

۴۷۔ اُسوہ

اسوۃ ۔ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں وہ شے جس سے کوئی غمگین انسان سکون اور تسلی حاصل کرے۔ اور چونکہ اس قسم کی تسلی بہترین طور پر کسی قابلِ تقلید نمونہ کو اپنے سامنے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کے معنی نمونہ کے ہو گئے۔ قرآن کریم میں دو شخصیتوں کی زندگی کو خاص طور پر اسوۂ حسنہ کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ ایک نبی اکرمؐ کی ذات گرامی کو۔ یہ اس وقت کہا گیا جب جنگِ احزاب میں بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے لیکن حضورؐ روشنی کے مینار کی طرح اپنے مقام پر کھڑے رہے —— (۲۱ : ۳۳)۔ اور دوسرے حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے رفقاء۔ جنہوں نے برملا اپنی قوم سے کہہ دیا کہ جب تک تم خدا پر ایمان نہ لاؤ، ہمارا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا —— (۴ ، ۶ : ۶۰)

—— (۰) ——

۴۸۔ اُسوۃ حسنہ

اُسْوَۃٌ ۔ (ا۔س۔ی یا ا۔س۔و)۔ قابلِ تقلید نمونہ۔ نیز وہ چیز جس سے غمگین آدمی تسلی حاصل کرے جس سے اس کے دکھوں کا مداوا ہو جائے۔

اسوۂ حسنہ

(۱) جو شخص کسی نہایت نازک، خطرناک موقعہ پر عزم و ثبات اور بلندیٔ سیرت کا ثبوت دیتا ہے اس کا یہ طرزِ عمل دوسروں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہوتا ہے۔ یعنی دوسروں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسے ہی بنو۔ جنگِ احزاب میں کچھ لوگوں نے عدمِ استقلال اور دوں ہمتی کا مظاہرہ کیا تو ان سے کہا گیا کہ ہجوم مصائب کے ایسے وقت میں جو کچھ تمہارے رسول نے کیا تھا — یعنی نہ وہ ذرا بھی گھبرائے، نہ دل چھوڑا — تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا — تمہارے لئے تمہارے رسول کا وہ طرزِ عمل اسوۂ حسنہ تھا — (۲۱ : ۳۳)۔ بہترین قابلِ تقلید نمونہ۔ رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کا بالصراحت ذکر تو اس خاص واقعہ کے ضمن میں آیا ہے، لیکن نبی اکرمؐ کی ساری زندگی جس بلندیٔ کردار اور پاکیزگی سیرت کی مظہر تھی، وہ ہر اس انسان کے لئے جو سیرت کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی حاصل کرنا چاہے، بہترین نمونہ ہے۔ اس سیرت کے اصولی خط و خال خود قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔

(۲) قرآن کریم میں جماعتِ مومنین سے بار بار تاکید کی گئی ہے کہ جو لوگ تمہارے دین کے مخالف ہیں، تم ان سے .... دوستداری کے تعلقات مت رکھو — (۳ : ۱۱۷)۔ اس سلسلہ میں عملی مثال پیش کرنے کے لئے کہا کہ "تمہارے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہمارا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ..... تا آنکہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ" — (۶۰ : ۴ ; ۶)

(۳) قرآن کریم میں "اسوۂ حسنہ" کے الفاظ انہی دو مقامات پر آئے ہیں۔ ویسے، کسی کا کوئی عمل جو قرآن کریم کے مطابق ہو، دوسروں کے لئے واجب التقلید نمونہ ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ تم ہمیشہ انصاف کے علمبردار بنو اور سچی شہادت دو خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ ایک شخص جانتا ہے کہ اگر میں نے سچی بات کہہ دی تو اس سے مجھے پھانسی کے تختے پر چڑھ جانا پڑے گا۔ لیکن وہ اس کے باوجود، سچی شہادت دیتا ہے اور پھانسی کا رسہ اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے۔ اس کا یہ عمل دوسروں کے لئے مثال بن جاتا ہے۔ ایسے وقت میں ہر شخص یہ کہے گا کہ تمہیں اس سچے اور بہادر انسان کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہیئے۔ لفظی تلقین کے مقابلہ میں عملی نمونہ ہمیشہ زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اسے اندھی

تقلید نہیں کہا جائے گا جس سے قرآن کریم نے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ دیکھئے عنوان تقلید)۔ یہ حسن سیرت کا عملی نمونہ ہو گا۔

(۰)

۴۹۔ اصحاب (متفرق)

(۱) اصحاب الاعراف۔ ــــــ دیکھئے "اعراف" ــــ (۴۸ : ۷)
(۲) اصحاب الکہف والرقیم۔ ــــ (۹ : ۱۸)۔ دیکھئے عنوان "کہف"۔
(۳) اصحاب الجنۃ۔ ــــــ (۲۰ : ۵۹)۔ دیکھئے عنوان "جنت"
(۴) اصحاب النار۔ ــــــ (۲۰ : ۵۹)۔ دیکھئے عنوان۔ جہنم۔ نار۔
(۵) اصحاب الجحیم۔ ــــــ (۱۱۳ : ۹)۔ دیکھئے عنوان۔ جحیم۔
(۶) اصحاب السبت۔ ــــــ (۴۷ : ۴)۔ دیکھئے عنوان "سبت"
(۷) اصحاب السعیر۔ ــــــ (۶ : ۳۵)۔ دیکھئے عنوان جہنم
(۸) اصحاب الشمال۔ ــــــ (۴۱ : ۵۶)
(۹) اصحاب المشئمۃ۔ ــــــ (۹ : ۵۶) } دیکھئے عنوان جہنم
(۱۰) اصحاب المیمنۃ۔ ــــــ (۱۸ : ۹۰)
(۱۱) اصحاب الیمین۔ ــــــ (۳۸ : ۵۶) } دیکھئے عنوان جنت
(۱۲) اصحاب موسٰےؑ۔ ــــــ حضرت موسٰیؑ کے ساتھی ــــ (۶۱ : ۲۶)
(۱۳) اصحاب السفینۃ۔ حضرت نوحؑ کے ساتھی جو کشتی میں سوار ہوئے تھے ــــ (۱۵ : ۲۹)
(۱۴) اصحاب الصراط السوی۔ سیدھے راستے پر چلنے والے ــــ (۱۳۵ : ۲۰)
(۱۵) اصحاب القبور۔ ــــــ مُردے ــــ (۱۳ : ۶۰)
(۱۶) اصحاب المدین والمؤتفکات۔ مدین اور دیگر تباہ شدہ بستیوں کے رہنے والے ــ (۷۰ : ۹)
(۱۷) اصحاب رسول اللہ۔ قرآن کریم میں یہ الفاظ نہیں آتے۔ اس کے بجائے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ــــ (۲۹ : ۴۸) آیا ہے یعنی رسول اللہ کے ساتھی ۔ اصحاب رسول اللہ کے لئے عنوان صحابہؓ دیکھئے۔

(۱۸) **اصحاب** ۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے لوگ ــــ (۵۹ : ۵۱)

—— (۰) ——

۵۰۔ اصحاب الاخدود

اخدود (خ۔ د۔ د) ۔ کھائی یا خندق۔

یمن میں خاندانِ تُبّع کی حکومت تھی ۔ ابتداءً یہ ستارہ پرست تھے لیکن بعد میں انہوں نے یہودیوں کا مذہب اختیار کر لیا تھا ۔ اُن کے ایک جابر بادشاہ ' ذو نواس ' کے زمانے میں عیسائیوں نے اُس ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی تو وہ سخت مشتعل ہو گیا ۔ اس نے عیسائیوں کے مرکزی شہر ' نجران ' پر حملہ کیا اور انہیں سخت شکست دی ۔ اس نے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے ۔ ان میں آگ جلائی ۔ اور عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ یہودیت اختیار کریں ۔ جو اس سے انکار کرتا ، آگ کے گڑھے میں جھونک دیا جاتا ۔

قرآن کے نزدیک ' یہودی اور عیسائی دونوں ' اسلام کے دشمن تھے اس لئے اُسے اس واقعہ میں عیسائیوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی ۔ لیکن چونکہ وہ ہمیشہ مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مذمت کرتا ہے ' خواہ وہ کسی قوم یا مذہب سے متعلق ہوں ۔ اس لئے اس نے کھلے الفاظ میں کہا کہ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ــــ (۸۵ : ۴) خندق والوں نے (مظلوم عیسائیوں کو نہیں ' درحقیقت) اپنے ہاتھوں خود اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ۔ کیونکہ ظلم کا انجام ہلاکت ہوتا ہے ۔ یہی انجام ہر ظالم کا ہو گا ۔

—— (۰) ——

۵۱۔ اصحاب الایکہ

اصحاب الایکہ حضرت شعیبؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ وہ اہلِ مدین کی طرف

بدظنی

بدظنی سے بچو۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (۴۹/۱۲) جب باہمی اختلاف ہوجاتے تو اس سے فتنہ پرور لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور فریقین میں لگائی بجھائی کی باتیں کرتے ہیں۔ تم اس باب میں بڑے محتاط رہو۔ تم ایک دوسرے کے متعلق ہمیشہ حسنِ ظن سے کام لو اور) بدگمانی سے اجتناب کرو۔ بعض بدگمانی تو ایسی ہوتی ہے کہ وہ جرم اور گناہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

دین سے مذاق

دین کا معاملہ بڑا اہم اور نازک ہے۔ جو لوگ اسے (SERIOUSLY) نہیں لیتے ان کی محفل تک میں مت بیٹھو۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ (۴/۱۴۰)

فریقِ مخالف (کفار) کے ساتھ دوستی کے تعلقات تو ایک طرف رہے، خدا نے اپنے ضابطۂ قوانین میں، اس باب میں، حکم یہ دیا ہے کہ جب تم دیکھو کہ آیاتِ خداوندی کا انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جارہی ہے، تو تم ایسی مجلس میں بھی نہ بیٹھو۔ ان سے کنارہ کش ہوجاؤ تاآنکہ وہ اس قسم کی باتیں چھوڑ کر دوسری باتوں میں نہ لگ جائیں۔ اگر تم ان کی اس قسم کی باتوں میں شریکِ محفل رہے تو اس وقت تم بھی انہی جیسے ہوجاؤ گے۔ حالانکہ تم میں اور ان میں کوئی چیز وجہ جامعیت نہیں ہوسکتی۔

ایسے لوگوں سے قطع تعلق کرلو۔ وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا۔ (۶/۷۰) جن لوگوں کی یہ حالت ہو کہ وہ (نظامِ خداوندی تو ایک طرف) خود اُس آئین اور ضابطہ کو بھی کچھ اہمیت نہ دیں جسے انہوں نے اپنے لئے اختیار کر رکھا ہے اور انسانی زندگی کو محض کھیل تماشا سمجھیں، ان سے الگ ہوجاؤ۔

کج بحثی

کج بحثی مت کرو۔ اپنی بات دلائل وبراہین اور حکمت وموعظت سے پیش کرو۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (۱۶/۱۲۵)۔ اپنے خدا کے راستے کی طرف

اصحاب الرّس کے متعلق خیال ہے کہ یہ انہی کی اولاد میں سے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا ذکر قوم ثمود کے ساتھ آیا ہے اس لئے بعض کا قیاس اس طرف بھی گیا ہے کہ یہ اسی قوم کا ایک قبیلہ تھا۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ انہوں نے تکذیبِ رُسل کی اور ہلاک ہو گئے ——— (۳۸ : ۲۵) ——— (۱۲ : ۵۰)

——— (۰) ———

۵۴۔ اصحاب الفیل

فیل (ہاتھی)۔ قرآن کریم میں اصحاب الفیل کا ذکر ایک مقام پر آیا ہے۔ یعنی ——— (۵ — ۱ : ۱۰۵) میں۔ اس کے متعلق تاریخ میں ہے کہ ابرہۃ الاشرم حبشی، اپنی ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے مکہ پر چڑھ آیا۔ اور اس کے لئے اس نے پہاڑیوں کی اوٹ میں خفیہ راستہ اختیار کیا تاکہ وہ مکہ والوں پر بےخبری میں حملہ کر دے۔ لیکن گدھوں کے جھنڈ جو اپنی جبلی ذہانت سے بھانپ لیتے ہیں کہ فوج کس طرف جا رہی ہے اس لئے ہمیں ان کے ساتھ جانے سے بہت سا سامانِ خوراک (لاشیں) ملیں گی، ان کے اوپر منڈلاتے ہوئے آ گئے۔ (ابابیل کے معنی ہیں جھنڈ کے جھنڈ پرندے)۔ انہیں دیکھ کر قریشِ عرب نے اندازہ کر لیا کہ کوئی لشکر پہاڑ کے پیچھے سے آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ وہاں سے زور کا پتھراؤ کیا۔ کچھ اس سنگ باری سے اور کچھ اس طرح کہ ان کے ہاتھی بھڑک اٹھے اور اپنی فوج کو کچلتے روندتے ہوئے بھاگ اٹھے، اسکی فوج کا کچومر نکل گیا۔ یہ واقعہ سورۃ الفیل (۱۰۵) میں بیان ہوا ہے تاکہ قریش متنبہ ہو جائیں کہ کعبہ کی تخریب کے عزائم اس قسم کی تباہی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کا انجام بھی تباہی و بربادی (شکست و ہزیمت) ہی ہوا۔ چونکہ قریش نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا (یہ واقعہ حضورؐ کی پیدائش کے سال ہوا تھا۔) اسلئے انہیں مخاطب کر کے اسے بیان کیا گیا۔

——— (۰) ———

۵۵۔ اِصلاح

(نیز دیکھئے۔ صلح۔ صالح۔ مصلح۔ فساد۔ مفسد)

اِصلاح ۔ مادہ (ص۔ل۔ح) جس چیز کو جس حال میں ہونا چاہیئے اس کا ٹھیک ٹھیک اسی حالت

مستقی ہے۔

منافقت

دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور۔ یہ بدترین خصلت ہے۔ منافقین کی حالت یہ ہوتی ہے کہ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (۳/۱۶۶)۔ "وہ زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا۔" ان کی زبان ان کے دل کی ترجمان نہیں ہوتی۔

کے لئے خوف و حزن نہیں ہوگا ـــــ (۴۸ : ۶) ـــ (۳۵ : ۷)

(۱۴) ایمان و اعمالِ صالح سے انسان اور قوم کی حالت سنور جاتی ہے ـــــ (۲ : ۴۷)

(۱۵) مومنین کی دعا کہ ہماری اولاد کی بھی اصلاح کر دے ـــــ (۱۵ : ۴۶)

(۱۶) آپس میں صلح رکھو ـــــ (۱ : ۸)

(۱۷) تقویٰ سے اعمال سنور جاتے ہیں ـــــ (۷۱ : ۳۳) ـــــ (۵ : ۴۷)

تَابَ وَ اَصْلَحَ

(۱) جس شخص کا قدم غلط راستے پر پڑ جائے اسے چاہیئے کہ پھر وہیں واپس آئے جہاں سے اس کا قدم غلط راستے کی طرف اٹھا تھا۔ اسے توبہ کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد جو خرابی یا نقص اس میں پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا قدم غلط راستے کی طرف اٹھ گیا تھا، اُسے دور کرے۔ اسے اصلاح کہتے ہیں۔ یوں توبہ اور اصلاح سے غلطی کا ازالہ ہوتا ہے ـــــ (۱۶۰ : ۲)

(۲) ارتداد کے بعد بھی توبہ اور اصلاح کی گنجائش باقی رہتی ہے ـــــ (۸۸ : ۳)

(۳) منافقین کے لئے بھی توبہ اور اصلاح کی گنجائش ہے ـــــ (۱۴۶ : ۴)

(۴) چوری کے مرتکب کے لئے بھی توبہ اور اصلاح کی گنجائش ہے ـــــ (۳۹ : ۵)۔ فواحش کے مرتکب کے لئے بھی ـــــ (۱۶ : ۴)

(۵) توبہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کوئی لغزش نادانستہ سرزد ہو جائے ـــــ (۵۴ : ۶) ـــ (۱۱۹ : ۱۶)

(۶) پاک دامن عورتوں کے خلاف الزام تراشی جرم ہے۔ لیکن اس میں توبہ اور اصلاح کی گنجائش ہے۔

(۵ : ۲۴)

(ان مقامات کی مزید تشریح "توبہ" کے عنوان میں دیکھئے)

متفرق

(۱) حضرت زکریاؑ کی بیوی کے نقص کو دور کر کے اُسے اولاد کے قابل بنا دیا ـــــ (۹۱ : ۲۱)

(۲) مسلمانوں میں کبھی نزاع پیدا ہو جائے تو ان میں باہمی صلح کرا دیا کرو۔ ـــــ (۱۰ـــ۹ : ۴۹)

ـــــــــــ (۰) ـــــــــــ

۵۶۔ اضداد۔ (فلسفۂ اضداد)

ہمارے زمانے میں اشتراکی نظامِ معیشت نے بڑی شہرت حاصل کر رکھی ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ "معاشی نظام" کے عنوان میں آئے گا، اس مقام پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اشتراکیت صرف ایک معاشی نظام کا نام نہیں، وہ معاشی نظام، ایک فلسفۂ حیات کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے جسے فلسفۂ اضداد کہا جاتا ہے۔ اشتراکیت کا معاشی نظام تو قرآن کے معاشی نظام سے ملتا جلتا ہے لیکن اس کا فلسفۂ زندگی، قرآنی فلسفۂ حیات کی بالکل ضد ہے۔ اور چونکہ اشتراکی (کمیونسٹ) ہونے کے لئے، اشتراکی فلسفۂ حیات کو تسلیم کرنا ضروری ہے، اس لئے (اس بنا پر) نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان ہو سکتا ہے نہ کوئی مسلمان، کمیونسٹ۔

کمیونسٹ فلسفۂ اضداد کی ابتدا، جرمن فلاسفر، ہیگل سے ہوتی ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں ایک تصور (IDEA) وجود میں آتا ہے۔ وہ بڑھتا، پھولتا پھلتا ہے۔ جب وہ اپنے شباب پر پہنچ جاتا ہے تو اس میں سے اس کی ضد ایک اور تصور پھوٹتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح پروان چڑھتا ہے تو پھر ایک تیسرا تصور ایسا پیدا ہوتا ہے جو ان دونوں باہمدگر متضاد تصورات کی خصوصیات کو لئے ہوئے ابھرتا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلۂ تصورات آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ روحِ عصر (SPIRIT OF THE AGE) اس تمام عمل کی محرک ہوتی ہے۔

مارکس اسی مکتبِ فکر سے متعلق تھا۔ لیکن اس نے کہا کہ یہ تضاد و تغیر تصورات میں نہیں بلکہ انسان کے معاشی نظام میں رونما ہوتا رہتا ہے اور تاریخی وجوب (HISTORICAL NECESSITY) اس کی قوتِ محرکہ ہے۔

چینی اشتراکیت کا سربراہ، ماؤزے تنگ بھی اگرچہ اسی مکتبِ فکر سے متعلق ہے لیکن اس کا نظریۂ اضداد ہیگل اور مارکس دونوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات کی ہر شے کے اندر شروع سے اخیر تک ہمیشہ دو متضاد عناصر موجود ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ ان کے اس باہمی ٹکراؤ کی وجہ سے اس فلسفہ کو جدلیاتی (DIALECTIC) کہا جاتا ہے۔ ان متضاد عناصر میں سے ایک وقت میں ایک عنصر غالب رہتا ہے اور دوسرا مغلوب۔ باہمی تصادم سے کچھ وقت کے بعد مغلوب عنصر غالب ہو

جاتا ہے اور غالب عنصر مغلوب۔ یہ سلسلۂ دولابی شروع سے جاری ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔

ان کے برعکس، قرآن کریم کا فلسفۂ حیات ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے کہ کائنات میں حق (تعمیری قوتوں) اور باطل (تخریبی قوتوں) میں باہمی کشمکش رہتی ہے۔ اس کشمکش میں حق ہمیشہ باطل پر غالب آتا ہے اور اس طرح زندگی ایک ارتقائی منزل طے کر کے، اگلی منزل میں داخل ہو جاتی ہے۔ وہاں پھر باطل، نئے پیکر میں حق کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور وہی کشمکش پھر شروع ہو جاتی ہے۔ حق کا یہ غلبہ خدا کی کائناتی قوتوں کی بنا پر ہوتا ہے لیکن ان کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ (انسانی حساب وشمار کی رو سے خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے)۔ اگر انسانی دست وبازو ان قوتوں کے رفیق بن جائیں تو پھر یہ غلبہ، انسانی حساب وشمار کے مطابق ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں آخرالامر غلبہ حق ہی کا ہوتا ہے اور حق ہی کا ہوگا۔

ان مختصر سی تصریحات سے واضح ہے کہ کشمکش اضداد، تو قرآنی فلسفۂ حیات کی رو سے بھی جاری ہے۔ لیکن اس کشمکش اور اشتراکی فلسفہ کی کشمکش اضداد میں بنیادی فرق ہے۔ اشتراکی فلسفہ کی رو سے کائنات میں نہ کوئی قدر مستقل ہے اور نہ ہی حق کا بالآخر غالب آنا کائنات کا غیر متبدل قانون۔ قرآنی فلسفۂ حیات کی رو سے کشمکش اضداد رکھی اس لئے گئی ہے کہ ہر شے (اور انسان) کی مضمر قوتوں کی نمود اور نشوونما، کشمکش کی رو سے ہوتی ہے۔ اور انہی مضمر قوتوں کے مشہود ہونے سے زندگی، سلسلۂ ارتقار کی اگلی منزل میں داخل ہو سکتی ہے۔ بالفاظ دیگر کائناتی اور انسانی ارتقار کے لئے کشمکش لاینفک ہے اور کشمکش کے لئے اضداد لاینفک۔ قرآن کریم میں نظامِ فطرت کے اضداد اور انسانی نظریات کے اضداد وغیرہ کا ذکر بڑی شرح وبسط سے آیا ہے مقصد اس سے وہی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے یعنی حق کا باطل پر غلبہ۔

(٠)

۱۔ نظامِ فطرت کے اضداد

(۱) نور بمقابلہ ظلمات ـــــ (۲ : ۱۷)

(۲) ارض، فرش اور سما، بناء ـــــ (۲ : ۲۲)

(۳) مشرق ومغرب ـــــ (۲ : ۱۱۵)۔ مشرقین ومغربین ـــــ (۵۵ : ۱۷)

اذیت سے بھی زیادہ صعوبت انگیز اور روح فرسا ہوتی ہے۔

ظلم و زیادتی

"ظلم" کی کوئی جامع فہرست مرتب نہیں کی جا سکتی۔ اصولاً یہ سمجھئے کہ ہر وہ بات جو قانونِ خداوندی کے خلاف ہو، ظلم کی شق میں آجاتی ہے گی۔ (دراصل، اس لفظ کے معنی ہوتے ہیں "جس شے کو جس مقام پر ہونا چاہیئے اسے اس مقام پر نہ ہونا"۔ اس سے ظلم کا مفہوم بڑا وسیع ہو جاتا ہے)۔ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ مظلوم کی پشت پناہ بنے اور اس کی دادرسی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا۔ (۱۷/۳۳) "جو شخص ظلم سے ناحق مارا جائے (تو قاتل یہ نہ سمجھ لے کہ مقتول کے وارثوں کا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں، اس لئے مجھ سے کون باز پرس کر سکتا ہے) مقتول کے وارثوں کے لئے، ہم نے، نظامِ خداوندی (اسلامی معاشرہ) کو صاحبِ غلبہ و اختیار بنایا ہے۔ اس لئے یہ نظام، خود مقتول کے وارثوں کا پشت پناہ بنے گا"۔ اگرچہ اس آیت میں بالتصریح جرمِ قتل کا ذکر ہے لیکن اس اصول کا اطلاق ہر مظلوم پر ہوگا۔ اگر ظلم، خود حکومت کی طرف سے ہو تو اس کی دادرسی کے لئے بھی عدلیہ کا انتظام ہونا چاہیئے۔ عدل، بلا اخراجات ملنا چاہیئے کیونکہ کسی سے عدل کا معاوضہ طلب کرنا خود ظلم ہے۔ مظلوم کی دادرسی، حکومت کا فریضہ ہے۔ حکومت اپنے فریضہ کی ادائیگی کے لئے مظلوم سے معاوضہ کیسے مانگ سکتی ہے؟

سازش۔ خفیہ مشورے

خلافِ قانون امور کے لئے خفیہ مشورے اور سازشیں جرم ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۔ (۵۸/۹)۔

اے جماعتِ مومنین! جب تم نے باہمی مشورے کرنے ہوں، تو جرائم کے ارتکاب اور نظامِ خداوندی کے خلاف سرکشی کے مشورے مت کرو۔ ہمیشہ بھلائی اور تقویٰ (قوانینِ خداوندی کی نگہداشت) سے متعلق امور میں مشورے کرو۔ مختصراً یہ کہ تم ہر معاملہ میں قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو، اس لئے کہ وہی تمہاری تمام سعی و عمل کا مرکز،

(۱۴) کما بدأنا اول خلق نعیدہٗ ــــ (۲۱ : ۱۰۴)

(۱۵) حیاتِ ارض بعد موت ــــ (۳۰ : ۲۴)

(۱۶) خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ــ (۵ : ۳۲) ــ (۴ : ۷۰)

(۱۷) موت کے بعد خلق جدید ــ (۱۰ : ۳۲) ــ (۷ : ۳۴)

(۱۸) یزید فی الخلق ما یشاء ــ (۱ : ۳۵)

(۱۹) کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا ــ (۲۷ : ۳۸)

(۲۰) اکتساب رزق کی استعداد میں فرق تاکہ کام لیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود طبقات کو مٹانا مقصود ہے

اس لئے سرمایہ داری معاشرہ کا نظام نہیں بن سکتی ــ (۳۲ : ۴۳)

(۲۱) ہر ارض کی مثل سما ــ (۱۲ : ۶۵)

(۲۲) موت و حیات کی کشمکش حسن عمل کے لئے ــ (۲ : ۶۷)

(۲۳) سماء ذات الرجع۔ ارض ذات الصدع ــ (۱۱-۱۲ : ۸۶)

(۲۴) خلق۔ فسویٰ۔ قدر۔ فھدیٰ ــ (۳-۱ : ۸۷)

نظریات کے اضداد

(۱) منعم علیہ کے مقابلہ میں مغضوب اور ضالّ ــ (۱ : ۶)

(۲) ایمان کے مقابلہ میں کفر ــ (۶ تا ۴ : ۲)

(۳) ہدایت بمقابلہ ضلالت ــ (۱۶ : ۲)

(۴) اتباع ــ کفر و تکذیب ــ (۳۹-۳۸ : ۲)۔ اتباع ــ انقلاب علیٰ اعقاب ــ (۱۴۳ : ۲)

(۵) حق ــ باطل ــ (۴۲ : ۲)۔ جاء الحق و زھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا ــ (۸۱ : ۱۷)

ــ (۹۴ : ۳۴)۔ لوگ ان کی کشمکش جاری رکھتے ہیں ــ (۵۶ : ۱۸) ــ (۵ : ۴۰) حق کو باطل پر مارتے

رہتے ہیں تو باطل کا بھیجا توڑ دیا جاتا ہے ــ (۱۸ : ۲۱) ــ (۴۸ : ۳۴)۔ اللہ حق ہے۔ اس کے سوا

باطل ــ (۳۰ : ۳۱)۔ باطل قرآن کے قریب نہیں آسکتا ــ (۴۲ : ۴۱)۔ خدا حق کو ثابت کرتا ہے

اور باطل کو مٹاتا ہے ــ (۲۴ : ۴۲) نظامِ کائنات بالحق پیدا کیا ہے ــ (۳۹ : ۴۴) ــ (۲۲ : ۴۵)

معاشیات سے متعلق

(۱)

قرآنِ کریم میں، اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ "ایتائے زکوٰۃ" قرار دیا گیا ہے۔ سورہ الحج میں ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ .... (۲۲/۴۱)۔ "یہ (مومنین) وہ ہیں کہ جب انہیں ملک میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔" "ایتائے زکوٰۃ" کے معنی ہیں "زکوٰۃ دینا"۔ یعنی اسلامی مملکت کا فریضہ "زکوٰۃ دینا" ہے۔ "زکوٰۃ" کے معنی ہیں سامانِ نشوونما۔ لہٰذا اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ کی نشوونما کا سامان بہم پہنچائے۔ 'نشوونما' میں افرادِ معاشرہ کی جسمانی پرورش اور انسانی صلاحیتوں کی برومندی دونوں آجاتی ہیں۔ اس لئے اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے جس سے ہر فردِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی پوری ہوتی رہیں اور ان کی انسانی صلاحیتیں بھی پورے پورے طور پر نشوونما پا جائیں۔ اسے "ربوبیت" کہتے ہیں۔ ربوبیتِ عالمین، خدا کی صفت ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱/۱) سے قرآن کا آغاز ہوتا ہے۔ لیکن انسانی دنیا میں اس صفتِ خداوندی کا عملی مظاہرہ، اسلامی مملکت کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ اس لئے، اس ضمن میں جو ذمہ داریاں خدا نے اپنے اوپر لے رکھی ہیں، ان کی ادائیگی اسلامی مملکت کے ذریعے ہوتی ہے۔

(۲) اس اصول کے مطابق، اسلامی مملکت کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کے دائرۂ اقتدار میں کوئی ذی حیات سامانِ رزق سے محروم نہ رہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (۱۱/۶)۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے یعنی "زمین میں کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو"۔ اس سلسلہ میں وہ مملکت افرادِ معاشرہ

ایمان وعملِ صالح کا نتیجہ —— (۱۴ : ۱۳—۱۴) —(۵۵ : ۲۴)

بنی اسرائیل — (۱۳۷ : ۷) ۔ جماعتِ مومنین —(۲۷ : ۸)

(۲۹) نوعِ انسان کا وجود اس حقیقت کی شہادت ہے کہ تعمیری قوتیں، تخریبی قوتوں پر غالب آرہی ہیں۔ (۱۷۲ : ۷)

(۳۰) خدا بلندی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ انسانی جذبات اسے پستی کی طرف لے جاتے ہیں — (۱۷۶ : ۷)

(۳۱) تکذیبِ آیات سے بتدریج ہلاکت کی طرف —— (۱۸۲ : ۷)

(۳۲) غزوات سے مقصد یہ تھا کہ یحق الحق بکلمٰتہٖ ۔ ویقطع دابر الکافرین —(۸—۷ : ۸)

(۳۳) تقویٰ سے فرقان حاصل ہوگا — (۲۹ : ۸)

(۳۴) حیات اور ہلاکت علیٰ بیّنہ ہوتی ہے — (۴۲ : ۸)

(۳۵) رسمی نیکی کے کام — ایمان — (۲۰—۱۹ : ۹)

(۳۶) مال، اولاد، جائیدادیں —— جہاد فی سبیل اللہ — (۲۴ : ۹)

(۳۷) یہ نورِ خدا کو بجھانا چاہتے ہیں۔ خدا اسے پورا کرنا چاہتا ہے — (۳۲ : ۹)

(۳۸) دین الحق تمام ادیان پر غالب آجائے گا — (۳۳ : ۹)

(۳۹) نظریات کے تضاد کی مثالیں۔ سیلاب خس وخاشاک ۔ سونا اور کھوٹ ۔ ماینفع الناس باقی رہتا ہے (۱۷ : ۱۳)

(۴۰) کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ —— (۲۷—۲۴ : ۱۴)

(۴۱) مومن — فاسق —(۳۲ : ۱۸)۔ مومن اور سیئات کے عامل —(۴۰ : ۵۸)—(۴۵ : ۲۱—۲۲)

(۴۲) الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہٗ — (۱۰ : ۳۵)

(۴۳) متقین — فجار ؛ مومن — مفسد — (۲۸ : ۳۸) ؛ مسلمین — مجرمین (۳۵ : ۶۸)

مسلم — قاسط — (۱۴ : ۷۲) ؛

(۴۴) کتابٌ متشابھا مثانی —— (۲۳ : ۳۹)

(۴۵) اشداء علی الکفار — رحماء بینھم —— (۲۹ : ۴۸)

(۴۶) دین الحق ۔ لیظھرہٗ علی الدین کلّہ —— (۹ : ۶۱)

(۴۷) تمہیں پیدا کیا تو تم میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی — (۲ : ۶۴)

(۴۸) مفاہمت نہیں ہوسکتی —(۱۵ : ۱۰)—(۱۱۳ : ۱۱)—(۷۴ : ۱۷)—(۹ : ۶۸)

وہ لوگ جن کی ضروریات ان کی کمائی سے پوری نہیں ہوتیں یا جو محنت کرنے کے قابل نہیں رہتے، بطور اپنے حق کے، لیتے ہیں خیرات کے طور پر نہیں۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (۵۱/۱۹)۔ "ان کے مال میں ہر صاحبِ احتیاج اور معذور کا حق ہے۔"

(۵) قرآن کے معاشی نظام کی رُو سے، دولت جمع کر کے نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کی سخت وعید آئی ہے۔ فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ (۹/۳۴-۳۵)۔

اے رسولؐ! تم ان کے، ان علماء و مشائخ کو، اور ان کے ساتھ، ان لوگوں کو جو (ان کی خود ساختہ شریعت) کی آڑ میں، نظامِ سرمایہ داری کو منشائے خداوندی کے عین مطابق سمجھ کر) سونے چاندی (دولت) کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے عام نہیں کرتے، الم انگیز عذاب کی خبر سنا دو۔ (نظامِ خداوندی کے دور میں) اس مال کو، جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا (جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ ۱۰۴/۷) اور اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائیگا کہ یہ ہے وہ مال جسے تم نے تنہا اپنے لئے جمع کر رکھا تھا (اور دوسروں کو اس سے محروم کر رکھا تھا۔ سو جو کچھ تم نے یوں جمع کر رکھا تھا اس کا اب مزہ چکھو۔

نہ ہی اسے اس طرح گردش میں رکھا جا سکتا ہے کہ وہ اوپر کے طبقہ ہی میں چکر لگاتی رہے۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔ (۵۹/۷)۔

(۶) ہنگامی ضروریات کے وقت، لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنی ضروریات کے لئے رکھا ہے، اس میں سے بھی عطیۃً حسبِ ضرورت دیدیں۔ اسے صدقات کہا جاتا ہے۔ یہ بھی انفرادی طور پر نہیں ہوگا بلکہ نظامِ مملکت کے تابع ہوگا۔ اس لئے حضورؐ سے کہا گیا تھا کہ:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (۹/۱۰۳)۔

تم ان کی مالی امداد (صدقات) قبول کر لیا کرو۔ اور مناسب تعلیم و تربیت سے ان کے قلب و دماغ کی تطہیر اور ان کی صلاحیتوں کی نشو و نما کا انتظام کرو، اور ان کے اچھے کاموں کی تحسین و ستائش سے ان کی

(۱۱) کتمان — تبیان — (۲ : ۱۵۹) — (۳ : ۱۸۶)

تبیان — اخفاء — (۵ : ۱۵)

(۱۲) یُسر — عُسر — (۲ : ۱۸۵)

(۱۳) ابیض و اسود — (۲ : ۱۸۷)

(۱۴) محبت — اکراہ — (۲ : ۲۱۶)

(۱۵) آمۃ (لونڈی) — عبد (غلام) — (۲ : ۲۲۱)

(۱۶) لغو — ماکسبت قلوب — (۲ : ۲۲۵)

(۱۷) امساک — تسریح — (۲ : ۲۲۹)

(۱۸) اولاد — مولود — والدات — (۲ : ۲۳۳)

(۱۹) موسع — مقتر — (۲ : ۲۳۶)

(۲۰) رجال (پیدل) - رکباناً (سوار) — (۲ : ۲۳۹)

(۲۱) شرب — طعم — (۲ : ۲۴۹)

(۲۲) قلیل — کثیر — (۲ : ۲۴۹)

(۲۳) رُشد — غیّ — (۲ : ۲۵۶)

(۲۴) ماکسب — ماأخرج من الارض — (۲ : ۲۶۷)

(۲۵) فقر — مغفرہ ؛ فحشاء — فضل — (۲ : ۲۶۸)

(۲۶) تبدوا — تخفوا — (۲ : ۲۷۱)

(۲۷) بیع — ربٰو — (۲ : ۲۷۵) ؛

ربٰو — صدقات — (۲ : ۲۷۶) ؛

ربٰو — ایمان — (۲ : ۲۷۶) ؛

ربٰو — راس المال — (۲ : ۲۷۹)

(۲۸) لھا — علیھا — (۲ : ۲۸۶)

(۲۹) متاع الحیٰوۃ الدنیا — واللہ عندہٗ حسن مآب — (۳ : ۱۴)

(۳۰) اسلموا — تولوا — (۳ : ۱۹)

(۳۱) عزت — ذلت — (۳ : ۲۵)

(۳۲) طوعًا — کرہًا — (۳ : ۸۲)

(۳۳) اعتصام بحبل اللہ جمیعًا — تفرقہ — (۳ : ۱۰۲)

(۳۴) اعداء — الف بین قلوبکم... اخوانًا — (۳ : ۱۰۲)

(۳۵) حسنۃ - سیئۃ — (۳ : ۱۱۹)

(۳۶) سراء — ضراء — (۳ : ۱۳۳)

(۳۷) فقیر — اغنیاء — (۳ : ۱۸۰)

(۳۸) خبیث — طیب — (۴ : ۲)

(۳۹) حلال — حرام — (۴ : ۲۳)

(۴۰) محصنین — مسافحین — (۴ : ۲۴)

(۴۱) انفاق کے مقابلہ میں کِتمان بُخل — (۴ : ۳۷)

(۴۲) عمد — خطا — (۴ : ۹۲—۹۳)

(۴۳) علم — ظن — (۴ : ۱۵۷) ؛ حق — ظن (۱۰ : ۳۶)

(۴۴) سر — جھر — (۶ : ۳)

(۴۵) ضُر — خیر — (۶ : ۱۷)

خیر — فتنہ — (۲۲ : ۱۱)

(۴۶) ضلالت — صراط مستقیم — (۶ : ۳۹)

(۴۷) اعمٰی — بصیر — (۶ : ۵۰)

(۴۸) یتوفٰکم باللیل — یعلم ما جرحتم بالنھار (۶ : ۶۰)

(۴۹) بَر — بحر — (۶ : ۶۳)

(۵۰) غیب — شہادت — (۶ : ۷۳)

(۵۱) ظاہر — باطن — (۶ : ۱۲۱)

(۵۲) خوف — طمع — (۷ : ۵۶)

(۵۳) حیات — ہلاکت — (۸ : ۴۲)

(۵۴) ہنسنا — رونا — (۹ : ۸۲)

(۵۵) اصغر — اکبر — (۱۰ : ۶۱)

(۵۶) امساک — کشف — (۱۰ : ۱۰۷)

(۵۷) اعمیٰ — بصیر؛ اصم — سمیع — (۱۱ : ۲۴)

(۵۸) اہل — عمل غیر صالح — (۱۱ : ۴۶)

(۵۹) عالی — سافل — (۱۱ : ۸۲)

(۶۰) قائم — حصید — (۱۱ : ۱۰۰)

(۶۱) واحد — متفرق — (۱۲ : ۳۹)

(۶۲) بسط و قدر — (۱۳ : ۲۶)

(۶۳) مثل السوء — مثل الاعلیٰ — (۱۶ : ۶۰)

(۶۴) مُدخل — مخرج — (۱۷ : ۸۰)

(۶۵) ھون — اکرام — (۲۲ : ۱۸)

(۶۶) مرض — شفا — (۲۶ : ۸۰)

(۶۷) ادنیٰ — اکبر — (۳۲ : ۲۱)؛ اکثر — (۵۸ : ۷)

(۶۸) یلج — یخرج — (۳۴ : ۲)

(۶۹) نزول — عروج — (۳۴ : ۲)

(۷۰) یمین — شمال — (۳۴ : ۱۵)

(۷۱) یبدئُ — یعید — (۳۴ : ۴۹)

(۷۲) عذب فرات — ملح اجاج — (۳۵ : ۱۲)

(۷۳) ظل — حرور — (۳۵ : ۲۱)

(۷۴) بین ایدی — خلف — (۳۶ : ۹)

(۷۵) محسن — ظالم لنفس — (۳۷ : ۱۱۳)

(۷۶) فوق — تحت — (۳۹ : ۱۶)

(۷۷) اوّل — آخر؛ ظاہر — باطن — (۵۷ : ۳)

(۷۸) اثم — بِر؛ عدوان — تقویٰ — (۵۸ : ۹)

(۷۹) صراطِ مستقیم پر چلنے والا اور "مُکِبّاً" علیٰ وجہہ — (۶۷ : ۲۲)

(۸۰) ضرّاً — رشداً — (۷۲ : ۲۱)

(۸۱) صدق — کذب؛ صلیٰ — تولیٰ — (۷۵ : ۳۱–۳۲)

(۸۲) عبوس و قمطریر — نضرت و سرور — (۷۶ : ۱۱)

(۸۳) تصدّیٰ — تلھّیٰ — (۸۰ : ۶؛ ۱۰)

اضداد کی کشمکش

(۱) خدا چاہتا تو سب کو جبراً راہِ راست پر چلاتا — (۶ : ۳۵؛ ۱۰۷؛ ۱۰۸؛ ۱۵۰) — (۱۰ : ۱۹؛ ۹۹) — (۱۱ : ۱۱۸) — (۱۳ : ۳۱) — (۱۶ : ۹؛ ۹۳) — (۱۸ : ۲۹) — (۴۲ : ۸)

(۲) مردہ سے زندہ — زندہ سے مردہ — فالق الحب والنویٰ — (۳ : ۲۶) — (۶ : ۹۶)

فالق الاصباح — (۱۰ : ۳۱)

(۳) نفس واحد سے تخلیق کے بعد مستقر و مستودع ـــــ (۶ : ۹۹)

(۴) زمین سے نبات کل شیٔ ـــــ (۶ : ۱۰۰) ـــ (۵۷ : ۷)

(۵) ہر نبی کا عدو ـــــ شیاطین الانس والجن ـــ (۶ : ۱۱۳)

(۶) تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے ـــ (۶ : ۱۳۴) ـــ (۹ : ۳۹) ـــ (۱۴ : ۱۹)
پوری نوعِ انسان کو ـــــ (۱۶ : ۳۵) ـــ (۳۸ : ۴۷)

(۷) ثقلت موازین و خفت موازین ـــــ (۷ : ۸ ـ ۹)

(۸) ہر قوم کی ایک اجل ہے جس سے تقدم ۔ تاخر نہیں ہو سکتا ـــ (۷ : ۳۴) ـــ (۱۰ : ۴۹) ـــ (۱۵ : ۴ ـ ۵)
(۱۶ : ۶۱) ـــ (۱۸ : ۵۸ ـ ۵۹) ـــ (۴۳ : ۲۳)

(۹) قوموں کی باہمی لعن طعن جہنم میں ـــ (۷ : ۳۸ ـــ ۳۹)

غیر متبدّل

(۱) کلمٰت اللہ ـــ (۶ : ۳۴) ـــ (۶ : ۱۱۶) ـــ (۱۰ : ۶۴) ـــ (۱۴ : ۲۴ ـ ۲۷) ـــ (۱۸ : ۲۷) ـــ (۲۹ : ۵۰)

(۲) حقاً علینا ننج المؤمنین ـــــ (۱۰ : ۱۰۳) ـــ (۳۰ : ۴۷)

(۳) ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ـــــ (۱۳ : ۱۷)

(۴) سنت اللہ غیر متبدل ہے ـــــ (۱۷ : ۷۷) ـ (۳۳ : ۶۲) ـ (۳۵ : ۴۳) ـ (۴۰ : ۸۵) ـ (۴۸ : ۲۳)

(۵) باطل قرآن کے قریب نہیں آسکتا ـــ (۴۱ : ۴۲)

(۶) کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ ـــ (۶ : ۱۲ ؛ ۵۴) ، کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ـــ (۵۸ : ۲۱)

(۷) لا تبدیل لخلق اللہ ـــــ (۳۰ : ۳۰)

متفرّق

(۱) مفاہمت نہیں ہو سکتی ـــــ (۱۱ : ۱۱۳) ، (۲) سلسلۂ کائنات اجل مسمّٰی تک چل رہا ہے (۱۳ : ۲)

(۳) لکل اجل کتاب ۔ یمحوا اللہ مایشاء ویثبت ۔ عندہ ام الکتاب ـــ (۱۳ : ۳۸ ـ ۳۹)
اجل اللہ ـــ (۲۹ : ۵) ، حق کو قائم رکھتا ہے ۔ باطل کو مٹاتا ہے ـــ (۴۲ : ۲۴)

(۴) نظامِ جاگیرداری بتدریج ختم ہو رہا ہے ——— (۴۱ : ۱۳)

(۵) انسان کی کشمکش طبعی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی۔ موت کے بعد بھی آگے چلتی ہے۔ مزید ارتقاء میں ثقلت موازین ہے ——— (۱۰۲ : ۲۳) — (۹۹ : ۷ - ۸) — (۴-۵ : ۱۰۱)

(۶) حضرت موسےٰؑ کئی کٹھالیوں میں سے گذر کر خدا کے پیمانے پر پورے اترے — (۲۰ : ۴۰)

(۷) لوگوں کے ذریعے ایک دوسرے کی مدافعت ——— (۴۰ : ۲۲)

(۸) عملِ ارتقاء میں واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا — (۹۹ : ۲۳) — (۱۰۲ : ۲۶)

(۹) عملِ ارتقاء۔ غرف فوق غرف ——— (۲۰ : ۳۹)

(۱۰) ہم پہلی تخلیق کے بعد تھک نہیں گئے جو خلقِ جدید نہ کر سکیں — (۱۵ : ۵۰)

(۱۱) جنت میں جو چاہیں گے ملے گا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ — (۳۵ : ۵۰)

(۱۲) نشاۃ الاُخریٰ خدا کے ذمے ہے ——— (۴۷ : ۵۳)

(۱۳) ہر شے کی ربوبیت کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں — (۲۹ - ۲۸ : ۵۵)

(۱۴) دنیا اور آخرت دونوں کی جنت مختلف فنون کی حامل ہے — (۴۸ : ۵۵)

(۱۵) ہم نے تمہاری موت کا پیمانہ مقتدر کر رکھا ہے۔ ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری امثال بدل دیں۔ اور تمہیں ایسی ہیئت میں پیدا کر دیں جسے تم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر جان نہیں سکتے۔ ———

(۵۶ : ۶۰ - ۶۲) — (۲۹ : ۷۶)

(۱۶) مومنین کا نور جنت میں ان کے آگے آگے جا رہا ہوگا — (۵۷ : ۱۲ - ۱۳)، اتمامِ نور کی دعائیں — (۶۶ : ۸)

(۱۷) تخلیقِ انسان احسنِ تقویم میں ہوئی ہے۔ یہ اپنے آپ کو اسفل السافلین بنا لیتا ہے — (۹۵ : ۴ - ۵)

——— (۰) ———

۵۷۔ اِعتکاف

(نیز دیکھئے۔ حج۔ طواف۔ مسجد)

اعتکاف:۔ مادہ (ع - ک - ف)۔ اس کے معنی ہیں رکنا یا روکنا۔ کسی چیز کے ساتھ وابستہ

رہنا۔ پریشاں چیزوں کو سنوارنا۔ بکھرے ہوئے موتیوں کو لڑی میں پرو دینا۔ معاملات کو درست کرنا۔

ہمارے ہاں رسم یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں' بعض لوگ ، دنیاوی معاملات سے قطع تعلق کر کے مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہاں نفل پڑھتے یا ورد وظیفہ کرتے رہتے ہیں۔ اسے اعتکاف کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح دنیاوی علائق سے منقطع ہو کر معبادت ،، کے لئے کسی گوشے میں بیٹھے رہنا وہ رہبانیت ہے جس سے قرآنِ کریم نے منع کیا ہے ــــــ (۵۷ : ۲۷)

قرآن کریم (سورہ بقرہ) میں ہے کہ جب تم "عاکف فی المساجد" ہو تو مباشرت سے پرہیز کرو ــــــ (۱۸۷ : ۲) "مسجد" کے متعلق ہمارا موجودہ تصور یہ ہے کہ یہ عمارت نماز پڑھنے کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ لیکن قرآنی نظام میں مسجد کا تصور اس سے مختلف ہے۔ اس میں 'مسجد' کی حیثیت اس نظام کے مرکزی مقام کی ہوتی ہے جس میں مملکت کے مختلف امور سرانجام پاتے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی محولہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو بعض ہنگامی حالات میں' اسلامی مملکت کے خاص امور کی سرانجام دہی کے لئے ان مراکز میں رُکنا پڑے ، انہیں یکسو ہو کر ان امور کو سرانجام دینا چاہیئے۔ جنسی جذبات وغیرہ کے خیالات کو پاس نہیں آنے دینا چاہیئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "مسجد"۔)

جہاں تک حج کے "عاکفین" کا تعلق ہے (۱۲۵ : ۲)، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کانفرنس میں اس لئے شریک ہوتے ہیں کہ یہ سوچا جائے کہ انسانیت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو کس طرح مجتمع کیا جا سکتا ہے اور ان کے بگڑے ہوئے معاملات کو کیسے سنوارا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "حج")

ــــــ (۰) ــــــ

(۱) کعبۂ عاکف اور باد دونوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہیئے۔ یعنی وہاں کے رہنے والوں (العاکفین) اور باہر سے آنے والے (البادِ) دونوں کے لئے "کھلا شہر" ــــــ (۲۵ : ۲۲)

(۲) بیت الحرام کو طائفین اور عاکفین کے لئے پاکیزہ رکھنا چاہیئے ــــــ (۱۲۵ : ۲)۔ [طائفین کے لئے دیکھئے عنوان طواف۔ نیز عنوان حج]

(۳) کسی ایک مقام پر رُک جانے یا کسی کے ساتھ وابستہ رہنے کے لئے یہ لفظ حسب ذیل مقامات پر آیا ہے۔

ــــ(۷:۱۳۸)ــــ(۲۰ : ۹۱ ؛ ۹۷)ــــ(۲۱ : ۵۲)ــــ(۲۶ : ۷۱)ــــ(۲۵ : ۴۸)

(۴) اعتکاف فی المساجد ــــــ (۱۸۷ : ۲)

ــــــ (۰) ــــــ

۵۸۔ اطاعت۔ (اتّباع)

(نیز دیکھئے۔ سجدہ۔ تقلید۔ اسلامی نظامِ حکومت وغیرہ)

اطاعت :۔ مادہ (ط۔ و۔ ع) کسی کام کو بطیبِ خاطر، دل کی پوری پوری رضامندی، اور پسندیدگی سے کرنا۔ اس میں جبر کا پہلو نہیں ہوتا۔

اتباع :۔ مادہ (ت۔ ب۔ ع) کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ جیسا وہ کرے ایسا ہی خود کرنا۔
معنوی اعتبار سے اطاعت اور اتباع ایک ہی بات ہے۔ لیکن دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اطاعت کسی کے حکم یا فیصلے کو بطیبِ خاطر ماننے کو کہیں گے۔ لیکن اتباع میں متبوع اور متبع دونوں ایک جیسا کام کر رہے ہوں گے۔ جو کچھ آگے چلنے والا کریگا وہی کچھ اس کے پیچھے چلنے والا کریگا۔ لیکن یہ عمومی فرق ہے۔ ویسے یہ الفاظ (اطاعت اور اتباع) مرادف طور پر بھی آجاتے ہیں۔

دین کی اصل و بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان سے اپنی اطاعت کرائے۔ یہ محکومی ہوگی جسے مٹانے کے لئے قرآن آیا ہے۔ (۷۹ : ۳) اس میں اطاعت کسی انسان کی نہیں بلکہ قوانین و احکامِ خداوندی کی ہوگی۔ اور اس اطاعت میں خود وہ بھی شامل ہوگا جو ان احکام و قوانین کی اطاعت کرائے گا۔

یہ قوانین و احکام قرآن کریم کے اندر ہیں اس لئے اطاعتِ خداوندی سے مراد ہوگا قرآنِ کریم کے قوانین و احکام کی اطاعت کرنا۔

لیکن اسلام انفرادی زندگی کا نام نہیں۔ یہ ایک اجتماعی نظام کا نام ہے۔ اور اجتماعی نظام میں افرادِ معاشرہ کسی مرکزی اتھارٹی کے فیصلوں کے مطابق چلتے ہیں۔ یہ مرکزی اتھارٹی جس نے سب سے پہلے اسلامی نظام قائم کیا تھا خود رسول اللہ تھے۔ حضورؐ خود بھی احکام و قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتے تھے اور دوسروں سے بھی ان کی اطاعت کراتے تھے۔ اس اطاعت کا نام تھا "خدا اور رسولؐ کی اطاعت" یعنی احکامِ خداوندی کی اطاعت، اُس نظام کی رُو سے جسے رسول اللہ نے قائم فرمایا تھا۔ رسول اللہ مرکزی اتھارٹی تھے اور ان کے نیچے افسرانِ ماتحت (اولوالامر)۔ اِن افسرانِ ماتحت کے فیصلوں کے خلاف مرکزی اتھارٹی سے اپیل کی جاسکتی تھی۔ لیکن

مرکزی اتھارٹی کا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔

لیکن یہ نظام رسول اللہ کی زندگی تک ہی نہیں رہنا تھا، اُسے آپؐ کے بعد بھی آگے چلنا تھا۔ چنانچہ یہ آگے چلا۔ اُس وقت یہ مرکزی اتھارٹی حضورؐ کے جانشین (خلفائے راشدین) تھے۔ لہٰذا اس وقت "خدا و رسولؐ کی اطاعت" سے مراد اِن کے اُن فیصلوں کی اطاعت تھی جو وہ قوانینِ خداوندی کی ترویج و تنفیذ کے سلسلہ میں صادر فرماتے تھے۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے اطاعت کے لئے اس کی تصریح کر دی ہے۔ وانتم تسمعون۔ (۸:۲۰) درآنحالیکہ تم سن رہے ہو۔ لہٰذا، اطاعت ایک زندہ محسوس اتھارٹی کے ذریعے ہوگی۔

اسلام، پھر اُس وقت صحیح معنوں میں سامنے آئے گا جب معاشرہ میں وہی نظام قائم ہو یعنی ایسا نظام جس میں قوانین و احکام خداوندی کی اطاعت ایک مرکزی اتھارٹی کے تابع کی جائے اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر اپنی مرضی نہ چلا سکے۔ اسی کا نام توحید ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانؔ اسلامی نظامؔ)۔

———(۰)———

خدا کی اطاعت

(۱) اللہ سے بہتر فیصلے دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ جاہلیت اور اسلام میں فرق ہی یہ ہے ——(۵:۵۰)

(۲) خدا حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ اتباع اسی کا کرنا چاہیئے جو حق کی طرف راہ نمائی کرے —— (۱۰:۳۵)

(۳) کائنات کی ہر شے خدا کے سامنے سجدہ ریز ہے —— (۱۶:۴۹)

(۴) جو خدا کی طرف سے دی ہوئی راہ نمائی کا اتباع کریگا وہ نہ گمراہ ہوگا۔ نہ مشقتوں میں پڑے گا ——(۲۰:۱۲۲)

(۵) خدا کے راستے کا اتباع کرنے والے —— (۴:۷ ۰)

(۶) کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ خدا اسے حکومت، ضابطۂ قوانین اور نبوت تک بھی کیوں نہ دیدے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے فرمانبردار نہیں، میرے اطاعت گذار بندے بنو۔ وہ یہی کہے گا کہ تم اس کتاب کی اطاعت سے جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو خدا کے بندے بن جاؤ —— (۳:۷۸)

قرآن کی اطاعت و اتباع

(۱) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن کا اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے اسلاف کا اتباع کریں گے ——(۲:۱۷۰)

——(۳۱:۲۱)

خدا کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے ــــ سب، کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔

واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے مرتد (اسلام چھوڑ کر کسی اور مذہب کو اختیار کر لینے) کی کوئی سزا نہیں۔ جب مذہب اس کا بنیادی اصول ہے تو تبدیلیٔ مذہب کی سزا کیسی؟

(۱۴) مظلوم کو فریاد کا حق۔ قرآنِ کریم میں ہے۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ (۴/۱۴۸)۔ "اللہ کسی بری بات کی تشہیر پسند نہیں کرتا، بجز مظلوم کے (جسے اس کا حق حاصل ہے کہ اونچے ظلم اور زیادتی کی فریاد کرے)۔

(۱۵) اس بات کا حق کہ کوئی کسی دوسرے کی ذمہ داری کو نہیں اٹھائے گا۔ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ (۶/۱۶۵)۔ "جو کرے گا وہی بھرے گا اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔ اس کا بنیادی اصول ہے۔

ان کے علاوہ کچھ ایسے حقوق ہیں جو قانون کے دائرے کے اندر آتے ہیں۔ ان کا ذکر متعلقہ عنوانات میں آ چکا ہے۔

ان حقوق کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسا قانون جو ان حقوق کو سلب کرتا ہو، خلافِ قرآن ہوگا۔ نیز نظامِ معاشرہ ان حقوق کو پورا نہیں کرتا تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا سکے گی۔ (تفصیل کے لئے میرے مجموعۂ مضامین "بہارِ نو" میں انسانی حقوق سے متعلق عنوان۔)

(۲۰) جن کے دل میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں ـــ (۷ : ۳)
(۲۱) قرآن کا اتباع کرو ـــ (۵۵ : ۳۹)

رسولؐ کی اطاعت و اتّباع

(۱) اتباعِ رسولؐ کرنے والے، خدا کی اطاعت میں ڈوبے ہوتے ہوتے ہیں ـــ (۱۹ : ۳)
(۲) ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو ـــ (۳۰ : ۳)
(۳) حضرت عیسٰیؑ نے کہا کہ میری اطاعت کرو ـــ (۴۹ : ۳)
(۴) حضرت عیسٰیؑ کے حواریوں نے کہا کہ ہم رسول کا اتباع کرتے ہیں ـــ (۵۲ : ۳)
(۵) قرآن اور رسولؐ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو منافق اعراض برتتے ہیں ـــ (۶۱ : ۴)
(۶) کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک رسول کو اپنا حکم نہ تسلیم کرلے ـــ (۶۵ : ۴)
(۷) قانونِ خداوندی کی رُو سے رسول کی اطاعت ضروری ہے ـــ (۶۴ : ۴)
(۸) رسولؐ کی اطاعت کرنے والا خدا کی اطاعت کرتا ہے ـــ (۸۰ : ۴)
(۹) اتباعِ رسولؐ اور اتباعِ قرآن ـــ (۱۵۷ : ۷) ـــ (۱۵۸ : ۷)
(۱۰) میری دعوت علیٰ وجہ البصیرت ہے۔ یہی مسلک میرے متبعین کا ہوگا ـــ (۱۰۸ : ۱۲)
(۱۱) حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ جو میرا اتباع کرے گا وہ میرا ہے ـــ (۳۶ : ۱۴)
(۱۲) رسولؐ کے اتباع سے صراطِ مستقیم ملتا ہے ـــ (۴۳ : ۱۹)
(۱۳) حضرت ہارونؑ نے قوم سے کہا کہ (سامری کی بات نہ مانو) میری اطاعت اور اتباع کرتے جاؤ ـــ (۹۰ : ۲۰)
(۱۴) رسولؐ بھیجا جاتا ہے تاکہ لوگ احکامِ خداوندی کا اتباع کریں ـــ (۱۳۴ : ۲۰) ـــ (۴۷ : ۲۸)
(۱۵) قومِ نوحؑ کے لیڈروں نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان (حضرت نوحؑ) کی اطاعت کروگے تو نقصان اٹھاؤ گے ـــ (۳۴ : ۲۳)
(۱۶) اطاعتِ رسول سے استخلاف فی الارض ـــ (۵۶ : ۲۴)
(۱۷) ایمان کا مظاہرہ اطاعتِ رسول سے ہوتا ہے ـــ (۶۲ : ۲۴)
(۱۸) ہر رسول کی دعوت یہ تھی کہ خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ـــ (۵۰ : ۳)
(۱۷۹ ؛ ۱۶۳ ؛ ۱۵۰ ؛ ۱۴۴ ؛ ۱۳۱ ؛ ۱۲۶ ؛ ۱۱۰ ؛ ۱۰۸ : ۲۶) ـــ (۶۳ : ۴۳) ـــ (۶۴ : ۱۶) ـــ (۷۱ : ۳)

(۱۹) مومنین، جو تیرا اتباع کرتے ہیں، ان سے مشفقانہ برتاؤ کرو ــــ (۲۶ : ۲۱۵)

(۲۰) رسول اور اس کے متبعین غالب رہتے ہیں ــــ (۲۸ : ۳۵)

(۲۱) رسول کے ساتھ ہو کر ہدایت کا اتباع کرنا ــــ (۲۸ : ۵۷)

(۲۲) رسولوں کی اطاعت کرو جو اجرِ رسالت نہیں مانگتے ــــ (۳۶ : ۲۱)

(۲۳) میرا اتباع کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے ــــ (۴۳ : ۶۱)

(۲۴) حضرت عیسیٰ نے کہا کہ خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ــــ (۴۳ : ۶۳)

(۲۵) حضرت نوح کی دعوت کہ خدا کی محکومیت اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ــــ (۷۱ : ۳)

(۲۶) رسول امین ہوتا ہے (وحیِ خداوندی کا) اس لئے اس کی اطاعت کی جاتی ہے ــــ (۸۱ : ۲۱)

(۲۷) مومنین، رسول کا اتباع کرتے تھے ــــ (۳ : ۵۲) ــــ (۸ : ۶۴) ــــ (۹ : ۱۱۷) ــــ (۱۲ : ۱۰۸) ــــ (۲۶ : ۲۱۵)

(۲۸) تحویلِ قبلہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ رسول کا اتباع کون کرتا ہے ــــ (۲ : ۱۴۳)

(۲۹) اگر تو انہیں ہدایت کی دعوت دے تو یہ تیرا اتباع نہیں کریں گے ــــ (۷ : ۱۹۳)

(۳۰) مرسلین کی اطاعت کرو ــــ (۳۶ : ۲۰ ــــ ۲۱)

(۳۱) یہ میرا راستہ ہے۔ اس کا اتباع کرو ــــ (۶ : ۱۵۴)

(۳۲) جو حق کی طرف دعوت دیتا ہے اس کا اتباع کرو ــــ (۱۰ : ۳۵)

(۳۳) اگر رسول تمہاری اطاعت کرنے لگ جائے تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ ــــ (۴۹ : ۷)

(۳۴) رسول اللہ، مطاع اور امین تھے ــــ (۸۱ : ۲۱)

خدا اور رسول کی اطاعت

(۱) ان سے کہہ دو کہ تم خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس سے اعراض برتنا کفر ہے ــــ (۳ : ۳۱)

(۲) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ــــ (۳ : ۱۳۱)

(۳) زخم کھانے کے باوجود، خدا اور رسول کی آواز پر لبیک کہنے والے ــــ (۳ : ۱۷۱)

(۴) خدا اور رسول کی اطاعت سے جنت۔ معصیت سے جہنم ــــ (۴ : ۱۳ ــــ ۱۴) ــــ (۳۳ : ۷۱)

(۵) اللہ اور رسول اور اولوالامر کی اطاعت ــــ (۴ : ۵۹)

لیکن اس کے باوجود معاشرہ میں بعض افراد ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو "نفسیاتی مریض" ہوں اور ان کا "پاگل پن" افرادِ معاشرہ سے امن و اطمینان کا احساس چھین لے۔ ایسے مریضوں کا علاج ضروری ہے۔ اور جب تک وہ پورے طور پر شفایاب نہ ہوں، افرادِ معاشرہ کو ان کے جنون کے پیدا کردہ خطرات سے محفوظ رکھنا از بس لازمی۔ یہ علاج اکثر بیشتر ان مریضوں (مجرموں) کی قلبی اور ذہنی اصلاح سے ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اس کے لئے بطور آخری اقدام تخویف و ترہیب کی بھی ضرورت پیش آتی ہے — کئی نفسیاتی امراض ایسے ہیں جن کا علاج خوف کی احساس ہی سے کیا جاتا ہے — اس طریق علاج کو سزا کہا جاتا ہے۔ اس سے مقصد اولاً خود اس مجرم کی اصلاح ہوتی ہے اور ثانیاً ان کی اصلاح جن کے تحت الشعور میں ارتکابِ جرم کے جراثیم پرورش پا رہے ہوں۔ سزا بطورِ انتقام کا تصوّر غیر قرآنی ہے۔

یہ تو رہا سزا کا ایک مقصد۔ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ مجرم نے جس شخص کو نقصان پہنچایا ہے اس کے نقصان کی تلافی کی جائے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کے ہاں چوری کی ہے۔ اگر عدالت نے اس مجرم کو دس سال قید کی بھی سزا دے دی تو اس سے اس مظلوم کے نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اس شخص کا نقصان پورا کیا جائے۔ اگر مال مسروقہ برآمد ہو گیا ہے تو اسے واپس دلایا جائے۔ اگر وہ برآمد نہیں ہوا تو نظامِ معاشرہ اسے خود مہیا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔ قرآنی تصوّرِ "جرم وسزا" کی رو سے مستغیث، مجرم کے خلاف مدعی نہیں ہوتا۔ وہ نظامِ معاشرہ (حکومت) کے خلاف مدعی ہوتا ہے۔ معاشرہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی ہر متاع کی حفاظت کرے گا۔ اگر اس متاع پر کسی نے ہاتھ ڈال دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نظامِ معاشرہ نے اس شخص سے وعدہ خلافی کی ہے۔ اس لئے اس کے نزدیک 'مجرم'، نظامِ معاشرہ ہے نہ کہ وہ خاص فرد جس نے ارتکابِ جرم کیا ہے۔ یہ نظامِ معاشرہ کے دیکھنے کی چیز ہے کہ وہ اس نقصان کو مجرم سے پورا کراتا ہے یا خود پورا کرتا ہے۔ مظلوم کو اس سے واسطہ نہیں۔ نظامِ معاشرہ کا فریضہ مظلوم یا اس کے وارثوں کا پشت پناہ بننا اور ان کی مدد کرنا ہے۔ فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا .... إِنَّهُ كَانَ مَنْصُوْرًا - (۱۷/۳۳)۔ اگر نظامِ معاشرہ مظلوم کے نقصان کی تلافی نہیں کرتا، تو وہ اس کا پشت پناہ کیسے بن سکتا ہے اور حامی و ناصر ہونے کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ ہر نقصان کی تلافی روپے سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن نظامِ معاشرہ کو بہرحال اس کی تلافی کی شکل پیدا کرنی ہو گی (بشرطیکہ وہ نقصان اس شخص کی اپنی غفلت یا تساہل کی وجہ سے نہ ہوا ہو) — اس کی تلافی بھی کرنی ہو گی اور اس کے ساتھ اس کا انتظام بھی کہ آئندہ معاشرہ

(۲) مومنین سے کہا گیا کہ اگر تم اہل کتاب کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں کفر کی طرف لوٹا دینگے ــــ (۳ : ۹۹)
(۳) اگر تم کفار کی اطاعت کرو گے تو تم اسلام سے منحرف ہو جاؤ گے ــــ (۳ : ۱۴۸)
(۴) مومن خدا کی وحی کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی کو حق کہتے ہیں ــــ (۳ : ۴۷)
(۵) اطاعت اور معقول بات (قاعدے اور قانون کے مطابق)۔ یہ ہے مومنین کا شعار ــــ (۲۱ : ۴۷)
(۶) مومن مطوعین (اطاعت شعار) ہوتے ہیں ــــ (۹ : ۷۹)

غیر اللہ کی اطاعت

(۱) جب عذاب سامنے آئے گا تو متبوعین (جن کا اتباع کیا جاتا تھا) اپنے متبعین (اتباع کرنے والوں) سے بیزار ہو جائینگے اور ان کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے ــــ (۱۶۷ــ۱۶۶ : ۲)
(۲) ایمان کا دعوے اور اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت (غیر خدائی قوتوں) سے لینے والے! ــــ (۶۰ : ۴)
(۳) ایسے لوگوں کا اتباع مت کرو جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ــــ (۷۷ : ۵)
(۴) دنیا میں اکثریت ظن و قیاس کا اتباع کرتی ہے۔ ان کی اطاعت کرنے والا گمراہ ہوتا ہے۔ (۱۱۷ : ۶)۔ (۲۸ : ۵۳)
(۵) قوانین خداوندی کی تکذیب کرنیوالوں کا اتباع مت کرو ــــ (۱۵۱ : ۶)
(۶) مشرکین ظن کا اتباع کرتے ہیں ــــ (۱۴۹ : ۶) ــــ (۶۶ ; ۳۶ : ۱۰)
(۷) حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ مفسدین کے راستے کا اتباع نہ کرنا ــــ (۱۴۲ : ۷)
(۸) اپنی خواہشات کا اتباع کرنے والا ــ اس کی مثال کتے کی سی ہے ــــ (۱۷۶ : ۷)
(۹) حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ان لوگوں کے راستے پر نہ چلنا جو علم نہیں رکھتے ــــ (۸۹ : ۱۰)
(۱۰) قوم عاد نے رسولوں کی معصیت کی اور اپنے سرکش لیڈروں کا اتباع کیا ــــ (۵۹ : ۱۱) ; قوم فرعون نے بھی (۹۷ : ۱۱)
(۱۱) عذاب آجانے کے بعد متبعین اپنے متبوعین سے کہیں گے کہ تم ہماری کچھ مدد کر سکتے ہو؟ ــــ (۲۱ : ۱۴)ــ(۴۸-۴۷ : ۱۴)
(۱۲) جس کا دل قوانین خداوندی کی طرف سے غافل ہے اور وہ اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرتا ہے، اس کی اطاعت مت کرو ــــ (۲۸ : ۱۸)
(۱۳) اپنے خیالات اور خواہشات کا اتباع کرنیوالا دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روک دیتا ہے ــــ (۱۶ : ۲۰)

چاہیئے۔ سورۃ نور میں ہے کہ مدینہ میں بعض لوگوں نے کسی عورت کے خلاف تہمت تراشی کی اور لوگ اسے لے اڑے۔ اس پر قرآنِ کریم نے یہ ہدایت دی کہ تم نے جب یہ افواہ سنی تھی تو تمھارا ردِّ عمل یہ ہونا چاہیئے تھا کہ هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ... وَ بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ (۲۴/۱۲-۱۶)۔ یہ ایک مستقل راہ نمائی ہے کہ ملزم کے متعلق سوءِ ظن سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

۵۔ کسی قانون کے نافذ ہونے سے پہلے اگر کوئی کام ایسا ہوگیا ہو جو اس قانون کے خلاف ہو، تو اسے جرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بالفاظِ دیگر کسی قانون کا اطلاق کسی سابقہ تاریخ سے نہیں ہوسکتا۔ اس کا اطلاق اس کے نفاذ کے بعد سے ہوگا۔ قرآنِ کریم میں کئی ایک احکام کے سلسلہ میں کہا گیا ہے۔ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ۔ (۴/۲۳)۔ جو اس سے پہلے ہوگیا اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

۶۔ جس فعل کے ارتکاب میں دل کا ارادہ شامل نہ ہو (یعنی عمدًا نہ کیا گیا ہو) اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ سورۃ احزاب میں ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۔ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ (۳۳/۵)۔ جو کچھ تم سے سہوًا ہو جاتے اس پر مواخذہ نہیں۔ مواخذہ اس پر ہے جس میں تمھارے دل کا ارادہ شامل ہو۔

لیکن لاپرواہی بھی الگ جرم ہے اور قابلِ سرزنش۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے قتلِ خطا (سہوًا) کی سزا بھی تجویز کی ہے اگرچہ وہ سزا جرمِ قتل کی نہیں، بطور کفارہ کے ہے (۴/۹۲)۔

۷۔ بڑے بڑے جرائم سے بچنے والوں سے اگر کوئی چھوٹی موٹی لغزش ہوجاتے تو وہ قابلِ معافی ہوتی ہے — سورۃ النجم میں ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ۔ (۵۳/۳۲)۔ جو لوگ بڑے بڑے جرائم سے بچتے ہیں ان سے اگر کوئی معمولی سی لغزش ہوجاتے تو قابلِ عفو ہے۔

۸۔ سزا تجویز کرتے وقت مجرم کی ذہنی سطح، تعلیم و تربیت اور معاشرتی احوال و کوائف کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اسی بنا پر قرآنِ کریم نے (اس زمانے کی) لونڈیوں کی جرمِ زنا کی سزا شریف عورتوں سے نصف قرار دی (۴/۲۵)، کیونکہ جس ماحول میں وہ پرورش پاتی تھیں اس کے پیشِ نظر ان سے بلند اخلاق کی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ اس کے برعکس، رسول اللہ کے گھرانے کی خواتین سے کہا گیا کہ اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہوا تو اس کی دُگنی سزا ہوگی۔ (۳۳/۳۰)

۹۔ قرآنِ کریم جس قسم کا معاشرہ قائم کرتا اور اس میں افرادِ معاشرہ کی تربیت جس انداز سے کرتا ہے اس سے وہ

توقع رکھتا ہے کہ اگر کسی سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے گی تو وہ خود اس کا اعتراف کرے گا اور صحیح صحیح بات کہہ دے گا۔ خواہ وہ اس کے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ (۴/۱۳۵)۔ اس آیۂ جلیلہ میں قرآنِ کریم نے شہادت کے سلسلے میں ایسا بلند اصول پیش کیا ہے جس کی موجودگی میں عدل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی (اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں)۔

۱۰۔ قرآنِ مجید کے پیشِ نظر مجرم کی اصلاح ہے۔ اس لئے وہ اس کے دل میں جرم کے مذموم ہونے کا احساس بیدار کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ ایک عجیب وغریب اصول پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ۔ (۴/۱۱۱)۔ جو کسی کے خلاف ظلم و زیادتی کرتا ہے وہ بزعمِ خویش سمجھتا ہے کہ اس نے اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ جرم خود اپنی ذات کے خلاف کرتا ہے، اور اس کا نقصان خود اس کی ذات کو ہوتا ہے۔ اس میں کہا یہ گیا ہے کہ جرم سے خود مجرم کی ذات پر ایسا نقصان رساں اثر پڑتا ہے جس کی تلافی کسی خارجی سزا سے نہیں ہو سکتی۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ اگر مجرم کسی ترکیب سے اپنے آپ کو سزا سے بچالے، تو بھی اس سے جو نقصان اس کی ذات کا ہوا ہے وہ اس سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ اس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات وہ ہے يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ۔ (۴۰/۱۹)۔ جو نگاہ کی خیانتوں اور دل کے پوشیدہ خیالات تک سے واقف ہے۔ یہ ہے وہ تعلیم جس سے وہ، مجرم کے دل میں احساسِ ندامت بیدار کرتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو اسے سزا دینے کے بجائے اصلاح کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

(۰)

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کسی مجرم کو عدالت سے سزا مل جاتی ہے تو کیا وہ اس سے آخرت کے مواخذہ سے چھوٹ جاتا ہے؟ اس کے لئے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ آخرت کا مواخذہ کہتے کسے ہیں؟ انسان کے ہر عمل (حتیٰ کہ خیال تک) کا اثر اس کی ذات پر ہوتا ہے اور انہی اثرات کے مجموعی نتیجہ کے مطابق اُس کی اُخروی زندگی مرتب ہوتی ہے۔ مجرم کے جرم کا ایک اثر سوسائٹی پر پڑتا ہے اور دوسرا اثر خود اس کی ذات پر۔ عدالت کی طرف سے ملی ہوئی سزا سوسائٹی کے خلاف جرم کا تو ازالہ کر دیتی ہے لیکن اُس جرم کا جو اثر مجرم کی ذات پر مرتب ہوا تھا اُس کی تلافی نہیں کر سکتی۔ اس کی

(۱۷) لوگوں کے جذبات کا اتباع مت کرو — (۷۷ ; ۹۴ ; ۴۸ : ۵) — (۵۰ : ۶) — (۱۵ : ۴۲) — (۱۸ : ۴۵)

(۱۸) لوگوں کے فیصلے حق کے ساتھ کرو اوران کے یا اپنے جذبات کا اتباع مت کرو — (۱۳۵ : ۴) — (۲۶ : ۳۸)

(۱۹) اے رسولؐ! اگر یہ لوگ تیری دعوت کو قبول نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ یہ اپنے جذبات کا اتباع کرنا چاہتے ہیں —

(۲۸ : ۵۰)

(۲۰) ظن اور اپنے جذبات کا اتباع کرنے والے — (۲۳ : ۵۳)

متفرقات

(۱) اہل کتاب کہتے تھے کہ تم اسی کی بات مانو جو تمہارے دین کا اتباع کرے — (۷۲ : ۳)

(۲) ہدایت خداوندی کا اتباع کرنے والا ہی سلامتی میں رہتا ہے — (۴۷ : ۲۰)

(۳) اس کا اتباع کرو جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے — (۱۵ : ۳۱)

(۴) قوم فرعون کے مرد مومن نے اپنی قوم سے کہا کہ تم میرا اتباع کرو۔ میں تمہیں رشد و ہدایت کا راستہ دکھاؤں گا (۳۸ : ۴۰)

(۵) اطاعت سے بہترین اجر — (۱۶ : ۴۸)

(۶) سنو اور اطاعت کرو — (۱۶ : ۶۴)

(۷) متبعین حضرت عیسٰیؑ — (۱۵۷ : ۴) — (۲۷ : ۵۷)

(۸) جو لوگ علم نہیں رکھتے ان کا اتباع مت کرو — (۸۹ : ۱۰)

(۹) صرف خدا کے راستے کا اتباع کرو۔ متفرق راستوں کا اتباع مت کرو — (۱۵۳ : ۶)

(۱۰) ظن کا اتباع مت کرو — (۱۵۷ : ۴) — (۱۴۹ ; ۱۱۶ : ۶) — (۶۶ ; ۳۶ : ۱۰) — (۲۸ ; ۲۳ : ۵۳)

(۱۱) سبیل المؤمنین کا اتباع — (۱۱۵ : ۴) — (۱۵ : ۳۱)

(۱۲) شاعروں کا اتباع غاوون کرتے ہیں — (۲۲۴ : ۲۶)

(۱۳) کفار مومنوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے کا اتباع کرو — (۱۲ : ۲۹)

(۱۴) اطاعت اور قول معروف — (۲۱ : ۴۷)

(۱۵) طوعًا و کرہًا۔ ارض و سما کی خود سپردگی طوعًا و کرہًا۔ (بلکہ طوعًا — ۱۱ : ۴۱)

۵۹- اعتصام

اعتصام:- مادہ (ع - ص - م) کسی چیز کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کے ساتھ وابستہ رہنا۔

—— (٠) ——

(۱) جو قانونِ خداوندی کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے اسے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی مل جاتی ہے —— (۱۰۱ : ۳)

(۲) مسلمانو! تم خدا کی رسّی (کتاب اللہ) کو مضبوطی سے تھام لو۔ اس کے ساتھ وابستہ رہو اور آپس میں تفرقہ مت پیدا ہونے دو —— (۱۰۲ : ۳)

(۳) منافق بھی اگر توبہ اور اصلاح کے بعد، قانونِ خداوندی کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور بہ نہایت اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کریں تو وہ مومنین کے زمرے میں شمار ہوں گے —— (۱۴۶ : ۴)

(۴) قانونِ خداوندی کے ساتھ اعتصام ہی سے انسان مومن ہو سکتا ہے —— (۷۸ : ۲۲)

(۵) اعتصام باللہ سے زمرۂ مومنین میں داخلہ —— (۱۷۶ ؛ ۱۴۶ : ۴)

(۶) استعصام کے معنی اپنی عصمت کو محفوظ رکھنا ہے —— (۳۲ : ۱۲)

—— (٠) ——

۶۰- اعراض

اعراض:- مادہ (ع - ر - ض)۔ اَعْرَضَ عَنْہُ کے معنی ہوتے ہیں اس نے پیٹھ موڑ لی۔ اعراض برتنا، روگردانی کی، پہلوتہی کی، گریز کی راہیں نکالیں۔ پھر گیا۔ انہی معنوں میں دوسرا لفظ تَوَلّٰی عَنْہُ آتا ہے۔

ایک چیز ہے کسی بات سے انکار کرنا۔ اس کی مخالفت کرنا۔ اسے کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسری چیز ہے اس بات سے پہلوتہی کرنا، روگردانی کرنا، گریز کی راہیں نکالنا۔ یہ اعراض ہے یعنی اس سے انکار نہ کرنا لیکن عملاً اس سے پہلوتہی کرنا۔ یہ مومنین کا شیوہ نہیں۔

—— (٠) ——

اہل کتاب کا اعراض

(۱) بنی اسرائیل سے بعض امور کا اقرار لیا۔ انہوں نے اقرار کر لیا لیکن بعد میں ان باتوں سے اعراض برتنے لگے۔ (دیکھئے۔ یہاں ان باتوں سے انکار کرنا نہیں کہا گیا۔ پہلو تہی کرنا کہا گیا ہے۔ یعنی وہ ان باتوں کو زبان سے بدستور مانتے تھے، لیکن عملاً ان سے پہلو تہی کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اعراض کا تعلق عمل سے ہے۔) جو قوم کسی بات سے عملاً پہلو تہی کرتی ہے، اس بات کا اقرار اسے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا — (۲: ۸۳)

(۲) اگر اہل کتاب اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ سیدھے راستے پر سمجھے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ اس سے پھر جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس دین کے مخالف ہیں — (۲: ۱۳۷)

(۳) اہل کتاب سے کہو کہ وہ اس دین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو وہ سیدھے راستے پر سمجھے جائینگے۔ اگر پھر جائیں تو اس کی ذمہ داری تم پر نہیں — (۳: ۱۹)

(۴) اہل کتاب کو کتاب اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی جاتی ہے لیکن ان میں کا ایک فریق اس سے پہلو تہی کرتا ہے — (۳: ۲۲)

(۵) اگر اہل کتاب قرآن کی دعوت سے اعراض برتیں تو یہ ان کے مفسد ہونے کی دلیل ہوگی — (۳: ۶۱-۶۲)

(۶) اہل کتاب کو توحیدِ خالص کی دعوت دو۔ اگر یہ اس سے روگردانی کریں تو تم اس پر قائم رہو — (۳: ۶۳)

(۷) ہر جانے والا رسول اپنی امت سے اقرار لیتا تھا کہ تم بعد میں آنے والے رسول کی تائید کرنا۔ اس اعتبار سے رسول اللہ پر ایمان اور آپؐ کے مشن کی تائید تمام سابقہ اہل کتاب پر واجب ہے۔ اگر یہ اس سے روگردانی کرتے ہیں تو یہ فسق ہے۔ یعنی صحیح راستے سے ہٹ کر ایک طرف ہو جانا — (۳: ۸۰-۸۱)

(۸) اگر اہل کتاب تمہارے پاس (اے رسول!) کسی بات کا فیصلہ کرانے کے لئے آئیں تو تم اپنی صوابدید کے مطابق طے کرو کہ ان کے معاملہ میں پڑنا چاہیئے یا نہیں — (۵: ۴۲)

(۹) ان لوگوں نے ہمیشہ یہ کیا کہ جو رسول بھی خدا کا پیغام لے کر آیا انہوں نے اس سے روگردانی کی — (۶: ۴)
(۵: ۲۶) — (۴۶: ۳۶) — (۶: ۶۴) — (۶-۵: ۷۱)

اطاعت سے اعراض (۱) اگر یہ لوگ اطاعت کریں تو مومن ہیں۔ اگر اس سے روگردانی کریں

تو یہ کفر ہے ــــــ (۳۱ : ۳)

(۲) اگر یہ لوگ اطاعت سے اعراض برتیں تو دکھ اپنا ہی بگاڑیں گے، تو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا ــــــ (۴ : ۸۰) ــــــ (۴۸ : ۴۲)

(۳) قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے اعراض کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے ــــــ (۳ : ۱۱)

(۴) اطاعت سے منہ پھیر لینا، انسان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے ــــــ (۵۱ ــ ۴۷ : ۲۴)

(۵) جہاد کے احکام کے سلسلہ میں اطاعت سے روگردانی کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے ــــــ (۱۶ ــ ۱۷ : ۴۸)

(۶) اطاعت یہ ہے کہ اسلامی نظام جو کچھ مانگے دیدیا جائے۔ جو تھوڑا سا دے کر رک جائے، وہ اطاعت سے روگردانی کرتا ہے ــــــ (۳۴ ــ ۳۳ : ۵۳)

(۷) اطاعت سے اعراض کر دگے تو رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا ــــــ (۱۲ : ۶۴)

(۸) منافقین کہتے تھے کہ اگر خدا ہمیں مرفہ الحال کر دے تو ہم اس کی راہ میں بہت کچھ دیں۔ جب وہ مرفہ الحال ہوئے تو لگے اعراض برتنے ــــــ (۷۶ ــ ۷۵ : ۹)

(۹) خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس سے روگردانی مت کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو ــــــ (۲۰ : ۸)

قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے

(۱) قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے تباہ ہو جاتے ہیں ــــــ (۳ : ۱۱) ــــــ (۸۱ : ۱۵) ــــــ (۱۰۰ ؛ ۸۴ : ۲۰) (۶ ــ ۴ : ۵۴) ــــــ (۱۷) ــــــ (۷۲ : ۱۷) ــــــ (۲۴ ــ ۲۳ : ۸۸) ــــــ (۱۶ ــ ۱۵ : ۹۲) ــــــ (۱۴ ــ ۱۳ : ۹۶)

(۲) قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟ ــــــ (۵۷ : ۱۸) ــــــ (۲۲ : ۳۲)

(۳) قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والوں کی روزی تنگ ہو جاتی ہے ــــــ (۱۲۴ : ۲۰)

(۴) تباہی ان کے سر پر آکھڑی ہوتی ہے اور یہ لوگ ابھی تک غفلت میں منہ پھیرے پڑے ہیں ــــــ (۱ : ۲۱)

(۵) ان کی حفاظت قوانینِ خداوندی کی رو سے ہوتی ہے اور یہ انہی کی طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں ــــــ (۴۲ : ۲۱)

(۶) ان تک خدا کا پیغام پہنچا دو۔ اگر یہ پھر بھی روگردانی کریں تو اس کی ذمہ داری تم پر نہیں ــــــ (۱۰۹ : ۲۱) (۴۸ : ۴۲) ــــــ (۲۳ ــ ۲۲ : ۸۸)

(۷) قرآن انہیں شرف و عزت عطا کرنے کے لئے دیا گیا ہے اور ان کی حماقت دیکھو کہ یہ اپنے ہی شرف و عزت

سے روگردانی کرتے ہیں ——(۷۰ : ۲۳)

(۸) خدا کے ہر قانون سے اعراض برتنے والے ——(۴۶ : ۳۶)——(۱۴ : ۴)

(۹) اگر تم قوانینِ خداوندی سے اعراض برتو گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا ——(۳۸ : ۴۷)

(۱۰) جو قوانینِ خداوندی سے پیٹھ موڑ کر چل دیتا تھا جہنم اسے بلاتی ہے ——(۱۷ : ۷۰)——(۱۷ : ۷۲)

(۱۱) تکذیب کرنے والا اور منہ پھیر کر چل دینے والا ——(۳۲ : ۷۵)—(۱۶ : ۹۲)—(۱۳ : ۹۶)

(۱۲) اہلِ سبا نے ایسا کیا تو ان پر سیلاب آگیا ——(۱۵ : ۳۴)۔ قوم عاد و ثمود بھی اسی طرح تباہ ہو گئے (۱۳ : ۴۱)

(۱۳) تم ان کے اعراض سے افسردہ خاطر نہ ہو ——(۳۵ : ۶)

(۱۴) بربنائے جہالت اعراض برتنے والے ——(۲۴ : ۲۱)

(۱۵) ذکر الرحمٰن سے اعراض ——(۵ : ۲۶)؛ تذکرہ سے اعراض ——(۴۹ : ۷۴)

(۱۶) جب قرآن میں خدائے واحد کا ذکر آتا ہے تو اس سے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں ——(۴۶ : ۱۷)

(۱۷) فرعون نے بھی وحیٔ خداوندی سے اعراض برتا ——(۶۰ : ۲۰)——(۳۹ : ۵۱)

(۱۸) تھوڑا سا دیتا ہے پھر ہاتھ روک لیتا ہے۔ یہ وحیٔ خداوندی سے اعراض برتتا ہے ——(۳۴ : ۵۳)

(۱۹) صلّیٰ کے مقابلہ میں تولّیٰ آیا ہے۔ صلّیٰ۔ کسی کے پیچھے پیچھے چلے جانا۔ تولّیٰ۔ منہ پھیر کر چل دینا ——(۳۱-۳۲ : ۷۵)

(۲۰) کفر اور تولّیٰ اکٹھا آیا ہے ——(۲۲ : ۸۸)

(۲۱) اگر یہ لوگ وحی سے اعراض برتیں تو ان سے کہدو کہ ہمارے لئے خدا کافی ہے ——(۱۲۹ : ۹)؛ تیرا کام ان تک پیغام پہنچا دینا تھا ——(۹۲ : ۵)——(۳ : ۹)——(۷۲ : ۱۰)——(۵۷ : ۱۱)——(۸۲ : ۱۶)——(۱۲ : ۶۴)

(۲۲) رسول اللہؐ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ کوئی اور اسے پڑھا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں ——(۱۴ : ۴۴)۔ کہتے ہیں کہ کیا ہمارے ہی جیسا ایک انسان ہمارا راہ نما بننے کے لئے آگیا ہے (۶ : ۶۴)

(۲۳) اعراض برتو گے تو خود تباہ ہو جاؤ گے ——(۳ : ۱۱)——(۵۴ : ۲۴)

منافقین سے اعراض

(۱) منافقین سے اعراض برتیئے۔ لیکن اس کے باوجود ان تک صحیح پیغام پہنچاتے رہیئے (شاید ان کے دل میں کبھی کوئی بات اتر جائے) ——(۶۱-۶۳ : ۴)

(۲) منافقین سے اعراض برتیے اور اپنے مشن کی محکمیت پر بھروسہ رکھیے ۔۔۔ (۴ : ۸۱)

(۳) جب منافقین کو خدا اور رسول کی طرف آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ متکبرانہ سر پھیر کر چل دیتے ہیں (۶۳ : ۵)

(۴) جہاد سے منہ چرانے والے منافقین سے اعراض برتو ۔۔۔ (۹ : ۹۵)

کفار اور مشرکین سے اعراض

(۱) وحی کا اتباع کرو اور مشرکین سے اعراض برتو ۔۔۔ (۶ : ۱۰۷) ۔۔۔ (۱۵ : ۹۴) ۔۔۔ (۳۰ : ۳۲)

(۲) رسول اپنا پیغام پہنچاتے چلا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ مخالفین اپنی ضد اور مخالفت میں انتہا تک پہنچ گئے۔ ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں۔ یہ اب تباہ ہو کر رہیں گے، تو با دلِ ناخواستہ ان سے اعراض اختیار کر لیتا ہے ۔۔۔ (۷ : ۱۸۰)۔ (اور کسی دوسرے مقام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جہاں کی فضا اس کے مشن کے لئے زیادہ سازگار ہوتی ہے)۔

(۳) اس قدر غمخوار اور ہمدرد رسول ان کی طرف آیا۔ اگر اس سے بھی رو گردانی کرتے ہیں تو ان کی مرضی تم خدائی مشن کی محکمیت پر بھروسہ رکھو ۔۔۔ (۹ : ۱۲۹)

(۴) ان سے اعراض برتیے۔ ان کی تباہی عنقریب آیا چاہتی ہے ۔۔۔ (۳۷ : ۱۷۴ ۔ ۱۷۶) ۔۔۔ (۴۳ : ۸۹)

(۵) ان سے اعراض برتو۔ تم پر اس سے کسی قسم کی ملامت نہیں آئے گی ۔۔۔ (۵۱ : ۵۴)

(۶) جو ہمارے قوانین سے اعراض برتے اس سے تم اعراض برتو۔ ان کے پیش نظر صرف دنیاوی زندگی کا مفاد ہے۔ اس سے بلند کوئی مقصد ان کے سامنے نہیں ۔۔۔ (۵۳ : ۲۹)

اعراض کن لوگوں سے برتا جائیگا

(۱) مُردوں کو نہیں سنایا جا سکتا۔ بہروں کو بھی نہیں۔ جو لوگ منہ پھیر کر چل دیں، وہ اس سے کس طرح نفع یاب ہو سکیں گے ۔۔۔ (۲۷ : ۸۰) ۔۔۔ (۳۰ : ۵۲)

(۲) جو وحی سے منہ پھیر کر چل دے اور دنیاوی مفاد کو زندگی کا مقصد قرار دے لے ۔۔۔ (۵۳ : ۲۹) ان پر عذاب آئے گا۔ ان سے صرفِ نظر کر لو ۔۔۔ (۳۷ : ۱۷۴ ؛ ۱۷۸)۔ اس سے تم پر کوئی حرف نہیں آئے گا ۔۔۔ (۵۱ : ۵۴)۔ یہ خود عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔۔۔ (۵۴ : ۶)

عبرت آموز نشانیوں سے اعراض

(۱) زمین و آسمان میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن پر غور و خوض سے قانونِ خداوندی کی صداقت سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن یہ لوگ ان سے آنکھیں بند کئے، دامن بچاتے ہوئے گذر جاتے ہیں ـــــ (۱۰۵ : ۱۲)

(۲) مظاہرِ فطرت پر غور و فکر کی طرف سے اعراض برتنے والے ـــــ (۳۲—۳۱ : ۲۱)

(۳) انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے اور یہ اس سے اعراض برتتے ہیں ـــ (۳ : ۴۶)

(۴) انقلابِ عظیم کی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی اعراض برتیں گے ـــــ (۲—۱ : ۵۴)

(۵) ان کے سامنے اس قدر عبرت آموز باتیں آچکی ہیں لیکن یہ پھر بھی اپنی روش نہیں چھوڑتے۔ انہیں ان کی تباہ کن روش کے نتائج سے آگاہ کرنا، ان کے کسی کام نہ آیا۔ سو ان سے اعراض برتو ـــــ (۶—۴ : ۵۴)

(۶) فرعون نے سب کچھ دیکھ لینے کے باوجود پیٹھ پھیر لی ـــــ (۲۲ : ۷۹)

(۷) یہ ایک نبأِ عظیم ہے اور یہ لوگ اسی سے اعراض برت رہے ہیں ـــ (۶۸—۶۷ : ۳۸) ـــ (۳ : ۴۶)

(۸) ہر نشانی سے اعراض ـــــ (۴ : ۶) ـــ (۸۱ : ۱۵) ـــ (۴۶ : ۳۶)

متفرقات

(۱) سچی شہادت دینے سے پہلو تہی نہ کرو ـــــ (۱۳۵ : ۴)

(۲) لوگوں کا حق سے اعراض برتنا رسول اللہ پر گراں گذرتا تھا۔ (لیکن کسی کو زبردستی مسلمان بنانا مشیت کے پروگرام کے خلاف تھا) ـــــ (۳۵ : ۶)

(۳) جو لوگ احکامِ خداوندی کے متعلق بیہودہ باتیں کریں، ان سے پہلو تہی اختیار کرو ـــ (۶۸ : ۶) ـــ (۵۵ : ۲۸)

(۴) جو لوگ دین کو کھیل تماشا سمجھیں ان سے اعراض برتو۔ لیکن اس کے باوجود ان تک حق کی بات پہنچاتے رہو۔

(۷۰ : ۶)

(۵) جو اپنی جہالت سے نکلنا ہی نہ چاہیں ان سے اعراض برتو۔ (ان سے سر کھپائی کرنا خواہ مخواہ اپنے وقت اور توانائی کو ضائع کرنا ہے) ـــــ (۱۹۹ : ۷)

(۶) انسان کے لئے خدا نے اس قدر سامانِ نشو و نما عطا کیا ہے۔ اگر اس کے باوجود لوگ اس کے قوانین کی اطاعت

سے روگردانی اختیار کرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری رسول پر نہیں ــــ (۸۲ــ۸۰ : ۱۶)

(۷) انسان کو آسائش کی زندگی ملتی ہے تو خدا سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اور جب مصیبت پڑتی ہے تو چلاتا ہے اور نا اُمید ہو جاتا ہے ــ (۸۳ــ۸۲ــ۸۳ : ۱۷)۔ اہلِ سبا نے ایسا ہی کیا تھا ــ (۱۶ــ۱۵ : ۳۴) ــ (۵۱ : ۴۱)

(۸) جو شخص بات سنے ہی نہیں، منہ پھیر کر چل دے۔ اسے ہدایت کیا فائدہ دے سکتی ہے ــ (۸۰ــ۷۹ : ۲۷)(۵ــ۱ : ۴۱)

(۹) کفار کا انقلابِ عظیم کی طرف سے اعراض ــ (۶۸ : ۳۸)

(۱۰) اگر یہ لوگ ان تمام عقلی دلائل کے باوجود اعراض برتتے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں، تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دیا ہے۔ نہ مانو گے تو تباہ ہو جاؤ گے ــ (۱۳ : ۴۱)

(۱۱) حضورؐ سے کہا گیا کہ جو غریب آدمی صداقت معلوم کرنے کا ذوق لے کر آئے اس کی طرف پہلے توجہ دو، بمقابلہ ان دولتمندوں کے جو ان باتوں سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھیں ــ (۵ــ۱ : ۸۰)

(۱۲) کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں۔ جب وہ ساحل پر آلگتی ہے تو اعراض برتنے لگ جاتے ہیں۔ (۶۷ : ۱۷)

(۱۳) جن کی مدد نہ کر سکو تو ان سے بیشک اعراض برتو لیکن ان سے بات نہایت نرمی سے کرو ــ (۲۸ : ۱۷)

(۱۴) جو لوگ عقل و فکر سے کام نہ لے کر، اسلام اختیار نہیں کرتے، اگر ان پر اسلام ٹھونس دیا جائے تو وہ اس سے اعراض برت لینگے۔ اس لئے کسی کو زبردستی اسلام کے دائرے میں لانا یا اُسے اس میں رہنے پر مجبور کرنا غلط ہے ــ (۸ : ۲۳)

(۱۵) مومن، لغویات سے اعراض برتتے ہیں ــ (۳ : ۲۳)

ــــــ (۰) ــــــ

۶۱۔ اعراف

اعراف (ع۔ ر۔ ف)۔ بلند مقامات

یہ لفظ قرآن کریم میں (سورۃ اعراف میں) ایک ہی مقام پر دو جگہ آیا ہے۔ وہاں سلسلۂ کلام، اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے احوال و کوائف سے متعلق چلا آرہا ہے۔ لہٰذا، اہلِ اعراف کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے جنت اور جہنم (بالخصوص جنت) کا قرآنی مفہوم سامنے ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے آپ "جنت" کا عنوان دیکھئے۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ عام

طور پر جنت، زندگی کی اُس ارتقائی منزل کا نام ہے جو مرنے کے بعد ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو اپنے دنیاوی اعمال کے نتیجے میں اپنی ذات میں آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا کر چکے ہوں گے لیکن قرآن کریم سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اُس معاشرہ کی زندگی کو بھی، جو قرآن کریم کے مطابق اِس دنیا میں متشکل ہو "جنت کی زندگی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے جہاں اہلِ اعراف ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو مرنے کے بعد کی جنت میں مقابلتہً بلند مقامات پر ہوں گے۔ وہاں اس سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو اِس دنیا کی زندگی میں قرآنی معاشرہ کے اربابِ نظم و نسق ہوں گے۔

سورۃ اعراف میں ہے کہ یہ لوگ، ان لوگوں کو دیکھیں گے جو ہنوز "جنت" میں داخل تو نہیں ہوتے لیکن اس میں آنے کے متمنی ہیں تو ان سے کہیں گے کہ آگے بڑھئے اور ہر طرح کی سلامتی حاصل کر لیجئے (۷/۴۶) پھر وہ ان لوگوں سے مخاطب ہوں گے جو جہنمی زندگی بسر کر رہے ہوں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم نے دیکھ لیا کہ جن لوگوں کے متعلق تم طرح طرح کی باتیں کیا کرتے تھے وہ آج کس طرح سرور و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں ـــــ (۷:۴۸)

[یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اعراف، جنت اور دوزخ کے درمیان ایسا مقام ہے جہاں وہ لوگ ہونگے جن کے متعلق ابھی فیصلہ نہیں ہوا ہوگا کہ وہ جنت میں جائینگے یا دوزخ میں، تو قرآن سے اس تصور کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن کی رُو سے مقام دو ہی ہیں ـــ جنت اور جہنم۔]

ـــــــــ (۰) ـــــــــ

۶۲۔ اعمال

(عمل ـــ ایمان و عمل ـــ اعمال صالحہ)

مادہ (ع۔م۔ل)۔ بمعنی کام۔ یہ لفظ بالعموم ہر اس کام کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی جاندار سے بالارادہ سرزد ہو۔ بعض لغوئین کا خیال ہے کہ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام محض ہنگامی طور پر سرزد نہ ہو گیا ہو بلکہ وہ عام طور پر کیا جاتا ہو۔ ایمان نام ہے احکام و قوانینِ خداوندی کی صداقت کو دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ تسلیم کر لینے کا اور عمل نام ہے ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا۔ وہ ایمان جس کی شہادت انسان کے اعمالِ حیات نہ دیں، محض رسمی اقرار ہے جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اور وہ کام جن کا محرک انسان کا ایمان نہ ہو، وہ یا تو محض میکانکی (رسمی یا تقلیدی) طور پر سرزد ہوتے ہیں اور ہنگامی جذبات کے تابع۔ نتیجہ خیز اعمال وہی ہیں جو انسان سے اس کے دل و دماغ

کی رضامندی سے شعوری طور پر بالارادہ سرزد ہوں اور جن کے مطابق انسان کی پوری زندگی ڈھلی ہوتی ہو۔ (نیز دیکھئے عنوان "ایمان")۔

ہمارے ہاں عام طور پر "عمل" اور "کام" میں فرق کیا جاتا ہے۔ دنیاوی امور کے لئے کام کا لفظ بولا جاتا ہے اور عمل سے مراد ہوتی ہے مذہبی امور کی سرانجامدہی۔ مثلاً نماز روزہ وغیرہ۔ قرآن کی رُو سے یہ تفریق صحیح نہیں "عمل" انسان کے ہر کام کو کہتے ہیں۔ اعمال صالح کے معنی ہیں اچھے کام۔ یعنی وہ کام جن سے انسان کی صلاحیتیں نشوونما حاصل کریں اور معاشرہ کی ناہمواریاں دور ہوں۔

(۰)

جنّت اور ہر قسم کے خوشگوار نتائج ایمان وعمل کا نتیجہ ہیں

(۱) ایمان واعمال صالح (یعنی قرآن کریم کے مطابق اعمال) کا نتیجہ جنت ہے — (۲:۲۵؛ ۸۲)
(۴:۵۷؛ ۱۲۲) — (۵:۹) — (۷:۴۲) — (۹:۷۲؛ ۸۸—۸۹) — (۱۰:۹) — (۱۱:۲۳-۲۴)
(۱۴:۲۳) — (۱۸:۲—۳؛ ۱۰۷—۱۰۸) — (۱۹:۶۰) — (۲۰:۷۵—۷۶) (۲۲:۱۴؛ ۵۶)
(۲۹:۵۸) — (۳۰:۱۵) — (۳۱:۸) — (۴۰:۷—۸) — (۴۰:۴۰) — (۴۲:۲۲) —
(۴۵:۳۰) — (۴۷:۱۲) — (۴۸:۲۹) — (۶۴:۹) — (۶۵:۱۱) — (۹۸:۷—۸) —

(۲) نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا رُخ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ اصل نیکی ایمان اور اعمال صالح کی ہے۔ — (۲:۱۷۷)

(۳) ایمان وعمل سے پورا پورا بدلہ ملتا ہے — (۳:۵۶؛ ۱۹۴) — (۴:۱۲۴؛ ۱۷۳) — (۱۸:۳۰)

(۴) جو کوئی غلطی کر بیٹھے لیکن پھر قوانینِ خداوندی کو سامنے لے آئے اور اس طرح اپنی اصلاح کر لے اسے جنت مل جاتی ہے — (۳:۱۳۴)

(۵) جو لوگ ہجرت کی نیت سے نکل کھڑے ہوئے اور پھر انہیں موت آگئی تو ان کا اجر خدا کے ذمے ہے — (۴:۱۰۰)

(۶) حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی آرائش کر دینا عمل نہیں۔ جہاد عمل ہے۔ اس سے جنت ملتی ہے (۹:۱۹-۲۱)

(۷) جنت تو جان اور مال کی قیمتِ فروخت ہے — (۹:۱۱۱)

(۸) جنت استقامت سے ملتی ہے — (۱۱:۱۱)

(۹) طوبیٰ لھم و حسن مآب ـــ (۱۳:۲۹)

(۱۰) جنت اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے ـــ (۷:۴۲) ـ (۱۶:۳۲) ـ (۲۹:۵۸–۵۹) ـ (۳۹:۷۴)
(۴۳:۷۲) ـ (۴۶:۱۶) ـ (۵۶:۲۴؛) ـ (۷۶:۵–۱۲) ـ (۷۷:۴۳) ـ (۸۵:۱۱)
(۸۸:۹–۱۰)

(۱۱) ایمان و اعمال سے حیات طیّبہ ـــ (۱۶:۹۷)

(۱۲) ایمان و عمل سے اجر کبیر ـــ (۱۷:۹)

(۱۳) ایمان و اعمال صالح کا بدلہ بہت اچھا ملتا ہے ـــ (۱۸:۸۸) ـ (۲۰:۱۱۲) ـ (۲۱:۹۴) ـ (۲۸:۸۰)
(۲۹:۷؛ ۹) ـ (۳۰:۴۴–۴۵) ـ (۳۵:۸؛ ۲۹–۳۰) ـ (۳۹:۷۰) ـ (۴۱:۸) ـ
(۷۳:۲۰) ـ (۸۴:۲۵) ـ (۹۵:۶)

(۱۴) صحیح توبہ، ایمان و عمل کا نام ہے ـــ (۲۵:۷۰–۷۱) ـ (۲۸:۶۷)

(۱۵) ایمان و عملِ صالح سے حالت سنور جائے گی ـــ (۴۷:۲)

(۱۶) جو خدا کی راہ میں قتل ہوئے ان کے اعمال رائیگاں نہیں جائیں گے ـــ (۴۷:۴)

(۱۷) ایمان و اعمال سے ایسی تجارت حاصل ہوتی ہے جس میں نقصان کا امکان نہیں ـــ (۶۱:۱۰–۱۳)

(۱۸) صالح مومن حضورؐ کے ساتھی تھے ـــ (۴:۶۶)

(۱۹) مومنین کی صفات ـــ اعمالِ حسنہ یعنی بلندیٔ کردار ـــ (۷۰:۲۲–۳۵)

(۲۰) انسان (وحی کی راہ نمائی کے بغیر) تباہی میں رہتا ہے۔ ایمان و اعمالِ صالح سے اس سے حفاظت مل سکتی ہے ـــ (۱۰۳:۳)

ایمان و عمل کا نتیجہ بے خوفی

(۱) آدم سے کہا گیا کہ جو بھی خدا کی راہ نمائی کا اتباع کرے گا اسے خوف و حزن نہیں ہوگا ـــ (۲:۳۸)
(۶:۴۸) ـــ (۷:۳۵)

(۲) مسلمان ہوں، یہود، نصاریٰ، صابئین ہوں۔ جو بھی خدا اور آخرت پر (قرآن کے مطابق) ایمان لائیں گے، اور اعمال صالح کرینگے، ان کا اجر ملے گا۔ انہیں خوف و حزن نہیں ہوگا ـــ (۲:۶۲) ـ (۵:۶۹)

(۳) ایمان وعمل سے ولی اللہ بنتا ہے اور اس کی نشانی خوف وحزن سے مامونیت ہے ــــ (۶۴ــ۶۲ : ۱۰)

(۴) کفرانِ نعمت سے بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے ــــ (۱۱۲ : ۱۶)

(۵) ایمان واستقامت سے خوف وحزن نہیں رہتا ــــ (۱۳ : ۴۶)

ایمان بلا عمل کچھ فائدہ نہیں دیتا

(۱) جو ایسے وقت ایمان لائے جب عمل کا موقعہ ہی باقی نہ ہو تو اس کا ایمان نفع بخش نہیں ہو سکتا ــــ (۱۵۹ : ۶)

(۲) دعوئے ایمان کے ساتھ اگر اطاعت نہیں تو وہ ایمان بے کار ہے ــــ (۹۳ : ۲)

(۳) سودخوار مسلمان کے لئے وہی جہنم ہے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے ــــ (۱۳۰ــ۱۲۹ : ۳)

(۴) کیا تم سمجھتے ہو کہ جہاد کے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے؟ ــــ (۱۴۱ : ۳) ــ (۱۶ : ۹) ــ (۲ــ۱ : ۲۹)

(۵) جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ان کاموں کی بنا پر کی جائے جنہیں وہ کرتے نہیں، وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے ــــ (۱۸۷ : ۳)

(۶) جنہوں نے بلا عذر ہجرت نہیں کی وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے ــــ (۹۹ــ۹۷ : ۴)

(۷) محض مقدس آرزوؤں سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر مسلمان بھی غلط کار ہوگا تو سزا بھگتے گا ــــ (۱۲۳ : ۴)

(۸) جنت، اعمال کے بدلے میں ملتی ہے ــ (۴۳ : ۷) ــ (۳۲ : ۱۶) ــ (۹۷ : ۱۶) ــ (۲۴ : ۵۶)

(۹) میدان جنگ میں پیٹھ دکھا جانے والا سیدھا جہنم میں جائے گا ــــ (۱۶ : ۸)

(۱۰) جن لوگوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے انہیں پناہ دی (یعنی مہاجر اور انصار) یہ مومن حقا تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی، ان کی حمایت بھی فرض نہیں تھی ــــ (۷۵ــ۷۲ : ۸)

(۱۱) اگر دنیا کی کوئی جاذب چیز بھی خدا اور رسول سے زیادہ عزیز ہوگئی تو خدا کے عذاب کا انتظار کرو ــ (۲۴ : ۹)

(۱۲) جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم آجائے گی ــ (۳۹ : ۹)

(۱۳) صحیح ایمان والا عمل سے جی نہیں چرائے گا ــــ (۴۴ : ۹)

(۱۴) منافق کی پرکھ عمل کے وقت ہوتی ہے۔ ان سے معاشرتی تعلقات بھی نہیں رکھنے چاہئیں ــــ (۸۱ ـ ۷۵ : ۹)

(۱۵) دعویٰ بلا عمل محض شاعری ہے۔ مومن کا شعار ایمان با عمل ہے ــــ (۲۲۷ــ۲۲۴ : ۲۶)

(۱۶) عملِ صالح، خدا کے نظریہ حیات کو بلند کرتا ہے ــــ (۱۰ : ۳۵)

(۱۷) اطاعت نہ کی جائے تو اعمال غارت ہو جاتے ہیں ـــ (۳۳ : ۷۴)
(۱۸) انفاق فی سبیل اللہ نہیں کرو گے تو تمہاری جگہ خدا دوسری قوم لے آئے گا ـــ (۳۸ : ۴۷)
(۱۹) جہاد سے جی چرایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا ایمان ہی نہیں ـــ (۱۳-۱۱ : ۴۸)
(۲۰) اطاعت کرو گے تو سمجھا جائے گا کہ ایمان تمہارے دل میں اتر گیا ہے ـــ (۱۴ : ۴۹)
(۲۱) جو لوگ ایمان لائے اور پھر جہاد کیا تو یہ لوگ اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہیں ـــ (۱۵ : ۴۹)
(۲۲) حدود اللہ کی پاسداری سے ایمان کی شہادت ملتی ہے ـــ (۴ : ۵۸)
(۲۳) جو بات کہتے ہو وہ کر کے کیوں نہیں دکھاتے ـــ (۳-۲ : ۶۱)
(۲۴) تورات پر ایمان کے مدعی لیکن اس پر عمل نہ کرنے والے، اس گدھے کی مانند ہیں جس پر کتابیں لدی ہوں ـــ (۵ : ۶۲)
(۲۵) جس نے اپنے ایمان کے ساتھ عملِ خیر شامل نہ کیا اس کا ایمان اسے فائدہ نہیں دے سکتا ـــ (۱۵۹ : ۶)

عمل بلا ایمان نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا

(۱) عمل کے لئے ایمان شرط ہے ـــ (۱۲۴ : ۴)
(۲) اہل کتاب اگر قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں مومن نہیں کہا جا سکتا ـــ (۹۱ : ۲)
(۳) جو دین سے مرتد ہو جائے اس کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں ـــ (۲۱۷ : ۲)
(۴) اہل کتاب اگر ایمان لائیں گے اور تقویٰ اختیار کریں گے تو جنت مل سکے گی ـــ (۶۵ : ۵)
(۵) جو ایمان نہیں لاتے ان پر رجس مسلط ہو جاتی ہے ـــ (۱۲۶ : ۶)
(۶) ظاہر داری کے رسمی اعمال بے معنی ہیں ـــ (۱۷۷ : ۲) ـــ (۲۱-۱۹ : ۹)
(۷) مسجد ضرار کا واقعہ ـــ (۱۰۷-۱۰۹ : ۹)
(۸) آخرت پر ایمان نہ لانے سے عذاب ـــ (۱۰ : ۱۷)
(۹) طبعی امور میں البتہ ایمان کا سوال نہیں ہوتا ـــ (۲۱-۱۸ : ۱۷)۔ یعنی قوانین فطرت کے مطابق عمل کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم، اسے اس کے کام کا نتیجہ مل جاتا ہے۔
(۱۰) ایمان کے بغیر اعمال رائیگاں جائینگے۔ ایسے اعمال کے لئے میزان تک کھڑی نہیں جائے گی ـــ (۲۱۷ : ۲)

(۳ : ۲۱) — (۵ : ۵ ; ۵۳) — (۶ : ۸۹) — (۷ : ۱۴۷) — (۹ : ۱۷ ; ۶۹) — (۱۱ : ۱۲) —

(۱۸ : ۱۰۳—۱۰۵) ——— (۳۳ : ۱۹) — (۴۷ : ۱ ; ۹ ; ۲۸ ; ۳۲) — (۴۹ : ۲) —

(۱۱) اعمال کے ساتھ توحید ضروری ہے ـــ (۱۸ : ۱۱۰)

(۱۲) ایمان کے ساتھ باقی خوبیاں ہونی چاہئیں ـــ (۱۷ : ۹۰)

کام کرنیوالے اور نہ کرنیوالے برابر نہیں ہو سکتے

(۱) مجاہدین اور بیٹھے رہنے والے برابر نہیں ہو سکتے ـــ (۴ : ۹۵)

(۲) خدا، انسانوں کا دوست ان کے اعمال کی بنا پر ہوتا ہے ـــ (۶ : ۱۲۸) — (۱۰ : ۶۲—۶۴)

(۳) مدارج کا تعین اعمال کے مطابق ہوتا ہے ـــ (۶ : ۱۳۳) — (۹ : ۱۹—۲۱) — (۲۰ : ۷۵) — (۴۶ : ۱۹) — (۵۸ : ۱۱)

(۴) رسمی اور فروعی کام نیکیاں نہیں۔ اصل نیکی مجاہدانہ زندگی بسر کرنا ہے ـــ (۲ : ۱۷۷)

(۵) غم اور خوشی اعمال کی وجہ سے ہے ـــ (۹ : ۸۲)

(۶) خدا کا قرب اور رسول کی دعائیں اعمال کی وجہ سے حاصل ہوتی ہیں ـــ (۹ : ۹۸—۹۹)

(۷) ایمان کی پہچان عمل سے ہوتی ہے ـــ (۹ : ۱۰۵) — (۲۴ : ۵۳)

(۸) مجاہدین کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سب نیکیوں میں شمار ہوتا ہے ـــ (۹ : ۱۲۰)

(۹) امم سابقہ کے بعد تمہیں استخلاف فی الارض دیا، یہ دیکھنے کے لئے کہ تم کیسے کام کرتے ہو ـــ (۷ : ۱۲۹) — (۱۰ : ۱۴) — (۱۶ : ۹۳)

(۱۰) تمام انبیاء کو اعمالِ صالح کی تاکید ـــ (۲۳ : ۵۱)

(۱۱) شعراء زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو کر کے نہیں دکھاتے۔ یعنی ایمان کا دعویٰ بلا عمل محض شاعری ہے۔ مومن ایمان کے ساتھ اعمال صالح کا مظاہرہ کرتا ہے ـــ (۲۶ : ۲۲۴ ـــ ۲۲۷)

(۱۲) دنیا میں ایمان و اعمالِ صالح والے اور مفسدین یکساں نہیں ہو سکتے ـــ (۳۸ : ۲۸) — (۴۰ : ۵۸) — (۴۵ : ۲۱)

(۱۳) قبل از فتح اور بعد فتح انفاق کرنے والے بھی برابر نہیں ہو سکتے ـــ (۵۷ : ۱۰)

دین کی صداقت کی نشانی، مومنین کے اعمال کے نتائج ہیں

(۱) کفار سے کہا گیا کہ تم اپنی جگہ کام کرو میں اپنی جگہ کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دیں گے کہ کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے — (۶:۱۳۶) — (۱۱:۱۲۱)

(۲) جو شخص صرف دنیاوی مفاد چاہتا ہے اسے یہ مل جاتے ہیں جو دنیا اور آخرت کے مفاد چاہتا ہے، اُسے وہ مل جاتے ہیں۔ یہ ایمان وعمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اول الذکر صرف طبعی امور کے نتائج ہوتے ہیں جن کیساتھ ایمان کی شرط نہیں — (۱۷:۱۸ — ۲۱)

(۳) وراثتِ ارض، عباد الصالحون کے لئے ہے — (۲۱:۱۰۵)

(۴) ایمان وعملِ صالح سے رزقِ کریم (عزت کی روٹی) — (۲۲:۵۰)

(۵) ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ اس دنیا میں حکومت وتمکن ہے۔ اسی سے دین کا قیام اور توحید کا ثبات ہوتا ہے — (۲۴:۵۵)

ایمان و اعمالِ صالحہ

(۱) اس کا اجر خدا سے ملے گا — (۲:۶۲ ; ۲۷۷) — (۳:۵۷ ; ۱۹۴) — (۴:۱۷۳) — (۱۰:۴) — (۱۸:۳۰) — (۱۸:۸۸) — (۲۱:۹۴) — (۲۴:۳۸) — (۲۸:۸۰) — (۳۰:۴۵) — (۳۴:۴) — (۳۴:۳۷) — (۴۱:۸) — (۸۴:۲۵) — (۹۵:۶)

(۲) خوف وحزن نہیں ہوگا — (۵:۶۹) — (۲۰:۱۱۲)

(۳) اس سے خوشگوار زندگی نصیب ہوگی — (۱۶:۹۷) — (۳۰:۴۴)

(۴) توبہ اور اعمالِ صالح کا خوشگوار نتیجہ — (۶:۵۴) — (۷:۱۵۳) — (۱۹:۶۰) — (۲۰:۸۲) — (۲۵:۷۰ ; ۷۱) — (۲۸:۶۷)

(۵) بلند مدارج — (۶:۱۳۲) — (۲۰:۷۵) — (۴۶:۱۹) — (۵۸:۱۱)

(۶) جنّت — (۲:۲۵ ; ۸۲) — (۳:۱۳۵) — (۴:۵۷ ; ۱۲۲ ; ۱۲۴) — (۱۱:۲۳) — (۱۴:۲۳) — (۱۸:۱۰۷) — (۲۲:۱۴ ; ۲۳) — (۲۲:۵۶) — (۲۹:۵۸) — (۳۰:۱۵) — (۳۱:۸) — (۳۲:۱۹)

(۴۰ : ۴۰) — (۲۲ : ۴۲) — (۱۲ : ۴۷) — (۱۱ : ۶۵) — (۱۱ : ۸۵)

(۷) دعوت الی اللہ اور عملِ صالح ۔۔ (۳۳ : ۴۱)

(۸) ہر عملِ صالح اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے ۔۔ (۴۶ : ۴۱) ۔۔ (۱۵ : ۴۵)

(۹) مغفرت اور اجرِ عظیم ۔۔ (۹ : ۵) ۔۔ (۱۱ : ۱۱) ۔۔ (۹ : ۱۷) ۔۔ (۲ : ۱۸) ۔۔ (۵۰ : ۲۲) ۔۔ (۲۶ : ۲۴) ۔۔
(۷ : ۳۵) ۔۔ (۳۰ : ۴۵) ۔۔ (۲۹ : ۴۸)

(۱۰) انسانی ذات کی وسعت ہوتی ہے ۔ (۷ : ۴۲)

(۱۱) ہدایتِ خداوندی ۔۔ (۹ : ۱۰)

(۱۲) طوبیٰ لہم وحسن مآب ۔۔ (۲۹ : ۱۳)

(۱۳) مودتِ خداوندی ۔۔ (۹۶ : ۱۹)

(۱۴) استخلاف فی الارض ۔۔ (۵۵ : ۲۴)

(۱۵) ناہمواریاں دور ہو جائیں گی ۔ (۷ : ۲۹) ۔ (۲ : ۴۷) ۔ (۹ : ۶۴)

(۱۶) صالحین میں شمار ہوگا ۔۔ (۹ : ۲۹)

(۱۷) یہ لوگ باہمی معاملات میں دھاندلی نہیں کرتے ۔ (۲۴ : ۳۸)

(۱۸) ایمان و اعمالِ صالح والوں کی حالت دنیا میں مفسدین جیسی نہیں ہو سکتی ۔۔ (۲۸ : ۳۸) ۔۔ (۵۸ : ۴۰)
نہ انکی زندگی ایک جیسی نہ موت ۔۔ (۲۱ : ۴۵)

(۱۹) خوشگواریوں کی بشارت ۔۔ (۲۳ : ۴۲)

(۲۰) ظلمات سے نور کی طرف اخراج ۔۔ (۱۱ : ۶۵)

(۲۱) یہ خیر البریہ (بہترین مخلوق) ہیں ۔۔ (۷ : ۹۸)

(۲۲) یہ خسارے میں نہیں رہتے ۔۔ (۳ : ۱۰۳)

(۲۳) مرنیوالے کی حسرت کہ ایک بار موقعہ مل جائے تو میں عملِ صالح کروں ۔ (۱۰۰ : ۲۳) ۔ (۱۲ : ۳۲) ۔ (۳۷ : ۳۵)

(۲۴) انبیاء کی آرزو عملِ صالح کی ۔۔ (۱۹ : ۲۷)

(۲۵) مومنین کی آرزو ۔۔ (۱۵ : ۴۶)

(۲۶) رسولوں کو حکم کہ عملِ صالح کریں ۔ (۵۱ : ۲۳) ۔ (۱۱ : ۳۴)

(۲۷) جو لقاءِ رب چاہتا ہے وہ عملِ صالح کرے ۔ (۱۱۰ : ۱۸)

(۲۸) حضرت نوحؑ کے بیٹے کے اعمال غیر صالح تھے ۔ (۴۶ : ۱۱)

متفرقات

(۱) ایمان و اعمالِ صالح سے سابقہ لغزشوں کی تلافی ہو جاتی ہے ۔ (۹۳ : ۵)

(۲) سلسلۂ کائنات اعمال کے نتائج مرتب کرنے کے لئے سرگرمِ عمل ہے ۔۔ (۷ : ۱۱)

(۳) دنیا کی زینت وجہِ جاذبیت ہے ۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے ۔۔ (۷ : ۱۸)

(۴) مال اور اولاد میں کشش ضرور ہے لیکن بقا اعمالِ صالح کے لئے ہی ہے ۔۔ (۴۶ : ۱۸) ۔ (۷۶ : ۱۹)

(۵) ایمان و اعمالِ صالح سے محبت پیدا ہوگی ۔۔ (۹۶ : ۱۹)

(۶) ایمان و اعمالِ صالح سے چھوٹی موٹی لغزشوں کے مضر اثرات سے حفاظت مل جاتی ہے ـــ (۲۰ : ۸۲)

(۷) قسمیں کھا کھا کر ایمان کے مظاہرہ کی ضرورت نہیں۔ ایمان اطاعت سے ظاہر ہو جاتا ہے ـــ (۲۴ ، ۵۳)

(۸) شکرِ نعمت، عمل سے ہوتا ہے ـــ (۲۷ : ۱۹)

(۹) قیامت میں مجرمین کہیں گے کہ ہمیں واپس بھیج دے۔ ہم عملِ صالح کریں گے۔ لیکن وقت کے دریا کا رُخ پیچھے کی طرف نہیں مُڑتا ـــ (۳۲ : ۱۲) ـــ (۳۵ : ۳۷)

(۱۰) میدانِ جنگ کے مصائب سے ایمان کی پرکھ ـــ (۳۳ : ۱۰-۱۱)

(۱۱) نبی کے گھرانے کی عورتوں کو بھی ایمان و عمل ہی کا بدلہ ملے گا ـــ (۳۳ : ۳۱)

(۱۲) قانونِ مکافات، ایمان و عملِ صالح کے نتائج مرتب کرنے کے لئے ہے ـــ (۳۴ : ۴)

(۱۳) حضرت داؤدؑ کو عملِ صالح کرنے کی تاکید ـــ (۳۴ : ۱۱)

(۱۴) جہنم بھی اعمال ہی کا نتیجہ ہے ـــ (۳۴ : ۳۳)

(۱۵) عملِ صالح، ایمان کی رفعت کا موجب ہوتا ہے ـــ (۳۵ : ۱۰)

(۱۶) تقدیر کو بے عملی کا بہانہ مت بناؤ ـــ (۳۶ : ۴۷)

(۱۷) ایمان و اعمالِ صالح والے کبھی ظلم و زیادتی نہیں کرتے ـــ (۳۸ : ۲۴)

(۱۸) سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف دعوت دے اور عملِ صالح کرے ـــ (۴۱ : ۳۳)

(۱۹) ہر عمل اپنے لئے ہوتا ہے ـ نیک بھی بد بھی ـــ (۴۱ : ۴۶) ـــ (۴۵ : ۱۵)

(۲۰) خدا، ایمان و عملِ صالح والوں کی پکار کا جواب (اجر) دیتا ہے ـــ (۴۲ : ۲۶)

(۲۱) خدا سے عملِ صالح کی توفیق مانگو ـــ (۴۶ : ۱۵)

(۲۲) موت اور حیات اعمال کی پرکھ کے لئے پیدا کئے گئے ـــ (۶۷ : ۲)

(۲۳) قیامت میں انسان کہے گا کہ اے کاش! میں آج کیلئے پہلے کچھ بھیج دیتا ـــ (۸۹ : ۲۴)

(۲۴) صحیح اور غلط کام کے دونوں راستے متمیز ہیں ـــ (۹۲ : ۴-۹)

(۲۵) آسانی، مشقتوں کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے ـــ (۹۴ : ۴-۵)

ـــــــ (۰) ـــــــ

۴۳- اَعُوْذُ بِاللّٰہِ

اس مادہ (ع - و - ذ) کے معنی ہوتے ہیں کسی کی حفاظت میں آجانا۔ کسی کی پناہ لینا۔ کسی مسلک کو مستقل طور پر اختیار کر لینا۔ عاذت بولدھا کے معنی ہوتے ہیں مادہ کا اپنے نوزائیدہ بچے کے پاس کھڑے رہنا تاکہ اس کی حفاظت کرتی رہے۔

دین میں اس سے مراد ہوتی ہے کہ قوانینِ خداوندی کی پناہ میں آجانا۔ مومن، ہر خطرہ کے لئے "خدا کی پناہ" کا طالب ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں، قوانینِ خداوندی کے اتباع سے، ہر خطرہ سے محفوظ ہو جانا۔ اسے تعوذ کہتے ہیں۔ لیکن اب ہم قرآن کی آیتوں کو لکھ کر گلے میں لٹکا لیتے ہیں اور انہیں تعویذ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتے ہیں کہ ہم خدا کی پناہ میں آگئے ہیں۔ دین جب مذہب میں بدل جاتا ہے تو اس میں یہی کچھ ہوتا ہے۔

——— (۰) ———

خدا کی پناہ میں آجانا

(۱) ہر متکبر سے خدا کی پناہ میں آنے کی دعا ——— (۲۷ : ۴۰) — (۵۶ : ۴۰) — (۲۰ : ۴۴)

(۲) حضرت مریمؑ کی دعا ——— (۱۸ : ۱۹)

(۳) خدا کی پناہ میں ——— (۹۸ : ۲۳) — (۱ : ۱۱۳) — (۱ : ۱۱۴)

شیطان کے خطرات سے خدا کی پناہ میں آجانا

(۱) ہمزات الشیطان سے ——— (۳۵ : ۳) — (۲۰۰ : ۷) — (۹۷ : ۲۳) — (۳۶ : ۴۱)

(۲) قرآنی پروگرام کے آغاز کے وقت حفاظتِ خداوندی کی آرزو ——— (۹۸ : ۱۶)۔ اس عظیم عمل کو اب قرآن شریف پڑھنے سے پہلے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کے الفاظ پڑھ کر پورا کر لیا جاتا ہے۔

معاذ اللہ ——— اپنے ہر سہو یا لغزش کے احساس سے خدا کی حفاظت کے احساس کا بیدار ہونا ——— (۶۷ : ۲) — (۴۷ : ۱۱) ——— (۷۹ ; ۲۳ : ۱۲)

متفرق

جن وانس (شہری آبادی اور صحرائی بدوؤں) کا ایک دوسرے کی حفاظت میں آنا ـــــ (۷۲ : ۶)

ـــــ (۰) ـــــ

۶۴ - اِفترا

مادہ (ف۔ر۔ی)۔ کتر بیونت کر کے کچھ کا کچھ بنا دینا۔ کسی بات کو اپنے جی سے گھڑ کر اسے کسی اور کی طرف منسوب کر دینا۔ مذہبی پیشوا عام طور پر یہ کرتے ہیں کہ اپنے جی سے باتیں وضع کر لیتے ہیں اور انہیں شریعتِ خداوندی کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسے "افترا علی اللہ" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جھوٹے مدعیانِ نبوت بھی مفتری تھے۔ حضور خاتم النبیینؐ کے بعد تو ہر مدعیٔ نبوت مفتری علی اللہ ہوگا۔

ـــــ (۰) ـــــ

قرآن (یا وحی) افترا ہو نہیں سکتا

(۱) اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی انسان اس کی مثل بنا نہیں سکتا ـــــ (۱۰ : ۳۷–۳۸)—(۱۱ : ۱۳)—(۱۲ : ۱۱۱)

(۲) حضرت نوحؑ سے مخالفین کہتے تھے کہ یہ (معاذ اللہ) مفتری علی اللہ ہے ـــــ (۱۱ : ۳۵)

(۳) حضورؐ کے خلاف اعتراض کہ یہ (معاذ اللہ) وحی کو خود وضع کرتے ہیں ـــــ (۱۶ : ۱۰۱–۱۰۵)—(۲۱ : ۵)—(۲۵ : ۴)

(۴) مخالفین چاہتے تھے کہ حضورؐ کچھ افترا کریں ـــــ (۱۷ : ۷۳)

(۵) پہلے رسولوں کے خلاف اعتراض کہ وہ (معاذ اللہ) مفتری علی اللہ ہیں ـــــ (۲۳ : ۳۸)—(۲۸ : ۳۶)

(۶) مخالفین حضرت موسیٰؑ کی پیش کردہ آیات کو افترا کہتے تھے ـــــ (۲۸ : ۳۶)

(۷) مخالفین کہتے ہیں کہ قرآن (معاذ اللہ) افترا ہے۔ یہ تو حق ہے ـــــ (۳۲ : ۳)—(۳۴ : ۴۳)—(۴۲ : ۲۴)—(۴۶ : ۷–۸)

(۸) مخالفین کہتے تھے کہ حضورؐ کا یہ دعویٰ کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے افترا ہے ـــــ (۳۴ : ۷–۸)

(۹) اگر حضورؐ (معاذ اللہ) افترا کرتے تو خدا رگِ جان کاٹ ڈالتا ـــــ (۶۹ : ۴۴–۴۵)

(۱۰) یہ لوگ چاہتے تھے کہ تم خدا کے خلاف کچھ افترا کر دو تو یہ تم سے مفاہمت کرلیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ (۱۷ : ۷۳-۷۴)

خدا پر افترا باندھنے والے ظالم ہیں

(۱) اس قسم کے ظالموں کو کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی ــــ (۶ : ۲۱)ــ(۱۰ : ۶۹)ــ(۲۰ : ۶۱)

(۲) خدا پر افترا باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حالانکہ اس پر وحی نہ آتی ہو۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے۔ (۶ : ۹۳)

(۳) مفتری علی اللہ سے زیادہ ظالم کون ہے ــ(۳ : ۹۴)ــ(۶ : ۱۴۴)ــ(۷ : ۳۷)ــ(۱۰ : ۱۷)ــ(۱۱ : ۱۸)

(۱۸ : ۱۵)ــ(۲۱ : ۲۰)ــ(۲۹ : ۶۸)ــ(۶۱ : ۷)

(۴) جو خدا پر افترا باندھے۔ اور جب حق آجائے تو اس کی تکذیب کرے۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے

(۲۹ : ۶۸)ــ(۶۱ : ۷)

(۵) دیکھو! یہ کس طرح خدا پر افترا باندھتے ہیں ــ(۴ : ۵۰)

(۶) کفار افترا کرتے ہیں ــ(۵ : ۱۰۳)

اہل کتاب خدا کے خلاف افترا کرتے تھے

(۱) اہل کتاب کا عقیدہ ہے کہ انہیں چند دنوں کے سوا جہنم کا عذاب چھو نہیں سکتا۔ یہ افترا ہے جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ــ(۳ : ۲۴)

(۲) اہل کتاب کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب کے خلاف جس قدر بددیانتی جی چاہے کر لو۔ یہ جرم نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ افترا علی اللہ ہے ــ(۳ : ۷۵)

(۳) آیات اللہ پر ایمان نہ لانے والے افترا کرتے ہیں ــ(۱۶ : ۱۰۵)

شرک افترا ہے

(۱) شرک افترا ہے اور اثم عظیم ــ(۴ : ۴۸)

(۲) توہم پرستانہ رسوم شرک اور افترا ہیں ــ(۶ : ۱۳۸-۳۹)ــ(۶ : ۱۴۰)ــ

(۱۱ : ۵۰)

ظہورِ نتائج کے وقت افترا رائیگاں جائیگا۔ یہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

(۱) مفتری اپنے آپ ہی کو تباہ کرتا ہے۔ ظہورِ نتائج کے وقت اس کا افترا اسے کچھ فائدہ نہیں دیگا ــــ (۶ : ۲۴)
(۷ : ۵۳) ــــ (۱۰ : ۳۰ ؛ ۶۰ ؛ ۶۹) ــــ (۱۱ : ۲۱) ــــ (۱۶ : ۸۷ ؛ ۱۱۶) ــــ (۲۸ : ۷۵) ــــ (۴۶ : ۲۸)

(۲) قیامت میں مفتری علی اللہ سے باز پرس ہوگی ــــ (۱۶ : ۵۶) ــــ (۲۹ : ۱۳)

(۳) انہیں کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دو۔ افترا خود تباہی بن کر ان پر مسلط ہو جائے گا ــــ (۶ : ۱۱۳ ؛ ۱۳۸ ؛ ۱۳۹)

(۴) اس طرح ہم مفترین کو سزا دیتے ہیں ــــ (۷ : ۱۵۲)

متفرقات

(۱) اپنے آپ کو بزعم خویش مزکی سمجھنا، خدا کے خلاف بہتان تراشی ہے ــــ (۴ : ۵۰)

(۲) توہم پرستانہ رسومات، خدا کے خلاف افترا ہے ــــ (۵ : ۱۰۳) ــــ (۶ : ۱۳۹) ــــ (۶ : ۱۴۵)

(۳) انبیاء کے دشمن، مفتری علی اللہ ہیں ــــ (۶ : ۱۱۳)

(۴) باطل پرستی کی طرف لوٹ جانا، افترا علی اللہ ہے ــــ (۷ : ۸۹)

(۵) خود ہی حرام اور حلال کی فہرستیں مرتب کر کے بیٹھ جانا، افترا علی اللہ ہے ــــ (۶ : ۱۳۸ ؛ ۱۳۹)
(۱۰ : ۵۹) ــــ (۱۶ : ۵۶ ؛ ۱۱۶)

(۶) حضرت موسٰیؑ نے فرعون سے کہا کہ خدا پر افترا مت باندھو ــــ (۲۰ : ۶۱)

ــــ (۰) ــــ

۶۵۔ اُفُق۔ (آفاق)

افق (جمع آفاق) کے بنیادی معنی کنارے کے ہوتے ہیں۔ یعنی جو کچھ زمین اور آسمان کے اطراف سے نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے معنی انتہائی وسعت اور کشادگی نیز بلندی کے ہو گئے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ ہم تمہیں اپنی نشانیاں عالمِ انفس و آفاق میں دکھاتے جائیں گے۔ تا آنکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن برحق ہے ــــ (۴۱ : ۵۳)

(۲) وسعت اور بلندی کے اعتبار سے نبی اکرمؐ کے متعلق ہے کہ حضورؐ نے اپنے مقام کو انتہائی بلندیوں پر دیکھا ــــ (۲۳ : ۸۱) ــــ دوسری جگہ ہے کہ حضورؐ افق اعلےٰ پر تھے ــــ (۷ : ۵۳)۔ یعنی شرف و انسانیت کے معراجِ کبریٰ پر۔

ــــ (٠) ــــ

۶۶- اِفک

(نیز دیکھئے۔ بہتان۔ تہمت)

اِفک۔ مادہ (ا۔ف۔ک)۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹی بات بنانا۔ کسی کی طرف غلط بات منسوب کر دینا۔ تہمت لگانا۔ کسی چیز کو اُلٹ دینا یا پھیر دینا۔ اس عنوان میں اِفک بمعنی تہمت، بہتان۔ وضعی، خود تراشیدہ عقاید تک محدود ہے۔

واقعۂ اِفک

سورۂ نور میں ایک واقعہ کا ذکر ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مدینہ میں بعض لوگوں نے کسی پاک دامن عورت کے خلاف جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اس میں کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کون خاتون تھی جس کے خلاف وہ الزام لگایا گیا تھا لیکن ہماری کتب روایات نے اسے حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کر دیا ہے جو بالبداہت غلط ہے۔ قرآنِ کریم نے اس واقعہ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ مسلمانوں کو عام ہدایت کی جائے کہ ایسے واقعات میں ان کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ــــ (۲۴ : ۱۱-۲۲)

(۲) جھوٹی تہمت لگانے والوں کی سزا ــــ (۲۴ : ۲۳-۲۴)

(۳) کفار، قرآن کریم کو اِفک کہتے تھے۔ یعنی رسول کی وضع کردہ کتاب جسے وہ (معاذ اللہ) خدا کی طرف غلط منسوب کرتا ہے ــــ (۲۵ : ۴) ــــ (۳۴ : ۴۳) ــــ (۴۶ : ۱۱)

(۴) اَفاک و اثیم پر شیطان نازل ہوتے ہیں ــــ (۲۶ : ۲۲۲)۔ ان کے لئے تباہی ہے ــــ (۴۵ : ۷) ــــ

(۵) شرک، اِفک ہے۔ یعنی انسانوں کا خود تراشیدہ عقیدہ ــــ (۴۶ : ۲۸)۔ بت پرستی اِفک ہے ــــ (۲۹ : ۱۷) ــــ (۳۷ : ۸۶)۔ یہ عقیدہ کہ خدا کی اولاد بھی ہے اور اس کی بیٹیاں بھی ہیں، اِفک ہے ــــ (۳۷ : ۱۵۱)

(۶) اِفک کے معنی حق سے پھر جانا ـــ (۹ : ۵۱)
(۷) ساحرینِ قوم فرعون نے جو باطل عقاید پیش کئے تھے وہ ان کے خود ساختہ (اِفک) تھے ـــ (۷ : ۱۱۷) ـ (۲۶ : ۳۹)
(۸) جب کسی کے خلاف کوئی بہتان باندھے یا تہمت تراشے۔ تو مومن کا پہلا ردّ عمل یہ ہونا چاہئیے کہ نہیں۔ یہ تہمت تراشیدہ نظر آتی ہے۔ اس کے بعد اس کی تحقیق کی جائے ـــ (۲۴ : ۱۲)

ـــــ (۰) ـــــ

۶۷۔ اِلٰہٌ ۔ اَللّٰہُ

اِلٰہٌ۔ مادہ (ا۔ ل۔ ہ)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی متعدد ہیں۔ مثلاً متحیر ہونا۔ گھبرا کر کسی کی پناہ ڈھونڈھنا۔ بلند مرتبہ ہونا، نگاہوں سے پوشیدہ ہونا۔ غلام یا فرماں بردار بنانا۔ ان معانی کے اعتبار سے اِلٰہٌ کا مفہوم ہوگا ایسی صاحبِ اقتدار ہستی جس کی اطاعت اور محکومیت اختیار کی جائے۔ چونکہ باطل پرست بھی کسی نہ کسی ایسی ہستی کو اپنا معبود خیال کرتے ہیں اس لئے قرآن میں معبودانِ باطل کے لئے بھی اٰلہ کا لفظ آیا ہے۔

اَللّٰہ۔ ایک خیال یہ ہے کہ یہ لفظ کسی دوسرے لفظ سے نہیں بنا۔ لیکن دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ لفظ اَلْ + اِلٰہٌ تھا۔ کثرتِ استعمال سے اِلٰہٌ کا ہمزہ گر گیا۔ اور پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ہوگیا۔ اس طرح یہ لفظ اَللّٰہُ بن گیا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ خدا کی ذات کے لئے استعمال ہوا ہے۔ باقی تمام اسمار اس کی صفات ہیں۔ لہٰذا ' اَللّٰہ (یعنی قرآنی اللہ) وہ بلند و بالا ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جس کی عظمت کے سامنے انسانی عقل محوِ حیرت رہ جاتی ہے جس کا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے جس کی اطاعت و محکومیت اختیار کی جاتی ہے۔

اللہ کی ذات کے متعلق ہم کچھ نہیں جان سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے خدا کی معرفت (اس کی ذات کو جاننے پہچاننے) کا حکم نہیں دیا۔ اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ البتہ خدا نے اپنی جن صفات کا تعارف قرآن میں کرایا ہے اس سے ہم اس کے متعلق ایک اندازہ کرسکتے ہیں۔ خدا پر صحیح ایمان کے معنی ہیں ایسی ذات کا ماننا جس کی وہ صفات ہوں۔

خدا سے ہمارا تعلق اس کی کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے ہے۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ ہمارے تعلق کی کوئی صورت نہیں۔ اس کی اطاعت سے مفہوم بھی یہی ہے کہ قرآن کریم کے قوانین و احکام کی اطاعت کی جائے۔ اسکو پکارنے

کے معنی بھی یہی ہیں کہ زندگی کے ہر دوراہے پر اس کی دی ہوئی راہ نمائی (قرآن) سے دریافت کیا جائے کہ ہم کس راستے کو اختیار کریں۔

اگر خدا کو اس طریق سے مانا جائے جس طرح قرآن نے کہا ہے تو اسے خدا پر ایمان کہا جائے گا۔ اپنے اپنے تصور کے مطابق خدا کو ماننا، خدا پر ایمان تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اہلِ کتاب سے بھی خدا پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے، حالانکہ وہ (اپنے طور پر) خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔

قرآن کریم شروع سے اخیر تک خدا ہی کے ذکر پر مشتمل ہے اگرچہ اس کی شکلیں مختلف ہیں۔ اس لئے الٰہ اور اللہ کی تبویب اس طرح کی جانی بڑی تفصیل طلب ہے کہ تذکرۂ خداوندی کے ہر گوشے کو سامنے لایا جائے۔ اس لئے زیرِ نظر عنوان میں الٰہ اور اللہ کی انہی صفات و شئون کا ذکر کیا جائیگا جن کا تعلق براہِ راست قرآنی تعلیم سے ہے۔ باقی گوشے، دیگر متعلقہ عنوانات میں آجائیں گے۔ پھر یہاں ان صفات کا بھی اجمالی سا تعارف کرایا گیا ہے ان میں سے ہر ایک صفت کا تفصیلی تذکرہ الگ الگ عنوانات میں آئے گا۔ مثلاً رزّاق کا تفصیلی ذکر عنوان رزق میں۔ (وقس علیٰ ھٰذا)

—— (۰) ——

اللہ ـــــ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی ہستی ایسی نہیں جس کے احکام و قوانین کی اطاعت کی جائے جس کی محکومیت اختیار کی جائے۔ یہ حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اطاعت و محکومیت صرف قوانینِ خداوندی کی اختیار کی جائے گی۔ یہی خدا پر ایمان ہے۔ اور یہی دین کا اصل الاصول اور اسلام کی اساس و بنیاد ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

(۱) اللہ، اس کے ملائکہ اور اربابِ علم کی شہادت ـــ (۳ : ۱۷)۔ خدا کا اعلان حضرت موسےٰ کی طرف۔ (۲۰ : ۱۴)

(۲) خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں ـــ (۳ : ۲ ؛ ۵ ؛ ۱۷ ؛ ۶۱) ـــ (۴ : ۸۷) ـــ (۵ : ۷۳) ـــ (۶ : ۴۶ ؛ ۱۰۳ ؛ ۱۰۷) ـــ (۷ : ۱۵۸) ـــ (۹ : ۳۱ ؛ ۱۲۹) ـــ (۱۱ : ۱۴) ـــ (۱۳ : ۳۰) ـــ (۱۴ : ۵۲) ـــ (۱۶ : ۲) ـــ (۱۸ : ۱۱۰) ـــ (۲۰ : ۸ ؛ ۹۸) ـــ (۲۱ : ۱۰۸) ـــ (۲۲ : ۳۴) ـــ (۲۳ : ۱۱۶) ـــ (۲۷ : ۲۶) ـــ (۲۸ : ۷۰) ـــ (۳۵ : ۳) ـــ (۳۷ : ۶۵) ـــ (۳۹ : ۶) ـــ (۴۰ : ۳ ؛ ۶۲ ؛ ۶۵) ـــ (۴۱ : ۶) ـــ (۴۴ : ۸) ـــ (۴۸ : ۱۹) ـــ (۵۹ : ۲۲ ؛ ۲۳) ـــ (۶۴ : ۱۳) ـــ (۷۳ : ۹)

(۳) اللہ ہی الٰہ واحد ہے ــــ (۲ : ۱۶۳) ــ (۴ : ۱۷۱) ــ (۶ : ۱۹) ــ (۹ : ۳۱) ــ (۱۶ : ۲۲) ــ (۱۸ : ۱۱۰)
(۲۹ : ۴۶) ــ (۳۷ : ۴) ــ (۴۱ : ۶)

(۴) تثلیث کا عقیدہ کفر ہے ــــ (۵ : ۷۳ ؛ ۱۱۶) ــ (۲۳ : ۹۱)

(۵) فرعون کا اعتراف (جو قبول نہ ہوا) ــــ (۱۰ : ۹۰)

(۶) ثنویت کا عقیدہ باطل ــــ (۱۶ : ۵۱)

(۷) اگر ایک سے زیادہ الٰہ ہوتے تو ہر ایک اپنی اپنی مخلوق لے بھاگتا ــ (۲۳ : ۹۱)۔ ان میں سے ہر ایک عرش پرستوی ہو جاتا ــ (۱۷ : ۴۲)۔ کائنات میں فساد برپا ہو جاتا ــ (۲۱ : ۲۲)

(۸) خدا کے ساتھ کوئی الٰہ نہیں ــ (۱۷ : ۲۲ ؛ ۳۹) ــ (۲۵ : ۶۸) ــ (۲۷ : ۶۰ ــ ۶۴) ــ (۵۱ : ۵۱)

(۹) خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں ــــ (۱۴ : ۱۸) ــ (۱۷ : ۷۲ ؛ ۲۸) ــ (۴۳ : ۵۲)

(۱۰) اہل جہنم وہ ہیں کہ جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ تمہارا اِلٰہ اللہ ہے تو یہ سرکشی اختیار کرتے تھے ــ (۳۷ : ۳۵)

(۱۱) وہی سمار میں اِلٰہ ہے۔ وہی ارض میں ــ (۴۳ : ۸۴)

(۱۲) اِلٰہ النّاس ــ (۱۱۴ : ۳)

(۱۳) مشرکین کو عنقریب معلوم ہو جائے گا ــ (۱۵ : ۹۶)۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ــ (۲۱ : ۲۴) ــ (۲۳ : ۱۱۷)

حضرات انبیاء کرام کی دعوت

(۱) حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کا اقرار کہ ہم تیرے اور تیرے آباء کے الٰہ کی محکومیت اختیار کریں گے ــ (۲ : ۱۳۳)

(۲) حضرت نوحؑ کی دعوت ــ (۷ : ۵۹) ــ (۲۳ : ۲۳) ــ (۲۳ : ۳۲) ــ (۲۱ : ۷۱)

(۳) حضرت ھودؑ ــ (۷ : ۶۵) ــ (۱۱ : ۵۰) ــ (۱۱ : ۵۳ ؛ ۵۴) ــ (۲۱ : ۴۶)

(۴) حضرت صالحؑ ــ (۷ : ۷۳) ــ (۱۱ : ۶۱) ؛ (۵) حضرت شعیبؑ ــ (۷ : ۸۵) ــ (۱۱ : ۸۴)

(۶) ہر رسول کی دعوت ــ (۲۱ : ۲۵) ؛ (۷) حضرت ذوالنون کا اعلان ــ (۲۱ : ۸۷)

(۸) حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ کیا تم بتوں کو اِلٰہ مانتے ہو ــ (۶ : ۷۵)۔ قوم کا ردِّ عمل ــ (۲۱ : ۶۸)
(۱۹ : ۴۶) ــ (۲۱ : ۵۹ ؛ ۶۲) ــ (۳۷ : ۹۱)

(۹) انبیاءؑ سے پوچھو کہ کیا خدا نے کبھی باطل معبودوں کی تعلیم دی تھی؟ ــ (۴۳ : ۴۵)

(۱۰) قومِ فرعون نے کہا کہ موسےٰ اور اس کی قوم ہمیں ہمارے معبودوں سے سرکش بنا دے گی ــــ (۷ : ۱۲۷)

(۱۱) امم سابقہ کو ان کے کسی معبود باطل نے کچھ فائدہ نہ دیا ــــ (۱۱ : ۱۰۱)

باطل الٰہ

(۱) سامری کا گوسالہ ــــ (۲۰ : ۸۸) ــ (۲۰ : ۹۷)

(۲) جو کوئی بھی الٰہ ہونے کا دعوےٰ کرے وہ اہلِ جہنم ہے ــــ (۲۱ : ۲۹) ــ (۵۰ : ۲۶)

(۳) فرعون کا دعوےٰ الوہیت ــــ (۲۸ : ۳۸) ــ (۷۹ : ۲۴)۔ تمسخر ــ (۲۶ : ۲۹) ــ (۲۸ : ۳۸) ــ (۴۰ : ۳۷)

(۴) خدا کے سوا کسی کو الٰہ مت پکارو ــــ (۲۶ : ۲۱۳) ــ (۲۸ : ۸۸)

(۵) بنی اسرائیل کا حضرت موسےٰ سے مطالبہ کہ ہمیں بھی ایک الٰہ بنوا دے ــ (۷ : ۱۳۸ - ۱۴۰)

(۶) مشرکین کا تعجب کہ خدا ایک کیسے ہو سکتا ہے ــــ (۳۸ : ۵)

(۷) جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا الٰہ بنالیا ــــ (۲۵ : ۴۳) ــ (۴۵ : ۲۳)

(۸) کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور الٰہ بھی ہیں ؟ میں تو اس کی شہادت نہیں دے سکتا۔ (۶ : ۱۹)

(۹) اصحابِ کہف نے اپنی قوم سے کنارہ کشی اختیار کرلی کیونکہ وہ خدا کے سوا دوسروں کو الٰہ بناتے تھے ــ (۱۸ : ۱۵)

(۱۰) مشرکین اس لئے معبودانِ باطل کو اختیار کرتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے قوت کا باعث بنیں ــ (۱۹ : ۸۱)

(۱۱) کیا وہ ارضی الٰہ اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ ان کے سہارے دور دور تک پھیل سکیں ــ (۲۱ : ۲۱)
تاکہ وہ ان کی مدد کرسکیں ــــ (۳۶ : ۷۴)

(۱۲) کیا وہ معبود انہیں خدا کی گرفت سے بچا سکتے ہیں ــــ (۲۱ : ۴۳)۔ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ــ (۳۶ : ۲۳)

(۱۳) مشرکین اور ان کے معبودانِ باطل سب اہلِ جہنم ــ (۲۱ : ۹۸)

(۱۴) معبودانِ باطل خالق نہیں مخلوق ہیں ــــ (۲۵ : ۳)

(۱۵) باطل معبودوں کا عقیدہ اِفک ہے ــــ (۳۷ : ۸۶)

(۱۶) خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے باطل کے معبود ان کی کبھی مدد نہیں کر سکتے ــــ (۴۶ : ۲۸)

(۱۷) کفار دعوتِ توحید کا مذاق اڑاتے ہیں ــ (۲۱ : ۳۶) ــ (۲۵ : ۴۱ - ۴۲) ــ (۳۸ : ۶ - ۷)
کہتے ہیں کیا ہم ایک شاعر اور مجنون کی خاطر اپنے معبود چھوڑ دیں ــ (۳۷ : ۳۶)۔ ایک اور اعتراض۔ (۴۳ : ۵۷ - ۵۸)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر ایمان

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ایک عظیم انقلابی تصور ہے۔ اس کا اقرار کرنے والا اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ کائنات میں کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سامنے جھکا جائے۔ جس کی محکومی اختیار کی جائے۔ یہ حق صرف قوانینِ خداوندی کو حاصل ہے۔ اور بس۔

—(۰)—

اَللّٰہُ

صفاتِ خداوندی

(۱) انسانی آنکھ ذاتِ خداوندی کا ادراک نہیں کر سکتی — (۶ : ۱۰۴) — (۷ : ۱۴۳)۔ اس کی مثل بھی کوئی نہیں، اس لئے ذاتِ خداوندی کو کسی مثال سے بھی سمجھایا نہیں جا سکتا — (۴۲ : ۱۱)

(۲) خدا احد ہے، صمد ہے۔ نہ وہ بذریعہ تولید وجود میں آیا ہے۔ نہ کوئی اس سے بذریعہ تولید وجود میں آتا ہے۔ اس کی مثیل و نظیر کوئی نہیں — (۱۱۲ : ۱-۴)

اس کی اولاد نہیں — (۲ : ۱۱۶-۱۱۷) — (۶ : ۱۰۲) — (۱۶ : ۵۷-۵۸) — (۱۹ : ۳۵)

(۳) وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا — (۱۲ : ۳۹-۴۰) — (۱۸ : ۲۶)

(۴) **صفتِ خالقیت** تخلیق کے دو مراحل۔ عالمِ امر جس میں خدائی ارادے سے شے کا آغاز ہو جاتا ہے — (۲ : ۱۱۷) — (۳۶ : ۸۲)۔ دوسرا مرحلہ تخلیق جس میں وہ شے مختلف تدریجی مراحل طے کر کے وہ صورت اختیار کرتی ہے جس کا علم حواس کے ذریعے ممکن ہے (۷ : ۵۴) — (۳۰ : ۱۱) — (۳۲ : ۵-۶)

اس نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں — (۶۵ : ۳)

کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے — (۳۹ : ۵)۔ محض کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کی گئی — (۴۴ : ۳۸-۳۹)

کائنات میں تخلیقی اضافے ہوتے رہتے ہیں — (۳۵ : ۱)۔

وہ اپنی مخلوق کا ہر وقت علم رکھتا ہے — (۳۶ : ۷۹)

(۵) **صفتِ ربوبیّت**

۱۔ جملہ کائنات کا نشوونما دینے والا۔ (رب العالمین) ——— (۱ : ۱)

۲۔ نوعِ انسان کا رب ——— (۱۱۴ : ۱) ۔ تمام اشیاء کا رب ——— (۶ : ۱۶۵) ۔ رب العرش ——— (۲۳ : ۱۱۶)

۳۔ ربوبیت میں کوئی اور شریک نہیں ——— (۴۳ : ۳) ——— (۳۸ : ۱۸)

۴۔ خدا کی ربوبیت پر ایمان اور استقامت سے نزولِ ملائکہ ——— (۴۱ : ۳۰) ——— (۴۶ : ۱۳)

(۶) **رزاقیت**

۱۔ خدا نے پیدا کیا اور پھر سامانِ زیست (رزق) مہیا کیا ——— (۳۰ : ۴۰) ۔ اس کے سوا کوئی اور ہستی ایسی نہیں جو سامانِ زندگی پیدا کرتی ——— (۴۳ : ۱۶) ——— (۴۴ : ۲۷) ——— (۳ : ۳۵)

۲۔ ایمان و اعمالِ صالح سے رزقِ کریم (باعزت رزق) ملتا ہے ——— (۲۲ : ۵۰)

۳۔ ہر متنفس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے ——— (۱۱ : ۶) اس نے رزق کے اسباب و ذرائع مہیا کر دیئے۔ اب یہ ذمہ داری اس نظام کے ہاتھوں پوری ہوگی جو قوانینِ خداوندی کے مطابق متشکل ہوگا

(۷) **رحمت**

(اس کے صحیح مفہوم کے لئے عنوان رحم، رحیم، رحمت وغیرہ دیکھئے)

۱۔ خدا رحمٰن و رحیم ہے ——— (۱ : ۲) ۔ اس نے رحمت اپنے اوپر واجب قرار دے رکھی ہے ——— (۶ : ۱۲ ؛ ۵۴)

۲۔ اس کی رحمت ہر شے کو محیط ہے ——— (۷ : ۱۵۶)

(۸) **نعمت**

۱۔ صراطِ مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے جن پر خدا کی نعمتیں ہوتی ہیں ——— (۱ : ۶)

۲۔ نعمت مشروط ہے قوموں کے نفسیاتی تغیر کے ساتھ ——— (۸ : ۵۳)

(۹) **فضل**

۱۔ خدا صاحبِ فضلِ عظیم ہے ——— (۲ : ۱۰۵)

۲۔ خدا کے فضل (معاشی سہولتوں) کی تلاش کرتے رہنا چاہیئے ——— (۲۸ : ۷۹)

(۱۰) **منّ (احسان)**

ملک کی حکومت و مملکت مل جانا احسانِ خداوندی ہے (اس اعتبار سے خدا کو منّان کہا جاتا ہے ——— (۲۸ : ۵-۶)

(۱۱) **غضب**

غلط روشِ زندگی کا نتیجہ تباہ کن ہوتا ہے۔ چونکہ تمام اعمال کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے مرتب ہوتے ہیں اس لئے اس تباہ کن نتیجہ کو خدا کا غضب کہتے ہیں ـــــ (۱ : ۷)

(۱۲) **لعنت**

غلط روشِ زندگی سے قومیں زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہو جاتی ہیں۔ چونکہ یہ بھی خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے ہوتا ہے اس لئے اسے خدا کی لعنت کہا جاتا ہے ـــــ (۶۰ : ۵) ـــــ (۴۴ : ۷)

(۱۳) **قہاریت**

قہر کے معنی ہیں ایسا غلبہ و تسلط جس سے ہر جرم کی قرار واقعی سزا مل جائے۔ "سزا" کے معنی یہ ہیں کہ ہر غلط کام کا نقصان رساں نتیجہ مرتب ہو جائے۔ خدا کو اس اعتبار سے قہار کہا جاتا ہے ـــــ (۸ - ۱۷ : ۲)

(۱۴) **جباریت**

جبر کے معنی ہیں کسی بگڑی ہوئی بات کی اس طرح اصلاح کرنا کہ اس میں طاقت کا استعمال ناگزیر ہو۔ جب بگڑی ہوئی طبائع کو قوانین کے حدود میں رکھنا ہو تو اس میں قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدا کی اس صفت کو جباریت کہا جاتا ہے ـــــ (۲۳ : ۵۹)

(۱۵) **تکبر**

کبریائی کے معنی عظمت اور بڑائی کے ہیں۔ یعنی جو سب سے بڑی قوتوں کا مالک ہو۔ جسے ہر قسم کی قدرت حاصل ہو۔ جسے کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو ـــــ (۳۴ : ۴) ـــــ (۳۷ : ۵۴) ـــــ (۲۳ : ۵۹)

(۱۶) **منتقم**

قرآن میں خدا کے لئے انتقام کا لفظ آیا ہے تو اس کے معنی مجرموں کو سزا دینے والا ہے۔ یہ بھی درحقیقت خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کا ایک گوشہ ہے۔ غلط روش کا تباہ کن نتیجہ ان جرائم کی سزا کہلاتا ہے۔ اسی لئے خدا ذوانتقام ہے ـــــ (۴۷ : ۱۴) ـــــ (۲۲ : ۳۲) ـــــ (۱۶ : ۴۴)۔ مجرمین کی اسی گرفت کو بطشِ رب کہا گیا ہے۔ یعنی خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت ـــــ (۱۲ : ۸۵)

(۱۷) **علیم**

۱۔ خدا کو ہر شے کا علم ہے ـــــ (۳ : ۵۷)

(۲) کائنات کے اسرار و رموز کا علم رکھنے والا ——— (۶۱ : ۱۰)——(۶ : ۲۵)

(۳) غیب (یعنی جو باتیں ہماری نگاہوں سے اوجھل اور ہمارے حواس کی حدود سے ماورا ہیں۔ ان) کا علم رکھنے والا۔

(۶ : ۵۹)

(۴) تمام انسانی اعمال کا علم رکھنے والا ——— (۱۹ : ۱۶)

(۵) نگاہوں کی خیانت اور دل کے ارادوں تک کا علم رکھنے والا ——— (۱۹ : ۴۰)——(۱۶ : ۵۰)

(۱۸) **بصیر**

سب کچھ دیکھنے والا ——— (۴ : ۵۷)

(۱۹) **سمیع**

سب کچھ سننے والا ——— (۱ : ۵۸)

(۲۰) **خبیر**

ہر بات کی خبر رکھنے والا ——— (۲۳۴ : ۲)

(۲۱) **قدرت**

قدرت کے ایک معنی تو قوت و اقتدار کے ہیں۔ اسی لئے خدا نے اپنے آپ کو ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ کہا ہے (۵۸ : ۵۱) انہی معنوں میں لفظ قَادِرٌ بھی آیا ہے ——— (۹۹ : ۱۷)۔ اور قَدِيْرٌ بھی ——— (۱۳۳ : ۴)۔ اور مُقْتَدِرٌ بھی (۴۲ : ۵۴)

لیکن قدر کے معنی پیمانے کے بھی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے کائنات میں ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں اور ہر بات ان پیمانوں کے مطابق عمل میں آتی ہے۔ انہی پیمانوں کو قوانین خداوندی کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے تقدیر کے معنی ہوں گے وہ جس کے قوانین کے مطابق ہر شے سرگرم عمل ہے اور انہی کے مطابق ہر کام کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ——— (۲۷ : ۳۳) کے یہی معنی ہیں۔ ہر شے اپنے مقرر کردہ پیمانوں (قوانین) کے تابع رہتی ہے۔ (تفصیل تقدیر کے عنوان میں ملے گی)

(۲۲) **صاحب عرش و کرسی**

عرش کے معنی ہیں کائنات کا مرکزی کنٹرول۔ اسے خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اس کے لئے قرآن میں استواء علی العرش کی اصطلاح آئی ہے ——— (۵۴ : ۷) اس لئے وہ رب العرش الکریم ہے ——— (۱۱۶ : ۲۳)۔ یا العرش العظیم ہے ——— (۸۶ : ۲۳)

پانی' زندگی کا سرچشمہ ہے ۔ اس سرچشمۂ حیات پر خدا کا مرکزی کنٹرول ہے ـــــ (۳۰ : ۲۱)
۲۔ کرسی کے معنی تختِ حکومت یا علمِ خداوندی ہیں۔ اس کا علم و اقتدار پوری کائنات کو محیط ہے ـ (۲:۲۵۵)

(۲۳) **ملکوت**

مُلک یا ملکوت۔ حکومت اور اقتدار کے معنوں میں آتا ہے۔ اسے عام الفاظ میں بادشاہت کہتے ہیں۔ ساری کائنات چونکہ قوانینِ خداوندی کے مطابق چل رہی ہے اس لئے کائنات پر حکومت اور بادشاہت اسی کی ہے ـــ (۹:۱۱۶) ـــ (۲۳ : ۸۸) ـــ (۳۶ : ۸۳)۔ اسی لئے خدا نے اپنے آپ کو مَلِک بھی کہا ہے۔
(۵۹ : ۲۳)

(۲۴) **موت وحیات**

موت اور زندگی خدا کے قوانینِ طبیعی کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم میں ہے کہ خدا ہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی مارتا ہے ـــ (۵۷ : ۱۰) ـــ (۲:۲۵۸)۔ موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی اسی کے قانونِ مشیت کے مطابق ملتی ہے ـــ (۲ : ۲۸)
۲۔ یہ عقیدہ باطل ہے کہ زمانے کی گردش سے انسان کی موت واقع ہوتی ہے ـــ (۴۵ : ۲۴)

(۲۵) **مشیّت۔ تقدیر**

اس موضوع کی تفصیل' تقدیر کے عنوان میں ملے گی۔ اس مقام پر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ خدا کی مشیت کے تین دائرے ہیں۔ دائرہ اول وہ ہے جس کا تعلق عالمِ امر یا جہانِ مشیت سے ہے۔ اس میں خدا جو کچھ چاہتا ہے اپنی منشاء اور ارادہ سے کرتا ہے ـــ (۱۱ : ۱۰۷) ـــ (۱۸ ؛ ۱۴ : ۲۲)
دوسرا دائرہ وہ ہے جس میں اس نے ہر شے کے لئے قوانین مرتب کر دیئے ہیں اور وہاں پر کام ان قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ دائرہ کائنات سے متعلق ہے ـــ (۳ : ۶۵)۔ کائنات کی ہر شے ان قوانین کی اطاعت پر مجبور ہے ـــ (۴۹ : ۱۶)
تیسرا دائرہ' انسانی دنیا کا ہے۔ خدا کے قوانین اس کے لئے بھی متعین ہیں۔ لیکن اس میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو ان قوانین کی پابندی کرے اور چاہے ان کی خلاف ورزی کرے۔ وہ جیسا کریگا، اس کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑے گا ـــ (۱۸ : ۲۹) ـــ (۴۱ : ۴۰)
لہٰذا' جہاں جہاں اللہ کے متعلق مایشاء (جیسا وہ چاہتا ہے) وغیرہ الفاظ آئے ہیں وہاں یہ دیکھنا ہوگا کہ

ان کا تعلق کس دائرے سے ہے۔ اسی کے مطابق ان الفاظ کا مفہوم لیا جائے گا۔

(۲۶) **توکل**

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہے کہ خدا پر توکل کرنا چاہیئے ــــ (۲ : ۸)۔ توکل کے معنی ہیں کامل بھروسہ۔ پورا پورا اعتماد۔ قوانین خداوندی اس قدر محکم ہیں کہ نہ ان میں کبھی تغیر و تبدل ہوتا ہے نہ ہی وہ اپنی نتیجہ خیزی میں کبھی تساہل یا غلطی کرتے ہیں۔ ان قوانین کی محکمیت اور نتیجہ خیزی کی صداقت پر یقین کامل کا نام خدا پر توکل کرنا ہے۔ مومنین کا شعار یہی ہے ــــ (۱۲ ــــ ۱۱ : ۱۴)۔ اسی اعتبار سے خدا کو وَكِيلٌ ــــ (۱۳۲ : ۴) کہا گیا ہے۔

(۲۷) **ولایت**

قرآن میں ہے کہ خدا مومنین کا ولی ہے ــــ (۲۵۷ : ۲)۔ ولی کے معنی محافظ، سرپرست، رفیق کے ہیں۔ جو لوگ قوانین خداوندی کا اتباع کرتے ہیں، انہیں زندگی کے خطرات سے حفاظت ملتی ہے۔ وہ روش ان کی پشت پناہ بنتی ہے۔ چونکہ ان کا ہر پروگرام صحیح خطوط پر متشکل ہوتا ہے اس لئے انہیں قوانین خداوندی کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ یوں خدا ان کا رفیق و مددگار بنتا ہے۔ چونکہ صحیح راستہ صرف قوانین خداوندی پر چلنے سے ہی ملتا ہے اس لئے خدا کے علاوہ کوئی اور ولی نہیں ہو سکتا ــــ (۱۱۴ : ۶) ــــ (۴۱ : ۲۹) ــــ (۹ : ۴۲)

۲۔ انسان کو اپنی کمزوری کی وجہ سے دوست اور حمایتی کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدا کو اس طرح کی ضرورت کبھی نہیں پڑتی ــــ (۱۱۱ : ۱۷)

۳۔ انسان کو اپنے صحیح اعمال کے نتیجہ میں خدا کی ولایت ملتی ہے ــــ (۱۲۸ : ۶) ــــ (۱۹۶ : ۷)

(۲۸) **الحکیم**

حکمت کے معنی ہیں معاملات کو صحیح حدود کے اندر رکھنا اور انہیں ادھر ادھر نہ ہونے دینا۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت الحکیم بھی ہے ــــ (۱۴۰ : ۶) ــــ (۱ : ۱۱)

(۲۹) **الحلیم**

حلیم اسے کہتے ہیں جو یونہی ذرا ذرا سی بات پر بھڑک نہ اٹھے۔ جو بہت ثقہ، متین، سنجیدہ، بھاری بھرکم، صاحب قوت و عظمت ہو۔ خدا کے حلیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا قانون مکافات، آئین اور اصول کے مطابق ہر کام کو اس کے نتیجے تک پہنچاتا ہے۔ اگر اس دوران میں انسان اپنی اصلاح کر لے تو وہ اپنی غلط روش کے نقصانات سے محفوظ رہتا ہے۔ ــــــ (۲۵۵ : ۲) ــــ (۱۵۴ : ۳)

(۳۰) **الغفُور**

اگر انسان قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرے تو اس میں اتنی صلاحیت اور توانائی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تخریبی قوتوں کے حملہ کی مدافعت کر سکے اور یوں زندگی کے خطرات سے محفوظ رہے۔ اس طرح کی حفاظت کو مغفرت کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے خدا غفور ہے — (۲:۲۱۸) — (۲۲:۶۰)۔ اسی کو غفار بھی کہتے ہیں — (۲۰:۸۲)

(۳۱) **اَلعَفُوُّ**

ایک انداز تو یہ ہے کہ ادھر کسی سے کوئی غلطی ہوئی اور اُدھر اس کا ٹینٹوا دبا دیا۔ اور دوسرا انداز یہ ہے کہ لغزش کرنیوالے کو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ اپنی روش پر احتسابی نگاہ ڈال کر اپنے کئے پر منفعل ہو اور آئندہ اس سے مجتنب رہے۔ اس صورت میں اس کی غلطی سے درگذر کیا جاتا ہے یعنی اس شخص کی اصلاح، اس غلطی کے نقصان رساں نتیجہ کی تلافی کر دیتی ہے۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت اَلعَفُوُّ بھی ہے —(۲۲:۶۰)

(۳۲) **اَلتَّوَّابُ**

زندگی کے کسی دوراہے پر ایک شخص کا قدم غلط سمت کی طرف اُٹھ گیا۔ تھوڑی دور جا کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پیچھے پاؤں واپس لوٹا۔ اسے توبہ کہتے ہیں۔ جب یہ شخص غلط سمت کی طرف بڑھ رہا تھا تو خدا کا قانون اس سے ہر قدم پر دور ہٹتا جا رہا تھا۔ جونہی اس نے واپسی کے لئے منہ موڑا، خدا کا قانون بھی اس کی طرف بڑھ آیا۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت اَلتَّوَّابُ بھی ہے۔ یعنی جو اس کی طرف بڑھے، اس کی طرف تیزی سے بڑھنے والا — (۲:۵۴) — (۳:۱۱۰)

(۳۳) **رَؤُفٌ**

رحیم اور رؤف معانی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ رحمت کے معانی ہیں سامانِ نشو و نما کا مہیا کرنا۔ اور رأفت کے معنی ہیں نہایت نرمی سے ان موانع کو دور کرنا جو کسی کی نشو و نما کے راستے میں حائل ہوں۔ اس لئے قرآن کریم نے الرّحیم کے ساتھ خدا کی صفت رؤف بھی بیان فرمائی ہے — (۹:۱۱۷)—(۲۲:۶۰)

(۳۴) **اَلوَدُودُ**

جو لوگ قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے ہیں ان کے متعلق قرآنِ کریم میں کہیں یہ کہا گیا ہے کہ خدا انہیں پسند کرتا ہے۔ کہیں یہ کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے۔ اس کے لئے ایک لفظ مودّت ہے۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت اَلوَدُودُ بھی ہے — (۱۱:۹۰) — (۸۵:۱۴)

(۳۵) **الکریم**

کریم کا لفظ عربوں کے ہاں بڑا وسیع المعنی ہے۔ یوں سمجھئے کہ جب انہوں نے یہ کہنا ہو کہ فلاں شخص میں انسانیت کی تمام بلند صفتیں اور عمدہ ترین خصلتیں موجود ہیں تو وہ اسے کریم سے تعبیر کرتے تھے۔ یعنی ہر قسم کے شرف و مجد کا مالک۔ ہر نوع کی عزت و تکریم کا حامل۔ بے بہا جود و سخا اور عنایات کا حامل۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب یہ لفظ خدا کے لئے بولا جائے گا تو اس کا مفہوم کیا ہو گا ــــ (۴۰ : ۲۷) ــــ (۶-۷ : ۸۲)

ایک مقام پر اکرم بھی آیا ہے ــــ (۳ : ۹۶)

(۳۶) **اَلْبَرّ**

اس کے معنی ہیں حدود فراموش وسعتوں کا مالک۔ زندگی میں کشادگی راہیں پیدا کرنے والا۔ اسی لئے رحیم کے ساتھ بَر کی صفت بھی آئی ہے ــــ (۲۸ : ۵۲)

(۳۷) **الحفیظ**

حفاظت کرنے والا ــــ (۵۷ : ۱۱)

(۳۸) **الرّقیب**

نگران ــــ (۵۲ : ۳۳)

(۳۹) **المھیمن**

ہر شے کو اپنے احاطہ میں لے کر اس کی محافظت کرنے والا ــــ (۲۳ : ۵۹)

(۴۰) **القیّوم**

وہ جس سے ہر شے اپنے وجود کو لئے ہوئے قائم ہو لیکن اسے اپنی ذات کے لئے کسی سہارے کی ضرورت نہ ہو ــــ (۲ : ۲۵۵)

(۴۱) **المقیت۔ شَہِیْدٌ**

اس کے معنی بھی محافظ و نگران کے ہیں ــــ (۸۵ : ۴)۔ انہی معنوں میں شَہِیْدٌ کا لفظ آیا ہے ــــ (۱۱۷ : ۵)

(۴۲) **الاوّل۔ والآخر۔ والظاھر۔ والباطن**

یہ چاروں صفات خدا کی لامتناہیت کی مظہر ہیں ــــ (۳ : ۵۷)

(۴۳) **قریب۔ مجیب**

خدا ہر مقام پر ہے۔ اور انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ــــ (۱۸۶ : ۲) ــــ (۵۰ : ۳۴) ــــ

(۵۰ : ۱۶) ــــ (۸۵ : ۵۶)

مجیب: اس کے معنی یہ ہیں کہ جب بھی کوئی، خدا کے قانون کو اپنی راہ نمائی کے لئے پکارتا ہے تو وہ اس کی راہ نمائی کے لئے سامنے آجاتا ہے ــــ (۲:۱۸۶) ــــ (۱۱:۶۱)

(۴۴) **لطیف**

ہر جگہ موجود، لیکن اس کے باوجود ایسا لطیف کہ حواس اس کا ادراک تک نہ کر سکیں ــــ (۶:۱۰۴)۔ نیز ان لوگوں کے ساتھ جو صحیح روش اختیار کرنا چاہیں، نرمی کا برتاؤ کرنے والا ــــ (۱۲:۱۰۰) ــــ (۴۲:۱۹)

(۴۵) **الحسیب**

خدا کا قانونِ مکافات انسانی اعمال کے ذرہ ذرہ کا حساب رکھتا ہے اور اس کے مطابق ان کے نتائج مرتب کرتا ہے (۲:۲۸۴) ــــ (۸:۶۵)۔ اس اعتبار سے خدا کو حسیب کہا گیا ہے ــــ (۴:۸۶)۔ نیز ــــ (۲۱:۴۷) ــــ (۸۸:۲۶)

(۴۶) **شاکر۔ شکور**

انسانی اعمال کی قدر کر کے، ان کی حیثیت کے مطابق ان کا بدلہ دینے والا ــــ (۲:۱۵۸) ــــ (۳۵:۳۰) ــــ (۶۴:۱۷)

(۴۷) **اَلسَّلَامُ**

"سلام" کا لفظ بڑا وسیع المعنی ہے۔ اس میں سلامتی سے لے کر تکمیلِ ذات تک تمام گوشے آجاتے ہیں۔ خدا کی ایک صفت السّلام بھی ہے ــــ (۵۹:۲۳)۔ یعنی سلامتی کا ضامن۔ اور انسانی ذات کو نشو ونما دے کر تکمیل تک پہنچانے والا۔

(۴۸) **المؤمن**

امن کا ضامن جس کے قوانین کی اطاعت سے لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ــــ (۲:۳۸) کی کیفیت پیدا ہو جائے ــــ (۵۹:۲۳)

(۴۹) **الاعلٰی۔ العلی۔ المتعال**

ان صفات میں خدا کے غلبہ و اقتدار، ملکوت و کبریائی کے مختلف گوشے آجاتے ہیں ــــ (۲:۲۵۵) ــــ (۱۳:۹) ــــ (۳۱:۳۰) ــــ (۸۷:۱)۔ تعالٰی ــــ (۲۰:۱۱۴)

(۵۰) **العظیم** ــــ انتہائی عظمتوں کا مالک ــــ (۴۲:۴)

(۵۱) **العزیز۔ المتین**

عزیز کے معنی ہیں صاحبِ غلبہ و تسلط۔ متین کے معنی ہیں جس کی تدابیر بڑی محکم ہوں ــــ (۵۱:۵۸) ــــ (۵۹:۲۳)

(۵۲) **البارئ۔ المصوّر**

ہر شے سے حشو و زوائد دور کرکے اسے ایسا پیکر عطا کرنے والا جس سے وہ حواسِ انسانی کی زد میں آجائے۔
—(۵۹:۲۴)

(۵۳) **الواسع**

لامحدود وسعتوں کا مالک۔ اور وسعتیں عطا کرنے والا —(۲:۱۱۵)—(۲:۲۶۱)

(۵۴) **الوھّاب**

موہبت ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو نہ کسی غرض کے لئے دیا جائے، نہ معاوضہ کی خاطر، اور نہ ہی کسی خدمت کے عوض۔ کائنات میں سامانِ زیست اس فراوانی سے بکھرا پڑا ہے۔ یہ سب خدا کی موہبت ہے اس لئے خدا کی ایک صفت اَلْوَھَّابُ آئی ہے —(۳:۷)—(۳۸:۹)

(۵۵) **الغنی**

جسے کسی کی احتیاج نہ ہو اور جو سب کی احتیاج پوری کرے۔ انسان اگر قوانینِ خداوندی کے مطابق چلتا ہے تو اس سے خدا کا کچھ نہیں سنورتا۔ اپنا ہی کچھ سنورتا ہے۔ اس لئے کہ خدا لوگوں کے نیک اعمال کا محتاج نہیں —(۳۱:۱۲)—(۲۷:۴۰)—(۱۴:۸)—(۶:۱۳۳—۱۳۴)

(۵۶) **الفتّاح**

فتح کے معنی ہیں کشادہ کے دروازے کھول دینا۔ حق و باطل میں ایسی تمیز کر دینا جس سے حق کا غلبہ واضح طور پر سامنے آجائے۔ اس اعتبار سے خدا کی ایک صفت فَاتِحٌ بھی ہے —(۸۹:۷)—(۳۴:۲۶)

(۵۷) **الحقّ**

حق کے مفہوم کے لئے حق کا عنوان دیکھئے۔ خدا نے اپنے لئے بھی الحقّ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الحقّ ہے ہی خدا کی ذات۔ پھر جو کچھ خدا کی طرف سے آئے وہ حق ہے —(۱۰:۳۲)—(۲۲:۶۲)

(۵۸) **حمیدٌ۔ مجیدٌ**

ہر قسم کی حمد و ستائش کا سزاوار۔ ہر قسم کی عظمت و بزرگی کا مالک —(۱۱:۷۳)

(۵۹) **الباسط**

چونکہ رزق کی بست و کشاد خدا کے قوانین سے وابستہ ہے، اس لئے اسے الباسطُ بھی کہا جاتا ہے —
(۴۲:۲۹)

اس کے مقابل میں القابض ہے ــــــ (۵۴ : ۲۱)

یہ ہیں مختصر الفاظ میں خدا کی نمایاں صفات (الاسماء الحسنیٰ) جن سے خدا نے خود اپنا تعارف کرایا ہے۔ اس فہرست میں اور بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ یعنی خدا نے جتنے اور امور کی نسبت اپنی طرف کی ہے ان سے اس کی صفات کا تصور سامنے آتا ہے۔ لیکن یہ صفات ہوں یا کوئی اور' ان میں اس نکتہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ صفات اُس پیمانے کی نہیں جس پیمانے کی صفات انسانوں میں ہوتی ہیں۔ انسانی صفات میں جذبات کا دخل ہوتا ہے اور خدا جذبات سے بلند، منزہ اور مبّرٰی ہے۔ نیز انسانی صفات محدود پیمانے پر ہوتی ہیں اور خدا کی صفات لامحدود پیمانے پر۔ اس لئے خدا نے کہا ہے کہ ان صفات کی رُو سے ذہن انسانی خدا کے متعلق جو تصور قائم کرتا ہے، اس کی ذات اس سے بلند و بالا ہے۔ محدود ذہن، لامحدود کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ــــ (۹۱ : ۲۳) سے یہی مراد ہے۔ ان صفاتِ خداوندی میں سے کسی ایک کو لے کر اس میں حد سے بڑھنا غلط ہے۔ جیسے عیسائیت اس کی صفتِ رحم میں حد سے نکل گئی اور عدل کو فراموش کر دیا ــ (۱۸۰ : ۷)

ـــــــ (٠) ـــــــ

اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰے

اللہ تعالےٰ کی جو صفات قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں ــ خواہ وہ ایک لفظ میں ہوں یا انہیں کسی آیت کے مفہوم سے متعین کیا گیا ہو' ان کی فہرست حسبِ ذیل ہے:۔

ربّ العالمین ـ الرحمٰن ـ الرحیم ـ مالک یوم الدین ـ مالک الملک، المحیط، القدیر ـ الخالق ـ العلیم ـ الحکیم ـ التواب ـ الباری ـ المصوّر ـ الفتاح ـ القابض ـ الباسط ـ الرافیع ــــ (۱۵ : ۴۰) ـ الحق، الحمید ـ الغفار ـ البصیر ـ ذوالفضل ـ الناصر ـ النصیر الواسع ـ البدیع ـ العزیز ـ الشاکر ـ الرؤوف ـ الغفور ـ السمیع ـ الحلیم ـ الحی ـ القیوم ـ المعز ـ المذلِ ــ (۲۵ : ۳) ـ الحفیظ ـ المجیب ـ المجید ـ العلی ـ العظیم ـ الخبیر المغنی ـ الوھاب ـ الودود ـ المحی ـ الممیت ـ المقیت ـ الحسیب ـ الوکیل ـ الشھید ـ الرازق ـ المبدی ـ المعید ــــ (۴ : ۱۰) ـ الحق ـ المنتقم ـ علام الغیوب ـ الجامع (۸ : ۳) الرقیب ـ القاھر ـ الحاسب ـ القادر ـ اللطیف ـ الواحد ـ القھار ـ الخلاق ـ الکبیر ـ

القوی - المقتدر - الاول - الآخر - الظاہر - الباطن - النور - الولی - الهادی - الباقی —(۲۷:۵۵) الوارث —(۲۳:۱۵) - الملک - القدوس - السلام - المؤمن - المهیمن - الجبار - المتکبر - الشکور - الاحد - الصمد - ذوالجلال والاکرام —(۲۷:۵۵)

(جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، اس فہرست میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے یعنی جو باتیں خدا نے اپنی طرف منسوب کی ہیں۔ ان سے اس کی صفت متعین کرلی جائے۔ جیسے تدبیر امور سے المدبّر وغیرہ)

(۰)

قرآن کریم میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو انسانی اعضاء (ہاتھ، آنکھ وغیرہ) پر دلالت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک پیرایۂ بیان ہے جس میں یہ الفاظ استعارۃً آئے ہیں نہ کہ حقیقی معنوں میں۔ مثلاً وجہ اللہ —(۲:۱۱۵)۔ ان الفضل بید اللہ —(۳:۷۲)۔ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا —(۱۱:۳۷)

(۰)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۔ لَهُ الْمُلْكُ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ —(۳۹:۶)

یہ ہے اللہ تمہارا نشوونما دینے والا۔ سارا اقتدار اسی کے لئے ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی اطاعت اور محکومیت اختیار کی جائے۔ سو تم کدھر بھٹکتے پھر رہے ہو؟

(۰)

متفرقات

(۱) خدا کی ایک صفت ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ —(۱:۳) الدین کی تفصیل دین کے عنوان میں ملے گی۔ یہاں اس کے معنی جزا اور سزا کے ہیں۔ یعنی اعمال کے نتائج۔ دین کی ساری عمارت قانونِ مکافاتِ عمل کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اس قانون پر خدا کے کنٹرول کے معنی یہ ہیں کہ یہ اپنی کارفرمائی میں اٹل ہے۔

(۲) جزا و سزا کے سلسلہ میں، خدا کی ایک صفت شدید العقاب بھی آئی ہے —(۲:۱۹۶)۔ یعنی مجرم کا بڑی شدت سے پیچھا کرنے والا۔

(۳) انسانوں کو راہ نمائی دینے کے اعتبار سے خدا کو الہادی بھی کہا جاتا ہے —(۲۵:۳۱)

(۴) اس کے قوانین کے اٹل ہونے کی جہت سے، خدا کے متعلق ہے۔ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ــــ (۳ : ۸) یعنی وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ خدا کے "وعدے" اس کے قوانین ہی ہیں۔

(۵) خدا خیر کا سرچشمہ ہے۔ جب ہم کائناتی قوتوں یا اپنی صلاحیتوں کو قوانینِ خداوندی کے خلاف استعمال کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ شر ہوتا ہے۔ ورنہ خدا تو خیر ہی خیر ہے ــ (۳ : ۲۵)

(۶) خدا کا پروگرام جس کے مطابق کائنات میں اس کے قوانین کارفرما رہتے ہیں، اس کی تدابیر کہلاتا ہے۔ اس جہت سے خدا کو خیر الماکرین ــــ (۳ : ۵۳) کہا گیا ہے۔ بہترین تدابیر کرنیوالا۔

(۷) انسان کو صحیح مدد، خدا کے قوانین کے اتباع سے ملتی ہے۔ اس لحاظ سے خدا کو ناصر ــ (۳ : ۱۴۹)۔ اور نصیر کہا گیا ہے ــــ (۴ : ۴۵)

(۸) خدا کی ہر بات سچی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق یہ کہا ہے کہ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ــــ (۴ : ۸۷)

(۹) خدا کا قانونِ مکافات جملہ کائنات کو اپنے گھیرے میں لئے ہے۔ اس لحاظ سے خدا کے متعلق کہا گیا ہے وَكَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ــــ (۴ : ۱۰۸)

(۱۰) خدا ساری مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس لئے بدیع السمٰوٰت و الارض ــ (۲ : ۱۱۷)، اور فاطر السمٰوٰت والارض ــ (۶ : ۸۰) کہا گیا ہے۔

(۱۱) بیج سے پودا اُگانے کی جہت سے خدا کو فالق الحبّ والنویٰ ــــ (۶ : ۹۶) کہا گیا ہے۔

(۱۲) خدا کائنات میں ہر جگہ ہے ــــ (۲ : ۱۱۵) ــ (۳ : ۶) ــ (۷ : ۷) ــ (۴ : ۵۷) ــ (۷ : ۵۸)۔ مشرق و مغرب اس کے لئے ہے ــــ (۲ : ۱۱۵)

(۱۳) وہ سب کو کھلاتا ہے لیکن خود نہیں کھاتا ــــ (۶ : ۱۴)

(۱۴) خدا کے اختیارات لامحدود اور مطلق ہیں۔ لیکن اس نے خود ہی اپنے اختیارات پر پابندی عاید کر رکھی ہے۔ چونکہ یہ اس نے اپنی مرضی اور ارادے سے کیا ہے اسلئے اس سے اسکے قادر مطلق ہونے پر کسی قسم کا حرف نہیں آتا۔ (مثلاً) كتب على نفسه الرحمة ــ (۶ : ۱۲) اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دے رکھا ہے۔ یا حقًا علینا ننج المؤمنین ــــ (۱۰ : ۱۰۳)۔ یا وکان حقا علینا نصر المومنین (۴۷ : ۳۰)۔ مومنین کو تباہیوں سے محفوظ رکھنا اور ان کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے۔

(۱۵) جب انسانوں کی کوئی جماعت قوانینِ خداوندی پر عمل پیرا ہوتی ہے تو اس کا پروگرام جلد عمل میں آجاتا

ہے۔ ان انسانوں کے کام کو خدا خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے ۔۔۔ (۸ : ۱۷) ۔۔۔ (۷ : ۷۴) ۔۔۔ (۱۰ : ۸۴)

(۱۶) ہر شے کے خزانے خدا کے پاس ہیں لیکن وہ ان میں سے قدرِ معلوم (متعین پیمانوں) کے مطابق لوگوں کو دیتا ہے ۔۔۔ (۱۵ : ۲۱)

(۱۷) سب صفاتِ حسنیٰ خدا کے لئے ہیں۔ اسے کسی صفت سے پکارو بات ایک ہی ہے ۔۔۔ (۱۷ : ۱۱۰)

"حسنیٰ" میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان صفات میں کامل توازن و تناسب ہے۔ حسن نام ہی صحیح تناسب کا ہے۔ اور خدا کی صفات چونکہ مکمل ترین ہیں اس لئے ان کا تناسب بھی حسین ترین ہے۔

(۱۸) اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض ہے ۔۔۔ (۲۴ : ۳۵)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کائنات میں ہر جگہ اسی کی راہ نمائی کارفرما ہے۔

(۱۹) فطرت اللّٰہ سے مراد خدا کا اندازِ تخلیق ہے نہ کہ "خدا کی فطرت" ۔۔۔ (۳۰ : ۳۰)

(۲۰) تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر روشنائی۔ پھر بھی کلمات اللّٰہ ختم نہ ہوں ۔۔۔ (۳۱ : ۲۷)

اس سے کائنات کی وسعت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

(۲۱) اگر تم دینِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے جدوجہد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کریگا ۔۔۔ (۴۷ : ۷)

(۲۲) خدا، رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس ہے ۔۔۔ (۱۱۴ : ۱ ۔ ۳)

(۲۳) کائنات میں صرف خدا کا قانون کارفرما ہے ۔۔۔ (۲۶ : ۷۸ ۔ ۸۲)

(۲۴) ربنا الذی اعطیٰ کل شیءٍ خلقہٗ ثم ھدیٰ ۔۔۔ (۲۰ : ۵۰)

(۲۵) خلق فسویٰ ۔ قدر فھدیٰ ۔۔۔ (۸۷ : ۲ ۔ ۳)

―――― (۰) ――――

یوں تو صفاتِ خداوندی سارے قرآن میں درخشندہ موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں لیکن بعض آیات میں انہیں (گویا) ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ مثلاً ۔۔۔ (۲ : ۲۵۵) یا (۵۹ : ۲۳ ۔ ۲۴)۔ یا سورۂ اخلاص (۱۱۲ : ۱ ۔ ۴)

―――― (۰) ――――

ایک اہم حقیقت

حیوانی زندگی اور انسانی زندگی میں فرق یہ ہے کہ انسان کو خدا نے ذات (PERSONALITY) عطا کی

ہے بمکمل ترین ذات خدا کی ہے۔ اور اس کے بعد محدود پیمانے پر خدا کی عطاکردہ انسانی ذات۔ انسان کو اسکی ذات غیر نشوونما یافتہ حالت میں ملتی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد اس کی ذات کی نشوونما ہے۔ انسانی ذات میں اس امر کا امکان ہے کہ (وہ ان صفات کو چھوڑ کر جو ذاتِ خداوندی سے مخصوص ہیں اور جن میں کوئی اور شریک نہیں ہوسکتا مثلاً ھوالاول وغیرہ) صفاتِ خداوندی کو علیٰ حدِ بشریت اپنے اندر منعکس کرتی جائے۔ اس بنا پر، خدا کی صفات ہمارے لئے معیار بنتی ہیں یہ پرکھنے کے لئے کہ ہماری ذات کس حد تک نشوونما یافتہ ہو چکی ہے۔

دوسرے یہ کہ کائنات کے ہر واقعہ پر خدا کی ایک خاص صفت کا ظہور ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کے گہرے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کس قسم کے واقعات پر خدا کی کس قسم کی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ انسانی ذات کے نشوونما یافتہ ہونے سے مقصود یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات وحوادث پر انسان کا ردِ عمل بھی ویسا ہی ہو۔ اسی کو قربِ خداوندی کہا جاتا ہے۔ (تفصیل اس اجمال کی مصنف کی کتاب "من و یزداں" میں ملے گی)۔

(٥)

۶۸۔ الیاس۔ اِل یاسین

الیاس قرآن کریم میں انہیں زمرۂ انبیاء کرام میں بتایا گیا ہے — (۸۶ : ۶)۔ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ بعل کی پرستش کرتے تھے — (۱۲۵-۱۲۳ : ۳۷)۔ انہی کا دوسرا نام اِلْ یاسین بتایا گیا ہے — (۱۳۰ : ۳۷)

انہیں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے بتایا گیا ہے — (۸۵ : ۶)۔ اس لئے یہ غالباً انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہوں گے۔ ممکن ہے یہ وہی ہوں جن کا نام تورات میں ایلیا نبی آیا ہے۔

(٥)

۶۹۔ الیسع

الیسع قرآن کریم نے انہیں من زمرۂ انبیاء کرام بتایا ہے — (۸۷ : ۶)۔ نیز — (۴۸ : ۳۸) تورات میں انہیں (ELISHA) کہا گیا ہے۔

(٥)

۷۰ - الم

الم - درد کو کہتے ہیں۔ اَلِیۡمٌ کے معنی درد پہنچانے والا یا دردناک ہیں۔ الیم العذاب اس تکلیف کو کہتے ہیں جو درد انگیزی میں انتہا تک پہنچی ہوئی ہو۔ اس میں زندگی کی تمام ناخوشگواریاں آجاتی ہیں۔

قرآن کریم نے غلط اعمال کے نتائج کو عذابِ الیم کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی وہ زندگی جس میں انسان تمام خوشگواریوں سے محروم رہ جائے، خواہ وہ اس دنیا میں ہو اور خواہ آخرت میں ـــــ (۲ : ۱۰)۔ یہ لفظ قرآن کریم میں انہی معنوں میں آیا ہے اور بے شمار مقامات پر۔ ان کے حوالوں کی ضرورت نہیں۔

ـــــــ (٥) ـــــــ

۷۱ - امام

امام (مادہ ا - م - م)۔ وہ شخص جو آگے ہو۔ یہ دراصل اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے معمار دیکھتے ہیں کہ دیوار کی تمام اینٹیں ایک سیدھ میں آرہی ہیں یا نہیں (اسے ہمارے ہاں ساتھل کہتے ہیں)۔ اس سے امام کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ یعنی وہ جس کی زندگی کو سامنے رکھ کر یہ دیکھا جائے کہ ہم سیدھے راستے پر چل رہے ہیں یا نہیں۔ اسی لئے سیدھے وسیع راستے (شاہراہ) کو بھی امام کہتے ہیں۔ نیز، انسان کے اعمال نامہ کو بھی کہ وہ بھی انسان کی روش کا صحیح آئینہ ہوتا ہے اور اس کا مقام متعین کرنے کا معیار۔ (جمع ائمہ)

ـــــــ (٥) ـــــــ

نوعِ انسان کی امامت

(۱) جب حضرت ابراہیمؑ معیار خداوندی پر ہر طرح پورے اُترے تو کہا کہ ہم نے تجھے نوعِ انسان کا امام بنا لیا ہے (۲ : ۱۲۴)۔ یہی وہ مقامِ ابراہیمی ہے (یعنی اقوامِ عالم کی لیڈرشپ) جس کے حصول کی جماعتِ مومنین کو تاکید کی گئی ہے ـــــ (۲ : ۱۲۵)

(۲) مومنین کی آرزو (دعا) کہ ہمیں متقیوں کا امام بنادے ـــــ (۲۵ : ۷۴)۔ کتنا بلند ہے یہ مقام جس کے حصول کی آرزوئیں، مومنین کے سینے میں مچلتی اور دعا بن کر ان کے لب تک آجاتی ہیں۔ اور چونکہ دعا (یا آرزو)

صرف اس کی سکھائی جاتی ہے جو ممکن الحصول ہو، اس لئے اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ جماعت مومنین کا صحیح مقام کیا ہے۔ پورے عالم انسانیت میں جو لوگ زندگی کی پُر خطر گھاٹیوں سے بچ کر چلنے کے متمنی ہوں ان کی لیڈرشپ، اور لیڈرشپ بھی وہ جو سیرت و کردار کی بلندی کی بنا پر حاصل کی جائے، نہ کہ وہ جو محض قوت اور استبداد کے زور پر جھپٹ لی جائے۔

متفرقات

(۱) امام بمعنی واضح، کھلا راستہ (شاہراہ) ـــــ (۱۵ : ۷۶ ; ۸۰)

(۲) امام مبین ـ بمعنی انسانی اعمال کا ریکارڈ جن کے نتائج خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے مرتب ہوتے ہیں ـــــ (۳۶ : ۱۲)

(۳) کتابِ موسےٰ، امام و رحمت تھی ـــــ (۱۱ : ۱۷) ـــــ (۴۶ : ۱۲)

(۴) جس دن تمام انسان، اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائے جائینگے۔ یہاں امام کے معنی اعمالنامہ بھی ہو سکتے ہیں (۱۷ : ۷۱)

(۵) ائمۃ الکفر ـ بمعنی سرغنے ـــــ (۹ : ۱۲) ـــــ (۲۸ : ۴۱)

(۶) انبیاء سابقہ کو ائمہ بنایا ـــــ (۲۱ : ۷۳) ـ بنی اسرائیل کو ائمہ بنایا ـــــ (۲۸ : ۵) ـــــ (۳۲ : ۲۴)

ـــــ (۰) ـــــ

۲۷ ـ امانت ـ امین

امانت (مادہ ۔ ء ۔ م ۔ ن) ۔ امانت ۔ وہ چیز جو کسی کو اُس کے بھروسے پر دیدی جائے ۔ امین ۔ بمعنی مطمئن جسے قابلِ اعتماد سمجھا جائے ۔ جو کسی کو قابلِ اعتماد سمجھے ۔ جس مقام میں پورا پورا ۔۔۔۔ اطمینان اور سامانِ حفاظت موجود ہو ۔ اس مادہ میں "امن" کا پہلو نمایاں ہوتا ہے ۔ تفصیل اس کی "ایمان" کے عنوان میں دیکھئے ۔

ـــــ (۰) ـــــ

امانت کی حفاظت کا حکم

(۱) باہمی قرض کے معاملہ کو تحریر میں لے آنا چاہیئے ۔ اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں ہو اور کاتب نہ ملے تو مقروض

کی کوئی شے بطور امانت اپنے قبضہ میں لی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس پر ویسے ہی اعتبار کر لیا جائے تو اُسے چاہیئے کہ اپنی امانت کو بحفاظت ادا کر دے ——— (۲۸۳ : ۲)

(۲) اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں کہ اگر انہیں مال کے ڈھیر کا امین بنا دیا جائے تو اسے بلا توقف واپس کر دیں۔ (۷۴ : ۳)۔ اور وہ بھی کہ ایک دینار تک واپس نہ دیں ——— (۷۴ : ۳)

(۳) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانات کو ان کے اہل کی طرف لوٹا دیا کرو ——— (۵۸ : ۴)

(۴) اپنی امانات میں خیانت نہ کرو۔ نہ ہی نظامِ خداوندی سے خیانت کرو ——— (۲۷ : ۸)

(۵) اپنی امانات کی پاسداری کرنے والے مومن کامیاب ہیں ——— (۸ : ۲۳) ——— (۳۲ : ۷۰)

(۶) دربارِ حضرت سلیمانؑ کے قوی ہیکل سردار نے کہا کہ میں ملکۂ سبا کا تخت لاؤں گا اور امین ثابت ہوں گا ——— (۳۹ : ۲۷)

(۷) کارندہ کو قوی اور امین ہونا چاہیئے۔ حضرت موسیٰؑ میں یہ صفات تھیں ——— (۳۹ : ۲۷) ——— (۲۶ : ۲۸)

(۸) ارض و سمٰوٰت نے امانتِ خداوندی میں خیانت نہیں کی! انسان ایسا کرتا ہے ——— (۷۲ : ۳۳) یعنی کائنات کی ہر شے، قوانینِ خداوندی کی اطاعت بلا کم و کاست کئے جاتی ہے۔ لیکن انسان ان قوانین کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے۔

(۹) متقی مقامِ امین میں ہوں گے ——— (۵۱ : ۴۴)۔ ——— (۱۰) مکّہ بلدِ امین ہے ——— (۳ : ۹۵)

(۱۱) قرآن کو روح الامین لے کر نازل ہوا ——— (۱۹۳ : ۲۶)

ہر رسول امین ہوتا تھا

حضرت ہودؑ ——— (۶۸ : ۷)۔ حضرت یوسفؑ صاحبِ اقتدار اور امین تھے ——— (۵۴ : ۱۲) حضرت نوحؑ ——— (۱۰۷ : ۲۶) حضرت ہودؑ ——— (۱۲۵ : ۲۶)۔ حضرت صالحؑ ——— (۱۴۳ : ۲۶) حضرت لوطؑ ——— (۱۶۲ : ۲۶) حضرت شعیبؑ ——— (۱۷۸ : ۲۶) حضرت موسیٰؑ ——— (۱۸ : ۴۴)۔ نبی اکرمؐ مطاع اور امین تھے ——— (۲۱ : ۸۱)

——— (ن) ———

۷۳ - امر - (اذن)

(امر بالمعروف اور نہی عن المنکر الگ عنوان میں لکھا گیا ہے)

اَمْرٌ - (مادہ ا - م - ر) اس کے بنیادی معنی نشانِ راہ (DIRECTION) کے ہیں۔ اس کے بعد یہ لفظ

مشورہ اور حکم کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ خَلْقٌ کے مقابلہ میں استعمال ہو تو اس سے مفہوم ہوتا ہے کسی شئے کا وہ تخلیقی مرحلہ جب وہ محسوس شکل میں مرتب نہ ہوتی ہو بلکہ خدا کی اسکیم کے درجے میں ہو۔ اسی طرح یہ لفظ "قانونِ خداوندی" کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ قانونِ خداوندی کے تین گوشے ہیں۔ پہلا گوشہ وہ جہاں خدا اپنے اختیارِ مطلق سے قوانین کو وجود میں لاتا ہے۔ یہ خدا کا عالمِ امر ہے۔ دوسرا گوشہ خارجی کائنات کا ہے جہاں قوانینِ خداوندی ہر شئے کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ اور تمام اشیاء ان کے مطابق از خود عمل کرتی چلی جاتی ہیں۔ اور تیسرا گوشہ انسانی دنیا کا جس میں قانونِ خداوندی بذریعہ وحیِ نبوت انسانوں تک پہنچتا ہے۔ چونکہ خدا کا قانونِ مکافات بھی اس میں شامل ہے اس لئے اَمر کے معنی فیصلہ یا فیصلہ کن مرحلہ بھی ہوتا ہے۔

اِذْنٌ۔ مادہ (ا۔ ذ۔ ن) عام معنی اجازت۔ اعلان اور ایسا علم ہیں جس میں صاحبِ علم کا ارادہ اور مشیت بھی اس کے ساتھ شامل ہو۔ اس لئے یہ لفظ بالعموم قانونِ خداوندی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ خارجی کائنات سے متعلق ہو یا انسانی دنیا سے۔

امر (حکم) یا اذن (اجازت) کے متعلق ایک بنیادی غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر کہا جاتا ہے (اگرچہ یہ الفاظ قرآن کے نہیں) کہ "خدا کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا" یا خدا کی اجازت کے بغیر انسان ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ ہر شئے (انسانوں سمیت) مجبورِ محض ہے۔ اور اس کی ہر نقل و حرکت کے لئے خدا ہر مرتبہ الگ اجازت یا حکم دیتا رہتا ہے۔ یہ مفہوم صحیح نہیں۔ خدا نے پانی کو ایک ہی مرتبہ یہ اجازت یا حکم دے رکھا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے۔ اور پانی اس حکم یا اجازت کے مطابق ہمیشہ نشیب کی طرف بہے چلا جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ پانی خدا کے حکم یا اجازت سے نشیب کی طرف بہتا ہے لیکن اسی کو دوسرے لفظوں میں قانونِ خداوندی کہتے ہیں۔ لہٰذا اس حقیقت کو یوں بھی بیان کیا جائے گا کہ پانی کے متعلق قانونِ خداوندی (یا مشیتِ خداوندی) یہ ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ کلیہ بالکل درست ہوگا کہ کائنات کی ہر شئے قانونِ خداوندی کے مطابق کام کرتی ہے۔ انسانوں کے بارے میں قانونِ خداوندی یہ ہے کہ اسے ایک دائرے کے اندر صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے۔

مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قانون اس حکم یا اجازت کا نام ہے جو غیر متبدل ہو۔ چونکہ خدا کا ہر حکم یا اجازت ابدی اور غیر متبدل ہوتے ہیں اس لئے انہیں ہنگامی احکام کے بجائے غیر متبدل قانونِ خداوندی کہا جائے گا۔

(۰)

تخلیقی پروگرام کا عالم امر

(۱) خدا کا ئنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ جب وہ اپنی کسی اسکیم (امر) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس شے کے تخلیقی پروگرام کا آغاز ہو جاتا ہے ـــ (۲:۱۱۷)ـ(۳:۴۸)ـ(۶:۷۳)ـ(۱۹:۳۵)ـ(۳۶:۸۲) (۴۰:۶۸)

(۲) خدا کا امر تو بس آنکھ جھپکنے کے برابر ہوتا ہے ـــ (۵۰:۵۴)

خلق و امر دونوں خدا کے لئے ہیں

سلسلۂ کائنات کے ضمن میں کہا کہ خلق و امر خدا کے لئے ہیں ـــ (۷:۵۴)۔

مغربی مفکر (PRINGLE - PATTISON) نے کہا ہے کہ انگریزی زبان کی بدقسمتی ہے کہ اس میں خدا کی تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (CREATION) ہے۔ عربی زبان بڑی خوش قسمت ہے کہ اس میں خدا کے تخلیقی پروگرام کے لئے دو الفاظ (امر اور خلق) موجود ہیں۔ امر اس مرحلہ کا نام ہے جس میں تخلیق کی جانیوالی شے کی (DIRECTION) متعین کی جاتی ہے۔ اور خلق وہ منزل ہے جس میں وہ شے ہمارے نقطۂ نگاہ سے محسوس پیکر اختیار کر لیتی ہے۔ (بحوالہ خطبات اقبالؒ)

امر بمعنی فیصلہ یا حکومت کا فیصلہ یا امور مملکت

(۱) لوگ کہتے تھے کہ فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق ہو۔ خدا نے کہا کہ فیصلہ نظامِ خداوندی کی طرف سے ہوگا ـ (۳:۱۵۴)

(۲) اولی الامر (ماتحت ارباب حکومت) کی اطاعت ـــ (۴:۵۹)ـ(۴:۸۳)

(۳) جماعت مومنین کے امر (معاملات حکومت) کے فیصلے باہمی مشورے سے ہونگے ـ (۳:۱۵۸)ـ(۴۲:۳۸)

(۴) قیامت میں امر (حکومت) صرف خدا کی ہوگی ـــ (۸۲:۱۹)

(۵) حکومت کے معاملات میں رسول (یا سربراہِ مملکت) کا بھی اپنا اختیار نہیں ہوتا ـ (۳:۱۲۷)

(۶) جب تک مخالفین امر اللہ کی طرف نہ آئیں ان سے جنگ جاری رکھو ـ (۴۹:۹)

(۷) خدا اور رسول کے فیصلے کے بعد، کسی کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ـــ (۳۳:۳۶)

خدا کا فیصلہ یعنی قانونِ خداوندی۔ قانون مکافاتِ عمل کا نتیجہ

(۱) اللہ کا ہر فیصلہ (قانون) پورا ہو کر رہتا ہے ـــــ (۲ : ۱۰۹ ؛ ۲۱۰)ـــ(۴ : ۴۷)ـــ(۶ : ۸ ؛ ۵۸)

(۲) چاند، سورج، ستارے، خدا کے امر (قانون) کی رو سے قائم ہیں ـــــ (۷ : ۵۴)

(۳) قصۂ حضرت نوحؑ میں کہا کہ خدا کا امر پورا ہو کر رہا ـــــ (۱۱ : ۴۰ ؛ ۴۴)۔ قومِ ہودؑ ـــ(۱۱ : ۵۸)ـــ(۴۶ : ۲۵)ـــ
(۵۱ : ۴۴)۔ قومِ صالحؑ ـــ (۱۱ : ۶۶)ـــ(۱۵ : ۶۶)۔ قومِ لوطؑ ـــ (۱۱ : ۷۴ ؛ ۸۲)۔ قومِ شعیبؑ ـــ(۱۱ : ۹۴)
قومِ نوحؑ ـــ (۲۳ : ۲۷)ـــ(۵۴ : ۱۲)۔

(۴) اقوامِ سابقہ کی قوانینِ خداوندی سے سرکشی ـــــ (۶۵ : ۸)

(۵) قصۂ حضرت ابراہیمؑ کے ضمن میں کہا کہ کیا تم امر اللہ پر تعجب کرتے ہو؟ ـــ(۱۱ : ۷۳)

(۶) جب خدا کا امر آجاتا ہے تو کوئی مدد نہیں کر سکتا ـــــ (۱۱ : ۱۰۱)

(۷) خدا اپنے امر پر غالب ہے (اس کا فیصلہ یا قانون نافذ ہو کر رہتا ہے) ـــــ (۱۲ : ۲۱)ـــ(۶۵ : ۳)

(۸) امرِ الٰہی کے مطابق انسان کا ہر عمل محفوظ رہتا ہے تاکہ وہ صحیح صحیح نتیجہ پیدا کر سکے ـــــ (۱۳ : ۱۱)

(۹) خدا کے فیصلہ کا وقت (امر) آپہنچا ـــــ (۱۶ : ۱)

(۱۰) خدا کے امر کے مطابق فرشتے وحی لے کر نازل ہوتے ہیں ـــ(۱۶ : ۲)۔ وحی امرِ خداوندی ہے ـــــ
(۱۶ : ۸۵)ـــ(۴۰ : ۱۵ ؛ ۷۸)ـــ(۴۲ : ۵۲)

(۱۱) کفار، خدا کے امر (آخری فیصلہ) کے منتظر ہیں ـــــ (۱۶ : ۳۳)

(۱۲) حضرت مریمؑ، راہبہ کی متاہل زندگی اور ان کے بیٹے (حضرت عیسٰےؑ) کی پیدائش ایک طے شدہ بات تھی ـــ(۱۹ : ۲۱)

(۱۳) آخری فیصلہ کا دن، مخالفین کے لئے یوم الحسرت ہوگا ـــ (۱۹ : ۳۹)

(۱۴) رسولؑ خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ـــ (۲۱ : ۲۷)۔ اسکے امر کے مطابق تعلیم دیتے ہیں ـــ(۲۱ : ۷۳ ؛ ۳۲ : ۲۴)

(۱۵) قصۂ حضرت زیدؓ میں کہا کہ خدا کا امر (قانونی وضاحت) ہو کر رہنی تھی ـــــ (۳۳ : ۳۷)

(۱۶) خدا کا ہر فیصلہ اس کے مقرر کردہ پیمانے (قانون) کے مطابق ہوتا ہے ـــــ (۳۳ : ۳۸)

(۱۷) جب آخری فیصلہ کا وقت آجاتا ہے تو معاملہ بالحق طے ہو جاتا ہے ـــــ (۴۰ : ۷۸)

(۱۸) ہر فیصلہ اپنے وقت پر جا کر نمودار ہوتا ہے ـــــ (۵۴ : ۳)

(۱۹) تمام امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں یعنی ان کے فیصلے اس کے قوانین کے مطابق ہوتے ہیں —(۵۷ : ۵)

(۲۰) امر اللہ — قانونِ خداوندی کے مطابق فیصلہ کا وقت —(۵۷ : ۱۴)

(۲۱) امر بمعنی قانون بذریعہ وحی —(۲۴، ۳۲)—(۶۵ : ۵)

(۲۲) انسان کو جس بات کا حکم دیا جاتا ہے وہ اسے پورا ہی نہیں کرتا —(۸۰ : ۲۳)

(۲۳) قیامت میں امر (حکم) خدا کا ہوگا —(۸۲ : ۱۹)

(۲۴) میدانِ جنگ میں خدا کا فیصلہ —(۴۸ : ۹)

(۲۵) خدا کا فیصلہ ہوجاتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہوا —(۱۴ : ۲۲)

(۲۶) امر الساعۃ آنکھ جھپکنے کے برابر ہوتا ہے —(۱۶ : ۷۷)

(۲۷) نزولِ قرآن کے آغاز کی رات۔ تمام معاملات حکمت کے مطابق طے ہوگئے —(۴۴ : ۴)

(۲۸) جن قوموں نے بھی امر اللہ سے سرتابی برتی، تباہ ہوگئیں —(۶۵ : ۸)

(۲۹) خدا کا امر واقعہ ہو کر رہتا ہے —(۴۲ ؛ ۴۳ : ۸)

(۳۰) خدا کے امر (فیصلہ) کا انتظار کرو —(۹ : ۲۴)

(۳۱) ان کا معاملہ خدا سے متعلق ہے۔ وہ بتا دے گا کہ یہ کیا کرتے تھے —(۶ : ۱۶۰)

تدبیر امور

(۱) خدا تدبیر امور کرتا ہے (یعنی اپنی اسکیموں کو بروئے کار لاتا ہے) —(۱۰ : ۳)—(۱۰ : ۳۱)—(۱۳ : ۲)

(۲) آسمان سے زمین کی طرف تدبیر امر —(۳۲ : ۵)

(۳) تدبیرِ امور کرنے والے —(۷۹ : ۵)

(۴) تقسیم امور کرنے والے —(۵۱ : ۴)

امر بمعنی خدا کا طبیعی قانون

(۱) ہوائیں خدا کے امر کے مطابق چلتی ہیں —(۲۱ : ۸۱)—(۳۸ : ۳۶)

(۲) کشتیاں اس کے امر کے مطابق چلتی ہیں —(۱۴ : ۳۲)—(۲۲ : ۶۵)—(۳۰ : ۴۶)—(۴۵ : ۱۲)

(۳) زمین و آسمان اس کے امر سے قائم ہیں —(۳۰ : ۲۵)۔ چاند، سورج، ستارے سب۔(۷ : ۵۴)—(۱۶ : ۱۲)

(۴) ہر آسمان میں خدا نے اپنے امر (قانون) کی وحی کر دی ــــ(۱۲ : ۴۱)

(۵) خدا کا امر ارض اور سمٰوٰت کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے ــــ(۱۲ : ۶۵)

(۶) فطری وظیفۂ زوجیت کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے ــــ(۲۲۲ : ۲)

(۷) کائناتی قوتیں (ملائکہ) امر اللہ سے سرتابی نہیں کر سکتیں ــــ(۵۰ : ۱۶)ــــ(۶ : ۶۶)۔ ابلیس نے سرتابی کی ــــ(۵۰ : ۱۸)

(۲۷ : ۲۱)

خدا کن باتوں کا امر کرتا (حکم دیتا ہے)

(۱) انصاف (قسط) کا ــــ(۲۹ : ۷)

(۲) جنہیں ملانے کا خدا حکم دیتا ہے یہ انہیں منقطع کرتے ہیں ــــ(۲۷ : ۲)ــــ(۲۵ ؛ ۲۱ : ۱۳)

(۳) ابلیس کو آدم کے سجدہ کا حکم دیا تھا ــــ(۱۲ : ۷)

(۴) اللہ فحشاء کا حکم نہیں دیتا ــــ(۲۸ : ۷)، شیطان ایسا کہتا ہے ــــ(۲۶۸ ؛ ۱۶۹ : ۲)

(۵) اللہ عدل و احسان اور ذی القربیٰ سے احسان کا حکم دیتا ہے ــــ(۹۰ : ۷۶ : ۱۶)

(۶) امانات کو ان کے اہل کے سپرد کیا کرو ــــ(۵۸ : ۴)

(۷) رسول اللہ کو حکم دیا گیا کہ وہ سب سے پہلے مسلم ہوں ــــ(۱۶۳ ؛ ۱۴ : ۶)ــــ(۱۰۴ ؛ ۷۲ : ۱۰)ــــ(۹۱ : ۲۷)
(۱۲ : ۳۹)۔ صرف خدا کی عبودیت اختیار کرو ــــ(۶ : ۱۷)ــــ(۳۱ : ۹)ــــ(۳۶ : ۱۳)ــــ(۹۱ : ۲۷)
(۶۴ ؛ ۱۱ : ۳۹)ــــ(۶۶ : ۴۰)ــــ(۵ : ۹۸)۔ استقامت کا حکم ــــ(۱۱۲ : ۱۱)ــــ(۹۴ : ۱۵)ــــ(۱۵ : ۴۲)

(۸) اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کرو ــــ(۴۰ : ۱۲)

(۹) خدا کا بندہ غیر خدا کی معبودیت کا کبھی حکم نہیں دے گا ــــ(۷۹ : ۳)

(۱۰) خدا کا ارشاد ہے کہ العرف کا حکم دو ــــ(۱۹۹ : ۷)۔ اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم دو ــــ(۱۳۲ : ۲۰)

(۱۱) طاغوت سے کفر اختیار کرو ــــ(۶۰ : ۴)

(۱۲) عائلی زندگی کے متعلق قوانین امر اللہ ہیں ــــ(۵ : ۶۵)

ہر معاملہ (امر) آخر الامر اسی کے قانون کی طرف لوٹتا ہے۔

(۱) یعنی ہر معاملہ کا فیصلہ اسی کے قانون کے مطابق ہوتا ہے ــــ(۲۱۰ : ۲)ــــ(۱۰۹ : ۳)ــــ(۴۴ : ۸)ــــ(۱۲۳ : ۱۱)

(۲۲ : ۷۶)—(۳۱ : ۲۲)—(۳۵ : ۴)—(۴۲ : ۴۳)—(۵۷ : ۵)

(۲) امر تمام کا تمام خدا کا ہے —(۱۳ : ۳۱)—(۳۰ : ۴)

(۳) مومن کا شعار — میں نے اپنا معاملہ قانونِ خداوندی کے سپرد کر دیا —(۴۰ : ۴۴)

وحی کے احکام اور دیگر قوانینِ خداوندی کو اذن اللہ کہا گیا

(۱) مذہبی پیشواؤں سے کہا کہ تم خود ہی حرام و حلال کے فیصلے کرنے بیٹھ جاتے ہو یا تمہیں خدا نے ایسا کرنے کا اذن دیا ہے —(۱۰ : ۵۹)

(۲) ان گھروں میں جن کی رفعت کا خدا نے اذن دے رکھا ہے —(۲۴ : ۳۶)

(۳) ان کے معبودانِ باطل انہیں احکامِ خداوندی کے خلاف شریعت مرتب کر کے دیدیتے ہیں —(۴۲ : ۲۱)

(۴) مخالفین کے خلاف جنگ کی اجازت۔ یہ حکم ہنگامی نہیں تھا مستقل ہے۔ جب بھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں، خدا کی یہ "اجازت" بروئے کار آ جائے گی —(۳ : ۱۵۱)—(۲۲ : ۳۹)—(۵۹ : ۵)

(۵) جنگ میں نقصان، قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے —(۳ : ۱۶۵)

(۶) ایمان، خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق لایا جاتا ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ جو شخص خالی الذہن ہو کر وحی کی تعلیم پر غور و فکر کرے گا وہ اس کی صداقت کا قائل ہو جائے گا —(۱۰ : ۱۰۰)

وحی کی تعلیم کے مطابق

(۱) بدوں اذنِ خداوندی، شفاعت کام نہیں دے سکے گی۔ (شفاعت کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان "شفاعت")

(۲ : ۲۵۵)—(۱۰ : ۳)—(۱۱ : ۱۰۵)—(۲۰ : ۱۰۹)—(۳۴ : ۲۳)—(۵۳ : ۲۶)

(۲) الروح اور ملائکہ بدوں اذنِ خداوندی بات نہیں کر سکتے —(۷۸ : ۳۸)

(۳) خدا نے فیصلہ کر دیا کہ یہودیوں پر مستبد حکام مسلط رہیں گے —(۷ : ۱۶۷)

(۴) خدا نے اعلان کر دیا کہ شکر گذار قوم کی خوشگواریوں میں اضافہ کیا جائے گا —(۱۴ : ۷)

(۵) خدا و رسول کی طرف سے اعلان کہ مشرکین، کعبہ سے دور رہیں گے —(۹ : ۳)

(۶) قانونِ خداوندی کے مطابق، قلیل التعداد جماعتیں، کثیر جماعتوں پر غلبہ حاصل کر سکتی ہیں —(۲ : ۲۴۹)

(۸ : ۶۶)

(۷) (حضرت) طالوت کے لشکر نے قوانینِ خداوندی کے مطابق جالوت کو شکست دی ــــ (۲۵۰ : ۲)

(۸) حضرت عیسیٰؑ نے وحی کی تعلیم کے مطابق (باذن اللہ) بنی اسرائیل کی مردہ قوم کو حیاتِ تازہ عطا کردی۔

(۴۸ : ۳) ــــ (۱۱۰ : ۵)

(۹) رسول کی اطاعت وحی کی تعلیم کی رو سے کی جاتی ہے ــــ (۶۴ : ۴)

(۱۰) رسول اللہ وحی کی تعلیم کے مطابق لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کیطرف لاتے تھے ــــ (۱۶ : ۵) ــــ

(۱ : ۱۴) ــــ (۴۶ : ۳۳)

(۱۱) جنت، وحی کی تعلیم کے مطابق مل سکتی ہے ــــ (۲۳ : ۱۴)

(۱۲) وحی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے تعینِ مدارج ــــ (۳۲ : ۳۵)

(۱۳) ہدایت وحی کی تعلیم کی رو سے ملتی ہے ــــ (۲۱۳ : ۲)

(۱۴) خدا، جنت کی طرف راہ نمائی وحی کی رو سے کرتا ہے ــــ (۲۲۱ : ۲)

قوانینِ فطرت

(۱) آسمان اور زمین خدا کی بات پر کان دھریں گے ــــ (۵ ; ۲ : ۸۴)

(۲) ان میں سے کوئی بھی بدوں قانونِ خداوندی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ــــ (۱۰۲ : ۲) ــــ (۱۰ : ۵۸)

(۳) موت، خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق آتی ہے ــــ (۱۴۴ : ۳)

(۴) زمین کی پیداوار اور بارش باذنِ خداوندی ہوتی ہے۔ یعنی قانونِ فطرت کے مطابق ــــ (۵۸ ــ ۵۷ : ۷)

(۵) وحشی قبائل، قوانینِ فطرت کے مطابق، حضرت سلیمانؑ کے کام کرتے تھے ــــ (۱۲ : ۳۴)

(۶) ہر واقعہ قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے ــــ (۱۱ : ۶۴)

(۷) اجرامِ فلکی قانونِ خداوندی کے مطابق فضا میں معلق ہیں ــــ (۶۵ : ۲۲)

مشیتِ خداوندی یا امر اللہ کے معنوں میں

(۱) وحی باذن اللہ نازل ہوتی تھی ــــ (۹۷ : ۲) ــــ (۳۸ : ۱۳) ــــ (۱۱ : ۱۴) ــــ (۷۸ : ۴۰) ــــ

(۵۱ : ۴۲) ــــ (۴ : ۹۷)

متفرقات

(۱) مناسک ہر قوم کے لئے الگ الگ تھے. انہیں امر (اصلِ دین) کے متعلق جھگڑنا نہیں چاہیئے ——
(۲۲ : ۶۷) —— (۴۵ : ۱۷ ; ۱۸)

(۲) امر بمعنی عام معاملات —— (۳۳ : ۳۶) —— (۴۰ : ۴۴) —— (۴۷ : ۲۱)

(۳) ہر امر (یعنی معاملہ) میں سلامتی ہی سلامتی تھی —— (۹۷ : ۴)

(۴) معاف کر دینا اور استقامت دکھانا مِنْ عزم الامور ہے —— (۴۲ : ۴۳)
نزولِ قرآن کی شب (جب نزول کا آغاز ہوا) ہر معاملہ حکمت کے ساتھ نکھر کر الگ الگ ہو گیا یعنی قرآن کی رُو سے ایسا ہو گیا —— (۴۴ : ۴) —— (۹۷ : ۵)

(۵) المقسمٰت الامر —— (۵۱ : ۴). ملائکہ خدا کے اَمر سے نازل ہوتے ہیں —— (۱۹ : ۶۴) —— (۴۴ : ۵)

(۶) امر بمعنی قانون بذریعہ وحی —— (۶۵ : ۵) —— (۲۸ : ۴۴)

(۷) وحی کا تعلق عالمِ امر سے ہے —— (۱۷ : ۸۵) —— (۴۰ : ۱۵) —— (۴۲ : ۵۲) —— (۴۴ : ۵) —— (۴۵ : ۱۷ ; ۱۸)

(۸) حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی بشارت دی تو اسے اَمر اللہ کہا گیا —— (۱۱ : ۷۳)

—— (۰) ——

۴۷۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

(اَمر کا عنوان الگ بھی لکھا گیا ہے)

امر (مادہ۔ ا۔ م۔ ر)۔ اس کے بنیادی معنی علامت۔ نشانی۔ راہ نمائی کے ہیں۔ مشورہ کرنے کے معنوں میں بھی یہ مادہ استعمال ہوتا ہے۔ عام معنی اس کے حکم کرنے کے ہیں۔

معروف (مادہ۔ ع۔ ر۔ ف) کسی چیز کی بُو پا لینا۔ کسی چیز کی علامات و آثار سے اس کا ادراک کر لینا۔ عام طور پر اس کے معنی جانی پہچانی چیز کے ہیں۔

نہی (مادہ۔ ن۔ ھ۔ ی) روکنا۔ منع کرنا۔ باز رکھنا۔ (اَمر کی ضد ہے)

منکر (مادہ ۔ ن۔ک۔ر)۔ عقل کی فریب کاری ۔ چالاکی ۔ فریب دہی ۔ ہر ایسی بات جو خوش آئند نہ ہو۔ جو چیز پہچانی نہ جائے ۔ (معروف کی ضد ہے)

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر" قرآن کریم کی خاص اصطلاح ہے اور جماعتِ مومنین (اسلامی مملکت) کا بنیادی فریضہ بلکہ ان کی ہستی کا جواز۔ معروف کے معنی ہیں وہ کام یا باتیں جنہیں قرآنی معاشرہ صحیح اور پسندیدہ قرار دیدے۔ جنہیں وہ (RECOGNISE) کرے۔ یا (قانون کی زبان میں جنہیں وہ VALID قرار دے) ظاہر ہے کہ یہ وہی امور ہو سکتے ہیں جن کا حکم یا اجازت قرآن سے ملتی ہو۔ اس کے مقابلے میں منکر وہ امور ہوں گے جنہیں وہ معاشرہ (RECOGNISE) نہ کرے۔ (VALID قرار نہ دے)۔ یعنی قرآن کریم جن سے روکتا ہو۔ اسلامی مملکت اور جماعتِ مومنین کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان امور کے کرنے کا حکم دے اور تاکید کرے جنہیں قرآنِ کریم صحیح تسلیم کرتا ہے اور ان سے روکے جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ امر اور نہی کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ فریضہ وعظ و تبلیغ تک محدود نہیں۔ یہ فرائضِ حکومت میں داخل ہے جس کے لئے قوانین کی ضرورت ہوگی۔ ویسے "معروف" میں وہ قواعد و ضوابط اور رسوم و رواج بھی آجائیں گے جو قرآن کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں روا رکھے جائیں۔ اس کے لئے عرف کا لفظ بھی آتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ کسی قوم یا ملک کا ہر رواج، قرآنی معروف میں از خود شامل سمجھا جانے لگا۔ ان رسوم و رواج میں سے صرف وہی معروف سمجھے جائیں گے جنہیں اسلامی معاشرہ قرآن کریم کی روشنی میں جانچ پرکھ کر صحیح اور جائز قرار دے دے۔

امتِ مسلمہ کا فریضہ

(۱) تم بہترین امت ہو جو نوعِ انسان کی بہبود کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ لہٰذا تمہارا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے ــــ (۳ : ۱۰۹) ــــ (۹ : ۱۱۲)

(۲) اسی کو (۳ : ۱۰۳) میں دہرایا گیا ہے۔ عام طور پر اس کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو یہ فریضہ سرانجام دے۔ یہ غلط ہے۔ قرآن نے (۳ : ۱۰۹) میں نیز دیگر مقامات پر یہ فریضہ پوری امت کا قرار دیا ہے نہ کہ امت میں سے ایک جماعت کا۔ آیت (۳ : ۱۰۳) میں "منکم" ــ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق ــ تبیین (وضاحت) کے لئے آیا ہے تبعیض کے لئے نہیں۔

(۳) اہل کتاب میں سے بھی بعض لوگ ایمان لاکر اسی جماعت (امتِ مسلمہ) میں داخل ہو جاتے ہیں جس کا فریضہ

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے ـــــ (۱۱۳ : ۳)

(۴) امر بالمعروف کے لئے خفیہ مشورے کرنے بھی جائز ہیں ـــــ (۱۱۴ : ۴)

(۵) لوگوں کے اعمال کی ذمہ داری جماعت مومنین پر نہیں۔ لیکن یہ ان کا فریضہ ہے کہ انہیں صحیح بات کی نصیحت کرتے رہیں ـــــ (۶۹ : ۶)

(۶) حق اور انصاف کے ساتھ ہدایت کرنے والی جماعت ـــــ (۱۸۱ : ۷)

(۷) جماعت مومنین کے مرد اور عورتیں، دونوں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔ (لہٰذا، اسلامی معاشرہ میں ''امور مملکت میں عورتیں بھی شریک ہو سکتی ہیں) ـــــ (۱۱۲ ; ۷۱ : ۹)

اہل کتاب کی حالت

(۱) ان کے علماء و مشائخ انہیں برائیوں سے نہیں روکتے تھے ـــــ (۶۳ : ۵)

(۲) یہ لوگ دوسروں کو اچھے کاموں کی تاکید کرتے تھے۔ لیکن اپنے آپ کو بھلاتے ہوتے تھے ـــــ (۴۴ : ۲)

(۳) یہ ان لوگوں کے قتل کے درپے ہو جاتے تھے جو انہیں انصاف کے لئے کہتے تھے ـــــ (۲۰ : ۳)

(۴) جو لوگ دوسروں کو برائیوں سے روکتے تھے انہیں بچا لیا گیا ـــــ (۱۶۵ : ۷)ـــــ (۱۱۶ : ۱۱)

(۵) بنی اسرائیل منکر سے لوگوں کو نہیں روکتے تھے۔ اس لئے ان کے انبیاء نے ان پر لعنت کی ـــــ (۷۹ : ۵)

رسول اللہ کا فریضہ

(۱) رسول اللہ کو حکم کہ لوگوں کو صحیح بات کی نصیحت کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اس لئے تباہ نہ ہو جائے کہ اس تک صحیح بات نہیں پہنچی تھی اس لئے وہ غلط کام کرتا رہا ـــــ (۷۰ : ۶)

(۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر حضورؐ کا فریضہ تھا ـــــ (۱۵۷ : ۷)

(۳) رسول اللہ کو حکم کہ لوگوں کو عرف کے مطابق حکم دیتے رہو۔ (عرف یہاں معروف ہی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے) ـــــ (۱۹۹ : ۷)

خدا کا حکم

(۱) خدا، فحشاء و منکر سے روکتا ہے ـــــ (۹۰ : ۱۶)

صلوٰۃ یہی کچھ کرتی ہے ــــــ (۴۵ : ۲۹). (یعنی خدا کا یہ حکم بذریعہ صلوٰۃ پورا ہوتا ہے۔ صلوٰۃ اس نظام کا نام ہے جسے امتِ مسلمہ قرآن کے مطابق قائم کرتی ہے)

شیطان

شیطان فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے ــــــ (۲۴ : ۲۱)

منافقین کی حالت

منافقین لوگوں کو معروف سے روکتے ہیں اور منکر کا حکم دیتے ہیں ــــــ (۶۷ : ۹)

اسلامی مملکت کا فریضہ

(۱) اگر انہیں تمکن حاصل ہو گیا تو یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں گے ــــــ (۴۱ : ۲۲)
(۲) جو خیر (نیک باتوں) سے روکے اس کی اطاعت مت کرو ــــــ (۱۲ : ۶۸)

متفرقات

(۱) حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو تاکید کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا رہے ــــــ (۱۷ : ۳۱)
(۲) اس سے کون اچھا ہے جو خدا کی طرف دعوت دے اعمالِ صالحہ کرے اور اپنے آپ کو مسلم کہے ــــــ (۳۳ : ۴۱)

معروف بمعنی قاعدہ و قانون

(۱) اطاعت اور ایسی باتیں کرنا جنہیں اسلامی نظام پسندیدہ قرار دے۔ یہ ہے صحیح روش ــــــ (۲۱ : ۴۷)
(۲) طلاق کے احکام کے ضمن میں فرمایا کہ اسلامی نظام کے مقرر کردہ قاعدے قانون کے مطابق عمل کرو ــــــ
(۲ : ۲۲۹ ؛ ۲۳۱ ؛ ۲۳۲ ؛ ۲۳۳ ؛ ۲۳۴ ؛ ۲۳۵ ؛ ۲۳۶ ؛ ۲۴۰ - ۲۴۱) ــــــ (۲ : ۶۵) ــــــ (۶ : ۶۵)
(۳) قصاص کے متعلق قانون کے ضمن میں اتباع بالمعروف کا حکم ــــــ (۱۷۸ : ۲)
(۴) وصیت کے ضمن میں حکم کہ معروف کے مطابق وصیت کرنا فرض ہے ــــــ (۱۸۰ : ۲)

(۵) بیوی کے حقوق اور ذمہ داریاں، خاوند کے حقوق اور ذمہ داریوں کے مطابق ہیں ۔ معروف کی رو سے ۔
(۲ : ۲۲۸)

(۶) یتیموں کے سرپرست اگر ضرورت مند ہوں تو معروف کے مطابق معاوضہ لے لیں ــــــ (۶ : ۴)

(۷) عورتوں سے معروف کے مطابق حسنِ سلوک سے پیش آؤ ــــــ (۱۹ : ۴)

(۸) عورتوں کا مہر معروف کے مطابق ادا کر دو ــــــ (۲۵ : ۴)

(۹) دوستوں سے معروف کے مطابق اچھا سلوک کرو ــــــ (۶ : ۳۳)

معروف بمعنی شریفانہ

(۱) کسی کی مدد کر کے اسے تنگ کرتے رہنا، اس سے تو یہ بہتر ہے کہ اسے شریفانہ انداز سے جواب دے دیا جائے ۔
(۲ : ۲۶۳) ــــــ (۸ : ۴)

(۲) رسول اللہ کی ازواج مطہرات کو حکم کہ اجنبیوں سے، قاعدہ قانون کے مطابق، نہایت شریفانہ انداز سے بات کرو تاکہ اگر کسی کے دل میں روگ ہے تو اسے غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے ــــــ (۳۲ : ۳۳)

اطاعت معروف میں

(۱) رسولؐ اللہ جو بیعت لیتے تھے اس میں یہ بات بھی تھی کہ اطاعت معروف میں ہو گی یعنی مملکت کے قوانین وضوابط کی رو سے ــــــ (۱۲ : ۶۰) نجی معاملات میں اطاعت نہیں تھی (جیسے حضرت زید کا واقعہ) ــــــ (۳۷ : ۳۳)

منکر کے معنی ناپسندیدگی

(۱) جب کفار قرآن سنتے ہیں تو ان کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نظر آجاتے ہیں ــــــ (۷۲ : ۲۲)

(۲) حضرت لوطؑ کی اپنی قوم کو تنبیہ کہ تم اپنی مجلسوں میں بڑی ناپسندیدہ باتیں کرتے ہو ــــــ (۲۹ : ۲۹)

(۳) جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں وغیرہ کہہ دیتے ہیں وہ بڑی ہی ناپسندیدہ بات کرتے ہیں ــــــ (۲ : ۵۸)

(۴) ایک نفس زکیہ کا قتل (حضرت موسےؑ کے خیال میں) ناپسندیدہ فعل تھا ــــــ (۷۴ : ۱۸)

(۵) آوازوں میں سب سے زیادہ ناخوش آیند آواز گدھے کی ہوتی ہے ــــــ (۱۹ : ۳۱)

منکر بمعنی فریب خوردہ

(۱) آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے دل فریب خوردہ ہیں یا وہ فریب کار ہیں ——— (۲۲ : ۱۶)

منکر بمعنی اجنبی

حضرت لوطؑ نے اپنے مہمانوں سے کہا کہ وہ اجنبی ہیں ۔ (۶۲ : ۱۵) — (۲۵ : ۵۱) منکر کے معنی جو پہچان نہ سکے (۵۸ : ۱۲)

منکر بمعنی انکار کرنیوالا

(۱) پیغامِ خداوندی سے انکار کرنیوالے ——— (۵۰ : ۲۱)۔ (۲) رسول سے انکار کرنے والے ——— (۶۹ : ۲۳)
(۳) آیات اللہ سے انکار کرنیوالے ——— (۸۱ : ۴۰)۔ (۴) نعماءِ خداوندی کو پہچانتے ہیں پھر ان سے انکار کرتے ہیں ۔ (۸۳ : ۱۶)
(۵) آخرت پر ایمان نہ لانیوالوں کے قلوب منکر ہیں ——— (۲۲ : ۱۶)

——— (۰) ———

۷۵۔ اُمّ (ماں)

اُمّ (و ۔ م ۔ م) ۔ اس لفظ کے اولین معنی ماں کے ہیں ۔ اس کے بعد یہ ہر شے کی اصل کے لئے بولا جاتا ہے ۔
جمع اُمہات (مائیں)

اُمّ بمعنی اصل ۔ سرچشمہ

خدا نے کائنات میں قوانین فطرت نافذ کئے ہیں اور انسانی ہدایت کے لئے قوانین بذریعہ وحی عطا کئے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ ان قوانین کا سرچشمہ کیا ہے ؟ یہ کیسے بنائے گئے ؟ ان کی اصل و بنیاد کیا ہے ؟ ان کی اصل و بنیاد ، علمِ خداوندی ، مشیتِ ایزدی ہے ۔ یعنی انہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے علم و اختیار کی بنا پر بنایا ہے ۔ اس میں کسی کا دخل نہیں ۔ اسی لئے یہ ابدی بھی ہیں اور غیر متبدل بھی ۔

(۱) اسی لئے کہا گیا ہے کہ اُم الکتاب (قانون کا سرچشمہ) خدا کے پاس ہے۔۔۔(۳۹ : ۱۳)۔۔(۴ : ۴۳)

(۲) قرآن کریم کی محکم آیات ام الکتاب ہیں۔۔۔(۷ : ۳)

نوٹ:۔ اُم بمعنی ماں کے دیگر مقامات' متعلقہ عنوانات میں آئیں گے۔ مثلاً اُمّ موسیٰ میں وغیرہ۔

اُمّ القُریٰ

(۱) مرکزی شہر۔ مکہ کو کہتے تھے جہاں کے رہنے والے نبی اکرمؐ کے اولین مخاطب تھے۔۔(۹۲ : ۶)۔۔(۷ : ۴۲)

(۲) ملک کا دارالخلافہ یا مرکزی شہر جس میں رسول بھیجا جاتا تھا۔۔۔(۵۹ : ۲۸)

رشتے ناطے

(۱) ماں سے نکاح حرام ہے۔۔۔(۲۳ : ۴)

(۲) سوتیلی ماں سے بھی۔ یعنی جس عورت سے باپ نے نکاح کیا ہو۔۔۔(۲۲ : ۴)

(۳) جس عورت کا دودھ پیا ہو اس سے بھی۔۔۔(۴ : ۲۴)۔ (۴) بیوی کی ماں سے بھی۔۔(۲۳ : ۴)

(۵) نبی کی بیویاں' مومنین کی مائیں ہیں۔۔(۶ : ۳۳)۔ ان سے بھی نکاح حرام تھا۔۔۔(۵۳ : ۳۳)

(۶) بیوی کو غصے (کی جہالت) میں ماں کہہ دینے سے وہ سچ مچ کی ماں نہیں بن جاتی۔ یہ بیہودہ سی لغویات ہوتی ہیں جو غصے میں منہ سے نکل جاتی ہیں۔۔۔(۴ : ۳۳)۔ اس کا کفارہ۔ ایک غلام آزاد کرنا۔ یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا۔ یا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے۔۔۔(۲-۴ : ۵۸)

(۷) جنین کی پرورش رحم مادر میں ہوتی ہے۔۔۔(۶ : ۳۹)۔۔(۳۲ : ۵۳)

(۸) حمل اور رضاعت (دودھ پلانے) کی مدت بالعموم اڑھائی سال تک کی ہوجاتی ہے۔۔۔(۱۵ : ۴۶) ویسے دودھ چھڑانے کی مدت عام طور پر دو سال کی ہوتی ہے۔۔(۱۴ : ۳۱)۔ اگر کوئی قانونی سوال سامنے آجائے تو رضاعت کی مدت دو سال ہی شمار کی جائے گی۔۔۔(۲۳۳ : ۲)

وراثت

(۱) اگر متوفی کی اولاد ہو' تو اس کے ترکہ میں سے ماں اور باپ کا حصہ ⅙ ہے۔ یعنی ماں کا بھی ⅙ اور

باپ کا بھی ⅙ - اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کا حصہ ⅓ ہوگا۔ اور اگر اس کے بھائی ہوں تو ماں کا حصہ ⅙ ہوگا۔ یہ تقسیم، متوفی کا قرضہ ادا کر دینے اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد (اگر کچھ بچ رہے تو اس میں سے) ہوگی ——— (۴ : ۱۱)

(تفصیل کے لئے عنوان وراثت دیکھئے)

——— (۰) ———

۷۶ - اُمّت

(نیز دیکھئے - قوم)

اُمّت (ا - م - م)۔ قرآن کریم میں جماعتِ مومنین کے لئے قوم کا لفظ نہیں آیا بلکہ اُمت کا لفظ آیا ہے۔ اُمت کے معنی مسلک، مشرب، طریق زندگی، نظریۂ حیات کے ہیں۔ لہٰذا قوم تو کسی ایک مقام کے رہنے والوں یا ایک قبیلہ یا نسل کے افراد پر مشتمل ہوگی اور امت ہم مشرب افراد سے ترتیب پائے گی یعنی اسلام میں امت کی تشکیل آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ہوگی۔ نظریۂ قومیت کا یہ بنیادی فرق ہے۔ جو جماعتِ مومنین (مسلمانوں) کو دیگر اقوامِ عالم سے متمیز کرتا ہے۔ یہ اس لفظ کے بنیادی معانی ہیں۔ ویسے مجازی اور عرفی طور پر اسے، عام گروہ، جماعت یا قوم کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔

——— (۰) ———

امّت بمعنی مسلک

(۱) اسلاف کی اندھی تقلید کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک اُمّۃ (طریق زندگی، مسلک و مشرب) پر چلتے دیکھا اور ہم بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے جا رہے ہیں ——— (۴۳ : ۲۱-۲۲)

(۲) حضرات انبیاء کرام کے تذکرہ کے بعد کہا کہ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ——— (۲۱ : ۹۲) - یہ تمہاری اُمت، امتِ واحدہ تھی۔ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام مختلف ممالک میں پیدا ہوئے مختلف قوموں اور نسلوں سے ان کا تعلق تھا۔ ان کے زمانے بھی مختلف تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ امتِ واحدہ کے افراد تھے۔ اس لئے کہ ان کا مسلک و مشرب ایک تھا۔ ان کی آئیڈیالوجی مشترک تھی۔ (نیز ۲۳ : ۵۲)

(۳) اگر خدا کا پروگرام ایسا ہوتا تو تمام انسان پیدا ہی ایسے کئے جاتے کہ وہ ایک ہی مسلک کے پیرو ہوتے جس طرح کائنات کی ہر شے، اور حیوانات کی ہر نوع، پیدائشی طور پر ایک ہی روش پر چلتی ہے۔ لیکن خدا کی مشیت یہ تھی کہ انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا جائے۔ اس لئے انسان مختلف راستوں پر چلتے ہیں ——

(۵ : ۴۸) — (۱۱ : ۱۱۸) — (۱۶ : ۹۳) — (۴۲ : ۸) — (۴۳ : ۳۳)

(۴) ابتداءً انسان ایک ہی مسلک پر چلتے تھے۔ پھر انہوں نے باہمی اختلافات شروع کر دیئے — (۱۰ : ۱۹)۔ تو ان کے اختلافات مٹانے کے لئے خدا نے انبیاء کرام کو بھیجا —— (۲ : ۲۱۳)۔ اب جو لوگ ہدایت خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ وہ پھر امتِ واحدہ بن جائیں گے۔ جو اس ہدایت کی مخالفت کریں گے، وہ دوسری امت (گروہ) کے افراد ہوں گے۔ مشیت کا پروگرام یہی ہے کہ آئیڈیالوجی کی وحدت کی بنا پر انسانوں کی ایک عالمگیر برادری (امتِ واحدہ) بن جائے —— (۴۳ : ۳۳)

(۵) جہنم میں جانے والی ہم مشرب جماعتوں کے لئے بھی امۃ کا لفظ آیا ہے —— (۷ : ۳۸)

(۶) قومِ موسیٰ میں ایک امت (جماعت) ایسی تھی جو حق کی طرف دعوت دیتی تھی —— (۷ : ۱۵۹)۔ یہاں قوم اور امت کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

امّت بمعنی جماعت۔ گروہ۔ ہم مشرب افراد کی اجتماعی شکل وغیرہ

(۱) حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیرے قوانین کے سامنے جھکی ہوئی ہو۔ (۲ : ۱۲۸)

(۲) اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں (امت) جو آیات اللہ کا اتباع کرتے ہیں (یعنی جو لوگ ایمان لے آتے ہیں)۔

(۳ : ۱۱۳) — (۵ : ۶۶) —— (۷ : ۱۵۹ ؛ ۱۶۴)

(۳) جب ہر امت سے ایک شہید (نگران) بلایا جائے گا —— (۴ : ۴۱) — (۱۶ : ۸۴ ؛ ۸۹) — (۲۸ : ۷۵)

(۴) اس طرح ہر امت اپنے مسلک کو حق بجانب سمجھتی ہے —— (۶ : ۱۰۹)

(۵) جہنم میں داخل ہونے والا گروہ (امت) اپنے ہم مشرب گروہ پر لعنت بھیجے گا —— (۷ : ۳۸)
ہر امت (گروہ) گھٹنوں کے بل گری ہوئی —— (۴۵ : ۲۸)

(۶) مخلوق میں سے ایک امت (گروہ) جو حق کے ساتھ عدل کرتی ہے —— (۷ : ۱۸۱)۔

(۷) ہر امت کی طرف رسول آتا تھا —— (۶ : ۴۲) — (۱۰ : ۴۷) — (۱۶ : ۳۶ ؛ ۶۳) — (۲۳ : ۴۴) — (۳۵ : ۲۴)
(۴۰ : ۵)

اُمم نے ان کی تکذیب کی ــــــ (۱۸ : ۲۹) ــــ (۴۲ : ۳۵)

(۸) رسول اللہ ایک ایسی امت کی طرف رسول جس سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی تھیں ــــ (۳۰ : ۱۳)

(۹) ہر امت کے لئے مناسک مقرر ــــــ (۳۴ : ۲۲) ــــ (۶۷ : ۲۲)

(۱۰) ہر امت میں سے ایک گروہ (فوج) جو تکذیبِ آیات کرتی تھی ــــ (۸۳ : ۲۷)

(۱۱) مدین کے پانی پر امۃ من الناس ــــ (۲۳ : ۲۸)

(۱۲) ہر امت کو اس کے اعمالنامہ کے ساتھ بلایا جائے گا ــــ (۷۵ : ۱۸) ــــ (۲۸ : ۴۵) ــــ (۱۸ : ۴۶)

(۱۳) تمام دابہ اور پرندے تمہارے ہی جیسی اُمم ہیں ــــ (۳۸ : ۶)

(۱۴) حضرت نوحؑ کی کشتی میں سوار ہونے والوں کو اُمم کہا گیا ــــ (۴۸ : ۱۱)

(۱۵) بنی اسرائیل اُمم میں تقسیم ہو گئے ــــ (۱۶۰ : ۷) ــــ (۱۶۸ : ۷)

امّتِ مسلمہ

(۱) آئیڈیالوجی کی وحدت سے وہ امت وجود میں آئی جو قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہے۔ (۱۲۸ : ۲)

(۲) جماعتِ مومنین کو اُمّۃ وسطےٰ (بین الاقوامی امت۔ مرکزی حیثیت رکھنے والی جماعت) بنایا ہے تاکہ یہ تمام اقوامِ عالم کے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔ اور ان کے اعمال کی نگرانی ان کا مرکز کرے ــــ (۱۴۳ : ۲)

(۳) تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے ــــ (۱۰۹ : ۳)

(۴) آیت (۱۰۳ : ۳) میں ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔۔۔ (۱۰۳ : ۳) اس کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ "تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے"۔ اور اس ترجمہ سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی پیشواؤں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ ترجمہ اور مفہوم بالبداہت غلط ہے۔ اس لئے کہ (۱۰۹ : ۳) میں تمام مومنین سے کہا گیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمہارا سب کا فریضہ ہے۔ (نیز ۴۱ : ۲۲)۔ لہٰذا، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ (۱۰۳ : ۳) میں اس فریضہ کو پوری امت کا نہیں بلکہ امت میں سے ایک گروہ کا فریضہ بتایا گیا ہے تو اس سے قرآن کریم میں تضاد ماننا پڑے گا۔ اور یہ چیز قرآن پر ایمان کے منافی ہے۔ قرآن کی رو سے

امتِ مسلمہ ایک نظام قائم کرتی ہے جس کا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ فریضہ پوری جماعت کی طرف سے ادا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ ان میں مذہبی پیشواؤں کا گروہ تو یہ فریضہ ادا کرتا ہے اور باقی امت دنیاوی دھندوں میں مصروف رہتی ہے۔ یہ عیسائیت کے کلیسا (CHURCH) کا تصور ہے، اسلام کا نہیں۔

آیت (۳ : ۱۰۳) میں منکم سے مراد "تم میں سے" نہیں۔ اس میں (عربی قاعدہ کی رُو سے) مِنْ تبیّن (یعنی وضاحت) کے لئے آیا ہے۔ اور اس کی قرآن کریم میں کئی مثالیں موجود ہیں۔ اس سے مراد "کُل کا کُل" ہوتا ہے۔

(۵) حضرت ابراہیمؑ امۃ قانتا للہ تھے (۱۶ : ۱۲۰) یہاں عام طور پر امۃ سے معنی امام کے لئے جاتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ ایک فرد تھے لیکن ان کی شخصیت ایسی جامع الصفات تھی کہ وہ ایک فرد نہیں بلکہ یوں سمجھو کہ پوری کی پوری امت تھی جو احکامِ خداوندی کی اطاعت گزار تھی۔

اُمم سابقہ سے ہمارا تعلق

یہ جماعتیں اپنے وقت میں ہو گذری ہیں۔ اُن کے اعمال اُن کے ساتھ تھے۔ تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا تھا — (۲ : ۱۳۴، ۱۴۱) یہ عظیم اصول ہے جو اس وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ہماری ساری عمر ان بحثوں میں گزر جاتی ہے کہ فلاں کیسا تھا اور فلاں کیسا۔ خدا کہتا ہے کہ ہم تم سے یہ کچھ پوچھیں گے ہی نہیں۔ وہ جیسے بھی تھے تم پر ان کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ اور تم سے انہی کی بابت پوچھا جائے گا۔ یہ ہے امم سابقہ اور افرادِ گذشتہ سے ہمارا تعلق۔ البتہ جن کے متعلق قرآن کریم نے خود بصراحت بتا دیا ہے کہ وہ ایسے تھے اور ایسے۔ ان کے متعلق اسی قسم کا عقیدہ رکھنا قرآن پر ایمان کا تقاضا ہے۔

اُمّت بمعنی قوم

(۱) ہر امت (قوم) کے عروج و زوال کے لئے ایک میعاد ہوتی ہے جو اس قوم کے اعمال کے مطابق متعین ہوتی ہے — (۷ : ۳۴) — (۱۰ : ۴۹)۔ یہ مدت خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق متعین ہوتی ہے — (۱۳ : ۳۸)۔ اس میں تاخیر و تقدیم نہیں ہو سکتی — (۱۵ : ۵) — (۲۳ : ۴۳)

(۲) ہر اُمت (قوم) کی طرف رسول بھیجا ـــــ (۳۶ : ۱۶) ـــــ (۲۴ : ۳۵)

(۳) دنیا میں ایک امت دوسری امت سے آگے بڑھنا چاہتی ہے ـــــ (۹۳ - ۹۲ : ۱۶)

اُمت بمعنی مُدت

(۱) امت کے معنی مدت کے بھی آئے ہیں ـــــ (۸ : ۱۱)

ـــــ (۰) ـــــ

اُمم سابقہ

(نیز دیکھئے ۔ قوم ۔ سیروا فی الارض ۔ ہلاکت)

قرآنِ کریم کی ساری تعلیم کا محور ، خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فرد ہو یا قوم ، ان کا ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے ۔ تعمیری عمل کا نتیجہ تعمیری ، تخریبی کا نتیجہ تخریبی ـــ وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کے ثبوت میں کبھی علمی دلائل پیش کرتا ہے ، کبھی نظامِ فطرت کی طرف توجہ دلاتا ہے ۔ اور کبھی تاریخی شواہد سے بتایا ہے کہ فلاں قوم نے اس قسم کا نظام قائم کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا ۔ اور دوسری قوم نے اس قسم کی روش اختیار کی تو اس کا نتیجہ وہ نکلا ۔ اممِ سابقہ کے احوال وکوائف جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں ، ان سے یہی بتانا مقصود ہے ۔ اور اس سے مطلوب یہ کہ اگر تم بھی ویسے کام کرو گے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا ۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو انسانی تاریخ ایک سائنس یا فلسفہ بن کر سامنے آجاتی ہے ۔ یعنی قوموں کا عروج وزوال اور ان کی موت وحیات یونہی ہنگامی حادثات کا نتیجہ نہیں ہوتی ۔ بلکہ یہ سب کچھ مکافاتِ عمل کے غیر متبدل قانون کی رو سے ہوتا ہے ـــ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اب بھی ایسا ہی ہوگا ، اور اس کے بعد بھی ایسا ہی ۔

ـــــ (۰) ـــــ

قوموں کی موت وحیات کا اٹل قانون

(۱) جب تک کوئی قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہیں پیدا کرتی ، جب تک اس کے قلب ونگاہ میں تغیر نہیں ہوتا

اس کی خارجی زندگی میں تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی ـــــ (۸ : ۵۳) ـــ (۱۳ : ۱۱)

(۲) خدا کسی قوم پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ قومیں خود اپنے آپ پر ظلم اور زیادتی کرتی ہیں ـــ (۲ : ۵۷) ـ (۳ : ۱۱۶) ـ (۴ : ۱۴۷) ـ (۶ : ۱۳۲) ـ (۷ : ۱۶۰) ـ (۸ : ۴۲) ـ (۹ : ۷۰) ـ (۱۰ : ۴۴) ـ (۱۱ : ۱۰۱) ـ (۱۶ : ۱۱۸ ; ۳۳)

(۲۶ : ۲۰۹) ـ (۲۸ : ۵۹) ـ (۲۹ : ۴۰) ـ (۳۰ : ۹) ـ (۳۴ : ۱۵ ـ ۲۱) ـ (۴۰ : ۳۱)

خدا کسی کو بلاوجہ ذلیل نہیں کرتا۔ انسان اپنے اعمال کی وجہ سے ذلیل ہوتا ہے ـــ (۸۹ : ۱۷ ـ ۲۰)

(۳) یہ ہو نہیں سکتا کہ قوم مصلحین کی ہو اور خدا اسے یونہی دھاندلی سے تباہ کر دے ـــ (۱۱ : ۱۱۸)

(۴) قوموں کا محو و ثبات (مٹ جانا اور باقی رہنا) خدا کے اٹل قانون کے مطابق ہوتا ہے ـــ (۱۳ : ۳۹)

(۵) پہلے تنبیہ کرنے والا بھیجا جاتا ہے پھر تباہی آتی ہے ـــ (۲۶ : ۲۰۸)۔ یہ تنبیہ کرنے والا قوم کے دارالسلطنت (مرکزی مقام) میں آتا ہے ـــ (۶ : ۱۳۲) ـــ (۱۰ : ۴۷) ـــ (۲۸ : ۵۹) ـــ (۳۵ : ۲۴) ـــ (۳۷ : ۷۲)

(۶) قوموں کے عروج و زوال سے متعلق .... قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ـــ (۱۷ : ۷۷) ـــ (۳۳ : ۶۲) ـــ (۳۵ : ۴۳) ـــ (۴۰ : ۸۵)

(۷) ناہمواریاں پیدا کرنے والے نظام کا تباہ کن عمل، خود اس نظام کے حاملین کے خلاف جاتا ہے ـ (۳۵ : ۴۳)

(۸) قوموں کی تباہی کے لئے آسمان سے لشکر نہیں اترا کرتے ـــ (۳۶ : ۲۸)۔ یہ قوموں کے باہمی تصادم، یا ایک قوم کے اندر مختلف پارٹیوں کے تزاحم کی شکل میں آتی ہے ـــ (۶ : ۶۵)۔ یا اور کوئی ظالم قوم اس قوم پر چڑھ دوڑتی ہے ـــ (۶ : ۱۳۰)

(۹) ظلم کا نتیجہ تباہی ہے اس میں کسی قوم کی تخصیص نہیں ـــ (۵۱ : ۵۹)

(۱۰) قومیں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر ویران کرتی ہیں ـــ (۵۹ : ۲)

(۱۱) قومیں اپنے کئے کی سزا بھگتتی ہیں۔ اور وقتی طور پر وہ کتنی ہی خوش حال کیوں نہ نظر آئیں، آخر الامر وہ نقصان اٹھاتی ہیں ـــ (۶۵ : ۸ ـ ۱۰)

(۱۲) وراثتِ ارضی مشروط ہے قوانینِ خداوندی کی تائید و نصرت سے بشرطیکہ وہ قوم مستقل مزاجی سے ان پر کاربند رہے ـــ (۷ : ۱۲۸)

(۱۳) حکومت و تمکن اس لئے ملتا ہے کہ دیکھا جائے کہ تم کیسے کام کرتے ہو ـــ (۷ : ۱۲۹) ـــ (۱۰ : ۱۴)

(۱۴) اگر صحیح راستے میں مسلسل جد و جہد نہ کرتے رہو گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا — (۹ : ۳۸-۳۹)

(۱۵) وراثتِ ارضی کے لئے صلاحیت شرط ہے — (۲۱ : ۱۰۵-۱۰۶)

(۱۶) کمزور قوموں کو آزادی اور تمکن مل جانا خدا کی نعمت اور احسان ہے (اگرچہ اس کے لئے اس قوم کی کوشش ضروری ہے) — (۵ : ۲۸)

(۱۷) حق کے ساتھ فیصلے کئے جائیں اور اپنے جذبات کا اتباع نہ کیا جائے۔ اسے نظامِ خداوندی کہا جائیگا۔ (۳۸:۲۶)

(۱۸) تعداد کی کثرت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جو قوم موت سے ڈر کر بھاگ اٹھے وہ تباہ ہوجاتی ہے۔ جب دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہوجائے تو دوبارہ زندہ ہوجاتی ہے — (۲ : ۲۴۳-۴۵)

(۱۹) آیت (۳ : ۲۵ [illegible]) [illegible] یہ کیا جاتا ہے کہ خدا جسے چاہے حکومت دے، جس سے چاہے چھین لے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حکومت [illegible] سے ملنے اور چھننے کے لئے کوئی قانون نہیں، یہ محض خدا کی مرضی پر منحصر ہے۔ "مشیتِ خداوندی" کے معنی ہی خدا کا قانونِ مشیت ہے۔ اس کی تائید ان تمام آیات سے ہوتی ہے جن میں اس قانون کا [illegible] ہے۔ مثلاً (۲ : ۲۴۷)۔ اس میں پہلے بتایا گیا ہے کہ طالوت کو اقتدار کے لئے کیوں منتخب کیا گیا تھا اور اس کے بعد کہا کہ یہ "خدا کی مشیت" ہے۔ نیز (۸ : ۵۳) — (۲۱ : ۱۰۵) — (۲۴ : ۵۵) — [illegible] — (۵۳ : ۳۹)

(۲۰) جو قوم "پیش پا افتادہ" زندگی کے مفاد کے فریب میں آکر مستقل اقدار کی طرف سے بے پرواہ ہوجاتی ہے اس کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے — (۶ : ۱۳۱-۱۳۴)۔ نظامِ حق و صداقت کی مخالفت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے — (۷۰ : ۴۰)

(۲۱) جب قوم میں اجتماعی مفادِ انسانیت کی جگہ انفرادی مفاد پرستی لے لے تو اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے۔ جو اس پہلی قوم جیسی نہیں ہوتی — (۲۱ : ۱۱) — (۴۷ : ۳۶-۳۸)۔ جہاد سے منہ موڑنے والے۔ (۹:۳۸-۳۹)

(۲۲) بقا اسی نظام کے لئے ہے جو تمام نوعِ انسان کی منفعت کو سامنے رکھے — (۱۳ : ۱۷)

(۲۳) نظامِ صلوٰۃ (یعنی وحی کی راہ نمائی میں قائم کردہ نظام) کو ضائع کر دینے والے تباہ ہوجاتے ہیں۔ (۱۹:۵۹)

(۲۴) مسائلِ حیات کو سنجیدگی سے نہ لینے والے اور بے کار، بے نتیجہ باتوں میں الجھے رہنے والے، تباہ ہوجاتے ہیں — (۷۰ : ۴۲)

(۲۵) آسمانی راہ نمائی کے اتباع سے قوم ہلاکت سے محفوظ رہ کر خوف و حزن سے مامون ہوجاتی ہے۔ (۷ : ۳۴-۳۵) (۷ : ۱۶۹-۱۷۰)

(۲۶) پہلے اوپر کا طبقہ بگڑتا ہے ـــ(۶ : ۱۲۴)ـــ(۱۱ : ۱۱۶)ـــ(۱۴ : ۲۸ - ۲۹)۔ لیکن نیچے کا طبقہ یہ عذر نہیں پیش کر سکتا کہ ان کے لیڈروں نے انہیں گمراہ کیا تھا ـــ جہنم میں عوام اور لیڈروں کے مکالمات ـــ (۳۳ : ۶۷)ـــ(۳۴ : ۳۱ - ۳۳)۔ تابع اور متبوع قومیں ـــ(۷ : ۳۸)

(۲۷) جب تباہی آتی ہے تو وہ صرف ظالمین تک محدود نہیں رہتی۔ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ (۸ : ۲۵)

تباہ کن جرائم - اسبابِ ہلاکت

(۱) صحیح نظامِ خداوندی کی مخالفت مفاد پرست گروہ کی طرف سے ہوتی تھی۔ ان لوگوں کو قرآن کریم نے "الملاء" کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی وہ سردارانِ قوم جن کے ہاں دولت کی فراوانی تھی۔ یا "مترفین" کہہ کر یعنی ایسے آسودہ حال لوگ جو دوسروں کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کریں۔ (۷ : ۶۰ - ۹۳) میں مختلف اقوام کی سرگزشت کے سلسلہ میں اس حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز ـــ(۱۱ : ۱۱۶)ـــ(۲۳ : ۳۳)

(۲) ان میں ایسے لوگ نہ رہے جو دوسروں کو ملک میں فساد کرنے سے روکتے ـــ(۱۱ : ۱۱۶)

(۳) ہلاکت کے معنی ایسی تباہی کے بھی ہیں جس کے بعد وہ قوم دوبارہ زندہ نہ ہو سکے ـــ(۲۱ : ۹۵)

(۴) سامانِ رزق کا غلط استعمال (ناسپاس گزاری) باعثِ ہلاکت ہوتی ہے ـــ(۳۴ : ۱۵ - ۱۷)

(۵) استکبار اور ناہمواریاں پیدا کرنیوالی تدابیر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں ـــ(۳۵ : ۴۳)ـــ(۴۴ : ۳۱)

(۶) حد سے گزر جانا۔ سامانِ زیست کو بے جا صرف کرنا، وجۂ ہلاکت ہے ـــ(۳۶ : ۱۹)ـــ(۴۴ : ۳۱)

(۷) تباہی کا بنیادی سبب ظلم ہوتا ہے ـــ(۶ : ۴۷)ـــ(۱۰ : ۱۳)ـــ(۱۱ : ۱۱۶)ـــ(۲۱ : ۱۱ - ۱۴)ـــ (۲۲ : ۴۵ ؛ ۴۸)ـــ(۲۳ : ۴۱)ـــ(۲۶ : ۲۰۹)ـــ(۲۸ : ۵۹)ـــ(۵۱ : ۵۹)ـــ(۵۳ : ۵۳)

(۸) فاسقین تباہ ہوتے ہیں ـــ(۷ : ۱۰۲)ـــ(۱۷ : ۱۶)ـــ(۴۳ : ۵۴)

(۹) مجرمین تباہ ہوتے ہیں ـــ(۱۰ : ۱۳)ـــ(۱۱ : ۱۱۶)ـــ(۴۴ : ۳۷)

(۱۰) مترفین تباہی کا موجب ہوتے ہیں ـــ(۱۱ : ۱۱۶)ـــ(۱۷ : ۱۶)ـــ(۲۱ : ۱۳)ـــ(۲۳ : ۳۳)

(۱۱) زندگی کو اسی دنیا کی زندگی سمجھنا اور مرنے کے بعد کی زندگی سے انکار کرنا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے ـــ(۲۳ : ۳۵ - ۳۸)
(۴۰ : ۲۵)

(۱۲) جو بات کہی جائے اس پر غور نہ کیا جائے بلکہ کہنے والے کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا جائے۔ اس سے قوم کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور وہ تباہ ہو جاتی ہے ــــ (۳۹ - ۳۳ : ۲۳) ــــ (۴۷ : ۲۳) ــــ (۴۱ : ۲۵)

(۱۳) عقل و فکر سے کام نہ لینے سے تباہی آتی ہے ــــ (۴۴ : ۲۵)

(۱۴) دولت کو اپنے لئے جمع کرتے رہنا وجۂ تباہی ہوتا ہے۔ نظامِ سرمایہ داری تباہ ہو کر رہتا ہے ــــ

(۲۸ : ۷۶ - ۸۲) ــــ (۴۹ - ۵۲ : ۲۹)

(۱۵) جب جذبات عقل پر غالب آجائیں تو قوم علم و بصیرت کے باوجود تباہ ہو جاتی ہے ــــ (۳۸ : ۲۹)

(۱۶) اندھی تقلید تباہی کا باعث ہوتی ہے ــــ (۸ - ۷ : ۳۸)

(۱۷) باطل کی قوتوں کے سہارے صحیح نظام کی مخالفت کرنے سے تباہی آتی ہے ــــ (۶ - ۴ : ۴۰)

(۱۸) جب ان کے سامنے تاریخی شواہد پیش کئے جائیں تو وہ کہہ دیں کہ یہ محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ (۱۷: ۴۶)

(۱۹) اقتدار بغیرِ حق باعثِ ہلاکت ہے خواہ علم و بصیرت کتنی ہی کیوں نہ ہو ــــ (۲۶ - ۲۱ : ۴۶)

(۲۰) غلط نظام والی قوم کا درحقیقت کوئی دوست اور سرپرست نہیں ہوتا ــــ (۱۱ : ۴۷)

(۲۱) حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے سے تباہی آتی ہے ــــ (۳ - ۲ : ۱۵) ــــ (۱۲ : ۴۷)

(۲۲) اپنے جذبات کا اتباع کرتے جانا اور ان پر مستقل اقدار کی پابندی عاید نہ کرنا، باعثِ ہلاکت ہے۔ (۳ : ۵۴)

(۲۳) جس کھیتی میں مسکینوں کا حصہ نہ ہو وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ اس مثال سے قرآن نے بات سمجھائی ہے (۲۸-۱۶ : ۶۸)

تکذیبِ آیات سے ہلاکت

تکذیبِ آیات سے مراد یہ ہے کہ خدا کے رسول نے اس قوم سے کہا کہ تم غلط روش اختیار کئے ہو۔ اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ قوم اس کی اس بات کو مان لیتی یا کم از کم اس پر عقل و فکر سے غور کرتی اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔

(۱) قومِ فرعون نے قوانینِ خداوندی کی تکذیب کی اور تباہ ہو گئی ــــ (۱۰ : ۳)

(۲) ان قوانین کی تکذیب جنہیں علم و بصیرت سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی ــــ (۳۹ : ۱۰)

(۳) دیکھو کہ تکذیب کرنیوالوں کا حشر کیا ہوا ــــ (۳۶ : ۱۶)

(۴) اگر یہ (اے رسول) تیری تکذیب کرتے ہیں تو اقوامِ سابقہ نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا تھا پھر

دیکھو ان کا انجام کیا ہوا —— (۵۴ - ۴۴ : ۲۲) —— (۴ : ۳۵) —— (۲۵ - ۴۴ - ۲۴ : ۳۵)۔ مکذبین کا انجام —— (۱۳۷ : ۳)

(۱۱ : ۶) —— (۳۶ : ۱۶) —— (۲۵ : ۴۳)

(۵) قوم فرعون تکذیب کی وجہ سے تباہ ہوئی —— (۴۷ : ۲۳)۔ اس نے کہا کہ ہم اپنی محکوم قوم کے افراد کی بات کس طرح مان لیں —— (۴۹ : ۲۳) —— (۳۶ : ۲۵)

(۶) تکذیب ہی نہیں بلکہ استہزاء —— (۱۴ : ۲۵) —— (۷ : ۴۳)

(۷) تکذیبِ رُسل سے ہلاکت —— (۱۴ : ۵۰)

(۸) تمام قومیں یہی کچھ کرتی رہیں۔ ایسا نظر آتا ہے جیسے جانے والی قوم آنے والی کو وصیت کر جاتی تھی (۵۳-۵۲-۵۱ : ۵۱)

قوت، دولت، سامانِ زیست کی فراوانی کے باوجود ہلاکت

(۱) اقوام سابقہ جنہیں ایسا تمکن عطا ہوا تھا جیسا تمہیں بھی حاصل نہیں، اپنی غلط روش کے نتیجہ میں تباہ ہوگئیں۔ (۶ : ۶)

(۲) قوموں پر پہلے ہلکی سی مصیبتیں آتی ہیں تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کر کے اپنی روش میں تبدیلی پیدا کریں لیکن وہ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتیں اور اپنی غلط روش میں آگے بڑھے چلی جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ غلط اعمال اور ان کے تباہ کن نتائج کے درمیان ایک وقفہ ہوتا ہے (جس طرح بیج بونے اور فصل کے پکنے میں ایک میعاد ہوتی ہے) اس لئے ان پر فوری تباہی نہیں آتی بلکہ انہیں رزق کی مزید فراوانیاں حاصل ہوجاتی ہیں۔ اس سے وہ اور بھی حدود فراموش ہوجاتیں، اور آخرالامر تباہ ہوجاتی ہیں۔ ان کی یہ تباہی ان کے مظالم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ظالم کا تباہ ہوجانا اہلِ عالم کے لئے نجات کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی قوموں کی تباہی، دوسرے انسانوں کے لئے مقامِ سپاس گزاری ہوتی ہے —— (۶ : ۴۲ - ۴۵)

(۳) تباہی ظالم قوم کی ہوتی ہے —— (۶ : ۴۷)۔ فاسق قوم کی —— (۴۶ : ۳۵)

(۴) قوانینِ خداوندی کے اتباع سے بھی سامانِ زیست کی فراوانیاں حاصل ہوتی ہیں لیکن اس کا نتیجہ تباہی نہیں ہوتا، دنیا اور آخرت کی خوشگواریاں ہوتا ہے —— (۷ : ۹۶)

(۵) ان پر ایسے مقامات سے تباہی آتی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے —— (۱۶ : ۲۶) —— (۲۵ : ۳۹)

(۶) ان قوموں کی تباہی جو سامانِ زیست و آرائش میں کہیں بڑھ کر تھیں —— (۴۷ : ۱۹)

(۷) وہ قومیں اس طرح ہلاک ہوئیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا —— (۱۹ : ۹۸)

(۸) یہ قومیں، تباہی کو اپنے سامنے محسوس شکل میں دیکھ کر بھاگنے لگیں۔ ان سے کہا گیا کہ اب بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو۔ چلو واپس اپنے محلات میں اور اپنے سامانِ عیش و عشرت کی طرف، تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ اسے تم نے کس طرح حاصل کیا تھا۔۔۔۔(۲۱ : ۱۱-۱۵)

(۹) ہلاک ہونیوالی قوموں کے محلات تباہ ہو گئے۔ کنوئیں ویران ہو گئے۔۔۔(۲۲ : ۴۵)

(۱۰) ہلاک ہونے والی قومیں اپنے سامانِ معیشت پر اِتراتی تھیں۔۔۔(۲۸ : ۵۸)

(۱۱) قارون سے کہا کہ تم سے پہلے ایسی قومیں تباہ ہو گئیں جو تم سے کہیں زیادہ دولت اور قوت کی مالک تھیں۔(۲۸ : ۷۸)

(۱۲) رزق کی فراوانی سے جوع الارض کی ہوس بڑھ جاتی ہے۔ اس سے خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر سے ایمان اُٹھ جاتا ہے۔ جذبات اصولوں پر غالب آجاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ تباہی ہے۔۔۔(۳۴ : ۱۵-۲۱)

(۱۳) عربوں سے پہلی قومیں، قوت اور دولت میں ان سے بڑھ کر تھیں۔ وہ بھی تباہ ہو گئیں تو یہ کیسے محفوظ رہ جائیں گے۔۔۔(۳۵ : ۴۴)

(۱۴) تباہی کے معنی یہ ہیں کہ وہ قوم دنیا میں ذلت و خواری کی زندگی بسر کرے۔۔۔(۳۹ : ۲۶)۔۔۔(۱۶ : ۱۱۲)

(۱۵) سرمایہ داری کا غلط نظام ہو تو مال و دولت تباہی سے نہیں بچا سکتا۔۔۔(۳۹ : ۴۹ ; ۵۰)

(۱۶) قومِ عاد نے کہا کہ ہم سے زیادہ صاحبِ قوت و دولت کون ہے۔ لیکن ان کا غلط نظام انہیں تباہی سے بچا نہ سکا۔۔۔(۴۱ : ۱۵)

(۱۷) اقوامِ سابقہ باوجود بڑی قوتوں کی مالک ہونے کے تباہ ہو گئیں۔ کیونکہ وہ مستقل اقدار کا استہزاء کرتی تھیں۔

(۴۳ : ۶-۸)

(۱۸) قومِ فرعون کی دولت و املاک کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔۔۔(۴۴ : ۲۵-۲۸)

(۱۹) قومِ عاد کے پاس قوت، دولت بلکہ علم و بصیرت بھی بہت تھا لیکن ان کے غلط نظام (استکبار بغیر الحق) نے انہیں تباہ کر دیا۔۔۔(۴۶ : ۲۶)

(۲۰) کتنی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں ان عربوں سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ وہ بھی تباہ ہو گئیں۔(۴۷ : ۱۳) (۵۰ : ۳۶)

علم و بصیرت کے باوجود ہلاکت

(۱) جب کسی قوم پر مفاد پرستی کے جذبات غالب آ جائیں تو وہ علم و بصیرت کے باوجود ہلاک ہو جاتی ہے۔(۳۹ : ۳۸)(۴۶ : ۲۶)

(۲) تباہی ایسے مقامات سے آتی ہے جو اس قوم کی عقل و شعور میں نہ ہوں — (۱۶ : ۲۶) — (۳۹ : ۲۵) — (۵۹ : ۲)

(۳) ایسا علم، علم نہیں جہالت ہوتی ہے — (۴۶ : ۲۳—۲۶)

مہلت کا وقفہ

(۱) عمل اور اس کے نتیجے کے محسوس طور پر سامنے آنے میں ایک وقفہ ہوتا ہے — (۱۱ : ۱۰۴)

(۲) مہلت کا عرصہ بڑھتا جاتا ہے تو قوم بجائے اس کے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کرے، جرائم میں اور آگے بڑھتی چلی جاتی ہے — (۱۹ : ۷۵)

(۳) اگر قانونِ مہلت پہلے سے متعین نہ ہوتا تو یہ لوگ کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے — (۲۰ : ۱۲۹)

(۴) اعمال کے تباہ کن نتائج تو ساتھ کے ساتھ مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں لیکن تباہی محسوس شکل میں ایک وقت کے بعد جا کر سامنے آتی ہے۔ اُس وقت نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی — (۲۱ : ۱۲—۱۳)

(۵) مہلت کے وقفہ کے بعد عذاب — ہر قوم کے ساتھ یہی ہوا — (۲۲ : ۴۴)

(۶) یہ عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ خدا کا ایک ایک دن، تمہارے حساب و شمار سے ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اس لئے قوموں کی زندگی، دنوں سے نہیں صدیوں سے ماپی جاتی ہے — (۲۲ : ۴۷—۴۸)

(۷) جب تباہی کا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ذرا بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اسی کو اس قوم کی اجل کہا جاتا ہے۔ یعنی مہلت کا وقفہ گزرنے کے بعد تباہی کا وقت — (۱۰ : ۴۹) — (۲۳ : ۴۳)۔ یہ اجلؔ، یعنی مہلت کے وقفہ کے بعد تباہی، خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق طے پاتی ہے (جیسے مختلف فصلوں کے پکنے کے لئے مختلف مدت درکار ہوتی ہے) — (۷ : ۳۴) — (۱۳ : ۳۸؛ ۳۹) — (۱۵ : ۴—۵)

(۸) اگر مہلت کا وقفہ نہ ہوتا تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہتا — (۳۵ : ۴۵)

(۹) مہلت کے وقفہ کے بعد ایک مستقر ہوتا ہے جہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ٹھہر جاتا ہے اور نتائج سامنے آ جاتے ہیں — (۵۴ : ۳)

انبیائے سابقہ کی اقوام

(۱) قومِ حضرت نوحؑ کی تباہی — (۷ : ۵۹—۶۵) — (۱۱ : ۲۵—۴۹) — (۱۴ : ۹) — (۲۳ : ۲۳—۳۰) — (۲۵ : ۳۷) — (۲۶ : ۱۱۲—۱۱۶) — (۷۱ : ۱—۲۸)

(۲) قومِ عاد کی داستانِ ہلاکت — (۷ : ۶۵–۷۲) — (۱۱ : ۵۰–۶۰) — (۲۶ : ۱۲۹–۳۴) — (۲۹ : ۳۸) — (۴۱ : ۱۵) — (۴۶ : ۲۱–۲۶) — (۸۹ : ۶–۸)

(۳) قومِ ثمود کی ہلاکت — (۷ : ۶۵–۷۹) — (۱۱ : ۶۱–۶۸) — (۴۱ : ۱۷) — (۹۱ : ۱۱–۱۵)
(ان کے معاشی نظام میں سب کچھ بڑے بڑے لوگوں نے سنبھال رکھا تھا۔ اور غریبوں کے حصے میں کچھ نہیں آتا تھا) — (۱۵ : ۸۲) — (۲۶ : ۱۴۶–۴۹) — (۴۶ : ۲۵) — (۹۱ : ۱۱–۱۵)
قوم کے سرغنے — (۲۷ : ۴۸–۵۲)

(۴) قومِ لوط کی تباہی — (۷ : ۸۰–۸۴) — (۱۱ : ۶۹–۸۳)

(۵) قومِ شعیبؑ (مدین) — (۷ : ۸۵–۹۳) — (۱۱ : ۸۴–۹۵)۔ یہ قوم علم و بصیرت کے باوجود تباہ ہوگئی۔ کیونکہ اس پر مفاد پرستی کے جذبات غالب آچکے تھے — (۲۹ : ۳۸)

(۶) قومِ حضرت موسےٰؑ (فرعون اور اس کی قوم) — (۷ : ۱۰۳–۱۳۷) — (۱۱ : ۹۶–۹۹) — (۲۳ : ۴۵–۴۸) — (۲۵ : ۳۵)۔ ان کے اموال و دیار کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا — (۷ : ۱۳۷) — (۴۴ : ۲۵–۲۸) — (۷۳ : ۱۵–۱۶)۔ ان پر نہ آسمان رویا نہ زمین — (۲۸ : ۴) — (۴۳ : ۵۱) — (۴۴ : ۲۸) — (۷۹ : ۲۴)

(۷) قومِ سبا کی ہلاکت — (۳۴ : ۱۵–۲۱)

(۸) تمام انبیاء کے ساتھ یہی ہوا اور ان کی قومیں تباہ ہوئیں — (۷ : ۹۴–۹۹) — (۹ : ۷۰) — (۱۱ : ۱۰۰) — (۲۲ : ۴۲–۴۶) — (۲۵ : ۳۸) — (۴۰ : ۵–۶ ؛ ۳۱) — (۵۰ : ۱۲–۱۴) — (۵۳ : ۵۰–۵۳) — (۶۹ : ۴–۱۴)

(۹) دیکھو کہ قوم عاد، ثمود، فرعون کے ساتھ کیا ہوا — (۸۹ : ۶–۱۴)

(۱۰) یہ اقوام جن جرائم کے نتیجہ میں تباہ ہوئیں، ان میں سرفہرست یہ تھے۔

۱۔ طبقاتی ناہمواریاں، معیارِ تکریم دولت، محنت اور دستکاری کو رذیل پیشے شمار کرنا۔ (قومِ نوح)

۲۔ قومیت کا معیار اشتراکِ نظریہ کے بجائے نسل کا اشتراک۔ (قومِ نوح)

۳۔ جبر اور استبداد کی حکومت۔ سلب و نہب۔ (قومِ عاد)

۴۔ ذرائع پیداوار امت کی مشترکہ تحویل میں رہنے کے بجائے ذاتی ملکیت میں۔ (قومِ ثمود)

۵۔ کاروبار کی بنیاد نظامِ سرمایہ داری۔ مذہب اور معاملات میں ثنویت۔ (قومِ شعیب)

۶۔ جنسی بدنہادی۔ (قومِ لوط)

۷۔ استبدادِ ملوکیت۔ فریبِ مذہبی پیشوائیت اور خون آشامیٔ قارونیت۔ (قومِ فرعون)

۸۔ دینِ خداوندی کو مذہب بنا دینا۔ (بنی اسرائیل)

سامانِ عبرت

(۱) تم دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اقوامِ سابقہ کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات کس طرح ان کی عبرت انگیز داستانیں بیان کرتے ہیں۔ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ (۳ : ۱۳۶—۱۳۷) — (۱۲ : ۱۰۹) — (۱۶ : ۳۶) — (۳۰ : ۹) — (۴۰ : ۸۲—۸۳)

(۲) عائلی قوانین بیان کرنے کے بعد کہا کہ خدا چاہتا ہے کہ تمہارا حشر کبھی ویسا ہی نہ ہو جیسا ان اقوامِ سابقہ کا ہوا جنہوں نے ان قوانین کے خلاف روش اختیار کی تھی — (۴ : ۲۶)

(۳) تمام انبیائے سابقہ کی اقوام کی سرگزشت بیان کرنے کے بعد کہا کہ تم ان پر غور کرو — (۷ : ۱۰۰—۱۰۲)

(۴) پہلی قوموں کی تباہی کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھا جائے کہ تم کیسے کام کرتے ہو — (۱۰ : ۱۴)

(۵) کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جو کچھ پہلی قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ان سے کہیے کہ یہ اس کا انتظار کریں۔ ایسا ہو کر رہے گا — (۱۰ : ۱۰۲)

(۶) اقوامِ سابقہ کی سرگذشت میں سامانِ عبرت — (۱۱ : ۱۰۳) — (۱۴ : ۹—۱۷ ؛ ۴۵) — (۱۵ : ۱۰—۱۴) — (۱۷ : ۱۷) — (۲۰ : ۱۲۸)

(۷) ان سے پہلے لوگ بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے۔ پھر ان پر تباہی آگئی — (۱۶ : ۳۳—۳۴)

(۸) سامانِ عبرت بشرطیکہ یہ آنکھیں کھول کر چلیں پھریں — (۲۲ : ۴۶)

(۹) قرآن کے محکم اصول اور اقوامِ سابقہ کی سرگذشتیں۔ یہ دونوں چیزیں دی گئیں تاکہ لوگ راستے کی خطرناک گھاٹیوں سے محفوظ رہ سکیں — (۲۴ : ۳۴)

(۱۰) عقلی دلائل کے بعد کہا کہ اگر یہ ان سے بھی نہیں سمجھتے تو ان سے کہو کہ تم اقوامِ گذشتہ کے احوال و ظروف پر ہی نگاہ ڈالو — (۴۱ : ۱۳—۱۴)

(۱۱) قومِ فرعون کے انجام کو باعثِ عبرت بنایا — (۴۳ : ۵۶)

(۱۲) ان سے پوچھو کہ تم زیادہ قوت و شوکت کے مالک ہو یا قومِ تُبّع جو ہلاک ہوگئی تھی ــــ (۳۷ : ۴۴)

(۱۳) لیکن تباہ ہونے والی قومیں ان سرگزشتوں سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے کہہ دیتی ہیں کہ یہ محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں ــــ (۱۷ : ۴۶)

(۱۴) ان سے کہو کہ زمین پر چلیں پھریں اور دیکھیں کہ اقوامِ سابقہ کا حشر کیا ہوا ــــ (۱۰ : ۴۷)

(۱۵) عبرت ان کے لئے ہے جو آنکھیں کھول کر دل کی کشادے سے غور کریں ــــ (۳۷ : ۵۰)

(۱۶) عبرت ان کے لئے جو الم انگیز تباہی کے احساس سے خوف کھائیں ــــ (۳۷ : ۵۱)

(۱۷) ان کے پاس اقوامِ گزشتہ کی بہت سی سرگذشتیں آچکی ہیں جن میں سامانِ عبرت ہے ــــ (۴ : ۵۴) ــــ (۵۱ : ۳۴ــــ۱۵ : ۵۴)

(۱۸) کیا ان تک پہلی قوموں کی سرگزشتیں نہیں پہنچیں جو یہ ان سے عبرت حاصل کرتے ــــ (۵ : ۶۴)

(۱۹) صاحبانِ عقل و بصیرت کو چاہیئے کہ ان سرگزشتوں سے عبرت حاصل کریں ــــ (۱۰ــــ۸ : ۶۵)

(۲۰) کیا ہم نے اقوامِ سابقہ کو ہلاک نہیں کیا جو انہیں چھوڑیں گے ــــ (۱۷ ــــ۱۹ : ۷۷)

(۲۱) کیا ان تک امم سابقہ کی داستانیں نہیں پہنچیں، اسی طرح خدا کا قانونِ مکافات انہیں بھی گھیرے ہوتے ہے ــــ (۲۰ــــ۱۷ : ۸۵)

(۲۲) دیکھو کہ قومِ عاد و ثمود کے ساتھ کیا ہوا؟ ــــ (۴ــــ۶ : ۸۹)

(۲۳) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ــــ (۵ــــ۱ : ۱۰۵)

(۲۴) دیکھو! ابولہب کا انجام کیا ہوا ــــ (۵ــــ۱ : ۱۱۱)

متفرقات

(۱) دین میں خواہ مخواہ کرید کرنے اور جن امور کے متعلق کوئی احکام نہیں دیئے گئے تھے (کیونکہ ان کا تعلق دین سے نہیں بلکہ عام معاشرتی زندگی سے تھا) ان کے متعلق سوالات کر کے مصیبت مول لے لینے سے تباہی آجاتی ہے ــــ (۱۰۲ : ۵)

(۲) استکبار بغیر الحق بُرا ہے۔ یعنی دنیا میں تعمیری کام کئے بغیر صاحبِ اقتدار بن بیٹھنا ــــ (۱۴۶ : ۷) ــــ (۱۵ : ۴۱) ــــ (۲۰ : ۴۶)

(۳) تاریخ کی اہمیت ——— (۲۴ : ۳۴)

(۴) طریق ہلاکت۔ خانہ جنگی۔ اندرونی شورش ——— (۶ : ۶۵)۔ ایک قسم کے ظالموں پر دوسری قسم کے ظالم مسلط کر دیئے جاتے ہیں ——— (۶ : ۱۳۰)

——— (۰) ———

۷۸۔ اُمّی

مادہ (ا۔م۔م) ایسا شخص جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو۔ یعنی لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ اہل کتاب کے مقابلہ میں بھی آیا ہے۔ وہاں اس کے معنی عرب کے غیر اہل کتاب ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ عام عرب جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی نہیں تھے۔ ویسے امی، مکہ (ام القریٰ) کے رہنے والے کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

——— (۰) ———

(۱) ان (اہل کتاب) میں اُمّی بھی ہیں جو علم نہیں رکھتے محض حرف شناس ہیں ——— (۲ : ۷۸)

(۲) اہل کتاب کے مقابلہ میں امی کا لفظ۔ یعنی غیر اہل کتاب ——— (۳ : ۱۹۹) ۲۰

(۳) یہود کہتے ہیں کہ امیوں (غیر اہل کتاب) کا مال فریب سے بھی کھا لیا جائے تو یہ کوئی جرم کی بات نہیں۔ (۳ : ۷۴) ۷۵

(۴) نبی الاُمّی۔ یعنی غیر اہل کتاب (عربوں) میں مبعوث ہونے والا نبی ——— (۷ : ۱۵۷)—(۷ : ۱۵۸)

(۵) امیوں میں رسول پیدا کیا گیا ——— (۶۲ : ۲)

(۶) نبی اکرمؐ نبوت سے پہلے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس سے واضح ہے کہ نبوت کے بعد حضورؐ کی حالت ایسی نہیں تھی (۲۹ : ۴۸)۔ اس لئے حضورؐ کو امی بمعنی اَن پڑھ (ناخواندہ) کہنا صحیح نہیں۔

——— (۰) ———

۷۹۔ اِنتقام

(نیز دیکھئے ـــ جرم، مکافاتِ عمل وغیرہ)

اِنتقام۔ مادہ (ن۔ ق۔ م)۔ اس کے بنیادی معنی ہیں ’راستہ کا درمیانی حصہ جس پر چلنے والا خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔ استعمال کی رو سے اس کے معنی ہوتے ہیں جرم کی سزا دینا تاکہ مجرم کی اصلاح ہو جائے اور وہ زندگی کے جادۂ مستقیم پر گامزن رہے۔ جب یہ لفظ خدا کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں خدا کا قانونِ مکافات جس کے مطابق افراد اور اقوام کے غلط کاموں کے نقصان رساں اور تباہ کن نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ انسانوں کے لئے استعمال ہو تو اس کا وہی مفہوم ہوتا ہے جس مفہوم کے لئے یہ لفظ ہمارے ہاں عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اپنے بغض، عداوت، حسد وغیرہ کی وجہ سے دوسروں کو تنگ کرنا۔

خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ اسی کو انتقامِ خداوندی کہا جاتا ہے!

(۱) خدا ذوانتقام ہے — (۳ : ۳) — (۵ : ۹۵) — (۱۴ : ۴۷) — (۳۹ : ۳۷)

(۲) خدا مجرمین سے انتقام لیتا ہے یعنی ان کے جرم کی انہیں سزا دیتا ہے — (۳۲ : ۲۲) — (۴۳ : ۴۱) — (۴۴ : ۱۶)

(۳) اقوامِ سابقہ اپنی غلط روش کے نتیجہ میں تباہ ہو گئیں۔ اسے انتقامِ خداوندی کہہ کر پکارا گیا ہے (۷ : ۱۳۶) — (۱۵ : ۷۹) — (۳۰ : ۴۷) — (۴۳ : ۲۵) — (۴۳ : ۵۵)

انسانوں کی طرف سے اِنتقام

(۱) مخالفین اس لئے مسلمانوں سے انتقام لیتے ہیں کہ یہ خدا پر ایمان کیوں لے آئے — (۵ : ۵۹) — (۷ : ۱۲۶) — (۸۵ : ۸)۔ خدا نے انہیں خوشگواریاں کیوں عطا کر دیں — (۹ : ۷۴)

(۲) مسلمانوں سے کہا گیا کہ اگر تم کسی مستحق کی مدد کر رہے ہو تو اس کی کسی لغزش پر، انتقاماً اس کی امداد کو بند مت کرو — (۲۴ : ۲۲)۔ کتنی بڑی کشادہ ظرفی پر مبنی ہے یہ تعلیم!

——— (۰) ———

لفظ انتقام کے سلسلہ میں تو قرآنِ کریم میں اتنا ہی آیا ہے البتہ جرم اور اس کی سزا کے ضمن میں بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان جرم۔ یہاں ضمناً دو چار اصولی باتیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) برائی کا دفعیہ بھلائی سے کرو — (۲۳ : ۹۶)

(۲) مظلوم ظالم سے بدلہ لے سکتا ہے — (۲۶ : ۲۲۷)۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ سزا، جرم سے زیادہ

نہ ہو ــــ (۲:۱۹۴) ــــ (۵:۲) ــــ (۱۶:۱۲۶) ــــ (۴۰:۲۲) ۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ حکومت مختلف جرائم کی سزا کا تعین خود کرے۔ اسی کو ضابطہ تعزیرات کہا جاتا ہے۔

(۳) اگر مجرم میں اصلاح کا امکان ہو تو معاف کر دینا زیادہ اچھا ہے ــــ (۱۶:۱۲۶)

ــــ (۰) ــــ

۸۰۔ انجیل

(نیز دیکھئے۔ عیسٰیؑ۔ کتب سابقہ۔ تحریف)

انجیل۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ یونانی لفظ اِوَنجِلیُوْنَ کا معرب ہے جس کے معنی خوشخبری کے ہیں۔ انگریزی میں اسے (GOSPEL) اور عیسائیت کی اصطلاح میں عہد نامہ جدید (NEW TESTAMENT) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات پر ایمان لائے کہ انبیائے سابقہ پر بھی اپنے اپنے وقت میں، خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی جسے ان کی کتاب کہا جاتا ہے لیکن یہ کتابیں اپنی اصل شکل میں اب کہیں موجود نہیں۔ اس لئے اب ان تمام کتابوں کی سچی اور اصل تعلیم قرآن کریم کے اندر ہے جو ان تمام باتوں کو سچ کر دکھاتے گا جو ان کتابوں کے اندر خدا کی طرف سے آئی تھیں (اس کے لئے یہ کہتے ہیں کہ قرآن تمام کتب سابقہ کا مصدق ہے)۔ انجیل حضرت عیسٰیؑ کی طرف نازل ہوئی تھی جو اپنی اصل شکل میں اب دنیا میں کہیں بھی نہیں۔ موجودہ انجیل، بہت سی مرقومات پر مشتمل ہے۔ اس میں چار کتابیں حضرت عیسٰیؑ کی سوانح حیات پر مشتمل ہیں جو آپ کے حواریوں نے آپ کے بعد تصنیف کی تھیں۔ علاوہ بریں سینٹ پال کے بہت سے خطوط ہیں۔ قرآن جب انجیل کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد وہ کتاب ہوتی ہے جو حضرت عیسٰیؑ پر نازل ہوئی تھی۔ ان کتابوں کے محرف ہونے کے لئے دیکھئے عنوان "تحریف"

ــــ (۰) ــــ

انجیل

(۱) قرآن سے پہلے انجیل نازل کی جو انسانوں کے لئے ہدایت کا موجب تھی ــــ (۳:۳)

(۲) حضرت عیسٰیؑ کو تورات اور انجیل کا علم دیا گیا تھا ــــ (۳:۴۷) ــــ (۵:۱۱۰)

(۳) تورات و انجیل حضرت ابراہیمؑ کے بعد نازل کی گئی تھیں ـــــــ (۳ : ۶۵)

(۴) مسلمانوں کے لئے کتب سابقہ (بشمولہ انجیل) پہ ایمان لانا ضروری ہے ـــــــ (۳ : ۸۳)

(۵) حضرت عیسٰیؑ کو انجیل دی گئی تھی ـــــــ (۵ : ۴۶) ـــ (۵۷ : ۲۷)

(۶) اہل کتاب اگر تورات و انجیل کی سچی تعلیم پہ کاربند رہتے تو رزق کی فراوانیاں حاصل ہوتیں ـ (۵ : ۶۶)

(۷) حضرت محمد رسول اللہ کا ذکر انجیل میں تھا ـــ (۷ : ۱۵۷)

(۸) دین کا اصول یہ ہے کہ خدا مومنین کی جان اور مال بعوض جنت خرید لیتا ہے ـ یہ وعدہ تورات و انجیل میں بھی مذکور تھا ـــ (۹ : ۱۱۱)

(۹) محمد رسول اللہ والذین معہٗ کی مثال تورات و انجیل میں بھی تھی ـــــ (۴۸ : ۲۹)

ـــــــ (۰) ـــــــ

جو کچھ حضرت عیسٰیؑ کی طرف نازل کیا گیا تھا

(۱) جو حضرت عیسٰیؑ کو دیا گیا تھا ـــ (۲ : ۱۳۶) ـــ (۳ : ۸۳) ـــ (۴ : ۱۶۳) ـــ (۴۲ : ۱۳) بینات ـــ (۴۳ : ۶۳)

ـــــــ (۰) ـــــــ

[انجیل اور دیگر صحیفۂ آسمانی کتابوں کی تاریخ کے لئے مصنف کی کتاب "مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں" دیکھئے اس سے معلوم ہوگا کہ یہ کتابیں کس قدر محرف ہیں]۔

ـــــــ (۰) ـــــــ

۸۱ - انذار

انذار (مادہ - ن - ذ - ر) کسی کو اس بات سے آگاہ (WARN) کرنا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا نتیجہ تمہارے لئے نقصان اور تباہی کا موجب ہوگا ـ جہاں تک انسان کی طبعی زندگی کا تعلق ہے وہ اپنے علم اور تجربہ سے معلوم کر لیتا ہے کہ کون سی چیز اس کے لئے منفعت بخش اور کون سی ضرر رساں ہے ـ لیکن جہاں تک اس کی انسانی زندگی (یعنی انسانی ذات) کا تعلق ہے، وہ اس بات کو از خود معلوم نہیں کر سکتا کہ کونسی چیز اس کی ذات کے لئے موجب تقویت ہے اور کونسی باعثِ ضعف و انتشار ـ یہ چیز اسے وحی کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے ـ اس اعتبار

سے، حضرات انبیاء کرام کو منذرین (آگاہ کرنے والے) کہا گیا ہے اور ان کے اس فریضہ کو انذار۔

——— (-) ———

انبیاء سابقہ کا انذار

(۱) حضرت نوحؑ کا فریضہ انذار — (۷ : ۶۳) — (۲۶ : ۱۱۵) — (۷۱ : ۱)

(۲) حضرت ہودؑ — (۷ : ۶۹) — (۴۶ : ۲۱) (۵۴ : ۱۷)۔ حضرت صالحؑ — (۵۴ : ۲۳ ؛ ۳۰)
حضرت لوطؑ — (۵۴ : ۳۳)

(۳) رسولوں کا مشن انذار ہوتا ہے — (۲ : ۲۱۳) — (۴ : ۱۶۵) — (۶ : ۴۸)
(۶ : ۱۳۱) — (۱۶ : ۲) — (۱۸ : ۵۶) — (۳۹ : ۷۱) — (۵۳ : ۵۶)

(۴) ہر قوم میں نذیر آتے رہے — (۳۵ : ۲۴) — (۳۷ : ۷۲—۷۳)۔ اور مترفین ان کی مخالفت کرتے رہے
— (۲۵ : ۵۱) — (۲۶ : ۲۰۸) — (۳۴ : ۳۴) — (۳۵ : ۳۷) — (۳۷ : ۷۲) — (۴۳ : ۲۳)

(۵) رسالت سے مقصود انذار ہے — (۴۰ : ۱۵)

(۶) حضرت لوطؑ — (۲۶ : ۱۷۳) — (۲۷ : ۵۸) — (۵۴ : ۳۶)

(۷) انبیاء سابقہ نذیر و بشیر تھے — (۱۱ : ۲) — (۱۱ : ۱۲) — (۱۱ : ۲۵)

(۸) آلِ فرعون کی طرف نذیر — (۵۴ : ۴۱)

کفار کا ردِ عمل

(۱) سنکھیا کے مہلک اثرات سے آگاہ کرنا اسی کے لئے مفید ہو سکتا ہے جو اپنی زندگی کو عزیز رکھتا ہو۔ جو خودکشی کرنے پر آمادہ ہو اُسے اس انذار سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جو لوگ پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہوں کہ ہم نے بات سننی اور ماننی ہی نہیں، انہیں خطرات سے آگاہ کرنا یا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے۔ (۲ : ۶)
انذار اسی کو فائدہ دے سکتا ہے جو زندہ رہنا چاہے — (۱۰ : ۱۰۱) — (۳۶ : ۱۰—۱۱) — (۳۶ : ۷۰)

(۲) انذار سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو خطرات کو اپنے سامنے دیکھنے سے پہلے اس بات پر یقین رکھے کہ کہنے والا ٹھیک کہتا ہے — (۳۵ : ۱۸—۲۲) — (۳۶ : ۱۰—۱۱) — (۵۴ : ۵)

(۳) کفار انذار سے روگردانی کرتے ہیں ——(۴۶ : ۳)——(۵۴ : ۵-۶)۔ اسے مذاق سمجھتے تھے ——(۱۸ : ۵۶)

(۴) جو بہرہ بن کر پیٹھ موڑے اسے انذار کیا فائدہ دے سکتا تھا ——(۲۱ : ۴۵)

تباہی سے پہلے انذار

(۱) خدا کسی بستی (قوم) کو تباہ نہیں کرتا جب تک انہیں پہلے آگاہ نہ کر دیا جائے کہ ان کی غلط روش انہیں تباہی کی طرف لئے جا رہی ہے ——(۶ : ۱۳۱)۔ پہلے یہ انذار حضرات انبیاء کرام کی وساطت سے ہوتی تھی — ختم نبوت کے بعد یہ فریضہ امتِ مسلمہ کے ذمے عاید ہو گیا جو قرآن کی وارث ہے۔ (۲۶ : ۲۰۸)(۲۷ : ۵۸)

(۲) ہر قوم میں نذیر آتے رہے ——(۳۵ : ۲۴)——(۳۷ : ۷۲-۷۳)

(۳) تباہی سے پہلے انذار ——(۷۱ : ۱)——(۷۹ : ۱۸-۱۹)

(۴) خدا کے نُذُر کیسے ثابت ہوئے ——(۵۴ : ۱۶)——(۵۴ : ۲۱)

(۵) دیکھو! مُنذَرین کا انجام کیا ہوا ——(۳۷ : ۷۳ ؛ ۱۷۷)

رسول اللہؐ کا فریضۂ انذار

(۱) حضورؐ قرآن کے ذریعے لوگوں کو آگاہ کیا کرتے تھے ——(۶ : ۱۹)——(۷ : ۲)——(۱۴ : ۵۲)——(۱۹ : ۹۷)——(۲۱ : ۴۵)——(۲۶ : ۱۹۴)——(۴۰ : ۱۵)——(۴۶ : ۱۲)

(۲) لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا تھا کہ منذر انہی جیسا انسان کیوں ہے۔ فوق البشر کیوں نہیں ——(۷ : ۶۳ ؛ ۶۹)——(۱۰ : ۲)——(۳۸ : ۴)——(۵۰ : ۲)

(۳) رسول اللہؐ لوگوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ۔ ان سے کہا گیا کہ میرا فریضہ تمہیں خطرات سے آگاہ کرنا ہے۔ اس کا معجزات سے کیا تعلق۔ میں معجزے دکھانے کے لئے نہیں آیا ——(۱۳ : ۷)——(۲۹ : ۵۰)

(۴) نزولِ قرآن سے مقصد تبشیر (صحیح روش کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دینا) اور تنذیر ہے ——(۱۸ : ۲)——(۱۹ : ۹۷)——(۲۵ : ۱)——(۴۴ : ۲)——(۴۶ : ۱۲)——(۷۸ : ۴۰)——(۹۲ : ۱۴)

(۵) عیسائیوں کو ابنیتِ مسیح کے غلط عقیدہ کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرو ——(۱۸ : ۴)

(۶) آپؐ نذیر تھے۔ لوگوں کو بدلہ ان کے اپنے اعمال کا ملتا ہے ــ(۲۲ : ۴۹ــ۵۰)ــ(۲۷ : ۹۲)

(۷) رسول اللہ کو حکم کہ سب سے پہلے اپنے اہل خاندان کو آگاہ کرو ــ(۲۶ : ۲۱۴)۔ پھر پوری قوم کو ا :۔ عالمگیر انسانیت کو ــ(۶ : ۹۳)ــ(۱۴ : ۴۴)ــ(۲۵ : ۱)ــ(۲۸ : ۴۶)ــ(۳۲ : ۳)ــ(۳۴ : ۲۸)ــ(۳۶ : ۶)ــ(۴۲ : ۷)

(۸) رسول اللہ بشیر و نذیر تھے ــ(۲ : ۱۱۹)ــ(۵ : ۱۹)ــ(۷ : ۱۸۴ ; ۱۸۸)ــ(۱۳ : ۷)ــ(۱۵ : ۸۹)ــ(۱۷ : ۱۰۵)ــ(۲۲ : ۴۹)ــ(۲۵ : ۵۶)ــ(۲۶ : ۱۱۵)ــ(۲۷ : ۹۲)ــ(۲۹ : ۵۰)ــ(۳۳ : ۴۵)ــ(۳۴ : ۲۸ ; ۴۶)ــ(۳۵ : ۲۳ــ۲۴)ــ(۳۸ : ۶۵ ; ۷۰)ــ(۴۱ : ۴)ــ(۴۶ : ۹)ــ(۴۸ : ۸)ــ(۵۱ : ۵۰ــ۵۱)ــ(۵۳ : ۵۶)ــ(۶۷ : ۲۶)ــ(۷۱ : ۲)ــ(۷۴ : ۳۶)ــ(۷۹ : ۴۵)

(۹) کفارِ عرب قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہماری طرف نذیر آیا تو ہم سیدھے راستے پر چل پڑیں گے۔ لیکن جب نذیر آیا تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی ــ(۳۵ : ۴۲)

(۱۰) رسول اللہ سے ارشاد کہ لوگوں کو آنے والی تباہی سے آگاہ کرو ــ(۱۹ : ۳۹)ــ(۷۸ : ۴۰)ــ(۷۴ : ۲)

(۱۱) رسولؐ کے متبعین، قرآن کے ذریعہ انذار کا فریضہ سرانجام دینگے ــ(۶ : ۱۹)

(۱۲) رسول اللہ کا انذار انبیاء سابقہ کی طرح تھا ــ(۴۱ : ۱۳)

(۱۳) رسول اللہ سے پہلے اس قوم کی طرف کوئی نذیر نہیں آیا تھا ــ(۲۸ : ۴۶)ــ(۳۲ : ۳)

انذار کس کے لئے مفید ہے

(۱) جو لوگ خدا کے قانونِ مکافات کو حقیقت سمجھتے ہیں، وہی انذار سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ــ(۶ : ۵۱)

(۲) جو قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے ہیں ــ(۳۵ : ۱۸)ــ(۳۶ : ۱۱)

(۳) جو زندہ ہے ــ(۳۶ : ۷۰) ۔ جو مردہ نہیں ــ(۳۵ : ۲۲ــ۲۳)

(۴) جو ایمان نہیں لاتے انہیں نُذر فائدہ نہیں دیتے ــ(۱۰ : ۱۰۱)

انذار کب فائدہ دیتی ہے

(۱) انذار اسی وقت تک فائدہ دیتی ہے جب تک انسان کے پاس بازیابی کا وقت ہو۔ موت سامنے کھڑی ہو

یا موت کے بعد اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ــــ (۳۷ : ۳۵)

(۲) جب اعمال کے نتائج سامنے آجائیں تو پھر انذار سے فائدہ نہیں ہوتا۔ قیامت میں ملائکہ مجرمین سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس نذیر نہیں آئے تھے ــــ (۳۹ : ۷۱)ــ(۶۷ : ۸ــ۹)

انذار خدا کی رحمت ہے

(۱) کسی مسافر کو قبل از وقت بتا دینا کہ آگے خطرہ ہے، اس کے لئے موجب رحمت ہوتا ہے۔ اس لئے انذار خدا کی رحمت ہے ــــ (۴۳ : ۷)

متفرقات

(۱) امم سابقہ کے حالات سے دیکھو کہ جس نے انذار سے روگردانی کی اس کا انجام کیا ہوا ــــ (۲۳ــ۱۷ : ۵۴)

(۲) تم بھی دیکھ لوگے کہ انذار سے اعراض برتنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے ــــ (۶۷ : ۱۷)

(۳) مختلف گروہوں کو مرکز میں آکر تفقہ حاصل کرنا چاہیئے، تاکہ واپس جاکر دوسروں کو آگاہ کریں ــ(۹ : ۱۲۲)

(۴) اہل جہنم کہیں گے کہ اگر ہمیں ایک دفعہ واپس بھیج دیا جاتے تو ہم اعمال صالح کریں۔ ان سے کہا جائیگا کہ تمہاری طرف نذیر آئے تھے۔ تم نے اس وقت کیوں نہ مانا ــــ (۳۵ : ۳۷) ــ(۶۷ : ۸)

(۵) خدا خود منذر ہے ــــ (۴۴ : ۳)

(۶) بادیہ نشینوں (جنات) کا اپنی قوم کی طرف منذرین کی حیثیت سے واپس جانا ــــ (۴۶ : ۲۹)

ــــــــ (۰) ــــــــ

۲۸۔ انسان (الناس)

(نیز دیکھئے ــــ آدم۔ بشر)

انسان قرآن کریم میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے جن معنوں میں ہم اسے اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں یعنی آدمی (HUMAN BEING)۔ یا نوع انسان (الناس)۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ انسان ایسا ہے اور

دیا ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر انسان وحی کا اتباع نہ کرے اور اپنے حیوانی جذبات کے تابع چلے تو اس کی حالت ایسی ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ انسان کی فطرت کوئی نہیں (دیکھئے عنوان فطرت)، جہاں تک اس کی طبعی زندگی کا تعلق ہے اس میں حیوانی جذبات (INSTINCTS) ہیں۔ اور جہاں سے اس کی "انسانی زندگی" شروع ہوتی ہے وہاں اس کی راہ نمائی وحی کی رُو سے ہوتی ہے۔ اس کی انسانی زندگی کا تقاضا ہے کہ یہ اپنے حیوانی جذبات (جبلتوں) کا استعمال وحی کے مطابق کرے اور حیوانی زندگی (جسے کفر کی زندگی کہا گیا ہے) یہ کہ ان جذبات کو جس طرح جی چاہے استعمال کرے۔ قرآنی تعلیم کا ملخص یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس کے حقیقی مقام سے آشنا کرایا ہے۔ ایک خدا کا محکوم، اور ساری دنیا کا حاکم، اور حیاتِ جاوداں حاصل کر لینے کا سزاوار۔

جس مقام پر یہ لفظ انس، جانّ کے ساتھ آیا ہے وہاں اس کے معنی ہیں شہری باشندے، مہذب اقوام۔ برخلاف صحرانشین، خانہ بدوش، غیر متمدن قبائل کے، جنہیں جنّ کہہ کر پکارا گیا ہے۔

انسان اور بشر عام طور پر مرادف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ویسے ہم نے بشر کا الگ عنوان درج کیا ہے۔

(۲)

انسان جب وحی کے تابع نہ چلے

(۱) انسان کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ بہت جلد اپنے پست حیوانی جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ وحی اس کی اس کمزوری کو رفع کر دیتی ہے — (۴ : ۲۸)

(۲) ایسے انسان پر جب مصیبت پڑتی ہے تو خدا کو پکارتا ہے۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اعراض برتتا ہے۔ — (۱۰ : ۱۲ ; ۲۲—۲۳) — (۲۹ : ۶۵) — (۳۱ : ۳۲) لیکن وحی کے تابع چلنے والوں کی یہ کیفیت نہیں ہوتی — (۱۱ : ۹—۱۱) — (۱۷ : ۶۷ ; ۸۳) — (۳۰ : ۳۳ ; ۳۶) — (۳۱ : ۳۲) — (۳۹ : ۸ ; ۴۹) — (۴۱ : ۴۹—۵۱) — (۴۲ : ۴۸) — (۷۰ : ۱۸—۲۳)

(۳) انسان کھلا ہوا جھگڑالو ہے — (۱۶ : ۴) — (۱۸ : ۵۴) — (۳۶ : ۷۷)

(۴) انسان بھلائی کے بجائے ان چیزوں کو آواز دے دے کر بلاتا ہے جو اس کے لئے برائی کا موجب ہوں — انسان بڑا ہی جلدباز واقع ہوا ہے۔ (یہ بات کہ درحقیقت اس کے لئے کون سی چیز بھلائی کا موجب ہے، وحی کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے) — (۱۷ : ۱۱) — (۲۱ : ۳۷)۔ فرعون کی بیوی کا اندازہ — (۲۸ : ۹)

(۵) انسان بڑا ناشکرگذار ہے ـــ (۱۷ : ۶۷) ـــ (۲۲ : ۶۶) ـــ (۴۳ : ۱۵) ـــ (۸۰ : ۱۷)

(۶) قرآن میں واضح ہدایت موجود ہے لیکن اکثر لوگ اس سے انکار کرتے رہتے ہیں ـــ (۱۷ : ۸۹)

(۷) انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے ـــ (۱۷ : ۱۰۰)

(۸) خدا کے قوانین (وعدے) بالکل سچے ہوتے ہیں لیکن انسان جلد بازی میں گھبرا اٹھتا ہے ـــ (۲۸ : ۱۳)

(۹) انسان ان چیزوں (مثلاً فطری صلاحیتوں وغیرہ) کو اپنی کاریگری سمجھ کر ان کی رُو سے حاصل شدہ سامانِ زیست کو اپنی ملکیت سمجھ لیتا ہے ـ قارون کا قصہ ـــ (۲۸ : ۷۸) ـــ (۳۹ : ۴۹)

(۱۰) انسان، امانتِ خداوندی میں خیانت کرتا ہے ـ یعنی اپنے اختیار و ارادہ کو غلط استعمال کرتا ہے۔ یہ بڑا ظالم اور جاہل ہے ـــ (۳۳ : ۷۲)۔ ظالم اور کفّار بھی ـــ (۱۴ : ۳۴)

(۱۱) وحی کے تابع نہ ہو تو انسانی زندگی محض حیوانی سطح کی رہ جاتی ہے۔ اور مآل جہنم ـــ (۴۷ : ۱۲)

(۱۲) کیا انسان کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ ایسا خدا کی راہ نمائی کے مطابق چلنے ہی سے ہو سکتا ہے ـــ (۵۳ : ۲۴ـ۲۵)

(۱۳) انسان جب اپنے آپ کو وحی کے تابع نہیں رکھتا تو نقصان اٹھاتا ہے ـ باغ والوں کی مثال ـــ (۶۸ : ۱۶ـ۳۳)

(۱۴) انسان بے صبرا واقع ہوا ہے۔ لیکن وحی کے تابع چلنے والے ایسے نہیں ہوتے ـــ (۷۰ : ۱۸ـ۲۳)

(۱۵) انسان پیش پا افتادہ مفاد کے پیچھے لپکتا ہے۔ عاقبت اندیشی سے کام نہیں لیتا ـــ (۷۶ : ۲۷)

(۱۶) انسان سوچتا نہیں کہ خدا نے اسکی تخلیق کس طرح سے کی ہے۔ یہ خدا کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ (۸۰ : ۱۷) (۸۲ : ۶ـ۷)

(۱۷) انسان پر مختلف حالتیں گذرتی ہیں۔ جب اس پر ذلت و پستی چھا جاتی ہے تو خدا پر الزام دھرنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب اس کی اپنی غلط روش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ غلط معاشی و معاشرتی نظام کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے ـــ

(۸۹ : ۱۵ـ۲۰) ـــ (۹۰ : ۱۲ـ۱۴)

(۱۸) انسان کو بہترین ہیئتِ کذائی میں پیدا کیا۔ لیکن یہ اپنے آپ کو پست ترین درجہ پر لے جاتا ہے۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان و اعمالِ صالح کی زندگی بسر کرتے ہیں ـــ (۹۵ : ۴ـ۶)

(۱۹) انسان سرکشی برتتا ہے ـــ (۹۶ : ۶)

(۲۰) انسان وحی کے تابع نہ چلے تو بدترین مخلوق۔ اس کے تابع چلے تو بہترین مخلوق ـــ (۹۸ : ۶ـ۷)

(۲۱) انسان، ربوبیتِ خداوندی کا ناشکر گزار ہے۔ مال و دولت کی محبت اس پر غالب رہتی ہے۔ وہ سب کچھ

اپنے ہی لئے سمیٹ لینا چاہتا ہے ــــ (۸ ــ ۶ : ۱۰۰)

(۲۲) تاریخ انسانیت اس پر شاہد ہے کہ اگر انسان وحی کے تابع نہ چلے تو نقصان اٹھاتا ہے اور تباہ ہو جاتا ہے ــــ (۱۰۳ : ۱ــ۳)

(۲۳) انسان حاسد ہوتا ہے۔ دوسروں کا شیرازہ بکھیرنے کی سوچ چار رہتا ہے ــــ (۷ــ۴ : ۱۱۳)

(۲۴) انسان دوسروں کے دل میں وساوس پیدا کر کے شر پھیلاتا ہے ــــ (۲ــ۵ : ۱۱۴)

(۲۵) شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے یعنی اگر انسان اپنے جذبات کو بیباک چھوڑ دے تو تباہ ہو جاتا ہے ــــ (۱۲ : ۵) ــــ (۵۳ : ۱۷) ــــ (۲۹ : ۲۵)

(۲۶) اسے جگر پاش مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے ــــ (۸۴ : ۶)

(۲۷) اسے (وحی کے ذریعے) وہ علم دیا جو اسے حاصل نہیں تھا ــــ (۵ : ۹۶)

انسان کی پیدائش اور موت و حیاتِ اُخروی

(۱) خدا نے تخلیقِ انسانی کا آغاز بے جان مادہ سے کیا۔ جب یہ پیکرِ انسانی میں آیا تو اس کے لئے زمین پر رہنے کی ایک مدت معین کی گئی ــــ (۲ : ۳۶) ــــ (۲ : ۶)

(۲) قصہ آدم میں جمع کے صیغے (اور وہ بھی جمع مخاطب کے) لا کر بتایا گیا ہے کہ وہ درحقیقت نوعِ انسان کی داستان ہے جسے تمثیلی رنگ میں بیان کیا گیا ہے ــــ (۲ : ۳۶) ــــ (۱۱ : ۷)

نفسِ واحدہ (اولین جرثومۂ حیات) سے تخلیق کا آغاز ــــ (۱ : ۴)

(۳) انسانی تخلیق کی ابتدا غیر ذی حیات مادہ سے ہوئی۔ اس سے پہلے زمین کوئی آبادی تھی جو اب نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ اس میں آتشیں مادہ زیادہ تھا۔ اسکے بعد داستانِ آدم شروع ہو جاتی ہے (۱۵ : ۲۶-۲۷)

(۴) انسانی تخلیق نطفہ سے ہوئی ــــ (۴ : ۱۶)

(۵) انسانی بچے کی پیدائش، جوانی، پھر بڑھاپا جس میں علم حاصل کر لینے کے بعد انسان پھر جاہل بن جاتا ہے ــــ (۱۶ : ۷۰) ــــ (۳۰ : ۵۴) ــــ (۳۶ : ۶۸)

(۶) پیدائش سے پہلے انسان کوئی شے نہیں تھا ــــ (۹ : ۱۹) ــــ (۱۹ : ۶۷) ــــ (۱ : ۷۶)

(۷) انسانی تخلیق کی ابتدار بے جان مادہ سے ہوئی۔ مرنے پر اس کا جسم پھر بے جان مادہ میں تبدیل ہو جاتا ہے

لیکن اسے حیاتِ اُخروی عطا ہوتی ہے ——— (۲۰:۵۶)

(۸) ہر انسان کے لئے موت ہے ——— (۲۱:۳۴-۳۵)

(۹) انسانی پیدائش اور زندگی کے مختلف مراحل (نطفہ سے بڑھاپے تک) کے بیان سے حیاتِ اُخروی پر دلیل — (۲۲:۵-۶)—(۲۳:۱۲-۱۶)—(۳۶:۷۸-۷۹)—(۴۰:۶۷)—(۵۶:۵۹)

(۱۰) خدا نے تمہیں زندہ کیا پھر موت دے گا پھر زندہ کریگا — (۲:۲۸)—(۲۲:۶۶)—(۲۳:۱۵-۱۶)

(۱۱) انسان کو بے مقصد (عبث) پیدا نہیں کیا گیا ——— (۲۳:۱۱۵)—(۷۵:۳۶-۴۰)

(۱۲) انسان کو پانی (نطفہ) سے پیدا کیا۔ پھر یہ نسب اور سسرال کے ذریعے خاندانی رشتوں میں پرویا گیا—(۲۵:۵۴)

(۱۳) انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے ہوا۔ پھر ایک مقام پر ذی حیات میں نر و مادہ کا امتیاز پیدا ہوا۔ اس سے میاں بیوی کا رشتہ وجود میں آیا جو وجہ سکون و محبت ہے۔ پھر مختلف علاقوں کے انسانوں میں اختلافِ رنگ و زبان پیدا ہوا جو آیاتِ خداوندی میں سے ہے ——— (۳۰:۲۰-۲۳)

(۱۴) انسانی پیدائش کے مختلف مراحل کے بعد کہا کہ اس میں خدا نے اپنی توانائی (روح) کا ایک شمہ ڈالا جس سے یہ سمع و بصر و فوآد کا مالک بنا یعنی صاحبِ علم و ارادہ انسان ——— (۳۲:۷-۹) (۳۸:۷۱-۷۲)

(۲۳:۶۷)——(۷۶:۲)

(۱۵) انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے ہوا پھر مختلف مراحل سے گزرا۔ اس کی عمر کا گھٹنا بڑھنا خدا کے طبعی قوانین کی رُو سے ہوتا ہے —(۳۵:۱۱)

(۱۶) انسانی تخلیق کی ابتدا طینِ لازب (چپچپی مٹی) سے ہوئی —(۳۷:۱۱)

(۱۷) انسانی تخلیق نفسِ واحدہ (ایک جرثومۂ حیات) سے ہوئی جو بعد میں نر و مادہ میں منقسم ہو گیا ———

(۴:۱)—(۶:۹۹)—(۷:۱۸۹)—(۳۹:۶)—(۴۲:۱۱)

(۱۸) کائنات کی تخلیق انسانی تخلیق سے کہیں زیادہ بڑی تھی —(۴۰:۵۷)—(۷۹:۲۷)

(۱۹) انسان کو بہترین صورت (احسن صور) میں پیدا کیا —(۴۰:۶۴) (۶۴:۳)

(۲۰) تخلیقِ انسان میں خدا کی نشانیاں ہیں ——— (۴۵:۴)

(۲۱) استقرارِ حمل سے چالیس سال کی عمر تک کا ذکر ——— (۴۶:۱۵)

(۲۲) خدا، انسان کے دل میں گذرنے والے خیالات تک سے واقف ہے۔ وہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے —(۵۰:۱۶)

(۲۳) انسان موت سے بدکتا ہے۔ وہ آکر رہے گی ـــ (۱۹ : ۵۰)

(۲۴) خدا انسان کو اس وقت سے جانتا ہے جب اس کی تخلیق کا آغاز بے جان مادہ سے ہوتا ہے ـــ (۳۲ : ۵۳)

(۲۵) رحمٰن نے انسان کو پیدا کیا اور اسے اظہار خیالات (بیان) کی صلاحیت دی ـــ (۴-۱ : ۵۵)

(۲۶) انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ـــ (۱۴ : ۵۵)

(۲۷) انسان کو مختلف منازل میں سے گذار کر بنایا ـــ (۱۴-۱۳ : ۷۱)

(۲۸) انسان کو زمین سے ایک خاص انداز سے اگایا اور پھیلایا ـــ (۱۷ : ۷۱)

(۲۹) ہم نے اسے پیدا کیا ہے۔ جب ہم چاہیں گے اس کی مثل بدل کر اور لے آئیں گے ـــ (۲۸ : ۷۶)

(۳۰) ماءِ مہین (نطفہ) سے پیدائش۔ پھر ایک وقت تک رحمِ مادر میں استقرار ـــ (۲۲-۲۱ : ۷۷)

(۳۱) انسانوں کے جوڑے بنائے۔ مرد اور عورت میں تقسیم کیا ـــ (۸ : ۷۸)

(۳۲) انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ دیکھتا نہیں کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ـــ (۲۱-۱۷ : ۸۰) (۷-۵ : ۸۶)

(۳۳) انسان کو پیدا کیا۔ اس میں صحیح تناسب رکھا۔ پھر اسے خاص ترکیب سے انسان بنایا۔ پھر یہی انسان خدا کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے ـــ (۹-۷ : ۸۲)

(۳۴) انسان طبقاً طبقاً ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے ـــ (۹ : ۸۴)

(۳۵) انسان کو صحیح تناسب کے ساتھ پیدا کیا تاکہ یہ مختلف مواقع کو سر کر سکے ـــ (۴ : ۹۰)

(۳۶) حیات بعد الممات ـــ (۳ : ۷۵)-(۱۰ : ۷۵)-(۱۳ : ۷۵)

(۳۷) انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ـــ (۴ : ۹۵)

(۳۸) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ـــ (۲ : ۹۶)

(۳۹) خدا کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کہ تمام نوعِ انسان کو ختم کر کے ان کی جگہ کوئی دوسری نوع لے آئے ـــ (۱۳۳ : ۴)

(۴۰) فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا ـــ (۳۰ : ۳۰) کے مفہوم کے لئے دیکھیے عنوان فطرت۔

(۴۱) ذکر و انثیٰ کے اختلاط سے پیدائش۔ اور شعوب و قبائل کی تفریق محض بغرضِ تعارف ـــ (۱۳ : ۴۹)

انسانی عظمت و احترام

(۱) جس نے کسی ایک جان کو ناحق تلف کر دیا اس نے گویا پوری نوعِ انسان کو تلف کر دیا۔ اور جس نے کسی

ایک کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کو زندگی بخش دی ——(۳۲ : ۵)

(۲) چاند، سورج، لیل ونہار، دریا، سمندر، کشتیاں، سب انسان کے لئے مسخر کر دیئے گئے۔ انہیں قانون کی زنجیروں میں جکڑ دیا کہ انسان ان قوانین کا علم حاصل کر کے، ان سے کام لے۔ اور ان کی ضروریاتِ زندگی کا تمام سامان ان کے لئے مہیا کر دیا ——(۳۴—۳۲ : ۱۴)

(۳) مویشیوں کو انسان کے تابع فرمان کر دیا۔ ان میں افادی اور جمالیاتی دونوں پہلو ہیں ——

(۸—۵ : ۱۶)—(۳۶ : ۲۲)—(۸۰—۷۹ : ۴۰)——(۱۳—۱۲ : ۴۳)

(۴) مختلف اشیائے کائنات اس کے لئے مسخر کر دی گئیں ——(۱۲—۱۰ : ۱۶)

(۵) قرآن میں خود تمہارے ہی شرف وعظمت کی باتیں ہیں۔ اگر تم عقل وفکر سے کام لے کر اس کے مطابق چلو تو تمہیں یہ کچھ حاصل ہو جائے گا ——(۱۰ : ۲۱)

(۶) جو کچھ زمین میں ہے اور سمندر میں چلنے والی کشتیاں، سب انسان کے لئے مسخر کر دیں ——(۶۵ : ۲۲)

(۷) خدا نے انسان کو واجب التکریم بنایا ہے۔ اس لئے ہر انسانی بچہ محض انسان ہونے کی جہت سے یکساں عزت کا مستحق ہے ——(۷۰ : ۱۷)

(۸) ارض وسمٰوٰت میں سب کچھ انسان کیلئے تابع تسخیر کر دیا گیا ——(۲۰ : ۳۱)

(۹) اسے (احسن صور (بہترین صورت) میں پیدا کیا ——(۶۴ : ۴۰)—(۳ : ۶۴)

(۱۰) ارض وسمٰوٰت میں سب کچھ انسان کے لئے تابع تسخیر کر دیا ——(۱۳—۱۲ : ۴۵)

(۱۱) انسان اس قوت کے ذریعے (جو اسے وحی کے اتباع سے حاصل ہو سکتی ہے) اقطار السمٰوٰت والارض سے بھی آگے نکل سکتا ہے ——(۳۳ : ۵۵)

(۱۲) تم خدا سے وقار کے طالب کیوں نہیں ہوتے ——(۱۳ : ۷۱)

(۱۳) زمین کی پیداوار کو انسانوں اور ان کے مویشیوں کے لئے سامانِ زندگی بنایا ——(۳۳ : ۷۹)—(۳۲ : ۸۰)

(۱۴) انسان طبقاً طبقاً ارتقائی منازل طے کرتا ہوا، بلندیوں تک پہنچتا جائے گا ——(۱۹ : ۸۴)

(۱۵) انسان کو بہترین ہیئت میں پیدا کیا۔ پھر یہ اپنے آپ کو پست ترین سطح پر لے جاتا ہے۔ بجز صاحبانِ ایمان وعمل کے ——(۵—۴ : ۹۵)

(۱۶) انسان کو علم حاصل کرنے کی استعداد دی ——(۹۶ : ۳—۵)۔ اور قوتِ گویائی بھی ——(۴ : ۵۵)

(۷) انسان وحی کے تابع چلے تو بہترین مخلوق ہے ——(۷ : ۹۸)

(۸) دنیاوی جاذبیتیں وجہِ زینت ہیں ——(۱۳ : ۳)

(۹) انسان اشرف المخلوقات تو نہیں البتہ بیشتر (کثیر) مخلوق سے افضل ہے ——(۷۰ : ۱۷)

(اس سلسلہ میں عنوان خلیفہ بھی دیکھئے)

رسول بھی انسان ہی ہوتے تھے

(۱) رسولوں کے خلاف اعتراض کہ وہ انسان ہیں۔ اور ان کا اعتراف کہ ہم تمہاری طرح بشر ہیں —(۲ : ۱۰)۔

(۱۱—۱۰ : ۱۴)—(۹۴ : ۱۷)

(۲) رسولوں کو انسان ہی ہونا چاہئے تھا۔ اگر زمین میں فرشتے بستے تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجدیا جاتا —(۹۵ : ۱۷)

(۳) تمام رسول انسان تھے —(۲۲ : ۵۷) خود نبی اکرمؐ بھی ——(۶ : ۴۱)

الناس (نوعِ انسان)

(۱) تمام نوعِ انسانی کی طرف رسول —(۴ : ۱۰۵)—(۷ : ۱۵۸)—(۲۲ : ۴۹)—(۳۴ : ۲۸)

(۲) اے نوعِ انسان! اپنے نشوونما دینے والے کی عبودیت (محکومیت) اختیار کرو —(۲ : ۲۱)

(۳) اے نوعِ انسان! حلال و طیب رزق کھاؤ۔ شیطان کا اتباع مت کرو ——(۲ : ۱۶۸)

(۴) اے نوعِ انسان! قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا ہے ——

(۴ : ۱)—(۲۲ : ۱)

(۵) قرآن تمام نوعِ انسان کی طرف بھیجا گیا ہے ——(۲ : ۱۸۵)—(۳ : ۱۳۷)—(۴ : ۱۰۵ ; ۱۷۵)—

(۶ : ۱۲۳)—(۱۰ : ۵۷)—(۱۰ : ۱۰۴ ; ۱۰۸)—(۱۴ : ۵۲)—(۱۶ : ۴۴)—(۱۷ : ۸۹)—(۱۸ : ۵۴)

(۲۸ : ۴۳)—(۳۹ : ۴۱)—(۴۵ : ۲۰)

نوٹ:۔ قرآن کریم میں النّاس کا لفظ بمعنی نوعِ انسان بیشمار مقامات میں آیا ہے۔ ہم نے یہاں ان میں سے صرف ان مقامات کا حوالہ دیا ہے جہاں انسان کی کوئی خصوصیت نمایاں ہوتی ہے۔ دیگر مقامات متعلقہ عنوانات میں درج کئے جائینگے۔

(۶) کعبہ تمام نوعِ انسان کے لئے وجہِ قیام ہے ۔ (۲ : ۱۲۵) ۔ (۳ : ۹۶ ؛ ۹۷) ۔ (۵ : ۹۷) ۔ (۹ : ۳) ۔ (۲۲ : ۲۸)

(۷) اسلامی نظام سے مقصود تمام نوعِ انسان کو عدل پر قائم رکھنا ہے ۔ (۲۵ : ۵۷)

(۸) امتِ مسلمہ کو تمام نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ (۲ : ۱۴۳) ۔ (۳ : ۱۰۹)

(۹) حضرت ابراہیمؑ کو نوعِ انسان کی امامت کا مستحق ٹھہرایا گیا ۔ (۲ : ۱۲۴)

(۱۰) تمام انسان خدا کے محتاج ہیں ۔ (۳۵ : ۱۵) ۔ رب الناس ۔ ملک الناس ۔ الٰہ الناس ۔ (۱۱۴ : ۱-۳)

جنّ و انس

(۱) "جن و انس" (مہذب آبادی اور جنگلی قبائل) کے سرغنے ہمیشہ انبیائے کرام کی مخالفت کرتے رہے اور ایک دوسرے کے دل میں ملمع سازی کی باتیں ڈالتے رہے ۔ (۶ : ۱۱۳)

(۲) جن و انس کی طرف انہی میں سے رسول آتے رہے ۔ (۶ : ۱۳۱)

(۳) جن و انس کی اکثریت جس روش پر جا رہی ہے وہ روش انہیں جہنم کی طرف لے جائے گی ۔ یعنی عقل و فکر سے کام نہ لے کر، ڈھور ڈنگر کی طرح، اندھی تقلید اختیار کئے رہنا ۔ (۷ : ۱۷۹) ۔ (۱۱ : ۱۱۹) ۔ (۴۱ : ۲۵) ۔ (۴۶ : ۱۸)

(۴) گروہِ جن و انس سے کہا گیا کہ تم نکل سکتے ہو تو اقطار السمٰوٰت والارض سے آگے نکل جاؤ ۔ ایسا اس قوت کے ذریعے کر سکتے ہو جو وحی کے اتباع سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ (۵۵ : ۳۳)

(۵) جنوں کا قرآن سننا ۔ جن و انس کے باہمی تعلقات ۔ (۷۲ : ۱-۶)

(۶) جن و انس ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ (۶ : ۱۲۹) ۔ (۷۲ : ۶)

(۷) تم تمام جن و انس مل کر بھی اس قرآن کی مثل نہیں بنا سکتے ۔ (۱۷ : ۸۸)

(۸) حضرت سلیمانؑ کے لشکر میں جن و انس شامل تھے ۔ (۲۷ : ۱۷)

(۹) جہنم میں جن و انس کے لیڈروں اور عوام کے مکالمے ۔ (۴۱ : ۲۹)

(۱۰) جن و انس کو خدا کی عبودیت اختیار کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ (۵۱ : ۵۶)

(۱۱) جن و انس یومِ قیامت میں ۔ (۵۵ : ۳۹)

(۱۲) جنت کی حوروں کو جنّ وانس میں سے کسی نے چھوا نہیں ہوگا — (۵۵ : ۵۶) — (۵۵ : ۷۴)

(۱۳) جن وانس وحی کی تکذیب کرتے تھے — (۷۲ : ۵)

(۱۴) تمام اناس کو ان کے ائمہ کے ساتھ بلایا جائے گا — (۱۷ : ۷۱)۔ [اناسی بمعنی انسان — (۲۵ : ۴۹)

(۱۵) جن وانس لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں — (۱۱۴ : ۶)

انسانی اختیار وارادہ

(۱) اگر خدا چاہتا تو انسانوں کو پیدا ہی اس طرح کرتا کہ یہ سب مجبوراً ایک راستے پر چلے جاتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے اسے اختیار وارادہ دیا ہے تاکہ یہ اپنی مرضی سے صحیح روش اختیار کرے۔ لیکن انسانوں کی اکثریت غلط راستے پر چلتی ہے — (۵ : ۴۸—۵۰) — (۱۶ : ۹۳)

(۲) اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگ باہمی اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن جو وحیِ خداوندی کے تابع چلتے ہیں وہ ایسا نہیں کرتے — اور انسانی خلقت کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ آپس میں اختلاف نہ کریں — اگر یہ اختلاف کرتے رہے تو ان کی زندگی جہنم کی ہوگی — (۱۱ : ۱۱۷—۱۱۹)

(۳) کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز رہتی ہے۔ (لیکن انسان صاحبِ اختیار وارادہ ہے اس لئے یہ سرکشی بھی اختیار کر لیتا ہے) — (۱۶ : ۴۹—۵۰) — (۲۲ : ۱۸)

(۴) مختلف افراد میں اکتسابِ رزق کی مختلف صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کے مطابق زیادہ کما کر اپنے اختیار وارادہ سے زاید از ضرورت رزق دوسروں کو دیدے — (۱۶ : ۷۱)

(۵) کائنات کی کوئی شے ان فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی (امانت میں خیانت) نہیں کرتی جو اس کے سپرد کئے گئے ہیں۔ لیکن انسان ایسا کرتا ہے — اول الذکر مجبور ہیں یہ صاحبِ اختیار وارادہ۔ یہ اس سے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور جہالت کا ثبوت دیتا ہے — (۷۲ : ۳۳)

(۶) تم جو چاہو عمل کرو۔ یہ انسانی اختیار وارادہ کا منشور ہے — (۴۱ : ۴۰)

(۷) ہر واقعہ خدا کے قانون کے مطابق واقع ہوتا ہے۔ اس قانون کو سمجھ لیا جائے تو پھر انسان نہ مصیبت سے گھبراتا ہے اور نہ کامیابی سے اوچھے پن پر اتر سکتا ہے — (۵۷ : ۲۲—۲۳)

(۸) موت وحیات اس لئے پیدا کیں کہ تمہیں اپنی صلاحیتوں کی نشوونما پر کھنے کا موقعہ مل سکے — (۶۷ : ۲)

(۹) انسان کو سمع و بصر و قلب دیا۔ لیکن بہت کم لوگ ان کا صحیح استعمال کرتے ہیں ---(۲۳ : ۷۸)

(۱۰) ہر انسان پیدائشی طور پر جنت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اسے یہ اپنے اختیار و ارادے سے حاصل کرنی ہوتی ہے ---
(۳۹ --- ۳۸ : ۷۰)

(۱۱) سمع و بصر دیئے۔ اس لئے کہ یہ اپنے فیصلے آپ کرے۔ ہم نے اسے صرف راستہ دکھا دیا ہے۔ غلط یا صحیح راستہ اختیار کرنا اس کے اپنے اختیار کی بات ہے --- (۳---۱ : ۷۶)

(۱۲) کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں اور اس سے بازپرس نہیں ہوگی؟ اسے دونوں راستے دکھا دیئے گئے ہیں۔ اب یہ جونسا راستہ جی چاہے اختیار کرے۔ اس کے مطابق اس کی منزل متعین ہو جائے گی --- (۱۰---۵ : ۹۰)

(۱۳) انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں لٹکا رہتا ہے ---(۱۳ : ۱۷) یہ اپنا محتسب آپ ہے --- (۱۴ : ۷۵)
(۳۵ : ۷۹) --- (۲۳ : ۸۹)

(۱۴) انسان اسی چیز کا مستحق ہے جس کے لئے وہ محنت اور کاوش کرے --- (۳۹ : ۵۳)

(۱۵) کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے ناقۂ بے زمام کی طرح چھوڑ دیا جائے گا --- (۳۶ : ۷۵)

انسانوں کی عالمگیر برادری

(۱) شروع میں انسان ایک ہی برادری تھے۔ پھر انہوں نے باہمی اختلاف کیا تو اسے مٹانے کے لئے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا گیا تاکہ انسان پھر سے ایک برادری بن جائیں --- (۲۱۳ : ۲) --- (۱۹ : ۱۰)

(۲) تمہاری پیدائش اور بعثت نفسِ واحدہ کی طرح ہے --- (۲۸ : ۳۱) شعوب و قبائل کی تفریق محض بغرض تعارف ہے --- (۱۳ : ۴۹)

(۳) خدا نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا ہے --- (۱ : ۴) --- (۹۹ : ۶) --- (۱۸۹ : ۷) --- (۶ : ۳۹)

(۴) جس نے ایک انسانی جان کو ناحق تلف کر دیا اس نے گویا پوری انسانیت کو تلف کر دیا۔ اور جس نے ایک انسانی جان کو بچا لی اس نے تمام نوعِ انسان کی جان کو بچا لی --- (۳۲ : ۵)

(۵) بقا اسی نظام کے لئے ہے جو تمام نوعِ انسان کے لئے نفع بخش ہو --- (۱۷ : ۱۳)

(۶) ہر انسان واجب التکریم ہے --- (۷۰ : ۱۷)

(۷) سرمایہ داری کا نظام نوعِ انسان کو ایک برادری نہیں بننے دیتا ــــ (۴۳:۳۲—۳۶)

(۸) خدا چاہتا تو انسانوں کو زبردستی ایک امت بنا دیتا ــــ (۱۱:۱۱۸)

انسان کے بنیادی حقوق

یہ وہ حقوق ہیں جو ہر انسان کو محض انسان ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں جنہیں ہر انسان بطور حق طلب کر سکتا ہے اور جن کا تحفظ اسلامی نظام کا فریضہ ہے۔

(۱) احترامِ آدمیت۔ یعنی ہر انسانی بچہ پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم ہے ــــ (۱۷:۷۰)

(۲) جنسی مساوات۔ ان فطری وظائف کو چھوڑ کر جو مرد اور عورت میں الگ الگ ہیں، ان میں کسی اور معاملہ میں کوئی فرق نہیں ــــ (۴:۱) ــــ (۳:۱۹۴) ــــ (۳۳:۳۵) ــــ (۴۹:۱۳)

(۳) سوسائٹی میں مدارج کا تعین صرف ذاتی جوہر و کردار کی رو سے ہوگا ــــ (۴۶:۱۹)۔ سب سے زیادہ واجب التکریم ہوگا جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کا پابند ہوگا ــــ (۴۹:۱۳)

(۴) کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا محکوم و غلام نہیں بنا سکتا۔ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوگی، افراد کی نہیں ــــ (۳:۷۸)

(۵) کسی کی محنت غصب نہیں کی جائے گی ــــ (۳۹:۷۰) ــــ (۵۳:۳۹)

(۶) ہر ایک سے عدل کیا جائے گا ــــ (۱۶:۹۰)۔ حتیٰ کہ دشمن سے بھی ــــ (۴:۱۳۵) ــــ (۵:۸)۔ قانون کی نگاہ میں سب یکساں ہوں گے ــــ (۲:۴۸؛ ۱۲۳؛ ۲۸۶) ــــ (۱۰:۱۵)

(۷) عدل کے علاوہ احسان بھی کیا جائے گا۔ یعنی جس میں کوئی کمی رہ جائے اس کمی کو پورا کیا جائیگا ــــ (۱۶:۹۰)

(۸) ہر فرد (بلکہ ہر جاندار) کے رزق (بنیادی ضروریاتِ زندگی) کی ذمہ داری نظامِ معاشرہ پر ہوگی۔ (۶:۱۵۲) ــــ (۱۱:۶) ــــ (۱۷:۳۱)

(۹) جان کی حفاظت۔ یہ حق مشروط ہے اس سے کہ جن جرائم کی سزا قتل ہو، ان میں جان لی جا سکتی ہے۔ اسے بالحق کہتے ہیں ــــ (۲:۱۷۸) ــــ (۵:۳۲) ــــ (۶:۱۵۲)

(۱۰) مال کی حفاظت۔ یعنی جو کچھ قانون کی رو سے کسی کی تحویل میں ہو، اسے کوئی دوسرا چھین نہیں سکتا۔ نہ ہی اسے ناحق کھا سکتا ہے ــــ (۲:۱۸۸) ــــ (۴:۲۹)۔

(۱۱) سکونت کی حفاظت۔ (لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنا جائز نہیں — (۲ : ۸۵)

(۱۲) حفاظتِ عصمت — (۲۴ : ۲) — (۲۴ : ۴) — (۳۳ : ۵۹)

(۱۳) شادی میں انتخاب کا حق — (۴ : ۳) — (۴ : ۱۹)

(۱۴) حسنِ ذوق کا حق — (۷ : ۳۲)

(۱۵) مذہبی آزادی — (۲ : ۲۵۶) (۹ : ۶) — (۱۰ : ۹۹) — (۱۶ : ۱۰۶ ؛ ۱۲۵) — (۱۸ : ۲۹)

(۱۶) غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ — (۲۲ : ۴۰)۔ ان کے معبودوں کو گالی مت دو — (۶ : ۱۰۹)

استبداد میں مذہبی آزادی نہیں مل سکتی — (۷ : ۱۲۳—۱۲۴) — (۱۰ : ۸۳) — (۱۴ : ۱۳) — (۲۰ : ۷۱)

(۴۰ : ۲۶)

(۱۶) مظلوم کو فریاد کا حق — (۴ : ۱۴۸)

(۱۷) حیثیتِ عرفی کا تحفظ — (۴ : ۱۴۸) — (۴۹ : ۱۱—۱۲)

(۱۸) جب تک کوئی مجرم ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اسے بے گناہ سمجھا جائے — (۲۴ : ۱۲ ؛ ۱۶)

(۱۹) امن کی ضمانت — (۲ : ۳۸)

(۲۰) ہر شخص صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا — (۶ : ۱۶۵)

(۲۱) حرث (کھیتی) اور نسل کا تحفظ — (۲ : ۲۰۵)

(۲۲) قانون کے نفاذ سے پہلے کا جرم، جرم نہیں — (۲ : ۲۷۵) — (۴ : ۲۲)

(۲۳) کسی کو "سبیل اللہ" سے روکنا جائز نہیں — (۳ : ۹۸)۔ اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنا درست نہیں۔

(۸ : ۳۶)۔ "سبیل اللہ" سے مراد ہے قوانینِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسان کی بھلائی کے کام۔

(۲۴) ماپ تول کا پورا کرنا — (۶ : ۱۵۳)

(۲۵) ایفائے عہد۔ معاہدات کا احترام — (۱۷ : ۳۴)

(۲۶) جو چیزیں قدرت کی طرف سے مفت عطا ہوتی ہیں انہیں کسی سے روکنا جائز نہیں — (۱۷ : ۲۰)۔ ان کا انتظام اس طرح کرنا چاہیئے کہ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق مل جائے — (۴۱ : ۱۰)

متفرق

(۱) خدا اس کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ نوعِ انسان کی جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آئے — (۴ : ۱۳۳) — (۶ : ۱۳۴)

(۳۵ : ۱۶) — (۷۶ : ۲۸)

(۲) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم خدا کی اولاد ہیں۔ اس کی تردید یہ کہہ کر کر دی کہ تم عام انسان ہو ——— (۱۸ : ۵)

(۳) شروع میں تمام انسان ایک برادری کی طرح رہتے تھے۔ پھر انہوں نے (انفرادی مفاد پرستی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر) اختلافات شروع کر دیئے جنہیں مٹانے کے لئے رشد و ہدایتِ آسمانی کا سلسلہ شروع کیا گیا ——— (۳۶—۳۴—۳۵ : ۲) ——— (۲۱۳ : ۲) ——— (۱۹ : ۱۰)

(۴) ہر انسان کے لئے موت ہے۔ یہاں کوئی ہمیشہ نہیں رہ سکتا ——— (۳۵—۳۴ : ۲۱)

(۵) انسان مدنی الطبع ہے اس لئے مختلف افراد کے مفاد کا باہمی تصادم ہوتا ہے۔ لیکن اسی سے انکی مضمر صلاحیتوں کی نمود بھی ہوتی ہے۔ یوں مختلف افراد ایک دوسرے کے لئے کٹھالی کا کام دیتے ہیں ——— (۲۰ : ۲۵)

(۶) خدا کو دیکھ لینا انسان کے لئے ممکن نہیں ——— (۲۱ : ۲۵)

(۷) انسان' نسب اور سسرال کے رشتوں سے منسلک ہے ——— (۵۴ : ۲۵)

(۸) ماں کے جذبات بڑے شدید ہوتے ہیں۔ قصۂ اُمّ موسےٰ ——— (۱۰ : ۲۸)

(۹) عمر کا گھٹنا بڑھنا خدا کے طبیعی قانون کے مطابق ہوتا ہے ——— (۱۱ : ۳۵)

(۱۰) انسانوں کے ساتھ خدا کی ہمکلامی کے طریقے ——— رسولوں سے براہِ راست اور دوسرے انسانوں سے رسولوں کی وساطت سے ——— (۵۱ : ۴۲)

(۱۱) زمین میں اور خود نفسِ انسانی میں آیاتِ خداوندی ہیں ——— (۲۲—۲۱ : ۵۱)

(۱۲) انسان تنہا پیدا ہوتا ہے۔ پھر اولاد اور دولت بعد میں ملتی ہے جس پر اتراتا ہے ——— (۱۳—۱۱ : ۷۴)

(۱۳) قیامت میں انسان اپنے خلاف آپ دلیل ہوگا ——— (۱۴ : ۷۵)

(۱۴) شعوب و قبائل کی تقسیم محض بغرضِ تعارف ہے ——— (۱۳ : ۴۹)

اختلافِ رنگ و لسان آیاتِ خداوندی میں سے ہے ——— (۲۲ : ۳۰)۔ ان باتوں کو انسان کی وحدت پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔

(۱۵) جہنم کا ایندھن الناس اور الحجارۃ ——— (۲۴ : ۲) ——— (۶ : ۶۶)

(۱۶) جب عالمگیر انسانیت ربوبیتِ عالمینی کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی تو نظامِ سرمایہ داری ختم ہوگا ———

(۶—۱ : ۸۳)

——— (۰) ———

۸۳۔ انصار

(نیز دیکھئے عنوان نصرت و ہجرت)

انصار (ن۔ص۔ر) مدد کرنیوالے۔ دینِ خداوندی کے قیام و استحکام کے سلسلہ میں مدد کرنیوالے۔ اس عنوان میں صرف انہی کا ذکر کیا جائے گا۔ (تفصیل نصرت کے عنوان میں ملے گی)

——— (۰) ———

حضرت عیسےٰؑ کے حواری

(۱) جب حضرت عیسےٰؑ کے خلاف، مخالفین کی دراز دستیاں اپنی انتہا تک پہنچ گئیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ایسے کڑے وقت میں کون کون دینِ خداوندی کی مدد کرنے کے لئے تیار ہے۔ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ تو سب حواریوں نے بیک زبان کہا کہ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ ـــ (۳ : ۵۱) ـــ (۶۱ : ۱۴) ـــ ہم دینِ خداوندی کی مدد کرینگے۔

(۲) ان حواریوں کی مثال دے کر جماعتِ مومنین سے کہا کہ کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ ـــ (۶۱ : ۱۴)

غور کیجئے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسےٰؑ کے بارہ شاگرد (متبعین) تھے۔ ان میں سے ایک نے تو آپ کو چند روپوں کے عوض دشمن کے ہاتھوں گرفتار کرا دیا اور باقی سب اس مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور قرآن کریم بتاتا ہے کہ انہوں نے ایسے کڑے وقت میں علی الاعلان کہا کہ ہم اس دعوت کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ہے خدا کی سچی کتاب اور محرف تعلیم کا فرق!

انصار

قرآن کریم نے، ان مومنین کو، جنہوں نے سب سے پہلے حضورؐ کی دعوت پر لبیک کہا تھا، مہاجرینؓ اور انصار کی شقوں میں تقسیم کیا ہے۔ مہاجرین وہ جو مکہ (اور دیگر مقامات سے) ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اور انصار وہ جنہوں نے ان آنے والوں کی ہر طرح سے مدد کی ـــ (۸ : ۷۲) ـــ (۹ : ۱۰۰) ـــ (۹ : ۱۱۷)۔ قرآنِ کریم نے ان

سب کے متعلق کہا ہے کہ " اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے " اور ان کے لئے خدا نے جنت تیار کر رکھی ہے " ـــــ (٩ : ١٠٠)۔ انہیں مومنون حقا ـــــ (٨ : ٧٤) یعنی سچے اور حقیقی معنوں میں مومن کہہ کر پکارا گیا ہے۔ جہاں محمد رسول اللہ والذین معہ کہا ہے ـــــ (٤٨ : ٢٩) ان میں انصار بھی شامل ہیں بلکہ مومنین کی جس قدر صفات بتائی گئی ہیں وہ سب ان میں موجود تھیں۔ خدا کی ان شہادات کے بعد، یہ تصور کرنا بھی خلاف قرآن ہوگا کہ ان میں سے کسی سے بھی کوئی ایسی بات سرزد ہوتی تھی جو ایمان اور اسلام کے خلاف تھی۔ اگر تاریخ کوئی ایسی بات بتاتی ہے تو وہ غلط اور وضعی ہے کیونکہ یہ واضح اصول ہے کہ قرآن اور تاریخ کے کسی بیان میں اگر کبھی تضاد ہو تو قرآن کے بیان کو صحیح سمجھا جائے گا اور تاریخ کو غلط۔ کیونکہ قرآن کا ایک ایک نقطہ حتمی اور یقینی ہے اور اس کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے۔ اور تاریخ بہرحال انسانی کوششوں کا نتیجہ۔ فلہٰذا ظنی اور قیاسی ہے جس میں صحیح اور غلط دونوں کا احتمال ہے۔

ـــــ (٠) ـــــ

٤٨۔ اَنْعَامٌ

(واحد نَعْمٌ اور نَعَمٌ)

اَنْعَامٌ۔ اس کے معنی مال مویشی ہیں۔ عرب عام طور پر یہ لفظ اونٹ، بکری اور گائے کیلئے بولتے تھے۔ بعض نے اس میں بھیڑ اور دنبہ کو بھی شامل کیا ہے۔ قرآن کریم نے بھیمۃ الانعام کہا ہے ـــــ (٥ : ١)۔ بھیمۃ کے معنی ہیں وہ جو بول نہ سکے۔ یہ مویشیوں کی صفت ہے یعنی وہ بول نہیں سکتے۔ انگریزی میں جیسے (DUMB CATTLE) کہا جاتا ہے۔

(١) انعام کا پرورش ہونا بری بات نہیں۔ انہیں حاصل کرنا چاہیئے ـــــ (٣ : ١٣)

(٢) مویشیوں کے متعلق جاہلیت عرب میں مشرکانہ رسوم ـــــ (٤ : ١١٩)ـــــ(٦ : ١٣٧)ـــــ(٦ : ١٣٨ـــــ١٤٠)ـــــ(٦ : ١٤٤ـــــ١٤٥)

(٣) تمام بھیمۃ الانعام حلال ہیں بجز ان کے جن کی حرمت کا قرآن میں خصوصیت سے ذکر آگیا ہے ـــــ (٥ : ١)ـــــ(٢٢ : ٣٠)

(۴) انعام میں سے بعض سے باربرداری کا کام (جیسے اونٹ)، بعض پست قامت —(۶ : ۱۴۳)۔ ان سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں اور ان کا گوشت کھایا جاتا ہے —(۱۶ : ۵ ; ۶۶ ; ۸۰)
ان کا دودھ پیا جاتا ہے —(۲۳ : ۲۱)

(۵) انعام سبزی کھاتے (چرتے چگتے) ہیں —(۱۰ : ۲۴)۔ ان کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں —(۳۵ : ۲۸)۔ آٹھ جوڑے —(۳۹ : ۶) —(۴۲ : ۱۱)۔ سواری اور گوشت کے لئے —(۴۰ : ۷۹) —(۴۳ : ۱۲)
یہ تمہارے تابع فرمان ہوتے ہیں —(۳۶ : ۷۱)

(۶) حج کی تقریب پر مویشیوں کا ذبح کرنا —(۲۲ : ۲۸) —(۲۲ : ۳۴)

(۷) قدیم زمانے میں انعام اور بنین (افراد خاندان) بڑی نعمت ہوتے تھے —(۲۶ : ۱۳۳)۔ یہ خدا کی مخلوق ہیں —(۲۵ : ۴۹)۔ انہیں خدا نے "اپنے ہاتھوں سے" بنایا ہے —(۳۶ : ۷۱)

(۸) زمین کی پیداوار سے تم بھی کھاتے ہو اور تمہارے انعام بھی چرتے چگتے ہیں —(۲۰ : ۵۴) —(۳۲ : ۲۷)
(۷۹ : ۳۳) —(۸۰ : ۳۲)

(۹) عقل و فکر سے کام نہ لینے والے انسان، مویشیوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے —(۷ : ۱۷۹)

(۱۰) کفار، حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں (کھاتے پیتے ہیں اور مر جاتے ہیں) —(۴۷ : ۱۲)

(۱۱) حالتِ احرام میں شکار کرنے کا کفارہ —(۵ : ۹۵)

—— (۰) ——

۸۵۔ انفاق

(نیز دیکھئے۔ مال۔ بخل۔ معاشی نظام)

<u>انفاق</u>۔ مادہ (ن۔ ف۔ ق)۔ نَفَقٌ اُس سرنگ کو کہتے ہیں جس میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں۔ نَیْفَقٌ نیفہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اُس کے دونوں سرے کھلے ہوتے ہیں۔ اس لئے انفاق کے معنی ہیں اپنی دولت کو اس طرح کھلا رکھنا کہ جس وقت ضرورت پڑے وہ دوسرے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے کام آسکے۔ اسے عام طور پر خرچ کرنا کہتے ہیں۔ لیکن خرچ کرنے کے مقابلہ میں کھلا

رکھنا اس کے مفہوم کو زیادہ واضح کرتا ہے. یعنی دولت کو خرچ تو عندالضرورت کیا جائے لیکن اس مقصد کے لئے وہ کھلی ہر وقت رہے.

قرآنی نظامِ معیشت کی بنیاد انفاق پر ہے. دولت کو جمع کر کے اسے صرف اپنی ذات کے لئے سمیٹ رکھنا بخل ہے جو مومن کی ذہنیت کی ضد ہے. مومن بڑی محنت سے کماتا ہے اور اپنی ضروریات سے زاید جتنی دولت ہو اسے انسانیت کی بہبود کے لئے ہر وقت کھلا رکھتا ہے کہ قرآنی نظام کو جس وقت ضرورت پڑے اسے اس مقصد کے لئے لے لے.

انفاق فی سبیل اللہ

"فی سبیل اللہ" کے معنی ہوتے ہیں ان مقاصد کے لئے جنہیں قرآن کریم نے نوعِ انسان کی بہبودِ عامہ، اور نظامِ حق و صداقت کے قیام و استحکام کے لئے متعین کیا ہے.

(۱) انفاق فی سبیل اللہ سے نہ تو دوسروں پر احسان جتاؤ نہ ہی انہیں اذیت پہنچاؤ — (۲ : ۲۶۲)

(۲) انفاق کے بغیر تم برّ (کشادہ) اور نیکی تک نہیں پہنچ سکتے — (۲ : ۱۷۷) — (۳ : ۹۲). انفاق بہترین چیزوں کا کرو. ان میں خبیث کی ملاوٹ مت کرو — (۲ : ۲۶۷)

(۳) کوئی ایسی وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم انفاق نہ کرو — (۵۷ : ۱۰)

(۴) انفاق لابتغاء وجہ اللہ ہونا چاہیئے. یعنی خالصۃً ان مقاصد کے لئے جنہیں خدا نے متعین کیا ہے اور دل کی پوری رضامندی کے ساتھ — (۲ : ۲۷۲). اس میں ریا کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے — (۲ : ۲۶۴)

- اس کا جذبہ قرباتِ خداوندی ہونا چاہیئے — (۹ : ۹۹)

جماعت مومنین اور انفاق

(۱) قبل فتح مکہ اور بعد فتح، انفاق کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے — (۵۷ : ۱۰)

(۲) انفاق، ایمان کا امتحان (ٹیسٹ) ہے — (۴ : ۳۹)

(۳) جو کچھ خدا نے دیا ہے، اس میں سے سرًّا و علانیۃً انفاق کرو — (۲ : ۲۷۴) — (۳ : ۱۳۴) — (۱۳ : ۲۲) — (۱۴ : ۳۱) — (۱۶ : ۷۵) — (۳۵ : ۲۹)

(۴) انفاق سے اجرِ کبیر ـــــ (۵۷ : ۷)

(۵) مومنین کی خصوصیت۔ جو رزق خدا نے دیا ہے اس کا انفاق ـــ (۲ : ۳) ـــ (۳ : ۱۶) ـــ (۸ : ۳ـ۴) ـــ (۲۲ : ۳۵) ـــ (۲۳ : ۶۰) ـــ (۲۸ : ۵۴) ـــ (۳۲ : ۱۶) ـــ (۴۲ : ۳۸) ـــ (۵۷ : ۷)

(۶) ان میں اگر کسی کے پاس انفاق کے لئے کچھ نہیں ہوتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں۔ لیکن ان کی ذاتی محنت ان کی مالی قربانی کی جگہ لے لیتی ہے ـــ (۹ : ۹۱ـ۹۲)

(۷) انفاق تھوڑا ہو یا بہت، سب عملِ خیر ہے ـــ (۹ : ۱۲۱)

(۸) انفاق کرو قبل اس کے کہ یومِ حساب آجائے ـــ (۲ : ۲۵۴) ـــ (۶۳ : ۱۰)

(۹) اپنی محنت اور زمین کی پیداوار دونوں سے انفاق ـــ (۲ : ۲۶۷)

(۱۰) جس مال کے تم مالک بنے اس میں سے انفاق کرو۔ ـــ (۵۷ : ۷)

(۱۱) مومنین کی صفت منفقین ہے ـــ (۳ : ۱۶)

(۱۲) مومنوں کے مال میں محتاجوں کا حق ہے۔ حق کا لفظ قابلِ غور ہے یعنی انہیں بطور خیرات نہیں دیا جاتا۔ وہ اپنا حق وصول کرتے ہیں ـــ (۳۰ : ۳۸) ـــ (۷۰ : ۲۴)

(۱۳) جو شحِ نفس سے محفوظ رہے وہ مومن ہے۔ یعنی دل کی تنگی سے ـــ (۵۹ : ۹) ـــ (۶۴ : ۱۶)

انفاق کا پروگرام

اسلامی زندگی دو منازل پر مشتمل ہوتی ہے۔ منزلِ اول وہ ہوتی ہے جس میں ہنوز اسلامی مملکت کا قیام عمل میں نہ آیا ہو (اس کے قیام کے لئے کوشش کی جا رہی ہو)۔ اس منزل میں انفاق، انفرادی طور پر ہوگا منزلِ دوم وہ ہوگی جس میں مملکتِ اسلامی قائم ہو چکی ہو۔ اس وقت انفاق کی حیثیت اجتماعی یا نظام کی طرف سے ہوگی۔ ان ہر دو مراحل کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) جو کچھ بھی تم انفاق کرو اس کی ابتدا اپنے والدین، اقرباء وغیرہ سے کرو ـــ (۲ : ۲۱۵)

(۲) انفاق میں اعتدال ملحوظ رکھو ـــ (۲۵ : ۶۷)

(۳) اپنی ضروریات سے زائد جو کچھ ہے سب کا سب انفاق ـــ (۲ : ۲۱۹)

(۴) پیشہ ور گداگروں کو مت دو ـــ (۲ : ۲۷۳)

انفاق کے نتائج وثمرات

(۱) تمہارے انفاق کا علم خدا کو ہے ــ (۲ : ۲۷۰) ــ (۲ : ۲۷۳) ــ (۳ : ۹۱)
(۲) تمہارے انفاق کا بدلہ اس طرح ملے گا۔ جیسے خزاں کے بعد درختوں پر بہار آتی ہے ــ (۳۹ : ۳۴)
(۳) انفاق خود تمہاری اپنی ذات کی بہتری کے لئے ہے ــ (۲ : ۲۷۲)۔ یہ تمہیں واپس مل جائے گا ــ (۲ : ۲۶۵ ; ۲۷۲) ــ (۸ : ۶۰) ــ (۶۴ : ۱۶) ــ (۸ ; ۵ : ۹۲)
(۴) انفاق نہ کرو گے تو تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے لیگی ــ (۴۷ : ۳۸)۔ عذاب الیم ــ (۹ : ۳۴)
(۵) انفاق کا بدلہ کھیتی کی طرح۔ ایک ایک دانہ سے سات سات سو دانے ــ (۲ : ۲۶۱) ــ (۲ : ۲۶۵)
(۶) انفاق کرو ورنہ تباہی آجائے گی ــ (۲ : ۱۹۵) ــ (۴۷ : ۳۸) ــ (۵۷ : ۲۴)
(۷) جنہیں دیا جاتا ہے، ان سے اس کا بدلہ تو ایک طرف، شکریہ تک کی بھی تمنا نہیں کرنی چاہیئے۔ انفاق اپنا بدلہ آپ ہوتا ہے۔ یعنی اس سے انسان کی ذات کی نشوونما ہوتی ہے اور نظام خداوندی کا قیام و استحکام ــ (۹ : ۷۶)

اللہ کو قرض دینا

(انفاق فی سبیل اللہ کے لئے دوسری اصطلاح "اللہ کو قرض دینا" ہے۔ کیونکہ جو کچھ انفرادی طور پر دیا جاتا ہے وہ اجتماعی طور واپس مل جاتا ہے اور دینے والے کی ذات کی نشوونما الگ ہو جاتی ہے)

(۱) جو اللہ کو قرض دے گا اللہ اسے کئی گنا کر کے واپس دے گا ــ (۲ : ۲۴۵)
(۲) اس کی مثال کھیتی کی ہے جس میں ایک ایک دانے کے بدلے میں سینکڑوں دانے اگتے ہیں ــ (۲:۲۶۱)
(۳) انفاق فی سبیل اللہ واپس مل جائے گا۔ اس میں ذرا کمی نہیں آئے گی ــ (۸ : ۶۰) ــ (۳۹ : ۳۴)
(۴) اللہ کو قرض دو ــ (۵:۱۲) ــ (۱۸ ; ۱۱ : ۵۷) ــ (۶۴ : ۱۷) ــ (۷۳ : ۲۰)
(۵) بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کو قرض دیں گے ــ (۵ : ۱۲)

منافقین کا انفاق

انفاق کا جذبۂ محرکہ یہ ہونا چاہیئے کہ اس سے میری ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اگر اس میں اپنے کسی طبعی مفاد

کا جذبہ۔ یا پندارِ نفس (بڑا بننے) کا جذبہ شامل ہوگیا تو یہ ذہنیت "کاروباری" ہوگئی۔ اسے قرآن نے منافقت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ مومنین کے شعار کے یکسر خلاف ہے۔

(۱) خدا نے ان لوگوں کی بات سن لی جو کہتے ہیں کہ ہم سے جو کہا جاتا ہے کہ تم دو' اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا محتاج ہے اور ہم غنی ہیں ـــ (۱۸۰ : ۳)

(۲) جو خدا نے دے رکھا ہے اُسے چھپانا یا لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرنا' ایمان نہیں ـــ (۳۸-۳۹ : ۴)

(۳) کفار اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں ـــ (۳۶ : ۸)

(۴) منافقین کا انفاق قابلِ قبول نہیں ـــ (۵۳ : ۹)

(۵) جو انفاق بطیبِ خاطر نہ ہو اسے قبول نہیں کیا جا سکتا ـــ (۵۴ : ۹)

(۶) منافق اپنے ہاتھ روکے رکھتے ہیں ـــ (۶۷ : ۹)

(۷) منافق پہلے وعدہ کرتا ہے کہ اگر خدا نے مجھے دیا تو میں انفاق کرونگا لیکن بعد میں بخل کرنے لگ جاتا ہے (۷۵-۷۶ : ۹)

(۸) منافق' انفاق فی سبیل اللہ کو جرمانہ سمجھتا ہے ـــ (۹۸ : ۹)

(۹) جب ان سے انفاق کے لئے کہا جاتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ ان بھوکوں کو روٹی کھلانا چاہتا تو خود ہی کیوں نہ کھلا دیتا۔ ہمیں کیوں کہتا ـــ (۴۷ : ۳۶)

(۱۰) منافق تھوڑا سا دے کر ہاتھ روک لیتے ہیں ـــ (۳۴ : ۵۳)

(۱۱) منافق کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھیوں کے لئے کچھ نہ دو۔ اس طرح یہ خود ہی اس کا ساتھ چھوڑ دینگے۔ (۷ : ۶۳)

(۱۲) جو انفاق ریا کی خاطر ہو وہ باطل ہوتا ہے ـــ (۲۶۴ : ۲)۔ اسکی مثال ـــ (۱۱۶ : ۳)—(۳۸ : ۴)

متفرقات

(۱) شیطان (یعنی مفادِ خویش کا جذبہ) ڈراتا ہے کہ تم انفاق سے محتاج ہو جاؤ گے ـــ (۲۶۸ : ۲)

(۲) سوچو کہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور تمہارا سب اثاثہ ختم ہو جائے تو تمہارا کیا حال ہو؟ اسی سے دوسروں کی ضرورت کا اندازہ لگاؤ ـــ (۲۶۶ : ۲)

(۳) غلام اور آزاد میں فرق یہ ہے کہ آزاد انفاق کا اختیار رکھتا ہے ـــ (۷۵ : ۱۶)

(۴) ذاتی اخراجات میں نہ کنجوسی کرو نہ فضول خرچی ـــ (۲۶-۲۹ : ۱۷)—(۶۷ : ۲۵)

ـــ (۰) ـــ

۰۸۶۔ اوّل

اوّل سب سے پہلا۔ پہلی مرتبہ۔

صفتِ خداوندی

قرآنِ کریم میں خدا کے لئے ھوالاول والاٰخر کے الفاظ آئے ہیں۔۔۔(۳ : ۵۷)۔ اس سے مراد ہے زمان کی حدود سے ماوراء۔ یہ وہ لامحدودیت ہے جس کا تصور انسانی ذہن نہیں کر سکتا۔ اس صفت میں کوئی اور شریک نہیں۔

صفتِ نبوی

(۱) رسول سب سے پہلے پیغاماتِ خداوندی پر خود ایمان لاتا ہے۔۔۔(۲۸۵ : ۲)۔(۱۴۳ : ۷)
وہ ان احکام کے سامنے سب سے پہلے خود تسلیم خم کرتا ہے۔۔۔(۱۶۴ : ۶ ؛ ۱۴ : ۶)۔(۱۲ : ۳۹)
وہ سب سے پہلے، غلط عقاید و نظریات سے اظہارِ نفرت و بریت کرتا ہے۔۔۔(۸۱ : ۴۳)

(۲) حضرت موسےٰؑ نے اپنے آپ کو اول المومنین کہا۔۔۔(۱۴۳ : ۷)

(۳) ساحرینِ دربارِ فرعون نے کہا کہ ہم سب سے پہلے ربِ موسےٰؑ پر ایمان لاتے ہیں۔۔۔(۵۱ : ۲۶)

السّابقون الاوّلون صحابہ کبارؓ (۱۰۰ : ۹)

کعبہ

(۱) سب سے پہلا گھر، جو انفرادی اور قومی نسبتوں سے بلند ہو کر، عالمگیر انسانیت کے لئے بنایا گیا۔۔۔(۹۵ : ۳)

قیامت اولین و آخرین سب جمع ہو جائینگے (۴۹ : ۵۶) (۳۸ : ۷۷)

تخلیق

(۱) خدا نے سب سے پہلی مرتبہ کائنات اور انسان کو عدم سے وجود میں لایا — (۶ : ۹۴) — (۱۷ : ۵۱) — (۱۸ : ۴۸) — (۲۱ : ۱۰۴) — (۳۶ : ۷۹) — (۴۱ : ۲۱) — (۵۰ : ۱۵)

اوّلون یا اوّلین

بمعنی اسلاف۔ امم سابقہ - نیز دیکھئے عنوان امم سابقہ —— (۶ : ۲۵) — (۸ : ۳۱ ؛ ۳۸) — (۱۵ : ۱۰ ؛ ۱۳) — (۱۷ : ۵۹) — (۱۸ : ۵۵) — (۲۱ : ۵) — (۲۳ : ۲۴ ؛ ۸۱) — (۳۷ : ۱۷) — (۵۶ : ۴۸)

—— (۰) ——

۸۷ - اولاء - اولوا

اُولَاءِ - یہ سب۔ اُولٰئِکم - وہ سب - (۴ : ۹۱)، اُولُوا بمعنی "والے"۔ (۳۸ : ۲۹)

—— (۰) ——

۸۸ - اولاد

اولاد (مادہ و - ل - د)۔ اولاد کا لفظ عام طور پر بیٹے بیٹیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن عربی زبان میں بیٹے بیٹیوں کے علاوہ، ان کی اولاد در اولاد (پوتے، پوتیاں وغیرہ) کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جس طرح والدین میں باپ، اور اس کے اوپر نسبی سلسلہ (دادا وغیرہ) سب شامل ہوتے ہیں۔

—— (۰) ——

اولاد کی محبّت

(۱) اولاد وجہ کشش اور باعثِ زینت ہے لیکن اس کا تعلق صرف انسان کی طبیعی زندگی سے ہے — (۳ : ۱۴) (۱۸ : ۴۶)

(۲) حضرت ذکریا کی اولادِ صالح کے لئے دعا — (۳ : ۳۷) — (۱۹ : ۶-۷)

(۳) قتلِ اولاد تباہی کا موجب ہے۔ — (۶ : ۱۴۰)۔ عربوں کے بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ ویسے قتل کے معنی تعلیم و تربیت سے محروم رکھ کر ذلیل و خوار بنا دینا بھی ہیں۔

(۴) حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میری اولاد میں سے جو میرا اتباع کریگا وہی میرا اپنا ہے۔ دین میں اپنے اور بیگانے کا اصول ہی یہ ہے — (۱۴ : ۳۶)

(۵) بنی اسرائیل کو کثرتِ اولاد سے طاقتور بنایا — (۱۷ : ۶)۔ قومِ نوحؑ — (۷۱ : ۱۲)

(۶) اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل مت کرو۔ ہم تمہارے اور ان کے، دونوں کے رزق کے ذمہ دار ہیں — (۶ : ۱۵۱) — (۱۷ : ۳۱)۔ خدا کی یہ ذمہ داری اس نظامِ معاشرہ کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے جو قوانینِ خداوندی کے مطابق قائم ہوتا ہے — (۱۲ : ۶۰)

(۷) صالح اولاد کا ملنا خدا کی رحمت ہے — (۱۸ : ۸۱) — (۴۶ : ۱۵)

(۸) اولاد میں بیٹے، بیٹیاں، یا دونوں۔ یا بے اولاد رہنا سب خدا کے قانونِ طبعی کے مطابق ہوتا ہے (۴۲ : ۴۹-۵۰)

(۹) مومنین کی دعا ہیں کہ ان کے بیوی بچوں کو قرۃ العین (آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب) بنایا جائے — (۲۵ : ۷۴)

اولاد باعثِ فتنہ

(۱) مال، اولاد وغیرہ سب باعثِ زینت ہیں۔ لیکن جب ان میں سے کوئی شے، حق کے راستے میں حائل ہو جائے اور انسان کو غلط راستہ اختیار کرنے کی طرف مائل کر دے تو یہی چیزیں فتنہ بن جاتی ہیں۔ جب بھی کسی مستقل قدر اور دنیاوی متاع و کشش میں تصادم ہو (ان میں ٹکراؤ پڑ جائے) تو مستقل قدر کی حفاظت کی خاطر ان چیزوں کو قربان کر دینا چاہیئے۔ اگر ان چیزوں کی محبت غالب آجائے تو یہ چیزیں تباہی کا موجب بن جاتی ہیں — (۸ : ۲۸) — (۹ : ۲۴) — (۵۸ : ۲۲)

(۲) مخالفین کی کثرتِ اولاد تعجب میں نہ ڈال دے۔ یہی چیز ان کے لئے تباہی کا موجب بن جائے گی —
(۹ : ۵۵ ؛ ۸۵) — (۱۹ : ۷۷-۸۰) — (۷۱ : ۲۱)

(۳) شیطان لوگوں کی اولاد کو بگاڑ کر فتنہ پیدا کرتا ہے — (۱۷ : ۶۴)

(۴) تمہارا مال اور اولاد تمہیں قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل نہ کر دیں — (۹ : ۹۳)

(۵) تمہاری ازواج اور اولاد میں سے بعض تمہاری دشمن ہیں۔ یہ موجب فتنہ بن جاتے ہیں — (۱۵-۱۴ : ۶۴)

(۶) اولاد کے زعم پر حق کی مخالفت — (۱۴ : ۶۸) — (۱۳ : ۷۴)

(۷) مکافاتِ عمل کے وقت اولاد کسی کام نہیں آسکے گی — (۳۳ : ۳۱)

اعمال کے مقابلہ میں اولاد

(۱) کسی کا مال یا اولاد اسے اس کے تباہ کن اعمال کے نتائج سے نہیں بچا سکتے — (۱۱۵ : ۳) — (۹ : ۸۸) — (۲۶ : ۸۸) — (۳۱ : ۳۳) — (۳۴ : ۳۷) — (۵۸ : ۱۷) — (۳ : ۶۰)

(۲) کفار قیامت میں چاہیں گے کہ بیوی بچے فدیہ میں دے کر چھٹکارا حاصل کریں لیکن ایسا نہیں ہوسکیگا۔ (۷۰ : ۱۲)

(۳) مال اور اولاد تباہی کا باعث — (۲۱ : ۷۱)

(۴) مال اور اولاد خدا کے تقرب کا موجب نہیں بن سکتے — (۳۴ : ۳۷)

(۵) اس دن یہ سب اسے چھوڑ کر بھاگ جائیں گے — (۳۶ : ۸۰)

اقوامِ گذشتہ کی تباہی کا ایک سبب

انسان کی ابتدائی تمدنی زندگی خاندانوں پر مشتمل تھی اور جس خاندان کے افراد کی کثرت ہوتی تھی وہ دیگر خاندانوں کے مقابلہ میں زیادہ قوت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ حقیقی قوت کا راز انسانوں کے جوہر اور صلاحیتیں ہیں۔ افرادِ خاندان کی کثرت نہیں۔

(۱) کثرتِ اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا تو کوئی مستحسن مقصدِ حیات نہیں — (۲۰ : ۵۷)

(۲) جو اقوامِ سابقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئیں، تباہ ہوگئیں — (۹ : ۳) — (۹ : ۶۹) — (۵۵ : ۲۳) — (۲۶ : ۱۳۳) — (۳۴ : ۳۵) — (۱۲ : ۷۱)

خدا کی اولاد کا عقیدہ

(۱) یہ کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد بھی ہے۔ وہ ایسے باطل تصورات سے بلند اور منزہ ہے۔ کائنات کی ہر شے اسکے

پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے —(۲ : ۱۱۶)—(۴ : ۱۷۱)—
(۶ : ۱۰۱)—(۱۰ : ۶۸)—(۱۷ : ۴۰؛ ۱۱۱)—(۱۸ : ۴—۵)—(۱۹ : ۳۵ ؛ ۸۸—۹۵)—
(۲۱ : ۲۶)—(۲۳ : ۹۱)—(۲۵ : ۲)—(۳۹ : ۴)—(۴۳ : ۸۱)—(۷۲ : ۳)

(۲) وہ ساری کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس کا انداز تخلیق کا ہے تولید کا نہیں۔ اس کی نہ بیوی ہے نہ اولاد —(۶ : ۱۰۲)

(۳) اولاد میں سے بھی خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ اور اپنی یہ حالت ہے کہ جب بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو چہرے کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے اور وہ شرم کے مارے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے —
(۶ : ۱۰۱)—(۱۶ : ۵۷—۵۹)—(۳۷ : ۱۴۹—۱۵۴)—(۴۳ : ۱۶—۱۸)—(۵۲ : ۳۹)

(۴) جس خدا کے اولاد بھی ہو، قطعاً اس قابل نہیں کہ اسے خدا بنایا جائے —(۴۳ : ۸۱)

(۵) نہ اس کی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد —(۱۱۲ : ۱—۴)

(۶) یہودی عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور عیسائی حضرت عیسےٰؑ کو —(۹ : ۳۰)

(۷) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم خدا کی اولاد ہیں —(۵ : ۱۸)

اولاد کی وراثت

اولاد کی وراثت کے احکام۔ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر — (۴ : ۱۱—۱۲)۔ چونکہ اولاد میں پوتے پوتیاں وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں، اس لئے جب کسی کا بیٹا فوت ہو گیا ہو تو اس کا پوتا، بیٹے کی جگہ حصہ پائیگا۔ یوں دادا کی وراثت سے، یتیم پوتے کو حصہ ملے گا جس طرح اُس پوتے کے ترکہ سے جس کا باپ فوت ہو چکا ہو، دادا کو حصہ ملتا ہے —نیز (۴ : ۱۷۷)

(تفصیل کے لئے عنوان وراثت دیکھئے)

متفرق

(۱) توہم پرستانہ مسالک میں قتلِ اولاد کو کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا —(۶ : ۱۳۷)—(۶ : ۱۴۰)

(۲) بچے کی پرورش کی ذمہ داری باپ پر ہوتی ہے —(۲ : ۲۳۳)

(۳) اگر بیٹے کے اعمال صالح نہ ہوں اور وہ ایمان میں شریک نہ ہو تو وہ بھی اپنے اہل میں نہیں رہتا (۱۱:۴۶)
(۴) "مباہلہ" میں ابناء بھی شامل تھے ـــــ (۳ : ۶۰)
(۵) منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں بن جاتے ـــــ (۳۳ : ۴)

ـــــ (۰) ـــــ

۱-۸۹ اَھل

اہل عبرانی زبان میں اہل کے معنی خیمہ ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ لفظ اپنے ابتدائی معنوں میں ان لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا جو ایک خیمہ میں رہتے ہوں۔ اسی سے اہل بیت (گھر کے لوگ)، اہل خاندان (ایک قبیلہ یا خاندان کے افراد) بولنے لگے۔ ازاں بعد یہ لفظ ان تمام افراد کے لئے استعمال ہونے لگا جو حسب نسب، پیشہ، وطن یا دین میں مشترک ہوں۔

(۲) اھل لکذا ۔ وہ اس کا مستحق ہے۔ اسی سے 'اھل' کے معنی مستحق کے آتے ہیں۔
(۳) قرآن کریم میں اھل الکتاب کا ذکر اکثر آتا ہے۔ اس کے لئے متعلقہ عنوان دیکھئے۔
(۴) اہل اور غیر اہل کے الفاظ ان معانی میں بھی آتے ہیں جن معانی میں ہمارے ہاں "اپنے اور بیگانے" کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے ایک عظیم حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ حضرت نوحؑ سے خدا نے وعدہ کیا کہ "تیرے اہل کو بچا لیا جائے گا" لیکن ان کا بیٹا بچایا نہ گیا۔ وہ غرق ہو گیا تو آپ نے بحضور رب العزت عرض کیا کہ بارالہا! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ تیرے اہل کو بچا لیا جائے گا سو بیٹے سے زیادہ اہل اور کون ہو سکتا ہے۔ وہ کیوں نہ بچایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ نوحؑ! وہ تیرے اہل میں سے نہیں تھا۔ اس لئے کہ انہ عمل غیر صالح ـــــ (۱۱ : ۴۶)۔ اس کے اعمال غیر صالح تھے۔ وہ ایمان نہیں لایا تھا۔ (۱۱:۴۶) اس سے اپنوں اور بیگانوں کا قرآنی معیار سامنے آ گیا۔ اپنے وہ جو ایمان میں مشترک ہوں۔ اور بیگانے وہ جو ایمان میں مشترک نہ ہو۔ اسی کو اسلامی معیارِ قومیت کہتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے)
(۵) قرآن کریم میں یہ لفظ اھل کتاب کے علاوہ حسب ذیل مفاہیم کے لئے آیا ہے۔

اھل القریٰ۔ کسی بستی کے باشندے ـــــ (۷ : ۹۶)۔ اھل المدینۃ ـــــ (۹:۱۲۰)۔ اھل البیت ـــــ (۱۸ : ۷۳) ـــــ (۲۸ : ۱۲) ـــــ (۳۳ : ۳۳)

اھل الذکر —(۴۳ : ۱۶)۔ اھل یثرب —(۱۳ : ۳۳)۔ اھل التقوٰی —(۵۶ : ۷۴)
اھل المغفرۃ —(۵۶ : ۷۴)

(۲) امانات ان کے اہل کے سپرد کرو —(۵۸ : ۴)

—— (-) ——

۹۰۔ اہلِ کتب

قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ (۱) دنیا کی ہر قوم کی طرف نبی آئے۔ اور (۲) ہر نبی کو خدا کی طرف سے کتاب دی گئی۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو دنیا کی ہر قوم کے متعلق یہ سمجھا جائے گا کہ انہیں کسی نہ کسی زمانے میں کوئی نہ کوئی آسمانی کتاب ملی تھی۔ لہٰذا، ہر قوم کو اہل کتاب کہا جا سکے گا۔ لیکن قرآن کریم نے "اہل کتاب" بالخصوص ان اقوام کو کہا ہے جو زمانہ نزولِ قرآن میں اس امر کی مدعی تھیں کہ ان کے پاس آسمانی کتاب ہے، اور قرآن کے اولین مخاطب ان سے واقف تھے۔ قرآن نے تصریحاً نہیں بتایا کہ وہ کون کون سی اقوام یا اہل مذاہب تھے لیکن عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ان سے مراد یہودی اور عیسائی تھے کیونکہ انہی دو مذاہب کے پیرو اس زمانے میں عربوں کے آس پاس رہتے تھے۔ اگرچہ قرآن میں مجوس اور صابئین کا بھی نام آیا ہے۔ —— (۱۷ : ۲۲)

(۲) قرآنِ کریم میں "اہلِ کتاب" کے علاوہ "الذین اوتو الکتاب" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اسے ہم نے "کتاب" کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ لہٰذا "اہل کتاب" کے متعلق قرآنی تفصیلات کے لئے زیرِنظر عنوان کے علاوہ اُس عنوان کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے۔ "الذین اوتو الکتاب" کے الفاظ بعض آیات میں خود مسلمانوں کے لئے بھی آئے ہیں۔ اس کی تصریح بھی "کتاب" کے عنوان میں کر دی گئی ہے۔

(۳) قرآنِ کریم نے یہود اور نصاریٰ کے مشرکانہ عقاید اور کافرانہ مسلک کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس اعتبار سے ان کا شمار "مشرکین" میں ہوگا۔ لیکن قرآن نے مشرکین میں اور اہل کتاب میں خود ہی کچھ امتیاز کیا ہے — مثلاً مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کا سلسلہ مناکحت (نکاح) جائز نہیں لیکن "الذین اوتوا الکتاب" کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے باوجود، اہل کتاب کو بھی اسلام لانے کی اسی طرح دعوت دی گئی ہے جس طرح مشرکین اور کفار (ہر غیر مسلم) کو دعوت دی گئی ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ دنیا کے کسی

اہل مذہب کے پاس بھی وہ کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں جو ان کے نبی کو خدا کی طرف سے ملی تھی۔ وحی کی تعلیم اپنی حقیقی اور منزہ شکل میں اب صرف قرآنِ کریم کے اندر ہے اس لئے دنیا کے ہر انسان کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے اس کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہی الدّین ہے اور یہی الاسلام۔

(۴) اہل کتاب کے سلسلہ میں "بنی اسرائیل" یہود اور نصاریٰ کے عنوانات بھی دیکھئے۔ نیز تورات، زبور انجیل کے عنوانات بھی۔

اھل الکتاب

(۱) اہل کتاب میں سے جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے (یعنی جو قرآن پر ایمان نہیں لاتے) اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کو حضورؐ کی وساطت سے آسمانی ہدایت مل جائے ــــ (۲:۱۰۵)ــ(۹۸:۱)
یہ سب نارِ جہنم میں ــــ (۹۸:۶)۔

(۲) اہل کتاب کے حسد کا یہ عالم ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ایمان لانے کے بعد پھر سے کافر ہو جائیں (۲:۱۰۹)ـ(۳:۶۸)

(۳) اہل کتاب کو دعوت کہ وہ اس اصولی تعلیم کو تسلیم کریں جس کے وہ مدعی ہیں اور جو اب قرآن کے اندر ہے ــ(۳:۶۴)

(۴) اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات و انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی تھی (۳:۶۵)

(۵) اے اہل کتاب! تم قرآن میں دیئے گئے قوانینِ خداوندی سے انکار کیوں کرتے ہو ــ(۳:۶۹)ــ(۳:۹۷)

(۶) اہل کتاب تلبیس دحق و باطل اور کتمانِ حق کرتے تھے ــــ(۳:۷۰)

(۷) یہ لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ تم بظاہر مسلمان بن کر جماعتِ مومنین میں جا گھسو اور پھر باہر نکل آؤ۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی کچھ لوگ تمہارے ساتھ واپس آ جائیں ــ(۳:۷۱)ــ(۵:۶۱)

(۸) یہ لوگ آپس میں کہتے ہیں کہ اُن لوگوں کے سوا جو تمہارا دین قبول کریں، کسی کی بات کا اعتبار نہ کرو ــــ(۳:۷۲)

(۹) اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو امانت میں خیانت نہیں کرتے اور ایسے بھی جن پر ایک پیسے کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے خلاف ہر قسم کی بدمعاملگی جائز ہے۔

(۳:۷۴)

(۱۰) اہل کتاب عجیب عجیب انداز سے اپنی کتابوں میں تحریف و تلبیس کرتے تھے ــــ(۳:۷۷)

(۱۱) یہ لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف آنے سے روکتے تھے ـــــ (۳ : ۹۸)

(۱۲) مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ ان کی اطاعت مت کرنا ـــــ (۳ : ۹۹)

(۱۳) اگر یہ اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے اچھا ہوتا۔ ان میں سے بعض ایمان لاتے ہیں اور باقی فاسق ہیں ـــ (۳ : ۱۰۹) ـــ (۳ : ۱۱۲ ـــ ۱۱۳) ـــ (۳ : ۱۹۸)

(۱۴) زندگی کی کامرانیاں نہ تمہاری خالی آرزوؤں کے مطابق حاصل ہو سکتی ہیں نہ اہل کتاب کی۔ اس کا مدار حکم خداوندی کے مطابق عمل کرنے پر ہے ـــــ (۴ : ۱۲۳)

(۱۵) اہل کتاب کا مطالبہ کہ رسول اللہ پر آسمان سے بنی بنائی کتاب نازل کیوں نہیں ہوتی۔ انہوں نے اپنے پیغمبر (حضرت موسےٰؑ) سے اس سے بھی زیادہ بڑے مطالبات کئے تھے ـــ (۴ : ۱۵۳)۔ ظاہر ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں۔

(۱۶) اہل کتاب میں سے ہر ایک اپنی موت سے پہلے (حضرت) عیسےٰؑ کی صلیب اور رفع الی السماء پر ایمان لاتا (یعنی اپنے اس عقیدہ کو دہراتا) ہے ـــــ (۴ : ۱۵۹)۔ ظاہر ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں۔

(۱۷) اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو مت کرو۔ حضرت عیسےٰؑ خدا کے رسول ہیں۔ انہیں خدا نہ بناؤ ـــ (۴ : ۱۷۱)۔ (یہاں بھی اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں)۔ ایسا کہنا کفر ہے ـــــ (۵ : ۱۷؛ ۷۲ ـــ ۷۳؛ ۷۷)

(۱۸) اہل کتاب کو رسول اللہ اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت ـــ (۵ : ۱۵؛ ۱۹؛ ۶۵؛ ۶۶؛ ۶۸) (۹۸ : ۱)
پیدائشی مسلمان، یہود، نصاریٰ، صابئین کو ایمان لانے کی دعوت ـــ (۲ : ۶۲) ـــ (۵ : ۶۹) ـــ (۲۲ : ۱۷)
اگر یہ اس طرح ایمان لائیں جیسے تم ایمان لاتے ہو تو پھر انہیں ہدایت پر سمجھا جائے گا ـــ (۲ : ۱۳۷)

(۱۹) یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چاہیتی اولاد ہیں ـــ (۵ : ۱۸)

(۲۰) اگر اہل الانجیل، خدا کے احکام کے مطابق فیصلے کرتے ـــــ (۵ : ۴۷)

(۲۱) جماعتِ مؤمنین کو متنبہ کیا گیا کہ اہل کتاب اور کفار کو اپنا دوست اور سرپرست نہ بنائیں ـــ (۵ : ۵۷)

(۲۲) یہ لوگ مسلمانوں کے محض اس لئے خلاف ہیں کہ وہ خدا اور اس کی کتابوں پر ایمان کیوں لے آتے ہیں ـــ (۵ : ۵۹)

(۲۳) ان کی اخلاقی خرابیاں ـــ (۵ : ۶۲)

(۲۴) ان کے علماء و مشائخ بھی انہیں ایسی باتوں سے روکتے نہیں تھے ـــــ (۵ : ۶۳)

(۲۵) ان میں باہمی عداوت قیامت تک — (۵ : ۶۴)

(۲۶) اگر یہ لوگ تورات و انجیل و قرآن کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا رہتے تو زمین و آسمان کی برکات سے متمتع ہوتے۔ (۵ : ۶۶)

(۲۷) اہل کتاب سے بطریق احسن مجادلہ کرو — (۲۹ : ۴۶)

(۲۸) اہل کتاب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وحی کا عطا کرنا خدا کے اختیار میں ہے، ان کے اختیار میں نہیں۔ (۵۷ : ۲۹)

(۲۹) یہودیوں کے ایک قبیلہ (بنی قریظہ) کو اہل کتاب کہا گیا — (۳۳ : ۲۶)۔ خیبر کے یہودیوں کو بھی — (۵۹ : ۲) — (۵۹ : ۱۱)

متفرقات

(۱) انہیں اہل الذکر بھی کہا گیا ہے — (۲۱ : ۷)

— (۰) —

۹۱- ایمان (مؤمن)

(نیز دیکھئے — اسلام، مسلم)

ایمان۔ مادہ (ء۔م۔ن) کسی بات کی سچائی کو دل کے پورے سکون اور ذہن کے کامل اطمینان کے ساتھ تسلیم کرنا۔ یقین کرنا۔ کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ اطاعت کرنا۔ سر تسلیم خم کرنا۔

زندگی کی پوری عمارت، چند غیر متبدل حقائق، اٹل اصولات، مستقل اقدار اور محکم قوانین پر استوار ہوتی ہے۔ جب تک ان حقائق، اصول، اقدار اور قوانین کی صداقت کو تسلیم نہ کیا جائے، انسان کا قدم آگے اٹھ نہیں سکتا۔ (۲+۲=۴) ایک حقیقت ہے۔ جب تک اسے صحیح تسلیم نہ کیا جائے، ریاضی کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ سنکھیا موجب ہلاکت ہوتا ہے، جب تک اس حقیقت پر یقین نہ ہو، انسان ہلاکت سے بچ نہیں سکتا۔

جس طرح انسان کی طبیعی زندگی کے متعلق اٹل قوانین و حقائق مقرر ہیں، اسی طرح اس کی "انسانی زندگی" سے متعلق بھی غیر متبدل اصول و قوانین مقرر ہیں۔ یہ اصول و قوانین قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ ان کی صداقت

کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔

لیکن ایمان' اندھے یقین کا نام نہیں۔ ان صداقتوں کو علم و بصیرت کی رُو سے سمجھنے اور غور و فکر کے بعد تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انگریزی زبان میں ایمان کا ترجمہ جو (FAITH) کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ (FAITH) بلا علم و بصیرت اندھے یقین کو کہتے ہیں۔ لیکن ایمان اس یقین کا نام ہے جو علم و بصیرت کی رو سے حاصل ہو۔ جن صداقتوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں بعض ایسی بھی ہیں جن کا تعلق ہماری محسوس دنیا سے نہیں۔ مثلاً مرنے کے بعد کی زندگی — ان امور کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یعنی ان کا علم حواس کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن انہیں علم و بصیرت کی رو سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسے حقائق کی صداقت کو اس طرح تسلیم کرنے کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔

نیز بعض حقائق ایسے ہیں جن پر تجربہ کرنے کے بعد' ان کی صداقت محسوس نتائج کی شکل میں سامنے آتی ہے مثلاً کسی کسان سے یہ کہنا کہ اگر تم یہ کھاد ڈالوگے تو فصل زیادہ پیدا ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کی صداقت اسی صورت میں سامنے آسکتی ہے جب کسان اس کھاد کو اپنے کھیت میں ڈال کر کھیتی کرے۔ اس قسم کے حقائق کے اَن دیکھے نتائج کو صحیح تسلیم کر لینا بھی ایمان بالغیب کہلاتا ہے۔

چونکہ کسی بات کو علیٰ وجہ البصیرت تسلیم کر لینے اور نتائج سے اس دعوے کی صداقت کو پرکھ لینے سے' انسان کو صحیح اطمینان نصیب ہو جاتا ہے' اس لئے امن اور ایمان کا مادہ (ا م ن) ایک ہی ہے۔ مومن اسے کہتے ہیں — (۱) جو ان حقائق کو اس طرح صحیح تسلیم کرے۔ (۲) جسے اس طرح اطمینان اور امن نصیب ہو جائے۔ (۳) جو ان قوانین کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد کرے۔ (۴) جو دوسرے انسانوں کو امن کی ضمانت دے' اور اس پر بھروسہ کر کے' انسان بے فکر اور محفوظ ہو جائے۔ (عبرانی زبان میں ایمان کے معنی غیر متزلزل یقین کے ہیں)۔

چونکہ یہ حقائق اور قوانین اب اپنی اصلی شکل میں صرف قرآن کریم کے اندر ہیں' اس لئے اب وہی شخص مومن کہلا سکتا ہے جو قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق و قوانین پر ایمان لائے۔ اپنے اپنے تصورات کے مطابق خدا کو مان لینے والے مومن نہیں کہلا سکتے۔ جو اس طرح ایمان نہیں لاتے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ اس سوسائٹی کے ممبر نہیں ہو سکتے جو مومنین پر مشتمل ہو۔

(امن، امین، امانت کا مادہ بھی یہی ہے لیکن انہیں ان سے متعلق عنوانات کے تابع بیان کیا جائیگا۔)

———— (٠) ————

اجزا ایمان

(۱) وہ امور جن پر ایمان لانے سے ایک شخص اس سوسائٹی کا ممبر بن سکتا ہے جو مومنین پر مشتمل ہو۔ اور جسے جماعت مومنین یا امتِ مسلمہ کہا جاتا ہے ــــ اصولی طور پر پانچ ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ ان پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انہیں انہی تصورات کے مطابق مانا جائے جو تصورات قرآن کریم نے پیش کئے ہیں۔
اللہ۔ آخرت۔ ملائکہ۔ کتبِ آسمانی۔ انبیاء ــــ (۲:۱۷۷)ــ(۴:۱۳۶)۔ (یہ جو تقدیر کو چھٹا جزو قرار دیا جاتا ہے تو یہ عقیدہ قرآنی نہیں)

(۲) انبیاء اور کتب پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں خدا کی طرف سے وحی پانے والے حضرات انبیاء کرام آتے رہے تھے۔ نبی ہونے کی حیثیت سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ ــــ (۳:۸۳-۸۴)
البتہ ان کے دائرۂ تبلیغ و رسالت کے اعتبار سے ان کے مراتب میں فرق ہے۔ بعض کسی ایک شعبہ میں آگے تھے، بعض دوسرے میں ــــ (۲:۲۵۳)

(۳) بعض جگہ ان پانچ اجزاء میں سے کم کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً ایک جگہ صرف اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے ــ (۳:۱۷۸)۔ دوسری جگہ صرف اللہ اور آخرت کا ــ (۲:۶۲)۔ لیکن بہ ہیئت مجموعی ایمان کے اجزاء پانچ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۴) بعض انبیاء پر ایمان لانا اور بعض سے انکار کرنا کفر ہے ــــ (۴:۱۵۰-۱۵۲)

(۵) اسی طرح تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یعنی یہ ماننا کہ اپنے اپنے وقت میں وہ خدا کی طرف سے حضرات انبیاء کرام کو دی گئی تھیں لیکن اب ان میں کوئی بھی اپنی اصل شکل میں دنیا میں موجود نہیں۔ اب ان میں پیش کردہ صداقتیں صرف قرآن کریم کے اندر ہیں۔ اس لئے اب قرآن کریم پر ایمان لانا ضروری ہے ــ (۴:۱۶۲)۔ ان کے لئے بھی جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی نہیں اور ان کے لئے بھی جو مبینہ آسمانی کتابوں کے مدعی ہیں۔

(۶) قرآن کریم اور آخرت پر ایمان لازم و ملزوم ہے۔ یعنی آخرت پر ایمان وہی صحیح ہے جو اس تصور کے مطابق ہو جسے قرآن نے پیش کیا ہے ــ (۶:۹۳)۔ اسی طرح آخرت پر ایمان نہ رکھنے والا قرآن سے محجوب رہتا ہے ــــ (۱۷:۴۵)

(۷) قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے ـــــ (۲۱ : ۵۱)

(۸) قرآن اور کتب سابقہ پر ایمان ـــــ (۲۹ : ۴۶)

(۹) خدا پر ایمان اور استقامت سے نزول ملائکہ ـــــ (۴۱ : ۳۰—۳۲)

(۱۰) اللہ، رسول اور قرآن پر ایمان ـــــ (۶۴ : ۸)

(۱۱) مومن خدائے رحمٰن پر ایمان لاتے ہیں ـــ (۶۷ : ۲۹)

اہل کتاب سے ایمان کا مطالبہ

(۱) آسمانی کتاب کے مدعیوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں ـــ (۲ : ۴۱ ؛ ۸۹—۹۰) (۴ : ۴۷) (۵ : ۶۵—۶۶)۔ اس لئے کہ ان کے پاس کوئی کتاب اس شکل میں موجود نہیں جس شکل میں آن کے نبی نے انہیں دیا تھا۔ ان کی سب کتابیں محرف اور وضعی ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے مصنف کی کتاب "مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں"

(۲) اسلام، نسلی یا قومی دین نہیں۔ اس کا دروازہ ہر ایک کیلئے کھلا ہے ـــ یہودی، نصاریٰ، صابئین (مجوسی)۔ یا ایسے لوگ جو اپنے آپ کو کسی خاص مسلک سے وابستہ نہیں کرتے ـــ یا مسلمانوں کے گھر پیدا ہونیوالے ـــ ان میں سے جو کوئی بھی ایمان لائے گا اسے اس کا اجر ملے گا (۲ : ۶۲)—(۵ : ۶۹) لیکن یہ ایمان اس طرح لانا ہوگا جس طرح قرآن کا مطالبہ ہے۔ اپنے اپنے طور پر ایمان لانا نہیں۔

(۳) اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو خدا کے ہاں سے اچھا بدلہ ملتا ـــ (۲ : ۱۰۳)—(۳ : ۱۰۹)

(۴) جب اہل کتاب اس طرح ایمان لائیں جس طرح مومنین ایمان لاتے ہیں، تو انہیں پھر صحیح راستے پر سمجھا جائیگا۔

(۲ : ۱۳۷)

(۵) ہر نبی کی امت سے اقرار لیا جاتا تھا کہ جو رسول اس کے بعد آئے گا وہ اس پر ایمان لائینگے (تا آنکہ خدا کا آخری نبی آگیا) ـــــ (۳ : ۸۰)

(۶) اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے ـــــ (۳ : ۱۱۳ ؛ ۱۹۸)

(۷) اہل کتاب ایمان والے نہیں۔ ایمان کے لئے نظام خداوندی کے واجبات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے ـــ (۹ : ۲۹)

(۸) مدینے کے یہودی جو ایمان نہیں لائے تھے انہیں کافر کہا گیا ـــــ (۵۹ : ۲)

(۹) اہلِ کتاب اگر ایمان نہ لائیں تو اہلِ جہنم میں سے ہوں گے ـــــ (۹۸ : ۶)۔ لہٰذا تمام نوعِ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی صداقتوں اور دعاوی پر ایمان لائے۔

تمام نوعِ انسان کو رسالتِ محمدیہ پر ایمان لانے کی دعوت

(۱) رسالتِ محمدیہ عالمگیر انسانیت کیلئے ہے۔ اس لئے اس کی دعوت تمام نوعِ انسان کے لئے ہے ـــ (۱:۲۵؛ ۴:۱۷۰؛ ۷:۱۵۸)

(۲) قرآن تمام نوعِ انسان کے غور و فکر کیلئے ہے لیکن ہدایت و رحمت مومنین کے لئے ہے ـــ (۲۰ : ۴۵) اسی طرح صاحبِ قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) بھی ـــ (۲۱ : ۱۰۷) ـــ (۹ : ۶۱)

حقیقتِ ایمان

(۱) ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام نہیں، دل کی تصدیق کا نام ہے ـــ (۹ـــ۸ : ۲)

(۲) قرآن کریم کی ہر بات کو سچا سمجھنا ایمان ہے ـــ (۲۶ : ۲)

(۳) کتاب (ضابطۂ قوانینِ خداوندی) کے ایک حصے پر ایمان لانا اور دوسرے حصے سے انکار کرنا دنیا میں باعثِ ذلت اور آخرت میں وجۂ عذاب ہے ـــ (۸۵ : ۲)

(۴) زندگی میں کسی وقت بھی کفر اختیار کر لیا جائے تو سابقہ ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا ـــ (۲۱۷ : ۲)

(۵) ایمان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہر غیر خدائی قوت سے انکار کیا جائے۔ ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت ضروری ہے۔ الا اللہ سے پہلے لا الٰہ کی منزل آتی ہے ـــ (۲۵۶ : ۲)

(۶) ایمان، انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔ اس سے ہر شے اس کے صحیح مقام پر نظر آجاتی ہے ـــ (۲۵۷ : ۲)

(۷) ایمان کے بعد کفر اختیار کر لینے والے پر کامیابی کی راہیں کشادہ نہیں ہوتیں ـــ (۸۵ : ۳) لیکن اس کے بعد پھر ایمان لے آنے کی گنجائش رہتی ہے ـــ (۱۳۷ : ۴)

(۸) قوانینِ خداوندی پر ایمان نہ لانیوالے بدترین خلائق ہیں ـــ (۵۵ : ۸)۔ اس لئے کہ ان کی زندگی حیوانی سطح پر بسر ہوتی ہے۔ وہ انسانی سطح تک پہنچ ہی نہیں پاتے ـــ (۱۲ : ۴۷)

(۹) ایمان کے معاملہ میں کام اور پیشہ کچھ معنی نہیں رکھتے ـــ (۱۱۲ــ۱۱۱ : ۳۶)

(۱۰) جب تک ایمان دل کی گہرائیوں میں نہ اُترے کوئی اپنے آپ کو مومن نہیں کہلا سکتا۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کی مملکت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے ـــ (۱۴ : ۴۹)۔ یہی صورت مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والوں کی سمجھی جا سکتی ہے۔ ان کے مومن ہونے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ قرآنی حقائق پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان لائیں تاکہ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

(۱۱) نبی، قبل از نبوت، ایمان کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا تھا ـــ (۵۲ : ۴۲)

(۱۲) خدا نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے ـــ (۸ : ۴۹)

(۱۳) خدا کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی طرف راہ نمائی عطا کر دی ـــ (۱۷ : ۴۹)

(۱۴) امتحان گاہوں میں مومنین کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے ـــ (۹:۱۲۴)ـــ(۳۳ : ۳۲)ـــ(۳۱ : ۷۴)

(۱۵) خدا کسی کا ایمان ضائع نہیں کرتا ـــ (۲ : ۱۴۳)

(۱۶) کفر بعد ایمان بجز اضطراری حالت کے ـــ (۱۶ : ۱۰۶)

ایمان اور اعمال کا ساتھ

اگرچہ "اعمال" کا عنوان الگ قائم کیا گیا ہے لیکن اس باب میں یہ بتایا جائیگا کہ اگر ایمان کی شہادت انسان کے اعمال نہ دیں تو وہ ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کسی حقیقت کو صحیح ماننے سے مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اس کے مطابق عمل کرے۔ دنیا میں کسی سے پوچھئے۔ وہ تسلیم کریگا کہ جھوٹ بولنا بُری بات ہے اور سچ بولنا بہت اچھی چیز۔ لیکن کتنے ہیں جو اسے تسلیم کرنے کے بعد، اس پر عمل بھی کرتے ہیں؟ اور جب اس پر عمل نہیں ہوتا تو ساری دنیا کا یہ تسلیم کر لینا کہ جھوٹ بُری بات ہے، کیا فائدہ دیتا ہے؟

دوسری طرف، اگر ایک شخص اسے تسلیم ہی نہیں کرتا کہ سچ بولنا اچھی بات ہے اور جھوٹ بولنا بُری بات، تو وہ اگر کسی وقت اتفاق سے، یا کسی مصلحت کے ماتحت سچ بولتا ہے تو اس پر آپ اعتماد کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس لئے جن اعمال کی بنیاد ایمان پر نہیں، ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے وہ اعمال نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے۔ ایمان اور عمل دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

ـــــــ (۰) ـــــــ

(۱) متقی وہ ہیں جو نگاہوں سے پوشیدہ صداقتوں پر، اور قوانین خداوندی کے مطابق کام کرنے کے اُن دیکھے نتائج پر ایمان رکھتے ہیں ــــ (۴ــ۳ : ۲)

(۲) بُرا کام جو بھی کریگا اس کی سزا پائے گا، لیکن عمل صالح کے خوشگوار نتائج کے لئے ایمان ضروری ہے۔

(۸۲ــ۸۱ : ۲)ــ(۱۹ ؛ ۱۰ : ۱۷)

(۳) قرآن پر ایمان لانا اور اس کی پیروی کرنا لازم و ملزوم ہیں ــ(۱۲۱ : ۲)

(۴) خدا کسی ایمان والے کے اعمال کے نتائج کو ضائع نہیں کرتا ــــ(۱۴۳ : ۲)ــ(۱۷۰ : ۳)

(۵) ایمان کے معنی یہ ہیں کہ احکامِ خداوندی کو سب سے عزیز رکھا جائے ــــ(۱۶۵ : ۲)

(۶) رشد و ہدایت، ایمان سے ملتے ہیں ــــ(۱۸۶ : ۲)ــ(۳۸ : ۴۰)ــ(۱۴ ؛ ۲ : ۷۲)

(۷) ایمان یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو، پورے طور پر آخری حد تک، نظامِ خداوندی میں جذب کردے۔(۲۰۸ : ۲)

(۸) ایمان کی پرکھ اس سے ہوتی ہے کہ آپ ان چیزوں کے تحفظ کے لئے جن پر آپ کا ایمان ہے کس قدر مشکلات کا سامنا کرتے ہیں ــــ(۲۱۴ : ۲)

(۹) ایمان کے ساتھ ہجرت اور جہاد ہو تو پھر انسان رحمتِ خداوندی کا مستحق بنتا ہے ــ(۲۱۸ : ۲)

(۱۰) ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دین کی جزئیات تک کا اتباع کیا جائے ــــ(۲۲۸ : ۲)

(۱۱) ربٰو کو نہ چھوڑنے والا خدا اور رسول کے خلاف جنگ کرتا ہے ــــ(۲۷۹ : ۲)

(۱۲) ایمان بلا اطاعت درحقیقت اعراض ہے، ایمان نہیں ــ(۳۱ : ۳)ــ(۱ : ۸)

(۱۳) قرآن کو چھوڑ کر کسی اور بات کے پیچھے لگ جانے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے ــ(۹۹ : ۳)

(۱۴) آخری سانس تک قوانینِ خداوندی کا اتباع کرنے والا مومن کہلاتا ہے ــــ(۱۰۱ : ۳)

(۱۵) ایمان کی پرکھ مشکلات کے وقت ہوتی ہے ــ(۱۷۲ ؛ ۱۴۱ــ۱۴۰ : ۳)ــ(۲۲ ؛ ۱۱ : ۳۳)

(۱۶) ایمان اور تقویٰ سے اجر ملے گا۔ (تقویٰ کے معنی قوانینِ خداوندی کی نگہداشت ہے ــ(۱۷۸ : ۳)

(۱۷) اپنے تمام معاملات کے فیصلے نظامِ خداوندی سے کرانے، ایمان کی شرط ہے۔ ایمان کا دعویٰ اور معاملات کا فیصلہ غیر خداوندی قوانین کی رو سے، ایمان نہیں۔ کفر ہے ــ(۶۰ــ۵۹ : ۴)ــ(۴۸ــ۴۷ : ۲۴)

(۱۸) کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے تمام متنازعہ فیہ معاملات میں رسول (اور رسول کے بعد نظامِ خداوندی کی مرکزی اتھارٹی) کو اپنا حکم (جج) تسلیم نہ کرے اور اس کے فیصلے کے خلاف دل

میں بھی گرانی محسوس نہ کرے ـــ (۴:۶۵) ـــ (۳۳:۳۶) ـــ (۲۔۱:۴۹)

(۱۹) نظامِ خداوندی کی راہ چھوڑ دینے والا ـــ جو مشتمل ہوتی ہے جماعتِ مومنین اور نظامِ خداوندی کی مرکزی اتھارٹی پر ـــ ایمان کا راستہ چھوڑ دیتا ہے ـــ (۴:۱۱۵)

(۲۰) اعمال کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے ایمان لازمی ہے ـــ (۴:۱۲۴)

(۲۱) لغزش کے بعد توبہ سے (یعنی پلٹ کر صحیح راستے پر آجانے سے) انسان، جماعتِ مومنین کے ساتھ رہتا ہے ـــ (۴:۱۴۶) ـــ (۷:۱۵۳) ـــ (۲۸:۶۷)

(۲۲) اگر تم ایمان لاؤ۔ اور (مستقل اقدار کے) قدر شناس رہو تو خدا نے تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔ (۴:۱۴۷)

(۲۳) ایمان کے دعویٰ کے ساتھ، احکامِ خداوندی سے عملی انکار، اعمال کو رائیگاں کر دیتا ہے ـــ (۵:۵)

(۲۴) جب غلط اعمال کے نتائج مرتب ہو کر سامنے آجائیں تو پھر ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا ـــ (۶:۱۵۹) ـــ (۱۰:۹۷-۹۸) ـــ (۳۲:۲۹) ـــ (۳۴:۵۲) ـــ (۴۰:۸۵) ـــ (۴۴:۱۲)

(۲۵) ایمان اور تقویٰ سے ارض و سمٰوٰت کی برکات ـــ (۷:۹۶)

(۲۶) میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھانے والے "مومن" عذاب میں ماخوذ ہوں گے ـــ (۸:۱۵) ـــ (۱۰:۲۹)

(۲۷) عام خیرات کے کام ـــ حاجیوں کے لئے سبیلیں لگا دینا یا کعبہ کی تزئین و آرائش کرنا ـــ ایمان اور جہاد کا مقابلہ نہیں کر سکتے ـــ (۹:۱۹)

(۲۸) دنیا کی کوئی شے ـــ عزیز، رشتے دار، مال، دولت وغیرہ اگر خدا و رسول اور جہاد سے زیادہ عزیز ہو گئی تو وہ قوم فاسقین کی ہو گئی۔ مومنین کی نہ رہی ـــ (۹:۲۴)

(۲۹) ایمان اور تقویٰ سے انسان، خدا کا ولی بن جاتا ہے۔ اولیاء اللہ کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا ـــ (۱۰:۶۲-۶۴)
(دیکھئے عنوان ولی)

(۳۰) جب موت سامنے آجائے تو ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (کیونکہ پھر عمل کے لئے وقت نہیں ہوتا) ـــ (۱۰:۹۰)

(۳۱) دنیا میں تمکن اور آخرت میں سرفرازی، ایمان و اعمالِ صالح کے نتائج ہیں ـــ (۱۲:۵۶-۵۷)

(۳۲) اکثر لوگ ایمان بھی رکھتے ہیں اور ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں (ایسا ایمان کچھ فائدہ نہیں دے سکتا)۔ (۱۲:۱۰۶)

(۳۳) ایمان کے بغیر اعمال راکھ کا ڈھیر ہو جاتے ہیں ـــ (۱۴:۱۸) ـــ (۱۸:۱۰۵) ـــ (۹:۶۷)

(۳۴) ایمان کے ساتھ اعمال کی تاکید ـــ (۶:۱۵۹)

(۳۵) مومن وہ ہیں جو قوانینِ خداوندی کے سامنے دل کے پورے جھکاؤ سے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں (۱۵ : ۳۲)—(۲۲ : ۸۴)

(۳۶) مومن اور فاسق کبھی برابر نہیں ہو سکتے —(۱۸ : ۳۲)—(۲۸ : ۳۸)—(۲۱ : ۴۵)—(۱۴ : ۴۷)

(۳۷) ایمان لانے کے بعد مسلم ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی احکامِ خداوندی کے سامنے جھک جانیوالا —(۶۹ : ۴۳)

(۳۸) ایمان کی نشانی یہ ہے کہ انسان (حق کی خاطر) جان تک دیدینے کی تمنا کرے —(۹۴ : ۲)—(۶ـ۷ : ۶۲)

(۳۹) عائلی قوانین اس کے لئے ہیں جو ایمان رکھتا ہو —(۲ : ۶۵)

(۴۰) جس ایمان کے ساتھ (نیک عمل) شامل نہیں وہ ایمان کوئی فائدہ نہیں دے سکتا —(۱۵۹ : ۶)۔ اسی طرح جس ایمان کے ساتھ ظلم شامل ہو جائے وہ ایمان نہیں رہتا —(۸۲ : ۶)

ایمان علیٰ وجہ البصیرت لایا جاتا ہے

(۱) یہ مطالبہ کہ ہم جب تک خدا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، ایمان نہیں لائینگے، جہالت پر مبنی ہے۔ غیر مرئی حقیقتیں محسوس طور پر نظر نہیں آیا کرتیں انہیں عقل وخرد کی رو سے سمجھا جاتا ہے —(۵۵ : ۲)

(۲) کفر اندھی تقلید کا نام ہے۔ ایمان، عقل وبصیرت کو جلا دیتا ہے —(۱۷۰ـ۱۷۱ : ۲)

(۳) ایمان کے لئے اطمینانِ قلب ضروری ہے —(۲۶۰ : ۲)۔ دین میں اکراہ نہیں —(۲۵۶ : ۲)

(۴) جن مجرد حقیقتوں کو قرآن میں تشبیہات کی رو سے بیان کیا گیا ہے، انہیں عقل وخرد کی رو سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے والے ایمان کی پختگی حاصل کر لیتے ہیں —(۷ : ۳)

(۵) ایمان کا مدار معجزات پر نہیں —(۱۱۰ : ۶)

(۶) ایمان نہ لانے والے پر حقائق مشتبہ رہتے ہیں۔ اس کا دل اضطراب وشکوک کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ (۱۲۶ : ۶) بالفاظِ دیگر ایمان اس یقین کا نام ہے جو علم وبصیرت کی رو سے حاصل ہو۔

(۷) ارض وسما پر غور کرنے سے بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر اور کس بات سے ایمان لائینگے —(۱۸۵ : ۷)

(۸) خدا کسی کو زبردستی مومن نہیں بنانا چاہتا۔ اگر وہ ایسا چاہتا تو تمام انسان پیدا ہی مومن ہوتے۔ لہٰذا ایمان میں جبر کا سوال ہی نہیں۔ ایمان، دل کے اطمینان اور ذہن کے سکون کے ساتھ صداقت کو تسلیم کرنے کا نام ہے —(۹۹ـ۱۰۰ : ۱۰)

(۹) قرآن کو علم کی رو سے سمجھا جائے تو انسان اس کے سامنے جھک جاتا ہے ــــ (۱۷ : ۱۰۷)

(۱۰) حق خدا کی طرف سے آگیا۔ جس کا جی چاہے اسے تسلیم کرے جس کا جی چاہے اس سے انکار کرے۔ اس میں کسی پر جبر کا سوال ہی نہیں۔

(۲ : ۲۵۶) ــــ (۱۸ : ۲۹)

(۱۱) مظاہرِ فطرت کی طرف توجہ مبذول کرانے سے مطلب یہ ہے کہ لوگ غور و تدبر کی رُو سے ایمان لائیں ــــ

(۲۱ : ۳۰)

(۱۲) ایمان کی پختگی علم کی رو سے ہوتی ہے ــــ (۲۲ : ۵۴)

(۱۳) مومن وہ ہیں جو ادراک اور آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے بہرے بن کر نہیں جھکتے۔ (۲۵ : ۷۳-۷۲)

(۱۴) جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتا، تبلیغ اسے کچھ فائدہ نہیں دے سکتی ــــ (۲۷ : ۸۰-۸۱) ــــ (۳۰ : ۵۲-۵۳)

(۱۵) مظاہرِ فطرت میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں ــــ (۲۷ : ۸۶) ــــ (۴۵ : ۴-۵) ــــ (۵۲ : ۳۵-۳۶)

(۱۶) قصصِ انبیائے سابقہ و اقوامِ گذشتہ مومنین کو فائدہ دے سکتے ہیں ــــ (۲۸ : ۳) ــــ (۲۹ : ۲۴)

(۱۷) ایمان کے لئے دل کی پختگی ضروری ہے ــــ (۲۸ : ۱۰)

(۱۸) رسول بھی جسے چاہے اسے ہدایت نہیں دے سکتا۔ ہدایت اسے ملتی ہے جو خود ہدایت لینے کا خواہاں ہو۔

(۲۸ : ۵۶)

(۱۹) انسان پر تمام ذمہ داریاں اس کے صاحبِ اختیار و ارادہ ہونے کی وجہ سے عاید ہوتی ہیں ــــ (۳۳ : ۷۲)

(۲۰) جو پہلے ہی فیصلہ کرے کہ مجھے بات ماننی ہی نہیں، اسے تبلیغ کچھ فائدہ نہیں دے سکتی ــــ (۲ : ۶) ــــ (۳۶ : ۱۰)

(۲۱) قرآن ماننے والوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہے۔ لیکن جو ماننا ہی نہ چاہے اس کے کانوں میں ڈاٹ لگ جاتے ہیں ــــ (۴۱ : ۴۴)

(۲۲) وحی ایک روشنی ہے جو صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔ لیکن روشنی اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے ــــ (۴۲ : ۵۲)

(۲۳) مومن وہ ہیں جن کے دلوں میں شکوک و شبہات کا گزر تک نہیں ہوتا ــــ (۴۹ : ۱۵)

(۲۴) خارجی اور داخلی کائنات میں مومنین کے لئے نشانیاں ــــ (۵۱ : ۲۰-۲۱)

(۲۵) مومن کبھی شک میں نہیں ہوتا۔ منافق شک میں رہتا ہے ــــ (۵۷ : ۱۳)

(۲۶) قرآن پر غور و فکر سے مومنین کے دل پگھل جاتے ہیں ـــــ (۱۶ : ۵۷)

(۲۷) رسول اللہ کی دعوت علیٰ وجہ البصیرت تھی۔ اور یہی شیوہ حضورؐ کے متبعین کا ہوگا ـــــ (۱۰۸ : ۱۲)

منافق کا "ایمان" ایمان ہی نہیں ہوتا

(۱) صبح کو ایمان لانا، شام کو پھر جانا، ایمان نہیں مذاق ہے ـــــ (۷۱ : ۳)

(۲) ریاکار مومن نہیں ہوسکتا ـــــ (۳۸ : ۴)

(۳) کنارے پر کھڑے ہو کر ایمان لانا، تباہی کا موجب ہوتا ہے ـــــ (۱۱ : ۲۲)

(۴) منافق منہ سے اقرار کرتا ہے۔ دل سے نہیں ـــــ (۱-۴ : ۶۳)۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان منافق)

قرآن پر اور رسول اللہ پر ایمان

(۱) قرآن سے انکار کرنا فسق ہے ـــــ (۹۹ : ۲)

(۲) قرآن اہلِ ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ـــــ (۵۲ : ۷) ـــــ (۷۷ : ۲۷)

(۳) نبی اکرمؐ ایمان لانے والوں کے لئے بشیر و نذیر ہیں ـــــ (۱۸۸ : ۷)

(۴) رسول اللہ کو قانونِ خداوندی کی تائید اور جماعتِ مومنین کی رفاقت حاصل تھی اور یہ دونوں چیزیں کامیابی کے لئے کافی تھیں ـــــ (۶۴-۶۲ : ۸)

(۵) رسول، مومنین کی بات پر اعتماد کرتے تھے اور ان کے لئے باعثِ رحمت تھے ـــــ (۶۱ : ۹) ـــــ (۱۲۸ : ۹)

(۶) رسول اللہ کی شدتِ آرزو کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہ لائے ـــــ (۱۰۳ : ۱۲)

(۷) قرآن، مومنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے ـــــ (۱۱۱ : ۱۲) ـــــ (۸۲ : ۱۷)

(۸) رسول اللہ کے ذاتی مشورہ اور وحی کی رو سے حکم میں فرق۔ حضرت زیدؓ کا واقعہ ـــــ (۳۷ : ۳۳)

(۹) رسول اللہ کے لئے مومنین سے الگ خصوصی احکام ـــــ (۵۰ : ۳۳)

(۱۰) تمام انبیاءؑ، مومنین تھے ـــــ (۲۸۵ : ۲) ـــــ (۱۳۲ ؛ ۱۱۱ ؛ ۸۱ : ۳۷) ـــــ (۱۵ : ۴۲)

(۱۱) رسول اللہ کی درد بھری پکار کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے ـــــ (۸۸ : ۴۳)

(۱۲) جو محمدؐ پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے ـــــ (۲ : ۴۷)

(۳۱) قرآن پر ایمان نہ لانے سے اعمال غارت ہوجاتے ہیں ـــ (۹ : ۷۴)

مومنین کی صفات وخصوصیات

یوں تو قرآنِ کریم کی جس قدر تعلیم ہے، ایک مردِ مومن اس کا زندہ پیکر ہوتا ہے لیکن قرآن کریم نے بعض مقامات پر مومنین کی صفات وخصوصیات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ مختصر طور پر یوں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی جن صفات کا تعلق اس کی لامحدودیت سے ہے (مثلاً ھوالاول والآخر) ان کے علاوہ، اس کے اسماء الحسنیٰ کی جھلک، حدودِ بشریت کے اندر، مومن میں پائی جاتی ہے، ان کے علاوہ، ایسی خصوصیات بھی جن کا تعلق انسان سے ہے، خدا اس میں شریک نہیں ہوسکتا (مثلاً عصمت کی حفاظت)۔ ذیل میں ان مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں مومنین کی صفات کا خصوصی بیان آیا ہے۔ ان صفات میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

(۱) صابرین (ثبات واستقامت کے پیکر) ـــ (۱۶ : ۳)۔ خود استقامت پذیر اور دوسروں میں استقامت پیدا کرنے والے ـــ (۲ : ۱۵۵) ـــ (۳ : ۱۹۹) ـــ (۱۳ : ۲۲) ـــ (۲۲ : ۳۵) ـــ (۳۳ : ۳۵)

(۲) صادقین۔ اپنے دعوائے ایمان کو عمل سے سچ کر دکھانے والے ـــ (۱۶ : ۳) ـــ (۳۵ : ۳۳)۔ صدیق ـــ (۱۹ : ۵۷)

(۳) قانتین۔ اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کرنیوالے ـــ (۱۶ : ۳) ـــ (۳۵ : ۳۳) ـــ (۵ : ۶۶)

(۴) منفقین۔ اپنی دولت اور سامانِ زیست کو ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کھلا رکھنے والے۔ ـــ (۱۶ : ۳) ـــ (۳ : ۸) ـــ (۱۳ : ۲۲) ـــ (۲۲ : ۳۵) ـــ (۲۸ : ۵۴) ـــ (۴۲ : ۳۸)

سرّاً وعلانیہ انفاق کرنیوالے ـــ (۲ : ۲۷۴) ـــ (۱۳ : ۲۲) ـــ (۱۴ : ۳۱) ـــ (۳۵ : ۲۹) ـــ (۱۶ : ۷۵)

(۵) مستغفرین بالاسحار۔ ہر پروگرام کو شروع کرتے وقت، قوانینِ خداوندی کے مطابق سامانِ حفاظت طلب کرنیوالے ـــ (۱۶ : ۳) ـــ (۱۸ : ۵۱)

(۶) اولوالعلم، صاحبانِ علم وبصیرت ـــ (۱۷ : ۳)

(۷) قائماً بالقسط۔ انصاف قائم کرنیوالے ـــ (۱۷ : ۳)۔ جھوٹ اور فریب کی شہادت نہ دینے والے۔ (۲۵ : ۷۲)۔ شہداء، یعنی ایمان کے نگران ـــ (۴ : ۱۳۵) ـــ (۱۹ : ۵۷) ـــ (۳۳ : ۷۰)۔

ماپ تول میں پورے اترنے والے ـــ (۶ : ۱۵۳)

(۸) اولوالالباب۔ صاحبانِ عقل و فکر ۔۔(۱۸۹ : ۳) ۔۔ (۱۹ : ۱۳)۔ آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی بہرے اندھے بن کر نہ جھکنے والے ۔۔ (۷۳ : ۲۵)

(۹) کارگہِ کائنات میں غور و فکر کرنے والے ۔۔(۱۹۰ : ۳)

(۱۰) ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھنے والے۔ باہمی مل کر سامانِ حفاظت کرنیوالے ۔۔(۱۹۹ : ۳)

(۱۱) مومنوں کے سامنے جھکنے والے۔ مخالفین کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ۔۔ (۵۴ : ۵) ۔۔(۲۹ : ۴۸)

(۱۲) مجاہدین فی سبیل اللہ۔ یعنی حق و صداقت کی راہ میں مسلسل جدوجہد کرنے والے ۔۔ (۵۴ : ۵)

(۱۳) حق کی حمایت میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے ۔۔ (۵۴ : ۵)

(۱۴) جب قوانینِ خداوندی کا مجموعی ذکر سامنے آئے تو ان کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے لرزاں و ترساں۔ اور جب تفصیلی قوانین سامنے آئیں تو ان کی اطاعت میں خواہ کتنی ہی دشواریاں پیش آئیں، ان سے انکا ایمان بڑھ جاتا ہے ۔۔ (۲ : ۸) ۔۔ (۳۵ : ۲۲) ۔۔ (۳۵ : ۳۳)

(۱۵) قوانینِ خداوندی کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ (توکل) رکھنے والے ۔۔ (۲ : ۸)

(۱۶) نظامِ صلوٰۃ قائم کرنے والے ۔۔(۳ : ۸) ۔۔ (۲۰ : ۱۳) ۔۔ (۳۵ : ۲۲)۔ صلوٰۃ (فرائضِ منصبی کی ادائیگی) میں جھک جانے والے ۔۔ (۲ : ۲۳)۔ صلوٰۃ کی حفاظت کرنے والے ۔۔ (۹ : ۲۳) ۔۔ (۳۸ : ۴۲) ۔۔ (۲۳۔۲۲ : ۷۰) ۔۔ (۳۴ : ۷۰)

(۱۷) وہ جنہوں نے اپنی جان اور مال خدا کے ہاتھوں بیچ دیا ہے ۔۔ (۱۱۱ : ۹)

(۱۸) ضرورت پڑنے پر کفن بدوش میدانِ جنگ میں اتر آنے والے ۔۔ (۱۱۱ : ۹)

(۱۹) تائبون۔ جہاں سے غلط قدم اٹھ جائے، وہیں واپس آکر صحیح راستے پر چل پڑنیوالے ۔(۱۱۲ : ۹)۔(۶۶ : ۵)

(۲۰) عابدون۔ قوانین و احکامِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرنیوالے ۔۔ (۱۱۲ : ۹) ۔۔ (۶۶ : ۵)

(۲۱) سائحون۔ سیاحت کرنے والے۔ تاکہ اس طرح نظامِ فطرت اور احوال و کوائفِ امم عالم سے واقفیت حاصل ہو ۔۔ (۱۱۲ : ۹) ۔۔ (۶۶ : ۵)

(۲۲) راکعون، ساجدون۔ احکامِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے اور اطاعت گزاری میں انتہا تک پہنچنے والے ۔۔ (۱۱۲ : ۹)

(۲۳) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے۔ یعنی ایسا نظام قائم کرنے والے جس میں وہ قوانین و احکام نافذ

ہوں جنہیں قرآن پسندیدہ قرار دے۔ اور ان سے روکنے والے جنہیں وہ معیوب ٹھہرائے —(۱۰۹ و ۱۰۳ : ۳)

—(۱۱۲ ؛ ۶۷ —۷۱ : ۹)۔ یہ مردوں اور عورتوں دونوں کا فریضہ قرار دیا گیا ہے —(۷۲–۷۱ : ۹)

(۲۴) حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے یعنی قوانینِ خداوندی کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے زندگی بسر کرنیوالے —(۱۱۲ : ۹)

(۲۵) خدا کے ساتھ جو عہد کیا ہے اسے پورا کرنے والے —(۲۰ : ۱۳)

(۲۶) جنہیں ملانے کا خدا نے حکم دیا ہے انہیں ملانیوالے یعنی انسانوں کی عالمگیر برادری بنانیوالے —(۲۱ : ۱۳)

(۲۷) خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل سے ڈرنے والے۔ یعنی اس کا احساس رکھنے والے کہ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ مرتب ہو کر رہیگا —(۲۰ : ۱۳)

(۲۸) برائی کو بھلائی سے دور کرنیوالے۔ ناہمواریوں کو ہمواریاں پیدا کر کے مٹانے والے —(۲۲ : ۱۳)—(۵۴ : ۲۸)

(۲۹) جن کے دلوں کو قوانینِ خداوندی کے احساس اور ان پر عمل کرنے سے اطمینان حاصل ہوتا ہے —(۲۸ : ۱۳)

(۳۰) لغویات سے پرہیز کرنے والے —(۳ : ۲۳)—(۷۲ : ۲۵)—(۵۵ : ۲۸)

(۳۱) زکوٰۃ کا انتظام کرنیوالے یعنی نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانے والے —(۴ : ۲۳)

(۳۲) عصمت کی حفاظت کرتے والے —(۱۵۲ : ۶)—(۶–۴ : ۲۳)—(۳۰ : ۲۴)—(۶۸ : ۲۵)

(۳۵ : ۳۳)—(۳۰–۲۹ : ۷۰)

(۳۳) معاہدات و امانات کی حفاظت کرنیوالے —(۳۴ : ۱۷)—(۸ : ۲۳)—(۳۳ : ۷۰)

(۳۴) اوچھے پن سے تکبر نہ کرنے والے —(۶۳ : ۲۵)

(۳۵) ناواقفوں کی بھی سلامتی کے آرزومند —(۶۳ : ۲۵)

(۳۶) اسراف اور بخل دونوں سے بچنے والے —(۶۷ : ۲۵)

(۳۷) قوانینِ خداوندی کے علاوہ اور کسی کا اقتدار تسلیم نہ کرنے والے —(۶۸ : ۲۵)

(۳۸) کسی کی جان کو ناحق تلف نہ کرنے والے —(۶۸ : ۲۵)

(۳۹) ان لوگوں کی امامت (لیڈرشپ) کے سزاوار جو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچنا چاہیں —(۷۴ : ۲۵)

(۴۰) زندگی کو سنجیدگی سے نباہنے والے۔ اس سے شاعری نہ کرنے والے —(۲۲۵–۲۲۴ : ۲۶)

(۴۱) ظالم کی کلائی مروڑ دینے والے —(۲۲۷ : ۲۶)۔ ظلم کا بدلہ لینے والے —(۴۱–۳۹ : ۴۲)

(۴۲) جُہلا سے نہ اُلجھنے والے ——— (۷ : ۱۹۹) ——— (۲۸ : ۵۵)

(۴۳) جہاں قوانینِ خداوندی روک دیں، وہیں رک جانے والے (صابئین) ——— (۳۵ : ۳۳)

(۴۴) ذاکرین۔ قوانینِ خداوندی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے والے ——— (۳۵ : ۳۳)

(۴۵) متصدقین، دوسروں کی ضرورت کو اپنے پر ترجیح دینے والے ——— (۳۵ : ۳۳) ——— (۹ : ۵۹)

(۴۶) کبائر الاثم اور فواحش سے بچنے والے ——— (۴۲ : ۳۷) ——— (۳۲ : ۵۳)

(۴۷) غصے میں بھی تخریب کے بجائے، حفاظت کا انتظام کرنیوالے ——— (۴۲ : ۳۷)۔ اس زاید قوت کو دوسری طرف لوٹا دینے والے ——— (۳ : ۱۳۳)

(۴۸) خدا کے ہر قانون اور حکم پر لبیک کہنے والے ——— (۴۲ : ۳۸)

(۴۹) اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنیوالے ——— (۴۲ : ۳۸)

(۵۰) مجرم کو اس کے کئے کی سزا دینے والے۔ البتہ جو اپنے کئے پر نادم ہو اور اس میں اصلاح کی گنجائش ہو، اسے معاف کر دینے والے ——— (۴۲ : ۴۱)

(۵۱) ناحق بغاوت اور سرکشی نہ کرنے والے ——— (۴۲ : ۴۲)

(۵۲) باہمی تمسخر نہ کرنے والے۔ ایک دوسرے کے برے برے نام نہ رکھنے والے۔ بدظنی سے بچنے والے۔ خواہ مخواہ دوسرے کے معاملات میں تجسس نہ کرنے والے۔ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنیوالے ——— (۴۹ : ۱۱)

(۵۳) جن کے مال و دولت میں تمام ضرورت مندوں اور محتاجوں کا حق ہے ——— (۵۱ : ۱۹) ——— (۷۰ : ۲۴-۲۵)

(۵۴) یونہی اپنے آپ کو مقدس نہ بناتے اور جتاتے پھرنے والے ——— (۵۳ : ۳۲)

(۵۵) اپنے بھائیوں کی طرف سے دلوں میں کینہ نہ رکھنے والے ——— (۷ : ۴۳) ——— (۵۹ : ۱۰)

(۵۶) جو کچھ اپنے اوپر واجب قرار دے لیا ہو اسے پورا کرنے والے ——— (۷۶ : ۷)

(۵۷) یتیموں اور اسیروں کے سامانِ زیست کا انتظام کرنے والے ——— (۷۶ : ۸)

(۵۸) کسی کو کچھ دے کر معاوضہ تو ایک طرف شکریہ تک کی بھی تمنا نہ کرنے والے ——— (۷۶ : ۹)

(۵۹) ایک دوسرے کو استقامت اور حق پرستی کی تلقین کرنے والے ——— (۱۰۳ : ۳)

(۶۰) لوگوں سے درگذر کرنیوالے، آگے بڑھ جانیوالے۔ یعنی یہ نہیں کہ جس قسم کا سلوک کوئی ان سے کرے اسی قسم کا سلوک یہ اس سے کریں۔ یہ ہمیشہ اپنے اصولوں کے مطابق کام کرینگے۔ دوسرے انکے ساتھ

کچھ ہی کیوں نہ کریں)۔ عافین عن الناس سے یہی مراد ہے ——(۱۳۳ ، ۳)

(۶۱) کبھی لغزش ہوجاتے تو فوراً قانونِ خداوندی کو سامنے لے آنے والے ——(۱۳۴ : ۳)۔ اور اپنی لغزشوں کے مضرات سے بچنے کے لئے حفاظت کا سامان کرنے والے ——(۱۳۴ : ۳)۔

(۶۲) مومنین کفار کو دوست نہیں بناتے ——(۲۷ : ۳)——(۱۴۴ : ۴)——(۵۷ : ۵)——(۲۲ : ۵۸)——
(۹—۱ : ۶۰)

(۶۳) حق کے مطابق عدل کرنیوالے۔ یعنی ان کے قوانین قرآن کریم (حق) پر مبنی ہوتے ہیں اور انہی قوانین کے مطابق وہ متنازعہ فیہ امور کے فیصلے کرتے ہیں ——(۱۸۱ : ۷)

(۶۴) اچھے کاموں میں سبقت کرنیوالے ——(۶۱—۵۷ : ۲۳)

(۶۵) قانون کے معاملہ میں کسی سے نرمی نہیں برتتے ——(۲ : ۲۴)

(۶۶) اپنی مجالس میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھنے والے ——(۱۱ : ۳۸)

(۶۷) مومن، بہترین قوم کے افراد ہیں جسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔(۱۴۳:۲)—(۱۰۹:۳)

(۶۸) مومن جب تک خود تحقیق نہ کرلے، کسی بات کے پیچھے نہیں لگتا——(۳۶ : ۱۷)

(۶۹) مومن' دوسروں کے لئے اذیت کا موجب نہیں بنتا ——(۵۸ : ۳۳)

(۷۰) مومن سب بھائی بھائی ہیں——(۴۹ : ۱۰)۔ آپس میں نہایت نرم دل اور غمگسار ——(۲۹ : ۴۸)
عبدِ مومن آزاد مشرک سے بہتر ہے ——(۲۲۱ : ۲)

(۷۱) رفتار وگفتار میں میانہ روی اختیار کرنے والے ——(۱۹ : ۳۱)

(۷۲) لوگوں کے ساتھ بے رخی نہ برتنے والے ——(۱۸ : ۳۱)

(۷۳) صاف، سیدھی اور دوٹوک بات کرنے والے ——(۷۰ : ۳۳)

(۷۴) جوکچھ زبان سے کہیں اسے کرکے دکھانے والے ——(۳—۲ : ۶۱)

(۷۵) دنیا کی ہر شے اور ہر رشتے کے مقابلہ میں ایمان اور جہاد کو عزیز رکھنے والے ——(۲۴:۹)

(۷۶) مومن کسی مومن کو عمداً قتل نہیں کرتا ——(۹۳—۹۲ : ۴)

(۷۷) خدا اور رسول (نظامِ مملکتِ اسلامی) کے فیصلہ کے بعد' مومن کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔(۳۶:۳۳)

(۷۸) قومیں دنیا میں دو ہی ہیں۔ مومن اور کافر——(۲ : ۶۴)

(۷۹) مومن اور فاسق کبھی برابر نہیں ہو سکتے ـــــ (۱۸ : ۳۲)

مہاجرین اور انصار مومنِ حقّا تھے ـــ (۷۴ : ۸)۔ دوسرے مومن بھی جو ان خصوصیات کے حامل ہوں ـــ (۴ ـــ ۲ : ۸)

(۸۱) آپس میں حسنِ ظن سے کام لینے والے ـــ (۱۲ : ۴۹)۔ باہمی بھائی بھائی ہیں ـــ (۱۰۳ : ۳) ـــ (۴۷ : ۱۵) ـــ (۱۰ : ۴۹)

(۸۲) مومن اعلون (سب پر غالب) ہوتے ہیں ـــ (۱۳۹ : ۳)۔ ان پر کفار کبھی غالب نہیں آ سکتے ـــ (۱۴۱ : ۴)

(۸۳) سبیل المومنین کا اتباع کرنا چاہیئے ـــ (۱۱۵ : ۴)

(۸۴) تفریق بین المومنین کفر ہے ـــ (۱۰۷ : ۹)

(۸۵) خدا اور مومنین کا معاہدۂ بیع و شریٰ ـــ (۱۱۲ ـــ ۱۱۱ : ۹)

(۸۶) مومنین کو مصائب سے محفوظ رکھنا خدا نے اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے ـــ (۱۰۳ : ۱۰) (۸۸ : ۲۱)
ان کی نصرت بھی ـــ (۴۷ : ۳۰)

(۸۷) رسول سے کہا گیا کہ جماعت مومنین کو اپنے سایۂ عاطفت میں رکھو ـــ (۸۸ : ۱۵) ـــ (۲۱۵ : ۲۶)

(۸۸) مومن، خدا اور رسول کی آواز پر لبیک کہتے ہیں ـــ (۵۱ : ۲۴)

(۸۹) مومنوں کے نزدیک نبیؐ ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھا ـــ (۶ : ۳۳)

(۹۰) مومنوں کی جامع صفات ایک ہی آیت میں ـــ (۳۵ : ۳۳)

(۹۱) اگر کبھی مومنوں کی دو پارٹیاں جنگ پر اتر آئیں تو ان میں صلح کرا دو ـــ (۹ : ۴۹)

(۹۲) عزت، سب اللہ، رسول اور مومنین کے لئے ہے ـــ (۸ : ۶۳)

نوٹ: قرآن کریم میں جہاں مومنوں کا ذکر آیا ہے ان میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ البتہ بعض مقامات پر مومنین اور مومنات دونوں بھی آتے ہیں مثلاً ـــ (۳۵ : ۳۳) ـــ (۵ : ۴۸) ـــ (۱۲ : ۵۷) وغیرہ۔

ـــــ (٥) ـــــ

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت المؤمن بھی آئی ہے ـــ (۲۳ : ۵۹)۔ اس کے معنی ہیں "امن کی ضمانت دینے والا"۔ اس صفتِ خداوندی کی رو سے، مومن تمام نوعِ انسان کو امن کی ضمانت دیتے ہیں۔ اسی لئے انہیں امۃ وسطًا ـ اور شہداء علی الناس وغیرہ بنایا گیا ہے ـــ (۱۴۳ : ۲) ـــ (۱۰۹ : ۳)

ـــــ (٥) ـــــ

ایمان کے لازمی نتائج

(۱) ایمان سے اختلافات مٹ جاتے ہیں. اس سے تمام انسان، امتِ واحدہ بن جاتے ہیں —(۲ : ۲۱۳)

(۲) ایمان کے معنی اجتماعی طور پر قرآن کے ساتھ وابستہ ہو جانا ہے. تفرقہ ایمان کی ضد ہے — (۳ : ۱۰۲-۱۰۳)

فرقہ بندی شرک ہے — (۳۰ : ۳۱)

(۳) ایمان کا لازمی نتیجہ اقوامِ عالم پر غالب آجانا ہے —(۳ : ۱۳۸)—(۴ : ۱۴۱)—(۵ : ۵۶)—(۸ : ۶۵-۶۶)

(۴۸ : ۲۲—۲۳)

استخلاف فی الارض — (۲۴ : ۵۵) یعنی اس دنیا میں اقتدار مملکت وحکومت۔

(۴) مومن، قوانینِ خداوندی کی حکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھتا ہے —(۳ : ۱۵۹)

(۵) ساحرینِ دربارِ فرعون کا ایمان لانا. جرأت وبیباکی کے مجسمے —(۷ : ۱۲۲-۱۲۶)—(۲۰ : ۷۲)

دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر — (۴۰ : ۲۸-۳۵)

(۶) اللہ مومنین کے ساتھ ہے —(۸ : ۱۹)

(۷) مومنین کی باہمی محبت والفت —(۸ : ۶۳ ؛ ۷۲)—(۹ : ۷۱-۷۲ ؛ ۱۱)—(۴۸ : ۲۹)—(۵۹ : ۱۰)

(۸) مومن صرف قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے ڈرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا —(۹ : ۱۳)

(۹) مساجد. یعنی نظامِ خداوندی کے مراکز — کی آبادی صرف مومن کر سکتے ہیں —(۹ : ۱۸)

(۱۰) مومن ہی جنگ میں نہ جانے کی اجازت نہیں مانگتے —(۹ : ۴۴). نہ بلا اجازت واپس جاتے ہیں —(۲۴ : ۶۲)

(۱۱) خدا نے مومنین کا جان ومال بعوض جنت خرید رکھا ہے —(۹ : ۱۱۱)—(۶۱ : ۱۰)، اسکی عملی شکل —(۴۸ : ۱۰)

(۱۲) جہاد کا حکم آنے سے مومنین کا ایمان بڑھ جاتا ہے —(۹ : ۱۲۴). قرآن کے ہر حکم سے —(۷۴ : ۳۱)

(۱۳) خدا مومنین کو تباہیوں سے محفوظ رکھتا ہے —(۱۰ : ۱۰۳). مومنین کی مدد کرنا خدا نے اپنے اوپر فرض قرار دے رکھا ہے —(۳۰ : ۴۷)—(۴۰ : ۵۱)

(۱۴) مومنین پر شیطان (انسان کے سرکش جذبات) کا غلبہ نہیں ہو سکتا —(۱۶ : ۹۹)—(۳۴ : ۲۰)

(۱۵) مومن کا شعار اطاعت ہے — (۲۴ : ۵۱—۵۲)

(۱۶) نبی، مومنین پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہے. اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں —(۳۳ : ۶)

(۱۷) خدا اور اس کے فرشتے مومنین پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں ـــــ (۴۳ : ۳۳)

(۱۸) مومن مردوں اور عورتوں کو بلا وجہ ستانا جرم ہے ـــ (۵۸ : ۳۳) ـ (۲۵ : ۴۸) ـ (۱۰ : ۸۵)

(۱۹) ایمان اور استقامت کا نتیجہ بے خوفی کی زندگی ہے ـــ (۱۳ : ۴۶)

(۲۰) دین کی کامیابی سے ایمان والوں کا ایمان بڑھتا ہے ـــ (۵ ـ ۴ : ۴۸)

(۲۱) رسول پر ایمان لانا اور اس کے مشن کے لئے تائید و تقویت کا موجب بننا مومنین کا شعار ہے۔(۹ ـ ۸ : ۴۸)

(۲۲) اگر مومن کبھی آپس میں جنگ کر بیٹھیں تو مرکز کو چاہیئے کہ ان میں صلح کرا دے ـــ (۱۰ ـ ۹ : ۴۹)

(۲۳) مومنین کے لئے جنت جس کی وسعت ارض و سما جتنی ہے ـــ (۲۱ : ۵۷)

(۲۴) رہبانیت مومنین کا شعار نہیں ـــ (۲۷ : ۵۷)

(۲۵) دنیا میں دو ہی گروہ ہیں ـــ مومن اور کافر ـــ (۲ : ۶۴)

(۲۶) مومن، طبقاً عن طبق ارتقائی مراحل طے کرتے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں ـــ (۱۹ : ۸۴)

(۲۷) تاریخ شاہد ہے کہ وحی کی روشنی کے بغیر انسان ہمیشہ خسارے میں رہا ہے۔ مومن خسارے میں نہیں رہتے۔(۳ ـ ۱ : ۱۰۳)

(۲۸) اگر اعراض برتو گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا ـــ (۵۴ : ۵) ـــ (۳۸ : ۴۷)

(۲۹) خدا نے تمہارے لئے ایمان پسند کیا ہے۔ اگر رسول اکثر معاملات میں تمہاری (منکرین کی) بات مان لے تو تم مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ ـــ (۷ : ۴۹)

(۳۰) جو مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں ان کا امتحان لے لیا کرو۔ اگر وہ واقعی مومن ہوں تو انہیں واپس کفار کی طرف نہ بھیجو ـــ (۱۰ : ۶۰)

(۳۱) مومن عورتوں کی بیعت ـــ (۱۲ : ۶۰)

(۳۲) ایمان باللہ سے قلب کو ہدایت مل جاتی ہے ـــ (۱۱ : ۶۴)

متفرقات

(۱) ایمان کے بجائے کفر خریدنے والا صحیح راستے سے دور جا پڑتا ہے ـــ (۱۰۸ : ۲)

(۲) دعائے ابراہیمی کہ ایمان لاتے والوں پر رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں ـــ (۱۲۶ : ۲)

(۳) رسول پہلے خود ایمان لاتا ہے پھر دوسروں کو دعوت دیتا ہے ـــ (۲۸۵ : ۲)

(۴) ایمان نہ لانے والا اپنے آپ کو تباہ کر لیتا ہے ۔۔۔(۲۰ : ۲۰)
(۵) ان کے خیالات کا اتباع مت کرو جو قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے ۔۔۔(۶ : ۱۵۱)
(۶) ایمان نہ لانے والے اپنے سرکش جذبات کا اتباع کرتے ہیں ۔۔۔(۷ : ۲۷)
(۷) ایمان نہ لانے سے اقوامِ سابقہ کی تباہی ۔۔۔ (۷ : ۲۷)
(۸) جب تک تباہی سامنے نہ آجائے لوگ صحیح بات ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے ۔۔۔
(۱۸ : ۵۵) ۔۔۔ (۲۶ : ۲۰۰)
(۹) لوگ اپنے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے غافل ہیں اس لئے ایمان نہیں لاتے ۔۔۔(۱۹ : ۳۹)
(۱۰) ایمان والوں کا تمسخر اڑانے والے جہنم میں ۔۔۔ (۲۳ : ۱۱۰)
(۱۱) باطل پر ایمان لانیوالے ۔ اللہ سے انکار کرنے والے ۔ نقصان اور تباہی میں ۔۔۔(۲۹ : ۵۲)
(۱۲) مسلم اور مومن کے الفاظ یکجا بھی آتے ہیں ۔۔۔ ایمان، حقائق کو صحیح تسلیم کر لینا ۔ اور اسلام، ان پر عملاً کاربند ہو جانا ہے ۔۔۔(۳۳ : ۳۵) ۔ اور الگ الگ بھی ۔۔۔(۴۹ : ۱۴)
اس آیت میں مسلم کا لفظ لغوی معنوں میں آیا ہے یعنی اسلامی مملکت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنیوالے ۔
(۱۳) خالص خدا کا ذکر کیا جائے تو کفار متنفر ہو جاتے ہیں ۔ ساتھ اوروں کو ملا دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں ۔۔۔(۳۹ : ۴۵-۴۴)
(۱۴) حاملینِ عرش، خدا پر ایمان رکھتے ہیں ۔۔۔(۴۰ : ۷)
(۱۵) مومن، غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے خائف رہتے ہیں ۔۔۔(۴۲ : ۱۸)
(۱۶) بدوی قبائل (جنات) کا ایمان لانا ۔۔۔(۳۳ : ۴۶) ۔۔۔(۷۲ : ۱-۳)
(۱۷) اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ ۔۔۔(۶۶ : ۶)
(۱۸) حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی غیر مومن بیویاں ۔ فرعون کی ایمان دار بیوی ۔۔۔(۶۶ : ۱۰-۱۱)
(۱۹) اہلِ جہنم خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے ۔۔۔(۶۹ : ۳۳)
(۲۰) بہت تھوڑے لوگ ایمان لاتے ہیں ۔۔۔ (۶۹ : ۴۱)

(۰)

۹۲۔ ایّوبؑ

ایّوب حضرت اسحٰقؑ کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یعقوبؑ اور عیسو۔ عیسو اپنے چچا حضرت اسمٰعیلؑ کے ہاں چلے گئے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کرلی۔ ان کی متعدد اولادیں ہوئیں جن میں سے عمالیق اور عوض مشہور ہیں۔ حضرت ایوبؑ، قبیلۂ عوض سے متعلق تھے۔ تورات میں سفرِ ایوب انہی کی طرف منسوب ہے۔ یوباب، اوب اور ایوب ایک ہی نام ہے۔ قرآن کریم نے آپ کی زندگی کا صرف ایک ہی واقعہ بیان کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک تکلیف میں مبتلا ہوگئے لیکن انہوں نے اسے نہایت تحمل اور استقامت سے برداشت کیا۔ اور اس زمانے کے عام رواج کے مطابق جھاڑ پھونک کے شرک آمیز توہمات سے ہٹ کر قاعدے اور قانون کے مطابق اپنی تکلیف (سانپ کاٹے) کا علاج کیا۔

(۰)

(۱) حضرت ایوبؑ کا ذکر زمرۂ انبیاءؑ میں آیا ہے ــــ (۴ : ۱۶۳)ــ(۶ : ۸۵)

(۲) حضرت ایوبؑ ایک تکلیف میں مبتلا ہوگئے اور آپ کے اہل و عیال اور ساتھی آپ سے جدا ہوگئے۔ آخر الامر یہ تکلیف بھی رفع ہوگئی اور رفقاء بھی مل گئے۔ آپ بہترین اطاعت گذار بندے تھے۔ (۲۱ : ۸۴)

(۳) یہ تکلیف سانپ کے ڈسنے سے ہوگئی تھی۔ اس کے لئے آپ کی راہ نمائی ایک ایسے چشمے کی طرف کی گئی جس میں (غالباً) معدنی اثرات تھے۔ نیز آپ کو بتایا گیا کہ وہ کس طرح اس کا علاج جڑی بوٹیوں سے کریں اور مشرکانہ توہم پرستیوں سے بچیں ــــ (۴۴ــ۴۱ : ۳۸)

انسانی تمدن کے ابتدائی زمانے میں، انسانی ضروریات کی معمولی معمولی باتیں بھی وحی کے ذریعے بتائی جاتی تھیں (جیسے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانا بھی وحی کے ذریعے سکھایا گیا تھا) حضرت ایوبؑ کا منصبِ رسالت، توہم پرستی کو مٹا کر لوگوں کو خدا کے قوانین کی طرف رجوع کرنے کی دعوت معلوم ہوتی ہے۔

(۰)

ب

۱۔ بابل

<u>بابل</u> قدیم کلدانی تہذیب کا مرکز، بابل تھا۔ یہودیوں کے ہاں سحر و کہانت کے جو افسانے مشہور تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ بابل میں دو فرشتے — ہاروت و ماروت — لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ سب ان لوگوں کے ذہن کے تراشیدہ افسانے ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں — (۲ : ۱۰۲)۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ اسی ایک مقام پر آیا ہے۔

(۰)

۲۔ بارش

(نیز دیکھئے۔ رزق)

<u>بارش</u>۔ زندگی کا مدار پانی پر ہے — (۲۱ : ۳۰)۔ اس لئے جس خدا نے زندگی عطا کی ہے اس نے پانی کا ایسا انتظام کیا ہے کہ وہ بلا مزد و معاوضہ حاصل ہوتا ہے۔ اسے پیا بھی جاتا ہے اور اسی سے فصلیں اگتی ہیں

اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ زمینِ مردہ کو اس سے حیات نَو ملتی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے بارش اور پانی کا ذکر مختلف انداز سے کیا ہے۔ اور بکثرت کیا ہے۔ کہیں براہِ راست اس کے فوائد کو سامنے لاکر اور کہیں اس کی مثالوں سے اہم حقائق کو واضح کرنے کے لئے۔ بالخصوص قانونِ مکافاتِ عمل کی وضاحت کے لئے جس طرح زمین کو اپنی صلاحیتوں کی نمود کے لئے آسمانی پانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسان کو اپنی ذات کی نمود اور نشو ونما کے لئے آسمانی راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ آسمان سے بارش تو یکساں ہوتی ہے لیکن ہر زمین اپنی اپنی صلاحیت اور ظرف کے مطابق اس سے متمتع ہوتی ہے۔ زمین کی صلاحیت سے نفع یاب ہونے کے لئے کسان کو محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ محنت کے بعد تخم ریزی کا مرحلہ سامنے آتا ہے جس قسم کا بیج بویا جائے گا اسی قسم کی فصل پیدا ہوگی۔ پھر بیج بونے اور فصل پکنے میں ایک مہلت کا وقفہ ضروری ہے۔ ان مثالوں سے قانونِ مکافاتِ عمل کی پوری پوری وضاحت ہوجاتی ہے۔ نیز' اسی سے حیات بعدالممات کا تصور نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور قوموں کی موت اور حیات کا فلسفہ بھی۔ ان تمام نکات کو قرآنِ کریم میں بارش کی مثالوں سے اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ ان سے ایک عام آدمی بھی بات سمجھ سکتا ہے اور ایک بلند پایہ مفکر اور سائنس دان بھی۔

——— (۰) ———

بارش سے رزق پیدا کیا

(۱) خدا بادلوں سے بارش برساتا ہے جس سے فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ تم خدائی اقتدار میں دوسروں کو شامل مت کرو۔ رزق کے سرچشموں کو انسانی اقتدار کے تابع رکھنے کے بجائے' انہیں قوانینِ خداوندی کے تابع رکھو۔ (۲ : ۲۲) — (۱۰۱—۱۰۰ : ۶) — (۳۲ : ۱۴) — (۱۱—۱۰ : ۱۶) — (۵۳ : ۲۰) — (۲۰—۱۸ : ۲۳) — (۱۰ : ۳۱) — (۲۷ : ۳۵) — (۱۳ : ۴۰)

(۲) آسمان سے پانی برسے اور زمین اسے اپنے اندر جذب کرے تو اس سے رزق حاصل ہوتا ہے —
(۳۱ : ۱۰) — (۶۴ : ۲۷) — (۳ : ۳۵)

بارش نعماءِ خداوندی میں سے ہے

(۱) قوموں کو فراوانی سے بارش برسا کر رزق عطا کیا لیکن انہوں نے اس کا استعمال صحیح نہ کیا تو تباہ ہوگئیں۔ (۶ : ۶)

(۲) قومِ ہود کی مثال ــــ (۵۳ : ۱۱)

(۳) قومِ نوح کی مثال ــــ (۱۱ : ۷)

بارش سے زمینِ مردہ زندہ ہو جاتی ہے

(۱) خدا بارش برساتا ہے تو اس سے زمینِ مردہ از سرِ نو زندہ ہو جاتی ہے ــــ (۱۶۴ : ۲) ــ (۶۵ : ۱۶) ــ (۶۳ : ۲۲) ــ (۴۹ : ۲۵) ــ (۲۴ : ۳۰) ــ (۲۷ : ۳۲) ــ (۵ : ۴۵)

(۲) بے حس زمین میں زندگی اور حرکت کی نمود ہو جاتی ہے جس سے تر و تازہ نباتات اُگتی ہے ــ (۵ : ۲۲)

(۳) زمینِ مردہ کی زندگی سے حیات بعد الممات پر دلیل ــ (۵۷ : ۷) ــ (۴۸-۵۲ : ۳۰) ــ (۹ : ۳۵) ــ (۱۱ : ۴۳) ــ (۱۱ : ۵۰)

زندگی بقدرِ صلاحیّت

(۱) آسمان سے بارش تو ساری زمین پر ایک جیسی ہوتی ہے لیکن ہر ایک قطعۂ اراضی اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتا ہے۔ اچھی زمین سے اچھی فصل اُگتی ہے، خراب سے ناقص۔ اسی طرح انسان اپنی اپنی سعی و کاوش کے مطابق آسمانی راہ نمائی سے نفع یاب ہوتے ہیں ــــ (۵۸ : ۷)

(۲) بارش ہوتی ہے تو ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق اپنے اندر پانی لے لیتے ہیں ــــ (۱۷ : ۱۳)

(۳) بارش تو ایک جیسی ہوتی ہے لیکن اس سے زمین سیراب ہوتی ہے اور خس و خاشاک بہ جاتے ہیں۔ باقی وہ رہتا ہے جو نوعِ انسانی کے لئے نفع بخش ہو ــــ (۱۷ : ۱۳)

امید و بیم مخلوط

(۱) انسانی صلاحیتوں کی نمود اور اس کی ذات کی نشو و نما ٹکراؤ سے ہوتی ہے۔ اس لئے ہجومِ مخالفت اور نامساعدتِ حالات میں ایک پہلو خیر کا بھی مضمر ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ نامساعد حالات سے مایوس نہ ہو بلکہ اس معاملہ کے خیر کے پہلو کو سامنے رکھے جس بادل میں بجلی چمکتی ہے اسی سے بارانِ رحمت بھی ہوتا ہے ــــ (۱۲ : ۱۳)۔ بجلی اسی کو تباہ کرتی ہے جو اپنا آشیانہ اسکی

زو میں بناتا ہے ۔۔۔ (۱۳ : ۱۳) ۔۔۔ (۳۰ : ۲۴)

(۲) اسی بادل سے مینہ برستا ہے اور اسی سے اولے۔ جو اپنے لئے سامانِ حفاظت مہیا نہیں کرتا، اولے اس کو نقصان پہنچا دیتے ہیں ۔۔۔ (۲۴ : ۴۳)

(۳) انتہائی مایوسی کے عالم میں ابرِ رحمت آجاتا ہے ۔۔۔ (۴۲ : ۲۸)

ہوائیں بارش کی پیامبر ہوتی ہیں

(۱) بارش سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ اسی طرح صحیح نظامِ زندگی کے حیات بخش نتائج کے محسوس طور پر سامنے آنے سے پہلے ان کے آثار نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ (۷ : ۵۷)۔(۳۰ : ۴۶، ۴۸)

حیاتِ ارضی کی مثال

ہر کھیتی جو اُگتی ہے اس کی ایک میعاد ہوتی ہے۔ اس میعاد کے بعد وہ پھل دے دیتی ہے (اور بعض اوقات ویسے ہی چُرمُر ہو جاتی ہے)۔ دونوں صورتوں میں، اُس مدت کے بعد، اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ زندگی کا ایک نظریہ یہ ہے (جو باطل ہے) کہ زندگی اِسی دنیا کی زندگی ہے۔ موت کے ساتھ انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا نظریہ (جو حق ہے) یہ ہے کہ زندگی موت کے بعد بھی مسلسل آگے جاتی ہے۔ پہلے نظریہ کے مطابق، دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت کھیل تماشے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یا اس کھیتی سے زیادہ نہیں جو ایک وقت کے بعد چُرمُر ہو جاتی ہے ۔۔۔ (۱۰ : ۲۴)۔(۱۸ : ۴۵)

نظامِ ربوبیّت

زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے، اس کے ذرائع میں، نوّے فیصد سے زیادہ خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ عطا کردہ ہوتے ہیں اور دس فیصد انسان کی محنت ہوتی ہے۔ انسان اپنی محنت کے معاوضہ کا حقدار ہے لہٰذا، وہ ان ذرائع کا مالک نہیں بن سکتا۔ انہیں خدا نے نوعِ انسان کی ربوبیت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس مقصد کے لئے انہیں کھلا رہنا چاہیئے۔

(۱) پانی خدا کی طرف سے برستا ہے۔ زمین اسے جذب کر لیتی ہے۔ خدا چاہتا تو ایسا بھی کر سکتا تھا کہ پانی زمین

پر ٹھہرتا ہی نہ ــــ (۲۳ : ۱۸)

(۲) یا بارش کا پانی بھی سمندر کے پانی کی طرح کھاری ہوتا تو کسی کام بھی نہ آسکتا ــــ (۷۰-۶۸ : ۵۶)

(۳) یا زمین میں جذب ہونے کے بعد نیچے ہی نیچے چلا جاتا تو جاری پانی کا وجود ہی نہ رہتا ــــ (۶۷ : ۳۰)

(۴) پانی کو ایسی شکل میں برسانا کہ اس سے فصلیں اگیں، خدا ہی کا پروگرام ہے ــــ (۳۱-۲۵ : ۸۰) سمندر کے کھاری پانی سے صاف پانی کے بخارات اوپر اٹھتے ہیں۔ وہی بادل بن کر، دوش ہوا پر اڑتے ہیں اور بارش بن کر برستے ہیں ــــ (۲۲ : ۱۵)

(۵) ضرورت سے زیادہ پانی، پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی شکل میں جمع رہتا ہے۔ اور پھر گرمیوں میں بقدر ضرورت پگھل پگھل کر میدانوں میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی خدا ہی کے پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔

(۲۲ : ۱۵)

(۶) بارش خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق ہوتی ہے ــــ (۵۸-۵۷ : ۷) ــــ (۳۴ : ۳۱)۔ اسی کو علمِ خداوندی کہا گیا ہے ــــ (۳۴ : ۲) ــــ (۵۷ : ۴)

کائنات میں خدا کا قانون لیکن ......

ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ خارجی کائنات میں تو خدا کا قانون جاری و ساری ہے لیکن انسان اپنی دنیا میں وحی کا محتاج نہیں۔ یہ اپنے معاملات اپنی عقل کی رو سے حل کر سکتا ہے۔ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر اس نظریہ کی تردید کی ہے۔ مثلاً

(۱) ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان سے رزق کون دیتا ہے تو یہ کہہ دینگے کہ اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ تم اپنی زندگی میں اس کے قوانین کی نگہداشت کیوں نہیں کرتے؟ ــــ (۱۰ : ۳۱) ــــ (۶۳ : ۲۹)

ــــ (۰) ــــ

۳۔ باطل

(نیز دیکھئے۔ حق)

باطل۔ (ب۔ ط۔ ل)۔ قرآن کریم میں حق کے مقابلہ میں باطل آیا ہے۔ اس لئے باطل کا پورا پورا

مفہوم سمجھنے کے لئے عنوان حق کا دیکھنا ضروری ہے۔ یعنی ہر وہ نظریہ، تصور یا کام جو حق نہیں وہ باطل ہے۔ حق کے معنی ہیں۔ (۱) کسی چیز کا ٹھوس، واقعہ یا حقیقت بن کر سامنے آنا۔ اس کے مقابلہ میں باطل وہ ہے جو محض ذہن یا قیاس ہی میں موہوم صورت میں رہے اور مبنی برحقیقت نہ ہو۔ (۲) حق کے معنی تعمیری نتائج کے ہیں۔ اس لئے باطل کے معنی ہوں گے وہ نظریہ یا تصور جس کے نتائج تخریبی ہوں۔ یا جس کے نتائج انسان کے حسبِ توقع نہ نکلیں۔ اسے "اعمال کا رائیگاں جانا" کہتے ہیں۔ (۳) حق کے معنی ہیں ایسا نظریہ جو قانونِ حفظ و بقا کے مطابق ہو۔ لہٰذا، باطل وہ ہوگا جو اس قانون کے مطابق نہ ہو اور علم وعقل، عدل و انصاف اور تجربہ و مشاہدہ کے کسی اصول پر پورا نہ اترے، نہ ہی کسی صحیح تقاضے کو پورا کرے۔ (۴) حق، اٹل اور غیر متبدل محکم اور ثابت ہوتا ہے۔ باطل، ہر آن بدلنے والا اور آخر الامر مٹ جانیوالا ہوتا ہے۔ (۵) ہر مستقل قدر حق ہے جو ابدی صداقت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں باطل، انسانوں کی خود ساختہ اقدار و معیار ہیں جو نہ صداقت پر مبنی ہوتے ہیں اور نہ بقا ان کے نصیب میں ہوتی ہے۔ دین حق ہے، مذہب باطل۔

مشہور مغربی (جرمن) مفکر، ہیگل نے یہ فلسفیانہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ایک تصور (IDEA) سامنے آتا ہے۔ وہ بڑھتا، پھولتا، پھلتا ہے۔ جب وہ انتہائے عروج تک پہنچتا ہے تو اس میں سے ایک اور تصور برآمد ہوتا ہے جو پہلے تصور کی ضد ہوتا ہے۔ اس سے پہلا تصور مٹ جاتا ہے اور یہ دوسرا تصور اسی طرح بڑھتا، پھولتا، پھلتا ہے۔ جب یہ تصور اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو اس میں سے ایک اور تصور برآمد ہوتا ہے جو ان دونوں تصورات کی خصوصیات کا حامل لیکن ان کی ضد ہوتا ہے۔ یہی کچھ پھر اس کے ساتھ ہوتا ہے کائنات میں تصورات کی یہ کشمکش جاری و ساری ہے جس کی رُو سے بقا صفتِ تغیر کو ہے۔

مارکس نے اس نظریہ کو اپنایا اور کہا کہ یہ جدل اور کشمکش، تصورات میں نہیں۔ بلکہ نظامِ معیشت میں واقعہ ہوتی ہے۔ اور انسان کی ساری تاریخ اسی گردشِ دولابی کا نام ہے۔ (دیکھئے عنوان اضداد)

ہیگل کا اصلی فلسفہ ہو یا مارکس کا ترمیم شدہ نظریہ۔ دونوں کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا میں کوئی نظریہ یا تصور (یا نظام) حق پر مبنی، فلہٰذا، اٹل نہیں۔ قرآن کا دیا ہوا تصورِ حیات ان دونوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا نے جو اصولِ زندگی اور قوانین دیئے ہیں، وہ (اور ان پر مبنی نظامِ زندگی) حق ہیں۔ لہٰذا، اٹل اور غیر متبدل۔ ان کے مقابلہ میں انسانوں کے وضع کردہ نظریات اور نظامہائے حیات باطل ہیں۔ انسانوں کی مفاد پرستیاں، حق کے تصورات کا مقابلہ کرنے کے لئے باطل کے تصورات وضع کرتی ہیں۔

ان میں کشمکش ہوتی ہے۔ لیکن آخرالامر غلبہ اور کامیابی حق کے تصور کو ہوتی ہے۔ باطل شکست کھا کر راہ فرار اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ، انسانی معاشرہ میں مبنی برحق تصورات غالب آتے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان تصورات کا مقصود، تمام نوع انسان کی فلاح و بہبود ہوتا ہے، اور یہی قانونِ حفظ و بقا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ خدا نے اس سلسلۂ کائنات کو بالمقصد پیدا کیا ہے۔ یونہی عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا۔ یہ بالحق پیدا کی گئی ہے۔ باطل پیدا نہیں کی گئی کہ یونہی بے معنی جدلیات اور تغیرات کا چکر کاٹتی رہے۔

—— (۰) ——

کائنات باطل نہیں پیدا کی گئی

(۱) اربابِ عقل و بصیرت، سلسلۂ کائنات پر پورے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا نے اس سلسلہ کو باطل (بے مقصد، بیکار، تخریبی نتائج پیدا کرنے کے لئے) نہیں پیدا کیا — (۳:۱۹۰)

(۲) یہ تصور کہ کائنات باطل پیدا کی گئی ہے، انسانیت کو تباہیوں کی طرف لے جاتا ہے — (۳ : ۱۹۰)

(۳) یہ سلسلۂ کائنات کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا گیا۔ اسے ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جو تصورِ زندگی یا عملی پروگرام، اس مقصد کے راستے میں روک بنتا ہے، اس کا سر توڑ دیا جاتا ہے اور یہ کاروانِ حیات، اسے اپنی راہ سے ہٹاتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ —— (۲۱ : ۱۶-۱۸)

(۴) یہ تصور کہ کائنات کو باطل پیدا کیا گیا ہے، کفر ہے۔ اور اس کفر کا نتیجہ تباہی اور بربادی کا جہنم۔ (۳۸:۲۷)

کشمکش حق و باطل

(۱) باطل پرست، حق کے مقابلہ میں اپنے باطل تصورات لاتے ہیں۔ عملی نتائج کے اعتبار سے دونوں میں ٹکراؤ ہوتا ہے۔ حق کا نظریہ، باطل کا دماغ توڑ دیتا ہے اور یوں اسے میدان سے بھگا دیتا ہے۔ ایسے نظریات پیش کرنے والوں کا انجام تباہی ہوتا ہے —— (۲۱ : ۱۸)

(۲) باطل کو شکست اس لئے ہوتی ہے کہ اس میں استحکام اور بقا کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ اس پروگرام میں فٹ ہی نہیں بیٹھتا جو کائنات کو اس کی منزل تک لے جانے والا ہے —— (۱۷ : ۸۱)-(۱۸ : ۵۶)

(۳) حفظ و بقا کا اصول یہ ہے کہ جو نظریہ۔ جو پروگرام، تمام نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہوگا وہ

باقی رہے گا۔ چونکہ باطل کا نظریہ اس کی نقیض ہوتا ہے، وہ حق کے سیلاب سے خس وخاشاک کی طرح بہ جاتا ہے ـــ (۱۳ : ۱۷)

(۴) باطل، حق کے سامنے نہ ہونے کا نام ہے۔ جب حق اس کے سامنے آجاتے تو اس کا کوئی اثر ونشان تک باقی نہیں رہتا۔ جس طرح روشنی آجانے سے تاریکی کا نشان تک مٹ جاتا ہے، کیونکہ تاریکی روشنی کے نہ ہونے کا نام ہے ـــ (۳۴ : ۴۸-۴۹)

(۵) اس کشمکش میں جب حق کے مطابق فیصلہ ہو جاتا ہے تو حق کا ابطال کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔
(۴۰ : ۷۸) — (۴۵ : ۲۷)

(۶) خدا کا قانون یہ ہے کہ حق قائم رہے اور باطل مٹ جائے ـــ (۱۳ : ۳۹) — (۴۲ : ۲۴)

(۷) یہ فیصلہ (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی حق کا آخر الامر کامیاب ہونا اور غالب آنا) خدا کے کائناتی قانون کی رُو سے ہوتا ہے لیکن اس میں وقت بہت زیادہ لگتا ہے (کیونکہ خدا کے کائناتی قانون کا ایک دن، ہمارے حساب وشمار سے، ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے) اس فیصلہ کو جلدی سامنے لانے کے لئے، حق کی حامل جماعتیں باطل پرستوں کے مقابلہ میں نکل آتی ہیں تو یہی نتیجہ دنوں اور مہینوں میں سامنے آجاتا ہے۔ جیسا (مثلاً بدر کے میدان) میں ہوا ـــ (۸ : ۷-۸)

(۸) یہ لوگ حق کو شکست دینے کے لئے باطل کی جنگ کرتے ہیں ـــ (۱۸ : ۵۶) — (۴۰ : ۵)

(۹) مبطلون (باطل پرستوں) کا انجام ـــ (۷ : ۱۷۳) — (۴۰ : ۷۸) — (۴۵ : ۲۷)

باطل پرستوں کے اعمال

(۱) مفاد پرست گروہ بڑی کوشش کرتا ہے کہ ان کے نظریات کے مطابق نظامِ زندگی کامیاب رہے لیکن جب حق سامنے آجاتا ہے تو ان کی یہ تمام کوششیں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ یعنی ان کے حسب منشا نتیجہ مرتب نہیں کرتیں۔ چنانچہ قومِ فرعون کے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ یہی ہوا ـــ (۷ : ۱۱۸) — (۱۰ : ۸۱-۸۲)

(۲) اصنام پرستوں کا بھی یہی انجام ہوتا ہے کیونکہ اس سے شرفِ انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے ـــ (۷ : ۱۳۹)

(۳) جو لوگ اسی دنیا کی زندگی کو زندگی کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ موت کے ساتھ انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے، ان کی صنعت کاریاں بے نتیجہ رہ جاتی ہیں اور ان کے اعمال رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ یعنی انہیں

کامیابی تک نہیں لے جاتے۔ کامیابی اسی کی ہے جو زندگی کی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ اور وہ منزل بہت سے ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد آتی ہے۔ لہٰذا، مادی نظریۂ حیات یکسر باطل ہے۔ (۱۱ : ۱۵—۱۶)

کافر و مومن کا فرق

حق ہمیشہ وحی کی رُو سے ملتا ہے۔ اس کے برعکس، جو نظریہ، تصوّر، عقیدہ، رسم، نظام ذہنِ انسانی کا وضع کردہ ہوگا وہ باطل ہے — (مَا صَنَعُوْا — ۱۶ : ۱۱)۔ لہٰذا، مومن وہ ہیں جو حق کا اتباع کریں اور کافر وہ جو باطل کا اتباع کریں۔

کفارِ باطل کے ذریعے حق کے ساتھ جدل کرتے ہیں تاکہ حق کو زائل کر دیں۔ وہ قوانینِ خداوندی کو مذاق سمجھتے ہیں — (۱۸ : ۵۶) — (۴۰ : ۵)

(۲) کافر باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا سے انکار کرتے ہیں۔ یہ تباہ ہو جاتے ہیں — (۱۶ : ۷۲) — (۲۹ : ۵۲)

(۳) حق وہ ہے جو محمدؐ پر نازل ہوا ہے۔ مومن اس کا اتباع کرتے ہیں، کافر باطل کا اتباع کرتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کے خلاف جو کچھ بھی ہے باطل ہے اور اس کا اتباع کفر — (۴۷ : ۲—۳)

(۴) یہ نظریہ کہ دنیا یونہی بیکار پیدا کر دی گئی ہے، باطل ہے۔ لہٰذا، دنیا سے نفرت کا عقیدہ باطل پر مبنی ہے اور کفر ہے — (۱۹۲—۱۹۱ : ۳)

(۵) اپنی فاضلہ کمائی کو اپنے لئے مخصوص کر لینا اور اسے ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کھلا نہ رکھنا، نعمائے خداوندی سے انکار اور باطل پر ایمان ہے۔ لہٰذا باطل صرف غلط عقاید ہی کا نام نہیں، غلط نظام بھی اس کے اندر شامل ہیں — (۱۶ : ۷۱—۷۲) — (۲۹ : ۶۷)

(۶) باطل پرست حق سے انکار کرتے ہیں — (۲۹ : ۴۸) — (۳۰ : ۵۸)

حق، قرآن کے اندر ہے

(۱) حق صرف قرآن کے اندر ہے۔ غیر از قرآن جو کچھ ہے باطل ہے — (۴۷ : ۲—۳)۔ یعنی جو کچھ ذہنِ انسانی نے وضع کیا (مَا صَنَعُوْا) ہو وہ باطل ہے — (۱۱ : ۱۶)

(۲) قرآن محفوظ ہے اس لئے باطل اب اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا. یعنی اس میں ذہنِ انسانی کی آمیزش نہیں ہو سکتی ــــ (۴۲ــ۴۱ : ۴۱)

(۳) قانون صرف خدا کا ہے. اس کے علاوہ ہر دعوت باطل کی ہے ــــ (۶۲ : ۲۲)ــ(۳۰ : ۳۱)

تلبیسِ حق و باطل

حق (وحی) کے ساتھ کسی قسم کے انسانی خیالات کی آمیزش کر دینا، تلبیسِ حق و باطل ہے، ــ باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے ــ یہ نہیں کہ اس آمیزہ میں کچھ فیصد حق ہوتا ہے کچھ فیصد باطل. وہ سارا باطل ہو جاتا ہے. کیونکہ حق اس وقت تک حق ہوتا ہے جب اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو. دو اور دو چار حق ہے. دو اور دو ساڑھے تین، ۹۵ فیصد حق نہیں. یکسر باطل ہے. اس لئے تلبیسِ حق و باطل بھی کفر ہے ــــ (۴۲ : ۲)ــ(۷۱ : ۳)

معاملات میں باطل

(۱) قرآن کے خلاف جو طریق بھی اختیار کیا جائے گا وہ ناجائز یعنی باطل ہوگا. اسی لئے کہا کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے نہ کھاؤ ــــ (۱۸۸ : ۲)

(۲) باہمی رضامندی سے تبادلۂ اشیاء (تجارت) تو جائز ہے. اس کے علاوہ کسی باطل طریق سے ایک دوسرے کا مال کھانا ناجائز ہے ــــ (۲۹ : ۴)

(۳) ربٰو ــ یعنی محض سرمایہ کا معاوضہ لے لینا ــ باطل ہے ــــ (۱۶۱ : ۴)

(۴) مذہبی علماء اور مشائخ جس طریق سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں ــــ یعنی بلا محنت کئے، بغیر تعمیری نتائج مرتب کئے، لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر، انہیں دھوکے سے ڈرا دھمکا کر ــ یہ سب باطل ہے. اسی طرح سرمایہ داری بھی جس میں دولت جمع کر کے رکھ لی جاتی ہے، اور اسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے عام نہیں کیا جاتا، باطل نظام ہے. اور اس کا نتیجہ تباہی کا جہنم ــــ (۳۴ : ۹)

ــــــ (۰) ــــــ

۴۔ باطن

باطن۔ (ب۔ط۔ن)۔ ہر شے کا اندرونی حصہ۔ معاملہ کی اندرونی حالت۔ ظاہر کی ضد۔ یعنی محسوس کے مقابلہ میں غیر محسوس۔ مرئی کے مقابلہ میں غیر مرئی۔

——— (۰) ———

خدا کے متعلق

قرآن کریم میں خدا کے متعلق ہے۔ ھُوَ الظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ــ (۳:۵۷)۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ کائنات میں جو کچھ محسوس طور پر ہمیں نظر آتا ہے وہ بھی خدا ہے اور جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ بھی خدا ہے۔ یہ ویدانت کا ہمہ اوست (یا وحدتِ وجود) کا عقیدہ ہے جسے قرآنِ کریم سے کچھ واسطہ نہیں۔

جب انسان کی نگہ بصیرت اشیائے کائنات (مظاہرِ فطرت) پر غور کرتی ہے تو وہ ان اشیاء کے خالق کے متعلق اندازہ کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے تخلیقی مظاہر کی رُو سے پہچانا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ الظّاہر ہے۔ لیکن اس کی ذات کی کُنہ و حقیقت سے کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ انسانی آنکھ (بصیرت) اس کا ادراک نہیں کر سکتی ــ (۶:۱۰۴)۔ اس اعتبار سے وہ الباطن ہے۔ (مزید تشریح ظاہر کے عنوان میں ملے گی)۔

ظاہر و باطن کی نعمتیں

خدا نے انسان کے لئے ظاہر و باطن کی نعمتیں پوری کر دی ہیں ــ (۳۱:۲۰)۔ ظاہر کی نعمتیں طبیعی زندگی سے متعلق ہیں، اور باطن کی نعمتوں سے مراد وہ مستقل اقدار ہیں جو وحی کی رو سے عطا ہوئی ہیں اور جن کی رُو سے انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔

ظاہر و باطن کے اثم

ظاہر و باطن کی غلط کاریوں کو چھوڑ دو ــ (۶:۱۲۱)ــ(۶:۱۵۱)۔

خدا نے دونوں کو حرام قرار دیا ہے — (۷ : ۳۳)۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ غلط کاموں کے محسوس طور پر ارتکاب ہی کو نہ چھوڑو، ان کے متعلق دل میں خیال تک بھی نہ آنے دو۔ اس لئے کہ خدا نگاہ کی خیانت اور دل کے ارادوں تک سے واقف ہے — (۴۰ : ۱۹) اور یا اس کے معنی یہ ہیں کہ غلط امور کی صرف ظاہری شکل ہی سے اجتناب نہ کرو بلکہ اس کی روح کو بھی سامنے رکھو اور ہر اس شے سے بھی اعراض برتو جو اس کے تابع آتی ہو۔

جنّت و دوزخ

جنت اور دوزخ میں بس ایک پردہ ہی کا فاصلہ ہے۔ پردے کے باہر (ظاہر) کی طرف جہنم ہے۔ اس کے اندر (باطن) میں) جنت — (۵۷ : ۱۳)۔ تشریح اس کی جنت و جہنم کے عنوانات میں ملے گی۔

باطنی تعلیم

اسلام میں باطنی تعلیم کا کوئی تصور نہیں۔ اس کی تعلیم صاف، واضح، ظاہر، .... کھلی اور نکھری قرآن کریم کے اندر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات بینات اور قرآن۔

—— (٠) ——

۵۔ بحث و جدل

بحث۔ یہ لفظ جن معنوں میں ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے، ان معنوں میں یہ قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اس مفہوم کے لئے اس میں جدال کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد ہوتی ہے ایسا اندازِ گفتگو جس سے مقصد حقیقت تک پہنچنا نہ ہو بلکہ یہ مقصد ہو کہ ہم کس طرح فریق مقابل سے بازی لے جائیں اور اسے شکست دے کر اس پر غلبہ حاصل کریں۔ اس مقصد کے لئے انسان خواہ مخواہ بات بڑھاتا جاتا اور اپنے نقطہ پر اصرار کئے چلا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ اسے ہمارے ہاں کج بحثی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور مذہبی دنیا میں مباحثہ اور مناظرہ سے بھی اب یہی مقصد پیشِ نظر ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اس ذہنیت کی

مذمت کی ہے اور اس سے روکا ہے۔

——— (۱۰) ———

کفار کی روش کج بحثی کی ہوتی تھی

(۱) کفار کی یہ حالت ہے کہ تمہاری محفل میں آتے ہیں تو اس غرض سے نہیں کہ تمہاری باتوں پر غور وفکر کیا جائے۔ بلکہ محض اس لئے کہ خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالے جائیں ——(۲۵ : ۶)

(۲) مخالفین کے سرغنے اپنے ساتھیوں کو اُکساتے رہتے ہیں کہ تم سے کج بحثی کیا کریں ——(۱۲۲ : ۶)

(۳) منافقین بھی یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ بے معنی بحثوں میں الجھے رہو ——(۶۹ : ۹)

(۴) حق سے انکار کرنے والے، بجائے اس کے کہ خدا کے کائناتی نظام پر غور وفکر سے، صحیح نتیجہ پر پہنچیں، خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالتے رہتے ہیں ——(۱۳ : ۱۳)

(۵) صاف اور سیدھی بات میں خواہ مخواہ ٹیڑھا پن پیدا کرنے کی کوشش کرنا، حق سے گریز کرنے والوں کی روش ہوتی ہے ——(۳ : ۱۴)

(۶) کفار کی روش ہمیشہ کج بحثی کی ہوتی ہے ——(۵۶ : ۱۸)——(۴۹ ; ۵ : ۴۰)

(۷) احکام و قوانین خداوندی کے خلاف کج بحثی پر وہی اترتے ہیں جنہوں نے پہلے سے فیصلہ کر رکھا ہوتا ہے کہ انہوں نے بہرحال مخالفت کرنی ہے اور دوسرے کی بات ماننی ہی نہیں ——(۴–۵ : ۴۰)

(۸) اس قسم کی ذہنیت سے انسان کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی جاتی رہتی ہے ——(۳۶ : ۴۰)

(۹) اس روش کا جذبۂ محرکہ تکبر (بڑا بننے کی خواہش) ہوتا ہے ——(۵۶ : ۴۰)

(۱۰) قوانین خداوندی کے خلاف کج بحثی اور جھگڑا کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس طرح وہ اپنی غلط روش کے نتائج سے بچ نہیں سکتے۔ غلط بات کا نتیجہ تو بہرحال سامنے آکر رہے گا۔ خواہ آپ اپنے آپ کو لاکھ مطمئن کر لیں کہ ہم نے فریق مقابل کو اپنی باتوں سے شکست دے دی۔ غلط منطقی دلائل سے اگر سنکھیا کو شہد ثابت کر دیا جائے تو کیا وہ ممد حیات بن جائے گا؟ ——(۳۵ : ۴۲)

(۱۱) مخالفین محض جھگڑے اور کج بحثی سے سروکار رکھتے ہیں ——(۵۸ : ۴۳)

(۱۲) بیکار باتیں کرتے رہنا اور صحیح کام کوئی نہ کرنا — اس کا نتیجہ جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے —— (۴۲–۴۹ : ۷۴)

(۱۳) جو دلیل محض ظن و قیاس کی بنا پر دی جائے وہ کٹ حجتی ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے پیش کردہ دلیل، علم پر مبنی ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی اور بات کی تہ تک پہنچا دینے والی ــــ (۱۵۰ ; ۱۴۳ : ۶) ــ (۱۶ : ۴۲)

(۱۴) ان کے مذہبی پیشواؤں سے کہا گیا کہ تم اس وقت تو اِن کی طرف سے جھگڑے کھڑے کرتے ہو، لیکن اعمال کے ظہورِ نتائج کے وقت اِن کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑ سکے گا ــــ (۱۰۹ : ۴)

(۱۵) منافق کی باتیں بڑی خوشنما ہوتی ہیں۔ لیکن وہ سخت قسم کا جھگڑالو ہوتا ہے ــــ (۲۰۴ : ۲)

(۱۶) مومن اور کفار دو فریق ہیں جو خدا کے متعلق آپس میں بحث کرتے ہیں ــــ (۱۹ : ۲۲)

سابقہ انبیاء کے زمانے میں بھی یہی ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت صالحؑ کے وقت ــــ (۴۵ : ۲۷)

قرآنی تعلیم

بعض مقامات پر قرآن کریم نے اس قسم کی باتوں کو لغو، بیہودہ اور بے معنی گفتگو سے تعبیر کیا ہے جس میں مذاق کا پہلو پایا جائے۔ یعنی بات کرنے والا (SERIOUS) نہ ہو بلکہ اسے محض مذاق کے طور پر لے رہا ہو۔

(۱) قرآن نے کہا ہے کہ اگر کسی جگہ احکام و تعلیم قرآن سے متعلق اس قسم کی گفتگو ہو رہی ہو تو تم وہاں سے اٹھ کر چلے آؤ ــــ (۶۸ : ۶)

(۲) لوگوں تک حق کا پیغام پہنچاؤ۔ پھر وہ اگر اسے (SERIOUSLY) نہ لیں، تو انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ اس سے زیادہ تم کیا کر سکتے ہو ــــ (۹۲ : ۶)

(۳) خدا کی طرف دعوت، حکمت و موعظت کے ساتھ دو ــ یعنی ایسے انداز سے جو دوسروں کے دل اور دماغ (جذبات و عقل) دونوں کو مطمئن کر دے۔ اور بات سمجھانے کا حسین ترین طریق اختیار کرو

(۱۲۵ : ۱۶) ــ (۴۶ : ۲۹)

(۴) اے رسول! تمہاری قوم بڑی جھگڑالو واقع ہوتی ہے۔ لیکن تم انہیں ان کے غلط کاموں کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے جاؤ ــــ (۹۷ : ۱۹)۔ اور ان سے کہہ دو کہ تمہارے اعمال کا فیصلہ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے ہوگا ــــ (۶۹ ــ ۶۸ : ۲۲)

(۵) مومن، لغو باتوں سے اعراض برتتے ہیں ــــ (۵۵ : ۲۸)

(۶) حضورؐ سے ارشاد کہ انہیں حق کی دعوت دو۔ اور اس کے بعد ان سے کہہ دو کہ ہم میں اور تم میں جھگڑے کی بات کوئی نہیں۔ تمہیں اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ ہم اپنے اعمال کے ذمے دار ہیں ——(۴۲ : ۱۵)

(۷) ایک عورت نبی اکرمؐ کے سامنے اپنے خاوند کے خلاف شکایت پیش کر رہی تھی اور اس باب میں حضورؐ سے جھگڑ رہی تھی۔ اس کے لئے بھی قرآن نے مجادلہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن اسے معیوب قرار نہیں دیا ——(۵۸ : ۱)

(۸) حج میں جدال نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے معنی دنگا فساد ہی کے نہیں، بلکہ یہ معنی بھی ہیں کہ حج، امت کے الجھے ہوئے معاملات کے حل اور نوعِ انسان کی مشکلات کا مداوا سوچنے کے لئے اجتماع ہے۔ اس میں محض بحث و تمحیص کی خاطر وقت نہ ضائع کرو۔ بلکہ مختصر بات سے، فیصلہ کن نقاط تک پہنچتے چلے جاؤ ——(۲ : ۱۹۷)

(۹) حضرت ابراہیمؑ نے، قومِ لوط کی تباہی کے بارے میں کچھ بحث کی۔ اسے بھی مجادلہ سے تعبیر کیا گیا ہے ——
(۱۱ : ۷۴)

(۱۰) جنگِ بدر کے موقعہ پر مومنین کی ایک جماعت حضورؐ سے (جنگ کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ پر یا اس بات پر کہ حملہ کفار کے لشکر پر کیا جائے یا قافلہ پر) جھگڑتی تھی۔ یہ لوگ جنگ کے لئے تیار نہیں تھے۔
(۸ : ۶)

عام انسانی ذہنیت

(۱) عام انسانی ذہنیت کج بحثی کی ہوتی ہے۔ صحیح تعلیم و تربیت سے اس کی اصلاح ہوتی ہے۔(۱۸ : ۵۴)

(۲) لوگ بلا علم و تحقیق بحث شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی بحث، جھگڑے کے سوا اور ہوتی کیا ہے؟ اس میں عقل و فکر نہیں بلکہ محض سرکش جذبات سے کام لیا جاتا ہے ——(۲۲ : ۳)——(۲۲ : ۸-۹)
(۳۱ : ۲۰)

(۳) انسان اس بات کو بھول جاتا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں اس کا علم محدود ہے۔ اور خواہ مخواہ کج بحثی شروع کر دیتا ہے۔ کج بحثی کے بجائے اگر وہ غور و فکر سے کام لے تو مابعد الطبیعاتی امور کے

متعلق بھی صحیح نتیجہ پر پہنچ جائے ــــ (۷۸-۷۷ : ۳۶)

(۴) اس قسم کی ذہنیت سے انسان کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے ــــ (۳۵ : ۴۰)۔
اس کا جذبۂ محرکہ کبرِ نفس (بڑا بننے کی خواہش) ہوتی ہے ــــ (۵۶ : ۴۰)

(۵) قیامت میں ہر شخص اپنے آپ سے جھگڑتا ہوا آئے گا ــــ (۱۱۱ : ۱۶)

اہلِ کتاب کی روش

(۱) تم خدا کو ماننے کے مدعی ہو لیکن اس کے باوجود خدا ہی کے بارے میں ہم سے جھگڑے کرتے ہو۔ (۱۳۹ : ۲)

(۲) اگر یہ اہل کتاب اسی طرح بیکار حجتیں نکالتے رہیں تو ان سے کہہ دو کہ ہم تو دل کی پوری رضامندی سے قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکتے ہیں۔ تم جو جی میں آئے کرو۔ ہم تمہارے اعمال کے ذمہ دار نہیں ــــ
(۳ : ۱۹)

(۳) نصاریٰ سے خطاب کہ اگر تم اس قدر واضح حقیقت کے بعد بھی اسی طرح حجتیں نکالتے رہے، تو ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں رہے گا ــــ (۶۰ : ۳) ــــ (۵۸-۵۷ : ۴۳)

(۴) اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کے متعلق کہتے ہو کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد آئی ہیں۔ یہ محض کٹ حجتی ہے ــــ (۶۶-۶۴ : ۳)

انبیائے سابقہ کے ساتھ بحث وجدل

(۱) حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بادشاہِ وقت کی بحث۔ آمرِ مطلق کا انداز اور داعی الی الحق کا انداز۔ (۲۵۸ : ۲)

(۲) حضرت ابراہیمؑ کی بحث اپنے والد کے ساتھ۔ پھر ستارہ پرستی کے سلسلہ میں ان کی قوم کے ساتھ بحث۔ حکیمانہ انداز سے انہیں ان کی غلط نگہی پر متنبہ کرنا ــــ (۸۴-۷۵ : ۶)
اس اندازِ دلیل کو بھی قرآن نے حجت سے تعبیر کیا ہے۔ حجت کا لفظ صحیح اور معقول دلیل کے لئے بھی آتا ہے، اور ناحق جھگڑے کے لئے بھی ــــ (۸۴ : ۶)۔ جھگڑا کرنے والوں کی دلیل محض ظن پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن خدا کی طرف سے دی ہوئی دلیل، حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی لئے اسے حجۃ البالغہ کہا گیا ہے ــــ (۱۵۰ : ۶) ــــ (۱۶ : ۴۲)

(۳) حضرت نوحؑ اپنی راہ گم کردہ قوم کو صحیح باتیں سمجھاتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ تم خواہ مخواہ جھگڑے نکالتے اور لمبی چوڑی بحثیں کرتے ہو۔ اس بحث کو ختم کرو اور جو تباہی ہم پر لانا چاہتے ہو، لے آؤ۔ (۱۱ : ۳۲)

(۴) ہر قوم نے اپنے رسولوں کے ساتھ یہی روش اختیار کی ۔۔۔ (۱۸ : ۵۵) ۔۔ (۴۰ : ۵)

(۵) حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم مجھ سے ان معبودوں کے متعلق بحث وجدل کر رہے ہو جن کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تم نے یا تمہارے آباء نے کچھ نام رکھ رکھے ہیں ۔۔۔ (۷ : ۷۱)

متفرق

(۱) بددیانت ، خائن (مجرم) کی طرف سے جھگڑنا نہیں چاہیئے۔ اس کا (CAUSE PLEAD) نہیں کرنا چاہیئے ۔۔۔ (۴ : ۱۰۷)

(۲) عہدِ جاہلیت کی پروردہ عورت اپنا (CAUSE) بھی اچھی طرح سے (PLEAD) نہیں کرسکتی تھی ۔۔۔ (۴۳ : ۱۸)۔ اس کی اسی کمی کی وجہ سے کہا گیا تھا کہ گواہی میں ایک مرد کے بجائے دو عورتیں لایا کرو۔ تاکہ اگر ایک بات صاف نہ کرسکے تو دوسری اسے یاد دلا دے ۔۔۔ (۲ : ۲۸۲)۔ لیکن تعلیم وتربیت کے بعد عورتوں کی یہ حالت نہیں رہتی۔ وہ فصیح البیان ہوجاتی ہیں ۔۔ (۵۶ : ۳۷)

(۳) قیامت میں کوئی کسی کی طرف سے خدا سے جھگڑا نہیں کرسکے گا ۔۔۔ (۴ : ۱۰۹)

——— (۰) ———

۶۔ بحر

(بحر و بَرّ)

بحر۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو۔ اس اعتبار سے دریا کو بھی بحر کہتے ہیں اور سمندر کو بھی۔ بحر وبر، خشکی اور تری کے لئے آتا ہے۔ ان شہروں کو بھی جو پانی کے کنارے آباد ہوں بحر کہتے ہیں۔

——— (۰) ———

بحر (جمع بحار) ۔ (۱) اگر سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی کلماتِ خداوندی ختم نہ ہوں۔ استعارہ

ہے کلماتِ خداوندی کی لامتناہیت واضح کرنے کے لئے ــــ (۱۸ : ۱۰۹) ــــ (۳۱ : ۲۷)

(۲) خدا نے تمہارے لئے سمندروں کو اپنے قانون کی زنجیروں میں باندھ رکھا ہے۔ تم اس قانون کا علم حاصل کرلو تو سمندر سے پورا پورا کام لے سکتے ہو ــــ (۱۶ : ۱۴) ــــ (۴۵ : ۱۲)

(۳) سمندر میں کشتیاں، قانونِ خداوندی کے مطابق چلتی ہیں ــــ (۲ : ۱۶۴) ــــ (۱۴ : ۳۲) ــــ (۱۷ : ۶۶) ــــ (۲۲ : ۶۵) ــــ (۳۱ : ۳۱) ــــ (۴۲ : ۳۳) ــــ (۴۵ : ۱۲) ــــ (۵۵ : ۲۴)

بحر و بر میں سفر کی آسانیاں ــــ (۱۰ : ۲۲) ــــ (۱۷ : ۷۰)

(۴) قرآن کریم میں بعض آنے والے حوادث و تغیرات کے ضمن میں سمندروں کے احوال و کوائف کا بھی ذکر آیا ہے ــــ (۵۲ : ۶) ــــ (۸۱ : ۶) ــــ (۸۲ : ۳)

(۵) قرآن نے غلط تصوراتِ حیات کو سمندر کی گہرائی میں تاریکی سے تشبیہ دی ہے ــــ (۲۴ : ۴۰)

(۶) قرآن کریم میں بحرین (دو دریاؤں۔ یا سمندر میں متوازی بہنے والی رَووں) کا بھی ذکر آیا ہے۔ وہ ساتھ ساتھ بہتی ہیں لیکن باہم اپنا الگ الگ تشخص قائم رکھتی ہیں ــــ (۲۵ : ۵۳) ــــ (۲۷ : ۶۱) ــــ (۳۵ : ۱۲) ــــ (۵۵ : ۱۹-۲۰)

(۷) ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو بطورِ شہادت پیش کیا گیا ہے ــــ (۵۲ : ۶)

(۸) صید البحر (سمندر کا شکار) حلال ہے۔ خواہ اسے پکڑ لیا جائے یا وہ اچھل کر باہر آجائے۔ (۵ : ۹۶) ــــ (۱۶ : ۱۴)

نوٹ۔ حضرت موسےٰ، بنی اسرائیل۔ اور حضرت سلیمان کے قصوں کے سلسلہ میں بھی بحر کا لفظ آیا ہے۔ اسے متعلقہ عنوانات کے تحت دیکھئے۔

برو بحر

(۱) برو بحر کی تاریکیوں میں خدا کی طرف سے راہ نمائی ــــ (۶ : ۹۸) ــــ (۲۷ : ۶۳)

وہ تمہیں برو بحر کی ظلمات سے نجات دیتا ہے ــــ (۶ : ۶۳)

(۲) خدا کو برو بحر کا علم ہے ــــ (۶ : ۵۹)

(۳) خشکی اور تری میں فساد اعمالِ انسانی کی وجہ سے ــــ (۳۰ : ۴۱)

(۴) برو بحر میں ستارے راہ نمائی دیتے ہیں ــــ (۶ : ۹۷)

(۵) بحر و بر میں سفر ۔۔۔ (۲۲ : ۱۰)

(۶) سمندر میں مصیبت میں پھنستے ہو تو خدا کو پکارتے ہو ۔۔۔ (۶۸ : ۱۷)

(۷) بنی آدم کو واجب التکریم بنایا اور اس کے لئے بر و بحر میں سفر کی آسانیاں پیدا کیں ۔۔ (۷۰ : ۱۷)

(۱۰)

ب۔خ۔ل بُخل

(نیز دیکھئے۔ انفاق)

بُخل ۔ (ب ۔ خ ۔ ل) بُخل' انفاق کی ضد ہے ۔ انفاق کے معنی ہیں اپنی چیزوں کو عام ضرورت مندوں کے لئے کھلا رکھنا ۔ اور بخل کے معنی ہیں ایسی چیزوں کو ان مواقع سے روک رکھنا جہاں انہیں روکنا نہیں چاہیئے ۔ نیز دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین و تاکید کرنا ۔ انفاق کے عنوان کے تحت آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ جذبہ ایک بلند قدر کا آئینہ دار ہے اور مومنین کا خاص شیوہ اور بنیادی مسلک ۔ لہٰذا 'بخل' انفرادی مفاد پرستی، تنگ نظری اور حرص و آز کی علامت ' اور انسانی سیرت و کردار کی پستی کا مظہر ہے ۔

(۰)

بخل کس ذہنیّت کا غمّاز ہے !

(۱) منافقین کی یہ حالت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں خدا رزق کی کشائش عطا کر دے تو ہم اس میں سے دوسروں کو دے کر صالحین میں سے ہو جائیں گے ۔ لیکن جب انہیں رزق کی کشائش حاصل ہوتی ہے تو وہ بخل کرنے لگ جاتے ہیں ۔ اس سے ان کے نفاق کا مرض اور بڑھتا ہے ۔۔ (۷۶۔۷۵ : ۹)

(۲) دو قسم کی ذہنیت ۔ ایک ذہنیت دوسروں کو دینے کی ۔ یہ ان کے دعوئے ایمان کی صداقت کی دلیل ہے ۔ دوسری ذہنیت 'سب کچھ اپنے لئے سمیٹ کر رکھ لینے کی ہے ۔ یہ روش' معاشرہ اور خود ان کی اپنی ذات کے حسن و اعتدال کو جھٹلاتی ہے ۔ ان کا یہ مال انہیں تباہی سے نہیں بچا سکے گا ۔

(۹۲ : ۵۔۔۱۰)

بخل کا انجام

(۱) بخل کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ یہ روش ان کے لئے خیر کا موجب ہے۔ یہ ان کے لئے تباہی کا موجب ہے۔ قرآنی انقلاب کے وقت یہ مال و دولت ان کے گلے کا ہار ہو جائے گا۔ اس تاکید سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ لوگوں کے مال کا محتاج ہے۔ یہ احکام تمہارے ہی حق میں بہتری کا موجب ہیں۔ (۳: ۱۷۹-۱۸۰)

(۲) جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی ایسی روش اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں، یا ایسے قوانین مرتب کرتے ہیں جن کی رُو سے اس قسم کی انفرادی مفاد پرستی جائز قرار پا جائے، ان کے لئے ذلت آمیز تباہی ہوگی ——— (۴: ۳۷-۳۸) ——— (۵۷: ۲۴)

(۳) جو بخل کرتا ہے وہ درحقیقت خود اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ جو قوم ایسی روش کو معاشرہ کا جزو بنا لیتی ہے، تباہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے جس کی روشِ زندگی اس قسم کی نہیں ہوتی (۴۷: ۳۸)۔ اس لئے بقا اسی قوم یا نظام کو حاصل ہوتی ہے جو تمام نوعِ انسان کی نفع بخشی کی ضمانت دے ——— (۱۳: ۱۷)

——— (۰) ———

۸۔ بدر (جنگ)

بدر ۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ـــ مدینہ سے قریب ـــ ایک مقام کا نام ہے۔ جہاں نبی اکرمؐ اور قریش کے درمیان پہلی جنگ ہوئی تھی۔

دنیا میں حق و باطل کی کشمکش جاری ہے۔ حق اُس تصورِ حیات اور نظامِ زندگی کا نام ہے جو خدا کی طرف سے عطا شدہ مستقل اقدار پر مبنی ہو۔ اور باطل وہ جو اس کی ضد، ذہنِ انسانی کا وضع کردہ آئین و نظام ہو۔ چونکہ خدا نے کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے ـــ یعنی ایک مقصد کے مطابق جس کا نتیجہ تعمیری ہے ـــ اس لئے اس کا قانون یہ ہے کہ حق اس کشمکش میں آخر الامر غالب رہے گا۔ اور باطل مغلوب ہوگا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات حق و باطل)۔ یہ فیصلے خدا کے کائناتی قانون کی رُو سے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی رفتار انسانی حساب و شمار

کے مطابق، بڑی سست ہوتی ہے — خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال، بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے — لیکن اگر انسانوں کی کوئی جماعت، حق کی تائید کے لئے اٹھ کھڑی ہو تو یہ فیصلے صدیوں کے بجائے برسوں اور دنوں میں ہو جاتے ہیں۔

نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے رفقاء کی مکہ کی زندگی تیرہ سال تک اسی کشمکش میں گزری تاآنکہ حضورؐ نے، مکہ کو چھوڑ کر، (مدینہ کی) ایسی فضا کی طرف ہجرت کی جو نظامِ خداوندی کے قیام کیلئے زیادہ سازگار تھی۔ لیکن قریشِ مکہ نے وہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور ۲ھ (رمضان کے مہینے) ایک لشکرِ جرار لے کر، مدینہ پر چڑھ آئے۔ ان حالات میں حضورؐ اپنی مختصر سی جماعت کو لے کر میدان میں نکل آئے اور بدر کے مقام پر حق و باطل کی جماعتوں کا میدانِ کارزار میں پہلا ٹکراؤ ہوا۔ مادی قوتوں کے اعتبار سے، ان دونوں جماعتوں میں کوئی نسبت ہی نہ تھی (دشمن تعداد میں بھی کثیر تھے اور سامانِ حرب و ضرب بھی ان کے پاس کہیں زیادہ تھا) لیکن جماعتِ مومنین کی حق و صداقت پر ایمان کی قوت اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کافی تھی۔ یہی وہ قوت تھی جسے قرآنِ کریم نے، ملائکہ کی مدد کہہ کر پکارا ہے۔ ایمان سے جو نفسیاتی تبدیلی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے، قرآن نے اُسے قوموں کی زندگی میں کامیابی کا معیار قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس ٹکراؤ میں جماعتِ مومنین کی فتح ہوئی اور دشمن شکست کھا کر بھاگ گیا۔ قرآنِ کریم میں اس تصادم کی تفصیل شرح و بسط سے بیان ہوئی ہے۔ اور اس سلسلہ میں بڑے اہم اصول اور قوانین بھی سامنے لائے گئے ہیں۔

——— (۰) ———

جنگ کا مقصد

(۱) اس تصادم سے مقصد یہ تھا کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے حق کا ثابت اور مستحکم ہونا، اور باطل کا بودا اور ناپائیدار ہونا، صاف صاف طور پر سامنے آجائے اور حق کی مخالفت کرنے والوں کی جڑ کٹ جائے — (۸ — ۷ : ۸)۔ تاکہ کلمۃ اللہ غالب آجائے — (۹ : ۴۰)۔

(۲) اسی لئے اسے یوم الفرقان کہا گیا ہے۔ یعنی جب حق اور باطل اس طرح نکھر کر الگ الگ ہو جائے۔ کہ ان کی تمیز اور تفریق میں کوئی دِقت یا شک و شبہ نہ رہے — (۸ : ۴۱)

(۳) اس میں ایک گروہ "خدا کی راہ میں" یعنی حق و صداقت کے غلبہ کی خاطر لڑ رہا تھا۔ اور دوسرا گروہ، حق کی مخالفت کے لئے ـــــ (۱۲ : ۳)

(۴) میدانِ جنگ میں تلواریں، مومن مجاہدین کے ہاتھوں سے چل رہی تھیں اور تیر بھی انہی کی کمانوں سے نکل رہے تھے، لیکن چونکہ یہ کچھ خدا کے قانون کے مطابق اور اس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے ہو رہا تھا۔ اس لئے خدا نے کہا کہ تم دشمن کو قتل نہیں کر رہے تھے، ہم کر رہے تھے۔ تم تیر نہیں چلا رہے تھے ہم چلا رہے تھے۔ یہ ہے خدا اور بندے کی رفاقت جس کے نتیجے میں، حق و باطل کی کشمکش کے فیصلے، خدائی حساب و شمار کے بجائے انسانوں کے حساب و شمار کے مطابق ہوتے ہیں۔

(۸ : ۱۷)

(۵) کفار کو شکست اس لئے ہوئی کہ وہ حق (نظامِ خداوندی) کی مخالفت کر رہے تھے ـــــ (۱۳ : ۸)

(۶) اس ٹکراؤ سے یہ مقصد بھی تھا کہ یہ واضح ہو جائے کہ یہاں ہلاکت اور کامیابی یونہی دھاندلی سے نہیں ہوتی بلکہ دلیل و برہان کے مطابق ہوتی ہے۔ جو زندہ رہتا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رُو سے زندہ رہتا ہے۔ جو ہلاک ہوتا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رُو سے ہلاک ہوتا ہے ـــــ (۴۲ : ۸)

منافقین کی وسوسہ اندازیاں

(۱) مخالفین کی تعداد اور قوت کو دیکھ کر، منافقین کہتے تھے کہ مومنین جو سمجھتے ہیں کہ ان کا دین حق و صداقت پر مبنی ہے اس لئے یہ ضرور غالب رہیگا، اس بات نے انہیں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے لیکن جماعتِ مومنین کو اس پر کامل اعتماد اور یقین تھا اس لئے ان کے دل میں قطعاً کوئی وسوسہ نہیں پیدا ہوتا تھا ـــــ (۴۹ : ۸)

میدانِ جنگ کا نقشہ

(۱) جماعتِ مومنین، مدینہ منورہ کی طرف۔ مخالفین دوسری طرف کے ناکے پر، اور قریش کا قافلہ جماعتِ مومنین سے نچلی طرف کو گذر رہا تھا ـــــ (۴۲ : ۸)

(۲) افرادِ جماعت میں اس مسئلہ پر اختلاف کہ جنگ کی تدبیر کیسے کی جائے۔ ایک جماعت چاہتی تھی

کہ اہلِ قافلہ پر حملہ کیا جائے کیونکہ وہ غیر مسلح ہیں۔ اور ان پر غلبہ پالینا آسان ہے — (۸ : ۴۲)۔
جب فیصلہ یہ ہوا کہ جنگ مسلح لشکر کے ساتھ کی جائے تو یہ لوگ گھبرائے تھے — (۸ : ۵-۷)

(۳) جماعتِ مومنین، فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہی تھی — (۸ : ۹)

حالات کا سازگار ہوجانا

فتح و نصرت کی خوشخبری سے، امن و سکون کی فضا طاری ہوگئی۔ بارش سے تر و تازگی پیدا ہوگئی۔ ریتلی زمین ایسی ہوگئی کہ اس پر پاؤں جمائے جا سکیں۔ اور یہ جو خطرہ تھا کہ دشمن پانی نہ بند کردے وہ بھی رفع ہوگیا — (۸ : ۱۱)

خیالات کا اثر

(۱) تعداد کے لحاظ سے دشمن کی جمعیت بہت زیادہ تھی۔ لیکن جماعتِ مومنین کو، برسرِ حق ہونے کی وجہ سے اپنی کامیابی کا اس قدر یقین تھا کہ وہ انہیں زیادہ سے زیادہ اپنے سے دُگنے دکھائی دیتے تھے۔ (کیونکہ اپنے سے دُگنی تعداد پر غالب آجانے کا انہیں یقین تھا — (۸ : ۶۶)۔ اس کے برعکس، دشمن اپنی قوت کے نشے میں بدمست تھے۔ اس لئے ان کی نگاہوں میں جماعتِ مومنین کی تعداد بہت قلیل دکھائی دیتی تھی — (۳ : ۱۲) — (۸ : ۴۴)

(۲) کفار کا ایک شریر سرغنہ انہیں اُکساتا تھا کہ تم ضرور جنگ کرو، تمہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ لیکن جب میدانِ جنگ گرم ہوا تو وہ خود ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ان سے کہہ دیا کہ میرا تمہارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں — (۸ : ۴۸)

ملائکہ کی امداد

خدا نے وعدہ کیا کہ وہ تمہاری مدد ایک ہزار فرشتوں سے کریگا۔ (کیونکہ دشمن کی تعداد اتنی ہی تھی) ان کی اس "امداد" کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے دل میں اطمینان پیدا ہوجائے گا — (۸ : ۱۰)۔ تمہیں ثابت قدمی نصیب ہوجائے گی۔ اور دشمن کے دل میں تمہارا رعب قائم ہوجائے گا — (۸ : ۱۲)

نفسیاتی تبدیلی ہی درحقیقت فتح و کامرانی کی بنیاد ہوتی ہے ۔۔ (۸ : ۵۳)

رسول اللہ خود قائد لشکر تھے

حضورؐ دشمن کے مقابلہ کے لئے بہ نفسِ نفیس مدینہ سے باہر نکلے تھے ۔۔ (۸ : ۵)

کامیابی کے اصول و قوانین

(۱) دشمن کے مقابلہ کے لئے امکان بھر سامانِ مدافعت تیار رکھو۔ اپنی سرحدوں کی پوری پوری حفاظت کرو۔ اس مقصد کے لئے جس قدر ہو سکے خرچ کرو ۔۔ (۸ : ۶۰)

(۲) جب نظامِ خداوندی تمہیں اس بات کی طرف دعوت دے جو تمہیں حقیقی زندگی عطا کرنے والی ہے تو اس دعوت پر لبیک کہو۔ اور دل کے خلوص اور عزمِ راسخ کے ساتھ، اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے کوشش کرو ۔۔ (۸ : ۲۴)۔ یاد رکھو! اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارا معاشرہ ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیگا جو صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہے گی جنہوں نے کمزوری دکھائی تھی۔ وہ سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی ۔۔ (۸ : ۲۵)

(۳) نظامِ خداوندی کے ساتھ خیانت مت کرو ۔۔ (۸ : ۲۷)

(۴) دیکھنا! مال اور اولاد کی محبت تمہارا راستہ روک کر نہ کھڑی ہو جائے ۔۔ (۳ : ۱۳) ۔۔ (۸ : ۲۸) اگر تم اس امتحان میں پورے اُتر آئے تو تمہیں ایک امتیازی زندگی مل جائے گی ۔۔ (۸ : ۲۹)

(۵) جب دشمن کا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور ہر مقام پر قوانینِ خداوندی کو سامنے رکھو۔ جذبات کی شدت تمہیں قانون کی پابندی سے غافل نہ کر دے ۔۔ (۸ : ۴۵)۔ جو کوئی پیٹھ دکھائے گا جہنم میں جھونک دیا جائے گا ۔۔ (۸ : ۱۶)

(۶) نظامِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرو۔ آپس میں اختلاف اور تنازعہ نہ پیدا کرو۔ ورنہ تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی ۔۔ (۸ : ۴۶)

(۷) میدانِ جنگ میں جانے کے لئے نکلو تو اوچھا پن اختیار نہ کرو۔ نہایت بھاری بھرکم طریق سے باہر نکلو۔ اس لئے کہ تم تو ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے جنگ کے میدان میں جا رہے ہو ۔۔ (۸ : ۴۷)

(۸) اس عظیم اصول کو یاد رکھو کہ فتح و کامرانی کا دار و مدار، تمہارے قلب و نگاہ کی تبدیلی پر ہے۔ اگر تمہاری نگاہوں میں مستقل اقدار کی قیمت زیادہ ہو تو تم طبعی مفادات کی بڑی سے بڑی قربانی بھی کر دو گے خدا کسی قوم کو عطا کردہ نعمت نہیں چھینتا جب تک وہ قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہیں پیدا کر لیتی —

(۸ : ۵۳)

(۹) ہمیشہ عہد کی پابندی کرو۔ اگر فریقِ مخالف کی طرف سے عہد شکنی کا خدشہ ہو تو تم انہیں اطلاع دے کر معاہدہ کو فسخ کرو۔ یونہی اس کی خلاف ورزی نہ کرو — (۸ : ۵۸)

(۱۰) اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ — (۶۲-۶۱ : ۸)

(۱۱) تمہاری جماعت کے افراد کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ہونی چاہیئے — (۶۳ : ۸)

(۱۲) اے رسولؐ! تیرے لئے اس قسم کی جماعت اور خدا کا قانون کافی ہے — (۶۴ : ۸)

جنگ سے مقصد

جنگ سے مقصد یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں ہر ایک کو پوری پوری آزادی ہو کہ جو چاہے اسے بطیبِ خاطر اختیار کرے۔ جو چاہے اس سے انکار کر دے — (۳۹ : ۸)

ثابت قدمی کا نتیجہ

(۱) اگر تم میں بیس مجاہد ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائینگے۔ سو ہوں گے تو ہزار پر غالب آجائینگے۔ (بشرطیکہ باقی چیزیں برابر ہوں)۔ لیکن اگر سامانِ حرب وغیرہ کی کمی ہو تو اپنے سے دگنی تعداد پر یقیناً غالب آجائیں گے — (۶۶-۶۵ : ۸)

مخالفین کی شکست کی بنیادی وجہ

ان کی شکست کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے — (۸ : ۶۵)

مالِ غنیمت اُس زمانے میں جنگ کا سب سے بڑا جذبۂ محرکہ مالِ غنیمت کی کشش ہوتی تھی کیونکہ

سپاہی جو کچھ لوٹ لیتا تھا وہ اسی کا حصہ ہو جاتا تھا لیکن قرآن کریم نے جنگ کو بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ قرار دے کر اس جذبۂ محرکہ کو بھی ختم کر دیا۔ اس نے حکم دے دیا کہ مال غنیمت سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہوگا۔ یہ نظامِ مملکت کی تحویل میں رہے گا۔ وہ اسے انتظامی امور میں صرف کریگا اور مملکت کے حاجتمند افراد کی ضروریات پورا کرنے کے کام میں لائیگا ـــ (۸ : ۴۱)

جنگ کے قیدی

(۱) مالِ غنیمت کے علاوہ جنگ کا محرک جذبۂ اسیرانِ جنگ ہوتے تھے جنہیں وہ لوگ غلام اور لونڈیاں بنایا کرتے تھے۔ اس لئے ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جنگ میں ایسی شکل پیدا کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ قیدی ہاتھ آئیں۔ اس سلسلہ میں حکم دے دیا کہ تمہارے دل میں حسبِ معمول جو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ جنگ بھی متاعِ دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تو یہ بڑی غلط بات تھی۔ نبی کے شایانِ شان ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس قسم کے مقاصد کے لئے جنگ کرے ـــ (۸ : ۶۷-۶۸)

(۲) جنگ کے قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا۔ اور کہہ دیا گیا کہ اگر یہ دیکھا گیا کہ تمہارے دل میں خیر سگالی کے جذبات موجود ہیں تو تم سے جو کچھ لیا گیا ہے اس سے بہتر واپس دے دیا جائے گا۔ لیکن تمہارے دل میں عہد شکنی کے جذبات پرورش پا رہے ہیں تو اس کا انجام تمہیں معلوم ہے۔ـــ

(۸ : ۷۰-۷۱)

شرکائے جنگِ بدر کا بلند مقام

جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد ہجرت کی اور اپنے جان اور مال سے جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو پناہ دی (یعنی مدینہ کے انصار) یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ـــ (۸ : ۷۲) یہ سب پکے اور سچے مومن (مومن حقا) ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔ ان اصحاب رسولؐ کے ایمان کے متعلق خدا کی شہادت موجود ہے۔ لہٰذا انکے متعلق کسی قسم کا غلط خیال دل میں آنا قرآنِ کریم کی تکذیب قرار پائے گی ـــ (۸ : ۷۴-۷۵) ـــ (۹ : ۱۰۰)۔ [تفصیل ان امور کی دیگر متعلقہ عنوانات میں ملے گی]

جنگِ بدر کا نتیجہ

تم اس زمانے کو یاد کرو جب تم تعداد میں قلیل تھے۔ قوت کے لحاظ سے کمزور تھے۔ تمہیں ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ کوئی تمہیں اُچک کر نہ لے جائے۔ ایسے نامساعد حالات میں خدا نے پہلے تمہیں پناہ کا ٹھکانہ دیا (مدینہ)۔ اور پھر اپنی تائید و نصرت سے ایسا کیا کہ تمہیں خوشگوار سامانِ زیست میسر آگیا — (۸ : ۲۶)۔ اس انقلاب کی ابتدا جنگِ بدر سے ہوئی — (۳ : ۱۲۲)

(۰)

۹۔ بدعت ۔ بدیع

(نیز دیکھئے ۔ فطر)

بدعت ۔ (ب ۔ د ۔ ع)۔ وہ کام جو پہلے پہل ہوا ہو اور اس سے پہلے اس کی مثال موجود نہ ہو۔ جب یہ لفظ، خدا کے لئے بولا جائے گا تو، اس کے معنی ہوں گے کسی چیز کو بغیر کسی سامان اور ذریعہ کے عدم سے وجود میں لانا۔

(۰)

خدا کی صفت

(۱) خدا کی صفت بدیع السمٰوٰت والارض ہے — (۲ : ۱۱۷)۔ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے مجرد امر کے ساتھ وجود میں آجاتی ہے۔

(۲) اسے بہ سلسلۂ تولید اپنے لئے اولاد پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ ساری کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے — (۶ : ۱۰۲)

(۳) اسی کو فاطر السمٰوٰت والارض کہا گیا — (۱۴ : ۶)۔ نیز ابتدا کرنا — (۱۴ : ۱۰)

(۴) تخلیقِ کائنات کی ابتدا — (۲۹ : ۷)—(۳۴ ; ۴ : ۱۰)—(۱۰۴ : ۲۱)—(۶۴ : ۲۷)

(۲۰؛۱۹ : ۲۹) — (۱۱ : ۳۰) — (۲۷ : ۳۰) — (۷ : ۳۲) — (۱۳ : ۸۵)

(مزید تفصیل کے لئے عنوان خلق ، تخلیق ، ارتقاء دیکھئے)

رسولؐ اللہ

حضورؐ نے فرمایا کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں ۔ ایسا ہی رسول ہوں جیسے مجھ سے پہلے رسول آتے رہے ہیں — (۹ : ۴۶)

رہبانیت

رہبانیت کا مسلک ایک بدعت تھی جسے عیسائیوں نے از خود وضع کر لیا تھا ۔ خدا نے اس کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی تھی — (۲۷ : ۵۷)

بدعت

ہمارے ہاں عام طور پر بدعت ، مذہب کے کسی ایسے کام کو کہتے ہیں جو زمانۂ رسولؐ اللہ میں نہ پایا جاتا ہو ۔ درحقیقت — (۲۷ : ۵۷) کے مطابق ، بدعت دین سے متعلق ہر اس عقیدہ یا عمل کو کہنا چاہیئے جس کی سند قرآن سے نہ ملتی ہو ۔ واضح رہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ دین کی رُو سے ایجادات بھی ممنوع ہیں ۔ سائنٹیفک ایجادات تو جماعتِ مومنین کا فریضہ ہے ۔

—— (٭) ——

۱۰ ۔ بُرج

بُرج ۔ (ب ۔ ر ۔ ج) ۔ اس کے معنی نمایاں اور ابھری ہوئی چیز کے ہیں ۔ اسی اعتبار سے کسی شہر پناہ یا قلعہ میں حفاظت کے لئے جو کوٹھڑیاں بنائی جاتی تھیں انہیں بروج کہتے تھے نیز خود قلعہ کو بھی بُرج کہتے تھے ۔ قدیم علم الافلاک کی رُو سے ، آسمان میں بارہ بُرج تسلیم کئے جاتے تھے لیکن عرب ان بُروج آسمانی کو نہیں

جانتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے جہاں آسمانی بروج کا ذکر کیا ہے تو ان سے مراد بڑے بڑے ستارے یا کرّے ہیں۔

(۰)

حفاظت کا مقام

تم خواہ کسی قلعے کے اندر بھی کیوں نہ ہو، موت وہاں بھی آ جائے گی ۔(۴ : ۷۸)

بروج سماوی

(۱) یہ فضائے سماوی جس میں اتنے اتنے بڑے کرّے تیر رہے ہیں' اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ .....
(۸۵ : ۱)
(۲) خدا کی ذات بابرکت ہے جس نے فضائے آسمانی میں ستارے اور چاند اور سورج پیدا کئے ہیں۔(۲۵:۶۱)
(۳) فضا میں ستارے پیدا کئے ہیں اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے بڑا خوشنما بنایا۔(۱۵ : ۱۶)
دوسری جگہ یہی الفاظ "کواکب" کے لئے آئے ہیں۔(۳۷ : ۶)۔ اس سے واضح ہے کہ بروج سے مراد کواکب (ستارے) ہیں۔

متفرق

اسی مادہ سے لفظ تبرّج بنایا گیا ہے جس کے معنی حسن اور زینت کی نمود و نمائش (اظہار) کا جذبہ ہے۔ جس سے مومن عورتوں کو منع کیا گیا ہے۔(۲۴ : ۶۰)۔(۳۳ : ۳۳)۔[تفصیل پردہ کے عنوان میں ملے گی]

(۰)

۱۱۔ بَرٌّ ۔ بِرٌّ

بِرٌّ ۔ (ب۔ ر۔ ر) اس کا ترجمہ عام طور پر "نیکی" کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے اس لفظ کا صحیح مفہوم سامنے

نہیں آسکتا۔ اس مادہ کے اصلی معنی وسعت، فراخی، کشادگی اور کثرت کے ہیں چنانچہ بحر کے مقابلہ میں بر خشکی کے وسیع میدان کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا، قرآن کریم کی رُو سے بِرّ ان کاموں کو کہا جائے گا جن سے کشادگی کی راہیں کھل جائیں یعنی جن سے انفرادی طور پر نگاہ میں فراخی، قلب میں کشادگی اور انسانی ذات میں وسعت پیدا ہو جائے اور اجتماعی طور پر سامانِ زیست میں کثرت اور فراوانی حاصل ہو جائے۔

(۰)

کس قسم کے کام البِرّ میں آتے ہیں

(۱) رسمی طور پر بعض عبادات یا مناسک کو ادا کر لینا بِرّ نہیں۔ چنانچہ یہ بِرّ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ بِرّ یہ ہے کہ تم وحی کی رُو سے عطا کردہ عظیم صداقتوں پر ایمان رکھو۔ اپنے مال و دولت کو، اس کی محبت کے باوجود، ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دو۔ نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرو۔ اپنے عہد کو پورا کرو۔ مشکلات (مصائب) کے وقت ثابت قدم رہو۔ یہ لوگ ہیں جو اپنے دعوئے ایمان میں سچے اور زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچ کر چلنے والے ہیں۔ (۲:۱۷۷)

(۲) کشادہ اور وسعت کی راہیں اس قسم کی توہم پرستانہ رسوم سے وابستہ نہیں کہ تم حج کے دنوں میں اپنے گھروں میں سامنے کے دروازے کے بجائے پچھواڑے سے آؤ۔ بِرّ یہ ہے کہ تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کس حد تک کرتے ہو۔ (۲:۱۸۹)

(۳) تم بِرّ تک نہیں پہنچ سکتے، تاوقتیکہ تم ہر اس چیز کو جو تمہیں بہت عزیز ہو، جس سے تم بڑی محبت رکھتے ہو، جو تمہارے لئے باعثِ کشش ہے، دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کیلئے کھلی نہ رکھو۔ (۳:۹۱)

(۴) بِرّ اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ اور اثم و عدوان کے کاموں میں تعاون مت کرو۔ (۵:۲)

(۵) ایسا نہ کرو کہ دوسروں کو تو وسعتِ ظرف اور کشادِ قلب کی باتوں کی تلقین کرو۔ اور اپنے آپ کو ان باتوں کی طرف سے بالکل فراموش کر دو۔ تم خود بھی اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرو۔ (۲:۴۴)

(۶) باہمی خفیہ مشورے کرو تو ہمیشہ بِرّ و تقویٰ کے معاملات میں مشورے کرو۔ اثم و عدوان کی باتوں میں مشورے مت کرو۔ (۵۸:۹)

مندرجہ بالا دونوں آیات میں بِرّ اور تقویٰ کے مقابلہ میں اِثم اور عدوان کے الفاظ آئے ہیں۔ اِثم وہ کام ہیں جن سے اضمحلال اور افسردگی پیدا ہو۔ اور عدوان، قانون سے سرکشی کو کہتے ہیں۔ اس تقابل سے بِرّ کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

بَرٌّ

(۱) حضرت یحییٰ اپنے والدین کے ساتھ بَرّ کا سلوک کرتے تھے۔ یعنی وسعت اور فراخی کا سلوک۔ (۱۹:۱۴)

(۲) حضرت عیسیٰ نے دعا کی کہ مجھے اپنی والدہ کے ساتھ وسعت اور فراخی کا سلوک کرنیوالا بنا۔ (۱۹:۳۲)

(۳) کاتبینِ وحی کو کِرَامٍ بَرَرَةٍ کہا گیا ہے ــــ (۸۰ : ۱۶)

خدا کی صفت

خدا کی صفت اَلْبَرُّ الرَّحِیْمُ بھی ہے ــــ (۵۲ : ۲۸)۔ یعنی نہایت وسعت اور کشاد سے سامانِ نشو و نما عطا کرنے والا۔ کائنات کے دسترخوان پر سامانِ نشو و نما کی فراخی سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ اس کا عطا کرنے والا کس قدر بَرّ واقع ہوا ہے۔ انسان کے اندر اسی صفتِ خداوندی کا (علیٰ حدِ بشریت) انعکاس، اس میں بِرّ کا جوہر پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ ابرار ہیں جن کا مقام جنت ہے۔ (۸۲:۱۳) [ان کے مقابلہ میں فجّار آیا ہے۔ یعنی وہ جن کی ذات میں انتشار ہو گیا ہو ــــ (۸۲ : ۱۴)] نیز ــ (۷۶:۵)، (۸۳ : ۱۸ ؛ ۲۲)۔ یہی وہ ابرار ہیں جنہیں خدا کی طرف سے ہر قسم کی خیر و برکت عطا ہوتی ہے ــ (۳:۱۹۷) اور ایسے ہی لوگوں کی معیت و رفاقت کی آرزو ہمیں سکھائی گئی ہے ــــ (۳ : ۱۹۲)

متفرقات

(۱) اپنی قسموں کو بِر و تقویٰ اور اصلاح بین الناس کے کاموں سے باز رہنے کے لئے آڑ مت بناؤ۔ ایسی قسمیں لغو ہوتی ہیں ــــ (۲ : ۲۲۴)

(۲) بمعنی حسنِ سلوک۔ کشادہ ظرفی ــــ (۶۰ : ۸)

ابرار۔ (بَرّ کی جمع)

(۱) مومنین کی دعائیں کہ ہمارا انجام ابرار کے ساتھ ہو (۳:۱۹۳)

(۲) جنت ابرار کے لئے خدا کی مہمان نوازی ہے ـــ (۱۹۸ : ۳)
(۳) ابرار جنت میں جائینگے ـــ (۵ : ۷۶) ـــ (۱۳ : ۸۲) - کتاب ابرار علیین میں ہو گی ـــ (۲۲ ،۱۸ : ۸۳)
(۴) کاتبانِ وحی، کرام بررۃ تھے ـــ (۱۶ : ۸۰)
(نوٹ)۔ بَر بمعنی خشکی کے لئے عنوان بحر دیکھئے)

(۰)

۱۴- برزخ

برزخ دو چیزوں کے درمیان روک یا حد کو کہتے ہیں۔ سورۃ فرقان میں ہے کہ بعض مقامات پر مختلف ذائقوں کے پانی اکٹھے بہتے رہتے ہیں ـــ ایک نہایت شیریں، دوسرا بہید کڑوا لیکن اس اختلاط کے باوجود ان دونوں کے درمیان ایک آڑیا روک (برزخ) رہتی ہے جو انہیں آپس میں ملنے نہیں دیتی (۵۳ : ۲۵) سورۃ الرحمٰن میں بھی اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے ـــ (۲۰-۱۹ : ۵۵)

حیات برزخ

سورۃ مومنون میں ہے کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے واپس لوٹا دے تو میں ضرور عملِ صالح کروں۔ قرآن کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی واپس نہیں آسکتا۔ ان کے پیچھے ایک روک (برزخ) ہے یوم بعث تک ـــ (۱۰۰ : ۲۳)۔ اس مقام کے سوا یہ لفظ قرآنِ کریم میں اور کہیں نہیں آیا (سوائے اُن دو مقامات کے جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے)۔

ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے کہ دنیاوی موت اور اُخروی زندگی کے درمیان ایک عبوری دور ہے جسے برزخ کی زندگی کہتے ہیں۔ اس سے موت اور زندگی کے بین بین کی حالت مراد لی جاتی ہے۔ حیاتِ اُخروی کا مسئلہ بڑا وضاحت طلب ہے۔ اس لئے اسے اس طرح ضمناً بیان نہیں کیا جا سکتا ـــ برزخ، قبر، بعث، قیامت وغیرہ متعلقہ موضوعات کی تشریح کے مناسب مقامات بھی وہی عنوان ہیں۔ اس کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے۔ بہرحال، مُردوں کے سلسلے میں برزخ کا لفظ اسی ایک مقام پر آیا ہے۔ یعنی ـــ (۱۰۰ : ۲۳) میں۔

(۰)

۱۳-۲۔ برکت

(مبارک)

برکت - (ب-ر-ک)۔ برکت کے معنی ہوتے ہیں ایسا ثبات اور استحکام جس کے ساتھ نشو ونما بھی ہو۔ یعنی ایک شے اپنی جگہ مستحکم بھی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ بڑھتی، پھولتی، پھلتی بھی رہے۔ اس اعتبار سے، ذرائع ثبات و استحکام کی فراوانی اور سامانِ نشو ونما کی کثرت کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ نیز ہر قسم کی خیر و خوبی کے لئے بھی۔

(۰)

انبیائے کرام

(۱) حضرت نوحؑ کی کشتی جب سلامتی کے ساتھ لنگر انداز ہوئی تو ان سے کہا گیا کہ اب فکر مت کرو۔ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے اس سرزمین میں ہر طرح کا سامانِ ثبات و استحکام (برکات) موجود ہے — (۴۸ : ۱۱) — (۲۹ : ۲۳)

(۲) جب حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی اور ان کی بیوی کو اس پر تعجب ہوا تو اس سے کہا گیا کہ یہ خدا کی رحمت اور برکات میں سے ہے — (۷۳ : ۱۱)

(۳) حضرت ابراہیمؑ و اسحٰقؑ کو برکات سے نوازا — (۱۱۳ : ۳۷)

(۴) حضرت عیسےؑ نے کہا کہ خدا نے مجھے بابرکت بنایا ہے — (۳۱ : ۱۹)

زمین میں برکات

(۱) زمین میں سامانِ نشو ونما فراوانی سے رکھ دیا تاکہ یہ تمام ضرورت مندوں کے یکساں طور پر کام آئیں۔ (۱۰ : ۴۱)

(۲) بارش میں برکت رکھ دی گئی ہے — (۹ : ۵۰)

بابرکت زمین

(۱) حضرت سلیمانؑ کی کشتیاں اس سرزمین کی طرف جاتی تھیں جس میں سامانِ نشوونما کی فراوانی تھی۔ (جو بابرکت تھی) ــــ (۲۱ : ۸۱)
(۲) قومِ سبا کے مضافات میں ایسی بستیاں جن میں کثرت سے پیداوار ہوتی تھی ــــ (۳۴ : ۱۸)
(۳) بنی اسرائیل کو اس سرزمین کے مشرقی اور مغربی حصہ کا مالک بنا دیا جس میں سامانِ نشوونما کثرت سے پیدا ہوتا تھا ـ یعنی ارضِ فلسطین ــــ (۷ : ۱۳۷)
(۴) رسول اللہ ہجرت کر کے اس سرزمین کی طرف گئے جس کا ماحول بابرکت تھا۔ یعنی مدینہ کی طرف۔ (۱۷ : ۱)
(۵) حضرت لوطؑ بابرکت زمین کی طرف ہجرت کر کے گئے ــــ (۲۱ : ۷۱)

مبارک

(۱) آسمان سے بارش برساتی جس سے زمین میں فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں ــــ (۵۰ : ۹)
(۲) وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰؑ کو پہلی مرتبہ وحی ملی تھی، بڑا بابرکت تھا ــــ (۲۸ : ۳۰)۔ جو اس کے اندر تھا، وہ بھی ــــ (۲۷ : ۸)
(۳) مکہ ــ جو نظامِ خداوندی کا مرکز ہے ــ بڑا مبارک ہے۔ یعنی وہ سرچشمہ جہاں سے نوعِ انسان کو وحیٔ خداوندی کے مطابق، سامانِ ثبات واستحکام اور نشوونما ملتی تھی ــــ (۳ : ۹۵)
(۴) قرآنِ کریم مبارک کتاب ہے کیونکہ اس سے نوعِ انسانی کو ثبات واستحکام حاصل ہوگا۔ اور اس کی صحیح صحیح نشوونما ہو سکے گی ــــ (۶ : ۱۵۵؛ ۶ : ۹۳)ــــ(۲۱ : ۵۰)ــــ(۳۸ : ۲۹)
(۵) جس رات نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی (یا جس دور میں اس کا نزول ہوا) وہ بھی مبارک تھی۔ کیونکہ اس میں نوعِ انسانی، خیر و برکت کے سرچشمہ سے بہرہ یاب ہوئی ــــ (۴۴ : ۳)
(۶) قرآن کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی روشنی شرق وغرب کی حدود سے ماوراء ہے اور جو تمام نوعِ انسان کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ ہے ــــ (۲۴ : ۳۴)
(۷) قرآن کو اس ذاتِ خداوندی نے نازل کیا جو خیر و برکت کا سرچشمہ ہے ــــ (۲۵ : ۱)

دعائے خیر و برکت

جب تم کسی کے ہاں جاؤ تو اہل خانہ سے خیر و برکت کی دعا کہو ــــ (۶۱ : ۲۴)

ایمان و تقویٰ کا نتیجہ

(۱) ایمان اور تقویٰ سے زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں ــــ (۹۶ : ۷)
(۲) رسول اللہ سے کہا گیا کہ خدا تجھے سرسبز و شاداب باغات عطا کرے گا ۔ (۱۰ : ۲۵)

ذاتِ خداوندی

(۱) ہر قسم کے خیر و برکت کا حقیقی سرچشمہ خدا کی ذات ہے جس نے جملہ کائنات اور نوعِ انسان کی نشوونما کا ذمہ لے رکھا ہے ــــ (۵۴ : ۷) ــــ (۶۵ : ۴۰)
(۲) خدا کی ایک بنیادی صفت "خیر و برکت کا سرچشمہ" ہے ــــ (۷۸ : ۵۵)
(۳) وہ احسن الخالقین ... اور سرچشمۂ خیر و برکت ہے ــــ (۱۴ : ۲۳)
(۴) کائنات میں اقتدار و اختیار اسی خیر و برکت کے سرچشمہ کا ہے ۔ لہٰذا اس کا کنٹرول اور اقتدار مستبد حاکم کا اقتدار نہیں ۔ خیر و برکت عطا کرنے والے کا اقتدار ہے ۔ (۸۵ ، ۴۳) ــــ (۲ : ۶۷)
(۵) اس کی اسی صفت کا نتیجہ ہے کہ اس نے قرآن نازل کیا تاکہ اس سے نوعِ انسان کو ہر قسم کی برکات نصیب ہوں ــــ (۱ : ۲۵)
(۶) اور اسی صفت کے ماتحت کائنات کا طبعی نظام قائم کیا ــــ (۶۱ : ۲۵) ۔ لہٰذا ، نظامِ طبعی اور آسمانی رشد و ہدایت کا مقصود اشیائے کائنات اور عالمِ انسانی کو سامانِ ثبات و نشوونما عطا کرنا ہے ۔

ــــ (۰) ــــ

۱۴۔ برہان

(نیز دیکھئے ۔ بصیرت ، علم)

برہان (ب ۔ ر ۔ ھ ۔) اس کے معنی ایسی دلیل کے ہیں جو بالکل ، واضح ، ظاہر ، صاف ، سچی اور

ہمیشہ قائم رہنے والی ہو۔

قرآن کریم اپنے ہر دعویٰ کو دلیل و برہان کی رُو سے پیش کرتا اور علم و بصیرت کی رُو سے منواتا ہے۔ اس لئے کہ دین میں جبر کا سوال ہی نہیں۔ ایمان کہتے ہی دل و دماغ کے پورے اطمینان کو ہیں۔

(۰)

قرآن خود بُرہان ہے

(۱) اے نوعِ انسان! تمہارے پاس تمہارے نشو ونما دینے والے کی طرف سے، ایک بُرہان آگئی۔ یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی نازل کر دی ہے ـــــ (۴:۱۷۵)

(۲) عصائے موسیٰ اور یدِ بیضا کو بُرہان کہا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی محکم اور روشن دلائل ہی تھے جنہیں فرعون کے دعوے کی تردید کے لئے پیش کیا جانا مقصود تھا ـــــ (۲۸:۳۲)

بُرہان طلبی

(۱) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ یہودی یا نصرانی نہ ہو۔ ان سے کہا کہ تم اپنے اس دعویٰ کی کوئی دلیل رکھتے ہو تو اسے پیش کرو۔ اس کے بعد کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ جنت کسی گروہ کی ملکیت نہیں۔ اس کے دروازے ہر اس شخص کے لئے کھلے ہیں جو اپنے آپ کو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا دے اور حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے۔ ایسے لوگ خوف و حزن سے مامون رہیں گے ـــــ (۲:۱۱۱-۱۱۲)

(۲) جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں کو بھی صاحبِ اقتدار مانتے ہیں، ان سے کہا کہ تم اپنے دعوے کے ثبوت میں دلیل لاؤ ـــــ (۲۱:۲۴)—(۲۷:۶۴)

(۳) ہر اس قوم سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ جو انسانوں کے خود ساختہ تصورات اور قوانین کو واجب الاطاعت قرار دے کر، شرک کے مرتکب ہوتے ہیں ـــــ (۲۸:۷۵)

(۴) ان لوگوں سے برہان کا مطالبہ کرنے کے بعد کہا کہ ان کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہو سکتی ـــــ (۲۳:۱۱۷)۔ غور کیجئے! کتنا بڑا اعتماد ہے اپنے دعویٰ کی صداقت پر کہ اس

کے خلاف، کسی کے پاس دلیل و برہان نہیں ہو سکتی ——— (۲۳ : ۱۱۷)

برہانِ ربّی

جب عزیزِ مصر کی بیوی نے وہ تمام حالات پیدا کر دیئے جن میں انسان کے پاؤں میں لغزش آجائے تو قرآنِ کریم میں ہے کہ) اگر یوسفؑ کے سامنے اپنے خدا کی برہان نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ بھی پھسل جاتا۔ (۱۲ : ۲۴) ظاہر ہے کہ یہاں برہان سے مراد وحی کی رُو سے ملی ہوئی تعلیم ہے جو اس حقیقت کی دلیل ہوتی ہے کہ اس قسم کے غلط اقدام سے انسانی ذات کا کس قدر نقصان ہوتا ہے۔ غور کیجئے! وحی کی دلیل کس قدر محکم اور واضح ہوتی ہے کہ وہ انسان کو اس قدر شدید جذبات کی رَو میں بہنے سے بھی روک سکتی ہے۔ جذبات کو دلیل سے روکنا، وحی کی تعلیم ہی سے ممکن ہے، ورنہ جذبات کی شدت میں (اور وہ بھی جنسی جذبات کی شدت !) انسان کی سمجھنے سوچنے کی قوت ہی مفلوج ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ کہا ہے کہ متقی وہ ہیں کہ جب ان کے ذہن میں کوئی غلط خیال یونہی گھومتے پھرتے بھی آجائے تو وہ وحی کی تعلیم کو سامنے لے آتے ہیں۔ تو اس سے ایسا ہوتا ہے گویا ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس طرح وہ اس غلط خیال کو جھٹک کر الگ کر دیتے ہیں ——— (۷ : ۲۰۱)

——— (۰) ———

۱۵۔ بشارت

(نیز دیکھئے۔ انذار)

بِشَارَةٌ ۔ (ب۔ ش۔ ر)۔ اس کے بنیادی معنی کسی ایسی خبر کے ہیں جس سے سننے والے کے چہرے کی رنگت بدل جائے، خواہ وہ خوشی کی خبر ہو یا غم کی۔ لیکن عام طور پر اسے خوشی کی خبر کے لئے بولا جاتا ہے۔ ایک شخص کسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ وہ اس کا معائنہ کرنے کے بعد کہتا ہے کہ غنیمت ہے تم وقت پر آگئے۔ اس وقت تک مرض قابلِ علاج ہے اور تمہیں شفا ہو جائے گی۔ لیکن اگر تم نے علاج نہ کیا یا تساہل [illegible] مرض مہلک ثابت ہو جائے گا۔ پہلی بات کو تبشیر کہا جائے گا۔ یعنی مریض کو خوشخبری

دینا کہ مناسب علاج سے تمہیں شفا ہو جائے گی۔ اور دوسری بات کو تنذیر۔ یعنی اسے اس بات سے آگاہ کرنا کہ اگر تم نے علاج نہ کیا اور احتیاط نہ برتی تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرات انبیاء کرام کا منصب مبشر اور منذر کا ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کو ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے تھے۔ اور ان کی صحیح روش کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دیتے تھے۔ اس عنوان کا تعلق تبشیر (بشیر) سے ہے۔

———— (۰) ————

منصبِ رسالت

(۱) تمام انبیاء کرام مبشرین اور منذرین تھے — (۲ : ۲۱۳) — (۴ : ۱۶۵) — (۶ : ۴۸) — (۱۸ : ۵۶) —

(۲) تمہاری طرف بشیر اور نذیر آ گئے تھے — (۵ : ۱۹)

نبی اکرمؐ بہ حیثیت بشیر و نذیر

(۱) آپؐ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا — (۲ : ۱۱۹) — (۵ : ۱۹) — (۷ : ۱۸۸) — (۱۷ : ۱۰۵) — (۱۹ : ۹۷)

— (۲۵ : ۵۶) — (۳۳ : ۴۵) — (۳۵ : ۲۴) — (۴۱ : ۴) — (۴۸ : ۸)

تمام نوعِ انسان کے لئے بشیر و نذیر — (۳۴ : ۲۸)

(۲) حضرت عیسےٰؑ نے نبی اکرمؐ کی بعثت کی (احمدؐ کا نام لے کر) بشارت دی — (۶۱ : ۶)

(۳) کہو کہ میں تو صرف بشیر و نذیر ہوں — (۷ : ۱۸۸) — (۱۱ : ۲)

قرآنِ کریم — بشارات دینے والا

(۱) قرآنِ کریم، مومنین کے لئے ہدایت اور بشارت ہے — (۲ : ۹۷) — (۱۶ : ۸۹ ; ۱۰۲) — (۱۷ : ۹)

(۱۸ : ۲) — (۱۹ : ۹۷) — (۲۷ : ۲) — (۴۱ : ۳) — (۴۶ : ۱۲)

(۲) نزولِ وحی سے مقصد تبشیر و تنذیر ہے — (۱۰ : ۱–۲) — (۱۹ : ۹۷)

(۳) قرآنی احکام کے نزول سے مومنین کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں — (۹ : ۱۲۴)

مومنین کیلئے بشارات

(۱) ایمان و اعمالِ صالح سے جنت کی بشارت ــ (۲:۲۵)ــ(۱۸:۲)ــ(۴۲:۲۳)ــ(۵۷:۱۲)
مومنین نے خدا کے ہاتھ اپنا جان و مال بیچ کر جو سودا کیا ہے اس پر انہیں خوش ہونا چاہئیے۔(۹:۱۱۱)

(۲) جو لوگ حق و باطل کی کشمکش میں ثابت قدم رہتے ہیں، ان کے لئے خوشگوار نتائج کی خوشخبری ہے۔
ــ (۲:۱۵۵-۱۵۷)۔ ان پر ملائکہ کا نزول اور بشارات ــ (۴۱:۳۰-۳۱)ــ(۴۶:۱۲-۱۳)

(۳) مومنین کے لئے خوشگوار نتائج کی خوشخبری ــ (۲:۲۲۳)ــ(۹:۲۱ ; ۱۱۲ ; ۱۳۴)ــ(۱۰:۲ ; ۸۷)
ــ(۱۶:۸۹ ; ۱۰۲)ــ(۱۷:۹)ــ(۱۹:۹۷)ــ(۳۳:۴۷)ــ(۳۹:۱۷)ــ(۶۱:۱۳)

(۴) جنگِ بدر میں ملائکہ کے ذریعے امداد سے مقصد مومنین کو فتح و کامرانی کی بشارت دینا تھا ــ
(۳:۱۲۵)ــ(۸:۱۰)

(۵) مجاہدین کے لئے بشارات ــ (۹:۲۰-۲۱)
مقتولین فی سبیل اللہ کے لئے حیاتِ ابدی کی بشارات ــ (۳:۱۶۹-۱۷۰)

(۶) مومنین، اولیاء اللہ ہیں۔ ان کے لئے بشارات کہ ان کی اس دنیا کی زندگی بھی خوشگوار ہوگی اور آخرت کی زندگی بھی۔ یہ غیر متبدل قانونِ خداوندی ہے ــ (۱۰:۶۲-۶۴)ــ(۴۱:۳۰-۳۱)

(۷) محسنین ۔ حسن کارانہ انداز سے ہدایتِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنیوالوں کے لئے بشارت۔
(۲۲:۳۴ ; ۳۷)ــ(۴۶:۱۲)

(۸) اتباعِ قرآن کرنیوالوں کو مغفرت اور اجرِ کریم کی بشارت ــ (۳۶:۱۱)

(۹) طاغوت کی محکومیت چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے بشارت ــ (۳۹:۱۷)

(۱۰) مخبتین کے لئے بشارت ــ (۲۲:۳۴)

مشرکین کی کیفیت

جب ان کے سامنے خدائے واحد کا نام لیا جائے تو منہ بسور لیتے ہیں لیکن جب اس کے علاوہ اوروں کا ذکر کیا جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں ــ (۳۹:۴۵)۔ نیز ــ (۱۷:۴۶)

متفرقات

(۱) غم کی خبر کے لئے اس لفظ کا استعمال ـــ کفار کو عذابِ الیم کی "بشارت"ـــ (۳ : ۲۰)ـــ(۴:۱۳۸)
ـــ(۹ : ۳؛۳۴)ـــ(۳۱ : ۷)ـــ(۴۵ : ۸)ـــ(۸۴ : ۲۴)
بیٹی کی پیدائش کی خبر سے چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے ـــ(۱۶ : ۵۸ـ۵۹)ـــ(۴۳ : ۱۷)
(۲) حضرت زکریاؑ کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری ـــ(۳ : ۳۸)
(۳) قافلہ کے پیش رَس نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں دیکھ کر آواز دی کہ خوشخبری ہو ایک غلام مل گیا ـــ (۱۲ : ۱۹)
(۴) حضرت مریمؑ کو بیٹے کی پیدائش کی بشارت ـــ(۳ : ۴۴)
قومِ لوط کے لوگ مہمانوں کو دیکھ کر خوشیاں مناتے ہوئے آئے ـــ(۱۵ : ۶۷)
(۵) حضرت ابراہیمؑ کے لئے بیٹے کی بشارت ـــ(۱۱ : ۶۹)ـــ(۱۵ : ۵۳ـ۵۵)ـــ(۲۹ : ۳۱)ـــ(۵۱ : ۲۸)ـــ(۳۷ : ۱۰۱)
(۶) ہوائیں، بارش کی خوشخبری دیتی ہیں ـــ(۷ : ۵۷)ـــ(۲۵ : ۴۸)ـــ(۲۷ : ۶۳)ـــ(۳۰ : ۴۶)
بارش سے لوگ خوش ہو جاتے ہیں ـــ(۳۰ : ۴۸)
(۷) حضرت عیسےٰؑ نے حضورؐ کی بعثت کی (احمدؐ کے نام سے) بشارت دی ـــ(۶۱ : ۶)
(۸) جب ملائکہ سامنے آئینگے تو مجرمین کے لئے وہ خوشخبری کا دن نہیں ہوگا ـــ(۲۵ : ۲۲)

ـــــــ (۰) ـــــــ

۱۶۔ بشر

(نیز دیکھئے۔ انسان۔ آدم۔ رسول)

بشر۔ آدمی یا انسان۔ قرآن کریم نے بشر اور انسان کے الفاظ کو مرادف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً سورۃ حجر میں پہلے کہا ہے کہ ہم نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ـــ(۱۵ : ۲۶)۔ اور

ایک ہی آیت کے بعد کہا کہ تیرے ربّ نے ملائکہ سے کہا کہ میں کھنکھناتی مٹی سے بشر پیدا کرنے والا ہوں ــ (۱۵ : ۲۸) ــ (۷۱ : ۳۸)۔ ابلیس کا انکار کہ میں بشر کو سجدہ کیوں کروں ــ (۱۵ : ۳۳)۔ اس سے ظاہر ہے کہ بشر اور آدم مرادف الفاظ ہیں۔ یعنی آدم کسی خاص فرد کا نام نہیں۔ ہر بشر، آدم (آدمی) ہے۔

قرآن کریم نے ذہن انسانی کی ایک بنیادی غلطی کو جو توہم پرستی پر مبنی ہے، بار بار واضح کیا ہے یہ خیال شروع سے چلا آتا ہے، اور آجکل بھی مروج ہے کہ "روحانیت والے لوگ" عام انسانوں سے الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ وہ فوق البشر ہوتے ہیں۔ اسی لئے لوگ ان سے خارقِ عادت کرامات کے متوقع ہوتے ہیں اور ان کی طرف اس قسم کی باتیں منسوب بھی کی جاتی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب عام "روحانیت" کے مدعیوں کے متعلق اس قسم کا خیال ہو تو جو شخص خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کرے، اسے عام انسانوں جیسا کس طرح مان لیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم نے اپنے پیغمبروں (یا "روحانی" پیشواؤں) کو فوق البشر بنا دیا۔ انہیں ایشور (خدا) کا اوتار، بلکہ خود خدا بنا دیا۔ کہیں انہیں خدا کا بیٹا (ابن اللہ) قرار دے دیا۔ انہیں خدائی اختیارات کا مالک سمجھ لیا گیا۔ ان میں شانِ الوہیت پیدا کر دی لیکن قرآن کریم نے بار بار اس عقیدہ کو باطل اور اس تصور کو غلط قرار دیا۔ اس نے کہا کہ پیغمبر بھی عام انسانوں جیسے انسان ہوتے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ انہیں خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے۔ اس بات کو اس طرح واضح طور پر بار بار بیان کرنے اور اس پر اس قدر زور دینے کا ایک خاص مقصد تھا۔ رسول کا کام صرف وحی کا لوگوں تک پہنچا دینا نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس وحی کے مطابق خود زندگی بسر کرتا تھا۔ اور انسانی معاشرہ میں ایک عظیم انقلاب لاتا تھا۔ اب اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ رسول مافوق البشر قوتوں کا حامل ہوتا ہے تو اس کے متبعین قدم قدم پر یہ کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لینگے کہ جو کچھ اس نے کر کے دکھا دیا تھا، نہ ہم وہ کچھ کر سکتے ہیں، نہ ہی ہم اس جیسی سیرت اور کیریکٹر پیدا کر سکتے ہیں ــ ہم تو کیا کوئی انسان بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ قرآن نے کہا کہ یہ تصور غلط ہے۔ رسول، جو کچھ کرتے تھے، بشر ہونے کی حیثیت سے کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے جس طرح کی سیرت پیدا کی اور جو کچھ کر کے دکھایا، وہ ہر اس انسان کے لئے ممکن ہے جو وحی کی روشنی میں چلے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے رسول کی زندگی کو دوسروں کے لئے بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) قرار دیا ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ رسول فوق البشر قوتوں کا حامل ہوتا تھا تو اس کی زندگی عام انسانوں کے لئے نمونہ کس طرح بن سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ، لوگوں کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ اگر آپ خدا کے رسول ہیں تو ایسی

باتیں کر کے دکھائیے جو عام انسان نہ کر سکتے ہوں۔ اگر آپ نے ایسا کچھ دکھا دیا تو ہم مان لینگے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے۔ رسول ان سے کہتا کہ سوچو کہ ان دونوں باتوں کا باہمی تعلق کیا ہے؟ میں جو تعلیم پیش کرتا ہوں اس پر عقل وفکر کی رُو سے غور کرو اور علم وبصیرت کی بنا پر فیصلہ کرو کہ وہ سچی تعلیم ہے یا نہیں میری تعلیم کی صداقت کے پرکھنے کا یہی معیار ہے۔ اور اس کے بعد اس پر عمل کر کے دیکھو کہ اس سے وہی نتائج مرتب ہوتے ہیں یا نہیں جن کا دعویٰ یہ تعلیم کرتی ہے۔ اس تعلیم پر عمل کرنا ہر انسان کے لئے ممکن ہے۔ اس لئے کہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں جب میں اس پر عمل کر سکتا ہوں تو تم اس پر عمل کیوں نہیں کر سکتے۔

یہ ہے وہ کشمکش جسے قرآن کریم نے اس شرح وبسط سے پیش کیا ہے۔ مخالفین رسول سے فوق البشر ہونے کا مطالبہ کرتے، اور وہ اپنی بشریت پر زور دیتے چلا جاتا۔ آپ نے غور کیا کہ قرآن نے کس طرح انسانوں کے صدیوں سے مروج غلط عقاید سے پردے اٹھا کر رکھ دیئے ہیں۔ اور دین کو کس طرح علم وبصیرت کی رُو سے پیش کیا ہے۔

—— (۱) ——

رسولوں کی بشریت پر اعتراض

جس قوم کی طرف بھی رسول آیا اس نے کہا کہ کیا ایک عام انسان ہماری راہ نمائی کریگا؟ —(۱۴:۱۰)— (۱۵:۳۶) —— (۶۴:۶)

حضرت موسیٰؑ کے خلاف

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ واہ! کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ان دو بھائیوں پر ایمان لے آئیں جب کہ حالت یہ ہے کہ یہ ہمارے ہی جیسے انسان ہیں (ان میں کوئی فوق البشر بات نہیں)۔ اور اس قوم کے افراد ہیں جو ہماری محکوم ہے —— (۲۳:۴۷)

نبی اکرمؐ پر اعتراض

(۱) یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے، پھر رسول کس طرح ہوا؟ —— (۲۱:۳)

(۲) یہودیوں کا اعتراض کہ ایک انسان پر وحی کیسے نازل ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب کہ (حضرت) موسےٰ پر کیسے وحی نازل ہو گئی تھی۔ جبکہ وہ بھی ایک بشر ہی تھے —— (۶:۹۲)

(۳) قریش کے نمائندوں نے کہا کہ یہ (قرآن) ایک بشر کا کلام ہے —— (۲۵ : ۴۷)

(۴) اعتراض کہ اسے کوئی انسان یہ باتیں سکھا جاتا ہے اور یہ اسے وحی کہہ کر پیش کر دیتا ہے —— (۱۰۳ : ۱۶)

حضرت نوحؑ

(۱) سردارانِ قوم نے لوگوں سے کہا کہ یہ تو تمہارے جیسا انسان ہے —— (۲۷ : ۱۱) —— (۳۳ : ۲۳)

(۲) سردارانِ قوم نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی اطاعت اختیار کر لی تو تم بڑے نقصان میں رہو گے —— (۳۴ : ۲۳)

اس سے واضح ہے کہ اس اعتراض میں حسد کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا تھا کہ ہمارے ہی جیسا ایک انسان ہم سے اونچا کس طرح بن سکتا ہے۔ ہم اسے اپنے سے بلند کس طرح تسلیم کر لیں؟

حضرت صالحؑ

(۱) تم تو ہمارے جیسے انسان ہو۔ اگر خدا کے رسول ہو تو اپنے دعویٰ کی صداقت کی کوئی نشانی پیش کرو۔

(۲۶ : ۱۵۴)

(۲) حسد کا جذبہ کہ ہم میں سے ہمارے ہی جیسا ایک انسان اور ہم اس کی اطاعت اختیار کر لیں؟ —— (۲۴ : ۵۴)

حضرت شعیبؑ

(۱) تم تو ہمارے جیسے انسان ہو —— (۱۸۶ : ۲۶)

رسولوں کا اعتراف بلکہ دعویٰ

(۱) ہر ایک رسول نے، مخالفین کے اعتراض کے جواب میں کہا کہ بیشک ہم تمہارے جیسے انسان ہیں۔ یہ خدا کی موہبت ہے کہ اس نے ہمیں وحی عطا کی ہے —— (۱۱ : ۱۴)

(۲) خدا کی طرف سے جواب کہ ہاں! یہ رسول (نبی اکرمؐ) ایک انسان ہے۔ اس سے پہلے بھی جتنے رسول آئے وہ بھی عام انسانوں کی طرح کھاتے، پیتے اور اپنے وقت پر وفات پا جاتے تھے —— (۸ : ۲۱)

(۳) حضورؐ سے کہا گیا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔ اس فرق کے ساتھ کہ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے —— (۱۱۰ : ۱۸) —— (۶ : ۴۱)

(۴) حضورؐ سے کہا گیا کہ آپ سے پہلے بھی کسی انسان کو حیاتِ جاوداں (اس دنیا میں ہمیشہ کی زندگی)

نہیں ملی۔ اس لئے آپ بھی یہاں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ آپ کی بھی ایک دن وفات ہوگی۔ ہر متنفس نے ایک دن مرنا ہے ـــــ (۳۵-۳۴ : ۲۱)

(۵) کفار کا مطالبہ کہ ہمیں ایسا معجزہ دکھائیے اور ویسا معجزہ دکھائیے۔ جواب خداوندی کہ ان سے کہہ دو کہ میں تمہاری توہم پرستیوں کے تصورات سے بہت بلند ہوں۔ میں ایک انسان (بشر) ہوں۔ اور خدا کا پیامبر۔ اس لئے مجھ سے کسی فوق البشر باتوں کی توقع نہ رکھو ـــــ (۹۳-۹۰ : ۱۷)

(۶) لوگوں کا ہمیشہ یہ اعتراض رہا کہ ایک بشر، رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر زمین پر ملائکہ بستے تو ہم کسی ملک (فرشتے) کو رسول بنا کر بھیج دیتے۔ چونکہ یہاں انسان بستے ہیں اسلئے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ اس کا پیش کردہ نظام انسانوں کے لئے ناممکن العمل نہیں۔ کیونکہ وہ اس پر خود عمل کر کے دکھا رہا ہے ـــــ (۹۵-۹۴ : ۱۷)

قرآن، انسانوں کے لئے تنذیر ہے

قرآن کی آگہی بشر کے لئے ہے ـــــ (۳۶ ; ۳۱ : ۷۴)

بشر کی تخلیق

(۱) ابلیس نے کہا کہ میں بشر کو سجدہ کیسے کروں ـــ (۳۳ : ۱۵)۔ ملائکہ سے ـــ (۲۸ : ۱۵) ـــ (۷۱ : ۳۸)

(۲) تراب سے تخلیق کی ابتدا ـــــ (۲۰ : ۳۰)۔ ماء سے ـــ (۵۴ : ۲۵)

متفرقات

(۱) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ یہ دعویٰ غلط ہے تم تو خدا کی مخلوق میں سے عام انسانوں جیسے ہو۔ پھر خدا کی اولاد کیسے ہو سکتے ہو؟ ـــ (۱۸ : ۵)

(۲) کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں، خواہ اسے خدا، کتاب اور حکومت یا نبوت بھی کیوں نہ دیدے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں بلکہ میرے محکوم اور فرماں پذیر بن جاؤ۔ اسے یہی کہنا چاہیئے کہ تم اس کتاب کی اطاعت سے، جو خدا نے تمہیں دی ہے، ربانی بن جاؤ ـــــ (۷۸ : ۳)

(۳) ابلیس کا انکار کہ میں ایک بشر کے سامنے کیسے جھکوں؟ — (۱۵ : ۳۳)
آدم اور بشر مرادف المعنی ہیں — (۷ : ۳۸)۔ اس لئے آدم کسی خاص فرد کا نام نہیں۔ ہر آدمی یا بشر آدم ہے۔
(۴) اللہ انسانوں سے تین طریقوں سے بات کرتا ہے۔ رسولوں سے یا تو اس طریق سے جس سے اس نے حضرت موسیٰؑ سے بات کی تھی۔ یا وحی کے ذریعے۔ اور عام انسانوں سے اس وحی کی رو سے جو اس نے رسولوں کی طرف بھیجی تھی۔ وحی کی کنہ و حقیقت، یا اس کلام کی ماہیت جو اس نے حضرت موسیٰؑ سے کیا تھا کوئی غیر از نبی نہیں سمجھ سکتا۔ خدا کے ساتھ ہماری ہمکلامی صرف اس وحی (قرآن کریم) کے ذریعے ہوتی ہے جو اس کے رسول نے ہمیں دی ہے۔ ہم جب قرآن پڑھتے ہیں تو خدا ہم سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اب اس کے علاوہ خدا سے ہمکلامی کا اور کوئی طریق نہیں — (۴۲ : ۵۱)
(۵) خدا کی کوئی چہیتی اولاد نہیں۔ سب بشر ہیں اور مخلوق — (۵ : ۱۸)

(۰)

۱۷۔ بصیرت

<u>بصیرت</u>۔ (ب۔ص۔ر)۔ بَصَرٌ اُس روشنی کو کہتے ہیں جس سے آنکھ، نظر آنے والی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کا اطلاق خود آنکھ پر بھی ہونے لگا۔ نیز اس کے معنی کسی بات کا دل میں اتر جانا بھی ہیں۔ اسی بنا پر اس کے معنی علم بھی آتے ہیں۔ بَصِیْرٌ دیکھنے والے کو نیز عالم کو کہتے ہیں۔ بصیرت، قوتِ ادراک ذہانت، حجت، دلیل، عبرت و موعظت کو کہتے ہیں۔ نیز گواہ اور شاہد کو۔

قرآن کریم اپنی دعوت کو دلیل و برہان کی بنا پر پیش کرتا ہے۔ اور اسے علم و بصیرت کی رو سے سمجھنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس لئے، انسانی زندگی میں بصیرت کا مقام بہت بلند ہے۔ لیکن جس طرح، محسوس اشیاء کو دیکھنے کے لئے انسانی آنکھ اور خارجی روشنی، دونوں کی ضرورت ہے۔ (ان میں سے ایک کی بھی کمی ہو تو کوئی چیز نظر نہیں آسکتی) اسی طرح حقائق کو سمجھنے کے لئے انسانی بصیرت اور وحی کی راہ نمائی دونوں کی ضرورت ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی کمی ہو تو حقائق واقدار سمجھ میں نہیں آسکتے۔ لہٰذا، مومن وہ ہیں جو وحی کی روشنی میں اپنی بصیرت سے کام لے کر دنیا میں چلتے ہیں۔

بصر۔ بصارت

(۱) بصارت، آنکھ کا طبیعی فعل ہے۔ یعنی دیکھنے کی قوت۔ قرآنِ کریم میں بصارت کا لفظ تو نہیں آیا، بصر کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی جمع ابصار ہے۔
ذرا سوچو کہ اگر اللہ تمہاری سننے، دیکھنے اور سمجھنے سوچنے کی قوت (یا صلاحیت) کو سلب کر لے تو وہ کونسی قوت ہے جو اسے واپس دے سکتی ہے؟ — (۶ : ۴۶)

(۲) انسان کی سماعت و بصارت کی قوتوں پر کنٹرول خدا کا ہے۔ اسی کے قانون کے ماتحت یہ صلاحیتیں کام کرتی ہیں — (۱۰ : ۳۱)

(۳) جس بات کی تم تحقیق نہ کر لو، اس کے پیچھے نہ لگ جایا کرو۔ یاد رکھو! سماعت، بصارت اور قوتِ فہم و ادراک، ہر ایک کے متعلق تم سے بازپرس ہوگی کہ تم نے ان سے کام کیوں نہیں لیا تھا۔ (۱۷ : ۳۶)

(۴) ضد اور تعصب، انکار و سرکشی سے سر کی آنکھیں نہیں اندھی ہوا کرتیں۔ سینے میں دل اندھے ہوا کرتے ہیں — (۲ : ۷) — (۲ : ۱۸-۲۰) — (۲ : ۱۷۱) — (۶ : ۱۱۰) — (۱۶ : ۱۰۸) — (۲۲ : ۴۶)

(۵) خدا نے انسان کو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی قوت عطا کی ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جو ان سے صحیح صحیح کام لیتے ہیں — (۲۳ : ۷۸) — (۳۲ : ۹) — (۶۷ : ۲۳)

(۶) مومن مردوں اور عورتوں کو تلقین کہ باہر نکلو تو اپنی نگاہوں کو بے قابو نہ ہونے دو۔ (۲۴ : ۳۰-۳۱)

(۷) خدا آنکھ کی خیانت اور دل کے ارادوں تک سے واقف ہوتا ہے — (۴۰ : ۱۹)

(۸) خدا نے انسان کو دیکھنے اور سننے کی قوت عطا کی ہے — (۱۶ : ۷۸) — (۷۶ : ۲)

(۹) تم کارگہِ کائنات پر نگاہ ڈالو، تمہیں کہیں کوئی جھول، کوئی سقم دکھائی نہیں دیگا۔ بار بار نگاہ ڈالو۔ کہیں بھی کوئی نقص نظر نہیں آئے گا — (۶۷ : ۳-۴)۔ یہاں بصر کے معنی نگہ بصیرت بھی ہو سکتے ہیں۔

(۱۰) قیامت کے متعلق کہا کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی لیکن اس سے مراد، طبیعی آنکھ نہیں بلکہ سمجھنے سوچنے کی صلاحیت زیادہ موزوں ہیں — (۷۵ : ۷)۔ اسی طرح دوسری جگہ ہے کہ اُس دن نگاہیں اس قدر تیز ہو جائیں گی کہ وہ ٹھوس چیزوں کے بھی آر پار چلی جائینگی — (۱۴ : ۴۲) — (۲۱ : ۹۷) — (۵۰ : ۲۲)

(۱۱) جب انسان جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے تو دیکھنے، سننے، سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ باوجود علم رکھنے کے، سیدھے راستے پر نہیں چل سکتا — (۴۵ : ۲۳)
(۱۲) ساعت کا آنا بس آنکھ جھپکنے کی بات ہے — (۷۷ : ۱۶) — (۵۰ : ۵۴)۔ (تفصیل اپنے مقام پر ملے گی)۔

(۱۳) مومن، اس وقت سے خائف رہتے ہیں جب نگاہیں اور قلوب الٹ جایا کرتے ہیں — (۳۷ : ۲۴)
(۱۴) غلط نظام زندگی میں سمع، بصر اور قلب تباہیوں سے نہیں بچا سکتے۔ یعنی محض تدبر کی فسوں سازی اور مادی اسباب و ذرائع کی فراوانی سے غلط نظام کے تباہ کن نتائج رک نہیں سکتے — (۲۶ : ۴۶)

(۴۷ : ۲۳—۲۴)

(۱۵) خدا کے قانون مکافات عمل کی رُو سے، خود انسان کی اپنی سماعت، بصارت اور قلب اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں — (۲۲ : ۴۱)
(۱۶) لیکن قرآن کریم نے بصر اور نظر میں بھی فرق کیا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ یہ مخالفین، اے رسول! تیری محفل میں آکر بیٹھتے ہیں تو ان کی نگاہیں بیشک تیری طرف ہوتی ہیں۔ لیکن یہ درحقیقت دیکھ نہیں رہے ہوتے۔ ان کے دل کہیں اور ہوتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ نظر سے مراد محض آنکھ کا طبعی فعل ہے۔ اور بصر میں اس کے ساتھ دل کا ارادہ بھی شامل ہوتا ہے — (۱۹۸ : ۷)۔ اس طرح دیکھنے اور سننے والوں کو اندھا اور بہرہ کہا گیا ہے — (۴۳—۴۲ : ۱۰)۔ لہٰذا، دیکھنا اسی کا ہے جو غور و فکر سے کام لے۔ اسی لئے بصارت کے ساتھ بصیرت ضروری ہے اور بصیر صرف آنکھوں سے دیکھنے والے ہی کو نہیں کہتے بلکہ علم رکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ خدا کی ایک صفت بصیر بھی ہے۔ یہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آئی ہے۔ اس کے معنی، انسانوں کی طرح طبیعی آنکھ سے دیکھنے والا نہیں بلکہ علم رکھنے والا ہیں۔ نیز جہاں کہا گیا ہے کہ انسانی نگاہیں (ابصار) اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں تو اس کے جہاں یہ معنی ہیں کہ خدا کوئی محسوس و مرئی مادی شخصیت نہیں جسے آنکھوں سے دیکھا جا سکے، اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ انسانی علم و ادراک اس کی ذات کی کنہ و حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ انسان کا علم بہرحال محدود ہے، اور خدا کی ذات لامحدود۔ اور کوئی محدود، لامحدود کا احاطہ نہیں کر سکتا — (۶ : ۱۰۴)

(۴) مومنین کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کبھی کوئی شیطانی وسوسہ یونہی گھومتے پھرتے ان کے دل میں آجاتا ہے تو وہ قرآنی تعلیم کو اپنے سامنے لے آتے ہیں اور اس سے ان کی نگاہیں فوراً روشن ہو جاتی ہیں ــــ (۷ : ۲۰۱)

بصیرت

چونکہ بصر میں دیکھنے کے ساتھ دل کا ارادہ شامل ہوتا ہے اس لئے غور و فکر اور فہم و ادراک کو بصیرت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بیشتر مقامات پر بصر سے مراد صرف دیکھنا نہیں بلکہ نگہ بصیرت سے دیکھنا ہے۔ یعنی غور و فکر کرنا۔ مثلاً

(۱) سامری نے حضرت موسےٰ سے کہا کہ میری نگاہوں نے وہ کچھ دیکھا جو بنی اسرائیل کو نظر نہیں آتا تھا۔ (۲۰ : ۹۶)

(۲) اہل جہنم وہ ہیں جو دل رکھتے ہیں لیکن ان سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ جو کان رکھتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ جو آنکھیں رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ یہ انسان نہیں، حیوان ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ــــ (۷ : ۱۷۹)

(۳) ضد اور تعصب یا اندھی تقلید سے آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں اور پھر انہیں کچھ نظر نہیں آتا ــــ (۹ : ۳۶)

(۴) کیا یہ خارجی کائنات کو نہیں دیکھتے کہ اس کا نظام کس حسن و خوبی سے چل رہا ہے ــــ (۲۷ : ۳۲)۔ وہاں کوئی سقم اور نقص دکھائی نہیں دیتا ــــ (۲۷ : ۳۲) ــــ (۴ ــ ۳ : ۶۷)

(۵) تم بھی دیکھ لوگے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون پاگل ہے ! ــــ (۶ ــ ۵ : ۶۸)

(۶) خارجی کائنات کے علاوہ، کیا تم خود اپنے آپ پر غور نہیں کرتے ! ــــ (۲۱ : ۵۱)

(۷) ہم انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ہیں۔ لیکن تم اس حقیقت پر غور نہیں کرتے ــــ (۸۶ : ۵۶)

(۸) خارجی کائنات کا نظم و نسق انسان کے لئے تبصرہ (محلِ غور و فکر) ہے ــــ (۸ : ۵۰)

(۹) جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ــــ (۷ : ۱۹۵) ــــ (۴۲ : ۱۹)

ابصار

(۱) ــــــ حضرات انبیاء کرام قوت اور بصیرت کے مالک ہوتے تھے ــــ (۴۵ : ۳۸)

(۲) اے صاحبانِ عقل و بصیرت! ان واقعات پر غور کرو اور سوچو کہ یہ کس امر کی شہادت دیتے ہیں۔(۵۹ : ۲)

(۳) ان امور میں سامانِ عبرت و موعظت ہے لیکن اربابِ بصیرت کے لئے —— (۳ : ۱۲)

(۴) نظامِ کائنات میں عبرت کی ہزاروں نشانیاں ہیں، لیکن صرف اربابِ بصیرت کے لئے —— (۲۴ : ۴۴) یعنی ان کے لئے جو غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کریں۔

(۵) یومِ مکافات کو نگاہیں جھکی ہوئی ہونگی —— (۵۴ : ۷)—(۶۸ : ۴۳)—(۷۰ : ۴۴)—(۷۹ : ۹)

(۶) سرکشی سے نگاہوں پر پردے پڑ جاتے ہیں —— (۲ : ۷)—(۲ : ۲۰)—(۶ : ۱۱۰)۔ نگاہوں پر مہریں۔ (۱۶ : ۱۰۸)——(۴۷ : ۲۳)

قرآن اور اس کی دعوت

(۱) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصائر آگئے۔ پس جو دیکھ کر چلیگا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو آنکھیں بند رکھے گا، اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ رسول، داروغہ بن کر نہیں آتا کہ لوگوں کو زبردستی صحیح راستے پر چلائے —— (۶ : ۱۰۵)۔ یعنی جس طرح سورج کی روشنی سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھولے —— جو آنکھیں بند رکھے اس کے لئے سورج کا نکلنا یا نہ نکلنا برابر ہے۔ اسی طرح وحی کی روشنی سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو عقل و بصیرت سے کام لے۔ جو ایسا نہ کرے اسے وحی کی روشنی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔

(۲) قرآن، خدا کی طرف سے بصائر (روشنی) اور ہدایت و رحمت ہے مومنین کے لئے —— (۶ : ۱۰۴)—(۷ : ۲۰۳)—(۱۷ : ۱۰۲)——(۴۵ : ۲۰)

ایمان نہ لانے والے (یعنی ضد اور تعصب سے انکار کئے چلے جانے والے) کے لئے اس کی روشنی راستہ دکھانے کا موجب نہیں بنتی —— (۴۱ : ۴۴)

قرآن تبصرہ ہے —— (۵۰ : ۸)۔ آیات مبصرۃ —— (۲۷ : ۱۳)

(۳) حضرت موسےٰ نے اپنی پیش کردہ وحی کو بصائر سے تعبیر کیا —— (۱۷ : ۱۰۲)——(۲۸ : ۴۳)
اس کی طرف سے پیش کردہ تعلیم اور دلائل، روشنی عطا کرنے والے تھے لیکن قومِ فرعون ان سے انکار کئے چلی جا رہی تھی حالانکہ ان کے دل اندر سے مانتے تھے کہ اس کی بات درست ہے —— (۲۷ : ۱۳—۱۴)

(۴) نبی اکرمؐ نے کہا کہ میں اپنی دعوت علیٰ وجہ البصیرت پیش کرتا ہوں۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں اور میرے متبعین بھی ایسا ہی کرینگے ــــ (۱۰۸ : ۱۲)۔ لہٰذا اگر یہ دیکھنا ہو کہ رسول اللہ کا اتباع کون کرتا ہے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ دعوت الی اللہ، علیٰ وجہ البصیرت ــ علم وعقل کی بنا پر ــ کون پیش کرتا ہے۔ وہی متبع سنت ہوگا اور اسی کی دعوت، رسولؐ کی روش کے مطابق ہوگی۔

بصیرت، وحی کی روشنی کے بغیر

جس طرح آنکھیں بند کر لینے سے روشنی کچھ فائدہ نہیں دیتی اسی طرح تاریکی میں انسان کی آنکھیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا، وحی اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو عقل و فکر اور بصیرت سے کام لے، اسی طرح عقل و بصیرت بھی اسی کی سودمند ہو سکتی ہے جو وحی کی روشنی میں اس سے کام لے۔

(۱) قوم لوط سب کچھ دیکھتی بھالتی تھی لیکن اس کے باوجود غلط راستے پر چلی جا رہی تھی کیونکہ وہ حضرت لوطؑ کی بات نہیں مانتی تھی۔ اس لئے تباہ ہوگئی ــــ (۵۴ : ۲۷)

(۲) عاد وثمود کی قومیں علم وبصیرت کی مالک تھیں لیکن چونکہ وحی کا اتباع نہیں کرتی تھیں۔ اس لئے تباہ ہوگئیں ــــ (۳۸ : ۲۹)

یہی حالت دورِ حاضرہ کی اقوام کی ہے۔ ہم (مسلمان) وحی کی روشنی رکھتے ہیں لیکن علم وبصیرت سے کام نہیں لیتے اس لئے تباہ ہو رہے ہیں۔ اقوامِ مغرب علم وبصیرت رکھتی ہیں لیکن وحی کی روشنی سے کام نہیں لیتیں۔ اس لئے جہنم کے عذاب میں مبتلا ہیں۔

(۳) قوم ثمود کو خدا نے راستہ دکھایا لیکن انہوں نے اندھا رہنا پسند کیا۔ اس لئے تباہ ہوگئی ــــ (۱۷ : ۴۱)

(۴) اس قسم کی جملہ اقوام سابقہ ــــ (۴۶ : ۲۲)

اندھا اور آنکھوں والا

(۱) اے رسولؐ! ان سے کہو کہ میں فوق البشر قوت کا مالک ہونے کا مدعی نہیں۔ میرے پاس کوئی ایسی بات نہیں۔ میں تو صرف وحی خداوندی کا اتباع کرتا ہوں۔ سوچتا ؤ کہ آنکھوں والا اور اندھا کبھی برابر ہو سکتے ہیں۔ تم اتنی سی بات پر بھی غور وفکر نہیں کرتے؟ ــــ (۵۰ : ۶)

(۲) کیا اندھا اور آنکھوں والا۔ یا تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ — (۱۶ : ۱۳)

(۳) جو جانتا ہے کہ یہ تعلیم منزّل من اللہ ہے اور جو اندھا بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ یہ دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھو! بات وہی سمجھ سکے گا جو عقل و فکر سے کام لے گا — (۱۹ : ۱۳)

(۴) اندھا اور آنکھوں والا، صحیح کام کرنے والا اور بد اعمال' دونوں برابر نہیں ہو سکتے — (۵۸ : ۴۰)

(۵) اندھا اور آنکھوں والا، تاریکی اور روشنی، دھوپ اور سایہ، زندہ اور مردہ، کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ تو اسی کو سنا سکتا ہے جو سننا چاہے۔ مردوں کو کون سنا سکتا ہے — (۱۹—۲۲ : ۳۵)

(۶) قوم نوح اندھی تھی سو غرق ہو گئی — (۶۴ : ۷)

(۷) جو دیکھ کر نہیں چلتا، اس پر تباہی آتی ہے — (۲۰ : ۱۱) — (۱۰۱ : ۱۸)

(۸) اندھا اور بہرہ۔ اور دیکھنے والا اور سننے والا۔ یہ دو فریق ایک جیسے نہیں ہو سکتے — (۲۴ : ۱۱)

(۹) جہنم میں وہ جاتے ہیں جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے — (۱۷۹ : ۷) — (۱۰۱ : ۱۸)

(۱۰) نہ تم بہروں کو سنا سکتے ہو، نہ اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہو — (۸۱—۸۰ : ۲۷)

(۱۱) جو بصیرت سے کام لیتا ہے، اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے۔ اور جو اندھا بن جاتا ہے اس کا نقصان بھی وہی اٹھاتا ہے — (۱۰۴ : ۶)

دنیا اور آخرت دونوں میں تباہی

(۱) جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے۔ اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے۔ اور وہ قیامت کے دن بھی اندھا ہی اٹھے گا — (۱۲۴ : ۲۰)۔ وہ پوچھے گا کہ مجھے اندھا کیوں اٹھایا گیا۔ جواب ملے گا کہ تیرے پاس ہمارے قوانین پہنچے لیکن تو نے انہیں پسِ پشت ڈال دیا۔ اس لئے تمہاری دنیا بھی تباہ ہوئی اور آخرت بھی — (۱۲۶—۱۲۵ : ۲۰)

(۲) جو یہاں اندھا ہوتا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہتا ہے — (۷۲ : ۱۷)

ان آیات سے واضح ہے کہ قوانینِ خداوندی کے اتباع کا لازمی نتیجہ، دنیا کی خوشحالی اور رزق کی فراخی ہے۔ جس قوم پر رزق کی تنگی ہو، سمجھ لیجئے کہ وہ قوانینِ خداوندی کا اتباع نہیں کرتی۔ اور جس کی دنیاوی زندگی ذلت کی ہو اس کی عاقبت بھی خراب ہوتی ہے — (۱۲۵ : ۲۰)

خدا کی صفت

(۱) خدا کی ایک صفت بصیر بھی ہے — (۶۱ : ۲۲)۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اس طرح دیکھنے والا نہیں جس طرح انسان آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے اور ہر شے اور انسان کا ہر عمل، اس کے سامنے رہتا ہے۔ اس کے قانونِ مکافات سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ — (۲ : ۹۶ ؛ ۱۱۰) کے یہی معنی ہیں۔ تفصیل ان امور کی متعلقہ عنوانات میں ملے گی۔

(۲) سب سے بہتر سننے والا، دیکھنے والا — (۱۸ : ۲۶) — (۱۹ : ۳۸)

بصیر بمعنی شاہد

قیامت میں انسان اپنے خلاف آپ گواہ ہوگا — (۲۲ : ۱۴) — (۱۴ : ۷۵)۔ (تفصیل "مکافاتِ عمل" کے عنوان میں ملے گی)۔

متفرق

(۱) اہلِ جہنم کہیں گے کہ اب ہم نے سب کچھ خود دیکھ لیا، سن لیا۔ اب ہمیں اگر دنیا میں واپس بھیجدیا جائے تو ہم اعمالِ صالح کریں — (۳۲ : ۱۲)

(۲) علمِ خداوندی موت سے زیادہ قریب ہے لیکن تم اسے دیکھ نہیں سکتے — (۵۶ : ۸۵)

(۳) خدا شہادت دیتا ہے اس کی جو تم دیکھ سکتے ہو اور اس کی جو تم نہیں دیکھ سکتے، کہ یہ (وحی) باعزت رسول کی زبان سے نکلی ہوئی بات ہے — (۶۹ : ۳۹)

(۴) اپنے اپنے پروگرام کے نتائج یہ بھی دیکھیں گے تم بھی دیکھ لو گے — (۶۸ : ۵) — (۳۷ : ۱۷۵ ؛ ۱۷۹)

(۵) امر الساعۃ لمحۂ بصر کی طرح ہے — (۱۶ : ۷۷) — (۵۰ : ۵۴)

(۶) وحی کے حقائق کو دیکھ کر رسول کی آنکھیں ٹیڑھی نہیں ہوئیں — (۵۳ : ۱۷)

(۷) جنگ کا ہولناک نقشہ۔ جب نگاہیں پھر گئیں — (۳۳ : ۱۰)

۱۸۔ بعث

(نیز دیکھئے۔ آخرت۔ قیامت)

بعث ۱ جو چیز کسی دوسری چیز کی آزادانہ نقل و حرکت کی راہ میں حائل ہو، اسے راستے سے ہٹا کر اُس شے کی حرکت کو جاری کر دینے کو بعث کہتے ہیں۔ لہٰذا، اس دنیا میں، افراد یا اقوام کی ترقی کی راہ میں جو موانعات ہوں، ان کے دور ہو جانے کو بھی بعث کہا جائے گا۔ اور مرنے کے بعد، جو شے حیاتِ نَو کے راستے میں حائل ہو سکتی ہے، اسے دور کر کے، مُردوں کو از سرِ نَو زندہ کر دینا بھی بعث ہے۔ یوم بعث، یا یوم یبعثون اس وقت کو کہیں گے جب اس طرح یہ موانع دور ہو جائیں۔ مبعوث ان موانع کو بھی کہا جائے گا جو دوسروں کی راہ میں حائل ہوں، اور ان لوگوں کو بھی جن کے راستے سے یہ موانع دور کر دیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بعث اس دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور مرنے کے بعد بھی۔

۲۔ بعث ... کسی کو بھیجنے اور اٹھا کھڑا کرنے کو بھی کہتے ہیں، اور کسی کو کسی کام کے لئے مامور کر دینے کو بھی۔ لیکن زیرِ نظر عنوان میں اس مادّہ کے ان معانی کے متعلق بات نہیں ہو گی۔ مذکورہ صدر معانی ہی کو سامنے لایا جائے گا۔

بعث۔ مبعوثون

(۱) نفخ صور کے بعد، مردے کہیں گے کہ ہماری تباہی! ہمیں کس نے ہمارے مرقدوں سے اٹھا کھڑا کیا۔ (۵۲ : ۳۶)

(۲) بنی اسرائیل کو بہاڑ پر غش آ گیا۔ اس کے بعد پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا — (۵۶ : ۲)

(۳) اصحاب کہف کچھ عرصہ تک غار میں چھپے رہے۔ پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس دوران میں، ان پارٹیوں میں سے کس نے اس مدت سے صحیح فائدہ اٹھایا ہے — (۱۲ : ۱۸)

وہ اٹھ کر آپس میں سوال و جواب کرنے لگے — (۱۹ : ۱۸)

(۴) بنی اسرائیل کی جلاوطنی کو موت سے تعبیر کیا اور سو سال کے بعد ان کی دوبارہ آزادی کو بعث سے۔ (۲ : ۲۵۹)

(۵) یہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ خدا مُردوں کو نہیں اٹھا سکتا — (۱۶ : ۳۸)۔ خدا ایسا کر سکتا ہے —
(۶ : ۲۹ ; ۳۶) — (۷ : ۱۱) — (۱۷ : ۴۹—۵۰ ; ۹۸) — (۲۲ : ۷) — (۲۳ : ۳۷ ; ۸۲) —
(۳۷ : ۱۶) — (۵۶ : ۴۷) — (۶۴ : ۷)

اگر تم بعث کے متعلق شک میں ہو تو اپنی خلقت پر غور کرو — (۷ : ۱۱) — (۲۲ : ۵)

(۶) رات کو سونے کے بعد، دن کے وقت جگا دینے کو بھی بعث کہا گیا — (۶ : ۶۰)

(۷) تمہاری تخلیق اور بعث، نفسِ واحدہ کی طرح ہے — (۳۱ : ۲۸)

(۸) کیا یہ سرمایہ دار اسے نہیں سمجھتے کہ ہم انہیں ایک عظیم انقلاب کے لئے انسانیت کے راستے سے ہٹا دینگے۔ یہاں مبعوثون کے یہ معنی زیادہ مناسب نظر آتے ہیں — (۸۳ : ۴)

(۹) عذاب طاری کر دینا — (۶ : ۶۵)

یوم البعث

(۱) جس دن اللہ ان سب کو اٹھائیگا اور انہیں ان کے اعمال سے متنبہ کریگا — (۱۶ : ۳۳) — (۳۰ : ۱۲) —
(۵۸ : ۶ ; ۱۸) — (۶۴ : ۷)

جس دن ہر امت سے ایک شہید (نگران) اٹھا کھڑا کریگا — (۱۶ : ۸۴ ; ۸۹)

(۲) حضرت عیسٰےؑ نے کہا کہ جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا، مجھ پر سلامتی ہوگی — (۱۹ : ۳۳) حضرت یحییٰ بھی — (۱۹ : ۱۵)

(۳) ابلیس کو یومِ بعث تک مہلت دی گئی ہے — (۷ : ۱۴) — (۱۵ : ۳۶) — (۳۸ : ۷۹)

(۴) مُردے نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائینگے — (۱۶ : ۲۱) — (۲۷ : ۶۵)

(۵) مُردوں کے پیچھے یومِ بعث تک برزخ ہے — (۲۳ : ۱۰۰)

(۶) دعائے ابراہیمی کہ یومِ بعث کو ذلیل نہ ہوں — (۲۶ : ۸۷)

(۷) حضرت یونسؑ اگر مسبحین میں سے نہ ہوتے تو یومِ بعث تک بطنِ ماہی میں رہتے — (۳۷ : ۱۴۳—۱۴۴)
(اس سلسلہ میں قیامت کے عنوان میں "الیٰ یوم القیامۃ" کا باب بھی دیکھئے)۔

(۸) مردے یومِ بعث تک کتاب اللہ میں رہتے ہیں — (۳۰ : ۵۶)

—— (۰) ——

۱۹- بغاوت

(نیز دیکھئے - اسلامی نظام)

<u>بغاوت</u> (ب - غ - ی) - اس کے بنیادی معنی ہیں۔ اعتدال کی حد سے آگے بڑھ جانا۔ حدود شکنی کرنا۔ سرکشی اختیار کرنا۔

قرآن کریم، معاشرہ میں فتنہ فساد، سرکشی اور قانون شکنی کو روا نہیں رکھتا۔ اس سے امنِ عامہ میں خلل واقع ہوتا ہے اور نظم و نسق میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر قانون شکنی، انفرادی طور پر ہو تو اسے جرم قرار دے کر معاشرہ اس کی روک تھام کی تدبیر کرے گا۔ لیکن اگر یہ اجتماعی طور پر ہو۔ یعنی ایک جماعت کی جماعت، حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہو، تو اسے بغاوت کہا جاتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ اگر کوئی شخص حکومت اور اس کے قوانین کو تو تسلیم کرتا ہے لیکن اس سے کسی خاص قانون کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔ یا وہ دانستہ خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے عام جرم کہا جائے گا۔ لیکن اگر وہ سرے سے حکومت ہی کو تسلیم نہیں کرتا اور اس کے نافذ کردہ قوانین کو قوانین ہی نہیں مانتا تو اسے بغاوت کہا جائے گا۔ خواہ یہ کسی ایک فرد کی طرف سے ہو یا کسی جماعت کی طرف سے۔

قرآن کریم کی رُو سے، حکومت وہی حق پر ہوتی ہے جو قوانینِ خداوندی کے مطابق قائم ہو اور انہی قوانین کو نافذ کرنے اور لوگوں سے ان کی اطاعت کرانے کا ذریعہ ہو۔ اس لئے کہ قرآن کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان سے اپنے احکام کی اطاعت کرائے۔ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی جائز ہے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو ایک مومن، کسی ایسی حکومت کو برسرِ حق سمجھ ہی نہیں سکتا جو قوانینِ خداوندی کے نفاذ کا ذریعہ نہ ہو۔ (یہ نقطہ بڑا بنیادی اور اہم ہے جس کی تشریح اور بحث "نظامِ اسلامی" کے عنوان میں ملے گی۔ نیز "حکومت" کے عنوان میں۔ اس مقام پر انہی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے)۔ اس سے واضح ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں قانون شکنی یا بغاوت سے ممانعت آئی ہے۔ تو اس سے مراد قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی اور اس حکومت کے خلاف بغاوت ہے جو ان قوانین کے نفاذ کی ایجنسی ہو۔ ایسے نظام کو قرآن نے "خدا اور رسول"

سے تعبیر کیا ہے۔

(۰)

خدا بغاوت سے روکتا ہے

(۱) خدا عدل واحسان کا حکم دیتا ہے اور فحشاء ومنکر اور بغاوت سے منع کرتا ہے — (۹۰ : ۱۶)۔ ظاہر ہے کہ یہاں بغاوت سے مراد قانون شکنی ہے۔

حکومت کے خلاف بغاوت

(۱) "خدا اور رسول" کے خلاف جنگ کرنیوالوں کی سزا بڑی سخت ہے۔ ہاں! اگر وہ، اپنے مغلوب ہونے سے پہلے اس سے تائب ہو جائیں تو انہیں کم سزا یا معافی دیجا سکتی ہے — (۳۴–۳۳ : ۵)

(۲) جو لوگوں پر ظلم کرے اور بغاوت بغیر الحق کرے تو اس کے لئے سخت سزا ہے — (۴۲ : ۴۲)

(۳) "خدا اور رسول" کی مخالفت کرنے والوں کی سرکوبی کرنی ضروری ہے — (۵ : ۵۸)—(۲۰ : ۵۸)

(۴) ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے والا بھی مجرم ہے — (۲۲ : ۵۸)

(۵) "خدا اور رسول" کی مخالفت کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے — (۶۳ : ۹)

حکومت کیخلاف خیانت مت کرو

(۱) حکومتِ خداوندی کے خلاف خیانت بھی نہ کرو۔ نہ ہی ان امانات میں خیانت کرو جو تمہارے سپرد کی گئی ہوں۔ یعنی امورِ مملکت کی ذمہ داریاں — (۲۷ : ۸)

بغاوت بغیر الحق

قرآن کریم نے حکومت کا بنیادی فریضہ عدل قرار دیا ہے، اجتماعی زندگی میں عدل کا ایک (اور اہم) مفہوم یہ ہے کہ ہر معاملہ کا فیصلہ قانون کی رُو سے کیا جائے۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن، قانون کے احترام پر اس قدر زور دیتا ہے لیکن اس کے نزدیک قانون بھی وہی واجب الاحترام اور اطاعت کا مستحق ہے،

جو حق پر مبنی ہو۔ اور حق کے معنی ہیں قرآنی احکام و اصول۔ چنانچہ اس نے اسلامی نظام کے متعلق یہ تصریح کر دی ہے کہ اس میں عدل، حق کے مطابق ہوگا۔۔۔ (۷ : ۱۵۹)۔ لہٰذا بغاوت اسی حکومت کے خلاف ناجائز ہوگی جو حق کے مطابق قائم ہو۔ اسے قرآن نے "بغی بغیر الحق" کہا ہے۔ یعنی حق کے بغیر بغاوت حرام ہے۔

(۴۲ : ۴۲)۔۔۔(۷ : ۳۳)

خدا اور رسول کے خلاف جنگ

قرآن کریم نے "خدا اور رسول" کے خلاف جنگ کی سزا بڑی سنگین مقرر کی ہے۔۔۔(۵ : ۳۳)۔ لیکن یہی الفاظ اس شخص کے لئے بھی آئے ہیں جو باوجود منع کرنے کے ربٰو (سود) سے باز نہ آئے۔۔۔(۲ : ۲۷۹)۔ (اس کی علت ربٰو کے عنوان میں ملے گی)۔ اس سے واضح ہے کہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا ہی بغاوت نہیں بلکہ اہم اور بنیادی قوانین کی علی الرغم مخالفت کرنا اور کھلے بندوں ان کی خلاف ورزی کرنا بھی "خدا اور رسول کے خلاف جنگ" ہے۔

بغاوت بمعنی عام سرکشی

(۱) جب مبتلائے مصیبت ہوتے ہیں تو خدا کو پکارتے ہیں۔ جب اس سے نجات مل جاتی ہے تو ملک میں بغاوت بغیر الحق (ناحق سرکشی اور فساد) برپا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بغاوت خود ان کے اپنے خلاف جاتی ہے۔۔۔(۱۰ : ۲۲-۲۳)

(۲) بنی اسرائیل نے قوانینِ خداوندی سے بغاوت (سرکشی) اختیار کی تو انہیں سزا دی گئی۔۔۔(۶ : ۱۴۷)

(۳) اضطراری حالت میں حرام شے کا کھا کر جان بچا لینا جائز ہے بشرطیکہ نیت بغاوت (دانستہ قانون سے سرکشی اختیار کرنے) کی نہ ہو۔۔۔(۲ : ۱۷۳)۔۔(۶ : ۱۴۵)۔۔(۱۶ : ۱۱۵)

۔۔۔۔۔۔(٠)۔۔۔۔۔۔

۲۰۔ بقا ۔۔۔ فنا

بقا: کسی چیز کا اپنی اصلی حالت پر قائم رہنا، اس کا تغیر پذیر نہ ہونا۔ یہ فنا کی ضد ہے جس کے معنی

تغیر پذیر ہو جاتا ہے۔ بقیہ۔ کسی چیز کا باقیماندہ حصہ۔ یعنی وہ حصہ جو اسی حالت میں رہے۔ قرآنِ کریم میں ہے
کل من علیھا فان۔ و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام (۵۵ : ۲۶—۲۷) کائنات
کی ہر شے میں ہر آن تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔ صرف خدا کی ذات ہے جو تغیر سے ماوراء ہے۔ یہ ایک عظیم
حقیقت ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے اور سائنسی تحقیقات جس کی تصدیق کرتی ہیں۔ دوسری جگہ ہے۔
کل شیئ ھالک الا وجھہٗ (۲۸ : ۸۸)۔ یعنی یہاں فان کی جگہ ھالک آیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ہلاکت)

باقیات۔ ابقیٰ

انسان جو کچھ طبیعی دنیا میں حاصل کرتا ہے (یعنی مادی سامان و اسبابِ حیات) وہ تغیر پذیر بھی
ہوتی ہیں اور ختم ہو جانے والی بھی۔ لیکن اعمالِ صالحہ کا اثر جو انسان کی ذات پر مرتب ہوتا ہے وہ تغیر ناآشنا
ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔ یعنی موت کے بعد آگے جاتا ہے۔ اسی کو قرآن نے باقیات الصالحات سے
تعبیر کیا ہے — (۱۸ : ۴۶) — (۱۹ : ۷۶)۔ اسے بقیۃ اللہ بھی کہا ہے — (۱۱ : ۸۶) — (۱۶ : ۹۶) —
(۲۰ : ۷۳ ; ۱۳۱) — (۲۸ : ۶۰) — (۴۲ : ۳۶) — (۸۷ : ۱۷)
ایسے افراد جنہیں اس قسم کی صلاحیت حاصل ہو انہیں اولوا البقیۃ کہا گیا ہے — (۱۱ : ۱۱۶)
کلمۃ باقیۃ۔ غیر متبدل تعلیم — (۴۳ : ۲۸)
ابقیٰ۔ عذابِ آخرت کو اشد و ابقیٰ کہا گیا ہے — (۲۰ : ۷۱) — (۲۰ : ۱۲۷)
فان کا لفظ صرف — (۵۵ : ۲۶) میں آیا ہے۔

——— (۰) ———

۲۱۔ بنی اسرائیل

(نیز دیکھئے۔ اہل کتاب۔ موسیٰؑ۔ تورات۔ فرعون۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ عیسےٰؑ وغیرہ)

بنی اسرائیل۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ کا لقب "اسرائیل" تھا یعنی مردِ خدا۔
(۱۹ : ۵۸)۔ ان کی اولاد سے جو نسل آگے بڑھی وہ بنی اسرائیل کہلائی۔ آپ کے چوتھے بیٹے کا نام یہودہ تھا

یہودہ اور بن یامین کی نسل کا قبیلہ فلسطین کے علاقہ جوڈیا میں حکومت کرتا تھا۔ اس قبیلہ کو اسی نسبت سے یہودی کہتے تھے اور باقی قبائل کو بنی اسرائیل۔ لیکن بعد میں عام طور پر یہ تفریق باقی نہ رہی اور بنی اسرائیل اور یہودی مرادف المعنی ہو گئے۔

حضرت یعقوبؑ کا وطن کنعان (فلسطین) تھا لیکن جب حضرت یوسفؑ نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اپنے قبیلہ کو مصر بلا لیا تو یہی سرزمین ان کی اولاد کا وطن بن گئی۔ قریب چار سو برس تک یہ مصر میں رہے۔ اور اس دوران میں ایک اچھی خاصی قوم بن گئے۔ لیکن فراعنۂ مصر نے انہیں اپنا محکوم بنا لیا۔ جب ان کی ذلت انتہا تک پہنچ گئی تو ان میں حضرت موسٰیؑ پیدا ہوئے جو انہیں وہاں سے نکال کر پھر فلسطین کے میدانوں کی طرف لے گئے۔ یہاں انہیں بڑا عروج حاصل ہوا لیکن رفتہ رفتہ یہ اپنی بدعنوانیوں کے باعث کمزور سے کمزور تر ہوتے گئے اور متعدد بار ان کی تباہی ہوئی۔ آخرالامر ۷۰ء میں رومیوں کے گورنر ٹائٹس نے ان پر ایسا وار کیا کہ ان کی مرکزی حیثیت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

قرآن کریم نے داستان بنی اسرائیل کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے، یہ بتانے کے لئے کہ (۱) غیروں کی محکومی میں قومیں کس قدر تباہ حال ہوتی ہیں۔ (۲) خوئے غلامی سے ان میں کس کس قسم کی کمینہ عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔ (۳) وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے محکوم قوم کس قدر عروج حاصل کر سکتی ہے۔ اور (۴) وحی کی راہ تمامی چھوڑنے کے بعد ان کی حالت کیا ہو جاتی ہے۔

حضرات انبیاء کرامؑ کا پیغام عالمگیر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کی اولین مخاطب، لامحالہ ایک خاص قوم ہوتی ہے۔ بایں ہمہ، ان کے پیش کردہ نظام (دین) کے دروازے تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوتے ہیں۔ یہودیوں نے اپنے دین کے بنیادی تصورات تک میں اس قدر تحریف کر دی کہ اسے عالمگیر انسانیت کا دین ہونے کے بجائے بنی اسرائیل کا قومی اور نسلی مذہب بنا لیا۔ یعنی صرف وہی شخص اس مذہب میں داخل سمجھا جا سکتا تھا جو بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہو۔ غیر بنی اسرائیلی، یہودیت کے دائرے میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔ خود بنی اسرائیل کے دائرے کے اندر، انہوں نے حضرت عیسٰیؑ سے جو کچھ کیا، تاریخ اس پر شاہد ہے۔ ان کا یہی قومی تعصب تھا جو انہیں پیغامِ محمدیؐ کے تسلیم کرنے سے روکتا رہا۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل کے گھرانے کی اجارہ داری ہے۔ یہ بنی اسمٰعیل کے کسی فرد (نبی اکرمؐ) کو کس طرح مل سکتی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اپنا دروازہ بنی اسرائیل (اور تمام نوعِ انسان) کے

لئے کھلا رکھا۔ صحیح دین کی یہی خصوصیت ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل کی داستان کو حضرت موسےٰؑ کے تذکارِ جلیلہ سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اس سلسلہ میں حسب ذیل عنوانات کا دیکھ لینا بھی ضروری ہوگا۔ موسےٰؑ، تورات، اہل کتاب، فرعون، سلیمانؑ، داؤدؑ، عیسےٰؑ۔

قومِ فرعون کے ہاتھوں عذاب

(۱) قومِ فرعون ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان پر عذاب لایا کرتے تھے ۔۔۔ (۲ : ۴۹)

(۲) بنی اسرائیل کو فرعون نے اپنا محکوم بنا رکھا تھا ۔۔۔ (۲۶ : ۲۲)

وہ ملک میں پارٹیاں بناتا رہتا تھا اور اس طرح بنی اسرائیل کو کمزور کئے جاتا تھا ۔۔۔ (۲۸ : ۴)

(۳) ذبحِ ابناء ۔ سب سے بڑا عذاب یہ کہ حاکم قوم ان کے ابناء کو ذبح کرتی تھی اور نساء کو زندہ رکھتی تھی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جاتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔ لیکن یہ مفہوم واقعات کے مطابق نظر نہیں آتا۔ اس سے تو ایک نسل میں وہ قوم ختم ہو جاتی۔ اس کا یہ مفہوم زیادہ موزوں نظر آتا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کے ایسے افراد کو ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر دیتے جن میں انہیں جوہرِ مردانگی نظر آتے اور جو ان جوہروں سے عاری نظر آتے انہیں آگے بڑھاتے۔ مستبد حاکم اقوام، محکوم قوموں کے ساتھ یہی کچھ کرتی ہیں ۔۔۔ (۲ : ۴۹)

(۴) فرعون کا حکم کہ جو لوگ موسےٰؑ پر ایمان لاتے ہیں ان کے ابناء کو ذبح کر دو ۔۔۔ (۱۴۱ از ۱۲۷ : ۷)، (۴۰ : ۲۵)

فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات

(۱) قومِ فرعون کے عذاب سے نجات ۔۔۔ (۲ : ۴۹)۔ (۷ : ۱۴۱)۔ (۳۰ : ۴۴)

(۲) بنی اسرائیل کا مصر سے نکل کر سینا کی وادیوں میں چلے جانا۔ ان کا سمندر پار کر جانا اور فرعون کے لشکر کا غرق ہو جانا۔ جیسا کہ دوسرے مقامات سے واضح ہے، حضرت موسےٰؑ انہیں ایسے مقام سے پار لے گئے تھے جہاں سے پانی ہٹ چکا تھا۔ حال ہی میں، امریکہ سے یہودیوں کی طرف سے تورات کا جو نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے اس میں یہ تحقیق کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل اس مقام سے پار گئے تھے جہاں

دلدل تھی اور سرکنڈا اُگ رہا تھا۔ اُسے (SEA OF REEDS) کہتے تھے۔ لیکن جب فرعون کا لشکر پیچھے سے آیا تو جوار بھاٹا (TIDE) چڑھ آیا۔ اور وہ غرق ہو گئے ——(۲ : ۵۰)——(۱۰ : ۹۰)

(۲۰ : ۷۷)——(۲۶ : ۶۳—۶۶)——(۴۴ : ۲۴)

(۳) حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے ——(۷ : ۱۰۵)——

(۲۰ : ۴۷)——(۲۶ : ۱۷)

غلامانہ ذہنیت کے مظاہرے

(۱) حضرت موسیٰؑ کچھ وقت کے لئے چلے گئے تو انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی ——(۲ : ۵۱—۵۴)

(۲ : ۹۲—۹۳)——(۴ : ۱۵۳)——(۷ : ۱۴۸—۱۵۲)——(۲۰ : ۸۵—۹۷)

(۲) حضرت موسیٰؑ سے اذیت رساں سوالات ——(۲ : ۱۰۸)۔ حضرت موسیٰؑ کے خلاف شکایت کہ تمہارے آنے کے بعد بھی ہم مصیبتوں میں ہی رہے ——(۷ : ۱۲۹)——(۵ : ۶۱)——(۳۳ : ۶۹)

(۳) مطالبہ کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے، ایمان نہیں لائیں گے اور تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گے ——(۲ : ۵۵)——(۴ : ۱۵۳)——(۷ : ۱۵۵)

(۴) ان سے کہا گیا کہ اٹھو اور فلسطین میں فاتح و منصور حیثیت سے داخل ہو جاؤ۔ لیکن انہوں نے بات کو بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا ——(۲ : ۵۸)——(۴ : ۱۵۴)۔ کہا کہ جب تک وہاں کے جابر لوگ خود وہاں سے نہ نکل جائیں، ہم وہاں قدم نہیں رکھیں گے۔ تم اور تمہارا خدا (یا تمہارا بھائی) دونوں جا کر ان سے لڑو۔ چنانچہ اس پر وہ زمین چالیس سال تک ان پر حرام کر دی گئی ——(۵ : ۲۰—۲۶)——(۷ : ۱۶۱—۱۶۲)

(۵) ہم ایک ہی کھانے پر قناعت نہیں کر سکتے۔ ہمیں مصالحہ دار چٹپٹی خوراک چاہیئے ——(۲ : ۶۱)

(۶) عہد کر کے پھر جاتے تھے ——(۲ : ۶۴)

(۷) سبت کی عہد شکنی ——(۲ : ۶۵)——(۴ : ۴۷ ؛ ۱۵۴)۔ قردۃ خنازیر، عبدالطاغوت بنا دیئے گئے۔

——(۵ : ۶۰)——(۷ : ۱۶۳—۱۶۶)—(۱۶ : ۱۲۴)

(۸) ذبح بقر کے سلسلہ میں کٹ حجتیاں ——(۲ : ۷۱)

(۹) ایک شخص کو قتل کر کے جرم سے انکار۔ انکشافِ حقیقت ——(۲ : ۷۲—۷۳)

(۱۰) تعداد میں ہزاروں لیکن دشمن کو سامنے دیکھ کر بھاگ اُٹھے ــــ (۲۴۳ : ۲)
(۱۱) حضرت طالوت کے انتخاب پر اعتراض کہ وہ امیر آدمی نہیں۔ پھر اتنا نظم بھی نہیں کہ پیاس پر کچھ وقت کے لئے ضبط کر سکیں ــــ (۲۵۲-۲۴۶ : ۲)
(۱۲) رسول اللہ کے زمانے میں بھی نہایت پست ذہنیت کا ثبوت دیتے تھے ــــ (۴۶ : ۴)۔ غداری (خیانت) پر اُتر آتے تھے ــــ (۱۳ : ۵)
(۱۳) اندھے، بہرے بن جاتے تھے۔ تکذیب انبیاء کرتے تھے ــــ (۷۱-۷۰ : ۵)
(۱۴) موت کے تصور سے ان کی جان جاتی تھی ــــ (۷-۵ : ۶۲)
(۱۵) سینا کی وادیوں میں پہنچ کر حضرت موسےٰ سے کہنے لگے کہ ہمیں بھی ایک بُت بنا دیجئے کہ ہم اس کی پرستش کریں ــــ (۱۳۸ : ۷)

نعمائے خداوندی

(۱) ان کی ہمعصر اقوام پر ان کی افضلیت ــــ (۴۷ : ۲) ــــ (۱۲۳ : ۲)۔ ان میں انبیاء کی بعثت۔ حکومت، اور وہ کچھ دیا جو ان کی ہمعصر اقوام کے حصہ میں نہیں آیا تھا ــــ (۲۰ : ۵) ــــ (۳۲ : ۴۴) ــــ (۱۶ : ۴۵)
(۲) صحرائے سینا میں بادل سایہ فگن۔ اور من و سلویٰ کھانے کو ــــ (۵۷ : ۲) ــــ (۱۶۰ : ۷)
(۳) تازہ پانی کے چشمے ــــ (۶۰ : ۲) ــــ (۱۶۰ : ۷)
(۴) پیچھے حفاظت کے لئے پہاڑ کی دیوار ــــ (۶۳ : ۲) ــــ (۱۵۴ : ۴) ــــ (۱۷۱ : ۷)
(۵) بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی۔ خوشگوار سامانِ زیست دیئے۔ اقوام عالم پر افضلیت دی ــــ (۱۶ : ۴۵)

ان کا عروج

(۱) یہود کے عروج و زوال کی مثال۔ قریب سو سال تک (اہلِ بابل کی) غلامی کی موت کے بعد دوبارہ زندگی ــــ (۲۵۹ : ۲)
(۲) عمدہ سرزمین میں متمکن کر دیا۔ خوشگوار سامانِ زیست دیا ــــ (۹۳ : ۱۰)

(۳) انہیں فلسطین کی بابرکت زمین کے مشرقی و مغربی علاقوں کا مالک بنا دیا ـــ (۱۳۶ ; ۱۲۹ : ۷)
(۱۷ : ۱۰۴) ـــ (۲۶ : ۵۷ ـ ۵۹) ـــ (۲۸ : ۵ ـ ۶) .

(۴) کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی ـــ (۱۶ : ۴۵)

ان کے اچھے لوگ

(۱) حق کی طرف دعوت دینے والے ـــ (۱۵۹ : ۷) ـــ (۲۴ : ۳۲)

جرائم کی فہرست

(۱) احکامِ خداوندی کو دنیاوی مفاد کی خاطر بیچ ڈالتے تھے۔ یہاں کے مذہبی پیشواؤں کی حالت تھی ـــ
(۲ : ۴۱ ; ۷۹ ; ۸۶ ; ۹۰ ; ۱۰۲) ـ (۳ : ۱۸۶) ـــ (۵ : ۴۴) ـــ (۷ : ۱۶۹)
اپنی کتابوں میں تحریف کرتے تھے ـــ (۲ : ۷۵ ; ۷۸ ـ ۷۹) ـــ (۴ : ۴۶) ـــ (۵ : ۱۳ ; ۴۱)
ایک حصہ فراموش ہی کر دیا ـــ (۵ : ۱۳)

(۲) حق و باطل کو مخلوط کر دیتے تھے۔ حق کو چھپاتے تھے ـــ (۲ : ۴۲) ـــ (۳ : ۷۰ ; ۱۸۶)

(۳) ہدایت مل جانے کے بعد، خدا کی نعمتوں کو بدل دیتے تھے ـــ (۲ : ۲۱۱) .
احکامِ خداوندی سے انکار اور سرکشی ـــ (۳ : ۱۱۱)

(۴) نظامِ صلوٰۃ کو (جو دین کا بنیادی ستون ہے) ضائع کر دیا ـــ (۱۹ : ۵۹)

(۵) لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اور خود اس کے خلاف کرتے تھے ـــ (۲ : ۴۴)

(۶) قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں رہا تھا۔ کفارہ اور شفاعت کے باطل عقاید میں الجھ گئے تھے۔
(۲ : ۴۸ ; ۸۰ ; ۹۴ ـ ۹۵)
ہمارے سوا کوئی جنت میں نہیں جا سکتا ـــ (۲ : ۱۱۱ ; ۱۲۳)
ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں ـــ (۵ : ۱۸)

(۷) ناحق قتلِ انبیاء ـــ (۲ : ۶۱ ; ۸۷ ; ۹۱) ـــ (۳ : ۱۱۱) ـــ (۴ : ۱۵۵) ـــ (۵ : ۷۰)

(۸) ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ـــ (۲ : ۷۴)۔ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلافوں

میں ہیں ــــ(۸۸ : ۲) ــ (۱۵۵ : ۴)

(۹) پہلے اپنے لوگوں کو گھروں سے نکال دیتے تھے۔ پھر جب انہیں لوگ پکڑ لیتے تو خیرات کے طور پر ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں چھڑاتے یعنی کتاب کے ایک حصہ پر ایمان اور دوسرے سے انکار ــ(۸۴-۸۵ : ۲)

(۱۰) سحر اور کہانت پر ایمان۔ افسانے اور توہم پرستیاں۔ بابل کے فرشتے ــــ(۱۰۲ : ۲)

(۱۱) یہود کہتے ہیں نصاریٰ باطل پر ہیں۔ نصاریٰ کہتے ہیں یہود باطل پر ہیں۔ اور دونوں کتاب اللہ کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں ــــ(۱۱۳ : ۲)

(۱۲) حضرت عیسیٰؑ کے خلاف خفیہ تدبیریں اور سازشیں ــ(۵۲-۵۳ : ۳)۔ یہ دعویٰ کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا تھا ــــ(۱۵۷ : ۴)۔ حضرت مریم کے خلاف بہتان ــ(۱۵۶ : ۴)

اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی دست برد سے بچالیا ــــ(۱۱۰ : ۵)

(۱۳) ان کے جرائم کی وجہ سے ان پر حلال چیزیں حرام کر دیں ــــ(۱۶۰ : ۴)

(۱۴) لوگوں کو خدا کے راستے پر چلنے سے روکتے تھے ــ(۱۶۰ : ۴)۔ لیکن انہیں بری باتوں سے نہیں روکتے تھے ــــ(۷۹ ; ۶۳ : ۵)۔ یہ ان کے مذہبی پیشواؤں کی حالت تھی۔

(۱۵) سود خوار تھے ــــ(۱۶۱ : ۴)۔ حرام کا مال کھاتے تھے ــــ(۶۲-۶۳ ; ۴۲ : ۵)

(۱۶) رسول اللہ کے زمانے میں جھوٹ بولتے تھے۔ جاسوسی کرتے تھے۔ لوگوں کو ورغلاتے تھے۔ ناجائز مال کھاتے تھے۔ اس لئے ان پر ذلت و خواری کا عذاب طاری کیا گیا ــــ(۴۱-۴۲ : ۵)

(۱۷) منافق تھے۔ جرائم میں آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ سرکش تھے۔ ناحق مال کھاتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشوا ان کو ان باتوں سے روکتے نہیں تھے ــــ(۶۰-۶۳ : ۵)

(۱۸) مسلمانوں کو طعن دیتے تھے کہ تمہارا خدا محتاج ہو گیا ہے جو لوگوں سے قرضے مانگتا ہے ــ(۶۴ : ۵)

(۱۹) سرکشی اختیار کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو برے کاموں سے روکتے نہیں تھے ــ(۷۹ : ۵)

(۲۰) کفار کو دوست رکھتے تھے ــــ(۸۰ : ۵)

(۲۱) اندھے بہرے بن جاتے۔ تکذیب انبیاء کرتے ــــ(۷۰-۷۱ : ۵)

(۲۲) وحی کی تعلیم کے باوجود باہمی ضد سے اختلافات پیدا کر لئے ــــ(۹۳ : ۱۰) ــ(۱۷ : ۴۵)

(۲۳) اپنی شریعت کی کتابوں کو لادے لادے پھرتے تھے، لیکن ان پر عمل نہیں کرتے تھے ــ(۵ : ۶۲)

(۲۴) اپنے احبار ورہبان (علماء اور مشائخ) کو خدا کا ہمسر بنا لیا تھا — (۹ : ۳۱)۔ اور یہ احبار ورہبان لوگوں کی کمائی ناحق کھا جاتے تھے — (۳۴ : ۹)

(۲۵) چاہتے تھے کہ جو کام وہ نہ کریں، ان کی بنا پر ان کی تعریف کی جائے — (۱۸۷ : ۳)

(۲۶) ان کا دعویٰ تھا کہ جنت کے یہ واحد مالک ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ۔ یہ کبھی اس کی تمنا نہیں کریں گے — (۹۴-۹۶ : ۲) — (۶-۷ : ۶۲)

زوال

(۱) ان کے جرائم کی وجہ سے ذلت وخواری کا عذاب — (۶۱ : ۲) — (۴۱ ؛ ۱۳ : ۵) — (۱۵۲ : ۷)
یہ خدا سے اپنا رشتہ استوار کر لیں، تب بچ سکتے ہیں۔ یا کسی قوم نے انہیں سہارا دے دیا تب کچھ وقت کے لئے محفوظ رہیں گے۔ ورنہ ذلت وخواری ان کے پیچھے لگی رہے گی — (۱۱۱ : ۳)

(۲) سبت کی عہد شکنی سے ذلت وخواری — (۶۵ : ۲) — (۶۰ : ۵) — (۱۶۶-۱۶۳ : ۷)

(۳) کتاب کے ایک حصے پر ایمان، دوسرے حصے سے انکار۔ اس کا نتیجہ دنیاوی زندگی میں ذلت — (۸۵ : ۲)

(۴) حضرت عیسےٰؑ کے متبعین ان پر ہمیشہ غالب رہیں گے — (۵۴ : ۳)

(۵) ان کے نقضِ عہد کی وجہ سے وہ نعماتِ خداوندی سے محروم کر دیئے گئے — (۱۳ : ۵)

(۶) ان میں باہمی عداوت پیدا ہو گئی — (۶۴ : ۵)

(۷) اگر یہ لوگ قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتے تو انہیں رزق کی فراوانی حاصل رہتی — (۶۶-۶۵ : ۵)

(۸) حضرت عیسےٰؑ اور داؤدؑ نے انہیں ملعون قرار دیا — (۷۸ : ۵)

(۹) ان کے ظلم کی وجہ سے عذاب آیا — (۱۶۲-۱۶۰ : ۵)

(۱۰) ایسے لوگ ان پر مسلط کر دیئے جو انہیں ہمیشہ عذاب دیتے رہیں — (۱۶۷ : ۷)

(۱۱) ان کی مرکزیت فنا ہو گئی۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین میں بکھر گئے — (۱۶۸ : ۷)

(۱۲) ان سے کہہ دیا گیا کہ تم پر دو دفعہ سخت تباہی آئے گی۔ ان تباہیوں کی تفصیل۔ پہلی بخت نصر کے ہاتھوں (۵۹۹ ق۔م میں) اور دوسری طائٹس رومی کے ہاتھوں (سنہ ۷۰ عیسوی میں) — (۸-۴ : ۱۷)

(۱۳) مسلمانوں کے ہاتھوں عرب میں تباہی — (۱۱۰ : ۳) — نیز — (۵۹ : ۲)

بنی اسرائیل اور دعوتِ اسلام

(۱) قرآن پر ایمان لانے کی دعوت ــــ (۴۱ : ۲)

(۲) علمائے بنی اسرائیل جانتے تھے کہ قرآن من جانب اللہ ہے ــــ (۱۹۷ : ۲۶)
قرآن ان کی اختلافی باتوں کو واضح کرتا ہے ــــ (۷۶ : ۲۷)

(۳) یہود، نصاریٰ، مجوس سب کو ایمان کی دعوت ــــ (۶۲ : ۲) ــــ (۶۹ ; ۴۸ : ۵)

(۴) ان کا قرآن پر لانے سے انکار ــــ (۹۱-۸۹ : ۲)۔ محض ضد اور تعصب کی وجہ سے۔ جبرئیل کے ساتھ عداوت کہ وہ وحی کو بنی اسمٰعیل کے ایک فرد کی طرف کیوں لے آیا ــــ (۹۹-۹۷ : ۲) ــــ (۱۰۱-۱۰۰ : ۲) ــــ
(۱۰۵ : ۲) ــــ (۱۰۹ : ۲)

(۵) حضرت عیسٰےؑ نے انہیں نبی اکرمؐ کی بعثت کی خوشخبری دی تھی ــــ (۶ : ۶۱)
حضرت موسٰےؑ سے بھی کہا گیا تھا کہ یہ اگر رسالتِ محمّدیہ پر ایمان لے آئے تو ذلت سے نکل جائینگے۔
(۱۵۷-۱۵۶ : ۷) ــــ (۱۲ : ۵) ــــ (۴۰ : ۲)

(۶) یہ لوگ تجھ سے راضی نہیں ہونگے جب تک تو ان کا مذہب اختیار نہ کرلے ــــ (۱۴۵ ; ۱۳۵ ; ۱۲۰ : ۲)

(۷) یہودیوں کا اعتراض کہ مسلمانوں نے اُن کے قبلہ (بیت المقدس) کی جگہ کعبہ کو اپنا قبلہ کیوں بنالیا۔ اس لئے کہ ان کا قبلہ ان کا قومی مرکز تھا۔ اور اسلام نوعِ انسان کا عالمگیر دین ہے۔ اس کے قبلہ کو بین الاقوامی ہونا چاہیئے ــــ (۱۴۲ : ۲)

(۸) ان کا اعتراض کہ (مثلاً) قرآن میں اونٹ کیوں حلال ہے حالانکہ وہ یہودیوں کے ہاں حرام ہے۔ جواب کہ اونٹ یہودیوں کے ہاں بھی حلال تھا۔ حضرت یعقوب نے کسی ذاتی تقاضے کی بنا پر اسے کھانا چھوڑ دیا تھا ــــ (۹۳-۹۲ : ۳)۔ نیز ان کے بعض جرائم کی بنا پر بعض چیزیں ان پر حرام قرار دے دی گئی تھیں ــــ (۱۶۰ : ۴) ــــ (۱۴۷ : ۶) ــــ (۱۱۸ : ۱۶)

(۹) ان کے راسخون فی العلم رسالتِ محمّدیہ پر ایمان لاتے تھے ــــ (۱۱۳-۱۱۲ : ۳) ــــ (۱۶۲ : ۴) ــــ
(۱۹۷ : ۲۶) ــــ (۱۰ : ۴۶)

(۱۰) دعوتِ اسلام کی بدترین مخالفت۔ سازشیں۔ خفیہ تدبیریں۔ دنائت۔ بایں ہمہ اگر یہ لوگ دلے رسولؐ

تیرے پاس اپنے معاملات فیصلہ کرانے کے لئے آئیں تو تیری مرضی ہے خواہ ان کا مقدمہ سن لے، خواہ جواب دیدے۔ جیسے حالات کا تقاضا ہو، ویسا کرو۔ لیکن جب مقدمہ سنو تو فیصلہ عدل کے ساتھ کرو (۴۲—۴۱ : ۵)

(۱۱) مسلمانوں کو حکم کہ یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ یہ تمہاری مخالفت میں ایکدوسرے کے دوست ہیں — (۵۱ : ۵)

(۱۲) یہ مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو ورغلاتے تھے — (۵۲ : ۵)

(۱۳) جنگ کی آگ بڑھکاتے رہتے تھے — (۶۴ : ۵)

(۱۴) اگر یہ ایمان لاتے تو کفار کے دوست نہ بنتے — (۸۱ : ۵)

(۱۵) مسلمانوں کے بدترین دشمن یہود تھے۔ نصاریٰ پھر بھی خوشگوار تعلقات رکھتے تھے۔ کیونکہ ان میں فقر منش لوگ زیادہ تھے جو عجز و انکساری سے رہتے تھے — (۸۲ : ۵)

تعلیم و تربیت

(۱) خدا نے ان سے کہا کہ تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کرونگا — (۴۰ : ۲)

(۲) حضرت موسیٰؑ کو کتاب دی تاکہ یہ لوگ ہدایت پائیں — (۵۳ : ۲)—(۳ : ۳)—(۲ : ۱۷)—(۴۹ : ۲۳)—(۳۵ : ۲۵)—(۲۳ : ۳۲)—(۱۵۳ : ۴۰)

(۳) تاکید کہ ان احکام پر مضبوطی سے کاربند رہو — (۶۳ : ۲)

(۴) مختلف معاشرتی احکام۔ اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو۔ انہیں گھروں سے نہ نکالو — (۸۴-۸۳ : ۲)

(۵) واضح ہدایت ملنے کے بعد، خدا کی نعمتوں کو بدل دیتے تھے — (۲۱۱ : ۲)

(۶) حضرت عیسےٰؑ بھی بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے — (۴۸ : ۳)—(۶ : ۶۱)

(۷) اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، ایمان بالرسل، تائید و تقویتِ رسل، انفاق فی سبیل اللہ۔ ان سب امور کا ان سے عہد لیا گیا تھا۔ اور ان پر بارہ نقیب مقرر کئے گئے تھے — (۱۲ : ۵)

(۸) یہ کہا گیا تھا کہ جو شخص کسی ایک جان کو ناحق تلف کریگا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری انسانیت کو ذبح کر دیا۔ اور جو شخص کسی ایک جان کو بچا لیگا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری نوعِ انسانی کو بچا لیا۔

(۳۲ : ۵)

(۹) تورات دی جس میں نور و ہدایت تھی۔ ان کے انبیاء اور احبار و ربّی اس کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ صرف خدا سے ڈرو۔ کسی اور سے نہ ڈرو۔ احکامِ خداوندی کو متاعِ دنیا کے عوض مت بیچو۔ نیز ان کے لئے قصاص کا حکم بھی تھا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ کان کے بدلے کان وغیرہ۔ (۴۴-۴۵ : ۵)

(۱۰) حضرت عیسےٰؑ نے انہیں توحید کی تعلیم دی تھی — (۷۲ : ۵)

(۱۱) ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حق کے ساتھ معاملات کا فیصلہ کرتے اور لوگوں کو ہدایت دیتے تھے —

(۱۶۸ ؛ ۱۵۹ : ۷) — (۲۴ : ۳۲)

(۱۲) لیکن اس تعلیم کے بعد انہوں نے شرک اختیار کر لیا۔ عزیر کو خدا کا بیٹا بنا لیا — (۳۰ : ۹)

(۱۳) ان کا ایک گروہ حضرت عیسےٰؑ پر ایمان لایا تھا۔ ایک گروہ نے انکار کیا تھا — (۱۴ : ۶۱)

(۱۴) کتاب و حکومت و نبوت دی — (۱۶ : ۴۵)

(۱۵) میثاقِ بنی اسرائیل یعنی انہیں آسمانی ہدایت دی گئی۔ اور ان سے عہد لیا گیا کہ وہ اسی تعلیم پر کاربند رہیں گے — (۸۳-۸۴ : ۲) — (۹۳ : ۲) — (۱۸۶ : ۳) — (۱۵۴ : ۴) — (۱۲-۱۳ : ۵)

یہودی

بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا گیا ہے۔

(۱) یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے پاس صحیح دین نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کچھ نہیں (۱۱۳ : ۲)

(۲) اے رسول! یہود تجھ سے کبھی راضی نہیں ہونگے جب تک تم ان کا قبلہ اختیار نہیں کرو گے — (۱۲۰ : ۲)

(۳) یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں — (۱۸ : ۵)

(۴) یہودی طعن دیتے ہیں کہ تمہارے خدا کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے — (۶۴ : ۵)

(۵) یہود، عزیرؑ کو ابن اللہ مانتے ہیں — (۳۰ : ۹)۔ (عزیرؑ سے مراد مصری دیوتا OSIRIS ہے)

(۶) یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ — (۵۱ : ۵)۔ یہود، مخالفت میں زیادہ متشدد ہیں — (۸۲ : ۵)

(۷) (حضرت) ابراہیمؑ نہ یہودی تھے، نہ نصرانی — (۶۷ : ۳)

(۸) بعض آیات میں انہیں الذین ھادو بھی کہا گیا ہے۔

ؤ۔ یہ کتاب اللہ میں تحریف کر دیتے ہیں — (۴۶ : ۴) — (۴۱ : ۵)

ب۔ ان کے نبی تورات کی رُو سے ان کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے ــــ (۴۴ : ۵)

ج۔ یہود، نصاریٰ، صابئین، کسے باشد، ہدایت کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہے ــــ (۶۹ : ۵) ــــ (۱۷ : ۲۲)

د۔ ان کے جرائم کی وجہ سے بعض جانوروں کا گوشت ان کے لئے حرام قرار دے دیا گیا ــــ (۱۴۷ : ۶)۔ (۱۶:۱۱۸)

ہ۔ اگر تم اپنے آپ کو خدا کا دوست سمجھتے ہو تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ ــــ (۶ : ۶۲)

ــــــ (۰) ــــــ

۲۲۔ بنیادی حقوقِ انسانیت

قرآن کی رو سے، ایک فرد جو ذمہ داری پورا کرتا ہے، اس سے اس کا ایک حق مسلّم ہو جاتا ہے۔ یعنی انسانی حقوق، ذمہ داریاں پوری کرنے کا فطری نتیجہ ہیں۔ لیکن بعض حقوق ایسے ہیں جنہیں دورِ حاضر کی اصطلاح میں بنیادی حقوقِ انسانیت کہا جاتا ہے مثلاً:۔

(۱) ہر انسان محض انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے ــــ (۷۰ : ۱۷)

(۲) معاشرہ میں مدارج کے تعین کا مدار، جوہرِ ذاتی اور حسنِ سیرت و کردار ہے ــــ (۱۳ : ۴۹)

(۳) کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان کو اپنا مطیع و فرمانبردار اور غلام بنائے ــــ (۷۹ : ۳)

(۴) کوئی شخص کسی کی محنت کو سلب نہیں کر سکتا ــــ (۳۹ : ۵۳)

(۵) ہر ایک کے ساتھ عدل ہوگا ــــ (۹۰ : ۱۶)۔ عدل ہی نہیں بلکہ احسان بھی ــــ (۹۰ : ۱۶)۔ یعنی جس میں اس کے کسی قصور یا کوتاہی کے بغیر کوئی کمی واقعہ ہو گئی ہو، اس کمی کا پورا کئے جانا ــــ (۹۰ : ۱۶)۔ اسی لئے کہا کہ زیادہ کمانے والوں کی دولت میں ان لوگوں کا حق ہے۔ جو کسی وجہ سے محنت سے معذور ہو گئے ہوں (۲۴ : ۷۰)۔ اس طرح حق رزق ہر انسان کو حاصل ہو جاتا ہے ــــ (۱۵۲ : ۶)

(۶) حفاظتِ جان (بجز ایسی صورت کے جس کی تصریح قرآن نے کر دی ہو) ــــ (۱۵۲ : ۶)

(۷) اسی طرح مال کی حفاظت ــــ (۲۹ : ۴)۔ سکونت کی حفاظت ــــ (۸۵ : ۲)

لیکن یہ تحفظات قوانین سے مشروط ہیں۔

(۸) عصمت کی حفاظت ــــ (۲ : ۲۴)

(۹) حسن ذوق کا حق۔ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ــــ (۳۲ : ۲۶ : ۷)ــ(۳۱ : ۱۸)ــ(۱۵ــ۱۳ : ۷۶)
(۱۰) مظلوم کو فریاد کا حق ــــ (۱۴۸ : ۴)
(۱۱) کوئی کسی دوسرے کی ذمہ داری نہیں اٹھائے گا ــــ (۱۶۵ : ۶)

ہم نے ان حقوق کو یہاں محض بطور مثال درج کر دیا ہے۔ ان کی تفصیل کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھنے چاہئیں۔ نیز عنوان "مستقل اقدار"

ــــــ (۰) ــــــ

۲۳۔ بہتان

(نیز دیکھئے۔ اِفک)

بُہتان۔ (ب۔ ہ۔ ت)۔ کسی پر ایسا الزام لگا دینا کہ وہ اسے سن کر حیران و ششدر رہ جائے۔ تہمت تراشی۔ بہتان بانی اور جھوٹے الزام لگانے کو قرآن کریم نے بدترین جرم اور نہایت کمینہ خصلت بتایا ہے۔ جو الزام لگانے والے کی پست ذہنیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جو شخص کسی کے خلاف جھوٹا الزام لگاتا ہے وہ خود تو معتبر بن جاتا ہے اور فریقِ مقابل، بلا جرم و خطا، مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اپنی برأت اور مدافعت پیش کرنے لگتا ہے۔ کوئی اس کے بیان کو صحیح تسلیم کرتا ہے، کوئی خواہ مخواہ شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ بات معاشرہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اور وہ ناکردہ گنہگار مفت میں بدنام ہو جاتا ہے۔ کوئی آگے بڑھ کر جج کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور بلا تحقیق و کاوش فیصلہ صادر کر دیتا ہے کہ غلطی دونوں کی ہے۔ پھر کچھ اور معتبر قسم کے لوگ آگے بڑھتے ہیں اور ان میں مفاہمت اور صلح کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ چونکہ بے گناہ ہوتا ہے اس لئے اپنی غلطی کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے مقام سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس پر اسے ضدی اور جھگڑالو قرار دے دیا جاتا ہے۔ آپ نے غور کیا کہ غلط الزام کے ایک شرارے سے اس بیچارے کا امن و سکون اور عزت و احترام کس طرح راکھ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اسے اس قدر گھناؤنا جرم قرار دیا ہے۔

ــــــ (۰) ــــــ

بہتان تراشی سنگین جُرم ہے

(۱) جس شخص سے کوئی جُرم یا خطا سرزد ہو جائے اور وہ اس کا الزام کسی اور پر دھرے، تو اس سے وہ دُہرے مواخذہ کا مستحق ہو گیا۔ ایک تو اپنے جرم کی سزا کا اور دوسرے اس بہتان کی پاداش کا۔ (۴ : ۱۱۲)

(۲) جو لوگ پاکدامن عورتوں کے خلاف ناحق الزام لگائیں اور پھر اپنے قول کی شہادت میں چار گواہ نہ لاسکیں تو اس جرم کی سزا یہ ہے کہ ایسے شخص کو اسی کوڑے لگائے جائیں اور اسکی شہادت قبول نہ کی جائے۔ اسے معاشرہ میں ساقط الاعتبار قرار دے دیا جائے ــــ (۲۴ : ۴-۵)

(۳) لوگ خود اپنی بیویوں کے خلاف الزام عاید کریں۔ اور اس الزام کا گواہ کوئی نہ ہو، تو وہ چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچ کہتا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو لیکن اگر دوسری طرف، عورت اسی طریق سے یہ کہہ دے کہ وہ بری الذمہ ہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا ــــ (۲۴ : ۶-۸)

(۴) یہ ناحق اذیت دہی ہے اس لئے بہت بڑا جرم ــــ (۳۳ : ۵۸)

(۵) رسول اللہؐ عورتوں سے اس امر کا اقرار لیتے تھے کہ وہ بہتان تراشی نہیں کرینگی ــــ (۶۰ : ۱۲)

(۶) بیوی کے خلاف بہتان لگا کر اس کے مہر میں سے کچھ لینے کی کوشش مت کرو ــــ (۴ : ۲۰)

مدینہ کا واقعۂ اِفک

مدینہ میں کچھ لوگوں نے کسی پاکدامن عورت کے خلاف جھوٹا الزام لگا دیا تھا۔ قرآنِ کریم نے اس پر جماعت مومنین کو چند ضروری ہدایات دیں۔ یعنی

(۱) جس کے خلاف الزام لگایا گیا تھا، اس کے متعلق جماعتِ مومنین کا پہلا ردِ عمل نیک ہونا چاہیئے تھا۔ اس سے واضح ہے کہ کسی ملزم کے خلاف جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے اُسے معصوم سمجھنا چاہیئے۔ آپس میں ہمیشہ ظن نیک رکھنا چاہیئے ــــ (۲۴ : ۱۱-۱۲)

(۲) الزام لگانیوالوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ چار گواہ پیش کرتے ــــ (۲۴ : ۱۳)

(۳) لوگوں کو چاہیئے کہ جب کوئی ایسی بات سنیں تو اُسے آگے نہ پھیلائیں۔ اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، یہ

کہہ دیں کہ یہ بہتان تراشی ہے۔ ـــــ (۲۴ : ۱۶)

(۴) اس قسم کی باتوں کا چرچا کرنیوالے بھی مجرم ہیں ـــــ (۲۴ : ۱۹)

عام طور پر مشہور ہے کہ یہ الزام حضرت عائشہؓ کے خلاف لگایا گیا تھا۔ قرآن کریم نے یہ کہیں نہیں کہا۔ اس لئے اس کا کسی خاص عورت کی طرف منسوب کرنا خود الزام تراشی ہے اور قرآن کی رُو سے جرم۔ باقی رہا یہ کہ ہماری کتبِ تاریخ و روایات میں ایسا لکھا ہے، تو ان کتابوں میں کیا کچھ لکھا ہوا نہیں ملتا؟ ان کتابوں کی ہر بات یقینی اور قابلِ تسلیم تھوڑی ہے۔

صحیح اقدام

(۱) جب کوئی فاسق اس قسم کی خبر تمہارے پاس لائے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ یہ حکم انفرادی باتوں کے متعلق بھی ہے اور اجتماعی امور سے متعلق بھی ـــــ (۴۹ : ۶)

(۲) اہم اور اجتماعی امور میں خود تحقیق کرنے کے بجائے، معاملہ اربابِ نظم و نسق تک پہنچا دینا چاہئے تاکہ وہ تحقیق کر کے کسی نتیجے پر پہنچیں ـــــ (۴ : ۸۳)

(۱) **مظلوم کا حق** خدا اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی بات کی بے جا تشہیر کی جائے۔ ہاں، اگر مظلوم دادرسی کے لئے ایسا کرے تو اس کا مضائقہ نہیں ـــــ (۴ : ۱۴۸)

(۱) **یہودیوں کا جرم** یہود نے حضرت مریمؑ کے خلاف بہت بڑا بہتان باندھا تھا ـــ (۴ : ۱۵۶)

ـــــــ (۰) ـــــــ

۲۴۔ بَیْع

(نیز دیکھئے۔ تجارت)

بَیع (ب۔ ی۔ ع) کسی چیز کو فروخت کر دینا۔ لیکن بعض اوقات یہ لفظ خرید لینے اور فروخت کر دینے

دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نیز اس کے معنی باہمی معاہدہ کے بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں بیع اور تجارت الگ الگ معنوں میں آتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ بیع روزمرہ کی خرید و فروخت کو کہیں گے، اور تجارت باقاعدہ سوداگری کو۔

(-)

بیع سے متعلق احکام

(۱) عام طور پر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں (یا دانستہ ایسا کہتے ہیں) کہ بیع (خرید و فروخت) اور ربوٰ (سود) ایک ہی جیسے ہیں۔ کیونکہ دونوں میں اصل زر سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ بیع اور ربوٰ میں فرق ہے۔ اس لئے بیع کو خدا نے حلال قرار دیا ہے اور ربوٰ کو حرام۔ (۲:۲۷۵) بیع اور ربوٰ کے فرق کے لئے ربوٰ کا عنوان دیکھئے۔ یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ بیع میں سرمایہ لگا کر ساتھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ بیچنے والا جو منافع لیتا ہے وہ اس کی محنت کا معاوضہ ہوتا ہے۔ نہ کہ سرمایہ کا معاوضہ۔ ربوٰ میں محنت کے بغیر فقط سرمایہ کا معاوضہ لیا جاتا ہے۔ یہ حرام ہے۔

(۲) نقد تجارت کے معاملہ کو تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں۔ (۲ : ۲۸۲)

(۳) خرید و فروخت کے معاملہ میں گواہ رکھ لیا کرو۔ (۲ : ۲۸۲)

(۴) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ۔ البتہ باہمی رضامندی سے خرید و فروخت (تجارت) میں کوئی حرج نہیں۔ (۴ : ۲۹)۔ تفصیل ان امور کی "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔

فکرِ معاش اور بلند اقدار کا تقابل

(۱) جب نظامِ خداوندی کی طرف سے اجتماعی امور کے لئے بلایا جائے تو کاروبار چھوڑ کر فوراً اس کی طرف آجاؤ۔ جب یہاں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تلاشِ معاش کے لئے نکل جاؤ۔ (۱۰-۹ : ۶۲)

(۲) مومن کو خرید و فروخت یا تجارتی کاروبار، نظامِ خداوندی اور مستقل اقدار کی طرف سے غافل نہیں کر سکتے۔ (۳۷ : ۲۴)۔ کاروبار، مستقل اقدار کے حصول و تحفظ کا ذریعہ ہونا چاہیئے نہ کہ مقصود بالذات۔

(۳) ایامِ جاہلیت سے نئے نئے نکلے ہوئے اعراب کی یہ حالت تھی کہ وہ دین کے اجتماع میں بیٹھے ہیں

کہ اُدھر سے تجارت کا کوئی قافلہ آگیا۔ تو وہ فوراً اس کی طرف اُٹھ بھاگتے تھے۔ انہیں اس سے روکا گیا۔ اور کہا گیا کہ جو کچھ تمہیں یہاں سے ملیگا وہ تمہاری تجارت سے کہیں بہتر ہے ——— (۱۱ : ۶۲)

(۴) ان سے کہدو کہ اگر دنیا کا کوئی رشتہ یا مفاد، کاروبار جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز، نظامِ خداوندی کے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہوگئی، تو تم اسلام کے راستے پر نہ رہے۔ پھر تم انتظار کرو کہ تمہاری غلط روش کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے ——— (۲۴ : ۹)

(۵) خدا ایک ایسی تجارت کا پتہ نشان دیتا ہے جو عذابِ الیم سے نجات دلا دے یعنی نظامِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے تگ و تاز کرنا اور ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہنا ——— (۱۱-۱۰ : ۶۱)

(۶) یہی وہ تجارت ہے جو کبھی تباہ نہیں ہوتی ——— (۳۰-۲۹ : ۳۵)

(۷) ایک تجارت منافقین کی ہے جس میں وہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں۔ ان کی یہ تجارت انہیں کبھی نفع نہیں دے سکتی۔ ——— (۱۶ : ۲)

قانونِ مکافاتِ عمل

(۱) قانونِ مکافاتِ عمل میں یہ نہیں ہو سکتا کہ تم روپیہ دیکر اپنی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے بچ جاؤ۔ اس میں اس قسم کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ ——— (۲۵۴ : ۲) ——— (۳۲ : ۱۴)

بیعت

(۱) ایمان کے معنی یہ ہیں کہ مومن خدا سے ایک سودا کرتا ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ اپنا جان اور مال بیچ دیتا ہے اور خدا اسے اس کے عوض جنت عطا کر دیتا ہے ——— (۱۱۱ : ۹)۔ یہ سودا بڑا نفع کا ہوتا ہے اس لئے مومن اس پر بہت خوش ہوتا ہے ——— (۲۰۷ : ۲) ——— (۱۱۱ : ۹)

(۲) لیکن یہ خرید و فروخت محض ذہنی اور اعتقادی نہیں ہوتی کہ اپنے جی میں ایسا خیال کر لیا اور یہ چیزیں بدستور اپنے پاس رکھ لیں۔ یہ فروخت، عملاً نظامِ خداوندی کے نمائندہ سے ہوتی ہے۔ اسی کو بیعت کہتے ہیں ——— یعنی اپنا جان و مال، نظامِ خداوندی کے ہاتھ بیچ دینا، اس کے سپرد کر دینا ——— (۴۸ : ۱۰)

(۳) یہی وہ بیعت تھی جس کی تجدید مکہ سے باہر حدیبیہ کے مقام پر، جماعتِ مومنین نے اس وقت کی تھی جب جان دینے کا وقت آگیا تھا ــــ (۴۸ : ۱۸)

(۴) یہ بیعت (اقرارنامہ) عورتوں سے بھی لی جاتی تھی ــــ (۶۰ : ۱۲)

[پیری مریدی کی بیعت کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں۔ قرآن کی رُو سے پیری مریدی کا سلسلہ ہی نہیں تو اس کی بیعت کا ذکر اس میں کیسے آجاتا۔ یہ تمام باتیں ہمارے ہاں "باہر" سے آگئی ہیں۔]

ــــ (۰) ــــ

۲۵۔ بیّنات (بیان۔ تبیان۔ مُبین)

(نیز دیکھئے۔ قرآن)

بیّنات (ب۔ ی۔ ن) یہ لفظ بڑا وسیع المعنی ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں ظاہر ہو جانا، واضح ہو جانا۔ مستور حقائق یا اشیاء کا کھل کر سامنے آجانا۔ اظہارِ خیال۔ وغیرہ (بیّنات جمع ہے بیّنہ کی)

کائنات کے حقائق جو انسانی نگاہوں سے مستور، اور مستقل اقدارِ حیات جو علمِ انسانی کی حدود سے ماوراء تھے، خدا نے انہیں وحی کے ذریعے ظاہر کیا۔ اس اعتبار سے وحیِ خداوندی کو بیّنات کہا جاتا ہے۔

وحی کو خدا کا رسول، اپنے تک ہی نہیں رکھتا بلکہ اسے دوسروں پر بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے رسول کا یہ عمل یا فریضہ تبیان کہلاتا ہے۔

وحی کو دلائل و براہین کی رُو سے پیش کیا جاتا اور علم و بصیرت کی رُو سے منوایا جاتا ہے۔ اسلئے بیّنات، دلیل و برہان اور علم و بصیرت کو بھی کہتے ہیں۔ نیز، ہر اُس شے کو جو کسی حقیقتِ مستور کو سمجھنے یا پہچاننے کی نشانی (آیت) بنے۔

وحی چونکہ تمام حقائق، اصول، قوانین، اقدار وغیرہ کو ظاہر اور واضح کرتی ہے، اسی لئے وہ تبیان لکلّ شیٔ (۱۶ : ۸۹)۔ یا مبین ــ (۵ : ۱۵) ہوتی ہے۔ یعنی خود بھی واضح اور ظاہر اور دوسری چیزوں کو بھی واضح اور ظاہر کرنے والی۔

خدا نے انسان کو اظہارِ خیالات کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اسے بیان کہتے ہیں — (۵۵ : ۴)

ان تشریحات سے ظاہر ہے کہ وحی کوئی باطنی علم، کوئی سرِ مستور، کوئی "گپت ودّیا" کوئی سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والا راز نہیں۔ وہ خدا کی طرف سے نبی کو ملتا ہے تو نبی اسے ساری دنیا کے سامنے آشکارا کر دیتا ہے۔

نیز یہ بھی کہ وحی (قرآن کریم) ایسی کتاب نہیں جو مبہم یا پیچیدہ ہو جسے سمجھنے کے لئے کسی باطنی ذریعۂ علم یا آسمان سے آنے والے مامور کی ضرورت ہو۔ وہ نہایت واضح تعلیم ہے جسے علم و بصیرت کی رُو سے سمجھا جاتا اور دلائل و براہین کی رُو سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ وہ ہر حقیقت کو واضح کرتی ہے اس لئے اپنی وضاحت کے لئے کسی خارجی ذریعہ کی محتاج نہیں۔ وہ نور یعنی روشنی ہے —(۵ : ۱۵)۔ روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ خود روشن ہوتی ہے اور ہر اُس شخص پر جو آنکھوں سے کام لے، دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہے۔

(۰)

ہر رسول کو بیّنات دیئے گئے تھے

(۱) تمام رسول اپنی اپنی قوم کی طرف بیّنات لے کر آتے تھے — (۷ : ۱۰۱) — (۹ : ۷۰) — (۱۰ : ۱۳) — (۳۰ : ۴۷) — (۳۵ : ۲۵)

(۲) حضرت موسٰیؑ بیّنات لے کر فرعون کی طرف گئے — (۲ : ۹۲) — (۷ : ۱۰۵) — (۱۱ : ۹۶) — (۱۷ : ۱۰۱) — (۲۸ : ۳۶) — (۲۹ : ۳۹) — (۴۰ : ۲۸)

(۳) تمام رسول، بیّنات، زُبر، کتابِ منیر لے کر آتے۔ لیکن لوگوں نے ان کی تکذیب کی — (۳ : ۱۸۴) — (۱۰ : ۷۴) — (۱۶ : ۴۴) — (۴۰ : ۲۲)

(۴) بنی اسرائیل کی طرف خدا کے رسول، بیّنات لے کر آتے تھے — (۲ : ۲۱۱) — (۵ : ۳۲)

(۵) رسول بیّنات لے کر آتے اور لوگوں نے ان کی آواز کو دبانا چاہا — (۱۴ : ۹)

(۶) رسول بیّنات لے کر آتے، لیکن لوگ ایمان نہ لاتے — (۳ : ۱۸۴) — (۷ : ۱۰۱) — (۱۰ : ۷۴) — (۱۴ : ۹) — (۱۶ : ۴۴) — (۳۰ : ۹) — (۴۰ : ۸۳) — (۵۷ : ۲۵) — (۶۴ : ۶)

(۷) اہلِ جہنم اعتراف کرینگے کہ رسول ان کے پاس بیّنات لے کر آتے تھے ــــ (۴۰ : ۵۰)

(۸) ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں وحی دی گئی تاکہ وہ لوگوں پر تعلیمِ خداوندی کو واضح کر دے۔ (۱۴ : ۴)

(۹) ساحرین نے بیّنات دیکھ لئے اور ایمان لے آئے ــــ (۲۰ : ۷۲)

بنی اسرائیل کی طرف واضح احکام آئے ــــ (۲ : ۲۱۱)

(۱۰) حضرت عیسےٰؑ بیّنات لے کر آتے تھے ــــ (۲ : ۸۷) ــ (۲ : ۲۵۳) ــ (۵ : ۱۱۰) ــ (۴۳ : ۶۳)

(۱۱) حضرتِ نوحؑ بیّنہ پر تھے ــــ (۱۱ : ۲۸)

(۱۲) حضرتِ یوسفؑ بیّنات لے کر آئے تھے ــــ (۴۰ : ۳۴)

(۱۳) حضرتِ صالحؑ بیّنہ لیکر آتے تھے ــــ (۷ : ۷۳) ــ (۱۱ : ۶۳)

(۱۴) حضرتِ شعیبؑ بیّنہ لے کر آتے تھے ــــ (۷ : ۸۵) ــ (۱۱ : ۸۸)

(۱۵) قوم نے حضرت ہودؑ سے کہا کہ تم ہماری طرف بیّنہ لے کر نہیں آئے ــــ (۱۱ : ۵۳)

(۱۶) نبی اکرمؐ بیّنات لے کر آئے تھے۔ حضورؐ کو حکم دیا گیا کہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اُسے لوگوں پر ظاہر کر دے۔ کیونکہ وحی کا علم صرف تیرے لئے نہیں۔ یہ تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے ہے ــــ (۵ : ۱۵) ــ (۵ : ۱۹) ــ (۶ : ۱۰۵) ــ (۱۶ : ۴۴)

حضورؐ بیّنات لے کر آئے تو لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جھوٹ ہے ــــ (۶۱ : ۶)

حضورؐ نے کہا کہ میں بیّنات آجانے کے بعد شرک کیسے کروں ــــ (۴۰ : ۶۶)

حضورؐ نے کہا کہ میں خدا کی طرف سے بیّنہ پر ہوں ــــ (۶ : ۵۷)۔ بیّنہ لے کر آیا ہوں ــــ (۶ : ۱۵۷) ــ (۱۱ : ۱۷) ــ (۴۷ : ۱۴)

یہ کوئی محسوس نشانی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان سے کہو کہ یہ قرآن کتبِ سابقہ کی سچی تعلیم کی واضح شہادت ہے ــــ (۲۰ : ۱۳۳)

رسول بیّنہ لے کر آیا ہے ــــ (۹۸ : ۱ ــ ۴)

رسول کا فریضہ یہ ہے کہ جو کچھ اس پر نازل کیا جائے اسے اپنے تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ لوگوں پر بھی ظاہر کرے۔ کیونکہ اس سے مقصد نوعِ انسان کی ہدایت ہے ــــ (۱۶ : ۴۴)

اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ لوگ کن امور میں اختلاف کرتے ہیں ــــ (۶۴ : ۱۶)
یہ فریضہ اُس امت کا بھی ہے جسے کتاب دی جائے یعنی اُسے چھپا کر نہ رکھیں بلکہ لوگوں پر ظاہر کریں ــــ (۱۸۶ : ۳)

بیّنات آجانے کے بعد اختلاف

(۱) بنی اسرائیل نے واضح تعلیم مل جانے کے بعد، باہمی ضد کی بنا پر اختلاف کیا ــــ (۱۷ : ۴۵)
(۲) تمام قوموں نے ایسا ہی کیا ــــ (۲۱۳ : ۲)
(۳) بیّنات آجانے کے بعد لغزش ــــ (۲۰۹ : ۲)
(۴) مسلمانوں! تم ان لوگوں جیسا نہ ہو جانا جنہوں نے بیّنات ملنے کے بعد اختلاف کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے ــــ (۱۰۴ : ۳)
(۵) حق واضح ہو جانے کے بعد محض حسد کی بنا پر انکار و اختلاف ــــ (۱۰۹ : ۲)
(۶) جو ہدایت واضح ہو جانے کے بعد، رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی دوسری راہ پر چلے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا ــــ (۱۱۵ : ۴) ــــ (۳۲ : ۴۷)
(۷) حق کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑے نکالنا ــــ (۶ : ۸)
(۸) جب بات واضح ہو جائے کہ مشرکین اہل جہنم میں سے ہیں، تو پھر ان کے لئے دعائے مغفرت نہیں مانگی جا سکتی ــــ (۱۱۳ : ۹)

قرآن کریم کی خصوصیات

(۱) قرآن بیانٌ للناس ہے ــ (۱۳۷ : ۳)۔ یعنی تمام نوعِ انسان کے لئے واضح ضابطۂ ہدایت۔
(۲) وحی کا نازل کرنا، جمع کرنا۔ حفاظت سے رکھنا اور اس کی ہر بات کی وضاحت کرنا، سب خدا نے اپنے ذمہ لیا تھا ــــ (۱۹-۱۷ : ۷۵)۔ اسی لئے اسے، آہستہ آہستہ، بتدریج نازل کیا گیا تھا (۳۲ : ۲۵)
(۳) خدا نے اپنے احکام کو واضح کر دیا ہے ــــ (۱۰۹ : ۲) ــــ (۱۱۸ : ۲) ــ (۱۵۹ : ۲) ــــ (۱۸۷ : ۲)

(۲ : ۲۱۹)—(۲ : ۲۲۱)—(۲ : ۲۳۰)—(۲ : ۲۴۲ ؛ ۲۵۶ ؛ ۲۶۶)—(۳ : ۱۰۳)—(۳ : ۱۱۷)
(۴ : ۲۶)—(۴ : ۱۱۵)—(۴ : ۱۷۶)—(۵ : ۷۵)—(۵ : ۸۹)—(۸ : ۴)—(۹ : ۱۱۵)—(۲۴ : ۱۷)
(۲۴ : ۵۸ ؛ ۵۹ ؛ ۶۱)—(۴۷ : ۲۵)—(۴۷ : ۳۲)

یہ کتاب، دین سے متعلق ہر بات کو واضح کر دیتی ہے — (۱۶ : ۸۹)

(۴) قرآن کے احکام و قوانین، واضح (آیاتِ بیّنات) ہیں — (۲ : ۹۹)—(۲ : ۲۰۹)—(۱۰ : ۱۵)—
(۱۹ : ۷۳)—(۲۲ : ۱۶)—(۲۲ : ۷۲)—(۲۴ : ۱)—(۲۹ : ۴۹)—(۳۴ : ۴۳)—(۴۵ : ۲۵)—
(۶ : ۵۸)۔ بیّنات من الھدیٰ — (۲ : ۱۵۹)—(۲ : ۱۸۵)

قرآن ہے ہی بیّنات — (۳ : ۸۵)۔ یہی بیّنہ ہے — (۳ : ۸۶)—(۲۴ : ۳۴ ؛ ۴۶)—(۴۵ : ۱۷)
(۴۶ : ۷)—(۵۷ : ۹)—(۵۸ : ۵)—(۶۱ : ۶)—(۶۵ : ۱۱)—(۹۸ : ۱—۲)

بیان للناس — (۳ : ۱۳۸)۔ تبیاناً لکل شیءٍ — (۱۶ : ۸۹)۔ یہ خدا کے ذمہ تھا — (۷۵ : ۱۹)

(۵) ایسی واضح تعلیم جو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے — (۵۷ : ۹)

(۶) جو شخص خدا کی طرف سے عطا شدہ بیّنہ پر ہو، اس کے برابر وہ شخص کیسے ہو سکتا ہے جس کے پاس ایسی واضح ہدایت نہ ہو — (۱۱ : ۱۷) — (۴۷ : ۱۴)

(۷) اس کتاب سے ہدایت اور گمراہی کی راہیں واضح طور پر سامنے آگئیں۔ لہٰذا، دین میں اکراہ کا کوئی کام نہ رہا۔
(۲ : ۲۵۶)

(۸) اے رسول! ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ تو اسے اپنے تک ہی محدود رکھے۔ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے کیونکہ اس سے انہیں ہدایت دینا مقصود ہے — (۱۶ : ۴۴)۔ اس سے وہ باتیں بھی واضح ہو جائینگی جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں — (۳ : ۱۸۷) — (۱۶ : ۶۴) — (۴۳ : ۶۳)

(۹) ہم عالمِ انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے جائینگے تاآنکہ یہ بات ظاہر ہو جائے (حتیٰ یتبیّن لھم) کہ قرآن واقعی ایک حقیقتِ ثابتہ ہے — (۴۱ : ۵۳)

مُبین

(۱) رسول کو مبیّن کہا گیا ہے۔ یعنی واضح پیغامات پہنچانے والا — (۲ : ۱۸۴) — (۲۲ : ۴۹)

(۵۰ : ۲۹)—(۲۹ : ۴۳)—(۱۳ : ۴۴)—(۹ : ۴۶)—(۵۱—۵۰ : ۵۱)—(۲۶ : ۶۷)

حضرت نوحؑ — (۲۵ : ۱۱)—(۱۱۵ : ۲۶)—(۲ : ۷۱)

رسول کے ذمے واضح طور پر پیغام پہنچا دینا ہے —(۵ : ۹۲)۔ (تفصیل بلاغ کے عنوان میں دیکھئے)۔

(۲) قرآن کریم کو نور اور کتابِ مبین کہا گیا ہے تاکہ یہ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے۔

(۱۶—۱۵ : ۵) — (۶۹ : ۳۶)

یہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے — (۱۰۳ : ۱۶)

یہ کتابِ مبین ہے —(۶۱ : ۱۰)—(۶ : ۱۱)—(۱ : ۱۲)—(۱ : ۱۵)—(۳۴ : ۲۴)—
(۴۶ : ۲۴)—(۲ : ۲۶)—(۱ : ۲۷)—(۲ : ۲۸)—(۲ : ۴۳)—(۲۹ : ۴۳)—(۲ : ۴۴)

قرآن نورِ مبین ہے — (۱۷۵ : ۴)

رسول لوگوں کے سامنے آیات مبینات پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے آئے — (۱۱ : ۶۵)

اس کتابِ مبین میں خشک و تر سب کچھ ہے — (۵۹ : ۶)

تبیاناً لکل شیء —(۸۹ : ۱۶) بیان للناس —(۱۳۸ : ۳)

قرآن کا بیان (واضح کرنا) خدا کے ذمہ تھا — (۱۹ : ۷۵)

(۳) رسول کا فریضہ البلاغ المبین ہوتا ہے۔ یعنی وحی کے پیغام کو بالکل ظاہر اور واضح طور پر پہنچا دینا —
(۹۲ : ۵)—(۳۵ : ۱۶)—(۸۲ : ۱۶)—(۵۴ : ۲۴)—(۱۸ : ۲۹)—(۱۷ : ۳۶)—

(۱۲ : ۶۴)

(۴) قرآن، عربی مبین میں نازل ہوا ہے —(۱۰۳ : ۱۶)—(۱۹۵ : ۲۶)—(۲ : ۴۳)

(۵) قانونِ مکافاتِ عمل کا "ریکارڈ" امام مبین ہے —(۱۲ : ۳۶)۔ شاہراہ کو بھی امامِ مبین کہا گیا ہے —(۷۹ : ۱۵)۔ علمِ خداوندی کو کتابِ مبین کہا گیا ہے — (۷۵ : ۲۷)

(۶) وحی سلطان مبین ہے۔ حضرت موسیٰؑ اسی کے ساتھ اہلِ فرعون کی طرف گئے تھے —(۳۸ : ۵۱)

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو کتاب المستبین دی گئی — (۱۱۷ : ۳۷)

(۷) مخالفین، رسولوں سے کہتے تھے کہ ہمیں "سلطان مبین" دکھاؤ۔ اس سے ان کی مراد محسوس معجزہ

جو تی تھی ——(۱۰ : ۱۴)

(۷) خدا الحق المبین ہے ——(۲۵ : ۲۴)

وحی کی راہ نمائی بھی حق المبین ہے ——(۲۷ : ۷۹)

نوٹ:- قرآن کریم میں مبین کا لفظ اور بھی بہت سی چیزوں کے لئے آیا ہے۔ وہ حوالے متعلقہ عنوانات کے تحت ملیں گے۔ مثلاً سحرٌ مبین۔ افکٌ مبین۔ الفوز المبین البلاغ المبین۔ وغیرہ۔

متفرقات

(۱) کعبہ میں، جو نظامِ خداوندی کا محسوس مرکز ہے، حقائق کی واضح نشانیاں ہیں——(۳ : ۹۶)

(۲) قوم لوط کی تباہی، خدا کے قانونِ مکافات کی واضح نشانی تھی——(۲۹ : ۳۵)

(۳) مشرکین کو خدا کی طرف سے وحی کی تعلیم نہیں ملی——(۳۵ : ۴۰)

(۴) کشمکش حق و باطل اس لئے ہے کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی علیٰ بیّنہ ہلاک ہو، اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی علیٰ بیّنہ زندہ رہے——(۸ : ۴۲)

(۵) تبیان کے معنی بات کا ظاہر اور واضح ہو جانا ہیں——(۲ : ۲۵۹)——(۹ : ۱۱۴)

(۶) خدا نے واضح طور پر بتا دیا کہ غلط راستوں پر چلنے والی قوموں کا حشر کیا ہوتا ہے——(۱۴ : ۴۵)

(۷) اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ وہ کتاب کی تعلیم کو چھپائیں نہیں بلکہ اسے ظاہر کریں۔ یہاں تبیان بمقابلہ کتمان آیا ہے——(۳ : ۱۸۶)

(۸) خدا حق مبین ہے——(۲۴ : ۲۵)

——(۰)——

پ

پردہ

قرآنِ کریم، حفاظتِ عصمت کی بڑی تاکید کرتا ہے۔ (اس کے لئے عورت اور زنا کے عنوانات دیکھئے) لیکن وہ اس کی حفاظت کا طریقہ یہ نہیں بتاتا کہ عورتوں کو گھر کے اندر محبوس (بند) رکھا جائے اور اگر وہ کبھی باہر نکلیں تو لپٹی لپٹائی ہوتی ہوں۔ اس اندازِ معاشرت سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اس سے ایک طرف، عورت، احساسِ کمتری کا مجسمہ بن کر رہ جاتی ہے اور دوسری طرف نوعِ انسانی کی آدھی آبادی نہ صرف عضوِ معطل بن کر رہ جاتی ہے، بلکہ دوسرے نصف حصہ (مردوں) کے لئے بوجھ بن جاتی ہے۔ (جیسا کہ عورت کے عنوان میں بتایا گیا ہے) ان خصوصی طبیعی وظائفِ حیات کے علاوہ جو طبقۂ اناث سے مختص ہیں، قرآن، زندگی کے ہر شعبے میں مرد اور عورت کو دوش بدوش چلتے دیکھنا چاہتا ہے۔

بدقسمتی سے، مردوں کی طرف سے پیدا کردہ احساسِ کمتری کی وجہ سے، عورت کے دل میں یہ خیال راسخ ہو چکا ہے کہ اس کی تخلیق کا مقصد، مرد کے لئے سامانِ جاذبیت مہیا کرنا ہے۔ اس لئے اس کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح، مرد کے لئے وجہِ کشش رہے۔ قرآن، عورت کے دل سے

اس احساسِ کمتری کو دور کرنا چاہتا ہے اور اُسے بتانا چاہتا ہے کہ وہ مرد کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ نہیں۔ اس کی ہستی (مرد کی طرح) مقصود بالذات ہے۔ یہ وجہ ہے کہ وہ (بے جا) نمودِ حسن و زیبائش کے جذبہ کی حوصلہ شکنی کرتا اور اس سے روکتا ہے۔ پردہ سے یہی مقصود ہے۔ یعنی وہ تبرجِ جاہلیہ سے روکتا ہے۔

—— (٠) ——

حفاظتِ عصمت

(۱) حفاظتِ عصمت کا تقاضا مردوں اور عورتوں (دونوں) سے یکساں ہے ——

(۳۱—۳۰ : ۲۴) — (۳۵ : ۳۳)

(۲) زنا کی سزا مرد اور عورت کے لئے یکساں ہے —— (۲ : ۲۴)

(۳) عورت کو گھر کی چار دیواری میں بند رکھنا صرف سزا کے طور پر ہو سکتا ہے —— (۱۵ : ۴)

(۴) تقسیمِ کار کی رُو سے، مرد کا میدانِ عمل بالعموم گھر سے باہر ہوتا ہے اور عورت کا گھر کے اندر۔ اس لئے عورتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ باوقار طریقے سے گھر میں رہا کریں —— (۳۳ : ۳۳)۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ گھر میں بند رہا کریں۔

پرائیویسی

(۱) تمدنی زندگی میں، پرائیویسی نہایت ضروری ہے۔ اس کے لئے کہا گیا ہے کہ کسی کے گھر جانا ہو تو پہلے اجازت لو۔ پھر اندر جاؤ —— (۲۸—۲۷ : ۲۴)

(۲) گھر والوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو باہر سے آواز دو —— (۵۳ : ۳۳)

(۳) باہر سے کوئی مرد آواز دے تو عورت کو چاہیئے کہ باوقار طریقہ سے اس کا جواب دے۔ وہ اپنی آواز میں لوچ اور جاذبیت نہ پیدا کرے —— (۳۲ : ۳۳)

(۴) وہ گھر کے اندر اس انداز سے نہ چلے پھرے کہ اس کے زیورات کی جھنکار باہر تک سنائی دے۔

(۳۱ : ۲۴)

(۵) بچے اور ملازمین، پرائیویٹ کمروں میں، بے وقت نہ آیا جایا کریں —— (۵۸ : ۲۴)

زینت کی نمائش

(۱) زینت و زیبائش کی چیزیں ممنوع نہیں لیکن ان کی نمود و نمائش غیروں کے سامنے نہیں کرنی چاہیئے۔

(۳۱ : ۲۴)

گھر سے باہر

(۱) مرد اور عورتیں، باہر چلیں پھریں تو اپنی نگاہوں کو نیچی رکھا کریں (انہیں بے باک نہ ہونے دیں۔) اوباشوں کی طرح ایک دوسرے کو تکتے اور گھورتے نہ پھریں۔ (۳۱-۳۰ : ۲۴)

(۲) عورتیں اپنی زیبائش کی چیزوں کی نمود نہ کریں۔ ہاں جو چیزیں چلتے پھرتے وقت خود بخود سامنے آجائیں اس کا مضائقہ نہیں۔ (۳۱ : ۲۴)

(۳) اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی چادریں اس طرح اوڑھیں کہ سر اور سینہ ڈھکا رہے۔ (۳۱ : ۲۴) یا اوپر سے جلباب پہن لیں۔ (۵۹ : ۳۳)۔ جلباب اس قسم کا (OVER - ALL) سمجھئے جس طرح آج کل ڈاکٹر یا نرسیں اپنے کپڑوں کے اوپر بڑا سا کوٹ پہن لیتی ہیں۔ واضح رہے کہ چادر یا جلباب سے مراد یہ نہیں کہ ہر زمانے میں چادریں یا جلباب ایک خاص وضع کے ہونے چاہئیں۔ لباس کی تراش خراش اور وضع قطع بدلتی رہتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ یہ چیزیں اس مقصد کو پورا کریں جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ جلباب کا ایک فائدہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے فتنہ پردازوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہمیں معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ کوئی آوارہ عورت ہے یا شریف زادی۔ (۵۹ : ۳۳)

(۴) اصل مقصد یہ ہے کہ عورت، عہد جاہلیت کی طرح، اپنے حسن کی نمود اور زینت کی نمائش نہ کرتی پھرے تمام انسانوں کی طرح رہے۔ (۳۳ : ۳۳)

(۵) شادی کے لئے پسندیدگی ضروری ہے۔ (۳ : ۴)۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھ ہی نہ سکیں تو (سیرت کی رُو سے پسندیدگی تو ایک طرف) شکل و صورت کے اعتبار سے بھی پسندیدگی کا امکان نہیں ہوسکتا۔ خود نبی اکرمؐ سے بھی کہا گیا ہے کہ اب آپؐ کسی اور عورت

سے شادی نہیں کر سکتے خواہ اس کا حسن تمہیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے۔" ـــ (۳۳ : ۵۲) کسی عورت کا (حسن کے اعتبار سے) اچھا یا بُرا لگنا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس عورت کو دیکھا جائے۔

(۶) جو لوگ شریف زادیوں سے چھیڑ چھاڑ کریں، ان کے خلاف معاشرہ کو سخت ترین اقدامات کرنے چاہئیں۔ تاکہ خواتین کے باہر نکلنے کی آزادی میں خلل واقع نہ ہو ـــ (۶۰ : ۳۳)

ـــــ (۰) ـــــ

ت

۱۔ تاویل (مآل)

(نیز دیکھئے "خواب")

تاویل (ا۔ و۔ ل) کسی بات کو اس کے صحیح رُخ کی طرف پھیرنا۔ بات کا مآل اور انجام معلوم کر لینا۔ اس کی حقیقت تک پہنچ جانا۔ ہمارے ہاں "تاویل" کا لفظ کچھ اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ اس کا بالعموم مفہوم لیا جاتا ہے، قرآن کی آیت کا مفہوم اپنے مطلب کے مطابق متعین کرنا یعنی اس آیت کا حقیقی مفہوم تو کچھ اور ہو لیکن اسے کھینچ تان کر، ایسا مفہوم بیان کرنا جو اپنے مطلب اور مقصد کے مطابق ہو۔ ایسا کرنا کھلی ہوئی تحریف ہے۔ لیکن اس مادہ کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان چند اشارات سے بات کی تہ تک پہنچ جائے۔ اس کے لئے گہری فراست کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواب کی تعبیر کے لئے بھی یہ لفظ اسی لئے استعمال ہوتا ہے کہ اس سے انسان '..... مبہم اشارات سے' اس کے مآل اور انجام یا حقیقت کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ (تفصیل اس کی خواب کے عنوان میں ملے گی)

(۱) **مآل حقیقت** قرآن کریم کا ایک حصہ تو وہ ہے جس کا تعلق احکام، قوانین اور مستقل اقدار سے

ہے۔ انہیں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر لفظ اپنے متعین معانی سامنے لے آتا ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ان حقائق پر مشتمل ہے جو مادی کائنات سے ماوراء ہیں (مثلاً ذاتِ خداوندی یا حیاتِ اُخروی وغیرہ)۔ ان حقائق کو تشبیہات کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو لوگ حق کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتے ہیں وہ محض فتنہ پیدا کرنے کے لئے ان حقائق کی کنہ وحقیقت اپنے قیاسات کی رُو سے متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ روش ٹھیک نہیں۔ ان میں سے بعض امور تو ایسے ہیں جن کی کنہ وحقیقت ذہنِ انسانی میں آ ہی نہیں سکتی۔ اسے صرف خدا جانتا ہے۔ اور بعض حقائق ایسے ہیں جن کے متعلق انسان، علم کی پختگی اور بصیرت کی وسعت سے صحیح تصور تک پہنچ سکتا ہے۔ ایسی کوشش کرنا مومنین کا شیوہ ہے۔ انہیں ان حقائق کے صحیح ہونے پر پورا پورا ایمان ہوتا ہے۔ اور وہ علم وبصیرت کی رو سے انہیں (علیٰ حدِ بشریت) سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ——— (۳ : ۶)

(۲) قرآن سمجھنے کے تین طریقے۔ (i) انسان کی علمی سطح اتنی بلند ہو کہ وہ اس کے حقائق کا احاطہ کر سکے (ii) تاریخی شواہد سے اس کے دعاوی کی صحت کا یقین کر لے۔ اور (iii) قرآنی نظام کے آخری نتائج (تاویل) سے اس کے دعاوی کے سچے ہونے کا ثبوت سامنے آجائے ——— (۱۰ : ۳۹)

دوسری جگہ کفار کی غلط روش کے مآل کو بھی تاویل کہہ کر پکارا گیا ہے ——— (۷ : ۵۳)

(۳) مومنین سے کہا گیا کہ تم خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اولی الامر کی اطاعت۔ یہ روش بہت بہتر اور مآل ونتائج (تاویل) کے لحاظ سے احسن ہے ——— (۴ : ۵۹)۔ یہی الفاظ ماپ تول کے پیمانوں کو صحیح رکھنے کے سلسلہ میں آئے ہیں ——— (۱۷ : ۳۵)

(۴) حضرت موسیٰؑ جس مردِ بزرگ سے ملے تھے، انہوں نے ان واقعات کی تاویل حضرت موسیٰؑ کو بتائی یہاں تاویل کے معنی اصلی مفہوم یا حقیقت کے ہیں ——— (۷۸ ; ۸۲ : ۱۸)

(۵) حضرت یوسفؑ کو تاویل الاحادیث کا علم دیا گیا تھا۔ یعنی ایسی فراست جس سے انسان مختصر سے اشارات سے معاملہ کی اصل وحقیقت یا مآل وانجام تک پہنچ جائے ——— (۶ : ۱۲)

اس مقصد کے لئے انہیں کنعان کی بدوی زندگی سے مصر کی تمدنی زندگی میں پہنچا دیا گیا ———

(۲۱ : ۱۲)

اور اس پر حضرت یوسفؑ نے شکرانہ خداوندی ادا کیا ـــ (۱۲ : ۱۰۱)۔ اور کہا کہ یہ میرے خواب کی تاویل ہے ـــ (۱۲ : ۱۰۰)

(۶) حضرت یوسفؑ سے قیدی نے کہا کہ مجھے میرے خواب کی تاویل (تعبیر) بتا دیں ـــ (۱۲ : ۳۶) حضرت یوسفؑ نے جو تعبیر بتائی اسے اپنا ظن کہا ـــ (۱۲ : ۴۲)۔ فرعون کے درباریوں نے بھی تعبیرِ خواب کے لئے تاویل کا لفظ استعمال کیا ـــ (۱۲ : ۴۴)۔ لیکن فرعون نے لفظ تعبیر ہی استعمال کیا ـــ (۱۲ : ۴۳)

۲۔ تبلیغ

(نیز دیکھئے۔ دعوت۔ انذار۔ ذکر)

تبلیغ۔ (ب۔ ل۔ غ) کسی چیز کی آخری حد تک پہنچ جانا۔ کسی شے کا اتنا کافی ہونا کہ انسان اس کے ذریعے اپنے مقصد کی انتہا تک پہنچ جائے اور اسے کسی اور ذریعے یا سامان کی ضرورت نہ رہے۔ کسی بات کو دوسرے تک پہنچا دینا۔ نیز خود پیغام کو بھی کہتے ہیں۔

تبلیغ کا لفظ قرآنِ کریم میں نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کسی بات کے سمجھنے کے لئے جس قدر کمی کسی میں ہو، اس کی اس کمی کو پورا کر دینا تاکہ وہ اپنے مقصد تک پہنچ جائے۔

(۰)

رسول کے ذمّے بلاغ ہے

(۱) اے رسول! اگر یہ لوگ اس قدر سمجھانے کے باوجود حق سے روگردانی کرتے ہیں، تو تمہارے ذمے تو بات کا ان تک پہنچا دینا ہے۔ انہیں راستے پر لے آنا تمہاری ذمہ داری نہیں ـــ (۳ : ۱۹)

(۲) حق و باطل کی اس کشمکش کا آخری نتیجہ کب سامنے آئے گا، اس کا فیصلہ خدا کے قانونِ مکافات اور مہلت کے مطابق ہوگا۔ اے رسول! تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچا دینا ہے۔ تم اپنا فریضہ

ادا کئے جاؤ۔ تمہارا منصب یہی ہے ——— (۱۳ : ۴۰)

(۳) رسول کے ذمے بلاغ ہے۔ یعنی واضح طور پر ..... پیغام کا پہنچا دینا ——— (۵ : ۶۷)—(۵ : ۹۲)
(۵ : ۹۹)—(۱۶ : ۳۵)—(۱۶ : ۸۲)—(۲۴ : ۵۴)—(۲۹ : ۱۸)—(۳۳ : ۳۹)—(۳۶ : ۱۷)
(۴۲ : ۴۸)—(۶۴ : ۱۲)

(۴) ان سے کہہ دو کہ میرے ذمے خدا کے احکام اور پیغامات کا تم تک پہنچا دینا ہے ——— (۷۲ : ۲۳)

(۵) خدا اس کا اہتمام کرتا تھا کہ رسول اپنا پیغام بحفاظت لوگوں تک پہنچا دیں ——— (۷۲ : ۲۸)

(۶) حضرت ہودؑ نے کہا کہ میں نے تم تک خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے ——— (۷ : ۶۸)—(۱۱ : ۵۷)—(۴۶ : ۲۳)

(۷) یہی حضرت صالحؑ نے کہا ——— (۷ : ۷۹)۔ نیز حضرت شعیبؑ نے ——— (۷ : ۹۳)

(۸) حضورؐ کو حکم کہ جو کچھ تم پر نازل کیا جاتا ہے اسے لوگوں تک پہنچاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم فریضۂ رسالت کی سرانجامدہی سے قاصر رہ جاؤ گے ——— (۵ : ۶۷)

(۹) آپؐ نے اپنے مخاطبین سے کہا کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور جن تک یہ قرآن پہنچے، انہیں ان کے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کروں ——— (۶ : ۱۹)

(۱۰) حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں نے تم تک خدا کا پیغام پہنچا دیا ——— (۷ : ۶۲)

(۱۱) رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ منافقین سے اعراض برتو لیکن ان تک پیغامِ خداوندی نہایت مؤثر طریق سے پہنچاتے جاؤ ——— (۴ : ۶۳)—(۶ : ۷۰) تاکہ کوئی شخص اس لئے ہلاک نہ ہو جائے کہ اس تک پیغامِ خداوندی پہنچا نہ تھا۔

قرآن، بلاغ ہے

(۱) قانونِ مکافات کے مختلف گوشے بیان کرنے کے بعد کہا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ ——— (۱۴ : ۵۲)۔ یہ لوگوں کے لئے ایسا پیغام ہے جس کے ذریعے وہ چاہیں تو انسانیت کی صحیح منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ نیز ——— (۴۶ : ۳۵)

(۲) ہم نے زبور میں یہ اصول بیان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث ہمارے وہ بندے ہونگے جو اس کی صلاحیت رکھیں گے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو ہمارے قوانین کی اطاعت کرنا چاہیں، بلاغ

(عظیم اصول یا مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ) ہے — (۱۰۶-۱۰۵ : ۲۱)

(۳) حجتہ اللہ البالغہ خدا کے ذمہ ہے — (۱۴۹ : ۶) ۔ اور حکمتہ بالغہ — (۵ : ۵۴)

بلاغ بمعنی پیغام

(۱) پیغام خداوندی کہ ہلاکت صرف فاسق قوم کی ہوتی ہے — (۳۵ : ۴۶)

(۲) اللہ اور رسول کی طرف سے بلاغ — (۲۳ : ۷۲)

تبلیغ

(۱) منافقین سے اعراض برتو لیکن ان تک پیغام خداوندی پہنچاتے رہو — (۶۳ : ۴) ۔ تاکہ کوئی نفس اس کی وجہ سے (کہ ان تک بات نہیں پہنچی) تباہ نہ ہو جائے — (۷۰ : ۶)

(۲) پہلے اپنے اہل خاندان تک پیغام پہنچاؤ — (۲۱۴ : ۲۶) ۔ پھر مکہ اور اس کے مضافات کے لوگوں تک — (۹۳ : ۶) — (۷ : ۴۲) ۔ پھر جملہ اہل عرب تک — (۱۵۸—۱۵۶ : ۶) — (۴۶ : ۲۸) — (۳ : ۳۲) — (۹ : ۳۶) ۔ پھر عالمگیر انسانیت تک — (۳ : ۶۲)

(۳) دعوت خداوندی کو حکمت اور موعظت کے ساتھ لوگوں تک پہنچاتے جاؤ — (۱۲۵ : ۱۶) ۔ دعوت علیٰ وجہ البصیرت ہونی چاہیئے — (۱۰۸ : ۱۲) — (۴۶ : ۲۹) ۔ اور بلا خوف وخطر — (۳۳ : ۳۹)

(۴) پہلے سرکشوں کے ساتھ بھی نرمی سے بات کرنی چاہیئے شاید اس طرح وہ بات پر غور کرنے لگ جائیں — (۴۴ : ۲۰)

(۵) تبلیغ کے لئے سینے کی کشادہ، زبان کی طلاقت اور ایسا اسلوب بیان کہ جس سے بات دوسروں کی سمجھ میں آجائے، ضروری ہے — (۲۸—۲۵ : ۲۰)

(۶) ان سے جھگڑو نہیں۔ اپنی دعوت کو عام کرتے جاؤ — (۶۷ : ۲۲) — (۸۷ : ۲۸) — (۱۵ : ۴۲)

(۷) پہلے مشترک اقدار کی دعوت دو — (۶۴ : ۳) — (۴۶ : ۲۹)

(۸) حضورؐ داعی الی اللہ تھے — (۴۶ : ۳۳)

(۹) مُردوں اور اندھوں تک (جو سُننا، سمجھنا اور دیکھنا ہی نہ چاہیں) پیغام پہنچانے سے کیا حاصل ——(۳۵:۱۹-۲۳)
یہ زندہ انسانوں کے لئے ہے ——(۳۶ : ۷۰)

(۱۰) جو خدا کی طرف دعوت دے، خود قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا ہوا ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں۔ اس سے بہتر بات کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے ——(۳۳ : ۴۱)

(۱۱) حضورؐ لوگوں کو خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے ——(۸ : ۵۷)

(۱۲) مسلمانوں کو یہ روشنی دی گئی ہے (یعنی قرآن) جسے لے کر انہیں لوگوں میں چلنا ہوگا ——(۲۸ : ۵۷)

(۱۳) تبلیغ پرائیویٹ طور پر اور پبلک طریق پر، سِرّاً اور علانیہ، ہر مناسب طریق سے کرنی چاہیئے ——(۹-۸ : ۷۱)

(۱۴) تبلیغ میں غربت اور امارت کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ کون زیادہ شوق سے اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی طرف زیادہ رجوع کرنا چاہیئے خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو ——(۸-۱ : ۸۰)

(۱۵) دشمن کا کوئی آدمی پناہ لینے کے لئے آئے تو اسے کلام اللہ سناؤ۔ پھر اگر وہ جانا چاہے تو اسے اس کے مامن تک بحفاظت پہنچا دو ——(۶ : ۹)

—— (۰) ——

۳۔ تبُوک (جنگ)

جنگِ تبوک تبوک کا لفظ تو قرآن کریم میں نہیں آیا لیکن سورۃ توبہ میں، ایک جنگ کے متعلق بڑی شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تفاصیل، جنگِ تبوک سے متعلق ہیں۔ یہ جنگ ۹ھ میں رومیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ یہ جنگ بڑی سخت تھی اور حالات بڑے نامساعد۔ سخت گرمی کا موسم، مسافت بہت لمبی۔ فصل کے پکنے کا موسم۔ رومیوں کی فوجی طاقت اور تنظیم کی دھاک۔ اس کے باوجود، مجاہدین کا قریب تیس ہزار کا لشکر اس مہم کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن دوسری طرف، ایسے منافقین بھی تھے جو طرح طرح کی بہانہ سازیوں سے پیچھے رہ جانے اور جنگ میں شریک نہ ہونے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ سورۃ توبہ کی آیات (۹ : ۳۸) سے آگے اسی سلسلہ کا بیان ہے۔

(۱) مسلمانوں کو جہاد کی تلقین ——(۴۱-۳۸ : ۹)

منافقین کی عذر تراشیاں ــــ (۴۵ــ ۴۲ : ۹) ــ (۶۰ــ ۶۱ : ۹)

منافقین کی الزام تراشیاں ۔ حتےٰ کہ رسول اللہ کے خلاف صدقات کی تقسیم کے سلسلہ میں بھی طعن آمیز باتیں کی گئیں ــــ (۵۸ : ۹)

منافقین کے خلاف جنگ کا حکم ــــ (۷۳ : ۹)

منافقین کی مزید حرکات و خصائص کا بیان ــــ (۴۳ ــ ۷۴ : ۹) ــ (۱۰۶ ــ ۸۵ : ۹)

منافقین سے معاشرتی تعلقات منقطع کرنے کا حکم ــــ (۸۴ : ۹)

مسجد ضرار کا بیان ــــ (۱۰۷ــ۱۱۰ : ۹)

مومنین کے لئے سخت آزمائش کا وقت ــــ (۱۱۷ : ۹)

وہ تین مومن جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے ــــ (۱۱۸ : ۹)

اس جہاد میں شرکت کا اجرِ عظیم ــــ (۱۲۰ : ۹)

(۰)

۴۔ تجارت

(نیز دیکھو۔ بیع ۔ شریٰ)

تجارت بیع کا عنوان پہلے گذر چکا ہے۔ اگرچہ اس کے معنی "بیچنے" کے ہیں لیکن وہ بھی کبھی تجارت کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے ــ لیکن تجارت، درحقیقت بیع و شریٰ (خرید و فروخت) کے معاملہ کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کو بعض اوقات، خریدنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ بیع (بیچنے) کے معنوں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اسے عام کاروبار کا معاملہ سمجھنا چاہیئے۔ تجارت میں نفع کس قدر لینا چاہیئے، اس کے متعلق بیع کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے کہ یہ صرف محنت کا معاوضہ ہونا چاہیئے۔ سرمایہ کا نہیں۔ سرمایہ پر نفع ربٰو ہے۔

(۰)

عام تجارت قرض کے معاملات کو لکھ لینا چاہیئے۔ لیکن اگر روزمرہ کی دست بدست تجارت کا معاملہ

ہو تو اسے نہ لکھنے میں بھی ہرج نہیں ـــــ (۲۸۲ : ۲)

(۲) ابتدائے اسلام میں لوگوں کی حالت یہ تھی کہ مجمع میں بیٹھے ہیں، حضورؐ کچھ ارشاد فرما رہے ہیں۔ لیکن باہر کوئی تجارتی قافلہ آیا۔ یا یونہی کوئی کھیل تماشے کی بات۔ تو یہ اٹھ بھاگے ـــــ (۱۱ : ۶۲)۔ عام طور پر اسے نمازِ جمعہ سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ واقعات عام اجتماعی معاملات میں بھی ہو سکتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ جو کچھ انہیں منجانب اللہ دیا جاتا ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے کہیں بہتر ہے ـــــ (۱۱ : ۶۲)

اچھی تجارت

(۱) مومن کی تجارت اور کاروبار، اسے قانونِ خداوندی کی نگہداشت سے غافل نہیں ہونے دیتے۔ وہ کاروبار میں قوانینِ خداوندی کی عاید کردہ قیود و حدود کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ ـــــ (۳۷ : ۲۴)

(۲) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ۔ تجارت میں بھی یہ روش اختیار نہ کرو کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ۔ اس میں باہمی رضامندی سے معاملہ کرو۔ رضامندی کے معنی ہیں کہ دوسرے کی کسی مجبوری یا ضرورت مندی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ ـــــ (۲۹ : ۴)

(۳) انفاق فی سبیل اللہ ایسی تجارت ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوتا ـــــ (۲۹ : ۳۵)

(۴) آؤ! تمہیں ایسی تجارت کا پتہ نشان بتایا جائے جو تمہیں تباہی سے بچا لے۔ اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد ـــــ (۱۰ : ۶۱)

بُری تجارت

(۱) منافقین، ہدایت بیچ کر گمراہی خریدتے ہیں۔ ان کی یہ تجارت کبھی نفع بخش نہیں ہو سکتی ـــــ (۱۶ : ۲)

ایک سخت تنبیہ

(۱) اے رسول! مومنین سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بچے، عزیز و اقارب، مال و دولت، کاروبار، جس کے مندا پڑ جانے سے تم اس قدر خائف ہوتے ہو، تمہارے مکانات، غرضیکہ دنیا کی کوئی شے بھی، نظامِ خداوندی سے زیادہ عزیز ہو گئی، تو تم مٹ جاؤ گے ـــــ (۲۴ : ۹)

(۰)

۵۔ تجرباتی دلیل

قرآن کریم، زندگی کے صحیح نظریات ہی نہیں دیتا، ایک عملی نظام پیش کرتا ہے۔ اس نظام کی صداقت کے ثبوت وہ یہ کہتا ہے کہ تمہارے زمانے میں علمِ انسانی جس سطح تک پہنچ چکا ہے، اس کی رُو سے جانچ کر دیکھو کہ یہ کیسا نظر ہے۔ یا یہ دیکھو کہ سابقہ اقوام میں جس جس نے اس کے خلاف نظام قائم کیا ان کا انجام کیا ہوا۔ اور تیسرا ثبوت یہ کرتا ہے کہ تم اس نظام کو عملاً متشکل کر کے دیکھو۔ اس کے نتائج تمہیں خود بتا دینگے کہ اس کے دعاوی سچے ہیں یا نے۔ اس طریق کو تجرباتی دلیل یا (PRAGMATIC TEST) کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طریق سب سے موثر اور قابلِ اعتماد ہوتا ہے کیونکہ اس میں نظری دعاوی کا ثبوت محسوس نتائج سے سامنے آتا ہے۔ اگر طبیب یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ اس کی دوائی سے بخار فوراً اتر جاتا ہے تو اس کے پرکھنے کا ناقابلِ تردید طریق ہے کہ دوائی استعمال کر کے دیکھ لی جائے۔ یہ وہ طریقِ شہادت و ثبوت تھا جسے حضرات انبیاء کرام اپنے دعوے لئے پیش کرتے تھے۔ نبی اکرمؐ نے جس انداز سے اس نظام کو متشکل کیا، اس کے درخشندہ نتائج، اب تک نظام کی صداقت کا بیّن ثبوت ہیں جس کا اعتراف اپنے اور بیگانے سب کرتے ہیں۔

(۰)

تجرباتی دلیل

ان سے کہو کہ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرو۔ مجھے میرے پروگرام کے مطابق کام کرنے دو۔ بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ انجام کس کا اچھا ہے۔ اور یہ انجام اسی دنیا میں سامنے آ جائے گا۔ جس سے یہ حقیقت محسوس طور پر بے نقاب ہو جائے گی کہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ظالم کبھی پنپ نہیں سکتا ــــ (۶:۱۳۶)

حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا۔ اور وضاحت کی تھی کہ اس کا نتیجہ یہ بتا دیگا کہ کس کے حصے میں دنیا کی ذلت اور رسوائی آتی ہے ــــ (۱۱:۹۳)

رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ ان مخالفین سے کہہ دو کہ تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرو، مجھے اپنے پروگرام

کے مطابق کام کرنے دو۔ اس کے بعد تم بھی نتائج کا انتظار کرو۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں۔ نتیجہ خود بخود بتا دیگا کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے ــــ (۱۲۲-۱۲۱ : ۱۱)۔ اور کس پر ذلت آمیز تباہی آتی ہے ــــ (۳۹ : ۳۹)۔

(۴) جو لوگ کسی غلط کام سے تائب ہوتے تھے ان سے کہا جاتا تھا کہ اس وقت تو ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ تمہارا عمل بھی اس کی شہادت دیتا ہے یا نہیں ــــ (۱۰۵ : ۹)

(۵) مخالفین کہتے تھے کہ رسول اللہ کو جنون ہو گیا ہے جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ کہا کہ ان سے کہہ دو کہ تھوڑا سا توقف کرو۔ تم بھی دیکھ لوگے اور ہم بھی کہ پاگل اور دیوانہ کون ہے ــــ (۶-۵ : ۶۸)

(۶) ان مخالفت کرنے والوں کو ہمارے قانونِ مکافات کے حوالے کر دو۔ ہم انہیں بتدریج ایسی تباہی کی طرف لئے جا رہے ہیں جو ان کے عقل و شعور میں بھی نہیں آسکتی۔ تھوڑی سی مہلت کے بعد وہ تباہی ان کے سامنے محسوس شکل میں آجاتی ہے ــــ (۴۵-۴۴ : ۶۸) ــ (۱۱ : ۷۳) ــ (۱۱ : ۷۴)

(۷) یہ بھی ایک تدبیر کر رہے ہیں اور ہم بھی ایک تدبیر کر رہے ہیں۔ انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔ یہ خود دیکھ لیں گے کہ کس کی تدبیر کیسی تھی ــــ (۱۶-۱۵ : ۸۶)۔ یہ بھی اپنے حمایتیوں کو ساتھ بلالیں ہم بھی اپنے اہلِ لشکر کو بلالیں گے۔ نتیجہ سامنے آجائے گا ــــ (۱۸-۱۵ : ۹۶)

ــــ (۵) ــــ

۶۔ تحریف

(نیز دیکھئے کتبِ سابقہ)

تحریف (ح۔ ر۔ ف)۔ تغیر و تبدل کر دینا ــ خواہ لفظی ہو یا معنوی۔ کسی چیز کو اس کے صحیح رُخ سے پھیر دینا۔ اَلْمُحَارَفُ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مال جاتا رہا ہو۔ اس لئے تحریف کے بنیادی معنی اس قسم کا تغیر و تبدل یا توجیہہ و تاویل کرنا ہے جس سے اس کی اصل باقی نہ رہے۔

قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہے کہ خدا نے ہر قوم کی طرف اپنے رسول بھیجے۔ اور انہوں نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ یہ ان کی طرف بھیجی ہوئی کتاب تھی۔ لیکن ان کے متبعین نے ان کی کتابوں میں ردّ و بدل کر دیا۔ بعض اوقات اس کے الفاظ بدل دیئے۔ اس میں اپنی طرف سے حک و اضافہ کر دیا۔ کبھی اس کا مفہوم بدل کر کچھ سے کچھ

دیا۔ الفاظ بدل دینے یا اس میں اپنی طرف سے حک و اضافہ کر دینے سے وہ کتاب اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں ی تھی۔ نبی اکرمؐ کے وقت، تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی یہی حالت ہو چکی تھی۔ خدا نے انبیاء سابقہ کا دیا ہوا لی پیغام بھی قرآن میں دے دیا اور اس کے علاوہ، انسانوں کو مستقل طور پر جس مزید تعلیم کی ضرورت تھی وہ اس میں شامل کر دی۔ اور اس کے بعد اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود (خدا نے) لے لیا۔ چنانچہ قرآن کریم ایک حرف کا رد و بدل یا حک و اضافہ نہ آج تک ہوا ہے، نہ کبھی ہوگا۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن، ساری دنیا کے آسمانی کتاب ہے۔ اور جو قومیں اس کی مدعی ہیں کہ انہیں آسمانی کتاب ملی تھی، انہیں بھی کہا گیا ہے کہ وہ قرآن ہی کو اپنے لئے ضابطہ ہدایت سمجھیں۔

خدا کی کتاب میں اپنی طرف سے رد و بدل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ رد و بدل کرنے والا، خدا کا مقام لے لیتا ہے۔ کہ ایسا کچھ ہمیشہ مذہبی پیشوا کرتے ہیں، اس لئے قرآن نے، یہود و نصاریٰ کے متعلق کہا کہ انہوں نے اپنے احبار رہبان (علماء و مشائخ) کو خدا کا ہمسر اور شریک بنا لیا تھا۔ وہ (احبار و رہبان) تو خدا کے شریک بنے ہی تھے، کے متبعین کے متعلق جو کہا کہ انہوں نے انہیں خدا کا شریک تسلیم کر لیا تو یہ اس طرح کہ انہوں نے ان بار و رہبان کو دین میں سند و حجت قرار دے لیا اور ان کی بات، خدا کی بات سمجھ لی گئی۔ لہٰذا دین میں کسی اللہ کی بات کو خدا کی سند قرار دینا بھی دین میں تحریف اور شرک ہے۔

(o)

یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں تحریف

) یہود و نصاریٰ کی کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ وہ جانتے بوجھتے، سوچتے سمجھتے، خدا کے کلام میں تحریف کرتے تھے ــــ (۲ : ۷۵)

) یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے احکام لکھتے ہیں اور ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ یہ محض ذاتی مفاد کی خاطر ایسا کرتے ہیں ــ (۲ : ۷۹)

۱) اہل کتاب حق اور باطل کو آپس میں ملا کر گڈمڈ کر دیتے تھے اور حق کو چھپا بھی دیتے تھے۔ یعنی خدا کے کلام میں اپنی باتیں شامل کر دیں (یہ تلبیسِ حق و باطل ہے)، یا سرے سے خدا کے کلام کو غائب ہی کر دیا ــــ (۳ : ۷۰)

(۴) اہل کتاب کا ایک گروہ (ان کے مذہبی پیشوا) خدا کی کتاب میں اس طرح آمیزش کرتے تھے کہ اسے کچھ کا کچھ بنا دیتے تھے اور اپنی طرف سے آمیزش کے متعلق کہتے تھے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور یہ کچھ جانتے بوجھتے کرتے تھے۔ — (۳ : ۷۷)

(۵) خدا کی کتاب کو لوگوں کے سامنے کھلے بندوں پیش کرنے کے بجائے اسے چھپا لیتے تھے۔ اور یوں اُسے پس پشت ڈال کر، لوگوں کے حسبِ منشاء اپنی طرف سے باتیں وضع کر دیتے تھے اور اس طرح اپنے مفاد حاصل کرتے رہتے تھے — (۳ : ۱۸۶)

(۶) یہودی، کلام کو اس کے مقام سے ہٹانے کے عادی ہو چکے تھے۔ اور ان کی یہ عادت اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ وہ عام گفتگو میں بھی الفاظ میں ہیر پھیر کرتے رہتے تھے — (۴ : ۴۶)

(۷) یہودیوں نے خدا کی کلام کے الفاظ میں ہیر پھیر کر دیا تھا۔ انہیں ان کے مقام سے بدل دیا تھا — (۵ : ۱۳) اور اپنی کتاب کے اکثر حصوں کو چھپا دیا تھا — (۵ : ۱۵)

(۸) یہودیوں میں، الفاظ کے ہیر پھیر کرنے کی عادت راسخ ہو چکی تھی — (۵ : ۴۱)

(۹) یہودیوں نے کتابِ موسےٰ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ کچھ حصے کو ظاہر کرتے تھے، کچھ کو چھپاتے تھے —
(۶ : ۹۲)

(۱۰) کتابِ موسےٰ میں اختلاف پیدا کر دیا گیا تھا — (۴۵ : ۴۱)

(۱۱) ہر رسول کے ساتھ یہ ہوتا رہا کہ اس کے بعد، اس کی کتاب میں مفاد پرست لوگ (شیاطین) اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے تھے۔ اس کے بعد، خدا ایک اور رسول بھیج کر، اس آمیزش کو الگ کر دیتا تھا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ تا آنکہ آخر میں قرآن نے آ کر، خدا کے دین کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر دیا — (۵۲ : ۲۲)

(۱۲) یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو خدا بنا رکھا تھا — (۹ : ۳۱)

— (٠) —

۷۔ تحقیق

(نیز دیکھئے ظن۔ علم و عقل)

تحقیق ۔ کسی بات کی حقیقت تک پہنچنا۔ اصل بات معلوم کرنا۔

یادنی تعمق یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ معاشرہ کی بشیتر خرابیوں کا باعث یہ بنیادی نقص ہے کہ لوگ بے بنیاد افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ (تفصیل اس کی افواہوں کے عنوان میں گزر چکی ہے) اگر یہ افواہیں کسی فرد کیخلاف ہیں تو ان سے اُسے جو نقصان پہنچ سکتا ہے وہ واضح ہے۔ اور اگر یہ' اجتماعی معاشرہ کے متعلق ہیں' تو ان کے تباہ کن نتائج بڑے دوررس ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس خرابی کے رفع کرنے کے لئے افواہیں پھیلانے والوں کے خلاف سخت اقدامات کی تاکید کی۔ اور دوسری طرف افواہیں سننے والوں سے کہا کہ اس خرابی کا مؤثر علاج یہ ہے کہ تم کسی بات پر یقین نہ کرو، نہ اس سے اثر لو' جب تک اس کی خود تحقیق نہ کر لو۔ آپ غور کیجئے کہ اگر افرادِ معاشرہ' اس کی پابندی اختیار کرلیں تو افراد اور معاشرہ کتنے بڑے نقصان سے بچ سکتے ہیں۔

——— (٥) ———

تحقیق کرنے کی تاکید

(۱) جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو! تم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے بات کی تہ تک پہنچنے کے لئے اپنی سماعت، بصارت اور سوچ سمجھ سے کام لیا تھا — (۱۷ : ۳۶)

(۲) ظن اور قیاس کا اتباع مت کیا کرو۔ یاد رکھو! ظن و قیاس، حقیقت کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔
(۴ : ۱۵۷) — (۶ : ۱۱۶) — (۱۰ : ۳۶) — (۱۰ : ۶۶) — (۵۳ : ۲۳) — (۵۳ : ۲۸)

(۳) جب مفسد، کوئی خبر تم تک لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں تمہیں نقصان پہنچ جائے اور بعد میں تمہیں ندامت اٹھانی پڑے — (۴۹ : ۶)

(۴) جب اجتماعی امور کے متعلق تم تک کوئی خبر پہنچے تو اسے فوراً اربابِ حل و عقد تک پہنچاؤ تاکہ وہ تحقیق کے بعد صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں — (۴ : ۸۳)

(۵) کسی کے خلاف کوئی بات سنو تو جب تک تحقیق کے بعد' اس کا سچا ہونا ثابت نہ ہو جائے' اس کے متعلق دل میں بدظنی پیدا نہ ہونے دو۔ تمہارا پہلا ردِعمل یہ ہونا چاہیئے کہ یہ محض بہتان تراشی ہے —
(۲۴ : ۱۲ و ۱۶) — (۴۹ : ۱۲)

(۶) خدا کے متعلق (یعنی امورِ دین کی بابت) کوئی بات ایسی نہ کہو جو علم پر مبنی نہ ہو — (۱۰ : ۶۸)
ظن و قیاس پر مبنی باتیں مت کرو — (۳ : ۱۵۴) — (۴۵ : ۲۴) — (۶ : ۱۴۸)

۸۔ تخلیق

(نیز دیکھئے۔ امر)

تخلیق۔ (خ۔ ل۔ ق) اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو بنانے یا کاٹنے کے لئے اسے ماپنا۔ اس کا اندازہ لگانا۔ اس کے تناسب اور توازن کو دیکھنا۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے بنانا۔

بَدَعَ اور فَطَرَ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ پہلی بار پیدا کرنا۔ اس اعتبار سے خَلَقَ کے معنی ہوں گے مختلف عناصر کو نئی نئی ترکیبیں دے کر ان سے اور چیزیں پیدا کرتے چلے جانا جیسے ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایک خاص تناسب کے ساتھ ملنے سے پانی بن جاتا ہے۔ یا جیسے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (۱۶ : ۴)

خدا فاطر السموٰت والارض بھی ہے اور خالق بھی۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات پر خلق کے لفظ کو پہلی بار پیدا کرنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی فاطر السموٰت والارض اور خالق السموٰت والارض مرادف معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

فاطر (یا ان معنوں میں) خالق تو خدا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ البتہ خدا کے بناتے ہوئے عناصر کو نئی نئی تراکیب دے کر ان سے اور چیزیں بنانے میں انسان بھی عملِ تخلیق میں شریک ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے خدا نے اپنے آپ کو احسن الخالقین کہا ہے ــــ (۲۳ : ۱۴) یعنی عملِ تخلیق کرنے والوں میں سب سے بہتر۔ اس سے واضح ہے کہ قرآن (ان معنوں میں) خدا کے علاوہ اور خالقوں کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ انسان کا یہی وہ عملِ تخلیق ہے جو اسے حیوانات سے ممتاز کرتا اور خدا کا رفیق (لیکن رفیقِ ادنیٰ) بنا دیتا ہے۔ حیوانات میں صرف عملِ تولید ہوتا ہے۔ انسان میں ایک طرف عملِ تولید ہوتا ہے (یعنی بچے پیدا کرنا جس میں تخلیق کو کوئی دخل نہیں) اور دوسری طرف عملِ تخلیق۔ خدا میں صرف عملِ تخلیق ہوتا ہے۔ لہٰذا جس انسان میں تخلیق (CREATION) کی صلاحیت نہیں یعنی وہ اپنی اس مضمر صلاحیت کو عمل میں نہیں لاتا، وہ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتا ہے۔ انسانی سطح پر نہیں تخلیق صفتِ خداوندی ہے۔ اور جوں جوں انسان اس صفت کی نمود اپنے اندر کرتا جاتا ہے، حیوانی سطح سے بلند ہوتا جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ تخلیق میں محض تکرار (DUPLICATION) نہیں۔ یعنی ایک ہی چیز کو اسی طرح

بار بار پیدا کرتے چلے جانا۔ اس میں نت نت اضافے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے کہ یزید فی الخلق مایشاء (۱:۳۵) "وہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق خلق میں اضافے کرتا رہتا ہے" اس لئے انسانوں کے عملِ تخلیق کا بھی یہی انداز ہونا چاہیئے۔

(۰)

خدا خالقِ کائنات

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، خدا کے لئے خالق کا لفظ فاطر کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ (یعنی کائنات کو عدم سے وجود میں لانے والا) اور خالق کے معنوں میں بھی (یعنی پیدا کردہ اشیاء میں نئی نئی تراکیب سے، اور چیزیں بنانے والا)۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ خالق اس کے سوا کوئی نہیں۔ یا لوگوں کے معبودانِ باطل کسی شے کی تخلیق نہیں کر سکتے، وہاں اس سے مراد فاطر ہونا ہے۔ اس فرق کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) اے نوعِ انسان! تم اس خدا کی محکومیت اختیار کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلی نسلوں کو بھی پھر تمہارے لئے سامانِ رزق پیدا کیا۔ سو اس کا ہمسر کسی کو نہ بناؤ ــــ (۲۱:۲)

(۲) زمین، آسمان، ستارے، انسان، سامانِ رزق سب اس کے پیدا کردہ ہیں ــــ (۱۰۰-۹۴:۶)

حمد اللہ کے لئے ہے جس نے ارض و سموٰت کو پیدا کیا ــــ (۱:۶)

اس نے کائنات کو پیدا کیا اور اس پر قادر ہے کہ اس کی مثل اور بھی بنا دے ــــ (۹۹:۱۷)ــــ(۸۱:۳۶)

(۳) اس میں خدا کا کوئی شریک نہیں ــــ (۳۴:۱۰)ــــ(۱۶:۱۳)ــــ(۳:۱۹)۔ جو خود مخلوق ہو وہ خالق کا ہمسر کیسے ہو سکتا ہے ــــ (۱۹۱:۷)ــــ(۲۰ و ۱۷:۱۶)ــــ(۷۳:۲۲)ــــ(۳:۲۵)ــــ(۴۰-۴۶:۲۷)

(۴۰:۳۰)ــــ(۱۱-۱۰:۳۱)ــــ(۳:۳۵)ــــ(۴۰:۳۵)ــــ(۴:۴۶)ــــ(۳۶-۳۵:۵۲)

(۵۹:۵۶)

کوئی شریک ہوتا تو ہر ایک اپنی اپنی مخلوق کو لے بھاگتا ــــ (۹۱:۲۳)

(۴) پیدا بھی اس نے کیا ہے اور زندگی کے سرچشمہ (پانی) پر کنٹرول بھی اسی کا ہے ــــ (۱۱:۷)ــــ(۴۵:۲۴)

انسان کو پانی سے پیدا کیا ــــ (۵۴:۲۵)

(۵) وہ اپنے قانون کے مطابق باقی رہنے والوں کو باقی رکھتا ہے۔ مٹ جانے والوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس قانون

کی اصل اُس کے پاس ہے ـــ(۳۹ : ۱۳)۔[نوٹ: اس میں اساساً تو اقوام کے محو و ثبات کا ذکر ہے لیکن تبعاً اشیائے کائنات بھی اس میں آ سکتی ہیں جن کے لئے انتخابِ طبیعی کا قانون جاری و ساری ہے]ـــ

(۲۸ : ۶۸)

(۶) خدا خلاق و علیم ہے ـــ(۸۶ : ۱۵)ـــ(۳۶ : ۷۹)ـــ(۳۶ : ۸۱)

(۷) وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں ہوتا ـــ(۸ : ۱۶)ـــ(۳۶ : ۳۶)

(۸) وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادے کے ساتھ ہی اس کی ابتدا ہو جاتی ہے ـــ(۱۱۷ : ۲)ـــ(۴۷ : ۳)
(۴۳ : ۶)ـــ(۴۰ : ۱۶)ـــ(۸۲ : ۳۶)ـــ(۶۸ : ۴۰)

خلق و امر اسی کے لئے ہے ـــ(۵۴ : ۷)

(۹) تخلیقِ کائنات کے وقت کوئی شاہد نہیں تھا۔ نہ ہی خدا نے کسی کی مدد لی تھی ـــ(۵۱ : ۱۸)

(۱۰) ہر شے کو پیدا کیا اور پھر اس کی راہ نمائی کی ـــ(۵۰ : ۲۰)ـــ(۸۷ : ۲۶)ـــ(۳ـــ۲ : ۸۷)
ہر شے کو بہترین تناسب کے ساتھ پیدا کیا ـــ(۷ : ۳۲)

(۱۱) وہ تخلیق سے غافل نہیں ـــ(۱۷ : ۲۳)

(۱۲) وہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تخلیق کرتا رہتا ہے ـــ(۴۲ : ۳)ـــ(۱۷ : ۵)ـــ(۴۵ : ۲۴)ـــ
(۵۴ : ۳۰)ـــ(۴۹ : ۴۲)۔ اور پھر ان کا انتخاب بھی اسی قانون کی رُو سے عمل میں آتا ہے۔ ـــ

(۲۸ : ۶۸)

(۱۳) خدا نے ہر شے کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے پیمانہ (قانون) مقرر کر دیا ـــ(۲ : ۲۵)۔ ہر شے کو ایک پیمانے کے مطابق بنایا ـــ(۴۹ : ۵۴)

(۱۴) مخالفین کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ خالقِ کائنات خدا ہی ہے ـــ(۶۱ : ۲۹)ـــ(۲۵ : ۳۱)ـــ(۳۸ : ۳۹)
(۹ : ۴۳)ـــ(۸۷ : ۴۳)

(۱۵) ہر شے کو احسن انداز سے پیدا کیا ـــ(۷ : ۳۲)

(۱۶) اپنی مشیت کے قانون کے مطابق وہ، مخلوق میں اضافے کرتا رہتا ہے ـــ(۱ : ۳۵)

(۱۷) چاند، سورج، ستارے، سب خدا کی مخلوق ہیں۔ اس لئے خدا کے سامنے جھکو نہ کہ اِن مظاہرِ فطرت کے سامنے ـــ(۳۷ : ۴۱)

(۱۸) کیا خدا پہلی بار کی تخلیق سے تھک گیا ہے جو دوسری بار کی تخلیق کے متعلق تمہیں شک ہو رہا ہے — (۴۶ : ۳۳)
(۵۰ : ۱۵) — (۵۰ : ۳۸)

وہ اسی قسم کی، کائنات اور بھی پیدا کر سکتا ہے — (۱۷ : ۹۹) — (۳۶ : ۸۱)

(۱۹) خالق جانتا ہے کہ مخلوق (انسان) کے دل میں کیا ہے — (۶۷ : ۱۳-۱۴)

وہ مخلوق سے غافل نہیں — (۲۳ : ۱۷)

(۲۰) مخلوق، خالق کے سامنے کیسے اکڑ سکتی ہے؟ — (۷۴ : ۱۱-۱۴)

(۲۱) خدا احسن الخالقین ہے — (۲۳ : ۱۴) — (۳۷ : ۱۲۵)

(۲۲) خالق الباری المصور — (۷ : ۱۱) — (۵۹ : ۲۴)

(۲۳) خدا کے قانونِ تخلیق میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی — (۳۰ : ۳۰)

(۲۴) قرآن اس خدا نے نازل کیا ہے جو ارض و سمٰوٰت کا خالق ہے — (۲۰ : ۳)

(۲۵) یہ ملائکہ کو مؤنث (دیویاں) بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے — (۴۳ : ۱۹)

اسی طرح جنات کو بھی اس کا شریک قرار دیتے ہیں حالانکہ اس نے انہیں (کائنات کی مخفی قوتوں کو) پیدا کیا — (۶ : ۱۰۱)

(۲۶) کائنات کو انسانوں کے فائدے کے لئے (خلق لکم) پیدا کیا — (۲ : ۲۹) — (۱۶ : ۵) — (۳۶ : ۷۱)

(۲۷) تخلیقِ کائنات، انسانی تخلیق سے بھی زیادہ مشکل (اشد) تھی — (۳۷ : ۱۱)

انسان کی تخلیق

انسان کی تخلیق کی وضاحت اور تفصیل، انسان اور ارتقا کے عنوانوں میں ملے گی۔ یہاں صرف اشارات پر اکتفا کیا جائے گا۔

(۱) خدا نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہاری پہلی نسلوں کو بھی — (۲ : ۲۱) — (۲۶ : ۱۸۴)۔ جو تم سے زیادہ مضبوط تھیں — (۱۴ : ۱۵)

(۲) انسان کو نفسِ واحدہ سے پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے آخری آرام گاہ زمین کو بنا لیا — (۴ : ۱) — (۶ : ۹۹) — (۷ : ۱۸۹) — (۳۹ : ۶)

تمہیں پیدا کیا۔ پھر سامانِ رزق دیا۔ پھر موت کے بعد زندگی عطا کرے گا ــــ (۳۰ : ۴۰)

(۳) تمہیں زمین سے اٹھایا (یعنی زندگی کی ابتدا غیر ذی حیات مادہ سے کی)۔ اور اسی میں بسایا ــ (۱۱ : ۶۱)ــ(۳۰ : ۲۰)

(۴) کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے۔ اگر اُس کے قانون مشیت کا تقاضا ہو تو وہ انسانوں کی جگہ یہاں کوئی اور مخلوق لے آتے ــــ (۱۴ : ۱۹ــ۲۰) ــ (۳۵ : ۱۶)۔ یا تمہاری ہیئت بدل دے ــ (۵۶ : ۶۱)ــ(۷۶ : ۲۸)

(۵) انسانوں کی تخلیق کی ابتداء بے جان مادہ سے کی۔ (ان سے پہلے ایک ایسی مخلوق تھی جس میں زیادہ حرارت کے برداشت کرنے کا مادہ تھا۔ وہ اب پوشیدہ ہو چکی ہے) ــ (۳ : ۵۸)ــ(۶ : ۲)ــ(۱۵ : ۲۶ــ۲۸)ــ(۵۵ : ۱۵)ــ(۲۰ : ۵۵)ــ
(۳۲ : ۷)ــ(۳۸ : ۷۱) ــ (۵۵ : ۱۴ــ۱۵)

(۶) انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ــ (۱۶ : ۴)۔ پانی سے پیدا کیا ــ (۲۵ : ۵۴)ــ(۳۶ : ۷۷)
اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا ــ (۴ : ۱)ــ(۲۶ : ۱۶۶)ــ(۵۳ : ۴۵)ــ(۵۶ : ۵۷ــ۵۹)ــ(۹۲ : ۲ــ۳)
لوتھڑے سے بنایا ــ (۹۶ : ۲)

(۷) بے جان مادہ سے تخلیقِ انسانی کی ابتدا کی۔ جسمِ انسانی کے اجزا موت کے بعد پھر بے جان مادہ میں مل جائینگے اس کے بعد پھر حیاتِ نو ہوگی ــ (۲۰ : ۵۵)۔ انسان کو پہلی بار پیدا کیا ــ (۶ : ۹۴)ــ(۱۸ : ۴۸)ــ(۲۱ : ۴)

(۸) انسان کو عبث (بے مقصد) پیدا نہیں کیا گیا۔ قانونِ مکافاتِ عمل ضروری ہے ــ (۲۳ : ۱۱۵)ــ(۳۰ : ۸)
اس نے موت اور زندگی کا قانون بنایا تاکہ انسان کو حسنِ عمل کے مواقع مہیا ہوں ــ (۶۷ : ۲)

(۹) انسان کو پیدا کیا، سنوارا، اور پھر اس کی ہدایت کا سامان کیا ــ (۲۰ : ۵۰)ــ(۲۶ : ۷۸)ــ(۸۰ : ۱۹)ــ(۸۲ : ۶ــ۸) ــ (۸۷ : ۲ــ۳)

(۱۰) بے جان مادہ سے تخلیقِ انسان کی ابتدا۔ پھر اس کا جوڑا بنایا ــ (۳۰ : ۲۱)ــ(۳۵ : ۱۱)۔ طینِ لازب سے بنایا ــ (۳۷ : ۱۱)

(۱۱) انسانی زندگی کے مختلف مراحل کا ذکر ــ (۳۰ : ۵۴)۔ انسان کو مختلف مراحل سے گزار کر بنایا ــ (۱۸ : ۳۷)ــ(۲۳ : ۱۲ــ۱۵)ــ(۷۱ : ۱۴)

(۱۲) تمام انسانوں کا پیدا کرنا اور بعث، نفسِ واحدہ کی طرح ہے ــ (۳۱ : ۲۸)

(۱۳) انسانوں کو بنایا اور ایسی مخلوق کو جس کی تخلیق، انسان سے بھی زیادہ سخت تھی ــ (۳۷ : ۱۱) ــ (۴۰ : ۵۷)ــ(۷۹ : ۲۷)

(۱۴) انسان کو بھی پیدا کیا اور جن پتھروں کو تراش کر یہ اپنا معبود بنا لیتا ہے، انہیں بھی اُسی نے بنایا ــ(۹۶ : ۳۷)

(۱۵) ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ ہم اس کے دل میں گذرنے والے وسوسوں تک سے واقف ہیں۔ ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں ــ(۱۶ : ۵۰) ــ(۱۳ــ۱۴ : ۶۷)

(۱۶) انسان کو پیدا کیا اور اُسے بولنے کی استعداد دی ــ(۳-۴ : ۵۵)۔ اختیار و ارادہ عطا کیا کہ جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے ــ(۲ : ۶۴) ــ(۲-۳ : ۷۶)

(۱۷) انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ــ(۳ : ۶۴) ــ(۴ : ۹۵)۔ پیدا کیا اور ایک شکل دی ــ(۱۱ : ۷)
اکثر مخلوق پر افضلیت دی ــ(۷۰ : ۱۷)

(۱۸) انسان اپنے مقصدِ تخلیق کو جانتا ہے (یعنی وحی نے اُسے اس کا علم دے دیا ہے) ــ(۷۰ : ۳۹)

(۱۹) رحمِ مادر میں جنین خدا نے پیدا کیا ــ(۲۲۸ : ۲) ــ(۶ : ۳۹)

(۲۰) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم خدا کی اولاد ہیں۔ کہا کہ یہ غلط ہے۔ تم بھی خدا کی مخلوق انسان ہو ــ(۱۸ : ۵)

(۲۱) انسان جلد باز واقع ہوا ہے ــ(۳۷ : ۲۱)۔ بے صبرا بھی ــ(۱۹ : ۷۰)۔ ضعیف بھی ــ(۲۸ : ۴)۔ اس قابل ہے کہ سختیاں برداشت کرے ــ(۴ : ۹۰)

(۲۲) جیسے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ گردش دینگے (یا لوٹا دینگے) ــ(۹۵ : ۶) ــ(۴۸ : ۱۸) ــ(۱۰۴ : ۲۱) ــ(۲۱ : ۴۱)

(۲۳) انسان کو خدا نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ــ(۷۵ : ۳۸)۔ لیکن مویشیوں کو بھی ایسے ہی بنایا ہے۔ (۷۱ : ۳۶)

(۲۴) جن و انس کو اس لئے بنایا کہ وہ صرف قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کریں ــ(۵۶ : ۵۱)

(۲۵) انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ پہلے کوئی شے نہیں تھا ــ(۹ : ۱۹) ــ(۶۷ : ۱۹) ــ(۱ : ۷۶)

(۲۶) ابلیس کا اعتراض کہ انسان کو طین سے پیدا کیا ہے اور مجھے نار سے۔ اس لئے میں اس کے سامنے کیوں جھکوں۔ (۱۲ : ۷) ــ(۳۳ : ۱۵)

(تفصیل ان امور کی انسان اور ابلیس کے عنوانوں میں ملے گی)

(۲۷) انسان کی پیدائش کے بعد عمر کے مختلف حصوں کا بیان ــ(۷۰ : ۱۶) ــ(۵ : ۲۲) ــ(۶۷ : ۴۰)

(۲۸) نر اور مادہ کے اختلاط سے انسان کی پیدائش ــ(۱۳ : ۴۹)

(۲۹) انسان کو جوڑا بنایا —— (۷۸ : ۸)

(۳۰) انسان کو پیدا اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ سب امتِ واحدہ بن کر رہیں۔ اختلاف نہ کریں —— (۱۱ : ۱۱۸-۱۱۹)

(۳۱) انسانی تخلیق کی ابتدا نفسِ واحدہ سے ہوئی۔ پھر بذریعہ تولید یہ سلسلہ آگے چلا —— (۴ : ۱) —— (۷ : ۱۸۹)
(۳۹ : ۶)

(۳۲) تخلیقِ کائنات انسانی تخلیق سے زیادہ بڑی (اکبر) تھی —— (۳۷ : ۱۱) —— (۴۰ : ۵۷) —— (۷۹ : ۲۷) ——

تخلیقِ ارض و سما و اشیائے کائنات

(۱) اس نے تمہارے لئے سامانِ رزق پیدا کیا —— (۲ : ۲۲) —— (۲ : ۲۹)

(۲) ارض و سمٰوٰت کو چھ مختلف مدارج میں بنایا چاند سورج کو پیدا کیا —— (۷ : ۵۴) —— (۱۰ : ۳-۶) —— (۱۱ : ۷)
(۲۵ : ۵۹) —— (۳۲ : ۴) —— (۵۰ : ۳۸) —— (۵۷ : ۴)

(۳) خدا تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس شے کو گردشیں دیتا ہے (تاآنکہ وہ اپنی آخری شکل اختیار کر لے ——
(۱۰ : ۴) [اس میں اس کا کوئی شریک نہیں] —— (۱۰ : ۴) —— (۱۰ : ۳۴) —— (۲۷ : ۶۴) ——
(۲۹ : ۱۹-۲۰) —— (۳۰ : ۱۱ ; ۲۷)

ارض کو دو مراحل میں پیدا کیا —— (۴۱ : ۹)

(۴) اس نے مویشیوں کو انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے —— (۱۶ : ۵-۸) —— (۲۵ : ۴۹) ——
(۳۶ : ۴۲)۔ انہیں اپنے دستِ قدرت سے بنایا —— (۳۶ : ۷۱)
اور انسان کو بھی —— (۳۸ : ۷۵)

(۵) کائنات کے مختلف گوشوں کی تخلیق کا ذکر —— (۱۶ : ۱۰-۱۵) —— (۲۰ : ۵۳-۵۴) —— (۳۱ : ۱۰-۱۱)
اس نے تمہارے لئے سایہ یا پناہ گاہیں بنائیں —— (۱۶ : ۸۱)

(۶) فضائی کُرّوں کی تخلیق —— (۲۳ : ۱۷)

(۷) ہر جاندار شے کو پانی سے پیدا کیا —— (۲۴ : ۴۵)۔ زندگی کے اس سرچشمہ پر کنٹرول بھی اسی کا ہے —— (۱۱ : ۷)

(۸) ہر شے کو نہایت محکم، متوازن، ٹھیک ٹھیک بنایا —— (۲۷ : ۸۸)۔ ہر شے کی ازواج بنائیں —— (۳۶ : ۳۶)
(۴۳ : ۱۲) —— (۵۱ : ۴۹)

بطریقِ احسن پیدا کیا ــــ (۳۲ : ۷)

(۹) ہر شے کا خالق خدا ہے ــــ (۶ : ۱۰۲—۱۰۳)—(۱۳ : ۱۶)—(۲۵ : ۲)—(۳۹ : ۶۲)—(۴۰ : ۶۲)

(۱۰) پیدا کیا (خلق)۔ سنوارا (فسوّٰی)۔ پیمانے مقرر کئے (قدّر)۔ منزل کی طرف جانے کی راہ نمائی دی (فھدٰی)۔

ــــ (۸۷ : ۲—۳)۔ نیز—(۲۰ : ۵۰)—(۲۵ : ۲)—(۲۶ : ۷۸)

ہر شے کو ایک خاص پیمانے کے مطابق بنایا ــــ (۵۴ : ۴۹)

(۱۱) اشیائے کائنات کو جس طرح استعمال کرو اس کے مطابق وہ خیر یا شر ہو جاتی ہیں۔ انہیں اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ شر بن جائیں ــــ (۱۱۳ : ۲)

(۱۲) تخلیقِ کائنات کے وقت سے گردشِ لیل و نہار اور زمین کا سورج کے گرد ایک سال میں چکر پورے کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی سے بارہ مہینوں کی گنتی عمل میں آتی ہے ــــ (۹ : ۳۶)

(۱۳) اس نے ارض و سمٰوٰت کو پیدا کیا۔ اور وہ اس جیسی اور کائنات پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ــــ (۱۷ : ۹۹)—(۳۶ : ۸۱)

(۱۴) متعدد آسمانی کُرّے پیدا کئے اور ان کی مثل ارض۔ یعنی ہر بلند کرّے کے نیچے والا کرّہ اس کی ارض ہے ــــ

(۲۱ : ۳۳)—(۲۳ : ۱۷)—(۶۵ : ۱۲)

(۱۵) ارض اور سمٰوٰت دونوں میں ذی حیات پیدا کئے ہیں ــــ (۴۲ : ۲۹)

کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے

خدا کے خالق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کائنات یونہی اتفاقیہ طور پر وجود میں نہیں آگئی۔ اس کا ایک عظیم پروگرام ہے اور سلسلۂ کائنات اس پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ یہ ایک متعین اسکیم کے ماتحت عمل میں آیا ہے اس لئے اس کا ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھ رہا ہے۔ انسان بھی خدا کے تخلیقی پروگرام کی ایک کڑی ــــ اور بڑی اہم کڑی ہے۔ اس لئے اس کی تخلیق بھی یونہی اتفاقیہ طور پر عمل میں نہیں آگئی۔ یہ ایک مقصد کے لئے عمل میں آئی ہے۔ اگر انسان وحی کی راہ نمائی میں زندگی بسر کرتا ہے تو یہ اس مقصد کو پورا کرتا ہے۔ (یہ مقصد کیا ہے۔ انسان اسے کس طرح پورا کرتا ہے۔ اس کی منزل کونسی ہے۔ ان امور کی وضاحت دیگر متعلقہ عنوانوں میں ملے گی۔ زیرِ نظر عنوان کا تعلق صرف تخلیق سے ہے۔ انسانی تخلیق کی تفصیل "انسان" کے عنوان میں ملے گی۔ نیز "ارتقاء" کے عنوان میں۔ اس جگہ محض اشارات سے کام لیا جائے گا)

(۱) کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے — (۶ : ۷۳) — (۱۰ : ۵) — (۱۴ : ۱۹) — (۱۶ : ۳) — (۲۹ : ۴۴) — (۳۰ : ۸)

(۳۹ : ۵) — (۴۴ : ۳۹) — (۴۶ : ۳) — (۶۴ : ۳)

یہ باطل نہیں پیدا کی گئی — (۳۸ : ۲۷)۔ ایسا سمجھنا کفار کا ظن ہے۔ یہ بطور کھیل تماشا پیدا نہیں کی گئی —

(۲۱ : ۱۶) — (۴۴ : ۳۸-۳۹)۔ ارباب فکر و نظر تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں — (۳ : ۱۹۱)

(۲) کائنات کے بالحق پیدا کرنے سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کے اعمال کے نتائج، خدا کے کائناتی قانون کے مطابق ٹھیک ٹھیک مرتب ہوتے رہیں — (۱۰ : ۴)۔ اور اس طرح تمہیں حسنِ عمل کے مواقع بہم پہنچائے جائیں

(۱۱ : ۷) — (۱۳ : ۲) — (۳۸ : ۲۷-۲۸) — (۴۵ : ۲۲)

(۳) کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے اور وہ انقلابِ عظیم آ کر رہیگا — (۱۵ : ۸۵)

(۴) انسان کو بھی عبث، بلا مقصد پیدا نہیں کیا — (۲۳ : ۱۱۵)

خدا کی مخلوق میں غور و فکر کی دعوت

مخلوق میں غور و فکر سے ایک تو اس کے خالقِ حقیقی کی عظمت کا احساس ہو جاتا ہے اور دوسرا انسان، اس قانونِ فطرت کا راز پا لیتا ہے۔ جس کے مطابق، مختلف عناصر کے امتزاج سے نئی چیزیں مخلوق ہو سکتی ہیں۔ اسی کو علم الاشیآء یا علمِ فطرت کہا جاتا ہے۔ اس علم کی استعداد انسان کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ وعلّم آدم الاسماء کلّھا — (۲ : ۳۱) جن قوموں نے ان قوانینِ فطرت کا مطالعہ کر لیا، وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کئے جا رہی ہیں اور نت نئی چیزیں ایجاد کرتی چلی جاتی ہیں۔ اسی کا نام خدا کے عملِ تخلیق میں حصہ لینا ہے۔

(۱) تخلیقِ انسانی میں دعوتِ فکر و نظر۔ سامانِ زیست کی پیدائش میں مومنین کے لئے آیات — (۲ : ۱۶۴) —

(۳ : ۱۹۰) — (۶ : ۱۰۰) — (۱۰ : ۵-۶) — (۴۵ : ۴)

(۲) ملکوتِ ارض و سما اور ہر شے کی تخلیق میں دعوتِ غور و فکر۔ ایمان لانے کے لئے یہی کافی ہے — (۷ : ۱۸۵) مومنین کا یہی شیوہ ہے۔ وہ فکر و تدبر کے بعد پکار اٹھتے ہیں کہ خدا نے کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا —

(۳ : ۱۸۹-۱۹۱)

(۳) کائنات کے نظم و ضبط اور پروگرام میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے آیات ہیں۔ [تاکہ انہیں اپنے رب (کے قانونِ مکافات) کا سامنا کرنے پر یقین آ جائے] — (۲ : ۱۶۴) — (۳ : ۱۸۹-۱۹۰) — (۱۳ : ۲-۴)

(۱۲—۱۱ : ۱۶) — (۴۸ : ۱۶) — (۵۴ : ۲۰) — (۲۰ : ۲۹) — (۴۴ : ۲۹) — (۲۴—۲۰ : ۳۰) — (۳۳ : ۴۶)

(۴) اجرامِ فلکی کی تخلیق پر دعوتِ غور و فکر — (۱۵ : ۷۱)

(۵) کائنات کے بالحق پیدا کرنے پر دعوتِ فکر — (۱۹ : ۱۴)

(۶) کائنات میں کہیں جھول یا سقم نظر نہیں آئے گا — (۴—۳ : ۶۷)

(۷) خدا کی آیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ارض اور سماوات میں ذی حیات پیدا کئے ہیں — (۲۹ : ۴۲)

(۸) کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ابل (بادلوں) کو کیسے بنایا ہے — (۱۷ : ۸۸)۔ اور ارض و سماء کو کیسے۔

(۹) غور کرو کہ خدا اسی قسم کی کائنات اور بھی بنا سکتا ہے — (۹۹ : ۱۷)

ابتدائے خلق اور پھر گردشیں دے کر تکمیل تک پہنچایا

(۱) یہ مکافاتِ عمل کے لئے ہے — (۴ : ۱۰)

(۲) اس باب میں اس کا کوئی شریک نہیں — (۳۴ : ۱۰) — (۶۴ : ۲۷)

(۳) جس طرح پہلی بار تخلیق کی اسی طرح اسے گردشیں دے کر لوٹاتا ہے — (۱۰۴ : ۲۱) — (۱۱ : ۳۰)

(۴) غور کرو کہ کس طرح یہ کچھ ہوتا ہے — (۱۹ : ۲۹) — (۲۰ : ۲۹)

(۵) یہ اس کے لئے بہت آسان ہے — (۲۷ : ۳۰)

خلقِ جدید

(۱) وہ خلقِ جدید میں لا سکتا ہے — (۵ : ۱۳) — (۱۹ : ۱۴) — (۴۹ : ۱۷) — (۹۸ : ۱۷) — (۱۴ : ۲۳)
(۱۰ : ۳۲) — (۷ : ۳۴) — (۱۶ : ۳۵) — (۱۵ : ۵۰)

(۲) تمہاری تخلیق اور بعثت نفسِ واحدہ کی طرح — (۲۸ : ۳۱)

(۳) انسان اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے جو حیاتِ آخرت سے انکار کر بیٹھتا ہے — (۷۸ : ۳۶) — (۳۳ : ۴۶)

خالق

(۱) ہر شے کا خالق — (۱۰۲ : ۶) — (۱۶ : ۱۳) — (۶۲ : ۳۹) — (۶۲ : ۴۰) — (۲۴ : ۵۹)

(۲) اس کے سوا کوئی خالق نہیں ــــ (۳ : ۳۵)ــــ(۳۵ : ۵۲)ــــ(۵۹ : ۵۶)
(۳) وہ احسن الخالقین ہے ــــ (۱۴ : ۲۳)ــــ(۱۲۵ : ۳۷)
(۴) وہ خلاق ہے ــــ (۸۶ : ۱۵)ــــ(۸۱ : ۳۶)

متفرقات

(۱) توہم پرست، خدا کی مخلوق میں تبدیلی کر دیتے ہیں ــــ (۱۱۹ : ۴)
(۲) اگر اللہ نے کسی کو بیٹا بنانا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا ــــ (۴ : ۳۹)
(۳) مخالفین کا اعتراض کہ کیا ہم مرنے کے بعد ایک نئی مخلوق کی طرح پیدا کئے جائینگے ــــ (۵ : ۱۳)ــــ(۴۹ـ۵۱ : ۱۷)
(۱۰ : ۳۲)ــــ(۷ : ۳۴)ــــ(۱۵ : ۵۰)
(۴) خلق اور امر دونوں خدا کے لئے ہیں ــــــــــــ (۵۴ : ۷)
(۵) آغازِ تخلیقِ کائنات سے مہینوں کی گنتی بارہ ہے ــــ (۳۶ : ۹)
(۶) خدا نے موت اور حیات پیدا کی تاکہ تمہارے لئے نمودِ ذات کے مواقع بہم پہنچائے ــــ (۲ : ۶۷)
(۷) ما خلق کے شر سے حفاظت کی آرزو ــــ (۲ : ۱۱۳)
(۸) خدا نے انسان پیدا کئے۔ پھر یہ کافر اور مومن دو گروہوں میں بٹ گئے ــــ (۲ : ۶۴)
(۹) ہر شے کے جوڑے بنائے ــــ (۴۹ : ۵۱)

ـــــــــ (۰) ـــــــــ

۹۔ ترکہ (وصیت۔ وراثت)

جب اسلامی مملکت میں قرآن کا معاشی نظام قائم ہو تو اس میں ذاتی جائیدادیں بنانے اور دولت کے انبار جمع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جب یہ نظام ہنوز قائم نہ ہوا ہو (یا اس کے قیام کے بعد جن چیزوں کو افراد کی ملکیت میں چھوڑ دیا گیا ہو) تو اس کے متعلق قرآن کریم نے وصیت (اور تقسیم ترکہ کے احکام دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآن کی رو سے وصیت پورے مال میں کی جا سکتی ہے۔ اور جس کے حق میں کوئی چاہے وصیت کر

سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسی حالت میں فوت ہو جائے کہ وہ وصیت نہ کر سکا ہو یا اس کی وصیت پورے ترکہ کو محیط نہ ہو اور کچھ مال باقی بچ جائے تو تقسیم ترکہ کے احکام اُس وقت نافذ ہوں گے اور اس مال کے متعلق ہوں گے جس کے متعلق وصیت موجود نہ ہو۔

——— (۰) ———

وصیّت

(۱) ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال کے بارے میں، اپنے والدین اور اقربین کے حق میں قاعدے اور قانون کے مطابق وصیت کر جائے۔ یہ متقین پر فریضہ ہے ——— (۲ : ۱۸۰)

(۲) جو شخص وصیت سن لینے کے بعد اُسے بدل ڈالے تو وہ مجرم قرار پائے گا ——— (۲ : ۱۸۱)

(۳) لیکن جو شخص محسوس کرے کہ وصیت میں حق اور انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور وہ متعلقین میں باہمی صلح کرا دے تو یہ کوئی ہرج کی بات نہیں ——— (۲ : ۱۸۲)

(۴) مرنے والا اپنی بیوی کے متعلق وصیت کر جائے کہ اسے ایک سال کے لئے ضروریاتِ زندگی بہم پہنچائی جائیں۔ اور اسے گھر سے بھی نہ نکالا جائے۔ ہاں اگر وہ خود ہی گھر سے چلی جائے تو اور بات ہے ——— (۲ : ۲۴۰)

(۵) وصیت کے لئے گواہوں کی ضرورت، شہادت کا طریقہ، شبہ کی صورت میں طریق کار۔ (یہ اس صورت میں ہوگا جب وصیت زبانی کی گئی ہو۔ شہادت کی ضرورت تو تحریری وصیت میں بھی ہوگی۔ لیکن اس میں گواہوں کی طرف سے کسی بدعنوانی کا خدشہ نہیں ہوگا) ——— (۱۰۸—۱۰۶ : ۵)

وراثت کے احکام

(۱) ترکہ میں مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر کر دیئے گئے ہیں ——— (۴ : ۷)

(۲) اگر تقسیم ترکہ کے وقت ایسے لوگ بھی سامنے ہوں جن کا ترکہ میں کوئی حصہ نہ ہو لیکن وہ مستحق امداد — یتیم و مساکین ہوں، تو انہیں بھی ان کی دل جوئی کے لئے کچھ دے دینا چاہیئے۔ اور سمجھا دینا چاہیئے کہ ترکہ کی تقسیم تو قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ ان کی دل جوئی کی خاطر کچھ دے دیا گیا ہے۔ ان سے بات اچھے طریقے سے کی جائے ——— (۴ : ۸)

(۳) ترکہ کی تقسیم پورے پورے انصاف سے کرنی چاہیئے۔ یہ خیال سامنے رکھنا چاہیئے کہ کل کو تم وفات پا جاؤ اور تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے رہ جائیں تو ان سے کس قسم کا سلوک ہونا چاہیئے۔ بس اسی قسم کا انداز تم دوسروں کے لئے بھی اختیار کرو ـــــ (۹ : ۴)

(۴) ترکہ میں وارثوں کے حصے حسب ذیل ہیں لیکن یہ تقسیم متوفی کا قرضہ ادا کرنے اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی۔ اس کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ۔ یعنی لڑکی ۱/۳ اور لڑکا ۲/۳ ۔ (اس لئے کہ کنبے کے اخراجات کا کفیل مرد ہوتا ہے) ـــــ (۱۱ : ۴)

۲۔ اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا ۲/۳ حصہ ہے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو، نصف ـــــ (۱۱ : ۴)

۳۔ متوفی کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ۱/۶ ہے بشرطیکہ متوفی کی اولاد بھی ہو۔ لیکن اگر اس کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا حصہ تیسرا ہے (۱/۳)۔ [اور باپ کا (۲/۳)]۔ اور اگر اس کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہے ـــــ (۱۱ : ۴)

۴۔ عقدی رشتوں میں

بیوی کے ترکہ میں، خاوند کا حصہ ۱/۲ ہے بشرطیکہ بیوی کی اولاد نہ ہو۔ لیکن اگر اس کی اولاد ہو تو پھر خاوند کا حصہ ۱/۴ ہے ـــــ (۱۲ : ۴)

خاوند کے ترکہ میں بیوی کا حصہ ۱/۴ ہے اگر خاوند کی اولاد نہ ہو۔ اگر اس کی اولاد ہو تو بیوی کا حصہ ۱/۸ ہے ـــــ (۱۲ : ۴)

(تقسیم کے سلسلہ میں قاعدہ یہ ٹھہرا کہ پہلے قرضہ اور وصیت کو دیکھ لیا جائے۔ اس کے بعد اگر کچھ بچے تو پہلے عقدی رشتوں کے حصوں کی تقسیم کر دی جائے ـــــ (۴ : ۳۴)۔ اور باقیماندہ نسبی رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے۔ (اولاد میں' اولاد در اولاد' اور والدین میں دادا، نانا، دادی، نانی سب شامل ہیں۔ یتیم پوتہ (پوتے) یا پوتی (پوتیاں) اپنے مرحوم باپ کے حصے کے وارث ہونگے)

۵۔ اگر متوفی لاولد ہو اور اس کے بہن بھائی بھی ہوں[1] اور ماں باپ بھی۔ تو

[1] ایسا متوفی جس کی اولاد نہ ہو لیکن اس کے بھائی یا بہن ہوں، اسے کلالہ کہتے ہیں۔ اگر اس کے ماں باپ بھی ہوں تو ترکہ کی تقسیم (i) اور (ii) کے مطابق ہوگی اور اگر ماں باپ نہ ہوں تو (iii) کے مطابق۔

(i) ایک بھائی یا ایک بہن ہو، تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ۔

(ii) اور اگر بھائی بہنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ (۴:۱۲)

(iii) اگر ایسے متوفی کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد تو اس کے ترکہ کی تقسیم یوں ہوگی:۔

اگر متوفی مرد ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کا نصف ہوگا۔

اگر متوفیہ عورت ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا بھائی ہوگا۔

اگر ایک بہن کے بجائے دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہوگا۔ دو سے زیادہ بہنوں کے لئے بھی یہی اصول ہوگا۔

اور اگر بھائی بہن ملے جلے ہوں تو ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصے کا اصول کارفرما ہوگا۔

(۴:۱۷۶)

یہ تمام احکامات (۴:۱۱-۱۲) اور (۴:۱۷۶) میں دیئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر متوفی کا کوئی وارث نہ ہو، یا مندرجہ بالا حصوں کے مطابق تقسیم کے بعد کچھ بچ جائے، تو وہ اسلامی مملکت کی تحویل میں چلا جائے گا۔

اسے پھر سن رکھنا چاہیئے کہ تقسیم وراثت، متوفی کے قرضہ کی ادائیگی اور وصیت پوری کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس پر ہوگی۔ یہ حدود اللہ ہیں جن کی نگہداشت ضروری ہے (۴:۱۳)۔ ان کی خلاف ورزی موجب عذاب ہے (۴:۱۴)

(۶) عقدی یا عہدی رشتہ داروں کا حصہ پہلے نکال کر پھر نسبی رشتہ داروں کے حصوں کی تقسیم ہوگی۔ (میاں بیوی کا رشتہ عقدی یا عہدی ہوتا ہے۔ ان رشتوں میں وہ معاہدات بھی شامل ہو سکتے ہیں جن کا ذکر وصیت میں کیا گیا ہو۔ یعنی جو رشتے دار نہ ہوں لیکن متوفی نے انہیں کچھ دینے کی وصیت کر دی ہو۔ بلکہ انہیں تو سب سے پہلے ملے گا) (۴:۳۳)

(۷) تقسیم کا صحیح طریق یہ ہے کہ جن کے حصے قرآن نے مقرر کر دیئے ہیں انہیں پہلے دے کر جو باقی بچے، اسے ان میں تقسیم کرنا چاہیئے جن کے حصے متعین نہیں۔

(۸) یہ حدود اللہ ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے، جزئی قوانین اسلامی مملکت خود مرتب کرے گی (۴:۱۳)

(۰)

چونکہ ترکہ (یا وراثت) کی تقسیم کا مسئلہ معاشرہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

جو کچھ (قرآن کریم کی رو سے) اوپر بتایا گیا ہے، اسے ترتیب سے دوبارہ لکھ دیا جاتا ہے تاکہ بات واضح ہو جائے۔ یہ تقسیم متوفی کا قرضہ ادا کرنے اور وصیت پوری کرنے کے بعد جو کچھ بچے، اس پر ہو گی۔

(۱) <u>میاں بیوی</u>

بیوی کے ترکہ میں سے خاوند کا حصہ :-

۱- اگر بیوی کی اولاد ہو ($\frac{1}{4}$)

۲- اگر بیوی کی اولاد نہ ہو ($\frac{1}{2}$)

خاوند کے ترکہ میں سے بیوی کا حصہ :-

(۱) اگر خاوند کی اولاد ہو ($\frac{1}{8}$)

۲- اگر خاوند کی اولاد نہ ہو ($\frac{1}{4}$)

(۲) <u>ماں باپ کا حصہ</u>

۱- متوفی صاحبِ اولاد ہو تو —

ماں اور باپ ہر ایک کو ($\frac{1}{6}$)۔ (باقی اولاد کو)

۲- متوفی لاولد ہو اور وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کو ($\frac{1}{3}$)۔ اور باپ کو ($\frac{2}{3}$)

(۳- اگر لاولد متوفی کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہو گا۔

(۳) <u>اولاد</u>

[اوپر کے حصے نکالنے کے بعد جو کچھ بچے اس میں سے]

۱- ایک لڑکا یا زیادہ لڑکے (جب لڑکی کوئی نہ ہو) تو یہ سب برابر برابر تقسیم کر لیں گے۔

۲- لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی تو ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہو گا۔ طریقہ یہ ہے کہ لڑکوں کی تعداد کو دگنا کر کے اس میں لڑکیوں کی تعداد جمع کر لو۔ یہ کل حصے ہو جائینگے۔ ان میں اکہرا حصہ لڑکی کا۔ دوہرا حصہ لڑکے کا۔ مثلاً دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے اور ترکہ پانچ ہزار روپیہ ہے۔

طریقہ :- ۴ + ۱ = ۵ ، $\frac{۵۰۰۰}{۵}$ = (۱۰۰۰)

ہر لڑکا = ۲۰۰۰ (کل = ۴۰۰۰)
لڑکی = ۱۰۰۰ = ۱۰۰۰ } = ۵۰۰۰

۳- اگر صرف لڑکیاں ہوں۔

۱- صرف ایک لڑکی ہو تو - ($\frac{1}{2}$)

۲- دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ($\frac{2}{3}$) میں سب شریک جو باقی بچے وہ حکومت کی طرف منتقل ہو جائیگا۔

۴- یتیم پوتا یا پوتی اپنے مرحوم باپ کے حصے کے وارث ہوں گے۔

(۴) <u>کلالہ</u> (لاولد متوفی)۔ بیوی یا خاوند کا حصہ نکالنے کے بعد:- اگر اس کے ماں باپ اور بہن بھائی سب ہوں۔

(۱) صرف ایک بھائی اور ایک بہن۔ ہر ایک کو ($\frac{1}{6}$)

(۲) جب بھائی بہن زیادہ ہوں تو $\frac{1}{3}$ میں سب شریک۔

(۳) بقایا ماں باپ کو۔ اس طرح کہ ماں کو ($\frac{1}{6}$) باقی باپ کو۔

۴۔ اگر صرف ماں باپ وارث ہوں تو ماں کو (⅓) باپ کو (⅔)

۲۔ کلالہ کے ماں باپ نہ ہوں۔ صرف بہن بھائی ہوں۔

(۱) متوفی مرد ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو اُسے (½)

(۲) ایک سے زیادہ بہنیں (⅔) میں سب شریک۔

(۳) ملے جلے بہن بھائی سارے کا سارا لے جائینگے بھائی کے دو، بہن کا ایک کے حساب سے۔

[اخوۃً کے معنی بھائی بہن ملے جلے ہیں ۔ (۴ : ۱۲) — (۴ : ۱۷۷)

(۴) متوفیہ عورت ہو تو اس کا وارث بھائی ہو گا۔

——— بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب مساوی تقسیم کریں گے۔

[کلالہ :۔ لیس لہٗ ولد۔ ولہٗ اخٌ او اختٌ او اخوۃٌ (۴ : ۱۲) — (۴ : ۱۷۷)

ماں باپ ہونے یا نہ ہونے کی شرط نہیں۔

——— (۰) ———

۱۰۔ تزکیہ

(نیز دیکھیے زکوٰۃ)

تزکیہ :۔ (ز۔ ک۔ و)۔ پھلنا، پھولنا، بڑھنا، نشو و نما پانا۔ (اس مادہ کی پوری تشریح زکوٰۃ کے عنوان میں ملے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ، ہمارے ہاں "تزکیۂ نفس" تصوف کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مختلف ریاضتوں اور مراقبوں سے انسانی خواہشات اور جذبات کو فنا کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ چیزیں "روحانی ترقی" کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ "روحانی ترقی" بھی تصوف ہی کی اصطلاح ہے۔ اس کی رو سے عقیدہ یہ ہے کہ نفسِ انسانی (انسانی ذات) درحقیقت 'ذاتِ خداوندی کا ایک جزو تھی۔ جو کسی طرح اپنی اصل سے الگ ہو کر مادہ کی دلدل میں آن پھنسی ہے۔ اسے مادی آلائشوں سے پاک و صاف کر دیا جائے تاکہ یہ پھر اپنی اصل کے ساتھ جا کر مل جائے۔ یہ انسان کی روحانی ترقی کا منتہیٰ ہے۔ اور انسانی ذات کو اس طرح مادی آلائشوں سے پاک اور صاف کرنا، تزکیۂ نفس یا نفس کشی کہلاتا ہے۔ یہ تمام تصورات غیر قرآنی ہیں۔ تصوف کا تو لفظ تک بھی قرآنِ کریم میں نہیں آیا۔ قرآنی تصور یہ ہے کہ خدا کی طرف سے انسان کو ایک خاص جوہر عطا ہوتا ہے جسے نفسِ انسانی یا انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ (تفصیل اس کی نفس کے عنوان میں ملے گی) یہ جوہر اپنے اندر عظیم ممکنات رکھتا ہے۔

لیکن انسان کو ملتا ہے غیر نشو و نمایافتہ شکل میں۔ اگر اس کی مناسب نشو و نما ہو جائے تو موجودہ زندگی میں اس کا مظاہرہ بلندیٔ سیرت اور پاکیزگیٔ کردار کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور اس سے انسان، اس زندگی سے اگلی زندگی میں مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ انسانی ذات کی نشو و نما، ان مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتی ہے جو قرآنِ کریم میں دی گئی ہیں۔ اور ایسا کچھ قرآنی معاشرہ میں ہی ہو سکتا ہے۔ انسانی ذات کے اس طرح نشو و نما پا جانے کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔ اسے تصوف کی تجرد گاہوں کے زہد و انزوا کے سلوک و مراسم سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ سیدھے سادے الفاظ میں ایک مومن و متقی کی زندگی کا نام ہے۔ اور چونکہ اس اندازِ زندگی سے انسانی ذات کو نشو و نما حاصل ہوتی ہے اس لئے اسے تزکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ حاصل ہوتا ہے قرآنی معاشرہ کے اندر زندگی بسر کرنے سے جسے سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے قائم کیا تھا اس لئے اسے فریضۂ رسالت قرار دیا گیا ہے۔ یعنی رسولؐ کا فریضہ، محض خدا کے پیغامات کو انسانوں تک پہنچا دینا نہیں بلکہ عملاً ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا جس میں افراد کا تزکیۂ نفس ہو جائے۔

———— (٠) ————

تزکیہ فریضۂ رسالت ہے

۱۔ دعائے ابراہیمی کہ ان کی ذریت میں ایسا رسول پیدا کر جو تعلیم کتاب و حکمت سے افرادِ مومنین کا تزکیہ کرے — (۲ : ۱۲۹)۔ ایسا رسول مبعوث کر دیا گیا — (۲ : ۱۵۱)۔ یہ خدا کا مومنین پر احسان ہے — (۳:۱۶۳)
(۶۲ : ۲) — (۷۹ : ۱۷)

۲۔ اُس اندھے کے متعلق جو تعلیم حاصل کرنے کے لئے دوڑتا ہوا آیا تھا، کہا کہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس طرح تزکیہ حاصل کر لیتا — (۸۰ : ۳)۔ اعراض برتنے والے اگر تزکیہ حاصل نہیں کر سکتے تو اس کی ذمہ داری تم پر نہیں۔
(۸۰ : ۷)

۳۔ لیکن رسول کا کام ایسا نظام قائم کر دینا ہوتا ہے جس میں انسانوں کا تزکیہ ہوتا جائے۔ اس کا فریضہ یہ نہیں کہ ہر ایک کا تزکیہ خود کر دے۔ یہ تو انسان کے اپنے اعمال ہی سے ہوگا۔ جو ایسا کرنا چاہے اس کا تزکیہ ہوگا — (۸۰ : ۷)

۴۔ مومنین سے صدقات وصول کرو۔ اور اس طرح ان کا تزکیہ کرو — (۹ : ۱۰۳)

(۵) حضرت موسےٰ سے کہا کہ فرعون سے کہو کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا تزکیہ ہو جائے ــــ (۱۸ : ۷۹)

تزکیہ کیسے حاصل ہوتا ہے

(۱) یونہی اپنے آپ کو مزکّی (تزکیہ یافتہ) ٹھہرا لینے سے انسان مزکّی نہیں بن جاتا۔ یہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے، قانونِ مکافات کی رو سے ہوتا ہے ــــ (۴۹ : ۴) ــــ (۵۳ : ۳۲)

(۲) شیطان کے اتباع سے رُک جانے سے تزکیہ ہوتا ہے ــــ (۲۱ : ۲۴)

(۳) تقویٰ اور تزکیہ ایک ہی بات ہے۔ یعنی تزکیہ، تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے ــــ (۵۳ : ۳۲)

(۴) اپنی محنت کی کمائی کو حاجتمندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دیدینے سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے یعنی انسانی جسم کی نشو ونما اس سے ہوتی ہے جسے انسان اپنے صرف میں لاتا ہے (کھانے پینے سے) لیکن انسان کی نشو ونما اس سے ہوتی ہے جسے وہ دوسروں کو دیتا ہے ــــ (۱۸ : ۹۲)

(۵) اجتماعی زندگی میں اس طرح مال دینے کو صدقہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے رسول سے کہا گیا کہ ان سے صدقات لے کر، ان کا تزکیہ کرو ــــ (۹ : ۱۰۳)

(۶) معاشرہ کے چھوٹے چھوٹے امور میں حدودِ خداوندی کو ملحوظ رکھنے سے بھی تزکیہ میں مدد ملتی ہے ــــ (۲ : ۲۳۲) ــــ (۳۰ ؛ ۲۸ : ۲۴)

(۷) ذاتی منفعت کی خاطر کتمانِ حقیقت کرنے سے تزکیہ نصیب نہیں ہوتا۔ (مذہبی پیشوا اور روحانی مقتدا کرتے ہی یہ ہیں) ــــ (۲ : ۱۷۴)۔ عہدِ خداوندی توڑ کر ذاتی مفاد حاصل کرنے سے بھی یہی کچھ ہوتا ہے ــــ (۳ : ۷۶)

(۸) حفاظتِ عصمت سے ــــ (۳۰ : ۲۴)

تزکیہ سے کیا ہوتا ہے؟

(۱) تزکیہ کا نتیجہ جنت کی زندگی ہوتا ہے ــــ (۲۰ : ۷۶)

(۲) تزکیہ سے انسانی عمل کی کھیتی پروان چڑھ جاتی ہے۔ اس سے مقصدِ زندگی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس سے انسان فلاح پا جاتا ہے ــــ (۸۷ : ۱۴)

(۳) جس نے اپنی ذات کی نشو ونما کر لی وہ کامیاب (فلاح یافتہ) ہو گیا۔ جس نے اسے دبا کے رکھا۔ (ابھرنے

پھولنے، پھلنے نہ دیا) وہ تباہ ہو گیا — (۱۰—۹ : ۹۱) یہاں تزکیہ کے مقابلہ میں تدسّیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تدسّیہ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو دبا دینا۔ اس تقابل سے تزکیہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ تصوف میں انسانی ذات کا تدسیہ (نفس کشی) مقصود ہوتا ہے۔ قرآنی پروگرام میں مقصود، انسانی ذات کا تزکیہ ہے۔

(۴) تزکیہ سے انسان، زندگی کی ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یعنی جس شخص نے اِس زندگی میں اپنی ذات کی نشو و نما کر لی، وہ اگلی منزل میں پہنچ گیا۔ جس نے یہاں ایسا نہ کیا، اس کی نشو و نما رک گئی (اسے جہنم کی زندگی کہا جاتا ہے) اس لئے موت کے بعد اُس نشو و نما کا سوال نہیں پیدا ہونا جو اِس زندگی میں حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہا کہ اہل جہنم کا تزکیہ نہیں ہو سکتا — (۲ : ۱۷۴) — (۳ : ۷۶)

(۵) جس کا تزکیہ ذات ہوتا ہے اس کا فائدہ صرف اسی کو پہنچ سکتا ہے کسی دوسرے کو نہیں۔ کوئی اپنے تزکیہ سے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں بٹا سکتا — (۱۸ : ۳۵)۔ اس سے "روحانی پیشوائیت" کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے۔ پیر کا تزکیہ (اگر اسے واقعی حاصل ہے) مرید کے کسی کام نہیں آ سکتا۔ باقی رہا یہ کہ پیر اُسے تزکیہ کا راستہ بتاتا ہے، تو یہ راستہ قرآن کریم نے خود بتا دیا ہے جسے ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے۔ نیز یہ دو افراد (پیر اور مرید) کی انفرادی چیز نہیں۔ یہ تو قرآن کے مطابق اجتماعی زندگی سے حاصل ہوتا ہے۔

متفرقات

(۱) جوان نشو و نما یافتہ لڑکے کے لئے نفسِ زکیہ کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ وہ لڑکا صالح نہیں تھا۔ اس سے مراد جسمانی نشو و نما ہے — (۱۸ : ۷۴)

(۲) حضرت مریم سے کہا گیا کہ انہیں "غلامًا زکیًا" ملے گا۔ یعنی تندرست و توانا بچہ — (۱۹ : ۱۹)

(۳) حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ فرعون کی طرف جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا تزکیہ ہو جائے — (۱۸ : ۷۹)

(۴) ازکیٰ اور اطھر کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں — (۲ : ۲۳۲)۔ اطھر منفی صفت ہے جس سے مراد غلط باتوں سے دور رہنا ہے۔ اور ازکیٰ مثبت صفت ہے جس سے مراد نشو و نما حاصل کرنا ہے۔

(۵) طعام کے لئے بھی ازکیٰ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ایسا کھانا ہے جو نشو و نما دے سکے — (۱۸ : ۱۹)

۱۱- تسبیح

تسبیح۔ (س۔ب۔ح) اس کے معنی ہیں کسی کام کے سرانجام دینے کے لئے پوری پوری جدوجہد اور تگ و تاز کرنا۔ نہایت تیزی سے بھاگ دوڑ کرنا۔ سرگرمِ عمل رہنا۔ حصولِ مقصد کے لئے دور دور نکل جانا۔ سَبْحٌ کے معنی تیرنے کے ہوتے ہیں جس میں تیراک پورے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اَلسَّبَّاحُ اچھے پیراک کو کہتے ہیں۔ نیز تیز رفتار گھوڑے کو۔

ان معانی کی رو سے۔ تسبیح سے مفہوم ہے اُس پروگرام کی تکمیل کے لئے انتہائی جدوجہد کرنا جسے خدا نے مقرر کیا ہے۔ اس اعتبار سے جب کہیں گے کہ کائنات میں ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شے اپنے اپنے فریضہ کی سرانجام دہی میں سرگرمِ عمل ہے۔ جیسے سجدہ سے مراد یہ ہے کہ ہر شے قانونِ خداوندی کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔

یہ جو ہمارے ہاں تسبیح کے دانوں پر خدا کا نام پڑھا جاتا ہے (جسے تسبیح پھیرنا کہتے ہیں) تو یہ چیز عیسائی راہبوں کے ہاں مروج تھی جسے انہوں نے بدھ مت والوں سے لیا تھا (عرب بہرحال اس سے ناآشنا تھے) بعد میں مسلمانوں نے اسے وہیں سے مستعار لے لیا۔ قرآن کریم میں "تسبیح پھیرنے" کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں خدا کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل میں انتہائی جدوجہد کرنے کا نام تسبیح ہے۔

سبحان اللہ کے معنی ہیں خدا ان تصورات سے بہت دور ہے جو انسان اپنے ذہن سے اس کے متعلق قائم کرتا ہے۔ نیز اس لفظ کو تعجب اور حیرت کے اظہار کے لئے بھی بولتے ہیں۔ سُبْحَانٌ کے معنی سرگرمِ عمل رہنے کے بھی ہیں۔

(۰)

اشیائے کائنات کی تسبیح

(۱) کائنات کی ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ یعنی ان فرائض کی تکمیل میں سرگرمِ عمل ہے جو خدا نے ان کے لئے مقرر کر رکھے ہیں ــ (۵۷:۱)ــ(۵۹:۱)ــ(۵۹:۲۴)ــ(۶۱:۱)ــ(۶۲:۱)ــ(۶۴:۱)

(۲) ملائکہ نے خدا سے کہا کہ ہم تیرے پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروفِ جد و جہد رہتے ہیں ـــــ (۳۰ : ۲)

(۳) کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ کائنات کی ہر شے کس طرح خدا کے پروگرام کی تکمیل میں سرگرداں ہے اور پرندے کس طرح فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تسبیح اور صلوٰۃ سے واقف ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس کے فرائض کیا ہیں۔ اور ان کی بجاآوری میں اسے کس طرح تگ و تاز کرنی ہے ـــــ (۴۱ : ۲۴)

(۴) کائنات کی کونسی شے ہے جو تسبیح خداوندی میں مصروف نہیں۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ـــــ (۴۳ : ۱۷)

(۵) رعد (بجلی کی کڑک) حمدیتِ خداوندی کے لئے مصروفِ جد و جہد رہتی ہے ـــــ (۱۳ : ۱۳)

(۶) تمام مظاہرِ فطرت، خدائی پروگرام کی تکمیل میں سرگرداں رہتے ہیں ـــــ (۲۰۶ : ۷) ـــ (۲۰ـــ۱۹ : ۲۱)

"حاملینِ عرش" (ملائکہ) کی بھی یہی کیفیت ہے۔ (دیکھئے عنوان عرش) ـــــ (۲۰۶ : ۷) ـــ (۱۹ : ۲۱) ـــ (۷۵ : ۳۹)

(۷ : ۴۰) ـــ (۴۱ : ۳۰) ـــ (۵ : ۴۲)

انسانوں کی تسبیح

(۱) حضرت زکریا کو بیٹے کی بشارت دینے کے بعد کہا کہ تم صبح و شام اپنے پروگرام کی تکمیل کیلئے مصروفِ سعی و عمل رہو ـــــ (۴۰ : ۳)

(۲) حضرت زکریا نے لوگوں کو اشارہ کر کے کہا کہ تم اپنے مقررہ پروگرام میں صبح و شام مصروف رہو ـــ (۱۱ : ۱۹)

(۳) حضرت موسیٰ کو جب فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے بھائی کو ساتھ لے جانے کے لئے کہا اور تقویت کی دعا مانگی۔ اور کہا کہ میں یہ کچھ اس لئے مانگ رہا ہوں تاکہ اس پروگرام کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ جد و جہد کی جاسکے ـــــ (۳۳ : ۲۰)

(۴) داؤد کے ساتھ بڑے بڑے اکابر (جبال) اور قبیلہ طیر کے سردار، سب خدائی پروگرام کی تکمیل میں جد و جہد کرتے رہتے تھے ـــــ (۷۹ : ۲۱) ـــ (۱۸ : ۳۸)

(۵) باغ والوں کی مثال میں کہا کہ ان میں سے ایک نے جو بہت اچھا آدمی تھا کہا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم فرائض خداوندی کی انجام دہی کے لئے جد و جہد کرو ـــــ (۲۸ : ۶۸)

رسول اللہ اور مومنین کو تسبیح کا حکم

(۱) قوانینِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرو اور اس کے

پروگرام کو وجہ حمد و ستائش بنانے کے لئے کامل جدوجہد کرو ـــ (۹۸ : ۱۵) ـــ (۵۸ : ۲۵)

(۲) جب فتح و نصرت آجائے تو اس وقت اپنے فرائضِ منصبی کی بجا آوری میں اور زیادہ جدوجہد کرو ـ (۳ : ۱۱۰)

(۳) صبح شام، دن رات، اس کے لئے جدوجہد کرتے رہو ـــ (۳۰ : ۱۷) ـ (۴۰ : ۵۵) ـ (۵۰ : ۳۹-۴۰)

(۵۲ : ۴۸-۴۹) ـ (۷۶ : ۲۵-۲۶)

(۴) خدا کی صفتِ ربوبیت کو عام کرنے کے لئے انتہائی جدوجہد کرو ـــ (۵۶ : ۷۴) ـ (۹۶ : ۵۶)

(۶۹ : ۵۲) ـ (۸۷ : ۱)

(۵) حضورؐ سے کہا گیا کہ تمہارے لئے دن بھر جدوجہد کا بہت بڑا پروگرام ہوتا ہے۔ اس لئے رات کو زیادہ نہ جاگا کرو ـــ (۷۳ : ۷)

(۶) مومن وہ ہیں جو قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں (سجدہ) اور اس کے پروگرام کو وجہ حمد و ستائش بنانے میں مصروفِ جدوجہد رہتے ہیں ـــ (۳۲ : ۱۵)

(۷) اے جماعتِ مومنین! صبح شام، خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروفِ کار رہو ـــ (۳۳ : ۴۲)

(۸) جماعتِ مومنین، دن رات خدائی پروگرام کی تکمیل میں مصروفِ جدوجہد رہتی ہے ـــ (۲۴ : ۳۶)

(۹) مومن، رسول اللہؐ کے لئے وجہ تقویت ہیں اور خداوندی پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ (۴۸ : ۹)

(۱۰) مومنین کہتے ہیں کہ ہم مسبحین ہیں یعنی خدائی پروگرام کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرنیوالے ـــ (۳۷ : ۱۶۶)

سبحان اللہ

(۱) کتنی دوررس اسکیمیں ہیں اس خدا کی جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجدِ حرام (مکہ) سے مسجدِ اقصیٰ (مدینہ) کی طرف لے گیا ـــ (۱۷ : ۱)

(۲) رسول اللہؐ سے مخالفین معجزات طلب کرتے تھے۔ جواب میں کہا گیا کہ ان سے کہہ دو کہ میرا رب اس سے بہت بلند اور دور ہے کہ وہ اس قسم کے مطالبات پورے کرے ـــ (۱۷ : ۹۳)

(۳) مومنین کہتے ہیں کہ ہمارا رب اس سے بہت دور ہے کہ اس کے وعدے پورے نہ ہوں ـــ

(۱۷ : ۱۰۸)

(۴) خدا شرک سے بالاتر ہے — (۶ : ۱۰۱) — (۹ : ۳۱) — (۱۰ : ۱۸) — (۱۲ : ۱۰۸) — (۱۶ : ۱) — (۲۸ : ۶۸) — (۳۰ : ۴۰) — (۳۹ : ۶۷) — (۵۲ : ۴۳) — (۵۹ : ۲۳)

(۵) مختلف اشیائے کائنات کی تخلیق اور نظم و نسق کے سلسلہ میں "سبحان الذی" کہا — (۳۶ : ۳۶)
ارباب تحقیق پکار اٹھتے ہیں کہ "تو اس سے بہت بلند ہے کہ کائنات کو باطل پیدا کرتا" — (۳ : ۱۹۱)

(۶) لوگ جو کچھ اپنے خیالات کے مطابق خدا کے متعلق باتیں کرتے ہیں، وہ ان سے بہت بلند اور دور ہے۔
(۶ : ۱۰۱) — (۱۷ : ۴۳) — (۲۱ : ۲۲) — (۲۳ : ۹۱) — (۳۷ : ۱۵۹) — (۳۷ : ۱۸۰) — (۴۳ : ۸۲)

(۷) کس قدر بلند و بالا ہے وہ ذات جس نے اشیائے کائنات کو انسانی خدمات کے لئے مسخر کر دیا — (۴۳ : ۱۳)

(۸) باغ والوں کی مثال میں کہا کہ ان لوگوں نے بالآخر اعتراف کیا کہ ہم ظالم تھے۔ اس کے ساتھ سبحانَ ربنا کہا۔ کہ ہم جو کچھ سمجھے بیٹھے تھے، خدا اس سے بلند و بالا ہے — (۶۸ : ۲۹)

(۹) صبح و شام، خدائی فرائض کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہنا ہوگا۔ یہاں سبحان کا لفظ مصدری معنوں میں استعمال ہوا ہے — (۳۰ : ۱۷)

(۱۰) وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں سارا اقتدار و اختیار ہے، کس قدر بلند و بالا ہے — (۳۶ : ۸۳)

(۱۱) سبحان اللہ رب العالمین — (۲۷ : ۸)

(۱۲) خدا اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کائنات کو بے مقصد پیدا کرتا — (۳ : ۱۹۰)

(۱۳) حضرت موسیٰؑ نے جب دیدارِ خداوندی کے لئے استدعا کی تو اس کے بعد کہا کہ بارالہا! تو اس سے بہت بلند ہے کہ تجھے کوئی انسان دیکھ سکے — (۷ : ۱۴۳)

(۱۴) جنت میں اہلِ ایمان کی پکار کہ خدا بہت بلند و بالا ہے — (۱۰ : ۱۰)

(۱۵) حضرت یونسؑ کی پکار کہ اے خدا! تو بہت بلند و بالا ہے — (۲۱ : ۸۷)

(۱۶) واقعہ افک کے متعلق کہا کہ تمہیں کہنا چاہیئے تھا کہ سبحانک! یہ بالکل بہتان ہے — (۲۴ : ۱۶)

(۱۷) حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ تمہاری اور تمہاری والدہ کی پرستش کریں۔ وہ کہیں گے کہ سبحانک! میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں — (۵ : ۱۱۶)

(۱۸) قصۂ آدم میں ملائکہ نے کہا — سبحانک — ہمارا تو اتنا ہی علم ہے جتنا کچھ تو نے ہمیں علم دیا ہے — (۲ : ۳۲)

(۱۹) قیامت کے دن سچے پیشوایانِ دین کہیں گے کہ ہم نے لوگوں کو اس کی تعلیم نہیں دی تھی۔ یہاں بھی سبحانک

آیا ہے ــــ (۱۸ : ۲۵)

(۲۰) نصاریٰ کہتے ہیں کہ خدا کا بیٹا بھی ہے۔ خدا اس سے بہت بلند ہے ــــ (۲ : ۱۱۶) ــ (۴ : ۱۷۱) ــ (۱۰ : ۶۸)
(۱۹ : ۳۵) ــ (۲۱ : ۲۶) ــ (۳۹ : ۴)

(۲۱) مشرکینِ عرب خدا کی بیٹیوں کا عقیدہ رکھتے تھے۔ خدا اس سے بلند ہے ــــ (۱۶ : ۵۷)

(۲۲) صبح اور شام، سبحان اللہ ــــ (۱۷ : ۳۰)

(۲۳) جنہیں لوگ اپنا معبود بنا لیتے ہیں ان کا قیامت میں اعتراف کہ سبحانک، ہمیں اس کی جرأت کیسے ہوسکتی تھی کہ خدا بن بیٹھتے ــ (۲۵ : ۱۸)۔ ملائکہ بھی یہی کہیں گے ــــ (۳۴ : ۴۰ ــ ۴۱)

متفرقات

(۱) آسمانی کرّے اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں ــ کل فی فلک یسبحون ــــ (۲۱ : ۳۳) ــ (۳۶ : ۴۰)

(۲) حضرت یونسؑ کو جب مچھلی نے منہ میں لے لیا تو کہا گیا کہ اگر وہ پیراک نہ ہوتا اور اس قدر ہاتھ پاؤں مار کر اس سے چھٹکارا حاصل نہ کر لیتا تو وہ اسے نگل جاتی ــــ (۳۷ : ۱۴۳)

(۳) خدائی پروگرام کی تکمیل کے لئے تگ و تاز کرنے والوں کو السابحات کہا گیا ــــ (۷۹ : ۳)

ــــــــ (-) ــــــــ

۱۲۔ تسخیرِ فطرت

تسخیر (مادہ ۔ س ۔ خ ۔ ر) کسی کو مجبور کر کے کسی کام پر لگا دینا۔ اسے تابع فرمان کر لینا۔ اپنے حکم کے مطابق چلانا۔

نزولِ قرآن سے پہلے انسان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ فطرت کی قوتوں سے ڈرتا تھا۔ اسی بنا پر اس نے انہیں دیوی دیوتا بنا رکھا تھا۔ وہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا۔ قرآنِ کریم نے انسان کو اس کے مقام سے آگاہ کیا۔ اور کہا کہ یہ ملائکہ، تیرے سامنے جھکنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ انہیں خدا نے اپنے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ یہ ان کے مطابق اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ آدم (نوعِ انسان) میں اس امر کا امکان رکھ دیا گیا

ہے۔ کہ وہ ان قوانین کا علم حاصل کر سکے۔ جوں جوں یہ ان کا علم حاصل کرتا جائے گا، یہ قوتیں اس کے سامنے جھکتی جائیں گی۔ اسی کو تسخیر فطرت کہتے ہیں۔ جو قوم ان قوتوں کو اپنے سامنے جھکا کر ان سے کام لے گی۔ وہ ان کی تخلیق و تسخیر کے منشاء کو پورا کریگی۔ اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں۔ فرق اس سے آگے جا کر سامنے آتا ہے۔ کہ مومن ان قوتوں کو مسخر کر کے ان کے ماحصل کو، اقدارِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسانی کے مفادِ کلی کے لئے صرف کرتا ہے اور کافر اسے اپنی مفاد پرستی اور استحصال کے کام میں لاتا ہے۔

غور کیجئے کہ قرآنِ کریم نے چاند، سورج اور دیگر اجرامِ فلکی کی تسخیر کا ذکر اس زمانے میں کیا جب انسان کو اس بات کا تصور تک نہیں آسکتا تھا۔ آج ان کی تسخیر کا عملی مفہوم سامنے آرہا ہے۔ انسان چاند تک تو جا ہی پہنچا ہے — اور — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات "فطرت" اور "ملائکہ")

——— (۰) ———

تسخیرِ اشیائے فطرت

(۱) آدم (یعنی آدمی) کو اسماء کا علم دے دیا گیا۔ اور اس وجہ سے ملائکہ اس کے سامنے جھک گئے — (۳۴-۳۱ : ۲)

(۲) خدا وہ ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے کہ اس میں سے تمہارا سامانِ رزق (مچھلی) نکلتی ہے۔ تیز موتی۔ اور کشتیاں اس پر چلتی ہیں — (۳۲ : ۱۴) — (۱۴ : ۱۶) — (۱۲ : ۴۵)

(۳) جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اور کشتیاں جو سمندر میں چلتی ہیں۔ اور آسمانی کرّوں کو فضا میں تھام رکھا ہے کہ وہ زمین پر نہ گریں — (۱۲ : ۱۶) — (۶۵ : ۲۲)

(۴) سماوٰت اور ارض میں جو کچھ ہے سب تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے۔ اس طرح اس نے اپنی ظاہر و باطن کی نعمتوں کو تمہارے لئے عام کر دیا ہے — (۲۰ : ۳۱) — (۱۳ : ۴۵)۔ جمیعًا منہ۔

(۵) خدا نے چاند اور سورج کو مسخر کر رکھا ہے۔ یہ سب ایک میعادِ مقررہ تک کے لئے چلے جا رہے ہیں۔ وہ تدبیرِ امور کرتا ہے۔ اور اپنی آیات (قوانین) نکھار کر تمہارے سامنے لاتا ہے تاکہ تم "لقاءِ رب" پر یقین لے آؤ — (۵۴ : ۷) — (۲ : ۱۳) — (۳۳ : ۱۴) — (۲۹ : ۳۱) — (۱۳ : ۳۵) — (۵ : ۳۹)

اور نجوم کو — (۱۲ : ۱۶)

(۶) اگر تم ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا۔ اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو یہ کہیں گے کہ خدا نے — (۲۹ : ۶۱)

(۷) انہار تمہارے لئے مسخر کر دیں — (۱۴ : ۳۲)

(۸) لیل و نہار کو تمہارے لئے مسخر کر دیا — (۱۴ : ۳۳) — (۱۶ : ۱۲)

(۹) کشتیاں۔ اور سواری کے جانور تمہارے لئے مسخر کر دیئے — (۱۴ : ۳۲) — (۱۶ : ۸) — (۲۳ : ۲۲) (۴۳ : ۱۳)

(۱۰) اس نے زمین کو تمہارے لئے مہد بنایا۔ اور اس میں راستے بنائے — (۴۳ : ۱۰)

(۱۱) حضرت داؤد کے لئے پہاڑوں (یا پہاڑی قبائل کے سرکش سرداروں) کو مسخر کر دیا — (۲۱ : ۷۹) — (۳۸ : ۱۸) وہ زرہیں بھی بنایا کرتے تھے — (۲۱ : ۸۰)

(۱۲) حضرت سلیمان کے لئے ہواؤں کو مسخر کر دیا۔ اور سرکش انسانوں کو بھی جو اس کے لئے طرح طرح کی چیزیں بناتے تھے — (۲۱ : ۸۱) — (۳۸ : ۳۶-۳۷)

(۱۳) مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ تم انہیں ذبح کر کے کھاؤ — (۲۲ : ۳۶-۳۷)

(۱۴) ارض و سمٰوٰت میں جو کچھ ہے خدا نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے — (۲ : ۲۹)

(۱۵) بادل، ارض و سما کے درمیان فضا میں مسخر ہوتے ہیں — (۲ : ۱۶۴)

(۱۶) پرندے کس طرح ہوا میں اڑتے ہیں۔ وہ بھی مسخر ہیں — (۱۶ : ۷۹)

مقصدِ تسخیر

(۱) ان تمام اشیاء کو اس لئے تمہارے لئے پیدا اور مسخر کیا تاکہ تم بھی قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو۔ یہ ہے مقامِ مومن۔ اشیائے کائنات اس کے سامنے جھکی ہوتی اور یہ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا ہوا — (۱۶ : ۷۹-۸۱)

(۲) اس سے مقصد یہ ہے کہ تم اس حقیقت کو سامنے رکھو کہ خود انسان کے لئے بھی خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل جاری و ساری ہے۔ اور یہ اس سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا — (۱۳ : ۲)

(۳) یہ حقیقت تمہیں دعوتِ غور و فکر دیتی ہے — (۱۳ : ۳)۔ اور عقل و بصیرت سے کام لینے کی تاکید

کرتی ہے ۔(۳ : ۱۸۹-۱۹۰)۔(۱۴ : ۱۳)۔(۱۲-۱۱ : ۱۶)

(۴) مومنین اس پر خدا کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں ۔(۱۳ : ۳۴)

(۵) مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ تم خدا کی کبریائی کو زمین پر مستلط کرو ۔(۳۷ : ۲۲)

متفرّق

(۱) بادل فضا میں مسخر ہیں ۔ (۲ : ۱۶۴)

(۲) پرندے جو سماوی میں مسخر رہتے ہیں ۔ (۱۶ : ۷۹)

(۳) مختلف افراد میں صلاحیتوں کا فرق معاشرہ میں تقسیم کار کے لئے ہے۔ انسانوں میں طبقات پیدا کرنے کے لئے نہیں ۔ (۳۲ : ۳۴)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "معاشی نظام"۔

(۰)

۱۳۔ تصدیق

صدق (ص ۔ د ۔ ق) یہ مادہ کذب کے مقابلہ میں آتا ہے۔ کذب کے بنیادی معنی ہوتے ہیں دل اور زبان میں موافقت نہ ہونا۔ لہٰذا صدق کے بنیادی معنی ہوں گے دل اور زبان کی ہم آہنگی۔ اسی کو سچ کہتے ہیں۔ لیکن اس کی ایک شکل اور بھی ہے۔ ایک شخص کو کسی واقعہ کے متعلق جو کچھ معلوم ہے وہ غلط ہے لیکن جو کچھ اسے معلوم ہے اسے وہ بیان کر رہا ہے ٹھیک ٹھیک۔ اس طرح اس کے دل اور دماغ میں تو ہم آہنگی ہوگی لیکن جو بات وہ کہے گا وہ غلط ہوگی۔ اُسے ہم جھوٹا نہیں کہیں گے۔ البتہ اس کی بات کو غلط کہیں گے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی قوت کے ہیں۔ یعنی سچ میں ہمیشہ قوت ہوتی ہے۔ شرف اور فضیلت کا مفہوم بھی اس کے اندر آتا ہے کہ حقیقی شرف اور فضیلت وابستۂ صداقت ہے۔

صَدِیْقٌ دوست کو کہتے ہیں۔ اور صِدِّیْقٌ اُسے جو بہت زیادہ سچا ہو۔ جو اپنے دعویٰ کی تصدیق اپنے عمل سے کرے۔ مُصَدِّقٌ کے معنی ہیں سچ کر دکھانے والا۔ قرآن کریم کو مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (یا لِمَا مَعَكُمْ) اکثر مقامات میں کہا گیا ہے۔ اس کے معنی کئے جاتے ہیں کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والا۔ اس کا

یہ مفہوم صحیح نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ کتب سابقہ میں تحریف ہو چکی تھی۔ سو جن کتابوں کو وہ محرف کہتا ہے ان کی تصدیق وہ کس طرح کریگا؟ اس کے معنی ہیں "سچ کر دکھانے والا" یعنی کتب سابقہ میں خدا نے جو وعدے کئے تھے، قرآن انہیں سچ کر کے دکھا دے گا۔ مثلاً یہ وعدہ کہ ظالم پنپ نہیں سکتا۔ یا زمین پر آسمان کی بادشاہت قائم ہوگی ... یا راستباز انسان کامیاب ہوں گے۔ تو قرآن، اس تمام تعلیم کو عملاً سچ کر دکھلائے گا۔ اس کی رو سے ایسا نظام قائم ہوگا جس میں یہ تمام دعاوی عملاً سچ ہو کر سامنے آجائیں نیز اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ کتب سابقہ میں جس ظہور کے آنے کی خبریں دی گئیں تھیں، وہ اب (قرآن اور نبی اکرمؐ کی ذات میں) سچ ہو کر سامنے آگیا ہے۔ اس طرح قرآن نے اُن خبروں کو سچ کر دکھایا ہے۔

صدقہ کے معنی ہمارے ہاں کسی مصیبت کو رفع کرنے کے لئے کچھ بطور خیرات دے دینا کئے جاتے ہیں۔ یہ قرآنی مفہوم نہیں۔ صدقہ درحقیقت ہر وہ شے ہے جسے فرد اپنی ملکیت میں نہ رکھے بلکہ اُسے لوگوں کے مشترکہ فائدے کے لئے دیدے۔ حکومت کے واجبات کے علاوہ، جو کچھ کوئی بطور عطیہ دے، اسے بھی صدقہ کہا جاتا ہے۔ اسلامی نظام میں خیرات کا تصور نہیں۔ لیکن جب تک وہ نظام قائم نہ ہو، اس وقت تک محتاجوں اور غریبوں کی امداد، انفرادی طور پر کی جائے گی۔ اس قسم کی امداد کو بھی صدقہ کہا گیا ہے۔

تَصَدَّقَ کے معنی ہیں جو کچھ تمہارا کسی کے ذمے واجب ہو، اسے نہ لینا۔ اُسے چھوڑ دینا۔ ایسے کرنیوالے کو **مُتَصَدِّق** کہتے ہیں۔

اس مادہ کی کوئی شکل ہو۔ اس کے معانی میں دو بنیادی خصوصیات ضرور ہوں گی۔ ایک یہ کہ اس میں دل کی پوری پوری رضامندی اور خوشنودی ہو۔ دعوی اور عمل میں ہم آہنگی ہو۔ جبر و اکراہ کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اس کے نتیجہ میں قوت و توانائی اور شرف و فضیلت حاصل ہو۔

(٭)

صِدْقٌ۔ صَدَقَ

(۱) ہم نے بنی اسرائیل کو مُبَوَّأَ صِدْقٍ دیا ـــ (۱۰ : ۹۳) یعنی ایسا ٹھکانہ جو ان کے لئے قوت اور فضیلت کا موجب تھا۔

(۲) اہل ایمان کے لئے خدا کی طرف سے قَدَمَ صِدْقٍ ہوگی ـــ (۱۰ : ۲)۔ یعنی ایسی سابقت۔ جو

شرف و تقویت کا موجب ہو۔ نیز مقعد صدق ــــ (۵۵ : ۵۴)

(۳) دعائے ابراہیمی کہ مجھے لسان صدق فی الآخرین عطا ہو ــــ (۸۴ : ۲۶)۔ یعنی ایسی زندگی کہ آنے والے مجھے نوعِ انسان کا سچا غمخوار کہہ کر یاد کریں اور اس طرح شرفِ انسانیت کی بنا پر میرا تذکرہ باقی رہے۔ نیز ــــ (۵۰ : ۱۹)

(۴) دعا یہ مانگو کہ تمہیں مدخل صدق اور مخرج صدق ملے ــ (۸۰ : ۱۷)۔ یعنی تم جہاں داخل ہو وہاں شرف و فضیلت کے ساتھ داخل ہو اور جہاں سے نکلو وہاں سے بھی شرف و تکریم کے ساتھ نکلو۔

(۵) اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اُس صدق کی تکذیب کی جو خدا کی طرف سے اس کے پاس آیا ــــ (۳۲ : ۳۹)

(۶) متقی وہ ہے جو سچ (صدق) کے ساتھ آئے۔ اور جو اس سچ کو قبول کرلے یا اپنے اعمال سے اس کے سچا ہونے کی تصدیق کرے ــــ (۳۳ : ۳۹)

(۷) وعد الصدق۔ سچا وعدہ جو خدا نے کیا تھا ــــ (۱۶ : ۴۶) وہ مومنوں کے حق میں پورا ہو کر رہیگا۔

(۸) خدا کے قوانین، قرآن کریم میں صدق اور عدل کے ساتھ تکمیل تک پہنچ گئے ــــ (۱۱۶ : ۶)

(۹) مومنین نے اپنے دعوئے ایمان کو سچ کر دکھایا (جنگِ احزاب میں) اور خدا نے ان صادقین کو ان کے صدق کا بدلہ دیا ــــ (۲۴ ــ ۲۳ : ۳۳)

(۱۰) قیامت میں صادقین کا صدق انہیں فائدہ دیگا ــــ (۱۱۹ : ۵)

(۱۱) انبیاء سے میثاق کیا گیا تاکہ صادقین سے ان کے صدق کے متعلق پوچھا جاسکے ــــ (۸ : ۳۳)

صادق (اصدق)

(۱) خدا سے زیادہ سچی بات کرنے والا (اصدق) کون ہو سکتا ہے ــــ (۸۷ : ۴)

(۲) مومنین کے لئے جنت کا ذکر کر کے کہا کہ خدا کے وعدے سچے ہیں۔ اور اس سے زیادہ سچی بات کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے ــــ (۱۲۲ : ۴)

(۳) حضرت اسمٰعیلؑ صادق الوعد تھے ــ (۵۴ : ۱۹)

(۴) خدا نے کہا ہے کہ جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ صادق (سچا) ہے ــــ (۵ : ۵۱)

(۵) صادق۔ بمقابلہ۔ کاذب ــــ (۲۸ : ۴۰)

(۶) یہودیوں سے کہا گیا کہ تم پر تمہارے جرائم کی وجہ سے بعض چیزیں حرام قرار دی گئی تھیں۔ اس کے بعد کہا کہ ہم صادقین میں سے ہیں۔ یعنی یہ بات بالکل سچی ہے —— (۶ : ۱۴۷)

(۷) حضرت لوطؑ کے پاس خدا کے فرستادگان آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم صادقین میں سے ہیں —(۱۵ : ۶۴)

(۸) حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے باہمی مشورہ کیا کہ بن یامین کی بابت باپ سے جا کر ساری بات بیان کریں اور کہیں کہ ہم صادقین میں سے ہیں —— (۱۲ : ۸۲)

(۹) <u>صادق کون ہیں؟ ۔ انہیں کیا ملے گا؟</u>

جو مومن مال و جان سے جہاد کرتے ہیں — (۴۹ : ۱۵)۔ قیامت میں صادقین کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ (۵ : ۱۱۹)۔ جو جنگ میں پورے اُترتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں کامیابی ان کا صلہ ہے — (۳۳ : ۲۴)

کونوا مع الصادقین —(۹ : ۱۱۹) مومن صادق ہوتے ہیں — (۳ : ۱۶) مرد اور عورتیں دونوں —(۳۳ : ۳۵)

مہاجرینِ مکہ صادقین تھے — (۵۹ : ۸)

(۱۰) <u>ان کنتم صادقین</u> ۔ (اگر تم سچے ہو تو .....)

ملائکہ سے کہا کہ تم اِن اشیاء کے نام بتاؤ .... —(۲ : ۳۱)

یہودیوں سے کہا کہ حلت و حرمت کے جو احکام ہم نے بیان کئے ہیں اگر تمہیں اس میں شک ہے تو تورات لاکر پیش کرو ..... —(۳ : ۹۲)—(۳ : ۱۸۲)—(۳۷ : ۱۵۷)—(۶ : ۶۲)

منافقین سے کہا کہ تم موت سے بچ کر بتاؤ ..... —(۳ : ۱۶۷)

مشرکین سے کہا کہ اپنے معبودوں سے کہو کہ خدا کے عذاب کو ٹال کر دکھائیں .... (۶ : ۴۰)۔ یا جو مشرکانہ رسومات تم اختیار کئے ہو ان کے لئے کوئی خدائی سند دکھاؤ ..... (۶ : ۱۴۴) یا جنہیں تم پکارتے ہو، دکھاؤ کہ وہ کس طرح تمہاری پکار کا جواب دیتے ہیں ..... —(۷ : ۱۹۴)—(۳۷ : ۱۵۷)—(۴۶ : ۴)

(۶۸ : ۴۱)۔ مخالفین سے کہا کہ اگر قرآن، خدا کی طرف سے نہیں ہے تو اس جیسی ایک سورۃ بنا کر دکھاؤ ...... (۲ : ۲۳)—(۱۰ : ۳۸)—(۱۱ : ۱۳)—(۲۸ : ۴۹)—(۵۲ : ۳۴)۔ مخالفین، رسول اللہؐ سے کہتے تھے کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس تباہی سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے، وہ کب آئے گی، اسے لاکر دکھاؤ

(۷ : ۱۰۶)—(۱۰ : ۴۸)—(۲۱ : ۳۸)—(۲۷ : ۷۱)—(۳۲ : ۲۸)—(۳۴ : ۳۰)—(۳۶ : ۴۸)—(۶۷ : ۲۵)

انبیاء سابقہ سے مطالبہ —(۷ : ۷۰)—(۱۱ : ۳۲)—(۱۵ : ۷)—(۲۶ : ۱۸۷)—(۲۹ : ۲۹)—(۴۶ : ۲۲)

مخالفین کا مطالبہ کہ اگر تم سچے ہو کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی تو ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے دکھاؤ ——— (۳۶-۳۵ : ۴۴)—(۲۵ : ۴۵)

اعراب سے کہا کہ تم اپنے اسلام سے، رسولؐ پر احسان نہ دھرو۔ اگر تم اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو تو اس حقیقت کو سمجھ لو گے کہ اسلام عطا کر کے، خدا نے تم پر احسان کیا ہے ——(۱۷ : ۴۹)

مخالفین سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کے عذاب کو لوٹا کر دکھاؤ —— (۸۸-۸۷ : ۵۶)

یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کے ثبوت میں دلائل پیش کرو۔ یعنی قرآن اپنے ہر دعویٰ کو دلیل سے منواتا ہے۔ اور اسی کا تقاضا اپنے مخالفین سے کرتا ہے — (۱۱۱ : ۲)

مشرکین سے بھی یہی کہا — (۶۴ : ۲۷)

یہودیوں سے کہا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے انبیاء کو قتل کیوں کیا تھا — (۱۸۳ : ۳)

یہودیوں سے کہا کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ جنت تمہارے لئے ریزرو ہے تو تم موت کی تمنا کر کے بتاؤ — (۹۴ : ۲)—(۶ : ۶۲)

فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ جس بات کا تم دعویٰ کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اسے پیش کر کے دکھاؤ (۳۱ : ۲۶)۔ قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے بھی یہی کہا — (۱۵۴ : ۲۶)

صَدَقَ

(۱) خدا نے سچی بات کہی ہے —— (۹۴ : ۳)

(۲) جنگِ احزاب کے ضمن میں کہا کہ جب جماعتِ مومنین نے دشمن کے لشکروں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ وہی (فتح و ظفر کی علامات) ہیں جس کا وعدہ خدا و رسولؐ نے کیا تھا اور اب اس نے اسے سچ کر دکھایا ہے۔ یا یہ کہ خدا و رسول نے سچا وعدہ کیا تھا (یہاں صَدَقَ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں) — (۲۲ : ۳۳)

ان مومنین نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا اسے اپنے عمل سے سچ کر دکھایا۔ اور خدا نے ان صادقین کو ان کے صدق کا بدلہ دیا —— (۲۴-۲۳ : ۳۳)

(۳) بعث بعد الموت کے متعلق ہے کہ کفار کہیں گے کہ یہ وہ ہے جس کا وعدہ خدا نے کیا تھا اور (صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ) اس کے رسولوں نے اس کی تصدیق کی تھی —— (۵۲ : ۳۶)

(۴) کذب کے مقابلہ میں صدق ۔ (۲۷ : ۲۷) ۔ ہُدہُد اور حضرت سلیمانؑ کا واقعہ ۔ (ii) حضرت یوسفؑ اور عزیز کی بیوی کا واقعہ ۔ (۲۷-۲۶ : ۱۲)

(۵) حضرت عیسےٰؑ کے حواریوں نے کہا کہ ہمارے لئے "خدا کے ہاں سے رزق" کا سامان کیجئے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ جو تعلیم پیش کر رہے ہیں وہ صداقت پر مبنی ہے ۔ (۱۱۳ : ۵) یا آپ جو ہم سے وعدے کرتے ہیں وہ سچے ہیں۔ (تفصیل حضرت عیسےٰؑ کے عنوان میں ملے گی)

(۶) مومنین کا اعلان کہ خدا نے ہم سے جو وعدے کئے تھے، وہ اس نے سچ کر دکھائے۔ وہ سچ ثابت ہوئے (۷۴ : ۳۹) اور ہمیں ملک میں اقتدار حاصل ہو گیا۔

(۷) خدا نے مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر کے، اپنے وعدے سچ کر دکھائے ۔ (۱۵۱ : ۳)

(۸) خدا نے انبیاء کرامؑ سے جو وعدے بھی کئے تھے انہیں سچ کر دکھایا۔ اور ان کے مخالفین کو تباہ کر دیا ۔ (۹ : ۲۱)

(۹) جماعت مومنین کو مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کون اپنے دعوائے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا ۔ (۳ : ۲۹)

(۱۰) میدانِ جنگ میں پتہ چلتا ہے کہ کون اپنے دعوائے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا ۔ (۴۳ : ۹)۔ اسی کو "خدا کے ساتھ سچا ہونے" سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ (۲۱ : ۴۷)

(۱۱) خدا اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھلائے گا ۔ (۲۷ : ۴۸)

(۱۲) مومن اپنے دعوائے ایمان کی صداقت کا ثبوت اپنے اعمال سے پیش کرتے ہیں ۔ (۱۷۷ : ۲)

صِدّیق ۔ صَدِیق

(۱) اہلِ جہنم کا کوئی صَدِیق (دوست) نہیں ہوگا ۔ (۱۰۱ : ۲۶)

(۲) دوست (صدیق) کے ہاں سے کھا لینے میں مضائقہ نہیں ۔ (۶۱ : ۲۴)

(۳) حضرت ادریسؑ ۔ صدّیق نبی تھے ۔ (۵۶ : ۱۹)

(۴) حضرت ابراہیمؑ بھی صدّیق نبی تھے ۔ (۴۱ : ۱۹)

(۵) حضرت عیسےٰؑ کی والدہ صدّیقہ تھیں ۔ (۷۵ : ۵)

(۶) خدا اور رسول پر ایمان لانے والے صدّیق اور شہدا ہیں ——— (۱۹ : ۵۷)

(۷) اطاعتِ خدا و رسول کرنے والوں کو انبیاء، صدیق، شہدا، صالحین کی معیت نصیب ہو گی۔ یہ بہترین رفیق ہیں ——— (۶۹ : ۴)۔ آیت کے آخری حصے (وحسن اولٰئِكَ رفيقا) نے اس کی وضاحت کر دی کہ انہیں ان کی رفاقت نصیب ہو گی۔

صَدَّقَ (و صَدَقَ بمعنی صَدَّقَ)

صَدَقَ بمعنی صَدَّقَ

(۱) خدا نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھائے گا۔ (یہاں صَدَقَ بمعنی صَدَّقَ استعمال ہوا ہے۔ یعنی سچ کر دکھانا) ——— (۲۷ : ۴۸)۔ نیز ——— (۲۲ : ۳۳) میں بھی۔ اور ——— (۲۳ : ۳۳) میں بھی۔ جہاں کہا کہ جماعتِ مومنین نے اپنے عہد کو سچ کر دکھایا

(۲) اہلِ سبا کے متعلق کہا کہ ابلیس نے ان کے متعلق جو خیال قائم کیا تھا، انہوں نے اسے سچ کر دکھایا۔ ابلیس نے اپنے خیال کو سچا پایا ——— (۲۰ : ۳۴)

(۳) غلط راستے پر چلنے والا، نہ تو اپنے دعاوی کو اپنے عمل سے سچ کر دکھاتا ہے۔ نہ ہی اپنے فرائضِ منصبی کو ادا کرنے کے لئے قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتا ہے۔ لَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ——— (۳۱ : ۷۵)

(۴) یہ رسول حق کے ساتھ آیا ہے۔ اور تمام سابقہ رسولوں کے سچا ہونے کا اعلان کرتا ہے ——— (۳۷ : ۳۷)

(۵) متقی وہ ہے جو سچ لے کر آئے۔ یا جو اس سچ کو قبول کرے اور اپنے اعمال سے اس کی تصدیق کرے۔ اپنے عمل سے ثابت کر دے کہ وہ واقعی سچ ہے ——— (۳۳ : ۳۹)

(۶) جو اپنے مال کو دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دے دے اور اس طرح حسن کارانہ انداز سے اپنے دعوئے ایمان کو سچ کر دکھائے وہ صحیح راستہ پر ہے ——— (۶-۵ : ۹۲)۔ وہ متقی ہے۔

(۷) حضرت ابراہیمؑ سے (ذبحِ حضرتِ اسمٰعیلؑ کے سلسلہ میں) کہا کہ تمہیں یونہی ایک خواب آیا تھا۔ تم نے اسے سچ پر محمول کر کے، اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ تم نے اپنے خواب کو سچ مچ کا واقعہ بنا لیا۔ وہ تو محض خواب تھا ——— (۱۰۵ : ۳۷)

(۸) حضرت مریمؑ نے قانونِ خداوندی کو سچ کر دکھایا ——— (۱۲ : ۶۶)

(۹) انسانوں سے کہا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ سو تم حقیقت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ———(۵۷ : ۵۶)

(۱۰) مومن، یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں ـــــ (۲۶ : ۷۰)۔ اہل جہنم نے ایسا نہیں کیا تھا ـــــ (۵۲ : ۴۷)

مُصَدِّقٌ - تصدیق

قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ اُس تعلیم کو سچ کر دکھانے والا ہے جو اس سے پہلے انبیاء کرامؑ کی وساطت سے دی گئی تھی۔ لیکن جو پھر اپنی اصلی شکل میں اُن کے متبعین کے پاس نہ رہی۔ اس کے لئے کہیں "مصدقٌ لما معھم" اور کہیں "مصدق لما بین یدیہ" کے الفاظ آتے ہیں۔ ان آیات میں یا تو اہل کتاب کو مخاطب کیا گیا ہے اور یا ان کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) جب ان (اہل کتاب) کی طرف وہ رسول آیا جو "مصدق لما معھم" ہے، ان میں سے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ـــــ (۲ : ۸۹) ـــ (۲ : ۱۰۱)

(۲) انبیاء کرامؑ سے جب یہ عہد لیا گیا تھا کہ جب وہ رسول آئے جو "مصدق لما معکم" ہوگا، تو (تم اپنی امتوں سے کہہ دو کہ) وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں ـــــ (۳ : ۸۰)

(۳) رسول اللہ تمام سابقہ رسولوں کی تصدیق کرتے تھے ـــــ (۳۷ : ۳۷)

(۴) قرآن "مصدق لما بین یدیہ" ہے ـــ (۶ : ۹۳) ـــ (۱۳ : ۴۶)۔ ان دونوں آیات میں کہا گیا ہے کہ اس سے پہلے کتاب موسےٰ میں ہدایت و رحمت تھی ـــــ (۲ : ۹۷) ـــ (۳ : ۳)

[اس آیت میں تورات و انجیل دونوں کے متعلق کہا ہے کہ اس سے پہلے ان میں ہدایت تھی] ـــ (۳۱ : ۳۵) ـــ (۳۰ : ۴۶)۔ اسی کے لئے لفظ تصدیق بھی آیا ہے ـــــ (۱۰ : ۳۷) ـــ (۱۱۱ : ۱۲)

(۵) بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہاری تعلیم کی مصدّق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر ان کے پاس ان کی اصلی تعلیم موجود ہوتی اور قرآن اس تعلیم کے سچے ہونے کی تصدیق کرتا تو انہیں قرآن پر ایمان لانے کی دعوت کیوں دی جاتی ـــ (۲ : ۴۰) ـــ (۲ : ۹۱) ـــ (۴ : ۴۷)

(۶) حضرت یحییٰؑ کلمۃ اللہ کے مصدق تھے ـــــ (۳ : ۳۸)

(۷) حضرت عیسےٰؑ تورات کے مصدق تھے ـــ (۳ : ۴۹) ـــ (۵ : ۴۶) ـــ (۶۱ : ۶)۔ اور قرآن تورات اور انجیل دونوں کا مصدق ہے ـــ (۵ : ۴۸)۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ تم ان (یہود و نصاریٰ) کے معاملات کا فیصلہ اس قرآن کی رو سے کرو۔

(۸) حضرت عیسٰیؑ، تورات کے مصدّق اور رسول اللہ کے مبشر تھے ــــ (۶ : ۶۱)

(۹) مُصَدِّق کے معنی کسی بات کو قبول کر لینے والا بھی ہیں ــــ (۵۲ : ۳۷)

تصدّق ۔ متصدقین

(۱) قانونِ قصاص (ادلے کا بدلہ) کے بعد کہا کہ جو معاف کر دے (اپنے واجب کو چھوڑ دے تو یہ مجرم کی سزا کا کفارہ ہو جائیگا ــــ (۵ : ۴۵)

(۲) حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے کہا کہ ہمارے پاس پونجی تو تھوڑی ہے لیکن غلہ ہم ضرورت کے مطابق پورا لینا چاہتے ہیں۔ اس لئے جو ہم پر زاید واجب الادا ہؤا سے چھوڑ دیجئے ــــ (۱۲ : ۸۸)

خدا متصدقین کو بدلہ دیتا ہے ــــ (۱۲ : ۸۸)

(۳) اگر مقروض غریب ہو تو اُسے مہلت دو۔ اور اگر بالکل نادار ہو تو قرضہ چھوڑ دو ــــ (۲ : ۲۸۰)

(۴) اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ تم تُصَدِّقُوْنَ کیوں نہ ہوتے ــــ (۵۶ : ۵۷)۔ اس کے معنی حق کو قبول کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور دوسروں کے ساتھ تصدق کا سلوک کرنے والے بھی۔ دوسری جگہ اس کے لئے اَصَدَّقَ کا لفظ بھی آیا ہے ــــ (۶۳ : ۱۰)۔ منافقین کی کرتوت ــــ (۹ : ۷۵)

(۵) مومن مردوں اور عورتوں کی صفات متصدقین اور متصدقات ہیں ــــ (۳۳ : ۳۵)

نیز مُصَّدِّقِین اور مُصَّدِّقات ــــ (۵۷ : ۱۸)

(۶) قتلِ خطا کے لئے دیت (خون بہا) دینی ہوگی۔ بجز اس کے کہ مقتول کا وارث اسے معاف کر دے۔ (۴ : ۹۲)

صدقہ ۔ (صدقات)

(۱) رسول سے کسی بات میں مشورہ لینے سے پہلے کچھ (ضرورت مندوں کے لئے) دیدیا کرو۔ جو ایسا نہ کرے تو اس پر جبر نہیں ــــ (۵۸ : ۱۲ ــ ۱۳)۔ یہ اسلام کے ابتدائی دور کا ذکر ہے جب غریبوں کی امداد کیلئے اس قسم کے عطیات کی ضرورت تھی۔

(۲) صدقات کے مصارف کی تفصیل ــــ (۹ : ۶۰)۔ یہ ایسے عطیات کے متعلق ہے جو ہنگامی ضروریات کے لئے دیئے جائیں۔ (اس کی تشریح زکوٰۃ کے عنوان میں ملے گی)

(۳) رسول سے کہا گیا کہ ان کے اموال سے صدقہ لے لیا کرو۔ اور اس طرح ان کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچاؤ۔

(۹ : ۱۰۳)

(۴) صدقات کو (حسبِ موقعہ) تم اعلانیہ بھی دے سکتے ہو اور خفیہ طور پر بھی ـــــ (۲ : ۲۷۱)

(۵) ربٰو کو خدا مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے ـــــ (۲ : ۲۷۶)

(۶) منافقین، نبی اکرمؐ کے خلاف، صدقات کی تقسیم کے متعلق الزامات عاید کرتے تھے ـــــ (۹ : ۵۸)
اور عام مومنین پر طعنہ زنی کرتے تھے ـــــ (۹ : ۷۹)

(۷) احسان جتا کر اور اس طرح دوسروں کو اذیت پہنچا کر، اپنے صدقات کے مقصد کو باطل نہ کرو۔ جس صدقہ کے بعد دوسروں کو اذیت پہنچائی جائے، اس سے بہتر ہے کہ ضرورت مندوں کو عمدگی سے جواب دے دیا جائے ـــــ (۲ : ۲۶۳-۲۶۴)

(۸) صَدُقَۃ (دؔ کے پیش کے ساتھ) مہر کے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی وہ تحفہ جو بیوی کو اپنی محبت و اخلاص کے دعوےٰ کی صداقت کے ثبوت میں دیا جائے۔ مہر کی یہی پوزیشن ہے ـــــ (۴ : ۴)

(۹) مناسکِ حج میں سے اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے کوئی ادا نہ ہو سکے تو اس کے بدلے میں صدقہ دے دیا جائے۔

(۲ : ۱۹۶)

(۱۰) خفیہ مشورے ان کے اچھے ہیں جو دوسروں کی ضروریات کے حل کے لئے صدقات کے سلسلہ میں کئے جائیں ـــــ (۴ : ۱۱۴)

ـــــ (۰) ـــــ

۱۴۔ تعزیری احکام

(نیز دیکھئے جرم)

قرآن کریم نے جو احکام دیئے ہیں انہیں دو اصولی شقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی ہے۔ یعنی ان کی خلاف ورزی، معاشرہ کے خلاف جرم نہیں۔ اس لئے ان کی سزا بھی نہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ اکڑ کر نہ چلو۔ دوسری قسم ان احکام کی ہے جو معاشرتی جرم ہیں اور ان کی خلاف ورزی کی سزا دی جاسکتی

ہے۔ انہی احکام کو ہم نے تعزیری احکام سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی سزا کا حکم بھی قرآن کریم نے کر دیا ہے۔ اور دوسرے وہ جن کی سزا کا ذکر نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اصولی نکتہ کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ قرآن کریم نے جن امور کا ذکر بطور اصول کیا ہے اور ان کی جزئیات کا تعین نہیں کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جزئیات کا تعین اسلامی معاشرہ (قرآنی حکومت) اپنے اپنے حالات کے مطابق خود کرے۔ لہٰذا، ان احکام کے متعلق قرآنی مملکت طے کریگی کہ ان کی سزا کیا مقرر کی جائے۔ اور وہ کن حالات میں دی جائے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن احکام کو قرآن کریم نے بطور اخلاقی نصائح بیان کیا ہے، ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ان میں سے بھی معاشرہ کسی کو معاشرتی جرائم کی فہرست میں شامل کر لے۔

ان تمام احکام کا تفصیلی ذکر، ان سے متعلق عنوانات میں آئے گا۔ زیرِ نظر عنوان کے تابع ہم نے ان احکام کا اجمالی سا ذکر کر دیا ہے تاکہ ان کی فہرست بیک نظر سامنے آجائے۔ واضح رہے کہ جن احکام کو قرآن کریم نے متعین طور پر تعزیری نہیں کہا، انہیں حتمی طور پر تعزیری احکام کی شق میں لے آنے کا حق کسی فرد کو نہیں پہنچتا۔ یہ فریضہ اسلامی مملکت کا ہے۔ لہٰذا، ہماری یہ فہرست انفرادی بصیرت پر مبنی ہے۔ نہ یہ حتمی اور یقینی قرار دی جا سکتی ہے، نہ جامع اور مانع۔ اس قسم کی فہرست، قرآنی مملکت ہی مرتب کر سکتی ہے۔

جن جرائم کی سزا کا قرآن کریم میں ذکر ہے، ان کے متعلق اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ وہ انتہائی سزائیں ہیں۔ نیز وہ سزائیں ان حالات میں دی جائیں گی جو ایک خالص اسلامی معاشرہ کے ہوتے ہیں۔ قرآن نے سزائیں بھی بدنی مقرر کی ہیں۔ یہی سزائیں مؤثر بھی ہوتی ہیں۔ بعض حالات میں نظر بندی کے علاوہ، قید کی سزا قرآن نے تجویز نہیں کی۔

سزا کے سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کا پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ زنا کے جرم کی سزا لونڈیوں کے لئے، آزاد عورتوں کی سزا کے مقابلہ میں نصف ہوگی (۴ : ۲۵)۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ لونڈیوں کی تربیت بڑی ناقص ہوتی تھی۔ وہ جس ماحول میں زندگی بسر کرتی تھیں وہ بڑا پست اور تکدر آمیز ہوتا تھا۔ ان حالات میں اُن سے بلند اخلاقی کردار کی توقع رکھنا صحیح نہیں تھا۔ دوسری طرف، رسُولؐ کی عورتوں کے متعلق کہا گیا، کہ ان کی سزا عام عورتوں کے مقابلہ میں دُگنی ہوگی (۳۳ : ۳۰)۔ لہٰذا، جرم کی سزا میں اسے ملحوظ رکھا گیا۔ اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ سزا تجویز کرتے وقت ملزم کی تربیت، ماحول، ذہنی کیفیت وغیرہ کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ عدل، آنکھیں بند کر کے نہیں کرنا چاہیئے۔ سب کچھ دیکھ کر کرنا چاہیئے۔

وہ جرائم جن کی سزا قرآن میں آئی ہے

۱۔ قتل ۔ یعنی اتلافِ جان

(۱) جرمِ قتل کے مواخذہ کا تاکیدی حکم (قصاص)۔ اس میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی تمیز نہیں۔ جو جرم کا مرتکب ہوگا وہی سزا پائے گا ــــ (۱۷۸ : ۲)۔ البتہ اس میں معافی کی گنجائش ہے جس کی تشریح نیچے آئے گی۔

(۲) قتلِ خطا (نادانستہ۔ سہواً قتل) کے جرم میں (i) ایک مومن غلام کا آزاد کرنا۔ اور (ii) قتل کا خون بہا (دیت) دینا ہوگا۔ مقتول کے وارث، خون بہا کو معاف بھی کر سکتے ہیں ــــ (۹۲ : ۴)

(۳) قتلِ خطا میں اگر مقتول، دشمن کی قوم میں رہتا ہو، لیکن ہو مومن، تو پھر صرف غلام آزاد کرنا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسی قوم میں رہتا ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر غلام آزاد کرنا اور دیت دینا، دونوں ہوں گے۔ لیکن اگر غلام نہ مل سکے (یا اس کے خریدنے کی استطاعت نہ ہو) تو پھر دو مہینے کے متواتر روزے رکھے ــــ (۹۲ : ۴)

(۴) مومن کے قتلِ عمد (بالارادہ) سے خدا کا غضب اور لعنت (یعنی سنگین سزا) اور جہنم ــــ (۹۳ : ۴)۔ اسکے لئے دیت نہیں۔

(۵) انسانی زندگی کو خدا نے واجب الاحترام بنایا ہے۔ اس لئے اسے، بجز قرآنی قانون کے مطابق، تلف کرنا جرم ہے۔ (ایسا بالحق کیا جا سکتا ہے۔ یعنی قانونِ قرآنی کے مطابق ــ مثلاً قتلِ عمد کی سزا یا بغاوت کی سزا کے طور پر)۔ اسلامی نظام، مقتول کے وارثوں کا پشت پناہ ہوگا۔ وہ قاتل سے مواخذہ کریگا لیکن قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ــــ (۳۳ : ۱۷)

(۶) جس جان کا تلف کرنا خدا نے حرام قرار دیا ہے اسے، قانونی تقاضے کے بغیر، تلف مت کرو ــ (۱۵۲ : ۶)

(۷) بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ــ جس نے کسی ایک جان کو ناحق تلف کر دیا (یعنی جرمِ قتل یا فساد فی الارض کی سزا کے بغیر)، تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری نوعِ انسانی کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی ایک جان کو بچا لیا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری نوعِ انسان کو بچا لیا ــــ (۳۲ : ۵)

(۸) بنی اسرائیل کی طرف حکم بھیجا گیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت۔ نیز زخموں کا قصاص۔ لیکن اس میں معافی اور کفارہ کی

گنجائش تھی ــــ (۵ : ۴۵)

(۹) مومن قتلِ ناحق نہیں کرتے ــــ (۶۸ : ۲۵)۔ اس کی ممانعت ہے ــــ (۲۹ : ۴)

(۱۰) قتلِ اولاد سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے مراد (قتل کے علاوہ) انہیں تعلیم و تربیت سے محروم رکھنا بھی ہے ــــ (۶ : ۱۴۱) ــــ (۶ : ۱۵۲) ــــ (۱۷ : ۳۱) ــــ (۶۰ : ۱۲)

۲۔ بغـــاوت

(۱) جو لوگ "خدا اور رسول" کے خلاف جنگ کے لئے اٹھیں اور اس طرح ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے، یا صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ یا ہاتھ اور پاؤں الٹی اطراف کے قطع کر دیئے جائیں۔ یا انہیں نظر بند (یا جلاوطن) کر دیا جائے ــــ (۵ : ۳۳)۔ لیکن اگر وہ مغلوب ہونے سے پہلے ہتھیار رکھ دیں اور اپنے کئے پر نادم ہوں (توبہ کریں)، تو پھر ان کے لئے معافی کی گنجائش ہے ــــ (۵ : ۳۴) ــــ (۹ : ۶۳) ــــ (۴۲ : ۴۲) ــــ (۵۸ : ۵) ــــ (۵۸ : ۲۰)

یہاں "خدا اور رسول" کے خلاف جنگ سے مراد ہے اسلامی مملکت کے خلاف بغاوت"۔ فساد فی الارض" سے مراد ہے اسلامی نظام کو الٹنے کی کوشش کرنا "قطعِ ید....." سے مراد الٹی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈالنا بھی ہو سکتے ہیں۔ (اس کی وضاحت متعلقہ عنوان میں ملے گی)

(۲) بغاوت کرنے والوں کے ساتھ دوستی کے تعلقات رکھنا بھی جرم ہے ــــ (۵۸ : ۲۲)

[نوٹ:۔ خدا اور رسول (اسلامی مملکت) کے خلاف جنگ، مملکت سے باہر غیر مسلم طاقتوں کی طرف سے بھی ہو گی، اور خود مملکت کے اندر بعض گروہوں کی طرف سے بھی۔ بغاوت، ثانی الذکر کو کہا جائے گا۔]

۳۔ زنا و مبادیاتِ زنا

(۱) جو عورت کسی ایسی حرکت کی مرتکب ہو جو زنا کی طرف لے جانے والی ہو (یعنی زنا نہیں بلکہ عام بے حیائی کی باتیں جو رفتہ رفتہ زنا کی طرف لے جاتی ہیں)۔ تو اس کے لئے چار گواہ ہونے چاہئیں۔ اگر اس طرح جرم ثابت ہو جائے تو اسے باہر آنے جانے سے روک دیا جائے ــــ (۴ : ۱۵)۔ یہ ایک قسم کی نظربندی ہو گی۔

(۲) شادی شدہ عورت سے کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب ہو تو اس کے مہر میں سے کچھ وضع کیا جا سکتا ہے (۴ : ۱۹)

(۳) زانی مرد اور عورت کی سزا سو سو کوڑے ہے جو ایک جماعتِ مومنین کی موجودگی میں دی جائے گی۔ اور

اس میں نرمی نہیں برتی جائے گی ــــ (۴ : ۲۴)۔ اگر لونڈی سے یہ جرم سرزد ہو تو اس کی سزا نصف (پچاس کوڑے) ہوگی۔ (یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب عربوں کے ہاں لونڈیاں اور غلام ہوا کرتے تھے۔ قرآن نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا) ــــ (۴ : ۲۵)۔ (اگر بفرضِ محال نبی کی بیویوں سے یہ جرم سرزد ہو تو ان کی سزا دگنی مقرر کی گئی تھی ــــ (۳۰ : ۳۳)

(زنا سے مراد زنا بالجبر نہیں بلکہ وہ غیر قانونی جنسی اختلاط ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کی رضامندی شامل ہو ــــ (۳ : ۲۴)۔ زنا بالجبر میں مجرم صرف مرد ہوگا۔ اور وہ دوہرے جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ یعنی خود زناکاری کا۔ اور ایک عفت مآب خاتون کی جبراً عصمت دری کا۔

۴۔ تہمت

(۱) پاک دامن عورتوں کے خلاف تہمت لگانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ چار گواہ لائے۔ اگر جرم ثابت نہ ہو تو تہمت لگانے والے کی سزا اسی کوڑے ہے۔ اس کے بعد ایسے شخص کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ ہاں اگر یہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو معافی دی جاسکتی ہے ــــ (۵ــ۴ : ۲۴)ــ (۲۳ : ۲۴)

(۲) جو شخص خود اپنی بیوی کے خلاف تہمت لگائے اور گواہ نہ لاسکے تو وہ چار مرتبہ قسم اٹھائے اور پانچویں مرتبہ اپنے اوپر لعنت وارد کرے۔ لیکن اگر بیوی بھی اسی طرح اپنی بے گناہی کی قسم اٹھالے تو پھر اسے مجرم نہیں سمجھا جائے گا ــــ (۹ــ۶ : ۲۴)

(۳) کسی کے خلاف غلط افواہیں پھیلانا جس سے اس کی شرافت داغدار ہو سنگین جرم ہے۔ اور اس کی سزا شہریت کے حقوق سے محرومی سے لے کر قتل تک ہے ــــ (۶۰ــ۵۹ : ۳۳)ــ (۱۲ : ۶۰)

(۴) جرم خود کرے اور تہمت دوسروں کے سر باندھے ــــ (۱۱۲ : ۴)

۵۔ چوری

سارق عورت یا مرد کی سزا "قطعِ ید" ہے۔ لیکن توبہ واصلاح سے معافی کی گنجائش بھی ہے ــــ (۳۸ : ۵)

"قطعِ ید" سے مراد ایسے اقدامات بھی ہیں جن سے خود چور کے ہاتھ چوری کرنے سے رُک جائیں اور وہ دوسروں کے لئے بھی روک کا باعث بن جائے۔ لیکن اگر یہ جرم معاشرہ میں عام ہو جائے اور اس کے رُکنے کی کوئی اور صورت نہ رہے تو مجرموں کو ہاتھ کاٹنے کی انتہائی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

۶۔ شریف زادیوں سے چھیڑ چھاڑ

شریف زادیوں کو تنگ کرنا۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا۔ ان کے خلاف افواہیں پھیلانا سنگین ترین جرم ہے جس کی سزا حقوق شہریت سے محرومی سے لے کر قتل تک ہو سکتی ہے ــــ (۶۰-۵۹ : ۳۳)

وہ جرائم جن کی سزا کا ذکر قرآن میں نہیں

۱۔ خمر اور میسرہ ــــ (۱) ان میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی۔ لیکن ان کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہے ــــ (۲ : ۲۱۹)۔ یہ رجس من عمل الشیطان ہیں۔ ان سے اجتناب کرو۔ ان سے باز رہو ــــ

(۵ : ۹۰ ــــ ۹۱)

خمر۔ ہر وہ شے جس سے انسان کی عقل پر پردہ پڑ جائے۔ اس لئے اس میں تمام نشہ آور اشیاء شامل ہوں گی۔ اور میسرہ کے معنی ہیں آسانی سے ہاتھ آجانے والی دولت۔ اس کا اطلاق جوا پر کیا جاتا ہے لیکن اس میں اور بہت سی چیزیں بھی شامل ہو سکتی ہیں۔

(حالت نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ ــــ (۴ : ۴۳)

۲۔ صحبت ہم جنس

جب دو مرد (یا دو عورتیں) ایسی حرکات کے مرتکب ہوں جو جنسی اختلاط تک لے جائیں تو انہیں سزا دو۔ ــــ (۴ : ۱۶) ــــ (۷ : ۸۱)۔ یہ فحش میں داخل ہے ــــ (۵۴ : ۲۷)۔ اگر ان میں اصلاح کا امکان ہو تو پھر اعراض برتو ــــ (۴ : ۱۶)

۳۔ ناجائز طریق سے دوسروں کا مال کھا جانا

ایسا مت کرو ــــ (۲ : ۱۸۸) ــــ (۴ : ۲۹) ــــ (۵ : ۴۲-۴۳)

یتیموں کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ ــــ (۴ : ۶) ــــ (۶ : ۱۵۳) ــــ (۱۷ : ۳۴)

۴۔ رشوت

حکام کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلے مت لو ــــ (۲ : ۱۸۸)

۵۔ خیانت۔ اور خیانت کرنیوالوں کی وکالت۔

خیانت کرنے والوں کی وکالت مت کرو ــــ (۴ : ۱۰۵-۱۰۷)۔ امانات میں خیانت نہ کرو ــــ (۸ : ۲۷)

امانات ان کے مالکوں کو واپس کرو۔ (۴: ۵۸)
نظامِ مملکت سے خیانت نہ کرو ___ (۸ : ۲۷)
مومن اپنی امانات کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں ___ (۸ : ۲۳) ___ (۷۰ : ۳۲)

۶۔ تشہیر

کسی کے خلاف بُری باتوں کی تشہیر نہ کرو۔ بجز اس کے کہ کسی پر ظلم ہوا ہو ___ (۴ : ۱۴۸)

۷۔ لغو قسم

لغو قسم بیہودہ بات ہے۔ لیکن جو قسم دل کے ارادے سے کھا کر اسے توڑا جائے تو اس کا کفارہ دینا ہوگا۔

(۵ : ۸۹)

۸۔ قرعہ اندازی

یہ بھی خمر اور میسرہ کی طرح ہے۔ لاٹری وغیرہ اس کے اندر آجائے گی۔ ___ (۵ : ۳) ___ (۵ : ۹۰)

۹۔ قوانینِ خداوندی سے مذاق کرنا

جو لوگ آیات اللہ (قوانینِ خداوندی) کے متعلق لغو اور بیکار باتیں کریں اور انہیں محض کھیل تماشا سمجھیں
ان سے اعراض برتو ___ (۷۰ ـ ۶۸ : ۶) ___ (۹ : ۶۵)

۱۰۔ فواحش

فواحش کے قریب نہ جاؤ۔ خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی ___ (۶ : ۱۵۲) ___ (۳۳ : ۷)
فواحش کی اشاعت مت کرو ___ (۱۹ : ۲۴) ایسے حالات نہ پیدا کرو کہ تمہاری لونڈیاں بدکاری پر مجبور
ہو جائیں (۳۳ : ۲۴)۔ ان جرائم میں معافی کی گنجائش ہے ___ (۴ : ۱۳۴)

۱۱۔ ماپ تول

ماپ تول پورا رکھو ___ (۶ : ۱۵۳) ___ (۷ : ۸۵) ___ (۱۷ : ۳۵) ___ (۳ ـ ۱ : ۸۳)

۱۲۔ شہادت

بات ہمیشہ انصاف کی کرو خواہ اس کی زد تمہارے اقرباء پر بھی کیوں نہ پڑے ___ (۶ : ۱۵۳)
خواہ یہ شہادت تمہارے اپنے خلاف بھی کیوں نہ جائے ___ (۴ : ۱۳۵)
(مزید تفصیل "شہادت" کے عنوان میں ملے گی)

۱۳۔ رہزنی ——— (۸۶ : ۷)

۱۴۔ مداخلتِ بے جا

کسی کے گھر کے اندر بلا اجازت داخل نہ ہو ——— (۲۹-۲۷ : ۲۴)

۱۵۔ اذیت رسانی

ناحق اذیت رسانی جرم ہے ——— (۵۸ : ۳۳)۔ ظاہر ہے کہ اذیت صرف جسمانی نہیں ہوتی۔ ذہنی اذیت جسمانی اذیت سے بھی زیادہ الم انگیز ہوتی ہے ——— (۱۰ : ۸۵)

۱۶۔ کسی پر ظلم کرنا

سنگین جرم ہے ——— (۴۲ : ۴۲)۔ مظلوم (بذریعہ عدالت) بدلہ لے سکتا ہے ——— (۳۳ : ۱۷)-(۴۱ : ۴۲)

۱۷۔ عائلی زندگی

اگر عورتیں سرکشی پر اتر آئیں تو عدالت انہیں بدنی سزا بھی دے سکتی ہے ——— (۳۴ : ۴)۔ تفصیل اس کی "عورت" اور "عائلی قوانین" کے عنوان میں ملے گی۔ اسی طرح مردوں کی طرف سے سرکشی کا بھی معاملہ ہے ——— (۱۲۸ : ۴)

۱۸۔ ربٰو (سود)

اس کی بحث ربٰو کے عنوان میں ملے گی۔ اسے "خدا اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ" کہا گیا ہے ——— (۲۷۹ : ۲)

۱۹۔ افواہیں

افواہیں مت پھیلاؤ۔ جب ایسی بات سنو تو اسے اربابِ حکومت تک پہنچاؤ ——— (۸۳ : ۴)۔ اور اچھی طرح تحقیق کرو ——— (۶ : ۴۹)۔ (دیکھئے عنوان تحقیق)

۲۰۔ معاشرتی احکام

ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے لئے تمسخر نہ کرو۔ ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ۔ نہ بُرے بُرے نام رکھو۔ غیبت نہ کرو۔ یونہی دوسروں کی باتوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو ——— (۱۲-۱۱ : ۴۹)

۲۱۔ کھانے پینے کی حرام چیزیں

لحم خنزیر، مردار، بہتا ہوا لہو، اور ہر وہ شے جسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ اضطراری حالت

میں بقدرِ ضرورت استعمال کی اجازت — (۲ : ۱۷۳) — (۵ : ۳) — (۶ : ۱۴۶) — (۱۶ : ۱۱۵)
جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھاؤ۔ جس پر نہ لیا گیا ہو اسے مت کھاؤ — (۶ : ۱۲۰ — ۱۲۲)

۲۲۔ رشتوں ناطوں میں حرمت — (۴ : ۲۳)

۲۳۔ سازش

اثم، عدوان اور معصیتِ رسولؐ کے لئے خفیہ مشورے مت کرو — (۵۸ : ۹)

۲۴۔ عہد

عہد کی پابندی ضروری ہے — (۵ : ۱) — (۱۷ : ۳۴)

۲۵۔ ہلاکتِ حرث و نسل

بہت بڑا جرم ہے — (۲ : ۲۰۵)

جرائم کے متعلق اصولی احکام

قصاص۔ قصاص کے معنی یہ ہیں کہ مجرم کا اس طرح پیچھا کیا جائے کہ اس کا جرم بلا مواخذہ نہ رہے۔ یہ اسلامی مملکت کا فریضہ ہے۔ اور اس میں قوم کی حیاتِ اجتماعیہ کا راز مضمر ہے۔ جس معاشرہ میں جرائم بلا مواخذہ رہ جائیں اس میں کسی کو امن و سکون میسر نہیں آسکتا۔ نہ ہی کسی کا کچھ محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس لئے قصاص (نظامِ عدل کے مؤثر ہونے) میں حیات ہے — (۲ : ۱۷۹)۔ اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہوگی — (۲ : ۱۷۸)

(۲) جرم کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہوگی۔ اس سے زیادہ نہیں — (۲ : ۱۹۴) — (۱۰ : ۲۷) — (۱۶ : ۱۲۶)
(۲۲ : ۶۰) — (۴۰ : ۴۰) — (۴۲ : ۴۰)

اس کے لئے پہلے دیکھا جائے گا کہ مجرم میں اصلاح کا امکان ہے۔ اگر ایسا ہو تو اسے معاف کر کے اس کی اصلاح کی صورت پیدا کی جائے گی — (۴۲ : ۴۰)

(۳) جرم ثابت ہونے سے پہلے ملزم کو بے گناہ سمجھا جائے گا اور اس کے متعلق نیک ظن رکھا جائے گا۔
(۲۴ : ۱۲ — ۱۴)

(۴) کسی فعل کو قانوناً جرم قرار دینے سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہو، اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ یعنی تعزیری قوانین

کو کسی سابقہ تاریخ سے نافذ نہیں کیا جا سکتا ــــ (۲:۲۷۵) ــ (۴:۲۳) ــ (۵:۹۵) ــ (۸:۳۸)

(۵) سزا سے مقصد مجرم کی اصلاح اور معاشرہ میں قیامِ امن ہے نہ کہ انتقام۔ اسی لئے قرآن میں سزا کے ساتھ معافی کی گنجائش رکھی گئی ہے (یعنی اگر مجرم کی اصلاح سزا کے بجائے اور طریق سے ہو جائے تو وہی طریق اختیار کرنا چاہیئے)

(۶) مقصد صرف مجرم کو سزا دینا نہیں بلکہ مظلوم کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی بھی ہے۔ اسی لئے کہا ہے کہ نظامِ عدل درحقیقت مظلوم کی امداد کرنے کے لئے ہے ــــ (۱۷:۳۳)۔ لہٰذا، مظلوم کے نقصان کی تلافی کی ذمہ داری نظامِ مملکت پر ہوگی۔ کیونکہ اس کا فریضہ یہ ہے کہ اس کی حدود میں بسنے والوں کی ہر شے محفوظ رہے۔ عدل کے ساتھ احسان کے حکم کا ایک مفہوم یہ بھی ہے ــ (۱۶:۹۰)

(۷) جرم میں ارادہ کا شامل ہونا ضروری ہے ــ (۶:۵۴) ــ (۵:۳۳)۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ انسان لاپرواہ ہو کر غلط کام کرتا پھرے۔ قتلِ خطا کی سزا کے یہی معنی ہیں کہ لاپرواہی کو بھی روکا جائے۔

(۸) جرم کرنے میں بظاہر دوسرے پر زیادتی ہوتی ہے۔ لیکن وہ جرم درحقیقت خود تمہاری اپنی ذات کیخلاف ہوتا ہے۔ اس سے تم اپنی ذات کا نقصان کرتے ہو ــــ (۴:۱۱۱)

(۹) جرم کی سزا مجرم خود بھگتے گا۔ کوئی دوسرا نہیں ــــ (۶:۱۶۵)

(۱۰) جو کسی کو غلط راستے پر ڈالتا ہے، اس کے جرائم میں وہ بھی شریک ہوتا ہے ــ (۱۶:۲۵) ــ (۲۹:۱۳)

اسی طرح جو خود جرم کر کے اسے دوسرے کے سر تھوپتا ہے، وہ دوہرے جرم کا مرتکب ہوتا ہے ــ (۴:۱۱۲)

(۱۱) جس سے جبراً کچھ کرایا جائے وہ جرم قابلِ مواخذہ نہیں ــــ (۱۶:۱۰۶)

(۱۲) سیّات کو حسنات سے دور کر دو۔ جرم کے ضمن میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حالات اور فضا ایسی پیدا کر دو جس میں جرائم کا ارتکاب نہ ہو ــــ (۲۳:۹۶) ــ (۲۸:۵۴)

(۱۳) کبائر الاثم سے بچنے والوں کی معمولی سی لغزشیں قابلِ عفو ہوتی ہیں ــ (۴۲:۳۷) ــ (۵۳:۳۲)

(۱۴) لونڈیوں سے زنا کے جرم کا ارتکاب ہو جائے تو ان کی سزا آزاد عورتوں سے نصف ہے ــ (۴:۲۵)۔ اور رسول کی بیویوں سے (بفرضِ محال) اگر فحش کا ارتکاب ہو تو اس کی سزا دگنی ہے ــ (۳۳:۳۰)

اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ سزا دیتے وقت مجرم کے ماحول، تعلیم، تربیت وغیرہ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱۵) نظامِ عدل ایسا ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص کسی مجرم کی مدد نہ کر سکے۔ نہ ہی کسی کی سفارش قبول کی جائے۔ نہ ہی رشوت چل سکے۔ نہ ہی کوئی کسی اور طرح مجرم کے کام آسکے ــــ (۴۸ : ۲)
(۱۶) حفاظتِ خود اختیاری کے لئے کچھ کیا جائے تو وہ جرم نہیں ہوگا ــــ (۴۱ : ۴۲)

ــــــــ (۰) ــــــــ

۱۵۔ تفصیل

(نیز دیکھئے "بیان")

تفصیل۔ (ف۔ ص۔ ل) دو چیزوں کو اس طرح الگ الگ کر دینا کہ ان کے درمیان فاصلہ ہو جائے۔ اور اس طرح وہ ایک دوسرے سے متمیز ہو جائیں۔ ان میں کوئی ابہام نہ رہے۔ اس لئے تفصیل کے معنی ہوں گے۔ کسی بات کی وضاحت کر دینا۔ اسے بالکل نکھار اور اُبھار کر سامنے لے آنا۔ قرآن کریم نے اپنے تمام مطالب کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ یعنی (DISTINCTLY) بیان کیا ہے۔

ہمارے ہاں تفصیل کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کی جزئیات (DETAILS) دے دینا۔ اور مفصّل کے معنی ہوتے ہیں جس کی تمام جزئیات (تفاصیل) دے دی گئی ہوں۔ قرآن کریم نے اپنے آپ کو مفصل کتاب کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس میں تمام چیزوں کی تفصیل دے دی گئی ہے۔ اس سے یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ اس میں تمام احکام کی تفاصیل اور جزئیات بھی دے دی گئی ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآنِ کریم میں دین سے متعلق بعض احکام اس طرح دیئے گئے ہیں کہ ان کی جزئیات (تفاصیل) بھی دے دی گئی ہیں لیکن بیشتر احکام و قوانین محض اصولی طور پر دیئے گئے ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ان اصولوں کی جزئیات، اسلامی نظام (مملکت) اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق خود مرتب کرے۔ یہ اصولی احکام و قوانین ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ لیکن ان کی جزئیات زمانے کے تقاضے کے مطابق، عندالضرورت بدلتی رہیں گی۔ اس طرح ثبات اور تغیر کے امتزاج سے اسلامی نظام آگے بڑھتا جائے گا۔ لہٰذا، جب قرآن کو مفصل کتاب کہا جائے گا یا یہ کہا جائے گا کہ اس میں تمام باتوں کی تفصیل بھی دے دی گئی ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ اس میں ہر بات کو نہایت وضاحت سے کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ (اس سلسلہ میں عنوان "بیان" بھی دیکھئے)۔

قول الفصل کے معنی ہیں، فیصلہ کن بات۔ دوٹوک بات۔

قرآن مفصّل کتاب ہے

یعنی قرآن کریم میں ہر بات کو نہایت وضاحت سے، الگ الگ کر کے نکھار اور ابھار کر بیان کیا گیا ہے۔ کسی بات میں ابہام نہیں۔ اس کے مطالب واضح ہیں۔

(۱) قرآن ایک فیصلہ کن حقیقت ہے۔ یونہی مذاق نہیں۔ اس کی ہر بات اور ہر دعوے فیصلہ کن (قولِ فیصل) ہے ——— (۸۶ : ۱۳-۱۴)

(۲) خدا نے جو کچھ حرام کیا ہے اسے قرآن میں واضح طور پر بتا دیا ہے ——— (۶ : ۱۵۲)

(۳) وہ کتاب جس کی آیات محکم اور مفصل (واضح) ہیں ——— (۶ : ۱۱۴)—(۱۱ : ۱)—(۴۱ : ۳)

(۴) اگر یہ قرآن، عربی زبان کے بجائے عجمی زبان میں ہوتا تو یہ اعتراض کر دیتے کہ اس کے احکام واضح طور پر بیان کیوں نہیں کئے گئے ——— (۴۱ : ۴۴)

(۵) قرآن کو خدا نے علم کی بنا پر واضح کتاب بنایا ہے ——— (۷ : ۵۲)

(۶) ماہ و سال کے حساب و شمار اور دن رات کے تغیر کے سلسلہ میں کہا کہ ہم نے ہر بات کو نہایت وضاحت سے (نکھار کر) بیان کر دیا ہے ——— (۶ : ۱۰)—(۱۷ : ۱۲)

(۷) قرآن، مفصل کتاب ہے۔ یعنی نہایت واضح ——— (۶ : ۱۱۵)

(۸) قرآن، تفصیل الکتاب ہے۔ یعنی احکام کو نہایت وضاحت سے بیان کرنے والی کتاب ——— (۱۰ : ۳۷)

(۹) قرآن، تفصیل کل شیٔ ہے۔ یعنی دین سے متعلق ہر بات کی وضاحت کرنے والی کتاب ——— (۱۲ : ۱۱۱)
ہم نے کتاب میں کسی بات کو چھوڑا نہیں۔ یہاں کتاب سے مراد صحیفۂ فطرت بھی ہو سکتا ہے ———
(۶ : ۳۸)—(۶ : ۵۹)

(۱۰) کتابِ موسےٰ کی بھی یہی کیفیت تھی ——— (۶ : ۱۵۵)—(۷ : ۱۴۵)

(۱۱) اس طرح ہم احکام کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں ——— (۶ : ۵۵)—(۶ : ۹۷)—(۶ : ۹۸)—(۶ : ۱۲۶)
(۷ : ۳۲)—(۷ : ۱۷۴)—(۹ : ۱۱)—(۱۰ : ۵)—(۱۰ : ۲۴)—(۳۰ : ۲۸)

(۱۲) خارجی کائنات کے نظام کے سلسلہ میں کہا کہ خدا آیات کی وضاحت کرتا ہے ——— (۲ : ۳)

متفرقات

(۱) فصال۔ بچے کے دودھ چھڑانے کو کہتے ہیں۔ جس عورت کو طلاق دیدی جائے اس کے بچے کی رضاعت (دودھ پلانے) اور چھڑانے کی بابت احکام — (۲: ۲۳۳)۔ یہ مدت بالعموم دو برس کی ہوتی ہے۔ (۳۱: ۱۴)۔ حمل اور رضاعت کی مدت تیس مہینے بھی کہی گئی ہے — (۴۶: ۱۵)

(۲) حضرت داؤد کو نہایت عمدگی سے معاملات کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا ہوئی تھی — (۳۸: ۲۰)

(۳) ظہور نتائج کے وقت کو یوم الفصل کہا گیا ہے۔ یعنی جب مجرمین دوسروں سے الگ ہو جائیں گے۔ یا ان کے معاملات کا آخری فیصلہ ہو جائے گا — (۲۲: ۱۷) — (۳۲: ۲۵) — (۳۷: ۲۱) — (۴۴: ۴۰) — (۶۹: ۱۳) — (۷۷: ۱۳-۱۴) — (۷۷: ۳۸) — (۷۸: ۱۷)

(۴) کلمۃ الفصل۔ فیصلہ کن بات — (۴۲: ۲۱)۔ قول الفیصل — (۸۶: ۱۳)

(۵) قوم فرعون پر جو عذاب بھیجا گیا تو وہ آیات مفصلات تھے۔ یعنی نہایت واضح علامات اس امر کی کہ وہ قوم تباہی کی طرف جا رہی ہے — (۷: ۱۳۳)

(۶) خدا خیر الفاصلین ہے — (۶: ۵۷)

— (۰) —

۱۶۔ تقدیر

اس میں جو مختلف موضوعات آگئے ہیں انہیں اپنے اپنے مقام میں بھی دیکھئے

تقدیر (ق۔ د۔ ر)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی اندازہ اور پیمانہ کے ہیں۔ قَدَرْتُ الشَّیْئَ کے معنی ہیں میں اس چیز کو ملپا۔ اس کا اندازہ کیا۔ اس کی لمبائی چوڑائی اور جسامت وغیرہ کو متعین کیا۔ بتایا کہ وہ کیسی ہے، کتنی ہے۔ اس کا تناسب کیا ہے۔ قَدَرْتُ عَلَیْہِ الثَّوْبَ کے معنی ہیں، میں نے اس شخص کے ماپ کے مطابق کپڑے بنائے۔ لہٰذا، قدر اور تقدیر کے معنی ہیں اندازہ اور پیمانہ۔ یا کسی چیز کو اندازے اور پیمانے کے مطابق

بنا دینا۔ انہی پیمانوں کو قواعد وضوابط یا قوانین کہا جاتا ہے۔ جب کہا جائے گا کہ خدا نے ہر شے کی تقدیر مقرر کر دی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا نے قوانین وضوابط متعین کر دیئے ہیں جن کے مطابق وہ چیز قائم رہتی اور کام کرتی ہے۔ مثلاً آگ کی تقدیر حرارت پہنچانا ہے۔ پانی کی تقدیر اس کا سیال ہونا ہے۔ چونکہ خدا کا قانون ہر شے پر حاوی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ خدا کی قدرت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا قانون ہر شے پر حاوی ہے اور کوئی شے متعلقہ قانون کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتی انہی قوانینِ خداوندی کو خدا کی مشیت بھی کہا جاتا ہے۔

مشیتِ خداوندی کے تین گوشے ہیں۔ ایک گوشہ وہ ہے جہاں امرِ الٰہی کے مطابق ہر شے وجود میں آتی ہے۔ اور اس کے لئے قواعد وضوابط اور قوانین وخواص متعین ہوتے ہیں۔ اس گوشے میں کہا جاتے گا کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس قسم کا قانون چاہتا ہے بناتا ہے۔

جب خدا نے یہ قوانین متعین کر دیئے تو ہر شے ان قوانین کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے۔ ان قوانین میں خدا تبدیلی نہیں کرتا۔ اس لئے اس گوشے میں مشیتِ خداوندی کے معنی ہوں گے خدا کے قوانینِ فطرت۔ یہاں "ما یشاء" کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ وہ جیسا چاہے کرے۔ یہاں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کائنات میں سب کچھ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی اس قانون کے مطابق جسے اس نے گوشۂ اول میں متعین کیا تھا۔ اشیائے کائنات ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ ان کی خلاف ورزی کر نہیں سکتیں۔

تیسرا گوشہ انسانی دنیا سے متعلق ہے۔ انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک کا تعلق اس کی طبیعی زندگی سے ہے۔ اس کے لئے طبیعی قوانین مقرر ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا دارومدار سانس لینے پر ہے یا سنکھیا موجبِ ہلاکت ہے۔ دوسرا حصہ اس کی انسانی زندگی کا ہے۔ اس کے لئے بھی قوانین مقرر ہیں۔ مثلاً یہ کہ ظلم کا نتیجہ تباہی وبربادی ہے۔ اور عدل واحسان کا نتیجہ زندگی کی خوشگواریاں۔ یہ قوانین بھی اٹل ہیں لیکن انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے۔ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی تو کر سکتا ہے لیکن ان کے نتائج کو بدل نہیں سکتا۔ یعنی اسے اس کا تو اختیار ہے کہ وہ سنکھیا کھا لے، لیکن اس کا اختیار نہیں کہ سنکھیا کھانے سے جو نتیجہ پیدا ہونا قانونِ خداوندی کی رو سے متعین ہے اُسے بدل دے۔ یا مثلاً اسے اس کا اختیار ہے کہ وہ ظلم کی روش اختیار کر لے۔ لیکن یہ اختیار نہیں کہ وہ ظلم کی روش کے نتیجہ کو بدل دے

لہٰذا، اس گوشے میں خدا کی قدرت یا اقتدار کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کا ہر قانون متعینہ نتیجہ پیدا کر کے رہتا ہے۔ اسے انسان بدل نہیں سکتا۔ انسان اپنے عمل میں تو آزاد اور با اختیار ہے لیکن اس عمل کے نتیجہ کو تبدیل کر دینے کا اسے اختیار نہیں۔ عمل کی آزادی اور اختیار، انسان کو اس کے ہر فیصلے کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اسی پر قانونِ مکافاتِ عمل کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ یعنی اسے اس کے کئے کا پھل ملتا ہے۔ خدا نے جب انسان کو اس کا اختیار دیا ہے تو وہ نہ اس اختیار کو سلب کرتا ہے، نہ انسانی اختیار کے دائرے میں دخل دیتا ہے۔ اگر وہ دخل دے تو انسان اپنے فیصلہ اور عمل کا ذمہ دار نہ رہے۔ اور اگر ذمہ دار نہ رہے تو پھر اس کی جزا اور سزا کیسی؟

ان تینوں گوشوں کو سامنے رکھ لیا جائے تو تقدیر اور مشیت کا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ ان گوشوں میں تفریق اور تمیز نہ کرنے سے ساری الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم "مایشاء" (جو وہ چاہتا ہے) کے معنی ہر جگہ ایک ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ مختلف گوشوں میں اس کا مفہوم مختلف ہوتا ہے۔ پھر سن لیجئے کہ کائنات میں ہر بات خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہوتی ہے۔ اور خدا نے انسان کو جس حد تک صاحبِ اختیار بنایا ہے، اس حد کے اندر، خدا انسانی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ البتہ انسان کا ہر عمل ــ حتیٰ کہ اس کے دل میں گزرنے والا خیال بھی ــ خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ ان نتائج کو بدلنے پر انسان کا اختیار نہیں۔ مشیت کے معنی ہیں خدا کے مقرر کردہ قوانین، اور تقدیر کے معنی ہیں وہ اندازہ یا پیمانہ جس کے مطابق کسی شے کو بنایا گیا ہے۔ اسی کو اس شے کے خواص کہا جائے گا۔ یا وہ حد جس تک وہ جا سکتی ہے۔ انسان کی قسمت یا تقدیر (عام عقیدہ کے مطابق) پہلے سے لکھی ہوئی نہیں۔ یہ اپنی تقدیر خود اپنے ہاتھوں سے لکھتا ہے۔ یعنی جس قسم کے اعمال اس سے سرزد ہوں، اسی قسم کا یہ بن جاتا ہے۔

تقدیر کے معنی اندازہ یا پیمانہ

(۱) چاند اور سورج سے دنوں اور مہینوں کا حساب رکھا جا سکتا ہے۔ یہ خدا کی مقرر کردہ تقدیر ہے ــ (۶:۹۷)

(۵ : ۱۰)ــ(۳۶ : ۳۸ــ۴۰)ــ(۴۱ : ۱۲)

(۲) رحمِ مادر میں جنین جن کیفیات سے گزرتا ہے اسے "مقدار" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی قوانینِ طبیعی ــ (۱۳ : ۸)

(۷۷ : ۲۰ــ۲۳)ــ(۸۰ : ۱۹ــ۲۰)

(۳) ہر شے کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے ایک اندازہ (تقدیر) مقرر کر دیا ——— (۲ : ۲۵)

(۴) خدا کا امر، دوسرے گوشے میں آکر، مقررہ پیمانوں میں محدود ہو گیا ——— (۳۹ : ۳۳)

(۵) زرہیں اندازے کے مطابق بناؤ ——— (۱۱ : ۳۴)

(۶) زمین کی چار فصلوں (موسموں) کا اندازہ مقرر کر دیا ——— (۱۰ : ۴۱)

(۷) سامانِ رزق کے پیدا ہونے کے اندازے مقرر ہیں ——— (۲۱ : ۱۵) ——— (۲۷ : ۴۲)

(۸) بارش اندازے کے مطابق نازل ہوتی ہے ——— (۱۸ : ۲۳) ——— (۱۱ : ۴۳)

(۹) ہر شے کو ایک پیمانے کے مطابق پیدا کیا ——— (۴۹ : ۵۴)

(۱۰) طوفانِ نوح کے وقت بارش کا پانی خدا کے مقرر کردہ پیمانے کے مطابق جمع ہو گیا۔ یعنی پانی کے لئے قانونِ فطرت یہ ہے کہ وہ نشیب کی طرف چلا آتا ہے اور آگے راستہ نہ ہو تو اس کی سطح اونچی ہوتی چلی جاتی ہے۔

(۱۲ : ۵۴)

(۱۱) رسول اللہ کے ایک مخالف نے غور کرنے کے بعد ایک اندازہ کیا۔ کیسا برا تھا اس کا اندازہ ——— (۲۰-۱۸ : ۷۴)

(۱۲) برتنوں کو پیمانے کے مطابق بنایا ہے ——— (۱۶ : ۷۶)

(۱۳) انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے پیمانے مقرر کر دیئے ——— (۲۰-۱۹ : ۸۰)

(۱۴) تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت ——— (۳-۲ : ۸۷)

(۱۵) طلاق وغیرہ کے متعلق معاشرتی قوانین کے بعد کہا کہ خدا نے ہر شے کے لئے قدر مقرر کر دی ہے۔ یہاں قدر کے معنی واضح طور پر قوانین ہیں ——— (۳ : ۶۵)

(۱۶) موت کے متعلق جو قانونِ طبیعی کے مطابق واقع ہوتی ہے، کہا کہ ہم نے اسے مقدر کر دیا ہے۔ یعنی اس کے لئے پیمانہ (قانون) مقرر کر دیا ہے ——— (۶۰ : ۵۶)

(۱۷) زمین کی مسافت ماپنے کے لئے جو اندازے (میل وغیرہ) ہوتے ہیں، اس کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔

(۱۸ : ۳۴)

(۱۸) مطلقہ عورتوں کے نان و نفقہ کے سلسلہ میں کہا کہ وسعت والا اپنی قدر (حیثیت) کے مطابق دے اور غریب اپنی قدر کے مطابق ——— (۲۳۶ : ۲)

(۱۹) فقدر علیہ رزقہ ——— (۱۶ : ۸۹)۔ رزق کا ناپ تول کر ملنا۔ تنگ ہو جانا۔

(۲۰) بارش ہوتی ہے تو ندی نالے، اپنی اپنی بساط (قدر) کے مطابق بھرجاتے ہیں ـــــ (۱۷ : ۱۳)
(۲۱) قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ یعنی اس سے دنیا کو نئی اقدار ملیں ـــــ (۹۷ : ۱-۴)
(۲۲) قادر کے معنی اندازہ مقرر کرنے والا ـــــ (۲۳ : ۷۷)

مشیّتِ خداوندی کا پہلا گوشہ

یہ وہ گوشہ ہے جس میں خدا، اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے اقتدارِ مطلق کی رُو سے اشیاء اور انسانوں کے لئے قوانین متعین کرتا ہے۔ اس گوشے میں کہا جائیگا کہ وہ "جو جی میں آتا ہے کرتا ہے"۔

(۱) اس نے سامانِ رزق کے پیدا ہونے کے پیمانے اپنی مشیت کے مطابق مقرر کئے ہیں ـــــ (۴۲ : ۲۷)
(۲) قوموں کا محو و ثبات خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس قانون کی اصل و بنیاد اُس کے پاس ہے ـــــ (۴۰-۳۹ : ۱۳) ـــ (۲۷ : ۱۴)
(۳) اس کے "امر" کی یہ کیفیت ہے کہ جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہی وجود میں آ جاتی ہے۔ (یعنی اس کا آغاز ہوجاتا ہے) ـــــ (۸۲ : ۳۶)
(۴) يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ـــــ (۱۸ : ۲۲)۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے قوانینِ مشیّت مرتب کرتا ہے۔
(۵) يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ـــــ (۱۴ : ۲۲) وہ اپنے اختیار و ارادہ کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ـــــ (۱۰۷ : ۱۱)
(۶) يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ـــــ (۱ : ۵)۔ وہ جیسے چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔
(۷) لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ـــــ (۲۳ : ۲۱)۔ اس سے نہیں پوچھا جا سکتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ باقی سب سے پوچھا جا سکتا ہے۔
(۸) يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ـــــ (۴۵ : ۲۴) ـــ (۶۸ : ۲۸)

مشیّتِ خداوندی کا دوسرا گوشہ

خارجی کائنات جس میں ہر چیز قانونِ خداوندی کے مطابق عمل کرتی ہے کسی کو اس کی خلاف ورزی کا

اختیار نہیں۔ اس گوشے میں "مایشاء" کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر بات خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے۔

(۱) خدا کا امر، کائنات میں آکر، مقررہ پیمانوں کے اندر آگیا۔ یعنی ہر شے اس قانون کے تابع آگئی جو اس کے لئے امرِ الٰہی نے مقرر کیا تھا ـــــ (۳۹ : ۳۳)

(۲) ہر ذی حیات خدا کے قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کے بال، اس قانون کے ہاتھ میں ہیں۔ (۱۱ : ۵۶)

(۳) خدا نے ہر شے کے لئے پیمانے (قوانین) مقرر کر دیئے ہیں ـــــ (۶۵ : ۳)

(۴) ان قوانینِ خداوندی (سنت اللہ) میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی ـــــ (۱۷ : ۷۷)ـــ(۳۳ : ۶۲)ـــ(۳۵ : ۴۳)ـــ(۴۸ : ۲۳)ـــ(۴۰ : ۴۵)

(۵) اسی حقیقت کو کبھی اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ "خدا نے اپنے اوپر اس بات کو لازم قرار دے لیا ہے کہ ....." اس کا مطلب یہی ہے کہ اس نے یہ قانون بنا دیا ہے اور وہ ہمیشہ اس قانون کی پابندی کرتا ہے۔

خدا نے یہ لازم قرار دے دیا ہے کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے ـــ (۵۸ : ۲۱)

خدا نے اپنے اوپر رحمت (سامانِ نشوونما کی بہم رسانی) کو فرض قرار دے لیا ہے ـــ (۶ : ۱۲ ؛ ۵۴)

مومنین کو ہر قسم کی تباہی سے محفوظ رکھنا خدا نے اپنے اوپر فرض قرار دے لیا ہے۔ (حقاً علینا ننجی المؤمنین ـــ (۱۰ : ۱۰۳)

مومنین کی مدد کرنا خدا نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھا ہے ـــ (۳۰ : ۴۷)

(۶) اسی کو کہیں "خدا کا وعدہ" کہا گیا ہے جس کی خلاف ورزی کبھی نہیں ہوتی۔

خدا کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے ـــ (۴ : ۱۲۲)ـــ(۱۰ : ۴)ـــ(۱۸ : ۹۸)

خدا کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا ـــ (۳ : ۸)ـــ(۳ : ۱۹۳)ـــ(۱۳ : ۳۱)ـــ(۳۹ : ۲۰)

(۷) یہی وہ قوانینِ خداوندی (قوانینِ فطرت) ہیں جن کی اطاعت تمام اشیائے فطرت کرتی ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو ان سے مجالِ سرتابی نہیں ـــ (۵۰-۴۹ : ۱۶)ـــ(۶ : ۶۶)

ہر شے اس کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوتے ہے ـــ (۱۶ : ۴۹)۔ ہر شے اس کے "امر" کی

زنجیروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے ــــ (۱۴ ــ ۱۲ : ۱۶)

(۸) اس گوشے میں کیف یشاء کے معنی ہوں گے کہ خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ایسا کرتا ہے یا جس طرح اس کے قانونِ مشیت کا تقاضا ہوتا ہے، ویسا ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ رحمِ مادر میں جنین کو صورت عطا کرتا ہے کیف یشاء ــــ (۵ : ۳)

(۹) خدا کی مشیت کے مطابق سمندر کی ہوائیں ساکن ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں مشیت سے مراد خدا کا قانونِ فطرت ہے ــــ (۳۳ : ۴۲)

(۱۰) زمین سے رزق مشیتِ خداوندی کے اندازے کے مطابق پیدا ہوتا ہے ــــ (۲۷ : ۴۲)

مشیتِ خداوندی کا تیسرا گوشہ

انسانی دنیا۔ اس میں انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس قسم کا جی چاہے کام کرے۔ لیکن اس کے ہر کام کا نتیجہ، خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ۔ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ــــ (۴۰ : ۴۱)۔ تم جو چاہو کرو۔ یہ تمہارے اختیار کی بات ہے لیکن تمہارے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوگا۔

(۱) جو فسق کی راہ اختیار کرے، اسے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی نہیں مل سکتی ــــ (۲۵ : ۲)

(۲) انسان کفر کی روش اختیار کرے تو سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے ــــ (۸۸ : ۲)

(۳) انسان اپنے لئے مصیبت خود لاتا ہے ــــ (۱۶۴ : ۳) ــــ (۶۲ : ۴)۔ یہ اس وقت آتی ہے جب انسان خدا کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے ــــ (۷۸ ــ ۷۹ : ۴) ــــ (۴۷ : ۲۸) ــــ (۳۶ : ۳۰) ــــ (۴۸ : ۴۲) ــــ (۳۰ : ۴۲)

(۴) انسان اپنے اعمال کی وجہ سے راہِ حق سے پھرتا ہے ــــ (۸۸ : ۴)۔ اور سعادتوں سے محروم رہتا ہے ــــ (۷۰ : ۶)

جو خدا کے قوانین سے روگردانی کرتا ہے اس پر تباہی آجاتی ہے ــــ (۱۵۸ : ۶)۔ اس پر رزق کی تنگی آجاتی ہے ــــ (۱۲۴ : ۲۰)

(۵) خدا کی طرف سے بصائر آگئے۔ جو دیکھ کر چلے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو آنکھیں بند رکھے گا وہ نقصان

اٹھائے گا ـــــ (۶ : ۱۰۵)ـــ(۱۰ : ۱۰۸)ـــ(۱۷ : ۱۵)ـــ(۳۵ : ۶۲)ـــ(۲۷ : ۹۲)ـــ(۳۹ : ۴۱)

(۶) بستیاں ظلم سے ہلاک ہوتی ہیں ــــ (۶ : ۱۳۲)

(۷) ہر ایک کے مدارج کا تعین اس کے اعمال کی رو سے ہوتا ہے ـــ (۶ : ۱۳۳)

(۸) خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں ـــ (۱۰ : ۴۴)ـــ(۱۶ : ۳۳)

(۹) کہہ دو کہ تمہارے اعمال تمہارے لئے اور میرے اعمال میرے لئے ـــ (۱۰ : ۴۱)

(۱۰) جب تک کوئی قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہیں کرتی خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا ـــ (۸ : ۵۳)ـ
(۱۳ : ۱۱)

(۱۱) قیامت میں شیطان کہے گا کہ تم لوگوں نے خود ہی میری دعوت کو قبول کیا تھا۔ اس لئے اپنے آپ کو الزام دو۔ مجھے کیوں الزام دیتے ہو ــــ (۱۴ : ۲۲)

(۱۲) لوگ رسولوں سے استہزا کرتے ہیں تو ان کی ذہنیت مجرمین جیسی ہو جاتی ہے ـــ (۱۵ : ۱۱ـــ۱۲)

(۱۳) انسان کو صاحبِ اختیار بنایا تاکہ اسے اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے ـــ (۱۶ : ۹۳)

(۱۴) اگر تم وہی کام پھر کرو گے تو ہم اسی قسم کا سلوک پھر کریں گے ـــ (۱۷ : ۸)

(۱۵) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ـــ (۱۷ : ۱۵)ـــ(۵۳ : ۳۸)

(۱۶) حق خدا کی طرف سے آ گیا۔ جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے ـــ (۱۸ : ۲۹)
(۵۷ : ۲۵)ـــ(۱۹ : ۷۳)

(۱۷) نہ آنکھیں بند رکھنے والوں کو سیدھا راستہ دکھایا جا سکتا ہے، نہ بہروں کو سنایا جا سکتا ہے۔ سنایا انہیں ہی جا سکتا ہے جو خدا کی صداقتوں پر ایمان لائیں ـــ (۲۷ : ۸۰ـــ۸۱)ـــ(۳۰ : ۵۲)

(۱۸) قیامت میں لیڈروں اور سرغنوں کا بیان کہ جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ہم نے اپنے متبعین کو گمراہ کیا تھا ـــ (۲۸ : ۶۳)ـــ(۲۹ـ۲۷ : ۵۰)

(۱۹) جو کوشش کرتا ہے ہم اسے اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں ـــ (۲۹ : ۶۹)

(۲۰) یہ تعلیم اس کے لئے ہے جو زندہ ہو ـــ (۳۶ : ۷۰)

(۲۱) قرآن نازل کرنے سے مطلب یہ ہے کہ لوگ اس میں غور و فکر کریں اور عقل و فکر سے کام لے کر سیدھا راستہ اختیار کریں ـــ (۳۸ : ۲۹)۔ جو ایسا نہیں کرتے ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں ـــ (۳۹ : ۲۱ـ۲۲)

(۲۲) خدا بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا ــــ (۷ : ۳۹)
(۲۳) جو اپنی خواہشات ہی کو اپنا خدا بنالے اور یوں اس پر جذبات غالب آجائیں تو اس کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔ خدا کے اس قانون کے علی الرغم ایسے شخص کو کون سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے ــــ (۲۳ : ۴۵)
(۲۴) لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں میں تالے پڑے ہوئے ہیں؟ ــــ (۲۴ : ۴۷)
(۲۵) انسان کے لئے صرف وہ ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے ــــ (۳۹ : ۵۳)
(۲۶) انسان کے اندر بننے اور بگڑنے کی۔ دونوں۔ صلاحیتیں موجود ہیں۔ جو جس قسم کی صلاحیت کو بروئے کار لائیگا، اسی قسم کا نتیجہ سامنے آجائیگا ــــ (۱۰-۷ : ۹۱)
(۲۷) ہر قوم کی مدتِ حیات خدا کے قانون کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ اسی قانون کے مطابق کسی قوم کا مٹ جانا اور کسی کا باقی رہنا طے پاتا ہے۔ اس قانون کی اصل و بنیاد خدا کے پاس ہے ــــ (۴۰-۳۹ : ۱۳)
(۲۸) قرآن ایک ضابطۂ ہدایت ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے ــــ (۱۲-۱۱ : ۸۰)

تقدیر کے عام تصوّر یا عقیدہ کی تردید۔ انسان کا صاحبِ اختیار و ارادہ ہونا

(۱) انسان اپنے لئے مصیبت آپ لاتا ہے ــــ (۱۶۴ : ۳)
(۲) مشرک کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے اسلاف۔ یہ ایسی غلط بات ہے جو پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے اور ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر عذاب آجایا کرتا تھا۔ یہ محض انسان کی خام خیالی ہے جبر کا عقیدہ علم پر مبنی نہیں۔ ــــ (۱۴۹ : ۶) ــ (۳۵ : ۱۶) ــ (۴۷ : ۳۶) ــ (۲۰ : ۴۳)
(۳) دل ان کے پھیرے جاتے ہیں جو خود اپنے دلوں کو پھیر لیتے ہیں۔ ــــ (۱۵۸ : ۶) ــ (۱۴۶ : ۷) ــ (۱۲۷ : ۹) ــ (۹ : ۵۱) ــ (۵ : ۶۱)
(۴) انسان کو صاحبِ اختیار بنایا تاکہ اس سے اس کے اعمال کی باز پرس ہو سکے ــ (۹۳ : ۱۶)
(۵) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم انہیں کیسے کھلائیں جن کا بھوکا رہنا خدا کی مشیت میں ہے۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے ــــ (۴۷ : ۳۶)
(۶) قرآن اس لئے نازل کیا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ اگر خدا مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی متقیوں میں سے ہو

جاتا — (۵۷ : ۳۹) یعنی خدا کا ہدایت دینا، کتاب نازل کر دینا ہے۔ اس کے بعد اُسے ماننا یا نہ ماننا انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے۔

(۷) ہم نے انسان کو ذرائع علم دیئے۔ پھر صحیح راستہ دکھا دیا۔ اب اس کا جی چاہے تو اسے اختیار کرلے اور جی چاہے تو اس سے انکار کر دے۔ وہ جونسی روش اختیار کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سامنے آجائے گا۔ (۵ — ۲ : ۷۶)

(۸) انسان کو آنکھیں دیں اور دونوں راستے دکھا دیئے — (۱۱—۹ : ۹۰)

(۹) بارش ہر جگہ یکساں ہوتی ہے۔ اچھی زمین سے نہایت عمدہ پیداوار ہوتی ہے۔ خراب زمین سے کچھ نہیں پیدا ہوتا — (۵۸—۵۷ : ۷)۔ سورج کی روشنی ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔ اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ خدا کی ہدایت قرآن میں موجود ہے۔ اس سے ہر شخص اپنی اپنی سعی و کاوش کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(۱۰) منافقین نے خدا کے قوانین کو بھلا دیا۔ خدا نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا — (۶۷ : ۹)

(۱۱) اگر خدا چاہتا تو تمام لوگ ایمان والے ہوتے۔ لیکن خدا نے انہیں مجبور پیدا نہیں کیا۔ تو اے رسول! کیا تو انہیں مجبور کر کے مومن بنانا چاہتا ہے۔ یہ مشیت کے پروگرام کے خلاف ہے۔ یہ اپنی عقل و فکر سے بطیبِ خاطر ایمان لائیں تو وہ ایمان ہوگا — (۹۹ : ۱۰) — (۱۱۹—۱۱۸ : ۱۱)

(۱۲) انسان کو صاحبِ اختیار بنایا اور کھلا میدان دے دیا کہ جس کا جی چاہے آگے بڑھ جائے۔ جس کا جی چاہے پیچھے رہ جائے۔ انسان پر اس کے اپنے اعمال کے سوا کوئی بندھن نہیں — (۳۸—۳۷ : ۷۴)

(۱۳) تم میرا عہد پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کروں گا — (۴۰ : ۲)۔ تم میرے قوانین کو سامنے رکھو، میں تمہارا شرف و عظمت زیادہ کروں گا — (۱۵۲ : ۲)۔ اس سے ظاہر ہے کہ پہلا قدم انسان کی طرف سے اٹھتا ہے۔ جس سمت کو وہ قدم اٹھائے، اسی قسم کی منزل تک وہ پہنچ جاتا ہے جس قسم کا وہ خود بن جائے اسی قسم کا خدا کا قانون اس پر منطبق ہو جاتا ہے۔

(۱۴) پہلے کہا کہ طالوت کو اقتدار اس لئے دیا گیا کہ وہ جسم اور علم دونوں میں بڑی استعداد رکھتا تھا۔ اس کے بعد کہا کہ واللہ یؤتی ملکہ من یشاء۔ اس سے من یشاء کا مفہوم واضح ہے۔ یعنی جو اقتدار لینا چاہے وہ اپنے اندر وہ خصوصیات پیدا کرلے — (۲۴۷ : ۲)

(۱۵) آدمؑ سے لغزش ہوئی۔ اور جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ـــ (۷ : ۲۳) "ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی" یعنی اس نے اپنی خطا کا ذمہ دار اپنے آپ کو ٹھہرایا تو اس کے لئے بازآفرینی کے دروازے کھل گئے۔

ابلیس نے معصیت کی۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ "اے میرے رب! تو نے مجھے گمراہ کر کے سعادتوں سے محروم کر دیا ہے۔" یعنی اس نے اپنے آپ کو مجبور بتایا۔ اس سے وہ ہمیشہ کے لئے سعادت سے محروم ہو گیا ـــ (۱۵ : ۳۹)

اس سے جبر و قدر کا مسئلہ حل ہو گیا۔

(۱۶) اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ. اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ـــ (۴۱ : ۴۰)۔ تم جو کرنا چاہو کرو۔ اس پر تمہیں اختیار ہے۔ لیکن تمہارے ہر کام کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوگا۔ اس کے بدلنے پر تمہیں اختیار نہیں ـــ

(۱۷) اگر تم خدا کی مدد کرو گے (یعنی اس کے قانون کے مطابق معاشرہ قائم کرو گے) تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثبات عطا کریگا ـــ (۴۷ : ۷)

(۱۸) اس باب میں سورۃ والنجم کی وہ آیات قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ انسان کو وہی کچھ مل سکتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ انسانی سعی و کاوش اور انفرادی ذمہ واری کا اصولِ محکم ـــ (۵۳ : ۳۸ـ۳۹)

بظاہر جبر کا پہلو

جب ان تین گوشوں کا فرق نگاہوں کے سامنے نہ رہے تو بعض آیاتِ قرآنی سے ایسا مترشح ہونے لگتا ہے گویا انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ اور سب کچھ خدا ہی کرتا ہے۔ لیکن جب ان گوشوں کا تصور سامنے آجائے تو پھر یہ الجھنیں باقی نہیں رہتیں۔

۱۔ دلوں پر مہریں لگ جانا

(۱) جو لوگ یہ فیصلہ کر لیں کہ ہم نے کوئی بات ماننی ہی نہیں، ہر بات کا انکار ہی کئے جانا ہے، تو ان کی اس روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ اسے خدا کے قانونِ مشیت

کی رو سے، دلوں پر مہریں لگ جانا کہتے ہیں۔ جب تک وہ اس روش پر قائم رہیں گے اور اپنی ذہنیت نہیں بدلیں گے، انہیں کوئی تنذیر فائدہ نہیں دے سکے گی ——— (۲ : ۶—۷)

(۲) یہ انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے ——— (۴ : ۱۵۵)۔ اس سے دل سخت ہو جاتے ہیں ———
(۵ : ۱۳)—(۳۹ : ۲۲)

(۳) پہلے مشرکین اور مکذبین کی حرکتوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ہے کہ یہ تمہاری محفل میں آتے ہیں تو یوں نظر آتا ہے جیسے تمہاری باتیں بڑی توجہ سے سن رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا دل کہیں اور ہوتا ہے۔ (یہ بات قرآن کے متعدد مقامات میں آئی ہے) اس طرح قانونِ خداوندی کی رو سے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگ جاتے ہیں اور دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں ——— (۶ : ۲۴—۲۵)—(۱۰ : ۴۲—۴۴)

(۴) لوگوں کے جرائم کی وجہ سے دلوں پر مہریں لگتی ہیں ——— (۷ : ۱۰۰)—(۲۶ : ۲۰۰)

(۵) منافقت سے دل پر مہر لگ جاتی ہے ——— (۹ : ۸۷)—(۶۳ : ۳)

(۶) جس بات سے ایک دفعہ انکار کر دی، اس پر اڑ گئے۔ یوں دلوں پر مہریں لگتی ہیں ——— (۱۰ : ۷۴)

(۷) زندگی کو محض طبیعی زندگی سمجھنے والوں کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ——— (۱۶ : ۱۰۷—۱۰۸)—(۱۷ : ۴۵—۴۶)

(۸) آیاتِ خداوندی سے اعراض برتنے اور اپنے اعمال کے نتائج کی طرف سے لاپرواہ ہو جانے سے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ——— (۱۸ : ۵۷)

(۹) علم سے کام نہ لینے والوں کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ——— (۳۰ : ۵۹)

(۱۰) متکبر و جبار کے قلب پر مہریں لگتی ہیں ——— (۴۰ : ۳۵)

(۱۱) ان (مخالفین) کا اعتراف ہے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوتے ہیں۔ اور تمہارے اور ہمارے درمیان پردہ حائل ہے ——— (۴۱ : ۴—۵)

(۱۲) جس پر اس کے جذبات غالب آجائیں، باوجود علم رکھنے کے اس کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے ——— (۴۵ : ۲۳)

(۱۳) جن کی کیفیت یہ ہو کہ وہ بظاہر کان تمہاری طرف لگائے ہوں لیکن دھیان کہیں اور ہو تو ایسے لوگوں کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔ ان کے دلوں پر جذبات سے مغلوب ہونے کی وجہ سے، مہریں لگ جاتی ہیں ——— (۴۷ : ۱۷)

(۱۴) جو لوگ فساد انگیزی شروع کر دیں تو ان کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ لگ جاتے ہیں ۔۔۔ (۲۳-۲۲ : ۴۷)

(۱۵) یہ قرآن پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوتے ہیں! ۔۔۔ (۲۴ : ۴۷)

(۱۶) دل اُن کے ٹیڑھے ہوتے ہیں جو انہیں خود ٹیڑھا کرتے ہیں ۔۔۔ (۵ : ۶۱)

(۱۷) قلوب پر زنگ انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے لگتا ہے ۔۔۔ (۱۴ : ۸۳)

۲۔ منافقت سے انسان ایک نفسیاتی مرض کا شکار ہو جاتا ہے اور جوں جوں وہ منافقت میں آگے بڑھتا ہے، خدا کے قانونِ مشیت کی رو سے، یہ مرض زیادہ ہوتا جاتا ہے ۔۔۔ (۱۰ : ۲)۔۔(۸۷ : ۹)۔ جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے ان کے شکوک و اضطراب بڑھتے جاتے ہیں ۔۔۔ (۱۲۵ : ۹)

۳۔ خدا کے اِذن کے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا ۔۔ (۱۰۲ : ۲) اِذن کے معنی خدا کا قانونِ مشیت ہے۔ دیکھئے عنوان "اذن"۔ مصیبت تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کہا کہ یہ خدا کے اِذن سے آتی ہے ۔۔۔ (۱۶۵ : ۳)

بات واضح ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کا نتیجہ خدا کے قانون کے مطابق نکلتا ہے ۔۔۔ (۶۲ : ۴)

اگر تم خدا کے قانون کے مطابق چلو گے تو نتیجہ ہمیشہ خوشگوار ہوگا۔ اگر اس کے خلاف چلو گے تو نقصان ہوگا۔ یعنی مصیبت اس وقت آتی ہے جب تم اپنی من مانی کرتے ہو ۔۔۔ (۷۹-۷۸ : ۴)، یہ دونوں نتیجے خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہا کہ "سب خدا کی طرف سے ہوتا ہے"۔

مصیبت قوموں کے اپنے جرائم کی وجہ سے آتی ہے ۔۔۔ (۱۰۰ : ۷)۔۔(۷۰ : ۹)

ہر واقعہ (یا مصیبت) قانونِ خداوندی کے مطابق (ما کتب اللہ لنا) نمودار ہوتی ہے ۔۔۔ (۵۱ : ۹)

خدا کے اذن کے بغیر کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔ اور وہ اذن (قانون) یہ ہے کہ جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتا۔ اس پر بات مشتبہ رہ جاتی ہے ۔۔۔ (۱۰۰ : ۱۰)

نحوست (بُرے دن) قانونِ خداوندی کے مطابق آتے ہیں ۔۔۔ (۴۷ : ۲۷)۔ یعنی انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

۴۔ موت۔ خدا کے اذن (قانونِ طبیعی) کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ زندگی کی میعاد اسی قانون کے مطابق گھٹتی یا بڑھتی ہے ۔۔۔ (۱۴۴ : ۳)

موت اور حیات خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق ہوتی ہے ـــ (۳ : ۱۵۵) تم کہیں بھی چلے جاؤ، اس قانون کے احاطے سے باہر نہیں جا سکتے ـــ (۴ : ۷۸)

موت کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں۔ (یعنی قانونِ فطرت) ـــ (۵۶ : ۶۰)

۵۔ کتب علیہم، کے معنی یہ نہیں کہ ان کے لئے پہلے سے یہ بات لکھ دی گئی تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے لئے ایسا کرنا فرض قرار دے دیا گیا تھا۔ مثلاً جماعتِ مومنین پر قتال فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ایسا کرتے ہیں ـــ (۳ : ۱۵۳)

"ماکتب اللہ لنا" قانونِ خداوندی کے مطابق ـــ (۹ : ۵۱)

یہ لکھ دیا گیا ہے (قانون بنا دیا گیا ہے) کہ جو شیطان کو دوست بناتا ہے وہ اسے گمراہ کر دیتا ہے ـــ (۲۲ : ۴)

۶۔ ہدایت اور گمراہی

(۱) انسان اپنے اعمال کی وجہ سے حق کی راہ سے پھرتا ہے۔ چونکہ یہ نتیجہ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق مرتب ہوتا ہے اس لئے اسے خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے ـــ (۴ : ۸۸)ـــ(۴ : ۱۴۳)

(۲) لوگ اندھے اور بہرے اپنے اعمال کی وجہ سے ہو جاتے ہیں ـــ (۵ : ۷۱)

جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے وہ بدترین مخلوق ہیں۔ جو عقل و فکر سے کام لے کر توجہ کریں، ان کی سمجھ میں بات آجاتی ہے۔ لیکن اگر کسی پر یونہی بات ٹھونس دی جائے تو اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا ـــ (۸ : ۲۲ـــ۲۳)

(۳) جو لوگ عقل و فکر سے کام لے کر صداقتوں کو تسلیم نہیں کرتے ان پر حقائق واضح نہیں ہو سکتے اور یوں خدا کے قانون کے مطابق ان کے سینے میں کشاد نہیں پیدا ہو سکتی ـــ (۶ : ۱۲۶ـــ۱۲۷)ـــ(۱۰ : ۱۰۰)ـــ(۳۹ : ۲۱ـــ۲۲)

(۴) جو لوگ اپنے سرکش جذبات کے تابع چلتے ہیں، ان پر، خدا کے قانون کے مطابق گمراہی مسلط ہو جاتی ہے ـــ (۷ : ۳۰)

(۵) آیاتِ خداوندی سے وہ لوگ پھیرے جاتے ہیں جو (i) حق کے بغیر سرکشی اختیار کرتے ہیں (ii) صداقت کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے۔ (iii) سیدھا راستہ نظر آجانے کے بعد بھی اسے

اختیار نہیں کرتے۔ اور (۷) غلط راستے کو جان بوجھ کر اختیار کرتے ہیں ــــ (۷ : ۱۴۶)

(۶) تکذیب آیات۔ اور ملکوت السمٰوٰت والارض پر غور و فکر نہ کرنے سے ایمان کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو کون راہِ راست پر لا سکتا ہے؟ ــــ (۱۸۶ــ۱۸۲ : ۷)

(۷) لوگوں پر سیدھی راہ واضح کر دی جاتی ہے۔ پھر جو اس راہ کو اختیار نہیں کرتا تو اس پر کشاد کے دروازے نہیں کھلتے ــــ (۹ : ۱۱۵)

(۸) دل ان کے پھیرے جاتے ہیں جو خود اپنے دل کو پھیر لیتے ہیں۔ یعنی جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ــــ (۹ : ۱۲۷) ــــ (۶۱ : ۵)

(۹) خدا نے جو قانون مقرر کر دیا ہے (کہ ایمان کس طرح لایا جا سکتا ہے) جو اس کے مطابق روش اختیار نہیں کرتا وہ ایمان نہیں لا سکتا۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ ایمان وہی لا سکتا ہے جو عقل و فکر سے کام لے ــــ (۱۰ : ۹۹ ; ۱۰۰)

(۱۰) شرک کرنے والوں پر ہدایت کی راہ کشادہ نہیں ہوتی۔ یہ خدا کا قانون ہے۔ ایسے لوگوں کو کون ہدایت دے سکتا ہے (جو اپنی آنکھیں بند کر لے اسے روشنی کون دکھا سکتا ہے) ــــ (۱۳ : ۳۳)

(۱۱) جو ایمان نہیں لاتا خدا اسے (جبراً) سیدھے راستے پر نہیں چلاتا ــــ (۱۶ : ۱۰۴)

(۱۲) ہدایت اسے ہی مل سکتی ہے جسے خدا کے قانون کے مطابق ہدایت ملے۔ اس کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ (۱۷ : ۹۷)

(۱۳) پہلے کہا کہ جس کا دل ہم نے ذکر سے غافل کر دیا۔ اس کے بعد ہے جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے انکار کر دے ــــ (۱۸ : ۲۸ــ۲۹)

(۱۴) گمراہ شیطان کرتا ہے ــــ (۴ : ۲۲)۔ یعنی انسان کے اپنے سرکش جذبات۔

(۱۵) گمراہی اپنے غلط جذبات کے اتباع سے ہوتی ہے۔ یہی خدا کا قانون ہے۔ جو اس طرح قانونِ خداوندی کے مطابق گمراہ ہو جائے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے ــــ (۳۰ : ۲۹)

(۱۶) قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جو عقل و فکر سے کام نہ لے اسے ہدایت نہیں مل سکتی۔ جس پر یہ قانون منطبق ہو جائے وہ سیدھے راستے پر کیسے آ سکتا ہے۔ اس کے لئے برابر ہے چاہے اسے اس کے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا جائے یا نہ کیا جائے ــــ (۳۶ : ۷ــ۱۱)

(۱۷) مشرک کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر اسے جو خود جہنم میں پہنچنے والا ہو ——— (۱۶۳ : ۳۷)

(۱۸) پہلے کہا کہ انسان کے حسنِ عمل کا نتیجہ خوشگواریاں ہیں۔ پھر کہا کہ جسے خدا کے قانون کے مطابق سیدھا راستہ مل جائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جو اس کے مطابق راہ گم کر دے اسے کوئی سیدھی راہ دکھا نہیں سکتا ——— (۳۶—۳۷ : ۳۹)

(۱۹) پہلے کہا کہ "جسے خدا گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے"۔ اس کے بعد کہا کہ اللہ اسے ہی گمراہی میں چھوڑتا ہے جو مسرف و کذاب ہو۔ قوانینِ خداوندی سے ناحق جھگڑا کرے۔ اس طرح ہر متکبر و جبار کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ (یہ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر ہے)۔ اس سے واضح ہے کہ جب خدا گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس سے مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ انسان کی اپنی روش کا وہ نتیجہ ہے جو خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے مرتب ہوتا ہے ——— (۳۵—۳۳ : ۴۰)

(۲۰) ہدایت اسے ملتی ہے جو اس کی طرف رجوع کرے ——— (۲۸ : ۱۳) —— (۱۳ : ۴۲)

(۲۱) جس پر جذبات غالب آجائیں اور یوں اس کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو جائیں تو ایسے شخص کو کون سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے ——— (۲۳ : ۴۵)

(۲۲) جن پر جذبات غالب ہیں وہ صحیح راستہ نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن جو لوگ عقل و فکر سے کام لے کر ہدایت اختیار کر لیں تو جوں جوں وہ آگے بڑھتے ہیں، ان کے سامنے زندگی کی راہیں اور کشادہ ہوتی جاتی ہیں ———

(۱۷ : ۴۷)

(۲۳) صحیح راستہ سامنے آجانے کے بعد بھی جن لوگوں پر جذبات غالب آجائیں وہ اس سے پھر جاتے ہیں ———

(۲۵ : ۴۷)

(۲۴) قرآن پر غور نہ کرنے سے دلوں پر تالے پڑ جاتے ہیں ——— (۲۴ : ۴۷)

(۲۵) قرآن ایک نصیحت کی کتاب ہے۔ سو جس کا جی چاہے صحیح راستہ اختیار کر لے ——— (۱۹ : ۷۳)

(۲۶) "جو لوگ تکذیبِ آیات کرتے ہیں وہ گونگے بہرے بن کر تاریکیوں میں رہتے ہیں"۔ اس کے بعد کہا کہ مَنْ يَّشَإِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۚ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ——— (۶ : ۳۹)۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ ہدایت اور ضلالت قانونِ خداوندی کے مطابق ملتی ہے۔ جو جونسا راستہ اختیار کرنا چاہے کر لے۔

(۲۷) کفار کا اعتراض کہ اگر خدا ہمیں ہدایت دینا چاہتا تو فرشتے کیوں نہ بھیجدیتا۔ اسکی تردید ۔۔۔ (۱۴: ۱۴)

۷۔ نفع۔ نقصان

(۱) رسول اللہ کی زبانی کہلایا گیا کہ اگر میں بھی قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کردوں تو مجھے عذابِ عظیم مل جائیگا۔ اس کے بعد ہے کہ اگر اللہ تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی اسے ہٹا نہیں سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جو نقصان تجھے قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی سے پہنچے، دنیا کی کوئی طاقت اس سے بچا نہیں سکتی۔ خدا کا قانون سب پر غالب ہوتا ہے ۔۔۔ (۱۸ – ۱۵ : ۶)

(۲) اگر تم نے قوانینِ خداوندی کے مطابق اپنے آپ کو عذابِ خداوندی کا مستحق بنالیا تو پھر کسی پیغمبر کی نصیحت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکے گی ۔۔۔ (۳۴ : ۱۱)

(۳) خدا کے قانون (اذن) کے خلاف کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا ۔۔۔ (۱۰ : ۵۸)

۸۔ مجرمین

لوگ خدا کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو تاریکی میں رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ جرائم پر اُتر آتے ہیں اور نظامِ خداوندی کے خلاف سازشیں اور تدبیریں کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا وبال خود ان کے اپنے اوپر ہی پڑتا ہے ۔۔۔ (۱۲۴–۱۲۳ : ۶)

۹۔ مصائب

جو واقعہ بھی نمودار ہو ۔۔ خارجی کائنات میں یا انسانی دنیا میں ۔۔ اس کے لئے ایک قانون مقرر ہوتا ہے۔ (فی کتاب)۔ یہ قانون، واقعات وحوادث کے نمودار ہونے سے پہلے ہی متعین کر دیا گیا ہے مقصد اس سے یہ ہے کہ اگر کوئی نقصان رساں واقعہ ہو جائے تو تم اس کے اسباب وعلل پر غور کرو۔ یہ سمجھ کر مایوس نہ ہو جاؤ کہ ہم بےبس اور مجبور ہیں۔ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں! نہ ہی ایسا ہو کہ جب کوئی اچھی بات ظہور میں آئے تو تم اس پر اتراتے پھرو کہ میں خدا کا منظورِ نظر ہوں۔ مجھے اس لئے یہ کچھ مل گیا۔ یہ سب قانونِ خداوندی کے مطابق ملتا ہے۔ جو بھی اسے لینا چاہے، لے سکتا ہے۔ اس میں تمہاری یا کسی اور کی کوئی خصوصیت نہیں ۔۔۔ (۲۳–۲۲ : ۵۷)

ہر مصیبت (یا واقعہ) خدا کے اذن (قانون کے مطابق) رونما ہوتا ہے۔ جو اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے اس کے دل کو اس کی راہ نمائی مل جاتی ہے کہ فلاں بات کیوں ہوئی ہے اور مجھے اب کیا

کرنا چاہیئے　(۱۱ : ۶۴)

جو ہمارے قوانین سے روگردانی کر لیتا ہے، اس پر تباہی آجاتی ہے　(۶ : ۱۵۸)

من یشاء

"من یشاء" قرآن کریم میں اکثر و بیشتر مقامات میں آیا ہے۔ ان مقامات کا صحیح مفہوم سامنے نہ ہونے سے انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ انسان مجبور محض ہے۔ کرتا سب کچھ خدا ہی ہے۔ پھر خدا بھی جو کچھ کرتا ہے کسی قاعدے اور قانون کے مطابق نہیں کرتا بلکہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس مفہوم سے قرآنِ کریم کی تعلیم کی ساری عمارت نیچے آگرتی ہے۔ لہٰذا، ان آیات کا صحیح مفہوم واضح ہونا ضروری ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے .... ولکن اللہ یھدی من یشاء ــ(۲۸ : ۵۶) اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے "اللہ جسے چاہے اُسے ہدایت دیتا ہے"۔ یعنی صحیح راستے پر وہی چل سکتا ہے جس کے متعلق خدا چاہے کہ وہ صحیح راستے پر چلے۔ اگر کوئی شخص غلط راستے پر چلتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا چاہتا ہی نہیں کہ وہ صحیح راستے پر چلے۔ لیکن قرآن کریم میں متعدد مقامات میں اس قسم کی آیات موجود ہیں کہ قل الحق من ربکم۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر ــ(۱۸ : ۲۹) حق تمہارے رب کی طرف سے آگیا۔ سو جس کا جی چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔ اس اس آیت کی روشنی میں آیت (۲۸ : ۵۶) کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ اُس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اسے ہدایت دیتا ہے جو خود ہدایت لینا چاہے۔ (من یشاء .... جو شخص چاہے وہ ہدایت حاصل کر سکتا ہے)۔ اس کے لئے خدا ہی نے ایک قانون مقرر کر رکھا ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ انسان اپنی عقل و فکر سے کام لے کر قرآنِ کریم پر غور و فکر کرے۔ اس قسم کی آیات میں من یشاء کا فاعل انسان ہے۔

جو آیات ایسی ہیں جن میں فاعل خدا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا کے قانون کا تقاضا یہ ہے۔ یہ قانون اُن تینوں گوشوں میں سے (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے)، جس گوشے سے متعلق ہو گا اس کے مطابق اس کے معنی لئے جائینگے۔ ان تصریحات کی روشنی میں ان آیات کا مفہوم متعین ہو گا جن میں من یشاء یا اس قسم کے اور الفاظ آئے ہیں۔

(۱) وحی خدا کی مشیت سے ملتی ہے۔ اس میں انسان کے کسب و ہنر کو دخل نہیں ــ(۲ : ۹۰)ــ(۲ : ۱۰۵)

(۲) الحکمۃ مشیت کے مطابق ملتی ہے — (۲۶۹ : ۲)۔ اگر الحکمۃ سے مراد وحی خداوندی ہے تو اس میں انسان کی سعی و کاوش کا دخل نہیں ہوتا۔ اگر اس سے مراد عام بصیرت ہے تو اسے جو شخص چاہے حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) نبوت کو خدا کا فضل اور رحمت کہا گیا ہے۔ وہ اس کی مشیت سے ملتی تھی — (۳ : ۷۳-۷۴) — (۳ : ۱۷۸) — (۱۴ : ۱۱) — (۱۶ : ۲) — (۴۰ : ۱۵) — (۴ : ۶۲)

ہدایت و گمراہی

(۱) جو ہدایت لینا چاہتا ہے، اللہ اسے ہدایت دے دیتا ہے۔ اس میں جھگڑے کی کوئی بات نہیں — (۲ : ۱۴۲)

(۲) خدا قرآنی روشنی سے راستہ دکھاتا ہے اُسے جو ہدایت لینا چاہے — (۲۴ : ۳۵) — (۲۴ : ۴۶)

(۳) انبیاء کو اس لئے بھیجا گیا کہ جو ہدایت حاصل کرنا چاہے اسے ہدایت مل سکے — (۲ : ۲۱۳) — (۶ : ۸۹) — (۱۴ : ۴) — (۲۴ : ۴۶) — (۳۹ : ۲۳) — (۴۲ : ۳-۴)

(۴) رسول اللہ سے کہا کہ آپ جسے چاہیں اسے راہِ راست پر نہیں لا سکتے۔ جو شخص خود صحیح راستے پر آنا چاہے اسے یہ راستہ مل سکتا ہے — (۲ : ۲۷۲) — (۲۸ : ۵۶) — (۳۵ : ۸)

(۵) تکذیبِ آیات سے لوگ گونگے بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہدایت نہیں مل سکتی۔ یہ اسی کو مل سکتی ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے — (۳۹ : ۶)

(۶) خدا، دارالسلام کی طرف دعوت دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے اس کا راستہ دکھا دیتا ہے — (۲۵ : ۱۰)

(۷) جو گمراہ رہنا چاہتا ہے وہ گمراہ رہتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت مل جاتی ہے — (۱۳ : ۲۷) — (۴۲ : ۱۳)

(۸) خدا نے انسان کو مجبور پیدا نہیں کیا۔ صاحبِ اختیار پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے لئے صحیح یا غلط راستہ اختیار کر لے — (۲ : ۲۵۶) — (۱۶ : ۹۳) — (۱۸ : ۲۹) — (۲۵ : ۵۷) — (۴۲ : ۸) — (۶۳ : ۱۹) — (۷۶ : ۳) — (۷۸ : ۳۹) — (۸۰ : ۱۱-۱۲) — (۹۰ : ۱۰)

(۹) جو سننا چاہے وہی سن سکتا ہے۔ مردہ کیا سنے گا — (۳۵ : ۲۲-۲۳)

(۱۰) ہدایت اور ضلالت قرآن پر غور کرنے سے اور نہ کرنے سے ملتی ہے — (۳۱ : ۷)

(۱۱) جس کا بُرا کام اسے اچھا بن کر دکھائی دے، وہ راہِ راست پر کیسے آ سکتا ہے۔ سیدھی راہ اسے ملتی ہے

جو اس ذہنیت کو بدل لے ــــ (۸ : ۳۵)

(۱۲) جو سننا چاہے اسی کو سنایا جا سکتا ہے ــــ (۲۲ــ۱۹ : ۳۵)

(۱۳) جو شخص چاہے اپنے رب کی پناہ میں آ سکتا ہے ــــ (۳۹ : ۷۸)

(۱۴) خدا اس کی طرف رجوع کرتا ہے جو چاہتا ہے کہ وہ اس کی طرف رجوع کرے ــــ (۲۷ : ۹)

(۱۵) ہدایت خدا کی رحمت ہے۔ جو چاہے وہ اسے حاصل کر سکتا ہے ــــ (۳۱ : ۷۶)

(۱۶) خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہدایت اور گمراہی ملتی ہے ــــ (۱۵۵ : ۷)

رزق

(۱) جو رزق حاصل کرنا چاہتا ہے، اُسے اللہ بغیر حساب رزق دیتا ہے۔ یعنی اس کے اپنے اندازے سے بھی زیادہ ــــ (۲۱۱ : ۲)ــ(۲۶ : ۳)ــ(۳۸ : ۲۴)ــ(۱۹ : ۲۴)

(۲) حضرت مریمؑ کو ہیکل میں جو کچھ لوگ دے جاتے تھے، اس سلسلہ میں یہی کہا ــــ (۳۶ : ۳)

(۳) رزق کی بسط و کشاد خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے ــــ (۲۶ : ۱۳)۔ جو اس کے قوانین سے اعراض برتتا ہے اس کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے ــــ (۲۶ : ۱۳)ــ(۳۰ : ۱۷)ــ (۲۰ : ۱۲۴)ــ(۲۸ : ۸۲)ــ(۲۹ : ۶۲)ــ(۳۰ : ۳۷)ــ(۳۴ : ۳۶)ــ(۳۹ : ۳۴)ــ (۳۹ : ۵۳)ــ(۴۲ : ۱۲)

(۴) جو کچھ فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے اس کے بدلے میں کئی گنا ملتا ہے۔ جو لینا چاہے لے لے ــــ (۲۶۱ : ۲)

(۵) اگر بستیوں والے ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے ــــ (۹۶ : ۷)

تزکیہ نفس

(۱) یونہی اپنے آپ کو مزکی نہ کہو۔ تزکیہ نفس (انسانی ذات کی نشوونما) اس کی ہوتی ہے جو خدا کے قوانین کے مطابق ایسا چاہے ــــ (۴۹ : ۴)ــ(۲۱ : ۲۴)

اقتدار و حکومت

(۱) پہلے کہا کہ حضرت طالوت کو ان کی جسمانی اور علمی قوت کی بنا پر اقتدار دیا۔ اور اس کے بعد ہے کہ واللہ یؤتی ملکہٗ من یشاء ــــ (۲۴۷ : ۲) یہاں سے واضح ہے کہ جو انسان اپنے اندر یہ خصوصیات

پیدا کرلے۔ اسے قانونِ خداوندی کے مطابق اقتدار مل سکتا ہے۔

(۲) ملک اللہ کا ہے۔ جو اسے لینا چاہے وہ اپنے قانون کے مطابق اسے دیدیتا ہے ۔۔۔ (۷ : ۱۲۸) وہ قانون یہ ہے کہ اس کے لئے صلاحیت پیدا کرو ۔۔۔ (۲۱ : ۱۰۵)

عذاب و مغفرت۔ جنّت

(۱) تباہی سے حفاظت یا بربادی، انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جو جیسا چاہے ویسا ہی کچھ اُسے مل جائے گا ۔۔۔ (۲ : ۲۸۴) — (۳ : ۱۲۸) — (۵ : ۱۸) — (۵ : ۴۰) — (۴۸ : ۱۴) — (۲۹ : ۲۱)

(۲) جنت خدا کا فضل ہے۔ جو اسے لینا چاہے اسے مل سکتی ہے ۔۔۔ (۵۷ : ۲۱)

(۳) مصیبت اور راحت، حتیٰ کہ حوادثِ ارضی وسماوی سے تباہی، اس کے قانون کے مطابق ملتی ہے۔ جو لینا چاہے اسے مل جاتی ہے ۔۔۔ (۱۰ : ۱۰۷) — (۱۳ : ۱۳) — (۲۴ : ۴۳) — (۳۰ : ۴۸)

(۴) "شفاعت" کی اجازت خدا کی مشیت سے ملتی ہے ۔۔۔ (۵۳ : ۲۶)۔ [اس کے لئے عنوان شفاعت دیکھئے]

(۵) شرک کی تباہی سے حفاظت نہیں ملسکتی۔ اس کے علاوہ، جو چاہے کہ اسے مغفرت مل جائے وہ اُسے حاصل کرسکتا ہے ۔۔۔ (۴ : ۴۸)

تائید و نصرتِ خداوندی

(۱) جو خدا کی تائید و نصرت چاہے وہ اس کے لئے قانونِ خداوندی کے مطابق کوشش کرے ۔۔۔

(۳ : ۱۲) — (۳۰ : ۵)

(۲) جو چاہے کہ خدا اس کی طرف رجوع کرے، وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے ۔۔۔ (۹ : ۱۵ ; ۲۷)

(۳) فتح و نصرت خدا کی رحمت ہے۔ جو چاہے اس میں داخل ہوجائے ۔۔۔ (۴۸ : ۲۵)

مومنین کی خصوصیات

جو حاصل کرنا چاہے اسے مل سکتی ہیں ۔۔۔ (۵ : ۵۴) — (۵۷ : ۲۹)

اولاد

خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق ملتی ہے ۔۔۔ (۴۲ : ۴۹—۵۰)

متفرقات نفخ صور کے وقت، وہ خوف سے بچے گا جس نے اپنے آپ کو قانونِ مشیت کیمطابق

رکھا ہوگا۔ (اِلَّا مَنْ يَشَاءَ اللهُ ـــــ ۸۷ : ۲۷)۔ یا جس کے متعلق خدا کے قانونِ مشیت کا تقاضا ہوگا۔

نشاء۔ تشاء

من نشاء (جسے ہم چاہیں)۔ اس میں فاعل خدا ہوگا۔ لہٰذا، ان آیات میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ خدا کی یہ مشیت اُن تین گوشوں میں سے کس گوشے سے متعلق ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس کے مطابق مفہوم متعین ہو جائیگا۔

(۱) اگر ہمارے قانونِ مشیت کا تقاضا ہوتا تو ہم کوئی حسّی معجزہ بھی دیدیتے جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ لیکن چونکہ اس طرح ایمان لانا مجبوری کا ایمان ہوتا، علیٰ وجہ البصیرت نہ ہوتا، اس لئے ہم نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا، اے رسول! تم اس بات سے افسردہ خاطر نہ ہو کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے ـــ (۴-۳ : ۲۶)

(۲) اگر ہم چاہتے تو ان مخالفوں کو ویسے ہی تباہ کر دیتے۔ لیکن ہمارا قانونِ مشیت ایسا نہیں ـــ (۱۰۰ : ۷) (۹ : ۳۴) ـــ (۴۳ : ۳۶) ـــ (۶۷-۶۶ : ۳۶)

(۳) جو قوانینِ فطرت مقرر کئے گئے ہیں اگر ہم چاہتے تو ان کے برعکس دوسری قسم کے قوانین بھی بنا سکتے تھے ـــ (۷۰ ; ۶۵ : ۵۶)

(۴) اگر ہم چاہتے تو زمین پر ملائکہ پیدا کر دیتے ـــ (۶۰ : ۴۳)

(۵) اگر ہم چاہتے تو ہم ان منافقین کا پتہ نشان تمہیں بتا دیتے۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ انہیں ان کے اطوار ہی سے پہچاننا ہوگا ـــ (۳۰ : ۴۷)

(۶) ہمارا قانونِ مشیت یہ ہے کہ جو مفادِ عاجلہ حاصل کرنا چاہے اسے یہ مفاد مل جاتے ہیں۔ ہم کسی کے راستے میں بند نہیں لگاتے ـــ (۲۰-۱۸ : ۱۷)

(۷) رحمِ مادر میں جنین ہمارے قانونِ مشیت کے مطابق رہتا ہے ـــ (۵ : ۲۲)

(۸) حضرت ابراہیمؑ، جب اپنی قوم کے ساتھ بحث میں کامیاب ہوئے تو خدا نے فرمایا کہ اس طرح ہم جس کے مدارج چاہیں بلند کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رفعتِ مدارج حضرت ابراہیمؑ کی اپنی بصیرت

کا نتیجہ تھی ـــــ (۴۸ : ۶)۔ لیکن اگر یہ دلائل بذریعہ وحی دیئے گئے تھے تو پھر اس بلند درجہ سے مراد نبوت ہوگی جس میں انسان کی اپنی سعی و کاوش کو دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ نے جب قانون شکنی سے اجتناب برتا تو خدا نے کہا کہ ہم اپنی مشیت کے مطابق درجات بلند کر دیتے ہیں۔ یہ رفعتِ مدارج حضرت یوسفؑ کے حسنِ کردار کا نتیجہ تھی ـــــ (۱۲ : ۵۶) ـــ (۱۲ : ۷۶)

(۹) آسمانی وحی (قرآن)، کے متعلق فرمایا کہ اس کے ذریعے ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق راہ نمائی دیتے ہیں ـــــ (۴۲ : ۵۲)

(۱۰) ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تباہی سے بچا لیتے ہیں ـــ (۱۲ : ۱۱۰)۔ تباہی فاسقین پر آتی ہے۔ (۹ : ۲۱)

(۱۱) پہلے کہا کہ خدا اپنے "قولِ ثابت" ـ قانونِ محکم کی رو سے مومنین کو ثبات و استحکام عطا کرتا ہے۔ اور اسکے بعد کہا کہ یفعل اللّٰہ ما یشاء ـــ (۱۴ : ۲۷)۔ ظاہر ہے کہ یہاں یفعل اللّٰہ ما یشاء کے معنی یہ ہیں کہ خدا کا قانونِ مشیت ایسا ہے۔

(۱۲) سورۂ آلِ عمران میں ہے۔ قل اللّٰھم مالک الملک۔ تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ بیدک الخیر۔ انک علیٰ کل شیئٍ قدیر ـــــ (۳ : ۲۵)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہے کہ "کہو کہ اے اللہ۔ تو مالک الملک ہے۔ تو جسے چاہے اقتدار اور حکومت عطا کر دے جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت دیدے جسے چاہے ذلیل کر دے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے"۔ لیکن قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر یہ بتایا گیا ہے کہ اقتدار و حکومت اور عزت و شوکت کن اصولوں کی پیروی سے ملتے ہیں۔ اور کس قسم کے اعمال کے نتیجے میں چھنتے ہیں۔ مثلاً استخلاف فی الارض (حکومت و سطوت) کے متعلق ہے کہ یہ ان بندوں کو ملتی ہے جن میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے ـــ (۲۱ : ۱۰۵)۔ یہ ایمان و اعمالِ صالحہ کا نتیجہ ہوتی ہے ـــ (۲۴ : ۵۵)۔ اقتدار اسے ملتا ہے جس میں ذہنی اور جسمانی قوتیں وافر ہوں ـــ (۲ : ۲۴۷)۔ ذلت و مسکنت، قوانینِ خداوندی کے انکار سے مسلط ہوتی ہے ـــ (۲ : ۶۱) ـــ (۳ : ۱۱۱)۔ جو عزت حاصل کرنا چاہے اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ خدا کے خوشگوار نظریۂ زندگی پر ایمان اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ـــ (۳۵ : ۱۰)۔ اس سے ظاہر ہے کہ آیت (۳ : ۲۵) میں "من تشاء" سے مراد یہ ہے کہ ان کا

ملنا اور چھننا خدا کے ان قوانین کی رو سے ہوتا ہے جن کا ذکر اس نے قرآن کے دیگر مقامات میں کیا ہے۔

(۱۳) سورۂ دھر میں، نظامِ خداوندی کے مخالفین کے سلسلہ میں کہا کہ ہم نے انہیں پیدا کیا اور مضبوط بنایا ہے۔ اور ہم جب چاہیں (وَاِذَا شِئْنَا) ان کی جگہ دوسروں کو لے آئیں ـــــ (۷۶ : ۲۸)۔ اس سے اگر مراد ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو متمکن کرنا ہے تو یہ تمکن قوانینِ خداوندی کے مطابق ہی ملتا اور چھنتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد، عام انسانوں کی جگہ کوئی اور مخلوق لے آنا ہے، تو اس کا تعلق خدا کے اس قانونِ مشیت سے ہے جو اُس کے عالمِ امر سے متعلق ہے۔ یعنی پہلے گوشے سے متعلق۔

(۱۴) حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ ہدایت اور گمراہی خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ملتی ہے۔ (من تشاء) (۷ : ۱۵۵)

لَوْشَآءَ اللّٰہ کا مفہوم

(۱) اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے ـــــ (۶ : ۱۰۸)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا بھی کر سکتا تھا کہ انسان کو حیوانات کی طرح ایک ہی روش پر چلنے کے لئے مجبور پیدا کر دیتا۔ پھر کوئی بھی کفر اور شرک اختیار نہ کرتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے ـــ (۹ : ۱۶)

(۲) ہمارے قانونِ مشیت کا تقاضا ہے کہ انسان شرف و عظمت کی بلندیوں پر پہنچ جاتا۔ لیکن اس نے اس راہ کو چھوڑ کر مفاد پرستی کی راہ اختیار کر لی اور یوں زمین کی پستیوں کے ساتھ چمٹ گیا ـــــ (۷ : ۱۷۵)

(۳) اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مجبور پیدا کر دیتا اور یوں تم سب، حیوانات کی طرح، ایک ہی راستے پر چلتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ تمہیں صاحبِ اختیار پیدا کیا ہے کہ جس کا جی چاہے صحیح راستہ اختیار کرے اور جس کا جی چاہے غلط راستے پر چلتا رہے، ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی ـــ (۲ : ۲۵۳) ـــــ
(۵ : ۴۸) ـــ (۶ : ۳۵) ـــ (۶ : ۱۳۸) ـــ (۶ : ۱۵۰) ـــ (۱۰ : ۹۹ ـــ ۱۰۰) ـــ (۱۱ : ۱۱۸ ـــ ۱۱۹) ـــ (۱۳ : ۳۱)
(۱۶ : ۹۳) ـــ (۳۲ : ۱۳) ـــ (۴۲ : ۸)

(۴) انسان مجبور نہیں پیدا کیا گیا۔ اس لئے یہ اختلاف کرتے ہیں۔ اس سے وہی بچ سکتا ہے جو اپنے آپ کو اپنے اعمال کے ذریعے خدا کی رحمت کا مستحق بنا لے۔ اس کی اس طرح تخلیق کا مقصد ہی یہ تھا کہ اپنے اختیار و ارادہ سے اختلافات چھوڑ دے۔ لیکن انسانوں کی اکثریت ایسا نہیں کرتی اور اپنے آپ کو جہنم

کا مستحق بنا لیتی ہے ــــ (۱۱۸-۱۱۹ : ۱۱)

(۵) اگر ہم چاہتے تو (انسان کو پیدا ہی اس طرح کرتے کہ) وہ صحیح راستے پر چلتے۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ انسان کو صاحبِ اختیار بنایا۔ اس سے ان کی اکثریت غلط راستے پر چلتی ہے اور اس کا خمیازہ بھگتتی ہے ــــ (۱۳: ۳۲) ــــ (۸ : ۴۲)

(۶) جنگ کے قیدیوں کے متعلق احکام دے کر کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ کوئی اور طریقہ بھی تجویز کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ــــ (۴ : ۴۷)

(۷) اگر اللہ چاہتا تو ایسا بھی کر سکتا تھا کہ انسان کے علم و بصیرت حاصل کرنے کے ذرائع سلب کر لیتا (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا) ــــ (۲۰ : ۲)

(۸) ہم نے ایک قوم کو ضابطۂ قوانین دیا لیکن اس نے اسے یکسر چھوڑ دیا اور اپنے جذبات اور خواہشات کے پیچھے لگ گئی۔ یہاں کہا ہے کہ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا ــــ (۱۷۵-۱۷۶ : ۷)۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ اگر وہ قوم ہماری ہدایت کے مطابق چلتی تو عروج حاصل کر لیتی۔ لیکن اس نے بلندیوں کی طرف جانے کے بجائے پستیوں کے ساتھ چمٹ جانا پسند کیا۔

(۹) اگر ہماری مشیت کا تقاضا ہوتا تو ہم قرآن کی وحی میں سے کچھ حصہ لے جاتے اور تو کچھ نہ کر سکتا ــــ (۸۶ : ۱۷) لیکن ظاہر ہے کہ خدا کی مشیت ایسی نہیں تھی۔ اس نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔

(۱۰) **اِنْ شَآءَ اللّٰہ**

۱۔ اس کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ بات قانونِ خداوندی کے مطابق ہوئی تو ایسا ضرور ہو کر رہیگا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ بات قانونِ خداوندی کے مطابق ہے اس لئے ایسا ضرور ہو کر رہیگا۔ یہ نہیں کہ اگر اللہ نے چاہا تو ایسا ہو جائے گا۔ نہ چاہا تو نہیں ہوگا ــــ (۶ : ۴۱) ــــ (۹ : ۲۸) ــــ (۱۱ : ۳۳) ــــ (۱۲ : ۹۹) ــــ (۱۸ : ۲۳-۲۴) ــــ (۱۸ : ۶۸) ــــ (۲۵ : ۱۰) ــــ (۲۸ : ۲۷) ــــ (۳۳ : ۲۴) ــــ (۳۷ : ۱۰۲) ــــ (۴۸ : ۲۷)

۲۔ اگر خدا کی مشیت کا تقاضا ہو تو وہ انسانوں کی جگہ یہاں دوسری مخلوق لے آتے ــــ (۴ : ۱۳۳) ــــ (۱۴ : ۱۹)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں تمہارے معبودانِ باطل سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ نقصان تو مشیتِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے ــــ (۶ : ۸۱)

۴۔ اگر خدا کے قانونِ مشیت کا تقاضا ایسا ہوتا تو وہ ہواؤں کو ساکن کر دیتا ــــ (۴۲ : ۳۳)

۵۔ اگر تمام دنیا کے حسی معجزات بھی ان کے سامنے لائے جاتے تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ ایمان تو وہی لا سکتا ہے جو خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ایمان لانا چاہے ـــ (۶ : ۱۱۳)

۶۔ حضرت شعیبؑ کے متبعین نے اپنے مخالفین سے کہا کہ ہم تمہارے باطل مذہب کو پھر سے اختیار نہیں کرینگے۔ ہاں مگر اللہ نے جو قانون مقرر کر رکھا ہے کہ جو شخص ایسا کریگا وہ غلط راستے پر جا پڑیگا۔ اگر ہم نے بھی ایسا کیا تو ہم بھی تمہارے غلط راستے پر چل نکلیں گے ـــ (۷ : ۸۹)

۷۔ حضرت یوسفؑ کے متعلق کہا کہ وہ اُس ملک کے بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ لیکن خدا کی مشیت نے ایک صورت پیدا کر دی جس سے ایسا ممکن ہوگیا۔

(۱۲ : ۷۶)

۸۔ پہلے یہ کہا کہ شیطان، انسانوں کا دشمن ہے۔ اس لئے لوگوں سے کہہ دو کہ وہ اچھی بات کیا کریں۔ اس کے بعد کہا کہ "اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے۔ اگر چاہے تو عذاب دے" ـــ (۱۷ : ۵۴)۔ یعنی جو شخص اچھی بات کریگا خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق وہ رحمت کا مستحق ہو جائے گا۔ جو شیطان کے راستے پر چلے گا، تباہی کا مستحق ہو جائے گا۔

۹۔ یہ نہ کہو کہ میں فلاں کام کل ضرور کروں گا۔ یوں کہو کہ اس کام کے لئے جو اسباب و وسائل قانونِ خداوندی کی رُو سے ضروری ہیں، اگر وہ مہیا ہو گئے تو پھر یہ کام ہو جائے گا۔ یا یوں کہو کہ جو کچھ میں کرنیکا ارادہ کر رہا ہوں چونکہ وہ قانونِ خداوندی کے مطابق ہے اس لئے ویسا ہو جائیگا ـــ

(۱۸ : ۲۳—۲۴)

۱۰۔ اے رسول! یہ کہتے ہیں کہ تو ان باتوں کو اپنی طرف سے گھڑتا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر تو ایسا کرتا تو خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تیرے دل پر مہر لگا دیتا ـــ (۴۲ : ۲۴)

۱۱۔ قرآن تذکرہ ہے سو جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے۔ اس کے بعد ہے۔ وما یذکرون الا ان یشاء اللہ ـــ (۷۴ : ۵۴—۵۶)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن سے نصیحت وہی حاصل کر سکتا ہے جو خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق نصیحت حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کرے۔ اور یہ طریقہ مختلف مقامات پر بتا دیا گیا ہے۔ یعنی خالی الذہن ہو کر عقل و فکر سے کام لے۔ (نیز ـــ ۷۶ : ۲۹—۳۰)۔ دوسری جگہ ہے۔ وما تشاءون الا ان یشاء اللہ ـــ (۸۱ : ۲۹)۔ اس کے

یہ معنی نہیں کہ جو کچھ خدا چاہے تم اس کے خلاف چاہ ہی نہیں سکتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں چاہیئے کہ اپنے چاہنے کو قانونِ خداوندی کے مطابق رکھو یعنی وہی چاہو جو قانونِ خداوندی کا تقاضا ہو۔

(۱۱) حضورؐ نے معترضین سے کہا کہ اگر خدا کی مشیت ایسی ہوتی تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے پیش ہی نہ کرتا۔ لیکن اس کی مشیت یہ تھی کہ قرآن تم تک پہنچایا جائے ـــــ (۱۰ : ۱۶)

(۱۲) کفار کی مخالفت کے سلسلہ میں کہا کہ اگر خدا کا قانونِ مشیت کچھ اور ہوتا تو اس کے مطابق یہ لوگ تم سے مقابلہ کر کے غالب آجاتے۔ لیکن اس کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ حق غالب آئے گا ـــ (۴ : ۹۰)

الّا ما شاء اللہ

یہ اصطلاح اس وقت بولی جاتی ہے جب یہ کہنا مقصود ہو کہ اس باب میں کوئی استثناء نہیں۔ یعنی ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ سورۃ یونسؑ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اِلّا ما شاء اللہ۔ (۱۰ : ۴۹) اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حتمی اور یقینی بات ہے کہ "میں قانونِ خداوندی کے علی الرغم کسی قسم کے نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ میں کسی نفع یا نقصان کا ازخود اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں مگر ایسا قانونِ خداوندی کے مطابق ہوسکتا ہے۔" سورۃ اعلیٰ میں ہے کہ "ہم تمہیں قرآن پڑھاتے ہیں۔ سو تو اس میں سے کچھ نہیں بھولے گا۔ الّا ما شاء اللہ۔ (۸۷ : ۷)۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس باب میں کوئی استثناء نہیں ہوگی۔ ہو نہیں سکتا کہ تو اس میں سے کچھ بھول جائے۔ سورۃ ہودؑ میں جنت اور جہنم کے خلود کے بعد کہا الّا ما شاء ربّک۔ (۱۱ : ۱۰۷–۱۰۸)۔ نیز ـــ (۶ : ۱۲۹) اس کے بھی یہ معنی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ وہ وہاں سے نکل جائیں۔ یہ چیز قرآن کے دیگر مقامات سے واضح ہے۔

(۲) ما شاء اللہ کے معنی یہ بھی ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے ـــ

(۱۸ : ۳۹)ـــ(۲ : ۲۵۵)

(۳) خدا کے قانونِ فطرت کے مطابق ـــ (۸ : ۴۲)۔ زمین سے رزق کی پیداوار مشیتِ خداوندی کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے ـــ (۴۲ : ۲۷)

کیف یشاء

(۱) خدا، رحمِ مادر میں، جنین کو جس شکل میں چاہتا ہے ڈھال دیتا ہے ـــ (۳ : ۵)۔ ظاہر ہے کہ یہاں

کیف یشاء سے مراد خدا کا قانونِ فطرت ہے۔

(۲) خدا جس طرح چاہتا ہے رزق کی کشادگی کرتا ہے ــــ (۴۲ : ۵)۔ رزق کی بسط وکشاد کے متعلق قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قوانین کی وضاحت کر دی ہے۔ اس لئے یہاں کیف یشاء سے مراد ہے خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق رزق کی کشادگی کرتا ہے۔

(۳) خدا بادلوں کو جس طرح چاہتا ہے، پھیلاتا ہے۔ یہاں کیف یشاء سے مراد خدا کا قانونِ فطرت ہے۔

(۳۰ : ۴۸)

مایشاء

(۱) حضرت زکریاؑ کو جب بیٹے کی بشارت دی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں بوڑھا، بیوی میری بانجھ۔ میرے ہاں اولاد کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا کہ اُس طرح جس طرح خدا کے قانونِ مشیت کا تقاضا ہوتا ہے ــــ (۳۹ : ۳)۔ دوسری جگہ اس کی وضاحت یہ کہہ کر کر دی کہ اس کی بیوی میں جو نقص تھا وہ دور ہو گیا اور اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی ــــ (۹۰ : ۲۱)۔ یہی کچھ حضرت عیسےٰ کی پیدائش کے سلسلہ میں کہا ــــ (۴۶ : ۳)ــــ (۱۷ : ۵)

(۲) خدا اگر چاہے (اس کے قانونِ مشیت کا تقاضا اگر ایسا ہو) تو وہ تم سب کو لے جائے اور تمہاری جگہ اپنے قانون کے مطابق کسی اور کو لے آئے ــــ (۱۳۴ : ۶)

(۳) اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق مخلوق میں اضافے کرتا رہتا ہے ــــ (۱ : ۳۵)

(۴) محو وثبات خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے ــــ (۳۹ : ۱۳)ــــ (۲۷ : ۱۴)

(۵) یخلق مایشاء ــــ (۴۵ : ۲۴)ــــ (۴۸ : ۲۸)

(۶) اگر خدا نے کسی کو اپنی اولاد بنانا ہوتا تو مخلوق میں سے جسے چاہتا اُس کے لئے منتخب کر لیتا ــــ (۴ : ۳۹)

(۷) زمین سے رزق کی پیداوار اس کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے ــــ (۲۷ : ۴۲)

(۸) وحی، خدا کی مشیت کے مطابق ہوتی ہے ــــ (۵۱ : ۴۲)

(۹) خدا، اپنی مشیت کو عجیب طریقوں سے بروئے کار لاتا ہے ــــ (۱۰۰ : ۱۲)

(۱۰) خدا نے حضرت داؤد کو اپنی مشیت کے مطابق علم دیا ــــ (۲۵۱ : ۲)

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ

(۱) انسان اپنے لئے مصیبت آپ لاتا ہے۔ اس کے بعد ہے اِنَّ اللّٰہ ..... ــــــ (۳ : ۱۶۴)

(۲) ہم چاہتے تو ایسا بھی کر سکتے تھے کہ انسان سے اس کے سمجھنے سوچنے کے ذرائع سلب کر لیتے (لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا)۔ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہی اس کی قدرت سے مفہوم ہے ــــ (۲ : ۲۰)

(۳) وقتی احکام جو وحی کے ذریعے اقوامِ سابقہ کو ملتے رہے، وہ حسبِ حالات پھر وحی کے ذریعے بدل دیئے جاتے تھے۔ اس لئے کہ خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں ــــ (۲ : ۱۰۶)

(۴) بنی اسرائیل کے زوال اور نشاۃِ ثانیہ کو تمثیلی انداز میں بیان کرنے کے بعد کہا کہ خدا نے ہر شے کے لئے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں ــــ (۲ : ۲۵۹)

(۵) جو انسان تباہیوں سے بچنا چاہے وہ بچ سکتا ہے۔ جو تباہ ہونا چاہے اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں ــــ (۲ : ۲۸۴)

(۶) حکومت و مملکت، عزت و شوکت، ملتی اور چھنتی، قانونِ مشیت کے مطابق ہے ــــ (۳ : ۲۵)

(۷) انقلاب زود یا بدیر آکر رہیگا۔ ہر شے کے لئے پیمانے مقرر ہیں ــــ (۷۷ : ۱۶)

(۸) ہر شے کی تخلیق قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہر شے کے لئے پیمانے مقرر ہیں ــــ

(۵ : ۱۷) ــــ (۲۴ : ۴۵) ــــ (۲۹ : ۲۱) ــــ (۳۰ : ۵۴) ــــ (۳۵ : ۱)

(۹) قانونِ مکافاتِ عمل کے سلسلہ میں کہا کہ خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں ــــ (۳ : ۲۸)

(۶ : ۱۷) ــــ (۱۱ : ۴) ــــ (۴۲ : ۸-۹) ــــ (۶۷ : ۱-۲)

(۱۰) وحی کی رو سے جو قوانین بذریعہ رسول ملتے ہیں وہ خدا کے مقرر کردہ پیمانے ہیں ــــ (۵ : ۱۹)

(۱۱) مالِ غنیمت کے متعلق قانون دینے کے بعد کہا کہ واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر ــــ (۸ : ۴۱) ــــ (۵۹ : ۶)

(۱۲) نظامِ فطرت کی کار فرمائی کے بعد کہا کہ خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں ــــ (۳۰ : ۴۸-۵۰)

(۴۱ : ۳۹) ــــ (۴۲ : ۴۹-۵۰) ــــ (۴۶ : ۳۳) ــــ (۵۷ : ۲) ــــ (۶۴ : ۱)

(۶۷ : ۱-۴)

(۱۳) موت اور زندگی سے متعلق طبیعی قوانین کے بعد کہا کہ خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر دیتے ہیں ——

(۷۰ : ۱۶)—(۶-۵ : ۲۲)—(۳۳ : ۴۶)

(۱۴) حیات بعد الممات کے سلسلہ میں بھی یہی کہا گیا ہے —(۳۳ : ۴۶)

(۱۵) قوموں کے عروج و زوال کے سلسلہ میں بھی یہی کہا گیا ——(۲۷ : ۳۳)—(۴۴ : ۳۵)—(۲۱ : ۴۸)

قدیر یا قادر بمعنی قدرت رکھنے والا

خدا نے جتنے قوانین بنائے ہیں وہ اس لئے اپنے نتائج ٹھیک ٹھیک مرتب کئے جا رہے ہیں کہ خدا پوری قوتوں کا مالک ہے۔ اس نے ان قوانین پر اپنا کنٹرول رکھا ہوا ہے۔ اس کنٹرول کے لئے لفظ قدیر یا قادر آیا ہے۔ یعنی خدا کو ایسا کرنے کی قدرت حاصل ہے۔

(۱) زمین میں بھی ذی حیات مخلوق ہے اور آسمانی کرّوں میں بھی۔ اور خدا اس کی قدرت رکھتا ہے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ان آبادیوں کو یکجا کر دے، یا ملا دے —— (۲۹ : ۴۲)

(۲) حضورؐ سے کہا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں باہمی مودّت پیدا ہو جائے۔ خدا اس پر قادر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مودّت خاص ضابطے کے مطابق پیدا ہوتی تھی —(۷ : ۶۰)

(۳) مظلوموں کو جنگ کرنے کی اجازت دے کر کہا کہ خدا ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ مدد، قوانینِ خداوندی کے اتباع سے حاصل ہوئی تھی —— (۳۹ : ۲۲)

(۴) عملِ تخلیق کے متعلق، جو قانونِ مشیت کے مطابق کارفرما ہوتا ہے، کہا کہ خدا علیم و قدیر ہے ——

(۵۴ : ۲۵)—(۵۴: ۳۰)

(۵) خدا اس پر بھی قادر ہے کہ وہ انسانوں کی جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آئے —— (۱۳۳ : ۴)

(۶) معاشرتی قوانین میں سزا دینے اور درگذر کر دینے، دونوں کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ اس کے لئے بھی خدا کو قدیر کہا گیا ہے —(۱۴۹ : ۴)

(۷) اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ حسّی معجزات بھیجدیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا —— (۳۷ : ۶)

(۸) خدا اس پر قادر ہے کہ اس کائنات کی مثل اور کائنات بنا دے —— (۹۹ : ۱۷)—(۸۱ : ۳۶)

(۹) خدا مُردوں کو زندہ کر دینے پر قادر ہے ——(۳۳ : ۴۶)—(۴ : ۷۵)—(۴۰ : ۷۵)—(۸ : ۸۶)

(۱۰) وہ اس پر قادر ہے کہ مختلف انداز سے قوموں کی تباہی کے اسباب پیدا کر دے — (۶۵ : ۶)

(۱۱) خدا اس پر قادر تھا کہ قوانینِ فطرت کسی اور انداز کے بنا دیتا — (۱۸ : ۲۳)

(۱۲) خدا اس پر قادر تھا کہ رسول اللہ کی زندگی ہی میں تمام وعدے پورے ہو جاتے — (۹۵ : ۲۳)

(۱۳) خدا اس پر قادر ہے کہ انسانوں سے بہتر مخلوق پیدا کر دے۔ (یا ایک قوم سے بہتر قوم اس کی جگہ لے آئے) — (۴۰ : ۷۰)

(۱۴) قادر کے معنی اندازے مقرر کرنے والا — (۲۳ : ۷۷)

متفرقات

(۱) ان لوگوں نے تمہارے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لئے کچھ تیاریاں کرتے۔ انہوں نے ارادہ تک بھی نہ کیا اور بیٹھے رہے۔ یہ اچھا ہی ہوا ورنہ ایسے لوگوں کا شریکِ جنگ ہونا نقصان کا باعث ہوتا — (۴۶ : ۹)

(۲) حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو جو نصیحت کی تھی (کہ مصر میں ایک دروازے سے سب کے سب داخل نہ ہونا) تو اس سے انہیں اپنا اطمینان مقصود تھا۔ ورنہ ہر بات کا نتیجہ تو خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے — (۶۸ : ۱۲)

(۳) حضرت لوطؑ کی بیوی کی جو روش تھی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں جائے گی۔ بلکہ پیچھے رہے گی۔ (اس کی تشریح عنوان لوط میں ملے گی) — (۵۷ : ۲۷)

(۴) "شیطان" انسان سے کہتا ہے کہ کفر اختیار کر۔ جب وہ ایسا کر لیتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ میں تمہارے اس فعل سے بری الذمہ ہوں۔ لیکن یہ دونوں جہنم میں ہوں گے۔ یعنی کسی کو بہکانے والا اور بہکنے والا دونوں مجرم ہوتے ہیں — (۱۶–۱۷ : ۵۹)

(۵) لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اگر خدا کی مشیت ایسی ہوتی تو وہ انسانوں کو مجبور پیدا کر دیتا اور وہ اختلاف کر ہی نہ سکتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اب انسانوں کو اپنی کوشش سے اختلافات مٹا کر امتِ واحدہ بننا ہوگا — (۱۹ : ۱۰)

(۰)

۱۷۔ تقدیس

(۱) **قدس** کے بنیادی معنی دور تک چلے جانے کے ہیں۔ اس لئے قَدَّسَہٗ کے معنی ہیں اس نے اس سے تمام نقائص اور عیوب کو دور کر دیا۔ اس اعتبار سے قدوس خدا کی ایک صفت ہے — (۲۳ : ۵۹)۔ یعنی ہر قسم کے نقائص و عیوب سے دور۔ منزّہ۔

(۲) روح القدس۔ جبریل امین کے لئے آیا ہے۔ اس کے معنی وحی بھی ہو سکتے ہیں جو خدا کی طرف سے حضرات انبیاء کرام کو ملتی تھی — (۱۰۲ : ۱۶)

(۳) ارضِ مقدس۔ فلسطین کی زمین کو کہا گیا ہے۔ جہاں بنی اسرائیل کو آباد کیا گیا تھا — (۲۱ : ۵)

—(۰)—

ملائکہ

۱۔ ملائکہ نے خدا سے کہا کہ نحن نسبح بحمدك و نقدس لك — (۳۰ : ۲)

روح القدس

۱۔ حضرت عیسیٰؑ کو روح القدس سے تقویت دی — (۸۷ : ۲) — (۲۵۳ : ۲) — (۱۱۰ : ۵) — (۱۰۲ : ۱۶)

القدوس

۱۔ صفتِ خداوندی — (۲۳ : ۵۹) — (۱ : ۶۲)

الواد المقدس

۱۔ جہاں حضرت موسیٰؑ کو وحی عطا ہوئی تھی — (۱۲ : ۲۰) — (۱۶ : ۷۹)

۲۔ ارض مقدس — (۲۱ : ۵)

—(۰)—

۱۸۔ تقلید

تقلید ۔ (ق۔ل۔د)۔ قلادہ اُس رسّی یا زنجیر کو کہتے ہیں جو جانور کے گلے میں ڈال دی جائے۔ یہ لفظ (تقلید) اس شکل میں قرآن کریم میں نہیں آیا۔ لیکن جن معنوں میں یہ استعمال ہوتا ہے انہیں مختلف طرق و انداز سے بڑی وضاحت سے سمجھایا گیا ہے۔ اور اسے اسلاف پرستی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دین کی عمارت اس محکم بنیاد پر اٹھتی ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے اور اُس سے اپنی اطاعت کرائے۔ اطاعت اور محکومیت صرف خدا کی ہو سکتی ہے جس کے لئے اس نے اپنے احکام و قوانین اپنی کتاب (قرآن) میں دے دیتے ہیں۔ لہٰذا 'اطاعتِ خداوندی سے مفہوم، قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان قوانین کو علم و بصیرت کی رو سے سمجھا اور ان پر عقل و فکر کی رو سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا 'دین نام ہے زندگی کے ہر گوشے میں، وحی کی روشنی میں اپنی عقل و فکر سے کام لے کر چلنے کا۔ اس کے خلاف "مذہب" (یعنی انسانوں کا خود ساختہ طریق) ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا پرستی اس طریقہ کا نام ہے جس میں انسان عقل و فکر سے کام نہ لے اور جو کچھ اسلاف سے ہوتا چلا آرہا ہے اس پر آنکھ بند کر کے چلتا جائے، اسے تقلید کہتے ہیں۔ یعنی اُس جانور کی طرح چلتے جانا جس کے ناک میں نکیل یا گلے میں رسّی ڈال کر اُس نکیل یا رسّی کو دوسرے کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ اور وہ اُس کے پیچھے پیچھے چلتا جائے۔ یہ غلامی کی بدترین شکل ہے۔ غلامی میں انسان کا بدن مقید اور دوسرے کے تابع ہوتا ہے۔ لیکن تقلید میں انسان کا دل و دماغ دوسرے کی محکومی میں رہتا ہے۔ مذہبی پیشوائیت کا سارا زور تقلید اور اسلاف پرستی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس سے ان کی اپنی حاکمیت قائم رہتی ہے۔ وہ "اسلاف کے مسلک" کے نام پر اپنی من مانی کرتے ہیں۔ اور چونکہ عقل و فکر سے کام لینا انسانوں پر حرام قرار دے دیا جاتا ہے، اس لئے وہ انہیں ڈھور ڈنگر کی طرح جدھر جی چاہے لئے لئے پھرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس قوم میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم تقلید اور اسلاف پرستی کے خلاف سب سے بڑا چیلنج ہے۔ وہ اسے کفر اور شرک قرار دیتا ہے۔ وہ ایسے افراد اور قوم کے متعلق کہتا ہے کہ وہ انسانیت کی سطح سے گر کر، حیوانی سطح پر زندگی

بسر کرتے ہیں اور یہ زندگی جہنم کی زندگی ہوتی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔۔ قرآن کریم کی سند اور علم و بصیرت کی روشنی، یہ ہے اس کے نزدیک صحیح روشِ زندگی۔ باقی رہی قوانینِ خداوندی کی اطاعت، سو وہ اس نظام کی رو سے کی جائے گی جو ان قوانین کے نفاذ کے لئے قائم کیا جائے۔ اس میں اطاعت کسی فرد کی نہیں ہوگی، قوانینِ خداوندی کی ہوگی۔

اس سلسلہ میں علم، عقل، بصیرت، قرآن، اطاعتِ آبار و اجداد وغیرہ عنوانات بھی پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔

صحیح روشِ زندگی

(۱) صحیح راستہ صرف وہ ہے جسے اللہ نے (اپنی کتاب میں) بتایا ہے ۔۔ (۱۲۰ : ۲) ۔۔ (۷۳ : ۳)

(۲) کسی انسان کو اس کا حق نہیں ۔ خواہ اسے کتاب و حکمت و نبوت بھی کیوں نہ مل جائے ۔۔ کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کی نہیں بلکہ میری محکومی اختیار کرو۔ محکومی صرف کتابِ خداوندی کی اختیار کی جاسکتی ہے ۔۔ (۷۸ : ۳)

(۳) یہ عذر قطعاً قابلِ پذیرائی نہیں ہوگا کہ ہمارے اسلاف ایسا کرتے تھے۔ اس لئے ہم بھی ویسا ہی کرتے رہے ۔۔ (۱۷۳ : ۷)

(۴) مسلمانو! تم علماء و مشائخ کو اپنا معبود نہ بنا لینا۔ یہ لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں۔ ان کا اپنا ذریعہ معاش ہی کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ کماتے ہیں اور یہ کھاتے ہیں ۔۔ (۳۴ ؛ ۳۱ : ۹)

(۵) انبیاء کرام کبھی تقلید نہیں کرتے تھے ۔ حضرت یوسفؑ کا اعلان ۔ (۳۷ : ۱۲)۔ وہ آبار کا طریق اسی صورت میں اختیار کرتے تھے جب اس کے لئے ان کے پاس خدا کی سند ہوتی تھی۔ لہٰذا وہ آبار کی تقلید نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہوتی تھی ۔۔ (۳۸ : ۱۲)

(۶) دعوتِ اسلام علیٰ وجہ البصیرت ۔ حضورؐ کا بھی یہی طریق تھا۔ اور حضورؐ کے متبعین کا بھی یہی طریق ہونا چاہیئے ۔۔ (۱۰۸ : ۱۲)

(۷) قرآن میں خود غور و فکر کرو ۔۔ (۴۴ : ۱۶)

(۸) جس بات کا علم نہ ہو، اس کے پیچھے مت لگا کرو۔ یاد رکھو! تمہاری سماعت، بصارت اور قوت فہم و فراست

سے سوال ہوگا کہ ان سے کام لے کر تم نے خود تحقیق کی تھی یا نہیں —— (۳۶ : ۱۷)

(۹) حضورؐ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت، اس قسم کی زنجیروں سے آزاد ہو جائے اور یہ بوجھل سلیں اس کے سر سے اتار دی جائیں —(۱۵۶ : ۷)

(۱۰) اگر حق انسانوں کے خیالات کے تابع ہو جائے تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جائے —(۷۰ : ۲۳)

(۱۱) اندھے، بہرے، گونگے، مردے پر قرآن کا کیا اثر —— (۸۱—۸۰ : ۲۷)۔ اس کا اثر مومنین پر ہوتا ہے جو، اور تو اور، آیات خداوندی پر بھی اندھے اور بہرے بن کر نہیں گر پڑتے —(۷۳ : ۲۵)

(۱۲) جب وحی کی راہ نمائی مل جائے تو پھر اپنے علم پر نازاں ہو کر بیٹھ رہنا (خواہ وہ اسلاف سے منتقل ہو کر ہی کیوں نہ آ رہا ہو) غلط روش ہے —(۸۳ : ۴۰)

(۱۳) تم سے قطعاً نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اسلاف نے کیا کیا تھا۔ تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا تھا —— (۱۳۴ : ۲) —(۱۴۱ : ۲)

(۱۴) عقل و فکر سے کام نہ لینا اور تقلیداً کسی راستے پر چلتے جانا، انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے۔ یہ زندگی حیوانی سطح کی ہے —(۱۷۹ : ۷)

(۱۵) اسلاف کے متعلق بس اتنا عقیدہ چاہیئے کہ وہ ہمارے بھائی تھے جو ایمان کے ساتھ رخصت ہو گئے خدا ان کی مغفرت کرے —(۱۰ : ۵۹)۔ حضرت موسیٰؑ کا فرعون کو جواب —(۵۱ : ۲۰)۔ کہ اسلاف کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے۔

(۱۶) تقلید میں آنکھیں سامنے ہونے کے بجائے، پیچھے کی طرف لگ جاتی ہیں۔ اس لئے ایسی قوم کا مستقبل تاریک اور ماضی روشن نظر آتا ہے۔ یہ جہنم کی زندگی ہے —(۶۶—۶۸ : ۳۳)

کفار (اور اہل کتاب) کی روش

(۱) جب انہیں دین خداوندی کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ اس لئے یہ کسی کی بات سن ہی نہیں سکتے۔ یہ لبریز پیالے ہیں۔ ان میں اب مزید ایک قطرے کی بھی گنجائش نہیں۔ یہ کفر کی روش ہے اور زندگی کی سعادتوں سے محروم رہنے کا مسلک —(۸۸ : ۲)

(۲) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی کتاب کا اتباع کرو تو یہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو صرف اپنے اسلاف

کے راستے پر چلتے جائینگے۔ خواہ وہ راستہ عقل و فکر کے بھی خلاف کیوں نہ ہو۔ ان کی زندگی انسانی سطح کی نہیں بلکہ حیوانی سطح کی ہے جس میں جانور، گڈریئے کی آواز پر اندھا بہرہ بن کر چلا جاتے اور خود گڈریئے کو بھی علم نہ ہو کہ ان جانوروں کو ہانکنے کے لئے جو آوازیں وہ نکالتا ہے ان کا مفہوم کیا ہے ——

(۲ : ۱۷۰-۱۷۱) — (۵ : ۱۰۴) — (۳۱ : ۲۱-۲۲) — (۴۳ : ۲۳) — (۳۴ : ۴۳) — (۲۱-۲۴ : ۴۳)

(۳) یہ لوگ جو بیہودگیاں کرتے ہیں ان کی تائید میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اور اس کی سند یہ ہے کہ ہمارے اسلاف ایسا ہی کیا کرتے تھے — (۲۸ : ۷)

(۴) یہود و نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو اپنا معبود بنا لیا تھا — (۳۱ : ۹)

حالانکہ ان علماء و مشائخ کی حالت یہ تھی کہ یہ لوگوں کی کمائی پر زندگی بسر کرتے اور اس طرح ان کا مال ناحق کھا جاتے تھے — (۳۴ : ۹)۔ مسلمانوں کو اس روش سے روکا گیا ہے۔

(۵) ان کی روش محض تقلیدًا ہے۔ اس کے غلط ہونے میں کوئی شک نہ کرو — (۱۰۹ : ۱۱)

(۶) ایسی باتیں کرتے ہیں جن کا انہیں علم ہے نہ ان کے اسلاف کو ان کا علم تھا — (۴ : ۱۸)

(۷) ان کی گردنوں میں طوق ہیں جو انہیں کچھ دیکھنے ہی نہیں دیتے۔ آگے پیچھے ان کے تعصبات اور جہالت کی دیواریں ہیں۔ ان پر قرآن کا کیا اثر ہو سکتا ہے — (۸۰-۸۱ : ۲۷) — (۸-۱۰ : ۳۶)

(۸) یہ روش انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے — (۶۸-۷۰ : ۳۷)

(۹) محض چند نام ہیں جو انہوں نے یا ان کے اسلاف نے رکھ چھوڑے ہیں اور یہ ان کی پرستش کئے چلے جاتے ہیں۔ کبھی نہیں سوچتے کہ کوئی نام محض مرورِ زمانہ سے حقیقت نہیں بن جاتا — (۷ : ۷۱) — (۴۰ : ۱۲) (۲۳ : ۵۳)

(۱۰) ان گزری ہوئی قوموں اور اسلاف کی روش کیوں اختیار کرتے ہو جو راہِ راست سے ہٹ چکی تھیں۔ انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے — (۷۷ : ۵)

اقوامِ سابقہ کی روش

(۱) حضرت نوحؑ کی قوم نے کہا کہ ہم اپنے اسلاف کی روش کیسے چھوڑ دیں — (۷ : ۷۰) — (۲۳ : ۲۴)

(۲) قومِ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے یہی کہا — (۱۰ : ۷۸) — (۲۸ : ۳۶)

(۳) قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ سے یہی کہا — (۱۱ : ۶۲)

(۴) قومِ شعیبؑ نے بھی یہی کہا — (۱۱ : ۸۷)

(۵) تمام اقوامِ سابقہ کی یہی روش تھی — (۱۴ : ۱۰) — (۴۳ : ۲۲—۲۴)

(۶) حضرت ابراہیمؑ کی قوم کی بھی یہی روش تھی — (۲۱ : ۵۳—۵۴) — (۲۶ : ۷۰—۷۶)

(۷) یہی رسول اللہ سے کہا جاتا تھا — (۱۱ : ۱۰۹) — (۳۴ : ۴۳) — (۳۸ : ۷)

(۸) ہر رسول کو یہی جواب ملتا تھا — (۱۴ : ۱۰)

متبعین اور متبوعین کے باہمی تعلقات

(۱) اعمال کے ظہورِ نتائج کے وقت، متبوعین اپنے متبعین سے یکسر الگ ہو جائیں گے۔ ان کی اطاعت انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ یہ اپنے اعمال کے ذمہ دار آپ ٹھہرائے جائیں گے — (۲ : ۱۶۶)

(۲) افراد ہی نہیں بلکہ قومیں بھی ایک دوسری کی اندھی تقلید کرتی ہیں۔ جہنم میں ان کا مکالمہ۔ تقلید کرنیوالی قوم کہے گی کہ جس قوم کی انہوں نے تقلید کی تھی اُسے دُہرا عذاب ملنا چاہیئے۔ ایک ان کی اپنی غلط روش کا، اور دوسرا ہماری غلط روش کا جس کے وہ ذمہ دار ہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ انہیں بھی دُگنا عذاب ملے گا اور تمہیں بھی۔ تمہیں ایک تمہارے اپنے جرائم کا اور دوسرا اس کا کہ تم ان کی تقلید کر کے، انہیں اپنی غلط روش میں اور پختہ ہونے کا موجب بنے تھے۔ اور تمہاری دیکھا دیکھی اور قومیں بھی اس راستے پر چل پڑی تھیں — (۷ : ۳۸—۳۹) — (۱۶ : ۲۵) — (۳۳ : ۶۷—۶۸) — (۳۸ : ۵۹—۶۱) —

(۳) جہنم میں متبوعین (مذہبی پیشواؤں اور لیڈروں) کے ساتھ ان کے متبعین کا مکالمہ —

— (۱۴ : ۲۱—۲۲) — (۱۶ : ۸۶—۸۷) — (۲۵ : ۱۷—۱۹) — (۲۶ : ۹۲—۱۰۰) — (۲۸ : ۶۲—۶۴)

— (۳۳ : ۶۷—۶۸) — (۳۴ : ۳۲) — (۳۷ : ۲۷—۳۵) — (۳۸ : ۵۹—۶۱)

(۴۰ : ۴۷—۴۸) — (۴۱ : ۲۹)

(۰)

۱۹- تقویٰ

تقویٰ (و-ق-ی) یہ قرآن کریم کی بڑی جامع اصطلاح ہے اور اس کے دو بنیادی گوشے ہیں۔ایک طرف اس کے معنی ہیں اپنے آپ کو غلط (تباہ کن) باتوں سے محفوظ رکھنا۔ان سے احتیاط برتنا۔اور دوسری طرف اس کا مطلب ہے صحیح امور (احکام خداوندی) کی نگہداشت کرنا۔اس کے مطابق زندگی بسر کرنا، دین سے ہم آہنگ رہنا۔قرآنِ کریم سے متمسک رہنا۔ظاہر ہے کہ غلط باتوں سے بچنا اور صحیح باتوں کے مطابق چلنا، یہی دین کا ماحصل اور اسلام کا منتہیٰ ہے۔یہاں غلط سے مراد، برخلافِ قرآن بات اور صحیح سے مراد، قرآنی اصول واحکام ہیں۔اسی کا نام سیرت کی بلندی اور کردار کی پختگی ہے۔لہٰذا، تقویٰ کا ترجمہ کسی ایک لفظ سے نہیں کیا جا سکتا۔اسے کیریکٹر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کیریکٹر کا قرآنی مفہوم سامنے ہو۔اس قسم کے بلند کیریکٹر رکھنے والے انسانوں کو متقی کہا جائے گا۔لفظی اعتبار سے دیکھا جائے تو مسلم کے معنی ہوں گے جو قرآنی احکام کے سامنے جھک جاتے (خواہ یہ جھکنا کسی وجہ سے ہو) مومن کے معنی ہوں گے جو ان احکام و قوانین پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان لاتے۔اور متقی کے معنی ہوں گے جو ان کے مطابق زندگی بسر کرے۔لیکن (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) یہ تقسیم محض لفظی اعتبار سے ہے۔ورنہ مسلم، مومن، متقی قسم کے الفاظ، مرادف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، اس لئے کہ قرآن کی رو سے، ایمان اور اعمالِ صالح، دونوں کے یکجا ہونے سے انسان، مسلم، مومن یا متقی بنتا ہے۔وہ ایمان بے معنی ہے جس کی شہادت انسان کے اعمال نہ دیں۔اور وہ اطاعت، جو قوانینِ خداوندی پر علیٰ وجہ البصیرت یقین کا نتیجہ نہ ہو، کسی نہ کسی قسم کے جبر کا نتیجہ ہے جس کا خوشگوار اثر انسان کی سیرت وکردار پر مرتب نہیں ہوتا۔قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین اور ان کے مطابق عمل ــ یہ ہے تقویٰ۔

ـــــــ (۰) ـــــــ

اتقواللہ

یہ قرآن کا بنیادی حکم ہے۔اس کے معنی ـ خدا سے ڈرو ـ نہیں۔اس کے معنی ہیں قوانینِ خداوندی

کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اپنے فرائض کی نگہداشت کرو۔ یہ تاکید، قرآن کریم میں شروع سے اخیر تک۔ بار بار سامنے آتی ہے اور یہی دین کا ماحصل ہے۔

(۱) کفر و سرکشی اختیار کرنے والوں سے جب کہا جاتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو تو پندارِ نفس انہیں اس طرف آنے نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ جہنم ہے — (۲ : ۲۰۶)—(۴۷-۴۵ : ۳۶)

(۲) رسول اللہ سے ارشاد کہ تقویٰ اختیار کرو اور کفار اور منافقین کی اطاعت مت کرو — (۱ : ۳۳)

(۳) حضرت زیدؓ سے رسول اللہ کا ارشاد کہ قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو — (۳۷ : ۳۳)

(۴) اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور ربوٰ (سود) کا بقایا چھوڑ دو — (۲۷۸ : ۲)

(۵) تقوے اختیار کرو جو اختیار کرنے کا حق ہے۔ یعنی مرتے دم تک قوانینِ خداوندی کا اتباع کرو۔ یعنی قرآن کے ساتھ متمسک رہو۔ تفرقہ مت پیدا کرو — (۱۰۱ : ۳)

(۶) تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کی جماعت کے ساتھ رہو۔ دین اجتماعی زندگی کا نام ہے — (۱۱۹ : ۹)

(۷) تقویٰ اختیار کرو اور جہاد کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کرو — (۳۵ : ۵)

(۸) اے نوعِ انسانی! خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ انقلاب کی گھڑی بڑی سخت ہوتی ہے — (۱ : ۲۲) اس میں کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا — (۳۳ : ۳۱)

(۹) تقویٰ اختیار کرو اور ہمیشہ صاف، واضح، دوٹوک بات کرو — (۷۰ : ۳۳)

(۱۰) ایمان اور تقویٰ کی تاکید۔ اس سے دوہرے دوہرے اجر ملیں گے — (۲۸ : ۵۷)

(۱۱) تقویٰ اختیار کرو اور دیکھو کہ تم کل کے لئے کیا آگے بھیج رہے ہو — (۱۸ : ۵۹)

(۱۲) عائلی زندگی کے سلسلہ میں کہا کہ تقویٰ اختیار کرو — (۱ : ۴)—(۱ : ۶۵)

کفار سے کہا گیا کہ جہنم کے تباہ کن عذاب سے بچو — (۲۴ : ۲)، مومنین سے بھی یہی کہا — (۱۳۰ : ۳) — (۳۹ : ۲۴)—(۶ : ۶۶)

(۱۴) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور باہمی اصلاح کرو — (۲ : ۲۲۴)—(۱ : ۸)

(۱۵) اپنی استطاعت بھر تقویٰ اختیار کرو — (۱۶ : ۶۴)

(۱۶) جس خدا پر ایمان لاتے ہو، اس کا تقویٰ اختیار کرو — (۲ : ۲۰۳)—(۵ : ۸۸)—(۵ : ۹۶)— (۹ : ۵۸)—(۱۱ : ۶۰)

(۱۷) [illegible] کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کے قانونِ مکافات کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے ___ (۲ : ۱۹۶)___(۲ : ۲۲۳)
(۵ : ۲)___(۵ : ۴)___(۵ : ۷)___(۵ : ۸)___(۵۹ : ۱۸)

(۱۸) مومن ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے ___ (۵ : ۵۷)

(۱۹) تقویٰ اختیار کرو۔ خدا غفور و رحیم ہے ___ (۸ : ۶۹)۔ سمیع و علیم ہے ___ (۴۹ : ۱)۔ توّاب و رحیم ہے
(۴۹ : ۱۲)

(۲۰) تقویٰ اختیار کرو اور اس کے احکام کو غور سے سنو ___ (۵ : ۱۰۸)

(۲۱) تقویٰ اختیار کرو اور اس کے قوانین کی نتیجہ خیزی پر پورا پورا بھروسہ کرو ___ (۵ : ۱۱)

(۲۲) لین دین کے معاملات کے احکام کے بعد کہا کہ واتقوا اللہ ___ (۲ : ۲۸۲)۔ ربوٰ کے سلسلہ میں۔
(۲ : ۲۷۸)___(۳ : ۱۳۰)

(۲۳) اس فتنہ سے بچو کہ جب وہ آتا ہے تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے ___ (۸ : ۲۵)

(۲۴) اس دن کی تباہی سے بچو جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ کسی کی سفارش چلے گی، نہ کفارہ دے کر چھوٹ سکو گے ___ (۲ : ۴۸)___(۲ : ۱۲۳)___(۲ : ۲۸۱)

(۲۵) صرف خدا کا تقویٰ اختیار کرو یعنی اطاعت صرف اس کے قوانین کی کرو ___ (۲ : ۴۱)___(۲ : ۱۹۷)
(۶ : ۷۲)___(۱۶ : ۲)___(۲۳ : ۵۲)___(۳۹ : ۱۶)

(۲۶) فرقہ بندی چھوڑو اور خدا کا تقویٰ اختیار کرو ___ (۳۰ : ۳۱)

(۲۷) ازواجِ مطہرات رسول اللہؐ سے معاشرتی قوانین کی نگہداشت کی تاکید کی ___ (۳۳ : ۳۲)
نیز عام مومن عورتوں سے ___ (۳۳ : ۵۵)

(۲۸) اللہ کے سوا کسی کا تقویٰ اختیار مت کرو۔ مجوسیوں کی ثنویت باطل ہے ___ (۱۶ : ۵۱)

(۲۹) تقویٰ کا حکم دینے والے ہی ہدایت پر ہوتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں ___ (۹۶ : ۱۱-۱۲)

(۳۰) برّ اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرو ___ (۵ : ۲)۔ اس کے لئے باہمی خفیہ مشورے بھی کئے جا سکتے ہیں ___ (۵۸ : ۹)

(۳۱) اے صاحبانِ بصیرت! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ___ (۶۵ : ۱۰)۔ [اس ضمن میں عنوان "متقیوں کی زندگی" بھی دیکھئے]

(۳۲) استطاعت بھر تقویٰ اختیار کرو — (۱۶ : ۶۴)

تقویٰ کی اہمیت

(۱) نیکی اور کشادگی کی راہ خود ساختہ رسمی پابندیوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے — (۲ : ۱۸۹)

(۲) اپنے طور طریقوں سے اپنے نفس (ذات) کی نشوونما کی کوشش نہ کرو۔ یہ صرف خدا کے قوانین کی نگہداشت سے ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون تقویٰ شعار ہے — (۵۳ : ۳۲)

(۳) تقویٰ ہو تو جزئیاتِ شریعت کی رخصت سے فائدہ اٹھا لینے سے کچھ نقصان نہیں ہوتا — (۲ : ۲۰۳)

(۴) قرآن دیا ہی اس لئے گیا ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو — (۷ : ۶۳)

(۵) نوعِ انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ تقویٰ اختیار کریں (تاکہ ان کی صحیح صحیح نشوونما ہوتی جائے)

(۲ : ۲۱)

(۶) قصاص کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو — (۲ : ۱۷۹)۔ صیام کا حکم بھی اس لئے دیا گیا ہے (۲ : ۱۸۳) (۲ : ۱۸۷)۔ مختلف اخلاقی احکام اسی لئے دیئے گئے ہیں — (۶ : ۱۵۴)

(۷) مومنین کی دعائیں کہ ہمیں متقیوں کا امام بنانا — (۲۵ : ۷۴)

(۸) قرآن کا اتباع کرو۔ ایسا نہ ہو کہ آخرت میں یہ افسوس رہے کہ میں متقی کیوں نہ ہو گیا — (۳۹ : ۵۷)

(۹) جب تک خدا واضح نہیں کر دیتا کہ تقویٰ کیا ہے، وہ کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا — (۹ : ۱۱۵)

(۱۰) تقویٰ کا لباس بہترین ہے — (۷ : ۲۶)

(۱۱) حج میں ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت خدا تک نہیں پہنچتا، تقویٰ پہنچتا ہے — (۲۲ : ۳۷)

(۱۲) نفسِ انسانی میں تقویٰ اور فجور کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ یعنی انسان اپنی ذات کے استحکام کا انتظام بھی کر سکتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا بھی — (۹۱ : ۸)

(۱۳) دنیا کی زینت کی چیزیں (بیوی، بچے، دولت، مویشی، کھیتی) جاذبیت کی چیزیں ہیں۔ لیکن تقویٰ ان سے بہتر ہے۔ یعنی جب ان میں اور کسی خدائی فریضہ میں تصادم ہو تو خدائی فریضہ کو اہمیت دینی چاہیئے۔

(۳ : ۱۴-۱۳)

متقی۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے

متقی کون ہیں؟ یعنی ان کی خصوصیات کیا ہیں کس قسم کے لوگ متقی کہلاتے ہیں۔

(۱) جو لوگ ایمان، اعمالِ صالح اور تقویٰ والے ہوں وہ ان چیزوں کے کھانے سے ضرور بچیں گے جو ممنوع قرار دے دی گئی ہیں۔ اس کے بعد ان پر کوئی اور پابندی نہیں (کہ وہ یوں کھائیں اور یوں نہ کھائیں)۔ (۹۳ : ۵)

(۲) جب ان کے ذہن میں کوئی غلط خیال جو یونہی گھومتے پھرتے بھی آجاتے تو یہ فوراً قانونِ خداوندی کو سامنے لاتے ہیں اور ان کی نگاہیں روشن ہو جاتی ہیں ۔۔۔ (۲۰۱ : ۷)

(۳) کفار، متقیوں سے پوچھتے ہیں کہ خدا نے کیا نازل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خیر ۔۔۔ (۳۰ : ۱۶)

(۴) انہیں ایک ایسا نور (قرآن) ملتا ہے جس سے یہ دنیا میں چلتے پھرتے ہیں ۔۔۔ (۲۸ : ۵۷)

(۵) وہ اپنے آپ کو مزکّی نہیں کہتے پھرتے ۔۔۔ (۳۲ : ۵۳)

(۶) اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں ۔۔۔ (۷۵ : ۳) ۔۔۔ (۵۶ : ۸)

(۷) یہ دوسروں کو دیتے ہیں اور اس طرح معاشرہ کا توازن قائم رکھتے ہیں۔ اس سے ان کی ذات کی نشوونما ہوتی جاتی ہے ۔۔۔ (۱۸-۱۷ ; ۵ : ۹۲)

(۸) متقیوں کی جامع خصوصیات ۔۔۔ (۱۷۷ : ۲)

(۹) جو صداقت کو لے کر آتے اور جو اسے تسلیم کرلے وہ متقی ہے ۔۔۔ (۳۳ : ۳۹)

(۱۰) مرکزِ نظامِ خداوندی ۔ کعبہ ۔ کی تولیت کے حقدار متقی ہیں ۔۔۔ (۳۴ : ۸)۔ لہٰذا، نظامِ خداوندی کے اربابِ حل و عقد کا متقی ہونا ضروری ہے۔

(۱۱) مکافاتِ عمل کے وقت، سب دشمن ہو جائیں گے لیکن متقیوں کی یہ حالت نہیں ہوگی ۔۔۔ (۶۷ : ۴۳)

(۱۲) وصیت کرنا متقیوں پر فرض ہے ۔۔۔ (۱۸۰ : ۲)۔ مطلقہ کو سامان و متاع دینا بھی ۔۔۔ (۲۴۱ : ۲)

(۱۳) قرآن متقیوں کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے ۔۔۔ (۲ : ۲) ۔۔۔ (۱۳۷ : ۳) ۔۔۔ (۴۶ : ۵) ۔۔۔ (۴۴ : ۲۴) ۔۔۔ (۴۸ : ۴۹)

(۱۴) اقوامِ سابقہ کے احوال و کوائف متقیوں کے لئے وجہِ عبرت ہوتے ہیں ۔۔۔ (۶۶ : ۲)

(۱۵) مومنین کی دعائیں کہ ہمیں متقیوں کا امام بنانا ۔۔۔ (۷۴ : ۲۵)

(۱۶) کارگہِ کائنات پر غور و فکر کرنے والے ۔۔۔ (۶ : ۱۰)

(۱۷) رسول اللہ پر ایمان لانے والے۔ نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرنے والے ـــ (۷ : ۱۵۶–۱۵۷)

(۱۸) بدترین مخلوق وہ ہیں جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے ـــ (۸ : ۵۶)

(۱۹) خدا اور رسول کی اطاعت کرنے والے، قانون شکنی سے ڈرنے والے۔ یہ متقی ہیں ـــ (۲۴ : ۵۲)

(۲۰) جس مسجد (مرکزِ نظامِ خداوندی) کی بنیاد تقویٰ پر ہو اس میں تفرقہ نہیں ہو سکتا ـــ (۹ : ۱۰۹)

(۲۱) شرک سے مجتنب رہنے والے، اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والے۔ یہ "دل کا تقویٰ" ہے ـــ (۲۲ : ۳۱–۳۲)

(۲۲) حج کے احکام کے سلسلہ میں کہا کہ سامانِ سفر کا انتظام کرکے جایا کرو تاکہ وہاں بھیک نہ مانگنی پڑے۔

(۲ : ۱۹۷)

(۲۳) لباس و زینت اچھی چیزیں ہیں لیکن تقویٰ کا لباس بہترین ہے ـــ (۷ : ۲۶)

(۲۴) حج کے سلسلہ میں کہا کہ جانوروں کا گوشت خدا تک نہیں پہنچتا، تقویٰ پہنچتا ہے ـــ (۲۲ : ۳۷)

(۲۵) صلح حدیبیہ کے ضمن میں کہا کہ مومنین کو تسکین اس لئے دی گئی کہ وہ کلمۃ التقویٰ سے التزام رکھیں ـــ

(۴۸ : ۲۶)

(۲۶) قرآن سے نصیحت حاصل کرنے والے اہل التقویٰ اور اہل المغفرت ہوتے ہیں ـــ (۷۴ : ۵۶)

(۲۷) معاملات میں کشادہ ظرفی سے کام لینے والے ـــ (۲ : ۲۳۷)

(۲۸) دشمن سے بھی عدل کرنے والے ـــ (۵ : ۹)

(۲۹) رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز نیچی رکھنے والے ـــ (۴۹ : ۳)

(۳۰) ہدایت اور تقویٰ لازم و ملزوم ہیں۔ ہدایت سے تقویٰ مل جاتا ہے ـــ (۴۷ : ۱۷) ـــ (۹۶ : ۱۱–۱۲)

(۳۱) حضرت یحییٰ تقیا (تقویٰ شعار) تھے ـــ (۱۹ : ۱۳)

(۳۲) حضرت مریمؑ نے سامنے آنے والے سے کہا کہ اگر تم متقی (تقیا) ہو تو میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔

(۱۹ : ۱۸)

(۳۳) متقین کی جامع خصوصیات ـــ (۳ : ۱۳۲–۱۳۴)

(۳۴) محسنین اور متقین ایک ہی ہیں ـــ (۵۱ : ۱۵–۱۶)

(۳۵) جو شحِ نفس (خود غرضی اور نفسانیت) سے بچ جاتے وہ متقی ہے اور فائز المرام ـــ (۵۹ : ۹) ـــ (۶۴ : ۱۶)
تقویٰ تو "دینے" کا نام ہے ـــ (۹۲ : ۵)

متقیوں کی زندگی (دنیا اور آخرت میں) کیسی ہوتی ہے یعنی تقویٰ کا نتیجہ کیا ہے۔

(۱) یہ لوگ، ظہورِ نتائج کے وقت (یوم القیٰمۃ) کفار پر فائق ہوں گے ــــ (۲ : ۲۱۲)
(۲) ان کے لئے آخرت کا گھر بہت بہتر ہو گا ــــ (۱۲ : ۱۰۹)
(۳) خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے ــــ (۱۶ : ۱۲۸)
(۴) انہیں جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا ــــ (۱۹ : ۷۲) ــــ (۳۹ : ۶۱)
(۵) انہیں دوہرے دوہرے اجر ملیں گے۔ اور ایسی روشنی عطا ہو گی جس سے یہ دنیا میں چلیں پھریں۔ (۵۷ : ۲۸)
(۶) تقویٰ سے اس دنیا کی زندگی بھی حسین ہو جائے گی ــــ (۳۹ : ۱۰)
(۷) تقویٰ اختیار کرو تاکہ تمہاری کوششیں بھرپور نتائج پیدا کریں ــــ (۳ : ۱۲۲)
(۸) اے صاحبانِ عقل و بصیرت! تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ــــ (۲ : ۱۸۹) ــــ (۲ : ۱۹۷)
(۳ : ۱۲۹ ــــ ۱۳۵) ــــ (۳ : ۱۹۹) ــــ (۵ : ۱۰۰) ــــ (۱۰ : ۶۵)
(۹) اگر یہود ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو خدا کے ہاں سے بڑا اجر پاتے ــــ (۲ : ۱۰۳) ــــ (۶ : ۶۵)
(۱۰) میدانِ جنگ کے سلسلہ میں کہا کہ جو لوگ حسن کارانہ انداز سے اپنے فرائض ادا کریں (اتقوا) تو انکے لئے بڑا اجر ہو گا ــــ (۳ : ۱۷۱)
(۱۱) ایمان اور تقویٰ سے، زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں ــــ (۷ : ۹۶)
(۱۲) تقویٰ سے سامانِ نشو ونما ملتا ہے ــــ (۷ : ۱۵۶) ــــ (۴۹ : ۱۰)
(۱۳) لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ــــ (۷ : ۳۵) ــــ (۱۰ : ۶۲ ــــ ۶۴)
(۱۴) ان کا مستقبل خوشگوار ہوتا ہے ــــ (۷ : ۷۷)
(۱۵) یہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوتے ہیں ــــ (۳ : ۷۵) ــــ (۹ : ۴)
(۱۶) ان کی ذات کی نشو ونما ہوتی ہے اور انہیں جہنم سے دور رکھا جاتا ہے ــــ (۹۲ : ۵ ؛ ۱۷ ــــ ۱۸)
(۱۷) جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہے وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہے ــــ (۴۹ : ۱۳)
(۱۸) تقویٰ سے امتیازی زندگی ملتی ہے۔ ناہمواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ تباہیوں سے حفاظت مل جاتی ہے ــــ (۸ : ۲۹)

(۱۹) تقویٰ اور استقامت اختیار کرو۔ دشمنوں کی سازشیں تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گی ـــ (۳ : ۱۱۹)
(۳ : ۱۲۴) ـــ (۳ : ۱۸۵)

(۲۰) ایمان اور تقویٰ سے اجرِ عظیم ملتا ہے ـــ (۳ : ۱۷۸) ـــ (۱۰ : ۶۲-۶۴) ـــ (۲۷ : ۵۳) ـــ (۴۷ : ۳۵)

(۲۱) معاشرتی زندگی میں اگر حسنِ معاملہ رکھو اور تقویٰ اختیار کرو تو خدا کو اس کا علم رہے گا ـــ (۴ : ۱۲۸)
(۴ : ۱۲۹)

(۲۲) ان کے لئے خوشگوار نتائج کی خوشخبریاں ہیں ـــ (۱۹ : ۹۷)

(۲۳) متقی اور فاجر ایک جیسے نہیں ہو سکتے ـــ (۳۸ : ۲۸)

(۲۴) انّ اللّٰہ علیم بالمتّقین ـــ (۳ : ۱۱۴) ـــ (۹ : ۴۴)۔ یعنی ان کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہوتا ہے۔

(۲۵) اللہ متقیوں کا ولی ہوتا ہے ـــ (۴۵ : ۱۹)۔ یہ اولیاء اللہ ہوتے ہیں ـــ (۱۰ : ۶۲-۶۴)

(۲۶) متقیوں کا انجام نہایت خوشگوار ہوتا ہے۔ یعنی راستے میں انہیں کتنی ہی مشکلات پیش کیوں نہ آئیں، آخر الامر کامیابی انہیں کی ہوتی ہے ـــ (۷ : ۱۲۸)۔ یہ وارثِ ارض ہوتے ہیں ـــ (۱۱ : ۴۹) ـــ (۴۳ : ۳۵)

(۲۷) ان کے لئے مفاز (کامیابیاں، کامرانیاں، محنتوں کا ماحصل، متاع) ہے ـــ (۷۸ : ۳۱)

(۲۸) اللہ متقین کے ساتھ ہے ـــ (۲ : ۱۹۴) ـــ (۹ : ۳۶) ـــ (۹ : ۱۲۳)

(۲۹) انہی کی پیش کش قابلِ قبول ہوتی ہے ـــ (۵ : ۲۷)

(۳۰) متقی اگر اتفاقیہ کسی غلط محفل میں جا بیٹھیں تو اس سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ انہیں نصیحت کرتے ہیں۔
(۶ : ۶۸-۶۹)

(۳۱) متقی ارض و سمٰوٰت، کارگہ کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں ـــ (۱۰ : ۶)

(۳۲) ایمان و تقویٰ والے اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ ان پر خوف و حزن نہیں ہوتا۔ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ ان کی دنیا اور آخرت دونوں کی زندگی نہایت خوشگوار ہوتی ہے ـــ (۱۰ : ۶۲-۶۴)

(۳۳) انہیں تباہیوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے ـــ (۲۷ : ۵۳) ـــ (۴۱ : ۱۸)

(۳۴) دنیا اور آخرت کی حسنات متقیوں کے لئے۔ رحمت کی وسعتیں ـــ (۷ : ۱۵۶)

(۳۵) یہی لوگ کامیاب اور فائز المرام ہوں گے ـــ (۲۴ : ۵۲)

(۳۶) تقویٰ سے رزق کے دروازے کھلتے ہیں ـــ (۶۵ : ۲-۳)۔ ناہمواریاں دور ہوتی ہیں ـــ (۶۵ : ۵)

متقیوں کیلئے جنت ہے

(۱) (۳ : ۱۴) — (۳ : ۱۳۲) — (۳ : ۱۹۷) — (۱۳ : ۳۵) — (۱۵ : ۴۵) — (۱۶ : ۳۰–۳۱) — (۱۹ : ۶۳)
(۳۹ : ۲۰) — (۳۹ : ۷۳) — (۴۴ : ۵۱–۵۲) — (۵۱ : ۱۵) — (۵۲ : ۱۷) — (۵۴ : ۵۴)
(۶۸ : ۳۵) — (۷۷ : ۴۱)

(۲) اس جنت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے — (۱۳ : ۳۵) — (۴۷ : ۱۵) — (۲۵ : ۱۵)
وہ جنت جو ارض وسمٰوٰت کو محیط ہے — (۳ : ۱۳۲)

(۳) آخرت میں عزت واکرام — (۱۹ : ۸۵)

(۴) جنت ان کے قریب کر دی جائے گی — (۲۶ : ۹۰)۔ وہ اب بھی ان سے دور نہیں — (۵۰ : ۳۱)

(۵) ان کا مستقبل درخشندہ ہوگا — (۴۳ : ۳۵)، مفاز ہوگا — (۶ : ۳۲) — (۷ : ۱۶۹) —
(۱۲ : ۵۷) — (۲۰ : ۱۳۲) — (۷۸ : ۳۱)

(۶) حسین ترین ٹھکانہ — (۳۸ : ۴۹)

تمام انبیاء کی یہی تعلیم تھی کہ تقویٰ اختیار کرو

(۱) حضرت عیسٰیؑ کی حواریوں کو تاکید — (۵ : ۱۱۲)۔ بنی اسرائیل کو تاکید — (۲ : ۴۹) — (۴۳ : ۶۳)

(۲) حضرت نوحؑ کی تعلیم — (۲۳ : ۲۳) — (۲۶ : ۱۰۶ ; ۱۱۰) — (۷۱ : ۳)
ان کے بعد ایک رسول آیا تھا۔ اس نے بھی یہی کہا تھا — (۲۳ : ۳۲)

(۳) حضرت ہودؑ کی تعلیم — (۷ : ۶۵) — (۲۶ : ۱۲۴ ; ۱۳۱ ; ۱۳۲)

(۴) حضرت صالحؑ کی تعلیم — (۲۶ : ۱۴۴ ; ۱۵۰)

(۵) حضرت لوطؑ کی تعلیم — (۱۱ : ۷۸) — (۱۵ : ۶۹) — (۲۶ : ۱۶۳)

(۶) حضرت شعیبؑ کی تعلیم — (۲۶ : ۱۷۹ ; ۱۸۴)

(۷) حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم — (۲۹ : ۱۶)

(۸) سابقہ اہل کتاب کو بھی تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا اور مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم دیا جاتا ہے — (۴ : ۱۳۱)

(۹) حضرت الیاسؑ کی تعلیم ـــ (۱۲۴ : ۳۷)

(۱۰) تمام انبیاء کو اسی کا حکم دیا گیا تھا ـــ (۵۲ : ۲۳)

(۱۱) رسول اللہ کی تعلیم ـــ (۵۱ : ۴)ـ(۳۱ : ۱۰)ـ(۴۹ : ۱۱)ـ(۹۷ : ۱۹)ـ(۸۷ : ۲۳)

(۱۲) حضرت موسیٰؑ کی تعلیم ـ (یعنی بنی اسرائیل کو تقویٰ کا حکم)ـ(۶۳ : ۲)ـ(۱۲۴ : ۷)ـ(۱۷۱ : ۷)ـ
(۲۶ : ۱۱)

تورات، متقین کے لئے نور وہدایت تھی ـــ (۴۸ : ۲۱)

(۱۳) تمام انبیاء امتِ واحدہ کے افراد تھے ـ ربوبیتِ خداوندی اور تقویٰ ان کا شعار تھا ـــ (۵۲ : ۲۳)

متفرق

(۱) تقویٰ کے معنی دشمن کے خطرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ـــ (۲۷ : ۳)

(۲) تقیہ کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ انسان کسی خطرے سے بچنے کے لئے جھوٹ بول دے یا کوئی اور فریب دے دے ـ قرآن میں یہ لفظ اس مفہوم کے لئے نہیں آیا۔ نہ ہی یہ قرآن کی تعلیم ہے ـ آیت ـــ (۲۷ : ۳) میں دشمن کے خطرات سے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے ـ سورۃ نحل میں ہے کہ اگر کسی سے کفر کا کوئی کام زبردستی کرا لیا جائے درآنحالیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا ـــ (۱۰۶ : ۱۶)ـ یہاں بھی "کفر کا کوئی کام زبردستی کرا لینا" کہا گیا ہے، نہ کہ کسی "مجبوری" کے ماتحت جھوٹ بولنا یا فریب دینا ـ قرآن کی تو تعلیم ہی یہ ہے کہ

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اس ضمن میں قرآن کریم نے (علاوہ دیگر شواہد) ساحرینِ دربارِ فرعون کا واقعہ نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے ـ (دیکھئے عنوان موسیٰ ; فرعون)

(۳) متقیوں کے لئے ارض و سما میں آیات ـ اس سے ظاہر ہے کہ کارگہ کائنات پر غور و فکر بھی تقویٰ میں شامل ہے ـ یا متقیوں کا یہ بھی فریضہ ہے ـــ (۶ : ۱۰)ـ یہ اولوالالباب ہوتے ہیں ـــ (۱۰ : ۶۵)

(۴) مومنین کی حیثیت اجتماعیہ ـ اصبروا، وصابروا، ورابطوا، واتقواللہ ـــ (۲۰۰ : ۳)

(۵) شعائر اللہ کی تعظیم من تقوی القلوب ہے ۔۔۔ (۲۲ : ۳۲)
(۶) تقویٰ ہدایتِ خداوندی کا لازمی نتیجہ ہے ۔۔۔ (۱۷ : ۴۷)
(۷) وراثتِ ارض آخرالامر متقیوں کے لئے ہے ۔۔۔ (۷ : ۱۲۸) ۔۔۔ (۴۹ : ۱۱) ۔۔۔ (۲۸ : ۸۳)
(۸) متقی ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہو سکتے ۔۔۔ (۴۳ : ۶۷)

۔۔۔۔۔۔ (۰) ۔۔۔۔۔۔

۲۰۔ تکبّر (کِبریائی)

(نیز دیکھئے۔ علو)

تکبّر۔ (ک ۔ ب ۔ ر)۔ اس کے بنیادی معنی بڑا ہونا ہیں ۔ خواہ جسامت اور مرتبہ میں ہو اور خواہ عمر میں۔ تکبر اور استکبار کے معنی بڑا بننا ، سرکشی اختیار کرنا ۔

قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ (کبریائی) خدا کی ہے ۔ اس کے قانون سے بالا کسی کا قانون نہیں ۔ اس مفہوم کے اعتبار سے خدا کی ایک صفت المتکبر بھی ہے ۔ کسی انسان کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس کا حکم یا قانون ، خدا کے قانون سے بالا ہے ، استکبار ہے ۔ اور کسی کا قانونِ خداوندی کے بمقابل کھڑے ہو جانا (اس سے سرکشی اختیار کرنا) تکبر ہے ۔ اس اعتبار سے ، تکبر ، قوانینِ خداوندی سے بغاوت ہے اور سنگین جرم ۔ لیکن انسانی دنیا میں ، خدا کے قوانین کا غلبہ اور تسلط ، جماعتِ مومنین کے ہاتھوں ہوتا ہے ۔ اس مقصد کے لئے اس جماعت کو دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں بلند و بالا (اعلون) ۔۔۔ (۳ : ۱۳۸) ہونا چاہیئے ۔ اس مفہوم کے اعتبار سے ، جماعتِ مومنین کے لئے متکبر ہونا ، صفتِ خداوندی کا اپنے اندر منعکس کرنا ہے ۔ ایک تکبر یہ ہے کہ انسان ، کمزور اور مظلوم انسانوں پر ظلم اور زیادتی کے لئے قوت اور بڑائی کا استعمال کرے ، یہ معیوب ہے ۔ ایک تکبر یہ ہے کہ انسان ، مظلوموں اور کمزوروں کو ، ظالموں کی بالادستی سے بچانے کے لئے بڑائی اختیار کرے ۔ یہ تکبر مستحسن اور نہایت ضروری ہے ۔ باقی رہا اوچھے پن سے یونہی اکڑتے پھرنا ، سو یہ روش ، عام سطحِ انسانیت سے بھی گری ہوئی ہے ، چہ جائیکہ یہ مومنین کا شعار ہو ۔

(۲) قوانینِ خداوندی سے سرکشی کے کچھ گوشے اس عنوان میں آ گئے ہیں ۔ دیگر گوشوں کے لئے عنوانات

بغاوت ، عدوان ، معصیت ، طغیان وغیرہ دیکھئے۔

(۰)

خدا کی کبریائی ۔ قانونِ خداوندی کی بالادستی

(۱) رسول اللہ کو حکم کہ اٹھو ۔ اور خدا کی کبریائی کو انسانی معاشرہ میں مسلط کر دو ۔ یہ ہے دین کی غایت ۔ (۳:۷۴) اس کی مزید تشریح (۱۱۱ : ۱۷) میں کر دی جہاں کہا کہ حکومت میں خدا کا کوئی شریک نہیں ۔ اس حقیقت کو عملاً متشکل کر کے دکھاؤ ۔ جہاد کا مقصد بھی یہی ہے کہ کلمۃ اللہ العُلیا ۔ خدا کا قانون بلند ہو ـــــ (۴۰ : ۹)

مومن اپنی بالادستی نہیں چاہتے ، قانونِ خداوندی کی چاہتے ہیں ـــــ (۸۳ : ۲۸)

(۲) فرعون نے حضرت موسےٰ اور ہارون سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ ملک میں کبریائی تمہیں حاصل ہو جائے ۔

(۷۸ : ۱۰)

(۳) ارض و سمٰوٰت میں کبریائی خدا کی ہے ـــــ (۳۷ : ۴۵)

(۴) خدا کبیر المتعال ہے ـــــ (۹ : ۱۳) ـــــ (۶۲ : ۲۲) ـــــ (۳۰ : ۳۱) ـــــ (۲۳ : ۳۴)

(۵) حکومت صرف خدائے کبیر کی ہے ـــــ (۱۱۱ : ۱۷) ـــــ (۱۲ : ۴۰)

(۶) اگر کوئی اور الٰہ بھی ہوتے تو وہ کائنات کے کنٹرول میں شرکت کے لئے غلبہ کی کوشش کرتے ۔ خدا اس سے بہت بلند ہے ۔ وہ علوِّ کبیر ہے ـــــ (۴۳ : ۱۷)

(۷) عائلی قوانین کے سلسلہ میں کہا کہ انّ اللہ کان علیّاً کبیرًا ـــــ (۳۴ : ۴) ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بالادستی قوانینِ خداوندی ہی کی رہنی چاہیئے ـــــ (۳۴ : ۴)

(۸) مومنین کے جنتی معاشرہ کی تفاصیل کے سلسلہ میں کہا کہ انہیں ملکاً کبیرا حاصل ہوگا ۔ یہ وہی مملکت و حکومت ہے جس میں قانونِ خداوندی کی بالادستی ہوگی ـــــ (۲۰ : ۷۶)

(۹) جب ان سے کہا گیا کہ لاالٰہ الّا اللہ تو انہوں نے استکبار کیا ۔ یعنی ایک خدا کی حاکمیت تسلیم کرنے سے استکبار ـــــ (۳۵ : ۳۷)

(۱۰) اگر یہ لوگ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکنے سے استکبار کرتے ہیں تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا ۔ کائنات کی ہر شے اس کے قوانین کے سامنے سجدہ ریز ہے ـــــ (۳۸ : ۴۱)

(۱۱) روزوں کے پروگرام سے مقصدیہ ہے کہ تم دنیا میں خدا کی کبریائی قائم کرنے کے قابل ہو جاؤ — (۲ : ۱۸۵)
یہی مقصد حج سے ہے — (۲۲ : ۳۷)

(۱۲) ذکر اللہ اکبر۔ قانونِ خداوندی سب سے بلند ہے۔ کبریائی اس کے لئے ہے — (۲۹ : ۴۵)

(۱۳) جس موقعہ پر حکومتِ خداوندی کا اعلان کیا گیا تھا اسے حج الاکبر کہا گیا ہے — (۹ : ۳)

(۱۴) خدا کی صفت المتکبر الجبار — (۵۹ : ۲۳)۔ اس کے برعکس دنیاوی متکبر و جبار — (۴۰ : ۳۵)۔ اس سے تکبر و جبر کی دونوں قسمیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک نہایت مستحسن۔ دوسری بے حد معیوب۔

خدا کی کبریائی کے مقابل انسانوں کا دعویٰ کبریائی

(۱) جو لوگ قوانینِ خداوندی کی مخاصمت کرتے ہیں، ان کے دل میں بڑا بننے کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ (۴۰ : ۵۶)

(۲) جہنم میں لوگ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سادات و کبرا کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ یہاں کبرآ سے مراد وہ لیڈر یا مذہبی پیشوا ہیں جو اپنے احکام اور فیصلوں کو قوانینِ خداوندی سے بالا قرار دے کر لوگوں سے ان کی اطاعت کراتے ہیں — (۳۳ : ۶۷)

(۳) بنی اسرائیل کے متعلق کہا کہ تم دو مرتبہ ملک میں فساد کرو گے اور بڑی سرکشی اختیار کرو گے۔ اسکے معنی خداوندی قوانین کو چھوڑ کر، قوت اور حکومت کا استعمال ہے — (۱۷ : ۴)

(۴) رسول کی دعوت کی مخالفت استکبار فی الارض کی وجہ سے۔ اس میں سرکشی، قوت، اپنا غلبہ و استیلا مستحکم رکھنے کی خواہش، بڑا بننے کی ہوس، اپنی من مانی کرنے کا جذبہ، غیر خداوندی قوانین کے مطابق حکومت سب شامل ہیں — (۳۵ : ۴۳)

(۵) ہر متکبر سے محفوظ رہنے کی دعا — (۴۰ : ۲۷)۔ یہ قانونِ مکافات پر ایمان نہیں رکھتا۔

(۶) متکبر اور جبار کے قلب پر مہریں لگ جاتی ہیں۔ اس سے ایسی نفسیاتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ وہ اپنی قوت اور ضد کے نشے میں مدہوش رہتا ہے — (۴۰ : ۳۵)

(۷) متکبرین کا انجام تباہی ہوتا ہے — (۷ : ۱۴۶) — (۱۶ : ۲۹) — (۳۹ : ۶۰) — (۳۹ : ۷۲) — (۴۰ : ۷۶)

(۸) ارض و سمٰوٰت میں کبریائی صرف خدا کے لئے ہے — (۴۵ : ۳۷)۔ اسی کا ذکر اکبر ہے — (۲۹ : ۴۵)

(۹) مومن اپنی بالادستی نہیں چاہتے، قانونِ خداوندی کی بالادستی چاہتے ہیں — (۹ : ۴۰) — (۲۸ : ۸۳)

استکبار۔ قوانینِ خداوندی سے سرکشی

(اس کے ساتھ "انسانوں کے دعوئے کبریائی" کا عنوان بھی دیکھئے)

(۱) رسول اللہ کے مخالفین کا استکبار ۔۔ (۲۱ : ۲۵)۔(۴۳ : ۳۵)۔ (۱۰ : ۴۶)

(۲) قریش کے نمائندہ کا استکبار ۔۔ (۲۳ : ۷۴)

(۳) اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ تم نے استکباراً قوانینِ خداوندی سے انکار کیا تھا۔ (۴۸ : ۷)۔(۵۹ : ۳۹)

(۳۱ : ۴۵)۔(۲۰ : ۴۶)

(۴) جہنم میں، عوام اور ان کے لیڈروں کی گفتگو۔ لیڈروں کو مستکبرین کہا گیا ہے ۔۔ (۲۱ : ۱۴)۔(۶۷ : ۳۳)

(۳۱-۳۳ : ۳۴)۔(۴۷-۴۸ : ۴۰)۔

(۵) جب ان سے کہا گیا کہ لاالٰہ الااللہ۔ تو انہوں نے استکبار کیا۔ (۳۵ : ۳۷)

(۶) اگر یہ لوگ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکنے سے استکبار کرتے ہیں تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کائنات کی ہر شے اس کے قوانین کے سامنے سجدہ ریز ہے ۔۔ (۳۸ : ۴۱)

(۷) تکذیب و استکبارِ آیات کا نتیجہ محرومیاں اور تباہیاں ہے ۔۔ (۳۶ : ۷)۔(۴۰ : ۷)

(۸) جو لوگ خدا کی محکومیت (عبادت) سے استکبار کرتے ہیں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ۔۔ (۶۰ : ۴۰)

(۹) مومن، خدا کی عبودیت سے استکبار نہیں کرتے ۔۔ (۲۰۶ : ۷)۔(۱۵ : ۳۲)

(۱۰) فطرت کی قوتیں (ملائکہ) اور حیوانات وغیرہ اطاعتِ خداوندی سے استکبار نہیں کرتے ۔۔ (۲۰۶ : ۷)

(۴۹ : ۱۶)۔(۱۹ : ۲۱)

(۱۱) خدا کے قانونِ مکافات پر ایمان نہ رکھنے والے مستکبرین ہوتے ہیں ۔۔ (۲۲ : ۱۶)۔ خدا انہیں پسند نہیں کرتا ۔۔ (۲۳ : ۱۶)۔ منافق بھی مستکبرین ہوتے ہیں ۔۔ (۵ : ۶۳)۔ قرآن کا مذاق اڑانے والے بھی ۔۔ (۶۷ : ۲۳)

(۱۲) ان کے سامنے قرآن پیش کیجئے تو نہایت متکبرانہ انداز سے منہ موڑ کر چل دیتے ہیں ۔۔ (۷ : ۳۱)۔(۸ : ۴۵)

(۱۳) جو بھی قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کرنے سے سرکشی برتتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا ۔۔ (۱۷۳ : ۴) ۔۔ (۳۶ : ۷) ان کی موت کے وقت ان سے یہی کہا جائے گا ۔۔ (۹۴ : ۶)

خدا کی آیاتِ کبریٰ

(۱) حضرت موسیٰؑ کو جب حکم دیا گیا کہ فرعون کی طرف جاؤ۔ اس نے بڑا تکبر اختیار کر رکھا ہے۔ تو کہا کہ تم اس کے مقابلہ کے لئے جاؤ۔ ہم تمہیں اپنی آیاتِ کبریٰ دکھائیں گے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ ہم تمہیں اس کے مقابلہ میں غلبہ عطا کریں گے جس سے قوانینِ خداوندی کی بالادستی اور حاکمیت ثبت ہو جائیگی۔

(۲۰ : ۲۳ — ۲۴) — (۷۹ : ۲۰) — (۴۸ : ۴۳)

(۲) مقامِ نبوت کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مقصد خدا کی آیاتِ کبریٰ کا اپنے سامنے دیکھنا ہے۔ اس سے بھی دین کی غایت کی وضاحت ہو جاتی ہے — (۱۸ : ۵۳)۔ یہی وہ آیات تھیں جنہیں محسوس شکل میں سامنے لانے کے لئے حضورؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی — (۱۷ : ۱)

اقوامِ سابقہ کا استکبار

(۱) قومِ نوحؑ — (۷۱ : ۷)

(۲) فرعون۔ استکبار بغیر الحق — (۲۸ : ۳۹) — (۷ : ۱۳۳) — (۱۰ : ۷۵)۔ اسی کو عال فی الارض بھی کہا ہے — (۱۰ : ۸۳) — (۲۳ : ۴۶) — (۲۸ : ۴) — (۳۹ : ۲۹) — (۲۷ : ۴۰)

(۳) بنی اسرائیل — (۲ : ۸۷)

(۴) سردارانِ قومِ ثمود کا استکبار — (۷ : ۷۵ — ۷۶)

(۵) قومِ شعیبؑ کے سردار — (۷ : ۸۸)

(۶) قومِ عاد — (۴۱ : ۱۵)۔ دیگر اہلِ جہنم۔ استکبار بغیر الحق — (۴۶ : ۲۰)

(۷) عیسائیوں کے رہبان وغیرہ تکبر نہیں کرتے تھے۔ یہاں مراد نرم خوئی سے ہے — (۵ : ۸۲)

(۸) فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم (دونوں بھائی) چاہتے ہو کہ ملک میں کبریائی تمہاری قائم ہو جائے۔ یہاں سے کبریائی کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے یعنی اقتدارِ اعلیٰ — (۱۰ : ۷۸)

ابلیس کا استکبار یعنی انسان کے بیباک جذبات کی سرکشی۔

(۱) آدم کے سامنے جھکنے سے انکار۔ اور سرکشی — (۲ : ۳۴) — (۳۸ : ۷۴ - ۷۵)

(۲) ابلیس کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ تکبر کرتا — (۱۳ : ۷)

—— (۰) ——

۲۱۔ تکذیب۔ کذب

تکذیب - (ک - ذ - ب) - کذب؛ بمقابلہ صدق آتا ہے یعنی جھوٹ۔ جھوٹ کسے کہتے ہیں، اسے قرآن کریم نے خود بتادیا ہے۔ سورۃ منافقون میں ہے کہ اے رسول! جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ تو خدا کا رسول ہے۔ اس کے بعد ہے کہ خدا کو اس کا علم ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ لیکن یہ لوگ کاذب ہیں۔ یہاں سے کذب کے معنی واضح ہو گئے۔ یعنی کسی کی کوئی بات اگرچہ خارجی واقعہ کے مطابق ہو لیکن اگر اس کے دل اور زبان میں ہم آہنگی نہیں تو یہ کذب ہے۔ اگر کسی معاملہ میں دل اور زبان میں ہم آہنگی ہے لیکن وہ بات واقعہ کے خلاف ہے، تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہم یہ کہیں گے کہ اُسے صحیح واقعہ کا علم نہیں۔ لہٰذا کذب کے معنی ہوں گے دیدہ دانستہ غلط بیانی کرنا۔ یا ایسی بات زبان سے کہنا جو دل سے نہ مانی جاتی ہو۔ لیکن ہر غلط اور جھوٹی بات کو کذب کہا جائے گا۔

قرآن بتاتا ہے کہ خدا کے رسول، جب اور جہاں بھی آتے رہے، لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔ یعنی یہ کہا کہ وہ اپنے دعوائے نبوت میں جھوٹے ہیں۔ اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اگر ڈاکٹر کسی مریض سے کہے کہ اس کے اندر تپ دق کے جراثیم ہیں، اسے اس کا فوری علاج کرنا چاہیئے اور مریض یہ کہہ کر چل دے کہ ڈاکٹر جھوٹ بولتا ہے، تو اس کا نتیجہ واضح ہے۔ انبیاء کی تکذیب سے یہی مراد ہے۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ جس غلط روش پر وہ چل رہے ہیں وہ انہیں تباہی کی طرف لئے جارہی ہے۔ جو لوگ ان کی بات کو سچا مان لیتے تھے وہ اس روش کو چھوڑ کر صحیح روش اختیار کر لیتے تھے اور اس طرح تباہی سے بچ جاتے تھے۔ لیکن جو اپنی ضد اور ہٹ کی وجہ سے کہہ دیتے تھے کہ نہیں! وہ جھوٹ کہتا ہے۔ ہماری روش ہمیں کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، وہ تباہ ہو جاتے تھے۔

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ جو لوگ یہ تسلیم کریں کہ رسول سچ کہتا ہے، لیکن اسکے

باوجود اپنی غلط روش کو نہ چھوڑیں، وہ بھی تباہ ہو جائیں گے۔ قرآن نے اسے بھی رسولؐ یا دین کی تکذیب کہا ہے۔ لہٰذا جس دعوئے ایمان کی تصدیق انسان کے عمل سے نہیں ہوتی، وہ دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے۔ یہ تکذیب ان لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو اس رسول کے نام لیوا ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے بتائے ہوئے دین پر نہیں چلتے۔ یہ حالت ہم مسلمانوں کی ہے۔ ہم عملاً رسولؐ اور دین کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ یہ تکذیب، مخالفین کی تکذیب سے بھی بدتر ہے۔

کِذب (جھوٹ)، کاذب (جھوٹا)

(۱) منافقین جانتے بوجھتے جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں — (۵۸ : ۱۴)

(۲) خدا کی آیات پر ایمان نہ رکھنے والے، خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں۔ یہ جھوٹے ہیں — (۱۶ : ۱۰۵)

(۳) یہودی، جھوٹ بولنے اور جھوٹ سننے کے عادی تھے — (۵ : ۴۱-۴۲)

(۴) نصاریٰ، جو خدا کی اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں تو یہ کذب ہے — (۵ : ۱۸)

(۵) قصۂ حضرت یوسفؑ میں، واقعۂ قمیص کے سلسلہ میں کذب و صدق کی شہادت کا معیار — (۱۲ : ۲۶-۲۷)

(۶) جنگ میں جانے سے گریز کرنے والے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں — (۹ : ۹۰)

(۷) کاذب و کفار، صحیح راستے پر نہیں آسکتا — (۳۹ : ۳) — (۴۰ : ۲۸)

(۸) حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں تم اپنی جگہ کام کرو۔ نتائج خود بخود بتا دینگے کہ کون جھوٹا ہے اور کس کے حصے میں ذلت آتی ہے — (۱۱ : ۹۳)

(۹) دربارِ فرعون کے مردِ مومن نے کہا کہ اگر (حضرت) موسیٰؑ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں تو اس کا وبال انہی پر پڑیگا۔ اور اگر وہ سچے ہیں تو تمہاری تباہی ضرور آجائے گی — (۴۰ : ۲۸)

(۱۰) وہ عظیم واقعہ رونما ہونے والا ہے اس کے وقوع پذیر ہونے میں قطعاً جھوٹ نہیں — (۵۶ : ۲)

(۱۱) رسول اللہؐ کی مخالفت کرنے والا کاذب تھا — (۹۶ : ۱۶)

(۱۲) جھوٹوں پر "شیاطین" نازل ہوتے ہیں — (۲۶ : ۲۲۳)

(۱۳) کفار، قیامت میں کہیں گے کہ اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں۔ کہا یہ کہ جھوٹ

بولتے ہیں — (۶ : ۲۷) — (۶ : ۲۸)

(۱۴) ہم نے ان لوگوں کی طرف الحق بھیجا ہے۔ لیکن یہ اسے تو مانتے نہیں اور جھوٹی باتیں بناتے چلے جاتے ہیں۔ (۲۳ : ۹۰)

(۱۵) خدا منافقین کے متعلق جانتا ہے کہ وہ جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں — (۹ : ۴۲) — (۹ : ۴۳) — (۵۹ : ۱۱) — (۶۳ : ۱)

(۱۶) حشر میں معبودان اپنے متبعین کے متعلق کہیں گے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنی پرستش کے لئے نہیں کہا تھا — (۱۶ : ۸۶)

(۱۷) یہ (مخالفین) قسمیں کھا کھا کر اپنی بات کو پیش کریں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں — (۵۸ : ۱۸)

(۱۸) جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ جھوٹ افترا کرتے ہیں۔ یہ جھوٹے ہیں — (۱۶ : ۱۰۵)

(۱۹) واقعۂ افک کے متعلق کہا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں — (۲۴ : ۱۳)

(۲۰) حیات بعد الممات برحق ہے۔ اور یہ لوگ جو اس کا انکار کرتے ہیں، جھوٹے ہیں — (۱۶ : ۳۹)

(۲۱) قصۂ حضرت یوسفؑ میں، اُن کے کارندوں نے اُن کے بھائیوں سے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری سزا کیا ہوگی — (۱۲ : ۷۴)

(۲۲) مصائب اور مشکلات اس لئے پیش آتی ہیں کہ دعوئے ایمان میں جھوٹے اور سچے کی پرکھ ہو جائے — (۲۹ : ۳)

(۲۳) "مباہلہ" کے ضمن میں کہا کہ جھوٹ بولنے والے، خدا کی نوازشات سے محروم رہ جاتے ہیں تفصیل کیلئے عنوانات "مباہلہ" اور "لعنت" دیکھئے — (۳ : ۶۰)

(۲۴) "لعان" میں یہ کہا جائے کہ جو جھوٹا ہو وہ خدا کی نوازشوں سے محروم رہے — (۲۴ : ۷) — (۲۴ : ۸)

(۲۵) حضرت سلیمان نے ہدہد کا بیان سنکر کہا کہ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تم جھوٹے ہو یا سچے — (۲۷ : ۲۷)

(۲۶) ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے مکذبین کون ہیں — (۶۹ : ۴۹)

(۲۷) مکذبین جہنم میں ہونگے — (۵۶ : ۹۲)

(۲۸) اقوام سابقہ کے احوال و کوائف کو دیکھو کہ مکذبین کا انجام کیا ہوا — (۳ : ۱۳۶) — (۶ : ۱۱) — (۱۶ : ۳۶) — (۴۳ : ۲۵)

(۲۹) مکذبین کی اطاعت مت کرو — (۶۸ : ۸)

(۳۰) اعمال کے نتائج کے سامنے آنے کے وقت مکذبین کی تباہی ہوگی — (۱۱ : ۵۲) — (۱۶ : ۷۷)

(۴۹ ; ۷۴ ; ۵۴ ; ۴۰ ; ۳۷ ; ۳۴ ; ۲۸ ; ۲۴ ; ۱۹ : ۷۷) — (۱۰ : ۸۳)

(۳۱) رسول اللہ سے کہا گیا کہ یہ جو تکذیب کرتا ہے اسے ہمارے قانونِ مکافات کے سپرد کر دو —

(۴۴ : ۹۸) — (۱۱ : ۷۳)

خدا کی تکذیب

(یعنی اپنی طرف سے جھوٹی بات بنانا اور اُسے منسوب کر دینا خدا کی طرف۔ مذہبی پیشوا یہی کرتے ہیں)

(۱) اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو خدا کے خلاف افترا کرے، یا اس کے قوانین کی تکذیب کرے۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے — (۳ : ۹۳) — (۴ : ۵۰) — (۵ : ۱۰۳) — (۶ : ۲۱) — (۶ : ۹۴)

— (۶ : ۱۴۴) — (۷ : ۳۷) — (۱۰ : ۱۷) — (۱۱ : ۱۸) — (۱۸ : ۱۵) — (۲۹ : ۶۸) — (۳۹ : ۳۲)

(۶۱ : ۷)

(۲) یہ لوگ جانتے بوجھتے خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں — (۳ : ۷۴) — (۳ : ۷۸)

(۳) ایسے لوگ خدا کے قانونِ مکافات کے متعلق دل میں کیا خیال کئے بیٹھے ہیں — (۱۰ : ۶۰)

(۴) ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے — (۱۰ : ۶۹) — (۱۶ : ۱۱۶)

(۵) خدا کی طرف ایسی جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں جنہیں یہ خود اپنے لئے بھی پسند نہ کریں اور سمجھتے یہ ہیں کہ یہ ان کے حق میں بڑی اچھی بات ہے — (۱۶ : ۶۲)

(۶) ایسے کرنے والوں کا قوانینِ خداوندی پر ایمان نہیں ہوتا — (۱۶ : ۱۰۵)

(۷) حضرت موسیٰؑ نے قوم فرعون سے کہا کہ خدا کے خلاف کذب کیوں تراشتے ہو — (۲۰ : ۶۱)

(۸) وحشی قبیلہ کے افراد (جنّ) نے جب قرآن سنا تو جا کر اپنے لوگوں سے کہنے لگے کہ ہم سمجھتے تھے کہ شہری اور قبائلی لوگ خدا کے خلاف جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے — (۷۲ : ۵)

(۹) خود حلال اور حرام کی فہرستیں مرتب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے — (۱۶ : ۱۱۶)

(۱۰) یہ بھی کہنے لگ جاتے ہیں کہ ان کی طرف وحی آتی ہے — (۶ : ۹۳)

(۱۱) اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا کے خلاف کذب باندھے — (۶ : ۲۱) — (۶ : ۹۳ ؛ ۱۴۴) — (۱۸ : ۱۵) — (۱۱ : ۱۸) — (۱۰ : ۱۷) — (۷ : ۲۰)۔ خدا کے خلاف افترا باندھے اور جب حق سامنے آئے تو اس کی تکذیب کرے — (۲۹ : ۶۸)

(۱۲) خود ساختہ کتاب اور شریعت کو خدا کی کتاب کہہ کر پیش کرتے ہیں — (۳ : ۷۸)

اقوامِ سابقہ کی طرف سے تکذیب

(۱) فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسےٰؑ کی تکذیب کی — (۳ : ۱۰) — (۷ : ۱۳۶) — (۸ : ۵۴) — (۲۰ : ۴۸) — (۲۰ : ۵۶) — (۲۲ : ۴۴) — (۲۳ : ۴۸) — (۲۵ : ۳۶) — (۲۶ : ۱۲) — (۲۸ : ۳۴) — (۲۸ : ۳۸) — (۴۰ : ۲۴) — (۵۴ : ۴۲) — (۷۹ : ۲۱)

قومِ فرعون کے مردِ مومن نے کہا کہ اگر موسےٰؑ جھوٹ بولتا ہے تو اس کا وبال اس پر پڑے گا — (۴۰ : ۲۸)

(۲) قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ کی تکذیب کی — (۵۴ : ۲۵)۔ انہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے۔ (۱۵ : ۸۰) — (۲۶ : ۱۴۱) — (۵۴ : ۲۶) — (۶۹ : ۴) — (۹۱ : ۱۱ ؛ ۱۴)

(۳) قومِ شعیبؑ نے تکذیب کی — (۲۶ : ۱۷۶)، کہا کہ اگر ہم شعیبؑ کی بات مان لیں گے تو یہ خدا کے خلاف کذب ہوگا — (۷ : ۸۹) — (۷ : ۹۲) — (۲۶ : ۱۸۶) — (۲۶ : ۱۸۹) — (۲۹ : ۳۷)

(۴) جملہ اقوامِ سابقہ نے تکذیبِ رُسل کی — (۸ : ۵۴) — (۱۷ : ۵۹) — (۲۳ : ۴۴) — (۲۹ : ۱۸) — (۳۸ : ۱۲-۱۴) — (۴۰ : ۵) — (۵۰ : ۱۲-۱۴) — (۶۷ : ۱۸)

(۵) قومِ نوحؑ نے تکذیب کی — (۷ : ۶۴) — (۱۰ : ۷۳) — (۱۱ : ۲۷) — (۲۱ : ۷۶-۷۷) — (۲۳ : ۳۸) — (۲۵ : ۳۷) — (۲۶ : ۱۰۵) — (۲۶ : ۱۱۷) — (۵۴ : ۹)

قومِ نوحؑ کے بعد ایک قوم کی طرف سے تکذیب — (۲۳ : ۳۳) — (۲۳ : ۳۹)

(۶) قومِ عاد نے بھی تکذیب کی — (۷ : ۶۶) — (۷ : ۷۲) — (۲۶ : ۱۲۳) — (۲۶ : ۱۳۹) — (۵۴ : ۱۷) — (۶۹ : ۴)

(۷) قومِ لوطؑ نے بھی تکذیب کی — (۲۶ : ۱۶۰) — (۵۴ : ۳۳)

(۸) بنی اسرائیل نے تکذیبِ رُسل کی — (۲ : ۸۷) — (۵ : ۷۱) — (۶۲ : ۵)

(۹) قوموں کا وطیرہ یہ تھا کہ جس بات سے ایک دفعہ انکار کر دیا، پھر اس پر غور و فکر ہی نہ کیا۔ اور اس سے

برابر انکار کئے جاتے رہے — (۷ : ۱۰۱) — (۱۰ : ۷۴)

(۱۰) ایک بستی کا ذکر جس کے رہنے والوں نے تکذیبِ رسول کی تو گرفتارِ عذاب ہو گئے — (۱۶ : ۱۱۳) — (۳۶ : ۱۴) — (۳۶ : ۱۵)

(۱۱) قومِ حضرت الیاسؑ نے تکذیب کی — (۳۷ : ۱۲۷)

(۱۲) حضرت ابراہیمؑ کی بھی تکذیب ہوئی — (۲۹ : ۱۸)

مخالفین کی طرف سے رسول اللہ کی تکذیب

(۱) جب رسول انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے متنبہ کرتا ہے تو یہ اسے ساحر اور کذاب کہتے ہیں — (۳۸ : ۴)، نیز مجنون — (۳۸ : ۸)

(۲) اے رسول! اگر یہ لوگ تیری تکذیب کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تمام انبیاء سابقہ کی اسی طرح تکذیب ہوتی رہی ہے — (۳ : ۱۸۳) — (۶ : ۳۴) — (۲۲ : ۴۲) — (۲۹ : ۱۸) — (۳۴ : ۴۵) — (۳۵ : ۴) — (۳۵ : ۲۵) — (۳۹ : ۲۵) — (۶۷ : ۱۸)

(۳) اگر یہ تیری تکذیب کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ اس کا نتیجہ ان کی اپنی تباہی ہوگا — (۶ : ۱۴۸)

(۴) یہ لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ (i) نہ انہوں نے علم کی رو سے پرکھ کر دیکھا ہے کہ اس کے دعاوی کیا ہیں۔ (ii) نہ ہی یہ دیکھا ہے کہ تاریخی شواہد ان دعاوی کی تائید کرتے ہیں یا نہیں۔ اور (iii) نہ ہی اس کا انتظار کیا ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ دعاوی اپنے نتائج مرتب کرتے ہیں یا نہیں۔ (۱۰ : ۳۹)

(۵) جو تکذیب کرتا اور منہ پھیر کر چل دیتا ہے، اس کا نتیجہ ظاہر ہے — (۷۵ : ۳۱-۳۲)۔ اس آیت میں صَدَّقَ کے مقابلہ میں کَذَّبَ آیا ہے — (۹۶ : ۱۳)

(۶) یہ الساعۃ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ تباہی ہے — (۲۵ : ۱۱)

(۷) تیری قوم، قرآن کی تکذیب کرتی ہے — (۶ : ۶۶)

(۸) یہ تیری تکذیب نہیں کرتے، قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں — (۶ : ۳۳)

(۹) رسول اللہ بیّنات پیش کرتے تھے اور مخالفین ان کی تکذیب کرتے تھے — (۶ : ۵۷)

(۱۰) ان کی تکذیب سے آپ آزردہ اور افسردہ خاطر نہ ہوں۔ ثابت قدمی سے اپنے مشن پر جمے رہیں — (۶ : ۳۴)

(۱۱) اگر یہ تیری تکذیب کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم اپنی روش کے مطابق کام کرو۔ میں اپنی روش کے مطابق کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دینگے کہ حق پر کون ہے — (۱۰ : ۴۱)

(۱۲) یہ لوگ حق کی تکذیب کرتے ہیں —(۶ : ۵)—(۵۰ : ۵)

(۱۳) انہوں نے تکذیب کی ہے تو اس کا نتیجہ ان کے سامنے آجائیگا —(۶ : ۵)—(۲۶ : ۶)

(۱۴) قوانینِ خداوندی کی تکذیب اور اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں —(۵۴ : ۳)

(۱۵) چند حقائق بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس کے بعد الدّین کی تکذیب کون کرسکتا ہے؛ یعنی ان حقائق کی تکذیب ہو نہیں سکتی۔ جو ایسا کریگا محض ضد اور تعصب کی بنا پر کریگا —(۹۵ : ۷)

(۱۶) خدا جانتا ہے کہ تم میں مکذّبین ہیں —(۶۹ : ۴۹)

(۱۷) یہ لوگ۔ الدّین — یعنی قانونِ مکافاتِ عمل کی تکذیب کرتے ہیں —(۸۲ : ۹-۱۲)

(۱۸) تکذیبِ آیات کرنے والے کو میرے (قانونِ مکافات کے) حوالے کردو —(۶۸ : ۴۴)

(۱۹) کفار، حضورؐ کو ساحر اور کذّاب کہتے تھے —(۳۸ : ۴)

عملاً تکذیب۔ یعنی دعوٰئے ایمان کے باوجود تکذیب

(۱) یہ کہنا کہ اگر خدا کو منظور ہوتا تو ہم ایسا نہ کرتے، خدا پر ایمان کی تکذیب ہے —(۶ : ۱۴۹)۔ ایمان یہ ہے کہ انسان اپنی غلطیوں کی ذمہ داریوں کا اعتراف کرے نہ کہ انہیں خدا کی طرف منسوب کرکے، بری الذمہ ہو جائے۔

(۲) کتابوں کو اٹھائے اٹھائے پھرنا اور ان پر عمل نہ کرنا، تکذیبِ آیات ہے —(۶۲ : ۵)

(۳) دین کی تکذیب کون کرتا ہے؛ وہ جو دعوٰئے ایمان کے باوجود، یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ مسکین کے رزق کا اہتمام نہ خود کرتا ہے نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔ جو صلوٰۃ کے ظواہر ادا کرکے مطمئن ہو جاتا ہے کہ میں نے فریضۂ خداوندی ادا کر دیا ہے۔ جو رزق کے سرچشموں کو روک لیتا ہے۔(۱۰۷ : ۱-۷)

(۴) جہاد کے لئے نہ نکلنا اور عذر تراشیاں کرنا، خدا اور رسول کی تکذیب ہے —(۹ : ۹۰)

تکذیب کا نتیجہ

(۱) تکذیب کا نتیجہ تباہی ہے —(۳ : ۱۱)—(۶ : ۴۹)—(۶ : ۱۴۸-۱۴۹)—(۸ : ۵۴)—(۲۰ : ۴۸)

(۱) (۲۵ : ۱۱) — (۲۵ : ۳۶) — (۳۰ : ۱۰) — (۳۸ : ۱۴) — (۳۹ : ۲۵) — (۵۰ : ۱۴) — (۶۷ : ۱۸)

عذابِ الیم — (۲ : ۱۰) - عذابِ مہین — (۲۲ : ۵۷)

(۲) جہنم اس کے لئے ہے جو تکذیب کرتا ہے اور منہ پھیر کر چل دیتا ہے — (۷ : ۳۶) — (۹۲ : ۱۶)

(۳) ان مخاطبین کو تو ابھی اس تباہی کا عشر عشیر بھی نہیں ملا جو ان سے پہلے کے مکذّبین کے حصہ میں آئی تھی۔

(۳۴ : ۴۵)

(۴) جو حسن معاشرہ کی تکذیب کرتا ہے اس پر زندگی تنگ ہو جاتی ہے — (۹۲ : ۹-۱۰)

(۵) اہل جہنم وہ ہیں جو قوانین خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں — (۲ : ۳۹) — (۵ : ۱۰) — (۵ : ۸۶)

(۲۳ : ۱۰۵) — (۲۷ : ۸۳-۸۴) — (۳۹ : ۵۹-۶۰) — (۴۰ : ۷۰-۷۲) — (۵۷ : ۱۹) — (۶۴ : ۱۰)

(۶۷ : ۹) — (۷۸ : ۲۸)

(۶) تکذیبِ آیات کرنے والے گونگے، بہرے، تاریکیوں میں رہتے ہیں — (۶ : ۳۹) — (۷ : ۶۴)

(۷) تکذیب کا نتیجہ مرتب ہو کر رہے گا — (۲۵ : ۷۷)۔ انجام تباہی ہوگا — (۳۰ : ۱۰) — (۵۴ : ۳)

(۸) حق کی تکذیب درحقیقت انسان کی خود اپنے آپ کی تکذیب ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ اس کی ذات کے خلاف پڑتا ہے — (۶ : ۲۴) — (۷ : ۱۷۷) — (۹ : ۴۲)

(۹) تکذیبِ آیات کرنے والوں پر آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ وہ جنت میں نہیں جاسکیں گے۔

(۷ : ۴۰)

(۱۰) تکذیبِ آیات سے، انسان پستیوں میں گر جاتا ہے۔ ہوس سے اس کی حالت کتّے کی سی ہو جاتی ہے۔

یہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں — (۷ : ۱۷۶-۱۷۷)

(۱۱) تکذیبِ آیات سے قوم کی جڑیں کٹ جاتی ہیں — (۷ : ۷۲)۔ ان کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ (۷ : ۱۴۷)

(۱۲) لقاء اللہ (قانونِ مکافات) کی تکذیب کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں — (۶ : ۳۱) — (۱۰ : ۴۵) — (۳۰ : ۱۶)

(۱۳) تکذیبِ آیات کرنے والے بتدریج تباہی کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں — (۷ : ۱۸۲)

(۱۴) ایسی قوم کی دولت و حکومت دوسری قوموں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے — (۷ : ۱۳۶-۱۳۷) بھوک اور خوف کا عذاب اس پر مسلط ہو جاتا ہے — (۱۶ : ۱۱۲-۱۱۳)

(۱۵) اقوامِ سابقہ کے احوال و کوائف پر غور کرو اور دیکھو کہ مکذّبین کا انجام کیا ہوا۔ (۱۳۶ : ۳)—
(۱۱ : ۶)—(۳۶ : ۱۶)—(۲۵ : ۴۳)

(۱۶) حضرت صالحؑ نے قوم سے کہا کہ تمہاری تباہی آجائے گی اور یہ وہ وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا ثابت نہیں ہوگا۔
(۶۵ : ۱۱)

(۱۷) اہل جہنم سے کہا جائے گا کہ جس عذاب کی تم تکذیب کیا کرتے تھے اس کا اب مزہ چکھو —(۲۰ : ۳۲)
(۴۲ : ۳۴)—(۱۴ : ۵۲)—(۴۰ : ۵۵)—(۳۰ : ۷۷)—(۱۷ : ۸۳)

(۱۸) یہ ہے وہ یومُ الفصل جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے —(۲۱ : ۳۷)۔ نیز یوم الدین —(۹ : ۸۲)—(۱۱ : ۸۳)

(۱۹) کفر و تکذیب ایک ہی بات ہے —(۲۲ : ۸۴)—(۱۹ : ۸۵)

(۲۰) جہنم میں کفار کہیں گے کہ ہم یومُ الدین کی تکذیب کیا کرتے تھے —(۴۶ : ۷۴)

(۲۱) اعمال کے نتائج سامنے آنے کے وقت مکذّبین کی تباہی —(۱۱ : ۵۲)—(۱۴ : ۷۷)
(۳۹ ؛ ۴۷ ؛ ۴۵ ؛ ۴۰ ؛ ۳۷ ؛ ۳۴ ؛ ۲۸ ؛ ۲۴ ؛ ۱۹ : ۷۷)—(۱۲—۱۰ : ۸۳)

(۲۲) قیامت میں تکذیبِ آیات کرنے والوں کا حشر —(۸۵—۸۳ ، ۲۷)

(۲۳) تکذیب کرنے والوں کو ہمارے قانونِ مکافات کے حوالے کر دو —(۶۸ : ۴۴)—(۱۱ : ۷۳)

(۲۴) تکذیب سے منافقت کا مرض بڑھتا ہے اور اس سے الم انگیز عذاب آجاتا ہے —(۱۰ : ۲)—(۷۷ : ۹)

(۲۵) تکذیبِ حق سے اس دنیا میں بھی ذلت کا عذاب آتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ ہے۔
(۲۶ : ۳۹)

متفرقات

(۱) جنت (اور جنتی معاشرہ) میں لغو اور جھوٹ کی کوئی بات سنائی نہیں دیگی —(۳۵ : ۷۸)

(۲) رسول کا دل اس کی وحی کی صداقت کی تائید کرتا ہے —(۱۱ : ۵۳)

(۳) یوسفؑ کے بھائی، اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے —(۱۸ : ۱۲)

(۴) نتائج برآمد ہونے میں دیر لگ جائے تو وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے کہ تم کامیاب ہو گے —(۱۱۰ : ۱۲)

(۵) تکذیبِ آیات کرنے والوں کا اتباع مت کرو ۔۔۔(۶ : ۱۵۱)۔۔۔(۸ : ۶۸)

(۶) جن لوگوں کو یہ لوگ اپنا معبود بنائے ہوتے ہیں وہ انہیں قیامت میں جھٹلائیں گے ۔۔۔(۱۹ : ۲۵)

(۷) تم خدا کی کون کونسی نعمتوں اور قدرتوں کی تکذیب کروگے۔ (سورۃ الرحمٰن ۵۵ میں یہ شروع سے آخر تک متعدد بار آیا ہے)

(۸) مذہبی پیشواؤں سے کہا کہ تم قرآن کو جھٹلاتے ہو تاکہ اس سے اپنی روٹی کا سامان کرو ۔۔ (۵۶ : ۸۲)

(۹) تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جو دین کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مساکین کے کھانے کے لئے دوسروں کو ترغیب نہیں دیتا۔ صلوٰۃ محض دکھاوے کی ہوتی ہے۔ اور جس رزق کو بہتے پانی کی طرح رہنا چاہیئے اسے روک کر رکھ لیتا ہے ۔۔۔(۱۰۷ : ۱۔۷)

(۱۰) تکذیبِ آیات کرنے والے درحقیقت اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں ۔۔۔(۳ : ۵۴)

—— (۰) ——

۲۲۔ تلاوت

(نیز دیکھئے۔ قرآن۔ قرأت)

تلاوت۔ (ت۔ل۔و) کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ اس کا اتباع اور اطاعت کرنا۔ چونکہ کتاب میں دیئے ہوئے احکام کی اطاعت کرنے کے لئے اس کتاب کا پڑھنا ضروری ہوتا ہے اس لئے تلاوت کے عام معنی پڑھنا یا احکام کا دوسروں کے سامنے پیش کرنا بھی لئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ' بذریعہ وحی' اپنے احکام رسول کے سامنے پیش کرتا (یا اس تک پہنچاتا) تھا اور رسول ان احکام کو دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اسے بھی تلاوتِ احکام کہا جاتا ہے۔ اور لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ ان احکام کو پڑھیں، سمجھیں اور ان کی اطاعت کریں۔ اسے بھی تلاوتِ احکام کہا جاتا ہے۔ یاد رکھیئے۔ محض پڑھنے کو قرأت کہا جائے گا، لیکن پڑھ کر (یا ویسے ہی) احکام کی اطاعت کرنے کو تلاوت کہا جائے گا۔ یہ جو ہمارے ہاں قرآن کریم کے صرف پڑھ لینے کو تلاوت کہتے ہیں تو یہ اس لفظ کا صحیح مفہوم نہیں۔ قرآنِ کریم کا صرف پڑھ لینا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اِسے تلاوتِ قرآن کہہ ہی نہیں سکتے۔ سورہ بقرہ میں اہلِ کتاب کے ایک گروہ کے متعلق ہے ۔ وَ مِنْهُمْ

اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ ــــ (۲ : ۷۸)۔ اس میں امانی کے معنی جھوٹی آرزوئیں بھی ہیں لیکن اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ "ان میں اَن پڑھ بھی ہیں جو کتاب کو صرف پڑھ لیتے ہیں۔ اس کا مطلب کچھ نہیں سمجھتے"۔ ویسے بھی کسی کتاب کو بلا سمجھے پڑھنا 'بے معنی ہے۔ لہٰذا تلاوت سے مراد ہے کتاب اللہ کو سمجھ کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔ یا ویسے ہی اس کی اطاعت کرنا۔ مومنین کا یہی شعار بتایا گیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ــــ (۲ : ۱۲۱)۔ یہ لوگ اس کتاب کی تلاوت (اتباع) کرتے ہیں جیسا کہ اتباع کرنے کا حق ہے۔ یہی لوگ درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد، کتاب اللہ کی اطاعت کرنا ہے نہ کہ صرف اسے پڑھنا۔ کیونکہ اسے پڑھتے تو غیر مسلم بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔

اس عقیدہ نے کہ قرآن شریف کو بلا سمجھے پڑھنے سے بھی "ثواب" ہوتا ہے، امت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا ہے۔

خدا کی طرف سے تلاوتِ احکام

(۱) یہ ہیں وہ احکام جنہیں، اے رسول! ہم تیرے سامنے پیش کرتے ہیں ــــ (۳ : ۵۷)

(۲) ہم تیرے سامنے قصۂ فرعون و موسیٰ پیش کرتے ہیں ــــ (۲۸ : ۳)

(۳) یہ احکامِ خداوندی ہیں جنہیں ہم تیری طرف بھیجتے (یا پیش کرتے) ہیں ــــ (۲ : ۲۵۲) ــــ (۳ : ۱۰۷) (۴۵ : ۶)

(۴) یتامی النساء کے متعلق احکام ــــ (۴ : ۱۲۷)

(۵) حلت و حرمت کے متعلق احکام ــــ (۵ : ۱) ــــ (۲۲ : ۳۰)

(۶) کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ خدا نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی ہے جسے تو ان کے سامنے پیش کرتا ہے ــــ (۲۹ : ۵۱)

رسول کی طرف سے تلاوتِ احکام

(۱) دعائے ابراہیمی کہ میری نسل میں ایسا رسول پیدا کر جو ان کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کرے۔ (۲:۱۲۹)

(۲) ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو تمہارے سامنے ہمارے احکام پیش کرتا ہے۔ (۲ : ۱۵۱)۔
یہ خدا کا احسان ہے مومنین پر۔ (۳ : ۱۶۳)
(۳) انہیوں کی طرف رسول بھیجا جو ان کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کرتا ہے۔ (۲ : ۶۲)
(۴) خدا کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان میں ایسا رسول نہ بھیجدے جو ان کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کرے۔ (۲۸ : ۵۹)
(۵) رسول احکامِ خداوندی پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے آئے۔ (۶۵ : ۱۱)
(۶) رسول ان کے سامنے پاکیزہ صحیفے پیش کرتا ہے۔ (۲ : ۹۸)
(۷) اہلِ جہنم سے کہا جائیگا کہ کیا تمہارے پاس میرے رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے سامنے میرے احکام پیش کرتے تھے۔ (۲۳ : ۶۶) — (۲۳ : ۱۰۵) — (۳۹ : ۷۱) — (۴۵ : ۳۱)
(۸) رسول خود بھی احکامِ خداوندی کی تلاوت (پیروی) کرتا تھا۔ اور اس پیروی کے زندہ نتائج اسکے دعوے کی صداقت کے گواہ بنتے جاتے تھے۔ (۱۱ : ۱۷)
(۹) رسول اللہ خود اپنے اہلِ خانہ (ازواجِ مطہرات) کے سامنے بھی کتاب و حکمت پیش کرتے تھے۔ اور ان پر وہاں عمل ہوتا تھا۔ (۳۳ : ۳۴)
(۱۰) اے رسول! جب تو ہمارے احکام ان کے سامنے پیش کر رہا ہوتا ہے تو ہم اس پر شاہد ہوتے ہیں۔ (۱۰ : ۶۱)
(۱۱) اے رسول! تم اہلِ مدین کے پاس موجود نہیں تھے اور ان کے سامنے ہمارے احکام پیش نہیں کرتے تھے جو تمہیں ان واقعات کا علم ہو جاتا۔ یہ تو ہم بذریعہ وحی تمہیں بتا رہے ہیں۔ (۲۸ : ۴۴)
(۱۲) رسول اللہ، نبوت سے پہلے تلاوتِ کتاب یا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ یہاں تلاوت سے مراد کتاب کا پڑھنا ہے۔ نبوت سے پہلے حضورؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ کیفیت نہیں تھی۔ (۲۹ : ۴۸)
(۱۳) تمہیں رسول بنایا ہے تاکہ تو ان لوگوں کے سامنے ہمارے احکام پیش کرے۔ (۱۳ : ۳۰)
(۱۴) مومنین سے کہا گیا کہ تم کیسے کفر کر سکتے ہو جب کہ تمہارے سامنے آیاتِ خداوندی پیش کی جاتی ہیں۔ (۳ : ۱۰۰)
(۱۵) ان (کفار) کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں اور یہ ان سے سرکشی برتتے ہیں۔ (۷ : ۳۱)
(۸ : ۳۵)
(۱۶) میں تمہیں بتاتا ہوں (اتل علیکم) جو خدا نے حرام کیا ہے۔ (۶ : ۱۵۲)

(۱۷) اے رسول! جو تم پر وحی کیا جاتا ہے اسے لوگوں کے سامنے پیش کر ــــ (۴۵ : ۲۹)
(۱۸) ان کے سامنے آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کر ــــ (۲۷ : ۵)
(۱۹) ان سے (بطورِ مثال) اس شخص کی کیفیت بیان کر جسے احکامِ خداوندی دیئے گئے تو وہ انہیں چھوڑ کر صاف نکل گیا ــــ (۱۷۵ : ۷)
(۲۰) ان سے داستانِ حضرت نوحؑ بیان کر ــــ (۷۱ : ۱۰) داستانِ ابراہیمؑ بھی ــــ (۶۹ : ۲۶)
(۲۱) ان سے کہو کہ مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پیش کروں ــــ (۲۷ : ۱۸)ــــ(۹۲ : ۲۷)
(۲۲) ان سے کہو کہ میں تمہیں ذوالقرنین کی داستان بتاتا ہوں ــــ (۸۳ : ۱۸)
(۲۳) رسول کا اعلان کہ اگر یہ خدا کی مشیت میں نہ ہوتا تو میں احکامِ خداوندی تمہارے سامنے کبھی پیش نہ کر سکتا ــــ (۱۶ : ۱۰)
(۲۴) جب اہلِ کتاب کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا ہے تو ان میں بعض لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔
(۵۳ : ۲۸)
(۲۵) رسولؐ اللہ سے حکم کہ جس قدر آسانی سے ہوسکے اتنا قرآن پڑھو۔ یہاں لفظ قرأت آیا ہے۔ (۲۰ : ۷۳)
(۲۶) جب کفار کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی اس جیسا قرآن بنا سکتے ہیں ــــ (۳۱ : ۸)۔ یا ان کا مطالبہ ہوتا ہے کہ اس قرآن کے بجائے ہماری منشا کے مطابق کوئی قرآن لاؤ (۱۵ : ۱۰)۔ اور مومنین سے کہتے ہیں کہ بتایئے! کس کا مقام بہتر ہے ــــ (۷۳ : ۱۹)۔ ان کے چہرے نفرت سے کشیدہ ہو جاتے ہیں ــــ (۷۲ : ۲۲)۔ اور تکذیب کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں ــــ (۷ : ۳۱)ــــ(۴۳ : ۳۴)ــــ(۸ : ۴۵)ــــ(۲۵ : ۴۵)۔ کہتے ہیں یہ جادو ہے ــــ (۷ : ۴۶) اساطیر الاولین ہے ــــ (۱۵ : ۶۸)ــــ(۱۳ : ۸۳)

مومنین کی طرف سے تلاوتِ قرآن

(۱) اہلِ کتاب میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر کتاب اللہ کو پڑھتے ہیں، اور اس پر عمل کرتے ہیں ــــ (۱۱۲ : ۳)
(۲) مومن تلاوتِ احکام کرتے ہیں (ان کی پیروی کرتے ہیں) اور اس طرح نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرتے ہیں۔
(۳۵ : ۲۹)

(۳) مومن، کتاب اللہ کی تلاوت (پیروی) کرتے ہیں جیسا کہ پیروی کرنے کا حق ہے۔ یہی لوگ ہیں جو درحقیقت اس پر ایمان لاتے ہیں ـــــ (۱۲۱ : ۲)

(۴) جب مومنین کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کیے جاتے ہیں تو وہ ان کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ (۱۰۷ : ۱۷) اور ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے ـــ (۲ : ۸)۔ یہ خشوعِ قلب سے جھک جاتے ہیں ـــ (۵۸ : ۱۹)

(۵) مومنین جب کفار کے سامنے آیات اللہ پیش کرتے ہیں تو وہ ان پر حملہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ـــ (۷۲ : ۲۲)

متفرقات

(۱) یہود، نصاریٰ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ باطل پر ہیں۔ اور نصاریٰ، یہود کے متعلق یہی کہتے ہیں۔ حالانکہ دونوں، ایک ہی کتاب (عہد نامۂ عتیق) کی تلاوت کے مدعی ہیں۔ یعنی ان کا دعوےٰ یہ ہے کہ وہ اس کتاب کی پیروی کرتے ہیں ـــــ (۱۱۳ : ۲)

(۲) جب ان کفار کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو یہ چیز ان پر بڑی ناگوار گذرتی ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ ان احکام کے پیش کرنیوالوں پر جھپٹ پڑیں ـــ (۷۲ : ۲۲)

(۳) اہلِ کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں کہ جب ان کے سامنے احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان پر ایمان لے آتے ہیں ـــ (۵۳ : ۲۸)

(۴) مسلمانوں کے لئے تمام مویشی حلال ہیں بجز ان کے جن کے متعلق قرآن میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ حرام ہیں ـــ (۱ : ۵) ـــ (۳۰ : ۲۲)

(۵) بے خاوند کی عورتوں کے متعلق قرآن میں احکام دے دیئے گئے ہیں ـــ (۱۲۷ : ۴)

(۶) یہ لوگ احکامِ خداوندی کا اتباع نہیں کرتے تھے بلکہ جو کچھ مفسدین نے مملکتِ سلیمانی کے خلاف پھیلا رکھا تھا، اس کے پیچھے لگتے تھے ـــ (۱۰۲ : ۲)

(۷) انبیاءِ سابقہ کی امتوں کے سامنے جب احکامِ خداوندی پیش کئے جاتے تھے تو وہ لوگ ان کے سامنے جھک جاتے تھے ـــ (۵۸ : ۱۹)

(۸) جب ان (کفار) کے سامنے آیاتِ خداوندی پیش کی جاتی ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں

کی کہانیاں ہیں۔ (۱۵ : ۶۸) یا اس سے متکبرانہ اعراض کرتے ہیں ۔۔۔(۳۱ : ۸)۔۔(۱۵ : ۱۰)
(۳۳ : ۱۹)۔۔(۲۲ : ۷۲)۔۔(۲۷ : ۳۱)۔۔(۴۳ : ۳۴)۔۔(۲۵ : ۴۵)۔۔(۷ : ۴۶)

(۹) اہلِ کتاب سے کہا گیا کہ تورات لاؤ۔ اور اسے پیش کر کے بتاؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے ۔۔(۳ : ۹۲)

(۱۰) مخالفین کہتے تھے کہ قرآن داستانِ پارینہ ہے جسے یہ رسول کہیں سے لکھ یا لکھوا لیتا ہے۔ اور پھر صبح و شام، یہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن، رسول اللہ کے زمانے ہی میں لکھا ہوا موجود تھا۔ اور اسے باقاعدہ پڑھا جاتا تھا ۔۔۔ (۵ : ۲۵)

(۱۱) اہلِ کتاب لوگوں کو نصائح کرتے اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے تھے حالانکہ وہ تلاوتِ کتاب بھی کرتے تھے ۔۔۔ (۲ : ۴۴)

(۱۲) چاند، سورج کے پیچھے پیچھے پھرتا ہے کہ اس سے روشنی مستعار لے۔ یہاں سے تلاوت (تلٰھا) کے معانی واضح ہو جاتے ہیں ۔۔۔(۹۱ : ۲)

(۰)

۲۳۔ تناسخ

تناسخ. بعض یونانی فلاسفروں نے یہ تصور دیا تھا کہ انسان مرنے کے بعد پھر اسی دنیا میں، کسی دوسری شکل میں واپس آ جاتا ہے۔ اور آنے جانے کا یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا ہے۔ انہی سے یہ تصور ہندوؤں نے مستعار لیا اور ان کے دھرم کا بنیادی جزو بن گیا۔ آواگون کا چکر اسی عقیدہ کا پیدا کردہ ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے انسان، اپنے کرموں (اعمال) کا پھل لینے کے لئے پھر اسی دنیا میں آتا ہے۔ کبھی انسان کی شکل میں اور بیشتر حیوانات وغیرہ کے پیکر میں۔ ان کے عقیدہ کی رو سے ورنوں (ذاتوں) کی تقسیم (برہمن، کھشتری، ویش اور شودر) بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ بدھ مت کی رو سے بھی انسان انہی چکروں میں پھنسا رہتا ہے تا آنکہ وہ اپنے آپ کو فنا کر کے، اپنی ہستی کو ختم کر ڈالتا ہے۔ اور یہی (نروان) ان کے نزدیک، انسانی زندگی کا منتہیٰ ہے۔

قرآنِ کریم کا عطا کردہ تصور اس سے مختلف ہے۔ اس کے دیئے ہوئے تصور کی رو سے، زندگی

مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی پیکرِ بشریت میں نمودار ہوتی ہے۔ جہاں اسے طبیعی زندگی کے علاوہ 'ذات (PERSONALITY) بھی ملی ہے جس میں مزید ارتقائی منازل طے کر کے، بلند سے بلند تر ہوتے چلے جانے کے لامتناہی امکانات ہیں۔ اِس دنیا کی زندگی، ذات کی نشو ونما کی اولین اسٹیج ہے۔ مرنے کے بعد، فرد کی اگلی زندگی، اس دنیا میں نہیں، بلکہ کسی اور سطح پر ہوگی جس کا ہم اِس وقت ادراک نہیں کر سکتے۔ اُس زندگی کی سطح کا تعین انسان کے اِس دنیا کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ مرنے کے بعد انسان اِس دنیا میں واپس نہیں آسکے گا۔ قرآن، اِس عقیدہ (تناسخ) کی بڑے زور سے تردید کرتا ہے۔ اس کی رُو سے زندگی کی حرکت دَوری (CYCLIC) نہیں بلکہ وہ ایک سیدھی اور توازن بدوش راہ (صراطِ مستقیم) پر آگے کو چلتی ہے۔ وہ ایک جوئے رواں ہے۔ اور ندی کا پانی جو آگے چلا جاتا ہے، لوٹ کر کبھی نہیں آتا۔ للہٰذا زندگی کا مستقبل متعین کرنے کے لئے، (یعنی اس کڑی سے اگلی کڑی متعین کرنے کے لئے)، اِسی زندگی میں جو کچھ کیا جائے گا، کیا جائے گا۔ اس کے بعد یہ موقعہ (دوبارہ) نہیں ملے گا۔ اس امتحان میں بیٹھنے کا موقع صرف ایک بار ملتا ہے، دوسری بار نہیں ملتا۔ جو پاس ہو گیا وہ اگلی کلاس میں چلا گیا۔ جو فیل ہو گیا وہ رُک گیا۔ وہ دوبارہ امتحان میں نہیں بیٹھ سکیگا۔ ان امور کی تفصیل دیگر عنوانات (مثلاً آخرت، جنت، جہنم وغیرہ میں ملے گی)۔ تناسخ کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ اس مفہوم سے متعلق آیات درج ذیل کی جاتی ہیں۔

——— (۰) ———

(۱) قیامت میں متبعین اور ان کے باطل پرست راہ نما سب جہنم میں ہوں گے۔ یہ راہ نما اپنے متبعین سے اظہارِ بیزاری کریں گے۔ متبعین کہیں گے کہ اگر ہم ایک بار دنیا میں لوٹ جائیں، تو ہم بھی ان سے اسی طرح اظہارِ بیزاری کریں جس طرح یہ ہم سے اِس وقت اظہارِ بیزاری کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی یہ حسرت پوری نہیں ہو سکے گی۔ وہ جہنم سے نکل نہیں سکیں گے ——— (۱۶۶-۱۶۷ : ۲)

(۲) جہنم کو دیکھ کر کفار کی حسرت کہ اگر ہم لوٹائے جائیں تو مومن ہو جائیں۔ یہ ان کی باتیں ہی باتیں ہیں۔ اگر یہ لوٹائے جاتے تو پھر بھی ویسے ہی کام کرتے۔ اب ان کے اعمال ان کے سامنے آچکے ہیں ——— (۲۷-۲۸ : ۶)

(۳) کفار کی واپس دنیا میں جانے کی آرزو ——— (۷ : ۵۳) ——— (۲۶ : ۱۰۱) ——— (۳۲ : ۱۲)

(۴) موت کے وقت یہ حسرت کہ اے کاش! ایک مرتبہ واپس ہو جاؤں تو اچھے کام کر دوں۔ کَلَّا۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکے گا ——— (۲۳ : ۹۹ : ۱۰۰) ——— (۳۹ : ۵۸)

(۵) جہنم میں کہیں گے کہ ہمیں اس سے نکال دیا جائے تو ہم اچھے اعمال کرینگے۔ کہا جائے گا کہ جو عمر پہلے دی تھی کیا وہ کافی نہیں تھی؟ ــــ (۳۷ : ۳۵)

(۶) حیاتِ اُخروی کے بعد پھر موت نہیں ہوگی۔ لہٰذا، بار بار زندہ ہونے اور بار بار مرنے کا تصور غلط ہے۔

(۳۷ : ۵۸–۵۹)

(۷) سورۂ شوریٰ میں ہے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کیا "واپس لوٹ جانے کا بھی کوئی راستہ ہے"ــــ (۴۴ : ۴۲)۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کیا اس عذاب کے لوٹ جانے کی بھی کوئی سبیل ہو سکتی ہے؟

(۸) تم (انسانی پیدائش سے پہلے) مردہ (بے جان) تھے۔ اس کے بعد تمہیں زندگی ملی۔ یعنی تم اس دنیا میں آئے۔ یہاں پھر موت ہوگی۔ اور پھر زندگی۔ اس کے بعد موت نہیں ــــ (۲۸ : ۲)۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس دنیا کی موت کے بعد، پھر اس دنیا میں واپسی نہیں ہوگی کیونکہ اس دنیا میں جو بھی ہے، اسے موت ضرور آئے گی ــــ (۳ : ۱۸۴)

ــــ (۰) ــــ

۴۲۔ توبۃ

(نیز دیکھئے مغفرت)

توبہ - (ت - و - ب) آپ کسی راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ ایک مقام پر دوراہا آیا۔ اور آپ کا قدم سہوًا غلط راستے کی طرف اٹھ گیا۔ کچھ دور چل کر آپ نے محسوس کیا کہ وہ راستہ غلط ہے۔ اس احساس کے بعد آپ کا پہلا ردّعمل یہ ہوگا کہ آپ پھر سے لوٹ کر اُس دوراہے پر آجائیں جہاں سے آپ کا قدم غلط سمت کیطرف اٹھا تھا۔ اس طرح واپس آجانے کو توبہ کہتے ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس طرح واپس آجانے سے آپ نے صرف اپنی غلطی کی تلافی کی ہے۔ یعنی غلط کام کو (۵ : ۸۷) کیا ہے۔ اس کے بعد دوسرا اقدام یہ ہونا چاہیئے کہ آپ صحیح راستے پر چل پڑیں۔ اور پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے چلیں۔ تاکہ جو وقت غلط راستے پر چلنے سے ضائع ہوا ہے اس کی بھی تلافی ہو جائے۔

اس طرح صحیح راستے پر چلنے کو اصلح کہیں گے۔ لہٰذا، توبہ کے بعد اصلاح نہایت ضروری ہے۔

اس سے واضح ہے کہ اگر آپ اس مقام پر کھڑے ہو کر، جہاں آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا، ہزار بار بھی "یا اللہ میری توبہ" کہتے رہیں گے تو آپ اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے لئے عملاً واپس آنا ہوگا۔ پھر واپس آکر بھی اُس دوراہے پر کھڑے نہیں رہنا ہوگا بلکہ صحیح راستے پر چلنا ہوگا۔ لہٰذا، یہاں پھر عمل (کچھ کرنے) کی ضرورت ہوگی۔ اسی لئے قرآن میں ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ (۱۱:۱۱۵) غلط کاموں کا ازالہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ آپ ان سے زیادہ صحیح کام کریں۔ خدا کا یہ قانون جس کی رُو سے اس نے غلط کاموں کے مضر اثرات سے بچ جانے کی گنجائش رکھ دی ہے، اس کی طرف سے "توبہ قبول کر لینا" کہلاتا ہے۔ اس کے لئے خدا کی صفت تَوّاب آئی ہے۔ یعنی جب آپ نے غلط راستے کو چھوڑ کر صحیح راستہ کی طرف رُخ کیا تو صحیح راستہ جو پہلے آپ سے منہ موڑے ہوئے تھا، پھر آپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ ہے خدا کی طرف سے توابیت۔

آپ کے غلط کاموں کا ایک اثر تو معاشرہ پر پڑتا ہے۔ اسے معاشرہ کا جرم کہتے ہیں۔ اس کے لئے معاشرتی قوانین میں معافی کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ یعنی اگر فیصلہ دینے والی اتھارٹی (جج) دیکھے کہ آپ اپنے کئے پر نادم ہیں اور آپ کو معاف کر دینے سے آپ اپنی اصلاح کر لیں گے تو وہ آپ کو معاف کر سکتا ہے۔ لیکن آپ کے ہر غلط عمل کا ایک اثر خود آپ کی ذات پر بھی تو پڑتا ہے۔ یہ اثر کسی اور کے معاف کر دینے سے مٹ نہیں سکتا۔ اس کے لئے آپ کو اتنے زیادہ اچھے کام کرنے ہوں گے جن سے یہ کمی جو آپ کی ذات میں واقع ہو گئی ہے، پوری ہو جائے۔

اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن کریم کا قانونِ مکافاتِ عمل، نہ تو یہودیوں کے قانون کی طرح ایسا متصلّب (RIGID) ہے کہ اس میں انسان کے لئے اپنی بازآفرینی کی گنجائش ہی نہیں، اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح ایسا پادر ہوا کہ جس میں کسی کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ جرم پر جرم کرتے جائیں۔ اور حضرت مسیح کی تصلیب (کفارہ) پر ایمان لے آئیں اور پادری صاحب کے سامنے اپنے جرائم کا اعتراف کریں، تو آپ کے سب گناہ دُھل جائینگے۔ قرآن کے قانون میں سہو و خطا کے اثرات کے محو ہو جانے کی گنجائش ہے۔ لیکن یہ نتیجہ ہوتا ہے انسان کے اپنے اچھے اعمال کا۔ اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ "معافی" اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ابھی اتنا وقت ہو کہ انسان اپنے اچھے اعمال سے غلط اعمال کے نتائج

کی تلافی کر سکے۔ اگر مزید عمل کے لئے وقت ہی نہ ہو تو پھر "توبہ" کیسے ہو سکتی ہے!

——— (۰) ———

"آدم" کی توبہ

"آدم" کے عنوان میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قصۂ آدم، کسی ایک فرد کی داستان نہیں بلکہ وہ خود انسان (آدمی) کے احوال و کوائف اور نفسیاتی ماجریات کا تمثیلی بیان ہے۔ لہٰذا، اس میں آدم کی توبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کے لئے، اپنے غلط اقدامات کے نقصان سے تلافی کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ وہ ارتکابِ جرم کے بعد ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لئے زندگی کی خوشگواریاں حاصل کرنے (دوبارہ جنت میں جانے) کے راستے کھلے رہتے ہیں۔

(۱) آدم سے لغزش ہوئی۔ پھر اس نے اس پر اظہارِ ندامت کیا تو اس کی توبہ قبول کر لی گئی ——— (۲:۳۷)

(۲) قصۂ آدم میں توبہ کے لئے ایک بنیادی اصول اور اساسی نقطہ بیان کیا گیا ہے۔ اسے عنوان "تاب و اصلح" کے تحت ملاحظہ میں دیکھئے۔

(۳) آدم نے اعترافِ لغزش کیا۔ خدا نے وحی کے ذریعے اسے سیدھا راستہ دکھا دیا ——— (۲۰:۱۲۲)

تَابَ وَاَصْلَحَ - مومنین کی صفت

(۱) کتمانِ حقیقت جرم ہے۔ لیکن جو اس سے توبہ کرے۔ اور کتمانِ حق کی بجائے اظہارِ حق کرے۔ اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ یہاں تاب کے بعد اصلح کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی کتمانِ حقیقت جرم تھا۔ اس کے احساس کے بعد ایک تو وہ انسان کتمانِ حقیقت چھوڑ دے۔ لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ اس کے بعد اس کے برعکس اظہارِ حقیقت بھی کرے۔ اس مثبت عمل کا نام اصلاح ہے ——— (۲:۱۵۹—۱۶۰)

(۲) توبہ کے معنی قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کرنا ہیں ——— (۲:۲۲۲)

(۳) توبہ اس کی ہے جو غلط اقدام سے باز آ جائے۔ جو پھر ویسے ہی کام کرنے لگ جائے تو اس کی توبہ نہیں (۲:۲۷۵)

(۴) ایمان کے بعد کفر اختیار کر لینا بنیادی جرم ہے۔ لیکن جو پھر واپس آ جائے اور اپنی اصلاح کر لے تو

اس کی سابقہ غلط روش کی تلافی ہو سکتی ہے۔ لیکن جو کفر میں بڑھتا جائے تو اس کی توبہ کیسی۔ اور جو اس
حالت میں مر جائے تو پھر چونکہ عمل کا موقعہ ہی نہیں رہتا، اس لئے اس کی بھی توبہ نہیں ۔ (۳: ۹۰-۹۱)
(۵) موت سامنے آکھڑی ہو تو پھر توبہ نہیں کیونکہ اُس وقت اپنے کئے پر ندامت تو ہو سکتی ہے، لیکن اصلاح
کا موقعہ باقی نہیں ہوتا اس لئے توبہ نہیں ہو سکتی ۔ (۴ : ۱۸) فرعون کی توبہ اسی لئے قبول نہیں ہوئی
تھی ۔ (۱۰ : ۹۰)۔ (۲۸ : ۱۶)۔ (۲۳ : ۹۹)۔ (۳۴ : ۳۰)۔ (۳۰ : ۵۷)۔ (۴۰ : ۱۱)۔
(۴۰ : ۵۲)۔ (۳۵ : ۳۵)۔ (۳۶ : ۷۷)۔ (۸۹ : ۲۴-۲۵)
(۶) جب فیصلہ نکھر کر سامنے آجائے تو پھر توبہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ اس لئے کہ جو کچھ انسان کر چکا ہے اس
وقت اسکے (۵۵ - ۴۸) کرنے کا موقعہ ہی نہیں رہتا ۔ (۲۹ : ۳۲)۔ (۵۳ ، ۳۹)۔
(۸۵ — ۸۴ : ۴۰)
(۷) توبہ منافق کی بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ اس کے بعد نہایت خلوص سے قوانینِ خداوندی کی اطاعت
کرے اور انہیں مضبوطی سے تھام لے ۔ (۴ : ۱۴۵-۱۴۶)۔ (۹ : ۷۴)۔ بشرطیکہ وہ اپنے جرائم کا
اعتراف کر کے اپنی اصلاح کے لئے آمادہ ہوں ۔ (۹ : ۱۰۲)۔ (۳۳ : ۲۴)۔ پھر ان کے اعمال پہ
نگاہ رکھی جائے ۔ (۹ : ۱۰۵)
(۸) توبہ کا ایک بنیادی اصول۔ آدم سے لغزش ہوئی۔ جب اسے اس کا احساس ہوا تو اس نے فوراً کہا کہ
اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی ۔ (۷ : ۲۳)۔ یعنی اس نے اپنی لغزش کا اپنے
آپ کو ذمہ دار ٹھہرایا اور اس کے لئے بازآفرینی کے راستے کھل گئے۔ ابلیس سے بھی لغزش ہوئی۔ جب
اس سے کہا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ تو نے مجھ سے ایسا
کرایا ہے ۔ (۱۵ : ۳۹)۔ وہ زندگی کی سعادتوں سے محروم رہ گیا۔ لہٰذا، توبہ کے لئے ضروری ہے کہ
انسان اپنے آپ کو اپنی لغزش کا ذمہ دار قرار دے۔ اگر وہ الزام دوسروں کے سر تھوپتا رہیگا تو اس کی
اصلاح ہو ہی نہیں سکے گی۔ یہ بڑا بنیادی نقطہ ہے۔ لیکن کبرِ نفس انسان کو اس اعتراف کی طرف آنے ہی
نہیں دیتا۔
(۹) مومنین کی ایک صفت التّائبون ہے۔ یعنی جونہی اپنی لغزش کا احساس ہوا اس سے باز آجانے والے —
(۹ : ۱۱۲)۔ یا ہر معاملہ میں قوانین خداوندی کی طرف رجوع کرنے والے ۔ (۲ : ۲۲۲)۔ (۱۱ : ۳)

(۱۱:۱۱۲)—(۲۴:۳۱)—(۴۶:۱۵)—
(۶۶:۵)—(۱۱۰:۳)

(۱۰) حضورؐ نے بھی یہی فرمایا کہ اِلَیْہِ مَتَابِ — (۱۳:۳۰)۔ ازواجِ مطہرات کو اس کا حکم — (۶۶:۴ ز ۵)

(۱۱) اگر تم صالح اور اوّاب (اس کی طرف رجوع کرنیوالے) ہو تو تمہاری حفاظت ہو جائیگی — (۱۷:۲۵)

(۱۲) توبہ اور اصلاح سے جنّت مل سکتی ہے — (۱۹:۶۰)

(۱۳) توبہ کرے، اصلاح کرے، پھر سیدھے راستے پر چلے۔ اس سے غلط اقدام کے تباہ کن نتائج سے سامانِ حفاظت ملتا ہے — (۲۰:۸۲)۔ ان کی غلط روش کے نتائج مبدل بہ حسنات ہو جاتے ہیں — (۲۵:۷۰) انہیں کامیابی حاصل ہو جائیگی — (۴:۱۴۶)—(۲۸:۶۷)—(۴۰:۷-۹)

(۱۴) اپنی سیّات کو حسنات سے بدل دے تو اسے توبہ کہا جائے گا — (۲۵:۷۰)—(۲۷:۱۱)

(۱۵) حضرت موسٰیؑ سے (زمانہ قبل از نبوّت میں) غلطی سے قبطی مارا گیا تو آپ نے فوراً اپنی اس غلطی کا اعتراف کیا — (۲۸:۱۶)۔ جلوہ گاہِ طُور پر تُبْتُ اِلَیْکَ — (۷:۱۴۳)۔ یہی تلقین ہر انسان کیلئے ہے (۴۶:۱۵)

(۱۶) مومنوں کو توبتہ النصوح کا حکم — (۶۶:۸)

(۱۷) مومنین کو حکم کہ فتح و نصرت حاصل ہو تو اور زیادہ قوانینِ خداوندی کی طرف رجوع کرو — (۱۱۰:۳)

(۱۸) "اصلح" کے دیکھنے کے لئے ان کے اعمال کی نگرانی کی جائیگی — (۹:۱۰۵)

خدا توّاب و رحیم ہے

(۱) قصۂ آدم میں کہا گیا کہ خدا توّاب و رحیم ہے — (۲:۳۷)

(۲) بنی اسرائیل کے سلسلہ میں کہا کہ خدا توّاب و رحیم ہے — (۲:۵۴)

خدا کا تائب کی طرف لوٹنا — (۲:۱۸۷)—(۵:۳۹ ز ۸۱)—(۵۸:۱۳)

نبیؐ اور مہاجرین کی طرف خدا کا لوٹنا — (۹:۱۱۷)—(۹:۱۱۸)—(۷۳:۲۰)

(۳) حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ کعبہ کے وقت جو دعائیں مانگیں تو ان میں یہ بھی کہا تھا کہ تُبْ عَلَیْنَا۔ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ — (۲:۱۲۸) ظاہر ہے کہ یہاں خدا کی توّابیت سے مفہوم، خطاؤں کی معافی نہیں اس سے مراد محض "توجہ فرمائی" ہے۔ اس دعا میں درحقیقت، اچھے اعمال کرنے کی توفیق عطا ہونے کی آرزو کا اظہار ہے۔ یہی خدا کی "توجہ فرمائی" سے مفہوم ہے۔ ان معانی میں بھی یہ لفظ اکثر آیا

ہے —(۴ : ۲۶-۲۷)—(۴ : ۹۲)—(۹:۱۱)—(۹:۱۵)—(۹ : ۲۷)—(۳۳ : ۷۳)—(۵۸:۱۳)

(۴) انسان کی توبہ واصلاح کے بعد خدا کی توابیت —(۲ : ۱۶۰)
خدا قابل التوب ہے —(۹ : ۱۰۴)—(۴۰ : ۳)—(۴۲ : ۲۵)۔ لیکن اعمال پر نگاہ رکھتا ہے کہ توبہ کرنیوالا بعد میں کیا کرتا ہے —(۹ : ۱۰۵)

(۵) احکام میں آسانی پیدا کر دینا بھی خدا کی توابیت ہے —(۲ : ۱۸۷)—(۴ : ۲۸)—(۴ : ۹۲)—
(۲۴ : ۱۰)—(۷۳ : ۲۰)

(۶) "عذاب" کے مقابلہ میں خدا کی طرف سے تاب آیا ہے۔ لہٰذا، توبہ کی قبولیت کے معنی ہوئے انسان کا اپنے حسن عمل سے، سابقہ غلطی کی پاداش (نقصان) سے بچ جانا —(۳ : ۱۲۷)

(۷) حضرت موسیٰؑ نے جب خدا کو دیکھنے کی آرزو کی اور اس کے بعد اس غلطی کا احساس ہوا تو خدا سے کہا کہ میں "تیری طرف رجوع کرتا ہوں"؛ اس کا مطلب یہی ہے کہ انسانی آنکھ خدا کو نہیں دیکھ سکتی۔ تو اب میں اس پر کاربند رہوں گا —(۷ : ۱۴۳)

(۸) معاشرتی احکام کی تبئین کے بعد کہا کہ خدا تواب الرحیم ہے۔ گویا صحیح احکام کا عطا ہونا خدا کی توجہ فرمائی سے ہے —(۴۹ : ۱۲)

سہو و خطا سے غلط اقدام کی توبہ ہوتی ہے، دانستہ کی نہیں

(۱) غلط اقدام کے بعد جب قانونِ خداوندی کی یاد آئے تو انسان فوراً اس کی طرف آجائے۔ یہ توبہ ہے۔ اگر اس کے بعد بھی اپنی غلط روش پر اصرار کرتا رہے تو یہ توبہ نہیں —(۳ : ۱۳۴)

(۲) توبہ اس کی ہے کہ (i) لغزش سہو و خطا سے ہو۔ اور اسکے احساس کے بعد (ii) فوراً اس کی تلافی کرے۔
(۴ : ۱۷)

(۳) جہالت (نادانی) سے لغزش ہو جائے تو معافی کا دروازہ کھلا ہے۔ خدا نے اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے۔ اس کا تقاضا تھا کہ سہو و خطا سے لغزش کے بعد بازآفرینی کا موقعہ دیا جاتا۔
(۶ : ۵۴)—(۱۶ : ۱۱۹)—(۳۹ : ۵۳)

اقوامِ سابقہ کو توبہ کی تلقین

(۱) حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنی غلط روش چھوڑو اور قوانینِ خداوندی کی طرف رجوع کرو۔

(۱۱ : ۵۲)

(۲) حضرت صالحؑ کی بھی یہی تلقین تھی — (۱۱ : ۶۱)

(۳) یہی حضرت شعیبؑ نے کہا تھا — (۱۱ : ۹۰)

بنی اسرائیل کی توبہ نیز نصارٰی کی

(۱) گوسالہ پرستی کے جرم کی معافی — (۲ : ۵۴) — (۷ : ۱۵۳)

(۲) مختلف جرائم کے بعد بھی خدا کی توجہ فرمائی — (۵ : ۷۰—۷۱)

(۳) اگر عیسائی، عقیدۂ تثلیث و ابنیتِ مسیحؑ سے باز آجائیں تو ان کے لئے باز آفرینی کی گنجائش ہے۔

(۵ : ۷۴)

معاشرتی جرائم میں توبہ (معافی)

(۱) بے حیائی کے جرم میں معافی کی گنجائش — (۴ : ۱۶)

(۲) یہ توبہ (معافی) نظامِ خداوندی کی طرف سے ملے گی۔ انفرادی طور پر "خدا سے معافی مانگنے" سے نہیں۔ نہ ہی کسی کو اس کا اختیار ہے کہ قانون کے علی الرغم اپنے طور پر مجرم کو معاف کر دے۔ مجرم، عدالت کی طرف جائے گا۔ وہ اگر اس کے جرم کو قابلِ معافی سمجھے تو پھر خدا کا قانون اسے معاف کریگا۔ (۴ : ۶۴)

(۳) قتلِ مومن اگر سہو و خطا سے ہو تو اس میں معافی کی گنجائش ہے۔ قتلِ عمد میں گنجائش نہیں —

(۴ : ۹۲—۹۳)

(۴) بغاوت اور فساد کی سزا بڑی سنگین ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ۔ قبل اس کے کہ وہ مغلوب کر لئے جائیں، اپنی سرکشی سے تائب ہو جائیں تو پھر ان کے لئے معافی کی گنجائش ہے — (۵ : ۳۳—۳۴)

(۵) سارق کے لئے معافی کی گنجائش — (۵ : ۳۸—۳۹)

(۶) مخالفین اگر جنگ سے خود رک جائیں اور قیام صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کریں، تو پھر ان سے مواخذہ نہیں ہوگا — (۹ : ۵)۔ پھر یہ تمہارے دینی بھائی بن جائینگے — (۹ : ۱۱)

(۷) جو معافی کے مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا، اسے معافی نہیں مل سکتی — (۹ : ۱۲۶)

(۸) ناحق تہمت لگانے والا اگر توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے۔ (۲۴ : ۴-۵)

(۹) مسلمانوں کو اذیت پہنچانے والے اگر توبہ نہ کریں تو انہیں سزا ملے گی — (۸۵ : ۱۰)

(۱۰) جنہیں معافی دیدی جائیگی ان کے اعمال پر نگاہ رکھی جائیگی کہ وہ کس قسم کی روش اختیار کرتے ہیں —

(۹ : ۱۰۴—۱۰۵)

(۱۱) جنگ میں منافقت برتنے والوں کو، ان کے جرم کے مطابق، معاف بھی کیا جا سکتا ہے اور سزا بھی دی جا سکتی ہے —(۹ : ۷۴)—(۲۴ : ۳۳)

(۱۲) ربوٰ سے باز آجاؤ تو تم راس المال (اصل زر) لے سکتے ہو — (۲ : ۲۷۹)

(۱۳) عام معاشرتی اخلاق کے بارے میں تاکید کے بعد کہا کہ جو اپنی سابقہ روش سے باز نہ آئے تو وہ مجرم ہے۔

(۴۹ : ۱۱)

—— (۰) ——

۲۵۔ توحید

(نیز دیکھئے۔ شرک زالہ)

توحید - (ا-ح-د)؛ (و-ح-د)۔ احد اور واحد، دونوں کے معنی "ایک" ہیں۔ لیکن احدیت میں یگانہ (بے مثل و بے ہمتا) ہونے کا تصور غالب ہوتا ہے۔ دین کی بنیاد اس حقیقت کبریٰ پر ہے کہ اَلٰہ (جس کی محکومیت اختیار کی جاتی ہے) ایک (خدا) ہے۔ اس کے سوا کوئی اور اَلٰہ نہیں۔ اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کیجاتی ہے گی (جو اس کی کتاب میں مذکور ہیں)۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اگر اس اطاعت میں کوئی اور عنصر بھی شامل کر لیا جائے تو وہ شرک ہوگا۔ اور شرک سے بڑھ کر انسانیت کی تذلیل کا باعث کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ (ان امور کی تفصیل شرک کے عنوان میں ملے گی)

توحید اور شرک درحقیقت ایک ہی عنوان کے دو رُخ ہیں۔ ایک مثبت دوسرا منفی۔ اس لئے ان دونوں عنوانات کو بیک وقت سامنے رکھنا چاہیئے۔

ہر ذات (PERSONALITY) اپنے آپ میں منفرد ہوتی ہے۔ اور یہی انفرادیت (INDIVIDUALITY) اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ خدا چونکہ مکمل ترین ذات ہے اس لئے اسکی احدیت بھی مکمل ترین ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس انداز کی مکمل ترین صفات، ذاتِ خداوندی کی ہیں، اُس حد تک مکمل صفات کسی اور ذات میں نہیں ہو سکتیں۔ انسان اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو منعکس کر سکتا ہے لیکن یہ صفات حدودِ بشریت کے اندر ہونگی۔ صفاتِ خداوندی کی طرح مکمل ترین نہیں ہوں گی۔ خدا کے سوا کسی اور میں اس انداز کی صفات کا تسلیم کرنا بھی شرک ہے۔ نیز کسی ایسی صفت کا جو، صرف ذاتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے، کسی اور میں تسلیم کرنا بھی شرک ہے۔

کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اُس کے قانون کیمطابق عمل کیا جائے تو اس کا نتیجہ خوشگوار (نفع رساں) ہوتا ہے۔ اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے تو اسکا نتیجہ نقصان رساں ہوتا ہے۔ مثلاً خدا نے صحت کے متعلق قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ اگر ان قوانین کی پابندی کی جائے تو انسان کی صحت برقرار رہے گی۔ اگر ان کی خلاف ورزی کی جائے تو انسان بیمار ہو جائے گا۔ اس کی صحت خراب ہو جائیگی۔ بگڑی ہوئی صحت کے درست کرنے کے لئے خدا کے قوانین ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہ سمجھنا کہ کوئی شخص خدا کے قوانین کے خلاف، کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے، شرک ہے۔

(٥)

الٰہ واحد

(١) تمہارا الٰہ ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں — (٢ : ١٦٣)

(٢) خدا کا تصور جو اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ کائناتی قوتیں جس طرح قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں، اور صاحبانِ علم و بصیرت جو توازن قائم رکھتے ہیں، یہ سب اس حقیقت کی شہادت ہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ وہی قوت، غلبہ اور حکمت کا مالک ہے — (٣ : ١٧) — (٣ : ٦١) — (٣٧ : ١-٤)

کائناتی نظام اس حقیقت پر شاہد ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی اور الٰہ نہیں — (١٣ : ١٥) — (٢٧ : ٦٠-٦٥) (٢٨ : ٧٠-٧٢)

(۳) لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

(۲:۱۶۳)—(۲:۲۵۵)—(۳:۲)—(۳:۶)—(۳:۱۷)—(۳:۶۱)—(۴:۸۷)—(۶:۱۰۳)
(۶:۱۰۷)—(۷:۱۵۸)—(۹:۳۱)—(۹:۱۲۹)—(۱۱:۱۴)—(۱۳:۳۰)—(۱۴:۵۲)
(۱۶:۲)—(۱۶:۲۲)—(۲۰:۹۸)—(۲۳:۱۱۶)—(۲۷:۲۶)—(۲۸:۷۰)—(۲۸:۸۸)
(۳۵:۳)—(۳۸:۶۵)—(۳۹:۶)—(۴۰:۶۲)—(۴۰:۶۵)—(۴۴:۸)—(۴۷:۱۹)
(۵۹:۲۲—۲۳)—(۶۴:۱۳)—(۷۳:۹)

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ —(۱۱۲:۱)۔ اس کا ہمسر کوئی نہیں —(۱۱۲:۴)

(۴) تمام انبیاء کی تعلیم یہی تھی!

حضرت نوحؑ کی تعلیم —(۷:۵۹)—(۲۳:۲۳)
حضرت ھودؑ کی تعلیم —(۷:۶۵)—(۱۱:۵۰)
حضرت صالحؑ کی تعلیم —(۷:۷۳)—(۱۱:۶۱)
حضرت عیسےٰؑ کی تعلیم —(۵:۷۲)—(۵:۱۱۶)
تورات کی یہی تعلیم تھی —(۱۰:۹۰)—(۱۷:۲)—(۲۰:۱۴)
یہود و نصاریٰ کو یہی تعلیم دی گئی تھی —(۹:۳۰؛۳۱)
ہر رسول کی یہی دعوت تھی —(۲:۱۳۳)—(۱۶:۲)—(۲۱:۲۵)—(۲۳:۳۲)
رسول اللہؐ کی تعلیم —(۶:۱۹)—(۱۴:۵۲)—(۱۷:۳۹)—(۱۸:۱۱۰)—(۲۱:۱۰۸)—
(۳۸:۶۵)—(۴۱:۶)

حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم کہ ہر نتیجہ خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کچھ کرنے کی قوت کسی میں نہیں —(۲۶:۷۸—۸۲)
وعظِ یوسفی —(۱۲:۳۹—۴۱)
حضرت شعیبؑ کی تعلیم —(۷:۸۵)—(۱۱:۸۴)
اصحابِ کہف توحید کے قائل اور مبلغ تھے —(۱۸:۱۴—۱۵)

خدا کے سوا اور اِلٰہ تسلیم کرنا

(۱) وہ لوگ بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ جیسی قوتوں کا مالک سمجھ لیتے ہیں اور پھر ان کی طرف اس طرح کھنچے چلے جاتے ہیں جس طرح انسان کو خدا کی طرف جانا چاہیئے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ جاذبیت کے ساتھ۔ اس کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ قوت صرف خدا کی ہے ـــــ (۱۶۵ : ۲)

(۲) یہودی، عزیر کو ابن اللہ مانتے تھے۔ نصاریٰ، حضرت مسیحؑ کو۔ یہ بھی شرک تھا ـــــ (۳۱ــ۳۰ : ۹)

(۳) نصاریٰ کے عقیدہ ابنیت کے خلاف ـــ(۴ : ۳۹)۔ تثلیث کیخلاف ـــ(۱۷۱ : ۴)ـــ(۷۳ : ۵) (۹۱ : ۲۳)

(۴) مشرکین کہتے تھے کہ تمام معبودان کی جگہ اِلٰہ واحد کس طرح ہو سکتا ہے۔ مختلف قوتیں اور اختیارات مختلف معبودوں کے پاس ہونے چاہئیں ـــ(۵ : ۳۸)

(۵) مجوسیت کے عقیدۂ ثنویت کے خلاف ـــــ (۵۱ : ۱۶)

(۶) کوئی کائناتی قوت اِلٰہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی ـــ(۲۹ : ۲۱)

(۷) ارض میں بھی وہی اِلٰہ ہے اور سما میں بھی وہی ـــ(۸۴ : ۴۳)

(۸) کیا یہ لوگ خدا کے علاوہ، اور اِلٰہ مانتے ہیں؟ ـــ(۴۳ : ۵۲)

(۹) ان سے جب کہا جاتا ہے کہ خدا کے علاوہ اور اِلٰہ نہیں تو یہ تکبر کرتے ہیں ـــ(۳۵ : ۳۷)

(۱۰) فرعون کا اعلان کہ میں تو اپنے سوا کسی کو اِلٰہ نہیں جانتا ـــ(۲۹ : ۲۶)ـــ(۳۸ : ۲۸)

(۱۱) اگر خدا، انسان کے ذرائع علم سلب کر لے تو اسے کونسا اِلٰہ یہ کچھ دے سکتا ہے ـــ(۴۶ : ۶)۔ فطرت کی قوتوں کو بھی کوئی اور نہیں دے سکتا ـــ(۷۲ــ۷۱ : ۲۸)

(۱۲) بنی اسرائیل کا مطالبہ کہ ہمیں بھی ایک اِلٰہ بنوا دیجئے۔ حضرت موسیٰؑ کا جواب ـــ(۱۳۸ــ۱۴۰ : ۷)

(۱۳) مشرکین کا انجام جلد سامنے آجائے گا ـــ(۹۵ : ۱۵)

(۱۴) مشرک کا انجام جہنم ہے ـــ(۲۱۳ : ۲۶)ـــ(۲۶ : ۵۰)

اِسلام کی دعوت (۱) اہل کتاب کو دعوت کہ خدا کے سوا کسی کو اِلٰہ تسلیم نہ کریں۔ اس کی

محکومیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اور کسی انسان کو خدائی صفات کا حامل نہ مانا جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر اہلِ کتاب اس دعوت کو قبول کریں تو انہیں اپنے عقاید چھوڑ کر، قرآن کے تصورات قبول کرنے ہوں گے ـــ (۳ : ۶۳) زبان سے تو وہ بھی ایسا ہی کہتے تھے۔ لیکن قرآن ان سے اس کی عملی تصدیق چاہتا تھا ـــ (۹ : ۳۰ـ۳۱) ـــ (۴۶ : ۲۹)

(۲) کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں ـــ خواہ اسے کتاب اور حکومت اور نبوّت بھی کیوں نہ مل جائے۔ کہ وہ دوسرے انسانوں پر اپنا حکم چلائے۔ وہ صرف ضابطہ خداوندی کی اطاعت کرائے گا (۷۸ : ۳)

(۳) تثلیث اور ابنیتِ مسیحؑ کا عقیدہ شرک ہے۔ اللہ واحد ہے ـــ (۴ : ۱۷۱) حضرت عیسیٰؑ توحید کی تعلیم دیتے تھے ـــ (۵ : ۷۲) ـــ (۹۱ : ۲۳)

(۴) خدا کے سوا کسی کو ولی (کارساز۔ سرپرست) تسلیم کرنا خلافِ اسلام ہے ـــ (۱۴ : ۶)

(۵) رسول اللہؐ کا بنیادی پیغام ـــ (۱۹ : ۶) ـــ (۱۰۸ : ۲۱)

(۶) قوت۔ اقتدار۔ حکومت صرف خدائے واحد کی ہے ـــ (۱۲ : ۴۰)

(۷) صحیح انقلاب وہی ہے جس میں ایک خدا کے قوانین کی نمود ہو ـــ (۴۸ : ۱۴)

(۸) اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ـــ (۱۶۳ : ۲) ـــ (۲۲ : ۱۶) ـــ (۹۸ : ۲۰) ـــ (۱۰۸ : ۲۱) ـــ (۳۴ : ۲۲) ـــ (۶ : ۴۱)

(۹) خدا اپنے حکم (حکومت) میں کسی کو شریک نہیں کرتا ـــ (۲۶ : ۱۸)۔ یہی رسول اللہؐ کی دعوت تھی۔ کہ خدا کی محکومیت میں کسی کو شریک نہ کرو ـــ (۳۸ : ۱۸) ـــ (۱۱۰ : ۱۸) ـــ (۵۱ : ۵۱) ـــ (۱ـ۲ : ۷۲)

(۲۰ـ۲۲ : ۷۲)

مساجد (یعنی مراکزِ نظامِ خداوندی) صرف اللہ کے لئے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی اور کو الٰہ مت بناؤ ـــ

(۱۸ : ۷۲)

(۱۰) وحی کے علاوہ، خدا کے علمِ غیب میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا ـــ (۲۶ : ۷۲)

(۱۱) خارجی کائنات میں بھی وہی الٰہ ہے اور ارض (انسان کی دنیا) میں بھی وہی الٰہ ـــ (۸۴ : ۴۳)

(۱۲) خدا تمام نوعِ انسان کا الٰہ ہے ـــ (۳ : ۱۱۴)

(۱۳) مومن توحید پرست ہوتے ہیں ـــ (۶۸ : ۲۵) ـــ (۵۱ : ۵۱)

(۱۴) اپنے جذبات اور خواہشات کو اپنا الٰہ نہ بناؤ ـــ (۴۳ : ۲۵) ـــ (۲۳ : ۴۵)

توحید سے انسان کے دل میں کسی کا خوف نہیں رہتا

(۱) جب ایمان یہ ہو کہ قانونِ خداوندی کے خلاف کوئی شخص کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا تو پھر انسان کے دل میں کسی کا خوف کیسے رہ سکتا ہے؟ خوف تو شرک سے پیدا ہوتا ہے ــ (۳ : ۱۵۰)

(۲) شرک کرنے والے کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آگرے جیسے چڑیا کے بچے کو چیل اچک کر لے جاتے۔ جیسے گھاس کے تنکے کو ہوا اڑائے اڑائے پھرے ــ (۲۲ : ۳۱)

(۳) شرک کے حق میں کوئی دلیل نہیں مل سکتی۔ یہ اندھی عقیدت اور توہم پرستی کی پیداوار ہوتا ہے ــــ

(۲۷ : ۶۴) ــ (۲۳ : ۱۱۷)

(۴) خدا کو ماننے والے، قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے ــ (۳۳ : ۳۹)

(۵) رسول اللہ کا اعلان کہ میں بھی تمہیں کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر میں خدا کے قانون کی خلاف ورزی کروں تو مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ پناہ پھر خدا کے قانون ہی میں مل سکتی ہے ــ (۷۲ : ۲۰ــ۲۲)

(۶) خدا کے ساتھ اور الٰہ نہ اختیار کرو۔ اس سے تم پست اور زبوں حال ہو جاؤ گے ــ (۱۷ : ۲۲ ; ۳۹)

احد - واحد

(۱) اللہ احد ہے۔ اس کا کوئی کفو نہیں ــ (۱۱۲ : ۱ ; ۴)

(۲) وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو شریک نہیں کرتا ــ (۱۸ : ۲۶) ــ (۱۸ : ۱۱۰)

(۳) میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ــ (۱۸ : ۳۸) ــ (۱۸ : ۴۲) ــ (۷۲ : ۲) ــ (۷۲ : ۲۰)

(۴) اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو ــ (۷۲ : ۱۸)

(۵) اللہ کسی کو اپنے غیب سے مطلع نہیں کرتا ــ (۷۲ : ۲۶)

(۶) اللہ واحد کی عبودیت ــ (۷ : ۷۰)۔ اس پر کفار کو تعجب آتا تھا کہ اتنے دیوی دیوتاؤں کے بجائے خدائے واحد کس طرح ــ (۳۸ : ۵)

(۷) جب قرآن میں خدائے واحد کا ذکر آتا ہے تو یہ منہ بسور کر، پیٹھ موڑ کر چل دیتے ہیں ــ (۱۷ : ۴۶)

(۴۰ : ۱۲) ــ (۳۹ : ۴۵)

(۸) مصیبت دیکھ کر خدائے واحد کو پکارتے ہیں ــــ (۴۰ : ۸۴)

(۹) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ، تمہارے ساتھ میرا کوئی واسطہ نہیں ہوگا ــ (۴ : ۶۰)

(۱۰) اِلٰہ واحد ــــ (۲ : ۱۳۳) ــ (۲ : ۱۶۳) ــ (۴ : ۱۷۱) ــ (۵ : ۷۳) ــ (۶ : ۱۹) ــ (۹ : ۳۱) ــ (۱۲ : ۳۹) ــ (۱۴ : ۴۸) ــ (۱۴ : ۵۲) ــ (۱۶ : ۲۲) ــ (۱۶ : ۵۱) ــ (۱۸ : ۱۱۰) ــ (۲۱ : ۱۰۸) ــ (۲۲ : ۳۴) ــ (۲۹ : ۴۶) ــ (۳۷ : ۴) ــ (۳۷ : ۶۵) ــ (۳۹ : ۴) ــ (۴۰ : ۱۶) ــ (۴۱ : ۶)

ــــ (۰) ــــ

۲۶۔ تورات

تورات۔ تورات کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ اُس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسےٰؑ پر نازل ہوئی تھی، لیکن یہ صحیح نہیں۔ یہ درحقیقت مجموعہ ہے اُن تمام کتابوں کا جو حضرت ابراہیمؑ کے بعد اور حضرت عیسےٰؑ سے پہلے کے انبیائے بنی اسرائیل کو ملی تھیں اور جنہیں عہد نامہ عتیق (OLD TESTAMENT) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی حضرت موسےٰؑ کی طرف نازل کردہ کتاب کو تورات کہہ کر نہیں پکارا۔ موجودہ عہد نامہ عتیق میں انتالیس کتابیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنی اصلی اور غیر محرف شکل میں نہیں۔ اصلی تو ایک طرف، ان میں سے کوئی بھی یہودیوں کی اپنی زبان (عبرانی یا ارامی) سے ترجمہ شدہ نہیں۔ یہ سب کتابیں یونانی زبان میں تھیں اور اسی سے ان کا ترجمہ ہوا حتیٰ کہ یہودیوں کے پاس جو مجموعہ عبرانی زبان میں ہے وہ بھی یونانی ہی سے ترجمہ شدہ ہے۔ ان کتابوں کی تاریخ بھی عجیب و غریب ہے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ (یہ تفصیل میری کتاب ــ مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں ــ میں ملے گی)۔ قرآن نے اصلی تورات کی، یعنی ان کتابوں کی جو انبیاء بنی اسرائیل کو ملی تھیں، بڑی تعریف کی ہے۔ کیونکہ وہ سب خدا کی کتابیں تھیں۔ لیکن قرآنِ کریم نازل ہونے کے بعد، خدائی راہ نمائی کا ضابطہ صرف قرآن ہی ہے۔ یہ اس تمام اصولی تعلیم کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جو انبیاء سابقہ کو وقتاً فوقتاً ملتی رہی۔ اور خدا کی آخری کتاب ہونے کی وجہ سے مکمل اور محفوظ ہے۔

ــــ (۰) ــــ

تورات کا ذکر قرآن میں

(۱) قرآن سے پہلے تورات اور انجیل نازل کیں۔ ان میں لوگوں کے لئے ہدایت تھی۔ (۳ : ۳)
(۲) حضرت عیسٰےؑ، تورات و انجیل کی تعلیم دیتے تھے۔ (۳ : ۴۷)۔ اسکے مصدق تھے۔ (۳ : ۴۹)۔ (۵ : ۴۶)۔ (۶۱ : ۶)
(۳) تورات حضرت ابراہیمؑ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ (۳ : ۶۴)۔ بلکہ حضرت یعقوبؑ کے بھی بعد۔ (۳ : ۹۳)
(۴) یہودیوں سے کہا کہ حلّت و حرمت کے اختلاف کے بارے میں تم تورات سے سند پیش کرکے دکھاؤ۔ (۳ : ۹۲)
(۵) اے رسول! یہودی تمہارے پاس اپنے مقدمات کیوں لاتے ہیں جب ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس وہ کتاب موجود ہے جس میں خدا کے قوانین ہیں؟ (۵ : ۴۳)
(۶) ہم نے تورات نازل کی۔ اس کی رُو سے انبیائے بنی اسرائیل متنازعہ فیہ امور کے فیصلے کرتے تھے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ تورات' انبیائے بنی اسرائیل کے صحف کا مجموعہ تھی۔ (۵ : ۴۴)
(۷) تورات میں' برابر کے انتقام لینے کا حکم تھا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک۔ (۵ : ۴۵)
(۸) اگر اہل کتاب تورات و انجیل کی صحیح تعلیم یعنی قرآن پر عمل کرتے تو ان پر زمین و آسمان سے رزق کے دروازے کھل جاتے۔ (۵ : ۶۶)۔ اس کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں۔ (۵ : ۶۸)
(۹) خدا نے حضرت عیسٰےؑ کو تورات و انجیل کی تعلیم دی تھی۔ (۵ : ۱۱۰)
(۱۰) قرآن اور کتاب موسٰےؑ سے زیادہ ہدایت دینے والی اور کونسی شے تھی؟ (۲۸ : ۴۸)
(۱۱) بنی اسرائیل کے علماء جو تورات کو بغل میں دابے پھرتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لادی ہوں۔ (۶۲ : ۵)
(۱۲) اہلِ کتاب سے کہا کہ جب تک تم تورات، انجیل اور اب قرآن پر ایمان نہ لاؤ تم حق پر نہیں ہو سکتے۔ (۵ : ۶۸)

کتابِ موسٰےؑ

(۱) ہم نے موسٰےؑ کو کتاب دی۔ (۲ : ۸۷)۔ (۶ : ۱۵۵)۔ اسی کو الفرقان بھی کہا ہے۔ یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والی۔ (۲ : ۵۳)۔ (۲۱ : ۴۸)

(۲) کتابِ موسیٰؑ میں نور اور ہدایت تھی ــــ (۶ : ۹۲)۔ یہودیوں نے اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے ــ (۶ : ۹۲)

(۳) اُس زمانے کے دستور کے مطابق، کتابِ موسیٰؑ تختیوں پر لکھی ہوئی تھی ــــ (۷ : ۱۴۵) ــ (۷ : ۱۵۴)

(۴) قرآنِ کریم سے پہلے کتابِ موسیٰؑ میں رحمت اور امامت تھی ــــ (۱۱ : ۱۷) ــ (۴۶ : ۱۲)

(۵) ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی جس میں اِن لوگوں نے اختلافات پیدا کر دیئے ــ (۶ : ۹۲) ــ (۱۱ : ۱۱۰)

(۴۱ : ۴۵)

(۶) موسیٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا ــــ (۱۷ : ۲)

(۷) موسیٰؑ کو اور ہارونؑ کو الفرقان، روشنی اور ذکرٌ للمتقین عطا کی۔ یعنی ان دونوں کو کتاب دی ــــ

(۲۱ : ۴۸) ــــ (۳۷ : ۱۱۷)

(۸) ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تاکہ اس کی قوم صحیح راستے پر چلے ــ (۲۳ : ۴۹) ــ (۳۲ : ۲۳)

(۹) موسیٰؑ کو کتاب دی اور اُس کے بھائی کو اس کے ساتھ اس کا بوجھ بٹانے والا بنایا ــ (۲۵ : ۳۵)

(۱۰) کتابِ موسیٰؑ بصائر للناس تھی ــــ (۲۸ : ۴۳)

(۱۱) کتابِ موسیٰؑ کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا ــــ (۴۰ : ۵۳-۵۴)

(۱۲) صحفِ موسیٰؑ و ابراہیمؑ میں قانونِ مکافاتِ عمل کی تعلیم ــ (۵۳ : ۳۶-۴۱) ــ (۸۷ : ۱۸-۱۷)

(۱۳) مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دیگر انبیاءؑ کو دیا تھا ــــ

(۲ : ۱۳۶) ــ (۳ : ۸۳)

(۱۴) قرآن اور کتابِ موسیٰؑ سے بہتر کتاب لاؤ ــــ (۲۸ : ۴۹)

توراۃ میں رسول اللہؐ کا ذکر

(۱) تورات اور انجیل میں حضورؐ کا ذکر موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تورات و انجیل کے جو نسخے زمانہ نزولِ قرآن میں رائج تھے ان میں بالفاظِ صریح حضورؐ کی بعثت کی پیش گوئیاں موجود تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہود و نصاریٰ، قرآن کے اس دعوےٰ کی ضرور تکذیب کرتے ــــ (۷ : ۱۵۷)

(۲) تورات و انجیل و قرآن تینوں میں یہ موجود تھا کہ مومن جنت کے عوض اپنا مال اور جان خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ اور پھر خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ نزولِ قرآن

میں مروج انجیل میں جنگ کی تعلیم موجود تھی ـــــ (۹ : ۱۱۱)
(۳) تورات و انجیل میں صحابہؓ کا تذکرہ تھا ـــــ (۴۸ : ۲۹)

ـــــ (۰) ـــــ

۲۷۔ توکّل

توکّل (و۔ک۔ل)۔ ایک ہوائی جہاز دس ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا ہے۔ اس میں سے ایک چھاتہ بردار فوج کا سپاہی نہایت اطمینان سے نیچے چھلانگ لگا دیتا ہے۔ وہ ایسا کس بنا پر کرتا ہے؟ اس بنا پر کہ اسے اپنی چھتری پر پورا پورا بھروسہ ہے، کامل اعتماد ہے۔ اسے یقین ہے کہ وہ اسے ہوا میں تھامے رکھے گی۔ اس قسم کے بھروسے اور اعتماد کو توکّل کہتے ہیں۔ طبیعی دنیا میں سارا کاروبار اس یقین پر سرانجام پاتا ہے کہ قوانینِ فطرت اٹل ہیں اور ان پر پورا پورا بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ بھروسہ ہے جس کی بنا پر ڈاکٹر، مریض کو زہر کا ٹیکہ لگا دیتا ہے اور وہ تریاق کا کام کرتی ہے۔

جس طرح، طبیعی دنیا میں خدا کے قوانین اس قدر قابلِ اعتماد ہیں، اسی طرح، انسانوں کی تمدنی دنیا کے لئے بھی اس نے جو قوانین دیئے ہیں وہ اپنی نتیجہ خیزی کے اعتبار سے اٹل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ طبیعی دنیا میں قوانینِ خداوندی کے نتائج محسوس شکل میں جلدی سامنے آجاتے ہیں، اور تمدنی دنیا میں، انکے نتائج غیر محسوس طور پر مرتب ہوتے رہتے ہیں اور کافی عرصہ بعد سامنے آتے ہیں۔ اس سے سطح بین انسان دھوکا کھا جاتا ہے کہ یہ قوانین (جنہیں خدا کے "وعدے" کہا جاتا ہے) یقینی نہیں ہیں۔ لیکن مومن وہ ہے جسے ان قوانین کی نتیجہ خیزی پر پورا پورا یقین ہو۔ اسے "خدا پر توکّل" کہا جاتا ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کو متوکّلین۔ اسی جہت سے خدا کی ایک صفت الوکیل ہے۔ یعنی وہ جس کے قوانین کی نتیجہ خیزی پر پورا پورا بھروسہ کیا جاسکے۔ جس طرح چھاتہ بردار فوج کا سپاہی، اپنی چھتری کے توکّل پر بلا دھڑک جان کی بازی لگا دیتا ہے، اسی طرح جماعتِ مومنین، خدا کے قوانین کی نتیجہ خیزی پر ایمان سے وہ کام کر دکھاتی ہے جو سطح بین انسانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ اس جماعت کی بے پناہ جرأت اور حیرت انگیز کامیابیاں اسی توکّل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ توکّل، مومن کی کس قدر بنیادی صفت، اور اس کی محیّر انگیز قوتوں کا ضامن ہوتا ہے۔

توکّل درحقیقت ایمان کی استواری اور یقین کی پختگی ہی کا دوسرا نام ہے۔ لیکن کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ قوانینِ خداوندی پر اس قسم کے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ' وہ سامان اور ذرائع بھی مہیا کئے جائیں جو زیرِنظر پروگرام کے لئے ضروری ہیں۔ توکّل' ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کا نام نہیں۔ توکّل اسباب و ذرائع کو مہیا کرنے کے بعد' پورے پورے عزم اور ہمت سے' غیر متذبذب طور پر حصولِ مقصد کے لئے جدوجہد کرنے کا نام ہے۔ توکّل سے انسان کے اندر نفسیاتی قوت پیدا ہوجاتی ہے جس سے اس کے اسباب و ذرائع عام اندازے سے کہیں بڑھ کر نتائج پیدا کرتے ہیں۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کبھی نشانہ ٹھکانے پر نہیں بیٹھتا۔ توکّل انسان کے ہاتھوں کو کانپنے نہیں دیتا۔

——— (٠) ———

توکّل کی تاکید

(۱) ہر بات خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے قوانین کی اطاعت کرو۔ اور ان پر پورا پورا بھروسہ رکھو ——— (۱۲۳ : ۱۱)

(۲) اس خدا پر توکّل کرو جو کبھی مرتا نہیں۔ ہمیشہ زندہ ہے۔ اس لئے اس کے قوانین بھی پائندہ ہیں۔ (۵۸ : ۲۵)

(۳) قوانینِ خداوندی کے خلاف کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے اس پر بھروسہ رکھو ———

(۵۸ : ۱۰) ——— (۳۹ : ۳۶ – ۳۷)

(۴) خدا کے سوائے کوئی اس قابل نہیں کہ اسے آلہٰ تصور کیا جائے۔ اس لئے توکّل بھی اسی پر کرنا چاہیئے ———

(۷۳ : ۹) ——— (۶۴ : ۱۳)

(۵) استقامت کے ساتھ حوادث کا مقابلہ اور توکّل ——— (۴۲ : ۱۴) ——— (۵۹ : ۲۹)

(۶) عزم (پختہ ارادہ) کے ساتھ توکّل ——— (۱۵۹ : ۳)

انبیاء کی توکّل کی تعلیم

(۱) حضرت شعیبؑ ——— (۸۹ : ۷) ——— (۸۸ : ۱۱)

(۲) حضرت نوحؑ ——— (۷۱ : ۱۰)

(۳) حضرت موسےٰؑ — (۵ : ۲۳) — (۱۰ : ۸۴)

(۴) حضرت ھُودؑ — (۱۱ : ۵۶)

(۵) حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو تدبیر بتا کر کہا کہ میرا بھروسہ خدا کے قوانین پر ہے — (۱۲ : ۶۷)

(۶) رسول اللہ — (۸ : ۶۱) — (۹ : ۱۲۹) — (۱۳ : ۳۰) — (۲۶ : ۲۱۷) — (۲۷ : ۷۹) — (۳۳ : ۳) — (۳۳ : ۴۸) — (۳۹ : ۳۶-۳۹) — (۴۲ : ۱۰) — (۶۷ : ۲۹)

معاملات میں رفقاء سے مشورہ کرو۔ اور جب عزم کرلو تو توکّل سے کام لو — (۳ : ۱۵۹)

تو حقِ مبین پر ہے اس لئے توکّل سے کام لے۔ یہاں سے توکّل کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے — (۲۷ : ۷۹)

(۷) تمام انبیاء — (۱۴ : ۱۱-۱۲)

(۸) حضرت ابراہیمؑ کا کھلا ہوا چیلنج اور توکّل کا اعلان اور دعا — (۶۰ : ۴)

مومن قوانینِ خداوندی پر توکّل رکھتے ہیں

(۱) مومن، سخت حوصلہ شکن حالات میں بھی خدا پر توکّل رکھتے ہیں — (۳ : ۱۷۳) — (۵ : ۱۱)

(۲) جب مومنین کے سامنے قوانینِ خداوندی پیش کئے جاتے ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب کے قوانین کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں — (۸ : ۲)

(۳) رسول اللہ سے کہا گیا کہ اگر لوگ (اس قدر حقائق بیان کرنے کے بعد بھی) تم سے اعراض برتیں، تو تم ان سے کہدو کہ میرے لئے خدا کافی ہے۔ میں اس پر پورا پورا بھروسہ رکھتا ہوں۔ اس لئے تمہارے ساتھ مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا — (۹ : ۱۲۹) — (۱۳ : ۳۰) — (۲۶ : ۲۱۷)

(۴) مومنینِ حضرت موسےٰؑ نے کہا کہ ہم خدا پر توکّل رکھتے ہیں — (۱۰ : ۸۵)

(۵) توکّل کرنے والے خدا پر توکّل کرتے ہیں — (۱۲ : ۶۷) — (۱۴ : ۱۱-۱۲) — (۳۹ : ۳۸)

(۶) مومنین کی صفت توکّل علی اللہ ہے — (۳ : ۱۵۹) — (۹ : ۵۱) — (۴۲ : ۳۶) — (۵۸ : ۱۰) — (۶۴ : ۱۳) — (۶۷ : ۲۹)

(۷) استقامت و ثبات کے ساتھ توکّل — (۱۴ : ۱۲) — (۲۹ : ۵۹)

توکّل کے مقامات

(۱) جب میدانِ جنگ میں حالات بڑے حوصلہ شکن تھے تو مومن اس وقت بھی خدا پر توکّل رکھتے تھے —

(۳ : ۱۲۲) — (۳ : ۱۷۳) — (۸ : ۴۹) — (۹ : ۵۱)

(۲) حضورؐ سے کہا گیا کہ معاملات میں اپنے رفقاء سے مشورہ کرو۔ اور جب فیصلہ کر لو تو پھر خدا پر پورا پورا توکّل رکھو — (۳ : ۱۵۸)

(۳) منافقین کی سازشوں سے گھبراؤ نہیں۔ خدا پر توکّل رکھو — (۴ : ۸۱)

(۴) دشمن سے ڈرو نہیں۔ ہمت کر کے آگے بڑھ جاؤ۔ کامیابی تمہاری ہوگی — یہ تاکید حضرت موسےٰؑ نے بنی اسرائیل کو کی تھی جب وہ دشمن سے ڈر کر، ارضِ فلسطین پر قبضہ کرنے سے جھجکتے تھے — (۵ : ۲۳)۔ انہوں نے ہمت نہ کی تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام قرار دیدی گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ توکّل، انسان کے اندر عزم پیدا کرتا ہے۔ اگر انسان خود کچھ نہ کرے اور سمجھے کہ خدا ہی سب کچھ کر دیگا تو یہ توکّل نہیں۔ بے عمل رہنے کے لئے فریبِ نفس ہے اور اس کا نتیجہ تباہی۔

(۵) جب حضرت شعیبؑ کو قوم نے دھمکی دی کہ ہمارا مذہب اختیار کر لو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی، تو انہوں نے کہا کہ ہم باطل پرست نہیں بن سکتے۔ جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو کر لو۔ ہم خدا پر توکّل رکھتے ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ ہم حق پر ہیں، ہم اپنی پوری پوری قوت کے ساتھ تمہارا مقابلہ کرینگے —(۷ : ۸۹)

(۶) اگر لوگ حق سننے کے بعد بھی اعراض برتیں، تو ان سے کہہ دو کہ میں تم سے مفاہمت نہیں کرونگا۔ میرے لئے خدا کافی ہے۔ اس کے قوانین کے علاوہ کسی میں قوت و اقتدار نہیں۔ میرا بھروسہ اسی پر ہے —

(۹ : ۱۲۹)

(۷) حضرت نوحؑ نے بھرپور مخالفت کا مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں —(۱۰ : ۷۱)

(۸) حضرت ھودؑ نے بھی ایسا ہی کہا —(۱۱ : ۵۶)

(۹) اپنی دانست کے مطابق حفاظتی تدبیر کرنے کے بعد خدا پر توکّل —(۱۲ : ۶۷)

(۱۰) جب خدا نے سیدھا راستہ دکھا دیا تو پھر اس پر توکّل کیوں نہ کیا جائے — (۱۴ : ۱۱-۱۲)

(۱۱) ہجرت کے ساتھ توکّل اور استقامت — (۱۶ : ۴۱-۴۲) — (۲۹ : ۵۹)

(۱۲) جسے یقین ہو کہ وہ واضح حق پر ہے، اسے مخالفت کی پرواہ کئے بغیر توکل کرنا چاہیئے ــــ (۲۷ : ۷۹)

(۱۳) مخالفت کی اذیت رسانیوں سے خائف ہو کر ان کی اطاعت مت اختیار کرو۔ خدا پر توکل رکھو ــــ (۴۸ : ۳۳) ــــ (۳۸-۳۶ : ۳۹)

(۱۴) اگر دشمن صلح کے لئے آمادہ ہو تو اس سے صلح کر لو۔ اس سے نہ ڈرو کہ وہ دھوکا دے جائیگا۔ اس کی تدبیر کر لو اور خدا پر توکل رکھو ــــ (۸ : ۶۱)

توکّل کے نتائج

(۱) خدا کے قوانین غلبہ اور حکمت کے مالک ہیں۔ اس لئے ان پر توکّل رکھنے والے ناکام نہیں ہو سکتے ــــ (۸ : ۴۹)

(۲) خدا متوکلین کو پسند کرتا ہے ــــ (۳ : ۱۵۸)

(۳) خدا پر توکل، منافقین کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے کفایت کرتا ہے ــــ (۴ : ۸۱)

(۴) دشمن کی بڑھتی ہوئی قوت کو روک دیتا ہے ــــ (۵ : ۱۱)

(۵) توکّل کرنیوالوں پر شیطان غالب نہیں آسکتا۔ ان کے مفاد پرستانہ جذبات ان کے دل میں تذبذب پیدا نہیں کر سکتے۔ مفادِ عاجلہ انہیں مستقل اقدار سے ہٹا نہیں سکتے ــــ (۱۶ : ۹۹) ــــ (۱۷ : ۶۵)

(۶) جو خدا پر توکّل کرے تو خدا اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے ــــ (۳ : ۶۵)

الوکیل ۔ خدا کی صفت

(۱) خدا وکیل ہونے کی حیثیت سے کافی ہے ــــ (۴ : ۸۱) ــــ (۳ : ۳۳) ــــ (۴۸ : ۳۳)

(۲) اس خدا پر توکّل کرو جو ہمیشہ زندہ ہے، کبھی مرنیوالا نہیں ــــ (۵۸ : ۲۵)

(۳) اللہ اپنے بندے کے لئے کافی ہے ــــ (۶۵ : ۱۷) ــــ (۳۶ : ۳۹) ــــ (۳ : ۶۵)

(۴) اگر خدا مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ چھوڑ دے تو کوئی مدد نہیں دے سکتا۔ (یعنی کامیابی اس کے قوانین کے ساتھ متمسک رہنے سے ہوتی ہے۔ انہیں چھوڑ دیا جائے تو ناکامی ہوتی ہے) اس لئے مومن، خدا پر توکل کرتے ہیں ــــ (۳ : ۱۵۹) ــــ (۹ : ۵۱)

(۵) خدا ہر شے پر وکیل ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں وہ جس کی سپردگی میں کوئی اپنے آپ کو دیکر کامل اطمینان سے بیٹھ جاتے — (۱۲ : ۱۱) — (۶۲ : ۳۹) - نعم الوکیل — (۱۷۳ : ۳)

(۶) حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے جب بنیامین کی حفاظت کا عہد لیا تو کہا۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے، اس پر خدا وکیل ہے — (۶۶ : ۱۲) - یہی بات مرد پیر نے حضرت موسےٰؑ سے کہی — (۲۸ : ۲۸)

(۷) خدا کے سوا کسی کو وکیل مت بناؤ — (۲ : ۱۷) — (۶۸ : ۱۷)

(۸) اگر ہم وحی کو لے جائیں تو (اے رسولؐ!) ہمارے خلاف تجھے کوئی وکیل نہ ملے — (۸۶ : ۱۷)

متفرق

(۱) وکیل بمعنی نگران، داروغہ، رسول اللہ لوگوں پر وکیل نہیں تھے — (۶۶ : ۶) — (۱۰۸ : ۶) — (۵۴ : ۱۷) — (۴۳ : ۲۵) — (۴۱ : ۳۹) — (۶ : ۴۲)

(۲) قیامت میں کوئی کسی کا وکیل نہیں ہوگا — (۱۰۹ : ۴) (۰)

۲۸۔ تہذیبؑ و تمدّن

(نیز دیکھئے۔ اقوامِ سابقہ)

تہذیب کسے کہتے ہیں، اس کے متعلق آج تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ اس کے متعلق ایک جامع تصور یہ ہے کہ ایک چیز ہوتی ہے کسی قوم کے نظریاتِ زندگی اور تصوراتِ حیات یعنی اس کی آئیڈیالوجی۔ اسے اس قوم کا کلچر کہا جاتا ہے۔ اور جن محسوس شکلوں میں اس کلچر کی نمود ہوتی ہے۔ اسے اس قوم کی تہذیب (CIVILI-SATION) کہا جاتا ہے۔

اس تصور کے مطابق دیکھئے تو اسلام کا کلچر وہ مستقل اقدار ہوں گی جو وحی کی رو سے ملی ہیں اور قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ یہ اقدار مستقل اور غیر متبدل ہیں لیکن ان کے مظاہر مختلف ملکوں، مختلف زمانوں، اور مختلف ماحول میں مختلف ہوں گے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو کسی خاص تہذیب کو "اسلامی تہذیب" نہیں قرار دیا جا سکے گا۔ تراش خراش، وضع قطع، رہنے سہنے کے طریق، بود و ماند کے انداز، بشرطیکہ ان

سے کوئی بات کسی مستقل قدر کے خلاف نہ جائے، اسلامی تہذیب کہلا سکیں گے۔ یا یوں کہیئے کہ کلچر کو تو اسلامی کہا جاسکے گا، لیکن تہذیب اسلامی نہیں بلکہ مسلمانوں کی کہلائے گی ــــ مثلاً مصری مسلمانوں کی تہذیب، پاکستانی مسلمانوں کی تہذیب یا عباسی دور کی تہذیب، اندلسی مسلمانوں کی تہذیب وغیرہ وغیرہ۔

البتہ، قرآن کریم نے مستقل اقدار کے علاوہ، کچھ آدابِ معاشرت بھی بتائے ہیں۔ مثلاً چیخ کر نہ بولو، اکڑ کر نہ چلو۔ ان کا اطلاق بھی ہر زمانے اور ہر ملک میں یکساں ہوگا۔

قرآن کریم، اقوامِ سابقہ کی تہذیبوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جو تہذیبیں غلط نظریاتِ زندگی (کلچر) پر مبنی تھیں وہ تباہ ہوگئیں۔ بقاء اور استحکام اس تہذیب کے لئے ہے جو صحیح نظریات کی مظہر ہو یعنی جب تک کوئی قوم صحیح نظریاتِ زندگی کی حامل ہوگی، اس کی تہذیب درخشندہ رہے گی۔ جب وہ ان نظریات کو چھوڑ دے گی تو ان کی تہذیب رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی۔ مثلاً :-

(۱) جو قوم محض مادی نظریۂ حیات کی قائل ہو، یعنی اس کا عقیدہ یہ ہو کہ زندگی محض اسی دنیا کی زندگی ہے۔ جسم کے فنا ہو جانے سے انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک، زندگی کا مقصد طبیعی زندگی کے لذائذ وحظائظ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی تہذیب کی مثال اس لہلہاتی کھیتی کی سی ہے جسے ایک طبیعی حادثہ خس وخاشاک کا ڈھیر بنا کر رکھ دے۔ یعنی اس میں وقتی اور ہنگامی خوشنمائی اور رعنائی تو ہوتی ہے لیکن ثبات و دوام اس کے حصے میں نہیں ہوتا ــــ (۱۰ : ۲۴)

(۲) جس قوم کا مسلکِ حیات، خانقاہیت (تصوف) ہو۔ یعنی وہ مادی جاذبیتوں کو قابلِ نفرت سمجھے، اور ان سے دور بھاگے، اس کی تہذیب کا مآل بھی بے برگ وگیاہ بنجر زمین کا سا ہوتا ہے ــــ (۸-۷ : ۱۸)

(۳) جو قوم اپنی قوت کو، کمزوروں کے کچلنے کے لئے استعمال کرتی ہے، اس کی شان و شوکت کتنی ہی چکا چوند پیدا کر دینے والی کیوں نہ ہو، وہ تباہ ہو کر رہتی ہے ــــ (۱۳۵-۱۲۸ : ۲۶)۔ (۱۵۲-۱۴۶ : ۲۶)

خواہ وہ کتنی ہی صاحبِ عقل و بصیرت کیوں نہ ہو ــــ (۳۸ : ۲۹)

(۴) ظلم و استبداد کرنیوالی قوموں کی تہذیب فنا آمادہ ہوتی ہے خواہ معاشی اعتبار سے وہ کتنی ہی خوشحال کیوں نہ ہوں ــــ (۵۹-۵۸ : ۲۸)

(۵) سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی تہذیب کا بھی یہی حشر ہوتا ہے ــ (۷۸ : ۷) ــ (۸۲-۷۷ : ۲۸)

(۶) صحیح نظریۂ زندگی پر مبنی تہذیب کی مثال ایسے خوشگوار درخت کی سی ہے جس کی جڑیں پاتال میں ہوں

اور شاخیں آسمان کی پہنائیوں میں جھولا جھول رہی ہوں۔ وہ ہر زمانے میں ثمر بار رہتا ہے۔ اسکی شادابیوں میں کبھی فرق نہیں آتا ــــ (۳۵ : ۱۳) ــــ (۲۵ : ۱۴)

اس کے برعکس، غلط نظریۂ حیات پر استوار تہذیب اس درخت کی سی ہے جس کی جڑیں اوپر ہی اوپر ہوں اور اسے قطعاً ثبات و قرار نہ ہو ــــ (۲۶ : ۱۴)

صحیح نظریۂ حیات (مستقل اقدار) پر یقین رکھنے والی قوم کی تہذیب کو ثبات و قرار ہوتا ہے۔ ان کا حال بھی درخشندہ ہوتا ہے اور مستقبل بھی تابندہ ــــ (۲۷ : ۱۴)

(۷) غلط بنیادوں پر اٹھی ہوئی تہذیب، زمانے کے تھپیڑوں سے خس و خاشاک کی طرح بہ جاتی ہے۔ یا اُس کھوٹ کی طرح ضائع ہو جاتی ہے جو دھات کے تپانے سے جھاگ کی طرح اوپر آ جاتا ہے۔

بقا، اور دوام صرف اس تہذیب کے لئے ہے جس کی بنیاد عالمگیر انسانیت کی نفع بخشی کے تصور پر ہو۔

(۱۷ : ۱۳)

(۸) غلط نظریات کی حامل اقوام کی عقل و بصیرت، علم و فن، تدبر و تفکر، مال و دولت، قوت و حشمت، انہیں تباہی سے نہیں بچا سکتے ــــ (۸۴ : ۱۵) ــــ (۲۰۷ : ۲۶) ــــ (۵۰ : ۳۹) ــــ (۸۲ : ۴۰) ــــ (۲۶ : ۴۶)

تمدّن کا لفظ بھی قرآن مجید میں نہیں آیا لیکن اس کا تعلق مدینۃ (شہر) سے ہے، اور مدینۃ کا لفظ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً (۱۲۳ : ۷) ؛ (۱۲۰ و ۱۰۱ : ۹) ؛ (۷۲ : ۱۵) ؛ (۴۸ : ۲۷)

اس کی جمع مدائن ہے (۱۱۱ : ۷) ؛ (۳۶ : ۲۶)۔ مدین اس بستی یا علاقہ کا نام تھا جس کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔ (۸۵ : ۷)۔ ہمارے ہاں جو فرق "شہری اور دیہاتی زندگی" میں ہے عربوں کے ہاں اسے حضریت اور بدویت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں اب اس سے مدنیت کی اصطلاح رائج ہے۔ لفظ مدینۃ کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ دینؔ کے اس مفہوم سے بنایا گیا ہے جس کا تعلق نظم و نسق سے ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اطاعت کے مفہوم کے اعتبار سے وضع ہوا ہے۔ کیونکہ مدینۃ (شہر) میں نظم و نسق اور قوانین و ضوابط کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ ان مفاہیم کی جہت سے اسلامی تمدن یا مدنیتِ اسلام سے مراد اسلامی (قرآنی) ضوابط کے مطابق زندگی بسر کرنا ہوگا۔ اس میں کسی خاص وضع قطع، تراش خراش یا رہن سہن کی تخصیص نہیں ہوگی۔ سعدی کے الفاظ میں ــــ

نئی صفت بابش وکلاہِ تتری پوش ۔ " مدنیت اسلام" کے عنوان سے، (ضربِ کلیم میں) علامہ اقبالؒ کی ایک نظم ہے جو اسلامی تہذیب وتمدن کی خصوصیات کی بڑی عمدگی سے وضاحت کرتی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :۔

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں
طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
یگانہ اور مثالِ زمانہ گوناگوں
نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا سے بیزاری
نہ اس میں عہدِ کہن کے فسانہ وافسوں
حقائقِ ابدی پر مدار ہے اس کا
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطوں
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسنِ طبیعت ، عرب کا سوزِ دروں

ہمارے ہاں آج کل، تہذیب وتمدن کے علاوہ ایک اصطلاح "ثقافت" کے نام سے بھی رائج ہے۔ عربوں کے ہاں الثقافت کا لفظ شمشیر زنی، یا نیزوں کے خم کو سیدھا کرنے کے لئے آتا تھا۔ یہ ان کی ثقافت تھی۔ اور اب ثقافت سے مراد ہے رقص و سرود۔ سچ کہا تھا اقبالؒ نے کہ :۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل ، طاؤس و رباب آخر

MOHAMMAD ASHRAF
Draughtsman Grade-I
O/o Chief Engineer(Planning)
636-WAPDA House, Lahore

(کتبہ شعیب احمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ث

۱۔ ثاقب

ثاقب اس مادہ (ث - ق - ب) کے بنیادی معنی کسی شے میں چھید کرنے کے ہوتے ہیں۔ اہل عرب نہایت چمکدار ستارہ کو نجم ثاقب کہتے تھے کیونکہ وہ تاریکی کی چادر میں چھید کرکے باہر نکل آتا تھا۔ قرآن کریم میں شہابِ ثاقب (۱۰ : ۳۷) اور النجم الثاقب (۳ : ۸۶) آئے ہیں۔

—— (٠) ——

۲۔ ثبات

ثبات (مادہ ث - ب - ت) کے بنیادی معنی ہیں۔ ایک حالت پر قائم اور مستحکم رہنا، خواہ وہ حالت، ایک مقام پر کھڑے رہنے کی ہو یا حرکت کی۔ اس میں دوام کا مفہوم غالب ہوتا ہے۔ جماعتِ مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا کے متعین کردہ نظریۂ حیات اور نظامِ زندگی پر جم کر کھڑی رہے اور مخالفتوں کا ہجوم کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، اس کے پائے استقامت میں ذرا سی لغزش نہ آئے۔ اسی لئے اس نے کہا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ..... (۴۱ : ۳۰) — (۴۶ : ۱۳)

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اپنے اس دعوے پر جم کر کھڑے ہو گئے ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔
اسی سے لفظ ثابت ہے جس کے معنی جم کر کھڑا ہو جانے والا ہیں۔

۔ جماعت مومنین کو ثبات کی تاکید۔ (۸ : ۴۵)

(۲) دنیا اور آخرت میں یہ ثبات، محکم نظریۂ حیات کی رو سے حاصل ہوتا ہے۔ (۱۴:۲۷)

(۳) یہ نظریۂ حیات قرآن کریم میں عطا کیا گیا ہے (۱۶:۱۰۲)

(۴) اس کا عملی طریق یہ ہے کہ تم دینِ خداوندی کی حمایت کے لئے اٹھو خدا تمہاری حمایت کرے گا اور تمہیں ثبات عطا کر دے گا۔ (۴۷ : ۷)

(۵) ملائکہ، میدان جنگ میں ثبات عطا کرنے کے لئے نازل ہوتے تھے۔ (۸:۱۲)۔اس کی ایک شکل عین وقت پر بارانِ رحمت کا نزول تھا (۸:۱۱)۔

(۶) مومنین کی ثباتِ قدم کے لئے دعائیں۔ (۲ : ۲۵۰)—(۳: ۱۴۷)

(۷) قرآن کریم میں انبیاء سابقہ کی سرگذشتیں اس لئے بیان کی گئی تھیں کہ ان سے حضور نبی اکرمؐ کو ثباتِ قلب حاصل ہو (۱۱ : ۱۲۰) قرآن کریم کے بتدریج نازل کرنے سے بھی یہی مقصد تھا (۲۵ : ۳۲)

(۸) مخالفین کی انتہائی کوشش تھی کہ حضورؐ اپنے مقام سے ہل جائیں اور ان کے ساتھ مفاہمت کر لیں۔لیکن نصرتِ خداوندی نے ان کی کوششیں ناکام بنا دیں۔ (۱۷ : ۷۴)

(۹) خدا کا عطا کردہ نظریۂ حیات اس شجرِ طیب کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین میں محکم ہوں (اصلھا ثابت) اور شاخیں فضا کی پہنائیوں میں جھوم رہی ہوں (۱۴: ۲۷)

(۱۰) خدا کا قانونِ محو و ثبات ساری کائنات میں کارفرما ہے۔ اس قانون کی اصل و بنیاد، علمِ خداوندی ہے۔ اسے ام الکتاب کہا گیا ہے۔ (۱۳: ۳۹)

(۱۱) اپنی جھوٹی قسموں کو فریب دہی کی سرمت بناؤ۔اس سے تمہارا جما ہوا قدم اکھڑ جائے گا۔ (۱۶ : ۹۴)

تثبیتِ نفس

سورہ بقرہ میں ہے کہ انفاق مال سے تمہیں تثبیتِ نفس حاصل ہو جائے گی۔ اس کے معنی بھی استحکامِ ذات کئے جاتے ہیں لیکن تثبیت

کامادہ (ث ۔ ب ۔ ی) ہے جس کے معنی منتشر اور متفرق اجزا کو اکٹھا کرکے ان میں تقویت پیدا کرنا۔ تکمیل تک پہنچانا ہیں۔ لہذا تثبیتِ نفس کے معنی انسانی ذات کی (INTEGRAATION) اور مناسب نشو ونما سے تکمیل ہوں گے۔ یہ لفظ (۴:۶۵) میں بھی آیا ہے۔ فوج کی مختلف ٹکڑیوں کو بھی ثبات کہا گیا ہے (۴:۷۱)

——— (۰) ———

۳۔ ثعبان

ثعبان۔ اس مادہ (ث ۔ ع ۔ ب) کے بنیادی معنی پانی کی طرح بہنے اور پھیلنے کے ہیں۔ اس سے لفظ ثعبان ہے جس کے معنی بڑے موٹے سانپ کے ہیں۔ داستانِ حضرت موسیٰؑ میں عصاءِ موسےٰ کو ثعبان سے تشبیہ دی گئی ہے (۷:۱۰۷)۔ (۲۶:۳۲)

——— (۰) ———

۴۔ ثقیل

(۱) جب دو چیزوں کے درمیان موازنہ کیا جائے تو ان میں سے بھاری کو ثقیل اور ہلکی کو خفیف کہا جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ جس کا تعمیری اعمال (نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہوگا وہ بامراد (مستحقِ جنت) ہوگا۔ جس کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ نامراد رہے گا (داخلِ جہنم ہوگا)۔ (۷:۸) — (۲۳:۱۰۲) — (۱۰۱:۶)

(۲) انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے ذمہ داریوں کے بوجھ کے لئے لفظ اثقال آیا ہے۔ یعنی اعمال کے نتائج۔ (۲۹:۱۳) عام بوجھ کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ (۱۶:۷) — (۹۹:۲)

(۳) **مثقال**۔ خفیف سے وزن کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ انسانی اعمالِ خیر و شر کا مثقال ذرّہ تک سامنے آجائے گا۔ (۲۱:۴۷) — (۳۱:۱۶) — (۹۹:۷)۔ ارض وسما میں مثقال ذرہ تک علم خداوندی سے پوشیدہ نہیں۔ (۱۰:۶۱) — (۳۴:۳)۔

خدا کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا (۴:۴۰)

(۴) **ثقلان**۔ جن و انس کے دو گروہوں کو ثقلان کہا گیا ہے (۵۵:۳۱)

———

۵۔ ثمر

ثمر کے بنیادی معنی درخت کے پھل کے ہیں ۔ اس کے بعد اسے ہر قسم کے مال و متاع کے لئے استعمال کرنے لگے ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (جمع ثمرات) پھل اور فصل سب کے لئے آیا ہے ۔

(۱) درختوں کے پھل اور فصلوں کے اناج وغیرہ ۔(۲۲ : ۲)—(۲:۱۲۶)—(۶:۹۹)—(۵۷ : ۷)—(۱۳۰ : ۷)—(۱۴:۳۲)
—(۱۶:۱۱)—(۱۶:۶۷)—(۲۷ : ۳۵)—(۳۵ : ۳۶)—(۴۷ : ۴۱)۔

(۲) فصل کاٹنے کے وقت "خدا کا حق" بھی ادا کر دیا کرو ۔ (۱۴۱ : ۶) ۔ قرآن میں "حقوق اللہ" کا ذکر صرف اس مقام پر آیا ہے ۔

(۳) باغ والوں کی مثال جن کے ثمرات ضائع ہو گئے کیونکہ انہوں نے محتاجوں کا حق ادا نہیں کیا تھا ۔ (۴۲ - ۱۸:۳۲) ۔

(۴) بڑھاپے میں کھیتیاں جل جائیں تو رزق کیسے حاصل ہو، اس کی فکر کر لینی چاہیئے ۔ (۲۶۶ : ۲)۔

(۵) جنت کے پھل ۔ (۲:۲۵)—(۴۷:۱۵)

(۶) دعائے ابراہیمی کہ جس اولاد کو میں نے تربیت کعبہ کے لئے اس بے برگ و گیاہ زمین میں بسا دیا ہے، انہیں ثمرات کا رزق حاصل ہوتا ہے ۔ (۱۴:۳۷)—(۲۸:۵۷)

(۷) حق و باطل کی کشمکش و تصادم میں جماعت مومنین کا نقصان ثمرات (۲:۱۵۵)

(۸) شہد کی مکھی ثمرات کا رس چوس کر شہد بناتی ہے ۔ (۱۶:۶۹)

(۹) ہر ثمر کی زوجین (جوڑے)۔ (۱۳:۳)

—(٠)—

۶۔ ثمود

قرآن کریم نے جن اقوام سابقہ کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے ان میں قوم ثمود کو بڑی اہمیت حاصل تھی ۔ ان کا دارالحکومت حجر تھا اس لئے انہیں اصحاب الحجر کہہ کر بھی پکارا گیا ہے ۔ حضرت صالحؑ ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے ۔ ان کا جرم یہ تھا کہ یہ خدا کے عطا کردہ ذرائع رزق کو ذاتی ملکیت بنا بیٹھے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں اور کمزوروں کے مویشی پانی تک سے محروم رہ جاتے تھے ۔ انہوں نے حضرت صالحؑ کے ساتھ معاہدہ کیا کہ تمام لوگوں کے مویشی اپنی اپنی باری پر پانی پیا کریں گے ۔ لیکن وہ اس معاہدہ پر قائم نہ رہے اور تباہ ہو گئے ۔ ذیل میں ان آیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں جن میں ان کا تذکرہ آیا ہے ۔ (تفصیل میری کتاب جوئے نور

میں ملے گی) اس سلسلے میں عنوان "صالح" بھی دیکھئے اور اصحاب الحجر بھی۔

(۱) تفصیلی تذکرہ

(۷:۷۳)—(۱۱:۶۱-۶۸)—(۱۶:۵۹)—(۲۶:۱۴۱-۱۵۹)—(۲۷:۴۵)—(۹۱:۱۱-۱۵)

(۲) ضمنی تذکرہ

(۹:۷۰) (۱۱:۹۵)—(۱۴:۹)—(۲۲:۴۲)—(۲۵:۳۸)—(۲۹:۳۸)—(۳۸:۱۳)—(۴۰:۳۱)—
(۴۱:۱۳)—(۴۱:۱۷)—(۵۰:۱۲)—(۵۱:۴۳)—(۵۳:۵۱)—(۵۴:۲۳)—(۶۹:۴)—(۶۹:۵)
(۸۵:۱۸)—(۸۹:۹)-

—(٠)—

۷۔ ثمن

(۱) ثمن کے عام معنی قیمت کے ہیں لیکن اس میں اور قیمت میں ایک فرق ہوتا ہے۔ قیمت اس بدل کو کہتے ہیں جو کسی شے کے برابر ہو۔ اور ثمن اس بدل کو جس پہ بائع (خریدار) اور مشتری (فروخت کنندہ) باہمی رضامند ہو جائیں۔

(۲) مذہب کو ذریعہ معاش بنا لینے والوں کے متعلق کہا کہ وہ آیات اللہ کو ثمنِ قلیل کے عوض فروخت کرتے رہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہیں چاہیئے کہ وہ ثمنِ قلیل (تھوڑی سی قیمت) کے عوض نہ بیچا کریں، بہت زیادہ قیمت لیا کریں۔ قرآن کریم نے دنیا کی ہر متاع کو آخرت کے مقابلہ میں قلیل کہا ہے (۴:۷۷)—(۹:۳۸)۔ لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ دنیاوی مفاد کی خاطر دین فروشی مت کرو۔

(۳) یہودیوں کے مذہبی پیشوا دین فروشی کرتے تھے (۲:۴۱)—(۲:۷۹)۔ جو ایسا نہیں کرتے ان کے لیے اجرِ عظیم ہے (۳:۱۹۸)

(۴) کتمانِ حقیقت کرنے والے دین فروش ہیں۔ (۲:۱۷۴)—(۳:۱۸۶)

(۵) عہدِ خداوندی اور اپنی قسموں کو بیچنے والے۔ (۳:۷۶)۔ ایمان کے بدلے کفر خریدنے والے (۳:۱۷۶)

(۶) دین فروشی مت کرو۔ (۵:۴۴)—(۱۶:۹۵)

(۷) سچی گواہی کو ثمنِ قلیل کے عوض مت بیچو (۵:۱۰۶)

(۸) مشرکینِ مکہ بھی دین فروشی کرتے تھے (۹:۹)

—(۰)—

۸- ثواب

ثواب - یہ لفظ وہ ہے جو دنیائے مذہب میں سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے لیکن جس کا متعین مفہوم بہت کم سامنے آتا ہے۔ مثلاً ایسا کہا جائے گا کہ تم ایسا کرو - اس سے بہت ثواب ہوگا - لیکن اگر پوچھا جائے کہ اس کا مطلب کیا ہے - اس سے کیا ہوگا - اس سے کیا ملے گا، تو اس کا جواب صرف اتنا دیا جائیگا کہ اس سے ثواب ہوگا - اس سے ثواب ملے گا - یعنی ہمارے ہاں یہ لفظ ایسا مجرد (ABSTRACT) بن کر رہ گیا ہے جس کا کوئی محسوس (CONCRETE) مفہوم سامنے نہیں آتا - بنا بریں، اس کے صحیح مفہوم کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

اس لفظ (ثواب) کا مادہ (ث - و - ب) ہے جس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے چلے جانے کے بعد اس کا پھر واپس آجانا۔ بیماری سے انسان کمزور ہو جاتا ہے - صحت یاب ہوتے کے بعد اس کی زائل شدہ توانائی کے واپس آجانے کے لئے کہتے ہیں ثَابَ جِسْمُهٗ - اس کا جسم پھر اپنی پہلی حالت پر آگیا - اگر کسی حوض کی یہ صورت ہو کہ اس سے جس قدر پانی نکل جائے اتنا ہی واپس آجائے تو اس کے لئے کہیں گے ثَابَ الْمَاءُ۔

آپ کوئی کام کریں - اس میں آپ کا وقت، روپیہ، توانائی وغیرہ صرف ہوں گے - اس کے بعد اگر اس کا نتیجہ ایسا مرتب ہو جس سے یہ سب کچھ واپس لوٹ آئے تو اسے اس کام کا ثواب کہا جائے گا - یہ ہے اس لفظ کا بنیادی مفہوم - کاروباری دنیا میں انگریزی زبان کا لفظ (RETURN) اس کا مفہوم سامنے لے آتا ہے - اس کے بعد اسے مکافاتِ عمل - یعنی اعمال کے نتائج کے لئے بھی استعمال کرنے لگ گئے۔

(۱) اعمال کے نتائج کے معنوں میں

کفار کے اعمال کے نتائج - (۸۳:۳۶)

ایمان و اعمالِ صالح کے نتائج - (۱۹۵:۳) (۸۵:۵)—(۳۱:۱۸)—(۴۴:۱۸)—(۴۶:۱۸)—(۷۶:۱۹)

(۲) **ثواب اللہ** (۸۰:۲۸)

(۳) ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے کہ ثواب آخرت میں جا کر ہی ملے گا - لیکن قرآن کریم میں ثواب الآخرۃ اور ثواب الدنیا دونوں آئے ہیں - یعنی اعمالِ صالح کا نتیجہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جو ثواب الدنیا چاہے گا اُسے ثوابِ دنیا مل جائے گا۔ جو ثوابِ آخرت چاہے گا اسے ثوابِ آخرت مل جائے گا۔ (۳:۱۴۴)۔ خدا کے ہاں ثوابِ الدنیا اور ثوابِ الآخرت دونوں ہیں (۴:۱۳۴)۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو ثواب الدنیا اور ثواب الآخرۃ دونوں ملتے ہیں (۳:۱۴۷) خدا کے ہاں سے حسن الثواب ملتا ہے۔ (۳:۱۹۴)

فتحِ قریب، ثواب الدنیا ہے جو مومنوں کو عطا ہوتا ہے۔ (۴۸:۱۸)

لہٰذا ثواب، انسانی اعمال کا وہ نتیجہ ہے جو محسوس شکل میں اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ملے گا۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ جو ہمارے ہاں ایصالِ ثواب کا عقیدہ رائج ہے۔ قرآن سے اس کی سند نہیں ملتی۔ جب ثواب کے معنی اپنے اپنے عمل کا نتیجہ ہیں، تو ایک شخص کے اعمال کے نتائج کسی دوسرے کی طرف منتقل کیسے ہو سکتے ہیں (تفصیل کے لیے دیکھئے عنوان مکافاتِ عمل۔ نیز میری کتاب "جہانِ فردا")

(۴) اَلثَّوْبُ بھی اسی مادہ سے ہے جس کے عام معنی کپڑے ہیں لیکن عربوں کے ہاں ثیاب سے مراد انسان کی شخصیت بھی لیتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ فُلَانٌ دَنِسُ الثِّیَابِ - وہ شخص بڑی خبیث فطرت کا ہے۔ اس کی شخصیت بڑی خراب ہے۔ (۱۱:۵) اور (۷۱:۷) میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کریم میں جو نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ ثِیَابَکَ فَطَہِّرْ (۷۴:۴) تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اپنی سیرت و کردار کو پاکیزہ رکھو۔

لیکن تَثْوِیْبٌ کے معنی ہیں لوگوں کو آواز دے کر بلانا۔ اکٹھا کرنا۔ اس اعتبار سے ثِیَابَکَ فَطَہِّرْ کے معنی ہوں گے اپنی دعوت و پکار کو پاک اور صاف رکھو۔ اس میں نہ تو غلط تصورات و مقاصد کی آمیزش ہونے دو، نہ غلط قسم کے لوگوں کو اس میں گھسنے دو۔

(۵) عام کپڑوں کے معنوں میں بھی یہ لفظ (ثیاب) آیا ہے (۲۴:۵۸)—(۲۴:۶۰)

—(۰)—

ج

۱۔ جالوت

فلسطین کا ایک سرکش سردار جس کے خلاف بنی اسرائیل نے زیرِ سرکردگی حضرت طالوت لشکر کشی کی تھی اور جسے حضرت داؤدؑ نے قتل کیا تھا۔ سورہ بقرہ کی آیات (۲ : ۲۴۶ — ۲۵۱) میں اس معرکہ کا تفصیلی بیان ہے۔

۲۔ جبر

جبر۔ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کی اس طرح اصلاح کرنا کہ اس میں کچھ قوت صرف کرنی پڑے۔ چنانچہ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے کے لئے انہیں جن لکڑیوں میں کس کر باندھا جاتا ہے انہیں الجبائر کہتے ہیں اور اس طرح ہڈیوں کے جوڑنے والے کو الجابر۔ خدا کی صفت الجبّار انہی معنوں میں آئی ہے۔ (۵۹ : ۲۳)

لیکن جب انسان حدودِ خداوندی سے تجاوز کر کے مظلوموں اور کمزوروں پہ جبر و استبداد کرے، تو یہ لفظ مذموم معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کسی پر ظلم و ستم کرنے والا۔ قرآن میں انسانوں کے لئے جبار کا لفظ ایسے ہی لوگوں کے لئے آیا ہے۔ (۱۱ : ۵۹) — (۱۴ : ۱۵) — (۲۶ : ۲۸) — (۲۸ : ۱۹) — (۴۰ : ۳۵)۔

(۲) رسول اللہ سے کہا گیا کہ تو ان پر جبار نہیں ہے کہ زبردستی اپنی بات منوائے۔ (۵۰ : ۴۵)۔ اس کے لئے لفظ مصیطر بھی آیا ہے۔ (۸۸:۲۲
—— اور وکیل بھی (۶ : ۱۰۸)

(۳) حضرت یحییٰؑ کی دعا کہ مجھے جبار نہ بنایا جائے (۱۹ : ۱۴) حضرت عیسیٰؑ کی دعا (۱۹ : ۳۲)

(۴) بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم ارضِ فلسطین نہیں ہوں گے کیوں کہ وہاں بڑے بڑے جبار ہیں (۵:۲۲)

——(۰)——

(اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ عنوانات مثل اکراہ ۔ جور ۔ ظلم وغیرہ بھی دیکھئے)۔

۴۔ جرم وسزا

کسی قانون کی خلاف ورزی کا نام جرم ہے اور اس کے لئے جو پاداش عدالت کی طرف سے عائد ہو اُسے اُس جرم کی سزا کہا جائے گا۔ اس کی تفصیل کے لئے عنوان عدل دیکھنا چاہیئے۔ لیکن چونکہ قرآن کریم نے جرم اور اس کی سزا کے متعلق خصوصیت سے کچھ ہدایات دی ہیں اس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ ان کا ذکر زیرِ نظر عنوان کے تحت الگ بھی کر دیا جائے۔

۲۔ اسلامی مملکت میں چونکہ قوانینِ خداوندی نافذ ہوں گے اس لئے ان قوانین کی خلاف ورزی کا دوہرا اثر پڑے گا۔ ایک اثر معاشرہ کے خلاف اور دوسرا خود اس مجرم کی اپنی ذات کے خلاف۔ قرآن نے اس اثر کو بڑی اہمیت دی ہے (۴:۱۱۱) اس کا جو نقصان انسان کی ذات پر پڑتا ہے اس کا ازالہ عدالتی سزا سے نہیں ہو سکتا۔ اس کا ازالہ اس شخص کو آپ کرنا ہوگا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنے کئے پر نادم ہو اور اس کے بعد ایسے اچھے کام کرے جن کا وزن اس بُرے کام سے کہیں زیادہ ہو۔ اس سے اس نقصان کی تلافی ہو جائے گی (۱۱:۱۱۴)۔

۳۔ عدالت کے حیطۂ اقتدار یا گرفت میں وہی جرائم آ سکتے ہیں جو کسی سے عملاً سرزد ہوں۔ لیکن قرآن کی رو سے دل کے ارادے اور نگاہ کی خیانتیں بھی جرم میں داخل ہیں۔ (۴۰:۱۹)۔ ظاہر ہے کہ ان جرائم کی وجہ سے پیدا شدہ نقصان کا ازالہ بھی انسان خود ہی کر سکتا ہے، عدالت نہیں۔

۴۔ جرم درحقیقت وہی ہے جس میں انسان کے دل کا ارادہ شامل ہو۔ (۳۳:۵) جہالت سے اگر کوئی غلط قدم اٹھ جائے اور وہ شخص اس سے تائب ہو جائے تو اُسے معاف کیا جا سکتا ہے۔ (۶:۵۴) لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ لوگ قانون کی پابندی کی طرف سے لاپرواہی برتنے لگ جائیں۔ لاپرواہی بھی جرم میں شامل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے قتلِ خطا کی بھی سزا تجویز کی ہے۔ (۴:۹۲)

۵۔ کسی سے کوئی جرم جبراً کرایا جائے تو اُسے جرم تصور نہیں کیا جائیگا۔ (۱۶:۱۰۶)

۶۔ بڑے بڑے جرائم سے مجتنب رہنے والوں سے اگر کبھی کوئی ہلکی سی لغزش سرزد ہو جائے تو وہ قابلِ معافی قرار دی جا سکتی ہے۔ (۴۲:۳۷) ——— (۵۳:۳۲)

۷۔ جو کسی کو غلط راستے پر ڈالتا ہے۔ اس کے جرائم میں وہ بھی شریک ہوتا ہے (۱۶:۲۵) — (۲۹:۱۳)

۸۔ سزا تجویز کرتے وقت مجرم کے ماحول۔ تربیت۔ ذہنی سطح۔ نفسیاتی کیفیت اور معاشرہ کے عام حالات کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ وجہ ہے کہ لونڈی کے جرمِ زنا کی سزا آزاد عورت کی سزا سے نصف رکھی گئی ہے (۴:۲۵) اور ازواجِ رسول اللہ کے

لیے دگنی ۔ (۳۳ : ۳۰)

(اس سے مراد ایک اصول بیان کرنا ہے ۔ یہ نہیں کہ ازواجِ رسول اللہ سے کوئی جرم سرزد ہوا تھا اور اس کی دگنی سزا دی گئی تھی)

۹ ۔ مجرم کا پیچھا کر کے اسے جرم کی سزا دینا حکومت کا فریضہ ہے ۔ اسے قصاص کہا جاتا ہے ۔ اسی میں قوم کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے ۔ (۲ : ۱۷۹) قصاص میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہوتی ۔ (۲ : ۱۷۸) حتیٰ کہ (اور تو اور) خود رسول اکرمؐ سے بھی اعلان کرایا گیا کہ " اگر میں بھی قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کروں تو اس کی پاداش سے محفوظ نہیں رہ سکتا " (۶ : ۱۵)

۱۰ ۔ جرم کی سزا خود مجرم بھگتے گا ۔ کوئی دوسرا نہیں ۔ (۶ : ۱۶۵)

۱۱ ۔ مجرم کے حق میں نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی ۔ نہ ہی مجرم سے کچھ لے کر اُسے چھوڑا جائے گا ۔ نہ ہی کوئی اُسے سزا سے بچانے کے لئے اس کی کوئی مدد کر سکے گا ۔ (۲ : ۴۸)

۱۲ ۔ جرم ثابت ہونے سے پہلے ملزم کو بے گناہ سمجھا جائے گا اور اس کے متعلق نیک ظن رکھا جائے گا ۔ لہٰذا تفتیش کے دوران ملزم پر کسی قسم کی زیادتی کرنا یا اسے قصور وار تصور کر لینا ، قرآنی ضابطۂ عدل کے خلاف ہوگا (۲۴ : ۱۲ - ۱۳) ۔

۱۳ ۔ کسی بات کو قانوناً جرم قرار دینے سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہو ، اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا ۔ بالفاظِ دیگر قانون کا نفاذ کسی سابقہ تاریخ سے نہیں ہوگا ۔ (۲ : ۲۷۵) (۵ : ۹۵) (۴ : ۲۳)

۱۴ ۔ سزا ، جرم کی نوعیت کے مطابق ہوگی ۔ اس سے زیادہ نہیں ۔ (۲ : ۱۹۴) (۱۰ : ۲۷) (۱۶ : ۱۲۶) (۲۲ : ۶۰) (۴۰ : ۴۰) (۴۲ : ۴۰)

۱۵ ۔ مجرم میں اگر اصلاح کا امکان ہو تو اسے معاف کر دینا چاہیئے ۔ (۴۲ : ۴۰)

۱۶ ۔ عدل سے مقصود صرف مجرموں کو سزا دینا ہی نہیں ، بلکہ مظلوم کے نقصان کو پورا کرنا بھی ہے (۱۷ : ۳۳) اصل یہ ہے کہ حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے حدودِ مملکت میں بسنے والے افراد کی جان ۔ مال ۔ عزت ۔ آبرو وغیرہ کی حفاظت کرے ۔ لہٰذا اگر حکومت کسی کی حفاظت نہیں کر سکی تو اس کے نقصان کی تلافی حکومت کی ذمہ داری ہوگی ۔ لہٰذا جسے اس طرح نقصان پہنچا ہے ، وہ درحقیقت حکومت کے خلاف مستغیث ہوگا ۔ حکومت کا اولین فریضہ اس کے نقصان کی تلافی ہوگا اور اس کے بعد یہ دیکھنا کہ کس قسم کے انتظامات کئے جائیں جن سے معاشرہ اس قسم کے نقصانات سے محفوظ رہے ۔ جرم کی سزا انہی انتظامات کی ایک شق ہے تاکہ معاشرہ میں لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کی فضا پیدا ہو جائے ۔ اس مقصد

کے حصول کا بہترین طریق یہ ہے کہ قوم کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی جائے کہ قانون کا احترام ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے۔ اس صورت میں جرائم خود بخود مٹتے جائیں گے اور تعزیر کی ضرورت مستثنیات کے لئے پڑے گی۔ یعنی ان کے لئے جن کا ذہنی اور نفسیاتی مرض اس قدر شدید ہو گیا کہ سزا کے خوف کے علاوہ اس کا علاج ممکن نہ ہو۔

۱۷۔ قرآن کریم نے معدودے چند جرائم کی سزائیں خود تجویز کی ہیں — قتل۔ زنا۔ بہتان۔ شریف زادیوں کو تنگ کرنا۔ چوری اور بغاوت۔ (ان کی تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملے گی)۔ یہ ان جرائم کی انتہائی سزائیں ہیں۔ جن حالات میں یہ سزائیں تجویز کی گئی تھیں، یہ انہی جیسے حالات میں دی جائیں گی۔ اگر حالات ایسے نہیں رہیں گے تو اسلامی حکومت، حالات کے مطابق ان میں تبدیلی کر سکتی ہے۔ اس کی نظیر خود قرآن میں موجود ہے۔ اسلامی مملکت میں بغاوت کی سزا۔ (۱) قتل۔ (۲) صلیب (۳) ہاتھ یا پاؤں قطع کرنا۔ (۴) جلاوطن (یا نظر بند) کر دینا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قسم کے حالات ہوں ان کے مطابق سزا دی جائے۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ قرآن کی تجویز کردہ سزائیں منسوخ کر دی جا سکتی ہیں۔ مطلب صرف یہ ہے کہ یہ سزائیں مشروط بہ حالات ہیں۔ جن جرائم کی سزائیں قرآن نے خود تجویز نہیں کیں، ان کی سزائیں اسلامی حکومت متعین کرے گی۔

۱۸۔ قرآن کریم نے جرائم کی بدنی سزائیں تجویز کی ہیں۔ قید بطور سزا کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ (جس عورت میں کوئی عام بے حیائی کی بات پائی جائے اسے گھر میں محبوس کرنے کا ذکر آیا ہے۔ (۴:۱۵) یا بغاوت کی ایک سزا نظر بندی کی تجویز کی گئی ہے۔ (۵:۳۳-۳۴) ملک بدر کر دینے کی طرف (۶۰:۲۳) میں اشارہ ملتا ہے۔

۱۹۔ معافی کے لئے عفو کا عنوان دیکھئے۔

(٠)

ہم نے اس عنوان میں صرف عدالتی جرم کا ذکر کیا ہے۔ قرآن میں ان مجرمین کا بھی ذکر ہے جو اس حیثیت سے "خدا کی عدالت" میں پیش ہوں گے اور مجرم اقوام کا بھی جن کی تباہی اس دنیا میں ہوئی تھی۔ اول الذکر کے متعلق "مکافاتِ عمل" اور "قیامت" وغیرہ سے متعلق عنوانات دیکھئے اور ثانی الذکر کے متعلق "اقوامِ سابقہ" کا عنوان۔

(٠)

۴۔ جزیہ

جو غیر مسلم، اسلامی مملکت کے اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی حفاظت میں آ جاتے تھے، یہ مملکت ان کی جان و مال، عزت،

مذہب، پرستش گاہوں کی حفاظت کا ذمہ لیتی تھی۔ اس کے لئے ان سے معمولی سا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اسے جزیہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ صرف ایک مقام پر آیا ہے۔ (۹:۲۹) میں۔

—(۰)—

۵۔ جن

جن۔ (مادہ ج۔ن۔ن)۔ ہر شے جو نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔

جہاں تک جن کا تعلق ہے، قرآن کریم نے اس لفظ کو متعدد مفاہیم کے لئے استعمال کیا ہے۔

(۱) زمین پر انسانی آبادی سے پہلے، کوئی مخلوق تھی جو اب ناپید ہو چکی ہے۔ انسان (یا آدم) اس مخلوق کا جانشین (SUCCESSOR) ہے۔ نظریۂ ارتقاء کے مغربی حاملین اسے (MISSING LINK) سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ اس وقت زمین کی حرارت مقابلۃً زیادہ شدید تھی۔ اس لئے اس مخلوق کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی پیدائش آگ سے ہوئی تھی۔

(۲) فطرت کی غیر مرئی قوتیں جنہیں انسان اپنے دورِ جہالت میں دیوی۔ دیوتا سمجھ کر ان کی پرستش کرتا تھا۔ عربوں کے ہاں بھی ان کی پرستش ہوتی تھی۔

(۳) خود انسان کے سرکش جذبات جو محسوس شکل میں سامنے نہیں آتے بلکہ اعماقِ قلب میں تہ نشین ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ابلیس، جنات میں سے تھا۔

(۴) وحشی قبائل کے لوگ جنہیں حضرت سلیمانؑ نے ایسے کاموں پر لگا رکھا تھا۔ جن میں بڑی جسمانی قوت کی ضرورت ہو۔

(۵) عربوں کے ہاں شہری آبادی بہت کم تھی۔ باقی لوگ صحراؤں اور بیابانوں میں رہتے تھے۔ خانہ بدوشوں کی سی ان کی زندگی تھی — شہروں سے دور۔ نگاہوں سے اوجھل۔ وہ حضریت کی تمدنی زندگی سے ناواقف تھے۔ ان کے اپنے عقائد اور رسوم تھے اور نفسیاتی طور پر بھی وہ شہروں کی متمدن دنیا سے ایک مختلف مخلوق معلوم ہوتے تھے۔ آجکل اگرچہ ذرائع رسل و رسائل کی کثرت کی وجہ سے شہری اور اس قسم کی بیرونی زندگی کے امتیازات بڑی حد تک کم ہوتے جا رہے ہیں۔ بایں ہمہ اب بھی وحشی قبائل کی زندگی اور شہروں کی مہذب زندگی میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ عربوں کے ہاں شہری آبادی کو انس اور اس قسم کے خانہ بدوشوں کی آبادی کو جن کہکر پکارتے تھے۔ قرآن کریم میں "جن و انس" کی اصطلاح انہی معانی میں آئی ہے۔

(۶) یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ جن انسانوں کا روپ دھار کر مختلف مقامات پر پھرتے رہتے ہیں یا وہ (بالخصوص) عورتوں کو چمٹ جاتے ہیں اور انہیں پھر جھاڑ پھونک اور عملیات کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔ یہ سب توہم پرستی ہے۔ قرآن کریم

میں اس قسم کا کوئی ذکر نہیں۔ انسان اپنے دورِ جہالت میں ایسی اعصابی بیماریوں (مثل ہسٹریا وغیرہ) کو جن کی توجیہہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ نہ ہی وہ ان کی تشخیص کر سکتا تھا۔ بھوت۔ پریت۔ جن۔ چڑیل وغیرہ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ اب طبی تحقیقات، اور نفسیاتی مطالعہ نے ان کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے اور رفتہ رفتہ وہمِ انسانی کے پیدا کردہ یہ جنات، انسانی ذہنوں سے نکلتے چلے جا رہے ہیں۔

انسانوں سے پہلی مخلوق

۱۔ انسانوں سے پہلے ہم نے جنات (جآن) کو تیز گرم آگ سے پیدا کیا۔ (۱۵:۲۶)

۲۔ جنات کو آگ سے پیدا کیا (۵۵:۱۵)

شیطانی جنات (یعنی انسان کے سرکش جذبات)

۱۔ ابلیس، جنوں میں سے تھا۔ (۱۸:۵۰)

عربوں کے جناتی دیوی دیوتا

۱۔ یہ جنات کی پرستش کرتے تھے۔ (۳۴:۴۱)

۲۔ یہ اللہ کے ساتھ جنوں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ (۶:۱۰۱)

۳۔ یہ خدا اور جنوں میں رشتے جوڑتے ہیں۔ (۳۷:۱۵۸)

وحشی قبائل کے قوی ہیکل افراد

۱۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانے کے جناتی قبائل۔ ان کے جانشین کے زمانے میں سرکش ہو گئے۔ (۳۴:۱۴)

۲۔ سلیمانؑ نے جن و انس کے لشکر اکٹھے کر رکھے تھے۔ (۲۷:۱۷)

۳۔ جنوں کے ایک عفریت نے حضرت سلیمانؑ سے کہا کہ میں ملکۂ سبا کا تخت طرفۃ العین میں لے آؤں گا۔ تفصیل کے لئے دیکھو عنوان "سلیمانؑ"۔ (۲۷:۳۹)

۴۔ حضرت سلیمانؑ کے مطیع کردہ وحشی قبائل ان کے لئے ہر قسم قسم کے کام کرتے تھے۔ وہ سرکشی برتتے تھے تو انہیں سخت سزا دی

جاتی تھی ۔ (۱۳-۱۲ : ۳۴)

رسول اللہ کے زمانے کے جن

۱۔ جنات (وحشی قبائل) کے ایک گروہ نے قرآن سنا اور اپنے قبیلے میں جا کر اس کی تبلیغ کی۔ (۳۲-۲۹ : ۴۶)
۲۔ اس گروہ کے متعلق مزید تفصیل۔ (۱۷-۱ : ۷۲)

جن وانس

۱۔ جنت کی پاکیزہ بیبیاں، جنہیں اس سے قبل جن وانس میں سے کسی نے چھوا تک نہیں۔ یہ ان کی عصمت اور پاک بازی کا بیان ہے۔ (۷۴ : ۵۵)
۲۔ اس دن (یومِ مکافات کو) جن وانس میں سے کسی سے اس کے جرائم کے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ ہر ایک کا جرم از خود نمایاں ہو کر سامنے آجائے گا۔ (۳۹ : ۵۵)
۳۔ خدا نے جن وانس کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ یہ اُسی کے قوانین کی اطاعت اختیار کریں۔ (۵۶ : ۵۱)
۴۔ اُس دن جن وانس کے گروہوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ جنوں سے کہا جائے گا کہ تم نے انس سے بہت فائدہ اٹھایا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے فائدے اُٹھاتے تھے۔ (۱۲۹ : ۶)
۵۔ اے گروہِ جن وانس! اگر تم میں استطاعت ہے تو اقطار السمٰوات والارض سے آگے نکل جاؤ۔ تم سلطان کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے۔ (۳۴-۳۲ : ۵۵)
۶۔ جن وانس کی متعدد اقوام جہنم میں داخل ہوں گی۔ (۳۸ : ۷)
۷۔ جن وانس کی اکثریت اپنے آپ کو جہنم کا مستوجب بنا لیتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ عقل وفکر سے کام نہیں لیتے۔ محض حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۱۷۹ : ۷)
۸۔ ان مخاطبین (کفار) سے پہلے جن وانس کی اقوام گزر چکی ہیں۔ (۲۵ : ۴۱) — (۱۸ : ۴۶)
۹۔ جہنم میں کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اُن جن وانس کو دکھا، جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ (۲۹ : ۴۱)
۱۰۔ جن وانس ایک دوسرے کی پناہ لیتے تھے۔ (۶-۵ : ۷۲)
۱۱۔ جن وانس کے سرغنے (شیاطین) ہر نبی کے پیغام کے دشمن ہوتے تھے۔ ملمع کاری کی باتیں کر کے لوگوں کو بہکاتے

تھے - (۶ : ۱۱۳)

۱۲- جن و انس جمع ہو کر بھی اس قرآن کی مثل دوسرا قرآن نہیں بنا سکتے - (۱۷ : ۸۸)

۱۳- جہنم جن و انس سے بھری جائے گی - (۱۱ : ۱۱۹)—(۳۲ : ۱۳)

۱۴- جن و انس لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں - (۱۱۴ : ۵-۶)

۱۵- جن و انس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہاری طرف ہمارے رسول نہیں آئے تھے ؟ (۶ : ۱۳۰)

۱۶- حضرت سلیمانؑ کے لشکر جن و انس (۲۷ : ۱۷)

—(٠)—

۶- جنت

(ارضی و اُخروی)

جنت - (مادہ ج - ن - ن) جَنَّ کے معنی ہیں چھپا لینا - نگاہوں سے اوجھل کر دینا - عربوں کے ہاں جَنَّۃٌ اس باغ کو کہتے تھے جس کی زمین درختوں کی کثرت کی وجہ سے نظر نہ آئے - چونکہ عرب کی بے برگ و گیاہ ، صحرائی زمین میں ، جہاں دور دور تک پانی اور سبزہ کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا ، جنت (باغ) — یعنی پانی - سبزہ - درخت - ان کے پھل اور سایہ - بے بہا نعمت تھی ، اس لئے ان کے ہاں زندگی کی انتہائی کامرانیوں اور کامیابیوں - شگفتگیوں اور شادابیوں - راحتوں اور شادمانیوں کو اسی اصطلاح سے تعبیر کرتے تھے - اسی مفہوم کے لئے قرآن حکیم نے بھی اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے - اس سلسلہ میں اس نے انسانی زندگی کے تین گوشوں یا تین مراحل کا ذکر کیا ہے - مرحلۂ اول ، انسان کی اس زندگی سے متعلق ہے جب ہنوز اس کی تمدنی زندگی کا آغاز نہیں ہوا تھا - اسوقت سامانِ زیست کی فراوانی تھی اور انسان "میری اور تیری کی تمیز" سے ناآشنا تھا ، لیکن زندگی خور و نوش کی سطح سے بلند نہیں تھی - قرآن کریم نے اسے جنتِ آدم کے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے -

اس کے بعد اس کی تمدنی زندگی شروع ہوئی تو انسانوں کے مفاد میں باہمی تصادم واقع ہوا جس سے ان کی جنتی زندگی ان سے چھن گئی - اس کے لئے اسے وحی کی راہ نمائی دی گئی تاکہ یہ اپنے معاشرہ کو جنتی بنا لے - یہ ارضی جنت ہے جو قرآنی معاشرہ کا دوسرا نام ہے - اس معاشرہ میں نہ صرف سامانِ زیست ، بلا جگر پاش مشقتوں کے نہایت فراوانی سے میسر ہو گا ، بلکہ انسانی ذات کی نشو و نما بھی ہوتی جائے گی -

موت کے بعد طبیعی زندگی سے متعلق ساز و سامان تو یہاں رہ جائے گا اور نشو و نما یافتہ ذات آگے بڑھے گی تاکہ زندگی کی مزید

ارتقائی منازل طے کرسکے۔ اس انداز کی حیاتِ بعد الممات کو بھی قرآن نے جنت سے تعبیر کیا ہے۔ چونکہ انسان اپنے شعور کی موجودہ سطح پر یہ سمجھ نہیں سکتا کہ اُخروی زندگی کی کنہ وحقیقت کیسی ہوگی، اس لئے قرآن کریم نے اس کی کیفیات و ماجریات کو تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔ الفاظ وہی ہیں جو جنتِ ارضی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن ان کا استعمال تشبیہی انداز میں ہوا ہے۔ اس لئے ان کا مفہوم حقیقی نہیں بلکہ مجازی لیا جائے گا۔ اُخروی جنت کی زندگی بھی انسانی سفر کی آخری منزل نہیں۔ وہ صرف راستے کی ایک منزل ہے جہاں سے انسان آگے بڑھتا جائے گا۔ اُس جنت سے اگلی منزل کیا ہوگی، اس کے متعلق یہاں ہمیں کچھ نہیں بتایا گیا۔ یہ اس جنت کی زندگی میں پہنچ کر معلوم ہوگا۔

انسانی ذات کی نشو و نما کی تکمیل معلوم نہیں کہاں پہنچ کر ہوگی۔ (جن افراد کی ذات کی نشو و نما رک چکی ہوگی، وہ جہنم کی زندگی بسر کریں گے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان جہنم) بہرحال اتنا واضح ہے کہ اس دنیا میں جہنم اور جنت کی زندگی تو زمان اور مکان کی حدود کے اندر ہوتی ہے لیکن مرنے کے بعد کے جہنم اور جنت، مقامات نہیں، بلکہ کیفیات ہیں، جن کا اندازہ اُسی زندگی میں جاکر ہوسکے گا۔ ان کے سمجھانے کے لئے قرآن نے تشبیہی اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ اور یہی انداز اس کے لئے موزوں بھی ہوسکتا تھا۔ غیر مرئی اور غیر محسوس حقائق کو تشبیہی انداز ہی سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

اس دنیا کی زندگی میں انسان کا نصب العین یہ ہے کہ وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کرکے انہیں وحیِ خداوندی (قرآن کریم کی مستقل اقدار) کی روشنی میں نوعِ انسان کی بہبود کے لئے استعمال کرے۔ تاکہ ہر انسان کی زندگی خوشحالی اور سرفرازی کی ہو۔ اور اس سے افرادِ معاشرہ کی ذات نشو و نما حاصل کرتی جائے۔ اس قسم کی جنتِ ارضی کا نتیجہ اُخروی جنت کی زندگی ہوگا۔

جن لوگوں کی ذات کی نشو و نما رک جائے وہ ایک مقام پر جامد ہوکر رہ جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن میں جہنم (یا جحیم) کا لفظ واحد کے صیغے میں آیا ہے۔ لیکن جن کی آگے بڑھنے کی صلاحیتیں بیدار ہوچکی ہوں، ان کی ارتقائی منازل بے شمار ہوسکتی ہیں۔ اس لئے قرآن میں جنت بھی آیا ہے اور اس کی جمع جنات بھی (دو ایک مقام پر جنتان۔ تثنیہ کے صیغے میں بھی آیا ہے)

جنت کی ابدیت کے متعلق بھی دو ایک نکات سمجھنے کے قابل ہیں۔ اس دنیا میں جنتی معاشرہ کی صورت یہ ہے کہ جب تک اس معاشرہ کے افراد، قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے رہیں گے وہ معاشرہ قائم رہے گا۔ قرآن کریم نے اسے ایسے باغ سے تشبیہ دی ہے جو خزاں ناآشنا ہو اور ہر موسم میں پھل دیتا رہے۔ اس کیفیت کو اس نے "تجری من تحتھا الانھار" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یعنی ایسے باغات جن میں پانی کی نالیاں ہر وقت رواں دواں رہیں۔ اور اس طرح اس کی سیرابی اور شادابی میں فرق نہ آنے پائے۔

جہاں تک اُخروی جنت کا تعلق ہے اس کے لئے "ابداً" کا لفظ آیا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ ابدیت کیسی بھی حدود فراموش کیوں نہ ہو اُس ابدیت جیسی نہیں ہو سکتی جس قسم کی ابدیت خدا کے لئے ہے۔ جنت کی ابدیت کس قسم کی ہوگی، اس کے متعلق بھی ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے کہ اس وقت جس طرح مکان (SPACE) کے متعلق ہمارا احساس محدود ہے اسی طرح زمان (TIME) کے متعلق بھی مقید ہے۔ ہم (اس وقت) نہ کسی ایسے مکان کا تصور کر سکتے ہیں جس کا کوئی آخری کنارہ نہ ہو۔ نہ ہی ایسے زمان کا جس کا کوئی نقطۂ آغاز و انجام نہ ہو۔ اس قسم کی ابدیت ذاتِ خداوندی کے لئے مختص ہے — ھو الاول والآخر۔

جنت کا بیان تمثیلی ہے

جس جنت کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو...... (۱۳ : ۳۵) — (۴۷ : ۱۵)
اس کا عرض تمام ارض و سموات کے مثل ہے۔ (۳ : ۱۳۲) — (۵۷ : ۲۱)
متقی اس چشمے سے پئیں گے جسے خود بہا کر لائیں گے۔ اس کا مزاج کافوری اور زنجبیلی ہوگا۔ (۷۶ : ۵-۶ ; ۱۷)
کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ (۳۲ : ۱۷)

جنت کی تفاصیل

۱۔ اس میں کوئی لغو بات سنائی نہیں دے گی۔ (۷۸ : ۳۵) — (۸۸ : ۱۱)۔ ہر طرف سے سلامتی کی آواز آئے گی — (۱۳ : ۲۴) — (۱۶ : ۳۲) — (۱۹ : ۶۲)۔ سلام و تحیت (۱۰ : ۱۰) — (۱۵ : ۴۵-۴۶) — (۵۶ : ۲۵-۲۶)۔ مقام امین (۴۴ : ۵۱) — (۳۹ : ۷۳) — (۵۶ : ۹۱) — (۸۸ : ۱۱)۔ دارالسلام۔ (۶ : ۱۲۸) — (۱۴ : ۲۳) — (۲۵ : ۷۵)۔

۲۔ رزق صبح شام (مسلسل و متواتر) ملیگا۔ (۱۹ : ۶۲)۔ پھل اور مشروبات۔ (۳۸ : ۵۱)۔ رزق معلوم (۳۷ : ۴۱) پھل لحم طیور (۵۵ : ۴۴) — (۵۲ : ۱۹-۲۲) — (۵۶ : ۲۰-۲۱)۔ (ملتا جلتا ہوا رزق۔ ۲ : ۲۵) — (۴۷ : ۱۵) — (۵۶ : ۲۸-۳۲) — (۶۵ : ۱۱) — (۶۹ : ۲۳-۲۴) — (۷۷ : ۴۲) — (۷۸ : ۳۲)۔
تسنیم۔ (۸۳ : ۲۲-۲۸)۔ جسے خود نکال کر لائیں (۷۶ : ۶)۔

۳- ہم کُل (ہم مزاج) رفقاء - (جن میں بیویاں بھی شامل ہیں) حیا کے مجسمے - سمٹائی ہوئی آنکھیں - (۵۲ : ۳۸) - ان کے آباؤ ازواج و ذریت میں سے بھی جو صالح ہوں گے ان کے ساتھ ہوں گے - (۲۳ : ۱۳) - (۸ : ۴۰) — (۲۱ : ۵۲) - نیچی نگاہوں والیاں ازواج یا رفیق - (۴۹-۴۸ : ۳۷) - حورعین - (۵۴ : ۴۴) — (۲۰ : ۵۲) - ازواج (۴۳ : ۷۰) (۷۶-۴۶ : ۵۵) - حورعین - (۲۲ : ۵۶) - ازواج مطہرات - (۲ : ۲۵) — (۳ : ۱۴) — (۴ : ۵۷) ——— (۳۷-۳۴ : ۵۶) — (۳۳ : ۷۸) -

۴- لباس - مظروفات - سامان آرائش وغیرہ

سونے کے کنگن - ریشمی ملبوسات - صوفے - پُرآسائش زندگی - (۳۱ : ۱۸) — (۳۳ : ۳۵) - صوفوں پہ آمنے سامنے - چشمۂ رواں کا پانی - نہایت لذیذ - (۴۶-۴۴ : ۳۷) — (۱۶-۱۵ : ۵۶) - ان کے گرد وِلدان مخلدون، گلاس اور آفتابے اور مصفا مشروب لے کر گھومیں گے - (۱۸-۱۷ : ۵۶) - بھائی بھائی - آمنے سامنے صوفوں پہ ——— دلوں میں کوئی کدورت نہیں ہوگی - (۴۷ : ۱۵) — (۵۳ : ۴۴) - اس میں نہ دھوپ ہوگی نہ سخت سردی، نیز مندرجہ بالا تمام اشیاء - (۵۷ : ۴) — (۲۴-۲۳ : ۲۲) — (۵۷-۵۵ : ۳۶) — (۷۱ : ۴۳) — (۵۴-۱۹ : ۵۲) — (۷۶-۴۶ : ۵۵) — (۳۷-۲۸ : ۵۶) — (۲۱-۱۲ : ۷۶) — (۴۱ : ۷۷) — (۲۳ : ۸۳) — (۱۶-۹ : ۸۸) -

لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون - (۳۸ : ۶۱) — (۴۹ : ۷) — (۳۰ : ۴۱) — (۶۸ : ۴۳) — (۱۳ : ۴۶)

فزع اکبر سے بھی حزن نہیں ہوگا - (۱۰۳ : ۲۱)

بہترین مستقر - (۲۴ : ۲۵) — (۷۶ : ۲۵)

مقامِ رب سے خائف کے لئے دو جنتیں ہیں - جو مختلف فنون پر مشتمل ہیں (۴۸-۴۶ : ۵۵)

ان جنتوں کی تفاصیل - تمام زیبائش و آرائش و آسائش کے سامان - (۷۶ - ۴۶ : ۵۵)

ان کے چہرے نزہت و نظافت لئے ہوں گے (۲۴ : ۸۳) — (۸ : ۸۸)

حساب کے بعد وہ اپنے اھل کی طرف مسرور لوٹیں گے - (۹ : ۸۴)

حسنت مرتفقاً - (۳۱ : ۱۸)

جو چاہو گے ملے گا-

(۱۶ : ۳۱) — (۱۰۲ : ۲۱) — (۱۶ : ۲۵) — (۳۰ : ۴۱) — (۲۲ : ۴۲) — (۷۱ : ۴۳) - (بلکہ اس سے بھی زیادہ - ۳۵ : ۵۰)

جو کچھ خدا دے گا وہ لیں گے۔ (۵۱ : ۱۶) — (۵۲ : ۱۸)۔

حزن نہیں رہے گا۔ (۳۵ : ۳۴)

جگہ باش منتقیں اور تھکان نہیں ہو گی۔ (۱۵ : ۴۸) — (۳۵ : ۳۵) — (۴۷ : ۳۶)

جو کچھ پینے کو ملے گا اس سے عقل ماؤف نہیں ہو گی۔ (۳۷ : ۴۷) — (۵۲ : ۲۳) — (۵۶ : ۱۹)۔ اس کا مزاج کافوری ہو گا۔ اسے خدا کے بندے اپنے چشمۂ ذات سے کھینچ کر لائیں گے۔ (۷۶ : ۵-۶) سلسبیل و شرابِ طہور (۷۶ : ۱۸ ; ۲۱)۔

دلوں میں کدورت نہیں رہے گی (۷ : ۴۳) — (۱۵ : ۴۷)

سب سے بڑی چیز رضوان من اللہ (یعنی صفاتِ خداوندی سے تا بحدِ بشریت ہم آہنگی۔ (۳ : ۱۴) — (۵ : ۱۱۹) — (۹ : ۷۲) — (۹ : ۱۰۰) — (۵۸ : ۲۲)

وہ جنت جس کا عرض ارض و سمٰوٰت جتنا ہے۔ (۳ : ۱۳۳) — (۵۷ : ۲۱)

اس کا مزاج زنجبیل کا سا ہو گا۔ (۷۶ : ۱۸)۔ تسنیم (۸۳ : ۲۷) — (۸۸ : ۱۲)

صاف پانی کی نہریں۔ دودھ اور شہد کی نہریں۔ خمر کی نہریں۔ (۴۷ : ۱۵)

مصفا پیالہ۔ (۷۸ : ۳۴) رحیق مختوم۔ (۸۳ : ۲۵-۲۸) — (۸۸ : ۱۲)

ملک کبیر۔ (۷۶ : ۲۰)۔

عیشۃ راضیۃ۔ (۶۹ : ۲۱) — (۱۰۱ : ۷)

رَوح و ریحان۔ (۵۶ : ۸۹)۔

تحبرون۔ عمدہ موسیقی کی محفلیں۔ (۳۰ : ۱۵) — (۴۳ : ۷۰)

جنت کس کے لئے ہے

۱۔ متقیوں کے لئے۔

متقیوں کے لئے خدا کے ہاں جناتِ نعیم ہیں۔ (۱۳ : ۳۵) — (۱۵ : ۴۵) — (۱۶ : ۳۰-۳۱) — (۱۹ : ۶۳) — (۳۸ : ۴۹) (۴۴ : ۵۱-۵۲) — (۶۸ : ۳۴)۔ متقین کی خصوصیات بتا کر کہا کہ جنت انکے لئے ہے (۳ : ۱۳۳-۱۳۵) — (۲۵ : ۱۵) (۵۱ : ۱۵ : ۱۹) — (۵۲ : ۱۷) — (۵۴ : ۵۴)۔ متقین کے لئے جنت قریب کی جائے گی۔ (۳ : ۱۹۸) — (۳۹ : ۴۱)

(۵۰ : ۳۱) — (۲۶ : ۹۰) — (۳۹ : ۲۰) — (۵۰ : ۳۱) — (۷۷ : ۴۱) — (۷۸ : ۳۱) — (۸۱ : ۱۳)۔

(متقی خدا کے مہمان ہوں گے۔ ١٩ : ٨٥)

ایمان و اعمالِ صالحہ کے بدلے ہیں۔

انہیں جنات نعیم ملیں گی۔ (٣١ : ٨)۔ جناتِ عدن۔ (١٨ : ٣٠-٣١)—(١٩ : ٦٠-٦١)—(٨ : ٩٨)۔ طوبیٰ لہم وحسن مآب۔ (١٣ : ٢٩)۔ مومنین کی مختلف خصوصیات کا ذکر کر کے کہا کہ ان کے لئے جنت ہے (١٣ : ٢٣، ٢٥ : ٢٢-٣٥)۔ مومنین کے لئے ملائکہ کی جنت کی دعائیں۔ (٤٠ : ٨)۔ اہل کتاب بھی اگر ایمان اور تقویٰ اختیار کر لیں تو جناتِ نعیم کے وارث ہو جائیں۔ (٥ : ٦٥)۔ ایمان و اعمالِ صالحہ سے جنتِ فردوس (١٠ : ٩)—(١٨ : ١٠٧)—(٢٢ : ٥٦)—(١٩ : ٢٢)۔ مخلص بندوں کے لئے (٣٧ : ٤٠-٤٢)۔ السابقون الاولون کے لئے۔ ثلۃ من الاولین و قلیل من الآخرین (٥٦ : ١٣-١٤)—(٩ : ٧٢)۔ مومنین کی صفات کے بعد کہا کہ ان کے لئے جنت ہے۔ (٢ : ٢٥)—(٢ : ٨٢)—(٣ : ١٣٣-١٣٥)—(٣ : ٥٧)—(٤ : ١٢٢)—(٧ : ٤٢)—(١٤ : ٢٣)—(١٩ : ٦٠)—(٢٢ : ١٤)—(٢٢ : ٢٣-٢٤)—(٢٩ : ٥٨-٥٩)—(٣٦ : ٢٦)—(٤٠ : ٤٠)—(٤٢ : ٢٢)—(٤٣ : ٦٩)—(٧٠ : ٢٢-٣٥)—(٧٦ : ٧-١٢)۔

مومنین کی صفات گنانے کے بعد کہا کہ یہ لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں۔ (٢٣ : ١-١١)—(٢٥ : ٦٧-٧٠)— فی روضۃ۔ (٣٠ : ١٥)—(٤٢ : ٢٢)۔ فی غرفٰت آمنون۔ (٣٤ : ٣٧)—(٣٩ : ٢٠)۔ فی رحمۃ (٤٥ : ٣٠) اجرٌ غیر ممنون۔ (٤١ : ٨)۔

ایمان و اعمالِ صالحہ سے جنت۔ (٤٧ : ١٢)—(٦٤ : ٩)—(٦٥ : ١١)—(٨٤ : ٢٥)۔

وراثتِ جنت اعمال کے بدلے ہیں۔ (٤٣ : ٧٢)—(١٦ : ٣٢)—(٤٣ : ٧٢)—(٧٦ : ١٢)۔

جنت اعمال کا نتیجہ ہے

جنت تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ (٣ : ١٣٥)—(٣ : ١٩٣)—(٦ : ١٢٨)—(٧ : ٤٣)—(١٦ : ٣٢)—(٢٩ : ٥٨)—(٣٢ : ١٩)—(٣٦ : ٦١)—(٤٣ : ٧٢)—(٤٦ : ١٤)—(٤٦ : ١٦)—(٥٢ : ١٩)—(٥٦ : ٢٤)—(٦٩ : ٢٤)—(٧٦ : ٢٢)—(٧٧ : ٤٣)—(٨٨ : ٨-٩)۔

<u>محسنین کے لئے جنت۔</u> (٣ : ١٣٣)—(١٠ : ٢٦)—(٥١ : ١٦)—(٧٧ : ٤٤)۔

<u>اصحاب الیمین کے لئے۔</u> (٥٦ : ٢٧)—(٥٦ : ٣٨)—(٥٦ : ٨٩-٩١)—(٦٩ : ١٩-٢١)—(٧٤ : ٣٩-٤٠)

خدا کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے سے (۷ : ۴۳)

یہود و نصاریٰ کا غلط عقیدہ کہ جنت انہی کے لئے ہے۔ نہیں! جو بھی اتباعِ قوانینِ خداوندی کرلے اسے جنت ملے گی۔ (۲ : ۱۱۲)

بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ اگر وہ رسولوں پر ایمان لائیں گے تو جنت میں داخل کر دئے جائیں گے۔ (۵ : ۱۲)۔ (۵ : ۶۵)۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ بغیر جہادِ مسلسل اور صبر آزما مراحل کے جنت میں چلے جاؤ گے۔ (۲ : ۲۱۴)—(۳ : ۱۴۱-۱۴۲)۔

مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ (۳ : ۱۹۴) — (۴ : ۱۲۴) — (۹ : ۷۱-۷۲) — (۴۰ : ۴۰) — (۴۸ : ۵) — (۵۷ : ۱۲)۔

مومن جان اور مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور وہ اسے جنت دے دیتا ہے۔ یہ میدانِ جنگ میں ہاتھ آتی ہے۔ (۹ : ۸۸)—(۹ : ۱۱۱) — (۶۱ : ۱۱-۱۲)۔

قتال فی سبیل اللہ سے جنت۔ (۴۷ : ۴-۶)

جو اپنے رب کے مقام سے خائف رہا اور اس طرح اس نے اپنے جذبات کو بے باک نہ ہونے دیا اس کے لئے جنت ہے (۵۵ : ۴۶) — (۷۹ : ۴۰-۴۱)

ایمان اور توبۃ النصوح سے جنت۔ (۶۶ : ۸)

نفسِ مطمئنہ کے لئے جنت۔ لیکن خدا کے بندوں کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد۔ (۸۹ : ۲۷-۳۰)

ہجرت اور قتال فی سبیل اللہ سے جنت۔ (۳ : ۱۹۴)

اطاعتِ خدا و رسول اور حدود اللہ کی نگہداشت سے جنت۔ (۴ : ۱۳) — (۴۸ : ۱۷)

نصاریٰ بھی ایمان لے آئیں تو انہیں جنت مل جائے گی۔ (۵ : ۸۵)

صادقین کے لئے جنت۔ (۵ : ۱۱۹)

السابقون الاولون من المھاجرین والانصار کے لئے جنت۔ (۹ : ۱۰۰)

لمن تزکیٰ۔ (۲۰ : ۷۶)

ایمان و استقامت سے جنت۔ (۴۱ : ۳۰) — (۴۶ : ۱۳-۱۴)

جنت میں وہ ہونگے جو ان لوگوں سے دوستی نہیں رکھیں گے جو خدا اور رسول کے خلاف جنگ کرتے ہیں (۵۸ : ۲۲)

ابرار جنت (نعیم) میں ہوں گے۔ (۸۲:۱۳) — (۸۳:۲۲)

فیصلہ کن اصول

قانونِ ارتقا کی رُو سے، جس کی تعمیری صلاحیتیں زیادہ ہوں وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ جس کی تخریبی قوتیں زیادہ ہوں وہ روک دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسے ثقلت موازینہ اور خفت موازینہ سے تعبیر کیا ہے۔ جس کا تعمیری صلاحیتوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ جنت میں جائے گا۔ (۷:۸) — (۲۳:۱۰۲) — (۱۰۱:۶)۔

ابدی جنت

۱۔ نیچے پانی کی نالیاں جاری ہوں گی۔ (۲:۲۵) — (۳:۱۴) — (۳:۱۳۵) — (۳:۱۹۴) — (۳:۱۹۷) — (۴:۱۳) — (۴:۵۷) — (۴:۱۲۲) — (۵:۸۵) — (۵:۱۱۹) — (۷:۴۳) — (۹:۷۲) — (۹:۸۹) — (۱۰:۹) — (۱۵:۳۵) — (۱۴:۲۳) — (۱۶:۳۱) — (۱۸:۳۱) — (۲۰:۷۶) — (۲۲:۱۴) — (۲۹:۵۸) — (۳۹:۲۰) — (۴۷:۱۲) — (۴۸:۵) — (۴۸:۱۷) — (۵۷:۱۲) — (۵۸:۲۲) — (۶۱:۱۱-۱۲) — (۶۴:۹) — (۶۵:۱۱) — (۶۶:۸) — (۹۸:۸)۔

جنت منتہیٰ نہیں۔ مقامِ راہ ہے

جنت میں دعا مانگیں کہ ہمارے نور کو مکمل کر دے۔ ان کا نور ان کے دائیں بائیں جا رہا ہو گا۔ یعنی ان کی اگلی راہیں روشن ہوتی جائیں گی۔ (۵۷:۱۲) — (۵۷:۱۹) — (۶۶:۸)۔ ان کی صراط الحمید کی طرف راہ نمائی کی جائے گی۔ (۲۲:۲۴) — (۴۷:۵-۶) یہ شہدا کے لئے ہے۔ جنت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش، (۳۷:۴۳)۔ (۸۳:۲۶)۔ جنت میں بلندیوں کے اوپر بلندیاں چلی جائیں گی۔ (۳۹:۲۰)

۲۔ ابدیت

اس میں ابدی طور پر رہیں گے۔ (۴:۱۲۲) — (۵:۱۱۹) — (۹:۲۱-۲۲) — (۶۴:۹) — (۶۵:۱۱) — (۹۸:۸)

وہاں موت نہیں ہو گی۔ (۳۷:۵۸-۵۹) — (۴۴:۵۶)۔

خالدین فیھا ما دامت السمٰوٰت والارض۔ ایسی عطا جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔(۱۰۸: ۱۱) — (۸: ۴۱)
اجر غیر ممنون۔ (۲۵: ۸۴) — (۶: ۹۵)۔

۳۔ جنت کے رزق میں کمی نہیں آئے گی۔ (۴۲: ۱۹) — (۵۴: ۳۸) — (۴۳: ۵۶)
۴۔ جنت کے پھل اور سایہ دائمی ہوگا۔ (۳۵: ۱۳) — (۲۵: ۱۴)
۵۔ جنتی اپنی آسائش میں تبدیلی۔ یا وہاں سے نکلنا نہیں چاہیں گے۔ یعنی بے حد آرام میں ہوں گے۔ (۱۰۸: ۱۸)۔ وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے (۴۸: ۱۵)
۶۔ جنت اور جہنم اس لئے ہیں کہ جس کا جی چاہے آگے بڑھ جائے جس کا جی چاہے پیچھے رہ جائے۔ (۳۷: ۷۴) — (۲۶: ۸۴)۔

جنتِ آدم

۱۔ آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو۔ شیطان نے انہیں بہکا دیا اور اس حالت سے انہیں پستی کی طرف آنا پڑا۔ پھر وہی جنت اتباعِ ہدایتِ خداوندی سے حاصل ہو سکے گی۔ (۳۸-۳۵: ۲)۔
۲۔ جنتِ آدم۔ کھانے پینے کی افراط۔ (۲۵-۱۹: ۷) جہاں سے جی چاہے سیر ہو کر کھانے کو (۳۵: ۲)۔
۳۔ جنتِ آدم میں نہ بھوک کا خوف تھا نہ پیاس کا۔ نہ لباس کا غم نہ موسم کی گرمی کا۔ یہ تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی بلا مشقت میسر تھیں (۱۱۸-۱۱۷: ۲۰) وہ اس حالت سے نیچے گر گیا۔ اب اتباعِ قوانین خداوندی سے پھر وہی مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن جو ان قوانین سے اعراض برتے گا۔ اس کی روزی تنگ ہو جائے گی۔ اور وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھایا جائے گا۔ (۲۴-۲۱: ۲۰)
۴۔ اے بنی آدم! کہیں تمہیں بھی شیطان بہکا کر جنت سے نکال نہ دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو نکلوا دیا تھا۔ (۲۷: ۷)
(اس ضمن میں عنوان آدم بھی دیکھئے)

جنتِ ارضی

(اس کے ساتھ جنتِ آدم کا عنوان بھی دیکھئے)

۱۔ قومِ ثمود جنات و عیون میں تھی۔ (یہی الفاظ جنتِ اخروی کے لئے آئے ہیں مثلاً ۴۶: ۱۵)۔ لیکن ان کی یہ جنت محض

طبیعی زندگی کے سامان کی فراوانی تھی۔ وہ وحی کے قوانین کا اتباع نہیں کرتے تھے۔ اس لئے تباہ ہو گئے۔ (۵۷ : ۲۶) (۱۴۶ : ۲۶)۔ بنی اسرائیل کو بھی انکا وارث بنایا۔ (۲۸-۲۵ : ۴۴)

۲۔ ایمان۔ جہاد اور ہجرت سے جناتِ نعیم کا وعدہ۔ (۲۲-۲۱ : ۹)

۳۔ عربوں کے نزدیک جنّۃ (باغ) کی اس قدر اہمیت تھی کہ وہ رسول اللہ سے کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی خدا کے رسول ہیں تو آپ کے لئے ایک عمدہ سا باغ ہونا چاہیئے جس کے نیچے پانی رواں ہو۔ (۹۱ : ۱۷)۔ قرآن نے کہا کہ خدا آپ کو، ان کے تقاضا کردہ باغ سے کہیں بہتر باغات (جنّٰت) عطا کریگا جن میں آبِ رواں بھی ہوگا اور محلات بھی۔ (۱۰ : ۲۵)۔

۴۔ اس تاکید کے بعد کہ شادی ہم عقیدہ۔ ہم فکر و خیالات کے درمیان ہونی چاہیئے، کہا کہ اللہ تمہیں اس طرح جنت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یعنی ایسی شادی سے گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ (۲۲۱ : ۲)

۵۔ متقی فائز المرام ہوکر کہیں گے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں دنیا میں ملک اور حکومت عطا کیا ہے۔ یہی وہ جنت ہے جس کی طرف وہ فوج در فوج لائے گئے ہیں۔ (۱۱ : ۵)— (۲۶ : ۸)— (۵۵ : ۲۴)—(۷۳-۷۴ : ۳۹)۔

۶۔ ایمان اور استقامت سے نزولِ ملائکہ۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جنت کی بشارت۔ جو چاہیں انہیں ملے گا۔ (۳۲-۳۰ : ۴۱)

۷۔ جنت کے وعدہ کے بعد کہا کہ خدا، نبی اور اس کے رفقاء کو ذلیل نہیں ہونے دے گا۔ (۸ : ۶۶)۔

۸۔ مقامِ رب سے خائف کے لئے دو جنتیں ہیں۔ جو مختلف فنون پر مشتمل ہیں۔ (۴۸-۴۶ : ۵۵)—(۶۴-۶۲ : ۵۵) ان دونوں جنتوں کی تفصیل۔ (۷۶-۴۶ : ۵۵)۔

۹۔ جہاد کے نتیجے میں جنت اور خدا کی نصرت (۱۲-۱۱ : ۶۱)

۱۰۔ مخالفین کے شدید مقابلہ کے بعد، جب فتح حاصل ہو جائے تو جنت ملتی ہے۔ (۲۱۴ : ۲)

۱۱۔ جنت میں ذلت اور روسیاہی نہیں ہوگی۔ (۲۶ : ۱۰)

۱۲۔ خدا مومنوں کے دلوں میں سکون عطا کرتا ہے۔ ان کا ایمان بڑھاتا ہے۔ تاکہ انہیں جنت میں داخل کرے۔ (۵ : ۴۸) (دنیاوی باغات کے لئے جنت اور جنات کے الفاظ متعدد مقامات پر آئے ہیں۔ لیکن ہم نے ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں سمجھی)۔

جنت کے لئے دعائیں

حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ مجھے جنت کا وارث بنا دے۔ (۸۵ : ۲۶)

فرعون کی بیوی کی دعا۔ (۱۱ : ۶۶)

متفرقات

۱۔ اسرارِ نبوت کے سلسلہ میں کہا کہ وحی کا مقام وہ ہے جہاں عقلِ انسانی کے لئے حیرت کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن اس کے قریب ہی جنت الماوٰی ہے۔ (۵۳:۱۵)

۲۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے مکالمات۔ (۴۴ : ۷) ۔ (۵۰-۴۸ : ۷) ۔ (۵۵-۵۰ : ۳۷) ۔ (۱۴-۱۳ : ۵۷) ۔ (۴۷-۴۰ : ۷۴)۔

۳۔ جو شرک کرتا ہے اس پر جنت حرام ہو جاتی ہے۔ (۷۲ : ۵)

۴۔ تکذیبِ آیات کرنے والے اور سرکشی برتنے والے کبھی جنت میں نہیں جا سکتے۔ (۴۰ : ۷)

۵۔ ایک فریق جنت میں ایک جہنم میں۔ (۴۲ : ۷) ۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (۲۰ : ۵۹)

۶۔ جنت خدا کے بندوں کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد ملتی ہے۔ یہ انفرادی شے نہیں۔ (۳۰-۲۷ : ۸۹)

۷۔ جو جنت میں داخل ہوا بامراد ہوا۔ (۱۸۴ : ۳) ۔ (۱۳ : ۴)۔

۸۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان ایک پردہ ہوگا۔ (۴۶ : ۷)۔

۹۔ دونوں کے درمیان ایک دیوار ہوگی جس میں دروازہ ہوگا۔ اندر رحمت۔ باہر عذاب۔ (۱۳ : ۵۷)

۷۔ جنگ (لڑائی۔ قتال)

(نیز دیکھئے جہاد۔ اور رسول اللہ کی مختلف لڑائیاں اپنے اپنے عنوان میں)

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ مومن، دنیا میں امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ہے (اس لفظ کے یہ بنیادی معنی بھی ہیں) امن قائم رکھنے کے لئے ایک شرط تو یہ ہے کہ یہ جماعت خود امن سے رہے اور دوسروں کے امن میں خلل انداز نہ ہو۔ لیکن جب

قوت کے نشہ میں بدمست قومیں دنیا کے امن میں خلل انداز ہوں اور فساد برپا کرنے پہ آمادہ، تو انہیں اس سے روکنا بھی توضروری ہوگا۔ اس کے لئے پہلے انہیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی لیکن جب یہ تمام تدبیریں ناکام رہ جائیں اور وہ قوت کے سوا کوئی زبان ہی نہ سمجھیں، تو پھر ان کے مقابلہ کے لئے قوت کا استعمال ناگزیر ہوجائے گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں قرآن کریم جماعت مومنین کو جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ یعنی دنیا میں امن قائم رکھنے اور ظلم کو روکنے کیلئے۔ ظلم کو روکنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر مستبد اور ظالم اقوام، کمزوروں اور ناتوانوں پر ظلم اور زیادتی کریں، تو جماعتِ مومنین کا فریضہ ہوگا کہ وہ ان مظلوموں کی مدد کو پہنچے۔ یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ اسلام میں جنگ مدافعانہ ہوگی یا محاربانہ۔ اس کا جواب آسان ہے۔ اسلام میں جنگ، ظلم اور زیادتی کو روکنے کے لئے ہوگی، خواہ یہ ظلم اور زیادتی کہیں ہو رہی ہو اور کسی کے خلاف بھی ہو رہی ہو۔ اس میں، قوم، وطن، رنگ، نسل حتیٰ کہ مذہب کی بھی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ یہ جنگ، بنیادی حقوقِ انسانیت کے تحفظ کے لئے ہوگی۔

قرآن میں جہاں یہ آیا ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کرو۔ مشرکین کے ساتھ جنگ کرو۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دنیا کے تمام کافروں اور مشرکوں کے خلاف ہر وقت جنگ کرتے رہو۔ ان سے مراد وہ کفار اور مشرکین ہیں جو نبی اکرمؐ کے زمانے میں ظلم اور زیادتی پہ اتر آئے تھے اور ان کے خلاف، خاص شرائط کے ماتحت، جنگ کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اجازت ہی نہیں، بلکہ جب ان کی طرف سے ظلم اور تعدی انتہا تک پہنچ گئی تو ان کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس قسم کے حالات جب اور جہاں بھی پیدا ہوں، جماعت مومنین کو قرآنی راہ نمائی کے تابع فیصلہ اور عمل کرنا ہوگا۔ ان حالات اور شرائط کے علاوہ جنگ کرنے کی اجازت نہیں۔ جن شرائط کے ماتحت جنگ کی اجازت دی گئی ہے، یا جو شرائط اور حدود، جنگ کے دوران ملحوظ رکھنی ضروری ہیں، ان سے خود واضح ہے کہ مقصود اس سے حفظِ امن اور انسدادِ مظالم ہے نہ کہ کسی انتقامی جذبہ یا جوع الارض کی ہوس کی تسکین۔

جنگ میں جذبات اپنی شدت پہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی صورت میں جنگ ملتوی ہوجائے تو ان جذبات کی شدت کم ہو جاتی ہے اور انسان معاملات پہ نسبتاً ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے قرآن کریم نے یہ بین الاقوامی قانون عام کیا ہے کہ سال میں چار مہینے ایسے رکھے جائیں جن میں جنگ کرنا جائز نہ ہو۔ انہیں حرمات کے مہینے کہا جاتا ہے۔ جنگ کو روکنے کی اس قسم کی تدبیر کسی اور قوم کے ضابطہ میں نہیں ملے گی۔

عربوں میں جنگ کا محرک جذبہ، مالِ غنیمت (لوٹ کا مال) ہوتا تھا یا دشمن کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانا۔ قرآنِ کریم نے ان دونوں محرکات کو ختم کردیا۔ مالِ غنیمت کے متعلق کہہ دیا کہ کسی سپاہی کو اس کا حق نہیں کہ وہ مالِ غنیمت میں

سے ایک سوئی بھی انفرادی طور پر لے لے۔ یہ سب، نظامِ مملکت کی تحویل میں جائے گا۔ اور جنگ کے قیدیوں کے متعلق حکم دے دیا کہ انہیں یا تو فدیہ لے کر آزاد کرنا ہوگا یا بطور احسان۔ اب جنگ کا محرک جذبہ صرف عدل و صداقت کی حفاظت رہ گیا۔ اور یہ وہ بلند مقصد ہے جس کے لئے دنیا میں ایسی جماعت کا رہنا اور ان کا بوقت ضرورت سر بکف میدان میں نکل آنا، انسانیت کی فوز و فلاح کے لئے نہایت ضروری ہے۔

جنگ کی اجازت

۱۔ جو لوگ تمہارے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ان سے جنگ کرو۔ لیکن زیادتی مت کرو۔ (۱۹۰ : ۲)

۲۔ جس طرح مشرکین نے تم سے جنگ کی ہے تم بھی ان سے جنگ کرو۔ (۳۶ : ۹)

۳۔ تم جنگ کے لئے کیوں نہیں نکلتے جب کہ مکہ کے مظلوم مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔ (۷۵ : ۴)

۴۔ ان لوگوں کو، جن کے خلاف دشمن جنگ پر اتر آئے ہیں، جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ انہیں انہوں نے پہلے گھروں سے نکالا محض اس جرم کی پاداش میں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر ان کے پیچھے جنگ کرنے کے لئے آ گئے۔ اگر خدا بالا دستوں کی روک تھام کا انتظام انسانوں کے ہاتھوں نہ کرائے، تو دنیا میں کسی اہل مذہب کی پرستش گاہیں محفوظ نہ رہیں۔ (۴۱-۳۹ : ۲۲)۔ ان لوگوں کے ارادے یہ ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر کے پھر سے اس مذہب میں لوٹا لائیں جسے تم چھوڑ چکے ہو۔ اس لئے ان کا مقابلہ ناگزیر ہو گیا ہے۔ (۲۱۷ : ۲)

۵۔ مظلوم کی مدد کرنے کے لئے جنگ۔ (۶۰ : ۲۲)

۶۔ رسولوں اور کتابوں کے ساتھ "فولاد" نازل کیا تاکہ دنیا میں نظامِ عدل قائم رہ سکے۔ (۲۵ : ۵۷)

جنگ کی تاکید

۱۔ جنگ کی تکالیف میں ثابت قدم رہنا اصل نیکی ہے۔ (۱۷۷ : ۲)

۲۔ تم پر جنگ فرض کی گئی ہے خواہ یہ تم پر کیسا ہی گراں کیوں نہ گزرے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض باتیں تمہیں ناپسند ہوں، لیکن ان میں درحقیقت تمہارے لئے بہتری ہو۔ (۲۱۶ : ۲) — (۷۷ : ۴) — (۳۳ : ۲۵) — (۴۸ : ۲۰)۔

۳۔ اللہ کی راہ میں لڑو۔ (۲۴۴ : ۲)

۴۔ یہ اہل کتاب اگر تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔ (۱۱۰ : ۳)

۵۔ ہمت نہ ہارو۔ افسردہ خاطر مت ہو۔ آخر الامر تم ہی غالب آؤ گے۔ اگر تمہیں کچھ نقصان پہنچا ہے تو کوئی بات نہیں جنگ میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ یہ تو گردشِ دولابی ہے (۱۳۹-۱۴۰ : ۳)

۶۔ کتنے ہی انبیاء گذرے ہیں جن کی جماعتوں نے ان کی معیت میں جنگ کئے اور تمام مشکلات کو ثبات و استقامت سے برداشت کرتے رہے۔ سو اللہ نے ان کا اجر دیا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (۱۴۷-۳)

۷۔ مومنوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی ان سے آکر کہتا ہے کہ دشمنوں نے تمہارے خلاف بڑی تیاریاں کر رکھی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ فتح و کامرانی ہوتا ہے۔ اس لئے اس قسم کی وسوسہ انگیزیوں سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ (۱۷۴-۱۷۱ : ۳)

۸۔ خود استقامت پذیر رہو اور دوسروں کے لئے استقامت پذیر ہونے کا ذریعہ بنو۔ (۱۹۹ : ۳)

۹۔ پہلے اپنی حفاظت کرو اور پھر مقابلہ کے لئے نکلو۔ (۷۱ : ۴) ——— تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جنگ کے لئے نہیں نکلتے حالانکہ مکہ کے مظلوم تمہیں مدد کے لئے پکار رہے ہیں (۷۵-۷۴ : ۴)

۱۰۔ منافقین کے ساتھ جنگ کرو۔ (۸۹ : ۴)

۱۱۔ جنگ کے لئے نکلنے والے اور بلا عذر بیٹھے رہنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ (۹۵ : ۴)

۱۲۔ جنگ سے گریز کرنا ایک ایسے فتنہ کا موجب ہو سکتا ہے جو ساری قوم کو، بلا تخصیص اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے (۲۵ : ۸)

۱۳۔ دشمن کو ایسی شکست دے جو ان جیسے دوسروں کے لئے بھی باعثِ عبرت ہو۔ (۵۷ : ۸)

۱۴۔ ان مشرکین کی عداوت بالکل واضح ہے۔ ان سے جنگ کرو۔ اگر یہ تمہاری طرح اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں تو تمہارے دین کے بھائی ہیں۔ اگر یہ نقضِ عہد کریں۔ تو ان سے جنگ کرو۔ (۹ : ۵) — (۱۵-۷ : ۹)۔

۱۵۔ اہلِ کتاب سے جنگ کا حکم۔ تاآنکہ وہ تمہاری حفاظت میں رہنے کا معاہدہ نہ کریں۔ اور اس کی سند کے طور پر جزیہ کا ٹیکس (حفاظت کا ٹیکس) نہ دیدیں۔ (۹:۲۹)

۱۶۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جنگ کے لئے نہیں نکلتے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم آجائے گی۔ (۹ : ۳۸-۳۹)

۱۷۔ اپنی حفاظت کا سامان امکان بھر تیار رکھو۔ (۶۰ : ۸)

۱۸۔ حضرت داؤدؑ سے کہا گیا کہ زرہیں تیار کرو تاکہ تم لڑائی میں محفوظ رہ سکو۔ (۸۰ : ۲۱)

۱۹۔ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ جانے والا سیدھا جہنم میں۔ (۱۶ : ۸)

۲۰۔ جنگ میں قانونِ خداوندی کی نصرت مومنین کے شاملِ حال ہوتی ہے (۲۵ : ۳۳)

۲۱۔ جنگ کے احکام سے منافقین پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ (۲۰ : ۴۷)

۲۲۔ ڈر کر صلح کے لئے پکارنا مت شروع کر دو۔ تم غالب آؤ گے۔ (۳۵ : ۴۷)

۲۳۔ یہ کفار تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔ یہ سنت اللہ ہے (۲۳-۲۲ : ۴۸)

۲۴۔ خدا کی راہ میں ایسے لڑنے والے گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (۴ : ۶۱)

۲۵۔ جنگ کے احکام سے کمزور ایمان والوں کے دل میں سخت خوف طاری ہو جاتا ہے۔ (۷۷ : ۴)

۲۶۔ اے نبی! مومنوں کو جنگ کے لئے تیار اور آمادہ کرو۔ یہ اپنے سے دس گنا پر غالب آ جائیں گے۔ اور اپنے سے دگنوں پر تو موجودہ بے سروسامانی کے حالات میں بھی غالب آ جائیں گے (۶۶-۶۵ : ۸)

۲۷۔ رسول اللہؐ خود فوج کی کمان کیا کرتے تھے۔ (۱۲۰ : ۳)

۲۸۔ منافقین کی جنگ سے ہچکچاہٹ۔ (۱۶۶ : ۳) - یہ دوسروں کو بھی تذبذب میں ڈالتے رہتے تھے۔ (۱۵۳ : ۳) — (۳ : ۱۵۵) — (۳ : ۱۶۷) — (۴ : ۶۶)

۲۹۔ یہ لوگ جنہوں نے حیاتِ آخرت کو دنیاوی مفاد کی خاطر بیچ دیا ہے، ان سے جنگ کرو۔ (۷۴ : ۴)

۳۰۔ مومن وہ ہیں جو اپنا مال اور جان خدا کے ہاتھوں بیچ ڈالتے ہیں.... پھر وہ یا تو میدانِ جنگ میں جان دے دیتے ہیں یا فاتح و منصور واپس لوٹتے ہیں۔ (۱۱۱ : ۹)

۳۱۔ مومن خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ کافر طاغوت کی راہ میں (۷۶ : ۴)

۳۲۔ جس طرح مشرکین متحدہ محاذ بنا کر جنگ کے لئے چڑھ دوڑتے ہیں، اسی طرح تم بھی ان کے مقابلہ کیلئے جمیعاً اٹھو۔ (۳۶ : ۹ (۹ : ۱۲۳)

۳۳۔ رسول اللہؐ سے تاکید کہ ان دشمنوں سے جنگ کرو اور اپنی جماعت کو اس کے لئے تیار کرو۔ (۸۴ : ۴)

۳۴۔ مومنین کے دو گروہوں میں جنگ ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر جو اس معاہدۂ صلح کے خلاف سرکشی برتے اسے اس کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دو خواہ اس کے لئے تمہیں جنگ بھی کیوں نہ کرنی پڑے۔ (۴۹ : ۹)

۳۵۔ سرکش یہودیوں کے خلاف جنگ (۲۲ - ۱۱ : ۵۹)

قتالِ فی سبیل اللہ کی اہمیت اور نتائج

۱۔ اگر خدا مستبد قوتوں کی روک تھام دوسرے لوگوں سے نہ کرائے تو دنیا میں فساد برپا ہو جائے۔ (۲۵۱ : ۲)

۲۔ جنگ کی راہ سے خدا، انسانوں کے ہاتھوں مخالفین پر عذاب لاتا ہے۔ (۱۴ : ۹) - (۵۲ : ۹)

۳۔ جنگ میں تم تیر نہیں چلاتے، خدا چلاتا ہے۔ تم قتل نہیں کرتے، خدا کرتا ہے۔ کیونکہ تم یہ سب کچھ خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے کرتے ہو۔ (۱۷ : ۸)

۴۔ اگر خدا مستبد قوتوں کی روک تھام کا انتظام نہ کرائے تو کسی مذہب والوں کی پرستش گاہ محفوظ نہ رہے۔ (۳۹ : ۲۲)

۵۔ مظلوم کی مدد کرنے کے لئے جنگ۔ (۶۰ : ۲۲)

۶۔ قبل الفتح جنگ کرنے والے بلند درجات کے مستحق ہیں۔ (۱۰ : ۵۷)

۷۔ رسل اور کتب کے ساتھ فولاد بھی نازل کیا تاکہ دنیا میں نظامِ عدل قائم رہ سکے۔ (۲۵ : ۵۷)

۸۔ جنگ میں قتل ہو جاؤ یا ویسے مرجاؤ۔ دونوں حالتوں میں مغفرت اور رحمت۔ (۱۵۷ - ۱۵۶ : ۳) — (۷۴ : ۴) — (۲۲ : ۵۸)

۹۔ مقتولینِ فی سبیل اللہ کو مردہ مت سمجھو۔ (۱۵۴ : ۲) — (۱۶۸ : ۳) - ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ ان کی حالت سنور جائے گی۔ (۵-۴ : ۴۷)

۱۰۔ ان کے لئے جنت ہے۔ (۱۹۴ : ۳)

۱۱۔ مومن اپنا جان اور مال خدا کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ پھر میدانِ جنگ سے یا تو فاتح و منصور لوٹتے ہیں اور یا اپنی جان دے دیتے ہیں۔ (۱۱۱ : ۹)

۱۲۔ انبیاء سابقہ کی جماعتوں نے بھی اسی طرح جنگ کئے تھے۔ انہیں دنیا اور آخرت دونوں کا حصہ (ثواب) ملا۔ (۳ : ۱۴۵ - ۱۴۷)

۱۳۔ حضرت طالوت کی زیرِ کمان بنی اسرائیل کی جالوت کے خلاف جنگ (۲۵۱ - ۲۴۷ : ۲)

۱۴۔ جو مومن فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہیں اور ایک آہنی دیوار کی طرح جم کر لڑتے ہیں، وہ اللہ کے محبوب ہیں۔ (۴ : ۶۱)

۱۵۔ صحابۂ رسول اللہ فی سبیلِ اللہ جنگ کرتے تھے۔ (۲۰ : ۷۳)

جنگ کی شرائط

۱۔ جو جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہو اس کے خلاف جنگ کرو ۔ لیکن زیادتی مت کرو ۔ یہ اس لئے کہ فتنہ و فساد ، قتل سے بھی زیادہ تباہی پھیلاتا ہے ، کعبہ کے قریب ان سے جنگ نہ کرو۔ لیکن اگر وہ وہاں بھی جنگ سے باز نہ آئیں تو پھر تمہیں بھی جنگ کرنے کی اجازت ہے۔ پھر جب وہ رک جائیں تو تم زیادتی نہ کرو۔ اس وقت تک جنگ کرو جب تک فتنہ فرو نہ ہو اور دین کے معاملہ میں ہر ایک کو آزادی حاصل ہو۔ کوئی کسی پر کسی قسم کا جبر نہ کر سکے۔ حرمت کے مہینوں میں جنگ نہ کرو ۔ لیکن اگر دشمن ان کا احترام نہ کریں تو پھر تم بھی ان کے ساتھ جنگ کر سکتے ہو۔ اور ہر حالت میں قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو ۔ (۱۹۴ - ۱۹۰ : ۲)

۲۔ فساد برپا کرنا اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرنا جرم ہے (۲۰۵ : ۲)

۳۔ حرمت کے مہینوں میں جنگ کرنا جرم ہے ۔ لیکن فتنہ پھیلانا ، جنگ سے زیادہ تباہ کن ہے۔ اس لئے اس کا روکنا ضروری ہے ۔ فتنہ یہ ہے کہ مذہبی آزادی نہ رہے ۔ یہ تمہیں تمہارے دین سے زبردستی روکنا چاہتے ہیں (۲۱۷ : ۲)

۴۔ منافقین کے ساتھ جنگ کرو ۔ اگر وہ اس قوم کی پناہ میں چلے جائیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے ، تو پھر ان سے جنگ نہ کرو۔ یا وہ خود ہی لڑائی سے باز آنے کی خاطر تمہارے پاس آجائیں۔ اگر وہ جنگ سے باز آ کر صلح کی درخواست کریں تو پھر ان کے خلاف کچھ نہ کرو۔ (۹۰ - ۸۸ : ۴)

۵۔ جب تم جنگ کے لئے نکلو اور کوئی گروہ تمہاری طرف امن اور سلامتی کا ہاتھ بڑھائے تو اس کے متعلق یونہی بدظنی سے کام نہ لو ۔ پہلے تحقیق کر لو۔ اور پھر کسی نتیجہ پہ پہنچو۔ (۹۴ : ۴)

۶۔ مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرو۔ (۱۹۴ - ۱۹۰ : ۲) — (۸:۳۹) — (۳۹ - ۴۱ : ۲۲)

۷۔ اگر مخالفین جنگ سے باز آجائیں تو ان کے سابقہ جرائم معاف کر دیئے جائیں۔ اگر پھر اپنی پہلی حرکتوں پر اتر آئیں تو پھر جنگ کیا جائے ۔ (۴۰ - ۳۸ : ۸)

۸۔ جنگ میں قوانینِ خداوندی کو اور بھی شدت کے ساتھ اپنے سامنے رکھو۔ ان کا پورا پورا اتباع کرو۔ آپس میں مت جھگڑو۔ لوگوں کو دکھاوے کی خاطر اتراتے ہوئے مت باہر نکلو۔ (۴۷ - ۴۵ : ۸) (۵۸ : ۶)

۹۔ اگر دشمن کا کوئی آدمی پناہ کے لئے آئے تو اسے پناہ دو۔ اسے قرآن سناؤ۔ پھر اگر وہ واپس جانا چاہتا ہے تو اس کو جائے امن تک پہنچا دو۔ (۹:۶)

۱۰۔ اگر تم زیادتی کو ہمت سے برداشت کرلو تو وہ اور بھی اچھا ہے ۔ لیکن اگر ان کا پیچھا کرنا پڑے تو پاداشِ عمل اتنا ہی کیا کرو جتنی زیادتی اس نے کی تھی۔ (۱۲۶ : ۱۶)۔ (۴۰ : ۲۲)

۱۱۔ جنگ سے پہلے معاہدۂ صلح کی پیش کش کرو اور دشمن کے سربراہوں کو عزت سے مخاطب کرو۔ (۲۹ : ۲۷)

۱۲۔ جو لوگ شریف زادیوں کو چھیڑیں اور کسی طرح باز نہ آئیں ان سے جنگ ۔ (۶۱ - ۶۰ : ۳۳)

۱۳۔ مظلوم اپنی مدافعت میں جنگ کرے تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ لیکن اس میں جرم کے مطابق سزا دینی چاہیئے۔ زیادہ نہیں۔ جو معاف کرکے اصلاح کر دے وہ اور بھی بہتر ہے ۔ (۴۳ - ۳۹ : ۴۲)

۱۴۔ جنگ کرو تاآنکہ خود جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے ۔ (۴ : ۴۷)

۱۵۔ ناحق کسی ایک جان کا اتلاف ایسا ہے جیسا کسی نے پوری نوعِ انسان کو قتل کر دیا ہو۔ (۳۲ : ۵)۔ (۱۵۲ : ۶)

۱۶۔ مومن کا ارادۃً قتل جہنم کا مستوجب بنا دیتا ہے ۔ (۹۳ - ۹۲ : ۴)

۱۷۔ جس کو ظلم سے قتل کر دیا جائے اس کے وارثوں کا مددگار، اسلامی معاشرہ ہوگا ۔ (۳۳ : ۱۷)

__نوٹ:__ مندرجہ بالا تین مقامات کا تعلق جرمِ قتل سے ہے۔ نہ کہ قتال (جنگ) سے ۔ لیکن ہم نے انہیں اس لئے یہاں درج کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کی رو سے کسی جان کا ناحق تلف کر دینا کس قدر سنگین جرم ہے۔ اس لئے جنگ بھی وہی برحق ہوگی جو قرآنی تقاضوں کے ماتحت لڑی جائے ۔ ورنہ وہ جنگ ناحق ہوگی اور اس میں کشت و خون بھی قتلِ ناحق ۔

۱۸۔ جنگ کرنے والوں سے دوستانہ تعلقات نہیں رکھے جا سکتے۔ جنہوں نے جنگ نہ کی ہو ان سے کشادہ ظرفی کا سلوک کرنا چاہیئے ۔ ۹-۸ : ۶۰)

۱۹۔ دشمن سے بھی عدل کرو۔ (۸ : ۵)

۲۰۔ جب دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی صلح کے لئے آمادہ ہو جاؤ ۔ (۶۱ : ۸)

۲۱۔ ہر انسانی جان کو خدا نے واجب الاحترام بنایا ہے۔ اسے صرف بالحق ضائع کیا جا سکتا ہے۔ بالحق کے معنی ہیں ان شرائط کے ماتحت جو قرآن نے متعین کی ہیں ۔ (۱۵۱ : ۶)۔ (۳۳ : ۱۷)۔ (۶۸ : ۲۵)۔ یونہی کسی کو قتل کر دینا نہایت سنگین جرم ہے (۸۵ : ۲)

۲۲۔ مکہ کے مظلوم خدا کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں اور خدا مدینہ کی جماعتِ مومنین سے کہتا ہے کہ تم سنتے نہیں کہ وہ ہمیں کس طرح پکار رہے ہیں اور تم ان کی مدد کے لئے نہیں اٹھتے۔ یہ ہے قتال فی سبیل اللہ ۔ (۷۵ : ۴)

۲۳ ۔ مومن فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہیں۔ کافر فی سبیل الطاغوت ۔ (۴ : ۷۶) انہیں اولیاء الشیطان کہا ہے۔ (۴ : ۷۶) کہیں ائمۃ الکفر (۹ : ۱۲)

۲۴ الفتنۃ اشد من القتل۔ (۲ : ۱۹۱)—(۲ : ۲۱۷)

معاہدات کا احترام

۱۔ کفار معاہدات کا احترام نہیں کرتے ۔ (۸ : ۵۶)

۲۔ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ دشمن معاہدہ میں خیانت کرے گا تو تم پہلے معاہدہ منسوخ کرنے کا اعلان کرو۔ اس کے بعد کچھ اور کارروائی کرو۔ (۸ : ۵۸)

۳۔ مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دے دو اور کہہ دو کہ اس کے بعد تم سے ہمارے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ البتہ جن سے تمہارے معاہدات ہیں، ان معاہدات کو ضرور پورا کرو۔ (۹ : ۱-۵)

۴۔ معاہدات کو پورا کرو ۔　　(۹ : ۷)

جنگ کے قیدی

۱۔ جب دشمن اچھی طرح مغلوب ہو جائے تو بقیۃ السیف کو قید کر لو۔ پھر ان قیدیوں کو یا تو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا احساناً۔ انہیں غلام اور لونڈیاں بنانے کا کہیں حکم یا اجازت نہیں۔ (۴۷ : ۴)

۲۔ جن سے فدیہ لے کر چھوڑا گیا ہے اگر بعد میں ان کی روش مصالحانہ رہے تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ (۸ : ۷۰)

متفرقات

۱۔ میدان جنگ میں قصر صلوٰۃ ۔　(۴ : ۱۰۱)

۲۔ باہمی خانہ جنگی خدا کا عذاب ہے۔ (۶ : ۶۵)

۳۔ انفال "اللہ اور رسول" کے لئے ہیں۔ (۸ : ۱)

۴۔ برائیوں کو حسنات سے روکنے کا حکم۔ (۱۳ : ۲۲)—(۲۳ : ۹۶)—(۲۸ : ۵۴)—(۴۱ : ۳۴)—

۔ (۴۰۔۳۹ : ۴۲)۔

۵۔ دشمن سے نرمی سے بات کرو۔ شاید وہ اس سے سمجھ جائے۔ (۴۴ : ۲۰)

۶۔ ملکۂ سبا کا قول کہ بادشاہ جب دوسرے ملکوں پر حملہ کرتے ہیں تو تہس نہس کر دیتے ہیں (۳۴ : ۲۷)

۷۔ اہلِ کتاب سے بہترین طریق سے بات کرو۔ بجز ان کے جو ان میں زیادتی کریں۔ (۴۶ : ۲۹)

۸۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر جو گروہ اس سے پھر جائے تو اس کے خلاف تم جنگ کرو تا آنکہ وہ اس فیصلے کی طرف لوٹ آئے۔ پھر ان میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو۔ (۹ : ۴۹)

۹۔ ان کے دل میں تمہارا رعب خدا سے بھی زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ (۱۳ : ۵۹)

۱۰۔ یہ لوگ بظاہر بڑی جمعیت والے نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے دل الگ الگ ہیں۔ ان کی باہمی دشمنی بہت زیادہ ہے۔ (۱۴ : ۵۹)

۱۱۔ دین کے دشمنوں سے دوستی کے تعلقات مت رکھو۔ (۹-۱ : ۶۰)

۱۲۔ بنی اسرائیل پر قتال فرض کیا گیا تھا۔ (۲۴۶ : ۲)

۱۳۔ یہودیوں کے ساتھ جنگ۔ (۱۳-۱۱ : ۵۹)

۱۴۔ خدا نے رسولوں کے ساتھ ضوابطِ قوانین نازل کئے اور ان کے علاوہ "فولاد" (شمشیرِ خارہ شگاف) بھی، تاکہ دنیا میں عدل قائم رکھا جا سکے۔ (۲۵ : ۵۷)

۱۵۔ مالِ غنیمت کے مصارف و مقاصد۔ (۴۱-۸) — (۶۹ : ۸)

۱۶۔ فے کے متعلق احکام۔ (۷ : ۵۹)

۱۷۔ اگر انسان مجبور پیدا کئے جاتے تو یہ نہ اختلاف کرتے نہ باہمی جنگ و جدال۔ (۲۵۳ - ۲)

۱۸۔ رسول اللہ خود فوجوں کی کمان کیا کرتے تھے۔ (۱۲۱ : ۳)

جنگِ خندق یا جنگِ احزاب

اس جنگ کے متعلق "احزاب" کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اس میں زیادہ تفصیل نہیں آئی تھی اس لئے اسے اس جگہ بھی لکھا جا رہا ہے۔

سورۂ احزاب (۳۳) میں ایک جنگ کا ذکر ہے۔ جس میں مسلمانوں کے مقابلہ میں مختلف قبائل نے متحدہ محاذ بنا لیا

تھا - اسی بنا سے اسے جنگِ احزاب کہتے ہیں - اور چونکہ اس جنگ میں نبی اکرمؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر، مدافعت کی تھی - اس لئے اسے تاریخ میں جنگِ خندق کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے - یہ جنگ تاریخ کے بیان کے مطابق ۵ھ میں ہوئی تھی -

آیات (۱۱-۱۰ : ۳۳) میں جنگ کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کا نقشہ کھینچا گیا ہے - اور آیت (۹ : ۳۳) میں اس ہوا کا ذکر ہے جس نے جنگ کا نقشہ بدل دیا تھا - نیز ان "لشکروں" (ملائکہ کی تائید) کا ذکر جو غیر مرئی تھے -

آیات (۲۰-۱۲ : ۳۳) میں منافقین کی حرکات کا ذکر ہے - جنہوں نے عین جنگ کے وقت مختلف قسم کی بہانہ سازیوں سے دغا دی تھی -

جب جنگ شدت اختیار کر گئی اور ہر طرف بھاگڑ مچ گئی تو اس صبر آزما مرحلہ میں عساکرِ اسلام کے سپہ سالار، حضور نبی اکرمؐ چٹان کی طرح اپنے مقام پر ڈٹے رہے - قرآنِ کریم نے جماعتِ مومنین سے کہا ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کا یہ کردار بہترین نمونہ تھا (۲۱ : ۳۳) - اس سے جماعتِ مومنین کے دلوں میں حوصلہ اور پاؤں میں استقامت پیدا ہو گئی (۲۳-۲۲ : ۳۳) - مخالفین کو شکستِ فاش ہوئی (۲۵ : ۳۳) - اور ان کے حامیوں (یہود) کو بھی سخت سزا دی گئی کیونکہ انہی کی سازش سے یہ سب کچھ ہوا تھا - (۲۶ : ۳۳) اور یوں مسلمانوں کو مخالفین کی بستیوں - زمینوں اور مال و دولت کا وارث بنا دیا - اور ان بستیوں کے فتح ہونے کا مژدہ سنایا جن تک ابھی وہ پہنچے بھی نہ تھے - (۲۷ : ۳۳)

اصحاب الاخدود

سورۃ البروج میں اصحاب الاخدود (خندق والوں) کا ذکر ہے - اندازہ یہ ہے کہ اس سے جنگِ خندق میں شریک ہونے والوں کی طرف اشارہ ہے - (۱۱ - ۹ : ۸۵) - یا یہودیوں کے ایک سربراہ ذو نواس کی طرف اشارہ ہے جس نے مذہبی اختلاف کی بنا پر، بعض عیسائیوں کو زندہ جلا دیا تھا -

———(۰)———

۸- جنون

(مجنون)

مجنون (مادہ ج-ن-ن) پاگل - جنون - پاگل پن -

حضرات! انبیاءؑ اکرام جو پیغام لاتے تھے وہ مفاد پرست گروہ پہ بڑا گراں گذرتا تھا۔ اس لیے وہ اس کی مخالفت میں ہر قسم کے حربے استعمال کرتے تھے۔ ان میں الزامات اور طعن و تشنیع کے نشتر خصوصیت رکھتے تھے وہ لوگوں سے کہتے کہ یہ شخص، پاگل ہو گیا ہے۔ دیوانہ ہے۔ اس لیے اس کی باتوں پہ دھیان نہ دھرو۔

یوں بھی دیکھیے تو ان کی نظروں میں اِن حضرات کی "دیوانگی" واضح تھی۔ حضرات انبیاء اکرام بالعموم بلند گھرانے کے افراد ہوتے تھے۔ قابلیت اور صلاحیت کے اعتبار سے وہ معاشرہ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ نبوت سے پہلے وہ بڑی عزت اور وقار کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ لوگ ان کے ساتھ بڑی بڑی توقعات وابستہ کرتے تھے۔ لیکن نبوت کے بعد وہ ان سب سے الگ انوکھی اور نرالی باتیں کرنے لگ جاتے تھے۔ حسب و نسب پہ فخر غلط ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز باطل ہے۔ عزت اور سرفرازی، دولت اور ثروت کی بنا پہ نہیں بلکہ جوہرِ ذاتی کی بنا پہ مل سکتی ہے۔ رزق کے سرچشمے تمام انسانوں کے لیے کھلے رہنے چاہئیں۔ دولت کے انبار اکٹھے کر کے، عزیبوں کو ان سے محروم کر دینا انتہائی ظلم ہے۔ انؑ (مخالفین) کی نگاہوں میں یہ باتیں پاگل پن نہیں تو اور کیا قرار پا سکتی تھیں؟ اس تعلیم کی پہلی زد، خود اس نبی اور اس کے گھرانے پہ پڑتی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ، اس نبی کو سمجھاتے کہ تم اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ جو اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہ کرے۔ اُسے دنیا پاگل کہتی ہے۔

لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس "پاگل پن" میں کتنی بڑی ہوشمندی اور دانش اطواری پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہی تو وہ "دیوانے" ہیں جن کی دیوانگی تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیتی ہے۔ انسانیت کی تاریک راہوں پر جو یہاں، وہاں، کوئی شمعیں روشن نظر آتی ہیں، وہ انہی "دیوانوں" کی چشمِ روشن کا تصدق ہیں۔

انبیاء سابقہ کو مجنون کہا گیا

۱۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو ساحر و مجنون کہا۔ (۲۶ : ۲۷) — (۵۱ : ۳۹)

۲۔ ہر رسول کو ساحر و مجنون کہا گیا۔ (۵۱ : ۵۲)

۳۔ حضرت نوحؑ کو مجنون کہا گیا۔ (۲۳ : ۲۵) — (۵۴ : ۹)

رسول اللہؐ کو مجنون کہا گیا

۱۔ کفار کہتے کہ کیا رسول اللہؐ دانستہ خدا پہ افترا باندھتے ہیں یا انہیں جنون ہو گیا ہے؟ (۳۴ : ۸)

۲۔ جواب دیا گیا کہ اس رسولؐ کے پیغام پر تھوڑا سا غور و فکر کرو۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ دیوانہ نہیں (۳۴: ۷) (۳۴: ۴۶)

۳۔ مخالفین کہتے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے۔ شاعر کے کہنے پر چھوڑ دیں۔ (۳۷: ۳۶)

۴۔ وہ کہتے تھے کہ یہ رسولؐ خود تو مجنون ہے۔ لیکن اسے کوئی آکر یہ باتیں سکھاتا ہے (۴۴: ۱۴)

۵۔ آپؐ بفضلِ ایزدی، کاہن یا مجنون نہیں تھے۔ (۵۲: ۲۹) — (۶۸: ۲؛ ۶) — (۸۱: ۲۲)

۶۔ قرآن سن کر کہتے کہ یہ رسول مجنون ہے۔ (۱۵: ۶) — (۲۳: ۷۰) — (۶۸: ۵۱)۔

(۰)

۹۔ جوا۔ (میسرہ)

جوئے کا لفظ (یا قمار) قرآن میں نہیں آیا۔ اس کے لئے میسرہ کا لفظ آیا ہے۔ لیکن یہ ایک جامع اصطلاح ہے۔ جس میں ہر ایسا مال آجاتا ہے جسے آسانی سے حاصل کر لیا جائے۔ یعنی جسے "بائیں ہاتھ کا کھیل" کہا جاتا ہے۔ (یہی اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں) اس طرح مال حاصل کرنے میں بے شک فائدہ ہو جاتا ہے، لیکن اس سے انسانی ذات (اور قوم کے اجتماعی مفاد) کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس فائدہ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ (۲: ۲۱۹)۔ اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (۵: ۹۰ - ۹۱)

قرعہ اندازی۔ لاٹری

قرآن کریم انسانی فکر کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ اپنے معاملات کے فیصلے عقل و فکر اور علم و بصیرت کی رو سے کیا کرو۔ اس لئے ہر وہ روش جس میں عقل و فکر کے چراغ گل کر کے، ظن و تخمین اور قیاسات و توہمات سے فیصلے کئے جائیں، اس کے نزدیک مذموم ہے۔ قرعہ اندازی۔ لاٹری۔ فالیں نکالنا وغیرہ سب اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔ قرعہ اندازی کے لئے عربوں کے ہاں ازلام کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ اس سے قرآن نے منع کیا ہے۔ (۵: ۳) — (۵: ۹۰)

(۰)

۱۰۔ جور و اکراہ ۔ مذہبی آزادی

(نیز دیکھئے ارتداد)

انسان اور باقی مخلوق میں ما بہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ کائنات کی دیگر مخلوق مجبور پیدا کی گئی ہے اور انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے ۔ انسانی ذات کی نشو و نما ان امور سے ہوتی ہے جو اس کے اختیار و ارادہ کی صلاحیتوں میں وسعت پیدا کریں ۔ اسلام جس نظام کو نوعِ انسان کے لئے تجویز کرتا ہے اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسان کے اختیار و ارادہ کی آزادی برقرار رہتی اور وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہے ۔ اس لئے کہ نہ مجبوری کی نیکی نیکی ہے ، نہ مجبوری کی بُرائی بُرائی ــــ میزانِ خداوندی میں انسان کے اسی عمل کا وزن ہوتا ہے جس کا وہ اپنے اختیار و ارادے سے مرتکب ہوتا ہے ۔ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی ساری عمارت اس بنیاد پہ استوار ہوتی ہے ۔

انسانی اختیار و ارادہ کی آزادی میں "مذہبی آزادی" کو بنیادی خصوصیت حاصل ہے ۔ قرآن کریم کی رُو سے ایمان نام ہے کسی صداقت کو دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ تسلیم کرنے کا۔ اس میں اگر ذرا سی زبردستی ہو یا کسی کے ذہن کو ماؤف کر کے کوئی بات منوائی جائے تو اسے ایمان کہا ہی نہیں جا سکتا ۔ اس لئے نہ کسی کو زبردستی مسلمان کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ مسلمان نہ رہنا چاہے تو نہ اسے زبردستی مسلمان رکھا جا سکتا ہے ۔

ایک بات البتہ واضح ہے ۔ جب آپ سب کچھ دیکھ بھال اور سوچ سمجھ کر ، بطیبِ خاطر کسی سوسائٹی کی رکنیت قبول کرتے ہیں تو اس کے بعد آپ پہ لازم آجاتا ہے کہ آپ اس سوسائٹی کے قواعد و ضوابط کو مانیں اور ان کی پابندی کریں ۔ پھر آپ کو اس کا اختیار نہیں رہے گا کہ ان میں سے جس قاعدے اور ضابطہ کو جی چاہے مانیں اور جس سے جی چاہے انکار کر دیں ۔ اگر آپ ان قواعد و ضوابط کو ماننا نہیں چاہتے تو آپ اس سوسائٹی کی ممبرشپ سے الگ ہو جائیں ۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے ممبر بھی رہیں اور پھر اس کے ضوابط میں سے جسے چاہیں تسلیم کر لیں ، جسے چاہیں اس سے انکار کر دیں ۔ یہی کیفیت اسلام میں داخل ہو کر اس کے اوامر و نواہی کو تسلیم کرنے کی ہے ۔ ظاہر ہے کہ اُسے زبردستی نہیں کہا جائے گا ۔ ویسے بھی ، جب تک ان قواعد و ضوابط کی پابندی نہ کی جائے ، انسانی ذات میں نشو و نما ہو نہیں سکتی ۔ نہر کی روانی کے لئے راستے میں ٹھوکروں (FALLS) کا ہونا ضروری ہے ۔ اسی قسم کی خود عائد کردہ پابندیوں سے صحیح آزادی حاصل ہوتی ہے ۔ آزادی کے معنی ہیں ، اپنے آپ پہ خود عائد کردہ پابندیوں کی بطیبِ خاطر نگہداشت کرنا ۔ اگر کوئی پابندی زبردستی آپ پہ ٹھونسی جائے تو اس کا نام آزادی کا سلب کرنا ہوگا ۔ بنا بریں ، اس کی آزادی تو آپ کو حاصل ہیں کہ آپ جونسا مذہب (یا دین) اختیار کریں ،

یا تبدیل کر لیں ، لیکن اس کی آزادی حاصل نہیں کہ آپ اسلام کے دائرے میں رہ کر اس کی عائد کردہ پابندیوں سے سرکشی برتیں۔

کسی پر جور و اکراہ جائز نہیں

۱۔ جو لوگ دین کے معاملہ میں لوگوں پر زبردستی کرتے ہیں ان سے جنگ کرو تا آنکہ دین میں مکمل آزادی ہو جائے اور جس کا جی چاہے اسے خدا کے لئے اختیار کرے نہ کہ کسی اور کی خاطر۔ (۲: ۱۹۳) — (۸: ۳۹)

۲۔ دین میں کوئی اکراہ نہیں۔حق اور باطل واضح ہو چکا ہے۔ (۲: ۲۵۶) — (۱۸: ۲۹) — (۳: ۷۹) — (۱۰: ۹۰)۔

۳۔ قرآن میں جو اوامر و نواہی ہیں تو ان کی پابندی سے مقصد یہ ہے کہ تمہاری ذات میں وسعت پیدا ہو۔ (۲: ۲۳۳) — (۲: ۲۸۶) — (۶: ۱۵۲) — (۲۳: ۶۲)

۴۔ اگر خدا کی مشیت میں ایسا ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقہ پر چلیں تو انہیں دیگر اشیائے کائنات کی طرح مجبور پیدا کر دیا جاتا۔لیکن اس سے انسان اپنے شرفِ انسانیت سے محروم ہو جاتا۔اس لئے اس معاملہ کو خدا نے انسان کے اپنے فیصلے پر رکھا ہے کہ وہ جونسا راستہ جی چاہے اختیار کرلے۔ (۵: ۴۸) — (۱۰: ۹۹-۱۰۰) — (۱۶: ۹۳) — (۴۲: ۸) — (۳۲: ۱۳)

۵۔ قومِ شعیبؑ کی دھمکی کہ اگر تم لوگوں نے اپنا سابقہ دین پھر سے اختیار نہ کیا تو تمہیں گاؤں سے نکال دیا جائے گا۔ (۷: ۸۳)۔ (۱۴: ۱۳)

۶۔ فرعون نے اپنے ساحرین سے کہا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ہی دینِ موسوی اختیار کر لیا ؟ تم دیکھو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (۲۰: ۷۱) — (۲۶: ۴۹)

فرعون کا استبداد۔ (۱۰: ۸۳)

۷۔ اگر مشرک تمہاری پناہ میں آئے تو اسے قرآن سناؤ۔پھر اگر وہ اپنے ہاں جانا چاہے تو اسے اپنی حفاظت میں اس کی حفاظت کے مقام تک پہنچا آؤ۔ (۹: ۶)

۸۔ اگر کسی سے کوئی کفر کا کام زبردستی کرائے تو اس سے وہ کفر کا مرتکب نہیں ہو جاتا۔کفر وہ ہے جسے دل کی پوری رضامندی سے اختیار کیا جائے۔ (۱۶: ۱۰۶)۔ اسی طرح اسلام بھی وہی اسلام ہے جسے دل کی رضا مندی سے اختیار کیا جائے۔

۹۔ خدا کے راستے کی طرف حکمت و موعظت سے دعوت دو۔ (۱۰۸ : ۱۲) - (۱۲۵ : ۱۶) - (۱۵ : ۴۲)

۱۰۔ اگر خدا مستبد، طاقت ور گروہوں کی مدافعت دوسرے لوگوں سے نہ کراتا رہے تو دنیا میں کسی مذہب کی پرستش گاہ محفوظ نہ رہے۔ (۴۰ : ۲۲)۔ لہٰذا، قرآن کریم کی رو سے، جماعت مومنین کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ مختلف مذاہب کی آزادی برقرار رکھے خواہ اس کے لئے انہیں مستبد قوتوں سے جنگ بھی کیوں نہ کرنی پڑے۔

۱۱۔ جَور و اکراہ تو ایک طرف، جو لوگ اسلامی فتوحات دیکھ کر ایمان لے آئے تھے، ان سے کہا کہ تم اپنے آپ کو مومن نہ کہو، یہ کہو کہ ہم اس مملکت کے سامنے جھک گئے ہیں۔ جب ایمان دل میں اتر جائے پھر اپنے آپ کو مومن کہو۔(۱۵-۱۴ : ۴۹) حتّٰی کہ جب فرعون نے موت کو سامنے دیکھ کر ایمان کا اعلان کیا تو وہ بھی قبول نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں بھی جبر کا پہلو تھا، بطیبِ خاطر نہیں تھا۔ (۹۰ : ۱۰)

۱۲۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ کیا تو لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرے گا؟ ایسا کرنا ہوتا تو خدا تمام انسانوں کو پیدا ہی اس طرح کرتا کہ وہ کوئی دوسرا راستہ اختیار ہی نہ کر سکتے (۹۹ : ۱۰)

۱۳۔ رسول کے ذمے راستہ دکھانا ہے۔ راستہ پر (زبردستی) چلانا نہیں۔ (۲۷۲ : ۲)۔ رسول ان پر نگران نہیں مقرر کیا گیا۔ (۶۶ : ۶)۔ نہ ہی داروغہ۔ (۲۲ : ۸۸)۔

۱۴۔ رسول اللہ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ ان سے کہہ دو کہ تمہارے رب کی طرف سے بصائر آگئے ہیں۔ جو عقل و بصیرت سے کام لے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو اندھا بن کر رہے گا وہ خود اس کا نقصان اٹھائے گا۔ میں تم پر نگران (حفیظ) مقرر نہیں کیا گیا (۱۰۴ : ۶) — (۱۰۵ : ۶) — (۱۰۸ : ۶) — (۴۸ : ۴۲)

۱۵۔ حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا۔ (۸۵ : ۱۱)

۱۶۔ تیری قوم قرآن کو جھٹلا رہی ہے (تو اس کا نقصان انہی کو پہنچے گا) تو ان پر وکیل (کار مختار) بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (۶۶ : ۶) — (۵۴ : ۱۷)

۱۷۔ یہ کتاب حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے۔ جو اس سے صحیح راستہ اختیار کرے گا۔ اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو غلط راستے پر چلے گا۔ اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ تو ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (۴۱ : ۳۹) — (۶ : ۴۲)

۱۸۔ جو اپنی خواہشات اور جذبات کو اپنا اِلٰہ بنا لے (تو اس کا کیا علاج؟) ۔ تو کیا تو اُن پر وکیل بننا چاہتا ہے کہ انہیں زبردستی راہ راست پر لے آئے (۴۳ : ۲۵)

―――(۰)―――

۱۱۔ جہاد

اس لفظ کے مادہ (ج ۔ ھ ۔ د) کے معنی ہیں، محنت اور مشقت ۔ وسعت اور طاقت ۔ جہاؔد کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کے لئے اپنی طاقت اور وسعت کو پورا پورا صرف کر دینا اور اُسے انتہا تک پہنچا دینا ۔

اسلام، عملِ پیہم اور حرکتِ مسلسل کا دین ہے ۔ اسی کا نام حیات ہے ۔ اس کے مقابلہ میں وہ جمود و تعطل اور افسردگی و اضمحلال کو موت سے تعبیر کرتا ہے ۔ خواہ یہ موت و حیات افراد کی ہو اور خواہ اقوام کی ۔ افراد، اس سعیٔ پیہم سے اپنی ذات کی نشو و نما کرتے ہیں، اور اقوام اس جہدِ مسلسل سے زندگی کی سرفرازیاں اور خوشگواریاں حاصل کرتی ہیں ۔ اسلام، اس سعی و عمل کے لئے ایک بلند و بالا نصب العین متعین کرتا ہے ۔ اور وہ نصب العین ہے اس دین یعنی نظام کا قیام و استحکام جس میں تمام امور اقدار و قوانینِ خداوندی کے مطابق سرانجام پائیں ۔ اسے وہ جہاؔد فی سبیل اللہ کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے ۔ اگرچہ جہاد' میں ہر قسم کی کوشش آ جاتی ہے ۔ لیکن اس کا آخری مقام وہ ہوتا ہے جہاں مردِ مومن، میدانِ جنگ میں، سر بکف اور شمشیر بدست، باطل کی قوتوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے ۔ تاکہ وہ جان تک دیکر دین کے راستے میں مزاحم ہونے والی قوتوں کو راستے سے ہٹا سکے ۔ قرآن کریم کی رُو سے مومن کا یہ عمل سب سے زیادہ گراں بہا اور بلند ترین ہے ۔

قرآن کریم میں اس مادہ سے مشتق الفاظ ہر قسم کی کوشش سے لیکر جنگ و قتال تک کے لئے آئے ہیں ۔ جنگ و قتال کے لئے بالعموم جہاؔدِ فی سبیل اللہ کی اصطلاح آتی ہے ۔ (اسے ہم نے "سبیل اللہ" کے عنوان میں بھی لکھا ہے ۔ اور جنگ کا عنوان الگ بھی لکھا گیا ہے)۔

اجتہاؔد کا لفظ بھی اسی مادہ سے ہے ۔ یعنی کدوکاوش اور انتہائی فکری کوشش سے صحیح بات تک پہنچنا۔ لیکن یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا ۔ یہ فقہ کی اصطلاح کے طور پہ آتا ہے ۔ ایسا کرنے والے کو مجتہؔد کہتے ہیں ۔

۱۔ کوشش کے معنوں میں

۱۔ جو ہمارے (خدا کے) بارے میں جد و جہد کرتا ہے، ہم اُسے اپنی طرف آنے کے متعدد راستے دکھا دیتے ہیں ۔ (۲۹:۶۹)

۲۔ اللہ کے بارے میں (یعنی اس کے مقرر کردہ مقاصد کے حصول کے لئے) ایسی کوشش کرو، جیسی کوشش کرنے کا حق ہے ۔ (۲۲:۷۸)

۳۔ جو بھی اس طرح جد و جہد کرتا ہے، اس کا فائدہ خود اس کی ذات کو پہنچتا ہے ۔ خدا کا اس سے کچھ نہیں سنورتا ۔ وہ تو

ہر طرح سے مستغنی ہے (۲ : ۲۹)

۴۔ خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کی راہ میں جہاد کرو۔ (۳۵ : ۵)۔ اس آیت میں تقرب یا مدارج کے لئے "وسیلہ" کا لفظ ہے جس کا مفہوم متعلقہ عنوان میں ملے گا۔

۲۔ جُہد بمعنی جسمانی خدمت یا محنت

جماعت مومنین میں ایسے افراد بھی تھے جو (دین کے قیام کے سلسلہ میں) مالی امداد کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنی جسمانی محنت پیش کر دیتے تھے۔ (۹ : ۷۹)

۳۔ جہاد بمعنی قتال (جنگ)

۱۔ اے رسول! آپ، کفار اور منافقین کے خلاف جہاد (جنگ) کریں (۹ : ۷۳) — (۹ : ۶۶)۔ آیت (۲۵ : ۵۲) میں بھی کفار کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا تھا لیکن اس میں "جَاهِدْهُم بِهِ" کے الفاظ آئے ہیں جس کا مفہوم قرآن کے ذریعے "جد و جہد" کرنا متبادر ہوتا ہے۔

۲۔ مومنوں کو جان اور مال سے جہاد کرنے کا حکم۔ (۹ : ۴۱) — (۱ : ۶۰)

مومن، جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت نہیں مانگتے (۹ : ۴۴) ایسا منافق اور ایمان کے کچے کرتے ہیں۔ (۹ : ۸۱)۔ (۹ : ۸۶)

۳۔ مومن مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں (۴۹ : ۱۵)

۴۔ جنت، جہاد سے مشروط ہے

۱۔ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکو گے جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ تم میں سے کون جہاد کرتا اور اس میں ثابت قدم رہتا ہے (۳ : ۱۴۱)

۲۔ تم چھوڑ نہیں دیئے جاؤ گے۔ جب تک جہاد کے ذریعے تمہارا ٹسٹ نہ کر لیا جائے۔ (۹ : ۱۶) —— (۴۷ : ۳۱)

۵. ہجرت اور جہاد یک جا

۱. مہاجرین اور مجاہدین کے لئے رحمت اور مغفرت ، (۲۱۸ : ۲)
۲. مہاجر، مجاہد اور انصار، ایک دوسرے کے دوست ، (۷۲ : ۸) - یہ مومنِ حقا ہیں (۷۵،۷۴ : ۸)-ان کے درجات بلند ہیں - (۲۲-۲۰ : ۹) - ان کے لئے جنت ہے - (۸۹-۸۸ : ۹) - مغفرت (۱۱۰ : ۱۶)

۶. جہاد کی فضیلت

۱. یہ ایسی تجارت ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوسکتا. (۱۱ : ۶۱)
۲. قاعد (بیٹھے رہنے والے یا پیچھے رہ جانے والے) اور مجاہد کبھی برابر نہیں ہوسکتے (۹۵ : ۴)
۳ اگر جہاد کے مقابلہ میں زندگی کی کوئی چیز بھی زیادہ محبوب ہوگئی تو پھر خدا کے فیصلے کا انتظار کرو- (۲۴-۹)- اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا- جو جہاد کی طرف لپک کر جائے گی : (۵۴ : ۵)
۴. زینت و آرائشِ مسجد الحرام اور حاجیوں کے لئے انتظامات جیسی "عبادات" وخدمات، جہاد کے برابر نہیں ہوسکتیں - (۱۹ : ۹)

۷. متفرق

۱. جھگڑا کرنے ، یا کسی کو سختی سے کہنے کے معنوں میں - (۸ : ۲۹) - (۱۵ : ۳۱)
۲. پختہ قسموں کے معنوں میں - (۵۳ : ۵) — (۱۱۰ : ۶) — (۳۸ : ۱۶) — (۵۳ : ۲۴) — (۴۲ : ۳۵)

—— (۰) ——

۱۲. جہالت

اَلْجَهْلُ کے معنی ہوتے ہیں جو امور واضح نہ ہوں ، ان کی واقفیت حاصل کئے بغیر ان میں پیش قدمی کرنا - یہ مادہ علم کی ضد ہے - نیز اس میں ہلکا پن اور سفاہت کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے -

بنا بریں اس کے صحیح مفہوم کے لئے علم اور عقل کے عنوانات بھی دیکھئے۔ عام طور پر جاہل کا لفظ مذمت کے لئے آتا ہے۔ لیکن جب اس کے معنی ناواقفیت کے ہوں گے تو اس میں ذم کا پہلو شامل نہیں ہوگا۔

قرآن کریم میں ایک لفظ جاہلیت بھی آتا ہے۔ اس کے معنی جہالت کے نہیں، بلکہ زمانۂ قبل از اسلام کے ہیں جب عرب، دینِ خداوندی سے واقف نہیں تھے۔ اس بنا پر، رسوم و اعتقادِ جاہلیت کے معنی زمانۂ قبل از اسلام کے عربوں کے رسوم و معتقدات ہی نہیں، اس میں وہ تمام عقائدُ نظریات، رسوم و مسالک شامل ہوں گے جو قرآن کے خلاف ہوں، خواہ ان کا تعلق کسی قوم، کسی خطۂ زمین، اور کسی زمانے سے ہو۔ ہمارے ہاں بھی جاہلیت کے رسوم و معتقدات بکثرت رائج ہیں۔

قرآن کریم میں علم حاصل کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ لہٰذا جہالت (علم حاصل نہ کرنے) پر مُصر رہنا، خلافِ اسلام شعار ہے۔ علم کے معنی یہی نہیں کہ ماضی سے چلے آنے والے مسالک و مشارب اور رسوم و معتقدات کا علم۔ انہیں "معلومات" کہا جائے گا۔ علم تو ذاتی تحقیق و کاوش سے حاصل کردہ یا تصدیق کردہ، حقائق سے واقفیت کا نام ہوگا۔ (تفصیل علم کے عنوان میں دیکھئے)۔

۱۔ دین اور اخلاقی اقدار سے ناواقفیت (جہالت)

اس قسم کی ناواقفیت قابلِ مؤاخذہ نہیں کیونکہ رسول کی بعثت سے پہلے ہر قوم رموزِ دین اور اخلاقی اقدار سے ناواقف ہوتی ہے۔ لیکن جب رسول انہیں ان امور سے باخبر کر دے تو اس کے بعد بھی ان کا اپنی جہالت پر اصرار کرنا، وہ جہالت ہے جو مذموم ہے۔ حسبِ ذیل مقامات میں اسی قسم کی جہالت کا ذکر ہے۔

۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بڑی ہی جاہل قوم ہو۔ (۲۹ :۱۱)

۲۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے بھی یہی کہا۔ (۲۳ : ۴۶)

۳۔ یہی حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا۔ (۵۵ : ۲۷)

۴۔ یہی حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا۔ (۱۳۸ : ۷)

۵۔ رسول اللہ کی مخاطب قوم کے متعلق یہی کہا گیا۔ (۶:۱۱۲) وہ نہ صرف یہ کہ خود غیر اللہ کو معبود سمجھتے تھے، چاہتے تھے کہ حضور بھی انہی کا سا مسلک اختیار کر لیں۔ (۶۴ : ۳۹)

۶۔ ان سے اعراض برتنے کو کہا گیا ہے (۱۹۹ : ۷) — (۵۵ :۲۸)

۷۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میں جاہل نہیں جو تم سے دین کے معاملہ میں مذاق کروں۔ (۶۷ : ۲)

۸۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ اگر میں ان عورتوں کی بات مان لوں تو جاہلوں میں سے ہو جاؤں (۳۳ : ۱۲)

۲۔ ایسی جہالت (ناواقفیت) جو قابلِ مؤاخذہ نہیں

۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کو اپنے اہل میں سے سمجھ لیا تو ان سے کہا گیا کہ یہ جہالت تھی (۴۶ : ۱۱)

۲۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ تمہاری یہ خواہش کہ یہ سب لوگ اسلام قبول کرلیں، بنا بر جہالت ہے۔ اگر مشیتِ خداوندی میں ایسا ہوتا تو وہ انسانوں کو پیدا ہی ایسا کردیتا۔ (۳۵ : ۶)

۳۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تم نے بنا بر جہالت اپنے دونوں بھائیوں سے ناروا سلوک کیا۔ (۸۹ : ۱۲)

۳۔ ناواقفیت و جہالت کی بنا پر غلط اقدام

۱۔ توبہ اسی کی ہے جو (دیدہ دانستہ نہیں بلکہ) ناواقفیت (عدمِ علم) کی بنا پر کوئی غلط قدم اٹھائے اور پھر صحیح بات معلوم ہوجانے پر اس سے توبہ کرے۔ (۴:۱۷)۔ (۶:۵۴)۔ (۱۶ : ۱۱۹)

۲۔ ہر بات کی تحقیق کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم جہالت کی بنا پر غلط قدم اٹھالو اور معاشرہ میں فساد بپا ہو جائے۔ (۴۹ : ۶)

۴۔ جاہل بمعنی ناواقف

ضرورت مند مومنین کی عزت کے متعلق کہا کہ ناواقف انہیں غنی خیال کرے حالانکہ وہ نادار ہوں۔ (۲۷۳ : ۲)

۵۔ جاہلوں سے تخاطب

سورۂ فرقان میں خدا کے بندوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (۶۳ : ۲۵)

اس کا عام مفہوم لیا جاتا ہے کہ جب کبھی ایسا اتفاق ہو کہ کوئی جاہل ان سے بات کرے، تو وہ اسے دور ہی سے سلام کر کے کنی کترا جائیں۔

یہ مفہوم صحیح نہیں۔ اس آیت میں کہا یہ گیا ہے کہ مومنین کا منصبِ زندگی یہ ہے کہ وہ ہر ایک کے لئے امن و سلامتی کا پیامبر ہو۔ اس باب میں اس کی وسعتِ قلب کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس کی یہ آرزو اور کوشش اپنوں یا ان لوگوں تک ہی محدود نہیں ہوتی جنہیں وہ جانتا ہو۔ اس کا، ناواقف لوگوں اور اجنبیوں تک سے یہی برتاؤ ہوتا ہے۔ وہ ان کی

سلامتی کا بھی آرزومند ہوتا ہے۔

یہ تھا مومنین کا شعار۔ اب ہماری حالت یہ ہیں کہ (دوسروں کی سلامتی کی آرزو تو ایک طرف) ہم رسمی "السلام علیکم" بھی ان لوگوں سے نہیں کرتے جن سے ہم واقف نہ ہوں۔

۶۔ جاہلیہ

۱۔ ظن الجاہلیۃ (۳:۱۵۴) ۔حکم الجاہلیہ (۵:۵۰) ۔ تبرج الجاہلیہ (۳۳:۳۳) ۔حمیۃ الجاہلیہ (۴۸:۲۶)

۷۔ انسان ظلوم و جہول ہے

سورۂ احزاب، میں آیتِ حملِ امانت کے سلسلہ میں کہا کہ انسان ظالم اور جاہل ہے (۳۳:۷۲)۔اس کا مفہوم تو متعلقہ عنوان (امانت) میں لکھا گیا ہے۔ یہاں اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ انسان اپنے اختیار و ارادہ کا غلط استعمال کر کے بڑی ہی جہالت کا ثبوت دیتا ہے کیونکہ اس سے کسی اور کا کچھ نہیں بگڑتا۔خود اس کا نقصان ہوتا ہے۔سو جو شخص اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرے، اس سے زیادہ جاہل کون ہوگا؟

(-)

۱۳۔ جہنم

(نیز جحیم ۔ النار)

جیسا کہ متعدد مقامات پر بتایا جا چکا ہے، دین کی بنیاد خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کا ہر عمل (حتیٰ کہ اس کے دل میں گزرنے والا خیال اور ارادہ بھی) اپنا نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے جو اعمال قوانین و اقدارِ خداوندی کے مطابق ہوں، ان کا نتیجہ خوشگواریاں اور سرفرازیاں ہوتا ہے۔جو ان کے خلاف ہوں ان کا مآل تباہیاں اور بربادیاں۔یہ نتائج اس دنیا میں بھی سامنے آجاتے ہیں، اور اخروی زندگی میں بھی۔قرآن کریم میں، ان دونوں قسم کے نتائج کے لئے دو اصطلاحات آئی ہیں۔خوشگوار نتائج کے لئے الجنت اور تباہ کن نتائج کے لئے جہنم۔(جنت کا عنوان پہلے آچکا ہے)

۱۔ زمانۂ قدیم میں یروشلم کے جنوب میں ایک وادی تھی جس میں مولک دیوتا کا مندر تھا۔ وہاں انسانوں کو زندہ جلا کر اس (دیوتا) کے حضور قربانی پیش کی جاتی تھی۔ عبرانی زبان میں وادی کو جی کہتے ہیں اور جس شخص کی طرف وہ وادی منسوب تھی۔ اس کا نام ہنوم تھا۔ اس لئے اس وادی کو (جس میں انسانوں کو زندہ جلایا جاتا تھا) "جی۔ ہنوم" یا جہنم کہا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے جہنم سے مراد "انسانیت سوزی" ہوگا۔ (جلانے) کی جہت سے جہنم کے لئے النّار (آگ) کا لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔

۲۔ جیسا کہ جنت کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے، انسانی زندگی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی مقامِ آدمیت (ہمارے موجودہ مقام) تک پہنچی ہے۔ اقدارِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسانی ذات (نفس) کی نشو و نما ہوتی ہے اور اس طرح نشو و نما یافتہ ذات زندگی کی اگلی منزل میں پہنچنے کے قابل ہو جاتی ہے (اُسے جنتی زندگی کہتے ہیں) لیکن جس ذات کی نشو و نما نہ ہو، وہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اسی مقام پہ رک جاتی ہے۔ رک جانے کے لئے عربی زبان میں (ج۔ح۔م) کا مادہ آتا ہے۔ اس اعتبار سے جہنم کے لئے جحیم کا بھی لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی جہاں زندگی کا ارتقا رک جائے۔

نیز جہنم کی مختلف کیفیات کی رو سے، اس کے لئے سقر۔ ہاویہ۔ حطمہ جیسے الفاظ بھی آئے ہیں۔

۳۔ جہنم کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اس وقت خطاکاروں اور مجرموں کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ اس کی نظروں کے سامنے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہے کہ جہنم کی زندگی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد تک یہ سلسلہ باقی رہتا ہے۔ وہاں چونکہ ہمارے شعور کی سطح بلند ہو جائے گی، اس لئے وہاں جہنم ابھر کر سامنے آ جائے گی اور دیکھنے والے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

۴۔ مرنے کے بعد کی زندگی کی کنہ و ماہیت کو ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ نہیں سکتے۔ قرآن کریم نے اس کی جو تفاصیل بیان کی ہیں، ان سے ہم اس کے متعلق کچھ تصور سا ذہن میں لا سکتے ہیں، لیکن وہ بھی اپنے تصورات کی موجودہ سطح تک۔ وہ زندگی، مکان (SPACE) اور زمان (TIME) کی موجودہ حدود و قیود سے بلند ہوگی۔ اسی لئے جنت کی طرح جہنم بھی کسی مقام کا نام نہیں۔ زندگی کی کیفیت کا نام ہے۔ اسی لئے اس کی آگ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیں گے۔ اُخروی زندگی پر ایمان، اسلام کی بنیادی شرط ہے۔

۵۔ ہمارے ہاں عام خیال یہ ہے کہ جہنم سزا کا مقام یا اصلاح کی جگہ ہے۔ جس طرح مجرم اپنی سزا بھگتنے کے بعد جیل خانے سے، اور مریض مرض سے شفا پانے کے بعد ہسپتال سے باہر آ جاتے ہیں، اسی طرح جہنم کی زندگی وقتی ہوگی۔ اس کے بعد اہلِ جہنم، جنت میں چلے جائیں گے۔

قرآن کریم سے اس عقیدہ کی تائید نہیں ملتی۔ وہ واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ وہاں سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

یہ حقیقت، قانونِ ارتقا کے عین مطابق ہے۔ اس قانون کی رو سے، جو نوع اپنے اندر آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا نہیں کرتی، وہ وہیں کی وہیں رک جاتی ہے۔ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہی کیفیت ان انسانوں کی ہو گی جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہو گی۔ اس لئے جہنم کی زندگی کو ابدی کہہ کر پکارا گیا ہے۔

۶۔ لیکن (جیسا کہ جنت کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے) یہ ابدیت ایسی نہیں جیسی ذاتِ خداوندی کی ابدیت ہے۔ (ان زندگیوں کا منتہیٰ کیا ہو گا، ہم اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتے)

۷۔ جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے تبویب القرآن میں متعلقہ آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ ان کے معانی اور مفہوم سے متعلق گفتگو نہیں کی گئی۔ ان آیات کے الفاظ کے معنی کے لئے میری لغات القرآن، مفہوم کے لئے، مفہوم القرآن اور تشریح کے لئے، مطالب الفرقان کا مطالعہ مفید رہے گا۔ اُخروی زندگی اور اس کی جملہ تفصیلات (جنت اور جہنم سمیت) میری کتاب جہانِ فردا میں ملیں گی۔ اس حقیقت کے یہاں دھرانے کی ضرورت اس لئے پیش آ گئی کہ یہ مقامات بڑے نازک اور عمیق ہیں۔ اس لئے ان کا صحیح مفہوم وسیع مطالعہ ہی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

———(۰)———

۱۔ جہنم میں کون جائے گا

<u>کفار و منافقین وغیرہ</u>: (۳ : ۱۹۵-۹۶)۔ خدا سے منہ موڑ لینے والے (۴ : ۵۵)۔ کفار اور منافقین یک جا۔ (۴ : ۱۴۰) — (۹ : ۶۶)

کفر اور ظلم کا مرتکب۔ (۴ : ۱۶۸-۶۹)۔ منافقین جو جنگ میں نہ جانے کے لئے بہانہ سازیاں کرتے ہیں۔
(۹ : ۴۹) — (۹ : ۶۳) — (۹ : ۸۱)

کفار اور منافقین یک جا۔ (۹ : ۶۸)۔ ان سب سے جنگ کرو۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے (۹ : ۷۳) — (۹ : ۹۵)
آخرت کے منکر۔ (۱۷ : ۹۷-۹۸)۔ کفار جو خدا کے سوا دوسروں کو اپنا پشت پناہ سمجھتے ہیں۔ (۱۸ : ۱۰۲) — (۴۵ : ۱۰)۔ لقاءِ رب (آخرت یا قانونِ مکافات) کے منکر (۱۸ : ۱۰۵-۱۰۶) — (۱۹ : ۶۶-۶۸)۔ قرآن کریم کے خلاف اعتراضات کرنے والے۔ (۲۵ : ۳۲-۳۴)۔ کفر کی وجہ سے نارِ جہنم۔ (۳۵ : ۳۶) — (۳۶ : ۶۳-۶۴)۔ عبدیتِ خداوندی سے سرکشی برتنے والے۔ (۴۰ : ۶۰)۔ منافقین۔ مشرکین و مشرکات (۴۸ : ۶)۔ کافرین (۶۷ : ۶) یوم حساب کو خیال تک میں نہ لانے والے۔ (۷۸ : ۲۷)۔ اہل کتاب کے کفار اور مشرکین (۹۸ : ۶)

منافق۔ مفسد۔ اقتدار ہاتھ میں آ جائے تو نسل اور کھیتی کو تباہ کر دینے والا۔ جھوٹی عزت کی خاطر حق کی مخالفت کرنے والا۔

(۲ : ۲۰۴-۲۰۶)

جس پر خدا کا غضب ہو۔ (۳ : ۱۶۱)

کسی مومن کو عمداً قتل کر دینے والا - (۴ : ۹۳)

بغیر کسی معقول عذر کے ہجرت نہ کرنے والا - (۴ : ۹۷)

رسول کی مخالفت کرنے والا، مومنین کی راہ چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کرنے والا (۴ : ۱۱۵)

مشرکانہ رسوم ورواج کا متبع - (۴ : ۱۱۹-۱۲۱)

شیطان کے متبعین - (۷ : ۱۸) — (۱۵ : ۴۳) — (۱۷ : ۶۳) — (۳۸ : ۸۵)

عقل وفکر سے کام نہ لینے والے، یہ انسان نہیں، حیوان ہیں - (۷ : ۱۷۹) — (۱۰ : ۷۶)

نیز دیکھئے (۱۷ : ۹۷) — (۲۶ : ۹۲)

میدان جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلنے والے (یہ جنگ بدر کے موقع پر کہا گیا، یعنی جماعت مومنین سے)- (۸ : ۱۶)

سرمایہ دار۔ مال و دولت جمع رکھنے والے۔ نیز احبار و رہبان (علماء و مشائخ) جو دوسروں کا مال باطل طور پر کھا جاتے ہیں - (۹ : ۳۴-۳۵)

مسجد ضرار بنانے والے تاکہ مومنوں میں تفرقہ پیدا ہو جائے - (۹ : ۱۰۹)

اختلافات پیدا کرتے والے - (۱۱ : ۱۱۸-۱۱۹)

خدا کی دعوت پر لبیک نہ کہنے والے - (۱۳ : ۱۸)

ہر جبار وعنید (۱۴ : ۱۵)۔ کفار وعنید۔ معتد ومریب (۵۰ : ۲۴-۲۵)

وہ لیڈر جو کفرانِ نعمت کریں اور اپنی قوم کے کارواں کو ایسی منڈی میں جا اتاریں جہاں اس جنس کا کوئی خریدار نہ ہو - (۱۴ : ۲۸-۲۹)

بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم نے پھر وہی حرکتیں شروع کر دیں تو تمہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا - اس سے پہلی آیات میں ان کی اس تباہی کا ذکر ہے جو پہلے بخت نصر اور پھر رومیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی (۱۷ : ۵-۸)

اللہ کے رسولوں اور اس کے قوانین سے تمسخر کرنے والے - (۱۸ : ۱۰۶) - استہزا کرنے والے - (۹ : ۶۵)

مجرمین - (۱۹ : ۸۶) - (۲۰ : ۷۴) - (۱۲ : ۳۲) - (۴ : ۴۳) - (۵۵ : ۴۱-۴۵)

دعوئے الوہیت (خدائی) کرتے والے، خدا بن بیٹھنے والے - (۲۱ : ۲۹)

جس کا مجبلائیوں کا پلڑا ہلکا ہوا ہو گا۔ (۱۰۲ : ۲۳)
حدود فراموش، طاغین۔ (۵۵ : ۳۸) — (۲۲ : ۷۸)
دنیا میں ناحق علو اور تکبر اختیار کرنے والے۔ (۷۶ - ۷۵ : ۴۰)
بے معنی باتوں میں الجھے رہنے والے۔ (۱۲ : ۵۲)
معصیت الرسول کے مرتکب۔ دین کے خلاف خفیہ سازشیں کرنے والے (۸ : ۵۸)۔ اللہ اور رسول سے معصیت کرنے والے۔ (۲۳ : ۷۲)
اپنے ذنوب کا اعتراف کریں گے۔ (۱۱ : ۶۷)
قاسطون۔ حق سے اِدھر اُدھر ہٹ جانے والے۔ انصاف نہ کرنے والے۔ (۱۵ : ۷۲)
مومنین اور مومنات کو تنگ کرنے والے۔ (۱۰ : ۸۵)

قوانین خداوندی کی تکذیب کرنے والے

تکذیب آیات (قوانین) کرنے والے، متکبر و سرکش۔ (۴۰ : ۷)۔ افترا علی اللہ اور تکذیب آیات کرنے والے۔ (۶۸ : ۲۹) — (۳۲ : ۳۹) — متکبرین (۴۰ : ۳۹)۔ مکذبین (۱۱ : ۵۲) — (۲۸ : ۷۸)

شرک کرنے والے

۱۔ خدا کے ساتھ کوئی الٰہ شامل نہ کرو، ورنہ ذلت و خواری کے جہنم کے عذاب میں ماخوذ ہو جاؤ گے۔ (۳۹ : ۱۷)
۲۔ مشرکین اور ان کے معبود، سب جہنم میں۔ (۹۹ - ۹۸ : ۲۱) مشرکین و مشرکات۔ (۶ : ۴۸) — (۲۶ : ۵۰)

اعمال کی جزا

۱۔ جو کچھ تم کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔ ماکنتم تعملون۔ (۵۵ : ۲۹)۔ پورا پورا بدلہ (۲۶ : ۷۸)
۲۔ انسان کے صاحبِ اختیار و ارادہ ہونے کا فطری نتیجہ، قانون مکافات اور جزا و سزا ہے۔ (۱۳ : ۳۲)۔ اس طرح جن و انس جہنم میں جائیں گے۔ کفر کا نتیجہ (۳۶ : ۳۵)

جہنم کی تفصیلات

۱۔ ابلتا ہوا پانی جو حلق میں انڈیلا نہ جاسکے۔ ایک ایک گھونٹ کرکے پیا جائے۔ (۱۴-۱۷ : ۱۴)

۲۔ اس کے متعدد دروازے ہیں۔ ہر دروازے سے الگ الگ گروہ داخل ہوں گے (۴۴ : ۱۵) — (۲۹ : ۱۶)۔ فوج کی فوج (۵۹ : ۳۸)۔ گروہ در گروہ ابواب جہنم میں داخل ہوں گے۔ (۷۱ : ۳۹)۔ ان کے آنے پہ دروازے کھولے جائیں گے۔ (۷۱ : ۳۹)۔ ابواب جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ (۷۶ : ۴۰)

۳۔ مجرمین کو یوں ہانک کر لایا جائے گا جیسے پیاسے جانوروں کو گھاٹ کی طرف لایا جاتا ہے۔ (۸۶ : ۱۹)

۴۔ موت چاروں طرف سے آتی دکھائی دیگی۔ لیکن موت آئیگی بھی نہیں۔ (۱۷ : ۱۴)۔ اس میں نہ زندگی ہوگی نہ موت (۷۴ : ۲۰)

۵۔ اس دن جہنم کو معروضی شکل میں (نمودار کرکے) کفار کے سامنے لایا جائے گا۔ (۱۰۰ : ۱۸)

۶۔ چیخنا۔ چلانا۔ جس میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیگی۔ (۱۰۰ : ۲۱)

۷۔ آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی۔ (۱۰۴ : ۲۳)

۸۔ نہایت برا مقام و مستقر۔ (۶۶ : ۲۵)

۹۔ عذاب اوپر نیچے ہر طرف سے لپیٹ لے گا۔ (۵۵ : ۲۹)

۱۰۔ شدید ترین گرم اور یخ بستہ پانی۔ دونوں قسم کے پانی کھیتی کو جھلسا دیتے ہیں۔ (۵۷-۵۸ : ۳۸) — (۲۵ : ۷۸)

۱۱۔ کوئی خندہ پیشانی سے استقبال نہیں کرے گا۔ (۵۹ : ۳۸)

۱۲۔ جہنم کا پیٹ ہی نہیں بھرے گا۔ (۳۰ : ۵۰)

۱۳۔ مجرمین ان کی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ انہیں سر اور پاؤں سے جکڑا جائے گا۔ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ وہاں کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ (۴۴ : ۵۵)

۱۴۔ تلاطم خیزیوں کا جوش اور شور۔ (۷ : ۶۷)۔ غیظ و غضب سے بپھرا ہوا۔ (۸ : ۶۷)

۱۵۔ نہ ٹھنڈک ہوگی نہ کوئی پینے کے قابل مشروب۔ (۲۴ : ۷۸)

۱۶۔ عذاب حریق (۱۰ : ۸۵)

۱۷۔ جہنم کے انیس داروغے۔ (۳۰ : ۷۴)

جہنم اب بھی محیط ہے

جہنم، کفار کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ (۴۹ : ۹) ـــ (۵۴ : ۲۹)۔ اُسے بعد میں معروضی شکل میں سامنے لایا جائے گا۔ (۱۰۰ : ۱۸) آج بھی گھات میں ہے۔ (۷۸ : ۲۲)۔ یہ لوگ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ (۸۲-۱۶) ملائکہ اور تیرا رب آئیں گے (پہلے ارض کا ذکر ہے) اور جہنم کو بھی لایا جائے گا۔ (۸۹ : ۲۱-۲۳)

دنیا کی طرف واپسی نہیں ہوگی۔ نہ ہی جہنم سے نکلا جاسکے گا

۱۔ وہ ہزار چاہیں گے کہ ایک دفعہ دنیا میں واپس آجائیں تو اچھے کام کریں، لیکن ایسا نہیں ہوسکے گا۔ (۳۲ : ۱۲)

۲۔ وہ چیخیں گے۔ چلائیں گے کہ ہمیں اس سے نکال لیا جائے۔ ہم دنیا میں جاکر اچھے اچھے کام کریں گے۔ کہا جائے گا کہ تمہارے پاس ہمارے رسول آئے تھے۔ تم نے ان سے سرکشی برتی۔ اب یہاں سے نکلنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ (۳۵ : ۳۷-۳۸) وہ اس میں احقاب تک رہیں گے۔ (۷۸ : ۲۳)

۳۔ نہ ہی عذاب میں تخفیف ہوگی۔ (۴۰ : ۴۹) ـــ (۴۳ : ۷۴)

۴۔ وہ اس میں مایوس ہوجائیں گے۔ (۴۳ : ۷۵)

۵۔ وہ داروغۂ جہنم (مالک) سے کہیں گے کہ اپنے رب سے کہو کہ ہمیں موت ہی دے دے۔ وہ کہے گا کہ ایسا نہیں ہوسکے گا۔ تمہیں اب یہیں رہنا ہوگا۔ (۴۳ : ۷۷)

جہنم میں وہی جائیں گے جن تک ہدایت خداوندی پہنچ چکی ہوگی

کہا جائے گا کہ تمہاری طرف ہمارے رسول آچکے تھے۔ (۳۵ : ۳۷-۳۸) ـــ (۳۹ : ۷۱) ـــ (۴۰ : ۴۹-۵۰) ـــ (۶۷ : ۸-۹)۔ (اس سلسلہ میں یہ آیات بھی دیکھیے۔ (۵ : ۱۹) ـــ (۶ : ۱۳۲) ـــ (۹ : ۱۱۵) ـــ (۱۵ : ۱۷) ـــ (۲۶ : ۲۰۸-۲۰۹) ـــ (۲۸ : ۵۹) ـــ (۳۰ : ۹) ـــ (۳۵ : ۴۲)

میدانِ جنگ کو جہنم کہہ کر پکارا گیا ہے

۱۔ مخالفین سے کہہ دو کہ تم مغلوب ہوگے اور تمہیں اکٹھا کرکے جہنم کی طرف لایا جائے گا۔ (۳ : ۱۱) ـــ (۸ : ۳۶) یہ

سب "خبیث" ہیں جنہیں یک جا کر دیا جائے گا۔ (۸: ۳۷)

جحیم

۱۔ اہلِ جحیم کے متعلق رسول سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔ (۱۱۹: ۲)

۲۔ کفر اور تکذیب کا نتیجہ جحیم (۱۰: ۵) — (۸۶: ۵) — (۱۹: ۵۷)

۳۔ مشرکین اصحابِ جحیم۔ (۱۱۳: ۹)

۴۔ جو کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے قوانین کو غیر مؤثر کر دیں، وہ اصحابِ جحیم ہیں۔ (۵۱: ۲۲)

۵۔ صحیح راستے سے بھٹک جانے والوں کے لئے جحیم کو ابھار کر سامنے لایا جائے گا۔ (۹۱: ۲۶)۔ لیکن انہی کے لئے جو اسے دیکھ سکیں۔ (۳۶: ۷۹)

۶۔ ظالم، ان کے ساتھی اور جن کی وہ معبودیت اختیار کئے ہوئے تھے۔ سب کو جحیم کی راہ دکھائی جائیگی۔ (۲۳: ۳۷)

۷۔ حیاتِ اخروی کے منکرین جحیم میں۔ (۵۵-۵۱: ۳۷)

۸۔ شجرۃ الزقوم کی جڑیں جحیم میں۔ اس کے خوشے جیسے ناگ پھنی کے سر، اہلِ جحیم اسے کھائیں گے۔ اس پر "ابلتا ہوا پانی" پینے کو۔ یہ کچھ ہوگا جحیم میں۔ (۶۸-۶۴: ۳۷) — (۵۰-۴۳: ۴۴)

۹۔ خدا کے بیٹے بیٹیاں قرار دینے والے واصلِ جحیم۔ (۱۶۳: ۳۷)

۱۰۔ حاملینِ عرش کی خدا سے دعا کہ مومنین کو عذابِ جحیم سے محفوظ رکھیو۔ (۷: ۴۰)۔ وہ اس سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ (۵۶: ۴۴) — (۱۸: ۵۲)

۱۱۔ مکذبین اور ضالین، جحیم میں۔ ابلتا ہوا پانی مہمانی کے طور پر۔ (۹۴-۹۳: ۵۶)

۱۲۔ جس کا اعمالنامہ اس کے بائیں ہاتھ میں ہوگا وہ جحیم میں ہوگا۔ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا۔ یہ خدا پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ مساکین کے کھانے کے لئے لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا تھا۔ اس میں اس کا کوئی دوست اور غمخوار نہیں ہوگا۔ غسلین کا کھانا ہوگا جو خطاکاروں کی غذا ہے۔ (۳۷-۲۵: ۶۹)

۱۳۔ اہلِ جحیم ہزار چاہیں گے کہ موت ان کا خاتمہ کر دے لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا۔ یا وہ کہیں گے کہ موت ہمارا خاتمہ کر دیتی اور اس کے بعد زندگی نہ ہوتی۔ (۲۷: ۶۹)

۱۴۔ سرکشوں کا ٹھکانہ جحیم ہے۔ (۳۹: ۷۹) یعنی وہ جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

۱۵۔ جب جحیم کو بھڑکایا جائے گا۔ (۸۱ : ۱۲)

۱۶۔ فاجر جحیم میں ہوں گے۔ (۸۲ : ۱۴)

۱۷۔ جن کے دل زنگ آلودہ ہو چکے تھے، وہ جحیم میں۔ (۸۳ : ۱۴-۱۶)

۱۸۔ اس دن جحیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ (۱۰۲ : ۶)

۱۹۔ دولت کے نشہ میں بدمست، مکذب کے لئے ہمارے پاس روک کے سب سامان موجود ہیں۔ زنجیریں، بیڑیاں، اور جحیم۔ جس میں حلق میں اٹک جانے والا طعام ہوگا۔ اور الم انگیز عذاب۔ (۷۳ : ۱۱-۱۳)

۲۰۔ حضرت ابراہیم کی قوم نے کہا کہ ان کے لئے آگ بھڑکاؤ اور جحیم میں ڈال دو۔ (۳۷ : ۹۷)۔ اس آیت میں یہ لفظ آگ کے شعلوں کے لئے آیا ہے۔

——— (۰) ———

النّار

النار میں داخل ہونے والے

۱۔ اس نار سے اپنا بچاؤ کرو۔ جس کا ایندھن الناس اور الحجارہ ہیں۔ (۲ : ۲۴) کفار اس کا ایندھن ہیں (۳ : ۹)۔(۶۶ : ۶)

۲۔ کفر اور تکذیب کرنے والے اصحاب النار۔ (۲ : ۳۹) — (۲ : ۱۲۶) — (۳ : ۱۱۵) — (۴ : ۵۶) — (۶ : ۲۷) — (۷ : ۳۶) — (۸ : ۱۴) — (۱۱ : ۱۷) — (۱۳ : ۳۵) — (۲۲ : ۷۲) — (۲۴ : ۵۷) — (۳۲ : ۲۰) — (۴۰ : ۴۳) — (۴۰ : ۶) — (۴۶ : ۲۰) — (۴۶ : ۳۴) — (۴۷ : ۱۲) : (۵۷ : ۱۵) — (۵۹ : ۱۷) — (۶۴ : ۱۰) — (۹۰ : ۱۹-۲۰) ——— شرک کرنے والے۔ (۳ : ۱۵۱) — (۵ : ۷۲) — (۹ : ۱۷) — (۱۴ : ۳۰) — (۲۵ : ۶۹) — (۳۹ : ۸) — (۹۸ : ۶)۔ اعداء اللہ (۴۱ : ۱۹) — (۴۱ : ۲۸)۔

۳۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم معدودے چند دنوں کے سوا النار میں نہیں جائیں گے۔ (۲ : ۸۰) — (۳ : ۲۴)

۴۔ جو بھی خطا کار ہوگا وہ النار میں جائے گا۔ کے باشد۔ (۲ : ۸۱) — (۲۷ : ۹۰)۔ فاسقین (۳۲ : ۲۰)۔ مجرمین (۵۴ : ۴۷-۴۸) ظالمین (۱۸ : ۲۹) — (۷۱ : ۲۵)

منافقین۔ النار کے درکِ اسفل میں۔ (۴ : ۱۴۵)۔ کفار اور منافقین۔ (۹ : ۶۸) مسجدِ ضرار بنانے والے (۹ : ۱۰۹)

۵۔ یہ کسقدر جری اور بیباک ہیں کہ النّار سے خوف نہیں کھاتے (۲ : ۱۷۵)

۶۔ مومنین کی دعائیں کہ ہمیں عذاب النّار سے محفوظ رکھ (۲ : ۲۰۱) — (۳ : ۱۵) — (۳ : ۱۹۱)

۷۔ مرتد کے اعمال غارت ہوجاتے ہیں اور وہ النّار میں جاتا ہے (۲ : ۲۱۷)

۸۔ النّار بمقابلہ الجنۃ و المغفرۃ۔ (۲ : ۲۲۱) جو النّار سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہوجائے وہی کامیاب ہے (۳ : ۱۸۴)
النّار بمقابلہ نجات (۴۰ : ۴۱) اصحاب الجنۃ و اصحاب النار برابر نہیں۔ (۵۹ : ۲۰)

اصحاب النّار

طاغوت انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ اصحاب النار ہیں۔ (۲ : ۲۵۷)

سودخوار (۲ : ۲۷۵) — (۳ : ۱۳۰) - ظالمین (۵ : ۲۹) — (۶ : ۱۲۹) - سرمایہ داروں اور باطل خور مذہبی پیشواؤں کو ان کی جمع کردہ دولت سے داغا جائے گا۔ (۹ : ۳۴-۳۵) اللہ اور رسول کے خلاف جنگ کرنے والے (۹ : ۶۳) (۳ : ۵۹) - جنگ میں نہ جانے کے لیے بہانہ سازیاں۔ ان سے کہو کہ جہنم کی آگ تو موسم کی گرمی سے زیادہ گرم ہوگی (۹ : ۸۱)- لقاءِ رب (قانون مکافات اور یوم حساب) کے منکر، اصحاب النار (۱۰ : ۷-۸) — (۱۳ : ۵) — (۴۱ : ۲۲-۲۴) — (۴۵ : ۳۲-۳۴) — (۵۱ : ۱۲-۱۳)

ملائکہ کو اصحاب النار کہا گیا۔ اس کے معنی جہنم کے داروغے ہوں گے۔ (۷۴ : ۳۱)

مومنین سے کہا کہ تم اسلام سے پہلے النّار کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔ خدا نے تمہیں بچا لیا۔ (۳ : ۱۰۳)

کائنات کو باطل سمجھنے والے اصحاب النار ہیں۔ ان کے حصے میں ذلت وخواری ہے۔ (۳ : ۱۹۱) — (۳۸ : ۲۷)

جو فقط دنیاوی مفاد چاہتا ہے اُسے وہ مل جائیں گے لیکن آخرت میں اس کے حصہ میں النّار آئے گی۔ (۱۱ : ۱۵-۱۶)

فرعون اور اس کے سرداروں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ (۱۱ : ۹۸) — (۴۰ : ۴۶)

شقی نار میں ہوں گے۔ (۱۱ : ۱۰۶) — (۸۷ : ۱۱-۱۲) — (۹۲ : ۱۵-۱۶)

ظالمین کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں بھی النار چھو جائے گی۔ (۱۱ : ۱۱۳)

سخت ناپسندیدہ باتیں خدا کی طرف منسوب کرنے والے۔ (۱۶ : ۶۲)

مسرفین (۴۰ : ۴۳)

آیات اللہ میں الحاد کرنے والے۔ (۴۱ : ۴۰)

اللہ کی راہ سے روکنے والے۔ (۱۷-۱۶: ۵۸)

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں۔ (۱۰: ۶۶)

جن کا بھلائیوں کا پلڑا اٹھا ہوا ہوگا۔ (۱۱-۸: ۱۰۱)

معصیتِ خدا و رسول سے نار میں داخلہ (۱۴: ۴)

دوسروں کا مال ناجائز طور پہ کھا جانے والے۔ (۳۰-۲۹: ۴)

ابولہب اور اس کی بیوی، نار ذات لہب میں۔ (۳: ۱۱۱)

وما ھم بخارجین من النار (نیز دیکھئے:۔ عنوان خالدین فیہا)

۱۔ وہ چاہیں گے کہ النار سے نکل جائیں لیکن وہ اس سے نکل نہیں سکیں گے۔ (۳۷: ۵) — (۲۲: ۲۲) — (۲۰: ۳۲)

۲۔ اس میں رہیں گے جب تک سموٰت و ارض قائم ہیں۔ الا ماشآء ربک (۱۰۷: ۱۱)

۳۔ اس سے بھاگ نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ (۵۳: ۱۸) النار کو الگ نہیں کر سکیں گے۔ (۳۹: ۲۱)

۴۔ انہیں کوئی وہاں سے نکال نہیں سکے گا۔ (۱۹: ۳۹) عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہوگی۔ (۴۹: ۴۰)

۵۔ کافر چیخ اٹھے گا کہ اے کاش میں مٹی کا تودا ہوتا۔ (۴۰: ۷۸)

النار میں امم داخل ہوں گی

النار میں قومیں داخل ہوں گی، اور پہلی قومیں ہر نئی داخل ہونے والی قوم پہ لعنت بھیجیں گی۔ ہر ایک، دوسری قوم کو موردِ الزام قرار دے گی کہ اس نے مجھے بھی ڈبویا۔ اسے دھرا عذاب دیا جائے۔ جواب ملے گا کہ ہر ایک کو دھرا عذاب دیا جائے گا۔ (۳۹-۳۸: ۷) — (۶۱: ۳۸)۔ کوئی خندہ پیشانی سے استقبال نہیں کرے گا۔ (۵۹: ۳۸)

لیڈروں کے ساتھ مکالمہ

بارالہٰا! انہیں دگنا عذاب دے۔ (۶۸-۶۷: ۳۳) — (۳۳-۳۱: ۳۴) — (۳۳-۲۷: ۳۷)۔ اہلِ نار کا باہمی تخاصم حق ہے۔ (۶۴-۶۱: ۳۸) — (۴۸-۴۷: ۴۰)

(نیز ۶۷: ۱۶۶: ۲) — (۲۹: ۴۱)

اہلِ جنت اور اہلِ جہنم میں مکالمہ

۱۔ اہلِ جنت ، اہلِ جہنم سے کہیں گے کہ خدا نے ہم سے جو وعدے کئے تھے ، ہم نے انہیں برحق پایا۔ تم سناؤ ۔ وہ کہیں گے ہم نے ان وعدوں کو برحق پا لیا ہے ۔ اور ایک پکارنے والا آواز دے گا کہ ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے ۔ ان دونوں کے درمیان حجاب ہوگا ۔ اعراف پر بھی کچھ لوگ ہوں گے جو اہلِ جنت اور اہلِ جہنم دونوں کو دیکھیں گے (۷: ۴۴ - ۴۶) ۔ اصحاب الاعراف کا ذکر اگلی آیت میں بھی ہے ۔ (۷: ۴۸)

۲۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کا مکالمہ ۔ (۷: ۵۰ - ۵۳) ۔ درمیان میں ایک دیوار اور اس میں دروازہ (۵۷: ۱۳ - ۱۴)

النّار کی تفصیلات

۱۔ اس میں چیخنا چلانا ہوگا ۔ (۱۱: ۱۰۶)

۲۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ۔ ان کی سرابیل ، قطران کی ہوں گی ۔ اور چہرے جھلسے ہوئے (۱۴: ۴۹ - ۵۰) — (۲۳: ۱۰۴) (۴۰: ۷۱ - ۷۲)

۳۔ آگ کے کپڑے ۔ اوپر سے ابلتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا ۔ یہ ان کی جلد اور جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے اسے پگھلا کر رکھ دے گا ۔ لوہے کے گرز ہوں گے (۲۲: ۱۹ - ۲۱) — (۴۷: ۱۵) — (۱۸: ۲۹)

۴۔ چہرے اوندھے ہو جائیں گے ۔ (۲۳: ۶۶)

۵۔ نار کا اوڑھنا بچھونا ۔ (۳۹: ۱۶) شعلے اور چنگاریاں (۵۵: ۳۵)

۶۔ النار اور جہنم ایک ہی ہیں ۔ (۹: ۳۴) — (۵۲: ۱۳ - ۱۴)

۷۔ بند آگ (۹۰: ۲۴) — (۱۰۴: ۵ - ۹)

۸۔ جب ایک جلد جل جائے گی تو دوسری جلد چڑھا دی جائے گی ۔ (۴: ۵۶)

۹۔ کھولتا ہوا پانی ۔ ضریع کھانے کو جس سے نہ بھوک مٹے نہ وہ نشوونما کر سکے ۔ (۸۸: ۴ - ۶)

متفرق

۱۔ نارِ حامیہ کو ہاویہ کہا گیا ۔ (۱۰۱: ۹ - ۱۱) ۔ نارِ حامیہ (۸۸: ۴)

۲۔ اسے الحطمۃ کہا گیا۔ (۵ : ۱۰۴)۔ اور سقر بھی (۲۶-۲۷ : ۷۴)

۳۔ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے ستونوں (عمائد) میں بند ہے۔ (۵-۹ : ۱۰۴)
بند آگ۔ (۲۰ : ۹۰)

۴۔ دلوں کو کاٹ کر رکھ دینے والی آگ۔ (۱۱۰ : ۹)

۵۔ اس کا ایندھن الناس والحجارۃ ہیں (۲۴ : ۲) — (۹ : ۳) — (۶ : ۶۶)۔ یہ خود اور ان کے معبود جہنم کا ایندھن ہیں (۹۸ : ۲۱)۔ قاسطون جہنم کا ایندھن ہیں۔ (۱۵ : ۷۲)

۶۔ دو ہی گروہ۔ ایک اہلِ جنت کا۔ دوسرا اہلِ جہنم کا۔ (۷ : ۴۲) — (۱۴-۱۵ : ۴۷) — (۲۰ : ۵۹)

جہنم اور النار میں خلود

خالدین فیہا

۱۔ ذلیل وخوار۔ (۶۹ : ۲۵)۔ عذاب الخلد (۵۲ : ۱۰) — (۱۴ : ۳۲) دار الخلد (۲۸ : ۴۱)
خالدٌ فی النار۔ (۱۵ : ۴۷)۔ خالداً (۱۴ : ۴) — (۹۳ : ۴) — (۶۳ : ۹) — (۱۷ : ۵۹)
خالدون۔ (۳۹ : ۲) — (۸۱ : ۲) — (۲۱۷ : ۲) — (۲۵۷ : ۲) — (۲۸۵ : ۲) — (۱۱۶ : ۳) — (۸۰ : ۵) —
(۳۶ : ۷) — (۱۷ : ۹) — (۲۷ : ۱۰) — (۵ : ۱۳) — (۹۹ : ۲۱) — (۱۰۳ : ۲۳) — (۸۴ : ۴۳) — (۱۷ : ۵۸)
خالدین فیہا۔ (۱۶۲ : ۲) — (۸۸ : ۳) — (۶۸ : ۹) — (۲۹ : ۱۶) — (۱۰۱ : ۲۰) — (۷۲ : ۳۹) — (۷۶ : ۴۰)
(۱۰ : ۶۴) — (۶ : ۹۸)۔
خالدین فیہا الا ماشاء اللہ۔ (۱۲۸ : ۶)
عذابٌ مقیم۔ (۴۰ : ۳۹) — (۴۵ : ۴۲)

خالدین فیہا ابدا

(۱۶۹ : ۴) — (۶۵ : ۳۳) — (۲۳ : ۷۲)
مادامت السمٰوٰت والارض الا ماشاء ربک (۱۰۷ : ۱۱)
قرن ہا قرن تک (۲۳ : ۷۸)

———(۰)———

ح

۱- حبطِ اعمال

حبطِ اعمال:۔ ہر کام کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے ایک قاعدہ اور قانون مقرر ہے۔ اگر وہ کام اس قاعدے کے مطابق کیا جائے گا تو اس کا حسب منشاء نتیجہ مرتب ہو جائے گا۔ اگر قاعدے کے خلاف کیا جائے گا تو وہ نتیجہ مرتب نہیں ہو گا اور ایسا کرنے والے کی محنت رائیگاں جائے گی۔ اسے اعمال کا غارت ہونا یا حبطِ اعمال کہتے ہیں۔

جو شخص یہ مانتا ہے کہ فلاں کام کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے فلاں قانون اور قاعدہ ہے۔ اسے مومن کہتے ہیں۔ جو کسی قاعدے قانون کو تسلیم ہی نہیں کرتا وہ کافر کہلاتا ہے۔ جو کسی مقررہ قاعدہ اور قانون کے ساتھ اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا ہے۔ اسے مشرک کہتے ہیں۔ جو اس طرح کام کرے کہ بظاہر نظر آئے کہ وہ قاعدے اور قانون کی پابندی کر رہا ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہ کرے، اسے منافق کہتے ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ اعمال نتیجہ خیز صرف مومن کے ہو سکتے ہیں۔

قوانینِ خداوندی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طبعی قوانین اور دوسرے انسانی زندگی سے متعلق قوانین۔ جو شخص صرف طبعی قوانین کو تسلیم کرتا ہے اور ان کے مطابق کام کرتا ہے، اُسے طبیعی مفاد حاصل ہو جاتے ہیں۔ اسے ثواب الدنیا (دنیا کا حصہ) یا مفادِ عاجلہ کہا جاتا ہے۔

جو طبیعی قوانین اور انسانی زندگی سے متعلق قوانین، دونوں کو تسلیم کرتا ہے۔ اُسے دنیاوی مفاد بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور اخروی زندگی کے مفاد بھی۔

جو طبیعی قوانین سے اعراض برتتا ہے اسے نہ دنیاوی مفاد حاصل ہوتے ہیں نہ اخروی زندگی کے مفاد۔ اس لئے کہ طبیعی قوانین سے الگ ہٹ کر، انسانی زندگی سے متعلق قوانین کے نتیجہ خیز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نظریۂ حیات

کو رہبانیت، خانقاہیت یا تصوف کہتے ہیں جس کے متعلق قرآن کریم نے بتا دیا ہے کہ یہ انسانوں کا خود وضع کردہ مسلک ہے۔ خدا کا تجویز کردہ مسلک نہیں۔

کس کس کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں

۱۔ مرتد کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں یعنی جو شخص کسی زمانے میں قوانینِ خداوندی کو تسلیم کرتا تھا لیکن اس کے بعد اس نے انہیں ماننا چھوڑ دیا تو اس کے اعمال بے نتیجہ رہ جائیں گے۔ یہ بات کہ وہ کسی زمانے میں ان قوانین کو مانا کرتا تھا، اسے کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ جہاں قانون کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، عمل بے نتیجہ ہوگیا۔ (۲: ۱۰۸) ـ (۲: ۲۱۷) ـ (۱۲: ۵)

۲۔ کسی کی مدد کرکے اسے احسان جتانے سے اعمال رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ (۲: ۲۶۴)

۳۔ لوگوں کو دکھاوے کی خاطر کام کرنے سے عمل رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ یہ منافقت ہے۔ (۲: ۲۶۴) ـ (۵: ۵۳) ـ (۹: ۶۹) ـ (۱۹: ۳۳)

۴۔ قوانینِ خداوندی سے انکار۔ قتلِ انبیاء و مصلحین سے اعمال غارت ہوجاتے ہیں۔ (۳: ۲۰-۲۱)

۵۔ جو لوگ اپنے عہد و پیمان کو بیچ دیتے ہیں، انہیں دنیاوی مفاد تو حاصل ہوجاتے ہیں۔ لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (۳: ۷۶)

۶۔ کفر۔ قوانینِ خداوندی کے انکار سے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۵: ۵) ـ (۳۹: ۶۴) ـ (۴۷: ۱) ما انزل اللّٰہ سے نفرت برتنے سے بھی۔ (۴۷: ۹)

۷۔ شرک سے اعمال غارت ـ خواہ شرک کرنے والا کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ (۶: ۲۴) ـ (۶: ۸۹) ـ (۷: ۱۳۹) ـ (۹: ۱۷) ـ (۲۸: ۷۴-۷۵) ـ (۳۹: ۶۵)

۸۔ حیاتِ اُخروی سے انکار سے اعمال باطل ہوجاتے ہیں۔ (۷: ۱۴۷) ـ (۲۵: ۲۳) ـ (۲۷: ۴-۵)

۹۔ جو محض دنیاوی مفاد چاہتا ہے اسے دنیاوی مفاد مل جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ان کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۱۱: ۱۶) ـ (۱۸: ۱۰۳-۱۰۵)

۱۰۔ خدا کی راہ کو چھوڑ کر اس سے متضاد راہ اختیار کرلینا، حبطِ اعمال کا موجب ہے۔ (۴۷: ۲۸)

۱۱۔ خدا کی راہ سے روکنے والے کے اعمال ضائع جاتے ہیں۔ (۴۷: ۳۲)

۱۲۔ رسول کی آواز (فیصلے) سے اپنی آواز بلند رکھنے والے کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۴۹: ۲)

۱۳۔ اپنی پیداوار سے، محتاج و محروم کا حق ادا نہ کرنے والوں کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں ۔ یعنی جس معاشی نظام میں ضرورت مندوں کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ۔ (۶۸ : ۱۷-۲۰)

۱۴۔ فریب کار ۔ غلط مذہب پیش کرنے والے ۔ فساد انگیزوں کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں ۔ (۱۰ : ۸۱)

۱۵۔ جو کچھ بھی حق کے خلاف ہو وہ مٹ جاتا ہے ۔ (۴۲ : ۲۴)

۱۶۔ تکذیب و افتریٰ سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں ۔ (۷ : ۹۴-۹۵)

متفرق

۱۔ اعمال کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار، انسان کے اپنے جذبات نہیں ۔ نہ ہی معاشرہ میں مروج عقائد ۔ یہ چیزیں تو انسان کے غلط اعمال کو بھی خوشنما بنا کر دکھاتی رہتی ہیں ۔ معیار، قانونِ خداوندی ہے (۲۷ : ۴-۵) — (۲۷ : ۲۴) — (۲۹ : ۳۸) — (۳۵ : ۸) — (۴۰ : ۳۷) — (۴۱ : ۲۵) — (۴۳ : ۳۶-۳۷) — (۴۷ : ۱۴)

۲۔ حج

حج (مادہ ح ۔ ج ۔ ج) اسلام اجتماعی نظامِ زندگی کا نام ہے ۔ اس نظام کا قانونی مرکز قرآن کریم ہے ۔ انتظامی مرکز خلافت یا نظامِ حکومت اور اجتماعی مرکزِ محسوس کعبہ ۔ کعبہ میں نمائندگانِ امت کے اجتماع کو حج کہتے ہیں ۔ جہاں یہ مل بیٹھ کر باہمی مشاورت سے قرآنی تعلیم کی روشنی میں، اپنے اجتماعی امور اور نوعِ انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق معاملات کا حل سوچتے ہیں ۔ مادہ کے اعتبار سے دیکھئے تو اس کے معنی ہوں گے وہ اجتماع جس میں دلیل و حجت کی رُو سے معاملات کا تصفیہ کیا جائے ۔ حج، درحقیقت "آل ورلڈ مسلم کانفرنس" ہے جس کے سالانہ اجتماع کو حج کہا جاتا ہے اور اگر ہنگامی ضروریات کے لئے مزید اجتماعات منعقد کئے جائیں تو انہیں عمرہ کہہ کر پکارا جائے گا ۔

۱۔ اجتماعاتِ حج کے انعقاد کا اہتمام اور نظم و نسق تو امتِ مسلمہ کا فریضہ ہو گا ۔ لیکن مختلف اقوامِ عالم کو دعوت دی جائے گی کہ ان کے نمائندے مبصرین کی حیثیت سے اس میں شرکت کریں ۔ اسلام کا مقصد نوعِ انسان کے اختلافات دور کر کے انہیں عالمگیر برادری بنانا ہے ۔ حج اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے ۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی حج یا کعبہ

کا ذکر آیا ہے، اس کی صراحت کی گئی ہے کہ وہ الناس (نوعِ انسان) کے لئے ہیں۔

۳۔ ہر نظام کی تقریبات اور اجتماعات کے لئے کچھ قواعد و ضوابط اور رسوم و مناسک مقرر ہوتے ہیں۔ تاکہ اجتماع میں نظم و ضبط قائم رہے۔ نقل و حرکت میں ہم آہنگی ہو اور یوں یہ محسوس وحدتِ حرکات دعمل "قلب و نگاہ کی وحدت کی نشان دہی کریں۔ حج کے لئے بھی اسی قسم کی چند ایک رسوم و مناسک مقرر ہیں۔ ان میں ایک طواف ہے۔ طائف اس کو توال کو کہتے ہیں جو راتوں کو پہرہ دے۔ امتِ مسلمہ کا فریضہ امنِ عالم کا قیام ہے۔ اسی اعتبار سے یہ امت، نوعِ انسان کی طائف یا طواف ہے کہ یہ پہرہ دے تاکہ انسانیت اطمینان کی نیند سو سکے۔ اس فریضہ کی محسوس ترجمانی طوافِ کعبہ سے ہوتی ہے۔ طائف اسے کہتے ہیں جو الجھے ہوئے معاملات کو حسنِ تدبیر سے سنوار دے۔ جو انسانیت کے پریشان گیسوؤں کی مشاطگی کرے۔ اس اعتبار سے حج میں شرکت کرنے والوں کو طائفین اور عاکفین کہا جاتا ہے اور ان کی اس شرکت کو بہیئتِ مجموعی حالتِ احرام — یعنی وہ حالت جس میں خاص ضوابط کی پابندی ضروری ہے۔

۴۔ ہر مملکت کی کچھ محسوس علامات ہوتی ہے جو ترجمان ہوتی ہیں اسی مملکت کے نظام کی خصوصیت کی۔ جیسے جھنڈا (علم) مملکت کے قیام و بقا کی علامت اور تخت اس کے اقتدار و اختیار کا نشان ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کی اس قسم کی علامات کو شعائر الٰہی کہا جاتا ہے جن کا احترام مناسکِ حج میں سے ہے۔

۵۔ ہر اجتماع کے لئے کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حج کے اجتماعات مکہ کی بے برگ و گیاہ وادی میں منعقد ہوتے تھے جہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا۔ اس سلسلہ میں، یہ ہدایات دی گئیں کہ حج میں شرکت کرنے والے، کچھ فالتو جانور اپنے ساتھ لائیں جنہیں وہاں ذبح کر کے خود بھی کھائیں اور مقامی ضرورت مندوں کو بھی کھلائیں۔ جو لوگ حج کے لئے خود نہ جائیں وہ اپنی طرف سے کچھ تحائف، عازمینِ حج کے ہمراہ بھیج دیں۔ خواہ یہ جانوروں کی شکل میں ہوں یا کھانے پینے کی اور چیزیں۔ ان جانوروں کو قربانی کے جانور کہا جاتا ہے اور ان تحائف کو ھَدْی۔ واضح رہے کہ ان جانوروں کے لئے قرآن کریم میں قربانی کا لفظ نہیں آیا، لیکن چونکہ انہیں عام طور پر قربانی کے جانور کہا جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی ان کے لئے قربانی کا ذیلی عنوان قائم کر دیا ہے۔

۶۔ جو مملکت کسی نظریہ پر قائم ہو، اس کے مرکزی مقام کو اس نظریہ کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً جب ہم ماسکو کہتے ہیں تو اس سے مراد (صرف) روس کا دارالسلطنت نہیں ہوتا۔ اس سے مقصود، سوشلزم کا نظریہ ہوتا ہے۔ کعبہ، اسلامی مملکت کے نظریہ کا ترجمان ہے اس لئے اس سے مراد ایک مکان نہیں۔ اس سے مراد خود نظریۂ مملکتِ اسلامیہ ہے۔ چونکہ اس نظریہ کے ماننے والوں کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظریہ اور اسی نظریہ کا ترجمان — کعبہ۔

ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے (یعنی ذہن میں بطور نصب العین) رہے۔ اس لئے کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ قبلہ کے معنی ہیں وہ جو ہر وقت پیشِ نظر رہے۔

۷۔ حج اور اس کے تضمنات میں جو کچھ ہوگا اس سے مقصود۔ قوانین خداوندی (کلمات اللہ) کا حفظ و استحکام اور علو و غلبہ ہوگا، اس لئے اسے بِلّٰہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی یہ سب کچھ خدا کے لئے ہوگا۔ اس جہت سے کعبہ کو بھی خدا نے اپنا گھر کہہ کر پکارا ہے۔ واضح رہے کہ جس چیز کو خدا نے "اپنی" کہا ہے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام نوعِ انسان کے مشترکہ فائدہ کے لئے ہے۔ اس پر کسی کا ذاتی تصرف یا قبضہ نہیں ہو سکتا۔

اس تمہیدی تعارف کے بعد، حج اور اس کے لوازم کی طرف آئیے۔

حج

۱۔ تعمیرِ کعبہ، امتِ مسلمہ کے موسسِ اعلیٰ، حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ ان کی انسانوں میں اعلان کر دو کہ وہ حج کے لئے آئیں اور اپنی آنکھوں سے اس امر کا مشاہدہ کرلیں کہ یہ امت، ان کی (نوعِ انسان کی) منفعت کیلئے کیا کچھ کر رہی ہے۔ (۲۲ : ۲۷ - ۲۸)

۲۔ یہ دعوت تمام نوعِ انسان کے لئے ہے۔ جو بھی وہاں تک پہنچنے کی راہ پائے، اس میں شرکت کر سکتا ہے۔ (۳ : ۹۷)

۳۔ شرط یہ ہے کہ اس کا مقصد لِلّٰہ (اللہ کے لئے) ہو۔ (۳ : ۹۷)۔ حج بھی اور عمرہ بھی۔ (۲ : ۱۹۶)

۴۔ جو اس میں ظلم و الحاد کی نیت سے آئے، اسے اس کی سزا ملے گی۔ (۲۲ : ۲۵)

۵۔ مکہ کے رہنے والے اور باہر کے لوگ، سب کے لئے اس کے دروازے یکساں کھلے ہیں۔ (۲۲ : ۲۵)

۶۔ مشرکین مکہ نے چونکہ اس نظامِ مملکت کی سخت مخالفت کی تھی اور وہ اس کے خلاف ریشہ دوانیوں اور معرکہ آرائیوں میں مصروف رہتے تھے، اس لئے انہیں وہاں آنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ (۹ : ۲۸ - ۳)

۷۔ یہ اعلان فتح مکہ کے بعد حج کے عظیم اجتماع میں کیا گیا تھا۔ اس لئے اسے حج اکبر کہہ کر پکارا گیا تھا۔ (۹:۳)

۸۔ حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں (یا معلوم ہونے چاہئیں۔ یعنی ان کا عام اعلان کرنا چاہئے۔ (۲ : ۱۹۷) چونکہ اس زمانے میں مہینوں کا تعیّن اور شمار چاند کی رو سے کیا جاتا تھا اس لئے کہا کہ حج کے مہینوں کا تعین بھی اس طرح کیا جا سکتا ہے۔ (۲ : ۱۸۹)

۹۔ حج کے رسوم و مناسک اور اوامر و نواہی۔ (۲ : ۱۹۷ — ۲۰۳) — (۲۲ : ۲۹)

۱۰۔ حج کا اہتمام و انصرام ضروری ہے۔ لیکن اس سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو جانا چاہیئے کہ یہ جہاد کے برابر ہوگیا۔ یہ تو جہاد تک پہنچنے کا گویا ایک ذریعہ ہے۔ (۹:۱۹)

۱۱۔ رسول اللہ اور صحابہؓ کو منافقین نے کعبہ تک جانے سے روک دیا تھا۔ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ (۴۸:۲۵)

کعبہ

۱۔ اس گھر کی بنیادیں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے اٹھائی تھیں۔ (۲:۱۲۷)

۲۔ یہ دنیا میں پہلا گھر تھا جسے الناس (تمام نوع انسان) کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہ مکہ (بکہ) میں واقع ہے۔ (۳:۹۶)۔ (۲۲:۲۶)

۳۔ اسے نوع انسان کے لئے ایک مرکز پہ جمع ہونے کی خاطر بنایا گیا تھا۔ (۲:۱۲۵)

۴۔ مقصد یہ تھا کہ انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے۔ (۵:۲)

۵۔ جو اس میں داخل ہوگیا۔ یعنی اس نظام کے سایہ تلے آگیا۔ اُسے امن کی ضمانت مل گئی۔ (۳:۹۷)

۶۔ اسی گھر کا حج، نوع انسان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ (۳:۹۷)

۷۔ یہ، یہاں کے باشندوں اور باہر والے انسانوں کے لئے یکساں طور پہ کھلا رہے گا۔ (۲۲:۲۵)

۸۔ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے خدا نے کہا کہ "میرے گھر" (بیتی) کو طائفین اور عاکفین کے لئے پاکیزہ رکھو۔ یعنی یہاں غیر خداوندی نظریات و تصورات بار نہ پا سکیں۔ (۲:۱۲۵): طائفین، قائمین اور رکع السجود کے لئے (۲۲:۲۶)

۹۔ اسے بیت العتیق بھی کہا گیا۔ (۲۲:۲۹)۔ (۲۲:۳۳)۔ نیز البیت الحرام (۵:۲)۔ (۱۴:۳۷) البیت المعمور (۵۲:۴)۔ اور اپنے آپ کو رب البیت (۱۰۶:۳)

۱۰۔ اسے حرمًا آمنًا بھی کہا گیا ہے۔ (۲۸:۵۷)۔ (۲۹:۶۷)

۱۱۔ اسے مسجد حرام کہہ کر بھی پکارا گیا ہے (۲:۱۴۹-۱۵۰)۔ (۲:۱۹۶)۔ (۲:۲۱۸)۔ (۵:۲)۔ (۸:۳۴)۔ (۹:۷)۔ (۹:۱۹)۔ (۹:۲۸)۔ (۱۷:۱)۔ (۲۲:۲۵)۔ (۴۸:۲۵)

قبلہ

وہ جسے ہر وقت سامنے رکھا جائے۔ مطمحِ نگاہ۔ نصب العینِ حیات۔ فکر و عمل کا نقطۂ ماسکہ۔ اس مقصد کے لئے

مرکزِ محسوس کو قبلہ کہا گیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا قبلہ، بیت المقدس تھا۔ لیکن چونکہ وہ مرکز بنی اسرائیل کا قومی بن کر رہ گیا تھا۔ اس لئے اسلامی نظامِ زندگی کا وہ مرکز نہیں بن سکتا تھا۔ ان کا مرکزِ تصورات، کعبہ ہی بن سکتا تھا جسے الناس (عالمگیر انسانیت) کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اسے مسلمانوں کا قبلہ کہا گیا۔ رسول اللہ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لے آئے اور یہیں اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی لیکن وہ کعبہ جسے اسی نظام کا مرکز قرار پانا تھا، مکہ میں تھا، اس لئے فطری طور پر حضورؐ کے دل میں یہ خیال ابھرتا تھا کہ کعبہ کی تولیت ان کی تحویل میں ہونی چاہیئے نہ کہ مشرکین قریش کی۔ خدا نے یہ وعدہ کیا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ آخر الامر ایسا ہو کر رہا۔ (۲:۱۴۴)

۲۔ کعبہ کو جو قبلہ بنایا گیا تو اس سے بنیادی مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ اتباعِ رسول کون کون کرتا ہے (۲:۱۴۲-۱۴۳)

۳۔ اہلِ کتاب اس قبلہ کا اتباع کبھی نہیں کریں گے۔ بلکہ کوشش یہ کریں گے کہ تم لوگ ان کے قبلہ کے تابع آ جاؤ۔ (۲:۱۴۵)۔ حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع نہیں کریں گے۔ (۲:۱۴۵)

۴۔ مسلمانوں سے تاکید کہ دنیا میں کہیں بھی ہو، اپنی توجہات کا مرکز اسی کعبہ (مسجد الحرام) کو قرار دو۔ (۲:۱۴۴ و ۱۴۹-۱۵۰)

۵۔ بنی اسرائیل جب فرعون کی غلامی میں تھے اور وہاں انہیں اپنا اجتماعی نظام قائم کرنے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔ تو ان سے کہا گیا کہ بہ حالاتِ مجبوری اپنے اپنے گھروں ہی کو اپنا قبلہ بنا لو۔ (۱۰:۸۷)

نوٹ:۔ قرآن کریم میں یہ مذکور نہیں کہ حضورؐ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور بعد میں مکہ کی طرف رُخ پھیر لیا تھا۔ نہ ہی قرآن کریم میں بہ صراحت یہ حکم ہے کہ نماز میں اپنا رُخ کعبہ کی طرف رکھو۔ امت کا یہ مسلک بہرحال قرآنی مقصد کے حصول کا محسوس ذریعہ ہے۔

حالتِ احرام

۱۔ حرمات اللہ کی تعظیم ضروری ہے۔ (۲۲:۳۰)

۲۔ حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت ہے۔ (۵:۱)۔ لیکن صرف خشکی کے جانور کے شکار کی۔ (۵:۹۶)۔ اگر اس حکم کی خلاف ورزی ہو جائے تو اس کا کفارہ۔ (۵:۹۵)

نوٹ:۔ احرام کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔

طائف طواف ۔ عاکف

۱۔ حضرت ابراہیمؑ سے ارشاد کہ ہمارے گھر کو طائفین اور عاکفین کے لئے پاک وصاف کر دیں ۔ (۲ : ۱۲۵)—(۲۲:۲۶)

۲۔ بیت العتیق کا طواف ۔(۲۹ : ۲۲)

۳۔ مکہ عاکف و بادی کے لئے یکساں کھلا رہنا چاہیئے ۔ (۲۵ : ۲۲)

۴۔ عاکفین فی المساجد (یہ روزوں کے سلسلہ میں آیا ہے) ۔ (۱۸۷ : ۲)

شعائر اللہ

۱۔ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں لیکن ان میں چلنے پھرنے کی ممانعت نہیں ۔ (۱۵۸ : ۲)

۲۔ حرمات اللہ کی تعظیم ضروری ہے (۳۰ : ۲۲) ۔ شعائر اللہ کی بھی ۔ (۳۲ : ۲۲)

۳۔ مشعر الحرام کے قریب ذکر اللہ (۱۹۸ : ۲)

۴۔ شعائر اللہ کی پابندیوں کی احتیاط کرو ۔ اور شہر الحرام کی بھی (۲ : ۵)

۵۔ حج میں ذبح کئے جانے والے جانور بھی شعائر اللہ ہیں ۔ انہیں کھاؤ پیئو ۔ (۳۶ : ۲۲) نیز دیگر تحائف جو حج کے اجتماع کے لئے بھیجے جائیں ۔ (۲ : ۵)—(۹۷ : ۵)

قربانی

۱۔ اگر تم کعبہ تک نہ پہنچ سکو تو اپنے ھدایا (تحائف) تو کعبہ تک پہنچانے کے لئے بھیجدو ۔ جب تک وہ وہاں نہ پہنچ جائیں اس وقت تک حجامت نہ بنواؤ ۔ یعنی حج میں شرکت کرنے والوں سے مطابقت پیدا کرو ۔ (یہاں ہدایا سے مراد صرف ذبح کرنے کے لئے جانور نہیں ، دیگر تحائف بھی اس میں شامل ہیں) ۔ (۱۹۶ : ۲)

۲۔ کفارہ کا ہدیہ (تحفہ) بھی کعبہ بھیجا جائے ۔ (۹۵ : ۵)—(۹۷ : ۵)

۳۔ ان جانوروں کو خدا کا نام لے کر ذبح کرو ۔ خود بھی کھاؤ ۔ دیگر محتاجوں کو بھی کھلاؤ ۔ (۲۸ : ۲۲)

۴۔ ان جانوروں کو لے جاؤ تو ان سے کام لو ۔ انہیں مقدس سمجھ کر سانڈوں کی طرح نہ رکھو ۔ یہ عام جانور ہیں ۔ اس تقریب میں کام آنے کی وجہ سے یہ کہا گیا ہے کہ انہیں ضرر نہ پہنچاؤ ۔ انہیں شعائر اللہ کہنے سے یہی مطلب ہے ۔

(۳۶ : ۲۲) - ان سے کام لینا چاہیئے۔ (۳۳ : ۲۲) - ذبح کرکے کھانا چاہیئے۔ اور حاجت مندوں کو کھلانا چاہیئے۔ (۳۶ : ۲۲) - یاد رکھو! ان کا گوشت پوست خدا تک نہیں پہنچتا کہ تم انہیں ذبح کرکے سمجھ لو کہ خدا خوش ہوگیا۔ خدا تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (۳۷ : ۲۲)

۵۔ ان کے ذبح ہونے کی جگہ کعبہ (مکہ) ہی ہے۔ (۳۳ : ۲۲)۔ نیز دیگر تحائف کی بھی۔ (۲۵ : ۴۸)

۶۔ آیت (۲ : ۱۰۸) میں فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں نحر سے مراد قربانی لی جاتی ہے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ اس کے لئے لغات القرآن میں نحر کا لفظ دیکھئے۔ بات واضح ہو جائے گی۔ نیز آیت (۱۶۳ : ۶) میں نُسُکی سے مراد قربانیاں لی جاتی ہے۔ یہ بھی درست نہیں۔ (لغات القرآن میں لفظ نسک دیکھئے)

۷۔ امم سابقہ کے ہاں سوختنی قربانیوں کا رواج تھا۔ (۱۸۳ : ۳) — (۲۷ : ۵) — مسلمانوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں قربانی کا لفظ نہیں آیا۔ اور یہ جو ہمارے ہاں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پہ قربانیاں کی جاتی ہیں۔ ان کا حکم بھی قرآن مجید میں نہیں آیا۔

—(۰)—

۳۔ حدود اللہ

حدود اللہ:۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں۔ خدا کی کھینچی ہوئی لکیریں۔

دین کی اصل، انسان کو آزادی عطا کرنا ہے۔ لیکن آزادی وہی تعمیری نتائج پیدا کرتی ہے جو اصول وقوانین کی حدوں کے اندر ہو۔ دریا کے ساحلوں کے اندر پانی، منفعت بخش ہے۔ جب وہ ان حدوں کو توڑ کر باہر نکل جائے تو وہی پانی سیلاب بن کر تباہیاں مچا دیتا ہے۔ فٹ بال کے میدان میں کچھ لکیریں کھینچ دی جاتی ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے کھلاڑیوں کو کھیل کھیلنے کی اجازت ہوتی ہے۔ حدود شکن کھلاڑی یا ٹیم کو سزا ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے، وحی کی رو سے، انسانوں کی آزادی کے لئے جو قوانین مقرر کئے ہیں، انہیں حدود اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ حدود (قوانین) ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ لیکن ان کے اندر انسان کو فکر وعمل کی آزادی ہوگی۔ یا یوں کہئے کہ یہ حدود، غیر متبدل اصول ہیں، جن کے تابع جزئی قوانین، ہر زمانے کی اسلامی مملکت، اپنے اپنے زمانے کے تقاضے کے مطابق مرتب کریگی۔ یہ اصول غیر متبدل رہیں گے اور ان کی روشنی میں مرتب کردہ، جزئی قوانین، زمانے کے حالات کے ساتھ بدلتے جائیں گے۔

قرآن کریم نے اتنا ہی نہیں کہا کہ ان حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ان کے قریب بھی نہ جاؤ کہ قریب جانے سے خطرہ ہوتا ہے کہ ذرا سی لغزشِ قدم سے پاؤں کے آگے جا پڑے ——— قوانین کی پابندی کے لئے یہ احتیاط بڑی ضروری ہے۔

۲۔ واضح رہے کہ اس عنوان کے تحت ان تمام اصول و قوانین اور اوامر و نواہی کی تفصیل نہیں دی جا رہی جنہیں حدود اللہ کہا جائے گا۔ یہاں صرف ان آیات کا حوالہ دیا جائے گا۔ جن میں "حدود اللہ کی اصطلاح آئی ہے۔

۳۔ ضمناً۔ فقہ میں حد کسی جرم کی اس سزا کو کہتے ہیں جسے خود خدا (قرآن) نے متعین کر دیا ہے۔ اس عنوان میں حد سے یہ مقصود بھی نہیں۔

حدود کی نگہداشت اور ان سے تجاوز

۱۔ صیام (روزوں) کی پابندیوں کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ حدود اللہ ہیں۔ ان کے قریب مت جانا۔ (۲ : ۱۸۷)

۲۔ احکامِ طلاق بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ حدود اللہ ہیں۔ ان سے تجاوز مت کرو۔ (۲ : ۲۲۹) — (۲ : ۲۳۰)۔ (۶۵ : ۱)

۳۔ احکامِ وراثت کے سلسلہ میں کہا کہ یہ حدود اللہ ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کرو۔ (۴ : ۱۳-۱۴)

۴۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا خود اپنے آپ پر زیادتی کرے گا۔ اللہ کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا۔ (۶۵ : ۱)

۵۔ حدود، خدا کی اس وحی نے مقرر کی ہیں جو رسول اللہ پر نازل ہوئی تھی۔ اعراب انہیں جاننا نہیں چاہتے تھے۔ (۹ : ۹۷)

۶۔ مومن، حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، (۹ : ۱۱۲)۔ انہی کے لئے جنت ہے۔ (۵۰ : ۳۲)

۷۔ کفارہ سے متعلق احکام کو حدود اللہ کہا گیا۔ (۵۸ : ۴)

۸۔ اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے۔ (یعنی جنہیں حرام نہیں ٹھہرایا) انہیں حرام مت قرار دو۔ یہ حدود سے تجاوز ہے۔ جسے اللہ پسند نہیں کرتا۔ اس سے واضح ہے کہ جو پابندی خدا نے عائد نہیں کی، اسے کوئی انسان (بطور حرام) عائد نہیں کر سکتا۔ (۵ : ۸۷)

۹۔ جن باتوں کا نقصان فوراً انسان کے سامنے آجاتا ہے، ان سے انسان از خود رک جاتا ہے۔ (مثلاً آگ میں کوئی

ہاتھ نہیں ڈالتا) ۔ لیکن خدا کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کے توڑنے کا نتیجہ فوراً سامنے نہیں آتا (مثلاً مالِ حرام کھانے کا نتیجہ) ان احکام کی پابندی وہی کرتا ہے جسے اس بات کا یقین ہو کہ اس سے مجھے ضرور نقصان پہنچے گا۔ اسے "ایمان بالغیب" کہا جاتا ہے ۔ حدود اللہ سے ہی مقصود ہے ۔ (۵ : ۹۴)

۱۰۔ قصاص میں حد سے آگے نہ بڑھو ۔ (۲ : ۱۷۸) — (۲ : ۱۹۴)

۱۱۔ جنگ میں بھی حدود سے تجاوز نہ کرو ۔ (۲ : ۱۹۰) — (۲ : ۱۹۴)

۱۲۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پہ آمادہ نہ کر دے کہ تم حدود سے تجاوز کر جاؤ ۔ (۵ : ۲)

۱۳۔ بنی اسرائیل بڑے حدود شکن واقع ہوئے تھے ۔ (۲ : ۶۱) — (۳ : ۱۱۲) — (۵ : ۷۸)

۱۴۔ اضطراری حالت میں جن حرام چیزوں کے کھانے کی اجازت ہے، اس سے مقصد حدود شکنی نہیں ہونا چاہیئے ۔ (۲ : ۱۷۳) — (۶ : ۱۴۵) — (۱۶ : ۱۱۵)

۱۵۔ جائز جنسی تعلقات کے علاوہ اختلاط حدود شکنی ہے ۔ (۲۳ : ۷) — (۷۰ : ۳۰) ۔ قوم لوط حدود شکن واقع ہوئی تھی ۔ (۲۶ : ۱۶۶)

۱۶۔ حدود شکن کو معتدین کہا گیا ہے ۔ ایسے لوگ جہنم میں جائیں گے ۔ (۵۰ : ۲۵) — (۱۲ : ۶۸) — (۱۲ : ۸۳)

۱۷۔ قریشِ مکہ حدود فراموش واقع ہوئے تھے ۔ (۹ : ۱۰)

۱۸۔ خدا، حدود شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ (۲ : ۱۹۰) — (۵ : ۸۷) — (۷ : ۵۵) ۔ ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ۔ (۱۰ : ۷۴)

۱۹۔ اس قسم کی حدود فراموشی کو عدوان بھی کہا گیا ہے ۔ قرآن نے اثم اور عدوان کے امور میں تعاون سے منع کیا ہے ۔ (۲ : ۸۵) — (۵ : ۲) — (۵ : ۶۲) — (۵۸ : ۸-۹)

۲۰۔ باہمی لین دین اور تجارت میں ظلم و عدوان سے روکا گیا ہے ۔ (۴ : ۳۰) ۔ ظلم، واجب سے کم دینا ۔ عدوان واجب سے زیادہ لینا ۔

———(٠)———

۴۔ حدیث

حدیث اس کے معنی بات، داستان، روئداد وغیرہ ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے۔
اصطلاح میں حدیث، نبی اکرمؐ کے اقوال اور اعمال کو کہتے ہیں۔ نیز اگر حضور کے سامنے کوئی بات ہوئی ہو اور آپؐ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی ہو، تو اسے بھی حدیث رسول اللہ میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حدیث کا لفظ ان اصطلاحی معنوں میں نہیں آیا۔ لیکن قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ اے رسول! ان سے کہہ دو کہ .... مثلاً قُلْ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۰ : ۱۶)۔ (ان سے کہہ دو کہ) میں نے اس سے پہلے تمہارے اندر اپنی عمر گزاری ہے۔ کیا تم اس سے نہیں سمجھ سکتے (کہ میری زندگی جھوٹے کی زندگی ہے یا سچے کی؟) اس طرح کی متعدد آیات ہیں جو (قُلْ) سے شروع ہوتی ہیں۔ یعنی وحیٔ خداوندی نے حضورؐ سے کہا کہ ایسا کہو۔ یہ اقوال رسول اللہؐ کے اپنے نہیں بلکہ خود وحی کے ہیں اس لئے یہ قرآن کریم کا جزو ہیں۔ اسی طرح نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کے کئی واقعات ہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ یہی رسول اللہؐ کی صحیح ترین سیرت ہے۔ یعنی ایسی سیرت جس میں شک و شبہ کا کوئی گزر نہیں۔ اسی سیرتِ طیبہ کو حضورؐ کا اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) کہا گیا ہے۔ ان کے علاوہ حضورؐ کے اپنے اقوال یا سیرت کے احوال و کوائف جنہیں راویوں نے بیان کیا ہے، یہ انسانوں کی تالیف ہیں جن میں غلطی کا امکان ہے۔ ان کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار یہ ہے کہ ان میں سے جو بات قرآن کریم کے خلاف ہو یا جس سے حضورؐ کی سیرتِ طیبہ پر کسی قسم کا حرف آتا ہو، وہ کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتی۔ البتہ جو باتیں قرآن کریم کے مطابق ہوں انہیں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اس عنوان کے تحت:

۱۔ وہ آیات درج کی گئی ہیں جن میں "حدیث" کا لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ وہ آیات درج کی گئی ہیں جن میں رسول اللہؐ سے کہا گیا ہے کہ تم ایسا کہہ دو ......" انہیں "قرآنی احادیث" کہہ لیجئے۔
باقی رہے حضورؐ کی قرآنی سیرت کے احوال و کوائف۔ سو وہ مختلف (متعلقہ) عنوانات کے تحت الگ الگ مقامات پر درج ہوں گے۔

حدیث (عام معانی)

۱۔ مؤمنین سے تاکید کہ رسولؐ اللہ کے ہاں کھانا کھانے آؤ تو کھانا کھانے کے بعد واپس چلے جایا کرو۔ بیٹھے باتیں (حدیث) نہ کرنے لگ جایا کرو۔ اس سے آپؐ کو تکلیف ہوتی ہے۔ (۵۳ : ۳۳)

۲۔ اللہ سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکتی۔ (۴۲ : ۴)

۳۔ یہ لوگ بات سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے۔ (۷۸ : ۴)

۴۔ خدا سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے؟ (۸۷ : ۴)

۵۔ جس مجلس میں احکامِ خداوندی سے استہزا ہوتا ہو، اس سے اٹھ کر چلے آؤ۔ تاآنکہ وہ اپنے موضوع کو بدل کر دوسری باتیں نہ شروع کردیں۔ (۱۴۰ : ۴) ـ (۶۸ : ۶)

۶۔ اے رسولؐ! کیا تم تک داستانِ موسیٰؑ نہیں پہنچی؟ (۹ : ۲۰) ـ (۱۵ : ۷۹) ـ فرعون وثمود کی؟ (۱۷ : ۸۵) حدیث الغاشیہ؟ (۱ : ۸۸) ـ ضیفِ ابراہیمؑ۔ (۲۴ : ۵۱)

۷۔ رسولؐ اللہ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے ایک سے، ایک راز کی بات کہی۔ (۳ : ۶۶)

۸۔ خود قرآن الحدیث ہے (۶ : ۱۸) ـ (۸۱ : ۵۶) ـ (۴۴ : ۶۸) ـ کفار کو چیلنج کہ اس کی مثل کوئی حدیث لاؤ۔ (۳۴ : ۵۲) : کیا تم قرآن کی بات پر تعجب کرتے ہو؟ (۵۹ : ۵۳)

یہ کوئی افترا کردہ حدیث نہیں (۱۱۱ : ۱۲)

اللہ نے احسن الحدیث نازل کی ہے۔ (۲۳ : ۳۹)

۹۔ اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے؟ (۱۸۵ : ۷) ـ (۶ : ۴۵) ـ (۵۰ : ۷۷)

۱۰۔ اقوامِ سابقہ تباہ ہوگئیں اور ان کی صرف داستانیں (احادیث) باقی رہ گئیں۔ (۴۴ : ۲۳) ـ (۱۹ : ۳۴)

۱۱۔ حضرت یوسفؑ کو، تاویل الاحادیث (باتوں کے آغاز سے ان کے انجام کا اندازہ کرلینے کی صلاحیت) حاصل تھی۔ (۱۰۱ ; ۲۱ ; ۶ : ۱۲)

۱۲۔ لوگ (قرآن کے بدلے) لھو الحدیث خرید لیتے ہیں تاکہ وہ انہیں گمراہ کردے۔ (۶ : ۳۱)

قرآنی احادیث

یعنی وہ باتیں جو قرآن کریم میں رسول اللہ کی زبانی کہلوائی گئی ہیں۔ پھر سن لیجئے کہ نہ یہ رسول اللہ کے اپنے اقوال ہیں نہ ہی ان میں حضورؐ کی اپنی فکر کا کوئی دخل ہے۔ یہ خدا کی طرف سے نازل شدہ وحی ہے۔ان میں وحیٔ خداوندی نے حضورؐ سے کہا ہے کہ "تم ان لوگوں سے کہہ دو۔ قُلْ" صرف اس جہت سے ہم نے انہیں "قرآنی احادیث" کہا ہے۔

۱۔ ذات باری تعالیٰ سے متعلق

۱۔ کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو مراحل میں پیدا کیا۔ تم غیر خدائی قوتوں کو اس کا ہمسر قرار دیتے ہو۔ وہ خدا جملہ کائنات کا نشوونما دینے والا ہے۔ (۹ : ۴۱)

۲۔ خدا وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور سماعت و بصارت اور سمجھنے سوچنے کی صلاحیت عطا کی۔ اس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ (۲۴-۲۳ : ۶۷)

۳۔ کیا تم خدا کو چھوڑ کر ان ہستیوں کی معبودیت اختیار کرتے ہو جو تمہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی قوت نہیں رکھتیں؟ (۵ : ۷۶)

۴۔ اگر تم پر خدا کی طرف سے کوئی تباہی آجائے تو خدا کے سوا کون ہے جسے تم پکارو اور وہ تمہیں اس تباہی سے بچا لے۔ (۴۰ : ۶)

۵۔ ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر خدا تمہاری سماعت و بصارت اور فہم و فراست کی صلاحیت سلب کرلے، تو وہ کون ہے جو تمہیں یہ قوتیں واپس دلا دے۔ یا خدا کے عذاب سے محفوظ کر دے۔ (۴۷-۴۶ : ۶)

۶۔ مجھے بتاؤ کہ اگر خدا (زمین کی گردش کو) ایسا کر دے کہ ہمیشہ رات ہی رہے، دن چڑھے ہی نہ۔ یا دن ہی رہے، رات پڑے ہی نہیں۔ تو وہ کون ہے جو اس گردش کو الٹا سکے؟ (۷۲-۷۱ : ۲۸)

۷۔ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ جنہیں تم خدا کا ہمسر قرار دیتے ہو (وہ کونسی قوتوں کے مالک ہیں) (۲۷ : ۳۴)۔ انہوں نے کونسی کائنات پیدا کی ہے؟ (۴۰ : ۳۵)

۸۔ (تم کہتے ہو کہ ہم اپنے ان معبودوں کے ذریعے خدا تک اپنی بات پہنچانا چاہتے ہیں۔ تمہیں اس کا بھی علم نہیں کہ) جن کے ذریعے تم اپنی بات خدا تک پہنچانا چاہتے ہو انہیں تو خود بھی کسی بات کا علم نہیں۔ (۱۸ : ۱۰)۔ ان کے برعکس خدا

ارض وسمٰوات کی ہر شے سے باخبر ہے۔ (۱۶ : ۴۹)

۹۔ کیا تم اُس خدا کی بابت جھگڑے نکالنا چاہتے ہو جو میرا اور تمہارا، سب کا، نشوونما دینے والا ہے۔ (۲ : ۱۳۹) - اُس کے سوا، رزق عطا کرنے والا کون ہے۔ (۲۴ : ۳۴) - مثلاً اگر وہ ایسا کر دے کہ پانی زمین سے اوپر نہ آئے تو تم کیا کر لو۔ (۳۰ : ۶۷)

۱۰۔ تم اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، بات ایک ہی ہے۔ تمام اسماء الحسنیٰ اُسی کے ہیں۔ (۱۱۰ : ۱۷)۔ ہم خدائے رحمٰن پہ ایمان رکھتے ہیں۔ (۲۹ : ۶۷)

۱۱۔ (جس خدا پر ہم ایمان رکھتے ہیں، وہ وہ ہے جو) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر شے کا رب ہے۔ وہ ہر شے کا خالق ہے۔ نفع اور نقصان اُس کے قوانین کے مطابق پہنچتا ہے۔ تم انہیں خدا مان رہے ہو جن میں اسی قسم کی کوئی قوت نہیں۔ سوچو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں، یا تاریکی اور روشنی ایک جیسی ہو سکتی ہے؟ (۱۶ : ۱۳)

۱۲۔ ایسی چیزوں کو معبود بنا لینا جنہیں نہ کسی قسم کا اختیار واقتدار حاصل ہو۔ نہ ہی وہ کسی عقل وفکر کی مالک ہوں (اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟) (۳۹ : ۴۳-۴۴)

۱۳۔ تم مجھے بتاؤ کہ اللہ کے سوا وہ کون ہے جو تمہیں بحر وبر کے تاریک راستوں کے خطرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے؟ (۶ : ۶۳-۶۴)

۱۴۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کی مِلک ہے۔ اس نے مخلوق کے سامانِ نشوونما کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ (۶ : ۱۲) - وہ فاطر السمٰوات والارض ہے۔ وہ سب کو کھلاتا ہے لیکن خود کھانے کا محتاج نہیں۔ رنج وراحت سب اس کے قوانین کے مطابق ملتے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ (۶ : ۱۳-۱۷)

۱۵۔ مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے جو تمہیں زمین اور آسمان سے رزق دیتا ہے جو تمہاری سماعت اور بصارت کا مالک ہے۔ جو مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔ جو کائنات کی تدبیرِ امور کرتا ہے۔ یہ ہے تمہارا رب۔ پھر ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے بعد، جس کا خود تمہیں بھی اعتراف ہے، تم غلط راہوں پر کیوں چل نکلتے ہو۔ اسی خدا نے تخلیق کائنات کی ابتداء کی تھی اور وہی مختلف گردشوں سے اسے سنوارتا چلا جاتا ہے۔ حق بات وہی ہے جس کی طرف خدا راہ نمائی دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی اس راستے کی طرف راہ نمائی نہیں دے سکتا۔ (۱۰ : ۳۱-۳۵)

۱۶۔ (تم اچھی طرح سن رکھو کہ) میرا رب وہ ہے جس کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں کہ اس کے سامنے جھکا جائے۔ (۱۳ : ۳۰)۔

تم اس کے ساتھ جنہیں شریکِ خدائی قرار دیتے ہو، ذرا انہیں بلاؤ تو سہی۔ ان کا کچھ پتہ نشان دو۔ باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ تم ان کے ذریعے خدا تک اپنی بات پہنچاتے ہو، سو وہ بجائے خود کسی بات کا علم نہیں رکھتے۔ وہ تمہاری بات اس خدا تک کیا پہنچائیں گے جو ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ (۳۳-۳۰ : ۱۳)۔ اگر اس کے کوئی شریکِ خدائی ہوتے تو وہ یقیناً اس کے تختِ کبریائی تک جا پہنچتے۔ (لیکن ایسا ہو ہی نہیں سکتا)۔ (۴۲ : ۱۷)

۱۷۔ (ذرا سوچو کہ اگر کائنات پر خدا کی رحمت چھائی ہوئی نہ ہوتی جو ہر شے کو سامانِ نشو و نما بھی بہم پہنچاتا ہے اور اس کی حفاظت کا انتظام بھی کرتا ہے تو) زندگی کے خطرات سے تمہیں کون بچا سکتا تھا؟ (۴۲ : ۲۱)۔ اس کے سوا کوئی تمہارا حامی و ناصر نہیں۔ (۱۷ : ۳۳)۔ وہی تمہیں سامانِ رزق عطا کرتا ہے۔ (۳۴ : ۲۴)۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۲۷ : ۳۴)۔

۱۸۔ (اتنا تو تم بھی مانتے ہو کہ) زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب خدا کی ملکیت ہے۔ وہی کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کا نشو و نما دینے والا ہے اور اس کا مرکزی کنٹرول بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ ہر شے کی زمامِ اقتدار اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر شے کا محافظ ہے اور اسے کسی کی حفاظت کی احتیاج نہیں۔ (جب یہ سب کچھ تم مانتے ہو تو پھر اسے ماننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے کہ تمہارے معاملاتِ زندگی بھی اسکے قوانین کے مطابق سرانجام پانے چاہئیں۔ بس یہی میری دعوت ہے)۔ (۸۹-۸۴ : ۲۳)

۱۹۔ خدا مالک الملک ہے۔ حکومت و سطوت، عروج و زوال، عزت و ذلت، سب اس کے قوانین کے مطابق ملتی ہے۔ (۲۵ : ۳)۔ وہ فاطر السمٰوٰت والارض اور عالم الغیب والشہادت ہے۔ انسانوں کے اختلافی معاملات میں فیصلے اسی کے قوانین کے مطابق ہوتے ہیں۔ (۴۶ : ۳۹)۔ تم کسی بات کو ظاہر کر دو یا اسے چھپاؤ، خدا کو سب علم ہوتا ہے۔ (۲۸ : ۳) — (۶۹-۶۸ : ۲۲)

۲۰۔ رزق کی بسط و کشاد خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ (۳۶ : ۳۴)

۲۱۔ یاد رکھو! کائنات کا ہر واقعہ خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق سرزد ہوتا ہے۔ رنج و راحت بھی اس کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ (۷۸ : ۴) — (۵۱ : ۹)۔ تم جیسا کرو گے اس کے مطابق نتیجہ مرتب ہو جائے گا۔ (۱۶۴ : ۳)

۲۲۔ غیب، خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۶۵ : ۲۷)

۲۳۔ (جغرافیائی حدود سے نہ اس کی خدائی میں فرق آ سکتا ہے۔ نہ یہ چیز انسانوں میں تفریق کا باعث بن سکتی ہے، اس لئے کہ) مشرق و مغرب سب خدا کے لئے ہیں (۱۴۲ : ۲)

۲۴۔ (تم کہتے ہو کہ خدا کی اولاد بھی ہے ۔ معاذ اللہ) ۔ میں اس قسم کے خدا کو (جس کا باطل تصوّر تم پیش کرتے ہو) کبھی نہیں مان سکتا۔ (۸۱ : ۴۳)

۲۵۔ (میں نے خدا کے متعلق یہ چند باتیں تم سے بیان کی ہیں ۔ ورنہ) اس کی صفات و کلمات کا تو یہ عالم ہے کہ اگر تمام سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی وہ ختم نہ ہوں۔ (۱۰۹ : ۱۸)

۲۶۔ خدا کا کوئی شریک نہیں ۔ وہ یگانہ ہے ۔ اسے کسی کی احتیاج نہیں۔ نہ اسے کسی نے جنا ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ اس کا مثیل و نظیر کوئی نہیں (۴-۱ : ۱۱۲)

۲۔ وحیٔ خداوندی کے متعلق

۱۔ یہ قرآن، خدا کے فضل و رحمت سے نازل ہوا ہے ۔ اس پر تمہیں خوشیاں منانی چاہئیں۔ (۵۸ : ۱۰)

۲۔ ذرا سوچو کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو (جیسا کہ یہ ہے) اور تم اس سے انکار کرو تو اس سے زیادہ گمراہی اور کیا ہوگی؟ (۵۲ : ۴۱) ۔ (۱۰ : ۴۶)

۳۔ (تم وحی کی کنہ و حقیقت کے متعلق دریافت کرتے ہو ———— اس کے متعلق اتنا سمجھ لو کہ) اس کا تعلق خدا کے عالم امر سے ہے (۸۵ : ۱۷) ۔ (اور تمہارا علم، عالم محسوسات تک محدود ہے۔ اس لئے تم ان امور کی کنہ و حقیقت کس طرح سمجھ سکتے ہو جو عالم امر سے متعلق ہیں۔

۴۔ اس قرآن کو اس خدا نے نازل کیا ہے جو کائنات کے تمام پوشیدہ امور سے واقف ہے ۔ (۶ : ۲۵)

۵۔ یاد رکھو! صحیح راستہ صرف وہی ہے، جسے خدا نے اپنی کتاب میں دکھا دیا ہے (۱۲۰ : ۲) ۔ (۷۳ : ۳) ۔ (۷ : ۶)

۶۔ یہ بات حتمی اور یقینی ہے کہ قرآن کی ہر بات حق ہے۔ (۵۳ : ۱۰)

۷۔ (میں ایک عظیم اعلان کر رہا ہوں ۔ اسے دل کے کانوں سے سن لو۔ اور یاد رکھو کہ) حق آگیا ہے ۔ یہ باطل کو اس طرح کچل کر رکھ دے گا کہ وہ اس کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ (۸۱ : ۱۷) ۔ (۴۹ - ۴۸ : ۳۴)

۸۔ (تم قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل مانگتے ہو؟ یہ اپنی دلیل آپ ہے ۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس جیسا قرآن بنا کر لاؤ (۸۸ : ۱۷) ۔ پورا قرآن نہیں۔ اس جیسی دس سورتیں مرتب کر کے دکھاؤ۔ (۱۳ : ۱۱) دس کو بھی چھوڑو ۔ صرف ایک سورت بنا کر دکھاؤ۔ (۳۸ : ۱۰) ۔ (یہی کیفیت سابقہ آسمانی کتابوں کی تھی) تورات اپنے وقت میں بے مثل ہدایت دینے والی تھی ۔ اب یہ قرآن ویسا ہے ۔ (۴۸ : ۲۸)

۹۔ جو چاہے قرآن سے ہدایت لے لے ۔ جو چاہے اس سے انحراف کر کے غلط راستہ اختیار کر لے ۔ (۲۷ : ۱۲) ۔ (۲۹ : ۱۸)

۱۰۔ میں اس قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ (۱۰:۱۵)

۱۱۔ قرآن کو روح القدس نے نازل کیا ہے۔ (۱۶:۱۰۲)

۱۲۔ قرآن، اہلِ ایمان کے لئے سرچشمۂ ہدایت اور دل کے امراض کے لئے شفا ہے۔ (۴۱:۴۴)

۳۔ رسول اللہؐ کے خود اپنے متعلق

۱۔ (اسے اچھی طرح سن لو کہ تمہارے لئے کسی نفع یا نقصان کا اختیار رکھنا تو درکنار) میں خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ (۷:۱۸۸)۔۔ (۱۰:۴۹)

۲۔ اگر میں بھی خدا کے کسی قانون کی خلاف ورزی کر دوں تو اس کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤں۔ (۶:۱۵)۔۔ (۳۹:۱۳)۔ اس سے میری کوئی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ (۷۲:۲۲)۔ (اس سے واضح ہے کہ جب میری اپنی حالت یہ ہے تو میں دوسروں کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی کے نتائج سے کیسے بچا سکوں گا؟)

۳۔ میں ہر خطرات سے حفاظت کے لئے قوانینِ خداوندی کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ (۲۳:۹۷-۹۸)۔۔ (۱۱۳:۱)۔۔ (۱۱۴:۱)

۴۔ (پھر سن لو کہ) میں تمہارے لئے کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (۱۱:۴۸)۔۔ (۷۲:۲۱)

۵۔ میں تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ (۱۸:۱۱۰)۔۔ (۴۱:۶)۔ میرے پاس نہ اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور یہی میری دعوت کی بنیاد ہے۔ (۶:۵۰)۔ لہٰذا تمہارا مجھ سے یہ مطالبہ کہ میں یہ معجزہ دکھاؤں اور وہ دکھاؤں، بے معنی بات ہے۔ میں تمہارے ہی جیسا انسان ہوں۔ فوق البشر نہیں ہوں۔ (۱۷:۹۰-۹۳)۔ میں انسان اس لئے ہوں کہ انسانوں کی طرف رسول ہوں۔ اگر زمین پر فرشتے بستے تو ان کی طرف فرشتہ رسول بن کر آتا۔ (۱۷:۹۵)

۶۔ میں نے کہا ہے کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں، اس فرق کے ساتھ کہ مجھ پر خدا کی وحی ہوتی ہے۔ سو اس کے متعلق سن رکھو کہ یہ بھی میرے اپنے کسب و ہنر کا نتیجہ نہیں۔ یہ ایک وہبی نعمت ہے جو خدا کی طرف سے اس کے فضل و رحمت کے طور پر مجھے ملی ہے۔ (۳۰:۴۳-۴۲-۴۳)۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے میری راہ نمائی صراطِ مستقیم کی طرف کر دی ہے۔ (۶:۱۶۲)۔ اب میں تمہیں اس راستے پر چلنے کی دعوت علیٰ وجہ البصیرت دیتا ہوں (۱۲:۱۰۸) اور

خود بھی اس کا اتباع کرتا ہوں (۲۰۳ : ۷)۔ اور یہ جو تمہیں کہتا رہتا ہوں کہ تمہاری فلاں روش کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا، تو اس کا علم بھی مجھے اسی قرآن کے ذریعے ہوتا ہے۔ (۴۵ : ۲۱) ۔ اس سے زیادہ میرا کوئی اور منصب نہیں ہے (۶۵ : ۳۸) ۔ میں نذیر ہوں ۔ (۸۹ : ۱۵) ۔ (۹۲ : ۲۷) ۔ (۱۳ : ۴۱)

۷۔ میں جب سیدھے راستے پر ہوتا ہوں تو وہ اس وحی کی بدولت ہوتا ہے ۔ اور اگر مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے ۔ تو اس کا ذمہ دار میں خود ہوتا ہوں ۔ وحی نہیں ہوتی ۔ (۵۰ : ۳۴)

۸۔ میں تم سے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کہنا چاہتا ۔ صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں ۔ اسے ذرا رک کر، خدا کے لئے کھڑے ہو کر سن لو۔ وہ بات یہ ہے کہ تم سوچا کرو ۔ غور و فکر کیا کرو ۔ یونہی کسی بات کے پیچھے نہ لگ جایا کرو ۔ (۴۶ : ۳۴)

۹۔ میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں اس کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ۔ (۹۱ : ۶) ۔ (۸۶ : ۳۸) ۔ مجھے اس کا معاوضہ میرا خدا دے گا ۔ (۴۷ : ۳۴) ۔ تم میں سے جو شخص غلط راستہ چھوڑ کر، خدا کی طرف جانے والی راہ اختیار کر لیگا ۔ تو یہی میری محنت کا معاوضہ ہو جائے گا ۔ (۵۷ : ۲۵) ۔ خدا کی طرف جانے والی راہ اختیار کرنے کا پہلا قدم یہ ہوگا کہ تم جو اس وقت یوں باہمی خونریزیوں اور فساد انگیزیوں میں الجھے رہتے ہو، اسے چھوڑ کر قرابت داری کے حقوق کی نگہداشت کرنے لگ جاؤ ۔ یہ میری محنت کا معاوضہ ہو جائے گا ۔ (۲۳ : ۴۲) یعنی وہ معاوضہ جس کا نفع خود تمہاری اپنی ذات کو پہنچے گا ۔ (۴۷ : ۳۴)

۱۰۔ میری دعوت کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اطاعت و محکومیت صرف خدا کی کی جا سکتی ہے ۔ اس کے علاوہ کوئی ہستی ایسی نہیں جس کے اقتدار کے سامنے جھکا جائے ۔ مجھے خدا کی طرف سے اس کا حکم ملا ہے اور اسی حکم کی اطاعت میں کرتا ہوں (۱۵ - ۱۱ : ۳۹) مجھے اس سے روک دیا گیا ہے کہ میں اس کے علاوہ کسی اور کے قوانین و احکام کی اطاعت کروں ۔ (۵۶ : ۶) ۔ یہی نہیں کہ خدا کو چھوڑ کر اوروں کی اطاعت نہ کروں ۔ بلکہ یہ بھی کہ اس اطاعت میں کسی اور کی اطاعت کو شریک نہ کروں ۔ (۳۶ : ۱۳) میری طرف جو وحی آتی ہے اس کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ تمہارا الٰہ صرف ایک (خدا) ہے ۔ (۱۰۸ : ۲۱) ۔ یہی میری دعوت ہے ۔ (۲۰ : ۷۲)

۱۱۔ میری دعوت تو یہ ہے ۔ اور تم چاہتے ہو کہ میں خدا کو چھوڑ کر اوروں کی اطاعت اختیار کر لوں ۔ (۶۵ - ۱۶۴ : ۶) انسان کسی کے سامنے جھکتا ہے تو اس لئے کہ وہ اسے کوئی نفع پہنچائے یا کسی مضرت سے اسے بچالے ۔ لیکن اس کا اختیار تو خدا کے علاوہ کسی اور کو نہیں تو پھر غیر اللہ کے سامنے جھکا کیوں جائے ۔ (۷۱ : ۶) ۔ (۳۸ : ۳۹) ۔ پھر وہ خدا (خدائے حقیقی) تو مجھ سے کچھ مانگتا بھی نہیں ۔ (۱۴ : ۶)

لہٰذا سوچو کہ اس قسم کے خدا کی اطاعت چھوڑ کر، ایسے باطل خداؤں کو معبود بنا لینا، اگر جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ (۳۹:۶۴)

سن رکھو کہ میں نے اپنی زندگی اس مشن کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ (۶:۱۶۲-۶۴)

۱۲۔ تم بھی اگر شرفِ انسانیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو جس روش پر میں چل رہا ہوں، اسی پر چلتے جاؤ (۳:۳۰)۔ اگر تم نے اس راہ کے بجائے اور راستے اختیار کر لئے تو وہ راستے تمہیں خدا کی طرف نہیں لے جائیں گے۔ (۶:۱۵۴)

۱۳۔ (میں نے صحیح بات تم تک پہنچا دی ہے۔ اب یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم اسے تسلیم کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔ میں تمہیں مجبور کر کے تم سے کچھ منوانا نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ) میں تم پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا۔ (۶:۶۶)۔ میں جو کچھ بھی تم سے کہتا ہوں، دلیل و برہان کی رُو سے کہتا ہوں۔ (۶:۵۷)۔ اگر تم اس سے اختلاف رکھتے ہو، تو میرا مطالبہ یہ ہے کہ تم بھی اپنے دعوے کی تائید اور ثبوت میں، میری طرح دلیل پیش کرو۔ (۲:۱۱۱)۔(۲۱:۲۴)۔(۲۷:۶۴)۔ اور یہ بات میں تم سے ابھی کہے دیتا ہوں کہ تم دلائلِ خداوندی کے رد میں کوئی معقول دلیل پیش نہیں کر سکو گے۔ اس لئے کہ فیصلہ کن حقیقت تک پہنچانے والی دلیل صرف خدا کی طرف سے مل سکتی ہے (۶:۵۰)۔ اسی کو علم کہا جائے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم رکھنے والا اور بے علم کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ (۳۹:۹) جس طرح اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے۔ (۶:۵۰)۔ نہ ہی تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے۔ (۱۳:۱۶)

۱۴۔ لیکن اگر تم اس طرح دلائل و براہین کی رو سے بات نہیں کرنا چاہتے، تو دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے پروگرام پر عمل کرتے رہو اور مجھے میرے پروگرام پر عمل کرنے دو۔ اور اتنا انتظار کرو کہ ان اعمال کا نتیجہ سامنے آجائے۔ یہ نتیجہ خود بتا دے گا کہ کس کا دعوے سچا ہے اور کس کا جھوٹا۔ کس کی راہ کامیابی کی طرف لے جاتی ہے، اور کس کی، تباہیوں کی طرف۔ (۶:۱۳۶)۔(۱۱:۱۲۱-۲۲)۔(۳۹:۳۹)۔ تم بھی انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کروں گا۔ (۶:۱۵۹)۔ (۱۰:۲۰)۔(۲۰:۱۳۵)۔(۵۲:۳۱)۔ اعمال کے نتائج ایسی کسوٹی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ (۴۱:۱۰)

۱۵۔ لیکن اگر تم نہ وہ کرنا چاہتے ہو نہ یہ، اور صرف دھاندلی سے اپنی بات منوانا چاہتے ہو، اور محض قوت کے بل بوتے پر میری دعوت کو کچل دینے کا تہیہ کئے ہو تو تم یہ بھی کر دیکھو۔ میں تمہاری دھمکیوں سے ڈر کر حق بات کہنے سے باز نہیں آ سکتا۔ تم خود بھی آجاؤ اور اپنے ساتھ اپنے شرکاء کو بھی بلا لو۔ اور جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر دیکھو۔ (۷:۱۹۵) پھر دیکھو کہ تمہارے یہ معبودانِ باطل تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں؟ (۱۷:۵۶)۔(۳۴:۲۲)۔ تمہارے اور میرے درمیان فیصلہ، خدا

کی طرف سے ہوگا۔ (۲۶ : ۳۴) میرے لئے اسکی شہادت کافی ہے۔ (۱۹ : ۶) — (۴۳ : ۱۳) — (۹۶ : ۱۷) — (۲۹ : ۵۲)

۱۶۔ (تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ میری صداقت کا ثبوت کیا ہے؟ ذرا سوچو کہ) میں نے دعوئے نبوت سے پہلے، اپنی ساری عمر تم لوگوں میں بسر کی ہے۔ کیا تم اس سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ایسی زندگی سچوں کی ہوتی ہے یا جھوٹوں کی۔ (۱۰ : ۱۶)

۴۔ الساعۃ کے متعلق

۱۔ میں یہ حتمی دعوٰے اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے خدا کے مکافاتِ عمل کے قانون پر یقین کامل ہے۔ اعمال کے نتائج اس دنیا میں بھی برآمد ہو جاتے ہیں اور اخروی زندگی میں بھی۔ جو نتائج اس دنیا میں برآمد ہوں گے، انہیں تم عنقریب دیکھ لو گے۔ اس کا وقت میں متعین نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عمل اور اس کے نتیجہ کا وقفہ خدا کے قانون کے مطابق متعین ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ گھڑی (الساعۃ) آکر ضرور رہے گی۔ (۵۰ : ۱۰) — (۳ : ۳۴)

۲۔ جب الساعۃ آئے گی تو پھر اس میں ایک لمحہ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ (۵۰ - ۴۹ : ۱۰) — (۳۰ - ۲۹ : ۳۴)۔ حیرت ہے کہ تم اس کے لئے جلدی مچاتے ہو۔ حالانکہ وہ (فیصلے کا دن) تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ (۲۹-۲۸ : ۳۲)

۳۔ الساعۃ کب آئے گی، اس کا علم خدا کو ہے۔ (۱۸۷ : ۷)۔ ہو سکتا ہے کہ وہ قریب ہی ہو (۵۱ : ۱۷) — (۱۰۹ : ۲۱) — (۷۲ - ۷۱ : ۲۷) — (۶۳ : ۳۳) — (۲۷ : ۲۶) — (۲۵ : ۷۲)

۴۔ اگر الساعۃ کا لانا میرے بس میں ہوتا تو معاملہ کبھی کا طے ہو چکا ہوتا۔ (۵۸ : ۶)

۵۔ الساعۃ سے انکار کرنے والوں کو دھوکا اس لئے لگ جاتا ہے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق عمل اور اس کے نتائج کے برآمد ہونے میں ایک مہلت کا وقفہ ہوتا ہے جس کے گزرنے کے بعد تباہی آتی ہے۔ اس عرصہ میں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ تباہی آنی ہوتی تو آنہ جاتی۔ (۷۵ : ۱۹)

۶۔ وہ ایک عظیم حادثہ ہے اور تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔ (۶۷ : ۳۸)

۷۔ میرا خدا اس پر شاہد ہے کہ تمہاری بعثت ہو کر رہے گی۔ (۷ : ۶۴)

۸۔ اس مہلت کے عرصہ میں تم سامانِ زیست سے فائدہ اٹھا لو۔ اس کے بعد تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ (۳۰ : ۱۴) — (۸ : ۳۹)۔ حق اب آچکا ہے۔ اس کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ (۸۱ : ۱۷)۔ میرا خدا، کامیابی کے

راستے کی طرف میری راہ نمائی کرے گا۔ (۲۴ : ۱۸)

۹۔ (تم میرے مشن کی مخالفت کے لیے مختلف تدبیریں کرتے ہو۔ تم ایسا کرتے رہو۔ لیکن یاد رکھو کہ) خدا کی تدبیر بڑی تیز رفتار ہوتی ہے۔ (۲۱ : ۱۰)

۱۰۔ اے میرے نشوونما دینے والے! جس بات کے متعلق ان سے کیا جا رہا ہے کہ وہ واقع ہو کر رہے گی، اگر وہ میری زندگی ہی میں واقعہ ہو جائے (تو خوب ہو)۔ اس سے یہ لوگ دیکھ لیں گے کہ میں ظالمین میں سے نہیں تھا۔ (حق و صداقت پر تھا) (۲۳ : ۹۳ - ۹۴)

۱۱۔ خدا ہر قسم کی تباہی لانے پر قادر ہے۔ (۷۵ : ۷) - وہ تمہارے ان سرداروں کو جو پہاڑوں کی طرح ڈٹے کھڑے ہیں، نیست و نابود کر دے گا۔ (۱۰۵ : ۲۰)

۵۔ قانونِ مکافاتِ عمل

۱۔ (اے مخالفین! تم اسے من رکھو کہ) نہ تم سے پوچھا جائے گا کہ ہم کیا کرتے تھے۔ نہ ہم سے سوال ہوگا کہ تم کیا کرتے تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور اس کو ان کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ (۴۱ : ۱۰) - (۲۶ : ۲۱۶) — (۲۵ : ۳۴)

۲۔ (بفرضِ محال) اگر خدا مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے۔ یا ہم پر اپنی رحمت کرے۔ تو اس سے تم پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اور اس سے تم بچ نہیں سکتے۔ (۲۸ : ۶۷) - تم خواہ مخواہ جھگڑے نکالتے ہو۔ یہاں تو فیصلہ اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔ (۶۸ : ۲۲)

۳۔ (تم کہتے ہو کہ میں اپنی طرف سے باتیں بناتا ہوں اور انہیں خدا کی طرف منسوب کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں تم خدا کے اس قانون کو ہمیشہ یاد رکھو کہ) افترا کرنے والے کو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا میرے پروگرام کا انجام خود بتا دے گا کہ میں افترا کرتا تھا۔ یا سچ کہتا تھا۔ (۶۹ : ۱۰) — (۳۵ : ۱۱)

۴۔ (یاد رکھو!) تباہ وہی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے۔ (۱۵ : ۳۹)

۵۔ خدا انسانوں پر اپنی رحمت کا سایہ رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن جو لوگ جرائم پر اتر آئیں تو انہیں ان کے جرائم کی سزا ضرور ملے گی۔ (اور حقیقت یہ ہے کہ مجرمین کو ان کی زیادتیوں کی سزا ملنا امن پسند انسانوں کے لیے موجبِ رحمت ہے)۔ (۶ : ۱۴۸)

۶۔ حیات بعد الممات کے دلائل

۱۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم موت کے بعد یقیناً اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے۔ اور تم (بلا سوچے سمجھے) کہہ دیتے ہو کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ (۱۱ : ۷) ۔ تمہارا اعتراض یہ ہے کہ مرنے کے بعد جب انسانی جسم گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے یا ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد اس کا زندہ ہونا کیسے ممکن ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تو ایک طرف، اگر یہ پتھر یا لوہا بھی بن جائے، جس میں زندگی کا کوئی امکان نہیں ہوتا، تو بھی تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ (۱۷ : ۴۹-۵۰)

۲۔ تم پوچھتے ہو کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ کون زندہ کرے گا۔ میرا جواب یہ ہے کہ انہیں وہی خدا زندہ کرے گا۔ جس نے انہیں پہلی مرتبہ زندگی عطا کی تھی۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی مخلوق میں کس کس قسم کی صلاحیت ہے۔ (۳۶ : ۷۸-۷۹)

۳۔ تم کہتے ہو کہ کیا ہمارے آباء و اجداد جنہیں مرے ہوئے اتنا عرصہ گذر گیا ہے، وہ بھی دوبارہ زندہ ہوں گے؟ میرا جواب یہ ہے کہ تم بھی اور وہ بھی، سب زندہ ہوں گے۔ (۳۷ : ۱۶-۱۸) — (۵۶ : ۴۷-۵۰)

۴۔ یاد رکھو! موت اور زندگی، سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (۴۵ : ۲۶)۔ تمہیں ملک الموت وفات دیتا ہے۔ (۳۲ : ۱۰-۱۱)

۷۔ اہل کتاب سے تخاطب

۱۔ اے یہودیو! تم کہتے ہو کہ تمہیں، چند دنوں کے سوا، جہنم کا عذاب نہیں ہوگا۔ (میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ) کیا تم نے اس کی بابت خدا سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر تو تمہارا ایسا کہنا درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں جاتا۔ (لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا نے تم سے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا) سو تم کیوں خدا کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ (۲ : ۸۰)

۲۔ تم کہتے ہو کہ جنت تمہارے لیے مخصوص ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم مرنے کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔ یہی تمہاری صداقت کا ثبوت ہوگا۔ (۲ : ۹۴) — (۶۲ : ۶)

۳۔ اے یہود اور اے نصاریٰ! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم خدا کی چہیتی اولاد ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بتاؤ کہ پھر تمہارے جرائم کے بدلے میں تم پر خدا کا عذاب کیوں آتا رہا ہے۔ (کوئی اپنی چہیتی اولاد کو بھی عذاب میں مبتلا کیا کرتا ہے؟) (۵ : ۱۸)

۴۔ تم کہتے ہو کہ نجات اسے ہی مل سکتی ہے جو یہودی ہو یا نصرانی - (یہ غلط ہے اور تمہاری گروہ بندیوں کے تعصب کا نتیجہ)۔ خدا کی طرف سے عطا شدہ صحیح دین، ملتِ ابراہیمیؑ تھا - جس میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا - اسے اچھی طرح سن رکھو کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور ان کتبِ سابقہ پر بھی جو آلِ ابراہیمؑ پر نازل ہوئی تھیں ۔ اسماعیلؑ - اسحاقؑ - یعقوبؑ اور ان کے خاندان پر - نیز جو موسیٰؑ ، عیسیٰؑ اور دیگر انبیاءؑ کو ملی تھیں - ہم ان میں سے کسی میں کوئی تفریق نہیں کرتے ، اس طرح ہم خدا کے دین کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہیں - (۲:۱۳۵-۱۳۶)۔ سو تم بھی اسی طرح ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو - (۳:۹۴)

۵۔ اے بنی اسرائیل ! تم جو حلال حرام کی لمبی چوڑی فہرستیں پیش کر کے کہتے ہو کہ یہ خدائی احکام ہیں - تم اپنے دعوے کی تائید میں تورات پیش کرو - اور دکھاؤ کہ اس میں یہ کچھ کہاں لکھا ہے - یاد رکھو ! یہ خدا پر افتراء ہے اور ظالمین کا شیوہ - (۳: ۹۲-۹۳)

۶۔ اے اہلِ کتاب ! تم قوانینِ خداوندی کا انکار کیوں کرتے ہو - تم خود بھی خدا کی راہ پر نہیں چلتے اور جو لوگ اس راہ پر چلنا چاہتے ہیں ان کا بھی راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہو - اور اس راہ میں پیچ و خم پیدا کرنا چاہتے ہو - جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خدا غافل نہیں - (۳: ۹۷-۹۸)

۷۔ اے یہودیو ! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اپنے انبیاء کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اس لئے قرآن پر ایمان نہیں لا سکتے - میں تم سے پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ اگر تم اپنے انبیاء کی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے تو) تم ان کے درپئے آزار کیوں رہتے تھے اور انہیں قتل کیوں کر دیا کرتے تھے ؟ (۲:۹۱) - (۳: ۱۸۲)

۸۔ اے نصاریٰ ! تم نے (حضرت) مسیحؑ کو خدا بنا لیا ہے - مجھے بتاؤ کہ اگر خدا ، مسیحؑ اور ان کی والدہ — بلکہ جو کوئی زمین پر ہے ، ان سب کو ہلاک کر دینا چاہتا تو اسے کون روک سکتا تھا - کیا تم نہیں دیکھتے کہ کائنات میں تمام اقتدار اور اختیار اسی کو حاصل ہے - (۵:۱۷)

۹۔ اس کتاب کو جبریل ، ارشادِ خداوندی کے مطابق میرے قلب پر نازل کرتا ہے - لہٰذا اس کی مخالفت ، خود جبریل کی مخالفت ہے (خدا کی مخالفت ہے) اور یہ کفر ہے - (۲: ۹۷)

۱۰۔ تم کہتے ہو کہ کسی انسان کی طرف خدا کی وحی کس طرح آ سکتی ہے ؟ تم یہ بتاؤ کہ جو کتاب موسیٰؑ نے پیش کی تھی وہ کس کی طرف سے نازل ہوئی تھی ؟ اسے خدا ہی نے نازل کیا تھا اور ایک انسان کی طرف نازل کیا تھا ؟ (پھر اس کتاب کے خلاف یہ اعتراض کیا معنی رکھتا ہے کہ یہ ایک انسان کی طرف کیسے نازل ہو گئی !) (۶: ۹۲)

۱۱- اے اہلِ کتاب! تم نے جو ہماری مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے تو ہمارے کس جرم کی پاداش میں؟ اس جرم - بدلے کہ ہم خدا پر کیوں ایمان لاتے ہیں۔ ہم اس کی وحی کو کیوں تسلیم کرتے ہیں، درآنحالیکہ تم میں سے اکثر نے صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راہیں اختیار کر چکے ہو۔ آؤ! میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ تباہ کن بات ہے؟ اور وہ ہے خدا کے ہاں سے، قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق، عذاب۔ (۶۰-۵۹ : ۵)

۱۲- اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین کے معاملہ میں غلو مت کرو۔ (۷۷ : ۵)

۱۳- اے اہلِ کتاب! تم باقی امور کو چھوڑو اور آؤ اس بات کی طرف جو تم میں اور ہم میں مشترک ہے۔ یعنی یہ کہ تم تو خداوندی کے علاوہ کسی اور کی عبودیت اختیار نہیں کرو گے۔ تم اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرو گے۔ تم خدا کو چھوڑ کر، غیر خداوندی قوتوں کو صاحبِ اقتدار نہیں مانو گے۔ (۶۳ : ۳)

۱۴- اگر یہ لوگ اس کے باوجود ناحق جھگڑے پیدا کرتے جائیں، تو ان سے کہہ دو کہ جھگڑے کی بات کوئی نہیں۔ ہم خدا کی اطاعت اختیار کر رکھی ہے۔ بتاؤ کہ تم بھی ایسا کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔ اگر ایسا چاہتے ہو تو تم ہمارے ساتھ راہِ راست پر رہو گے۔ اگر نہیں چاہتے تو اس کا خمیازہ خود بھگتو گے۔ میں نے تم تک خدا کی بات پہنچا دی ہے (۱۹ : ۳)۔ اگر تم اس پر بھی نہیں مانتے تو پھر تم اپنی راہ لو۔ ہم اپنی راہ اختیار کرتے ہیں۔ (۱۰

۸- کفار و مشرکین سے خطاب

۱- تم بتاؤ کہ تمہاری روش کے جو تباہ کن نتائج ہیں وہ اچھے ہیں یا جنت کی زندگی؟ (۱۵ : ۲۵)

۲- تم میری مخالفت میں دن رات لگے رہتے ہو۔ تم اگر مجھے کچھ تکلیف پہنچانے میں کامیاب بھی ہو جاؤ تو بھی وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہو گی جو تمہیں پہنچنے والی ہے۔ یعنی جہنم کا عذاب۔ (۷۲ : ۲۲)۔

۳- میں جو تمہیں صحیح راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتا ہوں تو اس میں کچھ میرا فائدہ نہیں۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تم جی چاہے تو اسے مانو۔ جی چاہے نہ مانو۔ (میرا اس سے نہ کچھ بگڑے گا نہ سنورے گا)۔ (۱۰۷ : ۱۷)

۴- انسان کو بصیرت حاصل ہو تو صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کائنات میں ہزاروں خدا کی نشانیاں بکھری پڑی ہیں۔ (۱۱ غور و فکر سے وہ حقیقت کو پہچان سکتا ہے)۔ (۱۰۱ : ۱۰)۔ دیکھنے والے کے لئے یہی معجزات کیا کم (۳۷ : ۶)۔ جو تم ایمان لانے کے لئے مجھ سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہو۔ (۱۱۰ : ۶)۔ (۵۰ : ۲۹)

۵- تم کہتے ہو کہ تم راہِ راست پر ہو۔ اسے پرکھنے کے لئے ذاتی خیال کچھ کام نہیں دے سکتا۔ اس کے لئے تو خدا

طرف سے آئی ہوئی کسوٹی ہی قولِ فیصل کا حکم رکھ سکتی ہے۔ (۸۵ : ۲۸)

۶۔ تم حق کی مخالفت کرتے ہو۔ ذرا دنیا میں چلو پھرو اور نگہِ بصیرت سے دیکھو کہ اقوامِ سابقہ میں سے جنہوں نے حق کی تکذیب و مخالفت کی تھی ان کا انجام کیا ہوا تھا۔ (۱۱ : ۶) — (۶۹ : ۲۷) — (۲۰ : ۲۹) — (۴۲ : ۳۰)

۷۔ اگر ایسے کھلے ہوئے حقائق کے بعد بھی تم حق کی مخالفت سے باز نہیں آؤ گے تو اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ تم بہت جلد مغلوب ہو جاؤ گے۔ (۳ : ۱۱)۔ یہی کچھ سابقہ امم کے ساتھ ہوا تھا۔ یہی کچھ تمہارے ساتھ ہوگا۔ (۸ : ۳۸) غلط روش کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتا۔ (۴۵ : ۱۴)۔ اس کا قانونِ مکافات کسی کی رو رعایت نہیں کیا کرتا۔ (۷۷ : ۲۵)

۸۔ تم مخالفت اس طرح کرتے ہو گویا میں نے دنیا میں پہلی مرتبہ دعوائے رسالت کیا ہے۔ یاد رکھو۔ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ میری طرح پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں۔ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ اور خود بھی اس کا اتباع کرتا ہوں۔ نتیجہ تم خود دیکھ لو گے۔ (۹ : ۴۶)

۹۔ تم سمجھتے ہو کہ زندگی بس اسی دنیا کی ہے اس لئے جائز و ناجائز ہر طریق سے، دنیاوی متاع کو سمیٹ لو۔ لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ اس سے تم اپنا کس قدر نقصان کرتے ہو۔ تمہیں اپنے اعمال بڑے سہانے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ نتائج کے اعتبار سے وہ بڑے ہی خطرناک ہیں۔ (۱۰۵ - ۱۰۳ : ۱۸)

۱۰۔ ذرا کان کھول کر سن لو کہ میری دعوت اور مسلک کیا ہے۔ میں خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب پر ایمان رکھتا ہوں۔ مجھے خدا کا حکم ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ اسلئے کہ خدا کسی ایک گروہ کا خدا نہیں۔ وہی تمہارا نشوونما دینے والا ہے اور وہی میرا نشوونما دینے والا۔ میرا تم سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں۔ یہاں سب فیصلے خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تمہارے اعمال کے نتائج تمہارے سامنے آجائیں گے، ہمارے اعمال کے ہمارے سامنے۔ (۱۵ : ۴۲)۔ اور اسے بھی سن رکھو کہ میں تمہارے ساتھ کسی مفاہمت کے لئے تیار نہیں۔ جن ہستیوں کی تم عبودیت اختیار کر رہے ہو، میں ان کی عبودیت اختیار نہیں کر سکتا۔ اور تمہاری روش یہ بتا رہی ہے کہ جس خدا کی محکومیت میں نے اختیار کر رکھی ہے، اس کی محکومیت تم اختیار کرنے والے نہیں۔ بات ختم ہو گئی۔ اب اپنی اپنی روش کے نتائج خود سامنے آجائیں گے۔ (۶-۱ : ۱۰۹)

۱۱۔ میں نے تم سے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکا۔ اب تم میں سے جس کا جی چاہے صحیح راستہ اختیار کر لے۔ جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔ (۲۹ : ۱۸)۔ میرا تم پر سلام۔ تم عنقریب دیکھ لو گے کہ میں تم سے کیا کہتا تھا۔ (۸۹ : ۴۳)

۹ - بدوی قبائل (اعراب) سے خطاب

۱۔ میری طرف وحی ہوئی ہے کہ خانہ بدوش قبائل (جنات) کی ایک جماعت قرآن سننے کے لئے آئی تھی۔ (۷۲ : ۱)

۲۔ اے بدوی قبائل کے لوگو! تم ابھی اپنے دعوے ایمان میں کچے ہو۔ تم جنگ کی حالت میں لیت و لعل کرنے لگ جاتے ہو۔ اسلامی لشکر کے ساتھ نہیں جاتے اور پھر باتیں بنانے لگتے ہو۔ یاد رکھو! اگر تم سچے دل سے اطاعت کرو گے تو اس کا انجام بڑا خوشگوار ہوگا۔ اور اگر تم اسی طرح اعراض برتو گے تو اس کا نتیجہ تباہی ہوگا۔ (۴۸ : ۱۵-۱۶)

۳۔ بات یہ ہے کہ تم سمجھ سوچ اور دل و دماغ کے اطمینان کے بعد ایمان نہیں لائے۔ تم نے اسلامی مملکت کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھا اور اس کے سامنے جھک گئے۔ لہٰذا تم یہ نہ کہو کہ تم ایمان لے آئے ہو۔ ابھی ایمان تمہارے دل کے اندر داخل نہیں ہوا۔ ہاں! تم احکامِ خداوندی کی اطاعت کرتے رہو۔ اس سے رفتہ رفتہ تمہارے قلب کی حالت بدل جائے گی۔ اس وقت یہ کہنا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (۴۹ : ۱۴-۱۷)

۱۰۔ منافقین سے خطاب

۱۔ (اے وہ لوگو جو خالصتہً للہ نہیں بلکہ اپنے اور مقاصد کی خاطر اس جماعت میں شامل ہو گئے ہو) کیا تم خدا کے احکام کیساتھ مذاق کرتے ہو؟ کیا تم ان سے کھیل کھیلتے ہو۔ یہ تو زندگی کے اہم حقائق ہیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں نہیں ہیں۔ (۹ : ۶۴-۶۵)

۲۔ تم میرے متعلق کہتے ہو کہ میں کانوں کا کچا ہوں۔ میں کانوں کا کچا نہیں۔ میں ہر ایک کا بہی خواہ ہوں۔ اس لئے میرے لئے ضروری ہے کہ میں ہر ایک کی بات سنوں۔ میرا ایسا ہونا تو خود تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (۹ : ۶۱)

۳۔ اس مشن کی تقویت کے لئے مالی امداد ضروری ہے۔ لیکن یہ امداد انہی لوگوں سے قبول کی جاسکتی ہے۔ جو دل سے اس کے ساتھ متفق ہوں۔ تمہاری امداد کسی طرح بھی قبول نہیں کی جاسکتی۔ (۹ : ۵۳)

۴۔ تم نے میدانِ جنگ میں جاکر بھی طرح طرح کی باتیں کرنی شروع کر دیں تاکہ ان سے بد دلی پھیل جائے۔ کیا اس کو ایمان کہتے ہیں: (۳ : ۱۵۳) - تم نے دوسروں کو بہکانا شروع کر دیا کہ اگر تم جنگ میں نہ آتے تو کیوں ناحق مارے جاتے! وہ تو (بقول تمہارے) ناحق مارے گئے۔ تم اپنے آپ کو ذرا موت سے بچا کر دکھاؤ۔ (۳ : ۱۶۷)۔ تم موت سے بھاگ کر کہاں جاسکتے ہو۔ (۳۳ - ۱۶) - (۸ : ۶۲)

۵۔ تمہاری منافقت کا یہ عالم ہے کہ بظاہر اس جماعت کے ساتھ ہو اور تمہارے دلوں کا یہ عالم ہے کہ اگر اس جماعت کو کامیابی نصیب ہوتی ہے تو تم اس سے جل بھن جاتے ہو۔ اور اگر اس پر کوئی افتاد پڑتی ہے تو اس سے تمہیں بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تم یونہی اپنے حسد اور غصہ کی آگ میں جل کر مرجاؤ گے اور یہ جماعت آگے بڑھتی جائے گی۔ (۱۲۰ - ۱۱۸ : ۳)

۶۔ یاد رکھو! رنج و راحت سب خدا کے قانون کے مطابق ملتے ہیں۔ اس میں تمہاری بددعاؤں کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ (۵۲ - ۵۱ : ۹)

۷۔ تم لوگوں کو بہکاتے ہو اور کہتے ہو کہ گرمی کی اس شدت میں جنگ کے لئے مت جاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جہنم کی آگ کی تپش اس سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ (۸۱ : ۹)

۸۔ اب ہمیں کامیابی نصیب ہوئی ہے تو تم بھی ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے ہو؟ تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔ ہمارا ساتھی وہی ہو سکتا ہے جو رنج و راحت دونوں میں ساتھی ہو۔ (۸۳ : ۹) باقی رہی تمہاری معذرت خواہی۔ سو اس کی حقیقت کا مجھے علم ہے۔ (۹۴ : ۹) - بایں ہمہ، تمہیں ایک موقع دیا جاتا ہے۔ اس میں تم اپنے اعمال سے ثابت کرو کہ اب تم سچے دل سے مومن ہو گئے ہو۔ اگر ایسا ثابت ہو گیا تو پھر تم پہ اعتماد کیا جا سکے گا۔ (۹:۱۰۵)۔ لیکن اگر تم اس کے بعد بھی پھر گئے تو ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ہمارے لئے ہمارا خدا کافی ہے۔ (۱۲۹ : ۹)۔

۹۔ تم قسمیں کھا کھا کر کہتے ہو کہ تم دل سے ہمارے ساتھ ہو۔ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ احکام کی اطاعت خود بخود بتا دے گی کہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو یا نہیں۔ (۵۳ : ۲۴)

۱۰۔ تمہاری نگاہ صرف دنیاوی مفاد پہ رہتی ہے۔ زندگی کے بلند مقاصد پہ نہیں رہتی۔ حالانکہ ان مقاصد کے مقابلہ میں یہ مفاد کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ (۷۷ : ۴)

۱۱۔ نوعِ انسانی سے خطاب

۱۔ اے نوعِ انسان! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔ (۱۵۸ : ۷)

۲ اے عالمگیر انسانیت! تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف حق آگیا۔ جو کوئی اس کی راہ نمائی قبول کرے گا۔ اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو غلط راستے پہ چلے گا، اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ میں تم پہ داروغہ نہیں مقرر کیا گیا۔ (۱۰۸ : ۱۰) میں تو صرف تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری غلط روش کا نتیجہ کیا ہوگا۔ (۴۹ : ۲۲)

۳۔ اگر تم یہ سمجھو کہ میں ان ہستیوں کی محکومیت اختیار کر لوں گا جن کی عبودیت تم اختیار کئے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ (۱۰ : ۱۰۴)

۱۲ - اپنی جماعت (مومنین) سے خطاب

۱۔ (میں رہبانیت سکھانے کے لئے نہیں آیا جو دنیا کی خوشگوار چیزوں کو تم پر حرام قرار دے دوں)، دنیاوی زینت متاع دلکشش ہیں اور اس کشش میں کوئی برائی نہیں۔ اس میں صرف اتنا اضافہ ضروری ہے کہ جب ان میں اور خدا کے عائد کردہ کسی فریضہ میں تصادم ہو جائے، تو اس وقت ترجیح فریضہ خداوندی کو دینی چاہیئے کہ اس کا نتیجہ ان کے مقابلہ میں کہیں بہتر ہے۔ (۳ : ۱۴-۱۳۰)

۲۔ تم میرا اتباع کرو۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ (۳ : ۳۰-۳۱) اس کا نتیجہ دنیا میں حکومت و اقتدار اور آخرت میں سرفرازی ہو گا۔ (۲۴ : ۵۴-۵۵)

۳۔ جو فرائض خدا نے عائد کئے ہیں ان کی ادائیگی کرو۔ تم دیکھو گے کہ اس سے تمہاری دنیاوی زندگی کس قدر حسین ہو جاتی ہے۔ (۳۹ : ۱۰)

۴۔ یاد رکھو! خبیث و طیب کبھی برابر نہیں ہو سکتے، خواہ خبیث کی کثرت انسان کو کتنا ہی فریب کیوں نہ دے۔ لہٰذا تم ہمیشہ طیب کی راہ اختیار کرو۔ یہی راہ عقل و دانش کا تقاضا ہے۔ (۵ : ۱۰۰)

۵۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسان تفریحات اور کاروباری معروفیات میں الجھا رہتا ہے۔ لیکن جب خدا کا بلاوا (نظامِ خداوندی کی طرف کے آواز) آئے تو یہ سب کچھ چھوڑ کر، اس کی طرف لپک کر چلے آیا کرو۔ اس روش کا مآل بڑا خوشگوار ہو گا۔ (۶۲ : ۱۱)

۶۔ اگر کبھی بھول چوک سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے افسردہ خاطر نہ ہو جایا کرو۔ اس کی اصلاح کی فکر کرو۔ اس سے اس نقصان کی بھی تلافی ہو جائے گی جو اس لغزش سے واقع ہو گیا تھا اور مزید سامانِ رحمت بھی عطا ہو گا۔ (۶ : ۵۴)

۷۔ (جنگِ تبوک کے سلسلہ میں) تم جہاد کا جذبہ اپنے دل میں لے کر آئے ہو لیکن ناداری تمہاری راہ میں حائل ہو رہی ہے تمہارے پاس سواری نہیں اور اس سے تم بڑے افسردہ خاطر ہو کہ جہاد میں شرکت سے محروم رہ جاؤ گے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ خود میرے پاس بھی اتنی استطاعت نہیں کہ تمہارے لئے سواری کا انتظام کر سکوں۔ مجھے تمہاری نم آلود آنکھوں

کا بڑی شدت سے احساس ہے۔ لیکن مجبوری کا کیا علاج۔ (۹۲ : ۹)

۸۔ یاد رکھو! مومن کی زندگی جہادِ مسلسل کی زندگی ہے۔ اگر تمہیں دنیا کی کوئی چیز جہاد سے زیادہ عزیز ہوگئی تو تم مومن نہ رہے۔ پھر جو حشر اور قوموں کا ہوتا ہے وہی تمہارا ہوگا۔ اس بنیادی حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو۔ (۲۴ : ۹)

۱۳۔ حرام و حلال کے متعلق

۱۔ خدا نے رزقِ حلال پیدا کیا تھا اور لوگوں نے اپنی توہم پرستیوں کی وجہ سے اس میں سے خواہ مخواہ بے شمار چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا۔ (۱۴۵-۱۴۴-۱۴۱ : ۶)

۲۔ اے وہ لوگو! جو خدا کے عطا کردہ رزق کو حرام قرار دیتے ہو۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس بارے میں تمہارے پاس خدا کی طرف سے نازل کردہ کوئی سند ہے؟ (۵۹ : ۱۰)۔ میں اس باب میں خدا کی شہادت چاہتا ہوں۔ (۱۵۱: ۶)

۳۔ یاد رکھو! خدا نے تم پر تمام خوشگوار (طیبّٰت) چیزوں کو حلال قرار دیا ہے۔ (۴ : ۵) اور جنہیں اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کا ذکر اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں: مردار۔ بہتا ہوا لہو۔ لحم خنزیر۔ اور ہر وہ شے جسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ ان کے علاوہ اور کوئی شے نہیں جسے خدا نے حرام قرار دیا ہو۔ (۱۴۶ : ۶)۔ میں تو اس کی کتاب میں ان کے علاوہ کسی اور چیز کو حرام نہیں پاتا۔ نہ ہی خدا کے سوا کسی کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دے۔ حتیٰ کہ خود مجھے بھی نہیں۔ (۱ : ۶۶)۔

۴۔ (یہ لوگ جو بیٹھے بیٹھے یونہی حرام و حلال کی فہرستیں مرتب کرنے لگ جاتے ہیں۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ) مجھے بتاؤ کہ وہ کون ہے جو ان چیزوں کو جنہیں خدا نے وجۂ زینت اور خوشگوار بنایا ہے، حرام قرار دے دے۔ (۳۲ : ۷)۔ یاد رکھو! میری بعثت اس لئے ہوئی ہے کہ نوعِ انسان جن خود ساختہ زنجیروں میں جکڑی چلی آ رہی ہے اور جن بوجھوں کے نیچے دبی ہوئی ہے، ان زنجیروں کو توڑ دوں اور ان بوجھل سلوں کو اتار پھینکوں۔ نہ کہ اسے اور زنجیریں پہنا دوں۔ (۱۵۷ : ۷)

۱۴۔ دیگر احکام

۱۔ خمر و میسرہ میں فوائد کم ہیں اور نقصان زیادہ۔ ان سے مجتنب رہنا ضروری ہے۔ (۲۱۹ : ۲)

۲۔ تمہاری ضروریات سے زائد جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب، نوعِ انسان کی بہبود کی خاطر کھلا رہنا چاہیے۔ (۲۱۹ : ۲)

۳۔ یتیموں کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ (۲۲۰ : ۲)

۴۔ ایسی عورتوں کے متعلق احکام جو بیوہ ہو چکی ہوں یا جنہیں شوہر نہ ملا ہو۔ (۱۳۰ - ۱۲۷ : ۴)

۵۔ کلالہ کے متعلق احکام۔ (۱۷۶ : ۴)

۶۔ ہمیشہ عدل کرو۔ اور قوانینِ خداوندی کی اطاعت خلوص سے کرو۔ (۲۹ : ۷)

۷۔ انفال، خدا اور رسول کے لئے ہیں۔ (۱ : ۸)

۸۔ خدا فحش کا حکم نہیں دیتا۔ (۲۸ : ۷)

۹۔ خدا نے جن چیزوں کو تم پر واجب قرار دیا ہے۔ ان کا ذکر (۱۵۳ - ۱۵۲ : ۶) میں ہے۔ یہی میری راہ ہے۔ اس کا تم اتباع کرو۔ (۱۵۴ : ۶)۔ اور جن سے روکا ہے وہ (۳۳ : ۷) میں مذکور ہیں۔

۱۰۔ تم نظامِ صلوٰۃ قائم کرو اور سراً و علانیہ انفاق کرو۔ (۳۱ : ۱۴)

۱۱۔ ہمیشہ اچھی بات کرو۔ یاد رکھو! شیطان تم میں باہمی نزاع اور فساد ڈلوانا چاہتا ہے۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس کے حربوں سے بچتے رہو (۵۳ : ۱۷)

۱۲۔ شہر الحرام میں قتال جرم ہے۔ (۲۱۷ : ۲)

۱۳۔ اپنی نگاہوں کو کبھی بے باک نہ ہونے دو۔ بری نظروں سے کسی کی طرف نہ دیکھو۔ نہ مرد، عورتوں کی طرف۔ نہ عورتیں مردوں کی طرف۔ (۳۱ - ۳۰ : ۲۴)

۱۴۔ اے وہ لوگو! جو جنگ میں قید ہو کر ہمارے پاس آئے ہو۔ ہم تمہیں فدیہ لے کر چھوڑ رہے ہیں۔ اگر اس کے بعد تمہاری روش اچھی رہی تو تم ہمارے ہاں اس سے بہت کچھ بہتر پاؤ گے جو ہم نے تم سے لیا ہے۔ (۷۰ : ۸)

۱۵۔ انفاق کی ابتدا اپنے قریبیوں سے کرو (اور اس طرح اس سلسلہ کو وسیع تر کرتے جاؤ)۔ (۲۱۵ : ۲)

۱۶۔ حیض کے متعلق احکام۔ (۲۲۲ : ۲)

۱۷۔ چاند تو محض مہینوں کے حساب و شمار کے لئے ہے۔ اس سے توہمات وابستہ کرنا بیہودہ بات ہے۔ (۱۸۹ : ۲)

۱۸۔ اے میری بیویو! ایک بات اچھی طرح سے سن لو۔ (تم میری رفیقۂ حیات ہو، اس لئے تمہیں میرے مشن کی کامیابی کے لئے میری رفاقت کرنی ہوگی۔ اور اس کے لئے ویسی ہی زندگی گذارنی ہوگی جیسی میں گزار رہا ہوں۔ لیکن) اگر تم اس پر رضامند نہیں اور دنیاوی ساز و سامان اور زیب و زینت چاہتی ہو تو میں تمہیں نہایت حسن کارانہ انداز سے الگ کر دینے کے لئے تیار ہوں۔ اور اگر تم بطیبِ خاطر موجودہ انداز کی زندگی بسر کرنے پر راضی ہو، تو تمہارے

اس کا اجر بہت بڑا ہوگا۔ اب تم اپنے لئے خود فیصلہ کرلو۔ (۲۹ - ۲۸ : ۳۳)

۱۵۔ متفرقات

۱۔ اصحابِ کہف کتنی مدت تک غار میں رہے، اس کی بابت خدا ہی جانتا ہے۔ (۲۶ : ۱۸)۔ ان کی تعداد کے متعلق بھی وہی جانتا ہے۔ (۲۲ : ۱۸)

۲۔ میں تمہیں ذوالقرنین کی بات سناتا ہوں۔ (۸۳ : ۱۸)

۳۔ ہر ایک اپنی شاکلت کے مطابق کام کرتا ہے۔ (۸۴ : ۱۷)

۱۶۔ حضورؐ کی دعائیں

۱۔ اے میرے نشوونما دینے والے! مجھے جہاں داخل کر، صدق سے داخل کر۔ اور جہاں سے نکال، صدق سے نکال۔ (۸۰ : ۱۷)

۲۔ اے میرے نشوونما دینے والے! میرا علم بڑھائے چلا جا۔ (۱۱۴ : ۲۰)

۳۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۔ (۱۱۸ : ۲۳)

۱۷۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

۱۔ حمد، اللہ کے لئے۔ اور اس کے منتخب افراد کے لئے سلام۔ (۵۹ : ۲۷)

۲۔ الحمد للہ کہ انہوں نے کوئی بات تو ٹھیک کہی۔ (۶۳ : ۲۹) — (۲۵ : ۳۱)

۳۔ خدا کی اولاد نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ حمد تمام اس کے لئے ہے۔ (۱۱۱ : ۱۷)

۴۔ خدا اپنی نشانیاں تمہیں دکھائیگا اور اس طرح ابھار اور نکھار کر دکھائے گا کہ تم انہیں پہچان لوگے۔ وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ حمد سب اسی کے لئے ہے۔ (۹۳ : ۲۷)

۱۸۔ بارگاہِ خداوندی میں حضورؐ کی فریاد

۱۔ اے میرے نشوونما دینے والے! حقیقت یہ ہے کہ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا (اور غیر از قرآن باتوں کو اپنے لئے دین بنا لیا تھا۔ سو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو گئی اور اس کے بعد تیرے حضور بھی مجرمین کی صف میں کھڑی ہے) (۳۰ : ۲۵)

۵۔ حسن و جمال

حسن۔ اشیائے کائنات کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو افادی ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے لئے طبیعی فوائد۔ یہ پہلو، انسانوں اور حیوانوں، سب کے لئے یکساں ہے۔ لیکن "انسان محض روٹی سے زندہ نہیں رہتا"۔ اسے ذوقِ جمالیات بھی عطا کیا گیا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اسے (مثلاً) کھانے کو ملے تو جہاں وہ چیزیں اس کے لئے طبیعی طور پر مفید ہوں۔ اس کے جسم کی نشو و نما کا ذریعہ بنیں۔ وہاں وہ خوشنما منظر بھی ہوں۔ خوش ذائقہ بھی ہوں۔ ان کی خوشبو بھی اچھی ہو۔ اشیائے کائنات کا یہ پہلو جمالیاتی کہلاتا ہے اسے حسن، آرٹ۔ زینت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسان کو ذوقِ جمالیات عطا کرنا، اور اشیائے کائنات میں اس ذوق کی تسکین کا سامان رکھ دینا، اس سے خالقِ کائنات کا منشا واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی اشیائے کائنات کا جمالیاتی پہلو عبث و بیکار یا ثرخباثت نہیں۔ انسانی صلاحیتوں کی نشو و نما میں اس کا بھی حصہ ہے اور اس سے بہرہ یاب ہونا انسان کے لئے ضروری ہے بس اتنی احتیاط کی ضرورت ہے کہ جس طرح اشیاء کے افادی پہلو سے متمتع ہونے کے لئے ایک حد کے اندر رہنا چاہیئے اسی طرح ان کے جمالیاتی پہلو سے لذت گیر ہونے کے لئے بھی حدود کے اندر رہنا چاہیئے۔ یہ حدود خدا کی مقرر کردہ (قرآن کریم کے اندر ہیں۔

کائنات میں حسن کا پہلو

۱۔ مویشیوں میں تمہارے لئے افادی پہلو بھی ہے۔ ان پر سواری کرنا۔ باربرداری کا کام لینا۔ دودھ پینا۔ گوشت کھانا۔ چمڑے، اون اور بالوں کا استعمال کرنا۔ اور ان کے علاوہ ان میں جمالیاتی پہلو بھی ہے۔ جنکہ صبح و شام ان کے چراگاہوں کی طرف جانے اور واپس آنے کے مناظر بھی بڑے دلکش ہوتے ہیں۔ (۸-۵ :۱۶)

۲۔ سمندروں سے تازہ گوشت بھی ملتا ہے۔ اور خوبصورت موتی بھی۔ (۱۴ : ۱۶)

۳۔ زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس میں زینت کا پہلو بھی ہے۔ (۲۴ : ۱۰) — (۷ : ۱۸) — (۵ : ۲۲) — (۷ : ۵۰)

۴۔ ہر شے کو ٹھیک ٹھیک تناسب کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ (۸۸ : ۲۷) — (۷ : ۳۲) ۔ خود انسانی ساخت میں اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (۶۴ : ۴۰) — (۳ : ۶۴) — (۷ : ۸۲) — (۲ : ۸۷) — (۴ : ۹۵)

۵۔ ہر شے کو حسین بنایا گیا ہے۔ (۷ : ۳۲)

۶۔ کائنات میں کسی جگہ بھی تم عدم تناسب ۔ جھول ۔ ڈھیل ۔ شکن ۔ سلوٹ نہیں دیکھو گے ۔ (۶۷ : ۳)

۷ - آسمانوں کو ستاروں سے مزیّن بنایا ۔ (۱۵ : ۱۶) – (۳۷ : ۶) – (۴۱ : ۱۲) – (۵۰ : ۶) – (۶۷ : ۵) ۔

۸۔ خدا احسن الخالقین ہے ۔ (۲۳ : ۱۴) – (۳۷ : ۱۲۵) ۔ اس نے انسان کو تقویم احسن میں پیدا کیا ہے ۔ (۹۵ : ۴) ۔ جنین کو احسن صورت عطا کی ۔ (۴۰ : ۶۴) – (۶۴ : ۳) ہر شے کو احسن پیدا کیا ۔ (۳۲ : ۷)

زینت حرام نہیں

۱۔ ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے ؟ (۷ : ۳۲)

۲۔ بیوی بچے ۔ مال و دولت ۔ مویشی گھوڑے ۔ کھیتی باڑی ۔ ان سب میں کشش رکھی گئی ہے ۔ (۳ : ۱۳) – (۱۸ : ۴۶)

۳۔ زینت منع نہیں ۔ عورتوں کو زینت کی نمود و نمائش منع ہے ۔ (۲۴ : ۳۱) – (۲۴ : ۶۰)

۴۔ خدا کی اطاعت گذاری میں زینت کے پہلو کو نظر انداز مت کرو ۔ (۷ : ۳۱)

سامانِ زینت سے بہرہ یاب ہونے کی تاکید اور حدود

۱۔ کھانے پینے میں اسراف مت کرو ۔ اور قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے زندگی کو حسین اور مزیّن بناؤ ۔ (۷ : ۳۱) ۔ لیکن حدود کے اندر رہتے ہوئے ۔ (۷ : ۳۱)

۲۔ لیکن انہیں مقصود بالذات نہ سمجھ لو ۔ یہ شیوہ کفر کا ہو جائے گا ۔ (۱۰ : ۲۴) – (۱۱ : ۱۵ - ۱۶) – (۱۸ : ۲۸) – (۲۸ : ۶۰) – (۲۸ : ۳۳) – (۵۷ : ۲۰)

۳۔ حسنِ کائنات سے متمتع اس طرح ہو کر تمہارے اعمال میں حسن پیدا ہو جائے ۔ (۱۸ : ۷)

جنتی زندگی

۱۔ جنت کی زندگی میں بہترین سامانِ زیب و زینت اور حسن و زیبائش کا ذکر ہے ۔ بہترین ریشم کے حسین ترین ملبوسات ۔ زیورات ۔ موتی ۔ جواہرات ۔ قالین ۔ صوفے ۔ سونے کے کنگن ۔ جتکہ سونے چاندی کے برتن ۔ شیشہ اور بلور کے آفتابے اور گلاس وغیرہ (حوالوں کے لئے دیکھئے عنوان "جنت")۔ اس قسم کی زندگی قرآنی نظام کا فطری نتیجہ ہے ۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔

متفرق

۱۔ حضرت سلیمانؑ بڑے بڑے کاریگروں سے تصاویر اور مجسمے بنوایا کرتے تھے۔ (۳۴ : ۱۳)

—(۰)—

۶۔ حسنۃ

(نیز دیکھئے سیّات)

حسنۃ (ح۔ س۔ ن)۔ زندگی کا ہر خوشگوار گوشہ، سامانِ راحت و آسائش، انفرادی اور اجتماعی حیات کے حسین پہلو۔

قرآن کریم نے، ایمان اور اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ، حسنۃ کا حصول قرار دیا ہے، اس دنیا میں بھی حسنۃ۔ اور آخرت میں بھی حسنۃ۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ جماعتِ مومنین کو اس دنیا میں بھی ہر قسم کی خوشگواریاں نصیب ہوں گی اور اُخروی زندگی میں بھی۔ "ایمان و اعمالِ صالحہ" کے ماپنے کا یہ ایک ایسا مقیاس یا معیار ہے جس سے انسان دھوکے میں نہیں رہ سکتا۔ اگر قوم کو زندگی کی خوشگواریاں حاصل ہیں تو وہ صاحبِ ایمان بھی ہے۔ اور اس کے اعمال بھی صالح ہیں۔ اس کے برعکس اگر اس کی زندگی عسرت اور مشقت کی ہے اور وہ سامانِ راحت و آسائش سے محروم ہے تو نہ اس کا ایمان، ایمان ہے۔ نہ اس کے اعمال صالح ہیں۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے اعمالِ صالح کے لئے بھی حسنات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی حسن کارانہ انداز سے متوازن زندگی بسر کرنے کا نتیجہ، زندگی کی خوشگواریاں ہیں۔ اس سے معاشرہ میں ہمواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے مقابل میں سیّآت کا لفظ آیا ہے۔ جس سے مراد معاشرتی ناہمواریاں ہیں۔ اس کا نتیجہ ناخوشگوار زندگی ہے۔

حسن، درحقیقت نام ہی صحیح توازن و تناسب کا ہے۔ قرآن کریم اس قسم کا پروگرام دیتا ہے جس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے، انسان کی مختلف قوتوں اور صلاحیتوں میں صحیح صحیح توازن اور اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جب افراد کی ذات اس طرح معتدل (BALANCED PERSONALITY) ہوجائے تو ان پر مشتمل معاشرہ، خود بخود متناسب، متوازن اور اعتدال پر رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ زندگی کی خوشگواریاں ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور اگلی زندگی میں بھی۔

اس قسم کی زندگی بسر کرنے والوں کو محسنین کہا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس قوم کو دنیاوی خوشگواریاں حاصل ہوں اس کا شمار

مومنین میں ہو جاتا ہے۔ مومن ہونے کے لئے اور بھی بہت کچھ مطلوب ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جماعتِ مومنین کو دنیاوی خوشگواریاں بھی حاصل ہوں۔

حسنۃ - دنیا اور آخرت کی خوشگواریاں۔

۱۔ اگر تمہیں زندگی کی کوئی خوشگواری نصیب ہوتی ہے تو کفار پر یہ گراں گزرتی ہے۔ اگر تمہیں کوئی مصیبت آ جائے تو یہ خوش ہو جاتے ہیں۔ (۱۱۹ : ۳) - (۵۰ : ۹)

۲۔ ایمان و اعمال صالح سے متاعاً حسناً مل جاتی ہے۔ (۳ : ۱۱)

۳۔ انہیں اگر کوئی خوشگواریاں نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور اگر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس کا ذمہ دار رسول ہے۔ ان سے کہو کہ یہ سب خدا کے قانون کی رو سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس کے قانون کے مطابق چلتا ہے تو خوشگواری ملتی ہے۔ اگر اس کے خلاف اپنی مرضی کرتا ہے تو مصیبت آتی ہے (۷۹ - ۷۸ : ۴)

۴۔ جو کسی کے ساتھ اچھی بات میں کھڑا ہو جائے گا۔ (شفاعۃ حسنۃ) اس میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔ جو غلط بات میں ساتھ دے گا (شفاعۃ سیئۃ) اس میں اس کی بھی ذمہ داری ہوگی۔ (۸۵ : ۴)

۵۔ ثواب الدنیا اور ثواب الآخرت دونوں ملتے ہیں۔ (۱۴۸ : ۳) - (۱۹۴ : ۳)

۶۔ قوم فرعون کو خوشگواری نصیب ہوتی تو کہتے کہ وہ تو انہیں ملنی ہی تھی۔ اور اگر مصیبت آتی تو کہتے کہ یہ موسیٰ کی وجہ سے نحوست آئی ہے۔ (۱۳۱ : ۷)

۷۔ حسنِ عمل کا نتیجہ زندگی کی خوشگواریاں ہیں۔ (۲۳ : ۴۲)

۸۔ اس دنیا میں حسنۃ اور آخرت میں بھی حسنۃ۔ (۲۰۱ : ۲) — (۱۵۶ : ۷) — (۳۰ : ۱۶) — (۴۱ : ۱۶) — (۱۰ : ۳۹)

کفار اسی دنیا کی خوشگواریاں چاہتے ہیں۔ ان کا آخرت میں حصہ نہیں ہوتا۔ مومن دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں چاہتے ہیں۔ (۲۰۱ - ۲۰۰ : ۲)

۹۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس دنیا میں حسنہ دی گئی تھیں۔ (۱۲۲ : ۱۶)

۱۰۔ خدا نے مجاہدین و مہاجرین سے وعدۂ حسنہ کر رکھا ہے۔ (۹۵ : ۴)

۱۱۔ خدا کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے لئے حسنہ۔ (۱۸ : ۱۳)

۱۲۔ کفار کہتے ہیں کہ ان کے لئے خوشگواریاں ہیں۔ ان سے کہو کہ ان کے لئے جہنم ہے۔ (۶۲ : ۱۶)

۱۳۔ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ حسنیٰ ہے۔ (۱۸ : ۸۸)

۱۴۔ تباہی کے مقابلہ میں حسنہ۔ (۹ : ۵۲)

۱۵۔ جماعتِ مومنین کی دعائیں - دنیا میں بھی حسنۃ اور آخرت میں بھی حسنۃ۔ (۲ : ۲۰۱)

۱۶۔ خدا حسنۃ کو بڑھاتا ہے۔ (۴ : ۴۰) — (۶ : ۱۶۰) — (۱۰ : ۲۶) — (۲۷ : ۸۹) — (۲۸ : ۸۴) —
(۴۲ : ۲۳)

حسنات (حسنِ عمل) قرآنی پروگرام کے مطابق ایسے کام جن کا نتیجہ خوشگواریاں ہیں۔

۱۔ جو سوء (کسی غلط، ناہموار کام) کو حسنا سے بدل دیتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ (۲۷ : ۱۱)

۲۔ توبہ اور عملِ صالح سے سیّات، حسنات میں بدل جاتی ہیں۔ (۲۵ : ۷۰)

۳۔ حسنات سے سیات، دور ہو جاتی ہیں۔ (۱۱ : ۱۱۴) - یہ مومنین کا شیوہ ہے۔ (۱۳ : ۲۲) — (۲۸ : ۵۴)

۴۔ خدا، عملِ حسنہ کا بدلہ بہت زیادہ دیتا ہے۔ (۴ : ۴۰) — (۱۰ : ۲۶) — (۲۸ : ۸۴) — (۴۲ : ۲۳)

۵۔ حسنہ اور سیئہ برابر نہیں ہو سکتیں - سیئہ کو حسنہ سے دفع کرنے کی کوشش کرو۔ (۱۳ : ۲۲) — (۲۳ : ۹۶) —
(۲۸ : ۵۴) — (۴۱ : ۳۴)

۶۔ حسنہ کا اجر دس گنا - سیئہ کا اس کی مثل۔ (۶ : ۱۶۱) — (۲۸ : ۸۴)

۷۔ حسنہ کا بدلہ اس سے بہتر۔ (۱۰ : ۲۶) — (۲۷ : ۸۹) — (۲۸ : ۸۴)

۸۔ حسنات والے جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ (۲۱ : ۱۰۱)

۹۔ کائنات کی مشینری گردش میں ہے تاکہ حسنِ عمل کا نتیجہ حسنیٰ دیا جائے۔ (۱۱ : ۷) — (۵۳ : ۳۱)

۱۰۔ حسنِ عمل ہو یا سیّات، یہ سب اپنے لئے ہوتی ہیں۔ کوئی دوسرا ان کے نتائج میں شریک نہیں ہو سکتا۔ (۱۷ : ۷)

۱۱۔ اہلِ جنت کی سیّات کے نتائج دور ہو جائیں گے اور حسنات کے نتائج ملیں گے۔ (۲۱ : ۱۰۱) — (۲۹ : ۷) —
(۳۹ : ۳۵) — (۴۶ : ۱۶)

۱۲۔ کائنات کی ہر شے کو مزین بنایا تاکہ حسنِ عمل کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ (۱۸ : ۷)

موت و حیات پیدا کی تاکہ حسنِ عمل کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ (۶۷ : ۲)

ارض و سمٰوات اور زندگی کے سرچشمہ کو اس مقصد کے لئے پیدا کیا۔ (۱۱ : ۷)

۱۳۔ حسنِ عمل کا بدلہ۔ (۳ : ۱۷۱) — (۴ : ۱۲۸) — (۹ : ۱۲۱) — (۱۶ : ۹۶-۹۷) — (۱۸ : ۲) —

(۳۰ : ۱۸) — (۳۸ : ۲۴) — (۱۶ : ۴۸) — (۳۱ : ۵۳)

۱۴۔ خدا کے ہاں حسن مآب ہے ۔ (۱۴ : ۳) — (۲۹ : ۱۳) — (۲۵ : ۳۸) — (۴۰ : ۳۸) — (۴۹ : ۳۸)

جنت کی حسنات

۱۔ جنت حسین ترین مستقر اور مقام ہے ۔ (۷۶ : ۲۵)

۲۔ جنت میں "خیرات حسان" ہیں ۔ (۷۰ : ۵۵) ۔ نیز "عبقری حسان" (۷۶ : ۵۵)

۳۔ جنت حسن مآب (حسین ترین مقام) ہے ۔ (۱۳ : ۳) — (۲۹ : ۱۳) — (۲۵ : ۳۸) — (۴۹ : ۳۸)

۴۔ اللہ کے ہاں حسن الثواب ہے ۔ (۱۹۴، ۱۴۷ : ۳)

۵۔ یہ جنت کی آسائشیں ایسی خوشگواریاں ہیں جن کے سہارے انسان بلندیوں کی طرف جاتا ہے ۔
ان کے برعکس، جہنمی معاشرہ کی خوشگواریاں ہیں جن سے سہاروں کا توازن بگڑ جاتا ہے ۔ (۳۱ ؛ ۲۹ : ۱۸)

۶۔ ہجرت اور قتال فی سبیل اللہ سے رزق حسنہ ملتا ہے ۔ (۵۸ : ۲۲)

۷۔ جنت کے مستحقین کی سیئات کے نتائج دور ہو جائیں گے اور حسنات کے نتائج ملیں گے ۔ (۷ : ۲۹) —
(۳۵ : ۲۹) — (۱۶ : ۴۶)

۸۔ یہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ۔ (۱۰۱ : ۲۱)

محسنین

۱۔ ذریت ابراہیمؑ و اسحٰقؑ میں محسن بھی ہیں اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے بھی (۱۱۳ : ۳۷)

۲۔ جو خدا کے قوانین کے سامنے سر جھکا دے اور محسن بھی ہو، اس کے لئے اجر ہے ۔ (۱۱۲ : ۲) — (۱۲۵ : ۴) —
(۲۲ : ۳۱)

۳۔ ازواج نبیؐ میں سے محسنٰت کے لئے اجر عظیم ۔ (۲۹ : ۳۳)

۴۔ خدا محسن اور متقی کے ساتھ ہے ۔ (۱۲۸ : ۱۶) — (۶۹ : ۲۹)

۵۔ محسنین جنت میں ۔ (۸۵ : ۵) — (۳۴ : ۳۹) — (۱۶ : ۵۱) — (۴۴ : ۷۷)

۶۔ محسنین کے اجر میں اضافہ کیا جائے گا ۔ (۵۸ : ۲) — (۱۶۱ : ۷)

۷۔ خدا محسنین کو پسند کرتا ہے۔ (۲:۱۹۵) — (۳:۱۳۴) — (۳:۱۴۸) — (۵:۱۳) — (۵:۹۳)

۸۔ حضرت یوسفؑ کے متعلق کہا کہ ہم اس طرح محسنین کو بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۲:۲۲) ۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق۔(۲۸:۱۴)۔ (۳۷:۱۲۰) حضرت نوحؑ (۳۷:۸۰)۔ حضرت ابراہیمؑ۔ (۶:۸۴ — ۳۷:۱۰۵ ؛ ۱۱۰) ۔ آل یاسینؑ (۳۷:۱۳۱) حضرت یونسؑ (۳۷:۱۳۹)۔

۹۔ خدا محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۹:۱۲۰) — (۱۱:۱۱۵) — (۱۲:۵۶ [illegible]) — (۱۲:۹۰) — (۱۸:۳۰)

۱۰۔ محسنین کے لئے بشارت ہے۔ (۴۶:۱۲)

۱۱۔ محسنین جو چاہیں گے خدا سے ملیگا۔ یہ ان کی جزا ہے۔ (۳۹:۳۴)

۱۲۔ طلاق وغیرہ کے احکام کے سلسلہ میں کہا کہ یہ محسنین پر واجب ہے۔ (۲:۲۳۶)

۱۳۔ محسنین اگر کوئی عذر پیش کرتے ہیں تو وہ معقول ہوتا ہے۔ (۹:۹۱)

۱۴۔ قرآن محسنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ (۳۱:۳) ۔ بشارت ہے۔ (۴۶:۱۲)

۱۵۔ خدا کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ (۷:۵۶)

۱۶۔ کفار عذاب دیکھ کر کہیں گے کہ اگر ایک بار پھر دنیا میں بھیجدیئے جائیں تو ہم محسنین میں سے ہو جائیں گے۔ (۳۹:۵۸)

اسماءالحسنیٰ

خدا کی صفات مختلف ہیں۔ بلکہ بعض ایک دوسرے سے متضاد بھی۔ لیکن وہ اس کی ذات میں ایسے مکمل توازن اور اعتدال کے ساتھ سموئی ہوئی ہیں کہ ان کا نتیجہ ہمیشہ حسن آمیز ہوتا ہے۔ ان کا جہاں بھی مظاہرہ ہوگا۔ وہاں حسن پیدا ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے انہیں اسماء الحسنیٰ کہا گیا ہے۔ ان کی تفصیل "اللہ" کے عنوان میں دی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ بتایا جائے گا کہ یہ ترکیب (الاسماء الحسنیٰ) کہاں کہاں آئی ہے۔

۱۔ خدا کے اسماء الحسنیٰ ہیں۔ اسے جس نام سے چاہو پکارو۔ لیکن جو لوگ توازن و اعتدال چھوڑ کر اس کی کسی ایک صفت میں تشدد اختیار کرلیں، ان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ (۷:۱۸۰)

۲۔ اسے اللہ کہو یا رحمٰن کہو۔ اسماء الحسنیٰ اس کے لئے ہیں۔ (۱۷:۱۱۰)

۳۔ لہ الاسماء الحسنیٰ۔ (۲۰:۸) — (۵۹:۲۴)

۴۔ یہ اللہ کا رنگ ہے اس سے زیادہ حسین رنگ اور کون سا ہو سکتا ہے۔ (۲:۱۳۸)

۵- خدا احسن الخالقین ہے (۱۴:۲۳) - (۱۲۵:۳۷)

تخلیق احسن

۱- ہر شے کو احسن پیدا کیا - (۷:۳۲) - جنین کو احسن صورت دی - (۶۴:۴۰) - (۳:۶۴) - انسان کو تقویم احسن میں پیدا کیا - (۴:۹۵)

متفرق

۱- حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ (اسوہ حسنہ) - (۴:۶۰)
۲- رسول اللہؐ کی زندگی میں اسوہ حسنہ (۲۱:۳۳)
۳- خدا مومنین سے وعدہ حسنہ کرتا ہے - (۱۰:۲۸)
۴- خدا نے بنی اسرائیل سے وعدہ حسنہ کیا تھا - (۸۶:۲۰) - کلمتہ حسنیٰ (۱۳۷:۷)
۵- انبیاء، صدیق، شہداء، صالحین، حسین ترین رفیق ہیں - (۶۹:۴)
۶- خدا نے حضرت مریم کی والدہ کی نذر کو حسنِ قبولیت عطا کیا - اور حضرت مریم کی نشو و نما عمدہ طریق سے ہوئی - (۳۶:۳)
۷- جس کے سوءِ عمل اسے حسنہ بن کر دکھائی دیں، وہ تباہ ہوگیا - (۸:۳۵)
۸- والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید - (۸:۲۹)
۹- کھجوریں - انگور وغیرہ رزقِ حسنہ ہیں (۶۷:۱۶)
۱۰- حضرت شعیبؑ نے کہا کہ انہیں خدا کی طرف سے رزقِ حسنہ ملتا ہے - (۸۸:۱۱) - (۵:۱۶) - (۵۸:۲۲)
۱۱- حسن کے معنی اچھا سلوک (۸۶:۱۸)
۱۲- قرضِ حسنہ - (۲۴۵:۲) - (۱۲:۵) - (۱۱:۵۷) - (۱۸:۵۷) - (۱۷:۶۴) - (۲۰:۷۳)
۱۳- بنی اسرائیل کو حسنات و سیآت کی گردشیں دیں کہ وہ قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کریں - (۱۶۸:۷) - مومنین کو بھی - (۱۷:۸) - بلائے حسنہ یعنی اچھی گردش -
۱۴- ہلاک ہونے والی قوموں کو خوشگواریاں ملتی تھیں تو وہ اور سرکش ہو جاتی تھیں - (۹۵-۹۴:۷)
۱۵- یہ لوگ خوشگواریوں سے قبل ہی تباہیوں کے آرزو مند ہو جاتے ہیں - (۶:۱۳) - (۴۶:۲۷)

۱۶۔ خدا کی طرف دعوت، موعظہ حسنہ کے ذریعے۔ اور کسی سے بحث کرنی ہو تو حسین ترین طریق سے کی جائے۔ (۱۶ : ۱۲۵) — (۴۶ : ۲۹)

۱۷۔ مجاہدین و مہاجرین سے وعدۂ حسنہ۔ (۴ : ۹۵) — (۱۰ : ۵۷)

۱۸۔ بنی اسرائیل کو تمکن فی الارض ملا اور یوں خدا کا وعدۂ حسنہ (کلمت الحسنیٰ) پورا ہوا۔ (۱۳۷ : ۷)

۱۹۔ مومن حسنیٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ کفار اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ (۹ ؛ ۶ : ۹۲)

۲۰۔ کفار کہتے ہیں کہ ہمیں یہاں بھی راحت میسّر ہے اور خدا کے ہاں جائیں گے تو وہاں بھی عیش ہی ہوں گے۔ (۵۰ : ۴۱)

۲۱۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر بطریق احسن۔ (۶ : ۱۵۳) — (۱۷ : ۳۴)

۲۲۔ ہر بات بطریق احسن کرو۔ (۱۷ : ۵۳) — قولِ احسن دعوت الی الاسلام ہے۔ (۴۱ : ۳۳)

۲۳۔ کتابِ موسیٰ حسنِ عمل کرنے والوں پہ اتمامِ نعمت کے لئے تھی۔ (۶ : ۱۵۵)

۲۴۔ قارون سے کہا کہ جس طرح خدا نے تمہیں خوشگوار رزق عطا کیں، تم بھی حسنِ عمل کرو۔ (۲۸ : ۷۷)

۲۵۔ سلام کا جواب اس سے بہتر طریق سے دو۔ (۴ : ۸۶)

۲۶۔ حسنہ اور سیئہ کبھی ایک جیسی نہیں ہوسکتیں۔ (۴۱ : ۳۴)

۲۷۔ بنی اسرائیل کے لئے حسنات اور سیئات کے پہلو بدلے۔ (۷ : ۱۶۸)

۲۸۔ کفار بزعمِ خویش سمجھتے ہیں کہ وہ بہت حسین کام کرتے ہیں۔ (۱۸ : ۱۰۴)

۲۹۔ صدّق بالحسنیٰ اور کذّب بالحسنیٰ۔ (۹۲ : ۶ ؛ ۹)

۳۰۔ اسلام سے زیادہ احسن دین کون سا ہو سکتا ہے۔ (۴ : ۱۲۵)۔ اللہ سے زیادہ احکم حاکم کون ہو سکتا ہے۔ (۵ : ۵۰)۔
وہ احسن الخالقین ہے۔ (۲۳ : ۱۴) — (۳۷ : ۱۲۵)

۳۱۔ قرآن احسن الحدیث ہے۔ (۳۹ : ۲۳)۔ اس کا اتباع کرو۔ (۷ : ۱۴۵) — (۳۹ : ۱۸) — (۳۹ : ۵۵)

۳۲۔ سیئات اپنے ہاتھوں سے آتی ہیں۔ (۳۰ : ۳۶) — (۴۲ : ۴۸)

—(۰)—

حرام اور حلال

حرام (ح - ر - م) کسی شے سے روک دینا۔ ممانعت کر دینا۔ اس کے برعکس، حلال کے معنی ہیں رسیاں کھول کر آزا

دینا - پابندیاں اٹھا دینا۔

انسانی آزادی، دین کی بنیاد ہے۔ اس کی رو سے، کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان پر کوئی ایسی پابندی عائد کرے جس سے اس کی آزادی میں خلل واقع ہو۔

لیکن انسان کی تمدنی زندگی کے لئے بعض پابندیوں کا عائد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً یہ پابندی کہ سڑک پر بائیں طرف چلنا چاہیئے، تمدنی ضرورت ہے۔ اس قسم کی پابندیاں انسانوں کا اجتماعی نظام باہمی مشورہ سے خود عائد کر لیتا ہے۔

لیکن بعض پابندیاں انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی ضروری ہوتی ہیں۔ یہ پابندیاں خدا کی طرف سے عائد کی جاتی ہیں۔ اس کے سوا کسی اور کو حق حاصل نہیں کہ کسی پر کسی شے کو حرام قرار دے دے۔ خدا نے ان پابندیوں (حرام) کی تصریح اپنی کتاب میں کر دی ہے۔ لہٰذا، حرام اشیاء وہی ہیں جنہیں قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔ اور یہ گنتی کی ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام اشیاء حلال ہیں۔

حلال کے معنی یہ نہیں کہ ان کا کھانا ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ قرآن کریم نے حلال کے ساتھ طیّب کا اضافہ کر کے اس کی صراحت کر دی ہے کہ حلال اشیاء میں سے جو چیزیں تمہارے لئے خوشگوار ہوں۔ جو تمہیں پسند ہوں۔ جو تمہارے لئے نفع بخش ہوں۔ جن سے انفرادی ذوق کی تسکین ہوتی ہو۔ انہیں کھاؤ جو چیز مرغوب خاطر نہ ہو اسے نہ کھاؤ۔ لیکن اسے حرام نہ قرار دو۔

اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن کریم، انسان کی انفرادی آزادی کا کس قدر احترام کرتا ہے۔ انسانوں کا خود ساختہ "مذہب" انسانی آزادی پر جکڑبندیاں عائد کرتا ہے اور خدا کی طرف سے عطا شدہ دین، ان جکڑبندیوں کو توڑ کر اسے آزادی عطا کرتا ہے۔

حرام کے معنی کسی بات کو واجب قرار دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ ان معانی میں بھی یہ لفظ قرآن کریم میں آیا ہے۔ احترام کا مادہ بھی یہی (ح - ر - م) ہے اس لئے قرآن کریم میں واجب الاحترام چیزوں کے لئے بھی لفظ حرام ہے۔ (حلت وحرمت کا فلسفہ لغات القرآن میں ملے گا)

کون کون سی چیز حرام ہے؟

۱- فواحش - بغاوت بغیر الحق اور شرک اور افتراء علی اللہ حرام ہیں - (۳۳ : ۷)

۲- خدا نے خود نکھار کر بتا دیا ہے کہ کون کون سی چیزیں حرام ہیں - اس لئے یونہی لوگوں کے خیالات کے پیچھے نہ لگ

جاؤ۔ (۶ : ۱۲۰)

۳۔ جس پر خدا کا نام لیا گیا ہو وہ کھاؤ۔ جس پر نام نہ لیا گیا ہو وہ مت کھاؤ۔ (۵ : ۴) ۔ (۶ : ۱۱۹-۱۲۰ ؛ ۱۲۲)

۴۔ وحی کی رو سے صرف یہ چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ وحی کی رو سے کوئی اور چیز حرام نہیں۔ (۱) میتۃ (مردار) (۲) دم مسفوح (بہتا ہوا لہو)۔ (۳) لحم خنزیر (سور کا گوشت) اور (۴) جسے خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ (۲ : ۱۷۳) ۔ (۵ : ۳) ۔ (۶ : ۱۴۶) ۔ (۱۶ : ۱۱۵)۔ میتۃ میں کیا کیا شامل ہے۔ (۵ : ۳)

۵۔ اضطراری حالت میں حرام اشیاء کھا لینے کی اجازت۔ (۲ : ۱۷۳) ۔ (۵ : ۳) ۔ (۶ : ۱۴۶) ۔ (۱۶ : ۱۱۵)

۶۔ جس جان کا مار ڈالنا خدا نے حرام قرار دیا ہے اُسے ناحق تلف مت کرو۔ (۱۷ : ۳۳) ۔ (۲۵ : ۶۸)

۷۔ ان مویشیوں کے علاوہ جن کا ذکر قرآن میں کر دیا گیا ہے۔ باقی حلال ہیں۔ (۵ : ۱) ۔ (۲۲ : ۳۰)

۸۔ زانی کا نکاح زانیہ اور مشرکہ کے علاوہ کسی اور سے حرام ہے۔ (۲۴ : ۳)

۹۔ ربوٰ حرام ہے۔ (۲ : ۲۷۵) اور بیع حلال۔

۱۰۔ طیبٰت حلال ہیں۔ شکاری کتوں کا شکار حلال ہے۔ طعامِ اہل کتاب اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے (۵ : ۴-۵)

۱۱۔ کون کون سے رشتے حرام ہیں (۴ : ۲۲-۲۳-۲۴)۔ عورت کی مرضی کے خلاف، زبردستی نکاح حرام ہے (۴ : ۱۹)

۱۲۔ حلال میں سے طیب کھاؤ۔ (۲ : ۱۶۸) ۔ (۵ : ۸۸) ۔ (۱۶ : ۱۱۴) ۔ (۲۰ : ۸۱) ۔ مالِ غنیمت حلال و طیب ہے۔ (۸ : ۶۹)۔

۱۳۔ تیسری طلاق کے بعد کس شکل میں نکاح حلال ہے۔ (۲ : ۲۳۰)

حرام قرار دینے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے

۱۔ ان سے کہو کہ وہ کون ہے جو زینت کی چیزوں کو اور رزقِ طیب کو جسے خدا نے پیدا کیا ہے، حرام قرار دے سکتا ہے؟ (۷ : ۳۲)

۲۔ مومن حرمت اللہ کی نگہداشت کرتے ہیں۔ (۲۲ : ۳۰)

۳۔ یونہی نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے وہ حرام ہے۔ یہ افترا علی اللہ ہے۔ (۱۶ : ۱۱۶)

۴۔ تم خدا کے رزق کو خواہ مخواہ، حرام حلال قرار دیتے ہو۔ (۱۰ : ۵۹)

۵۔ جسے خدا نے حلال قرار دیا ہے اسے حرام مت ٹھہراؤ۔ (۵ : ۸۷)

۶۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ جس چیز کو خدا نے حلال قرار دیا ہے اسے تم حرام کیوں قرار دیتے ہو۔ (۶۶ : ۱)

۷۔ رسول (وحی کی رو سے) طیبات کو حلال قرار دیتا ہے اور خبائث کو حرام ٹھہراتا ہے۔ (۷ : ۱۵۷)۔ خدا نے طیبات حلال قرار دی ہیں۔ (۵ : ۴) – (۵ : ۵) – (۵ : ۸۷)

یہودیوں کے ہاں حلت و حرمت

۱۔ حضرت عیسیٰؑ ایسی چیزوں کو حلال قرار دینے کے لئے آئے تھے جنہیں یہودیوں نے از خود اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا۔ (۳ : ۴۹)

۲۔ یہودیوں پر، ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر پنجے دار جانور، گائے اور بھیڑ کی چربی حرام قرار دے دی گئی تھی (۴ : ۱۶۰) – (۶ : ۱۴۶) – (۱۶ : ۱۱۸)

۳۔ اپنے لوگوں کا گھروں سے نکال دینا تم پر حرام تھا۔ (۲ : ۸۵)

۴۔ ارضِ فلسطین۔ چالیس سال تک حرام قرار دی گئی۔ (۵ : ۲۶)

۵۔ یہودیوں پر سب چیزیں حلال تھیں بجز اس کے جسے حضرت یعقوبؑ نے، تورات نازل ہونے سے پہلے خود اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تھا۔ (۳ : ۹۲)

عہدِ جاہلیت میں حلت و حرمت

۱۔ حرام و حلال کے متعلق توہم پرستانہ عقائد۔ (۶ : ۱۳۷-۱۴۱) – (۶ : ۱۴۳-۱۴۵)

۲۔ کہتے ہیں کہ اگر خدا کو منظور نہ ہوتا تو ہم چیزوں کو حرام قرار نہ دیتے۔ (۶ : ۱۴۹) – (۱۶ : ۳۵)

۳۔ ان سے کہا کہ تم اس بات کی شہادت پیش کرو کہ خدا نے انہیں حرام قرار دیا تھا۔ (۶ : ۱۵۱)

حالتِ احرام

یعنی حج کے زمانے میں وہ حالت جس میں حاجی کو بعض باتوں سے روک دیا جاتا ہے۔

۱۔ حالتِ احرام میں صید البر حرام ہے۔ (۵ : ۹۶)۔ صید البحر حلال ہے۔ (۵ : ۱) – (۵ : ۹۶)

حرام بمعنی واجب

۱۔ شرک نہ کرنا ۔ ماں باپ سے احسان کرنا ۔ اولاد کو قتل نہ کرنا ۔ فواحش کے قریب نہ جانا ۔ کسی کی ناحق جان لینا ۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جانا ۔ ماپ تول پورا رکھنا ۔ عدل کرنا ۔ عہد پورا کرنا ۔ یہ سب واجب ہیں (۱۵۲-۱۵۳ : ۶)۔ زنا کے قریب نہ جانا ۔ (۶۸ : ۲۵)

۲۔ جو ان چیزوں کو واجب قرار نہیں دیتے جنہیں خدا اور رسول واجب قرار دیتے ہیں ان سے جنگ کرو ۔ (۲۹ : ۹)

متفرق

۱۔ جنت کی ٹھنڈک کفار پر حرام ہے ۔ (۵۰ : ۷) ۔ مشرکین پر بھی ۔ (۷۲ : ۵)

۲۔ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا کو ایسا منظور نہ ہوتا تو ہم ان چیزوں کو حرام نہ قرار دیتے ۔ (۱۴۹ : ۶) ۔ (۳۵ : ۱۶)

۳۔ ہلاک شدہ قوم کی حیاتِ نو حرام ہے ۔ بجز اس کے کہ ...... (۹۵-۹۶ : ۲۱)

۴۔ شہر الحرام ۔ (۱۹۴ : ۲) ۔ (۲۱۷ : ۲) ۔ (۲ : ۵) ۔ (۹۷ : ۵) ۔ (۵ : ۹) ۔ چار حرام مہینے (۵ : ۹) ۔ (۳۶ : ۹) ۔ ان میں سے حرام کو حلال اور حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے ——— (۳۷ : ۹)

۵۔ بیت الحرام ۔ (۹۷ : ۵) ۔ (۳۷ : ۱۴) ۔ مشعر الحرام ۔ (۱۹۸ : ۲) ۔ (۲ : ۵)

۶۔ مسجد الحرام ۔ (۱۴۴-۱۵۰ : ۲) ۔ (۱۹۱ : ۲) ۔ (۱۹۶ : ۲) ۔ (۲۱۷ : ۲) ۔ (۲ : ۵) ۔ (۳۴ : ۸) ۔ (۷ : ۹) ۔ (۱۹ : ۹) ۔ (۲۸ : ۹) ۔ (۱ : ۱۷) ۔ (۲۵ : ۲۲) ۔ (۲۵ ؛ ۲۷ : ۴۸)

۷۔ بلد الحرام ۔ (۹۱ : ۲۷) ۔ حرماً آمناً (۵۷ : ۲۸) ۔ (۶۷ : ۲۹) ۔ شعائر اللہ اور شہر الحرام کی بے حرمتی مت کرو ۔ (۲ : ۵)

۸۔ حضرت موسیٰؑ پر (فرعون کے گھرانے کی عورتوں کا) دودھ حرام کر دیا ۔ (۱۲ : ۲۸)

۹۔ کفار ایک ماہ کو حرام اور دوسرے کو حلال کر دیتے ہیں ۔ (۳۷ : ۹)

۱۰۔ رمضان کی راتوں میں مباشرت حلال ہے ۔ (۱۸۷ : ۲)

۱۱۔ رسول اللہؐ کی ازواج کے سلسلہ میں ہدایات ۔ (۵۰-۵۲ : ۳۳)

۱۲۔ جو کچھ عورتوں کو دے چکے ہو اسے واپس لینا حلال نہیں ۔ (۲۲۹ : ۲)

۱۳۔ عورتوں کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے حمل کو چھپائیں۔ (۲ : ۲۲۸)

۱۴۔ حرمات اللہ کی تعظیم کرو۔ (۲۲ : ۳۰)

۱۵۔ مہاجر عورتوں سے نکاح کی حلت۔ (۶۰ : ۱۰)

(٠)

۸۔ حرص

۱۔ __حرص__ کے بنیادی معنی شدتِ آرزو کے ہیں۔ خواہ وہ آرزو کسی قسم کی ہو۔ مثلاً دنیاوی زندگی کی حرص (۲ : ۹۶)۔ یا بیویوں میں عدل کرنے کی آرزو (۴ : ۱۲۹)

۲۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ کتنی ہی شدت سے آرزو کریں، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۱۲ : ۱۰۳) (۱۶ : ۳۷)

۳۔ نبی اکرمؐ کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ حریصٌ علیکم ہیں۔ (۹ : ۱۲۸) یعنی تمہارے لئے ہر قسم کی منفعت کی شدید آرزو رکھنے والا۔

(٠)

۹۔ حساب

__حساب__۔ (مادہ ح۔س۔ب)۔ شمار کرنا۔ گننا۔ اندازہ کرنا۔ خیال کرنا۔ حسبٌ۔ کافی ہونا۔ جس کے بعد کسی اور کی ضرورت نہ رہے۔

قانونِ مکافاتِ عمل، دین کی بنیاد ہے۔ یعنی یہ حقیقت کہ ہر عمل اپنا نتیجہ پیدا کرکے رہتا ہے۔ اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا نتیجہ تعمیری ہو۔ انہیں، خیر۔ اچھے اعمال۔ نیک اعمال۔ صالح اعمال۔ حسنات وغیرہ کہتے ہیں۔ اور ایسے بھی جن کا نتیجہ تخریبی ہو۔ انہیں برائیاں۔ شر۔ برے کام۔ سیّأت وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس شخص کے تعمیری نتائج کا پلڑا بھاری ہو، وہ قانونِ ارتقا کی رُو سے زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے قابل قرار پاتا ہے۔ جس کا یہ پلڑا ہلکا ہو۔ اس کی نشوونما رک جاتی ہے۔ اسے جہنم کی زندگی کہا جاتا ہے۔

اعمال کے اس طرح نتیجہ خیز ہونے کو "حساب کرنے" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور خدا (کے قانونِ مکافات) کو حسیب

(حساب کرنے والا) ہر عمل کا نتیجہ، عمل کے ساتھ ہی مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے خدا کو "سریع الحساب" کہا جاتا ہے) لیکن اس کا محسوس نتیجہ کچھ وقت کے بعد سامنے آتا ہے۔ اسے "حساب کا دن" کہا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ "حساب کرنے والا" وغیرہ الفاظ سمجھانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ورنہ ہر عمل کا نتیجہ، عمل کرنے والے کی ذات پر از خود مرتب ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان اپنا آپ محاسب ہے کوئی اور حساب کرنے والا نہیں۔ اس کی ذات پر مرتب ہونے والے یہی نقوش، بہ ہیئتِ مجموعی، اس کا مستقبل مرتب کرتے ہیں ... ارتقاء میں آگے بڑھنے کے قابل ہے یا نہیں۔

اسی قانون کے مطابق، اعمال (کاموں) کا نتیجہ اس دنیا میں بھی سامنے آتا ہے۔ اگر کام، خدا کے قانون کے مطابق ہو، تو اس کا نتیجہ انسان کے عام اندازے سے کہیں زیادہ مرتب ہوتا ہے۔ جیسے کسان کے بوئے ہوئے ایک دانہ سے سینکڑوں دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسے "بغیرِ حساب" کہا جاتا ہے۔ یعنی انسانی اندازے سے کہیں زیادہ حساب تو اس میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس حساب کا پیمانہ الگ ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ اندازہ کرنے کے معنوں میں جہاں یہ مادہ آیا ہے۔ اسے اس عنوان کے تابع نہیں لکھا گیا۔ ان کا اندراج، ان سے متعلق مضامین کے مطابق الگ الگ عنوانوں میں کیا گیا ہے۔

خدا حساب کرنے والا۔ ہر ایک کا حساب ہو گا

۱۔ قوموں کا محاسبہ۔ (۸ : ۶۵)

۲۔ اہلِ جنت کہیں گے کہ ہمیں یقین تھا کہ ہمارا حساب کتاب ضرور سامنے آئے گا۔ (۲۰ : ۶۹)۔ اسی طرح اہلِ جہنم کا حساب بھی سامنے آجائے گا۔ (۲۶ : ۶۹)

۳۔ اہلِ جہنم چاہتے نہیں تھے کہ ان کا حساب ہو۔ یا وہ قانونِ مکافات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ (۲۷ : ۷۸)

۴۔ اہلِ جنت کا حساب آسان ہو گا۔ (۸ : ۸۴)

۵۔ خدا ہر ایک کا حساب لے گا۔ (۱۱۷ : ۲۳) ۔ (۳۹ : ۲۴) ۔ (۱۱۳ : ۲۶) ۔ (۲۶ : ۸۸)

۶۔ رسول کے ذمے پیغام کا پہنچانا ہے، حساب لینا خدا کے ذمے ہے۔ (۴۰ : ۱۳)

۷۔ کفار کا حساب بہت بُرا ہو گا۔ (۱۸ : ۱۳)۔ اس سے ڈرنا چاہیے۔ (۲۱ : ۱۳)

۸۔ خدا حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ (۶ : ۴) ۔ (۸۶ : ۴) ۔ (۴۷ : ۲۱) ۔ (۳۹ : ۳۳)

۹۔ ان کے سامنے وہ کچھ آجائے گا جس کا وہ وہم وگمان بھی نہیں کرتے تھے۔ (۴۷ : ۳۹)
۱۰۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ خدا اس کا حساب لے گا۔ (۲۸۴ : ۲)
۱۱۔ قوموں کا حساب (یعنی قانونِ مکافات کی رو سے ان کے اعمال کا نتیجہ۔) - (۸ : ۶۵)
۱۲۔ ہر ایک کے اعمال کا حساب اس کے اپنے لئے ہے۔ (۵۲ : ۶) : (۶۹ : ۶)

حسبٌ (کافی ہونا)

۱۔ قانونِ خداوندی پہ بھروسہ کرنے والوں کے لئے وہ کافی ہوتا ہے (۳ : ۶۵)
۲۔ جنت ایسا عطیہ ہوگا جس کے بعد کسی اور شے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ (۳۶ : ۷۸)
۳۔ ان سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔ (۱۲۹ : ۹) - (۳۸ : ۳۹)
۴۔ اگر کفار تمہیں دھوکا دیں تو اللہ تمہارے لئے کافی ہوگا۔ (۶۲ : ۸) - خدا اور جماعت مومنین کافی ہونگے۔ (۶۴ : ۸)
۵۔ مومنین کو چاہیئے کہ وہ کہیں کہ خدا ان کے لئے کافی ہے (۱۷۲ : ۳) - (۵۹ : ۹)
۶۔ منافقین کے لئے جہنم کافی ہے۔ (۲۰۶ : ۲) - (۶۸ : ۹) - (۵۸ : ۸)
۷۔ کفار کہتے ہیں کہ ہم قرآن کی طرف نہیں آئیں گے۔ ہمارے آباء کی تقلید ہمارے لئے کافی ہے۔ (۱۰۴ : ۵)
۸۔ خدا حسیب ہے۔ (۸۶ ; ۶ : ۴)

یومِ حساب

۱۔ حساب کے دن اعمال کے نتائج سامنے آجائیں گے۔ (۵۳ : ۳۸)
۲۔ حساب کے دن مغفرت کی دعا۔ (۴۱ : ۱۴)
۳۔ حساب کا وقت قریب آگیا اور لوگ ابھی تک غفلت میں ہیں۔ (۱ : ۲۱)
۴۔ جو یومِ حساب میں ایمان نہیں رکھتا اس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ (۲۷ : ۴۰)
۵۔ کفار کہتے ہیں کہ ہمارا حساب، یوم الحساب سے پہلے ہی چکا دے۔ (۱۶ : ۳۸)
۶۔ یومِ حساب کو بھول جانے والا - (۲۶ : ۳۸)۔

بغیرِ حساب

۱۔ ایسے مقامات سے رزق جس کا خیال تک بھی انسان نہیں کر سکتا۔ (۳ : ۶۵) اور عذاب بھی (۲ : ۵۹)

۲۔ رزق بغیرِ حساب۔ (۲ : ۲۱۲)۔(۳ : ۲۷) ۔(۳ : ۳۷)۔(۲۴ : ۳۸)۔(۴۰ : ۴۰)

۳۔ اجر بغیر حساب۔ (۳۹ : ۱۰)

۴۔ حضرت سلیمانؑ سے کہا کہ تم ان کام کرنے والوں کو بطور احسان چھوڑ دو۔ یا بغیر حساب رکھ چھوڑو تمہیں اسکی اجازت ہے۔(۳۸:۳۹)

سریع الحساب

۱۔ خدا سریع الحساب ہے۔ (۲ : ۲۰۲)۔(۳ : ۱۸)۔(۵ : ۴) ۔(۱۳ : ۴۱)۔(۱۴ : ۵۱)۔(۲۴ : ۳۹)۔(۴۰ : ۱۷)

۲۔ خدا اسرع الحاسبین ہے۔ (۶ : ۶۲)

انسان اپنا حساب آپ کرتا ہے

۱۔ انسان کا لپٹا ہوا اعمال نامہ کھول دیا جائے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ اسے خود ہی پڑھ۔ تو آج اپنا حساب آپ لینے کے لئے کافی ہے۔ (۱۷ : ۱۳-۱۴)

متفرق

۱۔ چاند اور سورج حساب و شمار کے لئے ہیں۔ (۶ : ۹۷)۔(۱۰ : ۵)۔(۵۵ : ۵)

۲۔ متقیوں کے ذمے، کفار کا حساب نہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے (۶ : ۵۲)۔(۶ : ۶۹)

۳۔ دن اور رات، حساب و شمار کے لئے ہیں۔ (۱۷ : ۱۲)

———(٠)———

۱۰۔ حسد

حسد :۔ دل کے روگ یا نفسیاتی امراض، میں سے سب سے زیادہ تباہ کن اور ہلاکت انگیز حسد ہے۔ یہ وہ مرض ہے

جس کا مریض، کسی دوسرے کی کوئی خوبی دیکھ نہیں سکتا۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ وہ خوبی اُس کے پاس بھی رہے اور خود اِسے بھی مل جائے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ (وہ خود اسے حاصل کر نہیں سکتا اس لئے چاہتا یہ ہے کہ وہ اُس کے پاس بھی نہ رہے۔ اس لئے وہ ہر تخریبی حربہ استعمال کرتا ہے۔ ہر وقت اس کی تذلیل و تحقیر کی چالیں سوچتا رہتا ہے۔ اِس سے، اُس کا جسقدر نقصان ہو، وہ الگ بات ہے۔ خود اُس کا دل جہنم کی آگ کے شعلوں میں لپٹے رہتا ہے۔ کتنا بڑا ہے یہ عذاب جس میں یہ ماخوذ ہوتا ہے۔

حسد

۱۔ اہل کتاب حسد کی بنا پر چاہتے تھے کہ جو لوگ اسلام لائے تھے، پھر سے کفر اختیار کر لیں۔ (۲: ۱۰۹)

۲۔ یہود حسد کرتے تھے کہ مسلمانوں کو یہ کچھ کیوں مل گیا۔ (۴: ۵۴)

۳۔ جب ان خطاکاروں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تم ہم سے حسد کی بنا پر ایسا کہتے ہو۔ (۴۸: ۱۵)

۴۔ جب حسد کرنے والا حسد پر اتر آئے تو اُس کے شر سے بچنے کا طریق یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ اطاعت قوانین خداوندی کرنے لگ جائے۔ اس سے یہ ایسی پناہ گاہ میں آجائے گا جو اُسے اس کے شر سے محفوظ کر دے گی۔ یعنی یہ اُسی قسم کی تخریبی کارروائیوں پر نہ اتر آئے۔ اپنے تعمیری پروگرام میں شدّت سے منہمک ہو جائے۔ (۱۱۳: ۵)

۱۱۔ حشر

(نیز دیکھئے قیامت۔ آخرت وغیرہ عنوانات)

حشر:۔ اس مادہ کے بنیادی معنی اکٹھا کرنے کے ہیں، اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ مُردوں کو قیامت کے دن ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور وہاں ان کا حساب ہوگا۔ جیسا کہ قیامت۔ آخرت وغیرہ عنوانات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی کیسی ہوگی اور اُس کے کوائف کس قسم کے، اُس کے متعلق ہم اس دنیا کی زندگی میں کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد زندگی برحق ہے اور وہاں خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق انسانوں کے اعمال کے نتائج ان کے سامنے آئیں گے۔ قرآن کریم نے سمجھانے کی خاطر، اسے اُس طرح بیان کیا ہے جیسے ایک عدالت میں ملزم پیش ہوتے ہیں لیکن اُس قسم کے بیانات تمثیلی ہیں۔ مقصد ان سے مکافاتِ عمل ہی ہے۔ اسی سلسلہ میں جمع کرنے یا 'حاضر ہونے' کے الفاظ بھی قرآن کریم

میں آئے ہیں۔ یہ آیات عنوانِ زیرِ نظر کے تابع لکھی جا رہی ہے۔ بعض مقامات پر اس لفظ (حشر) کے معنی مرنے کے بعد زندہ کرنے یا اٹھانے کے بھی آئے ہیں۔

۲۔ حشر کے معنی اس دنیا کے اجتماعات ۔ بالخصوص جنگ کے اجتماعات بھی ہیں ۔ مثلاً لشکروں کو اکٹھا کرنا ۔ فوج کو جمع کرنا ۔ یورش کرنا ۔ حملہ کرنا وغیرہ ۔ جن آیات میں یہ لفظ ان معانی میں آیا ہے ۔ انہیں الگ درج کر دیا گیا ہے ۔ اگرچہ بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں دونوں مفہوم لئے جا سکتے ہیں ۔ اسے ہم قارئین کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں کہ وہ متعلقہ آیات کے سیاق و سباق کو دیکھ کر خود سمجھ لیں کہ اس کا تعلق اس دنیا سے ہے یا مرنے کے بعد کی زندگی سے ۔

۳۔ عنوان قیامت کا ذیلی باب فرادیٰ بھی دیکھئے (جسے وہاں 'متفرق' کے تابع لکھا گیا ہے)

مرنے کے بعد حشر ۔ اٹھا کھڑا کرنا یا جمع کرنا

۱۔ جو شخص قوانینِ خداوندی سے اعراض برتے گا۔ اس کی روزی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن وہ اندھا اٹھایا جائے گا۔ (۲۰ : ۱۲۴-۱۲۵)

۲۔ ان سب کو اکٹھا کیا جائے گا اور خدا کے حضور صف بستہ پیش کیا جائے گا ۔ (۱۷ : ۹۷) ۔ (۱۸ : ۴۷-۴۸) ۔ (۲۰ : ۱۰۲)

۳۔ متقین خدا کے حضور باعزت طریق سے جمع کئے جائیں گے ۔ (۱۹ : ۸۵)

۴۔ ہر قوم سے ایک جماعت کو اکٹھا کیا جائے گا ۔ (۲۷ : ۸۳) ۔ اس سے مراد اس دنیا میں میدانِ جنگ میں جمع کرنا بھی ہو سکتے ہیں ۔

۵۔ ان سب کو اور شیاطین (ان کے سرغنوں) کو اکٹھا کیا جائے گا اور جہنم کے گرد حاضر کیا جائے گا ۔ (۸ : ۳۶) ۔ (۱۹ : ۶۸) ۔ (۲۵ : ۳۴)

۶۔ انہیں اکٹھا کیا جائے گا ۔ (یا اٹھایا جائے گا) اور پوچھا جائے گا کہ جنہیں تم شریکِ خدائی کرتے تھے وہ کہاں ہیں ۔ (۶ : ۲۲) ۔ (۱۰ : ۲۸) ۔ (۲۵ : ۱۷) ۔ (۳۴ : ۴۰) ۔ (۳۷ : ۲۲-۲۳) ۔ (۴۶ : ۶)

۷۔ جو لوگ خدا کی عبودیت سے تکبر یا نفرت برتیں گے ، ان سب کو اکٹھا کیا جائے گا ۔ (۴ : ۱۷۲)

۸۔ جن و انس کو اکٹھا کیا جائے گا ۔ (۶ : ۱۲۸)

۹۔ جس دن انہیں اکٹھا کیا جائے گا وہ یوں سمجھیں گے گویا وہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے قریب رہے تھے اور وہ ایک

دوسرے کو پہچانتے ہوں گے ۔ (۱۰ : ۴۵)

۱۰۔ خدا، پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں، سب کو اکٹھا کرے گا ۔ (۱۵ : ۲۴-۲۵)

۱۱۔ یاد رکھو! تم نے خدا کے ہاں اکٹھا ہونا ہے ۔ (۲ : ۲۰۳) - (۸ : ۲۴)

۱۲۔ تم مر جاؤ یا جنگ میں قتل ہو جاؤ ۔ تم سب کو خدا کے ہاں اکٹھا ہونا ہے (۳ : ۱۵۷)

۱۳۔ اس خدا کا تقویٰ اختیار کرو جس کی طرف تم سب نے اکٹھا ہونا ہے ۔ (۵ : ۹۶) - (۶ : ۷۲) —
(۶۷ : ۲۴) - (۵۸ : ۹) - (۲۳ : ۷۹)

۱۴۔ جس دن خدا کے دشمنوں کو النار کی طرف جمع کیا جائے گا ۔ (۴۱ : ۱۹)

۱۵۔ مومن اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ انہوں نے خدا کے ہاں جمع ہونا ہے ۔ (۶ : ۵۱)

۱۶۔ الکتاب میں کسی بات کو چھوڑا نہیں گیا ۔ پھر سب کو خدا کے ہاں جمع ہونا ہے ۔ (۶ : ۳۸)

۱۷۔ جس دن زمین پھٹ جائے گی ۔ اس طرح انہیں اکٹھا کرنا خدا کے لئے آسان ہے ۔ (۵۰ : ۴۴) اس سلسلہ میں عنوان "قیامت" کے تابع اس باب کو دیکھئے جس میں اس قسم کے تکوینی انقلاب کا ذکر ہے ۔

۱۸۔ جب جنت قریب لائی جائے گی اور ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا تھا — مَا أَحْضَرَتْ (۳ : ۳۰)
(۸۱ : ۱۴) - (۱۸ : ۴۹)

۱۹۔ کفار عذاب میں حاضر کئے جائیں گے ۔ (۱۹ : ۶۸) - (۳۰ : ۱۶) - (۳۴ : ۳۸)

۲۰۔ سب خدا کے حضور حاضر کئے جائیں گے ۔ (۳۶ : ۳۲) - (۳۶ : ۵۳) - (۳۶ : ۷۵)

۲۱۔ تکذیبِ رسل کرنے والے (عذاب میں) حاضر کئے جائیں گے ۔ لیکن خدا کے مخلص بندے نہیں ۔ (۳۷ : ۱۲۷-۱۲۸)

۲۲۔ جن (بدوی قبائل) بھی جانتے ہیں کہ وہ حاضر کئے جائیں گے ۔ (۳۷ : ۱۵۸)

۲۳۔ قیامت کے دن سب حاضر کئے جائیں گے ۔ (۲۸ : ۶۱)

۲۴۔ جس پر خدا کی نعمت ہو وہ (عذاب میں) حاضر نہیں کیا جائیگا ۔ (۳۷ : ۵۷)

۲۵۔ تمہیں اور اولین کو یوم الفصل کو جمع کیا جائے گا ۔ (۲ : ۱۴۸) - (۴ : ۸۷) - (۴ : ۱۴۰) - (۶ : ۱۲) -
(۱۸ : ۹۹) - (۳۶ : ۳۲) - (۳۶ : ۵۳) - (۴۵ : ۲۶) - (۵۶ : ۵۰) - (۶۴ : ۹) - (۷۷ : ۳۸)

۲۶۔ جس دن خدا رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تہاری دعوت کا جواب کیا ملا تھا ۔ (۵ : ۱۰۹)

۲۷۔ یوم الجمع ۔ (۴۲ : ۷) - (۶۴ : ۹) - جامع الناس ۔ (۳ : ۹) - (۴ : ۱۴۰) - (۱۱ : ۱۰۳) - (۵۶ : ۵۰)

۲۸- سب کا مرجع خدا ہے۔ (۴۸ : ۵) - نیز دیکھئے عنوان رجع - (۵ : ۱۰۵) - (۴ : ۱۰)

۲۹- جہنم میں سب اُمم اکٹھی ہو جائیں گی - (۳۸ : ۷) متبعین ابلیس بھی - (۱۸ : ۷) - (۴۳ : ۱۵) - (۹۵ : ۲۶) (۱۳ : ۳۲) - (۸۵ : ۳۸)

۳۰- تابع اور متبوع سب سامنے آجائیں گے - (۲۱ : ۱۴)

۳۱- سب کو اکٹھا کیا جائے گا - (۶ : ۵۸) - نیز دیکھئے عنوان بعث - (۱۸ : ۵۸)

۳۲- سب سے باز پرس ہو گی - (۹۲ : ۱۵)

۳۳- یوم الفصل سب کی میقات ہے - (۴۰ : ۴۴)

۳۴- جن و انس سے جہنم بھر دی جائے گی - (۱۱۹ : ۱۱) : (۱۳ : ۳۲)

دنیا میں حشر — فوجوں کا جمع کرنا وغیرہ

۱- حضرت سلیمانؑ نے اپنے لشکروں کو اکٹھا کیا - (۱۷ : ۲۷)

۲- جب وحشی (غیر متمدن) اقوام کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے گا - (۵ : ۸۱)

۳- ان مخالفین سے کہو کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے - (یہ آیت جنگ کے کوائف کے سلسلہ میں آئی ہے) - (۱۱ : ۳)

۴- فرعون نے حکم دیا کہ لوگ (حضرت موسیٰؑ اور ساحرین کا مقابلہ دیکھنے کے لئے) چاشت کے وقت جمع ہو جائیں - (۱۱۱ : ۷) (۵۹ : ۲۰) - (۳۶ : ۲۶) - (۵۳ : ۲۶) - (۲۳ : ۷۹)

۵- یہودیوں کے خلاف پہلا حملہ - (۲ : ۵۹)

۶- حضرت داؤدؑ کے گرد قبیلہ طیر کے افراد کو اکٹھا کر کے ان کے مطیع کر دیا گیا تھا - (۱۹ : ۳۸)

۷- ارض اور سمٰوٰت (آسمانی کرّوں) میں دابّہ (ذی حیات مخلوق) ہیں - اور خدا اس پر قادر ہے کہ اپنی مشیت کے مطابق جب چاہے انہیں جمع کر دے - (۲۹ : ۴۲)

—(۰)—

۱۲۔ حضانت

حضانت (GUARDIANSHIP) کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ماں باپ کی علیحدگی کی صورت میں نابالغ بچے کس کی تحویل میں رہیں۔ اس کی بابت قرآن کریم نے کوئی خاص حکم نہیں دیا۔ اصول یہ بیان کیا ہے کہ فیصلہ ایسا ہونا چاہیئے جس کی رو سے نہ تو باپ کو ناحق مشقت اٹھانی پڑے اور نہ ہی ماں کو اذیت (۲۳۳ : ۲)۔ اس مقصد کے لئے اسلامی حکومت کو قوانین وضع کرنے ہوں گے۔

۱۳۔ حق

حق (ح۔ق۔ق) یہ قرآن کریم کی بڑی جامع اصطلاح ہے جو بہت سے معانی و مفاہیم کو محیط ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اس طرح موجود، واقع اور ثابت ہوجانا کہ اس کے واقع ہونے یا ثابت ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ کیا جاسکے۔ مفہوم کے اعتبار سے اس کا مطلب ہوتا ہے:

۱۔ کسی چیز کا ٹھوس واقعہ یا حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آجانا۔ یعنی یہ نہیں کہ ہم اسے محض نظری طور پر یا عقیدۃً مانیں۔ بلکہ وہ اپنے ٹھوس اور تعمیری نتائج کے اعتبار سے اپنی شہادت آپ بن کر سامنے آجائے۔

۲۔ کسی شے کا اس طرح ثابت اور مستحکم ہوجانا کہ وہ مٹ نہ سکے۔ نہ ہی اپنے مقام سے ہل سکے۔ یہ خصوصیت تعمیری نتائج پیدا کرنے والے کاموں کی ہوتی ہے۔

۳۔ وہ شے جو زمانے کے تقاضوں کو ٹھیک ٹھیک پورا کرتی جائے اور فطرت کے قانونِ حفظ و بقا کے عین مطابق ہو۔

۴۔ وہ بات ظنی نہ ہو۔ یقینی ہو۔

۵۔ وہ شے اپنی صداقت کے لئے خارجی دلائل کی محتاج نہ ہو بلکہ سورج کی طرح اپنی دلیل آپ ہو۔

۶۔ وہ عدل و صداقت کے ہر معیار پر پوری اترے۔

یہ سلسلۂ کائنات قائم ہی حق پر ہے۔ خود خدا حقِ مطلق ہے۔ اس نے اسے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ کائنات محض افسانہ اور تخیلاتی سراب نہیں۔ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور تعمیری نتائج پیدا کرنے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ انسانوں کی راہ نمائی کے لئے حق کا پیغام وحیٔ خداوندی کی طرف سے ملا جو رسولوں کی وساطت سے

انسانوں تک پہنچایا گیا۔ اس لئے خدا کی ہر وحی حق تھی۔ قرآن حق ہے۔ اس کا رسول حق ہے۔ اس کا دین حق ہے۔

دنیا میں حق و باطل (تعمیری اور تخریبی قوتوں) کی کشمکش کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن اس میں آخرالامر حق (اقدارِ خداوندی ــــ تعمیری قوتوں اور کوششوں) کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ساری کائنات کا رخ حق کی طرف ہے۔ انسانی دنیا میں حق کا قیام، انسانی ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ اسی کا نام نظامِ حق ہے۔

لہٰذا حقیقت۔ صداقت۔ یقین۔ عدل۔ تعمیر۔ ثبات۔ بقا۔ وغیرہ حق ہی کے مختلف پرتو ہیں اور قرآن اسی حق کا مظہر ہے۔ یعنی قرآنی تصور کی رُو سے، حقیقت (REALITY)۔ خیر (GOOD)۔ صداقت (RIGHT) عدل (JUSTICE) اور واجب (RIGHT) سب الحق (THE TRUTH) کے مختلف پرتو ہیں۔ یعنی اس میں سے کسی ایک کو بھی لیجئے تو اس میں سب کی جھلک موجود ہوتی ہے۔

۶۔ ہمارے ہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اصطلاحات مروج ہیں۔ قرآن کریم میں انسانوں کے حقوق کا تو ذکر ہے۔ (مثلاً (۱۹ : ۵۱) ۔ (۲۴ : ۷۰) لیکن حقوق اللہ کا کہیں ذکر نہیں۔ صرف ایک مقام پر ہے کہ جب فصل کاٹو تو اس میں سے اس کا حق، حقہٗ بھی دے دیا کرو۔ (۱۴۱ : ۶)۔ یہ بھی درحقیقت محتاجوں ہی کا حق ہے جسے اس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

۷۔ قرآن کریم میں حق کا لفظ بے شمار مقامات پر آیا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ مفہوم کے اعتبار سے اسے مختلف عنوانات کے تابع درج کر دیا جائے۔ لیکن یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا کرنے میں کوئی آیت چھوٹ نہیں گئی البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کوئی اہم مقام ایسا نہیں جو جسے درج نہ کیا گیا ہو۔

حق (بمعنی صداقت۔ حقیقت۔ اصلی اور یقینی بات۔ حقائق۔ عدل وغیرہ)

۱۔ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا قانونِ مکافاتِ عمل حق ہے۔ کہو کہ بالکل حق ہے۔ (۵۳ : ۱۰)

۲۔ دوزخ والوں کا یہ باہمی جھگڑا حق ہے۔ (۶۴ : ۳۸)

۳۔ یہ ایسا حق (یقینی) ہے جیسے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (۲۳ : ۵۱)۔
حق الیقین ہے۔ (۹۵ : ۵۶) ــ (۵۱ : ۶۹)

۴۔ اس دن میزان (فیصلے) حق کے مطابق ہوں گے۔ (۸ : ۷)

۵۔ اس دن قوت و اقتدار بالحق خدا کے لئے ہوگا۔ (۲۵ : ۲۶)

۶۔ میدانِ جنگ کے کھلے ہوئے فیصلہ کو حق کہا گیا ہے۔ (۸ : ۴۱)

۷۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں خدا کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ (۷ : ۱۰۵)

۸۔ عزیز کی بیوی نے کہا کہ ہاں! اب سچی بات (حق) سامنے آگیا۔ (۱۲ : ۵۱)

۹۔ اگر حق لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرنے لگ جائے تو کائنات میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ (۲۳ : ۷۱)

۱۰۔ یہ یوم الحق ہے۔ (۵۶ : ۹۵) – (۷۸ : ۳۹)

۱۱۔ الحق خدا کی طرف سے ہے۔ باقی سب ضائع ہو جانے والا ہے۔ (۲۸ : ۷۵)

۱۲۔ تلبیس حق و باطل مت کرو کتمانِ حق مت کرو۔ (۲ : ۴۲) – (۲ : ۱۴۵) – (۳ : ۷۰)

۱۳۔ کفار کہتے ہیں کہ اگر جو کچھ ہم سے کہا جاتا ہے وہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے عذاب نازل کر دے۔ (۸ : ۳۲)

۱۴۔ بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہیں۔ (۴ : ۱۷۱) – (۷ : ۱۶۹)

۱۵۔ اگر حق قبول نہ کیا جائے تو پھر ضلالت ہی باقی رہ جاتی ہے۔ (۱۰ : ۳۲)

۱۶۔ وہی حق ہے جو خدا کے لئے ہے۔ (۱۳ : ۱۴)

۱۷۔ خدا کی ولایت (سرپرستی) حق ہے۔ (۱۸ : ۴۴)

۱۸۔ خدا کی بات حق ہوتی ہے۔ (۱۹ : ۳۴)

۱۹۔ خدا حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت کرے۔ (۱۰ : ۳۵)

۲۰ حق اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ (۲۸ : ۷۵)

۲۱۔ قصۂ ذبح بقر میں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تو اب حق پر آیا۔ یعنی اب تو نے ٹھیک بات کی۔ (۲ : ۷۱)

۲۲۔ انہیں آدمؑ کے بیٹوں کا قصہ حق کے ساتھ سناؤ۔ (۵ : ۲۷) – اصحابِ کہف کا قصہ بھی۔ (۱۸ : ۱۳) – داستانِ موسیٰؑ اور فرعون بھی۔ (۲۸ : ۳)

۲۳۔ رب کے سامنے جائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ حق ہے یا نہیں۔ (۶ : ۳۰) – (۴۶ : ۳۴)

۲۴۔ حضرت شعیبؑ نے کہا کہ اے میرے رب! مجھ میں اور میری قوم میں حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ (۷ : ۸۹)

۲۵۔ رسول اللہؐ جنگ کے لئے نکلے تو ان کا ایسا کرنا حق کے ساتھ تھا۔ (۸ : ۵)

۲۶۔ حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دینے والوں نے کہا کہ ہم تمہیں حق کے ساتھ بشارت دیتے ہیں۔ (۱۵ : ۵۵)

۲۷۔ ضیفِ حضرت لوطؑ نے کہا کہ ہم تیرے پاس حق کے ساتھ آئے ہیں۔ (۶۴ : ۱۵)

۲۸۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب بت پرستی کے خلاف وعظ کیا تو باپ نے کہا کہ تم یہ باتیں سچ مچ (بالحق) کر رہے ہو یا یونہی مذاق کر رہے ہو۔ (۵۵ : ۲۱)

۲۹۔ حضورؐ سے کہا کہ دعا کرو کہ خدا حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ (۱۱۲ : ۲۱) ۔ (۲۶ : ۳۴)

۳۰۔ قومِ عاد کو عذاب نے بالحق پکڑ لیا۔ (۴۱ : ۲۳)

۳۱۔ ہمارے پاس کتاب ہے (قانونِ مکافاتِ عمل) جو بالحق بات کرتی ہے۔ (۶۲ : ۲۳) ۔ (۲۹ : ۴۵)

۳۲۔ ان کے پاس حق آگیا ۔ لیکن اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ (۵ : ۶) ۔ (۹۰ : ۲۳) ۔ (۴۳ : ۳۴) ۔ (۷۸ : ۴۳)
(۷ : ۴۶) ۔ (۵ : ۵۰) ۔ (۱ : ۶۰)

۳۳۔ حق کی تکذیب کرنے والوں سے زیادہ ظالم کون ہے۔ (۶۸ : ۲۹)

۳۴۔ خدا حق لے آیا ہے۔ (۳۷ : ۳۷)

۳۵۔ مقدمہ کے فریقین نے حضرت داؤدؑ سے کہا کہ ہمارا فیصلہ حق کے ساتھ کر دے۔ (۲۲ : ۳۸) ۔ (۲۶ : ۳۸)

۳۶۔ ہر ایک کا فیصلہ حق کے ساتھ کیا جائے گا۔ (۶۹ : ۳۹) ۔ (۷۵ : ۳۹) ۔ (۲۰ : ۴۰) ۔ (۷۸ : ۴۰)

۳۷۔ حق کی شہادت دینے والا۔ (۸۶ : ۴۳)

۳۸۔ رسولؐ کا خواب حق کے ساتھ سچا ہوگا۔ (۲۷ : ۴۸)

۳۹۔ جس دن یہ حق کے ساتھ تباہی کی آواز سنیں گے۔ (۴۲ : ۵۰)

۴۰۔ مومن حق کے ساتھ ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔ (۳ : ۱۰۳)

۴۱۔ جس جان کو خدا نے واجب الاحترام ٹھہرایا اسے حق کے بغیر تلف مت کرو۔ (۱۵۲ : ۶) ۔ (۳۳ : ۱۷) ۔ (۶۸ : ۲۵)

۴۲۔ ملائکہ حق کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔ (۸ : ۱۵)

۴۳۔ یہ تجھ سے حق کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں۔ (۶ : ۸)

۴۴۔ قومِ فرعون کی طرف حق آگیا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ فریب ہے۔ (۷۶ : ۱۰)

۴۵۔ ظن، حق کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ (۳۶ : ۱۰) ۔ (۲۸ : ۵۳)

۴۶۔ خدا حق کہنے سے نہیں شرماتا۔ (۲۶ : ۲) ۔ (۵۳ : ۳۳)

۴۷۔ جو لوگ کہیں کہ ہم بعض باتوں پہ ایمان رکھتے ہیں بعض پہ نہیں۔ وہ کافر حقاً (پکے کافر) ہیں (۸۵ : ۲) ۔ (۱۵۰ : ۴)

۴۸۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کا مکالمہ کہ ہم نے خدا کے وعدوں کو حق پایا۔ (۴۴ : ۷)

۴۹۔ مہاجرین و انصار مومن حقا ہیں۔ (۷۴ : ۸)

۵۰۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ خدا نے میرے خواب کو حق (سچ) کر دکھایا۔ (۱۰۰ : ۱۲)

۵۱۔ خدا حق کہتا ہے اور اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ (۵۷ : ۶)

۵۲۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے ساحرین کی کشمکش میں حق واقع ہو گیا۔ اور مخالفین کا کیا کرایا باطل ہو گیا۔ (۱۱۸-۱۱۷ : ۷)

۵۳۔ کفار جو بات بھی پوچھتے تھے خدا اس کا جواب حق کے ساتھ دیتا تھا۔ (۳۳ : ۲۵)

۵۴۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ حق تمہارے پاس آیا تھا لیکن تم نے اس کی تکذیب کی تھی۔ (۷۸ : ۴۳)

۵۵۔ جو حق کی شہادت دے گا وہ دوسرے کے ساتھ کھڑا ہو سکے گا۔ (۸۶ : ۴۳)

۵۶۔ جہنم کو دیکھ کر کفار اعتراف کریں گے کہ وہ حق ہے۔ (۳۴ : ۴۶)

۵۷۔ سکراتِ موت حق کے ساتھ آتی ہے (۱۹ : ۵۰)

خدا حق ہے

۱۔ یہ ہے اللہ۔ جو الحق ہے۔ (۳۲ : ۱۰)

۲۔ تعالیٰ اللہ الملک الحق۔ (۱۱۴ : ۲۰)۔(۱۱۶ : ۲۳)

۳۔ اللہ حق ہے۔ (۶ : ۲۲)۔(۶۲ : ۲۲)۔(۲۵ : ۲۴)۔(۳۰ : ۳۱)

۴۔ خدا مولائے حق ہے۔ (۶۲ : ۶)۔(۳۰ : ۱۰)

خدا کی ہر وحی اور رسول برحق تھے

۱۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ رسول حق پر ہے۔ (۸۵ : ۳)

۲۔ تمہیں ہم نے حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (۱۱۹ : ۲)۔(۲۴ : ۳۵)

۳۔ ہر رسول کے ساتھ کتاب بالحق نازل کی۔ (۲۱۳ : ۲)

۴۔ ہر رسول حق کے ساتھ آتا تھا۔ (۴۳ : ۷)۔(۵۳ : ۷)

۵۔ قومِ موسیٰؑ کے لوگ حق کی طرف راہ نمائی کرتے تھے اور اس کے ساتھ عدل کرتے تھے۔ (۱۵۸ : ۷)

۶۔ حضرت موسیٰؑ حق کے ساتھ آئے تھے۔ (۲۵ : ۴۰)

۷۔ اے رسول! تو واضح حق پر ہے۔ (۷۹ : ۲۷)

۸۔ رسول اللہؐ حق کے ساتھ آئے تھے (۳۷ : ۳۷)

قرآن حق ہے

۱۔ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اس باب میں کسی بحث و جدل کی ضرورت نہیں۔ (۱۴۷ : ۲)۔ (۵۹ : ۳)۔ (۹۴ : ۱۰)

۲۔ الحق کے واضح ہو جانے کے باوجود یہ اہلِ کتاب اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ (۱۰۹ : ۲)

۳۔ تمہاری طرف الحق آگیا۔ (۹۴ : ۱۰)

۴۔ الحق آجانے پر یہودیوں کی طرف سے اعتراض۔ (۴۸ : ۲۸)۔ کفار کی طرف سے بھی۔ (۶۶ : ۶)۔ (۷۰ : ۲۳)۔ (۳۰-۲۹ : ۴۳)

۵۔ اے نوعِ انسان! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے الحق آگیا۔ (۱۰۸ : ۱۰)

۶۔ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں وہ الحق ہے۔ (۶۱ : ۳)

۷۔ قرآن میں تیری طرف حق آگیا ہے (۱۲۰ : ۱۱)۔ (۱ : ۱۳)۔ (۱۹ : ۱۳)

۸۔ حق خدا کی طرف سے آگیا سو جس کا جی چاہے اسے تسلیم کرے۔ جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔ (۲۹ : ۱۸)

۹۔ مومن، قرآن کی ہر بات کو حق مانتا ہے۔ (۲۶ : ۲)۔ (۵۳ : ۲۸)۔ (۱۸ : ۴۲)

۱۰۔ قرآن تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ (۱۷ : ۱۱)

۱۱۔ ہم تمہیں انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ قرآن حقیقتِ ثابتہ ہے۔ (۵۳ : ۴۱)

۱۲۔ یہ کہتے ہیں کہ قرآن افتریٰ ہے۔ یہ الحق ہے۔ (۳ : ۳۲)

۱۳۔ صاحبانِ علم جانتے ہیں کہ جو تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ الحق ہے۔ (۶ : ۳۴)

۱۴۔ قرآن حق ہے۔ (۹۱ : ۲)۔ (۲۵ : ۳۳)۔ (۳۱ : ۳۵)

۱۵۔ مومن اتباعِ حق کرتا ہے۔ (۳ : ۴۷)

۱۶۔ اہلِ کتاب جانتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے الحق ہے۔ (۱۴۴ : ۲)۔ (۵۲ : ۲۸)

۱۷۔ بہت سے لوگ حق کو جانتے ہیں اور اس سے اعراض برتتے ہیں۔ (۲۴ : ۲۱)

۱۸۔ قرآن حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ (۳۰ : ۴۶)

۱۹۔ قرآن حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ (۲ : ۱۷۶) — (۳ : ۳) — (۴ : ۱۰۵) — (۵ : ۴۸) — (۶ : ۱۱۵) — (۱۶ : ۱۰۲) — (۱۷ : ۱۰۵) — (۳۹ : ۲) — (۳۹ : ۴۱) — (۴۲ : ۱۷)

۲۰۔ یہ آیات تم پر بالحق تلاوت کی جاتی ہیں۔ (۲ : ۲۵۲) — (۳ : ۱۰۷) — (۴۵ : ۶)

۲۱۔ قرآنی ہدایات حق ہیں۔ (۲ : ۱۴۹)

۲۲۔ مومن قرآن (الحق) پر ایمان لاتے ہیں۔ (۲ : ۲۱۳)

۲۳۔ یہ حق کی تکذیب کرتے ہیں۔ (۶ : ۵)

۲۴۔ حق آجانے کے بعد ان کے خیالات کا اتباع مت کرو۔ (۵ : ۴۹)

۲۵۔ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے حق کو پہچان لیتے ہیں۔ (۵ : ۸۳) — (۵ : ۸۴)

۲۶۔ مومنین کے دل قرآن کے سامنے نرم پڑ جاتے ہیں۔ (۵۷ : ۱۶)

۲۷۔ جب ان کی طرف حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جھوٹ ہے (۴۳ : ۲۹-۳۰)

۲۸۔ ما نُزِّلَ علیٰ محمد حق ہے۔ باقی سب باطل ہے۔ (۴۷ : ۲-۳)

خدا کے وعدے حق ہیں

۱۔ خدا کا ہر وعدہ حق ہے۔ (۱۰ : ۵۵) "خدا کے وعدہ" سے مراد ہے اس کے مقرر کردہ قانون کی رُو سے مرتب ہونے والے نتائج۔ یہ نتائج اٹل ہوتے ہیں۔ (۱۸ : ۲۱) - نیز جو کچھ خدا نے وحی کے ذریعے کہا ہو وہ بھی پورا ہو کر رہتا ہے۔ (۱۴ : ۲۲) — (۱۸ : ۹۸) — (۲۸ : ۱۳) — (۳۰ : ۶۰) — (۳۱ : ۳۳) — (۳۵ : ۵) — (۴۰ : ۷۷) — (۴۶ : ۱۷) — (۴۵ : ۳۲)

۲۔ خدا کی ہر بات الحق ہے۔ (۶ : ۷۳) — (۴ : ۳۳) — (۳۳ : ۴) — (۳۸ : ۸۴)

۳۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ اے اللہ! تیرا وعدہ ہمیشہ حق ہوتا ہے۔ (۱۱ : ۴۵)

۴۔ خدا کا سچا وعدہ قریب آپہنچا۔ (۲۱ : ۹۷)

۵۔ مومنین کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ اور خدا کے تمام وعدے حق ہوتے ہیں۔ (۴ : ۱۲۲) — (۴ : ۱۰۴)

۶۔ اہل جنت اور اہل جہنم کا مکالمہ کہ ہم نے خدا کے ہر وعدے کو سچا پایا۔ (۷ : ۴۴)

۷۔ مومنین اور خدا کا معاملہ — یہ خدا کا وعدہ حق ہے۔ توریت و انجیل میں موجود تھا۔ (۹ : ۱۱۱)

۸۔ مومنین کو تباہی سے بچانا خدا پر لازم ہو جاتا ہے۔ (۱۰ : ۱۰۳) - (۳۰ : ۴۷)

۹۔ خدا کا وعدہ کہ موت کے بعد زندگی ہو گی حق ہے۔ (۱۶ : ۳۸)

۱۰۔ یوں خدا کی بات کفار کے حق میں پوری ہو گئی۔ (۱۰ : ۳۳) - (۱۰ : ۹۶) - (۱۶ : ۳۶) - (۳۶ : ۷۰) - (۳۹ : ۷۱) - (۴۰ : ۶)

دین حق ہے

۱۔ دین بمعنی اعمال کے نتائج۔ (۲۴ : ۲۵)

۲۔ خدا نے رسول کو ہدایت اور دین الحق کے ساتھ بھیجا۔ (۹ : ۳۳) - (۴۸ : ۲۸) - (۶۱ : ۹)

۳۔ یہ اہل الکتاب، دین الحق اختیار نہیں کرتے۔ (۹ : ۲۹)

۴۔ دعوت الحق خدا کے لیے ہے۔ (۱۳ : ۱۴)

حق بمعنی واجب۔ یا واجب ہو جانا۔ ایسا کرنا جیسا کہ کرنے کا حق ہے۔ حقیقت بن کر سامنے آ جانا۔

۱۔ مومنوں کے مال میں سائل و محروم کا حق ہے۔ (۵۱ : ۱۹) - (۷۰ : ۲۴-۲۵)

۲۔ وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کا حق ہے۔ (۲ : ۱۲۱)

۳۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ (۳ : ۱۰۱)

۴۔ انہوں نے خدا کے متعلق اندازہ ہی نہیں لگایا۔ جیسا کہ اندازہ لگانے کا حق ہے۔ (۶ : ۹۲) - (۲۲ : ۷۴) - (۳۹ : ۶۷)

۵۔ اللہ کے لئے جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ (۲۲ : ۷۸)

۶۔ عیسائیوں نے رہبانیت کا مسلک خود ہی وضع کیا۔ اور پھر اس کی ایسی رعایت نہ کر سکے۔ جیسا کہ اس کا حق تھا۔ یعنی اسے نباہ ہی نہ سکے۔ (۵۷ : ۲۷)

۷۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ جس بات کے کہنے کا مجھے حق نہیں تھا۔ وہ میں کیسے کہہ سکتا تھا۔ (۵ : ۱۱۶)

۸۔ قومِ لوط نے حضرت لوطؑ سے کہا کہ تو جانتا ہے کہ عورتوں میں ہماری دلچسپی نہیں۔ اس کے لئے بھی حق کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جو ٹھیک اور واجب ہے اسے ہم پسند نہیں کرتے۔ (۱۱ : ۷۹)

۹۔ لوگوں پر ان کے اعمال کے نتائج کے طور پر ضلالت واجب ہو جاتی ہے۔ یعنی ان کے اعمال گمراہی کا موجب بن جاتے ہیں

(۳۰ : ۷) - تباہی بھی - (۱۸ : ۲۲) - خدا کی بات (۶۳ : ۲۸) - یعنی قانونِ مکافات کی رُو سے جہنم (۱۳ : ۳۲) - بہت سوں پر خدا کی بات
(قانونِ مکافات) پوری ہوگئی - (۱۹ : ۱۷) - (۷ : ۳۶) - (۳۱ : ۳۷) - (۱۴ : ۳۸) - (۱۹ : ۳۹) - (۲۵ : ۴۱) - (۱۸ : ۴۶) - (۱۴ : ۵۰)
ان آیات میں حق کے معنی واجب ہو جانے کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ عذاب ایک ٹھوس حقیقت بن کر ان کے سامنے آگیا) -
(۱۰۶-۱۰۷ : ۵) - (۱۰ : ۳۳) - (۱۰ : ۹۶) - (۱۶ : ۳۶) - (۳۶ : ۶۰) - (۳۹ : ۷۱) - (۴۰ : ۶) - (۸۴ : ۵) - (۸۴ : ۲۷)

۱۰۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ مجھ پر واجب یہی ہے (حقیق) کہ میں خدا کے متعلق الحق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ (۱۰۵ : ۷)

۱۱۔ مطلقہ بیوی کو سامانِ زندگی دینا چاہیئے۔ یہ مومنین پر لازم ہے۔ (۲۴۱ : ۲)

۱۲۔ مومنین کو تباہی سے بچانا خدا پر لازم ہوتا ہے۔ (۱۰۳ : ۱۰) ۔ (۴۷ : ۳۰)

۱۳۔ فصل کی کٹائی کے وقت، خدا کا حق اسے (غریبوں کو) دے دیا کرو۔ (۱۴۲ : ۶)

۱۴۔ ذی القربیٰ اور مساکین کو ان کا حق دے دیا کرو۔ (۲۶ : ۱۷) ۔ (۳۸ : ۳۰)

۱۵۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں خدا کے متعلق ہمیشہ حق کہوں۔ (۱۰۵ : ۷)

۱۶۔ مطلقہ بیوی کو واپس لینے کا زیادہ حقدار اس کا خاوند ہے۔ (۲۲۸ : ۲)

۱۷۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم طالوت سے زیادہ حقدار ہیں کہ ہمیں کمان دی جائے۔ (۲۴۷ : ۲)

۱۸۔ ہم ان کے مقابلہ میں شہادت دینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ (۱۰۷ : ۵)

۱۹۔ بتاؤ کہ ان دونوں فریقوں میں سے کوئی زیادہ اس کا حقدار ہے۔ (۸۲ : ۶)

۲۰۔ مسجدِ اوّل زیادہ حقدار ہے کہ تو اس میں قیام کرے۔ (۱۰۸ : ۹)

۲۱۔ جو حق کی دعوت دیتا ہے اسے زیادہ حق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ (۳۵ : ۱۰)

۲۲۔ مومنین پر سکون نازل کیا۔ وہ اس کے زیادہ حقدار تھے۔ (۲۶ : ۴۸)

۲۳۔ خدا اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرا جائے۔ (۱۳ : ۹) - (۳۷ : ۳۳)

۲۴۔ خدا اور رسول (نظامِ خداوندی) اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی رکھا جائے۔

بغیر الحق (ناحق)

۱۔ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کو بغیر الحق قتل کر دیتے تھے۔ (۶۱ : ۲) - (۲۰ : ۳) — (۱۱۱ : ۳) —
(۱۸۰ : ۳) — (۱۵۵ : ۴)

۲- دنیا میں بغیر تعمیری کام (حق) کیے بڑا بننے کی کوشش کرنا، ذلت آمیز عذاب کا موجب ہوتا ہے۔ (۴۶ : ۲۰)۔ (۷ : ۱۴۶) — (۳۹ : ۲۸) — (۴۰ : ۷۵) —

۳- بغاوت بغیر الحق حرام ہے۔ (۷ : ۳۳) — (۴۲ : ۴۲) بغاوت کے معنی سرکشی اور فساد کے بھی ہیں۔ (۱۰ : ۲۳) حق کے ساتھ بغاوت درحقیقت خود اپنی ذات کے خلاف بغاوت ہے (۱۰ : ۲۳)

۴- مکہ کے مظلومین کو ناحق گھروں سے نکال دیا۔ (۲۲ : ۴۰)

۵- فرعون اور اس کے لشکروں نے دنیا میں بغیر الحق تکبر اختیار کر رکھا تھا۔ (۲۸ : ۳۹) - عاد نے بھی - (۴۱ : ۱۵) - فرعون کی قوم (۴۰ : ۷۵)

۶- ظلم کرنے والے اور ملک میں بغیر الحق بغاوت کرنے والے مجرم ہیں۔ (۴۲ : ۴۲)

۷- یہ لوگ خدا کے متعلق حق کے خلاف (غیر الحق) خیالات قائم کرتے رہتے ہیں۔ (۳ : ۱۵۴) — (۶ : ۹۴)

۸- اے اہلِ کتاب۔ اپنے دین میں حق کے خلاف غلو مت کرو۔ (۵ : ۷۷)

۹- کسی جان کو ناحق قتل مت کرو۔ (۱۷ : ۳۳) - (۲۵ : ۶۸) — (۶ : ۱۵۱)

کشمکشِ حق و باطل

۱- کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل حق کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ وہ تو حق کے نہ ہونے کا نام ہے - (۱۷ : ۸۱) - (۳۴ : ۴۹)

۲- اس طرح خدا حق اور باطل کو ٹکراتا رہتا ہے۔ باطل زائل ہو جاتا ہے اور حق باقی رہ جاتا ہے۔ (۱۳ : ۱۷)

۳- خدا حق کو باطل پر مارتا رہتا ہے۔ (۳۴ : ۴۹) حق باطل کا مغز توڑ دیتا ہے۔ (۲۱ : ۱۸)

۴- ہر باطل پرست چاہتا ہے کہ باطل کے ذریعے حق کو غیر مؤثر بنا دے۔ (۱۸ : ۵۶) — (۴۰ : ۵)

۵- جنگ سے مقصد یہ تھا کہ حق، حق ثابت ہو جائے۔ اور باطل، باطل - (۸ : ۷-۸)۔ یعنی احقاقِ حق سے پہلے ابطالِ باطل ضروری ہے۔

۶- خدا اپنے قوانین کے ذریعے حق کو حق ثابت کرتا ہے۔ (۱۰ : ۸۲) — (۴۲ : ۲۴) باطل کو مٹاتا ہے۔

۷- حضرت موسیٰؑ اور ساحرین کی کشمکش میں حق واقع ہو گیا۔ اور ساحرین کا ساختہ پرداختہ باطل ہو گیا۔ (۷ : ۱۱۸)

۸- حق و باطل میں مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ (۱۰ : ۱۵) - (۱۱ : ۱۱۳) — (۱۷ : ۴۶) — (۱۷ : ۷۳-۷۵) - (۵۱ : ۲۹)

(۳۹:۴۵) — (۹:۶۰)

۹۔ قانونِ محو و ثبات ۔ (۱۳:۴۰)

۱۰۔ وحیٔ برحق کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ خدا مومنین کو ثبات و استحکام عطا کر دے ۔ (۱۶:۱۰۲)

تخلیقِ کائنات بالحق ہے

۱۔ خدا نے ارض و سمٰوٰت کو بالحق پیدا کیا ۔ (۶:۷۳)-(۷:۵۴)-(۱۰:۵)-(۱۴:۱۹)-(۱۵:۸۵)-(۱۶:۳)- (۲۱:۱۶-۱۸)-(۲۹:۴۴)-(۳۰:۸)-(۳۹:۶)-(۴۴:۳۸-۳۹)-(۴۶:۳)-(۶۴:۳)

۲۔ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے تاکہ ہر ایک کو اس کے کام کا بدلہ مل جائے ۔ (۱۰:۴)-(۴۵:۲۲)

۳۔ سلسلۂ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے ۔ اس لئے کہ خدا حق ہے ۔ (۳۱:۲۹-۳۰)

متفرقات

۱۔ ان لوگوں سے کہو کہ آؤ! رسول تمہارے معاملات میں فیصلہ دے تو یہ اس سے اعراض برتیں گے ۔ لیکن اگر دیکھیں گے کہ الحق (یعنی قرآن کی رو سے فیصلہ) ان کے حق میں جائے گا تو بھاگ کر آئیں گے ۔ (۲۴:۴۸-۴۹)

۲۔ قرض کی دستاویز وہ لکھائے جس کے ذمے قرض واجب (حق) ہے ۔ (۲:۲۸۲)

۳۔ حقت کے معنی کسی بات کا مناسبِ حال ہوجانا ۔ (۸۴:۲)

۴۔ حق کے ساتھ بغاوت خود اپنی ذات کے خلاف بغاوت ہے ۔ (۱۰:۲۳)

۵۔ نہ تلبیسِ حق و باطل کرو نہ کتمانِ حق ۔ (۲:۴۲) - (۲:۱۴۶) - (۳:۷۱)

۶۔ حَقَّہٗ ۔ خدا کا حق ۔ (۶:۱۴۱) ۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تقسیم قرآن میں نہیں آئی ۔

۷۔ حقیق ۔ "مجھ پر واجب ہے" ۔ (۷:۱۰۵)

۸۔ الحاقۃ ۔ فی الحقیقت واقع ہونے والی بات ۔ اور مکافات ۔ (۶۹:۲-۳)

۱۴۔ حکمت

(نیز دیکھئے عنوانات حکومت ۔ علم ۔ بصیرت ۔ دلائل ۔ براہین)

حکمت :۔ ایک چیز ہوتی ہے قانون ، اور دوسری چیز ہوتی ہے اس قانون کی غرض و غایت اس کی علت ۔ اس کا مقصود ۔ اس کی وجہ ۔ یعنی ایسا قانون کیوں دیا گیا ہے ۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔ (تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں) قانون ہے اور لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲ : ۱۸۳) ۔ تاکہ تم زندگی کے خطرات سے محفوظ رہ سکو ۔ اس قانون کی حکمت ۔

جب کوئی ڈکٹیٹر قانون نافذ کرتا ہے تو وہ اس کی حکمت نہیں بتاتا ۔ وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا ۔ اس کا لفظ قانون ہوتا ہے اور اس کی طوعاً و کرہاً فرمانبرداری ہر ایک کا فریضہ ۔ لیکن جب کوئی عادل حکمران ، قانون نافذ کرتا ہے تو اس کی غرض و غایت اچھی طرح ذہن نشین کراتا ہے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ وہ ان کے فائدے کے لئے وضع اور نافذ کیا گیا ہے اور اس طرح اس کی اطاعت کا جذبہ ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے ۔

خدا ڈکٹیٹر نہیں ۔ حکیم ہے ۔ اس لئے اس نے کتاب (ضابطۂ قوانین) دیا تو اس کے ساتھ ان قوانین کی حکمت بھی خود ہی واضح کر دی ۔ یہ دونوں منزل من اللہ ہیں اور قرآن کریم کے اندر محفوظ ۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ جب ہم ان قوانین کی اطاعت کریں تو ساتھ کے ساتھ اسے بھی چیک کرتے جائیں کہ اس سے وہ مقصد حاصل ہو رہا ہے یا نہیں جسے ان کی غایت بتایا گیا تھا ۔ اگر ایسا ہو رہا ہے تو ان قوانین پر ٹھیک ٹھیک عمل ہو رہا ہے ۔ اگر ایسا نہیں ہو رہا تو کہیں غلطی ہے ۔ اسے درست کر لینا چاہیئے ۔

۲۔ غرض و غایت اور علت و مقصود کے اعتبار سے ، حکمت کے معنی دلیل و حجت بھی ہیں ۔ قرآن چاہتا یہ ہے کہ ہم جو کام کریں عقل و فکر کی رو سے ، سمجھ سوچ کر کریں ۔ دانائی اور ہوشمندی کے اس ملکہ کو بھی حکمت کہہ کر پکارا گیا ہے ۔ یہ ملکہ ہر انسان کے اندر ہوتا ہے ۔ اسی اعتبار سے انسان کو (RATIONAL ANIMAL) کہا جاتا ہے حکمت (REASON) خاصۂ آدمیت ہے یہ ملکہ علم و فکر سے پختگی حاصل کئے جاتا ہے ۔

۳۔ جب کسی نظریہ کو عمل میں لایا جائے تو اس کے لئے حسن تدبیر ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ عمل نتیجہ خیز ہو ۔ اسے بھی حکمت کہا جائے گا ۔

۴۔ حکمت کے معنی قوتِ فیصلہ کے بھی ہیں ۔ بالخصوص فیصلہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا ۔ اس کے لئے بعض مقامات پر حُکم کا لفظ بھی آیا ہے ۔ یہ قوت بھی ، نبی اور غیر از نبی ، دونوں کو حاصل ہوتی ہے (نبی کے لئے مخصوص صرف وہ حکمت ہے

جو منزل من اللہ ہو۔ اس کے علاوہ حکمت یا حُکم کی قوت میں سب انسان شریک ہوتے ہیں۔

حَکَمٌ :۔ فیصلہ کرنے والا ۔ ثالث۔

(اس سلسلہ میں عنوان حکومت بھی دیکھئے کیونکہ حُکم یا حکم کا تعلق حکومت سے بھی ہے)

۵۔ حکومت اور حکمت کا مادہ (ح۔ک۔م) مشترک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کو مبنی بر حکمت (REASON) ہونا چاہیئے۔ اس کی بنیاد دھاندلی پر نہیں ہونی چاہیئے۔ مبنی بر حکمت وہی حکومت ہوسکتی ہے جو اقتدارِ خداوندی کے مطابق متشکل ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ملوکیت ہے جو استبداد اور آمریت پر مبنی ہوتی ہے۔

اور اسی جہت سے قرآن کا خدا حکیم ہے۔ صاحب حکمت اور حکومت یعنی جس کی حکومت، حکمت پر مبنی ہے - دھاندلی پر نہیں۔

حکمت منزل من اللہ

۱۔ قرآن کریم حکمتِ بالغہ ہے (۵ : ۵۴)

۲۔ تمام انبیاء کو کتاب و حکمت ملی تھی (۸۱ : ۳)

۳۔ جسے خدا حکمت دیدے اسے خیر کثیر مل جاتی ہے۔ (۲۶۹ : ۲) (یہ حکمت منزل من اللہ اور غیر منزل من اللہ دونوں کے لئے ہو سکتا ہے)

۴۔ (حضرت) لقمان کو حکمت عطا کی (۱۲ : ۳۱) - ان کا نام بالتصریح زمرۂ انبیاء کرامؑ میں نہیں آیا، اس لئے اگر وہ نبی نہیں تھے تو یہ حکمت عام تھی۔ منزل من اللہ نہیں تھی۔

۵۔ حضرت عیسیٰ نے کہا کہ میں تمہاری طرف حکمت لے کر آیا ہوں (۶۳ : ۴۳)

۶۔ خدا نے رسول اللہ پر حکمت نازل کی (۱۱۳ : ۴) (۲۳۱ : ۲)

۷۔ رسول کا فریضہ تعلیم کتاب و حکمت ہے - (۱۲۹ : ۲) - (۱۵۱ : ۲)

۸۔ کتاب اور حکمت دونوں منزل من اللہ ہیں لیکن مقصد اس سے وحی ہے کیونکہ اس کے ساتھ ضمیر واحد کی استعمال ہوئی ہے۔
یعظکم بہ - (۲۳۱ : ۲)

۹۔ حضرت عیسیٰ کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی گئی تھی (۱۱۰ : ۵)

۱۰۔ آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم ملا تھا (۵۴ : ۴)

۱۱۔ نبی کے گھرانے میں آیات اللہ اور حکمت کی تلاوت ہوتی تھی۔ (۳۳ : ۳۴)

۱۲۔ حضرت داؤدؑ کو حکمت دی تھی۔ (۲ : ۲۵۱)۔ (۳۸ : ۲۰)

کتاب حکیم (قرآن کریم)

۱۔ قرآن حکما عربیتا ہے۔ (۱۳ : ۳۷)

۲۔ ذکر حکیم۔ (۳ : ۵۸)

۳۔ نزول قرآن کے زمانے میں تمام "امر حکیم" نکھر کر الگ الگ ہو گئے تھے۔ (۴۴ : ۴)

۴۔ کتاب حکیم۔ (۱۰ : ۱)۔ (۳۱ : ۲)

۵۔ القرآن الحکیم (۳۶ : ۲) [illegible]

۶۔ کتاب حکمت کی آیات [illegible]

۷۔ خدائے حکیم کی طرف سے کتاب نازل ہوئی۔ (۴۱ : ۴۲)۔ [illegible]

حکمت جس میں تمام انسان شریک ہوتے ہیں

۱۔ آیت (۲ : ۲۶۹) میں اگر حکمت عمومی مراد لی جائے تو بھی اس میں خیر کثیر ہوتا ہے۔ (۲ : ۲۶۹)

۲۔ خدا کی طرف حکمت (علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی رو سے) دعوت دو۔ (۱۶ : ۱۲۵)۔ (۸ : ۴۲)

محکم

(۳ : ۷)۔ (۵ : ۸۹)۔ (۵ : ۹۱)۔ (۸ : ۱۵)۔ (۱۰ : ۲۴)۔ [illegible]

حکم

۱۔ حکم کے معنی حکومت (فیصلے کرنے کے اختیارات) کے ہیں۔ اسی لئے ہم نے اسے حکومت کے عنوان کے تابع لکھا ہے۔ لیکن بعض آیات میں یہ لفظ عام قوت فیصلہ کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ وہاں اس سے مراد عام حکمت ہوگی۔ مثلاً (۱) حضرت یحییٰ کو بچپن ہی میں حکم عطا ہوا تھا۔ (۱۹ : ۱۲)

۲۔ جب حضرت یوسفؑ جوان ہوئے تو انہیں حکم اور علم عطا ہوا۔ (۱۲ : ۲۲)۔ اگر یہ واقعہ زمانہ قبل از نبوت کا ہے تو حکم کے معنی ملکۂ حکمت کے ہوں گے۔ یہی الفاظ حضرت موسیٰ کے ضمن میں بھی آئے ہیں۔ (۲۸ : ۱۴)۔ نیز (۲۶ : ۲۱) میں جبکہ انہیں ہنوز حکومت نہیں ملی تھی۔ حضرت لوطؑ کے ضمن میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں۔ (۲۱ : ۷۴) اور حضرت سلیمانؑ اور داؤدؑ

کے سلسلہ میں بھی - (۹ : ۷۱) - دعائے ابراہیمی میں بھی یہی لفظ آیا ہے - (۲۶ : ۸۳)

حَکَم (ثالث)

۱- میاں بیوی میں تنازعہ ہو جائے تو ایک حکم میاں کے گھرانے کا اور ایک بیوی کے گھرانے کا مقرر کرو - (۴ : ۳۵)

۲- حکم درحقیقت خدا ہے - یعنی اس کی کتاب - جس کے مطابق ثالثوں کو فیصلہ کرنا چاہیئے - (۶ : ۱۱۴) - (اس لفظ کا صحیح مقام عنوان حکومت کے تابع ہے)

خدائے حکیم

دین کی بنیاد، خدا کے تصور پر ہے اور قرآن کریم کی خصوصیتِ کبریٰ یہ ہے کہ اس نے خدا کا صحیح صحیح تصور دیا ہے - یہ تصور ان صفاتِ خداوندی کی رو سے متعین ہوتا ہے جو قرآن میں مذکور ہیں - ان میں سے بعض صفات ایسی ہیں جو دیگر مذاہب میں بھی ملتی ہیں لیکن بعض صفات، منفرد ہیں، انہی میں ایک صفت حکیم ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ہر حکم، ہر قانون، ہر فیصلہ، علم و حکمت اور دلائل و براہین پر مبنی ہوتا ہے - اس قسم کے خدا کا تصور (کم از کم مجھے) مذاہبِ عالم میں کہیں نظر نہیں آیا - وہاں خدا کا تصور ایک ڈکٹیٹر کا سا ہوتا ہے - (RATIONAL) نہیں ہوتا -

۱- عزیز حکیم: (۲ : ۲۲۰) - (۲ : ۲۴۰) - (۳ : ۱۸) - (۳ : ۶۲) - (۴-۵۶) - (۴ : ۱۶۵) - (۵ : ۱۱۸) -
(۸ : ۴۹) - (۸ : ۶۳) - (۲۷ : ۹) - (۲۹ : ۲۶) - (۳۴ : ۲۷) - (۳۹ : ۱) - (۴۲ : ۳) -
(۴۵ : ۲) - (۴۶ : ۲) - (۴۸ : ۱۹) - (۶۰ : ۵) - (۶۲ : ۱) - (۶۲ : ۳) - (۶۴ : ۱۸).

۲- علیم حکیم - (۲ : ۳۲) - (۴ : ۱۱) - (۴ : ۲۶) - (۸ : ۷۱) - (۹ : ۱۵) - (۹ : ۲۸) - (۹ : ۶۰) -
(۹ : ۹۷) - (۹ : ۱۰۶) - (۱۲ : ۶) - (۱۲ : ۱۰۰) - (۲۲ : ۵۲) - (۲۴ : ۱۸) - (۳۳ : ۱) -
(۴۸ : ۴) - (۴۹ : ۸) - (۶۰ : ۱۰) - (۶۶ : ۲) - (۷۶ : ۳۰)

۳- حکیم علیم - (۶ : ۸۳) - (۶ : ۱۲۸) - (۱۵ : ۲۵) - (۲۷ : ۶) - (۴۳ : ۸۴) - (۵۱ : ۳۰)

۴- تواب حکیم - (۲۴ : ۱۰)

۵- علی حکیم - (۴۲ : ۵۱) - (۴۳ : ۴)

۶- حکیم خبیر - (۶ : ۱۸) - (۶ : ۷۳) - (۱۱ : ۱) - (۳۴ : ۱)

٧۔ حکیم حمید ۔ (۴۱ : ۴۲)

٨۔ واسع حکیم ۔ (۴ : ۱۳۰)

---(۰)---

۱۵ حکومت

(نیز دیکھئے استخلاف ۔ ملک ۔ اسلامی نظام)

حکومت (ح ۔ ک ۔ م) اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کو ایک مقام پہ روک دینا ۔ یعنی اسے بتا دینا کہ تم اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے ۔ اس کو "حُکُوْمَۃٌ" کہتے ہیں ۔ یعنی فیصلہ ۔ حاکم کے معنی فیصلہ کرنے والا ہیں ۔ یعنی ہر ایک کے حقوق و واجبات کی حدیں مقرر کرنے والا اور اختلافی معاملات میں بتانے والا کہ کس کی حد کہاں تک ہے ۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں اس "حد بندی" کا نام "قانون سازی" ہے اور قانون کی کارفرمائی ۔

حکومت کے دو شعبے ہوتے ہیں ۔ ایک قانون سازی کا ۔ اور دوسرے قوانین کو نافذ کرنے کا ۔ قرآن کریم کی رو سے انسانوں کے لئے اصلاً و اساساً قانون سازی کا اختیار کسی انسان کو حاصل نہیں ۔ یہ حق صرف خدا کو حاصل ہے ۔ اس نے ان قوانین کو احکام اور اصولوں کی شکل میں قرآن کریم میں دے دیا ہے ۔ نہ ان احکام میں کسی قسم کا ردو بدّل یا حک و اضافہ ہو سکتا ہے ۔ نہ ان اصولوں میں تغیر و تبدل ۔ جو حکومت خدا کے نام سے قائم ہو گی ۔ (جسے اسلامی حکومت کہا جائے گا) قانون سازی کے سلسلہ میں اس کا اختیار اتنا ہی ہو گا کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں، اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق، تفاصیل مرتب کرے ۔ یہ تفاصیل (یا جزئی قوانین) زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ قابلِ تغیر و تبدّل ہوں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے ۔

اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ قرآنی احکام و قوانین کو معاشرہ میں نافذ کرنا ہے ۔ اس کا نام دین ہے ۔ لہٰذا، دین کے قیام و استحکام (تمکن) کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت لاینفک ہے ۔ اگر اپنی آزاد مملکت نہ ہو گی تو یہ قوانین نافذ کہاں ہوں گے؟

۲ ۔ خارجی کائنات کا پورا نظم و نسق خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق چل رہا ہے ۔ اس اعتبار سے، خارجی کائنات، خدا کی مملکت ہے ۔ اس میں اسی کا اقتدار و اختیار (ملکؔ) کارفرما ہے ۔ اشیائے کائنات کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کر سکیں ۔ لیکن انسان کو اس کا اختیار ہے کہ وہ اپنی زندگی قوانینِ خداوندی کے

مطابق بسر کرنا چاہتا ہے یا ان کے خلاف۔ لہٰذا انسانی دنیا میں حکومتِ خداوندی، انسانوں کے ہاتھوں قائم ہوتی ہے۔ جس جماعت کے ہاتھوں یہ حکومت قائم ہوتی ہے اسے امت مسلمہ یا جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے۔ یہ حکومت سب سے پہلے نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے بعد ان کے ہاتھوں متشکل ہوئی تھی۔ عام اصطلاح میں اسے خلافت کہتے ہیں ۔ قرآن نے بھی اسے استخلاف فی الارض کہہ کر پکارا ہے اس حکومت کی فیصلہ کن (FINAL AUTHORITY) کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کے معنی دراصل "جانشین" کے ہوتے ہیں - یعنی کسی کے بعد اس کی جگہ لینے والا۔ تفصیل استخلاف کے عنوان میں گزر چکی ہے۔

۳۔ قرآنِ کریم نے کفر و اسلام کا فیصلہ یہ کہہ کر کردیا کہ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔ (۵ : ۴۴)۔ جو مآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (قرآن کریم) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے (فیصلے نہیں کرتے) انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

۴۔ قرآنِ کریم میں حکومت اور اقتدار کے لئے (حکم کے علاوہ) اور الفاظ بھی آئے ہیں۔ مثلاً ملک۔ مقتدر۔ (صاحبِ اقتدار) تمکن وغیرہ۔

خدا کا حقِ حکومت

۱۔ حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ وہی بہترین فیصلہ دینے والا ہے۔ (۶ : ۵۷) ۔ (۶ : ۶۲)

۲۔ حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ (۱۲ : ۴۰)۔ (۱۲ : ۶۷)

۳۔ وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (۱۸ : ۲۶)

۴۔ کوئی طاقت ایسی نہیں جو خدا کے حکم (قانون) کو مسترد کر سکے۔ وہ اٹل ہوتا ہے (۱۳ : ۴۱)

۵۔ حکم صرف خدا کا ہے۔ (۶ : ۶۲) ۔ (۲۸ : ۷۰) ۔ (۲۸ : ۸۸) ۔ (۱۲ : ۴۰)

۶۔ جس بات میں تم اختلاف کرو اس کا فیصلہ خدا (کی کتاب) سے لیا کرو۔ (۲۷ : ۷۸) ۔ (۴۲ : ۱۰)

۷۔ خدا کا حکم (قانون) اس کی طرف سے نازل کردہ کتاب میں ہوتا ہے۔ (مثلاً پہلے تورات میں تھا۔ (۵ : ۴۳)۔ اب قرآن میں ہے۔ (۶ : ۱۱۵) ۔ (۱۳ : ۳۷) ۔ (۲۴ - ۲۳ : ۶۷)

۸۔ مختلف ہدایات دیکر کہا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ (۶۰ : ۱۰)

۹۔ قانونِ مکافاتِ عمل کا دوسرا نام خدا کا حکم ہے۔ (۷ : ۸۷) ۔ (۱۰ : ۱۰۹) ۔ (۲۲ : ۵۶) ۔ (۲۷ : ۷۸)

(۳ : ۳۹) ـ (۴۸ : ۴۰) ـ (۴۸ : ۵۲) ـ (۴۸ : ۴۸)

۱۰۔ کیا یہ لوگ (قرآن کے بعد بھی) زمانۂ جاہلیہ کا قانون ونظام (حکم) چاہتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے حکم سے زیادہ حسین ومتوازن حکم کسی کا ہو نہیں سکتا۔ (۵ : ۵۰)

۱۱۔ خدا احکم الحاکمین ہے۔ (۹۵ : ۸) یعنی ہر حکم دینے والے سے اوپر حاکم ۔ آخری اتھارٹی یا اختیارِ مطلق صرف اسی کا ہے۔ (۴۵ : ۱۱) ۔ خیر الحاکمین ۔ (۷ : ۸۷) ـ (۱۰ : ۱۰۹) ـ (۱۲ : ۸۰)

۱۲۔ خدا کے علاوہ کسی اور کو حاکم نہ بناؤ۔ (۶ : ۱۱۵)

۱۳۔ حضورؐ کی دعا کہ خدایا! تو حق کے ساتھ فیصلہ کردے۔ (۲۱ : ۱۱۲)

۱۴۔ حضرت عیسٰیؑ کی دعا کہ خدا ان کے متبعین کے اختلافات کے فیصلے کردے۔ (۳ : ۵۵)

۱۵۔ لوگوں کے اختلافی معاملات میں خدا قیامت کے دن فیصلے کرے گا۔ (۲ : ۱۱۳) ـ (۴ : ۱۴۱) ـ (۱۲۴ : ۱۶) ـ (۲۲ : ۵۶) ـ (۲۲ : ۶۹) ـ (۴۶ : ۳۹)

۱۶۔ جن قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں، انہیں خدا نے اپنی مشیت کے مطابق اپنے ارادے سے بنایا ہے (۵ : ۱)

۱۷۔ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے ۔ محکومیت صرف خدا کی ہے ۔ جس کا عملی ذریعہ اس کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرنا ہے (۳ : ۷۹)

دنیا میں حکومتِ خداوندی (اسلامی حکومت)

۱۔ ایمان و اعمالِ صالح کا فطری نتیجہ دنیا میں حکومت اور اقتدار عطا ہونا ہے (۲۴ : ۵۵) ۔ صالحین کو ملتی ہے ۔ (۲ : ۲۴۷) ـ (۲۱ : ۱۰۵)

۲۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کے احکام (قوانین) کو دنیا میں نافذ کیا جائے۔ (۲۲ : ۴۱)

۳۔ کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ خدا اسے ضابطۂ قوانین ۔ حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں بلکہ میرے محکوم بن جاؤ ۔ اسے خدا کی کتاب کے مطابق ربانی بننا اور بنانا چاہیئے ۔ (۳ : ۷۸)

۴۔ تمام انبیاء کو کتاب ۔ حکومت اور نبوت ملی تھی ۔ (۲ : ۲۱۳) ـ (۶ : ۹۰) ـ (۲۱ : ۷۴) ـ (۲۱ : ۷۹) تمکن فی الارض ملا ۔ (۱۴ : ۱۳ ـ ۱۴)

۵۔ بنی اسرائیل کو کتاب ۔ حکومت اور نبوت ملی تھی ۔ (۵ : ۲۰) ـ (۷ : ۱۲۹) ـ (۷ : ۱۳۷) ـ (۱۰ : ۹۳) ـ (۲۶ : ۵۷ ـ ۵۹) ـ (۲۸ : ۵ ـ ۶) ـ (۴۵ : ۱۶)

۶۔ حضرت یوسفؑ کو تمکن فی الارض ۔ حکومت اور علم عطا ہوا تھا ۔ (۲۲ : ۱۲) ۔ (۵۶ : ۱۲) ۔ (۱۰۱ : ۱۲) ۔ حضرت موسیٰؑ کو بھی ۔ (۲۱ : ۲۶) ۔ (۱۴ : ۲۸) ۔ حضرت لوطؑ کو بھی (۷۴ : ۲۱) ۔ حضرت یحییٰؑ ۔ (۱۲ : ۱۹) ۔ حضرت داؤدؑ (۲۵۱ : ۲) ۔ (۲۰ : ۳۸)

۷۔ دعائے ابراہیمی کہ مجھے حکم عطا فرما ۔ (۸۳ : ۲۶) ۔ چنانچہ آلِ ابراہیمؑ کو ملکِ عظیم ملا تھا ۔ (۵۴ : ۴) ۔ دعائے سلیمان ۔ (۳۵ : ۳۸)

۸۔ حکومت اس لئے ملتی ہے کہ خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے کئے جائیں ۔ (۴۸ : ۵) ۔ (۴۹ : ۵) ۔ رسول اللہؐ کو اس کا حکم (۱۰۵ : ۴) ۔ (۳۷ : ۱۳) ۔ (۷۸ : ۲۷)
جو خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر (۴۴ : ۵) ۔ ظالم (۴۵ : ۵) ۔ اور فاسق ہوتے ہیں ——— (۲۲ : ۳) ۔ (۴۷ : ۵)

۹۔ عدل کے مطابق فیصلے کرو ۔ (۴۲-۴۳ : ۵) ——— (۵۸ : ۴) ۔ لیکن عدل، قوانین خداوندی (الحق) کے مطابق فیصلے کرنے کا نام ہے ۔ (۱۵۹ : ۷)

۱۰ خلافت سے مراد یہی ہے کہ الحق کے مطابق فیصلے کئے جائیں ۔ (۲۲ : ۳۸) ۔ (۲۶ : ۳۸)

۱۱۔ خدا کے نبی، تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے ۔ (۴۴ : ۵) ۔ اہلِ انجیل کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کریں ۔ (۴۷ : ۵) تورات میں خدا کا حکم تھا ۔ (۴۳ : ۵)

۱۲۔ مومنین "خدا اور رسول" (نظامِ خداوندی) کے فیصلوں کی اطاعت کرتے ہیں ۔ (۵۱ : ۲۴) ۔ منافقین اس سے اعراض برتتے ہیں ۔ (۴۸ : ۲۴) یہ دورِ جاہلیت کی روش ہے ۔ (۵۰ : ۵)

۱۳۔ کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے متنازعہ فیہ امور میں رسول کو اپنا حکم نہ بنائے ۔ اور اس کے فیصلوں کیخلاف دل میں گرانی تک محسوس نہ کرے ۔ (۶۵ : ۴) "رسول" کے بعد یہی پوزیشن اسلامی نظامِ حکومت کی ہو جاتی ہے ۔

۱۴۔ ایمان کا دعویٰ، اور اپنے معاملات فیصلہ کرنے کے لئے غیر خدائی اتھارٹی کے پاس لے جانا! ایمان نہیں کفر اور نفاق ہے ۔ (۶۰ : ۴)

۱۵۔ مشرکین کا فیصلہ بڑا ہی بُرا ہوتا ہے ۔ (۱۳۷ : ۶) ۔ توہم پرستوں کا بھی ۔ (۵۹ : ۱۶) ۔ سیّات پر عمل کرنے والوں کا بھی ۔ (۴ : ۲۹) ۔ (۲۱ : ۴۵)

۱۶۔ حکومت و اقتدار خدا کے لئے ہے ۔ لیکن وہ اسے دنیا میں انسانوں کو اپنے قوانینِ مشیت کے مطابق دیتا ہے ۔ (۳:۲۵)

وہ قانون یہ ہے کہ اس کے لئے صلاحیت شرط ہے۔ (۲۱ : ۱۰۵) علم اور جسمانی توانائی دونوں (۲ : ۲۴۷)۔
استقامت اور قوانینِ خداوندی کی استعانت۔ (۷ : ۱۲۸) – (۷ : ۱۳۷)

۱۷۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم نے قوانینِ خداوندی کا اتباع نہ کیا تو وہ تمہارا جانشین کسی اور قوم کو بنا دے گا۔ (۱۱ : ۵۷)

۱۸۔ بنی اسرائیل کے لئے استخلاف کا وعدہ (۷ : ۱۲۹)

۱۹۔ اگر تم انفاق فی سبیل اللہ نہیں کرو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم آجائے گی۔ (۴۷ : ۳۸)۔ نیز اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو بھی۔ (۹ : ۳۹)

۲۰۔ حکومت انعاماتِ خداوندی میں سے ہے۔ (۵ : ۲۰) – (۷ : ۶۹) – (۷ : ۷۴)

۲۱۔ ذوالقرنین کو تمکن عطا ہوا تھا۔ (۱۸ : ۸۴)

۲۲۔ فرعون کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ (حضرت موسیٰؑ) اس سے مملکت چھیننا چاہتے ہیں۔ (۲۰ : ۵۷)

۲۳۔ مسلمانوں کو مخالفین کے دیار و امصار کا مالک بنا دیا۔ (۳۳ : ۲۷)

۲۴۔ جنت نعمتِ عظمیٰ اور مملکتِ عظیم ہے۔ (۷۶ : ۲۰)

۲۵۔ قرآن کو حکم کہا۔ (۱۳ : ۳۷)۔ خدا کے فیصلے اس کے مطابق ہوتے ہیں۔ (۲۷ : ۷۸)

کائنات میں قوانینِ خداوندی کی حکمرانی

۱۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اختیار و اقتدار خدا کا ہے۔ (۲ : ۱۰۷) – (۲ : ۱۸۹) – (۳ : ۱۸۸)۔
(۵ : ۱۷-۱۸) – (۵ : ۴۰) – (۵ : ۱۲۰) – (۶ : ۷۳) – (۷ : ۱۵۸) – (۹ : ۱۱۶) – (۲۳ : ۸۸) –
(۲۴ : ۴۲) – (۲۵ : ۲) – (۳۵ : ۱۳) – (۳۶ : ۸۳) – (۳۹ : ۴۴) – (۴۲ : ۴۹) – (۴۳ : ۸۵) –
(۴۵ : ۲۷) – (۴۸ : ۱۴) – (۵۷ : ۲) – (۵۷ : ۵) – (۸۵ : ۹)

۲۔ خدا کے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار نہیں۔ (۳۸ : ۱۰) اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۱۷ : ۱۱۱) – (۲۵ : ۲)

۳۔ خدا ملک الناس ہے۔ (۱۱۴ : ۲)۔ ملک الحق ہے۔ (۲۰ : ۱۱۴) – (۲۳ : ۱۱۶)۔ الملک (۵۹ : ۲۳) – (۱:۲
مالک یوم الدین۔ (۱ : ۴) : مالک الملک (۳ : ۲۶)۔ ملیک مقتدر (۵۴ : ۵۵)۔ عزیز مقتدر (۵۴ : ۴۲)۔ مقتدر (۱۸ : ۴۵)

۴۔ وہ خدا بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔ (۶۷ : ۱)

۵ - قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق فیصلہ کرنے کا کامل اختیار خدا کو حاصل ہے۔ اس فیصلہ کی ساعت کو قیامت کہا جاتا ہے (۷۳ : ۶) - (۲۶ : ۲۵) - (۱۲ : ۴۰)۔

۶- یہ ہے خدا۔ تمہارا رب۔ جس کے قبضہ میں پورا اقتدار ہے۔ (۲۵ : ۲) - (۱۳ : ۳۵) - (۶ : ۳۹)

۷- ملک (قوت و اقتدار) اور حمد (جمال) خدا کے لئے ہے۔ (۱ : ۶۴)

۸- فرعون کا دعوائے باطل کہ مصر کی مملکت میری ہے۔ (۵۱ : ۴۳)

اس باب میں غیر خداوندی قوتوں کو کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہیں

۱- قانونِ مکافاتِ عمل کے بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ (۱۹ : ۸۲) - (۴۲ : ۳۴) - (۸۶ : ۴۳) - (۳۷ : ۷۸)

۲- قوانینِ فطرت کے خلاف نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار کسی کو نہیں۔ (۱۷ : ۵) - (۷۶ : ۵) - (۳۱ : ۱۰) - (۱۶ : ۱۳) - (۷۳ : ۱۶) - (۵۶ : ۱۷) - (۸۹ : ۲۰) - (۳ : ۲۵) - (۱۷ : ۲۹) - (۲۲ : ۳۴) - (۱۳ : ۳۵) - (۴۳ : ۳۹) - (۱۱ : ۴۸)

متفرقات

۱- ابلیس نے آدم کو یہ کہہ کر ورغلایا تھا کہ میں تمہیں ایسی مملکت کا پتہ نشان دیتا ہوں جس پر کبھی زوال نہ آسکے (۱۲۰ : ۲۰)

۲- اقتدار ملنے کا معیار، مال و دولت نہیں۔ علم اور جسمانی صحت ہے۔ (۲۴۷ : ۲)

۳- انسانوں کے ہاتھ میں قوت و اقتدار آجائے تو وہ حق کے خلاف مجادلہ کرتے ہیں۔ (۲۵۸ : ۲)

۴- حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت السموٰت والارض کا مشاہدہ کرایا گیا۔ (۷۶ : ۶)

۵- ملکوت السموٰت والارض پر دعوتِ غور و فکر۔ (۱۸۵ : ۷)

۶- دنیاوی بادشاہ جب کسی ملک پر چڑھائی کرتے ہیں تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں۔ (۳۴ : ۲۷) - فرعون کا دعوائے ملوکیت۔ (۵۱ : ۴۳)

۷- اگر یہودیوں کو حکومت مل جاتی تو یہ لوگوں کو ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ (۵۳ : ۴)

۸- حاکم قوم، محکوم قوم کی سچی بات ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتی۔ (۴۷ : ۲۳)

۹- جس حکومت میں قوم کو پارٹیوں میں بانٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے وہ حکومت باقی نہیں رہا کرتی۔ (۴ : ۲۸)-

نیز وہ حکومت بھی نہیں جو خدا کے قانونِ مکافات کو بھلا بیٹھے ۔ (۲۸ : ۳۹) یا جس میں جوع الارض کا جذبہ پیدا ہو جائے ۔ (۱۹ : ۳۴)

۱۰۔ جنت نعمتِ عظمیٰ اور ملکِ کبیر ہے ۔ (عظیم سلطنت) ۔ (۲۰ : ۷۶)

۱۱۔ عبدِ مملوک اور صاحبِ اختیار دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے ۔ (۱۶ : ۷۵)

۱۲۔ اپنے رب کے فیصلہ (حکم) پر جم کر کھڑے رہو ۔ (۵۲ : ۴۸) ۔ (۴۸ : ۶۸) ۔ (۲۴ : ۷۶)

۱۳۔ حکمؔ کے معنی محکم بنانا ۔ استوار کرنا ۔ (۲۲ : ۵۲) ۔ (۱ : ۱۱)

۱۴۔ آیات محکمٰت ۔ (۳ : ۷) ۔ (۱۱ : ۱) ۔ (۲۰ : ۴۷)

---

۱۶ ۔ حمد

حمد :۔ ہمارے ہاں حمد کے معنی تعریف اور ستائش کئے جاتے ہیں ۔ لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے وسیع ، گہرا اور مخصوص ہے ۔ کسی نہایت حسین ۔ متناسب ۔ نادر ۔ منفعت بخش ، شاہکار کو دیکھ کر انسان کے دل میں جو جذباتِ تحسین بے ساختہ ابھریں ، ان کے اظہار کا نام حمد ہے ۔ یہ جذبات درحقیقت اس شاہکار کے صنّاع یا خالق سے متعلق ہوتے ہیں ۔ لیکن ان کا اظہار بے ساختہ ہوتا ہے ۔ اس سے خدا کی حمد کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے ۔ جب انسان اس کارگہِ کائنات پر غور کرتا ہے تو اس کے ایک ایک گوشے میں اسے خالقِ کائنات کے نہایت حسین اور نفع بخش شاہکار نظر آتے ہیں ۔ انہیں دیکھ کر ، انسان کے دل میں جذباتِ تحسین ہجوم کر کے ابھرتے ہیں ۔ ان کے اظہار کا نام خدا کی حمد ہے ۔ کبھی اس حمد کی نسبت اس انسان کی طرف کی جاتی ہے جس کے دل میں یہ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور کبھی اس حقیقت کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نوادر خود اپنے خالق کی منہ بولتی حمد ہیں ۔ یا یوں کہ فطرت کی ہر شے ، اپنے خالق کے لئے موجبِ حمد و ستائش بننے کی خاطر مصروفِ تگ و تاز ہے ۔ (اسے ان اشیاء کی تسبیح کہا جاتا ہے) اس اعتبار سے ، ساری کائنات ، اپنے محیر العقول نظام کے ساتھ ، خدا کی صفتِ ربّ العالمین کی مظہر ، لہٰذا اس کی حمد کے لئے سرگرمِ عمل ہے ۔ جماعتِ مومنین کا بھی یہی فریضہ ہے کہ وہ (۱) نظامِ کائنات کے مختلف گوشوں پر غور و فکر کے بعد اشیائے کائنات کو موجبِ حمدِ خالقِ کائنات ثابت کریں ۔ اور (۲) خود اپنی دنیا میں قرآن کریم کی روشنی میں ایسا نظام قائم کریں ۔ جس کے انسانیت ساز اور نفع بخش نتائج کو دیکھ کر ہر صاحبِ بصیرت بے ساختہ پکار اٹھے کہ خدا کا نظام جو ایسے خوشگوار نتائج پیدا کرنے کا موجب ہے ، فی الواقعہ مستحقِ ہزار تحسین و آفرین ہے ۔

جماعتِ مومنین کو اس اعتبار سے حامدون کہا گیا ہے۔

۲۔ بعض آیات کا انداز ایسا ہے گویا ان میں حمدِ خداوندی کا حکم دیا گیا ہے۔ ان سے دراصل بتانا یہ مقصود ہے کہ اس قسم کے ہوتے ہیں وہ مقامات جو سزاوارِ حمدِ خداوندی ہوتے ہیں۔ ان مقامات سے مقصود یہ نہیں کہ خدا حکم دے کر اپنی تعریف کرانا چاہتا ہے۔ خدا تو غنی حمید ہے۔ یعنی وہ اس قسم کا مستحق حمد ہے کہ وہ اس سے مستغنی ہے کہ انسان اس کی حمد کرے تو وہ سزاوارِ حمد قرار پائے۔

الحمد للّٰہ

۱۔ الحمد للّٰہ رب العالمین۔ نظامِ کائنات میں خدا کی ربوبیتِ عالمینی اس کی حمد کی زندہ شہادت ہے۔ (۱:۱) - (۱۰:۱۰) (۳۷:۱۸۲) - (۳۹:۷۵) - (۴۰:۶۶) - (۴۵:۳۶)۔ ظالم کی جڑ کٹ گئی۔ الحمد للّٰہ رب العالمین۔ (۲۳:۲۸) - (۶:۴۵)

۲۔ اہلِ جنت کی پکار ہوگی کہ حمد اللہ کے لئے ہے۔ (۱۰:۴۳)

۳۔ حمد اللہ کے لئے ہے جو کائنات کا خالق ہے۔ (۶:۱) - (۳۵:۱)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ (۱۴:۳۹)

۵۔ حمد اس خدا کے لئے جس نے الکتاب (قرآن) نازل کی۔ (۱۸:۱)

۶۔ حمد اس خدا کے لئے کہ کائنات کی ہر شے جس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ہے۔ آخرت میں بھی حمد اسی کے لئے ہے (۳۴:۲)

۷۔ ہر طرح کی حمد خدا کے لئے ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں۔ (۱۶:۷۵) - (۲۹:۶۳) - (۳۱:۲۵) - (۳۹:۲۹)۔

۸۔ حمد خدا کے لئے ہے جس کو اولاد اور کسی صاحبِ اقتدار کی حاجت نہیں۔ نہ ہی وہ کمزوری یا بڑھاپے کی وجہ سے کسی کی مدد کا محتاج ہے۔ (۱۷:۱۱۱)

۹۔ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ نے کہا کہ حمد خدا کے لئے ہے جس نے ہمیں اکثر لوگوں پر فضیلت عطا کی ہے (۲۷:۱۵)

۱۰۔ اس زندگی اور آخرت کی زندگی دونوں میں حمد خدا کے لئے ہے۔ (۲۸:۷۰) - (۳۴:۱)

۱۱۔ ارض و سمٰوٰت میں دوامی حمد اس کے لئے ہے۔ (۳۰:۱۸)

۱۲ ۔ مُلک اور حسمد ۔ قوت و اقتدار اور حمد و ستائش ۔ جلال اور جمال۔ دونوں کا سرچشمہ خدا ہے ۔ (۶۴:۱)

۱۳۔ حمد اس خدا کے لیے جس نے حزن دور کر دیا۔ (۳۴ : ۳۵)

۱۴۔ وارثت ارض ملنے پر حمد ۔ (۷۴ : ۳۹)

اشیائے کائنات کی طرف سے حمدِ خداوندی

۱۔ ملائکہ، خدا کی حمد کے لیے سرگرمِ عمل رہتے ہیں ۔ (۳۹:۷۵) ۔ (۷ : ۴۰) ۔ (۵ : ۴۲)

۲۔ تخلیقِ آدم کے وقت ملائکہ نے خدا سے کہا کہ ہم تیری حمد کے لیے سرگرمِ عمل رہتے ہیں (۳۰ : ۲)

۳۔ رعد ، خدا کی حمد کے لیے سرگرمِ عمل رہتی ہے ۔ (۱۳ : ۱۳)

۴۔ کائنات کی ہر شے اُس کی حمد کے لیے سرگرمِ عمل ہے ۔ (۴۴ : ۱۷)

جماعتِ مومنین کی طرف سے حمدِ خداوندی

۱۔ مومن وہی ہیں جو خدا کی حمد کے لیے مصروفِ عمل رہتے ہیں (۱۵ : ۳۲)

۲۔ مومنین کی صفت الحامدون ۔ (۱۱۲ : ۹)

۳۔ نبی اکرمؐ سب سے زیادہ حامد (حمد کرنے والے) تھے ۔ اس لیے آپ کا ایک اسمِ گرامی احمد تھا۔ (۶ : ۶۱) ۔ جس کے معنی ہیں بہت زیادہ حمد کرنے والا ۔ اسی سے آپ خود مقامِ محمود پہ فائز ہو گئے۔ (۷۹ : ۱۷) اور محمد کہلائے ۔ (۲۹ : ۴۸) ۔ یعنی جس کی یکے بعد دیگرے، مسلسل، حمد کی جائے ۔ حضور کا یہ اسمِ گرامی ان آیات میں بھی آیا ہے ۔ (۱۴۴ : ۳) ۔ (۴۰ : ۳۳) ۔ (۲ : ۴۷) ۔ یہی منہاج و مقام امتِ محمدیہ کا ہونا چاہیئے۔ یعنی ، ایسا نظام قائم کرنے والی جماعت جو خدا کی حمدیت کی زندہ شہادت ہو۔ اسطرح یہ اتباعِ نبی اکرمؐ سے مقامِ محمود حاصل کرے اور زمانہ اسکی حمد و ستائش کرے ۔

حسمد کا حکم

۱۔ تو اپنے نشو و نما دینے والے کے (نظام کو) وجہِ حمد و ستائش بنانے کے لیے سرگرمِ عمل رہ (۹۸ : ۱۵) ۔ (۱۳۰ : ۲۰) ۔ (۵۵ : ۴۰) (۳۹ : ۵۰) ۔ (۴۸ - ۴۹ : ۵۲) ۔ (۳ : ۱۱۰)

۲۔ حضرت نوحؑ سے کہا کہ جب تم لوگ کشتی میں بیٹھ جاؤ تو کہو الحمد للہ۔ (۲۸ : ۲۳)

۳- حضورؐ سے کہا گیا کہ کہو الحمدللہ (۵۹ : ۲۷) - وہ تمہیں اپنی آیات دکھائے گا -(۹۳ : ۲۷)
۴- خدا کو خالقِ کائنات تو تمہارے مخالفین بھی مانتے ہیں - اس پر کہو الحمدللہ - (۲۵ : ۳۱)

خدا کی صفت حمید

۱- خدا حمید مجید ہے - (۷۳ : ۱۱)
۲- قرآن خدائے حکیم و حمید کی طرف سے نازل ہوا ہے - (۴۲ : ۴۱)
۳- خدا غنی حمید ہے - (۲۶۷ : ۲) - (۱۳۱ : ۴) - (۸ : ۱۴) - (۶۴ : ۲۲) - (۱۲ : ۳۱) - (۲۶ : ۳۱) - (۱۵ : ۳۵) - (۲۴ : ۵۷) - (۶ : ۶۰) - (۶ : ۶۴)
۴- العزیز الحمید - (۱ : ۱۴) - (۶ : ۳۴) - (۸ : ۸۵)
۵- ولیٌ حمید - (۲۸ : ۴۲)

انسانوں کا قابلِ حمد و ستائش ہونا

۱- جو لوگ اس کا شوق رکھتے ہیں کہ وہ کام تو کچھ کریں نہیں لیکن لوگ ان کی تعریف کرتے رہیں - ان کے لیے دردناک تباہی ہے - (۱۸۷ : ۳)

متفرقات

۱- اہلِ جنت کہیں گے کہ حمد اللہ کے لیے ہے - (۴۳ : ۷) - (۱۰ : ۱۰) - (۳۴ : ۳۵) - (۷۴ : ۳۹)
۲- اہلِ جنت کی راہ نمائی صراط الحمید کی طرف کی جائے گی - (۲۴ : ۲۲)
۳- آخرت (یا انقلابی دور) میں سب خدا کی حمد کرتے ہوئے حاضر ہوں گے - (۵۲ : ۱۷)

(۰)

۱۷- حُور

حُوْرٌ - یہ لفظ جمع ہے - اس کا واحد اَحْوَرُ بھی ہے جو مذکر ہے اور حَوْرَاءُ بھی جو مونث ہے - لہٰذا لفظ حور صرف

عورتوں کے لیے نہیں آئے گا- عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے آئے گا- اس کے بنیادی معنی آنکھ کی شفاف سفیدی کے ہیں- اس کے بعد یہ لفظ پاکیزگیٔ سیرت اور نظافتِ کردار کے لیے بولا جانے لگا- بالخصوص پاکیزہ عقل کے لیے جس میں کسی قسم کی مکاری کو دخل نہ ہو- قرآن کریم میں جنت کی زندگی میں جو آیا ہے۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ -(۵۴:۴۴)-(۲۰ : ۵۲)- تو اس کے معنی میاں بیوی کے نہیں بلکہ ہم نشین اور رفقا کے ہیں- یعنی نہایت پاکیزہ سیرت رفقا جن میں عورتیں بھی شامل ہو سکتی ہیں اور مرد بھی-

مندرجہ بالا دو مقامات کے علاوہ، جنت میں دو جگہ اور بھی حور کا ذکر آیا ہے- یعنی (۷۲ : ۵۵) اور (۲۲ :۵۶) میں (مزید تفصیل کے لیے عنوان جنت دیکھیے)

(۰)

۱۸ حیات و ممات

حیات - حیات، زندگی اور اس کے برعکس 'ممات' موت کو کہتے ہیں- قرآن کریم نے انسان کی موجودہ زندگی سے پہلی حالت کو بھی موت سے تعبیر کیا ہے اور اس دنیا میں اس کی طبعی زندگی کے سلسلہ کے ختم ہو جانے کو بھی موت کہا ہے زندگی (انسانی زندگی ہی نہیں بلکہ خود زندگی) کی ابتدا اس صفحۂ ارض پر کیسے ہوئی- انسانی علم ابھی تک اس معمہ کو حل نہیں کر سکا- لیکن اس باب میں سائنسدان متفق ہیں کہ اس کی ابتدا بے جان مادہ (INORGANIC MATTER) سے ہوئی۔ قرآن کریم، انسانی تخلیق کی ابتدا طین (مٹی) سے قرار دیتا ہے تو اس سے یہی مراد ہے- لیکن خود بے جان مادہ، کیسے وجود میں آ گیا- یہ معمہ، اس سے بھی مشکل تر ہے- قرآن کریم، خدا کو فاطر السمٰوٰت والارض- اور بدیع السمٰوٰت والارض کہتا ہے- فاطر اور بدیع اسے کہتے ہیں جو کسی شے کو سب سے پہلی بار (عدم سے) وجود میں لایا ہو -بے جان مادہ کا خالق بھی وہی ہے- اور مادہ سے زندگی کی نمود کرنے والا بھی وہی- اسی کے قانونِ حیات سے، زندگی کی نمود ہوتی ہے۔ اسی کے قانون کے مطابق زندگی موجود رہتی ہے- اور اسی کے قانون کے مطابق انسان کی طبعی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کی زندگی کو قرآن کریم حیات الآخرت سے تعبیر کرتا ہے- برعکس، حیات الدنیا کے-

اس عنوان کے تحت ہم عام حیوٰۃ سے متعلق آیات لائیں گے- "حیوٰۃ الدنیا" کو "دنیا" کے عنوان میں بیان کریں گے اور "حیوٰۃ الآخرۃ" کو "آخرت" کے عنوان میں-

۲- قرآن کریم قوموں کی زندگی (یعنی ان کے عروج کے زمانہ) کو ان کی حیوٰۃ سے تعبیر کرتا ہے، اور ان کے زوال کو موت سے

اس "موت" میں بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ خاص قوم، کسی حادثہ وغیرہ سے اسطرح نیست ونابود ہو جاتی ہے کہ اس کا کوئی فرد باقی نہیں رہتا۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طبعی طور پر اس قوم کے افراد زندہ ہوتے ہیں۔ لیکن اجتماعی طور پر ان کا شمار دنیا کی زندہ قوموں میں نہیں ہوتا۔ اسے بھی اس قوم کی موت (یا ہلاکت) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ زندہ وہی قوم رہ سکتی ہے جو موت (خطرات کے مقابلہ) سے نہ ڈرتی ہو۔ ویسے بھی اس صفحۂ ارض پر انسان کی مختصر سے عرصہ کے لئے زندگی اس کی قوت عمل کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے — نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا۔ ایک حقیقت ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے، انسان کی موجودہ زندگی، اس کے سلسلۂ ارتقاء کی پہلی کڑی ہے۔ (یعنی اس کی انسانی زندگی کے سلسلۂ ارتقاء کی پہلی کڑی)۔ اس سطح پر اگر اس نے اپنے اندر آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا کر لی تو پھر یہ (مرنے کے بعد) اس سلسلہ کی اگلی کڑی پر فائز ہونے کے قابل ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے، اس کی موت درحقیقت اس امر کا معیار ہے کہ اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے یا نہیں۔

۳۔ انسان کی اس دنیا کی طبعی زندگی (یعنی اس کی عمر) کی میعاد پہلے سے متعین نہیں۔ جو شخص خدا کے مقرر کردہ طبعی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے گا، اسے صحت بھی ملے گی اور لمبی عمر بھی۔ جو ان کی خلاف ورزی کرے گا وہ بیماریوں کا شکار بھی ہوتا رہے گا اور اس کی عمر بھی کم ہو جائے گی۔ چنانچہ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے، طبعی قوانین کے مطابق عمل کرنے کے سبب، اپنے افراد کی اوسط عمر کتنی ہی بڑھا لی ہے۔ لیکن عمر کتنی ہی بڑھ جائے اس دنیا میں ابدی زندگی کسی کو نہیں مل سکتی۔

۴۔ قرآن کریم میں زندگی کی نمود کو، زمینِ مردہ کی سیرابی سے اس میں سے فصل پیدا ہونے کی مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زندگی کا دار و مدار پانی پر ہے۔ اور پانی پر خدا کا عرش (کنٹرول) ہے۔

۵۔ حیات اور موت دونوں اسی عنوان کے تابع آ گئے ہیں۔ کہیں یہ الفاظ الگ الگ آتے ہیں، کہیں دونوں یک جا۔ اس لئے حیات کے ساتھ موت اور موت کے ساتھ حیات کے ذیلی عنوانات دیکھ لیں۔

۶۔ اجل کو ہم نے الگ عنوان کے تابع لکھا ہے۔ لیکن چونکہ اجل کا تعلق عنوانِ زیرِ نظر سے بھی بڑا گہرا ہے۔ اس لئے ہم نے اسے یہاں بھی درج کر دیا ہے۔ آپ دونوں مقامات کو بیک نظر دیکھ لیں۔

موت اور حیات پر اختیار صرف خدا کا ہے

یعنی زندگی اس کے قانون کے مطابق ملتی اور قائم رہتی ہے۔ اور اسی کے مطابق اس کا سلسلہ ہماری نگاہوں سے اوجھل

ہو جاتا ہے۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ کا بادشاہ سے مکالمہ کہ موت وحیات، خدا کے اختیار میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں جسے چاہوں مار دوں۔ جسے چاہوں زندہ چھوڑ دوں۔ (۲ : ۲۵۸) - (۲۶ : ۸۱)

۲۔ موت وحیات اس کے قانون کی رو سے ملتی ہے۔ (۳ : ۱۵۵) — (۹ : ۱۱۶) — (۱۰ : ۵۶) - (۱۵ : ۲۳) - (۲۳ : ۸۰) — (۴۰ : ۶۸) — (۴۴ : ۸) — (۴۵ : ۲۶) — (۵۰ : ۴۳) — (۵۳ : ۴۴) — (۵۷ : ۲)

۳۔ معبودانِ باطل کو موت وحیات پر اختیار نہیں۔ (۲۵ : ۳)

۴۔ خدا ہی اپنے قانون کے مطابق زندگی دیتا اور موت طاری کرتا ہے۔ (۷ : ۱۵۸) - (۴۴ : ۸) - (۵۳ : ۴۴)

۵۔ خدا 'الحی القیوم' ہے۔ زندہ، اور زندگی عطا کرنے والا۔ (۲ : ۲۵۵) — (۳ : ۲) — (۲۰ : ۱۱۱) — (۲۵ : ۵۸) - (۴۰ : ۶۵)

۶۔ خدا اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندگی عطا کر دے۔ (۶ : ۳۶) - (۱۹ : ۶۶) - (۲۲ : ۶) — (۳۰ : ۵۰) - (۳۶ : ۱۲) - (۳۶ : ۷۸ - ۷۹) — (۴۱ : ۳۹) — (۴۲ : ۹) — (۴۶ : ۳۳) - (۷۵ : ۴۰)

دو موتیں اور دو زندگیاں

اس دنیا میں زندگی ملنے سے پہلے کا عرصہ (پہلی) موت۔ پھر زندگی (پہلی) زندگی۔ پھر دنیا کی زندگی کا خاتمہ (دوسری) موت۔ اس کے بعد زندگی (دوسری) زندگی۔

۱۔ تم قانونِ خداوندی سے کیسے انکار کر سکتے ہو۔ تم مردہ تھے۔ اس نے زندگی عطا کی۔ پھر مر جاؤ گے اور اس کے بعد پھر زندگی ملے گی۔ (۲ : ۲۸) - (۴۰ : ۱۱)

۲۔ زمین میں زندہ رہنا۔ اس میں مرنا۔ پھر اسی سے زندہ ہونا۔ (۷ : ۲۵)

۳۔ اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر موت دے گا۔ پھر زندہ کرے گا۔ (۲۲ : ۶۶) - (۲۶ : ۸۱) - (۳۰ : ۴۰) — (۴۵ : ۲۶) - (۷۱ : ۱۷)

۴۔ حیاتِ اخروی کے بعد موت نہیں۔ (۳۷ : ۵۸ - ۵۹) - (۴۴ : ۵۶)

۵۔ جہنم میں نہ موت ہوگی نہ زندگی ۔ (۲۰ : ۷۴) ۔ (۳۵ : ۳۶) ۔ (۸۷ : ۱۳) ۔ ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مریں گے نہیں ۔ (۱۴ : ۱۷)

۶۔ موت کے بعد دنیا میں واپسی نہیں ہوگی۔ (۲۳ : ۹۹ - ۱۰۰) ۔ (۶۳ : ۱۰ - ۱۱)

زندگی کی نمود

۱۔ زندگی کی نمود پانی سے ہوئی اور اسی پر اس کا مدار ہے ۔ (۲۱ : ۳۰) ۔ اور پانی پر مرکزی کنٹرول خدا کا ہے ۔ (۱۱ : ۷)

حیوانی (طبعی) حیات سے اوپر انسانی حیات

قرآن ہر سانس لینے والے انسان کو زندہ نہیں قرار دیتا ہے ۔ اس کی زندگی محض حیوانی سطح کی ہوتی ہے ۔ زندہ انسان وہ ہے جس کی انسانی صلاحیتیں بیدار ہوں ۔

۱۔ انسانی سطح کی زندگی ہدایتِ خداوندی کی روشنی میں چلنے سے ملتی ہے ۔ (۶ : ۱۲۳)

۲۔ قرآن اس کے لئے تنذیر ہے جس میں زندگی کی رمق ہو ۔ (۳۶ : ۷۰)

۳۔ مومن و کافر کی موت اور زندگی یکساں نہیں ہو سکتی ۔ (۴۵ : ۲۱)

۴۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ وہ قانونِ خداوندی کی رو سے مردہ کو زندگی عطا کرنے کے لئے آئے ہیں ۔ (۳ : ۴۸) ۔ (۵ : ۱۱۰)

۵۔ اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں زندگی عطا کر دے ۔ (۸ : ۲۴)

۶۔ کافر، قیامت میں کہے گا کہ اے کاش! میں نے اپنی حیات کے لئے کچھ پہلے بھیج دیا ہوتا ۔ (۸۹ : ۲۴)

۷۔ زندگی درحقیقت موت کے بعد ہی کی ہے ۔ (۲۹ : ۶۴)

۸۔ مومن جیتا بھی خدا (کے مشن کی تکمیل) کے لئے ہے اور مرتا بھی اسی مقصد کی خاطر ہے ۔ (۶ : ۱۶۲)

قوموں کی زندگی اور موت

اس کی تفصیل 'امم سابقہ' اور 'قوم' کے عنوانات میں ملے گی ۔ یہاں چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

۱۔ موت کے ڈر سے بھاگنے والے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں ۔ اس کے سامنے کھڑے ہو جانے والے زندہ رہتے

ہیں۔ (۲ : ۲۴۳)

۲۔ خدا و رسول کی دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں اس بات کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں زندگی عطا کر دے۔ (۸ : ۲۴)

۳۔ موت وحیات، دلیل و برہان (قانون کے مطابق) ملتی ہے۔ دھاندلی سے نہیں۔ (۸ : ۴۲)

۴۔ ہر امت کے لئے اجل ۔یعنی عروج کا زمانہ ۔ (۷ : ۳۴) ۔ (۱۰ : ۴۸) ۔ (۱۵ : ۴۵) ۔ (۲۳ : ۴۲)۔ (۳۰ : ۳۴)

۵۔ بنی اسرائیل کی زندگی اور موت کی مثال ۔ (۲ : ۲۵۹)۔ حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ مجھے بتا کہ اس قسم کی مردہ قوم کو حیاتِ نو کسی طریق سے مل سکے گی ۔ (۲ : ۵۶) ۔ (۲ : ۷۳) ۔ (۲ : ۲۶۰)

زمینِ مردہ کی مثال

۱۔ زمینِ مردہ کو پانی سے زندگی ملتی ہے (۲ : ۱۶۴) ۔ (۱۶ : ۶۵)۔ (۲۵ : ۴۹) ۔ (۲۹ : ۶۳)۔ (۳۰ : ۱۹)۔ (۳۰ : ۲۴)۔ (۳۵ : ۹)۔ (۳۶ : ۳۳)۔ (۴۵ : ۵)۔ (۵۷ : ۱۷)

۲۔ جو خدا زمینِ مردہ کو زندگی عطا کرتا ہے، وہی مردہ انسانوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے ۔ (۳۰ : ۵۰)۔ (۴۱ : ۳۹)۔ (۵۰ : ۱۱)

مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا ہوتے رہنا

پہلے تو یہ سمجھئے کہ بے جان مادہ سے زندگی کی نمود ہوتی ہے اور پھر زندہ اشیاء، اپنی مدتِ حیات کے خاتمہ کے بعد، بے جان عناصر میں تبدیل ہو جاتی ہیں (بجز انسانی ذات کے جس کی زندگی کا سلسلہ آگے بھی چلتا ہے۔)

پھر یہ دیکھئے کہ ہم بے جان اشیاء کھاتے ہیں جو ہمارے جسم کی مشینری میں جا کر زندہ خلیوں (LIFE CELLS) میں تبدیل ہو جاتی ہیں ۔ یہ (CELLS) ہر آن، کروڑوں کی تعداد میں پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں ۔ اس طرح مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ، پیدا ہوتا رہتا ہے ۔

۱۔ خدا، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے ۔ (۳ : ۲۶) ۔ (۶ : ۹۶)۔ (۱۰ : ۳۱)۔ (۳۰ : ۱۹)

موت

۱۔ دیکھو۔ متفرق ۔ ۱ تا ۵ ۔

۲۔ تم موت سے بچ نہیں سکتے۔ (۳ : ۱۶۷) ـ (۴ : ۷۸) ـ (۳۳ : ۱۶) - (۶۲ : ۸)

۳۔ ہر متنفس کو مرنا ہے۔ (۲ : ۱۶۸) ـ (۳ : ۱۸۴) ـ (۲۱ : ۳۴-۳۵) ـ (۲۳ : ۱۵) ـ (۲۹ : ۵۷) - (۶۲ : ۸) - (۸۰ : ۲۱)

۴۔ پیدائش اور موت، کا درمیانی وقفہ اجلؔ ہے۔ یعنی دنیا میں رہنے کی میعاد ۔ (۶ : ۲) - (۶ : ۶۰)

۵۔ موت شعور کے ساقط ہوجانے کا نام ہے ۔ زندگی کے ختم ہوجانے کا نہیں۔ اس لئے کہا کہ خدا تمہیں رات کو وفات دے دیتا ہے۔ (۶ : ۶۰) نیز (۳۹ : ۴۲)

۶۔ خدا کے رُسل (فرستادگان) موت طاری کردیتے ہیں۔ یعنی فطرت کی قوتیں جنہیں ملائکہ کہا گیا ہے۔ (۶ : ۶۱) ـ (۴۷ : ۲۷) ـ (۵۰ : ۱۹) ۔ ملک الموت ۔ (۶ : ۹۴) ـ (۷ : ۳۷) ـ (۸ : ۵۰) ـ (۱۶ : ۲۸) - (۳۲ : ۱۱) - (۵۶ : ۸۳) ـ (۷۵ : ۲۶)

۷۔ موت، خدا کے قانون کے مطابق آتی ہے ۔ (۳ : ۴۵) ـ (۱۰ : ۱۰۴)

۸۔ خود کائنات کے لئے بھی ایک میعاد (اجل) ہے۔ (۱۷ : ۹۹) ـ (۳۰ : ۸) ـ (۳۵ : ۱۳) - (۴۶ : ۳)

۹۔ اجل آکر رہے گی۔ (۲۹ : ۵)

۱۰۔ کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ (۳۱ : ۳۴)

۱۱۔ عمر، قانونِ خداوندی کے مطابق گھٹ بڑھ سکتی ہے۔ (۳۵ : ۱۱) ۔ کوئی قبل از وقت مرجاتا ہے ۔ کوئی عمر پوری کر کے مرتا ہے۔ (۴۰ : ۶۷)

۱۲۔ کفار، دنیاوی موت کو پہلی موت کہتے تھے اور اس کے بعد زندگی کے قائل نہیں تھے۔ (۶ : ۲۹) - (۲۳ : ۳۷) - (۴۴ : ۳۵) - (۴۵ : ۲۳) ۔ جہنم کی زندگی میں موت نہیں ۔ (۳۵ : ۳۶)

۱۳۔ خدا نے موت کو مقدر کردیا ہے (اس کے لئے پیمانہ مقرر کردیا ہے۔ اسی کو قانونِ خداوندی کہتے ہیں) - (۵۶ - ۶۰)

۱۴۔ جہنم میں نہ موت ہوگی نہ زندگی ۔ (۲۰ : ۷۴) - (۸۷ : ۱۳) ـ ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی ۔ (۱۴ : ۱۷)

۱۵۔ موت سامنے آجائے تو توبہ نہیں ہوتی ۔ (۴ : ۱۸) ـ (۶۳ : ۱۰)

۱۶۔ مہاجر کو راستے میں موت آجائے تو بھی اسے اجر ملے گا۔ (۴ : ۱۰۰)

۱۷۔ جنگ کا حکم آجاتا ہے تو منافقین پر موت کی غشی طاری ہوجاتی ہے (۳۳ : ۱۹) - (۴۷ : ۲۰)

۱۸۔ موت کا لفظ بطور استعارہ۔ جاؤ! اپنے غصے کی آگ میں جل بھن کر مرجاؤ۔ (۳ : ۱۱۹)

۱۹۔ موت سے ڈرنے والے خطرات کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ (۲ : ۲۴۳)

۲۰۔ موت کے بعد واپسی نہیں۔ (۲۳ : ۹۹)

۲۱۔ جنت میں موت نہیں ہوگی۔ (۳۷ : ۵۹) - (۴۴ : ۵۶)

۲۲۔ موت اور حیات کے الفاظ کفر اور ایمان کیلئے (۶ : ۱۲۲) نہ ان کی زندگی یکساں ہوسکتی ہے نہ موت (۴۵ : ۲۱)

۲۳۔ مومن کی زندگی اور موت دونوں خدائی پروگرام کی تکمیل کے لئے۔ (۶ : ۱۶۲)

۲۴۔ کفار اپنا اعمال نامہ دیکھ کر کہیں گے کہ کاش! موت میرا خاتمہ کردیتی۔ (۶۹ : ۲۵-۲۷)

متفرق

۱۔ موت و حیات اس لئے پیدا کی کہ تمہیں حسنِ عمل کے مواقع ملتے رہیں اور اس سے تمہاری صلاحیتوں کا ٹسٹ ہوجائے۔ (۶۷ : ۲)

۲۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد جنت تمہارے لئے ہے، تو موت کی تمنا کرکے بتاؤ۔ (۲ : ۹۴) - (۶۲ : ۶-۸)

۳۔ مسلمانوں سے کہا کہ تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اب جہاد کا وقت آگیا ہے۔ آگے بڑھو۔ (۳ : ۱۴۲)

۴۔ رسول اللہ بھی موت کے احاطے سے باہر نہیں تھے۔ (۳ : ۱۴۳) - (۲۱ : ۳۴-۳۵) - (۳۹ : ۳۰-۳۱)

۵۔ موت، قانونِ خداوندی کے مطابق آتی ہے۔ جب موت آتی ہے تو مدتِ عمر ختم ہوجاتی ہے۔ (۳ : ۱۴۴)

۶۔ دوزخ میں تباہی کو پکاریں گے۔ (۲۵ : ۱۳)

۷۔ کفار کا عقیدہ کہ ہم زمانے کی گردش سے مرجاتے ہیں۔ اس کے بعد زندگی نہیں۔ (۶ : ۲۹) - (۱۱ : ۷) - (۱۶ : ۳۸) - (۲۳ : ۳۷) - (۲۳ : ۸۲) - (۳۷ : ۱۶) - (۳۷ : ۵۳) - (۴۵ : ۲۴-۲۶)

۸۔ کل من علیہا فان۔ (۵۵ : ۲۶-۲۷)

۹۔ جس نے کسی ایک جان کو ناحق ضائع کردیا اس نے گویا پوری نوعِ انسان کو تلف کردیا۔ اور جس نے کسی ایک کی جان

بچالی اس نے گویا ساری انسانیت کی جان بچالی۔ (۵ : ۳۲)

۱۱۔ زمین، زندوں اور مُردوں، دونوں کے لئے کِفات ہے۔ (۷۷ : ۲۵-۲۶)۔ اسی میں جینا ہے۔ اسی میں مرنا۔ اور اسی سے دوبارہ اٹھنا۔ (۷ : ۲۵)

۱۲۔ یہ لوگ جن کی پوجا کرتے ہیں وہ مردہ ہیں۔ زندہ نہیں۔ (۱۶ : ۲۱)

۱۳۔ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔ (۳۵ : ۲۲)

۱۴۔ حضرت ابراہیمؑ کے بالمقابل بادشاہ نے کہا تھا کہ وہ زندہ بھی کر سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے (۲ : ۲۵۸)

۱۵۔ ایمان اور عملِ صالح سے بڑی خوشگوار زندگی ملتی ہے۔ (۱۶ : ۹۷)

۱۶۔ بنی اسرائیل کے ذبحِ گاؤ کے سلسلہ میں کہا کہ خدا اس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ (۲: ۷۳)

۱۷۔ مقتولین فی سبیل اللہ کو مردہ مت سمجھو۔ وہ زندہ ہیں۔ (۲: ۱۵۴)۔ (۳ : ۱۶۸)

۱۸۔ موت آنے تک مسلم رہنا چاہیئے۔ (۲ : ۱۳۲)۔ (۳ : ۱۰۱)

۱۹۔ موت آنے سے پہلے وصیت کرنا ضروری ہے (۲ : ۱۸۰)۔ (۵ : ۱۰۶)

۲۰۔ اگر بفرضِ محال ان کے ساتھ مردے اٹھ کر کلام کرنے لگ جائیں۔ یہ پھر بھی ایمان نہ لائیں۔ (۶:۱۱۲)۔ (۱۳ : ۳۱)

۲۱۔ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ (۲۷: ۸۰)۔ (۳۰ : ۵۲)

اجل

مدتِ معین۔ میعاد۔ نیز میعاد کا آخری سرا خواہ اسے ابھی ختم نہ کیا ہو۔ اجل، قوموں کی بھی ہوتی ہے اور افراد کی بھی۔ اقوام کی اجل ان کا زمانۂ عروج ہے جس کے بعد ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اسی عرصہ کے اختتام کے لئے "اجل آ جائے" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح افراد، کی عمر کی مدت ختم ہو جانے کو بھی ان کی اجل آ جانا کہا جاتا ہے اجل — اقوام کی ہو یا افراد کی — پہلے سے مقرر شدہ نہیں ہوتی۔ اقوام یا افراد اسے خدا کے قانون کے مطابق خود مقرر کرتے ہیں۔

اقوام کی اجل

۱۔ ہر قوم کے عروج کا ایک زمانہ ہوتا ہے۔ جب خدا کے قانون کے مطابق وہ زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر زوال شروع ہو جاتا ہے،

اس میں تقدم و تاخر نہیں ہوتا۔ (۷ : ۳۴) - (۱۰ : ۴۹) - (۱۶ : ۶۱)۔ ہر اجل قانونِ خداوندی کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ (۱۳ : ۳۸) - (۱۵ : ۵) - (۲۳ : ۴۳)

۲۔ اسی کو، اعمال کے بدلے میں تباہی کی اجل کہا گیا ہے۔ یعنی عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس شکل میں سامنے آنے کا دفعہ۔ (۲۹ : ۵۵) یہ وقت آ کر رہتا ہے۔ (۶ : ۱۲۹) - (۷ : ۱۳۵) - (۷ : ۱۸۵) - (۱۰ : ۱۱) - (۱۱ : ۱۰۴) - (۱۴ : ۱۰) - (۱۴ : ۴۴) - (۱۶ : ۶۱) - (۲۰ : ۱۲۹) - (۲۹ : ۵) - (۳۵ : ۴۵) - (۴۲ : ۱۴) - (۷۱ : ۴) - (۷۷ : ۱۲)

افراد کی اجل

۱۔ نیند کی حالت میں "وفات" مل جاتی ہے۔ پھر تم اٹھ کھڑے ہوتے ہو تاکہ عمر کی میعاد پوری ہو جائے۔ (۶ : ۶۰) - (۳۹ : ۴۲)

۲۔ موت کی مدت بڑھائی نہیں جاتی۔ موت کہتے ہی عمر کے آخری سانس کو ہیں۔ (۶۳ : ۱۰-۱۱)

۳۔ عام طور پر انسان جتنی عمر پاتے ہیں اسے اجل مسمّٰی کہا گیا ہے۔ (۴۰ : ۶۷) - (۶ : ۲)

۴۔ "اللہ کی اجل" آ کر رہے گی۔ (۲۹ : ۵)

۵۔ موت قانونِ خداوندی کے مطابق آتی ہے۔ یہ قانون مؤجل ہے۔ (۳ : ۱۴۵)

اجل (متفرق)

۱۔ رحم مادر میں جنین ایک مدت کے لئے رہتا ہے۔ (۲۲ : ۵)

۲۔ حج میں ذبح کئے جانے والے جانوروں سے، اس مدت سے پہلے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ (۲۲ : ۳۳)

۳۔ سلسلۂ کائنات ایک مدت تک کے لئے جاری ہے۔ (۷ : ۱۸۵) - (۱۳ : ۲) - (۱۴ : ۹۹) - (۳۰ : ۸) - (۳۱ : ۲۹) - (۳۵ : ۱۳) - (۳۹ : ۵) - (۴۶ : ۳)

۴۔ انسانوں کی دنیا میں رہنے کی بھی ایک مدت ہے جس کا علم خدا کو ہے۔ (۶ : ۲)

۵۔ عورت کی عدت (اور طلاق) کی مدت کو بھی اجل کہا گیا ہے۔ (۲ : ۲۳۵) - (۲ : ۲۳۱-۲۳۲) - (۲ : ۲۳۴)

۶۔ ایک مدت معینہ کے لئے قرض۔ (۲ : ۲۸۲) - (۶۵ : ۲-۳)

۷۔ قانونِ قصاص میں قوم کی حیات کا راز مضمر ہے۔ (۲: ۱۷۹)
۸۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ اس وجہ سے۔ (۵: ۳۲)

۱۹۔ حیض

حیض۔ عورتوں کے ماہواری ایام۔

۱۔ حیض کے ایام میں عورتوں سے مباشرت نہیں کرنی چاہیئے۔ (۲ : ۲۲۲) ۔ ان دنوں میں ان کی طبیعت نارمل نہیں ہوتی۔

۲۔ عدت کا شمار حیض کے مطابق ہوتا ہے۔ جو عورتیں بوڑھی ہوچکی ہوں اور اس طرح حیض کی طرف سے مایوس ہوں یا جنہیں کسی اور وجہ سے حیض نہ آسکا ہو، ان کی عدت کا بیان۔ یعنی ہوں تو وہ بالغ، لیکن بیماری وغیرہ کی وجہ سے انہیں حیض نہ آرہا ہو۔ (۶۵ : ۴)

حنین (جنگ)

جنگِ حنین۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے دیگر قبائل نے تو اسلامی مملکت کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا۔ لیکن ہوازن اور ثقیف کے دو جنگجو قبیلے ایسے تھے جنہوں نے سرکشی اختیار کی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس پر اسلامی لشکر آگے بڑھا اور مکہ اور طائف کے درمیان حنین کی وادی میں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ ابتدائی جنگوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اپنی بلند ہمتی اور قوتِ ایمانی پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ اب وہ ایک عظیم لشکر جرار تھے۔ اس لئے وہ اپنی تعداد کی کثرت پر اترا گئے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ انہیں شکست ہوگئی اور بڑی ابتری پھیل گئی۔ (۹:۲۵) لیکن جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پھر مجتمع ہوگئے اور پوری ہمت اور حوصلے سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اس سے ان کے پاؤں میں استقامت آگئی اور دل میں سکون۔ نتیجہ اس کا یہ کہ پھر انہیں فتح نصیب ہوگئی۔ (۹ : ۲۶) ۔ یوں انہیں خدا کی طرف سے سامانِ حفاظت و رحمت مل گیا۔ (۹: ۲۶)

قرآن کریم میں جنگِ حنین کا ذکر اسی ایک مقام پہ آیا ہے۔

خ

۱۔ خبر

خبر۔ علم اور واقفیت۔ اس کی جمع اخبار ہے۔

خبیر۔ خبر کو جاننے والا۔ یا خبر دینے والا۔ یہ خدا کی صفت ہے اور قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آئی ہے۔ واللّٰہ بما تعملون خبیر (۲۳۴ : ۲) ۔ ان تمام حوالوں کو درج کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ خبیث وطیّب

(نیز دیکھو حلال وحرام)

طیّب ۔ یہ قرآن کریم کی بڑی جامع اصطلاح ہے اس کے عام معنی ہیں خوشگوار۔ پسندیدہ۔ وہ شے جس سے انسان کو فرحت حاصل ہو۔ نیز اس کے معنی سرسبزی وشادابی کے بھی ہیں۔ زمینِ زرخیز اور پھل دار درخت کو بھی کہتے ہیں۔ سامانِ رزق کی فراوانی بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ نیز ہر وہ شے جس سے انسانی ذات کو نشوونما اور استحکام حاصل ہو۔ قرآن کریم نے رزق کے لئے حلال اور طیب ہونے کی شرائط عائد کی ہے۔ حلال وہ جس کے کھانے کی ممانعت نہیں۔ اور طیّب وہ جو ایک فرد کے مزاج، طبیعت اور ذوق کے مطابق ہو۔ لیکن اگر کہیں طیّب کا لفظ حلال کے بغیر آئے گا تو اس کے معنی بھی حلال اور طیّب ہوں گے کیونکہ ایک مومن کے لئے رزق کا حلال ہونا تو اولین شرط ہے۔ یا یوں کہئے کہ مومن کے نزدیک طیبؔ ہی وہ سکتا ہے جو حلال ہو۔ حرام کیسا ہی خوشگوار کیوں نہ ہو، مومن کے لئے خوشگوار نہیں ہو سکتا۔

اس کے مقابل میں لفظ خبیثؔ آتا ہے۔ یعنی طیّب کی ضد۔ خبیث ہر اس شے یا بات کے لئے بولا جائے گا جسے قرآن کریم مذموم قرار دے اور جو انسانی طبیعت کے لئے ناگوار ہو۔

طیّب - طوبیٰ

۱۔ طیب نظریۂ زندگی اپنے زور دروں سے خدا کی طرف اوپر اٹھتا ہے اور انسان کا عملِ صالح اسے بلند کرنے میں مدد دیتا ہے۔ (۱۰ : ۳۵)

۲۔ اہلِ جنت وہ ہیں جو طیب راستے پر چلیں۔ (۲۴ : ۲۲)

۳۔ پاکیزہ (طیب) مٹی سے تیمم۔ (۴۳ : ۴) ۔ (۶ : ۵)

۴۔ خدا نے مومنین سے مساکن طیبّ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۷۲ : ۹) ۔ (۱۲ : ۶۱)

۵۔ مومنین کے لئے خدا کا وعدہ ہے کہ انہیں حیاتِ طیب عطا ہوگی۔ (۹۷ : ۱۶) ۔ وہ زندگی جس میں ہر قسم کی خوشگواریاں ہوں۔ ان کی موت بھی طیّب ہوگی۔ (۳۲ : ۱۶) ۔ اور انجام کار ان کا مامن ایسا ہوگا جو ان کے لئے ہر اعتبار سے طوبیٰ ہوگا۔ (۲۹ : ۱۳)

۶۔ ان عورتوں سے شادی کرو جو تمہیں پسند ہوں (ماطاب لکم)۔ (۳ : ۴)

رزقِ حلال وطیّب

۱۔ جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ اسے حلال وطیب طریق سے کھاؤ۔ (زمین سے جو کچھ اگتا ہے وہ تو حلال ہی ہوتا ہے اسے "حلال" سے مشروط کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے جائز طریق سے حاصل کیا گیا ہے۔ جس حلال شے کو ناجائز طریق سے حاصل کیا گیا ہو، وہ حرام ہو جائے گی)۔ (۱۶۸ : ۲)

۲۔ جو کچھ سامانِ زیست خدا نے دیا ہے، اُسے حلال وطیب طریق سے کھاؤ۔ (۱۷۲ : ۲) ۔ (۸۸ : ۵) ۔ (۱۱۴ : ۱۶)

۳۔ مالِ غنیمت کو حلال وطیّب طریق سے کھاؤ۔ (۶۹ : ۸)

۴۔ جو طیّبات خدا نے عطا کئے ہیں، انہیں حرام مت بناؤ۔ (۸۷ : ۵) ۔ اس میں دونوں باتیں آجاتی ہیں۔ جن چیزوں کو خدا نے حرام نہیں کہا انہیں حرام مت قرار دو۔ اور حلال چیزوں کو ناجائز طریق سے حاصل مت کرو۔

۵۔ یہودیوں کے جرائم کی وجہ سے، ان پر بعض طیبات حرام قرار دے دی گئیں۔ (۱۶۰ : ۴)

۶۔ جن چیزوں کو خدا نے طیب قرار دیا ہے (یعنی حرام نہیں قرار دیا) انہیں کھاؤ۔ (۵۷ : ۲) ۔ (۱۵۹ : ۷) ۔ (۸۱ : ۲۰)

۷۔ خدا نے تمہارے لئے طیبات کو حلال قرار دیا ہے۔ (۴ : ۵) — (۵ : ۵) یعنی جنہیں خدا نے حرام قرار دیا ہے وہ طیب نہیں تھیں۔ (۷ : ۱۵۷)

۸۔ خدا نے جماعتِ مومنین کو نہایت خوشگوار سامانِ زیست (رزقِ طیب) دیا۔ (۸ : ۲۶) - یہ خدا کی نعمت ہے۔ (۱۶ : ۷۲) - اور اس کی ربوبیت کا تقاضا۔ (۴۰ : ۶۴) - بنی اسرائیل کو بھی رزقِ طیب دیا گیا تھا۔ (۱۰ : ۹۳) - (۱۶ : ۷۵)۔

۹۔ رسولوں سے کہا گیا کہ طیبٰت میں سے کھاؤ۔ (۲۳ : ۵۱)

۱۰۔ خدا نے جو سامانِ زیبائش اور رزقِ طیب عطا کیا ہے اسے کون حرام قرار دے سکتا ہے۔ (۷ : ۳۲)

۱۱۔ خدا نے انسان کو طیبات عطا کی ہیں لیکن جو لوگ ان سے فائدہ تو اٹھائیں لیکن مستقل اقدار (حیاتِ اُخروی) کا خیال نہ رکھیں، ان کا مآل جہنم ہے۔ (۴۶ : ۲۰)

۱۲۔ اپنی کمائی میں سے طیبات، خدا کی راہ میں دو۔ (۲ : ۲۶۷) - اور اس میں خبیث کا امتزاج مت کرو۔

۱۳۔ خدا نے بنی آدم کو رزقِ طیب عطا کیا ہے۔ (۱۷ : ۷۰)

خبیث - خبیث و طیب

۱۔ بارش تو ساری زمین پر ہوتی ہے۔ لیکن طیب رقبہ میں فصل بکثرت ہوتی ہے۔ اور خبیث رقبہ میں بہت کم اور خراب۔ (۷ : ۵۷-۵۸)

۲۔ یتیموں کا جو مال تمہاری نگرانی میں ہو۔ انہیں وہ لوٹا دو۔ یہ نہ کرو کہ ان کا اچھا مال (طیب) اپنے پاس رکھ لو اور اپنا خراب مال (خبیث) اس کے بدلہ میں انہیں دے دو۔ (۴ : ۲)

۳۔ اسلام جن مراحل سے اپنے ابتدائی ایام میں گذرا اس سے مقصد یہ تھا کہ طیب سے خبیث چھٹ کر الگ ہو جائے۔ (۳ : ۱۷۸) - لڑائیاں بھی اسی مقصد کے لئے ہوئی تھیں۔ (۸ : ۳۷)

۴۔ خبیث و طیب برابر نہیں ہو سکتے خواہ خبیث کی کثرت کتنی ہی تعجب انگیز کیوں نہ ہو۔ (۵ : ۱۰۰)

۵۔ اپنی کمائی میں سے طیب چیزیں خدا کی راہ میں دو۔ ایسا نہ کرو کہ ان میں سے خبیث (ردّی) چیزیں خدا کی راہ میں دے دو۔ (۲ : ۲۶۷)

۶۔ طیب نظریۂ حیات کی مثال ایک ایسے شجرِ طیب کی ہے جس کی جڑیں پاتال میں ہوں اور شاخیں آسمان کو چھو رہی ہوں۔

اس کے برعکس، خبیث نظریہ زندگی اس پودے کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین کے اوپر ہی اوپر ہوں۔ (۲۶-۲۴: ۱۴)

۷۔ صحیح معاشرہ میں خبیث، خبیثوں کے ساتھ ہوں گے اور طیب، طیبوں کے ساتھ۔ (۲۶: ۲۴)

۸۔ قومِ لوط، خباثت کا ارتکاب کرتی تھی۔ (۷۴: ۲۱)

۹۔ خدا نے طیبات حلال قرار دی ہیں اور خبائث حرام۔ (۱۵۷: ۷)

متفرق

۱۔ خدا نے اہلِ سبا کو بلدِ طیب عطا کیا تھا۔ ایسی سرزمین جس میں افراط سے فصلیں اور پھل ہوں۔ (۱۵: ۳۴)

۲۔ حضرت ذکریاؑ نے خدا سے ذریتِ طیبہ کی دعا مانگی۔ (۳۷: ۳)

۳۔ ریحِ طیب، سازگار ہوتی ہے۔ (۲۲: ۱۰)

۴۔ اگر تمہاری بیوی اپنی پسندِ خاطر سے، اپنے واجبات میں سے کچھ چھوڑ دے۔ تو تم اسے لے سکتے ہو۔ (۴: ۴)

۵۔ اپنے اہلِ خانہ کو مبارک اور طیب سلام کیا کرو۔ (۶۱: ۲۴)

۲۔ خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض

۱۔ سارا قرآن ہی خدا کی طرف سے عائد کردہ فریضہ ہے۔ خود رسول اللہ سے یہ کہا گیا ہے۔ یعنی رسول اللہ پر قرآن فرض کیا گیا۔ (۸۵: ۲۸)

۲۔ جس بات کو خدا فرض قرار دے دے اس کی تعمیل میں رسول کے راستے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیئے۔ (۳۸: ۳۳)

۳۔ غلط قسم کھالی جائے تو یہ فریضۂ خداوندی ہے کہ اسے توڑ دیا جائے۔ (۲: ۶۶)

۴۔ خدا نے عورتوں کے معاملہ میں جو کچھ فرض قرار دیا ہے، وہ اسے جانتا ہے۔ (۵۰: ۳۳)

۵۔ سورۂ نور کی پہلی آیت میں کہا گیا کہ یہ سورت ہم نے نازل کی ہے اور اس کے مندرجات کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد احکامات ہیں۔ (۱: ۲۴)

۶۔ ترکہ کے حصوں کے متعلق کہا کہ یہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ حصے (فریضہ) ہیں (۷: ۴) - (۱۱: ۴)

۷۔ صدقات کے مصارف بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہیں (۹ : ۶۰)

کُتِبَ علیکم (تم پہ لازم قرار دیا گیا ہے)

۱۔ قتل میں قصاص (۲ : ۱۷۸) ۲۔ وصیّت کرنا (۲ : ۱۸۰)
۳۔ صیام (روزے) (۲ : ۱۸۳) ۴۔ جنگ (جہاد) (۲ : ۲۱۶)
۵۔ بنی اسرائیل کے لئے قصاص کا حکم (۵ : ۳۲)۔(۵ : ۴۵)

خدا نے خود اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے۔

۱۔ رحمت (۶ : ۱۲)۔(۶ : ۵۴) ۲۔ خدا اور اس کے رسولوں کا غالب رہنا۔ (۵۸ : ۲۱)

۴۔ خسران

خسران (خ۔ س۔ ر) اس مادہ کے بنیادی معنی نقصان اور کمی کے ہوتے ہیں۔ غیر نفع بخش سودا (جس میں نقصان ہو) نیز ہلاکت اور تباہی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ الخاسر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی سے لیتے وقت تو ماپ اور تول پورا لے لیکن دیتے وقت ان میں کمی کر دے۔ اسے ڈنڈی مارنا کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنی اس شخص کے ہیں جو نقصان اٹھائے۔ گھاٹے میں رہے۔ جو ناکام رہے۔ تباہ و برباد ہو جائے۔

قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان کامیاب رہتا ہے۔ اور اس کے خلاف چلنے یا ان سے اعراض برتنے سے وہ ناکام رہتا ہے۔ اسی کو اس نے خسران سے تعبیر کیا ہے۔ سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کامیابی اور ناکامی کہتے کسے ہیں۔ ایک شخص آبرو بیچ کر مال و دولت حاصل کرتا ہے اور اپنی زندگی کو کامیاب قرار دیتا ہے۔ دوسرا آبرو کی حفاظت کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے اور اسے کامیابی کہتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے کامیابی اور ناکامی کا معیار ہر شخص یا ہر قوم کا اپنا اپنا نہیں ہونا چاہیئے۔ جو شخص وحی کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اس کی زندگی کامیاب ہے۔ جو ان کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ ناکام ہے۔ اس کو اس کی ہلاکت اور تباہی کہا جاتا ہے۔ یہی وہ نقصان ہے جس کی تلافی کسی اور طرح نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے جہاں یہ بتایا ہے کہ خسارہ میں کون لوگ ہیں تو وہاں اسی معیار کو سامنے لانا مقصود ہے۔

دوسرے لوگ، کسی شخص کو دنیاوی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس کی ذات کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اپنی ذات (نفس) کو انسان خود ہی نقصان پہنچاتا ہے اور اصل گھاٹے میں بھی وہی ہوتا ہے جو اپنی ذات کو نقصان پہنچائے۔

خسر۔ خسران

۱۔ قرآن میں شفا اور رحمت ہے لیکن ان کے لئے جو اس کی صداقتوں پر یقین رکھیں۔ لیکن جو لوگ اسے اس کے صحیح مقام پر نہ رکھیں (ظالم ہوں) ان کا نقصان اور تباہی (خسارا) اور بڑھ جاتی ہے (۱۷: ۸۲)۔ (۳۹: ۳۵)

۲۔ غلط راستے پر چلنے والے کا مال اور اولاد اس کے لئے تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ (۷۱: ۲۱)

۳۔ جو وحی کی اقدار کو چھوڑ کر اپنے سرکش جذبات کا اتباع کرے تو وہ ایک کھلے ہوئے خسارے میں رہتا ہے۔ (۴: ۱۱۹)

۴۔ بعض لوگ اس طرح اطاعتِ خداوندی کرتے ہیں کہ فائدہ دیکھا تو اطاعت کرلی، نقصان دیکھا تو اور طرف چل دیئے۔ ان لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں ناکامی اور تباہی ہے۔ (۲۲: ۱۱)

۵۔ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کو جھٹلانے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۶: ۳۱) ۔ (۱۰: ۴۵) ۔ (۴۰: ۷۸) (۴۵: ۲۷)

۶۔ جہالت سے "قتلِ اولاد" کرنے والے (یعنی اولاد کو بے علم اور بے تربیت رکھنے والے) سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ (۶: ۱۴۱)

۷۔ قوانینِ خداوندی سے انکار کرنے والے نقصان میں رہتے ہیں۔ (۲: ۱۲۱) ۔ (۳۹: ۶۳) ۔ (۴۰: ۷۸) ۔ (۴۰: ۸۵)

۸۔ انسان اگر وحی کے تابع نہ چلے تو خاسر و نامراد رہ جاتا ہے۔ اس حقیقت پر تاریخِ انسانیت شاہد ہے (۱۰۳: ۱-۲)

۹۔ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنے والے آخر الامر نقصان اٹھاتے ہیں۔ (۹: ۶۹)

۱۰۔ قوانینِ خداوندی کی اطاعت خالصتہً کرنی چاہیئے۔ جو ایسا نہیں کرتے وہ اپنے آپ پر اور اپنے متعلقین پر ظلم کرتے ہیں۔ اور سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ (۳۹: ۱۴-۱۵)

۱۱۔ قرآن پر وہی لوگ ایمان نہیں لاتے جنہوں نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہو۔ (۶: ۱۲، ۲۰)

۱۲۔ جو لوگ دوسروں کو خدا کی طرف جانے والی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں پیچ و خم پیدا کرتے ہیں، وہ اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں۔ (۱۱: ۲۱)۔ اور یہ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۸: ۳۶-۳۷) ۔ (۱۱: ۲۲)

۱۳۔ جس کا (صلاحیتوں کا) پلڑا بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوگا۔ جس کا ہلکا ہوگا وہ ناکام رہے گا۔ (۷ : ۸ - ۹)۔(۱۰۳ : ۲۳)

۱۴۔ جو لوگ اپنے آپ اور اپنے متعلقین کو تباہ کر لیتے ہیں۔ یوم مکافات کو تباہی اور بربادی انہی کے لئے ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ انسان کو مادی نقصانات تو پہنچا سکتے ہیں، اس کی ذات کو وہ خود ہی تباہ کرتا ہے۔ (۴۵ : ۴۲)

۱۵۔ یوم مکافات کو کوئی سفارش کرنے والا کسی کے کام نہیں آئے گا۔ نہ ہی دوبارہ عمل کی گنجائش ہوگی۔ جنہوں نے اپنے آپ کو تباہ کر رکھا ہوگا۔ وہ برباد ہو جائیں گے۔ (۵۳ : ۷)

۱۶۔ جن لوگوں کی ساری کوششیں طبیعی زندگی کے مفادات کے حصول میں ضائع ہو جاتی ہیں (اور وہ بلند اقدار کا کوئی خیال نہیں کرتے) وہ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ان کے لئے یوم مکافات میں میزان تک کھڑی نہیں کی جائے گی۔ (۱۰۵ - ۱۰۳ : ۱۸)

۱۷۔ انبیاء کے خلاف چالیں چلنے والے سخت ناکام رہتے ہیں۔ (۷۰ : ۲۱)

۱۸۔ قانون مکافات سے انکار کرنے والوں کے سامنے دنیاوی مفادات بڑے مزین ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ آخر الامر سخت گھاٹے میں رہتے ہیں۔ (۵-۴ : ۲۷)

۱۹۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں خدا کی طرف سے علم و بصیرت ملنے کے بعد تمہاری باتیں مان لوں، تو اس سے میرے نقصان ہی میں اضافہ ہوگا۔ (۶۳ : ۱۱)

۲۰۔ قوانین خداوندی سے اعراض برتنے والے اگر صحیح روش اختیار نہ کریں تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۹۴ : ۲)

۲۱۔ انبیاء کی مخالفت کرنے والے لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر تم نے ان کا اتباع کیا تو سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ حالانکہ وہ خود نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے تھے۔ (۹۲ - ۹۰ : ۷) ۔ ۳۴ : ۲۳)

۲۲۔ رسول اللہ (یا قرآن کے مخاطب) سے کہا گیا کہ تم ان میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے قوانین خداوندی کی تکذیب کی ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ (۹۵ : ۱۰)

۲۳۔ حضرت نوحؑ نے خدا سے کہا کہ اگر تو مجھ پر رحمت نہ کرے تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ (۴۷ : ۱۱)

۲۴۔ جو لوگ خدا کے ساتھ عہد کرنے کے بعد اسے توڑ ڈالتے ہیں۔ جن رشتوں کو خدا نے ملانے کا حکم دیا ہے انہیں منقطع کر دیتے ہیں۔ ملک میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ تباہ ہوتے ہیں۔ (۲۷ : ۲)

۲۵۔ قوانین خداوندی سے انکار۔ باطل پر ایمان۔ اسی سے تباہی آتی ہے۔ (۵۲ : ۲۹)

۲۶۔ منافقین سخت نقصان میں رہتے ہیں حالانکہ انہیں دنیاوی مفاد بہت حاصل ہوتے ہیں (۵۳ : ۵)۔(۶۹ : ۹)

۲۷۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کی تدبیریں (اس کا قانونِ مکافات) ہمارا کچھ نہیں کر سکتا، وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۹۹ : ۷)

۲۸۔ جو لوگ مستقل اقدار کے مقابلہ میں طبعی زندگی کے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں، ان کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے اور آخرالامر وہ سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ (۱۰۹-۱۰۷ : ۱۶)

۲۹۔ حزب الشیطان ہمیشہ ناکام و نامراد رہے گا۔ (۱۹-۱۸ : ۵۸)

۳۰۔ جس شخص کی اولاد اور مال و دولت اسے قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل کر دے، وہ سخت نقصان میں رہتا ہے۔ (۶۳ : ۹)

۳۱۔ جو خدا کی عطا کردہ راہ نمائی کے مطابق نہیں چلتا وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ (۱۷۸ : ۷)

۳۲۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم کفار کی اطاعت نہ کرنا ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ (۱۴۸ : ۳)

۳۳۔ انبیاء کی مخالفت کرنے والے نقصان اٹھاتے ہیں۔ (۹۲ : ۷)

۳۴۔ اعداء اللہ سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ (۲۵ تا ۲۳ : ۴۱)

۳۵۔ حیاتِ اخروی اور قرآن کریم سے انکار کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۴ : ۲۷) - (۱۸ : ۴۶)

۳۶۔ حقیقی نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو تباہ کر لیا۔ (۱۵ : ۳۹) - (۴۵ : ۴۲)

۳۷۔ جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور نظامِ حیات اختیار کرے گا۔ تو وہ آخرالامر نقصان اٹھائیگا۔ (۸۴ : ۳)

۳۸۔ جو ایمان سے انکار کرتا ہے، وہ مستقبل میں نقصان اٹھاتا ہے۔ (۵ : ۵)

۳۹۔ آدم نے اپنی خطا کا اعتراف کیا اور کہا کہ اگر قوانینِ خداوندی اس کی حفاظت کا سامان مہیا کریں تو وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ (۲۳ : ۷)

۴۰۔ شرک سے تباہی آجاتی ہے (۶۵ : ۳۹)

۴۱۔ کفار کی اطاعت سے تباہی۔ (۱۴۹ : ۳)

۴۲۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے عرض کیا کہ اگر بنی اسرائیل کو بازیابی کا موقعہ نہ دیا گیا تو وہ تباہ ہو جائیں گے (۱۴۹ : ۷)

مخسرین۔ کم تولنے والے

اس گوشے کا تعلق درحقیقت معاشی نظام سے ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل وہیں ملے گی۔ "کم تولنے" سے مراد محض ترازو میں ڈنڈی مارنا نہیں۔ اس سے مفہوم ایسا معاشی نظام ہے جس میں محنت کرنے والے سے محنت تو پوری لی جائے لیکن اس کا معاوضہ

پورا نہ دیا جائے ۔ نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ محنت کا معاوضہ پورا نہ دیا جائے ۔

۱۔ وزن کو انصاف کے ساتھ پورا کرو ۔ ترازو میں کمی مت کرو ۔ (۹ : ۵۵) ایسا کرنے والوں کے لئے تباہی ہے (۳-۱ : ۸۳) ایسا کبھی نہ کرو ۔ (۱۸۱ : ۲۶)

متفرق

۱۔ حیاتِ اخروی کے منکر کہتے تھے کہ اگر ایسا ہوا تو وہ بڑے نقصان کی بات ہوگی ۔ (۱۲ : ۷۹)

۲۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ آگے بڑھ کر ارضِ مقدس پر قبضہ کرلو ۔ اگر پیچھے مڑ گئے تو سخت نقصان اٹھاؤ گے ۔ (۲۱ : ۵)

۳۔ اپنے بھائی کا قاتل تباہ ہوجاتا ہے ۔ (۳۰ : ۵)

―――(۰)―――

۵۔ خشوع

خشوع (خ ۔ ش ۔ ع) ۔ مادہ کے لحاظ سے اس کے معنی جھک جانا ہیں اور جہاں یہ لفظ خدا سے متعلق آئے گا تو اس کے معنی ہوں گے قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا ۔ ان کی اطاعت کرنا ۔ اس عنوان میں یہ لفظ اس مفہوم کے اعتبار سے سامنے آئے گا ۔ (جہاں اس سے مفہوم ذلیل و خوار ہونا ہیں یا مغلوب ہوجانا ۔ وہ مقامات اپنی اپنی جگہ آ ئیں گے ۔)

یہ لفظ عنوان "خوف و حزن" کے تابع بھی لکھا گیا ہے ۔

مومنین کی صفت

۱۔ اپنی صلوٰۃ میں خشوع پیدا کرنے والے ۔ (۲ : ۲۳)　۲۔ اللہ کے (قوانین کے) سامنے جھکنے والے ۔ (۱۹۸ : ۳)

۳۔ تمام انبیاء خدا کے (قوانین کے) سامنے جھکتے تھے ۔ (۹۰ : ۲۱)

۴۔ نظامِ ثبات و صلوٰۃ بڑی گراں ذمہ داری ہے اس سے وہی سبکدوش ہو سکتے ہیں جو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکتے ہیں اور ان کے سامنے وہی جھکتے ہیں جنہیں قانونِ مکافاتِ عمل کا احساس ہوتا ہے ۔ (۴۶ - ۴۵ : ۲)

۵۔ مومن مردوں اور عورتوں کی صفت ۔ خاشعین و خاشعات ۔ (۳۵ : ۳۳)

۶۔ ارباب علم، قرآن کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ (۱۷ : ۱۰۹)
۷۔ کیا مومنین کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جائیں۔ (۵۷ : ۱۶)

متفرق

۱۔ کفار، جہنم کے سامنے ذلت و خواری کے ساتھ خمیدہ سر آئیں گے۔ (۴۲ : ۴۵) ۔ (۵۴ : ۷)۔
۲۔ انقلاب کے وقت ان سرکشوں کی آوازیں خدا کے سامنے جھک جائیں گی۔ (۲۰ : ۱۰۸)

—(۰)—

۶۔ خمر

خمر :۔ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ڈھانپ دینے کے ہوتے ہیں۔ عرب عام طور پر شیرۂ انگور سے شراب بناتے تھے۔ اور اسے خمر کہتے تھے کیونکہ وہ انسانی عقل و حواس پر پردہ ڈال دیتی تھی۔ اس لئے اس کے متعین معنی تو شراب کے ہیں اور مطلقاً اس کا اطلاق تمام ایسی چیزوں پر ہوگا جو عقل کو ماؤف کردیں۔ اس میں ہر قسم کی نشہ آور اشیاء شامل ہوں گی۔ ایسے نشہ کے لئے قرآن کریم میں سُکر کا لفظ آیا ہے۔

ہمارے ہاں شراب کا لفظ (خمر کے) مخصوص معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی زبان میں یہ لفظ ہر پینے کی شے کے لئے بولا جاتا ہے۔ انہی معنوں میں یہ لفظ قرآن کریم میں آیا ہے۔ ہم نے (لفظ شراب کی وضاحت کے لئے) ان آیات کو بھی درج کر دیا ہے۔ جن میں یہ لفظ مشروب (پینے کی چیزوں) کے معانی میں آیا ہے۔ نیز جنت اور جہنم کے مشروبات سے متعلق آیات بھی اگرچہ ان کا صحیح مقام وہ عنوانات ہیں۔

خمر سے متعلق احکام

۱۔ نشہ کی حالت میں صلوٰۃ کے قریب مت جاؤ۔ (۴ : ۴۳)
۲۔ خمر (اور میسرہ) میں کچھ فائدہ بھی ہے۔ (جب اسے دوائی کے طور پر دیا جائے) ۔ اور نقصانات بھی۔ اور نقصانات نفع کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔ (۲ : ۲۱۹)

۳۔ خمر شیطانی عمل ہے۔ اس سے مجتنب رہو۔ (٩١ - ٩٠ : ٥)

۴۔ کھجوروں اور انگوروں میں رزقِ حسنہ ہے۔ لیکن لوگ ان سے نشہ آور اشیاء بھی بناتے ہیں - (٦٧ : ١٦)

جنت کی شراب (بمعنی مشروب ۔ پینے کی چیز)

۱۔ خمر کی نہریں جو پینے میں بڑی لذیذ ہوں گی - (١٥ : ٤٧) - لیکن اس پیالہ میں نہ لغویت ہوگی نہ خمار کا اضمحلال (٢٣ : ٥٢) نہ اس میں نشہ ہوگا نہ دردِ سر (١٩ : ٥٦) - یہ وہ مشروب ہوگا۔ جو ہر قسم کی خرابی سے پاک وصاف ہوگا۔ (شراب طہور) (٢١ : ٧٦)

۲۔ جنت میں پھل اور شراب (پینے کی چیزیں) - (٥١ : ٣٨)

۳۔ جنت میں ابرار اس پیالے سے پیئں گے جس کا مزاج کافوری ہوگا اور اس کا مشروب اس چشمہ سے آئے گا جسے خدا کے بندے خود (اپنے اندر سے) بہاکر لائیں گے - (٦-٥ : ٧٦)

۴۔ رحیقِ مختوم جس کی مہر مشک کی ہوگی۔ مزاج اس کا تسنیم سے ہوگا۔ اس سے مقرب بندے پیئں گے (٢٨-٢٥ : ٨٣) ایک اور پیالہ جس کا مزاج زنجبیل ہوگا۔ (١٧ : ٧٦)

۵۔ جنت میں متقین نہایت مزے سے کھائیں پیئں گے۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا۔ (١٩ : ٥٢) - (٤٣ : ٧٧)

٦۔ کاساً دھاقاً۔ پاکیزہ پیالہ - (٤٦، ٤٥ : ٣٧) - (١٩ - ١٨ : ٥٦) - (٣٤ : ٧٨)

(مزید تفصیلات جنت کے عنوان میں دیکھئے)

شراب

۱۔ بارش کا پانی پینے (شراب) کے کام آتا ہے - (١٠ : ١٦)

۲۔ شہد کو شراب کہا گیا ہے - (٦٩ : ١٦)

۳۔ جہنم میں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا - (٧٠ : ٦) - (٤ : ١٠) - (٢٩ : ١٨) - (٥٥-٥٤ :٥٦)

۴۔ جہنم میں جو ملے گا وہ پینے کے قابل ہی نہیں ہوگا۔ (٢٥-٢٤ : ٧٨)

(مزید تفصیلات جہنم کے عنوان میں ملیں گی)

۷۔خواب

رؤیا۔ خواب کے لیے قرآن کریم میں رؤیا کا لفظ آیا ہے۔ یا اس قسم کے الفاظ کہ میں نے سوتے میں (فی المنام) دیکھا ہے ہم اس مقام پر خواب کی ماہیت و حقیقت سے بحث نہیں کریں گے۔ قرآن کریم نے بھی اس سے بحث نہیں کی۔ صرف چند خوابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں کچھ تو حضرات انبیاء کرامؑ کے خواب ہیں۔ اور کچھ عام انسانوں کے۔ انہی کا ذکر یہاں کیا جائے گا حضرت یوسفؑ نے کچھ خوابوں کی تعبیریں بھی بتائی تھیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں ان کے متعلق جو آیا ہے کہ انہیں خدا نے "تاویل الاحادیث" کا علم دیا تھا تو اس سے مراد خوابوں کی تعبیر کا علم ہے، سو یہ قیاس ٹھیک نہیں۔ تاویل الاحادیث سے مراد ہے معاملہ کی ابتداء سے اس کے مآل اور انجام کے متعلق اندازہ لگا لینے کی صلاحیت۔ اسی کو حسنِ فراست اور دور نگہی کہا جاتا ہے۔ خوابوں کی حقیقت کے متعلق ہمارے زمانے میں ماہر علم تجزیۂ نفس اپنے طور پر تحقیق کر رہے ہیں جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انسان کے تحت الشعور میں چھپے ہوئے خیالات نیند کی حالت میں، جب شعور معطل ہوتا ہے، ابھر کر اوپر آجاتے ہیں۔ اسی کا نام خواب ہے۔ ہم بہرحال اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

حضرت انبیاء کرام کے خواب

۱۔ حضرت یوسفؑ کا خواب جو انہوں نے باپ کو بتایا۔ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ (۱۲ : ۴)۔ اس خواب کی تعبیر یا تاویل۔ (۱۲ : ۱۰۰)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کا خواب کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ (۳۷ : ۱۰۲)۔ یہ خدا کا حکم نہیں تھا۔ محض حضرت ابراہیمؑ کا اپنا خیال تھا۔ جب انہوں نے اس خیال کو حقیقت بنانا چاہا تو انہیں اس سے روک دیا گیا۔ (۳۷ : ۱۰۵)

۳۔ رسول اللہؐ کا مکہ میں داخل ہونے کے متعلق خواب۔ (۴۸ : ۲۷)۔ یہ خواب لوگوں کیلئے فتنہ کا موجب بن گیا۔ (۱۷ : ۶۰) جنگِ بدر میں بحالتِ خواب، دشمن کی تعداد کم دکھائی گئی۔ (۸ : ۴۳)

عام لوگوں کے خواب

۱۔ قید خانہ میں حضرت یوسفؑ کے ساتھیوں کے خواب۔ (۱۲ : ۳۶)۔ ان کی تعبیر۔ (۱۲ : ۴۱)

۲۔ فرعون کے خواب کو اس کے اہل دربار نے توہمات کہہ کر ٹال دیا۔ (۱۲ : ۴۳-۴۴)۔ حضرت یوسفؑ نے اس کی تعبیر بتائی۔ (۱۲ : ۴۷-۴۹)

۸۔ خواہشات۔ آرزوئیں۔ جذبات

آرزو اور زندگی، لازم و ملزوم ہیں۔ جب آرزو نہ رہے تو زندگی اور موت برابر ہوتے ہیں۔ اس کو عام الفاظ میں خواہش بھی کہتے ہیں اور اس کا محرک کوئی نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے۔ اس سے انسانی زندگی میں جذبات کی اہمیت واضح ہے۔ لیکن جذبات، خواہشات یا آرزوؤں کو اگر بے لگام چھوڑ دیا جائے تو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ اس لئے قرآن کریم نے ان خواہشات کو جو وحی کی عائد کردہ پابندیوں کے تابع نہ ہوں، تباہی کا موجب قرار دیا ہے۔ ہر آرزو کو عقل کے تابع ہونا چاہیئے۔ اور عقل کو وحی کی روشنی میں چلنا ہوگا۔ اس سے انسان کی انفرادی زندگی نشو و نما حاصل کرتی جائے گی اور ان کی حیاتِ اجتماعیہ جنت بداماں ہوگی۔

قرآن کریم میں خواہشات کے لئے عام طور پر اَھْوَآء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس مادہ (ھ - و - ی) کے بنیادی معنی اوپر سے نیچے گرنا ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اگر عقل و وحی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کا غلام ہو جائے تو وہ شرفِ انسانیت کے مقام سے نیچے گر جائے گا۔

یاد رکھیئے۔ قرآن کریم کی رُو سے انسانی جذبات، خواہشات یا آرزوئیں، مذموم شے نہیں کہ جن کے دباتے یا فنا کر دینے سے "روحانی ترقی" حاصل ہو۔ یہ تصور یکسر غلط اور غیر قرآنی اثرات کا پیدا کردہ ہے۔ انسانی جذبات فنا نہیں کئے جا سکتے اور اگر انہیں دبایا جائے تو یہ غیر فطری راستوں سے باہر نکلتے ہیں جس سے ہزار نفسیاتی روگ لاحق ہو جاتے ہیں (PERVERSION) اسے کہتے ہیں۔ قرآن کریم کی رُو سے انسانی جذبات کی تسکین ضروری ہے بشرطیکہ انہیں وحی کے تابع رکھا جائے۔ جب جذبات وحی کی مستقل اقدار کے تابع رہیں تو ان سے انسان کے اندر بے پناہ قوتیں ابھرتی ہیں۔ جذبات ہی تو وہ قوت ہے جو عمل کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ اگر عمل کا محرک کوئی جذبہ نہ ہو تو وہ صاحبِ ارادہ انسان کا فیصلہ نہیں۔ محض مشین کی حرکت ہوتی ہے جس کا انسانی سیرت و کردار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

لہٰذا قرآن کریم نے جہاں خواہشات کی مذمت کی ہے، اس سے مراد وہ خواہشات ہیں جو وحی کے تابع نہ رہیں۔ بعض مقامات پر اس کے لئے شَہوَات کا لفظ بھی آیا ہے۔

خواہشات بلا علم و وحی

۱۔ اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے۔ جو خدا کی راہنمائی (وحی) سے بے نیاز ہو کر اپنی خواہشات کا اتباع کرے۔ (۲۸ : ۵۰)

۲۔ اگر یہ لوگ تمہاری دعوت پر لبیک نہیں کہتے تو سمجھ لیجئے کہ یہ اپنی بے لگام خواہشات کے مطابق چلنا چاہتے ہیں۔ (۲۸ : ۵۰)

۳۔ رزقِ طیب کھاؤ پیو۔ لیکن اس میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ جو ایسا کرے گا وہ شرفِ انسانیت کے مقام سے گر جائے گا۔ (۲۰ : ۸۱)

۴۔ ہم چاہتے ہیں کہ انسان، آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائے۔ لیکن یہ اپنی سرکش خواہشات کا اتباع کر کے زمین کی پستیوں کے ساتھ جا چپکتا ہے اور پھر اس کی مثال اس کتے کی سی ہو جاتی ہے جو ہر وقت زبان لٹکائے پھر رہا ہو۔ (۷ : ۱۷۶)

۵۔ اس کی اطاعت مت کرو جو قوانین خداوندی سے غافل ہو کر اپنے جذبات ہی کے پیچھے چلتا رہتا ہے اور اور یوں اس کا معاملہ حد سے گذر جاتا ہے۔ (۱۸ : ۲۸)

۶۔ جو شخص وحی میں ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرتا ہے۔ اس کی بات ماننے سے انسان تباہ ہو جاتا ہے۔ (۲۰ : ۱۶)

۷۔ اپنی خواہشات و جذبات کو اپنا معبود بنا لینے والے، انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر آجاتے ہیں۔ یہ لوگ جذبات سے ایسے مغلوب ہو جاتے ہیں کہ پھر ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ (۲۵ : ۴۳-۴۴)
ایسے لوگ علم و عقل رکھنے کے باوجود گمراہ ہو جاتے ہیں۔ (۴۵ : ۲۳)

۸۔ جو خدا کی راہ چھوڑ بیٹھے اس کے خیالات کا اتباع مت کرو۔ (۵ : ۷۷)

۹۔ وحی کا اتباع کرو۔ ان لوگوں کے خیالات و جذبات کا اتباع نہ کرو جو (وحی کا) علم نہیں رکھتے (یا جذبات سے مغلوب ہو کر علم و عقل سے عاری ہو جاتے ہیں) (۴۵ : ۱۸)

۱۰۔ رسولؐ سے کہا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کروں تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں۔ (۶ : ۵۶)

۱۱۔ اگر تم العلم (وحی) آجانے کے بعد یہود و نصاریٰ کے خیالات اور خواہشات کا اتباع کروگے تو خدا کی ولایت و نصرت سے محروم ہو جاؤ گے۔ (۲:۱۲۰)-(۲:۱۴۵)-(۵:۴۸)-(۱۳:۳۷)-(۱۸:۴۵)

۱۲۔ قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرنے والوں کے خیالات کا اتباع مت کرو۔ (۶:۱۵۱)

۱۳۔ اگر الحق، لوگوں کے خیالات و خواہشات کے تابع ہو جائے تو ساری کائنات میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے (۲۳:۷۱)

۱۴۔ اگر یہ لوگ وحی کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو یہ سمجھ لو کہ یہ اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرنا چاہتے ہیں (۲۸:۵۰)

۱۵۔ جو لوگ حق و انصاف کی راہ پہ نہیں چلنا چاہتے وہ بغیر علم اپنی خواہشات کا اتباع کئے چلے جاتے ہیں (۳۰:۲۹)

۱۶۔ جو شخص خدا کی طرف سے ملے ہوئے علم و برہان کے مطابق چلے کیا وہ اس کے برابر ہو جائے گا جو اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرے؟ (۴۷:۱۴)

۱۷۔ اپنے خیالات میں مستغرق اور اپنی خواہشات سے مغلوب رہنے والوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے سامنے ہزار علم و عقل کی باتیں ہوں، انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کیا بات ہو گئی ہے (۴۷:۱۶)

۱۸۔ یہ لوگ حق سے انکار کرتے ہیں اور اپنی ہی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ (۵۴:۳)

۱۹۔ مذہبی پیشوا لوگوں کو علم (وحی) کے خلاف، محض اپنی مفاد پرستیوں (خواہشات) کی خاطر، لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ (۹:۱۲۰)

۲۰۔ اپنے سرکش جذبات (شیطان) کا اتباع کرنے والا، آخر الامر حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ (۶:۷۱)

۲۱۔ جو لوگ اپنی پست خواہشات (شہوات) کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ بھی اپنے مسلک سے اِدھر اُدھر ہو جاؤ۔ (۴:۲۷)

۲۲۔ انبیاء کرام بلند اخلاقی تعلیم دے کر جاتے تھے لیکن ان کے بعد ان کی امت نظامِ صلوٰۃ کو ضائع کر دیتی تھی اور شہوات کا اتباع شروع کر دیتی تھی۔ (۱۹:۵۹)

۲۳۔ تقلیدِ آباء درحقیقت اپنی خواہشات کا اتباع ہے اور گمراہی۔ اتباع تو ہدایتِ خداوندی ہی کا کرنا چاہیئے (۵۳:۲۳)

اس کا نتیجہ

۱۔ جو اپنے آپ کو بے لگام خواہشات کی تسکین سے روکتا ہے، اس کا مقام جنت ہے۔ (۷۹:۴۰-۴۱)

تسکینِ جذبات

۱۔ جنتی معاشرہ میں وہ سب کچھ ملے گا جس کی تم خواہش کروگے ۔ (۴۱ : ۳۱) ۔ (مومن کی کوئی خواہش وحی کے خلاف ہوتی ہی نہیں) جس سے تمہاری نگاہوں کو لذت ملے گی ۔ (۱۶ : ۳۱) - (۲۱ : ۱۰۲) - (۲۵ : ۱۶) - (۳۹ : ۳۴) (۴۲ : ۲۲) - (۴۳ : ۷۱) - (۵۲ : ۲۲) - (۵۶ : ۲۱) - (۴۲ : ۷۷)

۲۔ صحیح آرزوؤں کا پورا نہ ہونا خدا کا عذاب ہے ۔ (۳۴ : ۵۴)

۳۔ جنتی معاشرہ میں وہ سب کچھ ملے گا جسے وہ چاہیں گے ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ (۵۰ : ۳۵)

۴۔ تمہاری آرزوئیں اور خواہشات قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ ہونی چاہئیں ۔(۳۰ : ۷۶) - (۲۹ : ۸۱)

متفرق

۱۔ حضرت داؤدؑ سے کہا گیا کہ لوگوں کے فیصلے الحق کے مطابق کرو اور اس میں لوگوں کی یا اپنی خواہشات کا اتباع مت کرو۔ ایسا کروگے تو تم خدا کی راہ سے دور ہٹ جاؤ گے ۔ (۳۸ : ۲۶) ۔ یہی رسول اللہؐ سے کہا گیا ۔ (۵۰ : ۴۹)

۲۔ جماعتِ مومنین کو حکم کہ عدل کرنے میں خواہشات کا اتباع مت کرو۔ (۴ : ۱۳۵)

۳۔ وحی ، رسول کے اپنے خیالات یا جذبات کی پیدا کردہ نہیں ہوتی ۔ یہ اسے خارج سے ملتی ہے (۵۳ : ۳-۴)

۴۔ بیوی بچوں کی محبت کا جذبہ بڑا مزین ہے ۔ اس میں کوئی برائی نہیں لیکن جب ان میں اور کسی مستقل قدر میں تصادم ہو تو پھر مستقل قدر کا تحفظ ضروری ہے ۔ (۳ : ۱۳)

۵۔ بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ دین ان کی خواہشات کے مطابق آئے جو نبی ایسی بات کہتا جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوتی وہ اس کے درپے آزار ہو جاتے ۔ (۲ : ۸۷) - (۵ : ۷۰)

۶۔ جو لوگ اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جماعتِ مومنین بھی صحیح راستے سے ہٹ جائے ۔ (۴ : ۲۷)

―――(۰)―――

۹۔ خوف وحزن

خوف وحزن　بنیادی طور پر خوف اس پریشانی کو کہتے ہیں جو کسی آنے والے (متوقع) خطرہ کے احساس سے

پیدا ہو۔ اور حزن اُس غم یا فکر کو کہتے ہیں جو اُس حادثہ کے نتیجے کے طور پر لاحق ہو۔ یعنی خوف کا تعلق مستقبل میں واقع ہونے والے حادثہ کے احساس سے ہوتا ہے اور حزن کا تعلق ماضی میں گزرے ہوئے حادثہ کی وجہ سے پیدا شدہ نقصان سے ہوتا ہے۔ لیکن بالعموم، خوف، کسی محسوس خطرہ سے پیدا شدہ پریشانی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور ذہنی پریشانی یا قلبی افسردگی اور دل گرفتگی کو حزن سے تعبیر کیا جاتا ہے

خوف، وہ زہرِ ہلاہل ہے جس سے شرفِ انسانیت تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ دنیا میں انسان، دوسرے انسان کے سامنے یا تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے جھکتا ہے۔ (جسے طمع کہتے ہیں) یا کسی خطرہ سے بچنے کے لئے۔ طمع کے جذبہ پر انسان پھر بھی نسبتاً آسانی سے قابو پا لیتا ہے۔ لیکن خوف پر قابو پانا، مقابلتہً مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تحفظِ خویش، زندگی کا بنیادی تقاضا ہے اور جب انسان سمجھتا ہے کہ اس کی حفاظت خطرہ میں ہے تو اُس کا یہ جبلی تقاضا بڑی شدت سے ابھرتا ہے اور اسے ہر (جائز و ناجائز) ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ زندگی کی انتہائی کامیابی یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا نہ ہوں جن سے انسان پر خوف و حزن طاری رہے۔ قرآنی معاشرہ ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن میں افرادِ معاشرہ خوف و حزن سے مامون رہیں۔ اس سے بڑھ کر اور جنت کیا ہو سکتی ہے کہ کسی کو کسی قسم کا خوف اور دل گرفتگی نہ ہو۔

جب قرآنی معاشرہ قائم نہ ہو، تو قرآن کریم کی تعلیم، انسان کے اندر ایسا انقلاب پیدا کرتی ہے کہ وہ کسی سے خوف کھائے ہی نہیں۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ انسان، زندگی کی بلند اقدار کو اس قدر اہمیت دینے لگ جاتا ہے کہ وہ ان کے تحفظ کے لئے طبیعی زندگی کے ہر مفاد کو بطیبِ خاطر قربان کر دینے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ اور جب انسان کی یہ کیفیت ہو جائے تو پھر اسے کسی قسم کا خوف و حزن لاحق ہی نہیں ہو سکتا۔ اسے خوف ایک ہی ہوتا ہے یعنی قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس کا احساس۔ اس کو "خدا سے ڈرنا" کہتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ "خدا سے ڈرنا نہیں" بلکہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے جو نقصانات اور خطرات لاحق ہوتے ہیں، ان سے بچنے کا احساس ہے۔ اسی احساس سے انسان، ان کی خلاف ورزی سے محترز رہتا ہے۔

قرآنی معاشرہ کے افراد کی نمایاں خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ ان پر کسی قسم کا خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ مؤمن کہتے ہی اسے ہیں جو خود بھی امن میں ہو اور دوسروں کے امن کا ذمہ دار بھی بنے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ ہم قرآنی معیار کے مطابق مؤمن کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا نہیں، محسوس کسوٹی یہ ہے

کر دیکھا جائے کہ ہم پر کسی قسم کا خوف وحزن تو طاری نہیں — انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی۔ جب مومن یہ کہتا ہے کہ نفع یا نقصان خدا کے سوا کوئی نہیں پہنچا سکتا (یعنی یہ صرف قانونِ خداوندی کے مطابق واقع ہوتا ہے۔) تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی قسم کا خوف یا طمع اس کے پاؤں میں لغزش نہیں پیدا کرسکتا۔

خوف کے معنوں میں خشیت کا لفظ بھی آتا ہے۔ یہ خوف سے زیادہ شدید ہوتا ہے کیونکہ اس کے بنیادی معنی پودے کا خشک ہوکر بالکل جھلس جانا ہیں۔ خشیتِ الٰہی سے مفہوم، قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے شدت کا خوف ہوگا۔

لیکن خوف وحزن سے مامون ومحفوظ رہنا، زندگی کا منفی پہلو ہے۔ اس کا مثبت پہلو کچھ حاصل کرنا اور اس طرح آگے بڑھنا ہے۔ اس کے لئے قرآنِ کریم میں سلامؔ کی اصطلاح آئی ہے جس کے معنی، مکمل ہونا یا تکمیل تک پہنچنا ہے۔ خوف وحزن سے مامونیت، تکمیلِ ذات کے لئے شرطِ اول ہے۔ یہ دونوں گوشے مل کر مقصدِ حیات پورا کرسکتے ہیں۔ اسی لئے خدا کی صفت المؤمن (امن کا ضامن) کے ساتھ دوسری صفت السّلام بھی ہے یعنی ہرشے کی نشوونما سے اسے تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس اعتبار سے، ایک مؤمن مسلم بھی ہوتا ہے۔ خود امن میں اور دوسروں کو امن کی ضمانت دینے والا۔ اپنی ذات کی تکمیل کرنے والا اور دوسروں کی ذات کی تکمیل کے لئے ممدومعاون بننے والا۔ (ان امور کے لئے دیکھئے عنوانات، امن - ایمان - اسلام وغیرہ)۔

لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون

۱۔ جنت میں کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوگا۔ (۷ : ۴۹) — (۳۵ : ۳۴) — (۳۹ : ۶۱)-(۴۳ : ۶۸)-
(۴۶ : ۱۳-۱۴)۔ (حزن تو احتیاج سے پیدا ہوتا ہے۔ ۹ : ۹۲)

۲۔ ایمان اور تقویٰ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انہیں کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوتا۔ ان کے لئے اس دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبریاں ہوتی ہیں اور اخروی زندگی میں بھی۔ یہ خدا کا غیر متبدل قانون ہے۔ انہی کو اولیاءاللہ کہتے ہیں۔ (۷ : ۳۵) — (۱۰ : ۶۲-۶۴) — (۴۱ : ۳۰-۳۱)

۳۔ مقتولینِ فی سبیل اللہ کو خود کبھی خوف وحزن نہیں ہوتا۔ اور ان کی اس عظیم قربانی سے ان کے بعد معاشرہ بھی خوف وحزن سے مامون ہوجاتا ہے (۳ : ۱۶۹-۱۷۰)

۴۔ آدمؑ سے کہا گیا کہ جو قوانینِ خداوندی کا اتباع کرے گا اس پر کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوگا۔ (۲ : ۳۸)-(۷ : ۳۵)

۵۔ یہود ہوں یا نصاریٰ۔ صابئین یا مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والے۔ جو بھی (قرآن کریم کے معیار کے مطابق) خدا اور آخرت پہ ایمان لے آئے گا۔ وہ خوف وحزن سے مامون ہو جائے گا۔ (۲ : ۶۲) - (۵ : ۶۹)

۶۔ ایمان و اعمالِ صالح سے خوف وحزن نہیں رہتا۔ (۲ : ۲۷۷) - (۶ : ۴۸)

۷۔ ایمان اور استقامت سے خوف وحزن باقی نہیں رہتا۔ (۴۱ : ۳۰-۳۱) - (۴۶ : ۱۳-۱۴)

۸۔ ایمان و اعمالِ صالح سے استخلاف فی الارض ملتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوف، امن سے بدل جاتا ہے (۲۴ : ۵۵)

۹۔ جنتی معاشرہ میں سلب ونہب اور ظلم و استبداد کا خوف نہیں ہوگا۔ (۲۰ : ۱۱۲) - (۷۲ : ۱۳)

۱۰۔ مومن کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ (۵ : ۵۴)

۱۱۔ جنت میں حزن نہیں ہوگا۔ (۳۵ : ۳۴)

۱۲۔ مومنین کے دل میں فزعِ اکبر بھی حزن نہیں پیدا کر سکے گا۔ (۲۱ : ۱۰۳)

۱۳۔ جو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جائے اور حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے، اس کے لئے خوف وحزن نہیں۔ (۲ : ۱۱۲) ——— (۱۴) انفاق فی سبیل اللہ سے خوف وحزن باقی نہیں رہتا۔ (۲ : ۲۶۲) - (۲ : ۲۷۴)

۱۵۔ مومنین کے لئے دارالسلام ہے۔ (۶ : ۱۲۸)

مت خوف کھاؤ۔ مت گھبراؤ

۱۔ نظامِ خداوندی کے قیام کے سلسلہ میں بڑے بڑے خطرات اور خوف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو اس راہ میں استقامت کا ثبوت دے گا وہ کامیاب ہوگا۔ (۲ : ۱۵۵)

۲۔ خوف اور طمع کی حالت میں صرف قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کرو۔ انسانوں کا خوف مت کرو۔ (۷ : ۵۶) مومنین کی یہی خصوصیت ہے۔ (۳۲ : ۱۶)۔ انبیاء کی بھی۔ (۲۱ : ۹۰)

۳۔ ساحرین کے مقابلہ کے وقت، خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ مت خوف کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے۔ (۲۰ : ۶۷) کوہِ طور پہ بھی یہی کہا۔ (۲۰ : ۲۱) - (۲۷ : ۱۰-۱۱) - (۲۸ : ۳۱)

۴۔ رسول اللہ نے اپنے یارِ غار سے کہا کہ مت گھبراؤ۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (۹ : ۴۰)

۵۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ کفار کی خاطر اپنی جان مت گھلاؤ۔ (۱۵ : ۸۸) - (۱۶ : ۱۲۷) - (۲۷ : ۷۰) - (۳۱ : ۲۳)

۶۔ حضرت لوطؑ کے مہمانوں نے ان سے کہا کہ آپ گھبرائیے نہیں۔ (۲۹ : ۳۳)

۷۔ جنگ میں شکست یا نقصان سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ (۱۵۲ : ۳)

۸۔ شیطان مومنوں کے دل میں حزن پیدا کرنا چاہتا ہے۔ (۱۶۴ : ۳) - (۱۰ : ۵۸)

۹۔ مخالفین کی باتیں رسول اللہ کے دل میں حزن پیدا کر دیتی تھیں۔ (۱۷۵ : ۳) - (۴۱ : ۵)
(۳۳ : ۶) - (۶۵ : ۱۰) - (۲۳ : ۲۱) - (۶۷ : ۲۶)

۱۰۔ مت افسردہ خاطر ہو۔ مت ہمت ہارو۔ تم ہی غالب رہو گے کیونکہ تم صاحبِ ایمان ہو۔ (۱۳۸ : ۳)

۱۱۔ مومن وہ ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ مخالفین نے تمہارے خلاف بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے سو تم ان سے ڈرو، تو اس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔ (۱۷۲ : ۳)

۱۲۔ خوف، شرک کا لازمی نتیجہ ہے۔ (۸۱ : ۶)	(۱۳) حضرت مریم کو آواز آئی کہ مت حزن کرو۔ (۲۴ : ۱۹)

۱۴۔ مافات پر حزن مت کرو۔ (۱۵۳ : ۳)

خوفِ خداوندی

۱۔ جو عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے اس کے لئے خدا کے قانونِ مکافات میں نشانیاں ہیں۔ (۱۰۳ : ۱۱)

۲۔ جو مقامِ خداوندی اور اس کی وعید سے ڈرتا ہے اسے تمکن فی الارض عطا ہو جاتا ہے۔ (۱۴ : ۱۴)۔ اس کے لئے دو جنتیں ہوتی ہیں۔ (۴۶ : ۵۵) - (۴۱-۴۰ : ۷۹)

۳۔ شیطان سے مت ڈرو۔ مجھ سے ڈرو نہ کفار سے دل گرفتہ ہو۔ (۷۵-۱۷۴ : ۳)

۴۔ قوانینِ خداوندی بھیجے اس لئے جاتے ہیں کہ لوگوں کو غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دیا جائے۔ (۵۹ : ۱۷)

۵۔ خدا کا قانونِ مکافات اپنی نتیجہ خیزی میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ (۱۵ : ۹۱)

۶۔ جو قانونِ مکافات سے خائف رہتا ہے اس کے سامنے قرآن پیش کرو۔ (۵۱ : ۶) - (۴۵ : ۵۰)

۷۔ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ (۲۳ : ۵)

۸۔ کائنات کی ہر شے۔ دابہ، ملائکہ۔ احکامِ خداوندی کی معصیت سے ڈرتے ہیں۔ (۵۰-۴۹ : ۱۶)

۹۔ مومنین قانونِ مکافات سے ڈرتے ہیں۔ (۲۱ : ۱۳) - (۵۷ : ۱۷) - (۵۷ : ۲۳) - (۳۷ : ۲۴)
(۳۳ : ۳۱) - (۷ : ۷۶) - (۱۰-۷۶)

۱۰۔ اممِ سابقہ کی داستانوں اور کھنڈرات میں قانونِ مکافات سے ڈرنے والے کیلئے نشانیاں ہیں (۳۷ : ۵۱)

۱۱۔ قانونِ مکافات سے نہ ڈرنے والے جہنم میں جاتے ہیں ۔ (۴۳ : ۷۴)

۱۲۔ مختلف پابندیاں اس لئے عائد کی جاتی ہیں کہ اس سے نظر آجائے کہ خدا کے قانونِ مکافات کا ڈر کسقدر ہے (۹۴ : ۵)

۱۳۔ عذابِ جہنم کا احساس، قانونِ مکافات کی خلاف ورزی سے ڈراتا رہتا ہے ۔ (۱۶ : ۳۹)

۱۴۔ رسول اللہ نے کہا کہ اگر میں بھی قانونِ خداوندی کی معصیت کروں تو میں بھی خدا کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۔ (۶ : ۱۵) - (۱۰ : ۱۵) - (۱۳ : ۳۹)

۱۵۔ کفار کی یہ حالت ہے کہ انہیں قانونِ مکافات سے ڈراؤ تو اس سے ان کی سرکشی اور بڑھ جاتی ہے ۔ (۶۰ : ۱۷)

۱۶۔ "آدم کے دو بیٹوں" کے قصے کے ضمن میں، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں دراز دستی نہیں کروں گا ۔ کیونکہ میں خدا سے ڈرتا ہوں ۔ (۲۸ : ۵)

۱۷۔ شیطان (مفسدین کے سرغنہ) کی حالت یہ ہے کہ پہلے انسان کو انکارِ خداوندی پر اُکساتا ہے اور پھر خود بری الذمہ ہو کر کہتا ہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں ۔ (۴۸ : ۸) - (۱۶ : ۵۹)

۱۸۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ تمہاری غلط روش سے تم پر خدا کا عذاب نہ آجائے ۔ (۴۵ : ۱۹)

۱۹۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر خدا کا عذاب آجائے گا ۔ (۵۹ : ۷) - (۲۶ : ۱۱) یہی حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا ۔ (۲۱ : ۴۶) - اور دربارِ فرعون کے مردِ مومن نے (۳۰ : ۴۰) - نیز نبی اکرمؐ نے اپنی قوم سے ۔ (۳ : ۱۱) - اور حضرت شعیبؑ نے بھی ۔ (۸۴ : ۱۱)

۲۰۔ خشیتِ الٰہی سے جنت حاصل ہوتی ہے ۔ (۱۱ : ۳۶) - (۳۳ : ۵۰) - (۱۲ : ۶۷) - (۸ : ۹۸)

۲۱۔ خشیتِ الٰہی سے بعض سنگ دل بھی موم ہو جاتے ہیں ۔ (۷۴ : ۲)

۲۲۔ اگر قرآن پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ بھی خشیتِ خداوندی سے کانپ اٹھتا ۔ (۲۱ : ۵۹)

۲۳۔ ملائکہ خشیتِ خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں ۔ (۲۸ : ۲۱)

۲۴۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ لوگوں سے مت ڈرو، خدا سے ڈرو ۔ (۴۰ : ۲) - (۴۴ : ۵) ۔ یہی جماعتِ مومنین سے کہا گیا ۔ (۱۵۰ : ۲) - (۳ : ۵) - (۱۳ : ۹) ۔ حضرت زیدؓ سے کہا ۔ (۳۷ : ۳۳)

۲۵۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا تم خدا سے ڈرو ۔ (۴۴ : ۲۰) - (۱۹ : ۷۹)

۲۶۔ مومن، خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا ۔ (۱۵۰ : ۲) - (۴۴ ؛ ۳ : ۵) - (۱۸ : ۹) - (۳۹ : ۳۳)

۲۷۔ متقین خدا سے ڈرتے ہیں۔ (۴۹ : ۲۱) یہی صاحبانِ عقل و بصیرت ہیں۔ (۲۱ : ۱۳)

۲۸۔ مومن قرآن پر غور کرتے ہیں تو کانپ اٹھتے ہیں۔ (۲۳ : ۳۹)۔ تنذیر انہی کو فائدہ دیتی ہے (۳ : ۲۰، ۱۸ : ۳۵)۔(۱۱ : ۳۶)۔(۲۶ : ۷۹)۔(۴۵ : ۷۹)۔(۹ : ۸۰)۔(۱۱ : ۸۷)

۲۹۔ خدا کی عظمت سے وہ لوگ ہیبت زدہ ہوتے ہیں جو کائنات کے نظم و نسق پر غور کرتے ہیں یعنی علومِ سائنس کے ماہر۔ (۲۸-۲۷ : ۳۵)

۳۰۔ کامیابی انہی کے لئے ہے جو متقی ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں۔ (۵۲ : ۲۴)۔(۱۲ : ۶۷)

۳۱۔ خدا تمہیں (اپنے قوانین کی خلاف ورزی سے) احتراز کی تاکید کرتا ہے۔ (۲۹ : ۳)

۳۲۔ تورات میں ان لوگوں کے لئے ہدایت تھی جو خدا سے ڈرتے تھے۔ (۱۵۴ : ۷)

۳۳۔ خدا ایک ہے۔ دو نہیں ہیں۔ اس لئے صرف خدا سے ڈرو۔ (۵۱ : ۱۶)

۳۴۔ کم ہمت لوگ، اللہ کے مقابلہ میں انسانوں سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ (۷۷ : ۴)

۳۵۔ خدا کے مکرم بندے خشیتِ الٰہی سے کانپتے ہیں۔ (۲۸ : ۲۱)۔ (بعض لوگ اس آیت میں "خدا کے مکرم بندوں" سے مراد ملائکہ بھی لیتے ہیں)

خشوع۔ خضوع

۳۶۔ اس دن سب آوازیں خدا کے سامنے پست ہو جائیں گی۔ (۱۰۸ : ۲۰)

۳۷۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مومنین کے دل ذکر اللہ کے سامنے جھک جائیں۔ (۱۶ : ۵۷)

۳۸۔ قرآن سن کر مومنین اور زیادہ جھک جاتے ہیں۔ (۱۰۹ : ۱۷)

۳۹۔ مومنین کی صفت خاشعین ہوتی ہے۔ (۱۹۹ : ۳)۔(۲ : ۲۳)۔(۳۵ : ۳۳) حضرات انبیاء کرام کی بھی (۹۰ : ۲۱)

۴۰۔ صلوٰۃ خاشعین پر گراں نہیں گذرتی۔ (۴۵ : ۲)

۴۱۔ ان کے برعکس کفار کے لئے یہی لفظ ذلت کے معنوں میں آیا ہے۔ (۴۵ : ۴۲)۔(۴۳ : ۶۸)۔(۴۴ : ۷۰)۔(۹ : ۷۹)۔(۲ : ۸۸) اور خضوع کا لفظ بھی (۴ : ۲۶)

۴۲۔ ایک مقام پر ارض کے لئے بھی خاشعۃ کا لفظ آیا ہے۔ (۳۹ : ۴۱)

غیرِ خدا کا خوف

۱۔ فرعون کے خوف سے، قوم بنی اسرائیل میں سے سوائے چند نوجوانوں کے، موسٰےؑ پر کوئی ایمان نہ لایا۔ (۸۳ : ۱۰)
۲۔ رسول سے کہا گیا کہ یہ لوگ تجھے غیر خداوندی قوتوں سے ڈراتے ہیں۔ (کسقدر ان کی حماقت ہے)۔ (۳۶ : ۳۹)
۳۔ حضرت موسٰےؑ سے کہا کہ تم فرعون سے مت ڈرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (۴۶ - ۴۵ : ۲۰)۔ تمہیں پیچھے سے بھی کوئی نہیں پکڑ سکے گا۔ (۷۷ : ۲۰) - (۱۴ - ۱۲ : ۲۶) - (۳۳ : ۲۸)
۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں تمہارے معبودانِ باطل سے کیوں ڈروں۔ ڈرنا تمہیں چاہیئے کہ خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہو۔ (۸۲ - ۸۱ : ۶) ——— (۵) تم اپنے خود ساختہ معبودوں سے ڈرتے ہو۔ (۲۸ : ۳۰)
۶۔ منافقین لوگوں سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے خدا سے ڈرا جائے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (۷۷ : ۴)

انعامِ خداوندی

۱۔ قریش کو بھوک کی طرف سے اطمینان اور خوف سے امن عطا کیا۔ (۴ : ۱۰۶)
۲۔ بھوک اور خوف، خدا کا عذاب ہے۔ (۱۱۲ : ۱۶)
۳۔ ایمان و اعمالِ صالح سے استخلاف فی الارض حاصل ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوف امن سے بدل جاتا ہے۔ (۱۴ : ۱۴) - (۵۵ : ۲۴) ——— (۴) تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک کر نہ لے جائیں۔ اس نے تمہیں مملکت عطا کی۔ (۲۶ : ۸)
۵۔ تم بلا خوف و خطر مکہ میں داخل ہوگے۔ (۲۷ : ۴۸)

متفرق

۱۔ منافقین کی یہ حالت ہے کہ کوئی خوف کی خبر سنتے ہیں تو تمہاری طرف لپک کر آجاتے ہیں۔ اور جب خوف جاتا رہتا ہے تو پھر وہی کچھ کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۱۹ : ۳۳)
۲۔ خوف و خطر کی کوئی بات معلوم ہو تو اسے یونہی نہ پھیلا دو۔ اسے ذمہ دار افرادِ مملکت تک پہنچاؤ تاکہ وہ تحقیق کر لیں۔ (۸۳ : ۴)
۳۔ آسمانوں کی بجلی میں خوف اور طمع دونوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ (۱۲ : ۱۳) - (۲۴ : ۳۰)

۴۔ اُمِ موسٰیؑ سے کہا کہ بچے کو دریا میں بہا دو۔ اور خوف وحزن نہ کرو۔ (۴۰ : ۲۰) ۔ (۷ : ۲۸)
۵۔ وہ تجارت جس کے مندا پڑجانے سے تم خائف ہوتے ہو، اگر جہاد کے راستے میں حائل ہو گئی تو اس کے انجام کا انتظار کرو۔ (۲۴ : ۹)
۶۔ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کے فراق سے حزن پیدا ہو گیا ہے۔ (۸۶؛ ۸۴ : ۱۲)
۷۔ ازواجِ رسولؐ اللہ کے دل میں افسردگی نہیں پیدا ہونی چاہیئے۔ (۵۱ : ۳۳)
۸۔ تورات میں ان لوگوں کے لیۓ ہدایت تھی جو خدا سے ڈرتے تھے۔ (۱۵۴ : ۷)
۹۔ مومن کا ایمان ہوتا ہے کہ مصیبت صرف قانونِ خداوندی کے مطابق آسکتی ہے۔ اس لیۓ وہ کسی غیر خداوندی قوت سے نہیں ڈرتا۔ (۵۱ : ۹)
۱۰۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کی قوتِ ایمانی۔ ان کے دل میں کسی قسم کا خوف نہ رہا۔ (۷۲ : ۲۰)
۱۱۔ خدا نے حضرت یونسؑ کو غم سے نجات دی۔ (۸۸ : ۲۱)
۱۲۔ کفار کے دل میں مسلمانوں کا خوف، خدا کے خوف سے بھی زیادہ تھا۔ (۱۳ : ۵۹)
۱۳۔ منافق کو ہر طرف سے خطرہ کا خوف لاحق رہتا ہے۔ (۴ : ۶۳)
۱۴۔ اپنی سرحدوں کو مضبوط رکھو تاکہ دشمن تم سے خوف کھائے۔ (۶۰ : ۸)
۱۵۔ بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے (۱۱۲ : ۱۶)۔ ان سے نجات حاصل ہو جانا خدا کا انعام۔ (۴ : ۱۰۶)
۱۶۔ مومنین پر فزعِ اکبر سے بھی حزن طاری نہیں ہوتا۔ (۱۰۳ : ۲۱)

(٭)

۱۰۔ خیر و شر

نیز دیکھئے۔ تقدیر۔ حق و باطل

خیر۔ یہ مادہ بڑا وسیع المعانی ہے اور ہر اچھی چیز کے لیۓ استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ مال و دولت کے لیۓ بھی اور اختیار و اقتدار کے لیۓ بھی۔ جو لوگ عمدہ خصائل اور محمودہ صفات کے حامل ہوں انہیں اخیار کہا جاتا ہے اور خوش شمائل خواتین کے لیۓ خیرات کا لفظ آتا ہے۔ ہر قسم کی خوبیاں جن معنوں میں خیرات کا لفظ ہمارے ہاں استعمال

ہوتا ہے، قرآن میں ان معانی کے لئے یہ لفظ نہیں آیا۔ اس کے مقابل میں لفظ شرّ آتا ہے۔ اس کے بنیادی معنی بکھر جانے اور اِدھر اُدھر اڑ جانے کے ہیں۔ یہ ہر قسم کی برائی۔ نقصان۔ ظلم۔ فساد کے لئے آتا ہے۔

خیر و شر کا مسئلہ اس وقت سے فلسفہ کا موضوع بنا چلا آ رہا ہے جس وقت سے انسان نے سوچنا شروع کیا ہے۔ لیکن اس کا کوئی اطمینان بخش حل ابھی تک انہیں نہیں مل سکا۔ قرآن کریم اس فلسفیانہ بحث میں نہیں الجھتا۔ وہ کہتا یہ ہے کہ اشیائے کائنات ہوں یا انسان کی اپنی صلاحیتیں۔ ان میں سے کوئی شے بھی فی ذاتہٖ نہ خیر ہوتی ہے نہ شر۔ ان کا استعمال انہیں خیر یا شر بنا دیتا ہے۔ اگر وہ نوعِ انسان کی بہبود کے لئے استعمال ہوتی ہے تو وہ خیر ہے۔ اس سے خود اُس فرد کی ذات میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ قوت، انسانیت کی تخریب کے لئے استعمال ہوتی ہے تو وہ شر بن جاتی ہے۔ اس سے اس فرد کی ذات کی نشو و نما رک جاتی ہے۔ حتیٰکہ اگر کوئی قوت بے محل صرف ہو کر ضائع ہو جاتی ہے تو اسے بھی شرّ کہا جائے گا۔

خدا خیر کا سرچشمہ ہے۔ اور انسانوں کے لئے اس کی تعلیم یہ ہے کہ تم خدا کی پیدا کردہ قوتوں اور صلاحیتوں کو اس طرح استعمال نہ کرو کہ اس کا نتیجہ شر ہو۔

اس سلسلے میں تقدیر کا عنوان بھی دیکھئے اور حق و باطل کے عنوانات بھی۔

خیر

۱۔ خدا کے ہاں سے اعمال کا جو بدلہ ملتا ہے وہ خیر (بہتر) ہوتا ہے۔ (۲ : ۱۰۳) ۔ (۳ : ۱۹۷) ۔ (۱۱ : ۸۶) ۔ (۱۸ : ۴۶) ۔ (۱۹ : ۷۶) ۔ (۲۳ : ۷۲) ۔ (۲۸ : ۸۰) ۔ (۲۰ : ۷۳)

۲۔ جو بطیبِ خاطر، رخصت کے امور میں بھی خیر کے پہلو کو ترجیح دے، وہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ مثلاً جہاں اجازت ہے کہ بے شک روزہ نہ رکھو، اگر کوئی شخص وہاں بھی اپنے اختیار سے روزہ رکھ لیتا ہے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ (۲ : ۱۸۴)

۳۔ یتیموں کی اصلاح کرنا، ان کے حق میں بہتر ہے۔ (۲ : ۲۲۰)

۴۔ شادی کے سلسلہ میں ہم آہنگیٔ فکر و نظر ضروری ہے۔ ہم آہنگ لونڈی (سے شادی) غیر ہم آہنگ آزاد عورت سے بہتر ہے۔ (۲ : ۲۲۱)

۵۔ کسی ضرورت مند کی اس طرح مدد کرنا کہ اسے جتا جتا کر اذیت پہنچائی جائے، اس سے تو بہتر ہے کہ اس سے

قاعدے کے مطابق نہ کر کے اسے ذلت سے بچا لیا جائے۔ (۲۶۳ : ۲)

۶۔ مقروض میں اگر ادائیگیٔ قرض کی استطاعت نہ رہے تو اُسے چھوڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔ (۲۸۰ : ۲)

۷۔ خدا کی طرف سے سامانِ حفاظت اور نشوونما کا مل جانا، دنیا بھر کی متاع سے بہتر ہے۔ (۱۵۶ : ۳)۔(۳۲ : ۴۳)

۸۔ قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والے اگر مہلت کے وقفہ سے فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح نہیں کرتے تو یہ وقفہ ان کے لئے خیر کا موجب نہیں بلکہ نقصان کا باعث ہو جاتا ہے۔ (۱۷۷ : ۳)

۹۔ اچھی بیوی نہ ملنے کی صورت میں نکاح سے رکے رہنا زیادہ اچھا ہے۔ (۲۵ : ۴)

۱۰۔ میاں بیوی کی مناقشت کی صورت میں صلح کرا دینا بہتر ہوتا ہے۔ (۱۲۸ : ۴)

۱۱۔ مسجدِ ضرار کے سلسلہ میں کہا کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہو، وہ بہتر ہے یا وہ مسجد جو جہنم کے کنارے بنائی گئی ہو۔ (۱۰۹ : ۹)

۱۲۔ حضرت یوسفؑ نے قید خانے کے ساتھیوں سے کہا کہ کیا متفرق آقا اچھے ہوتے ہیں یا ایک خدا جو تمام قوتوں کا مالک ہے۔ (۳۹ : ۱۲)

۱۳۔ جو جانور تم حج میں ساتھ لے جاتے ہو ان میں تمہارے لئے فائدے کی باتیں ہوتی ہیں۔ (۳۶ : ۲۲)

۱۴۔ بوڑھی عورتیں اگر اپنی چادروں کو اتار بھی رکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر وہ انہیں اوڑھے رکھیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ (۶۰ : ۲۴)

۱۵۔ حضرت سلیمانؑ نے ملکۂ سبا سے کہا کہ جو کچھ مجھے خدا نے دے رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہارے پاس ہے۔ (۳۶ : ۲۷) — (۱۶) عیسائی کہتے تھے کہ ہمارا اِلٰہ بہتر ہے یا ان مشرکین کے اِلٰہ۔ (۵۸ : ۴۳)

۱۷۔ گذشتہ اقوام کے سرکشوں کو تباہ کر دیا گیا۔ کیا تمہاری قوم کے سرکش ان سے بہتر ہیں جو انہیں چھوڑ دیا جائے گا؟ (۵۴ : ۴۳)۔ (۳۷ : ۴۴) — (۱۸)۔ اپنے تنازعات کو مرکز کی طرف لے جاؤ۔ یہ بہترین روش ہے (۵۹ : ۴)

۱۹۔ اوزان اور پیمانے ٹھیک ٹھیک رکھو۔ یہ بہترین منہج ہے۔ (۳۵ : ۱۷)

۲۰۔ تقویٰ کا لباس خیر ہے۔ (۲۶ : ۷) — (۲۱) حقداروں کو ان کا حق دیدو۔ یہ بہترین انداز ہے۔ (۳۸ : ۳۰)

۲۲۔ رسول سے مشورہ کرتے وقت، کچھ عوام کی بہبودی کے لئے دیدو۔ یہ بہتر ہے۔ (۱۲ : ۵۸)

۲۳۔ حرمات اللہ کی تعظیم کرنا، موجبِ خیر ہے۔ (۳۰ : ۲۲)

۲۴۔ جو کچھ تم مال و دولت خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے ہی لئے ہے۔ (۲۷۲ : ۲)

۲۵۔ تم بدلہ لے سکتے ہو۔ لیکن اگر تم (اجتماعی مفادِ کل کی خاطر) اس سے رک جاؤ اور اپنے مقام پر کھڑے رہو تو یہ تمہارے

لئے بہتر ہوگا۔ (۱۲۶ : ۱۶)

۲۶۔ جب قانونِ خداوندی کے مطابق زندگی کی خوشگواریاں حاصل ہوں (خیر) تو انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔(۱۷ : ۶)۔(۱۰۷ : ۱۰)

۲۷۔ تم اپنے لئے جو خیر بھی آگے بھیجو گے اسے خدا کے ہاں موجود پاؤ گے۔ (۱۱۰ : ۲)۔(۲۹ : ۳)۔(۱۱۴ : ۳)۔(۲۰ : ۷۳)

۲۸۔ جو خیر بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔ (۱۹۷ : ۲)۔(۲۱۵ : ۲)۔(۱۲۷ : ۴)

۲۹۔ صدقات کھلے بندوں دو یا چھپا کر، دونوں صورتوں میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ (۲۷۱ : ۲)

۳۰۔ حضرت موسیٰ کی پکار کہ جو خیر بھی خدا کے ہاں سے ملے، میں اس کا محتاج ہوں۔ (۲۴ : ۲۸)

۳۱۔ خیر کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ (۷۷ : ۲۲)

۳۲۔ بہترین چیزوں (خیر) کی محبت، خدائی پروگرام کی تکمیل کے لئے ہونی چاہیئے۔ (۳۲ : ۳۸)

۳۳۔ انسان خیر (مال و دولت) کی محبت میں افراط تک چلا جاتا ہے۔ (۸ : ۱۰۰)

۳۴۔ خیر سے روکنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۲۵ : ۵۰)۔ یہ دین کا دشمن ہے۔ (۱۲ : ۶۸)

۳۵۔ حکمت، خیرِ کثیر ہے۔ (۲۶۹ : ۲)

۳۶۔ اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (۱۰۹ : ۳)۔ اگر یہ آدابِ محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیانت سے کام لیتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (۴۶ : ۴)

۳۷۔ جو نصیحت ان لوگوں سے کی جاتی ہے، اگر یہ اس کے مطابق چلیں تو ان کے لئے بہتر ہو۔ (۶۶ : ۴)

۳۸۔ بدو لوگ اگر عام آدابِ معاشرت کو ملحوظ رکھیں تو ان کے لئے بہتر ہو۔ (۵ : ۴۹)

۳۹۔ خیر کے کام چھپا کر کرو یا علانیہ، دونوں طرح درست ہے۔ (۱۴۹ : ۴)

۴۰۔ اے نوعِ انسان! اگر تم اس رسولؐ کی پیش کردہ وحی پہ ایمان لے آؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ (۱۷۰ : ۴)

۴۱۔ عیسائیوں سے کہا کہ اگر تم تثلیث کا عقیدہ چھوڑ دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ (۱۷۱ : ۴)

۴۲۔ ایمان کے ساتھ خیرِ عمل ضروری ہے۔ (۱۵۹ : ۶)۔(۴۳) حضرت نوحؑ نے کہا کہ خدا میری جماعت کے لوگوں کو خیر عطا کریگا۔ (۳۱ : ۱۱)

۴۴۔ اطاعت اور انفاق تمہارے اپنے لئے ہی بہتر ہے۔(۱۶ : ۶۴)۔(۴۵) جہاد سے ہر قسم کی خوشگواریاں (خیرات) حاصل ہونگی۔(۸۸ : ۹)

۴۶۔ خیرات (اچھے کاموں) کے لئے مسابقت کرو۔ (۱۴۹ : ۲)۔(۴۸ : ۵)

۴۷۔ انبیاءؑ کرام کی طرف اچھے کام کرنے (فعل الخیرات) کی وحی ہوئی تھی۔ (۷۳ : ۲۱)

۴۸۔ لوگوں کے تین گروہ ہوتے ہیں۔ اپنے آپ پہ زیادتی کرنے والے۔ بین بین چلنے والے اور اچھے کاموں میں

کرنے والے۔ (۳۲ : ۳۵) ۔ بلکہ دوڑ دوڑ کر اچھے کام کرنے والے۔ (۱۱۴ : ۳)

۴۹۔ تمام انبیاءؑ اچھے کاموں (فعل الخیرات) میں تیز رو تھے۔ (۹۰ : ۲۱) ۔ مومنین بھی (۶۱ : ۲۳)

۵۰۔ اللہ اور رسول جب کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر اس میں کسی مومن کو کوئی اختیار نہیں رہتا۔ (۳۶ : ۳۳)

۵۱۔ متاعِ دنیا قلیل ہے۔ آخرت خیر ہے۔ (۷۷ : ۴)

۵۲۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ معاملات صاف رکھو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ (۸۵ : ۷)۔(۸۴ : ۱۱)

۵۳۔ متقیوں کے لئے دارالآخرت خیر ہے۔ (۱۶۹ : ۷) (۵۴) جہاد تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ (۴۱ : ۹)۔(۶۱ : ۱۱)

۵۵۔ خدا کی سرپرستی بہترین ثواب ہے۔ (۴۴ : ۱۸)

۵۶۔ جب بات طے ہو جائے تو پھر سچی اطاعت ہی بہتر ہوتی ہے۔ (۲۱ : ۴۷)

قرآن خیر ہے

(۱)۔ خدا نے کیا نازل کیا ہے؟ خیر۔ (۳۰ : ۱۶) —— (۲)۔ قرآن ہر متاعِ زیست سے بہتر ہے۔ (۵۸ : ۱۰)

(۳)۔ اہلِ کتاب اور مشرکین ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ تم پر خیر نازل ہو۔ (۱۰۵ : ۲)

(۴)۔ سابقہ انبیاء کی وحی کے جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے، قرآن میں اس سے بہتر حکم لایا جاتا ہے۔ (۱۰۶ : ۲)

۵۔ الحکمۃ (وحی) خیر کثیر ہے۔ (۲۶۹ : ۲)

خیر امت

۱۔ تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ (۱۰۹ : ۳)

۲۔ مومنین کا مقام، کفار کے مقابلہ میں بہر حال بہتر ہے۔ (۷۳ : ۱۹)

۳۔ جماعتِ مومنین خیر کی طرف دعوت دیتی ہے۔ (۱۰۳ : ۳) (۴) حضرات انبیاء کرام سب اخیار تھے۔ (۴۸ : ۳۸)

دارالآخرۃ خیر

۱۔ جب کسی دنیاوی مفاد اور مستقل قدر میں تصادم ہو، تو مستقبل کی بھلائی اس میں ہوتی ہے کہ اسی مستقل قدر کی حفاظت کر لی جائے۔ (۴ : ۳)۔(۳۲ : ۶)۔(۵۷ : ۱۲)۔(۱۰۹ : ۱۲)۔(۹۵ : ۱۶)۔(۴۶ : ۱۸)

(۱۹ : ۷۶) - (۲۰ : ۱۳۱) - (۲۸ : ۶۰) - (۲۸ : ۸۰) - (۴۲ : ۳۶) - (۶۲ : ۱۱) - (۸۷ : ۱۶-۱۷)

۲- اتباعِ قرآن سے، دنیا کی خوشگواریاں بھی، اور دارِ آخرت کی سرفرازیاں بھی۔ (۱۶ : ۳۰)

۳- جو کچھ مستقل اقدار کی نگہداشت کے ساتھ ملے وہی بہتر ہوتا ہے۔ (۱۱ : ۸۶) - (۱۸ : ۴۶) - (۱۹ : ۷۶) — (۲۰ : ۱۳۱) - (۲۸ : ۶۰) - (۲۸ : ۸۰) - (۴۲ : ۳۶)

۴- سوچو کہ کفار اور مومنین میں سے کس کا مقام بہتر ہے۔ (۱۹ : ۷۳)

۵- اصحابِ جنت کا مقام بہتر ہے۔ (۲۵ : ۱۵) - (۲۵ : ۲۴) - (۳۷ : ۶۲) - (۴۱ : ۴۰) - جو اس دن اعمالِ حسنہ لے کر آئے گا، اس کے لئے بہتر ہوگا۔ (۲۷ : ۸۹) - (۲۸ : ۸۴) - یہ خیر البریہ ہیں۔ (۹۸ : ۷)

۶- متاعِ دنیوی کے مقابلہ میں جنت بہتر ہے۔ (۳ : ۱۴) - (۱۸ : ۴۶) — (۷) - دار الآخرت بہترین ہے۔ (۷ : ۱۶۹)

خدا کے متعلق

۱- خدا ان معبودانِ باطل سے بہتر ہے۔ (۲۷ : ۵۹) (۲) خدا بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔ (۱۲ : ۶۴)

۳- خدا خیر اور ابقیٰ ہے۔ (۲۰ : ۷۳)

۴- خیر الرازقین۔ (۵ : ۱۱۴) - (۲۲ : ۵۸) - (۲۳ : ۷۲) - (۳۴ : ۳۹) - (۶۲ : ۱۱)

۵- خیر الماکرین۔ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ (۳ : ۵۴) - (۸ : ۳۰) — (۶) خیر الفاتحین۔ (۷ : ۸۹)

۷- خیر الغافرین - (۷ : ۱۵۵) —— (۸) خیر الوارثین - (۲۱ : ۸۹)

۹- حضرت نوحؑ نے کہا کہ اے میرے رب! میری کشتی کو خیریت سے اتار۔ تو بہترین اتارنے والا ہے۔ (۲۳ : ۲۹)

۱۰- خیر الراحمین۔ (۲۳ : ۱۰۹) - (۲۳ : ۱۱۸) —— (۱۱) ھو خیر ثوابا۔ و خیر عقبا۔ (۱۸ : ۴۴)

۱۲- خیر الناصرین - (۳ : ۱۴۹) —— (۱۳)۔ خیر الحاکمین (۷ : ۸۷) - (۱۰ : ۱۰۹) - (۱۲ : ۸۰)

۱۴۔ خیر الفاصلین۔ (۶ : ۵۷) —— (۱۵) خدا کے ہاتھ میں خیر ہوتا ہے۔ (۳ : ۲۵)

۱۶- خدا پیدا کرتا ہے اور پھر انتخاب کرتا ہے۔ یہ قوت کسی اور کو حاصل نہیں۔ (۲۸ : ۶۸)

خیر و شر

۱- انسان خیر طلب کرنے سے تھکتا ہی نہیں۔ لیکن جب شر پہنچ جائے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ (۴۱ : ۴۹)

۲۔ جس طرح انسان خیر کے لئے جلدی مچاتا ہے۔ اگر خدا اس کے اعمال کے شر (نقصان رساں) نتائج برآمد کرنے میں اتنی جلدی کرے۔ تو اس کے لئے تباہی آجائے۔ (۱۱ : ۱۰)

۳۔ انسان جلد باز ہے۔ اپنے نقصان (شر) کو بھی اسی طرح طلب کرتا ہے۔ جس طرح اپنے خیر کو۔ یہ اپنا نفع نقصان خود نہیں پہچان سکتا۔ اس کے لئے وحی کی راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ (۱۱ : ۱۷)

۴۔ خیر و شر تمہارے سامنے آتے ہیں تاکہ تمہاری مضمر صلاحیتوں کی نمود ہو سکے۔ (۳۵ : ۲۱)

۵۔ بخل کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ان کا مال و دولت ان کے لئے خیر ہے۔ وہ ان کے لئے شر ہے۔ (۱۷۹ : ۳)

۶۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہ درحقیقت موجبِ خیر ہو۔ (۱۹ : ۴)۔ اور ایک چیز کو تم اچھا سمجھو اور وہ تمہارے لئے شر کا موجب ہو۔ (۲۱۶ : ۲)

۷۔ عمل خیر و شر کا ذرہ ذرہ سامنے آجائے گا۔ (۸-۷ : ۹۹)

۸۔ جنہیں مال و دولت زیادہ حاصل ہے وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ اس سے خدا کو ان کی بہتری مقصود ہے۔ (بہتری اس صورت میں ہو گی اگر وہ اسے اُس کے قوانین کے مطابق صرف کریں)۔ (۵۶-۵۵ : ۲۳)

۹۔ انسان بے صبرا ہے۔ جب خوشحال ہوتا ہے تو بخل کرتا ہے جب شر پہنچتا ہے تو چیخنے لگ جاتا ہے۔ (۲۱-۲۰ : ۷۰)

۱۰۔ نور و ظلمت خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ اس سے مجوسیوں کے عقیدۂ ثنویت کا ابطال ہو گیا۔ (۱ : ۶)

۱۱۔ حق و باطل کی مثال پانی کے جھاگ یا سونے کے کھوٹ کی۔ باطل ضائع ہو جاتا ہے۔ حق باقی رہتا ہے۔ یعنی وہ جو نوعِ انسان کے لئے نفع بخش ہو۔ (۱۷ : ۱۳)

۱۲۔ خدا کے مخلص بندوں پر ابلیس (شر) کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ (۴۲-۳۹ : ۱۵)۔ (۱۰۰-۹۹ : ۱۶)۔ (۲۲-۲۱ : ۳۴)۔ (۶۵-۶۴ : ۱۷)

شر

۱۔ کفار اور مشرکین۔ شرالبریہ ہیں (۶ : ۹۸)

۲۔ برے اعمال کا بدلہ، موجبِ شر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ شر کی جگہ ہوتا ہے۔ (۶۰ : ۵)۔ (۳۴ : ۲۵)

۳۔ اعمال کے نتائج بتا دیں گے کہ بدترین ٹھکانہ کس کا ہے۔ (۷۵ : ۱۹)

۴۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کی حرکات دیکھ کر کہا کہ یہ اپنے لئے کسقدر برا ٹھکانہ تیار کر رہے ہیں۔ (۷۷ : ۱۲)

۵۔ خدا مومنین کو آخرت کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ (۱۱ : ۷۶)

۶۔ صحرائی قوم (جن) نے قرآن سنا تو جا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ دنیا پر شر ہی آنے والی ہے یا کچھ اور ہونے والا ہے۔ (۱۰ : ۷۲)

۷۔ جہنم کا عذاب بدترین ہے۔ (۶۷ : ۲۲) - یہ سرکشوں کا ٹھکانہ ہے۔ (۵۵ : ۳۸)

۸۔ مخلوقِ خداوندی کے شر کے پہلو سے پناہ طلبی۔ (۲ : ۱۱۳) - ایسے لوگوں کے شر سے حفاظت طلبی جو وساوس انگیزی سے عزائم کو کمزور کر دیں۔ (۴ : ۱۱۳) - حاسدین کے حسد سے حفاظت طلبی (۵ : ۱۱۳) - توہم پرستی کی تاریکیوں سے پناہ جوئی۔ (۳ : ۱۱۳) - فتنہ انگیزوں کی وسوسہ اندازی سے پناہ طلبی۔ (۵-۴ : ۱۱۴)

۹۔ انسان جب کامیاب ہوتا ہے تو اعراض برتتا ہے۔ جب ناکام (شر) ہوتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے (۸۳ : ۱۷) - (۵۱ : ۴۱)

۱۰۔ جن لوگوں نے تہمت تراشی سے فتنہ پیدا کرنا چاہا تھا وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس سے وہ تمہیں کوئی نقصان (شر) پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے تو تمہیں کچھ فائدہ ہی ہوا۔ (۱۱ : ۲۴)

۱۱۔ غلط معاشرہ میں شر اڑ کر لگ جاتا ہے۔ (۷ : ۷۶)

۱۲۔ شیطان کی طرف سے کوئی ترغیب ہو تو قانونِ خداوندی سے اس کی پناہ طلب کرو۔ (۳۶ : ۴۱)

۱۳۔ شر الدواب (بدترین مخلوق) وہ ہے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتی۔ (۲۲ : ۸) - (۵۵ : ۸)

۱۴۔ انسان بے صبرا واقع ہوا ہے۔ شر پہنچتا ہے تو چیخنے چلانے لگ جاتا ہے۔ (۲۰ : ۷۰)

۱۵۔ خیر و شر کا ذرہ ذرہ سامنے آ جائیگا۔ (۸ : ۹۹) — (۱۶) جہنم سے بڑے بڑے شعلے (شرار) اٹھیں گے۔ (۳۲ : ۷۷)

متفرق

۱۔ جب کسی اجتماعی معاملہ (یوم الجمعہ) کے لئے بلایا جائے تو کاروبار چھوڑ کر اس طرف فوراً آ جایا کرو۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ (۹ : ۶۲)

۲۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ کی زندگی کا آخری حصہ، پہلی زندگی کے مقابلہ میں بہتر ہوگا۔ (۴ : ۹۳)

۳۔ لیلۃ القدر، ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (۳ : ۹۷)

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں بہترین مہمان نواز ہوں۔ (۵۹ : ۱۲)

۵۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم اپنی روش سے باز آ جاؤ۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (۵۴ : ۲)

۶۔ افکؓ کے متعلق افواہیں پھیلانے والے، تمہارے لئے شر نہیں بلکہ خیر کا موجب بن گئے۔ (۲۴ : ۱۱)

۷۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر میں غیب کا علم جانتا تو اپنے لئے بہت سا خیر جمع کر لیتا۔ (۷: ۱۸۸)

۸۔ حج کے سلسلہ میں کہا کہ جو شخص دل کی رضامندی سے خیر کے کام کرے تو یہ اچھا ہے۔ (۲ : ۱۵۸) ۔ یہی روزوں کے سلسلہ میں فرمایا۔ (۲ : ۱۸۴)

۹۔ جنگ کے قیدیوں سے کہا کہ اگر تم میں خیر پایا گیا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں واپس دیدیا جائیگا۔ (۸: ۷۰)

۱۰۔ دولت مند کو گھمنڈ ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی کروں، خدا کے ہاں مجھے خیر ہی ملے گا۔ (۱۸: ۳۶)

۱۱۔ مومنین کو ایک دوسرے کے متعلق نیک ظن سے کام لینا چاہیئے۔ (۲۴ : ۱۲)

۱۲۔ اگر تم غلاموں میں اچھی صلاحیت دیکھو تو انہیں مالی امداد دے کر آزاد کر دو۔ (یہ قبل از اسلام کے غلاموں کے متعلق ہدایت تھی۔ اسلام نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا۔) ۔ (۲۴: ۳۳)

۱۳۔ کفار کہتے تھے کہ رسول اللہؐ کو یہ کیوں نہیں ملا۔ وہ کیوں نہیں ملا۔ کہا کہ آپ کو اس سے بھی بہتر ملے گا۔ (۲۵:۱۰)

۱۴۔ کفار، مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اگر ایمان لے آنا کوئی اچھی چیز ہوتا تو وہ سب سے پہلے ایمان لے آتے (۴۶: ۱۱)

۱۵۔ ایک دوسرے کو تمسخر نہ کرو۔ ہو سکتا ہے دوسرا فریق تم سے بہتر ہو۔ (۴۹: ۱۱)

۱۶۔ خدا اس پر قادر ہے کہ ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے جو ان سے بہتر ہوں۔ (۷۰ : ۴۱)

۱۷۔ جنت کی عورتیں ہر قسم کی بھلائیوں کی پیکر ہوں گی۔ (۵۵ : ۷۰)

۱۸۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم خیر کے بدلے ادنیٰ زندگی اختیار کر رہے ہو۔ (۲ : ۶۱)

۱۹۔ تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے۔ (۲: ۱۹۷) — (۲۰) خیر بمعنی مال و دولت۔ (۲ : ۱۸۰)-(۲ : ۲۱۵)-(۲:۲۷۲-۷۳)

۲۱۔ ابلیس نے کہا کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں۔ (۷ : ۱۲) - (۳۸: ۷۶)

۲۲۔ ایک ملازم وہ بھی ہے کہ کہیں بھیجو، کبھی خیر کی خبر نہ لائے۔ (۱۶ : ۷۶)

۲۳۔ کنارے پر کھڑے خدا کی عبودیت اختیار کرنے والے۔ خیر کا پہلو ہو تو فرمانبردار۔ ذرا نقصان کا احتمال ہو تو گریز کی راہیں تراشنے والے۔ (۲۲ : ۱۱)

۲۴۔ دوسروں کے ہاں اجازت لے کر جایا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (۲۴ : ۲۷)

۲۵۔ قوی اور امین کارندہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ (۲۸: ۲۶) — (۲۶) فرعون نے کہا کہ میں موسیٰؑ سے بہتر ہوں۔ (۴۳: ۵۲)

۲۷۔ ازواجِ مطہرات کے سلسلہ میں۔ (۶۶: ۵)

۱۱۔ خیانت ص۱

خیانت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے امانت کا عنوان دیکھئے۔ جس شخص پر کسی بات یا معاملہ میں اعتماد کیا جائے، وہ اگر اس اعتماد کو جھٹکا دے کر توڑ ڈالے تو اسے خیانت کہا جائے گا۔ (یہی اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں) ظاہر ہے کہ اگر باہمی اعتماد اور بھروسہ کی کیفیت یہ ہو جائے تو تمدنی زندگی درہم برہم ہو جاتی ہے اور کوئی شخص دوسرے کے ہاتھوں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے قرآن نے خیانت کو بڑا سنگین جرم اور انسانیت کش برائی قرار دیا ہے خواہ یہ خیانت انفرادی ہو اور خواہ اس کا تعلق اجتماعی نظامِ زندگی سے ہو۔

۱۔ اے جماعتِ مومنین۔ اللہ اور رسول (یعنی نظامِ مملکت) سے خیانت نہ کرو۔ اپنی امانات کی حفاظت کرو۔ یعنی ملت کی جو ذمہ داریاں تمہارے سپرد ہوں اور جو راز تمہاری تحویل میں آتے جائیں۔ ان میں خیانت نہ کرو۔ (۸ : ۲۷)

۲۔ معاہدات توڑنا خیانت ہے۔ (۵ : ۱۳)۔ (۸ : ۵۸)۔ (۸ : ۷۱)۔

۳۔ عصمت کی حفاظت نہ کرنا خاوند کی خیانت ہے۔ (۱۲ : ۵۲)

۴۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں نے خیانت کی۔ دوسرے مقامات میں بتایا گیا ہے۔ کہ وہ اپنے خاوندوں کے مسلک پر ایمان نہیں لائی تھیں۔ اور (غالباً) فریقِ مخالف کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ یہاں خیانت کا یہی مفہوم ہو سکتا ہے۔ (۶۶ : ۱۰)

۵۔ خدا نگاہ کی خیانتوں سے بھی واقف ہے (۴۰ : ۱۹)

۶۔ اپنے آپ سے خیانت۔ (۲ : ۱۸۷)۔ ایسے لوگوں کی وکالت نہیں کرنی چاہیئے۔ (۴ : ۱۰۷)

۷۔ کسی خائن کی وکالت نہیں کرنی چاہیئے۔ (۴ : ۱۰۵)

۸۔ خائنوں پر کامیابی کی راہیں نہیں کھلتیں۔ (۱۲ : ۵۲)

۹۔ خدا خائنین کو پسند نہیں کرتا۔ (۴ : ۱۰۷)۔ (۸ : ۵۸)۔ (۲۲ : ۳۸)

ص۱ :۔ اس لفظ کو خیر سے پہلے آنا چاہیئے تھا۔

د

۱۔ حضرت داؤد (علیہ السلام)

حضرت داؤد (علیہ السلام)

۱۔ انبیائے بنی اسرائیل میں، حضرت داؤدؑ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے عہدِ حکومت میں، اس قوم کی شوکت و ثروت اوجِ کمال تک پہنچ گئی تھی۔ ان کا زمانہ قریب ۱۰۰۰ ق۔م سمجھنا چاہیئے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کی ذریت (نسل) میں سے تھے (۸۵ : ۶) جب طالوت نے جالوت کے خلاف لشکر کشی کی ہے تو (حضرت) داؤدؑ بھی اس (لشکر) میں شامل تھے۔ انہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ (۲۵۱ : ۲)۔ یہ ان کے زمانہ قبل از نبوت کا واقعہ ہوگا۔ نبوت کے بعد آپ کو خدا کی طرف سے (جیسا کہ ہر نبی کو ملتی ہے) ایک کتاب ملی تھی (۱۶۳ : ۴)۔ (نیز ۵۵ : ۱۷)۔ واضح رہے کہ اس آیت میں کہا گیا ہے وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ زبور کے معنی کتاب ہوتے ہیں۔ لیکن دوسری جگہ الزَّبُوْر بھی آیا ہے۔ (۱۰۵ : ۲۱) جس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب کو الزبور کہا جاتا تھا۔ (یہ انجیل کے عہد نامہ عتیق میں شامل ہے اور جس طرح باقی انجیل کا حال ہے، اس میں کافی تحریف نظر آتی ہے)۔ جس زبور کا ذکر قرآن کریم میں ہے اس میں حکومت و اقتدار کے متعلق یہ اصول درج تھا کہ "زمین کی وراثت ان بندوں کو ملتی ہے۔ جن میں اس کی صلاحیت ہو۔" (۱۰۵ : ۲۱) خدا نے حضرت داؤدؑ کو علم عطا فرمایا تھا۔ (۱۵ : ۲۷)۔ اس علم کا تعلق "اخلاقیات" تک محدود نہیں تھا۔ اس کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ حتٰی کہ اس میں لڑائی کے وقت پہننے کے لئے زرہ بکتر بنانے کا علم بھی شامل تھا۔ (۸۰ : ۲۱)۔ اسے خدا نے اپنے خاص فضل سے تعبیر کیا ہے۔ (۱۰ : ۳۴)

۲۔ حضرت داؤدؑ کی سلطنت بڑی وسیع تھی۔ پہاڑی قبائل کے بڑے بڑے سردار آپ کے مطیع و فرمان پذیر تھے۔ اور

آپ کے پروگرام کی تکمیل میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ (۶۹ : ۲۱)۔ (۱۰ : ۳۴) (۱۸ - ۱۷ : ۳۸)۔ان میں قبیلۂ طیر کے شاہسوار بھی شامل تھے۔ جن کے زیر تربیت، رسالے (گھوڑوں کے لشکر) مرتب کئے جاتے تھے۔(۷۹ : ۲۱)۔ (۱۰ : ۳۴)۔ (۱۹ : ۳۸)۔یوں آپ کی سلطنت بڑی محکم ہوگئی تھی۔ (۲۰ : ۳۸)

(۲) اس قدر قوت کے ساتھ، انہیں دانش و بینش۔ اور معاملات میں صحیح صحیح فیصلہ کرنے کی استعداد بھی بڑی وافر عطا ہوئی تھی۔ (۲۰ : ۳۸)۔آپ کو حکومت عطا کئے جانے سے مقصود یہ تھا کہ آپ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ حق کے ساتھ کریں۔ اور اس باب میں کسی کے جذبات کی رعایت نہ کریں۔ (۲۶ : ۳۸)۔ اسی لئے جہاں آپ کے متعلق کہا ہے کہ وہ ذَا الْاَیْدِ تھے۔ یعنی بڑی قوت کے مالک (۱۷ : ۳۸) اس کے ساتھ ہی کہا ہے کہ وہ اَوَّابٌ بھی تھے۔ یعنی خدا کے احکام کے پابند اور ہر معاملہ میں اسی کے قوانین کی طرف رجوع کرنے والے۔ (۱۷ : ۳۸)

اس سے واضح ہے کہ "خدا کے بندوں" کا مقام یہی نہیں کہ وہ خود عام اخلاق کے پابند ہوتے ہیں اور لوگوں کو انہی کی پابندی کی وعظ نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ انہیں علم۔ حکمت۔ سیاست۔ (حتیٰ کہ اسلحہ سازی تک کی استعداد)۔ معاملات میں فیصلے کرنے کی صلاحیت اور حکومت کے فرائض سرانجام دینے کی اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ مختصراً یہ کہ وہ صاحبِ قوت ہوتے ہیں، اور ہر معاملہ میں قوانینِ خداوندی کی طرف رجوع کرنے والے۔

(۳)۔ معاملات میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت کے سلسلہ میں قرآن کریم میں ان کے سامنے پیش آمدہ ایک مقدمہ کا بھی ذکر ہے۔ مقدمہ کی نوعیت تو عمومی سی ہے۔ لیکن اس میں اصول بہت عظیم مضمر ہے۔ مقدمہ میں فریادی (مستغیث) نے کہا ہے کہ یہ (فریقِ ثانی) میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ میری ایک دنبی بھی مجھ سے چھین کر اپنی دنبیوں میں ملا لے۔ ارادے اس کے یہ ہیں اور کہتا ہے مجھے اپنا بھائی!

اس مقدمہ میں تمثیلاً نظام سرمایہ داری کے ایک بنیادی اصول کو سامنے لایا گیا ہے۔ جس کی رو سے، ہر بڑا سرمایہ دار یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کا کم سرمایہ سمٹ کر اسی کی طرف آجائے۔ اس مقدمہ کی تفصیل (۲۶ - ۲۱ : ۳۸) میں آئی ہے جہاں اس قسم کے نظام اور ذہنیت کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵)۔ بنی اسرائیل، حضرت داؤدؑ کے زمانے میں ہی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے تھے اور اس سازش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح یہ سلطنت اجڑ جائے۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ اپنی خداداد فراست اور حکمت کی رو سے، اس

مملکت کو محکم بنانے کی فکر کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے تک یہ محکم اور استوار رہی۔ (۹، ۸۔: ۲۱)۔ بنی اسرائیل کی بھی وہ حرکات تھیں جن کی بنا پر حضرت داؤدؑ نے ان سے کہہ دیا کہ اگر وہ ان سے باز نہ آئے تو وہ ان نعمائے خداوندی سے محروم کر دئے جائیں گے۔ وہ ان سے باز نہ آئے اور ان کی یہ محرومی حضرت عیسےٰؑ کے زمانے میں تکمیل تک پہنچ گئی۔ (۸۰،۸ : ۵)

(۶)۔ حضرت داؤدؑ کے بعد ان کے بیٹے، ان کے جانشین ہوئے۔ (۱۶ : ۲۷) ۔ (۳۰ : ۳۸) یعنی وہ نبی بھی تھے اور حکمران بھی۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ اس کے اہل تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر بیٹا اہل ہو، تو اس کے اپنے باپ کے جانشین ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس طرح یہ ٹھیک نہیں کہ کسی کو محض باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے باپ کا جانشین بنا دیا جائے اسی طرح یہ بھی ٹھیک نہیں کہ کسی کو محض اس لئے جانشینی سے محروم قرار دے دیا جائے کہ وہ اس باپ کا بیٹا ہے۔ انتخاب، اہلیت کی بنا پر ہونا چاہیئے۔ آلِ داؤدؑ سے تاکید کی گئی کہ وہ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق صرف کریں۔ اسے شکرِ نعمت کہا جاتا ہے۔ (۱۳ : ۳۴)

۲۔ دآبہ

دآبہ:۔ (مادہ د۔ ب۔ ب)۔ یہ ایک جامع لفظ ہے جس کے اندر ہر قسم کے ذی حیات آجاتے ہیں۔ (اس کی جمع دواب آتی ہے)۔ لیکن بعض اوقات خود دآبہ بھی جمع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جہاں اس کے معنی ایسے جاہل اور جنگجو لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی حالت جانوروں کی سی ہو۔

تخلیقِ دآبہ

۱۔ خدا نے ہر دآبہ کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں سے بعض رینگنے والے ہیں۔ بعض دو پاؤں پر چلنے والے۔ اور بعض چار پاؤں پر چلنے والے۔ (۴۵ : ۲۴)

۲- خدا نے زمین پر ہر قسم کے دآبہ پھیلا دیئے ہیں۔ (۲ : ۱۶۴) - (۳۱ : ۱۰) - (۲۹ : ۴۲) - (۴ : ۴۵)

۳- ملائکہ اور دآبہ میں سے ہر ایک جو ارض و سمٰوات میں ہے، قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے ——— (۴۹ : ۱۶) - (۱۸ : ۲۲)

۴- اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کی فوری گرفت کرتا تو زمین پر کوئی دآبہ باقی نہ رہتا۔ ظاہر ہے کہ یہاں دآبہ سے مراد خود انسان ہی ہیں۔ (۱۶ : ۶۱) - (۴۵ : ۳۵)

۵- ہر دآبہ قانونِ خداوندی کی گرفت میں ہے۔ (۱۱ : ۵۶)

۶- زمین کے دآبہ اور پرندے، سب تمہاری مثل اُمم ہیں۔ (۶ : ۳۸)

۷- زمین میں کوئی دابہ نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔ (۱۱ : ۶) - انسانوں کے سلسلہ میں خدا کی یہ ذمہ داری اس نظامِ مملکت کی طرف سے پوری ہوتی ہے۔ جو اس کے نام پر قائم ہوتا ہے۔
کوئی دآبہ ایسا نہیں جو اپنا رزق (اپنی پیٹھ پر) لادے لادے پھرے۔ خدا انہیں بھی اور انسانوں کو بھی رزق دیتا ہے۔ (۲۹ : ۶۰)

۸- سورۂ سبا میں حضرت سلیمانؑ کے نالائق بیٹے کو دآبہ (جسدِ بے روح) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳۴ : ۱۴)

۹- سورۂ شوریٰ میں ہے کہ ارض اور سمٰوٰت، دونوں میں دآبہ ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعض آسمانی کرّے ایسے ہیں۔ جن میں ذی حیات موجود ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم نے یہ بھی کہا ہے کہ خدا اس پر بھی قادر ہے کہ وہ ان دونوں آبادیوں (زمین کی آبادی اور ان کرّوں کی آبادی) کو آپس میں ملا دے۔ اس وقت آسمانی کرّوں سے مواصلات قائم کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، اس کے نتیجہ میں ایسا بھی ممکن ہے۔ (۴۲ : ۲۹) نیز (۴۹ : ۱۶) میں سمٰوٰت میں دآبہ کی موجودگی کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

۱۰- سورۂ نمل میں ہے کہ اگر لوگوں نے عقل و خرد سے کام لے کر صحیح راستہ اختیار نہ کیا، تو پھر جنگجو وحشی لوگ (دآبہ) اسلحہ بندان سے ٹکرائیں گے اور ان کی فصد کھول کر ان کے سرسام کی حدت کم کر دیں گے۔ (۲۷ : ۸۲)

۱۱- خدا نے الناس۔ اور انعام۔ اور دواب پیدا کئے۔ (۳۵ : ۲۸)

۱۲- خدا کے نزدیک شرالدواب وہ ہیں جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ (۸ : ۲۲) - یہی لوگ کفر اختیار کرتے ہیں۔ (۸ : ۵۵)

———(۰)———

۳۔ درجات

درجہ۔ درجات :۔ قرآن کریم کی رُو سے، زندگی ایک دائرے میں حرکت نہیں کرتی بلکہ آگے بڑھتی ہے اور اس کے ساتھ، بلندیوں کی طرف جاتی ہے۔ اسے ارتقاء کہتے ہیں۔ آگے بڑھنے اور اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھی کی تشبیہ سے بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ سیڑھی کے ڈنڈوں کو، جبکہ ان پہ انسان اوپر کی طرف چڑھ رہا ہو، درجات کہتے ہیں۔ اس سے مراد زندگی میں مختلف مراتب و منازل ہیں ۔ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

قرآنی پروگرام کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان کو معاشرتی زندگی میں عزت و تکریم کے مقام حاصل ہو جاتے ہیں اور اس کی ذات کی نشوو نما بھی ہوتی جاتی ہے۔ جس سے وہ اُخروی زندگی میں ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم کے مدارج کو قرآن کریم میں بالعموم "درجات عند اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ایک مومن کو جو مراتب اس دنیا کی زندگی میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی "درجات عنداللہ" کے دائرے سے باہر نہیں ہوتے۔ درجات عند اللہ سے مفہوم ہے معیارِ خداوندی کے مطابق بلندیٔ مدارج۔ عام دنیاوی معیار کے مطابق، غلط طریقوں سے حاصل کردہ عزت کو بھی بلند مرتبت کہہ دیا جاتا ہے، لیکن درجات عند اللہ سے مراد وہی بلندیٔ مرتبت ہوگی جو معیارِ خداوندی (قوانینِ خداوندی) کے مطابق حاصل ہو۔

قرآن کریم کی رُو سے، درجات کا معیار، صرف انسان کے جوہرِ ذاتی اور حسنِ کردار ہے۔ حسب و نسب یا دولت و حشمت نہیں۔

خدائے تعالیٰ

۱۔ خدا رفیع الدرجات ہے۔ (۴۰ : ۱۵)

مدارج عنداللہ

۱۔ جو لوگ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے درجات بلند ہیں (۱۶۱ - ۱۶۲ : ۳)

۲۔ مومنین کی مختلف خصوصیات بیان کرنے کے بعد کہا کہ خدا کے نزدیک ان کے مدارج بلند ہیں۔ (۴-۲ : ۸)
۳۔ مجاہدین کے درجات، بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہیں۔ (۹۵ : ۴)
۴۔ ایمان اور اعمالِ صالح سے بلندیٔ مدارج۔ (۷۵ : ۲۰)
۵۔ مہاجرین اور مجاہدین کے درجات نہایت عظیم ہیں۔ (۲۰ : ۹) (۶) مومنین کا مقام بلند ہے۔ (۲ : ۱۰)

معیارِ درجات

۱۔ ہر ایک کے مدارج اس کے اعمال کے مطابق ہوں گے۔ (۱۳۳ : ۶) - (۱۹ : ۴۶)
۲۔ درجات کا تعین خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۸۴ : ۶) - (۷۶ : ۱۲)
۳۔ ایمان و اعمالِ صالح سے بلندیٔ مدارج۔ (۷۵ : ۲۰) - ایمان اور علم سے بلندیٔ مدارج۔ (۱۱ : ۵۸) - پیشے کا اس پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ (۱۱۲-۱۱۱ : ۲۶) - نہ ہی حسب نسب کا۔ (۱۳ : ۴۹)

اختلافِ مدارج

۱۔ مختلف انبیاءِ کرام، بہ اعتبارِ نبوت ایک ہی رتبہ رکھتے ہیں لیکن ان کے تعلیم کے دائرۂ نفوذ کے اعتبار سے ان کے مدارج مختلف ہیں۔ (۲۵۳ : ۲) - (۲۸۵ : ۲)
۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی رفعتِ درجات۔ (۸۴ : ۶)
۳۔ دنیا میں انسانوں کے مدارج مختلف ہیں تاکہ انسان کو سعی و عمل کے لیے متنوع مواقع حاصل ہوں۔ (۱۶۶:۶) تاکہ ایک دوسرے سے کام لیا جا سکے۔ (۳۲ : ۴۳)
۴۔ درجات، خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔ ہر صاحبِ علم کے اوپر ایک علیم ہے۔ (۷۶ : ۱۲)
۵۔ دنیاوی زندگی میں قوانینِ طبیعی کے مطابق کافر و مومن سب اپنی اپنی کوشش کی رو سے مفادات حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی کے راستے میں روک نہیں۔ لیکن اُخروی زندگی کے مدارج بہت بلند ہیں۔ (۲۱-۱۸ : ۱۷)
۶۔ مجاہدین (سعی و عمل میں مصروف رہنے والوں) کے درجات، بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں (۹۵:۴)
۷۔ اربابِ علم کے مدارج بلند ہیں۔ (۱۱ : ۵۸) ——(۸) ایمان اور اعمالِ صالح سے بلند مدارج۔ (۷۵ : ۲۰)
۹۔ مہاجرین اور مجاہدین کے درجات عظیم ہیں۔ (۱۹ : ۹)

۳ - درجات

درجہ - درجات :- قرآن کریم کی رُو سے، زندگی ایک دائرے میں حرکت نہیں کرتی بلکہ آگے بڑھتی ہے اور اس کے ساتھ، بلندیوں کی طرف جاتی ہے۔ اسے ارتقاء کہتے ہیں۔ آگے بڑھنے اور اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھی کی تشبیہہ سے بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ سیڑھی کے ڈنڈوں کو، جبکہ ان پہ انسان اوپر کی طرف چڑھ رہا ہو، درجات کہتے ہیں۔ اس سے مراد زندگی میں مختلف مراتب و منازل ہیں ۔ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

قرآنی پروگرام کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان کو معاشرتی زندگی میں عزت و تکریم کے مقام حاصل ہو جاتے ہیں اور اس کی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جاتی ہے۔ جس سے وہ اُخروی زندگی میں ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم کے مدارج کو قرآن کریم میں بالعموم "درجات عنداللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ایک مومن کو جو مراتب اس دنیا کی زندگی میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی "درجات عنداللہ" کے دائرے سے باہر نہیں ہوتے۔ درجات عنداللہ سے مفہوم ہے معیارِ خداوندی کے مطابق بلندیٔ مدارج ۔ عام دنیاوی معیار کے مطابق، غلط طریقوں سے حاصل کردہ عزت کو بھی بلند مرتبت کہہ دیا جاتا ہے، لیکن درجات عنداللہ سے مراد وہی بلندیٔ مرتبت ہوگی جو معیارِ خداوندی (قوانینِ خداوندی) کے مطابق حاصل ہو۔

قرآن کریم کی رُو سے، درجات کا معیار، صرف انسان کے جوہرِ ذاتی اور حسنِ کردار ہے۔ حسب و نسب یا دولت و حشمت نہیں۔

خدائے تعالیٰ

۱۔ خدا رفیع الدرجات ہے۔ (۱۵ : ۴۰)

مدارج عنداللہ

۱۔ جو لوگ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ زندگی بسر کرتے ہیں، ان کے درجات بلند ہیں (۱۶۲ - ۱۶۱ : ۳)

کو بھی دعا اور اس کی قبولیت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ الدّاعی ان چیزوں کو کہتے ہیں جو انسان کے جذبات کو ابھار دیں۔ بالفاظِ دیگر اپنے ہر ارادہ اور عمل کو قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ رکھنے کی شدتِ آرزو' دعا' کہلاتی ہے اور اس کے نتائج، اس دعا کی قبولیت۔ اسی طرح، کسی دوسرے کے لئے اپنے دل میں نیک آرزو رکھنا، اس کے حق میں دعا دینا کہلاتا ہے۔ جس شخص کو اس طرح دعا دی جاتی ہے، اسے اس کا اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے کہ اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ مجھے اپنے اس کام میں اتنے لوگوں کی اخلاقی تائید حاصل ہے اس لئے میں غلط راستے پر نہیں چل رہا۔

حضرات انبیاء کرام وحی کے ذریعے خدا سے ہمکلام ہوتے تھے۔ اسے بھی بعض مقامات پر "خدا کو پکارنے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ وحی، حضراتِ انبیاء کرام سے مخصوص تھی اور غیر از نبی اس کی کنہ و حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا، (اور نبی اکرمؐ کے بعد اس کا سلسلہ ہی بند ہو گیا) اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کے "خدا کو پکارنے" کی ماہیت کیا تھی اور خدا کی طرف سے اس "پکار کے جواب" کی حقیقت کیا۔ اب یہ چیز کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

(تفصیل کے لئے میری کتاب۔ کتاب التقدیر دیکھئے۔ جس میں دعا کے موضوع پر بڑی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔)

صرف خدا کو پکارو

۱۔ جب میرے بندے مجھے پکاریں تو کہہ دو کہ میں ان کے قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ (۲ : ۱۸۶)-(۴۰ : ۶۰) اس آیت میں بھی دعا اور عبودیت کو مرادف قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ وہ کون ہے جو قلبِ مضطر کی پکار کا جواب دیتا ہے اور مصیبت رفع کرتا ہے۔ (۶ : ۴۱)-(۶ : ۶۳)-(۲۷ : ۶۲)

۳۔ خدا کی خالص اطاعت کرتے ہوئے اسے پکارو۔ (۷ : ۲۹) - (۱۰ : ۲۲) - (۲۹ : ۶۵) - (۴۰ : ۱۴) - (۴۰ : ۶۵)

(۴) خدا کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ (۲۸ : ۸۸) - (۷۲ : ۱۸)

۵۔ خدا کے اسماء الحسنیٰ ہیں۔ اسے جس نام سے جی چاہے پکارو۔ (۷ : ۱۸۰)-(۱۷ : ۱۱۰)

۶۔ اصحابِ کہف کا جرم یہ تھا کہ وہ صرف خدا کو پکارتے تھے۔ (۱۸ : ۱۴)

۷۔ اہلِ جنت صرف خدا کو پکارا کرتے تھے۔ (۵۲ : ۲۸)

۸۔ فرعون نے کہا کہ میں موسیٰؑ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اسے کہو کہ اپنے رب کو مدد کے لئے پکارے۔ (۴۰ : ۲۶)

۹۔ مومنین صبح و مسا، خدا کو پکارتے رہتے ہیں۔ (۶ : ۵۲) - (۱۸ : ۲۸)

۱۰۔ مومن خدا کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔ (۲۵ : ۶۸) - وہ خوف و طمع میں اسی کو پکارتے ہیں۔ (۷ : ۵۵)-

(۹۰ : ۲۱) — (۱۴ : ۳۲)

۱۱۔ جب اللہ کا بندہ اسے پکارنے کے لئے اٹھتا ہے تو مخالفین اس پر جھپٹ پڑنا چاہتے ہیں۔ (۱۹ : ۷۲)

۱۲۔ صرف خدا کو پکارو ۔ (۱۱۰ : ۱۷)

غیراز خدا کسی کو نہ پکارو

۱۔ اس دن ایک پکارنے والا ان سے پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے تھے۔ وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے ۔ (۵۲ : ۱۸) - (۶۴ : ۲۸)

۲۔ میں دو ان اللہ کو چھوڑ کر صرف خدا کو پکارتا ہوں ۔ (۴۸ : ۱۹) -(۲۰ : ۷۲)

۳۔ خدا کے سوا کسی کو نہ پکارو ۔ وہ تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان ۔ وہ تمہاری مصیبت دور نہیں کرسکتے۔ (۷۱ : ۶)- (۱۰۶ : ۱۰) - (۵۶ : ۱۷) - (۱۲-۱۳ : ۲۲) - (۷۲ : ۲۶) -(۳۸ : ۳۹)

۴۔ کیا تم خدا کے سوا اوروں کو پکارتے ہو۔ (۴۰ : ۶)- ایسا نہ کرو۔ اسی کو پکارو ۔ (۴۱ : ۶)

۵۔ کہو کہ مجھے غیراللہ کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔ (یہاں خدا کے پکارنے اور اس کی محکومیت اختیار کرنے کو مرادف قرار دیا گیا ہے ۔ (۵۶ : ۶)—(۶۶ : ۴۰)

۶۔ ملائکہ ان کی وفات کے وقت پوچھیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے۔ (۳۷ : ۷)

۷۔ جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں (۱۹۴ : ۷) ۔ وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے ۔ (۱۹۷ : ۷) وہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے۔ (۷۳ : ۲۲) وہ تمہاری بات تک نہیں سن سکتے۔(۱۴: ۲۶) وہ ذرہ برابر قوت اور اقتدار کے مالک نہیں ۔ (۲۲ : ۳۴) - (۱۳ : ۳۵)- وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے۔(۴۰ : ۳۵) (۵-۴ : ۴۶)- وہ خود مخلوق ہیں ۔ (۲۰ : ۱۶)

۸۔ یہ لوگ (قوم حضرت الیاسؑ) بعل کو پکارتے ہیں اور خدائے احسن الخالقین کو چھوڑ رہے ہیں ۔(۱۲۵ : ۳۷)

۹۔ جنہیں تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکار سن تک نہیں سکتے۔ اور اگر بفرضِ محال وہ اسے سن بھی لیتے تو اس کا جواب نہ دے سکتے۔ (۱۴ : ۲۸) - (۱۴ : ۳۵) - (۵ : ۴۶) -

۱۰۔ قیامت میں مشرکین کہیں گے کہ یہ ہیں وہ جنہیں ہم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے ۔ (۸۶ : ۱۶)۔ وہ سب اس وقت غائب غلا ہو جائیں گے ۔ (۷۴ : ۴۰) - (۴۸ : ۴۱)

۱۱- خدا کے سوا کسی کو پکارنے والے اپنے اس عقیدہ اور مسلک کے حق میں کوئی دلیل نہیں رکھتے ۔ (۱۱۷ : ۲۳)۔
یہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ (۶۶ : ۱۰)

۱۲- یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں۔ (۱۱۷ : ۴)۔ بلکہ شیطان کو (۱۱۷ : ۴)

۱۳- جنہیں یہ لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں، انہیں گالی مت دو، ورنہ یہ جہالت میں خدا کو گالی دیں گے (۱۰۸ : ۶)

۱۴- یہ الٰہ خدا کے مقابلہ میں ان کے کسی کام نہیں آسکتے ۔ (۱۰۱ : ۱۱)

۱۵- انہیں پکارنے کے متعلق بس یوں سمجھو جیسا کوئی پیاسا دریا کے کنارے کھڑا، دریا کی طرف ہاتھ پھیلائے پانی کو پکار رہا ہو۔ اس طرح پانی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ (۱۴ : ۱۳)

۱۶- جنہیں یہ لوگ خدا سمجھ کر پکارتے ہیں، وہ خود خدا تک پہنچنے کے وسیلے ڈھونڈھتے رہتے ہیں۔ (۵۷ : ۱۷)

۱۷- جسے بھی خدا کے سوا پکارو وہ باطل ہوگا ۔ (۶۲ : ۲۲) ۔ (۳۰ : ۳۱)

۱۸- جنہیں یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں، خدا ان کی حقیقت سے خوب واقف ہے (۴۲ : ۲۹) ۔ وہ کسی امر کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔ (۲۰ : ۴۰)۔ وہ شفاعت کا اقتدار نہیں رکھتے ۔ (۸۶ : ۴۳)

۱۹- ان سے کہو کر اپنے معبودوں کو بلاؤ اور پھر جو تدبیر کرنا چاہتے ہو کر دیکھو (۱۹۵ : ۷)

۲۰- خدا کے سوا کسی کو نہ پکارو ورنہ تم پر عذاب آجائے گا ۔ (۲۱۳ : ۲۶)

انسان مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے۔ پھر بھول جاتا ہے

۱- انسان مصیبت کے وقت پڑے ہی جھکاؤ سے خدا کو پکارتا ہے۔ اس کے بعد خدا کو بھول جاتا ہے (۱۲ : ۱۰)
(۳۳ : ۳۰) ۔ (۸ : ۳۹) ۔ (۴۹ : ۳۹)

۲- حمل کے وقت خدا سے دعائیں کرتے ہیں کہ تندرست، صحیح و سالم بچہ پیدا ہوگیا تو ہم تیرے شکرگزار ہوں گے۔ بعد میں کفر کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۱۸۹ - ۹۰ : ۷)

۳- کشتی طوفان میں پھنستی ہے تو گڑگڑانے لگ جاتے ہیں۔ جب وہ ساحل پہ پہنچ جاتی ہے تو کفر و شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۶۷ : ۱۷) ۔ (۳۲ : ۳۱)

۴- انسان شر کو اس طرح بلاتا ہے جس طرح خیر کو بلایا جاتا ہے۔ یہ بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔ (۱۱ : ۱۷)۔
(۵۱ : ۴۱) ۔ (۴۹ : ۴۱)

مومنین کی دعائیں (آرزوئیں) یہ سب اجتماعی ہیں

۱۔ رب العالمین سے سیدھی۔ ہموار راہ پر چلنے کی دعا۔ (۷ - ۵ : ۱)

۲۔ (ربنا) دنیا میں بھی خوشگواریاں عطا کر اور آخرت میں بھی۔ (۲۰۱ : ۲)

۳۔ (ربنا) بھول چوک سے اگر ہمارا قدم غلط سمت کو اٹھ جائے تو اس کے نقصان سے ہماری حفاظت کر دے۔ ہماری قوتوں میں ایسا اضافہ کر دے کہ ہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکیں۔ ہماری نشو دنما کا سامان عطا کر دے۔ اور ہمیں ان لوگوں پر غلبہ و نصرت عطا کر دے جو تیرے قوانین سے انکار کرتے ہیں۔ (۲۸۶ : ۲)

۴۔ (ربنا) صحیح راستہ مل جانے کے بعد ہمارے دل غلط سمت کو نہ مڑ جائیں۔ ہمیں سامانِ نشو ونما ملتا رہے (۷ : ۳)

۵۔ مجاہدین کی دعائیں۔ (ربنا) سہواً لغزشوں کے نقصانات سے حفاظت۔ ثابت قدمی۔ اور کفار پر کامیابی۔ (۱۴۶ : ۳) اس طرح انہیں دنیا اور آخرت کی خوشگواریوں کا حصہ مل گیا۔ (۲۵۰ : ۲) - (۱۴۷ : ۳)

۶۔ مومنین کی دعائیں جو کارگہ کائنات میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ (۱۹۳ - ۱۹۱ : ۳) - دعا کی قبولیت یہ کہہ کر کہ میں کسی کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتا۔ (۱۹۴ : ۳)

۷۔ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت، دونوں میں خدا کو پکارنا۔ یہ لوگ اپنے رزق کو دوسروں کی ضروریات کے لئے عام رکھتے ہیں۔ (۱۶ : ۳۲) - یہ لوگ قوانینِ خداوندی سے سرتابی نہیں برتتے۔ (۱۶ - ۱۵ : ۳۲)

۸۔ صالحین کے زمرے میں شامل ہونے کی آرزو۔ (۸۳ : ۵) - قومِ ظالمین کے ساتھ شمار نہ ہو۔ (۴۷ : ۷)

۹۔ سہو و لغزش کے نقصان رساں نتائج سے محفوظ رہنے کی دعائیں۔ ان مومنین کی خصوصیات۔ (۱۶ - ۱۵ : ۳)۔ مومن خدا کو پکارتے تھے۔ یہ جنت میں ہوں گے۔ (۲۸ : ۵۲)

۱۰۔ مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی پکار کہ ہمیں اس بستی سے نکال لے اور ہماری مدد کر۔ اس کے جواب میں مدینہ کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ان کی مدد کے لئے کیوں نہیں اٹھتے۔ (۷۵ : ۴)

۱۱۔ حضرت عیسیٰؑ کی دعا کہ انہیں خدا اپنی طرف سے رزق عطا کرے۔ انہیں رزق کے لئے انسانوں کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ نظام ایسا متشکل ہو کہ رزق کے لئے کسی انسان کی محتاجی نہ رہے۔ (۱۱۴ - ۱۱۲ : ۵)

۱۲۔ "آدم" کی پکار کہ ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے۔ ہمیں اس کے تباہ کن نتائج سے محفوظ رکھ۔ (۲۳ : ۷)

۱۳۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کی دعا کہ ہمیں ہمت اور استقلال عطا فرما۔ اور مسلم کی موت مار (۱۲۶ : ۷)

۱۴۔ قومِ حضرت موسےٰؑ کی دعائیں کہ ہمیں ظالمین کا تختۂ مشق نہ بنا اور ان کے استبداد سے نجات دے۔ (۸۶-۸۵ : ۱۰)
یہی دعائیں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھیوں کی تھیں۔ (۵-۴ : ۶۰)

۱۵۔ اصحابِ کہف کی دعائیں کہ ان کے پیشِ نظر مہماتِ امور میں انہیں سیدھی راہ مل جائے۔ (۱۰ : ۱۸)

۱۶۔ عذابِ جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا۔ (۶۵ : ۲۵)

۱۷۔ بیوی بچوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک کی دعا۔ متقین کا امام بننے کی دعا۔ (۷۴ : ۲۵)

۱۸۔ اپنی حفاظت کے لئے بھی دعائیں اور جو لوگ ایمان کے ساتھ پہلے چلے گئے، ان کے لئے بھی نیک آرزوئیں (۱۰ : ۵۹)

۱۹۔ جنت میں پہنچ کر اتمامِ نور کی دعائیں۔ اس سے واضح ہے کہ جنت آخری منزل نہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھا جائے گا۔ (۸ : ۶۶)

۲۰۔ جنت میں وہ سب کچھ ملیگا جو وہ مانگیں گے۔ (۵۷ : ۳۶)-(۵۱ : ۳۸)-(۳۱ : ۴۱)-(۵۵ : ۴۴)

۲۱۔ جنت میں ان کی پکار سلامتی کی ہوگی۔ اور آخری پکار اَنِ الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔ (۱۰ : ۱۰)

(نوٹ:۔ غور کیجئے کہ مومنین کی سب دعائیں اجتماعی ہیں۔ انفرادی ایک بھی نہیں)

حضرات انبیاءکرام کی دعائیں

۱۔ حضرت زکریاؑ کی اپنے رب سے اولاد کے لئے دعا۔ (۳۷ : ۳)-(۵-۴ : ۱۹)- یہ دعا اس طرح پوری ہوئی تھی کہ ان کی بیوی جو بانجھ تھی، اس کا نقص، دور ہو گیا تھا۔ (۱۰-۱ : ۱۹)-(۹۰-۸۹ : ۲۱)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا (آرزو) کہ ان کے والد صحیح راستے پر آجائیں۔ (۴۸ : ۱۹)- یہ دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔

۳۔ حضرت نوحؑ کی دعا کہ کشتی سلامتی سے کنارے پر لگے۔ (۲۹ : ۲۳)—(۴) حضرت سلیمانؑ کی عملِ صالح کیلئے دعا۔ (۱۹ : ۲۷)

۵۔ حضرت نوحؑ نے مخالفین کے خلاف خدا کو پکارا۔ (۴۵ : ۱۱)—(۷۶ : ۲۱)—(۲۶ : ۲۳)—(۷۶-۷۵ : ۳۷)—(۱۰ : ۵۴)

۶۔ تعمیرِ کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی دعائیں۔ حصولِ رزق۔ مسلم رہنے کی آرزو۔ اپنی ذریت میں ایک رسول کی بعثت کی دعا۔ (۱۲۹-۱۲۶ : ۲)—(۴۱-۳۷ : ۱۴)

۷۔ حضرت شعیبؑ کی دعا کہ ہم میں اور ان مخالفین میں فیصلہ کر دے۔ (۸۹ : ۷)

۸۔ حضرت موسےٰؑ کی دعا کہ قومِ فرعون تباہ و برباد ہو جائے۔ (۸۹ : ۱۰)-(۲۲ : ۴۴)

۹۔ انبیاءِ کرام خدا کو بیم و رجا کے عالم میں پکارتے تھے۔ (۹۰ : ۲۱)

۱۰۔ حضرت ایوبؑ نے خدا کو پکارا۔ (۸۳ : ۲۱)۔(۴۱ : ۳۸)—— (۱۱) حضرت یونسؑ نے خدا کو پکارا۔ (۸۸-۸۷ : ۲۱)۔(۴۸ : ۶۸)

۱۲۔ رسول اللہؐ کی دعا رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا۔ (۱۱۴ : ۲۰) —— (۱۳) خدا سمیع الدعا ہے (۳۸ : ۳)۔(۳۹ : ۱۴)

۱۴۔ جب حضرت موسیٰؑ نے دعا کی کہ انہیں فرعون کے خلاف کامیابی عطا ہو، تو جواب میں کہا کہ ہم نے تمہاری دعا سن لی ہے۔(یا قبول کر لی ہے) اب تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنے پروگرام پر جم کر کھڑے ہو جاؤ اور ان لوگوں کا اتباع مت کرو جنہیں علم نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ دعا کی قبولیت کے یہ معنی نہیں کہ اس کے بعد انسان کو خود کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ انسان کو اس کے لئے نہایت استقامت سے مصروفِ سعی و عمل رہنا ہوگا۔ (۸۹ : ۱۰)۔(۴۲ : ۲۰)

دعا (آرزو) اور عمل (کام) کا رشتہ

۱۔ مومنین کی دعا کے بعد کہا کہ خدا نے ان کی دعا قبول کر لی۔ کیونکہ وہ کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا۔ اس کے بعد ان کی ہجرت اور جہاد کا ذکر ہے۔ (۱۹۴ - ۱۹۱ : ۳)

۲۔ خدا کو پکارو۔ اور ملک میں فسادمت برپا کرو۔ اس کے قوانین کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ (۵۶-۵۵ : ۷)

۳۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم نے تیری دعا قبول کر لی ہے۔ (یعنی وہ ہمارے پروگرام کے مطابق ہے) اب تم ثابت قدمی سے کام لینا۔ اور ان لوگوں کا اتباع نہ کرنا جنہیں حقیقت کا علم نہیں۔ (۸۹ : ۱۰)

۴۔ قلبِ مضطر کو تسکین، خدا کو پکارنے سے ملتی ہے۔ یہ تسکین استخلاف فی الارض سے حاصل ہوتی ہے۔ (۶۲ : ۲۷) اور استخلاف فی الارض مشروط ہے ایمان اور اعمالِ صالح سے۔ (۵۵ : ۲۴)

۵۔ مومن خدا کو پکارتے ہیں اور اپنا رزق، دوسروں کی نشوونما کے لئے عام کر دیتے ہیں۔ (۱۶ : ۳۲)

۶۔ حضرت نوحؑ نے اپنے مخالفین کے خلاف خدا کو پکارا تو انہیں کشتی بنانے کا حکم دیا گیا (۲۷ : ۲۳)۔(۷۵ : ۳۷)

۷۔ جو لوگ قوانینِ خداوندی سے سرتابی اختیار نہیں کرتے ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ (۱۶ - ۱۵ : ۳۲) —— (۶۰ : ۴۰)۔ یعنی جو خدا کی پکار کو قبول کرتے ہیں۔ خدا ان کی پکار کو قبول کرتا ہے (۱۸۶ : ۲)

۸۔ اطاعت کو خدا کے لئے مخصوص کرتے ہوئے اسے پکارو۔ (۲۹ : ۷)۔(۱۴ : ۴۰)۔(۶۵ : ۴۰)

۹۔ خدا ان کی دعائیں قبول کرتا ہے جو ایمان اور اعمالِ صالح والے ہوں۔ یعنی ان کے ایمان و اعمالِ صالح کا نتیجہ ان کی آرزوؤں کی برآری ہوتا ہے۔ (۲۶ : ۴۲)

۱۰۔ کوئی شخص اگر دریا کے کنارے کھڑا پانی پانی کہتا رہے تو پانی اس کے منہ میں نہیں آجائے گا۔ اس کی شدتِ پیاس بجا۔ لیکن پانی تو اپنی کوشش ہی سے حاصل ہو سکے گا۔ (۱۴ : ۱۳)

۱۱۔ جو خدا کے قانون سے انکار کرے اس کی دعا رائیگاں جاتی ہے۔ (۱۴ : ۱۴)۔

۱۲۔ خدا کی رحمت تو انہی کے قریب ہوتی جو حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۵۶ : ۷)

۱۳۔ مکہ کے مظلوم خدا کو مدد کے لئے پکارتے ہیں اور خدا مدینہ کے مسلمانوں سے کہتا ہے کہ تم ان کی مدد کے لئے کیوں نہیں اٹھتے (۷۵ : ۴)

۱۴۔ خدا کو پکارنے کے معنی ہیں، اس کی راہ نمائی کے مطابق چلنا اور اپنی پست خواہشات سے بچنا۔ (۷۱ : ۶) نیز اس کے معنی محکومیت (عبودیت) اختیار کرنا ہیں۔ (۶۶ : ۴۰)

دعوت الی اللہ

۱۔ اس سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف دعوت دے اور عملِ صالح کرے اور کہے کہ میں مسلم ہوں۔ (۳۳ : ۴۱)

۲۔ رسول اس بات کی طرف دعوت دیتا ہے جو تمہیں زندگی عطا کر دے۔ (۲۴ : ۸)۔ مومن لبیک کہتے ہیں۔ (۵۱ : ۲۴)۔ رسول کی دعوت کو عام لوگوں کی دعوت جیسا نہ سمجھو۔ (۶۳ : ۲۴)

۳۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میں نے انہیں دن رات تیری طرف دعوت دی لیکن یہ ایک نہیں سنتے (۸-۵ : ۷۱)

۴۔ اے رسول! ان سے کہو کہ یہ ہے میرا راستہ جس کی طرف میں تمہیں علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں۔ (۱۰۸ : ۱۲)

۵۔ میں تمہیں بھی خدا کی طرف بلاتا ہوں اور خود بھی اسی کی طرف اپنا رخ کرتا ہوں۔ (۳۶ : ۱۳)

۶۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کا خطاب۔ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو۔ (۴۲ : ۴۰)

۷۔ تم انہیں ہزار ہدایت کی طرف دعوت دو، یہ کبھی بھی اس طرف نہیں آئیں گے۔ (۱۹۳ : ۷)۔ (۱۹۸ : ۷)۔ (۹ : ۱۴) — (۵۶ : ۱۸)۔ (۴۵ : ۲۱)۔ (۵ : ۴۱)

۸۔ تم خدا کو پکارو اور معبودانِ باطل کو بھول جاؤ۔ وہ تمہاری مصیبت کو رفع کر دیگا۔ (۴۱ : ۶)

۹۔ قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ ہم انہیں پکارنا چھوڑ دیں جنہیں ہمارے اسلاف پکارتے چلے آئے ہیں۔ ان کے برعکس جو دعوت تم ہمیں دیتے ہو، ہمیں اس کی صداقت میں شبہ ہے۔ (۶۲ : ۱۱)

۱۰۔ تمہاری دعوت صراطِ مستقیم کی طرف ہے۔ (۶۷ : ۲۳) —— (۱۱)۔ تمہاری دعوت مشرکین پر بڑی گراں گذرتی ہے۔ (۱۳ : ۴۲)

۱۲۔ خدا تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ یہ لوگ تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ (۲۲۱ : ۲)۔ یہ بات نکاح کے انتخاب کے سلسلہ میں کہی گئی ہے۔

۱۳۔ اللہ دارالسلام کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (۲۵ : ۱۰) — (۱۴) خدا تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تمہاری حفاظت کا سامان عطا کرے (۱۰:۱۴)

۱۵۔ رسول کی دعوت، ایمان باللہ کی دعوت ہے (۸ : ۵۷) —(۱۶) امت مسلمہ کی دعوت، خیر کی طرف دعوت ہے (۳ : ۱۰۴)

۱۷۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ یہ عورتیں مجھے جس طرف بلاتی ہیں اس کے مقابلہ میں، میں جیل خانہ کو ترجیح دیتا ہوں۔ (۱۲ : ۳۳)

۱۸۔ اپنے رب کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دو۔ (۱۶ : ۱۲۵)

۱۹۔ اے رسول! تم اپنے رب کی طرف دعوت دیئے جاؤ۔ (۲۲ : ۶۸) - (۲۸ : ۸۷) - (۴۲ : ۱۵)

۲۰۔ خدائے واحد کی طرف دعوت۔ (۱۲ : ۴۰)۔ ایمان کی طرف دعوت۔ (۴۰ : ۱۰)

۲۱۔ اسلام کی طرف دعوت۔ (۷ : ۶۱) ۔کتاب اللہ کی طرف دعوت۔ (۳ : ۲۳)

۲۲۔ دعوت الی السجود۔ یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت۔ (۴۳ : ۶۸)

۲۳۔ وہ دعوت جس میں کوئی کجی یا پیچیدگی نہیں۔ (۲۰ : ۱۰۸)

۲۴۔ اے میری قوم! داعیٔ الی اللہ کی دعوت پر لبیک کہو۔ (۴۶ : ۳۱-۳۲)

۲۵۔ رسول اللہ داعیاً الی اللہ تھے (۳۳ : ۴۶) (۲۶) تم نہ مُردوں کو سنا سکتے ہو، نہ بہروں کو۔ (۲۷ : ۸۰) - (۳۰ : ۵۲)

۲۷۔ لہٗ دعوۃُ الحق ۔ (۱۳ : ۱۴)

متفرق

۱۔ وحی کی راہ نمائی کے بغیر انسان فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس کے لئے کون سا راستہ بھلائی کا ہے ۔ وہ جب اپنے جذبات کے تابع چلتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کی بھی آرزو کرتا ہے جو درحقیقت اس کے لئے خرابی کا موجب ہوتی ہیں۔ (۱۷ : ۱۱) ——— (۲)۔ ملائکہ کی دعائیں مومنین کے لئے۔ (۴۰ : ۷)

۳۔ اہلِ جہنم فرشتوں سے کہیں گے کہ ہمارے لئے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس خدا کے احکام و قوانین نہیں آئے تھے؟ (۴۰ : ۴۹-۵۰) اس سے ظاہر ہے کہ مومنین کے لئے فرشتوں کی دعاؤں سے کیا مفہوم ہے۔

۴۔ عذاب دیکھ کر، مخالفین کی دعائیں (چیخ پکار) کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا فرما۔ (۱۴ : ۴۴) - (۲۳ : ۱۰۷) - (۲۸ : ۶۴) - (۳۲ : ۱۲) - (۳۳ : ۶۷) - (۳۵ : ۳۷) - (۳۸ : ۱۶) - (۳۸ : ۶۱) — (۴۰ : ۱۱) — (۴۰ : ۴۹-۵۰) - (۴۱ : ۲۹) - (۴۴ : ۱۲) —

۵۔ قومِ سبا کی آرزو کہ ساری دنیا کی دولت سمٹ کر ان کے ہاں آجائے لیکن وہ مستقل اقدار کے پابند نہیں رہنا چاہتے تھے (۳۴:۱۹)

۶۔ کفار کا خدا کو پکارنا رائیگاں جاتا ہے۔ (۱۳:۱۴) ۔ (۴۰:۵۰)

۷۔ تقلید کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے ایک گڈریا اپنی بھیڑوں کو آواز دے رہا ہو۔ وہ آواز جس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ وہ بس ایک اشارہ ہوتا ہے جس پر بھیڑیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ (۲: ۱۷۰ - ۱۷۱)

۸۔ انسان اپنے لئے منفعت کی دعاؤں سے تھکتا ہی نہیں۔ (۱۱: ۱۷) ۔ (۴۱: ۴۹) ۔ (۴۱: ۵۱)

۹۔ انسان مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر یوں منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے کبھی خدا کو پکارا ہی نہ تھا۔ (۶: ۶۳-۶۴) ۔ (۷: ۱۸۹-۱۹۰) ۔ (۱۰: ۱۲، ۲۱، ۲۲) ۔ (۲۹: ۶۵) ۔ (۳۰: ۳۳) (۳۱: ۳۲) ۔ (۳۹: ۴۹)

۱۰۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہمارے لئے خدا سے یہ کچھ کھانے کے لئے مانگو۔ (۲: ۶۱) اور گائے ذبح کرنے کے سلسلہ میں، گائے کی تفاصیل کے لئے بھی یہی کچھ کہا۔ (۲: ۶۸-۷۰) ۔ قومِ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ خدا سے دعا کرو کہ وہ ہم پر سے عذاب اٹھا لے۔ (۷: ۱۳۴) ۔ (۴۳: ۴۹)

—(٠)—

۵۔ دنیا

(نیز دیکھئے ارض ۔ تمکن ۔ استخلاف وغیرہ)

دنیا۔ (مادہ ۔ د۔ن۔و) اس کے بنیادی معنی قریب ترین چیز کے ہیں اور اس کے عام معنی ہیں یہ طبیعی دنیا جس میں انسان بستا ہے۔ اس کے لئے لفظ ارض بھی آیا ہے۔

قرآن کریم کے پیش کردہ تصورِ حیات کی رُو سے انسان عبارت ہے اس کے جسم اور اس کی ذات سے۔ مقصودِ حیات، انسانی ذات کا نشوونما ہے تاکہ یہ مرنے کے بعد، زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو سکے۔ اس کی نشوونما ان اقدار کے احترام اور پابندی سے ہو سکتی ہے جنہیں قرآن کریم بطور مستقل اقدار عطا کرتا ہے۔ لیکن زندگی کی موجودہ سطح پر انسانی ذات کی نشوونما، انسانی جسم کے اندر رہتے ہوئے ہو سکتی ہے۔ اس لئے انسانی جسم کی پرورش اور نشوونما بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کی پرورش اور نشوونما اس کے طبیعی تقاضوں کے پورا کرنے سے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے، انسان کی دنیاوی زندگی کا بہتر ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس مقام پر، قرآن کریم کی تعلیم، دنیا کے مذاہب سے الگ اور ممتاز ہو جاتی ہے جو دنیا اور اس کی جاذبیتوں کو

قابلِ نفرت قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے ترک کر دینے میں "انسانی نجات" کا راز سمجھتے ہیں۔ قرآن، دنیاوی زندگی کے تقاضوں کو اس کے پروگرام کا جزو قرار دیتا ہے اور ان کا پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے کسی دنیاوی زندگی کے تقاضے اور مستقل قدر میں باہمی ٹکراؤ ہو جائے۔ جب ایسا ہو تو پھر اس مستقل قدر کے تحفظ کے لئے، طبیعی تقاضے کو قربان کر دینا چاہیئے تاکہ انسان کی ذات کی نشو ونما نہ رک جائے اور یوں اس کی اُخروی زندگی تباہ نہ ہو جائے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اسے "حیات الدنیا" اور "حیات الآخرت" کا تقابل کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں وہ کہتا ہے کہ حیاتِ دنیا اور اس کی متاع کی قیمت مقابلۃً بڑی حقیر ہوتی ہے۔ جو لوگ متاعِ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور مستقل اقدار (یعنی اپنی ذات کے مفاد) کی حفاظت نہیں کرتے، انہیں وہ سخت خسارے میں قرار دیتا ہے۔ کیونکہ وہ عاجلہ مفاد کو مستقل مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ عاجلہ مفاد (یعنی انسان کی طبیعی زندگی سے متعلق سامانِ نشو ونما) طبیعی قوانین کے مطابق حاصل ہو سکتے ہیں اور اس میں کافر و مومن کی کوئی تمیز نہیں۔ جو بھی ان قوانین کے مطابق کام کرے گا، اسے یہ مفاد حاصل ہو جائیں گے۔ لیکن جو شخص انہی مفاد کو زندگی کا مقصد بنائے گا اور مستقل اقدار (یا حیاتِ اُخروی) کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس کی اگلی زندگی تباہ ہو جائے گی۔

لہٰذا، قرآن کی رو سے، حیاتِ انسانی کا مقصد یہ ہے کہ طبیعی قوانین کے مطابق کام کر کے فطرت کی قوتوں کو مسخر کیا جائے اور ان کے ماحصل کو مستقل اقدار کے مطابق صرف کیا جائے۔ اس سے ہمارے سامنے تین گروہ آ جاتے ہیں:-

۱- جو لوگ قوانینِ طبیعی کے مطابق کام کرنے سے متاعِ دنیا حاصل کریں اور انہیں مستقل اقدار کے مطابق صرف کریں، ان کی دنیاوی زندگی بھی درخشندہ ہوگی اور اُخروی زندگی بھی تابناک۔ انہیں مومن کہا جائے گا۔

۲- جو لوگ قوانینِ طبیعی کے مطابق کام کر کے متاعِ دنیا حاصل کریں، لیکن مستقل اقدار کی پرواہ نہ کریں، ان کو دنیاوی مفاد حاصل ہو جائینگے۔ لیکن اُخروی زندگی تاریک رہے گی۔ انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ یعنی مستقل اقدار کے منکر۔

۳- جو لوگ طبیعی قوانین کے مطابق کام نہ کریں، انہیں متاعِ حیات حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے ان کی دنیاوی زندگی تاریک ہوگی۔ اور جب انہوں نے متاعِ حیات ہی حاصل نہیں کی تو اسے مستقل اقدار کے مطابق صرف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اس لئے ان کی اُخروی زندگی بھی تاریک ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیاوی زندگی کو قابلِ نفرت قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ عنوانات۔ مثلاً رزق۔ حکومت (استخلاف)۔ فضل۔ تسخیر کائنات، معاشی نظام۔ آخرت بھی دیکھنے ضروری ہیں۔

دنیاوی زندگی کی آسائشیں خدا کا انعام ہیں

۱۔ جو دنیاوی مفاد چاہتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کے مفاد ہیں (۴ : ۱۳۴)

۲۔ حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرنے والوں کی یہ دنیا خوشگوار ہوتی ہے۔ (۳۹ : ۱۰)

۳۔ قارون سے لوگوں نے کہا کہ تم بے شک دنیاوی مفاد میں بھی اپنا حصہ رکھو لیکن مستقل اقدار کو فراموش نہ کرو۔ (۲۸ : ۷۷)

۴۔ تمکن فی الارض خدا کی نعمت ہے۔ (۷ : ۱۰) - (۷ : ۱۲۹) - (۷ : ۱۳۷) - (۸ : ۲۶) - (۱۲ : ۲۱ ؛ ۵۶) - (۱۲ : ۱۰۱) - (۱۸ : ۸۴) - (۲۸ : ۵-۶)

بنی اسرائیل کے لیے تمکن فی الارض۔ (۵ : ۲۱) —— (۱۷ : ۱۰۴)

جماعتِ مومنین کے لیے تمکن فی الارض۔ (۸ : ۲۶) —— (۲۲ : ۴۱) —— (۲۷ : ۳۴)

یہ ایمان و عملِ صالح کا لازمی نتیجہ ہے۔ (۱۶ : ۹۷) —— (۲۴ : ۵۶)

ارض خدا کی ہے۔ انہیں ملتی ہے جو قانونِ مشیت کے مطابق اسے حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرے (۷ : ۱۲۸)۔(۲۱ : ۱۰۵)

۵۔ دنیا میں اقتدار اور ایک دوسرے پر فضیلت۔ (۶ : ۱۶۶)-(۱۰ : ۱۴)-(۲۷ : ۶۲)-(۳۵ : ۳۹)

۶۔ حضرات انبیاء کے مخالفین کی تباہی اور تمکن فی الارض۔ (۱۴ : ۱۴)

۷۔ حضرت داؤدؑ صاحبِ اقتدار تھے۔ (۳۸ : ۲۶)

۸۔ وہ کون ہے جو دنیاوی زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے۔ (۷ : ۳۲)

۹۔ "آدم کی جنت" میں خوراک۔ لباس۔ مکان۔ بلا جگر پاش مشقتوں کے ملتا تھا۔ (۲۰ : ۱۱۷-۱۱۸)

۱۰۔ دنیا میں "آدم" کے لیے مستقر اور ایک مدت کے لیے متاع ہے۔ (۲ : ۳۶)-(۷ : ۱۰)-(۷ : ۲۴)

۱۱۔ ایمان اور تقویٰ سے ارض و سما کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (۷ : ۹۶)۔ امتیازی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ (۸ : ۲۹)۔ متاعِ حسنہ ملتی ہے۔ (۱۱ : ۳) : (۱۱ : ۵۲)۔ حالت سنور جاتی ہے۔ (۴۷ : ۱-۳) مال و دولت میں ترقی ہوتی ہے۔ (۷۱ : ۱۰-۱۲)۔ زمین و آسمان سے کھانے کو ملتا ہے۔ (۵ : ۶۶)۔ عزت کی روٹی ملتی ہے۔ (۸ : ۴)

۱۲۔ نزولِ قرآن سے مقصد یہ ہے کہ مومنین کو ثبات و استحکام نصیب ہو جائے۔ (۱۶ : ۱۰۲)

۱۳۔ بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے (۱۶ : ۱۱۲) اس سے نجات مل جانا خدا کا انعام ہے۔ (۱۰۶ : ۱-۵)

۱۴۔ محلات اور قلعے خدا کا انعام ہیں۔ (۷: ۷۴)

۱۵۔ قرآنی پروگرام کے مطابق عمل کرنے سے اسی دنیا میں کامیابی سامنے آجاتی ہے (۶: ۱۳۶)۔(۱۱: ۹۳)۔(۳۹: ۳۹)

۱۶۔ مومنین کو دنیا میں، صحیح نظریۂ زندگی پر ...... عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ثبات و استحکام حاصل ہو جاتا ہے (۱۴: ۲۷)

دنیاوی آسائشوں سے محرومی خدا کا عذاب ہے

۱۔ خوف اور بھوک خدا کا عذاب ہے۔ (۱۶: ۱۱۲)

۲۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتیگا اس کی معیشت تنگ ہو جائے گی۔ اور جس کی یہاں معیشت تنگ ہو جاتی ہے اسے آخرت میں بھی اندھا اٹھایا جاتا ہے۔ (۲۰: ۱۲۴)۔ یہاں کا اندھا، وہاں بھی اندھا ہوتا ہے۔ (۱۷: ۷۲)

۳۔ دنیاوی زندگی میں ذلت خدا کا عذاب ہے۔ (۲: ۶۱)۔(۲: ۸۶)۔(۲: ۱۴۴)۔(۳: ۱۱۱)۔(۵: ۳۳) (۵: ۴۱)۔(۷: ۱۵۲)۔(۹: ۲۲)۔(۳۹: ۲۶)۔(۱۶: ۴۱)۔ اس عذاب سے محفوظ رہنا خدا کی رحمت ہے۔ (۱۱: ۶۶)

۴۔ حسنات سے عزت ملتی ہے۔ سیاٰت سے ذلت۔ (۱۰: ۲۶)

۵۔ ایمان لے آنے سے ذلت کا عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ (۱۰: ۹۸)

۶۔ غلط معاشی نظام سے ذلت نصیب ہوتی ہے۔ (۸۹: ۱۶-۲۰)

۷۔ قوانینِ خداوندی کا اتباع نہ کرنے سے ذلت وخواری چھا جاتی ہے۔ (۲۰: ۱۳۴)۔ جو اس طرح ذلیل ہو جائے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ (۲۲: ۱۸)

۸۔ جنگ میں شکست اور ذلت کا عذاب۔ (۹: ۲؛ ۱۴)۔(۹: ۲۶)

۹۔ کائنات پر غور وفکر کرنے سے قومیں ذلت سے محفوظ ہو جاتی ہیں۔ (۳: ۱۸۹-۱۹۱)

۱۰۔ کفار کو چیلنج کر دیکھو! ذلت آمیز عذاب کس پر آتا ہے۔ (۳۹: ۳۹-۴۰)

۱۱۔ منافقین کو دنیا میں عذاب۔ (۹: ۵۵)۔(۲۲: ۱۱)

۱۲۔ قحط سالی اور پیداوار کی کمی خدا کا عذاب ہے۔ (۷: ۱۳۰)

۱۳۔ شکر سے نعمتوں میں اضافہ۔ کفران سے عذاب۔ (۱۴: ۷)۔ کفرانِ نعمت کرنے والے لیڈر قوم کو ذلت ورسوائی کے جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۱۴: ۲۸-۲۹)

۱۴۔ اقوام کی اس دنیا میں تباہی - (۵۰ : ۱۰) — (۶۷ : ۱۱) — (۹۴ : ۱۱) (۴۵ : ۱۶)
(۵۹-۵۷ : ۱۸) — (۶۹-۶۳ : ۱۹) — (۱۵۱-۱۴۶ : ۲۶) — (۵۸ : ۲۸)

۱۵۔ لوگوں کے غلط اعمال سے دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے اور وہ پھر اس کا مزہ چکھتے ہیں۔ (۴۲-۴۱ : ۳۰) - باغ والوں کی مثال۔ (۴۴-۳۲ : ۱۸) — (۳۳-۱۷ : ۶۸)

۱۶۔ سامری کی سزا یہ تھی کہ اُسے اچھوت قرار دے دیا گیا - (۹۷ : ۲۰)

مومنین کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں

۱۔ جو دنیاوی مفاد چاہتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا کے ہاں دنیا اور آخرت دونوں کے مفاد ہیں۔ (۱۴۴ : ۳) — (۱۵۱ : ۳) — (۱۳۴ : ۴)

۲۔ دنیاوی زینت کی چیزوں کو کون حرام قرار دے سکتا ہے یہ یہاں بھی مومنوں کو ملیں گی اور آخرت میں انہی کے لئے مخصوص ہوں گی - (۳۲ : ۷)

۳۔ مومنین کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں ہیں - (۲۰۱ : ۲) - (۱۵۶ : ۷) - (۶۵-۶۲ : ۱۰) (۳۰ : ۱۶) - (۵۱ : ۴۰) - (۳۱-۳۰ : ۴۱) - دونوں میں ثبات و استحکام ملتا ہے - (۲۷ : ۱۴) - ارض و سما کے دروازے کھل جاتے ہیں - (۱۴۷ : ۳) - (۹۶ : ۷) -

۴۔ دنیا اور آخرت دونوں کی بابت غور و فکر کرنا چاہیئے۔ (۲۲۰ : ۲)

۵۔ خدا مومنین کا دنیا اور آخرت دونوں میں سرپرست ہوتا ہے - (۱۰۱ : ۱۲) - انہیں دونوں میں مدد دیتا ہے - (۱۵ : ۲۲) - اس کی رحمت ہوتی ہے - (۱۳۴ : ۴) - (۱۴ : ۲۴)

۶۔ ہجرت کرنے والوں کی یہ دنیا بھی خوشگوار اور آخرت بھی - (۴۱ : ۱۶)

۷۔ جنت بھی اور فتح قریب بھی - (۱۳-۱۰ : ۶۱)

۸۔ مومن اور کافر کی نہ زندگی ایک جیسی ہو سکتی ہے نہ موت - (۲۱ : ۴۵)

۹۔ حضرت ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی منتخب کیا اور آخرت میں بھی - (۱۳۰ : ۲) - (۱۲۱ : ۱۶) - (۲۷ : ۲۹)

۱۰۔ حضرت عیسےٰؑ وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ - (۴۴ : ۳)

۱۱۔ بیوی بچے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں لیکن مقصد متقیوں کا امام بننا ہے - (۷۴ : ۲۵)

۱۲۔ جسے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں ملی ہوں، اس کے برابر وہ کیسے ہو سکتا ہے جسے صرف متاعِ دنیا حاصل ہو اور اس کی آخرت تاریک ہو۔ (۲۸ : ۶۱)

دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب

۱۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھایا جاتا ہے۔ (۲۰ : ۱۲۴)۔ یہاں کا اندھا وہاں کا بھی ہی ہوتا ہے۔ (۱۷ : ۷۲)

۲۔ کتاب کے ایک حصے پر ایمان لانے اور دوسرے سے انکار کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ہوتا ہے (۲:۸۵-۸۶)

۳۔ اسلامی نظام کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب۔ (۵ : ۳۳) - (۹ : ۷۴) - (۳۳ : ۵۷) - (۴۷ : ۵۲) - (۳۳ : ۶۸)

۴۔ خدا کی راہ سے روکنے والوں کا یہی انجام ہو گا۔ (۲ : ۱۱۴) - (۱۱ : ۱۹-۲۲) - (۱۳ : ۳۴) - (۵ : ۲۷) - (۲۴ : ۳۹) - (۴۰ : ۳۹)

۵۔ مومن عورتوں کے خلاف ناحق تہمت لگانے والے۔ (۲۴ : ۲۳) فواحش پھیلاتے والے (۲۴ : ۱۹)۔ (ان مقامات میں اور ۳ میں۔ دنیا کا عذاب، حکومت کی طرف سے سزا کے طور پر وارد ہوتا ہے۔)

۶۔ منافقین اور کفار سے جنگ کرو۔ انہیں دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔ (۹ : ۷۴)

۷۔ یہودیوں کی سزا۔ (۳ : ۲۰-۲۱) - (۵ : ۴۱) - (۳ : ۵۹)

۸۔ خدا کے بارے میں ناحق جھگڑتے والے۔ (۲۲ : ۹)

۹۔ تذبذب کی حالت میں رہنے والوں کا انجام۔ (۲۲ : ۱۱)۔ منافقین کا۔ (۹ : ۶۹)

۱۰۔ مرتد کے اعمال، دنیا اور آخرت دونوں میں رائیگاں جاتے ہیں۔ (۲ : ۲۱۷)

۱۱۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ اگر (بفرضِ محال) تو ان کفار کی طرف ذرا سا بھی جھک جاتا تو تمہیں دنیا اور آخرت دونوں میں دگنی سزا ملتی۔ (۱۷ : ۷۴-۷۵)

۱۲۔ سرکش اور جابر آخرالامر ناکام رہتے ہیں۔ اور پھر انہیں جہنم کا عذاب بھی ملتا ہے۔ (۱۴ : ۱۵-۱۶)

۱۳۔ اقوامِ سابقہ کی اس دنیا میں تباہی اور پھر آخرت کا عذاب۔ (۱۱ : ۶۰) - (۱۱ : ۶۷) - (۱۱ : ۹۴) - (۱۱ : ۹۹) - (۱۴ : ۲۶-۲۷) - (۱۸ : ۵۷-۵۹) - (۴۲ : ۲۸) - (۱۴ : ۴۱)

۱۴۔ حضرت عیسٰیؑ کی تعلیم سے انکار کرنے والوں (خانقاہیت کے پرستاروں) کو دنیا اور آخرت میں عذاب۔ (۵۵ : ۳)

دنیاوی مفاد اور مستقل اقدار (آخرت) میں تصادم کے وقت مستقل اقدار کو ترجیح دینی چاہیئے

حیوٰۃ الدنیا اور حیاتِ آخرت کا تقابل

۱۔ بیوی بچے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں لیکن مقصد امام المتقین بننا ہے۔ (۷۴ : ۲۵)

۲۔ تم (جنگ کے وقت) صرف مفادِ دنیا چاہتے تھے، لیکن خدا چاہتا تھا کہ تمہاری نگاہ آخرت پر رہے (۶۷ : ۸)-(۳۸ : ۹)

۳۔ جو اس طرح کے تصادم کے وقت صرف دنیا چاہتا ہے، اسے دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ لیکن جو آخرت کو ترجیح دیتا ہے اس کی عاقبت خوشگوار ہو جاتی ہے۔ (۲۰ : ۴۲)

۴۔ لوگ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتے ہیں اور جب اس سے نجات مل جاتی ہے تو اس سے سرکشی برتنے لگ جاتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ مفادات جن کی خاطر وہ ایسا کرتے ہیں عارضی ہیں۔ آخری فیصلے خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ہوتے ہیں۔ (۲۳ : ۱۰)

۵۔ دنیاوی متاع وجہِ کشش ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم مستقل اقدار کے ساتھ ٹکراؤ کے وقت کیا کرتے ہو۔ (۷ : ۱۸)

۶۔ جو مستقل اقدارِ حیات کو بیچ کر متاعِ دنیا خرید لیتے ہیں، وہ سخت تباہی میں جا گرتے ہیں۔ (۸۶ : ۲) — (۷۴ ، ۴) - (۷۵ : ۱۶)

۷۔ جو مفادِ آخرت کے مقابلہ میں متاعِ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ سخت گمراہی میں ہیں۔ (۳ : ۱۴) - (۹۶-۹۵ : ۱۶) (۱۰۹-۱۰۷ : ۱۶) - (۸۱-۷۹ : ۲۸) - (۳۸-۳۷ : ۷۹) - (۱۷-۱۶ : ۸۷)

۸۔ مستقل اقدار سے انکار کرنے والوں کو دنیاوی مفاد بہت دیدہ زیب نظر آتے ہیں۔ (۲۱۲ : ۲)

۹۔ جسے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں حاصل ہوں اس کے برابر وہ کیسے ہو سکتا ہے جسے صرف متاعِ دنیا حاصل ہو اور اس کی آخرت تاریک ہو۔ (۶۱ : ۲۸)

۱۰۔ دنیاوی مفاد اور مفادِ اُخروی کا مقابلہ ہو، تو دنیاوی مفاد ہیچ ہو جاتے ہیں بہت کم قیمت۔ (۱۴-۱۳ : ۳) — (۷۷ : ۴) - (۳۸ : ۹) - (۲۶ : ۱۳) - (۹۶-۹۵ : ۱۶) - (۴۶-۴۵ : ۱۸) - (۶۰ ۲۸) - (۳۹ : ۴۰) (۳۶ : ۴۲) - (۳۵ : ۴۳) - (۳۶ : ۴۷) - (۲۰ : ۵۷)

۱۱۔ حیاتِ اخروی کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی لہو ولعب کی حیثیت رکھتی ہے (۶ : ۳۱-۳۲) - (۲۹ : ۶۴) - (۴۳ : ۸۳) - (۴۷ : ۳۵) - (۵۷ : ۲۰) - جو کچھ خدا سے ملتا ہے وہ لہو اور تجارت سے زیادہ نفع بخش ہے - (۶۲ : ۱۱) - "حیات" کہلانے کی مستحق حیاتِ اُخروی ہے - (۲۹ : ۶۴) - (۸۹ : ۲۴)

۱۲۔ ایسے تصادم کے وقت، متاعِ دنیا بڑی فریب انگیز بن جاتی ہے۔ (۳ : ۱۸۴) - (۶ : ۱۳۱) - (۶ : ۷۰) - (۷ : ۵۱) - (۳۱ : ۳۳) - (۳۵ : ۵) - (۴۵ : ۳۵) - (۵۷ : ۱۴) - (۵۷ : ۲۰)

۱۳۔ جو اس طرح متاعِ دنیا سے فریب کھا جاتے ہیں وہ مستقل اقدار (اپنے دین) کو لہو ولعب (مذاق) سمجھنے لگ جاتے ہیں (۵ : ۵۷-۵۸) - (۶ : ۷۰) - (۷ : ۵۱) - (۴۵ : ۳۵)

۱۴۔ دیکھنا! مال و دولت کی فراوانی تمہیں مستقل اقدار (قوانینِ خداوندی) کی طرف سے غافل نہ کر دے۔ (۶۳ : ۹-۱۱) - باغ والوں کی مثال - (۱۸ : ۳۲-۴۴) - (۶۸ : ۱۷ تا ۳۰) - نہ ہی بیوی بچوں کی کشش - (۶۳ : ۹) - (۶۴ : ۱۴) مومنین کو یہ غافل نہیں کر سکتی - (۲۴ : ۳۷)

۱۵۔ اگر دنیا کی کوئی کشش، نظامِ خداوندی اور جہاد سے عزیز تر ہوگئی تو ایمان گیا۔ (۹ : ۲۴)

۱۶۔ خبیث و طیب برابر نہیں ہو سکتے، خواہ خبیث کی کثرت تمہیں کتنی ہی کیوں نہ لبھائے۔ (۵ : ۱۰۰)

۱۷۔ جو لوگ ایمان کے بدلے کفر خریدتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (۳ : ۱۷۵-۱۷۶) - ان کے برعکس، مومن، دنیا کے بدلے آخرت خریدتے ہیں - (۴ : ۷۴)

طبیعی قوانین کے اتباع سے دنیاوی مفاد حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے ساتھ مستقل اقدار کا خیال نہ رکھا جائے تو مآل کار تباہی آجاتی ہے۔

۱۔ دنیاوی زینت کی چیزیں یہاں ہر ایک کو مل سکتی ہیں، لیکن آخرت میں یہ مومنین کے لئے مخصوص ہونگی۔ (۷ : ۳۲)

۲۔ جو صرف دنیا چاہتا ہے اسے یہ مل جاتی ہے۔ جو دنیا اور آخرت دونوں چاہتا ہے اسے دونوں مل جاتی ہیں - (۲ : ۲۰۰) - (۳ : ۱۴۴) - (۳ : ۱۵۱) - دنیاوی معیشت خدا کے قانونِ (طبیعی) کے مطابق تقسیم ہوتی ہے - (۴۳ : ۳۲)

۳۔ جو صرف مفادِ دنیا چاہتا ہے۔ (اور ان کے حصول کے لئے طبیعی قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتا ہے) اسے یہ مفاد مل

جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ مستقل اقدار سے اعراض برتتا ہے اس لئے اس کا مستقبل تاریک ہوتا ہے۔ (۲ : ۱۲۶)
(۲ : ۲۰۰) – (۲ : ۲۱۲) – (۷ : ۳۲) – (۱۱ : ۱۵-۱۶) – (۱۷ : ۱۸-۲۰) – (۳۱ : ۲۴) –
(۳۹ : ۸) – (۴۲ : ۲۰) – (۴۶ : ۲۰)۔ یہ صرف مفادِ عاجلہ چاہتے ہیں۔ (۹ : ۶۹) – (۱۰ : ۷) –
(۱۱ : ۴۸) – (۱۴ : ۳۰) – (۱۸ : ۲۵) – (۳۰ : ۷) – (۷۵ : ۲۰-۲۱) – (۷۶ : ۲۷)

۴۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم اپنا حصہ دنیا میں لے چکے، اب جہنم میں جاؤ۔ (۴۶ : ۲۰)

۵۔ خدا پر افتراء باندھنے والوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ (۱۰ : ۷۰) از خود حرام و حلال کی فہرستیں مرتب کرنے والوں کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ (۱۶ : ۱۱۶)۔ یہ لوگ ایمان کے بدلے کفر خرید لیتے ہیں۔ (۳ : ۱۷۵–۱۷۶)۔ ان کے برعکس مومن، دنیا کے بدلے آخرت خریدتے ہیں۔ (۴ : ۷۴)

۶۔ بے شمار قوموں کی یہی حالت ہوئی۔ انہیں کثرت سے مال و دولت اور شان و شوکت میسر آ گئی لیکن ان کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ ہوا۔ یعنی اسی دنیا میں ان کا مستقبل تاریک ہو گیا۔ آخرت میں ان کے لئے الگ عذاب ہوگا۔
(۳ : ۱۳۶) — (۶ : ۶) — (۶ : ۱۱) — (۶ : ۴۲-۴۵) — (۶ : ۴۴) – (۹ : ۶۹) –
(۹ : ۸۵) – (۱۰ : ۱۳) – (۱۰ : ۸۸) – (۱۶ : ۳۶) — (۲۱ : ۱۱) — (۲۷ : ۶۹) – (۳۰ : ۴۲) –
(۳۴ : ۳۳-۳۶) — (۳۵ : ۴۴) — (۴۰ : ۲۱) — (۴۰ : ۸۲) — (۴۵ : ۳۲)
(اس ضمن میں عنوانات – قوم – اور قوموں کے عروج و زوال کے ابدی اصول – بھی دیکھئے)

۷۔ انہی کو مترفین کہا گیا ہے جن کا انجام جہنم ہے۔ (۵۶ : ۴۴-۴۵) – (۷۷ : ۴۶) – (۷۹ : ۳۸)۔ یہی لوگ انبیاء کرامؑ کی دعوت کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ (۲۳ : ۳۳)

۸۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ زندگی صرف اسی دنیا کی ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں۔ (۶ : ۲۹) – (۲۳ : ۳۷) – (۴۵ : ۲۴)
یہ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۱۵ : ۳) – (۴۷ : ۱۲)۔ ان کے تمام اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۱۸ : ۱۰۲-۱۰۴)
ان کے لئے تھوڑے وقت کے لئے ہنسنا اور زیادہ وقت کے لئے رونا ہے۔ (۹ : ۸۲)

۹۔ جو صرف مفادِ دنیا کی خاطر خرچ کرتا ہے۔ اس کی کھیتی تباہ ہو جاتی ہے (۳ : ۱۱۶)۔ وہ کھیتی زمین کے اوپر ہی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے اعمال کے نتائج میں ثبات نہیں ہوتا۔ (۱۰ : ۲۴) – (۱۸ : ۴۵-۴۶)

۱۰۔ ان لوگوں کو جب متاعِ دنیا حاصل ہوتی ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر انعامات خداوندی کی بارش ہو رہی ہے اور نہیں جانتے کہ ان کا انجام تباہی ہے۔ (۲۳ : ۵۵)۔ تم ان کے ساز و سامان کو دیکھ کر کسی فریب میں مت آ جاؤ۔ یہ تو ان کے لئے

فتنہ بن جائے گا۔ (۸۵ : ۹) - (۱۳۱ : ۲۰) - (۳۳ : ۳۱) - (۵ : ۳۴) - (۴۰ : ۴)۔ یہ ابلیس کی فریب انگیزی ہے - (۳۹ : ۱۵)۔ اس کی ہوس موت تک ختم نہیں ہوسکتی - (۸-۱ : ۱۰۲)۔ اس سے انسان مستقل اقدار کی طرف سے غافل ہوجاتا ہے اور جہنم میں جاگرتا ہے -

۱۱- ایسے لوگوں سے اعراض برتو - ان کا مبلغ علم ہی اتنا ہے - (۲۹ : ۵۳)

۱۲- خدا چاہتا ہے کہ وہ انسان کو آسمان کی بلندیوں تک لے جائے لیکن یہ زمین کی پستیوں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ اور ذلیل و خوار ہوجاتا ہے - (۱۷۷-۱۷۶ : ۷)

۱۳- انہیں اسی کھیل کود میں مست رہنے دو - (۸۳ : ۴۳)

متفرق

۱- ماں باپ کے ساتھ دنیا میں رفاقت کرو - (۱۶ : ۳۱)

۲- کفر و شرک کی طرف دعوت کا دنیا اور آخرت دونوں میں کوئی وزن نہیں - (۴۳ : ۴۰)

۳- سماء میں بھی وہی الٰہ ہے اور ارض میں بھی وہی - (۸۴ : ۴۳)۔ اگر ان میں الگ الگ الٰہ ہوتے تو فساد برپا ہو جاتا - (۲۲-۲۱ : ۲۱)

۴- ساحرینِ دربارِ فرعون کا فرعون کو جواب کہ تیری دسترس صرف ہماری دنیاوی حیات تک ہوسکتی ہے تو ہمیں طبعی نقصان پہنچا سکتا ہے - اس سے آگے تو کچھ کر ہی نہیں سکتا - (۷۲ : ۲۰)

۵- حضورؐ کی ازواجِ مطہراتؓ سے کہا گیا کہ اگر تم متاعِ دنیا چاہتی ہو تو تمہیں قیدِ نکاح سے آزاد کردیا جاسکتا ہے - (۲۸ : ۳۳)

۶- یونہی مفادِ دنیا حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے جنگ چھیڑ دیا کرو - (۹۴ : ۴)

۷- اپنی لونڈیوں کو عصمت فروشی پر مجبور مت کرو کہ اس سے دنیاوی فائدہ حاصل کرو - (۳۳ : ۲۴)

۸- دنیاداری کی چکنی چپڑی باتیں کرنے والے منافق - (۲۰۶ - ۲۰۴ : ۲)

۹- اس دنیا کی زندگی میں تم ان کے طرفدار ہو سکتے ہو لیکن بتاؤ کہ مکافاتِ عمل کے خلاف ان کا حامی کون ہوگا - (۱۰۹ : ۴)

۱۰- مذہبی پیشوا محض دنیاوی زندگی کے مفاد کے اشتراک پہ باطل پرستی اختیار کئے رہتے ہیں - (۲۵ : ۲۹)

۱۱- دنیاوی معیشت ہمارے طبعی قانون کے مطابق تقسیم ہوتی ہے - (۳۲ : ۴۳)

۱۲- مسلمانوں کی ابتدائی زندگی میں ہنوز غربت تھی - رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ کفار کی متاعِ حیات کی کشش تمہیں ان غریب

رفیقوں کی طرف سے بے رخی برتنے کا موجب نہ بن جائے ۔ (۲۸ : ۱۸)

---(٠)---

۶۔ دوستی

دوستی ۔ قرآنِ کریم میں دوستی کی ایک نوعیت تو وہ بیان کی گئی ہے جو انسان کو خدا سے یا خدا کو انسان سے ہے اسے ولی کے عنوان میں بیان کیا جائے گا۔ دوستی کی دوسری قسم وہ ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے سے ہوتی ہے۔ زیرِ نظر عنوان میں، دوستی کی اسی قسم کے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

قرآن کریم، انسانوں کے باہمی تعلقات دو قسم کے بتاتا ہے ۔ ایک تعلق وہ ہے جو جماعتِ مومنین کے ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اسے قلبی تعلق کہا جائے گا۔ اس قسم کے تعلقات میں باہمی کوئی راز نہیں ہوتا۔ کسی قسم کی غیریت، اجنبیت اور دوئی نہیں ہوتی۔ یہ "من تو شدم تو من شدی" کی کیفیت ہوتی ہے۔ تعلقات کی دوسری قسم، وہ ہوتی ہے جو مختلف اقوام میں، معاہدات کی رو سے پیدا ہوتے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ اس قسم کے تعلقات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ پہلی قسم کے نہیں ۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی رو سے، محبت یک قلبی اور رازداری کا رشتہ، آئیڈیالوجی کے اشتراک سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا، جو لوگ آئیڈیالوجی میں مشترک نہ ہوں، ان سے اس قسم کے تعلقات پیدا نہیں ہو سکتے ۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جن لوگوں سے اس قسم کے یک دلی کے تعلقات نہ رکھے جا سکیں، ان سے عام انسانیت کا سلوک بھی نہ کیا جائے۔ آجکل دنیا میں تو یہی ہو رہا ہے ۔ انسانیت کا سلوک اپنی قوم کے افراد سے ہی کیا جاتا ہے۔ غیر اقوام کے افراد سے ایسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ لیکن قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ انسانیت کا سلوک ہر انسان سے کیا جائے گا۔ خواہ وہ تمہاری جماعت کا فرد (مومن) ہو اور خواہ غیر مسلم ۔ حتیٰ کہ خواہ وہ تمہارا دشمن بھی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی عدل و انصاف کیا جائے گا۔

جماعتِ مومنین کے باہمی تعلقات

۱۔ مومنین کے دوست، خدا اور اس کا رسول اور جماعتِ مومنین کے افراد ہیں۔ یہی وہ گروہ ہے جو غالب آئیگا (۵ : ۵۵-۵۶)

۲۔ مومن ایک دوسرے کے سامنے جھک جانے والے۔ اور غیروں کے مقابلہ میں سخت ہیں۔ (۵۴ : ۵)۔ (۲۹ : ۴۸)

۳۔ مومن۔ مہاجرین و انصار۔ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۷۲ : ۸) جنہوں نے ہجرت نہیں کی وہ ان میں شامل نہیں۔ (۸۹ - ۸۸ : ۴)۔ (۷۲ : ۸)۔ کفار ایک دوسرے کے دوست۔ (۷۳، ۷۲ : ۸)

۴۔ مومن آپس میں دینی بھائی ہیں۔ (۱۰ : ۴۹)۔ البتہ قانون کی رو سے رشتہ داری کے حقوق الگ ہیں۔ (۶ : ۲۳)

۵۔ مومن ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۷۱ : ۹)

۶۔ خدا نے اپنے انعامِ خصوصی سے مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا۔ (۱۰۲ : ۳)۔ (۱۰ : ۴۹)۔ ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا۔ الف بین قلوبہم۔ (۱۰۲ : ۳)۔ یہ وہ چیز ہے جو ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے پر بھی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ (۶۴ : ۸)

۷۔ اگر کبھی مومنین کی دو پارٹیوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر جو پارٹی اس صلح نامہ کی خلاف ورزی کرے اسے بزورِ حق کے سامنے جھکاؤ۔ (۹ : ۴۹)

۱۸۔ باہمی مودت کے تعلقات۔ (۹۶ : ۱۹)

غیرمسلموں کے ساتھ تعلقات

۱۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ اگر تم نے یہود و نصاریٰ کا اتباع کیا تو خدا سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔ (۱۲۰ : ۲)۔ (۹۹ : ۳)۔ کفار کی اطاعت بھی نہیں۔ (۱۴۸ : ۳)

۲۔ کوئی مومن کسی غیرمسلم (کافر) کے ساتھ دوستی کے تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ جو ایسا کرے گا اس سے خدا کا کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔ غیرمسلموں کی طرف سے تخریب سے بچنے کے لئے پوری پوری تدابیر کرنی چاہئیں۔ (۲۷ : ۳)

۳۔ تم اپنے سوا کسی کو بھی اپنا راز دار دوست مت بناؤ۔ وہ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے وہ تمہاری کامیابی سے ناخوش اور ناکامی سے خوش ہوتے ہیں۔ ان کے سینوں میں تمہارے خلاف بغض کی آگ شعلہ زن ہوتی ہے۔ (۱۱۹ - ۱۱۷ : ۳)۔ (۵۰ : ۹)

۴۔ یہ تمہارے دشمن ہیں۔ (۴۵ : ۴)۔ (۱۰۱ : ۴)

۵۔ منافقین کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ تمہیں بھی اپنے ہی جیسا کافر بنا دیں گے۔ ان "منافقین" میں وہ مسلمان بھی شامل تھے۔ جنہوں نے (استطاعت رکھنے کے باوجود) ہجرت نہیں کی تھی۔ (۸۹ - ۸۸ : ۴)—

(۸ : ۷) - (۹ : ۵۰) - (۴ : ۶۳)

۶- جو لوگ خدا کی ہدایت کے بعد، سبیل المومنین چھوڑ کر غیر مسلموں سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں تو ان کا شمار انہی میں سے ہو جاتا ہے - (۴ : ۱۱۵)

۷- جو لوگ غیر مومنین کے ساتھ دوست داری کے تعلقات رکھتے ہیں۔ کیا وہ ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ عزت تمام تر قوانین کی رو سے حاصل ہوتی ہے - (۴ : ۱۳۹)۔ ایسے لوگ اپنے خلاف، خدا کی حجت کو مستحکم کر لیتے ہیں - (۴ : ۱۴۴)

۸- یہود و انصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ - وہ (تمہارے خلاف) ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں جو ان سے دوستی رکھیگا وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا۔ (۵ : ۵۱)

۹- جو لوگ تمہارے دین کو مذاق سمجھیں ان سے دوست داری کے تعلقات قائم مت کرو۔ (۵ : ۵۷)

۱۰- یہودیوں کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ کفار سے دوستی رکھتے تھے - (۵ : ۸۰) - اگر یہ مومن ہوتے تو ایسا نہ کرتے (۵ : ۸۱)

۱۱- یہود، مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے - نصاریٰ ان سے ذرا نرم تھے - کیونکہ ان میں ان کے راہب تھے جو طبعاً نرم خو ہوتے ہیں - (۵ : ۸۲)

۱۲- اشتراکِ ذہنیت کی بنا پر ظالمین ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں - (۶ : ۱۳۰)- (۴۵ : ۱۹) - ان کی طرف ذرا نہ جھکو - (۱۱ : ۱۱۳) - (۶۸ : ۸-۹)

۱۳- کفار کے دوست شیاطین ہوتے ہیں۔ (۷ : ۲۷)

۱۴- کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں - (۸ : ۷۳)- یہ تو مومنین کے خلاف، معاہدات کا بھی پاس نہیں کرتے۔ اگر یہ غالب آجائیں تو مومنین کی تخریب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں - (۹ : ۸-۱۰)- اگر یہ اپنا مسلک چھوڑ کر، تمہارے ساتھ آملیں تو پھر تمہارے دین کے بھائی بن جائیں گے - (۹ : ۱۱)

۱۵- جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ خدا جب تک یہ نہ دیکھ لے کہ تم میں سے کون کون کفار کی دوستی نہیں چھوڑتا، اس وقت تک تمہیں نہیں چھوڑے گا - (۹ : ۱۶)

۱۶- اگر تمہارے آباء - اخوان - رشتہ دار - بیوی - بچے کے باشد - اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دیتے ہیں تو ان سے کبھی دوست داری کے تعلقات نہ رکھو - اگر تم ایسا کرو گے تو پھر انتظار کرو کہ خدا تمہارے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے - وہ تمہیں کبھی کامیابی کی راہ نہیں دکھائے گا - اس لئے کہ اس صورت میں تم مومن نہیں، فاسق ہو گے

(۲۴ - ۲۳ : ۹)۔ مومن کبھی ایسا نہیں کریں گے ۔ (۲۲ : ۵۸)

۱۷۔ مشرکین نجس ہیں۔ انہیں مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے دو۔ (۲۸ : ۹)۔ ان سے اعراض برتو۔ (۹۴ : ۱۵)

۱۸۔ شیطان اور اسکی ذریت کی دوستی، خدا کی مخالفت ہے (۵۱ : ۱۸)۔ (۴۵ : ۱۹)۔ (۴-۳ : ۲۲)

۱۹۔ معبودانِ باطل مومنین کے دشمن ہوتے ہیں۔ (۷۷ : ۲۶) ــــ (۲۰)۔ کفار کے پشت پناہ مت بنو۔ (۸۶ : ۲۸)

۲۱۔ جن لوگوں پر خدا کا غضب ہے ان سے دوستی مت رکھو۔ (۱۴ : ۵۸)۔ (۱۳ : ۶۰)

۲۲۔ خدا کے دشمن اور اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستی مت رکھو۔ تمہارے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں اسوہ حسنہ ہے جنہوں نے علانیہ ان لوگوں سے تعلقات منقطع کر لئے۔ (۷-۱ : ۶۰)۔ ان لوگوں سے تم انصاف و احسان کا برتاؤ کر سکتے ہو لیکن دوست داری کے تعلقات قائم نہیں کر سکتے (۹-۸ : ۶۰)۔

۲۳۔ جو دین کی تکذیب کرتے ہیں ان کی طرف ذرا نہ جھکو۔ ان سے مفاہمت مت کرو۔ (۱۱۳ : ۱۱)۔ (۹-۸ : ۶۸)

۲۴۔ جو لوگ کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں وہ منافق ہیں۔ کیا یہ ان کے ہاں عزت ڈھونڈتے ہیں؟ عزت تو سب کے سب قوانین خداوندی کے ساتھ متمسک رہنے سے ملتی ہے ۔ (۱۳۹ : ۴)

۲۵۔ ان کفار سے حسن کارانہ انداز سے الگ ہو جاؤ۔ (۸۵ : ۱۵)۔ (۱۰ : ۷۳)

۲۶۔ ظالمین ایک دوسرے کے دوست ہیں (۱۹ : ۴۵) ــــ (۲۷) منافقین تمہارے دشمن ہیں ۔ (۴ : ۶۳)

مؤدّت

۱۔ میاں بیوی کے باہمی تعلقات مؤدّت کے ہونے چاہئیں ۔ (۲۱ : ۳۰)

۲۔ رسول اللہؐ نے مخالفین (قریش) سے کہا کہ میں تم سے اجرِ رسالت تو کچھ نہیں مانگتا لیکن تم کم از کم باہمی رشتہ داری کے تعلقات کا تو پاس کرو۔ (۲۳ : ۴۲)

۳۔ معبودانِ باطل (بت) ان لوگوں میں باہمی تعلقات کا موجب بن جاتے ہیں ۔ (۲۵ : ۲۹)

۴۔ غیر مسلموں کے ساتھ مودّت کے تعلقات استوار نہیں کئے جا سکتے ۔ (۱ : ۶۰)۔ ہاں! یہ اگر خدائے واحد پر ایمان لے آئیں تو پھر تمہارے دوست بن سکتے ہیں ۔ (۷ ; ۴ : ۶۰)

۵۔ خدا مومنین کے دل میں جذباتِ مؤدّت پیدا کرے گا ۔ (۹۶ : ۱۹)

نوٹ :۔ خدا کی ایک صفت الودود بھی ہے ۔ (۹۰ : ۱۱)۔ (۱۴ : ۸۵)

قانونِ مکافات کے خلاف کسی کی دوستی کام نہیں آسکے گی

۱۔ جب اعمال کے نتائج سامنے آئیں گے تو کسی کی دوستی کسی کے کام نہیں آئے گی۔ (۲ : ۲۵۴)-(۴۱ : ۴۴)

۲۔ قیامت میں مجرم کہے گا کہ کاش! میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا۔ (۲۵ : ۲۸)

۳۔ قیامت میں خدا کے سوا کوئی دوست نہیں ہوگا۔ (۴۲ : ۴۶)-(۴۵ : ۱۰)

۴۔ وہاں دوست بھی دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن متقین ایک دوسرے کے دوست ہوں گے۔ (۴۳ : ۶۷)

۵۔ کوئی دوست دوسرے کے کام نہیں آئے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ (۷۰ : ۱۰-۱۱)

(-)

دولت

دولت۔ کے معنی گردش کرتے کے ہیں۔ جن معانی میں دولت کا لفظ ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے ان معانی میں یہ لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اس کے لئے مال کا لفظ آیا ہے جسے "اموال" کے عنوان میں لکھا جاچکا ہے۔ (نیز انفاق اور بخل کے عنوانات میں بھی۔ اور "معاشی نظام" کے عنوان میں اسے تفصیل سے لکھا جائے گا) زیرِ نظر عنوان میں یہ بتایا جائیگا کہ قرآن کریم نے انسانی زندگی میں دولت کا کیا مقام بتایا ہے۔

مال و دولت خدا کا انعام ہے اور اس کا حاصل کرنا ضروری۔ مفلسی اور غریبی خدا کا عذاب ہے اور ایسی حالت پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا، قرآن کریم کے نزدیک مغضوب علیہ قوم کا شیوہ۔ لیکن دولت، مقصود بالذات نہیں، مختلف مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ دولت کا اچھا یا برا ہونا اس مقصد کی نسبت سے متعین ہوگا جس کے حصول کے لئے اسے صرف کیا جائے گا۔ دولت کو خدا کے بتائے ہوئے (جائز) طریقوں سے حاصل کرنا، اور پھر اسے اس کے متعین کردہ مقاصد کے حصول کے لئے صرف کرنا، یہ ہے مومن کا طریقِ زندگی۔ محض دولت، عزت و تکریم کا معیار نہیں قرار پاسکتی۔

حضرات انبیاء کرام کی دعوتِ انقلاب پر سب سے پہلے غریبوں کی جماعت لبیک کہتی تھی۔ کیونکہ وہ انقلاب، دنیا سے سلب و نہب کا نظام مٹا کر اس کی جگہ ایسے نظام کے قیام کے لئے لایا جاتا تھا جس میں کوئی انسان کسی دوسرے کی محنت پر ڈاکہ نہ ڈال سکے۔ اور یہی وجہ تھی کہ دولت مند طبقہ اس دعوت کی مخالفت میں سب سے پہلے آگے بڑھتا تھا۔ یہ طبقہ ہر

جائز اور ناجائز طریقہ سے دولت کماتا ہے۔ غلط معاشرہ ان کے محض دولت مند ہونے کی وجہ سے، انہیں عزت و تکریم کا بلند مقام دے دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی دولت و قوت کے نشہ میں بدمست ہو کر حق کی آواز اور اس آواز کو بلند کرنے والی غریبوں کی جماعت کا تمسخر اڑاتا، انہیں اذیتیں پہنچاتا، اور چاہتا ہے کہ اس نئے نظام میں بھی انہیں، محض دولت کی بنا پر، بلند مقام دیا جائے۔ یہ انقلاب اس کی اجازت نہیں دیتا اور ان سے کسی مفاہمت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ آخرالامر حق غالب آتا ہے۔ اور ان کا مال و دولت، انہی غریبوں کی جماعت کے ہاتھ آجاتا ہے جو اسے نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے عام کر دیتی ہے۔

اس دولت مند طبقہ کو قرآن کریم مختلف اصطلاحات سے پکارتا ہے۔ کہیں انہیں مترفین کہتا ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی کمائی پر عیش و آرام کی زندگی بسر کریں۔ کہیں انہیں الملاء کہتا ہے۔ اس کا عام ترجمہ تو "سرداران قوم" کیا جاتا ہے لیکن بنیادی طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے خزانے بھرے ہوئے ہوں۔ وہ انہیں کہیں "اولی النعمۃ" کہتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کے پیغام کی مخالفت ان سب کی طرف سے ہوتی تھی۔

انبیاءؑ کی دعوت پر سب سے پہلے غریبوں کی جماعت لبیک کہتی تھی

۱۔ خود نبی اکرمؐ غریب تھے۔ خدا نے انہیں غنی کر دیا تھا۔ (۹۳ : ۸)

۲۔ اپنی دعوت کے آغاز میں حضورؐ کے پاس دولت کے خزانے نہیں تھے جن کی کشش سے لوگ آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ (۶ : ۵۰)

۳۔ بعد میں حضورؐ ایک مملکت کے سربراہ تھے لیکن افرادِ معاشرہ کی معاشی ذمہ داریاں اس قدر تھیں کہ مملکت کے پاس بھی وافر سامان و ذرائع نہیں تھے۔ (۹ : ۹۲)

۴۔ قریشِ مکہ ان مفلس مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ (۲ : ۲۱۲) - (۹ : ۷۹) - اور انہیں بے وقوف کہتے تھے۔ (۲ : ۱۳)

۵۔ رسول اللہؐ سے ارشاد کہ ان رفقاء کی غربت (افلاس) کی وجہ سے انہیں دھتکار نہ دیں۔ (۶ : ۵۲) - (۱۸ : ۲۸) یہ متاعِ بے بہا ہیں۔ (۸ : ۶۲ - ۶۴) - (۱۵ : ۸۸) - (۲۶ : ۲۱۵)

۶۔ حضرت نوحؑ سے طبقۂ امراء کا مطالبہ کہ اپنے ساتھیوں کو جو ادنےٰ درجہ کے لوگ ہیں، الگ کر دیجئے تو ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ آپ کا انکار۔ (۱۱ : ۲۷ - ۲۹) - (۱۱ : ۳۸) - (۲۶ : ۱۱۱ - ۱۱۵)

محض دولت وجۂ تکریم نہیں ہو سکتی

۱۔ بنی اسرائیل کا اعتراض کہ طالوت کو ہمارا کمانڈر کیوں مقرر کیا جارہا ہے۔ اس کے پاس تو مال و دولت نہیں ہے۔ (۲ : ۲۴۷)

۲۔ شہادت سچی دو، خواہ وہ امیر آدمی کے بھی خلاف کیوں نہ جائے۔ قانون کی نگاہ میں، امیر اور غریب دونوں برابر ہیں۔ (۴ : ۱۳۵)

۳۔ غلط کار دولت مند جہنم میں، اور صحیح راستے پر چلنے والے غریب، جنت میں۔ (۷ : ۴۸-۴۹)

۴۔ مال و دولت کی فراوانی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ مقصودِ حیات حاصل ہو گیا۔ مقصد اسے حاصل ہو گا جو اس کے ساتھ قوانینِ خداوندی کا بھی اتباع کرے۔ (۲۳ : ۵۵-۶۰)

۵۔ معیارِ تکریم تقویٰ (بلندیٔ کردار اور پاکیزگیٔ سیرت۔ ذاتی جوہر) ہے۔ (۴۹ : ۱۳)

دولت مند اس انقلاب کی مخالفت کرتے تھے۔

۱۔ رسول اللہ کی مخالفت قریش کے الملاء کی طرف سے ہوئی۔ (۳۸ : ۶)

۲۔ حق کی مخالفت کرنے والے، اکابر مجرمین ہوتے تھے۔ (۶ : ۱۲۴)

۳۔ قومِ نوحؑ کے دولت مند لوگوں (الملاء) نے مخالفت کی۔ (۷ : ۶۰) - (۲۳ : ۲۴) - (۷۱ : ۲۱) قومِ عاد کے الملاء نے حضرت ہودؑ کی مخالفت کی۔ (۷ : ۶۶) - (۲۶ : ۱۲۸-۱۳۰)۔ قومِ ثمود کے امراء نے حضرت صالحؑ کی مخالفت کی۔ (۷ : ۷۵-۷۶) - (۲۶ : ۱۴۶-۱۵۰)۔ قومِ شعیبؑ کے دولت مند طبقہ نے بھی۔ (۷ : ۸۸) - (۷ : ۹۰)۔ قومِ فرعون کے ملاء نے بھی۔ (۱۰ : ۸۸) - (۲۶ : ۳۴) - (۲۰ : ۲۸) - (۲۸ : ۳۸) - (۴۳ : ۵۱-۵۴)۔

۴۔ قومِ لوط نے کہا کہ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ انہیں بستی سے نکال دو۔ (۷ : ۸۲)

۵۔ لوگ فارغ البالی میں قوانینِ خداوندی کے خلاف سازشیں شروع کر دیتے ہیں۔ (۱۰ : ۲۱)

۶۔ قومِ نوحؑ کے دولت مند لوگوں نے کہا کہ یہ ذلیل لوگ ہیں جو حضرت نوحؑ کے ساتھ ہو لئے ہیں۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ میں انہیں تمہارے اعتراض کی وجہ سے دھتکار نہیں سکتا۔ (۱۱ : ۲۷-۲۹) - (۱۱ : ۳۸) - (۲۶ : ۱۱۱-۱۱۴)

۷۔ مترفین (دوسروں کی کمائی پر عیش اڑانے والے) ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ (۱۱۶-۱۱۷ : ۱۱)

۸۔ ہر رسول کی مخالفت بڑے لوگوں نے کی اور خدا نے آخر الامر اسی جماعت کو ان کے ملک کا وارث بنا دیا ——
(۱۳-۱۴ : ۱۴) - (۳۳ : ۲۳) - (۳۴-۳۹ : ۳۴) - (۲۱-۲۳ : ۴۳)

۹۔ جس بستی کے دولت مند لوگ جرائم پر اتر آتے ہیں، وہ ہلاک ہو جاتی ہے۔ (۱۶ : ۱۷)

۱۰۔ مترفین ہمیشہ اسلاف کے مسلک پر رہنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے انہیں اپنی سرمایہ پرستی کے جواز کی سند و تائید مل جاتی ہے۔ (۸۷ : ۱۱) - (۷ : ۳۸) - (۲۱-۲۳ : ۴۳)

۱۱۔ رسول اللہؐ کی مخالفت اس طبقہ کی طرف سے ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر نبوت ملنی تھی تو مکہ اور طائف کے کسی امیر آدمی کو ملتی۔ یعنی یہ لوگ وحی کو بھی معیشت کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔ (۶ : ۳۸) - (۲۹-۳۲ : ۴۳)

۱۲۔ ہر دور میں مترفین، جرائم پر اترتے رہے اور عوام ان کا اتباع کرتے رہے۔ یوں تباہی آتی رہی (۱۱۶ : ۱۱)

۱۳۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور اس کے دولت مند سرداروں کی طرف بھیجا گیا تھا۔ (۱۰۳ : ۷) - (۱۰۹ : ۷) - (۱۲۸ : ۷)
(۷۵ : ۱۰) - (۹۷ : ۱۱) - (۴۶ : ۲۳) - (۳۲ : ۲۸) - (۴۶ : ۴۳)

۱۴۔ انہی (بڑے لوگوں) کی مخالفت کے ڈر سے لوگ ایمان نہیں لاتے تھے۔ (۸۳ : ۱۰)

۱۵۔ دعوتِ سلیمانی پر ملکۂ سبا کے الملاء نے اس سے کہا کہ ہمارے پاس بڑی قوت ہے۔ (۲۹ ; ۳۲-۳۳ : ۲۷)

۱۶۔ مترفین پر گرفت ہوتی ہے۔ (۶۴ : ۲۳) انہیں پکڑ کر ان کے محلات کی طرف لایا جاتا ہے۔ تاکہ ان سے پوچھ گچھ کی جائے۔ (۱۳ : ۲۱)

۱۷۔ مترفین کا آخری ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ (۴۵ : ۵۶)

۱۸۔ مترفین، دنیاوی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے آسمانی انقلاب کی مخالفت کرتے ہیں۔ (۳۳ : ۲۳)۔ اسی وجہ سے یہ ظلم پر اتر آتے ہیں اور جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (۱۱۶ : ۱۱)

۱۹۔ ہر رسول کی مخالفت مترفین کی طرف سے ہوتی تھی۔ (۳۴ : ۳۴)

۲۰۔ ان کی دلیل یہ ہوتی تھی کہ ہم اپنے اسلاف کے مسلک کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ مترفین میں مذہبی پیشواؤں کا طبقہ بھی شامل ہے۔ یہ بھی تو دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۲۳ : ۴۳)

۲۱۔ ان کے جرائم جب حد سے بڑھ جاتے ہیں تو قوم پر تباہی آ جاتی ہے۔ (۱۶ : ۱۷)

۲۲۔ یہی اولی النعمۃ (اربابِ دولت) تھے جو رسول اللہؐ کی مخالفت کرتے تھے۔ (۱۱ : ۷۳)

۲۳۔ اسی دولت (نعمت) کے غلط استعمال سے لیڈر، قوم کو تباہی کے جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۱۴ : ۲۸) - اور ان پہ خوف اور بھوک کا عذاب طاری ہوجاتا ہے۔ (۱۶ : ۱۱۲) ۔ اگر یہ لوگ سمجھیں کہ یہ نعماء خدا کی طرف سے ملی ہیں تو ان کا غلط استعمال نہ کریں۔ (۱۶ : ۵۳) - (۱۶ : ۷۱) - (۱۶ : ۷۲) - (۲۹ : ۶۷)

۲۴۔ شکرِ نعمت سے مراد ہے انہیں قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کرنا۔ (۱۶ : ۱۱۴)

۲۵۔ سرمایہ داری کی ذہنیت یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہم نے اپنی ہنرمندی سے کمایا ہے اس لئے اسے ہم جس طرح جی چاہے تصرف میں لائیں۔ (۲۸ : ۷۸) - (۳۹ : ۴۹-۵۰)

۲۶۔ ہر شخص (اور قوم) سے ان نعماء کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (۱۰۲ : ۸)

مال و دولت خدا کا انعام ہے

۱۔ قومِ ثمود سے کہا گیا کہ تمہیں کس قدر فارغ البالی حاصل ہے: (۷ : ۷۴)

۲۔ ایمان و تقویٰ سے ارض و سما کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (۷ : ۹۶)

۳۔ جب خدا انہیں معاشی سہولتیں دیتا ہے تو یہ بخل کرتے ہیں۔ (۹ : ۷۵-۷۶)

۴۔ خدا ظالمین کے ملک و دولت کا وارث جماعتِ مومنین کو بنا دیتا ہے۔ (۱۴ : ۱۴)

۵۔ مال کی گردش اس طرح ہونی چاہیئے کہ یہ اوپر کے طبقہ ہی میں نہ پھرتی رہے۔ (۵۹ : ۷)

دولت کے غلط مصرف پر خدا کی گرفت

۱۔ نبی کی آمد پہ ان لوگوں پہ گرفت ہوتی تھی کیونکہ یہی سب سے پہلے حق کی آواز کی مخالفت کرتے تھے۔ (۷ : ۹۴-۹۵)

۲۔ دولت مند جب جرائم پہ اتر آتے ہیں تو بستی تباہ ہوجاتی ہے۔ (۱۷ : ۱۶)

۳۔ باغ والوں کی مثال سے بتایا گیا ہے کہ وہ خوش حال جس نے خدا فراموشی اختیار کر رکھی تھی، تباہ و برباد ہو گیا۔ (۱۸ : ۳۲-۴۴) - (۶۸ : ۱۷-۳۳)

۴۔ دولت مند جب ظلم پہ اتر آتے ہیں تو قوم تباہ ہوجاتی ہے۔ (۲۱ : ۱۱-۱۵) - ان کے ذرائع پیداوار (ارض) میں کمی واقع ہونی شروع ہوجاتی ہے۔ (۲۱ : ۴۴)

۵۔ غلط کار دولت مندوں پر جب گرفت ہوتی ہے تو وہ چلانے لگ جاتے ہیں۔ (۲۳ : ۶۴-۶۶)

۶۔ دولت کے نشہ میں لوگ خدا کے قوانین کو بھلا دیتے ہیں ۔ (۲۵ : ۱۸)

۷۔ قارون کہتا تھا کہ مجھے سب کچھ اپنی ہنرمندی کے صدقے ملا ہے ۔ وہ تباہ ہوگیا ۔ (۲۸ : ۷۶-۸۲) ۔ یہی ذہنیت ہر سرمایہ دار کی ہوتی ہے ۔ (۳۹ : ۴۹)

۸۔ دولت مند چاہتا ہے کہ غریب کا ایک پیسہ بھی چھین لے ۔ یہ ظلم ہے ۔ (۳۸ : ۲۳-۲۴)

۹۔ مترفین جہنم میں ۔ (۵۶ : ۴۵)

۱۰۔ انسان پر جب ذرا تنگی آتی ہے تو چیخنے لگ جاتا ہے اور جب خوشحالی آتی ہے تو پھر بخل کرنے لگ جاتا جاتا ہے ۔ لیکن مصلّین کی یہ حالت نہیں ہوتی ۔ (۷۰ : ۱۹-۲۲) - (۸۹ : ۱۵-۱۷)

۱۱۔ جس معاشرہ میں یتیموں کی تکریم اور مسکینوں کی روٹی کا انتظام نہیں ہوتا، وہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے ۔ (۸۹ : ۱۷-۱۸)

۱۲۔ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی ہوس انسان کو جہنم تک پہنچا دیتی ہے ۔ (۱۰۲ : ۱-۸)

۱۳۔ دولت جمع کرتے رہنا اور اسے بہبودِ انسانیت کے لئے صرف نہ کرنا ۔ جہنم کے عذاب کا مستوجب بنا دیتا ہے ۔
(۹ : ۳۴) - (۷۰ : ۱۷-۱۸) - (۸۹ : ۲۰) - (۱۰۴ : ۲-۷)

۱۴۔ مال و دولت انہیں اس گرفت اور تباہی سے بچا نہیں سکتے ۔ وہ ان کے کسی کام نہیں آسکتے ۔ (۱۰ : ۳) -
(۳ : ۱۱۶) - (۷ : ۴۸) - (۱۵ : ۸۴) - (۳۹ : ۵۰) - (۴۰ : ۸۲) - (۴۵ : ۱۰) —
(۵۸ : ۱۷) - (۶۹ : ۲۸) - (۹۲ : ۱۱) - (۱۱۱ : ۲) -

۱۵۔ جب انسان اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے تو تباہ ہو جاتا ہے ۔ (۸ : ۹۲) - (۹۶ : ۷) -
یہ لوگ بہت کم صداقت کی طرف آتے ہیں ۔ (۸۰ : ۵)

---

۸ ۔ دیت (خون بہا)

دیت ۔ یا خون بہا کی تفصیل تو قتل کے عنوان میں ملے گی ۔ اس جگہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے، دیت صرف قتلِ خطا (سہواً قتل) کے لئے ہے ۔ قتل بالارادہ کے لئے دیت نہیں ۔ سورۃ النساء میں اس کی صراحت موجود ہے کہ :-

۱۔ قتل خطا کا واقعہ اپنی مملکت میں ہو تو قاتل کے لئے تو اس کی سزا (۱) ایک مومن غلام کا آزاد کرنا۔ اور (ب) مقتول کے ورثا کو خون بہا ادا کرنا ہے۔ اگر وہ معاف کر دیں تو اور بات ہے۔

۲۔ اگر مقتول مومن ہو لیکن اس قوم میں رہتا ہو جو تمہاری دشمن ہے، تو اس کے لئے صرف غلام آزاد کرنا ہے۔ دیت نہیں۔

۳۔ اگر مقتول اس قوم کا فرد ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہے، تو دیت بھی ادا کرنی ہو گی۔ اور غلام بھی آزاد کرنا ہو گا۔ اگر غلام نہ ملے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے ہوں گے۔ (۴: ۹۲-۹۳)

۴۔ حکومت کا فریضہ ہو گا کہ اس باب میں مقتول کے ورثا کی مددگار رہے۔ (۲۳: ۱۷)

———(٠)———

۹۔ دین

دین (مادہ۔ د۔ی۔ن) یہ مادہ بڑا وسیع المعنی ہے۔ اس میں ایک طرف غلبہ۔ اقتدار۔ حکومت۔ مملکت۔ آئین۔ قانون۔ نظم ونسق۔ فیصلہ۔ ٹھوس نتائج۔ جزا و سزا۔ بدلہ۔ کا مفہوم ہوتا ہے، اور دوسری طرف یہ اطاعت و فرماں پذیری کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ نیز اس سے مراد عادتِ مستمرہ بھی ہوتی ہے۔ یعنی ایسی روش جو التزاماً ویسی ہی رہے۔

اسلام ایک نظامِ زندگی ہے۔ کسی نظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں کسی کا غلبہ و اقتدار ہو، اور لوگ اس صاحبِ اقتدار کی اطاعت کریں۔ صحیح نظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں:۔

۱۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر غلبہ و اقتدار نہ رکھے۔ (۲) غلبہ و اقتدار قانون کا ہو۔

۳۔ یہ قانون غیر متبدل ہو۔ یعنی کسی کی مصلحت کے تابع بدلتا نہ رہے۔

۴۔ اس کی حدود میں رہنے والے اس قانون کی اطاعت بہ طیبِ خاطر کریں۔

۵۔ اس میں اتنی قوت ہو کہ یہ اپنے فیصلوں کو منوا سکے۔

۶۔ اس کے مطابق چلنے کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آجائیں اور اس کی خلاف ورزی کرنے کے نقصانات بھی بیّن ہوں۔

دینِ اسلام ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہے۔ اس میں غلبہ و اقتدار قانونِ خداوندی کو حاصل ہوتا ہے جو قرآن کریم کے اندر ہے اور جس کے تعمیری نتائج ہر ایک کے سامنے آ سکتے ہیں۔ اگر دین کے پاس غلبہ و اقتدار نہ رہے۔ یعنی وہ قوتِ نافذہ سے محروم ہو جائے تو پھر وہ دین نہیں رہتا، مذہب بن جاتا ہے جو چند لفظی عقائد اور رسمی حرکات و سکنات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے جس کے کوئی ٹھوس نتائج سامنے نہیں آتے۔ اسی لئے دین کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت لاینفک ہے۔ حضرات انبیاء کرام دینِ خداوندی پیش کرتے تھے لیکن ان کے بعد ان کے نام لیوا اسے مذہب میں تبدیل کر دیتے تھے۔ (اسلام کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے) مذہب کا لفظ تک بھی قرآن کریم میں نہیں آیا۔ دین درحقیقت مذہب کو مٹانے کے لئے آتا ہے اسی لئے یہ اس کے خلاف چیلنج ہوتا ہے۔

خارجی کائنات میں دینِ خداوندی از خود جاری و ساری ہے۔ کیونکہ اشیائے کائنات قانونِ خداوندی کی اطاعت کے لئے مجبور ہیں۔ انسانی دنیا میں یہ نظام انسانی ہاتھوں سے قائم ہوگا۔ کیونکہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ یہ جی چاہے تو قانونِ خداوندی کی اطاعت کرے اور جی چاہے تو اس کے خلاف چلا جائے۔ دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نتیجہ اس دنیا میں بھی جنت بداماں معاشرہ ہوگا اور اخروی زندگی بھی جنتی۔ اس کی خلاف ورزی سے یہ دنیا بھی جہنم ہو جائے گی اور اخروی زندگی بھی جہنمی۔

اسلام، نوعِ انسان کے لئے مکمل اور ابدی دین ہے۔ یعنی ایسا نظامِ مملکت (معاشرہ) جس میں قوانینِ خداوندی عملاً نافذ ہوتے ہیں اور زندگی اقدارِ خداوندی کے قالب میں ڈھلتی ہے۔

(نوٹ:۔ لفظ دَین (دَ کے زبر کے ساتھ) کے معنی قرضہ ہیں۔ وہ اس عنوان میں نہیں آئے گا)

دین کے معنی

۱۔ قانون

حضرت یوسفؑ، اس ملک کے بادشاہ کے قانون کی رو سے، اپنے بھائی کو زبردستی اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ (۱۲:۷۶)

قانونِ خداوندی کے مطابق زانی کو سزا دینے میں نرمی مت برتو۔ (۲۴:۲)

کیلنڈر بارہ مہینے کا رکھو۔ یہ دینِ قیّم ہے۔ (۹:۳۶)

اطاعت

۱۔ خدا کی حکومت ، دل کے پورے خلوص کے ساتھ اختیار کرنا۔ (۳۹:۲)۔ (۳۹ : ۳)۔ (۳۹ : ۱۱)۔ (۳۹ : ۱۴)۔ (۹۸ : ۵)

اطاعت خالص خدا کی ہونی چاہیئے۔ (۲۹ : ۶)۔ (۴۰ : ۱۴)۔ (۴۰ : ۶۵)

۲۔ کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ یہی دین ہے۔ (۳ : ۸۲)۔ (۱۶ : ۵۲)

۳۔ حکومت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا کسی کی حکومت جائز نہیں۔ یہ دینِ قیم ہے۔ (۴۰ : ۱۲)۔ اس لئے دین کے تمکن کے لئے اپنی مملکت کا ہونا لاینفک ہے۔ (۲۴ : ۵۶)

۴۔ جب لوگ مصیبت میں پھنستے ہیں تو خدا کو اسطرح پکارتے ہیں گویا وہ خالص اس کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں جب مصیبت سے نجات مل جاتی ہے پھر وہی کچھ کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۲۲ : ۱۰)۔ (۲۹ : ۶۶)۔ (۳۱ : ۳۱)

۵۔ اگر منافق اپنی اطاعت خدا کے لئے خالص کر دیں تو وہ مومن ہو جائیں گے (۴ : ۱۴۶)

۶۔ تم اپنے دین (اطاعت) کی بابت خدا کو نہ بتاؤ۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (۴۹ : ۱۶)

مکافاتِ عمل

۱۔ کفار سے کہا کہ تمہارے اعمال کا بدلہ تمہارے لئے ہے ، میرے اعمال کا میرے لئے۔ (۶ : ۱۰۹)

۲۔ مکافاتِ عمل ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ ایسا ہو کر رہے گا۔ (۶ : ۵۱)

۳۔ قانونِ مکافاتِ عمل کے بارے میں کون تمہاری تکذیب کر سکتا ہے ؟ (۹۵ : ۷)۔ یہ وہ ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے ، مسکینوں کے رزق کا اہتمام نہیں کرتا۔ صلوٰۃ کے مقصد سے بے خبر ہے ، اسے محض دکھاوے کے لئے ادا کرتا ہے۔ اور رزق کے سرچشموں کو روک رکھتا ہے۔ (۱۰۷ : ۱ - ۷)

۴۔ یہ لوگ قانونِ مکافات کی تکذیب کرتے ہیں۔ (۸۲ : ۹)

۵۔ اس دن خدا انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ (۲۴ : ۲۵)

۶۔ کفار کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہم سے ہمارے اعمال کا مؤاخذہ ہو گا ——— (۳۷ : ۵۳)۔ (۵۶ : ۸۶)

یوم الدین

یعنی جب اعمالِ انسانی کے نتائج مرتب ہو کر سامنے آجائیں ۔

۱۔ یوم الدین کا مالک خدا ہے ۔ یعنی اعمالِ انسانی خدا کے قوانین کے مطابق نتائج مرتب کرتے ہیں ۔ ان پر کسی اور کا اختیار اور اقتدار نہیں ۔ (۳ : ۱) ۔ یوم الدین وہ ہے جب کسی کو کسی پر کسی قسم کا اختیار و اقتدار نہیں ہوگا ۔ اور اقتدار صرف خدا کا ہوگا ۔ (۱۹ - ۱۷ : ۸۲)

۲۔ یوم الدین، فیصلہ کا دن ہے ۔ (۲۱ - ۲۰ : ۳۷)

۳۔ یوم الدین میں جہنمیوں کی حالت (۱۳ - ۱۲ : ۵۱) - (۵۶ : ۵۶) - (۱۵ - ۱۴ : ۸۲) ۔ یہ اب بھی موجود ہے ۔

۴۔ حضرت ابراہیمؑ کا اعلان کہ یوم الدین کو خطاؤں سے حفاظت، خدا ہی کر سکتا ہے ۔ (۸۲ : ۲۶)

۵۔ ابلیس، یوم الدین تک ہدایت سے محروم رہے گا ۔ اسے یومِ بعث تک مہلت دی گئی ہے ۔ (۳۶ - ۳۵ : ۱۵) ۔ (۷۹ - ۸۰ : ۳۸) ——— (۶) یوم الدین کی تکذیب کرنے والے ۔ (۴۶ : ۷۴) - (۱۱ : ۸۳)

۷۔ یوم الدین کی تصدیق کرنے والے ۔ (۲۶ : ۷۰)

بمعنی غلبہ

۱۔ تمہارا غلبہ مکمل ہو گیا اس لئے کفار مایوس ہو گئے کہ اب تم ان سے مفاہمت نہیں کرو گے ۔ (۳ : ۵)

مملکت و حکومت

۱۔ ایمان و عمل صالح کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض ہے تاکہ دین کو تمکن حاصل ہو جائے ۔ (۵۵ : ۲۴)

دینِ خداوندی (اسلام)

۱۔ خدا کی محکومیت (عبودیت) پورے خلوص کے ساتھ اختیار کرنا ۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ۔ یہ ہے دینِ قیّم ۔ (۵ : ۹۸)

۲۔ اسلامی برادری میں شامل ہونے کے لئے اہلِ کتاب کو بھی دین الحق اختیار کرنا ہوگا ۔ اور اس طرح ان قوانین و احکامِ

کی اطاعت کرنی ہوگی جو نظامِ خداوندی کی طرف سے نافذ ہوں۔ اگر وہ ایسا کرنا نہ چاہیں تو پھر انہیں اسلامی مملکت میں ذمیوں کی حیثیت سے رہنا ہوگا۔ (۹:۲۸)

۳۔ کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتی ہے۔ اسی کا نام دینِ خداوندی ہے۔ کیا یہ لوگ اس کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتے ہیں ؟ (۳:۸۲)

۴۔ جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین پسند کرے گا، تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس سے خود اس کا نقصان ہوگا۔ (۳:۸۴) ۔ (۵:۳)

۵۔ لوگ دینِ خداوندی میں فوج در فوج داخل ہوں گے۔ (۱۱۰:۲)

۶۔ خدا نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت یعنی دین الحق دے کر بھیجا تاکہ یہ دین، تمام دیگر ادیان (نظامہائے زندگی) پر غالب آجائے۔ (۹:۳۳) ۔ (۴۸:۲۸) ۔ (۶۱:۹)

۷۔ حکومت صرف خدا کے لئے ہے۔ یہی دینِ قیم ہے۔ (۱۲:۴۰)

۸۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر دین کی طرف متوجہ ہو۔ انسان بھی اپنی تخلیق کے اعتبار سے اشیائے کائنات میں سے ہی ایک ہے۔ جب باقی تمام اشیائے کائنات دینِ خداوندی پر ہیں، تو انسان کو بھی اسی دین پر ہونا چاہیئے۔ یہ دینِ قیم ہے۔ (۱۰:۱۰۵) ۔ (۳۰:۳۰) ۔ (۳۰:۴۳)

۹۔ خدا نے انبیائے سابقہ کو الدین کے لئے چن لیا تھا۔ (۲:۱۳۲) ۔ ان سب نے ایک ہی دین دیا تھا۔ لیکن بعد میں ان کے متبعین نے تفرقہ پیدا کر لیا۔ (۲۳:۵۲-۵۳)

۱۰۔ خدا نے تمہیں بھی دین کا وہی راستہ دکھایا ہے جو انبیائے سابقہ کو دکھایا تھا۔ اسی دین کو قائم کرو اور تفرقہ مت پیدا کرو۔ (۶:۱۶۰) ۔ (۴۲:۱۳) ۔ (۴۵:۱۷-۱۸) ۔ یہ شرک ہے۔ (۳۰:۳۲)

۱۱۔ الدین خدا کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اہلِ کتاب نے اس میں خواہ مخواہ اختلافات پیدا کر دیئے۔ (۳:۱۸)

۱۲۔ یہ اہلِ کتاب دین کے معاملہ میں تمہیں طعن دیتے ہیں۔ (۴:۴۶) ۔ (۹:۱۲)

۱۳۔ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اگر دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو انہیں مدد دو۔ بشرطیکہ وہ ان لوگوں کے خلاف نہ جائے جن سے تمہارا معاہدہ ہے۔ (۸:۷۲)

۱۴۔ غیر مسلم اگر اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے۔ (۹:۱۱)

۱۵۔ جن بچوں کے باپ کا تمہیں علم نہ ہو، وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ (۳۳ : ۵)

۱۶۔ دین بیگار نہیں ہے۔ اسے بطیبِ خاطر اختیار کیا جاتا ہے۔ (۲۲ : ۷۸)

۱۷۔ انہوں نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں جو دین کے معاملہ میں ان کیلئے راستے تجویز کرتے ہیں (اسے شریعت کہا جاتا ہے) (۴۲ : ۲۱)

۱۸۔ اس سے زیادہ حسین دین کس کا ہو سکتا ہے جو خدا کے قوانین کے سامنے جھک جائے اور ملتِ ابراہیمی کا اتباع کرے۔ (۴ : ۱۵۲)۔ (۶ : ۱۶۲) — (۱۹) خدا نے اسلام کو بہ حیثیتِ دین تجویز کر دیا۔ (۵ : ۳)

۲۰۔ دین مکمل کر دیا۔ (۵ : ۳)۔ (اس کے معنی غلبہ بھی ہو سکتے ہیں)

۲۱۔ اہلِ کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم منافقانہ طور پر مسلمان ہو کر ان میں شامل ہو جایا کرو۔ لیکن اعتماد صرف اس کا کرو جو تمہارے دین کا اتباع کرے۔ (۳ : ۷۲-۷۳) — (۲۲) جو تمہارے دین کو مذاق سمجھے اسے دوست مت بناؤ۔ (۵ : ۵۷)۔ حتیٰ کہ جو اپنے دین کو بھی مذاق سمجھیں انہیں چھوڑ دو۔ (۶ : ۷۰)؛ (۷ : ۵۱)

۲۳۔ جو دین سے پھر جائے (مرتد) ہو جائے اور بحالتِ کفر وفات پا جائے، اس کے اعمال غارت ہو جائیں گے۔ (۲ : ۲۱۷)

۲۴۔ جو دین میں تفرقہ پیدا کر دیں ان سے رسول کا کوئی تعلق نہیں۔ (۶ : ۱۶۰)۔ (۴۲ : ۱۳)۔ یہ شرک ہے (۳۰ : ۳۲)

۲۵ منافق کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے فریب (زعمِ باطل) میں مبتلا کر رکھا ہے۔ (۸ : ۴۹)

۲۶۔ خدا کا وعدہ ہے کہ ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض ہو گا تاکہ دین کو تمکن حاصل ہو جائے (۲۴ : ۵۵)

۲۷۔ رسول اللہؐ نے تمام نوعِ انسان کو پکار کر کہہ دیا کہ اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہو تو سن لو کہ میں صرف خدا کی حکومیت اختیار کرتا ہوں۔ کسی اور کی نہیں۔ (۱۰ : ۱۰۴)

۲۸۔ دین کے سلسلہ میں جو کچھ ضروری تھا اسے خدا نے (قرآن میں) بیان کر دیا۔ جن باتوں کا اس میں ذکر نہیں آیا وہ دین سے متعلق نہیں اس لئے ان کی بابت مت کرید کیا کرو۔ (۵ : ۱۰۱-۱۰۲)

دین کے معاملہ میں زبردستی (اکراہ) نہیں

۱۔ جو لوگ دین کے معاملہ میں زبردستی کریں ان کے خلاف جنگ کرو۔ تاآنکہ وہ زبردستی کرنا چھوڑ دیں اور دین کا معاملہ صرف اللہ کے لئے رہ جائے۔ (۲ : ۱۹۳)۔ (۸ : ۳۹)۔ (۲۲ : ۴۰) — (۲) لا اکراہ فی الدین۔ (۲ : ۲۵۶)

۳۔ جب تک ایمان دل میں نہ اترے اسے دین نہیں کہا جا سکتا۔ (۴۹ : ۱۴-۱۶)

۴۔ کفار اور مشرکین تم سے جنگ کرتے رہیں گے تاوقتیکہ تمہیں تمہارے دین سے نہ پھرا لیں۔ (۲ : ۲۱۷)

۵۔ جو دین سے پھر جائے (مرتد) ہو جائے اور پھر بحالت کفر مر جائے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے (یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ ایسے شخص کو قتل کر دو)۔ (۲:۲۱۷) — (۶)۔ اے ایمان والو! جو تم میں سے مرتد ہو جائے تو اللہ ان کی جگہ اور قوم لے آئے گا جو مومنانہ خصوصیات کی حامل ہو گی۔ (۵:۵۴)

۷۔ قوم شعیب نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ تم سابقہ مسلک اختیار کر لو ورنہ ہم تمہیں بستی سے نکال باہر کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ ہم اس مسلک کو ناپسند کرتے ہوں پھر بھی اسے اختیار کر لیں؟ (۷:۸۸)

۸۔ الحق خدا کی طرف سے آگیا ہے۔ جس کا جی چاہے اُسے قبول کرے۔ جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ (۱۸:۲۹)

۹۔ دین، بیگار نہیں ہے۔ (۲۲:۷۸)

متفرق

۱۔ مختلف مقامات سے لوگوں کو مرکز میں آکر دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنی چاہیئے۔ (۹:۱۲۲)

۲۔ جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے قتال نہیں کیا ان سے تولّی جائز ہے۔ (۶۰:۸-۹)

۳۔ فرعون نے لوگوں سے کہا کہ موسیٰؑ، تمہارا دین بدل دے گا۔ (۴۰:۲۶)

۴۔ اعراب سے کہا کہ تم نے اسلامی حکومت کی اطاعت اختیار کی ہے۔ ایمان تمہارے دلوں میں نہیں اترا۔ اس لئے اسے دین نہیں کہیئے۔ (۴۹:۱۴-۱۶)

۵۔ اہلِ کتاب سے کہا کہ اپنے دین میں غلو مت کرو۔ (۴:۱۷۱) — (۵:۷۷)

۶۔ توہم پرستانہ رسومات سے دین میں التباس پیدا ہو جاتا ہے۔ (۶:۱۳۸)

۷۔ اہلِ کتاب نے دین میں تحریف کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ فریب میں مبتلا رہتے ہیں۔ (۳:۲۴)

۸۔ مناسک اپنے اپنے وقتوں میں ہر قوم کے لئے الگ الگ تھے۔ الامر کے معاملہ میں جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے وہ ایک ہی چلا آرہا ہے۔ (۲۲:۳۴) ۔ الامر دین کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ یہ وحی ہے بنی اسرائیل کو الامر دیا گیا۔ تو انہوں نے اس میں اختلافات پیدا کر دیئے۔ اب امتی الامر کا راستہ رسول اللہ کو دکھایا گیا۔ (۴۵:۱۷-۱۸)

۹۔ دین کا راستہ دشوار گزار گھاٹی ہے۔ محکوموں کو آزاد کرانا۔ محتاجوں کے رزق کا انتظام کرنا۔ یتیموں کے رفیق بننا۔ مٹی میں ملے ہوئے مسکینوں کو اٹھا کر گلے لگانا۔ (۹۰:۱۱-۱۷)

(-)

ذ

۱۔ ذکر

ذکر۔تذکار۔ کسی چیز کو محفوظ کر لینا۔ کسی بات کو یاد کر لینا۔ حفاظت کرنا۔ضائع نہ کرنا۔ اور تذکرہ کے معنی ہیں وہ جس سے کسی کو کوئی بات یاد دلائی جائے۔

شہرت اور شرف وعزت کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ نیز عبرت و موعظت کو بھی۔ "ذکر" اُس کتاب کو بھی کہتے ہیں جس میں دین کی تفصیلات اور امتوں کے قوانین درج ہوں۔ لہٰذا، یہ لفظ، قانون کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اس اعتبار سے ذکر اللہ سے مراد قوانینِ خداوندی ہیں جن کے اتباع سے شرف وعزت اور غلبہ اور قوت حاصل ہوتے ہیں نیز اقوامِ سابقہ کے وہ تاریخی شواہد جن سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں "اللہ کے ذکر" سے مراد ہوتا ہے زبان سے اللہ۔ اللہ کہنا اور اسے تسبیح کے دانوں پر گننے جانا۔ یا خانقاہوں میں "ھُوحق" کی ضربیں قلب پر لگانا۔ یہ ذکر اللہ کا قرآنی مفہوم نہیں۔ قرآنِ کریم کی رو سے، ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر شعبے میں اور سفرِ حیات کے ہر موڑ پر، خدا کے قانون کو سامنے رکھے اور اس کے مطابق چلے۔ خدا کے احکام وضوابط کو ہر وقت سامنے رکھے۔ انہیں کبھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

قرآنِ کریم نے جو بار بار کہا ہے کہ وہ لوگوں کو یاد دھانی کراتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ یاد دھانی کس بات کی ہے؟ اللہ تعالےٰ نے انسانوں کی راہ نمائی کے لئے جو تعلیم بھیجی، وہ اصولی طور پر شروع سے آخیر تک ایک ہی تھی لیکن وہ ذہنِ انسانی کی آمیزش یا حوادثِ زمانہ کی وجہ سے اپنی اصل شکل میں کہیں باقی نہ رہی تھی۔ قرآن اسی فراموش کردہ تعلیم کی یاد دہانی کراتا ہے۔ وہ کوئی نئی بات نہیں کہتا۔ وہی مستقل اقدار جو وقتاً فوقتاً دی جاتی رہیں، وہ انسانوں کی توجہ انہی کی طرف مبذول کراتا ہے۔ خود قرآن کے اندر جو اصول و احکام بیان کئے گئے ہیں، انہیں بھی وہ بار بار، مختلف پہلوؤں

سے سامنے لاتا ہے اور اس طرح ایک مقام کی یاد دہانی دوسرے مقام سے ہوجاتی ہے۔ قرآن آسمانی تعلیم کی فراموش کردہ حقیقتوں کی یاد دہانی ہے۔ اسی کو تذکرہ اور ذکر کہا جاتا ہے۔ نیز وہ اقوام سابقہ کے احوال وکوائف سے اس حقیقت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت کس قدر سخت ہوتی ہے۔ اس طرح بار بار یاد دہانی سے انسان کے دل میں ان قوانین کی اہمیت اور عظمت کا احساس پیدا ہوجاتا ہے اور انسان ان کی پابندی کی طرف توجہ دیتا ہے۔

ذکر اللہ

۱۔ حزب الشیطان نے خدا کا ذکر بھلا دیا۔ انہوں نے قوانینِ خداوندی کو پس پشت ڈال دیا۔ (۱۹ : ۵۸)

۲۔ قرآن ذکر اللہ ہے جس سے مومنین کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ (۲۳ : ۳۹)

۳۔ یوم الجمعہ کی آواز پر ذکر اللہ کی طرف آؤ۔ (۹ : ۶۲) — (۴) اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ (۲۸ : ۱۳)

۵۔ کفار، رحمٰن کے ذکر سے انکار کرتے ہیں۔ (۳۶ : ۲۱)۔ اعراض برتتے ہیں۔ (۴۲ : ۲۱)

۶۔ خمر اور میسرہ تمہیں ذکر اللہ سے روکتے ہیں۔ (۹۱ : ۵)

۷۔ مومنین کو کاروبار (تجارت وغیرہ) ذکر اللہ سے روکتے نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ وہ کاروبار میں خدا کے قوانین کو نظر انداز کردیں۔ (۳۷ : ۲۴)

۸۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ میں اچھی چیزوں کو بھی قوانینِ خداوندی (یا نظامِ خداوندی) کی وجہ سے پسند کرتا ہوں کہ یہ اس نظام کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ (۳۲ : ۳۸)

۹۔ جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہوجاتا ہے، شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ (۳۶ : ۴۳)

۱۰۔ دیکھنا! تمہاری دولت یا اولاد تمہیں ذکر اللہ سے غافل نہ کردے۔ (۹ : ۶۳)

۱۱۔ جو ذکر اللہ سے اعراض برتتا ہے وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ (۱۷ : ۷۲)

۱۲۔ اللہ کا ذکر سب سے بلند (اکبر) ہے۔ (۴۵ : ۲۹)

۱۳۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ مومنین کے دل ذکر اللہ سے پگھل جائیں۔ (۳ : ۸)۔ (۳۵ : ۲۲)۔ (۱۶ : ۵۷)

۱۴۔ جن کے دل ذکر اللہ کی طرف سے سخت ہوجاتے ہیں، ان کے لئے تباہی ہے۔ (۲۲ : ۳۹)

۱۵۔ جو خدا کو بہت یاد کرتا ہے اس کے لئے رسول اللہ کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے۔ (۲۱ : ۳۳)

۱۶۔ جو صفاتِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھتا ہے اس کی ذات کی نشوونما ہوجاتی ہے۔ (۱۵ : ۸۷)

۱۷۔ جب خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو مشرکین پر سخت ناگوار گذرتا ہے اور جب اس کے ساتھ اور بھی شریک کئے جائیں تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ (۴۶ : ۱۷)—(۴۵ : ۳۹)

۱۸۔ حج کے سلسلہ میں کہا کہ تم خدا کا ذکر ایسے کرو جس طرح اس وقت اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (۲۰۰ : ۲)

۱۹۔ اے ایمان والو! اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو۔ یعنی اس کے احکام و قوانین کو اپنے سامنے رکھو۔ (۴۱ : ۳۳)

۲۰۔ جس کا دل ہمارے ذکر سے غافل ہو جائے اس کا اتباع مت کرو۔ (۲۸ : ۱۸)۔ اس سے اعراض برتو۔ (۲۹ : ۵۳)

۲۱۔ مومن سے جب کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔ تو وہ خدا کا ذکر کرتا ہے اور اپنی غلطی کے نقصان کی تلافی کر لیتا ہے۔(۳۳)

۲۲۔ شعراء کے برعکس، مومن خدا کا ذکر کثرت سے کرتے اور ظالم سے بدلہ لیتے ہیں۔ (۲۲۷ : ۲۶)

۲۳۔ قوموں نے خدا کے ذکر کو فراموش کر دیا۔ تو اُن پر عذاب آگیا۔ (۱۱۱-۱۱۰ : ۲۳)

۲۴۔ حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا تو کہا کہ یاد رکھو! میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کے ذکر سے کیا مفہوم ہے۔ انقلابی جدوجہد۔ (۴۲ : ۲۰)—(۳۴ : ۲۰)—(۴۲ : ۲۰)

۲۵۔ جہنم اس کے لئے ہے۔ جس کی آنکھوں پر میرے ذکر کی طرف سے پردے پڑے رہیں۔ (۱۰۱-۱۰۰ : ۱۸)

۲۶۔ جو میرے ذکر سے اعراض برتتا ہے اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۲۷۔ حضرت ذکریاؑ سے کہا کہ اپنے رب کو شدت سے یاد کرو۔ (۴۰ : ۳)

۲۸۔ رسول اللہؐ کی وساطت سے، عام مومنین سے کہا کہ اپنے رب کو یاد کرو۔ (۲۰۵ : ۷)۔(۲۴ : ۱۸)۔(۴۱ : ۳۳)

۲۹۔ اسم رب (خدا کی صفتِ ربوبیت) کو سامنے رکھو۔ (۸ : ۷۳)۔(۲۵ : ۷۶)

۳۰۔ تم میرا ذکر کرو۔ میں تمہیں شرف و عزت عطا کر دوں گا۔ (۱۵۲ : ۲)

۳۱۔ مناسکِ حج کے سلسلہ میں کہا کہ اللہ کو یاد کرو۔ (۱۹۸ : ۲)—(۳۲) اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا اور بتایا ہے۔ (۲۳۹ : ۲)—(۳۳) صلوٰۃ کے بعد کھڑے۔ بیٹھے۔ لیٹے خدا کو یاد کرو۔ (۱۰۳ : ۴)

۳۴۔ مناسکِ حج کے سلسلہ میں کہا کہ جانور ذبح کرتے وقت خدا کا نام لو۔ (۲۸ : ۲۲)—(۳۶ : ۲۲)

۳۵۔ مناسکِ حج کے ضمن میں کہا کہ خدا کا ذکر کرو۔ (۲۰۳ : ۲)

۳۶۔ مومنین سے کہا کہ خدا نے اس کتاب کو نازل کر کے تم پر جو نعمت ارزانی کی ہے اسے یاد کرو۔ (۲۳۱ : ۲) پھر اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ تمہیں اس نے قرآن کے ذریعے بھائی بھائی بنا دیا (۱۰۳ : ۳)۔(۷ : ۵)

۳۷۔ اسی جانور کا گوشت حلال ہے جس پہ خدا کا نام لیا جائے۔ (۴ : ۵) – (۱۱۹-۱۲۲ : ۶) – (۱۳۹ : ۶)

۳۸۔ میدانِ جنگ میں قوانینِ خداوندی کو سامنے رکھو اور ثابت قدم رہو۔ اس سے کامیابی حاصل ہوگی۔ (۴۵ : ۸)

۳۹۔ جب تم تلاشِ رزق کے لئے نکلو تو خدا کے قوانین کو سامنے رکھو۔ تاکہ تم کامیاب ہو۔ (۱۰ : ۶۲)

۴۰۔ مساجد میں خدا کا ذکر ہوتا ہے (۱۱۴ : ۲) – (۴۰ : ۲۲) – (۳۶ : ۲۴)

۴۱۔ ہر قوم کے لئے جانور ذبح کرنے کا ایک طریق تھا کہ جس کے مطابق وہ اس پہ خدا کا نام لیتے تھے۔ (۳۴ : ۲۲)

۴۲۔ مومن، کارگہِ کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور اس طرح کھڑے۔ بیٹھے۔ لیٹے خدا کو یاد کرتے ہیں (۱۸۹-۹۰ : ۳)

۴۳۔ منافق بہت کم اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (۱۴۲ : ۴)

۴۴۔ کفار کے دل پہ ہمارے ذکر کی طرف سے پردے پڑے رہتے ہیں۔ (۱۰۱ : ۱۸)

۴۵۔ جہنم میں جانے والوں سے کہا جائے گا کہ تم ان لوگوں سے مذاق کیا کرتے تھے جو تمہیں صحیح راستہ بتایا کرتے تھے اور یوں تم نے میرا ذکر بھلا دیا تھا۔ (۱۱۰ : ۲۳)

۴۶۔ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے لئے رسول اللہؐ کی زندگی میں اسوۂ حسنہ۔ (۲۱ : ۳۳)

۴۷۔ مومن مردوں اور عورتوں کی صفات۔ اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے۔ (۳۵ : ۳۳)

۴۸۔ منافقین نے خدا کو بھلا دیا۔ خدا نے ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنی ذات کو بھول گئے۔ (۶۷-۷۰ : ۹) – (۱۹ : ۵۹)

قرآن کریم یا وحیٔ خداوندی، ذکر ہے

۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اس پہ تعجب ہے کہ خدا کی طرف سے ذکر (وحی) تم میں سے ایک انسان کی طرف کیوں آئی؟ (۶۳ : ۷) – یہی حضرت ہودؑ نے کہا۔ (۶۹ : ۷)

۲۔ یہ (قرآن) ذکرِ مبارک ہے جسے خدا نے نازل کیا ہے۔ (۵۰ : ۲۱)

۳۔ قرآن، ذکر للعالمین ہے۔ (۹۱ : ۶) – (۱۰۴ : ۱۲) – (۸۷ : ۳۸) – (۵۲ : ۶۸) – (۲۷ : ۸۱)۔ کفار اس کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ (۵۱ : ۶۸)

۴۔ قرآن ذکر ہے۔ (۱۲۱ : ۱۱) – (۶۹ : ۳۶) – (۲-۵ : ۴۳) – (۱۰ : ۶۵)

۵۔ قرآن ذکر اللہ ہے جس سے مومنین کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ (۲۳ : ۳۹)

۶۔ جب کبھی ان کی طرف خدا کا ذکر آیا تو انہوں نے اسے ہنسی میں ٹال دیا۔ (۲ : ۲۱) – (۵ : ۲۶) – (۱۴۷ : ۳۷)

۷- رسول اللہ پر ذکر نازل ہوا - (۲ ؛ ۱۵۱) - (۱۶ : ۴۴) - (۲۰ : ۹۹) - (۳۸ : ۸) - (۵۴ : ۲۵)

۸- اہلِ کتاب کو اہل الذکر کہا گیا ہے - (۱۶ : ۴۳) - (۲۱ : ۷)

۹- قومیں جب "الذکر" کو بھلا دیتی ہیں تو تباہ ہو جاتی ہیں - (۲۵ : ۱۸)

۱۰- تنذیر انہی کے لئے ہے جو الذکر کا اتباع کرتے ہیں - (۳۶ : ۱۱)

۱۱- کیا یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان سے وحی کو الگ ہٹا دیں؟ (۴۳ : ۵)

۱۲- قرآن کو ذی الذکر کہا گیا ہے - (۳۸ : ۱) —— (۱۳) فلاں نے مجھے الذکر سے بہکا دیا - (۲۵ : ۲۸)

۱۴- جو لوگ الذکر سے (جو کتابِ عزیز ہے) انکار کرتے ہیں (ان کے لئے تباہی ہے) - (۴۱ : ۴۱)

۱۵- قرآن کو ذکر کے لئے آسان بنایا گیا ہے - (۵۴ : ۱۷ ؛ ۲۲ ؛ ۳۲ ؛ ۴۰)

۱۶- قرآن ذکر الحکیم ہے - (۳ : ۵۷) —— (۱۷) ہم نے تمہیں اپنی طرف سے ذکر عطا کیا ہے - (۲۰ : ۹۹)

۱۸- قرآن، لوگوں کے لئے ذکر ہے - (۲۰ : ۱۱۳)

۱۹- ذکر کو پیش کرنے والی (یا اس کی اطاعت کرنے والی) جماعتیں - (۳۷ : ۳) - (۷۷ : ۵)

۲۰- عرب جاہلیہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس ذکر ہوتا تو ہم خدا کی اطاعت کرتے - (۳۷ : ۱۶۸)

۲۱- خدا نے ہماری طرف ذکر نازل کیا ہے - (۶۵ : ۱۰)

۲۲- موسیٰؑ کو کتاب دی جو ذکر للمتقین تھی - (۲۱ : ۴۸) - (۲۸ : ۴۳) - (۴۰ : ۵۴)

۲۳- مومنین کے سامنے جب آیاتِ خداوندی پیش کی جاتی ہیں تو وہ بے سوچے سمجھے ان پر نہیں گر پڑتے - (۲۵ : ۷۳) - وہ قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں - (۳۲ : ۱۵) - اگر ان کے دل میں کوئی "شیطانی خیال" یونہی گھومتے گھامتے بھی آجائے - وہ قانونِ خداوندی کو یاد کر لیتے ہیں تو انہیں فوراً بصیرت حاصل ہو جاتی ہے - (۷ : ۲۰۱)

۲۴- قرآن ذکریٰ للعالمین ہے - (۶ : ۹۱) - ذکریٰ للذاکرین ہے - (۱۱ : ۱۱۴)

۲۵- قرآن، انسان کے لئے ذکریٰ ہے (۷۴ : ۳۱) - (۲۶) کفار کا اعتراض کہ اس شخص پر بالخصوص ذکر کیوں نازل ہوا ہے - (۳۸ : ۸)

۲۷- قرآن مومنین کے لئے ذکریٰ ہے - (۷ : ۲) - (۱۱ : ۱۲۰) - (۲۹ : ۵۱) - اربابِ دانش کے لئے ذکر (۳۸ : ۴۳) - اس کا اتباع کرو - لیکن تھوڑے لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں - (۷ : ۳)

۲۸- قرآن، تذکرہ ہے، سو جن کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے - (۲۰ : ۲) - (۷۴ : ۵۶) - (۶۹ : ۱۲) - (۶۹ : ۴۸) - (۷۳ : ۱۹) - (۷۴ : ۵۴-۵۵) - (۷۶ : ۲۹) - (۸۰ : ۱۱-۱۲) - یہ خدا کا کلام

ہے۔ لیکن تھوڑے لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں۔ (۴۲ :۶۹)

۲۹۔ یہود و نصاریٰ کی کتابوں کو ذکر کہا گیا ہے جسے انہوں نے بھلا دیا تھا۔ (۱۴-۱۳ : ۵)

۳۰۔ یہ لوگ تذکرہ سے اعراض برتتے ہیں۔ (۴۹ : ۷۴)

۳۱۔ مختلف احکامات کے بعد کہا کہ یہ اس لئے دیئے گئے ہیں کہ تم انہیں اپنے پیشِ نظر رکھو۔ (۲۲۱ : ۲)۔(۶:۱۵۳)
(۶ : ۲۶)۔(۲۵ : ۱۴)۔(۱۶ : ۹۰)۔(۲۴-۱)۔(۲۴ : ۲۷)

۳۲۔ قرآن نازل کیا تاکہ اس سے اربابِ عقل و بصیرت، بات سمجھ لیں۔ (۲۹ : ۳۸)

۳۳۔ ہم مختلف مثالوں سے بات واضح کرتے ہیں تاکہ لوگ اسے سمجھ لیں۔ (۲۵ :۱۴)۔(۲۷ : ۳۹)

۳۴۔ رسول اللہ کو انبیاء سابقہ کے احوال بذریعہ وحی بتائے۔ تاکہ لوگ اس سے اندازہ لگا سکیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں —
(۴۶ : ۲۸)—(۳۵) وحی کی تعلیم مسلسل تسلسل سے مربوط چلی آ رہی ہے تاکہ لوگ بات سمجھ سکیں۔ (۵۱ : ۲۸)

۳۶۔ قرآن کو آسان بنایا تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔ (۵۸ : ۴۴)

۳۷۔ قرآن میں تصریفِ آیات سے مقصد یہ ہے کہ لوگ سمجھ جائیں۔ (۴۱ : ۱۷)

۳۸۔ قرآن تذکرہ ہے سو جس کا جی چاہے اسے یاد رکھے۔ تمہیں وہی یاد رکھنا چاہیئے جو خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہو۔ (۵۶-۵۴ : ۷۴)—(۳۹) قرآن کی آیات اس قوم کے لئے واضح کر دی گئی ہیں جو انہیں یاد رکھنا چاہے۔(۶:۱۲۷)

۴۰۔ رسول اللہ مذکِّر (یاد دہانی کرانے والے) تھے۔ (۲۱ : ۸۸)— (۴۱) قرآنی تنذیر سے مقصد تذکیر ہوتا ہے۔ (۴۶ : ۲۸)

۴۲۔ اس سے ظالم کون ہو گا کہ اسے آیاتِ خداوندی کی یاد دہانی کرائی جائے اور وہ ان سے منہ موڑلے۔ (۵۷ :۱۸)۔(۲۲:۳۲)

ذکر بمعنی عبرت و موعظت۔ یاد دہانی

۱۔ قرآن کے ذریعے انہیں عبرت دلاؤ۔ (۷۰ : ۶)۔ (۴۵ : ۵۰)

۲۔ تم انہیں عبرت دلائے جاؤ۔ ان کے سامنے قرآن پیش کئے جاؤ۔ (۲۹ : ۵۲)

۳۔ تو انہیں عبرت دلائے جا۔ تیرا منصب ہی یہی ہے۔ (۱۰-۹ : ۸۷)۔(۲۱ : ۸۸)

۴۔ انہیں یاد دلائے جاؤ۔ مومنین کو یہ چیز نفع بخشتی ہے۔ (۵۵ : ۵۱)—(۵)۔ انہیں ایام اللہ کی یاد دلاؤ۔ (۵ : ۱۴)

۶۔ جب تمہیں عبرت دلائی جاتی ہے یا یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ (تو تم اور زیادہ بے راہ رو ہو جاتے ہو)۔ (۱۹ : ۳۶)

۷۔ کفار کو جب عبرت دلائی جاتی ہے تو وہ عبرت نہیں پکڑتے۔ (۱۳ :۳۷)

۸۔ جن امور کی انہیں یاد دلائی جاتی تھی۔ جب انہوں نے انہیں پسِ پشت ڈال دیا تو پہلے ان پر آسائشوں کے دروازے کھل گئے اور پھر عذاب نے آ پکڑا۔ (۶ : ۴۴) - (۷ : ۱۶۵)۔ نصاریٰ نے اس کا ایک حصہ فراموش کر دیا۔ (۵ : ۱۴)

۹۔ یہ تو ایک یاد دہانی ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے عبرت حاصل کرے۔ (۷۴ : ۵۶) - (۷۶ : ۲۹) - (۸۰ : ۱۱-۱۲)

۱۰۔ یہ ایک یاد دہانی ہے تاکہ یہ اپنے فرائض کی نگہداشت کریں۔ (۶۹ : ۶)

۱۱۔ قوموں کی تباہی سے پہلے انہیں یاد دہانی کرانے والا آتا ہے۔ (۲۶ : ۲۰۸ - ۲۰۹)

۱۲۔ آخرت کو سامنے رکھنے سے سیرت کی پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔ (۳۸ : ۴۶)

۱۳۔ مختلف مظاہرِ فطرت کی طرف توجہ دلانے کے بعد کہا کہ ان میں اربابِ دانش کے لئے یاد دہانی ہے (۳۹ : ۲۱) - (۵۰ : ۸)۔ اسی طرح تاریخی شواہد بیان کرنے کے بعد کہا۔ (۵۰ : ۳۷)

۱۴۔ رسول بھی آ گیا۔ اب اس کے بعد انہیں اور کب یاد دہانی ہوگی؟ (۴۴ : ۱۳)

۱۵۔ جب جہنم سامنے آ جائے تو پھر عبرت و موعظت حاصل کرنے سے کیا فائدہ؟ (۴۷ : ۱۸) - (۸۹ : ۲۳)

۱۶۔ اسے تعلیم دو۔ ہو سکتا ہے کہ اسے اس سے عبرت حاصل ہو جائے۔ (۸۰ : ۴)

۱۷۔ کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جس کا جی چاہے عبرت حاصل کر لے۔ (۳۵ : ۳۷)

۱۸۔ یہ بتانے کے بعد کہ سامانِ رزق میں تمہارا کس قدر حصہ ہے اور خدا کا کس قدر، کہا کہ یہ تذکرہ ہے (۵۶ : ۷۳)۔ چوپائے مسخر کر دیئے۔ یہ نعمت ہے جس کا ذکر کرو۔ (۴۳ : ۱۳) - (۶۹ : ۱۲)

۱۹۔ بارش کی مثال سے کہا کہ اس طرح ہم مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور یہ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ (۷ : ۵۷) دیگر مظاہرِ فطرت کے بعد بھی یہی کہا۔ (۱۰ : ۳) - (۱۶ : ۱۳) - (۲۵ : ۶۲) - (۳۲ : ۴) - (۳۹ : ۲۱) - (۴۰ : ۱۳) - (۵۰ : ۸) - (۵۱ : ۴۹) - (۸۸ : ۲۱)۔ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ کیا اس سے تم عبرت نہیں حاصل کرتے۔ (۱۱ : ۲۴) - (۴۰ : ۵۸)

۲۰۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ اگر میں اپنے متبعین کو اس لئے دھتکار دوں کہ یہ غریب ہیں تو مجھے خدا کے عذاب سے کون بچا سکتا ہے ———— کیا تم اس سے بات نہیں سمجھتے؟ (۱۱ : ۳۰)

۲۱۔ خالق کبھی ان کے برابر ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ کیا تم اس سے بات نہیں سمجھتے؟ (۱۶ : ۱۶)

۲۲۔ زمین میں جو کچھ ہے خدا کا ہے۔ کیا تم اس سے بات نہیں سمجھتے۔ (۲۳ : ۸۵)

۲۳۔ تم اللہ کی اولاد کا عقیدہ رکھتے ہو؟ کیا تم بات نہیں سمجھتے۔ (۳۷ : ۱۵۵)

۲۴۔ جو جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے اس کی عقل و فکر یاؤف ہو جاتی ہے۔ کیا تم بات نہیں سمجھتے۔ (۲۳ : ۴۵)
۲۵۔ نشاۃ ثانیہ کے سلسلہ میں کہا کہ کیا تم بات نہیں سمجھتے؟ (۶۲ : ۵۶)
۲۶۔ خدا کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ کیا تم اس سے بات نہیں سمجھتے؟ (۸۱ : ۶)
۲۷۔ عبرت یا یاد دھانی ارباب بصیرت ہی حاصل ——— کر سکتے ہیں۔ (۱۹ : ۱۳) - (۹ : ۳۹) وہ جو اس کی طرف رجوع کرے۔ (۲ : ۲۶۹) - (۳ : ۷) - (۱۴ : ۵۲) - (۱۳ : ۴۰)
۲۸۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ فرعون سے نرمی سے بات کرنا۔ شاید وہ اس سے بات سمجھ لے۔ (۴۴ : ۲۰)
۲۹۔ ظہورِ نتائج کے وقت انسان عبرت حاصل کرے گا۔ لیکن اس وقت اس کا عبرت حاصل کرنا کس کام کا؟ ——— (۲۳ : ۸۹) — (۳۵ : ۷۹)
۳۰۔ انہیں یاد دہانی کرائے جاؤ۔ اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن عبرت تو وہی حاصل کر سکتا ہے جو غلط روی کے نتائج سے ڈرتا ہو۔ (۵۵ : ۵۱) - (۹-۱۰ : ۸۷)
۳۱۔ انہیں جب عبرت حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ (۱۳ : ۳۷)
۳۲۔ قومِ فرعون پہ ہلکے ہلکے عذاب آتے رہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ (۱۳۰ : ۷)
۳۳۔ جنگ سے عبرت حاصل کریں۔ (۵۷ : ۸)۔ لیکن یہ ایسا نہیں کرتے۔ (۱۲۶ : ۹)
۳۴۔ انہیں یاد دہانی کراتے جاؤ۔ تم یاد دہانی کرانے والے ہو۔ (۲۱ : ۸۸)
۳۵۔ عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے قرآن کی آیات مفصل ہیں۔ (۱۲۷ : ۶)
۳۶۔ قرآن کے احکام و اصول، عبرت و موعظت ہیں ان کے لئے جو انہیں اپنے سامنے رکھیں۔ (۱۱۴ : ۱۱)
۳۷۔ بہت کم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (۶۲ : ۲۷)

ذکر بمعنی شرف و عزت

۱۔ رسول اللہ نے کہا کہ یہ (قرآن) میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے بھی اسی طرح باعثِ شرف و عزت ہے جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء کے لئے وجہِ شرف تھا۔ (۲۴ : ۲۱)
۲۔ قرآن تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے وجہِ شرف ہے۔ (۴۴ : ۴۳)
۳۔ ہم نے یہ کتاب نازل ..... کی ہے جو خود تمہارے شرف کا موجب ہے۔ (۱۰ : ۲۱)۔ لیکن اس سے روگردانی

کرتے ہو۔ (۴۱ : ۲۳)

۴۔ رسول اللہ کے ذکر (شرف و عظمت) کو خدا نے بلند کر دیا۔ (۴ : ۹۴)

ذکر کے مختلف معانی

۱۔ حضرت یوسفؑ کے ساتھی قیدی کو وہ بات اپنے آقا سے کہنی یاد نہ رہی جو حضرت یوسفؑ نے اس سے کہی تھی۔ (۴۲ : ۱۲)

۲۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ اس کے سامنے آیات اللہ کا ذکر کیا جائے تو وہ ان سے اعراض برتے۔ (۵۷ : ۱۸)

۳۔ جب یہ بات یاد آجائے تو پھر ان کے پاس مت بیٹھو۔ (۶۸ : ۶)

۴۔ یہ پوچھتے ہیں کہ وہ انقلاب جس کا تم ذکر کرتے رہتے ہو، کب آئے گا؟ (۴۳ : ۷۹)

۵۔ رسول اللہ کی ازواجِ مطہرات سے کہا کہ جو کچھ تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتا ہے، اسے یاد رکھو۔ اسے ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ (۳۴ : ۳۳)

۶۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ میری نعمتوں کو یاد رکھو۔ (۴۰ : ۲)۔(۴۷ : ۲)۔(۶۳ : ۲)۔(۱۲۲ : ۲)

۷۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو۔ (۲۰ : ۵)۔(۶ : ۱۴)

۸۔ جماعتِ مومنین سے کہا کہ تم میری نعمتوں کو یاد کرو۔ جب میں نے تمہیں تمہارے دشمن کی دست درازیوں سے محفوظ رکھا (۱۱ : ۵)۔(۹ : ۳۳)۔ تم قلیل و کمزور تھے۔ (۲۶ : ۸)

۹۔ نوعِ انسان سے کہا کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ (۳ : ۳۵)

۱۰۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی اس نعمت کو یاد کرو، کہ اس نے تمہیں قومِ نوحؑ کا جانشین بنایا۔ (۶۹ : ۷) یہی حضرت صالحؑ نے قومِ ثمود سے کہا۔ (۷۴ : ۷) اور حضرت شعیبؑ نے (۸۶ : ۷)

۱۱۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ جو احکام تورات میں دیئے گئے ہیں، انہیں اپنے پیشِ نظر رکھو۔ (۶۳ : ۲)۔(۱۷۱ : ۷)

۱۲۔ مومنین کے دل میں اگر یونہی کوئی غلط خیال آجاتا ہے تو وہ فوراً قوانینِ خداوندی کو اپنے سامنے سے لے آتے ہیں۔ (۲۰۱ : ۷) —— (۱۳) کشتی پر سوار ہو تو خدا کی نعمت کو یاد کرو۔ (۱۲ : ۴۳)

۱۴۔ اتباع صرف قرآن کا کرو۔ کسی اور کا نہ کرو۔ لیکن بہت کم ہیں جو اس حقیقت کو یاد رکھتے ہیں۔ (۳ : ۷)

۱۵۔ تذکیر کے معنی بات یاد دلانا۔ (۴۱ : ۱۰)

۱۶۔ کیا انسان کو یہ بات یاد نہیں کہ ہم نے اسے اسطرح پیدا کیا کہ اس سے پہلے یہ کوئی شے ہی نہیں تھا ——

(۱۹ : ۶۷) — (۷۶ : ۱)

۱۷۔ ذکر کے معنی اطاعت کے ہیں کیونکہ اس کے بعد تَوَلَّیْتُمْ اور اِعْتَدَوْا آیا ہے۔ (۲ : ۶۴-۶۵)

۱۸۔ ذکر کے معنی جہاد بھی ہو سکتے ہیں۔ (۴ : ۱۰۳) ۔ (۸ : ۴۵) ۔ طاغوتی قوتوں کے خلاف نبرد آزمائی (۲۰ : ۳۴ ؛ ۴۴) — (۳۳ : ۲۱)

۱۹۔ ہم نے زبور میں الذکر کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین صالحین کی وراثت ہے۔ (۲۱ : ۱۰۵)

انبیاءؑ کرام کا ذکر

۱۔ خدا کی اس رحمت کا ذکر جو اس نے زکریاؑ پر کی۔ (۱۹ : ۲)

۲۔ انبیاءؑ سابقہ کے تذکرہ کے بعد کہا کہ ھٰذَا ذِکْرٌ۔ یہ ان کا ذکر ہے۔ (۳۸ : ۴۹)

۳۔ حضرت عیسٰیؑ سے کہا کہ میری نعمت کو یاد کرو۔ (۵ : ۱۱۰)

۴۔ حضرت ایوبؑ کا تذکرہ، عابدین کے لئے ذکر ہے۔ (۲۱ : ۸۴)

۵۔ قرآن میں مریمؑ کا قصہ بیان کرو۔ (۱۹ : ۱۶) ۔ ابراہیمؑ کا (۱۹ : ۴۱) ۔ موسیٰؑ کا (۱۹ : ۵۱) ۔ اسمٰعیلؑ کا (۱۹ : ۵۴) ادریسؑ کا (۱۹ : ۵۶) ۔ داؤدؑ کا (۳۸ : ۱۷) ۔ ایوبؑ کا (۳۸ : ۴۱) ۔ ابراہیمؑ ۔ اسحٰقؑ ۔ یعقوبؑ کا (۳۸ : ۴۵) اسمٰعیلؑ ۔ الیسعؑ ۔ ذاالکفلؑ کا۔ (۳۸ : ۴۸) ۔ حضرت ہودؑ کا (۲۱ : ۴۶)

متفرق

۱۔ جس پر خدا کا نام لیا جائے، اسے کھاؤ۔ جس پر نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ۔ (۶ : ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲) ۔ (۵ : ۴)

۲۔ حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا تو کہا کہ یاد رکھو! میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کا ذکر کیا ہوتا ہے! انقلاب آفرین جدوجہد۔ (۲۰ : ۴۱) ۔ (۲۰ : ۴۲)

۳۔ ازواجِ مطہرات سے کہا گیا کہ تمہارے ہاں جو کتاب و حکمت کی تلاوت ہوتی ہے اسے پیشِ نظر رکھا کرو۔ (۳۳ : ۳۴)

۴۔ بنی اسرائیل کو نعمائے خداوندی کی یاددہانی۔ (۲ : ۴۰ ؛ ۴۷ ؛ ۶۳ ؛ ۱۲۲)

۲۔ ذلّت۔ پستی

(عزّت)۔ تکریم

ذلّت ۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ کسی قوم کی غلط روش کا نتیجہ اس دنیا میں ذلت و خواری، اور اگلی دنیا میں عذاب ہے۔ اگلی دنیا کا عذاب یہاں دیکھا نہیں جا سکتا اس لئے اس کے متعلق کوئی مرئی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس بنا پر انسان خود فریبی میں مبتلا رہ سکتا ہے کہ اس کی (غلط) روش غلط نہیں۔ لیکن دنیا کی ذلت و خواری ایسی چیز ہے جسے یہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس باب میں کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی قوم دنیا میں ذلیل اور پست ہے، وہ اپنی ضروریاتِ زندگی تک کے لئے دوسروں کی محتاج ہے، اسے اپنی حفاظت اور سلامتی کی طرف سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ صحیح روش پر نہیں چل رہی۔ اور جب وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہے تو اس کی عاقبت بھی سنوری ہوئی نہیں ہو سکتی۔ وہ وہاں بھی عذاب میں مبتلا ہوگی۔ (اس معیار اور اصول کے متعلق "دنیا" کے عنوان میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اسے دیکھ لینا ضروری ہے۔)

۱۔ قرآن کریم میں ذلت کے مقابلہ میں عزت کا لفظ آیا ہے۔ عزت کے معنی غلبہ اور قوت ہے۔ اس لئے ذلت، ہر قسم کی پستی، زبوں حالی، محتاجی، زیردستی اور محکومیت ہے۔ اور یہی صحیح اور غلط روش کے پرکھنے کا محسوس معیار ہے۔

۲۔ خدا کی ایک صفت عزیز بھی آئی ہے اس کے معنی صاحبِ غلبہ کے ہیں۔ اسے (اور خدا کی صفت عزت کو) غلبہ کے عنوان کے تحت دیکھئے۔

۳۔ تکریم میں عزت اور فراوانی کا تصور ہوتا ہے ہم نے اسے بھی، اسی عنوان کے تحت درج کر دیا ہے۔ دراصل کرَم کا مادہ عربوں کے ہاں بڑا وسیع المعانی تھا۔ اس کے اندر ہر فضیلت اور شرف و مجد کے امور و خصائل آ جاتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی جہاں یہ مادہ استعمال کیا ہے، اس کے بڑے وسیع معنی ہیں۔ ہمارے ہاں چونکہ تکریم کا لفظ بالعموم عزت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے اسے اس مقام پر درج کر دیا ہے۔

۴۔ اصولی طور پر قرآن نے کہا ہے کہ خدا نے تمام بنی آدم کو واجب التکریم پیدا کیا ہے۔ (۱۷:۷۰) اس لئے پیدائش کی نسبت سے کسی بچے کو صاحبِ عزت اور کسی کو ذلیل سمجھنا، اس اصولی تعلیم کے خلاف ہے۔ یہ اصول، مساواتِ انسانیہ

اور احترامِ آدمیت کا منشور ہے۔

ذلت خدا کا عذاب ہے

۱۔ کتابِ خداوندی کے ایک حصہ پر ایمان لانے اور دوسرے حصہ سے انکار کر دینے کا فطری نتیجہ اس دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ شدید ہے۔ (۲:۸۵)

۲۔ جماعتِ مومنین کے دشمنوں کو جنگ میں شکست ہوگی اور اس طرح وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ (۳:۱۱۱)-(۳:۱۲۶)-(۹-۱۴)-(۵:۵۹)

۳۔ نظامِ خداوندی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ یہ ان کی دنیا میں ذلت ہوگی۔ آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔ (۵:۳۳)-(۹:۶۳)-(۵۸:۵)-(۵۸:۲۰)

۴۔ منافقین اور یہود، جو جماعتِ مومنین کی مخالفت کرتے تھے، ان کے لئے دنیاوی زندگی میں ذلت اور آخرت میں عذابِ عظیم۔ (۵:۴۱)-(۵۸:۱۶)

۵۔ مفتری علی اللہ۔ اور حق کی تکذیب کرتے والے، دونوں کے لئے ذلت آمیز عذاب۔ (۶:۹۴)

۶۔ جماعت مومنین کے مخالفین کی ذلت آمیز تباہی۔ (۳:۱۷۷)-(۶:۱۲۵)-(۹:۲)-(۹:۱۴)

۷۔ انبیاءؑ کے مخالفین پر مصائب اور محتاجی کا عذاب۔ (۷:۹۴)

۸۔ اعمالِ حسنہ سے کبھی ذلت آمیز زندگی نہیں ہو سکتی۔ ذلت، اعمالِ سیئہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (۱۰:۲۶-۲۷)

۹۔ قومِ یونسؑ جب ایمان لے آئی تو اس سے دنیاوی ذلت کا عذاب اٹھ گیا۔ (۱۰:۹۸)

۱۰۔ حضرت صالحؑ اور ان کے ساتھی ذلت کے عذاب سے محفوظ رکھے گئے۔ (۱۱:۶۶)

۱۱۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ذلت آمیز تباہی کس کے حصے میں آتی ہے یہ تکذیبِ صداقت کا نتیجہ ہوگا۔ (۱۱:۹۳)

۱۲۔ حق و صداقت کے مخالفین کے لئے قیامت میں بھی ذلت آمیز عذاب ہوگا۔ (۱۶:۲۷)

۱۳۔ رسول اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم پر ذلت و خواری کا عذاب مسلط کرنے سے پہلے ہمیں متنبہ کیوں نہ کیا گیا۔ (۲۰:۱۳۴)

۱۴۔ خدا کے بارے میں بلا علم و دلیل جھگڑا کرنے والوں کو دنیا میں ذلت آمیز عذاب (۲۲:۸-۹)

۱۵۔ تکذیبِ آیاتِ خداوندی کرنے والوں کو ذلّت آمیز عذاب۔ (۲۲ : ۵۷)۔(۲۵ : ۶۹)۔(۳۹ : ۲۶)

۱۶۔ قوانینِ خداوندی سے استہزا کرنے والوں کی ذلّت آمیز تباہی۔ (۲۱ : ۶)۔(۳۶ : ۱۸)۔(۴۵ : ۹)

۱۷۔ محکومیت، ذلت آمیز عذاب ہے۔ (۲۳ : ۴۷)۔(۲۷ : ۳۷)۔(۳۴ : ۱۴)۔(۴۳ : ۵۲)۔(۴۴ : ۳۰)

۱۸۔ قومِ عاد کو دنیا میں ذلّت آمیز عذاب۔ (۴۱ : ۱۶)۔(۴۱ : ۱۷)۔ اور قیامت کا عذاب اس سے بھی ذلیل تر۔

۱۹۔ مخالفینِ حق و صداقت، ذلت سے جھکی ہوئی نگاہوں کے ساتھ آئیں گے۔ (۴۲ : ۴۵)۔(۶۸ : ۴۳)

(۷۰ : ۴۴)۔(۷۹ : ۹)۔ (۲۰)۔ قیامت میں ذلّت آمیز عذاب۔ (۴۶ : ۲۰)

۲۱۔ کسی کو گھروں سے نکال باہر کرنے والوں کے لئے ذلّت آمیز عذاب ہے۔ (۵۹ : ۲)

۲۲۔ منافقین، مسلمانوں کو ذلیل کہتے تھے۔ حالانکہ عزت سب مومنین کے لئے تھی۔ (۶۳ : ۸)

۲۳۔ قوانینِ خداوندی کی اطاعت نہ کرنے سے ذلّت نصیب ہوتی ہے (۲۲ : ۱۸)۔ اسے پھر کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

۲۴۔ خدا کی طرف سے ذلّت یونہی نہیں آجاتی۔ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے تھے۔ محتاجوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتے تھے۔ مالِ وراثت اکیلے کھا جاتے تھے۔ مال جمع کئے چلے جاتے تھے۔ اسی لئے تم ذلیل ہوگئے۔ (۸۹ : ۱۵-۲۰)

۲۵۔ کفار کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔ (۳ : ۱۷۸)۔ معصیتِ خدا و رسول سے۔ (۴ : ۱۴)۔ (۴ : ۳۷)

(۴ : ۱۰۲)۔(۴ : ۱۵۱)۔ (۲۶)۔ کمینے دشمن کو ذلیل کہا گیا ہے۔ (۶۸ : ۱۰)

۲۷۔ خدا و رسول کو اذیت دینے والوں کے لئے ذلت آمیز عذاب۔ (۳۳ : ۵۷)

۲۸۔ قیامت کے دن کی ذلت بہت بڑی ہوگی۔ (۱۶ : ۲۷)

۲۹۔ ملوکیت میں صاحبانِ عزت کو ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ (ملکۂ سبا کا قول)۔ (۲۷ : ۳۴)

۳۰۔ خدا، رسول اور اس کے ساتھیوں کو قیامت میں ذلیل نہیں کرے گا۔ (۶۶ : ۸)

۳۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلت آمیز عذاب آتا ہے۔ (۱۱ : ۳۹)۔
یہی رسول اللہؐ نے اپنی قوم سے کہا۔ (۳۹ : ۴۰)

۳۲۔ مؤمنین کی دعائیں کہ ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ (۳ : ۱۹۳)۔(۲۶ : ۸۷)

۳۳۔ کارگہِ کائنات پر غور و فکر نہ کرنے والے "آگ کے عذاب" میں جو بڑا رسوا کن ہے۔ (۳ : ۱۹۱)

۳۴۔ مساجد اللہ کی تخریب سے دنیا اور آخرت میں ذلت آمیز عذاب۔ (۲ : ۱۱۴)

۳۵۔ رزق کی تنگی، ذلت کا عذاب ہے۔ (۸۹ : ۱۶)

بنی اسرائیل کی ذلّت کی زندگی

۱۔ بنی اسرائیل نے جب سخت کوشی کی بجائے سہل انگاری کی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس پر ذلت و پستی کا عذاب مسلط ہو گیا۔ (۶۱ : ۲)

۲۔ یہ جماعتِ مومنین کے خلاف نبرد آزما ہوں گے تو شکست کھائیں گے اور ذلیل و خوار ہوں گے۔ (۱۱۱ : ۳)

۳۔ بنی اسرائیل اپنی غلط روش کی وجہ سے چالیس سال تک بیابانوں میں مارے مارے پھرتے رہے۔ (۲۶ : ۵)

۴۔ رسول اللہ کے زمانے کے یہودی جو اسلام کی مخالفت کرتے تھے، ان کے لئے دنیا کی زندگی میں ذلت و خواری اور آخرت میں عذابِ عظیم۔ (۹۰ : ۲) — (۴۱ : ۵)

۵۔ گؤسالہ پرستی کا نتیجہ دنیا میں ذلت و خواری تھی۔ جو، انسان ہوتے ہوئے، حیوانات کے سامنے جھک جائے یا سنگ و خشت کو سجدے کرنے لگ جائے اس کی ذلت میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ (۱۵۲ : ۷)

۶۔ فرعون کی حکومت ذلت آمیز عذاب تھا جس سے بنی اسرائیل کو نجات دلائی گئی۔ (۳۰ : ۴۴)

۷۔ بنی اسرائیل کو فرعون کے "مقامِ کریم" (باعزت مقامات) کا وارث بنایا گیا۔ (۵۸ : ۲۶) - (۲۶ : ۴۴)

عزّت

۱۔ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق زندگی بسر کرنے سے عزت ملتی ہے۔ اس کی خلاف ورزی سے ذلت (۲۵ : ۳)

۲۔ خدا کے نبی، دنیا اور آخرت دونوں میں معزز و مکرم ہوتے ہیں۔ (۴۴ : ۳)

۳۔ اعمالِ حسنہ کا نتیجہ عزت۔ اعمالِ سیئہ کا نتیجہ ذلت و خواری۔ (۲۶ - ۲۷ : ۱۰)

۴۔ عزت سب، اللہ۔ اس کے رسول۔ اور جماعت مومنین کے لئے ہے۔ (۸ : ۶۳)

۵۔ اسلام کا خدا، بلندیوں کی طرف لے جاتے والے راستوں کا مالک ہے۔ (۳ : ۷۰)

۶۔ منافق غیروں کے ہاں عزت تلاش کرتا ہے۔ عزت تو اللہ ہی کے ہاں سے مل سکتی ہے۔ (۱۳۹ : ۴) - (۶۵ : ۱۰)

(۸ : ۶۳) —— (۷) - یہ غیر اللہ کو الٰہ مانتے ہیں تاکہ ان کے ہاں سے انہیں عزت (غلبہ بقوت) مل جائے۔ (۸۱ : ۱۹)

۸۔ عزت خدا کے ہاں سے ملتی ہے۔ اعمالِ صالحہ انسان کو بلندیوں کی طرف لیجاتے ہیں (۱۰ : ۳۵) — (۹)۔ جنت کا مستحق، صاحبِ عزت و تکریم ہوتا ہے۔(۷۰

۱۰۔ کفر سے جھوٹی عزت حاصل ہوتی ہے۔ (۲ : ۳۸)۔ اُسے انانیت کہا جائے گا۔ یا پندارِ نفس۔ منافق کو بھی

ے ڈرتی ہے ۔ (۲ : ۲۰۶) ——— (۱۱)۔ خدا رب العزت ہے۔ (۳۷ : ۱۸۰)

۱۲۔ ابلیس نے خدا کی عزت کی قسم کھائی تھی ۔ (۳۸ : ۸۲)

۱۳۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ واجب العزت وہ ہے جو سب سے زیادہ فرائض شناس ہے ۔ (۴۹ : ۱۳)

۱۴۔ دنیاوی عزت و اکرام سے انسان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ (۸۹ : ۱۵)

۱۵۔ جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے۔ (یتیم) اس کی عزت کرنا نہایت ضروری ہے ۔ (۸۹ : ۱۷)

۱۶۔ جب ملوک کسی ملک پہ غلبہ حاصل کرتے ہیں تو وہاں کے اعزّہ کو اذلّہ بنا دیتے ہیں۔ (۲۷ : ۳۴)۔ (۶۳ : ۸)

۱۷۔ مومن ایک دوسرے کے سامنے جھکے ہوئے ہوتے ہیں (اَذِلّہ) لیکن مخالفین کے مقابلہ میں غلبہ و اقتدار کے مالک ہوتے ہیں۔ (۵ : ۵۴)

۱۸۔ مال و دولت حاصل کر لینے والا اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ صاحبِ عزت ہے (۱۸ : ۳۴)

با عزت روٹی (رزق کریم)

(۱) مومنین مجاہدین کے لئے رزق کریم۔ (۸ : ۴)۔ (۸ : ۷۴)۔ (۲۲ : ۵۰)۔ (۲۴ : ۲۶)۔ (۳۴ : ۴)

(۲) نساء النبی کو بھی ۔ (۳۳ : ۳۱)

کریم (صاحبِ عزت و تکریم)

۱۔ خدا کریم ہے۔ (۲۳ : ۱۱۶) — (۲۷ : ۴۰)۔ (۸۲ : ۶)۔ اکرم ہے ۔ (۹۶ : ۳)۔ ذوالجلال والاکرام ہے — (۵۵ : ۲۷)۔ (۵۵ : ۷۸)

۲۔ اس کے رسول کریم ہوتے تھے۔ (۴۴ : ۱۷)۔ (۶۹ : ۴۰)۔ (۸۱ : ۱۹)۔ مومن بھی صاحبِ تکریم ہوتے ہیں۔ (۳۶ : ۲۷)۔ (۳۷ : ۴۲)۔ (۷۰ : ۳۵)

۳۔ قرآن بھی کریم ہے ۔ (۵۶ : ۷۷)۔ (۸۰ : ۱۳)۔ اس کے لکھنے والے مکرم تھے ۔ (۸۰ : ۱۶)

۴۔ مومنوں کو اجرِ کریم ملے گا ——— (۳۳ : ۳۱)۔ (۳۳ : ۴۴)۔ (۳۶ : ۱۱)۔ (۵۷ : ۱۱)۔ (۵۷ : ۱۸)۔
انہیں مدخلِ کریم میں داخل کیا جائے گا ۔ (۴ : ۳۱)۔ ان میں سے اکرم وہ ہوگا جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہوگا۔ (۴۹ : ۱۳)

۵۔ ملائکہ۔ عبادِ مکرم ہیں۔ (۲۶ : ۲۱) ۔ کراماً کاتبین (۱۱ : ۸۲)

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کے مہمان معزز تھے۔ (۲۴ : ۵۱)

۷۔ قومِ فرعون کو مقامِ کریم سے نکال باہر کیا۔ (۵۸ : ۲۶) ــ (۲۷ : ۴۴)

۸۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ شجرۃ الزقوم کو چکھو۔ تم بڑے عزیز الکریم بنے پھرتے تھے۔ (۴۹ : ۴۴)

۹۔ مومن کو اگر کبھی لغو کے پاس سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ کراماً گزر جاتا ہے۔ (۷۲ : ۲۵)

۱۰۔ جو معیارِ خداوندی کی رو سے ذلیل ہو جائے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ (۱۸ : ۲۲)

متفرق

۱۔ انسانی اعمال کو محفوظ کرنے والے ملائکہ کو کراماً کاتبین کہا گیا ہے۔ یعنی باعزت لکھنے والے۔ (۱۱ : ۸۲)

۲۔ قرآنِ کریم لکھنے والے بھی صاحبِ عزت تھے۔ (۱۶ : ۸۰)

۳۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے کہ تم دنیا میں بڑے صاحبِ عزت بنے پھرتے تھے۔ (۴۹ : ۴۴)

۴۔ ماں باپ سے باعزت طریق پر بات کرو۔ (۲۳ : ۱۷)

ــــــ(۰)ــــــ

۳۔ ذوالقرنین

ذوالقرنین ۔ سورۂ کہف میں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے (اس کے لفظی معنی ہیں دو سینگوں والا) قرآن نے متعین طور پر نہیں بتایا کہ اس سے کون مراد ہے۔ غالباً اس لئے کہ اس زمانے کے مخاطب عرب، اس لقب سے اچھی طرح جانتے تھے کہ اس سے کون مراد ہے ورنہ وہ وہیں دریافت کرتے کہ یہ کس کا ذکر ہو رہا ہے۔ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جو واقعات بیان کئے ہیں۔ ان سے عصرِ حاضر کی تحقیق کا رخ اس طرف گیا ہے کہ اس سے مراد ایران کا شاہنشاہ کیخسرو (خورس یا سائرس) ہے اور اس کے دو سینگوں سے مراد میڈیا اور فارس کی دو سلطنتیں ہیں۔ کوئی سو سال کا عرصہ ہوا۔ اصطخر کے کھنڈرات سے شہنشاہ خورس کا ایک مجسمہ برآمد ہوا ہے جس کے سر پہ مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (SIR PERCY SYKES) نے اس مجسمہ کا فوٹو اپنی کتاب (A HISTORY OF PERSIA) کی جلد اول کے شروع میں دیا ہے۔ یہ شاہنشاہ، زرتشت کا

کا پیرو تھا۔ لیکن اس نے یہودیوں کو بابل کی اسیری سے نجات دلا کر، انہیں دوبارہ بیت المقدس میں آباد کیا تھا۔ اس سے اس کی وسعتِ ظرف اور انصاف پروری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نے ہر جگہ کمزور قوموں کی حمایت کی۔ اور انہیں بالادستوں کے ظلم وستم سے نجات دلا کر ان کی حفاظت کا سامان بہم پہنچایا۔ اس کے یہی جوہرِ انسانیت ہیں جن کی وجہ سے قرآن کریم نے اس کے تذکرہ کو اپنے دامن میں محفوظ کر کے اسے حیاتِ جاوداں عطا کر دی ہے۔

۱۔ اہلِ ایران اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں حکومتِ ایران کے زیرِ اہتمام اس کی یاد میں ایک عظیم الشان جشن منایا گیا جس میں ساری دنیا کی قوموں کے نمائندے بطور مہمان شریک ہوئے۔ ایرانی ابھی تک اپنا سلسلہ زمانہ قبل از اسلام کے مشاہیر سے ملاتے رہتے ہیں اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

۲۔ قرآن اس کے تذکرہ کی ابتدا اس طرح کرتا ہے کہ خدا نے اسے تمکن فی الارض عطا کیا تھا اور ہر قسم کے اسباب ووسائل کی فراوانی بخشی تھی۔ (۸۴-۸۳ : ۱۸)

اس نے پہلے ایران سے مغرب کی سمت کا رخ کیا اور اور لیڈیا کے دارالحکومت سارڈس کو فتح کر کے، سمندر کے کنارے تک جا پہنچا جہاں اسے یوں دکھائی دیا جیسے سورج سیاہ پانی میں ڈوب رہا ہے (۸۶-۸۵ : ۱۸)۔ پھر اس نے مشرق کی طرف لشکر کشی کی اور باختر کے علاقہ کی طرف گیا۔ (۹۱-۸۹ : ۱۸)۔ اس کی تیسری مہم کوہ کاکیشیا کی طرف تھی۔ جہاں اس نے درۂ کوہ میں ایک مضبوط دیوار بنا کر اس علاقہ کے باشندوں کو شمال کی طرف سے حملہ کرنے والے وحشی قبائل (یاجوج، ماجوج) کی مار دھاڑ سے محفوظ کر دیا۔ (۹۲-۹۸ : ۱۸) اس نے یہ سب کچھ بغیر کسی معاوضہ کے کیا۔ اس کی یہی مظلوم پروری ہے جس کی بنا پر قرآن نے اس کا ذکر اس حسن وخوبی سے کیا ہے۔

(یاجوج۔ ماجوج کے متعلق متعلقہ عنوان دیکھئے۔ نیز تفصیل کے لئے دیکھئے میری لغات القرآن۔ اور میری تصنیف "برقِ طور")

(-)

۴۔ ذوالکفل

ذوالکفل۔ قرآن کریم میں (حضرت) ذوالکفلؑ کا ذکر، دو مقامات پر آیا ہے (۸۵ : ۲۱)۔ (۴۸ : ۳۸)۔ چونکہ ان کا ذکر انبیاء کرام کے زمرے میں آیا ہے اس لئے انہیں نبی شمار کیا گیا ہے لیکن ان کا مزید تعارف نہیں آیا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ وہی ہیں جنہیں تورات میں حزقی ایل نبی کہہ کر پکارا گیا ہے اور جن کا صحیفہ عہدِ عتیق میں ہے۔

ر

۱- رَبّ

رَبٌّ - (ر-ب-ب) اس کے بنیادی معنی نشوونما دینا ہیں۔ یعنی کسی شے کو اس کے نقطۂ آغاز سے، بتدریج نشوونما دیتے ہوئے تکمیل تک پہنچانا۔ ایسا کرنے والے کو رَبّ کہتے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ آقا اور مالک کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع اَرْبَابٌ آتی ہے۔ نیز بڑے بھائی کو بھی رَبٌّ کہا جاتا ہے۔

بہت بڑی جماعت کے لئے اَلرِّبَّةُ آتا ہے۔ یہاں سے جماعت کو رِبِّيٌّ کہتے ہیں اس کی جمع رِبِّيُّوْنَ آتی ہے۔

اَلرَّبَّانِيُّ - جس کی نسبت رب کی طرف ہو۔ نیز معلم کو بھی کہتے ہیں جو لوگوں کی ذہنی نشوونما کرتا ہے۔

اَلرَّبِيْبَةُ - بیوی کی لڑکی جو اس کے پہلے خاوند سے ہو۔

قرآن کریم میں خدا کے لئے رب کا لفظ آتا ہے اور لفظ اللہ کے بعد (کہ جو اس کا ذاتی اسم ہے) سب سے زیادہ اسی کا استعمال ہوا ہے۔ اس لئے کہ خدا کی صفتِ ربوبیت بنیادی ہے۔ خالقیت (پیدا کرنے) کے بعد، ہر شے کو نشوونما دیتے ہوئے اسے بتدریج اس کے نقطۂ تکمیل تک پہنچا دینا، اسی صفتِ خداوندی کا مظاہرہ ہے۔ خارجی کائنات میں اس کی اس صفت کا مظاہرہ خدا کے قوانینِ فطرت کی رو سے از خود ہوتا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے، یہ پروگرام انسانی رفاقت سے بروئے کار آتا ہے۔ اس کے لئے ایک ایسے نظامِ معاشرہ کی ضرورت ہے جس میں افرادِ معاشرہ کی طبیعی نشوونما اور ان کی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما بطریقِ احسن ہوتی جائے۔ اسی کو نظامِ خداوندی یا اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں رب کا لفظ اتنی کثرت سے آیا ہے کہ ان تمام الفاظ کا درج کرنا بڑی تفصیل چاہتا ہے۔ ہم اس عنوان کے تابع، خدا کی صفتِ ربوبیت کی مختلف نوعیتوں کا ذکر کریں گے۔ ان تمام مقامات کا احاطہ نہیں کریں گے۔ جہاں لفظ ربّ آیا ہے۔

رب العالمین

خدا کی بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ خارجی کائنات اور عالمگیر انسانیت کا نشو ونما دینے والا ہے - اس کے لئے قرآن کریم میں رب العالمین کی اصطلاح آتی ہے - اس کی یہی رب العالمینی کی صفت ہے جس کی وجہ سے وہ درخورِ حمد وستائش ہے - اسی لئے قرآن کریم کے افتتاحیہ کی ابتدا الحمد للہ رب العالمین سے ہوتی ہے - (۱ : ۱) - (۵ : ۲۸) - (۶ : ۴۵) - (۶ : ۷۱) - (۶ : ۱۶۲) - (۷ : ۵۴) - (۷ : ۶۱) - (۷ : ۶۷ ؛ ۱۰۴ ؛ ۱۲۱) - (۱۰ : ۱۰) - (۳۷ : ۱۸۲) - (۳۹ : ۷۵) - (۴۰ : ۶۵)

رب السمٰوٰت والارض

(۱۳ : ۱۶) — (۱۷ : ۱۰۲) — (۳۶ : ۵۴) - رب السمٰوٰت السبع (۲۳ : ۸۶)

ربِ کعبہ

مکہ کا رب - (۲۷ : ۹۱) —— ربِ کعبہ (۱۰۶ : ۳)

رب المشارق والمغارب

رب المشارق - (۳۷ : ۵) والمغارب - (۷۰ : ۴۰) - رب المشرقین والمغربین - (۵۵ : ۱۷)

رب الفلق - (۱۱۳ : ۱) رب المشرق والمغرب (۲۶ : ۲۸) - (۷۳ : ۹)

رب الناس :- (۱۱۴ : ۱) —— ربکم ورب آبائکم (۲۶ : ۲۶) - (۴۴ : ۸)

رب العرش العظیم وکریم (۹ : ۱۲۹) - (۲۳ : ۸۶) - (۲۳ : ۱۱۶) — رب الشعریٰ (۵۳ : ۴۹)

رب العزت (۳۷ : ۱۸۰) — رب کل شئی (۶ : ۱۶۵) — رب کریم (۸۲ : ۶) - اکرم (۹۶ : ۳)

ربک الاعلیٰ - (۸۷ : ۱) — رب رحیم - (۳۶ : ۵۸) — رب عظیم - (۵۶ : ۹۶) - (۶۹ : ۵۲)

ربک فکبر (۷۴ : ۳) —— ربیّون - کئی انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کی معیت میں خدا پرستوں کی کثیر جماعت نے قتال کیا - (۳ : ۱۴۵)

ربانی

ہر نبی کی تعلیم یہ تھی کہ تم ربانی بنو ۔ (۷۸ : ۳) ۔ بنی اسرائیل کے ربانی ۔ (۴۴ : ۵) ۔ وہ انہیں بری باتوں سے روکتے نہیں تھے ۔ (۶۳ : ۵) ۔

بڑا بھائی

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم اور تمہارا ربّ جا کر مخالفین سے لڑو ۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں ۔ اس کے معنی بڑے بھائی (حضرت ہارونؑ) کے بھی لیے جاتے ہیں ۔ (۲۴ : ۵)

ارباب

۱۔ حضرت یوسفؑ کا وعظ کہ ارباب متفرقہ اچھے ہیں یا ایک خدا ۔ (۳۹ : ۱۲)

۲۔ اہل کتاب کو دعوت کہ ہم ایک دوسرے کو ربّ نہیں بنائیں گے ۔ (۶۳ : ۳) ۔ خدا نے اس کا حکم نہیں دیا کہ تم انبیاء اور ملائکہ کو رب بنا لو ۔ (۷۹ : ۳)

۳۔ نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنا رکھا تھا ۔ (۳۱ : ۹)

ربائب

بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکیوں سے نکاح حرام ہے ۔ (۲۳ : ۴)

رَبّنا و ربّی ۔ مومنین اور حضرات انبیاء کرام کی دعائیں

(۱) تقبل منا (۱۲۷ : ۲) ۔ (۲) واجعلنا مسلمین لک (۱۲۷ : ۲) ۔ (۳) اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ (۲۰۱ : ۲) ۔ (۴) افرغ علینا صبرا ۔ (۲۵۰ : ۲) ۔ (۵) لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ..... الخ ۔ (۲۸۶ : ۲) (۶) ۔ لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا (۸ : ۳) ۔ (۷) فاغفر لنا ذنوبنا (۱۶ : ۳) ۔ (۸) فقنا عذاب النار ۔ (۱۹۱ : ۳) ۹ ۔ لا تخزنا یوم القیمۃ (۱۹۴ : ۳) ۔ (۱۰) توفنا مع الابرار ۔ کفر عنا سیاٰتنا (۱۹۳ : ۳) ۔ (۱۱) یدخلنا مع القوم الصالحین

(۸۴ : ۵) ۔ (۱۲) ظلمنا انفسنا ..... (۲۳ : ۷) ۔ (۱۳) لاتجعلنا مع القوم الظالمین (۴۷ : ۷) ۔ (۱۴) لاتجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین (۸۵ : ۱۰) ۔ (۵ : ۶۰) ۔ (۱۵) اطمس علی اموالھم ..... (۸۸ : ۱۰) ۔ (۱۶) واجعلنی مقیم الصلٰوۃ (۴۰ : ۱۴) (۱۷) اٰتنا من لدنک رحمۃ (۱۰ : ۱۸) ۔ (۱۸) اصرف عنا عذاب جھنم (۶۵ : ۲۵) ۔ (۱۹) ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین (۷۴ : ۲۵) ۔ (۲۰) ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ (۳۰ : ۴۱) ۔ (۱۳ : ۴۶) ۔ (۲۱) اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (۱۰ : ۵۹) ۔ (۲۲) لاتجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا (۱۰ : ۵۹) ۔ (۲۳) جنتیوں کی دعا ۔ اتمم لنا نورنا (۸ : ۶۶) ۔ (۲۴) دعائے ابراہیمؑ ۔ رب اجعل ہذا بلدا آمنا (۱۲۶ : ۲) ۔ (۲۵) دعائے حضرت ذکریاؑ ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ (۳۸ : ۳) ۔ (۲۶) دعائے حضرت موسیٰؑ ۔ رب ارنی انظر الیک ۔ (۱۴۳ : ۷) (۲۷) ماں باپ کے لئے دعا ۔ ارحمھما کما ربّیٰنی صغیراً ۔ (۲۴ : ۱۷) ۔ (۲۸) حضورؐ کی دعا ۔ ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق ۔ (۸۰ : ۱۷) ۔ (۲۹) حضرت موسےٰ کی دعا ۔ اشرح لی صدری (۲۵ : ۲۰) ۔ (۳۰) ۔ حضور کی دعا ۔ رب زدنی علما (۱۱۴ : ۲۰) ۔ (۳۱) رب احکم بالحق (۱۱۲ : ۲۱) ۔ (۳۲) انصرنی بما کذبون (۲۶ : ۲۳) ۔ (۳۳) ۔ انزلنی منزلا مبارکا (۲۹ : ۲۳) ۔ (۳۴) لاتجعلنی فی القوم الظالمین (۹۴ : ۲۳) ۔ (۳۵) اعوذبک من ھمزات الشیاطین (۹۷ : ۲۳) ۔ (۳۶) رب اغفر وارحم (۱۱۸ : ۲۳) ۔ (۳۷) ھب لی حکما والحقنی بالصالحین (۸۳ : ۲۶) ۔ (۳۸) اوزعنی ان اشکر نعمتک (۱۹ : ۲۷) ۔ (۱۵ : ۴۶) ۔ (۳۹) انی ظلمت نفسی (۴۴ : ۲۷) ۔ (۱۶ : ۲۸) ۔ ۴۰ ۔ انی لما انزلت الی من خیر فقیر (۲۴ : ۲۸) ۔ (۴۱) انصرنی علی القوم المفسدین (۳۰ : ۲۹) ۔ (۴۲) ھب لی من الصالحین (۱۰۰ : ۳۷) ۔ (۴۳) ھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی (۳۵ : ۳۸) ۔ (۴۴) ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ (۱۱ : ۶۶) ۔ (۴۵) لاتذر علی الارض من الکافرین دیاراً (۲۶ : ۷۱) ۔ (۴۶) اغفرلی ولوالدی (۲۸ : ۷۱) ۔

متفرق

۱۔ اللہ کے سوا کسی کو رب تسلیم نہ کرو ۔ (۱۶۴ : ۶)

۲۔ وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً (۳۰ : ۲۵)

۳۔ ابلیس کی دعا ۔ فانظرنی الی یوم یبعثون ۔ (۷۹ : ۳۸)

۲۔ ربوٰ

ربوٰ (مادہ ر۔ ب۔ و) زیادہ ہونا۔ بڑھنا۔ اس کا عام ترجمہ سود کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے۔ قرآن کریم کا اپنا الگ، مخصوص، معاشی نظام ہے۔ اس کی تفصیل "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔ اس وقت صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ وہ اصولی طور پر یہ کہتا ہے کہ جہاں معاوضہ کا سوال ہو تو معاوضہ صرف محنت (LABOUR) کا لیا جا سکتا ہے محض سرمایہ (CAPITAL) پر معاوضہ نہیں لیا جا سکتا۔ جو معاوضہ سرمایہ پر لیا جائے اسے ربوٰ کہا جائیگا خواہ اس کی شکل کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ قرض پر کچھ زیادہ لینا، ربوٰ کی ایک شکل ہے۔ اس کی متعدد شکلیں اور بھی ہیں۔ مثلاً مکانات کا کرایہ۔ زمین کی بٹائی دوسرے کے کاروبار میں روپیہ لگا کر، نفع لینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تجارت میں بھی سرمایہ پر منافع لیا جاتا ہے۔ وہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ تجارت میں سرمایہ بھی لگایا جاتا ہے اور محنت بھی کی جاتی ہے۔ اس سے منافع صرف اس قدر لیا جا سکتا ہے جو محنت کا معاوضہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ سرمایہ پر بھی منافع لے لیا جائے تو وہ ربوٰ کی شق میں آجائے گا۔ (تفصیل اس کی "بیع" کے عنوان میں ملے گی)

قرآن کریم کا نظام یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ محنت کر کے کمائے۔ یعنی پیدا کرے۔ اس میں سے بقدر اپنی ضروریات کے لے اور باقی نوعِ انسان کی نشو و نما کے لئے دیدے۔ اس سے واضح ہے کہ ربوٰ اس نظام کی ضد ہے۔ اس میں انسان اپنی فاضلہ دولت کو دوسروں کی نشو و نما کے لئے دے دینے کے بجائے، اسے دوسروں کی محنت کی کمائی حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اسے اسلامی نظام کے خلاف اعلانِ جنگ کہا ہے۔

۱۔ کسی کو قرضہ دیا جائے تو صرف راس المال (PRINCIPAL MONEY) واپس لیا جا سکتا ہے۔ اس سے زائد کچھ نہیں لیا جا سکتا۔ کچھ زائد لینا ظلم ہے۔ (۲ : ۲۷۹)

۲۔ جب تم تک یہ حکم پہنچے تو قرض خواہ کے ذمے جس قدر سود ہو اسے چھوڑ دو۔ اگر وہ تنگ دست ہے تو اسے قرضہ کی واپسی کی مہلت دو۔ اور اگر وہ اس قابل ہی نہیں کہ قرض واپس دے سکے، تو اسے معاف کر دو۔ (۲ : ۲۷۸ ۔ ۲۸۰)

۳۔ اگر تم اس مسلک کو اختیار نہیں کرو گے تو اسے خدا اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ سمجھا جائے گا۔ (۲ : ۲۷۹)

۴۔ ربوٰ ہوسِ زر پرستی کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔ اس سے ذہنیت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کسی کو سانپ نے ڈس لیا۔

ہو اور وہ بری طرح مضطرب و بیقرار ہو - (۲ : ۲۷۵)

۵۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو ربٰو ہی کی ایک شکل ہے - یہ غلط ہے - بیع میں محنت کا معاوضہ لیا جاتا ہے - اس لئے وہ حلال ہے - ربٰو میں سرمایہ پر معاوضہ لیا جاتا ہے - وہ حرام ہے - (۲ : ۲۷۵)

۶۔ ربٰو کے متعلق سطحی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے قومی دولت میں اضافہ ہوتا ہے - یہ غلط ہے اس سے قوم کی اکتسابی قوتیں مضمحل ہوجاتی ہیں اسی لئے انفرادی اور قومی دولت میں آخرکار کمی ہوتی ہے - اس کا نتیجہ جہنم کی زندگی ہے - (۱۳۰ - ۱۲۹ : ۳)

۷۔ قومی دولت میں اضافہ ان عطیات (صدقات) سے ہوتا ہے جسے تم رفاہی امور کے لئے دیتے ہو - ربٰو سے قومی معیشت تباہ ہوجاتی ہے - (۲۷۶ : ۲)

۸۔ اگر تم کسی کو اس کے واجبات سے زیادہ دو اور نیت یہ ہو کہ اس سے تم اس کے مال میں سے کچھ زیادہ لے لوگے تو یہ ذہنیت تباہ کن ہے - قانونِ خداوندی کی رو سے صرف وہ مال بڑھتا ہے جسے تم دوسروں کی نشوونما کے لئے دے دیتے ہو - (۳۹ : ۳۰)

۹۔ یہود کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ ربٰو کا کاروبار کرتے تھے حالانکہ انہیں اس سے روکا گیا تھا - یہ "لوگوں کا مال" ناجائز طریق سے کھانا ہے - اس کا نتیجہ الم انگیز تباہی ہے (۱۶۱ - ۱۶۰ : ۴)

ہم اپنے موجودہ نظام سے قرآن کے معاشی نظام تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں - اس میں بینکنگ سسٹم کیا ہوگا - انشورنس کی شکل کیا ہوگی - بین الاقوامی کاروبار کیسے چلے گا - ان امور کی وضاحت قرآن کے "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی -

---

۲- رجعت الی اللہ

رجوع (ر - ج - ع) کے معنی میں پلٹنا - لوٹنا - واپس ہونا - اور رَجْعٌ کے معنی ہیں پلٹانا - قرآن کریم میں یہ الفاظ ان معانوں میں بھی استعمال ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر معانی میں بھی مثلاً (امداد وغیرہ حاصل کرنے کے لئے) کسی کی طرف رجوع کرنا - کسی کی طرف متوجہ ہونا یا انسان کے قدم کا کسی خاص منزل کی طرف اٹھنا - کسی خاص سمت کی طرف بڑھتے چلے جانا - کسی

محور کے گرد گردش کرنا۔

قرآن کریم کی رو سے، دین کا بنیادی نقطہ قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔ عام طور پر انسان یہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ سوسائٹی کی گرفت میں نہ آئے تو پھر وہ جو جی میں آئے کرے، اس کا کوئی مواخذہ نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ سوسائٹی کے نظام سے بالا خدا کا نظامِ مکافاتِ عمل ہے۔ اس کی رُو سے انسان کہیں بھی ہو اور وہ کچھ بھی کرے، اس کے عمل کا نتیجہ مرتب ہوکر رہتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے قرآن کریم میں اس قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ تم کہیں بھی ہو، تمہارا ہر قدم خدا کے قانونِ مکافات کی طرف اٹھ رہا ہے۔ تم کشاں کشاں اس کی طرف جا رہے ہو۔ تم اس سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ تم تو خود بخود اس کی طرف بڑھے چلے جاتے ہو۔ اس کے لئے اس نے "الیہ ترجعون" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ (الیہ ترجعون) اس زندگی میں بھی ہوتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی۔ اسے کہتے ہیں۔ خدا کے ہاں جانا۔ اس کے حضور پیش ہونا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی خاص مقام پر بیٹھا ہے اور ہم مرنے کے بعد اس مقام پر جا کر اس کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ خدا تو ہر مقام پر موجود ہے۔ وہ مکان اور زمان کی نسبتوں سے بلند ہے۔ اس لئے "خدا کی طرف" جانے سے مفہوم کسی خاص سمت یا مقام کی طرف جانا نہیں۔ بلکہ انسان کا، خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے، اپنے اعمال کے نتائج کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھنا ہے۔

ویدانت۔ یعنی ہندوؤں کے تصوف کی رو سے یہ مانا جاتا ہے کہ شروع میں صرف خدا کی ذات تھی اس میں سے تمام انسانوں کی روحیں نکلیں۔ پھر یہ سب روحیں اپنے کُل سے جا کر مل جائیں گی۔ یہ عقیدہ یکسر باطل ہے۔ انسان خدا کی مخلوق ہیں، اس کا جزو نہیں ہیں۔ اس لئے اس جزو کے کُل سے دوبارہ جا ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بدقسمتی سے خود ہمارے ہاں کے تصوف (وحدتِ وجود) میں بھی یہی عقیدہ آگیا ہے۔ اور اس کے لئے قرآن کریم کی اس قسم کی آیات کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس آیت یا اسی قسم کی دیگر آیات سے یہ قطعاً مراد نہیں کہ ہم خدا سے نکلے تھے اور پھر اسی میں جا ملیں گے۔ ان سے یا تو یہ مراد ہوتی ہے کہ خدا کی راہ میں جس قدر تکالیف و مصائب آتی ہیں آنے دو۔ ان کے علی الرغم ہمارا ہر قدم اسی کی طرف اُٹھے گا۔ ہم اپنا رُخ ادھر سے کبھی نہیں موڑیں گے۔ ہم اس منزل کی طرف بڑھے جائیں گے جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کی ہے۔ اور یا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے مرتب ہوتا ہے اور ہم اس کی گرفت کے دائرے سے باہر جا نہیں سکتے۔ (ان تمام امور کی تفصیل لغات القرآن میں ملے گی)

بعض آیات میں مرجع۔ مآل یا انجام کار کے لئے مصیر یا مآب جیسے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ان مقامات میں بھی مفہوم یہی

ہے کہ ہر معاملہ کا مآل و انجام خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ انسانی زندگی کا مآل یہ ہے کہ یہ اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو (علیٰ حدِ بشریت) منعکس کر کے خدا کے رنگ میں رنگا جائے۔ ان صفاتِ خداوندی کا اظہار انسان کے کیرکٹر سے ہوتا ہے۔

تخلیقِ کائنات کے سلسلہ میں، مبدأ اور معاد کے الفاظ آئے ہیں۔ مبدأ کے معنی ہیں تخلیق کی ابتداء۔ اور معاد کے معنی ہیں اشیائے کائنات کو مختلف گردشیں دے کر ان میں نت نئے اضافے کرتے جانا۔ اس کا تعلق تو تخلیق کے عنوان سے ہے لیکن اعادہ کے لحاظ سے ان آیات کو یہاں بھی درج کر دیا گیا ہے۔ اس سے مفہوم گردشیں دینا ہے۔

قانونِ مکافاتِ عمل

(بلا تخصیص اس امر کے کہ ظہورِ نتائج اس دنیا میں ہو یا آخرت میں)

۱۔ خدا کے بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کا ہر قدم اس کی طرف اٹھ رہا ہے (۲ : ۴۶) – (۲۳ : ۶۰)

۳۔ ظہورِ نتائج کے وقت سے خائف رہو۔ (۲ : ۲۸۱)

۴۔ ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے ہوگا۔ (۳ : ۵۴) – (۵ : ۴۸) – (۵ : ۱۰۵) – (۶ : ۶۰) – (۶ : ۱۰۸) – (۶ : ۱۶۵) – (۱۰ : ۴) – (۱۰ : ۲۳) – (۱۰ : ۷۰) – (۱۱ : ۴) – (۲۹ : ۸) – (۳۱ : ۱۵) – (۳۱ : ۲۳) – (۳۷ : ۶۸) – (۳۹ : ۷)

۵۔ تم سب اس کی طرف لوٹ رہے ہو۔ (۲ : ۲۴۵) – (۱۰ : ۴) – (۱۰ : ۴۶) – (۱۰ : ۵۶) – (۱۱ : ۴) – (۱۱ : ۳۴) – (۱۹ : ۴۰) – (۲۱ : ۳۵) – (۲۱ : ۹۳) – (۲۳ : ۱۱۵) – (۲۴ : ۶۴) – (۲۸ : ۷۰ ؛ ۸۸) – (۲۹ : ۱۷ ؛ ۲۱) – (۲۹ : ۵۷) – (۳۰ : ۱۱) – (۳۲ : ۱۱) – (۳۶ : ۲۲) – (۳۶ : ۸۳) – (۳۹ : ۴۴) – (۴۰ : ۴۳) – (۴۰ : ۷۷) – (۴۱ : ۲۱) – (۴۳ : ۱۲) – (۴۳ : ۴۵) – (۴۵ : ۱۵)

۶۔ اے نفسِ مطمئنہ – ارجعی الیٰ ربک – اپنے اعمال کے نتائج دیکھنے کے لئے اس کی طرف رجوع کر۔ (۸۹ : ۲۸)

۷۔ تمہاری رجعت یقیناً خدا کی طرف ہے۔ (۹۶ : ۸)

۸۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بلا مقصد پیدا کیا ہے اور تم نے ہمارے قانونِ مکافات کی طرف نہیں جانا۔ (۲۳ : ۱۱۵)

۹۔ سب اقوام ہمارے قانونِ مکافات کے سامنے حاضر ہوں گی۔ (۳۶ : ۳۲)

۱۰۔ فرعون اس زعمِ باطل میں مبتلا تھا کہ اس نے ہماری طرف آنا ہی نہیں - (۲۸ : ۳۹)

ہر قدم خدا کی متعین کردہ منزل کی طرف اٹھنا

۱۔ مومنین پر ہزار مصیبتیں آئیں، ان کا ہر قدم خدا کی متعین کردہ منزل کی طرف اٹھتا ہے (۲ : ۱۵۶)

قانونِ مکافاتِ عمل کی طرف قدم اٹھنا

(مرنے کے بعد کی زندگی میں)

۱۔ موت کے بعد کی زندگی میں تم خدا کی طرف رجوع کرو گے۔ (۲ : ۲۸) - (۳ : ۵۵) - (۶ : ۳۶) - (۶ : ۶۲) — (۱۰ : ۵۶) — (۱۰ : ۷۰) — (۲۱ : ۳۵) - (۲۹ : ۵۷) - (۳۰ : ۱۱) - (۳۲ : ۱۱) — (۷۲ : ۸) - (۸۸ : ۲۵ - ۲۶)

۲۔ ساحرینِ دربارِ فرعون نے کہا کہ تمہاری دھمکیوں سے ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہمارے اعمال کا فیصلہ خدا کے ہاں سے ہوگا۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے - (۲۶ : ۵۰)

۳۔ سرمایہ پرست کہتے ہیں کہ اول تو قیامت آئیگی ہی نہیں۔ اور اگر ہمیں خدا کی طرف جانا بھی ہوا تو ہم وہاں بھی مزے کریں گے - (۴۱ : ۵۰)

۴۔ کفار کہتے ہیں کہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا، یہ تو کچھ امرِ محال سا نظر آتا ہے۔ (۵۰ : ۳)

مصیر

۱۔ تمام امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں - (۴۲ : ۵۳)

۲۔ الی اللہ المصیر۔ (۲ : ۲۸۵) - (۳ : ۲۸) - (۵ : ۱۸) - (۲۲ : ۴۸) — (۲۴ : ۴۲) — (۳۱ : ۱۴) - (۳۵ : ۱۸) - (۴۰ : ۳) - (۴۲ : ۱۵) - (۵۰ : ۴۳) - (۶۰ : ۴) - (۶۴ : ۳)

۳۔ مصیر بمعنی 'ٹھکانا' بھی متعدد آیات میں آیا ہے۔ بالخصوص جہنم کے لئے۔ لیکن چونکہ اس کا تعلق زیرِ نظر موضوع سے نہیں اس لئے ان آیات کو یہاں درج نہیں کیا گیا۔

۸

رغب

۱- اپنے رب کی طرف راغب ہو - (۸ : ۹۴)

۲- ہم اپنے رب کی طرف راغب ہوتے ہیں - (۵۹ : ۹) - (۳۲ : ۶۸)

معاد

۱- جیسے ابتدا ہوئی تھی ویسے ہی معاد (لوٹانا) ہوگا- (۲۹ : ۷) - (۴ : ۱۰) - (۳۴ : ۱۰) - (۱۰۴ : ۲۱)
(۶۴ : ۲۷) - (۱۹ : ۲۹) - (۱۱ : ۳۰) - (۲۷ : ۳۰) - (۱۳ : ۸۵)

۲- ارض سے ابتدا- اسی میں لوٹائے جاؤگے (۵۱ : ۱۷) - (۴۹ : ۱۷) - (۵۵ : ۲۰) - (۱۸ : ۷۱) - عبید (۱۱۴ : ۵)

رجوع کے عام معانی (پلٹنا - گردش کرنا - واپس آجانا)

۱- جس طرح تم نے زندگی کی ابتدا کی تھی- اسی کی طرف پھر لوٹ جاؤگے (تعودون) - (۳۰ : ۷)

۲- کتنی قومیں ہم نے ہلاک کر دیں جو ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں - (۳۱ : ۳۶)

۳- جس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے وہ پلٹ کر نہیں آتی - (۹۵ : ۲۱)

۴- خدا اس پر قادر ہے کہ انسان کو لوٹا دے (موت کے بعد زندگی دے) - (۸ : ۸۶)

۵- والسماء ذات الرجع - (۱۰ : ۸۶) - مختلف گردشوں والے اجرام فلکی -

۶- مجرمین کی (موت کے بعد) درخواست کہ ہمیں واپس بھیج دے تاکہ ہم اچھے کام کر کے دکھائیں - (۱۰۰-۹۹ : ۲۳)
(۱۰۲ : ۲۶) - (۱۲ : ۳۲) - (۵۸ : ۳۹) - (۱۳ : ۵۷)

۷- تم موت کے وقت زندگی کو لوٹا کر بتاؤ - (۸۷ : ۵۶)

۸- منافقین مسلمانوں کے ساتھ مل جاتے تھے تاکہ اس طرح شاید مومن پھر سے کفر کی طرف لوٹ آئیں - (۷۱ : ۳)

۹- خدا ایسا کر دے کہ نہ وہ آگے جا سکیں نہ پیچھے لوٹ سکیں - (۶۷ : ۳۶)

۱۰- عذاب خداوندی آگیا تو اتنی مہلت بھی نہیں ملے گی کہ یہ اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ آئیں - (۵۰ : ۳۶)

۱۱- کارگہ کائنات پر غور و فکر کے لئے نگاہ کو دوڑاؤ - وہ خاسر و نامراد واپس آجائے گی اور اسے کہیں کوئی سقم نظر

نہیں آئے گا۔ (۳ : ۷۶)

حق کی طرف رجوع کرنا

۱۔ اوّاب۔ (۱۷ : ۲۵) ۔ (۳۸ : ۱۷) ۔ (۳۸ : ۲۴) ۔ (۳۸ : ۳۰) ۔ (۳۸ : ۴۴) ۔ (۳۹ : ۱۷) ۔ (۳۹ : ۵۴) ۔ (۴۰ : ۱۳) ۔ (۴۲ : ۱۰) ۔ (۴۲ : ۱۳) ۔ (۴۳ - ۳۲ : ۵۰) ۔ (۳۲ : ۶۸) ۔ (۸ : ۹۴)

۲۔ انسان نے ہماری ہی طرف آنا ہے۔ وہاں اس کا حساب ہو جائے گا۔ (۲۵ : ۸۸)

۳۔ ہلکا عذاب اس لئے آتا ہے کہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔ (۷ : ۱۶۸) ۔ (۴۱ : ۳۰) ۔ (۲۱ : ۳۲) ۔ (۴۸ : ۴۳)

۴۔ خدا تفصیلِ آیات کرتا ہے تاکہ شاید یہ لوگ حق کی طرف رجوع کریں۔ (۷ : ۱۷۴) ۔ (۲۷ : ۴۶)

۵۔ وعظِ ابراہیمی اس لئے تھا کہ اس کی نسل کے لوگ حق کی طرف رجوع کریں۔ (۲۸ : ۴۳)

۶۔ صمٌّ ۔ بکمٌ عمیٌ فھم لا یرجعون (۲ : ۱۸)

۷۔ انا الی اللہ راغبون ۔ (۹ : ۵۹) ۔ (۳۲ : ۶۸)

انابت الی اللہ

۱۔ جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے، خدا اس کے سامنے کامیابی کی راہیں کشادہ کر دیتا ہے۔ (۱۳ : ۲۷) ۔ (۴۲ : ۱۳)

۲۔ اس کا اتباع کرو جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے (۳۱ : ۱۵)

۳۔ حضرت داؤدؑ کی انابت الی اللہ (۳۸ : ۲۴) ۔ حضرت سلیمانؑ..... (۳۸ : ۳۴)

۴۔ انبیاء اور مومنین کی انابت الی اللہ (۱۱ : ۸۸) ۔ (۳۹ : ۱۷) ۔ (۳۹ : ۵۴) ۔ (۴۰ : ۱۳) ۔ (۴۲ : ۱۰) ۔ (۶۰ : ۴)

عبدِ منیب ۔ (۳۰ : ۳۱) ۔ (۳۴ : ۹) ۔ (۵۰ : ۸) ۔ (۵۰ : ۳۳)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کی انابت ۔ (۱۱ : ۷۵)

۶۔ انسان مصیبت کے وقت خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (۳۰ : ۳۳) ۔ (۳۹ : ۸)

مآب

۱- حسن مآب - (۳ : ۱۴) - (۱۳ : ۲۹) - (۳۸ : ۲۵) - (۳۸ : ۴۰) - (۳۸ : ۴۹)

۲- اہل جہنم کا مآب - (۳۸ : ۵۵) — (۷۸ : ۲۲) (۳) الی ربہ مآب - (۷۸ : ۳۹)

ہر معاملہ کا فیصلہ قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے

۱- تمام امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں - (۲ : ۲۱۰) — (۳ : ۸۲) — (۳ : ۱۰۸) — (۸ : ۴۴) — (۱۱ : ۱۲۳) — (۲۲ : ۷۶) — (۳۵ : ۴) — (۳۶ : ۲۲) — (۳۶ : ۸۳) - (۴۲ : ۵۳) - (۵۷ : ۵)

۲- زمین پہ جو کچھ ہے ہم اس کے وارث ہیں - اور سب ہماری طرف قدم بڑھاتے ہیں - (۱۹ : ۴۰) - (۲۴ : ۶۴

مآل و انجام - الیک المصیر

۱- ہر معاملہ کا آخری مستقر وہی ہے - (۲ : ۲۸۵) - (۳ : ۲۷) - (۵ : ۱۸) - (۲۲ : ۴۸) - (۲۴ : ۴۲) - (۳۱ : ۱۴) - (۳۵ : ۱۸) - (۴۰ : ۳) - (۴۲ : ۱۵) - (۵۰ : ۴۳) - (۶۰ : ۴) - (۶۴ : ۳) - (۲) الیہ مآب - (۱۳ : ۳۶) - (۷۸ : ۳۹)

۳- ساحرینِ دربارِ فرعون نے کہا کہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں - (۷ : ۱۲۵) — (۲۶ : ۵۰) — ہر ایک مومن کا اعلان - (۱۴ : ۴۳)

———(-)———

۴- رجم - رجیم

رجم کے بنیادی معنی پتھروں سے مارنا ہیں - زمانۂ قدیم میں سزائے موت کا ایک طریق یہ بھی تھا کہ مجرم کو پتھر مار مار کر مار دیتے تھے - اسے سنگسار کرنا بھی کہتے ہیں - قرآن کریم میں کسی جرم کی سزا رجم (سنگسار کرنا) نہیں آئی - یہ جو

کہا جاتا ہے کہ شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں، تو ان کی سزا رجم ہے، یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں زنا کی سزا سو کوڑے ہے۔ رجم نہیں۔ (دیکھئے عنوان زنا)

۲۔ رجم کے معنی دور ہٹا دینا اور محروم کر دینا بھی ہیں۔ شیطان کو جو رجیم کہا گیا ہے، تو اس کے معنی ہیں کہ اُسے نوازشاتِ خداوندی سے محروم کر دیا گیا۔ یہی معنی لعنت کے ہیں۔ (دیکھئے عنوان لعنت اور شیطان)۔ شیطان کے لئے رجیم ان آیات میں آیا ہے (۳ : ۳۶) ۔ (۱۵ : ۱۷) ۔ (۱۵ : ۳۴) ۔ (۱۶ : ۹۸) ۔ (۳۸ : ۷۷) ۔ (۸۱ : ۲۵)

۳۔ اٹکل پچو باتیں کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اسے "دُور کی کوڑی لانا" کہا جاتا ہے۔ (۱۸ : ۲۲)

زمانۂ قدیم میں مندروں اور معبدوں میں کاہن ہوتے تھے جو لوگوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ (اب بھی جہالت آمیز ملکوں میں ایسا ہوتا ہے) قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ وہ محض قیاس آرائیاں ہوتی تھیں جن کا مدار جہالت پر تھا۔ قرآن، سراپا علم ہے اس لئے نزولِ قرآن کے بعد، ان لوگوں کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اب انہیں "آسمانوں سے کوڑے پڑتے ہیں" (۱۵ : ۱۶ - ۱۸) ۔ (۳۷ : ۶ - ۹) ۔ (۶۷ : ۵) (۷۲ : ۸ - ۹)

(•)

۵۔ رحمت

رحمت (ر۔ ح۔ م) خدا کی صفتِ ربوبیت کے ساتھ ہی اس کی صفتِ رحمت ہے۔ رحمت اُس عطیہ کو کہتے ہیں جو کسی کی کمی پوری کرنے کے لئے ضرورت کے تقاضا کے مطابق دیا جائے۔ اس میں لطافت اور لچک کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ یعنی وہ سامانِ نشو و نما جو خدا کی طرف سے انسانوں کو بلامزد و معاوضہ ملتا ہے۔ چونکہ انسانی نشو و نما میں، جسمانی نشو و نما اور اس کی ذات کی نشو و نما دونوں شامل ہیں، اس لئے رحمت میں بھی ہر دو قسم کا سامان شامل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں وحی کو بھی رحمت کہا گیا ہے اور اسی جہت سے رسول اللہ کو رحمۃ للعالمین۔

رحمت کی نسبت سے خدا کی صفت، رحیم اور رحمٰن ہے۔ رحیم کے معنی ہیں عمومی حالت میں مسلسل سامانِ نشو و نما

بہم پہنچانے والا۔ اور رحمٰن کے معنی ہیں ہنگامی ضرورت کے وقت شدت اور غلبہ کے ساتھ سامانِ نشو و نما عطا کرنے والا۔

اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ قرآن کی رو سے خدا کے رحم کا تصور، اس تصور سے یکسر مختلف ہے جس پر عیسائیت کی عمارت قائم ہے۔ عیسائیت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی نجات اس کے اعمال کی رو سے نہیں ہوسکتی۔ یہ صرف خدا کے رحم سے ہوسکتی ہے۔ اور اس کے رحم کا تقاضا تھا کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت مسیحؑ) کے خون کو انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا۔ قرآن کی رو سے رحم کا کوئی ایسا تصور نہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، خدا کے رحم سے مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی طبیعی زندگی اور ذات کی نشو و نما کے لئے جس سامان کی ضرورت تھی، وہ خدا نے بلا مزد و معاوضہ اسے عطا کر دیا ہے۔

عام طور پر عدل اور رحم دو متضاد صفات شمار کی جاتی ہیں۔ لیکن خدا کی یہ صفات متضاد نہیں۔ مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک شخص آگ میں انگلی ڈالتا ہے تو اس کی انگلی جل جاتی ہے اس سے اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ خدا کے اٹل قانون (یعنی عدل) کا تقاضا ہے۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ لیکن اس نے اس کے ساتھ ہی ایسی دوائیاں پیدا کر دی ہیں جن سے اس جلن اور درد کو آرام ہو جاتا ہے۔ یہ اس کا رحم ہے۔ یہ بھی عالمگیر ہے اور جو چاہے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کو توبہ کہتے ہیں۔

خدا کی رحیم اور رحمٰن کی صفت قرآن کریم میں بے شمار مقامات میں آئی ہے۔ ہم نے ان تمام آیات کو درج نہیں کیا۔ صرف ان آیات کو درج کیا ہے جن میں ان صفات کے ساتھ کوئی اور خصوصیت بھی شامل ہے۔

رحمت

۱۔ اگر خدا کا قانونِ رحمت نہ ہوتا (یعنی غلطی کے بعد اصلاح کی گنجائش کا قانون) تو بنی اسرائیل، اپنے جرائم کی پاداش میں تباہ ہو جاتے۔ (۲ : ۶۴) - (۷ : ۴۹) - (۱۷ : ۸)

۲۔ خدا کی طرف سے نبوت ملنا نبی کے لئے بھی رحمت ہے اور نوعِ انسان کے لئے بھی رحمت (۲ : ۱۰۵) - (۳ : ۷۳) - (۶ : ۱۵۵) - (۷ : ۵۲) - (۱۰ : ۵۸) - (۱۱ : ۲۸) - (۱۱ : ۶۳) —— (۱۷ : ۸۶ - ۸۷) - (۱۸ : ۶۵) - (۱۹ : ۵۰) - (۲۱ : ۷۵) - (۲۱ : ۸۴ - ۸۶) - (۲۸ : ۴۶) - (۲۸ : ۸۶) - (۴۳ : ۳۲) - (۴۴ : ۶)

۳۔ قانونِ قصاص، جس میں قوموں کی زندگی کا راز مضمر ہے، خدا کی رحمت ہے۔ (۲ : ۱۷۸)

۴۔ حضورؐ کا نرم دل ہونا خدا کی رحمت تھی۔ (۳ : ۱۵۸)۔ رسول اللہؐ مومنین کے لئے رحمت ہیں۔ (۹ : ۶۱) رحمۃ للعالمین۔ (۲۱ : ۱۰۷)

۵۔ تم غلط افواہوں کے پیچھے لگ جاتے تو تباہ ہو جاتے۔ تم نے خدا کی راہ نمائی سے فائدہ اٹھایا تو اس تباہی سے بچ گئے۔ یہ خدا کی رحمت تھی۔ (۴ : ۸۳)۔ (۴ : ۱۱۳)

۶۔ خدا نے اپنے اوپر رحمت واجب قرار دے رکھی ہے (۶ : ۱۲-۵۴) لیکن مجرمین (جو جرائم سے باز نہ آئیں) اپنے کئے کی سزا پا کر رہیں گے۔ (۶ : ۱۴۸)۔ اس سے رحمت کا قرآنی تصور واضح ہو جاتا ہے۔ یہ رحمت مشروط ہے رسالت محمدیہ پر ایمان اور اعمالِ صالح سے۔ (۷ : ۱۵۶-۱۵۷)۔ رحمت ہر شے کو محیط ہے۔ (۷ : ۱۵۶)۔ (۴۰ : ۷)۔ جب وہ رحمت کا ارادہ کرے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ (۳۹ : ۳۸)

۷۔ کسی مضرت رساں واقعہ (یا تکلیف) کا رفع ہو جانا رحمت ہے۔ (۱۰ : ۲۱)۔ (۲۱ : ۸۴)

۸۔ قرآن خدا کے فضل و رحمت سے عطا ہوا ہے۔ (۱۰ : ۵۸)۔ یہ رحمت ہے (۷ : ۲۰۳)۔ (۱۲ : ۱۱۱)۔ (۱۶ : ۶۴ ; ۸۹)۔ (۱۷ : ۸۲)۔ (۲۷ : ۷۷)۔ (۲۹ : ۵۱)۔ (۳۱ : ۳)۔ (۴۴ : ۶)۔ (۴۵ : ۲۰)

۹۔ غلطی کی اصلاح ہو جانا رحمت ہے۔ (۲ : ۶۴)۔ (۱۱ : ۴۷)۔ (۴۸ : ۲۵)

۱۰۔ رحمت بمقابلہ عذاب۔ (۶ : ۱۵-۱۶)۔ (۱۷ : ۵۴)۔ (۲۹ : ۲۱)

۱۱۔ تورات رحمت تھی۔ (۶ : ۱۵۵)۔ (۷ : ۱۵۴)۔ (۱۱ : ۱۷)۔ (۲۸ : ۴۳)۔ (۴۶ : ۱۲)

۱۲۔ حضرت ایوبؑ کو ان کے اہل کا مل جانا رحمت تھی۔ (۲۱ : ۸۴)۔ (۳۸ : ۴۳)

۱۳۔ عیسائی راہبوں کے دل میں رافت اور رحمت ہوتی تھی۔ یہاں رحمت کے معنی عام نرمی کے ہیں۔ یہ اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں۔ (۵۷ : ۲۷)

۱۴۔ مومن ایک دوسرے کو مرحمت کی تلقین کرتے رہتے ہیں (۹۰ : ۱۷)

۱۵۔ اپنے والدین کی طرف رحمت کا بازو جھکاؤ۔ (۱۷ : ۲۴)

۱۶۔ آدمؑ کی پکار کہ اگر تیری رحمت نہ ہوئی تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (۷ : ۲۳)۔ حضرت نوحؑ کی پکار (۱۱ : ۴۷)

۱۷۔ خدا کی رحمت (وحی) کی راہ نمائی سے انسان برائی سے بچ سکتا ہے۔ (۱۲ : ۵۳)

۱۸۔ رحمتِ خداوندی کی رُو سے لوگ اختلاف سے بچ سکتے ہیں (۱۱ : ۱۱۸-۱۱۹)

۱۹۔ معاملات کے فیصلے کے دن تباہی سے وہی بچے گا جس پر خدا کی رحمت ہو گی ۔ (۴۲ : ۴۴)

۲۰۔ جنت میں داخلہ خدا کی رحمت ہے ۔ (۱۰۷ : ۳) — (۴۹ : ۷) — (۸-۹ : ۴۰) — (۳۰ : ۴۵) — (۱۳ : ۵۷)

۲۱۔ حضرت عیسیٰؑ خدا کی طرف سے رحمت تھے ۔ (۲۱ : ۱۹) ۔تمام انبیاء رحمت میں داخل تھے ۔ (۸۶ : ۲۱)

۲۲۔ خدا صاحب رحمت ہے ۔ (۱۳۴ : ۶) ۔ (۵۸ : ۱۸)

۲۳۔ حضرت موسیٰؑ کو ہارونؑ جیسا بھائی مل جانا خدا کی رحمت تھی ۔ (۵۳ : ۱۹)

۲۴۔ ایمان اور اسلام خدا کی رحمت ہے جو چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے ۔ (۹۹ : ۹) — (۸ : ۴۲) ۔ (۳۱ : ۷۶)

۲۵۔ اگر خدا کی رحمت نہ ہوتی (یعنی تم احتیاط نہ برتتے) تو ایک گروہ تمہیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ۔ (۸۳ : ۴) (۱۱۳ : ۴) ۔ واقعۂ افک کی تباہیوں سے بچ جانا خدا کی رحمت تھی ۔ (۲۱-۲۰ ؛ ۱۴ : ۲۴)

۲۶۔ رحمت بمقابلہ ہلاکت ۔ (۲۸ : ۶۷) — (۲۷) جو کچھ تم جمع کرتے ہو خدا کی رحمت اس سے بہتر ہے (۳۲ : ۴۳)

خدا کی رحمت کس پر ہوتی ہے

۱۔ راہ حق میں ہر مصیبت کو استقامت سے برداشت کرنے والے ۔ (۱۵۷ : ۲)

۲۔ مومن، مہاجر اور مجاہد ۔ (۲۱۸ : ۲) ۔ مقتولین فی سبیل اللہ ۔ (۱۵۶ : ۳) — (۹۵ : ۴) — (۹۶ : ۴) ۔ (۲۱ : ۹) ۔ دوہرا حصہ ۔ (۲۸ : ۵۷)

۳۔ اتباع قرآن سے ۔ (۱۵۶ : ۶) ۔ اعتصام بالقرآن سے ۔ (۱۷۶ : ۴)

۴۔ محسنین ۔ دوسروں کی کمی کو پورا کرنے والے ۔ (۵۶ : ۷) ۔ (۵۶ : ۱۲)

۵۔ جو وحی کی دی ہوئی وارننگ سے اپنے آپ کو محتاط کرے ۔ (۶۳ : ۷)

۶۔ حضرت ہودؑ اور ان کے متبعین کا تباہی سے محفوظ رہنا ، خدا کی رحمت تھی ۔ (۷۲ : ۷) — (۵۸ : ۱۱) — (۶۶ : ۱۱) — (۹۴ : ۱۱) ۔

۷۔ جو رسالت محمدیہ پر ایمان لائے اور اعمال صالح کرے ۔ (۱۵۷-۱۵۶ : ۷) ۔ رسول اللہؐ مومنین کے لئے رحمت ہیں ۔ (۶۱ : ۹) — (۸) ۔ قرآن کو خاموشی اور توجہ سے سننے سے (۲۰۴ : ۷)

۹ ۔ ایمان و اعمال صالح سے ۔ (۷۱ : ۹) ۔ اطاعت و اعمال صالح سے ۔ (۵۶ : ۲۴) ۔اطاعت خدا و رسول

سے (۱۳۱ : ۳)۔ تقویٰ سے۔ (۴۵ : ۳۶)

۱۰۔ جنہیں لوگ مقربین خداوندی سمجھ کر ان کی پوجا شروع کر دیتے ہیں وہ خود خدا کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں۔ (۵۷ : ۱۷) — (۱۱) خدا سے حفاظت طلب کرنے سے رحمت مل جاتی ہے۔ (۴۶ : ۲۷)

۱۲۔ قوانینِ خداوندی اور آخرت سے انکار کرنے والا رحمتِ خداوندی سے مایوس ہوتا ہے۔ (۲۳ : ۲۹)۔ ان کے برعکس مومن ہوتے ہیں۔ (۹ : ۳۹)

۱۳۔ اے میرے بندو! میری رحمت سے ناامید نہ ہو۔ غلطی کر بیٹھے ہو تو میرے قوانین کی طرف رجوع کرو۔ قرآن کی اطاعت کرو۔ قبل اس کے کہ مہلت کا وقفہ گذر جائے۔ (۵۳-۵۵ : ۳۹)۔ رَوح اللہ سے کافر مایوس ہوتے ہیں۔ (۸۷ : ۱۲) — (۱۴)۔ رحمت، توبہ سے مشروط ہے۔ (۷-۹ : ۴۰)

۱۵۔ جماعتِ مومنین سے کہا ہے کہ رسول پر ایمان لاؤ (اس کی بات مانو) تمہیں رحمت کا دہرا حصّہ دیا جائیگا۔ (۲۸ : ۵۷)

۱۶۔ مومن ایک دوسرے کو مرحمت کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ (۱۷ : ۹۰)

۱۷۔ تقویٰ شعار کو رحمت ملتی ہے۔ (۴۵ : ۳۶)۔ (۱۰ : ۴۹)

رحمت کی آرزو (دعا)

۱۔ عام مومنین کی طرف سے۔ (۲۸۶ : ۲)۔ (۷ : ۳)۔ (۱۰۹ : ۲۳)۔ (۱۱۸ : ۲۳)۔ (۱۵۵ : ۷)

۲۔ اصحابِ کہف کی طرف سے (۱۰ : ۱۸)

۳۔ حضرت سلیمانؑ کی دعا کہ مجھے اپنی رحمت سے عبادِ صالحین میں داخل کرلے۔ (۱۹ : ۲۷)

۴۔ مومن ایک دوسرے کو مرحمت کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ (۱۷ : ۹۰)

۵۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا۔ (۱۵۱ : ۷)۔ (۸۶ : ۱۰) — (۶) اپنے ماں باپ کے لئے دعا۔ (۲۴ : ۱۷)

۷۔ جنہیں لوگ خدا کے مقرّب سمجھتے ہیں وہ بھی خدا کی رحمت کے آرزومند ہوتے ہیں۔ (۵۷ : ۱۷)

عام دنیاوی خوشگواریاں رحمت ہیں

۱۔ انسان سے جب کوئی رحمت چھن جاتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ (۹ : ۱۱)۔ (۳۳ : ۳۰)۔ (۳۶ : ۳۰)۔ (۴۸ : ۴۲)۔ (۴۱ : ۵۰)۔ مخالفت شروع کر دیتا ہے۔ (۲۱ : ۱۰)

۲۔ بڑھاپے میں اولاد کا مل جانا (۱۱ : ۷۳) - (۱۹ : ۲) - حضرت مریم کو اولاد کی بشارت۔ (۱۹ : ۲۱)
۳۔ تمکن فی الارض - (۱۲ : ۵۶)
۴۔ اگر تم خدا کی رحمتوں کے خزانے کے مالک ہوتے تو انہیں ختم ہو جانے کے ڈر سے خرچ ہی نہ کرتے۔ (۱۷ : ۱۰۰)؛ (۳۸ : ۹) — (۵) - دشمن سے حفاظت کا سامان۔ (۱۸ : ۹۸)
۶۔ سزا میں تخفیف (قانون کی رو سے) رحمت ہے۔ (۲۴ : ۲ - ۱۰) - قانون کا نرم کر دینا بھی - (۲ : ۱۷۸)
۷۔ بارش رحمت ہے۔ (۷ : ۵۷) — (۲۵ : ۴۸) — (۲۷ : ۶۳) - (۳۰ : ۴۶) - (۳۰ : ۵۰) - (۴۲ : ۲۸) —— (۸) رات اور دن کا تنوع رحمت ہے - (۲۸ : ۷۳)
۹۔ میاں بیوی میں مودت اور رحمت پیدا کی۔ یعنی ایک دوسرے کے لئے سامانِ نشوونما۔ (۳۰ : ۲۱)
۱۰۔ خدا رحمت کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ (۳۳ : ۱۷) — (۳۵ : ۲) - (۳۹ : ۳۸)
۱۱۔ کشتیوں میں محفوظ رہنا رحمت ہے - (۱۱ : ۴۳) - (۳۶ : ۴۴)
۱۲۔ رحمت کے جامع معانی - (۱۸ : ۱۶) - (۴۲ : ۸) - (۷۶ : ۳۱)
۱۳۔ عام سامانِ زیست۔ مال و دولت - (۱۷ : ۲۸)
۱۴۔ قصۂ حضرت موسیٰ میں یتیم بچوں کا دفن شدہ خزانہ - (۱۸ : ۸۲)
۱۵۔ جنگ کی وجہ سے آنے والی مصیبتوں سے بچ جانا رحمت ہے - (۴۸ : ۲۵)
۱۶۔ تکالیف کا دور ہو جانا رحمت ہے - (۲۳ : ۷۵)

رحیم - رحمٰن

۱۔ خدا رحیم اور رحمٰن ہے - (۱ : ۲) - (۲ : ۱۶۳) — (۵۹ : ۲۲) - قرآن رحمٰن و رحیم کا نازل کردہ ہے (۴۱ : ۲)
۲۔ خدا غفور رحیم ہے - (۲ : ۲۱۸) - (مزید دیکھئے عنوان غفور)
۳۔ ارحم الراحمین - (۷ - ۱۵۱) - (۱۲ : ۶۴) - (۱۲ : ۹۲) - (۲۱ : ۸۳) - خیر الراحمین (۲۳ : ۱۰۹) - (۲۳ : ۱۱۸) -

رحمٰن

۱۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ (۲ : ۵۵)۔ ارض و سما کی تخلیق کی۔ (۵۹ : ۲۵)۔ (۳۷ : ۸)

۲۔ یہ رحمٰن کے بالمقابل دیویاں تراشتے ہیں۔ (۱۷ : ۴۳)۔ (۱۹ : ۴۴)۔ کہتے ہیں کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ (۲۰ : ۴۳)

۳۔ یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے کوئی شے تم پر نازل نہیں کی۔ (۱۵ : ۳۶)

۴۔ رحمٰن کے قانون کے مطابق مصیبت آئے تو اسے کوئی رفع نہیں کر سکتا۔ (۲۳ : ۳۶)

۵۔ بعث بعد الموت، رحمٰن کے وعدے کے مطابق ہے۔ (۵۲ : ۳۶)

۶۔ پرندوں کو فضا میں رحمٰن تھامے ہوئے ہے۔ (۱۹ : ۶۷)

۷۔ ہم رحمان پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۲۹ : ۶۷) — (۸) رحمٰن نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۶۱ : ۱۹)

۹۔ رحمٰن مہلت کا وقفہ بڑھاتا ہے۔ (۷۵ : ۱۹)

۱۰۔ یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کی اولاد بھی ہے۔ (۸۸ : ۱۹)۔ (۹۲-۹۱ : ۱۹)۔ (۲۶ : ۲۱)

۱۱۔ رحمٰن مومنوں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا۔ (۹۶ : ۱۹)

۱۲۔ رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔ (۵ : ۲۰) — (۱۳) تمہارا رب رحمٰن ہے۔ (۹۰ : ۲۰)

۱۴۔ یہ رحمٰن کے ذکر سے انکار کرتے ہیں۔ (۳۶ : ۲۱)

۱۵۔ رحمٰن کے اذن کے بغیر کسی کا کسی کے ساتھ کھڑے ہونا کام نہیں دے سکے گا۔ (۸۷ : ۱۹)۔ (۱۰۹ : ۲۰)

۱۶۔ ہمارا رب رحمٰن ہے۔ (۱۱۲ : ۲۱)

۱۷۔ رحمٰن کے قانونِ مکافات سے ڈرنے والے۔ (۱۱ : ۳۶)۔ (۳۳ : ۵۰)۔ (۴۵ : ۱۹)

۱۸۔ اسے اللہ کہو یا رحمٰن کہو۔ بات ایک ہی ہے۔ (۱۱۰ : ۱۷)

۱۹۔ جو رحمٰن کے ذکر سے منہ موڑتا ہے اس کا قرین شیطان ہوجاتا ہے۔ (۳۶ : ۴۳)

۲۰۔ رحمٰن کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (۴۵ : ۴۳)۔ (۲۱)۔ رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں۔ (۳ : ۶۷)

۲۲۔ رحمٰن کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ (۲۰ : ۶۷)۔ (۲۳)۔ قرآن میں آیات الرحمٰن ہیں۔ (۵۸ : ۱۹)

۲۴۔ رحمٰن کے خلاف سرکشی کرنے والے۔ (۶۹ : ۱۹)۔ (۲۵) رحمٰن نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۶۱ : ۱۹)

۲۶۔ کیا ان کفار نے رحمٰن سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے۔ (۷۸ : ۱۹)

۲۷۔ عباد الرحمٰن کی خصوصیات - (۶۳ : ۲۵)

۲۸۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے۔ (۶۰ : ۲۵)

۲۹۔ حضرت سلیمانؑ کا خط ملکۂ سبا کے نام - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (۳۰ : ۲۷)

۳۰۔ کائنات کی ہر شے رحمٰن کی عبد ہے - (۹۳ : ۱۹)

۳۱۔ محشر میں متقین خدا سے اعزاز حاصل کریں گے۔ (۸۵ : ۱۹)

۳۲۔ رحمٰن سے انکار کرنے والے - (۳۳ : ۴۳) - (۳۳) حضرت مریم نے رحمٰن کی پناہ مانگی - (۱۸ : ۱۹)

۳۴۔ حضرت مریم کا رحمان کے لئے روزہ - (۲۶ : ۱۹) - (۳۵) - شیطان، رحمٰن کا سرکش ہے - (۴۴ : ۱۹)

۳۶۔ اس دن سب آوازیں خدا کے حضور نرم پڑجائیں گی۔ (۱۰۸ : ۲۰)

۳۷۔ اس دن مملکت خدا کی ہوگی۔ (۲۶ : ۲۵)

۳۸۔ رحمٰن کے سوا کسی کی حفاظت کام نہیں دے سکتی۔ (۴۲ : ۲۱)

۳۹۔ رحمٰن کی طرف سے جب بھی ذکر آیا، لوگوں نے اس سے اعراض برتا - (۵ : ۲۶)

رحیم

۱۔ خدا رحیم و ودود ہے - (۹۰ : ۱۱) - (۲) - رب رحیم - (۵۸ : ۳۶)

۳۔ عزیز رحیم - (۶۸ : ۲۶) - (۲۱۷ : ۲۶) - (۵ : ۳۶) - (۴۲ : ۴۴)

۴۔ البرالرحیم - (۲۸ : ۵۲) — (۵) رحیماً - (۲۹ : ۴) - (۶۶ : ۱۷) - (۴۳ : ۳۳)

رؤف رحیم

(۱۴۳ : ۲) - (۱۱۷ : ۹) - (۷ : ۱۶) - (۴۷ : ۱۶) - (۶۵ : ۲۲) - (۲۰ : ۲۴) —
(۹ : ۵۷) - (۱۰ : ۵۹)

رسول اللہؐ رؤف و رحیم تھے - (۱۲۸ : ۹)

تواب رحیم

(۲ : ۵۴) - (۲ : ۱۲۸) - (۲ : ۱۶۰) - (۴ : ۱۶) - (۴ : ۶۴) - (۹ : ۱۰۴) - (۹ : ۱۱۸)
(۴۹ : ۱۲) ——— تواباً رحیماً - (۴ : ۱۶) - (۴ : ۶۵) - تواب حکیم (۲۴ : ۱۰)

متفرق

۱۔ محمد رسول اللہ والذین معہ أشداء علی الکفار رحماء بینہم (۴۸ : ۲۹)
۲۔ رحم دل اولاد - (۱۸ : ۸۱)

—— (-) ——

۴۔ رزق

رزق ۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے ۔ اس کا مفہوم "سامانِ زیست" کی اصطلاح سے سمجھا جا سکتا ہے یعنی ہر وہ شے جس سے انسان کی زندگی برقرار رہے اور اس کی نشو ونما ہوتی رہے ۔ چاہے یہ اس شکل میں ہو جس میں یہ فطرت کی طرف سے از خود ملتا ہے ۔ اور چاہے اس شکل میں جس میں اسے انسان اپنے کسب و ہنر سے تبدیل کرتا ہے یعنی موہباتِ خداوندی اور مصنوعاتِ انسانی دونوں اس میں شامل ہیں ۔ موہباتِ خداوندی ساری دنیا میں بکھری پڑی ہیں لیکن انہیں حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے ۔ جیسے زمین سے فصلیں اگانا ۔ پھر ان کے انتظام اور تقسیم کا سوال آتا ہے ۔ جو قوم خدا کے مقرر کردہ قوانینِ فطرت کے مطابق سعی و کاوش کرتی ہے، اسے رزق فراواں مل جاتا ہے ۔ جو ایسا نہیں کرتی اسے بنی تُلی روزی ملتی ہے ۔ اس کے لئے "من یشاء" کی اصطلاح آتی ہے ۔ یعنی جو قوم فراوانی سے رزق حاصل کرنا چاہتی ہے وہ اگر قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کرے تو اسے فراوانی سے رزق مل جاتا ہے ۔ جو ایسا نہیں چاہتی اسے تنگی سے رزق ملتا ہے ۔

پھر جو قوم اس رزق کو افراد کی ضروریات کے مطابق تقسیم کرتی ہے، اُسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے ۔ جس کے ہاں یہ تقسیم غلط پیمانوں کے مطابق ہو، وہاں معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ یعنی بعض

طبقوں میں بلاضرورت رزق جمع رہتا ہے اور دوسرے لوگوں کی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں۔

محنت نہ کرنے کی وجہ سے رزق میں کمی ہو جائے یا غلط تقسیم کی وجہ سے، رزق کی تنگی بہرحال خدا کا عذاب ہے اور جس قوم کا رزق تنگ ہو جاتا ہے (اور وہ اس پر قناعت کرکے بیٹھ جاتی ہے) اس کی آخرت بھی خراب ہوتی ہے۔

جہاں تک خدا کے طبیعی قوانین کے مطابق محنت کرکے رزق حاصل کرنے کا تعلق ہے۔ اس میں کافر و مومن میں کوئی تفریق نہیں۔ جو بھی اسطرح محنت کرے گا۔ اسے اس کا ثمرہ مل جائے گا۔ یہ تمیز رزق کی تقسیم کے وقت شروع ہوتی ہے۔ مومن اسے مستقل اقدارِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسان کی ربوبیتِ عامہ کے لئے صرف کرتا ہے۔ کافر اسے اپنی مصلحتوں کے مطابق تقسیم کرتا ہے جس سے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اکتسابِ رزق (رزق حاصل کرنے) کی صلاحیتوں میں مختلف افراد میں فرق ہوتا ہے۔ اس سے ایک فرد زیادہ پیدا کر لیتا ہے۔ دوسرا کم کماتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے جو نظام قائم ہوتا ہے، اس میں زیادہ کمانے والا، اپنی فاضلہ کمائی کو نظامِ مملکت کی تحویل میں دے دیتا ہے تاکہ وہ اس سے ان لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کا انتظام کرے جن کی کمائی ان کی ضروریات پوری نہیں کر سکتی۔

تفصیل ان امور کی "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔

۲۔ قرآن کریم میں رزق کے لئے لفظ فضل بھی آیا ہے اور معیشت بھی۔

رزق کی بسط و کشاد خدا کے قوانینِ فطرت کے مطابق ہوتی ہے یعنی انسانی حساب سے نہیں

۱۔ خدا رزق بغیر حساب دیتا ہے۔ یعنی ایک دانہ بونے سے بے شمار دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ (۲ : ۲۱۲)-(۳ : ۲۶)-(۳ : ۳۷)-(۲۴ : ۳۸) - (۴۰ : ۴۰)۔ یہ آیت رزقِ جنت سے متعلق ہے۔

۲۔ رزق کی بسط و کشاد قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتی ہے۔ (۲ : ۲۴۵) - (۹ : ۲۸) - (۱۲ : ۲۶)-(۱۷ : ۳۰)-(۲۸ : ۸۲)-(۲۹ : ۶۲)-(۳۰ : ۳۶-۳۷)-(۳۴ : ۳۶-۳۹)-(۳۹ : ۴۹-۵۲)—
(۴۲ : ۱۲) - (۴۲ : ۱۹)

۳۔ رزق تلاش کرنے کی تاکید۔ (۲ : ۱۹۸)-(۵ : ۲)-(۱۶ : ۱۴)-(۱۷ : ۱۲)-(۱۷ : ۶۶)—(۲۸ : ۷۳)-(۲۹ : ۱۷)-(۳۰ : ۲۳، ۴۶)-(۳۵ : ۱۲)-(۴۵ : ۱۲)-(۴۸ : ۲۹)—

(۸ : ۵۹) - (۱۰ : ۲۰) - (۱۰ : ۶۲) - (۳۰ : ۳۸)

۳۔ یہ اہلِ کتاب اگر تورات و انجیل کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے تو اوپر۔نیچے سے رزق ملتا۔ (۵ : ۶۶)

۴۔ انسان مصیبت اپنے ہاتھوں سے لاتا ہے۔اس لئے رزق کی تنگی بھی اس کی اپنی نالائقی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ ہے ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر کے معنی۔ (۳۰ : ۳۶-۳۷)

۵۔ سبا والوں کو رزق کی فراوانیاں حاصل تھیں۔انہوں نے وسائلِ رزق کی طرف سے تغافل برتا۔ اور جوع الارض کی ہوس میں دست درازیاں شروع کر دیں تو تباہ ہو گئے۔ (۳۴ : ۱۵-۱۹)

۶۔ خدا براہ راست رزق نہیں دیتا۔ایسا سمجھنا گمراہی ہے۔ (۳۶ : ۴۷)

۷۔ زمین سے رزق ایک خاص پیمانے کے مطابق نکلتا ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو بالادست لوگ سارا رزق سمیٹ کر بیٹھ جاتے اور سرکشی اختیار کر لیتے۔ (۴۲ : ۲۷)

۸۔ رزق کی تنگی ہوتی ہے تو انسان خدا کو اس کا ذمہ دار قرار دے کر کوسنے لگ جاتا ہے۔ (۸۹ : ۱۶)

۹۔ جو رزق قوانینِ خداوندی کے مطابق حاصل کیا جائے وہی بہتر اور باقی رہنے کے قابل ہوتا ہے۔ (۱۶ : ۹۶)۔ (۲۰ : ۱۳۱) - (۲۸ : ۶۰) - (۳۴ : ۳۹) - (۴۲ - ۳۶) - (۱۱ : ۶۲)۔

باقیات الصالحات۔ (۱۸ : ۴۶) - (۱۹ : ۷۶)

۱۰۔ رزق کی دُعائیں

حضرت ابراہیم کی دعا کہ میں نے اپنی اولاد کو مکہ کی بے برگ وگیاہ وادی میں بسا دیا ہے۔ان کے رزق کا سامان کر دیجیو۔ (۲ : ۱۲۶) - (۱۴ : ۳۷) - اس دعا کا نتیجہ۔ (۲۸ : ۵۷) حضرت عیسیٰ کی دعا۔ (۵ : ۱۱۴)

۱۱۔ دنیا میں معیشت کی تقسیم خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے۔ (۴۳ : ۳۲)

۱۲۔ زمین میں تمہارے لئے بھی معاشی ہے (۷ : ۱۰) اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔ (۱۵ : ۲۰)

خدا رزاق ہے۔یعنی اس نے سامانِ رزق پیدا کر رکھا ہے

لیکن جہاں تک تقسیم رزق کا تعلق ہے۔ خدا کے رازق ہونے کی ذمہ داری وہ نظامِ حکومت پوری کرتا ہے، جو خدا کے نام پر قائم ہوتا ہے۔یعنی اسلامی نظامِ مملکت۔

۱۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ اور تمہاری اولاد کو بھی۔ (۶ : ۱۵۲) - (۱۷ : ۳۱) - (۲۹ : ۶۰)-ظاہر

ہے کہ خدا کی یہ ذمہ داری نظامِ خداوندی کے ہاتھوں سے پوری ہوگی۔ ہر ذی حیات کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔
(۶ : ۱۱) ـ (۲۹ : ۶۰)

۲۔ زمین۔ آسمان سے رزق۔ (۲ : ۲۲) ـ (۱۰ : ۳۱) ـ (۱۴ : ۳۲) ـ (۲۷ : ۶۴) ـ (۳۴ : ۲۴) ـ
(۳ : ۳۵) ـ (۱۳ : ۴۰) ـ (۵ : ۴۵) ـ (۱۱ : ۵۰) ـ (۲۲ : ۵۱)

۳۔ خدا رزق دیتا ہے۔ کسی سے رزق مانگتا نہیں۔ (۲۰ : ۱۳۲) ـ (۵۸-۵۶ : ۵۱)

۴۔ خیرالرازقین۔ (۵ : ۱۱۴) ـ (۲۲ : ۵۸) ـ (۲۳ : ۷۲) ـ (۳۴ : ۳۹) ـ (۶۲ : ۱۱)

۵۔ کتنے جاندار ہیں جو اپنا رزق اپنی پیٹھ پہ لادے پھرتے ہیں؟ اللہ انہیں بھی دیتا ہے۔ تمہیں بھی۔ (۲۹ : ۶۰)

۶۔ اس نے پیدا کیا۔ اور رزق مہیا کیا۔ (۳۰ : ۴۰)

۷۔ خدا کسی کو براہِ راست رزق نہیں دیتا۔ ایسا سمجھنا جہالت ہے۔ (۳۶ : ۴۷)

۸۔ ذرائع رزق (ارض) سب ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں۔ (۳۱ : ۱۰)

۹۔ ایسی جگہ سے رزق جو انسان کے سان گمان میں بھی نہ ہو۔ (۶۵ : ۳)

۱۰۔ خدا کے رزق میں سے کھاؤ۔ (۲ : ۶۰) ـ (۳۴ : ۱۵) ـ (۶۷ : ۱۵)

۱۱۔ خدا رزاق ہے۔ (۵۱ : ۵۸)

۱۲۔ مکہ کی طرف جو کھانے پینے کی چیزیں باہر سے آتی تھیں انہیں "رزقاً من لدنا" (ہماری طرف سے رزق) کہا۔ (۲۸ : ۵۷)

۱۳۔ خدا نے انسان کو پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کے رزق کا سامان بھی کر دیا۔ (۳۰ : ۴۰)

۱۴۔ انسان جتنی محنت کرتا یا اس پر خرچ کرتا ہے، خدا کی طرف سے اس سے کہیں زیادہ ملتا ہے۔ اسے "رزق بغیر حساب" کہا گیا ہے۔ یعنی تمہارے حسابی تصور کے مطابق نہیں۔ (۲ : ۲۱۲) ـ (۳ : ۲۷) ـ (۳ : ۳۷) ـ (۳۸ : ۲۴)۔
جنت میں (۴۰ : ۴۰)

۱۵۔ زمین کی پیداوار تمہارے لئے معیشت ہے اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔ (۱۵ : ۲۰)

خدا کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس نے سامانِ رزق پیدا کر رکھا ہو۔

۱۔ اس اعتبار سے رزق عطا کرنے کی قدرت کسی اور میں نہیں۔ (۱۶ : ۷۳)۔ یہ سب خدا کی مخلوق و مملوک ہیں اور مملوک کو آقا جیسا اختیار کیسے ہو سکتا ہے۔ (۱۶ : ۷۵)

۲۔ معبودانِ باطل رزق کا اختیار نہیں رکھتے ۔ (۲۷ : ۶۴) — (۲۹ : ۱۷)

۳۔ خدا رزق کے ذرائع ختم کر دے تو کوئی رزق نہ دے سکے ۔ (۵۶ : ۶۳ - ۷۳) — (۶۷ : ۲۱) — (۳۰ : ۴۰) — (۸۰ : ۲۵ - ۳۲)

رزقِ خداوندی اور انسانی محنت

(۵۶ : ۶۳ - ۷۳)۔ اس لئے انسان اس میں سے اپنی محنت کا حقدار ہو سکتا ہے ۔ باقی حق خدا کا ہے ۔ جو اس کے ضرورت مند بندوں کو مل جانا چاہیئے ۔ (۶ : ۱۴۲)۔ (قرآن کریم میں اللہ کا یہی ایک حق مذکور ہے)

رزق میں انفاق

اپنی محنت کی کمائی سے دوسروں کو رزق دیا جا سکتا ہے ۔ اس اعتبار سے خدا کے علاوہ اور بھی رازق ہو سکتے ہیں اسی لئے خدا کو خیر الرازقین کہا گیا ہے ۔ (۵ : ۱۱۴) — (۲۲ : ۵۸) — (۲۳ : ۷۲) — (۳۴ : ۳۹) — (۶۲ : ۱۱)

۱۔ مومن وہ ہیں کہ جو کچھ خدا نے رزق عطا کر رکھا ہے وہ اسے نوعِ انسان کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھتے ہیں (۲ : ۳) - (۸ : ۳) - (۱۳ : ۲۲) - (۱۶ : ۷۵) - (۲۲ : ۳۵) - (۲۸ : ۵۴) — (۳۲ : ۱۶) - (۳۵ : ۲۹) - (۴۲ : ۳۸)

۲۔ خدا نے رزق سطحِ ارض پر بکھیر رکھا ہے ۔ اس میں سے فصل کاٹتے وقت، اس کا حق دے دیا کرو ۔ اور (اپنی ضروریات کے تعین میں) اسراف مت کرو ۔ (۶ : ۱۴۲) - (۶۸ : ۱۷ - ۳۲)

(نوٹ ۔ سارے قرآن میں (۶ : ۱۴۲) صرف ایک آیت ہے جہاں خدا نے اپنے حق کا ذکر کیا ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا ہے ۔ حقوق اللہ کے الفاظ قرآن میں کہیں نہیں آئے)

۳۔ یہ کہنا کہ ہمیں سب کچھ ہماری کاریگری سے ملا ہے اس لئے اس میں کسی اور کا حق کچھ نہیں، گمراہی ہے (۳۹ : ۴۹ - ۵۲) قارون یہی کہتا تھا (۲۸ : ۷۸)۔ یہی نظامِ سرمایہ داری کی بنیاد ہے ۔

۴۔ آخری انقلاب آنے سے قبل انفاق کرو ۔ (۲ : ۲۵۴)۔ موت سے قبل ۔ (۶۳ : ۱۰)

۵۔ انفاق نہ کرنے والوں کی ملامت (۴ : ۳۹) ۔ (نوٹ ۔ تفصیل کے لئے انفاق کا عنوان دیکھئے)

۶۔ رزق میں بخل کرنے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ کوئی اچھی بات ہے۔ (۱۸۰ : ۳)۔ اس کا چھپانا جرم عظیم ہے۔ (۳۷ : ۴)۔ (۶۷ : ۹)۔ رزق کے سرچشموں پر بند لگاتے والے تکذیبِ دین کرتے ہیں (۷-۱ : ۱۰۷)

۷۔ مٰا کسبتم سے بھی انفاق کرو۔ اور زمینی رزق سے بھی۔ (۲۶۷ : ۲)

رزق کی تنگی خدا کا عذاب ہے

۱۔ بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۲۔ قریش پر خدا کے احسانات۔ بھوک کے لئے رزق دیا۔ (۵-۱ : ۱۰۶)

۳۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے۔ اس کی معیشت (روزی) تنگ ہو جاتی ہے اور وہ قیامت میں اندھا اٹھتا ہے۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۴۔ لیکن اگر قوانینِ خداوندی کے مطابق تقسیمِ رزق نہ ہو تو قومیں فراوانیٔ معیشت سے بھی تباہ ہو جاتی ہیں (۵۸ : ۲۸)

۵۔ جو تنگیٔ رزق جہاد وغیرہ کے سلسلہ میں آئے، وہ خدا کا عذاب نہیں (۱۵۵ : ۲)

رزق کمانے کی استعداد میں فرق

۱۔ اکتسابِ رزق کی استعداد میں فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جنہیں زیادہ استعداد حاصل ہے، وہ اپنی ساری کمائی سمیٹ کر بیٹھ جائیں۔ یہ انعاماتِ خداوندی سے انکار کے مرادف ہوگا۔ انہیں چاہیئے کہ فاضل رزق اپنے ماتحت کام کرنے والوں کو دے دیں۔ (۷۱ : ۱۶)

۲۔ اس سے یہ ذہنیت پیدا کر لینا کہ سب کچھ ہماری ہنر مندی سے ملتا ہے۔ اس لئے دوسروں کا اس میں کیا حق ہے، گمراہی ہے۔ (۷۸ : ۲۸)۔ (۴۹-۵۲ : ۳۹)

۳۔ استعداد کا اختلاف معاشرہ کا کاروبار چلانے کے لئے ہے۔ (۳۲ : ۴۳)

رزقِ طیّب

پہلی شرط یہ ہے کہ رزق حلال ہو اور دوسری یہ کہ اس حلال رزق میں سے جو تمہارے لئے خوشگوار ہو (طیب)، اسے کھاؤ۔ حلال میں سے "طیب" کا معیار ہر ایک کا اپنا اپنا ہوگا۔

۱۔ جو کچھ خدا نے رزق دیا ہے، اس میں سے طیّب کھاؤ۔ (۲ : ۵۷) - (۲ : ۱۶۸) - (۲ : ۱۷۲) —
(۵ : ۸۸) - (۷ : ۱۶۰) - (۱۶ : ۱۱۴) - (۲۰ : ۸۱)

۲۔ رزقِ طیب کو کون حرام قرار دے سکتا ہے ؟ (۵ : ۸۷) — (۷ : ۳۲)

۳۔ اپنی حکومت (یعنی حکومتِ خداوندی) ہو تو رزقِ طیب ملتا ہے (۸ : ۲۶) - (۱۰ : ۹۳) - (۴۵ : ۱۴)

۴۔ رزق حسناً۔ (۱۱ : ۸۸) - (۱۶ : ۶۷) - (۱۶ : ۷۵) - (۲۲ : ۵۸) - (۶۵ : ۱۱)

۵۔ خدا نے رزقِ طیب دیا ہے۔ (۱۰ : ۹۳) - (۱۶ : ۷۲) - (۱۷ : ۷۰) - (۴۰ : ۶۴)

۶۔ رزقِ خداوندی میں خود ہی حرام و حلال کی تفریق مت پیدا کرو۔ (۱۰ : ۵۹)

۷۔ رزقِ خداوندی میں سے معبودانِ باطل کے حصّے نکال کر اسے حرام مت کرو۔ (۱۶ : ۵۶)۔ ہر وہ شے جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے حرام ہو جاتی ہے (دیکھئے عنوان حرام)

رزقِ کریم۔ عزّت کی روٹی

۱۔ مومنین کے لئے عزت کی روٹی ہے۔ (۸ : ۴) - (۸ : ۷۴) - (۲۲ : ۵۰) - (۲۴ : ۲۶) - (۳۳ : ۳۱) (۳۴ : ۴)

رزقِ حرام

۱۔ مشرکانہ تصوّرات و رسوم سے رزق حرام ہو جاتا ہے۔ (۶ : ۱۴۱ ؛ ۱۴۳ - ۵۳) - (۱۶ : ۵۶) -

۲۔ تم خود ہی رزق کو حرام و حلال قرار دینے لگ جاتے ہو۔ (۱۰ : ۵۹)

۳۔ رزقِ طیّب کو حرام مت بناؤ۔ (۵ : ۸۷)

اسراف

۱۔ رزق کے معاملہ میں، اپنی ضروریات کے تعین میں اسراف مت کرو۔ (۶ : ۱۴۲) - (۷ : ۳۱)
نہ ہی ہاتھ سکیڑ کر بیٹھ جاؤ۔ (۱۷ : ۲۹)

جنت میں رزق

۱۔ اہل جنت کے لئے رزق معلوم ہے - (۴۱ : ۳۷)

۲۔ ملتا جلتا رزق - (۲ : ۲۵)　　(۳)۔ مستقل رزق - (۴۲ : ۱۱) - (۵۴ : ۳۸)

۴۔ مقتولینِ فی سبیل اللہ کو رزق - (۳ : ۱۶۸-۱۷۰) - مہاجرین اگر راستے میں وفات پاجائیں تو بھی رزق (۵۸ : ۲۲)

۵۔ رزق بغیرِ حساب - (۴۰ : ۴۰)

۶۔ اہلِ جنت سے اہلِ جہنم کہیں گے کہ جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی عنایت کرو۔ (۷ : ۵۰)

۷۔ جہنم (کی زندگی) میں طعام نہ بھوک مٹا سکے گا نہ جسم کو فربہی دے سکے گا - (۷ : ۸۸)

۸۔ "جنتِ آدم" (جنتِ ارض) میں بھوک، پیاس، لباس، مکان کی طرف سے اطمینان (۱۱۸ : ۲۰)۔ اس میں جہاں کسی کو بھوک لگے، سیر ہو کر کھانے کو مل جائے۔ (۲ : ۳۵)

متفرق

۱۔ تمام کھانے پینے کی چیزوں کے لئے رزق کا لفظ - (۳ : ۳۶) - (۵ : ۴) - (۸ : ۴) - (۳۷ : ۱۲) (۱۹ : ۱۸) - (۷ : ۶۵)

۲۔ مذہبی پیشوائیت دین کی تکذیب کو اپنے لئے ذریعۂ رزق بناتی ہے (۸۲ : ۵۶)

۳۔ تم سامانِ زیست اپنے مملوک کو یکساں نہیں دیتے - (۲۸ : ۳۰)

۴۔ مویشیوں کا گوشت رزق ہے - (۲۸ : ۲۲) - (۳۴ : ۲۲) - لحمِ طیور - پرندوں کا گوشت (۲۱ : ۵۶)۔ لحماً طریا - مچھلی کا گوشت (۱۴ : ۱۶) - (۱۲ : ۳۵) صید البر و البحر - خشکی اور پانی کا شکار (۹۵-۹۶ : ۵)

۵۔ رزق کا لفظ جملہ ضروریات کے لئے - (۲۳۳ : ۲)

۶۔ کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے اپنی رزق کی ذمہ داری سے دستبردار مت ہو جاؤ - (۲۲ : ۲۴)

(۰)

۷۔ رسول

رسول (ر - س - ل) اس لفظ کے عام معنی قاصد یا پیغام رساں کے ہیں - لیکن یہ قرآن (یا دین) کی ایک

خاص اصطلاح ہے۔ جس برگزیدہ ہستی کو خدا کی طرف سے وحی ملتی تھی اسے نبی کہا جاتا تھا۔ لیکن نبی کا فریضہ یہ بھی تھا کہ وہ اُس وحی (یعنی پیغامِ خداوندی) کو دوسرے انسانوں تک بھی پہنچائے۔ اس اعتبار سے اسی ہستی کو رسولؐ کہا جاتا تھا۔ یعنی خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچانے والا۔ نبیؐ اور رسولؐ میں کوئی فرق نہیں تھا۔ یہ ایک ہی شخصیت کے دو منصب تھے۔ نبی، رسول ہوتا تھا اور رسول نبی۔ نہ نبوت، بغیر رسالت کے مکمل ہوتی تھی نہ رسالت، بغیر نبوت کے۔ اس اعتبار سے، ایک ہی شخصیت کو کبھی نبی کیا جاتا تھا، کبھی رسول۔ نبوت (یعنی خدا کی طرف سے وحی کا پانا) ذاتِ نبیٔ اکرمؐ پر ختم ہوگئی۔ (اسی لئے ہم نے اوپر ماضی کے صیغے استعمال کئے ہیں) لیکن جو وحی حضورؐ کو ملی تھی، وہ قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ اب امّت کا فریضہ ہے کہ اس قرآن کو دوسروں تک بھی پہنچائے۔

لیکن رسول کا منصب اپنے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا ہی نہیں ہوتا تھا۔ اُس کا منصب یہ بھی تھا کہ وہ اس پیغام کے مطابق ایک معاشرہ عملاً متشکل کرے۔ اسے نظامِ خداوندی یا اسلامی حکومت کہا جاتا ہے۔ نبیٔ اکرمؐ نے اُس قسم کا نظام قائم کیا۔ حضورؐ کے بعد یہی نظام خلافت کی شکل میں قائم ہوا۔ اسے ہمیشہ کے لئے قائم رہنا چاہیئے تھا۔ یہ اب بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ میری بصیرت کے مطابق اس نظام کی اطاعت کو 'خدا اور رسول کی اطاعت' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان اسلامی نظام)

لغت کی رو سے 'رسول' کا لفظ پیغامبر کے لئے بھی آتا ہے۔ اور اُس کے پیغام کے لئے بھی۔ اس اعتبار سے، قرآن بھی 'خدا کا رسول' کہلائے گا۔

چونکہ نبیؐ اور رسولؐ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو تھے اس لئے قرآن کریم میں جو خصوصیات نبی کی بیان ہوئی ہیں وہ رسول کی بھی ہیں اور جو رسول کی بیان ہوئی ہیں وہ نبی کی بھی ہیں۔ اس لئے اس عنوان کے ساتھ "نبی" کا عنوان بھی دیکھ لینا چاہیئے تاکہ مکمل تصویر سامنے آجائے۔ واضح رہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول صاحبِ شریعت ہوتا تھا اور نبی بغیر شریعت کے۔ یہ قرآن سے بے خبری کی دلیل ہے۔ قرآن کریم میں بالتصریح کہا گیا ہے کہ ہر نبی صاحبِ کتاب تھا اور ہر رسول صاحبِ کتاب۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کی طرف خدا کے رسول آتے رہے۔ لیکن اس میں تصریحاً ذکر انہی انبیائے کرام کا ہے جن سے عرب عام طور پر متعارف تھے۔ یعنی سامی اقوام کے رسول جو عرب اور اُس کے گرد وپیش کے علاقوں میں مبعوث ہوئے تھے۔ اس سلسلہ کی ابتدا حضرت نوحؑ سے ہوئی۔ لیکن نبوت کا خاتمہ (عرب ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں) نبیٔ اکرمؐ کی ذاتِ اقدس پر آکر ہوگیا۔ حضورؐ کے بعد دنیا میں کوئی نبی (یا رسول) خدا کی طرف سے

نہیں آ سکتا۔ اب نبوت یا رسالت اپنی مکمل شکل میں قرآن کے اندر ہے جو تمام نوعِ انسان کے لئے آخری اکمل اور محفوظ ضابطۂ حیات ہے۔ لیکن رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لانے والا اس کا مکلف ہے کہ وہ اصولی طور پر تمام سابقہ انبیاء (رسولوں) کی صداقت پر ایمان لائے یعنی اسے تسلیم کرے کہ وہ اپنے اپنے وقت میں خدا کی طرف سے سچے رسول تھے۔ لیکن اب ساری دنیا کے لئے رسول حضور خاتم النبیین ہی ہیں۔

جن رسولوں کا ذکر زیرِ نظر عنوان میں آتا ہے، ان کا تفصیلی تذکرہ خود ان سے متعلق عنوانوں میں آئے گا۔

اس سلسلہ میں عنوانات "انبیاء" اور "نبی" بھی دیکھنے ضروری ہیں۔ اور وحی بھی۔ یہ اس لئے کہ ختمِ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے براہِ راست علم ملنے کا سلسلہ حضور کے بعد ختم ہو گیا ہے، اس لئے اب کسی کا یہ دعوےٰ کہ اسے خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے (خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے) دعوےٰ نبوت ہے۔ اور ختمِ نبوت کے منافی۔

آئندہ صفحات میں جہاں کسی نبی یا رسول کے ساتھ زمانہ حال کا صیغہ استعمال ہوا ہے (مثلاً رسول اپنی وحی کا اتباع کرتا ہے) تو ایسا قرآنی الفاظ کے تتبع میں کہا گیا ہے۔ ویسے ہمیں تمام انبیاء اور رسولوں کے لئے ماضی کے صیغے استعمال کرنے چاہئیں کیونکہ انبیاء سب گذر چکے اور اب کوئی نبی آ نہیں سکتا۔

رسول کی خصوصیات

۱۔ خدا کا عبد - (۲ : ۲۳) - (۲ : ۹۰) - (۸ : ۴۱) - (۱۲ : ۲۴) - (۱۶ : ۲) - (۱۷ : ۱) - (۱۸ : ۱) - (۱۹ : ۲) - (۲۵ : ۱) - (۲۹ : ۳۶) - (۳۷ : ۸۱) - (۳۷ : ۱۲۲؛۱۳۲) (۳۷ : ۱۷۱) - (۳۸ : ۱۷) - (۳۸ : ۴۱) - (۳۸ : ۴۵) - (۴۰ : ۱۵) - (۵۳ : ۱۰) - (۵۴ : ۹) - (۵۷ : ۹) - (۶۶ : ۱۰) - وہ کسی کو اپنا عبد نہیں بنا سکتا - (۳ : ۷۸)

۲۔ رسول سے تاکید کہ وہ لوگوں کے خیالات کا اتباع نہ کرے - (۲ : ۱۲۰) - (۲ : ۱۴۵) - (۶ : ۵۶) - (۳۳ : ۱) - رسول اپنی وحی کا اتباع کرتا تھا - (۱۰ : ۱۰۹) - (۳۳ : ۲)

۳۔ رسالت وہبی تھی۔ یعنی وہ خدا کی طرف سے براہِ راست ملتی تھی اور اس میں اس کے اپنے کسب و ہنر یا خیالات کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ (۳ : ۷۳) - (۶ : ۱۲۵) - (۱۴ : ۱۱) - (۱۶ : ۲) - (۱۷ : ۸۶) - (۲۲ : ۷۵) - (۲۸ : ۸۶) - (۴۰ : ۱۵) - (۴۲ : ۲۴) - (۴۲ : ۵۱) - (۴۳ : ۳۱-۳۲) - (۵۳ : ۳-۴)

رسول اپنی وحی کی ردّ و بدل نہیں کر سکتا تھا۔ (۱۰ : ۱۵-۱۶) - وحی قلبِ نبوی پر نازل ہوتی تھی۔ (۲۶ : ۱۹۴)
وحی کے تین طریقے۔ (۴۲ : ۵۱)

۴۔ رسول کو ملک۔ علم۔ حکمت عطا ہوتا تھا۔ (۲ : ۲۵۱) - (۴ : ۱۱۳) - کتاب۔ حکم اور نبوت۔ (۶ : ۹۰) -
اسے وحی کے ذریعے وہ کچھ سکھایا جاتا تھا جس کا اسے از خود علم نہیں ہوتا تھا۔ (۴ : ۱۱۳)

۵۔ رسول اپنی وحی پر پہلے خود ایمان لاتا تھا۔ (۲ : ۲۸۵) - (۶ : ۱۴) - (۱۰ : ۱۰۴) - (۳۹ : ۱۲) -

۶۔ رسول پر غائب کے امور از روئے وحی، منکشف کئے جاتے تھے۔ یعنی اس پر جو وحی کی جاتی تھی۔ اس میں ایسی باتیں بھی ہوتی تھیں، جنہیں وہ انسان ہونے کی حیثیت سے جان نہیں سکتا تھا۔ (۳ : ۴۴) - (۳ : ۱۷۸) -
(۶ : ۵۰) - (۷ : ۱۸۸) - (۱۰ : ۲۰) - (۱۱ : ۳۱) - (۱۱ : ۴۹) - (۱۲ : ۱۰۲) - (۲۸ : ۴۶)
(۳۳ : ۶۳) - (۳۸ : ۶۹)

۷۔ خدا، رسول کو اپنے احکام دیتا تھا۔ اسے 'تلاوت' بھی کہتے ہیں۔ (۳ : ۱۰۷)

۸۔ رسول کو اپنی طرف سے دین کے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔ (۳ : ۱۲۷)

۹۔ رسول اپنی وحی میں کبھی خیانت نہیں کرتا تھا۔ (۳ : ۱۶۰)

۱۰۔ <u>بشریتِ رسول</u>

(۱) <u>مخالفین کا اعتراض کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو۔</u> (۶ : ۹۲) - (۱۱ : ۲۷) - (۱۴ : ۱۰) - (۱۷ : ۹۴)
(۲۱ : ۳) - (۲۳ : ۲۴) - (۲۳ : ۳۳-۳۴) - (۲۳ : ۴۷) - (۲۶ : ۱۵۴) - (۲۶ : ۱۸۶)
(۳۶ : ۱۵) - (۵۴ : ۲۴) - (۶۴ : ۶) - (۷۴ : ۲۵)

یہ کیسا رسول ہے۔ کھانا کھاتا ہے۔ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ (۲۱ : ۸) - (۲۵ : ۷) - اعتراف (۲۵ : ۲۰)
رسول مرد ہوتے تھے۔ (۱۲ : ۱۰۹) - (۱۶ : ۴۳) - (۲۱ : ۷) - ان کے بیوی بچے بھی ہوتے تھے۔ (۱۳ : ۳۸)

(۲) <u>رسولوں کا اعتراف کہ ہم بشر ہیں</u>

(۱۴ : ۱۱) - (۱۷ : ۹۳) - (۱۸ : ۱۱۰) - (۴۱ : ۶)

(۳) <u>رسول، دوسرے انسانوں کی طرح وفات پا جاتے تھے۔</u>

(۲۱ : ۳۴) قتل بھی کئے جا سکتے تھے۔ (۲ : ۶۱) - (۲ : ۸۷) - (۲ : ۹۱) - (۳ : ۲۱) - (۳ : ۱۱۱) -
(۳ : ۱۴۳) - (۳ : ۱۸۰) - (۳ : ۱۸۲) - (۴ : ۱۵۵) - (۵ : ۷۰) - خود رسول اللہؐ کے متعلق۔ (۳ : ۱۴۴)

(۴) **انہی میں سے رسول**

(۳ : ۱۶۴) - (۷ : ۶۳) - (۷ : ۶۹) - (۹ : ۱۲۸) - (۱۰ : ۲) - (۳۸ : ۴) - (۵۰ : ۲)

(۵) **جن و انس میں سے رسول** - (۶ : ۱۳۱)

۱۱- باذنِ خداوندی رسول کی اطاعت کی جاتی تھی - (۴ : ۶۴)

۱۲- رسول، وحی کی رو سے غلطیوں سے بچتے تھے - (۱۲ : ۲۴) - (۳۴ : ۵۰)

۱۳- خدا پہ ایمان رکھنا اور رسولوں پہ ایمان نہ رکھنا خدا اور رسولوں میں تفریق کرنا ہے۔ خدا پہ ایمان اسی صورت میں واقعی اور مؤثر ہو سکتا ہے، جب وحی پہ ایمان لایا جائے - (۴ : ۱۵۰-۱۵۱)

۱۴- مبشرین و منذرین - (۲ : ۱۱۹) - (۲ : ۲۱۳) - (۴ : ۱۶۵) - (۶ : ۴۸) - (۱۷ : ۱۰۵) - (۱۸ : ۵۶) - (۲۵ : ۵۶) - (۳۳ : ۴۵) - (۳۴ : ۲۸) - (۳۵ : ۲۴) - (۴۱ : ۴) - (۴۸ : ۸) - (نیز دیکھئے عنوان تبشیر وتنذیر جو آگے آتا ہے -

۱۵- رسول کے آنے سے اتمامِ حجت ہوجاتی ہے - (۴ : ۱۶۵) - (۷ : ۹۴) - (۱۰ : ۴۷) - (۱۷ : ۱۵) - (۲۰ : ۱۳۴) - (۲۸ : ۵۹) - (۴۰ : ۵۰) - (۵۰ : ۲۸)

۱۶- اگر (بفرضِ محال رسول بھی معصیتِ خداوندی کرے تو خدا کے عذاب سے نہ بچ سکے - (۶ : ۱۵) - (۸ : ۶۷-۶۸) - (۱۰ : ۱۵) - (۱۱ : ۶۳) - (۱۱ : ۱۱۳) - (۱۷ : ۳۹) - (۱۷ : ۷۵) - (۲۶ : ۲۱۳) - (۳۹ : ۱۳) - (۴۶ : ۸) - (۷۲ : ۲۲)

۱۷- **رسول اجرِ رسالت نہیں مانگتا**

(۶ : ۹۱) - (۱۰ : ۷۲) - (۱۱ : ۲۹) - (۱۱ : ۵۱) - (۲۵ : ۵۷) - (۲۶ : ۱۰۹) - (۲۶ : ۱۲۷) - (۲۶ : ۱۴۵) - (۲۶ : ۱۶۴) - (۲۶ : ۱۸۰) - (۳۴ : ۴۷) - (۳۸ : ۸۶) - (۴۲ : ۲۳) - (۵۲ : ۴۰) - (۶۸ : ۴۶)

۱۸- حضرت موسیٰ کی خصوصیت کہ خدا نے ان کے ساتھ کلام کیا - اس کی تشریح وحی کے عنوان میں ملے گی۔ (۷ : ۱۴۳)

۱۹- خدا کو رسول بھی نہیں دیکھ سکتا - (۷ : ۱۴۳)

۲۰ رسول کو اپنی ذات کے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں ہوتا - (۷ : ۱۸۸) - (۱۰ : ۴۹)

۲۱- خدا، رسول اور مومنین کو تباہی سے محفوظ رکھتا ہے - (۱۰ : ۱۰۳) - یہ غالب رہتے ہیں - (۳۷ : ۱۷۱-۱۷۳) - انکی

مدد کرتا ہے اس دنیا میں ۔ (۵۱ : ۴۰) ۔ یہی غالب رہیں گے (۲۱ : ۵۸) ۔ (۸ : ۶۶)

۲۲۔ رسول اللہ دعوت الی اللہ علیٰ وجہ البصیرت دیتے تھے ۔ (۱۰۸ : ۱۲)

۲۳۔ رسول کا پیغام اس کی قوم کی زبان میں ہوتا تھا ۔ (۴ : ۱۴)

۲۴۔ خدا اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔ (۴۷ : ۱۴) ۔ (۵۵ : ۴۰)

۲۵۔ رسول اپنی قوم کے بھائی بندوں میں سے ہوتے تھے ۔ (سورۂ شعراء ۲۶ آیات ۱۰۵ سے آگے ۔ مختلف انبیاء کے سلسلہ میں یہی کہا گیا ہے ۔ نیز یہ کہ وہ امن کے ضامن ہوتے تھے) امین ۔

۲۶۔ مرسلین خدا کے حضور ڈرتے نہیں تھے ۔ کیونکہ وہ مجرم نہیں ہوتے تھے ۔ (۱۰ : ۲۷)

۲۷۔ خدا کے برگزیدہ بندوں پر سلام ۔ (۵۹ : ۲۷) ۔ (۷۹ : ۳۷)

۲۸۔ رسول بھی اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے امداد کا خواستگار ہوتا تھا ۔ مہم کی گراں باری کا احساس بھی ہوتا تھا ۔ (۳۵-۳۱ : ۲۸) ۔ (۲۹) ۔ رسول، ملک کے صدر (مرکزی) مقام میں مبعوث ہوتا تھا ۔ (۵۹ : ۲۸)

۳۰۔ سلامٌ علی المرسلین ۔ (۱۸۱ : ۳۷) ۔ (۳۱) ۔ رسول دیدۂ بینا اور قوتِ بازو رکھتے تھے ۔ (۴۵ : ۳۸)

۳۲۔ رسولوں پر کتاب نازل کی اور ساتھ ہی میزان اور فولاد نازل کیا ۔ یعنی ذرائع قوت ۔ (۲۵ : ۵۷)

۳۳۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ۔ (۹-۱ : ۶۰) ۔ حضور نبی اکرمؐ کی زندگی میں بھی ۔ (۲۱ : ۳۳)

۳۴۔ رسولوں کی بیویاں اگر ایمان نہ لائیں تو وہ ان کے اہل نہیں ہو سکتیں ۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی غیر مومن بیویاں ۔ (۱۰ : ۶۶) ۔ اولاد بھی ۔ پسرِ حضرت نوحؑ ۔ (۴۶ : ۱۱)

۳۵۔ وحی کے معاملات میں رسول کو کوئی دخل نہیں ہوتا تھا ۔ (۱۲۷ : ۳)

۳۶۔ رسول نبوت سے پہلے بھی اپنی قوم کا معتمد علیہ فرد ہوتا تھا ۔ (۶۲ : ۱۱) ۔ وہ اپنے دعوے کی صداقت کے ثبوت میں "اپنی قبل از نبوت زندگی کو بطور شہادت پیش کرتا تھا ۔ (۱۶ : ۱۰)

۳۷۔ ایک ہی فرد کو رسول بھی کہا گیا اور نبی بھی ۔ (۵۴-۵۱ : ۱۹)

۳۸۔ ہونے والے رسول کی نگہ پرداخت شروع سے ہوتی تھی ۔ جب وہ مشیت کے پیمانے پر پورا اترتا تو اسے نبوت عطا کر دی جاتی تھی ۔ (۴۱-۳۷ : ۲۰)

۳۹۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ امید ہے کہ میرا خدا میری خطاؤں کو معاف کر دے گا ۔ (۸۲ : ۲۶)

فرائضِ رسالت

۱۔ وحی کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا (تلاوت) تعلیمِ کتاب و حکمت۔ تزکیہ۔ (۲ : ۱۲۹) ۔ (۲ : ۱۵۱)
(۳ : ۱۶۴) ۔ (۶۲ : ۲) ۔ (۶۵ : ۱۱) ۔ (۹۸ : ۲) ۔ خدا کی طرف سے رسول کو وحی ملنے کیلئے بھی تلاوت کا لفظ آیا ہے (۳ : ۱۰۸)

۲۔ اپنے متبعین کے اعمال کا نگران۔ (۲ : ۱۴۳) ۔ ان کے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرنا۔ (۵ : ۴۸) ۔
وحی کے روسے ان زنجیروں کو توڑ ڈالنا جن میں نوعِ انسان گرفتار رہو۔ (۷ : ۱۵۷)

۳۔ ان فرائض کی سرانجام دہی کے سلسلہ میں مشکلات کا سامنا۔ (۲ : ۲۱۴) ۔ (۹۴ : ۲)

۴۔ رسول کے ذمے ابلاغِ رسالت ہے۔ کسی کو ہدایت پر لے آنا نہیں (یعنی راستہ دکھا دینا۔ نہ کہ بالضرور اس راہ پر چلا دینا) ۔ (۲ : ۲۷۲) ۔ (۳ : ۱۹) ۔ (۵ : ۹۹) ۔ (۷ : ۶۲) ۔ (۷ : ۶۸) ۔ (۷ : ۷۹) ۔
(۷ : ۹۳) ۔ (۲۷ : ۸۰-۸۱) ۔ (۲۷ : ۹۲) ۔ (۲۹ : ۱۸) ۔ (۳۰ : ۵۲-۵۳)
حتیٰ کہ رسول اگر کسی کے متعلق دل سے بھی چاہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرے، تو ایسا کر دینا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا تھا۔ (۲۸ : ۵۶)

۵۔ رسول، دوسرے انسانوں سے اپنی اطاعت نہیں کراتا تھا۔ صرف انہیں ربّانی بناتا تھا اس کتاب کی تعلیم سے جو اسے خدا کی طرف سے ملتی تھی۔ (۳ : ۷۹)

۶۔ رسول، خدا پر ایمان لانے کی منادی کرتا تھا۔ (۳ : ۱۹۲)

۷۔ رسول کو داروغہ بنا کر نہیں بھیجا جاتا تھا۔ (۴ : ۸۰) ۔ (۶ : ۶۶) ۔ (۶ : ۱۰۸) ۔ (۴۲ : ۶) ۔ (۸۸ : ۲۲)
(نیز دیکھئے عنوان رسالتِ محمدیہ)

۸۔ امورِ مملکت کی سرانجام دہی فرائضِ رسالت میں سے تھی۔ اس کی تفصیل عنوان "اطاعتِ خدا و رسول" میں دیکھئے۔
(۴ : ۸۳) ——— (۹) ۔ فریضۂ تبلیغ تو رسالت کا منصب تھا۔ لیکن رسول پر ذمہ داری اس کی اپنی ذات ہی کی ہوتی تھی۔ (۴ : ۸۴) —— (۱۰) ۔ اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ رسول کے ذمے۔ (۴ : ۱۰۲)

۱۱۔ لوگوں کے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرنا۔ (۲ : ۲۱۳) ۔ (۴ : ۱۰۵) ۔ (۵ : ۴۸) ۔
(۲۴ : ۴۸) ۔ (۳۸ : ۲۶)

۱۲۔ جماعت کو جنگ کے لئے تیار اور آمادہ کرنے کا فریضہ۔ (۸ : ۶۵) ۔ فوج کی سپہ سالاری۔ (۳ : ۱۲۰)

۱۳۔ جماعت کی تعلیم و تربیت۔ راتوں کو تفکر و تدبر۔ دن کو وسیع پروگرام۔ (۹-۱ : ۷۳)

۱۴۔ رسول، وحی کو دوسروں تک پہنچانے میں بخل نہیں برتتا تھا۔ (۲۴ : ۸۱)۔ جو کچھ بھی اسے خدا کی طرف سے ملتا تھا۔ اس کا فریضہ تھا کہ وہ تمام کا تمام دوسروں تک پہنچا دے۔ (۶۷ : ۵)۔ لہٰذا، رسول کی تعلیم میں کوئی سر مستور نہیں ہوتا تھا۔ کوئی ایسا راز نہیں ہوتا تھا کہ جسے وہ بعض کو بتا دے اور دوسروں سے چھپائے رکھے۔ اس میں "باطنی تعلیم" کا کوئی تصور نہیں تھا۔

سلسلۂ رسالت

۱۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ تک سلسلۂ رسل جاری رہا۔ (۸۷ : ۲)۔ قرآن کریم میں ہر جگہ سلسلۂ انبیاء کا آغاز حضرت نوحؑ سے بتایا گیا ہے۔ (۱۶۳ : ۴)

۲۔ حضورؐ من زمرۂ رسل ہیں۔ (۲۵۲ : ۲)۔ (۳ : ۳۶)۔

۳۔ رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت۔ (۲۵۳ : ۲)۔ (۵۵ : ۱۷)

۴۔ تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی کی تفریق نہیں کی جا سکتی۔ (۲۸۵ : ۲)۔ (۴ : ۱۳۶)۔ (۱۵۲-۱۵۰ : ۴)۔ (۱۶۱ : ۴)۔ (۱۲ : ۵)۔ (لیکن اطاعت آخری رسول کی طرف نازل کردہ کتاب، قرآن مجید ہی کی کی جائے گی)

۵۔ خدا نے آدمؑ۔ نوحؑ۔ آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو برگزیدہ کیا۔ اس میں رسالت کا ذکر نہیں۔ "آدم" کی نبوت کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں۔ (۳۲ : ۳)۔ (آدمؑ کے متعلق عنوان آدم دیکھئے)

۶۔ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔ (۴۷ : ۳)

۷۔ ہر نبی سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ اپنی امت کو تاکید کرے کہ اس کے بعد جب خدا کا دوسرا رسول آئے تو وہ اس پر ایمان لائیں۔ (۳ : ۸۰)

۸۔ بعض رسولوں کا ذکر کیا ہے۔ دوسروں کا نہیں کیا۔ (۴ : ۱۶۴)۔ (۷۸ : ۴۰) ویسے، رسول ہر قریہ میں آتے رہے تھے۔ (۳۴ : ۳۴)۔ (۲۳ : ۴۳)

۹۔ مختلف انبیاءؑ کا ذکر۔ (۴ : ۱۶۳)۔ (۸۶-۸۴ : ۶)۔ (۷۵-۷۴ : ۱۰)۔ (۵۸-۵۱ : ۱۹)۔ (۲۷-۲۶ : ۵۷)۔ حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ دونوں نبی تھے۔ (۵۳-۵۱ : ۱۹)۔ دونوں صاحب کتاب تھے۔ (۴۸ : ۲۱)۔ (۱۱۷ : ۳۷)

(۱۰) رسول بھیجنے سے مقصد اتمام حجت تھا۔ (۱۶۵ : ۴) - (۱۳۲ : ۶) - (۲۰۸ : ۲۶) - (مزید حوالے پہلے آچکے ہیں)

۱۱۔ بنی اسرائیل کی طرف رسول آتے رہے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جس رسول کی کوئی بات ناپسند ہوئی۔ اس کے درپئے آزار ہو گئے۔ (۷۰ : ۵)

۱۲۔ تمام رسولوں سے پوچھا جائیگا کہ تمہیں تمہاری دعوت کا جواب کیا ملا تھا۔ (۱۰۹ : ۵)

۱۳۔ تمام رسولوں کی تکذیب ہوتی رہی۔ (۳۴ : ۶) - (۱۴۸ : ۶) - (۴۲ : ۲۲) - (۴۴ : ۲۳) - (۱۸ : ۲۹) (۴ : ۳۵) - (۲۵ : ۳۵) - (۱۴ : ۳۴) - (۱۴ : ۳۸) - (۱۴ : ۵۰) - اور استہزاء (۴۳ : ۷) - (مزید تفصیل آگے آئے گی)

۱۴۔ تمام انبیاء کو ہدایت دی گئی۔ انہی کی ہدایت کی تم اقتدا کرو (جواب قرآن میں ہے)۔ (۹۱ : ۶)

۱۵۔ ہر نبی کے دشمن (شیاطین الانس والجن) ہوتے تھے۔ (۱۱۳ : ۶) - مجرمین بھی۔ (۳۱ : ۲۵)

۱۶۔ خدا لوگوں سے پوچھیگا کہ تم تک رسولوں نے پیغام پہنچایا تھا۔ اور رسولوں سے پوچھے گا کہ ان لوگوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا۔ (۶ : ۷)

۱۷۔ نوعِ انسان سے کہہ دیا گیا تھا کہ تمہارے پاس رسول آئیں گے۔ (۳۵ : ۷)

۱۸۔ اہلِ جنت کہیں گے کہ ہاں ! ہم تک رسول بالحق آئے تھے۔ (۴۳ : ۷) - دوسرے لوگ بھی۔ (۵۳ : ۷)

۱۹۔ تمام بستیوں میں رسول۔ (۱۰۱ : ۷) - ہر قوم کے لئے رسول۔ (۴۷ : ۱۰) - (۷ : ۱۳) - (۳۶ : ۱۶) - لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دوسرا رسول نہیں تھا۔ (۵۱ : ۲۵) - وہ زمانہ فترت کا تھا جس میں وحی کا سلسلہ منقطع تھا۔ (۱۹ : ۵) - یہ اس لئے کہ حضور ﷺ تمام نوعِ انسان کی طرف رسول تھے۔ (۱۵۸ : ۷) اس زمانے میں بھی اور قیامت تک۔ (۳-۲ : ۶۲)

۲۰۔ تمام رسول، خدا کی عبدیت کی تعلیم دیتے تھے۔ (۸۴ ; ۶۱ ; ۵۰ ; ۲۶ : ۱۱) - (۴۰ : ۱۲)

۲۱۔ رسولوں کی معصیت سے قومیں تباہ ہو گئیں۔ (۵۹ : ۱۱) - (تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملیگی)

۲۲۔ حضور ﷺ کو انبیائے سابقہ کے واقعات اس لئے بتائے جاتے تھے کہ آپ کی تثبیتِ قلب ہو۔ (۱۲۰ : ۱۱)

۲۳۔ تمام رسولوں کا استہزاء ہوتا تھا۔ (۳۲ : ۱۳) - (۱۱ : ۱۵) - (۱۰۶ : ۱۸) - (۳۶ : ۲۱) - (۴۱ : ۲۱) (۴۱ : ۲۵) - (۲۴) ہر رسول توحید کا پیغام لے کر آتا تھا (۲۵ : ۲۱)

۲۵۔ ہر رسول کی تعلیم میں شیاطین آمیزش کر دیتے تھے۔ پھر خدا بعد کے رسول کے ذریعے اس آمیزش کو دور کر دیتا تھا۔ (۲۲ : ۵۲) ۔ (۲۶) ۔ یکے بعد دیگرے رسول ۔ (۲۳ : ۴۴)

۲۷۔ تمام رسول، امتِ واحدہ تھے۔ (۲۳ : ۵۲)۔ اختلاف ان کی امتیں پیدا کر لیتی تھیں۔ (۲۳ : ۵۳)

۲۸۔ مجرمین ہر رسول کی مخالفت کرتے تھے۔ (۲۵ : ۳۱) ۔ ہر باطل پرست (۴۰ : ۵)

۲۹۔ حضورؐ کی تثبیتِ قلب کے لئے قرآن بتدریج نازل کیا گیا ۔ (۲۵ : ۳۲)

۳۰۔ تمام انبیاءؑ سے میثاق ۔ (۳۳ : ۷) ۔ (۳۱) ۔ مترفین (سرمایہ پرستوں) کی طرف سے ہر رسول کی مخالفت (۳۴ : ۳۴)

۳۲۔ مختلف انبیاءؑ کا تذکرہ ۔ (۳۸ : ۱۸ - ۴۸)

۳۳۔ مخالفین کی طرف سے جو کچھ ایک رسول سے کہا گیا وہی کچھ سب رسولوں سے کہا گیا ۔ (۴۱ : ۴۳)

۳۴۔ دین اپنی اصل کے اعتبار سے شروع سے ایک ہی رہا ہے۔ اختلافات بعد والے ڈال دیتے تھے۔
(۴۲ : ۱۳ - ۱۴) ۔ (۴۵ : ۱۶ - ۱۸)

مخالفین کے اعتراضات

۱۔ خدا ہم سے براہ راست کلام کیوں نہیں کرتا۔ (۲ : ۱۱۸) ۔ (۲۵ : ۲۱)

۲۔ تم ہمارے جیسے بشر ہو (تفصیل پہلے بھی گذر چکی ہے) اور تمہارے ساتھی ذلیل لوگ ہیں۔ (۱۱ : ۲۷) ۔ (۱۷ : ۹۴) ۔ (۲۳ : ۲۴) ۔ (۲۳ : ۳۳) ۔ (۲۵ : ۷ و ۲۰) ۔ (۲۶ : ۱۵۴ و ۱۸۶) ۔ (۶۴ : ۶) ۔

۳۔ تم رسول نہیں ہو۔ (۱۳ : ۴۳)

۴۔ ساحر و مجنون ہو۔ (۱۵ : ۶) ۔ (۲۳ : ۲۵) ۔ (۳۷ : ۳۶) ۔ (۵۱ : ۵۲) ۔ شاعر (۳۷ : ۳۶) ۔ خوابوں کی دنیا میں بسنے والا شاعر (۲۱ : ۵) ۔ زمانے کی گردشیں اسے خود بخود مٹا دیں گی۔ (۵۲ : ۳۰)
تردید، کہ یہ شاعری نہیں۔ (۳۶ : ۶۹) ۔ (۶۹ : ۴۱)

۵۔ تم فرشتے کیوں نہیں لے آتے۔ (۱۵ : ۷) ۔ (۴۱ : ۱۴)

۶۔ قومِ فرعون کا اعتراض کہ موسیٰؑ ہمارے جیسے بشر ہیں۔ اور ہماری محکوم قوم کے فرد ہیں۔ پھر ہم ان کی بات کیوں مانیں۔ (۲۳ : ۴۷) ۔ (۷) تم مفتری علی اللہ ہو۔ اور تمہارا پیغام وحی نہیں سحر ہے۔ (۳۴ : ۴۳) ۔

۸۔ ساحر و کذاب ۔ (۱۰ : ۲) ۔ (۳۸ : ۴) ۔ رجلِ مسحور۔ (۱۷ : ۴۷) ۔ (۲۶ : ۱۵۳) ۔ (۲۶ : ۱۸۵)

۹۔ تم میں کیا خوبی ہے جو تمہیں ہی نبوت کے لئے چن لیا گیا ! (۸ : ۳۸) ۔ کسی بڑے آدمی کو رسول کیوں نہیں بنایا گیا۔ (۳۱ : ۴۳)

اطاعتِ خدا و رسول - خدا اور رسول سے مراد

۱۔ اس سے مراد اس نظام کی اطاعت ہے جو خدا کے قوانین کے نفاذ کے لئے رسول کے ہاتھوں تشکل ہوتا تھا۔ اس کے لئے جامع اصطلاح "اطاعتِ خدا اور رسول" ہے۔ (۳۱ : ۳) - (۱۳۱ : ۳) - (۱۷۱ : ۳) - (تفصیل اس کی "اسلامی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔)

۲۔ اس سے جنت ملتی ہے ۔معصیت سے جہنم ۔ (۱۳-۱۴ : ۴) - (۲۳ : ۷۲)

۳۔ خدا اور رسول - اور اولوالامر کی اطاعت - اولوالامر سے اختلاف کی صورت میں خدا و رسول، یعنی نظامِ خداوندی کے مرکز کی طرف رجوع کرو۔ (۵۹ : ۴) - (۸۳ : ۴) - (۵۱ : ۲۴) - (۵۴ : ۲۴)

۴۔ جب منافقین کو ما انزل اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اعراض برتتے ہیں (۶۱ : ۴) - (۱۰۴ : ۵) - (۴۸ : ۲۴) -

۵۔ رسول کو بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔ (۶۴ : ۴)

۶۔ اطاعتِ خدا و رسول سے منعم علیہ حضرات کی رفاقت نصیب ہو جاتی ہے ۔ (۶۹ : ۴)

۷۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ (۸۰ : ۴) -یعنی خدا کی اطاعت براہ راست نہیں کی جاسکتی - ایک زندہ اتھارٹی کی وساطت سے کی جاسکتی ہے، جو قرآن کے احکام نافذ کرے۔

۸۔ ہجرت کو "خدا اور رسول کی طرف جانے" سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اس سے "خدا اور رسول" کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی نظامِ خداوندی۔ (۱۰۰ : ۴)

۹۔ معصیتِ رسول اور غیر سبیل المومنین سے جہنم ۔ (۱۱۵ : ۴) - (۱۳ : ۸) - یہ مومن نہیں ہو سکتے ۔جب تک رسول کو اپنے معاملات میں حکم نہ بنائیں ۔ (۶۵ : ۴)

۱۰۔ خدا اور رسول کے خلاف جنگ (نظام کے خلاف بغاوت) ۔ (۳۳ : ۵) - (۶۳ : ۹)

۱۱۔ خمر اور میسرہ کے امتناع کے بعد اطاعتِ خدا و رسول کا حکم -(۹۲ : ۵)- (۲۱)- قرآن اور رسول کی طرف رجوع کرنیکا حکم (۱۰۴ : ۵)

۱۲۔ اطاعتِ خدا و رسول کا حکم (۲۱ - ۲۰ : ۸) ۔ رسولوں کے پروگرام میں ان کی مدد کرنا ضروری تھا ۔ (۱۲ : ۵) —

(۱۵۷ : ۷) — (۴۸ : ۹)

۱۴۔ خدا اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس بات کی طرف بلا رہا ہے جو زندگی عطا کرنے والی ہے۔ اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو۔ (۲۴ ؛ ۲۷ : ۸)۔ رسول کو حکم کہ وہ خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے کرے۔ (۱۰۵ : ۴) — (۴۸ : ۵)

۱۵۔ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ خدا اور رسول کے لئے (یعنی مملکت کی تحویل میں)۔ (۴۱ : ۸)۔ انفال، اللہ اور رسول کے لئے (۱ : ۸)

۱۶۔ اگر دنیا کی کوئی چیز اللہ اور رسول سے زیادہ عزیز ہو گئی تو ایمان گیا۔ (۲۴ : ۹)۔ (۶ : ۳۳)

۱۷۔ خدا اور رسول جو کچھ (صدقات میں سے) دیں اسے قبول کر لینا چاہیئے۔ (۵۹ : ۹)۔ (۷ : ۵۹)

۱۸۔ "خدا اور رسول" کو راضی رکھنا چاہیئے۔ (۶۲ : ۹)۔ یعنی اسلامی نظام میں معاملہ افراد کے ساتھ نہیں ہوتا، نظام کے ساتھ ہوتا ہے۔ — (۱۹)۔ "خدا اور رسول" سے کفر کی سزا۔ (۸۰ - ۸۴ : ۹)

۲۰۔ مومنین کا شعار یہ ہونا چاہیئے کہ جب ان کے اختلافی امور کے فیصلے "خدا و رسول" کی طرف سے ہوں تو وہ "سمعنا و اطعنا" کہیں۔ (۵۱ : ۲۴)۔ اور جب وہ کسی کام کے لئے بلائیں تو بلا اجازت وہاں سے نہ آئیں۔ (۶۲ : ۲۴) رسول کا بلاوا عام لوگوں کا بلاوا نہیں ہوتا۔ (۶۳ : ۲۴)

۲۱۔ تمکن فی الارض کے ساتھ اطاعتِ رسول کا حکم۔ (۵۵ - ۵۶ : ۲۴)

۲۲۔ خدا اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ (۳۶ : ۳۳)

۲۳۔ لیکن اطاعت، دین (نظامِ مملکت) سے متعلق معاملات میں ہے، ذاتی معاملات میں نہیں۔ حضرت زیدؓ کا واقعہ۔ (۳۷ : ۳۳)۔ اسے "معروف" میں اطاعت کہا گیا ہے۔ (۱۲ : ۶۰)

۲۴۔ اطاعتِ خدا و رسول نہ کی جائے تو اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ (۳۲ - ۳۳ : ۴۷)

۲۵۔ خدا اور رسول کے فیصلے سے سبقت نہ کرو۔ نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔ (۱ - ۳ : ۴۹)

۲۶۔ ایمان والوں سے کہا کہ آمنوا برسولہ (۲۸ : ۵۷) اس کے معنی بات ماننے یا اطاعت کرنے کے ہیں۔

۲۷۔ خدا و رسول کے خلاف جنگ۔ (۵ : ۵۸)۔ یہ ذلیل ہوں گے (۲۰ : ۵۸)۔ ایسے لوگوں سے دوستی نہ رکھو۔ (۲۲ : ۵۸) — (۴ : ۵۹)۔

۲۸۔ معصیتِ رسول کی سرگوشیوں سے روکا گیا۔ (۹ : ۵۸)

۲۹۔ رسول کی اطاعت معروف میں ہے۔ (۱۲ : ۶۰) — (۳۰) اطاعتِ خدا و رسول۔ (۱۲ : ۶۴)

۳۱۔ معصیتِ رسول سے تنبا ہی۔ (۹ : ۶۹) (۳۲) رسول، مطاع و امین ہوتا ہے۔ (۲۱ : ۸۱)

رسالتِ محمدیہ

(۱) سابقہ انبیاء کی تعلیم کو سچ کر دکھانے والا (مصدق) - (۱۰۱ : ۲) - (۱۷۱ : ۳) - (۶ : ۶۱) -(قرآن مجید کو بھی کتبِ سابقہ کا مصدق کہا گیا ہے۔ اس کے لئے عنوان قرآن دیکھئے)

۲۔ اہلِ کتاب اور مشرک نہیں چاہتے تھے کہ آپ کو وحی ملے۔ لیکن یہ وہبی عطیہ ہے (۱۰۵ : ۲)۔ اہل کتاب آپ کو پہچانتے تھے۔ (۲۰ : ۶) ۔ نبوت سے پہلے آپ جانتے ہی نہ تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں۔ (۵۲ : ۴۲)

۳۔ تبشیر و تنذیر

رسول کا فریضہ یہ ہوتا تھا کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے خوشگواریاں اور سرفرازیاں نصیب ہوں گی (اسے تبشیر کہا جاتا ہے۔ یعنی بشارت دینا) ان کی خلاف ورزی سے تباہیاں آجاتی ہیں۔ (اسے تنذیر کہتے ہیں۔ یعنی کسی کو خطرات سے آگاہ کرنا)۔ اس نہج سے رسولوں کو مبشر اور منذر کہا جاتا ہے۔ یہ عنوان پہلے آچکا ہے۔ ان کے فریضۂ تبشیر و تنذیر سے متعلق مقامات کے حوالے درج ذیل ہیں۔

(۲ : ۱۱۹) – (۵ : ۱۹) – (۶ : ۱۹) – (۶ : ۵۱) – (۶ : ۷۰) – (۶ : ۹۳) – (۷:۱۸۴-۱۸۸)
(۱۰ : ۲) – (۱۱ : ۲) – (۱۳ : ۷) – (۱۵ : ۸۹) – (۲۲ : ۴۹) – (۲۵ : ۵۶) – (۲۶ : ۱۹۴)
(۲۷ : ۹۲) – (۲۸ : ۴۶) – (۳۳ : ۴۵) – (۳۴ : ۲۸) – (۳۵ : ۲۴) – (۳۵ : ۴۲) – ——
(۳۶ : ۶؛ ۱۰-۱۱) – (۳۸ : ۶۵) – (۳۸ : ۷۰) – (۴۸ : ۸) – (۷۴ : ۲) – (۷۹ : ۴۵)۔ سب سے پہلے اپنے اقربا کے لئے۔ (۲۶ : ۲۱۴)۔ پھر ام القریٰ والوں کے لئے۔ (۴۲ : ۷)۔ پھر عالمگیر انسانیت کے لئے۔ (۷ : ۱۵۸)

۴۔ دعائے ابراہیمی کہ ان کی ذریت سے ایک رسول مبعوث ہو۔ (۲ : ۱۲۹)

۵۔ اتباعِ رسول۔ (۲ : ۱۴۳) – (۳ : ۳۰) – (۶ : ۱۵۴)

رسول اپنی وحی پر سب سے پہلے خود ایمان لاتا ہے۔ (۲ : ۲۸۵) – (۶ : ۱۴) – (۶ : ۱۶۴؛ ۱۰۷؛ ۵۰) –

(۷ : ۲۰۳) – (۱۰ : ۱۵) – (۱۰ : ۱۰۹) – (۲۷ : ۹۱) – (۲۸ : ۸۵) – (۳۹ : ۱۲)

اکثریت کا اتباع نہیں کرتا - (۶ : ۱۱۷) - لوگوں کے خیالات کا اتباع نہیں کرتا - (۳۸ : ۲۶) -

۶- جو قوم رسولؐ کے ہاتھوں حق کو مشہود ہوتا دیکھنے کے بعد بھی، ایمان کے بعد کفر اختیار کرلے، اسے ہدایت کس طرح مل سکتی ہے؟ (۳ : ۸۵)

۷- جب تم میں رسول موجود ہے اور قرآن کے احکام تمہارے سامنے ہیں تو تم کس طرح کفر اختیار کرسکتے ہو (۳ : ۱۰۰)

۸- محمدؐ، فقط ایک رسول ہیں - ان سے پہلے بھی کئی رسول ہو گزرے ہیں - سو اگر وہ کل کو وفات پاجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم یہ سمجھ لوگے کہ دین کا سلسلہ ختم ہوگیا؟ (۳ : ۱۴۳) - (۲۱ : ۳۴)

۹- رسول اللہؐ خود جنگ میں شریک ہوتے تھے - (۳ : ۱۵۲)

۱۰- رسول اللہؐ نرم دل تھے - (۳ : ۱۵۸) - مومنوں کی تکلیف آپ پر شاق گذرتی تھی - (۹ : ۱۲۸)

۱۱- رسول اللہؐ کو حکم کہ آپ صحابہ سے مشورہ کیا کریں - (۳ : ۱۵۸)

۱۲- ہر امت پہ ایک نگران - اور ان سب پہ رسول اللہؐ نگران - (۴ : ۴۱) - (۱۶ : ۸۹)

۱۳- تمام انسانوں کی طرف رسول - (۴ : ۷۹) - (۴ : ۱۷۰) - (۷ : ۱۵۸) - (۲۲ : ۴۹) - (۳۴ : ۲۸) — قیامت تک کے انسانوں کے لئے - (۶ : ۱۹) - (۶۲ : ۲-۳) - رحمۃ للعالمین (۲۱ : ۱۰۷) لیکن صرف انہی کے لئے جو ان پہ ایمان لائیں - (۹ : ۶۱)

۱۴- کتاب و حکمت نازل کی - (۴ : ۱۱۳) - یعنی قوانین (الکتاب) اور ان کی غرض و غایت (الحکمۃ) - یہ دونوں خود قرآن مجید کے اندر ہیں -

۱۵- خدا اور اس کے رسول اور قرآن پر ایمان - کتب سابقہ اور انبیاء سابقہ پر ایمان - (۴ : ۱۳۶) - (۵۷ : ۷-۸) (۶۴ : ۸) - (۱۶) - اہلِ کتاب کی طرف رسول - (۵ : ۱۵) - (۵ : ۱۹)

۱۷- حضورؐ سے کہا گیا کہ مخالفین کی طعن آمیز باتوں سے افسردہ خاطر نہ ہوں - (۵ : ۴۱) - (۶ : ۳۳) - (۱۰ : ۶۵) (۱۵ : ۹۷) - (۱۶ : ۱۲۷) - (۲۰ : ۱۳۰) - (۲۷ : ۷۰) - (۳۰ : ۶۰) - (۳۲ : ۳۰) - (۳۶ : ۷۶) - (۳۸ : ۱۷) - (۴۲ : ۱۵) - (۴۶ : ۳۵) - (۵۰ : ۳۹) - (۵۰ : ۴۵) - (۵۱ : ۵۴) - (۶۸ : ۴۸) (۷۰ : ۵) - (۷۳ : ۱۰) - (۷۶ : ۲۴) - (۹۴ : ۷-۸)

۱۸- متنازعہ فیہ معاملات میں (لوگوں کے درمیان) فیصلے کرنا - (۴ : ۱۰۵) - (۵ : ۴۲) - (۵ : ۴۸)

۱۹- مومنین کے دوست، خدا ۔ رسول اور مومن ہوتے چاہئیں ۔ (۵ : ۵۵ - ۵۶)۔ مزید تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملے گی۔

۲۰- تبلیغ رسالت کا حکم ۔ اس مشن کو لوگوں سے محفوظ رکھے جانے کی ضمانت ۔ (۵ : ۶۷)

۲۱- <u>معجزات دکھانے سے انکار</u> ۔ غیب کا علم نہیں جانتے تھے۔

نہ میرے پاس خزانے ہیں۔ نہ غیب کا علم جانتا ہوں۔ نہ میں فرشتہ ہوں۔ (۶ : ۳۵) ۔ (۶ : ۵۰) — (۷ : ۱۸۸) — (۱۱ : ۱۲) — (۱۱ : ۴۹) ۔ (۱۲ : ۳) — (۱۲ : ۱۰۲) — (۱۵ : ۷) — (۱۵ : ۱۴) (۱۷ : ۵۹) ۔ (۱۷ : ۹۰ - ۹۵) ۔ (۲۰ : ۱۳۳) ۔ (۲۵ : ۷-۹) — (۲۶ : ۴) — (۲۹ : ۵۰) ۔ (۴۲ : ۱۷) — (۴۷ : ۲۹ - ۳۰) — (۶۷ : ۲۵ - ۲۶) — (۷۲ : ۲۷)

قرآن مجید ہی کافی معجزہ ہے ۔ (۲۹ : ۴۸ ؛ ۵۱)۔ (قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے متعلق عنوان قرآن دیکھئے)

۲۲- میں تم پر داروغہ اور محافظ مقرر نہیں کیا گیا ۔ (۶ : ۱۰۵) ۔ (۱۷ : ۵۴) ۔ (۳۹ : ۴۱) ۔ (۴۲ : ۶) ۔ (۴۲ : ۴۸) ۔ (۵۰ : ۴۵) — (۸۸ : ۲۲)

۲۳- تم اپنی جگہ کام کرو ۔ میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دیں گے کہ کون راہ راست پر ہے (۶ : ۱۳۶) (۱۰ : ۴۱) — (۱۱ : ۱۲۱ - ۱۲۲) — (۲۰ : ۱۳۵) — (۳۲ : ۳۰) — (۳۷ : ۱۷۴ ؛ ۱۷۸) ۔ (۳۹ : ۳۹) (۵۲ : ۳۱) — (۶۸ : ۵-۶) ۔ (۷۳ : ۱۰)

۲۴- رسول اللہؐ کا اعلان کہ میری صلوٰۃ ۔ ونسکؔ ۔ میری موت وحیات ۔ سب اللہ کے لئے ہے ۔ میں سب سے پہلا مسلم ہوں ۔ (۶ : ۱۶۲ - ۱۶۴)

۲۵- رحمت خداوندی مشروط ہے اتباعِ رسالتِ محمدیہ سے ۔ آپؐ کا ذکر تورات و انجیل میں تھا ۔ آپ کی بعثت کا مقصد نوعِ انسانی کو ان زنجیروں سے آزاد کرانا تھا، جن میں وہ جکڑی چلی آ رہی تھی ۔ (۷ : ۱۵۷)

۲۶- آپ مجنون نہیں تھے ۔ (۷ : ۱۸۴) ۔ (۱۵ : ۶) ۔ (۲۳ : ۷۰) ۔ (۳۴ : ۴۶) ۔ (۳۷ : ۳۶) — (۴۴ : ۱۴) (۵۱ ؛ ۶۸ : ۲) — (۸۱ : ۲۲)

نہ مسحور (۱۷ : ۴۷ - ۴۸) ۔ (۲۵ : ۸ - ۹)۔ نہ ساحر (۲۱ : ۳) ۔ (۳۸ : ۴) ۔ نہ شاعر (۵۲ : ۳۰) نہ کاہن (۵۲ : ۲۹) ۔ شاعری رسول کے شایانِ شان ہی نہیں ہوتی ۔ (۳۶ : ۶۹)

۲۷- آپ اپنی ذات کے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے تھے ۔ (۷ : ۱۸۸) ۔ (۱۰ : ۴۹) ۔ (۱۱ : ۴۸)

نہ کسی اور کے لیے" (۷۲ : ۲۱)

۲۸۔ رسول اللہ سے تاکید کہ درگذر کیجئے۔ معروف باتوں کا حکم دیجئے۔ جاہلوں سے اعراض برتیئے۔ شیطان کی طرف سے خدا کی پناہ میں آجائیے۔ (۷ : ۱۹۹-۲۰۰) - (۴۳ : ۸۹)

۲۹۔ جنگِ بدر کے سلسلہ میں صحابہ کا بعض معاملات میں حضورؐ سے اختلاف۔ (۸ : ۵-۶)۔ یہ اس لئے کہ حضور کو صحابہؓ سے مشورہ کرنے کا حکم تھا۔ (۳ : ۱۵۸)۔ لیکن آخری فیصلہ حضورؐ ہی کا تھا۔

۳۰۔ جنگِ بدر میں، تیر تم نے نہیں چلائے؛ خود خدا نے چلائے (کہ تم خدا ہی کے حکم کی تعمیل میں جہاد کر رہے تھے)۔(۸ : ۱۷)

۳۱۔ رسول اللہ کے خلاف مخالفین کی تدابیر اور سازشیں۔ (۸ : ۳۰)

۳۲۔ جب تک رسول اللہ مکہ میں تھے، اہل مکہ پر عذاب نہیں آسکتا تھا۔ (۸ : ۳۳) کیونکہ ابھی اس بات کا امکان تھا کہ وہ توبہ کرلیں۔ عذاب رسول اللہ کے سامنے آجائے یا حضور کی وفات کے بعد۔ (۱۰ : ۴۶) - (۱۳ : ۴۰) - (۲۳ : ۹۳-۹۵) - (یہ عذاب وہ تھا جو مختلف جنگوں میں شکست کی صورت میں اہلِ مکہ پر آیا اور فتحِ مکہ پر منتج ہوا۔

۳۳۔ تیرے لئے خدا اور جماعتِ مؤمنین کافی ہے (۸ : ۶۲-۶۴) - (۱۵ : ۸۸) - (۱۸ : ۲۸) - (۲۶ : ۲۱۵) محمد رسول اللہ والذین معہٗ۔ (۴۸ : ۲۹)۔ رسول کی تحسین جماعت کے لئے باعثِ تسکین ہوتی تھی۔ (۹ : ۱۰۳)

۳۴۔ جنگِ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں رسول اللہ کے فیصلہ پر خدا کی طرف سے تنبیہہ۔ (۸ : ۶۷-۶۸)۔ جنگِ تبوک کے سلسلہ میں۔ (۹ : ۴۳) - (آیت (۸ : ۶۷) کے سلسلہ میں یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس میں حضورؐ کو تنبیہہ نہیں کی گئی۔ جماعت کے لئے ایک نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے۔)

۳۵۔ رسول اللہ کو ہدایت اور دین الحق دے کر بھیجا تاکہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے۔ (۹ : ۳۳)-(۶۱ : ۹)-(۴۸ : ۲۸)

۳۶۔ ہجرت کے وقت (غار کا واقعہ) خدا کی امداد۔ (۹ : ۴۰)

۳۷۔ صدقات کی تقسیم کے بارے میں منافقین کی طرف سے حضورؐ کے خلاف الزامات۔ (۹ : ۵۸)۔ رسول اللہ کو اذیت پہنچانے والے۔ (۹ : ۶۱)

۳۸۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ تم منافقین کے لئے مغفرت مانگو بھی تو انہیں مغفرت نہیں دی جائے گی۔ (۹ : ۸۰)۔ نیز حکم کہ ان کے لئے دعا تک مت کرو۔ ان کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہو۔ (۹ : ۸۴)-(۹ : ۱۱۳)

۳۹۔ رسول کی طرف سے کسی کی خدمات کا اعتراف (تحسین) قربِ خداوندی کا موجب بن جاتا تھا (۹ : ۹۹)۔ اور ان کیلئے باعثِ تسکین (۹ : ۱۰۳)

۴۰۔ رسول اللہ کو خدا کی طرف سے اس بات کا علم نہیں دیا گیا تھا کہ منافق کون کون ہے۔ (۹ : ۱۰۱)

۴۱۔ دعوائے نبوت کی صداقت کی شہادت ۔ اپنی عمر جو انہی لوگوں میں بسر کی تھی ۔ (۱۶ : ۱۰)

۴۲۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ جو کچھ تم سے کہا جاتا ہے اس پر استقامت سے قائم رہو ۔ (۱۱۲ : ۱۱) ۔ کفار کی طرف مت جھکو ۔ (۱۱۳ : ۱۱) ۔ (۱۰-۹ : ۶۸) ۔ انبیائے سابقہ کے واقعات سے تثبیتِ قلب حاصل کرو ۔ (۱۲۰ : ۱۱)

۴۳۔ رسول اللہ کی دعوت الی اللہ علیٰ وجہ البصیرت تھی ۔ (۱۰۸ : ۱۲) حکمت و موعظت پر مبنی (۱۲۵ : ۱۶)

۴۴۔ حضورؐ ایسی قوم کی طرف رسول تھے جس سے پہلے کئی قومیں گذر چکی تھیں ۔ (۳۰ : ۱۳) ۔ (۴۶ : ۲۸) ۔ لیکن رسول کوئی نہیں آیا تھا (۴۶ : ۲۸) ۔ (۶ : ۳۶)

۴۵۔ حضورؐ، قرآن کے ذریعے صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے تھے ۔ (۱ : ۱۴) ۔ (۶۴ : ۱۶)

۴۶۔ رسول اللہ سے ارشاد کہ ان لوگوں سے حسن کارانہ انداز سے الگ ہو جاؤ ۔ (۱۹۹ : ۷) ۔ (۸۵ : ۱۵) ۔ (۹۴ : ۱۵) (۸۹ : ۴۳) ۔ (۱۰ : ۷۳) ۔ (۶-۱ : ۱۰۹) ۔ (نیز دیکھئے سابقہ عنوان جس میں حضورؐ سے کہا گیا تھا کہ مخالفین کی طعن آمیز باتوں سے آپ افسردہ خاطر نہ ہوں)

۴۷۔ ان مخالفین پر غم نہ کھاؤ ۔ ان کی خوشحالی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو ۔ (۸۸ : ۱۵) ۔ (۱۲۷ : ۱۶) ۔ (۶ : ۱۸) ۔ (۱۳۱ : ۲۰) ۔ (۳ : ۲۶) ۔ (۸ : ۳۵)

۴۸۔ حضورؐ کو حکم کہ خدا کی محکومیت (عبودیت) اختیار کئے رہو ۔ (۹۹-۹۸ : ۱۵) ۔ اور قرآن کا اتباع کرو ۔ (۲ : ۳۳)

۴۹۔ ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا حکم ۔ (۱۲۳ : ۱۶) ۔ کیونکہ اصولی طور پر دینؔ وہی چلا آرہا تھا ۔

۵۰۔ شبِ ہجرت کا بیان ۔ مسجدِ حرام (مکہ) سے مسجدِ اقصیٰ (مدینہ) کی طرف جانا ۔ (۱ : ۱۷)

۵۱۔ کفار سے کوئی مفاہمت نہ کرو ۔ (۱۱۲ : ۱۱) ۔ (۷۴-۷۳ : ۱۷) ۔ (۲۸ : ۱۸) ۔ (۴۸ : ۳۳) ۔ (۹ : ۶۸) ۔ (۲۴ : ۷۶) ۔ (اس لئے کہ حق اپنے مقام پر اٹل ہوتا ہے ۔ وہ باطل سے مفاہمت کر ہی نہیں سکتا)

۵۲۔ <u>رسول اللہ کے لئے خصوصی احکام</u>

(۱) تہجد آپ کے لئے فرائض پر اضافہ تھا ۔ (۷۹ : ۱۷) ۔ نکاح کے احکام ۔ (۵۲-۵۰ : ۳۳)

۵۳۔ <u>حضورؐ کی دعائیں</u>

(۱) صدق کے ساتھ داخل ہونا اور باہر آنا ۔ (۸۰ : ۱۷) ۔ (۲) ۔ غلبہ و نصرت ۔ (۸۰ : ۱۷)

(۳) علم میں اضافہ کی دعا ۔ (۱۱۴ : ۲۰) ۔ (۴) حق کے ساتھ فیصلہ ۔ (۱۱۲ : ۲۱)

(۵) مخالفین پر عذاب اس وقت آئے جب میں ان میں نہ ہوں (۹۵-۹۳ : ۲۳) ۔ شیطانی سازشوں سے پناہ ۔ (۹۷ : ۲۳)

۵۴۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ تکمیلِ وحی کا انتظار کیا کرو۔ (۱۱۴ : ۲۰)

۵۵۔ یہ امت تمام لوگوں پر نگران۔ رسول اللہ امت پر نگران۔ (۱۴۳ : ۲) ۔ (۷۸ : ۲۲)

۵۶۔ خدا، رسول اللہ کو بہت کچھ (دنیاوی سازوسامان) دے گا۔ (۱۰ : ۲۵)

۵۷۔ رسول اللہ خدا سے فریاد کریں گے کہ اس میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ (مہجور بنادیا) تھا۔ (۳۰ : ۲۵)

۵۸۔ حضورؐ اپنے زمانے میں ایک ہی رسول تھے۔ (۵۱ : ۲۵)

۵۹۔ ان لوگوں کے ساتھ قرآن کے مطابق جہاد کرو۔ (۵۲ : ۲۵)

۶۰۔ روح الامین نے قرآن قلبِ نبوی پر نازل کیا۔ (۱۹۴ : ۲۶) ۔ بلا یہ خدا ہی کیطرف سے تھا۔ (۶ : ۷۹)۔(۱-۲ : ۵۵)

۶۱۔ حضورؐ کے ہر کام پر خدا کی نگاہ ہوتی تھی۔ (۲۱۹ - ۲۱۸ : ۲۶)

۶۲۔ حضورؐ نبوت سے پہلے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ (۴۸ : ۲۹) ۔ (مِن قَبلِہٖ کی تصریح سے واضح ہے کہ نبوت کے بعد یہ کیفیت نہیں رہی تھی)

۶۳۔ نبی کا حق مومنین کی جان سے بھی زیادہ ہے۔ (۶ : ۳۳) ۔ اور اس کی بیویاں امہات المؤمنین ہیں۔ (۶ : ۳۳)

۶۴۔ رسول اللہ کی زندگی میں اسوۂ حسنہ (۲۱ : ۳۳) ۔ (۶۵) ۔ رسول اللہ کی بیویوں سے خطاب۔ (۲۸-۳۴ : ۳۳)

۶۶۔ رسول اللہ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ آپ خاتم النبیین تھے۔ (۴۰ : ۳۳)

۶۷۔ حضورؐ شاہد۔ داعی الی اللہ۔ اور سراج منیر تھے۔ (۴۶ - ۴۵ : ۳۳)

۶۸۔ رسول اللہ کے ہاں آنے جانے کے آداب۔ (۵۵ - ۵۳ : ۳۳) ۔ (۵ - ۳ : ۴۹)

۶۹ اللہ اور اس کے ملائکہ کا حضورؐ پر صلوٰۃ السلام۔ (۵۶ : ۳۳)

۷۰۔ رسول اور مومنین کو اذیت دینے والے۔ (۵۸-۵۷ : ۳۳) ۔ (۷۱) ۔ صرف ایک تلقین اور وہ یہ کہ سوچا کرو۔ (۴۶ : ۳۴)

۷۲۔ میں اگر سیدھے راستے پر ہوں تو وحی کی مدد سے۔ اگر غلطی کرتا ہوں تو میری اپنی طرف سے ہوتی ہے (۵۰ : ۳۴)

۷۳۔ رسول اللہ منجملہ مرسلین تھے۔ (۳ : ۳۶)

۷۴۔ رسول اللہ شاعر نہیں تھے۔ نہ ہی شاعری رسولؐ کے شایانِ شان ہوتی ہے۔ (۶۹ : ۳۶) ۔ (۳۶ : ۳۷) (۳۰ : ۵۲) ۔ (۴۲ - ۴۱ : ۶۹)

۷۵۔ مخالفین آپؐ کو ساحر اور کذاب بھی کہتے تھے۔ (۴ : ۳۸)

۷۶۔ تمہیں بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے۔ (۳۰ : ۳۹) ۔ (۷۷) ۔ خدا اپنے بندے کے لئے کافی ہے (۳۶ : ۳۹)

۷۸۔ اعتراض کہ نبوت، مکہ اور طائف کے سرداروں میں سے کسی کو کیوں نہ دی گئی؟ (۳۱ : ۴۳)
۷۹۔ قرآن کو رسول اللہ کی زبان میں آسان بنا دیا گیا۔ (۵۸ : ۴۴)
۸۰۔ حضورؐ کو مخالفین نے مکہ سے نکال دیا تھا۔ (۱۳ : ۴۷)
۸۱۔ فاستغفر لذنبک۔ و للمومنین و المومنٰت۔ (۱۳۵ : ۳)۔(۵۵ : ۴۰)۔(۱۹ : ۴۷)۔(۲ : ۴۸)
۸۲۔ رسول سے عہدِ اطاعت کرنا درحقیقت خدا سے عہد کرنا ہے۔(۱۰ : ۴۸)۔ بیعتِ رضوان۔
۸۳۔ حضورؐ کا مکہ میں داخل ہونے کا خواب۔(۶۰ : ۱۷)۔(۲۷ : ۴۸)
۸۴۔ اگر رسول لوگوں کی اطاعت شروع کر دے تو مصیبت آجائے۔ (۷ : ۴۹)
۸۵۔ لوگوں کا اسلام لانا، رسول پر احسان نہیں۔ یہ تو لوگوں پر خدا کا احسان ہے۔ (۱۷ : ۴۹)
۸۶۔ استقامت سے رہو۔ تم ہماری نگاہوں میں ہو۔ (۴۸ : ۵۲)
۸۷۔ رسول نہ تلاشِ راہ میں سرگرداں ہے۔ نہ بھٹک گیا ہے۔ یہ اپنی خواہشات سے کچھ نہیں کہتا۔ صرف وحی کی بات کرتا ہے (۴-۱ : ۵۳)۔ نبوت کی دیگر خصوصیات۔ (۱۸-۶ : ۵۳)
۸۸۔ عورتیں تک رسول اللہ سے اپنے معاملات کے بارے میں جھگڑتی تھیں۔ (۴-۱ : ۵۸)
۸۹۔ رسول اللہ سے علیحدگی میں بات کرنے کے لئے صدقہ کا حکم۔ (۱۳-۱۲ : ۵۸)
۹۰۔ مالِ فے کی تقسیم۔ (۷ : ۵۹)۔ اسی سلسلہ میں کہا کہ رسول جو کچھ دے اسے لے لو۔ جس چیز سے وہ روک دے اس سے رک جاؤ۔ (۷ : ۵۹)
۹۱۔ رسول اللہ کی بعثت کے متعلق حضرت عیسیٰؑ کی پیش گوئی۔ (۶ : ۶۱)
۹۲۔ حضورؐ اپنے مخاطبین کے لئے بھی رسول تھے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے بھی رسول۔ (۳-۲ : ۶۲)۔
۹۳۔ اے نبی! جس چیز کو خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے، اسے حرام کیوں قرار دیتے ہو۔ (۲ : ۶۶)
۹۴۔ حضورؐ کی عائلی زندگی سے متعلق ہدایات و احکام۔ (۵-۱ : ۶۶)
۹۵۔ آپؐ کے لئے اجر غیر ممنون۔ (۳ : ۶۸)
۹۶۔ آپ خلقِ عظیم کے حامل تھے۔ (۴ : ۶۸)۔ رسولِ کریم تھے۔ (۴۰ : ۶۹)۔(۱۹ : ۸۱)
۹۷۔ اگر حضورؐ خدا پر افترا کرتے تو خدا شہ رگ کاٹ دیتا۔ (۴۶-۴۴ : ۶۹)۔ یعنی آپ کے مشن کو ناکام بنا دیتا۔
۹۸۔ حضورؐ کے خلاف مخالفتوں کا ہجوم۔ (۱۹ : ۷۲)

۹۹۔ حضورؐ کو مزمّل کہہ کر پکارا گیا اور جماعت کی تعلیم و تربیت کے متعلق مختلف ہدایات دی گئیں۔ (۲۰-۱ : ۷۳)

۱۰۰۔ حضورؐ کو مدثر کہہ کر پکارا گیا اور جماعت کی تربیت کا پروگرام دیا گیا۔ (۷-۱ : ۷۴)

۱۰۱۔ پروگرام کو بروئے کار لانے میں عجلت نہ کرو۔ ہدایات کی تکمیل کے بعد اسے شروع کرو (۲۰ : ۱۱۴)۔(۱۶-۱۷ : ۷۵)۔

۱۰۲۔ توجہ اس کی طرف دو جو ہدایات حاصل کرنے کا متمنی ہے۔ (۱۲-۱ : ۸۰)

۱۰۳۔ رسول کریم۔ ذی قوت۔ مطاع۔ امین۔ علم کی افقِ مبین پر۔ (۲۲-۱۹ : ۸۱)

۱۰۴۔ حضورؐ قرآن میں سے کچھ بھولتے نہیں تھے۔ (۶-۷ : ۸۷)۔(عربی زبان میں اِلّاَ مَا شَآءَ اللّٰہ ایسے مقام پر بولتے ہیں۔جہاں کامل نفی مقصود ہو)

۱۰۵۔ حضورؐ کی قبل از نبوت کی زندگی۔ تلاشِ حقیقت میں سرگرداں۔ یتیم۔ نادار۔ یہ وعدہ کہ زندگی کا آخری حصہ پہلے کی نسبت بہتر ہو گا۔ اللہ بہت کچھ دے گا۔ (۸-۳ : ۹۳)

۱۰۶۔ شرحِ صدر۔ ذمہ داریوں کے بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ ذکر کو بلند کر دیا۔ (۴-۱ : ۹۴)

۱۰۷۔ حضورؐ کو الکوثر دیا گیا۔ اقامتِ صلوٰۃ۔ اور نحرؔ کا حکم۔ (۳-۱ : ۱۰۸)

۱۰۸۔ فتح و نصرت مل جائے تو اپنے پروگرام کو آگے بڑھانے میں اور زیادہ محنت کرو۔ (۳-۱ : ۱۱۰)

۱۰۹۔ رسولؐ اللہ کی شروع سے آرزو تھی کہ کعبہ، نظامِ اسلامی کا مرکز قرار پا جائے۔ لیکن مکّہ اپنے وقت پر فتح ہوا۔ (۲:۱۴۴)

۱۱۰۔ آپؐ اس قوم کی طرف رسول تھے جس کی طرف اس سے پہلے رسول نہیں آیا تھا۔ (۴۴ : ۳۴)۔(۶ : ۳۶)۔

۱۱۱۔ میں کوئی انوکھا رسول نہیں۔ (۹ : ۴۶)۔ (۱۱۲) حضورؐ کے دوست دار۔ اللہ۔ جبریلؑ۔ صالح مومنین۔ ملائکہ۔ (۴:۶۶)

۱۱۳۔ رسول بھی جسے چاہتا راہِ راست پر نہیں لا سکتا تھا۔ اس کے ذمے صرف تبلیغِ رسالت تھی۔ (۵۶ : ۲۸)

وہ جنہیں رسولؔ (یا مرسل) کہہ کر پکارا گیا ہے

قرآنِ کریم میں انبیاء کرام کو نبی کہہ کر بھی پکارا گیا ہے اور رسول (یا مرسل) کہہ کر بھی۔ جنہیں نبیؔ کہہ کر پکارا گیا ہے، ان کی تفصیل نبیؔ کے عنوان میں دی گئی ہے۔ یہاں ان حضرات کا ذکر آئے گا۔ جنہیں رسولؔ کہا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں سے کسی کو نبی کہا گیا ہو یا رسول۔ بات ایک ہی ہے۔ ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسی لئے ایک ہی شخصیت کو رسولؔ بھی کہا گیا ہے اور نبی بھی۔

۱۔ نبی اکرمؐ۔ میں کوئی نیا رسول نہیں۔ (۹ : ۴۶)۔ اس طرح ثابت قدم رہو جس طرح سابقہ رسُل ثابت قدم رہے تھے

(۳۵ : ۳۶) - (۲) - رسولوں کے وقفہ کے درمیان آنے والے - (۱۹ : ۵) - (۳) ما محمد الا رسول (۳ : ۱۴۴) الرسول النبی (۷ : ۱۵۷) - رسول اللہ الیکم جمیعا (۷ : ۱۵۸) - محمد رسول اللہ - (۴۸ : ۲۹) - رسول اللہ و خاتم النبیین - (۳۳ : ۴۰) - پہلے نبی کہا پھر رسول - (۳۹ : ۱-۳) - مرسل (۱۳ : ۴۳) - آپ کا اسم گرامی محمد بھی تھا - (۳ : ۱۴۴) - (۳۳ : ۴۰) - (۴۷ : ۲) - (۴۸ : ۲۹) - اور احمد بھی (۶۱ : ۶) اس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی۔

۲- حضرت عیسیٰؑ - (۳ : ۱۷۱) - (۵ : ۷۵) - (۳) حضرت نوحؑ (۷ : ۶۱) - (۲۶ : ۵۷)

۴- حضرت موسیٰؑ - (۷ : ۱۰۴) - (۲۶ : ۱۶) - رسولا نبیا - (۱۹ : ۵۱) - موسیٰؑ و ہارونؑ کو رسول بنا کر بھیجا — (۲۳ : ۴۵) - (۲۶ : ۱۶) - (۵) - ہر امت کی طرف رسول - (۱۰ : ۴۷) - (۱۶ : ۳۶)

۶- حضرت صالحؑ - (۷ : ۷۷) - (۲۶ : ۱۴۳) - (۹۱ : ۱۳) - (۷) - حضرت یوسفؑ - (۴۰ : ۳۴)

۸- ابراہیمؑ - (۵۷ : ۲۶) - ذریتِ ابراہیمؑ - اسحٰقؑ و یعقوبؑ - کو کتاب و نبوت دی - (۲۹ : ۲۷) - یہ نبی تھے (۱۹ : ۴۹) — (۹) حضرت ہودؑ - (۱۱ : ۵۷) - (۲۶ : ۱۲۵)

۱۰- حضرت لوطؑ - (۲۶ : ۱۶۲) - (۳۷ : ۱۳۳) - (۱۱) - حضرت شعیبؑ - (۲۶ : ۱۷۸)

۱۲- حضرت اسماعیلؑ - رسولا نبیا - (۱۹ : ۵۴) - (۱۳) حضرت یونسؑ مرسلین میں سے تھے - (۳۷ : ۱۳۹)

۱۴- حضرت الیاسؑ مرسلین میں سے تھے - (۳۷ : ۱۲۳)

متفرق

۱- ملائکہ کو رُسل کہا گیا ہے - (۶ : ۶۱) - (۷ : ۳۷) - (۱۰ : ۲۱) - (۲۲ : ۷۵) - (۳۵ : ۱) -

۲- خدا کے رُسل حضرت ابراہیمؑ کی طرف بشارت لے کر گئے تھے۔ یہ انسان ہی تھے (۱۱ : ۶۹) - (۲۹ ، ۳۱) -

۳- رسول بمعنی قاصد - (۱۲ : ۵۰) - (۱۹ : ۱۹)

۴- جسے کتاب دی گئی اسے نبی کہا گیا - (۱۹ : ۳۰) - یہ تصریح اس لئے ضروری سمجھی گئی ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول وہ ہے جسے کتاب دی جائے، اور نبی بغیر کتاب کے ہوتا تھا، یہ غلط ہے اور قرآن مجید کے خلاف۔

—(٠)—

۸- رُشد

رُشد - یہ قرآن کریم کی ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں ایسی صلاحیت جس سے انسان معاملات کا صحیح حل باسانی معلوم کرلے - یا صحیح راستہ پالے۔ "صحیح راستہ" کی جہت سے یہ غیّ (گمراہی) کے مقابلہ میں آتا ہے۔ نیز اس کے معنی صحیح راستہ پر پختگی سے چلتے رہنے کے بھی ہوتے ہیں۔ رشید کے معنی ہیں صحیح راستہ بتانے والا - یہی معنی مُرشد کے بھی ہوتے ہیں۔ چونکہ ہدایت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملے (یعنی قرآن کریم) اس لئے مرشد صرف خدا کی ذات ہے - اور کوئی نہیں - (۱۷ : ۱۸)

رُشد

۱- دین کے معاملہ میں کوئی اکراہ نہیں - اس لئے کہ قرآن کی آمد سے رشد (صحیح راستہ) غیّ (غلط راستے) سے بالکل ممیّز ہوگیا ہے - (۲۵۶ : ۲)

۲- غلط کار لوگوں کے سامنے سبیل الرشد آبھی جائے تو بھی وہ اُسے قبول نہیں کریں گے - (۱۴۵ : ۷) - یہاں بھی رشد کے مقابل لفظ غیّ آیا ہے - (۳)- رشد بمقابلہ شر - (۱۰ : ۷۲)

۴- جب تم دیکھو کہ یتیموں میں اپنے معاملات سلجھانے کی صلاحیت (رُشد) آگئی ہے تو ان کا مال انہیں لوٹا دو۔ (۶ : ۴) - (۵) اصحابِ کہف کی دعا کہ انہیں معاملات میں صحیح راہ (رشد) مل جائے - (۱۰ : ۱۸)

۶- صحیح راستہ جو خدا کی طرف سے ملے - (۲۴ : ۱۸)

۷- حضرت موسیٰؑ (نبوت سے پہلے) ایک مردِ بزرگ کے پاس رشد حاصل کرنے کے لئے گئے - (۶۶ : ۱۸)

۸- قرآن، رشد کی طرف ہدایت کرتا ہے - (۲ : ۷۲)

۹- قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جانے سے صحیح راستہ مل سکتا ہے - (۱۴ : ۷۲)

۱۰- رُشد بمقابلہ ضراً (نقصان) - (۲۱ : ۷۲)

۱۱- حضرت ابراہیمؑ کو رُشد عطا ہوا تھا - (۵۱ : ۲۱) - (۱۲) مومن ہی راشد ہیں - (۷ : ۴۹)

رشید

۱- حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم میں کوئی بھی رجلِ رشید نہیں - (۷۸ : ۱۱)

۲- فرعون کے احکام رشید نہیں تھے - (۹۷ : ۱۱)

۳- قوم مدین نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ تو ہی سب سے بڑا رشید رہ گیا ہے ؟ (۸۷ : ۱۱)

مرشد

۱- صحیح راہ وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملے - اس کے علاوہ کوئی ولی اور مرشد نہیں - (۱۷ : ۱۸)

۲- خدا کی دعوت پر لبیک کہنے سے رشد حاصل ہوتا ہے - (۱۸۶ : ۲)

سبیل الرشاد

دربارِ فرعون کے مردِ مومن نے کہا کہ میں تمہیں سبیل الرشاد کی طرف دعوت دیتا ہوں —— (۲۹ : ۴۰) —— (۳۸ : ۴۰)

(٠)

۹- رشوت

رشوت - قرآن کریم میں یہ لفظ تو نہیں آیا لیکن اس کا مفہوم بیان ہوا ہے - رشوت سے مفہوم ہوتا ہے ، کسی فیصلہ دینے والے (حاکم - افسر - منصف) کو روپیہ دے کر ، غلط اور ناجائز فیصلہ اپنے حق میں کرا لینا - کسی کا حق غصب کرنے ، یا قانون شکنی کے مواخذہ سے بچنے کے لئے ہر قسم کا اقدام ، قرآن کی رُو سے سنگین جرم ہے - رشوت اس کی ایک شق کا نام ہے - سورۂ بقرہ میں (روزوں کے احکام سے عین متصل) کہا گیا ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طریق پر مت کھاؤ - اور نہ ہی ایسا کرو کہ حکام کو پیسے دے کر ، دوسروں کا مال غصب کر لینے کے لئے اپنے حق میں فیصلے لو - (۱۸۸ : ۲)

(٠)

۱۔ رضائے خداوندی

ہمارے ہاں عام کیفیت یہ ہے کہ جب کسی سے پوچھا جائے کہ مذہبی احکام و فرائض کی بجا آوری کیوں کرنی چاہیئے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس سے خدا خوش ہوتا ہے اور اگر ان کی خلاف ورزی کی جائے تو خدا ناراض ہوجاتا ہے۔ اس لئے احکام خداوندی کی اطاعت سے مقصود خوشنودیٔ باری تعالیٰ ہے۔ اسے رضا جوئی خداوندی بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کو راضی رکھنے کے لئے۔ چنانچہ "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کے معنی کئے جاتے ہیں: خدا ان سے راضی یا خوش ہوگیا۔ اور وہ خدا سے راضی یا خوش ہوگئے۔"

خدا کے متعلق یہ تصوّر کہ وہ کسی بات سے خوش ہو جاتا ہے اور کسی سے ناراض، خدا کو انسان کے جذبات سے متصف کرنا ہے۔ ذہنِ انسانی نے ہمیشہ خدا کا تصوّر ایک مطلق العنان بادشاہ کا سا قائم کیا ہے جو کسی بات پر خوش ہوجاتا ہے تو جاگیر بخش دیتا ہے۔ ناراض ہوجاتا ہے تو کھال کھنچوا دیتا ہے۔ ایسے حکمران کی حکومت میں ہر ایک کی کوشش اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح حاکم کو خوش رکھے۔ اس کی خوشنودی حاصل کرلے۔

لیکن قرآن کریم نے خدا کا جو تصوّر پیش کیا ہے وہ اس سے بلند اور متمیّز ہے۔ اس نے کہا ہے کہ خدا نے انسان کے سامنے ایک نصب العینِ حیات رکھ دیا ہے۔ اور پھر ایسے قوانین مرتب کر دیئے ہیں کہ اگر ان کے مطابق چلا جائے تو انسان اس نصب العین تک پہنچ جاتا ہے۔ ان کی خلاف ورزی کرے تو اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کو "رضوان اللہ" "مرضات اللہ"۔ یا رضا جوئی خداوندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رضاؔ کے معنی ہوتے ہیں کسی سے متفق ہوجانا۔ اس کے مطابق کام کرنا۔ اس سے ہم آہنگ ہوجانا۔ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کا نام "مرضات اللہ" ہے۔ جب انسان، ان قوانین کے مطابق عمل کرتا ہے، تو ان قوانین کے نتائج، اس کے اعمال سے ہم آہنگ ہوجاتے ہیں۔ اس طریقِ عمل کے نتیجہ کو۔ "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی ہمارے اعمال کا مقصد ہونا چاہیئے۔ اسی کو ان الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ خود اس عمل کے اندر مضمر ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے آپ ایک مزدور سے کہتے ہیں کہ وہ آپ کی ایک چٹھی آپ کے دوست کے مکان پر چھوڑ آئے جو یہاں سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کے لئے آپ اسے ایک روپیہ بطور اجرت دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مزدوری کی" دو میل کی مسافت اور "ایک روپیہ" میں کوئی داخلی تعلق نہیں۔ لیکن اگر آپ ہر روز صبح دو میل کی سیر کرتے ہیں جس سے آپ کی صحت

اچھی ہوجاتی ہے، تو آپ کے عمل کا یہ نتیجہ خود آپ کے عمل کے اندر مضمر ہوتا ہے کہیں خارج سے نہیں ملتا۔ قوانینِ خداوندی کے مطابق اس طرح عمل کرنیکا نام "رضا جوئی باری تعالیٰ" ہے یعنی قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہوجانا۔ ظاہر ہے کہ اس میں نہ تو "خوشنودی باری تعالیٰ" کا وہ تصور ہے جس کا ذکر پہلے کیا ہے اور نہ ہی یہ مزدوری یا خدا سے سوداگری ہے کہ ہم نے اس کا کچھ کام کیا اور اس کام کے عوض میں اس نے ہمیں کچھ دیا۔ اس قسم کے عمل کو لوجہ اللہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی کسی خارجی معاوضہ کے تصور کے بغیر کام کرنا۔ اگر قوانینِ خداوندی کی اطاعت کے سلسلہ میں کسی خارجی مقصد کو سامنے رکھ لیا جائے تو یہ یا منافقت ہوجاتی ہے یا شرک۔ (مزید تفصیل کیلئے لغات القرآن دیکھئے)

۲- خدا نے جو کہا ہے کہ وہ کفر کو ناپسند اور ایمان کو پسند کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ چونکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان اس کے بتائے ہوئے طریق پر چل کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے، اس لئے اس راستے کو پسند کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف جانے والی راہوں کو ناپسند۔ اس میں بھی (انسانی تصور کے مطابق) خدا کے خوش یا ناراض ہونے کا پہلو نہیں ہوتا۔

نوٹ:- "راضی برضا" کے عام مفہوم کے لئے تقدیر کا عنوان دیکھئے یا مکافاتِ عمل کا۔

(۰)

رضی اللہ عنہ

۱- ظہورِ نتائج کے وقت، صادقین کا صدق ان کے لئے نفع بخش ہوگا۔ اس کا نتیجہ جنت کی زندگی ہے۔ جس میں اعمال کے نتائج، قوانینِ خداوندی کے مطابق سامنے آجاتے ہیں یہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی تفسیر ہے۔ (۱۱۹ : ۵)

۲- مہاجرین و انصار کے السابقون الاولون کی یہی زندگی تھی۔ اور ان کی بھی جنہوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کی پیروی کی۔ (۱۰۰ : ۹)

۳- ایمان والے، ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتے جو نظامِ خداوندی کے خلاف صف آرا ہوں، خواہ وہ ان کے کتنے ہی عزیز کیوں نہ ہوں۔ وہ اپنی زندگی کو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ رکھتے ہیں (۲۲ : ۵۸)

۴- ایمان و عملِ صالح کا محرک یہی جذبہ ہونا چاہیئے۔ (۸ : ۹۸)

۵- جن مؤمنین نے حدیبیہ میں تجدید بیعت کی تھی، انہوں نے قوانینِ خداوندی سے یکسر ہم آہنگی اختیار کی تھی۔ انہوں نے وہی کچھ کہا تھا جو ان حالات میں قانونِ خداوندی کا تقاضا تھا۔ (۱۸ : ۴۸)

۶- جس کی بات قانونِ خداوندی کے مطابق ہو، اسی کی حمایت کسی کے کام آسکتی ہے۔ (۱۰۹ : ۲۰)

(۲۸ : ۲۱) — (۲۶ : ۵۳)

۷۔ ان کے برعکس وہ لوگ ہیں جن کے سامنے محض دنیاوی زندگی کے مفاد ہوتے ہیں اور وہ اپنے اس مقصد کے مطابق کام کرتے ہیں۔ انہیں "رضوا بالحیوٰۃ الدنیا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳۸ : ۹)۔ (۷ : ۱۰)

۸۔ مومن، خدا کے ہاں راضیۃ مرضیۃ جاتا ہے۔ (۲۸ : ۸۹)۔ (۲۱ : ۹۲) ۔حضرت اسماعیلؑ مرضیا تھے۔ (۱۹ : ۵۵) اسے "عیشۃ راضیۃ" کہا گیا ہے۔ (۲۱ : ۶۹)۔ (۷ : ۱۰۱)

۹۔ دن رات "نظامِ خداوندی کے لئے مصروفِ تگ و تاز رہنے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان راضی ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کا عمل نتیجہ سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ (۲۰ : ۱۳۰)۔ (۵ : ۹۳)

۱۰۔ حضرت موسیٰ "رضائے خداوندی" کے لئے طور پر گئے تھے۔ یعنی اس لئے کہ وہ جلد از جلد اپنے پروگرام کو منشائے خداوندی کے مطابق بنا سکیں۔ (۲۰ : ۸۴)

۱۱۔ حضرت سلیمانؑ کی دعا کہ میں ایسے کام کروں جو تیرے قوانین کے مطابق ہوں۔ (۱۹ : ۲۷)۔ (۱۵ : ۴۶)

۱۲۔ اس دن مومنین اپنی کوششوں کے ماحصل سے راضی ہو جائیں گے (۹ : ۸۸)

۱۳۔ حضرت زکریاؑ نے بیٹے کے لئے دعا کی جو مرضات اللہ سے ہم آہنگ ہو۔ (۶ : ۱۹)

۱۴۔ نفسِ مطمئنۃ خدا کی طرف راضیۃ مرضیۃ جائے گا۔ (۲۸ : ۸۹)

اسلام

خدا نے تمہارے لئے اسلام کو بطور نظامِ زندگی (دین) پسند کیا ہے۔ یعنی اسے تمہاری زندگی کا نصب العین ٹھہرایا ہے۔ (۳ : ۵) ۔ اسی کا تمکن استخلاف فی الارض سے ہو گا۔ (۵۵ : ۲۴)

رضوان اللہ

۱۔ جنت کی زندگی رضوان من اللہ ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی سے یکسر ہم آہنگ ہو جانے کی زندگی۔ جس میں، انسان کے اندر صفاتِ خداوندی، علیٰ حدِّ البشریت منعکس ہوتی جاتی ہیں۔ (۱۴ : ۳)

۲۔ جس کی زندگی قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہو، وہ، اور ایسا شخص جو ان قوانین کے خلاف چلے، دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ (۱۴ : ۳)

۳۔ جہاد میں بے شک دنیاوی متاع بھی ہاتھ میں آتی ہے، لیکن اس کی حقیقی غایت یہی ہوتی ہے کہ قوانینِ خداوندی کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اس کا نتیجہ حقیقی متاع ہے۔ (۱۶۳ : ۳)

۴۔ رہبانیت خدا نے تجویز نہیں کی تھی۔ لوگوں نے اسے از خود وضع کر لیا تاکہ اس طرح وہ زندگی اختیار کی جائے جو منشائے خداوندی سے ہم آہنگ ہو۔ یہ ان کی غلطی تھی۔ (۲۷ : ۵۷)

۵۔ جنت بھی مومن کا منتہائے مقصود نہیں۔ اصل مقصود قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہونا ہے اور یہ سب سے بلند مقصد ہے۔ (۷۲ : ۹)

۶۔ مہاجرین اور مجاہدین کے لئے جنت بھی ہے اور رضوان من اللہ بھی۔ (۲۱ : ۹)

۷۔ مسجد کی بنیاد قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کے جذبہ پر رکھنی چاہیئے۔ کوئی اور مقصد پیشِ نظر نہیں رکھنا چاہیئے۔ (۱۰۹ : ۹)

۸۔ مومن کی زندگی یہ ہے کہ وہ تلاشِ معاش بھی کرتا ہے تو اس میں بھی اپنے آپ کو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ رکھتا ہے۔ (۲ : ۵)۔(۲۹ : ۴۸)۔ (۸ : ۵۹)

۹۔ جو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کو اپنا منتہیٰ قرار دے لے، اسے سلامتی کے راستے کی طرف راہ نمائی مل جاتی ہے۔ (۱۶ : ۵)

۱۰۔ ان کے برعکس جو لوگ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کو ناپسند کرتے ہیں، ان کے اعمال صحیح نتائج مرتب نہیں کرتے۔ (۲۸ : ۴۷) — (۱۱) دنیاوی مفاد کے مقابلہ میں رضوان اللہ بہت بلند شے ہے۔ (۲۰ : ۵۷)

مرضات اللہ

۱۔ جو شخص مرضات اللہ کے لئے انفاق کرتا ہے۔ یعنی اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اسی کا عمل ثمر بار ہوتا ہے۔ (۲۶۵ : ۲)

۲۔ مرضات اللہ کے لئے باہمی مشورے مفید نتائج مرتب کرتے ہیں (۱۱۴ : ۴)

۳۔ جس کا مقصد قوانینِ خداوندی کا اتباع ۔ مرضات اللہ ۔ ہو، وہ نظامِ خداوندی کے دشمنوں کو کبھی اپنا دوست نہیں بناتا۔ (۱ : ۶۰)

۴۔ مومن اپنے آپ کو مرضات اللہ کے لئے بیچ دیتا ہے۔ (۲۰۷ : ۲)

۵- رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ نے اپنی بیوی کی مرضات کے لئے ایک شے کو حرام کیوں قرار دے لیا۔ گویا جو بات قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ نہ ہو اسے مخلوق کی رضاجوئی کے لئے اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ (۱ : ۶۶)

لوجہ اللہ

۱- مومن، ضرورت مندوں کا حق لوجہ اللہ پورا کرتے ہیں - (۳۸ : ۳۰) - (۳۹ : ۳۰)

۲- وہ کسی اور مقصد یا جذبہ کو سامنے رکھتے ہی نہیں - (۲۰ : ۹۲)

۳- وہ انفاق اسی مقصد کے لئے کرتے ہیں - (۲۷۲ : ۲) - اس سورہ (بقرہ) کی آیات ۲۶۱ سے ۲۷۳ تک سے اس مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۴- مومن اس مقصد کے لئے استقامت پذیر ہوتے ہیں - (۲۲ : ۱۳)

۵- مومن جب دوسروں کو کچھ دیتے ہیں تو ان سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تم سے کسی معاوضہ کے تو ایک طرف شکریہ تک کے بھی متمنی نہیں - اس لئے کہ ہم اسے لوجہ اللہ دیتے ہیں - (۹ : ۷۶)

۶- صحابہؓ کی جماعت، اس دعوت کو محض لوجہ اللہ عام کرتی تھی - (۶ : ۵۲) - (۲۸ : ۱۸)

۷- حضرت ابراہیمؑ کا اعلان کہ میں ہر طرف سے کٹ کر اپنی تمام توجہات خدا کے لئے مرکوز کرتا ہوں - (۷۹ : ۶) یہی دینِ حنیف ہے - (۱۰۵ : ۱۰) - (۳۰ : ۳۰) - (۴۳ : ۳۰)

۸- تم جہاں بھی جاؤ گے وجہ اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے - (۱۱۵ : ۲)

۹- وجہ ربکؑ باقی رہے گا - (۸۸ : ۲۸) - (۲۷ : ۵۵)

۱۰- تم جہاں بھی ہو اپنی توجہ مسجد الحرام کی طرف مرکوز رکھو - (۱۴۴ : ۲) - (۱۴۹ : ۲)

۱۱- جس نے اپنی توجہات کو خدا کے سامنے جھکا دیا، وہی مومن ہے (۱۱۲ : ۲) - اس سے احسن دین کسی کا نہیں - (۱۲۵ : ۴) - اسی نے عروۃ الوثقیٰ تھام لیا - (۲۰ : ۳) - (۲۲ : ۳۱)

پسند کرنے کے معنوں میں

۱- خدا مومنین کو ایسے مقامات عطا کرے گا جنہیں وہ پسند کریں گے - (۵۹ : ۲۲)

۲- دین کے نظام میں افراد کو اپنے ساتھ متفق کر لینا کچھ معنی نہیں رکھتا -" خدا و رسول" یعنی خود اس نظام کو

مطمئن کرنا ضروری ہے ۔ (۶۲ : ۹)

۳۔ خدا کفر کو پسند نہیں کرتا ۔ شکر کو پسند کرتا ہے ۔ یعنی کفر اس کے قوانین کے مطابق نہیں ۔ شکر ان کے مطابق ہے ۔ (۷ : ۳۹)

۴۔ خدا فاسقین کو پسند نہیں کرتا ۔ یعنی فسق اس کے قوانین کے خلاف ہے ۔ (۹۶ : ۹)

۵۔ ایسی باتیں جنہیں خدا پسند نہیں کرتا ۔ (۱۰۸ : ۴)

۶۔ وہ مکان جنہیں تم پسند کرتے ہو ۔ (۲۴ : ۹) ۔ اگر یہ خدا ، رسول اور جہاد سے زیادہ عزیز ہو جائیں تو پھر تم تباہی کا انتظار کرو ۔

۷۔ جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو اس کی تولیت تمہیں حاصل ہو جائے گی ۔ (۱۴۴ : ۲)

۸۔ خدا مقتولینِ فی سبیل اللہ کو ایسی جگہ داخل کرے گا ، جسے وہ پسند کریں گے ۔ (۵۹ : ۲۲)

متفرق

۱۔ یہود و نصاریٰ تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے جب تک ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کرو گے ۔ (۱۲۰ : ۲)

۲۔ خدا اور رسول کا زیادہ حق ہے کہ اسے راضی کیا جائے (۶۲ : ۹)

۳۔ خدا غیب کی باتیں رسولوں میں سے جسے مناسب سمجھتا ہے ، بتا دیتا ہے ۔ (۲۷ : ۷۲)

رضاعت

رضاعت ۔ بچے کا دودھ پینا ۔ اس میں عام دودھ پینا بھی شامل ہے اور قانونی جہت سے رضاعت کا سوال بھی ۔ (۱) عام حالات میں مائیں بچے کو دو سال تک دودھ پلائیں ۔ مطلقہ بیوی سے بچے کی رضاعت کا معاملہ طے کر لینا چاہیئے اور اس کی اسے اجرت دینی چاہیئے ۔ (۲۳۳ : ۲) ۔ یا کسی انا سے دودھ پلوا لینا چاہیئے ۔ (۶ : ۶۵)

۲۔ رضاعت کی مدت عام طور پر دو سال ہوتی ہے ۔ (۱۴ : ۳۱) ۔ بعض اوقات حمل اور رضاعت کی مدت

ملا کر تیس مہینے (اڑھائی سال) ہوتی ہے۔ (۱۵ : ۴۶)

۳۔ رضاعی ماؤں سے بھی نکاح حرام ہے اور رضاعی بہنوں سے بھی۔ (۲۳ : ۴)

۴۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے محل میں (بچپن میں) کسی عورت کا دودھ نہ پیا۔ ان کی والدہ نے انہیں دودھ پلایا۔ (۲۸ : ۷)۔(۲۸ : ۱۲)

۵۔ قرآن کریم نے سورۂ انبیاء میں الساعۃ (انقلاب عظیم) کی ہولناکی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ اس وقت دودھ پلانے والیاں، اپنے بچوں کو بھول جائیں گی۔ (۲ : ۲۲)

(٠)

۱۱۔ رعب

(نیز دیکھئے خ ر ق)

رعب کے عام معنی کسی کی ہیبت اور عظمت سے کانپ اٹھنے اور ڈر جانے کے ہیں۔ قرآن کریم نے مومنین کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون۔ انہیں نہ کسی کا خوف ستاتا ہے نہ حزن۔ مومن اسے کہتے ہیں جو دنیا میں قوانین خداوندی کے علاوہ اور کسی کی اطاعت نہ کرے۔ کسی کے سامنے نہ جھکے اور ظاہر ہے کہ جب وہ کسی کے سامنے جھکے گا ہی نہیں تو وہ کسی سے خوف کیوں کھائے گا۔ اس کے مقابل میں مشرک ہے جو مختلف قوتوں کے سامنے جھکتا ہے۔ ان سے خوف کھاتا ہے۔ ڈرتا ہے۔ کانپتا ہے۔ اس کا سینہ ہر سمت سے خوف کی آماجگاہ ہوتا ہے۔

اب آپ سوچئے کہ جب اس قسم کا انسان جو ہر شے سے خوف کھائے، ایسے لوگوں کے سامنے آئے گا جو کسی سے خائف نہ ہوں، تو اس کے دل پر ان کا کس قدر رعب چھا جائے گا۔ اس لئے کہا کہ

۱۔ کفار کے دلوں پر مومنین کا رعب چھا جائے گا کیونکہ وہ شرک کرتے ہیں۔ (۱۵۰ : ۳)

۲۔ جماعت مومنین کو ملائکہ کی تائید حاصل ہوتی ہے اس لئے کفار کے دل میں ان کا رعب ہوتا ہے۔ (۱۲ : ۸)

۳۔ میدان جنگ میں فریق مخالف کے دل پر مومنین کے لشکر کا رعب چھا جاتا تھا۔ (۲۶ : ۳۳)۔(۲ : ۵۹)

یہ ہے دنیا میں مومن کا مقام۔ کسی کا رعب اس کے دل میں نہ ہو اور اس کا رعب ہر ایک کے دل پر چھایا ہوا ہو۔

(٠)

۱۲- رُوح

(نیز دیکھئے "نفس" - "وحی")

اس مادہ کے بنیادی معنی حرکت - قوت - وسعت - رحمت اور انبساط وغیرہ ہیں - جن معانی میں ہم انسانی روح کا لفظ استعمال کرتے ہیں، ان معانی میں یہ لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا - اس میں کہا گیا ہے کہ زندگی کے ابتدائی مدارج میں حیوان اور انسان میں کوئی فرق نہیں - لیکن انسان کی صورت میں، خدا نے (اس میں) "اپنی روح" پھونک دی جس سے یہ صاحب اختیار و ارادہ انسان بن گیا - یہ "روحِ خداوندی" الوہیاتی توانائی ہے - جس کی نمود انسانی ذات (PERSONALITY) کی شکل میں ہوتی ہے اور جو انسانی جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتی - بلکہ آگے بھی چلتی ہے - انسانی ذات کے متعلق تفصیلی بحث "نفس" کے عنوان میں ملے گی -

۲- روح کا لفظ قرآن کریم میں وحی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے -

۳- روح القدس، وحی کے احکام کو بھی کہا جائے گا اور اس "توانائی" کو بھی جس کی وساطت سے وحی، حضرات انبیاء کرام کی طرف آتی تھی - اسے عام طور پر جبریل کہا جاتا ہے - عبرانی زبان کے اس لفظ (جبرائیل) کے معنی "خداوندی قوت" کے ہیں -

۴- ظاہر ہے کہ جب قرآن کریم میں روحِ انسانی کا لفظ ہی نہیں آیا تو "روحانی ترقی" یا "روحانیت" کا تصوّر کس طرح قرآنی ہو سکتا ہے - یہ تصوّر ہم نے غیروں سے (بالخصوص عیسائیت سے) مستعار لیا ہے - جو مادہ (MATTER) کی ضد (SPIRIT) کو روح سے تعبیر کرتے ہیں - قرآن کریم میں روح کو کہیں مادہ کی ضد قرار نہیں دیا گیا اور اب تو (جدید تحقیقات کے رُو سے) خود مادہ بھی سمٹ کر بیرک بن گیا ہے - یعنی (PURE ENERGY) - توانائی محض -

---

روحِ خداوندی

۱- حضرت عیسٰیؑ خدا کی طرف سے "روح" تھے - یعنی ان میں بھی دوسرے انسانوں کی طرح روحِ خداوندی تھی -

یا ان کی تعلیم وحیِ خداوندی پر مبنی تھی ۔ (۱۷۱ : ۴)

۲۔ انسان میں خدا نے اپنی روح پھونکی ۔ (۲۹ : ۱۵) ۔ (۹-۷ : ۳۲) ۔ (۷۲ : ۳۸)

۳۔ حضرت مریم کی طرف خدا نے، حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے سلسلہ میں تقویت بخش اشارہ بھیجا ۔ (۱۷۱ : ۴)

(۱۷ : ۱۹) ۔ (۴) حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے سلسلہ میں نفخِ روحِ خداوندی ۔ (۹۱ : ۲۱) ۔ (۱۲ : ۶۶)

روح بمعنی وحی خداوندی

۱۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیم بھی وحیِ خداوندی پر مبنی تھی ۔ (۱۷۱ : ۴)

۲۔ خدا ملائکہ کو روح (وحی) کے ساتھ نازل کرتا ہے ۔ (۲ : ۱۶)

۳۔ تجھ سے الرّوح کی بابت پوچھتے ہیں ۔ ان سے کہہ دو کہ روح (وحی) امرِ خداوندی سے متعلق ہے ۔ (۸۵ : ۱۷)
یہاں الرّوح سے مراد، وحی ہے ۔

۴۔ خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ۔ روح کا القاء کرتا ہے ۔ (۱۵ : ۴۰)

۵۔ حضورؐ کی طرف سے وحی ۔ (۵۲ : ۴۲)

۶۔ خدا مومنین کو وحی (یعنی قرآن) کی رو سے تقویت دیتا ہے ۔ (۲۲ : ۵۸)

روح بمعنی جبریل ۔ روح القدس

۱۔ حضرت عیسیٰ کو روح القدس سے تقویت دی ۔ (۸۷ : ۲) ۔ (۲۵۳ : ۲) ۔ (۱۱۰ : ۵)

۲۔ قرآن کو روح القدس لایا ہے ۔ (۱۰۲ : ۱۶) ۔ روح الامین ۔ (۱۹۳ : ۲۶)

۳۔ ملائکہ اور روح خدا کی طرف بلند ہوتے ہیں ۔ (۴ : ۷۰) ۔ قیامت میں ملائکہ اور روح صف بستہ کھڑے
ہوں گے ۔ (۳۸ : ۷۸) ۔ شب قدر میں روح اور ملائکہ نازل ہوتے ہیں ۔ (۴ : ۹۷)

متفرق

۱۔ خدا، نفسِ انسانی کو موت اور نیند کے وقت وفات دیتا ہے ۔ یہاں نفس سے مراد انسانی شعور ہے (۶۰ : ۶)
(۴۲ : ۳۹) ۔ ان آیات میں روح کا لفظ نہیں آیا لیکن ہم نے انہیں اس لئے یہاں درج کر دیا ہے ۔ تاکہ یہ

معلوم ہو جائے کہ یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مرنے کے ساتھ بدن سے روح نکل جاتی ہے۔ یا اُسے فرشتے قبض کر لیتے ہیں، وہ صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں روح کے بدن سے نکل جانے کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ (تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملے گی۔)

۲۔ رَوْحٌ کا لفظ رحمت کے لئے آیا ہے۔ خدا کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔ (۱۲ : ۸۷)۔ جنت میں مقربین کے لئے رَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ۔ (۵۶ : ۸۹)

(۰)

۱۳۔ رھن

رہن۔ رہن کی تفصیل بحث تو "قرض" کے عنوان میں ملیگی۔ اس مقام پر اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر کہا گیا ہے کہ تم قرض دار کی کوئی چیز بطور رہن (ضمانت) اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔
سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ قرض کی صورت میں کس طرح سارا معاملہ ضبطِ تحریر میں لے آنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہے کہ :۔

> اگر تم حالتِ سفر میں ہو اور تمہیں کاتب نہ مل سکے تو قرض لینے والے کی کوئی چیز بطور ضمانت اپنے پاس رکھ لو۔ لیکن اگر تم ایک دوسرے پر اعتماد کر لو، تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے چاہیئے کہ قرضہ کو قرض خواہ کی امانت سمجھے اور اسے نہایت دیانتداری سے واپس لوٹا دے۔ (۲ : ۲۸۳)

اس سے ظاہر ہے کہ مرہونہ شے محض بطور ضمانت اپنے پاس رکھی جا سکتی ہے۔ وہ قرض خواہ کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ (خواہ اسے عارضی ملکیت ہی کیوں نہ سمجھا جائے) اور اگر اس سے کچھ حاصل ہوتا ہے تو وہ قرض لینے والے کا ہوگا۔ (یعنی اس چیز کے مالک کا) نہ کہ قرضہ دینے والے کا جس کے پاس وہ شے بطور امانت رکھی ہے۔ اگر وہ (قرض خواہ) لے لیگا تو یہ ربوٰا ہو جائے گا۔

۲۔ قانونِ مکافاتِ عمل کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا مرہون ہوتا ہے۔ یعنی اپنے اعمال کے بدلے گویا رہن رکھا ہوا۔ (۵۲ : ۲۱) - (۷۴ : ۳۸)

۱۴- ریاء

(نیز دیکھئے عنوانات - منافق - خلوص)

ریاء - دوسروں کے دکھاوے کی خاطر کوئی کام کرنا -

جب ہمیں پیاس لگتی ہے تو ہم اٹھ کر پانی پیتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے اندر کا تقاضا ہوتا ہے - اس وقت ہم اس کی تلاش نہیں کرتے کہ کسی شخص کو دکھائیں کہ ہم پانی پی رہے ہیں - قرآن کریم کی رو سے جن کاموں کو نیکی کہا جاتا ہے، مومن ان کاموں کو اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کے دل کا تقاضا ہوتے ہیں - اس لئے ان میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا شخص ہمیں ایسا کرتے دیکھ رہا ہے یا نہیں - اگر اس وقت ایسا خیال آجائے - یا ہم وہ کام کریں ہی اس لئے کہ لوگ اسے دیکھ کر ہماری تعریف کریں - تو ایسے کام خلوص پر مبنی نہیں کہلا سکتے - انہیں انسان محض اپنے پندارِ نفس (EGO) کی تسکین کی خاطر کرتا ہے - اسی کا دوسرا نام منافقت ہے - لہٰذا، قرآن کریم کی میزان میں نہ صرف یہ کہ ایسے کاموں کا کوئی وزن نہیں، بلکہ ان سے جس نفسیاتی کیفیت (یا ذہنیت) کا مظاہرہ ہوتا ہے - وہ ذہنیت بڑی تخریب کا موجب ہوتی ہے - اس لئے ایسے کاموں کا نتیجہ تعمیری ہو نہیں سکتا - لہذا، قرآن کریم کی رو سے اس قسم کے کام تباہی کا موجب ہوتے ہیں -

۱- لوگوں کو دکھاوے کی خاطر مال خرچ کرنے والے کا خدا اور آخرت پر ایمان ہی نہیں ہوتا - وہ لوگوں سے اپنی تعریف چاہتا ہے وہ اسے مل جاتی ہے - (۲ : ۲۶۴) - (۴ : ۳۸)

۲- میدانِ جنگ میں اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کی خاطر مت نکلو - (۸ : ۴۷)

۳- منافقین، نماز بھی دوسروں کو دکھانے کی خاطر پڑھتے ہیں - (۴ : ۱۴۲) - (۱۰۷ : ۶)

۴- اگر دوسروں کو ترغیب دلانے کی خاطر، اعلانیہ انفاق فی سبیل اللہ کر دیا جائے تو اس کی اجازت ہے (۲ : ۲۷۱؛ ۲-۲۷۴) - (۱۳ : ۲۲) - (۱۴ : ۲۱) - (۳۵ : ۲۹)

۵- اس طرح ہر کارِ خیر کے سلسلہ میں کہا گیا ہے - (۴ : ۱۴۹)

۶- اپنے آپ کو مزکّی مت قرار دو - خدا بہتر جانتا ہے کہ تقویٰ شعار کون ہے (۵۳ : ۳۲)

۱۵- ریب

ریب اس اضطراب کو کہتے ہیں جو شک کی وجہ سے پیدا ہو - پھر اس لفظ کو خود شک کے معنوں میں بھی استعمال کرنے لگ گئے، شک، یقین کی ضد ہوتا ہے - قرآن کریم میں دو چیزوں کے متعلق خاص طور پر کہا گیا ہے کہ ان میں ریب نہیں - یعنی وہ ایسی یقینی ہیں کہ ان کے متعلق کسی قسم کی نفسیاتی الجھن یا اضطراب نہیں ہونا چاہیئے - ان سے وہ اطمینان حاصل ہونا چاہیئے جو یقین کا فطری نتیجہ ہے - ایک قرآن مجید - اور دوسری حیاتِ آخرت - قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں ریب نہیں - (۲ : ۲) - (۲ : ۲۳) - (۱۰ : ۳۷) (۲ : ۳۲) — (۲) حیاتِ آخرت ایک یقینی حقیقت ہے جس میں ریب نہیں (۳ : ۹) - (۳ : ۲۵) - (۴ : ۸۷) - (۶ : ۱۲) (۵ : ۲۲) — (۲۶ : ۴۵) — (۳) آنے والے انقلاب (اجل) میں بھی ریب نہیں - (۱۷ : ۹۹) - الساعۃ میں بھی ریب نہیں - (۱۸ : ۲۱) - (۲۲ : ۷) - (۴۰ : ۵۹) - یوم الجمع میں ریب نہیں - (۴۲ : ۷) - (۴۵ : ۳۲)

۴- مومن وہ ہیں جو ایمان لے آتے ہیں اور پھر ان کے دل میں شک و اضطراب نہیں پیدا ہوتا - (۴۹ : ۱۵) - (۷۴ : ۳۱) ایمان نہ لانے والوں (منافقین) کے دلوں میں ریب پیدا ہوتا ہے - (۹ : ۴۵) یہ دلوں کا مرض ہے (۲۴ : ۵۰)

۵ مسجدِ ضرار تعمیر کرنے والوں کے دلوں کو ریب کی آگ کھا جائے گی - (۹ : ۱۱۰)

۶- شک اور ریب کے الفاظ اکٹھے بھی آئے ہیں - (۱۱ : ۶۲) - (۱۱ : ۱۱۰) - (۱۴ : ۹) - (۳۴ : ۵۴) (۴۱ : ۴۵) — (۴۲ : ۱۴)

۷- مریب - شک کرنے والا - (۵۰ : ۲۵) - مرتاب (۴۰ : ۳۴)

۸- ریب المنون - زمانے کی گردشیں - (۵۲ : ۳۰) - (نیز دیکھئے عنوان شک)

(-)

۱۶- ریش

الریش - پرندے کے پروں کو کہتے ہیں - نیز انسانوں کے لباس فاخرہ اور زیب و زینت کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے - قرآن کریم میں یہ لفظ لباس کی زینت کے لئے آیا ہے (۷ : ۲۶) - ڈاڑھی کے لئے یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا - اس میں اس کے لئے لحیۃ کا لفظ آیا ہے - جہاں حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ میری ڈاڑھی مت پکڑیئے (۲۰ : ۹۴) - سامی النسل اقوام میں ڈاڑھی رکھنے کا رواج تھا -

(-)

ز

۱۔ زبور

زبور کتاب کو کہتے ہیں۔ اور الزبور وہ کتاب ہے جو حضرت داؤدؑ کو ملی تھی۔

۱۔ ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔ (۴ : ۱۶۳) ۔ (۱۷ : ۵۵)

۲۔ ہم نے الزبور میں یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کی وراثت عبادِ صالحین کو ملتی ہے۔ (۲۱ : ۱۰۵) ۔

زُبُر

۱۔ قرآن، زبرِ اولین میں بھی تھا۔ (۲۶ : ۱۹۶)

۲۔ رسول، زبر اور کتابِ منیر کے ساتھ آتے رہے۔ (تفسیری ہوسکتی ہے (۳ : ۱۸۳)۔(۱۶ : ۴۴)۔(۳۵ : ۲۵)

۳۔ کیا ان مخالفین کو زبر میں اس امر کی ضمانت مل گئی ہے کہ یہ عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ (۵۴ : ۴۳)

۴۔ جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں وہ زبر میں مرقوم ہوجاتا ہے۔ (۵۴ : ۵۲)

۵۔ زبر کے معنی ٹکڑے ٹکڑے بھی ہیں۔ (۱۸ : ۹۶) ۔ (۲۳ : ۵۳)

(٠)

۲۔ زراعت

زراعت کے معنی ہیں۔ کھیتی باڑی۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو سمجھانے کے لئے کہ ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کرتا ہے، عام طور پر زراعت کی مثال دی ہے۔ یہ مثال بڑی جامع، برجستہ اور حقیقت کشا ہے۔ جس طرح ایک تناور درخت ایک ننھے سے بیج کے اندر محوِ خواب ہوتا ہے۔ اسی طرح نتائج کی عظیم دنیا، عمل کے ننھے سے تخم کے

اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔ لیکن تخم کی بارآوری کے لئے زراعت سے متعلق قوانین کا علم اور ان کی پابندی نہایت ضروری ہے - انسانی دنیا میں اسے قرآن نے تقویٰ کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ نیز بیج کے درخت بننے یا فصل تک پہنچنے کے لئے مساعد ماحول، اور دیگر سامان و اسباب کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح ہر عمل کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے مناسب فضا اور دیگر اسباب و ذرائع بھی لاینفک ہوتے ہیں۔ اسے معاشرتی زندگی یا نظامِ تعاون و تناصر کہا جاتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ تخم کو فصل تک پہنچنے میں ایک مہلت کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں کسان دن رات محنت کرتا رہتا ہے۔ لیکن اسے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسانی عمل کے نتیجہ خیز ہونے میں بھی وقت لگتا ہے اور اس کے ابتدائی مراحل میں انسان کو مسلسل سعی و کاوش سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر انسان راستے میں تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ تو اس کی ساری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔

وہ کونسی چیز ہے جو ایک کسان کو مہینوں بھر، بلاکسی صلہ یا معاوضہ کے مسلسل محنت کرنے پر آمادہ رکھتی ہے اور اسے تھکنے نہیں دیتی۔ اس بات پر ایمان کہ میرا بیج اسقدر فصل پیدا کرکے رہے گا۔ اسے قرآن کی اصلاح میں "ایمان بالآخرت" یا ایمان بالغیب۔ یعنی ایک پروگرام کے ان دیکھے نتائج پر ایمان، کہتے ہیں۔ اس ایمان کے بغیر کوئی شخص مسلسل اور جانگاہ محنت کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔

اور آخر میں یہ کہ

گندم از گندم بروید جو ز جو

زراعت کا ابدی اور اٹل قانون ہے۔ اسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ (اس سلسلہ میں عنوان "مکافاتِ عمل" دیکھئے) —— (۲) قرآن نے، موت کے بعد کی زندگی کے لئے بھی زراعت کی مثال دی ہے۔ آپ بیج اور مٹی کو دیکھئے۔ ان میں کہیں زندگی کی نمود نہیں ہوتی۔ لیکن زندگی کا امکان، اس بیج کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے۔ قانونِ زراعت کی رو سے، مناسب وقفہ کے بعد اس بیج سے زندگی انگڑائیاں لیتی ہوئی ابھرنا شروع کر دیتی ہے۔ موت سے انسانی جسم تو بے شک مر جاتا ہے، لیکن انسانی نفس کے اندر حیاتِ نو کا امکان پوشیدہ ہوتا ہے - وہ امکان قانونِ حیات کی رو سے، از سرِ نو حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے۔ اسے حیاتِ آخرت کہا جاتا ہے (تفصیل اس کی "موت اور مردہ" کے عنوان میں ملے گی) قرآن کریم نے اس حیاتِ تازہ کو "زمینِ مردہ کے احیاء" کی مثال سے واضح کیا ہے۔

زراعت کی محسوس مثالوں سے قرآن، ان غیر محسوس حقائق کو نہایت بلیغ انداز سے سمجھانا چاہتا ہے۔

زراعت

۱۔ انفاق فی سبیل اللہ کی مثال ایک دانہ کی جس سے سو سو دانے نکلیں۔ (۲ : ۲۶۱) – (۲ : ۲۶۵)
محمد رسول اللہ والذین معہٗ کی مساعیٔ جمیلہ کی مثال۔ (۴۸ : ۲۹)

۲۔ ریاکاری سے انفاق کرنے والے کی مثال۔ (۲ : ۲۶۴) – (۵۷ : ۲۰)

۳۔ کیا تم چاہو گے کہ آخری عمر میں تمہاری کھیتیاں اُجڑ جائیں؟ (۲ : ۲۶۶)

۴۔ صرف دنیاوی زندگی کے لئے خرچ کرنے والے۔ (۳ : ۱۱۶)

۵۔ قسم قسم کے باغات اور کھیتیاں پیدا کیں۔ (۶ : ۱۴۲) – (۳۵ : ۲۷) – (۳۹ : ۲۱) – (۵۰ : ۷-۹)
خشک دانوں سے لہلہاتی کھیتیاں۔ (۶ : ۹۵)

۶۔ مردہ زمین سے حیاتِ تازہ کی نمود۔ (۲ : ۱۶۴) – (۷ : ۵۷) – (۱۶ : ۶۵) – (۲۰ : ۵۳) – (۲۲ : ۵) –
(۲۲ : ۶۳) – (۲۳ : ۱۸-۱۹) – (۲۵ : ۴۸-۴۹) – (۲۹ : ۶۳) – (۳۰ : ۱۹) –
(۳۰ : ۲۴) – (۳۰ : ۵۰) – (۳۲ : ۲۷) – (۳۵ : ۹) – (۳۶ : ۳۳) – (۴۱ : ۳۹) – (۴۳ : ۱۱) –
(۴۵ : ۵) – (۵۰ : ۱۰-۱۲) – (۵۷ : ۱۷)

۷۔ حیاتِ دنیا کی مثال۔ (۱۸ : ۴۵) (۸) اس میں آیت اللہ ہے۔ (۲۶ : ۷) – (۳۶ : ۳۳)

۹۔ حرث اور نسل کا تباہ کرنا جرمِ عظیم۔ (۲ : ۲۰۵)

۱۰۔ ایمان و اعمالِ صالح کا آخری نتیجہ جنت کی زندگی ہے اور جنت گھنے باغ کو کہتے ہیں۔ وہ ایسے باغات (جنّات) ہیں جو ہمیشہ سیراب رہتے ہیں (ان کے نیچے آبِ رواں مسلسل رہتا ہے)۔ اور ہمیشہ ثمربار (۱۳ : ۳۵)

۱۱۔ صحیح نظریۂ حیات کی مثال شجرِ طیب کی سی ہے جس کی جڑیں پاتال ہیں اور شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور غلط نظریہ کی مثال شجرِ خبیث کی سی ہے۔ (۱۴ : ۲۴-۲۷)

۳۔(حضرت) زکریاؑ

زکریاؑ۔ قرآن کریم نے زمرۂ انبیاء کرام میں حضرت زکریاؑ کا بھی نام لیا ہے (۸۵ : ۶)۔ حضرت مریمؑ کو ان کی کفالت میں دیا گیا تھا (۳۷ : ۳)۔ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی تو انہوں نے خدا سے دعا کی (۴۰-۳۷ : ۳) ان کی بیوی عقیم تھی اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہو گئی (۹۰ : ۲۱)۔ اور ان کے ہاں حضرت یحییٰؑ پیدا ہوئے۔ (۱۵ - ۲ : ۱۹) نیز۔ (۹۰ - ۸۹ : ۲۱)

لوقا کی انجیل میں زکریا نام کے ایک کاہن کا ذکر آتا ہے جس کی بیوی کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ اس بات کے اشتراک سے قیاس کا رُخ اس طرف جاتا ہے کہ یہ حضرت زکریاؑ ہی کے متعلق ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہودیوں کے ہاں ہیکل کے ایک بہت بڑے منصب دار کو نبی کہا جاتا تھا جس کا ترجمہ کاہن کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں نبی کا لفظ خاص اصطلاحی معنوں میں آیا ہے۔ جس کا تصور کاہن سے بالکل الگ ہے۔

۴۔زکوٰۃ

(نیز دیکھئے عنوان صلوٰۃ)

زکوٰۃ (ز-ک-و) اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں، پھولنا پھلنا۔ بڑھنا۔ نشو ونما پانا۔ لہٰذا زکوٰۃ کے معنی ہیں سامانِ نشو ونما۔ ہر وہ چیز جس سے کسی کی پرورش ہو اور اس کی صلاحیتوں میں ارتقا اور بالیدگی پیدا ہو۔

صلوٰۃ اور زکوٰۃ قرآنی نظام کی دو بنیادی اصطلاحیں ہیں اور اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ اس کے دو اہم اساسی ستون۔ اقامتِ صلوٰۃ کے متعلق عنوان صلوٰۃ دیکھئے۔ ایتائے زکوٰۃ کے معنی ہیں۔ نوعِ انسانی کو سامانِ نشو ونما بہم پہنچانا۔ اسلامی نظام کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام افرادِ انسانیہ کو سامانِ نشو ونما بہم پہنچائے۔ قرآن کریم میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب جماعت مومنین کی مملکت قائم ہوگی تو یہ ایتائے زکوٰۃ کریں گے (۴۱ : ۲۲)۔ یعنی ان کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ یہ افرادِ انسانیہ کو سامان نشو ونما بہم پہنچائیں۔ اسلامی مملکت اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے کیا کیا انتظامات کرے، اور افرادِ مملکت اس میں کس طرح حصہ لیں۔

قرآن کریم ان تفاصیل کا ذکر نہیں کرتا۔ اس کا عام انداز یہ ہے کہ وہ دین کے ابدی، غیر متغیر اصول بیان کرتا ہے اور تفاصیل کو امتِ مسلمہ پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق انہیں خود مرتب کرے۔ یہ جو ہمارے ہاں اڑھائی فیصد زکوٰۃ نکالی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی تفصیل بھی قرآن نے دے دی ہے، یہ بھی صحیح نہیں۔ وہ مصارف "صدقات" کے ہیں، زکوٰۃ کے نہیں۔

تزکیہ کا مادہ بھی یہی ہے اس کے معنی ہیں انسانی صلاحیتوں کی نشو ونما کرنا۔ "تزکیۂ نفس" کا جو تصور ہمارے ہاں تصوف کی رو سے عام کر دیا گیا ہے، وہ قرآنی تصور کے خلاف ہے۔ تصوف میں تزکیۂ نفس کے معنی "نفس کشی" ہوتا ہے اور قرآن "انسانی نفس (ذات) کی نشو ونما چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں تصور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

زکوٰۃ کے ضمن میں عنوانات ۔ انفاق ۔ معاشی نظام ۔ صدقات وغیرہ بھی دیکھئے۔

ایتائے زکوٰۃ و اقامت صلوٰۃ

جن آیات میں یہ دونوں احکام اکٹھے آئے ہیں ان کا حوالہ "صلوٰۃ" کے عنوان میں دے دیا گیا ہے۔ اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (بجز اس کے جہاں اس کی خصوصی ضرورت سمجھی گئی ہے) ان آیات کو اس عنوان میں دیکھ لینا چاہیئے۔ دیگر مقامات میں جہاں زکوٰۃ آیا ہے ان کی تصریح یہاں کی جائے گی۔

زکوٰۃ

۱۔ اہلِ کتاب سے کہا گیا ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں اور ایتائے زکوٰۃ کریں۔ (۴۳ : ۲)

۲۔ بنی اسرائیل کو بھی اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا۔ (۸۳ : ۲) ۔ (۱۲ : ۵) ۔ حضرت عیسٰیؑ، زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ (۳۱ : ۱۹) ۔ حضرت اسماعیلؑ بھی (۵۵ : ۱۹) ۔ مختلف انبیائے بنی اسرائیل۔ (۷۳ : ۲۱)

۳۔ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان کے بعد مال و دولت ضرورت مندوں کو دے اور ایتائے زکوٰۃ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ "ایتائے زکوٰۃ" مال و دولت دینے کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ (۱۷۷ : ۲)

۴۔ ایتائے زکوٰۃ سے خوف و حزن باقی نہیں رہتا۔ (۲۷۷ : ۲)

۵۔ اہلِ کتاب کے الراسخون فی العلم ایمان لاتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (۱۶۲ : ۴)

۶۔ مسلمانوں کے دوست مسلمان ہی ہونے چاہیئں جو ایمان لاتے ہیں اور ایتائے زکوٰۃ کرتے ہیں (۵۵ : ۵) ۔ (۷۱ : ۹)

۷۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ خدا کی رحمت ان کے ساتھ ہو گی جو ایتائے زکوٰۃ کریں گے۔ (۱۵۶ : ۷)

۸۔ جب مومنین کو تمکن فی الارض عطا ہوگا تو یہ ایتائے زکوٰۃ کریں گے۔ (۴۱ : ۲۲)۔ یعنی "ایتائے زکوٰۃ" مشروط ہے تمکن فی الارض (اپنی حکومت) سے (۵۶ - ۵۵ : ۲۴)۔ مومن وہ ہیں جو ایتائے زکوٰۃ کے لئے کام کرتے ہیں۔ (۴ : ۲۳) —— (۹)۔ دین کے جامع پروگرام میں ایتائے زکوٰۃ کا ذکر۔ (۷۸ : ۲۲)

۱۰۔ دنیاوی کاروبار، مومن کو ایتائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتا۔ (۳۷ : ۲۴)

۱۱۔ ربوٰ نہیں بڑھتا۔ جو کچھ تم زکوٰۃ کے لئے دیتے ہو، وہ بڑھتا ہے۔ (۳۹ : ۳۰)

۱۲۔ رسول اللہ کی اہل خانہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم۔ حالانکہ حضورؐ کے گھر میں کبھی اتنا مال ہی جمع نہیں ہوا۔ جس پر ہمارے مروجہ تصور کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوئی ہو۔ (۳۳ : ۳۳)

۱۳۔ ایتائے زکوٰۃ نہ کرنے والے مشرک بھی ہیں اور آخرت کے منکر بھی۔ (۷-۶ : ۴۱)

۱۴۔ سورۂ مزمل میں ایتائے زکوٰۃ کا حکم۔ (۲۰ : ۷۳)

۱۵۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ۔ دینِ قیم ہے۔ (۵ : ۹۸)

تزکیہ

۱۔ شیطان کے اتباع سے نہیں، خدا کی رحمت سے تزکیہ ہوتا ہے (صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے) جو چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے۔ (۲۱ : ۲۴)

۲۔ جس نے اپنی ذات کی نشوونما کر لی وہ کامیاب ہو گیا۔ (۱۴ : ۸۷)۔ (۹ : ۹۱)

۳۔ عائلی قوانین کے اتباع کے بعد کہا کہ یہ تمہارے لئے ازکیٰ و اطہر ہے۔ (۲۳۲ : ۲)۔ معاشرتی احکام کے اتباع سے بھی۔ (۲۸ : ۲۴)۔ حفظِ عصمت سے بھی (۳۰ : ۲۴)

۴۔ جو ایتائے زکوٰۃ کرتا ہے، اس سے اس کی اپنی ذات کا تزکیہ ہوتا ہے۔ (۱۸ : ۳۵)

۵۔ تزکیۂ نفس، مال دینے سے ہوتا ہے۔ (۱۸ : ۹۲)

۶۔ اپنے آپ کو مزکّی مت سمجھ لو۔ تزکیہ قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ (۴۹ : ۴)۔ (۲۱ : ۲۴)۔ (۳۲ : ۵۳) —— (۷) جو تزکیہ کی خاطر آئے اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ (۳ : ۸۰)

۸۔ جو تزکیہ نہ چاہے، اس کا الزام داعی پر نہیں ہو سکتا۔ (۷ : ۸۰)

۹۔ کتمانِ حقیقت۔ اشتریٰ آیات اللہ سے تزکیہ نہیں ہو سکتا۔ (۲: ۱۷۴) ۔ (۳: ۷۶)

۱۰۔ رسول اللہ کا فریضہ۔ تعلیم کتاب وحکمت وتزکیہ۔ (۲: ۱۵۱) ۔ (۲: ۱۲۹) ۔ (۳: ۱۶۳) ۔ (۶۲: ۲)

۱۱۔ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ کیا تو اپنا تزکیہ چاہتا ہے؟ (۷۹: ۱۸)

۱۲۔ جس کا تزکیہ ہوگا۔ اس کی جزا جنت ہے۔ (۲۰: ۷۶)

۱۳۔ ان سے صدقہ وصول کرکے ان کا تزکیہ اور تطہیر کرو۔ (۹: ۱۰۳)

بمعنی نشو ونما

۱۔ خدا انہیں ایسا بیٹا دے گا جو زیادہ نشو ونما یافتہ ہوگا۔ (۱۸: ۸۱) ۔ حضرت یحییٰ بھی اسی قسم کے لڑکے تھے۔ (۱۹: ۱۳) ۔ حضرت عیسےٰ بھی۔ (۱۹: ۱۹)

۲۔ تو نے پلا پوسا لڑکا قتل کر دیا۔ نفسًا زکیۃ۔ (۱۸: ۷۴)

۳۔ طعامِ ازکیٰ۔ وہ کھانا جس سے نشو ونما حاصل ہو۔ (۱۸: ۱۹)

(۰)

۵۔ زمین

ہم نے "ارض وسما" کے عنوان کے تحت "ارض" کو لکھا ہے۔ وہاں "ارض وسما" سے مراد کائنات ہے اور اس اعتبار سے "ارض" کا لفظ کرۂ ارض کے مفہوم میں آیا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم میں "ارض" کا لفظ ذریعۂ پیداوار (زرعی زمین) کے معنوں میں بھی آیا ہے اور ان معنوں میں بھی جن میں ہم "ملک" (COUNTRY) یا مملکت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ "زمین" کے ان معانی کو خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ان معانی کے لئے "ارض" کا لفظ "زمین" کے عنوان کے تابع بھی لکھ دیا جائے۔ اسی میں یہ حقیقت بھی سامنے آجائے گی کہ زمین (زرعی پیداوار کا ذریعہ ہونے کی جہت سے) انفرادی ملکیت میں لائی جا سکتی ہے یا نہیں۔ یعنی زمین پر کسی فرد کی شخصی ملکیت بھی ہو سکتی ہے یا سورج کی روشنی اور ہوا کی طرح اسے تمام نوعِ انسان کی پرورش کے لئے عام رہنا چاہیئے۔ اس سوال کو ہمارے زمانے میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

۲- ملک یا مملکت کے سلسلہ میں عنوانات "استخلاف" اور "سیاسی نظام" بھی دیکھئے۔ زمین کے ذاتی ملکیت نہ ہونے کے ضمن میں عنوانات رزق اور معاشی نظام۔

زمین بہ معنی زرعی پیداوار کا ذریعہ

۱- بنی اسرائیل کی درخواست کہ ہمارے کھانے کو زمینی پیداوار دی جائے۔ (۶۱ : ۲)

۲- زمین پر سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ (۲۴ : ۱۰) - (۳) - زمین سے نباتات (کھیتی۔ باغات۔ وغیرہ) اگتی ہے (۶۳ : ۲۲)

۴- بنجر زمین سے نباتات کی پیداوار، آیت اللہ ہے (۱۶۴ : ۲) - (۶۵ : ۱۶) - (۳۳ : ۳۶)

۵- زمین سے ہر قسم کی روئیدگی کی پیداوار۔ (۳۶ : ۳۶)

(مزید تصریحات کے لئے عنوان "زراعت" دیکھئے)

زمین بمعنی ملک - یا مملکت

۱- اگر ایک گروہ کی مدافعت کا سامان دوسرے گروہ کے ذریعے نہ ہوتا رہے تو زمین میں فساد ہی فساد رونما ہو جائے۔ (۲۵۱ : ۲)

۲- ہجرت نہ کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی۔ (۹۷ : ۴) - (۱۰۰ : ۴) — (۵۶ : ۲۹) — (۱۰ : ۳۹)

۳- بنی اسرائیل کا ارضِ مقدس پر قبضہ۔ (۲۱ : ۵) - فلسطین کی ارضِ مبارک (۷۱ : ۲۱) - (۸۱ : ۲۱)

۴- وراثتِ ارض۔ بمعنی مملکت میں غلبہ و حکومت کا حاصل ہونا۔

(i) ایک قوم کے بعد دوسری قوم کی وراثتِ ارض۔ (۱۰۰ : ۷) تمکن (۱۲۸ : ۷) - (۱۳۷ : ۷) - (۱۴ : ۱۴) - (۱۰۴ : ۱۷) — (۲۷ : ۳۳)

(ii) خدا ہی ارض کا وارث ہے۔ (۴۰ : ۱۹) - صالحین کو اس کا وارث بنا دیا جاتا ہے۔ (۱۰۵ : ۲۱)

للہ میراث السمٰوٰت والارض۔ (۱۸۰ : ۳) - ملک السمٰوٰت والارض بھی (۱۸۹ : ۳) - (۱۸ : ۵)

۵- غلط نظام کے حاملین کو خدا زمین میں دھنسا دے گا۔ (۴۵ : ۱۶) - قارون کو (۸۱ : ۲۸) - (۴۰ : ۲۹)

۶- زمین میں فساد مت کرو۔ (۱۱ : ۲) - (۲۷ : ۲) - (۶۰ : ۲) - (۲۰۵ : ۲) - (۳۳ : ۵) - (۶۴ : ۵)

(۷ : ۵۶) - (۷ : ۷۴) - (۷ : ۸۵) - (۸ : ۷۳) - (۱۱ : ۸۵) - (۱۱ : ۱۱۶) -
(۱۸ : ۹۴) ——— (۲۶ : ۱۵۲) - (۲۶ : ۱۸۳) - (۲۷ : ۴۸) - (۲۸ : ۷۷) - (۲۹ : ۳۶) -
(۳۸ : ۲۸) - (۴۷ : ۲۲)

۷۔ بنی اسرائیل ملک میں چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے۔ (۵ : ۲۶)

۸۔ بغاوت کی سزا۔ (۵ : ۳۳)

۹۔ تمکن فی الارض۔ (۶ : ۶) - (۶ : ۱۶۵) - (۷ : ۱۰) - (۷ : ۱۲۹) - (۱۰ : ۱۴) - (۱۲ : ۲۱) -
(۱۲ : ۵۵) - (۱۸ : ۸۴) - (۲۲ : ۴۱) - (۲۴ : ۵۵) - (۲۷ : ۶۲) - (۲۸ : ۵-۶) - (۳۳ : ۲۷) -
(۳۵ : ۳۹) - (۳۸ : ۲۶)

۱۰۔ تکبر فی الارض بغیر الحق۔ (۷ : ۱۴۶) - (۱۰ : ۲۳) - (۲۸ : ۱۹؛ ۳۹ و ۸۳) - (۳۵ : ۴۳) - (۴۰ : ۷۵) -
(۴۱ : ۱۵) - (۴۲ : ۴۶) - (۴۶ : ۲۰)

۱۱۔ تم ملک میں کمزور تھے۔ (۸ : ۲۶) - (۲۸ : ۵)

۱۲۔ فرعون کی مملکت۔ (۷ : ۱۱۰) - (۱۰ : ۸۳) - (۳۰ : ۵۷ و ۶۳) - (۲۶ : ۳۵) - (۲۸ : ۴) - (۴۰ : ۲۶)

۱۳۔ ارض الجنۃ کی وراثت جس میں تمام اختیارات حاصل ہوں گے۔ (۳۹ : ۷۴)

۱۴۔ ملک میں جنگ (۸ : ۶۷)

۱۵۔ حضرت یوسفؑ کو خزائن الارض کا منتظم بنا دیا گیا۔ (۱۲ : ۵۵) اسے تمکن فی الارض بھی کہا گیا ہے (۱۲ : ۵۶)

۱۶۔ قریبی ملک (۳۰ : ۳) —— (۱۷) آثار فی الارض۔ (۳۰ : ۹) - (۴۰ : ۲۱) - (۴۰ : ۸۲)

۱۸۔ اہلِ مکہ کا ملک (۲۸ : ۵۷)

زمین پر ذاتی ملکیت کا تصوّر

۱۔ ان سے پوچھو کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ انہیں کس نے بنایا ہے؟ یہ اعتراف کریں گے کہ یہ اللہ کی ہے۔ (۶ : ۱۲) - (۱۰ : ۳۱) - (۲۹ : ۶۱ و ۶۳) - (۳۱ : ۲۵) - (۳۴ : ۲۴) -
(۳۹ : ۱۰) - (۳۹ : ۳۸) - (۴۳ : ۹)

۲۔ زمین کا وارث خدا ہی ہے۔ (۱۹ : ۴۰)

۳۔ زمین کو مخلوق کے فائدے کے لئے پیدا کیا۔ (۵۵ : ۱۰)۔ اسے مستقر بنایا۔ (۲ : ۳۶)۔ سخر لکم (۲۲ : ۶۵)
سب کے لئے رزق (۲۷ : ۶۴)۔ (۱۶ : ۳۱)۔ (۳۵ : ۳)۔ (۴۵ : ۱۳)

۴۔ زمین کو بساط۔ کفات۔ مہاد بنایا۔ (۲ : ۲۲)۔ (۲۰ : ۵۳)۔ (۴۰ : ۶۴)۔ (۴۳ : ۱۰)۔ (۵۰ : ۷)
(۵۱ : ۴۸)۔ (۷۱ : ۱۹)۔ (۷۷ : ۲۵)۔ (۷۸ : ۶)

۵۔ جو کچھ زمین میں ہے اسے تمہارے فائدے کے لئے بنایا۔ (۲ : ۲۹)۔ سو خدا کے ہم سر نہ بناؤ۔

۶۔ لہٗ ما فی السمٰوٰت والارض۔ (۲ : ۱۱۶)۔ (۲ : ۲۵۵)۔ (۴ : ۱۷۱)۔ (۵ : ۴۰)۔ (۱۴ : ۲)۔
(۱۶ : ۵۲)۔ (۲۰ : ۶)۔ (۲۲ : ۶۴)

۷۔ اے نوعِ انسان! جو زمین میں ہے اسے حلال و طیب طریق سے کھاؤ۔ (۲ : ۱۶۸)

۸۔ جو کچھ خدا نے زمین سے تمہارے لئے پیدا کیا ہے اسے کھلا رکھو۔ نیز ماکسبتم کو بھی (۲ : ۲۶۷)

۹۔ للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔ (۲ : ۲۸۴)۔ (۳ : ۱۰۹)۔ (۳ : ۱۲۹)۔ (۴ : ۱۳۱-۱۳۲؛ ۱۷۰-۱۷۱)
(۵ : ۴۰)۔ (۱۰ : ۵۵)۔ (۱۰ : ۶۶)۔ (۱۴ : ۲)۔ (۱۶ : ۵۲)۔ (۲۰ : ۶)۔ (۲۱ : ۱۹)۔ (۳۴ : ۱)
(۴۲ : ۴)۔ (۴۲ : ۵۳)۔ (۵۳ : ۳۱)

۱۰۔ للہ میراث السمٰوٰت والارض۔ (۳ : ۱۸۰)

۱۱۔ زمین میں تمہارے لئے معیشت ہے۔ (۷ : ۱۰)۔ (۲۰ : ۵۴)۔ (۳۲ : ۲۷)۔ اسے تمام ضرورتمندوں
کے لئے یکساں کھلا رکھو (۴۱ : ۱۰)

۱۲۔ خدا کی اونٹنی کو خدا کی زمین میں چرنے دو۔ (۷ : ۷۳)۔ (۱۱ : ۶۴)۔

۱۳۔ تم دیکھتے نہیں کہ زمین کے رقبے کس طرح بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں۔ اور اس طرح
ان کی ملکیتیں سکڑتی جا رہی ہے۔ (۱۳ : ۴۱)۔ (۲۱ : ۴۴)

(نوٹ:۔ خدا نے کعبہ کو بیتی۔ میرا گھر کہا ہے۔ (۲ : ۱۲۵)۔ (۲۲ : ۲۶)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کعبہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتا۔ یہ وُضِعَ لِلنَّاسِ ہے۔ الناس کے فائدے کے لئے۔ (۳ : ۹۵)۔ اسی طرح جب ارض اللہ کہا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ارض کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ یہ للانام پیدا کی گئی ہے (۵۵ : ۱۰)۔ یعنی تمام مخلوق کے فائدے کے لئے۔)

۶۔ زنا

(نیز دیکھئے فحش)

قرآنِ کریم نے جنسی اختلاط کے ایک طریق کے سوا ہر طریق کو ممنوع، فلہذا زنا قرار دیا ہے۔ وہ جائز طریق نکاح کا ہے یعنی ایک بالغ لڑکی اور بالغ لڑکے کا، بہ طیبِ خاطر، دل و دماغ کی پوری رضامندی کے ساتھ ان حقوق اور ذمہ داریوں کو ساتھ لئے ہوئے جو قرآن نے اس باب میں متعین کی ہیں، میاں بیوی کی حیثیت سے باہمی رفاقت کا معاہدہ۔ اس کے علاوہ جنسی اختلاط کا ہر طریق زنا ہے۔ اس وقت اقوامِ مغرب میں زنا بالجبر قانوناً جرم ہے۔ یا کسی شادی شدہ عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کا اختلاط۔ یہ اس عورت کے خاوند کے حقوق میں دست اندازی متصور ہوتی ہے۔ اگر وہ مرد (یعنی اس عورت کا خاوند) اپنی حق تلفی کے خلاف شکایت کرے تو پھر اسے جرم قرار دیا جائے گا، ورنہ نہیں۔ لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، قرآن کی رو سے، منکوحہ میاں بیوی کے سوا، جنسی اختلاط کی ہر شکل ممنوع اور جرم ہے۔ خواہ وہ باہمی رضامندی سے ہی کیوں نہ ہو۔

عصرِ حاضر کی مغربی تحقیق اب اس نتیجہ پہ پہنچی ہے کہ جو قوم اپنی عورتوں کی عصمت کی طرف سے بے اعتنائی برتے۔ وہ زیادہ سے زیادہ تین نسلوں تک رو بہ ترقی رہ سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کا انحطاط لازمی ہے۔ قرآنِ کریم نے اس انحطاط کا راستہ بند کر دیا۔

یہ بھی واضح رہے کہ قرآنِ کریم صرف عورت سے عصمت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ اسی انداز سے مردوں سے بھی حفاظتِ عصمت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے جہاں عورت زنا کی مجرم ہوتی ہے وہاں مرد بھی مجرم قرار پاتا ہے اور دونوں کے جرم کی سزا یکساں ہے۔ (بجز اس کے کہ عورت کے ساتھ زنا بالجبر ہو۔ اس میں عورت مجرم قرار نہیں پا سکتی)

۲۔ اس کے ساتھ عنوان "فحش" بھی دیکھئے۔ زنا ان جرائم میں سے ہے۔ جن کی سزا قرآن نے خود تجویز کی ہے۔

زنا

۱۔ زنا تو ایک طرف، عام بے حیائی کی باتیں بھی ممنوع ہیں۔ اگر کسی عورت سے ایسی بات سرزد ہو تو اس کے خلاف

چار گواہ لاؤ۔ اور جرم ثابت ہونے پر اسے پابندِ مسکن کردو۔ (۱۵ : ۴)

۲۔ جب دو مرد اسی قسم کی حرکت کریں تو انہیں تکلیف رساں سزا دو۔ لیکن اگر وہ توبہ کریں اور اصلاح کریں تو ان سے درگذر کرو۔ (۱۶ : ۴)

۳۔ اگر عورت کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہو تو اسے جو کچھ دیا ہوا ہو اس میں سے کچھ واپس لیا جا سکتا ہے (یہ فیصلہ عدالت کی طرف سے ہوگا)۔ (۱۹ : ۴)

۴۔ زانی مرد اور زانیہ کی سزا سو کوڑے ہے۔ (۳ : ۲۴) - لیکن اگر یہ جرم لونڈی سے سرزد ہو تو اس کی سزا نصف ہے۔ (۲۵ : ۴) — (۵)۔ زنا ظلم ہے۔ (حضرت یوسفؑ کا قول)۔ (۲۳ : ۱۲)

۶۔ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ بے حیائی کی بات ہے اور برائیوں کا پھاٹک کھول دیتا ہے (۳۲ : ۱۷)

۷۔ کامیاب وہ مومن ہیں جو حفاظتِ عصمت کرتے ہیں۔ اختلاط صرف بیویوں سے۔ یا لونڈیوں سے جائز ہے۔ اس کے علاوہ کسی سے نہیں۔ (۷-۵ : ۲۳) — (۳۰ - ۲۹ : ۷۰)۔
(لونڈیوں کے لئے دیکھئے عنوان - ملکِ یمین)

۸۔ زنا۔ مومن کرتے ہی نہیں۔ مشرک کرتے ہیں۔ زانیہ اسی کو کہیں گے جو اپنی مرضی سے زنا کرائے۔ زنا بالجبر میں عورت زانیہ نہیں ہو سکتی۔ (۳ : ۲۴)۔ زانی مرد اور عورت کی شادی۔ (۳ : ۲۴)

۹۔ زنا کی تہمت لگانے والا چار گواہ لائے۔ ورنہ اسی کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اور اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔ مگر جو توبہ کرلے۔ (۵-۴ : ۲۴)

۱۰۔ خود اپنی بیوی کے خلاف تہمت لگانے والے کے متعلق۔ (۱۰-۶ : ۲۴)

۱۱۔ الخبیثٰت للخبیثین۔ .... ۔ (۲۶ : ۲۴)

۱۲۔ مومن مردوں کو حکم کہ نگاہیں بے باک نہ ہونے دیں اور حفاظتِ عصمت کریں (۳۰ : ۲۴)۔ یہی حکم مومن عورتوں کے لئے (۳۱ : ۲۴)

۱۳۔ جسے نکاح کی مقدرت نہ ہو وہ ضبطِ نفس کرے۔ (۳۳ : ۲۴)

۱۴۔ خدا کے بندے زنا نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے انسانی صلاحیتیں مضمحل ہو جاتی ہیں۔ (۶۸ : ۲۵)

۱۵۔ قومِ لوط کے سلسلہ میں کہا کہ اغلام بازی بدترین جرم ہے۔ (۸۰ : ۷)-(۱۶۵ : ۲۶)-(۵۴ : ۲۷) - (۲۹ : ۲۹)

۱۶۔ مومن و مسلم۔ زنا سے بچنے والے مرد اور عورتیں۔ (۳۵ : ۳۳)

۱۷۔ عورت سے بیعت (اقرار) کہ وہ زنا نہیں کریں گی۔ (۱۲ : ۶۰)

۱۸۔ زنا فحش ہے (۳۲ : ۱۷)۔ اور فحش حرام ہے۔ (۳۳ : ۷)

۱۹۔ حفاظتِ عصمت۔ (۵ : ۲۳)۔ (۳۱ - ۳۰ : ۲۴)۔ (۳۵ : ۳۳)۔ (۲۹ : ۷۰)۔

حضرت مریم۔ (۹۱ : ۲۱)۔ (۱۲ : ۶۶)

۷۔ زوج (ازواج)

زوج۔ جوڑے کو کہتے ہیں خواہ ان میں سے ایک چیز دوسرے کے مطابق ہو (جیسے جوتے کے دو پاؤں) یا ایک دوسرے کے مقابل ہوں (جیسے دن اور رات)۔ لیکن مطابق ہوں یا مقابل۔ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کا موجب ہوتے ہیں۔ کہ ایک نہ ہو تو دوسرا بیکار رہ جائے۔ جیسے گاڑی کے دو پہیئے۔ اسی نسبت سے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا زوج کہتے ہیں۔ (ہمارے ہاں تو صرف بیوی کو زوجہ کہا جاتا ہے۔ لیکن عربی زبان اور قرآن کریم میں، یہ لفظ۔ زوج۔ بیوی کے لئے بھی آتا ہے اور خاوند کے لئے بھی)۔

ایک ہی قسم (نوع) کی بہت سی چیزوں کو بھی ازواج کہا جاتا ہے۔ نیز وہ چیزیں جو باہمدگر ہم رنگ و ہم آہنگ ہوں۔۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ کائنات کی ہر شے کے زوج پیدا کئے گئے ہیں۔ اب سائنس کے انکشافات اس کی تائید کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ سلسلۂ ارتقاء انہی ازواج کی رُو سے جاری و ساری ہے۔

جنتی زندگی میں (وہ اس دنیا میں ہو یا آخرت میں) ازواج کا ذکر اکثر آتا ہے۔ اس کے معنی ہم آہنگ اور ہم رنگ رفقاء کے ہیں۔ خواہ وہ میاں بیوی کی شکل میں ہوں یا عام رفقاء کی صورت میں۔ اس سے مراد ہیں، ایک دوسرے کے رفیق۔ "حور" کے لئے دیکھئے متعلقہ عنوان۔

قصۂ آدم (دیکھئے عنوان آدم) میں آدم سے مراد آدمی ہے۔ اس لئے اس کی زوج سے مراد "عورت" ہے۔ لہٰذا "آدم اور اس کی زوج" سے مراد ہے، مرد اور عورت کی نوع (نہ کہ میاں بیوی) یہ دونوں جنس انسان (HUMAN SPECIES) کی شاخیں ہیں۔

ازواج بمعنی میاں بیوی

۱- حضرت زیدؓ کی مطلقہ کو رسولؐ اللہ کی بیوی بنا دیا - (۳۷ : ۳۳)

۲- ازواج رسولؐ اللہ - (۵۲ : ۳۳)-(۵ : ۶۶)-(۲۸ : ۳۳)-(۵۰ : ۳۳)-(۵۹ : ۳۳)-
(۳-۱ : ۶۶)- مومنین کی مائیں- (۶ : ۳۳)- ان سے نکاح حرام تھا - (۵۳ : ۳۳)

۳- اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو تو ...... (۲۰ : ۴)

۴- مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کی بابت - (۲۳۰ : ۲)-(۲۳۲ : ۲)

۵- میاں بیوی میں تفرقہ ڈالنے والے - (۱۰۲ : ۲)

۶- حضرت زکریاؑ کی بیوی میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت بیدار کر دی- (۹۰ : ۲۱)

۷- زوج بمعنی خاوند - (۱ : ۵۸) (۸) منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح جائز ہے - (۳۷ : ۳۳)

۹- بیوہ عورتوں سے متعلق احکام - (۲۳۴ : ۲)-(۲۴۰ : ۲)

۱۰- تمام رسولوں کے بیوی بچے ہوتے تھے (۳۸ : ۱۳)-(۱۱)- ترکہ کے احکام میاں بیوی کے متعلق- (۱۲ : ۴)

۱۲- میاں بیوی سے اولاد- بیٹے، پوتے -(۷۲ : ۱۶)-(۱۳)- لغو قسموں سے بیوی، ماں نہیں بن جاتی - (۴ : ۳۳)

۱۴- ماں، باپ، بیوی بچے، جہاد سے عزیز نہیں ہونے چاہئیں - (۲۴ : ۹)- یہ دشمن اور فتنہ بن جایا کرتے ہیں
(۱۴-۱۵ : ۶۴) - (۱۵)- مہاجر بیویوں کے متعلق احکام - (۱۱ : ۶۰)

۱۶- بیوی بچے، آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب - (۷۴ : ۲۵)

۱۷- جنسی تمتع صرف بیویوں اور ما ملکت ایمانکم کے ساتھ جائز ہے - (۶ : ۲۳)-(۳۰ : ۷۰)

۱۸- بیوی کے خلاف تہمت کے احکام - (۶ : ۲۴)

جنت میں ازواج

۱- حوروں کے ساتھی - (۵۴ : ۴۴)-(۲۰ : ۵۲)- 'حوروں' کے متعلق دیکھئے عنوان حور اور جنت

۲- ازواج مطہرات - (۲۵ : ۲)-(۵۷ : ۴)- (۳) تم اور تمہارے ازواج جنت میں داخل ہو جاؤ-
(۷۰ : ۴۳)-(۵۶:۳۶)- صالح ازواج - (۲۳ : ۱۳)-(۸ : ۴۰)

انسانی تخلیق

۱۔ نفسِ واحدہ سے تخلیقِ ازواج ۔ (۱ : ۴) ۔ (۱۸۹ : ۷) ۔ (۶ : ۳۹)

۲۔ تمہاری اپنی جنس سے جوڑے بنائے ۔ (۷۲ : ۱۶) ۔ (۱۹۶ : ۲۶) ۔ (۲۱ : ۳۰) ۔ (۱۱ : ۳۵) ۔ (۱۱ : ۴۲) ۔ (۸ : ۷۸)

آدمؑ اور اس کی زوج (بمعنی مرد اور عورت)

۱۔ آدم اور اس کی زوج جنت میں ۔ (۳۵ : ۲) ۔ (۱۹ : ۷) ۔ (۱۱۷ : ۲۰)

ازواج بمعنی ذکور واناث

۱۔ خدا نے ذکور واناث جوڑے بنائے ۔ (۴۵ : ۵۳) ۔ (۳۹ : ۷۵)

۲۔ ذکور کے مقابلہ میں ازواج (۱۲۹ : ۶)

اشیائے کائنات میں زوجین

۱ جنت کے ہر پھل کے جوڑے ۔ (۵۲ : ۵۵)

۲۔ حضرت نوحؑ سے کہا کہ اپنی کشتی میں ہر شے کے دو دو جوڑے رکھ لے ۔ (۴۰ : ۱۱) ۔ (۲۷ : ۲۳)

۳۔ زمین میں ہر شے کے دو دو جوڑے ۔ (۳ : ۱۳) ۔ (۳۶ : ۳۶) ۔ (۴۹ :

۴۔ مویشیوں کے جوڑے (۱۴۳ : ۶) ۔ (۶ : ۳۹) ۔ (۱۱ : ۴۲)

ازواج بمعنی انواع واقسام

۱۔ زمین میں انواع واقسام کی چیزیں پیدا کی جاتی ہیں (۵۳ : ۲۰) ۔ (۵ : ۲۲) ۔ (۷ : ۲۶) ۔ (۱۰ : ۳۱) ۔ (۱۲ : ۴۳) ۔ (۷ : ۵۰)

۲۔ دنیاوی آسائشوں کی انواع واقسام کی چیزیں ۔ (۸۸ : ۱۵) ۔ (۱۳۱ : ۲۰)

۳۔ آخروی زندگی میں انسانوں کی تین اقسام ۔ (۷ : ۵۶)

زوج کے معنی اکٹھا کر دینا

۱۔ کسی کو بیٹے اور بیٹیاں اکٹھی دے دی جاتی ہیں ۔ (۵۰ : ۴۲)
۲۔ جب نفوس کو اکٹھا کر دیا جائے گا ۔ (۷ : ۸۱)

ازواج بمعنی ہم آہنگ - ایک ہی نوع کی چیزیں

۱۔ جہنم میں مختلف عذابوں کے ہم رنگ عذاب ۔ (۵۸ : ۳۸)
ہم خیال و ہم مسلک لوگ ۔ (۲۲ : ۳۷)

(○)

۸۔ زینت

ہر خوشنما چیز کو زینت کہا جاتا ہے ۔ خدا نے کائنات کو مزین بنایا ہے ۔ یعنی اشیائے کائنات کی حیثیت صرف افادی نہیں بلکہ ان میں ذوق جمالیات کی تسکین کا سامان بھی رکھ دیا گیا ہے ۔ اس لئے ان سے لذت اندوز ہونا ان کے تخلیقی مقصد کو پورا کرنا ہے ، اور ان سے مجتنب رہنے یا انہیں قابل نفرت سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم خدا پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے انہیں پیدا کیوں کر دیا ؟ — لیکن اگر یہ چیزیں ، ان حدود سے تجاوز کا موجب بن جائیں جو خدا نے انسانوں کے لئے متعین کی ہیں تو پھر یہ شیطانی عمل ہو جائے گا ۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ " شیطان نے فلاں بات لوگوں کی نگاہوں میں مزین کر کے دکھا دی " ان کے غلط اعمال ان کی نظروں میں حسین بن کر دکھائی دینے لگے ۔ قرآن کریم نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے ۔ یہ گمراہی کی انتہا ہے کہ انسان کے غلط کام اسے خوشنما ، جاذب اور مزین بن کر دکھائی دیں ۔ اس صورت میں وہ ان سے مجتنب رہ ہی نہیں سکتا ۔ برائی کا برائی نظر آنا ، اصلاح کی اولین امکانی شرط ہے ۔ لیکن غلط معاشرہ میں جب برائی عام ہو جائے تو پھر وہ برائی نگاہوں میں کھٹکتی نہیں ۔ اس کا نتیجہ اس معاشرہ کی تباہی ہوتا ہے ۔

خدا کی پیدا کردہ اشیائے زینت

۱۔ لوگوں کے لئے عورتوں کی محبت - اولاد - دولت - گھوڑے - مویشی - کھیتی - مزین بنا دیئے گئے ہیں - لیکن یہ بہرحال دنیاوی متاع ہیں - اس لئے منتہائے مقصود نہیں بن سکتے - (۳ : ۱۳) — (۱۸ : ۴۶) — (۲۸ : ۶۰) — (۵۷ : ۲۰)

۲۔ سماء الدنیا — ہم نے قریب تر فضا کو ستاروں سے مزین کر دیا - (۱۶ : ۱۵) — (۶ : ۳۷) — (۴۱ : ۱۲) — (۵۰ : ۶) — (۶۷ : ۵)

۳۔ اے بنی آدم - تم خدا کی اطاعت کے ہر گوشے میں زینت اختیار کرو - (۷ : ۳۱)

۴۔ ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو خدا کی پیدا کردہ زینت کو حرام قرار دے - یہ دنیا میں مومن و کافر سب کے لئے ہے - لیکن یوم القیامت کو صرف مومنین کے لئے ہوگی - (۷ : ۳۲)

۵۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ بارالٰہا! تو نے فرعون اور اس کی قوم کو سامانِ زینت اور متاعِ حیات اس لئے دے رکھا ہے کہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے روکیں؟ (۱۰ : ۸۸)

۶۔ زمین پر جو کچھ ہے اس کے لئے باعثِ زینت ہے - یہ اس لئے کہ لوگوں کو حسنِ عمل کے مواقع دیئے جائیں - (۱۸ : ۷) - (۷) رسول اللہ سے کہا گیا کہ تیرے رفقا تیرے ہم سفر ہیں - غریب ہیں - مخالفین کے پاس سامانِ زینت ہے - ان کا ساز و سامان تمہیں اس پر مائل نہ کر دے کہ تو اپنے ساتھیوں کی طرف سے بے اعتنائی برتے - (۱۸ : ۲۸) - (۸) سواری کے جانوروں کا افادی پہلو بھی ہے اور زینت بھی - (۱۶ : ۸)

۹۔ جو صرف دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے اسے یہ کچھ مل سکتا ہے - لیکن اخروی زندگی میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہوتا - (۱۱ : ۱۵-۱۶) — (۲۸ : ۶۰)

۱۰۔ ازواجِ رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ اگر دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو میں تمہیں رخصت کئے دیتا ہوں - (۳۳ : ۲۸-۲۹)

۱۱۔ مومنوں کے دلوں میں ایمان مزین بن جاتا ہے - (۴۹ : ۷)

جب غلط کام مزیّن بن کر دکھائی دیتے ہیں

۱۔ کفار حیاتِ دنیا ہی کو مزیّن سمجھتے ہیں ۔ (۲ : ۲۱۲)

۲۔ یوں کفار کے غلط کام انہیں مزیّن دکھائی دیتے ہیں۔ (۶ : ۱۲۳)

۳۔ مشرکین کے خدا انہیں قتلِ اولاد جیسے عمل کو بھی مزیّن بنا کر دکھاتے ہیں۔ (۶ : ۱۳۸)

۴۔ کفار کے سوءِ عمل انہیں مزیّن دکھائی دیتے ہیں ۔ (۹ : ۳۷) ۔ مسرفین کے بھی ۔ (۱۰ : ۱۲)

۵۔ کفار کی تدبیریں انہیں مزیّن دکھائی دیتی ہیں ۔ (۱۳ : ۳۳)

۶۔ وہ جن کے غلط اعمال اسے مزیّن بن کر دکھائی دیں اور وہ انہیں بڑا خوبصورت دیکھے ۔ (۳۵ : ۸)

۷۔ فرعون کے غلط اعمال اس کی نگاہوں میں مزیّن بن گئے ۔ (۴۰ : ۳۷)

۸۔ غلط اعمال ان کی نگاہوں میں مزیّن بنتے ہیں جو اپنے جذبات کا اتباع کرتے ہیں۔ یہ اس شخص جیسے نہیں ہو سکتے جو علیٰ وجہ البصیرت چلتا ہے ۔ (۴۷ : ۱۴)

۹۔ جنگِ بدر میں، شیطان نے مخالفین کے اعمال کو مزیّن بنا کر دکھایا ۔ (۸ : ۴۸)

۱۰۔ یہ خیال مخالفین و منافقین کے دل میں مزیّن بن گیا کہ مومنین کو شکستِ فاش ہوگی ۔ (۴۸ : ۱۲)

۱۱۔ اقوامِ سابقہ کی طرف رسول آئے لیکن ان کی نگاہوں میں اپنے غلط اعمال مزیّن بن کر دکھائی دئے۔ سو انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (۱۰۹ تا ۶ : ۴۳)۔ (۱۶ : ۶۳)۔ (۲۹ : ۳۸)

۱۲۔ حیاتِ اخروی کے منکرین کے اعمال مزیّن بن جاتے ہیں ۔ (۲۷ : ۴)

۱۳۔ غلط کار لوگوں کے مصاحب اور دوست ان کے غلط کاموں کو مزیّن بنا کر دکھاتے ہیں ۔ (۴۱ : ۲۵)

۱۴۔ قومِ سبا، سورج کی پرستش کرتی تھی اور ان کا مسلک ان کی نگاہوں میں مزیّن بن چکا تھا ۔ (۲۷ : ۲۴)

۱۵۔ ابلیس نے چیلنج دیا کہ میں ہر غلط کام کو ابنِ آدم کی نگاہوں میں مزیّن بنا دوں گا ۔ (۱۵ : ۳۹)

اظہارِ زینت

۱۔ مومن عورتیں اپنی زینت کو بہ قصد نمایاں نہ کریں بجز اپنے محرموں کے ۔ (۲۴ : ۳۱)

۲۔ سن رسیدہ عورتیں بھی جب اوپر کے کپڑے اتار دیں تو بھی اپنی زینت کو مت ابھار دیں ۔ (۲۴ : ۶۰)

متفرق

۱۔ سامری نے بنی اسرائیل کے زیورات (زینت) لے کر گوسالہ بنا دیا۔ (۸۷ : ۲۰)
۲۔ فرعون نے یوم الزینت کو مقابلہ کا دن مقرر کیا۔ (۵۹ : ۲۰)
۳۔ قارون اپنی زیب و زینت کے ساتھ باہر نکلتا تھا۔ (۷۹ : ۲۸)
۴۔ زمین کی لہلہاتی سبزیاں وجۂ زینت بن جاتی ہیں۔ (۲۴ : ۱۰)

س

۱۔ سائل ـ سوال

(فقیر)

سائل ۔ اس کے بنیادی معنی ضرورت مند کے ہوتے ہیں ۔ سوال کا لفظ، کچھ پوچھنے کے معنوں میں اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ پوچھنے والے کو اس بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پوچھنے سے مراد ذمہ دار ٹھہرانا بھی ہوتا ہے۔

فقیر ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو ۔ یعنی شکستہ کمر ۔ اس سے اس کے معنی محتاج کے ہوگئے اس کے مقابلہ میں لفظ غنی آتا ہے۔

سوال ۔ بمعنی کسی بات کا دریافت کرنا

۱۔ تم رسول سے اس طرح کی باتیں نہ پوچھو جس طرح کی حضرت موسٰی سے پوچھی جاتی تھیں۔ (۱۰۸ : ۲)
۲۔ سائل تم سے، آنے والے عذاب کے متعلق پوچھتا ہے۔ (۱ : ۷۰)
۳۔ زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے بالآخر کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔ (۸ : ۸۱)

۴- حضرت موسٰےؑ کے، اس بزرگ سے سوالات۔ (۷۰-۷۷ : ۱۸)

۵- پوچھنے کے معنوں میں - (۶۵ : ۹) - کسی سے کچھ کرنے کے لئے کہنے کے معنوں میں - (۱۵۳ : ۴)-(۱۴ : ۳۳)

۶- اگر ان سے پوچھو کہ کائنات کو کس نے پیدا کیا اور کون اسے چلا رہا ہے تو یہ کہیں گے کہ اللہ نے - (۶۱-۶۳ : ۲۹)
(۲۵ : ۳۱) - (۳۸ : ۳۹) - (۹ : ۴۳) - (۸۷ : ۴۳)

۷- جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہدو کہ میں قریب ہوں - (۱۸۶ : ۲)

۸- جو باتیں قرآن نے خود بیان نہیں کیں ان کی بابت مت پوچھا کرو۔ (۱۰۱-۱۰۲ : ۵)

۹- جہنم کا داروغہ اہلِ جہنم سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس خدا کے نذیر نہیں آئے تھے ؟ (۸ : ۶۷)

۱۰- اے رسول! تجھ سے لوگ پوچھتے ہیں۔

ساعت کی بابت (۱۸۷ : ۷)-(۶۳ : ۳۳)-(۴۲ : ۷۹) - یوم الدین کی بابت (۱۲ : ۵۱)- نئے چاند کی بابت - (۱۸۹ : ۲)- ہم کس قدر دوسروں کے لئے دیدیں -ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری ضروریات سے زائد ہے - (۲۱۵ : ۲)-(۲۱۹ : ۲)-شہرالحرام میں جنگ کی بابت (۲۱۷ : ۲) -خمر اور میسرہ کی بابت (۲۱۹ : ۲) - حلال کی بابت (۴ : ۵) - انفال کی بابت (۱ : ۸) یتامیٰ کی بابت - (۲۲۰ : ۲)-حیض کی بابت (۲۲۲ : ۲) - الروح - یعنی وحی کی ماہیت کے متعلق (۸۵ : ۱۷) - ذوالقرنین کی بابت (۸۳ : ۱۸) جبال کی بابت (۱۰۵ : ۲۰) - آنے والے عذاب کے متعلق (۱ : ۷۰)

۱۱- اصحابِ کہف نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہم کتنی مدت غار میں رہے ہوں گے (۱۹ : ۱۸)

۱۲- اہلِ جنت ایک دوسرے سے پوچھیں گے - (۵۰ : ۳۷) - (۲۵ : ۵۲) - (۴۰ : ۷۴)

۱۳- اہل جہنم کی باہمی گفتگو - (۶۶ : ۲۸) - (۲۷ : ۳۷)

۱۴- لوگ ایک دوسرے سے نبأ عظیم کے متعلق پوچھتے ہیں - (۱-۲ : ۷۸)

۱۵- قیامت میں نہ حسب نسب کام آئے گا - نہ ایک دوسرے کی بابت پوچھے گا - (۱۰۱ : ۲۳)

۱۶- داستانِ بنی اسرائیل جو قرآن میں بیان ہو رہی ہے، اس کے متعلق، کچھ شبہ ہو تو خود بنی اسرائیل سے پوچھو کہ یہ کوائف صحیح ہیں یا نہیں - (۲۱۱ : ۲) - (۹۴ : ۱۰) - (۱۰۱ : ۱۷) - اہل الذکر سے پوچھ لو - (۴۳ : ۱۶)-(۷ : ۲۱)

۱۷- خدا کی صفات کے متعلق اس سے پوچھو جسے اس کی خبر ہے - (۵۹ : ۲۵)

۱۸- حیات بعد الممات میں باہمی گفتگو - اس سے پوچھو جو ان باتوں کو شمار کرتا تھا - (۱۱۳ : ۲۳)

۱۹۔ برادران یوسف نے باپ سے یہ کہنے کی تجویز کی کہ ہماری صداقت کے متعلق اس بستی کے باشندوں سے پوچھ لو جہاں سے ہم آئے ہیں ۔ (۱۲ : ۸۲)
۲۰۔ انبیاء سابقہ سے پوچھو کہ کیا ان کی تعلیم بھی توحید ہی کی نہیں تھی! (۴۳ : ۴۵)
۲۱۔ سبت کے متعلق دریا کے کنارے بسنے والے لوگوں سے پوچھو ۔ (۷ : ۱۶۳)
۲۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے پجاریوں سے کہا کہ اگر یہ بت بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو ۔ (۲۱ : ۶۳)
۲۳۔ انسان پوچھتا ہے کہ قیامت کب ہو گی! (۷۵ : ۶)
۲۴۔ قیامت میں کوئی دوست کسی دوست کی بابت نہیں پوچھے گا ۔ (۷۰ : ۱۰)

کسی کو ذمہ دار قرار دینا - پوچھ گچھ کرنا

۱۔ اے رسولؐ! یہ لوگ جو تمہاری تبلیغ کے باوجود، غلط روش پر چل کر جہنم پہنچ جائیں گے - ان کی بابت تمہیں ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا ۔ (۲ : ۱۱۹)
۲۔ جو کچھ تم افترا کرتے ہو اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا - (۱۶ : ۵۶)
۳۔ اس دن تم سے نعمائے خداوندی کے متعلق پوچھا جائے گا ۔ (۱۰۲ : ۸)
۴۔ تم سے تمہارے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا - (۱۶ : ۹۳)
۵۔ مترفین سے کہا کہ اپنے مساکن کی طرف لوٹو تاکہ تم سے (تمہارے مال و دولت کے متعلق) پوچھا جائے (۲۱ : ۱۳)
۶۔ اس قرآن میں تمہارے ہی شرف و مجد کی باتیں ہیں ۔ سو تم سے اس کی بابت پوچھا جائے گا ۔ (۴۳ : ۴۴)
۷۔ اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ نہ تم سے ہمارے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا ۔ نہ ہم سے تمہارے اعمال کی بابت ۔ (۳۴ : ۲۵) ۔ (۸) تم سے یہ قطعاً نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اسلاف نے کیا کیا تھا ۔ (۲ : ۱۳۴) - (۲ : ۱۴۱)
۹۔ تم نے جو کسی سے عہد کیا ہو گا تو اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا ۔ (۱۷ : ۳۴)
۱۰۔ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو ۔ یاد رکھو ۔ تمہاری سماعت ۔ بصارت اور فؤاد، ہر ایک سے اس کی بابت پوچھا جائے گا ۔ (۱۷ : ۳۶)
۱۱۔ یہ تمہارے رب کا ایسا وعدہ ہے جس کی بابت تم اس سے پوچھ سکتے ہو ۔ (۲۵ : ۱۶)
۱۲۔ جو وعدہ تم خدا سے کرو اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا ۔ (۳۳ : ۱۵)

۱۳۔ اہلِ جہنم سے ان کے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۳۷ : ۲۴)

۱۴۔ رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اور لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس پیغام کو سن کر کیا کیا تھا۔ (۷ : ۶)

۱۵۔ تمام لوگوں سے ان کے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۱۵ : ۹۲)

۱۶۔ خدا سے نہیں پوچھا جا سکتا کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ لوگوں سے پوچھا جا سکتا ہے۔ (۲۱ : ۲۳)

۱۷۔ قیامت میں کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ (۲۸ : ۷۸) ۔ (۵۵ : ۳۹)

۱۸۔ ایمان لانے والوں سے ان کے ایمان کی صداقت کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۳۳ : ۸)

۱۹۔ قیامت میں ان کے افترا کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۲۹ : ۱۳)

۲۰۔ یہ لوگ ملائکہ کو دیویاں بنا لیتے ہیں۔ ان سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۴۳ : ۱۹)

سوال بمعنی احتیاج ۔ مانگنا ۔ طلب کرنا

۱۔ حضرت داؤد کے سامنے پیش ہونے والے قضیہ میں 'امیر آدمی' اپنے غریب بھائی کی ایک دُنبی کو اپنے لئے مانگ رہا تھا۔ اس کے لئے لفظ سوال آیا ہے۔ (۳۸ : ۲۴)

۲۔ کوئی رسول اجرِ رسالت نہیں مانگتا تھا۔ (۶ : ۹۱) ۔ (۱۰ : ۷۲) ۔ (۱۱ : ۲۹) ۔ (۱۱ : ۵۱) ۔ (۱۲ : ۱۰۴) ۔ (۲۳ : ۷۲) ۔ (۲۵ : ۵۷) ۔ (۲۶ : ۱۰۹) ۔ (۲۶ : ۱۲۷) ۔ (۲۶ : ۱۴۵) ۔ (۲۶ : ۱۶۴) ۔ (۲۶ : ۱۸۰) ۔ (۳۴ : ۴۷) ۔ (۳۶ : ۲۱) ۔ (۳۸ : ۸۶) ۔ (۴۲ : ۲۳) ۔ (۵۲ : ۴۰) ۔ (۶۸ : ۴۶)۔

۳۔ بنی اسرائیل نے جو کچھ مانگا تھا انہیں دے دیا گیا۔ (۲ : ۶۱)

۴۔ زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ خدا نے تمہیں عطا کر دی ہیں۔ انسان خود ہی زیادتی کرتا اور انہیں چھپا کر رکھ لیتا ہے۔ (۱۴ : ۳۴)

۵۔ جب تم نے کوئی چیز مانگنی ہو تو گھر کے باہر سے آواز دے کر مانگا کرو۔ (۳۳ : ۵۳)

۶۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے درخواست کی تو جواب ملا کہ ہم نے تیری مانگ عطا کر دی۔ (۲۰ : ۳۶)

۷۔ سائل کو جھڑکو مت۔ (۹۳ : ۱۰)

۸۔ لوگوں کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے ۔ (۱۹ : ۵۱) ۔ حق معلوم (۲۵-۲۴ : ۷۰)

۹۔ زمین تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلی رہنی چاہیئے ۔ (۱۰ : ۴۱)

۱۰۔ سائل (ضرورت مندوں) کی مالی امداد کرنا ضروری ہے ۔ یہی اصل نیکی ہے ۔ (۱۷۷ : ۲)

۱۱۔ جو لوگ حقائق معلوم کرنے کے ضرورت مند ہوں ان کے لئے قصۂ یوسفؑ میں آیات ہیں ۔ (۷ : ۱۲)

۱۲۔ حضرت نوحؑ سے کہا گیا کہ اس بات کی خدا سے طلب مت کرو جس کا علم نہ ہو ۔ (۴۷-۴۶ : ۱۱)

۱۳۔ خدا سے اس کا فضل طلب کیا کرو ۔ (۳۲ : ۴)

۱۴۔ مہاجر عورتوں کے سلسلہ میں ہدایت کہ جو کچھ ان پر صرف آیا ہو وہ قریشِ مکہ کو دے دو اور جو کچھ تمہارا خرچ آیا ہو وہ ان سے لے لو ۔ (۱۰ : ۶۰)

۱۵۔ تم ایک دوسرے سے وہ حقوق مانگتے ہو جو رشتۂ ارحام کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں ۔ (۱ : ۴)

۱۶۔ اہلِ کتاب تم سے کہتے ہیں کہ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب لاکر دکھاؤ ۔ انہوں نے موسٰیؑ سے اس سے بھی بڑھ کر سوال کیا تھا ۔ اس سے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو دکھاؤ ۔ (۱۵۳ : ۴)

۱۷۔ خدا تم سے اپنے لئے مال و دولت کا خواہاں نہیں ۔ (۳۷-۳۶ : ۴۷)

۱۸۔ کائنات کی ہر شے اپنی ربوبیت کے لئے خدا کی محتاج ہے ۔ (۲۹ : ۵۵)

متفرق

۱۔ مومنین سے کہا گیا کہ مشرکین سے کوئی سروکار نہ رکھو ۔ اگر تمہیں مفلسی کا ڈر ہے تو خدا تمہیں ان سے مستغنی کر دیگا ۔ (۲۸ : ۹)

۲۔ ابتدائے اسلام میں جماعتِ مومنین کی ناداری کا عالم ۔ جہاد کے لئے سواری تک نہیں ہوتی تھی ۔ (۹۲ : ۹)
اس کے باوجود، وہ دوسروں کی ضروریات کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے تھے ۔ (۹ : ۵۹)

۳۔ خدا نے حضورؐ کو محتاج پایا تو غنی کر دیا ۔ (۸ : ۹۳)

فقیر

۱۔ وہ محتاج جو خدا کی راہ میں کہیں محصور ہو جائیں اور غیرت کا یہ عالم ہو کہ کسی کے پیچھے پڑکر مانگیں نہیں ۔ ان کی محتاجی ان کے چہرے سے پہچانی جا سکے ۔ (۲۷۳ : ۲)

۲۔ شیطان تمہیں احتیاج (فقر) سے ڈراتا ہے ۔ (۲۶۸ : ۲)

۳۔ شادی کے بعد تمہاری ضروریات بڑھ جائیں گی تو نظامِ خداوندی تمہاری مدد کرے گا ۔ (۳۲ : ۲۴)

۴۔ صدقات ، فقـــرا کو دو ۔ (۲۷۱ : ۲) ۔ (۶۰ : ۹)

۵۔ اے لوگو! تم سب خدا کے محتاج ہو ۔ اور خدا کسی کا محتاج نہیں ۔ (۱۵ : ۳۵) ۔ (۳۸ : ۴۷)

۶۔ مالِ فے محتاج مہاجرین کے لئے ۔ (۸ : ۵۹)

۷۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا محتـــاج ہے ۔ ہم غنی ہیں ۔ (۱۸۰ : ۳)

۸۔ حضرت موسٰیؑ نے کہا کہ بارِ الٰہا ! تو مجھے جو کچھ عنایت کردے میں اس کا محتاج ہوں ۔ (۲۴ : ۲۸)

۹۔ حج میں گوشت محتاجوں کو کھلاؤ ۔ (۲۸ : ۲۲)

۱۰۔ یتیم کا منصرم اگر صاحب احتیاج ہو تو وہ معاوضہ لے سکتا ہے ۔ (۶ : ۴)

۱۱۔ گواہی سچی دو خواہ فـــریقِ متعلقہ امیـــر ہو یا غریب ۔ (۱۳۵ : ۴)

(۰)

۲۔ساعت

الساعۃ ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہلاکت اور تباہی کے ہیں ۔ قوموں کے جرائم اندر ہی اندر اپنے تباہ کن نتائج مرتب کئے جاتے ہیں ۔لیکن آخر وہ وقت آجاتا ہے جب وہ قوم اپنی تباہی کے انجام تک پہنچ جاتی ہے ۔ اسے الساعۃ کہا جاتا ہے ۔یعنی انقلاب کی گھڑی ۔ حق و باطل کی کشمکش میں یہ وہ مقام ہوتا جہاں باطل کھل کر حق کے مقابلے میں نبرد آزما ہو جاتا ہے اور اسے ایسی شکستِ فاش ہوتی ہے کہ وہ پھر حق کے سامنے آ نہیں سکتا ۔کشمکش کی اس گھڑی کو بھی الساعۃ کہہ کر پکارا گیا ہے ۔

چونکہ زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی مسلسل آگے چلتی ہے ۔اس لئے حیاتِ اخروی میں ظہورِ نتائج کے وقت کو بھی الساعۃ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔غرضیکہ الساعۃ اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت ہے خواہ وہ اس دنیا میں سامنے آجائے اور خواہ مرنے کے بعد آئے ۔ اس دنیا میں اس قسم کے انقلاب انگیز لمحات انسانی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں ۔کیونکہ اس سے تاریخ ایک نیا موڑ مڑتی ہے ۔

ویسے یہ لفظ محض وقت کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ جیسے ہم گھڑی دو گھڑی کہتے ہیں ۔ عام طور پر یہ تھوڑے

سے وقت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وقت کے لمحات گذر کر واپس نہیں آتے۔ ہر لمحۂ گذراں ہمارے نقطۂ نگاہ سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس میں اس کی گویا ہلاکت ہوتی ہے۔

الساعۃ بمعنی عام وقت

۱- ہر قوم کے اعمال کے ظہورِ نتائج کا ایک وقت ہوتا ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر ایک ساعت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ (۳۴ : ۷) - (۴۹ : ۱۰) - (۱۶ : ۶۱) - (۳۰ : ۳۴)

۲- اس دن لوگ کہیں گے کہ ہم یونہی دن کا تھوڑا سا وقت ہی رہے ہیں۔ (۴۵ : ۱۰) - (۵۵ : ۳۰) - (۳۵ : ۴۶)

۳- اصحابِ رسول اللہ، جنہوں نے ساعتِ عسرت میں حضورؐ کا اتباع کیا۔ (۱۱۷ : ۹)

الساعۃ بمعنی انقلاب کی گھڑی

۱- جب الساعۃ آئے گی تو مجرمین کہیں گے کہ ہم یونہی تھوڑا سا وقت ہی رہے ہیں۔ (۵۵ : ۳۰)

۲- جب انقلاب کی گھڑی اچانک آجائے گی تو غلط کار لوگوں کو سخت پشیمانی ہوگی۔ (۳۱ : ۶)

۳- ان سے کہو کہ اگر وہ الساعۃ آگئی تو تمہیں خدا کے عذاب سے کون بچائے گا۔ (۴۰ : ۶)

۴- الساعۃ ایسے اچانک آجاتی ہے کہ اس کی آمد کا شعور تک نہیں ہوتا۔ (۱۰۷ : ۱۲) - (۶۶ : ۴۳)

۵- قانونِ مکافات سے انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ الساعۃ کبھی نہیں آئے گی۔ ان سے کہو کہ وہ ضرور آکر رہے گی۔ ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کئے جا رہا ہے۔ (۳ : ۳۴)

۶- یہ لوگ قانونِ مکافات کے متعلق شک ہی میں رہیں گے تاآنکہ انقلاب کی گھڑی ان کے سامنے نہ آجائے۔ اس وقت اختیار و اقتدار سب خدا کے لئے ہوگا۔ وہ ان میں فیصلہ کر دے گا۔ (۵۶ : ۲۲)

۷- جس دن الساعۃ ان کے سامنے آکر کھڑی ہو جائے گی تو مجرمین مایوس ہو جائیں گے۔ اور ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ کر الگ الگ ہو جائیں گے۔ (۱۴-۱۲ : ۳۰)۔ ہر قوم گھٹنوں کے بل جھک جائے گی۔ (۲۸-۲۷ : ۴۵)

۸- الساعۃ کھڑی ہوگی تو اہلِ فرعون کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ (۴۶ : ۴۰)

۹- جب ان سے کہا جاتا ہے کہ الساعۃ کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کیا ہوتی ہے؟ وہ، وہ ہوتی ہے جب اعمال کے نتائج ابھر کر سامنے آجاتے ہیں اور اس تباہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

(۳۵-۳۲-۳۵ : ۴۵) — (۱۰)- الساعۃ قریب آئی اور قمر شق ہوا۔ (۱-۵۴)- اس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ بڑی ہی تباہی کا وقت ہوگا - (۴۶-۴۷ : ۵۴)

۱۱- کفر کا مسلک یہ ہے کہ الساعۃ وغیرہ کچھ نہیں - (۳۶ : ۱۸) - (۵۰ : ۴۱)

۱۲- الساعۃ یا عذاب میں سے کوئی چیز ان کے سامنے آجائے گی - اس وقت تو مہلت کا وقفہ ہے - (۷۵ : ۱۹)

۱۳- یہ لوگ بس اس بات کے انتظار میں ہیں کہ الساعۃ ان پر دفعۃً آجائے اور انہیں اس کا شعور تک نہ ہو - اس دن دوست بھی دشمن بن جائیں گے - (۶۷-۶۶ : ۴۳) - (۱۸ : ۴۷)

۱۴- الساعۃ آکر رہے گی لیکن اکثر لوگ اس کا یقین نہیں کرتے - (۵۹ : ۴۰)

۱۵- کشمکش فرعون و صاحبِ ضربِ کلیم کے سلسلہ میں کہا کہ الساعت یقیناً آنے والی ہے - اس وقت ہر شخص کو اس کی کوشش کا نتیجہ مل جائے گا - (۱۵ : ۲۰)

۱۶- الساعۃ آکر رہے گی اور اہلِ قبور کو ضرور اٹھایا جائے گا - (۷ : ۲۲)

۱۷- کائنات حق کے ساتھ پیدا کی گئی ہے اور الساعۃ ضرور آئے گی - ان لوگوں سے حسن کارانہ انداز سے کنارہ کش ہوجاؤ - (۸۵ : ۱۵)

۱۸- اصحابِ کہف کا علم لوگوں کو ہونا شروع ہوگیا کیونکہ ان کے ہاتھوں انقلاب کو ضرور آنا تھا - (۲۱ : ۱۸)

۱۹- تجھ سے الساعۃ کی بابت پوچھتے ہیں - کہدے کہ اس کا یقینی علم تو خدا ہی کو ہے کہ وہ کب آئے گی - لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ قریب ہی ہو - (۳۴ : ۳۱) - (۶۳ : ۳۳) - جو لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے وہ اس کے لئے جلدی مچاتے ہیں - جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ اس سے خائف رہتے ہیں - (۴۹ : ۲۱) - (۱۸-۱۷ : ۴۲)

۲۰- الساعۃ کا امر تو آنکھ جھپکنے کی مانند ہے - بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب - (۷۷ : ۱۶)

۲۱- الساعۃ کا علم تو خدا ہی کو ہے - (۳۴ : ۳۱) - (۴۷ : ۴۱) - (۸۵ : ۴۳)

۲۲- یہ لوگ الساعۃ کی تکذیب کرتے ہیں - ایسے لوگوں کے لئے سخت تباہی ہے - (۱۱ : ۲۵)

۲۳- یہ تجھ سے الساعۃ کی بابت پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی - کہو کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے - لیکن جب وہ آئے گی تو زمین و آسمان پر بھاری ہوگی - وہ بغتۃً آئے گی - (۱۸۷ : ۷) - (۴۴-۴۲ : ۷۹)

۲۴- حضرت عیسٰیؑ بنی اسرائیل کے لئے آنے والے انقلاب کی نشانی تھے - (۶۱ : ۴۳) - (اس کے معنی خود قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے)

۲۵- زلزلۃ الساعۃ شیئ عظیم ہوگا - (۱ : ۲۲)

۳۔ سبت

سبت کے بنیادی معنی راحت و سکون ہیں لیکن یہودی اصطلاح میں یہ لفظ سنیچر کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس دن وہ کوئی کاروبار نہیں کرتے تھے۔ یہ جمعہ کی شام سے شروع ہو جاتا تھا اور سنیچر کا پورا دن رہتا تھا۔ اس میں ان کے لئے کاروبار بھی منع تھا اور اس کے علاوہ اور بہت سے روزمرہ کے معمولات سے اجتناب لازم تھا۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہ لوگ اتنی سی پابندی کو بھی نباہ نہ سکے اور اس کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو گئے۔

جب اجتماعی زندگی ایک نظام کے تابع بسر ہو تو اس نظام کی طرف سے عائد کردہ چھوٹی چھوٹی سی پابندیوں کا ملحوظ رکھنا بھی نہایت ضروری ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں ہفتہ میں ایک دن کے لئے دکانداروں کا چھٹی کرنا۔ یا ایک دو دن کے لئے گوشت کا ناغہ۔ جب کوئی قوم اس قسم کی معمولی پابندیوں سے بھی گریز کی راہیں نکالنا شروع کر دے تو ان کا یہ عمل اس حقیقت کا غماز ہوتا ہے کہ ان میں نظم و ضبط کی صلاحیت کم ہوتی جارہی ہے اور قانون کا احترام باقی نہیں رہا۔ جب قوم کی یہ حالت ہو جائے تو اس کے بعد اس کی تباہی میں شبہ ہی کیا رہ جاتا ہے؟ یہ ہے وہ حقیقت جس کے اظہار کے لئے قرآن کریم نے یہودیوں کی سبت کی خلاف ورزی کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے عنوان "بنی اسرائیل" اور "اہل کتاب" دیکھئے)

(۰)

سبت کا معاملہ

۱۔ یہودیوں سے کہا گیا تھا کہ وہ سبت کے معاملہ میں حدود شکنی نہ کریں۔ (۴ : ۱۵۴)

۲۔ انہوں نے اس باب میں باہمی اختلاف شروع کر دیا۔ (۱۶ : ۱۲۴)

۳۔ چونکہ وہ لوگ ایک عرصہ سے سبت کا ناغہ کرتے تھے اس لئے مچھلیاں اس دن، پانی کی سطح کے اوپر آجاتی تھیں۔ یہ اتنی سی طمع کا بھی مقابلہ نہ کر سکے اور سبت کے قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کر کے، مچھلیاں پکڑنے لگ گئے (۷/۱۶۳)

۴۔ ان کی اس ذہنیت اور پستیٔ کردار کی وجہ سے ان پر تباہی آگئی۔ ان میں بندروں کی سی خصلت پیدا ہو گئی جو کسی کی نقل تو کر لیتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں۔ جب احکام کی پابندی محض تقلیدی اور رسمی رہ جائے تو اس وقت ایسی ہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ (۲ : ۶۵) ۔ (۵ : ۶۰) ۔ (۷ : ۱۶۶)

۵- زمانۂ نزولِ قرآن کے یہودیوں سے کہا گیا کہ تم قرآن پر ایمان لے آؤ ورنہ تم بھی اسی طرح نعمائے خداوندی سے محروم رہ جاؤ گے جس طرح اہلِ سبت محروم رہ گئے تھے۔ (۴۷ : ۴)

—(۰)—

۴- سبیل

سبیل کے عام معنی راستے کے ہیں -اس کی جمع سُبُلٌ ہے - اس سے مفہوم روِش ،مسلک - منہاج - طور طریق وغیرہ ہے - قرآن کریم کی ایک اہم اصطلاح "سبیل اللہ" ہے - اس کا عام ترجمہ "اللہ کا راستہ" ہوگا - لیکن اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے - یعنی

۱- وہ راستہ جو خدا نے انسانوں کے لئے تجویز کیا کہ وہ انہیں ان کی منزلِ مقصود تک پہنچا دے - اسے "خدا کی طرف لے جانے والا راستہ" کہہ لیجئے - لیکن اتنا ضرور سمجھ لیجئے کہ خدا کسی خاص مقام پر نہیں بیٹھا کہ یہ راستہ ہمیں اس مقام تک لے جائے گا- اس سے مراد وہ منزل ہے جسے خدا نے ہمارے لئے بطورِ منتہی مقرر کیا ہے۔

۲- اس منزل تک ایک فرد، اس نظام کے اندر رہتے ہوئے پہنچ سکتا ہے -جو قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے - اس لئے "سبیل اللہ" کے معنی خود نظام خداوندی کے بھی ہوں گے -" انفاق فی سبیل اللہ" — یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد ہوگا اس نظامِ خداوندی کے قیام و بقا کے لئے صرف کرنا۔
اسی طرح قتال (یا جہاد) فی سبیل اللہ سے مراد اس مقصد کے لئے جنگ کرنا ہوگا۔

۳- اس نظام کے قیام سے مقصود ،نوعِ انسان کی بہبود و ارتقاء ہے -اس لئے "فی سبیل اللہ" سے مراد تمام وہ کام ہوں گے -جن سے اقدارِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسان کی بھلائی مقصود ہو۔
اس کے خلاف ہر نظام اور مقصد سبیل الطاغوت کہلائے گا۔

ابن السبیل یوں تو عام مسافر کو کہتے ہیں، لیکن درحقیقت اس سے مراد ایسا مسافر ہوتا ہے جسے سفر میں امداد کی ضرورت لاحق ہو جائے۔ ایسے لوگوں کی مدد کرنا (خواہ وہ کسی قوم، وطن یا مذہب کے لوگ کیوں نہ ہوں) جماعتِ مومنین کا فریضہ ہے۔

سبیل اللہ

۱۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے کہا کہ تو نے اہلِ فرعون کو اسقدر ساز و سامان دے رکھا ہے کہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے بہکا دیں ۔ (۱۰ : ۸۸)

۲۔ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و موعظت سے دعوت دو ۔ (۱۶ : ۱۲۵)

۳۔ خدا کی راہ سے روکنے والے ۔ (۲ : ۲۱۷) — (۳ : ۹۸) — (۴ : ۱۶۰) — (۴ : ۱۶۷) — (۷ : ۴۵) — (۷ : ۸۵) — (۸ : ۳۶) — (۸ : ۴۷) — (۹ : ۹) — (۹ : ۳۴) — (۱۱ : ۱۹) — (۱۳ : ۳۳) — (۱۴ : ۳) — (۱۶ : ۸۸) — (۱۶ : ۹۴) — (۲۲ : ۹) — (۲۲ : ۲۵) — (۳۸ : ۲۶) — (۴۷ : ۱) — (۴۷ : ۳۲) — (۴۷ : ۳۴) — (۵۸ : ۱۶) — (۶۳ : ۲)

۴۔ خدا کی راہ سے گمراہ کرنے والے ۔ (۶ : ۱۱۷) — (۱۴ : ۳۰) — (۳۱ : ۶) — (۳۹ : ۸)

۵۔ قتال فی سبیل اللہ

مقتولین فی سبیل اللہ کو مردہ مت کہو ۔ (۲ : ۱۵۴) ۔ (۳ : ۱۶۸) ۔ مرنے کے بعد انہیں مزید ارتقائی منازل کی طرف راہ نمائی کی جائے گی ۔ (۴۷ : ۶) ۔ مقتولین ہی نہیں بلکہ مرنے والے بھی ۔ (۳ : ۱۵۷) ۔ قتال فی سبیل اللہ ۔ (۲ : ۲۴۴ ، ۲۴۶) ۔ (۳ : ۱۲) ۔ (۳ : ۱۶۷) ۔ (۴ : ۷۴-۷۶) ۔ (۹ : ۱۱۱) ۔ (۶۱ : ۴) ۔ (۷۳ : ۲۰) ۔ جو تم سے جنگ کریں ان سے اللہ کی راہ میں جنگ کرو ۔ (۲ : ۱۹۰) ۔ قتال فی سبیل اللہ و قتال فی سبیل الطاغوت ۔ (۴ : ۷۶) ۔ قتال فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں مصائب کا سامنا ۔ (۳ : ۱۴۶)

۶۔ انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ میں انفاق کرو ۔ (۲ : ۱۹۵) ۔ انفاق فی سبیل اللہ کی مثال ۔ (۲ : ۲۶۱-۲۶۲) ۔ اس کا پورا پورا معاوضہ ملے گا ۔ (۸ : ۶۰) ۔ انفاق فی سبیل اللہ نہ کرنے والے ۔ (۹ : ۳۴) ۔ اس سے گریز کرنے والے ۔ (۴۷ : ۳۸) — (۵۷ : ۱۰) — (۷) ۔ صدقات فی سبیل اللہ خرچ کیے جائیں گے ۔ (۹ : ۶۰)

۷۔ جہاد فی سبیل اللہ

مجاہدین فی سبیل اللہ پر خدا کی رحمت ۔ (۲ : ۲۱۸) ۔ یہ مومن حقا ہیں ۔ (۸ : ۷۴) ۔ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کی آباد کاری کا انتظام کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہو سکتا ۔ (۹ : ۱۹) بیٹھے رہنے والے ان کا

مقابلہ نہیں کر سکتے - (۵۷ : ۱۰) - مومنین کی خصوصیت (۴۹ : ۱۵) - مال اور انفس سے جہاد - (۸ : ۷۲) - جن پر یہ ناگوار گزرتا ہے - (۹ : ۴۱) - (۹ : ۸۱) - (۴۹ : ۱۵) - (۶۱ : ۱۱) - تم فی سبیل اللہ نکلتے کیوں نہیں - (۹ : ۳۸) - اگر ماں باپ وغیرہ خدا کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہو جائیں تو پھر تم خدا کے فیصلے کا انتظار کرو - (۹ : ۲۴) - خدا کی راہ میں جہاد - (۶۰ : ۱) - خدا کے ہاں وسیلہ (تقرب) حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنا چاہیئے۔ (۵ : ۳۵)

۸- خدا کی راہ میں گھر جانے والے - (۲ : ۲۷۳)

۹- خدا کی راہ میں تکالیف و مصائب برداشت کرنے والے - (۳ : ۱۴۵) - (۳ : ۱۹۴) - (۹ : ۱۲۰)

۱۰- ہجرت فی سبیل اللہ - (۴ : ۸۹) - (۴ : ۱۰۰) - (۸ : ۷۲) - (۲۲ : ۵۸) - (۲۴ : ۲۲)

۱۱- خدا کی راہ میں گھر سے نکلنا - (۴ : ۹۴) - (۱۲) صدقات کو فی سبیل اللہ خرچ کرنا چاہیئے۔ (۹ : ۶۰)

۱۳- قیامت میں خدا معبودانِ باطل سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو صحیح راستے سے بہکایا تھا - (۲۵ : ۱۷)

۱۴- خدا کی طرف لے جانے والا راستہ (۲۵ : ۵۷) - (۷۳ : ۱۹)

۱۵- مومن خدا کی راہ کا اتباع کرتے ہیں - (۴۰ : ۷)

۱۶- خدا جانتا ہے کہ اس کے راستے سے کون گمراہ ہوتا ہے - (۶ : ۱۱۸) - (۱۶ : ۱۲۵) - (۵۳ : ۳۰) - (۶۸ : ۷)

سُبُل

۱- جو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہوتا ہے، اسے سُبُل السلام (سلامتی کے راستوں) کی طرف راہ نمائی مل جاتی ہے - (۵ : ۱۶) - (۲) شہد کی مکھی سے کہا گیا کہ وہ "سُبُل ربکِ" اختیار کرے۔ یعنی وہ راستے جو فطرت کی طرف سے اس کے لئے تجویز کئے گئے ہیں - (۱۶ : ۶۹)

۳- حضورؐ نے فرمایا کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ اس کا اتباع کرو - اور دوسرے راستوں کا اتباع مت کرو - وہ تمہیں خدا کے راستے سے الگ کر دیں گے - (۶ : ۱۵۴)

۴- سُبُل بمعنی زمین میں چلنے والے راستے - (۱۶ : ۱۵) - (۲۰ : ۵۳) - (۲۱ : ۳۱) - (۴۳ : ۱۰) - (۷۱ : ۲۰)

۵- رسولوں نے کہا کہ خدا نے ہماری راہ نمائی ہمارے راستوں (سبلنا) کی طرف کر دی ہے - (۱۴ : ۱۲)

۶۔ خدا نے کہا ہے کہ جو ہماری طلب و تلاش میں جد و جہد کرے گا، ہم اسے اپنی طرف آنے والی راہوں کی راہ نمائی کر دیں گے۔ (۲۹ : ۶۹)۔ خدا کی طرف لے جانے والا راستہ (شاہراہ) تو ایک ہی ہے لیکن اس راستے تک پہنچانے کے لئے فکری پگ ڈنڈیاں مختلف ہو سکتی ہیں۔ ایک مفکر اپنی راہ سے اس تک پہنچے گا، ایک سائنسدان اپنی راہ سے۔ ان پگ ڈنڈیوں کو سُبُل کہا گیا ہے۔

سبیل کا عام مفہوم

۱۔ سواء السبیل، ایمان کی راہ۔ (۲ : ۱۰۸)۔ (۲۸ : ۲۲)۔ (۲) قرآن نے سبیل المجرمین کو واضح کر دیا۔ (۶ : ۵۵)

۳۔ سبیل المفسدین کا اتباع مت کرو۔ (۷ : ۱۴۲)

۴۔ سبیل الرُّشد۔ سبیل الغی۔ (۷ : ۱۴۶)۔ سبیل الرشاد۔ (۴۰ : ۲۹)۔ (۴۰ : ۳۸)

۵۔ جو علم نہ رکھتے ہوں ان کے راستے کا اتباع مت کرو۔ (۱۰ : ۸۹)

۶۔ اس کے راستہ کا اتباع کرو جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (۳۱ : ۱۵)

۷۔ غیر سبیل المؤمنین، کوئی راستہ اختیار نہ کرو۔ (۴ : ۱۱۵)

۸۔ عابری السبیل۔ یونہی راستے میں سے گذرنے والا۔ (۴ : ۴۳)

۹۔ جو قوانینِ خداوندی کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائے۔ اس کے لئے کشاد کی کوئی راہ نہیں۔ (۴ : ۱۳۷)۔ (۴ : ۱۴۳)
(۴۲ : ۴۶)۔ (۱۰) مخالفین صحیح راستہ سے بھٹکانے کی تدابیر کرتے ہیں۔ (۴ : ۴۴)

۱۱۔ گمراہ ہو جانے والے کو کوئی راستہ ہی نہیں مل سکتا۔ (۴ : ۸۸)۔ (۲۵ : ۹)

۱۲۔ قومِ لوط کا جرم۔ قطعِ سبیل۔ (۲۹ : ۲۹)

۱۳۔ خدا صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ (۲۸ : ۲۲)۔ (۳۳ : ۴)۔ خدا کی راہ پہ چلنے والے۔ (۷ : ۳۰)

۱۴۔ ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا۔ اب اس کا جی چاہے تو اسے قبول کر لے اور جی چاہے تو اس سے انکار کر دے۔ (۲۵ : ۵۷)۔ (۷۳ : ۱۹)۔ (۷۶ : ۳)۔ (۷۶ : ۲۹)۔ (۸۰ : ۲۰)

۱۵۔ صحیح راستہ کھو دینے والے۔ (۲ : ۱۰۸)۔ (۴ : ۱۴۴)۔ (۵ : ۱۲)۔ (۵ : ۶۰)۔
(۵ : ۷۷)۔ (۱۳ : ۳۳)۔ (۲۵ : ۱۷)۔ (۲۷ : ۲۴)۔ (۲۹ : ۳۸)۔
(۴۳ : ۳۷)۔ (۶۰ : ۱)

۱۶- قصد السبیل خدا ہی کی ہے۔ ادھر ادھر جانے والے راستے اور ہیں۔ (۹ : ۱۶)
۱۷- سبیلِ مقیم۔ یعنی وہ راستہ جو اب تک جاری ہے۔ (۷۶ : ۱۵)
۱۸- جو شخص کعبہ تک جانے کی راہ پائے، اس پر حج فرض ہے۔ (۹۶ : ۳)
۱۹- فحش کی مرتکب عورت کو مکان میں رکھو تاآنکہ اس کے لئے اچھی راہ نکل آئے۔ (۱۵ : ۴)
۲۰- باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنے کی رسمِ جاہلیہ، بہت بُری روش تھی۔ (۲۲ : ۴)
۲۱- زنا بھی بہت بری روش ہے۔ (۳۲ : ۱۷)
۲۲- سیدھی راہ۔ (۵۱ : ۴) - (۱۴۸ : ۷) - (۴۸ : ۱۷) - (۸۴ : ۱۷)
۲۳- راستہ۔ (۹۸ : ۴) - روش۔ (۱۵۰ : ۴) - (۱۱۰ : ۱۷) - (۶۱-۶۳ : ۱۸) - (۱۲ : ۲۹)
۲۴- یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کفار، مومنین پر غلبہ کی راہ پالیں۔ (۱۴۱ : ۴)
۲۵- خدائے عرش کی طرف جانے والا راستہ۔ (۴۲ : ۱۷)
۲۶- یہاں کا اندھا آخرت کا بھی اندھا ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ (۷۲ : ۱۷)
۲۷- کفار کہیں گے کہ اے کاش ہم بھی رسول کے ہم سفر ہوتے۔ (۲۷ : ۲۵)
۲۸- شرٌ مکاناً و اضلُّ سبیلاً۔ (۳۴ : ۲۵)
۲۹- اہلِ جہنم کہیں گے کہ ہمیں ہمارے بڑوں نے گمراہ کر دیا۔ (۶۷ : ۳۳) - وہ کہیں گے کہ کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔ (۱۱ : ۴۰) - (۳۰)- رسول اللہؐ نے کہا کہ یہ میرا راستہ ہے جس کی طرف میں علیٰ بصیرت دعوت دیتا ہوں۔ (۱۰۸ : ۱۲) - (۳۱)- فرعون (صحیح) راستے کی طرف جانے سے رک گیا۔ (۳۷ : ۴۰)
۳۲- کفار کے ہاں محصور ہو جانے والے مومن جو وہاں سے نکلنے کی راہ نہ پائیں۔ (۹۸ : ۴)
۳۳- کفر اور ایمان کے بین بین راہ اختیار کرنے والے کافر حقا ہیں۔ (۱۵۰ : ۴)
۳۴- صلوٰۃ میں جہر اور خفی کے بین بین راستہ۔ (۱۱۰ : ۱۷)
۳۵- رسول اللہؐ کے خلاف باتیں کرنے والوں کو کوئی راہ ہی نہ مل سکی۔ (۹ : ۲۵) - انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون سب سے زیادہ راہ گم کردہ ہے۔ (۴۲ : ۲۵)۔
۳۶- حیوانات سے بھی زیادہ راہ گم کردہ انسان۔ (۴۴ : ۲۵)
۳۷- کفار، مومنین سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے پر کیوں نہیں چلتے۔ (۱۲ : ۲۹)

ابن السبیل

۱۔ صدقات میں ابن السبیل کا حصہ ۔ (۹ : ۶۰) ۔ مالِ غنیمت میں ۔ (۸ : ۴۱) ۔ (۵۹ : ۷)

۲۔ انفاق میں ابن السبیل کا حصہ ۔ (۲ : ۲۱۵) ۔ (۲ : ۱۷۷) ۔ (۴ : ۳۶) ۔ (۱۷ : ۲۶) ۔ (۳۰ : ۳۸)

سلسبیل

جنت کا ایک چشمہ ۔ (۷۶ : ۱۸) ۔ یعنی بہتے ہوئے چشمے کی طرح رزق کہ وہ چشمہ ہر ضرورت مند کو آواز دیتا ہوا (سَئَل) آگے بڑھتا جائے ۔ (سَبِیْق)

متفرق

۱۔ اہلِ جہنم کہیں گے ۔ کہ کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے ؟ (۴۰ : ۱۱) ۔ (۴۲ : ۴۴)

۲۔ سبیل بمعنی الزام ۔ جرم ۔ (۳ : ۷۴) ۔ (۴ : ۳۴) ۔ (۴ : ۹۰) ۔ (۹ : ۵) ۔ (۹ : ۹۱-۹۳) ۔ (۴۲ : ۴۱ - ۴۲)

۵۔ سجدہ

(نیز دیکھئے ۔ اطاعت ۔ عبادت ۔ اسلامی نظام)

سجدہ کے بنیادی معنی جھک جانے کے ہوتے ہیں ۔ اور اس سے مقصود ہوتا ہے کسی کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کر دینا ۔ کسی کی اطاعت کرنا ۔ فرمان پذیری ۔ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا مطلب ہوتا ہے اس کے قوانین کی اطاعت کرنا ۔ اشیائے کائنات اس کے قوانین کی اطاعت از خود کر رہی ہیں ۔ اسے ان اشیاء کا سجدہ کہا جاتا ہے ۔ انسانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے قوانین کی اطاعت کریں ۔ انسانوں کے لئے اس اطاعت گذاری کا محسوس مظہر، نماز کا سجدہ ہے ۔ لیکن یہ سجدہ خدا کے قوانین کی اطاعت کا محسوس نشان ہے ۔ مقصود ان قوانین (قرآنی احکام) کی اطاعت ہے ۔ اس اعتبار سے مسجد (اسم ظرف کے معنوں میں) اطاعتِ خداوندی کے مرکزی مقام کو کہا جائے گا ۔ اور (مصدری معنوں میں) سجدہ (یا اطاعت) کرنے کو ۔ کعبہ مسجد الحرام ہے تو ان معانی میں کہ وہ مرکزِ محسوس ہے اس نظامِ

خداوندی کا جس میں خدا کے احکام و قوانین کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے مساجد، اسی نظام کے چھوٹے چھوٹے مراکز یا وہ مقامات ہیں جہاں اس نظام کے قیام، استحکام و بقا کے لئے فکری اور عملی جد و جہد کے پروگرام طے کئے جائیں۔ مسجدِ نبوی اس کی سب سے پہلی مثال ہے۔ جہاں جملہ امورِ مملکت طے ہوتے تھے۔

مومنین کا سجدہ

۱۔ انبیاء کرام آیات (قوانین) کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ (۵۸ : ۱۹)
۲۔ مومنین اربابِ علم، قرآن کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ (۱۰۷ : ۱۷)
۳۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کا سجدہ ریز ہونا۔ (۱۲۰ : ۷) - (۷۰ : ۲۰) - (۴۶ : ۲۶)
۴۔ عباد الرحمٰن سجود و قیام میں راتیں گزار دیتے ہیں۔ (۶۴ : ۲۵) - (۹ : ۳۹)
۵۔ مومن، آیاتِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ (۱۵ : ۳۲)
۶۔ محمد رسول اللہ والذین معہٗ۔ رکوع و سجود میں۔ (۲۹ : ۴۸) ان کی پیشانیوں کے اثرات۔ (۲۹ : ۴۸)
۷۔ کعبہ کو عاکفین اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کریں۔ (۱۲۵ : ۲) - (۲۶ : ۲۲)
۸۔ الراکعون الساجدون۔ (۱۱۲ : ۹)۔ مومنین کی خصوصیات
۹۔ حضور کا ساجدین میں چلنا پھرنا۔ (۲۱۹ : ۲۶)۔ (۱۰) رسول اللہ سے کہا کہ کُن مِنَ الساجدین۔ (۹۸ : ۱۵) - (۷۶ : ۲۶)۔ (۱۱) واسجد و اقترب۔ (۱۹ : ۹۶)
۱۲۔ فاسجدوا للہ واعبدوا۔ (۷۷ : ۲۲) - (۶۲ : ۵۳)۔ یہاں واعبدو (اطاعت اختیار کرو) نے سجدہ کا مفہوم واضح کر دیا۔ (واوٗ تفسیری ہے)
۱۳۔ شمس و قمر کو سجدے نہ کرو۔ رحمٰن کو کرو۔ (۳۷ : ۴۱)۔ (۱۴) حضرت مریم سے کہا گیا کہ واسجدی۔ (۴۲ : ۳)
۱۵۔ اہلِ کتاب کی ایک جماعت سجدہ ریز رہتی ہے۔ (۱۱۲ : ۳)
۱۶۔ مشرکینِ عرب کا رحمٰن کو سجدہ کرنے سے انکار۔ (۶۰ : ۲۵)
۱۷۔ جب ان کفار کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا ہے تو یہ سجدہ نہیں کرتے۔ یعنی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے یہاں سے سجدہ کے معنی (اطاعت اختیار کرنا) واضح ہو جاتے ہیں۔ (۲۱ : ۸۴)

اشیائے کائنات کا سجدہ

۱- چیزوں کے سائے کا سجدہ - (۱۵ : ۱۳) - (۴۸ : ۱۶)

۲- ارض و سما کی ہر شے خدا کے حضور سجدہ ریز ہے - (۱۵ : ۱۳) - (۱۸ : ۲۲) - اس میں طوعاً و کرہاً بھی کہا گیا ہے اور کثیراً من الناس بھی - (۴۹ : ۱۶)

والنجم والشجر یسجدان - (۶ : ۵۵)

نماز میں سجدہ

جنگ کی حالت میں ادائے صلوٰۃ کی شکل - (۱۰۲ : ۴)

مسجد

۱- اقیموا وجوھکم عند کل مسجد - یہاں مسجد کے معنی سجدہ (اطاعت کرنا) کے ہیں - (۲۹ : ۷) - اسی طرح خذوا زینتکم عند کل مسجد میں بھی - (۳۱ : ۷) - (۲) مسجد ضرار - (۱۰۸ - ۱۰۷ : ۹) - (۳) ہیکل سلیمانی کو مسجد کہا گیا (۷ : ۱۷)

۴- مسجد الحرام (کعبہ) - (۲۵ : ۴۸) - مشرک اس کے قریب نہ آئیں - (۲۸ : ۹) - مسجد حرام کے قریب ان سے جنگ نہ کرو - (۱۹۱ : ۲) - اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھو - (۱۴۴ : ۲) - (۱۵۰ - ۱۴۹ : ۲) - مناسک حج کے سلسلہ میں (۱۹۶ : ۲) - مسجد حرام کے قریب معاہدہ - (۷ : ۹) - مسجد حرام کی آبادکاری جہاد جیسا نیک کام نہیں - (۱۹ : ۹) - یہ تمہیں مسجد حرام سے روکتے ہیں - (۲۱۷ : ۲) - (۲ : ۵) - (۳۴ : ۸) (۲۵ : ۲۲) - (۲۵ : ۴۸) حضور کا مسجد حرام میں داخلہ (۲۷ : ۴۸) - (۵) مشرکین مساجد کو آباد نہیں کر سکتے (۱۷ : ۹) - یہ مومن ہی کریں گے (۱۸ : ۹)

۶- مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (مدینہ) کی طرف راتوں رات ہجرت - (۱ : ۱۷)

۷- مسجد حرام سواءً العاکف والباد - (۲۵ : ۲۲) - (۸) اصحاب کہف کے مقبرہ کو مسجد بنانے کی تجویز - (۲۱ : ۱۸)

۹- اس سے ظالم کون ہے جو مساجد میں خدا کے ذکر سے منع کرے - (۱۱۴ : ۲)

۱۰- مساجد میں خدا کا ذکر کثیر ہوتا ہے - (۴۰ : ۲۲)

۱۱- مساجد میں معتکف ہونے کی صورت میں مباشرت سے اجتناب ضروری ہے - (۱۸۷ : ۲)

۱۲۔ مساجد اللہ کے لئے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔ (۷۲ : ۱۸) — وہ گھر جن میں خدا کا ذکر ہوتا ہے۔ انہیں بلند کرنے کا حکم۔ (۲۴ : ۳۶)۔ تمام مذاہب کے معابد کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ (۲۲ : ۴۰)

ملائکہ کا سجدہ

۱۔ ملائکہ (قوائے فطرت) کا آدم کو سجدہ۔ (۲ : ۳۴) - (۷ : ۱۱) - (۱۵ : ۲۹-۳۰) - (۱۷ : ۶۱) - (۱۸ : ۵۰) - (۲۰ : ۱۱۶) - (۳۸ : ۷۲-۷۳)

۲۔ ملائکہ کا خدا کے حضور سجدہ ریز ہونا۔ ھم لا یستکبرون۔ (۷ : ۲۰۶) - (۱۶ : ۴۹)

۳۔ ابلیس کا انکار۔ (۱۵ : ۳۳) - (۱۷ : ۶۱) - (۷ : ۱۲) - (۳۸ : ۷۵)

متفرق

۱۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ وہ اس شہر میں خدا کی اطاعت کرتے ہوئے داخل ہوں۔ (۲ : ۵۸) (۴ : ۱۵۴) - (۷ : ۱۶۱) — (۲)۔ ادبار السجود میں تسبیح - (۵۰ : ۴۰)

۲۔ کفار کو دعوتِ سجود۔ (۲۵ : ۶۰) - (۶۸ : ۴۲-۴۳)

۴۔ حضرت یوسفؑ کا خواب کہ میں نے ستاروں اور شمس و قمر کو سجدہ کرتے دیکھا ہے - (۱۲ : ۴)

۵۔ قومِ سبا شمس کو سجدہ کرتی تھی۔ خدا کو نہیں۔ (۲۷ : ۲۴)

۶۔ حضرت یوسفؑ اور اہلِ دربار کا تعظیم کے لئے جھک جانا (یا ان کا خدا کے حضور سجدۂ شکرانہ ادا کرنا)۔ (۱۲ : ۱۰۰)

۶۔ سحر۔ مسحّر

سحر ۔ اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں کسی بات کو موڑ توڑ کر پیش کرنا۔ نہایت لطیف اور دقیق انداز سے دھوکا دینا۔ اس کے بعد یہ لفظ عام دھوکے اور فریب، جھوٹ اور ملمع سازی کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

اسی جہت سے اس کے معنی جادو کے بھی آئے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ لفظ فریب اور جھوٹ کے نہیں بلکہ جادو ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں یہ بکثرت، جھوٹ اور فریب کے معنوں میں آیا ہے۔ جادو کے معنوں میں بہت کم۔

ساحر کا لفظ باطل پرست، فریب کار کے معنوں میں آتا ہے۔ دربارِ فرعون کے ساحرین جن کا مقابلہ حضرت موسیٰؑ سے ہوا تھا۔ ان کے مندروں کے بہت بڑے پجاری (مذہبی پیشوا) تھے اور چونکہ باطل پرست اور فریب کار تھے اس لئے قرآن نے انہیں ساحر کہہ کر پکارا ہے۔

__مسحور__ اسے کہتے ہیں جسے دھوکا لگ گیا ہو۔ یا (عام لوگوں کے خیال کے مطابق) جس پر کسی نے جادو کر دیا ہو۔ یہ لفظ بعض اوقات ساحر کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

قرآن کریم کی رو سے، سحر (جادو) کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ نفسیاتی طور پر دوسروں کی قوتِ متخیلہ کو متاثر کر دیا جاتا ہے۔ (۶۶ : ۲۰)

__سَحَر__۔ رات کا آخری حصہ۔ جمع اسحار۔ کسی کام کی ابتداء

مختلف انبیاءکرام کو ساحر کہا گیا

۱۔ حضرت موسیٰؑ کو (۲۴ : ۴۰) - (۴۹ : ۴۳) - ساحر و مجنون (۳۹ : ۵۱) - مسحور (۱۰۱ : ۱۷)

۲۔ ہر رسول کو ساحر یا مجنون کہا۔ (۵۲ : ۵۱)

انبیاءکرام کو مسحور کہا گیا

۱۔ حضرت صالحؑ۔ (۱۵۳ : ۲۶) (۲)۔ حضرت شعیبؑ۔ (۱۸۵ : ۲۶)

حضرت موسیٰؑ اور ساحرینِ دربارِ فرعون کا قصہ

۱۔ ساحرین نے جو کچھ کیا۔ فریبِ نگاہ تھا۔ (۱۱۶ : ۷) - (۶۶ : ۲۰)

۲۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ ساحر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (۷۷ : ۱۰) - (۶۹ : ۲۰)

۳۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ ۔ (۸۲ - ۷۹ : ۱۰)

۴۔ اس قصہ کی تفاصیل ۔ (۱۰۹ : ۷) ۔ (۷۳-۵۸ : ۲۰) ۔ (۳ - ۷۱ : ۲۰) ۔ (۳۵ : ۲۶) ۔ (۴۹ : ۲۶) ۔ (۵) جب حضرت موسیٰ نے واضح نشانیاں پیش کیں تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۱۳ : ۲۷) ۔ (۳۶ : ۲۸)

رسول اللہ کو ساحر کہا گیا

۱۔ مخالفین نے تعجب سے کہا کہ ہمارے ہی جیسا ایک بشر، رسول کیسے ہو سکتا ہے ۔ یہ ساحر (جھوٹا) ہے (۲ : ۱۰) ساحر اور کذاب ۔ (۴ : ۳۸) ۔ (۲) رجل مسحور کہا گیا ۔ (۴۷ : ۱۷) ۔ (۸ : ۲۵)

مختلف انبیاءِ کرام کے پیغامات کو سحر کہا گیا

۱۔ حضرت عیسیٰ کی انقلاب آفرینیوں (یا عام تصور کے مطابق معجزات) کے متعلق مخالفین نے کہا کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۱۱۰ : ۵) ۔ (۲) حضرت موسیٰ کی تعلیم کو سحرِ مبین کہا گیا ۔ (۷۶ : ۱۰) ۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ یہ سحر کس طرح ہے ۔ ساحر تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ (۷۷ : ۱۰)

۳۔ جب حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں ۔ اور تمہیں ایک آنے والے رسول (احمدؐ) کی بشارت دیتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۶ : ۶۱)

قرآنِ کریم کو سحر کہا گیا

۱۔ جب ان سے کہا جاتا کہ تم موت کے بعد بھی زندہ ہو گے تو یہ کہتے کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۷ : ۱۱)

۲۔ ان کے پاس جب بھی کوئی وحی آئی، انہوں نے کہہ دیا کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۳ : ۲۱) ۔ (۴۳ : ۳۴) (۳۷ : ۱۵) ۔ (۳۰ : ۴۳) ۔ (۷ : ۴۶)

۳۔ قریش کے نمائندے نے کہا کہ یہ وہی سحر (جھوٹ) ہے جو چلا آ رہا ہے ۔ (۲۴ : ۷۴)

سحر

۱۔ صبح کے وقت (۳۴ : ۵۴) ۔ (۲) مومنین کی صفت ۔ مستغفرین بالاسحار ۔ (۱۷ : ۳) ۔ (۱۸ : ۵۱)

متفرق

۱۔ مسحور ہوجانے کے معنی دھوکا کھا جانا۔ (۸۹ : ۲۳)

۲۔ یہ افسانہ ہی تھا کہ بابل میں فرشتے لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ (۱۰۲ : ۲)

۳۔ اگر ان لوگوں کے پاس آسمان سے لکھی لکھائی کتاب بھی اتر آتی یہ اسے بھی کہتے کہ یہ سحرِ مبین ہے (۷ : ۶)

۴۔ ساحر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ (۷۷ : ۱۰) - (۶۹ : ۲۰)

۵۔ انہیں جہنم کے سامنے کھڑا کرکے پوچھا جائے گا کہ کہو! یہ سحر (فریب یا جھوٹ) ہے یا تمہیں سچ مچ نظر آرہی ہے۔ (۱۵ : ۵۲) - (۶) شق القمر کے سلسلہ میں کہا کہ یہ وہی سحر (جھوٹ) ہے۔ جسے شروع سے دہرایا جارہا ہے۔ (۲ : ۵۴) - (۷)۔ اگر ان کے سامنے آسمان کی کھڑکیاں بھی کھل جائیں تو یہ کہیں گے کہ ہم پہ جادو کردیا گیا ہے۔ (ہم قوم مسحور ہوگئے ہیں)۔ (۱۵ : ۱۵)

سدرۃ المنتہیٰ

اَلسِّدْرُ۔ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ صحرا میں یا تو نخلستانوں کے اردگرد کھجور کے درخت اُگتے ہیں اور یا خشک مقامات پر خاردار جھاڑیاں۔ ان میں جہاں کہیں بیری کا درخت ہو، عرب اسے مغتنمات میں سے سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے نعمائے جنت میں سدر مخضود (۲۸ : ۵۶)۔ کا بھی ذکر کیا ہے۔ پھل دار اور سایہ ... درخت۔ یا ایسے درخت جن میں پھل تو ہوں لیکن کانٹے نہ ہوں۔ یعنی بلا خلش و کاوش استراحت اور خوشحالی۔ دوسری طرف اہلِ سبا کی تباہی کے سلسلہ میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ (۱۶ : ۳۴)

سدرۃ المنتہیٰ۔ نبوت ایک ایسی کیفیت تھی جسے غیر نبی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ نہ کیفیت کے اعتبار سے نہ کمیت کے لحاظ سے۔ قرآنِ کریم نے ملکۂ نبوت کے خصائص اور مقامات کو سورۂ النجم میں بڑے خوبصورت تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان مناظر کا مشاہدہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کیا۔ (۱۶-۱۴ : ۵۳) علماء لغت نے کہا ہے کہ سدرہ حیرت کو کہتے ہیں۔ لہٰذا سدرۃ المنتہیٰ انتہائے حیرت کو کہیں گے۔ قرآن کریم نے

نے بتایا ہے کہ نبوت کا مقام وہ ہے جہاں تحیر اپنی انتہا تک پہنچ جائے - جہاں عقلِ انسانی کے حصہ میں حیرت کی فراوانی کے سوا کچھ نہ آئے - لیکن نبی کی وہاں بھی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ اس کی نگاہ کسی قسم کے دھوکے میں مبتلا نہیں ہوتی تھی - (تفصیل میری لغات میں دیکھئے)

۸- سرقہ (چوری)

قرآن کریم کے معاشی نظام کے مطابق تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچانا، مملکت کا فریضہ ہوتا ہے۔ جب صورت یہ ہو کہ کوئی فرد اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے، تو اس کے بعد اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی کوئی چیز چرائے تو اسے سنگین ترین سزا دینی چاہیئے - اس کے لئے قرآن نے "قطع ید" کی سزا تجویز کی ہے -

یَدٌ ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قوت - اختیار - اقتدار وغیرہ کو بھی -

قَطْعٌ" - کے معنی کسی چیز کو کاٹ کر الگ کر دینے ہی کے نہیں - اس کے علاوہ، اس کے معنی کسی کو کسی کام سے روک دینے کے بھی ہیں - مثلاً قطع الطریق - رہزنی کو کہتے ہیں جس میں ڈاکو مسافروں کا راستہ روک دیتے ہیں - (۲۹ : ۲۹)- قطع اللسان کے معنی کسی کی زبان بند کر دینے کے ہیں - قطع رحمی - رشتہ داری کے تعلقات منقطع کر دینے کے لئے بولا جاتا ہے - سورۂ یوسفؑ میں جہاں آیا ہے کہ ان عورتوں نے قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ (۱۲ : ۳۱) - تو اس کے معنی یہ نہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر بازو سے الگ کر دیئے - اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ انہوں نے کھانے سے اپنے ہاتھ روک لئے اور یا (زیادہ سے زیادہ) یہ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے -

ان تصریحات سے واضح ہے کہ سرقہ کی سزا میں "قطع ید" سے مراد ہاتھ کاٹ کر الگ کر دینا ہی نہیں - اس سے مراد کوئی ایسی سزا بھی ہو سکتی ہے جس سے مجرم آئندہ اس قسم کے جرم کے ارتکاب سے رک جائے :" سرقہ" کس جرم کو کہا جائے گا اور اس کی سزا کیا ہوگی، ان امور کا تعین اسلامی مملکت کرے گی - وہ اس کے لئے اس امر کو بھی پیشِ نظر رکھے گی - جو قرآن نے کہا ہے کہ جو مجرم ارتکابِ جرم کے بعد نادم ہو اور اپنی اصلاح کرلے تو اسے معاف بھی کیا جا سکتا ہے - نیز اس ماحول کو بھی پیشِ نظر رکھے گی جس میں اس قسم کی سزائیں تجویز کی جائیں گی -

سرقہ کی سزا

۱۔ سارق مرد اور سارقہ عورت کی سزا قطع ید ہے۔ یہ روک ہے خدا کی طرف سے۔ لیکن جو کوئی ارتکابِ جرم کے بعد تائب ہو جائے اور اپنی اصلاح کرلے تو اسے قانون کی رو سے حفاظت مل سکتی ہے۔ (۳۹-۳۸ : ۵)

۲۔ عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی کہ وہ سرقہ نہیں کریں گی۔ (۱۲ : ۶۰)

۹۔ سرگوشیاں

اسلام ایک کھلا کھلا سا طریق زندگی ہے۔ ایسی روش جس میں ہر بات یونہی چھپا چھپا کر کی جائے، اس کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ ایسی روش اکثر منافقین کی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کی روک تھام کی تدابیر اختیار کیں۔ البتہ بعض معاملات ایسے ہو سکتے ہیں جن کے لئے باہمی خفیہ مشورے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ چیز اس سرگوشی کی حد کے اندر نہیں آتی جو معیوب ہے۔ قرآن کریم نے ان امور کو واضح کر دیا ہے۔

منافقین کی سرگوشیاں

۱۔ جب یہ لوگ راتوں کو خفیہ سازشیں کرتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کوئی نہیں دیکھتا، حالانکہ خدا اس وقت بھی ان کے پاس موجود ہوتا ہے۔ اس کا قانونِ مکافات انہیں محیط ہوتا ہے۔ (۱۰۸ : ۴)

۲۔ دینِ خداوندی کے خلاف مخالفین کے خفیہ مشورے۔ (۴۷ : ۱۶) - (۳ : ۲۱)

۳۔ خدا ان کی خفیہ سرگوشیوں کو سنتا ہے اور اس کے فرستادہ انہیں لکھتے رہتے ہیں۔ یہ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے باہر نہیں رہ سکتے۔ (۸ : ۹) - (۸۰ : ۴۳) - (۷ : ۵۸)

۴۔ اثم و عدوان و معصیت کے لئے خفیہ مشوروں کی ممانعت ہے۔ (۸ : ۵۸) - یہ شیطانی عمل ہے۔ (۸ : ۵۸)

۵۔ فرعون اور ساحرین کے، حضرت موسیٰؑ کے خلاف خفیہ مشورے۔ (۶۲ : ۲۰)

بھلائی کے کاموں کے لئے خفیہ مشورے

۱- بھلائی اور اصلاح کے کاموں کے لئے رازدارانہ مشوروں کی ممانعت نہیں۔ (۱۱۴ : ۴)

۲- بِرّ اور تقویٰ کے کاموں کے لئے عندالضرورت خفیہ مشورے ممنوع نہیں۔ (۹ : ۵۸)

۳- منافقین آ آ کر کہتے کہ ہم نے آپؐ سے ایک خفیہ بات کرنی ہے۔ اور اس طرح خواہ مخواہ رسولؐ اللہ کا وقت ضائع کرتے اس کی روک تھام کے لئے عام ہدایات نافذ کر دی گئیں کہ جس نے سربراہِ مملکت سے کوئی خفیہ بات کرنی ہو وہ رفاہی فنڈ میں کچھ عطیہ دے۔ چونکہ یہ حکم سب کے لئے تھا۔ اس لئے مسلمان بھی اس سے متاثر ہو گئے۔ (۱۲ : ۵۸) پھر جب حالات سدھر گئے تو مسلمانوں کے لئے اس میں استثناء کر دی گئی۔ (۱۳ : ۵۸)

۱۰- (حضرت) سلیمانؑ

حضرت سلیمانؑ۔ بنی اسرائیل کے ایک ممتاز رسول حضرت داؤدؑ کے بیٹے۔ ان کی سلطنت بڑی وسیع، اور شوکت و سطوت بڑی وقیع تھی۔ پہاڑی (وحشی) قبائل (جنات) ان کے زیرِ تسخیر تھے۔ قبیلۂ طیر کے افراد ان کے گھوڑوں کے رسالہ کے افسر تھے۔ ہدہد نامی ایک بڑا ذہین و فطین سردار، ان کے محکمہ رسل و رسائل اور خبر رسانی کا رکن تھا۔ یہ ملکۂ سبا کی حکومت کی کیفیات معلوم کرنے کے لئے گیا تھا۔ ملکۂ سبا کی طرف چڑھائی کرتے وقت، راستے میں ایک وادی سے لشکر کا گذر ہوا۔ اسے وادیٔ نمل کہتے تھے۔ اس میں بھی (سبا کی طرح) ایک عورت حکمران تھی۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ان کے تخت پر ان کا بیٹا بیٹھا لیکن وہ نالائق تھا۔ اس سے سلطنت میں ضعف و انتشار پیدا ہو گیا۔ بعد ازاں یہودیوں نے عجیب و غریب قسم کے افسانے تراش کر حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کر دیئے اور قرآن کریم نے ان کی تردید کر کے، خدا کے اس اولوالعزم پیغمبر کی سیرت کو منزہ شکل میں پیش کیا۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ان کوائف کا ذکر آیا ہے

۱- مملکتِ سلیمانی کے خلاف یہودیوں کی افسانہ تراشیاں۔ بابل کے فرشتوں کا افسانہ۔ (۱۰۲ : ۲)

۲- حضرت سلیمانؑ منجملہ رُسل تھے۔ (۱۶۳ : ۴)۔ اور ذریتِ ابراہیمی میں سے۔ (۸۵ : ۶)

۳۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ، زرعی معیشت (حرث) کے متعلق غور و خوض کرتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کو اس میں زیادہ تفقہ حاصل تھا۔ (۲۱ : ۷۸ - ۷۹)۔ دونوں کو علم و حکمت عطا کئے گئے تھے۔ (۲۷ : ۱۵)

۴۔ حضرت سلیمانؑ کو گھوڑوں کے رسالوں کا علم (منطق الطیر) دیا گیا تھا۔ (۲۷ : ۱۶)۔ ان کے لشکر میں جن و انس (وحشی قبائل اور مہذب آبادیاں) سب شامل تھے۔ (۲۷ : ۱۷)

۵۔ لشکرِ سلیمانی کا وادیٔ نمل میں سے گذرنا۔ (۲۷ : ۱۸)۔ (۶)۔ ہدہد کا خبر رسانی کے لئے جانا۔ (۲۷ : ۲۰)

۷۔ حضرت سلیمانؑ کا خط ملکۂ سبا کے نام۔ (۲۷ : ۳۰)۔ واقعہ کی تفصیل۔ (۲۷ : ۳۰-۴۴)

۸۔ حضرت سلیمانؑ، حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے۔ (۳۸ : ۳۰)۔ اور وارث (۲۷ : ۱۶)

۹۔ گھوڑوں سے پیار کرنے کا قصہ۔ (۳۸ : ۳۱ - ۳۲)

۱۰۔ ہوا ان کے تابع تسخیر تھی۔ یعنی وہ اس سے کام لینا جانتے تھے۔ (۲۱ : ۸۱) - (۳۴ : ۱۲) - (۳۶ : ۳۸)

۱۱۔ وحشی قبائل کے لوگ ان کے لئے بڑے بڑے کام کرتے تھے۔ (۳۸ : ۳۷-۳۸)۔ تماثیل وغیرہ بناتے تھے۔ (۲۱ : ۸۲) — (۳۴ : ۱۲ - ۱۳) - (۱۲)۔ **ان کا جانشین نالائق تھا۔** (۳۴ : ۱۳-۱۴) - (۳۴ : ۳۸)

۱۰۔ سنّت

سنت ۔ اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں، کسی چیز کا جاری رہنا اور یکے بعد دیگرے، مسلسل آتے چلے جانا۔ یہیں سے اس کے معانی، عادت۔ روش۔ طور طریق۔ مسلک و مشرب کے آتے ہیں، اور آئین و قانون کے بھی۔ "قانون کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ اس کے بجائے سُنّۃ کا لفظ ہی آیا ہے۔ قوانینِ خداوندی کو سنۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ایسا طریقِ عمل جس میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اقوام کے طور طریق اور ان کے احوال و کوائف کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اس سے مفہوم ان کی تاریخی سرگزشتیں ہیں۔

قرآن کریم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ خدا نے نظامِ کائنات کے لئے بھی اٹل قوانین متعین کر دیئے ہیں۔ اور انسانوں کی تمدنی زندگی کے لئے بھی۔ جو قوم ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے وہ کامیاب رہتی ہے جو ان کی خلاف ورزی کرتی ہے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ یہ سُنّۃ اللہ ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں آتی۔ قانون کہتے ہی اس روش کو ہیں جس

میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ قرآن نے خدا کا جو تصور دیا ہے وہ "قانون والا" خدا ہے۔ اس نے قوانین وضع کرنے کے بعد، اپنے قادرِ مطلق ہونے کے باوجود، اپنے اوپر خود یہ پابندی عائد کر رکھی ہے کہ ان قوانین کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے اسی "اصول" کا نتیجہ ہے کہ نظمِ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے اور ہر عمل اپنا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب کئے جاتا ہے۔

۲۔ ضمناً۔ "قانون" کے لئے قرآن کریم میں سنۃ کا لفظ بھی آیا ہے اور کلمۃ کا بھی۔ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ کلمۃ، قانون کی نظری حیثیت ہے اور سنۃ اس کی عملی حیثیت۔ غیر متبدل بہرحال دونوں ہیں۔ اس عنوان کے ساتھ کلمۃ کا عنوان بھی دیکھ لینا چاہیئے۔ نیز عنوان تقدیر بھی۔

۳۔ لفظ مسنون قرآن کریم میں آیا تو ہے لیکن اس کے معنی مختلف ہیں۔ (۳۳:۲۸؛ ۲۶ : ۱۵)

سنۃ اللہ

۱۔ یہی انداز ہم نے رسلِ سابقہ کے سلسلہ میں رکھا تھا۔ تم اس قانونِ خداوندی میں تحویل نہیں پاؤ گے۔ (۷۷ : ۱۷) یہ ایک ایسا پیمانہ ہے جسے متعین کر دیا گیا ہے۔ (۳۸ : ۳۳)

۲۔ تباہی کے سامنے آجانے کے بعد، توبہ (باز آفرینی) کا موقعہ باقی نہیں رہتا۔ یہ سنۃ اللہ ہے جو اس کے بندوں میں جاری ہے۔ (۸۵ : ۴۰)

۳۔ کفار اگر مومنین کے مقابلہ میں (میدان جنگ میں آئیں گے) تو پسپا ہو جائیں گے۔ یہ سنۃ اللہ ہے۔ جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (۲۳ : ۴۸)

۴۔ حق کے خلاف تدبیریں کرنے والے خود تباہ ہو جاتے ہیں۔ یہ سنۃ اللہ ہے جس میں نہ تبدیلی ہوتی ہے نہ تحویل۔ اقوامِ سابقہ کی تاریخ اس پر شاہد ہے۔ (۴۳ : ۳۵)

۵۔ شریف زادیوں کو تنگ کرنے والے منافقوں کو سختی سے کچل دینا چاہیئے۔ یہ وہ سنۃ اللہ ہے جو شروع سے چلی آرہی ہے۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (۶۲ : ۳۳)

سنن الاوّلین۔ اقوامِ عالم کی سرگذشت

۱۔ اگر اس قومِ مخاطب نے بھی قوانینِ خداوندی سے انکار کیا تو جو کچھ گذشتہ اقوام کے ساتھ ہوا ہے۔ وہی کچھ ان

کے ساتھ ہوگا - (۸ : ۳۸)

۲- انہیں اس کا انتظار ہے کہ جو کچھ اقوامِ سابقہ کے ساتھ ہوا تھا وہی کچھ ان کے ساتھ ہو - (۱۸:۵۵)-(۴۳ ۳۵۱)

۳- جو کچھ اقوامِ سابقہ نے کیا تھا وہی کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں - (۱۳ : ۱۵)

۴- تم سے پہلی اقوام کے طور طریق تمہارے سامنے آچکے ہیں - ذرا زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جنہوں نے قوانینِ خداوندی کی تکذیب کی تھی ان کا انجام کیا ہوا - (۳ : ۱۳۶)

۵- خدا چاہتا ہے کہ تمہیں ان (انعام یافتہ) اقوامِ سابقہ کے مسلک و مشرب کی راہ نمائی عطا کرے جو پہلے گزر چکی ہیں (۴:۲۶)

۱۲- سیّآت

سَیِّئَۃٌ - جسے عام طور پر برائی کہا جاتا ہے اس کے لئے قرآن کریم نے بہ ہیئتِ مجموعی، سیّئۃ کا لفظ استعمال کیا ہے (حسن کی جمع سیّآت ہے) - اس کے مدِ مقابل لفظ حسنات ہے - (جیسا کہ حسن، حسنات کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے) حسن صحیح صحیح توازن و تناسب کا نام ہے - اس لئے اعمالِ حسنہ وہ کام ہیں جن سے انسان کی اپنی ذات کا حسن (توازن) قائم ہو جائے - اور اس طرح اس کی ذات (BALANCED PERSONALITY) بن جائے - اور معاشرہ میں بھی توازن پیدا ہو جائے - اور یوں حسنِ کائنات میں اضافہ ہوتا چلا جائے - سیّآت ایسے کاموں کو کہا جائے گا جن کا نتیجہ اس کے برعکس مرتب ہو - یعنی ان سے اس فرد کی ذات کا توازن بھی بگڑ جائے اور معاشرہ کا بھی - اور نظمِ کائنات میں بھی فساد برپا ہو جائے - لہٰذا حسنات کی طرح سیّآت کی اصطلاح بھی بڑی جامع ہے - اس میں عام ناخوشگوار امور سے لے کر انفرادی اور اجتماعی جرائم تک، سب معیوب و مذموم کام آجاتے ہیں - حسنات، اگر معاشرتی ہمواریاں پیدا کرتے ہیں - تو سیّآت ناہمواریاں پیدا کرنے کی موجب ہوتی ہیں - جرم کو بھی سیّئۃ کہا جاتا ہے اور اس کی سزا کو بھی — اول الذکر معاشرہ کے لئے تکلیف اور نقصان کا باعث ہوتا ہے اور ثانی الذکر، مجرم کے لئے -

یہ سیّآت کا مجموعی مفہوم ہے - تفصیلی طور پر یہ لفظ کن معانی میں استعمال ہوتا ہے - یہ چیز قرآن کریم کی متعلقہ آیات سے سامنے آجاتی ہے -

حسنات کے مقابل میں سیات

۱۔ سیّات بمقابلہ اعمالِ صالح۔ (۱۰۲ : ۹) — (۱۰ : ۳۵)

۲۔ سیات (ناہمواریاں) دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ حسنات (ہمواریاں پیدا کرنے والے کام) کئے جائیں۔ (۱۱۴ : ۱۱) — (۲۲ : ۱۳) — (۹۶ : ۲۳) — (۵۴ : ۲۸) — (۳۴ : ۴۱)

۳۔ سیات کے حاملوں کی موت اور حیات، صالحین کے برابر نہیں ہو سکتی۔ (۲۱ : ۴۵)

۴۔ حسنات کے مقابلہ میں۔ (۱۱۹ : ۳) — (۶۹ — ۶۸ : ۴) — (۱۳۱ : ۷) — (۱۶۸ : ۷) — (۵۰ : ۹) — (۷ : ۱۶)

۵۔ حسنات خدا کے قانون کی اطاعت سے آتی ہیں۔ سیّات انسان کی خود تراشیدہ راہوں پر چلنے سے آتی ہیں۔ (۶۹ — ۶۸ : ۴)

۶۔ بنی اسرائیل کی یہ کیفیت تھی کہ حسنات کے لئے (CREDIT) خود لیتے تھے۔ سیات کے لئے کہتے تھے کہ یہ موسیٰؑ کی نحوست کی وجہ سے ہیں۔ (۱۳۱ : ۷)

۷۔ رحمت کے مقابلہ میں۔ (۳۶ : ۳۰) — (۱۷ . ۳۳) — (۴۸ : ۴۲)

۸۔ شفاعتِ حسنہ و شفاعتِ سیّئہ۔ (۸۵ : ۴)

۹۔ حسنات اور سیّات برابر نہیں ہو سکتیں۔ سیّات کو احسن سے دور کرنا چاہیئے۔ (۳۴ : ۴۱)

۱۰۔ سیّات کو حسنات سے بدل دیا۔ (۹۵ : ۷) —— (۱۱) یہ حسنہ سے پہلے ہی سیّئہ کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ (۶ : ۱۳) — (۴۶ : ۲۷) —— (۱۲) جو ظلم کے بعد اس سوء کو حسنہ سے بدل دے تو اسے حفاظت مل جاتی ہے۔ (۱۱ : ۲۷) —— (۱۳) خیر کے مقابلہ میں سوء (۱۸۸ : ۷)

۱۴۔ حسنات کرو۔ وہ بھی تمہارے اپنے لئے ہے۔ سیّات کرو، ان کا وبال بھی تم پر۔ (۷ : ۱۷) — (۴۶ : ۴۱) — (۱۵ : ۴۵) (۱۵) جس طرح اندھا اور بینا ایک جیسے نہیں ہو سکتے اسی طرح ایمان و اعمالِ صالح کے حامل اور سیّات کے مرتکب ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ (۵۸ : ۴۰)

برے کاموں کے معنوں میں۔ ناہمواریوں کے مفہوم میں

۱۔ سیات کے حامل اگر موت کو سامنے دیکھ کر توبہ کرتے ہیں تو وہ توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ (۱۸ : ۴)

۲۔ کیا سیّات کرنے والے اپنے آپ کو مامون سمجھتے ہیں؟ (۱۶ : ۴۵) - (۲۹ : ۴)

۳۔ سیّات کے بعد توبہ کرنے والے۔ (۷ : ۱۵۳) - (۴۲ : ۲۵)

۴۔ سیّات سے بچنے والے رحمتوں کے سائے میں۔ (۴۰ : ۹)

۵۔ قومِ لوط سیّات پر عامل تھی۔ (۱۱ : ۷۸) - (۲۱ : ۷۴) - (۴۰ : ۲۵)

۶۔ کبائر سے مجتنب رہو گے تو سیّات کے اثرات محو کر دیئے جائیں گے۔ یہاں سیّات سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو سہواً سرزد ہو جائیں۔ (۴ : ۳۱)۔ یا معاشرہ کی ناہمواریاں مراد ہیں۔ خدا کو قرضہ دینے سے بھی ایسا ہو جائے گا۔ (۵ : ۱۲)۔ تقویٰ سے بھی۔ (۸ : ۲۹)۔ توبۃ النصوح سے بھی۔ (۶۶ : ۸)۔ صدقات سے۔ (۲ : ۲۷۱) ہجرت اور جہاد سے۔ (۳ : ۱۹۳) - (۳ : ۱۹۵)۔ عملِ صالح سے۔ (۶۴ : ۹)۔ تقویٰ سے۔ (۶۵ : ۵) مؤمنین کی سیّات۔ (۴۸ : ۵)۔ توبہ، ایمان وعملِ صالح سے۔ (۲۵ : ۷۰) - (۲۹ : ۷)۔ ایمان و تقویٰ سے۔ (۵ : ۶۵)۔ ایمان بالقرآن اور عملِ صالح سے۔ (۴۷ : ۲)۔ حسنِ عمل سے۔ (۴۶ : ۱۶)

۷۔ جسے سیّات محیط ہو جائیں وہ جہنم میں جاتا ہے۔ (۲ : ۸۱)

۸۔ بُرے کاموں میں دوسروں کا ساتھ دینے والا (شفاعۃِ سیئہ) برابر کا مجرم ہوتا ہے۔ (۴ : ۸۵)

۹۔ سیّات کا نتیجہ جہنم۔ (۲۷ : ۸۹)۔ سوء الدار۔ (۴۰ : ۵۲)

۱۰۔ مختلف معاشرتی خرابیوں کے ذکر کے بعد کہا کہ یہ سب سیّات ہیں۔ (۱۷ : ۳۸)

۱۱۔ موسٰیؑ کو فرعون کے "سیّات ما مکروا" سے محفوظ رکھا۔ (۴۰ : ۴۵)

۱۲۔ سیّات کو دور کر کے جنت میں داخلہ۔ (۴۸ : ۵) - (۶۴ : ۹) - (۶۶ : ۸)

۱۳۔ تکذیبِ آیات کرنے والوں کا انجام تباہی۔ (۳۰ : ۱۰) - (۱۴) سیّات کا ارتکاب کرنے والوں کی سزا۔ (۵۳ : ۳۱)

۱۵۔ جزائے اعمال کے وقت، سیّات کے مرتکب چاہیں گے کہ ان کے اعمال ان سے دور رہیں۔ (۳ : ۳۰)۔ موت کے وقت یہ کہیں گے کہ اب ہم کبھی بُرے کام نہیں کریں گے۔ (۱۶ : ۲۸)

۱۶۔ سبیل اللہ سے رکنا عملِ سوء ہے۔ (۱۶ : ۹۴)

۱۷۔ سیّات کا بدلہ خود وہ اعمال ہوں گے۔ یعنی جزاء عمل کے اندر ہی ہو گی۔ (۲۸ : ۸۴)

سوء

۱۔ مومن، سوء الحساب سے ڈرتے ہیں۔ (۱۳ : ۲۱)۔ کفار کے لیے سوء الحساب ہے۔ (۱۳ : ۱۸)

۲۔ ایمان بالآخرت نہ لانے سے سوء العذاب (۶ : ۱۵۸)۔ (۲۷ : ۵)۔ (۴۰ : ۲۵)۔ قیامت کا سوء العذاب۔ (۳۹ : ۴۷)۔ ایمان والوں کو سوء چھوئے گا بھی نہیں۔ (۳۹ : ۶۱)

۳۔ عہدِ خداوندی توڑ دینے سے سوء الدار۔ (۱۳ : ۲۵)۔ ظالمین کے لئے۔ (۴۰ : ۵۲)

۴۔ جس کا سوء عمل اسے حسنہ بن کر دکھائی دے۔ (۹ : ۳۷)۔ (۳۵ : ۸)۔ (۴۰ : ۳۷)۔ (۴۷ : ۱۴)۔

۵۔ فرعون، بنی اسرائیل کو سوء العذاب دیتا تھا۔ (۲ : ۴۹)۔ (۷ : ۱۴۱)۔ (۷ : ۱۶۷)۔ (۱۴ : ۶)۔

۶۔ انسان اپنی آرزوؤں کے مطابق سوء العذاب سے نہیں بچ سکتا۔ قوانینِ خداوندی کی پیروی سے بچ سکتا ہے۔ (۲۴:۹

۷۔ خدا کے عذاب (سوء) سے کون بچا سکتا ہے۔ (۱۳ : ۱۱)۔ (۱۶ : ۲۷)۔ (۳۳ : ۱۷)

۸۔ جو سوء کا مرتکب ہو (أوْ) یا اپنے آپ پر زیادتی کرے۔ پھر تائب ہو جائے تو وہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ (۴ : ۱۱۰)
اس سے مترشح ہوتا ہے کہ سوء کے معنی کسی اور سے زیادتی کرنے کے ہیں۔ لیکن اگر (أوْ) کے معنی (اور اسطرح) لے لئے جائیں۔ تو اس سے مطلب یہ ہوگا۔ کہ عملِ سوء سے انسان بہرحال اپنا نقصان کرتا ہے۔

۹۔ جو بھی عملِ سوء کرے گا۔ اسے اس کا بدلہ مل جائے گا۔ (۴ : ۱۲۳)۔ (۳۰ : ۱۰)

۱۰۔ سوء کے معنی نیتِ بد۔ فعلِ شنیع (مثل زنا)۔ (۱۲ : ۲۴-۲۵)۔ (۱۲ : ۵۱)

۱۱۔ جہالت سے عملِ سوء کا ارتکاب اور توبہ۔ (۴ : ۱۷)۔ (۶ : ۵۴)۔ (۱۶ : ۱۱۹)

۱۲۔ سوء۔ برا آدمی۔ (۱۹ : ۲۸)۔ بری قوم۔ (۲۱ : ۷۷)۔ برا ڈھانچہ۔ (۱۶ : ۶۰)

۱۳۔ سوء کے معنی کسی قسم کی تکلیف یا مضرت۔ یدِ بیضا کے سلسلہ میں آیا ہے۔ (۲۰ : ۲۲)۔ (۲۷ : ۱۲)۔ (۲۸ : ۳۲)
ضرر رسانی۔ ناقۂ صالحؑ کے ضمن میں۔ (۷ : ۷۳)۔ (۱۱ : ۶۴)۔ (۲۶ : ۱۵۶)۔ ذہنی عارضہ۔ (۱۱ : ۵۴)

۱۴۔ بری بات کی تشہیر پسندیدہ نہیں۔ (۴ : ۱۴۸)۔ (۱۵)۔ کسی کی بری بات سے درگزر کرنا۔ (۴ : ۱۴۹)

۱۶۔ بری خبر۔ (۱۶ : ۵۹)۔ (۱۷)۔ بمعنی مصیبت۔ اس سے قانونِ خداوندی کا اتباع ہی بچا سکتا ہے۔ (۲۷ : ۶۲)

۱۸۔ خدا کے متعلق ظن السوء (۴۸ : ۶)۔ (۴۸ : ۱۲)

۱۵۔ شیطان تمہیں سوء اور فحشاء کا حکم دیتا ہے۔ (۲ : ۱۶۹)

۲۰۔ انسانی نفس سوء کا حکم دیتا ہے ۔ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے ۔ (۵۳ : ۱۲)

۲۱۔ مخالفین تمہارے خلاف بدزبانی پر بھی اتر آئیں گے ۔ (۲ : ۶۰)

۲۲۔ سوء سے منع کرنے والے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں ۔ (۱۶۵ : ۷)

ساءِ

۱۔ اگر سیّات کے حامل یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے آگے نکل جائیں گے تو ان کا یہ فیصلہ بہت برا ہے (۶ : ۱۳۷) ۔ (۵۹ : ۱۶) ۔ (۴ : ۲۹) ۔ (۲۱ : ۴۵)

۲۔ ساء ما یعملون ۔ (۵ : ۶۶) ۔ (۹ : ۹) ۔ (۱۵ : ۵۸) ۔ (۲ : ۶۳)

۳۔ برا بوجھ جو کمر پہ لادے پھرتے ہیں ۔ (۶ : ۳۱) ۔ (۱۶ : ۲۵) ۔ (۱۰۱ : ۲۰)

۴۔ تکذیبِ آیات کرنے والوں کی مثل بری ہے ۔ (۷ : ۱۷۷) ۔ (۵) ۔ شیطان بڑا مصاحب ہے ۔ (۴ : ۳۸)

۶۔ مجرمین کی وہ صبح کیسی خراب ہوگی جب ان پہ عذاب آئیگا ۔ (۳۷ : ۱۷۷)

۷۔ زنا ، سار سبیلا ہے ۔ (۱۷ : ۳۲) ۔ اپنے باپ کی منکوحہ (سوتیلی ماں) سے شادی کرنا بھی ایسا ہی تھا ۔ (۴ : ۲۲)

۸۔ مستقر و مقام ساء ۔ (۲۵ : ۶۶) ۔ ساءت مرتفقا ۔ (۱۸ : ۲۹)

۹۔ ساءت مصیرا ۔ (۴ : ۹۷) ۔ (۴ : ۱۱۵) ۔ (۴۸ : ۶)

۱۰۔ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا ۔ (۳۹ : ۳۵) ۔ (۴۱ : ۲۷)

ناخوشگوار یا تباہ کن نتائج

۱۔ انہیں ان کے غلط اعمال کے ناخوشگوار نتائج (سیّات) مل گئے ۔ (۱۶ : ۳۴) ۔ (۳۹ : ۵۱ ، ۴۸) ۔ (۴۰ : ۴۵) ۔ (۴۵ : ۳۳)

۲۔ زندگی کے ناخوشگوار پہلو ۔ (۷ : ۱۶۸)

۳۔ منافقین کی یہ حالت ہے کہ اگر تمہیں کوئی خوشگواری نصیب ہوتی ہے تو اس سے غم آلود ہو جاتے ہیں ۔ اور اگر کوئی ناخوشگوار بات پیش آتی ہے تو خوش ہوتے ہیں ۔ (۳ : ۱۱۹)

۴۔ مومنین کو سوء (کوئی مضرت) پہنچے بغیر بہت کچھ مل گیا ۔ (۳ : ۱۷۳)

سزا کے معنوں میں

۱۔ جرم کرنے والوں کی سزا، جرم کے مطابق ہوگی۔ (۱۹۱ : ۶) - (۲۷ : ۱۰) - (۹۰ - ۸۹ : ۲۷)-(۸۴ : ۲۸) (۴۰ : ۴۰) - (۴۰ : ۴۲) - لیکن جو اصلاح کی خاطر معاف کر دے تو یہ بہت اچھا ہے۔ (۴۰ : ۴۲)

۲۔ برائی کرنے والوں کا انجام۔ تباہی ہوتا ہے۔ (۱۰ : ۳۰)

عام تباہی کے معنوں میں

۱۔ جب انہیں عارضی طور پر خوشگواریاں مل جاتی ہیں تو سمجھتے ہیں کہ تباہیاں ہم سے دور ہوگئیں۔ (۱۰ : ۱۱)

۲۔ تباہیاں انسانوں کی خود تراشیدہ راہوں پر چلنے سے آتی ہیں۔ (۷۹ : ۴)

۳۔ تباہیاں اپنے ہی ہاتھوں سے لائی جاتی ہیں۔ (۳۶ : ۳۰) - (۴۸ : ۴۲)

۴۔ یہ سیئۃ کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ (۶ : ۱۳) - (۴۶ : ۲۷)

سَوْأٰت

۱۔ لاش کے معنوں میں۔ (۳۱ : ۵) - (۲) - ستر یا شرمگاہ کے معنوں میں لباس اسے ڈھانپنے کیلئے ہے (۲۶-۲۷ : ۷)

۳۔ قصۂ آدم میں شیطان نے ان کے مقامِ ستر ان پر نمودار کر دیئے۔ (۲۰-۲۲ : ۷) - (۱۲۱ : ۲۰)

متفرق

۱۔ عذاب کو دیکھ کر، ان مجرمین کے چہرے غم آلود ہو جائیں گے۔ (۲۷ : ۶۷)

۲۔ پتھروں کی جس بارش سے قوم لوط تباہ ہوئی تھی اسے مطر السوء کہا گیا ہے۔ (۴۰ : ۲۵)-(۲۶:۱۷۳)-(۲۷ : ۵۸)

۳۔ خراب انجام کو دائرۃ السوء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۹۸ : ۹) - (۶ : ۴۸)

۴۔ مغموم ہونے کے معنوں میں۔ (۷۷ : ۱۱) - (۷ : ۱۶) - (۳۳ : ۲۹)

۵۔ بری تدبیروں کا وبال خود ایسی تدبیریں کرنے والوں پر پڑتا ہے۔ (۴۳ : ۳۵)

۶۔ ناگوار گذرنا۔ (۲ : ۲۸۲) - (۵ : ۱۰۱) -

۱۴۔ سیروا فی الارض

قرآن کریم، اپنے پیش کردہ قوانین کی صداقت کے ثبوت میں (علاوہ دیگر دلائل) اقوام سابقہ کی تاریخ کو بھی سامنے لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم دیکھو کہ فلاں قوم نے جب اس قانون کی خلاف ورزی کی تو اس کا انجام کیا ہوا؟

اقوامِ سابقہ کے انجام و عواقب پر غور و فکر کا ایک ذریعہ تو تاریخ کے تحریری نوشتے ہیں۔ لیکن دوسرا (اور اس سے بھی مؤثر اور قابلِ اعتماد) ذریعہ، ان قوموں کی برباد شدہ بستیوں کا مطالعہ ہے۔ اسے آرکیالوجی (حفریات) کہا جاتا ہے۔ یعنی آثارِ قدیمہ سے متعلق علم۔ اس کے متعلق، سمجھا یہ جاتا ہے کہ مطالعۂ تاریخ کا یہ طریق دورِ حاضرہ کی دریافت ہے۔ لیکن قرآن کریم نے بہت پہلے اس کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ وہ بار بار کہتا ہے کہ تم دنیا میں چلو پھرو۔ اور اقوامِ سابقہ کی بستیوں کے کھنڈرات کی ٹھیکریوں کو پڑھو اور دیکھو کہ ان پر ان اقوام کے انجام و عواقب کی عبرت آموز داستانیں کس طرح منقوش ہیں۔ اس کے لئے قرآن نے "سیروا فی الارض" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

تاریخی سرگذشتوں کے مطالعہ کے علاوہ، نظامِ کائنات کے مطالعہ اور مشاہدہ کے لئے بھی قرآن نے سیر فی الارض کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

سیروا فی الارض

۱۔ ان سے کہو کہ دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مکذبین (قوانینِ خداوندی کو جھٹلانے والوں) کا انجام کیا ہوا؟ (۳:۱۳۶) (۱۱ : ۶) ۔ (۳۶ : ۱۶) ۔ اور مجرمین کا انجام ۔ (۶۹ : ۲۷) ۔ تمام اقوام سابقہ کا ۔ (۱۰۹ : ۱۲) ۔ (۴۲ : ۳۰) ۔ وہ قومیں ان سے بھی زیادہ طاقتور تھیں ۔ (۹ : ۳۰) ۔ (۴۴ : ۳۵) ۔ (۲۱ : ۴۰) ۔ (۸۲ : ۴۰)

۲۔ دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا کا نظامِ تخلیق کیا ہے ۔ (۲۰ : ۲۹) —

۳۔ سیر فی الارض سے آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ کانوں کے ڈاٹ الگ ہو جاتے ہیں۔ دلوں کی مہریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ کیونکہ ماتھے کی آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں۔ دل کی آنکھیں اندھی ہوا کرتی ہیں۔ (۴۶ : ۲۲) ۔ (۴) ۔ قوم ثمود کے اجڑے ہوئے کاشانوں کو دیکھو۔ (۵۲ : ۲۷) ۔ (۳۸ : ۲۹) ۔ قوم لوط کے بھی ۔ (۳۵ : ۲۹) ۔ (۱۳۸ : ۳۷) ۔ تمام اقوام سابقہ کے۔ (۲۶ : ۳۲) اس سلسلہ میں مختلف اقوام سابقہ کے عنوانات بھی دیکھئے ۔ (۵) ۔ جو کچھ اقوامِ سابقہ کے ساتھ ہوا، وہ ہر اس قوم کے ساتھ ہوگا جو خدا کے قوانین کی خلاف ورزی کریگی۔ (۱۰ : ۴۷)

ش

۱۔ شبہ

الشّبہ کے معنی ہیں مثل اور مانند ہونا۔ تشابہ کے معنی ہیں دو یا زیادہ چیزوں کا ایک دوسرے سے اس طرح ملتا جلتا ہونا کہ ان میں التباس ہونے لگے اور امتیاز مشکل ہو جائے۔ اس سلسلہ میں عنوان شکّ بھی دیکھئے۔

۱۔ واقعۂ تصلیب حضرت عیسےٰؑ میں لوگوں پر حقیقت مشتبہ رہی۔ (۴ : ۱۵۷)

۲۔ بنی اسرائیل کے واقعۂ ذبحِ بقر میں انہوں نے کہا کہ ہمیں شبہ ہو رہا ہے کہ وہ گائے کس قسم کی ہونی چاہیے (۲ : ۷۰)

۳۔ کیا ان کے معبودوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے کہ ان لوگوں کو مخلوقِ خداوندی اور مخلوقِ معبودانِ باطل باہمدگر متشابہ نظر آتی ہیں۔ (۱۳ : ۱۶)

۴۔ نہ ماننے والوں کے دل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ (۲ : ۱۱۸)

۵۔ آپس میں ملتے جلتے پھل۔ (۶ : ۹۹) ۔ (۶)۔ جنت کے متشابہ پھل۔ (۲ : ۲۵)

۷۔ قرآن کریم، کتاب متشابہا مثانی ہے۔ (۳۹ : ۲۳)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان قرآن۔

۸۔ آیات متشابہات و محکمات۔ (دیکھئے عنوان متشابہات)

(-)

۲۔ شرک

شرک۔ ذہنِ انسانی جب اپنے عہدِ طفولیت میں تھا تو وہ اس عظیم حقیقت کا تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس محیر العقول کارگہِ کائنات کے پیچھے ایک قوت ہے جو اسے اس نظم و ضبط کے ساتھ چلا رہی ہے۔ وہ تقسیمِ عمل کے قاعدے کی رُو سے

یہ سمجھتا تھا کہ کائنات کے مختلف کام مختلف قوتیں سرانجام دیتی ہیں انہیں (اصطلاح میں) دیوی ۔ دیوتا کہا جاتا تھا۔ وہ ان قوتوں سے ڈرتا اور انہیں خوشش رکھنے کے لئے ان کے سامنے جھکتا اور ان کے حضور نذر و نیاز پیش کرتا۔

خدا کی وحی (بوساطت حضرات انبیاء کرام) آتی اور انہیں بتاتی کہ ان کا تقسیم عمل کا یہ تصور باطل ہے۔ اس تمام سلسلہ کے پیچھے صرف ایک قوت ہے جو اسے اس حسن و خوبی سے چلا رہی ہے۔ اسے خدا کہتے ہیں اور جس قاعدے کے مطابق خدا کائنات کو چلاتا ہے۔ اسے خدا کا قانون کہتے ہیں۔ وہ رسول ایک ایسی جماعت پیدا کرتا جو اس حقیقت کو صحیح تسلیم کرلیتی۔

لیکن اس رسول کے چلے جانے کے بعد، وحدت کا یہ تصور دھندلا پڑجاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ خدا کو بھی مانتے اور اس کے ساتھ دوسری قوتوں کو بھی شریک خدائی تصور کرلیتے۔ قرآن کریم نے اسے شرک کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔

یہ تو رہا خارجی کائنات کا معاملہ۔ جہاں تک خود انسانوں کی اپنی دنیا کا تعلق ہے۔ وحی کی تعلیم بتاتی کہ اس کے لئے بھی خدا نے قوانین متعین کردیئے ہیں۔ اس لئے انسانوں کو چاہیئے کہ وہ انہی قوانین کی اطاعت کریں۔ رسول، اسی قسم کا نظام قائم کرتا جس میں اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوتی۔ لیکن بعد میں، انسان اس باب میں بھی شرک اختیار کرلیتے۔ یعنی وہ احکامِ خداوندی کے ساتھ انسانوں کے وضع کردہ احکام کی بھی اطاعت کرنے لگ جاتے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ۔

۱۔ ان اختیارات اور قوتوں میں، جو صرف خدا کے لئے مختص ہیں، کسی اور کو شریک کرنا شرک ہے۔ خواہ یہ خارجی قوتیں (مظاہر فطرت) ہوں یا خود انسان۔ اور

۲۔ انسانوں کا، قوانینِ خداوندی کے علاوہ، انسانوں کے خود ساختہ قوانین و احکام کی اطاعت کرنا بھی شرک ہے۔

قرآن کریم نے شرک کو 'ظلمِ عظیم' اور ناقابلِ عفو جرم قرار دیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ خدا (معاذ اللہ) اسے برداشت نہیں کرسکتا کہ کسی اور کو اس کی خدائی میں شریک کیا جائے۔ انسان، ایک چھوڑ لاکھوں دیوی دیوتاؤں کو خدا بنالے اور ہزاروں انسانوں کو درجۂ خدائی دے دے تو اس سے خدا کی کبریائی میں کچھ فرق نہیں آجاتا۔ اس لئے خدا نے شرک سے اس لئے اس شدت سے منع نہیں کیا کہ اس سے خدا کو کچھ نقصان پہنچتا ہے۔ اس نے اس سے اس لئے منع کیا ہے کہ اس سے انسان اپنے صحیح مقام سے گر جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شرک کرنے والا، یا تو فطرت کی قوتوں میں سے کسی کو خدا بنا کر اس کے سامنے جھکے گا۔ یا انسانوں میں سے کسی کو بالاتر قوتوں کا حامل سمجھ کر، اس کی اطاعت کریگا۔ لیکن انسان کا مقام یہ ہے کہ فطرت کی تمام قوتیں اس کے تابع تسخیر کردی گئی ہیں اور انسان سب یکساں طور پر واجب الاحترام ہیں۔ اس لئے انسان کا فطرت کی قوتوں کے سامنے، یا اپنے جیسے انسانوں کے سامنے جھکنا، وجۂ تذلیل انسانیت ہے۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن نے اسے ظلم عظیم اور سنگین جرم قرار دیا ہے۔

اس سے انسان، مقامِ انسانیت سے گر جاتا ہے۔ (ظلم کے معنی ہیں۔ جس شے کو جس مقام پر ہونا چاہیئے اسکا اس مقام پر نہ ہونا)۔ قرآن کریم میں ایمان کے مقابلہ میں کفر اور شرک دو اصطلاحات آئی ہیں۔ وسیع مفہوم کے لحاظ سے یوں سمجھئے کہ کفر سے مراد یہ ہے کہ یا تو خدا کی ہستی ہی سے انکار کر دیا جائے۔ یا جن صفات کی حامل اس کی ذات ہے، ان صفات کا انکار کر دیا جائے۔ اور شرک سے مراد یہ ہے کہ قوائے فطرت یا خود انسانوں کو ان کے مقام سے اونچا لے جا کر، انہیں ان اقتدارات و اختیارات کا حامل سمجھ لیا جائے جو صرف خدا کے لئے مختص ہیں۔ اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے بعض مقامات پر کفار کو مشرک بھی کہا ہے اور مشرکین کو کفار بھی۔ حتیٰ کہ اس نے اہل کتاب کو بھی (جو خدا پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے) کافر اور مشرک کہکر پکارا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کے نزدیک خدا پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اُسے اس تصوّر کے مطابق مانا جائے جو خود اس نے اپنے متعلق قرآن کریم میں دیا ہے۔

ضمناً یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے جو "مشرکین" سے جنگ کرنے کے لئے کہا ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ دنیا میں جو لوگ بھی شرک کا ارتکاب کریں، مسلمان ان سے محض اس بنا پر جنگ کریں کہ وہ شرک کیوں کرتے ہیں۔ ایسے مقامات میں "مشرکین" سے مراد رسول اللہؐ کے زمانے کے وہ مخالفینِ اسلام ہیں جو اس دین کو بزور مٹانا چاہتے تھے۔ اور اس لئے ان کے خلاف جنگ ناگزیر ہو گئی تھی۔ (تفصیل اس کی متعلقہ عنوانوں میں ملے گی)۔ اسلام نہ شرک کو بزور مٹانا چاہتا ہے نہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانا چاہتا ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں میں فرقہ بندی کو بھی شرک قرار دیا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اگر امتِ مسلمہ، اپنی اطاعت کے لئے خدا کی کتاب کو سند و حجت تسلیم کرے تو اس میں اختلاف پیدا ہو نہیں سکتا کیونکہ قرآن کا دعوےٰ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ لیکن اگر اطاعت کے لئے سند و حجت، خدا کی کتاب کے علاوہ کسی اور کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ شرک ہوگا اور اس کا لازمی نتیجہ اختلاف و افتراق۔ آپ دیکھیں گے کہ فرقہ بندی میں آخری سند، کسی نہ کسی انسان کی قرار پا جاتی ہے۔ خدا کی نہیں۔ لہٰذا فرقہ بندی کے شرک ہونے میں شبہ کیا رہ جاتا ہے۔

مسلمان اس وقت جس جس قسم کے شرک میں مبتلا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اور اس کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔

(اس کے ساتھ عنوان توحید۔ دعا۔ عبد۔ وغیرہ بھی دیکھئے)

شرک

۱- شرک ظلمِ عظیم ہے (۳۱ : ۱۳)- ظلم کے معنی ہیں کسی شے کو اس مقام پر رکھنا جہاں اسے نہیں ہونا چاہیئے۔ لہٰذا خدا کو اس کے صحیح مقام سے نیچے لے آنا، یا مظاہرِ فطرت اور انسانوں کو ان کے صحیح مقام سے اوپر لے جانا شرک ہے۔ شرک اپنی ذات کے خلاف کذب ہے - (۶ : ۲۳-۲۴)

۲- جنہیں تم شریکِ خدائی کرتے ہو ان کا کائنات میں کوئی حصہ (شرک) نہیں (۳۴ : ۲۲) -(۳۵ : ۴۰)-(۴۶ : ۴)

۳- جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو، وہ قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے - (۳۵ : ۱۴)

۴- شرک، خوف سے پیدا ہوتا ہے - (۳ : ۱۵۰)- (۶ : ۸۱-۸۲) - (۳۰ : ۲۸)

۵- شرک سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں - (۶ : ۸۹)

۶- شرک کرنے والا اپنے مقامِ بلند سے کس طرح گر جاتا ہے - اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پہ آ گرے۔ یا جیسے کسی نوزائیدہ پرندے کے بچے کو چیل جھپٹ کر لے جائے۔ یا جیسے ہوا کا تیز جھکڑ پرِ کاہ کو اڑائے اڑائے پھرے - (۲۲ : ۳۱)

۷- فرقہ بندی شرک ہے - (۳۰ : ۳۱) — (۴۲ : ۱۳)

۸- شرک سے جنت حرام ہو جاتی ہے - (۵ : ۷۲)- شرک معاف نہیں ہو سکتا - (۴ : ۴۸) - (۴ : ۱۱۶) (۲۶ : ۵۰) — یہ افترا ہے - (۴ : ۴۸)

۹- شرک خود اپنے آپ پر ظلم ہے - (۲ : ۵۴) - (۲ : ۹۲) - اپنی ذات کے خلاف کذب ہے - (۶ : ۲۴)

۱۰- غیر اللہ کا اتباع بھی شرک ہے - (۲ : ۱۶۶) - (۶ : ۱۲۲)

۱۱- غیر اللہ کی طرف منسوب کردہ کھانا حرام ہے - (۲ : ۱۷۳) - (۵ : ۳) - (۶ : ۱۴۶) - (۱۶ : ۱۱۵)

۱۲- کسی انسان کو حق حاصل نہیں۔ خواہ وہ نبی بھی کیوں نہ ہو کہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے - (۳ : ۷۸)

۱۳- مشرکانہ رسومات - (۴ : ۱۱۹) - (۵ : ۳) - (۵ : ۱۰۳) - (۶ : ۱۳۹-۱۴۵)

۱۴- جس پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ - اس باب میں اگر تم مشرکین کا اتباع کرو گے تو انہیں میں سے ہو جاؤ گے - (۶ : ۱۲۲) - (۱۵)- توحید یہ ہے کہ انسان کا مرنا جینا سب اللہ کے لئے ہو - (۶ : ۱۶۲-۶۵)

۱۶- شرک کے لئے خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی - (۷ : ۳۳) -(۲۲ : ۷۱) - (۳۰ : ۳۵)

۱۷- یہ کوئی دلیل نہیں کہ آباؤ اجداد شرک کرتے تھے، اس لئے ہم بھی شرک کرتے ہیں - (۷ : ۱۷۳)

۱۸- کسی کو اپنا شفیع بنانا - یا خدا اور بندے کے درمیان واسطہ سمجھنا شرک ہے - (۱۰ : ۱۸) - (۱۳ : ۳۳)

۱۹- لوگ محض تقلیداً شرک کرتے رہتے ہیں - (۱۱ : ۱۰۹)

۲۰- خدا کے سوا کسی اور کا حقِ حکومت تسلیم کرنا شرک ہے - (۱۲ : ۴۰) - (۱۷ : ۱۱۱) - (۱۸ : ۲۶) - (۱۸ : ۱۱۰) - (۲۵ : ۲) - (۲۱) - جو کچھ تخلیق نہیں کر سکتے کیا وہ خالق کے ہمسر ہو سکتے ہیں؟ (۱۶ : ۱۷) - یہ مردہ ہیں - (۱۶ : ۲۱)

۲۲- شرک کرو گے تو مایوس - افسردہ خاطر - بے یار و مددگار رہ جاؤ گے - (۱۷ : ۲۲)

۲۳- کثرتِ مال و دولت میں، قوانینِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال دینا شرک ہے (۱۸ : ۳۲-۳۸)

۲۴- خدا کو چھوڑ کر اور معبود تراش لینا تاکہ وہ باعثِ عزت و تقویت بنیں، شرک ہے - (۱۹ : ۸۱-۸۲)

۲۵- شرک کے حق میں کوئی دلیل نہیں مل سکتی - (۲۱ : ۲۴) - (۲۳ : ۱۱۷)

۲۶- خدا کی اولاد کا عقیدہ شرک ہے - (۲۱ : ۲۶)

۲۷- جو خدا کا شریک ہونے کا دعوےٰ کرے، اسے جہنم رسید کر دیا جاتا ہے - (۲۱ : ۲۹)

۲۸- شرک وجہِ تذلیلِ انسانیت ہے - (۲۲ : ۱۸)

۲۹- اپنے جذبات کو معبود بنا لینا شرک ہے - (۲۵ : ۴۳) - (۴۵ : ۲۳-۲۴)

۳۰- کائنات کی ہر شے (قوانینِ) خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے - یہی توحید ہے - (۲۲ : ۱۸)

۳۱- شرک بھی کفر ہے - (۴۳ : ۲۷) - (۵۰ : ۲۳-۲۶)

۳۲- سب سے کٹ کر اسی ایک کا ہو جانا توحید ہے - (۸ : ۷۲)

خدا کا کوئی شریک نہیں

۱- خدا کے اقتدارات میں کوئی شریک نہیں - (۱۳ : ۱۶) - (۱۷ : ۱۱۱) - (۱۸ : ۲۶) - (۱۸ : ۱۱۰) - (۲۱ : ۲۳) - (۲۱ : ۴۲) - (۲۵ : ۲) - (۳۵ : ۳) - (۳۹ : ۳۸) - (۴۸ : ۱۱) - (۶۷ : ۲۰-۲۱)

۲- خدا کا کوئی شریک نہیں - (۶ : ۱۶۴) - (۲۳ : ۱۱۶)

۳- خدا اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا - (۱۸ : ۲۶)

۴- خدا کی محکومیت (عبدیت) میں کسی کو شریک نہ کرو - (۱۸ : ۱۱۰)

۵۔ جماعتِ مومنین کو حکومت اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ خدا کی محکومیت (عبودیت) میں کسی کو شریک نہ کریں۔ (۲۴:۵۵)

۶۔ جب تم مصیبت میں پھنستے ہو تو خدا کو پکارتے ہو۔ جب وہ اس سے تمہیں نجات دے دیتا ہے تو تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگ جاتے ہو۔ (۱۴ : ۶) - (۶ : ۵۳-۵۴) - (۶ : ۶۴) - (۲۹ : ۶۵) - (۳۰ : ۳۳)

۷۔ خدا نے اس کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی کہ اس کے ساتھ شرک کرو۔ (۳۰ : ۳۵)

۸۔ خدا ان کے شرکاء سے بلند ہے۔ (۷ : ۱۹۰) - (۹ : ۳۱) - (۱۰ : ۱۸) - (۱۶ : ۱) - (۱۶ : ۳) - (۲۳ : ۹۲) - (۲۷ : ۶۳) - (۲۸ : ۶۸) - (۳۰ : ۴۰) - (۳۹ : ۶۷) - (۵۹ : ۲۳)

۹۔ عبودیت بھی صرف خدا کی اور استعانت بھی صرف اسی سے۔ (۱ : ۴)

۱۰۔ خدا اگر تمہاری سماعت و بصارت کو لے جائے تو کون ہے جو انہیں واپس دے سکتا ہے۔ (۶ : ۴۶)

۱۱۔ خدا کا ہمسر (برابر) کوئی نہیں۔ (۱۹ : ۶۵)

۱۲۔ اگر کائنات میں اور الٰہ بھی ہوتے تو نظمِ کائنات درہم برہم ہو جاتا۔ (۲۱ : ۲۲-۲۹)

۱۳۔ احد۔ الصمد۔ لم یلد ولم یولد۔ ولم یکن لہ کفواً احد۔ اللہ کی صفات ہیں۔ (۱۱۲ : ۱-۴)

شرک مت کرو

۱۔ حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت کہ شرک مت کرو۔ یہ ظلمِ عظیم ہے (۳۱ : ۱۳)

۲۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیمؑ سے ارشاد ہوا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ لہٰذا کعبہ کو اپنا مرکز تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کی جائے۔ (۲۲ : ۲۶)

۳۔ ماں باپ بھی شرک کی تعلیم دیں تو ان کی بات مت مانو۔ (۲۹ : ۸) - (۳۱ : ۱۵)

۴۔ خدا نے شرک کو حرام قرار دیا ہے (یا واجب قرار دیا ہے کہ شرک نہ کیا جائے)۔ (۶ : ۱۵۲) - (۷ : ۳۳)

۵۔ خدا کی عبودیت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (۴ : ۳۶)

۶۔ خدا کے ساتھ کسی الٰہ کو مت پکارو۔ (۲۶ : ۲۱۳) - (۲۸ : ۸۸) - (۷۲ : ۱۸)

۷۔ یہ نہ کہو کہ ہمارے آباء و اجداد مشرک تھے اس لئے ہم بھی شرک کرتے ہیں۔ (۷ : ۱۷۳)

۸۔ مومنوں سے کہا گیا کہ شرک مت کرو۔ یعنی ان میں سے نہ ہو جاؤ جو دین میں فرقے پیدا کر لیتے ہیں۔ (۳۰ : ۳۱)

۹۔ رزق کے سرچشموں کو ہر ایک کے لئے کھلا رہنے دو۔ خدا کے ساتھ انداد (ہمسر) کھڑے نہ کرو۔ (۲ : ۲۲)

۱۰۔ شرک مت کرو، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ (۲۱۳ : ۲۶) ۔ (۸۸ : ۲۸)
۱۱۔ مظاہرِ فطرت کو سجدے مت کرو۔ صرف اللہ کے سامنے جھکو۔ (۳۷ : ۴۱)
۱۲۔ مساجد اللہ کے لئے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ (۱۸ : ۷۲)

مومن شرک نہیں کرتے

۱۔ ایک مردِ مومن کا اعلان کہ میں شرک نہیں کرتا۔ (۳۸ : ۱۸)۔ مومن شرک نہیں کرتے۔ (۷۱ : ۶)۔ (۵۹ : ۲۲)
۲۔ رسول اللہ کا اعلان کہ میں شرک نہیں کرتا۔ (۲۰ : ۷۲)۔ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ (۵۶ : ۶)۔ (۳۶ : ۱۳)
۳۔ حضرت یوسفؑ کا اعلان کہ ہم انبیاء کے زمرے میں سے ہیں۔ ہم شرک نہیں کرتے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل میں کہا کہ حقِ حکومت صرف خدا کو ہے۔ اس کے سوا کسی کو نہیں۔ (۴۰ - ۳۸ : ۱۲)
۴۔ اہلِ کتاب کو دعوت کہ وہ اس بات میں مومنین کے ساتھ شریک ہوں کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ یعنی انسانوں میں سے کسی کو خدائی اختیارات کا حامل نہ سمجھا جائے۔ (۶۴ : ۳)
۵۔ بدوی قبائل (جن) جو قرآن سن کر گئے تھے ان کا اعلان کہ ہم شرک نہیں کریں گے۔ (۲ : ۷۲)
۶۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کا اعلان کہ میں شرک نہیں کرتا۔ (۴۲ : ۴۰)
۷۔ مومنین سے کہا گیا کہ مشرکین میں سے مت ہو جانا۔ یعنی دین میں فرقے نہ پیدا کر لینا۔ (۳۱ : ۳۰)
۸۔ مومن عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی کہ وہ شرک نہیں کریں گی۔ (۱۲ : ۶۰)
۹۔ اصحابِ کہف نے اپنی قوم سے اس لئے علیحدگی اختیار کر لی کہ وہ شرک کرتی تھی۔ (۱۵ : ۱۸)
۱۰۔ مومن شرک نہیں کرتے۔ (۶۸ : ۲۵)

مشرک

۱۔ ایک شخص کا صرف ایک آقا ہے اور دوسرا شخص متعدد آقاؤں کا خدمت گذار ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں —— (۷۵ : ۱۶)۔ (۲۹ : ۳۹)۔ (۲)۔ مشرک کا تاسف کہ اے کاش میں شرک نہ کرتا۔ (۴۲ : ۱۸)
۳۔ مشرک کہتے ہیں کہ اگر خدا کی مشیت میں نہ ہوتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ (۱۴۹ : ۶)۔ (۳۵ : ۱۶)۔ (۲۰ : ۴۳)
۴۔ مشرک موت سے ڈرتا ہے۔ مرنا نہیں چاہتا۔ (۹۶ : ۲)

۵۔ مشرکین عرب حضورؐ کی مخالفت کرتے تھے۔ (۸۵ : ۲)

۶۔ مشرکین سے قیامت میں کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے شرکاء۔ (۲۲ : ۶) - (۲۸ : ۱۰)

۷۔ یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس۔ مومنین سے الگ مشرکین کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۷ : ۲۲)

۸۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ مشرکین سے اعراض برتو۔ تم ان پر داروغہ نہیں مقرر کئے گئے۔ اگر خدا چاہتا تو انہیں ایسا پیدا کر دیتا کہ یہ شرک نہ کر سکتے۔ لیکن اس نے انسانوں کو آزادی دی ہے۔ لہٰذا انہیں زبردستی مومن بنانا مقصود ہی نہیں۔ (۱۰۸-۱۰۶ : ۶)

۹۔ مشرکین کے دلوں میں ان کے شرک کی وجہ سے ، مومنین کا رعب ڈال دیا جائے گا۔ (۱۵۰ : ۳)

۱۰۔ مشرک مرد یا مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں۔ مومن غلام اور مومن لونڈی ان سے بہتر ہیں۔ (۲۲۱ : ۲)

۱۱۔ زانی مرد یا زانیہ عورت ، جنسی تعلقات زانیوں سے یا مشرکین سے قائم کر سکتے ہیں۔ مومن مرد یا مومن عورت (برضا و رغبت) زنا کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ (۳ : ۲۴)

۱۲۔ اکثر لوگ ایمان لے آنے کے باوجود مشرک کے مشرک ہی رہتے ہیں۔ یعنی رسمی ایمان لے آتے ہیں اور عقائد اور رسوم مشرکانہ اختیار کئے رکھتے ہیں (جیسا کہ ہم مسلمانوں کی اکثریت کا عالم ہے)۔ (۱۰۶ : ۱۲)

۱۳۔ شیطان کا تسلط مومنین پر نہیں ہو سکتا۔ مشرکین پر ہی ہو سکتا ہے۔ (۱۰۰ : ۱۶)

۱۴۔ مشرکین کی اطاعت سے انسان مشرک ہو جاتا ہے۔ (۱۲۲ : ۶)

۱۵۔ اسلام تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ (۳۳ : ۹) - (۹ : ۶۱)

۱۶۔ مشرک قیامت میں کہیں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یعنی وہ اپنے خلاف جھوٹ بولیں گے۔ (۲۴-۲۳ : ۶) - (۸۴ : ۴۰)

۱۷۔ سب سے کٹ کر صرف خدا کی اطاعت کرو۔ اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ (۳۱ : ۲۲)

۱۸۔ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مشرک قوموں کا انجام کیا ہوا تھا۔ (۴۲ : ۳۰)

۱۹۔ مشرکین پر تمہاری دعوت بڑی گراں گزرتی ہے۔ (۱۳ : ۴۲)

۲۰۔ مشرکین مساجد کو آباد نہیں کر سکتے۔ (۱۷ : ۹)

۲۱۔ مشرکین کے لئے تباہی ہے۔ یہ زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔ (۷ : ۴۱)

۲۲۔ مشرکین کی نگاہوں میں قتل اولاد جیسی چیز بھی مزین بن کر دکھائی دیتی ہے۔ (۱۳۸ : ۶)

۲۳۔ مشرکین و مشرکات خدا کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ۷۳ : ۳۳) - (۶ : ۴۸)

۲۴۔ خدائے واحد کی طرف دعوت دو۔ تو تم اس سے انکار کرتے ہو۔ اور جب اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر دو

توتم ایمان لے آتے ہو۔ (۱۲ : ۴۰)

۲۵۔ مشرکین حیاتِ دنیا کے سخت حریص ہوتے ہیں۔ مرنا ہی نہیں چاہتے۔ (۹۶ : ۲)

۲۶۔ مشرکین انداداً من دون اللّٰہ سے خدا سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں۔ مومن کی محبت خدا کے لئے زیادہ ہوتی ہے۔ (۱۶۵ : ۲)

۲۷۔ کفار، خدا کے ہمسر اور کھڑے کر دیتے ہیں۔ (۱ : ۶) ۔ (۲۸) مشرکین کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ (۱۱۳ : ۹)

۲۹۔ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا کو ایسا منظور نہ ہوتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ یہ کس قدر غلط بات ہے (۳۵ : ۱۶)

۳۰۔ شیطان کا تسلط مشرکین پر ہی ہو سکتا ہے۔ مومنین پر نہیں۔ (۱۰۰-۹۹ : ۱۶)۔

۳۱۔ مشرکین معبودانِ باطل کے ذریعے اپنی قومی یک جہتی قائم رکھتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے (۲۵:۲۹)

۳۲۔ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتے ہیں۔ مصیبت مل جانے پر شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۶۵ : ۲۹)

۳۳۔ اقوامِ سابقہ کا انجام دیکھو۔ اکثر ان میں سے مشرک تھیں۔ (۳۳ : ۳۰) ۔ (۴۲ : ۳۰) ۔ (۳۲ : ۳۱) ۔ (۸ : ۳۹)

۳۴۔ انسان چونکہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اس لئے مشرکین مستحق عذاب قرار پاتے ہیں۔ (۷۳ : ۳۳)

۳۵۔ مشرک اسی کو گمراہ کر سکتے ہیں جس نے جہنم میں جانے کی ٹھان رکھی ہو۔ (۱۶۳ - ۱۶۱ : ۳۷)

۳۶۔ مشرک کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کا مقرب بنا دیں گے۔ (۳ : ۳۹) ۔ (۲۸ : ۴۶)

۳۷۔ عذاب دیکھ کر ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ (۸۴ : ۴۰)

۳۸۔ دین الحق غالب رہے گا۔ خواہ مشرکین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ (۹ : ۶۱)

۳۹۔ مشرک کا سینہ خوف کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ امن میں صرف مومن ہو سکتا ہے۔ (۸۲ - ۸۱ : ۶)

شرکاء (یعنی جنہیں شریکِ خدائی کیا جاتا ہے)

۱۔ جنہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی شفاعت کریں گے اور اس لئے یہ انہیں خدا کا شریک قرار دیتے ہیں، وہ جزائے اعمال سامنے آنے کے وقت کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ (۹۴ : ۶) ۔ (۹۵ : ۶) ۔ (۳۷ : ۷) ۔ (۱۳ : ۳۰) ۔ (۲۳ : ۳۶)

۲۔ خدا کے شریک وہ لوگ ہیں جو ایسا دین وضع کرتے ہیں جسے خدا نے مقرر نہیں کیا۔ (یعنی اربابِ شریعت) ۔ (۲۱ : ۴۲)

۳۔ ذرا انہیں سامنے تو لاؤ جنہیں تم شریکِ خدائی کرتے ہو۔ (۲۷-۲۲ : ۳۴) ۔ (۴۰ : ۳۵) ۔ (۴۱ : ۶۸)

۴۔ لوگ اولاد بھی ان شرکاء سے مانگتے ہیں۔ (۱۹۰ : ۷)

۵۔ یہ شرکاء خود مخلوق ہیں۔ انہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ (۱۹۱ : ۷) ۔ (۳۳ : ۱۰) ۔ (۱۴ : ۱۳) ۔ (۲۰ : ۱۶)

(۲۵ : ۳) - (۳۵ : ۴۶) - (۴ : ۴۶)

۶۔ یہ شرکاء محض ان کے قیاسات کے تخلیق کردہ ہیں۔ (۲۶ : ۱۰) - (۶۶ : ۱۰)

۷۔ غیر مرئی قوتوں (جن) کو شریک بنانے والے۔ (۱۰۱ : ۶)

۸۔ کیا غلام اور آقا برابر ہو سکتے ہیں۔ پھر مخلوق میں سے کوئی خدا کا ہمسر کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر تم ان سے ڈرتے کیوں ہو؟ - (۷۶ - ۷۵ : ۱۶) - (۲۸ : ۳۰)

۹۔ جنہیں تم شریکِ خدائی کرتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے خدا کے عبد ہیں۔ انہیں آواز دے کر دیکھو۔ کیا وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہ مٹی کی مورتیاں کیا قوت رکھتی ہیں؟ (۱۹۵ - ۱۹۴ : ۷)

۱۰۔ تم اپنے معبودانِ باطل کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہیں کر دیکھیں؟ - (۱۹۸ - ۱۹۵ : ۷)

۱۱۔ جزائے اعمال کے وقت لوگوں پر ان کے معبودانِ باطل کی حقیقت کھل جائے گی۔ وہ خدا سے کہیں گے کہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا اس لئے انہیں تو تباہ کر دے۔ وہ انہیں بلائیں گے تو وہ ان کی دعوت کا جواب تک نہیں دیں گے۔ (۲۷ : ۱۶) (۵۲ : ۱۸) - (۱۹) - ۱۷ : ۲۵) - (۲۸ : ۶۲ - ۶۴) - (۴۰ : ۲۰) - (۴۰ : ۷۳) - (۴۸ - ۴۷ : ۴۱)

۱۲۔ یہ شرکاء تمہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ (۳۵ : ۱۰)

۱۳۔ ان شرکاء میں کوئی بھی صفتِ خداوندی نہیں۔ نہ جلانا، نہ مارنا، نہ رزق دینا۔ (۴۰ : ۳۰)

۱۴۔ یہ (مذہبی پیشوا) لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ حصہ خدا کا ہے اور یہ اس کے شرکاء کا۔ جو شرکاء کا حصہ ہوتا ہے اسے بھی خود لے جاتے ہیں اور خدا کا حصہ بھی۔ (۱۳۷ : ۶)

۱۵۔ لوگوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ باطل معبودوں (کو خوش کرنے) کے لئے اپنی اولاد تک کو قتل کر دیتے ہیں۔ (۱۳۸ : ۶)

۱۶۔ قیامت کے دن شرکاء بھی کہہ دیں گے کہ تم ہماری پرستش نہیں کیا کرتے تھے۔ (۲۸ : ۱۰) - (۸۶ : ۱۶) - اور شرک کرنے والے بھی اس سے انکار کر دیں گے۔ (۱۳ : ۳۰) - (۴۸ - ۴۷ : ۴۱)

۱۷۔ یہ تمہارے معبودانِ باطل! انہیں بلاؤ تو وہ تمہاری آواز نہ سن سکیں۔ اگر بفرضِ محال سن بھی لیں تو اس کا جواب نہ دے سکیں۔ اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں۔ (۱۴ - ۱۳ : ۳۵)

۱۸۔ شیطان کہہ دے گا کہ میں اس سے انکار کرتا ہوں کہ تم مجھے خدا کا شریک قرار دیتے تھے۔ (۲۲ : ۱۴)

۱۹۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ بتاؤ تمہارے شرکاء کہاں ہیں۔ (۷۳ : ۴۰)

۲۰۔ رسول اللہؐ کا اعلان کہ میں تمہارے شرکاء سے کیوں ڈروں۔ تمہیں اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ تم خدا کے ساتھ

شریک ٹھہراتے ہو ۔ (۸۲-۸۱ : ۶)

۲۱۔ خدا بہتر ہے یا جنہیں تم اس کا شریک قرار دیتے ہو وہ بہتر ہیں ۔ (۵۹ : ۲۷)

۲۲۔ متبوعین، متبعین سے الگ ہو جائیں گے تو متبعین کہیں گے کہ اگر ہم ایک بار پھر دنیا کی طرف لوٹ سکیں تو ہم ان متبوعین سے اظہار بیزاری کرکے بتائیں ۔ (۱۶۷ : ۲)

۲۳۔ مصیبت کے وقت تم خدا کو پکارتے ہو اور اپنے شرکاء کو بھول جاتے ہو ۔ (۴۱ : ۶)

۲۴۔ مشرکین کے معبودانِ باطل کو گالی مت دو ۔ (۱۰۹ : ۶) ۔ (۲۵) ۔ خدا کے ہمسر ٹھہرانے والے ۔ (۱۵۱ : ۶)

۲۶۔ ان کے شرکاء، خدا کے فیصلے کے خلاف ان کی کچھ مدد نہیں کر سکیں گے ۔ (۱۰۱ : ۱۱)

۲۷۔ یہ شرکاء کیا ہیں؟ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لئے ہیں ۔ (۴۰ : ۱۲) ۔ (۲۳ : ۵۳)

۲۸۔ جنہیں یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے ۔ ان کی پکار ایسی ہی ہے جیسے کوئی پیاسا پانی پانی پکارے ۔ اس طرح پانی تو اس کے منہ میں نہیں چلا جائے گا ۔ (۱۴ : ۱۳)

۲۹۔ یہ شرکاء نفع نقصان کی قدرت نہیں رکھتے ۔ (۱۶ : ۱۳) ۔ (۵۶ : ۱۷)

۳۰۔ شیطان کہے گا کہ تم نے مجھے خواہ مخواہ خدا کا شریک بنا لیا تھا ۔ (۲۲ : ۱۴)

۳۱۔ مذہبی راہ نما خدا کے ہمسر تراش کر انہیں صحیح راستے سے بہکا دیتے ہیں ۔ (۳۰ : ۱۴)

۳۲۔ یہ لوگ مردوں کو بھی شریکِ خدائی کر لیتے ہیں حالانکہ انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے ——— (۲۱-۲۰ : ۱۶) ——— (۳۳) ۔ ان کے شرکاء رزق کا اختیار نہیں رکھتے ۔ (۷۵-۷۳ : ۱۶)

۳۴۔ شرکاء کی اگر کوئی حقیقت ہوتی تو وہ خدا کے عرش تک جا پہنچتے ۔ یعنی کائناتی نظم و نسق میں دخیل کار ہو جاتے ۔ (۴۲ : ۱۷) ۔ (۳۵) ۔ جنہیں تم خدا کا شریک سمجھتے ہو وہ خود اس کے مقرب بننے کے لئے وسیلے تلاش کرتے ہیں ۔ (۵۷ : ۱۷) ۔ (۳۶) ۔ خدا کا نہ کوئی بیٹا ہے ۔ نہ ہی کوئی اس کا شریکِ خدائی ہے ۔ نہ کوئی مددگار ۔ (۱۱۱ : ۱۷)

۳۷۔ خدا سے ورے ہی اس کے بندوں کو اولیاء (کارساز و کارفرما) سمجھ لینا کفر و شرک ہے (۱۰۲ : ۱۸) ۔ (۹ : ۴۲) ۔ (۶۱ : ۴۲) ۔ (۱۰ : ۴۵)

۳۸۔ مشرک اور ان کے معبودانِ باطل سب جہنم پر وارد ہوں گے ۔ (۹۸ : ۲۱)

۳۹۔ معبودانِ باطل نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ بلکہ ان کا نقصان نفع کے مقابلہ میں زیادہ ہے (۱۳-۱۲ : ۲۲) ۔ (۵۵ : ۲۵)

۴۰۔ صرف خدا حق ہے ۔ اس کے سوا ہر الٰہ باطل ہے ۔ (۶۲ : ۲۲)

۴۱۔ معبودانِ باطل مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے۔ اگر مکھی کچھ ان سے چھین کرلے جائے تو اسے اس سے واپس نہیں لے سکتے (۷۳: ۲۲)

۴۲۔ معبودانِ باطل کا تمہاری مدد کرنا تو ایک طرف، وہ اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ جہنم میں مشرکین کو افسوس ہوگا کہ انہوں نے انہیں اپنا معبود بناکر کس قدر جہالت کا ثبوت دیا۔ (۹۸-۹۲: ۲۶)۔ (۵-۴: ۳۶)

۴۳۔ معبودانِ باطل کی عقیدت انسان کو صحیح راستہ اختیار کرنے سے روکتی ہے۔ (۴۳: ۲۷)

۴۴۔ خدا ان کے شرکاء سے بہتر ہے۔ (۵۹: ۲۷)۔ (۴۵) معبودانِ باطل مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں۔ (۴۱: ۲۹)

۴۶۔ مشرکین اور ان کے معبودوں کو اکٹھا کرکے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ (۳۵-۲۲: ۳۷)

۴۷۔ خدا کے شریک بھی ہوتے تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ٹولہ بنا لیتا ——————— اور باہمی جنگ وجدال جاری رہتی۔ (۹۱: ۲۳)

مشرکینِ عرب (رسول اللہؐ کے زمانے کے)

۱۔ مشرکین نجس ہیں۔ اس سال کے بعد وہ کعبہ کے قریب تک نہ آنے پائیں۔ (۲۸: ۹)۔ مشرکین مساجد کو آباد نہیں کرسکتے۔ (۱۷: ۹)

۲۔ مشرکینِ عرب (مخالفینِ اسلام) کے خلاف اعلانِ برأت (۳-۱: ۹)۔ جو معاہدہ ان سے کرلیا گیا ہے۔ اس کی پاسداری کرو۔ (۴: ۹)۔ (۷: ۹)۔ اگر وہ عہدشکنی کریں تو ان سے جنگ کرو۔ (۵: ۹)۔ (۳۶: ۹)

۳۔ اگر کوئی مشرک پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو۔ اسے کلام اللہ سناؤ۔ پھر اگر وہ اپنے وطن کی طرف جانا چاہے تو اسے بحفاظت اس کے مامن تک پہنچا دو۔ (۶: ۹)

۴۔ یہ اہلِ کتاب اور مشرکین قطعاً پسند نہیں کرتے تھے کہ تم لوگوں کی طرف خدا کی وحی نازل ہو۔ (۱۰۵: ۲)۔ (۱۳: ۴۲)

۵۔ مشرکین سے اعراض برتو (کیونکہ اتنے لمبے عرصے کی تبلیغ کے بعد حالات نے یہ بتا دیا ہے کہ یہ توحید کی دعوت قبول نہیں کریں گے) اور زبردستی کسی کو مومن بنایا نہیں جاسکتا۔ (۱۰۷: ۶)

۶۔ مشرکین و مشرکات پر خدا کا عذاب آئے گا۔ (۳۳: ۴۸)۔ (۶: ۴۸)۔ ان کے معبودان کی کچھ مدد نہ کرسکے —— (۲۸: ۴۶) —— (۷) یہ مشرکین کبھی آزاد نہیں ہوسکتے تھے، جب تک ان کی طرف خدا کا رسول نہ آجاتا۔ (۱: ۹۸)

۸۔ جماعتِ مومنین کو ان مشرکین سے اذیت رساں باتیں سننی پڑیں گی۔ (۱۸۵: ۳)

۹۔ مشرکین اور یہود سب سے زیادہ مومنین کے دشمن تھے۔ (۸۲: ۵)

۱۰۔ رسول اللہؐ کا مشرکین کے شرک سے اظہارِ بریت۔ (۶ : ۱۹) - (۱۱)۔ مشرکین سے اعراض برتو۔ (۱۵ : ۹۴)

۱۲۔ مشرکینِ عرب کو تعجب تھا کہ اتنے خداؤں کی جگہ صرف ایک خدا کیسے کام دے گا۔ (۳۸ : ۵)

۱۳۔ مشرکین پر دعوتِ توحید بڑی ناگوار گذرتی ہے۔ (۴۲ : ۱۳)

۱۴۔ مشرکینِ عرب کے دیوی۔ دیوتا۔ لات و عزٰی وغیرہ۔ (۵۳ : ۱۹ - ۲۳)

۱۵۔ بدوی قبائل (جن) قرآن سن کر شرک سے تائب ہو گئے۔ (۷۲ : ۱ - ۲)

۱۶۔ اہلِ کتاب میں سے ایمان نہ لانے والے اور مشرکین سب جہنم میں۔ (۹۸ : ۶)

تمام انبیائے نے شرک کی مخالفت کی تھی

۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بھی اور تمہارے شرکاء بھی اکٹھے ہو جاؤ اور جو کچھ میرے خلاف کرنا چاہتے ہو کر دیکھو۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ (۱۰ : ۷۱)۔ قومِ نوح کے دیوی دیوتا۔ (۷۱ : ۲۳)

۲۔ تمام انبیاء کی طرف یہ وحی کی جاتی تھی کہ وہ شرک نہ کریں۔ (۳۹ : ۶۵)

۳۔ رسول اللہؐ کا اعلان کہ میں تمہارے معبودانِ باطل سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ ڈرنا تمہیں چاہیئے کہ تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو۔ (۶ : ۸۱ - ۸۲)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ مشرکین میں سے نہیں تھے۔ (۲ : ۱۳۵) - (۳ : ۶۶) - (۳ : ۹۴) - (۶ : ۱۶۲) - (۱۴ : ۳۵) - (۱۶ : ۱۲۳) - (۱۶ : ۱۲۰)

۵۔ رسول اللہؐ کی زبانی پیغام یہ دیا گیا تھا کہ تم لوگ مشرک نہ ہو جانا۔ (۱۰ : ۱۰۵)

۶۔ خود رسول اللہؐ سے ارشادِ خداوندی کہ تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ (۶ : ۱۴) - (۱۳ : ۳۶) - (۱۷ : ۳۹) - (۲۸ : ۸۷)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ جن چیزوں کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بری (بیزار) ہوں۔ (۶ : ۷۶ - ۷۹) - (۱۹ : ۴۲) - (۲۱ : ۵۲) - (۲۱ : ۶۶) - (۲۶ : ۷۰ - ۷۱) - (۲۹ : ۱۷) - (۳۷ : ۸۵ - ۹۲) - (۴۳ : ۲۶)۔ یہی حضرت ہودؑ نے کہا۔ (۱۱ : ۵۴)

۸۔ اگر انبیا شرک کرتے تو ان کے اعمال غارت ہو جاتے۔ (۶ : ۸۹)

۹۔ رسول اللہؐ کا اعلان کہ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ (۶ : ۱۶۴) - (۳۹ : ۶۴) - (۴۰ : ۶۶) - (۵۱ : ۵۱) - (۷۲ : ۲۰)

۱۰- حضرت ہودؑ کی دعوتِ توحید - (۷ : ۶۵) - (۱۱ : ۵۴) - (۴۶ : ۲۱) - حضرت صالحؑ کی (۷ : ۷۳) - حضرت شعیبؑ کی - (۷ : ۸۵)

۱۱- حضرت موسٰےؑ کی دعوتِ توحید - اور بنی اسرائیل کا شرک پر اصرار - (۷ : ۱۳۸) - (۷ : ۱۴۸) - (۲۰ : ۸۸ - ۸۹) - (۲۰ : ۹۷ - ۹۸)

۱۲- حضرت یوسفؑ کی دعوتِ توحید اور مخالفتِ شرک - (۱۲ : ۳۸ - ۴۰)

۱۳- تمام انبیاء توحید کی تعلیم دیتے تھے - (۲۱ : ۲۵) - (۳۹ : ۶۶) - (۴۳ : ۴۵)

۱۴- مشرکین کو ڈر تھا کہ رسول اللہ انہیں ان کے معبودانِ باطل کی پرستش سے روک دیں گے۔ (۲۵ : ۴۲) - وہ کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر اور مجنون کی خاطر چھوڑ دیں - (۳۷ : ۳۶)

۱۵- حضرت الیاسؑ کی تعلیم توحید کی تھی - (۳۷ : ۱۲۵)

۱۶- بدوی قبائل (جن) قرآن سن کر شرک سے تائب ہو گئے۔ (۷۲ : ۱ - ۲)

اہلِ کتاب مشرک ہیں

۱- اہلِ کتاب کو دعوت کہ "آؤ"، ہم اور تم ایک کلمۂ واحد پر جمع ہو جائیں - یعنی شرک نہ کریں - (۳ : ۶۴)

۲- اہلِ کتاب میں سے جبت اور طاغوت پر ایمان رکھنے والے - (۴ : ۵۱)

۳- تثلیث شرک ہے - (۴ : ۱۷۱) - (۵ : ۷۲ - ۷۳)

۴- حضرت عیسٰےؑ نصاریٰ کے شرک سے اظہارِ بریت کریں گے - (۵ : ۱۱۶)

۵- یہود ہوں یا نصاریٰ - سب شرک میں مبتلا ہیں - (۹ : ۳۰ - ۳۱) - انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اربابًا من دون اللہ قرار دے رکھا ہے - (۹ : ۳۱)

۶- مجوس کی ثنویت (دو خدا تسلیم کرنا) بھی شرک ہے - (۱۶ : ۵۱)

۷- خدا کے بندوں کو خدا کا جزو قرار دینے والے مشرک ہیں - (۴۳ : ۱۵)

۸- کفار کہتے تھے کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا (حضرت) عیسٰےؑ (جن کی قرآن تعریف کرتا ہے - حالانکہ عیسائی انہیں اپنا معبود سمجھتے ہیں) - (۴۳ : ۵۸)

۹- اہلِ کتاب میں سے کفر کرنے والے یعنی اسلام نہ لانے والے اور مشرکین جہنم میں - (۹۸ : ۶)

۳۔ شریعت

شَرَعَ (ش۔ ر۔ ع) کے بنیادی معنی ہوتے ہیں۔ ظَھَرَ۔ کھل گیا۔ واضح ہوگیا۔ ظاہر ہوگیا۔ اس اعتبار سے اَلشَّرْعُ اور اَلشَّارِعُ۔ اس کھلے اور واضح راستے کو کہتے ہیں جس پہ عام لوگ چل پھر سکیں۔ اسی طرح اَلشَّرِیْعَۃُ اور اَلشِّرْعَـۃُ۔ بھی سیدھے اور واضح راستے کو کہتے ہیں۔ نیز اس گھاٹ کو جس پہ آدمی اور جانور پانی پینے کے لئے آئیں۔ بشرطیکہ وہ پانی مسلسل بہنے والے چشمہ سے آرہا ہو۔

اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے 'ایک چیز ہے الدین اور دوسری چیز ہے الشریعۃ۔ الدین، ان غیر متبدل اصولوں اور مستقل اقدار کو کہیں گے۔ جو ضابطۂ خداوندی کی اصل و اساس ہیں' اور شریعت' ان جزئی اور تفصیلی احکام کو جو ان اصولوں کے تابع وضع کئے جائیں۔ اصولِ دین ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔ وہ ہر نبی کی وساطت سے ہر قوم کو دیئے جاتے رہے۔ ان میں شروع سے آخر تک کوئی فرق نہیں ہوا۔ لیکن الدین پر چلنے کے طور طریقے، مختلف زمانوں میں اور مختلف اقوام و ممالک کے احوال و ظروف کے مطابق مختلف ہوتے رہے۔ (ان طور طریقوں کے لئے قرآن کریم میں منہاج اور مناسک کے الفاظ بھی آئے ہیں)۔ اب جو کچھ قرآن کریم میں آگیا ہے۔ خواہ وہ اصول دین ہوں یا احکام۔ وہ سب غیر متبدل ہے۔ لیکن جن اصولوں کی جزئیات قرآن نے خود متعین نہیں کیں، (اور ایسا خدا نے دانستہ نہیں کیا کہ ان جزئیات کو غیر متبدل رکھنا مقصود نہیں تھا) انہیں اسلامی مملکت (خلافتِ علیٰ منہاجِ نبوت) خود متعین کرے گی۔ انہیں احکامِ شریعت کہا جائے گا۔ اصول غیر متبدل رہیں گے۔ ان جزئیات میں حسبِ اقتضائے زمانہ، تبدیلیاں ہوسکیں گی۔

الدین والشریعۃ

۱۔ ہر قوم کے لئے ایک شرعۃ اور منھاج تھا۔ اگر اہلِ کتاب تمہارے پاس اپنے متنازعہ فیہا امور کے فیصلہ کے لئے آئیں تو تم کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ دو۔ کہ الدین اس میں ہے۔ (۴۸ : ۵)

۲۔ ہر قوم کے لئے ایک منسک تھا۔ (۳۴ : ۲۲)۔ مناسک کے اختلاف کے متعلق بحث و تحیص کی ضرورت نہیں۔ لیکن الامر (اصل دین) متنازعہ فیہ بات نہیں۔ وہ اب قرآن ہی کے اندر ہے۔ (۶۸-۶۷ : ۲۲)

۳۔ خدا نے اسی دین کو تم پر واضح کیا ہے (شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ) جو دین انبیائے سابقہ کو دیا گیا تھا۔ ان

کے متبعین نے ان کے بعد اس میں اختلافات پیدا کر دیئے۔ تم اسی دین پر قائم رہو۔ یہ ما انزل اللّٰہ کے اندر ہے (۱۶۔۱۳: ۴۲)

۴۔ ان لوگوں نے کچھ خدا کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں جو ان کے لئے اس قسم کا دین وضع کرتے رہتے ہیں۔ (شرعوا لھم من الدین) جس کی اجازت خدا نے نہیں دی۔ (۲۱ : ۴۲) ۔ لہٰذا کسی ایسی بات کو دین قرار دے دینا جس کا خدا نے حکم نہیں دیا، شرک ہے۔

۵۔ بنی اسرائیل کو بھی کتاب و حکم و نبوت دیئے گئے تھے۔ یہ الامر کے بینات تھے۔ لیکن انہوں نے اس میں اختلافات پیدا کر لئے۔ اس کے بعد (اے رسولؐ!) ہم نے تمہارے لئے الامر کا ایک راستہ واضح کر دیا (جعلنک علیٰ شریعۃ من الامر) سو تم اس کا اتباع کرو۔ (۱۸ : ۴۵) ۔ (۶) ۔ مناسکِ حج ۔ (۲۰۰ : ۲)

۷۔ دعائے ابراہیمی کہ ہمیں ہمارے مناسک دکھا دے ۔ (۱۲۸ : ۲)

امورِ شریعت

۱۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم ایک گائے (یا بیل) ذبح کر دو۔ بات صاف تھی۔ لیکن انہوں نے اس کی جزئیات تک کے متعلق سوالات شروع کر دیئے۔ ان کی اس روش کی مذمت کی گئی ہے۔ (۶۷۔۷۱ : ۲)۔ اسی لئے مسلمانوں سے کہا کہ تم اپنے رسول سے اس قسم کے سوالات نہ کیا کرو۔ جس قسم کے سوالات قوم موسیٰؑ کیا کرتی تھی ۔ (۱۰۸ : ۲) جن امور کے متعلق خدا نے کچھ نہ کہا ہو، (یعنی قرآن میں نہ آیا ہو) وہ دین سے متعلق نہیں ہوتے۔ ان کی بابت کرید کرید کر باتیں نہیں پوچھنی چاہئیں ۔ (۱۰۱۔۱۰۲ : ۵)

۲۔ امورِ شریعت میں خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے۔ مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ (۱۸۵ : ۲)

۳۔ یہ دعا کہ ہم پر ایسی ذمہ داریاں عائد نہ ہوں جنہیں پورا کرنے کی ہم میں طاقت ہی نہ ہو۔ اس دعا سے مقصود یہ ہے کہ ہمیں ایسی توفیق عطا فرما دی جائے جو ہم ہر ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل ہو سکیں۔ (۲۸۶ : ۲)

۴۔ شعر۔ شاعری

شعر۔ (ش۔ ع۔ ر) بنیادی طور پر اس مادہ کے معنی ہوتے ہیں معاملات کی باریکیوں کو جان لینا، پھر اس لفظ (شعر)

کا استعمال کلامِ منظوم کے لئے ہونے لگا- اور اس کے مدمقابل "نثر" کا لفظ بولا جانے لگا۔

قرآن کریم نے "شاعری" کی مخالفت کی ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کی رو سے نثر میں بیان کردہ مفہوم قابلِ قبول ہے اور اگر اسی مفہوم کو نظم میں بیان کر دیا جائے تو وہ مردود قرار پا جاتا ہے۔ نثر اور نظم تو اسالیبِ بیان ہیں، اور قرآن کی رو سے نہ کوئی اسلوبِ بیان مردود ہے اور نہ مقبول۔ اس کے نزدیک دیکھنے کی چیز مقصودِ بیان ہے نہ کہ اسلوبِ بیان۔

اس کے نزدیک "شاعری" ایک خاص نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کے سامنے کوئی متعین نصب العین حیات نہیں ہوتا۔ وہ ایک ایسے اونٹ کی طرح جسے جھوٹی پیاس لئے لئے پھر رہی ہو، اپنے جذبات کے پیچھے دیوانہ وار چلتا رہتا ہے۔ کبھی ایک بات کہتا ہے۔ کبھی اس کے بالکل برعکس دوسری بات۔ اور اپنی ساری عمر انہی جذباتی تضادات کی کشمکش میں گذار دیتا ہے۔ پھر اس کی خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ یہ ہے وہ ذہنیت جس کا نام شاعری ہے اور جس کی قرآن مذمت کرتا ہے۔

عربوں کے ہاں یہ بھی عقیدہ تھا کہ شاعر صاحبِ الہام ہوتا ہے۔ قرآن، کشف و الہام وغیرہ کو حقیقت تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک عام انسانی علم کا ذریعہ انسانی فکر ہے اور اس کی استثناء صرف وحی ہے جو حضراتِ انبیاء کرام کو خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی۔ ان کے علاوہ، اور کوئی ذریعہ علم نہیں۔ وہ شاعری کی مخالفت میں، عربوں کے اس عقیدہ کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ نبی، حقائق سے بحث کرتا ہے۔ ایک انقلابی پروگرام لاتا ہے اور سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھاتا ہے۔ شاعر، لطائف سے بحث کرتا ہے، ساری عمر جذبات کی وادیوں میں سرگرداں پھرتا رہتا ہے اور عملاً کچھ کر کے نہیں دکھاتا۔ یہ ہے فرق نبوت اور شاعری میں)

شاعر اور رسول

۱۔ مخالفین کہتے تھے کہ یہ رسول اپنے مشن کے متعلق جو دعاوی پیش کرتا ہے۔ وہ محض ایک شاعر کا خواب ہیں۔ ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ (۲۱ : ۵)۔

۲۔ وہ کہتے تھے کہ شاعری چونکہ جذبات کی تخلیق ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا اثر محض وقتی اور ہنگامی ہوتا ہے۔ تم تھوڑا سا وقت انتظار کرو۔ زمانے کی گردش اس رسول کے پیغام کو خود بخود مٹا دے گی۔ (۵۲ : ۳۰)

۳۔ وہ کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر اور مجنون کے کہنے پر چھوڑ دیں؟۔ (۳۷ : ۳۶)

۴۔ قرآن کی طرف سے تردید کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام نہیں۔ (۶۹ : ۴۱ - ۴۲)۔ رسول کو شاعری نہیں سکھائی گئی۔

شاعری ایک رسول کے شایانِ شان ہی نہیں ہوتی - یہ تو تاریخی شواہد اور زندگی کے بنیادی حقائق ہیں - اس کا مقصد، ہر اس شخص کو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے آگاہ کرنا ہے جس میں کچھ بھی زندگی کی حرارت باقی ہو - (۷۰ - ۶۹ : ۳۶)

۵- شاعر، جھوٹی پیاس والے اونٹ کی طرح مختلف وادیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ کر کے نہیں دکھاتے - ان کے متبعین راہ گم کردہ ٹڈی دل کی طرح ہوتے ہیں -

ان کے برعکس، جماعتِ مومنین ہے جو ہمیشہ قوانینِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھتی ہے اور ظالم کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر چھوڑتی ہے - (۲۲۶ - ۲۲۴ : ۲۶)

۵- شعائر اللہ

(یہ حج کے عنوان میں بھی آگئے ہیں)

شعائر - اس لفظ کے مادہ (ش - ع - ر) کے بنیادی معنی ہیں کسی شے کی حقیقت کا محسوس طور پہ ادراک کر لینا، جان لینا - پہچان لینا - مثلاً جنگ میں جو الفاظ بطور علامت (CODE WORD) استعمال ہوتے ہیں یا سفر میں اپنے قافلہ کو پہچاننے کے لئے جو علامات مقرر کی جاتی ہیں، انہیں شِعَارٌ کہا جاتا ہے - حج کے مختلف مناسک اور آثار و اعمال کو بھی شعار کہا جاتا ہے اور ان اعمال و علامات کے مقام کو مَشْعَرٌ -

اسلام ایک دین ہے جو مملکت کی شکل میں قائم ہوتا ہے - ایک مملکت کے کچھ شعائر - یعنی محسوس علامات یا (SYMBOLS) ہوتے ہیں - ان علامات کے احترام کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ اس مملکت کا احترام کرتے ہیں - مثلاً جھنڈا - یوں تو وہ ایک بانس اور کپڑے کے ٹکڑے کا مجموعہ ہوتا ہے - لیکن جب وہ جھنڈا کسی مملکت کی علامت بن جاتا ہے تو اس کا احترام، اس مملکت کے احترام کے مرادف ہو جاتا ہے - حکومتِ خداوندی (اسلامی مملکت) کی اسی قسم کی علامات کو شعائر اللہ کہا گیا ہے - ان شعائر کا احترام، درحقیقت ان قوانینِ خداوندی کا احترام ہوگا - جن کے نفاذ کے لئے وہ مملکت قائم ہوئی ہے - ان شعائر کی پرستش نہیں کی جائیگی - ان کی ذاتی حیثیت کچھ نہیں ہوتی - یہ محض علامت ہوتے ہیں ایک واجب الاحترام شے کے - قرآن کریم میں شعائر اللہ کی اصطلاح انہی معانی میں استعمال ہوئی ہے -

شعائر اللہ

۱۔ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ لیکن ان میں چلنے پھرنے کی ممانعت نہیں۔ (۲ : ۱۵۸)
۲۔ حُرمات اللہ کا احترام ضروری ہے۔ (۲۲ : ۳۰)۔ شعائر اللہ کا بھی۔ (۲۲ : ۳۲)
۳۔ شعائر اللہ کی پابندیوں کی احتیاط کرو۔ (۵ : ۲)۔ (۴) مشعر الحرام کے قریب ذکر اللہ۔ (۲ : ۱۹۸)
۵۔ حج میں ذبح کئے ہوئے جانور بھی شعائر اللہ ہیں۔ لیکن یہ کھانے پینے کے لئے ہیں۔ (۲۲ : ۳۶)۔ نیز دیگر تحائف جو حج کے اجتماع میں شریک ہونے والوں کے لئے بھیجے جائیں۔ (۵ : ۲)۔ (۵ : ۹۷)

شعور

شعور (مادہ۔ ش۔ ع۔ ر) اس مادہ کے بنیادی معنی باریکی کے ہیں (شَعْرٌ۔ بال کو کہتے ہیں) لیکن استعمال کی رو سے اس کے معنی سمجھ سوچ کے ہیں۔ عربوں میں یہ لفظ 'حواس کے ذریعے کسی بات کے جان لینے کے لئے بولا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں یہ لفظ' عقل و فکر اور فہم و تدبر کے لئے بولا جاتا ہے۔ (شعر۔ شاعر۔ شعار بھی اس مادہ سے ہیں لیکن ہم اس عنوان میں شعور تک محدود رہیں گے۔ دیگر موضوعات کے سلسلہ میں متعلقہ عنوانات دیکھئے)۔ نیز شعور کے سلسلہ میں عنوانات علم و عقل۔ بصیرت تدبر۔ تفقہ وغیرہ بھی دیکھئے۔

۱۔ مقتولین فی سبیل اللہ زندہ ہیں۔ لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ یعنی ان کی زندگی ایسی نہیں جسے تم حواس کے ذریعے سمجھ سکو۔ وہ طبیعی زندگی نہیں۔ وہ ایسی زندگی ہے جس کی حقیقت حواس کے ذریعے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ (۲ : ۱۵۴)
۲۔ قومِ نوحؑ کے سرداروں نے اعتراض کیا کہ جو لوگ حضرت نوحؑ کی جماعت میں شامل ہوئے ہیں، وہ پست درجے کے لوگ ہیں۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ مجھے ان کے پیشوں سے غرض نہیں۔ ان کے ایمان سے غرض ہے۔ باقی رہے ان کے اعمال تو تم ان کا اندازہ اپنے پیمانوں سے نہیں لگا سکتے۔ ان کا حساب خدا کو معلوم ہے۔ اے کاش تم اس حقیقت کو سمجھ سکتے۔ (۲۶ : ۱۱۳)

۳۔ عذابِ خداوندی ایسی راہوں سے آتا ہے جن کا تم شعور نہیں کرسکتے۔ (۹۵ : ۷) - (۱۰۷ : ۱۲) - (۲۶ : ۱۶) - (۴۵ : ۱۶) - (۲۰۲ : ۲۶) - (۵۳ : ۲۹) - (۲۵ : ۳۹) - (۵۵ : ۳۹) - (۶۶ : ۴۳)

۴۔ لوگوں کو معلوم بھی نہیں ہو پاتا کہ ان کے اعمال کس طرح رائگاں چلے جاتے ہیں - (۴۹ : ۲)

۵۔ منافق اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں لیکن اسے سمجھتے نہیں - (۹ : ۲) - (۱۲ : ۲) - (۲۶ : ۶)۔

۶۔ یہ اہلِ کتاب تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں - درحقیقت یہ اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں - لیکن اس بات کو سمجھتے نہیں - (۶۸ : ۳)

۷۔ اکابر مجرمین قوانینِ خداوندی کے خلاف سازشیں کرتے ہیں - یہ سازشیں خود ان کی اپنی ذات کے خلاف ہوتی ہیں - لیکن یہ اس کا شعور نہیں رکھتے - (۱۲۴ : ۶) - (۵۰ : ۲۷)

۸۔ مُردوں کو اس کا بھی شعور نہیں ہوتا کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے - (۲۱ : ۱۶) - (۶۵ : ۲۷)

۹۔ کفار کو مال و دولت افراط سے ملتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑی خوشگواریاں ہیں - وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ان کی تباہی کے اسباب ہیں - (۵۶ : ۲۳)

۱۰۔ فرعون کی بیوی نے کہا کہ ہم اس بچے (یعنے دالے حضرت موسیٰؑ) کو اپنا بیٹا بنالیں تاکہ یہ ہمارے لئے عصائے پیری ثابت ہو - وہ جانتے نہیں تھے کہ یہ بچہ ان کے لئے کیا ثابت ہوگا - (۹ : ۲۸)

۱۱۔ کفار کہتے تھے کہ اگر رسول اللہ ہمیں کوئی معجزہ دکھا دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے - حضورؐ سے کہا گیا کہ آپ کیسے جان سکتے ہیں کہ معجزہ دیکھنے کے بعد یہ بالضرور ایمان لے آئیں گے - (۱۱۰ : ۶)

۱۲۔ اصحابِ کہف نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تم شہر میں جاؤ لیکن اس انداز سے کہ لوگ تمہیں پہچان نہ سکیں - (۱۹ : ۱۸)

۱۳ مشعرالحرام - مناسکِ حج کے سلسلہ میں کہا کہ عرفات کے بعد مشعرالحرام میں آکر اس خداوندی پروگرام پر غور و فکر کرو - (۱۹۸ : ۲) - مشعر کے معنی ہیں وہ مقام جہاں عقل و شعور کے ساتھ معاملات پر غور کیا جائے - (دیکھئے عنوان حج)

۷۔ (حضرت) شعیبؑ

حضرت شعیبؑ ایک جلیل القدر نبی تھے جو قومِ مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے - اس قوم میں اگرچہ اور بھی بہت سے

اخلاقی عیوب تھے لیکن ان کا نظامِ معیشت خاص طور پر بگڑ چکا تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے حضرت شعیبؑ کی جس تعلیم کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا تعلق معاشی اصلاحات سے ہے۔

۲۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ ہم عصر تھے اور حضرت موسیٰؑ کی شادی (مدین میں) انہی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ اگرچہ قرآنِ کریم نے صراحتاً اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ ہی ہوں۔ بہرحال، جیسا کہ قرآن کا عام انداز ہے، وہ ان کی پیش کردہ تعلیم کا ذکر کرتا ہے۔ تاریخی کوائف سے بحث نہیں کرتا۔

۳۔ اصحاب الأیکہ (جنگل والے) بھی اہلِ مدین کو کہا گیا ہے۔

۱۔ حضرت شعیبؑ کو قومِ مدین کی طرف بھیجا۔ اس قوم کے جرائم۔ آپ کی تعلیم۔ سرداران قوم کی طرف سے مخالفت اور ان کی آخر الامر تباہی۔ (۹۳ - ۸۵ : ۷)

۲۔ اقوامِ سابقہ، جن میں قومِ مدین بھی شامل تھی، اپنے جرائم کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔ (۷۰ : ۹)

۳۔ قوم مدین کی طرف، حضرت شعیب کی بعثت۔ معاشی خرابیاں اور ان کی اصلاح کی تعلیم۔ قوم کا جواب کہ اے شعیبؑ! کیا تمہاری صلوٰۃ تمہیں اس کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آباء کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مال و دولت میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں! سرداران قوم کی طرف سے سخت مخالفت۔ اور اس قوم کی تباہی ——— (۹۵ - ۸۴ : ۱۱) — (۴)۔ اصحاب الأیکہ کی طرف حضرت شعیب مبعوث ہوئے۔ معاشی اصلاح کی تعلیم۔ ان کی طرف سے مخالفت۔ اور تباہی۔ (۷۸ : ۱۵) — (۱۹۱ - ۱۷۶ : ۲۶) — (۱۳ : ۳۸) — (۱۴ : ۵۰)

۵۔ اہلِ مدین کی تباہی۔ (۴۴ : ۲۲) — (۳۷ - ۳۶ : ۲۹)

نوٹ:۔ مدین کا ذکر داستانِ حضرت موسیٰؑ میں بھی آتا ہے۔ اسے عنوان (موسیٰؑ) میں دیکھئے۔

۶۔ حضرت موسیٰؑ اہلِ مدین میں رہے۔ (۴۰ : ۲۰) — (۲۳ - ۲۲ : ۲۸)

۷۔ اے رسولؐ! تو اہلِ مدین کے پاس نہیں تھا جب ہم نے ان کی طرف اپنے احکام بھیجے تھے۔ (۴۵ : ۲۸)

۸۔ اصحاب الایکہ (۷۸ : ۱۵) — (۱۷۶ : ۲۶) — (۱۳ : ۳۸) — (۱۴ : ۵۰)

۸۔ شفاء

(نیز دیکھئے مرض)

شفاء۔ بیماری سے اچھا ہوجانا۔ پھر یہ لفظ دوائی کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ یعنی وہ چیز جس سے شفاء حاصل ہوجائے۔

۱۔ شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ (۱۶ : ۶۹)

۲۔ قرآن میں جو کچھ نازل ہوا ہے۔ وہ مومنین کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔ شفاء، سابقہ خرابیوں کو دور کر کے اعتدال کی حالت پر لانے کے لئے، اور رحمت، مزید نشو و نما دینے کے لئے۔ (۱۷ : ۸۲)

۳۔ قرآن، شفاء لما فی الصدور ہے۔ یعنی انسان کے نفسیاتی امراض کا علاج۔ اور ہدایت و رحمت۔ اس کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔ (۱۰ : ۵۷-۵۸) - (۴۱ : ۴۴)

۴۔ مرض اور شفاء، قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتی ہے۔ (۲۶ : ۸۰)

۵۔ قرآنِ کریم نے منافقت (DUAL PERSONALITY) کو قلب کی بیماری (نفسیاتی مرض) سے تعبیر کیا ہے۔ اسی کی تفصیل منافق اور نفسیات کے عنوانوں میں ملے گی۔ قرآن انہی امراض کے لئے شفاء ہے۔

۹۔ شک

شک۔ یقین کی ضد ہے۔ جب دو متضاد باتیں انسان کے سامنے اس طرح آئیں کہ وہ ایک جیسی معلوم ہوں اور اس ان میں اصلی اور جعلی کی تمیز نہ کی جاسکے تو اس کیفیت کو شک کہتے ہیں۔ اس کے بعد ہر قسم کے عدم یقین کے متعلق یہ لفظ بولا جانے لگا۔ ایمان کی بنیاد یقین ہے اس لئے جہاں یقین میں ذرا سا بھی تزلزل واقع ہوگیا، ایمان باقی نہ رہا۔ لہٰذا شک اور ایمان دو متضاد چیزیں ہیں۔ اس سلسلہ میں عنوان ریب بھی دیکھئے)

۱۔ حضرت عیسٰیؑ کی تصلیب کے سلسلہ میں اختلاف کرنے والے شک میں ہیں ۔ یقینی طور پر ان میں سے کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا ۔ (۴ : ۱۵۷)

۲۔ اگر تم قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی بابت شک میں ہو تو ...... (۱۰ : ۹۴) ۔ (۳۸ : ۸)

۳۔ اگر تم دینِ خداوندی کے متعلق شک میں ہو تو میں تمہارے معبودوں کی عبودیت اختیار نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ مجھے دین کے متعلق یقین حاصل ہے ۔ (۱۰ : ۱۰۴)

۴۔ شک اور ریب اکٹھے آتے ہیں ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ریب ۔ (۱۱ : ۶۲) ۔ (۱۱ : ۱۱۰) ۔ (۱۴ : ۹) (۳۴ : ۵۴) ۔ (۴۱ : ۴۵) ۔ (۴۲ : ۱۴)

۵۔ کیا تم اللہ کی بابت شک میں ہو ۔ (۱۴ : ۱۰) ۔ (۳۴ : ۵۴)

۶۔ آخرت کے متعلق شک میں ہیں ۔ (۲۷ : ۶۶) ۔ (۳۴ : ۲۱)

۷۔ نبوتِ حضرت یوسفؑ کے متعلق شک میں رہے ۔ (۴۰ : ۳۴)

۸۔ یہ لوگ قانونِ مکافات کے متعلق شک میں ہیں ۔ اس لئے مشاغلِ دنیوی میں مصروف ۔ (۴۴ : ۹)

۱۰۔ شکر

شکر ۔ (ش ۔ ک ۔ ر) کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا بھرپور ہو جانا ۔ لبالب بھر جانا ۔ اور یوں اس کا نمایاں اور ظاہر ہو جانا ۔ ضَرَّۃٌ شَکْرِیٌ ۔ دودھ سے بھرپور تھنوں کو کہتے ہیں ۔ شَکَرَ فُلَانٌ ۔ اس شخص نے دل کھول کر سخاوت کی ۔ اور لوگوں کو خوب دیا ۔ ان بنیادی معانی کے اعتبار سے ، اس لفظ (شکر) کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ خدا کے "شاکر" ہونے کے معنی ہوں گے انسانی اعمال میں بھرپور نتائج پیدا کرنے والا ۔ سعئ مشکور کے معنی ہوں گے وہ کوشش جو بھرپور نتائج پیدا کر دے اور انسان کی طرف سے شکرِ نعمت کے معنی ہوں گے ، خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو چھپا کر نہ رکھنا بلکہ اسطرح نمایاں طور کھلے کھلے رکھنا کہ ان سے ہر ایک متمتع ہو سکے ۔ اس لئے "شکر" کا لفظ "کفر" کے مقابلہ میں آتا ہے ۔ "کفر" کے معنی کسی چیز کو چھپا کر رکھنے کے ہیں ۔ اس کو نعماءِ خداوندی کی قدر کرنا کہیں گے جس مقصد کے لئے انہیں خدا نے دیا ہے ۔ انہیں اسی مقصد کے لئے صرف کرنا ۔

لہٰذا شکر کے معنی ہوں گے، صحیح قاعدے اور قانون کے مطابق اس طرح محنت کرنا کہ اس سے بھرپور نتائج پیدا ہوں، اور اس طرح اپنی محنت کے ماحصل کو (نیز جو کچھ خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملے اسے) اسطرح نمایاں طور پر کھلا رکھنا کہ اس سے سب لوگ فیضیاب ہوں۔ اس سے خود انسانی صلاحیتوں کی بھی پوری پوری نشو و نما ہوتی جاتی ہے۔ یہ اپنی ذات کے لئے "شکر" ہے۔ کسی کی مدد کر کے اس سے شکریہ کا متمنی ہونا، مومن کے شایانِ شان نہیں۔ (۹ - ۸ :۷۶)۔ خدا کا شکر درحقیقت اس کی عبودیت اختیار کرنا ہے۔ (۶۶ : ۳۹)۔ اور اعمالِ صالح کرنا (۱۵ : ۴۶)۔ اور صحیح راستہ اختیار کرنا۔ (۳ - ۲ : ۷۶)

شکر بمقابلہ کفر

۱۔ تم میرے شکر گزار ہو اور کفر مت کرو۔ (۱۵۲ : ۲) - (۲)۔ شکر سے نعماء میں اضافہ۔ کفر سے عذاب۔ (۷ : ۱۴)

۳۔ کفرانِ نعمت سے بھوک اور خوف کا عذاب۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۴۔ نعماء ملتی اس لئے ہیں کہ دیکھا جائے کون شکر کرتا ہے اور کون کفر۔ (۴۰ : ۲۷)

۵۔ جو شکر کرے گا وہ اپنے آپ کے لئے شکر کرے گا۔ جو کفر کرے گا تو خدا مستغنی ہے۔ (۴۰ : ۲۷) - (۱۲ : ۳۱)۔ (۷ : ۳۹) - (۶) شرک سے کفرانِ نعمت ہوتا ہے۔ (۶۶-۶۵ : ۲۹)-(۳۴-۳۳ : ۳۰)

۷۔ قومِ سبا نے کفران کیا تو ساری معیشت تباہ ہو ہو گئی۔ (۱۷-۱۵ : ۳۴)

۸۔ خدا کفر کو پسند نہیں کرتا۔ شکر کو پسند کرتا ہے۔ (۷ : ۳۹)

۹۔ خدا نے سماعت و بصارت دی۔ دونوں راستے دکھا دیئے۔ اب جس کا جی چاہے شاکر ہو جائے۔ جس کا جی چاہے کفر اختیار کرلے۔ (۳-۲ : ۷۶)

افراد یا قوم شاکر و شکور

۱۔ داستانِ بنی اسرائیل میں ہر صابر و شکور قوم کے لئے سامانِ بصیرت ہے۔ (۵ : ۱۴)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ نعمائے خدا وندی کے شاکر تھے۔ (۱۲۱ : ۱۶)۔ حضرت نوحؑ بھی۔ (۳ : ۱۷)

۳۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنی شوکت و حشمت دیکھ کر کہا کہ اے خدا! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری نعمتوں کا شکر گزار ہوں۔ (۱۹ : ۲۷)۔ یعنی اعمالِ صالح کروں۔

۴۔ حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی گئی تاکہ وہ شکر کرے ۔ (۱۲ : ۳۱)

۵۔ مظاہرِ فطرت میں قومِ صبار و شکور کے لئے آیات ہیں ۔ (۳۱ : ۳۱) ۔ (۳۳ : ۴۲)

۶۔ آلِ داؤدؑ سے کہا کہ شکر کرو (اعملوا شکراً) ۔ (۱۳ : ۳۴)

۷۔ داستانِ قومِ سبا میں ہر صبار و شکور کے لئے سامانِ عبرت ہے ۔ (۱۹ : ۳۴)

۸۔ صحیح راستہ اختیار کرنا شکر ہے ۔ (۳-۲ : ۷۶)

۹۔ مومنین، جن کی مدد کرتے ہیں ان سے شکریہ تک کے متمنی نہیں ہوتے ۔ (۹-۸ : ۷۶)

۱۰۔ حضرت داؤدؑ کو زرہ سازی کا علم دیا کہ وہ شاکرین میں سے ہوں ۔ (۸۰ : ۲۱)

۱۱۔ شکر گزار قوم کے لئے ہم اس طرح قوانین واضح کرتے ہیں ۔ (۵۸ : ۷)

یوں کرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ یعنی تمہاری کوششیں بھرپور نتائج مرتب کر سکیں

۱۔ صیام کی پابندی کرو تاکہ ..... (۱۸۵ : ۲) ۔ تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم شکر گزار بنو ۔ (۱۲۳ : ۳)

۲۔ خدا شاکرین کو بدلہ دیتا ہے ۔ (۱۴۳ : ۳)

۳۔ وضو اور غسل وغیرہ کے احکام کے بعد کہا کہ یہ اس لئے ہے تاکہ تم شکر گزار بنو ۔ (۶ : ۵)

۴۔ اللہ تبیینِ احکام کرتا ہے تاکہ ..... (۸۹ : ۵)

۵۔ تمکن ۔ قوت ۔ نصرت ۔ رزق عطا کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ ۔ (۲۶ : ۸) ۔ (۳۷ : ۱۴)

۶۔ بر و بحر میں سامانِ رزق دیا ۔ تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ ۔ (۱۴ : ۱۶)

۷۔ مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ تم شکر گزار بنو ۔ (۳۶ : ۲۲) ۔ (۷۳-۷۲ : ۳۶)

۸۔ مظاہر و قوائے فطرت عطا کئے تاکہ جو شکر گزار بننا چاہے، بن جائے ۔ (۷۸ : ۲۳) ۔ (۶۲ : ۲۵) ۔ (۷۳ : ۲۸) ۔ (۴۶ : ۳۰)
(۳۱ : ۳۱) ۔ (۱۲ : ۳۵) ۔ (۳۵ : ۳۶) ۔ (۶۱ : ۴۰) ۔ (۱۲ : ۴۵) ۔ (۷۰ : ۵۶)

۹۔ جن کی سعی مشکور ہوئی ۔ (۱۹ : ۱۷) ۔ (۲۲ : ۷۶)

خدا کا شکر اور اس کا نتیجہ

۱۔ جو کچھ رزق تمہیں دیا ہے ۔ اسے طیب طریق سے کھاؤ ۔ اور اگر تم قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کئے ہو تو اس

کا شکر کرو۔ (۱۷۲ : ۲) ۔ (۱۱۴ : ۱۶) ۔ (۱۷-۱۵ : ۳۴)

۲۔ خدا شاکرین کو بدلہ دیتا ہے۔ (۱۴۴ : ۳)

۳۔ اگر تم شکر گذار بنو اور ایمان لاؤ تو خدا نے تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔ (۱۴۷ : ۴)

۴۔ اللہ شاکرین کو جانتا ہے۔ (۵۳ : ۶)

۵۔ تمہیں تمکن فی الارض عطا کیا۔ اور زمین میں معیشت رکھ دی۔ لیکن بہت کم لوگ شکر گزار ہوتے ہیں۔ (۱۰ : ۷)

۶۔ حضرت موسیٰؑ کو رسالت سے نوازا اور کہا کہ وہ شکر گزار بن جائے۔ (۱۴۴ : ۷)

۷۔ تمکن عطا کیا۔ نصرت سے نوازا۔ رزق دیا۔ تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ (۲۶ : ۸)

۸۔ شکر سے نعماء میں اضافہ ہوتا ہے۔ کفر سے عذاب۔ (۷ : ۱۴)

۹۔ جو شکر کرے گا وہ اپنے آپ کے لئے شکر کرے گا۔ جو کفر کرے گا۔ تو خدا مستغنی ہے۔ (۴۰ : ۲۷) ۔ (۱۲ : ۳۱) ۔ (۷ : ۳۹) ۔ (۱۰) وعظِ ابراہیمیؑ کہ خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ اس کا شکر کرو۔ (۱۷ : ۲۹)

۱۱۔ خدا کا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی جنہوں نے تمہاری پرورش کی تھی۔ (۱۴ : ۳۱) ۔ (۱۵ : ۴۶)

۱۲۔ خدا شکر کو پسند کرتا ہے۔ کفر کو نہیں۔ (۷ : ۳۹)

۱۳۔ صرف خدا کی عبودیت اختیار کرنا اس کا شکر ہے۔ (۶۶ : ۳۹)

۱۴۔ انسان کو خدا کے شکر کی توفیق مانگتے رہنا چاہیئے۔ (۱۵ : ۴۶)

۱۵۔ شکر کا نتیجہ تباہیوں سے محفوظ رہنا ہے۔ (۳۵ : ۵۴)

۱۶۔ سعیٔ مشکور، اعمال کا بدلہ ہے۔ (۱۹ : ۱۷) ۔ (۲۲ : ۷۶)

۱۷۔ دعا کہ اگر ہمیں تندرست و توانا بچہ مل جائے۔ تو ہم شکر گزار ہوں۔ (۱۸۹ : ۷)

۱۸۔ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات مل جائے تو ہم شکر گزار ہوں۔ (۲۲ : ۱۰)

۱۹۔ حضرت نوحؑ عبد شکور تھے۔ (۳ : ۱۷)

اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے

۱۔ اللہ تو انسانوں پر فضل کرتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (۲۴۳ : ۲)

۲۔ زمین میں تمکن عطا کیا۔ رزق دیا۔ لیکن بہت کم لوگ شکر گزار ہوتے ہیں۔ (۱۰ : ۷)

۳۔ ابلیس نے خدا سے کہا تھا کہ تم دیکھنا۔ بہت کم لوگ شکر گزار ہوں گے ۔ (۷ : ۱۷)

۴۔ اللہ رزق دیتا ہے اور لوگ اسے اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے ہیں ۔ یوں وہ شکر گزار نہیں ہوتے ۔ (۱۰ : ۶۰)

۵۔ لوگ شرک کرتے ہیں اور اس طرح ناسپاس گذار ہو جاتے ہیں ۔ (۱۲ : ۳۸)

۶۔ خدا نے سماعت و بصارت و قلب عطا کیا ۔ لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ۔ (۱۶ : ۷۸) ۔ (۲۳ : ۷۸) ۔ (۳۲ : ۹) ۔ (۲۳ : ۷۶) ۔ (۳ - ۲ : ۷۶)

۷۔ مہلت کا وقفہ مل جانا خدا کی نعمت ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ۔ (۲۷ : ۷۳)

۸۔ آلِ داؤدؑ کو شکر کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ۔ (۳۴ : ۱۳)

۹۔ فطرت کی قوتوں کا عطا ہو جانا باعثِ شکر ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ۔ (۴۰ : ۶۱)

۱۰۔ انسان اپنے رب کا ناشکرا (کنود) ہے ۔ (۱۰۰ : ۶)

خدا شاکر اور شکور ہے

۱۔ جو دل کے جھکاؤ کے ساتھ اطاعت کرتا ہے تو خدا شاکر و علیم ہے ۔ (۲ : ۱۵۸) ۔ (۴ : ۱۴۷)

۲۔ خدا شکور غفور ہے ۔ وہ ہر ایک کی محنت کا بدلہ دیتا ہے ۔ (۳۵ : ۲۹) ۔ (۳۵ : ۳۴)

۳۔ خدا شکور حلیم ہے ۔ (۶۴ : ۱۷)

قوموں کو مواقع دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ شاکر بنیں

۱۔ بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے جرم سے معافی دی گئی تاکہ وہ شکر گزار بنیں ۔ (۲ : ۵۲)

۲۔ انہیں حیاتِ نو عطا کی گئی تاکہ وہ شکر گزار ہوں ۔ (۲ : ۵۶) ۔ (۲ : ۲۴۳)

۳۔ خدا بنی اسرائیل کو ظلمات سے نور کی طرف لے آیا ۔ اس میں ہر صبار و شکور قوم کے لئے سامانِ عبرت ہے ۔ (۱۴ : ۵)

۱۱۔ شمس

(قمر ۔ نجم ۔ کواکب ۔ بروج ۔ مصابیح)

قرآن کریم میں سورج کے لئے شمس ۔ چاند کے لئے قمر اور ستاروں کے لئے نجوم ۔ کواکب ۔ شہاب وغیرہ الفاظ آئے ہیں ۔

کہیں (ستاروں کو) تشبیہہ کے طور پر مصابیح (قندیلیں) بھی کہا گیا ہے۔ لیکن بہ ہیئتِ مجموعی تمام اجرامِ فلکی کے لیے سماوات کا لفظ آیا ہے۔ (اسے الگ عنوان میں دیکھئے)

اسلام سے پہلے عربوں کے جھنڈے کا نشان قمر تھا۔ اور ایرانیوں کے علم کا نشان شمس۔ قرآن کریم کی بعض آیات میں قمر سے مراد عربوں کی قومی اجتماعیت اور قوت اور شمس سے مراد ایرانیوں کی سلطنت اور شوکت و حشمت بھی لی گئی ہے۔ اسی طرح نجوم سے مراد چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی ہیں۔

قرآن کریم میں بعض مقامات پر سورج۔ چاند۔ ستاروں کے ماند پڑنے۔ باہمی ٹکرانے۔ یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا بھی ذکر آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کائنات میں کسی خارجی (طبیعی) حادثہ کا ذکر ہو جو کسی آنے والے زمانے میں رونما ہوگا۔ اور اگر ان الفاظ کے مجازی معانی لیے جائیں تو ان سے مراد ان مملکتوں کے باہمی ٹکراؤ اور اس کے نتیجے میں اس کی شکست و ریخت ہوگی۔

قرآن کریم نے شمس و قمر اور دیگر اجرامِ فلکی کے متعلق کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک، اپنے اپنے مدار کے اندر گردش کر رہا ہے۔ شمس کے متعلق کہا ہے کہ وہ اس طرح اپنے محور کے گرد گھومنے کے علاوہ، اپنے ایک مستقر کی طرف بھی جا رہا ہے قمر (چاند) کے متعلق کہا ہے کہ وہ روشنی حاصل کرنے کے لیے سورج کے پیچھے پیچھے یوں پھرتا ہے جیسے کوئی قرض خواہ مقروض کے پیچھے پھرے۔ آپ غور کیجئے کہ چھٹی صدی عیسوی میں، جبکہ فلکیات کے متعلق انسانی معلومات کی سطح توہم پرستی سے اوپر نہیں اٹھی تھی، عرب کی تاریک سرزمین سے اس قسم کے انکشافات، کسی انسانی ذہن کی پیداوار ہو سکتے ہیں؟

دورِ جہالت میں انسانوں کی تقدیر کو ستاروں کے تابع سمجھا جاتا تھا اور مندروں اور ہیکلوں میں ایسے جوتشی (منجم) خدا بن کر بیٹھے رہتے تھے جو ستاروں کی گردش سے لوگوں کو ان کا مستقبل بتاتے تھے۔ قرآن نے آکر کہا کہ یہ سب جہالت کے زمانے کی توہم پرستیاں ہیں۔ اب علم کا زمانہ آگیا ہے۔ اس لیے اس قسم کے دعاوی کرنے والوں کو "آسمان سے آتشیں کوڑے پڑیں گے"۔

قرآن کریم نے چاند اور سورج دونوں کے متعلق کہا ہے کہ یہ "حساب کرنے" کے لیے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کیلنڈر شمسی بھی رکھا جا سکتا ہے اور قمری بھی۔ ایک مقام پر قرآن میں ہے کہ نظامِ فطرت کی رو سے، سال کے بارہ مہینے ہیں (۹:۳۶) یعنی جتنی مدت میں زمین سورج کے گرد ایک چکر پورا کر لیتی ہے (جسے سال کہتے ہیں) اسے بارہ میں تقسیم کر لینا چاہیئے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قرآن شمسی کیلنڈر کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ اس طرح، سال، قمری کیلنڈر کے مقابلہ میں بہتر طور پر بارہ میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

الشمس

۱۔ شمس اور اس کی روشنی (اس حقیقت پر شاہد ہے جو آگے بیان کی گئی ہے)۔ (۱ : ۹۱)

۲۔ جب شمس لپیٹ دیا جائے گا۔ (جب ایران کی سلطنت کا جھنڈا سرنگوں ہو جائے گا۔ (۱ : ۸۱)

۳۔ سورج، سایوں کے گھٹنے بڑھنے کی دلیل (سبب) ہوتا ہے۔ (۴۷ : ۲۵)

۴۔ شمس کو ضیاء بنایا۔ (۵ : ۱۰)۔ سراج بنایا۔ (۶۱ : ۲۵)۔ (۱۶ : ۷۱)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کا شمس و قمر اور ستاروں کو دیکھ کر کہنا کہ میں انہیں معبود نہیں بنا سکتا جو کبھی نمودار ہوں اور کبھی ڈوب جائیں۔ (۷۹-۷۷ : ۶)

۶۔ اصحاب کہف کی غار کے دہانے سے سورج کتراتا ہوا نکل جاتا ہے۔ (۱۷ : ۱۸)۔

۷۔ جب ذوالقرنین بحیرہ اسود کے کنارے پہنچا تو اسے یوں دکھائی دیا گویا سورج اس کے گدلے پانی میں ڈوب رہا ہے۔ (۸۶ : ۱۸)۔ اس کے بعد وہ ایک قوم تک پہنچا جو کھلے میدان میں سورج کے سامنے سکونت پذیر تھی۔ (۹۰ : ۱۸)

۸۔ دلوکِ شمس سے غسق لیل تک صلوٰۃ قائم کرو۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان صلوٰۃ)۔ (۷۸ : ۱۷)

۹۔ قبل طلوع الشمس اور اس کے غروب سے قبل۔ حمدِ خداوندی کی تسبیح کرو۔ (حمد اور تسبیح کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے)۔ (۱۳۰ : ۲۰)۔ (۳۹ : ۵۰)

۱۰۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے حریف بادشاہ سے کہا کہ سورج کو مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ (۲۵۸ : ۲)

۱۱۔ شمس (نظام شمسی) اپنے مستقر کی طرف دوڑے چلا جا رہا ہے۔ یہ ان کے لئے مقرر پیمانہ (تقدیر) ہے۔ شمس، قمر کو پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں نکل سکتا۔ یہ سب اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔ (۴۰-۳۸ : ۳۶)

۱۲۔ قوم سبا، سورج کی پرستش کرتی تھی۔ (۲۴ : ۲۷)

۱۳۔ تم شمس و قمر کے سامنے مت جھکو۔ (انہیں تمہارے سامنے جھکنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے)۔ (۳۷ : ۴۱)

۱۴۔ جنت میں نہ شمس ہوگا نہ زمہریر (یہاں شمس کے معنی شدت کی دھوپ کے ہیں)۔ (۱۳ : ۷۶)

شمس و قمر

۱۔ شمس اور قمر دونوں گنتی کے لئے ہیں۔ (۹۶ : ۶)۔ (۵ : ۵۵)

۲۔ جب شمس و قمر جمع ہو جائیں گے ۔ عرب اور ایران کی سلطنتیں ایک ہو جائیں گی۔ (۷۵:۹)

۳۔ خدا نے شمس و قمر کو مسخر (قانون کا پابند) کر رکھا ہے ۔ اور ان میں سے ہر ایک ، ایک مدتِ معینہ تک کے لئے رواں دواں چل رہا ہے ۔ (۷:۵۴) – (۱۳:۲) – (۱۴:۳۳) – (۱۶:۱۲) – (۳۱:۲۹) – (۳۵:۱۳) – (۳۹:۵)

۴۔ شمس و قمر کو خدا نے پیدا کیا ہے ۔ (۲۹:۶۱) – (۲۱:۳۳)

۵۔ سورج کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا ۔ اور اس کی (قمر کی) منازل متعین کر دیں ۔ تاکہ اس سے تم سالوں کا حساب رکھ سکو ۔ (۱۰:۵) ۔ قمر میں نور ہے ۔ (۷۱:۱۶)

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کا شمس و قمر اور ستاروں کو ڈوبتا دیکھ کر کہنا کہ میں انہیں معبود نہیں بنا سکتا ۔ (۶:۷۷-۷۹)

۷۔ قمر کی منازل مقرر کر دیں ۔ ایک وقت میں وہ کھجور کی خشک ٹہنی جیسا باریک ہو جاتا ہے ۔ (۳۶:۳۹) ۔ شمس ، قمر کو پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں نکل سکتا ۔ (۳۶:۴۰)

۸۔ شمس و قمر آیاتِ خداوندی میں سے ہیں ۔ (۴۱:۳۷) ۔ وہ خدا کے حضور (قوانینِ خداوندی کے سامنے) سجدہ ریز ہیں ۔ (۲۲:۱۸)

۹۔ قمر ، سورج کے پیچھے پیچھے روشنی مانگنے کے لئے پھرتا ہے ۔ (۹۱:۲)

۱۰۔ شمس و قمر اس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ۔ (۷:۵۴) – (۱۶:۱۲)

۱۱۔ حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا کہ سورج اور چاند اسے سجدہ کر رہے ہیں ۔ (۱۲:۴)

۱۲۔ شمس و قمر سب اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں ۔ (۲۱:۳۳) – (۳۶:۳۸-۴۰)

۱۳۔ شمس و قمر سب خدا کے حضور سجدہ ریز ہیں ۔ (اس کے قانون کے سامنے جھکے ہوئے ہیں) ۔ (۲۲:۱۸)

قمر (شمس و قمر کے تحت بھی دیکھئے)

۱۔ جب قمر ماند پڑ جائے گا ۔ (جاہلیتِ عرب کی طاقت ٹوٹ جائے گی) ۔ (۷۵:۸)

۲۔ اس آنے والے انقلاب میں قمر پھٹ جائے گا ۔ (عرب جاہلیت کے علم کی دھجیاں اڑ جائیں گی ۔ (۵۴:۱)

۳۔ قمر اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ...... (۷۴:۳۲) – (۸۴:۱۸)

۴۔ آسمان میں سراج اور قمر منیر بنائے ۔ (۲۵:۶۱) – (۵) ۔ قمر کی منازل مقرر کر دیں ۔ (۳۶:۳۹)

ستارے (نجم۔ نجوم۔ کواکب)

۱۔ اس انقلاب کے وقت نجوم مرجھا جائیں گے۔ (چھوٹی چھوٹی ریاستیں ختم ہو جائیں گی)۔(۸ : ۷۷)۔(۲ : ۸۱)

۲۔ تم ستاروں سے نشاناتِ راہ پاتے ہو (۹۸ : ۶)۔(۱۶ : ۱۶)

۳۔ ستاروں کی گذرگاہیں اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ.... (۷۵ : ۵۶)۔(۴)۔ اِدبار النجوم میں سجدہ کرو۔ (۴۹ : ۵۲)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور کہا کہ میں ایسے معبودوں سے بیزار ہوں۔ (۸۹-۸۸ : ۳۷)

۶۔ شمس و قمر و نجوم اس کے قوانین کی زنجیروں میں مسخر ہیں۔ (۵۴ : ۷)۔(۱۲ : ۱۶)

۷۔ شمس و قمر و نجوم، خدا کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ (۱۸ : ۲۲)

۸۔ طارق یعنی نجمِ ثاقب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ..... (۳-۲ : ۸۶)

۹۔ نجم و شجر خدا کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ یہاں نجم کے معنی چھوٹی چھوٹی بوٹیوں کے ہیں۔ (۶ : ۵۵)

۱۰۔ ڈوبنے والا ستارہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ..... (۱ : ۵۳)۔(۱۱)۔ جب کواکب بکھر جائیں گے۔ (۲ : ۸۲)

۱۲۔ دنیا سے قریب تر بلندی کو کواکب سے مزین کیا۔ (۶ : ۳۷)

۱۳۔ قرآن خود ایک درخشندہ کوکب کی طرح ہے۔ (۳۵ : ۲۴)

۱۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے ڈوبنے والے ستارے کے متعلق کہا کہ وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ (۷۷ : ۶)

۱۵۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے خواب میں دیکھا کہ چاند۔ سورج اور گیارہ ستارے انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ (۴ : ۱۲)

بروج

۱۔ بروج (ستاروں) والا آسمان۔ (۱ : ۸۵)

۲۔ آسمان میں بروج کو وجہِ زینت بنایا۔ (۱۶ : ۱۵)—(۶۱ : ۲۵)

مصابیح

۱۔ مصابیح کو قریبی سماء (فضا) کے لئے وجہِ زینت بنایا اور سامانِ حفاظت۔ (۱۲ : ۴۱)۔ اور رجومٌ للشیٰطین۔ (۵ : ۶۷)

نجومی

۱۔ اب ستاروں سے پیش گویاں کرنے والوں کو دھکے پڑتے ہیں۔ (۱۸-۱۶ : ۱۵) - (۹-۶ : ۳۷) (۵ : ۶۷) - (۹-۸ : ۷۲)

۱۲۔ شوریٰ (مشاورت)

شوریٰ۔ قرآن کے سیاسی نظام میں، امورِ مملکت، اُمت کے باہمی مشورہ سے طے پائیں گے۔ اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ خود نبیٔ اکرمؐ کو بھی ارشاد ہوا کہ امورِ مملکت کے سلسلہ میں وہ بھی اپنے رفقاء سے مشورہ کیا کریں۔ اس سے (ضمناً) یہ بھی واضح ہے کہ جو معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں گے، حالات کے بدل جانے سے، ان میں باہمی مشاورت سے ردوبدل بھی ہو سکے گا۔ خواہ وہ رسولؐ اللہ کی زندگی میں ہو یا اس کے بعد۔

باہمی مشاورت کی مشینری کس قسم کی ہوگی، اسے قرآن نے خود متعین نہیں کیا۔ اسے امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق، اسے خود متعین کر لیں۔ شرط اس کے لئے ایک ہوگی، اور وہ یہ کہ باہمی مشاورت سے فیصلے قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے کئے جائیں گے۔ ان حدود کی خلاف ورزی یا تجاوز کا کسی کو حق نہیں ہوگا۔ یہ ہے فرق مغربی نظام جمہوریت اور اسلامی نظام مشاورت میں۔

مشاورت کا حکم

۱۔ اے رسول! امورِ (مملکت) میں اپنے رفقاء کے ساتھ مشورہ کیا کرو۔ پھر اس طرح جب تو کسی فیصلہ پہ پہنچ جائے تو پھر قانونِ خداوندی کی محکمیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے نافذ کر دو۔ (۱۵۸ : ۳)

۲۔ جماعتِ مومنین کے جملہ امور کے فیصلے باہمی مشاورت سے ہوتے ہیں۔ (۳۸ : ۴۲)

نوٹ:۔ سورۃ بقرۃ میں ایک جگہ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ (۲۳۳ : ۲) آیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ

مشورہ میں اختلاف رائے بھی ہو سکتا ہے۔ تراضی سے مراد اتفاق رائے ہے۔ درحقیقت، مشورہ کے معنی ہی معاملہ زیرِ نظر کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لا کر فیصلہ کرنے کے ہیں۔

۱۳۔ شہادت

شھد (ش - ھ - د) کے بنیادی معنی حاضر ہونا یا موجود ہونا ہیں۔ اس اعتبار سے شہادت کسی کے آنکھوں دیکھے واقعہ کے بیان کو کہیں گے۔ یعنی گواہی۔ نیز اس کے معنی نگرانی کے بھی ہیں۔ شہادت کا لفظ غیب کے مقابلہ میں بھی آیا ہے۔ وہاں شہادت کے معنی عالمِ محسوس ہوں گے اور غیب کے معنی غیر مرئی قوتیں یا وہ نتائج جو ہنوز محسوس طور پر سامنے نہ آتے ہوں۔ مشہود کے معنی ہوں گے محسوس طور پر سامنے آجانے والے امور۔ شہید کے معنی ہوں گے نگران، یا تصدیق کرنے والا۔ گواہی دینے والا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی فیصلہ کرنے والے کے بھی ہیں۔ انہی معانی کے لئے **شاھد** کا لفظ بھی آئے گا۔

ہمارے ہاں مقتولین فی سبیل اللہ کے لئے شہید (شہداء) کا لفظ آتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں انہیں مقتولین فی سبیل اللہ ہی کہا گیا ہے۔ البتہ (۱۳۹ : ۳) میں جنگ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ خدا تم میں سے شہداء لینا چاہتا ہے۔ اس کے عام معنی گواہ کے ہیں۔

شہادت

۱۔ کتمانِ شہادت بہت بڑا جرم ہے۔ (یہاں شہادت کے معنی تعلیمِ خداوندی کے ہیں)۔ (۱۴۰ : ۲)۔ (۲۸۳ : ۲)

۲۔ معاملاتِ قرض پر شاہد ہونے ضروری ہیں۔ (۲۸۲-۸۳ : ۲)۔ شاہد کو ضرر نہ پہنچاؤ۔ (۲۸۲ : ۲)

۳۔ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ آپ گواہ رہیئے کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ (۵۱-۵۲ : ۳)۔ (۱۱۳ : ۵)۔ قیامت میں حضرت عیسیٰؑ کا بیان کہ جب تک میں ان میں رہا، میں ان پر نگران تھا۔ (۱۱۷ : ۵)

۴۔ یتیموں کا مال لوٹاؤ تو اس پر گواہ رکھو۔ (۶ : ۴)

۵۔ بے حیائی کے جرم کے اثبات کے لئے چار گواہوں کی ضرورت۔ (۱۵ : ۴)

۶۔ عدل کے ساتھ شہادت دو خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ یا تمہارے ماں باپ وغیرہ کے خلاف (۱۳۵ : ۴)
(۶ : ۲۴) - (۲ : ۶۵)۔ دشمن کے خلاف بھی سچی شہادت اور عدل کا حکم (۸ : ۵)

۷۔ وصیت کے لئے شہادت۔ (۱۰۶-۱۰۸ : ۵)

۸۔ مکافاتِ عمل کے سلسلہ میں انسان خود اپنے خلاف شہادت دے گا۔ (۳۷ : ۷) - (۱۳۱ : ۶)۔ اس کے ہاتھ پاؤں شہادت دیں گے۔ (۲۴ : ۲۴) - (۶۵ : ۳۶) - (۲۱-۲۲ : ۴۱)

۹۔ مشرکین سے کہا کہ اس بات کی شہادت پیش کرو کہ خدا نے فلاں فلاں چیز حرام قرار دی ہے۔ (۱۵۱ : ۶)

۱۰۔ تہمت کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی ضرورت۔ جو ایسا نہ کر سکے اس کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ (۴ : ۲۴) - لعان کے لئے شہادات۔ (۶-۸ : ۲۴)

۱۱۔ واقعۂ افک پر لوگ گواہ نہیں لائے۔ (۱۳ : ۲۴) - (۱۲)۔ مومن جھوٹی بات کی شہادت نہیں دیتے۔ (۷۲ : ۲۵)

۱۳۔ شہادت بالحق اور شفاعت ایک ہی چیز ہے۔ (۸۶ : ۴۳) - (۱۴)۔ طلاق کے آخری مرحلہ پر شاہدین کی ضرورت۔ (۲ : ۶۵)

۱۵۔ مومن اپنی شہادت پر قائم رہتے ہیں۔ (۳۳ : ۷۰)

۱۶۔ اہلِ کتاب سے کہا کہ تم کفر کیوں کرتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ (۷۹ : ۳)

۱۷۔ رسول اللہؐ کی رسالت پر میثاقِ انبیاء اور ان کی شہادت۔ (۸۰ : ۳)

۱۸۔ نوعِ انسان کی ربوبیت خداوندی کے متعلق شہادت۔ (۱۷۲ : ۷)

۱۹۔ قومِ ثمود کے اکابرین کا مشورہ کہ حضرت صالحؑ کو قتل کر دو۔ اور پھر مکر جاؤ کہ ہم نے تو یہ بات نہیں دیکھی۔ (۴۹ : ۲۷)

۲۰۔ برادرانِ حضرت یوسفؑ کی (غلط) شہادت۔ (۸۱ : ۱۲)

۲۱۔ جو قوم اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ رسول حق پر تھا اور پھر کفر پر اتر آئے تو اسے راہِ ہدایت کیسے مل سکتی ہے۔ (۸۵ : ۳) - (۲۲)۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ تم دیکھتے بھالتے (تشہدون) جرائم کرتے تھے۔ (۸۴ : ۲)

۲۳۔ ان سے کہو کہ کیا تم واقعی شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور الٰہ بھی ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو میں تو اس کی شہادت نہیں دے سکتا۔ (۱۹ : ۶)

۲۴۔ قومِ ابراہیمؑ کے پجاریوں نے کہا کہ اس نوجوان کو پکڑ کر لاؤ تاکہ قوم اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کس نے ان کے بت توڑے ہیں۔ (۶۱ : ۲۱)

۲۵۔ منافقین رسول اللہؐ سے آکر کہتے تھے کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور خدا شہادت دیتا

تھا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں ۔ (۱۱ : ۵۹) ۔ (۱ : ۶۳)

۲۶۔ قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر خدا اور ملائکہ کی شہادت۔ (۴ : ۱۶۶)

۲۷۔ اہل کتاب کو مشترک کلمہ کی طرف دعوت ۔ اگر یہ پھر جائیں تو ان سے کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔ (۳ : ۶۳)

۲۸۔ حضرت ہودؑ کا اپنی قوم سے اعلان کہ تم گواہ رہو کہ میں تمہارے شرک سے بری الذمہ ہوں ۔ (۱۱ : ۵۴)

۲۹۔ معبودانِ باطل تخلیقِ ارض و سمٰوات کے وقت گواہ نہیں تھے ۔ (۱۸ : ۵۱)

۳۰۔ قرض کے معاملہ میں شہادت ۔ (۲ : ۲۸۲) ۔ (۳۱) مشرکین کہتے تھے کہ ہماری ان رسومات کا حکم خدا نے دیا تھا۔ کہا کہ کیا تم اس وقت شاہد (موجود) تھے جب خدا نے ایسا حکم دیا تھا؟ (۶ : ۱۴۴) ۔ (۶ : ۱۵۰)

۳۲۔ غلط تہمت لگانے والے کی شہادت قبول نہ کرو ۔ (۲۴ : ۴) ۔ (۳۳) ۔ وصیت کے متعلق شہادت ۔ (۵ : ۱۰۶)

شہید ۔ شہدا ۔ شاہد ۔ شہود ۔ مشہود

۱۔ امتِ مسلمہ شہداء علی الناس ہے ۔ یعنی اقوامِ عالم کے اعمال و کردار کی نگران ۔ اور رسول ان پر شہید ۔ (۲ : ۱۴۳) ۔ (۲۲ : ۷۸)

۲۔ جنگ کے سلسلہ میں کہا کہ خدا تم میں سے شہداء لینا چاہتا ہے ۔ (۳ : ۱۳۹)

۳۔ ہر امت میں سے ایک شہید ۔ اور رسول اللہؐ ان سب پر شہید ۔ (۴ : ۴۱) ۔ (۱۶ : ۸۹ - ۸۴) ۔ (۲۸ : ۷۵)

۴۔ ان میں سے ایک شاہد اس قرآن کو ان کے سامنے پیش کرتا ہے ۔ (۱۱ : ۱۷)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ خدا کے فاطرِ کائنات ہونے پر میں شاہد ہوں ۔ (۲۱ : ۵۶)

۶۔ زانی کو سزا دی جائے تو مومنین کی ایک جماعت اس پر شاہد ہونی چاہیئے ۔ (۲۴ : ۲)

۷۔ رسول اللہؐ شاہد بنا کر بھیجے گئے ہیں ۔ (۳۳ : ۴۵) ۔ (۴۸ : ۸) ۔ (۷۳ : ۱۵)

۸۔ قیامت میں نبی اور شہداء لائے جائیں گے ۔ (۳۹ : ۶۹)

۹۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء ۔ صدیقین اور شہداء کی معیت نصیب ہوگی ۔ (۴ : ۶۹) ایمان والے صدیق اور شہداء ہیں ۔ (۵۷ : ۱۹)

۱۰۔ قیامت میں ہر شخص ایک سائق اور ایک شہید کے ساتھ آئے گا ۔ (۵۰ : ۲۱) ۔ اشہاد گواہی دیں گے ۔ (۱۱ : ۱۸) قیامت کے متعلق کہا جس دن اشہاد کھڑے ہوں گے ۔ (۴۰ : ۵۱)

۱۱۔ عبرت وہی حاصل کر سکتا ہے جو بات کو غور سے سنے اور وہ شہید ہو۔ (۳۷ : ۵۰)

۱۲۔ شاہد و مشہود کی قسم۔ (۳ : ۸۵) ۔ یوم مشہود (۱۰۳ : ۱۱) ۔ قرآن الفجر مشہود ہے۔ (۷۸ : ۱۷)

۱۳۔ عزیزِ مصر کی بیوی کے اہل میں سے ایک شاہد نے شہادت دی۔ (۲۶ : ۱۲)

۱۴۔ بنی اسرائیل کے ایک شاہد نے قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی شہادت دی۔ (۱۰ : ۴۶)

۱۵۔ جب خدا نے ملائکہ کو پیدا کیا ہے تو کیا یہ مشرک جو انہیں مؤنث قرار دیتے ہیں، وہاں شاہد تھے؟ (۱۵۰ : ۳۷) ۔ (۱۹ : ۴۳) ۔ (۱۶) مشرک اپنے شرک پر اپنے خلاف آپ شاہد ہیں۔ (۱۷ : ۹)

۱۷۔ نصاریٰ قرآن کو سن کر کہتے ہیں کہ ہمیں شاہدین میں لکھ لو۔ (۸۳ : ۵)

۱۸۔ اے رسولؐ! جب ہم موسٰیؑ کو وحی کر رہے تھے تو تم وہاں شاہد (موجود) نہیں تھے۔ (۴۴ : ۲۸)

۱۹۔ اصحاب الاخدود، جو کچھ مومنین کے خلاف کر رہے تھے وہ اس پر شہود تھے۔ (۷ : ۸۵)

۲۰۔ اے اہلِ کتاب تم لوگوں کو سبیل اللہ کی طرف جانے سے کیوں روکتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ (۹۸ : ۳)

۲۱۔ کیا تم اس وقت وہاں موجود تھے جب یعقوبؑ اپنے بیٹوں کو وصیت کر رہے تھے۔ (۱۳۳ : ۲)

۲۲۔ یہودیوں کے احبار و رہبان اپنی کتابوں پر شاہد تھے۔ (۴۴ : ۵)

۲۳۔ قرآن کی تحدی کے سلسلہ میں کہا کہ اپنے شہداء کو بھی ساتھ بلا لو۔ (۲۳ : ۲)

۲۴۔ انسان خود اس پر شاہد ہے کہ وہ اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (۷ : ۱۰۰)

۲۵۔ قیامت کے دن معبودانِ باطل میں سے کوئی بھی سامنے نہیں آئے گا۔ (۴۷ : ۴۱)

۲۶۔ شہید کے معنی کسی کے ساتھ موقعہ پر موجود ہونا۔ (۷۲ : ۴)

۲۷۔ قیامت کے دن حضرت عیسٰیؑ اہلِ کتاب کے خلاف گواہ ہوں گے۔ (۱۵۹ : ۴)

خدا کا شہید ہونا

۱۔ منافق اپنے قول پر خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ (۲۰۴ : ۲)

۲۔ خدا، ملائکہ، صاحبانِ علم شہادت دیتے ہیں لا الٰہ الا اللہ کی۔ (۱۷ : ۳)

۳۔ خدا تمہارے اعمال پر شہید ہے۔ (۹۸ : ۳) ۔ (۶۱ : ۱۰)

۴۔ وحی کی صداقت پر خدا کی شہادت ہے اور ملائکہ کی بھی، اور خدا کی شہادت کافی ہے (۱۶۶ : ۴) ۔ (۲۸ : ۴۸)

۵۔ اے رسولؐ! کہہ دے کہ دحی کے معاملہ میں، خدا تم میں اور مجھ میں شہید ہے ۔ (۶ : ۱۹) ۔ (۱۰ : ۲۹) ۔ (۱۳ : ۴۳) ۔ (۱۷ : ۹۶) ۔ (۲۹ : ۵۲) ۔ (۴۶ : ۸) ۔ (۴۸ : ۲۸)

۶۔ خدا قیامت میں تمہارے اعمال پر شہید ہوگا ۔ (۱۰ : ۴۶)

۷۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے فیصلے پر خدا خود شاہد تھا ۔ (۲۱ : ۷۸)

۸۔ خدا ہر شے پر شہید ہے ۔ (۴ : ۳۳) ۔ (۲۲ : ۱۷) ۔ (۳۳ : ۵۵) ۔ (۳۴ : ۴۷) ۔ (۴۱ : ۵۳) ۔ (۵۸ : ۶) ۔ (۸۵ : ۹)

۹۔ منافق رسولؐ اللہ کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں ، خدا شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں ۔ (۹ : ۱۰۷) ۔ (۶۳ : ۱)

۱۰۔ رسولؐ اللہ کی رسالت پہ میثاقِ انبیاء پر خدا کی شہادت ۔ (۳ : ۸۰) ۔ خود خدا کی شہادت (۴ : ۷۹)

۱۱۔ خدا عالم الغیب والشہادۃ ہے (۶ : ۷۳) ۔ (۹ : ۹۴) ۔ (۹ : ۱۰۵) ۔ (۱۳ : ۹) ۔ (۲۳ : ۹۲) ۔ (۳۲ : ۶) ۔ (۳۹ : ۴۶) ۔ (۵۹ : ۲۲) ۔ (۶۲ : ۸) ۔ (۶۴ : ۱۸)

۱۲۔ حضرت عیسیٰؑ کا جواب کہ جب تک میں اپنی قوم میں رہا ان پہ نگران رہا ۔ اس کے بعد تو ہی سب باتوں پر نگران ہے ۔ (۵ : ۱۱۷)

متقولینِ فی سبیل اللہ

۱۔ مقتولینِ فی سبیل اللہ کو مردہ مت کہو ۔ (۲ : ۱۵۴) ۔ مردہ مت خیال کرو ۔ (۳ : ۱۶۸-۱۷۰)

۲۔ تم راہِ خدا میں قتل کر دیئے جاؤ یا مر جاؤ ۔ مغفرت و رحمت تمہارا حق ہوگیا ۔ (۳ : ۱۵۶) ۔ یہ سب جنت میں داخل ہوں گے ۔ (۳ : ۱۹۴)

۳۔ میدانِ جہاد میں قتل ہو جانے والے اور غالب و منصور لوٹنے والوں کا اجر ۔ (۴ : ۷۴)

متفرق

۱۔ شہد بمعنی گھر پہ موجود ہونا ۔ صیام انہی پر فرض ہیں ۔ (۲ : ۱۸۵) ۔ (۲۷ : ۳۲)

۲۔ شہود ۔ وہ بیٹے جو گھر پر بیٹھے رہیں ۔ (۷۴ : ۱۳)

۳۔ حج میں جاکر اپنی منفعت بخش چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو ۔ (۲۲ : ۲۸)

۴۔ علیون کو خدا کے مقرب بندے دیکھیں گے۔ (۲۱ : ۸۳) — (۵)۔ مشہد یوم عظیم - قیامت (۳۷ : ۱۹)
۶ - یوم مشہود (۱۰۳ : ۱۱) ——— (۷)۔ قرآن الفجر مشہود - (۸۰ : ۱۷)

شیطان[۱۴]

(نیز دیکھئے۔ ابلیس)

شیطان۔ اس لفظ کے مادہ کے دو معنی ہیں - (۱)۔ دور ہو جانا۔ جس سے مراد ہے۔ صحیح راستے سے دور ہٹ جانا اور زندگی کی خوشگواریوں اور سعادتوں سے محروم ہو جانا۔ اور (۲)۔ اشتعال میں آجانا۔ سرکشی اختیار کر لینا -

انسانی جذبات بڑی قیمتی متاع ہیں - اس کے ہر عمل کا محرک کوئی نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے۔ جس قدر وہ جذبہ شدید اور قوی ہوگا اتنا ہی وہ عمل زیادہ تیز ہوگا۔ لیکن کسی عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار یہ ہے کہ اگر وہ خدا کی مقرر کردہ حدود (مستقل اقدار) کے اندر رہے تو وہ صحیح ہے۔ اگر وہ ان حدود سے تجاوز کر گیا ہے تو غلط ہے - قرآن نے انسان کے ان جذبات کو جو حدود اللہ سے سرکشی اختیار کریں، شیطان کہہ کر پکارا ہے - انسانی عقل، اس کے جذبات کی تسکین کے لئے اسباب و ذرائع مہیا کرتی اور اس کے عمل کے لئے جواز کی دلیلیں وضع کرتی ہے - اگر یہ جذبات، حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں، تو جو عقل ان جذبات کے مقاصد کو بروئے کار لاتی ہے، اسے عقلِ بے باک کہا جائے گا۔ اس اعتبار سے، سرکش جذبات اور عقل بے باک، دونوں شیطان کی اصطلاح سے تعبیر کئے جاتے ہیں - اس قسم کے اعمال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان زندگی کی سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے - یہ چیز شیطان کی اصطلاح کے پہلے معانی کی تفسیر ہوگی -

۲۔ جس طرح ایک فرد کے عمل کا محرک کوئی نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے، اسی طرح اجتماعی زندگی میں عوام کے جذبات کو ان کے لیڈر (سرغنے) مشتعل کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے باطل نظام کے سرغنوں کو بھی شیاطین کہہ کر پکارا ہے - خواہ وہ سیاسی لیڈر ہوں یا مذہبی پیشوا - اسی طرح وحشی قبائل، جو تمدنی زندگی کی حدود و قیود سے ناآشنا ہوتے ہیں اور قواعد و ضوابط سے سرکشی برتتے ہیں، انہیں بھی شیاطین کہا گیا ہے -

عربوں کے ہاں ایک قسم کے سانپ کو بھی شیطان کہا جاتا تھا۔ اور اسی نسبت سے ناگ پھنی تھوہر کو بھی - نیز پیاس کی شدت سے جو جلن اور اضطرابی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اسے بھی شیطان سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

۳۔ انسان جو کام جذبات سے مشتعل ہو کر کرتا ہے، ان جذبات کے ٹھنڈا ہو جانے پر اسے اپنے کئے پر ندامت اور تأسف ہوتا ہے اور وہ اس طرح افسردگی اور ناامیدی کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کیفیت کو ابلیس کہہ کر پکارا ہے۔ لہٰذا شیطان اور ابلیس ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ وہ ابتداء کے لئے ہے، یہ انتہا کے لئے۔ آپ آدم اور ابلیس کے عنوانات میں دیکھئے، کس طرح ایک ہی بات کو ایک جگہ شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ ابلیس کی طرف۔

۴۔ اس سلسلہ میں طاغوت کا عنوان بھی دیکھئے۔

شیطان بمعنی انسان کے سرکش جذبات

۱۔ قرآن، اس رسول کے اپنے سرکش جذبات کا وضع کردہ نہیں۔ (۲۵ : ۸۱)۔ اسے شیاطین نے نازل نہیں کیا۔ (۲۶ : ۲۱۰)۔ شیاطین تو جھوٹے فریب کار پر نازل ہوتے ہیں۔ (۲۶ : ۲۲۱)

۲۔ خدا تمہیں انفاق کا حکم دے کر، مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور شیطان (تمہارے انفرادی مفاد پرست جذبات) تمہیں ڈراتا ہے کہ اس طرح تم محتاج ہو جاؤ گے۔ اس لئے وہ تمہیں بخل کی تلقین کرتا ہے (۲ : ۲۶۸) (۱۷ : ۲۶ - ۲۷) - (۳)۔ بزدلی اور دودلی کے جذبات نے انہیں میدانِ جنگ سے گریز کی راہیں سجھا دیں۔ (۳ : ۱۵۴) - (۳ : ۱۷۴)۔

۳۔ منافقین پر شیطان غالب آجاتا ہے۔ یہی لوگ حزب الشیطٰن ہیں۔ (۵۸ : ۱۹)

۵۔ اسلاف پرستی کے جذبات شیطان ہیں۔ (۳۱ : ۲۱)

۶۔ عقلِ فریب کار، ان کے غلط اعمال کو مزین بنا کر دکھا دیتی ہے۔ (ایسے ایسے دلائل تراشتی ہے کہ انسان غلط کو صحیح سمجھنے لگ جاتا ہے)۔ (۶ : ۴۳) - (۸ : ۴۸) - (۱۶ : ۶۳) - (۲۷ : ۲۴) - (۲۹ : ۳۸) - (۲۵ : ۴۷)

۷۔ لوگوں کو دکھاوے کی خاطر انفاق کرنے والے شیطان کے ہمجولی بنتے ہیں۔ (۴ : ۳۸)

۸۔ شیطان اس پر آمادہ کرتا ہے کہ وحی کے مطابق فیصلے کرانے کے بجائے غیر خداوندی قوتوں کی طرف رجوع کیا جائے (۴ : ۶۰)

۹۔ توہم پرستی شیطانی عمل ہے۔ اور شیطان کے وعدے سب فریب ہوتے ہیں۔ (۴ : ۱۱۹ - ۱۲۰) - (۱۷ : ۶۴)

۱۰۔ خمر اور میسرہ، عمل الشیطان ہیں۔ شیطان تم میں باہمی عداوت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ (۵ : ۹۰ - ۹۱)

۱۱۔ جہاں آیات خداوندی سے استہزاء ہو رہا ہو وہاں مت بیٹھو۔ اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو جب اس کی یاد آجائے

اس وقت اٹھ کر چلے آؤ۔ (۲۸ : ۶)

۱۲۔ شیطان نے مسلمانوں کو قرآن سے غافل کر دیا اور وہ اس سے یوں باہر نکل گئے جیسے سانپ اپنی کینچلی چھوڑ کر صاف باہر نکل جاتا ہے۔ (۱۷۵ : ۷)

۱۳۔ حضرت یوسفؑ کے ساتھ قیدیوں میں سے ایک نے کہا تھا کہ وہ ان کا ذکر بادشاہ سے کرے گا۔ لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا۔ (۴۲ : ۱۲)

۱۴۔ شیطان نے حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے مابین نزغ ڈلوادی۔ (۱۰۰ : ۱۲)

۱۵۔ مبذرین اخوان الشیاطین ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناسپاس گذار ہے (۲۷-۲۶ : ۱۷)

۱۶۔ شیطان پہلے انسان کو بہکاتا ہے۔ پھر آخر میں اسے دھوکا دے کر اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔ (۲۹ - ۲۸ : ۲۵)

۱۷۔ دیکھنا! شیطان تمہارا راستہ روک کر نہ کھڑا ہو جائے۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۶۲ : ۴۳)

۱۸۔ جھوٹی خبروں کے پیچھے لگ جانے سے، شیطان کا اتباع ہو جاتا ہے۔ (۸۳ : ۴)

۱۹۔ جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لیتا ہے، تباہ ہو جاتا ہے (۱۱۹ : ۴)

۲۰۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد سے کہا کہ شیطان کی عبودیت اختیار نہ کرنا۔ وہ خدا کا سرکش ہے۔ اگر آپ شیطان کے دوست بن گئے تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ (۴۵ - ۴۴ : ۱۹)

۲۱۔ بنی آدم سے (وحی کے ذریعے) کہا گیا تھا کہ شیطان کی عبودیت اختیار نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے (۶۰ : ۳۶)

۲۲۔ اے جماعتِ مومنین! تم شیطان کے نقوشِ قدم کا اتباع نہ کرنا۔ وہ تمہیں فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے۔ (۱۶۹ - ۱۶۸ : ۲) – (۲۱ : ۲۴)

۲۳۔ اے نوعِ انسان! زمین کی پیداوار سے حلال و طیب طریق سے کھاؤ۔ اور شیطان کے نقوشِ قدم کا اتباع مت کرو۔ وہ فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے۔ (۱۶۹-۱۶۸ : ۲) – (۱۴۳ – ۱۴۲ : ۶)

۲۴۔ جنگِ بدر کے دن جو بارش ہوئی تو اس سے جماعتِ مومنین سے "رجز من الشیطان" رفع ہو گیا۔ یعنی اضمحلال - افسردگی وغیرہ - (۱۱ : ۸)

۲۵۔ حضرت موسیٰؑ نے جب غصہ میں آکر قبطی کو مار دیا، تو بعد میں افسوس کرتے ہوئے کہا کہ یہ شیطانی کام ہو گیا - (۱۵ : ۲۸)

۲۶۔ شیطان پہلے تو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کا مرتکب ہو۔ جب وہ ایسا کرتا ہے تو پھر کہتا ہے کہ میں اس سے

بری الذمہ ہوں۔ میں تو خدا سے ڈرتا ہوں ۔ (یہ اشتعال کے بعد کی ندامت اور تاسف ہے) - (۱۶ : ۵۹)

۲۷۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی نے کہا کہ مچھلی پانی میں چلی گئی تھی ۔ لیکن شیطان نے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں (۱۸:۶۳)

۲۸۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے (حضرت یوسفؑ) سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو مت بتانا ۔ وہ تیرے خلاف معلوم کیا سازش کر گزریں ۔ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے - (۵ : ۱۲)۔

۲۹۔ ہمیشہ ایسی بات کرو جو بہت اچھی ہو ۔ شیطان تم میں نزاع ڈال دینا چاہتا ہے ۔ وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ (۵۳ : ۱۷)

۳۰۔ شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ اسے دشمن ہی سمجھو ۔ وہ تمہیں دوزخ کی طرف بلاتا ہے - (۶ : ۳۵)

۳۱۔ کفار پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے جو انہیں (غلط کاموں کے لئے) اکساتے ہیں ۔ (۸۳ : ۱۹)

۳۲۔ اے ایمان والو! اسلام میں بہ تمامہ داخل ہو جاؤ ۔ اور شیطان کے نقوش قدم کا اتباع مت کرو ۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ (۲۰۸ : ۲)

شیطان بمعنی سیاسی لیڈر یا مذہبی پیشوا

۱۔ خدا کے خلاف جدال کرنے والا ، سرکش شیطان (سرغنے) کا اتباع کرتا ہے ۔ حالانکہ لوگوں سے (وحی نے) کہہ دیا تھا کہ ایسے اشخاص کے پیچھے مت لگیں - (۳-۴ : ۲۲)

۲۔ نزولِ قرآن کے بعد ، ستاروں سے قسمتیں بتانے والے مذہبی فریب کاروں کا دور ختم ہو جائے گا ۔ کیونکہ اب زمانۂ علم و بصیرت کا آ رہا ہے ۔ (۱۶-۱۸ : ۱۵) - (۶-۸ : ۳۷) - (۵ : ۶۷)

۳۔ قرآن کسی فریب کار مذہبی پیشوا کا وضع کردہ نہیں - (۲۵ : ۸۱)

۴۔ تقلید اور اسلاف پرستی کے مسلک کی دعوت دینے والے شیطان ہیں - (۲۱ : ۳۱)

۵۔ شیطان اپنے رفقاء کو ڈراتا ہے اور اس طرح انہیں میدانِ جنگ سے فرار کی راہ دکھاتا ہے ۔ (۱۷۴ : ۳)

۶۔ میدانِ جنگ سے بھگانے والا سرغنہ - (۴۸ : ۸)

۷۔ جہنم میں لیڈروں اور ان کے متبعین کا مکالمہ - جب معاملہ اختتام پذیر ہو جائے گا تو شیطان کہے گا کہ میں نے جو کچھ تم سے کہا تھا وہ غلط ثابت ہوا ۔ (۲۲ : ۱۴)

۸۔ شیطان ، (انبیاء کی وفات کے بعد) ان کی وحی میں آمیزش کر دیتا تھا ۔ اور خدا دوسرے رسول کو بھیج کر پھر اس

وحی کو منسوخ کر دیتا تھا۔ (۲۲ : ۵۲-۵۳)

۹۔ انسان کے بعض دوست، شیطان ہوتے ہیں۔ (۲۵ : ۲۸-۲۹)

۱۰۔ توہم پرستی کی تعلیم دینے والے شیطان ہیں۔ (۴ : ۱۱۹) - (۶ : ۱۴۳-۱۴۴)

۱۱۔ تم اولیا الشیطان کے خلاف جنگ کرو۔ شیطان کے مکائد بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اسی کو طاغوت کہتے ہیں۔ (۴ : ۷۶)

۱۲۔ مومنین کو خائف کرنے کے لئے شیطان خفیہ سازشیں کرتا رہتا ہے۔ (۵۸ : ۱۰)

۱۳۔ مذہبی پیشوائیت لوگوں کو توہم پرستی میں مبتلا رکھتی ہے تاکہ اس طرح اپنے مفاد حاصل کرے۔ یہ شیطانی روش ہے۔ (۴ : ۱۱۶ - ۱۲۰) — (۱۴)۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے تو شیطان اس کا قرین (ساتھی) بن جاتا ہے اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ اس قسم کے ساتھی، خدا کی راہ میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (۴۳ : ۳۶ - ۳۸)

۱۵۔ شیاطین الجن و الانس، ہر نبی کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہ آپس میں ملمع ساز باتوں سے فریب دہی کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ (۶ : ۱۱۳ - ۱۱۴)

۱۶۔ شیاطین نے مملکتِ حضرت سلیمانؑ کے خلاف جو افسانے تراشے تھے، یہودی ان کا اتباع کرتے تھے۔ حالانکہ سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا تھا۔ یہی شیاطین کفر کرتے تھے اور لوگوں کو جادو، ٹونے کی باتیں سکھاتے تھے۔ (۲ : ۱۰۲)

۱۷۔ جو ہدایتِ خداوندی پا لینے کے بعد پھر غلط راستے پر چل پڑے تو شیاطین اس پر غالب آجاتے ہیں اور وہ راہ گم کردہ حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ (۶ : ۷۱)

۱۸۔ جو ایمان نہیں لاتے، شیاطین ان کے دوست بن جاتے ہیں۔ (۷ : ۲۷) — (۷ : ۳۰)

۱۹۔ شیاطین اپنے دوستوں کو اشارے (یوحون - وحی) کرتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا پیدا کریں۔ (۶ : ۱۲۲)

۲۰۔ حیاتِ آخرت سے انکار کرنے والوں - اور شیاطین کو جمع کیا جائے گا۔ اور جہنم کے کنوئیں میں جھکایا جائیگا۔ (۱۹-۶۸)

۲۱۔ منافقین جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب اپنے شیاطین کی طرف خلوت میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ان سے مذاق کرتے ہیں۔ (۲ : ۱۴)

۲۲۔ شیطان تم میں باہمی نزاع پیدا کرتا رہتا ہے۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۱۷ : ۵۳)

۲۳۔ حزب الشیطان ہمیشہ خسارہ میں رہے گا۔ (۵۸ : ۱۹)

شیطان اور آدم

۱۔ شیطان نے آدمؑ اور اس کی بیوی کو بہکا دیا۔ (۳۶ : ۲)۔ (۲۰ : ۷)۔ (۱۲۰ : ۲۰)

۲۔ اے بنی آدم! تمہیں شیطان ورغلا نہ دے جیسے اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ (۲۷ : ۷)

۳۔ آدم اور اس کی بیوی سے کہا گیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۲۲ : ۷)

شیطان بمعنی سانپ

۱۔ سودخوار کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی کو سانپ نے ڈس لیا ہو۔ (۲۷۵ : ۲)

۲۔ حضرت ایوبؑ کو سانپ نے ڈس لیا اور شدتِ پیاس سے وہ مضمحل ہو گئے۔ (۴۱ : ۳۸)

۳۔ شجرۃ الزقوم کے پتے، ناگ پھنی تھوہر کی طرح۔ (۶۵ : ۳۷)

شیطان اور ابلیس ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہیں

۱۔ قصہ آدم میں پہلے ابلیس کی بات ہو رہی ہے۔ آخر میں کہا کہ شیطان کے وعدے سب فریب ہیں۔ (۲۰ : ۷)۔ (۶۴ : ۱۷)

شیطان، رجیم ہے

۱۔ شیطان رجیم سے پناہ میں رہنے کی دعا (۳۵ : ۳)۔ (۱۸-۱۶ : ۱۵)۔ (۹۸ : ۱۶)۔ (۲۵ : ۸۱)

۲۔ شیطان مرید ہے۔ (۱۱۷ : ۴)۔ (۳ : ۲۲)۔ مارد (۸-۶ : ۳۷)

شیطان بمعنی وحشی قبائل

۱۔ شیاطین، حضرت سلیمانؑ ــــــــ کے لئے بڑے بڑے کام کیا کرتے تھے۔ (۸۲ : ۲۱)۔ (۳۷ : ۳۸)

متفرق

۱۔ شیطان کی طرف سے کوئی باعثِ نزاع بات سامنے آئے تو خدا کی پناہ میں آجاؤ۔ (۲۰۰ : ۷)۔ (۳۶ : ۴۱)

۲- متقی وہ ہیں کہ اگر کبھی کوئی شیطانی خیال یونہی گھومتے پھرتے ان کے دل میں آجائے تو وہ فوراً قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے لے آتے ہیں اور اس سے ان کی نگاہیں حقیقت کو دیکھ لیتی ہیں۔ (۷ : ۲۰۱)

۳- شیطان اور اس کا خاندان تمہیں دیکھتا ہے۔ تم انہیں نہیں دیکھ پاتے ۔ (۷ : ۲۷)

۴- جب قرآن پڑھو تو شیطانِ رجیم سے خدا کی پناہ میں آجاؤ۔ (۱۶ : ۹۸)

۵- شیطان سے پناہ میں آجانے کی دعا - (۲۳ : ۹۷)

ص

۱- صابئین

صابئین کا ذکر، قرآن کریم میں یہود - نصاریٰ - مجوس کے ساتھ آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی مذہبی فرقہ تھا۔ جس سے اس زمانہ کے عرب اچھی طرح متعارف تھے۔ قرآن نے ان کی بابت کچھ نہیں بتایا، بجز اس کے کہ اسلام کا دروازہ، ان کے لئے بھی کھلا ہے۔ ان کے متعلق، مختلف محققین کے مختلف خیالات ہیں۔ (تفصیل لغات القرآن میں ملے گی) ۔ قرآن کریم کے حوالے یہ ہیں۔ (۲ : ۶۲) - (۵ : ۶۹) - (۲۲ : ۱۷)

۲- صالح - صالحین

صلح (ص - ل - ح) کے بنیادی معنی ہوتے ہیں، جس چیز کو جس حالت میں ہونا چاہیئے اُسے ٹھیک اسی حالت میں ہونا - حالات کا عقل اور دین کے تقاضوں کے مطابق متوازن اور معتدل ہونا - توازن برقرار رہنا - (ان معانی کی

وضاحت "اعمالِ صالح" اور "اصلاح" کے عنوانات میں ملے گی) جن لوگوں کے کام، عقل اور دین کے تقاضوں کیمطابق ہوں۔ اور ان کی سیرت و کردار میں صحیح صحیح توازن ہو، قرآن کریم نے انہیں صالحین کہہ کر پکارا ہے۔ یہ اپنی صلاحیتوں کو وحی کی عطا کردہ مستقل اقدار کے مطابق صرف کرتے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اپنے کام بھی سنور جاتے ہیں اور معاشرہ کے امور میں بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو اس سے عالم انسانیت میں امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ "صلح" فساد کی ضد ہے۔ فساد کے معنی ناہمواریاں پیدا ہو جانا ہیں۔ لہٰذا، صلح سے مراد ہر طرح کی ہمواریاں پیدا ہونا ہیں۔

۲۔ قوم ثمود کی طرف جو رسول مبعوث ہوئے تھے، ان کا اسم گرامی حضرت صالحؑ تھا۔ ویسے سیرت و کردار کی رو سے تمام انبیاء کرام صالحین تھے۔

صالحین

۱۔ خدا۔ جبرائیل۔ اور صالح مومنین، رسول اللہؐ کے دوست اور دمساز تھے۔ (۴ : ۶۶)

۲۔ قصۂ حضرت موسیٰؑ کے دو یتیم بچوں کے ماں باپ صالح تھے۔ (۸۲ : ۱۸)

۳۔ صالحات (صالح مومن عورتیں)۔ (۳۴ : ۴) ۔ (۱۲۴ : ۴)

۴۔ بنی اسرائیل میں صالحین بھی تھے اور غیر صالحین بھی۔ (۱۶۸ : ۷)۔ "جنوں" میں سے بھی (۱۱ : ۷۲)

۵۔ زمین کے وارث عباد الصالحین ہوتے ہیں۔ (۱۰۵ : ۲۱)

۶۔ حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی بیویوں کے متعلق کہا کہ وہ ہمارے صالح بندوں کی بیویاں تھیں۔ (۹ : ۶۶)

۷۔ اگر تم صالح ہو جاؤ تو خدا کی حفاظت حاصل ہو جائے گی۔ (۲۵ : ۱۷)

۸۔ انبیاء سب صالحین تھے۔ (۸۶ : ۶) ۔ (۷۲ : ۲۱) ۔ (۸۶ : ۲۱)

۹۔ قوم صالحین میں شامل ہونے کی دعائیں۔ (۸۴ : ۵) ۔ (۱۰۱ : ۱۲) ۔ (۸۳ : ۲۶)
(۱۹ : ۲۷) ۔ (۱۰۰ : ۳۷)۔ (۱۰)۔ خدا صالحین کا ولی ہے۔ (۱۹۶ : ۷)

۱۱۔ ایمان اور عمل صالح سے صالحین کے زمرے میں داخلہ۔ (۹ : ۲۹)

۱۲۔ حضرت یحییٰؑ، انبیائے صالحین میں سے تھے۔ (۳۸ : ۳) ۔ (۱۳)۔ حضرت عیسیٰؑ صالحین میں سے تھے۔ (۴۵ : ۳)

۱۴۔ اہل کتاب میں سے جو ایمان لے آئیں وہ صالحین میں سے ہو جائیں گے۔ (۱۱۳ : ۳)

۱۵۔ خدا سے عہد کرنے والے صالحین میں سے ہو جاتے ہیں۔ (۷۵ : ۹)
۱۶۔ حضرت موسےٰؑ نے جس مردِ بزرگ کی ملازمت کا عہد کیا تھا، اس نے کہا تھا کہ تم مجھے صالحین میں سے پاؤ گے۔ (۲۷ : ۲۸) — (۱۷)۔ حضرت اسحٰقؑ صالحین انبیا میں سے تھے۔ (۱۱۲ : ۳۷)۔ حضرت یونسؑ بھی۔ (۵۰ : ۶۸)
۱۸۔ موت سے پہلے کچھ کر لو۔ ورنہ تمہیں پچھتاوا لگ جائے گا۔ کہ مجھے مہلت مل جاتی تو میں صالحین میں سے ہو جاتا۔ (۱۰ : ۶۳) — (۱۹)۔ حضرت ابراہیمؑ صالحین میں سے تھے۔ (۱۳۰ : ۲)۔ (۱۲۱ : ۱۶) — (۲۷ : ۲۹)۔ حضرت لوطؑ بھی۔ (۷۵ : ۲۱)
۲۰۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے منعم علیہم کی معیت نصیب ہو جاتی ہے۔ یعنی انبیاؑ۔ صدیقؑ۔ شہداؑ۔ اور صالحین کی۔ (۶۹ : ۴)
۲۱۔ مجاہدین کا ہر عمل، عملِ صالح ہوتا ہے۔ (۱۲۰ : ۹)
۲۲۔ عملِ صالح، نظریۂ خداوندی کے ارتفاع کا باعث ہوتا ہے۔ (۱۰ : ۳۵)
۲۳۔ عملِ صالح اور غیر صالح کا اختلاط۔ (۱۰۲ : ۹)

اصلح (صالح بن جانا)

۱۔ جو ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کرے ..... (۱۶۰ : ۲) — (۸۸ : ۳) — (۱۶ : ۴) — (۱۴۶ : ۴) — (۳۹ : ۵) — (۵۴ : ۶) — (۱۱۹ : ۱۶) — (۵ : ۲۴) — (۷۶ : ۲۸)
۲۔ جو ایمان لے آئے اور صالح بن جائے اس پر خوف و حزن نہیں۔ (۴۸ : ۶) — (۳۵ : ۷)
۳۔ اہلِ جنت کے آباء میں سے بھی وہی جنت میں جائیں گے جو اصلح ہوں گے۔ (۲۳ : ۱۳) — (۸ : ۴۰)

مصلحین

۱۔ مصلح بمقابل مفسد۔ (۱۱-۱۲ : ۲) — (۲۲۰ : ۲)
۲۔ جس بستی کے رہنے والے مصلح ہوں، وہ تباہ نہیں ہوتی۔ (۱۱۷ : ۱۱)
۳۔ مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (۱۷۰ : ۷) — (۴) جبار کے مقابلہ میں مصلح۔ (۱۹ : ۲۸)

اصلح بمعنی صُلح

۱۔ وصیت کے بارے میں باہمی صلح کرادینا بہتر ہے۔ (۱۸۲ : ۲)

۲۔ میاں بیوی کا باہمی صلح کرلینا بہتر ہوتا ہے ۔یا اصلاح کر لینا ۔ (۱۲۸ : ۴) ۔ (۱۲۹ : ۴)

۳۔ لوگوں میں صلح کرادینا ۔ (۲۲۴ : ۲)

۴۔ اگر تم میں سے دو پارٹیوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرادو ۔ (۸-۱) ۔ (۱۰-۹ : ۴۹)

اصلاح

۱۔ مجرم قابلِ اصلاح ہو تو اسے معاف کردینا چاہیئے ۔ (۱۶ : ۴) ۔ (۴۰ : ۴۲)

۲۔ یتامیٰ کی اصلاح کرنا عملِ خیر ہے ۔ (۲۲۰ : ۲)

۳۔ لوگوں کی اصلاح (یا صلح بین النّاس) کے لیے مشورے کرنا اچھا ہے ۔ (۱۱۴ : ۴)

۴۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہاری اصلاح چاہتا ہوں ۔ (۸۸ : ۱۱)

۵۔ اگر میاں بیوی اصلاح چاہیں تو خاوند کا حق اولیٰ ہے ۔ (۲۲۸ : ۲) ۔ (۳۵ : ۴)

۶۔ ملک میں اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ ۔ (۵۶ : ۷) ۔ (۸۵ : ۷)

صالح کے دیگر معانی

۱۔ تندرست ۔صحیح وسالم بچے کے لیے صالح کا لفظ آیا ہے ۔ (۱۹۰-۱۸۹ : ۷)

۲۔ الباقیات الصالحات ۔ (۴۶ : ۱۸) ۔ (۷۶ : ۱۹)

۳۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ یوسفؑ کو ختم کر دیا جائے تو اس کے بعد ہم ایک "صالح" قوم بن جائیں گے۔
یعنی ہمارے سب کام درست ہو جائیں گے ۔ (۹ : ۱۲)

۴۔ صالحین ۔جو نکاح کے قابل ہوں ۔ (۳۲ : ۲۴)

۵۔ جو مجرم سے درگزر کرے اور یوں اس کی اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ کے ہاں ہے ۔ (۴۰ : ۴۲)

۶۔ اَصْلَحَ بالھم ۔ خدا ان کے حالات سنوار دے گا ۔ (۷۱ : ۳۳) ۔ (۲ : ۴۷) ۔ (۵ : ۴۸) ۔

مفسدین کے کاموں کو نہیں سنوارے گا۔ (۸۱ : ۱۰)

۷۔ مفسدین کی راہ پہ نہ چلنے سے اصلاح ہوتی ہے۔ (۱۴۲ : ۷)

۸۔ دعا کہ میری نسل کے سلسلہ میں بھی میرے معاملات سنوار دے۔ (۱۵ : ۴۶)

۹۔ حضرت زکریاؑ کی بیوی کا نقص دور کر کے اسے اولاد کے قابل بنا دیا۔ اصلحنا (۹۰ : ۲۱)

۱۰۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کے عمل غیر صالح تھے۔ (۴۶ : ۱۱)۔

حضرت صالحؑ

۱۔ حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ سے پہلے گذرے ہیں کیونکہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر تم نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا تو تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو قومِ صالحؑ کا ہوا تھا۔ (۸۹ : ۱۱)

۲۔ قومِ ثمود کی طرف حضرت صالحؑ۔ (۱۵۹ - ۱۴۱ : ۲۶)

۳۔ قومِ ثمود، کے سرداران، رزق کے سرچشموں پر قابض ہو کر بیٹھ گئے تھے اور کمزور لوگوں کو ان سے متمتع نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسے فساد کہا گیا۔ اور اس کے مقابلہ میں صلح کا لفظ استعمال کیا گیا۔ (۱۵۲ : ۲۶)

۴۔ قصۂ قومِ ثمود و حضرت صالحؑ۔ (۷۹-۷۳ : ۷) - (۶۸ - ۶۱ : ۱۱) - (۵۳ - ۴۵ : ۲۷)

۳۔ صبر (ثبات ۔ استقامت)

صبر ۔ ہمارے ہاں صبر کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب مصیبتیں اتنی زیادہ اور سخت ہو جائیں کہ ان کا کوئی علاج نہ ہو سکے۔ تو انتہائی مایوسی کے عالم میں بے دست و پا ہو کر بیٹھ جانا اور کچھ نہ کرنا۔ حتیٰ کہ زبان سے گلہ اور شکوہ تک بھی نہ کرنا۔ اسے صبر کرنا کہا جاتا ہے اور جتنا کوئی شخص اس عادت میں زیادہ راسخ ہو جائے اتنا ہی اسے خدا کا مقرب سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ "راضی برضا" رہتا ہے۔ لیکن عربی زبان (اور قرآن کریم کے استعمال کی رُو سے) اس لفظ کے معنی ہوتے ہیں — مطلوبہ شے کے حصول کے لئے برابر مصروفِ کار رہنا۔ اس اعتبار سے اس کے بنیادی معنوں میں استقامت، ثابت قدمی، استقلال اور مسلسل جدوجہد داخل ہیں۔

بعض اوقات انسان، مخالفین کے اشتعال دلانے پر، اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ بھی "بے صبری

کی دلیل ہے - اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر اس کے پروگرام کے نتیجہ خیز ہونے میں تاخیر ہو جاتی ہے ۔ تو وہ اس سے جھلّا اٹھتا ہے اور جلد بازی پر اتر آتا ہے ۔ یہ بھی صبر کے خلاف ہے ۔ صابر (یا صبّار) وہ ہے جو نہایت ہمت، استقلال ثابت قدمی اور حوصلہ سے مخالفت کا مقابلہ کرے ۔ کبھی جی نہ ہارے ۔ مایوس نہ ہو ۔ جلد بازی نہ کرے ۔ جذبات میں اشتعال نہ پیدا ہونے دے ۔ اور اپنی تگ و تاز میں برابر آگے بڑھتا چلا جائے ۔ یہ جوہر، کامیابی کا ضامن ہوتا ہے اور مومن کی بہت بڑی صفت ۔

۲۔ استقامت کا لفظ بھی صبر کے معنوں میں آتا ہے ۔ تثبیت کا لفظ دلجمعی کے معنوں میں آتا ہے ۔ یا کسی قوم کی جڑوں کو مضبوط کر دینے کے معنوں میں ۔

صابرین کون ہیں

۱۔ بھوک ۔ خوف ۔ نقصِ اموال و ثمرات و نفوس ۔ غرضیکہ ہر قسم کی مشکلات میں ثابت قدم رہنے والے ۔ اور آگے بڑھتے چلے جانے والے ۔ (۱۵۷-۱۵۳ : ۲)

۲۔ نامساعد حالات حتّٰی کہ جنگ تک میں ثابت قدم رہنے والے ۔ (۱۷۷ : ۲)

۳۔ ڈسپلن قائم رکھنے والے ۔ ضبطِ نفس کرنے والے ۔ (۲۴۹ : ۲) - (۶۸-۶۷ : ۱۸) - (۷۲ : ۱۸) - (۷۵ : ۱۸) - (۸۲ : ۱۸) - (۴۹ : ۵)

(سورۂ کہف (۱۸) کی آیات قصۂ حضرت موسیٰؑ اور مردِ بزرگ کے سلسلہ میں ہیں)

۴۔ اللہ کے بندے ۔ صابرین، صادقین ۔ قانتین وغیرہ ۔ (۱۷ : ۳)

۵۔ میدانِ جنگ میں ہمت نہ ہارنے والے ۔ پست حوصلہ نہ ہو جانے والے ۔ (۱۴۵-۱۴۲ : ۳)

۶۔ جنسی معاملات میں ضبطِ خویش سے کام لینے والے ۔ (۲۵ : ۴)

۷۔ مخالفین کی طرف سے تکذیب پر صبر کرنے والے (نہ ہمت ہارنا ۔ نہ مشتعل ہونا) ۔ (۳۴ : ۶)

۸۔ نتائج کا دلجمعی سے انتظار کرنے والے ۔ (۸۷ : ۷)

۹۔ میدانِ جنگ میں کامل یکجہتی اور اتحاد سے ثابت قدم رہنے والے اور قوانینِ خداوندی کو ہر وقت سامنے رکھنے والے ۔ (۴۶-۴۵ : ۸)

۱۰۔ نامساعد حالات میں مایوس نہ ہونا اور خوشحالی کے زمانے میں اترانے نہ لگنا ۔ (۱۱-۹ : ۱۱) - (۲۱-۱۹ : ۷۰)

۱۱۔ خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ثابت قدم رہنے والے۔ سیأت کو حسنات سے دور کرنے والے۔ (۲۲ : ۱۳)-
(۳۵ ۳۴ : ۴۱) ـ (۱۲) ـ مہاجرین۔ مجاہدین۔ (۱۱۰؛۴۲،۴۳-۴۱ : ۱۶)- ان ارض اللہ واسعۃ -(۱۰ : ۳۹)

۱۲۔ تم فوری بدلہ بھی لے سکتے ہو۔ لیکن اگر ہمت اور استقلال سے کام لو تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ حتیٰکہ مخالفین کی سازشوں سے دل گرفتہ تک بھی نہ ہو۔ نہ ہی مغموم۔ (۲۷ - ۱۲۶ : ۱۶)-(۴۳-۳۹ : ۴۲)

۱۴۔ حق پر جم کر رہنے والے اور باطل سے مفاہمت کا خیال تک دل میں نہ لانے والے۔ (۷۴ ، ۱۷ : ۱۷)

۱۵۔ ہر حادثہ پر ثابت قدمی سے کام لینے والے مومنین۔ (۳۵ : ۲۲)

۱۶۔ مخالفین کے تمسخر اڑانے پر صبر سے کام لینے والے۔ (۱۱۱ - ۱۱۰ : ۲۳)

۱۷۔ (سرمایہ داری کے برعکس) محنت سے کمانا، بڑا صبر طلب ہوتا ہے۔ لیکن اس کا بدلہ بہت اچھا ہوتا ہے۔(۸۰-۷۹ :۲۸)

۱۸۔ نظامِ فطرت پر غور و فکر کرنے والے۔ تاریخی شواہد سے عبرت حاصل کرنے والے۔ صبار و شکور ہیں۔ (۵ : ۱۴)
(۳۱ : ۳۱) - (۱۹- ۱۵ : ۳۴) - (۳۳ : ۴۲)

۱۹۔ مومن مرد اور عورتیں صابرین ہوتے ہیں۔ (۳۵ : ۳۳)

۲۰۔ خدا (کے دین) کی مدد کرنے والوں کی خدا مدد کرتا ہے۔ یعنی انہیں ثبات عطا کر دیتا ہے۔ (۷ : ۴۷)

۲۱۔ زندگی کی ہر گردش میں ثابت قدم رہنے والے۔ (۳۱ : ۴۷)

صبر کے نتائج

۱۔ صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ استعانت۔ یعنی صبر و صلوٰۃ سے نصرتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے۔ (۴۵ : ۲)-
(۱۵۳ : ۲) - (۱۲۸ : ۷) - (۷ : ۴۷)۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ (۲۲- ۱۹ : ۷۰)

۲۔ ان پر خدا صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے۔ یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (۱۵۷ : ۲)

۳۔ یہی صادق ہیں۔ یہی متقی ہیں۔ (۱۷۷ : ۲)

۴۔ اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔ (۲۴۹ : ۲) - (۶۶ : ۸)- اس سے تم اپنے سے دگنی فوج پر فتح حاصل کر لوگے ۔ (۵)- صبر اور تقویٰ سے کامیابی۔ (۱۱۹: ۳)-(۱۹۹ : ۳)

۶۔ صبر اور جہاد کے بغیر جنت میں نہیں جا سکتے۔ موت کی تمنا کرو۔ (۲۱۴ : ۲) - (۱۴۲ - ۱۴۱ : ۳)

۷۔ ثواب الدنیا اور ثواب الآخرت دونوں۔ (۱۴۷ : ۳) - (۴۲ - ۴۱ : ۱۶)

۸- تمکن فی الارض - حصول مملکت و قوت - وراثتِ ارض - (۱۲۸ : ۷) - (۱۳۷ : ۷)

۹- اپنے سے دس گنا زیادہ دشمن پر کامیابی - (۶۵ : ۸) - دگنی پر (۶۶ : ۸)

۱۰- صبر سے کام لو - خدا محسنین کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا - (۱۱۵ : ۱۱)

۱۱- صبر اور تقویٰ سے احسانات خداوندی - وہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا - (۹۰ : ۱۲)

۱۲- ان کا انجام نہایت اچھا ہوتا ہے - (۲۲ : ۱۳) - جنت ملتی ہے - (۲۴ : ۱۳)

۱۳- عمل کا بہترین نتیجہ - (۹۶ : ۱۶) - (۱۴) - صابرین فائز المرام ہوتے ہیں - (۱۱۱ : ۲۳)

۱۵- صبر کا بدلہ جنت - (۷۵ : ۲۵) - (۵۸-۵۹ : ۲۹) - (۱۲ : ۷۶)

۱۶- صبر کی وجہ سے دوہرا اجر - (۵۴ : ۲۸)

۱۷- صبر، عزم الامور میں سے ہے - (۱۸۶ : ۳) - (۱۷ : ۳۱) - (۴۳ : ۴۲)

۱۸- صبر سے کام لینے والے ائمہ بنا دیئے جاتے ہیں - (۲۴ : ۳۲) - (۱۹) - صابرین کا اجر بغیر حساب - (۱۰ : ۳۹)

۲۰- اللہ کو رب کہنے والے اور پھر اس پر استقامت سے جم جانے والے - ان پر خوف و حزن نہیں ہوگا - یہ اصحاب الجنۃ ہیں - (۱۳-۱۴ : ۴۶) - ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے - (۳۰ : ۴۱)

۲۱- استقامت سے عمل کی کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں - (۱۶ : ۷۲) - (۲۲) - صبر اور تقویٰ سے ملائکہ کی مدد - (۱۲۴ : ۳)

۲۳- صبر اور تقویٰ سے تمکن فی الارض - مدارج بلند - (۹۰ : ۱۲)

صبر و ثبات کے لئے دعائیں اور آرزوئیں

۱- صبر یعنی ثابت قدمی کے لئے دعائیں - (۲۵۰ : ۲) - (۱۴۵-۴۶ : ۳)

۲- ساحرینِ دربارِ فرعون کی دعائیں - (۱۲۶ : ۷)

۳- لیکن یہ اسے حاصل ہو سکتا ہے جو خدا (کے دین) کی مدد کرے - (۴۷ : ۷)

صبر کی تلقین و تاکید

۱- اصبروا - صابروا - رابطوا - اتقوا - اس سے کامیابی ہوگی - (۱۹۹ : ۳)

۲- انبیاء سابقہ کے احوال بیان کرتے کے بعد رسول اللہ سے تاکید کہ صبر سے کام لو - انجامِ کار کامیابی متقین کے لئے

ہوتی ہے ۔ (۱۱ : ۴۹) ۔ (۳)۔ فاستقم کما امرت ۔ (۱۱ : ۱۱۲) ۔ (۱۵ : ۴۲)

۴۔ استقامت سے کام لو۔ خدا محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔ (۱۱ : ۱۱۵)

۵۔ داستانِ بنی اسرائیل میں ہر صبار و شکور کے لئے سامانِ عبرت ہے ۔ (۱۴ : ۵)

۶۔ رسول اللہؐ اور صحابہؓ کو صبر کی تاکید ۔ (۸ : ۴۶) ۔ (۱۰ : ۱۰۹) ۔ (۱۶ : ۱۲۷) ۔ (۱۸ : ۲۸) ۔
(۱۳۰ : ۲۰) ۔ (۲۰ : ۲۵) ۔ (۶۰ : ۳۰) ۔ (۴۸ : ۳۳) ۔ (۱۷ : ۳۸) ۔ (۷۷،۵۵ : ۴۰)
(۴۶ : ۳۵) ۔ (۵۰ : ۳۹) ۔ (۵۲ : ۴۸) ۔ (۶۸ : ۴۸) ۔ (۷۰ : ۵) ۔ (۱۰ : ۷۳)
(۷۴ : ۷) ۔ (۷۶ : ۲۴) ۔ (۷)۔ حضرت لقمانؑ کا اپنے بیٹے کو صبر کی تلقین کرنا ۔ (۱۷ : ۳۱)

۸۔ نظامِ فطرت میں صبار و شکور کے لئے آیات ہیں ۔ (۳۱ : ۳۱) ۔ (۱۵-۱۹ : ۳۴) ۔ (۳۳ : ۴۲) ۔

۹۔ مومن ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہتے ہیں ۔ (۹۰ : ۱۷) ۔ (۳ : ۱۰۳)

۱۰۔ رسول اللہؐ سے ارشاد کہ عبادتِ خداوندی پر جم کر قائم رہو ۔ (اصطبر) ۔ (۱۹ : ۶۵) ۔ (۲۰ : ۱۳۲)

۱۱۔ حضرت صالحؑ سے کہا کہ تم اپنے مخالفین پر نگاہ رکھو اور صبر (استقامت) سے کام لو۔ (۵۴ : ۲۷)

صبر کی مثالیں

۱۔ صبرِ حضرت یعقوبؑ ۔ (۱۲ : ۱۸) ۔ (۱۲ : ۸۳)

۲۔ رسول، تمام اذیتوں پر صبر سے کام لیتے تھے ۔ (۱۴ : ۱۲) ۔ (۲۱ : ۸۵)

۳۔ ہجرت کرنے والے ۔ (۱۶ : ۴۱ - ۴۲)

۴۔ رسول اللہؐ کو خدا نے ثابت قدم رکھا۔ جس کی وجہ سے آپ مخالفین کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت کے لئے آمادہ نہ ہوئے ۔ (۱۱ : ۱۲۰) ۔ (۱۷ : ۷۴)

۵۔ حضرت اسماعیلؑ صابرین میں سے (۳۷، ۱۰۲)۔(۶)۔ حضرت ایوبؑ کا صبر ۔ (۳۸ : ۴۴)

۷۔ صاحب الحوت نے صبر سے کام نہیں لیا تھا ۔ (۶۸ : ۴۸)

۸۔ سخت مشکلات کے وقت رسول اور ان کے ساتھی بھی بعض اوقات گھبرا اٹھتے تھے ۔ (۲ : ۲۱۴)

۹۔ صبرِ یوسفی ۔ (۱۲ : ۹۰)

متفرق

۱۔ صبر کے معنی کسی بات پر جم کر بیٹھ جانا۔ (۴۲ : ۲۵) - (۶ : ۳۸) - (۴۸ : ۵۲)

۲۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ یعنی تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ (۷ : ۴۷)

۳۔ انسان بڑا بے صبرا واقع ہوا ہے۔ ذرا سی تکلیف پہنچی تو چلانے لگ گیا۔ خوش حالی آئی تو سارا مال دبا کر بیٹھ گیا۔ مصلین ایسے نہیں ہوتے۔ (۲۲-۱۹ : ۷۰)

۴۔ مومنین کے لئے دنیا اور آخرت میں ثبات۔ (۲۹-۲۷ : ۱۴) - (۱۰۲ : ۱۶)

۵۔ قرآن کا نجماً نجماً نازل ہونا حضور کی "تثبیتِ قلب کے لئے" تھا۔ (۳۲ : ۲۵)

۶۔ جہنم کی آگ کو صبر سے برداشت کرو یا چیخو چلاؤ۔ یکساں ہے۔ (۲۱ : ۱۴) - (۲۴ : ۴۱) - (۱۶ : ۵۲)

۷۔ وہ جہنم کی آگ کے متعلق کس قدر دلیر ہو رہے ہیں۔ یعنی اس کے خیال سے انہیں ذرا گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ (۱۷۵ : ۲)

۸۔ استقیموا اللہ۔ خدا کی طرف ثبات سے قائم رہو۔ (۸۹ : ۱۰) - (۶ : ۴۱)

۹۔ احکام خداوندی کی اطاعت باعثِ تثبیت (۶۶ : ۴)۔ انفاق فی سبیل اللہ سے تثبیتِ ذات ہوتی ہے (۲۶۵ : ۲)

۱۰۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسٰیؑ سے کہا کہ ہم ایک ہی طعام پر صبر نہیں کریں گے۔ (۶۱ : ۲)

۴۔ صحابہؓ (اصحاب رسول اللہ)

قرآن کریم میں صحابہؓ یا اصحابِ رسول اللہ کے الفاظ نہیں آئے۔ سورۃ توبہ میں 'واقعۂ غار کے سلسلہ میں آیا ہے۔ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ۔ (۴۰ : ۹)۔ "جب رسولؐ نے اپنے ساتھی سے کہا"۔ اور رسول اللہ کو صَاحِبُكُمْ کہہ کر پکارا ہے۔ (۱۸۴ : ۷) - (۴۶ : ۳۴) - (۲ : ۵۳) - (۲۲ : ۸۱)۔ یعنی "تمہارا ساتھی"۔ اور صحابہؓ میں سے نام سارے قرآن میں صرف (حضرت) زیدؓ کا آیا ہے (۳۷ : ۳۳)۔ قرآن کریم میں اصحابِ رسول اللہ کے لئے "الذین معہ" کے الفاظ آئے ہیں۔ (۲۹ : ۴۸)۔ "رسول اللہ کے ساتھی"۔ یا مہاجرین اور انصار کے الفاظ۔ نیز انہیں امۃ وسطا کہا گیا ہے۔ (۱۴۳ : ۲)۔ جس کا فریضہ یہ تھا کہ وہ نوع انسان کے اعمال کی نگران ہو اور رسولؐ اس کے اعمال کا نگران۔ یہی وہ جماعت

تھی۔ جس نے سب سے پہلے دنیا میں حکومتِ خداوندی (اسلامی مملکت یا قرآنی معاشرہ) کی عملی تشکیل کی اور اس جہت سے ان کی روِش آنے والوں کے لئے دلیلِ راہ قرار پائی۔ چونکہ قرآن کریم نے ان سب کو "مومن حقا" قرار دیا ہے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان سب کو ——————— پکے اور سچے مومن سمجھیں اور اس اعتبار سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق نہ کریں۔ وہ سب یکساں عزت اور احترام کے مستحق ہیں۔ اگر ہماری تاریخ میں کوئی ایسی بات ملتی ہے جو اس جماعت کی کسی ایسی خصوصیت کے خلاف جاتی ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے تو ہم اس تاریخی بیان کو ناقابلِ قبول قرار دیں گے۔ کیونکہ وہ قرآن کی شہادت کے خلاف ہے۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ نہ کہ تاریخ پر جو بہرحال انسانی کوششوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور اس میں سہو و خطا (بلکہ سازش تک) کی گنجائش اور امکان ہے۔ قرآن کریم کی واضح شہادت کی رو سے، سب صحابہؓ (انصار و مہاجرین و مجاہدین) مومنِ حقا تھے۔ یہی ہمارا ایمان ہے۔

صحابہؓ کبارؓ

۱۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں، مسلمانوں کے اندر منافق بھی گھس آئے تھے۔ لیکن خدا نے اس کا ذمہ لیا تھا کہ وہ خبیث کو طیب سے الگ کرکے رکھ دے گا ——— اس لئے حضورؐ کی آخری زندگی میں منافقین سب چھٹ کر الگ ہو چکے تھے۔ (۳ : ۱۷۸)

۲۔ قرآن اس قوم کے سپرد کیا گیا تھا جس کے متعلق خدا نے ضمانت دی تھی کہ وہ اس سے کفر نہیں برتیگی۔ (۶ : ۹۰)

۳۔ مہاجر اور انصار سب ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۸ : ۷۲)

۴۔ غار میں رسول اللہؐ کے ساتھی۔ (۹ : ۴۰)

۵۔ مہاجرین اور انصار میں سے السابقون الاولون، اور جنہوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کا اتباع کیا۔ ان سب سے اللہ راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ ان سب کے لئے جنت ہے۔ (۹ : ۱۰۰)

۶۔ مہاجرین اور انصار نے شدت کی سختی کے زمانے میں رسول اللہؐ کا ساتھ دیا۔ اگر ان میں سے کسی کے دل میں، بہ تقاضائے بشریت، کسی وقت کوئی ایسی ویسی بات گذرتی تھی تو وہ اس کی فوری اصلاح کر لیتے تھے اور خدا انہیں معاف کر دیتا تھا۔ (۹ : ۱۱۷)

۷۔ مثلاً وہ تین صحابی جو ایک جنگ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ (۹ : ۱۱۸)

۸۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ آپ اپنے ان رفقاء کے ساتھ ثابت قدمی سے رہیں۔ یہ لوگ خالصۃً لِلّٰہِ، دن رات،

دعوتِ خداوندی میں مصروف رہتے ہیں۔ حضورؐ سے تاکیداً کہا گیا کہ کسی دنیاوی منفعت کی خاطر، ان سے بے توجہی نہ برتیں۔ (۶ : ۵۲) - (۱۵ : ۸۸) - (۱۸ : ۲۸) - (۲۶ : ۲۱۵) - حضرت نوحؑ سے بھی یہی کہا تھا۔ (۱۱ : ۲۷-۲۹) - (۲۶ : ۱۱۱-۱۱۴)

۹۔ "بیعت رضوان" کرنے والے صحابہ سے خدا راضی ہو گیا۔ خدا ان کے دلوں کی حالت سے واقف تھا۔ (۴۸ : ۱۸)

۱۰۔ محمد رسول اللہ والذین معہٗ کے خصائص کبریٰ اور صفاتِ حسنہ۔ ان میں باہمی محبت اور مودّت تھی۔ ان سب کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تھا۔ (۴۸ : ۲۹)

۱۱۔ مہاجرین، سب صادق تھے۔ انصار بے حد کشادہ ظرف تھے، وہ خود تنگی میں گذارہ کرتے، لیکن مہاجرین کو اپنے پہ ترجیح دیتے۔ (۵۹ : ۸-۹)

۱۲۔ بعد میں آنے والوں کی روش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ ان سب کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اور ان کی مغفرت کی دعا کریں۔ ان کے متعلق دل میں کسی قسم کی نفرت کا جذبہ نہ رکھیں۔ (۵۹ : ۱۰)

۱۳۔ حضورؐ کے ساتھی، حضورؐ کے ساتھ، راتوں کو قرآنی پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں جاگتے رہتے تھے۔ (۷۳ : ۲۰)

۱۴۔ خدا نے رسول اللہؐ کو اپنی نصرت اور جماعتِ مومنین سے تقویت کا سامان بہم پہنچایا۔ (۸ : ۶۲)

۱۵۔ اے رسولؐ تیرے لئے اللہ اور مومنین جو تیرا اتباع کرتے ہیں، کافی ہے۔ (۸ : ۶۴)

۱۶۔ خدا نے مومنین کے دلوں میں اس قسم کی باہمی الفت ڈال دی جو دنیا جہان کی دولت خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ (۸ : ۶۳)۔ انہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ (۳ : ۱۰۲) - (۴۹ : ۱۰)

۱۷۔ مہاجرین۔ مجاہدین۔ انصار، سب مومنِ حقاً تھے۔ ان کے لیے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔ ان کے بعد بھی جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی ان کا شمار بھی انہی میں ہے۔ (۸ : ۷۴-۷۵)

۱۸۔ جو سبیل المؤمنین کے علاوہ کسی اور راستے کا اتباع کرتا ہے، وہ جہنم میں جائے گا۔ (۴ : ۱۱۵)

۱۹۔ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے مالی اور جانی قربانیاں دیں ان کے درجات بے شک ان سے بلند ہیں جنہوں نے بعد میں ایسا کیا۔ لیکن ان سب کے لیے (خواہ وہ پہلے ہوں یا بعد میں آنے والے) اللہ کے بہترین وعدے ہیں۔ (۵۷ - ۱۰)

۲۰۔ جماعتِ مومنین، امۃ وسطاً تھی (اور ہے) ان کا فریضہ یہ تھا کہ یہ تمام نوعِ انسان کے اعمال کی نگرانی کریں، اور رسولؐ، ان کے اعمال کا نگران ہو۔ (۲ : ۱۴۳)۔ یہ خیرِ امت ہے جو انسانیت کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ان

کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے (۳ : ۱۰۳) - (۳ : ۱۰۹)

۲۱- البتہ اعراب (بعض بدو قبائل کے لوگ) جن کے دلوں کے اندر ایمان داخل نہیں ہوا تھا - (۴۹ : ۱۴)- یہ لوگ مہاجرین اور انصار کے زمرے میں شامل نہیں تھے -

ص د ق

صدق (ص - د - ق) اس مادہ کے بنیادی معنی قوت اور توانائی - نیز ٹھوس حقیقت کے ہیں - یہ معانی اس کی ہر شکل میں موجود رہیں گے -

صِدْق- یہ لفظ کِذْبٌ کے مقابل میں آتا ہے - کذب کے معنی ہوتے ہیں دل اور زبان کا ہم آہنگ نہ ہونا - اسے عرف عام میں جھوٹ کہتے ہیں - لہٰذا صِدْقٌ کے معنی ہوں گے - ایسا سچ جس میں دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو - صادق - سچ بولنے والا - الصِّدِّیْقُ - شدت کے ساتھ سچا - یعنی جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو - الصَّدِیْقُ - سچے دوست کو کہتے ہیں - صَدَّقَ کے معنی ہیں اپنی بات کو عمل سے سچ کر دکھانا - یا کسی بات کی تصدیق کرنا - اس اعتبار سے صِدِّیْقٌ کے معنی بات کو سچ کر کے دکھانے والا بھی ہوں گے - یہیں سے مُصَدِّقٌ ہے - یعنی سچ کر کے دکھانے والا - قرآن کریم نے اپنے آپ کو کتبِ سابقہ کا مُصَدِّق کہا ہے - اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ کتبِ سابقہ جس شکل میں بھی موجود ہیں، سچی ہیں - اس لئے کہ وہ خود بتاتا ہے کہ ان میں تحریف و الحاق ہو چکا ہے - اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان دعاوی کو عملاً سچ کر دکھانے والا ہے جو امم سابقہ سے ان کے انبیائے کرامؑ نے کئے تھے - یعنی یہ کہ اگر وہ اس قسم کی زندگی بسر کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا - قرآن کریم ایک ایسا نظام زندگی عطا کرتا ہے جس میں یہ تمام دعاوی سچ بن کر سامنے آجاتے ہیں - اس جہت سے یہ کتبِ سابقہ کا مصدِّق ہے - بعض اوقات صَدَّقَ کا لفظ بھی سچ کر کے دکھانے کے معنوں میں آجاتا ہے -

صَدَقَۃ - ہر وہ عمل جو انسان کے دعوائے ایمان کو سچ کر دکھائے (عام معانی میں) صدقہ ہوگا - لیکن یہ لفظ خاص طور پر مالی امداد کے لئے آتا ہے - اصطلاحی طور پر یوں سمجھئے کہ اسلامی حکومت، افرادِ معاشرہ سے ایسی رقوم لے گی جن کا ادا کرنا واجب ہوگا - لیکن بعض ہنگامی ضروریات کے لئے ان کے علاوہ بھی کچھ مطالبہ کرے گی - یہ کچھ افرادِ معاشرہ کی طرف سے رضاکارانہ طور پر دیا جائے گا - اسے قرآن نے صَدَقَات کہہ کر پکارا ہے - یاد رکھئے کہ یہ لفظ زکوٰۃ کا مرادف

نہیں۔ زکوٰۃ اور صدقات میں فرق ہے۔ (تفصیل کے لئے زکوٰۃ کا عنوان دیکھئے)

صَدُقَہ۔ شادی کے وقت، خاوند کی طرف سے بیوی کو کچھ تحفہ دیا جاتا ہے جو اس کی دوستی اور صداقت کی علامت ہوتی ہے۔ عرف عام میں اسے مہر کہا جاتا ہے لیکن قرآن نے اسے صَدُقَہ کہہ کر پکارا ہے۔ (مہر کا لفظ قرآن میں نہیں آیا)

تَصَدّق کے معنی ہوتے ہیں جو کچھ کسی کا دوسرے کے ذمہ واجب ہو اسے چھوڑ دینا، اپنی منفعت یا مفاد کو دوسرے کی خاطر قربان کر دینا۔

صادق

۱۔ حضرت اسمٰعیلؑ صادق الوعد تھے۔ (۱۹ : ۵۴) ـــ (۲)۔ جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچا ہے۔ (۵۱ : ۵)

۳۔ صادق بمقابلہ کاذب۔ (۲۸ : ۴۰) ـــ (۴) خدا صادق ہے۔ (۶ : ۱۴۶)

۵۔ حضرت لوطؑ کی طرف جو مرسلین آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سچے ہیں۔ (۱۵ : ۶۴)

۶۔ برادرانِ یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم سچے ہیں۔ (۱۲ : ۱۷) ۔ (۱۲ : ۸۲)

۷۔ مومن صادق وہ ہیں جو انفاق اور جہاد سے اپنے ایمان کا ثبوت دیں۔ (۴۹ : ۱۵)

۸۔ اِن کنتم صادقین (اگر تم سچے ہو تو)۔ (۲ : ۲۳)۔ یہ ترکیب قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر آئی ہے۔ ان تمام حوالوں کا درج کرنا طوالت کا باعث ہے۔ اسی طرح "اِن کنت من الصادقین" بھی۔ (۷ : ۷۰)

۹۔ یوم مکافات کو، صادقین کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ (۵ : ۱۱۹)

۱۰۔ میثاقِ انبیاء اس لئے تھا کہ صادقین سے ان کے صدق کی بابت پوچھا جائے۔ (۳۳ : ۸)

۱۱۔ جنگ (جہاد) اس لئے ہوتی ہے کہ صادقین کو ان کے صدق کا بدلہ مل جائے۔ (۳۳ : ۲۴)

۱۲۔ کونوا مع الصادقین (صادقین کے ساتھ رہو)۔ (۹ : ۱۱۹)

۱۳۔ حضرت یوسفؑ کے خلاف الزام کے کذب و صدق کی شہادت۔ (۱۲ : ۲۶)۔ ان کی بریت کا اعتراف۔ (۱۲ : ۵۱)

۱۴۔ لعان میں کاذب و صادق کے لئے شرط۔ (۲۴ : ۶ تا ۹)

۱۵۔ مومنین کی صفت ۔ صادقین۔ (۳ : ۱۶) ۔ (۳۳ : ۲۳)۔ مرد اور عورتیں دونوں۔ (۳۳ : ۳۵)

۱۶۔ صادق ۔ سچا (۴۹ : ۲۷) ـــ (۱۷) مہاجرین نے اپنے دعوٰے ایمان کو سچ کر دکھایا۔ (۵۹ : ۸)

۱۸۔ خدا سے زیادہ سچا (اصدق) کون ہو سکتا ہے۔ (۴ : ۸۷) ۔ (۴ : ۱۲۲)

ان کنتم صادقین - اگر تم سچے ہو تو.....

قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر آیا ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کے ثبوت میں یہ کر کے دکھاؤ۔

۱۔ ملائکہ سے کہا کہ ان اشیاء کے اسماء بتاؤ ..... (۳۱ : ۲) - (۲ : ۹۴) - (۶۲ : ۶)

۲۔ یہودیوں سے کہا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ جنت تمہارے ہی لئے ہے تو موت کی تمنا کرو۔

۳۔ دلائل پیش کرو اگر تم سچے ہو تو..... (۲ : ۱۱۱) - (۲۷ : ۶۴) - (۴) - توراۃ سے سند پیش کرو۔ (۳ : ۹۳)

۵۔ موت کو ہٹا کر دکھاؤ..... (۳ : ۱۶۸) --- (۶) - تم نے انبیاء کو قتل کیوں کیا تھا۔ (۳ : ۱۸۳)

۷۔ اپنے معبودوں سے کہو کہ وہ خدا کے عذاب کو ٹال دیں۔ (۶ : ۴۰)

۸۔ علم کی بارگاہ سے سند لاؤ۔ (۶ : ۱۴۴) - (۴ : ۴۶)

۹۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ۔ (۷ : ۱۰۶) - یہی مخالفین نے حضرت ثمود سے کہا۔ (۲۶ : ۱۵۴) - نیز کہا کہ ہمارے آباء و اجداد کو واپس لا کر دکھاؤ (۴۴ : ۳۶) - (۲۵ : ۴۵)

۱۰۔ اپنے معبودوں کو پکارو اور دیکھو کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیتے ہیں؟ (۷ : ۱۹۴)

۱۱۔ قرآن کی ایک سورۃ کی مثل بنا کر دکھاؤ (۱۰ : ۳۸) - (۱۱ : ۱۳) - (۳۴ : ۵۲)

۱۲۔ منکرین کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ ہماری تباہی کب آئے گی۔ (۱۰ : ۴۸)۔ یہی حضرت نوح کے مخالفین نے کہا تھا (۱۱ : ۳۲) - (۲۱ : ۳۸) - (۲۷ : ۷۱) - (۳۲ : ۲۸) - (۳۴ : ۲۹) - (۳۶ : ۴۸) - (۶۷ : ۲۵)

۱۳۔ مخالفین حضورؐ سے کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو ملائکہ ہمارے سامنے لاؤ۔ (۷ : ۱۵)

۱۴۔ مخالفین نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا کر بتاؤ۔ (۲۶ : ۱۸۷) - (۲۹ : ۲۹)

۱۵۔ توراۃ اور قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب لاؤ۔ (۲۸ : ۴۹) - (۱۶) - اپنی کتاب سے سند لاؤ..... (۳۷ : ۱۵۷)

۱۷۔ حضرت ہودؑ سے مخالفین کہتے تھے کہ تم وہ تباہی لا کر بتاؤ..... (۲۱ : ۴۶)

۱۸۔ اسلام خدا کا احسان ہے۔ (۱۷ : ۴۹) - (۱۹)۔ تم اپنی مدد کے لئے اپنے شرکاء کو بلاؤ..... (۳۱ : ۶۸)

صِدقٌ

۱۔ مومنین کے لئے قَدَمَ صِدقٍ کی بشارت۔ یعنی خوشگواریوں میں آگے بڑھتے جانا۔ (۲ : ۱۰) مَقعَدِ صِدقٍ (۵۵ : ۵۴)

۲۔ بنی اسرائیل کو مبوّا صدقٍ عطا ہوا۔ یعنی نہایت عمدہ ٹھکانے کی جگہ۔ (۹۳ : ۱۰)

۳۔ دعائے ابراہیمی کہ مجھے لسان صدق عطا ہو۔ یعنی آنے والے مجھے سچائی کے ساتھ یاد کریں۔ (۸۴ : ۲۶)

۴۔ انبیاء کے لئے لسانَ صِدقٍ عَلِیًّا تھی۔ یعنی لوگ انہیں بلند ترین سچائی کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ (۵۰ : ۱۹)

۵۔ دعا کہ میں جہاں داخل ہوں شرف و مجد (صدق) کے ساتھ داخل ہوں۔ جہاں سے نکلوں تو صدق و شرف کے ساتھ نکلوں۔ (۸۰ : ۱۷) — (۶)۔ جو صدق کو لاتا ہے اور جو اس کی تصدیق کرتا ہے، یہ سب متقی ہوتے ہیں (۳۳ : ۳۹)

جو صدق کی تکذیب کرتا ہے، وہ جہنمی ہے۔ (۳۲ : ۳۹)

۷۔ وعد الصدق۔ خدا کی طرف سے سچا وعدہ۔ (۱۶ : ۴۶)

۸۔ تیرے رب کی باتیں صدق اور عدل کے ساتھ پوری ہوگئیں۔ (۱۱۶ : ۶)

صَدَقَ

۱۔ خدا نے رسول کے خواب کو سچا کر دکھایا۔ (۲۷ : ۴۸)

۲۔ صدق اللہ ۔ خدا سچ بات کہتا ہے۔ (۹۴ : ۳) — (۲۲ : ۳۳)

۳۔ خدا نے وعدہ کیا۔ مرسلین نے اس کی تصدیق کی۔ (۵۲ : ۳۶) — (۴)۔ سچ بولنا (۲۷ : ۲۷)۔(۱۱۳ : ۵)

۵۔ خدا کے لئے حمد ہے جس نے ان وعدوں کو پورا کیا جو اس نے ہمارے ساتھ کئے تھے۔ (صَدَقَنَا وَعْدَهٗ)۔

(۱۵۱ : ۳)۔ (۷۴ : ۳۹)۔ خدا نے جو وعدے انبیاء کے ساتھ کئے تھے انہیں پورا کر دیا۔ (۹ : ۲۱)

۶۔ الذین صَدَقُوا ۔ وہ جو اپنے دعوٰئے ایمان میں سچے ہیں۔ (۳ : ۲۹)

۷۔ مومن، جو ان وعدوں کو سچ کر دکھاتے ہیں جو انہوں نے خدا سے کئے ہوں۔ (۲۳ : ۳۳)

۸۔ جنگ کے وقت پتہ چلتا ہے کہ سچا کون ہے۔ (۴۳ : ۹)

۹۔ اگر یہ لوگ خدا کے ساتھ سچے رہتے تو ان کے لئے اچھا تھا۔ (۲۱ : ۴۷)

۱۰۔ مومنین کی صفات کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ یہ لوگ ہیں جو (اپنے دعوٰئے ایمان کو) سچ کر دکھاتے ہیں۔ (۱۷۷ : ۲)

صَدِیْقٌ صِدِّیْقٌ

۱۔ کوئی گہرا دوست (صَدِیْقٌ حمیم) بھی اس وقت کام نہیں آسکے گا۔ (۱۰۱ : ۲۶)

۲- حضرت یوسفؑ کو قید خانہ کے ساتھی نے صِدِّیق کہہ کر پکارا - (۴۶ : ۱۲)

۳- حضرت ابراہیمؑ صِدِّیق تھے - (۴۱ : ۱۹) - حضرت ادریسؑ بھی - (۵۶ : ۱۹)

۴- حضرت مریم صِدِّیقہ تھیں - (۷۵ : ۵) - (۵) دوست (صَدِیق) کے گھر سے کھا لینے میں کوئی ہرج نہیں - (۶۱ : ۲۴)

۶- خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے والے - صِدِّیق اور شہداء ہیں - (۱۹ : ۵۷)

۷- اطاعتِ خدا اور رسولؐ سے صدیقین کی معیت - (۶۹ : ۴)

صَدَّقَ (تَصَدَّقَ) - (تصدیق) - (مُتَصَدِّقْ) - (مُصَدِّقْ)

۱- ابلیس نے اپنے ظن کو سچا کر دکھایا - یعنی ان کے متعلق ابلیس کا جو خیال تھا وہ سچا ثابت ہوا - (۲۰ : ۳۴)

۲- فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی - (۳۱ : ۷۵) - وہ اپنے دعوے کو عمل سے سچ کر کے نہیں دکھاتا تھا - (۳۱ : ۷۵).

۳- رسولؐ اللہ مرسلین کی تصدیق کرتے تھے - (۳۷ : ۳۷)

۴- جو صدق کو لاتا ہے اور جو اس کی تصدیق کرتا ہے، یہ سب متقی ہوتے ہیں - (۳۳ : ۳۹)

۵- جو حسن کارانہ انداز سے اپنے دعوئے ایمان کو سچ کر دکھاتا ہے اس کے لئے کشادگی کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں - (۶ : ۹۲)

۶- حضرت ابراہیمؑ جب سچ مچ بیٹے کو ذبح کرنے لگے تو ان سے کہا گیا کہ وہ تو محض خواب کی بات تھی تو نے اسے سچ سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا - (۱۰۵ : ۳۷)

۷- حضرت مریم نے خدا کے احکام و کلمات کو سچ کر دکھایا - (۱۲ : ۶۶)

۸- اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے قرضہ معاف کر دو (تَصَدَّقُوا) - (۲۸۰ : ۲) - دیت ادا کرو بجز اس کے کہ وارث معاف کر دیں - (۹۲ : ۴)

۹- اگر کوئی مجرم سے قصاص نہ لے - معاف کر دے - تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جائے گا - (۴۵ : ۵)

۱۰- ہم نے تمہیں بنایا - فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ - (۵۷ : ۵۶) - یعنی تصدیق کرنا -

۱۱- قرآن تصدیق کرتا ہے کتبِ سابقہ کی - یعنی ان کے دعاوی کو سچ کر دکھاتا ہے - (۸۹ : ۲) - (۸۱ : ۳) - (۴۸ : ۵) — (۹۲ : ۶) - (۳۷ · ۱۰۰) - (۱۱۱ : ۱۲) - (۱۲ : ۴۶)

۱۲- حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے کہا کہ پونجی ہمارے پاس تھوڑی ہے اور غلہ کی ضرورت زیادہ - اس لئے تصدّق علینا

ان اللہ۔ یجزی المتصدقین۔ (۸۸ : ۱۲) - اس کے معنی بلا قیمت دینے کے ہوئے۔

۱۳۔ متصدّقین و متصدّقات ۔مومنین کی صفت ہے ۔ (۳۵ : ۳۳) - نیز مُصَّدِّقِین اور مُصَّدِّقَات ۔ (۱۸ : ۵۷)

۱۴۔ مُصَدِّق ۔ تصدیق کرنے والا ۔ سچا سمجھنے والا۔ (۵۲ : ۳۷)

۱۵۔ حضرت موسےؑ نے خدا سے کہا کہ میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی بھیج دیجئے تاکہ وہ میری بات کی تصدیق کرتا جائے۔ (۳۴ : ۲۸) - (۱۶) مومن یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں ۔ (۲۶ : ۷۰)

۱۷۔ دعوئے ایمان کی تصدیق ، انفاق سے ہوتی ہے ۔ (۷۵: ۹) - (۱۰ : ۶۳)

۱۸۔ حضرت یحییٰؑ مصدق تھے کلمۃ اللہ کے ۔ (۳۹ : ۳)

صَدَقہ۔صدقات

۱۔ رسول سے علیحدگی میں مشورہ کرنے سے پہلے صدقہ دو ۔ (۱۲ : ۵۸)

۲۔ صدقات کے مصارف (۶۰ : ۹)۔ یاد رکھئے ۔ یہ زکوٰۃ کے مصارف نہیں ۔صدقات کے مصارف ہیں۔

۳۔ (اے رسولؐ!) ان کے اموال سے صدقہ لو اور اس طرح ان کی پاکیزگیٔ سیرت کا انتظام کرو۔ یہ صدقات درحقیقت خدا ہی وصول کرتا ہے ۔(۱۰۴ - ۱۰۳ : ۹)

۴۔ صدقات چھپا کر بھی دیئے جا سکتے ہیں اور ظاہراً بھی ۔ (۲۷۱ : ۲)

۵۔ ربوٰا کو خدا مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے ۔ (۲۷۶ : ۲)

۶۔ منافقین ، صدقات کے بارے میں رسولؐ اللہ کے خلاف (معاذ اللہ) الزام تراشی کرتے تھے ۔ (۵۸ : ۹) - مومنین کے خلاف بھی (۷۹ : ۹)

۷۔ اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو۔ (۲۶۳ : ۲) - (۲۶۴ : ۲)

۸۔ عورتوں کو ان کے صَدُقَات دل کی خوشی سے ، بلا کسی معاوضہ کے خیال کے دے دیا کرو۔ (۴ : ۴)

۹۔ مناسکِ حج میں کمی رہ جانے کا فدیہ ۔ صیام یا صدقہ ۔ (۱۹۶ : ۲)

۱۰۔ خفیہ مشورے اچھے نہیں ہوتے ۔ بجز اس کے کہ وہ صدقہ ، معروف یا اصلاح کے لئے ہوں ۔ (۱۱۴ : ۴)

مصدق

۱۔ تصدیق کرنے والا۔ سچ تسلیم کر لینے والا ۔ (۵۲ : ۳۷) - (۱۸ : ۵۷)

۲۔ مصدق لما بین یدیہ

(۴۱ : ۲) - (۹۱ : ۲) - (۹۷ : ۲) - (۱۰۱ : ۲) - (۳ : ۳) - (۴۹ : ۳) - (۵۰ : ۳)
(۴۷ : ۴) - (۴۶ : ۵) - (۳۱ : ۳۵) - (۳۰ : ۴۶)

۳۔ حضرت عیسٰیؑ تورات کے مصدق تھے۔ (۴۹ : ۳) - (۴۶ : ۵) - (۶ : ۶۱)

۶۔ صراطِ مستقیم

صراط تو راستے کو کہتے ہیں۔ اور مستقیم کے معنی سیدھا بھی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہموار اور متوازن بھی۔ "سیدھا" کے معنی ہوتے ہیں دو مقامات کے درمیان کم ازکم فاصلہ۔ اور متوازن سے مراد ہوگی ایسا راستہ جس میں نشیب و فراز نہ ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں صراطِ مستقیم سے مراد وہ محفوظ راہ ہے جس پر چل کر کاروانِ انسانیت اپنی اس منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ جو اس کے لئے خدا نے تجویز کی ہے اور جو درحقیقت ارتقائے انسانیت کا اگلا مقام ہے۔ اس دنیا میں بھی اور بعد کی زندگی میں بھی۔ یہ وہی راہ ہے جس کی طرف راہ نمائی قرآن کریم دیتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، صراطِ مستقیم، قرآنی تعلیم کا دوسرا نام ہے۔

۲۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ خدا سُبُلَ السلام کی طرف راہ نمائی کرتا ہے (۵ : ۱۶)۔ اور اس طرح انہیں صراطِ مستقیم تک پہنچا دیتا ہے۔ (۵ : ۱۶)۔ سُبُلَ ان چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں کو کہتے ہیں جو آخرالامر جا کر شاہراہِ اعظم میں مل جاتی ہیں۔ قرآن کریم کے اصول و اقدار محکم اور غیر متبدل ہیں۔ لیکن ان پر عمل، اپنے اپنے زمانے کے تقاضے کے مطابق کیا جائے گا۔ یہ مختلف طریق سُبُل ہیں۔ ان کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ یہ آخرالامر صراطِ مستقیم میں جا ملیں مقصد صراطِ مستقیم ہے اور یہ سُبُل اس تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔

صراطِ مستقیم پر چلنے کی آرزو

۱۔ ہمیں صراطِ مستقیم دکھا دے۔ (۵ : ۱)

صراطِ مستقیم کن لوگوں کی راہ ہے

۱۔ صراطِ مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے جو انعاماتِ خداوندی سے نوازے گئے۔ نہ ان کی کوششیں رائیگاں گئیں اور نہ ہی ان کی امیدوں کی کھیتی جھلس گئی۔ (۷-۶ : ۱) ۔ (۲)۔تمام انبیاءصراطِ مستقیم پر تھے۔ (۸۸ : ۶)

۳۔ رسول اللہ کی راہ نمائی صراطِ مستقیم کی طرف کی گئی تھی۔یہی دینِ قیم اور ملتِ ابراہیمی ہے۔ (۱۶۲ : ۶)—— (۱۲۱ : ۱۶) ۔ (۶۷ : ۲۲) ۔ (۴ : ۳۶) ۔ (۴۳ : ۴۳) ۔ (۲ : ۴۸)

۴۔ خود خدا صراطِ مستقیم پر ہے۔ (۵۶ : ۱۱)

۵۔ عقل و فکر سے کام لینے والوں کی عدل کرنے والوں کی۔ (۷۶ : ۱۶)

۶۔ حضرت موسیٰ اور ہارونؑ کی راہ نمائی صراطِ مستقیم کی طرف۔ (۱۱۸ : ۳۷)

۷۔ اس خدا کی راہ جو ارض و سما میں ہر شے کا مالک ہے۔ (۵۳ : ۴۲)

صراطِ مستقیم کس طرح سامنے آتی ہے

۱۔ یہ قانونِ خداوندی کے مطابق ہر اس شخص کے سامنے آسکتی ہے جو اسے پانا چاہے۔ (۱۴۲ : ۲) ۔ (۲۱۳ : ۲) (۸۹ : ۶) ۔ (۲۵ : ۱۰) ۔ (۴۶ : ۲۴) ۔ (۲۸ : ۸۱)

۲۔ خدا کی محکومیت اختیار کرنے سے۔ (۵۰ : ۳) ۔ (۳۶ : ۱۹) ۔ (۶۱ : ۳۶) ۔ (۶۴ : ۴۳)

۳۔ اعتصام باللہ سے۔یعنی وحیٔ خداوندی کے ساتھ محکم تمسک سے۔ (۱۰۰ : ۳) ۔ (۱۶۹ : ۴)

۴۔ بطیبِ خاطر اطاعت سے۔قتال کے لئے رزمگاہ میں آجانے سے۔ (۶۸-۶۵ : ۴)

۵۔ کتاب اللہ کے اتباع سے۔ (۱۶-۱۵ : ۵)

۶۔ عقل و فکر سے کام لینے سے۔ (۳۹ : ۶) ۔ (۷۶ : ۱۶) ۔ (۶۶-۶۵ : ۳۶)

۷۔ ایمان لانے سے۔ (۵۴ : ۲۲)۔ ایمان بالآخرت سے۔ (۷۴ : ۲۳)

۸۔ خدا کی آیاتِ بیّنات (واضح قوانین) کے اتباع سے۔ (۴۶ : ۲۴)

۹۔ تمسک بالوحی سے۔ (۴۳ : ۴۳) —— (۱۰)۔ اتباعِ خداوندی سے۔ (۶۱ : ۴۳)

۱۱۔ دوسرے لوگوں کی محکومی و غلامی بلکہ مغلوبیت سے نکلنے کے بعد۔ (۲۰ : ۴۸)

صراطِ مستقیم کی خصوصیات

۱۔ اختلافات مٹانے والی۔ (۲۱۳ : ۲) —— (۲) تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آنے والی۔ (۱۶-۱۵ : ۵)

۳۔ یہی ہدایتِ خداوندی ہے۔ (۸۹ : ۶)

۴۔ اسلام ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور یہی خدا کا سیدھا راستہ ہے۔ (۱۲۶-۱۲۷ : ۶)

۵۔ مختلف احکام و قوانین کے بعد کہا کہ یہ ہے میرا (خدا کا) سیدھا راستہ۔ اسی کا اتباع کرو۔ اگر اور راستے اختیار کرو گے تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ (۱۵۴ : ۶)

۶۔ دینِ قیم۔ رسول اللہ کی راہ۔ ملتِ ابراہیمی یہی ہے۔ (۱۶۲ : ۶)

۷۔ یہ دارالسّلام کی طرف لے جانے والی راہ ہے۔ (۲۵ : ۱۰)

۸۔ خود خدا صراطِ مستقیم پہ ہے۔ (۵۶ : ۱۱)۔ یعنی اس کا قانون اس راہ کا تعین کرتا ہے

۹۔ اس خدا کی راہ جس کے لیے ارض و سما میں سب کچھ ہے۔ (۵۳ : ۴۲)

۱۰۔ اتباعِ خداوندی صراطِ مستقیم ہے۔ (۶۱ : ۴۳)

متفرق

۱۔ اسے سواء السبیل بھی کہا گیا ہے۔ (۶۰ : ۵)

۲۔ ابلیس نے کہا کہ میں انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دوں گا۔ (۱۶ : ۷)۔ لیکن خدا کے مخلص بندوں پر اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ (۴۲-۴۱ : ۱۵)

۳۔ اسے صراط العزیز الحمید بھی کہا ہے۔ (۱ : ۱۴)۔ (۶ : ۳۴)

۴۔ یہ راہ اقوم ہے۔ (۹ : ۱۷) —— (۵)۔ یہ صراطاً سویا ہے۔ (۴۳ : ۱۹)۔ (۱۳۵ : ۲۰)

۶۔ اہلِ جنت کی راہ نمائی صراط الحمید کی طرف۔ (۲۴ : ۲۲)

۷۔ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دو۔ (۲۲ : ۶۷)-(۴۳ : ۴۳)-(۴۲ : ۵۲)

۸۔ فاستقیموا الیہ۔ (۴۱ : ۶) ——— یستقیم۔ (۸۱ : ۲۸)

۹۔ اوندھے منہ چلنے والا اور صراطِ مستقیم پر چلنے والا، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (۶۷ : ۲۲)

۱۰۔ اسے طریقِ مستقیم بھی کہا گیا ہے۔ (۳۰ : ۴۶)

۱۱۔ حق کے ساتھ فیصلہ کرنا، سواء الصراط کی طرف راہ نمائی کرنا ہے۔ (۳۸ : ۲۲)

۷۔ صلوٰۃ

صلوٰۃ (ص۔ل۔و)۔ قرآن کریم کی ایک بڑی اہم اور جامع اصطلاح ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کے پیچھے متواتر اور مسلسل چلتے جانا۔ اس اعتبار سے، جب گھوڑ دوڑ میں، دوسرے نمبر کا گھوڑا، پہلے نمبر کے گھوڑے کے پیچھے اس طرح دوڑ رہا ہو کہ پچھلے کی کنوتیاں پہلے کے سرین سے مل رہی ہوں، تو پچھلے گھوڑے کو اَلْمُصَلِّیْ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس مادہ کے بنیادی معنی مسلسل اتباع کرنے کے آتے ہیں۔ اسی سے صلوٰۃ کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کا التزاماً اتباع کرتے رہنا۔

اتباعِ قوانینِ خداوندی کا عملی مفہوم یہ ہے کہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کو پوری پوری احتیاط کے ساتھ پورا کیا جائے جو قرآن کریم کی رو سے ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے صلوٰۃ کے معنی فرائضِ منصبی بھی ہوتے ہیں۔

کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے آپ اس کی پوری پوری تائید کرتے ہیں۔ اس سے اس لفظ (صلوٰۃ) کے معنی ہوتے ہیں کسی کی تائید کرنا۔ اس کے کام کی تحسین کرنا۔ اسے شاباش دینا۔ آفرین کہنا۔ اس کے لئے نیک آرزوؤں کا اظہار کرنا۔ (اسی کو دعا دینا کہتے ہیں)۔

جامع طور پر اگر سمجھا جائے تو صلوٰۃ کے معنی ہوں گے۔ انسان کی طرف سے قوانینِ خداوندی کی اطاعت و محکومیت، اور خدا کی طرف سے، اس اطاعت پر تائید و نصرت۔ اور تحسین و آفرین۔ اور اقامتِ صلوٰۃ کے معنی ہوں گے۔ ایسا نظام قائم کرنا جس میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت التزاماً ہوتی چلی جائے۔

اسی اطاعت و محکومیت کا محسوس مظاہرہ، اس اجتماعِ صلوٰۃ میں ہوتا ہے جسے عام طور پر نماز سے تعبیر کیا جاتا

ہے۔ (نماز، عربی زبان کا لفظ نہیں) ۔ اس لئے صلوٰۃ کا لفظ نماز کے لئے بھی آیا ہے ۔ لیکن یہ اس کا ثانوی مفہوم ہے ۔ اس کا بنیادی مفہوم یہی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے اور کاروبارِ حیات کے ہر گوشے میں ' قوانینِ خداوندی کی التزاماً اطاعت کی جائے ۔ اس لعتبار سے ' اسلامی نظامِ مملکت کا اساسی فریضہ اقامتِ صلوٰۃ ہے ۔ یعنی ایسا نظام جس میں ہر معاملہ میں (انفرادی اور اجتماعی طور پر) قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہوتی چلی جائے ۔ نماز کے سلسلہ میں آپ ذیلی عنوان ۔ صلوٰۃ بمعنی نماز ۔ دیکھئے ۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم میں نماز کے پانچ متعینہ اوقات ۔ نماز کی رکعتوں ۔ یا جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا ہے ' اس کا تفصیلی ذکر نہیں آیا ۔ ہمارے ہاں کا فرقہ اہلِ قرآن جو قرآن مجید سے اس قسم کی تفاصیل دریافت اور متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے ' وہ ان کی غلط فہمی ہے ۔ قرآن کریم میں بہت سے امور ایسے ہیں جن کا اس نے اصولی حکم دیا ہے ۔ ان کی جزئیات خود متعین نہیں کیں ۔ چونکہ میرا مقصد تبویب القرآن ہے ' اس لئے میں اس تالیف میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فلاں معاملہ کے متعلق قرآن کریم میں کیا آیا ہے ۔ دیگر امور پر بحث کرنے کا یہ مقام نہیں ۔ قرآن کریم میں صلوٰۃ کے ضمن میں وہی کچھ آیا ہے جو اس عنوان میں درج کر دیا گیا ہے ۔

اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ

قرآن کریم میں " اقیموا الصلوٰۃ و اتوالزکوٰۃ " کا حکم بڑی کثرت سے آیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین سے مقصود یہ ہے کہ ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں تمام معاملات کے فیصلے قوانینِ خداوندی کی رو سے ہوں ۔ اور مقصود اس اطاعت سے یہ ہو کہ تمام نوعِ انسان کو ' سامان و اسبابِ نشوونما فراہم کئے جائیں ۔ (دیکھئے عنوان زکوٰۃ) ۔ جن مقامات میں یہ حکم آیا ہے ' ان کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے ۔

۱۔ حضورؐ کو حکم ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ ۔ (۲ : ۱۰۸) ۔ اَقِمِ الصلوٰۃ ۔ (۴۵ : ۲۹)

۲۔ مومن اقامتِ صلوٰۃ کرتے ہیں ۔ یقیمون الصلوٰۃ ۔ (۳ : ۲) ۔ (۳۵ : ۱۹) ۔ (۳۸ : ۴۲) ۔ حضورؐ سے ارشاد کہ اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم دے ۔ (۲۰ : ۱۳۲)

۳۔ مومن اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کرتے ہیں ۔ (۳ : ۲) ۔ (۲۷۷ : ۲) ۔ (۱۶۲ : ۴) ۔ (۵۵ : ۵) (۳ : ۸) ۔ (۷۱ : ۹) ۔ (۲۲ : ۱۳) ۔ (۳۵ : ۲۲) ۔ (۳۷ : ۲۷) ۔ (۴ : ۳۱)

ان کی حکومت کا فریضہ یہ ہوگا ۔ (۴۱ : ۲۲) ۔ (۵۶ : ۲۴) ۔ کاروبار انہیں اس سے روک نہیں سکتے ۔ (۳۷ : ۲۴) ۔ (۲۹ : ۳۵)

۴۔ اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کا حکم۔ (۲ : ۱۱۰) - (۴ : ۷۷) - (۱۴ : ۳۱) - (۲۲ : ۷۸) - (۲۴ : ۵۶) - (۵۸ : ۱۳) - (۷۳ : ۲۰) - (۹۸ : ۵) — بنی اسرائیل کو۔ (۲ : ۴۳) - (۲ : ۸۳) (۵ : ۱۲) - ازواج نبیؐ کو۔ (۳۳ : ۳۳) - انبیائے سابقہ کو۔ (۲۱ : ۷۳)

۵۔ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم۔ (بنی اسرائیل کو۔ (۱۰ : ۸۷) - اپنے گھروں کو قبلہ بنا لیں۔ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ یعنی فرقہ بندی مت کرو۔ (۳۰ : ۳۱) - (۲ : ۷۲) - (۴۹ : ۴۵)

مساجد کی آبادی صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں اور خدا کے علاوہ اور کسی سے نہ ڈریں۔ (۹ : ۱۸)

۶۔ اگر مشرکین اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں۔ (یعنی وہ اسلام لے آئیں) تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ (۹ : ۵) یہ تمہارے دین کے بھائی بن جائیں گے۔ (۹ : ۱۱)

۷۔ کشادگی راہ اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ میں ہے۔ (۲ : ۱۷۷) - (۸) حضرت عیسٰیؑ کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم۔ (۱۹ : ۳۱) — (۹) حضرت اسماعیلؑ اپنے اہل کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ (۱۹ : ۵۵)

۱۰۔ رسول اللہؐ سے ارشاد کہ اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم دو۔ (۲۰ : ۱۳۲)

(۱۱) لقمان کی اپنے بیٹے کو اقامتِ صلوٰۃ کی نصیحت۔ (۳۱ : ۱۷)

مومنین کی خصوصیات اور فرائض

۱۔ مومن اپنی صلوٰۃ دل کے پورے جھکاؤ سے ادا کرتے ہیں۔ (۲۳ : ۲) - اور ان فرائض منصبی کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں۔ (۶ : ۹۳) - (۲۳ : ۹) - (۷۰ : ۲۳ تا ۳۴)

۲۔ جب مومنوں کو تمکن فی الارض عطا ہوگا تو یہ اقامتِ صلوٰۃ کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ لہٰذا اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے لیے اپنی حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ (۲۲ : ۴۱)

صلوٰۃ۔ بمعنی تائید۔ تحسین (درود)

جب انسان کے حسنِ عمل کی تائید و تحسین (APPRECIATION) خدا کی طرف سے ہوتی ہے تو اسے "خدا کی طرف صلوٰت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسے ہمارے ہاں "درود" کہتے ہیں۔ (نماز کی طرح درود بھی عربی زبان کا لفظ نہیں)

۱۔ حضورؐ سے ارشاد کہ جب یہ لوگ صدقات پیش کریں تو انہیں شاباش اور دعا دیا کرو۔ تمہاری تحسین و آفرین ان کے لیے موجبِ تسکین ہوتی ہے۔ (۱۰۳ : ۹) - یہ لوگ اس انفاق کے ذریعے خدا کا قرب اور تمہاری تائید و تحسین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (۹۹ : ۹)

۲۔ خدا اور اس کے ملائکہ، رسول اللہؐ کے کارناموں پر تحسین و آفرین کہتے ہیں اور اپنی تائید و نصرت سے نوازتے ہیں۔ اے جماعتِ مومنین! تم بھی رسول اللہ کی اس کے مشن میں تائید کیا کرو۔ اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس کی پوری پوری اطاعت کیا کرو۔ (۵۶ : ۳۳)

۳۔ اے جماعتِ مومنین! خدا اور اس کے ملائکہ تمہاری بھی تائید و تحسین کرتے ہیں۔ اور مقصد اس سے یہ ہے کہ تمہیں زندگی کی تاریکیوں سے نکال کر، روشنی کی طرف لے آئیں۔ (۴۳ : ۳۳)

۴۔ وہ مومنین جو حق کی راہ میں ہر قسم کی صعوبات خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں، ان پر خدا کی صلوٰت و رحمت ہوتی ہے۔ (۱۵۷ : ۲)

صلوٰۃ۔ بمعنی فرائضِ منصبی

۱۔ عائلی زندگی سے متعلق احکام کے ضمن میں کہا کہ حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ (۲۳۸ : ۲) یعنی ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کی نگہداشت کرو۔ لیکن اسے ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ تمہاری مرکزی ذمہ داری تمام معاملات میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہے۔

۲۔ دلوک شمس سے غسق لیل تک اقامتِ صلوٰۃ - (۷۸ : ۱۷)

۳۔ کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تسبیح اور صلوٰۃ سے واقف ہے۔ (۴۱ : ۲۴)

رسمی (بے روح) صلوٰۃ اور اس کا نتیجہ

۱۔ منافقین صلوٰۃ میں آتے ہیں تو "کسالی" کی کیفیت لیے ہوئے اور انفاق کرتے ہیں تو بالکل بندھے رندھے (۵۴ : ۹) یعنی محض لوگوں کو دکھانے کے لیے (۱۴۲ : ۴)

۲۔ امم سابقہ نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا۔ یعنی اپنے جذبات کا اتباع کرنے لگ گئے۔ اس سے صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ (۵۹ : ۱۹)

۳۔ جاہلیتِ عرب میں، کعبہ کے قریب صلوٰۃ بے معنی الفاظ و حرکات کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ (۳۵ : ۸)

۴۔ تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو صلوٰۃ کے مفہوم و مقصود سے بے خبر رہتے ہیں۔ دکھاوے کی رسم ادا کرتے ہیں اور رزق کے جن چشموں کو رواں دواں رہنا چاہیئے۔ انہیں روک رکھتے ہیں اور اس طرح تکذیب دین کرتے ہیں (۱۰۷ : ۱-۷)

صلوٰۃ بمعنی نماز

۱۔ بعض لوگ، حافظوا علی الصلوٰت و الصلوٰۃ الوسطیٰ (۲۳۸ : ۲) سے مراد " عصر کی نماز " لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہاں صلوآت سے مراد فرائضِ منصبی ہیں۔ اس لئے ہم نے اس آیت کو " فرائضِ منصبی " کے عنوان کے تابع درج کیا ہے۔

۲۔ صلوٰۃ الفجر سے پہلے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد اور دوپہر کو جب تم آرام کرتے ہو۔ یہ تمہارے پرائیویسی کے اوقات ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ نزول قرآن میں کم ازکم فجر اور عشاء کی صلوٰۃ معروف تھی۔ (۵۸ : ۲۴)۔ ان دو کے سوا، نام لے کر صلوٰۃ کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

۳۔ حالتِ سکر میں صلوٰۃ کے قریب مت جاؤ۔ (۴۳ : ۴)

۴۔ حالتِ خوف میں قصرِ صلوٰۃ۔ (۱۰۱ : ۴)۔ حالتِ جنگ میں کس طرح اقامتِ صلوٰۃ کی جائے۔ (۲۲۹ : ۲)۔ (۱۰۲ : ۴)۔ صلوٰۃ ختم کر لینے کے بعد، کھڑے۔ بیٹھے ذکر اللہ۔ (۱۰۳ : ۴)۔ حالتِ اطمینان میں صلوٰۃ۔ (۱۰۳ : ۴)۔ خوف کی حالت میں پیدل اور سواری پر۔ (۲۳۹ : ۲)۔ (۵) صلوٰۃ کتاباً موقوتاً ہے۔ (۱۰۳ : ۴)

۶۔ اقامتِ صلوٰۃ۔ طرفی النھار اور زلفاً من الیل میں کرو۔ (۱۱۴ : ۱۱)

۷۔ دلوکِ شمس سے غسق لیل تک اوقاتِ صلوٰۃ۔ (۷۸ : ۱۷)۔ (۸)۔ اقامتِ صلوٰۃ سے پہلے وضو کا حکم۔ (۶ : ۵)

۹۔ جب یوم الجمعۃ کو صلوٰۃ کے لئے آواز دی جائے تو کاروبار چھوڑ کر اس طرف آ جایا کرو۔ اور جب صلوٰۃ ختم ہو جائے تو پھر کاروبار کے لئے نکل کھڑے ہوا کرو۔ (۱۰-۹ : ۶۲)

۱۰۔ صلوٰۃ میں نہ زیادہ بلند آواز رکھو نہ بالکل خفی۔ ان کے بین بین چلو۔ اس سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے۔ اور دعا بھی۔ (۱۱۰ : ۱۷)

[نوٹ۔ تہجد کے لئے صلوٰۃ کا لفظ نہیں آیا۔ اسے حضورؐ کے لئے خصوصی طور پر اضافہ کہا گیا ہے (۷۸ : ۱۷)۔ صلوٰۃ کی رکعتوں کے سلسلہ میں صرف (۱۰۲ : ۴) میں اشارہ ملتا ہے۔]

۱۱۔ مخالفینِ عرب، صلوٰۃ کے لئے آواز دینے کا مذاق اڑاتے تھے۔ (۵۸ : ۵)

۱۲۔ منافق کی موت پر صلوٰۃ جائز نہیں۔ (۸۴ : ۹)

۱۳۔ مومن، اقامتِ صلوٰۃ کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں۔ گویا اجتماعاتِ صلوٰۃ سے مقصود یہ ہے۔ (۳۸ : ۴۲)

متفرق۔ صلوٰۃ کا صحیح مفہوم

۱۔ عبرانی زبان میں صلوات، یہودیوں کی پرستش گاہوں کو کہتے ہیں۔ (۴۰ : ۲۲)

۲۔ جناب لقمان کی اپنے بیٹے کو اقامتِ صلوٰۃ کی نصیحت۔ (۱۷ : ۳۱)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ کعبہ کے بعد عرض کیا کہ میں نے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں اپنی اولاد کو بسا دیا ہے تاکہ یہ "اقامتِ صلوٰۃ" کا فریضہ ادا کر سکیں۔ اس سے اقامتِ صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ (۳۷ : ۱۴)

۴۔ دعائے ابراہیمی کہ مجھے اقامتِ صلوٰۃ کی توفیق عطا فرما۔ (۴۰ : ۱۴)

۵۔ امم سابقہ نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا۔ یعنی وہ اپنے جذبات کا اتباع کرنے لگ گئے۔ اس سے صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ (۵۹ : ۱۹)

۶۔ حضرت موسیٰؑ کو پہلی وحی میں کہا گیا کہ ایک انقلاب تمہارے ہاتھوں رونما ہونے والا ہے۔ اس کے لئے اقامتِ صلوٰۃ کرو تاکہ میرا قانون (غالب آجائے)۔ (۱۵-۱۴ : ۲۰)

۷۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے لئے اپنی حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ (۴۱ : ۲۲)۔ (۵۶-۵۵ : ۲۴)
نظامِ مشاورت اور صلوٰۃ۔ (۳۸ : ۴۲)

۸۔ صلوٰۃ، فحشاء و منکر سے روک دیتی ہے۔ (۴۵ : ۲۹)۔(۹)۔ وصیت کیلئے گواہوں کو صلوٰۃ کے بعد روک لو۔ (۱۰۶ : ۵)

۱۰۔ شیطان تمہیں خمر و میسرہ کے ذریعے صلوٰۃ سے روکتا ہے۔ (۹۱ : ۵)

۱۱۔ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے استعانت کیا کرو۔ صلوٰۃ ایک ہمت طلب فریضہ ہے جو خاشعین کے سوا اور لوگوں پر بہت گراں گزرتا ہے۔ (۴۵ : ۲)۔ (۱۵۳ : ۲)

۱۲۔ قومِ مدین نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ کیا تیری صلوٰۃ تجھے اس بات کا بھی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے معاشی نظام کو اپنی مرضی کے مطابق متشکل نہ کریں۔ (۸۷ : ۱۱)

۱۳۔ کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تسبیح اور صلوٰۃ کو جانتی ہے۔ (۴۱ : ۲۴)

۱۴۔ قل ان صلاتی و نسکی ومحیای و مماتی - للّٰہ رب العلمین ۔ (۱۶۳ : ۶)

۱۵۔ خدا کے بندے کو صلوٰۃ سے روکنے والا۔ (۱۰ : ۹۶)

۱۶۔ صلّٰی بمقابلہ تولّٰی آیا ہے۔ اس سے صلوٰۃ کا مفہوم (اتباع) واضح ہوجاتا ہے۔ (۳۱ : ۷۵)

۱۷۔ کامیابی اس کے لئے ہے جو قانونِ خداوندی کو سامنے رکھتا ہے اور صلّٰی۔ پھر اس کا اتباع کرتا ہے۔ (۱۴-۱۵ : ۸۷)۔ (۹ ذ ۲۲ : ۲۳)۔

(۱۸)۔ اس راستے پر چلو جو تمہیں مقامِ ابراہیمی (امامتِ نوعِ انسان) تک لے جائے (مصلّٰی)۔ (۲ : ۱۲۵)

۱۹۔ مصلّین کی خصوصیات۔ مال جمع نہیں کرتے۔ ان کے اموال میں سائل و محروم کا حق معلوم ہوتا ہے۔ (۲۴-۱۷ : ۷۰)۔

نیز۔ (۴-۷ : ۱۰۷)

۲۰۔ اہلِ جہنم سے پوچھا جائے گا کہ تم یہاں کیسے آگئے۔ وہ کہیں گے کہ ہم مصلّین میں سے نہیں تھے یعنی وہ کچھ نہیں کرتے تھے جس کا ذکر اوپر (۱۹) میں آیا ہے۔ (۴۵-۴۳ : ۷۴)

۲۱۔ حضرت زکریّا محراب میں صلوٰۃ ادا کر رہے تھے (یُصلّی)۔ (۳۸ : ۳)

۲۲۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے خوف و حزن باقی نہیں رہ سکتا۔ (۲۷۷ : ۲)

۲۳۔ جب تم صلوٰۃ کے لئے آواز دیتے ہو تو یہ مخالفین اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (۵۸ : ۵)

۲۴۔ اقامتِ صلوٰۃ کرنے والے مصلحین ہیں۔ ان کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (۱۷۰ : ۷)۔ اور محسنین (۴-۳ : ۳۱)

۲۵۔ قرآن سے جس قدر ہو سکے قرأت کرو۔ اور اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کرو۔ (۲۰ : ۷۳)

۲۶۔ استعانت بالصبر والصلوٰۃ کے ساتھ ہی مقتولین فی سبیل اللّٰہ کا ذکر ہے۔ (۱۵۴-۱۵۳ : ۲)

۲۷۔ صلوٰۃ فحشاء و منکر سے روکتی ہے۔ (۴۵ : ۲۹)

(۰)

ص م د

صمد کے بنیادی معنی ہیں بلند چٹان۔ اس کے بعد اس کے معنی ایسی ہستی کے آئے ہیں جس سے کوئی مستغنی نہ ہو سکے اور ہر شخص جس کی طرف اپنی ضرورت کے لئے رجوع کرے۔ قرآن کریم میں خدا کی ایک صفت الصّمد آئی ہے (۲ : ۱۱۲)۔

اس کے سوا یہ لفظ اور کہیں نہیں آیا۔ صمدیت ایک عظیم خصوصیت ہے اور صفاتِ خداوندی کو اپنے اندر منعکس کرنے والی قوم، اگر صمد بن جائے۔ تو اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور قوم نہ کر سکے۔

(۰)

۹۔ صور

صور۔ جنگ کے وقت پہلے وقتوں میں قرنا بجایا جاتا تھا۔ (اب بگل بجاتے ہیں)۔ اسے صور کہتے تھے۔ نفخ فی الصور کے معنی ہیں۔ صور پھونکنا۔ جنگ کے لئے بگل بجانا۔ لیکن قرآن کریم میں یہ اصطلاح "انقلاب آفرین" قیامت کے سلسلہ میں بھی آئی ہے۔ اس دنیا میں قیامت اور اخروی زندگی میں قیامت کے سلسلہ میں (دیکھئے عنوان قیامت)

۲۔ صور کو اگر صورت کی جمع لیا جائے تو نفخِ صور کے معنی ہوں گے "پیکروں میں توانائی پیدا کر دینا"۔ یہ اس دنیا میں بھی ہوسکتا ہے۔ جہاں مردہ قوموں کو حیات نو ملتی ہے اور آخرت میں بھی جہاں مرنے کے بعد جدید توانائیوں سے زندگی عطا ہوگی۔

متعلقہ آیات میں دیکھنا ہوگا کہ کس مقام پر کون سا مفہوم زیادہ موزوں ہے۔

نفخ صور

۱۔ جس دن نفخِ صور ہوگا تو تمام اقتدار خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔ (۷۳ : ۶)

۲۔ نفخِ صور ہوگا اور ہم سب کو جمع کریں گے۔ (۹۹ : ۱۸)

۳۔ جب نفخِ صور ہوگا تو مجرمین کی آنکھیں نیلی پڑ جائیں گی۔ (۱۰۲ : ۲۰)

۴۔ اس دن کوئی نسبی رشتہ داری کام نہیں آئے گی۔ (۱۰۱ : ۲۳)

۵۔ اس دن پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو ارض و سما میں جو کوئی ہوگا اس کے ہوش اڑجائیں گے۔ (۸۷ : ۲۷)۔ (۶۸ : ۳۹)۔ دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر انتظار کریں گے۔ (۶۸ : ۳۹)

۶۔ نفخِ صور ہوگا اور وہ اپنی قبروں سے رب کی طرف اچھلتے ہوئے جائیں گے۔ (۵۱ : ۳۶)۔ فوج در فوج۔ (۱۸ : ۷۸) —— (۷)۔ وہ یوم الوعید ہوگا۔ (۲۰ : ۵۰)

۸۔ نفخِ واحدہ (ایک بار پھونکنا)۔ (۱۳ : ۶۹)

(۰)

۱۰- صورت

صورت (FORM) ارسطو کے فلسفہ کی رو سے، اشیائے کائنات کا وجود، صورت (FORM) سے قائم ہے۔ بات ہے بھی ٹھیک۔ اگر اشیاء کی صورتیں معدوم ہو جائیں تو ان کا ہیولے تو باقی رہ جائے لیکن وہ اشیاء اپنی منفرد حیثیت کھو بیٹھیں۔ اسی بنا پر، قرآن کریم نے خدا کے تخلیقی پروگرام میں، صورت گری کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اور خدا کی ایک صفت المصور بیان کی ہے۔

صورت گری

۱- اس نے تمہیں بہترین صورت عطا کی۔ (۶۴ : ۴۰) - (۶۴ : ۳)
۲- تمہیں پیدا کیا۔ صورت عطا کی۔ پھر ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ (۷ : ۱۱)
۳- خدا رحمِ مادر میں جنین کو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق صورت عطا کر دیتا ہے۔ (۳ : ۶) - (۸۲ : ۸)
۴- خدا المصور ہے۔ (۵۹ : ۲۴)
۵- صورتوں (پیکروں) میں توانائی پھونکنا۔ (دیکھئے عنوان صور)

۱۱- صوم

روزہ کے لئے قرآن کریم میں صوم کا لفظ آیا ہے جس کے بنیادی معنی اپنے آپ کو روکنے یا منضبطِ نفس کے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو حدود خداوندی کے اندر رکھنا۔ صائم کے معنی ہیں اپنے آپ کو غلط راستوں سے روکنے والا۔ اپنے آپ پر ضبط رکھنے والا۔ اصطلاح میں اس کے معنی صبح سے رات تک خورد و نوش اور جنسی اختلاط سے باز رہنے کے ہیں۔ مقصد اس سے مومنین کو سپاہیانہ زندگی کا خوگر بنانا ہے۔ شہر رمضان کے روزے، اپنی روح کے اعتبار سے سالانہ عسکری ٹرننگ کا کورس ہے۔ اس لئے

کہ اسلام میں ہر مسلمان سپاہی ہوتا ہے۔

۲۔ روزے اقوام سابقہ میں بھی تھے۔ یہودیوں کے ہاں روزے میں بات بھی نہیں کرتے تھے

۳۔ اعتکاف فی المساجد کے الفاظ قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر آئے ہیں (۱۸۷ : ۲)۔ ایسا نظر آتا ہے کہ صیام (روزے) تو عام عسکری ٹریننگ کے لئے ہیں، اور ان میں جو لوگ خصوصی کورس کے لئے روک لئے جائیں ان کے لئے عاکفین فی المساجد کی اصطلاح آئی ہے۔ حج کے ضمن میں عاکفین کا ذکر حج کے عنوان میں کیا گیا ہے۔

صوم - روزے کے احکام

۱۔ روزے فرض کئے گئے ہیں (۱۸۳ : ۲)۔ گنتی کے دن (۱۸۴ : ۲)۔ رمضان کے پورے مہینے کے روزے۔ (۱۸۵ : ۲) مریض اور مسافر، بعد میں گنتی پوری کرے۔ (۱۸۵ - ۱۸۴ : ۲)۔ لیکن جو بمشقت روزہ رکھ سکتا ہو وہ اس کی جگہ فدیہ دے جو ایک آدمی کی خوراک کے مطابق ہے۔ (۱۸۴ : ۲)۔ روزہ اس وقت سے ہے جب صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے متمیز ہو جائے۔ رات تک اسے پورا کیا جائے گا۔ (۱۸۷ : ۲)۔ اس میں کھانا پینا اور جنسی اختلاط منع ہے۔ (۱۸۷ : ۲)۔ رات کو یہ سب کچھ جائز ہے۔ (۱۸۷ : ۲)۔ لیکن اعتکاف (یعنی خصوصی کورس) میں اختلاط کی اجازت نہیں۔ (۱۸۷ : ۲)۔ روزوں سے مقصد یہ ہے کہ تم میں فرائض کی ادائیگی کی عادت پیدا ہو جائے۔ (۱۸۳ : ۲) تم میں ایسی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ تم دنیا میں نظام خداوندی کو بلند و بالا کر سکو (۱۸۵ : ۲) اور تمہاری محنتیں بھرپور نتائج مرتب کر سکیں۔ (۱۸۵ : ۲)۔ اور تم لوگوں کا مال ناجائز طریق پر کھانے سے رک سکو۔ (۱۸۸ : ۲)

۲۔ مومن مرد اور عورتیں صائم ہوتے ہیں۔ (۳۵ : ۳۳)

۳۔ بعض لوگوں نے سائحون اور سائحات کے معنی بھی روزہ دار لئے ہیں۔ (۱۱۲ : ۹)۔ (۶۶ : ۵)۔ [لیکن ہمارے نزدیک اس لفظ کے معنی سیاحت کرنے کے ہیں۔]

۴۔ روزے شہر رمضان میں فرض ہوئے۔ اس پورے مہینے کے روزے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی تھی۔ (۱۸۵ : ۲)

روزے بطور فدیہ

۱۔ مناسک حج میں کمی رہ جانے کی وجہ سے روزے بطور فدیہ۔ (۱۹۶ : ۲)

۳۔ قسم توڑنے کا کفارہ ۔ (۵ : ۸۹) ——— (۳)۔ قتلِ مومن بالخطاء کا کفارہ ۔ (۴ : ۹۲)

۴۔ ظہار (بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم) کا کفارہ (۵۸ : ۴) ۔ (۵)۔ حالتِ احرام میں شکار پکڑنے کا کفارہ۔ (۵ : ۹۵)

یہودیوں میں روزہ

۱۔ روزے میں کلام نہیں کرتے تھے ۔ (۱۹ : ۲۶) ۔ حضرت زکریاؑ کو بھی غالباً یہی حکم ملا تھا ۔ (۱۹ : ۱۰)

(۰)

ض

ضلالت

ضلالت (ض۔ ل۔ ل) ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں حیران و سرگرداں ہونا۔ کسی چیز کا غائب اور پوشیدہ ہو جانا۔ مختلف چیزوں کا اس طرح مل جانا کہ وہ پھر الگ الگ نہ ہو سکیں اور جداگانہ طور پر پہچانی نہ جا سکیں۔ التباسِ حقیقت سیدھی راہ سے ہٹ جانا۔ راستے کی تلاش میں مارے مارے پھرنا۔ ضائع ہو جانا۔ رائیگاں جانا۔

قرآن کریم میں یہ مادہ بالعموم ہدایت کے مقابل آیا ہے ۔ ہدایت سیدھے راستے پر چلنے کو کہتے ہیں اس لیے ضلالت' غلط راستے پر چلنے کو کہیں گے ۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ انہی معانی میں نہیں آیا بلکہ جو معانی اوپر دیئے گئے ہیں ، مختلف مقامات پر ان معانی میں بھی یہ لفظ آیا ہے ۔

۲۔ قرآن کریم میں اللہ کے متعلق "یضل من یشاء" یا اسی قسم کی اور آیات آئی ہیں ۔ ان کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ "اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے"۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ (یا مفہوم) قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے اس لئے یہ صحیح نہیں ہو سکتا ۔ اس بنیادی مسئلہ کی تشریح "تقدیر" کے عنوان میں کی جا چکی ہے ۔ اسے ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے ۔ اس مقام پر اتنا دہرا دینا کافی ہوگا کہ ہدایت اور گمراہی انسان خود حاصل یا اختیار کرتا ہے ۔ لیکن چونکہ یہ چیزیں قانونِ خداوندی

کے مطابق چلنے (یا ان کی خلاف ورزی کرنے) کا فطری نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لئے انہیں "مشیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو شخص چاہے، قانونِ خداوندی کے اتباع سے ہدایت پالے، اور جو چاہے اس کے خلاف چل کر ضلالت خرید لے۔ جو اس طرح ضلالت خرید لے، اسے کوئی شخص اپنے طور پر راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ وہ پھر قانونِ خداوندی کے اتباع ہی سے ہدایت پر آسکتا ہے۔ یہ مفہوم ہے ان آیات کا جن میں کہا گیا ہے کہ "جسے خدا گمراہ کر دے اُسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا" (وغیرہ)۔ اسی طرح جن آیات میں گمراہی کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ وہاں بھی مراد یہ ہے کہ انسان جب قوانینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کرتا ہے تو گمراہ ہو جاتا ہے۔ (دیکھئے عنوان شیطان)۔ (نیز دیکھئے عنوان غویٰ)

اسباب و وجوہِ ضلالت

۱۔ جو ایمان کے بدلے کفر خرید لے وہ متوازن راہ سے ہٹ گیا۔ (۲ : ۱۶) - (۲ : ۱۰۸) - (۲ : ۱۷۵) - (۵ : ۱۲)

۲۔ شرک سے گمراہی (۴ : ۱۱۶)، کفر سے گمراہی (۴۰ : ۷۴) - آفلین کو معبود بنانے سے - (۶ : ۷۷) - (۴۶ : ۵)

۳۔ اللہ، ملائکہ، کتب، رسل، آخرت سے کفر وجۂ ضلالت۔ (۴ : ۱۳۶)

۴۔ معصیتِ خدا و رسول۔ (۳۳ : ۳۶) — (۵)۔ کفار سے دوست داری کے تعلقات۔ (۶۰ : ۱)

۶۔ اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ اگر میں تمہاری خواہشات کا اتباع کرنے لگ جاؤں تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ (۶ : ۵۶)

۷۔ کفر اور سبیل اللہ میں رکاوٹ ڈالنا۔ (۴ : ۱۶۷) - (۱۴ : ۱۸)

۸۔ گمراہ قوموں کے خیالات و خواہشات کا اتباع۔ (۵ : ۷۷)

۹۔ مشرکانہ رسومات کا اتباع (۴ : ۱۱۹) - (۶ : ۱۴۰) (۱۰)۔ قومِ موسیٰؑ کی گوسالہ پرستی (۷ : ۱۴۹) - (۲۰ : ۹۲)

۱۱۔ کفار کی کٹ حجتیاں (۱۷ : ۴۸) - (۲۵ : ۹) - (۱۲)۔ ہدایاتِ خداوندی کا اتباع کرنے سے انسان گمراہ نہیں ہوتا۔ (۲ : ۱۹۸) - (۲۰ : ۱۲۳) - (۱۳)۔ بت پرستی وجۂ ضلالت (۱۴ : ۳۶)

۱۴۔ اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لینے والا، علم کے باوجود گمراہ ہو جاتا ہے۔ (۶ : ۱۲۰) - (۲۸ : ۵۰) - (۴۵ : ۲۳)

۱۵۔ ضد کہ ہم خدا سے ملاقات کریں گے۔ (۷ : ۱۵۵)

۱۶۔ قرآنی تمثیلات سے بعض گمراہ ہو جاتے ہیں، بعض ہدایت حاصل کر لیتے ہیں۔ جس نگاہ سے کوئی دیکھے ویسا ہی تاثر پیدا ہو جاتا ہے۔ (۲ : ۲۶) - (۷۴ : ۳۱) - ضلالت، فسق سے پیدا ہوتی ہے۔ (۲ : ۲۶)

۱۷- خدا وضاحت کر دیتا ہے کہ تقویٰ کی راہ کونسی ہے۔ اسے پھر بھی جو نہیں مانتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ (۹ : ۱۱۵)

۱۸- ظلم وجۂ ضلالت (۱۴ : ۴) — (۱۹ : ۳۸) — (۳۱ : ۱۱)

۱۹- غلط کاموں کا مزین بن کر دکھائی دینا۔ (۳۵ : ۸ - ۹)

۲۰- مسرف و مرتاب گمراہ ہوتا ہے۔ (۴۰ : ۳۴) - (۲۱) - دلوں کے اندر مرض۔ کفر۔ ریب و تشکیک۔ (۷۴ : ۳۱)

۲۲- وحی کے بجائے اپنے جذبات کا اتباع کئے جانا۔ یہ حضرت داؤدؑ سے کہا گیا ہے۔ (۳۸ : ۲۶)

۲۳- منافقت۔ (۴ : ۱۴۲-۱۴۳) —— (۲۴) - اپنے جذبات کی طغیانیاں۔ (۷ : ۱۷۶)

۲۵- عقل و فکر سے کام نہ لینے والے اور تکذیبِ آیات کرنے والے۔ (۶ : ۳۹) - (۷ : ۱۷۹) - (۲۵ : ۴۴) -
(۲۷ : ۸۱) - (۳۰ : ۵۳) - (۴۳ : ۴۰) - (۲۶) - قلب (سینے) کی تنگی - (۶ : ۱۲۵)

۲۷- مہینوں کی گنتی میں نسئ کی رسم وجۂ گمراہی تھی۔ (۹ : ۳۷)

۲۸- تکذیب کرنے والے گمراہ اور جہنمی ہیں۔ (۵۶ : ۵۱) - (۵۶ : ۹۲) - (۶۷ : ۹)

۲۹- اسلاف کی اندھی تقلید۔ (۲۱ : ۵۴) - (۳۷ : ۶۹)

۳۰- قرآن کا انکار کرنے والے اہلِ جہنم۔ (۲۵ : ۳۴) - (۴۱ : ۵۲)

۳۱- عذاب کے مستوجب۔ (۴۲ : ۲۵) (۳۲) - الحق چھوڑ دو تو پھر ضلالت کے سوا رہ کیا جاتا ہے۔ (۱۰ : ۳۲)

۳۳- دین کی راہ میں کجی (پیچیدگیاں) پیدا کرنے سے۔ (۱۴ : ۳) - (۳۴) شرک بہت بڑی گمراہی ہے۔ (۴ : ۱۱۶) -
(۲۲ : ۱۲) - (۳۶ : ۲۴) - (۳۵) - آخرت سے انکار۔ (۳۴ : ۸) - (۴۲ : ۱۸)

۳۶- جو خدا کو رازق سمجھے وہ ہدایت پر، دوسرے ضلالت پر۔ (۳۴ : ۲۴) - لیکن یہ سمجھنا کہ خدا براہِ راست رزق دیتا ہے۔ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ (۳۶ : ۴۷)

۳۷- وحیٔ خداوندی کی طرف سے دلوں کا پتھر ہو جانا وجۂ گمراہی ہے۔ (۳۹ : ۲۲)

۳۸- داعیٔ الی اللہ (رسولؐ اللہ) کو قبول نہ کرنے والے۔ (۴۶ : ۳۲)

۳۹- مجرمین کھلی ہوئی گمراہی اور جہنم میں۔ (۵۴ : ۴۷)

گمراہ کرنے والے

۱- قیامت میں معبودانِ باطل سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے ہمارے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود گمراہ ہوئے تھے۔ وہ

کہیں گے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا تھا - (۱۷ : ۲۵)

۲- فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا ________ (۸۸ : ۱۰) - (۷۹ : ۲۰)

۳- جہنمی کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان کو دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا- (۲۹ : ۴۱) - یعنی ان کے لیڈر اور مذہبی راہ نما- (۳۸ : ۷) - (۶۷ : ۳۳)

۴- بتوں کے پجاری- (۳۶ : ۱۴) - (۵)- مجرمین دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں- (۹۹ : ۲۶)

۶- گمراہ دوست دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں - (۲۹ : ۲۵) - لیکن وہ قیامت میں انکار کر دیں گے - (۲۷ : ۵۰)

۷- قوم موسیٰؑ کو سامری نے گمراہ کر دیا - (۸۵ : ۲۰) - (۸) مفتری علی اللہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے - (۱۴۴ : ۶)

۹- بغیر علم و ہدایت خدا سے جھگڑنے والے- (۹ : ۲۲) - (۱۰)- فریب انگیز باتیں کرنے والے (واعظ) - (۶ : ۳۱)

۱۱- خدا کے ہمسر قرار دینے والے (۳۰ : ۱۴) - (۸ : ۳۹) - (۱۲) قوم نوحؑ کے اکابرین - (۲۴ : ۷۱)

۱۳- مذہبی راہ نما بغیر علم دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں - (۲۵ : ۱۶)

۱۴- خدا گمراہ کرنے والوں کو اپنا حمایتی کیسے بنا سکتا ہے - (۵۱ : ۱۸)

۱۵- شیطان کو مُضِلّ کہا گیا ہے - یعنی گمراہ کرنے والا - اس کے لئے متعلقہ ذیلی عنوان دیکھئے -

۱۶- اہلِ کتاب گمراہی خرید رہے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں - (۴۴ : ۴)

ضلالت و ہدایت خود اختیار کی جاتی ہے

۱- جو ہدایت اختیار کرے گا، اس کا فائدہ اس کو ہوگا- جو گمراہ ہوگا خود نقصان اٹھائے گا - (۱۰۸ : ۱۰) - (۱۵ : ۱۷) (۴۱ : ۳۹) - (۲)- جو گمراہی اختیار کرے اس سے کہہ دو کہ میرا کام تو تمہیں متنبہ کرنا ہے - (۹۲ : ۲۷)

۳- اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ اگر میں گمراہی اختیار کروں گا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی- خدا پر نہیں - (۵۰ : ۳۴)

۴- اہلِ کتاب گمراہی خریدتے ہیں - (۴۴ : ۴) - (۵) گمراہ ہو جانے والوں کے لئے عذابِ شدید (۲۶ : ۳۸)

۶- اے رسولؐ! تو انہیں راہ راست پر لانے کے لئے بہت حریص ہے - لیکن جو خود گمراہ رہنا چاہے اسے خدا بھی ہدایت نہیں دیتا - لہٰذا تیرے حریص ہونے سے کیا ہو سکتا ہے - (۳۷ : ۱۶) - (۹۳ : ۱۶)

۷- جو اپنے غلط کاموں کو اعمالِ حسنہ سمجھے اور اس طرح اپنے اختیار و ارادہ سے گمراہی اختیار کرلے (۸ : ۳۵)

یھدی من یشاء ویضل من یشاء

۱۔ جو گمراہ ہونا چاہتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ ہدایت اسے ملتی ہے جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (۲۷ : ۱۳)

۲۔ من یشاء (۴ : ۱۴)۔ لیکن خدا ظالمین کو گمراہ کرتا ہے۔ (۲۷ : ۱۴)

۳۔ اگر خدا چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی راستہ پر چلنے کے لئے مجبور پیدا کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا ہے، اس لئے جس کا جی چاہے، ہدایت اختیار کر لے ——— جس کا جی چاہے گمراہ ہو جائے۔ ان کے اعمال کی تجھ سے باز پرس نہیں ہوگی۔ (۳۷ : ۱۶) - (۹۳ : ۱۶)

۴۔ جسے اپنے غلط کام مزین بن کر دکھائی دیں۔ (۸ : ۳۵)

۵۔ دلوں کے اندر مرض۔ کفر۔ ریب و تشکیک۔ (۳۱ : ۷۴)

وہ آیات جن میں گمراہی کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے (ابتدائی تشریح دیکھئے)

۱۔ منافقین کو خدا نے گمراہ کیا ہے۔ کیا تم انہیں راہِ ہدایت پر لانا چاہتے ہو۔ (وہ انہی قوانینِ خداوندی کے اتباع سے ہدایت پر آسکیں گے جن سے وہ منافقت برت رہے ہیں۔ (۸۸ : ۴) - (۱۴۳ : ۴)

۲۔ جسے خدا گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ (۳۳ : ۱۳) - (۲۹ : ۳۰) - (۱۳ : ۳۹) - (۳۶ : ۳۹) (۳۳ : ۴۰)۔ (۳) اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لینے والے کو خدا، اس کے علم کے باوجود، گمراہ کر دیتا ہے۔ (۲۳ : ۴۵) - (۴)۔ قومِ موسیٰ کا نے ضد کی کہ ہم خدا سے ملاقات کریں گے۔ اس سے خدا نے انہیں گمراہ کر دیا۔ (یہاں تضل بہا من تشاء و تھدی من تشاء آیا ہے)۔ (۱۵۵ : ۷)

۵۔ خدا ظالمین کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے بعد ہے یفعل اللہ ما یشاء (۱۴ : ۲۷)۔ یعنی ایسا خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۶)۔ مسرف و مرتاب کو خدا گمراہ کرتا ہے۔ (۳۴ : ۴۰)

۷۔ خدا کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔ (۷۴ : ۴۰)

۸۔ جسے خدا ہدایت دے اسے ہدایت پر سمجھو۔ جسے وہ گمراہی میں چھوڑ دے وہ نقصان میں رہا۔ (۱۷۸ : ۷)۔ وہ اپنی طغیانیوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ (۱۸۶ : ۷)۔ اس کا خدا کے سوا کوئی سرپرست نہیں ہو سکتا۔ (۹۷ : ۱۷) نہ کوئی مرشد (۱۷ : ۱۸) - (۴۴ : ۴۲)۔ اسے کوئی دوسری راہ مل ہی نہیں سکتی۔ (۴۶ : ۴۲)

۹۔ بہرے، گونگے بنے رہنے والوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا۔ (۳۹ : ۶)

۱۰۔ جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔ (۱۲۵ : ۶)

۱۱۔ جسے خدا ہدایت [illegible] اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ (اس کا مُضل کوئی نہیں ہو سکتا)۔ (۳۷ : ۳۹)

شیطان کی طرف منسوب آیات

۱۔ خدا کے ساتھ بغیر علم جھگڑنے والا شیطان ہے۔ اور شیطان کے متعلق ہم نے کہہ رکھا ہے کہ جو اسے اپنا دوست بنائے گا، گمراہ ہو جائے گا۔ (۴ : ۲۲) — (۲)۔ شیطان چاہتا ہے کہ یہ گمراہ ہو جائیں۔ (۶۰ : ۴)

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی غلطی کے متعلق کہا کہ یہ عملِ شیطان ہے۔ اور شیطان مضل مبین ہے۔ (۱۵ : ۲۸)

۴۔ شیاطین کو اپنا دوست بنانے والے گمراہ ہیں۔ (۳۰ : ۷)

خدا جانتا ہے کون ہدایت پر ہے کون گمراہی پر

۱۔ یہ خدا کے علم میں ہے۔ یعنی اس کا فیصلہ اس کے بیان کردہ قوانین کی رو سے ہوتا ہے۔ (۱۱۷ : ۶)۔(۱۲۵ : ۱۶)
(۸۵ : ۲۸)۔(۳۰ : ۵۳)۔(۷ : ۶۸)

اقوامِ سابقہ نے بھی گمراہی اختیار کی تھی

۱۔ اکثر اقوامِ سابقہ نے گمراہی اختیار کی تھی۔ (۷۱ : ۳۷)۔(۴۲ : ۳۶)۔(۱ : ۷۱)

۲۔ ان اقوام کے قیادت کے اتباع سے گمراہی۔ (۵۰ : ۶۸)۔(۶۷)۔قوم حضرت نوحؑ (۶۰ : ۷)۔(۲۴ : ۷۱)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد ______________ (۷۴ : ۶)۔(۸۶ : ۲۶)

۵۔ اہلِ کتاب کے مغضوب گروہ۔ اصحابِ سبت۔ (۶۰ : ۵)

۶۔ اہلِ عرب حضورؐ سے پہلے ضلالِ مبین میں تھے۔ (۲ : ۶۲)

۷۔ اقوامِ سابقہ کی طرف رسول آئے۔ ان میں سے ایک جماعت نے ہدایت قبول کر لی اور ایک جماعت گمراہ رہی۔ (۳۶ : ۱۶)

ضلالت (راستے کی تلاش میں متحیّر و سرگرداں ہونا) یا (CONFUSED) ہو جانا

۱۔ خدا نے حضورؐ کو راستے کی تلاش میں سرگرداں پایا تو سیدھا راستہ دکھا دیا۔ (۹۳ : ۷)

۲۔ دو عورتیں بطور گواہ اس لئے ضروری ہیں کہ اگر ایک (CONFUSED) ہو جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ (۲ : ۲۸۲)

ضلالت (بمعنی رائیگاں جانا۔ ضائع ہو جانا)

۱۔ ان کا افترا آخرالامر رائیگاں جائے گا۔ (۶ : ۲۴) - (۶ : ۹۴) - (۷ : ۵۳) - (۱۰ : ۳۰) — (۱۱ : ۲۱) — (۱۶ : ۸۷) — (۲۸ : ۷۵)

۲۔ مشرکین کی پکار رائیگاں جاتی ہے۔ (۱۳ : ۱۴) - (۴۰ : ۵۰) - (۳) - ضلالت بمقابلہ ثبات۔ (۱۴ : ۲۷)

۴۔ جن کی ساری تگ و تاز اسی دنیا کے مفاد کے حصول میں ضائع ہو گئی، یہ سب سے زیادہ نقصان میں رہے (۱۸ : ۱۰۲-۱۰۶)

۵۔ مخالفین کی تدابیر بے نتیجہ رہ گئیں۔ (۴۰ : ۲۵) - (۱۰۵ : ۲)

۶۔ کفار کی خفیہ تدبیریں رائیگاں جاتی ہیں۔ (۴۰ : ۲۵) - (۷) - تباہ شدہ باغ کو دیکھ کر کہا کہ انا لضالون۔ (۶۸ : ۲۶)

۸۔ کفر سے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۴۷ : ۱ و ۸) - مقتولینِ فی سبیل اللہ کے اعمال رائیگاں نہیں جاتے (۴۷ : ۴)

ضلالت بمعنی غلطی

۱۔ برادرانِ یوسفؑ نے کہا کہ ہمارا باپ صریحاً غلطی پر ہے۔ (۱۲ : ۸) - (۱۲ : ۳۰) - بمعنی وہم (۱۲ : ۹۵) - (۲۶ : ۲۰)

۲۔ خدا نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ (۲۰ : ۵۲)

۳۔ خدا احکامِ وراثت کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم غلطی نہ کر جاؤ۔ (۴ : ۱۷۶)

ضلالت (بمعنی غائب ہو جانا)

۱۔ ان کے معبودانِ باطل وقت پر ان سے غائب ہو جائیں گے۔ (۷ : ۳۷) - (۱۶ : ۸۷) - (۴۰ : ۷۴) - (۴۱ : ۴۸) - (۴۶ : ۲۸)

۲۔ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی میں ضائع ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی زندہ کئے جائیں گے۔ (۳۲ : ۱۰)

متفرق

۱۔ تمہارا صاحب (رسول اللہ) نہ گمراہ ہوا نہ بھٹکا۔ (۲ : ۵۳)

۲۔ کفار کہتے کہ اس رسول نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیا تھا۔ اگر ہم مضبوطی سے اپنے مسلک پر جمے نہ رہتے تو یہ ہمیں گمراہ کر دیتا۔ (۴۲ : ۲۵)

۳۔ اے رسولؐ! مخالفین کا ایک گروہ تہیہ کر چکا تھا کہ تجھے گمراہ کر دے لیکن وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر سکے (۶۸ : ۳)۔(۴:۱۱۳)

۴۔ اے رسول! اگر تو دنیا کی اکثریت کی اطاعت کرنے لگ جائے تو وہ تجھے خدا کی راہ سے گمراہ کر دے۔ (۱۱۶ : ۶)

۵۔ راہ گم کردہ لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ (۵۶ : ۱۵)

۶۔ کفار، مومنین کو راہ گم کردہ کہتے تھے۔ (۳۲ : ۸۳)—۷) صراطِ مستقیم ضالین کی راہ نہیں ہوتی۔ (۷ : ۱)

۸۔ اہلِ جہنم اقرار کریں گے کہ ہم راہ گم کردہ تھے۔ (۱۰۶ : ۲۳)۔ (۹۷ : ۲۶)

۹۔ یہاں کا اندھا آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور سخت راہ گم کردہ۔ (۷۲ : ۱۷)

۱۰۔ سردارانِ قوم نے حضرت نوحؑ سے کہا کہ تم راہ گم کردہ نظر آتے ہو۔ (۶۰ : ۷)

۱۱۔ قومِ ثمود نے کہا کہ کیا ہم ایک اپنے جیسے انسان کا اتباع کریں۔ یہ تو بڑی گمراہی کی بات ہے۔ (۲۴ : ۵۴)

۱۲۔ حضورؐ نے اپنی قوم سے کہا کہ انتظار کرو۔ نتائج بتا دیں گے کون گمراہی میں ہے۔ (۲۹ : ۶۷)

۱۳۔ خدا گمراہوں کو مہلت دیتا جائے گا۔ (۷۵ : ۱۹)

(۰)

ط

۱۔ طاغوت

(طغیان ۔ طاغون)

طغیٰ ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں حدود اور پیمانوں سے باہر ہو جانا۔ جب دریا کا پانی ساحلوں کو توڑ کر سیلاب بن جائے تو اس وقت کہتے ہیں طغی الماء (۵ : ۶۹) اسی کو طغیان بھی کہا جاتا ہے ۔ الطاغی کے معنی ہوتے ہیں وہ شخص جو حدود اور قوانین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یکسر سرکشی پر اتر آئے ۔ اسی سے لفظ طاغوت ہے جو ہر اس طاقت کیلئے بولا جاتا ہے ، جو قوانینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کرے ۔ اس جہت سے شیطان اور طاغوت مرادف المعنیٰ ہیں ۔ عملاً اس سے مراد ہوگا وہ نظام ، وہ معاشرہ ، وہ حکومت ، وہ عدالت ، جو قوانینِ خداوندی کو چھوڑ کر ، غیر خداوندی قوانین کیمطابق فیصلے کرے۔

۲۔ اس سے بہ ہیئتِ مجموعی مراد عدمِ توازن ہوگا ۔ (UN-BALANCED LIFE) یا حدود فراموشی ۔

طاغوت

۱۔ کفار کے دوست طاغوت ہوتے ہیں جو انہیں روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں ۔ (۲ : ۲۵۷)

۲۔ ہر رسول کی تعلیم یہ تھی کہ محکومیت خدا کی اختیار کی جائے اور طاغوت سے اجتناب کیا جائے ۔ (۱۶ : ۳۶)

۳۔ جو لوگ طاغوت کی عبودیت سے بچتے ہیں وہی اہلِ بشارت ہیں ۔ (۳۹ : ۱۷)

۴۔ عبد الطاغوت پر خدا کی لعنت اور غضب ہوتا ہے ۔ (۵ : ۶۰)

۵۔ مومن خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار طاغوت کی راہ میں ۔ (۴ : ۷۶)

۶۔ ایمان کا دعوےٰ اور اپنے معاملات کو تصفیہ کے لئے طاغوت کے پاس لے جانا ۔ یہی تو کفر ہے ۔ شیطان چاہتا ہی

یہ ہے کہ انہیں گمراہ کر دے۔ (۴ : ۶۰)

۷۔ طاغوت سے کفر اور اللہ پر ایمان۔ یہ ہے محکم سہارا۔ یعنی ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت ضروری ہے۔ اسی کے معنی لا الہ الا اللہ ہیں۔ ہر غیر خداوندی آئین، طاغوت ہے جس کا انکار ضروری ہے۔ (۲ : ۲۵۶)

۸۔ اہل کتاب جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے تھے۔ (۴ : ۵۱)

متفرق

۱۔ جب پانی میں طغیانی آگئی تو حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں سوار کرا لیا گیا۔ (۶۹ : ۱۱)

۲۔ فرعون اور قوم ثمود نے سرکشی اختیار کر لی۔ (۲۰ : ۲۴) – (۲۰ : ۴۳) – (۲۰ : ۴۵) – (۷۹ : ۱۷) – (۸۹ : ۱۱) – (۳)۔ قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے رسول کی تکذیب کی۔ (۹۱ : ۱۱)۔ قوم نوحؑ نے بھی۔ (۵۳ : ۵۲)

۴۔ رسول اللہؐ کی آنکھ نہ تو کسی دوسری طرف پھری اور نہ ہی حد سے بڑھی۔ (۵۳ : ۱۷)

۵۔ طغیان بمعنی قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنا۔ (۲ : ۱۵)–(۵ : ۶۸)–(۶ : ۱۱۱)–(۷ : ۱۸۶)–(۱۰ : ۱۱)–(۱۷ : ۶۰)–(۱۸ : ۸۰)–(۲۳ : ۷۵)

۶۔ یہ قوم طاغون ہیں۔ (۳۷ : ۳۰)–(۳۸ : ۵۵)–(۵۱ : ۵۳)–(۵۲ : ۳۲)–(۶۸ : ۳۱)–(۷۸ : ۲۲)

۷۔ ثمود کو طاغیہ سے ہلاک کیا گیا۔ (ان کی سرکشی کی وجہ سے۔ یا بجلی کے کڑکے سے)۔ (۶۹ : ۵)

۸۔ جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۷۹ : ۳۷)

۹۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ آپؐ اور جماعتِ مومنین، احکام خداوندی پر جم کر کھڑے رہو اور ان سے سرکشی نہ برتو۔ (۱۱ : ۱۱۲)

۱۰۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ رزقِ حلال وطیب کھاؤ اور اس میں سرکشی نہ برتو۔ (۲۰ : ۸۱)

۱۱۔ تم میزان کو ہموار رکھو۔ اس میں کمی بیشی نہ ہونے دو۔ متوازن زندگی بسر کرو۔ (۵۵ : ۸)

۱۲۔ وحی سے بے نیاز ہو کر انسان زندگی کا توازن کھو بیٹھتا ہے۔ (۹۶ : ۶)

۱۳۔ طغیٰ۔ کسی کو حدود فراموشی پر آمادہ کرنا۔ (۵۰ : ۲۷)

۱۴۔ قرآن سے، مخالفین کا کفر اور طغیان بڑھ جاتا ہے۔ (۵ : ۶۴)

۲۔ طلاق

قرآن کریم کی رو سے ' ایک بالغ ، عاقل مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے ' ان حقوق اور ذمہ داریوں کے ساتھ جو اس باب میں خدا نے مقرر کی ہیں۔ ازدواجی زندگی بسر کرنے کے معاہدہ کا نام نکاح ہے۔ (دیکھئے عنوان ' نکاح ') لیکن یہ معاہدہ ایسا نہیں کہ ایک دفعہ طے کر لینے کے بعد ' پھر فسخ نہ ہو سکے۔ یہ معاہدہ باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے۔ اس لئے جب فریقین میں سے کسی کی رضامندی باقی نہ رہے ، تو یہ فسخ ہو جاتا ہے۔ اسے طلاق کہتے ہیں۔ اس کے لفظی معنی آزاد ہو جانے کے ہیں۔ چونکہ اس معاہدہ کے فسخ ہونے کے نتائج اور عواقب کچھ اور بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کے لئے کچھ شرائط مقرر کی ہیں اور ان شرائط کے پورا کرنے کے لئے ' اسے انفرادی نہیں بلکہ معاشرتی مسئلہ قرار دیا ہے۔ یعنی اس معاہدہ کے فسخ کر دینے کا حق تو میاں اور بیوی دونوں کو یکساں طور پر حاصل ہے ' لیکن اس کے عواقب سے متعلق معاملات کے تصفیہ کے لئے معاشرہ کا عدالتی نظام دخیل ہوتا ہے۔

۲۔ ہمارے ہاں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ طلاق کا حق مرد کو بالکلیہ حاصل ہے اور وہ جب چاہے لفظ طلاق کہہ کر عورت کو الگ کر سکتا ہے۔ اگر اس نے ایک بار یا دو بار طلاق کا لفظ کہا ہے تو وہ عورت کو واپس لے سکتا ہے لیکن اگر تین دفعہ یہ لفظ کہہ دیا تو پھر اُسے واپس نہیں لے سکتا۔ تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے شادی کر کے اس سے طلاق لے لے۔ (اسے حلالہ کہتے ہیں)

یہ سارا تصور اور طریق خلافِ ق[illegible]ن [illegible] ہے۔ طلاق کے معنی نکاح کی پابندی سے آزاد ہو جانا ہے اور اس کے لئے قرآن نے ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جب فسخ نکاح اس طریق کے مطابق ہو گا تو اسے طلاق کہا جائے گا۔ اور اس عورت کو مطلقہ۔ طلاق کا لفظ زبان سے کہہ دینے سے فسخ نکاح نہیں ہو جاتا۔

۳۔ طلاق کے ضمن میں مہر اور عدت کے سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے۔

تعلقات کی کشیدگی

ازدواجی زندگی میں بعض اوقات وقتی طور پر کشیدگی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی بیشتر وجہ اشتعال میں آ جانا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی ہدایات یہ ہیں۔

۱۔ اگر کوئی شخص غصے میں آکر جہالت سے بیوی کو ایسا کچھ کہہ دے جس سے وہ اس پر حرام قرار پا جاتی ہو (مثلاً اسے ماں کہہ دے) تو اس سے وہ اس پر سچ مچ حرام نہیں ہو جاتی۔ (۴ : ۳۳)۔ اسے اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں لغویات میں شمار ہوتی ہیں۔ (۲۲۵ : ۲)

۲۔ اس قسم کی لغو قسم توڑنے کا کفارہ۔
(۱) ایک غلام آزاد کرنا۔ یہ اس زمانے کا حکم ہے جب عربوں کے معاشرہ میں غلام ہوتے تھے۔ (اسلام نے غلامی کو ختم کر دیا) اگر غلام نہ ہو تو (۲)۔ دو ماہ کے مسلسل روزے۔ اور (۳)۔ جس میں اس کی طاقت نہ ہو تو وہ ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائے۔ (۴-۳ : ۵۸)

۳۔ اگر کوئی شخص ٹھنڈے دل سے، بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے (اسے ایلاء کہتے ہیں)۔ تو اسے چار ماہ کی مہلت حاصل ہوگی۔ اگر وہ اس مدت میں رجوع کرلے تو ہوالمراد۔ ورنہ طلاق کی کاروائی کی جائیگی۔ (۲۷-۲۲۶ : ۲)۔

۴۔ اس قسم کی بالارادہ قسم توڑنے کا کفارہ۔ (۱) غلام کو آزاد کرنا۔ یا (۲) دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا۔ (۳) یا تین دن کے روزے رکھنا۔ (۸۹ : ۵)

طلاق

۱۔ میاں بیوی میں شدید قسم کی کشیدگی پیدا ہو جائے تو معاشرہ کو چاہیئے کہ ایک نمائندہ خاوند کی طرف سے اور ایک نمائندہ بیوی کی طرف سے، بلا کر ایک مصالحتی بورڈ قائم کرے جو ان میں مصالحت کی کوشش کرے۔ مصالحت ہو جائے تو ہوالمراد۔ ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ (۳۵ : ۴)۔ اس کے لئے عورت اور مرد دونوں کو یکساں حق حاصل ہے۔ (۱۲۸ : ۴) اور عورت بھی سلسلہ جنبانی کر سکتی ہے۔ (۱ : ۵۸)۔ طلاق کا اعلان اس قاعدے کے مطابق ہونا چاہیئے جو حکومت کی طرف سے مقرر ہو۔ (۱ : ۶۵)

۲۔ نکاح، مرد اور عورت دونوں کی بطیبِ خاطر رضامندی سے ہوا تھا۔ (۳ : ۴) - (۱۹ : ۴)۔ اس لئے طلاق کے لئے ان میں سے کسی کی عدم رضامندی (ناپسندیدگی) کافی وجہ ہے لیکن اس میں اشتعال اور جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے (۱۹ : ۴)۔ جب مصالحت کی کوشش ناکام رہ جائے تو اس باب میں مزید وجوہات کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ عدالت صرف فسخ نکاح کے عواقب کے متعلق فیصلہ کرے گی۔

۳۔ اگر معاہدۂ نکاح مرد کی طرف سے فسخ ہوتا ہے تو پھر عورت کو کچھ دینا نہیں پڑتا۔ (۲۰ : ۴) بجز اس کے کہ عورت

فحش کی مرتکب ہو۔ (۱۹ : ۴)

۴۔ اگر معاہدۂ نکاح عورت کی طرف سے فسخ ہوتا ہے تو عدالت عورت سے کچھ ہرجانہ دلا سکتی ہے (۲۲۹ : ۲)۔ یہ اس لئے کہ مرد نے عورت کو نکاح کے وقت مہر وغیرہ دیا تھا اور یہ ہو سکتا ہے کہ عورت محض مہر لینے کے لئے نکاح کر لے اور پھر اسے فسخ کروا لے۔ قانون کے اس طرح ناجائز استعمال کی روک تھام کے لئے یہ شق مقرر کر دی گئی ہے۔

۵۔ مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ فسخ نکاح تو وہ خود کرنا چاہے لیکن عورت کو تنگ کرے تاکہ فسخ نکاح کی سلسلہ جنبانی اس (عورت) کی طرف سے ہو۔ اور یوں وہ ہرجانہ کا مطالبہ کر سکے۔ (۲۰ : ۴)

۶۔ طلاق (فسخ نکاح) کے بعد، عورت کے لئے عدت شروع ہو جاتی ہے۔ اس مدت میں وہ دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی۔ (دیکھئے عنوان عدت) مرد کے لئے عدت کی مدت نہیں۔ بس یہ ایک بات ایسی ہے جس میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں افضلیت حاصل ہے۔ ورنہ دوسرے تمام امور میں ان کے حقوق یکساں ہیں۔ (۲۲۸ : ۲)

۷۔ عدت کے دوران، عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہو گی۔ (۶۵ : ۱-۷)۔ (۲۴۱ : ۲)

۸۔ عدت کے دوران، طلاق واپس لی جا سکتی ہے۔ (بجز اس صورت کے جسے ۱۱ میں بیان کیا گیا ہے) یعنی اگر طلاق عورت نے دی ہے تو اسے اس کے واپس لے لینے کا اختیار ہے۔ اور اگر مرد نے دی ہے اور عورت بھی رضامند ہے تو مرد کو اس کا حق حاصل ہے۔ (۲۲۸ : ۲)۔ لیکن ایسا کرنے میں نیت یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ عورت کو دوبارہ گھر لا کر تنگ کیا جائے۔ (۲۲۹ : ۲)۔ (۲۳۱ : ۲)۔ (۶۵ : ۲)

۹۔ عدت کے دوران، طلاق واپس لے لینے کی صورت میں تجدید نکاح کی ضرورت ہو گی یا نہیں، اس کے لئے قرآن نے دو جگہ "بمعروف" کہا ہے (۶۵ : ۲)۔ (۲۲۹ : ۲) یعنی اس طریق کے مطابق جسے قرآنی معاشرہ، خدائی راہ نمائی کی روشنی میں صحیح تسلیم کر لے۔ ایک جگہ "نکاح" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (۲۳۲ : ۲)۔ اس کے لئے ذیلی قوانین اسلامی حکومت مرتب کرے گی۔

۱۰۔ اگر طلاق واپس لے لی گئی ہے تو ہو المراد۔ ورنہ اس امر کی تصدیق کے لئے کہ طلاق واپس نہیں ہوئی تھی، دو گواہوں کی ضرورت ہو گی۔ (۶۵ : ۲)

۱۱۔ اگر شق (۱) کے مطابق فسخ نکاح ہو جائے تو اسے پہلی مرتبہ کی طلاق کہا جائے گا۔ اگر اس کے بعد یہ میاں بیوی، شق (۸) کے مطابق ازدواجی رشتہ قائم کر لیں، لیکن اس کے بعد پھر طلاق کی نوبت آ جائے تو اسے دوسری مرتبہ کی طلاق کہا جائے گا۔ اس کے بعد بھی یہ میاں بیوی (شق ۸ کے مطابق) ازدواجی رشتہ قائم کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کر لیا

اور پھر نوبت طلاق کی آگئی تو یہ تیسری مرتبہ کی طلاق ہو گی ۔ اس تیسری مرتبہ کی طلاق کی صورت میں ان میاں بیوی میں ازدواجی رشتہ استوار نہیں ہو سکے گا۔ ہاں اگر وہ عورت کسی اور جگہ شادی کرے اور قاعدہ کے مطابق وہ نکاح فسخ ہو جائے تو پھر یہ اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکے گی ۔ (۲ : ۲۲۹-۳۰)

۱۲۔ نکاح کے بعد اگر زنا شوئی تعلقات نہ بھی قائم ہوئے ہوں، فسخِ نکاح کے لئے طلاق کا طریق پھر بھی اختیار کرنا ہوگا۔ (۲۳۷ : ۲۳۶ : ۲) ۔ (۳۳ : ۴۹)

۱۳۔ رسول اللہؐ کے لئے خصوصی احکام۔ (۳۳ : ۵۰-۵۲) ۔ (۳۳ : ۲۸) ۔ (۶۶ : ۵)

۱۴۔ نبی کو مخاطب کر کے عام طلاق کے احکام دیئے گئے ہیں۔ نبی اس مقام پر عدالت کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضورؐ کے بعد یہ فریضہ اسلامی حکومت کا ہو جائے گا۔ (۶۵ : ۱-۷)

۱۵۔ آیت (۲ : ۲۳۷) میں الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے مراد عورت کا مختار یا حاکم مجاز ہے ۔

۳۔ طمانیت (اطمینان)

اس مادہ (ط-م-ن) کے بنیادی معنی ساکن ہونے کے ہیں۔ لیکن یہ سکون وہ نہیں جو حرکت کی ضد ہوتا ہے ۔ وہ سکون تو موت کے مرادف ہے ۔ اس کے معنی ہیں ، انسانی قلب کا شکوک و شبہات اور اضطراب انگیز توہمات و خطرات سے پاک ہونا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا اطمینان ، فریبِ نفس کا نام نہیں۔ یہ انسان کو علیٰ وجہ البصیرت حاصل ہوتا ہے۔ یہ اُس یقین (ایمان) کی بنیادی شرط ہے جس پر اعمالِ حیات کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ کسی بات پر علیٰ وجہ البصیرت دل کا ٹھیک جانا اطمینان کہلاتا ہے ۔ اس کے بعد اس میں کسی قسم کی لغزش پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اسے پھر دہرا دیا جائے کہ یہ کیفیت علیٰ وجہ البصیرت حاصل ہونی چاہیئے۔ اندھی عقیدت سے جو اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ فریبِ نفس کہلاتا ہے۔ اطمینان نہیں ۔ ان دونوں میں فرق کرنا نہایت ضروری ہے ۔ اس کے لئے قرآن نے سکینت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے ۔

اطمینان

۱۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی عبودیت ، کنارے پر کھڑے ہو کر اختیار کرتے ہیں ۔ اگر انہیں فائدہ پہنچتا ہے تو مطمئن رہتے ہیں۔

اگر نقصان ہوتا ہو تو منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں میں تباہی ہے ۔ (۱۱ : ۲۲)

۲۔ حالتِ خوف میں صلوٰۃ کے بعد کہا کہ جب تمہیں اطمینان ہو جائے تو پھر یوں کرو۔ یہاں اطمینان بمقابلہ خوف آیا ہے ۔ (۱۰۳ : ۴)

۳۔ جن لوگوں نے دنیاوی زندگی کے مفادات کو اپنا نصب العین بنا لیا اور ان کے حصول کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ اب کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں ۔ یہاں یہ لفظ جھوٹے اطمینان (فریبِ نفس) کے لئے آیا ہے ۔ یہ مومنین کا اطمینانِ قلب نہیں ۔ (۷ : ۱۰) — (۴) مومنین کے دل کو ذکر اللہ (قوانینِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے) سے اطمینان حاصل ہوتا ہے (۲۸ : ۱۳)

۵۔ حضرت عیسےٰ کے حواریوں نے کہا کہ ہمارے رزق کا سامان، نظامِ ربوبیتِ خداوندی کی رو سے کیا جائے تاکہ ہمارے قلب کو اطمینان نصیب ہو ۔ (۱۱۳ : ۵)

۶۔ میدانِ جنگ میں ملائکہ کے ذریعے نصرت، اطمینان کا موجب تھی ۔ (۱۲۵ : ۳) ۔ (۱۰ : ۸) ۔ یعنی اس سے نفسیاتی توازن حاصل ہو گیا تھا اور یہ بڑی چیز ہے ۔

۷۔ حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ مجھے دکھا کہ اس قسم کی مردہ قوم کو زندہ کرنے کا طریقہ کیا ہے، تو خدا نے کہا کہ کیا تیرا اس پر ایمان نہیں ۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ایمان تو ہے ۔ لیکن میں اطمینانِ قلب کے لئے ایسا چاہتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب ایمان کو علیٰ وجہ البصیرت دلائل یا مشاہدات سے تقویت حاصل ہو تو اسے اطمینان کہا جاتا ہے اس لئے اطمینان وہی ہے جو علیٰ وجہ البصیرت حاصل ہو ۔ (۲۶۰ : ۲)

۸۔ وہ بستی جس میں رزق فراوانی سے حاصل ہوتا تھا، اس کے باشندوں کے متعلق کہا کہ انہیں امن بھی حاصل تھا۔ اور اطمینان بھی ۔ امن، خارجی خطرات سے محفوظ ہونے کا نام ہے اور اطمینان، دل کے اضطرابات سے مامون ہونے کا نام ۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۹۔ جس سے اکراہاً کفر کا کوئی کام کرایا جائے، حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو، تو اسے کفر نہیں کہا جائے گا۔ (۱۰۶ : ۱۶) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اطمینان، دل کی رضامندی سے کسی بات کے ماننے یا کرنے کو کہا جائے گا۔

۱۰۔ اگر زمین میں ملائکہ اطمینان سے بستے ہوتے تو ان کی طرف ملائکہ میں سے رسول بھیجا جاتا ۔ (۹۵ : ۱۷)

۱۱۔ نفسِ مطمئنہ، کا جنت میں داخلہ ۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ "خدا کے بندوں" میں شامل ہو۔ اس لئے جنت یا اس قسم کا صحیح اطمینان، انفرادی شے نہیں ۔ اجتماعی نظام کے اندر حاصل ہو سکتا ہے ۔ (۲۷-۳۰ : ۸۹)

سکینت

۱۔ بنی اسرائیل کے تابوت میں سامان سکینت تھا۔ (۲ : ۲۴۸)

۲۔ صلح حدیبیہ کی "فتح" سے قلوب مومنین کو سکینت حاصل ہوتی جس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔ (۴۸ : ۴) - (۴۸ : ۱۸) - (۴۸ : ۲۶)

۳۔ جنگ میں ملائکہ کی مدد سے سکینت (رسول اور مومنین کے قلوب میں)۔ (۹ : ۲۶)

۴۔ غار میں "صاحب رسول اللہؐ" کے دل میں سکینت۔ (۹ : ۴۰)

۵۔ رسولؐ سے کہا گیا ان کے حسن عمل پر ان کی حوصلہ افزائی کیا کرو۔ اس سے انہیں سکینت حاصل ہوتی ہے۔ (۹ : ۱۰۳)

۶۔ رات آرام (سکون) کے لئے بنائی۔ (۶ : ۱۳) - (۶ : ۹۶) - (۱۰ : ۶۷) - (۲۷ : ۸۶) - (۲۸ : ۷۲-۷۳) - (۴۰ : ۶۱) - مکانات بھی۔ (۱۶ : ۸۰)

۷۔ تمہیں ازدواج بنایا تاکہ باہمی تسکین حاصل ہو۔ (۷ : ۱۸۹) - (۳۰ : ۲۱)۔

(۰)

۲۔ طہارت

__طہر۔__ اس کے معنی دور لے جانے یا دور کرنے کے ہوتے ہیں۔ آلائش وغیرہ دور کرکے پاک اور صاف کرنے کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کی رو سے جسمانی پاکیزگی کے علاوہ "قلب و نگاہ کی پاکیزگی بھی نہایت ضروری ہے یعنی انسانی خیالات کو غیر قرآنی تصورات سے پاک رکھنا۔ اس ہنج سے یہ لفظ پاکیزگیٔ سیرت و کردار کے لئے بھی آئے گا اور تطہیر فکر و نگاہ کے بھی۔

طبعی پاکیزگی

۱۔ آسمان سے پاکیزہ پانی برسایا۔ (۲۵ : ۴۸)۔ جنگ کے میدان میں بارش۔ (۸ : ۱۱)

۲۔ عورتوں کے پاس ان کے حیض سے پاک ہو جانے کے بعد جاؤ۔ (۲ : ۲۲۲)۔ اللہ مطہرین کو دوست رکھتا ہے۔

(۲۲۲ : ۲) ۔ (۳) ۔ وضو۔غسل ۔ تیمم کے احکام ۔ (۴۳ : ۴) ۔ (۶ : ۵)

قلب ونگاہ کی پاکیزگی

۱۔ رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۴ : ۷۴) ۔ اس کے معنی سیرت وکردار (شخصیت) کی پاکیزگی بھی ہیں اور یہ بھی کہ اپنی دعوت کو غلط عناصر سے پاک اور صاف رکھو ۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا کہ میرے گھر کو طائفین کے لئے پاک وصاف رکھو ۔ (۱۲۵ : ۲) ۔ (۲۶ : ۲۲)

۳۔ حضرت مریمؑ سے کہا گیا کہ خدا نے تجھے منتخب کر لیا ہے اور وہ تجھے اہلِ ہیکل کی آلودہ نگہی سے پاک اور صاف رکھے گا ۔ (۴۱ : ۳) ۔ (۴) ۔ اہلِ جنت کے لئے شرابِ طہور ۔ (۲۱ : ۷۶)

۵۔ رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ ان سے صدقات وصول کرکے انہیں مزکّی اور مطہر بنا دو ۔ (۱۰۳ : ۹)

۶۔ اے اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس دور کرکے تمہیں پاک وصاف بنا دے ۔ (۳۳ : ۳۳)

۷۔ جنت میں ازواجِ مطہرہ ۔یعنی پاکیزہ سیرت رفقاء ۔ (۲۵ : ۲) ۔ (۱۴ : ۳) ۔ (۵۷ : ۴)

۸۔ قرآن کو صحفِ مطہرہ کہا گیا ۔ (۱۴ : ۸۰) ۔ (۲ : ۹۸)

۹۔ تمسک بالقرآن صرف وہی کر سکتے ہیں جو اپنے خیالات کو غیر قرآنی تصورات سے پاک اور صاف کرلیں ۔ لا یمسہٗ الا المطھرون ۔ (۷۹ : ۵۶)

۱۰۔ وہ مسجد جسے تقویٰ کی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا اس میں وہ لوگ آتے ہیں جنکی قلب ونگاہ پاکیزہ ہوتی ہے ۔اور اللہ مطہرین کو درست رکھتا ہے ۔ (۱۰۸ : ۹) ۔ (۲۲۲ : ۲)

۱۱۔ حضرت عیسیٰؑ سے کہا گیا کہ اللہ تجھے وفات دے گا ۔ تیرے درجات بلند کرے گا ۔ اور تجھے ان لوگوں سے دور لے جائے گا ۔ (مطہرک) جو کفر کرتے ہیں ۔ (۵۴ : ۳)

۱۲۔ عائلی قوانین کی اطاعت سے مزکّی و مطہر ہو جانا ۔ (۲۳۲ : ۲)

۱۳۔ پردے کے احکام کے اتباع سے قلوب کی پاکیزگی ۔ (۵۳ : ۳۳)

۱۴۔ رسولؐ اللہ سے پرائیویٹ مشورہ کرنے سے پہلے صدقہ دینا ، اطہر بنا دیتا تھا ۔ (۱۲ : ۵۸)

۱۵۔ منافقین اور آلودہ سیرت لوگوں کے قلوب پاکیزہ نہیں ہوتے ۔ (۴۱ : ۵)

متفرق

۱۔ دور لے جانے کے معنوں میں۔ خدا حضرت عیسیٰ کو مخالفین کی گرفت سے بچانے کے لئے کسی دور دراز مقام کی طرف لے گیا۔ (۳ : ۵۴)۔ (۲) حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ میری بیٹیاں (قوم کی عورتیں) تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ (۱۱ : ۷۸)۔ (۳) قوم لوط نے آپس میں کہا کہ حضرت لوطؑ اور ان کے ساتھیوں کو بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاکیزہ بنے پھرتے ہیں۔ (۷ : ۸۲)۔ (۲۷ : ۵۶)

(۰)

۵۔ طیّب

طیّب - ہر وہ شے جس سے انسان کے حواس بھی لذت یاب ہوں اور نفس بھی۔ جو طبیعی معیار کے مطابق بھی خوشگوار، پسندیدہ، منفعت بخش ہو۔ اور انسانی ذات کی نشو ونما کا بھی موجب بنے۔ قرآن کریم نے کھانے پینے کی بعض چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی سب حلال ہیں۔ لیکن حلال کے ساتھ اس نے طیّب کے لفظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یعنی ہر حلال شے کا کھانا ضروری نہیں۔ حلال اشیاء میں سے جو چیزیں منفعت بخش، خوشگوار اور پسندیدہ ہوں۔ وہ کھائی جائیں۔ اس میں اصول صحت کے علاوہ، انفرادی مزاج اور ذاتی ذوق کی بھی رعایت رکھ دی گئی ہے۔

ارضِ طیّب اس زمین کو کہتے ہیں جو بڑی زرخیز ہو۔ اس کے مقابل خبیث آیا ہے جس کے معنی بنجر یا نکمی زمین کے ہیں اس سے بھی طیب کا مفہوم واضح ہوگیا۔

۱۔ طوبیٰ کے معنی بھی نہایت خوشگوار اور پسندیدہ زندگی۔ (۲)۔ حرام اور حلال کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے۔

۳۔ اس کے ساتھ عنوان خبیث بھی دیکھئے۔

حلال وطیّب

۱۔ مالِ غنیمت میں سے حلال وطیب کھاؤ۔ (۸ : ۶۹)

۲۔ جو کچھ زمین سے اُگتا ہے، (جو کچھ زمین میں ہے) اس میں سے حلال وطیب کھاؤ۔ (۲ : ۱۶۸)

۳۔ اللہ کے رزق سے حلال و طیب کھاؤ۔ (۲ : ۵۷) — (۲ : ۱۷۲) — (۵ : ۸۸) — (۱۶ : ۱۱۴) — (۲۰ : ۸۱)

۴۔ خدا نے جو طیبات حلال قرار دی ہیں انہیں حرام مت ٹھہراؤ۔ (۵ : ۸۷)۔ بنی اسرائیل کے جرائم کی سزا کے طور پر ایسی چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ (۴ : ۱۶۰)

۵۔ خدا نے طیبات کو حلال قرار دیا ہے۔ (۵ : ۴) - (۵ : ۵)۔ اور خبائث کو حرام قرار دیا ہے۔ (۷ : ۱۵۷)

۶۔ تمام رسولوں سے کہا کہ طیب کھاؤ۔ (۲۳ : ۵۱)

رزقِ طیب

۱۔ خدا نے جماعتِ مومنین کو اپنی مملکت دی اور اس طرح انہیں رزقِ طیب عطا کیا۔ (۸ : ۲۶)

۲۔ خدا نے رزقِ طیب دیا ہے۔ (۱۰ : ۹۳) - (۱۶ : ۷۲) - (۱۷ : ۷۰) - (۴۰ : ۶۴) - (۴۵ : ۱۶)

۳۔ وہ کون ہے جو رزقِ طیب کو حرام ٹھہرا سکتا ہے؟ (۷ : ۳۲)

ارضِ طیب

۱۔ بلدِ طیب فراوانی سے پیداوار دیتا ہے۔ خبیث بہت نکمی اور کم پیداوار دیتا ہے۔ (۷ : ۵۸) - (۱۵ : ۳۴)

۲۔ جنت میں مساکنِ طیب۔ (۹ : ۷۲) - (۶۱ : ۱۲)

کلمۂ طیب

۱۔ خوشگوار نظریۂ حیات میں اوپر اٹھنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ جب انسانوں کے اعمالِ صالح شامل ہو جائیں تو اسے رفعت مل جاتی ہے۔ یعنی وہ بہت جلد ابھر آتا ہے۔ (۳۵ : ۱۰)

۲۔ کلمۂ طیب کی مثال شجرِ طیب کی اور کلمۂ خبیثہ کی مثال شجرِ خبیثہ کی۔ (۱۴ : ۲۴ - ۲۶)

متفرق (خبیث و طیب)

۱۔ جب دوسروں کے ہاں جاؤ تو اہلِ خانہ کو مبارک اور طیب دعا دو۔ (۲۴ : ۶۱)

۲- اہلِ جنت، یا متقینِ جنت کی راہ نمائی طیّب کی طرف ہوتی ہے۔ یعنی صراطِ حمید کی طرف۔ (۲۴ : ۲۲)

۳- یتیموں کے مال کی حفاظت کرو۔ ایسا نہ کرو کہ اس میں سے طیّب (اچھی اچھی) چیزوں کو نکال کر ان کی جگہ خبیث چیزیں رکھ دو۔ (۲ : ۴) — (۴)- رسولؐ اللہ سے کہا کہ خدا جماعتِ مومنین کو اسی حالت میں نہیں چھوڑ دے گا۔ ان میں جو خبیث عنصر (منافق) آملا ہے اُسے طیّب سے الگ کر دے گا۔ (۳ : ۱۷۸)

۵- جو لوگ خدا کا راستہ روکنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں، وہ خبیث جمع کرتے ہیں۔ خدا طیّب کو خبیث سے الگ کر دے گا۔ اور خبیث کو جہنم رسید کرے گا۔ (۳۷ : ۸)

۶- خبیث و طیّب کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ خواہ خبیث کی کثرت کتنی ہی نگاہ فریب کیوں نہ ہو۔ (۱۰۰ : ۵)

۷- طیّب مٹی سے تیمم۔ (۴۳ : ۴)-(۶ : ۵)

۸- جو کچھ تم کماؤ اور جو کچھ زمین سے پیدا ہو، اس میں سے طیّب خرچ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ اس میں وہ خبیث (خدا کی راہ میں) دے دو جسے تم خود بھی لینا پسند نہ کرو۔ (۲۶۷ : ۲)

۹- خبیث خبیثوں کے لئے اور طیّب، طیبات کے لئے۔ (۲۶ : ۲۴)

۱۰- اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنے حصّہ کی طیبات دنیا ہی میں ختم کر لی تھیں۔ اب یہاں ناخوشگوار چیزیں تمہارے لئے باقی ہیں۔ (۲۰ : ۴۶)

۱۱- حضرت زکریاؑ نے ذریتِ طیبہ کی دعا مانگی۔ (۳۸ : ۳) — (۱۲)- ریحِ طیّب۔ مساعد ہوائیں۔ (۲۲ : ۱۰)

۱۳- مومنین کے لئے (اس دنیا میں بھی) حیاتِ طیّب کا وعدہ۔ (۹۷ : ۱۶)

۱۴- مومنین کی وفات طیّب حالت میں ہوتی ہے۔ (۳۲ : ۱۶)

۱۵- مومنین کے لئے طوبیٰ اور حسنِ مآب کا وعدہ۔ (۲۹ : ۱۳)

۱۶- اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔ (۳ : ۴)

۱۷- اگر بیوی مہر میں سے اپنی رضامندی (طیّبِ) سے کچھ چھوڑ دے تو اُسے لے لینے میں حرج نہیں۔ (۴ : ۴)

۱۸- جنت میں داخلہ کے وقت طیّب استقبال

MOHAMMAD ASHRAF
Draughtsman Grade-I
C/o Chief Engineer(Planning)
636-WAPDA House, Lahore

ظ

۱۔ ظلم۔ظلمات

ظلم۔ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ جس چیز کو جس مقام پہ اور جس طرح ہونا چاہیئے، اسے اس مقام پہ اور اس طرح نہ رہنے دینا۔ لفظ ظلم کی اس جامع تعریف میں ہر قسم کی بے انصافی ۔ دھاندلی ۔ استبداد آجاتے ہیں۔ کسی کے حقوق میں کمی کرنا۔ کسی کا واجب ادا نہ کرنا، کسی کا حق نہ دینا ۔ اور یوں اس پر زیادتی کرنا ۔ یہ سب باتیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ بکثرت آیا ہے اور اس سے مراد ہے قانون شکنی ۔ حدود فراموشی ۔ دوسروں کی ملکیت پہ ناجائز تصرف کرنے والے۔ دوسروں کے واجبات کو پورا پورا ادا نہ کرنے والے ۔ دوسروں کی محنت کو غصب کر لینے والے۔

قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ ظلم کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسرے پہ زیادتی کر رہا ہے حالانکہ وہ اس سے خود اپنی ذات پر زیادتی کرتا ہے ۔ اس لئے کہ انسانی زندگی کا مقصد اپنی ذات کی نشوونما ہے اور کسی پہ ظلم وزیادتی سے یہ نشوونما رک جاتی ہے۔ اس لئے اس سے خود ظلم کرنے والے کی ذات میں کمی آجاتی ہے ۔ اسی کو' اپنے آپ پہ زیادتی کرنے' سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ نیز، مستبد حکومت یہ سمجھتی ہے کہ وہ کمزور رعایا پہ ظلم کر رہی ہے ۔ اسی طرح بالادست قومیں یہ سمجھتی ہیں کہ وہ زیردست ، کمزور اقوام پہ ظلم کرتی ہیں ۔ لیکن یہ ظلم خود ان کی اپنی تباہی کا موجب ہوتا ہے ۔ اس لئے کہا جائے گا کہ وہ خود اپنے آپ پہ ظلم کرتی ہیں ۔

قرآن کریم ایسا نظام دیتا ہے جس میں ہر قسم کے ظلم کا استیصال ہو جاتا ہے ۔ اس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:

کس دریں جا سائل و محروم نیست — عبد و مولا ، حاکم و محکوم نیست

۲۔ اَلظُّلْمَةُ ۔ اور اَلظُّلُمَةُ کے معنی تاریکی کے ہیں (اس کی جمع 'ظُلُمٰت' آتی ہے) لیکن اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ روشنی ہونی چاہیئے وہاں روشنی کا نہ ہونا ۔ ویسے یہ لفظ شدائد اور مصائب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔

ظلم کا عام مفہوم

زیادتی - بے انصافی - قانون شکنی - حدود فراموشی - سلب و نہب - وغیرہ

۱۔ جو حج کے اجتماع میں ظلم کی نیت سے آئے اسے سخت سزا دی جائے گی - (۲۵ : ۲۲)

۲۔ یتیموں کا مال ظلم سے کھا جانے والے اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں - (۱۰ : ۴)

۳۔ ایمان اور اعمالِ صالح سے ظلم اور غضب کا خوف نہیں رہتا - (۱۱۲ : ۲۰)

۴۔ وحی کو افترا کہنا ظلم اور جھوٹ ہے - (۳۷ : ۷) — (۴ : ۲۵)

۵۔ اہلِ فرعون حضرت موسیٰؑ کی بات کا ظلم اور سرکشی کی وجہ سے انکار کرتے تھے - حالانکہ ان کے دل اس کی صداقت کے معترف تھے - (۱۴ : ۲۷)

۶۔ دوسروں کا مال باطل سے کھا جانے والے ظالم ہیں - ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا - (۳۰ : ۴)

۷۔ ننانویں دنبیوں والا ، غریب کی ایک دنبی چھیننا چاہے تو یہ ظلم ہے - (۲۴ : ۳۸)

۸۔ بنی اسرائیل سے کہا کچھ اور گیا تھا اور اسے انہوں نے بدل کر کچھ اور کر دیا - یا اس کی جگہ وہ کچھ اور ہی کرنے لگ گئے - یہ ظلم تھا - (۵۹ : ۲) - (۱۶۲ : ۷)

۹۔ جو لوگ یونہی زیادتی کرتے جائیں ، ان کا علاج دلیل و حجت سے نہیں ہو سکتا - (۱۵۰ : ۲) - (۴۶ : ۲۹)

۱۰۔ محض دنیاوی زندگی کے مفاد کو مقصود سمجھ لینا ظلم ہے جس کا نتیجہ تباہی ہے - (۱۱۶ : ۳)

۱۱ ظالم ، دوسروں کی محنت پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتا ہے - (۱۱۶ : ۱۱)

۱۲۔ آسمانی دعوتِ انقلاب کے مخالف - (۳۷ : ۷) - (۱۰۳ : ۷) - (۱۰ : ۱۷) - (۴۷ : ۱۷) - (۳ : ۲۱)

۱۳۔ اپنے ہی جذبات کا اتباع کرنے والے (۲۹ : ۳۰) - (۱۴) - غیر خداوندی قوتوں کی حکومت اختیار کرنے والے (۲۳-۲۲ : ۳۷)

۱۵۔ کسی عام قانون کی خلاف ورزی - (۱۲۷ : ۳) - (۶۴ : ۴) - (۳۹ : ۵) - مومنین سے اگر کبھی ایسا ہو جائے تو وہ فوراً قانونِ خداوندی کو سامنے لے آتے ہیں - (۱۳۵ : ۳)

۱۶۔ قوم ثمود نے ناقہ کے ساتھ زیادتی کی - (۵۹ : ۱۷) - (۱۷) - قوم سبا کے ظلم کی نوعیت - (۱۹ : ۱۸ : ۳۴)

۱۸۔ خدا کے خلاف افترا کرنا (یعنی اپنے آپ بات بنانا اور اسے خدا کی طرف منسوب کرنا) بہت بڑا ظلم ہے - (۹۳ : ۳)

(۲۱ : ۲) - (۹۳ : ۲) - (۳۷ : ۷) - (۱۷ : ۱۰) - (۱۸ : ۱۱) - (۱۵ : ۱۸) - (۲۹ : ۶۸) - (۴۲ : ۲۹) - (۷ : ۲۱)

۱۹۔ تکذیبِ احکامِ خداوندی ظلم ہے۔ (۶ : ۱۵۸)۔(۳۹ : ۳۲)۔ جحود بھی (۶ : ۳۳)۔(۷ : ۱۷۷)۔(۲۹ : ۴۹)
غلط نظریۂ زندگی ظلم ہے۔ (۱۴ : ۲۷)

۲۰۔ مساجد اللہ کی آبادی کے راستے میں روک پیدا کرنا ظلم ہے۔ (۲ : ۱۱۴)

۲۱۔ کتمانِ شہادت (یا خدا کی طرف سے جو علم حاصل ہو اسے چھپانا) ظلم ہے۔ (۲ : ۱۴۰)

۲۲۔ قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنا ظلم ہے۔ (۱۸ : ۵۷)۔(۳۲ : ۲۲)۔

۲۳۔ کسی کو قرض دے کر (یا ویسے ہی کچھ دیکر) راس المال سے زیادہ لینا ربٰو (یعنی ظلم) ہے۔ (۲ : ۲۷۹)

۲۴۔ عام معاشی معاملات میں قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنا۔ اس کا نتیجہ بھوک اور خوف کا عذاب ہے —— (۱۶ : ۱۱۲-۱۱۳)۔(۱۸ : ۳۵)۔ اختلافات پیدا کرنا ظلم ہے۔ (۴۳ : ۶۵)

۲۵۔ کسی بے گناہ کو پکڑ لینا ظلم ہے۔ (۱۲ : ۷۹)۔(۲۶)۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنا ظلم ہے۔ (۲ : ۲۲۹)

۲۷۔ جو قوانینِ خداوندی کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے (معاملات کے فیصلے نہیں کرتے) وہ ظالم ہیں۔ (۵ : ۴۵)۔ (۴۸ : ۲۴)۔(۲۸)۔ کفار سے یا دشمنوں سے دوست داری رکھنے والے ظالم ہے (۹ : ۲۳)۔(۶۰ : ۹)

۲۹۔ عام معاشرتی معاملات میں بے احتیاطی برتنا بھی ظلم ہے۔ (۴۹ : ۱۱)

۳۰۔ قانونِ مکافاتِ عمل سے انکار کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲ : ۲۵۴)

۳۱۔ منافقت بھی ظلم ہے۔ (۲۴ : ۴۹-۵۰)۔ یعنی اپنے فائدے کی بات ہو تو لپک کر آنا۔ ویسے اعراض برتنا۔

۳۲۔ مترفین ظالم ہوتے ہیں۔ (۲۱ : ۱۱-۱۵)۔ (۳۳)۔ احکامِ خداوندی کا مذاق اڑانا ظلم ہے۔ (۶ : ۶۸)

۳۴۔ قومِ فرعون ظالم تھی۔ (۲۶ : ۱۰)۔(۲۸ : ۲۱)۔(۲۸ : ۲۵)۔(۱۱ : ۶۶)

۳۵۔ آیاتِ خداوندی کے ساتھ ظلم کرنے سے انسان خود ہی نقصان اٹھاتا ہے۔ (۷ : ۹)

۳۶۔ جو لوگوں پر ظلم کریں۔ اور بغیر الحق بغاوت کریں، وہ مجرم ہیں۔ ان کے لئے سخت سزا ہے۔ (۴۲ : ۴۲)

۳۷۔ جرم سے زیادہ سزا دینا ظلم ہے۔ (۲ : ۱۹۱)۔(۳۸)۔ دوسروں کو خدا کی راہ سے روکنا، اس میں کجی تلاش کرنا، ظلم ہے۔ (۱۱ : ۱۸-۱۹)۔ (۳۹)۔ کسی مربّی سے خیانت ظلم ہے۔ (۱۲ : ۲۳)

ظالم کی سزا

۱۔ ذوالقرنین نے مفتوح قوم سے کہا کہ جو امن سے رہے گا۔ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ لیکن جو ظلم کرے گا اسے سزا

دی جائیگی - (۱۸ : ۸۷)

۲- جو ظلم کر بیٹھے لیکن اس کے بعد اسے حسنِ عمل سے بدل دے تو اسے معافی مل سکتی ہے - (۴ : ۱۱۰) - (۲۷ : ۱۱) -

۳- یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر بعض طیب چیزیں حرام کردی گئیں - (۲ : ۹۲) - (۴ : ۱۶۰)

۴- ظالم اگر دنیا بھر کی دولت فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو نہیں چھوٹ سکے گا - (۱۰ : ۵۴) - (۳۹ : ۴۷)

۵- ظلم کی سزا جہنم ہے - (۴ : ۱۶۹) - (۷ : ۴۱) - (۱۸ : ۲۹) - (۱۹ : ۷۲) - (۲۱ : ۲۹) - (۲۳ : ۱۰۷) - (۳۴ : ۴۲) - (۳۷ : ۲۲-۲۳) - (۳۷ : ۶۳) - (۳۹ : ۲۴) - (۴۳ : ۳۹) - (۵۹ : ۱۷) ——— عذاب الیم - (۷۶ : ۳۱)

۶- ظلم کی سزا ——— رجزٌ من السماء - (۲ : ۵۹) - (۷ : ۱۶۲)

۷- جب ظلم کے نتائج سامنے آتے ہیں تو اس وقت ظالم کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے - (۲ : ۱۶۵) - (۶ : ۹۳) - (۷ : ۵) - (۲۵ : ۲۷) - (۳۴ : ۳۱) - (۴۲ : ۴۴)

۸- ظالم کو بڑی سختی سے پکڑا جاتا ہے - (۷ : ۱۶۵) - (۱۱ : ۱۰۲)

۹- ظلم کی وجہ سے پورا معاشرہ لپیٹ میں آجاتا ہے - وہ صرف ظالمین تک محدود نہیں رہتا - (۸ : ۲۵)

۱۰- ظالم کے لئے کسی رعایت کی بات نہیں کرنی چاہیئے - (۱۱ : ۳۷) - (۲۳ : ۲۷)

۱۱- قومیں ظلم کی وجہ سے تباہ ہو جاتی ہیں - (ثمود - ۱۱ : ۶۷) - (مدین - ۱۱ : ۹۴) - مختلف ظالم اقوام - (۶ : ۴۷) - (۸ : ۵۴) - (۱۴ : ۴۵) - (۱۵ : ۷۸) - (۱۶ : ۱۱۲-۱۱۳) - (۲۱ : ۱۱-۱۴) - (۲۲ : ۴۵) - (۲۶ : ۱۰) - (۲۶ : ۲۰۹) - (۲۹ : ۳۱) - مخاطبینِ رسول اللہ ﷺ (۱۰ : ۵۲) - (۴۶ : ۱۲) - جملہ اقوامِ سابقہ - (۷ : ۱۰۳) - (۱۰ : ۱۳) - (۱۱ : ۸۳) - (۱۱ : ۱۰۱) - (۱۸ : ۵۹) - (۲۳ : ۴۱) - (۲۷ : ۵۲) - (۲۷ : ۸۵) - (۲۹ : ۱۴) - (۵۳ : ۵۲)

۱۲- ظالم اپنی تباہی کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہمیں کچھ اور مہلت مل جائے - لیکن ایسا نہیں ہوگا - (۱۴ : ۴۴-۴۵) - وہ اس کا اعتراف بصد حسرت کریں گے کہ وہ واقعی ظالم تھے - (۱۶ : ۲۸) - (۱۶ : ۸۴) - (۱۹ : ۳۹) - (۲۱ : ۴۶) - (۲۱ : ۹۷) - (۳۰ : ۵۷) - (۴۰ : ۵۲) - (۴۲ : ۲۲) - (۶۸ : ۲۹)

۱۳- جب مظلوم بدلہ لینے کے لئے اٹھتا ہے تو ظالم کو نظر آجاتا ہے کہ اسے کہاں پلٹ کر جانا ہے - (۲۶ : ۲۲۷)

۱۴- ظالم کے لئے الم انگیز عذاب - (۱۴ : ۲۲) - (۴۲ : ۲۱) - (۴۳ : ۶۵) - عذابِ مقیم - (۲۵ : ۱۹) -

(۲۵ : ۳۷) - (۴۲ : ۴۵) - (۷۶ : ۳۱)

۱۵۔ ظلم خود عذاب بن کر مسلط ہو جاتا ہے (۳۹ : ۵۱) - (۱۶)۔ تمام (ہر زمانے کے) ظالموں کا انجام ایک جیسا ہوتا ہے۔ (۵۱ : ۵۹) - (۱۷)۔ ظالم کی سزا تباہی در تباہی ہوتی ہے - (۵۲ : ۴۷)

۱۸۔ ظالم کی صرف داستانیں باقی رہ جاتی ہیں - (۳۴ : ۱۹) - (۱۹)۔ بنی اسرائیل پر ظلم کی وجہ سے عذابِ صاعقہ - (۴ : ۱۵۳) - (۲۰)۔ سزا سے پہلے مہلت کا وقفہ ہوتا ہے۔ اگر فوری گرفت ہو جائے تو کوئی متنفس باقی نہ رہے -

(۱۳ : ۶) - (۱۴ : ۴۲) - (۱۶ : ۶۱) - (۲۲ : ۴۸)

۲۱۔ کسی قوم پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو جانا ان کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے (۱۶ : ۱۱۲ - ۱۱۳) - عام معاشی تباہی بھی - (۱۸ : ۳۵) - (۲۲)۔ مترفین کا انجام - تباہی - (۲۱ : ۱۱ - ۱۵)

۲۳۔ ظالمین کا ٹھکانہ بہت بُرا ہوتا ہے - (۳ : ۱۵۰)

۲۴۔ ظالم کو ظلم کی بھی سزا ملتی ہے اور اگر اس کے ظلم سے تنگ آ کر مظلوم کوئی غلط قدم اٹھالے تو اس کا بار بھی اس کی گردن پر ہوتا ہے - (۵ : ۲۹) - (۲۵)۔ ظلم کا بدلہ (سزا) بہت برا ہوگا - (۱۸ : ۵۰)

۲۶۔ ظالم کی جب گرفت ہوتی ہے تو اس کا کوئی دوست یا ساتھی اس کی مدد نہیں کر سکتا - (۳۵ : ۳۷) - (۴۰ : ۱۸)

۲۷۔ لوگوں پر ظلم کرنے والوں کی سزا سخت ہے - (۴۲ : ۴۲) - قیامت کے دن ان کی معذرت قبول نہیں کی جائے گی - (۳۰ : ۵۷)

ظالم کامیاب نہیں ہو سکتا

۱۔ ظالم تباہ ہو جاتا ہے - (خَابَ) - (۲۰ : ۱۱۱) - (۲)۔ ظالم کی کھیتی پنپ نہیں سکتی - (۳ : ۱۱۷) - (۶ : ۱۳۵) - (۱۲ : ۲۳)

۳۔ ظالم قوم کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور دنیا اس سے اطمینان کا سانس لیتی ہے - (۶ : ۴۵)

۴۔ جب تک کوئی ظلم کرتا رہے اسے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی مل ہی نہیں سکتی۔ یعنی زندگی کی کامیابیوں کی راہ اس پر کشادہ ہی نہیں ہو سکتی۔ (۲ : ۲۵۸) - (۳ : ۸۵) - (۴ : ۱۶۸) - (۵ : ۵۱) - (۶ : ۱۴۵) - (۹ : ۱۹) - (۹ : ۱۰۹) - (۲۸ : ۵۰) - (۴۶ : ۱۰) - (۶۱ : ۷) - (۶۲ : ۵)

۵۔ ظالم کامیاب نہیں ہو سکتا - (۶ : ۲۱) - (۲۸ : ۳۷)

۶۔ ہلاک ہوتی ہی ظالم قوم ہے - (۶ : ۴۷)

۷۔ خدا کے وعدے کسی قوم یا نسل سے مخصوص نہیں ہوتے۔ اگر صالح لوگوں کے اخلاف غیر صالح ہو جائیں تو ان کے لئے خدا کے وعدے نہیں ہوتے۔ ظلم کرنے والے اس سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ (۲ : ۱۲۴)

۸۔ ظالم، زندگی کی شادابیوں سے محروم رہ جاتا ہے ۔ (اس پر لعنت ہوتی ہے) ۔ (۷ : ۴۹) ۔ (۱۱ : ۱۸) ۔ (۱۱ : ۴۴) ۔ (۲۲ : ۵۳) ۔ (۹) ۔ ظالمین کی ہلاکت یقینی ہے ۔ (۱۴ : ۱۳)

۱۰۔ دیکھو کہ ظالمین کا انجام کیسا ہوا ۔ (۱۰ : ۳۹) ۔ (۲۸ : ۴۰)

۱۱۔ ظالمین کی تباہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ (۷۱ : ۲۸) ۔ اور گمراہی میں بھی ۔ (۷۱ : ۲۴)

۱۲۔ خدا ظالمین کو پسند نہیں کرتا ۔ (۳ : ۵۷) ۔ (۳ : ۱۴۰) ۔ (۴۲ : ۴۰)

۱۳۔ ظالم تباہ ہو جاتا ہے ۔ صحیح نظریۂ زندگی باقی رہتا ہے ۔ (۱۴ : ۲۷)

اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا (نیز دیکھئے ۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا)

۱۔ جس نے بیوی کو تکلیف پہنچائی اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ۔ (۲ : ۲۳۱) ۔ (۶۵ : ۱)

۲۔ حضرت موسیٰ نے غلطی سے قبطی کو مار دیا تو ندامت سے کہا کہ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے ۔ (۲۸ : ۱۶)

۳۔ ملکۂ سبا کا اعتراف کہ میں نے اپنے آپ پر زیادتی کی تھی ۔ (۲۷ : ۴۴)

۴۔ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے آپ پر زیادتی کی تھی ۔ (۲ : ۵۱) ۔ (۲ : ۵۴) ۔ (۷ : ۱۴۸) ۔ (۱۶ : ۱۱۸)

۵۔ آدم اور اس کی زوج کا اعتراف کہ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے ۔ (۷ : ۲۳)

۶۔ تباہ ہونے والی قومیں اپنے آپ پر ظلم کرتی ہیں ۔ (۲ : ۵۷) ۔ (۷ : ۱۶۰) ۔ (۱۱ : ۱۰۱) ۔ (۳۴ : ۱۹)

۷۔ اہلِ جہنم نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا ۔ (۴۳ : ۷۶) ۔ (۸) ۔ محض دنیاوی مفاد کو مقصود سمجھ لینا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے (۳ : ۱۱۷)

۹۔ قانون کی خلاف ورزی یا لغزش بھی اپنے آپ پر ظلم ہے ۔ (۴ : ۶۴)

۱۰۔ قریش کیلنڈر میں کمی بیشی کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے ۔ (۹ : ۳۶)

۱۱۔ امتِ مسلمہ کے تین طبقات ۔ السابقین فی الخیرات ۔ مقتصداً ۔ اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ۔ (۳۵ : ۳۲)

۱۲۔ معاشی معاملات میں قوانینِ خداوندی کی نگہداشت نہ کرنا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے ۔ (۱۸ : ۳۵) ۔ (۱۸ : ۲۹)

۱۳۔ کچھ حسن کارانہ زندگی بسر کرنے والے اور کچھ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ۔ (۳۷ : ۱۱۳)

۱۴۔ غلط معاشرہ میں بیٹھے رہنا اور وہاں سے ہجرت نہ کر جانا، اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے ۔ (۴ : ۹۷)

۱۵۔ جو برائی کا کام کرے۔ یا اپنے آپ پر ظلم کرے۔ پھر توبہ کر لے تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے۔ (۱۱۰ : ۴)

۱۶۔ تکذیبِ آیات سے لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (۱۷۷ : ۷)

خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا

۱۔ خدا کسی بستی کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا۔ اسے پہلے اس کی غلط روش کے نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ (۱۱۶ : ۳)۔(۱۳۲ : ۶)
(۱۰۱ : ۱۱) ۔ (۱۱۷ : ۱۱) ۔ (۵۹ : ۲۸)۔

۲۔ قرآنی احکام وضاحت سے بیان کر دیئے۔ اس لیے کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ (۱۰۷ : ۳)

۳۔ خدا اپنے بندوں کے لیے ظلم نہیں چاہتا۔ (۳۱ : ۴۰)۔ وہ اپنے بندوں پر ظلّام نہیں۔ (۱۸۲ : ۳)۔(۵۱ : ۸)
(۱۰ : ۲۲) ۔ (۴۶ : ۴۱) ۔ (۲۹ : ۵۰)

۴۔ یہود کو جو سزا ملی تھی تو یہ ان پر ظلم نہیں تھا۔ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا تھا۔ (۵۷ : ۲)۔(۱۶۰ : ۷)۔
(۱۱۸ : ۱۶) ۔ (۵)۔ اہلِ جہنم پر خدا ظلم نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے۔ (۷۶ : ۴۳)

۶۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ وہ خود ہی ظالم تھے۔ (۷۶ : ۴۳)

۷۔ خدا ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (۴۰ : ۴)۔ (۴۴ : ۱۰)۔ (۴۹ : ۱۸)

۸۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (۱۱۶ : ۳)۔ (۷۰ : ۹)۔ (۴۴ : ۱۰)۔
(۳۳ : ۱۶) ۔ (۴۰ : ۲۹) ۔ (۹ : ۳۰)

۹۔ خدا کے فیصلے حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ (۲۸۱ : ۲) ۔ (۲۴ : ۳) ۔ (۱۶۱ : ۶)۔
(۴۷ : ۱۰)۔(۵۴ : ۱۰) ۔ (۶۹ : ۳۹)

۱۰۔ ارض و سما کا سلسلہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ہر ایک کے عمل کا بدلہ پورا پورا ملے اور کسی پر ظلم نہ ہو۔ (۲۲ : ۴۵)

۱۱۔ ہر ایک کا اعمال نامہ ٹھیک ٹھیک بتا دیتا ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ (۶۲ : ۲۳)

۱۲۔ ہر ایک کے مدارج اعمال کے مطابق متعین ہوں۔ اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے۔ اور کسی پر زیادتی نہ ہو۔ (۱۹ : ۴۶)

۱۳۔ کسی پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہ ہو۔ (۴۹ : ۴)۔(۱۲۴ : ۴)۔(۷۱ : ۱۷)۔(۶۰ : ۱۹)

مظلوم

۱۔ مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ پکار کر اپنی فریاد کرے ۔ (۱۴۸ : ۴)

۲۔ مظلومین کو اپنی مدافعت میں جنگ کرنے کی اجازت ۔ (۳۹ : ۲۲) - (۲۰۰ : ۲۶)

۳۔ مظلوم ہجرت کرتا ہے تو اس کی دنیا بھی خوشگوار ہو جاتی ہے اور آخرت بھی ۔ (۴۱ : ۱۶)

۴۔ مظلوم کو مدافعت کی اجازت ہے ۔ (۴۱ : ۴۲)

۵۔ مکہ کے مظلوم فریاد کرتے تھے کہ ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والوں نے ظلم پہ کمر باندھ رکھی ہے (۷۵ : ۴)

۶۔ ظالم کے خلاف ضروری اقدامات کی اجازت ہے ۔ (۱۹۳ : ۲)

۷۔ مظلوم مقتول کا دادخواہ خود معاشرہ کو ہونا چاہیئے ۔ (۳۳ : ۱۷)

ظلم - بمعنی کمی کرنا - عدل نہ کرنا - (نیز دیکھئے - خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا)

۱۔ ہر عمل کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب ہوتا ہے - ظلم قطعاً نہیں ہوتا - (۲۷۲ : ۲) - (۲۸۱ : ۲) - (۲۴ : ۳) - (۱۶۱ : ۳) (۷۷ : ۴) - (۱۱۱ : ۱۶) - (۴۷ : ۲۱) - (۵۴ : ۳۶) - (۱۷ : ۴۰) - (۲) - ظلم کے معنی کمی ہونا - (۳۳ : ۱۸)

۲۔ کسی کو قرض دے کر صرف اپنا راس المال واپس لو - اس طرح نہ اپنے حق میں کمی کرو - نہ کسی کے مال میں کمی - (۲۷۹ : ۲)

۳۔ جو کچھ تم فی سبیل اللہ انفاق کرو گے وہ پورے کا پورا واپس کر دیا جائیگا - اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی - (۶۰ : ۸)

ظلم بمعنی شرک

۱۔ مومن اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملوث نہیں کرتے ۔ (۸۲ : ۶) - اس کے معنی عام ظلم بھی ہو سکتے ہیں ۔

۲۔ شرک ظلم عظیم ہے - اس لیے کہ اس میں غیر خدا کو خدا کا مقام دے دیا جاتا ہے - اور خود انسان اپنے بلند مقام سے گر کر نہایت پست سطح پہ آجاتا ہے ۔ (۱۳ : ۳۱)

۳۔ غیر خداوندی قوتوں کے وعدے فریب ہوتے ہیں - یہ ظلم ہے ۔ (۴۰ : ۳۵)

۴۔ یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں ہوتے ہیں ۔ (۱۱ : ۳۱)

۵۔ خدا کے سوا اوروں کو سرپرست بنالینا ظلم ہے ۔ (۹-۸ : ۴۲) - (۱۰۶ [illegible]

ظلمت ۔ ظلمات

۱۔ کالی گھٹا کی رات جس میں تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوں ۔ (۱۹ : ۲)
۲۔ کافرین کے اعمال کی مثال ۔ ایسا سمندر جس میں تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوں ۔ (۴۰ : ۲۴)
۳۔ جنین رحمِ مادر میں ظلماتِ ثلاثۃ (تین پردوں) میں ہوتا ہے ۔ (۶ : ۳۹)
۴۔ تنہا عقل کی راہنمائی میں چلنے والا چند قدم چل کر پھر تاریکیوں میں رہ جاتا ہے ۔ (۱۷ و ۲) ۔ (۲۰ : ۲)
۵۔ دانہ زمین کی تاریکیوں میں دفن ہو کر پھوٹتا ہے ۔ (۵۹ : ۶)
۶۔ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ستارے راہ نمائی کرتے ہیں۔ (۹۸ : ۶) ۔ یہ خدا ہی کی کارفرمائی سے ہو سکتا تھا (۶۳ : ۲۷)
ان کی مشکلات سے بھی وہی نجات دلا سکتا ہے ۔ (۶۳ : ۶)
۷۔ ظلمت اور نور ایک جیسے نہیں ہو سکتے ۔ (۱۲۳ : ۶) ۔ (۱۶ : ۱۳) ۔ (۲۰ : ۳۵)
۸۔ تکذیبِ آیات کرنے والے بہرے، گونگے ۔ ظلمات میں ہیں ۔ (۳۹ : ۶)
۹۔ حضرت یونسؑ نے مشکلات میں خدا کو پکارا ۔ (۸۷ : ۲۱)
۱۰۔ خدا، ظلمات سے نور کی طرف لے جاتا ہے ۔ (۲۵۷ : ۲) ۔ (۱۶ : ۵) ۔ (۱۲۳ : ۶) ۔ قرآن یہی کرتا ہے ۔
(۱ : ۱۴) ۔ (۹ : ۵۷) ۔ (۱۱ : ۶۵) ۔ غلامی سے آزادی کی طرف لے جانا ۔ (۵ : ۱۴)
۱۱۔ خدا اور ملائکہ کی صلوٰت، ظلمات سے نور کی طرف لے جاتی ہیں ۔ (۴۳ : ۳۳)
۱۲۔ مُظلِم کے معنی وہ جو تاریکی میں ہو ۔ (۲۰ : ۲۷) ۔ (۳۷ : ۳۶)
۱۳۔ خدا انسانوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف لاتا ہے ۔ طاغوت انہیں روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتا ہے ۔ (۲۵۷ : ۲)
۱۴۔ روشنی اور تاریکی خدا کی پیدا کردہ ہے ۔ لہٰذا مجوس کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ روشنی کا خدا یزداں ہے اور تاریکی کا
اہرمن ۔ (۱ : ۶)

متفرق

۱۔ ظلم کرنے والوں کی طرف (مفاہمت کی غرض سے) مت جھکو ۔ (۱۱۳ : ۱۱)
۲۔ انسان (اگر وحی کی راہ نمائی میں نہ چلے تو) بڑا ظالم اور ناشکرگزار ہوتا ہے ۔ (۳۴ : ۱۴)

۳۔ انسان حملِ امانت (امانت میں خیانت) کرتا ہے۔ یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔ (۳۳ : ۷۲)

۴۔ مندر کے پجاریوں نے حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ میں کہا کہ ہم ہی نے زیادتی کی ہے۔ (۲۱ : ۶۴)

۵۔ اہلِ جنت کی پکار کہ ہمیں قوم الظالمین یعنی اہلِ جہنم کی معیت میں نہ رہنا پڑے۔ (۷ : ۴۷)۔ یہی حضرت موسٰےؑ نے دعا مانگی۔ (۷ : ۱۵۰)۔ رسول اللہؐ کی دعا۔ (۲۳ : ۹۴)

۶۔ ظالمین ایک دوسرے کے ساتھی ہو جاتے ہیں۔ (۶ : ۱۳۰)۔ (۴۵ : ۱۹)

۷۔ مومنین کی دعا کہ ہم ظالمین کا تختۂ مشق نہ بن جائیں۔ (۱۰ : ۸۵)

۸۔ جو قرآن کو اس کے مقام پر نہیں رکھتا (ظالم ہے)۔ اس کے نقصان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ (۱۷ : ۸۲)

۹۔ ظالم کے پنجہ سے نجات مل جانا، خدا کی رحمت ہے۔ (۲۳ : ۲۸)

۱۰۔ خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل، ظالمین سے واقف ہے۔ (۲ : ۹۵)۔ (۲ : ۲۴۶)۔ (۶ : ۵۸)
(۹ : ۴۷)۔ (۶۲ : ۷)

۱۱۔ آدمؑ سے کہا گیا کہ اگر تم اس شجر کے قریب گئے تو ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔ (۲ : ۳۵)۔ (۷ : ۱۹)

۱۲۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ اگر آپ اپنے رفقاء کو دھتکار دیں گے تو آپ ظالمین میں سے ہو جائیں گے۔ (۶ : ۵۲)۔ (۱۱ : ۳۱)

۱۳۔ حضرت یونسؑ کا اعتراف کہ مجھ سے زیادتی ہو گئی۔ (۲۱ : ۸۷)

۱۴۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ اگر تم ان لوگوں کے خیالات کا اتباع کرو گے تو ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔ (۲ : ۱۴۵)

۱۵۔ غلط شہادت دینا ظلم ہے۔ (۵ : ۱۰۷)

۱۶۔ ظالم قوموں کی تباہی پر زمین و آسمان کو رونا نہیں آتا۔ (۴۴ : ۲۹)۔ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ (۲ : ۲۷۰)
(۳ : ۱۹۲)۔ (۵ : ۷۲)۔ (۲۲ : ۷۱)

۱۷۔ ظالم کو ہزار نصیحت کرو۔ اس کا کفر بڑھتا ہی جاتا ہے۔ (۱۷ : ۹۹)

۱۸۔ مخالفین (ظالم) کہتے ہیں کہ تم ایک رجلِ مسحور کی اطاعت کیوں کرتے ہو۔ (۲۵ : ۸)

۱۹۔ قوم الظالمین کے پاس مت بیٹھو۔ (۶ : ۶۸)

۲۰۔ برادرانِ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ ہم ظالمین کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ (۱۲ : ۷۵)

۲۱۔ قومِ حضرت ابراہیمؑ کے پجاریوں نے کہا کہ جس نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کچھ کیا ہے، وہ ظالم ہے۔ (۲۱ : ۵۹)

۲۔ ظن

ظن ہے۔ قرآن کریم میں ظن کا لفظ حق کے مقابلہ میں آیا ہے۔ حق یقینی محکم اور ٹھوس حقیقت کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ ہو۔ لہٰذا، ظن کے معنی قیاس آرائی ہوں گے۔ راغب نے کہا ہے کہ جب علامات سے کوئی نتیجہ مستنبط کیا جائے تو اسے ظن کہتے ہیں۔ جب علامات قوی ہوں تو یہ قیاس، علم کی طرف جھکتا ہے۔ اگر کمزور ہوں تو یہ وہم بن جاتا ہے۔ دین کا سارا مدار یقینیات پر ہے۔ اس لئے جو چیز ظنی ہو گی۔ وہ دین میں سند اور حجت نہیں ہو سکے گی۔

ظن

۱۔ ظن، حق کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ (۱۰ : ۳۶) ۔ (۵۳ : ۲۸)

۲۔ سلسلۂ کائنات کو باطل سمجھنا کفار کا ظن ہے۔ (۳۸ : ۲۷) ۔ (۳) ۔ مومنین کا باہمی ظن نیک ہونا چاہیے۔ (۴۹ : ۱۲) ۔ (۴) ۔ دنیا کی اکثریت ظن کا اتباع کرتی ہے۔ تم ان کا اتباع مت کرو۔ (۶ : ۱۱۷) ۔ (۱۰ : ۳۶)

۵۔ مشرکین ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ (۱۰ : ۶۶) ۔ (۵۳ : ۲۳) ۔ (۵۳ : ۲۸)

۶۔ عقیدۂ جبر کے ماننے والے، ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ (۶ : ۱۴۹)

۷۔ تصلیبِ حضرت مسیحؑ کے معاملہ میں اختلاف کرنے والے ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ (۴ : ۱۵۷)

۸۔ ظن سے ہمیشہ بچو۔ بعض ظن تو اثم بن جاتا ہے۔ (۴۹ : ۱۲)

۹۔ کفار کہیں گے کہ ہم الساعۃ کو یونہی ظنی شے سمجھتے تھے۔ حق نہیں سمجھتے تھے۔ (۴۵ : ۳۲)

۱۰۔ حیاتِ آخرت کے منکرین کا دعوٰے علم پر مبنی نہیں ہوتا ظن پر ہوتا ہے۔ یہاں ظن، علم کے مقابلہ میں آیا ہے۔ (۴۵ : ۲۴) ۔ (۱۱) ۔ ان پڑھ لوگ کتاب اللہ کا علم نہیں رکھتے۔ محض قیاسات سے کام لیتے ہیں۔ (۲ : ۷۸)

قرآن کو نہ ماننے والے ظن کا اتباع کرتے ہیں

۱۔ یہ لوگ محض ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ (۱۰ : ۳۶) ۔ (۵۳ : ۲۸)

خیال کرنے کے معنوں میں

۱۔ جو لوگ خدا کے خلاف افترا کرتے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا خیال ہے؟ (۶۰ : ۱۰)

۲۔ جنگ کی ہولناکیوں سے ڈر کر بعض کمزور ایمان والے خدا کے متعلق زمانۂ جاہلیہ کے انداز کی قیاس آرائیاں کرنے لگ گئے۔ (۱۵۴ : ۳)۔ (۳۳ : ۱۰)۔ (۱۲ : ۴۸)

۳۔ حضرت یوسفؑ نے جو خواب کی تعبیر بتائی تھی تو وہ آپ کا ظن تھا۔ (۴۲ : ۱۲)

۴۔ خدا کے متعلق سوءظنی کرنے والوں کو سزا۔ (۶ : ۴۸)۔ (۵) کفار خیال کرتے ہیں کہ وہ لوٹ کر خدا کے سامنے نہیں جائیں گے۔ (۱۴ : ۸۴)۔ (۶) حضرت یونسؑ نے خیال کیا کہ خدا ان پر گرفت نہیں کرے گا۔ (۸۷ : ۲۱)

۷۔ کھیتی لہلہاتی ہے تو کفار خیال کر لیتے ہیں کہ اب خدا اس پر کوئی اقتدار نہیں رکھتا۔ (۲۴ : ۱۰)

۸۔ (مقدمے کر آنے والوں کے سلسلہ میں) حضرت داؤدؑ نے خیال کیا کہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (۲۴ : ۳۸)

۹۔ مرنے والے کے متعلق اس کے متعلقین کے خیالات۔ (۲۸ : ۲۵ : ۷۵)

۱۰۔ اگر طلاق رجعی کے بعد میاں بیوی خیال کریں کہ وہ حد اللہ کو قائم رکھ سکیں گے تو پھر میاں بیوی بن سکتے ہیں۔ (۲۳۰ : ۲)

۱۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کے متعلق تم کیا خیال کئے بیٹھے ہو۔ (۸۷ : ۳۷)

۱۲۔ بادیہ نشینوں نے کہا کہ ہمارا خیال یہی ہے کہ ہم خدا کو شکست نہیں دے سکتے۔ (۷ : ۳۲)۔ (۱۲ : ۷۲)۔ اور یہ کہ لوگ خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے۔ (۵ : ۷۲)

۱۳۔ نیک بندوں کو جب اعمال نامہ دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہم خیال کرتے تھے کہ ہم نے حساب دینا ہے (یہاں ان کے "خیال کرنے" کے یہ معنی ہوں گے کہ انہیں اس کا ہر وقت احساس رہتا تھا)۔ (۲۰ : ۶۹)

۱۴۔ کفار سے کہا جائے گا کہ تم سمجھتے تھے کہ خدا کو کچھ علم ہی نہیں۔ (۲۳-۲۲ : ۴۱)

۱۵۔ مخالفین سے کہا گیا کہ تم خیال کرتے تھے کہ رسول اور مومنین میدان جنگ سے زندہ واپس نہیں آئیں گے۔ (۱۲ : ۴۸)

۱۶۔ یہود خیال تک بھی نہیں کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعوں سے نکال دیا جائے گا۔ (۲ : ۵۹)

۱۷۔ مجرمین جہنم کے کنارے سمجھ لیں گے کہ وہ اس میں گرا ہی چاہتے ہیں۔ (۵۳ : ۱۸)

۱۸۔ انہوں نے خیال کیا کہ پہاڑ ان کے اوپر آگرے گا۔ (۱۷۱ : ۷)

۱۹۔ تین صحابہؓ جو پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ان کی پناہ گاہ کہیں نہیں۔ (۱۱۸ : ۹)

۲۰۔ کشتی کے مسافر خیال کرتے تھے کہ طغیانی نے انہیں گھیر لیا۔ (۲۲ : ۱۰)

۲۱۔ کشمکشِ حق و باطل میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں جہاں یہ جماعت خیال کرتی ہے کہ ہمیں شاید غلط امیدیں دلائی گئی تھیں۔ اس وقت خدا کی نصرت آجاتی ہے۔ (۱۱۰ : ۱۲)۔ (۱۰ : ۳۳)

۲۲۔ فرعون نے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ موسٰیؑ جھوٹا ہے۔ (۱۰۱ : ۱۷)۔ (۳۸ : ۲۸)۔ (۳۷ : ۴۰)۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ (۳۹ : ۲۸)۔ حضرت موسٰیؑ نے کہا کہ تیرے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ تو تباہ ہو کر رہے گا۔ (۱۰۲ : ۱۷)

۲۳۔ ابلیس نے (مجرمین) کے متعلق جیسا ظن کیا تھا اسے سچا پایا۔ (۲۰ : ۳۴)

۲۴۔ مجرمین قیامت میں جان لیں گے کہ ان پر ایک سخت مصیبت آنے والی ہے۔ (۲۵ : ۷۵)

۲۵۔ قیامت میں لوگ خیال کریں گے کہ ہم یونہی تھوڑا سا عرصہ دنیا میں رہے ہیں۔ (۵۲ : ۱۷)

۲۶۔ قوم شعیبؑ نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ ہم خیال کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔ (۱۸۶ : ۲۶)۔ قومِ عاد نے یہی کچھ حضرت ہودؑ کے متعلق کہا۔ (۶۵ : ۷)۔ یہی قوم نوحؑ نے کہا۔ (۲۷ : ۱۱)

۲۷۔ جو خیال کرتا ہے کہ خدا اس کی دنیا میں مدد نہیں کر سکتا تو وہ قوانینِ خداوندی سے اپنا سلسلہ منقطع کر کے بتائے۔ (۱۵ : ۲۲)

۲۸۔ سرمایہ دار اس کا خیال تک دل میں نہیں لاتے کہ انہوں نے خدا کے ہاں بھی جانا ہے۔ یا وہ کبھی راستے سے ہٹائے جائیں گے۔ (۴ : ۸۳)

۲۹۔ طالوت کے لشکر میں سے وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ انہوں نے خدا کے سامنے جانا ہے، انہوں نے دوسروں کو حوصلہ دلایا (۲۴۹ : ۲)۔ انہی معنوں میں یہ لفظ (۴۶ : ۲) میں آیا ہے۔ یہاں یہ لفظ مومنین کے لئے استعمال ہوا ہے اس لئے اس ظن میں یقین کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔

۳۔ ان پڑھ لوگ، کتاب اللہ کا علم تو نہیں رکھتے۔ محض قیاسات سے کام لیتے ہیں۔ (۷۸ : ۲)

۳۔ ایک مقام پر یہ لفظ ان معنوں میں آیا ہے کہ "انہیں معلوم ہو جائے گا" کہ یہ بچ کر نہیں جا سکتے۔ (۴۸ : ۴۱)

۳۔ باغ والوں کی مثال میں۔ اس نے کہا کہ میں خیال تک نہیں کرتا تھا کہ میرا باغ تباہ ہو جائے گا۔ (۳۵ : ۱۸)

۲۔ انسان خوشحال ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آئے گی۔ (۵۰ : ۴۱)

۲۔ کفار کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ قیامت محض ایک واہمہ ہے۔ (۳۲ : ۴۵)

۲۔ خدا کے متعلق غلط خیالات لوگوں کو جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۲۳ : ۴۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ع

۱ـ عائلی زندگی

مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں مختلف عنوانات کے تحت لکھا جاچکا ہے ـ مثلاً نکاح ـ طلاق ـ عدت ـ مہر وغیرہ ـ نیز عورت" کے عنوان میں بھی بہت سے امور سامنے لائے جا چکے ہیں ـ لیکن اس کے باوجود، بعض ایسے امور بھی ہیں جو ان عنوانات میں نہیں آ سکے، اس لئے کہ ان کا تعلق، مرد اور عورت کی خانگی زندگی کے عمومی گوشوں سے ہے ـ زیرِ نظر عنوان میں انہی امور سے متعلق آیات سامنے لائی جارہی ہیں ـ

۱ـ میاں بیوی میں فکر و نظر اور عقائد و نظریات کی ہم آہنگی ضروری ہے ـ اس لئے مشرک مرد سے مومن عورت کی اور مشرکہ عورت سے مومن مرد کی شادی جائز نہیں ـ یہ تضادِ نظریات کی شدید ترین مثال ہے ـ اس قسم کی شادی گھر کو جہنم بنا دیگی ـ (۲:۲۲۱)

۲ـ عورتوں کے فرائض اور حقوق مردوں کے برابر ہیں ـ (۲ : ۲۲۸) ـ صرف عدت کے معاملہ میں اتنا فرق ہے کہ عورت کے لئے عدت ہوتی ہے ـ مرد کے لئے نہیں ـ

۳ـ نکاح پسندیدہ عورتوں سے کیا جائے گا ـ (۴ : ۳) ـ اسی طرح، عورت کی رضامندی کے بغیر بھی نکاح جائز نہیں ہوگا (۴ : ۱۹) ـ (۴) ـ عورتوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ ـ کوئی بات اگر ناگوار بھی گذرے تو ذرا تحمل سے کام لو ـ (۴ : ۱۹)

۵ـ نکاح ایک معاہدہ ہے ـ (۴ : ۲۱)

۶ـ نکاح سے مقصود شہوت رانی (مادۂ تولید کا بہانا) نہیں ـ اُسے رحم میں محفوظ کرنا ہے (۴ : ۲۴)

۷ـ اگر عورت کچھ کماتی ہے تو مرد اس کا زبردستی مالک نہیں بن سکتا ـ (۴ : ۳۲)

۸ـ بعض خصوصیات مردوں میں ایسی ہیں جو عورتوں میں نہیں ـ بعض عورتوں میں ایسی ہیں جو مردوں میں نہیں ـ اس

اعتبار سے، نہ مرد عورتوں سے افضل ہیں نہ عورتیں مردوں سے افضل۔ (۴ : ۳۴)

۹۔ عائلی زندگی میں اکتسابِ رزق (گھر کی ضروریات کا پورا کرنا) مرد کی ذمہ داری ہے۔ الرجال قوامون علی النساء سے یہی مراد ہے ۔ (۴ : ۳۴)

۱۰۔ عورت کی طرف سے سرکشی کا ڈر ہو تو پند و نصائح سے اصلاح کی کوشش کرو۔ اور اگر معاملہ آگے بڑھ جائے تو عدالت کی طرف رجوع کرو۔ وہ اسے مجرم ثابت ہونے پر سزا بھی دے سکتی ہے۔ (۴ : ۳۴) - یہی پوزیشن مرد کی طرف سے سرکشی کی صورت میں ہے ۔ (۴ : ۱۲۸)

۱۱۔ میاں بیوی میں اختلاف بڑھ جائے تو معاشرہ کا فریضہ ہے کہ ان میں مصالحت کی خاطر، ایک ثالثی بورڈ بٹھائے جس کا ایک ممبر، مرد کے خاندان سے ہو اور ایک عورت کے خاندان سے ۔ (۴ : ۳۵)

۱۲۔ ایک سے زیادہ بیوی صرف اس صورت میں کی جا سکتی ہے جب معاشرہ میں بیوہ عورتیں اور یتیم نوجوان لڑکیاں اتنی کثرت سے رہ جائیں کہ ان کی حفاظت کا کوئی اور انتظام نہ ہو سکے۔ اس صورت میں بھی بیویوں سے عدل کرنا ضروری ہے ۔ (۴ : ۳) - لیکن یہ عدل حسنِ سلوک تک محدود ہو سکتا ہے۔ جذباتی عدل ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں اتنا ہی کیا جا سکتا ہے کہ مرد کسی ایک بیوی کی طرف ایسا نہ جھک جائے کہ دوسری "کالمعلقہ" رہ جائے ۔ (۴ : ۱۲۹) - اگر ایسی شکل باقی نہ رہے تو انہیں علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ (۴ : ۱۳۰)

۱۳۔ رسول بھی بیوی بچوں کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے تھے ۔ (۱۳ : ۳۸)

۱۴۔ بیوی بچوں کی محبت وجہِ جاذبیت بنائی گئی ہے ۔ (۳ : ۱۳) - (۲ : ۱۶)۔ لیکن ان کی خاطر کوئی ناجائز کام نہیں کرنا چاہیئے۔ اس صورت میں یہ فتنہ بن جائیں گے اور تمہارے دشمن۔ (۸ : ۲۸) - (۹ : ۲۴) - (۱۱ : ۴۵ - ۴۶) - (۱۸ : ۵۸) - (۹ : ۶۳) - (۱۴-۱۵ : ۶۴)

۱۵۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ساتھ اپنے اہل کو بھی جہنم سے بچانے کی کوشش کرے۔ اہل میں عام رفقاء بھی شامل ہیں اور اہلِ خاندان بھی ۔ (۶ : ۶۶)

۱۶۔ میاں بیوی کے تعلقات، جسم اور لباس کے سے ہونے چاہئیں۔ (۲ : ۱۸۷)

۱۷۔ معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجرد افراد کے نکاح کا انتظام کرے ۔ (۲۴ : ۳۲)

۱۸۔ اگر نکاح کی استطاعت نہ ہو تو پھر اپنی عفت کو محفوظ رکھو۔ اس سے واضح ہے کہ جنسی جذبہ میں اضطراری حالت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے کھانے پینے کی صورت میں اضطراری حالت میں تو حرام کھانے کی اجازت دی گئی، جنسی جذبہ

کی تسکین کے لئے اس کی اجازت نہیں دی گئی - (۳۲ : ۲۴)

۱۹- نسبی رشتوں کے ساتھ، سسرال کے رشتوں کا ذکر - (۲۵ : ۵۴)

۲۰- میاں بیوی کا رشتہ باہمی تسکین، مودت اور رحمت کے لئے ہے - ایسے تعلقات آیات خداوندی میں سے ہیں (۱۸۹ : ۷) - (۲۱ : ۳۰) - (۲۱)- منہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا - (۴ : ۳۳)

۲۲- مردوں اور عورتوں کی یکساں صفات - (۳۵ : ۳۳)-(۵ : ۶۶)

۲۳- خیالات اور زاویۂ نگاہ میں اختلاف ہو تو علیحدہ ہو جانا چاہیئے - (۲۸ : ۳۳)

۲۴- ان حالتوں میں مباشرت منع ہے - ایامِ حیض میں (۲۲۲ : ۲) - حالتِ روزہ میں (۱۸۷ : ۲)- اور حالتِ اعتکاف میں - (۱۸۷ : ۲)

۲- (قوم) عاد

قرآن کریم بتاتا ہے کہ حضرت ہودؑ، قومِ عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے - یہ قوم، حضرت نوحؑ کی جانشین تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ابتدا بہت قدیم زمانہ میں ہوئی تھی - سامؔ کے بیٹے ارمؔ کی نسبت سے انہیں عادِ ارم بھی کہا جاتا ہے اس کی پہلی نسل کو عادِ اولیٰ کہا گیا ہے - اور اس کی تباہی کے بعد اگلی نسل کو عادِ ثانیہ - یہ احقاف کے علاقہ میں بستی تھی - جس کے معنی ریگستانی صحرا کے ہیں - یہ عرب کا وہی علاقہ ہے جسے اب رُبعِ خالیہ کہا جاتا ہے -

اس قوم کے حالات کے سلسلہ میں (حضرت) ہودؔ کا عنوان بھی دیکھئے - (تفصیلی کوائف میری کتاب — جوئے نور — میں ملیں گے)

قومِ عاد

۱- قومِ عادؔ نے حضرت ہودؔ کی مخالفت کی اور اپنے مستبد امراء کا اتباع کیا - وہ ہلاک ہو گئی - اس دنیا میں بھی لعنت اس کے پیچھے رہی اور قیامت میں بھی - (۶۰-۵۸ : ۱۱)

۲- قومِ عادؔ نے مرسلین کی تکذیب کی - اور آخر الامر حضرت ہودؔ کے زمانے میں تباہ ہو گئی - (۷۴-۷۱ : ۷) —

(۷ : ۱۲۳ - ۱۳۶) — (۴۱ : ۱۳) — (۴۱ : ۱۶) — (۴۶ : ۲۱ - ۲۵) — (۴۱ : ۵۱) —
(۵۴ : ۱۸ - ۲۱) — (۶۹ : ۴ ؛ ۸)

۳۔ قومِ عادؔ کو رزق بھی فراوانی سے حاصل تھا اور سامانِ آسائش و افراد کی بھی کثرت تھی (۷ : ۶۹) - (۲۶ : ۱۲۸ ؛ ۳۳)
(۸۹ : ۸)

۴۔ اس قوم کے جرائم بڑے مستبد اور سخت گیر تھے - (۲۶ : ۱۳۰) - استکبار فی الارض (۴۱ : ۱۵)

۵۔ قومِ ثمودؔ، قومِ عادؔ کی جانشین تھی - (۷ : ۷۴) - اور قومِ نوحؑ کی جانشین، قومِ عاد تھی - (۷ : ۶۹)

۶ انہیں بڑا تمکن حاصل تھا - اور وہ علم و ہنر میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے - لیکن جب انہوں نے قوانینِ خداوندی کی مخالفت کی تو ان کا علم و ہنر ان کے کسی کام نہ آیا اور وہ تباہ ہو گئے - (۴۶ : ۲۶) - وہ مستبصرین تھے - (۲۹ : ۳۸)

۷۔ عادؔ کی طرف سے، ان کے بھائی بندوں میں سے (حضرت) ہودؑ مبعوث ہوئے تھے - (۷ : ۶۵) - (۱۱ : ۵۰)

۸۔ عادِ ارم، ذات العماد - (۸۹ : ۶-۸)

۹۔ دیگر اقوام کے ضمن میں عادؔ کا نام - (۹ : ۷۰) - (۱۴ : ۹) - (۲۲ : ۴۲) - (۳۸ : ۲۵) - (۳۸ : ۱۲) -
(۴۰ : ۳۱) - (۵۰ : ۱۳) - (۱۰) - عادِ اولیٰ کی تباہی - (۵۳ : ۵۰)

۱۰۔

—(٠)—

۲۔ عاقبت

تعاقب کے معنی پیچھا کرنا ہیں - عام طور پر یہ لفظ کسی مجرم کا پیچھا کر کے اسے گرفتار کرنے اور جرم کی سزا دینے کے لئے بولا جاتا ہے - اس لئے عقوبت کا لفظ سزا کے لئے آتا ہے - لیکن عاقبتؔ کے معنی انجام کے ہیں، خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا ہمارے ہاں عاقبت، آخرت اور قیامت کے معنوں میں آتا ہے - لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس سے مراد، مرنے کے بعد کا انجام ہی ہو - اس دنیا کی زندگی میں بھی مآلِ کار یا انجام کے لئے یہ لفظ آتا ہے - اصل مقصد اس قسم کے تمام الفاظ سے، مکافاتِ عمل ہے - یعنی اعمالِ انسانی کا آخری نتیجہ — خواہ وہ اس دنیا میں سامنے آجائے یا مرنے کے بعد - قرآن کریم میں اکثر اوقات یہ لفظ، حیاتِ ارض یا حیاتِ اخروی میں - انجام کے متعلق متعین طور پر آتا ہے - لیکن آیات کے سیاق و سباق سے سمجھنا ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے -

۲۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اس دنیا میں حق اور باطل کا ٹکراؤ ہوتا رہے گا۔ لیکن انجام کار کامیابی اس جماعت کی ہوگی جو حق کی علمبردار ہوگی۔ ان کی یہ کامیابی اس دنیا کی زندگی میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا، قرآن کریم میں جہاں مومنین اور متقین کی "عاقبت" کا ذکر آئے، وہاں اس حقیقت کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے (اس سلسلہ میں فلاح۔ فوز۔ نصرت وغیرہ عنوانات بھی دیکھئے۔ نیز حق اور باطل کے عنوانات بھی)۔

عاقبت دنیا میں

۱۔ دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنے والوں کی عاقبت کیا ہوئی۔ (۳ : ۱۳۷) - (۶ : ۱۱) -
(۷ : ۸۴) — (۷ : ۸۶) — (۷ : ۱۰۳) — (۱۰ : ۳۹) — (۱۰ : ۷۳) — (۱۲ : ۱۰۹) —
(۱۶ : ۳۶) — (۲۶ : ۱۴) — (۲۷ : ۵۱) — (۲۷ : ۶۹) — (۲۸ : ۴۰) — (۳۰ : ۹) —
(۳۰ : ۱۰) — (۳۰ : ۴۲) — (۳۵ : ۴۴) — (۳۷ : ۷۳) — (۴۰ : ۲۱) — (۴۰ : ۸۲) —
(۴۳ : ۲۵) — (۴۷ : ۱۰) — (۶۵ : ۸-۹)

۲۔ عاقبۃ للمتقین - (۷ : ۱۲۸) - (۱۱ : ۴۹) - (۲۰ : ۱۳۲) - (۲۸ : ۸۳)

عاقبتِ اُخروی

کفار کی عاقبت عذاب النار۔ (۵۹ : ۱۷)

عِقاب

۱۔ خدا شدید العقاب ہے - (۲ : ۱۹۶) - (۲ : ۲۱۱) - (۳ : ۱۰) - (۵ : ۲) - (۵ : ۹۸) -
(۶ : ۱۶۵) - (۷ : ۱۶۷) - (۸ : ۱۳) - (۸ : ۲۵) - (۸ : ۴۸) - (۱۳ : ۶) - (۸ : ۵۲)
(۴۰ : ۳) - (۴۰ : ۲۲) - (۴۱ : ۴۳) - (۵۹ : ۴) - (۵۹ : ۷)

۲۔ دیکھا! خدا کا عِقاب کیا تھا! (۱۳ : ۳۲) - (۳۸ : ۱۴) - (۴۰ : ۵)

عقبی الدار

۱۔ مؤمنین کا عقبی الدار (انجام کار) ۔ (۲۲ : ۱۳) ۔ (۲۴ : ۱۳) ۔ (۳۵ : ۱۳)
۲۔ کافرین کا عقبی النار (۳۵ : ۱۳) ۔
۳۔ کفار عنقریب جان لیں گے کہ عقبی الدار کس کے لئے ہے ۔ (۱۳۵ : ۶) ۔ (۴۲ : ۱۳) ۔ (۳۷ : ۲۸)

متفرق

۱۔ خدا "خیر عقبا" ہے یعنی بہترین بدلہ دینے والا ۔ (۴۴ : ۱۸)
۲۔ خدا کا قانون، سزا دیتے وقت اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کا انجام کیا ہو گا ۔ (۱۵ : ۹۱)
۳۔ عاقبۃ الامور خدا کے لئے ہے ۔ (۴۱ : ۲۲) ۔ (۲۲ : ۳۱)
۴۔ خدا کے فیصلے کا پیچھا کرنے والا کوئی نہیں ۔ (۴۱ : ۱۳) ۔ (۵) ۔ ہر شخص کے پیچھے نگرانِ اعمال لگے ہوئے ہیں ۔ (۱۱ : ۱۳) ۔ (۶) بدلہ یا جرم کی سزا ۔ سزا مطابقِ جرم ۔ (۱۲۶ : ۱۶) ۔ (۶۰ : ۲۲)
۷۔ منافقت کی سزا ۔ (۷۷ : ۹) ۔ (۸) ۔ دین کی دشوار گزار گھاٹی کو العقبۃ کہا گیا ہے ۔ (۱۲-۱۱ : ۹۰)
۹۔ اعقاب کا لفظ پیچھے مڑ جانے یا دین سے پھر جانے کے لئے بھی آتا ہے ۔ لیکن اس مفہوم کا تعلق زیرِ نظر عنوان سے نہیں اس لئے ان آیات کا حوالہ یہاں نہیں دیا گیا ۔

(۰)

۴۔ عبادت

دین کی بنیاد "عبادت" پر ہے اس لئے اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا نہایت ضروری ہے ۔ عَبْد کے معنی غلام اور محکوم کے ہوتے ہیں ۔ اس لئے عبادت کے معنی ہیں کسی کی محکومی اور اطاعت اختیار کرنا ۔ دین کی بنیاد اس اصولِ محکم پر ہے کہ اطاعت اور محکومیت قوانینِ خداوندی کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی ۔ اسی کا نام خدا کی عبادت ہے ۔ یعنی ہر معاملہ میں قوانین و احکامِ خداوندی کی اطاعت کرنا ۔

جب دین، مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو عبادت سے مراد پرستش ہو جاتی ہے۔ پرستش کا تصور دینی (قرآنی) نہیں۔ دین میں خدا کی پرستش نہیں کی جاتی۔ اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ خدا کے لئے آئے گا تو اس کے معنی خدا کی اطاعت ہوں گے لیکن جب یہ لفظ، کفار اور مشرکین کے سلسلہ میں آئے گا تو وہاں (انہی کے تصور کی رُو سے) اس سے مراد پرستش ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اپنے معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور اس کے لئے یہی لفظ بولتے تھے۔ قرآن نے ان مقامات میں اس لفظ کو انہی کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ دین اور مذہب میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اطاعت اور محکومیت میں یہ بات ہر وقت دیکھی اور پرکھی جا سکتی ہے کہ خدا کی 'عبادت' ہو رہی ہے یا نہیں۔ لیکن 'پرستش' محض ایک داخلی جذبہ ہے یا قیاسی تسکین (فریبِ نفس) جسے دیکھا یا پرکھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے ہر پرستش کرنے والا، اپنے دل میں مطمئن ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے۔ اطاعت (دین کی عبادت) میں نہ ایسا فریب دیا جا سکتا ہے نہ اس قسم کا جھوٹا اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ معبود کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ اس کی جگہ الٰہ کا لفظ آیا ہے۔ (دیکھئے عنوان الٰہ)

۳۔ قرآن میں ایک جگہ عابدین کا لفظ عَبِدَ۔ یَعْبَدُ سے آیا ہے (ورنہ ہر جگہ یہ عَبَدَ۔ یَعْبُدُ سے آیا ہے)۔ وہاں اس کے معنی نفرت کرنے والے کے ہیں (۴۳ : ۸۱)

۴۔ اس عنوان میں جہاں جہاں یہ لکھا جائے گا کہ "ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں" (یا اسی قسم کے اور الفاظ) تو اس سے مراد ہو گی۔ ہم صرف قوانین و احکامِ خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں۔

(اس کے ساتھ اطاعت۔ حکومت۔ الٰہ۔ وغیرہ عنوانات بھی دیکھ لینے ضروری ہیں)

عبادت بمعنی محکومی

۱۔ کوئی بشر بھی، جسے نبوت، حکومت یا کتاب مل جائے، لوگوں سے یہ نہیں کہے گا کہ تم میرے بندے بن جاؤ۔ (۳ : ۷۸) ۷۹

۲۔ خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو۔ (۱۸ : ۱۱۰)۔ دوسری جگہ حکم آیا ہے۔ (۱۸ : ۲۶)

۳۔ عباد بمعنی غلام (۲ : ۱۶۸)۔ (۲ : ۲۲۱)۔ (۱۴ : ۷۵)۔ (۱۹ : ۹۳)۔ (۲۴ : ۳۲)

۴۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنا محکوم بنا لیا تھا۔ (۲۳ : ۴۷)۔ (۲۶ : ۲۲)

۵۔ قوم فرعون نے کہا کہ قوم موسیٰ تو ہماری عابد (محکوم) ہے۔ (۲۳ : ۴۷)

۶۔ وعظِ یوسفی (۱۲ : ۴۰)۔ خدا کے سوا کسی کی محکومیت جائز نہیں۔ حقِ حکومت صرف اس کو حاصل ہے۔

۷۔ خدا کی عبودیت کا رے پہ کھڑے ہو کر کرنے والے ۔ (۱۱ : ۲۲)

۸۔ خدا نے جن و انس کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ اس کی محکومیت اختیار کریں ۔ (۵۶ : ۵۱)

۹۔ عبادتِ خداوندی کے لئے اپنی آزاد مملکت کی ضرورت ۔ (۵۵ : ۲۴)

۱۰۔ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ تمہاری ہی طرح کے بشر ہیں ۔ (۱۹۴ : ۷)

۱۱۔ کائنات کی ہر شے خدا کے لئے ہے ۔ جو اس کے پاس ہیں اس کی عبودیت سے تکبر نہیں کرتے ۔ (۱۹ : ۲۱)

۱۲۔ ایاک نعبد ۔ ہم تیری ہی محکومیت اختیار کرتے ہیں ۔ (۵ : ۱)

عبادت بمعنی پرستش

۱۔ معبودانِ باطل اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے ۔ (۲۹-۲۸ : ۱۰) - (۸۲ : ۱۹)
(۱۸-۱۷ : ۲۵) - (۶ : ۴۶)

۲۔ قوم حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ ہمارے آباء و اجداد ان بتوں کے عابد تھے ۔ (۵۳ : ۲۱) - (۶۶ : ۲۱) - (۷۰ : ۲۶)
(۷۵-۷۴ : ۲۶) - (۹۵ ؛ ۸۵ : ۳۷) - (۲۲ : ۴۳) - (۴ : ۶۰)

۳۔ ملکہ سبا باطل معبودوں کی پرستش کرتی تھی ۔ (۴۳ : ۲۷)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ تم ان اندھے بہرے بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو ۔ (۴۲ : ۱۹)

۵۔ معبودانِ باطل کوئی اختیار و اقتدار نہیں رکھتے ۔ (۷۶ : ۵) - (۱۸ : ۱۰) - (۳ : ۷۳ : ۱۶) - (۶۷-۶۶ : ۲۱) -
(۵۵ : ۲۵) - (۱۷ : ۲۹) - وہ تمہارے ہی جیسے بشر ہیں ۔ (۱۹۴ : ۷)

۶۔ رسول اللہؐ نے کفار سے کہا کہ تم اور تمہارے معبود سب جہنم میں جائیں گے ۔ (۹۸ : ۲۱) - (۲۲ : ۳۷) - (۹۳-۹۱ : ۲۶)

۷۔ قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ سے کہا کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے کیوں روکتے ہو ۔ (۶۲ : ۱۱) - یہی قومِ عاد نے
کہا - (۷۰ : ۷) - (۸) - حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ میں اور میری اولاد اصنام کی پرستش نہ کرے ۔ (۳۵ : ۱۴)

۹۔ معبودانِ باطل کی پرستش کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش صرف خدا کے مقرب بننے کے لئے کرتے ہیں (۳ : ۳۹) -
یہ ہمارے شفعاء ہیں ۔ (۱۸ : ۱۰)

۱۰۔ تمام قوموں نے یہی اعتراض کیا کہ ہم جن کی پرستش کرتے ہیں انہیں نہیں چھوڑیں گے ۔ (۱۰ : ۱۴)

۱۱۔ ملائکہ سے پوچھا جائے گا ۔ کہ کیا یہ تمہاری پرستش کرتے تھے ۔ وہ کہیں گے کہ نہیں ۔ یہ جنات کی پرستش کرتے تھے ۔ (۴۱-۴۰ : ۳۴)

۱۲- قوم شعیبؑ کی پرستش - (۸۷ : ۱۱) (۱۳) مشرکینِ عرب کی پرستش - (۱۰۹ : ۱۱)
۱۴- مشرکین اپنی پرستش سے انکار کریں گے - (۶۳ : ۲۸)

ہر رسول کو خدا کی عبودیت کا حکم دیا گیا تھا

۱- حضرت نوحؑ - (۲۶ : ۱۱) - (۲۳ : ۳۲) - (۳ : ۷۱) - حضرت ہودؑ (۶۵ : ۷) - (۶۰ : ۷) - (۵۰ : ۱۱) - (۳۲ : ۲۳) - حضرت صالحؑ - (۴۵ : ۷) - (۶۱ : ۱۱) - (۴۵ : ۲۷) - (۲۱ : ۴۶) - حضرت ابراہیمؑ - (۱۴ : ۵۵) - (۱۶ : ۲۹) - انہوں نے اپنے والد سے کہا تھا کہ شیطان کی معبودیت مت اختیار کرو - (۴۴ : ۱۹) - (۲۱ : ۶۶) - (۲۱ : ۶۷) - (۴۵ - ۴۷ : ۲۶) - (۲۶ : ۴۳) - (۴ : ۶۰) - حضرت شعیبؑ - (۸۴ : ۱۱) (۸۷ : ۱۱) - (۳۶ : ۲۹) - حضرت عیسیٰؑ (۵۰ : ۳) - (۷۲ : ۵) - (۱۱۷ : ۵) - (۳۶ : ۱۹) -

۲- ہر رسول کی یہی تعلیم تھی - (۱۰ : ۱۴) - (۳۶ : ۱۶) - (۲۵ : ۲۱) - (۱۴ : ۴۱) -

۳- ہر رسول کو یہی حکم تھا - (۹۲ : ۲۱) - (۴)- حضرت یوسفؑ کا وعظ - (۴۰ : ۱۲)

۵- بنی اسرائیل سے یہی عہد لیا گیا تھا - (۸۳ : ۲) - نصاریٰ سے بھی - (۳۱ : ۹)

۶- حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد سے یہی عہد لیا تھا - (۱۳۳ : ۲) - (۷)- تمام اہلِ کتاب کو یہی حکم دیا گیا تھا - (۵ : ۹۸)

۸- اصحابِ کہف نے بھی غیر اللہ کی عبودیت اختیار کرنے والوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی - (۱۶ : ۱۸) - حضرت ابراہیمؑ نے بھی - (۴۹ : ۱۹)

قرآن (رسول اللہ) نے بھی خالص خدا کی عبودیت (محکومیت) کا حکم دیا

۱- جو ہماری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں جائیں گے - (۱۷۲ : ۴) - (۶۰ : ۴۰)

۲- کوئی رسول (نبوت - حکومت - کتاب کا حامل کوئی انسان بھی) لوگوں سے یہ نہیں کہے گا کہ تم میرے بندے (محکوم) بن جاؤ - (۷۸ تا ۷۹ : ۳) - (۳)- خدا اپنی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا - (۱۱۰ : ۱۸) - یعنی حکومت میں - (۲۶ : ۱۸)

۴- جو خدا کے قریب ہیں، وہ خدا کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے - (۲۰۶ : ۷) - (۱۹ : ۲۱)

۵- خدا کی عبادت پر جم کر رہو - (۶۵ : ۱۹)

۶- اے جاہلو! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت اختیار کروں - (۶۴ : ۳۹)

۷۔ میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف خدا کی عبادت اختیار کرونگا۔ (۱۰ : ۱۰۴)

۸۔ اطاعت کو خدا کے لیۓ خالص کرتے ہوۓ صرف اسی کی عبودیت۔ (۳۹ : ۱۱)

۹۔ میں کیوں نہ اس خدا کی عبودیت اختیار کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ (۳۶ : ۲۲)

۱۰۔ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی عبودیت اختیار کروں۔ (۶ : ۵۶) ۔ (۴۰ : ۶۶)

۱۱۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدا کی عبودیت اختیار کروں۔ (۱۳ : ۳۶) ۔ (۲۷ : ۹۱) ۔ (۳۹ : ۱۱)

۱۲۔ صرف خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ (۱۵ : ۹۹) ۔ (۳۹ : ۲) ۔ (۳۹ : ۶۶) ۔ حضرت موسےٰؑ کو حکم۔ (۲۰ : ۱۴) ۔
تمام نوعِ انسان کو (۲ : ۲۱) ۔ بنی اسرائیل کو حکم۔ (۵ : ۷۲)

۱۳۔ میں صرف خدا کی عبودیت اختیار کرتا ہوں۔ تم جس کی جی چاہے اختیار کرو۔ (۳۹ : ۱۴-۱۵)

۱۴۔ خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ (۴ : ۳۶) ۔ (۶ : ۱۰۲) ۔ (۱۰ : ۳) ۔ (۱۱ : ۱۲۳) ۔ (۲۲ : ۷۷) ۔
(۲۹ : ۵۶) ۔ (۴۳ : ۶۴) ۔ (۵۳ : ۶۲)

۱۵۔ نوعِ انسان سے کہا گیا کہ شیطان کی عبودیت مت اختیار کرو۔ خدا کی کرو۔ (۳۶ : ۶۰-۶۱)

۱۶۔ رسول اللہؐ کو حکم کہ خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ اور پھر اس کے ساتھ التزاماً متمسک رہو۔ (۱۹ : ۶۵)

۱۷۔ خدا کا فیصلہ یہی ہے۔ (۱۷ : ۲۳)

۱۸۔ اگر تم خدا کی عبودیت اختیار رکھتے ہو تو رزق حلال کھاؤ۔ (۲ : ۱۷۲) ۔ (۱۶ : ۱۱۴) ۔ صرف خدا کے آگے جھکو۔
(۴۱ : ۳۷) ۔ (۱۹) ۔ تمام نوعِ انسان سے کہا گیا کہ خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ اور ذرائع رزق کی ملکیت میں اس
کے ہمسر قرار نہ دو۔ (۲ : ۲۱-۲۲) ۔ (۲۹ : ۱۷)

۲۰۔ مومنین کا اقرار — ہم تیری ہی معبودیت اختیار کرتے ہیں۔ (۱ : ۴)

۲۱۔ اہلِ کتاب سے کہا گیا کہ آؤ اس قدرِ مشترک کی طرف کہ خدا کے سوائے کسی کی معبودیت اختیار نہ کی جائے۔ (۳ : ۶۴)

۲۲۔ قریش سے کہا گیا کہ ربِّ کعبہ کی عبودیت اختیار کریں۔ (۱۰۶ : ۳)

۲۳۔ اعلان کہ خدا نے کبھی کسی قوم سے نہیں کہا تھا کہ وہ خدا کے علاوہ کسی اور کی معبودیت اختیار کریں۔ (۴۳ - ۴۵) ۔
اس کے لیۓ کوئی سند نازل نہیں کی۔ (۲۲ : ۷۱)

عبادالرحمٰن خدا کے بندے - (عام انسانوں سے متعلق بھی بعض آیات آگئی ہیں)

۱۔ جنہیں تم خدا کی اولاد قرار دیتے ہو، وہ اس کے مکرم بندے ہیں۔ (۲۶ : ۲۱)

۲۔ جنت کے چشمے خدا کے بندے کے اندر سے نکلیں گے۔ (۶ : ۷۶)

۳۔ خدا کے مخلص بندے شرک کی باتیں نہیں کرتے۔ (۱۶۰ : ۳۷)

۴۔ کفار کہیں گے کہ اگر ہمارے پاس بھی کوئی رسول آتا تو ہم خدا کے مخلص بندے بن جاتے۔ (۱۶۹ : ۳۷)

۵۔ وہ بندے جو صحیح بات کا اتباع کرتے ہیں، ان کے لئے بشارت ہے۔ (۱۷ : ۳۹)

۶۔ یہ لوگ ملائکہ کو، جو خدا کے بندے ہیں۔ اناث کہتے ہیں۔ (۱۹ : ۴۳)

۷۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ خدا کے بندوں کو میرے ساتھ جانے دے۔ (۱۸ : ۴۴)

۸۔ ان سے کہو کہ اے میرے بندو! تقویٰ اختیار کرو۔ (۱۰ : ۳۹) - (۱۶ : ۳۹)

۹۔ خدا کے بندے اکڑ کر نہیں چلتے۔ (۶۳ : ۲۵)

۱۰۔ خدا بصیر/خبیر بالعباد ہے۔ (۱۴ : ۳) - (۱۷ : ۱۷) - (۱۷ : ۳۰) - (۲۵ : ۵۸) - (۳۵ : ۳۱، ۴۵) - (۴۴ : ۳۰) - (۲۷ : ۴۲) - (۱۱) - خدا رؤف بالعباد ہے۔ (۲۰۷ : ۲) - لطیف ہے۔ (۱۹ : ۴۲)

۱۲۔ واحسرتا! یہ بندے رسولوں کے ساتھ استہزا کرتے رہے۔ (۳۰ : ۳۶)

۱۳۔ خدا بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ (۱۸۱ : ۳) - (۵۱ : ۸) - (۱۰ : ۲۲) - (۳۱ : ۴۰) - (۴۶ : ۴۱) - (۲۹ : ۵۰) - (۱۴) - خدا اپنے بندوں پر قاہر ہے۔ (۶۱ : ۶)

۱۵۔ حضرت نوحؑ نے خدا سے کہا کہ اگر تو ان کفار کو ایسے ہی چھوڑ دے گا۔ تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے۔ (۲۷ : ۷۱)

۱۶۔ خدا اپنے بندوں میں فیصلہ کرتا ہے۔ (۴۶ : ۳۹)

۱۷۔ ابلیس، خدا کے مخلص بندوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ (۴۰ : ۱۵) - (۸۳ : ۳۸)۔ اگرچہ اس نے دعوےٰ کیا تھا کہ میں ایسا کروں گا۔ (۱۱۸ : ۴) - (۴۲ : ۱۵) - (۶۵ : ۱۷)

۱۸۔ خدا نے اپنے بندوں سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۶۱ : ۱۹)۔ اور انہیں اس کا وارث بنایا جائے گا۔ (۶۳ : ۱۹) - (۲۳ : ۴۲)۔

۱۹۔ خدا نے اپنے منتخب بندوں کو قرآن کا وارث بنایا۔ (۳۲ : ۳۵)

۲۰۔ خدا اپنے بندوں کو اپنی مشیت کے مطابق قرآن کے ذریعے راہ نمائی دیتا ہے ۔ (۵۲ : ۴۲)

۲۱۔ اگر اللہ اپنے بندوں پر رزق کھول دے وہ بغاوت کر اٹھیں ۔ (۲۷ : ۴۲)

۲۳۔ اللہ کے منتخب بندوں پر سلام ۔ (۵۹ : ۲۷) ۔ (۲۴)۔ خدا کی سنت جو اس کے بندوں میں چلی آ رہی ہے (۸۵ : ۴۰)

۲۵۔ خدا نے اپنے بندوں کے لئے جو زینت کی چیزیں پیدا کی ہیں انہیں کون حرام قرار دے سکتا ہے ۔ (۳۲ : ۷)

۲۶۔ وہ اپنے بندوں سے کفر پسند نہیں کرتا ۔ (۷ : ۳۹)

۲۷۔ اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین وسیع ہے ۔ اس لئے میری ہی عبودیت اختیار کرو ۔ (۵۶ : ۲۹)

۲۸۔ اے میرے بندو جو زیادتی کر بیٹھے ہو ۔ میری رحمت سے نا امید مت ہو ۔ (۵۳ : ۳۹)

۲۹۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ ۔ (۷۷ : ۲۰) ۔ (۵۲ : ۲۶) ۔ (۲۳ : ۴۴)

۳۰۔ خدا کے بندوں میں داخل ہونے کے بعد جنت میں داخلہ ہوگا ۔ (۲۹ : ۸۹)

۳۱۔ اے ایمان والے بندو! اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کرو ۔ (۳۱ : ۱۴)

۳۲۔ میرے بندوں سے کہو کہ بات اچھی کیا کریں ۔ (۵۳ : ۱۷)

۳۳۔ خدا کے بندے ایمان والے ہوتے ہیں ۔ (۱۰۹ : ۲۳)

۳۴۔ مظاہر فطرت میں ہر عبد منیب کے لئے نشانیاں ہیں ۔ (۹ : ۳۴) ۔ (۸ : ۵۰)

رسول بھی خدا کے عبد ہوتے تھے

۱۔ حضرت نوحؑ، عبد شکور تھے ۔ (۳ : ۱۷) ۔ (۹ : ۵۴)

۲۔ حضرت عیسیٰؑ (۱۷۲ : ۴) اور ملائکہ بھی ۔ (۳۰ : ۱۹) ۔ (۵۹ : ۴۳)

۳۔ حضرت سلیمانؑ کی دعا کہ مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر دے ۔ (۱۹ : ۲۷)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ ۔ اسحٰقؑ ۔ یعقوبؑ کے بندے تھے ۔ (۱۱۲ : ۳۷) ۔ (۴۵ : ۳۸)

۵۔ سب رسول خدا کے بندے تھے ۔ (۱۷۱ : ۳۷) ۔ (۶) حضرت یوسفؑ ۔ (۲۴ : ۱۲)

۷ ۔ حضرت موسیٰؑ ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو ملے (قرآن سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کوئی خدا کے رسول تھے)

(۶۵ : ۱۸) ۔ (۸) ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بھی ۔ (۱۲۲ : ۳۷)

۹۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ ۔ (۱۰ : ۶۶)

١٠ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل کر دیتا ہے ۔ (٩٠ : ٢) - (٢ : ١٦) - (١١ : ١٤) - (١٥ : ٤٠)
١١۔ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کو مومن بندوں میں سے اکثر پر فضیلت ۔ (١٥ : ٢٧)
١٢۔ نبی اکرمؐ بھی ۔ (٢٣ : ٢) - (٤١ : ٨) - (١ : ١٧) - (١ : ١٨) - (١ : ٢٥) - (٣٦ : ٣٩) -
(١٠ : ٥٣) - (٩ : ٥٧) - (١٩-٢٣ : ٧٢) - (١٠ : ٩٦)
١٣ حضرت داؤدؑ ۔ (١٧ : ٣٨) - (٤١) حضرت ایوبؑ ۔ (٤١ : ٣٨)۔ حضرت زکریاؑ ۔ (١ : ١٩)

غیر از خدا کے بندے (یعنی خدا کے علاوہ اوروں کی اطاعت کرنے والے)

١۔ عبد الطاغوت ۔ (٦٠ : ٥) (٢) طاغوت کی عبودیت مت اختیار کرو ۔ (٣٦ : ١٦)
٣۔ مومن طاغوت کی عبودیت اختیار نہیں کرتے ۔ (١٧ : ٣٩)
٤۔ شیطان کی عبودیت مت اختیار کرو ۔ (٦٢-٦١ : ٣٦) - (٤٤ : ١٩)

عابد

١۔ مومن عورتوں کی خصوصیت ۔ عابدات ۔ (٥ : ٦٦)
٢۔ مومن خدا کے عابد ہوتے ہیں ۔ (١٣٨ : ٢) - (١١٢ : ٩) - (٣)۔ عابد کے معنی محکوم ۔ (٤٧ : ٢٣)
٤۔ رسول اللہؐ کا کفار کو اعلان کہ جس کا میں عابد ہوں تم اس کے عابد نہیں ہو سکتے ۔ نہ میں ان کا عابد ہو سکتا ہوں جن کے تم عابد ہو ۔ دین، خدا کا عابد ہونا ہے ۔ (١٠٤ : ١٠) - (٢-٦ : ١٠٩)
٥۔ قوم عابد کے لئے قرآنی حقائق میں بلاغ ہے ۔ (١٠٦ : ٢١) - (٦)۔ حضرات انبیاء کرامؑ خدا کے عابد تھے ۔ (٧٣ : ٢١)
٧۔ قوم ابراہیمؑ نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد ان بتوں کے عابد تھے ۔ (٥٣ : ٢١)
٨۔ جو کچھ حضرت ایوبؑ کو دیا گیا تھا وہ عابدین کے لئے یاد دہانی تھی ۔ (٨٤ : ٢١)

عبد (عباد) بمعنی عام انسان (عباد الرحمٰن کے عنوان میں بھی بعض آیات ایسی آگئی ہیں) .

١۔ جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے انسان ہیں ۔ (١٩٤ : ٧)
٢۔ زمین کی پیداوار بندوں کے لئے رزق ۔ (١١ : ٥٠) -

۳۔ بنی اسرائیل پر ایسے لوگ مسلط کئے گئے جو سخت متبد تھے۔ (۵ : ۱۷)

۴۔ اس کے بندوں میں سے جو چاہے اُسے خدا کی ہدایت مل سکتی ہے۔ (۸۹ : ۶)

۵۔ اس کے بندوں میں سے جو چاہے اسے خیر مل جاتی ہے۔ (۱۰ : ۱۰۷)۔ بارش بھی۔ (۴۸ : ۳۰)

۶۔ وراثتِ ارض بھی اس کے بندوں کو ملتی ہے۔ (۷ : ۱۲۸)۔ (۱۰۵ : ۲۱)

۷۔ بندوں کے لئے رزق کی بست و کشاد۔ (۲۸ : ۸۲)۔ (۳۶ : ۳۴)

۸۔ اس کے بندوں میں سے علماء اس کی عظمت کے احساس سے جھکتے ہیں۔ (۲۸ : ۳۵)

۹۔ لوگ، خدا کے بندوں کو اس کا جزو بنا دیتے ہیں۔ (۱۵ : ۴۳)

۱۰۔ جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں۔ (۱۸۶ : ۲)

۱۱۔ میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور و رحیم ہوں۔ (۴۹ : ۱۵)

۱۲۔ جو خدا کو چھوڑ کر اس کے بندوں میں سے اولیاء بنا لیتے ہیں، وہ کافر ہیں۔ (۱۰۲ : ۱۸)

۱۳۔ میرے بندوں میں سے بہت کم شکرگزار ہیں۔ (۱۳ : ۳۴)

۱۴۔ میرے بندوں میں سے جو اپنے آپ پہ زیادتی کر بیٹھیں، ان سے کہہ دو کہ وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ (۵۳ : ۳۹)

۵۔ عبرت

موعظت، نصیحت

عبرت۔ قرآن کریم زندگی کے بنیادی اصول اور مستقل اقدار عطا کرتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم اصول، قانونِ مکافاتِ عمل ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی فرد یا قوم کا کوئی عمل نتیجہ پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر کام کا ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اقوامِ سابقہ کے تاریخی کوائف سامنے لاتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو کہ اس قوم نے فلاں انداز کا غلط راستہ اختیار کیا تو اس کا نتیجہ اس کی تباہی اور بربادی کی شکل میں برآمد ہوا۔ اگر تم بھی ایسا کرو گے تو تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔ یوں صاحبِ عقل و شعور انسان محسوس واقعات سے استنباطِ نتائج کے بعد، ایک خاص نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اسے عبرت کہتے ہیں۔

موعظت - وَعَظَ کے معنی ہوتے ہیں، کسی کام کے اچھے نتائج اور اس کی خلاف ورزی کے مضر عواقب سے آگاہ کر کے، انسان کو اچھے کام کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔ اس سے لفظ موعظت ہے۔ یعنی عبرت انسان خود حاصل کرتا ہے اور موعظت، دوسرے کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی کو نصیحت بھی کہتے ہیں، جس کے بنیادی معنی چارہ سازی اور خیراندیشی کے ہیں۔ یعنی جب کسی کو اچھی روش اختیار کرنے کے لئے کہا جائے تو اس میں کہنے والے کا اپنا مفاد کوئی نہیں ہوتا۔ اس کا محرک جذبہ دوسرے کی خیرخواہی ہوتا ہے۔

عبرت، موعظت اور نصیحت کے لئے قرآن کریم میں اور الفاظ بھی آتے ہیں، مثلاً تذکرہ وغیرہ۔ اس کے لئے عنوان ذکر دیکھئے۔ نیز آیت کا لفظ بھی بعض مقامات پر، عبرت اور موعظت کے معنوں میں آیا ہے۔ (اسے متعلقہ عنوان میں دیکھئے۔)

عبرت

۱۔ واقعۂ جنگ بدر میں صاحبانِ بصیرت کے لئے عبرت ہے (۱۲ : ۳) - (۲)۔ اقوامِ گذشتہ کی داستانوں میں سامانِ عبرت - (۱۱۱ : ۱۲)

۳۔ انعام (مویشیوں) کے نظامِ حیات میں تمہارے لئے عبرت ہے۔ (۶۶ : ۱۶) - (۲۱ : ۲۳)

۴۔ یہودیوں کے ساتھ جو کچھ جنگِ خیبر میں ہوا، اس میں صاحبانِ بصیرت کے لئے سامانِ عبرت ہے - (۲ : ۵۹)

۵۔ قومِ فرعون کے انجام میں سامانِ عبرت ہے (۲۶ : ۷۹) - (۶)۔ گردشِ لیل و نہار میں سامانِ عبرت (۴۴ : ۲۴)

موعظت

۱۔ بنی اسرائیل کے سبت کے واقعہ میں، عبرت تھی ان کے ہم عصروں کے لئے اور موعظت ہے متقیوں کے لئے (۶۶ : ۲)

۲۔ اقوامِ گذشتہ کے واقعات میں سامانِ موعظت ہے - (۱۳۷ : ۳)

۳۔ غلط کاروں کو، اتمامِ حجت کے لئے موعظت کرتے رہنا چاہیئے۔ (۱۶۴ : ۷)

۴۔ خدا کے راستے کی طرف، حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ دعوت دو - (۱۲۵ : ۱۶)

۵۔ حضرت ہودؑ کی قوم نے ان سے کہا کہ تم ہمیں ان باتوں کی موعظت کرو یا نہ کرو، ہمارے لئے یکساں ہے (۱۳۶ : ۲۶)

۶۔ الواحِ حضرت موسیٰؑ میں موعظت تھی - (۱۴۵ : ۷) - انجیل میں بھی - (۴۶ : ۵)

۷۔ قرآن میں انبیاء سابقہ کے احوال و کوائف میں مومنین کے لئے موعظت ہے - (۱۲۰ : ۱۱)

۸۔ قرآنی احکام اور تاریخ میں موعظت ہے ۔ (۲۴ : ۳۴)

۹۔ خدا نے حضرت نوحؑ سے کہا کہ میں تمہیں یہ نصیحت اس لئے کرتا ہوں کہ تم ناواقف لوگوں میں سے نہ ہو ۔ (۱۱ : ۴۶)

۱۰۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات کی موعظت کرنا چاہتا ہوں ۔ اور وہ یہ کہ تم سوچا کرو۔ (۳۴ : ۴۶)

۱۱۔ جناب لقمان کی اپنے بیٹے کو موعظت ۔ (۳۱ : ۱۳)

۱۲۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ منافقین سے اعراض برتو لیکن موعظت کرتے رہو۔ (۴ : ۶۳)

۱۳۔ سرکش عورتوں کو موعظت سے سمجھاؤ۔ (۴ : ۳۱)

۱۴۔ ظہار کے سلسلہ میں احکام اور موعظت ۔ (۵۸ : ۳) ۔ طلاق کے سلسلہ میں بھی ۔ (۲ : ۲۳۲)

قرآن موعظت کے لئے ہے

۱۔ خدا، کتاب وحکمت کے ذریعے موعظت کرتا ہے ۔ (۲ : ۲۳۱)

۲۔ ربوٰا کی خرابیاں واضح کرنے کے بعد کہا کہ جو اس موعظت کے بعد اس سے باز آجائے تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اس سے درگذر کر دیا جائے گا ۔ (۲ : ۲۷۵)

۳۔ جس بات کی انہیں موعظت کی جاتی ہے، اگر یہ اسے کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا ۔ (۴ : ۶۶)

۴۔ قرآن خدا کی طرف سے موعظت ہے ۔ (۱۰ : ۵۷)

۵۔ طلاق کے احکام کے بعد کہا کہ یہ موعظت ہے مومنین کے لئے ۔ (۶۵ : ۲)

۶۔ قرآن میں احکام بھی ہیں اور اقوام سابقہ کی تاریخ بھی ۔ اور یہ دونوں موعظت ہیں ۔ (۲۴ : ۳۴)

۷۔ عدل و احسان کے احکام کے بعد کہا کہ خدا تمہیں وعظ کرتا ہے ۔ (۴ : ۵۸) ۔ (۱۶ : ۹۰)

۸۔ اس حکم کے بعد کہ افواہوں کو یونہی نہ آگے پھیلا دیا کرو، کہا کہ خدا اس لئے نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ ایسا نہ کرو ۔ (۲۴ : ۱۷) ۔

نصیحت

۱۔ رسول، ناصح ہوتے تھے ۔ حضرت نوحؑ ۔ (۷ : ۶۲) ۔ (۱۱ : ۳۴) ۔ حضرت ہودؑ (۷ : ۶۸) ۔ حضرت صالحؑ ۔ (۷ : ۷۹) ۔ حضرت شعیبؑ (۷ : ۹۳)

۲۔ نصیحت کے معنی کسی کے ساتھ مخلص ہونا۔ (۹ : ۹۱) ۔ (۳) ۔ برادرانِ حضرت یوسفؑ نے باپ سے کہا کہ ہم تو یوسفؑ کے ناصح (خیرخواہ) ہیں ۔ (۱۲ : ۱۱) ۔ (۴)۔ حضرت موسیٰؑ (نومولود) کے ناصح (خیرخواہ)۔ (۱۲ : ۲۸)

۵۔ شیطان نے آدمؑ وحوا سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا ناصح ہوں ۔ (۲۱ : ۷)

۶۔ قوم فرعون کے ایک ممتاز فرد نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ملک سے بھاگ جاؤ ۔ میں تمہارا ناصح ہوں ۔ (۲۰ : ۲۸)

۷۔ توبۃ النصوح کی تاکید ۔ (۸ : ۶۶)

۶۔ عداوت

اس مادہ کے بنیادی معنی دُوری (بُعد اور افتراق) کے ہیں ۔ اَلْعِدٰی اس لکڑی کو کہتے ہیں جو دو لکڑیوں کے درمیان دے دی جاتی ہے تاکہ وہ آپس میں ملنے نہ پائیں ۔ (اسے WEDGE کہتے ہیں)۔ اس سے عداوت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے

قرآن ایک ایسی جماعت کی تشکیل کرتا ہے جس کے افراد میں آئیڈیالوجی (ایمان) وجہِ اشتراک ہوتی ہے ۔ اس لئے ان میں باہمی عداوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ عداوت، باہمی مفاد کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے اور اس جماعت میں سب کے مفاد مشترک ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ، بعض اوقات انسان کے سرکش جذبات اس پر غالب آجاتے ہیں جس سے وہ زندگی کے بنیادی اصول فراموش کر دیتا ہے اور اس سے باہمی عداوت پیدا ہو جاتی ہے ۔ قرآن کی اصطلاح میں اس قسم کے سرکش جذبات کو شیطان کہا جاتا ہے ۔ اس لئے اس نے بار بار متنبہ کیا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ اس سے محتاط رہنا ۔

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو ۔ باہمی محبت، مودّت اور یگانگت انعاماتِ خداوندی میں سے ہیں، اور جماعتِ مومنین کا شیوہ ۔ اور عداوت خدا کا عذاب ہے اور تباہی کی موجب ۔ سابقہ قومیں باہمی عداوت (تفرقہ ۔ فرقہ بندی) سے تباہ ہوئیں ۔ اور یہی چیز خود ہماری تباہی کا سبب بن رہی ہے ۔

انسانوں کی باہمی عداوت

۱۔ ہبوطِ آدم کے وقت کہہ دیا گیا تھا کہ مفادِ باہمی کے ٹکراؤ سے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے ۔ لیکن اگر تم نے وحی کا اتباع کیا تو اس سے محفوظ رہو گے ۔ (۲ : ۳۶-۳۷) ۔ (۷ : ۲۴) ۔ (۲۰ : ۱۱۶) ۔ (۲۰ : ۱۲۳)

مختلف اقوام کی باہمی عداوت

۱۔ نصاریٰ کے مختلف فرقوں کی باہمی عداوت ۔ (۱۴ : ۵)
۲۔ یہودیوں میں باہمی عداوت ۔ (۶۴ : ۵)
۳۔ خدا نے متبعینِ حضرت عیسٰیؑ کو ان کے دشمنوں کے خلاف مدد دی ۔ (۱۴ : ۶۱)

شیطان تمہارا دشمن ہے

۱۔ حلال و طیب رزق کھاؤ ۔ اور شیطان کا اتباع مت کرو ۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ (۱۶۸ : ۲)
۲۔ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ ۔ شیطان کا اتباع مت کرو ۔ وہ تمہارا دشمن ہے ۔ (۲۰۸ : ۲)
۳۔ شیطان تم میں خمر اور میسرہ کے ذریعے دشمنی پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ (۹۱ : ۵)
۴۔ شیاطین الجن و الانس ، ہر نبی کے دشمن ہوتے تھے ۔ (۱۱۲ : ۶) ۔ مجرمین بھی ان کے دشمن ہوتے تھے ۔ (۳۱ : ۲۵)
۵۔ ابلیس اور اس کی ذریت تمہاری دشمن ہے ۔ (۵۰ : ۱۸)
۶۔ بنی آدم سے کہہ دیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ اس کی معبودیت اختیار نہ کرنا ۔ (۶۰ : ۳۶)
۷۔ شیطان تمہارا راستہ روک کر کھڑا نہ ہو جائے ۔ وہ تمہارا دشمن ہے ۔ (۶۲ : ۴۳)
۸۔ شیطان نوعِ انسان (مرد اور عورت) کا دشمن ہے ۔ (۲۲ : ۷)
۹۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ۔ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ (۵ : ۱۲)
۱۰۔ کیا تم ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا دوست بناؤ گے حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ۔ (۵۰ : ۱۸)
۱۱۔ (حضرت) موسیٰؑ نے جب قبطی کو مکہ مار کر ہلاک کر دیا تو کہا کہ یہ شیطانی کام ہو گیا ۔ وہ دشمن بھی ہے ، اور گمراہ کن بھی ۔ (۱۵ : ۲۸)
۱۲۔ شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ اسے دشمن ہی سمجھو ۔ (۶ : ۳۵) ۔ اس کا اتباع نہ کرو ۔ (۱۴۲ : ۶)
۱۳۔ شیطان تم میں باہمی عداوت ڈالنا چاہتا ہے ۔ وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ (۵۳ : ۱۷)

جماعتِ مومنین سے تاکید

۱۔ تم باہمی دشمن تھے۔خدا نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔یہ اخوت اسی صورت میں قائم رہے گی کہ تم اعتصام بحبل اللہ رکھو۔ (۳ : ۱۰۲) ۔ (۲)۔یہ ہو سکتا ہے کہ خود مسلمانوں ہی سے بھی ایک شخص کسی دوسرے کو عمداً یا سہواً قتل کر دے۔اس کی سزا ۔ (۴ : ۹۲ - ۹۳)

۳۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے ناانصافی کرو۔ (۵ : ۸)

۴۔ جنت میں باہمی کدورتیں دور ہو جائیں گی ۔ (۷ : ۴۳)

۵۔ برائی کو احسن طریق سے رفع کرو۔اس سے دشمن بھی دوست بن جائے گا۔ (۴۱ : ۳۴)

۶۔ اپنے اور خدا کے دشمن سے دوستی نہ رکھو۔ (۶۰ : ۱-۲)۔ اسوۂ ابراہیمی ۔ (۶۰ : ۴)

کون کون ان کا دشمن ہے

۱۔ اہلِ کتاب مسلمانوں کے دشمن تھے ۔ (۴ : ۴۵)

۲۔ جو خدا کا دشمن ہو وہ تمہارا دشمن ہے۔حضرت ابراہیمؑ نے اس بنا پر خود اپنے باپ سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ (۹ : ۱۱۴) ۔ (۳) جملہ معبودانِ باطل دشمن ہیں ۔ (۲۶ : ۷۷)

۴۔ کفار اللہ کے دشمن ہیں ۔ (۴۱ : ۲۸) ۔ تمہارے بھی۔ (۴ : ۱۰۱)

۵۔ اس کا امکان تھا کہ جماعتِ مومنین کے دشمن (ایمان لا کر) ان کے دوست بن جائیں ۔ (۶۰ : ۷)

۶۔ تمہاری اولاد اور ازواج بھی تمہارے دشمن ہو سکتے ہیں۔ (۶۴ : ۱۴)

۷۔ اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔اور اسطرح اپنے اور خدا کے دشمن پر خوف طاری رکھو۔ (۸ : ۶۰)

۸۔ مجاہدین کو دشمنوں کے ہاتھوں جو ایذا بھی پہنچتی ہے وہ ان کے لئے عملِ صالح بن جاتی ہے۔ (۹ : ۱۲۰)

۹۔ منافق تمہارے دشمن ہیں ۔ (۶۳ : ۴)

۱۰۔ شدید ترین دشمن یہودی اور مشرکین۔نصاریٰ کے دل میں مودت ہے ۔ (۵ : ۸۲)

۱۱۔ جماعتِ مومنین کے دشمنوں سے جنگ ۔ (۹ : ۸۳)

متفرق

۱- یہودی، جبرئیل کے دشمن ہو گئے کہ اس نے نبوت، بنی اسماعیل کیطرف کیوں منتقل کر دی۔ (۲ : ۹۷-۹۸)
۲- قومِ فرعون، قومِ موسےٰ کی دشمن تھی۔ (۷ : ۱۲۹)-(۲۸ : ۱۵)-(۲۸ : ۱۹)
۳- جس دن اللہ کے دشمن جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (۴۱ : ۱۹)-(۴۱ : ۲۸)
۴- محشر میں معبودانِ باطل اپنے پرستاروں کے دشمن ہو جائیں گے۔ (۴۶ : ۶)
۵- قومِ فرعون، خدا کی بھی دشمن تھی اور بنی اسرائیل کی بھی۔ (۲۰ : ۳۹)-(۲۰ : ۸۰)-(۲۸ : ۱۵)-(۲۸ : ۱۹)
۶- یوم الساعت میں دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ (۴۳ : ۶۷)
۷- فرعون والوں نے اُمِ موسےٰ کے بچہ (حضرت موسےٰؑ) کو اٹھا لیا تاکہ وہ پروان چڑھ کر ان کا دشمن بنے اور باعثِ حزن و ملال ہو۔ (۲۸ : ۸)- (۸)- یہودی جبریل سے عداوت رکھتے تھے۔ (۲ : ۹۷)
۹- خدا، ملائکہ، رسول، جبریل- میکال کے دشمن۔ (۲ : ۹۸)
۱۰- حضرت ہارونؑ نے بھائی سے کہا کہ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ نہ دے۔ (۷ : ۱۵۰)

(٠)

۷- عِدّت

عدّت کے لفظی معنی تو گنتی کے ہیں، لیکن قرآنی اصطلاح میں اس سے مراد وہ مدّت ہے جس میں ایک مطلقہ یا بیوہ عورت شادی نہیں کر سکتی۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ طلاق یا بیوگی کے وقت، وہ عورت حاملہ تو نہیں تھی کیونکہ حاملہ ہونے کی صورت میں اس کا پیدا ہونے والا بچہ، اس کے سابقہ (یا فوت شدہ) شوہر کی اولاد ہوگا۔ مرد کے لئے عدت کی ضرورت نہیں۔ اور نکاح و طلاق کے معاملات میں یہی ایک چیز ہے، جس میں مرد کو عورت پر ایک درجہ حاصل ہے۔ (۲ : ۲۲۸)

(٠)

۱- مطلقہ عورت کی عدت تین حیض کی مدّت ہے۔ (۲ : ۲۲۸)- اسی لئے طلاق اس وقت دی جانی چاہیئے جب عورت حیض سے فارغ ہو جائے۔ (۶۵ : ۱)

۲۔ جو عورتیں اتنی سن رسیدہ ہو جائیں کہ وہ حیض کی طرف سے نا امید ہو چکی ہوں۔ یا جنہیں کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ ان کی عدت تین مہینے ہو گی۔ (۶۵ : ۴)

۳۔ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل تک ہے۔ (۶۵ : ۴)۔ انہیں چاہئے کہ طلاق کے وقت بتا دیں کہ وہ حمل سے ہیں (۲۲۸

۴۔ جس عورت کو "ہاتھ لگانے سے قبل" طلاق دے دی جائے اس کی کوئی عدت نہیں۔ (۴۹ : ۳۳)

۵۔ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے (۲ : ۲۳۴)۔ اگر وہ حاملہ ہے تو قرآن میں اس کے لئے الگ حکم نہیں دیا۔ اس کے لئے وہی حکم ہوگا جو مطلقہ حاملہ کے لئے ہے۔ (۶۵ : ۴)

۶۔ عدت کے دوران، مطلقہ عورت کے رہنے سہنے اور خورد و نوش کی ذمہ داری مرد پر ہوگی۔ اور اس کا وہی معیار ہوگا جو ازدواجی حالت میں تھا۔ اسے گھر سے نہیں نکال دینا چاہئے۔ (۲ : ۲۴۱)۔ (۱ : ۶۵)۔ (۶-۷ : ۶۵ لیکن اگر یہ اس دوران میں بے حیائی کی مرتکب ہو جائے تو پھر یہ ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ (۱ : ۶۵)۔ عورت کو بھی چاہئے کہ وہ اس دوران میں اس گھر سے نہ جائے۔ (۱ : ۶۵)۔ (لیکن اگر حالات ناساعد ہوں تو باہمی رضا سے، یا عدالتِ مجاز کی اجازت سے وہ دوسری جگہ بھی رہ سکتی ہے۔ (۱۲۸ - ۱۳۰ : ۴)۔ ان آیات کی روشنی میں یہ ہما قیاس ہے۔ قرآن کریم میں اس کی بابت تصریحاً کوئی حکم نہیں۔

۷۔ بیوہ عورت کے لئے ایک سال تک کی رہائش اور خورد و نوش کا انتظام ضروری ہے۔ اس کے لئے چاہئے کہ مرد وصیت کر جائے۔ (۲ : ۲۴۰)۔ لیکن اگر وہ خود ہی کسی دوسری جگہ چلی جائے تو پھر یہ ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے (۲۴۰ :

۸۔ عدت کے دوران، عورت دوسری جگہ شادی تو نہیں کر سکتی لیکن نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کی ممانعت نہیں (۲۳۵ اگر وہ اپنے سابقہ شوہر ہی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے راستے میں حائل نہیں ہونا چاہئے۔ (۲ : ۲۳۲ (اس کے لئے دیکھئے عنوان طلاق جس میں بتایا گیا ہے کہ طلاق کے بعد نکاح کن صورتوں میں کیا جا سکتا ہے۔)

۸۔ عدل (قسط)

عدل۔ قرآن کریم کی ایک بنیادی قدر ہے اور جماعت مومنین کا اولین اہم فریضہ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی، دونوں اطراف کا برابر ہونا ہیں۔ افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کرنے کو اعتدال کہا جاتا ہے۔ کسی کی محنت کا ٹھیک

ٹھیک (محنت کے برابر) معاوضہ دے دینا۔ یا حقدار کو اس کا حق پہنچا دینا عدل ہے ۔ ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے بھی یہ لفظ بولا جائے گا ۔ توازن کی نسبت سے قرآن کریم نے نظام عدل کو میزان کہہ کر پکارا ہے ۔ اس نے کہا ہے کہ کائنات کا یہ عظیم نظام، میزان کی رو سے قائم ہے اس لئے انسانوں کو بھی چاہیئے کہ اپنے معاشرہ میں میزان کو برقرار رکھیں ۔ جس معاشرہ میں عدل باقی نہ رہے اس کی کوئی شے بھی اپنے صحیح مقام پر نہیں رہتی ۔ اسی کو فساد کہتے ہیں ۔

۲۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے ۔ یعنی بعض مقامات پر اس کے معنی عدل سے انحراف کے ہوں گے ۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ معنی اس وقت آتے ہیں جب اس کے بعد عَنْ آئے ۔ خواہ وہ موجود ہو اور خواہ محذوف ۔ لیکن یہ لفظی بحث ہے اس عنوان میں ہم عدل کی قرآنی تفاصیل کو سامنے لائیں گے ۔

۳۔ عدل و انصاف کے لئے قرآن کریم میں دوسرا لفظ قسط بھی آیا ہے ۔ قسطاس ترازو کو کہتے ہیں ۔ اگرچہ عدل اور قسط کے الفاظ مرادف المعنی ہیں لیکن ان میں جو باریک فرق ہے ، اسے یوں سمجھئے کہ عدل کے معنی ہوں گے دو آدمیوں میں برابر کا سلوک کرنا اور قسط کے معنی ہوں گے کسی کے حقوق و واجبات کو پورا پورا ادا کرنا ۔ یعنی عدل میں، دوسرے کا ساتھ تقابل ہوتا ہے اور قسط میں تقابل کا سوال نہیں ہوتا ۔

۴۔ یہ لفظ بھی اضداد میں سے ہے ۔ اور قَسَطَ ۔ یَقْسِطُ کے معنی جادۂ عدل سے ہٹ جانے کے بھی آتے ہیں ۔

۵۔ قرآن کریم میں عدل کے ساتھ احسان کا بھی حکم آیا ہے ۔ اس کے لئے متعلقہ عنوان دیکھئے ۔ نیز عنوان " شہادت " بھی ۔ اور ظلم بھی ۔

عدل کرنے کی تاکید

۱۔ دشمن کے ساتھ بھی عدل کرو ۔ یہ تقویٰ سے قریب ترین ہے ۔ (۵ : ۸)

۲۔ شہادت کو اللہ کے لئے ، قسط (عدل) کے ساتھ قائم رکھو ۔ (۴ : ۱۳۵) ۔ (۵ : ۸)

۳۔ بات کرو تو عدل کے ساتھ ، خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ۔ (۶ : ۱۵۳)

۴۔ ناپ تول کے پیمانوں کو قسط کے ساتھ درست رکھو ۔ (۶ : ۱۵۳) ۔ (۷ : ۸۵) ۔ (۱۱ : ۸۵) ـــــــ (۱۷ : ۳۵) ـــــــ (۲۶ : ۱۸۲)

۵۔ لین دین کے معاملات کو ضبط تحریر میں لایا کرو ۔ یہ خدا کے نزدیک اقسط ہے اور کاتب کو چاہیئے کہ عدل کے ساتھ دستاویز تحریر کرے ۔ (۲ : ۲۸۲)

۶۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپ کی نسبت سے بلاؤ - یہ اقسط ہے - (۵ : ۳۳)

۷۔ متحارب فریقین میں عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور ان میں قسط قائم کرو۔ اللہ قسط قائم کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے - (۹ : ۴۹)

۸۔ اگر تم معاشرہ میں تنہا رہ جانے والے بچوں، جوان لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کے حقوق پورا کرنے کی اور کوئی صورت نہ دیکھو (اَلَّا تُقْسِطُوْا) - تو پھر ان میں سے کسی عورت سے شادی کر لو - دو، تین، چار - اور اگر دیکھو کہ ان میں باہمی عدل (برابر کا سلوک) نہیں کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو (۳ : ۴) - برابر کا سلوک، ضروریاتِ زندگی کے سلسلہ میں ہی ہو سکتا ہے - جذبات میں نہیں - (۱۲۹ : ۴)

۹۔ انسانی جذبات، عدل کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں - اس لئے عدل کرتے وقت، جذبات کا اتباع مت کرو - (۱۳۵ : ۴)

۱۰۔ جو لوگ تم سے جنگ نہ کریں، ان سے ہمیشہ قسط کا سلوک کرو۔ خدا مقسطین کو پسند کرتا ہے - (۴۲ : ۵) - (۸ : ۶۰) -

۱۱۔ لوگوں کے معاملات میں ہمیشہ عدل کے ساتھ فیصلے کرو - (۵۸ : ۴)

۱۲۔ خدا، عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے - (۹۰ : ۱۶) - (۱۳) - یتامیٰ کے ساتھ قسط کا برتاؤ کرو - (۱۲۷ : ۴)

۱۴۔ اے رسولؐ! ان سے کہو کہ میرے رب نے قسط کا حکم دیا ہے - (۲۹ : ۷)

۱۵۔ کائنات کا سلسلہ میزان کے ساتھ قائم ہے - تم بھی میزان کو درہم برہم نہ کرو - بلکہ اسے قسط کے ساتھ قائم رکھو - (۱۵۲ : ۶)
(۸۵ : ۱۱) - (۳۵ : ۱۷) - (۱۸۲ : ۲۶) - (۷-۹ : ۵۵)

۱۶۔ الحق کے مطابق عدل کرنا صحیح عدل کہلا سکتا ہے - (۱۵۹ : ۷) - (۱۸۱ : ۷)

۱۷۔ قصاص میں عدل قائم رکھو - (۱۷۸ : ۲) - (۱۸) - مجرمین کا پشت پناہ بننا جرم ہے - (۱۰۵ : ۴) - (۱۷ : ۲۸)

۱۹۔ عدل کی عظیم مثال - جو مسلمان عورتیں کفار سے بھاگ کر آجائیں، ان کے خاوندوں کو وہ کچھ واپس کر دو جو انہوں نے ان کے نکاح کے سلسلہ میں خرچ کیا تھا - (۱۰ : ۶۰)

۲۰۔ جنگ میں بھی دشمن پر زیادتی نہ کرو - (۱۹۰ : ۲) - (۱۹۴ : ۲)

۲۱۔ یہ خیال باطل ہے کہ اپنی جماعت سے باہر کے لوگوں کے خلاف سب کچھ جائز ہے - (۷۴ : ۳)

۲۲۔ قانون کا اطلاق یومِ نفاذ سے ہوتا ہے - کسی پچھلی تاریخ سے نہیں - (۲۷۵ : ۲) - (۲۲-۲۳ : ۴) -
(۹۳ : ۵) - (۹۵ : ۵) - (۳۸ : ۸)

۲۳۔ جرم کی سزا اس کے مثل ہوگی - زیادہ نہیں - (۱۶۱ : ۶) - (۲۶-۲۷ : ۱۰) - (۱۲۶ : ۱۶) - (۶۰-۶۲ : ۲۲)۔

۲۴۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (۱۶۵ : ۶)

۲۵۔ مومن کو ظلم یا ہضم کا خوف نہیں ہوگا۔ (ظلم، سزا میں زیادتی۔ ہضم، اجر میں کمی)۔ (۱۱۲ : ۲۰)

انبیاءؑ (اور جماعتِ مومنین) کا شیوہ، عدل کرنا تھا (اور ہے)

۱۔ حضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں میں عدل کریں۔ (۴۲ : ۵)۔(۱۵ : ۴۲)

۲۔ جو صاحبانِ علم، قسط کو قائم رکھتے ہیں، وہی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے سکتے ہیں۔ (۱۷ : ۳)

۳۔ امم سابقہ کے سرکش ان لوگوں کو قتل کر دیتے تھے جو قسطؔ کا حکم کرتے تھے۔ (۲۰ : ۳)

۴۔ رسولوں کے آجانے کے بعد اس امت کا معاملہ قسطؔ کے ساتھ طے ہوجاتا تھا۔ (۴۷ : ۱۰)

۵۔ ہر رسول کے ساتھ میزانؔ نازل کی تھی کہ وہ نظامِ معاشرہ قسطؔ کے ساتھ قائم رکھیں۔ (۲۵ : ۵۷)

عدل کے معنی جرم کے بدلے میں کچھ دیکر چھوٹ جانا

۱۔ مجرم اگر جرم کے بدلے سب کچھ بھی دینا چاہے تو بھی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۷۰ : ۶)۔ نہ کسی کی سفارش۔ نہ حمایت۔ نہ روپیہ پیسہ۔ (۴۸ : ۲)۔ (۱۲۳ : ۲)

۲۔ مجرم کی جگہ کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جاسکتی۔ (۷۹ : ۱۲)

۳۔ مجرم ساری دنیا کی دولت بھی کفارہ میں دینا چاہے گا تو اس سے قبول نہیں کی جائے گی۔ (۵۴ : ۱۰)

متفرق

۱۔ قاسطون، بمقابلہ مسلمون آیا ہے۔ یہاں اس کے معنی جادۂ اعتدال سے ہٹ جانے والے ہیں۔ (۱۴ : ۷۲)۔ ان (قاسطین) کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۱۵ : ۷۲)

۲۔ عدلؔ کے معنی دوسری شے کے برابر۔ (۹۵ : ۵)۔ خدا کے برابر کسی اور کو سمجھنا۔ (۱ : ۶)۔ (۱۵۱ : ۶)

۳۔ فیصلہ صاحبِ عدل سے کرانا چاہیئے۔ (۹۵ : ۵)۔ شہادت بھی انہی کی ہونی چاہیئے۔ (۱۰۶ : ۵)۔(۲ : ۶۵)

۴۔ عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والا۔ اور وہ جسے کسی شے پر قدرت ہی حاصل نہیں۔ برابر نہیں ہوسکتے۔ (۷۶ : ۱۶)

۵۔ خدا کے کلمات صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہوگئے۔ (۱۱۶ : ۶)

۶۔ خدا نے انسانی تخلیق میں اعتدال ملحوظ رکھا ہے۔ یعنی صحیح صحیح توازن۔ (۷ : ۸۲)

۷۔ قیامت میں قسطاً کے ساتھ میزان کھڑی کی جائے گی۔ (۴۷ : ۲۱)۔ لوگوں کے معاملات قسط کے مطابق طے کئے جائیں گے۔ (۴ : ۱۰)۔ (۸)۔ اعتدال کی راہ سے ہٹ جانے والی قوم۔ (العدون)۔ (۶۰ : ۲۷)

۹۔ دانت کے بدلے دانت وغیرہ، تورات کا حکم تھا۔ (۴۵ : ۵)

(-)

۹۔ عذاب

عذاب۔ اس لفظ کے بنیادی معانی میں دکھ، تکلیف اور ایسی اذیت شامل ہے جو انسان کے آرام میں حائل ہو۔ نیز اس کے معنی رکاوٹ کے بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کی رو سے اس کا مفہوم ہوتا ہے، قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے ناخوشگوار یا ہلاکت آفریں نتائج۔ ان نتائج میں طبیعی تکالیف بھی شامل ہوتی ہیں اور انسان کی ذات پر جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ بھی۔ چونکہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے انسانی ذات کی نشوونما رک جاتی ہے، یعنی یہ چیز اس کے راستے میں رکاوٹ کا موجب بنتی ہے اس لئے اسے بھی عذاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں "عذاب" کے لفظ سے ذہن اُخروی زندگی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور عذاب سے اُن تکالیف کا تصور سامنے آتا ہے جن میں مجرمین (یا مذہب کی اصطلاح میں گنہگار) وہاں مبتلا ہوں گے۔ لیکن قرآن کی رو سے عذاب اُخروی زندگی تک ہی محدود نہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں بھی جو تکالیف پیش آتی ہیں، انہیں بھی عذاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ "مکافاتِ عمل" کے عنوان میں تفصیل سے بتایا گیا ہے، انسانی اعمال کے نتائج اس دنیا میں بھی مرتب ہوتے ہیں اور اُخروی زندگی میں بھی۔ اس لئے عذاب، اس دنیا میں آتا ہے اور آخرت میں بھی۔

عذاب سے ہمارا ذہن سزا کی طرف بھی منتقل ہوتا ہے۔ جیسا کہ "مکافاتِ عمل" کے عنوان کے تابع بتایا گیا ہے، سزا کسی شخص پر خارج سے عائد کی جاتی ہے۔ لیکن مکافاتِ عمل کے معنی ہوتے ہیں، انسان کے کاموں کے فطری نتائج۔ جیسے سنکھیا کھانے کا فطری نتیجہ ہلاکت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں اور "سزائے موت" میں بڑا فرق ہے۔

لیکن قرآن کریم میں عذاب کا لفظ، اس سزا کے لئے بھی آیا ہے جو عدالت کی طرف سے مجرمین کو دی جاتی ہے۔ آئندہ صفحات میں، عذاب کی مختلف شکلیں سامنے آئیں گی۔ چونکہ عذاب کا بنیادی تعلق انسانی اعمال کے نتائج سے

ہے۔ اس لئے اس عنوان میں، بہت سی باتیں ایسی بھی آجائیں گی جنہیں "مکافاتِ عمل" کے عنوان کے تابع بھی بیان کیا گیا ہے۔

دنیاوی زندگی میں نتائج اعمال

۱۔ کتاب کے ایک حصے پر ایمان اور دوسرے سے انکار۔ اس کا نتیجہ دنیا میں ذلت ہے۔ (۲: ۸۵) - (۲: ۱۱۴) - (۵: ۳۳) -

۲۔ اللہ و آخرت پر ایمان سے امن اور رزق ملتا ہے جو اس سے انکار کرتا ہے اسے کچھ وقت کے لئے سامانِ زندگی ملتا ہے، پھر عذابِ نار ہوتا ہے۔ (۲ : ۱۲۶)

۳۔ کفار تم سے جنگ کرتے ہیں تو تم ان سے جنگ کرو۔ یہی ان کا بدلہ ہے۔ (۲ : ۱۹۱)

۴۔ دنیا اور آخرت دونوں کی حسنات چاہنے والے۔ اس کے مقابلہ میں صرف دنیا چاہنے والے۔ (۲ : ۲۰۱) - (۳ : ۱۴۸)

۵۔ کفر کرنے والوں کو دنیاوی زندگی مزین بن کر دکھائی دیتی ہے۔ مومن، قیامت کے دن ان کے اوپر ہوں گے۔ (۲ : ۲۱۲)

۶۔ دنیا اور آخرت میں حبطِ اعمال۔ (۲ : ۲۱۷) - (۳ : ۲۱) - (۱۸ : ۱۴)

۷۔ مال و دولت دنیاوی زندگی کی متاع ہے۔ اللہ کے ہاں حسن مآب ہے۔ (۳ : ۱۴)

۸۔ یہود پر ذلت و مسکنت کا عذاب۔ (۳ : ۱۱۱)

۹۔ جو دنیاوی زندگی کا ثواب (حصہ) چاہتا ہے اسے وہ مل جاتا ہے جو اس کے ساتھ آخرت کا ثواب بھی چاہتا ہے، اسے وہ بھی مل جاتا ہے۔ (۳ : ۱۴۴)

۱۰۔ "سیروا فی الارض" کے عنوان میں دیکھئے کہ اقوامِ سابقہ کی اس دنیا میں تباہی کی طرف کس طرح توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۱۔ جن اقوام کی طرف رسول بھیجے گئے، انہیں ان کے جرائم کی پاداش میں مصائب و مشکلات میں مبتلا کیا گیا۔ (۶ : ۴۲) - (۷ : ۹۴) - (۷ : ۱۳۳)

۱۲۔ ظلم کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ (۶ : ۴۵) - (۶ : ۴۷) - (۶ : ۱۳۲-۱۳۴) - (۷ : ۴) - (۷ : ۷۲)

۱۳۔ دنیا میں قوموں پر تباہی (عذاب) کی مختلف شکلیں۔ (۶ : ۶۵)

۱۴۔ دنیاوی زندگی کی تباہی کی شکل میں بھی ثقل و خفتِ موازین۔ (۷ : ۵-۹)

۱۵۔ ہر قوم کی اجل۔ (۷ : ۳۴) - (۱۰ : ۴۹) - (۱۳ : ۳۸) - (۱۵ : ۴-۵) - (۱۵ : ۲۴) - (۱۶ : ۶۱) - (۲۳ : ۴۳)

١٦- دنیاوی زندگی میں قوموں کی تباہی - اگر وہ ایمان لاتے تو خوشگواریوں کی زندگی بسر کرتے۔ (٧ : ٩٦-٩٩)

١٧- بنی اسرائیل پر اس دنیا میں عذاب ۔ (٧ : ١٦٢)

١٨- مخالفین عرب کو اسی دنیا میں عذاب ۔ (٨ : ٣٣) - (٨ : ٣٧) - (٨ : ٤٨)

١٩- جسے ہلاک ہونا ہے دلیل و برہان سے ہو - جسے زندہ رہنا ہے، دلیل و برہان سے زندہ رہے ۔ (٨ : ٤٢)-(٩ : ٣٩)

٢٠- حیاتِ دنیا میں عذاب ۔ (٩ : ٥٥) - (٩ : ٨٥) - (١١ : ٨) - (١١ : ٣٩) - (١٣ : ٣٢) -
(١٤ : ٤٤-٤٥) (١٤ : ٤٥) - (١٦ : ١١٢) - (١٧ : ٦٨) - (٢١ : ١١-١٣) - (٣٤ : ١٧) - (٣٩ : ٥١) ؛
- (٤١ : ١٦)

٢١- جس عذاب سے انہیں متنبہ کیا جاتا ہے، ممکن ہے وہ رسول اللہ کی زندگی میں ہی سامنے آجائے۔ (١٠ : ٤٦) -
(١٠ : ٥٠) - (١٣ : ٤٠) - (٩١ : ١٤-١٥)

٢٢- قومِ فرعون کو دنیا میں عذاب ۔ (١٠ : ٨٨) - (٢٣) - قومِ یونسؑ سے عذابِ دنیاوی اٹھا لیا گیا۔ (١٠ : ٩٨)

٢٤- رسولوں کی اور ان کی جماعت کی حفاظت - مجرمین کو عذاب ۔ (١٠ : ١٠٣)

٢٥- استغفار و توبہ سے ایک مدتِ معینہ کے لیے متاعِ حسنہ ۔ (١١ : ٣)

٢٦- خدا کے رسول اسی دنیا میں کامیاب ہوئے۔ (١٤ : ١٣-١٤) - (٢٧) - ہر سرکش ناکام و نامراد رہا - (١٤ : ١٥)

٢٨- قوم کی تباہی کو جہنم کہا گیا ہے ۔ (١٤ : ٢٨-٢٩)

٢٩- مومنین کی یہ زندگی خوشگوار ہوگی ۔ (١٦ : ٩٧) - (٣٩ : ١٠) - (٤٧ : ٢)

٣٠- ایمان و عمل کا نتیجہ اسی دنیا میں استخلاف - (٢٤ : ٥٥) - جنت میں بھی کہا ہے (٧٩ : ٤١) - استبدالِ قومی - (٤٧ : ٣٨)

٣١- الحاقۃ - القارعۃ - قومِ عاد و ثمود کے انجام کو کہا گیا ہے ۔ (٦٩ : ١-٣)

٣٢- تم اپنی جگہ کام کرو - میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں ۔ (دیکھئے مکافاتِ عمل کی شق ٣٥)

اقوامِ سابقہ پر عذاب

١- قومِ شعیبؑ پر دنیا میں عذابِ عظیم - (١١ : ٨٤) - (٢٦ : ١٨٩-١٩٠) - قومِ لوطؑ - (١١ : ٧٦) - (١١ : ٨٢) -
(٢٩ : ٢٩) - (٥١ : ٣٧) - (٥٤ : ٣٨-٣٩) - قومِ ثمود - (٧ : ٧٣) - (١١ : ٦٤) -
(٢٦ : ١٥٦) - (٤١ : ١٧)

قومِ فرعون ۔ (۱۰ : ۸۸) ۔ (۲۰ : ۴۸) ۔ (۲۰ : ۶۱) ۔ (۴۰ : ۴۵ - ۴۶) ۔ (۴۳ : ۴۸ - ۵۰) ۔ (۸۹ : ۱۳)

قومِ نوحؑ ۔ (۷ : ۵۹) ۔ (۱۱ : ۲۶) ۔ (۱۱ : ۳۹) ۔ (۲۵ : ۳۷) ۔ (۷۱ : ۱)

قومِ عاد ۔ (۱۱ : ۵۸) ۔ (۲۶ : ۱۳۵ - ۱۳۸) ۔ (۴۶ : ۲۱) ۔ (۴۶ : ۲۴) ۔ (۵۴ : ۲۱) ۔ (۶۹ : ۷)

۲۔ ان سے کہو کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے (تو تم کسے پکارو گے ۔) (۶ : ۴۰)

۳۔ دنیا میں نیچے سے عذاب ۔ اوپر سے عذاب ، باہمی لڑائیوں کا عذاب ۔ (۶ : ۶۵)

۴۔ جنگ کی شکل میں عذاب (۸ : ۱۴) ۔ (۹ : ۱۴) ۔ (۹ : ۲۶) ۔ (۹ : ۱۰۱) ۔ (۴۸ : ۲۵) ۔ (۵۹ : ۱۵)

۵۔ اقوامِ سابقہ پر عذاب ۔ (۶ : ۱۲۵) ۔ (۱۱ : ۴۸) ۔ (۲۵ : ۳۹) ۔ (۶۴ : ۵)

۶۔ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ۔ (۲ : ۸۵) ۔ (۲ : ۱۱۴) ۔ (۵ : ۳۳) ۔ (۵ : ۴۱) ۔ (۱۰ : ۹۸) ۔ (۱۱ : ۶۰) ۔ (۱۳ : ۳۴) ۔ (۲۲ : ۹) ۔ (۲۲ : ۱۸) ۔ (۲۴ : ۲۳) ۔ (۳۹ : ۲۶) ۔ (۴۱ : ۱۶) ۔ (۵۹ : ۳)

۷۔ بری تدابیر کرنے والوں کا وبال انہی پر پڑتا ہے ۔ (۳۵ : ۴۳) ۔ (۸) ۔ بیماری کی تکلیف کے لئے لفظ عذاب (۳۸ : ۴۱)

۹۔ جرائم کی سزا دنیا میں ۔ (۲ : ۱۷۸) ۔ (۳ : ۱۲۷) ۔ (۴ : ۲۵) ۔ (۸ : ۶۸) ۔ (۹ : ۳) ۔ (۹ : ۹۰) ۔ (۱۲ : ۲۵) ۔ (۱۸ : ۸۶ - ۸۷) ۔ (۲۰ : ۷۱) ۔ (۲۴ : ۸) ۔ (۲۴ : ۱۱) ۔ (۲۴ : ۱۴) ۔ (۲۴ : ۲۳) ۔ (۲۷ : ۲۱) ۔ (۳۳ : ۲۴) ۔ (۳۳ : ۳۰) ۔ (۴۸ : ۶) ۔ (۴۸ : ۱۶ - ۱۷) ۔ (۴۸ : ۲۶)

۱۰۔ رسول اللہ کی مخاطب قوم پر عذاب ۔ (۶ : ۴۷) ۔ (۸ : ۳۲ - ۳۵) ۔ (۹ : ۱۰۱) ۔ (۹ : ۱۲۶) ۔ (۱۰ : ۵۵) ۔ (۱۱ : ۸) ۔ (۱۲ : ۱۰۷) ۔ (۱۹ : ۷۵) ۔ (۲۰ : ۱۳۴) ۔ (۲۱ : ۴۶) ۔ (۲۲ : ۴۷) ۔ (۲۳ : ۷۶ - ۷۷) ۔ (۲۵ : ۴۲) ۔ (۲۶ : ۲۰۱ ، ۲۰۴) ۔ (۲۶ : ۲۱۳) ۔ (۲۹ : ۵۳) ۔ (۳۳ : ۳۱ - ۳۳) ۔ (۳۴ : ۴۶) ۔ (۳۹ : ۴۰) ۔ (۴۴ : ۱۱) ۔ (۵۸ : ۱۵ - ۱۶)

۱۱۔ معاشرتی تباہی عذاب ہے ۔ (۱۸ : ۵۵) ۔ (۲۳ : ۷۶ - ۷۷) ۔ (۲۳ : ۶۴) ۔ (۲۴ : ۶۳) ۔ (۳۸ : ۸)

۱۲۔ عام سزا یا اذیت رسانی کے معنوں میں ۔ (۳۶ : ۱۸)

۱۳۔ اس دنیا میں تباہی کے لئے عذاب الخلد آیا ہے ۔ (۱۰ : ۵۲) ۔ (۱۴) ۔ ذلت آمیز عذاب ۔ (۷ : ۱۶۵ - ۱۶۶)

۱۵۔ جماعت مومنین کے ہاتھ سے مخالفین کو عذاب ۔ (۹ : ۵۲)

۱۶۔ سامانِ رزق کا تلف ہو جانا عذاب ہے (۳۳ : ۶۸) ۔ (۱۷) جنات حضرت سلیمانؑ کو سزا ۔ (۳۴ : ۱۲)

١٨۔ ہلاکتِ اقوام عذاب ہے۔ (٦ : ٤٧)۔ (١٦ : ٢٦)۔ (١٦ : ٤٥)۔ (١٦ : ١١٣)

١٩۔ عذاب آئے گا تو کہیں گے کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت مل جائے تو ہم اچھے کام کر کے دکھائیں۔ (٤٤ : ١٣)۔ (٤٤ : ١١-١٢)۔ (٤٤ : ١٥)۔ (٢٠) بھوک اور خوف کا عذاب۔ (١٦ : ١١٢)

٢١۔ قبل اس کے کہ عذاب آجائے خدا کی طرف رخ کر لو۔ (٣٩ : ٥٤)۔ (٣٩ : ٥٨)

٢٢۔ بنی اسرائیل کو دنیا میں سخت عذاب۔ (٢ : ٤٩)۔ (٥ : ١٨)۔ (٧ : ١٤١)۔ (٧ : ١٦٤)۔ (٧ : ١٦٧)۔ (١٤ : ٦)۔ (١٤ : ٧)۔ (٣٠ : ٤٧)۔ (٢٣) مترفین کو عذاب۔ (٢٣ : ٦٤)

٢٤۔ محکومی عذاب نہیں ہے۔ (١٤ : ٣٤)۔ (٢٥)۔ سیلِ عرم کا بند ٹوٹ جانا عذاب تھا۔ (٣٤ : ١٦-١٧ ؛ ١٩)

٢٦۔ دنیا کی ہر بستی ہلاک ہوگی یا عذاب میں مبتلا۔ (١٧ : ٥٨)۔ (٢٧)۔ عذابِ قریب۔ (٧٨ : ٤٠)

٢٨۔ ایسی تباہی جو ظالمین تک ہی محدود نہیں رہا کرتی۔ (٨ : ٢٥)

٢٩۔ رسول کی بعثت سے پہلے عذاب نہیں ہوتا۔ (٦ : ١٣٢)۔ (١٧ : ١٥)

٣٠۔ منافق کہتے ہیں کہ خدا ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ (٥٨ : ٨)

٣١۔ مال و دولت کی کثرت کفار کے لئے دنیا میں عذاب کا موجب بن جاتی ہے۔ (٩ : ٨٥)

٣٢۔ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک نہیں کیا جاتا۔ (٦ : ١٣٣)

٣٣۔ متقین اور فجار ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ (٣٨ : ٢٨)۔ (٤٥ : ٢١)

عذابِ آخرت

١۔ عذاب الجحیم۔ (٤٠ : ٧)۔ (٤٤ : ٥٦)۔ (٥٢ : ١٨)۔ تابعین اور متبوعین کے رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ (٢ : ١٦٥-١٦٧)۔ (٢٨ : ٦٣-٦٥)۔ (٣٣ : ٦٨)۔ (٣٧ : ٣٣)۔ (٣٨ : ٥٩-٦١)۔ (٤٣ : ٣٩)

٢۔ عذاب یومِ عقیم۔ (٢٢ : ٥٥)۔ (٣)۔ عذاب جہنم۔ (٢٥ : ٦٥)۔ (٤٣ : ٧٤)۔ (٦٧ : ٦)۔ (٨٥ : ١٠)۔ عذاب حمیم۔ (٦ : ٧٠)۔ (١٠ : ٤)۔ (٤٤ : ٤٨)

٤۔ عذاب حریق۔ (٨ : ٥٠)۔ (٢٢ : ٩)۔ (٢٢ : ٢٢)۔ (٨٥ : ١٠)

٥۔ عذاب الیم۔ (٣ : ٧٧)۔ (٤ : ١٨)۔ (٥ : ٣٦)۔ (٦ : ٧٠)۔ (١٠ : ٤)۔ کتنی ہی لمبی عمر کیوں نہ ہو جائے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ (٢ : ٩٦)۔ (٣ : ١٨٧)

۶۔ عذاب مقیم ۔ (۵ : ۳۷) ۔ (۹ : ۶۸) ۔ (۴۲ : ۴۵)

۷۔ عذاب عظیم ۔ (۲ : ۱۱۴) ۔ (۳ : ۱۰۴-۱۰۵) ۔ (۵ : ۳۳) ۔ (۵ : ۴۱) ۔ (۲۴ : ۲۳)

۸۔ عذاب ہون و مہین ۔ (۴ : ۱۴) ۔ (۴ : ۳۷) ۔ (۴ : ۱۵۱) ۔ (۶ : ۹۳) ۔ (۳۳ : ۵۷) ۔
(۴۶ : ۲۰) ۔ (۹) ۔ عذاب اشق ۔ (۱۳ : ۳۴) ۔ (۱۰) عذاب غلیظ ۔ (۱۴ : ۱۷)

۱۱۔ عذاب شدید ۔ (۱۰ : ۷۰) ۔ (۳۵ : ۷) ۔ (۵۰ : ۲۶) ۔ (۵۷ : ۲۰) ۔ (۸۹ : ۲۵)

۱۲۔ عذاب یوم عظیم ۔ (۶ : ۱۵) ۔ (۱۰ : ۱۵) ۔ (۳۹ : ۱۳)

۱۳۔ عذاب النار ۔ (۲ : ۲۰۱) ۔ (۳ : ۱۶) ۔ (۳ : ۱۹۱) ۔ (۳۲ : ۲۰) ۔ (۳۴ : ۴۲) ۔ (۴۶ : ۳۴) ۔
(۵۹ : ۳) ۔ (۱۴) ۔ عذاب الآخرۃ ۔ (۱۱ : ۱۰۳) ۔ (۱۵) ۔ عذاب الخلد ۔ (۳۲ : ۱۴)

۱۶۔ عذاب السموم ۔ (۵۲ : ۲۷) ۔ (۱۷) ۔ عذاب یوم القیامۃ ۔ (۵ : ۳۶) ۔ (۳۹ : ۲۴) ۔ (۳۹ : ۴۷) ۔

۱۸۔ عذاب اللہ ۔ (۵ : ۱۱۸) ۔ (۱۴ : ۲۱)

۱۹۔ عذابِ جہنم اور رحمت میں حدِّ فاصل بس ایک دیوار ہے جس میں ایک دروازہ ہے ۔ (۵۷ : ۱۳)

۲۰۔ ایک جیسی قومیں ایک دوسرے کے ساتھ جہنم میں مل جائیں گی ۔ ان کی باہمی گفتگو ۔ (۷ : ۳۸-۳۹)

۲۱۔ تبدیلیٔ جلود ۔ (۴ : ۵۶) ۔ (۲۲) ۔ عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی ۔ (۴۰ : ۴۹) ۔ زیادہ ہوتا جائے گا ۔
(۳۵ : ۳۶) ۔ (۷۸ : ۳۰)

(نیز دیکھئے عنوان آخرت اور جہنم)

دنیا اور آخرت دونوں میں نتائجِ اعمال

۱۔ انہوں نے آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی کو خرید لیا ۔ (۲ : ۸۶) ۔ (۲ : ۱۷۵) ۔ (۴ : ۷۴) ۔ (۱۴ : ۳) ۔
(۱۶ : ۱۰۷) ۔ (۱۸ : ۱۰۳) ۔ (۷۹ : ۳۸) ۔ (۸۷ : ۱۶-۱۷)

۲۔ جو اسی زندگی کو منتہائے مقصود قرار دے لے، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو سکتا ۔ (۲ : ۱۰۲) ۔ (۲ : ۲۰۱)
(۳ : ۷۷) ۔ (۱۱ : ۱۵-۱۶) ۔ (۱۷ : ۱۸-۲۱) ۔ (۴۲ : ۲۰) ۔ (۴۶ : ۲۰) ۔ (۵۳ : ۲۹)

۳۔ دنیاوی زندگی میں ذلت اور آخرت میں عذابِ عظیم ۔ (۲ : ۸۵) ۔ (۲ : ۱۱۴) ۔ (۵ : ۳۳) ۔ (۵ : ۴۱)
(۲۲ : ۹) ۔ (۳۹ : ۲۶) ۔ (۶۸ : ۳۳)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ دنیا اور آخرت دونوں میں برگزیدہ۔ (۲ : ۱۳۰) - (۱۶ : ۱۲۲) - (۲۹ : ۲۷) -
حضرت عیسیٰؑ بھی - (۳ : ۴۴)

۵۔ دنیا اور آخرت دونوں کی حسنات چاہنے والے۔ (۲ : ۲۰۱) - (۳ : ۱۴۷) - (۷ : ۱۵۶) - (۱۴ : ۲۷)،
(۱۶ : ۳۰) - (۱۶ : ۴۱) - (۲۸ : ۷۷) - (۳۳ : ۲۸-۲۹) - (۵۷ : ۲۸)

۶۔ دنیا اور آخرت دونوں میں حبطِ اعمال۔ (۲ : ۲۱۷) - (۳ : ۲۱) - (۹ : ۶۹)

۷۔ دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب۔ (۳ : ۵۵) - (۹ : ۷۴) - (۱۳ : ۳۴) - (۱۷ : ۷۵) - (۲۲ : ۱۱) -
(۲۴ : ۱۹) - (۲۴ : ۲۳) - (۲۸ : ۴۲) - (۳۳ : ۵۷) - (۴۰ : ۵۱)

۸۔ جو اس دنیا کا ثواب (حصّہ) چاہتا ہے اسے وہ مل جاتا ہے۔ جو (اس کے ساتھ) آخرت کا بھی چاہتا ہے، اسے
وہ بھی مل جاتا ہے - (۳ : ۱۴۴) - (۴ : ۱۳۴) - (۱۷ : ۱۸-۲۱)

۹ کفر کرنے والوں کو دنیاوی زندگی مزین بنکر دکھائی دیتی ہے۔ مومن قیامت کے دن ان پر فائق ہوں گے۔ (۲ : ۲۱۲)

۱۰۔ مال و دولت متاعِ دنیا ہے۔ اللہ کے ہاں حسن مآب ہے - (۳ : ۱۴) - (۴ : ۷۷) - (۶ : ۳۲) - (۷ : ۱۶۹)
(۹ : ۳۸) - (۱۰ : ۷۰) - (۱۳ : ۲۶) - (۱۳ : ۲۹) - (۲۰ : ۱۳۱) - (۲۸ : ۶۰-۶۱) - (۲۹ : ۶۴) -
(۳۰ : ۷) - (۴۰ : ۳۹) - (۴۲ : ۳۶) - (۴۷ : ۳۶) - (۵۷ : ۲۰)

۱۱۔ جنگِ احد میں۔ دنیاوی مال چاہنے والے اور آخرت چاہنے والے۔ (۳ : ۱۵۱)

۱۲۔ رزقِ طیب و اشیائے زینت۔ دنیا میں مومن و کافر سب کے لئے۔ اور قیامت میں صرف مومنین کے لئے (۷ : ۳۲)
(۴۶ : ۱۸) - (۱۳)۔ دنیاوی زندگی پر مطمئن ہوجانے والے لقاءِ رب پر یقین نہیں رکھتے - (۱۰ : ۷)

۱۴۔ متاعِ حیاتِ دنیا کی مثال - (۱۰ : ۲۳-۲۴) - (۵۷ : ۲۰)

۱۵۔ اولیاء اللہ کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں بشارت ہے - (۱۰ : ۶۴) - (۴۱ : ۳۰)

۱۶۔ قومِ عاد کی اس دنیا میں بھی محرومی اور قیامت میں بھی۔ (۱۱ : ۶۰) - (۱۱ : ۹۹)

۱۷۔ حق کے خلاف تدبیریں کرنے والوں کو دنیا اور قیامت دونوں میں عذاب - (۱۶ : ۲۷)

۱۸۔ یہاں کا اندھا وہاں کا بھی اندھا ہوگا - (۱۷ : ۷۲) - (۲۰ : ۱۲۴)

۱۹۔ یہاں روزی تنگ ہوجائے گی۔ اور قیامت کے دن اندھا اٹھے گا۔ (۲۰ : ۱۲۴)

۲۰۔ دنیا اور آخرت میں خدا کی نصرت - (۲۲ : ۱۵)

۲۱۔ دنیا میں اپنا حصہ نہ بھلاؤ۔ اور آخرت کی بھی فکر کرو۔ (۲۸ : ۷۷)

۲۲۔ عذابِ اکبر سے پہلے عذابِ اصغر۔ (۳۲ : ۲۱) - (۲۳)۔ حبطِ اعمال۔ (۳ : ۲۱)

۲۴۔ دنیا اور آخرت میں عذاب۔ (۳ : ۵۵) - (۹ : ۷۴) - (۹ : ۱۰۱) - (۱۱ : ۲۰-۲۲) -
(۱۳ : ۳۴) - (۱۸ : ۸۶-۸۷) - (۲۵ : ۶۸-۶۹) - (۲۷ : ۵) - (۲۹ : ۵۳-۵۵) -
(۳۳ : ۵۷) - (۳۹ : ۲۶) - (۵۲ : ۴۷) - (۵۹ : ۳) - (۶۵ : ۸-۱۰) - (۶۸ : ۳۳) -

۲۵۔ اس دنیا میں رزق کی تنگی اور آخرت میں اندھا۔ (۲۰ : ۱۲۴ ، ۱۲۷)

۲۶۔ عذابِ اکبر سے پہلے چھوٹا عذاب تاکہ یہ غلط روش چھوڑ دیں۔ (۳۲ : ۲۱) - (۶۸ : ۳۳)

۲۷۔ عذاب فوق عذاب۔ (۱۶ : ۸۸)

۲۸۔ قتلِ مومن کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں سزا۔ (۴ : ۹۲)

یعذب من یشاء

۱۔ (۲ : ۲۸۴) - (۳ : ۱۲۸) - (۵ : ۱۸) - (۵ : ۴۰) - (۱۷ ، ۵۴) - (۲۹ : ۲۱) - (۴۸ : ۱۴)۔
(تفصیل تقدیر اور مشیت کے عنوانوں میں دیکھئے)

عدالتی سزا

۱۔ جب زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں تو یہ "عذاب" پبلک میں دیا جائے۔ (۲۴ : ۲)

۲۔ لونڈیوں کے لئے یہ "عذاب" آزاد عورتوں کی بہ نسبت نصف ہوگا۔ (۴ : ۲۵)

دنیا اور آخرت کی تخصیص کے بغیر عذاب

۱۔ کفار کے لئے عذابِ عظیم۔ (۲ : ۷) - (۳ : ۱۰۴) - (۳ : ۱۷۵) - (۱۶ : ۱۰۶)۔ عذاب۔ (۵ : ۸۰) -
(۵ : ۱۱۵) - (۶ : ۴۹) - (۶ : ۱۵۸) - (۷ : ۱۵۶) - (۱۹ : ۷۹) - (۳۰ : ۱۶) - (۳۴ : ۸) -

۲۔ عذاب الیم۔ (۲ : ۱۰) - (۲ : ۱۰۴) - (۲ : ۱۷۸) - (۳ : ۲۱) - (۳ : ۱۷۶) - (۳ : ۱۸۲)
(۴ : ۱۳۸) - (۴ : ۱۷۳) - (۵ : ۷۳) - (۹ : ۳۴) - (۹ : ۶۱) - (۱۴ : ۲۲) - (۱۵ : ۵۰) -

(۱۶ : ۶۳) - (۱۶ : ۱۰۴) - (۱۶ : ۱۱۷) - (۱۷ : ۱۰) - (۲۲ : ۲۵) - (۳۱ : ۷) - (۳۳ : ۸)
(۳۷ : ۳۸) - (۴۲ : ۲۱) - (۴۳ : ۶۵) - (۴۵ : ۸) - (۴۶ : ۳۱) - (۵۸ : ۴) - (۶۱ : ۱۰)
(۶۷ : ۲۸) - (۷۳ : ۱۲-۱۳) - (۷۶ : ۳۱) - (۸۴ : ۲۳) -

۲۔ عذاب مہین - (۲ : ۹۰) - (۳ : ۱۷۸) - (۴ : ۱۰۲) - (۴ : ۱۵۱) - (۲۲ : ۵۷) - (۳۱ : ۶) -
(۴۵ : ۹) - (۵۸ : ۵)

۴۔ عذاب شدید - (۲ : ۱۶۵) - (۳ : ۴) - (۱۴ : ۲) - (۴۱ : ۲۷) - (۵۸ : ۱۵)

۵۔ عذاب من الرحمٰن - (۱۹ : ۴۵) - (۶) عذاب من رجز الیم - (۳۴ : ۵) - (۴۵ : ۱۱)

۷۔ زلزلۃ الساعۃ کا عذاب - (۲۲ : ۱-۲) - (۸) عذاب الحریق - (۳ : ۱۸۰)

۹۔ عذاب السعیر - (۲۲ : ۴) - (۶۷ : ۵) - (۱۰) - عذاب النار - (۲ : ۱۲۶)

۱۱۔ عذاب غلیظ - (۳۱ : ۲۴) - (۴۱ : ۵۰) - (۱۲) - عذاب رب سے محتاط رہنا چاہیئے - (۱۷ : ۵۷) -
(۷۰ : ۲۷-۲۸) - ضرور واقعہ ہوگا - (۵۲ : ۷) - (۱۳) عذاب واقع - (۷۰ : ۱)

۱۴۔ ظالمین جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کیا اس کے لوٹ جانے کی کوئی سبیل ہے - (۴۲ : ۴۴)

۱۵۔ اللہ انہیں عذاب اکبر دے گا - (۲۵ : ۱۹) - (۸۸ : ۲۴)

۱۶۔ عذاب فوق عذاب - (۱۶ : ۸۸)

متفرق

۱۔ اللہ کی طرف سے عذاب اور انسانوں کے ہاتھوں سے عذاب - (۹ : ۵۲) - (۲۹ : ۱۰)

۲۔ اس عذاب سے انسان کو اس کے قریب ترین رشتہ دار بھی نہیں چھڑا سکیں گے - (۷۰ : ۶) - (۳۹ : ۴۷) -
(۷۰ : ۱۰-۱۴) - (۳) - عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی - (۲ : ۸۶)

۴۔ بیشتر انسان عذاب کے مستوجب بن جاتے ہیں - (۲۲ : ۱۸) - انہیں عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا - (۳۹ : ۱۹) -
(۳۹ : ۷۱) - (۵) - آل فرعون کو صبح شام آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے - اور یوم الساعت کو اشد عذاب
میں ڈالا جائے گا - (۴۰ : ۴۶) - (۶) مغفرت کے عوض عذاب خریدنے والے - (۲ : ۱۷۵)

۷۔ دنیا میں طیبات سب کے لئے - قیامت میں خالصتہً مومنین کے لئے - (۷ : ۳۲)

۸۔ قوتِ ارادی و انتخاب اس لئے دی کہ عذاب دیا جا سکے ۔ (۳۳ : ۷۳)

۹۔ صلحِ حدیبیہ کے سلسلہ میں کہا کہ اس سے مومنین کے دل میں سکینت پیدا کر دی تاکہ خدا انہیں جنت میں داخل کر دے اور منافقین کو عذاب دے ۔ لہٰذا ، یہ جنت بھی اسی دنیا کی ہے اور عذاب بھی ۔ (۴۸ : ۵ - ۶)

۱۰۔ اگر تم ایمان لے آؤ تو خدا نے تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے ۔ (۴ : ۱۴۷)

۱۔ عرش

عرش کے لفظی معنی ستون ۔ یا ان سہاروں کے ہیں جن پر مکان کی چھت کھڑی ہو ۔ لیکن مجازی طور پر اس کے معنی غلبہ و تسلط اور حکومت و اقتدار کے ہیں ۔ قرآن کریم کے سمجھنے میں اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ کلام تو خدا کا ہے ۔ لیکن دیا گیا ہے انسانوں کی (عربی) زبان میں ۔ اسی لئے اس کے الفاظ کے معانی ، انسانی لغت کی رُو سے متعین ہوتے ہیں ۔ ہم اپنی زبان میں جب تختِ حکومت کہتے ہیں تو اس سے مراد ، لکڑی یا سونے چاندی کا کوئی تخت نہیں ہوتا ۔ اس سے مقصود اقتدار اور تسلّط ہوتا ہے ۔ (ویسے ، تخت ، اس مسند کو بھی کہتے تھے جس پر بادشاہ بیٹھتا تھا) ۔ جب یہ کہا جائے کہ "اس نے دہلی کا تخت چھین لیا" تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس نے دہلی کی حکومت پر قبضہ کر لیا ۔ (بلکہ خود "دہلی ۔ یعنی پایۂ تخت ۔ سے بھی مراد وہ ملک ہوگا جس کا دارالسلطنت دہلی تھا) ۔ تخت ۔ تاج ۔ جھنڈا وغیرہ سلطنت اور حکومت کے شعار (علامات) ہوتے ہیں اور انہیں انہی معانی میں لینا چاہیئے ۔ اس لئے خدا کے عرش سے مراد ، کوئی سچ مچ کا تخت نہیں جس پر خدا بیٹھتا ہے ۔ اس سے مراد اس کا مرکزی کنٹرول ہے جو اسے تمام کائنات پر حاصل ہے ۔ خدا ، زمان اور مکان کی نسبتوں سے ماوراء ہے اس لئے اس کا عرش بھی کسی خاص مقام پر نہیں بچھ رہا ۔ نہ ہی "استواء علی العرش" سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی خاص تخت پر جم کر بیٹھا ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے تمام نظامِ کائنات پر پورا پورا کنٹرول حاصل ہے ۔ اس کی تمام مخلوق اس کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔

۲۔ قرآن کریم میں "حاملینِ عرشِ خداوندی" کا بھی ذکر آیا ہے ۔ اس سے مراد خدا کے پیدا کردہ وہ وسائط (ذرائع) ہیں جو نظم و نسقِ کائنات کو برقرار رکھنے میں ، خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل رہتے ہیں ۔ خارجی کائنات میں انہیں ملائکہ کہا گیا ہے ۔ لیکن جب انسانی دنیا میں حکومتِ خداوندی قائم ہوگی تو جو لوگ اس

حکومت کے قیام و استحکام کے ذمہ دار ہوں گے۔ وہ "حاملینِ عرشِ خداوندی" کہلائیں گے۔

۳۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر ہے کہ "خدا کا عرش پانی پر ہے" (۷ : ۱۱)۔ اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے وہ آیت سامنے لانی چاہیئے جس میں کہا گیا ہے کہ "زندگی کا مدار پانی پر ہے" (۳۰ : ۲۱)۔ لہٰذا پانی پر خدا کے عرش سے مقصود یہ ہے کہ زندگی (LIFE) پر بھی کنٹرول خدا ہی کا ہے۔

خدا کا عرش

۱۔ رب العرش۔ (۲۲ : ۲۱)۔ (۸۲ : ۴۳)۔ (۲)۔ رب العرش الکریم۔ (۱۱۶ : ۲۳)

۲۔ رب العرش العظیم۔ (۱۲۹ : ۹)۔ (۸۶ : ۲۳)۔ (۲۶ : ۲۷)

۴۔ صاحبِ عرش خدا ہے۔ (۱۵ : ۴۰)۔ صاحبِ عرشِ مجید۔ (۲۲ : ۱۷)۔ (۲۰ : ۸۱)۔ (۱۵ : ۸۵)

۵۔ سرچشمۂ حیات (یعنی پانی) پر خدا کا عرش۔ (۷ : ۱۱)

استواء علی العرش

۱۔ کائنات کے عرش پر الرحمٰن متمکن ہے۔ (۵ : ۲۰)

۲۔ تخلیقِ کائنات کے بعد اس کے تختِ حکومت پر متمکن۔ (۵۴ : ۷)۔ (۳ : ۱۰)۔ (۴ - ۲ - ۱۳)۔ (۵۹ : ۲۵)۔ (۴ : ۳۲)۔ (۴ : ۵۷)

حاملینِ عرشِ خداوندی

۱۔ اس دن خدا کے عرش کو آٹھ ملائکہ اٹھائے ہوں گے۔ (۱۷ : ۶۹)

۲۔ عرشِ خداوندی اور اس کے متعلقات (ماحول) کو اٹھانے والے، اپنے فرائض کی تکمیل میں سرگرم اور خدا پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ (۷ : ۴۰)

۳۔ ملائکہ، عرشِ خداوندی کے حاملین۔ (۷۵ : ۳۹)

متفرق

۱۔ ملکۂ سبا کا عرش۔ (۲۳ : ۲۷) - (۴۲ - ۳۸ : ۲۷)

۲۔ فرعون نے تمسخر سے کہا کہ ایک محل بنا دو تاکہ میں اس پر چڑھ کر خدا کو جھانک آؤں۔ یہ اس کی جہالت تھی۔ خدا کسی مقام پر نہیں بیٹھا ہوا۔ (۳۶ : ۴۰)

۳۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے ماں باپ کو عرش پر بٹھایا۔ (۱۰۰ : ۱۲)

۴۔ ان بستیوں کے کھنڈرات جن کی چھتیں الٹی ہوئی تھیں۔ (۲۵۹ : ۲) - (۴۲ : ۱۸) - (۴۵ : ۲۲)

۵۔ باغات ٹٹیوں پر۔ (۱۴۱ : ۶)

۱۱۔ عفو

عَفو۔ اس کے بنیادی معنی ترک کر دینا یا چھوڑ دینا ہیں۔ نیز مٹا دینا۔

کسی سے کوئی غلطی یا جرم ہو جائے تو جہاں عدل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے اس کے جرم کی سزا دی جائے، وہیں یہ تقاضا بھی ہوتا ہے کہ اگر مجرم میں احساسِ ندامت پایا جائے اور اس کا امکان ہو کہ یہ ندامت اس کی اصلاح کی موجب بن جائے گی تو اسے اتنی سی سرزنش کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ اسے عفوِ خطا کہا جائے گا۔ یا اگر سزا دی جائے تو اس کے بعد اس کے ضرر رساں نتائج کو محو کر دیا جائے۔ یہ بھی عفو کی ایک شکل ہوگی۔ قوانینِ خداوندی میں اس لئے عفو کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔ لہٰذا، جہاں جرائم کی سزا کے متعلق عفو کا ذکر ہوگا وہاں اس کا یہی مفہوم ہوگا۔ لیکن جرم اور خطا کا جو اثر انسان کی اپنی ذات پر پڑتا ہے اسے کوئی اور مٹا نہیں سکتا (یعنی معاف نہیں کر سکتا)۔ اس کے لئے قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ایسے اثرات اسی صورت میں مٹ سکتے ہیں کہ خطاکار، اتنے اچھے کام کرے کہ ان کے تعمیری نتائج، خطا کے تخریبی نتائج پر بھاری ہو جائیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات توبہ، مغفرت، حسنات، سیات وغیرہ) - نیز (جرم و سزا)

۲۔ عفو کا لفظ زائد از ضرورت مال یا اشیاء کے لئے بھی آتا ہے۔

خدا کی طرف سے عفو

۱۔ رمضان کی راتوں میں مباشرت کے سلسلہ میں کہا۔ (۱۸۷ : ۲) - (۲) جنگ احد کے سلسلہ میں۔ (۱۵۱ : ۳) - (۱۵۴ : ۳)

۳۔ قانون نافذ ہونے سے پہلے کے غلط کام قابل معافی ہوتے ہیں - (۹۵ : ۵) - (۴) غیر ضروری باتوں کے سوال کرنے کے سلسلہ میں کہا - (۱۰۱ : ۵) - (۵) - بنی اسرائیل کی خطاکوشیوں کا عفو - (۵۲ : ۲) - (۱۵۳ : ۴)

۶۔ اللہ عفو قدیر ہے (۱۴۹ : ۴) - عفو غفور - (۴۳ : ۴) - (۹۹ : ۴) - (۱۴۹ : ۴) - (۶۰ : ۲۲) - (۵۸ : ۲) - (۷) - خدا بہت سی باتوں پر عفو سے کام لیتا ہے - (۱۵ : ۵) - (۶۶ : ۹) - (۲۵ : ۴۲) - (۳۰ : ۴۲) - (۳۴ : ۴۲)

انسانوں کی طرف سے عفو

۱۔ جرم کے مطابق سزا دی جا سکتی ہے۔ لیکن جو مستغیث معاف کر دے اور اس طرح مجرم کی اصلاح کا امکان پیدا کرے، تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوگا - (۴۰ : ۴۲)

۲۔ طلاق کی صورت میں عورت مہر طلب کر سکتی ہے۔ لیکن وہ اگر اسے چھوڑ دے تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (۲۳۷ : ۲)

۳۔ تم دوسروں کی فروگذاشتوں کو معاف کر دیا کرو۔ (۱۰۹ : ۲) - (۲۲ : ۲۴) - (۱۴ : ۶۴)

۴۔ عافین عن الناس، مومنین کی صفت ہے۔ (۱۳۴ : ۳)

رسول اللہ کو عفو کی تاکید

۱۔ خیانت کرنے والے یہودیوں کو عفو (۱۳ : ۵) - دیگر اہل کتاب کے لئے - (۱۰۹ : ۲)

۲۔ اپنے رفقاء کو عفو - (۱۵۹ : ۳)

۳۔ رسول اللہ کی فروگذاشت پر خدا کی طرف سے عفو - (۴۳ : ۹)

زائد از ضرورت مال

۱۔ زائد از ضرورت مال، دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کھلا رکھو - (۲۱۹ : ۲)

۲۔ اس مال کے متعلق نظامِ اسلامی کو حکم کہ وہ لوگوں سے وصول کر لیا کریں ۔ (۱۹۹ : ۷)

۳۔ عفو کے معنی مرفہ الحال ہو جانا ۔ یعنی ضروریات سے زائد مال جمع ہو جانا ۔ یہ اچھا نہیں ہے ۔ (۹۵ : ۷)

خدا سے دعائے عفو

۱۔ واعف عنا ۔ واغفر لنا ۔ (۲۸۶ : ۲)

(۰)

۱۲۔ علم وعقل

مذہب (دین نہیں بلکہ مذہب) میں عام تصور یہ ہے کہ ایمان، کسی بات کو بلا سوچے سمجھے مان لینے کا نام ہے ۔ مذہبی تقاضوں کی مصلحتیں، منطقی دلائل و براہین سے سمجھ میں نہیں آسکتیں اس لئے انہیں بلا دلیل مان لینا چاہیئے ۔ امورِ شریعت میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اور عقل کی جنگ قدیم سے چلی آرہی ہے اور سائنس اور مذہب کے معرکے گویا مسلمات میں داخل ہیں۔

مذہب میں بے شک یہی کچھ ہوتا ہے لیکن (اس کے برعکس) دین اپنے ہر دعوٰے کی بنیاد علم پر رکھتا اور اُسے دلیل و برہان کی رو سے منواتا ہے ۔ دین میں ایمان نام ہے کسی صداقت کو علیٰ وجہ البصیرت، دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے بعد تسلیم کرنے کا ۔ آپ قرآن کریم کو کھولئے ۔ آپ اس کے ایک ایک ورق پر دیکھیں گے کہ وہ کس طرح علم وعقل کو اپیل کرتا اور فہم و بصیرت کو دعوت دیتا ہے ۔ وہ عقل و شعور سے کام نہ لینے والوں کو حیوانات بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ قرار دیتا ۔ اور انہیں جہنم کا کندہ بتاتا ہے ۔

اس میں شبہ نہیں کہ دین کے بعض مسلمات، ماورائے طبیعات (غیر مرئی اور غیر محسوس) ہیں ۔ ان کا تعلق مادی کائنات سے نہیں ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو حقائق ماورائے عالمِ محسوسات ہیں، انہیں علم و بصیرت کی رو سے سمجھا نہیں جا سکتا ۔ ان حقائق کو سمجھنے کے دو طریقے ہیں ۔۔ اور یہ دونوں طریقے علمِ منطق کے مسلمات میں سے ہیں ۔ ایک طریق یہ ہے کہ آپ وحی کے ذریعے عطا کردہ کسی حقیقت کو صحیح (مبنی بر صداقت) تسلیم کر کے مشاہدات و تجربات اور تفکر و تدبر سے اس پر غور کرتے جائیں ۔ تاآنکہ آپ اسے علیٰ وجہ البصیرت سمجھ لیں ۔ اور دوسرا طریق یہ ہے کہ آپ خالی الذہن ہو کر حقائقِ کائنات پر غور و فکر کریں اور

اس طرح محسوسات سے غیر محسوس حقیقتوں تک پہنچ جائیں۔ اس دوسرے طریقہ میں دقت بھی زیادہ لگتا ہے اور محنت بھی کافی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ اگر تم نے صحیح علمی تحقیق کا راستہ اختیار کیا اور اس میں استقامت سے آگے بڑھتے گئے تو آپ اس حقیقت تک علیٰ وجہ البصیرت پہنچ جائیں گے جو وحی نے پیش کی تھی اس لئے کہ وحی اس خدا کا عطا کردہ علم ہے جو خالقِ فطرت اور خبیر و علیم ہے۔ لہٰذا، دین علم و بصیرت پر مبنی حقائق کے نام ہے۔ ظن و قیاس یا توہم پرستیوں کا مجموعہ نہیں۔ علم و عقل۔ دلیل و برہان۔ فہم و بصیرت۔ تفکر و تدبر کے متعلق جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کا کسی ایک عنوان کے تحت بہ تمام و کمال سمٹ جانا مشکل ہے۔ اسے آپ مختلف عنوانات میں دیکھئے۔ زیرِ نظر عنوان میں، اس موضوع کو بہ ہیئتِ مجموعی سامنے لایا جائے گا۔

اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ بعض حقائق ایسے ہیں جن کا ادراک ذہن انسانی کما حقہٗ کر ہی نہیں سکتا۔ مثلاً یہ کہ ذاتِ خداوندی کی ماہیت کیسی ہے۔ یا حیات بعد الممات کی نوعیت کس قسم کی ہوگی۔ انسانی ذہن لامحالہ محدود ہے اور زندگی کی موجودہ سطح پر اس کا ادراک نہ کسی لامحدود کو اپنے احاطہ میں لے سکتا ہے اور نہ ہی کسی غیر محسوس کو محسوسات کی طرح اپنی گرفت میں لے سکتا۔ ان حقائق کا جو تصور قرآن نے پیش کیا ہے۔ ہمیں اس تصور کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں کہا جائے گا کہ انسان کو علمِ خداوندی کے مقابلہ میں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک اس دائرے کا تعلق ہے جس کا علم انسان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اس میں کسی مقام پر کھڑے ہو کر یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ علم اپنی انتہا تک پہنچ گیا ہے اور ہمیں مزید تحقیق و جستجو کی ضرورت نہیں۔ کائنات کے حقائق بے حد و نہایت ہیں اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا جاتا ہے، مستور حقائق، بے پردہ ہو کر ہمارے سامنے آتے جاتے ہیں۔ اس لئے نہ کسی زمانے کا علم، آخری درجہ کا علم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی فرد کا علم، علم کی انتہا۔ علمِ انسانی، زمانے کی رَو کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جائے گا۔

اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھیئے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی راہ نمائی کے لئے تنہا عقلِ انسانی کافی ہے اور وحی کی راہ نمائی کی ضرورت نہیں، وہ صحیح راستے پر نہیں چلتے۔ صحیح راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے جذبات کو عقل کے تابع رکھے اور عقل سے وحیٔ خداوندی کی روشنی میں کام لے۔ عقلِ بے باک تو انسانی جذبات کی لونڈی بن کر رہ جاتی ہے۔ علم، عقل، فہم، تدبر، شعور، تفقہ، غور و فکر، سب ایک بلند مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں اور وہ بلند مقصد ہے اقدارِ خداوندی کے مطابق، علیٰ وجہ البصیرت زندگی بسر کرنا تاکہ انسانی ذات، زندگی کی اگلی بلند ارتقائی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔

اس عنوان میں علمِ خداوندی کے متعلق بات نہیں کی گئی۔ انسانی علم کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

علم کی فضیلت

۱۔ آدم (آدمی) کو علم الاشیاء کی صلاحیت عطا کی گئی اور اسی سے وہ مسجودِ ملائکہ قرار پایا۔ (۲ : ۳۱)

۲۔ کسی وقت بھی یہ سمجھ لینا کہ اب مزید علم کی ضرورت نہیں، نتائج خداوندی سے محرومی ہے۔ (۲ : ۸۸)۔ فوق کل ذی علم علیم۔ (۱۲ : ۷۶)۔ رسول اللہ کی دُعا۔ رب زدنی علما۔ (۲۰ : ۱۱۴)

۳۔ حضرت طالوت کا انتخاب اس لئے عمل میں آیا کہ انہیں جسمانی قوت بھی حاصل تھی اور علمی فضیلت بھی۔ مال وجۂ انتخاب نہیں ہو سکتا۔ (۲ : ۲۴۷)

۴۔ اگر تمہیں علم ہو تو تم جان لو کہ احکام خداوندی کس قدر حکمت پر مبنی ہیں۔ (۲ : ۲۸۰)

۵۔ الراسخون فی العلم جانتے ہیں کہ متشابہات سے کیا بیان کرنا مقصود ہے۔ (۳ : ۷)

۶۔ اربابِ علم، توحید کی گواہی دیتے ہیں اور عدل کو قائم رکھتے ہیں۔ (۳ : ۱۷)۔ (۲۲ : ۵۴)۔ (۳۴ : ۶) قرآن کی حقانیت کو بھی سمجھتے ہیں۔

۷۔ قرآنی تعلیم و تدریس۔ (۳ : ۷۸)۔ (۸) یہود کے راسخون فی العلم ایمان لاتے ہیں۔ (۴ : ۱۶۲)

۹۔ حضرت نوحؑ سے کہا گیا کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کی درخواست مت کیا کرو۔ (۱۱ : ۴۶)

۱۰۔ حضرت یوسفؑ کو تاویل الاحادیث کا علم دیا گیا۔ (۱۲ : ۱۰۱)

۱۱۔ قیامت میں صاحبانِ علم کہیں گے کہ آج کفار کے لئے رسوائی ہے۔ (۱۶ : ۲۷)

۱۲۔ ارذل العمر میں انسان کا علم جاتا رہتا ہے۔ (۱۶ : ۷۰)

۱۳۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگا کرو۔ سمع۔ بصر۔ قلب۔ سب سے باز پرس ہوگی۔ (۱۷ : ۳۶)۔ نہ ہی ایسی بات منہ سے نکالو۔ (۲۴ : ۱۵)

۱۴۔ خدا کے متعلق۔ کسی جاننے والے (باخبر) سے پوچھ۔ (۲۵ : ۵۹)

۱۵۔ علم سے انسان صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ (۲۸ : ۸۰)

۱۶۔ خدا مثالوں سے بات واضح کرتا ہے لیکن اس سے اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (۲۹ : ۴۳)۔ (۳۰ : ۵۸-۵۹)۔ (۲۱ : ۵۹)۔ (۱۷)۔ قرآن کی آیات اہلِ علم کے سینے میں ہیں۔ (۲۹ : ۴۹)

۱۸۔ قرآن نازل ہی اہلِ علم کے لئے ہوا ہے۔ (۴۱ : ۳)

۱۹۔ حضرت ابراہیم کو ایک علیم بیٹے کی بشارت - (۲۸ : ۵۱)

۲۰۔ علم حق ہے - اس کے برعکس ظن ہے۔ ظن حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دے سکتا - (۲۸ : ۵۳) - (۳۶ : ۱۰)

۲۱۔ انسان کو خدا نے قوتِ بیان عطا کی - (۴ : ۵۵)۔ قلم اور دوات (۱ : ۶۸)

۲۲۔ اہلِ علم کے درجات بلند ہیں - (۱۱ : ۵۸) — (۲۳) علم الیقین اور عین الیقین - (۵-۷ : ۱۰۲)

۲۴۔ سائنس دان اہلِ علم ہیں - وہی خدا کی عظمت کا احساس کر کے اس کے سامنے جھکتے ہیں - (۲۷-۲۸ : ۳۵)

۲۵۔ علم وہی فائدہ دے سکتا ہے جس سے وحی کی روشنی میں کام لیا جائے - (۸۷ : ۲۸) - (۳۸ : ۲۹) - (۴۹ : ۳۹)
(۸۲-۸۳ : ۴۰) - (۲۳ : ۴۵) - (۲۶ : ۴۶) - (۳۰ : ۵۳)

علماء

۱۔ قرآن، بعض حقائق کو تمثیلی انداز میں بیان کرتا ہے۔ جنہیں اہلِ علم (عالم) ہی سمجھ سکتے ہیں - (۴۳ : ۲۹)

۲۔ تخلیقِ ارض و سما اور اختلافِ الوان و السنہ میں آیات ہیں۔ لیکن انہیں عالم ہی سمجھ سکتے ہیں - (۲۲-۲۳ : ۳۰)

۳۔ کارگہ کائنات میں قوانینِ خداوندی کس طرح کارفرما ہیں؟ اسے علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جب وہ ان کی کنہ و حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں تو خدا کی کبریائی کے احساس سے ان پہ ہیبت طاری ہو جاتی ہے - (۲۷-۲۸ : ۳۵)

۴۔ علماء بنی اسرائیل قرآن کو جانتے پہچانتے تھے - (۱۹۷ : ۲۶)

عقل و فکر کی اہمیت

۱۔ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے کے ثبوت میں دلیل لاؤ - (۱۱۱ : ۲) - (۲۴ : ۲۱) - (۱۱۷ : ۲۳) -
(۶۴ : ۲۷) - (۱۵۶-۱۵۷ : ۳۷)

۲۔ قرآنی احکام کی حکمت کو اربابِ عقل و بصیرت سمجھ سکتے ہیں - (۱۷۹ : ۲) - (۵۲ : ۱۴)

۳۔ اے صاحبانِ عقل و بصیرت، خدا کا تقویٰ اختیار کرو - (۱۹۷ : ۲) - (۱۰۰ : ۵) - (۱۰ : ۶۵)

۴۔ خدا اپنے احکام کی تبیین کرتا ہے تاکہ تم عقل و فکر سے کام لو - (۲۱۹ : ۲) - (۲۳۰ : ۲) - (۲۴۲ : ۲)
(۲۶۶ : ۲) - (۱۱۷ : ۳) - (۶۵ : ۶) - (۱۰۶ : ۶) - (۱۵۲ : ۶) - (۳۲ : ۷) - (۱۷۶ : ۷) - (۵ : ۱۰)
(۲۴ : ۱۰) - (۴۴ : ۱۶) - (۲۸ : ۳۰) - (۱۷ : ۵۷) - (۲۱ : ۵۹)

۵۔ تم دنیا اور آخرت پر غور و فکر کرو۔ (۲ : ۲۲۰)

۶۔ جسے حکمت دی جائے اُسے خیرِ کثیر دی جاتی ہے۔ اس بات کو صاحبانِ عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (۲ : ۲۶۹)

۷۔ واقعۂ بدر میں اربابِ بصیرت کے لئے عبرت ہے۔ (۳ : ۱۲)۔ دیگر قصص میں بھی۔ (۱۲ : ۱۱۱)

۸۔ تدبر فی القرآن کی تاکید۔ (۴ : ۸۲)۔ قرآن کو محض سن لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (۶ : ۲۵)۔ (۲۳ : ۶۸)۔ (۳۸ : ۲۹)

۹۔ بصائرِ خداوندی پر غور و فکر کرنے والے کو فائدہ پہنچے گا۔ اندھا بن کر رہنے والا محروم رہ جائے گا۔ (۶ : ۱۰۵)

۱۰۔ قرآن، عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (۱۲ : ۲)۔ (۴۳ : ۳)

۱۱۔ رسول اللہؐ کی دعوت علیٰ وجہِ البصیرت تھی۔ یہی طریق حضورؐ کے متبعین کا ہوگا۔ (۱۲ : ۱۰۸)

۱۲۔ مومن، آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے بہرے بن کر نہیں جھک پڑتے۔ (۲۵ : ۷۳)

۱۳۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی عقل کو اپیل کیا۔ (۲۶ : ۲۸)۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی۔ (۲۶ : ۷۵)

۱۴۔ عقل و فکر اور علم و بصیرت سے اگر وحی کی روشنی میں کام نہ لیا جائے تو وہ تباہی سے نہیں بچا سکتے۔ (۲۹ : ۳۸)۔ (۳۹ : ۴۹)۔ (۱۵)۔ انبیاء کرام صاحبِ قوت و بصیرت تھے۔ (۳۸ : ۴۵)

۱۶۔ قرآن کا اتباع کرنے والے ہی اہلِ عقل ہیں۔ (۳۹ : ۱۸)۔

۱۷۔ کتابِ موسیٰؑ میں اہلِ عقل کے لئے ہدایت تھی۔ (۴۰ : ۵۴)

۱۸۔ صاحبانِ عقل و فکر ہی ایمان والے ہیں۔ یہی لوگ تقویٰ شعار ہوتے ہیں۔ (۶۵ : ۱۰)

۱۹۔ اربابِ عقل و فکر کے لئے قرآنی شہادات۔ (۸۹ : ۵)

۲۰۔ قرآن سامنے آجانے سے بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور اس طرح انسان شیطان کے فریب سے بچ جاتا ہے۔ (۷ : ۲۰۱)۔ (۲۱)۔ قرآن کے بعد، زندگی اور ہلاکت علیٰ بیّنہ ہوگی۔ (۸ : ۴۲)

۲۲۔ کفار میدانِ جنگ میں اس لئے مغلوب ہوگئے کہ وہ تفقہ سے کام نہیں لیتے تھے۔ (۸ : ۶۵)۔(۱۴-۱۳ : ۵۹)

۲۳۔ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ تم سوچا کرو۔ (۳۴ : ۴۶)

۲۴ عقل والے وہ ہیں جو قرآن کو بغور سنتے ہیں اور پھر اس پر بطریقِ احسن عمل کرتے ہیں۔ (۳۹ : ۱۸)

عقل و علم سے کام نہ لینے والے

۱۔ خدا کے ذمے ایسی باتیں نہ لگاؤ جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ (۲ : ۱۶۹)۔(۷ : ۲۸)۔(۷ : ۳۳)۔(۱۰ : ۶۸)۔

۲۔ جو نہ ہدایت پر ہو، نہ عقل رکھتا ہو، اس کے پیچھے مت لگا کرو۔ یہ حیوانی روش ہے۔ (۲ : ۱۷۰ ۔ ۱۷۱)۔

۳۔ کفر سے انسان اندھا۔ بہرہ۔ گونگا۔ لا یعقل ہو جاتا ہے۔ (۲ : ۱۷۱)۔(۶ : ۲۵)۔(۶ : ۳۹)۔(۷ : ۱۰۰)۔(۹ : ۸۷)۔(۹ : ۹۳)۔(۱۷ : ۴۵ - ۴۶)۔(۱۷ : ۹۷)۔(۱۸ : ۵۷)۔(۱۸ : ۱۰۱)۔(۲۲ : ۴۶)۔(۳۰ : ۵۹)۔(۴۱ : ۳ - ۵)۔(۴۱ : ۴۴)۔(۴۵ : ۲۳)۔(۴۶ : ۲۶)۔(۴۷ : ۱۶)۔(۶۳ : ۳)

۴۔ اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاؤ گے تو غلط فیصلے کرو گے۔ ایسے وقت میں کشودِ کار یہ ہے کہ تم احکامِ خداوندی پر عمل کرو۔ بعد میں تمہیں خود احساس ہو جائے گا کہ تم غلطی پر تھے۔ (۲ : ۲۱۶)۔(۴۵ : ۲۳)

۵۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کسی بات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ (۴ : ۷۸)

۶۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ (۴ : ۸۲)۔(۲۳ : ۶۸)۔(۴۷ : ۲۴)

۷۔ سمع و بصر و قلب کو اگر خدا سلب کر لے تو کوئی انہیں واپس نہیں دے سکتا۔ (۶ : ۴۶)

۸۔ اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے۔ (۶ : ۵۰)۔(۱۱ : ۲۴)۔(۱۳ : ۱۶ ؛ ۱۹)۔(۳۵ : ۱۹-۲۲)۔(۳۹ : ۹)۔

۹۔ بلا علم دوسروں کو گمراہ کرنیوالے۔ (۶ ، ۱۲۰)۔(۳۱ : ۶)۔ بلا علم محض توہم پرستی کی بنا پر اپنی اولاد کو قتل کر دینے والے۔ (۶ : ۱۴۱)

۱۰۔ ان کے پاس علم نہیں محض ظن و قیاس سے کام لیتے ہیں۔ (۶ : ۱۴۹)۔(۲۲ : ۷۱)۔(۴۳ : ۲۰)۔(۵۳ : ۲۸)۔(۱۱)۔ دل ہیں لیکن ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے، نہ آنکھوں سے دیکھنے کا اور کانوں سے سننے کا کام لیتے ہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں، حیوان ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ یہ جہنم کے مستوجب ہیں۔ (۷ : ۱۷۹)۔ یہ بدترین خلائق ہیں۔ (۸ : ۲۲)۔(۲۵ : ۴۴)

۱۲۔ یہ لوگ اس بات کی تکذیب کرتے ہیں جس پر ان کا علم احاطہ نہیں کر سکا۔ نہ ہی اس کا آخری نتیجہ ان کے سامنے آیا ہے۔ (۱۰ : ۳۹)۔(۲۷ : ۸۴)

۱۳۔ جو اپنے فہم و بصیرت سے کام نہ لے، اسے رسول کی تبلیغ بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ (۱۰ : ۴۲ - ۴۳)۔(۲۷ : ۸۰ - ۸۱)۔(۳۰ : ۵۲ - ۵۳)۔(۳۵ : ۲۲)۔(۴۳ : ۴۰)

۱۴۔ بے علم لوگوں کی راہ مت چلو۔ (۸۹ : ۱۰)

۱۵۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے ان میں رجس (CONFUSION) پیدا ہو جاتا ہے۔ (۱۰۰ : ۱۰) - یہ دل کی بیماری ہے۔ (۱۲۵ : ۹) - (۱۶)۔ بلا علم 'خدا کی اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ (۵ : ۱۸)

۱۷۔ بلا علم حق سے اعراض برتتے ہیں۔ (۲۴ : ۲۱) - (۱۸)۔ بلا علم خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ (۶۵ : ۳)۔ (۸ : ۲۲)۔ (۲۰ : ۳۱) - (۱۹)۔ دل کی آنکھ اندھی ہوا کرتی ہیں - (۴۶ : ۲۲)

۲۰۔ بلا علم شرک کرتے ہیں۔ (۷۰ : ۲۲)۔ اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ (۱۱۷ : ۲۳)۔ (۴ : ۴۶)

۲۱۔ خدا کے بندے (مومن) آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے بہرے بن کر نہیں جھک پڑتے۔ (۷۳ : ۲۵)

۲۲۔ عقل سے کام نہ لینے والوں کو شیطان گمراہ کرتا ہے۔ (۶۲ : ۳۶)

۲۳۔ مخالفین کہتے ہیں کہ جس بات کی تو دعوت دیتا ہے اس کی طرف سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہے ہیں۔ (۵ : ۴۱)

۲۴۔ جو علم کے علی الرغم جذبات کی رو میں بہہ جائے۔ اس کے سمع۔ بصر۔ قلب سب مفلوج ہو جاتے ہیں۔ (۲۳ : ۴۵)۔ (۲۶ : ۴۶) - (۲۵)۔ محض قیاس آرائیاں کرنے والوں کے لئے تباہی ہے۔ (۱۰ : ۵۱)

۲۶۔ جو اسی دنیا کی زندگی کو ہی زندگی سمجھتا ہے، اس کا مبلغ علم کچھ نہیں - (۳۰ : ۵۳)

۲۷۔ اہلِ جہنم کہیں گے کہ اگر ہم عقل وفکر سے کام لیتے تو آج یہاں نہ ہوتے - (۱۰ : ۶۷)

۲۸۔ کسی بات کو سطحی طور پر دیکھنا یا سننا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اس پر غور کرنا ضروری ہے - (۱۹۸ : ۷) (۴۳ - ۴۲ : ۱۰) - (۱۲ : ۴۷)

عقل وجذبات جو وحی کے تابع نہ ہوں

۱۔ جس کا قلب ہمارے ذکر سے غافل ہوگیا اور وہ اپنے جذبات ہی کے پیچھے لگ گیا۔ اس کی اطاعت مت کرو۔ (۲۸ : ۱۸)

۲۔ جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا الٰہ بنا لیا۔ وہ علم وعقل کے باوجود تباہ ہو جاتا ہے۔ (۱۲۰ : ۲) - (۱۴۵ : ۲) - (۴۸ : ۵)۔ (۷۷ : ۵) - (۵۶ : ۶) - (۱۵۰ : ۶) - (۴۳ : ۲۵)۔ (۵۰ : ۲۸) (۱۷ : ۴۵) - (۲۳ : ۴۵) - (۳)۔ بغیر علم جذبات کا اتباع - (۱۱۹ : ۶)۔ (۲۹ : ۳۰)

۴۔ ایسی قومیں عقل وبصیرت کے باوجود تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۳۸ : ۲۹) - (۲۶ : ۴۶)

ذرائعِ علم

۱۔ سمع وبصر ذرائعِ علم ہیں۔ ان سے محروم ہوجانا خدا کا عذاب ہے - (۲ : ۲۰) - (۴۶ : ۲۶)

۲۔ مظاہرِ فطرت پر غور وفکر - (۲ : ۱۶۴) - (۳ : ۱۸۹-۱۹۰) - (۶ : ۱۰۰) - (۷ : ۱۸۵) - (۱۰ : ۵-۶) - (۱۰ : ۶۷) - (۱۳ : ۳-۴) - (۱۶ : ۱۰-۱۳) - (۱۶ : ۶۶-۶۷) - (۲۰ : ۵۳-۵۴) - (۲۴ : ۴۳-۴۴) - (۲۷ : ۶۰-۶۱) - (۲۸ : ۷۱-۷۲) - (۳۰ : ۸) - (۳۰ : ۲۲-۲۳) - (۳۰ : ۲۵) - (۳۲ : ۲۶-۲۷) - (۳۵ : ۲۷-۲۸) - (۳۹ : ۲۱) - (۴۱ : ۹-۱۲) - (۴۴ : ۲۹) - (۴۵ : ۳-۶) - (۴۰ : ۱۲-۱۳) - (۵۰ : ۶-۱۱) - (۵۱ : ۴۷-۵۰) - (۵۷ : ۱۷) -

۳۔ مشاہدہ ذریعۂ علم ہے - (۲ : ۲۵۹)

۴۔ سمع وبصر وقلب ذرائعِ علم ہیں - (۶ : ۳۹) - (۶ : ۴۶) - (۱۶ : ۷۸) - (۱۷ : ۳۶) - (۲۳ : ۷۸) - (۳۲ : ۹) - (۶۷ : ۲۳) - (۷۶ : ۲) - (۹۰ : ۸-۹)

۵۔ تاریخی شواہد میں صاحبانِ عقل کے لئے آیات ہیں - (۲۰ : ۱۲۸) - اقوامِ سابقہ کی بستیوں کے کھنڈرات میں سامانِ عبرت - (۲۲ : ۴۵-۴۶) - (۲۷ : ۵۲) - (۲۹ : ۳۵) - (۲۹ : ۳۸) - (۳۰ : ۸-۹) - (۳۲ : ۲۶) - (۳۲ : ۲۶) - (۳۷ : ۱۳۸) - (۳۸ : ۴۳) - (۴۰ : ۸۲-۸۳) - (۵۰ : ۳۶-۳۷)

۶۔ خود اپنے آپ میں غور وفکر سے کام لینا - (۳۰ : ۸)

۷۔ تخلیقِ انسانی پر غور وفکر کرنا - (۳۰ : ۲۰-۲۱) - (۳۹ : ۴۲) - (۴۰ : ۶۷)

۸۔ علم وایمان والے قیامت میں کہیں گے کہ ہم اتنا عرصہ کتاب اللہ میں رہے تھے - (۳۰ : ۵۶)

۹۔ انفس وآفاق کی نشانیاں، قرآن کے مبنی علی الحقیقت ہونے کی دلیل بنتی جائیں گی - (۴۱ : ۵۳) - (۳۰ : ۸) - (۵۱ : ۲۰-۲۱) - (۱۰) - قوتِ بیان - (۵۵ : ۴) - دوات اور قلم - (۶۸ : ۱) - قلم - (۹۶ : ۵)

انسانی عقل وعلم کی محدودیت

۱۔ مقتولینِ فی سبیل اللہ کو کس قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے، تم اس کا شعور نہیں رکھتے - (۲ : ۱۵۴)

۲۔ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون - (۲ : ۲۱۶) - (۲ : ۲۳۲) - (۳ : ۶۵)

۳۔ خدائی علم میں سے انسان کو اتنا ہی دیا گیا ہے ۔ جتنا مشیتِ خداوندی کو مقصود تھا۔ (۲ : ۲۵۵)

۴۔ وحی کے مقابلہ میں انسان کو علم تھوڑا دیا گیا ہے ۔ (۱۷ : ۸۵)

۵۔ انسان اپنے علم سے، علمِ خداوندی کا احاطہ نہیں کر سکتا ۔ (۲۰ : ۱۱۰)

۶۔ کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ یا کس جگہ اس کی موت واقع ہوگی ۔ (۳۱ : ۳۴)

۷۔ خدا نے ہر شے کے جوڑے بنائے۔ لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا انسان علم نہیں رکھتا ــــ اس سے مراد زمانۂ نزولِ قرآن کے انسان بھی ہو سکتے ہیں ۔ (۳۶ : ۳۶)

۸۔ وحی کے سامنے آجانے کے بعد اپنے علم پر اڑے رہنا غلط ہے ۔ (۴۰ : ۸۳)

۹۔ نشاۃِ ثانیہ کی ماہیت کا انسان کو علم نہیں ۔ (۵۶ : ۶۱)

۱۰۔ کائنات کی ہر شے "تسبیحِ خداوندی" میں مصروف ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ۔ (۱۷ : ۴۴)

وحی بھی علم ہے (انبیاء کو علم و حکمت دی جاتی تھی)

۱۔ خدا نے رسول اللہ کو العلم عطا کیا تھا ۔ (۲ : ۱۲۰)۔ (۱۱ : ۱۴)۔ (۱۳ : ۳۷)

۲۔ رسول، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔ (۲ : ۱۲۹)۔ یعنی ان امور کی تعلیم جن کا تمہیں علم نہیں تھا۔ (۲ : ۱۵۱)

۳۔ اہلِ کتاب نے علم آ چکنے کے بعد محض ضد کی بنا پر اختلافات کئے۔ (۳ : ۱۸)۔ علم آجانے کے بعد کٹ حجتیاں کرنے والے ۔ (۳ : ۶۰)۔(۳ : ۶۵)۔(۱۰ : ۹۳)۔(۱۴ : ۴۲)۔

۴۔ رسول، خدا کی طرف سے علیٰ بیّنہ ہوتا ہے ۔ (۶ : ۵۷)

۵۔ وحی وہ کچھ سکھاتی ہے جس کا علم انسان کو نہیں ہوتا ۔ (۶ : ۹۲)۔(۷ : ۶۲)۔(۴۲ : ۱۹)۔(۵ : ۹۶)

۶۔ خدا کی طرف سے بصائر آ گئے۔ سو جو آنکھیں کھول کر ان سے فائدہ حاصل کرے گا، وہ ان سے فیض یاب ہو جائے گا۔ جو اندھا بنا رہے گا، وہ محروم رہے گا ۔ (۶ : ۱۰۵)

۷۔ پیغمبر کو حکم اور علم دیا جاتا ہے ۔ (۱۲ : ۲۲)۔(۱۲ : ۶۸)۔(۱۲ : ۸۶)۔(۲۱ : ۷۴)۔(۲۱ : ۷۹)۔(۲۷ : ۱۵-۱۶)۔(۲۸ : ۱۴)۔(۲۸ : ۲۰)۔ (۸) فوق کل ذی علم علیم ۔ (۱۲ : ۷۶)

۹۔ قرآن لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے ۔ (۱۴ : ۱)۔(۱۱ : ۶۵)

۱۰۔ جنہیں اس سے پہلے العلم دیا گیا ہے ۔ وہ قرآن کے سامنے جھک جاتے ہیں ۔ (۱۷ : ۱۰۷)

۱۱۔ جس بزرگ سے حضرت موسیٰؑ (زمانہ قبل از نبوت میں) ملے تھے خدا نے انہیں علم عطا کر رکھا تھا۔ (۱۸: ۶۵)۔
۱۲۔ وحی کے سامنے آجانے کے بعد اپنے علم پر اڑے رہنا غلط ہے۔ (۴۰: ۸۳)

تدبّر

۱۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ (۴: ۸۲)۔ (۴۷: ۲۴)
۲۔ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ تم غور و تدبر کرو۔ (۳۸: ۲۹)

تفقہ

۱۔ کائنات کی ہر شے اس کی "تسبیح" میں مصروف ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ (۱۷: ۴۴)
۲۔ یہ مخالفین وہ ہیں جو ذرا سی بات بھی سمجھ نہیں پاتے۔ (۴: ۷۸)
۳۔ ہم آیاتِ قرآنی کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ انہیں سمجھ سکیں۔ (۶: ۶۵)۔ (۶: ۹۸)
۴۔ قلب مقامِ تفقہ ہے لیکن انہی کے لئے جو اس سے تفقہ کا کام لے۔ (۷: ۱۷۹)
۵۔ دل پر مہریں لگ جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ غور و فکر سے کام لینے کے قابل نہ رہیں۔ (۶: ۲۵)۔ (۹: ۸۷)۔ (۹: ۱۲۷)
(۱۷: ۴۶)۔ (۱۸: ۵۷)۔ (۶۳: ۳)۔ (۶۳: ۷)
۶۔ یہ لوگ اگر سمجھ بوجھ سے کام لیتے تو یہ حقیقت ان پر واضح ہو جاتی کہ جہنم کی آگ اس سفر کی گرمی سے زیادہ شدید ہوگی (۹: ۸۱)
۷۔ قومیں عدمِ تفقہ کی وجہ سے اپنے سے کم تعداد سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔ (۸: ۶۵)
۸۔ منافقین تفقہ سے کام نہیں لیتے۔ (۴۸: ۱۵)۔ (۵۹: ۱۳)۔ (۶۳: ۷)
۹۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا کہ فرعون میری بات سمجھ لے۔ (۲۰: ۲۸)
۱۰۔ قومِ شعیبؑ نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ (۱۱: ۹۱)
۱۱۔ پروگرام یہ ہوگا کہ مختلف مقامات کے کچھ لوگ مرکز میں آکر تفقہ فی الدین حاصل کریں اور پھر جا کر اسے دوسرے لوگوں کو سمجھا دیں۔ (۹: ۱۲۲)

تفکّر

۱۔ حضورؐ نے لوگوں سے کہا کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تم غور وفکر کیا کرو۔ (۳۴ : ۴۶)

۲۔ خدا اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم لوگ غور وفکر کر سکو۔ (۲ : ۲۱۹)-(۲ : ۲۶۶)-(۷ : ۱۷۶)-(۱۰ : ۲۴)-(۱۳ : ۳)-(۱۶ : ۱۱)-(۱۶ : ۴۴)-(۱۶ : ۶۹)-(۳۰ : ۲۱)-(۳۹ : ۴۲)-(۴۵ : ۱۳)-(۵۹ : ۲۱)

۳۔ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں ! تم غور وفکر سے کام کیوں نہیں لیتے۔ (۶ : ۵۰)

۴۔ اگر تم غور وفکر سے کام لو تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائے کہ تمہارا یہ رفیق (رسولِ اکرمؐ) دیوانہ نہیں ہے (۷ : ۱۸۴)

۵۔ تم خود اپنے آپ میں غور وفکر کرو۔ (۳۰ : ۸)

۶۔ مومن وہ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے۔ کارگہِ کائنات پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔ (۳ : ۱۹۱)

اولی الالباب ۔صاحبانِ عقل وبصیرت

۱۔ اے اربابِ عقل وبصیرت ! تمہارے لئے قانونِ قصاص میں زندگی ہے۔ (۲ : ۱۷۹)

۲۔ تقویٰ وہی اختیار کرتے ہیں جو اولی الالباب ہیں۔ (۲ : ۱۹۷)-(۵ : ۱۰۰)

۳۔ قوانینِ خداوندی کو اربابِ علم وعقل ہی سامنے رکھتے ہیں۔ (۲ : ۲۶۹)-(۳ : ۷)-(۱۳ : ۱۹)-(۱۴ : ۵۲)-(۳۸ : ۲۹)-(۳۸ : ۴۳)-(۳۹ : ۹)-(۳۹ : ۲۱)-(۴۰ : ۵۴)

۴۔ کارگہِ کائنات میں اربابِ علم وعقل کے لئے نشانیاں ہیں۔ (۳ : ۱۹۰)

۵۔ تاریخی شواہد میں اربابِ علم وعقل کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ (۱۲ : ۱۱۱)

۶۔ اولی الالباب ہی ایمان لاتے ہیں۔ وہی تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (۳۹ : ۱۸)-(۶۵ : ۱۰)

فہم

ہم نے سلیمانؑ کو بات سمجھا دی۔ (۲۱ : ۷۹)

عقل

۱۔ کیا تم عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے؟ - (۲ : ۴۴) - (۲ : ۷۶) - (۳ : ۶۵) - (۶ : ۳۲) - (۷ : ۱۶۹) - (۱۰ : ۱۶) - (۱۱ : ۵۱) - (۱۲ : ۱۰۹) - (۲۱ : ۱۰) - (۲۱ : ۶۷) - (۲۳ : ۸۰) - (۲۸ : ۶۰) - (۳۶ : ۶۲) - (۳۷ : ۱۳۸)

۲۔ خدا نے حقائق کو وضاحت سے بیان کر دیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ (۲ : ۷۳) - (۲ : ۲۴۲) - (۳ : ۱۱۸) - (۶ : ۱۵۱) - (۱۲ : ۲) - (۱۳ : ۴) - (۱۶ : ۱۲) - (۱۶ : ۶۷) - (۲۴ : ۶۱) - (۲۶ : ۲۸) - (۲۹ : ۳۵) - (۳۰ : ۲۴) - (۳۰ : ۲۸) - (۳۶ : ۶۸) - (۴۰ : ۶۷) - (۴۵ : ۵) - (۵۷ : ۱۷) - (۷۳ : ۳)

۳۔ اہل جہنم کہیں گے کہ اگر — ہم عقل و فکر سے کام لیتے تو آج جہنم میں کیوں ہوتے۔ (۶۷ : ۱۰)

۴۔ قرآنی حقائق کو اہل علم سمجھتے ہیں۔ (۲۹ : ۴۳)

۵۔ یہ اپنے اسلاف کی تقلید کیے جائیں گے خواہ ان میں ذرا بھی عقل و فکر نہ ہو۔ (۲ : ۱۷۰)

۶۔ بہرے، گونگے، اندھے، عقل سے کام نہ لینے والے۔ (۲ : ۱۷۱)

۷۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے والے، احکام خداوندی کو مذاق سمجھتے ہیں۔ (۵ : ۵۸) - خدا پر افترا باندھتے ہیں۔ (۵ : ۱۰۳) - شر الدواب ہیں (۸ : ۲۲)

۸۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے والوں کو تبلیغ کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ (۱۰ : ۴۲) - ان پر بات مبہم رہتی ہے۔ (۱۰ : ۱۰۰) — (۹) - قلب، مقام عقل ہے۔ (۲۲ : ۴۶)

۱۰۔ لوگوں کی اکثریت عقل و فکر سے کام نہیں لیتی۔ (۲۵ : ۴۴) - (۲۹ : ۶۳) - (۴۹ : ۴)

۱۱۔ ایسا اجتماع جس میں قلوب الگ الگ ہوں، بے معنی ہوتا ہے۔ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ (۵۹ : ۱۴) - (۱۲) - یہ لوگ معبودانِ باطل کی پرستش کیے جائیں گے خواہ وہ کچھ بھی عقل و فکر نہ رکھتے ہوں۔ (۳۹ : ۴۳)

متفرق

۱۔ صاحبِ علم کو چاہیئے کہ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ (۲ : ۲۸۲)

۲۔ کوئی اڑتی ہوئی خبر سنو تو اسے اربابِ حل و عقد تک پہنچا دو تا کہ وہ علم و تحقیق سے استنباط کریں۔ (۴ : ۸۳)۔
سفر یا جنگ میں بھی ایسا ہی کیا کرو۔ (۴ : ۹۴) – (۶ : ۴۹)

۳۔ ایک ایک گروہ کرکے مرکز کی طرف آؤ۔ وہاں سے دین میں تفقہ حاصل کرو۔ اور پھر اپنے ہاں واپس جا کر دوسروں کو اس سے آگاہ کرو۔ (۹ : ۱۲۲)

۴۔ جنکے دلوں میں مرض ہے، ان کی کثافت بڑھتی جاتی ہے۔ (۹ : ۱۲۵) – (۱۰ : ۱۰۰)

۵۔ علم (ہنرمندی) کا نتیجہ اگر خود غرضی اور سرمایہ پرستی ہو تو وہ موجبِ غضبِ الٰہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ قارون کے قصے میں ہوا۔ (۲۸ : ۷۸) – (۲۹ : ۳۹)

۶۔ علم سے اگر وحی کی روشنی میں کام نہ لیا جائے تو وہ بھی کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (۲۸ : ۲۹)

(۰)

۱۳۔ عورت

قرآن کریم میں لفظ عورت (جمع عورات)۔ (WOMAN) کے معنوں میں نہیں آیا۔ یہ ستر، پوشیدگی یا پرائیویسی کے معنوں میں آیا ہے۔ جن معنوں میں ہم عورت کا لفظ استعمال کرتے ہیں (یعنی WOMAN) اس کے لئے اَلْمَرْاَۃُ یا اَلْاِمْرَاَۃُ کے الفاظ آتے ہیں۔ (اَلْمَرْءُ کے معنی مرد ہیں)۔ یا اَلنِّسْوَۃُ ۔ اَلنِّسَاءُ ۔ اَلنِّسْوَانُ کے الفاظ۔ واضح رہے کہ اَلْمَرْءَۃُ کے معنی ہیں ایک عورت" اس لفظ کی جمع نہیں آتی۔ اور اَلنِّسَاءُ (وغیرہ) کے معنی ہیں بہت سی عورتیں۔ ان الفاظ کا واحد نہیں آتا۔ قرآن کریم میں نساء" کا لفظ اضافت کے ساتھ عام عورتوں کے علاوہ، بیویوں کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے نِسَائِکُمْ۔ تمہاری بیویاں۔ مجازی معنوں میں یہ لفظ قوم کے اس طبقہ کے لئے آیا ہے جو جوہرِ مردانگی سے عاری ہو۔

زَوْجٌ کا لفظ (جمع اَزْوَاجٌ) خاوند اور بیوی دونوں کے لئے آتا ہے۔ (دیکھئے عنوان زَوْجٌ)

۲۔ زیرِ نظر عنوان میں ہم انہی آیات کو سامنے لائیں گے جن میں عورت کی عمومی حیثیت (AS A WOMAN) کا ذکر آیا ہے۔ "بیوی" کی حیثیت سے عورت کا ذکر زوج کے عنوان میں بھی آیا ہے۔ نیز "عائلی زندگی" کے عنوان میں۔ نکاح۔ طلاق – عدت ۔ مہر وغیرہ کے متعلق گفتگو متعلقہ عنوانات میں کی گئی ہے۔ عورت اور مرد کی پیدائش کے سلسلہ

میں عنوان "انسان" دیکھئے۔

۲۔ قرآن کریم میں "ذکر" (نر۔ مذکر) کے مقابلہ میں اُنثیٰ (مادہ۔ مؤنث) کے الفاظ آئے ہیں۔ (بنین۔ بیٹے کے مقابلے میں اناث۔ بیٹیاں) اس عنوان میں عورت کا ذکر بہ حیثیت تانیث (FEMALE) بھی آجائے گا۔ بنیادی طور پر "انثیٰ" کے معنی ضعیف اور کمزور کے ہوتے ہیں یا نرم ونازک کے۔

نساء کا لفظ بیوی کے معنوں میں

۱۔ نساء المؤمنین سے کہو کہ وہ اپنے جلباب اوپر اوڑھ لیا کریں۔ (۵۹ : ۳۳)۔ لیکن مفہوم یہ بتاتا ہے کہ یہاں نساء المؤمنین سے مراد صرف مومنوں کی بیویاں نہیں، عام مومن عورتیں ہیں۔

۲۔ نساء النبیؐ عام عورتوں جیسی نہیں تھیں۔ ان کی ذمہ داریاں زیادہ تھیں (۳۲ : ۳۳)۔ اگر ان میں سے کسی سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس کی (عام عورتوں کے مقابلہ میں) دگنی سزا تھی۔ (۳۰ : ۳۳)

۳۔ حیض کے ایام میں عورتوں سے الگ رہو۔ (۲ : ۲۲۲)

۴۔ جب تم عورتوں کو طلاق دو ۔۔۔۔ (۲۳۲-۲۳۱ : ۲)۔ (۲۳۵-۲۳۴ : ۲)

۵۔ عورتوں کو مہر دیدو۔ (۴ : ۴)۔ ان کی عدت (۶۵ : ۴)

۶۔ عورتوں سے بے حیائی کی باتیں ظاہر ہوں تو ۔۔۔۔ (۱۵ : ۴) - (۷)۔ اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔ (۳ : ۴)

۸۔ عورت سے مباشرت کی صورت میں غسل ضروری ہے۔ (۴۳ : ۴)-(۶ : ۵)

۹۔ عورتوں کو طلاق۔ (۱ : ۶۵) — (۱۰) بیویوں میں عدل۔ (۱۲۹ : ۴)

۱۱۔ قوم لوطؑ اپنی بیویوں (عورتوں) کو چھوڑ کر مردوں کی طرف مائل ہوتی تھی۔ (۸۱ : ۷)-(۵۵ : ۲۷)

۱۲۔ بیوی بچوں کی محبت درجۂ جاذبیت ہے۔ (۱۴ : ۳)

۱۳۔ تمہاری بیویاں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں۔ سو جس طرح کھیتی میں تخم ریزی کی جاتی ہے، ان کے پاس بھی اس وقت جاؤ جب تخم ریزی مطلوب ہو۔ (۲۲۳ : ۲) - (۱۴)۔ اپنی بیوی کی ماں سے نکاح مت کرو۔ (۲۳ : ۴)

۱۵۔ رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانے کی ممانعت نہیں۔ (۱۸۷ : ۲)

۱۶۔ ان بیویوں کی (سابقہ شوہر سے) لڑکیوں سے نکاح حرام ہے جن سے خلوت کی جاچکی ہو۔ (۲۳ : ۴)

۱۷۔ بیویوں سے ظہار (۲-۳ : ۵۸)۔ ایلاء (۲۲۶ : ۲)

عورت کی خصوصیات

۱۔ تمام انسانوں کو نفسِ واحدہ سے پیدا کیا۔ یعنی زندگی کے اولین جرثومہ سے جس میں ہنوز تانیث و تذکیر کا بھی امتیاز نہیں تھا۔ پھر اس سے اس کا جوڑہ (زوج) بنایا۔ اور ان دونوں سے بکثرت رجال اور نساء پھیلا دیئے۔ یعنی مرد اور عورت کی تخلیق نفسِ واحدہ سے ہوئی۔ لہٰذا، پیدائش کے اعتبار سے (بہ حیثیت انسان) ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ (۱ : ۴) خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا۔ (۳۰ : ۲۱)۔ اس سے ظاہر ہے کہ "نفسِ واحدہ سے اس کی زوج پیدا کرنے کے سلسلہ میں جو سمجھا جاتا ہے کہ آدم کی پسلی سے اس کی بیوی پیدا کی گئی" وہ صحیح نہیں۔ یہاں من انفسکم تمام انسانوں کے لئے آیا ہے۔ اس کے معنی "تمہاری ہم جنس" ہیں۔ نیز دیکھئے۔ (۳۵ : ۱۱) اور عنوان آدم۔

۲۔ الناس کو ذکر اور انثٰی سے پیدا کیا۔ (۴۹ : ۱۳)

۳۔ خدا نے عورت اور مرد دونوں کو پیدا کیا۔ (۵۳ : ۴۵) - (۷۵ : ۳۹) - (۹۲ : ۳)

۴۔ رسول ہمیشہ مرد ہوتے تھے۔ (۱۲ : ۱۰۹) - (۱۶ : ۴۳) - (۲۱ : ۷)

اسلام میں عورت کی پوزیشن

۱۔ ترکہ میں عورتوں کا حصہ۔ (۴ : ۷) - (۴ : ۱۱) - (۴ : ۱۷۷)

۲۔ یہ صحیح نہیں کہ عورت کو ہر حالت میں مرد سے نصف حصہ ملے گا۔ (مثلاً) ماں اور باپ کا حصہ (اولاد کے ترکہ سے) برابر برابر ہے۔ (۴ : ۱۱)۔ اسی طرح کلالہ کے ترکہ سے، بہن اور بھائی کا حصہ بھی برابر ہے۔ (۴ : ۱۲)۔ (مزید وضاحت کے لئے عنوان وراثت دیکھئے۔

۳۔ یہ قطعاً حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ (۴ : ۱۹)

۴۔ خانگی زندگی میں، سامانِ رزق کو مہیا کرنا مرد کے ذمہ ہے۔ (کیونکہ اولاد کی پیدائش اور پرورش و تربیت کے سلسلہ میں، عورت اکتسابِ رزق کے کاموں سے معذور ہو جاتی ہے)۔ (۴ : ۳۴)

۵۔ خدا کسی کام کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ یہ ایک دوسرے کا جزو ہیں (یعنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہیں)۔ (۳ : ۱۹۴) - (۴ : ۱۲۴) - (۱۶ : ۹۷) - (۳۳ : ۷۳) - (۴۰ : ۴۰) - (۵۷ : ۱۲)

۶۔ اگر مرد مجرم ہو تو اسی کو اور عورت مجرم ہو تو اسی کو سزا ملے گی۔ (۲ : ۱۷۸)

۷۔ اسلام نے عورت کو نشأۃِ ثانیہ عطا کر کے، اور کا اور بنا دیا، اور وہی عورت جو اس سے پہلے اپنے معاملات کو بھی وضاحت سے بیان نہیں کر سکتی تھی۔ (۱۸ : ۴۳) اب نہایت، فصیح البیان ہو گئی۔ (۳۶-۳۵ : ۵۶)

۸۔ خدا اپنے قانونِ مشیت (طبیعی قانون) کے مطابق بیٹے بھی دیتا ہے اور بیٹیاں بھی۔ اور بیٹے اور بیٹیاں ملے جلے بھی۔ اور بعض کے ہاں اولاد ہوتی ہی نہیں۔ (۵۰ - ۴۹ : ۴۲) - اس لئے بیٹی اور بیٹے میں تفریق کرنا خلافِ قرآن ہے۔ (۹) - حضرت لوطؑ نے قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ (۸۰ : ۱۱) - (۷۱ : ۱۵)

۱۰۔ جو خصوصیات مردوں کی ہیں وہی خصوصیات انہی الفاظ میں، عورتوں کی بیان کی گئی ہیں۔ ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں۔ (۳۵ : ۳۳) - (نیز - ۵ : ۶۶)

۱۱۔ جو کچھ مرد کمائے وہ اس کا حصہ۔ جو عورت کمائے وہ اس کا حصہ۔ (۳۲ : ۴)

۱۲۔ بعض خصوصیات میں مرد افضل ہیں اور بعض میں عورتیں۔ (۳۴ : ۴)

۱۳۔ سرقہ اور زنا کے جرائم میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں سزا۔ (۳۸ : ۵) - (۲ : ۲۴) - (۱۰-۴ : ۲۴)

۱۴۔ بنی آدم سب واجب التکریم ہیں۔ (۷۰ : ۱۷) - اس میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں۔

۱۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اہم فریضہ میں عورت اور مرد دونوں شریک ہیں۔ (۷۱ : ۹)

عورت کی پوزیشن زمانۂ قبل از اسلام میں

۱۔ عمران کی بیوی (حضرت مریم کی والدہ) کے جب لڑکی (حضرت مریم) پیدا ہوئی تو انہیں افسوس ہوا کہ لڑکا کیوں نہیں پیدا ہوا۔ (۳۵ : ۳)

۲۔ وہ لوگ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے تھے اور خدا کے لئے بیٹیاں۔ (۴۰ : ۱۷) - (۱۶ : ۴۳) - (۳۹ : ۵۲) - (۲۱ : ۵۳) - وہ ملائکہ کو دیویاں قرار دیتے تھے۔ (۱۱۷ : ۴) - (۱۵۰ : ۳۷) - (۱۵۳ : ۳۷) - (۱۹ : ۴۳) - (۲۷ : ۵۳) - حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تھی تو غم کے مارے اس کا رنگ سیاہ پڑ جاتا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ اسے زندہ رکھ کر ذلت برداشت کروں یا زندہ دفن کردوں۔ کتنا برا ہوتا تھا ان کا یہ فیصلہ — (۵۹ : ۱۶) - (۱۷ : ۴۳)

۳۔ عورت کو اس حالت میں رکھا جاتا تھا کہ وہ اپنے معاملہ کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ (۱۸ : ۴۳)۔ اسی لئے شہادت کے سلسلہ میں کہا گیا تھا کہ ایک عورت کے ساتھ دوسری عورت بھی مقرر کرلینی چاہیئے کہ اگر ایک گھبرا جائے

تو دوسری اسے بات یاد دلا دے۔ (۲۸۲ : ۲) - ظاہر ہے کہ اگر شہادت دینے والی عورت گھبرائے نہیں تو پھر دوسری عورت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام میں، دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔ (۴)۔ خدا کے بیٹے بیٹیوں کا عقیدہ باطل تھا۔ (۱۰۱ : ۶)

۵۔ قوم سبا میں حکمران ایک عورت تھی۔ (۲۳ : ۲۷)

متفرق

۱۔ حضرت مریم کو نساء العالمین پر برگزیدگی عطا فرمائی۔ (۴۱ : ۳)

۲۔ عورتیں ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔ (یہاں نساء کا لفظ قوم کے مقابلہ میں آیا ہے۔ (۱۱ : ۴۹) ۔ یعنی عربوں کے ہاں قوم میں عورتیں شامل نہیں ہوتی تھیں)

۳۔ نکاح میں نساء المؤمنات (اور رجال مؤمنون)۔ (۲۵ : ۴۸)۔ (۴)۔ محصنات من النساء ۔شادی شدہ عورتیں۔ (۲۴ : ۴)

۵۔ یتامیٰ النساء۔ بغیر شوہر کے عورتیں۔ خواہ بیوہ ہو یا شادی کی عمر تک پہنچنے کے بعد کتخدا۔ (۱۲۷ : ۴)

۶ نسائھن۔ یعنی اپنی جاننے پہچاننے والی عورتیں۔ یا خادمائیں۔ (۳۱ : ۲۴)

۷۔ عورات النساء ۔عورتوں سے متعلق پرائیویٹ باتیں۔ (۳۱ : ۲۴)

۸۔ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے شادی کی ہو ان سے نکاح مت کرو۔ (۲۲ : ۴) ۔ (۹) ۔ القواعد من النساء۔ بوڑھی عورتیں۔ (۶۰ : ۲۴) ۔ (۱۰) ۔ مکے کے کمزور مرد۔ عورتیں۔ بچے تمہیں مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔ (۷۵ : ۴)

۱۱۔ فرعون، بنی اسرائیل کے ابناء کو قتل (ذلیل وخوار) کیا کرتا تھا اور ان کی نساء کو زندگی عطا کرتا تھا۔ (یعنی جن لوگوں میں جوہر مردانگی کے آثار دیکھتا، انہیں ذلیل وخوار کرتا، اور جو ان خصوصیات سے عاری ہوتے انہیں بڑھاتا چڑھاتا۔ (۴۹ : ۲) ۔ (۱۲۷ : ۷) ۔ (۱۴۱ : ۷) ۔ (۶ : ۱۴) ۔ (۴ : ۲۸) ۔ (۲۵ : ۴۰)

۱۲۔ وہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں۔ (۴ : ۶۵)

۱۳۔ عیسائی مباحثہ کرنے والوں سے آخری حجت کہ تم اور ہم اپنے ابناء اور نساء کو الگ کر لیں۔ باہمی قطع تعلق کر لیں۔ (۶۰ : ۳) ۔ (۱۴) ۔ داستان حضرت یوسفؑ میں عورتوں کے مکر۔ (۲۸ : ۱۲) ۔ (۳۰ : ۱۲) ۔ (۵۰ : ۱۲)

۱۵۔ پردے کے احکام میں عام عورتوں کا ذکر۔ (۳۱ : ۲۴) ۔ (۵۵ : ۳۳)

(۰)

عہد (معاہدہ ۔ وعدہ)

قرآن کریم میں عہد یا معاہدہ کے لئے عہد ۔ وعدہ ۔ عقد (جمع عقود) یا میثاق کے الفاظ آئے ہیں اور اس نے وعدہ وفائی یا ایفائے عہد پر بڑا زور دیا ہے اس لئے کہ افراد میں باہمی اعتماد اور اقوام میں امن اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے کہ وعدوں کو وفا اور معاہدات کا احترام کیا جائے ۔ خود خدا نے اپنے متعلق بھی کہا ہے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔ خدا کے وعدے درحقیقت وہ قوانین ہیں جن کے مطابق نظامِ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے اور انسانی اعمال اپنے نتائج مرتب کرتے ہیں ۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ قوانین اٹل اور غیر متبدل ہوں ۔ "خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا" سے یہی مقصود ہے ۔

۲۔ آنے والے انقلاب یا قیامت کے متعلق بھی الوعد کا لفظ آیا ہے ۔ لیکن اس کا ذکر زیرِ نظر عنوان میں نہیں کیا گیا ۔

۳۔ "خدا کے وعدوں" کے لئے ایک لفظ وعید بھی آیا ہے ۔ اس کا استعمال بالعموم انسان کے غلط اعمال کے ہلاکت انگیز نتائج کے لئے ہوتا ہے ۔

خدا کے وعدے

۱۔ اے بنی اسرائیل ! تم اپنا وعدہ پورا کرو ۔ میں اپنے وعدے پورے کرونگا ۔ (۲ : ۴۰)

۲۔ خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔ (۲ : ۸۰) ۔ (۳ : ۸) ۔ (۳ : ۱۹۳) ۔ (۴ : ۲۲) ۔ (۶ : ۱۳۵) ۔
(۱۰ : ۴) ۔ (۱۰ : ۵۵) ۔ (۱۱ : ۴۵) ۔ (۱۳ : ۳۱) ۔ (۱۷ : ۵) ۔ (۱۸ : ۲۱) ۔ (۱۸ : ۹۸)
(۳۰ : ۶) ۔ (۳۰ : ۶۰) ۔ (۳۱ : ۹) ۔ (۳۱ : ۳۳) ۔ (۳۵ : ۵) ۔ (۳۹ : ۲۰) ۔ (۳۹ : ۷۴)
(۴۰ : ۵۵) ۔ (۴۰ : ۷۷) ۔ (۴۵ : ۳۲) ۔ (۴۶ : ۱۶-۱۷) ۔ (۵۱ : ۵) ۔ (۷۳ : ۱۸) ۔ (۷۷ : ۷) ۔

۳۔ اہلِ جنت خدا کے وعدوں کو برحق پائیں گے ۔ (۷ : ۴۴) ۔ (۲۸ : ۶۱)

۴۔ بنی اسرائیل کے حق میں خدا کی بات (حکمت ربانیہ) پوری ہوئی ۔ (۷ : ۱۳۷)

۵۔ خدا اپنے وعدے پورے کرنے کے لئے سامان پیدا کر دیتا ہے ۔ (۱۲ : ۲۸)

۶۔ خدا اور رسول کے وعدوں پر یقین نہ رکھنے والے منافق ہوتے ہیں ۔ (۳۳ : ۱۲) ۔ مومن ان پر یقین رکھتے ہیں ۔ (۳۳ : ۲۲)

۷۔ نزولِ قرآن پہ اربابِ علم کا اعلان کہ خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہنا تھا۔ (۱۰۸ : ۱۷)

۸۔ متقیوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے (۳۵ : ۱۳) - (۱۵ : ۲۵) - (۱۵ : ۴۷) - اس وعدے کے متعلق خدا سے بھی پوچھا جا سکتا ہے۔ (۱۵ : ۲۵)

۹۔ مجاہدین وغیرہ کے لئے خدا کے خوشگوار وعدے۔ (۹۵ : ۴) - (۱۰ : ۵۷)

۱۰۔ خدا کا وعدہ کہ ایمان و اعمالِ صالح کا نتیجہ جنت ہوگا: (۹ : ۵) — (۹ : ۷۲) - (۱۹ : ۶۱) - (۸ : ۴۰) - (۲۹ : ۴۸) - استخلاف فی الارض۔ (۵۵ : ۲۴) - مغانم کثیرہ - (۲۰ : ۴۸)

۱۱۔ منافقین کے لئے جہنم کا وعدہ - (۶۸ : ۹) - کفار کے لئے بھی - (۷۲ : ۲۲)

۱۲۔ شیطان اہلِ جہنم سے کہے گا کہ خدا نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ حق نکلا۔ لیکن میں نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ باطل ثابت ہوا۔ (۱۴ : ۲۲)

۱۳۔ بعث بعد الموت، خدا کا وعدہ ہے۔ (۳۸ : ۱۶) - (۳۶ : ۲۳) - (۸۳ : ۲۳) - (۶۸ : ۲۷) — (۵۲ : ۳۶) - (۱۴) - تمام انبیاء کے ساتھ خدا نے اپنے وعدے سچے ثابت کئے۔ (۹ : ۲۱)

۱۵۔ مومن، اپنا جان و مال خدا کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ اور خدا انہیں جنت عطا کر دیتا ہے۔ یہ سچا وعدہ توریت، انجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ (۱۱۱ : ۹)

۱۶۔ تخلیقِ کائنات کا اعادہ خدا کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ (۱۰۴ : ۱۲)

۱۷۔ حسنِ عمل کے نتیجہ میں خدا نے عمدہ وعدہ کر رکھا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ (۶۱ : ۲۸)

۱۸۔ جنت کا وعدہ ایسا ہے جس کے متعلق خدا سے بھی پوچھا جا سکتا ہے۔ (۱۶ : ۲۵)

۱۹۔ مومنین کی دعائیں کہ اے خدا! جو تم نے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے وعدہ کیا تھا، اسے پورا کر۔ (۱۹۴ : ۳)

۲۰۔ خدا نے حضورؐ سے جو وعدے کئے تھے وہ آپ کی زندگی میں بھی پورے ہو سکتے تھے اور بعد بھی۔ (۴۹ : ۱۰) - (۴۰ : ۱۳) - (۱۰۹ : ۲۱) - (۹۳ : ۲۳) - (۷۷ : ۴۰) - (۴۲ : ۴۳) - (۲۵ : ۷۲)

۲۱۔ جنگ میں کامیابی خدا کے وعدے کے مطابق تھی۔ (۱۵۱ : ۳)

۲۲۔ اس کا خیال تک بھی نہ کرو کہ خدا نے جو وعدے رسولوں سے کر رکھے ہیں، وہ غلط ثابت ہوں گے۔ (۴۷ : ۱۴)۔

۲۳۔ مخالفین پر عذاب آکر رہے گا۔ لیکن اس میں وقت لگے گا۔ خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے۔ (۴۷ : ۲۲)

۲۴۔ جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ (۶۱ : ۱۹) - (۱۰۳ : ۲۱) - (۵۳ : ۳۸) - (۳۰ : ۴۱) - (۱۶ : ۴۶) - (۳۲ : ۵۰)

(جہنم جس کا وعدہ کیا گیا تھا - (۶۳ : ۳۶)

۲۵۔ آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ (۲۲ : ۵۱)

۲۶۔ اہلِ کتاب کہتے تھے کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم سوختنی قربانی نہیں دیکھ لیں گے۔ کیونکہ اس کا ہم سے خدا نے عہد کر رکھا ہے۔ (۱۸۲ : ۳)

۲۷۔ ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کر رکھا تھا۔ (۵۱ : ۲) - (۱۴۲ : ۷)

۲۸۔ حضرت موسیٰ کی زبانی خدا کے عہد۔ (۱۳۴ : ۷) - (۴۹ : ۴۳)

۲۹۔ خدا کے خوشگوار وعدے ظالمین کے ساتھ نہیں ہوتے۔ (۱۲۴ : ۲)

۳۰۔ کیا تم لوگوں نے خدا سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔ (۷۸ : ۱۹) - (۸۷ : ۱۹) -

وعید

۱۔ وعیدِ خداوندی سے ڈرنے والے۔ (۱۴ : ۱۴) - (۴۵ : ۵۰)

۲۔ مخالفین نے رسولوں کی تکذیب کی اور خدا کی وعید سچی ثابت ہو گئی۔ (۶۵ : ۱۱) - (۳۱ : ۱۳) - (۱۴ : ۵۰)

۳۔ نفخِ صور کے بعد یوم الوعید۔ (۲۰ : ۵۰) - (۴)۔ خدا نے پہلے سے وعید دے رکھی تھی۔ (۲۸ : ۵۰)

۵۔ قرآن میں وعید، بار بار لائے گئے ہیں۔ (۱۱۳ : ۲۰)

۶۔ جس دن کا کفار سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ان کی تباہی کا دن ہے۔ (۷۵ : ۱۹) - (۹۷ : ۲۱) - (۲۰۶ : ۲۶)
(۸۳ : ۴۳) - (۳۵ : ۴۶) - (۶۰ : ۵۱) - (۴۲ : ۷۰) - (۴۴ : ۷۰) - (۲۴ : ۷۲)

۷۔ مہلت کے وقفہ میں مخالفین بار بار کہتے تھے کہ جس تباہی کا تم وعدہ کرتے ہو اسے لے کیوں نہیں آتے۔ (۷۰ : ۷)
(۷۷ : ۷) - (۴۸ : ۱۰) - (۳۲ : ۱۱) - (۳۸ : ۲۱) - (۷۱ : ۲۷) - (۴۸ : ۳۶) - (۲۸ : ۴۰)
(۲۲ : ۴۶) - (۲۵ : ۶۷) - (۲۵ : ۷۲)

۸۔ بنی اسرائیل کی دو تباہیوں کے وعدے۔ (۵ : ۱۷) - (۷ : ۱۷) - (۱۰۴ : ۱۷)

میثاق الانبیاءؑ و جماعتِ مومنین

۱۔ جماعتِ مومنین کا خدا کے ساتھ عہد۔ (۷ : ۵)۔ اس عہد کو پورا کرو۔ (۱۵۲ : ۶) - (۲۰ : ۱۳)

۴۔ حضرت اسماعیلؑ صادق الوعد تھے۔ (۱۹ : ۵۴) - (۳) - اپنے عہد کی رعایت رکھنے والے مومن کامیاب ہیں ——
(۲۳ : ۸) - (۷۰ : ۳۲) - (۴) - خدا نے تمام انبیاء بشمول نبی اکرمؐ سے میثاق لیا - (۳ : ۸۱) - (۳۳ : ۷) -

۵۔ بنی آدم سے عہد کر دہ شیطان کی عبودیت اختیار نہیں کریں گے۔ (صرف خدا کی عبودیت اختیار کریں گے - یعنی نوعِ انسان کی طرف خدا بذریعہ وحی یہ حکم بھیجتا رہا ہے - (۳۶ : ۶۰)

۶۔ بیعت ایک معاہدہ ہے جو خدا اور رسول کے ساتھ کیا جاتا ہے - اس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے - (۴۸ : ۱۰)

۷۔ خدا نے جماعتِ مومنین سے میثاق لیا تھا - اسے پورا کرنا ضروری تھا - (۸ : ۵۷)

۸۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو حکم دیا (عہدنا) کہ وہ کعبہ کی تطہیر کریں - (۲ : ۱۲۵)

ایفائے عہد کی عمومی تاکید

۱۔ اے بنی اسرائیل! تم اپنا وعدہ پورا کرو - خدا اپنا وعدہ پورا کرے گا - (۲ : ۴۰)

۲۔ نیکی ان کی ہے جو وعدہ پورا کرتے ہیں - - (۲ : ۱۷۷)

۳۔ جو اپنا عہد پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے - تو اللہ متقین کو پسند کرتا ہے - (۳ : ۷۵) - (۱۱۱ : ۹)

۴۔ اپنے وعدوں کو پورا کرو - (۵ : ۱) - (۵) عقلمند وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو نہیں توڑتے -
(۱۵۳ : ۶) - (۲۰ : ۱۳) - (۹۱ : ۱۶)

۶۔ اپنے عہد کو پورا کرو - اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا - (۱۷ : ۳۴) - (۱۵ : ۳۳)

۷۔ اللہ کے ساتھ جو عہد کیا جائے، اس کی بابت بھی پوچھا جائے گا - (۱۵ : ۳۳)

۸۔ جو اللہ کیساتھ اپنا عہد پورا کرے گا، اسے اجرِ عظیم دیا جائے گا - (۱۰ : ۴۸)

۹۔ اگر تم مومن ہو تو اپنا عہد پورا کرو - (۷ : ۵) - (۸ : ۵۷) - (۱۰) - مومن اپنا عہد پورا کرتے ہیں (۱۷۷ : ۲)
(۲۳ : ۲۳) - (۱۱) - خدا کے ساتھ جو عہد کرو گے اس کی بابت پوچھا جائے گا - (۳۳ : ۱۵)

۱۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر رکھا تھا جسے وہ پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے - (۱۱۴ : ۹)

بین الاقوامی معاہدات

۱۔ تمہارا دشمن جس کے ساتھ جنگ ہو اگر اس قوم میں چلا جائے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے، تو پھر اس کے خلاف

کچھ نہیں کیا جا سکتا ۔ (۴ : ۸۹ - ۹۰)

۲۔ اگر مومن مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کی دیت ۔ (۴ : ۹۲)

۳۔ اگر کسی جگہ کے مومن مدد طلب کریں تو ان کی مدد ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ کسی ایسی قوم میں ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہے تو اس معاہدہ کو مقدم سمجھا جائے گا ۔ (۸ : ۷۲)

۴۔ حجِ اکبر کے دن مشرکین سے انقطاعِ تعلقات کا اعلانِ عام ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تاکید کہ جن لوگوں سے تمہارے معاہدات ہیں، تو ان کی میعاد ختم ہونے تک معاہدہ کے مطابق عمل کیا جائے گا ۔ (۹ : ۳-۴) - (۹ : ۷)

۵۔ اگر کسی معاہد قوم کی طرف سے نقضِ عہد کا اندیشہ ہو تو تم یونہی معاہدہ فسخ نہ کر دو ۔ بلکہ پہلے انہیں اس سے متنبہ کر کے معاہدہ لوٹا دو تاکہ اس طرح وہ اور تم ایک سطح پر آجاؤ ۔ (۸ : ۵۸)

۶۔ عہد شکن قوم کے خلاف جنگ ۔ (۹ : ۱۲ : ۱۳)

انفرادی وعدے

۱۔ اے جماعتِ مومنین ۔ اپنے وعدوں کو پورا کرو ۔ (۵ : ۱) - (۲) - اپنی قسموں کو پورا کرو ۔ (۱۶ : ۹۱)

۲۔ عہد کو پورا کرو ۔ اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا ۔ (۱۷ : ۳۴)

عہد شکنی

۱۔ فاسق وہ ہیں جو اس عہد کو توڑتے ہیں جو انہوں نے خدا سے کیا ہے ۔ (۲ : ۲۷) - (۱۳ : ۲۵)

۲۔ بنی اسرائیل اپنے میثاق سے پھر گئے ۔ (۲ : ۶۳-۶۴) - (۲ : ۸۳-۸۴) - (۲ : ۹۳) - (۴ : ۱۵۴-۱۵۵) (۵ : ۱۲-۱۳) - (۵ : ۷۰) - (۷ : ۱۶۹) - قوم معاہدہ کرتی اور ان کا ایک فریق اسے توڑ دیتا ۔ (۲ : ۱۰۰) - (۵ : ۱۲ - ۱۳) - نصاریٰ سے عہد - (۵ : ۱۴)

۳۔ عہدِ خداوندی کو دنیاوی مفاد کے عوض بیچ دینے والے ۔ (۳ : ۷۶) - (۳ : ۱۸۶) - (۱۶ : ۹۵)

۴۔ اکثر لوگ عہد شکنی کرتے ہیں ۔ (۷ : ۱۰۲) - (۵) - عہد شکنی کرنے والے شر الدواب ہیں ۔ (۸ : ۵۶)

۶۔ عہدِ خداوندی کو توڑنے والے ملعون ہیں ۔ (۱۳ : ۲۵) - ان پر عذاب آتا ہے ۔ (۹ : ۷۵ - ۷۷)

۷۔ اپنے عہد کو پورا کرو توڑو نہیں ۔ (۱۶ : ۹۱) - (۸) آدم سے ایک عہد لیا ۔ لیکن وہ صاحبِ عزم نہ نکلا ۔ اس نے اُسے فراموش کر دیا ۔ (۲۰ : ۱۱۵)

متفرق

۱۔ شیطان تنگدستی کے وعدے کرتا ہے اور فحشا کا حکم دیتا ہے۔ (۲ : ۲۶۸) - اور اللہ مغفرت اور فضلِ عظیم کا وعدہ۔

۲۔ جنگِ بدر سے پہلے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ قریش کی فوج یا ان کے قافلہ میں سے ایک پر مسلمانوں کا غلبہ ہو جائیگا۔ (۸ : ۷)

۳۔ شیطان کے فریب انگیز وعدے۔ (۴ : ۱۲۰) - (۱۷ : ۶۴) - (۴) - یومِ موعود - تباہی کا دن۔ (۸۵ : ۲)

۵۔ مَوْعِدٌ کے معنی تباہی کا وقت یا مقام ہے۔ نیز جس بات کو بھی طے کر لیا جائے۔ جن آیات میں یہ لفظ آیا ہے۔ وہ متعلقہ عنوانات میں ملیں گی۔

حضرت عیسیٰؑ (مسیحؑ)

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کے لئے "عیسیٰ" اور "مسیح" دونوں الفاظ آئے ہیں۔ نیز انہیں "ابنِ مریم" کہہ کر بھی پکارا گیا ہے۔ سامی اقوام میں یہ عام رواج تھا (اور خود ہمارے ہاں، بالخصوص دیہات میں بھی رواج ہے) کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہو، اولاد کو اسی کی طرف منسوب کرکے پکارتے ہیں۔ حضرت مریمؑ نے خانقاہیت کے جس باطل نظام کو توڑ کر یہودی معاشرہ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا اس کی وجہ سے ان کی شہرت عام ہو گئی تھی۔ ان کے مقابلہ میں ان کے شوہر (انجیل میں جن کا نام یوسف نجار آیا ہے) کسی شہرت کے مالک نہیں تھے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰؑ کو ابنِ مریم کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (حضرت موسیٰؑ کے تذکرہ میں آپ دیکھئے "اُمِّ موسیٰؑ" کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ نیز حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ کو یَا ابْنَؤُمَّ (اے میری ماں کے بیٹے) کہہ کر پکارتے ہیں۔ (۲۰ : ۹۴) - اس سلسلہ میں عنوان "مریم" بھی دیکھئے۔

حضرت عیسیٰؑ کو انجیل دی گئی تھی۔ اس کے متعلق عنوان "انجیل" دیکھئے۔

۲۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تفصیلی حالات میری کتاب "شعلۂ مستور" میں ملیں گے۔

کوائف حیات

۱۔ حضرت مریمؑ کو ایک لڑکے کی پیدائش کی بشارت۔ لڑکے کی خصوصیات۔ (۳ : ۴۴ - ۴۶)

۲۔ یہودیوں کی خفیہ تدبیریں۔ خدا نے کہا کہ میں تجھے وفات دوں گا اور تیرے درجات بلند کروں گا۔ اور تیرے متبعین، تیرے مخالفین پر غالب رہیں گے قیامت تک۔ (۳ : ۵۳-۵۷) - (۳) حضرت عیسیٰؑ مثلِ آدم تھے یعنی ہر آدمی کی طرح ان کی پیدائش ہوئی تھی۔ (۳ : ۵۸)

۴- یہودیوں نے نہ حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا۔ نہ صلیب دیا۔ وہ اس باب میں سخت اشتباہ میں رہے۔ بلکہ خدا نے ان کے درجات بلند کر دیئے۔ ہر اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان لائے گا۔ (۱۵۷ - ۱۵۹ : ۴)

۵- حضرت عیسیٰؑ کا خدا کے سامنے بیان کہ جب تک میں ان میں رہا، ان کی نگرانی کرتا رہا۔ جب تو نے مجھے وفات دیدی تو اس کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ (۱۱۷ : ۵)۔ (۶) - پیدائشِ حضرت عیسیٰؑ سے متعلق تفصیل - (۲۹-۱۶ : ۱۹)

۷- قرآن کا اعلان کہ سب رسول کھانا کھاتے تھے اور کسی کو بھی دنیا میں حیاتِ جاوید نہیں ملی۔ (۸-۷ : ۲۱)-(۳۵-۳۴ : ۲۱)

۸- حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ آیۃ للعالمین تھے۔ (۹۱ : ۲۱) - ان کی ربوہ کی طرف ہجرت - (۵۰ : ۲۳)

۹- حضرت عیسیٰؑ علم للساعت تھے۔ یعنی رسول اللہ کے ہاتھوں رونما ہونے والے انقلاب کی نشانی۔ (۶۱ : ۴۳)

آپؑ کی تعلیم

۱- آپ کو بیّنٰت دیں۔ اور روح القدس کی تائید۔ (۸۷ : ۲)-(۲۵۳ : ۲)

۲- خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو کتاب و حکمت یعنی تورات و انجیل کی تعلیم دی۔ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ نے اس مردہ قوم کو جس طرح دوبارہ زندگی عطا کرتی تھی، اس کا تشبیہی ذکر۔ حلت و حرمت کے قوانین۔ ایک خدا کی عبودیت کی تعلیم۔ (۵۰-۴۷ : ۳) - (۱۱۰ : ۵) - (۳۱ : ۹)

۳- حضرت عیسیٰؑ کے حواری انصار اللہ تھے۔ (۵۲-۵۱ : ۳) - (۱۴ : ۶۱)

۴- حضرت عیسیٰؑ تورات کی تصدیق کرتے تھے۔ انہیں انجیل دی گئی تھی۔ (۴۷ : ۵)۔ انجیل میں احکام تھے جن کے مطابق اس کے حامل معاملات کا فیصلہ کرتے تھے۔ موجودہ اناجیل میں احکام نہیں ہیں۔

۵- جو حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کو دیا گیا تھا۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ (۱۳۶ : ۲) - (۸۳ : ۳)

۶- بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ وہ صرف خدا کی عبودیت اختیار کریں۔ (۷۲ : ۵)

۷- حواریوں کا مائدۃ من السماء طلب کرنا۔ یعنی وہ رزق جو کسی انسان کا احسان اٹھائے بغیر ملے۔ یہ جشنِ عید کا موجب تھا۔ (۱۱۵-۱۱۲ : ۵) - (۸) حضرت عیسیٰ عبداللہ تھے۔ انہیں کتاب دی گئی تھی۔ وہ نبی تھے۔ اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے۔ (۳۵-۳۰ : ۱۹)

۹- ایک خدا کی عبودیت کی تعلیم۔ لیکن ان کے متبعین نے بعد میں اختلافات پیدا کر لئے۔ (۳۷-۳۶ : ۱۹)-(۶۵-۶۳ : ۴۳)

۱۰- دیگر انبیاء کی طرح حضرت عیسیٰؑ نے بھی اقرار لیا تھا۔ (۷ : ۳۳) - (۱۱) - توحید کی تعلیم۔ (۶۵-۶۳ : ۴۳)

۱۲۔ رہبانیت، حضرت عیسےٰؑ کی تعلیم نہیں تھی۔ آپ کے متبعین نے اسے ازخود وضع کر لیا تھا۔ لیکن اسے بھی نباہ نہ سکے ۔ (۲۷ : ۵۷)۔ (۱۳)۔ آپ نے رسول اللہ (احمدؐ) کی پیش گوئی کی تھی ۔ (۶ : ۶۱)

۱۴۔ تمام انبیاء کی طرح آپ کو کتاب دی گئی جس پر مسلمان بھی ایمان لاتے ہیں ۔ (۱۳۶ : ۲) ۔ (۱۶۳ : ۴) ۔ (۹۱ ۔ ۸۵ : ۶) ۔ (۱۳ : ۴۲)۔ (۱۵)۔ بنی اسرائیل کی طرف رسول ۔ (۶ : ۶۱)

ابنیّت ۔ الوہیت اور تثلیث کے خلاف

۱۔ حضرت عیسےٰؑ صرف اللہ کے رسول ہیں اور خدا کا حکم جسے حضرت مریم کی طرف القا کیا گیا تھا۔ سو اس باب میں غلو مت کرو۔ تثلیث کا عقیدہ مت رکھو۔ نہ ہی انہیں خدا کی اولاد قرار دو۔ حضرت مسیحؑ کو اس باب میں قطعاً عار نہیں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا عبد کہے۔ (۱۷۲ ۔ ۱۷۱ : ۴)

۲۔ مسیحؑ کو خدا بنا لینا کفر ہے۔ اگر خدا اس کا ارادہ کر لیتا کہ مسیحؑ اور اس کی والدہ کو ہلاک کر دیا جائے تو اسے اس سے کون روک سکتا تھا ۔ (۱۷ : ۵) ۔ (۷۲ ; ۷۳ ; ۵)

۳۔ حضرت مسیحؑ صرف خدا کے رسول تھے۔ وہ اور اس کی والدہ، کھانا کھاتے تھے (اس لئے وہ خدا یا فوق البشر کیسے ہو سکتے تھے)۔ (۷۵ : ۵) ۔ (۴)۔ حضرت عیسیٰؑ کا (قیامت کے دن) عیسائیوں کے باطل عقائد سے انکار۔ (۱۲۰ ۔ ۱۱۶ : ۵)

۵۔ ابنیّت کے عقیدہ کی تردید۔ (۱۰۲ : ۶) ۔ (۳۱ ۔ ۳۰ : ۹) ۔ (۳۵ : ۹)

۶۔ حضرت عیسےٰؑ خدا کے عبد تھے ۔ (۵۹ : ۴۳)

متفرق

۱۔ عیسائیوں کے وفد کے ساتھ آخری حجت کے بعد انقطاع تعلقات (مباہلہ) ۔ (۶۰ : ۳)

۲۔ بنی اسرائیل پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسےٰؑ نے لعنت کی تھی ۔ (۷۸ : ۵)

۳۔ جب قرآن میں حضرت عیسےٰؑ کا ذکرِ خیر آیا تو مشرکین عرب نے اعتراض کیا کہ ہمارے معبودوں کی تکذیب کی جاتی ہے اور عیسائیوں کے معبود کی تعریف۔ اس کا جواب کہ وہ ہمارا ایک عبد تھا۔ (۵۹ ۔ ۵۷ : ۴۳)

—(٠)—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غ

۱۔ غضب

غَضَبٌ کے بنیادی معنی شدت اور قوت کے ہیں۔ چنانچہ شیر کو غضبٌ کہتے ہیں۔ اسی سے اس کے معنی غصّہ کی شدت سے بھڑک اٹھنے کے آتے ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ خدا کے لئے بولا جائے گا تو اس سے مراد خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے گرفت اور مواخذہ۔ یا غلط کاموں کے تباہ کن نتائج کے ہوں گے۔ اس سے قومیں تباہ ہوتی ہیں اور مغضوب علیہ کہلاتی ہیں۔ "مغضوب علیہم"۔ منعم علیہم کی ضد ہے۔ اس سے غضب کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ خدا کے لئے غضب بمعنی غصہ یا اشتعال کبھی استعمال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ غصہ یا اشتعال انسانی جذبات ہیں جن سے خدا بلند ہے۔ نیز غصّہ اور اشتعال کو تو مومنین کیلئے بھی عمدہ خصائل میں شمار نہیں کیا گیا۔ پھر خدا کے لئے یہ کیسے صفتِ حسنٰی ہوسکے گی! اس لئے اس سے مراد خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت ہے۔

بعض آیات میں غضب کی بجائے سخطَ کا لفظ بھی آیا ہے۔

غضب کی تشریح

۱۔ مغضوب علیہم، قرآن میں صرف ایک جگہ آیا ہے۔ (۶ : ۱) ۔ (۲)۔ دنیاوی زندگی میں ذلت، غضبِ الٰہی ہے۔ (۱۵۲ : ۷)
۳۔ بنی اسرائیل پر ذلت و مسکنت کا عذاب۔ (۶۱ : ۲) ۔ (۱۱۱ : ۳)

۴۔ قومِ نوح کی غرقابی غضب و رجس تھی۔ (۱۷ : ۷)۔ (۵) کسی قوم کی جڑ کٹ جانا غضب ہے۔ (۲ : ۷)
۶۔ قردۃ ۔ خنازیر و عبد الطاغوت بنا دینا۔ (۶۰ : ۵)۔ (۷)۔ مغضوب علیہ تباہ ہو جاتا ہے۔ (۸۱ : ۲۰)
۸۔ جس پر خدا کا غضب وارد ہو جائے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ (۸۱ : ۲۰)۔ (۸۶ : ۲۰)

غضب کے مستوجب کون ہیں

۱۔ ایمان کے بعد بطیبِ خاطر کفر اختیار کرنے والے۔ (۱۰۶ : ۱۶)۔ (۲)۔ گوسالہ پرستی سے۔ (۱۵۲ : ۷)۔ (۸۶ : ۲۰)
۳۔ دعوت پہنچ جانے کے بعد اللہ کے بارے میں جھگڑے نکالنا۔ (۱۶ : ۴۲)
۴۔ منافقین پر غضب۔ ان سے دوست داری رکھنے والوں پر غضب۔ (۱۴ : ۵۸)۔ (۱۳ : ۶۰)
۵۔ محض حسد کی بنا پر قرآن سے انکار کرنے والے۔ (۹۰ : ۲)
۶ میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ اٹھنے والے۔ (۱۶ : ۸)
۷۔ غیر اللہ کی معبودیت سے (قومِ نوح کے سلسلہ میں) ۔ (۷۱ : ۷)۔ (۸)۔ قتلِ مومن بالارادہ۔ (۹۳ : ۴)
۹۔ منافقین۔ مشرکین۔ جو خدا کے بارے میں بدگمانیاں کرتے ہیں۔ (۶ : ۴۸)
۱۰۔ طیبٰت میں سے کھاؤ۔ اور حدود سے تجاوز نہ کرو۔ ورنہ خدا کا غضب وارد ہو جائے گا۔ (۸۱ : ۲۰)
۱۱۔ لوگ اپنے اعمال سے غضبِ الٰہی کو دعوت دیتے ہیں۔ (۸۶ : ۲۰)

سخط اللہ

۱۔ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ رہنے والا اس جیسا نہیں ہو سکتا جس پر سخط اللہ وارد ہو جائے۔ (۱۶۱ : ۳)۔ (۲۸ : ۴۷)
۲۔ کفار سے دوستی رکھنے والے سخط اللہ کے مستوجب۔ (۸۰ : ۵)۔ یہ سخط اللہ انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔
ماقدمت لھم انفسھم۔ (۸۰ : ۵)
۳۔ رضوان اللہ کے مقابلہ میں ما اسخط اللہ۔ (۲۸ : ۴۷)
۴۔ جو ما انزل اللہ کو ناپسند کریں ان کی بعض امور میں اطاعت بھی سخط اللہ ہے۔ (۲۸ - ۲۵ : ۴۷)
۵۔ لوگوں کے مشتعل ہونے کے معنوں میں۔ (۵۸ : ۹)

متفرق

۱۔ حضرت موسیٰؑ غصہ میں بھرے ہوئے (غضبان) قوم کی طرف آئے۔ (۷ : ۱۵۰)۔ (۷ : ۱۵۴)۔ (۲۰ : ۸۶)

۲۔ لعان کی صورت میں جھوٹے پر خدا کی لعنت اور غضب۔ (۲۴ : ۹ ، ۷)

۳۔ مومن جب غصے میں آتے ہیں تو دوسروں کو معاف کر کے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ (۴۲ : ۳۷)۔ انہیں کاظمین الغیظ بھی کہا گیا ہے۔ (۳ : ۱۳۴)

۴۔ حضرت یونسؑ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ (۲۱ : ۸۷)۔ اسے مکظوم بھی کہا گیا ہے۔ (۶۸ : ۴۸)

۲۔ غلامی۔ غلام اور لونڈیاں

قرآن کریم شرف و احترام انسانیت کا ضامن ہے اس لئے اس کے نزدیک، کسی انسان کا دوسرے انسان کا غلام بن جانا، انسانیت سوز تصور ہے۔ لہٰذا، اسلام میں غلامی کا وجود تو ایک طرف، تصور تک بھی دین کی نقیض ہے لیکن جب قرآن کا نزول ہوا تو اس وقت عربی معاشرہ میں (بلکہ ساری دنیا میں) غلامی کا رواج عام تھا اور عربوں کے ہاں غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔ ان کے ہاں رواج یہ تھا کہ جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدی مردوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتے تھے۔ اور پھر ان کی اولاد پیدائشی طور پر غلام متصور ہوتی تھی۔ قرآن کریم نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق واضح حکم دیدیا کہ انہیں رہا کرنا ہوگا۔ خواہ فدیہ لے کر اور خواہ احساناً (۴۷ : ۴)۔ قرآن نے غلامی کے سرچشمہ کو یوں ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب رہ گئے وہ غلام اور لونڈیاں جو اس وقت عرب معاشرہ میں موجود تھے سو وہ ان کی معاشرتی اور معاشی زندگی کا ایسا جزو بن چکے تھے کہ انہیں ایک دن میں معاشرہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے قرآن نے انہیں آہستہ آہستہ اسلامی معاشرہ میں جذب کر لیا۔ یہ جو ہمیں قرآن کریم میں غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق احکام ملتے ہیں اور جن کیلئے عام طور پر ما ملکت ایمانکم کے الفاظ آتے ہیں، تو یہ انہی غلاموں اور لونڈیوں سے متعلق ہیں جو اس وقت وہاں موجود تھے اور جنہیں تدریجاً جزو معاشرہ بنانا مقصود تھا جب یہ اس طرح جذب ہو گئے تو پھر غلامی کا تصور تک باقی نہ رہا۔ اس کے بعد تاریخ میں جو ہمیں مسلمان بادشاہوں اور امراء وغیرہ کے ہاں غلام اور لونڈیاں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں۔ اسلام نہیں۔ اسلام میں کسی کو غلام بنانے

کی قطعاً اجازت نہیں ۔

قرآن کریم میں ان احکام کی موجودگی کا اب یہ مطلب ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں کسی وقت غلام اور لونڈیاں موجود ہوں، اور وہ معاشرہ اپنے آپ کو اسلامی بنانا چاہے تو وہ اپنے ہاں کے غلاموں اور لونڈیوں کو یوں جزوِ معاشرہ بنائے۔ یہ نہیں کہ مسلمان پہلے، دوسروں کو غلام بنالیں اور پھر قرآن کے ان احکام کے مطابق انہیں آزاد کرتے جائیں۔ ایسا تصور تو تلاعب بالدین ہو جائے گا۔

٢۔ غیروں کی محکومی کو جو غلامی کہا جاتا ہے، اس کے لئے دیگر عنوانات دیکھئے۔

٣۔ قرآن کریم میں غلاموں کے لئے (ما ملکت ایمانکم کے علاوہ) عبد کا لفظ بھی آیا ہے اور رقبۃ کا بھی۔ تحریر رقبۃ کے معنی ہیں غلاموں کو آزاد کرنا۔ اس نے کہا ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنا اور کرانا دین کی اصل ہے۔ (١٧٧ : ٢) ۔ (٦٠ : ٩) ۔ (١۴٣) : ٩٠) ۔ یاد رکھئے۔ قرآن کریم میں ہر جگہ غلاموں کو آزاد کرنے کی تاکید ہے کسی ایک جگہ بھی غلام بنانے کا حکم (یا اجازت) نہیں۔

ما ملکت ایمانکم۔ غلاموں اور لونڈیوں کے لئے

١۔ ما ملکت ایمانکم "جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوں" اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو کچھ مال دے کر انہیں آزاد کر دو۔ اسے مکاتبت کہتے ہیں۔ (٣٣ : ٢۴)

٢۔ ان کے مالک انہیں، اپنے مال و دولت میں شریک نہیں کیا کرتے تھے۔ (یہاں اس کے معنی ماتحت عملہ بھی ہو سکتے ہیں)(٢٨ : ٣٠)

٣۔ مخصوص حالات میں چار بیویوں تک کی اجازت۔ اگر عدل نہ کر سکو تو پھر ایک ہی بیوی یا ما ملکت ایمانکم۔ (٣ : ۴)

۴۔ تمام شوہر والی عورتیں حرام ہیں بجز ما ملکت ایمانکم۔ (٢۴ : ۴)

۵۔ اگر پاک دامن آزاد عورتیں میسر نہ آسکیں تو ما ملکت ایمانکم سے نکاح کر لو۔ باقاعدہ نکاح۔ زن و شوئی کی زندگی بسر کرنے کے لئے۔ نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو۔ اور ان کا مہر بھی ادا کرو۔ (٢۵ : ۴)

٦۔ ما ملکت ایمانکم سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ (غلام و لونڈیاں۔ یا ماتحت عملہ) ۔ (٣٦ : ۴)

٧۔ ازواج یا ملکِ یمین کے علاوہ، جنسی تعلقات ناجائز ہیں۔ (٦-٧ : ٢٣) - (٣٠ : ٧٠)

٨۔ پرائیویسی کے اوقات میں ملکِ یمین اجازت لے کر اندر آئیں۔ (اس کے معنی غلام یا گھر کے ملازم دونوں ہو سکتے ہیں)(٥٨ : ٢۴)

٩۔ رسول اللہ کے لئے ازواج اور ملکِ یمین کی اجازت۔ نیز عام مومنین کے لئے۔ (٥٠ : ٣٣) - (٥٢ : ٣٣)

غلاموں اور لونڈیوں کے لئے مختلف الفاظ

۱۔ جرم قتل کی سزا میں ' حُر (آزاد) کے بدلے حُر اور عبد (غلام) کے بدلے غلام قتل کیا جائے گا۔ (۲ : ۱۷۸)

۲۔ نکاح کے لئے مومن لونڈی (اَمَۃٌ) مشرک (آزاد عورت) سے بہتر ہے اور عبد (غلام) مومن، مشرک (آزاد) مرد سے بہتر ہے۔ (۲ : ۲۲۱) - (۳۲ : ۲۴)

۳۔ تحریر رقبۃ - غلام کا آزاد کرنا۔ (۴ : ۹۲) - (۵ : ۸۹) - (۳ : ۵۸)

۴۔ فی الرقاب - غلام اور قیدی، دونوں معانی میں - (۹ : ۶۰) - (۵) - عبد مملوک - (۵ : ۱۶)

فتیٰتکم - تمہاری لونڈیاں - (۴ : ۲۵) - (۳۳ : ۲۴)

غلاموں کی حالت

۱۔ عبد مملوک کسی شے پر اقتدار نہیں رکھتا تھا۔ (۵ : ۱۶)

۲۔ غلام، آقا کے مال میں شریک نہیں کیا جاتا تھا۔ (۲۸ : ۳۰)

ما ملکت ایمانکم دوسرے معنوں میں

۱۔ تمہارا ماتحت عملہ تمہارے مال میں شریک نہیں ہوتا۔ (یہ اس دور کی بات بتائی گئی ہے) - (۲۸ : ۳۰)

۲۔ ما ملکت ایمانکم کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اس کے معنی ماتحت عملہ بھی ہو سکتے ہیں۔ (۳۶ : ۴)

۳۔ پرائیویسی کے اوقات میں ' ما ملکت ایمانکم اجازت لے کر اندر آئیں۔ اس کے معنی گھر کے ملازم بھی ہو سکتے ہیں (۵۸ : ۲۴)

۴۔ جو عورتیں نکاح میں آچکی ہوں ان کے لئے بھی یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ (۵۲ : ۳۳)

۵۔ تم اپنا زائد از ضرورت مال، اپنے ماتحتوں کو کیوں نہیں دے دیتے۔ (۷۱ : ۱۶)

۶۔ عورتیں اپنی زینت کا اظہار ما ملکت ایمانہن پر کر سکتی ہیں۔ (۳۱ : ۲۴) - (۵۵ : ۳۳)

غلاموں کے متعلق احکام

۱۔ قتل مومن سہواً میں کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ (۹۲ : ۴)

۲ قسم کے کفارہ کے طور پر بھی - (۵ : ۸۹) - (۳) - صدقات، فی الرقاب کے لئے - غلام یا قیدی - (۹ : ۶۰)
۴- اپنے غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کر دیا کرو - (۲۴ : ۳۲)
۵- اپنے غلاموں کو کچھ مال دے کر آزاد کر دیا کرو اگر ان میں آزادانہ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت دیکھو - اسے مکاتبت کہتے ہیں - (۲۴ : ۳۳) - (۶) - اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور مت کرو - (۲۴ : ۳۳)
۷- ظہار کا کفارہ تحریر رقبۃ - (۵۸ : ۳)
۸- فک الرقبۃ - دین کی سخت گھاٹی ہے - (۹۰ : ۱۳) - غلاموں کو چھڑانے کے لئے مال خرچ کرنا اصل نیکی ہے - (۲ : ۱۷۷)
۹- لونڈی کی فحش کاری کی سزا آزاد عورت سے نصف ہے - (۴ : ۲۵)
۱۰- ماملکت ایمانکم کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ - (۴ : ۳۶)

۳- غنی

الغنی - حاجات سے بے نیازی - جسے کسی قسم کی احتیاج نہ ہو وہ غَنِیٌّ کہلاتا ہے - نیز اس کے معنی ہیں کافی ہو جانا یعنی کسی کو ایسا کر دینا کہ اسے کسی اور چیز کی حاجت نہ رہے -

قرآن کریم میں خدا کی ایک صفت الغنی بھی آتی ہے یعنی جسے کسی کی احتیاج نہ ہو - جو ہر قسم کی احتیاج سے مستغنی ہو - جن مقامات میں یہ صفت آتی ہے ان میں سے اہم مقامات کے حوالے ذیل میں دیئے جاتے ہیں -

۱- غنی حمید (۲ : ۲۶۷) - غنی عن العالمین (۳ : ۹۷) - غنی ذو رحمۃ (۶ : ۱۳۴) - غنی کریم - (۲۷ : ۴۰) - غنی عنکم (۳۹ : ۷)

۲- کفار طعن زن ہوتے تھے کہ ہم اغنیاء ہیں اور خدا محتاج ہے - (۳ : ۱۸۱) - کہا کہ غنی درحقیقت خدا ہے - اور تمام نوعِ انسان اس کی محتاج ہے - (۳۵ : ۱۵)

۳- خدا خود غنی ہے اور دوسروں کو غنی کرتا ہے - (۵۳ : ۴۸) - رسول اللہ خوشحال نہیں تھے - خدا نے انہیں اتنا دیا کہ آپ بے نیاز ہو گئے - (۹۳ : ۸)

۴- دولت کی تقسیم ایسے نہ کرو کہ وہ معاشرہ کے اغنیاء کے اندر ہی گردش کرتی رہے - (۵۹ : ۷)

غوایت

غوایت - قرآن کریم میں بھٹک جانے یا گمراہ ہو جانے کے لئے ضلالت اور غوایت ' دونوں الفاظ (اور ان کے اخوات) آئے ہیں - لیکن غوایت میں ' بھٹک جانے کے علاوہ اور معانی بھی آ جاتے ہیں - یعنی دھوکا کھانا - تباہ و برباد ہو جانا - معیشت کا تنگ ہو جانا - زندگی کا خراب ہو جانا - کسی شے میں فساد پیدا ہو جانا - اَلْغَادِیْ - ٹیڑھی دل کو کہتے ہیں -
سورۂ بقرہ میں اَلْغَیُّ - اَلرُّشْدُ کے مقابلہ میں آیا ہے (۲۵۶ : ۲) - جہاں کہا ہے - قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ - یعنی صحیح راستہ اور غلط راستہ دونوں نکھر کر الگ الگ ہو گئے - لہٰذا غوایت ، بنیادی طور پر رشد و ہدایت کی ضد ہے اور اس کے دیگر مفاہیم غلط راہ روی کے نتائج و عواقب - سورہ النجم میں ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی - (۲ : ۵۳) یہاں ضلالت اور غوایت الگ الگ معانی کے لئے استعمال ہوئے ہیں - ضلالت کے معنی میں راستہ کی تلاش میں سرگرداں پھرنا اور غوایت کے معنی ' راستہ پا کر بھٹک جانا - یا دھوکا کھا جانا -

ابلیس اور غوایت

۱- ابلیس نے خدا سے کہا کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا ہے - یا تباہ و برباد کر دیا ہے - (۱۶ : ۷) - تو میں بھی انسانوں کو بھٹکا کر چھوڑ دوں گا - (۳۹ : ۱۵) - (۴۷ : ۱۵) - (۸۲ : ۳۸)
۲- شیطان کے بھائی بند لوگوں کو غوایت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں - (۲۰۲ : ۷)
۳- ابلیس کے متبعین غاوین میں سے ہیں - (۴۲ : ۱۵) - خدا کے بندوں پر اس کا کوئی غلبہ نہیں ہو سکے گا ؎

اکابرین اور غوایت

۱- جہنم میں اکابرین اور اصاغر کا مقابلہ - اصاغر کا اعتراض کہ تم نے ہی ہمیں بھٹکایا تھا - اکابرین کا اعتراف - (۶۳ : ۲۸) - (۳۲ : ۲۴)

غاوین

۱ جہنم غاوین کے لئے نمود میں لایا جائے گا - (۹۱ : ۲۶) - (۹۴ : ۲۶)

۲- شعراء کا اتباع غاوین کرتے ہیں۔ (۲۲۴ : ۲۶)

۳- اکابر کہیں گے کہ ہم خود غاوین تھے اس لئے ہم نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا - (۳۲ : ۳۷)

۴- آیاتِ خداوندی کو چھوڑ دینے والے کے پیچھے شیطان لگ جاتا ہے۔ اور وہ غاوین میں سے ہو جاتا ہے - (۱۷۵ : ۷) - (۵) - ابلیس کے متبعین غاوین ہیں - (۴۲ : ۱۵)

متفرق

۱- یہ تمہارا ساتھی (رسولؐ) نہ تو راستے کی تلاش میں سرگرداں ہے اور نہ ہی راستہ پا کر بھٹک گیا ہے - (۲ : ۵۳)

۲- آدم نے معصیت برتی تو وہ تباہ ہو گیا - اس کی معیشت تنگ ہو گئی - (۱۲۱ : ۲۰)

۳- حضرت موسٰیؑ نے فریادی سے کہا کہ تم غلطی پر ہو - (۱۸ : ۲۸)

۴- غیٌ بمقابلہ رُشدٌ - (۲۵۶ : ۲) - (۱۴۶ : ۷)

۵- صلوٰۃ کو ضائع اور شہوات کا اتباع کرنے والوں کو غَیّاً (تباہی) کا سامنا کرنا پڑے گا - (۵۹ : ۱۹)

۶- حضرت نوحؑ نے مخالفین سے کہا کہ اگر قانونِ خداوندی کے مطابق تم نے غلط راستے پر چلنے کی ٹھان لی ہے تو میرے نصائح تمہیں کیا فائدہ دے سکتے ہیں - (۳۴ : ۱۱)

ف

۱۔ فؤاد (جمع افئدۃ)

فؤاد (مادہ ف ۔ أ ۔ د) ۔ ہمارے ہاں جو مفہوم " دل " کے لفظ کا ہے اس کے لئے قرآن کریم میں دو لفظ آئے ہیں۔ فؤاد اور قلب ۔ " دل " سے مراد ایک تو وہ عضو (مضغۂ گوشت) ہے جو سینے میں لٹکتا ہے اور جس کا فریضہ خون کو گردش دینا ہے ۔ انگریزی (بلکہ ڈاکٹری اصطلاح میں) اسے (HEART) کہا جاتا ہے ۔ اس طبیعیاتی دل کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ۔ دل سے دوسری مراد (MIND) ہوتا ہے ۔ اور انگریزی کا یہ وہ لفظ ہے جس کا مرادف ہمارے ہاں (اردو زبان میں) ابھی تک وضع نہیں ہوا ۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے ۔ اسے انسانی فکر و شعور کا مرکز بھی سمجھا جاتا ہے اور اس کے احساسات و جذبات کا سرچشمہ بھی ۔ قرآن کریم میں (MIND) کے لئے فؤاد اور قلب کے الفاظ آئے ہیں بلکہ بعض مقامات پر نفسیاتی احوال و کوائف کے لئے بھی یہ استعمال ہوئے ہیں ۔ ان دونوں لفظوں کے محل استعمال میں کوئی خاص امتیاز نہیں کیا جا سکتا اگرچہ مادہ (ROOT) کے اعتبار سے فؤاد کو جذبات و احساسات کا مرکز سمجھنا چاہیئے ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی سوز و گداز (بھوننے) کے ہیں ۔ لیکن ، جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ، ان دونوں لفظوں کے استعمال میں اس قسم کا امتیاز نہیں ۔ کہیں فؤاد فکری امور کے لئے آیا ہے اور قلب ، جذباتی کوائف کے لئے ۔ زیر نظر عنوان میں ہم یہ دیکھیں گے کہ قرآن کریم میں فؤاد کا لفظ کن معانی میں آیا ہے ۔ قلب کی بحث قلب کے عنوان میں ملیں گی ۔ عصر حاضر کی سائیکالوجی میں ایک اور اصطلاح (PSYCHE) کی آئی ہے ۔ اس کے لئے قرآن کریم میں نفس کا لفظ آیا ہے ۔ لیکن اس کے بعض کوائف قلب اور فؤاد کے الفاظ میں بھی ملتے ہیں ۔

فؤاد

۱۔ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو۔ تمہاری سماعت، ابصارت اور فؤاد ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔ (۱۷ : ۳۶)۔ ظاہر ہے کہ یہاں سماعت و بصارت سے مراد وہ حواس ہیں جو بیرونی دنیا کے متعلق معلومات (MIND) تک پہنچاتے ہیں اور پھر (MIND) ان سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ لہذا فؤاد سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جو مدرکات (SENSE-PERCEPTION) سے استنباطِ نتائج کرتی ہے۔ نیز (۷۸ : ۱۶)۔ (۷۸ : ۲۳)۔(۳۲ : ۹)۔(۲۶ : ۴۶)۔(۲۳ : ۷۸)

۲۔ شدتِ جذبات سے موسیٰؑ کی ماں کا دل (فؤاد) بے قرار ہو گیا۔ (۲۸ : ۱۰)۔ یہاں فؤاد سے مراد انسانی احساسات و جذبات کی آماجگاہ ہے۔

۳۔ رسول اللہ نے جو کچھ مقامِ نبوت پر فائز ہو کر دیکھا، آپؐ کے دل (فؤاد) نے اس کی تکذیب نہیں کی۔ (۵۳ : ۱۱)

۴۔ اے رسولؐ! تمہیں انبیائے سابقہ کے احوال و کوائف سے اس لئے آگاہ کیا جاتا ہے کہ تیرے دل (فؤاد) کو اس سے ثبات (استقامت) حاصل ہو۔ (۱۱ : ۱۲۰)۔ اس مقصد کے پیشِ نظر قرآن بتدریج نازل کیا گیا ہے۔ (۲۵ : ۳۲)۔ (۵)۔ کفار جن بات کے ماننے سے ایک دفعہ انکار کر دیں، پھر لاکھ کوشش کیجئے، وہ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ان کی نگاہیں اور فؤاد پھر جاتے ہیں۔ (۶ : ۱۱۱)۔ یہاں اس سے مراد نفسیاتی ذہنیت ہے۔

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ لوگوں کے دل کعبہ والوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ (۱۴ : ۳۷)

۷۔ جہنم کی آگ کے شعلے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ (۱۰۴ : ۷)

۸۔ جنگ کی ہولناکیوں سے ان کے دل (حوصلوں سے) خالی ہو گئے۔ (۱۴ : ۴۲-۴۳)

(-)

فتح۔۲

فتح (ف-ت-ح)۔ ہمارے ہاں فتح کے معنی دشمن پر کامیابی (VICTORY) حاصل کرنا ہوتا ہے۔ لیکن

عربی زبان میں اس مادہ کے بنیادی معنی کھول دینے کے ہوتے ہیں۔ چونکہ کامیابی سے کشائش کے دروازے کھل جاتے ہیں اس لئے یہ لفظ کامیابی کے معنوں میں استعمال ہوجاتا ہے۔

اس لفظ کا استعمال فیصلہ کرنے کے معنوں میں بھی ہوتا ہے کیونکہ فیصلہ کرنے والا حقیقت کو کھول کر سامنے لے آتا ہے۔ اس اعتبار سے الفتاح، بہت بڑے فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

فتح کا لفظ نصرت کے ساتھ بھی آتا ہے۔ وہاں اس کے معنی مدد یا غلبہ حاصل یا طلب کرنے کے ہوتے ہیں۔

مختصراً یوں سمجھئے کہ زندگی کی راہوں کا کشادہ ہوجانا۔ مدانعات کا دور ہوجانا۔ حقائق کا منکشف ہوجانا۔ ایک فیصلہ کن انقلاب کا برپا ہوجانا۔ حق و باطل کا نکھر کر الگ الگ ہوجانا، فتح کہلائے گا۔

فتح۔ ایسی کامیابی جس سے زندگی کی راہیں کشادہ ہوجائیں

۱۔ صلح حدیبیہ کو خدا نے فتح مبین قرار دیا۔ کیونکہ اس سے کامیابیوں کی راہیں کشادہ ہوگئی تھیں۔ (۴۸ : ۱)

۲۔ الفتح (یعنی فتح مکہ) سے پہلے کے مجاہدین اور بعد کے، ایک دوسرے کے برابر نہیں ہوسکتے۔ قبل از فتح کے مجاہدین کے مدارج بلند ہیں۔ لیکن خوشگواریوں کے وعدے ان سب کے ساتھ یکساں ہیں۔ (۵۷ : ۱۰)

۳۔ نصرٌ من اللہ و فتح قریب۔ (۴۸ : ۱۸) ۔ (۴۸ : ۲۷) ۔ (۶۱ : ۱۳)

۴۔ جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہونا شروع ہوجائیں۔ (۱۱۰ : ۱)

فتح۔ فیصلہ کرنا

۱۔ خدا، انسانوں کو جمع کرے گا اور ان میں فیصلہ کرے گا۔ وہ الفتاح العلیم ہے۔ (۳۴ : ۲۶)

۲۔ حضرت شعیبؑ نے دعا مانگی کہ اے خدا! ہم میں اور اس قوم میں فیصلہ کر دے۔ (۷ : ۸۹) یہی حضرت نوحؑ نے کہا۔ (۲۶ : ۱۱۸)

۳۔ مخالفین نے رسولوں کے خلاف فیصلہ چاہا اور فیصلہ یہ تھا کہ وہ تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ (۱۴ : ۱۵)

۴۔ میدانِ جنگ میں فیصلہ ہوگیا۔ (۸ : ۱۹)

۵۔ مخالفین کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کن انقلاب کب آئے گا۔ ان سے کہو کہ جب وہ آئے گا تو تمہارا ایمان لانا کسی کام نہیں آسکے گا۔ (۳۲ : ۲۸-۲۹)

فتح۔ غلبہ

۱۔ یہودی، رسول اللہ کی آمد سے پہلے، ایک آنے والے کے منتظر تھے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے مخالفین پر غلبہ حاصل کریں گے۔ (۲ : ۸۹)

۲۔ اگر میدانِ جنگ میں فتح حاصل ہو جاتی، تو یہ منافقین کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (۴: ۱۴۱)-(۵:۵۲)

فتح۔ دروازے کھول دینا۔ زندگی کی راہیں کشادہ کر دینا

۱۔ جب لوگ قوانین خداوندی سے منہ موڑ کر غلط طریق اختیار کر لیتے ہیں تو اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کی آسائش اور عیش سامانیاں ان پر عام ہو جاتی ہیں .....(۶ : ۴۴)

۲۔ اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ (۷ : ۹۶)

۳۔ اگر ہم ان (مخالفین) کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ بھی کھول دیتے۔ تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ (۱۵:۱۴)

۴۔ عذابِ شدید کا دروازہ کھل جانا۔ (۲۳ : ۷۷)۔ جہنم کے دروازوں کا کھل جانا۔ (۳۹ : ۷۱)۔ اور جنت کے (۳۸ : ۵۰)۔ (۳۹ : ۷۳)

۵۔ طوفانِ نوح کے لئے آسمان سے بارش کے دروازے کھل گئے۔ (۵۴ : ۱۱)

۶۔ اللہ رحمت کے جو دروازے کھول دے انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔ (۳۵ : ۲)

۷۔ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے۔ (۷۸ : ۱۹)

۸۔ تکذیب کرنے والوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں۔ اور جنت میں داخل نہیں کیا جائیگا۔ (۴۰ : ۷)

متفرقات

یہودی اپنے لوگوں سے کہتے تھے کہ جو حقائق خدا نے تم پر منکشف کئے ہیں، ان کے متعلق مسلمانوں سے گفتگو مت کرو۔ (۲ : ۷۶)

۲۔ جب برادرانِ یوسفؑ نے گھر آکر اپنی بوریاں کھولیں تو ان میں اپنی پونجی بھی موجود پائی۔ (۱۲ : ۶۵)

۳۔ یاجوج و ماجوج کا دروازے کھول کر یلغار کرنے کے لئے نکل پڑنا۔ (۲۱ : ۹۶)

۴۔ مفاتح الغیب خدا کے پاس ہیں۔ (۶ : ۵۹)

۵۔ جن گھروں کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں، ان کے ہاں سے کھانے میں حرج نہیں۔ (۲۴ : ۶۱)

۶۔ قارون کے خزانے کی چابیاں۔ (۲۸ : ۷۶)

۳۔ فتنہ

فتنہ (ف۔ت۔ن)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں، چاندی یا سونے کو آگ میں تپا کر اس کے کھوٹ کو الگ کرنا۔ اس اعتبار سے فتنہ وہ طریق کار یا ذریعہ ہوگا جس سے کسی شے کی اصل و حقیقت نکھر کر سامنے آجائے۔ اس کی مضمر صلاحیتیں ابھر آئیں۔ اس نہج سے یہ لفظ آزمائش کے معنوں میں آتا ہے، جہاں اس سے مقصود ہوتا ہے، کسی کی نمود ذات کے مواقع بہم پہنچانا۔ (اس سلسلہ میں ابتلا کا لفظ بھی دیکھنا چاہیئے۔) اور آگ میں ڈالنے کے اعتبار سے یہ لفظ مصیبت۔ تکلیف یا عذاب کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ نیز فساد برپا کرنے کے معانی میں بھی۔ اس میں ہر قسم کی شرارت بھی آجاتی ہے۔

واضح رہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ "خدا آزمائش میں ڈالتا ہے" تو اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ شخص اس امتحان میں پورا اترتا ہے یا نہیں۔ خدا تو علیم و خبیر ہے۔ وہ سینہ میں چھپے ہوئے رازوں تک کو بھی جانتا ہے اور لوگوں کی نیتوں سے بھی باخبر ہے اس لئے اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ فلاں شخص امتحان میں کیسا اترتا ہے۔ آزمائش سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص خود اپنے متعلق جان لے کہ اس میں کتنی صلاحیت ہے اور وہ تکالیف اور مشقتوں کو کسی حد تک برداشت کر سکتا ہے۔ اس اعتبار سے خود لفظ "آزمائش" بھی مشقت اور مصیبت کے معنوں میں آتا ہیں۔

فتنہ۔ عام آزمائش کے معنوں میں

۱۔ لوگ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ ان میں سے کون اپنے دعوئے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا۔ (۳ : ۲۹)۔ مومنین کے ساتھ بھی اسی طرح کیا جائے گا۔ (۲ : ۲۹)

۲۔ انسانوں کو متاعِ دنیا ملتی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے۔ اس لئے ان کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ (۲٠ : ١۳١) - (۴٩ : ۳٩) - (١٧-١٦ : ٧۲)
۳۔ یاد رکھو! تمہاری دولت اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ (۲۸ : ۸) - (١۵ : ٦۴)
۴۔ رسول اللہ کا خواب لوگوں کے لئے فتنہ (آزمائش) کا موجب بن گیا۔ (٦٠ : ١٧)۔
۵۔ مکافاتِ عمل میں، مہلت کا وقفہ، فتنہ (آزمائش) کے لئے ہوتا ہے۔ (١١١ : ۲١)
٦۔ شیطان، رسول کی وحی میں آمیزش کر دیتا تھا جو لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب بن جاتی تھی۔ (۵۳-۵۲ : ۲۲)
٧۔ یہ بات کہ رسول بھی عام انسانوں جیسے ہوتے تھے، لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب بن جاتی تھی۔ (۲٠ : ۲۵)
۸۔ شجرۃ الزقوم، ظالمین کے لئے فتنہ ہے۔ (٦٠ : ١٧) - (٦۳ : ۳٧)
٩۔ ناقہ حضرت صالحؑ، قوم ثمود کے لئے فتنہ تھی۔ (۲٧ : ۵۴)
١٠۔ جہنم کی تفصیلات کا تشبیہی بیان، کفار کے لئے فتنہ کا موجب بن جاتا ہے۔ (۳١ : ٧۴)
١١۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ زلزلہ، خدا کی طرف سے فتنہ (آزمائش) تھا۔ (١۵۵ : ٧)

فتنہ۔ کسی کو اذیت دینا۔ تکلیف بہم پہنچانا۔ باعثِ آزار بننا۔ راہِ راست سے برگشتہ کر دینا

١۔ جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو اذیت دیتے ہیں، ان کے لئے عذاب جہنم ہے۔ (١٠ : ۸۵)
۲۔ اس کی احتیاط رکھو کہ مخالفین تمہیں ما انزل اللہ سے برگشتہ نہ کر دیں۔ (۴٩ : ۵)
۳۔ مخالفین اس کوشش میں رہتے تھے کہ رسول اللہ کو ما انزل اللہ سے بہکا دیں۔ (٧۳ : ١٧)
۴۔ جن لوگوں نے ہجرت کی، بعد اس کے کہ مخالفین نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ (١١٠ : ١٦)
۵۔ کفار کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارے فتنہ کی وجہ سے ہے۔ (١۴-١۳ : ۵١)
٦۔ کفار صرف انہی کو برگشتہ کر سکتے ہیں جو جہنم میں جانا چاہیں۔ (١٦۳-١٦۲ : ۳٧)
٧۔ رسولوں کی مخالفت کرنے والے سمجھتے تھے کہ انہیں کسی قسم کی مشقت میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ (٧١ : ۵)

فتنہ بمعنی آزمائش یا مشقت میں ڈالنا

١۔ خدا ایک جماعت کے ذریعے دوسری جماعت کو فتنہ میں ڈالتا ہے۔ (۵۳ : ٦)

۲۔ خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تیری عدم موجودگی میں تیری قوم فتنہ میں پڑ گئی اور سامری نے اسے گمراہ کر دیا۔ (۲۰ : ۸۵) ۔ (۲۰ : ۹۰)

۳۔ خدا نے حضرت موسیٰ کو قومِ فرعون کی طرف بھیج کر اسے (قومِ فرعون) کو فتنہ میں ڈالا۔ (۱۷ : ۴۴)

۴۔ اہلِ جہنم نے دنیا میں اپنے آپ کو فتنہ میں ڈال کر گمراہی اختیار کر لی تھی۔ (۱۴ : ۵۷)

۵۔ منافقین کہتے تھے کہ ہمیں جنگ میں ساتھ لے جا کر مشقت میں نہ ڈالیں۔ (۴۹ : ۹)

۶۔ اے بنی آدم! دیکھنا شیطان کہیں تمہیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ جس طرح اس نے تمہارے آباء کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ (۲۷ : ۷) ۔ (۷) ۔ فرعون کی طرف سے فتنہ کے خوف سے حضرت موسیٰ پر بہت کم لوگ ایمان لائے۔ (۸۳ : ۱۰)

۸۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم پر جو نحوست چھا رہی ہے، وہ میری وجہ سے نہیں۔ تم فتنے میں مبتلا کی گئی ہو۔ (۴۷ : ۲۷)

۹۔ کفارِ عرب، سال میں ایک دو مرتبہ فتنہ میں مبتلا کئے جاتے تھے (یہاں اس کے معنی جنگ کے بھی ہو سکتے ہیں)۔ (۱۲۶ : ۹)

۱۰۔ خیر کے مقابلہ میں لفظ فتنہ آیا ہے۔ (۱۱ : ۲۲)

۱۱۔ فتنہ، عذابِ الیم سے کم درجہ کی مصیبت یا تکلیف کے لئے آیا ہے۔ (۶۳ : ۲۴)

۱۲۔ منافق، لوگوں کی طرف سے پہنچائی ہوئی مصیبت کو خدا کا عذاب سمجھتا ہے۔ (۱۰ : ۲۹)

۱۳۔ جس گروہ پر خدا کی طرف سے فتنہ (مشقت کا عذاب) آجائے، اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ (۴۱ : ۵)

۱۴۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انہیں محض زبانی ایمان کی بنا پر چھوڑ دیا جائے گا اور مشقتوں میں سے گذارا نہیں جائیگا۔ (۲ : ۲۹)

۱۵۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ تم اپنے فتنہ کا مزہ چکھو۔ اس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔ (۱۴-۱۳ : ۵۱)

فتنہ۔ بمعنی شرارت۔ فساد۔ جنگ

۱۔ منافقین ہر موقع پر فتنہ (شرارت۔ فساد) برپا کرتے رہتے ہیں۔ (۴۷-۴۹ : ۹)

۲۔ اگر تمہیں مخالفین کی طرف سے فتنہ کا ڈر ہو تو قصرِ صلوٰۃ کر لیا کرو۔ (۱۰۱ : ۴)

۳۔ کفارِ عرب، سال میں ایک دو مرتبہ فتنہ میں مبتلا کئے جاتے تھے۔ (۱۲۶ : ۹)

۴۔ " الفتنۃ اشد من القتل "۔ فتنہ جنگ سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔ اگلی آیت نے بتا دیا کہ یہاں فتنہ سے مراد، دین میں جبر ہے۔ (۹۳-۱۹۱ : ۲) ۔ (۲۱۷ : ۲) ۔ (۳۹ : ۸)

۵۔ جن کے دل میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کی تاویل سے فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ (۶ : ۳)۔ (۳۱ : ۷۴)
۶۔ فتنہ بمعنی جنگ۔ (۹۱ : ۴)۔ (۱۴ : ۳۳)
۷۔ مومنین سے کہا گیا کہ تم نظامِ خداوندی کی اطاعت کرو۔ اور اس فتنہ سے خائف رہو جو اگر آ جائے، تو اس کی لپیٹ میں صرف وہی ظالمین ہی نہیں آیا کرتے۔ سب آ جاتے ہیں۔ (اس سے مراد جنگ سے پیدا شدہ تکالیف ہیں)۔ (۲۵ : ۸)
۸۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ اگر تم قربانیوں کے لئے تیار نہیں رہو گے تو زمین میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ (۷۳ : ۸)
۹۔ مومنین کی دعا کہ ہمیں مخالفین کے لئے فتنہ (تختۂ مشق) نہ بنا۔ (۸۵ : ۱۰)۔ (۵ : ۶۰)

فتنہ۔ نمودِ ذات کے مواقع بہم پہنچانا

۱۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد ان کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ اور اس طرح اسے اپنی صلاحیتوں کی نمود کا موقع ملا لیکن وہ ایک جسدِ بے روح ثابت ہوا۔ (۳۴ : ۳۸)
۲۔ حضرت موسیٰؑ کی بچپن کی زندگی سے شادیؑ مدین تک کی زندگی کے مختلف مراحل کو گنانے کے بعد خدا نے کہا کہ اس طرح ہم نے تمہیں مختلف کٹھالیوں میں گدازا اور جب تو نے اس طرح ثابت کر دیا کہ تو نبوت کے بارگران کے اٹھانے کے قابل ہے، تو تجھے ہم نے اس منصبِ جلیلہ کے لئے منتخب کیا۔ (۴۰ : ۲۰)
۳۔ جب حضرت داؤدؑ کے پاس دو فریق مقدمہ لے کر آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ ان کی قوتِ فیصلہ کی آزمائش کا موقعہ ہے۔ (۲۴ : ۳۸)
۴۔ ہم خیر اور شر کے پہلو بدل بدل کر تمہاری نمودِ ذات کے مواقع (فتنہ) بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ (۳۵ : ۲۱)

متفرقات

۱۔ مفتون بمعنی مجنون۔ یا مصیبت زدہ۔ برگشتہ خاطر۔ (۶ : ۶۸)
۲۔ بابل کے فرشتے (یہودیوں کے قول کے مطابق) لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم تو خود فتنہ (میں مبتلا) ہیں۔ سو تم کفر مت کرو۔ (۱۰۲ : ۲)
۳۔ یہ کہنا کہ مال و دولت جو مجھے حاصل ہوتا ہے، یہ سب میری اپنی ہنرمندی کا نتیجہ ہے، فتنہ ہے۔ (یہ قارون کا قول تھا)۔ (۴۹ : ۳۹)۔ (۴)۔ فتنہ کے معنی عذر۔ معذرت۔ (۲۳ : ۶)

۴۔ فجور۔ فاجر

تمہید۔ ہمارے ہاں، فسق و فجور اور فاسق و فاجر کے الفاظ عام طور پر اکٹھے بولے جاتے ہیں اور ان کے معنی گناہ کے ——— لیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فسق کے عنوان میں بتایا جائے گا قرآن کریم میں گناہ کے مفہوم کے لیے مختلف الفاظ آتے ہیں اور ان میں سے ہر لفظ اپنا خصوصی مفہوم رکھتا ہے۔

فجر کے معنی ہیں شق کر دینا۔ پھاڑ دینا۔ خدا نے ہر انسان کو اس کی ذات (PERSONALITY) ودیعت کر کے دیدی ہے۔ لیکن یہ ذات غیر نشوونما یافتہ شکل میں ملتی ہے۔ اس میں اس کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ یہ صحیح اعمال سے نشوونما حاصل کر لے اور اس کی بھی کہ یہ غلط کاموں سے غیر نشوونما یافتہ رہ جائے۔ نشوونما یافتہ ذات کو (INTEGRETED PERSONALITY) کہا جاتا ہے اور غیر نشوونما یافتہ کو (DISINTEGRATED) اس کے لیے قرآن میں فجورھا کا لفظ آیا ہے۔ (۸ : ۹۱)۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ انسانی ذات میں اس کے فجور کی بھی صلاحیت رکھ دی ہے اور اس سے بچنے کی صلاحیت بھی۔ (فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا)۔ یہاں سے فاجر کے معنی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ یعنی وہ جس کی ذات میں انتشار ہو چکا ہو۔ لہٰذا ہر وہ کام جو انسانی ذات میں انتشار پیدا کرے اور اس کی سالمیت کو ضعف پہنچائے، فجور ہے۔ اس عنوان میں اس مادہ (ف ۔ ج ۔ ر) کا صرف یہی مفہوم سامنے لایا گیا ہے۔ دیگر معانی متعلقہ عنوانوں میں ملیں گے۔

نوٹ:۔ قرآن کریم میں الہام کا لفظ مندرجہ بالا آیت (۸ : ۹۱) کے سوا کہیں نہیں آیا۔

فاجر

۱۔ حضرت نوحؑ نے دعا کی کہ کفار کی قوم کو ختم کر دے ورنہ ان کی نسل سے فاجر و کفار پیدا ہوں گے۔ (۲۷ : ۷۱)

۲۔ دوسری جگہ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ انہی معانی میں آیا ہے۔ (۴۲ : ۸۰)

۳۔ متقین کے مقابلہ میں فجار آیا ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (۲۸ : ۳۸)

۴۔ ابرار کے مقابلہ میں فجار۔ (۱۳-۱۴ : ۸۲)۔ (۵)۔ تقوی کے مقابلہ میں فجور۔ (۸ : ۹۱)

۶۔ فجار کا اعمالنامہ سجین میں ہوگا۔ (۷ : ۸۳)

فجور کا نتیجہ

۱۔ رو سیاہی۔ (۴۲-۴۰ : ۸۰)　　(۲)۔ فجار جہنم میں۔ (۱۴ : ۸۲)
۳۔ کتاب الفجار سجین میں ہوگی۔ (۷ : ۸۳)

―――(۰)―――

۵۔ فحش۔ فحشاء

فحش۔ اس مادہ کے بنیادی معنی حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ ایک تو حدود بھی کئی قسم کی ہوتی ہے پھر، تجاوز کرنے کی بھی نوعیتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ کہیں تجاوز میں ذرا سی لغزش ہوگی۔ کہیں انتہائی اقدام۔ اس لئے لفظ فحش کا ہر مقام پر ایک معنی یا مفہوم نہیں ہوگا۔ مثلاً عام بے حیائی بھی فحش ہوگی اور زنا جیسا سنگین ترین جرم بھی فحش۔ ہر خیال، جذبہ یا اقدام جو ناجائز جنسی جذبہ کے لئے محرک ہو، فحش کے ضمن میں آ جائے گا۔

عربوں کے ہاں جود وسخا کو انتہائی فضیلت سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے بخل ان کے ہاں شدید ترین قابل نفرت عیب تھا۔ اس اعتبار سے وہ بخل کو فحشاء سے تعبیر کرتے تھے۔

وسیع تر مفہوم کی رُو سے یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس بات میں بھی ذلت۔ کمینگی۔ شناعت یا ذم کا پہلو ہو، وہ فحش ہوگی۔ اس کے بعد دیکھنا یہ ہوگا کہ اس فحش کی نوعیت اور شدت کتنی ہے۔ اسی نسبت سے اس کے خلاف ردِعمل ہوگا۔ قرآن کریم میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

فحشاء

۱۔ شیطان تمہیں برائیوں (ناہمواریوں) کا اور فحشاء کا حکم دیتا ہے۔ وہ تمہارا دشمن ہے۔ اس کے نقش قدم پر نہ چلو۔ (۲ : ۱۶۹)
۲۔ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اس لئے فحشاء کا حکم دیتا ہے۔ یہاں فحشاء کے معنی بخل یا خود غرضی کے ہیں۔ (۲ : ۲۶۸)

۳۔ جب یہ لوگ کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدا نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان سے کہو کہ خدا فحشاء کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا۔ یہاں فاحشۃ اور فحشاء ایک ہی مفہوم کے لئے آیا ہے۔ (۲۸ : ۷)

۴۔ حضرت یوسفؑ نے جب عزیز کی بیوی کی ہر خواہشِ بد کو ٹھکرایا تو اس کے لئے کہا گیا کہ یوسف نے اپنے آپ کو سوء اور فحشاء سے بچا لیا۔ (۲۴ : ۱۲)

۵۔ اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور فحشاء و منکر سے روکتا ہے۔ یہاں فحشاء، عدل کے مقابلہ میں آیا ہے یعنی ہر بات جو عدل کے خلاف ہوگی فحشاء کے زمرے میں آجائے گی۔ (۹۰ : ۱۶)

۶۔ عفت مآب عورتوں کے خلاف بہتان تراشی اور تشہیر کے سلسلہ میں کہا کہ تم شیطان کا اتباع مت کرو۔ وہ تمہیں فحشاء اور منکر کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲۱ : ۲۴)

۷۔ صلوٰۃ الفحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ (۴۵ : ۲۹)

فاحشۃ (جمع فواحش)

۱۔ مومنین سے جب کبھی کوئی فاحش کام ہوجاتا ہے تو وہ فوراً قانونِ خداوندی کو سامنے لاکر اس سے مجتنب ہو جاتے ہیں۔ (۱۳۴ : ۳)

۲۔ جو عورتیں کسی فاحشۃ کی مرتکب ہوں، اس کے لئے چار گواہ لاؤ اور پھر انہیں پابندِ مسکن کردو۔ (۱۵ : ۴)۔ ظاہر ہے کہ یہاں فاحشۃ سے مراد زنا نہیں۔ عام بے حیائی کی باتیں ہے کیونکہ زنا کے لئے تو سو کوڑوں کی سزا متعین طور پہ آئی ہے۔ (دیکھئے ۲ : ۲۴)

(۳) جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہو ان سے واپس نہ لو بجز اس کے کہ وہ کسی کھلی ہوئی بے حیائی (فاحشۃ مُبیّنۃ)۔ کی مرتکب ہوئی ہوں۔ (۱۹ : ۴)

۴۔ اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح مت کرو۔ یہ فاحش بات ہے۔ (۲۲ : ۴)

۵۔ منکوحہ لونڈی اگر فاحشۃ کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت کی سزا سے آدھی ہے۔ (۲۵ : ۴) یہاں فاحشۃ سے مراد زنا ہے کیونکہ متعین سزا (سو کوڑے) زنا ہی کی ہے۔ (۳ : ۲۴)

۶۔ جب یہ لوگ کسی فاحشۃ کے مرتکب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ اور خدا نے ایسا ہی حکم دیا تھا۔ (۲۸ : ۷)

۷۔ قومِ لوطؑ کے فعلِ شنیع (اغلام بازی) کو فاحشۃ کہا گیا ہے۔ (۷ : ۸۰) ۔ (۲۷ : ۵۴) ۔ (۲۹ : ۲۸)

۸۔ زنا کے قریب تک نہ جاؤ کیونکہ وہ فاحشۃ ہے۔ (۱۷ : ۳۲)

۹۔ واقعۂ افک کے ضمن میں کہا کہ جو لوگ فاحشۃ کی تشہیر چاہتے ہیں ان کے لئے عذابِ الیم ہے۔ (۲۴ : ۱۹) یہاں فاحشۃ میں ہر قسم کی بے حیائی کی باتیں آجاتی ہیں۔

۱۰۔ نبیؐ کی عورتوں سے کہا گیا کہ تم میں سے جو کوئی فاحشۃ مبینۃ کی مرتکب ہوگی تو اسے دوہری سزا ملے گی۔ (۳۳ : ۳۰) ایک ہی قسم کے جرم میں، لونڈی کی سزا عام عورتوں کی سزا سے آدھی اور نبی کی عورتوں کی سزا دگنی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جرم کی سزا دیتے وقت مجرم کی ذہنی سطح۔ تمدنی حالت۔ تعلیم و تربیت اور ذمہ داری کی پوزیشن کا سامنے رکھنا ضروری ہے۔

۱۱۔ مطلقہ عورت کو گھر سے نہیں نکالنا چاہیئے، بجز اس کے کہ وہ فاحشۃ مبینۃ کی مرتکب ہوئی ہو۔ (۶۵ : ۱)

۱۲۔ فواحش کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن۔ (۶ : ۱۵۲)۔ باطن سے مراد چھپ چھپا کر بے حیائی کے کام کرنا نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بے حیائی کا خیال تک بھی تمہارے دل میں نہ آئے۔ ہر عمل کی ابتداء، نیت، خیال اور ارادے سے ہوتی ہے۔ قرآن، بے حیائی کے امور کو ان کے سرچشمہ (خیالات) سے روکنا چاہتا ہے۔

۱۳۔ مومن کبائر الاثم اور فواحش سے بچتے ہیں۔ (۴۲ : ۳۷) ۔ (۵۳ : ۳۲) میں، اس کے ساتھ اِلَّا اللَّمَمَ آیا ہے۔ یعنی چھوٹی موٹی قابلِ ملامت لغزشیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسی لغزشوں کے متعلق محتاط نہیں رہنا چاہیئے۔ محتاط تو ہر قسم کی لغزش سے رہنا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی سے بھولے چوکے ایسی لغزش ہوجائے تو اس پر طوفان نہیں برپا کردینا چاہیئے۔

(٠)

ف خ ر

فخر۔ ہمارے ہاں فخر کا لفظ، مستحسن مواقع پر استعمال ہوتا ہے۔ قابلِ فخر بات، بڑی مستحسن ہوتی ہے۔ لیکن عربی زبان میں بالعموم، اور قرآن کریم میں بالخصوص یہ لفظ مذموم معانی میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں اَلْفَخُوْرُ اس اونٹنی یا بکری کو کہتے ہیں جس کے تھن تو بڑے بڑے ہوں لیکن ان میں دودھ بہت کم ہو۔ اس سے فخر کا مطلب سمجھ میں آسکتا

ہے - یعنی "بھوتھا چنا باجے گھنا"۔ اس اعتبار سے الفخار' بڑے بڑے مٹکوں کو کہا جاتا ہے۔ یا اس مٹی کو جو سوکھ کر کھنکنے لگ جائے۔ مقصد ہوگا ایسے لوگ جن میں' جوہرِ ذاتی ہوں نہیں اور نمائش و نمود بہت زیادہ ہو- اور ظاہر ہے کہ یہ چیز مذموم ہے ، مستحسن نہیں۔

فخور

۱- جس شخص کو تھوڑی سی خوش حالی بھی میسّر آ جائے تو وہ بہت شیخی خورہ ہو جاتا ہے - (۱۰ : ۱۱)

۲- ایسے لوگ ، معیارِ خداوندی کی رُو سے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے - (۴ : ۳۶) - (۸ : ۳۱) - (۲۳ : ۵۷) - (۳) - جوہرِ ذاتی کے بغیر دنیاوی مال و متاع ، باہمی تفاخر کا موجب ہوتا ہے اور بس - یعنی ایک دوسرے سے نمود و نمائش میں سبقت لے جانے کا باعث - (۲۰ : ۵۷)

نوٹ :- تخلیقِ انسانی کے سلسلہ میں فخّار کا لفظ (۱۴ : ۵۵) میں آیا ہے -

---

فرض

فرض - اس مادہ کے بنیادی معنی ، کسی چیز کے کاٹنے کے ہیں - چونکہ کاٹنے سے اس چیز کے حصے متعین ہو کر الگ الگ ہو جاتے ہیں ، اس لئے یہ لفظ ، کسی بات کے متعین یا مقرر کر دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے ، خواہ اسے خدا نے مقرر کر دیا ہو یا انسانوں نے خود اپنے لئے مقرر کر لیا ہو - نیز اس کے معنی اندازہ کرنے کے بھی آتے ہیں -

خدا نے (قرآن کریم میں) جس بات کے کرنے کا حکم دیا ہے - اس کی تعمیل مسلمانوں پر لازم ہے - اسے خدا کی طرف سے عائد کردہ فریضہ کہا جائے گا - اور جس بات سے اس نے منع کر دیا ہے - اس سے رک جانا ضروری ہے - اسے حرام کہا جائے گا - فرض" کے ساتھ دوسری اصطلاحات (مثلاً واجب - مستحب وغیرہ) - یا دوسری طرف "حرام" کے ساتھ دوسری اصطلاحات (مثلاً مکروہ وغیرہ) فقہ کی اصطلاحات ہیں قرآن کی نہیں -

خدا کی طرف سے فریضہ (فرض عائد کر دینے) کا لفظ قرآن کریم میں بہت کم آیا ہے لیکن ہم اس کا استعمال بڑی

کثرت سے کرتے ہیں، حالانکہ فریضۂ خداوندی صرف اسی کو کہنا چاہیئے جسے خود خدا نے (قرآن کریم میں) مقرر کر دیا ہو۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہاں لفظ "فرض" آیا ہو۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، فرض کا لفظ تو قرآن کریم میں بہت کم آیا ہے۔ خدا کی طرف سے دیئے گئے احکام کے لئے قرآن میں دیگر الفاظ بھی آئے ہیں۔ مثلاً اَمَرَ۔ کَتَبَ۔ حتیٰ کہ اگر قال اللہ کے بعد بھی کوئی حکم ہو گا۔ تو وہ بھی فریضۂ خداوندی میں داخل ہو گا۔ لہٰذا اس عنوان میں، وہ تمام احکام نہیں آئیں گے جن کی تعمیل مسلمانوں کے لئے فرض ہے۔ اس میں صرف فرض سے متعلق گفتگو ہو گی۔

خود عائد کردہ فرائض

۱۔ جو حج کو اپنے اوپر فرض قرار دے لے (یعنی حج کرنے کا تہیہ کر لے) اسے حج میں رفث، فسوق اور جدال سے مجتنب رہنا چاہیئے۔ (۲ : ۱۹۷)

۲۔ مہر مقرر کرنے کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ (۲ : ۲۳۶) ۔ (۲ : ۲۳۷) ۔ (۴ : ۲۴)

متفرق

شیطان نے خدا سے کہا کہ میں تیرے بندوں سے اپنا مقررہ حصہ وصول کر کے چھوڑوں گا۔ (۴ : ۱۱۸)۔ ظاہر ہے کہ یہ حصہ وہ ہے جسے مذہبی پیشوا لوگوں سے خدا کے نام پر وصول کرتے ہیں۔

(۰)

۸۔ فرعون

فرعون ۔ قدیم زمانہ میں شاہانِ مصر کا لقب فرعون تھا (جیسے ایران کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ، روم کے شہنشاہوں کا لقب قیصر تھا) قرآن کریم نے قصۂ بنی اسرائیل اور آویزشِ حضرت موسےٰؑ اور فرعون کے سلسلہ میں جس بادشاہ کا ذکر کیا ہے، اس کا نام کہیں نہیں لیا۔ اسے صرف اس کے لقب (فرعون) سے تعبیر کیا ہے۔ (بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت موسےٰؑ کو یکے بعد دیگرے دو فرعونوں سے واسطہ پڑا تھا۔ یعنی پہلے فرعون کے مرنے کے بعد اس کا جانشین، دوسرا فرعون بھی آپ سے برسرِ پیکار رہا۔ قرآن کریم چونکہ تاریخ کی کتاب نہیں اس لئے اس نے اس فرعون (یا فراعنہ) کے

حسب، نسب، نام، عہد وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا مقصد حق و باطل کی آویزش کا بیان تھا اور اس سلسلہ میں اس نے فرعون کی حس ذہنیت، اور سیاست کا ذکر کیا ہے، وہ دنیا کے ہر مستبد حاکم کا آئینہ ہے۔ آویزشِ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا مقصود درحقیقت، مستبد قوتوں کے خلاف اس داعیٔ انقلاب کی معرکہ آرائیوں کا بیان ہے جو وحی کی روشنی میں انسانی حکومت کی جگہ خدا کی حکومت کا تختِ اجلال دنیا میں بچھانا چاہے۔

فرعون کا ذکر "بنی اسرائیل" اور "موسیٰؑ" کے عنوانوں میں بھی آیا ہے۔ یہاں براہِ راست اس کا تذکرہ سامنے آئے گا۔

فرعون کا انجام

۱- فرقِ بحر اور فرعون کی غرقابی۔ (۲ : ۵۰) - (۷ : ۱۳۶ - ۱۳۷) - آخری وقت میں ایمان - اس کی لاش کی حفاظت - (۱۰ : ۹۰ - ۹۲) - (۱۷ : ۱۰۳) - (۲۰ : ۷۸ - ۸۰) - (۲۶ : ۶۳ - ۶۶) - (۲۸ : ۴۰ - ۴۲) - (۵۱ : ۴۰) - (۲)- آلِ فرعون کا انجام عبرت ناک ہے - (۳ : ۱۰) - (۷ : ۱۰۳) - (۸ : ۵۲ و ۵۴)

۳- آلِ فرعون پر ہنگامی عذاب - (۷ : ۱۳۰ - ۱۳۴) - (۱۷ : ۱۰۱) - (۲۷ : ۱۲)

۴- اس دنیا میں بھی گرفتارِ لعنت اور آخرت میں بھی - (۱۱ : ۹۸ - ۹۹) - (۲۸ : ۴۱ - ۴۲) - (۴۰ : ۴۵ - ۴۶) - (۷۹ : ۲۵ - ۲۶) - (۵)- وہ ایک پارینہ داستان بن گئے - (۴۳ : ۵۵ - ۵۶)

۶- دیگر اقوام کی طرح تباہ ہوگئے - (۵۰ : ۱۲ - ۱۴) - (۵۴ : ۴۱ - ۴۲) - (۶۹ : ۹) - (۸۵ : ۱۸) - (۸۹ : ۱۰ - ۱۳) - (۷)- فرعون و ہامان اور ان کے جنود کا انجام - (۲۸ : ۵ - ۶)

فرعونیت

۱- فرعون کی ساحرین کے خلاف گرج کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر ربِ موسیٰؑ پہ ایمان کیوں لے آئے - سنگین ترین سزا کی وعید - ساحرین کا تبسمِ حیات افروز - (۷ : ۱۲۳ - ۱۲۶) - (۲۰ : ۷۱ - ۷۳) - (۲۶ : ۴۷ - ۴۹)

۲- فرعون نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی تھی - اس کے ڈر سے بنی اسرائیل، حضرت موسیٰؑ پہ ایمان نہیں لائے تھے —— (۱۰ : ۸۳ - ۸۵) - (۲۰ : ۲۴) - (۲۰ : ۴۳)

۳- فرعون کو بڑی دولت و حشمت حاصل تھی اور اس کے نشہ میں بدمست لوگوں کو غلط راہوں پہ ڈالتا تھا - (۱۰ : ۸۸)

۴- فرعون اور اس کی قوم ظالم تھے - (۲۶ : ۱۰) - سرکش - فاسق - مفسد - (۲۷ : ۱۲ - ۱۴)

۵۔ سرکش تھا۔ قوم کو پارٹیوں میں تقسیم کرتا تھا۔ (۴ : ۲۸)

۶۔ استکبار بغیر حق۔ (۳۹ : ۲۸) - استہزاء۔ (۳۸ : ۲۸) - (۳۶-۳۷ : ۴۰) -
(۴۷ : ۴۳) - (۷)۔ استکبار۔ (۳۹ : ۲۹)

۸۔ یہ (موسیٰؑ) ایک ذلیل انسان ہے۔ میں بہت بڑا ہوں۔ یہ ویسے بھی غریب ہے۔ (۵۲-۵۳ : ۴۳)

۹۔ فرعون نے قوم سے کہا۔ یہ ملک کس کا ہے۔ اس میں نہریں کس کی ہیں۔ (۵۱ : ۴۳)

۱۰۔ اس نے قوم کو بھڑکایا۔ (۵۴ : ۴۳) - (۱۱)۔ انا ربکم الاعلیٰ۔ (۲۴ : ۷۹)

۱۲۔ سرکش۔ مفسد۔ (۱۱-۱۲ : ۸۹)

حضرت موسیٰؑ اور فرعون

۱۔ حضرت موسیٰؑ کا دربارِ فرعون میں آنا۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ۔ تفصیلی بیان۔ (۱۰۳-۱۲۷ : ۷) - (۷۵-۸۲ : ۱۰)
(۱۰۱ : ۱۷) - (۲۴-۶۹ : ۲۰) - (۱۰-۴۵ : ۲۶) - (۳۶-۴۲ : ۲۸) - (۲۳-۲۷ : ۴۰) -
(۴۶-۵۴ : ۴۳) - (۳۸-۳۹ : ۵۱) - (۱۷-۲۵ : ۷۹)

۲۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بھیجا۔ (۹۶-۹۷ : ۱۱) - (۴۵-۴۷ : ۲۳) - (۱۰ : ۲۶)

۳۔ فرعون کے محلات میں حضرت موسیٰؑ کی پرورش۔ (۸-۲۱ : ۲۸) - (۴)۔ فرعون نے تکذیب کی۔ (۱۲ : ۳۸)

۵۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر۔ (۲۸-۴۴ : ۴۰)

۶۔ حضرت موسیٰؑ فرعون کی طرف۔ اسی طرح رسول اللہؐ قریش کی طرف۔ (۱۵ : ۷۳)

فرعون کی بیوی

۱۔ وہ مومنہ صادقہ تھی۔ (۱۱ : ۶۶)

بنی اسرائیل اور فرعون

۱۔ ذبحِ ابناء اور استحیاءِ نساء کا عذاب اور اس سے نجات۔ (۴۹ : ۲) - (۱۴۱ : ۷) - (۶ : ۱۴) - (۴) - (۴ : ۲۸)
ان کے ابناء جو ایمان لائے تھے۔ (۲۵ : ۴۰) - (۲)۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی مملکت کے ایک حصے کا مالک بنا دیا۔
(۵-۶ : ۲۸) - (۵۷-۵۹ : ۲۶)

۹۔ فساد۔ مفسدین

اصلاح اور فساد قرآن کریم کی دو اہم اصطلاحات ہیں اور ایک دوسرے کی ضد۔ ہمارے ہاں فساد کا لفظ دنگا فساد یا لڑائی جھگڑے ــــــــ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صلح کا لفظ صلح صفائی کے معنوں میں اور اصلاح 'ریفارم' کے معنوں میں۔ لیکن عربی زبان اور قرآن کریم میں یہ اصطلاحات ان سے کہیں زیادہ وسیع مفاہیم کے لئے آتی ہیں۔ صلح کے بنیادی معنی ہوتے ہیں "جس چیز کو جس حال میں ہونا چاہیئے اس کا ٹھیک اسی حال میں ہونا"۔ معاشرہ کی ناہمواریوں کے دور ہو جاتے اور افراد کی صلاحیتوں کے مناسب نشوونما پالینے کے لئے بھی یہی الفاظ آتے ہیں۔ فساد اس کی بالکل ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں، بگاڑ پیدا ہو جانا۔ جسے جس حالت میں ہونا چاہیئے اس کا اس حالت میں نہ رہنا۔ ناہمواریاں پیدا ہو جانا۔ مضمحل ہو جانا۔ توازن بگڑ جانا۔

قرآن کریم کی رو سے 'فرد، معاشرہ' یا اشیائے کائنات اس صورت میں اصلاح پذیر ہو سکتی ہیں جب وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کریں۔ لہٰذا جس معاشرہ کا نظام 'قوانینِ خداوندی کے مطابق نہیں ہوگا، اس میں فساد رونما ہوگا جس کا نتیجہ تباہی ہے۔

اس سلسلہ میں عنوانات۔ اصلاح اور صلح بھی دیکھئے۔

فساد کی مختلف نوعیتیں

۱۔ بنی اسرائیل نے ملک میں دو دفعہ فساد کیا۔ اس کے معنی نظامِ مملکت کے تہ وبالا کر دینے کے اور لاقانونیت پھیلا دینے کے ہوئے۔ (۴ : ۱۷)

۲۔ قانون کی اطاعت کے برعکس۔ (۲۱-۲۲ : ۴۷)۔ (یہ منافقین کے متعلق ہے)۔ منافقین سے کہا گیا کہ ملک میں فساد مت برپا کرو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مصلحین ہیں۔ (۱۱-۱۲ : ۲)

۳۔ معاشی ناہمواریاں پیدا کرنا۔ جیسا کہ قومِ شعیبؑ کرتی تھی۔ (۸۵ : ۷)-(۸۵ : ۱۱)-(۱۸۳ : ۲۶)- (۳۶ : ۲۹)

۴۔ خوف اور طمع میں قوانینِ خداوندی کو بلاؤ۔ اور ملک میں فساد مت پھیلاؤ۔ (۵۶ : ۷)

۵۔ ملائکہ نے کہا کہ آدم زمین میں خون ریزیاں کرے گا اور فساد پھیلائے گا۔ یعنی انسان اگر وحی کی روشنی میں نہیں چلے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ (۳۰ : ۲)

۶۔ یتیموں کے معاملات کی اصلاح نہ کرنا۔ (۲۲۰ : ۲)

۷۔ اگر خدا ایسا انتظام نہ کر دے کہ زیادتی کرتے والے گروہوں کی مدافعت دوسرے لوگ کریں تو زمین میں فساد مچ جائے۔ (۲ : ۲۵۱)

۸۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ اگر موسےٰ کو ویسے ہی چھوڑ دیا تو یہ ملک میں فساد برپا کر دے گا۔ (۷ : ۱۲۷) - (۴۰ : ۲۶)

۹۔ صداقتوں سے انکار کرنا اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنا فساد ہے۔ (۱۶ : ۸۸)

۱۰۔ مسرفین کو مفسدین کہا گیا ہے۔ ان کی اطاعت سے روکا گیا ہے۔ (۲۶ : ۱۵۱-۱۵۲)

۱۱۔ قوم ثمود کے دارالسلطنت میں نو مفسد تھے۔ جو ساری تباہی کے ذمہ دار تھے۔ (۲۷ : ۴۸)

۱۲۔ خدا کے عہد کو توڑنا اور انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا فساد ہے۔ (۲ : ۲۷) - (۱۳ : ۲۵)

۱۳۔ یاجوج و ماجوج مفسد تھے۔ (۱۸ : ۹۴)

۱۴۔ خدا کے رزق سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ (۲ : ۶۰)

۱۵۔ حضرت صالحؑ نے قوم سے کہا کہ ملک میں فساد مت پھیلاؤ۔ ان کا معاشی نظام فساد تھا۔ (۷ : ۷۴)

۱۶۔ یہودیوں کی فتنہ پردازیوں اور جنگ سامانیوں کو فساد کہا۔ (۵ : ۶۴)

۱۷۔ جب حضرت موسےٰؑ طور پر گئے تو حضرت ہارونؑ سے کہا کہ اصلاح کی کوشش کرنا اور مفسدین کا اتباع مت کرنا۔ (۷ : ۱۴۲)

۱۸۔ قارون کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کو فساد کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (۲۸ : ۷۷)

۱۹۔ عیسائی گروہ کو سمجھاؤ۔ اگر وہ اس پر بھی اعراض برتیں تو وہ پھر مفسدین میں سے ہوں گے۔ (۳ : ۶۲)

۲۰۔ کفارِ عرب مفسدین تھے۔ (۸ : ۷۳) - (۱۰ : ۴۰)

۲۱۔ فرعون مفسدین میں سے تھا۔ (۱۰ : ۹۱)۔ وہ ملک میں پارٹیاں بناتا تھا اور ناکاروں کو آگے بڑھاتا اور قابل لوگوں کو دھتکار کر رکھتا تھا۔ (۲۷ : ۳۴) - (۲۸ : ۴)

۲۲۔ خدا اور رسول (اسلامی نظامِ مملکت) کے خلاف بغاوت، فساد ہے۔ (۵ : ۳۳)

۲۳۔ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کے بحر و بر میں فساد رونما ہو چکا تھا۔ (۳۰ : ۴۱)

۲۴۔ ہلاکتِ فصل و نسل، فساد ہے۔ (۲ : ۲۰۵) - (۲۵)۔ عاد۔ ثمود۔ فرعون، سب فساد پھیلاتے تھے۔ (۸۹ : ۱۲)

۲۶۔ ملوک جب دوسرے ملک پر چڑھائی کرتے ہیں تو فساد مچا دیتے ہیں۔ اعزّہ کو اذلّہ بنا دیتے ہیں۔ (۲۷ : ۳۴)

۲۷۔ برادرانِ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ ہم چوری کر کے ملک میں فساد برپا نہیں کرنا چاہتے۔ (۱۲ : ۷۳)

۲۸۔ مخالفین کو جہاد کے ذریعے نہ روکو گے تو وہ فساد برپا کر دیں گے۔ (۸ : ۷۳)

۲۹۔ یہودی جنگ کی آگ بھڑکاتے اور اس طرح فساد مچاتے رہتے ہیں۔ خدا فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (۵ : ۶۴)

۳۰۔ قومِ لوط کو مفسد کہا گیا حضرت لوطؑ کی دعا کہ انہیں ان پر غلبہ حاصل ہو۔ (۳۰ : ۲۹)

مفسدین کا انجام

۱۔ قومِ شعیبؑ کی تباہی کے سلسلہ میں کہا کہ دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ (۸۶ : ۷)

۲۔ فساد کا نتیجہ تباہی در تباہی ہے۔ (۸۸ : ۱۶) ۔ (۳)۔ مفسدین نقصان اٹھائیں گے۔ (۲۷ : ۲)

۴۔ قومِ فرعون کی تباہی کے بعد کہا کہ دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ (۱۴ : ۲۷)

۵۔ مفسدین کے کام کبھی نہیں سنورتے (۸۱ : ۱۰)۔ (۶)۔ صالحین اور مفسدین کی زندگی ایک جیسی نہیں ہو سکتی۔ (۲۸ : ۳۸)

۷۔ فرعون کا انجام تباہی تھا۔ (۱۰۳ : ۷) ۔ (۹۱ : ۱۰) ۔ (۸) بغاوت کی سزا۔ (۳۳ : ۵)

۹۔ لوگوں کو فساد سے روکنا ضروری ہے، ورنہ ہلاکت ہو جاتی ہے۔ (۱۱۶ : ۱۱)

۱۰۔ فساد کو روکنے کے لئے سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ (۳۲ : ۵)

مومن کی صفات

مومنین نہ سرکشی اختیار کرتے ہیں نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ (۸۳ : ۲۸)

ارض و سمٰوٰت میں فساد

۱۔ اگر حق لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرنے لگ جائے تو ارض و سمٰوٰت میں فساد برپا ہو جائے۔ (۷۱ : ۲۳)

۲۔ اگر خدا کے علاوہ اور الٰہ بھی ہوتے تو کائنات میں فساد برپا ہو جاتا۔ (۲۲ : ۲۱)

۱۰۔ فسق۔ فاسق

فسق (ف۔س۔ق) ہمارے ہاں فسق (یا فسق و فجور) کا لفظ عام گناہوں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے جتنے الفاظ "گناہ" کے مفہوم کے لئے استعمال کئے ہیں، ان میں سے ہر ایک، الگ خصوصیت رکھتا ہے۔ یہی کیفیت لفظِ فسق کی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر پھل کے اوپر ایک چھلکا ہوتا ہے اور وہ پھل اس چھلکے کے اندر رہتے ہوئے پختگی تک پہنچتا ہے۔ اگر کوئی پھل اس چھلکے کو شق کرکے، کسی ایک طرف کو نکل جائے تو وہ گل سڑ جاتا ہے، پختہ نہیں ہوتا۔ کسی پھل کے اس طرح اپنے چھلکے سے باہر نکل جانے کو عرب، فسق سے تعبیر کرتے تھے۔ قرآن کریم نے یہ لفظ انسانوں کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔

زندگی کا مقصد انسانی ذات کی نشوونما یا اس کی انسانی صلاحیتوں کی برومندی ہے۔ اس مقصد کے لئے قرآن نے ایک قالب (PATTERN) تجویز کیا ہے۔ جس کے اندر رہتے ہوئے، انسانی ذات نشوونما حاصل کرتی ہے۔ اس قالب کو اسلامی نظامِ زندگی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس نظام کے دائرے سے باہر نکل جائے تو اس کی ذات کی نشوونما نہیں ہوسکتی۔ اسے قرآنی اصطلاح میں فسق اور ایسا کرنے والے کو فاسق کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں ہر وہ چھوٹی بڑی لغزش آجائے گی جس سے انسان دائرۂ حق سے باہر نکل جائے اور یوں اس کی ذات کی نشوونما رک جائے۔ لہٰذا باہمی سب وشتم جیسے معاشرتی اور اخلاقی ذمائم سے لے کر کفر تک سب فسق میں داخل ہیں۔ قرآن کریم نے فسق کی مختلف شکلوں کی وضاحت مختلف مقامات پر کی ہے۔

فسق کیا ہوتا ہے

۱۔ ابلیس نے سجدہ کے انکار سے اپنے رب کے حکم سے سرتابی برتی۔ (۱۸ : ۵۰)

۲۔ کفر کو فسق کہا گیا ہے۔ (۹۹ : ۲)۔(۲۰ : ۴۶)

۳۔ بنی اسرائیل نے حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کی۔ اسے فسق کہا گیا۔ (۵۹ : ۲)۔(۱۶۳ : ۷)

۴۔ تکذیبِ آیات، جو ایمان کی ضد ہے، فسق ہے۔ (۴۹ : ۶)

۵۔ موعظتِ خداوندی کو بھلا دینا ظلم ہے۔ اسے فسق بھی کہا گیا ہے۔ (۱۶۵ : ۷)

۶۔ قومِ لوط کی فحش کاری کو فسق کہا گیا ہے۔ (۷۴ : ۲۱)۔(۳۴ : ۲۹)

۷۔ بتوں کے استھانوں پر جانور ذبح کرنا۔ یا پانسوں سے تقسیم کرنا (قرعہ اندازی وغیرہ) فسق ہے۔ (۳ : ۵)

۸۔ جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے کھانا فسق ہے۔(۱۲۲ : ۶)۔(۹)۔ حرام چیزوں کا کھانا فسق ہے۔ (۱۴۶ : ۶)

۱۰۔ جب فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ (یہاں فاسق ناقابلِ اعتماد کے معنوں میں آیا ہے)۔(۶ : ۴۹)

۱۱۔ میثاقِ خداوندی سے پھر جانا، فسق ہے۔ (۸۱ : ۳)۔ (۱۲)۔ ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہ کرنا (فیصلے نہ کرنا) فسق ہے۔ (۴۷ : ۵)۔ اسے ظلم بھی کہا گیا ہے۔ (۴۵ : ۵)۔ اور کفر بھی۔ (۴۴ : ۵)

۱۳۔ اہلِ کتاب میں سے ایمان نہ لانے والے فاسق ہیں۔ (۵۹ : ۵) ۔ (۸۱ : ۵)

۱۴۔ مشرکینِ عرب جو جنگ میں عہد و پیمان کا بھی پاس نہیں رکھتے تھے، فاسق تھے۔ (۸ : ۹)

۱۵۔ منافق، فاسق ہیں۔ (۶۷ : ۹) ۔ فاسق بھی اور کافر بھی۔ (۵۳ : ۹)۔ (۸۰ : ۹) ۔ (۸۴ : ۹) ۔
(۹۶ : ۹) ۔ (۶ : ۶۳) ۔ (۱۶) جھوٹی تہمت لگانے والا فاسق ہے۔ (۴ : ۲۴)

۱۷۔ جو اسلامی مملکت کے قیام کے بعد بھی کفر اختیار کرے، وہ فاسق ہے۔ (۵۵ : ۲۴)

۱۸۔ دین الحق کے مخالفین کو فاسق کہا گیا ہے۔ (۳۵ : ۴۶)۔

۱۹۔ مرورِ زمانہ سے اہلِ کتاب کے دل سخت ہو گئے اور یوں وہ فاسق ہو گئے۔ (۱۶ : ۵۷)

۲۰۔ نصاریٰ نے رہبانیت اختیار کر لی۔ ان میں بعض ایمان لے آئے اور دوسرے فاسق رہے۔ اس اعتبار سے رہبانیت
فسق ہے۔ (۲۷ : ۵۷) ۔ (۲۱)۔ خدا کو بھلا دینے والے خود اپنی ذات کو بھلا دیتے ہیں۔ اور یہ فاسق ہیں (۱۹ : ۵۹)

۲۲۔ فاسقین گمراہ ہیں۔ یعنی وہ خدا کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور جنہیں جوڑنے کا حکم خدا نے دیا ہے انہیں کاٹ دیتے ہیں۔ اور
اور ملک میں فساد برپا کرتے ہیں۔ (۲۶-۲۷ : ۲)

۲۳۔ بنی اسرائیل کی مختلف حرکتوں کے بعد کہا کہ وہ فاسق تھے۔ (۲۴-۲۵ : ۵)۔ (۱۴۵ : ۷) ۔ (۵ : ۶۱)

۲۴۔ شہادت ٹھیک ٹھیک نہ دینا۔ اور یوں تقویٰ شعار نہ ہونا، فسق ہے۔ (۱۰۸ : ۵)

۲۵۔ ایمان لانے کے بعد اپنے عہد پر قائم نہ رہنا فسق ہے۔ (۱۰۲ : ۷)

۲۶۔ ماں باپ۔ بھائی بہن۔ خویش و اقارب۔ مال و دولت۔ غرضیکہ دنیا کی کسی چیز کو، خدا اور رسول اور جہاد پر
ترجیح دینا فسق ہے۔ (۲۴ : ۹)

۲۷۔ قومِ فرعون فاسق تھی۔ (۱۲ : ۲۷)۔ (۳۲ : ۲۸)۔ (۵۴ : ۴۳)۔(۲۸)۔ قومِ نوح فاسق تھی۔ (۴۶ : ۵۱)

۲۹۔ یہودِ مدینہ کو، جن کے خلاف جنگ کی گئی تھی، فاسق کہا گیا ہے۔ (۵ : ۵۹)

۳۰۔ اپنے دلوں کو راہِ راست سے پھیر لینا فسق ہے۔ (۵ : ۶۱)

۳۱۔ حج میں فسوق اور جدال نہیں ہونا چاہیئے۔ (۱۹۷ : ۲)

۳۲۔ شہادت درست دو۔ کاتب کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ ایسا کرنا فسوق ہے۔ (۲۸۲ : ۲)

۳۳۔ دوسروں کے برے برے نام رکھنا (اسم الفسوق) بہت بری بات ہے۔ (۱۱ : ۴۹)

۳۴۔ خدا نے کفر۔ فسوق اور عصیان کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ (۷ : ۴۹)

فسق کا نتیجہ

۱- فسق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ایمان نہیں لاتا - (۳۳ : ۱۰)
۲- مترفین فسق کرتے ہیں تو بستیاں تباہ ہوجاتی ہیں - (۱۶ : ۱۷) - (۳) - فاسق جہنم میں - (۲۰ : ۳۲) - (۲۰ : ۴۶)
۴- بنی اسرائیل پر فسق کی وجہ سے دنیا میں عذاب - (۵۹ : ۲)
۵- فسق کا نتیجہ عذاب - (۴۹ : ۶) - (۱۶۵ : ۷) - (۶) - قوم لوط پر فسق کی وجہ سے عذاب - (۳۴ : ۲۹)
۷- قوم فاسقین ہی ہلاک ہوتی ہے - (۳۵ : ۴۶) - (۸) - انسان اپنی ذات کو بھلا دیتا ہے - (۱۹ : ۵۹)
۹- بنی اسرائیل پر ارضِ موعودہ چالیس سال تک حرام قرار دے دی گئی - (۲۶ : ۵)
۱۰- فاسقین کو ہدایت نہیں مل سکتی - (۱۰۸ : ۵) - (۲۴ : ۹) - (۸۰ : ۹) - (۵ : ۶۱) - (۶ : ۶۳)

فسق کا تقابل

۱- مومن اور فاسق برابر نہیں ہوسکتے - (۱۸ : ۳۲) - (۲) مومن جنت میں - فاسق جہنم میں - (۲۰ : ۳۲)
۳- مومن بمقابلہ فاسق - (۱۰۹ : ۳) - (۴) - ہدایت یافتہ کے مقابل میں فاسق - (۲۶ : ۲) - (۲۴ : ۹) - (۲۶ : ۵۷)
۵- ایمان کے مقابلہ میں فسق - (۲۶ : ۵۷) - (۶) - خدا نے کفر، فسوق اور عصیان کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے - (۷ : ۴۹)

متفرق

۱- اکثر لوگ فاسق ہوتے ہیں - (۴۹ : ۵) - (۵۹ : ۵)

(۰)

"فضل"

(فضیلت - افضلیت)

فضل - اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کمی کا نہ ہونا بلکہ جس قدر ضرورت ہے اس سے بھی زائد ہونا - اس لئے فضیلت

یا افضلیت کے معنی دوسروں پر برتری یا فوقیت کے آتے ہیں کیونکہ برتری سے مراد ہی یہ ہوتی ہے کہ اس شخص کو دوسروں سے زیادہ خصوصیات حاصل ہیں۔ یوں تو فضل کا لفظ، زندگی کی ہر ضرورت اور آسائش کے لئے بولا جاتا ہے لیکن عام طور پر اس سے مفہوم رزق کی خوشحالی اور فارغ البالی ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک طرف، رزق کی افراط اور فراوانی کو خدا کا فضل کہا گیا ہے تو دوسری طرف وحی جیسی موہبت کبریٰ کو بھی فضلِ ایزدی سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایک انسان میں جسے نبی یا رسول کہا جاتا ہے ایسی منفرد خصوصیت تھی جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہوتی تھی۔ امتیازی خصوصیت کا یہ اضافہ فضلِ خداوندی تھا۔

غرضیکہ، ہر قسم کی فراوانی اور بہتات، خواہ وہ دنیاوی سامانِ زیست و آسائش میں ہو، یا جوہرِ ذاتی کے سلسلہ میں، فضل کی جامع اصطلاح میں آجائے گی۔ خواہ وہ افراد میں ہو یا اقوام میں۔

ایک دوسرے پر فضیلت

۱۔ پیدائشی طور پر مردوں اور عورتوں کو الگ الگ خصوصیات دی گئی ہیں تاکہ وہ فطری وظائف کو کما حقہ پورا کر سکیں۔ ان کی وجہ سے احساسِ کمتری یا مہتری پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ (۴ : ۳۲)

۲۔ شق ۱ میں جن انفرادی خصوصیات کا ذکر ہے ان کی بنا پر مرد کے ذمہ، اہلِ خانہ کے لئے سامانِ رزق مہیا کرنا ہے۔ (۴ : ۳۴) — (۳)۔ مجاہدین کو قاعدین پر افضلیت حاصل ہے۔ (۴ : ۹۵)

۴۔ اکتسابِ رزق کی استعداد میں مختلف افراد میں فرق ہوتا ہے جنہیں زیادہ استعداد حاصل ہو انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی زائد از ضرورت آمدنی اپنے زیردستوں کو دیدیں۔ کیونکہ ان کی استعداد کی زیادتی نعمتِ خداوندی ہے۔ (۱۶ : ۷۱)

۵۔ بنی اسرائیل کو ان کی ہم عصر اقوام پر فضیلت دی گئی تھی۔ (۲ : ۴۷)۔(۲ : ۱۲۲)۔(۷ : ۱۴۰)۔(۱۶ : ۴۵)

۶۔ رسولوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی گئی۔ (۲ : ۲۵۳)۔(۱۷: ۵۵)

۷۔ رسولوں کو دیگر افراد پر فضیلت دی گئی۔ (۶ : ۸۷)

۸۔ طبیعی دنیا میں جو شخص بھی قاعدے قانون کے مطابق محنت کرے گا۔ اسے اس کا پھل ملے گا۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ اس کا مشاہدہ مختلف اقوام میں کیا جا سکتا ہے۔ (۱۷ : ۲۱)

۹۔ نوعِ انسان (بنی آدم) کو اکثر مخلوق پر فضیلت دی گئی ہے۔ (۱۷ : ۷۰)

۱۰۔ کھانے میں بعض پھلوں کو ——— دوسرے پھلوں پر افضلیت حاصل ہے۔ (۱۳ : ۴)

۱۱۔ سردارانِ قوم نے عوام کو بھڑکایا کہ (حضرت) نوحؑ تم پر افضلیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (۲۳ : ۲۴)

۱۲۔ دوزخ میں لیڈروں اور عوام کا مکالمہ۔ ایک دوسرے پر الزام کہ تم بھی ہمارے جیسے ہی تھے۔ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ (۳۹ : ۷)

عام طبیعی زندگی کی خصوصیات اور متاعِ حیات

۱۔ کفار اور مشرکین چاہتے ہی نہیں تھے کہ مومنین کو خیر ملے۔ لیکن اللہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ یہاں فضل سے مراد وحی کی راہ نمائی اور اس کی رو سے حاصل شدہ زندگی کی آسائشیں وغیرہ سب ہیں۔ (۱۰۵ : ۲)

۲۔ باہمی معاملات میں، عدل (جو کچھ قانون کی رو سے دیا جانا واجب ہو) سے آگے فضل کو بھی ملحوظ رکھا کرو۔ یعنی اس سے زائد بھی دے دیا کرو۔ (۲۳۷ : ۲)

۳۔ جنگ میں کامیابی اور مالِ غنیمت خدا کا فضل ہے۔ (۱۷۴ : ۳) ۔ (۷۳ : ۴)

۴۔ اقوامِ عالم میں امتیازی مقام حاصل ہو جانا خدا کا فضل ہے۔ (۲۹ : ۸)

۵۔ انابت الی اللہ سے زندگی کی متاعِ حسنہ ملتی ہے اور یوں ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل (حصّہ) مل جاتا ہے۔ (۳ : ۱۱) ۔ (۶) ۔ سردارانِ قوم نے حضرت نوحؑ سے کہا کہ تمہیں یا تمہارے متبعین کو ہمارے مقابلہ میں کچھ بھی سامانِ زیست (فضل) حاصل نہیں۔ اس لئے ہم تمہارے متبع کیسے بن جائیں۔ (۲۷ : ۱۱)

۷۔ جن لوگوں کو متاعِ حیات فراوانی سے ملا ہے وہ تنگدستوں کی اعانت سے اس لئے ہاتھ نہ روک لیں کہ ان سے انہیں کوئی ذاتی رنجش پہنچی ہے۔ (۲۲ : ۲۴)

۸۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ جس قدر شوکت وحشمت انہیں حاصل ہوئی ہے، خدا کا فضل ہے۔ (۱۶ : ۲۷) ۔ (۴۰ : ۲۷) حضرت داؤدؑ کو بھی۔ (۱۰ : ۳۴) ۔ (۹) ۔ رات کا راحت وآرام کا ذریعہ ہونا خدا کا فضل ہے۔ (۶۱ : ۴۰)

۱۰۔ زندگی کی متاعِ فضلِ خداوندی ہے۔ (۱۸۰ - ۱۶۹ : ۳) ۔ (۳۷ : ۴) ۔ (۲۸ : ۹) ۔ (۵۹ : ۹) ۔ (۷۵ - ۷۶ : ۹) ۔ (۷۴ : ۹)

فضل بمعنی رزق (خصوصی طور پر)

۱۔ اس مفہوم کے لئے ذیلی عنوان "ایک دوسرے پر فضیلت" دیکھئے جس میں رزق کے معاملہ میں ایک دوسرے پر فضیلت کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً۔ (۷۱ : ۱۶) ۔ (۲۱ : ۱۷) ۔ (۷۰ : ۱۷) ۔ (۱۴ : ۴۵)

۲- جب صلوٰۃ سے فارغ ہو جاؤ تو تلاشِ رزق میں چل نکلو۔ (۱۰ : ۶۲)

۳- جماعتِ مومنین کے افراد کو تلاشِ رزق کے لئے بھی جانا ہوتا ہے۔ (۲۹ : ۴۸) - (۸ : ۵۹) - (۲۰ : ۷۳)

۴- حج میں تلاشِ رزق کی ممانعت نہیں۔ (۱۹۸ : ۲)

۵- شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ خدا تمہیں کشائشِ رزق کی دعوت دیتا ہے۔ (۲۶۸ : ۲)

۶- بیت الحرام میں امن میں زندگی گزارنے والے بھی تلاشِ رزق کرتے ہیں۔ (۲ : ۵)

۷- دن، تلاشِ رزق کے لئے ہے۔ (۱۲ : ۱۷) - (۷۳ : ۲۸) - (۲۳ : ۳۰)

۸- سمندروں میں تلاشِ رزق۔ (۱۴ : ۱۶) - (۶۶ : ۱۷) - (۴۶ : ۳۰) - (۱۲ : ۳۵) - (۱۲ : ۴۵) -

۹- اللہ رزق میں اضافہ بھی کر دیتا ہے۔ (۳۸ : ۲۴)

خدا کا فضل

۱- بنی اسرائیل کو ان کی خطاکوشیوں کی معافی مل جانا، خدا کا فضل تھا۔ (۶۴ : ۲) - (۲۴۳ : ۲)

۲- اللہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ (۱۰۵ : ۲) — (۳)۔ خدا مستبد لوگوں کی مدافعت دوسری جماعتوں سے کراتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انسانوں کے لئے صاحبِ فضل ہے۔ (۲۵۱ : ۲)

۴- وحی اور ہدایت خدا کا فضل ہے۔ (۷۳-۷۴ : ۳) - (۵۴ : ۴) - (۱۱۳ : ۴) - (۱۷۵-۱۷۶ : ۴) - (۵۸ : ۱۰) - (۶۰ : ۱۰) - (۳۸ : ۱۲) - (۸۷ : ۱۷) - (۴۷ : ۳۳) - (۲۹ : ۵۷) - (۴ : ۶۲)

۵- دشمن پر غلبہ عطا کرنا اور معرکۂ کارزار میں چھوٹی موٹی لغزشوں سے درگزر کرنا، خدا کا فضل ہے۔ (۱۵۱ : ۳)

۶- مقتولین فی سبیل اللہ کو جو کچھ فضلِ ایزدی سے ملتا ہے، وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ (۱۶۹-۱۷۰ : ۳)

۷- میدانِ جنگ میں کامیابی اور مالِ غنیمت کا حاصل ہونا، خدا کا فضل ہے۔ (۱۷۳ : ۳)

۸- انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب ہو جانا، خدا کا فضل ہے۔ (۶۹-۷۰ : ۴)

۹- غلط افواہیں پھیلانے والوں کے شر سے محفوظ رہنا، خدا کا فضل ہے۔ (۸۳ : ۴) - (۱۴ : ۲۴) - (۲۰-۲۱ : ۲۴)

۱۰- غلط قدم اٹھانے سے بچ جانا، خدا کا فضل ہے۔ (۱۱۳ : ۴)

۱۱- سچے معنوں میں جماعتِ مومنین کا وجود میں آ جانا، خدا کا فضل ہے۔ (۵۴ : ۵)

۱۲- قوم کو امتیازی مقام حاصل ہو جانا۔ ناہمواریوں کا دور ہو جانا۔ سامانِ حفاظت حاصل ہو جانا، خدا کا فضل ہے (۲۹ : ۸)

۱۳۔ خدا کی طرف سے صحیح قوانین کا مل جانا جن میں انسانی کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، خدا کا فضل ہے۔ (۱۰ : ۲۴)

۱۴۔ قانونِ مکافات میں مہلت کا وقفہ مل جانا خدا کا فضل ہے۔ (۳ : ۲۷)

۱۵۔ جنت کا مل جانا خدا کا فضل ہے۔ (۳۵ : ۳۵)۔ (۲۲ : ۴۲)۔ (۵۷ : ۴۴)۔ (۲۱ : ۵۷)

۱۶۔ وراثتِ کتاب خدا کا فضلِ کبیر ہے۔ (۳۲ : ۳۵)

۱۷۔ رات کو راحت و آرام کا ذریعہ بنانا خدا کا فضل ہے۔ (۶۱ : ۴۰)

۱۸۔ رسولؐ جیسے راہ نما کا امت میں ہونا خدا کا فضل ہے۔ (۸-۷ : ۴۹)

۱۹۔ زندگی کی متاع۔ دولت۔ سب خدا کا فضل ہے (۱۶۹ : ۳)۔ (۳۷ : ۴)

۲۰۔ خدا سے اس کا فضل مانگا کرو۔ (۳۲ : ۴)۔ (۲۱)۔ ایمان و اعمالِ صالحہ کے کاموں کا اجر ملتا ہے اور خدا اپنے فضل سے اضافہ بھی کر دیتا ہے۔ (۱۷۳ : ۴)۔ (۳۸ : ۲۴)۔ (۳۰ : ۳۵)۔ (۲۶ : ۴۲)

۲۲۔ اگر تم تنگدستی سے ڈرتے ہو تو خدا تمہیں اپنے فضل سے مستغنی کر دے گا۔ (۲۸ : ۹)۔ (۵۹ : ۹)۔ (۷۴ : ۹)۔ (۷۶-۷۵ : ۹)۔ (۳۲ : ۲۴)۔ (۳۳ : ۲۴)

۲۳۔ خدا اگر کسی کو خیر سے نوازے تو اس کے فضل کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ (۱۰۷ : ۱۰)

۲۴۔ ایمان اور اعمالِ صالح کا بدلہ خدا کے فضل سے ملتا ہے۔ (۴۵ : ۳۰)

جوہرِ ذاتی کی خصوصیات (نیز وحی)

اس کے لئے ذیلی عنوان "ایک دوسرے پر فضیلت" دیکھئے جس میں مختلف گوشوں میں تقابلی افضلیت کا ذکر ہے۔ مثلاً (۲۵۳ : ۲)۔ (۹۵ : ۴)۔ (۸۷ : ۶)۔ (۵۵ : ۱۷)

۱۔ کفار نہیں چاہتے تھے کہ مومنین کو خیر حاصل ہو لیکن خدا صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ اسی میں وحی کی راہ نمائی اور اس سے حاصل شدہ زندگی کی تمام آسائشیں ہیں۔ (۱۰۵ : ۲)

۲۔ وحی اور ہدایت خدا کا فضل ہے۔ (۹۰ : ۲)۔ (۷۳-۷۲ : ۳)

۳۔ انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء۔ صالحین کی رفاقت نصیب ہو جانا، خدا کا فضل ہے۔ (۷۰-۶۹ : ۴)

۴۔ جن باتوں کا تمہیں علم نہیں تھا۔ ان کا علم عطا کرنا فضلِ خداوندی ہے۔ (۱۱۳ : ۴)

فطرت ۱۲

(قوانینِ فطرت۔ مظاہرِ فطرت)

فطرت (ف۔ط۔ر) یوں تو اس مادہ کے بنیادی معنی، شق کرنا۔ پھاڑنا۔ کھودنا یا بنانا ہیں لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کام کو پہلی مرتبہ کیا جائے۔ لہٰذا فَطَرَ کے معنی ہوں گے اس نے اس کام کو پہلی مرتبہ کیا۔ اس اعتبار سے خدا کو **فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (۱۴ : ۱۰) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ جس نے کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ وہ جو اسے عدم سے وجود میں لایا۔ اسی کو دوسری جگہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہا گیا ہے۔ (۲ : ۱۱۷)۔ اس نہج سے فطرت اللہ کے معنی ہوں گے، خدا کا وہ قانونِ تخلیق جس کے مطابق وہ اشیائے کائنات (اور انسان) کو عدم سے وجود میں لایا۔ جس کی رو سے اس نے انہیں تخلیق کیا۔

لیکن ہمارے ہاں فطرت کا لفظ (NATURE) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور نیچر سے مراد ہوتی ہے کسی شے کی وہ خصوصیت جو اٹل ہو۔ جو غیر مبدل ہو یعنی ایسی خصوصیت جس سے اس شے کا تشخص (IDENTITY) وابستہ ہے مثلاً آگ کی فطرت، حرارت پہنچانا ہے۔ اگر وہ حرارت نہیں پہنچاتی تو وہ آگ نہیں۔ پانی کی فطرت (ایک خاص ٹمپریچر پر) سیال ہو کر نشیب کی طرف بہنا ہے۔ اسی طرح شیر کی فطرت درندگی اور بکری کی فطرت چرندگی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ کوئی شے اپنی فطرت کو بدل نہیں سکتی۔ لہٰذا فطرت، مجبور اشیاء کی ہوتی ہے جو صاحبِ اختیار و ارادہ ہو اس کی کوئی فطرت نہیں ہوتی۔ لہٰذا، ان معنوں میں نہ خدا کی کوئی فطرت ہو سکتی ہے نہ انسان کی۔ البتہ خدا نے جو قوانین بنائے ہیں، انہیں فطرت اللہ کہا جا سکتا ہے۔ انہی کو سنت اللہ بھی کہتے ہیں۔ اور کلمۃ اللہ بھی — جب یہ قوانین، فارمولا کی شکل میں ہوں تو انہیں کلمۃ اللہ کہا جائے گا۔ اور جب وہ عملی شکل اختیار کر لیں تو انہیں سنت اللہ سے تعبیر کیا جائے گا۔ (دیکھئے عنوان سنت اللہ اور کلمۃ اللہ)۔ خارجی کائنات سے متعلق قوانین کو قوانینِ فطرت (LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے اور انہیں انسانی علم کے ذریعے دریافت کر لیا جا سکتا ہے۔ تسخیر ارض و سما سے مراد یہ ہے کہ سلسلۂ کائنات انہی قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہے۔ جنہیں انسان اپنی سعی و کاوش سے دریافت کر سکتا ہے۔ جب اس قانون کو معلوم کر لیا جائے جس کے تابع کوئی شے سرگرمِ عمل ہے تو وہ شے خود انسان کیلئے مسخر ہو جاتی ہے۔ لیکن انسانی زندگی سے متعلق قوانین، وحی کے ذریعے، بوساطت حضرات انبیاء کرام ملتے تھے اور اب وہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ جب ان قوانین کو سمجھ کر، ان پر عمل کیا جائے تو اس سے انسان خود اپنے آپ کو

مسخر کر لیتا ہے۔ اسی کو ضبطِ خویش کہا جاتا ہے۔ جو انسانی ترقی کا سنگِ بنیاد ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان کی کوئی فطرت ہی نہیں تو اسلام کو دینِ فطرت کہنا بھی صحیح نہیں۔ اس کے دینِ فطرت ہونے سے مراد، زیادہ سے زیادہ اس کا وہ گوشہ ہو سکتا ہے جس کا تعلق اشیائے فطرت سے ہے۔ جہاں تک انسانی زندگی کا تعلق ہے، اسلام، دینِ فطرت نہیں کہلا سکتا۔

زیرِ نظر عنوان میں ہم، قوانینِ فطرت سے بحث کریں گے۔ اسی کو فطرت اللہ کہا گیا ہے اور الدین القیم (۳۰ : ۳۰)۔ اس لئے کہ یہ دین (قوانینِ فطرت) اٹل اور غیر متبدل ہے۔

قرآن کریم کوئی سائنس کی کتاب نہیں اس لئے اس میں قوانینِ فطرت کی کوئی فہرست نہیں دی گئی۔ اس کا مقصد انسان کے سامنے خدا کا صحیح تصور لا کر، اس کی (انسان کی) ذات کی بالیدگی اور ارتقا ہے۔ لہٰذا، اس میں مظاہرِ فطرت کا بیان، اس سلسلہ میں ضمناً آجاتا ہے۔ اور انہی مظاہرِ فطرت سے قوانینِ فطرت مستنبط ہوتے ہیں۔ قوانینِ فطرت کی فہرست تو طول طویل ہے لیکن ان کی عمارت دو بنیادی اصولوں پر اٹھتی ہے۔ یعنی وحدتِ کائنات کا اصول (LAW OF UNIFORMITY OF NATURE) اور قانونِ علت و معلول (LAW OF CAUSE AND EFFECT)۔ قرآن میں یہ دو بنیادی اصول شرح و بسط سے بیان ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ قوانینِ فطرت کا اتباع بھی خدا ہی کے قوانین کا اتباع ہے۔ لیکن یہ اطاعت خداوندی ناتمام ہے۔ یہ مکمل اس وقت ہوتی ہے جب قوانینِ فطرت کے اتباع سے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے، انہیں قرآن میں عطا کردہ قوانین کے مطابق استعمال کیا جائے۔ اس طرح انسان کی دنیا بھی سنورتی ہے اور اس کا مستقبل (اخروی زندگی) بھی۔ صرف قوانینِ فطرت کے اتباع سے اس زندگی کے طبیعی مفاد تو حاصل ہو سکتے ہیں، انسانی سطحِ زندگی سنور نہیں سکتی، لہٰذا، اسلام نام ہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں قرآن کی مستقل اقدار کے مطابق صرف کرنا۔ ان دو شقوں میں سے اگر ایک بھی شق گم ہے تو وہ زندگی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔

نظامِ فطرت

۱۔ قانونِ خداوندی کی رو سے، رات کی تاریکی، دن کی روشنی کے اندر چلی جاتی ہے۔ اور دن کی روشنی، رات کی تاریکی میں۔ (۳ : ۲۶) - (۳۱ : ۲۹)

۲۔ کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے اور ان کا ہر قدم اس کی طرف اٹھتا ہے۔ طوعاً یا کرھاً۔ یہ دینِ خداوندی ہے۔

کیا انسان اپنے لئے اس دین کے خلاف کوئی اور دین چاہتا ہے؟ (۸۲ : ۳) - (۱۵ : ۱۳) - (۵۰-۴۸ : ۱۲)

۳- دآبّہ ہوں یا طائر، سب انسانوں کی طرح امم ہیں - کوئی شے ایسی نہیں جس کے لئے خدا نے کتاب فطرت میں قانون نہ رکھ دیا ہو - پھر یہ سب اسی کی طرف جمع ہوں گے - (۳۸ : ۶) - (۳ : ۳۴)

۴- خدا، فالق الحب و النویٰ ہے - زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے، مردہ سے زندہ کو - صبح کی نمود - رات کا سکون اس کے قانون کی رو سے ہوتا ہے - اس نے شمس اور قمر کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے - اور ستاروں کو راہ نمائی کا ذریعہ - وہ بادلوں سے بارش برساتا ہے اور اس سے سبزیاں - فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں - (۹۹-۱۰۰ : ۶) - (۱۹ : ۳۰)

۵- تخلیقِ ارض و سما - اختلافِ لیل و نہار - تسخیرِ شمس و قمر و نجوم - خلق اور امر اس کے لئے ہے - (۵۴ : ۷)

۶- بارش سے پہلے مژدہ نواز ہواؤں کا بھیجنا - اور بارش سے نباتات کا اُگنا - (۵۷ : ۷)

۷- وہ تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اسے گردشیں دیتا ہے - سورج کو ضیا اور قمر کو نور بنایا - اور اس کی منازل مقرر کر دیں، تاکہ ان سے حساب رکھنے کا کام لیا جاسکے - (۴-۵ : ۱۰)

۸- رات کو سکون کے لئے اور دن کو روشنی کے لئے بنایا - (۶۷ : ۱۰) - (۸۶ : ۲۷)

۹- نظامِ کائنات اس لئے ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالح کا بدلہ انصاف کے ساتھ دیا جائے - (۴ : ۱۰)

۱۰- اجرامِ فلکی بغیر ستونوں کے معلق کھڑے ہیں - شمس و قمر مسخر ہیں - سب ایک اجلِ مسمّٰی تک کے لئے چل رہے ہیں - زمین پھیلا دی گئی اور اس پر پہاڑ کھڑے کر دیئے گئے ہیں - زمین میں قطعات ایک دوسرے کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں لیکن ان میں پھل اور فصلیں مختلف اقسام کی اُگتی ہیں - (۲-۴ : ۱۳) - (۸ : ۳۰) - (۱۰ : ۳۱) - (۲۹ : ۳۱) - (۱۳ : ۳۵) - (۵ : ۳۹)

۱۱- برق، خوف و طمع کی علامت ہوتی ہے - بادل تیرتے پھرتے ہیں - رعد اس کی حمد کرتی ہے - ملائکہ اس سے خائف ہوتے ہیں - کڑک بھی اس کی طرف سے آتی ہے - (۱۲-۱۳ : ۱۳)

۱۲- ارض و سما میں جو کچھ ہے سب خدا کے حضور سجدہ ریز ہے - اور ان کے سائے بھی - (۱۵ : ۱۳) - (۴۸-۴۹ : ۱۶) (۱۹ : ۲۱) - (۱۸ : ۲۲) - (۱۱ : ۴۱)

۱۳- خدا زمین کی اطراف کم کرتا جا رہا ہے - (یا اسے بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ سے چھینتا جا رہا ہے) - (۴۱ : ۱۳)

۱۴- تخلیقِ ارض و سما اور تسخیرِ شمس و قمر - اس کی نعمتیں بے حد و شمار ہیں - تمہاری ہر ضرورت کا سامان اس نے مہیا کر رکھا ہے - (۳۲-۳۴ : ۱۴)

۱۵۔ آسمان میں بروج (اجرامِ فلکی) جنہیں دیکھنے والوں کے لئے وجہِ زینت بنایا۔ (شہابِ ثاقب کا بھی یہی ذکر ہے)۔ زمین کو پھیلایا۔ نباتات اگائی۔ اس میں تمہارے لئے معاش ہے اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔ خدا کے ہاں رزق کے خزانے ہیں لیکن اس میں سے بقدرِ معلوم باہر نکلتے ہیں۔ ہوائیں بھی اس کے قانون کے مطابق چلتی ہیں۔ (۲۳-۱۶ : ۱۵)-(۶۲-۶۱ : ۲۵) (۷-۶ : ۳۷)-(۱۲ : ۴۱)-(۶ : ۵۰)-(۵ : ۷۶)

۱۶۔ بارش۔ روئیدگی۔ نباتات و ثمرات کی مختلف قسمیں۔ تسخیرِ مظاہرِ فطرت۔ اجرامِ فلکی۔ اس کی نعمتیں بے حد و شمار ہیں۔ (۱۵-۱۰ : ۱۶)

۱۷۔ زمین تمہیں اپنے اوپر اٹھائے مصروفِ گردش ہے۔ (۱۵ : ۱۶)-(۳۱ : ۲۱)-(۱۰ : ۳۱)

۱۸۔ انعام (مویشیوں) کا دودھ دینے کا نظام۔ کھجوروں اور انگوروں سے رزق اور سکر۔ شہد کی مکھی کا نظام۔ ان سب میں آیات ہیں۔ (۶۹ - ۶۶ : ۱۶)

۱۹۔ رات اور دن کی گردش۔ رات سکون کے لئے۔ دن تلاشِ معاش کے لئے۔ اور حساب و شمار رکھنے کے لئے۔ (۱۲ : ۱۷)

۲۰۔ زمین کو مہد بنایا۔ بارش اور نباتات کا نظام۔ (۵۴-۵۳ : ۲۰)

۲۱۔ سلسلۂ کائنات کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ (۱۶ : ۲۱)۔ باطل پیدا نہیں کیا۔ (۱۹۰-۱۸۹ : ۳)۔ بالحق پیدا کیا ہے (۸ : ۳۰)

۲۲۔ ارض و سمٰوٰت پہلے ایک ہیولیٰ تھے۔ پھر انہیں الگ الگ کیا۔ پانی سے ہر زندہ شے کو پیدا کیا۔ فضائے آسمان کو زمین والوں کے لئے سقفِ محفوظ بنایا۔ اجرامِ فلکی سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ (۳۳-۳۰ : ۲۱)-(۳۰ : ۹)

۲۳۔ بنجر زمین سے نباتات کی پیدائش۔ (۵ : ۲۲)

۲۴۔ لیل و نہار کی تبدیلی۔ بارش اور روئیدگی کا نظام۔ (۶۵-۶۱ : ۲۲)

۲۵۔ تمہارے اوپر سبع طرائق بنائے۔ (۱۷ : ۲۳)

۲۶۔ خدا تخلیق کی طرف سے غافل نہیں۔ (۱۷ : ۲۳)۔ تخلیق مایشاء۔ (۴۵ : ۲۴)۔ وہ "موسع" ہے۔ یعنی (EXTEND) کرنے والا۔ (۴۷ : ۵۱)۔ تخلیق میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ (۱ : ۳۵)

۲۷۔ نظامِ باراں اور نباتات۔ مویشی اور ان کا دودھ۔ (۲۲ - ۱۸ : ۲۳)

۲۸۔ اختلافِ لیل و نہار اس کے لئے ہے۔ (۸۰ : ۲۳)۔ (۲۹)۔ پانی سے تمام دآبّہ پیدا کئے۔ (۴۵ : ۲۴)

۳۰۔ بارش کا نظام۔ تقلیبِ لیل و نہار۔ دآبّہ کی پانی سے تخلیق۔ (۴۵-۴۱ : ۲۴)

۳۱۔ نظامِ لیل و نہار۔ باد و باراں۔ دو دریا ملتے ہوئے۔ ایک نمکین دوسرا میٹھا۔ (۵۳ - ۴۵ : ۲۵)-(۱۲ : ۳۵)-(۲۰-۱۹ : ۵۵)

۳۲۔ زمین میں مختلف اقسام کی نباتات پیدا کی۔ اس میں آیت ہے۔ (۸-۷ : ۲۶)

۳۳۔ نظامِ فطرت کی تفاصیل کے بعد کہا کہ وہ کون ہے جو ایسا کر سکتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ اور الٰہ بھی ہیں۔ (۶۴-۶۰ : ۲۷)

۳۴۔ اللہ نے ہر شے کو بہترین طور پہ پیدا کیا۔ (اَتْقَنَ)۔ (۸۸ : ۲۷)

۳۵۔ اگر لیل و نہار کی گردش رک جائے تو اسے کون جاری کر سکتا ہے۔ (۷۲-۷۱ : ۲۸)

۳۶۔ ان سے اگر پوچھو کہ تخلیقِ ارض و سما کون کرتا ہے اور زمینِ مردہ کو حیاتِ تازہ کون عطا کرتا ہے تو یہ کہیں گے اللہ۔ (۶۳-۶۱ : ۲۹)

۳۷۔ زمین کی حیاتِ تازہ۔ نظامِ ابر و باراں۔ اولے وغیرہ۔ (۵۰-۴۶ : ۳۰) - (۹ : ۳۵)

۳۸۔ خدا بارش برساتا ہے اور جانتا ہے کہ ارحام میں کیا ہے۔ (۳۴ : ۳۱) - (۲۷ : ۳۲) - (۳-۲ : ۳۴)

۳۹۔ کائنات کی چھوٹی بڑی چیز سب کتابِ مبین میں ہے۔ (۳ : ۳۴)

۴۰۔ سمندر سے موتی اور تازہ گوشت۔ کشتیاں۔ (۱۲ : ۳۵)

۴۱۔ نظامِ فطرت پر غور و فکر کرنے والے علماء ہی خدا کی عظمت کے سامنے سربسجود ہو سکتے ہیں۔ (۲۸-۲۷ : ۳۵)

۴۲۔ نظامِ نباتات و زراعت میں آیات۔ (۳۶-۳۳ : ۳۶)

۴۳۔ نظامِ فلکی۔ شمس اپنے مستقر کی طرف جا رہا ہے۔ قمر کی منازل متعین ہیں۔ تمام اجرامِ فلکی اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ (۴۰-۳۸ : ۳۶) - (۴۴) - نظامِ باد و باراں و نباتات۔ (۲۱ : ۳۹)

۴۵۔ نظامِ کائنات کے متنوع گوشے۔ (۶۴-۶۱ : ۴۰) - (۴۶) - مویشیوں کا نظام۔ (۸۰-۷۹ : ۴۰)

۴۶۔ سماءؔ دخان تھا۔ سما اور ارض سے کہا کہ تمہیں طوعاً و کرہاً آنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم طوعاً آتے ہیں۔ سماءؔ کو سبع سمٰوٰت بنایا۔ (۱۲-۹ : ۴۱) - (۴۸)۔ سماء میں امرِ خداوندی کو وحی کر دیا۔ (۱۲ : ۴۱)

۴۹۔ زمین میں بھی ذی حیات اور سماء (اجرامِ فلکی) میں بھی۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ کسی وقت انہیں جمع کر دے۔ (۲۹ : ۴۲)

۵۰۔ زمین کو مہد بنایا۔ آسمان سے بارش برسائی۔ سمندروں میں کشتیاں چلائیں۔ (۱۲-۱۰ : ۴۳)

۵۱۔ ارض و سماءؔ۔ نباتات و ثمرات وغیرہ کا انتظام۔ (۱۱-۶ : ۵۰)

۵۲۔ آسمان کو ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ (۴۷ : ۵۱)

۵۳۔ خدا "مُوْسِعْ" ہے۔ یعنی کائنات کو وسعت دینے والا۔ (EXTEND) کرنے والا۔ (۴۷ : ۵۱)

۵۴۔ ہر شے کا جوڑہ بنایا۔ (۴۹ : ۵۱) - (۵۵)۔ مشرقین اور مغربین کا رب۔ (۱۷ : ۵۵)۔ مشارق و مغارب۔ (۴۰ : ۷۰)

۵۶۔ اس نے بحرین کو ملایا۔ ان کے درمیان برزخ ہے۔ ان میں سے موتی نکلتے ہیں اور کشتیاں چلتی ہیں۔ (۲۲-۱۹ : ۵۵)

۵۷۔ فصلیں پیدا کرنے میں نظامِ فطرت کا کس قدر حصہ ہے اور انسان کا کس قدر۔ (۳۷-۶۳ : ۵۶)۔ (۳۲-۲۴ : ۸۰)

۵۸۔ مواقع النجوم کی شہادت۔ (۷۵ : ۵۶)۔ (۵۹) تخلیقِ ارض وسما۔ نظامِ ارض و باراں۔ (۶-۴ : ۵۷)

۶۰۔ تخلیقِ سماوات اور ارض مثلھن۔ ان میں امرِ خدا کا نزول۔ (۱۲ : ۶۵)

۶۱۔ تخلیقِ خداوندی میں کہیں کوئی نقص نہیں۔ جھول نہیں۔ فطور نہیں۔ (۵-۳ : ۶۷)

۶۲۔ زمین میں چلو پھرو۔ اس میں سے رزق کھاؤ۔ (۱۵ : ۶۷)۔ (۶۳)۔ پرندے کس طرح ہوا میں اڑتے رہتے ہیں۔ (۱۹ : ۶۷)

۶۴۔ سبع سمٰوٰت کو طباقاً بنایا۔ قمر کو نور اور شمس کو سراج۔ ارض کو بساط۔ (۱۹؛۱۶-۱۵ : ۷۱)

۶۵۔ لیل و نہار کے پیمانے خدا کے مقرر کردہ ہیں۔ (۲۰ : ۷۳)

۶۶۔ چاند۔ رات اور صبح کی شہادت۔ (۳۴-۳۲ : ۷۴)

۶۷۔ زمین کو کِفات بنایا اور اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ (۲۷-۲۵ : ۷۷)۔ (۶۸)۔ نظامِ کائنات سے یوم الفصل پر شہادت۔ (۱۷-۶ : ۷۸)۔ (۶۹)۔ تمہاری تخلیق زیادہ محکم ہے یا آسمانوں کی۔ (۲۷ : ۷۹)

۷۰۔ اجرامِ فلکی۔ لیل و نہار۔ ارض کا اپنے ہیولیٰ سے چھٹ کر الگ ہو جانا۔ اس میں نباتات کا پیدا ہونا۔ (۳۳-۲۸ : ۷۹)

۷۱۔ مختلف ستاروں کی شہادت۔ (۱۸-۱۵ : ۸۱)۔ شفق و لیل و قمر کی شہادت۔ (۱۸-۱۶ : ۸۴)۔ آسمان اور طارق کی شہادت۔ (۳-۱ : ۸۶)۔ (۷۲)۔ بادل۔ سما۔ ارض۔ پہاڑوں پر غور و فکر۔ (۲۱-۱۷ : ۸۸)

۷۳۔ شمس۔ قمر۔ لیل۔ نہار۔ سما۔ ارض کی شہادت۔ (۷-۱ : ۹۱)۔ (۷۴)۔ رات اور دن کی شہادت۔ (۲-۱ : ۹۲)

فاطر السمٰوٰت والارض

۱۔ وہ فاطر السمٰوٰت والارض ہے۔ (۱۴ : ۶)۔ (۷۹ : ۶)۔ (۱۰۱ : ۱۲)۔ (۱۰ : ۱۴)۔ (۵۶ : ۲۱)۔ (۱ : ۳۵)۔ (۴۶ : ۳۹)۔ (۱۱ : ۴۲)

۲۔ انسانوں کا فاطر۔ (۵۱ : ۱۱)۔ (۵۱ : ۱۷)۔ (۷۲ : ۲۰)۔ (۲۲ : ۳۶)۔ (۲۷ : ۴۳)

۳۔ فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا۔ (۳۰ : ۳۰)

مظاہرِ فطرت میں آیات

۱۔ تخلیقِ ارض و سما اور گردشِ لیل و نہار میں اربابِ عقل و فکر کے لئے آیات۔ (۱۸۹ : ۳)

۲ - نظامِ فطرت میں مومنین کے لئے آیات - (۶ : ۱۰۰) - متقین کے لئے - (۱۰ : ۶) - سننے والی قوم کے لئے - (۱۰ : ۶۷)
عقل وفکر والوں کے لئے - (۱۳ : ۳-۴) - (۱۶ : ۱۱-۱۲-۱۳) - (۱۶ : ۱۶) - (۲۰ : ۵۴) - (۲۳ : ۸۰) -
(۲۷ : ۸۶) - (۳۰ : ۲۱-۲۵) - (۳۹ : ۲۱) - (۴۵ : ۵-۱۳) - (۶۵ : ۶۷ ؛ ۶۹)
صابر وشکور کے لئے - (۴۲ : ۳۳)

۳ - جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں نہ آیاتِ فطرت کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں نہ خدا کے نذیر - (۱۰ : ۱۰۱)

۴ - مظاہرِ فطرت کی آیات کو اس لئے نکھار کر بیان کیا جاتا ہے تاکہ تم خدا کے سامنے جانے پر یقین کر لو - (۱۳ : ۲)

۵ - انعام میں عبرت ہے - (۱۶ : ۶۶) - (۲۳ : ۲۱) - نظامِ باد و باراں میں بھی - (۲۴ : ۴۳-۴۴)

۶ - لیل ونہار میں آیات - (۱۷ : ۱۲) - (۲۷ : ۸۶)

۷ - کیا یہ لوگ مظاہرِ فطرت کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے - یہ ان آیات سے اعراض کیوں برتتے ہیں - (۲۱ : ۳۰-۳۲) -
(۴۵ : ۶) - (۸) - نظامِ فطرت میں آیاتِ مبینات - انہی سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ملتی ہے - (۲۴ : ۴۶)

۹ - مظاہرِ فطرت کی داستان اس لئے بار بار دھرائی جاتی ہے کہ لوگ غفلت نہ برتیں - لیکن اکثر لوگ اس سے ابا کرتے ہیں (۲۵ : ۵۰)

۱۰ - زمین میں مختلف اقسام کی نباتات پیدا کی - اس میں آیت ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے - (۲۶ : ۷-۸)

۱۱ - نظامِ کائنات کے مختلف گوشوں میں آیات - (۳۰ : ۲۱-۲۵)

۱۲ - نظامِ فطرت پر غور وفکر کرنے والے علماء ہی عظمتِ خداوندی کے سامنے سربسجود ہو سکتے ہیں - (۳۵ : ۲۷-۲۸)

۱۳ - نظامِ فطرت کے مختلف گوشوں میں آیات - (۳۶ : ۳۳-۴۲)

۱۴ - وہ نظامِ فطرت میں اپنی آیات دکھاتا ہے - سو تم کون سی آیات سے انکار کرو گے - (۴۰ : ۸۱)

۱۵ - نظامِ فطرت کے ساتھ کہا کہ کیا تم اس خدا سے انکار کرتے ہو - (۴۱ : ۹-۱۰)

۱۶ - لیل ونہار اور شمس وقمر میں آیات ہیں - (۴۱ : ۳۷) - ارض میں آیات - (۴۱ : ۳۹)

۱۷ - آیات اللہ میں الحاد مت برتو - (۴۱ : ۴۰) - (۱۸) - ہم انہیں انفس و آفاق میں آیات دکھاتے جائیں گے تاکہ
یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن حقیقتِ ثابتہ ہے - (۴۱ : ۵۳)

۱۹ - سمندروں میں کشتیاں اس کی آیات ہیں - (۴۲ : ۳۲-۳۴) - (۲۰) - تخلیقِ ارض وسما میں آیات - (۴۲ : ۲۹)

۲۱ - اختلافِ لیل ونہار - ارض کی حیاتِ نو - تصریف الریح میں آیات - سو یہ لوگ اللہ اور اس کی ان آیات کے بعد اور کون
سی چیز پر ایمان لائیں گے؟ - (۴۵ : ۵-۶)

۲۲۔ ارض و سما میں سب کچھ مسخر کر دیا - اس میں آیت ہے - (۱۳ : ۴۵)

۲۳۔ سقفِ مرفوع اور بحرِ مسجور اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ عذاب واقع ہو کر رہے گا - (۷ - ۵ : ۵۲)

۲۴۔ وہ رب الشعریٰ ہے - (۴۹ : ۵۳)

۲۵۔ شمس و قمر حساب کے لئے ہیں - درخت اور بوٹیاں سجدہ ریز ہیں - سما میں میزان رکھی ہے - ارض کو انام کے فائدے کے لئے بنایا ہے - اور نباتات اور اناج بھی - (۱۲-۵ : ۵۵)

سب خدا کا ہے یا اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہے

۱۔ جو کچھ دن اور رات میں سکونت پذیر ہے، سب اس کے لئے ہے - (۱۳ : ۶)

۲۔ لہٗ ملک السمٰوٰت و الارض - (۱۵۸ : ۷) - (۶۸؛ ۶۶ : ۱۰) - (۱۹ : ۲۱) - (۶۴ : ۲۲) - (۸۰ : ۲۳) - (۴۲ : ۲۴) - (۲۶ : ۳۰) - (۱ : ۳۴) - (۱ : ۵۷)

۳۔ سب اس کے لئے "تسبیح کرتے ہیں" (سرگرمِ عمل ہیں) - ہر ایک اپنی اپنی تسبیح اور صلوٰۃ سے واقف ہے - (۴۱ : ۲۴)

۴۔ ارض و سما سے کہا کہ تمہیں طوعاً یا کرہاً آنا ہوگا - انہوں نے کہا کہ ہم طوعاً آتے ہیں - (۱۱ : ۴۱)

۵۔ نیز دیکھئے "نظامِ فطرت" - شق ص۱۲ - (سب خدا کے حضور سجدہ ریز ہے) - (۱۵ : ۱۳) - (۴۹-۴۸ : ۱۶) - (۱۸ : ۲۲) - (۱۹ : ۲۱) - (۱۱ : ۴۱) - (۶ : ۵۵)

نظامِ فطرت کی تخلیق کا مقصد

۱۔ اسے باطل پیدا نہیں کیا - (۱۸۹ - ۱۹۰ : ۳) - کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا - (۱۶ : ۲۱) - بالحق پیدا کیا ہے - (۸ : ۳۰) - (۵ : ۳۹)

۲۔ اس لئے پیدا کیا ہے کہ ایمان و اعمالِ صالح کا بدلہ انصاف کے ساتھ ملتا رہے - (۴ : ۱۰) - (۴-۳ : ۳۴)

۳۔ زمینِ مردہ سے نباتات کی روئیدگی - یہ اس لئے کہ خدا حق ہے - (۶ : ۲۲) - (۶۲-۶۱ : ۲۲) - (۳۰ : ۳۱)

تسخیرِ فطرت - اور مومن

۱۔ تخلیقِ ارض و سمٰوٰت اور گردشِ لیل و نہار میں اربابِ عقل و فکر کے لئے نشانیاں ہیں - یہ لوگ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے، قوانینِ

خداوندی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اور تخلیقِ ارض و سما میں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کائنات کی کوئی شے بے مقصد نہیں پیدا کی گئی۔ (۳ : ۱۸۹-۱۹۰) - (۱۶ : ۲۱)

۲۔ شمس و قمر و نجوم، اس کے امر سے مسخر ہیں۔ (۷ : ۵۴) - (۱۳ : ۳۵)

۳۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں نہ آیاتِ کائنات کچھ فائدہ دے سکتی ہیں نہ خدا کے نذیر۔ (۱۰ : ۱۰۱)

۴۔ تخلیقِ ارض و سما اور تسخیرِ شمس و قمر۔ (۱۴ : ۳۲-۳۳) - (۲۹ : ۳۱) - (۳۹ : ۵-۶)

۵۔ تسخیرِ لیل و نہار و شمس و قمر۔ تسخیرِ بحر جس میں سے موتی اور تازہ گوشت ملتا ہے۔ اور کشتیاں رواں دواں رہتی ہیں (۱۶ : ۱۲-۱۴)

۶۔ کائنات کی ہر شے خدا کے حضور سجدہ ریز ہے۔ سائے بھی۔ دابہ اور ملائکہ بھی۔ (۱۶ : ۴۸-۵۰)

۷۔ کیا یہ لوگ مظاہرِ فطرت پر غور کر کے بھی ایمان نہیں لاتے۔ فضائے کائنات میں اس قدر آیات بکھری پڑی ہیں۔ لیکن یہ ان سے اعراض برتتے ہیں۔ (۲۱ : ۳۰ تا ۳۲) - (۲۶ : ۷-۸)

۸۔ ما فی السمٰوٰت والارض کی تسخیر۔ (۲۲ : ۶۵)

۹۔ حضرت سلیمانؑ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ (۳۴ : ۱۲) - (۳۸ : ۳۶) - حضرت داؤدؑ کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا۔ (۳۸ : ۱۸-۱۹) - (۱۰) - ارض و سما میں سب کچھ مسخر کر دیا۔ اس میں آیت ہے۔ (۴۵ : ۱۲-۱۳)

۱۱۔ ارض کو تمہارے تابع فرمان کر دیا۔ (۶۷ : ۱۵)

نظامِ فطرت پر غور و فکر کی تاکید

۱۔ تم نظامِ فطرت پر غور و فکر کرو۔ (۱۰ : ۱۰۱) - (۲) - کیا یہ لوگ نظامِ فطرت پر غور نہیں کرتے۔ (۱۶ : ۴۸) - (۲۱ : ۳۰-۳۳) - (۲۲ : ۱۸) - (۲۲ : ۶۳-۶۵) - (۲۳ : ۸۰) - (۲۴ : ۴۱-۴۵) - (۲۵ : ۴۵) - (۲۵ : ۵۰) - (۲۶ : ۷-۸) - (۲۷ : ۸۶) - (۳۱ : ۲۹-۳۱) - (۳۲ : ۲۷) - (۳۹ : ۲۱) - (۵۰ : ۶) - (۶۷ : ۱۹) -

۲۔ کیا تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ اگر لیل و نہار کی گردش رک جائے تو اسے کون جاری کر سکتا ہے۔ (۲۸ : ۷۱-۷۳)

۴۔ انفس و آفاق میں تفکر کی تاکید۔ اس سے لقاءِ رب پر دلیل۔ (۳۰ : ۸)

۵۔ نظامِ زراعت اور نظامِ خوراک پر غور و فکر کی تاکید۔ (۵۶ : ۶۳-۷۳) - (۸۰ : ۲۴-۳۲)

۶۔ بادل۔ زمین۔ پہاڑ۔ سما۔ پر فکر و نظر کی تاکید۔ (۸۸ : ۱۷-۲۰)

۱۳۔ فقہ۔ تفقہ

فقہ کے معنی غور وفکر کرنا یا کسی چیز کو سمجھ لینا ہیں۔ عام طور پر اس لفظ کا استعمال اس قسم کے غور وفکر کے لئے ہوتا ہے جس میں انسان محسوس مشاہدات سے مجرد حقائق کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچے۔ قرآن کریم میں علم و عقل۔ غور و فکر۔ اور تفقہ کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اس ضمن میں دیگر متعلقہ عنوانات بھی پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

اب ہمارے ہاں فقہ کا لفظ اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد ہوتی ہے وہ احکام شریعت جن پر کسی خاص امام کے پیرو عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ احکام، اُن ائمۂ فقہ کے مرتب کردہ ہوتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے والوں کے تفقہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ ان پر تقلیداً عمل کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس قسم کے نظامِ فقہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کی رُو سے، اسلامی مملکت، قرآنی اصولوں کی روشنی میں، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزوی قوانین مرتب کرتی ہے۔ یہ اس دور کے احکامِ شریعت قرار پاتے ہیں۔ قرآنی اصول و قوانین ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہتے ہیں لیکن یہ احکام، زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدل سکتے ہیں۔ لہٰذا، اسلامی فقہ، جامد احکام کا نام نہیں، جن پر تقلیداً عمل پیرا ہوا جائے۔ یہ ہر آن ترقی کرنے والی قوم کے نظامِ عمل کا نام ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ، (فقہ) اس شکل میں نہیں آیا۔ اس مادہ (ف۔ق۔ھ) کی دیگر شکلیں آئی ہیں۔

تفقہ کی تاکید

۱۔ دیکھو ہم کس طرح لوٹا لوٹا کر بات بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ سکیں۔ (۶ : ۶۵)

۲۔ ہم نے اس قوم کے لئے جو تفقہ کرتی ہے، اپنی آیات کو نکھار کر بیان کر دیا ہے۔ (۶ : ۹۹)

۳۔ ہر مقام سے کچھ لوگوں کو مرکز (تربیت گاہ) میں آنا چاہیئے تاکہ وہ دین کا تفقہ حاصل کریں اور پھر واپس جا کر اپنے لوگوں کو اس سے آگاہ کریں۔ (۹ : ۱۲۲)

تفقہ نہ کرنے والے

۱۔ ان لوگوں کو دیکھئے جو ذرا سی بات بھی سمجھنا نہیں چاہتے۔ (۴ : ۷۸)

۲۔ جہنمی ہیں وہ لوگ جو فؤاد (دل) رکھنے کے باوجود اس سے تفقہ کا کام نہیں لیتے۔ یہ لوگ، حیوانات کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ (۷ : ۱۷۹)

۳۔ تمہارے سو آدمی مخالفین کے ہزار پر غالب آجائیں گے۔ اس لئے کہ یہ (مخالفین) وہ لوگ ہیں جو تفقہ سے کام نہیں لیتے۔ (۸ : ۶۵)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میدانِ جنگ میں بھی کامیابی کا راز فکر و تدبر سے کام لینے میں ہے۔ خالی جذبات سے نہیں۔ (۴)۔ جنگ سے جی چراؤ گے تو جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ اے کاش یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے۔ (۹ : ۸۱)

۵۔ جنگ میں گھروں میں بیٹھے رہنے والوں کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور اس طرح وہ تفقہ سے کام لینے کے قابل نہیں رہتے۔ (۹ : ۸۷) - (۱۵ : ۳۸)

۶۔ جو تفقہ سے کام نہیں لیتے ان کے دل صحیح بات کی طرف سے پھر جاتے ہیں۔ (۹ : ۱۲۷)

۷۔ جو لوگ تفقہ سے کام نہیں لیتے ان کے دل خوف کا مسکن بنے رہتے ہیں۔ (۵۹ : ۱۳)

۸۔ منافقت سے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور اس طرح یہ لوگ تفقہ کے قابل نہیں رہتے۔ (۶۳ : ۳)

۹۔ جو لوگ پہلے ہی سے طے کرلیں کہ ہم نے اپنی سی کہے جانی ہے اور دوسرے کی سننی اور ماننی ہی نہیں ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ ـــــ تفقہ کے قابل نہیں رہتے۔ (۶ : ۲۵) - (۱۷ : ۴۶) - (۱۸ : ۵۷)

متفرقات

۱۔ کائنات کی ہر شے حمدِ خداوندی کی "تسبیح" کرتی ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ (۱۷ : ۴۴)۔ اس سلسلہ میں "تسبیح" کا عنوان بھی دیکھئے۔

۲۔ حضرت شعیبؑ کی قوم نے کہا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں، وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ (۱۱ : ۹۱)۔ حالانکہ حضرت شعیبؑ انہی کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تفقہ کے لئے بات پر غور و فکر کرنا ضروری ہے۔

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے دعا کی کہ میری زبان میں طلاقت عطا فرما دے تاکہ فرعون کے لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ (۲۰ : ۲۷-۲۸)

۴۔ ذوالقرنین کا گذر ایسی قوم پر سے ہوا جو اس کی کوئی بات نہیں سمجھتی تھی۔ (۱۸ : ۹۳)

ـــــ(٠)ـــــ

۱۴- فکر

فکر- فکر کے معنی کسی معاملہ پر عقل و نظر سے غور کرنے کے ہیں - اگرچہ ہم نے "علم و عقل" کے عنوان میں فکر و تدبر کا بھی ذکر کیا ہے - لیکن چونکہ قرآن کریم، تدبر و تفکر پر بڑا زور دیتا ہے، اس لئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ فکر کے متعلق الگ عنوان میں بھی گفتگو کی جائے۔

ہر چند، غور و فکر کا مقام وہی دنیا ہوسکتی ہے جو محسوسات کے دائرہ میں آسکے - لیکن قرآن کریم میں ایک مقام پر (۲:۲۱۹-۲۰) دنیا کے ساتھ آخرت پر غور و فکر کرنے کی بھی تاکید ہے - اس کے معنی یہ ہیں کہ محسوسات کے علاوہ ان حقائق پر بھی غور کیا جانا چاہیئے جو تصورات (CONCEPTS) سے متعلق ہوں - لہٰذا قرآن کی رو سے، فکر کا میدان - طبیعی سائنس اور عقلی علوم، دونوں ہیں - آخرت پر غور و فکر، عقلی طریق سے کیا جاسکتا ہے، سائنس کے مخصوص طریق کی رو سے نہیں - اسی طرح نفس انسانی (HUMAN-SELF) کے متعلق غور و فکر بھی عقلی طریق سے کیا جاسکے گا۔ (۳۰ : ۸)

غور و فکر کی تاکید

۱- اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں - اور وہ یہ کہ تم غور و فکر کیا کرو۔ (۳۴ : ۴۶)

۲- خدا اپنے احکام و قوانین کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کیا کرو، دنیا اور آخرت میں - (۲۰ - ۲۱۹ : ۲) - (۲۶۶ : ۲) - (۳) - کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں - کیا تم اس پر بھی غور نہیں کرتے؟ (۶ : ۵۰)

۴- کیا تم غور و فکر نہیں کرتے - تمہارا یہ رفیق دیوانہ نہیں۔ (۷ : ۱۸۴)

۵- کیا یہ لوگ اپنی ذات (اپنے آپ) پر غور و فکر نہیں کرتے؟ اگر کرتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہوجاتی کہ یہ کارگہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے۔ (۳۰ : ۸)

۶- مومن وہ ارباب عقل و بصیرت ہیں جو تخلیق ارض و سمٰوٰت میں غور و فکر کرتے ہیں - (۳ : ۱۹۰)

۷- اے رسولؐ! انہیں یہ باتیں بتاؤ تاکہ یہ غور و فکر کیا کریں - (۷ : ۱۷۶)

۸- ہم نے غور و فکر کرنے والی قوم کے لئے اپنی آیات نکھار کر بیان کردی ہیں - (۱۰ : ۲۴)

۹- سلسلۂ کائنات میں ارباب فکر و نظر کے لئے آیات ہیں - (۱۳ : ۳)

۱۰۔ نظامِ زراعت میں اربابِ فکر کے لئے آیات ہیں۔ (۱۱ : ۱۶)۔ (۱۱) ۔قرآن میں تفکر کی تاکید۔ (۴۴ : ۱۶)۔ (۲۱ : ۵۹)

۱۲۔ شہد کی مکھی کے نظام میں اربابِ فکر و نظر کے لئے آیات۔ (۶۹ : ۱۶)

۱۳۔ ازدواجی زندگی کے باعثِ سکینت و مودّت ہونے میں اربابِ فکر کے لئے آیات۔ (۲۱ : ۳۰)

۱۴۔ موت اور نیند کے نظام میں اربابِ فکر کے لئے آیات۔ (۴۲ : ۳۹)

۱۵۔ تسخیرِ ارض و سما میں اربابِ فکر کے لئے آیات۔ (۱۳ : ۴۵)

متفرق

۱۔ قریش کا نمائندہ رسول اللہ کے پاس آیا۔ معاملہ پر غور و فکر کیا۔ لیکن اس سے بڑا غلط نتیجہ نکالا۔ (۲۰-۱۸ : ۷۴)

ق

۱۔ قانون۔ قوانینِ خداوندی

قرآن کریم میں قانون کا لفظ تو نہیں آیا لیکن اس کی ساری تعلیم قانون کے تصور کے گرد گھومتی ہے اور دین کی عمارت اسی بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔ قانون سے مراد "عدالتی قانون" ہی نہیں، یہ ایک بڑی وسیع اور ہمہ گیر اصطلاح ہے۔ قانون سے مراد یہ ہے کہ:۔

"اگر تم ایسا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوگا"

اسے انگریزی میں ان مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ

IF ------- -----THEN ----------- ALWAYS

جب یہ اصطلاح نظام کائنات کے ضمن میں استعمال کی جائے تو اس سے مراد ہوتی ہے سلسلۂ علت و معلول — CAUSE AND EFFECT) یعنی فلاں بات کا نتیجہ یہ ہوگا۔ یا اس بات کا سبب یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ لیکن اس نے اپنے لامحدود اختیارات اور لا انتہا اقتدارات پر خود ہی کچھ پابندیاں عائد کرلی ہیں ۔ انہی پابندیوں کا نام قانونِ خداوندی ہے۔ یعنی اس نے کچھ قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق یہ کارگہِ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے۔ اسی قسم کے قوانین اس نے انسانی زندگی کے لئے بھی عطا کر دیئے ہیں اور کہہ دیا ہے کہ اگر تم ان کے مطابق چلو گے، تو یوں ہوگا ۔ ان کی خلاف ورزی کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ اسی کو قانونِ مکافاتِ عمل کہا جاتا ہے۔

یہ قوانین غیر متبدل اور اٹل ہیں اور ہر انسان پر یکساں طور پر حاوی ہیں۔ زمان و مکان کا اختلاف یا شخصیتوں کی تفریق ان پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتی ۔

قرآنِ کریم میں بیان کردہ قوانین تمام کے تمام تو اس عنوان کے تحت نہیں دیئے جا سکتے۔ وہ اپنے اپنے متعلقہ عنوانوں کے تحت آئیں گے۔ اس وقت صرف قانون کے اصول سے متعلق مقامات سامنے لائے جاتے ہیں۔ اور ان کی وضاحت کے لئے (مثال کے طور پر) کچھ آیات درج کی جاتی ہیں۔ وضاحت کے لئے عنوان تقدیر اور مکافاتِ عمل دیکھئے۔

اگر ایسا کرو گے تو یوں ہوگا

۱۔ ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ جنت کی زندگی ۔ (۲ : ۲۵)

۲۔ ہماری ہدایات کا اتباع کرو تو خوف و حزن نہیں ہوگا۔ (۲ : ۳۸)۔ (۲ : ۶۲)۔ (۲ : ۱۱۲)۔ انفاق کرو تاکہ (۲ : ۲۶۲)۔ (۲ : ۲۷۴)۔ (۲ : ۲۷۷)۔ (۶ : ۴۸)۔ (۱۳ : ۴۶)

۳۔ جسے برائیاں گھیر لیتی ہیں اس کی زندگی جہنم کی ہوتی ہے ۔ (۲ : ۸۱)

۴۔ جو کتاب کے ایک حصّے پر ایمان رکھے اور دوسرے سے انکار کر دے، اسے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ شدید نصیب ہوتا ہے ۔ (۲ : ۸۵)

۵۔ اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اس کا انہیں بہترین بدلہ ملتا ۔ (۲ : ۱۰۳)

۶۔ اگر تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ گے تو ہدایت پر ہو گے ۔ (۲ : ۱۳۷)

۷۔ فاذکرونی ۔ اذکرکم ۔ (۲ : ۱۵۲)۔ (۸)۔ اگر یہ اہلِ کتاب ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (۳ : ۱۰۹)

۹۔ و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۔ (۳ : ۱۳۸)

۱۰۔ فی سبیل اللہ قتل ہو جاؤ یا مرجاؤ تو خدا کی طرف سے مغفرت و رحمت ملیگی۔ (۳ : ۱۵۶)

۱۱۔ اگر خدا تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکے گا۔ (۳ : ۱۵۹)۔ لیکن خدا ان کی مدد کرتا ہے۔ جو اس کے دین کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ (۲۲ : ۴۰-۶۰)۔ (۷ : ۴۷)

۱۲۔ اگر ایمان لاؤگے اور تقویٰ اختیار کروگے تو تمہارے لئے اجرِ عظیم ہوگا۔ (۳ : ۱۷۸)

۱۳۔ اگر تم کبائر سے بچوگے تو تمہاری ناہمواریاں دور کر دی جائیں گی۔ (۴ : ۳۱)

۱۴۔ اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی ناہمواریاں دور کر دیتے۔ (۵ : ۶۵)۔ (۵ : ۶۶)۔ (۷ : ۹۶)۔ (۱۵)۔ جو نادانستہ غلطی کر جائے، اسے خدا کی طرف سے مغفرت مل جاتی ہے۔ (۶ : ۵۴)

۱۶۔ جو ایمان لائے اور اُسے ظلم کے ساتھ ملبس نہ کرے، اسے امن ملے گا۔ (۶ : ۸۳)

۱۷۔ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا۔ (۸ : ۲۹)

۱۸۔ اگر تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے۔ (۸ : ۶۵)

۱۹۔ ایمان۔ تقویٰ کے ساتھ انسان ولی اللہ بن جاتاہے۔ انہیں دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔ یہ اٹل قانون ہے (۱۰ : ۶۲-۶۴)

۲۰۔ الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلَنَا۔ (۲۹ : ۶۹)۔

۲۱۔ ایمان و استقامت سے نزولِ ملائکہ ہوتاہے۔ (۳۰ : ۴۱)

۲۲۔ ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم۔ (۹ : ۳۹)۔ (۴۷ : ۳۸)۔ اسے عذاب الیم بھی کہا گیاہے۔ (۴۸ : ۱۶)۔ ایمان و اعمالِ صالحہ سے استخلاف فی الارض ملتاہے۔ (۲۴ : ۵۵)

۲۳۔ من یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون۔ (۵۹ : ۹)

۲۴۔ ان تعفوا۔ و تصفحوا۔ و تغفروا۔ فان اللہ غفور رحیم۔ (۶۴ : ۱۵)

۲۵۔ جو ہمارے قوانین سے اعراض برتے گا۔ اس کی روزی تنگ ہو جائے گی۔ (۲۰ : ۱۲۴)

یہ کرو تاکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے

۱۔ خدا کی حکومیت اختیار کرو تاکہ تم زندگی کے خطرات سے محفوظ رہو۔ (۲ : ۲۱)

۲۔ قانونِ قصاص کا اتباع کرو تاکہ تم زندگی کے خطرات سے محفوظ رہو۔ (۲ : ۱۷۹)

۳۔ صوم کی پابندی کرو تاکہ تم خطرات سے محفوظ رہو۔ (۲ : ۱۸۳)۔ اور تمہاری کوشش بھرپور نتائج پیدا کریں۔ (۲ : ۱۸۵)

۴۔ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ۔ (۲ : ۱۸۹) ۔ (۳ : ۱۲۹) ۔ (۵ : ۶۹) ۔ (۷ : ۱۵۷)

۵۔ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون ۔ (۳ : ۱۲۳)

۶۔ ثابت قدم رہو ۔ باہمی ربط وضبط رکھو ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ۔ (۳ : ۱۹۹)

۷۔ خدا کا تقویٰ اختیار کرو ۔ جہاد کرو ۔ اس کی طرف تقرب تلاش کرو ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ۔ (۵ : ۳۵)

قوانین خداوندی کا اٹل ہونا

۱۔ فان حزب اللہ ھم الغالبون ۔ (۵ : ۵۶) ۔ (۳۷ : ۱۷۱ ۔ ۱۷۲) ۔ اسے نصرتِ خداوندی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے (۱۴ : ۵۱)

۲۔ کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ ۔ (۶ : ۱۲) ۔ (۶ : ۵۴) ۔ (۷ : ۱۵۶)

۳۔ انہ لا یفلح الظالمون ۔ (۶ : ۲۱) ۔ (۶ : ۱۳۶)

۴۔ لامبدل لکلمت اللہ ۔ (۶ : ۳۴) ۔ (۶ : ۱۱۶) ۔ (۱۰ : ۶۴) ۔ (۱۸ : ۲۷) ۔ کلمات اللہ بنی اسرائیل کے حق میں پورے ہو گئے ۔ (۷ : ۱۳۷) ۔ (۵) ۔ لکل نبا مستقر ۔ (۶ : ۶۷)

۶۔ یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یؤمنون ۔ (۶ : ۱۲۶)

۷۔ خدا کسی ایسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا جس کے رہنے والے بے خبر ہوں ۔ (۶ : ۱۳۲) ۔ (۱۱ : ۱۱۷) ۔ (۲۸ : ۵۹)

۸۔ لکل درجات مما عملوا ۔ (۶ : ۱۳۳) ۔ (۹) ۔ لا یرد بأسہ عن القوم المجرمین ۔ (۶ : ۱۴۸)

۱۰۔ تم اپنی جگہ کام کرو ۔ میں اپنی جگہ کرتا ہوں ۔ نتائج خود بتا دیں گے ۔ (۶ : ۱۳۶) ۔ (۳۹ : ۳۹)

۱۱۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ۔ (۶ : ۱۶۵)

۱۲۔ فمن ثقلت موازینہ فاؤلٰئک ھم المفلحون ۔ (۷ : ۸-۹) ۔ (۲۳ : ۱۰۲) ۔ (۱۰۱ : ۶-۸)

۱۳۔ ان رحمت اللہ قریب من المحسنین ۔ (۷ : ۵۶)

۱۴۔ رحمت ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے ۔ (۷ : ۱۵۶ - ۱۵۷)

۱۵۔ حقا علینا ننج المؤمنین ۔ (۱۰ : ۱۰۳) ۔ نصرت ۔ (۳۰ : ۴۷)

۱۶۔ ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ۔ (۱۳ : ۱۷)

۱۷۔ لکل اجل کتاب ۔ (۱۳ : ۳۸) ۔ اس اجل سے کوئی قوم آگے پیچھے نہیں رہ سکتی ۔ (۱۵ : ۵)

۱۸۔ لئن شکرتم لازیدنکم ۔ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید ۔ (۱۴ : ۷)

۱۹۔ ایمان والوں کو مستحکم نظریۂ حیات کی رو سے، دنیا اور آخرت میں قائم و دائم رکھا جاتا ہے۔ (۲۷ : ۱۴)

۲۰۔ للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ ۔ وَلَدار الاخرۃ خیر۔ (۳۰ : ۱۶)

۲۱۔ لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ۔ (۷۷ : ۱۷) ۔ (۶۲ : ۳۳) ۔ (۴۳ : ۳۵) ۔ (۸۵ : ۴۰) ۔ (۲۳ : ۴۸)

۲۲۔ فمن اتبع ھدای فلا یضل وَلَا یشقٰی ۔ ومن اعرض عن ذکری فان لہٗ معیشۃ ضنکا ۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۲۳۔ ولقد کتبنا فی الزبور ..... ان الارض یرثھا عبادی الصٰلحون۔ (۱۰۵ : ۲۱)

۲۴۔ قد افلح المؤمنون ۔ (۱ : ۲۳) ۔ اسے اعمال کی جزائے احسن کہا گیا ہے ۔ (۷ : ۲۹)

۲۵۔ للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃ ۔ (۱۰ : ۳۹)

۲۶۔ ہم رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیا میں مدد کریں گے ۔ (۵۱ : ۴۰)

۲۷۔ من عمل صالحًا فلنفسہٖ ۔ ومن اساءَ فعلیھا ۔ (۴۶ : ۴۱)

۲۸۔ سیأت والوں کی اور مومنین کی زندگی یکساں ہو سکتی ہے نہ موت ۔ (۲۱ : ۴۵)

۲۹ ھل یھلک الا القوم الفٰسقون ۔ (۳۵ : ۴۶) ۔ (۳۰) ۔ یہ اس لئے ہے کہ ...... (۲-۳ : ۴۷) ۔ (۹ : ۴۷)

۳۱۔ لیس للانسان الا ما سعٰی ۔ (۳۹ : ۵۳) ۔ (۳۲) ۔ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (۲۱ : ۵۸)

۳۳۔ من اعطٰی واتقٰی ۔ وصدق بالحسنٰی ۔ فسنیسرہٗ للیسرٰی ۔ وَامّا ...... (۱۰-۶ : ۹۲)

۳۴۔ ان مع العسر یسرا ۔ (۶-۵ : ۹۴)

۳۵۔ من ثقلت موازینہٗ ۔ فھو فی عیشۃ راضیۃ ...... (۷-۶ : ۱۰۱)

۳۶۔ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون ۔ (۷-۴ : ۱۰۷)

ابتدا انسان کی طرف سے ہوتی ہے

۱۔ منافقین کے دلوں میں مرض ہوتا ہے جو قانونِ خداوندی کے مطابق بڑھتا جاتا ہے ۔ (۱۰ : ۲)

۲۔ یہ حق کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں تو خود ان کا استہزاء ہو جاتا ہے ۔ (۱۵-۱۴ : ۲)

۳۔ انہوں نے ہدایت چھوڑ کر ضلالت خریدی تو پھر انہیں سیدھا راستہ نہ مل سکا ۔ (۱۶ : ۲)

۴۔ ضلالت فاسقین کے لئے ہوتی ہے ۔ (۲۷-۲۶ : ۲)

۵۔ تم میرے عہد کو پورا کرو ۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا ۔ (۴۰ : ۲)

۶۔ جو کفر و انکار کرے گا۔ تو اسے کچھ وقت کے لئے متاعِ حیات ملے گی۔ پھر اس کی تباہی ہو جائے گی۔ (۲ : ۱۲۶)

۷۔ فاذکرونی۔ اذکرکم۔ (۲ : ۱۵۲) ۔ (۸)۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ (۲ : ۱۸۶)۔ (۴۰ : ۶۰)

۹۔ ان اللہ مع المتقین۔ (۲ : ۱۹۴)۔ مع الصابرین۔ (۸ : ۶۶) ۔ (۱۶ : ۱۲۸)

۱۰۔ احسنوا۔ ان اللہ یحب المحسنین۔ (۲ : ۱۹۵)

۱۱۔ جو ایمان لائے اور قرآن کو مضبوط پکڑے تو خدا اسے اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ (۴ : ۱۷۶)

۱۲۔ جو اس کی "رضا جوئی" کرتا ہے، وہ اسے سلامتی کے راستوں کی طرف چلاتا ہے۔ (۵ : ۱۶)

۱۳۔ اگر اللہ ان میں کوئی خیر کا پہلو دیکھتا تو انہیں سنوا دیتا۔ (۸ : ۲۳)

۱۴۔ جب تک کوئی قوم اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کرے خدا اس کی نعمتوں میں تبدیلی نہیں کرتا۔ (۸ : ۵۳)۔ (۱۳ : ۱۱)

۱۵۔ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ (۱۷ : ۸) ۔ (۱۶)۔ جو ایمان لائے۔ توبہ کرے۔ عملِ صالح کرے اور راہِ ہدایت پر رہے، تو میں اس کے لئے سامانِ حفاظت مہیا کروں گا۔ (۲۰ : ۸۲)

۱۷۔ ولینصرن اللہ من ینصرہٗ۔ (۲۲ : ۴۰)۔ (۲۲ : ۶۰)۔ (۵۱ : ۴۰)۔ (۴۷ : ۷)۔ (۵۹ : ۸)۔ (۶۱ : ۱۴) ۔ (۱۸)۔ یؤفک عنہ من افک۔ (۵۱ : ۸)

۱۹۔ فلما زاغوا۔ ازاغ اللہ قلوبھم۔ (۶۱ : ۵)

۲۰۔ جو خدا کے ذکر سے اعراض برتتا ہے، ہم اس کا قرین شیطان بنا دیتے ہیں۔ (۴۳ : ۳۶)

خدا کا وعدہ بمعنی قانون

۱۔ لاینال عہدی الظالمین۔ (۲ : ۱۲۴)۔ (۲)۔ خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۳ : ۱۹۳)۔ (۳۰ : ۶)۔ (۳۹ : ۲۰)

۳۔ خدا کا وعدہ حق ہے۔ اس سے زیادہ بات کا سچا کون ہے۔ (۴ : ۱۲۲)۔ (۵ : ۹) ۔ (۱۴ : ۳۸)۔ (۳۳ : ۳۱)۔ (۳۵ : ۵)۔ (۴۰ : ۵۵)

۴۔ خدا نے ایمان اور اعمالِ صالح والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں حفاظت ملے گی اور اجرِ عظیم۔ (۴۸ : ۲۷)

۵۔ قول الحق۔ (۶ : ۷۴)۔ (۹ : ۳۱) ۔ (۶)۔ بنی اسرائیل کے حق میں خدا کی بات پوری ہوگئی۔ (۷ : ۱۳۷)

۷۔ خدا سے بڑھ کر ایفائے عہد کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ (۹ : ۱۱۱)

۸۔ خدا کا وعدہ ہے کہ ایمان و اعمالِ صالح کا نتیجہ استخلاف فی الارض ہوگا۔ (۲۴ : ۵۵)

۹۔ الحمد خدا کے لئے ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ (۴۹ : ۳۹)

جب انہوں نے یوں کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا

۱۔ بنی اسرائیل نے انکار و سرکشی اختیار کی تو ان پہ ذلت و مسکنت کی مار ماری گئی۔ (۲ : ۶۱) - (۳ : ۱۱۱)

قانون کے لئے دیگر الفاظ

۱۔ کل شیٔ عندہٗ بمقدار - (۸ : ۱۳) - (۲) - کل شیٔ خلقنٰہ بقدر - (۴۹ : ۵۴)

(۰)

۲۔ قبلہ

(کعبہ - مکہ - مدینہ)

ہر نظام یا مملکت کی کچھ محسوس علامات - (SYMBOLS) ہوتی ہیں جو اس (نظام یا مملکت) کے وجود اور شوکت و عظمت کی ترجمانی کرتی ہیں۔ مثلاً تخت - تاج - جھنڈا - دارالسلطنت وغیرہ - جھنڈے کا سرنگوں ہونا فوج کی شکست اور مملکت کے زوال کی علامت ہوتا ہے - تاج کی درخشندگی اس سلطنت کی شان و شوکت کی دلیل سمجھی جاتی ہے - دارالسلطنت مملکت کے وجود، بقا اور استحکام کی علامت ہوتا ہے پھر، اگر وہ مملکت نظریاتی ہے تو اس کا دارالخلافہ بھی نظریہ کا ترجمان ہوتا ہے - جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی نگاہوں کا رخ ماسکو کی طرف ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص روس کی اشتراکیت کا مؤید ہے۔

اسلام نے ایک نظریۂ زندگی عطا کیا اور اس کے مطابق ایک امت اور ایک مملکت کا وجود عمل میں آیا۔ اس نظریہ یا نظام کا مرکزِ محسوس کعبہ تھا۔ جو مکہ میں واقعہ ہے - قرآن نے جماعتِ مومنین کے افراد سے کہا کہ تم دنیا کے کسی حصے میں بھی ہو، تمہاری نگاہوں کا رخ کعبہ کی سمت رہنا چاہیئے - بالفاظِ دیگر تمہارا نصب العینِ حیات وہ نظام ہونا چاہیئے جس کی محسوس علامت کعبہ ہے - جو شے اس طرح ہر وقت نگاہوں کے سامنے رہے اسے قبلہ کہا جاتا ہے - اس نہج سے کعبہ امتِ مسلمہ کا قبلہ قرار پایا۔ مقصد اس سے یہی ہے کہ تمہارا منتہائے نگاہ، تمہارا نصب العینِ حیات، قرآن کا عطا کردہ نظامِ زندگی اور

نظریۂ حیات ہونا چاہیئے اور اس حقیقت کو تمہیں ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

نبی اکرمؐ نے مدینہ میں ایک مملکت قائم کی لیکن اس کا مرکزِ محسوس کعبہ قرار دیا گیا جو اس نظام کا ترجمان تھا جس کے مطابق یہ مملکت وجود میں لائی گئی تھی۔ اس وقت کعبہ (یا مکہ) مشرکینِ عرب کے قبضہ میں تھا۔ فطری طور پر یہ آرزو حضورؐ کے دل میں موجزن رہتی تھی کہ اس نظام یا مملکت کا جو مرکزِ محسوس قرار پایا ہے، اس کا نظم و نسق (تولیت) اس مملکت کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے۔ آپؐ سے اس کا وعدہ کیا گیا جو فتح مکہ کے ساتھ پورا ہوا۔ یوں، کعبہ، اس امت کی توجہات کا مرکز (یعنی ان کا قبلہ) قرار پایا۔ یہ ہے کعبہ کے قبلہ ہونے کا مطلب۔ یہ خیال کہ پہلے قبلہ' بیت المقدس تھا اور بعد میں قبلہ کعبہ قرار پایا، صحیح نہیں۔ قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ کعبہ تو امتِ مسلمہ کا قبلہ، حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں قرار پا چکا تھا۔ اور نبی اکرمؐ اور جماعتِ مومنین کو ملتِ ابراہیمی کا پیرو قرار دیا گیا تھا۔ اس لئے ان کا قبلۂ مقصود پہلے دن ہی سے کعبہ تھا۔

۲۔ کعبہ اور حج کے سلسلہ میں ایک اہم نکتہ قابلِ غور ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں ان کا ذکر آیا ہے۔ انہیں "للناس" کہا گیا ہے۔ یعنی عالمگیر انسانیت کے لئے۔ مطلب واضح ہے کہ قرآن کا منتہیٰ تمام نوعِ انسانی کو نظریہ کی بنیادوں پر، ایک عالمگیر برادری بنانا ہے جس کا مرکزِ محسوس کعبہ ہوگا۔ اور معاملات کے طے کرنے کا اجتماع 'حج'۔

۳۔ حج سے مقصود کیا ہے۔ کعبہ کی اس میں پوزیشن کیا ہے۔ اس کے لئے عنوان حج دیکھئے۔

کعبہ

۱۔ کعبہ کو خدا نے واجب الاحترام گھر قرار دیا ہے۔ اور یہ اس نظام کا محسوس نشان ہے، جس سے مقصد یہ ہے کہ انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو سکے۔ (۵ : ۲) - (۹۷ : ۵)

۲۔ تمہارے تحائف کے پہنچنے کا مقام کعبہ ہے۔ (۵ : ۹۵)۔ اسے مسجد الحرام بھی کہا گیا ہے۔ (۲ : ۱۹۶)

۳۔ یہ سب سے پہلا گھر ہے جسے تمام انسانوں کی منفعت کے لئے بنایا گیا تھا اور جو مکہ میں واقع ہے۔ (۳ : ۹۶)-(۱۴ : ۳۷)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اس گھر کی دیواروں کو کھڑا کیا تھا ——— (۲ : ۱۲۷) - (۲۲ : ۲۶)

۵۔ اس گھر کو تمام نوعِ انسانی کے لئے جمع ہونے کا مقام اور امن کی جگہ قرار دیا گیا تھا۔ (۲ : ۱۲۵)-(۳ : ۹۵-۹۶)

۶۔ اس گھر کو خدا نے "اپنا گھر" (بیتی) کہکر پکارا ہے۔ (۲ : ۱۲۵) - (۲۲ : ۲۶)

۷۔ لوگوں کے لئے اس گھر کا حج فرض ہے - (۲ : ۱۵۸) - (۳ : ۹۷)

۸۔ اسے بیت العتیق بھی کہا گیا ہے۔ یعنی آزادی کی ضمانت دینے والا گھر۔ (۲۲ : ۲۹) - (۲۲ : ۳۳)

۹۔ ایامِ جاہلیت میں یہ گھر جاہلانہ رسوم کا مرکز بن کر رہ گیا تھا۔ (۳۵ : ۸)

۱۰۔ قریش سے کہا گیا کہ تم اس گھر کے مالک (خدا) کی محکومیت اختیار کرو۔ (۱۰۶ : ۳)

۱۱۔ اسے وہاں کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں، سب کے لئے یکساں رہنا چاہیئے۔ (۲۲ : ۲۵)

مسجد الحرام

۱۔ کعبہ کو مسجد الحرام بھی کہا گیا ہے۔ (۲ : ۱۴۴) – (۱۹۶ : ۲)

۲۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف رکھو۔ (۲ : ۱۴۴) – (۱۴۹۔۱۵۰ : ۲)

۳۔ مسجد الحرام کے قریب جنگ جائز نہیں۔ (۱۹۱ : ۲)۔ کفار نے اس عہد کو بھی توڑ دیا تھا۔ (۲ : ۲۱۷)-(۹ : ۷)۔
اس کے باوجود تم ان کے ساتھ بھی عدل کرو۔ (۲ : ۵)

۴۔ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کی تزئین و آرائش کا اہتمام کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں ہوسکتا۔ (۱۹ : ۹)

۵۔ مشرکین کو مسجد الحرام کے قریب نہ آنے دو۔ (۲۸ : ۹)

۶۔ کفارِ عرب نے مومنین کو مسجد الحرام تک آنے سے روک دیا تھا۔ (۲ : ۵)-(۳۴ : ۸) – (۲۵ : ۲۲)

۷۔ نبی اکرمؐ کا ہجرت کی رات کو مسجد الحرام سے مدینہ کی طرف سفر۔ (۱ : ۱۷)

۸۔ مسجد الحرام کی فتح کی خوشخبری۔ (۲۷؛ ۲۵ : ۴۸)

قبلہ

۱۔ رسول اللہؐ کے دل میں تولیتِ قبلہ کی آرزو موجزن رہتی تھی۔ خدا نے وعدہ کیا کہ اس کی تولیت آپ کو مل جائیگی۔ (۱۴۴ : ۲)

۲۔ کعبہ کو قبلہ قرار دینے سے مقصد یہ دیکھنا تھا کہ کون اس رسول کا اتباع کرتا ہے (یعنی آیا یہودی اور نصاریٰ اپنے قومی مراکز کو چھوڑ کر اس عالمگیر انسانیت کے مرکز کو اپنا نصب العینِ حیات قرار دیتے ہیں یا نہیں) (۱۴۲ : ۲)-(۱۴۳ : ۲)

۳۔ یہ لوگ تمہارے قبلہ کو اختیار نہیں کریں گے۔ نہ ہی تم ان کے (قومیتوں کے تنگ دائرے میں گھرے ہوئے) قبلہ کو اپنا نصب العین بنا سکتے ہو۔ (۱۴۵ : ۲) – (۴)۔ یہ خود بھی ایک دوسرے کے قبلہ کو اختیار نہیں کرتے۔ (۱۴۵ : ۲)

۵۔ حضرت موسیٰؑ کو حکم کہ جب تک تمہاری اپنی مملکت قائم نہیں ہوتی، مصر میں، اپنے لوگوں کے گھروں ہی کو قبلہ بنا لو اور ان کی تربیت شروع کر دو۔ (۸۷ : ۱۰)

مکّہ

۱۔ مکّہ کو بکّہ بھی کہا گیا ہے ۔ (۳ : ۹۶) ۔ اور مکّہ بھی ۔ (۴۸ : ۲۴)

۲۔ دعائے ابراہیمی کہ اس شہر کو امن کی جگہ بنا دے ۔ (۲ : ۱۲۶) ۔ (۱۴ : ۳۵)

۳۔ حضورؐ اس شہر میں تھے (۹۰ : ۱-۲) ۔ (۴) ۔ بلدِامین ۔ (۹۵ : ۳) ۔ واجب الاحترام ۔ (۲۷ : ۹۱)

۵۔ حضورؐ کو حکم کہ اس واجب الاحترام شہر کے رب کی عبودیت اختیار کرو ۔ (۲۷ : ۹۱)

مدینہ

۱۔ مدینہ کا ذکر قرآن میں ۔ (۹ : ۱۰۱) ۔ (۹ : ۱۲۰) ۔ (۳۳ : ۶۰) ۔ (۶۳ : ۸) ۔ اسے پہلے یثرب کہہ کر پکارا جاتا تھا ۔ (۳۳ : ۱۳)

۲۔ رسول اللہؐ کی مکہ (مسجد الحرام) سے مدینہ کی طرف ہجرت ۔ اسے" مکہ سے دور فاصلہ پر واقع مسجد" (مسجدِ اقصیٰ) کہا گیا ہے۔ وہاں پہلے سے مسلمان موجود تھے اور وہی ان کی سجدہ گاہ (مسجد) تھی ۔ (۱۷ : ۱) ۔ نیز دیکھئے عنوان" ہجرت"

۳۔ قتل

مادہ کے اعتبار سے اس لفظ کے بنیادی معنی کسی کو ذلیل و حقیر کرنے اور مار ڈالنے کے ہیں ۔ نیز کسی کو جھکا دینے کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے اور تباہ و برباد کر دینے کے لئے بھی ۔ تحقیر و تذلیل کے اعتبار سے "قَتل" کے معنی کسی کو ایسا کر دینا بھی ہیں کہ اس کی بات پر کوئی دھیان نہ دے ۔ اس کی کوئی پرواہ نہ کرے ۔ وہ بالکل عضوِ معطل ہو کر رہ جائے ۔ نیز اس کے معنی کسی بات کا پورا پورا علم حاصل کر لینا بھی ہوتے ہیں ۔

زیرِ نظر عنوان میں بنیادی طور پر قتل یعنی مار ڈالنے کے متعلق گفتگو کی جائے گی اور ضمناً ذلیل و حقیر کر دینے کے متعلق ۔

۲۔ قرآن کریم کی رو سے ، اسلامی نظام کا فریضہ ہے کہ وہ مجرم کا پیچھا کر کے اسے اس جرم کی قرار واقعی سزا دے ۔ اسے قصاص کہا جاتا ہے ۔ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قصاص میں قوم کی اجتماعی زندگی کا راز پوشیدہ ہے (۲ : ۱۷۸-۱۷۹)

جرمِ قتل کے سلسلہ میں قصاص کا خاص طور پہ ذکر آیا ہے۔ (۲ : ۱۷۸)۔

۳۔ قتال کے معنی ایک دوسرے کو قتل کرنا ہیں۔ یہ لفظ جنگ کے معنوں میں آتا ہے۔ اس کے لئے عنوان "جنگ" (اور جہاد) دیکھئے۔ اس عنوان میں قتال کی آیات درج نہیں ہوں گی۔

جرمِ قتل

۱۔ انسانی جان کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اگر کسی نے کسی کو ناحق قتل کر دیا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ اور اگر کسی ایک کی جان بھی بچالی تو اس نے گویا پوری انسانیت کو زندگی عطا کر دی۔ (۵ : ۳۲)

۲۔ انسانی جان کو خدا نے واجب الاحترام بنایا ہے اس لئے اسے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔ (۶ : ۱۵۲)۔ (۱۷ : ۳۳)۔ (۲۵ : ۶۸)۔ حق کے معنی قانونِ خداوندی کے مطابق جیسے جرمِ قتل کی سزا کے طور پہ یا بغاوت کے جرم کی۔ (۵ : ۳۳) اسے فساد فی الارض بھی کہا گیا ہے۔ یعنی ملک میں لاقانونیت پھیلانا۔ (۵ : ۳۲)

۳۔ جرمِ قتل کا مؤاخذہ کر کے مجرم کو سزا دینا اسلامی نظام کا فریضہ ہے۔ (۲ : ۱۸۷)۔ حکومت مقتول کے ورثاء کی پشت پناہ بنے گی اور ان کی طرف سے مجرم سے بدلہ لے گی۔ (۱۷ : ۳۳)

۴۔ قتلِ عمد (بالارادہ) اور قتلِ خطا (سہواً) کی سزا میں فرق ہے۔ قتلِ خطا کے لئے :۔

۱۔ ایک غلام کو آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا ہوگا۔

۲۔ اگر مقتول دشمن کی قوم میں رہتا ہو لیکن ہو مومن۔ تو صرف غلام آزاد کرنا ہوگا۔

۳۔ لیکن اگر ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو پھر غلام آزاد کرنا اور خون بہا دینا ہوگا۔

۴۔ اگر غلام نہ مل سکے یا اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے (ان تمام شقوں کے لئے دیکھئے)۔ (۴ : ۹۲)۔ (غلاموں کے سلسلہ میں دیکھئے عنوان "ملکِ یمین")

۵۔ آیت (۲ : ۱۷۸) میں جس خون بہا کا ذکر ہے وہ قتلِ خطا ہی میں ہو سکتا ہے۔

۶۔ مقتول کے وارث، خون بہا معاف بھی کر سکتے ہیں۔ (۴ : ۹۲)

۵۔ قتلِ عمد کی سزا موت ہے۔ اور یہ سزا قانون کے مطابق مجرم ہی کو ملے گی۔ اس کے بدلے میں کسی دوسرے کو نہیں۔ (۲ : ۱۷۸)۔ یہ یہاں کی سزا ہے اور آخرت میں جہنم کی سزا بھی۔ (۴ : ۹۳)

۶۔ آپس میں قتل کی وارداتیں مت کرو۔ (۴ : ۲۹)۔ (۷)۔ ہلاکتِ نسل و حرث، فساد ہے۔ (۲ : ۲۰۵)

۸۔ بنی اسرائیل میں قانون یہ تھا کہ جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک وغیرہ۔ (۴۵ : ۵)

قتلِ اولاد

۱۔ قتلِ اولاد سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اس میں عہدِ جاہلیت کا وحشی پن بھی آجاتا ہے۔ جس کی رو سے وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ (۹ : ۸۱) اور (اسے مودؤدہ کہتے تھے۔ ۸ : ۸۱)۔ اولاد کو صحیح تعلیم و تربیت سے محروم رکھ کر انہیں ذلیل و خوار بنا دینا بھی۔ (۱۳۷ : ۶) ۔ (۱۴۰ : ۶) ۔ (۱۵۲ : ۶) ۔ (۳۱ : ۱۷) ۔ (۱۲ : ۶۰)

قتلِ انبیاء

۱۔ بنی اسرائیل کی طرف سے قتلِ رُسل۔ (۸۷ : ۲) ۔ (۱۸۳ : ۳) ۔ (۷۰ : ۵) ۔ قتلِ انبیاء۔ (۶۱ : ۲) ۔ (۹۱ : ۲) (۲۱ : ۳) ۔ (۱۱۲ : ۳) ۔ (۱۵۵ : ۴) ۔ (۲)۔ "قتل" حضرت عیسیٰ۔ (۱۵۷ : ۴)

۳۔ رسول اللہ کو قتل کر دینے کے ارادے۔ (۳۰ : ۸)۔ اگر تم وفات پا جاؤ یا قتل کر دیئے جاؤ تو....(۱۴۴ : ۳)

۴۔ حضرت موسیٰ کو قتل کر دینے کی سازش۔ (۲۶ : ۴۰) ۔ (۲۰ : ۲۸) ۔ (۳۳ : ۲۸)

۵۔ ان لوگوں کو قتل کر دینے کی سازشیں جو حق کی دعوت دیں۔ (۲۱ : ۳)

۶۔ حضرت ہارون کو اندیشہ تھا کہ قوم کہیں انہیں قتل نہ کر دے۔ (۱۵۰ : ۷)

۷۔ حضرت ابراہیم کو قتل کر دینے کے ارادے۔ (۲۹ : ۲۹)

متفرقات

۱۔ قصۂ حضرت موسیٰ اور مردِ بزرگ میں، ایک لڑکے کا قتل۔ (۸۰ ؛ ۷۴ : ۱۸)

۲۔ حضرت موسیٰ نے ایک قبطی کو قتل کر دیا۔ (۴۰ : ۲۰) ۔ (۱۹ : ۲۸) ۔ (۳۳ : ۲۸)

۳۔ داستانِ بنی اسرائیل میں ایک قتل کا واقعہ جس کے مجرم کا نشان نہیں ملتا تھا۔ (۷۲ : ۲)

۴۔ "آدم" کے دو بیٹوں میں وارداتِ قتل۔ (۳۰ - ۲۷ : ۵)

۵۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ "اپنے آپ کو قتل کرو" (اس کے معنی ذلیل اور عاجز کر دینے کے ہیں)۔ (۵۴ : ۲)

۶۔ فرعون کا حکم کہ جو لوگ حضرت موسیٰ پر ایمان لائیں، ان کے لڑکوں (ابناءِ قوم) کو قتل کر دیا جائے۔ (۲۵ : ۴۰)

۷۔ قتل بمعنی تباہی و بربادی۔ (۹ : ۳۰) - (۵۱ : ۱۰) - (۴۷ : ۱۹ - ۲۰) - (۸۰ : ۱۷)

۸۔ بنی اسرائیل کے ابنا کا قتل اور نساء کا زندہ رکھنا۔ (۷ : ۱۴۱)۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان - بنی اسرائیل)

۹۔ فتنہ (لاقانونیت اور استبداد) قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ (۲ : ۱۹۱) - (۲ : ۲۱۷)۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "فتنہ" -)

---(۰)---

۴۔ قرآن

قرأت

قرآن ۔ (مادہ ق - ر - أ)- اس مادہ کے بنیادی معنی" جمع کرنا" ہیں۔ لیکن جمع کرنا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جو چیزیں الگ الگ پڑی ہوں انہیں یک جا اکٹھا کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح جمع کرنے میں وہ اشیاء علیٰ حالہٖ رہتی ہیں۔ لیکن دوسری قسم کا جمع کرنا وہ ہے، جیسے مادہ کے رحم میں، نر کا مادۂ منویہ داخل ہو۔ وہاں وہ، مادہ کے مادۂ تخلیق کے ساتھ ملے۔ یہ مرکب وہاں حفاظت سے پڑا رہے اور پھر اس میں جنین نشو و نما پاتا ہوا، بچہ بن جائے۔ عربوں کے ہاں اسی طرح" جمع کرنے" کو (ق - ر - أ) کے مادہ سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کے ہاں اقْتَرَأَتِ النَّاقَةُ کے معنی ہوتے ہیں۔ نر کا مادۂ منویہ اونٹنی کے رحم میں قرار پاگیا اور جمع ہوگیا۔ قرأت الناقۃ - اونٹنی حاملہ ہوگئی۔ (یہیں سے قُرْءٌ حیض کے معنوں میں آتا ہے۔)

قرآن، فعلان کے وزن پر اس مادہ سے مصدر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے اندر ان ابدی اور غیر متبدل حقائق کو جمع کر رکھا ہے۔ جن کا مفہوم علم انسانی کی وسعت اور فکر انسانی کی رفعت کے ساتھ ساتھ ابھرتا چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح مجرد نظریات، زندہ حقیقتیں بن کر سامنے آتے جاتے ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ قَرَأَ عبرانی زبان کا ہے جس کے معنی اعلان کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے قرآن کے معنی، خدا کی طرف سے نوعِ انسان کے لئے اعلان (PLOCLAMATION) کے ہوں گے اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ (۹۶ : ۱) کے معنی ہوں گے تو اپنے نشو و نما دینے والی کی صفتِ ربوبیت کا اعلان عام کر دے۔ لہٰذا قرآن کی قرأت، سے مفہوم 'قرآن کا پڑھنا ہی نہیں، بلکہ اس کے پیغامِ انقلاب آفرین کا اعلانِ عام کرنا بھی ہوگا۔

اصطلاح میں، قرآن اس کتابِ عظیم کا نام ہے جو لفظاً لفظاً خدا کی طرف سے رسول اللہ پر وحی کے ذریعے نازل ہوئی اور اب ہمارے پاس حرفاً حرفاً اسی شکل میں محفوظ ہے۔ یہ خدا کی آخری، مکمل اور غیر متبدل کتاب، تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت

تک کے لئے ضابطہ حیات ہے۔ یہ کتاب اپنے مطالب کے لئے بالکل واضح۔ بین۔ روشن اور مفصل ہے۔ یہ واضح عربی زبان کی کتاب ہے اور دورِ نزولِ قرآن کے فصیح عربی بولنے والوں کے محاورہ کے مطابق نازل ہوئی ہے۔ یہ اپنے مطالب سمجھانے کے لئے خارجی سہاروں کی محتاج نہیں۔ اس میں کچھ احکام ہیں اور زندگی کے باقی گوشوں کے لئے ابدی اصول دیئے گئے ہیں تاکہ ہر زمانے کی قرآنی امت، اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق، ان اصولوں کی روشنی میں اور ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے، اپنے لئے جزئی قوانین خود وضع کرے۔ قرآنی اصول ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کی روشنی میں انسانوں کے مرتب کردہ قوانین میں عند الضرورت تبدیلی ہوتی رہے گی۔ قرآن ہمیشہ کے لئے علیٰ حالہٖ رہے گا۔ اس کی کوئی آیت نہ منسوخ ہے نہ منسوخ ہو سکتی ہے کیونکہ نزول و حفاظتِ قرآن کے بعد، نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب جو شخص براہ راست خدا سے علم پانے کا مدعی ہے وہ خدا پر افترا باندھتا ہے۔ خدا نے انسانوں کو جو علم براہِ راست دینا تھا۔ وہ قرآن کے اندر آخری مرتبہ۔ مکمل شکل میں دے دیا گیا۔ جو مملکت قرآن کو اپنا ضابطۂ زندگی (دستورِ مملکت) قرار دے گی اسے اسلامی مملکت کہا جائے گا۔ اور جو نظام، قرآن کی روشنی میں قائم ہو گا اسے اسلامی نظام۔ اس نظام کی مثل و نظیر کوئی اور نظام نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اس میں کسی اور نظام کا پیوند لگ سکتا ہے۔ ایسا کرنا شرک ہو گا۔

اسے پھر سن رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ مستقل، محکم، غیر متبدل ہے۔ اس میں کسی قسم کا حک و اضافہ اور تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوا، مسلمانوں کا ضابطۂ زندگی کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

القرآن

۱۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو۔ (۷ : ۲۰۴)

۲۔ جب ان کے سامنے قرآن پیش کیا جائے تو یہ اس کے سامنے جھکتے نہیں۔ (۸۴ : ۲۱)

۳۔ قرآن پڑھا جائے تو شیطان کی طرف سے حفاظت میں آجاؤ۔ (۱۶ : ۹۸؛ ۲ :)

۴۔ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے اور قرآن کے درمیان ایک حجابِ مستور ہوتا ہے۔ (۱۷ : ۴۵)

۵۔ یہ قرآن مجید ہے لوحِ محفوظ میں۔ (۸۵ : ۲۱ - ۲۲)

۶۔ مخالفین کہتے ہیں کہ اس قرآن کی جگہ دوسرا قرآن لاؤ۔ یا اس میں ان کے حسبِ خواہش تبدیلی کر دو۔ (۱۰ : ۱۵)

۷۔ قرآن کریم ۔ فی کتٰب مکنون ۔ لا یمسہٗ الا المطھرون ۔ تنزیل من رب العٰلمین ۔ افبھٰذا الحدیث انتم مدھنون ۔ وتجعلون رزقکم انکم تکذبون ۔ (۵۶ : ۷۷-۸۲)

۸۔ جب تو قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو خدا اس پر شاہد ہوتا ہے۔ (۱۰ : ۶۱)

۹۔ یہ ذکر ہے یعنی قرآنِ مبین۔ شاعری نہیں۔ (۳۶ : ۶۹)۔ (۱۰)۔ تلک آیٰت الکتٰب و قراٰن مبین۔ (۱۵ : ۱)۔ (۱:

۱۱۔ قراٰن الفجر کان مشھودًا۔ (۱۷ : ۷۸)۔ (۱۲)۔ رمضان کے مہینے میں قرآن نازل ہوا۔ (۲ : ۱۸۵)

۱۳۔ جو باتیں قرآن میں نہیں ان کی بابت کرید نہ کیا کرو۔ (۵ : ۱۰۱)

۱۴۔ مخالفین کا اعتراض کہ قرآن ایک ہی بار کیوں نہ نازل ہوگیا۔ (۲۵ : ۳۲)

۱۵۔ مجھ پر یہ قرآن نازل ہوا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور جن تک یہ پہنچے انہیں خطراتِ زندگی سے آگاہ کردوں۔ (۶ : ۱۹)۔ (۱۶)۔ قرآن، خدا کے علاوہ کسی کی طرف سے افترا کردہ نہیں۔ (۱۰ : ۳۷)

۱۶۔ مخالفین کا اعتراض کہ قرآن مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں ہوا۔ (۴۳ : ۳۱)

۱۸۔ یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے! اگر یہ منجانب اللہ نہ ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات ہوتے۔ (۴ : ۸۲)۔ کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں! ۔ (۴۷ : ۲۴)

۱۹۔ قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے۔ یا جنتر منتر بنا دینے والے۔ (۱۵ : ۹۱)

۲۰۔ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ تو مشکلات میں الجھ جائے۔ (۲۰ : ۲)

۲۱۔ حضورؐ کو قرآن، خدا کی طرف سے القا ہوتا تھا۔ (۲۷ : ۶)۔ (۲۲)۔ وحشی قبائل (جنات) کا قرآن سننا۔ (۴۶ : ۲۹)

۲۳۔ اگر قرآن سے پہاڑ بھی ہل جاتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ (۱۳ : ۳۱)

۲۴۔ خدا نے تم پر (اے رسولؐ) قرآن فرض کیا ہے۔ (۲۸ : ۸۵)۔

۲۵۔ رسولؐ کو حکم دیا گیا کہ وہ تلاوتِ قرآن کریں۔ (۲۷ : ۹۲)

۲۶۔ قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا گیا ہے۔ (۵۴ : ۱۷؛ ۲۲؛ ۴۰)

۲۷۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ (۵۵ : ۱-۲)۔ (۲۸)۔ ورتل القراٰن ترتیلا۔ (۷۳ : ۴)

۲۹۔ خدا نے قرآن نازل کیا بتدریج۔ (۷۶ : ۲۳)۔ (۳۰)۔ ماضی کے واقعات کا علم قرآن کے ذریعے دیا گیا۔ (۱۲ : ۳)

۳۱۔ قرآن اس راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو اقوم ہے۔ (۱۷ : ۹)

۳۲۔ رسول، خدا سے کہے گا کہ میری قوم نے قرآن کو مہجور بنا دیا تھا۔ (۲۵ : ۳۰)

۳۳۔ قرآن، بنی اسرائیل کے بہت سے اختلافات رفع کر دیتا ہے۔ (۲۷ : ۷۶)

۳۴۔ اگر قرآن پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ پھٹ جاتا۔ (۵۹ : ۲۱)

۳۵۔ قرآن میں مضامین کو پھیر پھیر کر لایا گیا ہے۔ اسے تصریفِ آیات کہا جاتا ہے۔ (۳۱ : ۱۷) - (۸۹ : ۱۷) — (۵۴ : ۱۸) - (۱۱۳ : ۲۰) - (۳۶)۔ جن و انس مل کر بھی قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔ (۸۸ : ۱۷)

۳۷۔ قرآن میں ہر قسم کی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۵۸ : ۳۰) - (۲۷ : ۳۹)

۳۸۔ مخالفین کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۳۱ : ۳۴)

۳۹۔ مخالفین کہتے ہیں کہ قرآن مت سنو۔ اس میں شور مچا دو۔ (۲۶ : ۴۱)

۴۰۔ قرآن عربی۔ (۲ : ۱۲) - (۱۱۳ : ۲۰) - (۲۸ : ۳۹) - (۳ : ۴۱)۔ عربی ہو یا عجمی (۴۴ : ۴۱)- (۷ : ۴۲) - (۳ : ۴۳) - (۱۲ : ۴۶) - (۱ : ۷۲)

۴۱۔ قرآن میں عجلت نہ کر۔ (۱۱۴ : ۲۰) - (۴۲)۔ قرآن سے نصیحت کر۔ (۴۵ : ۵۰)

۴۲۔ جب تو قرآن میں خدائے واحد کا ذکر کرتا ہے تو یہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ (۴۶ : ۱۷)

۴۴۔ قرآن میں شجرِ ملعونہ کا ذکر۔ (۶۰ : ۱۷)

۴۵۔ قرآن میں شفا و رحمت ہے مومنین کے لئے۔ اور ظالمین کے لئے خسارہ۔ (۸۲ : ۱۷)

۴۶۔ جو کچھ قرآن سے آسانی سے ہو سکے پڑھو۔ (۲۰ : ۷۳) - (۷۴)۔ ورتل القرآن ترتیلا۔ (۴ : ۷۳)

۴۸۔ مومنین مجاہدین کے لئے تورات و انجیل و قرآن میں سچا وعدہ۔ (۱۱۱ : ۹)

۴۹۔ سبعًا من المثانی والقرآن العظیم۔ (۸۷ : ۱۵) - (۵۰)۔ یٰس۔ والقرآن الحکیم۔ (۲ : ۳۶)۔

۵۱۔ قرآن ذی الذکر۔ (۱ : ۳۸) — ۵۲۔ ق۔ والقرآن المجید۔ (۱ : ۵۰)۔ غیر ذی عوج۔ (۲۸ : ۳۹)

۵۳۔ تکرار کرایات کرنے والا۔ (۱۰۶ : ۱۷) — (۵۴)۔ اس کی وضاحت خدا کے ذمہ ہے۔ (۱۹-۱۷ : ۷۵) - نیز اس کا جمع کرنا۔

جہاں قرآن کو کتاب کہا گیا ہے

۱۔ اس کی آیات محکم ہیں۔ (۱ : ۱۱) - (۲)۔ مفصل ہیں۔ (۱۱۵ : ۶)-(۵۲ : ۷)-(۱ : ۱۱) - (۳ : ۴۱)

۳۔ تیری طرف کتاب نازل کی گئی ہے۔ (۱ : ۷) - (۱ : ۱۴)- (۲۹ : ۳۸)-(۴۱ : ۴۱) - (۲ : ۴۶) - من کتاب۔ (۴ : ۲۹) - (۵ : ۴۲) - تمہاری طرف۔ (۱۵ : ۶) - بالحق۔ (۱۰۵ : ۴) - (۴۸ : ۵) - (۶۴ : ۱۶) - (۱ : ۱۸) - (۵۱ : ۲۹) - (۱-۲ : ۳۹) - (۴۱ : ۳۹)۔ کتاب و حکمت۔ (۱۶۴ : ۲)

(۳ : ۳) - (۴: ۱۱۳) - (۷ : ۱۹۶) - (۱۳ : ۱) - (۱۶ : ۸۹) - (۳۲ : ۲) - (۴۵ : ۲) - (۴۶:۲)

۴۔ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ تجھے کشادِ قلب نصیب ہو۔ (۷ : ۱)

۵۔ کتاب مبارک ۔ (۶ : ۱۵۶) ۔ (۳۸ : ۲۹) ۔ (۶) ۔ اس کا اتباع کرو۔ (۶ : ۱۵۶)

۷۔ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لے آئے ۔ (۵ : ۱۶) ۔ (۱۴ : ۱) ۔

۸۔ تاکہ اس کی آیات میں تدبر کرو۔ (۳۸ : ۲۹) ۔ (۹) ۔ تاکہ اربابِ عقل و فکر اس سے سبق حاصل کریں۔ (۳۸ : ۲۹)

۱۰۔ مصدق ۔ (۲ : ۸۹) ۔ (۲ : ۱۰۱) ۔ (۵ : ۴۸) ۔ (۳۵ : ۳۱) ۔ (۴۶ : ۱۲) ۔ مھیمن ۔ (۳ : ۳) ۔ (۵:۴۸)

۱۱۔ لسان عربی ۔ (۴۶ : ۱۲) ۔ (۱۲) تنذیر ۔ (۴۶ : ۱۲) ۔ تبشیر ۔ (۱۸ : ۲)

۱۳۔ اس کتاب سے انکار ۔ اہلِ کتاب کی طرف سے ۔ (۲ : ۸۹) ۔ (۲ : ۱۰۱) ۔ (۳ : ۲۲) ۔ تکذیب ۔ (۴۰ : ۷۰)

۱۴۔ کتاب بمعنی قانون ۔ (۴ : ۲۴) ۔ (۸ : ۷۵) ۔ (۹ : ۳۶) ۔ (۱۷ : ۵۸) ۔ (۳۰ : ۵۶) ۔ (۶ : ۳۳) ۔
(۳ : ۹۸) ۔ ام الکتاب ۔ (۳۹ : ۱۳)

۱۵۔ تلاوتِ کتاب ۔ (۲ : ۱۲۱) ۔ (۱۸ : ۲۷) ۔ (۳۵ : ۲۹) ۔ یتلیٰ علیھم ۔ (۲۹ : ۵۱) ۔
یتلیٰ علیکم (۳ : ۱۲۷) ۔ اُتلُ ۔ (۲۹: ۴۵)

۱۶۔ خدا کی طرف سے وحی شدہ کتاب (من الکتاب) ۔ (۳۵ : ۳۱)

۱۷۔ وراثتِ کتاب کے لئے ایک قوم (مومنین) کو چن لیا ۔ (۳۵ : ۳۲) ۔ یہ شک میں ہیں ۔ (۴۲ : ۱۴)

۱۸۔ تلکٓ آیات الکتاب ۔ (۱۲ : ۱) ۔ (۱۳ : ۱) ۔ (۱۵ : ۱)

۱۹۔ تنازعہ فیہ امور میں حکم ۔ (۳ : ۲۲) ۔ (۴ : ۱۰۵) ۔ (۵ : ۴۸) ۔ اختلافات مٹانے والی ۔ (۲ : ۱۷۶) ۔ (۱۶:۶۴)

۲۰۔ ھدیً و رحمۃ ۔ (۷ : ۵۲) ۔ بشریٰ ۔ (۱۶ : ۶۴) ۔ (۱۶ : ۸۹) ۔ (۲ : ۲۷) ۔ (۲۹ : ۵۱) ۔
(۳۱ : ۳) ۔ ذکریٰ ۔ (۲۹ : ۵۱)

۲۱۔ ایسی کتاب لاؤ جو تورات اور قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو ۔ (۲۸ : ۴۹)

۲۲۔ کتاب مکنون (میں قرآن ہے) ۔ (۵۶ : ۷۷-۷۸) ۔ (۲۳) ۔ کتاب عزیز ۔ (۴۱ : ۴۱)

۲۴۔ باطل اس کے قریب نہیں آ سکتا ۔ (۴۱ : ۴۲) ۔ (۲۵) ۔ غیر متبدل ۔ (۱۸ : ۲۷)

۲۶۔ رسول اللہؐ خود اس پر ایمان لائے تھے ۔ (۴۲ : ۱۵)

۲۷۔ تمام انبیاء کو کتاب و حکمت عطا ہوئی تھی ۔ (۲ : ۲۱۳) ۔ (۳ : ۸۰) ۔ (۶ : ۹۰) ۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ

دونوں کو۔ (۱۱۷ : ۳۷)۔ تمام رسولوں کو۔ (۵۷ : ۲۵)

۲۸۔ کتابِ منیر۔ (۸ : ۲۲) ۔ (۲۰ : ۳۱) ۔ (۲۵ : ۳۵)

۲۹۔ (نورؔ) وکتاب مبین۔ (۱۵ : ۵)۔ آیات القرآن وکتاب مبین۔ (۲ : ۱۲) ۔ (۲ : ۲۶) ۔ (۱ : ۲۷) ۔
(۲ : ۲۸) ۔ (۲ : ۴۳) ۔ (۲ : ۴۴) ۔ (۳۰)۔ کتابِ مسطور۔ (۲ : ۵۲)

۳۱۔ لاریب فیہ۔ (۲ : ۲) ۔ (۳۷ : ۱۰) ۔ (۲ : ۳۲) ۔ (۳۲) تعلیمِ کتاب وحکمت۔ (۱۲۹ : ۲) ۔ (۱۵۱ : ۲)

۳۳۔ الذین اتینہم الکتٰب سے مرادِ جماعتِ مومنین ہے۔ (۱۲۱ : ۲) ۔ (۱۱۵ : ۶) ۔ (۳۶ : ۱۳) ۔ (۴۷ : ۲۹)

۳۴۔ غیرِ ذی عوج۔ (۱ : ۱۸)۔ (۳۵)۔ قیّم۔ (۲ : ۱۸) ۔ (۳۶)۔ وہی طور پر ملی ہے۔ (۱۱۳ : ۴)

۳۷۔ تبیاناً لکل شیئ۔ (۱۵۹ : ۲) ۔ (۱۵ : ۵) ۔ (۸۹ : ۱۶) ۔ (۳۸)۔ آیات محکمٰت ومتشٰبہٰت۔ ام الکتاب (۷ : ۳)

۳۹۔ قرآن ام الکتاب میں ہے جو خدا کے پاس ہے۔ (۴ : ۴۳)۔ ام الکتاب خدا کے پاس ہے۔ (۳۹ : ۱۳)

۴۰۔ کتاب الحکیم۔ (۱ : ۱۰) ۔ (۲ : ۳۱) ۔ (۴۱)۔ قرآن تفصیل الکتاب ہے۔ (۳۷ : ۱۰)

۴۲۔ تمسک بالکتاب۔ (۱۷۰ : ۷) ۔ (۴۳)۔ کتمانِ کتاب۔ واشتریٰ۔ (۱۷۴ : ۲)

۴۴۔ نزّل علیکم فی الکتاب۔ (۲۳۱ : ۲) ۔ (۱۴۰ : ۴) ۔ (۴۵)۔ ما فرطنا فی الکتاب من شیئ۔ (۳۸ : ۶)

۴۶۔ الکتاب سے انبیائے سابقہ کا تذکرہ بیان کرو۔ (۵۶ ; ۵۴ ; ۵۱ ; ۱۶ : ۱۹)

۴۷۔ کسی انسان کے لئے زیبا نہیں کہ خدا اسے کتاب وحکمت ونبوت دے اور۔۔۔۔ (۷۸ : ۳)

۴۸۔ جو اہلِ کتاب چھپاتے تھے اُسے واضح کرتی ہے۔ (۱۵ : ۵)

۴۹۔ ایمان بالکتاب۔ (۱۷۷ : ۲)۔ ایمان والوں سے کہا گیا کہ کتاب پر ایمان لاؤ۔ (۲۸۵ : ۲) ۔ (۱۳۶ : ۴)

۵۰۔ نزولِ کتاب لیلۃ المبارکہ میں۔ (۳ : ۴۴)

۵۱۔ اگر آسمان سے بنی بنائی کتاب اتار دیتے تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ (۷ : ۶)

۵۲۔ صحرائی قبائل نے کتاب سنی۔ (۳۰ - ۲۹ : ۴۶) ۔ (۵۳)۔ اس کتاب میں تمہارا ہی ذکر (شرف ومجد) ہے (۱۰ : ۲۱)

۵۴ صحف مطہرۃ فیہا کتب قیمہ۔ (۴-۲ : ۹۸) ۔ (۵۵)۔ عربوں کو اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں ملی تھی۔ (۴۴ : ۳۴)

۵۶۔ یہ رسول اللہؐ کے زمانے ہی میں لکھی گئی تھی اور کتابی شکل میں موجود تھی۔

۱۔ نہایت معزز ومکرم کاتبوں نے اسے لکھا تھا۔ (۱۶-۱۳ : ۸۰)

۲۔ تحریر شدہ کتاب۔ باریک جھلی پر لکھی ہوئی۔ (۳-۲ : ۵۲) ۔ (۳)۔ ایک محفوظ کتاب کے اندر قرآن۔ (۷۸-۷۷ : ۵۶)

۴۔ صاحبانِ علم، حفاظ کے سینے میں محفوظ ۔ (۲۹ : ۴۹)

۵۔ فاتحۃ الکتاب کے بعد پہلی سورہ کے آغاز ہی میں اسے الکتاب کہہ کر پکارا گیا ہے ۔ (۲ : ۲)

الکتاب یہی ہے

۱۔ ذالک الکتاب ۔ (۲ : ۲) ۔ (۳) تلاوت الکتاب ۔ (۲ : ۱۲۱) ۔ (۱۸ : ۲۷) ۔ (۲۷ : ۹۲) ۔ (۲۹ : ۴۵) ۔ (۳۳ : ۳۴-۳۵) ۔ (۳۵ : ۲۹) ۔ (۳۷ : ۳) ۔ (۴۵ : ۶) ۔ (۶۵ : ۱۰)

۳۔ نزولِ کتاب ۔ (۲ : ۱۷۶) ۔ (۴ : ۱۰۵) ۔ (۵ : ۴۸) ۔ (۱۸ : ۱) ۔ (۲۹ : ۴۷) ۔ (۳۲ : ۲) ۔ (۳۹ : ۱) ۔ (۳۹ : ۴۱) ۔ (۴۰ : ۲) ۔ (۴۱ : ۲) ۔ (۴۱ : ۴۲) ۔ (۴۵ : ۲) ۔ (۴۶ : ۲) ۔ (۶۹ : ۴۳) ۔ (۷۶ : ۲۳) ۔

۴۔ اختلاف فی الکتاب ۔ (۲ : ۱۷۶) ۔ بغیاً بینھم سے ہوتا ہے ۔ (۲ : ۲۱۳) ۔ قرآن میں کوئی اختلافی بات نہیں ۔ (۴ : ۸۲) ۔ یہ اختلافی باتوں کو واضح کرتا ہے ۔ (۱۶ : ۶۴)

۵۔ احکامِ خداوندی اسی کتاب میں ہیں ۔ (۴ : ۱۲۷)

۶۔ کتابِ مبین ۔ (۵ : ۱۵) ۔ (۱۲ : ۱) ۔ (۲۶ : ۲) ۔ (۲۷ : ۱) ۔ (۲۸ : ۲) ۔ (۴۳ : ۲) ۔ (۴۴ : ۲)

۷۔ کتاب الحکیم ۔ (۱۰ : ۱) ۔ (۳۱ : ۲) ۔ (۸) ۔ آیات الکتاب ۔ (۱۳ : ۱) ۔ (۱۵ : ۱) ۔ (۲۸ : ۲) ۔ (۳۱ : ۲)

۹۔ کتابِ عزیز ۔ (۴۱ : ۴۱) ۔ (۱۰) ۔ کتاب مسطور فی رق منشور ۔ (۵۲ : ۲-۳)

۱۱۔ تمام انبیاء کو کتاب دی تھی ۔ (۲ : ۲۱۳) ۔ اور تمام رسولوں کو ۔ (۵۷ : ۲۵)

۱۲۔ حضورؐ تعلیم کتاب و حکمت دیتے تھے ۔ (۶۲ : ۲) ۔ (۱۳) ۔ خدا نے کتاب و حکمت نازل کی ۔ (۴ : ۱۱۳)

۱۴۔ تمسک بالکتاب سے مصلحین بنتے تھے ۔ (۷ : ۱۷۰)

الذکر

۱۔ ذکر بمعنی شرف و مجد ۔ (۲۱ : ۱۰) ۔ (۲۳ : ۲۱) ۔ (۴۳ : ۴۴) ۔ (۲) ۔ ھذا ذکرٌ ۔ (۳۸ : ۴۹) ۔ ذکرٌ مبارک ۔ (۲۱ : ۵۰) ۔ (۳) ۔ ذکر اللہ (شیطان نے ذکر اللہ فراموش کرا دیا) ۔ (۵۸ : ۱۹)

۴۔ ذکر للعالمین ۔ (۶ : ۹۱) ۔ (۱۲ : ۱۰۴) ۔ (۳۸ : ۸۷) ۔ (۸۱ : ۲۷) ۔ (۵) ذکر و قرآن مبین ۔ (۳۶ : ۶۹)

۶۔ نزولِ ذکر۔ (۶ : ۱۵)۔ حفاظتِ ذکر۔ (۹ : ۱۵)۔ (۴۴ : ۱۶)۔ (۹۹ : ۲۰)۔ (۱۰ : ۶۵)

۷۔ سابقہ انبیاء کے سلسلہ میں بھی وحی کو الذکر کہا گیا ہے۔ (۲۵ : ۵۴)

۸۔ اتباعِ ذکر۔ (۱۱ : ۳۶)۔ (۹)۔ ص۔ والقرآن ذی الذکر۔ (۱ : ۳۸)

۱۰۔ الذکر اور الکتاب ایک ہی ہے۔ (۴۱ : ۴۱)۔ (۱۱)۔ آیات اور ذکر الحکیم ایک ہی ہیں۔ (۵۷ : ۳)

۱۲۔ ذکریٰ للمؤمنین (۲ : ۷)۔ (۱۲۰ : ۱۱)۔ (۵۱ : ۲۹)۔ ذکریٰ للبشر۔ (۳۱ : ۷۴)۔ ذکریٰ لاولی الالباب (۴۳ : ۳۸)
(۵۴ : ۴۰)۔ ذکریٰ لکل عبد منیب۔ (۸ : ۵۰)

نُور

۱۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض۔ (۳۵ : ۲۴)۔ (۲)۔ نور وکتاب مبین۔ (۱۵ : ۵)

۳۔ اس نور کا اتباع کرو جو رسول کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ (۱۵۷ : ۷)۔ (۸ : ۶۴)

۴ وانزلنا الیکم نوراً مبینا۔ (۱۷۵ : ۴)۔ (۵)۔ ایسا نور جسے لے کر تم دنیا میں چلو پھرو۔ (۱۲۳ : ۶)۔ (۲۸ : ۵۷)

۶۔ یہ نور ہے۔ (۵۲ : ۴۲)

قرآن کریم کی خصوصیات

۱۔ اس میں شک وشبہ اور اضطراب کی کوئی بات نہیں۔ (۲ : ۲)۔ (۳۷ : ۱۰)۔ (۲ : ۳۲)

۲۔ اس جیسی کتاب بنا دینا ناممکن ہے۔ چیلنج۔ (۲۳ : ۲)۔ (۳۱ : ۸)۔ افترا نہیں کیا جا سکتا۔ (۳۷ : ۱۰)
(۱۰ : ۳۸)۔ (۱۱ : ۱۳)۔ (۱۲ : ۱۱۱)۔ (۱۶ : ۱۰۱)۔ (۱۶ : ۱۰۳)۔ (۱۷ : ۸۸)۔ (۲۸ : ۴۹)۔ (۵۲ : ۳۳)

۳۔ یضل بہ کثیراً ویہدی بہ کثیراً۔ اور اسی مفہوم کی دیگر آیات۔ (۲۶ : ۲)۔ (۶۴ : ۵)۔ (۶۸ : ۵)۔ (۴۱ : ۱۷)
(۸۲ : ۱۷)۔ (۸۹ : ۱۷)۔ (۵۰ : ۲۵)

۴۔ مصدق ہے کتبِ سابقہ کا۔ (یعنی ان میں خدا کی طرف سے جو وعدے کئے گئے تھے انہیں سچ کر دکھانے والا)۔ (۴۱ : ۲)
(۹۱ : ۲)۔ (۱۰۱ : ۲)۔ (۳ : ۳)۔ (۴۷ : ۴)۔ (۹۲ : ۶)۔ (۳۷ : ۱۰)۔ (۱۱۱ : ۱۲)۔ (۳۱ : ۳۵)
(۳۰ : ۴۶)۔ مھیمن (۴۸ : ۵)

۵۔ کلام اللہ۔ (۶ : ۹)۔ (۱۵۸ : ۷)۔ (۱۱۶ : ۶)۔ (۷۵ : ۲)

۶۔ وہبی طور پر عطا ہوا تھا۔ (۲ : ۹۰) - (۲ : ۱۰۵) - (۴ : ۱۱۳) - (۱۰ : ۱۵) - (۱۰ : ۵۸) - (۱۷ : ۸۶)
(۲۷ : ۶) - (۲۸ : ۸۶) - (۲۹ : ۴۸) - (۴۲ : ۵۲) - (۳۴ : ۶) - (۵۵ : ۱-۲)

۷۔ نزولِ قرآن کا طریق۔ (۲ : ۹۷) - (۲ : ۲۵۲) - (۳ : ۵۷) - (۳ : ۱۰۷) - (۱۶ : ۱۰۲) - (۲۶ : ۱۹۲)
(۲۷ : ۶) - (۴۵ : ۶) - (۵۵ : ۱-۲) - (۸۱ : ۱۹) - (۸۷ : ۶-۷) - (۹۷ : ۱-۵)

۸۔ آیاتِ بینٰت۔ (۲ : ۹۹) - (۲ : ۱۱۸) - (۲ : ۱۵۹) - (۲ : ۱۸۵) - (۲ : ۲۱۳) - (۶ : ۱۰۶) -
(۶ : ۱۵۸) - (۱۰ : ۱۵) - (۱۱ : ۱) - محکم آیات ہے (۱۱ : ۱۷) - (۱۶ : ۴۴) - (۱۶ : ۶۴) - (۱۶ : ۸۹)
(۱۹ : ۷۳) - (۲۲ : ۱۶) - (۲۴ : ۱) - (۲۴ : ۳۴) - (۲۷ : ۷۹) - (۳۴ : ۴۳) - (۳۶ : ۶۹)
(۴۵ : ۶) - (۴۶ : ۷) - (۵۷ : ۹) - (۶۵ : ۱۱) - (۹۸ : ۱) - اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔
تدبر شرط ہے۔ (۴ : ۸۲) - (۹)۔ خیر ہے۔ (۲ : ۱۰۵) - (۱۶ : ۳۰)

۱۰۔ ہدایتِ خداوندی اسی میں ہے۔ (۲ : ۱۲۰) - (۲ : ۱۵۹) - (۲ : ۱۸۵) - (۶ : ۱۵۸) - (۷ : ۵۲) —
(۷ : ۲۰۳) - (۱۰ : ۵۷) - (۱۲ : ۱۱۱) - (۱۶ : ۶۴) - (۱۶ : ۸۹) - (۲۸ : ۴۹) - (۳۴ : ۶) -
(۴۱ : ۴۴) - (۱۱)۔ یہ العلم ہے۔ (۲ : ۱۲۰) - (۲ : ۱۴۵) - (۴ : ۱۶۶) - (۱۳ : ۳۷)

۱۲۔ الحق ہے۔ (۲ : ۱۴۷) - (۲ : ۲۵۲) - (۳ : ۳) - (۳ : ۵۹) - (۶ : ۵) - (۶ : ۶۶) —
(۶ : ۱۱۵) - (۸ : ۳۲) - (۱۰ : ۹۴) - (۱۰ : ۱۰۸) - (۱۱ : ۱۲۰) - (۱۳ : ۱) - (۱۳ : ۱۹)
(۱۷ : ۱۰۴) - (۱۸ : ۲۹) - (۲۷ : ۷۹) - (۲۸ : ۳) - (۲۸ : ۵۳) ———
——— (۳۲ : ۳) - (۳۴ : ۶) - (۳۴ : ۴۳) - (۳۴ : ۴۹) - (۳۵ : ۳۱) - (۳۹ : ۲)
(۳۹ : ۴۱) - (۴۳ : ۳۰) - (۴۵ : ۶) - (۴۷ : ۲) - (۵۷ : ۱۶) - (۶۰ : ۱)

۱۳۔ الفرقان۔ (۲ : ۱۸۵) - (۳ : ۳) - (۱۷ : ۱۰۶) - (۲۵ : ۱)

۱۴۔ اختلافات مٹاتا ہے۔ (۲ : ۲۱۳) - (۲۷ : ۷۶)

۱۵۔ ذکر الحکیم۔ (۳ : ۵۷) - (۷ : ۲) - (۱۱ : ۱۲۰) - (۱۶ : ۴۴) - (۱۷ : ۳۹) - (۲۰ : ۲) —
(۲۰ : ۹۹-۱۰۰) - (۲۱ : ۲۴) - (۲۱ : ۵۰) - (۲۳ : ۷۱) - (۲۵ : ۲۹) - (۳۱ : ۲) —
(۳۶ : ۲) - (۳۶ : ۱۱) - (۳۶ : ۶۹) - (۳۸ : ۱) - (۳۸ : ۸۷) - (۴۳ : ۵) - (۶۵ : ۱۰)
(۶۹ : ۴۸) - (۷۳ : ۱۹) - (۷۴ : ۵۴) - (۷۶ : ۲۹) - (۸۰ : ۱۱)

۱۷۔ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں ۔ (۴ : ۸۲) ۔ (۱۷) ۔ برھان ۔ (۴ : ۱۷۵)

۱۸۔ نور ۔ (۴ : ۱۷۵) ۔ (۵ : ۱۵) ۔ (۶ : ۱۲۳) ۔ (۷ : ۱۵۷) ۔ (۸ : ۶۴) ۔ اس کی مثال
(۴ : ۱۷۵) ۔ (۲۴ : ۳۵) ۔ (۴۲ : ۵۲)

۱۹۔ مبارک ۔ (۶ : ۹۳) ۔ (۶ : ۱۵۶) ۔ (۲۱ : ۵۰) ۔ (۳۸ : ۲۹)

۲۰۔ بصائر ۔ (۶ : ۱۰۵) ۔ (۷ : ۲۰۳) ۔ (۴۵ : ۲۰)

۲۱۔ مفصل (یعنی جس کے مفہوم کو نکھار کر بیان کیا گیا ہے) ۔ (۶ : ۱۱۵) ۔ (۷ : ۵۲) ۔ (۱۰ : ۳۷) ۔ (۱۱ : ۱)
(۱۲ : ۱۱۱) ۔ (۱۳ : ۲۷) ۔ (۱۷ : ۱۰۶) ۔ (۴۱ : ۳) ۔ (۴۱ : ۴۴)

۲۲۔ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔ (۶ : ۱۱۶) ۔ رسول اللہ بھی بدل نہیں سکتے تھے ۔ (۱۰ : ۱۵) ۔ (۱۸ : ۲۷)

۲۳۔ رحمت ۔ (۶ : ۱۵۸) ۔ (۷ : ۵۲) ۔ (۷ : ۲۰۳) ۔ (۱۰ : ۵۷) ۔ (۱۲ : ۱۱۱) ۔ (۱۶ : ۶۴)
(۱۷ : ۸۲) ۔ شفاء لما فی الصدور (۱۰ : ۵۷) ۔ (۱۷ : ۸۲) ۔ (۴۱ : ۴۴) ۔ (۲۴) ۔ موعظۃ ۔ (۱۰ : ۵۷) ۔ (۱۱ : ۱۲۰)

۲۵۔ قرآناً عربیاً ۔ (۱۲ : ۲) ۔ (۲۰ : ۱۱۳) ۔ (۲۶ : ۱۹۵) ۔ (۳۹ : ۲۸) ۔ (۴۱ : ۲) ۔ (۴۱ : ۳) ۔ (۴۳ : ۳) ۔
حکماً عربیاً ۔ (۱۳ : ۳۷) ۔ آسان ۔ (۱۹ : ۹۷) ۔ (۴۴ : ۵۸) ۔ عجمی نہیں ۔ (۲۶ : ۱۹۸) ۔ (۴۱ : ۴۴)

۲۶۔ یہ معجزات دکھانے کے لئے نہیں ۔ (۱۳ : ۳۱) ۔ (۲۷) ۔ خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ۔ (۱۵ : ۹)

۲۸۔ قرآن العظیم ۔ (۱۵ : ۸۷) ۔ و سبع مثانی ۔ (۱۵ : ۸۷) متشابها مثانی ۔ (۳۹ : ۲۳)

۲۹۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔ (۱۶ : ۸۹) ۔ (۳۰) يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ۔ (۱۷ : ۹)

۳۱۔ تصریفِ آیات ۔ (۶ : ۱۰۶) ۔ (۱۷ : ۴۱) ۔ (۱۷ : ۸۹) ۔ (۱۸ : ۵۴) ۔ (۲۰ : ۱۱۳) ۔ (۲۵ : ۵۰)

۳۲۔ توحید کی تعلیم دیتا ہے ۔ (۱۷ : ۴۶)

۳۳۔ بتدریج نازل کیا گیا ہے تاکہ سمجھایا جا سکے ۔ (۱۷ : ۱۰۶) ۔ (۲۵ : ۳۲)

۳۴۔ اس میں کوئی کجی نہیں ۔ (۱۸ : ۱) ۔ قیم ہے ۔ (۱۸ : ۱) ۔ (۳۹ : ۲۸)

۳۵۔ اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ تو مشکلات میں پڑ جائے ۔ (۲۰ : ۲)

۳۶۔ اس میں خود تمہارے ہی ذکر ۔ (شرف و مجد) کی باتیں ہیں ۔ (۲۱ : ۱۰) ۔ (۲۱ : ۲۴) ۔ (۲۳ : ۷۱) ۔
(۳۸ : ۱) ۔ (۴۳ : ۴۴) ۔ (۳۷) ۔ ان سے پوچھو کہ کیا قرآن کافی نہیں؟ (۲۹ : ۵۱)

۳۸۔ ہر قسم کی بات اس میں آگئی ہے ۔ (۳۰ : ۵۸) ۔ (۳۹ : ۲۷)

۳۹۔ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ۔ (۵ : ۳۶) ۔ (۴۰)۔ یہ شاعری نہیں ۔ (۶۹ : ۳۶)

۴۱۔ کچھ وقت کے بعد جاکر اس کے حقائق واضح ہوں گے۔ (۸۸ : ۳۸)۔ انفس و آفاق کی آیات کے بعد۔ (۵۳ : ۴۱)

۴۲۔ احسن الحدیث۔ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ۔ (۲۳ : ۳۹) ۔ (۴۳) باطل اس کے قریب نہیں آسکتا۔ (۴۲ : ۴۱)

۴۴۔ روح مِّنْ امر اللّٰہ (۵۲ : ۴۲) ۔ (۴۵)۔ اِنَّهٗ فِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا۔ (۴ : ۴۳)

۴۶۔ شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ (۱۸ : ۴۵) ۔ (۴۷)۔ قُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ (۱ : ۵۰) ۔ (۲۲-۲۱ : ۸۵)

۴۸۔ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ (۳ : ۵۳) ۔ (۴۹)۔ نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان ہے۔ (۳۲؛۲۲؛۱۷ : ۵۴)

۵۰۔ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ (۲-۱ : ۵۵)

۵۱۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ۔ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (۸۰-۷۷ : ۵۶)

۵۲۔ اگر اسے پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ پھٹ جاتا۔ (۲۱ : ۵۹) ۔ (۵۳)۔ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ۔ (۴۰ : ۶۹)

۵۴۔ شاعر یا کاہن کا کلام نہیں۔ (۴۲-۴۱ : ۶۹) ۔ (۵۵)۔ رسول افترا کرتا تو خدا ہلاک کر دیتا۔ (۴۶-۴۴ : ۶۹)

۵۶ خدا کے ذمے ہے اس کا جمع کرنا اور ظاہر کرنا۔ (۱۹-۱۶ : ۷۵)

۵۷۔ اس کے بعد لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے؟ (۵۰ : ۷۷)

۵۸۔ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ۔ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ۔ (۱۶-۱۳ : ۸۰)

۵۹۔ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ (۲۲ : ۸۵)۔ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ۔ (۳ : ۵۲)

۶۰۔ لَقَوْلٌ فَصْلٌ۔ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔ (۱۴-۱۳ : ۸۶)۔ (۶۱)۔ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ۔
(۳-۲ : ۹۸) ۔ (۶۲)۔ حرام و حلال سب اس کے اندر واضح کر دیا گیا ہے۔ (۱۴۶ : ۶)

۶۳۔ قرآن اور تاریخ دونوں نازل کئے۔ (۳۴ : ۲۴)۔ (۶۴)۔ نورِ قرآن کی مثال۔ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ.... (۳۵ : ۲۴)

۶۵۔ اس خدا کی طرف سے ہے جو اسرار سمٰوٰت وَالْاَرْض جانتا ہے۔ (۶ : ۲۵)

۶۶۔ قرآن اہلِ علم کے سینے میں ہے۔ (۴۹ : ۲۹)

۶۷۔ رسولؐ کا ارشاد کہ اگر میں ہدایت پر ہوں تو قرآن کی وجہ سے۔ اگر غلطی کرتا ہوں۔ تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ (۵۰ : ۳۴)

۶۸۔ قرآن ہی وحی کیا گیا ہے اور کچھ نہیں۔ (۱۹ : ۱۷)۔ (۲۷ : ۱۸)۔ اس سے تبشیر و تنذیر ہوتی ہے۔ (۹۷ : ۱۹)
صرف اس کا اتباع کرو۔ (۹۴ : ۶) ۔ (۲ : ۳۳)

۶۹۔ جو قرآن میں نہیں اسے شریعت بنا دینے والے خدا کے شریک ہیں۔ (۲۱ : ۴۲)

۱۰۔ ہر سوال کی تفسیر قرآن میں ہے ۔ (۲۵ : ۳۳)

۱۱۔ وحی کی تعلیم شروع سے آخر تک مربوط و مسلسل چلی آئی ہے ۔ یہی ربط قرآن میں ہے ۔ (۲۸ : ۵۱)

۱۲۔ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے دلائل ۔ (۲۹ : ۴۸-۴۹)

بعض اہم خصوصیات کا اعادہ

۱۔ قرآن ملنے پر جشن مناؤ ۔ (۱۰ : ۵۸) ۔ (۱۳ : ۳۶) ۔ (۲) ۔ اس میں ہر بات کی وضاحت کر دی گئی ہے ۔ (۱۶ : ۸۹)

یہ وضاحت خود خدا کے ذمے تھی ۔ (۷۵ : ۱۹) ۔ اس نے انسانوں کے لئے وضاحت کر دی ۔ (۲ : ۱۵۹)

رسولؐ اللہ اختلافی امور کی وضاحت قرآن ہی سے کرتے تھے ۔ (۱۶ : ۶۴) ۔ قرآن ہی سے نصیحت کرتے تھے (۶ : ۱۹) ۔

(۵۰ : ۴۵) ۔ اس میں کوئی بات چھوڑی نہیں (۶ : ۳۸) ۔ یہ کافی ہے (۲۹ : ۵۱) ۔ وحی صرف قرآن کے اندر ہے ۔ (۶ : ۱۹)

۴۔ ہر اختلافی معاملہ میں حکم قرآن ہے ۔ (۳ : ۲۲) ۔ (۶ : ۱۱۵) ۔ (۱۶ : ۶۴) ۔ (۴۲ : ۱۰)

۵۔ رسولؐ اللہ اس کا اتباع کرتے تھے ۔ (۶ : ۱۰۷) ۔ (۷ : ۳) ۔ (۱۰ : ۱۰۹) ۔

۶۔ غیر متبدل ہے ۔ (۶ : ۳۴) ۔ (۱۰ : ۶۴) ۔ (۱۸ : ۲۷) ۔ اور مکمل بھی ۔ (۶ : ۱۱۶) ۔ محفوظ بھی ۔ (۱۵ : ۹)

۷۔ بعض باتوں کو ماننا اور بعض سے انکار کرنا سنگین ترین جرم ہے ۔ (۲ : ۸۵) ۔ (۴۷ : ۲۶)

نزولِ قرآن سے مقصد

۱۔ متنازعہ فیہ معاملات کے فیصلے اس سے کرائے جائیں ۔ (۴ : ۶۰-۶۱) ۔ (۴ : ۱۰۵)

۲۔ جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کراتے وہ کافر ۔ فاسق ۔ ظالم ہیں ۔ (۵ : ۴۴ - ۴۵ ؛ ۴۷)

۳۔ اس کے مطابق فیصلے کرو ۔ (۵ : ۴۸ ؛ ۴۹-۵۰) ۔ (۶ : ۱۱۵)

۴۔ انذار بذریعہ قرآن ۔ (۶ : ۱۹) ۔ (۶ : ۵۱) ۔ (۶ : ۷۰) ۔ (۶ : ۹۳) ۔ (۷ : ۲)

۵۔ حضورؐ خود اس کا اتباع کرتے تھے ۔ (۶ : ۵۰) ۔ (۶ : ۱۰۷) ۔ (۷ : ۲۰۳) ۔ (۱۰ : ۱۵) ۔

(۱۰ : ۱۰۹) ۔ (۲۷ : ۹۲) ۔ (۳۳ : ۲) ۔ (۴۳ : ۴۳) ۔ (۴۵ : ۱۸) ۔ (۴۶ : ۹)

(۱۸ : ۷۵) ۔ (۲۴ : ۷۶)

۶۔ اس کا اتباع کرو ۔ (۶ : ۱۵۶) ۔ (۷ : ۳) ۔ (۳۹ : ۱۸) ۔ (۳۹ : ۵۵)

۷۔ جو ہدایت پر چلے گا۔ اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو گمراہ ہوگا وہ خود بھگتے گا۔ (۱۰۸ : ۱۰)

۸۔ تاکہ تم عقل و فکر سے کام لے سکو۔ (۲ : ۱۲) ۔ (۴۴ : ۱۶) ۔ (۲۹ : ۳۸) ۔ (۳ : ۴۱) ۔ (۲۴ : ۴۷)

۹۔ تاکہ نوعِ انسان کو ظلمات سے نور کی طرف لے جایا جائے۔ (۱ : ۱۴)

۱۰۔ اختلافات مٹانے کے لئے۔ (۶۴ : ۱۶) ۔ (۶۷ : ۲۷) ۔ (۱۱) ۔ تاکہ تم نصیحت حاصل کر و۔ (۱۲ : ۳۱) ۔ (۱ : ۲۴) ۔ (۲۹ : ۳۸) ۔

۱۲۔ اس سے اعراض برتنے سے رزق کی تنگی ہو جاتی ہے۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۱۳۔ شرفِ انسانیت عطا کرتا ہے۔ (۲۴ : ۲۱) ۔ (۷۱ : ۲۳)

۱۴۔ تاکہ لوگ تقویٰ شعار ہو جائیں۔ زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچ جائیں۔ (۲۸ : ۳۹)

۱۵۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ ۔ (۴۵ : ۵۰) ۔ (۱۶) رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۔ (۴ : ۷۳)

۱۷۔ تلاوتِ قرآن کے بعد گروہ بندی نہیں رہ سکتی۔ (۱۱۳ : ۲)

۱۸۔ اس کے الفاظ بلا معنی نہیں دہراتے رہنا چاہیئے۔ (۱۷۱ : ۲) ۔ یا بے سمجھے سننا۔ (۱۶ : ۴۷)

۱۹۔ اعتصام بحبل اللہ۔ اس سے تفرقہ مٹ جاتا ہے۔ (۱۰۲ : ۳)

۲۰۔ اسے چھپانا نہیں چاہیئے۔ لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا چاہیئے۔ نہ ہی اسے پسِ پشت ڈال دینا چاہیئے۔ نہ ہی ثمنِ قلیل کے عوض بیچنا چاہیئے۔ (۱۸۶ : ۳)

۲۱۔ قرآن کے بعد کسی کے خیالات کا اتباع جائز نہیں۔ (۳۷ : ۱۳)

۲۲۔ صرف خدا پر ایمان کافی نہیں۔ قرآن پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ (۹۰ - ۸۴ : ۲۳)

۲۳۔ اندھے بہرے بن کر قرآن پر ایمان لانا ایمان نہیں۔ (۷۳ : ۲۵)

۲۴۔ رسول اللہ کے گھر میں تلاوتِ کتاب و حکمت ہوتی تھی۔ (۳۵ - ۳۴ : ۳۳)

اعتراضات مخالفین کی طرف سے۔ (مطالبات)

۱۔ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ہے۔ (۶ : ۲۵) ۔ (۸ : ۳۱) ۔ (۲۴ : ۱۶) ۔ (۵ : ۲۵)

۲۔ ایک بشر پر کتاب کیسے نازل ہو سکتی ہے۔ (۹۲ : ۶) ۔ (۲ : ۱۰)

۳۔ ہم بھی ایسی کتاب بنا سکتے ہیں۔ (۳۱ : ۸) ۔ (۴) ۔ قرآن بدل دو۔ یا اس کی جگہ دوسرا قرآن لاؤ۔ (۱۵ : ۱۰)

۵۔ اضغاث و احلام ہے۔ افترا ہے۔ شاعری ہے۔ (۵ : ۲۱)۔ (۴ : ۲۵)۔ (۳ : ۳۲) ۔ (۸ : ۳۴) ۔ (۴۳ : ۳۴)۔ (۸ : ۴۶)۔ (۳۳ : ۵۲)۔ (۶)۔ انتہائی مخالفت۔ (۲۶ : ۴۱)

۷۔ کوئی لکھ دیتا ہے۔ اسے پڑھ سنا دیتا ہے۔ (۵ : ۲۵)۔ (۸)۔ ایک ہی بار کیوں نہیں نازل کر دیا گیا۔ (۳۲ : ۲۵)۔

۹۔ یہ نہیں قرآن سے ہٹا نہ دیں۔ (۷۳ : ۲۸)۔ (۱۰)۔ تکبر سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ (۷ : ۳۱)

۱۱۔ ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (۳۱ : ۳۴)۔ (۱۲)۔ قرآن کو مت سنو۔ شور مچاؤ۔ (۲۶ : ۴۱)

۱۳۔ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی کی طرف کیوں نہیں نازل ہوا۔ (۱۰۵ : ۲)۔ (۳۱ : ۴۳)

۱۴۔ یہ قرآن کو ناپسند کرتے ہیں۔ (۹ : ۴۷)۔ (۲۶ : ۴۷)۔ (۱۵)۔ مجنون۔ (۵۱ : ۶۸)۔ (۲۲ : ۸۱)

۱۶۔ سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۔ (۲۴ : ۷۴)۔ (۱۷) قَوْلُ الْبَشَرِ ۔ (۲۵ : ۷۴)

۱۸۔ یہ کسی شیطان کا کلام نہیں۔ (۲۵ : ۸۱)۔ (۱۹)۔ کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دینے والے۔ (۱۰۱ : ۲)

۲۰۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ (۱۲۷ : ۹)

۲۱۔ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ قرآن سنتا ہے اور تکبر سے منہ موڑ کر چل دیتا ہے۔ (۸-۷ : ۴۵)

قرآن پر کون ایمان لائے گا

۱۔ متقین۔ (۲ : ۲)۔ (۱۳۷ : ۳)۔ (۲)۔ قوم یوقنون۔ (۱۱۸ : ۲)۔ (۲۰ : ۴۵)

۳۔ جو تقلید اسلاف چھوڑے گا۔ (۱۷۰ : ۲)۔ (۱۰۴ : ۵)۔ (۲۱ : ۳۱)

۴۔ جو آخرت پر ایمان رکھے گا۔ (۴۵ : ۱۷)۔ ورنہ حجاب مستور رہے گا۔

۵۔ جنہیں علم دیا گیا ہے۔ ان پر رقتِ قلب طاری ہو جاتی ہے۔ (۱۰۹ : ۱۷)

۶۔ جو تدبر کرے گا۔ (۶۸ : ۲۳)۔ (۲۴ : ۴۷)۔ (۷) لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۔ (۳ : ۴۱)

قرآن پر ایمان ضروری ہے۔ مومنین کے لئے

۱۔ قرآن پر ایمان لانے والے مفلحین ہیں۔ (۴ : ۲)

۲۔ یہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ حق تلاوت ہے۔ (۱۲۱ : ۲)۔ (۳)۔ مومن اس پر ایمان کا اعلان کرتے ہیں۔ (۱۳۶ : ۲)۔ (۴)۔ مومنین اسے پڑھتے پڑھاتے اور تدریس کرتے ہیں۔ (۷۸ : ۳)

۵۔ یہی اسلام ہے۔ (۸۴۔۸۳ : ۳)۔(۶)۔قرآن اور رسول کی موجودگی میں مومن کافر نہیں ہو سکتے۔ (۱۰۰ : ۳)

۷۔ قرآن پہ ایمان کے مدعی بننا اور اپنے معاملات کا فیصلہ غیر خدائی قوانین سے کرانا۔ (۶۰ : ۴)

۸۔ معاملات میں اس سے اعراض کرنے والے منافق ہیں۔ (۶۱ : ۴)

۹۔ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، رسول پر، قرآن پر۔ (۱۳۶ : ۴)۔ (۸ : ۶۴)

۱۰۔ مومن اس کتاب سے کفر نہیں برتیں گے۔ (۹۰ : ۶)۔ (۱۱)۔مومن جانتے ہیں کہ یہ منزل من اللہ ہے۔ (۱۱۵ : ۶)

۱۲۔ مومنین کے لئے ہدایت و رحمت و بشارت۔ (۵۲ : ۷)۔ (۲۰۳ : ۷)۔ (۵۷ : ۱۰)۔ (۱۱۱ : ۱۲)۔
(۶۴ : ۱۶)۔ (۸۹ : ۱۶)۔ (۱۰۲ : ۱۶)۔ (۹ : ۱۷)۔ (۱ : ۲۷)۔ (۵۱ : ۲۹)۔ (۳ : ۳۱)۔ (۴۵ : ۴۰)

۱۳۔ بالحق نازل ہوا ہے مومنین کے لئے۔ (۲ : ۴۸)

۱۴۔ ما نزل علیٰ محمد پہ ایمان۔ یہ اتباعِ حق کرتے ہیں۔ (۲ : ۴۷)

قرآن پر ایمان ضروری ہے۔ اہلِ کتاب کیلئے

۱۔ بنی اسرائیل کو تاکید۔ (۴۱ : ۲)۔ (۹۱-۹۰ : ۲)۔ (۲)۔یہود و نصاریٰ دونوں۔ (۱۲۰ : ۲)۔ (۱۳۷ : ۲)

۳۔ یہ اسے اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ (۱۴۶ : ۲)۔ (۲۰ : ۶)

۴۔ سب اہلِ کتاب۔ (۲۲ : ۳)۔(۴۷ : ۴)۔(۵)۔اہلِ کتاب میں سے قرآن پہ ایمان لانے والے۔ (۰ : ۳)۔(۱۶۲:۴)

۶۔ قرآن سے انکار کرنے والے۔ (۵۱ : ۴)۔(۷)۔ان سے پوچھو کہ ہم سے کس بات کا انتقام لیتے ہو؟ (۵۹ : ۵)

۸۔ یہ ایمان لاتے تو اوپر نیچے سے برکات مل جاتیں۔ (۶۶-۶۵ : ۵)

۹۔ جب تم قرآن پہ ایمان نہ لاؤ تو کچھ بھی نہیں۔ (۶۸ : ۵)۔(۱۰)۔یہ ایمان لاتے تو کفار کو دوست نہ بناتے۔ (۸۱ : ۵)

۱۱۔ نصاریٰ کے احبار قرآن سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ (۸۳ : ۵)

۱۲۔ بنی اسرائیل کے اختلاف مٹاتا ہے (۷۶ : ۲۷)۔(۱۳)۔اہلِ کتاب میں سے اس پہ ایمان لاتے ہیں۔ (۵۳ : ۲۸)

قرآن پر ایمان ضروری ہے تمام نوعِ انسان کے لئے

۱۔ ھدیً للناس۔ (۱۸۵ : ۲)۔ (۳ : ۳)۔ (۱۳۷ : ۳)

۲۔ خطاب بہ نوعِ انسان۔ (۱۷۵ : ۴)۔ (۱۵۸ : ۷)۔ (۱۰۸ : ۱۰)

۳۔ حضورؐ کے مخاطبین اور جن تک قرآن پہنچے ۔ (۱۹ : ۶)

۴۔ ذکریٰ للعالمین ۔ (۹۱ : ۶) ۔ (۱۲ : ۱۰۴) ۔ (۲۵ : ۱) ۔ (۳۸ : ۸۷) ۔ (۶۸ : ۵۲) ۔ (۸۱ : ۲۷)

۵۔ انذار للناس ۔ (۲ : ۱۰) ۔ (۶) ۔ تاکہ تمام نوعِ انسان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے جایا جائے ۔ (۱ : ۱۴)

۷۔ تمام انسانوں کے لیے قرآن میں تعلیم ہے ۔ (۵۸ : ۳۰) ۔ (۴۱ : ۳۹)

۸۔ جو ما نزل علیٰ محمد پر ایمان لائے گا وہ حق پر ہے ۔ ورنہ باطل پر ۔ (۳-۲ : ۴۷)

قرآن پر ایمان و اتباع کیا نتائج پیدا کرتا ہے

۱۔ یہی لوگ صحیح راستے پر ہیں اور فلاح پانے والے ہیں ۔ (۵-۴ : ۲) ۔ (۱۵۷ : ۷)

۲۔ اس سے ربانی بن جاتے ہیں ۔ (۷۸ : ۳)

۳۔ رحمت میں داخل ۔ صراطِ مستقیم پر ہدایت ۔ (۱۷۶ : ۴) ۔ (۱۶ : ۵) ۔ (۱۵۶ : ۶)

۴۔ ظلمات سے نور کی طرف لے آتا ہے ۔ (۱۶ : ۵) ۔ (۱ : ۱۴) ۔ (۹ : ۵۷) ۔ (۱۱ : ۶۵)

۵۔ مُردوں کو زندگی ملتی ہے ۔ ایک روشنی ملتی ہے جسے لے کر وہ دنیا میں پھرتا ہے ۔ (۱۲۳ : ۶)

۶۔ سینے میں تنگی نہیں رہتی ۔ (۲ : ۷) ۔ (۷) ۔ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ (۲ : ۱۰)

۸۔ اس دنیا میں بھی حسنات اور آخرت میں بھی حسنات ۔ (۳۰ : ۱۶)

متفرق

۱۔ ناسخ و منسوخ کا مفہوم ۔ (۱۰۶ : ۲) ۔ (۱۲ : ۱۱) ۔ (۱۰۱ : ۱۶) ۔ (۵۳-۵۲ : ۲۲)

۲۔ کتمانِ حقیقت کرنے والے ۔ (۱۵۹ : ۲) ۔ (۱۷۴ : ۲) ۔ (۳) ۔ اشتریٰ آیات اللہ ۔ (۱۷۴ : ۲) ۔ (۱۹۸ : ۳)

۴۔ رمضان کے مہینے میں نزول ۔ (۱۸۵ : ۲) ۔ لیلۃ مبارکہ میں ۔ (۳ : ۴۴) ۔ لیلۃ القدر میں ۔ (۱ : ۹۷)

۵۔ محکم اور متشابہ آیات ۔ (۶ : ۳) ۔ متشابہاً مثانی ۔ (۲۳ : ۳۹) ۔ سبعاً من المثانی ۔ (۸۷ : ۱۵)

۶۔ خدا اس نے شہادت دیتا ہے ۔ (۱۶۶ : ۴)

۷۔ بلغ ما انزل الیک ۔ (۶۷ : ۵) ۔ وضاحت سے ان کے سامنے پیش کر دیں ۔ (۴۴ : ۱۶)

۸۔ قرآن میں جن امور کی تصریح نہیں انہیں مت پوچھو ۔ (۱۰۱ : ۵)

۹۔ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو۔ (۲۰۴ : ۷)

۱۰۔ مشرک پناہ لے تو اسے قرآن سناؤ پھر اسے اس کے مامن تک پہنچا دو۔ (۶ : ۹)

۱۱۔ قرآن سمجھنے کے تین طریقے۔ علم حاضر۔ عملی نتائج۔ تاریخی شواہد۔ (۳۹ : ۱۰) ۔ (۸۴ : ۲۷)

۱۲۔ قرآن ملنے پر جشن مناؤ۔ (۵۸ : ۱۰) ۔ (۳۶ : ۱۳) ۔ (۱۳)۔ تمہیں اس میں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھو۔ (۹۴ : ۱۰)

۱۴۔ رسولؐ اس میں سے کوئی حصہ چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ (۱۲ : ۱۱)

۱۵۔ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ملا۔ (۸۷ : ۱۵)۔ مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (۲۳ : ۳۹)

۱۶۔ وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (یا جنتر منتر بنا دیا)۔ (۹۱ : ۱۵)

۱۷۔ قرآن پڑھو تو شیطان سے سامان حفاظت کرلو۔ (۹۸ : ۱۶)

۱۸۔ قرآن سے اعراض برتنے والے سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ (۵۷ : ۱۸)

۱۹۔ جب تک قرآن کا حکم پورا نہ مل جائے اس میں جلدی مت کر۔ (۱۱۴ : ۲۰) ۔ (۱۶ : ۷۵)

۲۰۔ ہر نبی کی وحی میں شیاطین کچھ ملا دیتے تھے۔ (۵۲ : ۲۲)

۲۱۔ رسول کی شکایت بدرگاہ رب العزت کہ میری قوم نے اس قرآن کو مہجور بنا دیا تھا۔ (۳۰ : ۲۵)

۲۲۔ تورات و قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب کوئی نہیں۔ (۴۹ : ۲۸)

۲۳۔ رسول اللہؐ پر قرآن فرض کیا گیا تھا۔ (۸۵ : ۲۸)

۲۴۔ وحشی قبائل (جنات) کا قرآن سننا۔ (۳۰-۲۹ : ۴۶) ۔ (۱ : ۷۲)

۵۔ قرب (مقربین)

ذی القربیٰ ۔ (رشتہ دار)

قرب ۔ کسی کے قریب ہونا۔ بُعد کے مقابلہ میں یہ لفظ آتا ہے۔ اَلْقُرْبَۃُ ۔ رتبہ کے اعتبار سے کسی کے قریب ہونا۔ مقرب، جو کسی کے قریب ہو۔

اللہ تعالیٰ زمان و مکان کی نسبتوں سے بلند ہے۔ اس لئے فاصلہ کے اعتبار سے قریب ہونے کے کچھ معنی نہیں۔

اس نے کہا ہے کہ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (۴ : ۵۷) تم جہاں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس لئے قربِ خداوندی کا مفہوم اس [illegible] الگ ہے۔ مومن کا مسلکِ حیات یہ ہے کہ وہ (علیٰ حدِ بشریت) صفاتِ خداوندی کو اپنے اندر منعکس کرتا جائے۔ جس قدر وہ ان صفات کا حامل ہوتا جائے گا۔ خدا کا مقرب بنتا جائے گا۔ یہ بھی واضح رہے کہ (اولیاء اللہ کی طرح) مقربینِ بارگاہِ خداوندی کا بھی کوئی الگ گروہ نہیں۔ ہر مومن، اس حد تک جس تک اس نے اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو منعکس کرلیا ہے، خدا کا مقرب ہے۔ بالفاظِ دیگر، مومن ہی مقربینِ بارگاہِ خداوندی ہیں۔ یعنی یہ اپنے مرتبہ کے اعتبار سے خدا کے مقرب ہیں۔ ان مقربین کو بھی کوئی خاص مراعات حاصل نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ مومنین ہی کی صفت ہے۔

۲۔ اَلْقَرَابَةُ۔ یا اَلْقُرْبٰى کے معنی رشتہ داری کے ہیں۔ یعنی رشتہ میں کسی کے قریب ہونا۔ ذِي الْقُرْبٰى کے معنی رشتہ دار۔ یہاں سے آیت (۴۲ : ۲۳) کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔

۳۔ قدیم زمانے میں لوگ جانور ذبح کرکے، ان کا گوشت اور خون اپنے معبودوں کے حضور پیش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ان (معبودوں) کا قرب حاصل ہوجاتا ہے۔ اس اعتبار سے اسے قُرْبَانٌ کہا جاتا تھا۔ یہودی اسے جلا دیتے تھے۔ تورات میں اس سوختنی قربانی کا ذکر اکثر آیا ہے۔ قرآن کریم میں (۳ : ۱۸۲) اس کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کریم نے اس تصور کو ختم کردیا۔ حج کے موقعہ پر جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں، ان کے لئے بھی قرآن میں قربانی کا لفظ نہیں آیا۔ اس کی تفصیل کے لئے عنوان "حج" دیکھئے۔

۴۔ خدا سے (یا خدا کے) قریب ہونے کے سلسلہ میں "دعا" کا عنوان بھی دیکھئے۔

۵۔ جن آیات میں قریب کا لفظ عام معنوں میں آیا ہے۔ (یعنی کسی شے کا دوسری شے سے قریب ہونا)۔ ان کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا۔ یہاں صرف خدا کی نسبت سے قرب یا ذی القربیٰ کا ذکر آیا ہے۔

قربِ خداوندی

۱۔ حضرت موسیٰ کو طور پر آواز دی اور اسے وحی عطا کرنے کے لئے اپنے قریب کیا۔ (۱۹ : ۵۲)

۲۔ قربِ خداوندی ایمان اور اعمالِ صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ (۳۴ : ۳۷)

۳۔ قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہوجاؤ۔ اس سے خدا کا قرب حاصل ہوجائے گا۔ (۹۶ : ۱۹)

۴۔ ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ سے خدا کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ (۹ : ۹۹)

۵۔ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو کہو کہ خدا تم سے قریب ہے۔ (۲ : ۱۸۶)۔ (تفصیل کے لئے دعا

کا عنوان دیکھئے) - نیز (۶۱ : ۱۱) - (۵۰ : ۳۴)

۶- ہم انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں - (۱۶ : ۵۰)

۷- خدا، مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتا ہے لیکن تم اسے دیکھ نہیں سکتے - (۸۵ : ۵۶)

۸- حضرت مسیحؑ یا مقرب ملائکہ بھی خدا کا بندہ کہلانے سے شرماتے نہیں - (۱۷۲ : ۴)

۹- مقربین- السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ - مقرب ہیں - (۱۱ : ۵۶) - علیّین کیا ہے۔ مقربین اس کا مشاہدہ کرلیں گے - (۲۱ - ۱۹ : ۸۳) - تسنیم وہ چشمہ ہے جس سے مقربین سیراب ہوں گے - (۲۸ : ۸۳) - مقربین کے لئے جنت - (۹۰ - ۸۹ : ۵۶)

۱۰- حضرت عیسیٰؑ، دنیا میں صاحبِ وجاہت اور آخرت میں مقرب - (۴۴ : ۳)

قربِ خداوندی کا غلط تصوّر

۱- خاندانی افراد کی کثرت یا مال کی فراوانی قربِ خداوندی کا موجب نہیں بن سکتے - قربِ خداوندی ایمان اور اعمالِ صالح سے حاصل ہوتا ہے - (۳۷ : ۳۴)

۲- جن لوگوں کو یہ لوگ (قربِ خداوندی حاصل کرنے کے لئے) پکارتے ہیں، وہ خود قربِ خداوندی کے ذرائع ڈھونڈتے پھرتے ہیں - (۵۷ : ۱۷) - ان سے پوچھو کہ وہ ان کی مدد کیوں نہیں کرتے - (۲۸ : ۴۶)

نصرت اور رحمتِ خداوندی کا قریب ہونا

۱- مشکلات میں ثابت قدمی سے خدا کی نصرت قریب آتی ہے - (۲۱۴ : ۲) - (۱۸ : ۴۸) - (۲۷ : ۴۸) - (۱۴ : ۶۱)

۲- خدا کی رحمت محسنین کے قریب ہوتی ہے - (۵۶ : ۷)

ذی القربیٰ

۱- ذی القربیٰ کے ساتھ احسان - (۸۳ : ۲) - (۳۶ : ۴)

۲- مال کی محبت کے باوجود اسے ذی القربیٰ کو دو - (۱۷۷ : ۲)

۳۔ ترکہ کی تقسیم کے وقت اگر ایسے رشتہ دار بھی موجود ہوں جنہیں وراثت میں حصہ نہیں مل سکتا تو انہیں بھی تالیفِ قلب کے لئے کچھ دے دو۔ (۸ : ۴)

۴۔ شہادت کو مت بیچو خواہ اس کا فائدہ تمہارے کسی رشتہ دار ہی کو کیوں نہ پہنچتا ہو۔ (۱۰۶ : ۵)

۵۔ ہمیشہ عدل کرو۔ خواہ یہ تمہارے رشتہ دار کے بھی خلاف کیوں نہ جائے۔ (۱۳۵ : ۴)۔ (۱۵۲ : ۶)

۶۔ مالِ غنیمت کی تقسیم میں ذی القربیٰ کا حصہ۔ (۴۱ : ۸)۔ مالِ فے میں۔ (۷ : ۵۹)

۷۔ مشرکین کے لئے استغفار جائز نہیں خواہ وہ ذی القربیٰ ہی کیوں نہ ہوں۔ (۱۱۳ : ۹)

۸۔ خدا عدل۔ احسان۔ اور ذی القربیٰ کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ (۹۰ : ۱۶)

۹۔ ذی القربیٰ کو ان کا حق دے دو۔ (۲۶ : ۱۷) ۔ (۳۸ : ۳۰)

۱۰۔ ذی القربیٰ کی مدد اس لئے نہ چھوڑ دو کہ ان کے خلاف تمہیں کوئی شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ (۲۲ : ۲۴)

۱۱۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۸ : ۳۵)

۱۲۔ اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔ بجز رشتہ داری کے حقوق کے۔ یا اس کے کہ تم آپس میں رشتہ داری کے حقوق ادا کرتے رہو۔ (۲۳ : ۴۲) یعنی مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کے معنی ہیں۔ رشتہ داری کے تعلقات۔ نہ کہ "میرے رشتہ داروں سے محبت"۔

۱۳۔ وراثت میں اقربا کا حصہ ہے۔ (۱۲ – ۱۱ ؛ ۸ – ۷ : ۴)

۱۴۔ والدین اور اقربا کے لئے وصیت فرض ہے۔ (۱۸۰ : ۲)

۱۵۔ انفاق میں پہلا حق والدین اور اقربا کا ہے۔ (۲۱۵ : ۲)

متفرق

۱۔ آدم کے دو بیٹوں کا قصہ جن میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی۔ (۲۷ : ۵)

۲۔ فرعون نے ساحرین سے کہا کہ تم آج غالب آجاؤ گے تو ہمارے مقرب بن جاؤ گے۔ (۱۱۴ : ۷)۔ (۴۲ : ۲۶)

۳۔ یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ۔ سب کے قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے اور پانے والا۔ (غلط نظام میں یہی ہوتا ہے)۔ (۱۵ : ۹۰) ۔ (۴)۔ یہودیوں کی سوختنی قربانی۔ (۱۸۳ : ۳)

(-)

قرض - قرضِ حسنہ

قرضِ حسنہ۔ اجتماعی ضروریات زندگی کے لئے افرادِ قوم جو کچھ دیتے ہیں اسے قرآن نے "قرضِ حسنہ" یا "خدا کو قرض دینے" کی اصطلاحات سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ "معاشی نظام" کے عنوان میں بتایا گیا ہے، اس کی ضرورت اس زمانہ میں لاحق ہوگی جب قرآن کا معاشی نظام ۔ یا اسلامی مملکت ۔ ہنوز زیرِ تکمیل ہوگی۔ اس نظام کی تکمیل کے بعد، افرادِ امت اپنا سارا مال، نظام کی تحویل میں دے دیں گے۔

قرضِ حسنہ کی بڑی تاکید قرآن میں آئی ہے۔ (۲ : ۲۴۵) - (۵ : ۱۲) - (۵۷ : ۱۱) - (۵۷ : ۱۸) - (۶۴ : ۱۷) - (۷۳ : ۲۰)۔

انفرادی قرضہ

۱۔ ہمارے ہاں "قرضِ حسنہ" اس قرض کو کہا جاتا ہے جس میں قرض خواہ سود نہ لے۔ سود (ربوٰا) تو مسلمانوں میں حرام ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان سود پر قرض دے ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس کا ہر قرضہ، قرضِ حسنہ ہوگا۔

قرض کے لئے قرآن میں "دَیْن" کا لفظ آیا ہے۔ قرآن نے تاکید کی ہے کہ قرض کے معاملہ کو ہمیشہ ضبطِ تحریر میں لاؤ۔ (i) اسے کاتب لکھے۔ (ii)۔ مقروض یا اس کا ولی املا کرائے۔ (iii)۔ گواہوں کے سامنے دستاویز لکھی جائے۔ (iv) کاتب یا گواہوں کو کسی قسم کی اذیت نہیں پہنچانی چاہیئے۔ (۲ : ۲۸۲)

۲۔ مقروض کو ادائیگی کے لئے مہلت دینی چاہیئے۔ اگر وہ اس قدر تنگ دست ہے کہ قرضہ ادا ہی نہیں کر سکتا تو اسے قرضہ معاف کر دینا چاہیئے۔ (۲ : ۲۸۰)

۳۔ دست بدست لین دین کو تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں۔ (۲ : ۲۸۲)

رہن

اگر قرض کا معاملہ بہ حالتِ سفر طے پائے اور تحریر کا انتظام نہ ہو سکے، قرض خواہ مقروض کی کوئی چیز بطور امانت اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر اس پر اعتماد ہو تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں۔ (۲ : ۲۸۳)۔ مرہونہ شے سے نفع حاصل کرنا ربوٰا میں داخل ہو جائیگا۔

۷۔ قرین

قرآن کریم میں قرینؔ کا لفظ، دوست - ہم نشین - ہمجولی - مصاحب - مشیر کے معنوں میں آیا ہے، لیکن بالعموم غلط مشورہ دینے والے کے، یا ایسے ہم نشین کے جس کی صحبت انسان کو خراب کر دے۔

۱۔ جنت میں لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ہمارا ایک ہم نشین ہوتا تھا جو ہمیشہ الٹی پٹی پڑھایا کرتا تھا۔ وہ اسے جہنم میں دیکھیں گے۔ (۵۵ – ۵۱ : ۳۷)

۲۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے۔ شیطان اس کا قرینؔ بن جاتا ہے۔ قیامت میں وہ شخص کہے گا کہ اے کاش! مجھ میں اور اس میں بعُد المشرقین ہوتا۔ (۳۸ - ۳۶ : ۴۳) - جس کا ساتھی شیطان ہو جائے، اس سے بُرا ساتھی اور کون ہو سکتا ہے۔ (۳۸ : ۴)

۳۔ قیامت میں یہ ہم نشین ایک دوسرے کو الزام دیں گے کہ اس نے مجھے گمراہ کیا تھا۔ ان کا یہ عذر مسموع نہیں ہوگا۔ (۲۸ - ۲۳ : ۵۰) - (۴) - مصاحب غلط کاموں کو مزین بنا کر دکھاتے ہیں۔ (۲۵ : ۴۱)

۸۔ قسم

عربی زبان (اور قرآن کریم) میں قسم کے لئے کئی الفاظ آئے ہیں، مثلاً قسم - حلف - یمین (جس کی جمع اَیْمَانٌ آتی ہے) - علاوہ ازیں حروف (ب - جیسے باللہ - ت - جیسے تاللہ - و - جیسے واللہ) وغیرہ - قسم، کسی معاہدہ کی توثیق اور تاکید کے لئے بھی آتی ہے، اور کسی بات کی شہادت کے طور پر بھی - قرآن (بالخصوص اس کے آخری پاروں) میں، واؤ کے ساتھ جو الفاظ آتے ہیں، اور جن کا ترجمہ عام طور پر قسم کیا جاتا ہے - (مثلاً وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا - (۱ : ۹۱) - جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے - قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی) تو ان الفاظ کا ترجمہ "شہادت" کرنا چاہیئے - جیسے سورج اور اس کی روشنی (وغیرہ) اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ ...... یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دعاوی کی توثیق میں ان چیزوں کی قسمیں نہیں کھاتا - وہ انہیں، ان حقائق

کے ثبوت میں بطور شہادت پیش کرتا ہے۔ جیسے ہم اپنے ہاں کہتے ہیں کہ "سورج کا طلوع و غروب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ہر عروج کے بعد زوال ہے"۔ اس قسم کی شہادات ہیں جنہیں قرآن کریم اپنے دعاوی کے ثبوت میں بطور محسوس دلائل پیش کرتا ہے۔ ہم نے اسی لئے انہیں (اس باب میں) "شہادت" کے عنوان سے لکھا ہے۔

۲۔ قرآن کریم نے قسموں کی مختلف اقسام بتائی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جسے اس نے لغویات قرار دیا ہے۔ یعنی، جیسے بعض لوگ یونہی عادۃً بات بات پر واللہ۔ باللہ کہتے رہتے ہیں۔ قسم کے لحاظ سے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن چونکہ لغویت بجائے خویش ناپسندیدہ بات ہے۔ اس لئے اس قسم کی قسموں سے احتراز ضروری ہے۔ دوسری قسم کی قسمیں وہ ہیں جنہیں انسان شدتِ جذبات میں خود اپنے اوپر وارد کر لیتا ہے اور جذبات کے فرو ہونے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اس نے غلطی کی۔ اس قسم کی قسمیں توڑنے کا تھوڑا سا کفارہ مقرر کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ یونہی جذبات میں نہ بہے جائیں۔ تیسری قسم کی وہ قسمیں ہیں جو سوچ سمجھ کر کسی کے ساتھ معاہدہ کے طور پر اٹھائی جائیں۔ ان قسموں کی پابندی کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ آئندہ آیات میں قسموں کے متعلق جو احکام سامنے آئیں، ان میں اس تفریق و تخصیص کا سامنے رکھنا ضروری ہے۔

عام لوگوں کی قسمیں

۱۔ اپنی قسموں کے ذریعے اللہ کو (اپنی مقصد براری کے لئے) آڑمت بناؤ۔ (۲ : ۲۲۴)

۲۔ خدا تمہاری لغو قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا۔ مؤاخذہ انہی قسموں کا ہے جن میں دل کا ارادہ شامل ہو۔ (۲ : ۲۲۵)۔ بالارادہ قسم توڑنے کا کفارہ۔ (۵ : ۸۹)۔ قسم ظہار کا کفارہ۔ (۵۸ : ۲-۴)۔ لغو قسموں کا کفارہ تو نہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ لغو قسمیں کھاتے اور توڑتے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی ہے کہ وہ لغو سے اعراض برتتے ہیں۔ (دیکھئے عنوان لغو)

۳۔ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے والے۔ اس کی مدت زیادہ سے زیادہ چار ماہ ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کرنا ہوگا کہ بیوی کو رکھنا چاہتے ہو یا چھوڑنا۔ (۲ : ۲۲۶)

۴۔ اپنی قسموں کو فروخت کرنیوالے۔ (۳ : ۷۶)۔ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ ان کے پابند رہو۔ (۵ : ۸۹)

۵۔ منافق بڑی قسمیں کھاتے ہیں۔ (۴ : ۶۲)۔ (۵ : ۵۳)۔ (۹ : ۱۲)۔ (۹۶ ; ۹۵ ; ۷۴ ; ۶۲ ; ۵۶ ; ۴۲ : ۹) (۹ : ۱۰۷)۔ (۲۴ : ۵۳)۔ (۳۵ : ۴۲)۔ (۵۸ : ۱۴-۱۸)۔ (۶۳ : ۱-۲)

۶۔ وصیت کے گواہ قسم اٹھائیں۔ ان کی شہادت مشکوک ہو جائے تو دوسرے گواہ لئے جائیں۔ اور وہ بھی قسم اٹھائیں۔ (۵ : ۱۰۶-۱۰۷)

۷۔ اپنی قسموں کو مت توڑو۔ (۹۱ : ۱۶) ۔ اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو دن بھر سوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی ادھیڑ دیتی ہے ۔ (۹۲ : ۱۶)

۸۔ اپنی قسموں کو باہمی فریب کاری کا ذریعہ مت بناؤ۔ (۹۴ : ۱۶)

۹۔ اپنی بیویوں پر تہمت لگانے والوں سے قسم (لعان) ۔ (۶-۹ : ۲۴)

۱۰۔ کسی کے ساتھ حسن سلوک کر رہے ہو تو اس سے رک جانے کی قسم نہ کھاؤ۔ (۲۲ : ۲۴)

۱۱۔ رسول اللہؐ کو ایک قسم توڑنے کی اجازت ۔ (۲-۱ : ۶۶)

۱۲۔ حلاف (بڑی زیادہ قسمیں کھانے والے) کی بات نہ مان ۔ یہ ایک خاص مخالف کی طرف اشارہ تھا۔ (۱۰ : ۶۸)

۱۳۔ کفار قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ یہ لوگ (مومنین) کبھی جنت میں نہیں جا سکیں گے۔ (۴۹ : ۷)

۱۴۔ کفار قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہمیں کبھی زوال نہیں آسکتا ۔ (۴۴ : ۱۴)

۱۵۔ کفار قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر وہ معجزہ دیکھ لیں تو ایمان لے آئیں گے۔ (۱۱۰ : ۶) ۔ (۴۲ : ۳۵)

۱۶۔ یہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ مردے کبھی دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ (۳۸ : ۱۶)

۱۷۔ باغ والے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم کل پھل اتار کر لے آئیں گے۔ (۱۷ : ۶۸)

۱۸۔ قیامت میں مجرمین کی قسمیں ۔ (۵۵ : ۳۰)

۱۹۔ ابلیس نے قسمیں کھا کھا کر آدم اور اس کی بیوی کو یقین دلایا کہ وہ ان کا ہمدرد و مشفق ہے ۔ (۲۱ : ۷)

۲۰۔ سرداران قوم ثمود کی قسمیں کہ وہ حضرت صالحؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیں گے۔ (۴۹ : ۲۷)

۲۱۔ مقتسمین کی طرف نزول قرآن ۔ (بعض اس کے معنی قسمیں کھانے والے بھی لیتے ہیں)۔ (۹۰ : ۱۵)

قرآنی شہادات

۱۔ سورۂ حجر میں ہے لَعَمْرُكَ ۔ (۷۲ : ۱۵) ۔ عام طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ۔تیری زندگی کی قسم ۔لیکن عمر کے معنی دین کے بھی ہیں ۔اس لئے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تیرا دین اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ....

۲۔ تیرا رب اس امر پر شاہد ہے کہ ان سب سے باز پرس ہوگی۔ (۹۲ : ۱۵) ۔ (۵۶ : ۱۶)

۳۔ قرآن شاہد ہے کہ تو مرسلین میں سے ہے ۔ (۳-۲ : ۳۶)

۴۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا...... فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۔ (۳-۱ : ۳۷)

۵۔ قرآن شاہد ہے کہ یہ کفار سرکشی اور مخالفت پر اتر آئے ہیں ۔ (۲-۱ : ۳۸) ۔ (۲-۱ : ۵۰)
۶۔ وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا .... اَمْرًا ۔ (۴-۱ : ۵۱) ۔ (۷)۔ السَّمَآءِ کی شہادت ۔ (۲۳ : ۳۱)
۸۔ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کی شہادت ۔ (۲۳ : ۵۱) ۔ (۹) ۔ وَالطُّوْرِ ...... وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۔ (۶-۱ : ۵۲)
۱۰۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۔ (۱ : ۵۳)
۱۱۔ مواقع النجوم کی شہادت جو بہت بڑی شہادت ہے ۔ (۷۶-۷۵ : ۵۶)
۱۲۔ نٓ اور قلم کی شہادت ۔ (۱ : ۶۸) ۔ جو کچھ تم دیکھتے ہو اور جو نہیں دیکھتے وہ سب اس پر شاہد ہے کہ.... (۳۸ : ۶۹)
۱۳۔ رب المشارق والمغارب کی شہادت ۔ (۴۰ : ۷۰) ۔ (۱۴) ۔ چاند اور رات اور صبح کی شہادت ۔ (۳۴-۳۲ : ۷۴)
۱۵۔ قیامت اور نفسِ لوامہ کی شہادت ۔ (۲-۱ : ۷۵) ۔ (۱۶) ۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ...... ذِكْرًا ۔ (۷-۱ : ۷۷)
۱۷۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ..... اَمْرًا ۔ (۵-۱ : ۷۹) ۔ (۱۸) ۔ ستاروں کی ۔ رات کی ۔ صبح کی شہادت ۔ (۱۸-۱۵ : ۸۱)
۱۹۔ شفق ۔ قمر ۔ لیل کی شہادت ۔ (۱۸-۱۶ : ۸۴)
۲۰۔ سماء ذات البروج ۔ یوم موعود ۔ شاہد ومشہود کی شہادت ۔ (۳-۱ : ۸۵)
۲۱۔ سماء و طارق کی شہادت ۔ (۳-۱ : ۸۶) ۔ (۲۲) ۔ ارض و سما کی شہادت ۔ (۱۲-۱۱ : ۸۶)
۲۳۔ فجر ۔ لیالِ عشر ۔ اور شفع و وتر کی شہادت ۔ (۴-۱ : ۸۹) ۔ (۲۴) ۔ اس شہر کو بطور شہادت پیش کیا جاتا ہے ۔ (۳-۱ : ۹۰)
۲۵۔ سورج ۔ دن ۔ رات ۔ السماء ۔ ارض ۔ نفس و ماسواھا کی شہادت ۔ (۷-۱ : ۹۱)
۲۶۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۔ اور نہار ۔ (۲-۱ : ۹۲) ۔ (۲۷) ۔ وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ ...... (۲-۱ : ۹۳)
۲۸۔ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۔ (۳-۱ : ۹۵)
۲۹۔ وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ..... بِهٖ جَمْعًا ۔ (۵-۱ : ۱۰۰) ۔ (۳۰) ۔ وَالْعَصْرِ ..... (۱ : ۱۰۳)

———— (۱) ————

۹۔ قِصّہ ۔ قَصَص

قرآن کریم نے تاریخ (اقوامِ سابقہ کی سرگزشتوں) کو بڑی اہمیت دی ہے ۔ اس کی تفصیل "تاریخ" کے عنوان میں ملے گی ۔ تاریخی حوادث کو اس نے قصص سے تعبیر کیا ہے ۔ اور یہ لفظ چند ایک مقامات پر آیا ہے ۔ بعض کسی بات

کے ذکر کرنے کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے۔

۱۔ رسول دنیا کی ہر قوم میں آئے تھے۔ ان میں سے بعض کا ذکر بالتصریح قرآن میں آیا ہے۔ بعض کا نہیں۔ (۱۶۴ : ۴) — (۷۸ : ۴۰) — (۲)۔ یہ وہ بستیاں ہیں جن کی داستانیں ہم نے تم سے بیان کی ہیں۔ (۱۰۱ : ۷) — (۱۰۰ : ۱۱)۔

۳۔ انبیاءِ سابقہ کے قصے اس لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ اس سے تمہارے دل کو ثبات حاصل ہو۔ (۱۲۰ : ۱۱) — (۹۹ : ۲۰)

۴۔ احسن القصص۔ قصۂ حضرت یوسفؑ۔ (۳ : ۱۲)

۵۔ قصۂ اصحابِ کہف۔ (۱۳ : ۱۸) — (۶)۔ عام تمثیلی بیان۔ (۱۷۶ : ۷)

۷۔ قصۂ حضرت یوسفؑ و برادرانش میں اربابِ بصیرت کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ (۱۱۱ : ۱۲)

۸۔ تباہ شدہ اقوام کو داستانِ پارینہ (احادیث) بنا دیا۔ (۴۴ : ۲۳) — (۱۹ : ۳۴)

ق ل ب[۱۰]

صدر

قلب کے معنی ہیں دل۔ دل، گوشت کا وہ لوتھڑا ہے جو سینے میں دھڑکتا ہے۔ اور جس کا کام، خون کو گردش دینا ہے۔ یہ طبی دل ہے۔ قرآن اس کا ذکر نہیں کرتا۔

زمانۂ قدیم سے قلبؔ یا دلؔ کو عقل و فکر اور جذبات و احساسات کا مرکز سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ دنیا کی ہر زبان میں دلؔ کو انہی معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عربوں کے ہاں اس مفہوم کے لئے دو لفظ استعمال ہوتے تھے۔ ایک فؤادؔ اور دوسرا قلبؔ۔ مادہ کے اعتبار سے فؤاد کا لفظ سوز و گداز کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ لیکن استعمال کے لحاظ سے قلب اور فؤاد کو مرادف سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ دونوں الفاظ آئے ہیں۔ (فؤاد کو ہم نے الگ لکھا ہے)۔ اس میں شبہ نہیں کہ دلؔ نہ فکر و بصیرت کا مرکز ہے نہ جذبات و احساسات کا سرچشمہ۔ لیکن قرآن کریم چونکہ عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اسلئے جن الفاظ کو عرب جن معانی میں استعمال کرتے تھے، قرآن کریم نے بھی انہیں انہی معانی میں استعمال کیا ہے۔

قلب (جمع قلوب) کا لفظ قرآن کریم میں بے شمار مقامات میں آیا ہے۔ ہم ان تمام آیات کو یہاں درج نہیں کرتے؟

ان آیات کا حوالہ دیتے ہیں جن سے اس کا مفہوم واضح ہو جائے۔ مادہ (ق - ل - ب) کے اعتبار سے اس کے معنی ہیں الٹنا پلٹنا - لوٹنا - اس مادہ کی مختلف شکلیں ان معانی میں بھی قرآن میں آئی ہیں لیکن ہم اس موضوع کو صرف قلب (بمعنی دل) تک محدود رکھیں گے - انگریزی زبان میں (HEART) - (MIND) بلکہ (PSYCHE) اس مفہوم کے لئے آتے ہیں -

۲۔ قرآن کریم میں قلب کے معنوں میں صدر (سینے) کا لفظ بھی آیا ہے - کہیں کہا گیا ہے کہ وہ قلب جو سینے کے اندر ہے اور کہیں صرف لفظ صدر (جمع صدور) قلب کے معنوں میں آیا ہے۔ ہم اس جہت سے صدر کو بھی اس عنوان کے تابع لے آئے ہیں۔

قلب کے مختلف مفاہیم

۱۔ حضورؐ نرم دل تھے - اس لئے کہا گیا کہ اگر آپؐ دل کے سخت ہوتے تو کوئی آپ کے قریب نہ آتا۔ (۳ : ۱۵۹)

۲۔ جو قلب سلیم لے کر آئے قرآن اسے ہدایت دیتا ہے۔ یعنی (A RECEPTIVE MIND) - (۲۶ : ۸۹) - (۳۷ : ۸۴) - قلب منیب (۵۰ : ۳۳) - (۵۰ : ۳۷) - جس کا دل ایمان پر مطمئن ہو - (۱۶ : ۱۰۶) - (۶۶ : ۴)

۳۔ قلوب پر مہریں لگ جاتی ہیں - (۲ : ۷) - (۲ : ۸۸) - (۳ : ۱۵۵) - (۶ : ۲۵) - (۶ : ۴۶) - (۷ : ۱۰۰) - (۷ : ۱۰۱) - (۹ : ۸۷) - (۹ : ۹۳) - (۹ : ۱۲۷) - (۱۰ : ۷۴) - (۱۶ : ۱۰۸) - (۱۷ : ۴۶) - (۱۸ : ۵۷) - (۴۰ : ۳۵) - (۴۱ : ۵) - (۴۵ : ۲۳) - (۴۷ : ۱۶) - (۶۱ : ۵) - (۶۳ : ۳) - (۸۳ : ۱۴)

۴۔ جبریل نے قرآن، حضورؐ کے قلب پر نازل کیا - (۲ : ۹۷) - (۲۶ : ۱۹۴) - اگر (بالفرض محال) آپ افترا کرتے تو خدا آپؐ کے قلب پر مہر لگا دیتا۔ (۴۲ : ۲۴)

۵۔ جو کچھ دل میں ہے (۲ : ۲۰۴) - (۶)۔ جو شہادت کو چھپائے اس کا قلب مجرم ہو جاتا ہے - (۲ : ۲۸۳)

۷۔ خدا، المرء اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے - (۸ : ۲۴)۔ (مفہوم کے لئے مفہوم القرآن دیکھئے)

۸۔ جس کا قلب خدا کے ذکر سے غافل ہو اس کی اطاعت مت کرو۔ (۱۸ : ۲۸)

۹۔ جس کے قلب میں مرض ہو۔ (۳۳ : ۳۲) - (نفسیاتی امراض سے مراد ہے)۔ (۲ : ۱۰) - (۵ : ۵۲) - (۸ : ۴۹) - (۹ : ۱۲۵) - (۲۲ : ۵۳) - (۲۴ : ۵۰) - (۳۳ : ۱۲) - (۳۳ : ۶۰) ——— (۴۷ : ۲۰) - (:) - (۴۷ : ۲۱)

۱۰۔ جو خدا پر ایمان لاتا ہے، خدا اس کے قلب کی راہ نمائی کرتا ہے۔ (۱۱ : ۶۴)

۱۱۔ اگر خدا، اُمِّ موسیٰ کے قلب کو مضبوط نہ کرتا تو وہ راز افشا کر دیتی۔ (۱۰ : ۲۸)

۱۲۔ حضرت ابراہیمؑ کا اس پر ایمان تھا کہ مردہ قومیں زندہ ہو سکتی ہیں لیکن وہ سمجھنا چاہتے تھے کہ اس کا طریق کیا ہوگا تاکہ انہیں اطمینانِ قلب ہو۔ (۲ : ۲۶۰)

۱۳۔ اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو قلب نہیں رکھے۔ (۴ : ۳۳) ۔ منافق زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے قلوب میں نہیں ہوتا۔ (۱۶۷ : ۳) ۔ (۴۱ : ۵) ۔ (۱۱ : ۴۸)

۱۴۔ اتنی قوت فراہم کرو کہ کفار کے دلوں پر تمہارا رعب طاری ہو جائے۔ (۱۵۱ : ۳) ۔ (۱۲ : ۸)

۱۵۔ اہلِ جہنم وہ ہیں جو قلوب رکھنے کے باوجود ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ (۱۷۹ : ۷)

۱۶۔ ذکر اللہ (قوانینِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے) سے اطمینانِ قلب ہو جاتا ہے۔ (۲۸ : ۱۳)

۱۷۔ قلوب کا تقویٰ۔ (۳۲ : ۲۲)

۱۸۔ انہیں چاہیئے کہ دنیا میں چلیں پھریں تاکہ ان کے قلوب میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت بیدار ہو جائے۔ (۴۶ : ۲۲)

۱۹۔ ماتھے کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، سینے کے دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ (۴۶ : ۲۲)

۲۰۔ انقلاب کے دن دل اور آنکھیں الٹ جائیں گے۔ (۳۷ : ۲۴) ۔ دل اچھل کر حلقوم تک آ جائیں گے۔ (۱۰ : ۳۳) (۱۸ : ۴۰) ۔ (۸ : ۷۹)

۲۱۔ جب خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو کفار کے دل سکڑ جاتے ہیں۔ جب غیر اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کھل جاتے ہیں۔ (۴۵ : ۳۹)

۲۲۔ یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ (۲۴ : ۴۷)

۲۳۔ مومنین کی تسکینِ قلب۔ (۴ : ۴۸)

۲۴۔ دلوں کا پتھروں کی طرح سخت ہو جانا۔ (۷۴ : ۲) ۔ (۴۳ : ۶) ۔ (۵۳ : ۲۲) ۔ (۲۲ : ۳۹)

۲۵۔ وہ جرم قابلِ مواخذہ ہے جس کے ساتھ دل کا ارادہ شامل ہو۔ (۲۲۵ : ۲) ۔ (۵ : ۳۳)

۲۶۔ مومنوں کے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی۔ (۱۰۳ : ۳) ۔ ان کے دلوں سے کینے نکال دئے۔ (۸ : ۶۳) ۔ (۱۰ : ۵۹)۔

۲۷۔ ملائکہ کی مدد اطمینانِ قلب کے لئے تھی۔ (۱۲۶ : ۳) ۔ (۱۰ : ۸) ۔ (۲۸)۔ پاکیزگیٔ قلب۔ (۵۳ : ۳۳)

۲۹۔ مومن اس وقت کہلایا جا سکتا ہے، جب ایمان قلب میں پیوست ہو جائے۔ (۱۴ : ۴۹) - (۲۲ : ۵۸)

۳۰۔ مومنین کی دعا ہے کہ ہدایت کے بعد ہمارے قلوب غلط سمت کی طرف نہ چلے جائیں۔ (۳ : ۸) ۔ قلوب میں زیغ (۳ : ۷)

۳۱۔ ذکر اللہ سے مومنین کے دل گداز ہو جاتے ہیں۔ (۸ : ۲) - (۲۲ : ۳۵) - (۲۳ : ۶۰) - (۳۹ : ۲۳) - (۵۷ : ۱۶)

۳۲۔ صدقات مؤلفۃ القلوب کے لئے ہیں۔ (۹ : ۶۰)

۳۳۔ سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے لیکن دل ایک دوسرے سے الگ الگ۔ (۵۹ : ۱۴) - (۳۱) تطہیر قلب۔ (۳۳ : ۵۳)

صدر بمعنی قلب

۱۔ جسے کفر کے کام کے لئے مجبور کر دیا جائے اس کا مؤاخذہ نہیں۔ لیکن جس کا سینہ کفر کے لئے کھل جائے، مجرم وہ ہے۔
(۱۶ : ۱۰۶) - (ب) جس کا سینہ اسلام کے لئے کھل جائے۔ (۶ : ۱۲۵) - (۳۹ : ۲۲)

۲۔ قرآن اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ دل کا بوجھ اتر جائے۔ (۷ : ۲) - اس سے شرحِ صدر ہو گئی۔ (۹۴ : ۱)

۳۔ ہم جانتے ہیں کہ کفار جو کچھ کہتے ہیں اس سے (اے رسولؐ!) تیرا سینہ بھینچ جاتا ہے۔ (۱۱ : ۱۲) - (۹۷ : ۱۵)

۴۔ حضرت موسےٰؑ کی شرحِ صدر کے لئے دعا۔ (۲۰ : ۲۵) - (۲۶ : ۱۳)

۵۔ خدا سینے کی باتوں کو جانتا ہے۔ (۳ : ۱۱۹) - (۳ : ۱۵۴) - (۵ : ۷) - (۸ : ۴۳) -
(اس عنوان کی صرف چند ایک آیات درج کی گئی ہیں۔ تمام کی تمام نہیں)

۶۔ میدانِ جنگ میں فتح سے مقصود یہ بھی تھا کہ اس سے مومنین کے سینے میں کشاد پیدا ہو جائے۔ (۹ : ۱۴)

۷۔ قرآن، شفاء لما فی الصدور۔ سینے کے امراض کے لئے شفا ہے۔ (۱۰ : ۵۷)

۸۔ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینے میں ہیں۔ (۲۲ : ۴۶)

۹۔ قرآن کی آیات اربابِ علم کے سینے میں ہیں۔ (۲۹ : ۴۹)

۱۰۔ خدا نگاہ کی خیانتوں اور صدر کے رازوں سے واقف ہوتا ہے۔ (۳ : ۲۹) - (۴۰ : ۱۹)

۱۱۔ جب وہ سب باہر آ جائے گا، جو سینوں کے اندر ہے۔ (۱۰۰ - ۱۰)

۱۲۔ لوگوں کے سینے میں وساوس ڈالنے والے۔ (۱۱۴ : ۵) - (۱۳) - پاکیزگی صدور۔ (۳ : ۱۵۴)

۱۴۔ منافقوں کے سینے میں جو کچھ چھپا ہوتا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کے ہوتا ہے جو ان کی زبان پر آ جاتا ہے۔
(۳ : ۱۱۸)

۱۵۔ مومنین کے سینے کی کدورت دور ہو جائے گی۔ (۴۳ : ۷) - (۴۷ : ۱۵) - جو کچھ دوسروں کو دے دیا جائے، مومنین کے سینے میں اس کے لئے کوئی خواہش نہیں پیدا ہوتی کہ یہ ہمیں کیوں نہ مل گیا۔ (۹ : ۵۹)

(۱)

۱۱۔ قوت

قوت کے مفہوم کے لئے قرآن کریم میں کئی الفاظ آئے ہیں۔ زیرِنظر عنوان میں ان آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے جن میں خود قوت کا لفظ آیا ہے۔ قوت، فرد میں ہو یا قوم میں، بہت بڑی خصوصیت ہے۔ القوی خود خدا کی ایک صفت ہے اور اس جہت سے بھی، خدا کے بندوں کا علیٰ حدِّ البشریت قوی ہونا، خدائی رنگ میں رنگے جانے کے مرادف ہوگا۔ لیکن، دیگر خصوصیات کی طرح، اس خصوصیت (قوت) کا استعمال بھی مستقل اقدارِ خداوندی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اگر قوت، بے باک ہو جائے گی تو یہ تخریب کا موجب ہوگی لہٰذا سنگین جرم، اور اگر یہ، مستقل اقدار کے ساحلوں میں محصور ہوگی تو اس کا نتیجہ خیر ہی ہوگا۔ اقبال کے الفاظ میں ؎

لادیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

اسی لئے قرآن کریم نے بتایا ہے کہ جن قوموں نے قوت کا استعمال، قوانینِ خداوندی کی پابندی سے آزاد ہو کر کیا، وہ خود بھی تباہ ہو گئیں اور انسانیت کے لئے بھی تباہی کا موجب بنیں۔ لیکن جن قوموں نے اسے قوانینِ خداوندی کی حفاظت کے لئے استعمال کیا، وہ محسنِ انسانیت قرار پائیں۔

محکم طور پر متمسک رہنا

۱۔ کتاب اللہ کو محکم طور پر (بقوۃٍ) تھامے رکھو۔ (۲ : ۶۳) - (۲ : ۹۳) - (۷ : ۱۴۵) - (۷ : ۱۷۱) - (۱۹ : ۱۲)

خدا قوت کا سرچشمہ ہے

۱۔ قوت سب کی سب خدا کے لئے ہے۔ وہی اس کا سرچشمہ ہے۔ (۲ : ۱۶۵) - اس کا ہمیشہ اعتراف کرنا چاہیئے۔

(۳۹ : ۱۸) - (۱۵ : ۴۱) - خدا ذوالقوۃ المتین ہے۔ (۵۸ : ۵۱) - شدید القویٰ - (۵ : ۵۳) - قویٌ شدید العقاب - (۵۲ : ۸) - (۲۲ : ۴۰) - قوی العزیز - (۶۶ : ۱۱) - (۴۰ : ۲۲) - (۴۷ : ۲۲) - (۲۵ : ۳۳) (۱۹ : ۴۲) - (۲۵ : ۵۷) - (۲۱ : ۵۸)

قوت اور جماعتِ مومنین

۱۔ اپنی سرحدوں کو پوری پوری قوت سے مضبوط رکھو۔ (۶۰ : ۸) - قوت کا عطا ہونا خدا کا انعام ہے۔ (۵۲ : ۱۱)

قوتِ بے باک کا نتیجہ

۱۔ جن قوموں نے قوانینِ خداوندی سے سرکشی برت کر قوت کا استعمال کیا، وہ تباہ ہوگئیں۔ (۶۹ : ۹) - قومِ سبا، صاحبِ قوت تھی۔ (۳۴ : ۲۷) - تباہ شدہ اقوام - (۹ : ۳۰) - (۴۴ : ۳۵) - (۲۱ : ۴۰) - (۸۲ : ۴۰) (۱۵ : ۴۱) - (۱۳ : ۴۷)

رسول اللہ

۱۔ حضورؐ خدا کے نزدیک صاحبِ قوت تھے۔ (۸۱ : ۲۰) - حضور کو خدا نے شدید القویٰ نے وحی کی تعلیم دی۔ (۵ : ۵۳)

قانونِ مکافاتِ عمل

خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے سامنے کوئی بھی صاحبِ قوت نہیں ہوسکتا۔ یعنی اس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ (۸۶ : ۱۰)

قوی الامین

قوی کے ساتھ امین ہونا بہت بڑی خوبی ہے۔ (۲۷ : ۳۹) - (۲۶ : ۲۸) - فرد ہو یا قوم۔ معاشرہ ہو یا نظام۔ مملکت ہو یا حکومت۔ جس میں یہ دونوں صفات جمع ہوجائیں وہ خیر کا سرچشمہ بن جائے گی۔ ورنہ، قوت بلا امانت، شر اور تخریب، اور امانت بلا قوت، رہبانیت۔ اسلام قوت اور امانت کے امتزاج کا نام ہے۔ (امانت کا مادہ امن ہے)

۱۲۔ قوم

قوموں کی موت و حیات کے ابدی اصولوں کا ذکر "امم سابقہ" کے عنوان میں آچکا ہے۔ وہیں مختلف اقوامِ سابقہ کے تاریخی شواہد بھی سامنے آ چکے ہیں۔ نیز مختلف اقوام کا ذکر ان کے انفرادی عنوانات میں کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآن نے قوم کی جگہ اُمت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسے امت کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے۔ زیرِ نظر عنوان میں یہ بتایا جائے گا کہ قرآن کریم میں قوم کا لفظ کن کن عنوانات سے آیا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ زمانۂ قدیم میں ایک نسل کے افراد مل کر ایک گروہ کی شکل میں رہتے تھے۔ قرآن نے انہیں بھی قوم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً قومِ عاد۔ قومِ ثمود وغیرہ۔

۲۔ عصرِ حاضر میں قومیت (NATIONALISM) کا معیار اشتراکِ وطن ہے۔ یعنی ایک وطن کی حدود میں رہنے والے تمام افراد۔ خواہ وہ کسی نسل سے متعلق ہوں اور ان کا مذہب بھی کچھ ہی کیوں نہ ہو، مل کر ایک قوم بنتے ہیں۔ قرآن نے قومِ سبا وغیرہ کا جو ذکر کیا ہے تو غالباً ان کی وجہِ جامعیت وطن کا اشتراک تھی۔

۳۔ قرآن کریم نے قومیت کے ان معیاروں کی نفی کی اور کہا کہ قومیت کا مدار آئیڈیالوجی (ایمان) کے اشتراک پر ہے۔ اس اعتبار سے دنیا میں صرف دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ جو قرآن میں عطا کردہ آئیڈیالوجی پر ایمان رکھتی ہے۔ جسے امتِ مسلمہ یا جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قوم ان انسانوں پر مشتمل ہے جو اس آئیڈیالوجی پر ایمان نہیں رکھتے۔ انہیں قوم الکافرین۔ نہ ماننے والوں کی قوم۔ کہا جاتا ہے۔ (۲ : ۲۶۴)۔ قرآن میں "قوم المؤمنین" یا "قوم المسلمین" کے الفاظ نہیں آئے۔ اگرچہ "قوم یومنون" کے الفاظ آئے ہیں۔ امتِ مسلمہ کا ذکر امت کے عنوان میں آچکا ہے اور کافرین کا کفر کے زیرِ عنوان۔

۴۔ قرآن نے اس گروہ کو بھی قوم کہہ کر پکارا ہے جس کے افراد کسی ایک خصوصیت میں مشترک ہوں۔ مثلاً قوم المجرمین۔ قوم الفاسقین وغیرہ۔ زیرِ نظر عنوان میں ان اقوام کا ذکر سامنے آئے گا۔

۵۔ قوم المجرمین۔ قوم الفاسقین وغیرہ سے آپ نے دیکھا کہ قرآن، دنیا کے ان تمام لوگوں کو جو کسی خصوصیت میں مشترک ہوں، قوم کہہ کر پکارتا ہے خواہ ان کی نسل، زبان، رنگ، وطن کوئی بھی ہو۔ اس سے بھی واضح ہے کہ قرآن کی رُو سے معیارِ قومیت کسی خصوصیت کا اشتراک ہے۔ اور چونکہ کفر اور ایمان دو بنیادی (متضاد) خصوصیات ہیں اسی لئے قرآن، تمام انسانوں کو انہی دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (۲ : ۲۶۴)۔ لہٰذا نہ کوئی کافر مسلم قوم کا فرد ہو سکتا ہے نہ کوئی مسلم، قومِ کافر کا فرد۔

۶۔ واضح رہے کہ جب قرآن کہتا ہے کہ (مثلاً) خدا قوم الفاسقین وغیرہ کو ہدایت نہیں دیتا۔ تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جب تک وہ قوم اس روش (فسق ۔کفر۔ ظلم وغیرہ) پہ قائم رہتی ہے اس کے سامنے کشادگی کی راہیں نہیں کھلتیں۔ اگر وہ قوم زندگی کی خوشگواریوں سے متمتع ہونا چاہتی ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنی غلط روش کو چھوڑ دے۔

قوم یؤمنون۔ (قرآن کی صداقتوں پر ایمان رکھنے والے)۔ (نیز دیکھئے ایمان)

۱۔ قوم مومنین کے نشانیاں۔ (۶ : ۹۹)۔ (۱۶ : ۷۹)۔ (۲۷ : ۸۶)۔ (۲۹ : ۲۴)۔ (۳۰ : ۳۷)۔ (۳۹ : ۵۲)

۲۔ ان کے لئے کتاب (قرآن) بالکل واضح ہے۔ ہدایت ہے۔ رحمت ہے۔ (۷ : ۵۲)۔ (۷ : ۲۰۲)۔ (۱۲ : ۱۱۱)۔ (۱۶ : ۶۴)۔ (۲۹ : ۵۱)۔ (۳) حضورؐ قوم مومنین کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ (۷ : ۱۸۸)

۴۔ قوم مؤمنین کے لئے غلبہ و نصرت۔ (۹ : ۱۴)۔ (۵)۔ تاریخی شواہد قوم مومنین کے لئے۔ (۲۸ : ۳)

قوم یذکرون (قوانین خداوندی کو پیش نظر رکھنے والے)۔ (نیز دیکھئے ذکر)

۱۔ ان کے لئے قوانین واضح کر دیئے گئے۔ (۶ : ۱۲۶)۔ (۲)۔ اس قوم کے لئے نشانیاں۔ (۱۶ : ۱۳)

قوم عابدین (قوانین خداوندی کی اطاعت کرنے والے)۔ (نیز دیکھئے عبد)

۱۔ قوم عابدین کے لئے بلاغ۔ (۲۱ : ۱۰۶)

قوم الصالحین۔ (عمدہ صلاحیتوں کی مالک قوم)۔ (نیز دیکھئے صلح)

۱۔ قوم صالحین کے زمرہ میں داخل ہونے کی دعا۔ (۵ : ۸۴)

قوم الضالین۔ (راہ گم کردہ لوگ)۔ (نیز دیکھئے ضلالت)

۱۔ قوم ضالین سے الگ رہنے کی تاکید۔ (۶ : ۷۷)

قوم یعلمون (صاحب علم وبصیرت)۔ (نیز دیکھئے عنوان علم)

۱۔ ان کے لئے حدود اللہ واضح کر کے بتا دی گئیں ۔ (۲۳۰ : ۲) ۔ (۹۷ : ۶) ۔ (۱۰۵ ، ۶) ۔ (۳۲ : ۷) ۔
(۱۱ : ۹) ۔ (۱۰ : ۵)

۲۔ **قوم یفقہون**

ان کے لئے قوانین واضح کر دئے ۔ (۹۸ : ۶) ۔ جو قوم تفقہ سے کام نہیں لیتی وہ مغلوب ہو جاتی ہے ۔ (۶۵ : ۸)۔
ان کے دل پھر جاتے ہیں۔ (۱۲۷ : ۹) ۔ منافق قوم لا یفقہون ہیں ۔ (۱۳ : ۵۹)

۳۔ مشرکین میں سے کوئی تمہاری پناہ میں آئے تو اسے قرآن سناؤ ۔ پھر وہ واپس جانا چاہیے تو اسے اس کے مستقر تک بحفاظت پہنچا دو ۔
یہ اس لئے کہ وہ لوگ ہیں جو جانتے نہیں ہیں ۔ (لا یعلمون) ۔ (۶ : ۹)

۴۔ تاریخی شواہد میں ان کے لئے نشانیاں ہیں ۔ (۵۲ : ۲۷)

۵۔ قرآن کی آیات قوم یعلمون کے لئے نکھار کر بیان کر دیں ۔ (۳ : ۴۱)

قوم یوقنون (قوانین خداوندی کی صداقتوں پر یقین رکھنے والے لوگ)۔ (نیز دیکھئے عنوان یقین)

۱۔ قوم یوقنون کے لئے قرآنی قوانین واضح طور پر دے دئے گئے ہیں ۔ (۱۱۸ : ۲)

۲۔ بہترین فیصلہ خدا ہی کا ہے ۔ (۵۰ : ۵) ۔ (۳)۔ مظاہر فطرت میں نشانیاں ۔ (۴ : ۴۵)

۴۔ قرآن، قوم یوقنون کے لئے بصائر۔ ہدایت اور رحمت ہے ۔ (۲۰ : ۴۵)

قوم یعقلون۔ قوم یتفکرون (عقل وفکر سے کام لینے والے لوگ)۔ (نیز دیکھئے عنوان عقل)

۱۔ مظاہر فطرت میں قوم یعقلون کے لئے نشانیاں ہیں ۔ (۱۶۴ : ۲) ۔ (۴ : ۱۳) ۔ (۱۲ : ۱۶) ۔ (۶۷ : ۱۶) ۔ (۲۴ : ۳۰)
(۲۸ : ۳۰) ۔ (۵ : ۴۵) ۔ قوم یتفکرون کے لئے ۔ (۲۴ : ۱۰) ۔ (۳ : ۱۳) ۔ (۱۱ : ۱۶) ۔ (۶۹ : ۱۶) ۔
(۲۱ : ۳۰) ۔ (۴۲ : ۳۹) ۔ (۱۳ : ۴۵) ۔ لقوم یسمعون ۔ (۶۷ : ۱۰) ۔ (۲۳ : ۳۰)

۲۔ عقل وفکر سے کام نہ لینے والی قوم ۔ (۵۸ : ۵) ۔ منافقین ۔ (۱۴ : ۵۹)

۳۔ تاریخی شواہد میں نشانیاں ۔ (۳۵ : ۲۹)

قوم الفاسقین - (غلط روش اختیار کرنے والے لوگ) - (نیز دیکھئے فسق)

۱- بار الٰہ! مجھ میں اور قوم فاسقین میں تفریق کر دے - (۵ : ۲۵)
۲- قوم فاسقین کی تباہی پر غم نہ کھاؤ - (۵ : ۲۶)
۳- قوم الفاسقین کو ہدایت نہیں ملتی - (۵ : ۱۰۸) - (۹ : ۲۴) - (۹ : ۸۰) - (۶۳ : ۶) - جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو خدا نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئے - (۶۱ : ۵) - (۴) - قوم فاسقین سے خدا راضی نہیں ہوتا - (۹ : ۹۶)
۵- قوم لوط فاسقین کی قوم تھی - (۲۱ : ۷۴) - قوم فرعون بھی - (۲۷ : ۱۲) - (۲۸ : ۳۲)
۶- فاسقین ہی ہلاک ہوتے ہیں - (۴۶ : ۳۵)

قوم مسرفون (غلط مقامات پر صلاحیتیں صرف کرنے والے) - (نیز دیکھئے عنوان اسراف)

۱- قوم لوط، مسرفین تھے - (۷ : ۸۱) - مجرمین اور منکرین تھے - (۱۵ : ۵۸ و ۶۲) - (۵۱ : ۳۲) - فاسقین (۲۱ : ۷۴) جاہلین میں سے - (۲۷ : ۵۵)
۲- دربار فرعون کے مرد مومن نے اپنی قوم کو مسرفین کہا - (۳۶ : ۱۹) - (۴۰ : ۲۸)

قوم الکافرین (ابدی صداقتوں سے انکار کرنے والے لوگ) - (نیز دیکھئے عنوان کفر)

۱- قوم کافرین پر غلبہ ونصرت کی دعائیں - (۲ : ۲۵۰) - (۲ : ۲۸۶) - (۳ : ۱۴۷) - ان سے نجات حاصل کرنے کی دعائیں - (۱۰ : ۸۶)
۲- خدا ہدایت نہیں دیتا - (۲ : ۲۶۴) - (۵ : ۶۷) - (۹ : ۳۷) - انہیں آیات خداوندی کچھ فائدہ نہیں دیتیں - (۱۰ : ۱۰۱) - (۱۶ : ۱۰۷) - جو قوم ایمان کے بعد کفر اختیار کرے اسے ہدایت نہیں مل سکتی - (۳ : ۸۶) - یہ لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں - (۱۲ : ۸۷)
۳- قوم الکافرین کی تباہی پر غم نہ کھاؤ - (۵ : ۶۸) - (۷ : ۹۳) - (۴) - ان کا مسلک چھوڑ دو - (۱۲ : ۳۷)
۵- ان کے لئے ہلاکت ہے - (۲۳ : ۴۴) - (۶) - قوم سبا قوم کافرین میں سے تھی - (۲۷ : ۴۳)
۷- حضورؐ کی فریاد کہ یہ قوم ایمان نہیں لاتی - (۴۳ : ۸۸)

قوم الظالمین (نیز دیکھئے عنوان ظلم)

۱- خدا ہدایت نہیں دیتا - (۲ : ۲۵۸) - (۳ : ۸۶) - (۵ : ۵۱) - (۶ : ۱۴۴) - (۹ : ۱۹) - (۹ : ۱۰۹) - (۲۸ : ۵۰) - (۴۶ : ۱۰) - (۶۱ : ۷) - (۶۲ : ۵)

۲- اپنے آپ پر ظلم کرنے والی قوم کی کھیتیاں جھلس جاتی ہیں - (۳ : ۱۱۸) - اس کی جڑ کٹ جاتی ہے - (۶ : ۴۵) - ہلاک ہوتی ہی ظالم قوم ہے - (۶ : ۴۷) - (۲۳ : ۴۱)

۳- قوم الظالمین کے پاس مت بیٹھو - (۶ : ۶۸) - ان میں سے نہ ہو - (۷ : ۴۷) - (۷ : ۱۵۰) - (۱۱ : ۴۴) - (۲۳ : ۹۴)

۴- قوم ظالمین کے ظلم و ستم سے بچنے کی دعائیں - (۱۰ : ۸۵) - (۲۳ : ۲۸) - (۲۸ : ۲۱-۲۵) - (۶۶ : ۱۱) -

۵- قومِ فرعون، قومِ ظالمین تھی - (۲۶ : ۱۰)

۶- قومِ عاد و ثمود - (۲۶ : ۱۲۶) - قوم یعدلون - (۲۷ : ۶۰) - طاغون - (۳۷ : ۳۰) - (۵۱ : ۵۳) - (۵۲ : ۳۲)

قوم المجرمین (قانون شکن لوگ) - (نیز دیکھئے - جرم)

۱- ان سے خدا کا عذاب (جرائم کی پاداشں) ٹلتا نہیں - (۶ : ۱۴۷) - (۱۲ : ۱۱۰)

۲- قوم مجرمین کی پاداشِ عمل - (۱۰ : ۱۳) - (۴۶ : ۲۵) - (۲) - قومِ فرعون، قومِ مجرمین تھی - (۴۴ : ۲۲)

۳- کفار اہلِ جہنم ہیں اور قوم المجرمین - (۴۵ : ۳۱)

قوم یشکرون (اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر صرف کرنے والے لوگ) - (نیز دیکھئے شکر)

۱- تصریفِ آیات قوم یشکرون کے لئے - (۷ : ۵۸)

قوم الخاسرون (نقصان اٹھانے والے لوگ) - (نیز دیکھئے خسران)

۱- تباہ ہونے والے لوگ ہی اس خوش فہمی میں مبتلا رہ سکتے ہیں کہ ہم خدا کے قانونِ مکافات سے مامون ہیں - (۷ : ۹۹)

قوم المکذبین (قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرنے والے لوگ) - (نیز دیکھئے کذب)

۱- ان کا انجام خراب ہوتا ہے - (۷ : ۱۷۶-۱۷۷) - ہلاکت - (۳۶ : ۲۵)
۲- قومِ نوح، قومِ مکذبین تھی - اس لئے قومِ شوَر تھی - (۷۷ : ۲۱)

قومِ المفسدین (نیز دیکھئے فساد)

۱- قومِ مفسدین پر غلبہ کی دعائیں - (۳۰ : ۲۹)

متفرقات

۱- کسی قوم کی حالت میں تبدیلی نہیں آسکتی جب تک اس کی نفسیات (قلب و نگاہ) میں تبدیلی نہیں آجاتی - (۸ : ۵۳) - ۱۱
۲- عذاب کی مستحق قوم - (۴۷ : ۲۷) - (۳) - مشرکین کو قوم بعیدلون کہا - (۶۰ : ۲۷) - قوماً عالین - (۴۶ : ۲۳)
۴- جھگڑا کرنے والی قوم - (۵۸ : ۴۳)
۵- رسول جس قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اسے "میری قوم" کہہ کر مخاطب کرتا تھا - یہ اس لئے کہ وہ اسی قوم سے اٹھتا تھا - اور اس کے بعد ایک نئی امت کی تشکیل کرتا تھا - (مثال کے لئے دیکھئے) - (۵۴ : ۲) - (۵ : ۲۰-۲۱) - (۳۵ : ۶) نیز سورۃ یونسؑ - ہودؑ اور اعراف میں مختلف انبیاء کرام کا تخاطب اپنی اپنی قوم سے - یا یہ کہ خدا نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا - (۲۳ : ۲۳) - یا انہیں قومِ ملت کہا - (۶۶ : ۶) - (۳۶ : ۱۱)
۶- جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ اگر تم جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو خدا تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا - (۹ : ۳۹) - (۴۷ : ۳۸) - (۷) قوم عاد سے ایسا ہی کہا گیا - (۱۱ : ۵۷)
۸- ظالمین کی جگہ دوسری قوم - (۲۱ : ۱۱) - (۹) - قوماً بوراً - (۲۵ : ۱۸) - (۱۲ : ۴۸)
۱۰- قومِ عاد سے کہا کہ وہ قوم تجھلون ہے - (۴۶ : ۲۳) - (۱۱) - مغضوب علیہ قوم - (۵۸ : ۱۴) - (۱۳ : ۶۰)
۱۲- جس قوم کی طرف کوئی رسول آیا، اسے "اس کی قوم" کہا گیا ہے - لیکن بعض مقامات میں انہیں بھی اس کی قوم کہا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ ہو گئے - مثلاً حضرت موسیٰؑ نے وادیٔ سینا میں بنی اسرائیل کو قومی کہا ہے - (۷ : ۱۴۲) اسی طرح جب کہا گیا کہ رسول اللہ اپنے رب سے فریاد کریں گے کہ میری اس قوم نے قرآن کو مھجور بنا دیا تھا - (۲۵ : ۳۰)

تو اس سے مراد حضورؐ کے اولین مخاطب بھی ہو سکتے ہیں اور ہم مسلمان بھی جنہوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔ "قرآن کو مھجورؔ بنا دینے سے تو یہی متبادر ہوتا ہے کہ اس سے ہم (مسلمان) ہی مراد ہیں۔

(٥)

١٣ - قہر

قہر - تسلط - اقتدار - غلبہ - گرفت

قرآن کریم کی رو سے، کسی انسان پر دوسرے انسان کا غلبہ و اقتدار نہیں ہو سکتا۔ اقتدار صرف خدا کا حق ہے۔ اس نہج سے خدا کی ایک صفت القہار بھی آتی ہے۔ (۳۹ : ۱۳) - (۱۰ : ۱۳) - (۴۸ : ۱۴) - (۶۵ : ۳۸) - (۴ : ۳۹) - (۴۸ : ۱۶) - خدا اپنے بندوں پر غلبہ و اقتدار رکھتا ہے۔ (۱۸ : ۶) - (۶۱ : ۶)

استبداد

١- لیکن انسانوں کا دوسرے انسانوں پر غلبہ، وہ قہر ہے۔ جو قابلِ مذمت ہے۔ فرعون نے یہی کہا تھا کہ ہم بنی اسرائیل پر قاہر ہیں۔ (۱۲۷ : ۷)

(٦)

۱۴ - قیامت

قیامت - یہ قرآن کریم کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے اس کا مادہ (ق - و - م) ہے۔ جس کے معنی اعتدال اور توازن قائم ہونے کے ہیں۔ اس نہج سے قَامَ اور قِیَامٌ کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں کہ کھڑا وہی رہ سکتا ہے جس کا توازن قائم رہے۔ لفظ قیامۃ، قیام کے آخر (ۃ) کے اضافہ سے بنا ہے۔ اس اضافہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ کام یکبارگی ہو گیا۔ لہٰذا قیامت کے معنی "یکبارگی کھڑے ہو جانے" کے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ اصطلاح، مرنے کے بعد زندہ ہونے کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ اور اس زندگی پر ایمان، مسلمان ہونے کی بنیادی شرط ہے۔ (اسے ایمان بالآخرت کہتے ہیں)۔ لیکن اگر کوئی قوم، انقلابی

جدوجہد کی رُو سے اٹھ کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے تو اسے (اس دنیا میں) قیامت سے تعبیر کیا جائے گا۔ حضورؐ نبی اکرم نے جس قسم کا توازن بدوش عالمگیر انقلاب برپا کیا تھا، وہ دنیاوی قیامت کی مثال ہے۔ اس انقلاب کے بعد انسانیت پر پھر سے مُردنی چھا گئی۔ اب اگر یہ پھر اسی طرح کا انقلاب برپا کر کے، اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے گی تو یہ اس کی (اس دنیا کی) قیامت ہو گی اور اسی انقلابی دور کو یوم القیامۃ کہا جائے گا۔ یہ اس یوم القیامۃ سے الگ ہے جس کا تعلق حیاتِ اخروی سے ہے۔ (اس سلسلہ میں آخرت۔ الساعۃ۔ بعث۔ حشر وغیرہ عنوانات بھی دیکھئے)

۲- قرآن کریم میں ایک عظیم عالمگیر کائناتی انقلاب کا ذکر آتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ (مثلاً) چاند اور سورج ماند پڑ جائیں گے۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔ اجرام فلکی پھٹ جائیں گے۔ زمین شق ہو جائے گی۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑ جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان الفاظ کا مفہوم حقیقی (لفظی) لیا جائے تو یہ اس کائنات کا کوئی مادی (طبیعی) انقلاب ہو گا۔ جس کے متعلق ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ (اسے عام طور پر قربِ قیامت کی علامات کہا جاتا ہے)۔ لیکن اگر ان الفاظ کے مجازی معنی لئے جائیں تو یہ ایک عظیم تمدنی انقلاب ہو گا جو قرآن کریم کے مطابق نظام قائم کرنے سے انسانی دنیا میں برپا ہو گا۔ (اس سلسلہ میں لغات القرآن اور مفہوم القرآن دیکھئے)۔ لیکن اگر اس سے مراد کائناتی انقلاب بھی لیا جائے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تک یہ انقلاب واقع نہیں ہو گا، انسانوں کے مرنے کے بعد زندگی ملے گی نہیں۔ حیات بعد الممات ہر شخص کو ساتھ کے ساتھ ملتی جائے گی۔ (اس سلسلہ میں عنوان موتیٰ یا مردے بھی دیکھئے)۔

۳- قرآن کریم میں قیامت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے گویا ایک میدان ہو گا جس میں لوگ جمع ہوں گے۔ اس میں ایک عدالت قائم ہو گی۔ ملزم پیش ہوں گے۔ پولیس والے ساتھ ہوں گے۔ گواہ پیش ہوں گے۔ ملزم کو صفائی کا موقعہ دیا جائے گا۔ پھر عدالت فیصلہ صادر کرے گی اور [illegible] مطابق ملزم، جنت یا جہنم میں بھیجا جائے گا۔ اعمال اور ان کی جزا و سزا برحق ہے۔ لیکن یہ نقشہ ہمارے سمجھانے کے لئے سامنے لایا گیا ہے کیونکہ مجرد حقائق، محسوس مثالوں اور تشبیہوں ہی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی یہاں کی طبیعی زندگی سے یکسر مختلف ہو گی۔ وہ کیسی زندگی ہو گی۔ اور اس کے کوائف و تضمنات کس قسم کے ہوں گے، اسے ہم، اپنے شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ نہیں سکتے۔ جس طرح ایک حیوان، انسانی کیفیات، احساسات و جذبات کو سمجھ نہیں سکتا، اسی طرح موجودہ سطح کا انسان، آنے والی زندگی (جو موجودہ زندگی کی اگلی ارتقائی منزل ہو گی) کے کوائف اپنے شعور میں لا نہیں سکتا۔ وہ زندگی ہو گی ضرور، لیکن کیسی ہو گی۔ یہ ہم نہ کہہ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے۔ (اس سلسلہ میں جنت اور جہنم کے عنوانات بھی دیکھئے)۔ عنوانِ زیرِ نظر میں صرف القیامۃ کے متعلق بات ہو گی۔ اس سے مراد، اس دنیا کا انقلاب ہے یا مرنے کے بعد کی انقلاب آفرین زندگی، اس کا اندازہ آپ، ربطِ مضمون سے خود لگا لیں گے۔

(اس ضمن میں میری کتاب "جہانِ فردا" کا مطالعہ بھی مفید رہے گا)۔

یوم القیامۃ

۱۔ شدید عذاب۔ (۲ : ۸۵)۔ (۲ : ۱۶۵)۔ بخیل کا بخل طوقِ گردن بن جائے گا۔ (۳ : ۱۷۹)
چہرے سیاہ۔ (۳۹ : ۶۰)

۲۔ اختلافی معاملات میں فیصلہ۔ (۲ : ۱۱۲)۔ (۴ : ۱۴۱)۔ (۱۰ : ۹۳)۔ (۱۶ : ۹۲)۔ (۱۶ : ۱۲۴)۔
(۲۲ : ۱۷)۔ (۲۲ : ۶۹)۔ (۳۲ : ۲۵)۔ (۴۵ : ۱۷)۔ (۶۰ : ۳)

۳۔ مومن، کافروں پر فائق ہوں گے۔ (۲ : ۲۱۲)۔ (۴)۔ خدا کفار سے بات تک نہیں کرے گا۔ (۲ : ۱۷۴)۔ (۳ : ۷۶)

۵۔ ہر چھپی ہوئی بات عیاں ہو جائے گی۔ (۳ : ۱۶۰)۔ اعمال نامہ کھل کر سامنے آجائے گا۔ (۱۷ : ۱۳)۔ (۵۸ : ۷)

۶۔ جزائے اعمال۔ وضع میزان۔ (۳ : ۱۸۴)۔ (۲۱ : ۲۷)۔ (۷ : ۵۸)

۷۔ مومنین عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ (۳ : ۱۹۳)۔ (۸)۔ لاریب فیہ۔ (۴ : ۸۷)۔ (۶ : ۱۲)

۹۔ سب کو جمع کیا جائے گا۔ (۴ : ۸۷)۔ (۶ : ۱۲)۔ (۱۷ : ۹۷)۔ (۴۵ : ۲۶)

۱۰۔ مجرموں کی کوئی وکالت نہیں کر سکے گا۔ (۴ : ۱۰۹)۔ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۵ : ۳۶)۔ (۳۹ : ۴۷)۔
(۵۷ : ۱۵)۔ کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔ (۲۸ : ۴۱)

۱۱۔ حضرت عیسٰیؑ اپنے متبعین کے غلط عقائد کے خلاف شاہد ہوں گے۔ (۴ : ۱۵۹)

۱۲۔ مؤمنین کے لئے آسائشیں خالصتاً۔ (۷ : ۳۲)۔ عذاب سے مامون۔ (۴۱ : ۴۰)

۱۳۔ نسلِ انسانی ربوبیتِ خداوندی کی زندہ شہادت ہے۔ قیامت کے دن یہ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ (۷ : ۱۷۲)

۱۴۔ مکذبین اور مفتریوں کا قیامت کے متعلق کیا خیال ہے؟ (۱۰ : ۶۰)۔ (۲۹ : ۱۳)

۱۵۔ اس دنیا میں بھی عذاب اور قیامت میں بھی۔ (۱۱ : ۶۰)۔ (۱۱ : ۹۹)۔ (۱۶ : ۲۷-۲۸)۔ اس دنیا میں رزق کی
تنگی اور آخرت میں اندھا اٹھایا جائے گا۔ (۲۰ : ۱۲۴)۔ (۲۲ : ۹)۔ (۲۸ : ۴۲)

۱۶۔ فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا جہنم میں جائے گا۔ (۱۱ : ۹۸)۔ (۲۸ : ۴۱)

۱۷۔ دوسروں کو گمراہ کرنے والے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوں گے۔ (۱۶ : ۲۵)

۱۸۔ ابلیس کو یوم قیامت تک کی مہلت۔ (۱۷ : ۶۲)۔ (۱۹)۔ حبطِ اعمال۔ (۱۸ : ۱۰۵)

۲۰۔ ہر ایک انفرادی طور پر آئے گا۔ (۹۴ : ۶) – (۹۵ : ۱۹)۔ یعنی جسے تم "میرا" کہتے ہو وہ سب یہاں رہ جائے گا۔ اور جسے تم "میں" کہتے ہو، وہ آگے جائے گا۔ اس سے انسانی ذات مراد ہے جس کی بنیادی خصوصیت انفرادیت ہے۔

۲۱۔ جو قرآن سے اعراض برتے گا قیامت کو اپنا بوجھ اٹھائے گا۔ (۱۰۱-۱۰۰ : ۲۰)

۲۲۔ قیامت کو اٹھائے جائیں گے۔ (۱۶ : ۲۳)۔ زندہ کرنے کے بعد جمع کئے جائیں گے۔ (۲۶ : ۴۵)

۲۳۔ صرف اسی دنیا کو طلب کرنے والا قیامت میں عذاب میں گرفتار ہو گا۔ (۱۷ : ۲۸)

۲۴۔ مشرکین کی باہمی مودت اس دنیا تک ہے۔ قیامت میں یہ باہمی اور ان کے معبودانِ باطل ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ (۲۹ : ۲۵) – (۳۱ : ۳۹)

۲۵۔ مشرکین کے معبود قیامت میں اپنے پرستاروں سے منکر ہو جائیں گے۔ (۱۴ : ۳۵)

۲۶۔ اصل خسارے میں وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن خسارے میں رکھیں۔ (۱۵ : ۳۹)۔ (۴۵ : ۴۲) – (۲۷)۔ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے آپ ہی کو ڈھال بنانا پڑے گا (۲۴ : ۳۹)

۲۸۔ ساری ارض خدا کے قبضہ میں۔ اور سمٰوٰت اس کے دائیں ہاتھ میں۔ (۶۷ : ۳۹)

۲۹۔ یوم القیامت کی شہادت۔ (۱ : ۷۵) – (۳۰)۔ یہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہو گی۔ (۶ : ۷۵)

۳۱۔ وہ ایسی حق ہے جیسے تم ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہو۔ (۲۳ : ۵۱)۔ حق الیقین۔ (۹۵ : ۵۶)

۳۲۔ ہمارا امر ایسے آئے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ (۵۰ : ۵۴)

۳۳۔ اسے الحاقۃ بھی کہا گیا ہے۔ (۱ : ۶۹)۔ اور القارعۃ بھی۔ (۴ : ۶۹) – (۱ : ۱۰۱)

۳۴۔ الروح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (۳۸ : ۷۸)۔ تیرا رب اور ملائکہ آئیں گے۔ (۲۲ : ۸۹)

۳۵۔ منتہیٰ تیرے رب کی طرف ہے۔ (۴۴ : ۷۹)

یوم (جس دن ......)۔ یا جس دور میں

۱۔ جس دن حساب قائم کیا جائے گا۔ (۴۱ : ۱۴) – (۵۳ ; ۲۶ ; ۱۶ : ۳۸) – (۲۷ : ۴۰)

۲۔ جس دن اشہاد کھڑے کئے جائیں گے اس دن ہم اپنے رسولوں اور جماعتِ مومنین کی مدد کریں گے۔ (۵۱ : ۱۰) – (۵۱ : ۴۰)

۳۔ جس دن الروح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (۳۸ : ۷۸)

۴۔ جس دن انسانیت رب العالمین کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی۔ (۶ : ۸۳)

۵۔ جس دن نہ کسی کی دوستی کام آسکے گی۔ نہ خرید وفروخت ۔ نہ شفاعت۔ (۴۸ : ۲) – (۲ : ۱۲۳) – (۲ : ۲۵۴)
(۱۴ : ۳۱) – (۲۰ : ۱۰۹) – (۲۶ : ۸۸) – (۳۱ : ۳۳) – (۳۴ : ۴۲) – (۳۶ : ۵۴) – (۴۳ : ۳۹)
(۴۴ : ۴۱) – (۶۹ : ۳۵) – (۷۰ : ۱۱) – (۷۴ : ۴۸) – (۸۰ : ۳۴) – (۸۲ : ۱۹)

۶۔ جس دن کے واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (۳ : ۹) – (۴۵ : ۲۶) – (۴۲ : ۷)

۷۔ جس دن ہر شخص اپنے نیک اعمال کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ (۳ : ۳۰) – (۷۵ : ۱۳)

۸۔ جس دن بعض چہرے نورانی (سفید) ہوں گے اور بعض سیاہ۔ (۳ - ۱۰۶) – (۷۵ : ۲۲ - ۲۴) –
(۸۰ : ۳۸ - ۴۰) – (۸۸ : ۲ و ۸)

۹۔ جس دن خدا رسولوں کو جمع کرے گا۔ اور ان سے پوچھے ۔ ہماری دعوت کا جواب کیا ملا تھا۔ (۵ : ۱۰۹) –
(۲۸ : ۶۵) – (۱۰) جس دن صادقین کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ (۵ : ۱۱۹)

۱۱۔ عذاب یوم عظیم وغیرہ۔ (۶ : ۱۵) – (۷ : ۵۹) – (۱۰ : ۱۵) – (۱۱ : ۳) – (۱۱ : ۲۶) – (۱۱ : ۸۴) –
(۱۹ : ۳۷) – (۲۲ : ۵۵) – (۲۶ : ۱۳۵) – (۲۶ : ۱۵۶) – (۲۶ : ۱۸۹) – (۳۹ : ۱۳) –
(۴۳ : ۶۵) – (۴۶ : ۲۱) – (۸ : ۱۲ض) – (۸۳ : ۵)

۱۲۔ جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے اور پوچھیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم شریک خدائی بنایا کرتے تھے (۶ : ۲۲)
(۶ : ۱۲۸) – (۱۰ : ۲۸) – (۱۰ : ۴۵) – (۱۸ : ۵۲) – (۲۵ : ۱۷) – (۲۸ : ۶۲) –
(۲۸ : ۶۴) – (۴۱ : ۴۷)

۱۳۔ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ (۶ : ۷۳) – (۲۰ : ۱۰۲) – (۲۳ : ۱۰۱) – (۲۷ : ۸۷) – (۵۰ : ۲۰)
(۷۴ : ۹) – (۷۸ : ۱۸)

۱۴۔ جس دن ذلت آمیز عذاب دیا جائے گا۔ (۶ : ۹۳) – (۱۳ : ۴۴) – (۴۶ : ۲۰)

۱۵۔ یوم البعث۔ (۷ : ۱۴) – (۱۵ : ۳۶) – (۱۹ : ۱۵ و ۳۳) – (۲۳ : ۱۰۰) – (۲۶ : ۸۷) – (۳۰ : ۵۶) –
(۳۷ : ۱۴۴) – (۳۸ : ۷۹) – (۵۸ : ۶) – (۵۸ : ۱۸) – (۸۳ : ۵)

۱۶۔ جس دن ان سکوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ (۹ : ۳۵)

۱۷۔ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ ۔ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۔ (۱۱ : ۱۰۳) – (۴۲ : ۷) – (۶۴ : ۹)

۱۸۔ جس دن کوئی شخص بلا اذنِ خدا ذندی بات نہیں کر سکے گا۔ (۱۱ : ۱۰۵)

۱۹۔ جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (۴۲ : ۱۴)

۲۰۔ جس دن یہ زمین بدل جائے گی۔ یہ آسمان بدل جائے گا۔ (۴۸ : ۱۴)

۲۱۔ یوم الدین۔ (۳ : ۱) - (۳۵ : ۱۵) - (۸۲ : ۲۶) - (۲۰ : ۳۷) - (۷۸ : ۳۸) - (۱۲ : ۵۱) -
(۵۶ : ۵۶) - (۲۶ ، ۷۰) - (۴۶ : ۷۴) - (۱۵؛ ۱۶-۱۹ : ۸۲) - (۱۱ : ۸۳) - (۱ : ۱۰۷)

۲۲۔ یوم الوقت المعلوم۔ (۳۸ : ۱۵) - (۳۸ : ۲۶) - (۸۱ : ۳۸) - (۵۰ : ۵۶)

۲۳۔ جس دن ہر امت سے ایک گواہ بلایا جائے گا۔ (۸۴ : ۱۶) - (۸۹ : ۱۶)

۲۴۔ جس دن ہر شخص خود اپنے آپ سے لڑتا جھگڑتا آئے گا۔ (۱۱۱ : ۱۶)

۲۵۔ اس دن ہر شخص اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔ (۱۴ : ۱۷)۔ ہر امت بھی۔ (۲۸ : ۴۵)۔ اپنے اعمال اپنی
آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ (۴۰ : ۷۸)۔ سب کچھ یاد آجائے گا۔ (۳۵ : ۷۹)

۲۶۔ جس دن خدا بلائے گا اور تم اس کے بلاوے کا جواب دو گے۔ (۵۲ : ۱۷)

۲۷۔ جس دن تمام انسان اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ (۷۱ : ۱۷) - (۲۸ : ۴۵)

۲۸۔ جس دن پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور زمین ابھر آئے گی۔ (۴۷ : ۱۸)

۲۹۔ جس دن لوگ خدا کے حضور جائیں گے۔ (۲۸ : ۱۹) - (۳۰) یوم الحسرت۔ (۳۹ : ۱۹)

۳۱۔ جس دن متقین خدا کی طرف وفد کی شکل میں جائیں گے۔ (۸۵ : ۱۹)

۳۲۔ تم نے ہماری آیات کو پس پشت ڈالا تھا۔ آج ہم تمہیں پس پشت ڈالتے ہیں۔ (۵۱ : ۷) - (۱۲۶ : ۲۰) -
(۳۴ : ۴۵) - (۳۳) - جس دن آسمان لپیٹ دیا جائے گا۔ جس طرح رجسٹر لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ (۱۰۴ : ۲۱)

۳۴۔ اس دن رونا دھونا کسی کام نہیں آئے گا۔ خدا کی طرف سے کسی کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (۶۵ : ۲۳) - (۵۷ : ۳۰)
(۵۲ : ۴۰) - (۳۵ : ۴۵) - (۷ : ۶۶)

۳۵۔ اس دن مومنین کو ان کی استقامت کا اجر ملے گا۔ (۱۱۱ : ۲۳)۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ۔ (۲۵ : ۲۴)
(۱۷ : ۴۰)

۳۶۔ جس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں خود ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (۲۴ : ۲۴) - (۶۶ : ۲۸) -
(۶۵ : ۳۶) - (۳۹ : ۵۵) - (۳۵ : ۷۷)

۳۷۔ جس دن لوگ خدا کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ انہیں ان کے اعمال کی خبر دے گا۔ (۲۸۱ : ۲) - (۶۴ : ۲۴)

۲۸۔ وہ اس دن تباہی کو پکاریں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ایک تباہی کو نہیں، کئی تباہیوں کو پکارو۔ (۱۴ : ۲۵)

۲۹۔ جس دن مجرم اپنے ہاتھ کاٹیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا اور رسول کا اتباع کیا ہوتا۔ (۲۸-۲۷ : ۲۵)

۳۰۔ اس دن ملک (اختیار و اقتدار) سب خدا کے لئے ہوگا۔ اور کافروں پر وہ دن بڑا سخت ہوگا۔ (۵۶ : ۲۲)
(۲۶ : ۲۵) - (۱۶ : ۴۰) - (۱۹ : ۸۲)

۴۱۔ جس دن مال یا بیوی بچے کسی کے کچھ کام نہیں آسکیں گے۔ (۸۸ : ۲۶)

۴۲ عذاب یوم الظلۃ۔ (۱۸۹ : ۲۶)

۴۳۔ جس دن ہر امت سے ایک گروہ بلایا جائے گا۔ (۸۳ : ۲۷)۔ ہر امت گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی ہو گی۔ اعمال نامہ ان کے پاس ہوگا۔ (۲۸ : ۴۵)۔ (۴۴) جس دن عذاب انہیں اوپر اور نیچے سے ڈھانپ لے گا۔ (۵۵ : ۲۹)

۴۵۔ وہ دن جو آکر واپس نہیں جائے گا۔ (۴۳ : ۳۰) - (۴۷ : ۴۲)

۴۶۔ یوم الفتح کہ کافروں کا ایمان ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔ (۲۹ : ۳۲)

۴۷۔ جس دن آگ (جہنم) میں ان کے چہرے الٹ دیئے جائیں گے۔ (۶۶ : ۳۳)

۴۸۔ وہ دن جس کے آنے میں نہ ایک ساعت کی کمی ہوگی نہ بیشی۔ (۳۰ : ۳۴)

۴۹۔ جس دن لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ (۴۰ : ۳۴)

۵۰۔ اس دن اہلِ جنت خوش و خرم ہوں گے۔ (۲۴ : ۲۵) - (۸۹ : ۲۷) - (۴ : ۳۰) - (۵۵ : ۳۶)
(۶۸ : ۴۳) - (۱۲ : ۵۷) - (۲۲ : ۷۵) - (۱۱ : ۷۶)۔

۵۱۔ اس دن مجرمین سے کہا جائے گا کہ تم الگ ہو جاؤ۔ (۵۹ : ۳۶)

۵۲۔ اس دن مجرمین کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (۶۴ : ۳۶) - (۴۸ : ۵۴)

۵۳۔ یوم الفصل۔ (۲۱ : ۳۷) - (۴۰ : ۴۴) - (۳۸؛ ۱۴-۱۳ : ۷۷) - (۱۷ : ۷۸)

۵۴۔ یوم التلاق۔ (۱۵ : ۴۰) - (۵۵)۔ جس دن لوگ بارز ہو جائیں گے۔ (۱۶ : ۴۰)

۵۶۔ اس دن کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ (۱۷ : ۴۰)

۵۷۔ جس دن دل اچھل کر حلقوم میں آجائیں گے۔ (۱۸ : ۴۰) - (۸ : ۷۹)

۵۸۔ جس دن انہیں جہنم کے گرد اکٹھا کیا جائے گا۔ (۱۹ : ۴۱) - (۲۰ : ۴۶) - (۳۴ : ۴۶) - (۱۳ : ۵۱) -
(۱۳ : ۵۲)

۵۹۔ خدا کی سخت گرفت کا دن ۔ (۱۶ : ۴۴)

۶۰۔ جن باتوں کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ۔ اس دن وہ سب سامنے آجائیں گی ۔ (۳۵ : ۴۶)

۶۱۔ یوم الوعید ۔ (۱۰۳ : ۲۱) ۔ (۸۳ : ۴۳) ۔ (۲۰ : ۵۰) ۔ (۶۰ : ۵۱) ۔ (۴۲ : ۷۰) ۔ (۴۴ : ۷۰) ۔ (۲ : ۸۵)

۶۲۔ نگاہوں پر سے پردے اٹھ جائیں گے ۔ نظریں بجلیاں بن جائیں گی ۔ (۲۲ : ۵۰)

۶۳۔ جس دن جہنم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو بھر گیا ہے ؟ تو وہ کہے گا کہ نہیں ۔ اور..... (۳۰ : ۵۰)

۶۴۔ یوم الخلود ۔ (۳۴ : ۵۰) ۔ یوم الخروج ۔ (۴۲ : ۵۰)

۶۵۔ جس دن منادی کرنے والا منادی کرے گا ۔ (۳۲ : ۴۰) ۔ (۴۱ : ۵۰) ۔ (۶ : ۵۴) ۔ (۸ : ۵۴)

۶۶۔ جس دن صیحۃ (کڑک) کی آواز آئے گی ۔ (۴۲ : ۵۰) ۔ (۶۷) ۔ جس دن ان کی کوئی تدبیر ان کے کسی کام نہیں آئے گی ۔ (۴۶ : ۵۲)

۶۸۔ جس دن منافق مومنین سے کہیں گے کہ ہماری طرف بھی نظر عنایت کرو ۔ (۱۳ : ۵۷)

۶۹۔ یوم التغابن (۹ : ۶۴) ۔ (۷۰) ۔ جس دن خدا نبیوں کو اور مومنین کو رسوا نہیں کرے گا ۔ (۸ : ۶۶)

۷۱۔ کشفِ ساق کا دن ۔ (۴۲ : ۶۸) ۔ (۷۲) ۔ جس دن وہ قبروں سے نکلیں گے ۔ (۴۳ : ۷۰)

۷۳۔ یَوْمٌ عَسِیْرٌ (۲۶ : ۲۵) ۔ (۹ : ۷۴) ۔ عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا (۱۰ : ۷۶) ۔ یَوْمًا ثَقِیْلًا
(۲۷ : ۷۶) ۔ (۷۴) ۔ یَوْمُ الْحَقِّ (۳۹ : ۷۸)

۷۵۔ اس دن وہ یوں محسوس کریں گے جیسے ایک آدھ گھڑی رہے ہوں ۔ (۲۵۹ : ۲) ۔ (۱۰۴ : ۲۰) ۔ (۱۱۳ : ۲۳)
(۴۶ : ۷۹) ۔ (۷۶) ۔ جس دن مومن، کفار پر ہنسیں گے ۔ (۳۴ : ۸۳)

۷۷۔ جس دن راز سب بے نقاب ہو جائیں گے ۔ (۱۸ : ۶۹) ۔ (۹ : ۸۶)

۷۸۔ جس دن قلب و نگاہ میں تبدیلی آجائے گی ۔ (۳۷ : ۲۴) ۔ (۷۹) ۔ جس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے ۔ (۱۷ : ۷۳)

۸۰۔ جس دن کی بابت رسول متنبہ کیا کرتے تھے ۔ (۱۳۰ : ۶) ۔ (۷۱ : ۳۹)

۸۱۔ تم نے اس دن کو بھلا رکھا تھا ۔ اب اس کا مزہ چکھو ۔ (۱۴ : ۳۲) ۔ (۸۲) جس دن انہیں سزا ملے گی ۔ (۴۵ : ۵۲)

۸۳۔ جس سے اس دن کا عذاب ٹل گیا اس پر خدا کی رحمت ہو گئی ۔ (۱۶ : ۶) ۔ (۹ : ۴۰)

۸۴۔ اس دن وزن بالکل ٹھیک ٹھیک کیا جائے گا ۔ (۸ : ۷)

۸۵۔ اس دن مجرمین زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے ۔ (۴۹ : ۱۴)

۸۶۔ اس دن جہنم کافروں کے سامنے نمودار ہو جائے گا ۔ (۱۰۰ : ۱۸) ۔ (۲۳ : ۸۹)

۸۷۔ جس دن ملائکہ سامنے آ گئے تو وہ دن مجرمین کے لئے کسی خوشخبری کا نہیں ہو گا۔ (۲۲ : ۲۵)

۸۸۔ اس دن نہ کہیں پناہ مل سکے گی، نہ ہی کوئی اپنے جرائم سے انکار کر سکے گا۔ (۴۷ : ۴۲)۔ نہ کہیں بھاگ سکے گا۔ (۱۰ : ۸۵)

۸۹۔ اس دن سب کی دوستیاں چھوٹ جائیں گی بجز متقین کے۔ (۶۷ : ۴۳)

۹۰۔ اس دن مبطلین بہت خسارے میں رہیں گے۔ (۲۷ : ۴۵) ۔ (۹۱)۔ اس دن جو کچھ واقع ہونا ہے واقع ہو جائے گا۔ (۱۵ : ۶۹)

۹۲۔ اس دن آٹھ (ملائکہ) خدا کا عرش اٹھائے ہوں گے۔ (۱۷ : ۶۹)

۹۳۔ اس دن خدا کی طرف مستقر ہو گا۔ (۱۲ : ۷۵) – (۳۰ : ۷۵)

۹۴۔ اس دن مکذبین کے لئے تباہی ہو گی۔ (۴۹ ؛ ۴۷ ؛ ۴۵ ؛ ۴۰ ؛ ۳۷ ؛ ۳۴ ؛ ۲۸ ؛ ۲۴ ؛ ۱۹ ؛ ۱۵ : ۷۷) –
(۱۱ : ۸۳) – (۹۵)۔ اس دن ہر ایک اپنی بپتا میں مصروف ہو گا۔ (۳۷ : ۸۰)

۹۶۔ اپنے رب سے محجوب ہوں گے۔ (۱۵ : ۸۳)

۹۷۔ اس دن انسان پچھلی باتوں کو یاد کرے گا لیکن اس کا کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ (۲۳ : ۸۹)

۹۸۔ اس دن خدا کے عذاب جیسا عذاب کوئی نہیں ہو گا۔ (۲۵ : ۸۹)

۹۹۔ اس دن لوگ پریشان حال، بکھرے ہوئے نکلیں گے کہ اپنے اعمال دیکھ لیں۔ (۶ : ۹۹)

۱۰۰۔ ان کا رب ان سب کے متعلق خبیر ہو گا۔ (۱۱ : ۱۰۰)

۱۰۱۔ اس دن لوگوں سے نعمائے خداوندی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (۸ : ۱۰۲)

۱۰۲۔ ہر شخص کے ساتھ ایک نگران (شہید) اور ایک سائق (ہانکنے والا) ہو گا۔ (۲۱ : ۵۰)

انقلاب کی تفصیلات

۱۔ جس دن پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور زمین ابھر آئے گی۔ (۴۷ : ۱۸) – (۱۰۵ – ۱۰۷ : ۲۰) – (۸۸ : ۲۷)
(۹ : ۵۲) – (۱۱ : ۵۲) – (۴–۶ : ۵۶) – (۱۳–۱۴ : ۶۹) – (۱۰ : ۷۷) – (۲۰ : ۷۸) – (۳ : ۸۱)

۲۔ جس دن آسمان لپیٹ دیا جائے گا۔ جس طرح رجسٹر لپیٹے جاتے ہیں۔ (۱۰۴ : ۲۱)

۳۔ جس دن آسمان پھٹ جائے گا۔ اور ملائکہ اتریں گے۔ وہ دن مجرمین کے لئے خوش آئند نہیں ہو گا۔ (۲۵ ؛ ۲۲ : ۲۵)
(۱۶ : ۶۹) – (۱۹ : ۷۸)

۴۔ جس دن دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں کو چھوڑ دیں گی۔ اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں اور لوگ یوں ہوں گے جیسے

نشہ میں ہوں۔ (۲ : ۲۲)

۵۔ جس دن آسمان ایک واضح دھوئیں کی شکل میں سامنے آئے گا۔ (۱۰ : ۴۴)

۶۔ جس دن زمین پھٹ جائے گی۔ (۴۴ : ۵۰)

۷۔ جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ (۸ : ۷۰)۔ (۱۸؛ ۱۳-۱۴ : ۷۳)۔ دھنی ہوئی روئی کی طرح۔ (۹ : ۷۰)۔ (۹ : ۷۷)۔ (۱ : ۸۲)۔ (۱-۲ : ۸۴)۔ (۵ : ۱۰۱)

۸۔ جس دن ایک زلزلہ انگیز جھٹکا آئے گا۔ (۲ : ۷۹)۔ (۱ : ۹۹)۔ (۹)۔ جس دن صاخّۃ آئے گی۔ (۳۴ : ۸۰)

۱۰۔ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ (۴ : ۱۰۱)

۱۱۔ اس دن زمین اپنی خبریں باہر لے آئے گی۔ (۵-۳ : ۸۴)۔ (۴-۲ : ۹۹)۔ دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا۔(۲۱:۸۹)

۱۲۔ ہر بستی کو قیامت سے پہلے ہلاک کر دیا جائے گا۔ (۵۸ : ۱۷)

۱۳۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔(۶۹ : ۳۹)۔ (۱۴)۔ وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ (۱۸ : ۷۳)

۱۵۔ چاند بے نور ہو جائے گا۔ چاند اور سورج جمع ہو جائیں گے۔ (۹-۸ : ۷۵)۔ (۸ : ۷۷)۔ (۱-۲ : ۸۱)۔ (۲ : ۸۲)۔ (۱۶)۔ جب گیا بھن اُونٹنیاں بے کار پھریں گی۔ وحشی جانور جمع ہو جائیں گے۔ سمندر موجزن ہوں گے۔ (۴-۶ : ۸۱)۔ (۳ : ۸۲)

۱۷۔ جب مؤدۃ سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔ (۸-۷ : ۸۱)

۱۸۔ جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔ (۴ : ۸۲)۔ (۹-۱۱ : ۱۰۰)

فرادیٰ

اگرچہ قرآن کریم میں قیامت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ وہاں سب کو اکٹھا کیا جائے گا۔ (دیکھئے عنوان حشر) لیکن بعض مقامات میں کہا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے، اکیلا سامنے آئے گا۔ انفرادیت (INDIVIDUALITY) انسانی ذات کی بنیادی خصوصیت ہے اور قانونِ مکافاتِ عمل کا نقطۂ ماسکہ ہی انفرادیت ہے۔ یعنی ہر شخص خود اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور وہی اس کے نتائج بھگتے گا۔ اس لئے فرادیٰ کے معنی یہ بھی ہیں۔ نیز یہ بھی کہ دنیا میں جس جس چیز کو انسان "میری" کہتا ہے۔ میرا مال۔ میری اولاد۔ میرا جسم۔ یہ سب یہاں رہ جائیں گے، اور صرف "میں" (انسانی ذات) آگے جائے گی۔ فرادیٰ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے۔ اور یہ بھی کہ وہاں کوئی کسی کا ساتھی نہیں ہو گا۔ یار و مددگار نہیں ہو گا۔

۱۔ ہم انسان کے اعمال لکھ لیتے ہیں اور وہ ہمارے حضور فرداً آئے گا۔ (۸۰ : ۱۹) - (۹۵ : ۱۹)

۲۔ تم ہمارے پاس اسی طرح فرادیٰ آؤگے جس طرح تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے۔ وہ سب پیچھے چھوڑ آؤ گے۔ (۹۵ : ۶) - (۴۸ : ۱۸)

متفرق

۱۔ "قیامت کے دن تک" کے معنی لمبی مدت یا عرصہ تک کے لئے۔ متبعین حضرت عیسٰیؑ قیامت تک کفار پر غالب رہیں گے۔ (۵۵ : ۳) - عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں قیامت تک باہمی عداوت۔ (۱۴ : ۵) - یہودیوں میں بھی۔ (۶۴ : ۵) مستبدقومیں یہودیوں کو قیامت تک عذاب دیں گی۔ (۱۶۷ : ۷) - اگر قیامت رات ہی رات یا دن ہی دن رہے تو ...... (۷۲-۷۱ : ۲۸) - معبودانِ باطل قیامت تک بات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ (۵ : ۴۶) - کیا تم نے قیامت کے لئے خدا سے کوئی قسم لے رکھی ہے۔ (۳۹ : ۶۸)

۲۔ یوم الاحزاب اور یوم التناد، جنگوں کے لئے کہا گیا ہے۔ (۳۲ ؛ ۳۰ : ۴۰) - (۴۱ : ۵۰) - (۴۲ : ۵۰)

۳۔ جس دور میں شراکر کر لگ جائے گا۔ (۷ : ۶۷) - (۴) - ہر بستی کو قیامت سے پہلے ہلاک کر دیا جائے گا۔ (۵۸ : ۱۷)

(۰)

قیدی

قیدیوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی جرم کی سزا میں قید خانہ میں بند ہوں۔ قرآن کریم نے قید کو تصریحاً سزا کے طور پر تجویز نہیں کیا۔ (وہ مجرم کو بدنی سزا ہی دیتا ہے) - البتہ وہ عندالضرورت، نظر بندی کی حد تک یا بندی تجویز کرتا ہے۔ (تفصیل ان امور کی جرم اور سزا کے عنوانوں میں ملے گی) - زیرِ نظر عنوان میں اس قسم کے قیدیوں کا ذکر نہیں آئے گا۔ دوسری قسم جنگ کے قیدیوں کی ہے۔ جن کا ذکر "غلام اور لونڈیاں" کے عنوان میں آچکا ہے۔ تیسری قسم کے لئے قرآن میں "فی الرقاب" کی اصطلاح آئی ہے۔ اس کے معنی درحقیقت وہ لوگ ہیں جنہیں اس زمانے میں پکڑ کر غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اُس دورِ جہالت میں تو فی الرقاب (جن کی گردن میں طوق ڈال رکھا ہو) کی ایک ہی قسم ہوتی تھی لیکن ہمارے اس دورِ تہذیب میں اس کی متعدد قسمیں ہیں۔ اور وہ قسمیں ایسی ہیں کہ اُن کے طوق محسوس طور پر کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ حالانکہ جن کی گردنوں میں وہ طوق پڑے ہوتے ہیں، خود انہیں

بھی وہ کہیں نظر نہیں آتے۔ لیکن وہ بندھے ہوئے اس طرح ہوتے ہیں کہ ان کے جسم تو آزاد ہوتے ہیں لیکن قلب و دماغ محبوس اور روح مقید۔ قرآن نے "بندھی ہوئی گردنوں" (فی الرقاب) کے چھڑانے کو بڑا کارِ خیر بتایا ہے۔

جنگ کے قیدی

۱- جہاد سے مقصد دشمن کی قوت کا توڑنا ہے نہ کہ زرِ فدیہ حاصل کرنے کی غرض سے دشمن کو گرفتار کر کے قیدی بنانا۔ (۸: ۶۷) جب دشمن کی قوت ٹوٹ جائے تو پھر مغلوب ہو جانے والوں کو قیدی بنایا جائے گا۔ انہیں اپنے قیدیوں کے تبادلے میں رہا کیا جائے گا یا زرِ فدیہ لے کر۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر بطور احسان چھوڑ دینا ہو گا۔ جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کا حکم یا اجازت قرآن میں کہیں نہیں۔ (۴۷ : ۴)۔ جن قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے ان سے کہہ دیا جائے کہ اگر انہوں نے خیر سگالی کا ثبوت دیا تو ان سے بعد میں بھی بہت اچھا سلوک کیا جائے گا۔ (۸: ۷۰) - (۲) - غزوۂ خندق کے قیدی۔ (۲۶ : ۳۳)

۳- یہودی، پہلے اپنے غریب لوگوں کو گھروں سے باہر نکال دیتے تھے۔ اور جب انہیں دوسرے لوگ قید کر لیتے تو انہیں فدیہ دے کر چھڑا لاتے اور اسے بڑے ثواب کا کام سمجھتے۔ قرآن نے اس پر سخت زجر و توبیخ کی ہے اور کہا ہے کہ یہ کتاب کے ایک حصے پر ایمان لانا اور اس کے دوسرے حصے سے کفر برتنا ہے۔ اس کا نتیجہ دنیا میں ذلت اور عقبیٰ میں عذاب شدید ہو گا۔ (۲ : ۸۵)۔ آج اس کی شکل یوں سمجھئے کہ معاشرہ میں ایسے حالات پیدا کرنا کہ لوگ نانِ شبینہ تک کیلئے محتاج ہو جائیں اور پھر صدقہ اور خیرات سے ان کی مدد کر کے سمجھنا کہ ہم بڑا کارِ ثواب کر رہے ہیں۔

۴- اسیروں کو کھانا کھلانا بڑی نیکی کا کام ہے۔ (۸ : ۷۶)

۵- بغاوت سنگین ترین جرم ہے لیکن جو باغی، مغلوب ہونے سے پہلے تائب ہو جائیں ان کے لئے معافی کی گنجائش ہے (۵:۳۴)

فی الرّقاب

۱- اس زمانے کے غلاموں کے معنی میں

غلام کو آزاد کرانا بطور کفارہ - (۴ : ۹۲) - (۵ : ۸۹) - (۴ : ۵۸)

(مزید تفصیل "غلامی" کے عنوان میں دیکھئے)

۲- عام معانی میں

فکّ الرقبۃ "بندھی ہوئی گردنوں کا آزاد کرانا" من عزم الامور اور دین کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے۔ (۱۳ : ۹۰) انہیں مال دینا، اصل نیکی ہے۔ (۱۷۷ : ۲)۔ صدقات کے مصارف میں ایک مد یہ بھی ہے۔ (۶۰ : ۹)۔ یعنی غلام اقوام کو آزاد کرانا۔ اور محتاجوں اور محکوموں کو سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنانا۔

ل ف

۱- کامیابی - ناکامی

فلاح - فوز

قرآن کریم میں، کامیابی کے لئے فلاح اور فوز کے الفاظ آئے ہیں۔ فلاح، کھیتی کے پروان چڑھنے کو کہتے ہیں۔ اس سے کامیابی کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے۔ کھیتی اس کی پروان چڑھتی ہے جو قانونِ خداوندی کےمطابق محنت کرتا ہے۔ ان میں سے ایک چیز کی بھی کمی رہ جائے تو کھیتی پروان نہیں چڑھ سکتی۔ جب یوں محنت کی جائے تو پھر ایک ایک دانہ سے سو سو دانے اُگتے ہیں۔

فوز کے معنی ہوتے ہیں اپنی آرزوؤں کو پالینا۔ حاصل کرلینا۔ کچھ (ACHIEVE) کرلینا۔

عام مذاہب میں انسانی زندگی کی تگ و تاز کا منتہیٰ "نجات" قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس سے مقصود ہوتا ہے کسی مصیبت سے چھٹکارا پاکر پھر ایسا ہو جانا جیسا وہ اس مصیبت میں پھنسنے سے پہلے تھا۔ یعنی یہ سب جد و جہد کسی مقصد کو حاصل کرنے یا آگے بڑھنے کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ کسی مصیبت سے چھوٹ جانے کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی یہ پروگرام منفی (NEGATIVE) حیثیت لئے ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ مثبت (POSITIVE) نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں فلاح و فوز ایک مثبت نتیجہ کی حامل ہوتی ہے۔ جس سے مراد اپنے مقصود کو حاصل کرلینا اور زندگی کے ارتقائی مراحل میں آگے بڑھ جانا ہے۔ (اس ضمن میں نجات

اور ہلاکت کے عنوانات بھی دیکھئے)

قرآن کریم میں فلاح کے مقابلہ میں خاب کا لفظ آیا ہے۔ الخیاب اس چقماق کو کہتے ہیں۔ جس سے آگ نہ نکلے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ناکام انسان وہ ہے جس کی صلاحیتیں دبی کی دبی رہ جائیں اور ان کی نمود اور نشوونما نہ ہو۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے تصورِ زندگی کی رُو سے، کامیابی سے مراد اس دنیا کی سرفرازیاں اور سربلندیاں اور اخروی زندگی کی کامیابیاں اور کامرانیاں، دونوں ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کی بھی کمی ہے تو وہ کامیاب زندگی نہیں، ناکام ہے۔

کامیاب کون ہوتا ہے

۱۔ مومن یقیناً کامیاب ہوں گے۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ قیام صلوٰۃ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا انتظام کرتے ہیں۔ لغو سے اجتناب برتتے ہیں۔ اپنی عفت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اپنی امانات اور عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔ (۹-۱ : ۲۳)

۲۔ جس نے اپنی ذات (نفس) کی نشوونما کر لی وہ کامیاب ہو گیا۔ جس نے اس کی صلاحیتوں کو دبائے رکھا وہ ناکام رہا ——— (۱۴ : ۸۷) - (۱۰-۹ : ۹۱)

۳۔ کامیابی، قوانینِ خداوندی کی نگہداشت (تقویٰ) سے ہوتی ہے۔ (۱۸۹ : ۲) - (۱۲۹ : ۳) - (۲۰۰ : ۳)

۴۔ تقویٰ اور جہاد سے کامیابی ہوتی ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کی نگہداشت اور انہیں عملی نظام بنانے کے لئے مسلسل جدوجہد۔ (۳۵ : ۵) - (۵) - اربابِ علم و بصیرت اگر تقویٰ اختیار کریں تو کامیاب ہو جائیں گے۔ (۱۰۰ : ۵)

۶۔ خدا کی طرف سے جو جو قوتیں اور نعمتیں ملی ہوں۔ انہیں پیشِ نظر رکھنے سے کامیابی ہوتی ہے۔ (۶۹ : ۷)

۷۔ اجتماعی طور پر، خدا کے متعین کردہ راستے کی طرف لوٹ آنے سے کامیابی ملتی ہے۔ (۳۱ : ۲۴)

۸۔ صلوٰۃ الجمعہ کے بعد، تلاشِ معاش میں نکل کھڑے ہو اور اس میں قوانینِ خداوندی کو سامنے رکھو اس سے کامیابی نصیب ہو گی۔ (۱۰ : ۶۲)

۹۔ متقین، جو وحی کی صداقتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ قیام صلوٰۃ کرتے ہیں۔ سامانِ زیست، نوعِ انسان کی نشوونما کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ یہ کامیاب ہیں۔ (۴-۲ : ۲) - (۵-۲ : ۳۱)

۱۰۔ امتِ مسلمہ جو لوگوں کو نظامِ خداوندی کی طرف دعوت دیتی ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہے، کامیاب رہے گی۔ (۱۰۴ - ۳)

۱۱۔ جان و مال سے جہاد کرنے والے مومن کامیاب رہیں گے۔ (۸۸ : ۹) - ان کے لئے جنت ہے۔ (۸۹ : ۹)

۱۲۔ اپنے تمام معاملات میں نظامِ خداوندی کو حکم تسلیم کرنا اور اس کے فیصلوں کو بطیبِ خاطر تسلیم کر لینا۔ یہ ہے کامیابی کا راز۔ (۵۱ : ۲۴)

۱۳۔ ضرورت مندوں کا حق ادا کر دینے والے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ (۳۸ : ۳۰)

۱۴۔ جس کے حسنِ عمل کا پلڑا جھک جائے، وہ کامیاب ہوتا ہے۔ (۸ : ۷) – (۱۰۲ : ۲۳)

۱۵۔ جو دوسروں کی ضروریات کو اپنے پر ترجیح دے اور دوسروں کو پیچھے ہٹا کر، سب کچھ اپنے لئے سمیٹ لینے کے جذبے سے بچ جائے، وہ کامیاب ہو گا۔ (۹ : ۵۹) – (۱۶ : ۶۴)

۱۶۔ رسولؐ پر ایمان لا کر اس کے قائم کردہ نظام کو تقویت پہنچانے والے۔ اور قرآن کا اتباع کرنے والے، کامیاب ہوں گے۔ (۷ : ۱۵۷)

۱۷۔ حزب اللہ کامیاب ہو گا۔ یہ لوگ، ان سے دوست داری کے تعلقات نہیں رکھ سکتے جو خدا اور رسولؐ (نظامِ خداوندی) کی مخالفت کریں، خواہ وہ ان کے کتنے ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہوں۔ (۲۲ : ۵۸)

۱۸۔ لغزش ہو جانے کے بعد، جو لوٹ آئے۔ پھر ابدی صداقتوں پر یقین کرے اور عملِ صالح سرانجام دے۔ تو وہ بھی کامیاب ہو جائے گا۔ (۶۷ : ۲۸)

۱۹۔ چھوٹے چھوٹے سے خیرات کے کاموں کو نیکیاں سمجھ لینا، خود فریبی ہے۔ فائز المرام وہ ہوں گے جو خدا کی راہ میں مسلسل جدوجہد کریں اور اس کے لئے جو کچھ چھوڑنا پڑے، اسے بطیبِ خاطر چھوڑ دیں۔ (۲۰ : ۹)

۲۰۔ ایمان کے بعد، ہر خطرہ کا مقابلہ ثابت قدمی سے کرنے والے، فائز المرام ہوتے ہیں۔ (۱۱۱ : ۲۳)

۲۱۔ اللہ اور رسول (نظامِ خداوندی) کی اطاعت کرنے والے فائز المرام ہوں گے۔ (۵۲ : ۲۴)

۲۲۔ اصحاب الجنۃ، فائز المرام ہوں گے۔ (۳۰ : ۴۵) – (۲۰ : ۵۹) – (۱۲ : ۶۱) – (۱۱ : ۸۵)

۲۳۔ ابدی صداقتوں پر ایمان۔ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت۔ صلاحیت بخش اعمال۔ خدا و رسول (نظامِ خداوندی) کی اطاعت۔ اس سے زندگی بامراد ہو گی۔ (۷۰-۷۱ : ۳۳)

۲۴۔ متقین (اپنے فرائض کی نگہداشت کرنے والوں) کی زندگی بامراد ہو گی۔ (۳۱ : ۷۸)

۲۵۔ متقیوں کی مفازات (ACHIEVEMENTS) اس قدر ہوں گی کہ ان کی وجہ سے انہیں تباہی سے محفوظ رکھا جائے گا۔ انہیں کوئی ناخوشگواری چھو تک نہیں سکے گی۔ اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی افسردگی اور دل گرفتگی ہو گی۔ (۶۱ : ۳۹)۔ (۵۶ : ۴۴)

۲۶- جو عذابِ نار سے بچ گیا اور جنت میں چلا گیا وہ کامیاب ہے -(۱۸۴ : ۳) -(۱۳ : ۴) - (۱۶ : ۶)-(۸۹ : ۹)
(۱۰۰ : ۹)-(۶۱-۶۰ : ۳۷)-(۳۰ : ۹)-(۴۸ : ۵)-(۶۴ : ۹)

۲۷- خود ثابت قدم رہے - دوسروں کی ثابت قدم رہنے میں مدد کرے - ربطِ باہمی قائم رکھے - اس سے کامیابی نصیب ہوگی -
(۱۹۹ : ۳) - (۲۸) - خمر- میسر- انصاب- ازلام سے مجتنب رہنے سے کامیابی ہوگی - (۹۰ : ۵)

۲۹- قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جانا - اور اس کے قوانین کے نتائج کا ان کے اعمال سے ہم آہنگ ہو جانا - یہ بڑی
کامیابی ہے - (۱۱۹ : ۵) - رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ - (۷۲ : ۹)

۳۰- جو تباہی سے بچا لیا جائے اور خدا کی رحمت کے سایہ تلے آجائے، وہ کامیاب ہوتا ہے - (۱۶ : ۶)

۳۱- میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے، اور قوانینِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے سے کامیابی مل سکتی ہے - (۴۵ : ۸) -

۳۲- خدا کے ہاتھ جان و مال بیچ کر، میدانِ جنگ میں نکل کھڑے ہونا اور اس طرح جنت حاصل کر لینا، بہت بڑی کامیابی
ہے - (۱۱۱ : ۹)

۳۳- خدا کے دوست، یعنی ایمان و تقویٰ والے - ان پر کوئی خوف و حزن نہیں ہوتا - ان کی دنیاوی زندگی بھی خوشگوار
ہوتی ہے - اور حیاتِ آخرت بھی - (۶۴ - ۶۲ : ۱۰)

۳۴- آخرالامر کامیابی اسی کے لئے ہے جو سیدھے راستے پر ہو - (۱۳۵ : ۲۰)

۳۵- مومن جو دل کے پورے جھکاؤ سے خدا کی محکومیت اختیار کرتے ہیں - فلاح و بہبود کے کام کرتے ہیں - خدا کے لئے مسلسل جہاد
میں مصروف رہتے ہیں - وہ کامیاب ہوتے ہیں - (۷۷ : ۲۲)

۳۶- جنت میں ایمان والوں کا نور ان کے آگے آگے جا رہا ہوگا - یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی - (۱۲ : ۵۷)

کون کامیاب نہیں ہو سکتا

۱- ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا - (۲۱ : ۶) - (۲۳ : ۱۲) - (۳۷ : ۲۸) - وہ تباہ ہو جاتا ہے - (۱۳۶ : ۶) - (۱۱۱ : ۲۰)

۲- قوانینِ خداوندی سے انکار کرنے والے اور سرکشی برتنے والے، (کفار) کامیاب نہیں ہو سکتے - (۱۱۷ : ۲۳) - (۸۲ : ۲۸)

۳- باطل پرست مذہبی پیشوائیت - جھوٹ کو سچ کے لباس میں پیش کر کے دھوکا دینے والے (ساحرین) کامیاب
نہیں ہو سکتے - (۷۷ : ۱۰) - (۶۹ : ۲۰)

۴- جو اپنے ذہن سے ایک بات وضع کرتا ہے اور اسے خدا کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا - (۶۹ : ۱۰)

(۱۱۶ : ۱۶) - وہ تباہ ہوجاتا ہے۔ (۱۷ : ۱۰) - (۶۱ : ۲۰)

۵۔ جس نے اپنی ذات کو دبائے رکھا وہ ناکام ونامراد رہا - اور تباہ و برباد ہوگیا۔ (۱۰ - ۹ : ۹۱)

۶۔ ہر جابر اور سرکش، ناکام اور برباد ہوتا ہے۔ (۱۵ : ۱۴) - ان کی بربادی سے مراد یہ ہے کہ ان کا اقتدار ومملکت چھین کر، جماعتِ مومنین کے ہاتھ میں آجائیں گے۔ (۱۴ : ۱۴) - یہی ان کی ہلاکت ہے - (۱۳ : ۱۴)

۷۔ مجرمین کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ (۱۷ : ۱۰)

۸۔ ہوسکتا ہے کہ مفتری علی اللہ کو متاعِ دنیا مل جائے لیکن وہ آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہوگا۔ (۷۰ - ۶۹ : ۱۰)

غلبہ واقتدار

۱۔ کفار مغلوب ہوں گے۔ (۱۲ : ۳)

۲۔ اگر خدا تمہاری مدد کرے تو تم پہ کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (۱۵۹ : ۳) -لیکن خدا اس کی مدد کرتا ہے جو خدا (کے دین) کی مدد کرتا ہے۔ (۴۰ : ۲۲)

متفرق

۱۔ منافقین کے نزدیک مالِ غنیمت کا مل جانا بڑی کامیابی تھی۔ (۷۳ : ۴)

(۰)

۲۔ کتاب

عربوں کے ہاں، جب منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کردی جاتی تھی تو اسے کتاب کہا جاتا تھا - کتاب کی آج بھی وہی شکل ہوتی ہے۔ لیکن کتاب کے بنیادی معنوں میں قانون، یا جو کچھ کسی پر واجب قرار دیا جائے، بھی داخل ہے -قرآن کریم کو کتاب کہا گیا ہے تو اس میں دونوں معانی شامل ہیں - یعنی قانونِ زندگی - ضابطۂ حیات - فرائض وواجبات کا نوشتہ - اور کتاب بمعنی - (Book) بھی۔ اس سے واضح ہے کہ نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں قرآن کتابی شکل میں مدون ہوچکا تھا۔ اسی طرح سابقہ انبیاء کرام کی وحی کو بھی کتاب کہا گیا ہے - بالفاظِ دیگر نبی کی طرف نازل ہونے والی وحی کو کتاب کہا گیا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح نبی بغیر وحی کا

تصور غلط ہے، اسی طرح نبی بغیر کتاب کا بھی تصور غلط ہے۔

٢- "اہل الکتاب" قرآن کی خاص اصطلاح ہے۔ اس کے لئے دیکھئے عنوان "اہل الکتاب"۔ لیکن بعض مقامات پر ان کے لئے الذین اوتوا الکتاب" بھی آیا ہے۔ انہیں زیرِ نظر عنوان میں لکھا گیا ہے۔ الذین اوتوا الکتاب یا الذین اتینٰھم الکتاب میں بعض جگہ خود مؤمنین (مسلمان) بھی مراد ہیں۔ انہیں "کتاب بمعنی قرآن" کے تحت لکھا گیا ہے۔

٣- بعض مقامات پر کتاب کے لئے صحف کا لفظ بھی آیا ہے۔

٤- "کتاب" کا لفظ واحد اور جمع دونوں صیغوں کے لئے آتا ہے۔ جمع کے لئے دیکھئے۔ (١٧٧ : ٢) - (٢١٣ : ٢) - (٨٠ : ٣) - (١٣٦ : ٤) - (٤٨ : ٥) - (٢٥ : ٥٧)

کتاب بمعنی قرآن کریم

١- اس کتاب میں کوئی بات ریب و تشکیک پیدا کرنے والی نہیں۔ (٢ : ٢) - (٢ : ٣٢)

٢- کتاب جو سابقہ آسمانی تعلیم کی مصدق ہے۔ (٨٩ : ٢) - (٣ : ٣) - (٤٨ : ٥) - (٩٢ : ٦) - (٣٧ : ١٠) - (١٢ : ٣٦)

٣- جنہیں یہ کتاب دی گئی ہے وہ اس کی پوری پوری پیروی (تلاوت) کرتے ہیں۔ (١٢١ : ٢) - وہ جانتے ہیں کہ یہ منزل من اللہ ہے۔ (١١٤ : ٦) - وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ (٣٦ : ١٣) - الذین اوتوا الکتاب اور مومنین —— دو مختلف مدارج۔ (٣١ : ٧٤)

٤- حضورؐ کا فریضہ تعلیمِ کتاب تھا۔ (١٢٩ : ٢) - (١٥١ : ٢) - (١٦٤ : ٣) - (٢ : ٦٢)

٥- قرآن میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ (١٥٩ : ٢) - (٦) - جو کچھ کتاب میں لکھا ہے اس کا کتمان کرنیوالے۔ (١٧٤ : ٢)

٦- خدا نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ نیز اس کی خصوصیات و مقاصد۔ (١٧٦ : ٢) - (٢٢١ : ٢) - (٧ : ٣) - (١٠٥ : ٤) - (١١٣ : ٤) - (٤٨ : ٥) - (١٩٦ : ٧) - (١ : ١٤) - (٦٤ : ١٦) - (٨٩ : ١٦) - (١ : ١٨) - (٢٨ : ١٨) - (٤٥ : ٢٩) - (٤٧ : ٢٩) - (٥١ : ٢٩) - (٣١ : ٣٥) - (٢٧ : ٣٧) - (١-٢ : ٣٩) - (٤١ : ٣٩) - (٢ : ٤٠) - (١٧ : ٤٢) - (٢ : ٤٣) - (٢ : ٤٥) - (٢ : ٤٦)

٨- قرآن کی محکمات ام الکتاب ہیں۔ (٧ : ٣) - الحکمت آیاتہ۔ (١ : ١١)

٩- اہلِ کتاب کو دعوت کہ وہ قرآن کی رو سے اپنے فیصلے کرائیں۔ (٢٢ : ٣)

۱۰۔ رسول بھی امت سے یہی کہتا تھا کہ تم قرآن کے ذریعے ربانی بن جاؤ۔ (۳ : ۷۹)

۱۱۔ کتاب میں یتامی النساء کی بابت حکم۔ (۴ : ۱۲۷)

۱۲۔ قرآن پہ ایمان لانے کا حکم۔ اس کے لئے عنوان "کتبِ سابقہ" دیکھئے جس میں ایمان بالکتب کا ذکر ہے۔ کتب میں کتب سابقہ اور قرآن سب شامل ہیں۔ یہاں وہ حوالے دیئے جائیں گے۔ جن میں بالخصوص قرآن پہ ایمان لانے کے لئے کہا گیا ہے۔ (۲ : ۴۱)-(۲ : ۹۱)-(۴ : ۴۷)-(۴۷ : ۲)-(۶۴ : ۸)

خود مسلمانوں (پیدائشی مسلمانوں) کو قرآن پر ایمان لانے کا حکم۔ (۴ : ۱۳۶)-(۵۷ : ۲۸)

۱۳۔ قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں دین سے استہزا ہو رہا ہو وہاں مت بیٹھو۔ (۴ : ۱۴۰)

۱۴۔ خدا کی طرف سے نور و کتاب مبین آگئی۔ (نور یعنی کتاب مبین)۔ (۵ : ۱۵)

۱۵۔ کتاب میں کسی ایسی بات کو چھوڑا نہیں گیا جس کا بیان کرنا ضروری تھا۔ (۶ : ۳۸)-(۶ : ۵۹)-(۱۰ : ۶۱)-(۳۴ : ۳)

۱۶۔ کتابِ مفصل۔ اس کے علاوہ اور کونسی چیز حکم ہو سکتی ہے۔ (۶ : ۱۱۴)-(۷ : ۵۲)-(۱۰ : ۳۷)-(۱۱ : ۱)-(۲۹ : ۵۱)-(۴۱ : ۳)-(۱۷)۔ اس کتابِ مبارک کا اتباع کرو۔ (۶ : ۱۵۵)

۱۸۔ یہ کتاب نازل کی گئی تاکہ تم (اولین مخاطبِ قرآن) یہ نہ کہو کہ اگر ہماری طرف کتاب بھیجی جاتی تو ہم ان سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ (۶ : ۱۵۶)-(۱۹)۔ اس کتاب کے نزول کے بعد سینوں میں ضیق نہیں رہنا چاہیئے۔ (۷ : ۲)

۲۰۔ تمسک بالکتاب۔ (۷ : ۱۷۰)-(۲۱)۔ کتاب اللہ میں اولوالارحام کے حقوق۔ (۸ : ۷۵)-(۳۳ : ۶)

۲۲۔ کتاب اللہ میں عدت الشہور۔ (۹ : ۳۶)

۲۳ یہ کتابِ حکیم کی آیات ہیں۔ (۱۰ : ۱)-(۱۲ : ۱)-(۱۳ : ۱)-(۱۵ : ۱)-(۲۶ : ۲)-(۲۷ : ۱)-(۲۸ : ۲)-(۳۱ : ۲)

۲۴۔ اس کتاب میں مریم کا ذکر کر۔ (۱۹ : ۱۶)۔ مختلف انبیاء کا۔ (۱۹ : ۴۱؛ ۵۱؛ ۵۴؛ ۵۶)

۲۵۔ کتابِ منیر۔ (۲۲ : ۸)-(۳۱ : ۲۰)

۲۶۔ تجھے توقع ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ تجھے کتاب دی جائے گی۔ (۲۸ : ۸۶)۔ اس سے پہلے آپ پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ (۲۹ : ۴۸)۔ جانتے نہیں تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے۔ (۴۲ : ۵۲)

۲۷۔ کتاب کی تلاوت (پیروی) کرنے والے مومن۔ (۳۵ : ۲۹)۔ یہی وارثینِ کتاب ہیں۔ (۳۵ : ۳۲)

۲۸۔ کتابِ عزیز۔ (۴۱ : ۴۱)-(۲۹)۔ رسول اللہ خود بھی کتاب پہ ایمان لائے تھے۔ (۴۲ : ۱۵)

۳۰۔ عربی کا قرآن۔ (۲ : ۴۳) ۔ (۱۲ : ۴۶) ۔ (۳۱)۔ کتاب مسطور۔ (۲ : ۵۲)

۳۲۔ فی کتاب مکنون۔ (۷۸ : ۵۶) ۔ (۳۳)۔ اس کتاب میں خود تمہارا ذکر (شرف و مجد) ہے۔ (۱ : ۲۱)

۳۴۔ کتاباً متشابھا (۲۳ : ۳۹) (۳۵)۔ کتاب جو موسٰے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (۳۰ : ۴۶)

کتاب بمعنی قانون یا واجب قرار دینا

۱۔ جو کچھ اللہ نے تم پر فرض قرار دیا ہے، اسے طلب کرو۔ (۱۸۷ : ۲)

۲۔ بنی اسرائیل کے لئے ارضِ فلسطین لکھ دی گئی۔ (۲۱ : ۵)

۳۔ خدا نے اپنے آپ پر رحمت واجب قرار دے رکھی ہے۔ (۱۲ : ۶) ۔ (۵۴ : ۶)

۴۔ ہم پر کوئی حادثہ نہیں گزر سکتا بجز اس کے جو خدا کے قانون کی رُو سے واقع ہونا ہو۔ (۵۱ : ۹)

۵۔ خدا نے یہ واجب قرار دے رکھا ہے (اس کے اٹل قوانین یہ ہیں) کہ خدا اور اس کے رسول غالب آکر رہیں گے۔ (۲۱ : ۵۸)۔

۶۔ مومنین کے دل میں ایمان منقوش ہو چکا ہے۔ (۲۲ : ۵۸)

۷۔ مدینہ کے یہودیوں کے متعلق یہ فیصلہ تھا کہ انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ (۳ : ۵۹)

۸۔ قتال۔ یعنی جنگ کرنا۔ فرض قرار دے دیا گیا ہے۔ (۲۴۶ : ۲) ۔ (۶۶ : ۴) ۔ (۷۷ : ۴)

۹۔ بنی اسرائیل کے لئے قصاص کا قانون مقرر کر دیا گیا تھا۔ (۳۲ : ۵) ۔ (۴۵ : ۵)

۱۰۔ زبور میں اس قانونِ خداوندی کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ ارض کے وارث وہ لوگ ہوں گے جن میں اس کی صلاحیت ہوگی۔ (۱۰۵ : ۲۱)

۱۱۔ عیسائی راہبوں پر خدا نے مسلکِ خانقاہیت فرض نہیں قرار دیا تھا۔ انہوں نے از خود اسے وضع اور اختیار کر لیا تھا۔ (۲۷ : ۵۷)

۱۲۔ ہمارے لئے اس دنیا میں حسنات واجب قرار دے دے۔ (جواب میں کہا گیا ہے کہ) ہم اسے واجب قرار دے دیں گے۔ یعنی ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ ہمارا قانون ہے۔ (۱۵۶ - ۱۵۵ : ۷)

۱۳۔ مومنین پر قصاص لازم قرار دیا گیا ہے۔ (۱۷۸ : ۲)۔ صیام بھی۔ (۱۸۳ : ۲)۔ قتال بھی۔ (۲۱۶ : ۲)

۱۴۔ جو حصہ خدا نے ان کے لئے مقرر کیا ہے وہ انہیں دے دو۔ (۱۲۷ : ۴)

۱۵۔ بعض آیات میں "کتب لھم" کے معنی کئے جاتے ہیں۔ خدا نے ان کے لئے لکھ دیا تھا۔ اور اس سے مراد لی جاتی ہے کہ ان

کی تقدیر میں پہلے ہی سے ایسا لکھ دیا گیا تھا - یہ مفہوم صحیح نہیں - اس کے لئے دیکھئے عنوان تقدیر - اس کے معنی یہ ہیں کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے ایسا ہوگا - (۱۲۱ - ۱۲۰ : ۹)

۱۶- قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جو ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا، اس کا شمار انہی میں سے ہوگا - (۴ : ۲۲)

۱۷- جب عدت، قانون کے مطابق اپنی میعاد تک پہنچ جائے - (۲۳۵ : ۲)

۱۸- قرآن کی محکمات ام الکتاب ہیں - یعنی قانون کی اصل و اساس - (۷ : ۳) - ام الکتاب خدا کے پاس ہے - (۳۹ : ۱۳) - (۴ : ۴۳)

۱۹ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں - خواہ اسے کتاب و حکم و نبوت بھی کیوں نہ دیئے گئے ہوں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں بلکہ میرے بندے بن جاؤ - (۸۰ : ۳)

۲۰- محرمات کی تفصیل دینے کے بعد کہا یہ خدا کا قانون ہے تمہارے لئے - (۲۴ : ۴)

۲۱- اگر خدا کا قانون پہلے سے مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ...... (۶۸ : ۸)

۲۲- ہر شے کا مستقر اور مستودع کتابِ مبین میں ہے - (۶ : ۱۱)

۲۳- لکل اجل کتاب - ہر میعاد کے لئے ایک قانون مقرر ہے - (۳۸ : ۱۳)

۲۴- ہر قوم کی تباہی ایک کتابِ معلوم کے مطابق ہوتی ہے - (ایسے قانون کے مطابق جس کا علم دے دیا گیا ہے) - (۴ : ۱۵) - (۵۸ : ۱۷)

۲۵- عمر، قانونِ خداوندی کے مطابق کم و بیش ہو سکتی ہے - (۱۴۴ : ۳) - (۱۱ : ۳۵)

۲۶- زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی - اور کتاب کا عام نفاذ ہوگا - (ووضع الکتاب) - (۶۹ : ۳۹)

۲۷- ہر واقعہ کتاب (قانونِ خداوندی) کے مطابق سرزد ہوتا ہے - (۲۲ : ۵۷)

۲۸- صلوٰۃ مومنین کے لئے کتابِ موقوت ہے - (۱۰۳ : ۴) - (۲۹) - قرآن میں کتب قیمۃ (محکم قوانین) ہیں - (۲ : ۹۸)

کتبِ سابقہ

۱- تم لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو (۴۴ : ۲)

۲- موسیٰ کو کتاب دی - (۵۳ : ۲) - (۷۷ : ۲) - (۹۱ : ۶) - (۱۵۴ : ۶) - (۱۷ : ۱۱) - (۱۱۰ : ۱۱) - (۲ : ۱۷) - (۴ : ۱۷) - (۴۹ : ۲۳) - (۳۵ : ۲۵) - (۴۳ : ۲۸) - (۲۳ : ۳۲) - (۵۲ : ۴۰) - (۴۵ : ۴۱) - (۱۲ : ۴۶)

۳- ان میں سے بعض امی ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے - (۷۸ : ۲)

۴- کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصے سے انکار کرتے ہو۔ (۸۵ : ۲)

۵- یہود و نصاریٰ تلاوتِ کتاب کرتے تھے۔ (۱۱۳ : ۲) - (۶) - کتاب میں اختلاف کرنے والے۔ (۱۷۶ : ۲)

۷- ایمان بالکتب - (۱۷۷ : ۲) - (اس میں کتبِ سابقہ اور قرآن سب آجاتے ہیں) - (۱۱۹ : ۳) - تکذیب کتاب کرنے والے - (۷۰ : ۴۰) - مومنین کو حکم کہ ایمان لاؤ - (۱۳۶ : ۴) - (۲۸ : ۵۷) - یہود و نصاریٰ وغیرہ کے ساتھ (۶۲ : ۲) - (۶۹ : ۵)

۸- تمام انبیاء کو کتاب دی گئی تھی - (۲۱۳ : ۲) - (۸۱ : ۳) - رسولوں کو بھی - (۱۸۴ : ۳) - کتاب و حکم و نبوت (۹۰ : ۶) - (۲۶ : ۲۹) - (۲۵ : ۳۵) - (۷۰ : ۴۰) - (۲۵ : ۵۷)

۹- حضرت عیسیٰؑ کتاب و حکمت - انجیل و توراۃ کی تعلیم دیتے تھے - (۴۸ : ۳) - (۱۱۰ : ۵) - (۳۰ : ۱۹)

۱۰- آلِ ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم دیا گیا تھا۔ (۵۴ : ۴)

۱۱- حضرت یحییٰؑ کو تمسک بالکتاب کی تاکید - (۱۲ : ۱۹) - (۱۲) - کتبِ سابقہ میں سے کوئی دلیل لاؤ۔ (۴ : ۴۶)

۱۲- حضرت نوحؑ اور ابراہیمؑ کی ذریت کو کتاب و نبوت دی گئی۔ (۲۶ : ۵۷)

۱۴- رسول اللہؐ کی آمد کا ذکر کتبِ سابقہ میں تھا۔ (۱۵۷ : ۷)

صحف

۱- صحف الاولیٰ - (۱۳۳ : ۲۰) - (۱۸ : ۸۷) - (۲) - صحفِ موسیٰؑ - (۳۶ : ۵۳) - صحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ - (۱۹ : ۸۷)

۳- قرآن - صحف مکرمہ میں - (۱۳ : ۸۰) - صحفا مطہرہ - (۲ : ۹۸)

الذین اوتوا الکتاب

۱- ان اہلِ کتاب نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا - (۱۰۱ : ۲)

۲- یہ لوگ جانتے ہیں کہ قرآن حق ہے - (۱۴۴ : ۲) - (۱۴۶ : ۲) - (۲۰ : ۶) - (۱۱۵ : ۶)

۳- یہ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے - (۱۴۵ : ۲) - (۴) - یہ باہمی ضد کی بنا پر اختلاف کرتے ہیں - (۱۹ : ۳)

۵- اہلِ کتاب اور امیوں، دونوں سے پوچھو کہ وہ اسلام لاتے ہیں یا نہیں - (۲۰ : ۳) - ان میں سے ایمان لانے والے (۱۹۹ : ۳) - (۴ : ۴۷) - (۲۹ : ۹) - (۲۸ : ۵۲-۵۴) - (۴۷ : ۲۹) - اگر یہ ایمان لے آئیں تو ان کے

لئے اچھا ہو۔ (۱۱۰ : ۳)

۶۔ انہیں کتاب کا ایک حصّہ دیا گیا تھا۔ (۲۳ : ۳)۔(۴۴ : ۴)۔(۵۱ : ۴)۔(۳۸ : ۷)

۷۔ یہ لوگ تحریفِ کتب کرتے تھے۔ (۷۷ : ۳)۔کتمان کرتے تھے۔ (۱۵ : ۵)

۸۔ ان کی اطاعت مت کرو۔ (۱۰۰ : ۳)۔ (۹)۔ اہلِ کتاب سے میثاق۔ (۱۸۷ : ۳)

۱۰۔ یہ لوگ تمہیں بڑی اذیت دیں گے۔ (۱۸۶ : ۳)۔ (۱۱)۔انہیں تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا۔ (۱۳۱ : ۴)

۱۲۔ ان کا طعام تمہارے لئے حلال ہے۔ (۵ : ۵)۔نیز ان کی عورتیں۔ (۵ : ۵)

۱۳۔ ربانی اور احبار کتاب اللہ کی حفاظت کرنے والے۔ (۴۴ : ۵)

۱۴۔ اسلام سے استہزا کرنے والے۔ (۵۷ : ۵)۔ (۱۵)۔ یہ وارثینِ کتاب ناخلف نکلے۔ (۱۶۹ : ۷)

۱۶۔ ان سے میثاق الکتاب لیا گیا تھا کہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہیں۔ (۱۶۹ : ۷)

۱۷۔ ان قارئینِ کتاب سے پوچھو۔ (۹۴ : ۱۰)۔ (۱۸)۔ یہ لوگ شک میں ہیں۔ (۱۴ : ۴۲)

۱۹۔ بنی اسرائیل کو کتاب دی گئی تھی۔ (۱۶ : ۴۵)۔(۲۰)۔تم بھی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا۔ (۱۶ : ۵۷)

۲۱۔ انہوں نے بعد میں تفرقہ پیدا کر لیا۔ (۴ : ۹۸)

متفرقات

۱۔ جس کے پاس علم الکتاب ہے۔ (۴۳ : ۱۳)۔اس سے مراد سابقہ کتب کے جاننے والے ہو سکتے ہیں۔

۲۔ کتاب بمعنی اعمال نامہ۔ (۱۳ : ۱۷)۔(۱۴ : ۱۷)۔(۷۱ : ۱۷)۔(۴۹ : ۱۸)۔(۶۲ : ۲۳)۔
(۲۹ : ۴۵)۔(۱۹ : ۶۹)۔(۲۵ : ۶۹)۔(۲۹ : ۷۸)۔(۷ : ۸۳)۔(۱۸-۲۰ : ۸۳)
(۷ : ۸۴)۔(۱۰ : ۸۴)۔

۳۔ کتاب بمعنی علمِ خداوندی۔ (۵۲ : ۲۰)۔(۷۰ : ۲۲)۔(۷۵ : ۲۷)۔(۵۶ : ۳۰)۔(۴ : ۵۰)

۴۔ غلاموں کی آزادی کا پروانہ۔ (۳۳ : ۲۴)۔(۵)۔ بمعنی خط۔ (۲۹-۲۸ : ۲۷)۔(۴۰ : ۲۷)

۶۔ کوئی ایسی کتاب لاؤ جو تورات اور قرآن سے بہتر ہدایت دینے والی ہو۔ (۴۹ : ۲۸)

۷۔ مجرمین (مخالفین) سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جسے تم پڑھتے ہو۔ (۴۴ : ۳۴)۔(۴۰ : ۳۵)
(۱۵۷ : ۳۷)۔(۲۱ : ۴۳)۔(۳۷ : ۶۸)

۸- اہل کتاب کہتے ہیں کہ ان پر بھی کتاب نازل ہونی چاہیئے ۔ (۴ : ۱۵۳) - (۱۷ : ۹۲)

۹- اگر ہم آسمان سے کوئی ایسی کتاب نازل کر دیتے جنہیں یہ چھو کر دیکھ لیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے ۔ (۶ : ۷)

۱۰- قوموں کا اعمال نامہ ۔ (۲۸ : ۴۵) - (۱۱) سماآ یوں لپیٹ دیئے جائیں گے جیسے کتب لپیٹ دی جاتی ہیں ۔ (۲۱ : ۱۰۴)

۱۲- صحیفۂ فطرت کو بھی ۔ (۶ : ۵۹) - (۱۳) - محکمات ام الکتاب ہیں ۔ (۳ : ۶)

۱۴- ام الکتاب خدا کے پاس ہے ۔ (۱۳ : ۳۹) - (۴۳ : ۴)

(۰)

۳- کتمانِ حقیقت

(نیز اظہارِ حقیقت)

کتمانِ حقیقت کے معنی ہیں، سچی، صحیح، اصلی بات کو چھپانا - قرآن کریم کی رو سے یہ بہت بڑا اخلاقی عیب اور جرم ہے ۔ لیکن اس سلسلہ میں دو ایک باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے ۔

۱- وحی کی رو سے جو تعلیم دی گئی ہے (اور جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے) صداقت اور حقیقت پر مبنی ہے - لہذا اس تعلیم کو چھپانا جرمِ عظیم ہے - اس جرم کے مرتکب عام طور پر مذہبی پیشوا ہوتے ہیں جو قرآن کی حقیقی تعلیم کو چھپا کر، خود وضع کردہ فتوے دیتے رہتے ہیں - اور انہیں احکامِ شریعت کہہ کر افتراءً خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔

۲- شہادت میں حقیقت کا چھپانا جرمِ عظیم ہے ۔ تفصیل اس کی "شہادت" کے عنوان میں ملے گی ۔

۳- آپ بہت سے رازوں کے امین ہیں - اظہارِ حقیقت کے یہ معنی نہیں کہ آپ ان رازوں کو عام کرتے پھریں - ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے - البتہ جس مقام پر ان کا اظہار، خیانت کے زمرہ میں نہ آتا ہو، وہاں انکا اظہار ضروری ہوگا ۔

۴- کسی کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے اس کی کسی برائی کی عام تشہیر کرنا، قرآن کی رُو سے معیوب ہے - البتہ، مظلوم کو اس کا حق ہے کہ وہ عدل طلب کرنے کے لئے مناسب مقام پر اس کا اظہار کر دے ۔ (۴ : ۱۴۸)

۵- خطرات و نقصانات کی پرواہ کئے بغیر، سچی بات برملا کہہ دینا، بہت بڑی عزیمت ہے - جب دربارِ فرعون میں، حضرت موسےٰؑ کا قضیہ پیش ہوا، اور فرعون کے مصاحب اسے بہکانے لگے، تو ایک مردِ مومن نے کمالِ جرأت، حق و صداقت کی بات برملا کہی - قرآن نے اس کی پوری تقریر کو اپنے دامن میں محفوظ کر کے اسے ابدیت عطا کر دی ہے ۔ (دیکھئے

(۵۴۔۲۸ : ۴۰) ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خطرات سے بچنے کے لئے جھوٹ بول دینا چاہیئے۔ وہ بڑی ہی پستیٔ کردار کا ثبوت دیتے ہیں۔ اگر وہ بات ایسی ہے۔ جس کا اخفا ضروری ہے (جیسے اپنی مملکت کے راز) تو ایسے موقع پہ کہہ دیجئے۔ کہ میں نہ اس راز کو افشا کروں گا، نہ ہی جھوٹ بول کر جان بچاؤں گا۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہو اسے جھیل جائیے۔ اسے عزیمت کہتے ہیں۔ جس میں اس کی ہمت نہ ہو وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرے۔ اسے "اسلام کی تعلیم" کہہ کر خود فریبی یا فریب دہی کا مرتکب نہ ہو۔

کتمانِ وحی

۱۔ خدا کی طرف سے بیان کردہ حقیقت کا جسے علم ہو اور وہ اسے چھپائے۔ اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا۔(۱۴۰ : ۲) (۱۸۶ : ۳)۔ (۲)۔ اہلِ کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ کتاب اللہ کو لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اور اسے چھپائیں نہیں۔ (۱۴۶ : ۲)

۲۔ ایسا کرنے والے ملعون ہیں۔ (۱۵۹ : ۲)۔ اہلِ جہنم ہیں۔ (۱۷۳ : ۲)۔ یہ اس سے معاشی مفاد حاصل کرتے ہیں اور اس طرح اپنے پیٹ کو آگ سے بھرتے ہیں۔

کتمانِ حق

۱۔ نہ حق اور باطل کا التباس کرو، نہ ہی دیدہ دانستہ حق کا کتمان کرو۔ (۴۲ : ۲)۔(۷۱ : ۳)

کتمانِ شہادت

۱۔ شہادت کو مت چھپاؤ۔ یہ جرمِ عظیم ہے۔ (۲۸۳ : ۲)۔ (۱۰۶ : ۵)

خدا کو علم ہوتا ہے

۱۔ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو، خدا کو اس کا علم ہوتا ہے۔ (۳۳ : ۲)۔(۱۶۷ : ۳)۔(۴۲ : ۴) (۶۱ : ۵)۔(۹۹ : ۵)۔(۱۱۰ : ۲۱)۔(۲۹ : ۲۴)

دربارِ فرعون کا مردِ مومن

۱۔ اس نے اپنے ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن جب موقعہ آیا تو حق گوئی اور بے باکی کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ (۴۰:۲۸)

متفرقات

۱۔ اگر عورت طلاق کے وقت حاملہ ہو تو اسے اس بات کو چھپانا نہیں چاہیئے۔ اس سے بہت سی قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ (۲:۲۲۸)

۲۔ زبان سے وہ کچھ کہنے والے جو دل میں نہ ہو۔ خدا جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔ (۳:۱۶۷)

۳۔ بخل کرنے والے۔ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرنے والے۔ اور جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے، اسے چھپانے والے، خدا کے مجرم ہیں۔ (۴:۳۷)

۴۔ جب کوئی فاسق (فتنہ جو) کوئی بات تم تک پہنچائے تو اسے یونہی مشہور مت کر دیا کرو۔ اس کی پوری پوری تحقیق کر لیا کرو۔ (۴۹:۶)۔ اسے ذمہ دار حضرات تک پہنچاؤ تاکہ وہ اس کی اچھی طرح چھان بین کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں۔ (۴:۸۳)

۵۔ کسی کے خلاف کوئی بہتان کی بات سنو تو اس کی تشہیر مت کرو۔ اسے ذمہ دار حضرات تک پہنچاؤ کہ وہ تحقیق کر لیں۔ اور جب تک وہ تحقیق کے بعد کسی نتیجہ تک نہ پہنچ جائیں، تم اس شخص کے متعلق حسنِ ظن سے کام لو اور اسے یونہی مجرم نہ تصور کر لو۔ کہو کہ یہ اس کے خلاف بہتان ہے۔ (۲۴:۱۱-۱۷)

۶۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو تمہارے سمع، بصر، قلب، ہر ایک سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے تحقیق کر لی تھی؟۔ (۱۷:۳۶)

(۰)

۴۔ کثرت و قلّت (اکثریت)

مغربی نظامِ جمہوریت کی بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس میں صحیح اور غلط (حتکہ حق و باطل) کا معیار لوگوں کی کثرت و قلت ہے۔ صحیح وہ ہے جس کی تائید میں اکیاون ہاتھ اٹھیں۔ قرآن کی رُو سے یہ معیار یکسر غلط، اور باطل ہے۔ اس کے نزدیک حق، حق ہے خواہ اس کی تائید میں ایک ہاتھ بھی نہ اٹھے۔ اور باطل، باطل ہے خواہ اس کے حق میں سو فیصد آراء ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وحی کی رُو سے حق اور باطل، خیر اور شر مطلق (ABSOLUTE) ہوتا ہے، اضافی (RELATIVE) نہیں ہوتا۔ یہی فرق، دینی مملکت اور سیکولر سٹیٹ میں ہے۔

۲۔ قرآن کی رو سے، صرف تعداد کی کثرت، کامیابی کے لئے فیصلہ کن نہیں۔ جوہرِ ذاتی، صلاحیت کبریٰ اور بلندیٔ کردار تعداد کی کمی کا ازالہ کر دیتی ہے۔ ویسے جماعت کی کثرت بھی خدا کی نعمت ہے۔

صرف تعداد کی کثرت کامیابی کا معیار نہیں

۱۔ کفارِ عرب (قریش) سے کہہ دیا گیا کہ محض تمہاری تعداد کی کثرت، کامیابی کی ضمانت نہیں۔ (۸ : ۱۹) ۔ (۲۶ : ۵۴) ۔ (۲ : ۲۴۳) ۔ (۲)۔ قومِ شعیب سے کہا کہ تمہیں خدا نے تعداد کی کثرت عطا کی تھی لیکن تم نے فساد شروع کر دیا تو اس کا نتیجہ تباہی ہوگا۔ (۷ : ۸۶) ۔ (۱۸ : ۳۴-۳۵)

۳۔ جنگِ حنین میں جب خود مسلمانوں کے دل میں یہ گھمنڈ پیدا ہو گیا کہ ہماری تعداد بہت زیادہ ہے اور اس خیال سے وہ کچھ لاپرواہ ہو گئے، تو شکست کھا گئے۔ (۹ : ۲۵)

۴۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تعداد میں تھوڑی جماعت، کثیر جماعت پر غالب آجائے۔ (۲ : ۲۴۹) ۔ مومن، دشمنوں کی کثرت سے خائف نہیں ہوتے۔ (۳ : ۱۷۲) ۔ مومن اپنے ابتدائی ایام میں کمزور بھی تھے اور کم تعداد بھی۔ لیکن انہیں فتح اور کامرانیاں نصیب ہوئیں۔ (۸ : ۲۶)

خبیث و طیب

۱۔ خبیث کی کثرت کتنی ہی تعجب انگیز ہو، وہ طیب کے برابر نہیں ہو سکتی۔ (۵ : ۱۰۰)

۲۔ کثرتِ تعداد بھی خدا کا انعام ہے۔ (۷ : ۸۶) ۔ (۹ : ۱۷)

اکثریت کی اطاعت

۱۔ رسول اگر اکثر امور میں تمہاری اطاعت کرنے لگ جائے تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔ (۷ : ۴۹)۔
۲۔ اگر تم اکثریت کا اتباع کرنے لگ جاؤ تو وہ خدا کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔ (۶ : ۱۱۶)۔ (۶ : ۱۱۹)

خیر مطلق۔حق مطلق

۱۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم ایک بات کو ناپسند کرو اور خدا نے اس میں خیر کثیر رکھا ہو۔ لہٰذا پسند اور ناپسند کا معیار وحی کو قرار دو۔ (۴ : ۱۹)۔ الحق خدا کی طرف سے ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔ (۱۱ : ۱۷)

اکثر لوگ

۱۔ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (۲ : ۲۴۳)۔ یہ اصطلاح، یا ترکیب (ولکن اکثر الناس ......)۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات میں آئی ہے۔ یہ انداز وہی ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ "اکثر لوگ ایسا کہتے ہیں"۔ "اکثر لوگوں کا ایسا خیال ہے" وغیرہ۔ اس سے گنتی مراد نہیں ہوتی۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ عام طور پر لوگوں کی یہ حالت ہے۔ (لیکن جب ان کی تعلیم و تربیت وحی کی رو سے ہو جائے تو پھر ان کی حالت ایسی نہیں رہتی)۔

اقوامِ سابقہ

۱۔ غلط رو اقوام، کثرتِ تعداد کے باوجود تباہ ہو گئیں۔ (۴۰ : ۸۲)

---(۰)---

۵۔ کذب

کذب۔ صدق کے مقابل میں آتا ہے۔ اس کے عام معنی جھوٹ کے ہیں لیکن قرآن کریم نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ اس جھوٹ سے مراد کیا ہے۔ سورۃ منافقون میں ہے کہ اے رسولؐ! یہ منافقین تیرے پاس آکر کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ

آپ اللہ کے رسول ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ بات بالکل سچی تھی ۔ اس کے بعد ہے کہ اللہ بھی اسے جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے ۔ اس سے اس بات کی مزید تائید ہوگئی کہ انہوں نے رسول اللہ سے سچی بات کہی تھی ۔ لیکن اس کے بعد ہے کہ خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ (۱ : ۶۳) ۔ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں ۔ اس سے واضح ہے کہ بات خواہ سچی ہی کیوں نہ ہو، اگر کہنے والے کا دل، اس کی زبان سے ہم آہنگ نہیں تو وہ شخص کاذِبؔ (جھوٹا) ہے ۔ لہٰذا اکذب کے ایک معنی تو ہوں گے جھوٹی بات کہنا ۔ اور دوسرے معنی ہوں گے قلب اور زبان کا ہم آہنگ نہ ہونا ۔

۲۔ تکذیب کے معنی ہیں کسی کی سچی بات کو جھٹلانا ۔ یعنی یہ کہنا کہ وہ جھوٹ کہتا ہے ۔ ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ یہ سنکھیا ہے ۔ اسے مت کھانا ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے ۔ آپ کہتے ہیں کہ تم غلط کہتے ہو ۔ اور اس کے بعد آپ اس سنکھیا کی پڑیا کو پھانک لیتے ہیں یہ اس کی تکذیب ہوگی ۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ جن اقوام نے رسولوں کے پیغامات کی تکذیب کی، وہ تباہ ہو گئیں ۔

اگر آپ زبان سے تو کہتے ہیں کہ وہ شخص بات ٹھیک کہتا ہے لیکن اس کی بات پر عمل نہیں کرتے ۔ یا عمل اس کے برعکس کرتے ہیں ۔ تو یہ بھی اس کی تکذیب ہے ۔

۳۔ افتراؔ سے مراد ہوتی ہے کسی کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا ۔ اسے بھی کذبؔ کہتے ہیں یعنی کسی کے خلاف جھوٹ باندھنا ۔ قرآن کریم میں مذہبی پیشواؤں کے اس مسلک کو افترا اور کذب علی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی رو سے وہ اپنے جی سے باتیں گھڑتے ہیں لیکن انہیں منسوب خدا کی طرف کر دیتے ہیں ۔ یعنی اسے "شریعتِ خداوندی" کہکر پکارتے ہیں ۔

۴۔ قرآن کریم میں کذبؔ اور اس کے اخوات (یعنی اس مادہ کی مختلف شکلیں) بے شمار مقامات میں آئی ہیں اس لئے ان سب کا تفصیلاً درج کرنا مشکل ہے ۔ ان میں سے ہر مقام کی نمایاں مثالیں سامنے لائی جائیں گی ۔

۵۔ اس کے ساتھ عنوان صدقؔ بھی دیکھئے ۔ نیز تکذیبؔ اور افترا بھی ۔

تکذیبِ آیات (قوانینِ خداوندی کو جھٹلانا)

۱۔ جو کچھ بھی خدا کی طرف سے نازل ہوا، اس کی تکذیب کرنے والے ۔ (۱۵ : ۳۶) ۔ (۷۰ : ۴۰) ۔ (۵ : ۵۰) ۔ (۹ : ۷۶) ۔ (۲) ۔ الساعۃ کی تکذیب ۔ (۱۱ : ۲۵)

۳۔ تکذیب آیات کرنے والے ۔ (۳۹ : ۲) ۔ (۱۰۵ : ۲۳) ۔ ان کا اتباع مت کرو ۔ (۱۵۰ : ۶) ۔ (۹۵ : ۱۰) ۔ (۵ : ۶۲) ۔ (۴) ۔ معتد اور اثیم ہی اس کی تکذیب کر سکتے ہیں ۔ (۱۲ : ۸۳)

۵۔ تکذیب کفر ہے ۔ (۲۲ : ۸۴) ۔ (۱۹ : ۸۵)

کذب علی اللہ

۱۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو کذب علی اللہ کرے۔ اور جب صدق اس کے پاس آئے تو اس کی تکذیب کرے۔ (۶ : ۲۱) – (۶ : ۹۳ ؛ ۱۴۴) – (۷ : ۳۷ ؛ ۸۹) – (۱۰ : ۱۷–۱۸) – (۱۸ : ۱۵) – (۲۰ : ۶۱) – (۲۳ : ۳۸) – (۲۹ : ۶۸) – (۳۴ : ۸) – (۳۹ : ۳۲) – (۴۲ : ۲۴) – (۶۱ : ۷) – (۷۲ : ۵)۔

۲۔ دیدہ و دانستہ کذب علی اللہ ۔ (۳ : ۷۵) – (۳ : ۷۸) – (۳ : ۹۴) – (۴ : ۵۰) – (۵ : ۱۰۳) – (۱۰ : ۶۰)
یہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (۱۰ : ۶۹) – (۱۶ : ۱۰۵) – (۵۸ : ۱۴)

۳۔ اپنی طرف سے حرام و حلال کی فہرستیں مرتب کرنے والے۔ (۱۶ : ۱۱۶)

۴۔ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ (۱۶ : ۱۱۶)

تکذیبِ دین

۱۔ خدا سے سرکشی برتنے والوں سے کہا جائے گا کہ تم تکذیبِ دین کیا کرتے تھے۔ (۸۲ : ۹)

۲۔ اہلِ جہنم کہیں گے کہ ہم تکذیبِ دین کیا کرتے تھے۔ ہم مصلّین میں سے نہیں تھے۔ محض باتیں بناتے رہتے تھے اور مساکین کے کھانے کا انتظام نہیں کرتے تھے ۔ (۷۴ : ۴۳–۴۶)

۳۔ کیا تو نے اس کی حالت پر بھی غور کیا جو تکذیبِ دین کرتا ہے؟ یہ وہ ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے۔ مساکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا ۔ یہ وہ مصلّین ہیں جو اپنی صلوٰۃ کے مقصود سے غافل ہیں۔ یہ رزق کے چشموں پر بند لگا کر بیٹھے رہتے ہیں۔ (۱۰۷ : ۱–۷)

۴۔ اس کے بعد الدّین کی بابت تمہاری کون تکذیب کر سکتا ہے۔ (۹۵ : ۷)

۵۔ یوم الدین کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی ۔ (۸۳ : ۱۱)

اقوام سابقہ کی طرف سے تکذیبِ رسل

۱۔ اقوام سابقہ نے تکذیب کی۔ (۱۰ : ۳۹) – (۲۳ : ۴۴) – (۲۹ : ۱۸) – (۳۴ : ۴۵) – (۳۵ : ۲۵) – (۳۸ : ۱۴) – (۳۹ : ۲۵) – (۵۰ : ۱۴) – (۶۷ : ۱۸)

۲۔ اصحاب الحجر کی طرف سے تکذیب ۔ (۸۰ : ۱۵) ۔ اصحاب الایکہ ۔ (۱۷۶ : ۲۶) ۔ قوم نوح ۔ (۱۰۵ : ۲۶) ۔ قوم عاد (۱۲۳ : ۲۶) ۔ قوم ثمود (۱۴۱ : ۲۶) ۔ قوم لوط ۔ (۱۶۰ : ۲۶) ۔ قوم فرعون ۔ (۱۲ : ۳۸) ۔ اصحاب الرس ۔ (۱۲ : ۵۰) ۔ بنی اسرائیل ۔ (۸۷ : ۲) ۔ (قوم شعیب ۔ (۹۲ : ۷)

۳۔ اگر یہ تیری تکذیب کرتے ہیں (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) تمام اقوام سابقہ نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی ۔ (۱۸۴ : ۳) (۳۴ : ۶) ۔ (۴۲ : ۲۲) ۔ (۱۸ : ۲۹) ۔ (۴ : ۳۵) ۔ (۲۵ : ۳۵) ۔ تو ان سے کہہ دے کہ تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں میرے اعمال میرے لئے ۔ (۴۱ : ۱۰) ۔ خدا کی رحمت وسیع ہے ۔ (۱۴۸ : ۶)

۴۔ رسولوں کی دعا کہ ان کی تکذیب کے خلاف ہماری مدد فرما ۔ (۳۹ ؛ ۲۶ : ۲۳)

۵۔ ہر قوم (امت) میں سے ایک گروہ مکذبین کا ۔ (۸۳ : ۲۷)

۶۔ اے رسولؐ! یہ تجھے جھوٹا نہیں کہتے ۔ یہ آیات اللہ سے انکار کرتے ہیں ۔ (۳۴ : ۶)

کاذب ۔ مکذب

۱۔ دربار فرعون کے مرد مومن نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر موسےؑ (اپنے دعوے میں) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس کے اپنے اوپر پڑے گا ۔ (۲۸ : ۴۰)

۲۔ کاذب وکفار کو ہدایت نہیں مل سکتی ۔ (۳ : ۳۹)

۳۔ تم عنقریب معلوم کر لوگے کہ کاذب کون ہے ۔ (۹۳ : ۱۱) ۔ یعنی پروگرام کے نتائج بتا دیں گے ۔

۴۔ منافقین کاذب ہیں ۔ (۴۲ : ۹) ۔ (۱۰۷ : ۹) ۔ (۱۱ : ۵۹) ۔ (۱ : ۶۳)

۵۔ اہل جہنم کہیں گے کہ اگر ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیجدیا جائے تو ہم کبھی تکذیب آیات نہیں کریں گے ۔ جواب دیا جائے گا کہ یہ جھوٹے ہیں ۔ (۲۸ ۔ ۲۷ : ۶) ۔ (۹) ۔ افترا کرنے والے کاذب ہیں ۔ (۱۰۵ : ۱۶)

۷۔ خدا پر ایمان کے مدعی اور الحق (قرآن) کے عملی منکر ، کاذب ہیں ۔ (۹۰ ۔ ۸۴ : ۲۳)

۸۔ جو مدعی شہادت نہ پیش کر سکے وہ خدا کے نزدیک جھوٹا ہے ۔ (۱۳ : ۲۴) ۔ لعان میں کذب و صدق کا طریق ۔ (۸ ۔ ۶ : ۲۴) ۔ (۹) ۔ کاذبین پر شیاطین نازل ہوتے ہیں ۔ (۲۲۳ ۔ ۲۲۱ : ۲۶)

۱۰۔ خدا کی اولاد کا عقیدہ رکھنے والے کاذب ہیں ۔ (۱۵۲ : ۳۷)

۱۱۔ بات خواہ سچی ہی ہو لیکن دل اور زبان ہم آہنگ نہ ہو تو یہ کذب ہے ۔ (۱ : ۶۳)

۱۲۔ باطل کے ساتھ تصادمات کے وقت صدق اور کذب نکھر کر سامنے آجاتا ہے ۔ (۳-۱ : ۲۹)
۱۳۔ کفار، رسولوں کو ساحر اور کذاب کہتے تھے ۔ (۴ : ۳۸) - (۴۰ : ۲۴) - (۲۵ : ۵۴)
۱۴۔ مسرف اور کذاب کو ہدایت نہیں مل سکتی ۔ (۲۸ : ۴۰) - (۱۵) - جنت میں لغو اور کذب نہیں سنائی دے گا ۔ (۳۵ : ۷۸)
۱۶۔ ضالون المکذبون ۔ (۵۱ : ۵۶) - (۱۷) - مکذبین کی اطاعت مت کرو ۔ (۸ : ۶۸)

کذب اور تکذیب کا انجام

۱۔ قیامت کے دن روسیاہی ۔ (۶۰ : ۳۹)
۲۔ عذاب ۔ (۱۰ : ۲) - (۳۹ : ۲) - (۱۱ : ۳) - (۴۸ : ۲۰) - (۵۷ : ۲۲) - (۱۸۹ : ۲۶)
(۳۷ : ۲۹) - (۲۰ : ۳۲) - (۴۲ : ۳۴) - (۱۴ : ۳۸) - (۱۹ : ۵۷) - (۱۰ : ۶۴)
(۱۸ : ۶۷) - (۱۶ : ۹۲)
۳۔ لقاء اللہ کی تکذیب کرنے والے نقصان میں رہیں گے ۔ (۳۱ : ۶) - (۱۴۸ : ۷) - (۴۵ : ۱۰) -
(۲۳ : ۳۳) - (۱۶ : ۳۰)
۴۔ ان کی جڑ کٹ گئی ۔ (۷۲ : ۷) - تہس نہس کر دیئے گئے ۔ (۴۸ : ۲۳) - (۳۶ : ۲۵) - (۱۳۹ : ۲۶)
(۱۴ : ۹۱) - (۵) خدا نے انہیں پکڑ لیا ۔ (۹۶ : ۷) - (۴۲ : ۵۴)
۶۔ بتدریج تباہی کی طرف لے جائے گئے ۔ (۱۸۲ : ۷) - (۴۴ : ۸)
۷۔ جو اس بات کی تکذیب کرتا ہے اسے میرے حوالے کر دو ۔ (۴۴ : ۶۸) - (۱۱ : ۷۳)
۸۔ زمین میں چلو پھرو اور مکذبین کا انجام دیکھو ۔ (۱۱ : ۶) - (۳۶ : ۱۶) - (۲۵ : ۴۳)
۹۔ مکذبین کے لئے اس دن تباہی ہوگی ۔ (۱۱ : ۵۲) - (۹۲ : ۵۶) - (۱۵ : ۷۷) - (اس سورۃ میں اس فقرہ کی تکرار ہے ۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ) ۔ (۱۰ : ۸۳)

متفرقات

۱۔ خود اپنی ذات کے خلاف کذب کرنے والے ۔ (۲۴ : ۶)
۲۔ حق و باطل کی کشمکش میں ایسے حوصلہ فرسا مقامات آجاتے تھے جب رسول بھی کامیابی کی طرف سے ناامید ہو جاتے تھے اور

ان کے ساتھی سمجھتے تھے کہ ہم سے فتح و کامرانی کا غلط وعدہ کیا گیا تھا۔ (۱۱۰ : ۱۲)

۴۔ کذب بمقابلہ صدق ۔ (۳۲ : ۷۵) ۔ (۴)۔ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۔ (۹ : ۹۲)

۵۔ کذب کے ساتھ تولّٰی (روگردانی کرنا) آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تکذیب، محض زبانی جھٹلانے ہی کا نام نہیں۔ عملاً اس سے روگردانی کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ (۹۶ : ۷) - (۵۴ : ۸) - (۴۱ : ۱۰) - (۳۹ ؛ ۲۶ : ۲۳) — (۲۶ : ۱۲) - (۳۴ : ۲۸) - (۳ : ۵۴) - (۳۲ : ۷۵) - (۲۱ : ۷۹) - (۱۶ : ۹۲) - (۱۳ : ۹۶)

۶۔ جس بات کا احاطہ ان کا علم نہیں کر سکتا تھا، (بجائے اس کے کہ اپنے علم میں اضافہ کر کے حقیقت تک پہنچ جاتے) اس کی تکذیب کرنے لگے۔ (۳۹ : ۱۰)

۷۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ (۱۳ : ۵۵) ۔ سورۃ الرحمٰن کی دیگر آیات۔

۸۔ مذہبی پیشوا تکذیبِ آیات کو اپنے رزق کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ۔ (۸۱ : ۵۶)

۹۔ کذب کو مزے لے کر سننے والے ۔ (۴۲-۴۱ : ۵)

۱۰۔ اپنی زبانوں کو جھوٹ سے آلودہ کرنے والے ۔ (۶۲ : ۱۶) - (۱۱۶ : ۱۶)

۶۔ کشف

۱۔ الکشف کے معنی ہیں پردہ اٹھا دینا ۔ ظاہر کر دینا ۔ نیز اس کے معنی ہٹا دینے اور دور کر دینے کے بھی ہیں ۔ جیسے کشف الضُر (۱۷ : ۵۶) تکلیف کا دور کر دینا ۔ ان معانی کی رو سے خدا کے متعلق ہے کہ وہ تکالیف کا دور کرنے والا ہے ۔ (۶ : ۱۷) - (۱۰ : ۱۰۷) (۲۶ : ۶۲) اس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں کر سکتا ۔ (۲۱ : ۸۴) - (۵) - (۲۳ : ۷۵) - (۳۹ : ۳۸) - (۵۰ : ۴۳) - مومنوں کی دعا کہ ہم سے عذاب دور رکھا جائے ۔ (۱۲ : ۴۴)

(کشف کے دیگر معانی کے حوالوں کی ضرورت نہیں ۔ وہ متعلقہ عنوانات کے تابع آجائیں گے)

۲۔ ہمارے ہاں ایک عام عقیدہ ہے کہ بعض برگزیدہ انسانوں (حضرات اولیاء کرام) کو خدا کی طرف سے کشف (اور الہام) ہوتا ہے ۔ یعنی وہ خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں اور اس طرح انہیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں ۔

خدا سے اسطرح علم حاصل ہونے کا نام وحی تھا جو حضور نبی اکرم ؐ کی ذات پر ختم ہو گیا ۔ اب اس قسم کا عقیدہ کہ کسی کو خدا

کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہوتا ہے (خواہ اس کا نام کشف یا الہام وغیرہ کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے) ختمِ نبوت کی نقیض ہے۔ قرآن کریم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس قسم کے عقائد ہم نے دوسروں سے مستعار لئے ہیں۔ ختمِ نبوت کے بعد علم کے سرچشمے دو ہی ہیں۔ ایک قرآن کریم جس میں وحیٔ خداوندی محفوظ ہے اور دوسرے عقل و علمِ انسانی جو مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ، تفکر، تدبر، سے حاصل ہوتا ہے۔ غیب کا علم صرف حضرات انبیاء کرام کو بذریعہ وحی حاصل ہوتا تھا۔ ختمِ نبوت کے بعد وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

کفر

اس مادہ۔ (ک۔ ف۔ ر) کے بنیادی معنی چھپانے یا ڈھانپنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو مٹی میں چھپا دیتا ہے۔

۲۔ "چھپا دینے" کے مفہوم کی وجہ سے اس کے معنی انکار کرنے کے بھی ہو گئے۔ ایمان کے مقابلہ میں کفر کے یہی معنی ہیں۔ یعنی ان صداقتوں سے انکار کر دینا جن کے تسلیم کرنے سے ایک شخص مومن کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ۔ ملائکہ۔ انبیاء۔ کتب اور آخرت پر ایمان لانے سے ایک شخص مومنین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ان سے (یعنی ان میں سے کسی سے) انکار کرنے کا نام کفر ہے۔

۳۔ اصطلاحی طور پر انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ایمان لے آتے ہیں اور دوسرے وہ جو ایمان والوں کے زمرے میں شامل نہیں۔ یعنی مومن اور کافر (۲ : ۶۴)۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو جو شخص مومن نہیں وہ کافر ہے، جسطرح، جو مسلم نہیں وہ غیر مسلم ہے۔ لیکن قرآن جس کفر کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص جو صاحبِ فہم و شعور ہے۔ اس کے سامنے قرآنی صداقتوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ سمجھنے سوچنے کے باوجود ان سے انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ان کے متعلق کہا ہے "ان الذین کفروا" وہ لوگ جو کفر اختیار کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح ایمان اختیار کیا جاتا ہے (ان الذین آمنوا) اسی طرح کفر اختیار کیا جاتا ہے۔

اس قسم کے کفار کی بھی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک وہ لوگ جو کفر اختیار کرتے ہیں لیکن مسلمانوں سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔ ان کے خلاف مسلمان بھی کچھ نہیں کریں گے۔ نہ انہیں زبردستی مسلمان کیا جائے گا۔ نہ ہی انہیں اس کی کوئی سزا دی جائے گی کہ وہ اسلام قبول کیوں نہیں کرتے۔ دوسری قسم ان کفار کی ہے جو مسلمانوں کو اذیت پہنچائیں۔ دین کے نظام کی مخالفت کریں۔ اس

سے سرکشی برتیں ۔ حتیٰ کہ جنگ پر بھی آمادہ ہو جائیں ۔ ان کفار سے اپنی مدافعت بھی کی جائے گی اور جب وہ جنگ پر آمادہ ہوں گے تو ان کے خلاف جنگ بھی کی جائے گی ۔ قرآن کریم میں جن کفار کے خلاف جنگ کا ذکر ہے وہ اسی شق میں آتے ہیں ۔

۴۔ کفر بمعنی کفرانِ نعمت بھی آتا ہے ۔ قرآن کریم کی رو سے 'نعمائے خداوندی (خدا کی طرف سے عطا کردہ زندگی کی آسائشیں) ہر ایک کے لئے کھلی رہنی چاہئیں ۔ جو لوگ انہیں چھپا کر رکھیں اور دبا کر بیٹھ جائیں ۔ یا انہیں اس طرح صرف نہ کریں جس طرح قانونِ خداوندی کا تقاضا ہے ، وہ کفرانِ نعمت کرتے ہیں ۔ اس کے بالمقابل "شکر" کی اصطلاح آتی ہے ۔ جب کسی کی محنت صحیح نتیجہ نہ پیدا کرے تو اسے بھی کوششوں کا کفران کہا جائے گا ۔

۵۔ کافور اس دوائی کو کہتے ہیں جو بڑھی ہوئی حدت یا حرارت کو ڈھانپ دیتی ہے ۔ اس کا ازالہ کر دیتی ہے ۔

۶۔ کفارہ کو اس لئے کفارہ کہا جاتا ہے کہ وہ غلط کام کے ضرر رساں نتیجہ کو ڈھانپ دیتا ہے ۔ انسان کو اس سے محفوظ کر دیتا ہے

۷۔ قرآن کریم میں کفار کا لفظ بے شمار مقامات میں آیا ہے ۔ اس جگہ ان سب کا احاطہ مقصود نہیں ۔ ہم صرف ان مقامات کو سامنے لائیں گے جن میں ان کی نمایاں اور متمیز خصوصیات کا ذکر آیا ہے ۔ اس سلسلہ میں ایمان کا عنوان بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے ۔ نیز شکر کا عنوان بھی ۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں کفار کا ذکر آئے وہاں یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ مذکورہ بالا شقوں میں سے کس شق میں آتے ہیں ۔ اس کے مطابق متعلقہ آیات کا مفہوم متعین کرنا چاہیئے ۔

کفر اختیار کرنے والے

۱۔ یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔ وہ ان سے مستغنی ہے ۔ (۳ : ۹۷) ۔ (۳ : ۱۷۷) ۔ (۴ : ۱۳۱ ؛ ۱۷۰) ۔ (۱۴ : ۸) ۔ (۲۹ : ۷) ۔ (۳۹ : ۷) ۔

۲۔ یہ لوگ سیدھی راہ کھو بیٹھتے ہیں ۔ (۲ : ۲۶۴) ۔ (۵ : ۱۲) ۔

۳۔ مسیح کو خدا بنا لینے والے ۔ تثلیث کے قائل ۔ کفر اختیار کرتے ہیں ۔ (۵ : ۱۷ ؛ ۷۲ ؛ ۷۳)

۴۔ کفر اختیار کرنے والا اور سمجھنے والا کہ خدا اسے بہت کچھ دے گا ۔ (۱۹ : ۷۷)

۵۔ جو کفر اختیار کرتا ہے خود اس کا خمیازہ بھگتتا ہے جو عملِ صالح کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے ۔ اس سے واضح ہے کہ غیر صالح اعمال کا ارتکاب بھی کفر ہے ۔ (۳۰ : ۴۴ ۔ ۴۵)

۶۔ ان کے کفر اختیار کرنے سے تجھے حزن و ملال کیوں ہو ۔ (۳۱ : ۲۳) ۔ نہ ہی تجھے اس سے کسی قسم کا دھوکا لگنا چاہیئے ۔ (۳ : ۱۷۶) ۔ (۳ : ۱۹۶) ۔ (۵ : ۴۱) ۔ (۵ : ۶۸) ۔

۷۔ خدا نے تمہیں خلائف فی الارض بنایا ہے۔ جو اس کے باوجود کفر اختیار کرتا ہے وہ اس کی سزا خود بھگتتا ہے۔ وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ استخلاف فی الارض کی پوزیشن حاصل نہ ہونا کفر کی علامت ہے۔ (۳۹ : ۳۵)۔ اس سلسلہ میں (۵۵ : ۲۴) بھی دیکھئے جہاں استخلاف فی الارض کو ایمان اور اعمالِ صالح کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔

۸۔ شیطان انسان کو کفر اختیار کرنے کے لئے اکساتا ہے جب وہ کفر اختیار کر لیتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ (۱۶ : ۵۹)۔ (نیز دیکھئے عنوان شیطان) ۔ (۲۲ : ۱۴)

۹۔ ان پر تو دارو عذر نہیں۔ ان پہ خدا کی طرف سے عذاب ہوگا۔ یعنی خدا کے قانون مکافات کی رُو سے کفر کا نتیجہ ان کے سامنے آئے گا۔ (۲۴-۲۳ : ۸۸) ۔ (۱۰) ۔ خدا سے کفر اختیار کرنے والے ۔ (۳۷ : ۱۸)

۱۱۔ کفر کا نتیجہ مادی اسباب (جھکڑ۔ طوفان وغیرہ) کے ذریعے تباہی ۔ (۶۹ : ۱۷)۔ اس کے معنی یہ ہے کہ طبیعی حوادث سے اپنی حفاظت کی تدابیر اختیار نہ کرنا بھی کفر ہے۔

۱۲۔ جب خدائے واحد کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو کفر اختیار کرتے ہیں۔ جب اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کیا جاتا ہے تو ایمان لاتے ہیں۔ (۱۲ : ۴۰)

۱۳۔ قرآن سے کفر شدید ترین گمراہی ہے۔ (۴۴ : ۲) ۔ (۶۱ : ۲) ۔ (۹۰ : ۲) ۔ (۹۱ : ۲) ۔ (۱۱۲ : ۳) ۔ (۵۲ : ۴۱) ۔ (۱۰ : ۴۶)

۱۴۔ کفر اختیار کرنے سے تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ (۱۷ : ۷۳)

۱۵۔ عذاب کو سامنے دیکھ کر ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (۸۵-۸۴ : ۴۰)۔ آخری فیصلہ کو دیکھ کر بھی (۲۹-۲۸ : ۳۲)

۱۶۔ حضرت ابراہیمؑ کا اعلان کہ ہم، تم سے قطع علائق کرتے ہیں۔ یہاں لفظ "کفرنا بکم" آیا ہے۔ (۴ : ۶۰)

۱۷۔ جو سب کچھ دیکھتے بھالتے، سمجھتے سوچتے کے بعد بھی کفر کی روش پر اڑے رہیں، انہیں تبلیغ صداقت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ (۶ : ۲) ۔ (۸۹ : ۲) ۔ (۳ : ۶۳)۔ انہی کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ (۱۵۵ : ۴) (۱۰۱ : ۷) ۔ (۱۰۷ : ۱۶) ۔ (۱۸) ۔ اہل کتاب میں سے کفر اختیار کرنے والے ۔ (۵ : ۲) ۔

۱۹۔ بحالت کفر مرجانے والے ۔ (۱۶۱ : ۲) ۔ (دیکھئے عنوان لعنت) ۔ (۹۱ : ۳) ۔ (۱۸ : ۴) ۔ (۴۶ : ۴) ۔ (۸۴ : ۹) ۔ (۳۴ : ۴۷) ۔ (۲۰) ۔ تقلیدِ اعمیٰ سے کفر (۱۷۱ : ۲)

۲۱۔ کفر سے دنیاوی متاع بڑی مزین بن جاتی ہے۔ (۲۱۲ : ۲)

۲۲۔ کفار کا سرپرست اور دوست طاغوت ہوتا ہے ۔ (۲۵۷ : ۲)

۲۳۔ ان کا مال اور اولاد انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ (۱۰ : ۳) ـ (۱۱۶ : ۳)
۲۴۔ کفار مغلوب ہوں گے۔ (۱۲ : ۳) ـ (۲۵) حضرت عیسٰیؑ پر ایمان لانے والے، کفر کرتے والوں پر غالب رہیں گے۔
(۵۵ : ۳) ـ (۲۶) کفر سے دنیا اور آخرت میں عذاب۔ (۵۶ : ۳)
۲۷۔ کفار کی جنگ طاغوت کے راستے میں ہوتی ہے۔ (۷۶ : ۴) ـ (۹۰ : ۴)
۲۸۔ کفار چاہتے ہیں کہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ۔ (۸۹ : ۴)
۲۹۔ دین مکمل ہو گیا۔ کفار مایوس ہو گئے۔ ان سے مت خوف کھاؤ۔ (۳ : ۵)
۳۰۔ کفار ایک دوسرے کو غلط کاموں سے نہیں روکتے۔ (۷۹ : ۵)
۳۱۔ کفار سے دوستداری کے تعلقات جائز نہیں۔ (۲۸ : ۳) ـ (۱۳۹ : ۴) ـ (۱۴۴ : ۴) ـ (۵۷ : ۵) ـ
(۸۰ : ۵) ـ (۱ : ۶۰) ـ (۴ : ۶۰) ـ ان کی مجلسوں میں بھی نہ بیٹھو۔ (۱۴۰ : ۴) خواہ وہ کتنے ہی قریبی
رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔ (۲۳ : ۹) ـ لا اعبد ما تعبدون (۱ : ۱۰۹) ـ وہ تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔
(۱۰۱ : ۴) ـ (۳۲) ـ کفار کا دولت مند طبقہ ہمیشہ انبیاء کی مخالفت کرتا تھا۔ (۹۰ تا ۶۶ : ۷) ـ (۳۴ : ۳۴)
۳۳۔ کفار اس لئے دولت خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف آنے سے روکیں۔ (۳۶ : ۸)
۳۴۔ موت کے وقت کفار کی حالت۔ (۵۰ : ۸) ـ (۳۵) ـ یہ شر الدواب ہیں۔ (۵۵ : ۸)
۳۶۔ کفار، خدا کے دین پر غالب نہیں آ سکتے۔ (۵۹ : ۸) ـ (۵۷ : ۲۴)
۳۷۔ کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۷۳ : ۸) ـ (۳۸) ـ النسیٔ کفر میں زیادتی تھی۔ (۳۷ : ۹)
۳۹۔ اسلامی جنگوں سے مقصد یہ تھا کہ کفار کے مسلک (کلمہ) کو پست کیا جائے۔ (۴۰ : ۹)
۴۰۔ منافقین اور کفار کے خلاف جنگ۔ (۷۳ : ۹) ـ (۴۱) ـ کفر کا نتیجہ اس دنیا میں تباہی۔ (۶۸ تا ۶۰ : ۱۱)
۴۲۔ کفار معجزے طلب کرتے تھے۔ (۲۷ تا ۱۳ : ۷) ـ (۵۸ : ۳۰)
۴۳۔ ان کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۵ : ۵) ـ (۱۸ : ۱۴) ـ (۳۹ : ۲۴) ـ (۱ : ۴۷)
۴۴۔ یہ لوگ حق کو کمزور کرنے کے لئے باطل کے زور پر مجادلہ کرتے ہیں۔ (۵۶ : ۱۸)
۴۵۔ کفر کرنے والے کارگہ کائنات پر غور کیوں نہیں کرتے۔ (۳۰ : ۲۱) ـ (اسے باطل سمجھنے والے کافر ہیں ـــــ
(۲۷ : ۳۸) ـ (۹ : ۴۱)
۴۶۔ حیاتِ آخرت سے انکار کفر ہے۔ (۱۹ : ۱۱) ـ (۳۷ : ۱۲) ـ (۴۶ : ۲۷) ـ (۷ : ۳۴) ـ (۷ : ۶۴) ـ تقاریب

سے انکار۔ (۱۸ : ۱۰۵)۔ (۲۹ : ۲۳)۔ (۳۰ : ۸)۔ (۳۰ : ۱۶)۔ (۳۲ : ۱۰)۔ زکوٰۃ کا انتظام نہ کرنے والے آخرت کے منکر۔ (۴۱ : ۷)

۴۷۔ یہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی دفعہ نازل کیوں نہیں ہو جاتا۔ (۲۵ : ۳۲)

۴۸۔ یہ مومنین سے کہتے ہیں کہ تم ہمارا راستہ اختیار کرو۔ (۲۹ : ۱۲)

۴۹۔ کفر اختیار کرنے والے خدا کی رحمت سے مایوس ہیں۔ (۱۲ : ۸۷)۔ (۲۹ : ۲۳)

۵۰۔ قرآن سے انکار کفر ہے۔ (۵ : ۶۴)۔ (۵ : ۶۸)۔ (۹ : ۱۲۵)۔ (۳۴ : ۳۱)۔ (۳۴ : ۴۳)۔ (۴۱ : ۴۱)۔ (۴۱ :
وہ کہتے ہیں کہ قرآن کو مت سنو۔ شور مچا دو۔ (۴۱ : ۲۶)

۵۱۔ کفار کا کہنا یہ تھا کہ ہم غریبوں کی مدد کیوں کریں۔ اگر خدا ایسا چاہتا تو وہ ان کی مدد خود کرتا۔ (۳۶ : ۴۷)

۵۲۔ کفار حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۴۷ : ۱۲)

۵۳۔ ان کا اعتراض کہ کیا ایک بشر ہمارا راہ نما بننے کا دعوے کرتا ہے۔ (۶۴ : ۶)

۵۴۔ کفار اور مشرکین صحیح آزادی قرآن ہی کے توسط سے حاصل کر سکتے ہیں۔ (۹۸ : ۱)

۵۵۔ جادو ٹونا وغیرہ پر اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ (۲ : ۱۰۲)

۵۶۔ تم خدا کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر تمہیں مارے گا۔ پھر زندہ کرے گا۔ (۲ : ۲۸)

۵۷۔ کتاب کے ایک حصے پر ایمان لانا اور دوسرے سے کفر برتنا۔ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب کا موجب ہے۔ (۲ : ۸۵)

۵۸۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم کیسے کفر اختیار کر سکتے ہو جب کہ خدا کی آیات (قوانین) تمہارے سامنے ہیں اور رسول تمہارے اندر موجود ہے۔ (۳ : ۱۰۱)۔ (نوٹ:۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد، اگر وہی نظام قائم رہے جسے رسول اللہ نے قائم فرمایا تھا، تو پھر کفر کی حالت نہیں ہو سکتی۔)

۵۹۔ بعض انبیاء پر ایمان لانا اور بعض سے انکار کرنا کفر ہے۔ (۴ : ۱۵۰)۔ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ (۴ : ۱۵۱)

۶۰۔ اللہ۔ ملائکہ۔ انبیاء۔ کتب۔ آخرت سے انکار کفر ہے۔ (۴ : ۱۳۶)۔ (۴ : ۱۵۰)

۶۱۔ طاغوت۔ غیر خدائی قوتوں۔ کی طرف فیصلے کرانے کے لئے جانا کفر ہے۔ (۴ : ۶۰)

۶۲۔ کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء بغیر الحق۔ (۳ : ۲۱)

۶۳۔ منافق کا کافر کا کافر ہی رہتا ہے۔ (۴ : ۱۴۰)۔ (۵ : ۶۱)۔ (۹ : ۵۵)۔ (۹ : ۸۵)۔ (۹ : ۱۲۵)

۶۴۔ اللہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۹ : ۷)

۶۵۔ جو کفر اختیار کرتا ہے اس کا خمیازہ وہ خود بھگتتا ہے ۔ (۳۹ : ۳۵)

۶۶۔ نظامِ خداوندی کی مخالفت میں کسی کی مدد کرنا کفر ہے ۔ (۵۵ : ۲۵)

۶۷۔ قیامت میں کفار اپنے اعمال کے نتائج سامنے دیکھ کر چیخ اٹھیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم مٹی کا تودہ ہوتے ۔ (۴۰ : ۷۸)

۶۸۔ جو لوگ ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ کافر ہیں ۔ (۴۴ : ۵)

۶۹۔ خدا اپنے نور کو مکمل کرے گا خواہ کافروں پہ یہ بات کیسی ہی گراں کیوں نہ گذرے ۔ (۳۲ : ۹) ۔ (۸ : ۶۱)

۷۰۔ کفار کی کھیتی نہیں پنپ سکتی ۔ (۱۱۷ : ۲۳) ۔ (۸۲ : ۲۸) ۔ (۸۵ : ۴۰) ۔ (۲۰ : ۵۷)

۷۱۔ کفار کو اپنے اعمال مزین دکھائی دیتے ہیں ۔ (۱۲۲ : ۶) ۔ (۳۷ : ۹)

۷۲۔ خدا چاہتا ہے کہ اپنے قوانین کے ذریعے حق کو مستحکم کرے اور کفار کی جڑ کاٹ ڈالے ۔ (۷ : ۸)

۷۳۔ خدا کفار کی سازشوں کو ناکام بنا دے گا ۔ (۱۸ : ۸) ۔ (۳۷) ۔ خدا کفار کو ذلیل کرے گا ۔ (۲ : ۹) ۔ (۴۴ : ۲۲)

۷۵۔ دعوت الحق صرف خدا کی ہے ۔ کافرین کی دعوت گمراہی کی ہے ۔ (۱۴ : ۱۳) ۔ (۵۰ : ۴۰)

۷۶۔ کفار کی طرف شیاطین آتے ہیں اور انہیں کفر پر اکساتے ہیں ۔ (۸۳ : ۱۹)

۷۷۔ کفار کی اطاعت مت کرو ۔ ان کے خلاف جہادِ کبیر کرو ۔ (۵۲ : ۲۵) ۔ (۱ : ۳۳) ۔ (۴۸ : ۳۳)

۷۸۔ کفار کے مددگار مت بنو ۔ (۸۶ : ۲۸) ۔ (۷۹) ۔ خدا کفار کو پسند نہیں کرتا ۔ (۴۵ : ۳۰)

۸۰۔ اسلام کی تقویت سے کفار کے سینے پر سانپ لوٹنے لگ جاتے ہیں ۔ (۲۹ : ۴۸)

۸۱۔ جس طرح کفار اہلِ قبور سے مایوس ہیں ۔ (۱۳ : ۶۰) ۔ (۸۲) ۔ خدا کفّار اثیم کو پسند نہیں کرتا ۔ (۲۷۶ : ۲)

۸۲۔ کاذب وکفّار ۔ (۳ : ۳۹) ۔ کفار وعنید ۔ (۲۴ : ۵۰) ۔ فاجر وکفار ۔ (۲۷ : ۷۱)

کفر بمقابلہ ایمان

۱۔ جس سے کفر کا کوئی کام بالجبر کرا لیا جائے اس سے مؤاخذہ نہیں ہوگا ۔ (۱۰۶ : ۱۶)

۲۔ ایمان و اعمالِ صالحہ کا نتیجہ، استخلاف فی الارض، سامنے آجانے کے بعد کفر اختیار کرنے والے فاسق ہیں ۔ (۵۵ : ۲۴)

۳۔ بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے کفر اختیار کر لیا ۔ (۱۴ : ۶۱)

۴۔ کفر بعد ایمان کا نتیجہ روسیاہی ۔ (۱۰۸ : ۲) ۔ (۲۱۷ : ۲) ۔ (۹۰-۸۵ : ۳) ۔ (۱۰۶ : ۳) ۔ (۱۷۷ : ۳) ۔ (۱۳۷ : ۴) ۔ (۷۴ : ۹) ۔ یہاں کفر سے مراد تفرقہ انگیزی اور فرقہ بندی ہے ۔ (۱۰۴ : ۳)

۵۔ میدانِ جنگ سے جی چرانا کفر بعد از ایمان ہے (۱۶۶ : ۳) ـ (۶۶ : ۹) ـ تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔ (۱۵۵ : ۳)

۶۔ یہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کس کی پوزیشن بہتر ہے؟ (۷۳ : ۱۹)

۷۔ ایمان بالباطل اور کفر باللہ کا نتیجہ تباہی۔ (۷۲ : ۱۶) ـ (۵۲ : ۲۹) ـ (۶۷ : ۲۹)

۸۔ کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ ـ یہ ہے اسلام۔ (۲۵۶ : ۲) ـ (۶۰ : ۴)

۹۔ جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کرلے۔ (۲۹ : ۱۸) ـ (۷۶ : ۳)

۱۰۔ منافقین کی روش کہ صبح کو ایمان لے آؤ شام کو کفر اختیار کرو۔ (۷۲ : ۳) ـ منافق کافر کا کافر ہی رہتا ہے (۶۱ : ۵)

۱۱۔ ایمان کو کفر سے تبدیل کرلینے والے۔ (۱۰۸ : ۲) ـ (۱۷۷ : ۳)

۱۲۔ رسول سے بیہودہ سوالات کرنا، کفر بعد ایمان ہے۔ (۱۰۸ : ۲)

۱۳۔ کسی شخص کا لوگوں سے یہ کہنا کہ تم میرے بندے بن جاؤ انہیں اسلام کے بعد کفر کی دعوت دینا ہے۔ (۷۹ ـ ۸۰ : ۳)

۱۴۔ انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ مومن اور کافر۔ (یعنی مسلم اور غیر مسلم) ـ یہی اسلام میں مدارِ قومیت ہے۔ (۲ : ۶۴)۔
اسی طرح شاکرؔ اور کفورؔ (۳ : ۷۶)

۱۵۔ جو مسلمان نظامِ ربوٰ قائم کریں، ان کے خلاف اعلانِ جنگ ـ وہ اس آگ میں داخل ہوں گے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے ـ
(۳ : ۱۲۹ ـ ۱۳۱) ـ (۱۶) ـ کافر، مؤمنوں پر کبھی غالب نہیں آسکتے۔ (۱۴۱ : ۴)

۱۷۔ مومن، مومنین کے سامنے جھکے ہوئے اور کافرین کے مقابلہ میں سخت ہوتے ہیں۔ (۵۴ : ۵) ـ (۲۹ : ۴۸)

۱۸۔ مومنین کا مولا خدا ہے۔ کفار کا کوئی مولا نہیں۔ (۱۱ : ۴۷) ـ (۱۹) ـ اس دن مومن، کفار کی ہنسی اڑائیں گے۔ (۳۴ : ۸۳)

۲۰۔ اہلِ کتاب چاہتے ہیں کہ تم ایمان کے بعد پھر کفر اختیار کرلو۔ (۱۰۹ : ۲)

کفر بمقابلہ شکر

۱۔ جو شکر کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے۔ جو کفر اختیار کرتا ہے تو اللہ اس سے مستغنی ہے۔ (۴۰ : ۲۷) ـ (۱۲ : ۳۱)

۲۔ کفرانِ نعمت کا نتیجہ بھوک اور خوف کا عذاب ہے۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۳۔ شکر کا نتیجہ نعماء میں اضافہ۔ کفر کا نتیجہ عذاب۔ (۷ : ۱۴)

۴۔ شکر بمقابلہ کفر۔ (۴۰ : ۲۷) ـ (۵) ـ واشکروا لی ولا تکفرون۔ (۱۵۲ : ۲)

۶۔ باطل پر ایمان اور اللہ کی نعمتوں سے کفر۔ (۷۲ : ۱۶) ـ (۶۷ : ۲۹)

۷۔ اللہ کی نعمتوں کو کفر سے بدلنے والے اپنی قوم کو جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۲۸ : ۱۴)

۸۔ نعمائے خداوندی کو پہچانتے ہیں لیکن پھر ان سے انکار کرتے ہیں۔ یہ کفار ہیں۔ (۸۳ : ۱۶)

۹۔ اکثر لوگ کفور (ناسپاس گذار) ہوتے ہیں۔ (۸۹ : ۱۷)۔(۹۹ : ۱۷)۔(۵۰ : ۲۵)

۱۰۔ انسان نعمت چھننے پر مایوس اور کفور ہو جاتا ہے۔ (۹ : ۱۱)

۱۱۔ خدا خوان دکفور کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۸ : ۲۲)

۱۲۔ انسان کفور واقع ہوا ہے۔ (۶۷ : ۱۷)۔(۶۶ : ۲۲)۔(۴۸ : ۴۲)۔(۱۵ : ۴۳)

۱۳۔ آیات اللہ سے ختار دکفور ہی کٹ حجتیاں کرتے ہیں۔ (۳۲ : ۳۱)

۱۴۔ کفور کا بدلہ۔ (۳۶ : ۳۵)۔(۱۵)۔ شیطان اپنے رب کا کفور تھا۔ (۲۷ : ۱۷)

۱۶۔ ہم نے انسانوں کو راستہ دکھا دیا۔ سو ان میں سے بعض شاکر ہیں۔ بعض کفور۔ (۳ : ۷۶)

۱۷۔ آثم اور کفور کی اطاعت مت کرو۔ (۲۴ : ۷۶)۔ خدا انہیں پسند نہیں کرتا۔ (۲۷۶ : ۲)

۱۸۔ انسان ظلوم وکفار واقع ہوا ہے۔ (۳۴ : ۱۴)

۱۹۔ کسی مومن اور صالح کی کوششیں ناشکور نہیں ہوں گی۔ (۹۴ : ۲۱)

کفار کے لئے نارِ جہنم

۱۔ انہیں اس دنیا میں متاعِ قلیل مل جاتی ہے لیکن ان کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ (۲۴ : ۲)۔(۱۲۶ : ۲)۔(۱۳۱ : ۳)
(۵۶ : ۴)۔(۷۰ : ۶)۔(۴ : ۱۰)۔(۷۰ : ۱۰)

۲۔ یہ ساری دنیا کی دولت دے کر بھی عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔ (۳۶ : ۵)۔(۱۵ : ۵۷)

۳۔ واللہ محیط بالکافرین۔ (۱۹ : ۲)۔(۴)۔ کفار کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ (۳۶ : ۸۳)

کفار سے جنگ

۱۔ ان ائمۃ الکفر سے جنگ کرو۔ (۱۹۱ : ۲)۔(۱۲ : ۹)۔(۱۲۳ : ۹)۔(۹ : ۶۶)

کفارہ

۱۔ زخموں کا قصاص اور کفارہ۔ (۵ : ۴۵) — (۲)۔ قسموں کا کفارہ۔ (۵ : ۸۹)۔ (۵ : ۹۵)

متفرقات

۱۔ کفر کے معنی ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعلقات سے انکار کرنا۔ یعنی یہ کہنا کہ نہ صاحب! میں تو اسے جانتا تک نہیں۔ (۲۹ : ۲۵)

۲۔ کفر کے معنی مٹا دینا۔ محو کر دینا۔ خدا، مومنین کی لغزشوں کے نقصان رساں اثرات کو مٹا دے گا (یعنی ان کی حسنات کا پلڑا بھاری ہو گا۔) اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا۔ (۲ : ۲۷۱) — (۳ : ۱۹۳) — (۳ : ۱۹۵) — (۴ : ۳۱) — (۵ : ۱۲) — (۸ : ۲۹) — (۲۹ : ۷) — (۳۹ : ۳۵) — (۵ : ۴۸) — (۶۴ : ۹) — (۶۵ : ۵) — (۶۶ : ۸)

۳۔ مشرکین کو کافرین بھی کہا گیا۔ (۹ : ۱۷) — (۴)۔ ابلیس: انکار کرنے والوں۔ سرکشی کرنے والوں۔ میں سے تھا۔ (۲ : ۳۴)

۵۔ نظامِ ربوبیت قائم کرنے والے مسلمانوں کے لئے وہ آگ جسے کافرین کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ (۳ : ۱۳۱)

۶۔ حضرت نوحؑ کی دعا کہ کافروں کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔ (۷۱ : ۲۶) — (۷)۔ الکفرۃ الفجرۃ۔ (۸۰ : ۴۲)

۸۔ مکہ سے ہجرت کر کے آجانے والی کفار کی بیویوں سے مومنوں کو نکاح کی اجازت۔ (۶۰ : ۱۰)

۹۔ جنت کی شراب میں کافور کا امتزاج۔ (۷۶ : ۵)۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان جنت)

―――(۰)―――

۸۔ کلمہ ــ کلام ــ کلیم

یوں تو کلمہ کے معنی بات کے ہوتے ہیں، لیکن یہ لفظ بڑا جامع ہے۔ دورِ حاضر میں جس مفہوم کے لئے نظریۂ زندگی نصب العینِ حیات۔ آئیڈیالوجی وغیرہ کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، قرآن کریم میں یہ لفظ ان معانی بھی آیا ہے۔ نیز قانون کے معنوں میں بھی۔ قانون جب الفاظ کی شکل میں ہو تو اسے کلمہ کہیں گے اور جب وہ عمل میں آجائے تو اسے سنت سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے 'کلمۃ اللہ' کے معنی قانونِ خداوندی ہوں گے اور سنت اللہ کے معنی خدا کی روش۔ طریق۔ (سنت کا عنوان الگ ہے)

۲۔ کلام کے معنی بات کرنے کے ہیں۔ وحی کے عنوان میں دیکھئے، حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ 'خدا نے ان سے بات

کی"۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس "کلام" کی کنہ اور حقیقت کیا تھی۔ وحی کی کنہ وحقیقت کو نبی کے علاوہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔

اسی نہج سے حضرت موسیٰ کو عام طور پر کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ (کلیم) قرآن میں نہیں آیا۔

۳۔ خدا نے وحی کو کلام اللہ کہا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وحی کی رو سے صرف "مفہوم یا خیال" ہی نبی کی طرف منتقل نہیں ہوتا تھا، وحی کے الفاظ بھی خدا کی طرف سے دیئے جاتے تھے۔ یعنی وحی بالفاظ وحی تھا۔

۴۔ جب کلام اللہ سے مراد وحیٔ خداوندی ہے تو ختمِ نبوت کے بعد خدا سے ہم کلام ہونے کا تصور خلافِ قرآن ہے۔ اب خدا سے کوئی شخص بات نہیں کر سکتا۔ نہ ہی خدا کسی سے بات کرتا ہے۔ خدا کی سب باتیں قرآن مجید کے اندر محفوظ ہیں۔

کلمہ بمعنی عام بات

۱۔ اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو تم میں اور ہم میں قدرِ مشترک ہے۔ (۶۴ : ۳)

۲۔ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا تھا۔ (۷۴ : ۹)۔ (۳)۔ کتنی بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلی ہے۔ (۵ : ۱۸)

۳۔ یہ یونہی ایک بات ہے جو انہوں نے کہہ دی ہے۔ (۱۰۰ : ۲۳)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کی بات (داستان) بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھی گئی۔ (۲۸ : ۴۳)

۶۔ انہوں نے تقویٰ کی بات کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیا۔ (۲۶ : ۴۸)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے بعض باتیں (معاملات) آئیں اور وہ ان میں پورے اترے۔ (۱۲۴ : ۲)

اللہ کا کلام

۱۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے بات کی۔ (۱۶۴ : ۴)۔ (۱۴۳ : ۷)۔ (۱۴۴ : ۷)

۲۔ انبیاء میں سے بعض سے خدا نے بات کی۔ (۲۵۳ : ۲)

۳۔ خدا کے بشر کے ساتھ کلام کرنے کے تین طریق۔ (۵۱ : ۴۲)

۴۔ قرآن کریم کلام اللہ ہے۔ (۵ : ۲)۔ (۶ : ۹)

۵۔ کفار کا اعتراض کہ خدا ہم سے بات کیوں نہیں کرتا۔ (۱۱۸ : ۲)

۶۔ قیامت کے دن خدا ان سے بات نہیں کرے گا۔ (۱۷۴ : ۲)۔ (۷۷ : ۳)۔ کوئی خدا سے بھی بدوں اس کے اذن کے بات نہیں کر سکے گا۔ (۱۰۵ : ۱۱)۔ (۳۸ : ۷۸)

کلمہ۔ بمعنی خدا کی بات

۱۔ حضرت یحییٰؑ کی بشارت جو خدا کی بات کو سچ کر دکھائیں گے۔ (۳ : ۳۸)

۲۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی بشارت میں کلمہ کا لفظ۔ (۳ : ۴۵)

۳۔ حضرت عیسیٰؑ خدا کے رسول اور اس کا کلمہ تھے۔ (۴ : ۱۷۱)

۴۔ حضرت مریم نے کلمۂ خداوندی کو سچ کر دکھایا۔ (۶۶ : ۱۲)

کلمہ بمعنی نظریۂ زندگی۔ قانونِ خداوندی

۱۔ تیرے رب کی بات (وحی) صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئی۔ اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ (۶ : ۳۴) – (۶ : ۱۱۵) – (۱۰ : ۶۴) – (۱۸ : ۲۷) – یہ چاہتے ہیں کہ کلام اللہ (اللہ کے فیصلہ یا قانون) کو بدل دیا جائے۔ (۴۸ : ۱۵)

۲۔ بنی اسرائیل کے متعلق خدا کی بات (قانونِ خداوندی) پوری ہو گئی۔ (۷ : ۱۳۷)

۳۔ جنگ میں کامیابی سے مقصد یہ تھا کہ خدا کی بات (اس کا نظامِ حیات) غالب آئے اور کفار کا نظام مغلوب ہو۔ (۹ : ۴۰)

۴۔ اگر قانونِ خداوندی کی رو سے یہ بات پہلے سے طے نہ پا چکی ہوتی (کہ عمل اور اس کے نتیجہ کے مشہود ہونے میں مہلت کا وقفہ ہوگا) تو ان کا معاملہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ (۱۰ : ۱۹) – (۱۱ : ۱۱۰) – (۲۰ : ۱۲۹) – (۴۱ : ۴۵) –

۵۔ خدا کا یہ قانون کہ فاسق ایمان نہیں لاتے، پورا ہو کر رہا۔ (۱۰ : ۳۳) – (۱۰ : ۹۶) – (۱۱ : ۱۱۹) – (۴۰ : ۶)

۶۔ کلمۂ طیب (خوشگوار نظریۂ حیات) اور کلمۂ خبیثہ (باطل نظریۂ زندگی) کی مثال۔ (۱۴ : ۲۴ ؛ ۲۶) – کلمۂ طیب اس کی طرف بلند ہوتا ہے اور عملِ صالح اسے اوپر کو ابھارتا ہے۔ (۳۵ : ۱۰)

۷۔ جو قانونِ مکافات کی رو سے عذاب کا مستحق قرار پا جائے اسے اس سے کون بچا سکتا ہے۔ (۳۹ : ۱۹)

۸۔ ہمارے رسولوں کے متعلق ہمارا قانون پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کہ وہ فاتح و منصور ہوں گے۔ (۶ : ۳۴) – (۳۷ : ۱۷۱)

۹۔ آدمؑ نے خدا سے کچھ کلمات (قوانینِ ہدایت) سیکھ لئے۔ (۲ : ۳۷)

۱۰۔ خدا کے بندوں (اولیاء اللہ) کی دنیا بھی خوشگوار ہوگی اور آخرت بھی۔ یہ خدا کا وہ قانون ہے جو کبھی بدل نہیں سکتا۔ (۱۰ : ۶۴) – (۱۱)۔ کلماتِ خداوندی لامتناہی اور بے حد و شمار ہیں۔ (۱۸ : ۱۰۹) – (۳۱ : ۲۷)

۱۲۔ حضرت مریمؑ نے قانونِ خداوندی کو سچ کر دکھایا ۔ (۱۲ : ۶۶)

۱۳۔ رسول اللہ قوانینِ خداوندی پر ایمان رکھتے تھے ۔ (۷ : ۱۵۸)

۱۴۔ خدا کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے قوانین کے مطابق احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کر دے ۔ (۷ : ۸)۔(۱۰ : ۸۲)

(۴۲ : ۲۴)۔ (۱۵)۔اہلِ کتاب وحیٔ خداوندی میں تحریف کر دیتے تھے ۔ (۴۶ : ۴)۔ (۱۳ : ۵)۔ (۴۱ : ۵)

۱۶۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے قانون کو بدل ڈالیں ؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا ۔ (۱۵ : ۴۸)

—(۰)—

ل

۱۔ لعنت

لعنت ۔ ہمارے ہاں تو لعنت کو گالی سمجھا جاتا ہے لیکن اس لفظ کے بنیادی معانی اور قرآنی استعمال کی رو سے یہ گالی نہیں بلکہ ایک حقیقت کا بیان ہے ۔(ل ۔ ع ۔ ن) کے معنی ہیں دور ہٹا دینا ۔ الگ کر دینا ۔ محروم کر دینا ۔ مفہوم اس کا یہ ہے کہ جو شخص، گروہ یا قوم، قوانینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کر کے غلط روش اختیار کر لیتی ہے، اس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی خوشگواریوں اور انسانیت ساز صلاحیتوں سے محروم رہ جاتی ہے ۔ اسے لعنت کہتے ہیں اور ایسی قوم (یا فرد) کو ملعون ۔ اس سے واضح ہے کہ لعنت درحقیقت، قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے، غلط روش کے اس نتیجہ کا نام ہے جس میں انسان زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتا ہے ۔

۲۔ ایک جگہ لعنت کا نتیجہ قساوتِ قلبی، یعنی دل کا پتھر کی طرح سخت ہو جانا، بتایا گیا ہے ۔ (۱۳ : ۵) ۔ اس قسم کے دل کی حرماں نصیبی ظاہر ہے ۔

۳۔ دنیاوی زندگی میں ملعون کے معنی ہوں گے ۔ ایسا مجرم جسے معاشرہ کی عام خوشگواریوں، حقوق اور مراعات سے محروم کر

دیا جائے۔ مختلف جرائم کی سزا میں اس قسم کی محرومی (لعنت) کا کوئی نہ کوئی گوشہ مضمر ہوتا ہے۔ دنیا میں لعنت بہرحال اسلامی مملکت اور معاشرہ کی طرف سے ہوگی۔ اس میں معاشرتی بائیکاٹ بھی شامل ہوگا۔

لعنت اللہ

خدا کی لعنت کن پر ہوتی ہیں۔ یعنی وہ کون لوگ ہیں جو غلط روش اختیار کرنے کی وجہ سے، قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق، زندگی کی انسانیت ساز خوشگواریوں سے دور اور محروم رہ جاتے ہیں۔

۱۔ کفار۔ یعنی قوانین خداوندی سے انکار کرتے اور سرکشی برتنے والے۔ (۱۶۱ : ۲) ۔ (۶۴ : ۳۳)

۲۔ بنی اسرائیل کے اصحاب السبت۔ (۴۷ : ۴)

۳۔ بنی اسرائیل اپنے مختلف جرائم کی وجہ سے۔ (۴۶ : ۴) ۔ (۵۲ : ۴) ۔ (۱۳ : ۵) ۔ (۶۰ : ۵) ۔ (۶۴ : ۵) ۔ یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ (۸۸ : ۲) ۔ حضرت داودؑ اور حضرت عیسٰیؑ کی زبان سے لعنت (۷۸ : ۵) قرآن سے کفر کی وجہ سے۔ (۸۹ : ۲) ۔ (۴) ۔ مومن کو عمداً قتل کر دینے والا۔ (۹۳ : ۴)

۵۔ "شیطان" تو سرکشی کا مجسمہ ہے وہ ملعون کیوں نہیں ہوگا؟ (۱۱۸ : ۴) ۔ رجیم اور ملعون مرادف ہیں (۳۵ - ۳۴ : ۱۵) (۷۸ - ۷۷ : ۳۸) ۔ (ان مقامات میں بھی شیطان کو رجیم کہا گیا ہے۔ (۳۵ : ۳) ۔ (۱۷ : ۱۵) ۔ (۹۸ : ۱۶) ۔ (۲۵ : ۸۱) ۔ (۶) منافقین۔ (۶۸ : ۹) ۔ (۲۳ - ۲۲ : ۴۷) ۔ (۶ : ۴۸)

۷۔ "اللہ اور رسول" کو اذیت پہنچانے والے۔ اور مومن مردوں اور عورتوں کے خلاف بہتان تراشی سے انہیں اذیت پہنچانے والے۔ دنیا اور آخرت میں ملعون۔ (۵۸ - ۵۷ : ۳۳) ۔ (۶۱ - ۶۰ : ۳۳) ۔ دنیاوی سزا بھی۔ (۲۳ : ۲۴)

۸۔ وحی کی تعلیم (قرآنی تعلیم) کو چھپانے والے۔ (۱۵۹ : ۲) ۔ (۹) ۔ ظالمین پر۔ (۴۴ : ۷) ۔ (۱۸ : ۱۱) ۔ (۵۲ : ۴۰)

۱۰۔ خدا کے خلاف افترا کرنے والوں پر۔ (۱۸ : ۱۱)

۱۱۔ قومِ عاد کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگی رہی اور قیامت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ (۶۰ : ۱۱) ۔ قومِ فرعون کے بھی۔ (۹۹ : ۱۱) ۔ (۴۲ : ۲۸)

۱۲۔ اللہ کے عہد کو توڑنے والے۔ جسے ملانے کا حکم دیا گیا تھا اسے قطع کرنے والے۔ ملک میں فساد برپا کرنے والے — (۲۵ : ۱۳)

ایک دوسرے کی لعنت

یعنی ایک گروہ کا دوسرے گروہ کی خیر سگالی، ہمدردی یا معاونت سے محروم رہ جانا۔

۱۔ جہنم میں داخل ہونے والی ایک قوم، اپنے جیسی دوسری قوم کو ملعون کہے گی۔ ان کی باہمی رفاقتیں ختم ہو جائیں گی اور وہ اپنی تباہی کے لئے دوسروں کو ملعون کریں گی۔ (۳۸ : ۷)

۲۔ مذہبی پیشوا، باطل پرستی سے دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھی ہو جاتے ہیں لیکن قیامت میں یہ ایک دوسرے کو ملعون گردانیں گے۔ (۲۵ : ۲۹)

۳۔ قرآنی تعلیم کو چھپانے والوں پر خدا کی بھی لعنت اور ہر لعنت کرنے والے کی لعنت بھی۔ (۱۵۹ : ۲)

۴۔ قیامت میں عوام اپنے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے متعلق کہیں گے کہ انہیں دوہرا عذاب دے اور ان پر لعنت کبیر کر۔ (۶۸ : ۳۳)

۵۔ مباہلہ، یعنی ایک دوسرے سے قطع تعلق کے معنی ہیں کہ فریقِ ثانی اپنے کذب کی وجہ سے ہماری رفاقت اور معاونت سے محروم ہوگا۔ (۳ : ۶۱) ۔ اسی لئے لعنت اللہ علی الکاذبین کہا گیا ہے۔

۶۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کر لینے والوں پر خدا کی، ملائکہ کی، اور لوگوں کی سب کی، لعنت۔ (۸۶ - ۸۵ ، ۳)

۷۔ جہنم میں ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔ (۴۴ ، ۷)

۸۔ اخلاقی الزام کے سلسلہ میں میاں بیوی میں باہمی ملاعنہ (یہ ایک عدالتی طریق ہے)۔ (۷ : ۲۴)

متفرقات

۱۔ شجرِ ملعونہ۔ (۱۷ : ۶۰) ۔ قرآن میں شجرۃ الزقوم کو اہلِ جہنم کی خوراک بتایا گیا ہے۔ (۶۶ - ۶۲ : ۳۷) (۴۴ : ۴۳ - ۴۴) ۔ اگرچہ اسے خاص طور پر ملعون نہیں کہا گیا لیکن جب شجر کی جہنم کی جڑوں سے نمود ہوتی ہو اور وہ اہلِ جہنم کی خوراک بنتا ہو، اس کے لعنت ہونے میں شبہ کیا ہو سکتا ہے۔ "شجرِ ملعونہ" سے غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ (تفصیل جہنم کے عنوان میں ملے گی)

۲۔ لغو

لغو ۔ بنیادی طور پر لغو، ان چیزوں یا باتوں کو کہتے ہیں جو ناقابلِ اعتناء ہوں۔ یعنی بے معنی ایسے وزن، بیہودہ سی باتیں ۔ یعنی ایسی باتیں جو شریف انسانوں کے شایانِ شان نہ ہوں ۔ ایسی باتیں جن کا کوئی مطلب اور مفہوم نہ ہو ۔ (پرندوں کی آواز کو بھی لغو کہتے ہیں) ایسی گفتگو جو بے سوچے سمجھے کی جائے ۔ ایسے کام جن کا کوئی وزن یا شمار نہ ہو ۔ ان تمام مفاہیم کے لئے لغو کا لفظ آتا ہے ۔

قرآن کریم انسانی زندگی کو بڑا (SERIOUSLY) لیتا ہے ۔ اس کے نزدیک اس کا ایک ایک لمحہ اس طرح قیمتی ہوتا ہے جس طرح کسان کا فصل بونے کا موسم ۔ اسے (SERIOUSLY) نہ لینا اور بے معنی اور بیہودہ باتوں میں ضائع کر دینا انسانیت کی عدالت میں جرم ہے اور فردِ متعلقہ کے لئے بہت بڑے خسارہ کا موجب ۔ اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے ۔ قرآن، لغویات کی تفصیل نہیں دیتا ۔ انہیں ہم (مندرجہ بالا مفہوم کی روشنی میں) خود متعین کر سکتے ہیں ۔ اسلامی معاشرہ چونکہ دنیا میں جنتی زندگی کا عکس ہوتا ہے اس لئے اس میں لغو کا دخل نہیں ہوتا ۔

لغو کے معنی بے سوچے سمجھے بات کہہ دینا

۱۔ جو قسم یونہی بے سوچے سمجھے منہ سے نکل جائے اس کا مواخذہ نہیں ہوتا ۔ یعنی اسے (SERIOUSLY) نہیں لیا جاتا ۔ مواخذہ اُس قسم کا ہوتا ہے جس میں دل کا ارادہ شامل ہو ۔ یہاں سے لغو کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ (۲ : ۲۲۵)-(۵ : ۸۹)

مومن لغو سے اعراض برتتے ہیں

۱۔ مومنین کی خصوصیت ۔ (۲۳ : ۳) ۔ انہیں اگر کبھی لغو کے پاس سے گزرنا پڑے، تو نہایت شریفانہ انداز سے دامن کشاں گزر جاتے ہیں ۔ (۲۵ : ۷۲) ۔ وہ لغو سننا بھی پسند نہیں کرتے ۔ (۲۸ : ۵۵)

جنت میں لغو نہیں ہوگا

۱۔ جنت کی "شراب" (پینے کی شے) میں نہ لغو ہوگا نہ تاثیم ۔ لغو جس سے انسان بیہودہ بکنے لگ جائے اور تاثیم جس سے

افسردگی اور اضمحلال پیدا ہو۔ (۲۳ : ۵۲)

۲۔ اہلِ جنت وہاں لغو سنیں گے ہی نہیں۔ وہاں ہر طرف سے سلاماً سلاماً کی نشیدِ جانفزا "فردوسِ گوش" بنے گی۔ (۱۹ : ۶۲) - (۲۵ : ۵۶)

۳۔ وہاں لغو اور کذب کی کوئی بات نہیں ہو گی۔ یعنی نہ جھوٹ بولنا اور نہ ہی یونہی کچھ بیہودہ بک دینا۔ (۳۵ : ۷۸)

۴۔ ایک جگہ اسے لاغیہ بھی کہا گیا ہے۔ (۱۱ : ۸۸)

متفرق

۱۔ کفار کہتے ہیں کہ اس قرآن کو بالکل نہ سنو۔ جب کوئی اسے پیش کرے تو بے معنی شور مچا دو تاکہ کوئی اسے سننے نہ پائے۔ ہمارے واعظوں کے توہم پرستانہ قصے، بیہودہ داستانیں، بے معنی کہانیاں، طرح طرح کا "مقدس" شور، سب اس زمرہ میں آتا ہے۔ (۲۶ : ۴۱)۔ مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کا پیغام نہ سن سکیں کیونکہ وہ پیغام مذہبی پیشوائیت کے لئے "پیامِ مرگ" ہوتا ہے۔

۳۔ لقاءِ رب

قرآن کریم میں ایک اصطلاح "لقاءِ رب" بھی آتی ہے۔ لقاء کے معنی ہوتے ہیں:۔

۱۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا۔ اور (۲) کسی بات کا محسوس طور پر یا بربنائے بصیرت ادراک کر لینا۔ ہمارے ہاں اس اصطلاح سے عام طور پر "خدا سے ملاقات" کرنا، مراد لی جاتی ہے۔

۲۔ جہاں تک اس دنیا میں خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کا تعلق ہے، یہ ناممکنات میں سے ہے۔ عام انسان تو ایک طرف، جب حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم رسول نے اس کی التجا کی تو ان سے بھی کہہ دیا گیا کہ "لن ترانی"۔ تو مجھے دیکھ نہیں سکتا۔ لہٰذا "لقاءِ رب" کے معنی اس دنیا میں خدا کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لینا نہیں ہو سکتے۔

۳۔ جہاں تک اخروی زندگی میں لقاءِ رب کا تعلق ہے، ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر اس کا تصور تک بھی نہیں کر سکتے کہ اس زندگی کی کنہ اور ماہیت کیسی ہو گی۔ اس لئے اس وقت ہم وہاں کے "لقاءِ رب" کا شعور نہیں کر سکتے۔

۴۔ لیکن جس طرح ہم اس دنیا میں "آیاتِ خداوندی" ۔ یعنی اشیائے کائنات پر غور و فکر کرنے ۔ سے ، خالقِ کائنات کی ہستی پر ایمان لا سکتے ہیں ۔ اسی طرح ہم کائنات میں جاری و ساری خدا کے نظامِ ربوبیت پر غور و تدبر سے اسے (گویا) اپنے سامنے بے نقاب دیکھ سکتے ہیں ۔ اسے استعارۃً لقاءِ رب کہا جا سکتا ہے ۔

۵۔ "لقاءِ رب" کا ایک مفہوم اور بھی ہے ۔ ہم اپنے ہاں عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ "وہ تو یوں سمجھ رہا ہے گویا اس نے کبھی ہمارے سامنے آنا ہی نہیں" یا یہ کہ "وہ جو جی میں آئے کہتا پھرے ، ایک دن اس کے ساتھ آمنا سامنا تو ہوگا ہی" یا جیسے ہم کہتے ہیں ۔ قانون کا سامنا کرنا ۔ عدالت کے سامنے آنا ۔ وغیرہ ۔ ان معانی کی رو سے "لقاءِ رب" سے مراد ہوگا ۔۔۔ انسان کا اپنے اعمال کے نتائج کو محسوس طور پر اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لینا ۔ اسے خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل کہیئے ۔ یہ اس دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اور مرنے کے بعد بھی ۔

زیرِ نظر عنوان میں "لقاءِ رب" کے یہ تینوں گوشے سامنے لائے جاتے ہیں ۔ (۱) لقاءِ رب مرنے کے بعد ۔ (۲) ۔ لقاءِ رب ، نظامِ کائنات اور نظامِ ربوبیت پر غور و فکر سے ہستیٔ باری تعالیٰ پر ایمان ۔ اور (۳) انسانی اعمال کے نتائج کا محسوس طور پر سامنے آنا ۔ اس دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ۔

اس سلسلہ میں عنوانات "قیامت" ۔ جنت ۔ قوانینِ فطرت وغیرہ بھی دیکھئے ۔

مرنے کے بعد لقاءِ رب

۱۔ منافقین کے دل میں اس دن تک نفاق ڈال دیا جب وہ خدا سے ملیں گے ۔ اس کے معنی "مرتے دم تک" ہوں گے ۔ اس سلسلہ میں عنوان قیامت میں " الیٰ یوم القیامۃ " کا باب بھی دیکھئے ۔ (۷۷ : ۹)

۲۔ مومنین جس دن خدا سے ملاقی ہوں گے تو ان کا باہمی تحفۂ تبریک و تہنیت "سلام" ہوگا ۔ (۴۴ : ۳۳)

۳۔ عہدِ خداوندی توڑنے والوں کی طرف خدا ، قیامت کے دن نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا ۔ (۷۷ : ۳)

۴۔ اس دن بہت سے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے ۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے (۲۳ - ۲۲ : ۷۵)

قانونِ مکافاتِ عمل کے معنی لقاءِ رب

۱۔ جن لوگوں نے لقاء اللہ کی تکذیب کی وہ نقصان میں رہے ۔ (۶:۳۱) ۔ (۴۵ : ۱۰) ۔ (۱۰۵ : ۱۸) ۔ (۲۹ : ۲۳) ۔ (۳۰ : ۱۶)

۲- اس دن کا سامنے آجانا جب اعمال کے نتائج رونما ہوں گے - (۳۱ : ۶) - (۵۱ : ۷) - (۱۴۷ : ۷) - (۳۲ : ۲۳)
(۱۴ : ۳۲) - (۷۱ : ۳۹) - (۳۴ : ۳۵)

۳- وحی سے مقصود یہ بھی ہے کہ لوگ لقاءِ رب پر ایمان لے آئیں - (۱۵۵ : ۶) - (۲ : ۱۳) - (۲۳ : ۳۲)

۴- جو لقاءِ رب کی تمنا رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اعمالِ صالح کرے - (۱۱۰ : ۱۸) - اسے یقین رکھنا چاہیئے کہ خدا کا مقررہ وقت آکر رہے گا - (۵ : ۲۹) - مومن لقاءِ رب پر ایمان رکھتے ہیں - (۴۶ : ۲) - (۲۴۹ : ۲)

۵- اکثر لوگ لقاءِ رب سے انکار کرتے ہیں اور اقوامِ سابقہ کے انجام سے دیکھتے نہیں کہ غلط اعمال کا نتیجہ کیا ہوتا ہے - (۹-۷ : ۳۰) (۵۴ : ۴۱) - یہ صرف دنیاوی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے ہیں - (۷ : ۱۰) - (۱۱ : ۱۰) - (۱۵ : ۱۰) - (۲۱ : ۲۵)

۶- حیات بعد الممات کے منکر درحقیقت لقاءِ رب سے انکار کرتے ہیں - (۷ : ۱۰) - (۱۰ : ۳۲)

۷- اسے یوم التلاق کہا گیا ہے - (۱۵ : ۴۰) - (۸) - حساب سے ملاقات (آمنے سامنے ہونا) - (۲۰ : ۶۹)

۹- مومن (ایمان رکھتے ہیں کہ وہ) اپنے رب کے سامنے جائیں گے - (۲۹ : ۱۱)

۱۰- یاد رکھو کہ تم نے اپنے رب کے سامنے جانا ہے - (۲۲۳ : ۲)

۱۱- اے انسان! تم نے مشقتوں کے بعد ہی سہی، لیکن خدا کے سامنے ضرور جانا ہے - (۶ : ۸۴)

نظامِ فطرت اور نظامِ ربوبیت سے لقاءِ رب

۱- وہ کائنات میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم لقاءِ رب پر ایمان لاؤ - (۲ : ۱۳)

۲- ہم تمہیں اپنی نشانیاں عالمِ النفس و آفاق میں دکھائیں گے تاآنکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن ایک حقیقتِ ثابتہ ہے - لیکن یہ لوگ لقاءِ رب کے متعلق شک میں ہیں - حالانکہ وہ تمام اشیائے کائنات کو محیط ہے - (۵۴-۵۳ : ۴۱)

۳- نظامِ کائنات کے مختلف گوشوں کو سامنے لاکر کہا کہ جو لوگ لقاءِ رب کی آرزو نہیں رکھتے اور پیش پا افتادہ مفادات ہی پر مطمئن ہو جاتے ہیں، ان کا مستقبل جہنم کی زندگی ہے - (۷-۵ : ۱۰)

۴- آیات اللہ اور لقاءِ رب سے انکار کرنے والے رحمتِ خداوندی سے محروم رہ جاتے ہیں - (۲۳ : ۲۹)

۴۔ لقمان

قرآن کریم میں علم و حکمت کی باتوں کے سلسلے میں ایک شخصیت کا ذکر آتا ہے جن کا نام لقمانؔ ہے۔ قرآن کریم نے انہیں نبیؔ نہیں کہا، نہ ہی ان کا تعارف کرایا ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ زمانۂ نزولِ قرآن کے عرب، اس شخصیت سے متعارف تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی ہیں ان کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ (۱۹-۱۲ : ۳۱)

(ان کے متعلق قیاسات کیا ہیں، اس کی بابت میری لغات القرآن دیکھئے)

۵۔ (حضرت) لوطؑ

قومِ لوط

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے۔ (۲۶ : ۲۹)۔ یہ حضرت لوطؑ کے منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اور انہوں نے (غالباً) حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہی ہجرت کی (۲۶ : ۲۹)—— اور اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے جسے، ان کی نسبت سے قرآن نے قومِ لوط کہہ کر پکارا ہے۔ وہ قوم، اغلام جیسی قبیح اور انسانیت سوز عادت میں مبتلا تھی۔ اور اس پر اصرار کا نتیجہ تھا کہ وہ تباہ ہوگئی۔ قرآن میں ہے کہ اس تباہی سے پہلے، خدا کے فرستادگان حضرت ابراہیمؑ کے ہاں سے ہوتے ہوئے حضرت لوطؑ کے پاس آئے۔ یہ ملائکہ نہیں تھے۔ انسان ہی تھے۔ ان کی تفصیل عنوان ابراہیمؑ میں بھی دی گئی ہے۔

۲۔ ہمارے ہاں اغلام کے لئے لفظ لواطت عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس سے اجتناب برتنا چاہیئے کیونکہ (ہرچند اس کی نسبت قومِ لوط کی طرف مقصود ہوتی ہے لیکن) اس سے ذہن حضرت لوطؑ کی طرف بھی منتقل ہو سکتا ہے اس لئے اس سے اجتناب ہی کرنا چاہیئے۔

فرستادگانِ خداوندی کی حضرت لوطؑ کے پاس آمد

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے ہوتے ہوئے فرستادگان خداوندی کا حضرت لوطؑ کے پاس آنا۔ (۷۴-۷۰ : ۱۱)-(۷۷ : ۱۱)-

(۱۱ : ۸۱) - (۱۵ : ۶۱) - (۲۹ : ۳۳)

۲۔ حضرت لوطؑ زمرۂ انبیاء میں سے تھے - (۶ : ۸۶) - انہیں علم اور حکومت عطا کی گئی تھی - (۲۱ : ۷۴) - (۳۷ : ۱۳۳)

قومِ لوط کی قبیح عادت اور تباہی

۱۔ قومِ لوط کا مقام عربوں سے دور نہیں تھا۔ (۱۱ : ۸۹)

۲۔ ان کی بستی تباہ ہوئی اور مومنین محفوظ نکال لئے گئے۔ (۷ : ۸۳-۸۴) - (۱۵ : ۵۹) - (۲۱ : ۷۱) - (۲۱ : ۷۴) - (۵۴ : ۳۴)

۳۔ قومِ لوط کا دیگر اقوام کے ساتھ ذکر - (۲۲ : ۴۳) - (۳۸ : ۱۳) - (۵۰ : ۱۳)

۴۔ انہوں نے مرسلین کی تکذیب کی تھی - (۲۶ : ۱۶۰) - (۵۴ : ۳۳)

۵۔ قوم کا حضرت لوطؑ کے ساتھ جھگڑا۔ (۲۶ : ۱۶۱ - ۱۶۷) - (۲۷ : ۵۶)

۶۔ حضرت لوطؑ کی بیوی مخالفین میں سے تھی - (۶۶ : ۱۰)

۷۔ قومِ لوط کا جرم اغلام - (۷ : ۸۰ - ۸۱) - (۲۷ : ۵۴ - ۵۵) - (۲۹ : ۲۸ - ۲۹)

(۰)

۶۔ لہو ولعب

لھو - لہو ولعب اگرچہ مرادف سے الفاظ ہیں، لیکن ان میں لطیف سا فرق ہے - بنیادی طور پر لھو ہر اس کام کو کہتے ہیں جو انسان کی توجہ اہم امور کی طرف سے ہٹا کر غیر اہم باتوں کی طرف مرکوز کر دے "غیر اہم امور" میں ایسے کام بھی آجاتے ہیں جن کی کوئی صحیح غرض و غایت نہ ہو۔

لعب - ایسے عمل کو کہتے ہیں جس میں حرکت تو ہو لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلے - بلا مقصد کام۔ اسے جِدٌ کی ضد کے طور پر استعمال کرتے ہیں - جِدٌ کے معنی ہوتے ہیں کسی بات کو (SERIOUSLY) لینا۔ لہذا لعب کے معنی ہوں گے کسی معاملہ میں (SERIOUS) نہ ہونا۔

۲۔ قرآن کریم کی اکثر آیات میں دنیاوی زندگی کو لھو ولعب سے تعبیر کیا گیا ہے - اس کا غلط مفہوم لینے سے بہت سی غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں - قرآن کریم، دنیاوی زندگی کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اس کی خوشگواریوں کو خدا کے انعامات سے تعبیر

کرتا ہے۔ وہ اسے نہایت (SERIOUSLY) لینے کی تاکید کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ کہتا ہے کہ جب کبھی ایسا ہو کہ دنیا کے کسی مفاد یا متاع (سامانِ زیست) اور مستقل اقدارِ خداوندی میں تصادم ہو۔ ان میں (TIE) پڑ جائے تو اس وقت یہ سمجھو کہ متاعِ دنیا، مستقل اقدار کے مقابلہ میں لہو و لعب ہے۔ مستقل قدر کا تحفظ ان کے مقابلہ میں بڑی بیش قیمت متاع ہے۔ اس لئے، اُس دنیاوی مفاد کو قربان کرکے، مستقل قدر کی حفاظت کرو۔ کیونکہ مستقل اقدار کے تحفظ سے انسان کی حیاتِ اُخروی سنورتی ہے اور حیاتِ اخروی کے مقابلہ میں حیاتِ ارضی بہرحال کم قیمت ہے۔ یہ ہے صحیح مطلب حیاتِ دنیا کے لہو و لعب ہونے کا۔ نہ یہ کہ یہ زندگی فی اصلہٖ بیکار، بے مقصد، کھیل تماشا ہے۔ قرآن کا یہ مقصد نہیں (تفصیل دنیا کے عنوان میں دیکھئے)۔ اس نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ جو لوگ حیاتِ دنیا کو محض کھیل تماشا (لعب) سمجھتے ہیں۔ اور اسے (SERIOUSLY) نہیں لیتے، وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔

لعب

۱۔ یونہی مذاق کرنا

۱۔ ان منافقین سے پوچھو کہ تم دین سے استہزا کیوں کرتے ہو تو یہ کہیں گے کہ یہ تو ہم یونہی مذاق کرتے ہیں۔ اسے آپ سنجیدگی سے نہ لیں۔ (۶۵-۶۴ : ۹)

۲۔ زندگی کو (SERIOUSLY) نہ لینے والے

۱۔ انہیں کھیل تماشا میں الجھے رہنے دو تا آنکہ ان کے اعمال کے نتائج ان کے سامنے آجائیں۔ (۸۳ : ۴۳) — (۱۲ : ۵۲) (۴۲ : ۷۰)

۳۔ حیاتِ دنیا لہو ولعب ہے

۱۔ آخرت کے منکر نقصان میں رہیں گے۔ انہیں اس وقت معلوم ہوگا کہ حیاتِ دنیا لہو ولعب تھی۔ زندگی کہلانے کی مستحق حیاتِ آخرت ہی تھی۔ (۶ : ۳۱-۳۲) - (۲۹ : ۶۴) - ایمان و تقویٰ کے مقابلہ میں حیاتِ دنیا لہو ولعب ہے۔ (۴۷ : ۳۶) خدا کی مغفرت، رحمت اور جنت کے مقابلہ میں حیاتِ دنیا لہو ولعب ہے۔ (۵۷ : ۲۰)

۴۔ دین کو مذاق سمجھنے والے

۱۔ جو تمہارے دین کو مذاق سمجھیں انہیں دوست مت بناؤ۔ (۵ : ۵۷) - جب تم صلوٰۃ کے لئے آواز دیتے ہو تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (۵ : ۵۸)

۲۔ جو اپنے دین کو (یا جو دین ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اسے) یونہی مذاق سمجھیں ان سے قطع تعلق کرلو۔ (۶ : ۷۰) ۔ یہ اہل جہنم ہیں ۔ (۷ : ۵۱) ۔ یہ انبیاء سے بھی پوچھا کرتے تھے کہ تم اپنی دعوت میں سنجیدہ ہو یا اسے محض کھیل تماشا کے طور پر پیش کرتے ہو۔ (۲۱ : ۵۵)

۵۔ تخلیقِ کائنات

۱۔ ہم نے کائنات کو محض کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ (۲۱ : ۱۶)۔ اسے بالحق پیدا کیا ہے۔ (۴۴ : ۳۸-۳۹)

لھو ۔

۱۔ اصل مقصد سے غافل کر دینا

۱۔ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی ہوس تمہیں زندگی کے حقیقی مقصد کی طرف سے غافل کر دیتی ہے ۔ (۱۰۲ : ۱)

۲۔ تمہاری اولاد اور مال ودولت تمہیں قوانینِ خداوندی (ذکر اللہ) سے غافل نہ کردے ۔ (۶۳ : ۹)

۳۔ مومن وہ ہیں جنہیں کاروبار کی کشش ذکر اللہ سے غافل نہیں کرسکتی ۔ (۲۴ : ۳۷)

۴۔ جنہیں لمبی لمبی خواہشات اور آرزوئیں اصل مقصد سے غافل کردیں، انہیں چھوڑ دو کہ وہ ان دھندوں میں الجھے رہیں ۔ ان کے اعمال کے نتائج جلدی ان کے سامنے آجائیں گے ۔ (۱۵ : ۳)

۵۔ جو خدا کے ہاں سے ملتا ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے ۔ (۶۲ : ۱۱)

۶۔ وہ دل جو زندگی کے حقیقی مقصد سے غافل ہو۔ (۲۱ : ۳)

۲۔ لہوالحدیث

۱۔ بعض لوگ بے مقصد امور، بیہودہ باتوں میں الجھے رہتے ہیں جو انہیں خدا کی راہ سے بہکا دیتے ہیں ۔ وہ اپنے جذبات کی رو میں ایسے بہ جاتے ہیں کہ وہ "خدا کی راہ" سے مذاق کرنے لگ جاتے ہیں ۔ (۳۱ : ۶)

۲۔ صدرِ اول میں نا تربیت یافتہ افراد کی حالت یہ تھی کہ حضور ان سے مخاطب ہوتے تھے، لیکن جونہی کوئی کھیل تماشے کی آواز آتی یا کوئی قافلہ آتے دکھائی دیتا وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ۔ (۶۲ : ۱۱)

۳۔ لہو ولعب

۱۔ دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے (اسے لعبؔ کے تحت دیکھئے)۔

(-)

م

۱۔ ماپ تول (وزن)

قرآن کریم نے ماپ تول کو صحیح رکھنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ اس میں انفرادی کاروبار بھی آجاتا ہے اور اجتماعی نظامِ معیشت بھی (اس کے لئے دیکھئے "معاشی نظام" کا عنوان)۔ اس سے مراد معاشی عدل ہے۔

۱۔ ماپ تول پورا رکھو۔ میزان کو بالکل سیدھا رکھو۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو۔ (۶ : ۱۵۳)۔ (۷ : ۸۵)۔ (۱۱ : ۸۴-۸۵)۔ (۱۷ : ۳۵)۔ (۲۶ : ۱۸۲)۔ (۵۵ : ۹)۔ (۸۳ : ۱-۳)

۲۔ علاوہ ازیں، قرآن نے کہا ہے کہ دوسروں کا مال باطل (ناجائز) طریق سے مت کھاؤ۔ اس میں ماپ تول میں دھوکا کرنا بھی آجاتا ہے۔ (۲ : ۱۸۸)۔ (۴ : ۲۹)۔ (۵ : ۶۲)

۳۔ جس طریق سے مذہبی پیشوا لوگوں کا مال بٹور لیتے ہیں۔ وہ بھی باطل (ناجائز) ہے۔ (۹ : ۳۴)

۲۔ مال

(نیز دیکھئے انفاق - معاشی نظام - دولت وغیرہ)

مال (جس کی جمع اموال ہے) کا مادہ (م - و - ل) ہے۔ ابتداءً یہ لفظ اس چاندی یا سونے کے لئے بولا جاتا ہے جس کا کوئی مالک بن جائے۔ اس کے بعد دوسری چیزوں کے ذخیرے کو بھی مال کہنے لگ گئے۔ ویسے عربوں کے ہاں زیادہ تر اونٹوں کے گلے کو مال کہتے تھے۔ کیونکہ یہی ان کی دولت تھی۔ خود ہمارے ہاں بھی (زمینداروں میں) "مال مویشی" اکٹھا بھی بولتے ہیں اور خالی مال

سے بھی مراد، ان کے جانور ہوتے ہیں - عام استعمال اس کا ہر قسم کی دولت کیلئے ہوتا ہے۔ قرآنی نظام میں مال، صرف انسان کی ضروریات پورا کرنے کا ذریعہ ہے - دوسرے انسانوں کو محتاج بنا کر انہیں اپنا محکوم و مطیع بنا لینے کا ذریعہ نہیں - اسی لئے اس نظام میں مال و دولت کو سمیٹ کر جمع کر لینے کی اجازت نہیں۔ تفصیل اس کی "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔

مال و دولت وجۂ جاذبیت ہے اور خدا کا انعام

۱۔ مال و دولت ایسی چیز نہیں جس سے نفرت کی جائے۔ اسلام رہبانیت نہیں سکھاتا - وہ دولت کمانے کی ترغیب دیتا ہے - لیکن اس کا مصرف خود متعین کرتا ہے - (۱۴ : ۳)

۲۔ مال، زندگی کے کاموں کا سہارا ہے - اسے ایسے لوگوں کی تحویل میں مت دو جو عقل و فکر سے عاری ہوں - (۵ : ۴)

۳۔ مال و دولت کی فراوانی خدا کی نعمت ہے - (۶ : ۱۷) - (۱۲ : ۷۱)

۴۔ حضرت سلیمانؑ کو بڑی فراوانی سے مال دیا گیا تھا - (۳۶ : ۲۷)

۵۔ خدا نے نبی اکرمؐ کو حاجت مند پایا تو آپ کو غنی کر دیا - (۸ : ۹۳)

۶۔ مال و بنون دنیاوی زندگی کے لئے زینت ہیں۔ لیکن بقا صرف عمل صالح کے لئے ہے - (۴۶ : ۱۸)

۷۔ مال و بنون کی زیادتی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا شخص خدا کے ہاں مقبول ہے - (۵۵ : ۲۳) - (۳۷ : ۳۴)

۸۔ خدا نے مومنین کو کفار کے مال و املاک کا مالک بنا دیا - (۲۷ : ۳۳)

لیکن یہی مال تباہی کا موجب بھی بن جاتا ہے

۱۔ اجتماعی ضروریات کے وقت مال صرف کرنے سے دریغ کرنا اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنا ہے - (۱۹۵ : ۲)

۲۔ جب مال کی محبت، بلند انسانی اقدار کے راستے میں حائل ہو جائے تو وہی مال فتنہ (تباہی کا موجب) بن جاتا ہے (۲۸ : ۸) (۲۴ : ۹) - (۱۵ : ۶۴)

۳۔ مال کو جمع رکھنا اور اسے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کھلا نہ رکھنا، عذابِ جہنم کا موجب ہے - (۳۵ : ۹)

۴۔ مال کے نشے میں بدمست ہو کر قوانینِ خداوندی کو فراموش کر دینے سے تباہی آجاتی ہے - (۵۵ : ۹) - (۳۲ : ۱۸) (۷۷ : ۱۹) - (۳۹ : ۳۴) - (۱۴ : ۶۸)

۵۔ اس بات کا خیال رکھو کہ کہیں تمہارے مال اور اولاد تمہیں قوانینِ خداوندی سے غافل نہ کر دیں - (۲۸ : ۸) - (۹ : ۶۳)

۶۔ اگر انسان وحی کے تابع نہ چلے تو مال کی کثرت اسے حق کی مخالفت پر آمادہ کر دیتی ہے۔ (۱۴ : ۶۸) – (۲۱ : ۷۱) – (۱۵- ۱۲ : ۷۴) –

۷۔ مال کی ایسی محبت کہ انسان چاہے کہ ساری دنیا کی دولت سمٹ کر اس کے پاس آجائے اور وہ اُسے پھر اپنی ملکیت سمجھ کر اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائے، تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ (۲۰ : ۸۹)

۸۔ انسان اگر وحی کے تابع نہ چلے تو مال کی محبت اس پر غالب آجاتی ہے۔ (۸ : ۱۰۰)

۹۔ مال و دولت نہ وجۂ عزت و تکریم ہو سکتا ہے نہ کسی کام کی اہلیت کا بدل۔ انتخاب کا معیار صلاحیت ہونا چاہیئے نہ کہ مال و دولت۔ (۲ : ۲۴۷) – (۱۰)۔ طبیعی نظریۂ حیات میں مقصدِ زندگی تکاثر فی الاموال رہ جاتا ہے۔ (۲۰ : ۵۷)

مال جمع کرنے اور اُسے انسانیت کی بہبود کے لئے کھُلا نہ رکھنے سے تباہی آجاتی ہے

۱۔ بخل کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ خدا نے دیا ہے اسے چھپا کر اپنے ہی لئے رکھ لیا جائے۔ (۴ : ۳۷)

۲۔ مال کو جمع کرنا اور اسے انسانیت کی بہبود کے لئے کھلا نہ رکھنا، عذاب جہنم کا موجب ہے۔ (۹ : ۳۵)

۳۔ شیطان (یعنی انسان کا خود غرضی کا جذبہ) وہ طریقہ سمجھاتا رہتا ہے جس سے مال بڑھتا رہے اور اسے انسانیت کی بہبود کے لئے صرف نہ کیا جائے۔ (۱۷ : ۶۴)

۴۔ مال کو جمع کر کے اسے بند رکھنے والا جہنمی ہے۔ (۷۰ : ۱۸) – (۸۹ : ۲۰) – (۱۰۴ : ۱-۴)

۵۔ ابولہب اسی ذہنیت کا نمائندہ تھا۔ اس لئے اس کے لئے تباہی فطری امر تھا۔ (۱۱۱ : ۲)

۶۔ دولت کے بل بوتے پر لیڈر بن جانے والے تباہی کا موجب بنتے ہیں۔ (۷۱ : ۲۱)

۷۔ قوموں کی تباہی اسی طرح ہوتی ہے۔ (۶۹ : ۹) – (۸۸ : ۱۰) – (۳۵ : ۳۴)

مال و دولت کا صحیح مصرف

۱۔ نظامِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے جدوجہد میں مال کا نقصان بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہی اس مال کا صحیح مصرف ہے۔ (۲:۱۵۵)

۲۔ نیک عملی یہ ہے کہ مال کی محبت کے باوجود اسے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے صرف کیا جائے۔ (۲ : ۱۷۷)

۳۔ مال اس بات کی جانچ بنتا ہے کہ تم حق و صداقت کی راہ میں کس قدر ایثار کر سکتے ہو۔ (اس کو ابتلا کہتے ہیں) – (۲ : ۱۵۵) – (۳ : ۱۸۵)

۴۔ جہاد، جان اور مال دونوں سے ہوتا ہے۔ (۴ : ۹۵) ۔ (۸ : ۷۲) ۔ (۹ : ۲۰) ۔ (۹ : ۴۱) ۔ (۹ : ۴۴) ۔ (۹ : ۸۸) ۔ (۴۹ : ۱۵) ۔ (۶۱ : ۱۱)

۵۔ خدا نے مومنین کی جان اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔ اس لئے مومن نہ اپنی جان کا مالک ہوتا ہے نہ مال کا۔ (۹ : ۱۱۱)

۶۔ اپنے مال میں تصرف قوانینِ خداوندی کے مطابق کیا جا سکتا ہے لہٰذا انسان اپنے مال کا مطلق مالک نہیں ہوتا۔ امین ہوتا ہے۔ (۱۱ : ۸۷) ۔

۷۔ مومن کے مال میں محتاج اور ضرورت مند کا حق ہوتا ہے۔ وہ اسے بطور حق لے سکتے ہیں اس لئے خیرات یا بھیک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۱۹ : ۵۱) ۔ (۲۴ : ۷۰)

۸۔ مال اور جان سے جہاد ایسی تجارت ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوتا۔ (۶۱ : ۱۰)

۹۔ متقی اپنا مال دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتا ہے تو اس سے اس کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ (۹ : ۱۰۳) ۔ (۹۲ : ۱۸) ۔ (۱۰) ۔ تعمیری کاموں کی مخالفت میں مال خرچ کرنا، مال ضائع کرنا ہے۔ (۸ : ۳۶)

۱۱۔ مال کی گردش اوپر کے طبقے ہی میں محدود نہیں رہنی چاہیئے۔ اسے (خون کی گردش کی طرح) پورے معاشرہ کے اندر یکساں طور پر گردش کرنا چاہیئے۔ (۵۹ : ۷)

۱۲۔ جو غلام آزادی حاصل کرنا چاہیں ان کی مال سے مدد کرو۔ (۲۴ : ۳۳)

۱۳۔ لوگوں کے دکھاوے کے لئے نیک کاموں میں مال خرچ کرنا اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ (۲ : ۲۶۴)

۱۴۔ مال و اولاد کہیں تمہیں ذکر اللہ سے غافل نہ کر دیں۔ (۶۳ : ۹) ۔ یعنی تم کہیں قوانینِ خداوندی کو فراموش نہ کر دو۔

انفاق فی سبیل اللہ کے نتائج

۱۔ ایک ایک دانہ کے سات سات سو دانے۔ (۲ : ۲۶۱) ۔ (۲ : ۲۶۵) ۔ (۲ : ۲۷۴)

۲۔ بشرطیکہ اس میں ریا نہ ہو۔ نہ ہی کسی کو اذیت پہنچائی جائے۔ (۲ : ۲۶۲) ۔ (۴ : ۳۸)

۳۔ کفار، سبیل اللہ میں رکاوٹیں ڈالنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں۔ (۸ : ۳۶)

۴۔ منافقین پر انفاق فی سبیل اللہ سخت گراں گزرتا تھا۔ (۹ : ۸۱)

ایک دوسرے کا مال ناحق طریق پر مت کھاؤ

۱۔ ایک دوسرے کا مال ایسے طریق سے مت کھاؤ جسے قانونِ خداوندی نے جائز قرار نہیں دیا ۔ نہ ہی اسے رشوت کے طور پر حکام تک پہنچاؤ۔ (۲ : ۱۸۸) ۔ (۴ : ۲۹)

۲۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کرو۔ (۴ : ۲) ۔ (۴ : ۶) ۔ (۴ : ۱۰) ۔ اسے ناحق مت کھاؤ۔ (۶ : ۱۵۲) ۔ (۱۷ : ۳۴)

۳۔ یہودی دوسروں کا مال ناحق کھا جاتے تھے' اس لئے تباہ ہوئے ۔ (۴ : ۱۶۱)

۴۔ مذہبی علماء اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں ۔ یہاں ناحق (باطل) کے معنی ہیں تعمیری نتائج پیدا کئے بغیر۔ (۹:۳۴)

۵۔ اہلِ کتاب کی بددیانتی ۔ (۳ : ۷۵)

مال بطور فدیہ یا کفارہ

۱۔ تم مال دیکر اپنے غلط اعمال کے نتائج سے نہیں بچ سکتے ۔ (۳ : ۹) ۔ (۳ : ۱۱۵) ۔ (۲۶ : ۸۸) ۔ (۵۸ : ۱۷) ۔ (۲۸ : ۶۹) ۔ (۱۱ : ۹۲)

۲۔ مال اور اولاد زندگی کی پرکشش چیزیں ہیں لیکن باقی رہنے والے اعمال صالح ہیں ۔ (۱۸ : ۴۶) ۔ اضافی چیزیں ختم ہو جاتی ہیں ۔ انسان کے اعمال کے نتائج' جس سے اس کی انسانیت مرتب ہوتی ہے' باقی رہتے ہیں ۔ لہٰذا مال کو اگر قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کیا جائے تو یہ وہ عمل ہے جس کا نتیجہ انسانی ذات کی نشوونما کا موجب بن جاتا ہے اس لئے باقی رہتا ہے ۔

۳۔ مال' مکافاتِ عمل سے نہیں بچا سکتا ۔ (۵۸ : ۱۷) ۔ (۱۱ : ۹۲)

ربٰو

۱۔ قرآن کی رو سے سرمایہ کے معاوضہ کو ربٰو کہا جاتا ہے ۔ خواہ اس کی شکل کوئی بھی ہو ۔ اسے الگ عنوان ربٰو کے ماتحت درج کیا گیا ہے ۔ قرآن نے اسے "دوسروں کا مال ناحق طریق سے کھا جانا" قرار دیا ہے ۔ (۲ : ۲۷۹) ۔ (۴ : ۱۶۱) ۔ (۳۰ : ۳۹)

متفرقات

۱۔ جو غلام آزادی کا خواہاں ہو اسے آزاد کردو۔ اور اپنے مال میں سے کچھ مال بھی اسے دو تاکہ وہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے۔ (۳۳ : ۲۴) تفصیل ان امور کی "غلام اور لونڈیاں" کے عنوان میں ملے گی۔

۲۔ مال کے لالچ سے، باطل کے ساتھ مفاہمت مت کرو۔ (۳۶ : ۲۷)

۳۔ رسول، اجر رسالت کے طور پہ مال کا طلبگار نہیں ہوتا تھا۔ وہ اجر رسالت مانگتا ہی نہیں تھا۔ (۲۹ : ۱۱)

۴۔ حق کی مخالفت میں صرف کردہ مال ضائع چلا جاتا ہے۔ (۶ : ۹۰)

۵۔ خدا تمہارے مال کا محتاج نہیں۔ (۳۶ : ۴۷) ۔ (۶۱) ۔ دین خداوندی مال پہ بھی کنٹرول رکھتا ہے۔ (۸۷ : ۱۱)

۷۔ مہر کو مال خرچ کرنا کہا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان مہر)

۸۔ مال و دولت طبعی قوانین کے مطابق کام کرنے سے حاصل ہو جاتے ہیں اس لئے یہ کفار کو بھی مل جاتا ہے۔ (۵۵ : ۹) ۔ (۸۵، ۹)

۹۔ کفار نے مومنین کو ان کے دیار و اموال سے نکال دیا تھا (۸ : ۵۹) ۔ خدا نے مومنین کو کفار کے مال و دولت کا مالک بنا دیا۔ (۲۷:۳۳)

۳۔ مودّت

مودّت ۔ (مادہ ۔ و۔ د۔ د) یہ، محبت سے بھی کچھ زیادہ گہرے تعلق کے لئے آتا ہے۔ یعنی ایسی محبت جس میں انسان کی تمنا یہ ہو کہ وہ اپنے محبوب کا ہو جائے۔ یعنی من تو شدم تو من شدی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

جیسا کہ "محبت" کے عنوان میں بتایا گیا ہے، انسان کی خدا سے محبت یا مودّت کے معنی ہوں گے اس کے قوانین و احکام کی ایسی اطاعت جس میں خود سپردگی کی کیفیت ہو۔ اور خدا کی انسان سے محبت یا مودّت سے مفہوم ہوگا، اس کی تائید و نصرت اور حفاظت و رحمت کا مل جانا۔

وَدَّ ۔ کسی بات کو دل سے چاہنا

۱۔ اہلِ کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔ (۲ : ۱۰۹) ۔ (۳: ۶۹) ۔ (۴ : ۸۹) ۔ (۶۰ : ۲)

۲۔ کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں کی طرف سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر حملہ کر دیں۔ (۱۰۲ : ۴)

۳۔ غیر مسلم بھی چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی مصیبت پڑے۔ (۱۱۸ : ۳)

۴۔ کفار چاہتے ہیں کہ کچھ تم اپنے مقام سے ہٹو، کچھ وہ ہٹ جائیں اور اس طرح دین کے معاملہ میں باہمی مفاہمت کی صورت نکل آئے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ دین، حق پر مبنی ہے اور حق کی باطل کے ساتھ مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۹ : ۶۸)

۵۔ ظہورِ نتائج کے وقت، کفار چاہیں گے کہ ان کے اور ان کے اعمال کے درمیان لمبی مسافت ہوتی۔ (۳۰ : ۳)۔ (۴۲ : ۴) یا اے کاش! وہ بھی مسلم ہوتے۔ (۲ : ۱۵)۔ یا وہ فدیہ دے کر چھوٹ سکتے۔ (۱۱ : ۷۰)

۶۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار سال کی ہو جائے۔ لیکن اس سے وہ عذاب سے تو نہیں بچ سکیں گے۔ (۹۶ : ۲)

۷۔ کفار اور مشرکین چاہتے ہی نہیں ہیں کہ تم پر خدا کی طرف سے خیر نازل ہو۔ (۱۰۵ : ۲)

۸۔ مومن کبھی ان لوگوں سے دوستی (مودّت) نہیں کرنا چاہتے جو خدا اور رسول سے برسرِ پیکار ہوں۔ (۲۲ : ۵۸)

۹۔ مشرکین نے مشترکہ معبود (بت) اس لئے تراش رکھے ہیں تاکہ وہ ان میں باہمی مودّت کا ذریعہ بنے رہیں۔ (۲۵ : ۲۹)

مومنین اور خدا کی مودّت

۱۔ خدا عنقریب لوگوں کے دلوں میں مودّت پیدا کر دے گا۔ (۹۶ : ۱۹)۔ (۷ : ۶۰)

۲۔ خدا نے اپنے آپ کو الودود کہا ہے۔ (۹۰ : ۱۱)۔ (۱۴ : ۸۵)

۳۔ یہود کے مقابلہ میں نصاریٰ، اس زمانے میں، مومنین سے زیادہ دوست داری کے تعلقات رکھتے تھے۔ (۸۲ : ۵)

۴۔ میاں بیوی میں مودّت کے تعلقات۔ (۲۱ : ۳۰)

۵۔ رسول اللہؐ نے مخالفین قریش سے کہا کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم قرابت داری کے تعلقات (مودّۃ فی القربیٰ) کی پاس داری کرو۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے عنوان قرب)۔ (۲۳ : ۴۲)

۶۔ اے جماعتِ مومنین تم خدا کے اور خود اپنے دشمنوں سے دوست داری کے تعلقات مت استوار کرو۔ (۱ : ۶۰)

(۰)

۴۔ مترفین ۔ مَلَأٌ

مترف (مادہ ت ۔ ر ۔ ف) ۔ مترفین ایسے لوگوں کو کہتے ہیں جو خوش حالی اور عیش پرستی کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور دولت کا نشہ انہیں ایسا بدمست کردے کہ وہ اپنی من مانی کرتے جائیں اور انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔ یہ وہی طبقہ ہے جسے ہمارے زمانے میں سرمایہ دار کہا جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے کہ جس رسول نے بھی دین کی دعوت دی، مترفین کے طبقہ نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اس کی مخالفت کی۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا دینِ نظامِ سرمایہ داری کو ختم کرنا چاہتا تھا ۔ اس لئے یہ طبقہ اس کی اس شدت سے مخالفت کرتا تھا ۔ یہی شروع سے ہوتا چلا آیا ہے اور یہی آج بھی ہو رہا ہے ۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کی رو سے مرفہ الحالی کی زندگی خدا کی نعمت ہے ۔ لیکن مرفہ الحالی اور سرمایہ داری میں بنیادی فرق ہے ۔ سرمایہ دار، دوسروں کی محنت کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے اور محنت کش طبقہ کی محنت کا استحصال کر کے، اسے اپنا محتاج بنائے رکھتا ہے ۔ اور وہ اپنی اس احتیاج کی بنا پر، اس کے محکوم اور فرمان پذیر رہتے ہیں ۔ خدا کا نظامِ ربوبیت، عالمگیر انسانیت کی خوش حالی چاہتا ہے اور اس طرح کہ اس میں نہ کوئی کسی دوسرے فرد کا محتاج ہو نہ محکوم ۔ اس بنا پر، خدا کا دین اور نظامِ سرمایہ داری ایک دوسرے کی ضد ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں ۔ یہی وجہ ہے جو مترفین کی طرف سے خدا کے دین کی ہمیشہ مخالفت ہوتی ہے ۔ (تفصیل "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی)

نظامِ سرمایہ داری کی حمایت مذہبی پیشوائیت کی طرف سے ہوتی ہے جو اس کی تائید میں دلیل یہ لاتے ہیں کہ یہ مسلک ان کے اسلاف سے متواتر چلا آ رہا ہے اس لئے اسے چھوڑا یا بدلا نہیں جا سکتا ہے ۔ یہ دلیل جس قدر بے معنی ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ۔

اَلْمَلَأُ۔ انہی لوگوں کے لئے قرآن کریم کی دوسری اصطلاح اَلْمَلَأُ ہے (مادہ م ۔ ل ۔ أ) ۔ اس کے بنیادی معنی ہیں وہ جن کے برتن ضروریاتِ زندگی سے بھرے ہوئے ہوں ۔ اور مفہوم اس سے ہے، وہ لوگ جنہیں بکثرت دولت میسر ہو اور وہ اس دولت کی بنا پر قوم کے سردار (صاحبِ اقتدار) بن جائیں ۔ قرآن کریم میں ہے کہ دین کی مخالفت میں یہ گروہ پیش پیش رہا ہے ۔ مقصد اپنی سرمایہ داری سے ہے ۔ یہی لوگ نظامِ ملوکیت کے اکابرین اور رؤسا، اور بادشاہ کے مشیر اور مصاحب ہوتے تھے ۔ اس سلسلہ میں عنوان "دولت" دیکھئے ۔

۲ ۔ قرآن کریم میں دو مقامات پر اَلْمَلَأُ الْاَعْلٰی کا بھی ذکر آیا ہے ۔ (۸ : ۳۷) ۔ (۶۹ : ۳۸) ۔ اس کی تشریح لغات القرآن اور مفہوم القرآن میں ملے گی ۔

مترفین

۱۔ کفر یعنی قانونِ مکافاتِ عمل اور حیاتِ آخرت سے انکار کی وجہ سے نظامِ سرمایہ داری قائم ہوتا ہے۔ اور یہی لوگ سب سے پہلے نظامِ خداوندی (دین) کی مخالفت کرتے ہیں۔ (۳۳ : ۲۳)

۲۔ جب دین کے ہاتھوں نظامِ سرمایہ داری کا خاتمہ ہوتا ہے تو یہ لوگ اپنے بچاؤ کے لئے کہیں بھاگ جانا چاہتے ہیں لیکن خدا کا قانونِ مکافات انہیں آواز دے کر بلا لیتا ہے اور ان سے پوچھتا ہے کہ انہوں نے اسقدر دولت کس طرح جمع کر رکھی تھی۔ (۱۳ : ۲۱)۔ (۶۸ – ۲۴ : ۲۳) – (۳)۔ مترفین ظالم بھی ہوتے ہیں اور مجرم بھی – (۱۱۶-۱۱۷ : ۱۱)

۴۔ نظامِ خداوندی کی مخالفت سب سے پہلے مترفین کی طرف سے ہوتی ہے – (۳۴ : ۳۴)

۵۔ دلیل یہ کہ یہ مسلک اسلاف سے متواتر چلا آ رہا ہے – (۲۳ : ۴۳) – (۶) مترفین جہنم میں جائیں گے۔ (۴۵ : ۵۶)

۷۔ جب اسراف حد سے گذر جاتا ہے اور یہ لوگ بدمستیوں میں مدہوش ہو جاتے ہیں، تو ان کی تباہی آجاتی ہے۔ (۱۷ – ۱۶ : ۱۷)

اَلْمَلَأُ

۱۔ انہوں نے مختلف انبیاء کرام کی دعوت کی مخالفت کی۔ سورۂ اعراف (۷) کی حسب ذیل آیات میں ان کی مخالفت کا تذکرہ آیا ہے۔ ۶۰ ؛ ۶۶ ؛ ۷۵ ؛ ۸۸ ؛ ۹۰ ؛ ۱۰۹ ؛ ۱۲۷۔ نیز (۲۷ : ۱۱) – (۳۸ : ۱۱) – (۲۴ : ۲۳) – (۳۳ : ۲۳) – (۲۶ : ۳۴) – (۲۸ : ۲۰) – (۳۸ : ۲۸)

۲۔ رسول اللہ کی مخالفت اور وہی دلیل کہ یہ اسلاف کے مسلک کے خلاف ہے۔ (۶ – ۷ : ۳۸)

۳۔ سردارانِ فرعون – (۱۰۳ : ۷) – (۷۵ : ۱۰) – (۸۸ : ۱۰) – (۹۷ : ۱۱) – (۴۶ : ۲۳) – (۳۲ : ۲۸) – (۴۶ : ۴۳)

۴۔ فرعون اور اس کے سرداران کے خوف کی وجہ سے لوگ موسیٰؑ پر ایمان نہیں لاتے تھے – (۸۳ : ۱۰)

(۔)

۵۔ متشابہات و محکمات

قرآن کریم نے اپنی آیات کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک آیاتِ محکمات۔ اور دوسری آیاتِ متشابہات۔ (۳ : ۶)۔ محکمات وہ آیات ہیں جن کا تعلق قرآنی احکام و اصول سے ہے۔ ان آیات میں لفظوں کے حقیقی معانی لیے جاتے ہیں۔ مثلاً نکاح کے ضمن میں کہا کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (۴ : ۲۳) تم پر تمہاری امہات (مائیں) حرام ہیں؛ تو یہاں امّ کے حقیقی معنی لئے جائیں گے یعنی ماں۔ لیکن جہاں کہا ہے کہ آیاتِ محکمات امّ الکتاب ہیں (۳ : ۶) تو ظاہر ہے کہ وہاں امّ کے معنی ماں کے نہیں ہوں گے بلکہ اصل و بنیاد کے ہوں گے۔ یعنی یہاں لفظ امّ کے مجازی معنی لئے جائیں گے۔ یا یوں کہا جائے گا کہ قرآن نے حقیقت کو ایک تشبیہ کے ذریعے سمجھایا ہے۔ ایسی آیات کو متشابہات کہا گیا ہے۔ یعنی ان کا بیان تشبیہی ہے۔ مثلاً اس نے خدا کے متعلق کہا ہے کہ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (۷ : ۵۴)۔ خدا عرش پر متمکن ہو گیا۔ تو عرش کے حقیقی معنی تخت کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد سچ مچ لکڑی وغیرہ کا تخت نہیں، بلکہ اس سے مراد خدا کا تمکن اور اقتدار ہے۔ اس کے لئے کہا جائے گا کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے یعنی عرش کا لفظ تشبیہاً آیا ہے۔ ان آیات میں الفاظ کے حقیقی معانی لینے سے، مفہوم بالکل بدل جاتا ہے۔

۲۔ جیسا کہ "مثال" کے عنوان میں بتایا گیا ہے، جن امور کو تمثیلی یا تشبیہی انداز سے بیان کیا گیا ہو، جوں جوں انسانی فکر ترقی کرتی جائے گی، ان امور کا مفہوم واضح سے واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔ یوں کہیئے کہ اس طرح رفتہ رفتہ، متشابہ آیات، محکمات کی شکل میں آتی چلی جائیں گی۔ قرآن کریم نے متشابہات اور محکمات کو الگ الگ بیان نہیں کیا۔ نہ ہی ان کی الگ الگ فہرستیں مرتب کی جاسکتی ہیں۔ قرآن کریم میں غور و فکر سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ فلاں آیت میں بات کو تشبیہاً بیان کیا گیا ہے یا حقیقتاً۔ یعنی وہاں الفاظ کے معانی مجازی لینے چاہئیں یا حقیقی۔

۳۔ ایک مقام پر قرآن کریم کو کتاباً متشابہاً کہا گیا ہے۔ (۳۹ : ۲۳)۔ وہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تمام آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ ان میں کہیں تضاد و تخالف نہیں۔ (۴ : ۸۲)۔ دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ کِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ (۱۱ : ۱)۔ اس کی تمام آیات محکم ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آیات کے الفاظ کے معانی حقیقی لئے جائیں یا مجازی، اس کی ہر آیت اپنے مقام پر محکم اور اٹل ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان حکم)۔ ویسے، آیت کے ساتھ محکمۃ کا لفظ (۴۷ : ۲۰) میں آیا ہے۔ جہاں اس کے معنی ہیں "دو ٹوک حکم"۔ فیصلہ کن بات۔ (تشبیہات و محکمات کی تفصیلی بحث آپ کو لغات القرآن۔ مادہ ح۔ ک۔ م) میں ملے گی۔)

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، تشابہ کے معنی ہیں، ایک دوسرے سے ملتے جلتے - ایک دوسرے کے مانند - جن آیات میں یہ لفظ ان معانی میں آیا ہے ان کا حوالہ یہاں نہیں دیا گیا - یہاں صرف آیاتِ متشابہات و محکمات کا ذکر آیا ہے - یہ قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر آیا ہے - (۳:۶)

---(۰)---

۶- مثالیں

قرآن کریم کا بنیادی مقصد تو انسانی راہ نمائی ہے - یعنی انسان کو یہ بتانا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کس طرح بسر کرے جس سے اُسے دنیا کی خوشحالیاں بھی نصیب ہوں اور آخرت کی سرفرازیاں بھی - لیکن اس سلسلہ میں اس نے ایسے حقائق بھی بیان کئے ہیں جو عام محسوسات یا طبیعی کائنات سے ماوراء ہیں - جیسے 'عالم امر' یا اخروی زندگی یا پھر نفسیاتی مسائل - جذبات و احساسات - قلبی رجحانات، ذہنی کیفیات وغیرہ - ظاہر ہے کہ اس قسم کے حقائق کو محسوس مثالوں کے ذریعے ہی سمجھایا جا سکتا تھا - ان مثالوں کا مقصد اس نے بتایا ہے - لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۲۱ : ۵۹) تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں - یعنی مثال مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ وہ غور و فکر کی رو سے، اصل مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے - ظاہر ہے کہ ہر دور کی انسانی فکر، اس دور تک کے انسانی علم کی پیداوار ہوتی ہے - اس لئے جوں جوں انسانی علم وسیع ہوتا جائے گا اس کی فکر کے میدان بھی وسیع ہوتے چلے جائیں گے اور جوں جوں انسانی علم کے افق وسیع ہوتے جائیں گے جو حقائق مثالوں کے ذریعے سمجھائے گئے ہیں، ان کے مفہوم میں بھی وسعت اور گہرائی پیدا ہوتی جائے گی - اس لئے یہ سمجھ لینا کہ قرآنی حقائق کے متعلق جو کچھ کسی ایک دور میں سمجھا گیا ہے وہ اس باب میں حرفِ آخر ہے، صحیح نہیں - قرآنی حقائق، قیامت تک کے انسانوں کی فکر کے محور ہیں - جوں جوں انسانی فکر بلند ہوگی، ان کے نئے نئے مفاہیم روشن ہوتے چلے جائیں گے -

۲- ذاتِ خداوندی کی کنہ و حقیقت، انسانی فہم و ادراک (بلکہ، سعدی کے الفاظ میں، خیال و قیاس و گمان و وہم) سے برتر ہے - قرآن کریم نے اسے کسی مثال سے بھی نہیں سمجھایا اور کہا ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (۱۱ : ۴۲) - اس کی مثل کوئی شے نہیں - اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اس کے مانند کوئی نہیں - اور یہ بھی کہ اسے مثال سے بھی سمجھایا نہیں جا سکتا - مثال، بہر حال کسی محسوس شے ہی سے دی جاتی ہے - اس صورت میں جب بھی خدا کا ذکر ہوتا تو وہ محسوس شے ہمارے سامنے آجاتی اور یوں خدا کا تصور بھی اس کے مطابق ہمارے ذہن میں مرتسم ہو جاتا - خدا کے تصور کو بہ تمام و کمال منزہ رکھنے کے لئے، قرآن نے اسے کسی مثال سے بھی بیان نہیں کیا -

۳- قرآن کریم نے قانونِ مکافاتِ عمل کو سمجھانے کے لئے اقوامِ سابقہ کی داستانیں بھی بیان کی ہیں اور کہا ہے کہ ان کی مثالوں سے تم

حقیقت تک پہنچ جائے۔ ان اقوام کے احوال و کوائف، ان سے متعلق عنوانات میں بیان کئے گئے ہیں۔

۴۔ انسانی سیرت و کردار جس قالب (سانچے) میں ڈھلتی ہے، قرآن نے اسے بھی "مَثَل" کہہ کر پکارا ہے کہ آخرت کی زندگی سے انکار کرنے والوں کا یہ ڈھانچہ بہت بُرا ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں کی ذات سے (حدِ بشریت کے اندر) صفاتِ خداوندی کی نمود ہوتی ہے، ان کا یہ ڈھانچہ بہت بلند ہوتا ہے۔ (۶۰ : ۱۶) - (۲۷ : ۳۰)

۵۔ عربی زبان میں مثال بیان کرنے کے لئے ضَرَبَ کا فعل آتا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کے معنی ہیں، خدا ایک مثال بیان کرتا ہے، یا مثال دیتا ہے۔ ہمارے ہاں "ضرب المثل" اسی نہج سے کہتے ہیں۔

قرآنی مثالیں

۱۔ منافقین کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے جنگل میں آگ جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہوگیا۔ اور پھر وہ آگ بجھ گئی تو اس پر پہلے سے بھی زیادہ تاریکی چھاگئی۔ یا ایسی جس طرح ایک تاریک رات میں بجلی کی چمک سے ذرا سی روشنی مل گئی اور اس کے بعد پھر تاریکی چھاگئی۔ (۲۰-۱۷ : ۲)

۲۔ اللہ، چھوٹی سی چھوٹی مثال دے کر بھی بات سمجھاتا ہے مثلاً مچھر کی مثال۔ اس پر کفار کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ یہ کیا مثال ہوئی۔ مومن غور و فکر سے صحیح بات تک پہنچ جاتے ہیں۔ (۲۶ : ۲)

۳۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی، انہیں بندروں کی شکل بنا دیا۔ (۶۵ : ۲)

۴۔ قساوتِ قلبی کی مثال پتھروں کی سی۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت۔ (۷۴ : ۲)

۵۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے والوں کی مثال، بھیڑوں کے گلہ اور ان کے چرواہے کی۔ (۱۷۱ : ۲)

۶۔ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کی مثال۔ (۲۶۲-۲۶۱ : ۲)۔ (۲۶۵ : ۲)۔ اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے مال خرچ کرنے والوں کی مثال۔ (۲۶۴ : ۲)۔ (۱۱۶ : ۳)

۷۔ مستقبل کی فکر نہ کرنے والوں کی مثال۔ (۲۶۶ : ۲)

۸۔ شرک کرنے والے کی مثال۔ بیابان میں حیران و ششدر۔ (۷۱ : ۶)۔ یا جیسے کوئی آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آگرے اور اسے چیل وغیرہ اچک کر لے جائے۔ یا ہوا کا تیز جھونکا اسے اڑائے اڑائے پھرے۔ (۳۱ : ۲۲)

۹۔ بنجر زمین کو سرسبز و شاداب بنانے سے، مردوں کو زندگی عطا کرنے کی مثال۔ (۵۷ : ۷)

۱۰۔ اپنے سفلی جذبات کا اتباع کرنے والوں کی مثال۔ کتے کی سی، جو ہر وقت زبان لٹکائے رکھتا ہے۔ (۱۷۵ : ۷)

(۱۷۶-۱۷۷ : ۷) -

۱۱- دنیاوی زندگی کی مثال- لہلہاتی کھیتی جو ایک ہی حادثہ سے اجڑ جاتی ہے۔ (۲۴ : ۱۰) - (۴۵ : ۱۸) - (۲۰ : ۵۷)

۱۲- کافر و مومن کی مثال- اندھا، بہرہ - اور دانا و بینا - (۱۲۳ : ۶) - (۲۴ : ۱۱) - (۱۶ : ۱۳) - (۱۹ : ۱۳) - (۱۹-۲۱ : ۳۵)

۱۳- باطل خداؤں کو پکارنے والے کی مثال - پیاسا جو پانی کے کنارے کھڑا، ہاتھ پھیلائے ہو- لیکن پانی اس تک نہ پہنچ سکے - (۱۴ : ۱۳) - (۱۴)- دنیاوی متاع اور باقی رہنے والے اعمال کی مثال - سیلاب کے اوپر تیرنے والے خس و خاشاک یا دھات کی میل کچیل - اس کے مقابل میں زرِ خالص - جو نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہو، بقا اس کے لئے ہے - (۱۷ : ۱۳)

۱۵- جنت کی مثال - باغات - انہار وغیرہ - (۳۵ : ۱۳) - (۱۵ : ۴۷)

۱۶- کفار کے اعمال کی مثال جو رائیگاں جاتے ہیں - (۱۸ : ۱۴) - (۳۹-۴۰ : ۲۴)

۱۷- کلمۂ طیب و کلمۂ خبیث کی مثال- (۲۴-۲۷ : ۱۴)

۱۸- اللہ کے لئے کوئی مثال نہ دو- (۷۴ : ۱۶)- اس کی مثل کوئی شے نہیں - (۱۱ : ۴۲)- خدا کے لئے مثل (مانند) تراشنے والے - (۷۸ : ۳۶)

۱۹- ایک عبدِ مملوک اور صاحبِ اختیار کی مثال- (۷۵ : ۱۶)- ایسے ملازم کی مثال جو مالک پر بوجھ بنا رہے اور کہیں سے خیر کی خبر نہ لائے - (۷۶ : ۱۶) - مالک اور آقا کی مثال - (۲۸ : ۳۰) - (۲۹ : ۳۹)

۲۰- اس عورت کی مثال جو دن بھر سوت کاتے اور شام کو اسے خود ہی اُدھیڑ کر رکھ دے - (۹۲ : ۱۶)

۲۱- اس بستی کی مثال جو بڑی خوش حال تھی۔ لیکن کفرانِ نعمت سے اس پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری ہوگیا - (۱۱۲ : ۱۶)

۲۲- قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی گئی ہیں - (۸۹ : ۱۷) - (۵۴ : ۱۸) - (۵۸ : ۳۰) - (۲۷ : ۳۹) - (۳ : ۴۷) - (۲۱ : ۵۹) - خدا مثالیں بیان کرتا ہے - (۱۷ : ۱۳)- تاکہ لوگ فراموش کردہ حقیقتوں کو یاد کرسکیں - (۲۵ : ۱۴) - (۳۵ : ۲۴) - (۹ : ۲۵)

۲۳- معبودانِ باطل مکھی تک بھی پیدا نہیں کرسکتے - (۷۳ : ۲۲) - (۲۴)- دو باغ والوں کی مثال - (۳۲-۴۰ : ۱۸)

۲۵- خدا کے نور - یعنی وحی کی مثال - ایک جگمگاتا چراغ - (۳۵ : ۲۴)

۲۶- جو اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا سرپرست بنا لیتے ہیں، ان کی مثال مکڑی کے جالے کی سی - (۴۱ : ۲۹)

۲۷- محمد رسول اللہ والذین معہٗ کی مثال - (۲۹ : ۴۸)

۲۸۔ شیطان کی مانند کہ پہلے لوگوں سے کہتا ہے، کفر کی روش اختیار کرو۔ جب وہ ایسا کر لیتے ہیں تو کہتا ہے کہ میں تمہارے جرم سے بری الذمہ ہوں۔ (۱۶ : ۵۹)

۲۹۔ عالم بے عمل کی مثال۔ گدھا جس پر کتابیں لدی ہوں۔ (۵ : ۶۲)

۳۰۔ امثال سے اربابِ علم ہی بات سمجھ سکتے ہیں۔ (۴۳ : ۲۹)۔ اربابِ فکر و تدبر۔ (۲۱ : ۵۹)

۳۱۔ حوروں کی مثال جیسے سیپ میں مستور موتی۔ (۲۳ : ۵۶)

(۰)

۷۔ مجادلہ۔ جدل۔ جدال

(جحود و انکار)

مجادلہ۔ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں خواہ مخواہ بات کو طول دیتے چلے جانا۔ ایک ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ بات کو خالی الذہن ہو کر سمجھا جائے اور اگر ذہن اس سے مطمئن ہو جائے تو اسے تسلیم کر لیا جائے۔ یہ ذہنیت بڑی مستحسن اور عمدہ نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ دوسری ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ پہلے سے فیصلہ کر لیا جائے کہ میری بات سچی ہے اور مجھے فریقِ مقابل کی بات کو ماننا ہی نہیں۔ اس فیصلہ کے ساتھ دوسرے سے بحث شروع کر دی جائے۔ اسے خواہ مخواہ جھگڑا کرنا کہیں گے۔ یہ ہوتا ہے مجادلہ۔ یہ ذہنیت بڑی تخریبی اور فساد کا موجب ہوتی ہے قرآن کریم جماعتِ مومنین کو اس قسم کی بحث و جدل سے منع کرتا ہے۔ جب کوئی دوسرا ان سے بحث کرے تو وہ انہیں تاکید کرتا ہے کہ اس کا اطمینان کر لو کہ اس سے اس کا مقصد کیا ہے اگر مقصد افہام و تفہیم ہے اور وہ بات سمجھنا چاہتا ہے تو اس کے جدل کو بھی گوارا کر لو۔ لیکن اگر اس کا مقصد محض جدال ہے تو اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

جحد۔ (جحود)

اسی سلسلہ میں ایک اور مادہ (ج۔ ح۔ د) بھی قرآن میں آتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ دل ایک بات کو صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود انسان محض اپنی بات کی پچ میں، یا جھوٹی عزت کی خاطر، اس سے انکار کئے جاتا اور اپنی ضد پر قائم رہتا ہے۔ یہ ذہنیت بڑی ہی تخریبی ہوتی ہے اور قرآن کریم اس سے سختی سے روکتا ہے۔

قرآن کریم انسان کے اندر وسعتِ قلب اور کشادہ نگہی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یعنی خالی الذہن ہو کر حق و صداقت کی تلاش،

اور حق کے سامنے آجانے کے بعد کشادہ دلی سے اسے تسلیم کر لینا اور اس طرح، سینے کی کشادگی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا۔
اسی طرح کج بحثی کی خاطر بے معنی اور لغو باتوں پر اتر آنے کا ذکر بھی بعض آیات میں آیا ہے۔ انہیں بھی اسی عنوان کے تابع لکھا گیا ہے۔

عام معنوں میں مجادلہ

۱۔ جو لوگ اپنے ساتھ خیانت کرتے ہیں، ان کا طرفدار ہو کر، ان کے حق میں بحث و جدل مت کرو۔ (۱۰۷ : ۴) ۔ تم اس دنیا میں ان کے متعلق بحث و جدل کر سکتے ہو لیکن خدا کے ہاں ان کے حق میں کون بحث کرے گا؟ (۱۰۹ : ۴)
۲۔ قیامت میں ہر شخص خود اپنے آپ سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔ (۱۱۱ : ۱۶)
۳۔ خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے (اے رسولؐ) اپنے خاوند کے معاملہ میں جھگڑتی تھی۔ (۱ : ۵۸)
۴۔ اہلِ کتاب سے بطریقِ احسن بحث کرو۔ (۴۶ : ۲۹) - ہر ایک سے (۱۲۵ : ۱۶)
۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے قومِ لوط کو عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا سے بحث کی۔ (۷۴ : ۱۱)

معیوب معنوں میں مجادلہ

۱۔ حضرت نوحؑ نے قوم کو سمجھانے کی بے انتہا کوشش کی۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ اے نوحؑ! تم نے بہت لمبی چوڑی باتیں کر لیں۔ اب قصہ ختم کرو اور جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ لے آؤ۔ (۳۲ : ۱۱)
۲۔ ہر قوم نے اپنے رسول سے کج بحثی کی تاکہ اسے حق سے پھرا دے۔ (۵۶ : ۱۸) - (۵ : ۴۰)
۳۔ اے رسولؐ! اگر یہ لوگ تیرے ساتھ کج بحثی شروع کر دیں تو کہہ دے کہ خدا تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ (۶۸ : ۲۲)
۴۔ قومِ عاد کی اپنے معبودوں کی حمایت میں کج بحثی۔ (۷۱ : ۷)
۵۔ خدا کے بارے میں بلا علم و دلیل جھگڑے کئے جانا شیطان کا اتباع ہے۔ (۱۳ : ۱۳) — (۳ : ۲۲) — (۸ : ۲۲) — (۲۰ : ۳۱)
۶۔ آیاتُ اللہ کے بارے میں یونہی کج بحثی کرنے والے۔ (۴ : ۴۰) — (۳۵ : ۴۰) — (۵۶ : ۴۰) — (۶۹ : ۴۰) — (۳۵ : ۴۲)
۷۔ شیطان اپنے دوستوں کو اکساتا ہے کہ تم سے خواہ مخواہ جھگڑیں۔ (۱۲۲ : ۶)
۸۔ مخالفین کی رسولؐ اللہ سے بے معنی بحث۔ (۲۵ : ۶) — حق واضح ہو جانے کے بعد بھی کج بحثی۔ (۶ : ۸) - (۵۸ : ۴۲)

۹۔ انسان اکثر معاملات میں جھگڑالو واقع ہوا ہے ۔ (۱۸ : ۵۴) ۔کھلا ہوا جھگڑالو۔ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۔ (۳۶ : ۷۷)

۱۰۔ حج میں جدال اچھا نہیں۔ یعنی ویسے تو ایسی باتیں عام حالات میں بھی مستحسن نہیں لیکن حج کے دوران جب تم زندگی کے ایسے عظیم مشن کے لیے جمع ہوتے ہو' تو فضول بحثوں سے خصوصیت کے ساتھ بچنا چاہیئے۔ (۲ : ۱۹۷)

جحود

۱۔ قومِ عاد نے اپنے خدا کے قوانین سے محض ضد کی وجہ سے انکار کیا ۔ (۱۱ : ۵۹) ۔ (۴۱ : ۱۵)

۲۔ قومِ فرعون کو دل سے یقین تھا کہ (حضرت) موسیٰؑ سچے ہیں لیکن اپنی نخوت اور جھوٹی عزت کی بنا پر اس کی مخالفت کئے چلی جاتی تھی ۔ (۲۷ : ۱۴)

۳۔ آیاتِ خداوندی سے جحود ،کفار ہی کرتے ہیں ۔ (۲۹ : ۴۷) ۔ ظالمین (۲۹ : ۴۹) ۔ (۳۱ : ۳۲)

۴۔ اے رسولؐ! یہ تجھے جھوٹا نہیں کہتے ۔ یہ آیات اللہ سے جحود برتتے ہیں ۔ (۶ : ۳۳)

۵۔ آیات اللہ سے جحود کا نتیجہ جہنم ہے ۔ (۷ : ۵۱) ۔ (۴۱ : ۲۸)

۶۔ سرمایہ دار ، نعمائے خداوندی سے جحود برتتے ہیں ۔ (۱۶ : ۷۱)

۷۔ آیات اللہ سے جحود برتنے والے ، حق کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں ۔ (۴۰ : ۶۳)

۸۔ قوانینِ خداوندی سے جحود برتا جائے تو سمع و بصر اور علم و تہذیب ، کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ (۴۶ : ۲۶)

۹۔ بعض آیات میں لفظ خوض آیا ہے جس کے معنی فضول باتوں میں الجھنے کے ہوتے ہیں ۔ سورۂ انعام میں ہے کہ جب تم دیکھو کہ کہیں آیات اللہ کے متعلق بیہودہ باتیں ہو رہی ہیں ۔ تو ان سے اعراض برتو تاآنکہ وہاں گفتگو کا موضوع بدل جائے ۔ (۶ : ۶۸) — (۱۰) ۔ تم اللہ پر ایمان رکھو اور انہیں ان کی بیہودہ باتوں میں الجھے رہنے دو۔ یہ زندگی سے کھیل کھیلتے ہیں ۔ (۶ : ۹۲)

۱۱۔ یہ منافقین بھی پہلے لوگوں کی طرح بیہودہ گوئی میں مصروف رہتے ہیں ۔ (۹ : ۶۹)

۱۲۔ قرآن ،ضدی لوگوں کے لئے تنذیر ہے ۔ (۱۹ : ۹۷)

۱۳۔ مومن جب لغویات سنتے ہیں تو وہاں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ۔ (۲۸ : ۵۵)

۱۴۔ یونہی بے معنی باتیں کرنے والے اہلِ جہنم ہیں ۔ (۷۴ : ۴۵)

۸- مجوس

مجوسیت، قدیم ایرانی مذہب تھا جس کی تجدید و اصلاح (جناب) زرتشت نے کی - جب زرتشتی مذہب بگڑ گیا تو اس میں ثنویت کا عقیدہ پیدا ہو گیا - یعنی خیر کا خدا یزداں، اور شر کا خدا اہرمن - آجکل زرتشتی مذہب کے پیرو عام طور پر پارسی کہلاتے ہیں - قرآن کریم میں مجوس کا ذکر صرف ایک مقام پر (۱۷ : ۲۲ میں) آیا ہے - جہاں کہا ہے کہ مومنین، یہود نصاریٰ، صابئین، مجوس اور مشرکین میں خدا قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا -

چونکہ نزولِ قرآن کے زمانے میں عرب، مجوس وغیرہ سے اچھی طرح واقف تھے - اس لئے قرآن کریم میں ان کے تعارف کی ضرورت نہیں سمجھی گئی -

(۰)

۹- مجید

مادہ کے اعتبار سے المجد کے معنی کثرت کے ہیں - لیکن استعمال کی رو سے، اس کے معنی صفاتِ محمودہ میں انتہا تک پہنچ جانے کے آتے ہیں - عربوں کے ہاں کریم کی طرح مجید بھی بڑی جامع صفت ہے جس میں ہر قسم کی صفتِ محمودہ شامل ہو جاتی ہے - ہمارے ہاں شرف و مجد مرادف طور پر بولے جاتے ہیں - قرآن کریم میں شریف تو نہیں آیا - مجید خدا کی صفت کے طور پر آیا ہے - اور قرآن کریم کے لیے بھی -

۱- خدا کی صفتِ مجید - حمید مجید (۷۳ : ۱۱) - ذوالعرش المجید (۱۵ : ۸۵)

۲- قرآن کریم کے لئے - والقرآن المجید (۱ : ۵۰) - قرآن مجید - (۲۱ : ۸۵)

(۰)

۱۰۔ محبت

محبت۔ (مادہ ۔ ح ۔ ب ۔ ب) ۔ اس مادہ کے بنیادی معانی متعدد ہیں جن میں اہم یہ ہیں :۔

(۱) اس چیز کو چاہنا جسے اچھا اور مفید پایا جائے۔ (۲)۔ کسی شے کو لازم پکڑنا اور مستحکم طور پر اس کے ساتھ رہنا ۔ اور کسی شے کی حفاظت کرنا اور اس کے قیام کا سہارا بننا ۔

ہمارے ہاں، خدا سے محبت کرنے کو دین کی غایت سمجھا جاتا ہے اور تصوف میں زندگی کا حقیقی مقصود و مطلوب ہی اسے قرار دیا جاتا ہے ۔ خدا کی ذات، انسانی فہم و ادراک سے ماوراء ہے ۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس قسم کی ہستی سے اس قسم کی محبت نہیں کی جاسکتی جس قسم کی محبت ہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں ۔ لہٰذا، قرآن کریم میں جہاں خدا کے ساتھ محبت کرنے کا ذکر آئے گا، اس سے مراد، اس کے احکام کو لازم پکڑنا اور مضبوطی سے ان پر قائم رہنا ہوگا۔ اور جہاں خدا کی انسانوں سے محبت کا ذکر ہوگا اس کے معنی، خدا کا اپنے بندوں کے لئے حفاظت اور سہارا بننا ہوں گے ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ، احکام و قوانینِ خداوندی کا فطری نتیجہ ہوگا ۔ اسی طرح جب کہا جائے گا کہ خدا فلاں بات کو پسند نہیں کرتا، تو اس سے بھی یہی مراد ہوگی کہ وہ چیز خدا کے متعین کردہ دین کے خلاف ہے ۔ اس سے انسان کا نقصان ہوگا۔ ورنہ اگر اس کے عام معنی لئے جائیں تو یہ بات عجیب سی ہوگی کہ ایک چیز خدا کو ناپسند ہے اور اس کے باوجود وہ دنیا میں موجود ہے اور جب کہا جائے گا کہ خدا فلاں بات کو پسند کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ بات اس کے مقرر کردہ قوانین و اقدار کے مطابق ہے ۔

خدا کن لوگوں یا کن چیزوں کو پسند کرتا ہے

۱۔ تمہارے دلوں میں ایمان کو پسند کرتا ہے ۔ (۴۹ : ۷)

۲۔ محسنین کو پسند کرتا ہے ۔ (۲ : ۱۹۵) ۔ (۳ : ۱۳۴) ۔ (۳ : ۱۴۸) ۔ (۵ : ۱۳) ۔ (۵ : ۹۳)

۳۔ توابین کو ۔ (۲ : ۲۲۲) ——— (۴) ۔ مطہرین کو ۔ (۲ : ۲۲۲) ۔ (۹ : ۱۰۸)

۵۔ متقین کو ۔ (۳ : ۷۶) ۔ (۹ : ۴ ; ۷) ——— (۶) صابرین کو ۔ (۳ : ۱۴۶)

۷۔ متوکلین ۔ (۳ : ۱۵۹) ۔ (۸) ۔ مقسطین ۔ (۵ : ۴۲) ۔ (۴۹ : ۹) ۔ (۶۰ : ۸)

۹۔ فی سبیل اللہ قتال کرنے والوں کو ۔ (۶۱ : ۴)

۱۰۔ ایسی قوم جو اس سے محبت کرے ۔ مومنین کے سامنے جھکی ہوئی ۔ مخالفین کے مقابلہ میں غلبہ کی مالک ۔ (۵ : ۵۴)

۱۱۔ اگر دنیا کی کوئی جاذبیت بھی خدا، رسول اور جہاد سے زیادہ عزیز ہوگئی تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئیگا۔ (۲۴ : ۹)

خدا کن لوگوں یا کن چیزوں کو پسند نہیں کرتا

۱۔ کفر، فسق اور عصیان کو ناپسند کرتا ہے۔ (۷ : ۴۹)

۲۔ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۹۰ : ۲) - (۸۷ : ۵) - (۵۵ : ۷)

۳۔ فسادکو۔ (۲۰۵ : ۲) - (۶۴ : ۵) - (۷۷ : ۲۸) - (۴) - کل کفار اثیم - (۲۷۶ : ۲)

۵۔ کافرین کو۔ (۳۲ : ۳) - (۴۵ : ۳۰) - (۶) - ظالمین کو - (۵۷ : ۳) - (۱۴۰ : ۳) - (۴۰ : ۴۲)

۷۔ کل مختال فخور۔ (۳۶ : ۴) - (۱۸ : ۳۱) - (۲۳ : ۵۷)

۸۔ خوانا اثیما۔ (۱۰۷ : ۴) - خائنین - (۵۸ : ۸) - خوان کفور - (۳۸ : ۲۲)

۹۔ برائیوں کی تشہیر بجز مظلوم کے۔ (۱۴۸ : ۴) - (۱۰) - مسرفین - (۱۴۱ : ۶) - (۳۱ : ۷)

۱۱۔ مستکبرین - (۲۳ : ۱۶) (۱۲) - فرحین - (۷۶ : ۲۸)

مومنین کن چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور کن چیزوں کو پسند نہیں کرتے

۱۔ مومن، دنیاوی متاع کو اس لئے پسند کرتا ہے کہ وہ خدا کے پروگرام کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کا اپنے گھوڑوں کے کے رسالہ کو پسند کرنا اسی جہت سے تھا۔ (۳۲ : ۳۸)

۲۔ آفلین کو پسند نہیں کرتے۔ حضرت ابراہیمؑ کی معبودان باطل سے برأت۔ (۷۶ : ۶)

۳۔ مغفرت کو پسند کرنا چاہیئے۔ (۲۲ : ۲۴) - (۴) نصرٌ من اللہ و فتح قریب - (۱۳ : ۶۱)

۵۔ غیر مؤمنین سے محبت نہیں کرتے۔ (۱۱۹ : ۳) - (۶) - غیبت کو پسند نہیں کرتے۔ (۱۲ : ۴۹)

۷۔ پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں۔ (۱۰۸ : ۹) - (۸) - بے حیائی کی باتوں کو عام کرنا پسند نہیں کرتے۔ (۱۹ : ۲۴)

۹۔ جو ہجرت کرکے آئیں ان سے محبت کرتے ہیں۔ (۹ : ۵۹)

۱۰۔ اگر تمہارے ماں باپ اور دیگر اعزہ، ایمان کے مقابلے میں کفر کو زیادہ پسند کریں، تو انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ (۲۳ : ۹)

۱۱۔ مال کی محبت کے باوجود اسے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (۱۷۷ : ۲) - (۸ : ۷۶)

۱۲۔ اگر دنیا کی کوئی جاذبیت بھی خدا، رسول اور جہاد سے زیادہ عزیز ہوگئی تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ (۲۴ : ۹)

۱۳۔ مومن، مستقل قدر کی خلاف ورزی کے مقابلہ میں جیل خانے کو پسند کرتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کا کردار۔ (۳۳ : ۱۲)

خدا سے محبت ۔ اور خدائی محبت

۱۔ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تم سے محبت کرے تو تم رسول کی اطاعت کرو۔ وہ تم سے محبت کرے گا ۔ اور تمہاری لغزشوں کے نقصانات سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ (۳۱ : ۳)

۲۔ خدا ایسی قوم لے آئے گا جو خدا سے محبت کرے اور خدا اس سے محبت کرے ۔ (۵۴ : ۵)

۳۔ مشرکین انداداً من دون اللہ کی محبت، خدا کی محبت سے بھی زیادہ کرتے ہیں ۔ (۱۶۵ : ۲)

عام انسانوں کی محبت اور کشش کی چیزیں

۱۔ انسان ان چیزوں کو بھی پسند کر لیتا ہے جو اس کے لئے باعثِ شر ہوتی ہیں۔ (۲۱۶ : ۲)

۲۔ تم بِرّ اور کشادگی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک ان چیزوں کو خدا کی راہ میں نہ دیدو جو تمہیں محبوب ہوں۔ (۹۲ : ۳)

۳۔ متاعِ دنیا، یعنی مالِ غنیمت کی کشش جس کی وجہ سے احد میں فتح مبدل بہ شکست ہوگئی۔ (۱۵۲ : ۳)

۴۔ انسان مفادِ عاجلہ کو پسند کرتا ہے ۔ (۲۰ : ۷۵) ۔ (۲۷ : ۷۶)

۵۔ انسان چاہتا ہے کہ سارا مال سمٹ کر اس کے پاس آجائے۔ (۲۰ : ۸۹)

۶۔ ان کاموں کی بنا پر ان کی تعریف کی جائے، جنہیں وہ کرتے نہیں ۔ (۱۸۸ : ۳)

۷۔ انداداً من دون اللہ کی محبت ۔ (۱۶۵ : ۲)

۸۔ آخرت کے مقابلہ میں، حیاتِ دنیا سے زیادہ محبت ۔ (۳ : ۱۴) ۔ (۱۰۷ : ۱۶)

۹۔ ہدایت کے مقابلہ میں اندھے پن کو زیادہ عزیز رکھنے والے ۔ (۱۷ : ۴۱)

۱۰۔ عورتوں کی ۔ بال بچوں کی محبت بری چیز نہیں۔ (۱۴ : ۳) ۔ (۱۱) ۔ مال کی شدید ترین محبت (۸ : ۱۰۰)

متفرق

۱۔ یہود و نصاریٰ کا دعوےٰ کہ ہم خدا کی چاہتی اولاد اور اس کے محبوب ہیں ۔ (۱۸ : ۵)

―――― (۰) ――――

۱۱۔ مرض شفا

کسی نظام کے اعتدال اور توازن کے بگڑنے کو مرض کہتے ہیں جس سے قوتوں میں اضمحلال واقع ہوجاتا ہے۔ اس نظام کے پھر سے اعتدال پہ آجانے کا نام شفا ہے۔

قرآن کریم نے انسان کے جسمانی امراض کا بھی ذکر کیا ہے اور نفسیاتی امراض کا بھی جن کے لئے " دل کی بیماریاں" یا " مافی الصدور کے امراض" کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے (PSYCHOLOGICAL DISORDERS) یا (MENTAL— DISTURBANCES) یا ذہنی توازن (EQUILIBRIUM) کے بگڑ جانے کا ذکر کرنا، قرآن ہی کا کام تھا۔ اس نے منافقت جیسی کیریکٹر کی کمزوری کو نفسیاتی مرض قرار دیا ہے اور قرآن کے متعلق کہا ہے کہ اس میں نفسیاتی امراض کے لئے شفا کا سامان ہے۔ یعنی قرآنی پروگرام پہ عمل کرنے سے انسانی ذات میں اعتدال اور توازن پیدا ہوتا ہے جس کا عملی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود معاشرہ میں اعتدال اور توازن پیدا ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کا منتہی ومقصود، افراد کی ذات کی نشوونما ہے۔ جس کی مشہود شکل متوازن شخصیت (BALAN— CED PERSONALITY) ہوتی ہے۔ اس میں کوئی نفسیاتی مرض (COMPLEX) نہیں ہوتا۔ علم النفس کی روشنی میں قرآنی حقائق نہایت وضاحت سے سامنے آئے ہیں۔

نفسیاتی امراض۔ دل کے روگ

۱۔ منافقین کے دل میں مرض ہوتا ہے اور جوں جوں انہیں ناکامیاں ہوتی ہیں، وہ مرض اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ (۲ : ۱۰)

۲۔ منافقین (دل کے مریض) ان لوگوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں جو مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ (۵ : ۵۲)

۳۔ اس سے دل میں حسد اور بغض پیدا ہوتا ہے (۴۷ : ۲۹)۔ ذہن ایسا مکدر ہوجاتا ہے کہ کوئی بات صاف صاف دکھائی نہیں دیتی (۹ : ۱۲۵)۔ رسولوں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں کج روی کے جذبات شدید تر ہوجاتے ہیں۔ (۲۲ : ۵۳)۔ شکوک وشبہات بڑھتے ہیں۔ (۲۴ : ۵۰)۔ کسی بات پہ اعتماد نہیں ہوتا۔ (۳۳ : ۱۲)۔ میدان جنگ کے تصور سے ان کی روح کانپنے لگ جاتی ہے۔ (۴۷ : ۲۰)۔ کسی بات کو سنجیدگی سے سمجھنے کے بجائے اس پر جھٹ سے اعتراض کر دیتے ہیں۔ (۷۴ : ۳۱)

۴۔ نبی کی عورتوں سے کہا کہ اپنی بات میں لوچ نہ پیدا کیا کرو تاکہ ایسا شخص جس کے دل میں روگ ہے، اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجائے۔ (۳۳ : ۳۲)

۵۔ شریف زادیوں کو چھیڑنے والوں کے دل میں روگ ہوتا ہے۔ انہیں سخت سزا دو۔ (۶۰ : ۳۳)
۶۔ کیا منافق سمجھتے ہیں کہ ان کی اصلیت کبھی بے نقاب ہو کر سامنے نہیں آئے گی ۔ (۲۹ : ۴۷)

جسمانی امراض

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا مجھے شفا دیتا ہے۔ یعنی شفا، قانونِ خداوندی کے مطابق عمل (علاج) کرنے سے ملتی ہے۔ (۸۰ : ۲۶)
۲۔ کھانے پینے کے معاملہ میں مریضوں کی رعایت ۔ (۶۱ : ۲۴) ۔ جنگ کے معاملہ میں رعایت ۔ (۱۷ : ۴۸) ۔ روزوں کے معاملہ میں رعایت (۱۸۵ ۔ ۱۸۴ : ۲) ۔ مناسکِ حج کے سلسلے میں رعایت۔ (۱۹۶ : ۲) ۔ غسل اور وضو کے معاملہ میں رعایت۔ (۴۳ : ۴) ۔ (۶ : ۵) ۔ ہتھیار اتارنے کے سلسلہ میں رعایت ۔ (۱۰۲ : ۴) ۔ جنگ میں جانے کے سلسلہ میں رعایت ۔ (۹۱ : ۹) راتوں کو جاگنے کے سلسلہ میں رعایت ۔ (۲۰ : ۷۳)

شفا

۱۔ قرآن کریم دل کی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ (۵۷ : ۱۰) ۔ (۸۲ : ۱۷) ۔ (۴۴ : ۴۱)
۲۔ مرض سے شفا خدا کے قانون کے مطابق عمل کرنے سے ملتی ہے ۔ (۸۰ : ۲۶)
۳۔ شہد میں شفا ہے ۔ (۶۹ : ۱۶) ۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کے نظام کے مطالعہ سے انسانوں کے خود ساختہ غلط نظامِ تمدن و معاشرت کی خرابیاں رفع ہو سکتی ہیں ۔

---

۱۲ ۔ حضرت مریمؑ

مریم ۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عابدہ اور بلند مرتبہ عورت کے ہیں ۔ عربوں کے ہاں مریم اسے کہتے تھے جو بہت ہی عجیب بات کرے ۔ یا وہ عورت جو مردوں کے ساتھ باتیں کرنا پسند کرے لیکن برائیوں سے دور رہے ۔ قرآن کریم میں حضرت عیسٰیؑ کی والدہ کا نام مریم بتایا گیا ہے ۔ سامی اقوام میں یہ رواج تھا کہ ماں اور باپ میں سے جو بھی زیادہ شہرت کا مالک ہوتا ۔ بچے

کو اس کی طرف منسوب کرتے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ کو ابن امّی کہہ کر پکارتے ہیں۔ یعنی اسے میری ماں کے بیٹے۔ (۷ : ۱۵۰) - (۲۰ : ۹۴)۔ خود ہماری تاریخ میں بھی بنو فاطمہ کی حکومت مشہور ہے۔ اسی رواج کے مطابق، حضرت عیسےٰ کو ابن مریم کہہ کر پکارا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم کے نزدیک، حفاظتِ عصمت بلند ترین مستقل اقدار میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے دو افراد کی زندگیوں کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ مردوں میں سے حضرت یوسفؑ اور عورتوں میں سے حضرت مریمؑ۔ دونوں نے بڑے ہی ہمت آزما حالات میں اپنی عصمت کا تحفظ کیا۔

۳۔ حضرت مریمؑ کی زندگی کو قرآن نے ایک انقلابی کی زندگی کی حیثیت سے بھی پیش کیا ہے۔ یہودیوں نے ہیکل کی خانقاہیت کی زندگی کو نہایت بلند مقام دے رکھا تھا۔ حالانکہ یہ نظریہ بھی خلافِ دینِ خداوندی تھا اور اس کے رسوم و قیود بھی خلافِ منشائے خداوندی۔ شروع میں صرف راہب (مرد) ہی اپنے آپ کو ہیکل کے لیے وقف کرتے تھے لیکن بعد میں وہاں لڑکیاں بھی بطور (NUNS) کے داخل ہونی شروع ہوگئیں۔ ان کے لئے شرط یہ تھی کہ راہبہ یا تو ساری عمر تجرد کی زندگی بسر کرے اور یا ہیکل کے متولیوں میں سے جو چاہے اس کی بیوی بن کر رہے۔ یہ دونوں پابندیاں منشائے خداوندی کے خلاف تھیں۔ یہودی رہبان و احبار کا اس زمانے میں اقتدار اتنا زبردست تھا کہ انہیں صرف سزائے موت کی توثیق کے لئے رومی حاکم کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس سے کم ہر قسم کی سزا دینے کے وہ خود مجاز تھے۔ نیز معاشرہ میں ان کی عقیدت و ارادت اتنی شدید تھی کہ جسے وہ مردود قرار دے دیں اسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔ اس قسم کے شدید مخالف حالات میں حضرت مریمؑ نے (جو ایک متشدد مذہب پرست گھرانے کی لڑکی اور ہیکل کی راہبہ تھیں) ہیکل کی ان انسانوں کی خود ساختہ پابندیوں کو توڑا اور ان کی زنجیروں سے آزادی حاصل کرکے اپنی مرضی کے مطابق متاہل زندگی بسر کی۔ یہ اقدام بڑی جرأت کا متقاضی تھا اور اس لئے قرآن نے انہیں اس قدر فضیلت کا حامل قرار دیا ہے۔

عیسےٰؑ

۱۔ حضرت عیسےٰؑ کو ابنِ مریم کہہ کر پکارا گیا ہے۔ ان مقامات کی تفصیل عنوان "عیسےٰؑ" میں ملے گی۔ یہاں صرف حوالے درج کئے جاتے ہیں۔ (۲ : ۸۷) - (۲ : ۲۵۳) - (۳ : ۴۵) - (۴ : ۱۵۷) - (۴ : ۱۷۱) - (۵ : ۱۷) - (۵ : ۴۶) - (۵ : ۷۲) - (۵ : ۷۵) - (۵ : ۷۸) - (۵ : ۱۱۰) - (۵ : ۱۱۲ ; ۱۱۴) - (۵ : ۱۱۶) - (۹ : ۳۱) - (۱۹ : ۳۴) - (۲۳ : ۵۰) - (۳۳ : ۷) - (۴۳ : ۵۷) - (۵۷ : ۲۷) - (۶۱ : ۶) - (۶۱ : ۱۴) -

حضرت مریمؑ یا حضرت عیسیٰؑ کو مقامِ الوہیت حاصل نہیں

۱۔ اگر خدا انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا تو انہیں کوئی بھی بچا نہیں سکتا تھا۔ (۱۷ : ۵)

۲۔ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ (۷۲ : ۵) ۔ حضرت عیسٰےؑ نے ایسی تعلیم نہیں دی تھی۔ (۱۱۶ : ۵)

۳۔ انہیں صرف ایک نشانی بنایا تھا۔ (۵۰ : ۲۳)

۴۔ اُمِّ حضرت عیسٰےؑ صدیقہ تھی ۔ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے اس لئے انسان تھے ۔ فوق البشر نہیں تھے۔ (۷۵ : ۵)

قصۂ حضرت مریمؑ

۱۔ حضرت مریمؑ کی پیدائش اور ہیکل کی نذر۔ (۳۵-۳۴ : ۳)

۲۔ حضرت مریمؑ کے پاس رزق ۔ ہیکل کی زندگی میں ۔ (۳۷ : ۳) ۔ زیر کفالت حضرت زکریاؑ

۳۔ ملائکہ کی طرف سے بشارت ۔ (۴۵ - ۴۲ : ۳) ۔ اقوامِ عالم کی عورتوں پر افضلیت اور ایک عظیم مقصد کے لئے انتخابِ خداوندی ۔ (۴۱ : ۳) ۔ ہیکل کی زندگی ۔ متولیوں کی آلودہ نگہی ۔ (۴۳ : ۳)

۴۔ حضرت مریمؑ کے خلاف بہتان ۔ (۱۵۶ : ۴) ۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہیکل کی غیر خداوندی قیود کو توڑا تھا۔

۵۔ پیدائشِ حضرت عیسٰےؑ ۔ (۴۷ - ۴۶ : ۳) ۔ (۱۷۱ : ۴) ۔ (۱۷ - ۲۷ : ۱۹)

۶۔ حضرت عیسٰےؑ اور حضرت مریمؑ کو خدا نے نعمار سے نوازا تھا ۔ (۱۱۰ : ۵)

۷۔ قوم کی طرف واپسی ۔ (۲۷ : ۱۹) ۔ (۸) ربوہ کی طرف سفر ۔ (۵۰ : ۲۳)

۹۔ مریم بنت عمران ۔ بطورِ مثالی زندگی ۔ (۱۲ : ۶۶) ۔ اختِ ہارون ۔ (۲۸ : ۱۹)

۱۰۔ خصوصیتِ کبریٰ ۔ حفاظتِ عصمت ۔ (۹۱ : ۲۱) ۔ (۱۲ : ۶۶) ۔ (۱۱) ۔ وہ صدیقہ تھیں ۔ (۷۵ : ۵)

۱۳۔ مستقل اقدار

قرآن کریم نے انسانی راہ نمائی کے لئے کچھ تو احکام (یا قوانین) دئے ہیں اور باقی ، اصول عطا کئے ہیں۔ انہی اصولوں کو اقدار

بھی کہا جاتا ہے اور چونکہ یہ اصول ابدی اور غیر متبدل ہیں اس لئے انہیں مستقل اقدار (PERMANENT VALUES) کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسانی ذات کی نشو و نما کا دار و مدار انہی اقدار کی پابندی پر ہے۔ یہ اقدار درحقیقت انسانی ذات کی بنیادی خصوصیات ہوتی ہیں۔ یعنی جسطرح آب و تاب اور چمک دمک، گوہر کی بنیادی خصوصیت ہے اس طرح (مثلاً) قوتِ تخلیق (CREATIVITY) نشو و نما یافتہ ذات کی بنیادی خصوصیت ہے۔ ذاتِ خداوندی چونکہ سب سے زیادہ مکمل اور اکمل ذات ہے۔ اس لئے جنہیں صفاتِ خداوندی یا الاسماء الحسنیٰ کہا جاتا ہے، وہ اس کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان میں سے کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو صرف ذاتِ خداوندی سے مختص ہیں۔ مثلاً ھو الاول و الآخر۔ کہ اس ازلیت اور ابدیت میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ ایسی صفات کے علاوہ باقی صفاتِ خداوندی ایسی ہیں جن کی نمود (علیٰ حد بشریت) انسان کی نشو و نما یافتہ ذات میں بھی ہوتی ہے جوں جوں انسانی ذات نشو و نما پاتی جائے گی، اس سے ان صفات کا ظہور ہوتا چلا جائے گا۔ یوں صفاتِ خداوندی وہ پیمانہ، یا معیار بن جائیں گی جس سے یہ ماپا جائے کہ انسانی ذات کس حد تک نشو و نما پا چکی ہے۔ اس کو بالفاظِ دیگر قربِ خداوندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا، بہ ہیئت مجموعی، مستقل اقدار وہ صفاتِ خداوندی ہیں جن کی نمود انسانی ذات میں (علیٰ حد البشریت) ہو سکتی ہے۔ ان صفات کو اللہ (یا آلہ) کے عنوان میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں ان میں سے چند ایک نمایاں صفات کو دہرایا جاتا ہے جو انسانی ذات کی نسبت سے مستقل اقدار کہلا سکتی ہے۔ انہی میں وہ اصول بھی شامل ہیں جو عالمِ انسانیت کے لئے مستقل اقدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ اسلامی مملکت ان افراد کے ہاتھوں متشکل ہوتی ہے جو ان اقدار کے پیکر ہوتے ہیں، اور اس مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا ماحول پیدا کرے جس میں ان اقدار کی عام ترویج ہو اور اس طرح افرادِ معاشرہ کی ذات زیادہ سے زیادہ حد تک نشو و نما پا سکے۔

مستقل اقدار و اصولِ حیات

۱۔ ربوبیت عالمینی

خدا رب العالمین ہے (۱ : ۱)۔ اس لئے انسانی ذات کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ (علیٰ حد البشریت) نوعِ انسان کی پرورش اور نشو و نما کا فریضہ سرانجام دے۔ اس ربوبیت کا انداز رحمانیت اور رحیمیت کا آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ (۲:۱) یعنی ربوبیت بلا مزد و معاوضہ کی جائے گی۔ اور اس میں رافت اور محبت کا پہلو نمایاں ہوگا۔ (۲۰۷ : ۲)۔ خدا نے

اپنے آپ کو ارحم الراحمین (۸۳ : ۲۱) - خیر الرازقین (۵۸ : ۲۲) - اور احسن الخالقین (۱۴ : ۲۳) کہا ہے - جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے علاوہ اور راحم - رازق اور خالق بھی ہیں - یہ لا محالہ انسان ہی ہو سکتے ہیں لیکن انسانوں میں یہ صفات محدود پیمانے پر ہوں گی - خدا میں لامحدود - کرۂ ارض پر جس قدر ذی حیات ہیں ان کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے - (۶ : ۱۱) - انسانوں کی دنیا میں یہ ذمہ داری اس مملکت کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے جو ان افراد پر مشتمل ہوتی ہے جن کی ذات نشوونما پا رہی ہو - (۱۵۲ : ۶) - اسی صفت کے ظہور سے وہ مملکت صاحبِ فضلِ عظیم بنتی ہے - (۱۰۵ : ۲)

۲- خدا کی ایک صفت غفور بھی ہے - (۱۷۳ : ۲) - یعنی سامانِ حفاظت بہم پہنچانے والا - اس صفت کی نمود انسانی ذات سے بھی ہوتی ہے - لہٰذا، مظلوم، کمزور و ناتواں کی حفاظت کا انتظام کرنا بھی ایک مستقل قدر یا اصولِ حیات ہے - اس مقصد کے لئے قرآنی مملکت اپنی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے - (۶۰ : ۸) - اور قرآن کے ساتھ صاحبِ شمشیر بھی ہوتی ہے - (۲۵ : ۵۷)

۳- تکریمِ انسانیت

ہر انسان، ذات (PERSONALITY) کا حامل ہوتا ہے - اس لئے ہر انسانی بچہ، بلا تمیزِ رنگ - نسل - خون - خاندان، محض انسان ہونے کی جہت سے یکساں واجب التکریم قرار پاتا ہے - (۷۰ : ۱۷) - احترامِ انسانیت، مستقل قدر اور ابدی اصول ہے -

۴- تعینِ مدارج

معاشرہ میں مدارج کا تعین ہر فرد کے جوہرِ ذاتی اور سیرت و کردار کی رو سے ہوگا - (۱۹ : ۴۶) - جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے گا - وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہوگا - (۱۳ : ۴۹)

۵- کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے

یہ نظریہ کہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے ایک مستقل قدر ہے - بالحق کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تخلیق کا ایک مقصد ہے - یہ تعمیری نتائج کے لئے پیدا کی گئی ہے - یہ فریبِ تخیل، سراب یا مایا نہیں - (۸۵ : ۱۵) - (۱۶ : ۲۱) - (۳۸ : ۴۴) کائنات کی کوئی شے باطل (رائیگاں یا تخریبی نتائج کے لئے پیدا نہیں کی گئی (۱۹۰ - ۱۸۹ : ۳) - یہ سارا سلسلہ، خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے - ان قوانین میں (جنہیں قوانینِ فطرت کہا جاتا ہے) کوئی تبدیلی نہیں ہوتی - (۷۷ : ۱۷) - انسان ان تمام قوانین کا علم حاصل کر سکتا ہے - (۳۱ : ۲) - ان قوانین کا علم حاصل کرنے سے انسان اس قابل ہو سکے گا کہ وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر سکے - قصۂ آدم میں ملائکہ کے سجدہ سے یہی مراد ہے - (۳۴ : ۲) - اس

میں زمین کی قوتیں اور فضائی قوتیں سب شامل ہیں۔ (۱۳ : ۴۵) - ان علوم کے ماہرین کو علماء کہا جاتا ہے۔ (۲۸ - ۲۷ : ۳۵) - ان کی ریسرچ سے جوں جوں کائنات کے راز ہائے سربستہ بے نقاب ہوتے جائیں گے، قرآن کے دعاوی کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچتا جائے گا۔ (۵۳ : ۴۱)

۶۔ عملِ تخلیق

خدا کی ایک صفت بدیع السمٰوٰت والارض (۲ : ۱۱۷) یا فاطر السمٰوٰت والارض ...... (۱۴ : ۱۰) ہے۔ یعنی کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ اس صفت میں تو کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کی دوسری صفت ہے۔ خالقیت۔ عام طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں موجود عناصر میں خاص ترکیب و ترتیب سے ایک نئی چیز پیدا کر لینا۔ ان معنوں میں انسان، خدا کی صفتِ خالقیت میں شریک ہو سکتا ہے اسی نہج سے خدا نے اپنے آپ کو احسن الخالقین کہا ہے۔ (۲۳ : ۱۴)۔ خدا اپنی تخلیق میں نت نئے اضافے کرتا رہتا ہے۔ (۳۵ : ۱)۔ لہٰذا انسان کے لئے عملِ تخلیق بھی ایک مستقل قدر ہے۔ عملِ تولید (PROCREATION) خدا کا عمل نہیں۔ (۱۱۲ : ۳)۔ اس میں انسان بھی منفرد نہیں۔ انسان اور حیوان سب اس میں شریک ہیں۔ لیکن حیوان عملِ تخلیق میں شریک نہیں۔ لہٰذا وجۂ شرفِ انسانیت عملِ تخلیق (CREATION) ہے۔

۷۔ نعمائے حیات

جب تسخیرِ فطرت اور عملِ تخلیق مستقل اقدار ہیں، تو ظاہر ہے کہ نعمائے کائنات (پرورش۔ آسائش و آرائش کی چیزوں) سے متمتع ہونا بھی ایک مستقل اصولِ حیات ہے۔ اس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے۔ (۱ : ۷-۶)۔ (۲۶ : ۸)۔ (۲۷ : ۱۴) (۲۰ : ۱۷)۔ (۴۲ : ۱۷)۔ (۱۲۴ : ۲۰)۔ (۴۱ : ۳۲)۔ (۵۵ : ۲۴)۔ (۶-۵ : ۲۸)۔ (۳۳ : ۲۷)۔ نعمائے زندگی میں عام سامانِ آسائش و آرائش سے لے کر حکومت و سطوت تک سب شامل ہیں۔ اشیائے زینت کے متعلق قرآن نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ انہیں کوئی حرام قرار نہیں دے سکتا۔ (۳۲ : ۷)۔ (۱۶ : ۶)۔ یہ چیزیں انسان کے لئے حسنِ عمل کے مواقع بہم پہنچاتی ہیں۔ (۱۸ : ۷)۔ لہٰذا رہبانیت (دنیا سے نفرت یا ترکِ مادہ)۔ قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ (۲۷ : ۵۷)

۸۔ علم وعقل

خدا سمیع و بصیر اور علیم و حکیم ہے۔ (۲ : ۳۲)۔ (۲ : ۱۱۰)۔ (۲ : ۱۲۷)۔ (۳۱ : ۳۴)۔ اس کا علم بڑا وسیع ہے۔ (۲ : ۱۱۵)۔ لہٰذا انسان کے لئے صاحبِ علم و عقل، خبیر و حکیم ہونا مستقل اقدار ہیں۔ علم بذریعہ حواس حاصل کیا جاتا ہے اور قوتِ فکر سے صحیح نتائج تک پہنچا جاتا۔ (۱۷ : ۳۶)۔ علم و عقل سے کام نہ لینے والے جہنمی ہیں۔ (۷ : ۱۷۹)

(۱۰ : ۷۶) - تفکر و تدبر بنیادی خصوصیت ہے - (۴۶ : ۴۴) - خدا نے مومن کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اور تو اور، اگر اس کے سامنے آیاتِ خداوندی بھی پیش کی جائیں تو وہ انہیں بھی اندھا بہرہ بن کر قبول نہیں کرتا۔ (۷۳ : ۲۵)- کسی بات کو محض تقلیداً مان لینا اس کے نزدیک شرفِ انسانیت سے محرومی ہے - (۱۷۰ : ۲)

لیکن عقلِ انسانی کو وحیِ خداوندی کی روشنی میں چلنا چاہیئے۔

۹- جذبات

جذبات، عمل کے محرک ہوتے ہیں۔ اس لیئے انسان کے لئے بڑی گراں قدر متاع ہیں ۔ قرآن ان کی تنقیص نہیں کرتا لیکن کہتا یہ ہے کہ انہیں بھی بے باک نہیں ہونا چاہیئے بلکہ وحیٔ خداوندی کے مطابق کارفرما ہونا چاہیئے - (۵۰ : ۲۸) - انہیں اپنا الٰہ نہیں بنالینا چاہیئے - (۲۳ : ۴۵) - جذبات سے مغلوب ہوجانے والوں کی عقل ماؤف ہوجاتی ہے - (۲۸ : ۴۶) اس لیئے صحیح طریق کار یہ ہے کہ جذبات کو عقل کے تابع رکھا جائے اور عقل وحی کی راہ نمائی میں چلے - اس قسم کی جدوجہد سے زندگی کی نئی نئی راہیں کھلتی چلی جاتی ہے - (۶۹ : ۲۹) - وحی کاروانِ انسانیت کے لئے منزل کا تعین کر دیتی ہے - اس کے بغیر انسان، محض اپنے جذبات کی تسکین کے لئے مختلف وادیوں میں مارے مارے پھرتا ہے - اسے قرآن، شاعرانہ مسلکِ حیات سے تعبیر کرتا ہے جس میں انسان کی تمام توانائیاں ضائع ہوجاتی ہیں - (۲۲۵ : ۲۶) - جب منزل کا تعین ہوجائے تو انسان کا ہر قدم اسی کی طرف اٹھتا ہے ، اور یوں، "آوارگی، سفر میں بدل جاتی ہے، "آوارگی" نہیں رہتی -

(۲ : ۱۵۰) - (۶ : ۱۶۳)

۱۰- آزادی

قرآن آزادی کو بڑی اہمیت دیتا ہے - وحی کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ہر نوع کی غلامی سے آزادی دلائے (۷ : ۱۵۷)- (۱۳ : ۹۰) - لیکن اس آزادی کے معنی "مادر پدر آزادی" نہیں - اس سے مطلب یہ ہے کہ انسان صرف قوانینِ خداوندی کا مطیع رہے - اور کسی کی اطاعت نہ کرے - (۲۶ : ۱۸) - (۱۱۰ : ۱۸) - خدا کی حکومیت اختیار کرنے کا عملی طریق یہ ہے کہ اس کی کتاب (قرآن کریم) کی اطاعت کی جائے - (۴۸ - ۴۴ : ۵)

جس نظام میں، احکام خداوندی کی کار فرمائی ہو اسے اسلامی نظام یا اسلامی مملکت کہا جاتا ہے - یعنی خدائے احکم الحاکمین (۸ : ۹۵) کے احکام کو نافذ کرنے کی ایجنسی - اس کو استخلاف فی الارض سے تعبیر کیا جاتا ہے - (۵۵ : ۲۴) - اس کے بغیر، دین کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا - (۴۱ : ۲۲)

۱۱۔ لا اکراہ فی الدین

قرآن کی رُو سے کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس نظام میں داخل ہو۔ (۲۵۶ : ۲)۔ نہ ہی کسی کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ جس نظام کو اس نے اختیار کیا ہے وہ طوعاً و کرہاً اس کے اندر ہی رہے۔ (۹۹ : ۱۰)۔ (۲۹ : ۱۸)۔ دین، کے معنی نظامِ خداوندی کو دل و دماغ کی کامل رضامندی سے اختیار کرنا ہے۔ اس کا نام نفسیاتی تبدیلی ہے جس کے بغیر خارجی معاشرہ میں تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی۔ (۵۳ : ۸)۔ (۱۱ : ۱۳)

۱۲۔ قرآنی تصورِ زندگی کی ساری عمارت قانونِ مکافاتِ عمل پر استوار ہوتی ہے۔ یعنی یہ قانون کہ انسان کے ہر عمل کا ایک نتیجہ مرتب ہو کر رہتا ہے۔ تفصیل اس کی "مکافاتِ عمل" کے عنوان میں ملے گی۔

۱۳۔ عدل و احسان مستقل اقدار ہیں۔ عدل کے معنی ہیں ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دینا۔ اور احسان کے معنی ہیں کسی کی کمی کو پورا کر کے اس کے توازن کو برقرار رکھنا۔ (۹۰ : ۱۶)

۱۴۔ وحدتِ امت

وحدتِ امت بھی ایک مستقل قدر ہے۔ اختلاف اور تفرقہ شرک ہے (۳۲۔۳۱ : ۳۰)۔ اور خدا کا عذاب (۱۰۴ : ۳)

۱۵۔ وحدتِ انسانیت

دین کا مقصد نوعِ انسان کی عالمگیر برادری کی تشکیل ہے۔ (۲۱۳ : ۲)۔ (۱۹ : ۱۰)۔ یہ برادری، آئیڈیالوجی (ایمان) کے اشتراک کی بنا پر وجود پذیر ہو گی۔ (۶۲ : ۲)۔ حسنِ عمل کا معیار یہ ہے کہ وہ کام عالمگیر انسانیت کے لئے کس قدر منفعت بخش ہے۔ (۱۷ : ۱۳)

۱۶۔ اقدار میں توازن

انسانی ذات کی صفات (خصوصیات ۔ یا اقدار) میں پورا پورا توازن رکھنا ضروری ہے اسی سے اس میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی صفات کو بھی اسی نہج سے الاسماء الحسنیٰ کہا گیا ہے۔ (۸ : ۲۰) کہ ان میں یہ توازن اپنی تکمیل تک پہنچا ہوا ہے۔ ان صفات میں افراط و تفریط الحاد کہلاتی ہے جس سے اس کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ (۱۸۰ : ۷)

اسلام کے معنی یہ ہیں کہ ہر واقعہ۔ ہر حادثہ۔ ہر موقعہ۔ یا ہر فیصلہ کے وقت دیکھا جائے کہ اس وقت کونسی صفت کے بروئے کار لانے کی ضرورت ہے اور کس حد تک اس کے مطابق فیصلہ اور عمل کرنا اسلام کہلاتا ہے۔

۱۷۔ یہ اصول و اقدار مکمل بھی ہیں اور غیر متبدل بھی

یہ اصول و اقدار، قرآن میں مکمل بھی کر دی گئی ہیں اور غیر متبدل بھی۔ (۱۱۶ : ۶)۔ اسی کو تکمیلِ دین کہا جاتا ہے۔ جس کا

فطری نتیجہ ختمِ نبوت ہے۔

۱۷۔ یہ چند ایک اہم اقدار ہیں۔ باقی اقدار "صفاتِ خداوندی" کے عنوان (اللہ) میں دیکھئے۔

۱۴۔ مسکین

مادہ (س۔ک۔ن) کے اعتبار سے اس کے معنی ہیں وہ جس کی حرکت رک جائے۔ اصطلاحی طور پر مسکین سے مراد ایسا شخص ہوگا جس کا یا تو چلتا ہوا کاروبار رک جائے یا وہ ویسے ہی چلنے پھرنے یا کام کاج سے معذور ہو جائے۔ قرآن کے معاشی نظام میں، ایسے افراد جو کسی وجہ سے محنت کرنے کے قابل نہ رہیں، خصوصی توجہ کے محتاج ہیں۔ اس لئے قرآن نے ان کی ضرورت پوری کرنے کی تاکید کی ہے۔ (سائل اور فقیر بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔ ان کے لئے عنوان سائل دیکھئے۔ نیز محروم بھی۔ اسے اسی عنوان میں لکھا جا رہا ہے)

مسکنت کے معنی جمود و تعطل کے ہیں۔ جس قوم پر مسکنت طاری ہو جائے اُسے خدا مغضوب علیہ قرار دیتا ہے۔ یعنی حرکت و حرارت قوم کے عروج و ارتقاء کی علامت ہے اور جمود و تعطل اس کی ذلت کی نشانی۔ بنی اسرائیل کے زوال و انحطاط کو اسی لئے مسکنت فلہذا غضبِ خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے۔ (۶۱ : ۲)۔ (۱۱۲ : ۳)

۲۔ مساکین کی امداد کو خدا نے ان کا حق قرار دیا ہے۔ خیرات نہیں۔ خیرات، دینے والے کے دل میں جذبۂ برتری اور لینے والے کے دل میں احساسِ کمتری پیدا کر دیتی ہے اور یہ دونوں چیزیں شرفِ انسانیت کے منافی ہیں۔ لیکن جو چیز لینے والا بطور اپنے حق کے لیتا ہے اور دینے والا اسے اس کا حق سمجھ کر ادا کرتا ہے، اس سے شرفِ انسانیت کو ضعف نہیں پہنچتا۔ (تفصیل ان امور کی "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔ نیز یہ چیز بھی کہ انفرادی طور پر مساکین وغیرہ کی مدد، اس دور کی بات ہے جب قرآن کا معاشی نظام ہنوز قائم نہ ہوا ہو۔ اس نظام میں اس قسم کے تمام انتظامات اجتماعی طور پر نظامِ مملکت کی طرف سے ہوتے ہیں۔)

مساکین کی امداد

۱۔ مساکین وغیرہ کو ان کا حق دے دو۔ (۲۶ : ۱۷)۔ (۳۸ : ۳۰)

۲۔ سرمایہ دار، کسی مسکین کو پاس نہیں پھٹکنے دینا چاہتا۔ (۲۴ : ۶۸)

۳۔ جو لوگ نہ مساکین کی خود مدد کرتے ہیں نہ دوسروں کو اس پر آمادہ کرتے ہیں، ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (۳۴ : ۶۹)۔ (۴۴ : ۷۴)

۴۔ ذلیل ہونے والے لوگ شکایت کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں یونہی ذلیل کر دیا۔ کہا گیا کہ خدا کسی کو یونہی ذلیل نہیں کیا کرتا۔ تم لوگ یتیم (تنہا رہ جانے والوں) کی عزت نہیں کرتے تھے اور مساکین کی روٹی کے لئے لوگوں کو آمادہ نہیں کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے تم ذلیل ہوئے۔ (۱۸-۱۶ : ۸۹)

۵۔ ایسا کرنے والے تکذیبِ دین کرتے ہیں۔ (۳ : ۱۰۷)

۶۔ اہلِ جنت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ مساکین کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ (۸ : ۷۶)

۷۔ اسلام، پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے مترادف ہے۔ یتیم ذا مقربہ اور مسکین ذا متربہ کی روٹی کا انتظام۔ (۱۵ - ۱۳ : ۹۰)

۸۔ بنی اسرائیل سے بھی یہی عہد لیا گیا تھا کہ وہ مساکین سے احسان کریں (ان کی کمی پوری کریں)۔ (۸۳ : ۲)

۹۔ اصل نیکی یہ ہے کہ مساکین کو مال دیا جائے۔ (۱۷۷ : ۲)۔ (۲۱۵ : ۲)

۱۰۔ تقسیمِ وراثت کے وقت مساکین کو بھی کچھ دے دینا چاہیئے۔ (۸ : ۴)

۱۱۔ مساکین کے ساتھ احسان کی تاکید۔ (۳۶ : ۴)۔ ان کی کسی لغزش کی وجہ سے ہاتھ نہ روک لو۔ (۲۲ : ۲۴)

۱۲۔ مالِ غنیمت میں مساکین کا حصّہ۔ (۴۱ : ۸)

۱۳۔ صدقات میں مساکین کا حصّہ۔ (۶۰ : ۹)۔ مالِ فے میں بھی۔ (۷ : ۵۹)

کفارہ کے طور پر مساکین کی امداد

۱۔ روزہ کا کفارہ طعامِ مسکین۔ (۱۸۴ : ۲)۔ (۲)۔ ظہار کا کفارہ۔ (۴ : ۵۸)

۲۔ لغو قسموں کا کفارہ۔ (۸۹ : ۵)۔ حرم میں شکار کا کفارہ۔ (۹۵ : ۵)

محروم

۱۔ دولت مندوں کے مال میں سائل و محروم کا حق ہے۔ (۱۹ : ۵۱)۔ (۲۵ : ۷۰)

۱۵۔ مشرق ومغرب

مشرق یا شرق - جہاں سے سورج طلوع ہوتا دکھائی دے ۔ اور غرب یا مغرب ، جہاں وہ غروب ہوتا نظر آئے ۔

۱۔ مشرق ومغرب سب اللہ کے لئے ہیں ۔ تم جس طرف بھی اپنا رخ کروگے اُدھر خدا موجود ہوگا ۔ (۱۱۵ : ۲)

۲۔ تعیینِ قبلہ کے سلسلہ میں کہا کہ مشرق ومغرب اللہ کے لئے ہیں ۔ (۱۴۲ : ۲)

۳۔ اصل نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنا منہ مشرق کی طرف کرلیا یا مغرب کی طرف ۔ اصل نیکی یہ ہے کہ .... (۱۷۷ : ۲)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے بادشاہ سے کہا کہ میرا خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے ۔ تم اسے مغرب سے نکال کر دکھاؤ ۔ (۲۵۸ : ۲)

۵۔ خدا کا نور ۔ یعنی قرآن کی روشنی ۔ مشرق ومغرب کی حدود کی پابند نہیں ۔ یہ عالمگیر ہے ۔ (۳۵ : ۲۴)

۶۔ خدا ، مشرق ومغرب وما بینھما کا رب ہے ۔ (۲۸ : ۲۶) ۔ (۹ : ۷۳)

۷۔ رب المشرقین ورب المغربین ۔ (۱۷ : ۵۵) ۔ سال میں سورج کے طلوع وغروب کے دونوں انتہائی کنارے ۔ مطلب اس سے پورا افق ہے ۔

۸۔ مشارق ومغارب کا رب ۔ (۴۰ : ۷۰) ۔ رب المشارق ۔ (۵ : ۳۷)

۹۔ بُعدَ المشرقین ۔ (۳۸ : ۴۳) ۔ (۱۰) ۔ بنی اسرائیل کو ارضِ بابرکت کے مشارق ومغارب کا مالک بنادیا ۔ (۱۳۷ : ۷)

۱۱۔ حضرت مریمؑ مشرقی علاقہ کی طرف منتقل ہوگئیں ۔ (۱۶ : ۱۹)

۱۲۔ مُشرِق ۔ طلوعِ الشمس کا وقت ۔ علی الصبح ۔ (۷۳ : ۱۵) ۔ (۶۰ : ۲۶)

۱۳۔ ذوالقرنین جب مغرب کی سمت آیا تو اسے یوں دکھائی دیا جیسے سورج سیاہ سمندر میں چھپ رہا ہو ۔ (۸۶ : ۱۸)

۱۴۔ قبل طلوعِ الشمس اور قبل غروب خدا کی حمد وتسبیح ۔ (۱۳۰ : ۲۰) ۔ (۳۹ : ۵۰)

۱۶۔ مصیبت ۔ مصائب

مصیبت ۔ مادہ (ص۔ و۔ ب) کے اعتبار سے مصیبت، ہر واقعہ یا حادثہ کو کہا جاتا ہے۔ لیکن استعمال کے اعتبار سے مصیبت اس واقعہ یا حادثہ کو کہیں گے جو نقصان رساں ہو۔

کائنات میں ہر واقعہ (EVENT) خدا کے مقرر کردہ قانونِ علت و معلول (LAW OF CAUSE AND EFFECT) کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔ انسانی دنیا میں، جب انسان خدا کے قانون کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کا نتیجہ خوشگوار اور منفعت بخش ہوتا ہے لیکن جب اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا نتیجہ مضرت رساں ہوتا ہے۔ اسے عام اصطلاح میں مصیبت کہا جاتا ہے۔ یہ وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ ہر واقعہ خدا کے قانون (اذن) کے مطابق وقوع میں آتا ہے لیکن اس کا مصیبت (مضرت رساں) ہو جانا انسانوں کے اپنے (غلط) اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ بڑا اہم اور ذرا پیچیدہ سا مسئلہ ہے۔ جس کی تفصیل میری تصنیف۔ کتاب التقدیر۔ میں ملے گی۔

دوسرے انسانوں کی طرح، مومنین کو بھی حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کی بعض غلط تدابیر کی وجہ سے انہیں نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ لیکن ان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے حالات میں ثبات و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ہمت نہیں ہارتے۔ ناکامی کے بعد پھر مصروفِ جدوجہد ہو جاتے ہیں اور مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں، تاآنکہ ان کی ناکامی، کامیابی میں نہ بدل جائے۔

دنیا میں حق و باطل میں ہر آن تصادم اور تزاحم ہوتا رہتا ہے۔ ان تصادمات میں حق کی حمایت کرنے والوں کو بھی مصائب کا سامنا اور مشکلات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں مومنین کے قدم میں لغزش نہیں آتی۔ وہ ان مصائب کا مقابلہ جواں ہمتی سے کرتے ہیں، خواہ اس میں انہیں جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑے۔ قرآن کی رو سے جنت کا راستہ انہی مشکلات سے پٹا پڑا ہے۔ ان تصادمات کے بغیر جنت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ انسانی ذات میں استحکام، باطل کے ساتھ تصادمات سے پیدا ہوتا ہے۔ انہی تصادمات سے ایک فرد کو اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کی ذات کس حد تک مستحکم ہو چکی ہے۔ یوں ایک ہی واقعہ (تصادم) مومن اور کافر کے حق میں مختلف (بلکہ متضاد) اثرات کا موجب بن جاتا ہے۔

مومنین اور مصائب

۱۔ مومنین مصائب سے گھبراتے نہیں۔ مستقل مزاجی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ (۲ : ۱۵۶)-(۲ : ۱۷۷)-(۱۱ : ۱۱)-
یہ من عزم الامور ہے۔ (۳۱ : ۱۷)- مومن کو پریشان ہونا ہی نہیں چاہیئے۔ (۳ : ۱۵۲)-(۳۵ : ۲۲)

۲۔ مصائب کا سامنا کرتے ہوئے خدا اور رسول کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ (۳ : ۱۷۱)

۳۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کا ایمانِ محکم۔ (۷ : ۱۲۳-۱۲۶)

۴۔ مصائب کے وقت اور زیادہ اطاعت گزاری۔ (۱۵ : ۹۷-۹۸)

۵۔ مصائب کے وقت مومن اور منافق کی تمیز ہوجاتی ہے۔ (۳ : ۱۱۹)-(۴ : ۷۲-۷۳)-(۹ : ۵۰)-(۲۹ : ۱۰-۱۱)

جنت مصائب کا سامنا کئے بغیر نہیں مل سکتی

۱۔ ہر دور کے انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بغیر جنت تک رسائی نہیں ہوسکتی۔
(۲ : ۲۱۴)- ثواب الدنیا اور ثواب الآخرۃ اسی سے ملتا ہے۔ (۳ : ۱۴۵-۱۴۷)-(۳ : ۱۹۴)

مصائب اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہیں

۱۔ مصیبت انسان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔ (۳ : ۱۶۴)-(۴ : ۶۲)-(۵ : ۴۹)-(۷ : ۱۰۰)
(۱۶ : ۳۴)-(۲۸ : ۴۷)-(۳۰ : ۳۶)-(۳۰ : ۴۱)-(۳۹ : ۵۱)-(۴۲ : ۳۰)
(۴۲ : ۴۸)

مصائب قانونِ خداوندی کے مطابق واقع ہوتی ہیں

۱۔ ہر واقعہ خدا کے قانون کے مطابق رونما ہوتا ہے۔ حسنات خدا کی طرف سے ہوتی ہیں، یعنی قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کرنے سے
اور مصائب، ان کی خلاف ورزی سے آتی ہیں۔ اس لئے وہ انسان کی اپنی روش کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ (۴ : ۷۸-۷۹)-(۱۱ : ۶۴)

۲۔ وہی مصیبت آسکتی ہے جو خدا نے لکھ دی ہے۔ یعنی ہر واقعہ اس کے قانون کے مطابق رونما ہوتا ہے جو پہلے سے متعین ہے
(۹ : ۵۱)-(۳ : ۱۶۵)

۳۔ خدا کے سوا کوئی مصائب کا دور کرنے والا نہیں۔ (۱۰۷ : ۱۰) ۔ (۶۲ : ۲۷) ۔ (۱۷ : ۴۳)

۴۔ ہر واقعہ کتاب میں ہوتا ہے۔ (قوانینِ خداوندی کے ضابطہ کے مطابق) ۔ (۲۲ : ۵۷)

۵۔ قومِ فرعون کو جب خوشگواریاں حاصل ہوتی تھیں تو کہتے تھے کہ یہ ہماری اپنی کاریگری کا نتیجہ ہے اور جب مصیبت پڑتی تھی تو کہتے تھے کہ یہ نحوست موسیٰؑ کی وجہ آئی ہے۔ (۱۳۱ : ۷)

مصائب سے ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان عبرت پکڑ لے

۱۔ مصائب کے وقت انسان کا دل پسیج جاتا ہے لیکن بعد میں وہ پھر سخت ہو جاتا ہے۔ (۴۳-۴۲ : ۶)

مصائب کے وقت رجوع الی اللہ۔ بعد میں اعراض

۱۔ مصائب کے وقت انسان خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بعد میں شرک کرنے لگ جاتا ہے (۶۴-۶۳ : ۶) ۔ (۱۲ : ۱۰)
(۲۳-۲۱ : ۱۰) ۔ (۱۰-۹ : ۱۱) ۔ (۵۴-۵۳ : ۱۶) ۔ (۳۲ : ۳۱) ۔ (۸ : ۳۹) ۔ (۵۰-۴۹ : ۴۱)

۲۔ منافق کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مساعد حالات میں خدا کی اطاعت کرتا ہے اور جب حالات نامساعد ہو جائیں تو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ (۱۱ : ۲۲)

متفرق

موت کے سانحہ کو "مصیبۃ الموت" کہا گیا ہے۔ (۱۰۶ : ۵)

۱۷۔ معاشی نظام

انسانی زندگی (بلکہ ہر ذی حیات کی زندگی) کا دار و مدار سامانِ زیست پر ہے۔ سامانِ زیست میں، روشنی، حرارت ہوا۔ پانی اور غذا شامل ہے۔ اول الذکر چار چیزیں فطرت کی طرف سے تیار ملتی ہیں۔ ان کے صرف استعمال کا سوال رہ جاتا ہے۔ غذا کو البتہ زمین سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ، انسانی زندگی کے لئے مصنوعات کی بھی ضرورت پڑتی ہے

انسانی تمدن نے جو نظام وضع کیا ہے، اس کی رُو سے، ان چیزوں کو تیار کرنے اور صرف میں لانے کے لئے روپے (دولت) کا سوال سامنے آتا ہے اور یہی سوال ہے جو درحقیقت (دورِ حاضر میں) معاشی مسئلہ کہلاتا ہے اور جس نے اس قدر اہمیت حاصل کر رکھی ہے کہ ہمارے زمانے کو کہا ہی عصرِ معیشت (AGE OF ECONOMICS) جاتا ہے۔ سکہ کی ایجاد سے پہلے، مختلف ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لئے تبدیلیٔ اجناس (BARTER SYSTEM) رائج تھا۔ اس میں ایک شے کا تبادلہ دوسری شے سے ہو جاتا تھا۔ چونکہ اشیاء کے تبادلہ میں بعض (بلکہ اکثر) اوقات بڑی دقتیں پیش آتی تھیں، اس کے حل کے لئے سکہ ایجاد کیا گیا۔ سکہ ایجاد تو اس مشکل کے حل کے لئے کیا گیا تھا۔ لیکن خود سکہ ایک ایسی مشکل بن گیا جس کے حل میں انسان پریشان اور حیران چلا آ رہا ہے جتنا یہ اس پھیلادے کو اپنے کندھے سے اتارنے کی کوشش کرتا ہے، یہ اس پر اپنی گرفت اتنی ہی زیادہ مضبوط کرتا چلا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے معاش کے لئے ایسا نظام وضع کیا جس میں یہ مسئلہ کسی قسم کی مشکل پیدا نہیں کرتا۔ اس نے علاماتِ مرض کا علاج کرنے کے بجائے، علتِ مرض کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔ اس نے ذرائع پیداوار (زمین یا صنعت) اور مال و دولت پر افراد کی ذاتی ملکیت کو ختم کر دیا، اور ہر ایک کو اس کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کام دینا اور اس کی ضروریات کا پورا کرنا، نظام کی ذمہ داری قرار دے دیا۔ بنیادی طور پر، اس ذمہ داری کو خدا نے اپنے اوپر لیا تھا لیکن چونکہ انسانی دنیا میں خدا کی ذمہ داریاں انسانی ہاتھوں سے پوری ہوتی ہیں اس لئے اس نظام نے جو خدا کے قوانین کے مطابق متشکل ہوتا ہے، اس ذمہ داری کے پورا کرنے کا بیڑہ اٹھا لیا۔

واضح رہے کہ یہ نظام جس کی رُو سے، ذرائع پیداوار اور مال و دولت، افراد کی ذاتی ملکیت کے بجائے اسلامی نظام مملکت (یعنی پوری امت) کی تحویل میں چلا جاتا ہے، بتدریج اپنی تکمیل تک پہنچتا ہے۔ اس لئے قرآن نے، اس عبوری دور کے لئے بھی احکام دیئے ہیں جس سے گذرنے کے بعد، یہ نظام اپنے منتہیٰ تک پہنچے گا۔ انفاق۔ صدقات۔ محتاجوں کی انفرادی امداد۔ قرضہ۔ وراثت وغیرہ کے احکام اس دور سے متعلق ہیں۔ جب یہ نظام اپنی آخری منزل میں پہنچ جاتا ہے تو عبوری دور سے متعلق احکام، نافذ العمل نہیں رہتے (جس طرح پانی مل جانے کے بعد تیمم سے متعلق حکم نافذ العمل نہیں رہتا)

۲۔ معاشی نظام کے سلسلہ میں، حسب ذیل عنوانات کے تابع الگ الگ لکھا جا چکا ہے۔ زیرِ نظر عنوان میں، ان موضوعات کی طرف صرف اشارہ کیا جائے گا اور دیگر عنوانات کے تفصیلی حوالے دیئے جائیں گے۔

اس سلسلہ میں ربّ (ربوبیت)۔ حمد (حمدیت)۔ رزق۔ انفاق۔ دولت۔ ربوا۔ زکوٰۃ۔ زمین۔ ملکیت۔ صدقات وغیرہ عنوانات بھی دیکھئے۔

رزق کی اہمیت

۱۔ امن اور رزقِ فراواں خدا کی نعمتوں میں سے ہیں۔ بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۲۔ جنتِ آدم کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں بنیادی ضروریاتِ زندگی (کھانا۔ پینا۔ لباس۔ مکان) سب بآسانی میسر تھے۔ ہر ایک کے لئے ہر جگہ۔ (۳۵ : ۲) ۔ (۱۹ : ۷) ۔ (۱۱۸ : ۲۰)

۳۔ تعمیرِ کعبہ کے بعد دعائے ابراہیمی کہ وہاں بسنے والوں کو رزقِ فراواں مل جائے۔ (۱۲۶ : ۲) ۔ (۳۷ : ۱۴) ۔ اہلِ مکہ کو اس نعمتِ خداوندی کی یاددہانی (۵۷ : ۲۸) ۔ (۴ : ۱۰۶)

۴۔ قوانینِ خداوندی کے اتباع سے، زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (۶۶ : ۵) ۔ (۹۶ : ۷)

۵۔ قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے کا نتیجہ۔ معیشت کی تنگی اور آخرت کی زندگی میں اندھاپن۔ (۲۷ : ۱۷) ۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۶۔ رزق، خدا کے طبعی قوانین کے مطابق، محنت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں کافر و مومن کی بھی کوئی تمیز نہیں۔ (۲۱-۱۹ : ۱۷) ۔ (۲۰ : ۴۲)

۷۔ لیکن رزقِ فراواں کے ساتھ، اگر مستقل اقدارِ خداوندی کو ملحوظ نہ رکھا جائے، تو تباہی آجاتی ہے۔ (۴۴ : ۶) ۔ (۱۶ : ۱۷) ۔ (۵۸ : ۲۸)

رزق کی ذمہ داری

۱۔ خدا مستحقِ حمد اس لئے ہے کہ اس نے ربوبیتِ عالمینی کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ (۲ - ۱ : ۱) ۔ ایسا انتظام کوئی اور نہیں کرسکتا تھا۔ (۳ : ۳۵)

۲۔ ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے۔ (۶ : ۱۱)

۳۔ انسانوں کے رزق کی بھی۔ (۱۵۲ : ۶) ۔ (۳۱ : ۱۷) ۔ (۶۰ : ۲۹)

۴۔ لیکن خدا انسانوں کو براہِ راست رزق نہیں دیتا۔ (۴۷ : ۳۶)

۵۔ یہ فریضہ، اسلامی مملکت ادا کرے گی۔ اس کا فریضہ "ایتائے زکوٰۃ" ہے۔ (۴۱ : ۲۲) ۔ یعنی سامانِ نشوونما کا بہم پہنچانا۔

۶۔ اس نظام کی رو سے، ارض و سما دونوں کا "الٰہ" خدائے واحد قرار پاجاتا ہے۔ یعنی انسان کی معاشی زندگی اور اقدارِ سماوی دونوں کا سرچشمہ خدا کی ذات۔ (۵۲ : ۱۶) ۔ (۲۱ : ۲۱) ۔ (۸۴ : ۲۳) ۔ (۸۴ : ۴۳)

۷۔ یہ نظام ان لوگوں کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے جو اپنا مال اور جان، خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ (۹ : ۱۱۱)۔ یہ بیع و شریٰ کا معاملہ، مملکتِ خداوندی کے سربراہ کی وساطت سے طے پاتا ہے۔ (۴۸ : ۱۰)۔ یوں انسان کا مال، خدا کا مال ہو جاتا ہے۔ (۲۴ : ۳۳)۔ اس مال میں، سائل اور محروم کا حق مستلم ہو جاتا ہے۔ (۵۱ : ۱۹)۔ (۷۰ : ۲۴-۲۵)۔ اس سے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ (۲ : ۲۰۱)

عبوری دور سے متعلق احکام — انفاق

۱۔ مفلسوں اور محتاجوں کی امداد کرنے کی انفرادی اپیل۔ (۶۹ : ۳۴)۔ (۷۴ : ۴۴)۔ (۷۶ : ۸-۹) ——— (۸۹ : ۱۷-۲۰)۔ (۹۰ : ۱۱-۱۶)۔ (۹۳ : ۱۰)۔ (۱۰۷ : ۱-۷)

۲۔ **انفاق فی سبیل اللہ**

مومن وہ ہیں جو انفاق کرتے ہیں۔ (۲ : ۳)۔ صالح ہونے کے لئے انفاق ضروری ہے۔ (۶۳ : ۱۰-۱۱)۔ انفاق بڑھتا ہے۔ (۲ : ۲۶۱-۲۶۵)۔ سب سے زیادہ عزیز چیزوں کا انفاق۔ (۳ : ۹۱)۔ انفاق والدین اور اقربین کے لئے۔ (۲ : ۲۱۵)۔ (۳۰ : ۳۸)۔ اس طرح دیا ہوا مال، بالآخر (جب یہ نظام قائم ہو جائے گا تو) تمہارے پاس واپس آجائے گا۔ اس لئے اسے قرضِ حسنہ کہا گیا ہے۔ (۸ : ۶۰)۔ (۵۷ : ۱۸)۔ (۷۳ : ۲۰)۔ انفاق ریاءالناس کے لئے نہ کرو۔ (۴ : ۳۸)۔ انفاق نہ کروگے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ (۲ : ۱۹۵)۔ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے لے گی۔ (۴۷ : ۳۸)۔ انفاق سے تمہاری ذات کی نشوونما ہو جائے گی۔ (۹۲ : ۱۸)

۳۔ **نظام متشکل ہو جانے کے بعد**

اپنی ضروریات سے زائد سب کا سب نظامِ خداوندی کے حوالے کر دو۔ (۲ : ۲۱۹)۔ (۱۶ : ۵۳)۔ (۱۶ : ۷۱)۔ (۳۳ : ۲۴)۔ (۱۰ : ۵۷)

مال و دولت کے متعلق احکام — عبوری دور میں

۱۔ وصیت کا حکم۔ (۲ : ۱۸۰)۔ (۵ : ۱۰۶)۔ (۲)۔ وراثت کے احکام۔ (۴ : ۷)۔ (۴ : ۱۱)

۲۔ قرض کا لین دین لکھ لیا کرو۔ (۲ : ۲۸۲)۔ (۴)۔ یتیموں کے مال کی حفاظت۔ (۴ : ۶)۔ (۶ : ۱۵۳)۔ (۱۷ : ۳۴)۔ سفہا کے مال کی حفاظت۔ (۴ : ۵)

۵۔ ناجائز طریق سے مال نہ کماؤ۔ (۲ : ۱۸۸)۔ (۴ : ۲۹)۔ (۶) مذہبی پیشوا ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھاجاتے ہیں۔ (۹ : ۳۴)۔ (۷) مرد کی کمائی مرد کے لئے عورت کی عورت کے لئے۔ (۴ : ۳۲)

۸۔ ماپ اور تول کے پیمانے درست رکھو۔ اس میں پورا نظامِ معیشت آجاتا ہے۔ (۶ : ۱۵۳)۔ (۷ : ۸۵)۔ (۱۱ : ۸۴)۔ (۱۷ : ۳۵)۔ (۸۳ : ۱-۲)

دولت جمع کرنا

۱۔ دولت کا جمع کرنا جہنم کی آگ میں جلنا ہے۔ (۹ : ۳۴-۳۵)

۲۔ دولت جمع کرنے والوں کی مذمت۔ (۹ : ۳۵)۔ (۷۰ : ۱۸)۔ (۲ : ۱۰۳)۔ (۷ : ۱۰۷)

قارون کا جرم۔ (۲۸ : ۷۶-۸۲)۔ (۲۹ : ۳۹)۔ قارونی ذہنیت۔ (۱۱ : ۵۰)

۳۔ دولت اونچے کے طبقہ میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔ (۵۹ : ۷)

۴۔ مال، وجہِ تقربِ خداوندی نہیں ہوسکتا۔ (۳۴ : ۳۷)

۵۔ مال دار کے مال میں سائل و محروم کا حق۔ (۵۱ : ۱۹)۔ (۷۰ : ۲۴-۲۶)

۶۔ مال و دولت کو اجتماعی ملکیت میں ہونا چاہیئے۔ (۴ : ۵)

۷۔ بخل سے تباہی۔ (۳ : ۱۷۰)۔ (۴ : ۳۷)۔ (۴۷ : ۳۸)۔ (۵۷ : ۲۴)۔ (۹۲ : ۸-۱۰)

زرعی اصلاحات

۱۔ زمین کی پیداوار میں محتاجوں کا حق۔ (۲ : ۲۶۷)۔ اسے "خدا کا حق" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (۶ : ۱۴۳)

۲۔ اگر تم نے "خدا کا حق" نہ دیا تو تمہاری کھیتیاں تباہی کا موجب بن جائیں گی۔ (۱۸ : ۳۲-۴۴)۔ (۶۸ : ۱۷-۳۳)

تمہارے بال بچے محتاج ہو کر رہ جائیں گے۔ (۲ : ۲۶۶)

ربوٰ

۱۔ ربوٰ کے معنی ہیں سرمایہ کا معاوضہ لینا خواہ اس کی شکل کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کی رو سے، معاوضہ محنت کا ہے — (۵۳ : ۳۹)۔ سرمایہ کا نہیں — ربوٰ حرام ہے۔ (۲ : ۲۷۵-۲۷۹)۔ (۳ : ۱۲۹)

کمرشل انٹرسٹ بھی ۔ (۳۹ : ۳۰) ۔ (۲) ۔ قرض کی سہولتیں ۔ (۲۸۰ : ۲)

قرآن کا معاشی نظام

۱۔ زمین، تمام افراد کو رزق بہم پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہتی ۔ (۲۰ : ۱۵) ۔ (۵۴ : ۲۰) (۳۳ : ۷۹) ۔ (۳۲ : ۸۰) ۔ خدا کی زمین، خدا کی مخلوق کے لئے ۔ (۳ : ۷۳) ۔ (۷۴ : ۱۱) ۔ (۲۶ : ۱۵۵) (۱۰ : ۴۱) ۔ (۱۰ : ۵۵) ۔ (۱۳ : ۹۱)

۲۔ فصل اگانے میں انسان صرف محنت کرتا ہے۔ باقی سب کچھ خدا کا عطا کردہ ہوتا ہے ۔ (۶۳ - ۷۳ : ۵۶) — (۳۰ : ۲۱ ; ۷۲) ۔ (۳۲ - ۲۴ : ۸۰)

عطائے رب پر ذاتی ملکیتوں کے بند نہیں باندھے جا سکتے ۔ (۱۸ - ۲۱ : ۱۷) ۔ (۷ : ۱۰۷)

ان کا ذاتی مالک بن جانا، خدا کے ہمسر بن جانے کے مرادف ہے ۔ (۲۲ : ۲) ۔ (۶۱ - ۶۰ : ۲۷)

۳۔ زمین میں جو کچھ ہے خدا کا ہے ۔ (۵۲ : ۱۶) ۔ (۸۴ : ۲۳)

۴۔ جب رزق کے ذرائع قوانینِ خداوندی کے تابع آجائیں تو پھر "آسمانوں کا خدا" عملاً "زمین کا بھی خدا" بن جاتا ہے۔ (۳-۴ : ۶) ۔ (۵۲ : ۱۶) ۔ (۲۱ : ۲۱) ۔ (۶۰ : ۲۹) ۔ (۸۴ : ۴۳)

۵۔ ہر شخص (جو محنت کرنے کے قابل ہے) پوری پوری محنت کرتا ہے اور اس میں سے صرف بقدر اپنی ضروریات کے لے کر باقی سب نظامِ اسلامی کی تحویل میں دے دیتا ہے ۔ (۲۱۹ : ۲) ۔ اس طرح فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہتی ۔

۶۔ مختلف انسانوں میں صلاحیتوں کا فرق، تقسیم کار کے لئے ہوتا ہے۔ (۳۲ : ۴۳) ۔ اس سے ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے ماحصل کا ذاتی مالک نہیں بن جاتا ۔ (۵۳ : ۱۶) ۔ (۷۱ : ۱۶) — یہ سرمایہ داری کا پیدا کردہ باطل تصور ہے جس کی رو سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی ہنرمندیوں کے ماحصل کا آپ مالک ہے ۔ اس ذہنیت کو قارونیت کہتے ہیں ۔ (۷۸ : ۲۸) ۔ (۴۹ : ۳۹)

۷۔ یہ تصور خلافِ قرآن ہے کہ اس مال میں سے کچھ خدا کے لئے دے دیا جائے تو اس سے جنت مل جاتی ہے ۔ (۵۰ : ۱۴) اپنی ضروریات سے زائد سب کا سب دے دیا جائے گا۔ (۲۱۹ : ۲) ۔ بلکہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دی جائے گی ۔ (۹ : ۵۹)

۸۔ اس میں ماپ تول کے پیمانے صحیح صحیح ہوتے ہیں۔ (۶ : ۱۵۳) ۔ (۷ : ۸۵) ۔ (۸۴ - ۸۵ : ۱۱) ۔ (۱۷ : ۳۵)

اس میں نہ کسی پر ظلم ہوتا ہے نہ استحصال۔ (۱۵ : ۲۰) - (۱۱۲ : ۲۰) - اس میں صلوٰۃ کا دائرۂ معاشیات کو بھی محیط ہو جاتا ہے۔ یعنی معاشیات، قوانینِ خداوندی کے تابع آجاتی ہے۔ (۸۷ : ۱۱)

۹۔ مفاد پرست گروہ (مترفین) اس نظام کی سخت مخالفت کریں گے۔ (۵۳ : ۲۳) - (۳۴ : ۳۴) - مذہبی پیشوا ان مفاد پرستوں کے ہم نوا ہوں گے۔ (۳۵ - ۳۴ : ۹) - لیکن جب عالمگیر انسانیت اس کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی تو یہ مخالفتیں ناکام رہ جائیں گی۔ (۶ - ۵ : ۸۳) - مفاد پرستوں کے گروہ راستے سے ہٹا دئے جائیں گے۔ (۴ - ۱ : ۸۳) - جو لوگ اس نظام کی مخالفت میں روپیہ صرف کرتے تھے، انہیں افسوس ہوگا کہ انہوں نے اپنی دولت یوں ضائع کر دی۔ (۳۶ : ۸) - اس وقت ہر ظالم کی جڑ کٹ جائے گی اور خدا کی ربوبیت عام ہو جائے گی۔ (۴۵ : ۶) - یہی اسلامی نظام کا منتہیٰ ہے۔ (۱۰ : ۱۰)

۱۰۔ لیکن یہ نظام ان لوگوں کے ہاتھوں متشکل ہوگا جو اُخروی زندگی پر ایمان رکھیں۔ اور جب کسی دنیاوی فائدے اور مستقل اقدارِ خداوندی میں ٹکراؤ ہو، تو وہ مستقل قدر کو، مفاد عاجلہ پر ترجیح دیں اور اس طرح زندگی کی ارتقائی راہوں میں آگے بڑھتے چلے جائیں۔ (۲۳ - ۲۰ : ۵۷) - اس کی حفاظت کے لئے ضابطۂ قوانین کے ساتھ تلوار کی بھی ضرورت ہوگی۔ (۲۵ : ۵۷) - کیونکہ مفاد پرست گروہ (نظامِ سرمایہ داری کے علمبردار) اس کی انتہائی مخالفت کریں گے۔

۱۸- معجزات

معجزہ، یا معجزات کے الفاظ تو قرآن کریم میں نہیں آئے البتہ اس کے مادہ (ع - ج - ز) سے جو دیگر الفاظ بنے ہیں وہ قرآن میں آتے ہیں۔ ———————— ۔ مادہ کے اعتبار سے معجزہ کے معنی ہوں گے وہ بات جو دوسرے کو عاجز کر دے۔ اور مفہوم کے اعتبار سے اس کے معنی ہوتے ہیں وہ خارقِ عادت (یا فوق الفطرت) باتیں جو انبیاء کرام سے صادر ہوتی تھیں اور جن کے کرنے سے (یا سمجھنے سے) دوسرے لوگ عاجز ہوتے تھے۔ یعنی دوسرے لوگ نہ اس قسم کے امور عمل میں لا سکتے تھے اور نہ ہی سمجھ سکتے تھے کہ وہ کیسے ظہور میں آ گئے۔ ہمارے ہاں عام عقیدہ یہ ہے کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض کے نزدیک یہ ضروری نہیں۔

۲۔ خدا نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کے ساتھ ہی ایسے قوانین جاری کر دئے جن کے مطابق سلسلۂ کائنات لگے بندھے نظام کی شکل میں چلا جا رہا ہے۔ ان قوانین کو عام اصطلاح میں قوانینِ فطرت کہا جاتا ہے۔ معجزہ سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام سے بعض ایسے امور سرزد ہوتے تھے جو ان قوانینِ فطرت کے خلاف تھے۔ یہ بحث بہت قدیم ہے کہ کیا قوانینِ فطرت میں تبدیلی ہو سکتی ہے؟ بالفاظِ دیگر کیا معجزات کا امکان ہے؟ جو حضرات معجزات کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا قادرِ مطلق ہے۔ وہ جو جی میں آئے کر سکتا ہے۔ اس لئے اس نے انبیاء کرام کو معجزات دئے تھے۔ جو اس کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا بے شک قادرِ مطلق ہے اس لئے وہ جو جی میں آئے کر سکتا ہے۔ لیکن جب اس نے خود کہہ دیا ہے کہ ہم "سنت اللہ" میں تبدیلی نہیں کرتے (دیکھئے عنوان سنت اللہ) تو وہ قوانینِ فطرت میں تبدیلی کر دینے پر قادر ہونے کے باوجود ایسا کرتا نہیں۔

۳۔ قرآن کریم میں بعض انبیاء کرام کے تذکرہ کے سلسلہ میں ایسے واقعات کا ذکر آتا ہے۔ جو خلافِ قوانینِ فطرت نظر آتے ہیں۔ معجزات کے قائل انہیں اپنے دعوےٰ کی دلیل میں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ جو لوگ اس کے قائل نہیں وہ ان آیاتِ قرآنی کے الفاظ کے مجازی معنی لے کر ان کی ایسی توجیہہ کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعات خلافِ فطرت نہیں تھے۔ چونکہ موضوع کے اعتبار سے تبویب القرآن ایسی تالیف ہے جس میں اس قسم کے مسائل سے متعلق بحث وتمحیص کی گنجائش نہیں، اس لئے ذیل میں ان آیات کے حوالے دئے جاتے ہیں۔ جنہیں عام طور پر معجزات سمجھا جاتا ہے۔ میں نے لغات القرآن میں ان الفاظ کے لغوی معانی بھی دئے ہیں اور مجازی بھی، البتہ مفہوم القرآن میں ان کا مفہوم، مجازی معانی کی رو سے مرتب کیا ہے۔ اربابِ ذوق وتجسس ان مباحث کو وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

۴۔ جہاں تک حضورؐ نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی کا تعلق ہے، قرآنِ کریم نے بار بار اس کی وضاحت کر دی ہے کہ حضورؐ کا معجزہ خود قرآنِ کریم ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ (اگرچہ اس کے باوجود، معجزات کے قائل حضرات خود حضورؐ کی طرف بھی بہت سے معجزات منسوب کرتے ہیں)

۵۔ قرآن کریم، اربابِ علم وتحقیق کی توجہ بار بار اس امر کی طرف منتقل کرتا ہے کہ کائنات کی تخلیق، اور جس نظم ونسق کے ماتحت یہ سلسلہ سرگرمِ عمل ہے، وہ خود ایک عظیم معجزہ ہے۔ چونکہ ان امور کو وہ "آیات اللہ" کہہ کر پکارتا ہے۔ اس لئے ہم نے انہیں "آیت" کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ وہاں ملاحظ فرمائیے۔ بعض مقامات پر اس کے لئے "بینات" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اور جہاں تک قرآن کے معجزہ ہونے کا تعلق ہے اُسے 'قرآن' کے عنوان میں دیکھئے - نیز مختلف انبیاء کرام کی طرف منسوب کردہ معجزات کا ذکر خود ان انبیاءؑ کے عنوان میں بھی آگیا ہے - (زیادہ تفصیل میری تصنیفات 'جوئے نور'، 'برقِ طور'، 'شعلۂ مستور' اور 'معراجِ انسانیت' میں ملے گی) -

۶- اسے دھرا دیا جائے کہ آئندہ سطور میں جن معجزات کا ذکر ہے وہ ایسی باتیں ہیں جنہیں ہمارے ہاں بطور معجزات پیش کیا جاتا ہے اور ان کے حوالوں میں جو آیات درج کی گئی ہیں 'وہ' وہ آیات ہیں جنہیں ان معجزات کی سند میں بطور حوالہ پیش کیا جاتا ہے - راقم السطور انہیں اپنی طرف سے بطور معجزہ درج نہیں کر رہا -

حضرت موسٰیؑ کی طرف منسوب معجزات

۱- بنی اسرائیل کے لئے سمندر کا پھٹ جانا - (۲ : ۴۹) – (۲۰ : ۷۷) – (۲۶ : ۶۳) – (۴۴ : ۲۴)

۲- چٹانوں سے بارہ چشموں کا پھوٹ بہنا - (۲ : ۶۰) – (۷ : ۱۶۰)

۳- بنی اسرائیل کو کتنی ہی آیاتِ بینات دی گئی تھیں - (۲ : ۲۱۱)

۴- دربارِ فرعون میں معجزات - عصائے کلیمی اور یدِ بیضا - (۷ : ۱۰۷ - ۱۲۰) – (۲۰ : ۶۶ - ۶۹) – (۲۶ : ۴۳ - ۴۵)

۵- حضرت موسٰیؑ کے نو معجزات - (۷ : ۱۳۰ - ۱۳۳) – (۱۷ : ۱۰۱)

۶- کوہِ طور پر عصا اور یدِ بیضا کا ذکر - (۲۰ : ۱۷ - ۲۲) – (۲۷ : ۱۰ - ۱۲) – (۲۸ : ۳۰ - ۳۲)

حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ سے متعلق معجزات

۱- حضرت مریمؑ کے ہاں مختلف قسم کی کھانے کی چیزوں کا موجود ہونا - (۳ : ۳۶)

۲- حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش کی بشارت - آپ کا مہد اور کہل میں لوگوں سے باتیں کرنا - (۳ : ۴۴ - ۴۶) – (۵ : ۱۱۰) – (۱۹ : ۲۰ - ۲۱) – باتیں کرنا - (۱۹ : ۲۹ - ۳۱)

۳- حضرت عیسٰیؑ کے معجزات - مردوں کا زندہ کرنا - کوڑھیوں کا اچھا کرنا - پرندوں کا اڑنا وغیرہ —— (۳ : ۴۸ - ۴۹) – (۵ : ۱۱۰)

کفار کے حضورؐ سے معجزات کے تقاضے اور ان کا جواب

۱۔ حقیقت سے ناآشنا لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا۔ یا کوئی آیت (معجزہ) کیوں نہیں بھیجتا۔ اس قسم کی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ (۱۱۸ : ۲)

۲۔ کیا یہ لوگ اس کا انتظار کرتے ہیں کہ خدا اور اسکے فرشتے بادلوں میں بیٹھ کر ان کے پاس آجائیں۔ (۲۱۰ : ۲) - (۱۵۹ : ۶) - (۱۶ : ۳۳) - (۲۱ : ۲۵)

۳۔ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ایسی قربانی نہ دکھائی جائے جسے آگ کھا جائے۔ (۱۸۲ : ۳)

۴۔ ایک لکھی لکھائی کتاب آسمان سے لاؤ۔ (۱۵۳ : ۴) - یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ (۷ : ۶)

۵۔ اس پر فرشتہ کیوں نہیں اترتا (جو ہمیں دکھائی دے)۔ (۸-۱۰ : ۶)

۶۔ یہ تمام آیات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (۲۵ : ۶)

۷۔ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی آیت (معجزہ) دکھا دیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ کہو کہ خدا کے معجزات تو (زمین و آسمان میں) بکھرے پڑے ہیں۔ (۱۱۰ : ۶)

۸۔ اگر ان پر فرشتے بھی نازل ہو جاتے یا مردے بھی بولنے لگ جاتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ (۱۱۲ : ۶) - (۷ : ۱۵) - (۱۴-۱۵ : ۱۵) - (۴۴ : ۵۲)

۹۔ بعض لوگ (۱۲۵ : ۶) میں "آیت" سے مراد معجزہ لیتے ہیں۔

۱۰۔ اعتراض کہ معجزہ کیوں نہیں دکھاتا۔ جواب کہ اس کا مشن تنذیر و ہدایت ہے۔ (۷ : ۱۳) - (۲۷ : ۱۳) - (۵۰ : ۲۹)

۱۱۔ یہ ایسا قرآن چاہتے ہیں جس سے پہاڑ چلنے لگ جائیں۔ جس سے مردے بولنے لگ جائیں۔ (۳۱ : ۱۳)

۱۲۔ سب رسولوں کے بیوی بچے ہوتے تھے۔ آیت باذن اللہ لائی جا سکتی ہے۔ (۳۸ : ۱۳) - (۱۱ : ۱۴) - (۷۸ : ۴۰)

۱۳۔ عجیب و غریب معجزات کا مطالبہ۔ جواب میں کہا گیا کہ رسول صرف ایک بشر ہے۔ (۹۰ - ۹۳ : ۱۷)

۱۴۔ زمین میں فرشتے بستے تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (۹۵ : ۱۷)

۱۵۔ یہ معجزہ مانگتے ہیں۔ کیا قرآن معجزہ نہیں۔ (۱۳۳ : ۲۰) - (۵۰ - ۵۱ : ۲۹)

۱۶۔ اعتراض کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے۔ فرشتے اس کے جلو میں کیوں نہیں ہوتے۔ باغات اس کے لئے کیوں نہیں لگتے۔ جواب کہ اسے باغات اور محلات سب ملیں گے۔ (۷-۱۰ : ۲۵)

۱۷۔ اس رسول کو موسیٰ جیسی آیات کیوں نہیں دیں۔ (۲۸ : ۴۸)

معجزات کے سلسلہ میں حضورؐ سے خطاب

۱۔ اگر ان لوگوں کا اعراض آپ پر اس قدر گراں گذرتا ہے تو زمین میں سرنگ لگا لیجئے یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جائیے۔ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ یاد رکھو! مردے سنا نہیں کرتے۔ اللہ آیات بھیجنے پر قادر ہے (لیکن اس سے فائدہ کیا ہے) —
(۶ : ۳۵-۳۷) - (۱۱ : ۱۲-۱۳) - (۲۶ : ۳-۴)

۲۔ معجزہ طلبی کے جواب میں کہا کہ میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔ اس میں بصائر ہیں۔ (۷ : ۲۰۳)

۳۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول کو کوئی معجزہ کیوں نہیں دیا گیا۔ کہہ دو کہ غیب خدا کے پاس ہے۔ (۱۰ : ۲۰)

۴۔ تمام آیات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ آیات تو کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔ لیکن ایمان نہ لانے والوں کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ (۱۰ : ۹۶ : ۱۰۱)

۵۔ معجزات اس لئے نہیں دئے جاتے کہ لوگوں نے پہلے بھی ان کی تکذیب کی تھی۔ (۱۷ : ۵۹) - (۲۱ : ۵-۶)۔ رسول اللہؐ کا خواب جو لوگوں کیلئے فتنہ بن گیا۔ (۱۷ : ۶۰) - (۴۸ : ۲۷)

۶۔ تُو تمام معجزات دکھا دیتا یہ جب بھی ایمان نہ لاتے۔ (۳۰ : ۵۸)

حضورؐ کا معجزہ

۱۔ قرآن ہے جس میں بصائر ہیں۔ (۷ : ۲۰۳) - (۱۰ : ۳۸) - (۱۱ : ۱۲-۱۳) - (۲۰ : ۱۳۳)۔ کافی معجزہ (۲۹ : ۵۱)

۲۔ میں نے اپنی عمر تم میں گذاری ہے۔ کیا یہ میری صداقت کی دلیل نہیں۔ (۱۰ : ۱۶)

۳۔ قرآن بے مثل ہے۔ (۲ : ۲۳) - (۸ : ۳۱) - (۱۰ : ۳۸) - (۱۱ : ۱۳) - (۱۷ : ۸۸) - (۵۲ : ۳۴)

۴۔ کیا قرآن کافی نہیں۔ (۲۹ : ۵۰-۵۱)

حضورؐ کی طرف — منسوب معجزات

۱۔ شق القمر۔ (۵۴ : ۱) — (۲)۔ معراج۔ (۱۷ : ۱) - (۵۳ : ۱-۱۸)

۳۔ جنگِ بدر کی کنکریاں۔ (۸ : ۱۷) — (۴)۔ جنگوں میں فرشتوں کی مدد۔ (۳ : ۱۲۲-۱۲۶) - (۸ : ۹) - (۸ : ۱۲)

حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب معجزات

۱۔ پرندے اور حضرت ابراہیمؑ۔ (۲۶۰ : ۲) ۔ (۲) ۔ حضرت ابراہیمؑ کو کبرسنی میں اولاد کی بشارت۔ (۷۲-۷۱ : ۱۱)
۳۔ آگ کا ٹھنڈا ہوجانا۔ (۶۹ : ۲۱)

پیدائشِ حضرت یحییٰؑ بطور معجزہ

۱۔ حضرت زکریاؑ کی کبرسنی اور بیوی کا عقیم ہونا۔ (۳۹ : ۳) ۔ (۹-۷ : ۱۹) ۔ بیوی کا اولاد کے قابل ہوجانا۔ (۹۰ : ۲۱)

حضرت یونسؑ کی طرف منسوب معجزہ

۱۔ سمندر میں پکار۔ (۸۷ : ۲۱)

حضرت طالوتؑ

۱۔ تابوتِ سکینت کا لانا۔ (۲۴۸ : ۲)

کائنات میں بکھرے ہوئے معجزات

۱۔ جیساکہ تمہید میں لکھا گیا ہے، قرآن کریم بار بار کہتا ہے کہ کائنات کا نظم و نسق خود ایک منہ بولتا ہوا معجزہ ہے۔ یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے تو اور کون سے معجزہ سے ایمان لے آئیں گے۔ اس اجمال کی تفصیل آیت کے عنوان میں ملے گی۔ یہاں چند ایک آیات مثال کے طور پر درج کی جاتی ہیں۔ (۱)۔ تخلیقِ ارض و سما وغیرہ۔ (۱۶۴ : ۲)
۲۔ بارش۔ نباتات۔ فصلیں۔ باغات۔ (۱۳-۱۰ : ۱۶) ۔ (۵۴-۵۳ : ۲۰)
۳۔ اجرامِ فلکی۔ (۶-۵ : ۱۰) ۔ (۴-۲ : ۱۳)
۴۔ انسانی پیدائش۔ (۲۶-۱۵) ۔ (۱۴-۱۲ : ۲۳) ۔ (۷ : ۳۲) ۔ (۲ : ۷۶) ۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان انسان۔ آدمؑ وغیرہ۔ (۲) ۔ ان آیات سے یہ لوگ آنکھیں بند کرکے گذر جاتے ہیں اور معجزات کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ (۱۰۵ : ۱۲) ۔ (۳) ۔ الفس و آفاق میں آیات۔ (۵۳ : ۴۱) ۔ (۲۱-۲۰ : ۵۱)

متفرق

۱۔ وہ بستی جو سو سال سے اجڑی ہوئی تھی۔ اس کا دوبارہ زندہ ہو جانا۔ (۲ : ۲۵۹)

۲۔ حضرت ہودؑ کی قوم کا اعتراض کہ تم کوئی معجزہ کیوں نہیں لائے۔ (۱۱ : ۵۳)

۳۔ حضرت یوسفؑ کے کرتے سے حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ (۱۲ : ۹۶)

۴۔ حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑ اور طیور تسبیح کیا کرتے تھے۔ اور لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ (۲۱ : ۷۹-۸۰)۔ (۳۴ : ۱۰)

۵۔ حضرت سلیمانؑ کے تابع فرمان ہوائیں بھی تھیں اور شیاطین بھی۔ (۲۱ : ۸۱-۸۲)۔ (۳۴ : ۱۲) منطق الطیر (۲۷ : ۱۶-۱۷)
وادیٔ نمل۔ (۲۷ : ۱۸-۱۹)۔ ملکۂ سبا کا تخت۔ (۲۷ : ۳۸-۴۱)

۶۔ حضرت ایوبؑ کی مصیبت کے وقت پکار۔ (۲۱ : ۸۳-۸۴)

۷۔ قوم ثمود کی معجزہ طلبی۔ (۲۶ : ۱۵۴-۱۵۵)۔ ناقۂ حضرت صالحؑ۔ (۸)۔ قوم شعیبؑ کی معجزہ طلبی۔ (۲۶ : ۱۸۷)

۱۹۔ معرفت (عرفان)

ہمارے ہاں عام طور پر چار مسالک و مدارج مشہور ہیں۔ شریعت۔ طریقت۔ معرفت اور حقیقت۔ شریعت، مذہبی عقائد، عبادات رسوم، احکام، قوانین وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے اور اسے "اہلِ ظواہر" کا مسلک قرار دیا جاتا ہے۔ باقی تینوں مشارب و مدارج، اہلِ تصوف سے متعلق ہیں۔ طریقت، ان کے ہاں کا خاص طریقہ ہے جس پر چل کر سالک، مقاماتِ تصوف طے کرتا ہے۔ اس کا پہلا درجہ معرفت ہوتا ہے۔ جس میں خدا کو دیکھ کر پہچانا جاتا ہے۔ اور اگلا درجہ جس میں حقیقت (یعنی ذاتِ خداوندی) اپنے آپ کو بے نقاب کر دیتی ہے۔ ان امور کے متعلق تفصیل میں جانے کا یہ مقام نہیں۔ یہاں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ تصوف یا صوفی کا لفظ قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ یہ سارا تصور ہی خارج از قرآن، اور دوسروں کے ہاں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ جہاں تک ذاتِ باری تعالیٰ کا تعلق ہے، قرآن کا مطالبہ اس پر ایمان کا ہے۔ عرفان یا معرفت کا نہیں۔ خدا کے لئے یہ الفاظ بھی قرآن میں کہیں نہیں آئے۔ رسول، کتاب اور آیاتِ خداوندی کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں۔ خارجی کائنات میں پھیلی ہوئی آیات (نشانیوں) اور خود قرآن کریم پر غور و خوض سے، خالقِ کائنات اور ہدایت دینے والی ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان لایا جا سکتا ہے، نیز، خدا کی جو صفات قرآن میں مذکور ہیں، ان سے خدا کے متعلق، صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ذات کی کنہ و حقیقت، انسانی حیطۂ ادراک

سے ماوراء ہے۔ نہ ہی قرآن نے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ جو لوگ خدا کے متعلق صحیح تصور نہیں رکھتے، ان کے متعلق اتنا ہی کہا ہے کہ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (۶ : ۹۲)۔ انہوں نے خدا کے متعلق صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ اس کی ذات کی معرفت نہیں حاصل کی جا سکتی۔ نہ ہی وہ کسی کے سامنے بے نقاب ہو کر آتا ہے۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (۶ : ۱۰۴)۔ کوئی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔

اور اگر کہا جائے کہ باطنی طریق، ظاہری طریق سے الگ ہے، تو قرآن کریم میں کسی باطنی طریق کا ذکر نہیں۔ سُبْحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ (۶ : ۱۰۱) یہ لوگ خدا کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ اس سے بہت بلند اور ماوراء ہے۔

۲۔ اس مادہ (ع۔ ر۔ ف) سے جو دوسرے الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً عرف، معروف۔ اعراف۔ عرفات۔ انہیں الگ الگ (متعلقہ) عنوانات میں لکھا گیا ہے۔

(۰)

۲۰۔ معصیت

عصیان ۔ عدوان

قوانینِ خداوندی کی اطاعت کا نام اسلام ہے، اور ان قوانین کی نافرمانی کو معصیت یا عصیان کہا جاتا ہے۔ دراصل عصیان کے معنی ہوتے ہیں، کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے بجائے اِدھر اُدھر نکل جانا۔

قرآن، زندگی کے کچھ حدود مقرر کرتا ہے جن کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنے معاملات کا فیصلہ آزادی سے کر سکتا ہے۔ ان حدود سے تجاوز کرنے کا نام عدوان ہے۔ یعنی حدود فراموشی۔ حدود شکنی۔ سرکشی۔

ایک چیز تو کفر ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کی صداقت کو تسلیم ہی نہ کرنا۔ اسلامی سوسائٹی کا ممبر ہی نہ بننا۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اس سوسائٹی کا ممبر بننے (مسلمان ہونے کا دعوےٰ کرنے) کے بعد، قرآنی قوانین کی خلاف ورزی کرنا اور اس کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کرنا۔ اس کا جو نتیجہ ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس سلسلہ میں اِثم اور جرم وغیرہ عنوانات بھی دیکھئے۔

۲۔ ہمارے ہاں، عام طور پر لوگ (اور اس میں اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ، حتکہ علماء تک بھی شامل ہیں) اپنے آپ کو (از رہِ انکسار) "عاصی پُر معاصی" یا "مذنب" وغیرہ کہتے ہیں۔ ان الفاظ کا مفہوم جرم ہے۔ ان سے کہئے کہ اپنے آپ کو "مجرم" لکھیں۔ یہ کبھی نہیں کریں گے۔ پھر اگر ہم اپنے آپ کو مجرم کہلانے سے عار برتتے ہیں تو عاصی اور مذنب وغیرہ کیوں (بظاہر از رہِ

انکسار لیکن درحقیقت فخریہ) کہلائیں۔ مسلم اور مومن کے لئے عاصی اور مذنب وغیرہ کہلانا نہایت شرم کی بات ہونی چاہیئے۔ اسی قبیل سے یہ کہنا بھی ہے کہ "بندہ بڑا گنہگار ہے"۔ آپ گنہگار ہیں تو گناہوں سے توبہ کیجئے۔ نہ یہ کہ ساری عمر اس کا اعتراف کرتے رہیئے کہ بندہ بڑا گنہگار ہے۔

معصیت

۱۔ آدم نے اپنے رب کی معصیت کی اور تباہ ہوگیا۔ (۱۲۱ : ۲۰)

۲۔ فرعون نے رسول کی معصیت کی تو عذاب میں پکڑا گیا۔ (۹۱ : ۱۰) — (۱۰-۹ : ۶۹) — (۱۶ : ۷۳) — (۲۱ : ۶۹)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ جو میرا اتباع کرے گا۔ وہ میرا ہے۔ جو میری معصیت کرے گا اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ اس سے معصیت کے معنی واضح ہوجاتے ہیں۔ یعنی اتباع نہ کرنا۔ (۳۶ : ۱۴)

۴۔ بنی اسرائیل پر ذلت ومسکنت کا عذاب طاری ہوا اس وجہ سے کہ وہ معصیت اور عدوان کے مرتکب ہوئے۔ یہاں معصیت اور عدوان دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ (۶۱ : ۲) — (۹۳ : ۲) — (۱۱۱ : ۳) — (۴۶ : ۴) — (۷۸ : ۵)

۵۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور رسول کی معصیت کی، وہ مکافاتِ عمل کے دن چاہیں گے کہ وہ کہیں زمین میں دھنس جاتے تو اچھا تھا۔ (۴۲ : ۴)

۶۔ قوم عاد نے قوانینِ خداوندی سے انکار کیا اور رسول کی معصیت۔ تو وہ تباہ ہوگئے۔ (۵۹ : ۱۱)

۷۔ رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ جو لوگ تیری معصیت اختیار کرتے ہیں، تو ان سے کہہ دے کہ تمہارے اعمال کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ (۲۱۶ : ۲۶)

۸۔ قوم نوحؑ نے اپنے رسول کی معصیت کی تو غرق ہوگئے۔ (۲۱ : ۷۱)

۹۔ رسولؐ اللہ کا اعلان کہ اگر میں بھی خدا کی معصیت کروں تو اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ (۱۵ : ۶) — (۱۵ : ۱۰) — (۱۳ : ۳۹) — (جو لوگ سمجھتے ہیں کہ رسولؐ اللہ گنہگاروں کو بخشوا دیں گے وہ ان آیات پر غور کریں!)

۱۰۔ حضرت موسٰیؑ نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے؟ (۹۳ : ۲۰)

۱۱۔ جنگِ احد میں تیراندازوں کے دستے نے اپنے کمانڈر کی ہدایت کی نافرمانی برتی تو فتح مبدل بہ شکست ہوگئی۔ (۱۵۱ : ۳)

۱۲۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں خدا کی معصیت اختیار کروں تو وہ کون ہے جو اس کے خلاف میری مدد کرسکے گا؟ (۶۳ : ۱۱)

۱۳- اللہ اور رسول کی معصیت اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے جہنم میں۔ (۴ : ۱۴) - (۳۳ : ۳۶) - (۷۲ : ۲۳)

۱۴- ملائکہ احکام خداوندی کی نافرمانی نہیں کرتے۔ (۶۶ : ۶)

۱۵- رسول اللہؐ بیعت لیتے تھے کہ معروف میں آپؐ کی معصیت نہیں کی جائے گی۔ (۶۰ : ۱۲)

۱۶- حضرت یحییٰ جبّار و عصیاً نہیں تھے۔ (۱۹ : ۱۴) - (۱۷) شیطان، خدا کا نافرمانبردار ہے۔ (۱۹ : ۴۴)

۱۸- خدا کفر - فسق اور عصیان کو پسند نہیں کرتا۔ (۴۹ : ۷)

۱۹- اثم - عدوان اور معصیتِ رسول کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں۔ (۵۸ : ۸-۹)

عدوان

۱- بنی اسرائیل نے سبت کے معاملہ میں حدود شکنی (عدوان) کی۔ (۲ : ۶۵) - (۴ : ۱۵۴) - (۷ : ۱۶۳) - دیگر احکام کے سلسلہ میں بھی۔ (۲ : ۶۱) - (۳ : ۱۱۲) - (۵ : ۷۸)

۲- حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲ : ۲۲۹) - اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (۶۵ : ۱) جہنمی ہیں۔ (۴ : ۱۴)

۳- قصاص کے احکام دینے کے بعد کہا کہ جو اس کے بعد حدود شکنی کرے گا، اسے سخت سزا دی جائے گی۔ (۲ : ۱۷۸)

۴- جو لوگ تمہارے خلاف چڑھ آئیں۔ (اعتدیٰ) تم بھی ان کے خلاف اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو۔ اس سے مراد جنگ کرنا ہے۔ (۲ : ۱۹۴) اس سے آگے مت بڑھو۔ (۲ : ۱۹۰) - (۲ : ۱۹۲)

۵- حالتِ احرام میں شکار کے احکام دینے کے بعد کہا کہ جو اس کے بعد حدود شکنی کرے گا اُسے سزا دی جائیگی۔ (۵ : ۹۴)

۶- طلاق کے احکام کے سلسلہ میں کہا کہ حدود شکنی کر کے ان عورتوں کو اذیت مت پہنچاؤ۔ (۲ : ۲۳۱)

۷- کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس پر نہ اکسا دے کہ تم حد سے آگے بڑھ جاؤ۔ (۵ : ۲)

۸- حلال چیزوں کو حرام مت قرار دو۔ یہ حدود سے تجاوز کر جانا ہے۔ (۵ : ۸۷)

۹- یہ حدود اللہ ہیں۔ ان سے تجاوز مت کرو۔ (طلاق کے احکام کے سلسلہ میں کہا)۔ (۲ : ۲۲۹)

۱۰- فرعون اور اس کے لشکروں نے حدود سے تجاوز کرتے ہوئے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ (۱۰ : ۹۰)

۱۱- حالتِ اضطرار میں حرام کھانے کے سلسلہ میں کہا کہ یہ حدود شکنی کی غرض سے نہیں ہونا چاہیے۔ (۲ : ۱۷۳) - (۶ : ۱۲۰) - (۶ : ۱۴۵) - (۱۶ : ۱۱۵)

۱۲- جنسی معاملات میں احکام دینے کے بعد کہا کہ جو ان کے علاوہ کسی اور طرح اس جذبہ کی تسکین کرے تو وہ سرکشی اختیار کرتے

والا ہوگا۔ (۷ : ۲۳) ۔ (۳۰ : ۷۰) ۔ قوم لوط ایسی ہی تھی ۔ (۲۶ : ۱۶۶)

۱۳۔ حدود شکنوں کے لئے جہنم ۔ (۲۵ : ۵۰)

۱۴۔ معتد اور اثیم کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں ۔ (۲ : ۸۵) ۔ (۵ : ۶۲) ۔ (۵۸ : ۸ - ۹) ۔ (۱۲ : ۶۸) ۔ (۱۲ : ۸۳)

اثم و عدوان کے امور میں تعاون مت کرو ۔ (۲ : ۵)

۱۵۔ جنگ میں اخلاقی آئین کی پرواہ نہ کرنے والے حدود فراموش ہیں ۔ (۱۰ : ۹)

۱۶۔ خدا حدود شکنوں کو پسند نہیں کرتا ۔ (۲ : ۱۹۰) ۔ (۵ : ۸۷) ۔ (۷ : ۵۵) ۔ ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ۔

(۴ : ۱۰) ۔ (۱۷) ۔ ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے کھا جانا عدوان ہے ۔ (۴ : ۲۹ - ۳۰)

۲۱۔ مغفرت

غفر ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی حفاظت کرنا ہیں ۔ مغفرت کے معنی ہیں حفاظت ۔ استغفار کے معنی سامان حفاظت طلب کرنا ۔

غفورؔ ، غفارؔ ، غافرؔ ـــــ کے معنی حفاظت دینے والا ۔ غفران ۔ حفاظت

۲۔ قانون خداوندی کے خلاف جو کام بھی کیا جائے اس کا نتیجہ نقصان ہوتا ہے ۔ یہ نقصان خارجی دنیا میں بھی ہوتا ہے اور خود انسان کی اپنی ذات کا بھی ۔ اگر ایسی زندگی بسر کی جائے جس میں قوانین خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو ، تو انسان اس قسم کے نقصان سے محفوظ رہ سکتا ہے ۔ یہ اقدام (PREVENTIVE) ہوگا ۔ لیکن اگر کبھی اس قسم کی لغزش سرزد ہو گئی ہے تو اس سے عائد شدہ نقصان کی تلافی کا امکان بھی ہے یہ عمل (CURATIVE) کہلائے گا ۔ (اس کے لئے دیکھئے عنوان توبہ)

لیکن جس طرح جرم ، کسی لفظ کے دہرا لینے کا نام نہیں بلکہ خلاف قانون خداوندی ارادہ اور عمل کا نام ہے ۔ اسی طرح مغفرت بھی کسی لفظ یا الفاظ کے دہرا لینے سے حاصل نہیں ہوسکتی ۔ یہ حاصل ہوتی ہے قوانین خداوندی کے مطابق کام کرنے سے ۔ ہمارے ہاں جو عام تصور ہے کہ " استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ " ۔ یا اسی قسم کے دیگر الفاظ ' کی تسبیح پڑھ لینے سے خدا گناہوں کو بخش دیتا ہے ، یہ غیر قرآنی تصور ہے ۔ غلط کام سے بچنے کے لئے بڑے پختہ ارادہ اور ضبط خواہش کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور اگر ایسا کام سرزد ہو جائے تو اس کے نقصان رساں نتائج سے محفوظ رہنے کا طریق یہ ہے

کہ اس کام کے برعکس، ایسے اچھے کام کئے جائیں جن کے منفعت بخش نتائج، اس نقصان کی تلافی کر دیں۔ ملیریا سے محفوظ رہنے کے لیے بطورِ حفظِ ماتقدم، تھوڑی سی مقدار میں کونین کافی ہوتی ہے۔ لیکن جب ہماری عدمِ احتیاط سے ملیریا کا حملہ ہو جائے تو پھر کونین بھی زیادہ مقدار میں کھانی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ایسی اور ادویات اور غذا بھی جس سے مریض کی کھوئی ہوئی طاقت بحال ہو جائے۔ یہ مغفرت کی مثال ہے۔ یاد رکھئے۔ کوئی گناہ (جرم) بھی "بخشش مانگنے" سے بخشا نہیں جاتا۔ لہٰذا یہ تصور کہ خدا یونہی گناہ بخش دیتا یا معاف کر دیتا ہے، صحیح نہیں۔ صحیح تصور یہ ہے کہ قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کرنے سے گناہ (جرم) سے پیدا شدہ نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ استغفار سے مراد یہ ہے کہ غلط کام سرزد ہو جانے کے بعد، انسان کے دل میں احساسِ ندامت پیدا ہو۔ اس احساس کے بعد یہ احساس بیدار ہو کہ مجھے اس نقصان سے بچنے کے لئے ضروری اقدامات کرنے چاہئیں۔ (اس قسم کے شدید احساس یا آرزو کا نام دعا ہے۔ دیکھئے عنوان دعا) اور پھر اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں۔ اسے کہیں گے مغفرت۔ اور چونکہ یہ سب کچھ خدا کے مقرر کردہ قانون اور قاعدے کے مطابق ہوگا، اس لئے، قرآن کے اندازِ بیان کے مطابق، اس کی بابت یہ کہا جائے گا کہ خدا نے مغفرت عطا کر دی۔ وہ غفور و رحیم ہے۔

۳۔ اگر ہم کسی دوسرے انسان کو کوئی نقصان پہنچائیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سے اس کا بدلہ نہ لے اور درگذر کر دے۔ اسے معاف کر دینا کہا جائے گا۔ (اس کے لئے بھی عفو کا لفظ آتا ہے) لیکن اس سے جو نقصان ہم نے اپنی ذات کا کیا ہے (جسے قرآن "ظَلَمْتُ نَفْسِی" کہہ کر پکارتا ہے۔ یعنی اپنے آپ پر ظلم) اُسے کوئی دوسرا شخص معاف نہیں کر سکتا۔ اس کی معافی (یعنی اس نقصان کی تلافی) ہم خود ہی کر سکتے ہیں۔ یعنی زیادہ اچھے کام کرنے سے۔ (۱۱ : ۱۱۴) — (۱۳ : ۲۲) — (۲۸ : ۵۴) — اسی طرح، چونکہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے ہم خدا کا کچھ نقصان نہیں کرتے۔ خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اس لئے "خدا کی طرف سے معاف کر دینے" کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی تلافی تو ہمیں آپ ہی کرنی ہوگی۔

لیکن یہ تلافی اس طرح ہو سکے گی کہ ہم قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کریں اور اگر ہم یہ سمجھیں کہ یہاں خدا کے قوانین کے علاوہ اوروں کے قوانین بھی کارفرما ہیں۔ اس لئے ان کے مطابق کچھ کرنے سے، اس نقصان کی تلافی ہو جائے گی جو قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے واقع ہوا ہے تو اس سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکے گی۔ یہ مفہوم ہے۔ قرآن کی ان آیات کا جن میں کہا گیا ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ (دیکھئے عنوان شرک)

۴۔ انسانی نظامِ عدل میں جرم کی سزا دی جائے گی۔ لیکن جن معاملات میں خدا نے اپنے غفور ہونے کا اعلان کیا ہے یا

مغفرت کا وعدہ، ان میں، قانونی طور پر معافی کی گنجائش سمجھی جائے گی۔ ہمیں اپنے قوانینِ تعزیرات اسی اصول کے مطابق مرتب کرنے ہوں گے۔ اس ضمن میں عنوان "جرم و سزا" دیکھئے۔

۵۔ چونکہ قرآن کریم میں مغفرت سے متعلق آیات بڑی کثرت سے آئی ہیں، اس لئے ان تمام آیات کا درج کرنا (یا ان کا حوالہ دینا) مشکل ہے۔ اس موضوع کے مختلف گوشوں سے متعلق آیات میں سے بعض کے حوالے کافی سمجھے گئے ہیں۔

مغفرت نہ ملے تو نقصان باقی رہ جاتا ہے

۱۔ آدم کی التجا کہ ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے۔ اگر تو سامانِ حفاظت عطا نہ کرے تو ہمارا سخت نقصان ہو جائے گا (۷: ۲۳)

۲۔ حضرت نوح کی التجا۔ (۱۱: ۴۷) ۔ (۳)۔ بنی اسرائیل کا اعتراف۔ (۷: ۱۴۹)

مغفرت

۱۔ کسی پر احسان کرکے اسے اذیت پہنچانے سے بہتر ہے کہ اسے قاعدے کے مطابق جواب دیدو اور یوں اسے اس اذیت سے محفوظ رکھو۔ اس کے لئے لفظ مغفرت آیا ہے۔ (۲: ۲۶۳)

۲۔ شیطان فقر کی دعوت دیتا ہے۔ خدا مغفرت کی۔ (۲: ۲۶۸)

۳۔ اطاعتِ خدا و رسول سے، مغفرت اور جنت کی طرف آجاؤ۔ (۳: ۱۳۲) ۔ (۵۷: ۲۱)

۴۔ فی سبیل اللہ قتل ہو جانے یا مر جانے سے مغفرت ملتی ہے۔ (۳: ۱۵۶)

۵۔ ایمان اور اعمالِ صالح سے مغفرت۔ (۵: ۹)

۶۔ مومنین کی صفات و اعمال کے تذکرہ کے بعد کہا کہ ان کے درجات بلند ہیں اور ان کے لئے مغفرت ہے۔ (۸: ۴) ۔ (۸: ۷۴) ۔ (۱۱: ۱۱) ۔ (۲۲: ۵۰) ۔ (۲۴: ۲۶) ۔ (۳۳: ۳۵) ۔ (۳۴: ۴) ۔ (۳۵: ۷) ۔ (۴۸: ۲۹) ۔ (۴۹: ۳)

۷۔ خدا شدید العقاب ہے۔ لیکن گرفت میں جلدی نہیں کرتا۔ مہلت دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ نوعِ انسانی کے لئے مغفرت چاہتا ہے۔ (۱۳: ۶) ۔ (۸)۔ قرآن کا اتباع کرنے سے مغفرت۔ (۳۶: ۱۱)

۹۔ اے رسولؐ! یہ لوگ جو کچھ تمہارے خلاف کہتے ہیں اس کا اثر مت لو۔ خدا ذو مغفرت بھی ہے اور ذو عقاب الیم بھی۔ وہ ان باتوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور انہیں تباہ کر دے گا۔ (۴۱: ۴۳)

۱۰۔ نعمائے جنت کے ساتھ وہاں مغفرت بھی ہوگی ۔ (۱۵ : ۴۷)

۱۱۔ جو لوگ کبائر الاثم سے بچتے ہیں ان سے اگر کبھی کوئی قابل ملامت بات ہوجاتی ہے تو خدا صاحبِ مغفرت ہے ۔ (۳۲ : ۵۳)

۱۲۔ آخرت میں مغفرت اور رضوان من اللہ ۔ (۲۰ : ۵۷)

۱۳۔ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے ان دیکھے نتائج سے خائف رہنے والوں کے لئے مغفرت ۔ (۱۲ : ۶۷)

۱۴۔ اہل التقویٰ ہی اہل المغفرت ہیں ۔ (۵۶ : ۷۴)

خدا کی طرف سے مغفرت

۱۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ جب بھی میں نے اپنی قوم کو بلایا کہ خدا انہیں مغفرت دے دے تو انہوں نے سرکشی اختیار کی۔ اس سے خدا کی طرف سے مغفرت ملنے کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے ۔ (۷ : ۷۱)

۲۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا کے سامنے جھکتے ہوئے فلسطین میں داخل ہوجاؤ تو تمہیں مغفرت مل جائے گی ۔ (۲ : ۵۸) - (۱۶۱ : ۷)

۳۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۔ یعنی یہ کچھ خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے ۔ (۲۸۴ : ۲) - (۱۲۹ : ۳) - (۵ : ۱۸ ؛ ۴۰) - (۱۴ : ۴۸)

۴۔ مغفرت اسے ملتی ہے جو غلط کاموں پر اصرار نہ کرے ۔ (۱۳۴ : ۳) - (۷۴ : ۵) - (۳۸ : ۸) - توبہ اور استغفار لازم و ملزوم ہیں (۳ : ۱۰) - (۳ : ۱۱) - (۵۲ : ۱۱) - (۹۰ : ۱۱) -

۵۔ کن لوگوں کو مغفرت نہیں مل سکتی ۔ مشرکین کو (۱۱۶ ؛ ۴۸ : ۴) - (۱۱۳ : ۹) - منافقین کو - (۸۰ : ۹) - (۶ : ۶۳) تمام ذنوب سے ماسوائے شرک ۔ (۵۳ : ۳۹)

۶۔ انسان غلط روش پر چلتا رہے تو مغفرت نہیں مل سکتی ۔ (۱۳۷ : ۴) - (۱۶۸ : ۴) - (۳۴ : ۴۷)

۷۔ مغفرت تقویٰ سے ملتی ہے ۔ یعنی قوانینِ خداوندی کی نگہداشت سے ۔ (۲۹ : ۸) - حسنِ نیت سے ۔ (۷۰ : ۸) —— (۷۱-۷۰ : ۳۳) - (۲۸ : ۵۷)

۸۔ مغفرت کے لئے ایمان شرطِ اولیں ہے ۔ یعنی قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین ۔ (۱۰ : ۱۴) - (۵۵ : ۱۸) —— (۷۳ : ۲۰) - (۵۱ : ۲۶) - (۳۱ : ۴۶)

۹۔ مغفرت اچھے کاموں سے ملتی ہے ۔ (۸۲ : ۲۰) - (۲۲ : ۲۴) - (۱۲-۱۰ : ۶۱) —— (۱۷ : ۶۴) - (۲۰ : ۷۳)

۱۰۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ خدا وہ ہے جو میری خطاؤں کی مغفرت کردے گا، جیسے وہ مجھے مرض سے شفا دیتا ہے۔ (۸۲-۸۰ : ۲۶)

۱۱۔ رسول اللہؐ کے لئے سامانِ حفاظت۔ (۵۵ : ۴۰) - (۱۹ : ۴۷) - (۲ : ۴۸)

۱۲۔ غلط کام کرتے جانا اور یہ سمجھ لینا کہ خدا معاف کردے گا، باطل عقیدہ ہے۔ (۱۶۹ : ۷)

۱۳۔ خدا غافر الذنب ہے اور قابل التوب۔ (۳ : ۴۰) - خیر الغافرین۔ (۱۵۵ : ۷)

۱۴۔ وہ غفار اس کے لئے ہے جو توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ اعمال صالح کرے۔ صحیح راستے پر چلے۔ (۸۲ : ۲۰) - (۷۰ : ۲۵)

غفور

خدا کی یہ صفت قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر آئی ہے۔ ہم ذیل میں صرف ان مقامات کا ذکر کرتے جن میں اس صفت کا کوئی نمایاں پہلو سامنے لایا گیا ہے۔

۱۔ اضطراری حالت میں حرام شے کھانے کی اجازت کے بعد کہا کہ خدا غفور رحیم ہے۔ (۱۷۳ : ۲) - (۳ : ۵) - (۱۴۵ : ۶) - (۱۱۵ : ۱۶)

۲۔ وصیت کرنے والے نے اگر عدل سے کام نہ لیا ہو تو اس کی وصیت میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ اس جگہ کہا کہ خدا غفور رحیم ہے۔ (۱۸۲ : ۲)

۳۔ اگر دشمن جنگ سے رک جائے تو خدا غفور رحیم ہے۔ یعنی اسے حفاظت کی ضمانت دی جائے گی۔ (۱۹۲ : ۲)

۴۔ مہاجرین اور مجاہدین کے لئے سامانِ حفاظت بہم پہنچانے والا۔ (۲۱۸ : ۲) - ہجرت اور جہاد کرو۔ اس کے بعد خدا غفور رحیم ہوگا۔ (۱۱۰ : ۱۶)

۵۔ لغو (بلا ارادہ قسموں) پر گرفت نہیں۔ خدا غفور حلیم ہے۔ (۲۲۵ : ۲) - (۲۲۶ : ۲) - (۳۳ : ۵) - (۵۸ : ۲) - (۶۶ : ۱) - (۶)۔ اتباعِ رسول سے مغفرتِ خداوندی۔ (۳۰ : ۳)

۷۔ توبہ اور اصلاح کے بعد خدا غفور ہوتا ہے۔ (۸۸ : ۳) - (۱۱۰ : ۴) - (۳۹ : ۵) - (۷۴ : ۵) - (۵۴ : ۶) - (۱۵۳ : ۷) - (۵ : ۹) - (۱۱۹ : ۱۶) - (۲۵ : ۱۷) - (۵ : ۲۴) - (۷۰ : ۲۵) - (۱۴ : ۲۸) - (۲۴ : ۳۳) - (۴۲ : ۴۰)

۸۔ جو لوگ لغزش کی وجہ سے میدانِ جنگ سے بھاگ آئے تھے۔ ان کے لئے خدا غفور ہوگیا۔ (۱۵۴ : ۳) - (۲۷ : ۹) - (۱۰۲ : ۹)

۹۔ جنسی معاملات میں استقامت سے کام لو تو خدا غفور رحیم ہے ۔ (۲۵ : ۴)

۱۰۔ باغی اگر مغلوب ہونے سے پہلے توبہ کر لیں، تو خدا غفور رحیم ہو گا ۔ (۳۴ : ۵)

۱۱۔ وہ شدید العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی ۔ (۹۸ : ۵) ۔ (۴۹-۵۰ : ۱۵)

۱۲۔ لاعلمی میں کوئی بات کر دی جائے تو خدا غفور حلیم ہے ۔ (۱۰۱ : ۵) ۔ (۵۴ : ۶) ۔ (۳۳ : ۵) ۔ (۲ : ۵۸)

۱۳۔ تقویٰ کے بعد وہ غفور رحیم ہے ۔ (۶۹ : ۸) ۔ اعمال کے بعد ۔ (۱۲۹ : ۳) ۔ (۲۹ : ۳۵) ۔ (۲۳ : ۴۲)

(۵۷ : ۲۸) ۔ (۱۴) ۔ معذورین کے لئے غفور رحیم ۔ (۹۹-۹۸ : ۴) ۔ (۱۰۰ : ۴) ۔ (۹۱ : ۹)

۱۵۔ انفاق کے بعد غفور رحیم ۔ (۹۹ : ۹) ۔ (۲۹-۳۰ : ۳۵)

۱۶۔ کشتی بناؤ ۔ اسے حفاظت سے چلاؤ ۔ یوں خدا غفور رحیم ہو گا ۔ (۴۱ : ۱۱)

۱۷۔ عمل اور اس کے نتیجہ میں جو مہلت کا وقفہ ہے وہ اس کی غفور رحیمی ہے ۔ (۵۸ : ۱۸)

۱۸۔ جس پہ زیادتی ہو اللہ اس کی مدد کرے گا ۔ وہ غفور رحیم ہے ۔ (۶۰ : ۲۲)

۱۹۔ غلطی کر جانے والوں سے حسنِ سلوک سے دست کش نہ ہو جاؤ ۔ خدا غفور ہے ۔ (۲۲ : ۲۴)

۲۰۔ مجبور کے لئے خدا غفور ہے ۔ (۳۳ : ۲۴) ۔ (۶۲ : ۲۴)

۲۱۔ جس سے کوئی زیادتی ہو جائے ۔ پھر وہ برائی کے بجائے بھلائی کرے اس کے لئے غفور ہے ۔ (۷۰ : ۲۵) ۔ (۱۱ : ۲۷)

۲۲۔ غلطی کے بعد مایوس نہ ہو ۔ حفاظت کا امکان ہے ۔ (۵۳ : ۳۹)

۲۳۔ وہ اعمال میں سے کمی نہیں کرتا ۔ غفور رحیم ہے ۔ (۱۴ : ۴۹)

۲۴۔ جن امور کے لئے فدیہ واجب قرار دیا جائے ۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو خدا غفور رحیم ہے ۔ (۱۲ : ۵۸)

۲۵۔ قانون نافذ ہونے سے پہلے جو کچھ کر چکے ہوں وہ قابلِ معافی ہے ۔ خدا غفور ہے ۔ (۲۳ : ۴)

۲۶۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر لو ۔ خدا غفور ہے ۔ (۴۳ : ۴)

۲۷۔ مجاہدین کو قاعدین پر فضیلت ہے ۔ لیکن وعدۂ حسنہ سب کے ساتھ ہے کہ خدا غفور ہے ۔ (۹۶-۹۵ : ۴)

۲۸۔ جو توبہ کرے ۔ ایمان لائے ۔ اعمال صالح کرے ۔ برائیوں کو بھلائیوں سے بدلے ۔ اس کے لئے خدا غفور ہے ۔ (۸۲ : ۲۰)

(۷۰ : ۲۵) ۔ (۲۹) ۔ رسول اللہ کے لئے خصوصی احکام کے بعد کہا کہ خدا غفور و رحیم ہے ۔ (۵۰ : ۳۳)

۳۰۔ عورتوں کو جلابیب پہننے کے حکم کے بعد کہا کہ وہ غفور ہے ۔ (۵۹ : ۳۳) ۔ یعنی وہ اس طرح انہیں شرارت پسندوں کے شر سے محفوظ رکھے گا ۔

۳۱۔ سلسلۂ کائنات کو اس قدر محکم بنایا۔ اس لئے کہ وہ غفور (حفاظت عطا کرنے والا) ہے۔ (۳۵ : ۴۱) ۔ یہاں سے غفور کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ نیز۔ (۳۸ : ۶۶) ۔ (۵ : ۳۹)

۳۲۔ بات سن کر اس پر عمل کرے ۔ قانون کی اطاعت کرے ۔ سہواً خطا ہو جائے تو خدا غفور ہے (۲ : ۲۸۵-۸۶)

استغفار (مغفرت کے لئے شدتِ آرزو)

۱۔ حضرت موسیٰؑ سے جب ایک قبطی کا قتل ہو گیا تو آپ نے کہا کہ اے میرے پروردگار، مجھے حفاظت عطا فرما۔ (۲۸ : ۱۶)

۲۔ استغفار کے لئے شرطِ اول یہ ہے کہ انسان غلط کاموں پر اصرار نہ کرے ۔ (۳ : ۱۳۴) ۔ (۴ : ۱۱۰)

۳۔ انبیا اور مومنین کی دعائے مغفرت ۔ یعنی خدا سے حفاظت طلب کرنا ۔ (۲ : ۲۸۶) ۔ (۳ : ۱۶) ۔ (۳ : ۱۴۸) ۔ (۳ : ۱۹۳) ۔ (۷ : ۱۵۱) ۔ (۷ : ۱۵۵) ۔ (۱۴ : ۴۱) ۔ (۲۳ : ۱۰۹) ۔ (۲۳ : ۱۱۸) ۔ (۲۶ : ۸۶) ۔ (۲۸ : ۱۶) ۔ (۳۸ : ۳۵) ۔ (۴۰ : ۷) ۔ (۵۹ : ۱۰) ۔ (۶۰ : ۵) (۶۶ : ۸) ۔ (۷۱ : ۲۸) ۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مغفرت طلب کرو۔ (۷۱ : ۱۰)

۴۔ رسول کا خطا کاروں کے لیے مغفرت طلب کرنا ۔ یہ مغفرت خدا کی طرف سے مل سکتی ہے ۔ یعنی مجرموں کو معافی خدا کے قانون کے مطابق مل سکتی ہے ۔ (۴ : ۶۴) ۔ (۹ : ۸۰) ۔ (۱۲ : ۹۸) ۔ (۶۳ : ۵) ۔ (۶۳ : ۶)

۵۔ حضرت داؤدؑ کا استغفار ۔ (۳۸ : ۲۴)

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے استغفار (یعنی یہ آرزو کہ وہ ایمان لے آئے) ۔ (۱۹ : ۴۷) ۔ (۶۰ : ۴)

۷۔ حضرت صالحؑ کا اپنی قوم سے کہنا کہ تم مغفرت طلب کیوں نہیں کرتے ۔ (۲۷ : ۴۶)

۸۔ مشرکین کے لئے استغفار (سامانِ حفاظت طلب) نہیں کیا جاسکتا۔ (۹ : ۱۱۳)

۹۔ استغفار سے عذاب رفع ہو جاتا ہے ۔ (۸ : ۳۳) ۔ (۱۰) ۔ حاملینِ عرش کا مومنین کے لئے استغفار۔ (۴۰ : ۷) ۔ (۴۲ : ۵)

۱۱۔ مومنین کی صفت ۔ ہر کام شروع کرنے سے پہلے سامانِ حفاظت کے لئے استدعا۔ (۳ : ۱۷) ۔ (۵۱ : ۱۸)

۱۲۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ اپنی جماعت کے افراد سے درگزر کرو۔ استغفار کرو۔ ان سے مشاورت کرو۔ یہاں عفو اور استغفار الگ الگ آیا ہے ۔ عفو تو اپنی طرف سے ہے اور استغفار، خدا سے حفاظت طلبی۔ (۳ : ۱۵۹) ۔ (۲۴ : ۶۲) ۔ (۶۰ : ۱۲) ۔ (۱۴ : ۴۹)

۱۳۔ مقدمات کے فیصلہ میں اجتہادی غلطی سے استغفار۔ (۴ : ۱۰۵-۱۰۶) ۔ یہ رسول اللہؐ کے لئے ہے ۔ نیز (۴۰ : ۵۵) ۔ (۴۷ : ۱۹)

۱۴۔ مومنین کو استغفار کی تاکید۔ (۳ : ۱۱۰)

۱۵۔ توبہ اور استغفار لازم و ملزوم ہیں۔ (۳ : ۱۱)۔ (۹۰ ؛ ۵۲ : ۱۱)۔ (۳ : ۱۱۰)۔ اور نیک اعمال بھی۔
(۶۱ : ۱۱)۔ (۸۲ : ۲۰)۔ (۳ : ۴۰)۔ (۶ : ۴۱)۔ (۲۰ : ۴۳)

انسانوں کا ایک دوسرے کو معاف کر دینا

۱۔ استقامت سے کام لینا اور جس میں اصلاح کا امکان ہو اسے معاف کر دینا بڑی بات ہے۔ (۴۲ : ۴۳)۔
(۴۲ : ۴۴)۔ مومنین کو معاف کر دینے کی تاکید۔ (۳۷ : ۴۲)۔ (۱۴ : ۴۵)

۲۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اور اسے مغفرت من اللہ کہا۔ (۹۲ : ۱۲)

۳۔ عفو اور استغفار الگ الگ آیا ہے۔ (۱۵۹ : ۳)۔ (۴)۔ جرم کی معافی مانگنا۔ (۲۹ : ۱۲)

۵۔ خدا خیر الغافرین ہے۔ یعنی انسان بھی غافر ہیں۔ (۱۵۵ : ۷)

مغفرت بمقابلہ عذاب

مغفرت کے معنی ہیں، نقصان سے محفوظ رہنا۔ عذاب کے معنی ہیں اس نقصان کا واقع ہو جانا۔ اس لئے قرآن کریم میں مغفرت کے مقابلہ میں عذاب کا لفظ بے شمار مقامات پر آیا ہے۔

۱۔ حضرت عیسیٰؑ، خدا سے کہیں گے کہ میری امت نے مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لیا تھا، تو ان کی مغفرت کر دے یا عذاب دے دے۔ (۱۱۸-۱۱۶ : ۵)

۲۔ فیغفر لمن یشآء و یعذب من یشآء (دیکھئے باب، "خدا کی طرف سے مغفرت")

۳۔ انہوں نے مغفرت کے عوض عذاب خرید لیا۔ (۱۷۵ : ۲)

۴۔ مغفرت اور جنت بمقابلہ النار۔ ہم آہنگی کی شادی کا نتیجہ جنت اور مغفرت۔ (۲۲۱ : ۲)

—(۰)—

۲۲۔ مقطعات

عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ اپنے اشعار میں مخففات (ABBREVIATIONS) استعمال کرتے تھے۔ یعنی کسی لفظ میں سے ایک حرف لے کر اس سے اس لفظ کا مفہوم لے لیتا تو اسی طرح مختلف الفاظ میں سے حروف لے کر انہیں یکجا کر لیتے تھے۔ قرآن کریم چونکہ عربوں کی زبان میں نازل ہوا۔ اس لئے اس نے اسلوب بیان اسی قوم کا اختیار کیا ہے اور اس طرح مخففات کا بھی استعمال کیا ہے۔ یہ حروف کے مجموعے مختلف سورتوں کے ابتدا میں آتے ہیں۔ (انہیں مقطعات کہا جاتا ہے۔ یعنی الفاظ میں سے قطع کردہ حروف) اور (ہماری بصیرت کے مطابق بجز چند حروف) یہ بالعموم خدا کی صفات (الاسماء الحسنیٰ) سے متعلق الفاظ میں سے اخذ کردہ حروف ہیں۔ ان کے کوئی باطنی معانی نہیں نہ ہی یہ کوئی معمہ ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔ یہ حروف حسب ذیل ہیں۔ ہم نے اپنی بصیرت کے مطابق ان کا مفہوم بھی لکھ دیا ہے۔

۱۔ الٓمٓ (ا-ل-م) اللہ علیم وحکیم کا ارشاد ہے کہ...... (۱ : ۲) - (۱ : ۳) - (۱ : ۲۹) - (۱ : ۳۰) - (۱ : ۳۱) - (۱ : ۳۲)

۲۔ الٓر (ا-ل-ر) - اللہ علیم و رحیم کا ارشاد ہے کہ....... (۱ : ۱۰) - (۱ : ۱۱) - (۱ : ۱۲) - (۱ : ۱۴) - (۱ : ۱۵) - (۳) - المرٓ - (ا-ل-م-ر) - اللہ علیم وحکیم ورحیم کا ارشاد ہے کہ..... (۱ : ۱۳)

۴۔ المٓصٓ - (ا-ل-م-ص) - اللہ - علیم وحکیم وبصیر کا ارشاد ہے کہ....... (۱ : ۷)

۵۔ حٰمٓ - (ح-م) - اللہ - حکیم و علیم کا ارشاد ہے کہ - (۱ : ۴۰) - (۱ : ۴۱) - (۱ : ۴۳) - (۱ : ۴۴) - (۱ : ۴۵) - (۱ : ۴۶)

۶۔ حمٓعسٓقٓ (ح-م-ع-س-ق) - اللہ - حمید ومجید وعلیم وسمیع وقدیر کا ارشاد ہے کہ..... (۱ : ۴۲)

۷۔ طٰہٰ (ط-ھ) - اے مخاطب (یعنی رسول)...... (۱ : ۲۰)

۸۔ صٓ (ص) - اس بات کی صداقت پر یہ قرآن شاہد ہے کہ ...... (۱ : ۳۸)

۹۔ طسٓ (ط-س) - اللہ - ذی الطول وسمیع کا ارشاد ہے کہ..... (۱ : ۲۷) - (ذی الطول کے معنی ہیں بڑی قوتوں کا مالک)

۱۰۔ طسٓمٓ (ط-س-م) - اللہ - ذی الطول وسمیع وعلیم کا ارشاد ہے کہ..... (۱ : ۲۶) - (۱ : ۲۸)

۱۱- قٓ (ق) ذرا رکو (توقف کرو) اور جو کچھ کہا جاتا ہے اُسے غور سے سنو - (۱ : ۵۰)

۱۲- کٓهٰیٰعٓصٓ (ک - ھ - ی - ع - ص) - اللہ الکریم الہادی الحی العلیم البصیر کا ارشاد ہے کہ (۱ : ۱۹)

۱۳- نٓ - (ن) - دوات اور قلم (یا شمشیر اور قلم) اس حقیقت کی شہادت دیتی ہیں کہ (اے رسولؐ!) تو خدا کے فضل و کرم سے دیوانہ نہیں - (۱ : ۶۸)

۱۴- یٰسٓ (ی - س) - اے وہ انسان (یعنی رسول) - یہ قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ..... (۱ : ۳۶)

۲۳- مکافاتِ عمل

دین کا مدار، خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ہے - دین کا مدار ہی نہیں بلکہ تمام کارگہِ کائنات کا مدار - مکافاتِ عمل کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام اپنا متعین نتیجہ مرتب کرکے رہتا ہے - خارجی کائنات کی ہر شے قانونِ خداوندی کے مطابق چلنے پر مجبور ہے اس لئے وہاں ہر حرکت کا متعینہ نتیجہ از خود مرتب ہوتا چلا جاتا ہے - اسے (LAW OF CAUSE AND EFFECT) کہا جاتا ہے - لیکن انسان صاحبِ اختیار و ارادہ ہے - اس لئے یہ خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق بھی زندگی بسر کرتا ہے اور ان کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے - جب وہ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اس کا نتیجہ تعمیری ہوتا ہے - اس سے اس کی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے - اور جب یہ ان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا نتیجہ تخریبی ہوتا ہے - یعنی اس سے اس کی ذات پستیوں کی طرف گر جاتی ہے - اور جس قسم کے افراد ہوں گے اسی قسم کا معاشرہ ہوگا - لہٰذا معاشرہ کا دار و مدار بھی قانونِ مکافاتِ عمل پر ہوگا - یعنی کائنات کی کوئی شے یا نظام اس قانون کے احاطہ سے باہر نہیں -

یہی قانونِ مکافات، افراد کی طرح اقوام میں بھی عمل پیرا رہتا ہے - صحیح روش پر چلنے والی قوم کو عروج اور ترقی حاصل ہوتے ہیں - غلط روش پر گامزن، زوال و ہلاکت کے گڑھوں میں گر جاتی ہے -

۲- ہر عمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس طور پر اسی وقت سامنے نہیں آجاتا - عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس طور پر سامنے آنے کے وقفہ کو مہلت کی مدت کہا جاتا ہے - اگر اس دوران میں اس شخص سے کوئی زیادہ بڑا تعمیری کام سرزد ہوتا ہے تو وہ (عمل) اس کے سابقہ غلط عمل کے تخریبی نتیجہ کو مٹا دیتا ہے - اُسے توبہ اور مغفرت کہتے ہیں -

دراصل کائنات میں، حق اور باطل (تعمیری اور تخریبی قوتوں) میں ہر وقت ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ جب تک تعمیری قوتوں کا پلڑا بھاری رہتا ہے، انسان تباہی سے محفوظ رہتا ہے۔ جب وہ پلڑا ہلکا ہو جاتا ہے۔ تو اس پر تباہی مسلط ہو جاتی ہے۔ مہلت کے وقفہ میں، زیادہ بڑے تعمیری کام کے سرزد ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ انسان اپنے تعمیری پلڑے کا وزن بڑھا لیتا ہے۔ یعنی اس کی قوتِ مدافعت بڑھ جاتی ہے جس سے وہ تخریبی قوتوں کے تباہ کن نتیجہ سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ اعمال کے نتائج محسوس طور پر اس دنیا میں سامنے آجاتے ہیں، اور جو یہاں سامنے نہیں آتے، وہ مرنے کے بعد ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ حیاتِ آخرت کا منکر یہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ کسی طرح اس دنیا میں اپنے غلط کردار کے تباہ کن نتائج سے اپنے آپ کو بچا لے تو پھر اسے کسی قسم کا خوف و خطر نہیں۔ لیکن قرآن کا دعوےٰ یہ ہے کہ انسانی زندگی اس دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ مرنے کے بعد بھی آگے چلتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص اپنے غلط کردار کے تباہ کن نتیجہ سے کسی طرح بچ بھی جائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ نتائج مرنے کے بعد سامنے آجائیں گے۔

۴۔ قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ عام طور پر، فوراً محسوس ہو جاتا ہے۔ اور اس سے کوئی دوسرا اسے بچا نہیں سکتا۔ مثلاً ایک شخص آگ میں انگلی ڈالتا ہے تو اس کی انگلی جل جاتی ہے۔ اس سے اسے سخت درد ہوتا ہے۔ یہ اس کے عمل کا محسوس نتیجہ ہے۔ یہ درد، نہ کسی کی سفارش سے کم ہو سکتا ہے۔ نہ رشوت دینے سے۔ نہ ہی کوئی بڑے سے بڑا غمگسار اس کے درد کو اس سے اپنی طرف منتقل کر سکتا ہے۔ اسے اپنے کئے کی سزا خود ہی بھگتنی پڑتی ہے۔ اس درد کی اذیت سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان، وہ دوا استعمال کرے جو خدا نے، اس قسم کے درد کے لئے پیدا کر رکھی ہے۔ یعنی وہ قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کے نتیجہ سے بچنے کے لئے، قانونِ خداوندی ہی کی طرف رجوع کرے۔ اسے رجوع الی اللہ کہتے ہیں اور خدا کی طرف سے اس قسم کی دوا کا پیدا ہونا اس کی رحمت کہلاتا ہے

قرآن کہتا ہے کہ خدا کا جو قانون (سنت اللہ) طبیعی دنیا میں کارفرما ہے، اسی قسم کا قانون خود انسانی دنیا میں بھی کارفرما ہے۔ اس کے لئے بھی اس نے کچھ قوانین مقرر کر رکھے ہیں جنہیں مستقل اقدار کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مستقل قدر کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو اس سے اس کی ذات میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے (اسے اس قانون شکنی کی سزا کہہ لیجئے) کسی کی سفارش۔ کسی قسم کی رشوت، کوئی کفارہ۔ کوئی فدیہ اس نتیجہ کو مٹا نہیں سکتا۔ ہاں اگر وہ شخص پھر اسی مستقل قدر۔ یا کسی دوسری قدر۔ پر عمل پیرا ہو تو اس سے اس کی ذات میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اس تخریب کا مقابلہ کر سکتی ہے جو پہلی غلط روش سے پیدا ہوئی تھی۔

یوں خدا کا قانونِ مکافات، انسانی دنیا میں کارفرما رہتا ہے۔

۵۔ قرآن کریم میں 'مکافات' کا لفظ نہیں آیا۔ اس میں، اس کے بجائے 'اعمال کی جزا' یا اجر کے الفاظ آئے ہیں۔ خود لفظ دین کے ایک بنیادی معنی بھی 'اعمال کا بدلہ' ہیں۔ الفاظ کوئی بھی ہوں، مطلب ان سے یہی ہے کہ خدا کے قانونِ علت و معلول کے مطابق، انسان کا ہر عمل ایک متعین نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ انسان کو اس کا تو اختیار ہے کہ وہ جونسا عمل (کام) جی چاہے کرے۔ لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ وہ جو کام کرے اس کا نتیجہ بدل دے۔ مثلاً اسے اس کا تو اختیار حاصل ہے کہ وہ مصری کا ٹکڑا منہ میں ڈال لے یا زہر کی پڑیا۔ لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ وہ کھائے تو زہر لیکن اس کا نتیجہ مصری کا پیدا کرے۔

۶۔ قانونِ مکافاتِ عمل کے سلسلہ میں، بہت سے دیگر عنوانات بھی سامنے رکھنے ہوں گے مثلاً۔ دینؔ - جزاؔ - اجرؔ - حسابؔ - اعمالؔ کفارہؔ - فدیہؔ - شفاعتؔ - قیامتؔ - آخرتؔ - جنتؔ - جہنمؔ - وغیرہ - اس عنوان میں ہم اس موضوع (مکافاتِ عمل) کے اصولی گوشوں کو سامنے لائیں گے۔

۷۔ مکافاتِ عمل کے سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ ایک شخص نہایت دیانتدار اور پاکباز ہے۔ لیکن غلط معاشرہ میں لوگوں کی سازشوں کی وجہ سے اسے مصیبتوں میں پھنسا دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اسے بہت سا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ اذیت اور نقصان اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ نہیں۔ غلط معاشرہ کی روش کا نتیجہ ہیں۔ قرآن کریم اس باب میں کہتا ہے کہ نقصانات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔ مثلاً جسمانی اذیت۔ مالی نقصان۔ حتّٰی کہ جان تک کا اتلاف۔ غلط معاشرہ میں اس قسم کے نقصان ہر شخص کو پہنچ سکتے ہیں بلاتخصیص اس امر کے کہ وہ شخص مستقل اقدار کا پابند ہے یا نہیں۔ نقصان کی دوسری قسم وہ ہے جس سے انسانی ذات کو ضعف پہنچتا ہے۔ یہ نقصان، کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچا سکتا۔ اس قسم کا نقصان فردِ متعلقہ خود اپنے آپ کو پہنچاتا ہے اور وہ خود ہی اس کا ازالہ بھی کر سکتا ہے۔ انسان کو اس امر کی احتیاط کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو اس قسم کا نقصان پہنچائے۔ یعنی احتیاط تو اس بات کی بھی کرنی چاہیئے کہ انسان کو طبیعی نقصان بھی نہ پہنچے لیکن غلط معاشرہ میں بعض اوقات ایک فرد کے بس کی بات نہیں رہتی کہ وہ اس قسم کے نقصان سے محفوظ رہے۔ لیکن دوسری قسم کا نقصان وہ ہے جس سے محفوظ رہنا ہر فرد کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ اس کی احتیاط نہایت ضروری ہے۔ معاشرہ کیسا ہی غلط روکیوں نہ ہو، انسان کو مستقل اقدار کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرنی چاہیئے۔ ان اقدار کے تحفظ سے اگر طبیعی نقصان ہوتا ہے تو اسے برداشت کر لینا چاہیئے۔ (مزید تفصیل کے لئے "نفس" کا عنوان دیکھئے)

اور سب سے آخر یہ کہ انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ معاشرہ، اقدارِ خداوندی کے مطابق متشکل ہو جائے تاکہ اس میں کسی کو ناحق طبیعی نقصان نہ پہنچے۔ اور افراد کو اپنی ذات کے تحفظ کے لئے آسانیاں میسر آجائیں۔

اعمال (ہر کام) کا اجر خدا کے قانون کے مطابق ملے گا

۱۔ مومن۔ یہود۔ نصاریٰ۔ صابئین۔ کسے باشد۔ ہر ایک کو ایمان و عملِ صالح کا اجر ملے گا۔ (۲ : ۶۲) ۔ اچھے کام کا اچھا۔ برے کا برا۔ (۲ : ۸۰۔۸۲) ۔ (۲ : ۱۱۰ ۔ ۱۱۲) ۔ (۲ : ۲۶۲) ۔ (۲ : ۲۷۷) ۔ (۳ : ۲۹) ۔ (۳ : ۱۹۸) ۔ (۲) ۔ نتیجہ جھوٹی آرزوں کے مطابق مرتب نہیں ہوتا۔ اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔ (۲ : ۲۰۱۔۲۰۲) (۲ : ۱۱۰ ۔ ۱۱۲) ۔ (۴ : ۱۲۳)

۳۔ مواخذہ جرائم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (۳ : ۱۰) ۔ (۴) ۔ شاکرین کو بدلہ۔ (۳ : ۱۴۳)

۵۔ مہاجرین کو بدلہ خواہ راستے میں موت ہی کیوں نہ آجائے۔ (۴ : ۱۰۰) ۔ (۶) ۔ کوئی خدا کی چہیتی اولاد نہیں۔ (۵ : ۱۸)

۷۔ اپنے آپ کو مجبور تصور کر لینے سے 'اپنے اعمال کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ (۶ : ۱۵۰) ۔ اسے راستہ دکھا دیا گیا ہے۔ (۷۶ : ۲ ۔ ۵) ۔ (۹۰ : ۸ ۔ ۱۰)

۸۔ جو عمل کرو گے وہی اس کا بدلہ ہوگا۔ (۷ : ۱۴۷) ۔ (۲۷ : ۹۰) ۔ (۲۹ : ۷) ۔ (۳۹ : ۳۷) ۔ (۵۲ : ۱۶ ؛ ۱۹) ۔ (۶۶ : ۷) ۔ (۸۳ : ۳۶)

۹۔ خدا تخلیق کی ابتدا کرتا ہے۔ پھر اسے گردش دیتا یا لوٹاتا ہے تاکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ مل سکے۔ (۱۰ : ۴) ۔ (۱۱ : ۷) ۔ انسان عبث پیدا نہیں کیا گیا۔ اسے خدا کی طرف جانا ہے۔ (۲۳ : ۱۱۵)

۱۰۔ ظلم کی وجہ سے عذاب۔ (۱۰ : ۵۲) ۔ (۱۱) ۔ صبر اور عملِ صالح کا اجرِ کبیر۔ (۱۱ : ۱۱) ۔ (۱۷ : ۹)

۱۲۔ اللہ کے عہد کو توڑنے کی وجہ سے عذاب۔ (۱۳ : ۲۵)

۱۳۔ سلسلۂ کائنات بالحق پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے جزائے اعمال ضروری ہے۔ (۱۱ : ۷) ۔ (۱۳ : ۲) ۔ (۱۴ : ۱۹) ۔ (۲۱ : ۱۱ ۔ ۱۶) ۔ (۲۳ : ۱۱۵) ۔ (۳۸ : ۲۷ ۔ ۲۸) ۔ (۴۴ : ۳۸ ۔ ۴۱) ۔ (۴۵ : ۲۲) ۔ (۴۶ ؛ ۳) ۔ (۵۳ : ۳۱) ۔ (۶۷ : ۲) ۔ (۷۵ : ۳۶)

۱۴۔ خدا تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ (۱۴ : ۴۲) ۔ وہ دل کے رازوں اور نگاہ کی خیانتوں تک سے واقف ہے۔ (۱۳ : ۳۳ ؛ ۴۲) ۔ (۱۹ : ۴۰) ۔ (۵۰ : ۱۶ ۔ ۱۸) ۔ (۹۰ : ۵ ۔ ۷) ۔ (۹۶ : ۱۴) ۔

۱۵۔ اعمال کی باز پرس ضرور ہوگی۔ (۱۶ : ۹۳) ۔ خدا سے باز پرس نہیں ہوگی۔ انسانوں سے سب سے ہوگی۔ (۲۱ : ۲۳)

۱۶۔ سماعت۔ بصارت۔ فواد۔ ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔ (۱۷ : ۳۶)

۱۷۔ الساعت وہ ہے جس میں ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائیگا ۔ (۱۵ : ۲۰)

۱۸۔ مجرمین، خدا کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکیں گے ۔ (۲۹ : ۴)

۱۹۔ مجرمین کو سزا مل کر رہے گی ۔ (اس کے لئے انتقام کا لفظ آیا ہے) (۲۲ : ۳۲)

۲۰۔ وہ اعمال جن کا مومن مردوں اور عورتوں کو اجرِ عظیم ملے گا ۔ (۳۵ : ۳۳)

۲۱۔ انسان، امانتِ خداوندی میں خیانت کرتا ہے (قانون شکنی کرتا ہے) اور سزا پاتا ہے ۔ (۷۲-۷۳ : ۳۳)

۲۲۔ الدین واقع ہو کر رہے گا ۔ (۶ : ۵۱) - (۲۳ : ۵۱) - (۲۳۱) - خدا کی گرفت بڑی شدید ہوتی ہے (۱۰۲ : ۱۱) - (۱۲ : ۸۵)

۲۴۔ خدا گھات میں رہتا ہے ۔ (۱۴ : ۸۹) - (۲۵) - کیا انسان سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کا اقتدار نہیں؟ یہ غلط ہے (۵-۷ : ۹۰)

۲۶۔ جس نے اپنی ذات کی نشوونما کر لی وہ کامیاب ہو گیا ۔ جس نے اسے دبا دیا وہ تباہ ہو گیا ۔ (۹-۱۰ : ۹۱)

۲۷۔ اعمال کے نتائج برآمد کرتے وقت خدا اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کا انجام کیا ہو گا ۔ (۱۵ : ۹۱)

۲۸۔ قانونِ مکافاتِ عمل خدا کے فضل پر مبنی ہے ۔ لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ۔ (۶۰ : ۱۰)

۲۹۔ ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل مل جاتا ہے ۔ (۳ : ۱۱) - (۳۰) صرف سعی مشکور ہوتی ہے ۔ (۱۹ : ۱۷) - (۲۲ : ۷۶)

۳۱۔ فرض کرو کہ رسول اور اس کے ساتھی سب ہلاک ہو جائیں تو کیا اس سے یہ لوگ عذابِ خداوندی سے بچ جائیں گے (۲۸ : ۶۷)

ہر شخص کو اپنے عمل کا نتیجہ خود بھگتنا ہو گا ۔ کوئی کسی کے کام نہیں آ سکے گا

۱۔ ظہورِ نتائج کے وقت کوئی کسی دوسرے کے کام نہیں آ سکے گا ۔ نہ کسی کی شفاعت (سفارش) قبول کی جائے گی ۔ نہ کوئی اپنی جگہ کسی دوسرے کو آگے کر سکے گا ۔ نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا ۔ (۴۸ : ۲) - (۱۲۳ : ۲) - (۲۵۴ : ۲) -
(۲۸۶ : ۲) - (۹۰ : ۳) - (۱۱۵ : ۳) - (۱۰۹ : ۴) - (۱۲۳ : ۴) - (۳۶ : ۵) -
(۷۰ : ۶) - (۵۴ : ۱۰) - (۱۸ : ۱۳) - (۲۱ : ۱۴) - (۱۰۹ : ۲۰) - (۳۳ : ۳۱) -
(۴۲ : ۳۴) - (۴۷ : ۳۹) - (۱۸ : ۴۰) - (۱۵ : ۵۷)

۲۔ بزرگوں کا کوئی عمل ان کے اخلاف کے کام نہیں آ سکتا ۔ ان کے اعمال ان کے لئے ۔ تمہارے، تمہارے لئے ۔ (۱۳۴ : ۲) -
(۱۳۹ : ۲) - (۱۴۱ : ۲) - (۴۱ : ۱۰) - (۳۵ : ۱۱)

۳۔ نیک کام کا اجر، تمہارے اپنے لئے ۔ (۲۷۲ : ۲) - (۶ : ۲۹) - (۱۸ : ۳۵) - (۴۶ : ۴۱)

۴۔ برا کام انسان خود اپنی ذات کے خلاف کرتا ہے ۔ (۱۱۱ : ۴) - (۱۲۴ : ۶) - (۱۸ : ۳۵) - (۴۰ : ۲۹) - (۴۶ : ۴۱)

۵ـ ہرایک کا حساب اپنا اپنا ـ حتیٰکہ رسول اور امتیوں کا بھی ـ (۵۲ : ۶) ـ (۴۱ : ۱۰) ـ (۵۴ : ۲۴) ـ (۲۵ : ۳۴)
(۳۹ : ۳۹) ـ (۱۵ : ۴۲) ـ رسول بھی اگر معصیت کرے تو اس کی سزا بھگتے ـ (۱۵ : ۶) ـ (۱۵ : ۱۰) ـ (۱۳ : ۳۹)

۶ـ تباہی اپنے اعمال ہی کی وجہ سے آتی ہے ـ (۷۰ : ۶) ـ (۵۵ : ۲۹)

۷ـ خدا کے حضور ہر شخص فرادیٰ جائے گا ـ (۹۵ : ۶) ـ (۴۸ : ۱۸)

۸ـ خدا نے بصائر بھیج دیئے ـ جو دیکھ کر چلے گا، اس کا فائدہ اس کو ہوگا ـ جو اندھا بن کر چلے گا، تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا ـ (۱۰۵ : ۶) ـ (۱۰۸ : ۱۰) ـ (۷ : ۱۷) ـ (۱۵ : ۱۷) ـ (۶ : ۲۹) ـ (۴۴-۴۵ : ۳۰)
(۴۱ : ۳۹) ـ (۴۶ : ۴۱) ـ (۱۵ : ۴۵)

۹ـ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ـ (۱۶۵ : ۶) ـ (۴۱ : ۱۰) ـ (۱۵ : ۱۷) ـ (۱۸ : ۳۵)
(۷ : ۳۹) ـ (۳۸-۴۱ : ۵۲) ـ اپنا بوجھ بھی اور ان کا بھی جنہیں گمراہ کیا تھا ـ (۲۵ : ۱۶) ـ (۱۲-۱۳ : ۲۹)

۱۰ـ اہلِ جنت، جہنم والوں کو پانی کا ایک چھینٹا بھی نہیں دے سکیں گے ـ (۵۰ : ۷)

۱۱ـ رسول بھی شرک کرے تو جہنم رسید ہو جائے ـ (۳۹ : ۱۷)

۱۲ـ رسول کی بیوی بھی اپنے اعمال کے مواخذہ سے نہیں بچ سکتی ـ (۳۳ : ۲۹) ـ (۱۰ : ۶۶) ـ بلکہ دگنی سزا ملے گی ـ (۳۰ : ۳۳)

عمل کا بدلہ پورا پورا ـ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی

۱ـ ہرایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ـ کسی پر زیادتی نہیں ہوگی ـ (۲۸۱ : ۲) ـ (۲۴ : ۳) ـ (۵۶ : ۳) ـ
(۱۱۴ : ۳) ـ (۱۸۱ : ۳) ـ (۱۸۴ : ۳) ـ (۴۰ : ۴) ـ (۴۹ : ۴) ـ (۱۰۹ : ۱۱) ـ (۱۱۱ : ۱۱)
(۵۱ : ۱۴) ـ (۶۲ : ۲۳) ـ (۴۰ : ۲۹) ـ (۹ : ۳۰) ـ (۷۰ : ۳۹) ـ (۱۷ : ۴۰)
(۱۹ : ۴۶) ـ (۲۹ : ۵۰) ـ (۲۶ : ۷۸)

۲ـ ہر کام کرنے والے کے کام کا بدلہ ـ خواہ وہ مرد ہو یا عورت ـ (۱۹۴ : ۳) ـ (۱۲۴ : ۴) ـ (۹۷ : ۱۶) ـ
(۳۳ : ۳۵) ـ (۳) ـ ظاہر اور باطن اعمال، سب کا بدلہ ـ (۱۲۱ : ۶)

۴ـ خدا ذو رحمت ہے لیکن مجرمین اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے ـ (۱۴۸ : ۶)

۵ـ جہنم میں قوموں کا ایک دوسرے کو مطعون کرنا کہ انہوں نے انہیں گمراہ کیا ـ ہر ایک کو دگنا عذاب ـ (۳۸ : ۷) ـ

اپنا بوجھ بھی اور ان کا بھی جنہیں انہوں نے گمراہ کیا۔ (۱۶ : ۲۵)۔ لیڈروں اور متبعین کا مکالمہ۔ (۳۴ : ۳۱-۳۳)

۶۔ مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (۷ : ۱۷۰)۔ محسنین کا بھی نہیں۔ (۱۱ : ۱۱۵)۔ (۱۲ : ۵۶)۔ (۱۲ : ۹۰)
جو بھی حسنِ عمل کرے۔ (۱۸ : ۳۰)۔ محسنین کا۔ (۲۸ : ۱۴)۔ (۳۷ : ۱۰۵)۔ (۳۷ : ۱۲۱)۔ (۳۷ : ۱۳۱)۔ (۳۹ : ۳۴)

۷۔ الساعت وہ ہے جس میں ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔ (۲۰ : ۱۵)

۸۔ مومن کو اپنے اعمال کے بدلہ میں ظلم اور استحصال کا ڈر نہیں ہوگا۔ (۲۰ : ۱۲)

اجر — اس دنیا میں یا آخرت میں

۱۔ اس دنیا میں ذلت اور آخرت میں اشد عذاب۔ (۲ : ۸۵)۔ (۳ : ۵۵)۔ (۲۲ : ۹)۔ (۳۹ : ۲۴-۲۶)۔ (۴۰ : ۳۹)۔ (۴۱ : ۱۶)۔ (۶۸ : ۳۳)

۲۔ قومِ فرعون کا مؤاخذہ اس دنیا میں۔ (۳ : ۱۰)۔ (۸ : ۵۲)

۳۔ کوئی بستی ہلاک نہیں ہوتی درآنحالیکہ اس کے رہنے والوں کو آگاہ نہ کر دیا گیا ہو۔ (۶ : ۱۳۲)۔ (۷ : ۱۷۲)
یا اس کے رہنے والے مصلح ہوں۔ (۱۱ : ۱۱۷)۔ یا اس میں رسول نہ بھیج دیا جائے۔ (۱۷ : ۱۵)

۴۔ قانونِ استخلاف و استبدالِ قومی۔ (۶ : ۱۳۴)۔ (۱۰ : ۱۳-۱۴)۔ خلقِ جدید ہی لے آئے۔ (۱۳ : ۱۱)۔ (۱۴ : ۱۹)
(۲۱ : ۱۱-۱۵)۔ (۳۰ : ۹-۱۰)۔ (۳۵ : ۱۶)۔ (۴۰ : ۲۱)۔ (۴۴ : ۲۸)۔ (۴۵ : ۱۴)۔ (۴۵ : ۲۸)۔ (۶۵ : ۸-۱۰)

۵۔ اگر بستیوں والے ایمان لاتے تو ان پر زمین و آسمان کے دروازے کھل جاتے۔ لیکن انہوں نے قانون کی تکذیب کی اور گرفت میں آ گئے۔ (۷ : ۹۶)۔ (۶) ہلاکت ظلم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (۱۰ : ۱۳)۔ (۱۸ : ۵۹)

۷۔ جو اس دنیا میں اجر چاہتا ہے، اسے مل جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (۱۱ : ۱۵-۱۶)
(۱۷ : ۱۸-۲۱)۔ (۸) محسنین کو اس دنیا میں تمکن اور آخرت میں بہترین اجر۔ (۱۲ : ۵۶-۵۷)۔ (۱۲ : ۹۰)۔ (۲۴ : ۵۵)

۹۔ مترفین فسق میں آگے بڑھ جاتے ہیں تو بستی تباہ ہو جاتی ہے۔ (۱۷ : ۱۶-۱۷)

۱۰۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تو کہا کہ اب الساعت نمودار ہو جائیگی اور ہر شخص کو اس کے کام کا پورا پورا بدلہ

مل جائے گا - یہ الساعت وہ انقلاب تھا جسے حضرت موسیٰؑ نے برپا کیا تھا - (۱۵ : ۲۰)

۱۱- لوگوں کی بدعملی کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہو چکا ہے - اس کا نتیجہ ان کے سامنے آئے گا - (۴۱ : ۳۰)

۱۲- اسلامی مملکت کے ہاتھوں جرائم کی سزا - یہ سنت اللہ ہے جو غیر متبدل ہے - (۶۲ - ۶۰ : ۳۳)

۱۳- قومِ سبا کی تباہی (۱۶-۱۵ : ۳۴) - (۱۴) حسن کارانہ زندگی سے اس دنیا کی زندگی بھی خوشگوار ہو جاتی ہے (۱۰ : ۳۹)

۱۵- بدعمل اور نیک اعمال والوں کی نہ زندگی ایک جیسی ہو سکتی ہے نہ موت - (۲۱ : ۴۵) - (۳۶ - ۳۵ : ۶۸)

۱۶- جنت اعمال کے بدلے میں - (۱۴ : ۴۶) - (۲۲ ؛ ۱۲ : ۷۶) - (۱۷) - باغ والوں کی مثال - (۳۳ - ۱۷ : ۶۸)

اعمال نامہ

۱- ہر ایک کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹک رہا ہے - قیامت میں وہ کھل کر سامنے آجائے گا - اسے کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھ اور اپنا فیصلہ آپ کر - (۱۴-۱۳ : ۱۷) - (۱۵ - ۱۲ : ۷۵)

۲- اعمال نامہ میں کوئی چیز چھوٹی نہیں ہوگی - مجرم اسے دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں گے - (۴۹ : ۱۸)

۳- حق اور انصاف کے ساتھ وزن کیا جائے گا - ایک ایک ذرہ سامنے آجائے گا - (۴۷ : ۲۱) - اصول - پلڑوں کا ہلکا اور بھاری ہونا ہوگا - (۹-۸ : ۷) - (۱۰۳ - ۱۰۲ : ۲۳) - منکرینِ آخرت کے لئے میزان بھی کھڑی نہیں کی جائے گی - (۱۰۵ - ۱۰۲ : ۱۸) - چھوٹی چھوٹی لغزشیں دور ہو جائیں گی اور اعمال کا بدلہ ملے گا - (۳۵ - ۳۹) - (۳۲ : ۵۳) - ذرہ ذرہ سامنے آجائے گا - (۱۶ : ۳۱) - (۸-۷ : ۹۹) - ثقل و خفتِ موازین - (۹-۶ : ۱۰۱) - حسنات، سیئات کو دور کر دیتی ہیں - (۱۱۴ : ۱۱)

۴- مجرمین سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی - (۷۸ : ۲۸) - (۳۹ : ۵۵)

۵- خدا کی کتابِ مبین میں ہر عمل درج ہوتا ہے - اس کے مطابق جزا اور سزا مرتب ہوتی ہے - (۶۱ : ۱۰) - (۶۲ : ۲۳) - (۴-۳ : ۳۴) - (۶۹ : ۳۹) - (۲۹ : ۴۵)

۶- ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے - (۶۵ : ۳۶) - (۲۱ - ۲۰ : ۴۱)

۷- ہر امت اپنے اپنے اعمال نامہ (کتاب) کے مطابق بلائی جائے گی - (۲۸ : ۴۵)

۸- ہر شخص اپنے اعمال کے عوض رہن ہے - (۲۱ : ۵۲) - (۳۸ : ۷۴)

۹- لوگ اپنے اعمال بھول جاتے ہیں - خدا انہیں محفوظ رکھتا ہے - (۶ : ۵۸)

۱۰- دائیں ہاتھ میں کتاب اور بائیں ہاتھ میں کتاب۔ (۲۵ ؛ ۱۹ : ۶۹) - (۱۸ ؛ ۹ - ۷ : ۸۳)

۱۱- اس دن سب کچھ یاد آ جائے گا۔ (۳۵ : ؛

۱۲- کراماً کاتبین۔ (۲۱ : ۱۰) - (۱۱-۱۰ : ۱۳) - (۹۴ : ۲۱) - (۸۰ : ۴۳) - (۱۸ - ۱۷ : ۵۰) -
(۱۲ - ۱۰ : ۸۲) - (۴ : ۸۶)

۱۳- اللہ لوگوں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ (۲۰ : ۸۵)

ماقدمت یداہ

۱- انسان اسے بھول جاتا ہے۔ (۵۷ : ۱۸) - عذاب اسی وجہ سے۔ (۱۰-۹ : ۲۲) - مصائب اسی وجہ سے -
(۴۷ : ۲۸) - (۳۶ : ۳۰) - (۵۱ : ۳۹) - (۳۰ : ۴۲) - (۴۸ : ۴۲) - (۵۹ : ۱۸) - (۳۰ : ۷۳)
(۴۰ : ۷۸) - (۱۴ : ۸۱) - (۵ : ۸۲)

اچھے اعمال کا بدلہ مضاعف ہو کر ملتا ہے

۱- ظلم کسی پر نہیں ہوتا۔ حسنات کا بدلہ (تمہارے اندازے سے بھی) زیادہ ملتا ہے۔ (۴۰ : ۴) - (۱۷۳ : ۴)
(۱۶۱ : ۶) - (۲۶ : ۱۰) - (۳۸ : ۲۴) - (۸۹ : ۲۷) - اور برائیوں کا بدلہ اتنا ہی - (۸۴ : ۲۸) - کھیتی
کی مثال - (۲۶۱ : ۲) - مال اور اولاد کی محبت کے علی الرغم نیک روش اختیار کرنے کا دگنا اجر - (۳۷ : ۳۴؛
۳۰-۲۹ : ۳۵) - (دہرا حصہ - ایک اس دنیا میں - ایک آخرت میں - (۲۸ : ۵۷)

۲- اہل کتاب ایمان لائیں تو دہرا اجر - (۵۴ : ۲۸)

۳- رسول کی بیویوں کو سزا بھی دگنی اور اجر بھی دہرا - (۳۱-۳۰ : ۳۳)

۴- اجر بغیر حساب - (۱۰ : ۳۹) - (۴۰ : ۴۰)

قانونِ مہلت

۱- خدا جلدی گرفت نہیں کرتا۔ مہلت دیتا ہے - (۱۱ : ۱۰) - (۳۲ : ۱۳) - (۴۲ : ۱۴) - (۶۱ : ۱۶) -
(۵۹-۵۸ : ۱۸) - (۴۵ : ۳۵)

۲۔ نتائج سامنے آجانے کے بعد مہلت نہیں ملتی ۔ (۲۹ : ۴۴)

۳۔ مہلت کا مل جانا خدا کا فضل ہے ۔ (۴۳ - ۲، ۷ : ۲۶)

حبطِ اعمال

۱۔ غلط اعمال راکھ کی طرح ہوتے ہیں جو یونہی اڑجاتے ہیں ۔ (۱۸ : ۱۴) - (۳۹ : ۲۴)

۲۔ صرف اسی دنیا کو زندگی سمجھنے والوں کے اعمال رائگاں جاتے ہیں ۔ ان کے لئے میزان تک کھڑی نہیں کی جائے گی ۔ (۱۸ : ۱۰۲ - ۱۰۶)

۲۴۔ مکر-کید

مکر ۔ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں ۔ یعنی ایسی تدبیر کہ جس کے خلاف وہ کی جائے اسے اس کا علم اس وقت ہو جب اس کا نتیجہ محسوس طور پر سامنے آجائے ۔ ظاہر ہے کہ ایسی تدابیر اچھے مقاصد کے لئے بھی اختیار کی جا سکتی ہیں اور برے مقاصد کے لئے بھی ۔ چنانچہ مخالفینِ حق کی مخالفت میں جو جال بچھانے اور سازشیں کرتے تھے انہیں بھی مکر کہا گیا ہے اور ان کے مقابلہ میں خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کو بھی مکر کہہ کر پکارا گیا ہے ۔ جو ان کی تدابیر کو ناکام بنا کر انہیں شکست دیتا تھا ۔

کید کے معنی بھی قریب قریب یہی ہیں ۔ جب یہ غلط مقاصد کے لئے آئے گا تو اسے فریب کاری کہا جائے گا اور جب اچھے مقاصد کے لئے بولا جائے گا تو حسنِ تدبیر یا مکافاتِ عمل مراد ہوگا ۔ "اچھے مقاصد" سے مراد ہے اقدارِ خداوندی کے تحفظ و فروغ کے لئے اقدامات ۔

اس سے کفار (مخالفین) کے کید و مکر اور جماعت مومنین ، یا خدا کے کید و مکر میں فرق سامنے آجائے گا ۔ قرآن کریم، دشمن کی فریب کاریوں یا خفیہ سازشوں کی مدافعت کے لئے خفیہ تدابیر کی اجازت دیتا ہے، البتہ اس میں کسی غلط قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا ۔

مخالفین کا مکر اور خدا کا مکر

۱۔ مخالفینِ حضرت عیسیٰؑ کی خفیہ تدابیر، اور ان کے مقابلہ میں خدا کی تدابیر۔ خدا کی تدابیر بہترین ہوتی ہیں۔ (۳ : ۵۴)

۲۔ اقوامِ سابقہ نے بھی خفیہ تدابیر سے کام لیا تھا۔ لیکن تدابیر تمام خدا ہی کے لئے ہیں۔ (۱۳ : ۴۲)

۳۔ قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ کے خلاف سازش کی۔ اور خدا نے اس کی مدافعت کے لئے خفیہ تدبیر اختیار کی جس کا انہیں پتہ بھی نہ چل سکا۔ ان کی سازش کا جو انجام ہوا وہ بڑا عبرت آموز ہے۔ (۲۷ : ۵۰-۵۱)

۴۔ رسول اللہؐ کے خلاف مخالفین کی خفیہ تدابیر اور خدا کی طرف سے ان کی مدافعت۔ (۸ : ۳۰)۔ (۱۴ : ۴۶) ۔ ان کی سازشوں سے افسردہ خاطر مت ہو۔ (۱۶ : ۱۲۷)۔ (۲۷ : ۷۰)۔ مخالفین کو چیلنج "کید" (۷ : ۱۹۵)۔ (۷۷ : ۳۹) ۔ یہ اپنے مکائد کی زنجیروں میں خود ہی جکڑے جائیں گے۔ (۵۲ : ۴۲)

۵۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کو خدا نے مخالفین کے مکر سے محفوظ رکھا۔ (۴۰ : ۴۵)

۶۔ مخالفینِ حضرت نوحؑ نے بڑی تباہ کن خفیہ تدبیر اختیار کی تھی۔ (۷۱ : ۲۲)

۷۔ حضرت یوسفؑ کے خلاف بھائیوں کی سازش۔ (۱۲ : ۱۰۲)۔ عورتوں کی سازش۔ (۱۲ : ۳۱)۔ عورتوں کی چال بہت گہری تھی۔ (۱۲ : ۲۸)۔ (۱۲ : ۳۴)۔ (۱۲ : ۵۰)

۸۔ قوانینِ خداوندی (آیات) کے خلاف مکر۔ (۱۰ : ۲۱)

کید

۱۔ حضرت یوسفؑ کے لئے بھائی کو روک لینے کی تدبیر۔ (۱۲ : ۷۶)

۲۔ یہ بھی تدبیریں کر رہے ہیں اور ہم بھی۔ انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔ (۸۶ : ۱۵-۱۷)

۳۔ حضرت ہودؑ نے مخالفین کو چیلنج دیا کہ جو سازشیں بھی کرنا چاہتے ہو کر دیکھو۔ (۱۱ : ۵۵)

۴۔ مخالفین نے حضرت ابراہیمؑ کے خلاف منصوبہ (کید) بنایا جسے ہم نے ناکام کر کے رکھ دیا۔ یعنی ہم انہیں وہاں سے نکال کر ایک دوسرے ملک میں لے گئے۔ (۲۱ : ۷۰-۷۱)۔ (۳۷ : ۹۸)

۵۔ فرعون نے ساحرین سے کہا کہ تم اپنے جملہ مکائد کو بروئے کار لاؤ۔ (۲۰ : ۶۰)۔ (۲۰ : ۶۴)

۶۔ انہیں مہلت دو۔ ہماری تدبیر (کید) بڑی محکم ہوتی ہے۔ (۶۸ : ۴۵)

مخالفین کے مکر کا انجام

۱۔ اقوامِ سابقہ نے خفیہ تدابیر کیں تو خدا نے انہیں جڑ بنیاد تک سے اکھیڑ دیا۔ (۲۶ : ۱۶)
۲۔ بری تدابیر کرنے والے کیا خدا کی گرفت سے بےخوف ہوگئے ہیں؟ (۹۹ : ۷) - (۴۵ : ۱۶)
۳۔ ہمارے فرستادہ ان کی تدابیر کو لکھتے رہتے ہیں۔ اور خدا تدبیر کرنے میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ (۲۱ : ۱۰)
۴۔ اسی طرح ہر قریہ میں اکابر مجرمین سازشیں کرتے رہتے ہیں لیکن اتنا شعور نہیں رکھتے کہ یہ سازشیں وہ خود اپنے خلاف کرتے ہیں۔ ان کا وبال انہی پر پڑے گا۔ (۱۲۵-۱۲۴-۶)
۵۔ طیب نظریہ حیات، اعمالِ صالحہ سے بلند ہوتا ہے اور برے مقاصد کے لئے سازشیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۱۰ : ۳۵)
۶۔ سازشیں کرنے والوں کی سازشیں خود انہی کو گھیر لیتی ہیں۔ (۴۳ : ۳۵) - (۴۲ : ۵۲)
۷۔ مخالفین کو ان کی سازشیں بڑی خوشنما بن کر دکھائی دیتی ہیں۔ (۳۳ : ۱۳)

کید

۱۔ خدا تمہارے مخالفین کے کید کو ذلیل کر دے گا۔ (یہ میدانِ جنگ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے)۔ (۱۸ : ۸)
۲۔ خدا، خیانت کرنے والوں کے مکائد کو کامیابی تک پہنچنے نہیں دیتا۔ (۵۲ : ۱۲)
۳۔ ساحرین کے مکائد کو کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ (۶۹ : ۲۰)
۴۔ کفار کے مکائد ناکام رہتے ہیں۔ فرعون و ہامان و قارون کے سلسلہ میں فرمایا۔ (۲۵ : ۴۰) - (۳۷ : ۴۰)
۵۔ اس دین کے خلاف کوئی بھی تدبیر (کید) کارگر نہیں ہو سکے گی۔ (۱۵ : ۲۲)
۶۔ جماعتِ مومنین سے کہا کہ اگر تم استقامت سے کام لوگے اور قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کروگے تو مخالفین کی کوئی چال (کید) بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ (۱۱۹ : ۳)۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا، مخالفین کی چالوں کو کس طرح ناکام بناتا ہے، اُن انسانوں کے ہاتھوں سے جو تقویٰ شعار ہوں اور استقامت پذیر۔
۷۔ مکافاتِ عمل کے ظہور کے وقت کسی کی کوئی چال بھی اسے تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔ (۴۶ : ۵۲)
۸۔ اصحابِ فیل کی خفیہ تدبیر کو کس طرح ناکام بنا دیا گیا! (۲ : ۱۰۵)

متفرق

۱۔ فرعون نے ساحرین سے کہا کہ تم نے (حضرت) موسٰیؑ کے ساتھ مل کر سازش کی ہے کہ ہمیں مملکت سے نکال باہر کرو۔ (۷ : ۱۲۳) ۔ (۲) ۔ بڑے بڑے لیڈر ایسی سازشیں کرتے رہتے ہیں جن سے عوام غلط راستے اختیار کریں ۔ (۳۴:۳۳)
۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے پجاریوں سے کہا کہ میں تمہارے بتوں کے خلاف ایک تدبیر (کید) کروں گا ۔ (۲۱ : ۵۷)
۴۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا ورنہ وہ تیرے خلاف کوئی منصوبہ باندھ لیں گے ۔ (۱۲ : ۵) ۔ (۵) ۔ شیطان کی تدبیریں (کید) کمزور ہوتی ہیں ۔ (۴ : ۷۶)

—(٠)—

۲۵۔ ملائکہ

ملائکہ ۔ بعض کے نزدیک اس لفظ کا مادہ (ا ۔ ل ۔ ک) ہے جس کے معنی پیغام رسانی کے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کا مادہ (م ۔ ل ۔ ک) ہے جس کے معنی قوت اور اقتدار کے ہیں ۔ ہم دوسرے خیال کے مؤید ہیں ۔ کیونکہ قرآن کریم میں پیغام رسانی ، ملائکہ کا صرف ایک منصب بتایا گیا ہے ۔ ان کے باقی فرائض ایسے ہیں جن کا تعلق قوت و اقتدار سے ہے ۔

اللہ تعالےٰ سلسلۂ کائنات کو اپنی پیدا کردہ قوتوں کی رو سے چلا رہا ہے ان قوتوں کو ملائکہ کہا گیا ہے ۔ انہیں خود کوئی اختیار و ارادہ حاصل نہیں ۔ یہ خدا کے مقرر کردہ پروگرام کو ، اس کی مشیت کے مطابق تکمیل تک پہنچاتی ہیں ۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا تعلق عالمِ امر سے ہے ۔ یعنی وہ عالم جہاں خدا کے تدبیری امور طے پاتے ہیں ۔ ہم اس عالم کے متعلق صرف اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا قرآن نے بتا دیا ہے ۔ اس لئے ہم ان ملائکہ کے متعلق بھی اس سے بیش کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں جتنا کچھ قرآن میں آیا ہے ۔ ان میں سے جو قوتیں ، ہماری محسوس کائنات میں کارفرما ہیں ، انہیں ، ہماری زبان میں فطرت کی قوتیں کہا جاتا ہے ۔ یہ وہ قوتیں ہیں جن کا علم ، انسان حاصل کر سکتا ہے ۔ (اس علم کو علم الاشیاء یا قوانین فطرت کا علم کہا جاتا ہے) اور اس علم کی رو سے ، انہیں مسخر کیا جا سکتا ہے ۔ یہی وہ "ملائکہ" ہیں جو آدم (انسان) کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہیں ۔ یعنی انسان ان سے کام لے سکتا ہے ۔ ان میں سے بعض قوتیں خود انسان کے اندر کارفرما ہوتی ہیں ۔ انہیں نفسیاتی قوتیں کہا جا سکتا ہے ۔ یہ سب قوتیں غیر مرئی ہوتی ہیں ۔ یعنی انہیں ہم دیکھ نہیں سکتے ۔ سمجھ سکتے اور محسوس کر سکتے ہیں ۔

۲۔ انسان کے دورِ جہالت میں فطرت کی ان قوتوں کو دیوی دیوتا سمجھ کر ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ قرآن کریم نے اس قسم کی توہم پرستیوں کو مٹایا اور ملائکہ کے صحیح مقام اور منصب سے انسان کو آگاہ کیا۔ یعنی انہیں بتایا کہ جن قوتوں کو تم اپنا معبود تصور کر رہے ہو وہ (فطرت کی قوتیں) تمہارے سامنے سجدہ ریز ہوسکتی ہیں۔ آدم مسجودِ ملائکہ ہے۔ ملائکہ مسجودِ آدم نہیں۔ ملائکہ کے صحیح مقام اور منصب کو سمجھ لینا، ملائکہ پر ایمان لانا کہلائے گا۔ مومن وہی ہے جو ملائکہ کی اس حقیقت پر ایمان لاتا ہے۔

۳۔ جو ملائکہ، حضرات انبیاء کرامؑ کی طرف خدا کا پیغام (وحی) لاتے تھے، ان کی کنہ و حقیقت کے متعلق، ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کا تعلق عالمِ امر سے تھا۔

۴۔ ہمارے ہاں ملکؑ (جمع ملائکہ) کا ترجمہ فرشتہ کیا جاتا ہے اور ملائکہ کو فرستادگان کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے۔ اس میں ملائکہ کے منصب پیغام رسانی کا پہلو مضمر ہے۔ لیکن چونکہ یہ منصب، ملائکہ کے فرائض میں سے صرف ایک فریضہ ہے اس لئے ملائکہ کا یہ تصور جامع نہیں۔ اگر ہمیں بھی کسی جگہ فرشتہ لکھنا پڑے تو اس لفظ کو پیغام رساں کے محدود معنوں میں نہ لیا جائے بلکہ ملکوتی یا کائناتی قوتوں کے وسیع معنوں میں لیا جائے۔

ملکؑ

۱۔ رسول جب دعوے کرتا تھا کہ میری طرف فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو مخالفین کہتے تھے کہ ہم اس دعوے کو اس وقت مانیں گے۔ جب وہ فرشتہ خود ہمیں دکھائی دے دے۔ یہ ان کی حماقت تھی۔ فرشتے نظر نہیں آیا کرتے۔ نظر تو انسان آسکتا ہے۔ لہٰذا اگر فرشتہ کو مرئیؑ (نظر آنے والا) بنا کر بھیجا جائے، تو وہ انسان ہوگا۔ یہ لوگ اس پر بھی اعتراض کریں گے۔
(۶ : ۸-۱۰) – (۱۱ : ۱۲) – (۲۵ : ۷) – یہ جب بھی ایمان نہ لاتے۔ (۶ : ۱۱۱) – (۱۵ : ۷-۸) – (۱۷ : ۹۰-۹۲)
(۲۳ : ۲۴) – (۲۵ : ۲۱) – (۴۱ : ۱۴) – (۴۳ : ۵۳)

۲۔ رسول اللہؐ نے کہا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں۔ (۶ : ۵۰) – (۱۱ : ۳۱) – "اگر زمین میں فرشتے بستے تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجدیا جاتا – (۱۷ : ۹۵) – (۴۳ : ۶۰)

۳۔ ملکؑ الموت وفات دیتا ہے۔ (۳۲ : ۱۱) – ملائکہ – (۴ : ۹۷) – (۶ : ۹۳) – (۸ : ۵۰) –
(۱۶ : ۲۸) – (۱۶ : ۳۲) – (۴۷ : ۲۷)

ملائکہ اور قصۂ آدم

۱۔ خلافتِ آدم ۔ علم الاسماء ۔ سجدۂ ملائکہ ۔ انکارِ ابلیس ۔ (۲ : ۳۰-۳۴) ۔ (۷ : ۱۱) ۔ (۱۵ : ۲۸-۳۰) ۔ (۱۷ : ۶۱) ۔ (۱۸ : ۵۰) ۔ (۲۰ : ۱۱۶) ۔ (۳۸ : ۷۱)

ملائکہ اور حضرات انبیاءِ کرام وغیرہ

۱۔ ملائکہ نے حضرت زکریاؑ کو آواز دی ۔ (۳ : ۳۹) ۔ (۲) ۔ ملائکہ اور حضرت مریمؑ ۔ (۳ : ۴۲) ۔ (۳ : ۴۵) ۔ (بعض کے نزدیک (۱۹ : ۱۹) میں رسولؑ سے مراد فرشتہ ہے ۔

۳۔ ملائکہ شہادت دیتے ہیں کہ انبیاءؑ کی طرف جو کچھ نازل کیا جاتا تھا، وہ مبنی بر علم تھا ۔ (۴ : ۱۶۶)

۴۔ ملائکہ اور الروحؔ کا نزول نبی پر ہوتا تھا ۔ (۱۶ : ۲) ۔ (۵) ۔ فریضۂ پیغام رسانی ۔ (۲۲ : ۷۵) ۔ (۳۵ : ۱)

۶۔ ملائکہ حضورؐ کے پشت پناہ ہو جاتے (۶۶ : ۴) ۔ حضورؐ، پر صلوٰۃ بھیجتے تھے ۔ (۳۳ : ۵۶)

۷۔ لیلۃ القدر میں نزولِ ملائکہ اور الروح ۔ (۹۷ : ۴) ۔ (۸) ۔ پیغامِ خداوندی کے محافظ ۔ (۷۲ : ۲۷)

۹۔ جبریل نے قلبِ محمدی پر باذنِ خداوندی قرآن نازل کیا ۔ (۲ : ۹۷)

جنگوں میں ملائکہ کی امداد

۱۔ تین ہزار ملائکہ کی امداد ۔ (۳ : ۱۲۴) ۔ پانچ ہزار ۔ (۳ : ۱۲۵) ۔ یہ مجاہدین کو بشارت دیتے تھے اور ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کرتے تھے ۔ (۳ : ۱۲۶) ۔ (۸ : ۹، ۱۲)

۲۔ یہ وہ جنودِ خداوندی تھے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے ۔ (۹ : ۲۶) ۔ (۹ : ۴۰) ۔ (۳۳ : ۹)

۳۔ کفار کے دل میں رعب ڈال دو ۔ ان کا اچھی طرح مؤاخذہ کرو ۔ انہیں اپنی گرفت میں لے لو ۔ (۸ : ۱۲)

ملائکہ کی حیثیت

۱۔ ملائکہ اس سے کبھی عار نہیں برتیں گے کہ وہ خدا کے عبد ہیں ۔ (۴ : ۱۷۲) ۔ (۲۱ : ۱۹)

۲۔ ملائکہ اور رعد، خدا کی تحمید میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں ۔ (تسبیح) ۔ (۱۳ : ۱۳) ۔ (۴۱ : ۳۷-۳۸) ۔ ملائکہ کبھی

سرکشی اختیار نہیں کرتے۔ (۴۹ : ۱۶) ۔نیز اہلِ ارض کے لئے حفاظت چاہتے ہیں ۔ (۵ : ۴۲)

۳۔ جہنم کے داروغہ ۔ جو کچھ خدا کہتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ (۲۰ - ۱۹ : ۲۱) - (۳، ۷ : ۳۹) - (۴۹ : ۴۰) (۶ : ۶۶) - (۳۱ : ۷۴) ۔ جہنم والوں کی استدعا - (۵۰-۴۸ : ۴۰) ۔ جہنم کا داروغہ مالک - (۷۷ : ۴۳)

۴۔ ملائکہ اور الروح خدا کی طرف عروج کرتے ہیں ایک ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوتی ہے - (۴ : ۷۰)

۵۔ انہیں اتنا ہی علم ہے جتنا خدا نے دیا ہے ۔ (۳۲ : ۲)

۶۔ کتابتِ اعمال کرنے والے ۔ (۲۱ : ۱۰) - (۱۱ : ۱۳) - (۸۰ : ۴۳) - (۱۸-۱۷ : ۵۰)

۷۔ عباد مکرم ۔ (۲۶ : ۲۱) ۔ بعض کے نزدیک ان سے مراد ملائکہ ہیں ۔

۸۔ دو دو - تین تین - چار چار "پروں" والے ۔ یعنی مختلف خواص رکھنے والی قوتیں ۔ (۱-۳ : ۳۵)

۹۔ دوزخ کے محافظ اُنیس - یہ تشابہات میں سے ہے - (۳۱-۳۰ : ۷۴) - (۱۰) - ہر نفس پر ایک محافظ ہے - (۴ : ۸۶)

۱۱۔ ملائکہ امرِ رب سے نازل ہوتے ہیں۔ یہ جنت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے - (۶۴ : ۱۹)

۱۲۔ سورۂ الصّٰفّٰت میں جن جماعتوں کا ذکر ہے بعض کے نزدیک ان سے مراد ملائکہ ہیں - (۱-۳ : ۳۷) - اسی طرح (۱-۴ : ۷۷) میں بھی اور (۱-۵ : ۷۹) میں ۔

ملائکہ جن کا تعلق عالم امر سے ہے

خدا کے قانونِ مکافات کو عملاً متشکل کرنے والے

۱۔ فرشتہ نازل ہو جائے تو سارا معاملہ طے ہو جائے۔ (۸ : ۶) - (۱۵۸ : ۶) - (۳۳ : ۱۶) - (۲۲ : ۲۵)

۲۔ عرشِ خداوندی کے حاملین ——————— (۷۵ : ۳۹) - (۷ : ۴۰) - (۱۷ : ۶۹)

۳۔ قیامت میں خدا اور ملائکہ صف بستہ آئیں گے ۔ (۳۸ : ۷۸) - (۲۲ : ۸۹)

۴۔ سمٰوٰت میں کتنے ملائکہ ہیں جن کی شفاعت کسی کے کام نہیں آتی ۔ (۲۹-۲۶ : ۲۱) - (۲۶ : ۵۳)

۵۔ بعض کے نزدیک (۱-۳ : ۳۷) - (۱-۴ : ۷۷) - (۱-۵ : ۷۹) میں جن کا ذکر ہے وہ ملائکہ ہیں - بالخصوص مدبرات امر والے ۔ (۵ : ۷۹)

ملائکہ پر ایمان

۱۔ ملائکہ پر ایمان ۔ (۱۷۷ : ۲) - (۲۸۵ : ۲) - (۱۳۶ : ۴)

ملائکہ کے متعلق توہم پرستانہ عقائد

۱۔ رسول کبھی یہ نہیں کہے گا کہ تم ملائکہ کو خدا بنالو۔ (۸۰ : ۳)

۲۔ وہ لوگ ملائکہ کو دیویاں قرار دیتے تھے اور خدا کی بیٹیاں۔ (۴۰ : ۱۷) - (۱۵۰ : ۳۷) - (۱۹ : ۴۳) - (۲۷ : ۵۳)

۳۔ قیامت میں خدا فرشتوں سے پوچھیگا کہ کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے۔ (۴۰ : ۳۴)

ملائکہ اور مومنین

۱۔ ملائکہ جنت میں مومنین کا استقبال کریں گے۔ (۲۳ : ۱۳) - وفات کے وقت بھی - (۳۲ : ۱۶) - (۱۰۳ : ۲۱) - ان کے لئے دعائیں کرنے والے - (۷-۹ : ۴۰)

۲۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس دعوے پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں - ان پر اسی دنیا میں ملائکہ کا نزول ہو جاتا ہے - (۳۰ : ۴۱) - (۳) - ملائکہ مومنین پر سلام وصلوٰۃ بھیجتے ہیں - (۴۳ : ۳۳)

متفرق

۱۔ زنانِ مصر نے حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو ملکِ کریم ہے - (۳۱ : ۱۲)

۲۔ یہودیوں کا توہم پرستانہ عقیدہ تھا کہ بابل میں دو فرشتے لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے - (۱۰۲ : ۲)

۳۔ ابلیس نے آدم کو بہکایا کہ خدا نے اس شجر سے تمہیں اس لئے منع کر دیا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ۔ (۲۰ : ۷)

۴۔ ملائکہ کی طرف سے لعنت - (۱۶۱ : ۲) - (۸۷ : ۳)

۵۔ کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ خدا اور ملائکہ بادلوں کے سائے میں ان کے پاس آئیں ؟ - (۲۱۰ : ۲)

۶۔ تابوتِ سکینہ کو ملائکہ اٹھاتے ہوئے لائے تھے۔ (۲۴۸ : ۲)

۷۔ ملائکہ شہادت دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں - (۱۸ : ۳) - (۸) قیامت میں نزولِ ملائکہ - (۲۵ : ۲۵)

۹۔ ملائکہ - جبریل - میکائیل - کا کون دشمن ہو سکتا ہے - (۹۸ : ۲)

(۰)

۲۶۔ ملامت

ملامت کے معنی ہیں کسی کو سرزنش کرنا۔ اُسے بُرا بھلا کہنا۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص سے سہواً کوئی لغزش سرزد ہو جائے اور اس کے بعد جب اسے اس کا احساس ہو، تو وہ خود ہی اپنے آپ پر ملامت کرے۔ دوسرے یہ کہ کوئی دوسرا کسی کو ملامت کرے۔ اس کو پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی سے فی الواقعہ کوئی غلط بات سرزد ہو جائے اور اس پر کوئی دوسرا اس کو ملامت کرے اور دوسرے یہ کہ ایک شخص حق کے راستے پر چل رہا ہے۔ لیکن اس کے مخالفین، محض مخالفت کی غرض سے بات بات پر اسے ملامت کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں، ملامت کی ان تمام قسموں کی مثالیں ملتی ہیں۔

۱۔ اپنے آپ پر ملامت

سورۃ القیامۃ میں ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۷۵ : ۲) "میں نفسِ لوامہ کو شہادت میں پیش کرتا ہوں"۔ نفسِ لوامہ کی تشریح نفس کے عنوان میں ملے گی۔ یہاں اتنا دُہرا دیا جائے کہ انسان کے اندر اس قسم کی صلاحیت نہیں۔ جو از خود حق اور باطل میں تمیز کرکے، اسے باطل پر ملامت کرے۔ جسے عرفِ عام میں ضمیر کی آواز کہا جاتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس ماحول میں انسانی بچے کی تعلیم و تربیت ہو گی، اس میں جن باتوں کو اچھا قرار دیا جائے گا، انہیں وہ بھی اچھا سمجھنے لگے گا۔ اور جنہیں معیوب قرار دیا جائے گا، ان سے وہ نفرت کرے گا۔ تعلیم و تربیت و ماحول کے انہی نقوش کو ضمیر کی آواز کہا جاتا ہے مثلاً جینیوں کے بچے کو شروع ہی سے بتایا جائے گا کہ گوشت کھانا بڑی معیوب بات اور مہا پاپ ہے بڑے ہو کر اس کی "ضمیر" اسے گوشت کھانے پر ملامت کریگی۔ اور مسلمان کے بچے کی ابتدا ہی سے گوشت پر پرورش کی جائے گی اس لئے اس کی ضمیر اسے گوشت خوری پر ملامت نہیں کرے گی۔ لہذا، نفسِ لوامہ سے مراد ہو گی انسان کی وہ صلاحیت جو اسے ہر اس بات پر ملامت کرے جسے وہ (یا اس کی سوسائٹی) معیوب سمجھتی ہے۔ لیکن ابتدائی نقوش کے باوجود، جس شخص کے دل سے یہ نکل جائے کہ وہ بات معیوب ہے، اس کی ضمیر اسے اس پر ملامت نہیں کریگی۔ اسے "مردہ ضمیر" کہا جاتا ہے۔

۲۔ قابلِ ملامت افعال

خدا کی وحی نے جن امور کو معیوب قرار دیا ہے اور ان کے ارتکاب سے منع کیا ہے، اگر کوئی شخص دیدہ دانستہ ان کی

خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے مجرم کہا جائے گا۔ لیکن اگر کسی شخص سے کبھی سہواً ان کی خلاف ورزی ہو جائے تو قرآن اُسے قابلِ ملامت (سرزنش کا سزاوار) قرار دیتا ہے۔ معصیت (سرکشی) کا مجرم نہیں۔ مثلاً حضرت یونسؑ سے جب ایک اجتہادی غلطی ہوئی تو کہا گیا کہ وَهُوَ مُلِيۡمٌ (۳۷ : ۱۴۲)

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ نہ تو اپنے مال و دولت کو فضول خرابیوں میں برباد کرو، اور نہ ہی بالکل بخیل بن جاؤ۔ ان دونوں صورتوں میں تم بعد ازاں متاسف بھی ہو گے اور قابلِ ملامت بھی قرار پاؤ گے۔ (۱۷ : ۲۹)

سورۃ النجم میں ہے کہ مومنین، کبائر الاثم (بڑے بڑے جرائم) سے ہمیشہ مجتنب رہتے ہیں۔ البتہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی غلط بات کا خیال ان کے دل میں آجائے یا ان سے سہواً کوئی چھوٹی موٹی لغزش سرزد ہو جائے تو اس کا احساس ہونے کے بعد وہ اس کی فوراً اصلاح کر لیں۔ ایسے خیال یا لغزش کے لئے لفظ لَمَم آیا ہے (۵۳ : ۳۲) جس کا مادہ تو ملامت (ل۔و۔م) ہے۔ لیکن مراد اس قسم کی لغزش یا لغزش کے خیال سے ہے۔

۳- مخالفین کی طرف سے حق بات پر ملامت

مومنین کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں ہر قسم کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسا کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ (۵ : ۵۴)

جس جنسی اختلاط کی قرآن نے اجازت دی ہے، اس کے متعلق کہا کہ یہ قابلِ ملامت بات نہیں۔ چونکہ قرآن کی رو سے یہ قابلِ ملامت نہیں، اس لئے اگر مخالفین اسے قابلِ ملامت قرار دیتے ہیں، تو دیتے رہیں۔ مومنین کو اس کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ (۲۳ : ۶) — (۷۰ : ۳۰)

رسول اللہ سے کہا گیا کہ جو مخالفین کسی بات کے سننے کیلئے آمادہ ہی نہیں، ان سے اب اعراض برتو۔ ایسا کرنے میں تو سزاوارِ ملامت قرار نہیں پائے گا۔ (خواہ لوگ کچھ ہی کیوں نہ کہیں)۔ (۵۱ : ۵۴)

لہٰذا، حسن و قبیح، صحیح اور غلط، معیوب و محبوب اور مذموم و مرغوب کا معیار قرآن کا ضابطۂ قوانین و اخلاق ہے، نہ کہ لوگوں کے خیالات یا انسانوں کے خودساختہ معیار۔

۴- ایک دوسرے کی ملامت

انسان کی حالت یہ ہے کہ۔ کاربد تو خود کرے، لعنت کرے شیطان پر۔ انسان کی یہی ذہنیت ہے جسے واشگاف کرنے کی

غرض سے قرآن میں آیا ہے کہ شیطان ایسے لوگوں سے کہے گا کہ تم مجھے کیوں ملامت کرتے ہو، خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ (۲۲ : ۱۴)۔ جہنم میں داخل ہونے والوں کے متعلق کہا کہ وہ ایک دوسرے کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ (۳۰ : ۶۸)۔ تفصیل ان امور کی "جہنم" کے عنوان میں گذر چکی ہے۔

عزیزِ مصر کی بیوی کو اس کی ہم جلیسوں نے طعنہ دیا کہ تم ایک غلام پر ریجھ گئی ہو، تو اس نے انہیں کھانے پر بلایا اور (حضرت) یوسفؑ کو ان کے سامنے لے آئی جنہیں دیکھ کر وہ مبہوت ہو گئیں۔ اس پر اس نے ان سے کہا کہ یہ ہے وہ جس پر ریجھ جانے پر تم میری ملامت کیا کرتی ہو۔ (۱۲ : ۳۲)

جب فرعونِ مصر اپنے لشکر سمیت، غرقِ دریا ہوا ہے تو قرآن نے کہا ہے کہ وَهُوَ مُلِيْمٌ (۴۰ : ۵۱)۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اس کی زندگی، جس کا یہ انجام ہوا، قابلِ ملامت تھی اور یہ بھی کہ وہ خود اپنے آپ پر ملامت کرتا تھا۔ یہ مفہوم اس لئے متبادر ہوتا ہے کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو اس نے چلا کر کہا کہ میں ربِ موسٰی پر ایمان لاتا ہوں، یعنی وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوا۔

<u>نفسِ لوامہ</u>۔ (۷۵ : ۲)

۲۷۔ ملّت

بنیادی طور پر اس مادہ (م - ل - ل) کے معنی "لکھانے" کے ہوتے ہیں۔ اس سے مِلّۃٌ لکھے ہوئے قانون کو کہیں گے۔ نیز اس کے معنی ایسے راستے کے ہیں جس پر بکثرت آمد و رفت ہوتی ہو۔ اس سے یہ لفظ مسلک و مشرب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اور قرآن کریم میں یہ انہی معانی میں آیا ہے۔

۱۔ اسلام ملتِ ابراہیمی ہے۔ (۲ : ۱۳۰)۔ (۲ : ۱۳۵)۔ (۳ : ۹۵)۔ (۴ : ۱۲۵)۔ (۶ : ۱۶۱)۔ (۱۶ : ۱۲۳)۔ (۲۲ : ۷۸)۔ (۲)۔ (۲)۔ حضرت یوسفؑ نے بھی یہی کہا۔ (۱۲ : ۳۷)

۲۔ کفار کا اعتراض کہ ہم نے دیگر ملتوں میں ایسا نہیں سنا۔ (۳۸ : ۷)

قومِ شعیبؑ نے ملّۃ کا لفظ اپنے مذہب و مسلک کے لئے بولا۔ (۷ : ۸۸-۸۹)

۵۔ دیگر انبیاء کی اقوام نے بھی۔ (۱۳ : ۱۴) ۔ اصحاب کہف کے مخالفین نے بھی۔ (۱۸ : ۲۰)

۶۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کا اتباع نہیں کروگے۔ (۲ : ۱۲۰)

۲۸۔ مُلک ۔ مالک

ملک ـ بنیادی طور پر اس مادہ کے معنی قوت ۔ اقتدار ۔ غلبہ ۔ اختیار ۔ اتھارٹی کے ہیں۔ اس لئے مالک کے معنی صاحبِ اقتدار و اختیار کے ہیں۔ مُلک کے بنیادی معنی بھی اقتدار کے ہیں۔ بعد میں اسے بادشاہ (یعنی صاحبِ اقتدار) کے معنوں میں استعمال کرنے لگ گئے۔ اس طرح مُلک کے بنیادی معنی بھی اختیار و اقتدار کے ہیں۔ بعد میں اس سے مراد وہ علاقہ ہو گیا جس پر کسی کا اقتدار ہو۔ ملکوت کے معنی وہ مظاہرِ فطرت ہیں جن سے خدا کے اقتدار و اختیار کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ مملکت کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔

ملائکہ کا مادہ بھی یہی ہے۔ اس کے لئے عنوان "ملائکہ" دیکھئے۔

ماملکت ایمانکم کے معنی ماتحت یا غلام اور لونڈیاں ہیں۔ اسے الگ عنوان (غلام اور لونڈیاں) میں دیکھئے۔

"ذاتی ملکیت" کے لئے عنوان ملکیت دیکھئے۔

۲۔ کائنات میں ہر شے خدا کے قانون کے مطابق عمل پیرا ہے۔ لیکن قانون کے اندر بجائے خویش کوئی قوت نہیں ہوتی۔ کوئی اور قوت ہوتی ہے جو اس قانون کو مؤثر بناتی ہے۔ قوانینِ کائنات کے پیچھے یہ قوت خدا کی ہے جس میں کوئی اور شریک نہیں۔ اسی کو خدا کا اقتدار و اختیار کہا گیا ہے۔ "لَہٗ ملکُ السمٰوٰت والارض" کا یہی مفہوم ہے۔

رسول کا اعلان کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا

۱۔ یہاں ہر بات خدا کے قانون کے مطابق واقع ہوتی ہے اس لئے اس قانون سے ہٹ کر، یا اس کے خلاف، کوئی شخص نفع یا نقصان کی صورت پیدا نہیں کر سکتا۔ اس باب میں رسولوں کی بھی استثناء نہیں تھی۔ (۷ : ۱۸۸)۔(۱۰ : ۴۹)

۲۔ کسی دوسرے کے لئے بھی نہیں۔ (۵ : ۴۱)۔(۷۲ : ۲۱)

۳۔ اپنے قریب ترین رشتہ دار (باپ تک) کے لئے بھی نہیں۔ (۶۰ : ۴)

۴۔ اگر میں خدا پر افترا باندھوں تو اس کی گرفت سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ (۸ : ۴۶)۔ یہی حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ کے متعلق کہا۔ (۵ : ۱۷)

معبودانِ باطل کسی قسم کا اقتدار نہیں رکھتے

۱۔ معبودانِ باطل کسی کے لئے نفع یا نقصان کا اقتدار نہیں رکھتے۔ (۵ : ۷۶)۔ (۱۳ : ۱۶)۔ (۲۰ : ۸۹)۔ (۱۷ : ۲۹) شفاعت کا بھی اختیار نہیں۔ (۱۹ : ۸۷)۔ (۳۹ : ۴۳)۔ (۴۳ : ۸۶)۔ یہ اپنی ذات کے لئے بھی نفع یا نقصان کا اقتدار نہیں رکھتے۔ (۱۳ : ۱۶)۔ (۲۵ : ۳)

۲۔ سماعت و بصارت سے متعلق قانون بھی خدا ہی کا ہے۔ غیر اللہ اس میں کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ (۱۰ : ۳۱)

۳۔ ان سے پوچھو کہ اگر خدا کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے۔ (یعنی اس کے قانون کی خلاف ورزی سے کسی کو نقصان پہنچ رہا ہو) تو کون ہے جو اسے اس سے بچا سکے۔ (۱۷ : ۵۶)۔ (۱۱ : ۴۸)

۴۔ موت اور زندگی پر ان کا کوئی اختیار نہیں۔ (۳ : ۲۵)

۵۔ کائنات میں ایک ذرہ بھر کا اقتدار نہیں رکھتے۔ (۳۴ : ۲۲)۔ (۱۳ : ۳۵)۔ (۱۰ : ۳۸)۔ (۴۳ : ۳۹)

۶۔ خدا سے خطاب کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ (۳۷ : ۷۸)

انسانوں کا اقتدار

۱۔ انسانوں کو اقتدار، خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ملتا ہے اور اسی کے مطابق چھنتا ہے۔ (۲ : ۲۴۸)۔ (۳ : ۲۶)۔ اس کے لئے اصول کیا ہے؟ (۲ : ۲۴۷-۲۴۸)

۲۔ جس بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کج بحثی کی تھی اس کے متعلق بھی کہا کہ اسے خدا نے اقتدار عطا کیا تھا۔ یعنی یہ طبیعی اقتدار (ملک کی حکومت) تھا جو خدا کے قوانینِ طبیعی کے مطابق ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے۔ (۲ : ۲۵۸)

۳۔ اگر ان لوگوں کو ذرا سا بھی اقتدار حاصل ہو جائے تو یہ کسی (ضرورت مند) کو ایک حبہ تک نہ دیں۔ (۴ : ۵۳)

۴۔ یوم الدین میں کسی انسان کو دوسرے انسان پر کوئی اقتدار و اختیار نہیں ہو گا۔ (۸۲ : ۱۹)

۵۔ خدا نے حضرت یوسفؑ کو اقتدار عطا فرمایا۔ (۱۲ : ۱۰۱)۔ حضرت داؤدؑ کو۔ (۲ : ۲۵۱)۔ (۳۸ : ۲۰)۔ حضرت طالوت کو۔ (۲ : ۲۴۷-۴۸)

۶۔ قومِ فرعون کا اقتدار ۔ (۲۹ : ۴۰) ۔ (۵۱ : ۴۳)

۷۔ آلِ ابراہیمؑ کو ملکِ عظیم عطا ہوا تھا ۔ (۵۴ : ۴) ۔ حضرت سلیمانؑ کی دعا ۔ (۳۵ : ۳۸)

۸۔ خدا اپنے اقتدار کو، اپنے قانونِ مشیت کے مطابق، انسانوں کو عطا کر دیتا ہے ۔ (۲۴۸ : ۲)

۹۔ بنی اسرائیل میں سے ملوک بنائے ۔ (۲۰ : ۵)

اقتدار و اختیار سب خدا کے لئے ہے

۱۔ سمٰوات و ارض (جملہ کائنات) میں اقتدار و اختیار خدا کا ہے ۔ (۱۰۷ : ۲) ۔ (۱۸۹ : ۳) ۔ (۱۷ : ۵) ۔ (۴۰ : ۵) ۔ (۱۲۰ : ۵) ۔ (۱۵۸ : ۷) ۔ (۱۱۶ : ۹) ۔ (۴۲ : ۲۴) ۔ (۲ : ۲۵) ۔ (۱۳ : ۳۵) ۔ (۶ : ۳۹) ۔ (۴۴ : ۳۹) ۔ (۸۵ : ۴۳) ۔ (۲۷ : ۴۵) ۔ (۱۴ : ۴۸) ۔ (۲ : ۵۷) ۔ (۵ : ۵۷) ۔ (۱ : ۶۷) ۔ (۹ : ۸۵)

۲۔ مالک الملک خدا ہے ۔ (۲۶ : ۳) ۔ الملک الحق ۔ (۱۱۴ : ۲۰) ۔ (۱۱۶ : ۲۳) ۔ الملک القدوس ۔ (۲۳ : ۵۹) (۱ : ۶۲) ۔ (۳) نفخِ صور کے وقت بھی اقتدار خدا ہی کا ہوگا ۔ (۷۳ : ۶)

۴۔ اقتدارِ خداوندی میں کوئی شریک نہیں ۔ (۱۱۱ : ۱۷)

۵۔ قیامت میں تمام اقتدار خدا کے لئے ہوگا ۔ (۵۶ : ۲۲) ۔ (۲۶ : ۲۵) ۔ (۱۶ : ۴۰)

۶۔ لہٗ الملک ولہ الحمد (۱ : ۶۴) ۔ (۷) ۔ ملک الناس ۔ (۲ : ۱۱۴)

۸۔ ملٰک یوم الدین ۔ (۴ : ۱) ۔ یوم الدین کیا ہے ؟ (۱۹ : ۸۲)

۹۔ خدا ملیک و مقتدر ہے ۔ (۵۵ : ۵۴)

۱۰۔ ملکوت کل شیئ خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ (۸۶ : ۲۳) ۔ (۸۳ : ۳۶)

قانونِ مکافاتِ عمل کے خلاف کسی کو اقتدار حاصل نہیں

۱۔ اس دن کوئی ایک دوسرے کے لئے نفع یا ضرر کا اختیار نہیں رکھے گا ۔ (۴۲ : ۳۴)

۲۔ اس دن تمام اقتدار خدا کے لئے ہوگا ۔ (۵۶ : ۲۲)

۳۔ یوم الدین میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے لئے کوئی اقتدار نہیں رکھے گا ۔ (۱۹ : ۸۲)

ملکوت السمٰوٰت والارض

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت السمٰوٰت والارض دکھائے گئے۔ (۷۵ : ۶)

۲۔ ملکوت السمٰوٰت والارض پر دعوتِ غور و فکر۔ (۱۸۵ : ۷)

۳۔ ہر شے کی ملکوتؔ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (۸۸ : ۲۳) - (۸۳ : ۳۶)

متفرق

۱۔ مَلکؔ بمعنی اختیار و ارادہ۔ (۸۷ : ۲۰)۔ (۲)۔ مُلکِ سلیمانؑ۔ مملکت یا اقتدار۔ (۱۰۲ : ۲)

۳۔ ملکؔ کے معنی اتھارٹی۔ یا کمانڈ۔ (۲۴۷-۲۴۶ : ۲)

۴۔ خدا نے حضرت داؤدؑ کو مُلک (اقتدار) اور حکمت عطا کی تھی۔ (۲۵۱ : ۲)

۵۔ بادشاہ، حضرت ابراہیمؑ کے خلاف اس لئے کج بحثی کر رہا ہے کہ اسے اقتدار حاصل تھا۔ (۲۵۸ : ۲)

۶۔ شیطان نے آدم سے کہا تھا کہ میں تجھے ایک ایسی مملکت (مُلک) کا پتہ نشان دیتا ہوں جس پر کبھی زوال نہ آئے۔ (۱۲۰ : ۲۰)

۷۔ جنت کو مُلکِ کبیر کہا گیا ہے۔ (۲۰ : ۷۶)

۸۔ قصۂ حضرت یوسفؑ میں بادشاہ کو ملکؔ کہا گیا ہے۔ (۷۶ ؛ ۷۲ ؛ ۵۴ ؛ ۵۰ ؛ ۴۳ : ۱۲)

۹۔ قصۂ حضرت موسیٰؑ اور مردِ بزرگ میں بادشاہ کو ملکؔ کہا گیا ہے۔ (۷۹ : ۱۸)

۱۰۔ ملکۂ سبا نے کہا کہ جب ملوک کسی ملک پر چڑھ دوڑتے ہیں تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں۔ (۳۴ : ۲۷)

۱۱۔ جہنم کے داروغے کو مالکؔ کہا گیا ہے۔ (۷۷ : ۴۳)

۱۲۔ مویشیوں پر انسانوں کو اقتدار دیا گیا ہے۔ (فھم لھا مالکون)۔ (۷۱ : ۳۶)

۱۳۔ مملوک بمعنی غلام۔ (۷۵ : ۱۶) یعنی جسے کسی شے پر اقتدار نہ ہو۔

۲۹۔ ملکیت

مِلک (میم کی تینوں حرکات کے ساتھ) کے معنی ہوتے ہیں قوت رکھنا۔ کسی پر قادر اور مستولی ہوجانا۔ اختیار و ارادہ۔ اقتدار۔ بنیادِ محکم۔ سہارا۔

قرآنِ کریم کی رُو سے، کائنات کی ہر شے پر ملکیت بھی خدا کی ہے اور کائنات میں اختیار و ارادہ (مُلک) بھی خدا کا۔ انسان، اشیائے کائنات سے انتفاع (فائدہ) حاصل کرسکتا ہے۔ ان کا مالک نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا، خدا کی عطا کردہ اشیاء (زمین وغیرہ) پر کسی کی ذاتی ملکیت کا تصور باطل ہے۔

انسان پر اقتدار بھی خدا ہی کو حاصل ہے۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر اپنا حکم نہیں چلا سکتا۔

اس عنوان میں صرف ملکیت کے تصور کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ "ملک" کے دیگر تصورات مختلف عنوانوں کے تحت آئیں گے۔

خدا کا مالک ہونا

۱۔ مالک یوم الدین۔ (۱ : ۳) - مالک الملک (۳ : ۲۶) - کسی اور کو ملک حاصل نہیں۔ (۵ : ۱۷) - (۲۵ : ۲۶) - (۳۵ : ۱۳) - (۶۷ : ۱) - للہ ملک السمٰوٰت والارض۔ (۳ : ۱۸۸) - (۵ : ۱۷) - (۵ : ۱۸) - (۵ : ۴۰) - (۵ : ۱۲۰) - (۷ : ۱۵۸) - (۹ : ۱۱۶) - (۱۷ : ۱۱۱) - اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۴۲ : ۲۳) - (۲۵ : ۲) - (۳۸ : ۱۰) - (۴۲ : ۴۹) - (۴۵ : ۲۷) - (۴۸ : ۱۴) - (۵۷ : ۲) - (۵۷ : ۵) - (۶۴ : ۱)

۲۔ لہٗ ما فی السمٰوٰت والارض۔ (۲ : ۲۵۵) - (۲ : ۲۸۴) - (۳ : ۱۰۹) - (۳ : ۱۲۸) - (۴ : ۱۲۶) - (۴ : ۱۳۲) - (۴ : ۱۷۰) - (۴ : ۱۷۱) - (۶ : ۱۲) - (۶ : ۷۳) - (۱۰ : ۵۵) - (۱۰ : ۶۶) - (۱۰ : ۶۸) - (۱۴ : ۲) - (۱۶ : ۵۲) - (۲۰ : ۶) - (۲۱ : ۱۹) - (۲۲ : ۶۴) - (۲۴ : ۶۴) - (۳۰ : ۲۶) - (۳۱ : ۲۶) - (۳۴ : ۱) - (۴۲ : ۴) - (۴۲ : ۵۳) - (۴۳ : ۸۵) - (۵۳ : ۳۱) - (۵۹ : ۲۴) - (۸۵ : ۹)۔

۳۔ للہ میراث السمٰوٰت والارض۔ (۳ : ۱۷۹) - (۱۹ : ۴۰) - (۵۷ : ۱۰)

۴۔ اگر ان لوگوں کو مُلک میں سے کوئی حصہ مل جائے تو لوگوں کو ذرا بھی نہ دیں۔ (۴ : ۵۳)

۵۔ خدا نے بنی اسرائیل کو ملوک بنایا۔ (۵ : ۲۰)

۶۔ ملکوت السمٰوٰت والارض (۶ : ۷۶) - (۷ : ۱۸۵)۔ ملکوت کل شئ۔ (۲۳ : ۸۸) -(۳۶ : ۸۳)

۷۔ مومنین سے جان اور مال خرید لئے ہیں ۔ (۹ : ۱۱۱)

۸۔ ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے ۔ (۱۱ : ۶)

۹۔ ارض اللّٰہ۔ (۴ : ۹۷) - (۷ : ۷۳) - (۱۱ : ۶۴) - (۳۹ : ۱۰)

۱۰۔ اسی نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ثمرات پیدا کئے ۔ (۱۳ : ۳-۴) - (۱۳ : ۳۲) - (۱۵ : ۱۹)

۱۱۔ رب السمٰوٰت والارض - (۱۳ : ۱۶) - (۱۹ : ۶۵) - (۲۱ : ۵۶) - (۲۶ : ۲۴) - (۳۸ : ۶۶) - (۴۳ : ۸۲) - (۴۵ : ۳۶) - رب الناس - (۱۱۴ : ۱)

۱۲۔ خدا کے سوا رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا ۔ (۱۶ : ۷۳) - (۲۷ : ۶۴) - (۲۹ : ۱۷) - (۳۴ : ۲۴) - (۴۰ : ۳۰)

۱۳۔ عطائے رب پر بند نہیں لگائے جا سکتے ۔ (۱۷ : ۲۰)

۱۴۔ الملک الحق (۲۰ : ۱۱۴) - (۲۳ : ۱۱۶) - (۵۹ : ۲۲) - الملک القدوس - (۶۲ : ۱)

۱۵۔ سمآء و ارض میں وہی الٰہ ہے (۴۳ : ۸۴) - ارض میں اور الٰہ ماننا شرک ہے ۔ (۲۱ : ۲۱)

۱۶۔ وراثت ارض عباد الصالحون کو دی جاتی ہے ۔ (۷ : ۱۲۸) - (۲۱ : ۱۰۵) - الارض للّٰہ

۱۷۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے ۔ (للّٰہ) - خدا کی ۔ (۲۳ : ۸۴-۸۵) - (۲۷ : ۶۰-۶۱)

۱۸۔ لہٗ مقالید السمٰوٰت والارض ۔ (۴۲ : ۱۲)

۱۹۔ ارض و سما کی کبریائی ۔ (۴۵ : ۳۷) - جنود السمٰوٰت والارض ۔ (۴۸ : ۷)

۲۰۔ کھیتی کون اگاتا ہے ۔ پانی کون برساتا ہے ؟ ۔ (۵۶ : ۶۳-۷۳)

خدا کے ہمسر نہ بناؤ

۱۔ خدا نے زمین بنائی ۔ اس سے فصلیں پیدا کیں ۔ اس کے ہم سر مت بناؤ۔ (۲ : ۲۲) - (۲ : ۱۶۴-۱۶۵)

۲۔ ارض اور سما میں وہی الٰہ ہے ۔ (۴۳ : ۸۴) ۔ ارض میں اور الٰہ ماننا شرک ہے ۔ (۱۷ : ۱۱۱) - (۲۱ : ۲۱)

۳۔ زمین کو سواءً للسائلین نہ رکھا جائے تو یہ کفر بھی ہے اور شرک بھی ۔ (۴۱ : ۹-۱۰)

۴۔ فرعون کا دعوٰی یہ تھا کہ ملکِ مصر اور اس کی انہار اس کی ملکیت ہیں ۔ (۴۳ : ۵۱) ۔ اسی طرح قارون کا دعوٰی تھا

کہ جو کچھ میرے پاس ہے۔ میری ہنر مندی کا نتیجہ ہے۔ (۲۸ : ۷۸) ۔ (۴۹-۵۰ : ۳۹)

انسانوں کے فائدے کے لئے

۱۔ تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ بنایا۔ بارش برسائی۔ زمین سے فصلیں پیدا کیں۔ خدا کے ہمسر نہ بناؤ۔ (۲ : ۲۲)

۲۔ جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے بنایا۔ (۲ : ۲۹)

۳۔ انسان کے لئے زمین میں مستقر اور متاع ہے۔ (۲ : ۳۶) ۔ (۷ : ۲۴) ۔ (۴۰ : ۶۴) ۔ (۳۳ : ۷۹)-(۳۲ : ۲۰)

۴۔ جو کچھ خدا نے رزق دیا ہے اُسے کھاؤ۔ (۲ : ۱۷۲) ۔ (۵ : ۸۸) ۔ (۶ : ۱۴۳) ۔ (۱۶ : ۱۱۴) ۔ (۲۰ : ۸۱) ۔

۵۔ اس میں سے خرچ کرو۔ (انفاق) جو خدا نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔ (۲ : ۲۶۷)

۶۔ جو خدا نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ (۴ : ۳۹)

۷۔ خدا نے زمین سے فصلیں پیدا کی ہیں۔ (۶ : ۱۰۰) ۔ (۱۶ : ۱۳)

۸۔ نحن نرزقکم و ایاھم۔ (۶ : ۱۵۲) ۔ (۱۷ : ۳۱)

۹۔ زمین میں معاش (روزی) ہے۔ (۷ : ۱۰) ۔ (۱۵ : ۲۰) ۔ (۲۰ : ۵۴) ۔ (۵۰ : ۱۱) ۔ (۱۵ : ۷۶)

۱۰۔ سامانِ زینت اور رزق جسے اللہ نے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسے کون حرام قرار دے سکتا ہے۔ (۷ : ۳۲)

۱۱۔ خدا رب العالمین ہے۔ (۱:۱) ۔ (۱۲) ۔ انسانوں کے لئے وراثتِ ارض (اس سے مراد استخلاف ہے)۔ (۷ : ۱۰۰) ۔
(۷ : ۱۲۸) ۔ (۷ : ۱۳۷) ۔ (۳۳ : ۲۷) ۔ (۳۹ : ۷۴)

۱۳۔ قحط اور فصلوں کی کمی خدا کا عذاب ہے۔ (۷ : ۱۳۰) ۔ (۱۶ : ۱۱۲) ۔ (۲۰ : ۱۲۴)

۱۴۔ خدا سماء اور ارض سے رزق دیتا ہے۔ (۱۰ : ۳۱)

۱۵۔ سخر لکم ما فی الارض۔ (۲۲ : ۶۵) ۔ (۴۵ : ۱۳)

۱۶۔ اس نے ارض کو تمہارے لئے مہد بنایا۔ (۴۳ : ۱۰) ۔ (۷۸ : ۶) ۔ (۲۰ : ۵۳) ۔ بساط۔ (۷۱ : ۱۹)

۱۷۔ اس نے تمہارے لئے سمع و بصر و فؤاد پیدا کئے۔ (۲۳ : ۷۸)

۱۸۔ ارض کو مخلوق (انام) کے لئے بنایا۔ (۵۵ : ۱۰) ۔ (۱۹) ۔ جعل لکم الارض ذلولا۔ (۶۷ : ۱۵)

۲۰۔ انسان مویشیوں کے مالک ہیں۔ ان پر اقتدار رکھتے ہیں۔ (۳۶ : ۷۱-۷۲)

اکتسابی چیزیں

۱- ماکسب- اور اخرجنا من الارض میں فرق- (۲۶۷ : ۲)

۲- جو مرد کمائے وہ اس کا حق- جو عورت کمائے وہ اس کا حق- (۳۲ : ۴)

۳- ما انفقوا من اموالھم - (۳۴ : ۴) - (۳۸ : ۴) - (۴) - اموال الناس- (۱۶۱ : ۴)

(٭)

۳- منافق

نفق- (مادہ کے اعتبار سے) نفق" اس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے راستے دونوں کھلے ہوں- یعنی منافق جب کسی نظام یا سوسائٹی میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے یہ دیکھ لیتا ہے کہ اس سے نکلنے کا راستہ کونسا ہے- قرآن میں (سورۂ منافقون میں) ہے کہ یہ لوگ جب رسول کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے لیکن خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں- (۱ : ۶۳) - یہ منافق ہیں- یعنی منافق وہ ہے جو زبان سے وہ کچھ کہے جس کی تصدیق اس کا دل نہ کرتا ہو- سورۂ بقرہ کی ابتدا ہی میں تین جماعتوں کا ذکر ہے- ایک کھلے کھلے مومن- دوسرے کھلے کھلے کافر اور تیسرے وہ لوگ جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ہیں- لیکن وہ مومن ہوتے نہیں- یہ لوگ اللہ اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں- لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں- (۹-۸ : ۲) - منافقین کو قرآن نے بدترین خلائق قرار دیا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے- کھلے ہوئے دشمن سے آپ ہر وقت محتاط رہ سکتے ہیں- لیکن جو مار آستین بن کر چھپا رہے، اس کے متعلق آپ کو گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دشمن ہے اس لئے قرآن کریم میں منافقین کا بڑی تفصیل سے ذکر آیا ہے اور ان سے محتاط رہنے کی سخت تاکید کی گئی ہے-

یاد رہے کہ منافقین کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا- جب بھی کسی کی زبان اس کے دل سے ہم آہنگ نہ ہو- یا اس کا کردار اس کے دعوے کی تصدیق نہ کرے، وہ نفاق کا مرتکب ہوتا ہے- قرآن نے اسے "دل کی بیماری" (نفسیاتی مرض) قرار دیا ہے- جماعت میں وسوسہ انگیزیاں کرنے والے- ان میں بزدلی پھیلانے والے- لوگوں کو دکھانے کی خاطر نیک کام کرنے والے- امت میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے مسجدیں تعمیر کرنے والے- جنگ سے گریز کی راہیں تلاش کرنے والے- مشکل کے وقت بہانے تراشنے والے- ہر وقت تنقیدیں اور اعتراضات کرنے والے- کچھ دے کر احسان جتاتے رہنے والے- یہ اعتراض کرنے والے کہ ہماری بات کیوں نہیں مانی جاتی-

ہماری مرضی کے مطابق پروگرام کیوں نہیں بنایا جاتا - جب اپنا فائدہ نظر آئے تو شریک پروگرام - جب ذاتی منفعت نہ ہو تو کنارہ کش۔ یہ ہیں مختصراً وہ خصوصیات جن کے حامل منافق کہلاتے ہیں اور قرآن نے اس خصلت کو کفر سے بھی زیادہ شدید مستوجب عذاب قرار دیا ہے - جماعت پر تباہیاں آتی ہی منافقین کے ہاتھوں ہیں ہماری ساری تاریخ اس کی شاہد ہے اور قرآن کریم کے اس معیار کی رُو سے کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ان کا عمل ان کے اس دعوے کا ثبوت بہم نہیں پہنچاتا - ہمیں خود اپنی حالت پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ ہمارا مقام کیا ہے۔

منافقین کون ہیں

۱۔ جو زبان سے اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں لیکن درحقیقت مومن نہیں - یہ دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں - ان کے دل میں روگ ہے۔ (۱۰-۸ : ۲) - (۱۴۲ : ۴) - (۵ : ۴۱) - (۹ : ۱۲۵) - زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو دل میں نہیں (۳ : ۱۶۷)

۲۔ جب یہ مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان والے ہیں - جب خلوت میں اپنے سرغنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں - ہم مومنین سے مذاق کرتے ہیں - (۲ : ۱۴) - (۲ : ۷۶) - (۳ : ۱۱۸) - (۴ : ۸۱) - (۵ : ۵۳) - (۵ : ۶۱) - (۹ : ۶۴-۶۶)

۳۔ ان کی گفتگو بڑی پُرکشش اور سحر انگیز ہوتی ہے حالانکہ مخالفت میں یہ سب سے آگے ہوتے ہیں - وہ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں - (۲ : ۲۰۴) - (۹ : ۸)

۴۔ لوگوں کو دکھانے کی خاطر نیک کام کرنے والے - (۲ : ۲۶۴) - (۴ : ۳۸) - کسی کی مدد کر کے احسان جتانے والے۔ (۲ : ۲۶۳) - (۴ : ۱۴۲) - (۹ : ۵۴)

۵۔ منافقین جنگ میں بھی مسلمانوں کے ساتھ چلے جاتے تھے اور عین میدان میں ایسی سازشیں کرتے اور وسوسے پھیلاتے تھے جن سے مسلمان بددل ہو کر بھاگ اٹھیں - (۳ : ۱۵۳ ز ۱۶۶) - یہ جنگِ اُحد کا ذکر ہے - (۳ : ۷۲) - (۸ : ۴۹) - (۹ : ۴۲) - (۹ : ۴۳-۴۹) - (۹ : ۵۶-۵۹) - (۳۳ : ۱۲-۱۹)

۶۔ جب انہیں خدا کی کتاب اور رسول کی طرف آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ پہلو تہی کرتے ہیں - اور ان کی جان پر بن جاتی ہے - (۴ : ۶۲-۶۳) - (۵ : ۶۳)

۷۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی اپنے جیسا کافر بنا دیں - گویا منافقت درحقیقت کفر ہی ہے - (۴ : ۸۹) - (۹ : ۵۶-۵۹) (۹ : ۶۶) - (۹ : ۷۴) - (۹ : ۱۲۵)

۸۔ ہجرت منافقین کا ٹسٹ تھا۔ (۸۹ : ۴)

۹۔ ایسے لوگ جو چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی بنائے رکھیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی۔ (۹۱ : ۴)

۱۰۔ لوگوں سے چھپانا۔ لیکن اللہ سے تو چھپا نہیں سکتے۔ (۱۰۸ : ۴)

۱۱۔ مسلمانوں میں سے جو بھی کفار کو دوست بنائے 'وہ کافر ہے۔ (۱۳۹ : ۴) - یہود و نصاریٰ کو بھی۔ (۵۲-۵۱ : ۵)

۱۲۔ فائدے کے وقت تمہارے ساتھ، مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ دینے والے۔ (۱۴۱ : ۴) - (۵۰ : ۹)

۱۳۔ صلوٰۃ میں سستی کے ساتھ شریک ہونے والے۔ (۱۴۲ : ۴) - (۵۴ : ۹)

۱۴۔ نہ ادھر نہ اُدھر - مذبذبین بین ذالک۔ (۱۴۳ : ۴)

۱۵۔ فلاں حکم ملے تو قبول کر لینا اور فلاں ملے تو نہ ماننا۔ (۴۱ : ۵)-(۱۶)-منافق سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں (۶۷ : ۹)

۱۶۔ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اللہ انہیں مال و دولت دے دے تو یہ اس کی راہ میں خرچ کریں گے۔ لیکن جب دولت مل جاتی ہے تو بخل کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۷۷-۷۵ : ۹)

۱۸۔ مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے، ہر ایک پر تنقید - ہر ایک پر اعتراض - جو صدقہ دیتے ہیں ان پر طعن (کہ یہ دکھاوے کی خاطر ایسا کرتے ہیں) - جو غریب ہیں اور صرف اپنی محنت پیش کر سکتے ہیں، ان پر بھی طعن کہ یہ کچھ نہیں دیتے۔ (۷۹ : ۹)

۱۹۔ جنگ میں شرکت کے متعلق کوئی حکم نازل ہو جاتا ہے تو ان کی جان نکل جاتی ہے۔ (۸۶ : ۹) - (۹۹-۹۰ : ۹) - (۱۲۷ : ۹) - (۲۱-۲۰ : ۴۷)

۲۰۔ بعض عربی قبائل - اور اہل مدینہ میں سے بھی بعض منافقت میں انتہا تک پہنچے ہوئے۔ (۱۰۱ : ۹)

۲۱۔ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی خاطر مسجدیں بنانے والے (مسجدِ ضرار) - (۱۱۰-۱۰۷ : ۹)

۲۲۔ اپنے معاملات کے فیصلوں کے لئے خدا اور رسول کی طرف نہ آنے والے۔ (۵۴-۴۷ : ۲۴)

۲۳۔ مومن آزمائش کے وقت پورا اترتا ہے۔ منافق صرف آسانی اور آرام میں "مومن" رہتا ہے۔ (۱۱-۱۰ : ۲۹)

۲۴۔ خدا کسی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ (۴ : ۳۳)

۲۵۔ خدا نے ان کے نام نہیں بتائے تھے۔ رسول اللہؐ سے کہا تھا کہ تم انہیں ان کے طرزِ کلام سے پہچان سکتے ہو۔ (۳۰ : ۴۷)

۲۶۔ جہاد میں شریک نہ ہونے والے - گریز کی راہیں تراشنے والے۔ (۱۱ : ۴۸)

۲۷۔ جس بات سے روکو وہی بات کریں گے۔ سلام تک ذومعنی الفاظ میں کریں گے۔ (۸ : ۵۸)

۲۸۔ جھوٹی قسمیں کھانے والے۔ (۱۴ : ۵۸)

۲۹۔ یہ جن لوگوں سے اپنی مدد کا وعدہ کرتے ہیں اُن سے بھی ایفائے عہد نہیں کریں گے۔ (۱۲ : ۵۹)

۳۰۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت ہی بری بات ہے کہ تمہارے قول اور عمل میں مطابقت نہ ہو۔ (۳-۲ : ۶۱)

۳۱۔ یہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو خدا کا رسول ہے۔ خدا بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ تو خدا کا رسول ہے۔ لیکن یہ منافق جھوٹے ہیں۔ ان کا دل اور ان کی زبان ہم آہنگ نہیں۔ (۳-۱ : ۶۳)

۳۲۔ ظاہرداری بڑی خوشنما۔ اندر سے کھوکھلے۔ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے کھڑی۔ (۴ : ۶۳)

۳۳۔ کہیں پتہ بھی کھٹکے کہ تو ان کی جان جاتی ہے کہ آئی مصیبت۔ نہایت بزدل۔ (۴ : ۶۳)

۳۴۔ دوسروں کو بھی روکتے ہیں کہ جماعت مومنین کے افراد کو کچھ نہ دو تاکہ یہ لوگ رسول کا ساتھ چھوڑ جائیں۔ (۷ : ۶۳)

۳۵۔ عزت تمام کی تمام اللہ۔ رسول۔ اور مومنین کے لئے ہے۔ لیکن منافق یہ بات نہیں سمجھتے۔ (۸ : ۶۳)

۳۶۔ متشابہ آیات سے مومنین کا ایمان بڑھتا ہے اور منافقین کا کفر زیادہ ہوتا ہے۔ (۳۱ : ۷۴)

۳۷۔ یہ اپنوں سے کہتے ہیں کہ صبح کے وقت مومنوں میں جاکر شامل ہو جاؤ اور شام کے وقت ان سے الگ ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ان میں سے کچھ لوگ بھی تمہارے ساتھ نکل آئیں۔ (۷۲ : ۳)

۳۸۔ شریف زادیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے والے۔ (۶۰ - ۵۹ : ۳۳)

۳۹۔ بس کنارے پر بیٹھے اطاعت کرنے والے۔ اگر فائدہ نظر آتا ہے تو اطاعت۔ ورنہ کنارہ کشی۔ مصلحت بینی اور مفاد کوشی (۱۱ : ۲۲)

منافقت کا انجام

۱۔ منافقت سے خرچ کئے مال و دولت کا انجام بھی تباہی ہوتا ہے۔ (۲۶۶ - ۲۶۲ : ۲) - (۵۴ : ۹)

۲۔ منافقین اور کفار دونوں جہنم میں۔ (۱۴۰ : ۴) - (منافق جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں۔ (۱۴۵ : ۴) - (۶۸ : ۹)

۳۔ منافق ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی منافقت کا پردہ چاک نہ ہو جائے۔ (۶۴ : ۹)

۴۔ انہوں نے خدا کو بھلا دیا۔ خدا نے انہیں بھلا دیا۔ (۶۷ : ۹)

۵۔ دنیا اور آخرت دونوں میں الم انگیز عذاب۔ (۷۴ : ۹) - (۷۳-۷۲ : ۳۳) - (۶ : ۴۸)

۶۔ رسول کا استغفار بھی ان کے کسی کام نہیں آسکتا۔ (۸۰ : ۹) - (۶ : ۶۳)

۷۔ ان کی کثرت مال و اولاد تمہیں تعجب میں نہ ڈال دے۔ یہی ان کی تباہی کا موجب بن جائیں گے۔ (۸۵ : ۹)

۸۔ یہ اپنے دل کی باتیں خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ (۵ : ۱۱)

۹۔ منافقین قیامت میں مومنوں سے اکتسابِ نور کی درخواست کریں گے۔ لیکن ان دونوں کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی۔ اس لئے کہ انہیں یقینِ محکم نہیں تھا۔ (۱۳-۱۴ : ۵۷)

۱۰۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ شخص خدا کا رسول ہے تو ہمیں فوراً سزا کیوں نہیں مل جاتی۔ ان کا انجام تباہی ہوگا۔ (۸ : ۵۸) خدا نے ایسا نہیں کیا تھا کہ ان کے نام رسول اللہؐ کو بتا دیتا۔ تجربہ کے بعد ہی معلوم ہوسکتا تھا کہ کون کون منافق ہے۔ (۳۰ : ۴۷) — (۱۱) - شریف زادیوں کو تنگ کرنے والے۔ انہیں عبرت انگیز سزا دو۔ (۶۰ - ۵۹ : ۳۳)

منافقین سے تعلقات

۱۔ منافقین سے دوست داری کے تعلقات جائز نہیں۔ (۱۱۷-۱۱۹ : ۳) - (۸۹ : ۴) - (۱۴-۱۵ : ۵۸)

۲۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں منافقین مسلمانوں کے اندر ملے ہوئے تھے۔ لیکن آخرالامر یہ چھٹ کر الگ ہوگئے تھے اور مسلمانوں کی خالص الگ جماعت رہ گئی تھی۔ (۱۷۸ : ۳)

۳۔ منافقین کے متعلق تمہاری دو آراء نہیں ہونی چاہئیں۔ (۸۸ : ۴)

۴۔ ان سے بھی کفار کی طرح جنگ کرو۔ (۸۹ : ۴) - (۷۳ : ۹) - (۹ : ۶۶)

۵۔ ان میں سے جو توبہ کریں ان کے صدقات قبول کرو۔ انہیں دعا بھی دو۔ (۱۰۴ - ۱۰۱ : ۹)

۶۔ منافقین کی اطاعت سے ممانعت۔ (۱ : ۳۳) - (۴۸ : ۳۳)

متفرق

۱۔ شعراء وہ کچھ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ (۲۲۶ : ۲۶) - یہ سخت بری بات ہے کہ انسان کے قول و عمل میں مطابقت نہ ہو۔ (۲-۳ : ۶۱)

۲۔ مداہنت بالکل جائز نہیں۔ (۱۵ : ۱۰) - (۱۱۳ : ۱۱) - (۷۴ : ۱۷) - (۹ ، ۶۸)

۳۱۔ مَنّت ماننا

جس مفہوم کے لئے ہم اپنے ہاں "منت ماننے" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، قرآن کریم میں اس کے لئے نذر کا لفظ آتا ہے ۔ نذر درحقیقت ایسے کام کرنے کو کہتے ہیں جس کا کرنا خدا نے تو واجب قرار دیا ہو لیکن انسان اسے خود اپنے اُوپر واجب قرار دے لے ۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسا کرنا ہوگا ۔ انہیں ذمہ داری، فریضہ یا واجب کہا جائے گا۔ لیکن بعض وقت انسان، بعض اچھی باتوں کو خود اپنے اوپر آپ واجب قرار دے لیتا ہے۔ مثلاً کسی نادار طالبعلم سے وعدہ کرنا کہ میں تمہاری تعلیم کا خرچ ادا کروں گا۔ اسے نذر کہا جائے گا۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ جو بات تم پر خدا (نظامِ خداوندی) کیطرف سے واجب قرار دی جائے اُسے تو تمہیں بہرحال کرنا ہوگا ۔ لیکن جو بات تم خود اپنے اوپر واجب قرار دے لو، اسے بھی اسی طرح پورا کرو جس طرح خارج سے عائد کردہ واجبات کو پورا کیا جاتا ہے ۔ آجکل کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ انکم ٹیکس حکومت کی طرف سے عائد کردہ واجب ہے جس کا ادا کرنا قانونی فریضہ ہے ۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کی سزا ملتی ہے لیکن کسی محتاج کی مدد کرنا، قانونی فریضہ نہیں۔ ایسا نہ کرنے سے نہ کسی قسم کی گرفت ہوتی ہے، نہ باز پرس ۔ لیکن قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جب تم کسی محتاج سے مدد کرنے کا وعدہ کرو، تو اسے اسی طرح پورا کرو۔ جس طرح حکومت کے عائد کردہ واجبات ادا کئے جاتے ہیں ۔ اسے کہتے ہیں منت ماننا۔ یا قرآن کی اصطلاح میں نذر۔

۲۔ اس مادہ (ن ۔ ذ ۔ ر) کے معنی آگاہ کرنا ہیں۔ اس سے انذار، تنذیر، نذیر، منذر، وغیر الفاظ، متعلقہ عنوانات میں ملیں گے ۔

اپنے اوپر کچھ واجب ٹھہرا لینا

۱۔ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو۔ یا جو کچھ تم اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیتے ہو، خدا کو اس کا علم ہوتا ہے ۔ (۲ : ۲۷۰)

۲۔ مومن ان واجبات کو پورا کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے اوپر عائد کر لیتے ہیں ۔ (۷۶ : ۷)

۳۔ حج میں اپنے واجبات کو پورا کرو ۔ (۲۲ : ۲۹)

۴۔ حضرت مریمؑ کی والدہ نے یہ منت مانی تھی کہ وہ اپنے پیدا ہونے والے بچے کو ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گی۔ یہ اس زمانے کا رواج تھا۔ (۳ : ۳۴)

۵۔ حضرت مریمؑ نے بطور نذر روزہ رکھا ہوا تھا۔ (۱۹ : ۲۶)

منت ماننے کی مشرکانہ رسوم

۱۔ عہدِ جاہلیت کی مشرکانہ رسوم ۔ (۱۳۶ - ۱۴۱ : ۶)

۲۔ قرآن کریم کی رُو سے، چار چیزیں حرام ہیں ۔ مردار ۔ بہتا ہوا لہو ۔ خنزیر کا گوشت اور ہر وہ شے جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ۔ حرام) ۔ اس اعتبار سے، نذر و نیاز کی تمام ایسی چیزیں جنہیں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے، حرام قرار پاتی ہیں ۔ اور غیر اللہ سے مرادیں مانگنا تو کھلا ہوا شرک ہے (دیکھئے عنوان شرک) ۔

عہدِ جاہلیت میں لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں یہ کچھ دوں گا یا ایسا کروں گا ۔ لیکن مومن، خدا سے اس قسم کی "سودے بازی" نہیں کرتا ۔ وہ، قرآن کی روشنی میں، جو کچھ اپنے اوپر واجب قرار دے لیتا ہے، اسے بلا مشروط پورا کرتا ہے ۔ یعنی وہ یہ نہیں کہتا کہ اگر خدا نے میرا فلاں کام کر دیا تو میں اس کے بدلے میں اتنا دوں گا ۔ یا یہ کچھ کروں گا وہ جس کام کا کرنا اپنے اوپر واجب قرار دے لیتا ہے، اسے اپنی ذمہ داری سمجھ کر پورا کرتا ہے اور خدا (کا قانونِ مکافات) اسے اس کا اجر دیتا ہے ۔

———(-)———

۳۲۔ موت ۔ مُردے

قرآن کریم میں موت اور حیات (زندہ اور مردہ) کے الفاظ ان کے حقیقی معنوں میں بھی آئے ہیں اور مجازی معانی میں بھی ۔ وہ، بنجر زمین کو زمینِ مردہ کہتا ہے اور جب اس میں روئیدگی کی نمود ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ خدا نے اسے حیاتِ تازہ عطا کر دی ۔ وہ ایسے انسانوں کو، جو عقل و فکر سے کام نہ لیں، مردہ کہہ کر پکارتا ہے ۔ اسی طرح زوال پذیر اقوام کو مردہ قومیں قرار دیتا ہے ۔ دوسری طرف، جس انسان پر طبیعی موت وارد ہو جاتی ہے اسے بھی مردہ کہتا ہے اور اس کے بعد جب وہ دوبارہ زندہ ہوتا ہے تو اسے اس کی حیاتِ نو یا اُخروی زندگی سے تعبیر کرتا ہے ۔ زیرِ نظر عنوان کا تعلق اسی قسم کے مُردوں اور ان کی اُخروی حیات سے ہے ۔

۔ دین میں حیاتِ اُخروی (مرنے کے بعد کی زندگی) کو ـــــــ بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قانونِ مکافاتِ عمل کی عمارت اس بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ انسان کا ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کرکے رہتا ہے۔ اگر وہ نتیجہ اس دنیا میں سامنے نہیں آتا، تو نہ سہی۔ وہ انسان کی اگلی زندگی میں سامنے آجائے گا۔ لیکن یہ اگلی زندگی انہی کے لئے ہے جن کا اس زندگی میں شعور بیدار ہوچکا ہو۔ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرسکنے کے قابل ہوچکے ہوں۔ اور اپنے اختیار وارادے سے، اپنے لئے راستے متعین کریں اور ان پر چلیں۔ یعنی وہ ذمہ دار انسان ہوں۔

۔ قرآن کی رُو سے طبیعی موت انسان کے جسم پر وارد ہوتی ہے۔ انسانی ذات جو نہ قوانینِ طبیعی کی پیدا کردہ ہوتی ہے اور نہ ہی ان قوانین کے تابع ہوتی ہے، اس پر موت وارد نہیں ہوسکتی (قرآن نے اسے نفس کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان نفس) انسان کی طبیعی موت کے بعد نفسِ انسانی آگے جاتا ہے اور اس زندگی میں اُسے، اپنی نمود کیلئے کوئی اور پیکر عطا ہوتا ہے جس کی کنہ دحقیقت سے ہم اسوقت واقف نہیں ہوسکتے۔ انسانی شعور، انسانی دماغ کا نہیں بلکہ نفسِ انسانی کا عمل ہے۔ اسلئے نفسِ انسانی کے تسلسل کا لازمی نتیجہ انسانی شعور کا تسلسل ہے۔ انسان کی طبیعی موت اور حیاتِ نو کے درمیان ایک وقفہ ہوتا ہے جس میں انسانی شعور (یوں کہیئے گویا) خوابیدہ حالت میں رہتا ہے۔ اسے عام اصطلاح میں عالمِ برزخ کہا جاتا ہے۔ اسکے بعد وہ بیدار ہوتا ہے تو اُسے حیاتِ اُخروی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۱۔ قرآن کی رُو سے مرنے والوں کا اس دنیا والوں سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ نہ ان (دنیا والوں) کا اُن (مُردوں) کے ساتھ کوئی تعلق ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ جو ہم مردوں سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں، یا ان سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ خدا تک ہماری بات پہنچا دیں، یہ سب ہمارے اپنے پیدا کردہ اعتقادات ہیں جن کا نہ حقیقت سے کوئی تعلق ہے نہ قرآن سے کوئی واسطہ۔ اسی طرح مُردوں کے لئے ایصالِ ثواب کا عقیدہ بھی غیر قرآنی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان۔ مکافاتِ عمل)

۱۔ قرآنِ کریم کی رو سے، قبر کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس میں تو محض انسان کے جسمِ مردہ کو دفن کیا جاتا ہے تاکہ اس سے باہر کی فضا متعفن نہ ہو۔ نہ ہی قبر کے اندر کسی عذاب کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جس جسم کو دفن کیا جاتا ہے اس میں احساس و شعور ہی نہیں ہوتا اور انسان کو حیاتِ نو، آخروی زندگی میں ملتی ہے نہ کہ قبر کے اندر، مردہ جسم کو۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ مُردے قبروں سے اٹھیں گے تو یہ بات سمجھانے کا تشبیہی انداز ہے۔

۶۔ قرآن کی رُو سے، موت کے بعد، اس دنیا میں کوئی شخص واپس نہیں آسکتا۔ انسان کے لئے عمل (کام کرنے) کا صرف اسی دنیاوی زندگی میں موقعہ ہے۔ اس زندگی کے اعمال کے مطابق اس کی مستقبل کی زندگی متشکل ہوگی ـــ اچھی بھی اور بری بھی ـــ دوبارہ یہاں واپس آنے کا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے تناسخ کا عقیدہ باطل ہے۔

۷۔ قرآن کی رو سے، طبیعی کائنات کا سلسلہ لامتناہی نہیں۔ یہ ایک مدت تک کے لئے قائم رہے گا۔ اس لئے کرۂ ارض پر رہنے والے انسانوں کا سلسلہ بھی لامتناہی نہیں۔ افرادِ طبیعی موت کے بعد دنیا سے چلے جاتے ہیں، اور جب کائنات کا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جائے گا تو اس کے بعد اس پر انسانوں کے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اس اعتبار سے، قرآن نے انسان کے لئے (کرۂ ارض کو) مستقر (ٹھہرنے کا مقام) قرار دیا ہے اور اس کے بعد کی دنیا کو مستودع (جس کے سپرد کسی کو کر دیا جائے)

۸۔ اسی سلسلہ میں، مختلف دیگر عنوانات مثلاً نفس۔ حیات۔ قیامت۔ حشر۔ مکافاتِ عمل۔ جنت۔ جہنم وغیرہ بھی دیکھئے)

حیاتِ اخروی کے منکر

انہیں سخت تنبیہہ کی گئی ہے۔ (۱۳ : ۵) — (۱۷ : ۴۹ - ۵۱) — (۱۷ : ۹۸) — (۱۹ : ۶۶)۔
(۲۲ : ۵) — (۲۳ : ۳۳) — (۲۳ : ۸۲) — (۳۲ : ۱۰) — (۳۴ : ۷) — (۳۶ : ۷۸ - ۷۹)۔
(۳۷ : ۱۵ - ۱۸) — (۴۴ : ۳۵) — (۴۵ : ۲۴) — (۴۶ : ۱۷) — (۵۰ : ۳) — (۵۶ : ۴۸ - ۵۰)
(۶۰ : ۱۳) — (۶۴ : ۷) — (۷۲ : ۷) — (۷۴ : ۴۶) — (۷۵ : ۳ - ۴) — (۷۵ : ۳۶ - ۴۰)
(۷۸ : ۱ - ۳) — (۷۸ : ۲۷ - ۲۸) — (۷۹ : ۱۰ - ۱۱) — (۸۲ : ۴) — (۸۴ : ۱۴)

موت و حیات خدا کے قانون کے مطابق

وہی مارتا ہے وہی زندہ کرتا ہے۔ (۳ : ۱۴۵) — (۳ : ۱۵۵) — (۱۰ : ۵۶) — (۱۵ : ۲۳)۔
(۲۲ : ۶) — (۲۳ : ۸۰) — (۳۰ : ۴۰) — (۳۰ : ۵۰) — (۳۶ : ۱۲) — (۴۰ : ۶۸)۔
(۴۲ : ۹) — (۴۴ : ۸) — (۴۵ : ۲۶) — (۴۶ : ۳۳) — (۵۰ : ۴۳) — (۵۳ : ۴۴)
(۵۳ : ۴۷) — (۵۷ : ۲)

مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ

خدا کے اس قانون کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔ اس مقام پر صرف آیات کے حوالے دئے جاتے ہیں۔ (۳ : ۲۷)
(۶ : ۹۶) — (۱۰ : ۳۱) — (۳۰ : ۱۹)

وہاں سے دنیا کی طرف واپسی نہیں ہو سکے گی

۱- (۲۳ : ۱۰۰) - (۲۳ : ۱۰۷) - (۳۲ : ۱۲) - (۳۹ : ۵۸) - (۴۲ : ۴۷)

۲- وہاں موت بھی نہیں آئے گی - (۳۵ : ۳۶) - (۴۳ : ۷۷) - (۴۴ : ۵۶)

۳- اہل جہنم کی حالت - نہ موت نہ زندگی - (۱۴ : ۱۷) - (۲۰ : ۷۴) - (۸۷ : ۱۳)

۴- اہلِ جنت بھی موت سے نا آشنا ہوں گے - (۴۴ : ۵۶)

سلسلۂ کائنات لا تناہی نہیں - موت ہر انسان کے لئے ہے

۱- سلسلۂ کائنات اجلِ مسمیٰ (متعین مدت) کے لئے سرگرم عمل ہے - (۳۱ : ۲۹) - (۳۵ : ۱۳) - (۳۹ : ۵) - (۴۶ : ۳) - (۲)- کوئی انسان ہمیشہ کے لئے زندہ نہیں رہ سکتا - موت ہر ایک کو آئے گی - (۲۸ : ۲) ز (۳ : ۱۸۴) - (۴ : ۷۸) - (۲۱ : ۳۵) - (۲۹ : ۵۷) - (۳۹ : ۳۰) - (۳۹ : ۴۲) - (۱۹ : ۵۰) - (۸ : ۶۲) - (۱۶-۱۷ : ۷۷) - خود حضورؐ اکرم کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے - (۳ : ۱۴۴) - (۲۱ : ۳۴) - (۳۹ : ۳۰)

۳- ارض 'مستقر' ہے - اس کے بعد انسان، دوسری دنیا کے سپرد کر دیا جاتا ہے اُسے مستودع کہتے ہیں - (۲ : ۳۶) - (۶ : ۹۹) - (۱۱ : ۶) - یہ مستقر ایک مدتِ معینہ کے لئے ہے - (۷ : ۲۴)

تم اس زمین میں رہو گے - اسی میں مرو گے - پھر اس سے نکالے جاؤ گے - (یعنی موت کے بعد تمہیں براہِ راست دوسری زندگی مل جائے گی) - (۲ : ۲۸) - (۷ : ۲۵) - (۲۰ : ۵۵) - (۲۲ : ۶۶) - (۲۳ : ۱۵-۱۶) - (۴۰ : ۱۱) - (۱۶-۱۸ : ۷۱)

۴ اس دنیا میں آنے سے پہلے کی حالت کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے - اس کے بعد اس دنیا کی زندگی - پھر طبیعی موت - اس کے بعد حیاتِ اخروی - اس اعتبار سے، دو موتیں ہوئیں اور دو زندگیاں - (۲ : ۲۸) - (۲۳ : ۱۵-۱۶) - (۴۰ : ۱۱) - حیاتِ اخروی میں زندگی کہلانے کی مستحق، اہلِ جنت کی زندگی ہوگی - جہنم میں نہ موت ہو گی نہ زندگی - (۸۷ : ۱۳)

موت کے وقت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے وقت ، انسان کی پوری زندگی کے اہم واقعات اور معاملات ، انسانی حافظہ پر ابھر کر آجاتے ہیں ، اور مجرم ، اپنے جرائم کے احساس سے ، سخت مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہے ۔ اسے قرآن نے موت کے وقت کے عذاب سے تعبیر کیا ہے ۔ ان کے برعکس مومن کی موت ہے جس میں خوشگواریوں کا احساس بیدار ہو جاتا ہے ۔

موت کے وقت کا عذاب ۔ (۹۴ : ۶) ۔ (۳۷ : ۷) ۔ (۵۰ : ۸) ۔ (۲۸ : ۱۶) ۔ (۱۱ : ۳۲) ۔ (۲۷ : ۴۷) ۔ (۱۹ : ۵۰) ۔ اہلِ ایمان کی موت ۔ (۳۲ : ۱۶)

برزخ

۱۔ مرنے کے بعد زندگی ، یوم القیامت کو ہوگی (۱۶ ۔ ۱۵ : ۲۳) ۔ اس لئے قبر میں زندہ ہونے اور عذاب ملنے کا عقیدہ قرآن سے ثابت نہیں ۔

۲۔ زندگی شعور کا نام ہے ۔ نیند میں انسانی شعور خوابیدہ ہوتا ہے ۔ اور موت میں بھی ۔ نیند کے بعد جاگنے والے کا شعور اس دنیا میں بیدار ہو جاتا ہے ، مرنے والے کا شعور اس دنیا میں واپس نہیں آتا ۔ آگے جا کر بیدار ہوتا ہے ۔ (۴۲ : ۳۹)

۳۔ مردوں کے سلسلہ میں برزخ کا لفظ ایک ہی جگہ آیا ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مردوں کے پیچھے ایک پردہ کھڑا ہو جاتا ہے جس سے وہ زندہ انسانوں سے اوٹ میں ہو جاتے ہیں ۔ قیامت میں پھر ان کا آمنا سامنا ہوگا ۔ (۱۰۰ : ۲۳)

مُردے کسی کی بات سن نہیں سکتے ۔ وہ بے شعور و بے احساس ہوتے ہیں

۱۔ مردے کسی کی بات نہیں سن سکتے ۔ (۸۰ : ۲۷) ۔ (۵۲ : ۳۰) ۔ (۲۲ : ۳۵) ۔ (۵ : ۴۶)

۲۔ وہ بے شعور و بے احساس ہوتے ہیں ۔ (۲۱ : ۱۶) ۔ (۶۵ : ۲۷)

مقتولین فی سبیل اللہ (شہداء) کی حیات

مقتولین فی سبیل اللہ کے لئے موت اور حیاتِ نو کا درمیانی وقفہ شعور کی خوابیدگی کا نہیں ہوتا۔ اس لئے انہیں مردہ نہیں کہا جاتا۔ (۱۵۴ : ۲) - (۱۶۹ : ۳)

حیاتِ اُخروی

۱۔ مُردوں کی بعثت ایک حقیقت ہے۔ (۳۸ : ۶) - (۹۵ : ۵۶)

۲۔ خدا انہیں اُٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ (۷ : ۲۲) - (۲۵ : ۳۰) - (۵۰-۵۱ : ۳۶)-(۴۳-۴۴:۷۰) (۷۹ : ۱۴) - (۸۲ : ۴) - (۹ : ۱۰۰)

۳۔ ایک نئی پیدائش۔ (۳۵ : ۵۶) - (۶۲ - ۵۷ : ۵۶) - (۲۸ : ۷۶)

اُخروی زندگی میں شعور کی نئی سطح

اُس زندگی میں زمان (TIME) کے متعلق شعور بدل جائے گا۔ (۴۵ : ۱۰) - (۱۰۳ - ۱۰۴ : ۲۰)- (۳۵ : ۴۶) - (۲۳ : ۱۱۳)

متفرقات

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب کہا تھا کہ مجھے دکھا کہ مُردوں کو کس طریق سے زندہ کیا جاتا ہے تو اس سے مراد، قومِ مردہ کو ازسرِنو زندہ کرنا تھا۔ (۲۶۰ : ۲)

۲۔ حضرت عیسٰیؑ کے متعلق جہاں آیا ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے تو اس سے مراد بنی اسرائیل جیسی مردہ قوم کو دوبارہ زندہ قوموں کے زمرے میں شمار ہونے کے قابل بنا دیتا تھا۔ یا غیر شعور انسانوں کو زندگی کی نئی راہیں دکھا دینا۔ (۴۸ : ۳) - (۳)۔ بنی اسرائیل کی 'موت' کے بعد زندگی۔ (۵۶ : ۲)

۴۔ انسان پر وہ وقت بھی گذرا ہے جب وہ قابلِ ذکر شے نہ تھا۔ (۱ : ۷۶)

۵۔ طبقاً عن طبقٍ بلندیوں کی طرف چڑھتے جانا۔ (۱۹ : ۸۴) - (۶)۔ مشیت کے مطابق نشور۔ (۲۲-۲۱ : ۸۰)

۷۔ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ۔ (۱۳ - ۸۵)۔ ابتدا کرنے والا اور گردشیں دینے والا۔

۸۔ کوئی نہیں جان سکتا کہ اس کی موت کہاں ہوگی۔ (۳۴ : ۳۱)

۳۲۔ حضرت موسےؑ

(حضرت ہارونؑ ۔ ہامان ۔ قارون ۔ فرعون)

انبیائے بنی اسرائیل میں حضرت موسےؑ کو ایک خاص مقام حاصل ہے کیونکہ تاریخ کا ایک عظیم انقلاب ان کے ہاتھوں رُونما ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کا تذکرہ جلیلہ بڑی شرح و بسط سے کیا ہے۔ مختصراً یہ داستان حسب ذیل منازل پر مشتمل ہے۔

(۱) پیدائش حضرت موسےؑ　　(۲)۔ فرعون کے محلات میں پرورش

(۳) قبطی کا قتل اور مدین کی طرف روانگی۔ مدین میں شبانی کی زندگی۔

(۴) منصبِ نبوت پہ سرفرازی۔ اور مصر کی طرف واپسی۔ حضرت ہارونؑ کی معیت۔

(۵) فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ مقابلہ۔

(۶) بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر سینا اور فلسطین کی طرف آمد۔　(۷)۔ خود اپنی قوم کی بوالعجبیاں۔

(۸) ضمناً۔ نبوت سے پہلے، ایک مردِ بزرگ سے ملاقات جنہیں عام طور پر (حضرت) خضرؑ کہا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں عنوانات۔ بنی اسرائیل۔ فرعون۔ یہود۔ تورات۔ مدین۔ شعیبؑ وغیرہ بھی دیکھئے۔

پیدائش اور فرعون کے محلات میں پرورش ۔ قبطی کا قصہ

۱۔ حضرت موسےؑ ذریتِ ابراہیمی میں سے تھے۔ (۸۵-۸۴ : ۶)۔ آپ، حضرت ہودؑ۔ صالحؑ۔ لوطؑ۔ شعیبؑ کے بعد مبعوث ہوئے تھے۔ (۱۰۳ : ۷) - (۷۵ : ۱۰)

۲۔ ام موسےؑ تک یہ حکم پہنچا کہ بچے کو صندوق میں بند کرکے سپردِ دریا کردے۔ حضرت موسےؑ کی بہن نے صندوق کا تعاقب کیا۔ فرعون کے محلات میں بچے کی رضاعت اور پرورش۔ قبطی کا قتل۔ مدین میں قیام (۴۸-۴۱ : ۲۰)-(۲۸ : ۷-۲۱)

۳۔ حضرت موسےٰؑ کا خدا سے کہنا کہ میرے ذمے ان لوگوں کا ایک خون ہے۔ (۲۶ : ۱۴) - (۲۸ : ۳۳)

۴۔ مدین کے پیاؤ کا واقعہ۔ (۲۸ : ۲۲ - ۲۴)۔ حضرت موسےٰؑ کا نکاح۔ (۲۸ : ۲۷ - ۲۸)

مدین کی زندگی منصبِ نبوت پر سرفرازی

۱۔ حضرت موسیٰؑ خدا سے ہم کلام ہوئے۔ (۴ : ۱۶۴) - (۷ : ۱۴۴)

۲۔ حضرت موسےٰؑ کی درخواست کہ خدا بے نقاب جلوہ فرما ہو۔ (۷ : ۱۴۳)

۳۔ جانبِ طور سے ندا۔ حضرت موسےٰؑ مخلص رسول۔ نبی تھے۔ (۱۹ : ۵۱ - ۵۲)

۴۔ طور پر آگ کا دیکھنا۔ خدا سے ہم کلامی۔ عصا اور یدِ بیضا۔ فرعون کی طرف جانے کا حکم۔ (۲۰ : ۹ - ۲۴) - (۲۷ : ۷ - ۱۱) - (۲۷ : ۱۲) - (۲۸ : ۲۹ - ۳۵)

۵۔ حضرت موسےٰؑ کی درخواست۔ حضرت ہارونؑ کی معیت۔ (۲۰ : ۲۵ - ۳۶)

۶۔ خدا نے بتایا کہ حضرت موسےٰؑ کو کس طرح پیدائش سے لے کر اس وقت تک مختلف منازل سے گزارا۔ اور جب اس طرح وہ پختہ ہوگئے تو پھر منصبِ نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ (۲۰ : ۳۸ - ۴۱)

۷۔ خدا کی طرف سے حضرت موسےٰؑ کو بلاوا۔ حضرت موسےٰؑ کا اپنے حالات بیان کرنا۔ (۲۶ : ۱۰ - ۱۵)

۸۔ "ہمارے ہاں رسول ڈرا نہیں کرتے"۔ (۲۷ : ۱۰ - ۱۱)

۹۔ حضرت موسےٰؑ کو نشانیاں دے کر بھیجا۔ (۱۷ : ۱۰۱) - (۲۷ : ۱۲)

۱۰۔ اے رسول! تو وہاں موجود نہیں تھا جب ہم نے طور کی جانب سے موسیٰؑ کو آواز دی تھی۔ (۲۸ : ۴۴ و ۴۶)

۱۱۔ وادیٔ مقدس طویٰ کی طرف سے ندائے ربانی۔ (۷۹ : ۱۵ - ۱۶)

فرعون کے ساتھ ٹکراؤ۔ سینا کی طرف ہجرت

۱۔ حضرت موسےٰؑ کا مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دے۔ فرعون کا انکار۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ۔ ساحرین کا ایمان لے آنا۔ (۷ : ۱۰۴ - ۱۲۶) - (۱۰ : ۷۶ - ۸۲) - (۲۰ : ۶۷ - ۷۰)

۲۔ فرعون کا فیصلہ کہ بنی اسرائیل کے ابنائے قوم کو تباہ کر دیا جائے اور جرأت و بسالت سے عاری افراد کو آگے بڑھایا جائے (ابنا کا ذبح کر دینا اور نساء کا زندہ رکھنا)۔ (۲ : ۴۹) - (۷ : ۱۲۷) - (۱۴ : ۶) - (۲۸ : ۴)

یہاں لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا جو حضرت موسٰےؑ پر ایمان لائے تھے۔ (۲۵ : ۴۰)

۳۔ موسٰےؑ کو نو نشانیاں دے کر بھیجا۔ (۱۰۱ : ۱۷) ۔ (۱۲ : ۲۷)

۴۔ فرعون کی طرف جانے کا حکم۔ فرعون کے ساتھ مکالمہ۔ فرعون کا سوال کہ ہمارے اسلاف کا کیا حال ہے۔ حضرت موسٰےؑ کا جواب۔ خدا کی اہم صفات کا بیان۔ (۵۶ - ۴۳ : ۲۰)

۵۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ۔ (۶۹ - ۵۷ : ۲۰) ۔ ساحرین کا ایمان لے آنا۔ (۷۶ - ۷۰ : ۲۰)

۶۔ حضرت موسٰےؑ کو حکم کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکل جائیے۔ دریا کے خشک راستے سے دریا پار کریں ——— (۷۷ : ۲۰) ۔ (۴۸ - ۵۲ : ۵۶) ۔ دونوں گروہوں کا ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا۔ (۵۰ : ۲) ۔ (۶۳ : ۲۶)

۷۔ قوم فرعون نے کہا کہ کیا ہم ان دو بھائیوں کی بات مان لیں جو ہماری محکوم قوم کے افراد ہیں۔ (۴۷ : ۲۳)

۸۔ حضرت موسٰےؑ کا فرعون کے ساتھ مکالمہ۔ تمہارا یہ احسان ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے۔ خدائی صفات کا بیان۔ (۳۳ - ۱۶ : ۲۶) ۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ۔ (۴۵ - ۳۴ : ۲۶) ۔ ساحرین کا ایمان لے آنا۔ (۵۱ - ۴۶ : ۲۶)

۹۔ فرعون نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ قوم کو پارٹیوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا۔ (۴ - ۳ : ۲۸)

۱۰۔ ہم نے چاہا کہ جس قوم کو یوں کچل دیا گیا ہے۔ اس پر اپنا احسان کریں اور انہیں اس سرزمین کا وارث بنا دیں۔ اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھا دیں جس کے تصور سے انہیں کپکپی آجاتی تھی۔ (۶ - ۵ : ۲۸)

۱۱۔ فرعون کے ساتھ مکالمہ۔ فرعون کا مذاق کرنا کہ ایک مینار بناؤ تاکہ میں موسٰےؑ کے خدا کو ذرا جھانک آؤں ——— (۳۸ - ۳۶ : ۲۸) ۔ (۳۷ - ۳۶ : ۴۰)

۱۲۔ فرعون و ہامان و قارون کی طرف بعثتِ حضرت موسٰےؑ۔ (۳۹ : ۲۹) ۔ (۲۴ : ۴۰)

۱۳۔ فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں موسٰےؑ کو قتل کر دوں گا۔ (۲۷ - ۲۶ : ۴۰)

۱۴۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر۔ قرآن نے پوری تفصیل سے درج کی ہے۔ (۴۵ - ۲۸ : ۴۰)

۱۵۔ حضرت موسٰےؑ کا قومِ فرعون کی طرف جانا۔ ان کا مذاق اڑانا۔ فرعون کا اعلان کرنا کہ کیا ملک مصر اور اس کی نہریں میری ملکیت نہیں؟ کیا میں اس شخص سے بڑا نہیں جس کے پاس مال و دولت کچھ نہیں (۵۴ - ۴۶ : ۴۳)

۱۶۔ جاؤ فرعون کی طرف، وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ انا ربکم الاعلیٰ (۲۶ - ۱۷ : ۷۹)

قومِ فرعون کا انجام

١- قحط میں مبتلا ہونا - (٧ : ١٣٠) - (٢) - طوفان - ٹڈی دل - خون - مینڈک وغیرہ کی بھرمار - (٧ : ١٣٣)

٣- مصیبت کے وقت ایمان لانے کے وعدے - بعد میں روگردانی - (٧ : ١٣٤-١٣٦)

٤- غرقِ دریا - (٢ : ٥٠) - (٧ : ١٣٦) - (١٠ : ٩٠) - (٢٠ : ٧٨) - (٢٦ : ٦٣-٦٦) - (٤٠) - (٢٨ : ٤٠)
(٥١ : ٣٨-٤٠) - (٤٣ : ٥٥)

٥- حضرت موسیٰؑ کی خدا سے دعا کہ اس قوم کو تباہ کر دے - (١٠ : ٨٨)

٦- فرعون کا مرتے وقت ایمان لانا - ایمان قبول نہیں کیا گیا - فرعون کی لاش کا محفوظ رکھنا - (١٠ : ٩٠-٩٢)

٧- قومِ فرعون پر اس دنیا میں لعنت اور قیامت میں بُرا مقام - فرعون اپنی قوم کو جہنم میں لے گیا - (١١ : ٩٦-٩٩)
(٢٨ : ٤٠-٤٢) - (٨) - موسیٰؑ کی تکذیب پر قومِ فرعون کو پکڑ لیا - (٤٤ : ٢٢) - (٣٦ : ٢٥)

٩- قومِ فرعون نے سرکشی اختیار کی - کہا کہ کیا ہم ان (دو بھائیوں) کی بات مان لیں جو ہماری محکوم قوم کے افراد ہیں -
سو وہ ہلاک ہو گئے - (٢٣ : ٤٦-٤٨)

١٠- ان کے باغات - خزانے - چشمے ان سے چھن گئے - اور بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنا دیا - (٢٦ : ٥٧-٥٩)

١١- یہ لوگ دل میں حضرت موسیٰؑ کی صداقت کا یقین رکھتے تھے - لیکن علوِ نفس کی بنا پر اس پر ایمان نہیں لاتے تھے -
سو وہ تباہ ہو گئے - (٢٧ : ١٣-١٤) - (١٢) - فرعون اور قارون اور ہامان کا انجام - (٢٩ : ٣٩-٤٠)

١٣- مدام آگ کا عذاب (صبح شام آگ کے سامنے) - اور الساعت کے دن - (٤٠ : ٤٥-٤٦)

١٤- وہ قوم قصۂ ماضی بن گئی - (٤٣ : ٥٦) - (١٥) یہاں اور وہاں دونوں جہانوں میں سزا - (٧٩ : ٢٥-٢٦)

ہامان

فرعون کے ہاں کا مذہبی پیشواؤں کا سردار - اس زمانے میں ان کا مقام اگر بادشاہ سے بڑا نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ہوتا تھا - عوام سب ان کی گرفت میں ہوتے تھے اور بادشاہ کی قوت کا راز انہی کے پاس تھا -

١- ہامان و فرعون اور ان کے لشکروں نے اپنا انجام دیکھ لیا - (٢٨ : ٦)

٢- یہ سب خطاکار تھے - (٢٨ : ٨)

۳۔ فرعون نے ہامان سے کہا کہ مجھے ایک محل بنوا دیں تاکہ میں موسےٰ ؑ کے خدا کو جھانک آؤں۔ (۲۸ : ۳۸) ۔ (۴۰ : ۳۶)

۴۔ حضرت موسےٰ ؑ، فرعون اور ہامان کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ (۲۹ : ۳۹) ۔ (۴۰ : ۲۴)

اپنی قوم کا طرزِ عمل

۱۔ صحرائے سینا میں حضرت موسےٰ ؑ کا چالیس دن کے لئے طور پر جانا اور قوم کا گو سالہ پرستی اختیار کر لینا۔ (۲ : ۵۱) — (۲ : ۵۴) — (۲ : ۹۲) — (۷ : ۱۴۲) — (۷ : ۱۴۸ — ۱۵۱) — (۲۰ : ۸۳ — ۸۸) — سامری نے کیا کیا۔ (۲۰ : ۸۵ — ۸۸) ۔ اس نے ایسا کیوں اور کس طرح کیا۔ (۲۰ : ۹۵ — ۹۶) ۔ سامری کو سزا۔ (۲۰ : ۹۷)

۲۔ قوم کا مطالبہ کہ ہم خدا کو بے نقاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ (۲ : ۵۵ — ۵۶) ۔ (۴ : ۱۵۳) ۔ (۷ : ۱۵۵)

۳۔ قوم کی طرف سے پانی کا مطالبہ اور بارہ چشموں کی دریافت۔ (۲ : ۶۰) ۔ (۷ : ۱۶۰)

۴۔ قوم کا مطالبہ کہ ہم طعامِ واحد پر قناعت نہیں کر سکتے۔ (۲ : ۶۱)

۵۔ قوم سے ایک بچھڑا ذبح کرنے کو کہا گیا۔ (۲ : ۶۷ — ۷۱)

۶۔ قوم کی طرف سے عجیب عجیب سوالات ۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ایسا نہ کرنا۔ (۲ : ۱۰۸)

۷۔ فلسطین پر قبضہ کرنے سے قوم کا انکار۔ تم اور تمہارا بھائی جاؤ اور ان سے لڑو۔ جب تم کامیاب ہو جاؤ گے تو ہمیں آواز دے دینا۔ (۵ : ۲۰ — ۲۶)

۸۔ مصر میں حضرت موسےٰ ؑ کی قوم سے تلقین کہ ذرا ثبات سے کام لو۔ وراثتِ ارض تمہارے حصہ میں آ جائے گی۔ قوم کا طعن کہ ہم تمہارے آنے سے پہلے بھی مصیبت میں رہے اور اب بھی مصائب جھیل رہے ہیں۔ (۷ : ۱۲۹)

۹۔ بنی اسرائیل اس ملک کے وارث بن گئے۔ (۷ : ۱۳۷) ۔ (۱۰) قوم کا مطالبہ کہ ہمیں بھی ایک بت بنوا دو۔ (۷ : ۱۳۸)

۱۱۔ فرعون کے خوف کی وجہ سے، قومِ موسےٰ ؑ میں سے نوجوانوں کی ایک جماعت آپ پر ایمان لائی۔ (۱۰ : ۸۳)

۱۲۔ مصر میں قوم کے گھروں کو قبلہ بنا لینے کا حکم۔ (۱۰ : ۸۷)

۱۳۔ حضرت موسےٰ ؑ کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا کہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔ (۱۴ : ۵)

۱۴۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ تم قومِ موسےٰ ؑ کی طرح نہ ہو جانا جس نے حضرت موسےٰ ؑ کو بہت ستایا تھا۔ (۳۳ : ۶۹)

۱۵۔ حضرت موسےٰ ؑ کا اپنی قوم سے کہنا کہ مجھے کیوں ستاتے ہو۔ (۶۱ : ۵)

مردِ بزرگ سے ملاقات

۱۔ مجمع البحرین کی طرف سفر کا آغاز۔ (۶۰ : ۱۸) - مچھلی کا دریا میں واپس چلے جانا۔ (۶۴-۶۱ : ۱۸) - مردِ بزرگ سے ملاقات (۶۵ : ۱۸) - شرائط۔ (۶۹-۶۶ : ۹)

۲۔ کشتی - لڑکے کا قتل اور دیوارِ یتیم کے واقعات ۔ (۷۷-۷۱ : ۱۸)

۳۔ ان واقعات کی تاویل ۔ (۸۲-۷۸ : ۱۸)

قارون

۱۔ قارون قومِ موسیٰؑ سے تھا - نظامِ سرمایہ داری کا نمائندہ - اس کا انجام - دعوےٰ یہ تھا کہ یہ سب کچھ مجھے اپنی ہنرمندی سے ملا ہے اس لئے یہ سب میرا ہے ۔ (۸۲-۷۶ : ۲۸)

۲۔ قارون کی طرف حضرت موسیٰؑ کی بعثت ۔ (۳۹ : ۲۹) - (۲۴ : ۴۰)

کتابِ موسیٰؑ

۱۔ حضرت موسیٰؑ کو کتاب - یعنی الفرقان عطا کی گئی ۔ (۵۳ : ۲) - (۸۷ : ۲) - (۱۳۶ : ۲) - (۸۴ : ۳) - (۹۱ : ۶) - (۱۵۴ : ۶) - (۲ : ۱۷) - (۴۹ : ۲۳) - (۳۵ : ۲۵) - (۴۳ : ۲۸) - (۲۳ : ۳۲)

۲۔ یہ کتاب الواح پہ مکتوب تھی - (۱۴۵ : ۷) - یہ امام و رحمت تھی ۔ (۱۷ : ۱۱)

۳۔ قوم نے بعد میں اس کتاب میں اختلافات پیدا کر دیئے ۔ (۱۱۰ : ۱۱) - (۴۵ : ۴۱)

۴۔ یہ کتاب حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کو دی گئی تھی ۔ (۴۸ : ۲۱) - (۱۱۷ : ۳۷)

۵۔ قرآن اور کتابِ موسیٰؑ سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب لاؤ ۔ (۴۹-۴۸ : ۲۸)

۶۔ بنی اسرائیل اس کتاب کے وارث تھے ۔ (۵۳ : ۴۰) - انہوں نے اس میں اختلاف کر دیا تھا ۔ (۴۵ : ۴۱)

۷۔ رسول اللہؐ کو اصولی طور پر وہی دین دیا گیا جو حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا تھا ۔ (۱۳ : ۴۲)

۸۔ کتابِ موسیٰؑ، امام و رحمت ۔ (۱۲ : ۴۶)

۹۔ صحرائی قبائل (جنّات) میں سے ایک قبیلہ کا قرآن سن کر کہنا کہ یہ موسیٰؑ کے بعد کتاب آئی ہے ۔ (۳۰ : ۴۶) ۔

۱۰۔ صحفِ موسیٰ ؑ ۔ (۵۳ : ۳۶) ۔ (۸۷ : ۱۹)

حضرت ھارون ؑ

۱۔ حضرت موسیٰ ؑ کی عدم موجودگی میں حضرت ہارون ؑ ان کے فرائض سرانجام دیتے تھے ۔ (۷ : ۱۴۲)

۲۔ حضرت موسیٰ ؑ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کہ مصر میں قوم کے گھروں کو قبلہ بنالیں ۔ (۱۰ : ۸۷)

۳۔ حضرت موسیٰ ؑ کو ان کا بھائی ہارون ؑ دے دیا ۔ وہ بھی نبی تھے ۔ (۴ : ۱۶۳) ۔ (۶ : ۸۴) ۔ (۱۹ : ۵۳) ۔ (۲۰ : ۲۹ - ۳۶) ۔ (۲۶ : ۱۳) ۔ (۲۸ : ۳۴ - ۳۵)

۴۔ واقعۂ گوسالہ پرستی میں حضرت ہارون ؑ کا ذکر ۔ حضرت موسیٰ ؑ کی خفگی ۔ (۹۰ - ۹۴ : ۲۰) ۔ آپ کا جواب کہ میں نے بنی اسرائیل کو یہ کچھ کرنے دیا کہ ان میں تفرقہ نہ پیدا ہو جائے ۔ (۲۰ : ۹۴)

۵۔ حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت ہارون ؑ دونوں کو فرقان دی گئی تھی ۔ (۲۱ : ۴۸) ۔ (۳۷ : ۱۱۷)

۶۔ موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تھا ۔ (۲۰ : ۴۳) ۔ (۲۶ : ۱۵ - ۱۶) ۔ (۲۵ : ۳۶) ۔ (۲۶ : ۴۸) ۔ (۲۸ : ۳۴) ۔ (۷) ۔ موسیٰ ؑ کو کتاب دی ۔ ہارون ؑ کو ان کا وزیر بنایا ۔ (۲۵ : ۳۵)

۸۔ موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ پر احسان کیا ۔ ان دونوں کو کتاب دی ۔ ان پر سلام ہو ۔ (۳۷ : ۱۱۴ - ۱۲۱)

۹۔ حضرت موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ کا ترکہ ۔ (۲ : ۲۴۸)

۱۰۔ ساحرینِ فرعون ، رب موسیٰ ؑ و ہارون ؑ پر ایمان لائے ۔ (۷ : ۱۲۲) ۔ (۲۰ : ۷۰) ۔ (۲۶ : ۴۸)

۱۱۔ حضرت مریم ؑ کو اختِ ہارون کہا ۔ (۱۹ : ۲۸)

متفرقات

۱۔ تابوت سکینت اور آل موسیٰ ؑ کا ترکہ ۔ (۲ : ۲۴۸)

۲۔ میثاقِ انبیاء جس میں حضرت موسیٰ ؑ بھی شامل تھے ۔ (۳۳ : ۷)

۳۴- مہر

سورۂ نساء میں محرمات کی تفصیل دینے کے بعد، قرآن کریم نے کہا ہے کہ ان کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم انہیں "کچھ مال دے کر" (نکاح میں) لینا چاہو (۴ : ۲۴) - (۵ : ۵)۔ اسے اصطلاح میں مہر کہا جاتا ہے۔ مہر کا لفظ قرآن میں نہیں آیا - اس کے بجائے اس میں صدقہ، اجور یا فریضہ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ الفاظ محاورۂ عرب کی رُو سے استعمال کئے گئے ہیں - ورنہ (مثلاً) اجور کے یہ معنی نہیں کہ مہر کسی چیز کا معاوضہ ہے۔ قرآن نے بالتصریح کہہ دیا ہے کہ مہر ایک تحفہ ہے جو مرد کی طرف سے عورت کو، بلا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے قرآن نے نحلۃ کا لفظ استعمال کیا ہے - (۴ : ۴) - جس کے معنی بلا بدل تحفۃً دینے کے ہیں - اسے فریضہ بھی کہا گیا ہے - (۲ : ۲۳۶)

۲- مہر کی کوئی مقدار قرآن نے مقرر نہیں کی۔ جو کچھ باہمی رضامندی سے طے پا جائے وہ مہر ہے لیکن چونکہ اسے ادا کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے اسے استطاعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یہ (حسبِ استطاعت) سونے کا ڈھیر بھی ہو سکتا ہے (۴ : ۲۰)

۳- مہر کی ادائیگی نکاح کے ساتھ ہی ہو جانی چاہیئے۔ اگرچہ استثنا کی شکل ایسی بھی ہو سکتی ہے جس میں مہر کا تعین نہ ہو سکا ہو۔ اور جب تعین ہی نہ ہو سکا ہو تو نکاح کے وقت وہ ادا بھی نہیں ہو سکے گا۔ (۲ : ۲۳۶)۔ لیکن یہ استثنا کی شکل ہے اگر ایسا نہ ہو سکا ہو تو پھر اس کا تعین اور ادائیگی بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔

۴- مہر عورت کی ملکیت ہوتا ہے۔ لیکن وہ اگر چاہے تو اس میں سے کچھ چھوڑ بھی سکتی ہے - (۴ : ۴) اور باہمی رضامندی سے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ایسا بالجبر نہیں کرنا چاہیئے - (۴ : ۲۴)

۵- نکاح کے بعد اگر قبل از خلوت طلاق ہو جائے تو

(ا) اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو مرد کی وسعت کے مطابق عورت کو کچھ دیا جانا چاہیئے۔ (۲ : ۲۳۶)

(ب) اگر مہر مقرر ہو چکا تھا تو اس کا نصف ادا کرنا ہوگا۔ لیکن عورت یا اس کا مختار چاہے یا عدالت (جس نے تنسیخِ نکاح کا فیصلہ کرنا ہے) بعض حالات کے ماتحت ضروری سمجھے، تو اسے چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ (۲ : ۲۳۷)

۶- اگر عورت فحش کی مرتکب ہو تو اس کے مہر سے کچھ وضع کیا جا سکتا ہے - (۴ : ۱۹) - ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ عدالت کی رُو سے ہوگا۔

۷- اگر عورت فسخِ نکاح کا مطالبہ کرے، اور عدالت ضروری سمجھے تو اُسے اس کے لئے کچھ ادا کرنا ہوگا - (۲ : ۲۲۹) -

لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ بہتر ہی ہو - ہم نے اس شق کو احتیاطاً یہاں درج کر دیا ہے ورنہ اس کا صحیح مقام" طلاق " کا عنوان ہے۔

(نوٹ - لڑکی کو جہیز دینا ، ایک رسم ہے ۔ قرآن نے اس کا حکم نہیں دیا ۔ لڑکے کی طرف سے جہیز کا مطالبہ بڑی زیادتی ہے ۔ قرآن نے اسے ، کچھ (مہر) دینے کے لئے کہا ہے ۔ لینے کے لئے نہیں ۔

(۰)

ن

۱۔ ناسخ ومنسوخ

ہمارے ہاں ایک (غلط) عقیدہ یہ بھی چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے ایک حکم دیا ۔ کچھ عرصہ کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا - چنانچہ (اس غلط عقیدہ کی رو سے) قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو پڑھی جاتی ہیں لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے ۔ (بعض کے نزدیک ایسی آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچتی ہے) ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی نشاندہی نہیں کی کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ فلاں آیت ہے ۔ لوگوں نے خود ہی فیصلہ کر لیا کہ فلاں آیت منسوخ ہے اس کے علاوہ یہ بھی عقیدہ ہے کہ ایسی آیات بھی ہیں جو نازل تو ہوئی تھیں لیکن وہ موجودہ قرآن میں موجود نہیں لیکن ان کا حکم بدستور باقی ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ قرآن کی حفاظت کی یکسر نفی کرتا ہے جس کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے - (۹ : ۱۵)۔ جہاں تک ناسخ ومنسوخ آیات کا تعلق ہے ، یہ عقیدہ بھی قرآن کے خلاف ہے ۔ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ۔ البتہ ایسی صورت ضرور ہے کہ قرآن کے بعض احکام بعض شرائط سے مشروط ہیں ۔ اگر وہ شرائط موجود نہ ہوں تو اس حکم پر عمل کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا ۔ لیکن جب پھر وہ شرائط موجود ہو جائیں تو اس حکم پر پھر عمل ہو جائے گا ۔ مثلاً قرآن میں صلوٰۃ کے لئے وضو کا حکم ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ اگر پانی موجود نہ ہو تو پھر تیمم کر لیا کرو ۔ اب ظاہر ہے کہ

پانی کی موجودگی میں تیمّم کا حکم موقوف رہے گا۔ اور پانی کی عدم موجودگی میں وضو کا حکم موقوف۔ اسی پر اس قسم کے دیگر احکام کا قیاس کر لینا چاہیئے۔

۲۔ قرآن نے بتایا ہے کہ آسمانی رشد و ہدایات کا سلسلہ شروع سے جاری رہا ہے۔ لیکن ہوتا یہ رہا کہ رسولؐ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد، اس کی وحی میں انسانی خیالات کی آمیزش کر دی جاتی۔ اس کے بعض حصے فراموش ہو جاتے۔ بعض حوادثِ ارضی و سماوی کی وجہ سے بالکل مٹ جاتے۔ اس کے بعد ایک اور رسول آجاتا۔ وہ خدا کی وحی کی رو سے

(i) ان احکام کو پھر سے جاری کر دیتا جن کا جاری رکھنا منشائے خداوندی تھا۔

(ii) جو احکام وقتی طور پہ دیئے گئے تھے، انہیں یا تو منسوخ کر دیتا۔ اور یا ان کی جگہ ان سے بہتر احکام دے دیتا۔

یہ سلسلہ جاری رہا تاآنکہ خدا کا آخری رسولؐ آیا۔ اس نے خدا کی وحی کے مطابق جو دین عطا کیا اس میں:۔

(i) ایسے احکام علیٰ حالہٖ موجود رکھے گئے جو انبیاء سابقہ کی وساطت سے دیئے گئے تھے اور ابدی طور پہ جاری رکھے جانے والے تھے۔ اور اپنی اصلی شکل میں موجود تھے۔

(ii) جو احکام ایسے تھے جن کا ابدی طور پہ جاری رکھنا مقصود تھا لیکن جن میں یا تو انسانی خیالات کی آمیزش ہو گئی تھی اور یا وہ محو ہی ہو گئے تھے۔ انہیں از سرِ نو منزّہ شکل میں دیا گیا۔

(iii) سابقہ انبیاء کی وحی میں جو احکام ایسے تھے جن کا باقی رکھا جانا مقصود نہیں تھا انہیں شاملِ وحی نہ کیا گیا۔ اور

(iv) جن مزید احکام کی ضرورت تھی ان کا اضافہ کر دیا گیا۔

اس طرح دینؔ کو مکمل کر دیا اور اسے غیر متبدل قرار دے کر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ (۶:۱۱۶)۔ (۱۵:۹)

لہٰذا، قرآن میں کوئی حکم ایسا نہیں جو منسوخ ہو۔ یہ ابدی ضابطۂ حیات ہر طرح سے مکمل اور غیر متبدل ہے۔

قرآن کریم کی آیت (۲:۱۰۶) میں جس نسخ کا ذکر ہے اس کا تعلق، سابقہ انبیاء کی وحی سے ہے۔ قرآن کریم سے نہیں۔ اسی کی تائید (۱۶:۱۰۱-۱۰۲) سے ہوتی ہے۔ اور (۲۲:۵۲-۵۳) سے بھی۔

ان امور کی تفصیل عنوانات (قرآن)۔ (کتبِ سابقہ)۔ (تحریف) وغیرہ میں دیکھئے۔

۲۔ نبی۔ نبوت۔ انبیاء

نبی۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ لفظ نبی کا مادہ (ن - ب - أ) ہے جس کے معنی خبر دینے کے آتے ہیں۔ اس لئے نبی کے معنی ہیں غیب کی خبریں دینے والا۔ پیش گوئیاں کرنے والا۔ لیکن یہ تورات کا دیا ہوا تصور ہے۔ یہودیوں کے ہاں ہیکل کے ایک منصب دار کو نبی کہتے تھے جس کا کام، پیش گوئیاں کرنا ہوتا تھا۔ اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں (PROPHET) کیا جاتا ہے۔ اور نبوت کو (PROPHECY) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ قرآنی تصور نہیں۔ قرآن کی رُو سے نبی کا منصب پیش گوئیاں کرنا نہیں۔ وہ تو ایک عظیم انقلاب کا داعی ہوتا ہے۔ قرآنی تصور کی رُو سے اس لفظ کا مادہ (ن-ب-و) ہے جس کے معنی بلند ہونا ہیں یعنی نبی اس مقامِ بلند پر فائز ہوتا ہے۔ جہاں سے اُسے خدا کی طرف سے وحی کا علم حاصل ہوتا ہے۔

لہٰذا، نبوت کے معنی ہیں، خدا کی طرف سے وحی کا علم حاصل ہونا۔ نبی اس علم کو حاصل کر کے، دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ اس کے اس فریضہ کو رسالت کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اور رسول ایک ہی حقیقت کے دو گوشے ہیں۔ نبی، رسول ہوتا ہے۔ اور رسول نبی یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی وہ ہے جسے کتاب (یعنی شریعت) نہ ملے اور رسول صاحبِ شریعت (صاحبِ کتاب) کو کہتے ہیں۔ تو یہ تمیز و تفریق قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے، ہر رسول کو کتاب ملی تھی۔ یعنی ہر نبی کو کتاب ملی تھی۔

نبوت کا سلسلہ حضور نبی اکرمؐ کی ذات گرامی پر ختم ہوگیا۔ یعنی حضورؐ کے بعد، کسی شخص کو خدا کی طرف سے براہِ راست علم نہیں مل سکتا۔ (خواہ اس کا نام وحی رکھ لیا جائے یا کشف و الہام۔ یا کچھ اور) اب علمِ انسانی کے دو ہی ذرائع ہیں۔ وہ وحی جو قرآن کے اندر محفوظ ہے، اور وہ علم جسے انسان اپنے کسب و ہنر سے عام قواعد کے مطابق حاصل کرتا ہے۔ اسے ختمِ نبوت کہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں رسول اور وحی کے عنوانات بھی دیکھ لینے ضروری ہیں۔

۲۔ نبی کی جمع انبیاء آتی ہے اور اس کی مختلف شکلیں نبیوں۔ اور نبیین بھی ہیں۔

جنہیں قرآنِ کریم نے انبیاء کہہ کر پکارا ہے

۱۔ دیکھئے عنوان (نبوت)۔ شق (۵) ۔ (۶ : ۸۴-۹۰)

۲۔ بنی اسرائیل کا ایک نبی جس نے طالوت کو کمانڈر مقرر کیا تھا۔ (۲۴۸ — ۲۴۶ : ۲)

۳۔ رسول اللہ۔ (۴۰ : ۳۳) — (۴)۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ خود رسول اللہ۔ (۷ : ۳۳)

۵۔ نوحؑ۔ ان کے بعد کے انبیاءؑ۔ ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ اور اسباط۔ عیسیٰؑ۔ ایوبؑ۔ یونسؑ۔ ہارونؑ۔ سلیمانؑ۔ داؤدؑ کو زبور دی۔ رسل جن کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جن کا تذکرہ نہیں کیا۔ اور موسیٰؑ۔ (۱۶۵ - ۱۶۳ : ۴)

۶۔ حضرت عیسیٰؑ نبی تھے۔ (۳۰ : ۱۹) — حضرت ابراہیمؑ صدیق نبی تھے۔ (۴۱ : ۱۹)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ و یعقوبؑ۔ سب نبی تھے۔ (۴۹ : ۱۹) — (۸)۔ حضرت موسیٰؑ رسولاً نبیاً تھے۔ (۵۱ : ۱۹)

۹۔ حضرت ہارونؑ نبی تھے۔ (۵۳ : ۱۹)۔ اور صاحب کتاب تھے۔ (۱۱۷ : ۳۷)

۱۰۔ حضرت اسحٰقؑ نبی تھے۔ (۱۱۲ : ۳۷) — (۱۱)۔ حضرت اسماعیلؑ رسولاً نبیاً۔ (۵۴ : ۱۹)

۱۲۔ حضرت زکریاؑ۔ عیسیٰؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ اسماعیلؑ۔ ادریسؑ۔ یہ سب نبی تھے۔ (۵۸ : ۱۹)

۱۳۔ حضرت ادریسؑ صدیق نبی تھے۔ (۵۶ : ۱۹) — (۱۴)۔ حضرت یحییٰؑ نبی تھے۔ (۳۸ : ۳)

۱۵۔ ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ و اسباط۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ اور جو تمام انبیاءؑ کو دیا۔ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ (۱۳۶ : ۲) — (۸۳ : ۳)

۱۶۔ انبیاءؑ کو ایک دوسرے پر فضیلت دی اور حضرت داؤدؑ کو زبور عطا کی۔ (۵۵ : ۱۷)

۱۷۔ ان کے علاوہ قرآن کریم میں ان حضرات کا بھی نام آیا ہے۔ ہودؑ (۶۵ : ۷) — صالحؑ (۷۳ : ۷)۔ لوطؑ (۸۰ : ۷) شعیبؑ (۸۵ : ۷)۔ یوسفؑ (۸۵ : ۶) — ایوبؑ (۸۵ : ۶) — الیاسؑ (۸۵ : ۶) — ذوالکفل۔ (۸۵ : ۲۱)۔ الیسع (۴۸ : ۳۸)

نوٹ:۔ انبیاءؑ کرام کا تفصیلی تذکرہ ان کے ناموں کے عنوانات میں الگ الگ آئے گا۔

ایک ہی ہستی کو نبی بھی کہا ہے اور رسول بھی

۱۔ پہلے کہا کہ تم انبیاءؑ کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ (۱۸۰ : ۳)۔ پھر ساتھ ہی کہا کہ تم رسولوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ (۱۸۲ : ۳) — قتل انبیاءؑ بغیر الحق۔ (۶۱ : ۲) — (۹۱ : ۲) — (۲۱ : ۳) — (۱۱۲ : ۳) — (۱۵۵ : ۴)

۲۔ پہلے کہا کہ رسولؐ، خدا سے فریاد کرے گا۔ پھر کہا کہ اس طرح مجرمین ہر نبی کے دشمن بن جایا کرتے تھے۔ (۲۵ : ۳۱)

۳۔ انبیاء سے میثاق لیا اور تجھ سے (رسول اللہ سے) نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ سے۔ (۳۳ : ۷)

۴۔ رسول اللہ کو نبی کہہ کر پکارا گیا۔ (۳ : ۶۸) - (۵ : ۸۱) - (۸ : ۶۴؛ ۶۵؛ ۶۷؛ ۷۰) - (۹ : ۶۱) - (۹ : ۱۱۳؛ ۱۱۷) - (۳۳ : ۱؛ ۴؛ ۶؛ ۱۳؛ ۲۸؛ ۳۰؛ ۳۲؛ ۳۸؛ ۴۵؛ ۵۰؛ ۵۳؛ ۵۶؛ ۵۹) - (۶۰ : ۱۲) - (۶۵ : ۱) - (۶۶ : ۱؛ ۳؛ ۸ - ۹) - خاتم النبیین۔ (۳۳ : ۴۰) - رسول النبی (۷ : ۱۵۷؛ [رسول النبی ۱۵۸ : ۷) اس کا بھیجا ہوا نبی] - (۳ : ۴۹) - اگلی آیت میں رسول کہا گیا ہے۔ (۳ : ۴۹)

۵۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے انبیاءؑ کی رفاقت۔ (۴ : ۶۹)

۶۔ اے رسولؐ تمہاری طرف وحی کی جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے انبیاءؑ پر وحی کی۔ اور ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ۔ عیسیٰؑ۔ ایوبؑ۔ یونسؑ۔ ہارونؑ۔ سلیمانؑ پر وحی کی۔ اور داؤدؑ کو زبور دی۔ اور (وہ) رسول جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مبشرین و منذرین۔ (۴ : ۱۶۳ - ۱۶۵) - اور موسیٰؑ۔ (۴ : ۱۶۴)

۷۔ بنی اسرائیل کے ایک نبی کو پہلے نبی کہا۔ (۲ : ۲۴۶-۲۴۸) - پھر تلک الرسل کہا۔ (۲ : ۲۵۳)

۸۔ انبیاء میں تفریق نہیں کرتے۔ (۲ : ۱۳۶) - (۳ : ۸۴) - رسولوں میں تفریق نہیں کرتے۔ (۲ : ۲۸۵)

انبیاءؑ کی خصوصیات اور ان کی مخالفت

۱۔ یہود (بنی اسرائیل) انبیاءؑ اللہ کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ "قتل" سے مراد انہیں ذلیل کرنا یا ان کی دعوت کو ماند کر دینا بھی ہو سکتے ہیں اور سچ مچ قتل کر دینا بھی۔ (۲ : ۶۱) - (۲ : ۹۱) - (۳ : ۲۰؛ ۱۱۱؛ ۱۸۰؛ ۱۸۲) - (۴ : ۱۵۵)؛ (۵ : ۷۰)

۲۔ کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ خدا اسے کتاب و حکمت و نبوت دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ۔ (۳ : ۷۸) - (۳) - انبیاء کو ارباب من دون اللہ نہیں بنانا چاہیئے۔ (۳ : ۷۹)

۴۔ ہر نبی کے دشمن شیاطین جن و انس ہوتے تھے جو ملمع سازی کی باتیں کر کے لوگوں کو بہکاتے تھے۔ (۶ : ۱۱۳) - مجرمین ہر نبی کے دشمن ہوتے تھے۔ (۲۵ : ۳۱)

۵۔ ہم نے (رسول اللہ سے پہلے) کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں بھیجا کہ اس کی پیش کردہ وحی میں (بعد میں) شیاطین نے تحریف نہ کر دی ہو۔ اس کے بعد کے رسول کے ذریعے اس تحریف کو مٹا دیا جاتا تھا اور اصل وحی پھر سے پیش کر دی جایا کرتی تھی۔

یہ سلسلہ رسول اللہ سے پہلے جاری رہا۔ رسول اللہ کی وحی کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لے لیا اور نبوت ختم کر دی ۔(۲۲:۵۲
(۴۰ : ۳۳) ۔ (۶) ۔ نبی اپنی وحی میں کبھی خیانت نہیں کرتا۔ (۱۶۰ : ۳)
۷۔ نبی کا مشن اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ فدیہ کے لالچ میں، جنگ میں قیدی پکڑتا نہیں ۔ (۶۷ : ۸)
۸۔ انبیاء اپنی جماعت کو ساتھ لے کر حق کی مدافعت میں جنگ کیا کرتے تھے۔ (۱۴۵ : ۳)
۹۔ جو نبی آتا، اس کی قوم، ہلکی ہلکی تباہیوں میں جھنجھوڑے جانے کے بعد، ایمان لے آتی۔ لیکن بعد میں پھر جاتی۔ (۹۵-۹۴ : ۷)
۱۰۔ تمام انبیاء سے استہزا ہوا۔ (۷-۶ : ۴۳) ۔ تکذیب ہوئی ۔ (۴۳-۴۲ : ۲۲)

انبیاء

۱۔ بنی اسرائیل میں انبیاء پیدا کئے۔ (۲۰ : ۵) ۔ (۲) ۔ انبیاء کو ارباباً من دون اللہ نہ بنالینا۔ (۷۹ : ۳)
۳۔ میثاق انبیاء ۔ (۸۰ : ۳) ۔ (۷ : ۳۳)
۴۔ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دی۔ (۵۵ : ۱۷) ۔ رسولوں کو ۔ (۲۵۳ : ۲) ۔ ان میں تفریق نہیں کی جا سکتی۔
(۸۴ : ۳) ۔ (۱۳۶ : ۲)
۵۔ زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ اور انبیاء اور شہداء آئیں گے۔ (۶۹ : ۳۹)
۶۔ کتب اور انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ (۱۷۷ : ۲)
۷۔ تمام انبیاء منعم علیہ تھے ۔ (۶۹ : ۴) ۔ (۵۸ : ۱۹) ۔ مسلم تھے۔ (۴۴ : ۵) ۔ مومن تھے۔ (۱۱۱ تا ۸۱ : ۳۷)
۸۔ تمام انبیاء کو ایک ہی دین ملا تھا۔ (۱۳ : ۴۲)

نبوت اور کتاب

۱۔ ذریت حضرت ابراہیمؑ میں نبوت اور کتاب جاری رکھی ۔ (۲۷ : ۲۹) حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کی ذریت میں۔ (۲۶ : ۵۷) ۔ (۲) ۔ تمام انبیاء کو کتاب و حکمت دی گئی ۔ (۸۰ : ۳)
۳۔ جو کچھ موسیٰؑ ۔ عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو دیا گیا۔ (۸۳ : ۳)
۴۔ کسی بشر کے لئے یہ جائز نہیں کہ خدا اسے کتاب و حکمت و نبوت دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا سے ورے میرے عباد بن جاؤ ۔ (۷۸ : ۳)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ۔اسحٰقؑ۔یعقوبؑ۔نوحؑ۔داؤدؑ۔سلیمانؑ۔ ایوبؑ۔ یوسفؑ۔موسٰےؑ و ہارونؑ۔زکریاؑ۔یحییٰؑ۔عیسٰیؑ الیاسؑ۔اسماعیلؑ۔ الیسعؑ۔یونسؑ۔ لوطؑ۔ ان سب کو کتاب وحکمت و نبوت ملی تھی۔ (۹۰ - ۸۴ : ۶)۔ دوسری جگہ "کتاب وحکمت ونبوت" کا ذکر۔ (۸۱ : ۳) میں ہے۔ نیز (۱۹ : ۵۴) میں جہاں کہا کہ بنی اسرائیل کو یہ کچھ ملا تھا۔

۶۔ رسولؐ اللہ سے پہلے ہر رسول اور نبی کی وحی میں شیاطین تحریف کر دیتے تھے۔ رسولؐ اللہ کی وحی کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لے لیا اور نبوت کو ختم کر دیا۔ (۵۲ : ۲۲)۔ (۴۰ : ۳۳)

۷۔ کوئی نبی اپنی وحی میں خیانت نہیں کرتا۔ (۱۶۰ : ۳)۔ (۸)۔ انبیاء کے نام۔ (۱۶۵-۱۶۳ : ۴)۔ (۷ : ۳۳)

۹۔ حضرت عیسٰےؑ نے کہا کہ خدا نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ (۳۰ : ۱۹)

۱۰۔ جو کچھ تمام انبیاء کو دیا گیا۔ ہم ان میں تفریق نہیں کرتے۔ (۱۳۶ : ۲)۔ رسولوں میں بھی۔ (۲۸۵ : ۲)

۱۱۔ تورات کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل معاملات کے فیصلے کرتے تھے۔ تورات، صرف حضرت موسٰےؑ کی کتاب کا نام نہیں یہ مجموعہ ہے ان تمام کتابوں کا جو انبیائے بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں۔ (۴۴ : ۵)۔ بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا ہوئی تھی۔ (۱۶ : ۴۵)

۱۲۔ تمام انبیاء کو کتاب ملی تھی۔ (۲۱۳ : ۲)۔ اور تمام رسولوں کو بھی (۲۵ : ۵۷)۔ تمام انبیاء کی طرف وحی ہوتی تھی (۱۶۳ : ۴)۔ وحی اور کتاب ایک ہی بات ہے۔

۱۳۔ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دی اور داؤدؑ کو زبور دی۔ (۵۵ : ۱۷)

۱۴۔ کتب اور انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ (۱۷۷ : ۲)

۱۵۔ حضرت موسٰےؑ وحضرت ہارونؑ دونوں کو الفرقان ملی تھی۔ (۴۸ : ۲۱)۔ الکتاب۔ (۱۱۷ : ۳۷)

متفرق

۱۔ آیت (۵۲ : ۲۲) میں رسول اور نبی کا الگ الگ ذکر ہے جس سے یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ رسول اور ہوتا ہے اور نبی اور۔ لیکن (مثلاً)۔ (۷ : ۳۳) میں کہا ہے کہ خدا نے انبیاء سے میثاق لیا اور منکؐ۔ اے رسولؐ! تم سے بھی اور نوحؑ ابراہیمؑ۔موسٰےؑ۔عیسٰےؑ سے بھی۔ اس کے بظاہر معنی یہ ہو سکتے کہ مؤخر الذکر حضرات انبیاء سے الگ تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔ اور (۱۶۵-۱۶۳ : ۴) میں یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے۔ وہاں (وَ رُسُلاً) نے بالکل وضاحت کر دی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان رسولؐ)

۲- خدا نے انسانوں کی راہ نمائی کے لئے جو کچھ دینا تھا اسے رسول اکرمؐ کو مکمل طور پر دے دیا - جو کچھ دیا گیا اس میں تغیر و تبدل کی بھی ضرورت نہیں ہوگی (۱۱۶ : ۶) - پھر اس قرآن کو محفوظ کر دیا - (۹ : ۱۵) - لہٰذا، قرآن کریم کے بعد خدا کی طرف سے انسانوں کے لئے کچھ نازل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے معنی ختم نبوت ہیں ۔

۳- نبی کو جو علم الغیب ملتا تھا، وحی کے ذریعے ملتا تھا - یہی اس کی "پیش گوئیاں" تھیں - اب اگر کوئی شخص "پیشگوئیوں" کا دعوےٰ کرتا ہے تو وہ خدا سے وحی پانے (یعنی نبوت) کا مدعی ہے ۔ لہٰذا کاذب اور مفتری علی اللہ، کیونکہ ختم نبوت کے بعد وحی پانے کا دعوےٰ کذب اور افتراء ہے ۔

۳- نجات

نجات کے بنیادی معنی کسی خطرہ سے محفوظ رہنے کے ہیں - قرآن کریم میں یہ لفظ دنیاوی خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے بھی آیا ہے، اور اخروی زندگی میں عذاب سے محفوظ رہنے کے لئے بھی - جہاں تک دنیاوی زندگی میں خطرات سے محفوظ رہنے کا تعلق ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں - (اولاً) اگر کوئی شخص یا قوم ایسے اقدامات سے شروع ہی سے احتیاط برتتی ہے جن کا نتیجہ نقصان یا تباہی ہو تو وہ اس خطرہ سے بالکل محفوظ رہتی ہے - (ثانیاً) اگر کوئی فرد یا قوم، کسی غلط روش کی بنا پر کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے لیکن اس کے بعد اپنی روش کو درست کرلے، تو اسے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے ۔

جہاں تک اخروی عذاب کا تعلق ہے، عام تصور یہ ہے کہ لوگ، اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں ڈالے جائیں گے اور جب وہ سزا بھگت لیں گے تو انہیں اس عذاب سے نجات مل جائے گی اور وہ جنت کی طرف منتقل کر دئے جائیں گے۔ یہ تصور قرآن کریم کے خلاف ہے - قرآن کریم کی رو سے جن لوگوں کے حسنات کا پلڑا بھاری ہوگا وہ سیدھے جنت میں چلے جائیں گے اور جن کا وہ پلڑا ہلکا ہوگا وہ جہنم میں بھیج دئے جائیں گے جہاں سے نکلنا نہیں ہوگا۔ تفصیل ان امور کی جنت اور جہنم کے عنوانات میں گذر چکی ہے) - لہٰذا، اخروی زندگی میں نجات سے مراد ہے عذاب سے سرے سے محفوظ رہنا، نہ کہ اس میں مبتلا ہو کر پھر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا،

واضح رہے کہ قرآن کریم کی رو سے، عذاب سے محفوظ رہنا ہی مقصودِ حیات نہیں - اس کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں اقدارِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں، ان کی انسانی صلاحیتوں میں اس قدر نشو و نما ہو جاتی ہے کہ وہ،

قانونِ ارتقاء، کے مطابق، مرنے کے بعد، زندگی کی اگلی اور بلند سطح پہ پہنچ جاتے ہیں۔ (اس کا نام جنت ہے)۔ جن کی صلاحیتوں میں اس انداز کی نشو و نما نہیں ہوتی، ان کا ارتقاء رک جاتا ہے۔ (اسے جہنم کہا جاتا ہے)۔ لہٰذا، قرآن کریم کی رو سے، نجات (عذاب سے محفوظ رہنا) عملِ ارتقاء کا فطری نتیجہ ہے، انسانی زندگی کا مقصود و منتہیٰ نہیں۔ اس کا مقصد، اس سطح سے بلند مدارج حاصل کرنا ہے۔

۲۔ عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے مادہ (و - ق - ی) سے بھی بعض الفاظ آتے ہیں جنہیں یہاں درج کر دیا گیا ہے۔ (اس مادہ کے دیگر الفاظ، تقویٰ۔ متقین کے عنوانات میں دیکھئے۔)

دنیاوی زندگی میں نجات

(ا) خطرات سے شروع ہی سے محفوظ رہنا۔

۱۔ حضرت موسیٰؑ کا قومِ فرعون کی گرفت سے محفوظ رہنا۔ (۸۶ : ۱۰) - (۴۰ : ۲۰) - (۲۵ و ۲۱ : ۲۸)

۲۔ حضرت نوحؑ جب کشتی میں سوار ہو گئے تو کہا کہ الحمد للہ۔ ہم قومِ ظالمین کی دستبرد سے محفوظ ہو گئے۔ (۶۴ : ۷) — (۷۳ : ۱۰) — (۷۶ : ۲۱) - (۲۸ : ۲۳) - (۱۱۹ - ۱۱۸ : ۲۶) - (۱۵ : ۲۹) - (۷۶ : ۳۷)

۳۔ حضرت ہودؑ اور ان کے ساتھیوں کا عذاب سے محفوظ رہنا۔ (۷۲ : ۷) - (۵۸ : ۱۱)

۴۔ حضرت صالحؑ اور ان کے رفقاء کا عذاب سے محفوظ رہنا۔ (۶۶ : ۱۱) - (۵۳ : ۲۷) - (۱۸ : ۴۱)

۵۔ حضرت شعیبؑ اور ان کے رفقاء کا عذاب سے محفوظ رہنا۔ (۹۴ : ۱۱)

۶۔ حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کا قوم کی گرفت سے محفوظ رہنا۔ (۷۱ : ۲۱)۔ حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے محفوظ رہنا۔ (۲۴ : ۲۹) — (۷)۔ حضرت لوطؑ کا اس قوم کی خباثتوں سے محفوظ رہنا۔ (۸۳ : ۷) - (۷۴ : ۲۱) (۱۶۹ : ۲۶) - (۵۷ : ۲۷) - (۳۲ : ۲۹) - (۱۳۴ : ۳۷) - (۳۴ : ۵۴)

۸۔ رسولوں کو اور جماعتِ مومنین کو خطرات سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ مومنین کو خطرات سے محفوظ رکھنا خدا پر واجب ہے۔ حقاً علینا۔ اس سے مراد شروع ہی سے محفوظ رکھنا بھی ہو سکتا ہے اور خطرات میں گھر جانے کے بعد، ان سے نجات حاصل کر لینا بھی، کیونکہ مخالفین کا مقابلہ کرتے، ان کے خطرات میں گھر جانے کا ذکر قرآن میں کئی ایک مقامات پر آیا ہے۔ (۱۰۳ : ۱۰) - (۱۱۰ : ۱۲) - (۹ : ۲۱)

۹۔ فرعون کی بیوی کی دعا کہ بارِ الٰہا! مجھے فرعون اور اس کی قوم کے جرائم کے عواقب سے محفوظ رکھنا۔ (۱۱ : ۶۶)

۱۰۔ سبت کی عدول حکمی کرتے والے ۔ جو لوگ انہیں اس سے منع کرتے تھے انہیں بچا لیا اور باقیوں کو مبتلائے عذاب کر دیا ۔ (۱۶۳ : ۷) ۔ ایسا ہر قوم کے ساتھ ہوا ۔ (۱۱۶ : ۱۱)

۱۱۔ اے جماعتِ مومنین کیا تمہیں ایک ایسی تجارت کا سراغ دیا جائے جو تمہیں الم انگیز تباہی سے محفوظ رکھے ۔ (۱۱-۱۰ : ۶۱)

۱۲۔ دربارِ فرعون کا مردِ مومن ان کے چنگل سے محفوظ رہا ۔ (۴۵ : ۴۰)

مصائب میں مبتلا ہونے کے بعد ان سے رستگاری حاصل ہونا

۱۔ انسان کی کیفیت یہ ہے کہ جب مصیبت میں پھنستا ہے تو داویلا مچاتا ہے اور خدا کو پکارتا ہے ۔ اور جب اسے اس سے نجات مل جاتی ہے تو اعراض برتتا اور شرک کرنے لگ جاتا ہے ۔ (۶۴-۶۳ : ۶) ۔ (۲۳-۲۲ : ۱۰) ۔ (۶۷ : ۱۷) ۔ (۶۵ : ۲۹) ۔ (۳۲ : ۳۱)

۲۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ جب خدا نے ہمیں باطل کے مذہب سے نجات عطا کر دی ہے ، تو یہ خدا کے خلاف افترا ہوگا اگر ہم پھر اسی مذہب کی طرف لوٹ جائیں ۔ (۸۹ : ۷)

۳۔ بنی اسرائیل کا قومِ فرعون کے مظالم سے نجات حاصل کرنا ۔ (۴۹ : ۲) ۔ (۳۰ : ۴۴) ۔ مع حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ (۱۱۵ : ۳۷) ۔ چونکہ قومِ بنی اسرائیل فرعون کی غلامی کے شکنجہ میں جکڑی ہوئی تھی اور حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بھی اسی قوم کے افراد تھے اس لئے ان کا ذکر قوم کے ساتھ ہی آیا ہے ، ورنہ ان پر فرعون ہاتھ نہیں ڈال سکا تھا ۔ (۵۰ : ۲) ۔ (۱۴۱ : ۷) ۔ (۸۶ : ۱۰) ۔ (۷ : ۱۴) ۔ (۸۰ : ۲۰) ۔ (۶۵ : ۲۶)

۴۔ حضرت یونسؑ کا خطرات سے نجات پانا ۔ (۸۸ : ۲۱) ۔ اس طرح مومنین کو خطرات سے نجات مل جاتی ہے ۔

اُخروی زندگی میں نجات ۔ عذاب سے محفوظ رہنا

۱۔ مومنین کا جہنم سے محفوظ رہنا ، (۷۲ : ۱۹) ۔ (۶۱ : ۳۹) ۔ (۵۰ : ۴۴) ۔ (۲۷ : ۱۸ ؛ ۵۲) ۔ (۱۱ : ۷۶)

۲۔ عذابِ جہنم میں ماخوذ ہونے والے اگر چاہیں گے کہ سب کچھ بطور فدیہ دے کر اس سے چھوٹ جائیں تو ایسا نہیں ہو سکے گا ۔ (۱۳-۱۱ : ۷) ۔ خدا (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہیں ۔ (۳۴ : ۱۳) ۔ (۳۷ : ۱۳)

۳۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کی تقریر جس میں اس نے قوم سے کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو ۔ (۴۱ : ۴۰)

۴۔ مومنین سے تاکید کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو عذابِ نار سے بچاؤ۔ (۴۴ : ۲) - (۶ : ۶۶)

۵۔ جو اس دن کے عذاب سے محفوظ رہا وہ خدا کی رحمت میں ہوگا۔ (۴۴ : ۳۹) - (۹ : ۴۰)

۶۔ مومنین کی دعائیں کہ ہمیں عذابِ نار سے محفوظ رکھیو۔ (۲ : ۲۰۱) - (۳ : ۱۶) - (۳ : ۱۹۱)

ملائکہ کی ان کے لیے دعائیں۔ (۷ : ۴۰)

متفرق

۱۔ فرعون کی لاش کا محفوظ رہنا۔ (۹۲ : ۱۰) - (۲) - خدا (کے عذاب) سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ (۲۱ : ۴۰)

(-)

۴۔ نحوست (منحوس)

عربی زبان میں، ہر قسم کی مصیبت، نامبارک، نامسعود، ناخوشگوار واقعہ وغیرہ کو "نحس" کہتے ہیں یہ جو ہمارے ہاں عام عقیدہ ہے کہ فلاں دن منحوس ہوتا ہے اور فلاں ساعت نحس ہوتی ہے، یہ سب توہم پرستیاں ہیں جنہیں ہم نے دوسروں سے مستعار لیا ہے۔ دن اور ساعتیں سب خدا کی پیدا کردہ ہیں۔ ان میں بذاتہٖ نہ کوئی دن منحوس ہوتا ہے نہ سعید۔ ان کا خوشگوار (سعید) یا ناخوشگوار (نحس) ہونا ہمارے اپنے کاموں پر منحصر ہے۔ اگر ہمارے کسی غلط کام کا مضرت رساں نتیجہ سامنے آتا ہے۔ تو وہ دن ہمارے لیے نحس ہوگا۔ اگر اچھے کام کا خوشگوار نتیجہ مرتب ہوتا ہے تو وہ دن سعید ہوگا۔

قرآن کریم نے قومِ عاد کے سلسلہ میں کہا ہے کہ ان پر ایام نحسات یا یوم نحس میں تباہی کا جھکڑ آیا۔ (۱۶ : ۴۱) - (۱۹ : ۵۴) - ان آیات میں "یوم نحس" کے معنی ہیں۔ تباہی کا دن۔ یعنی جس دن (یا جن دنوں میں) ان پر تباہی آئی۔ ظاہر ہے کہ جس دن کسی پر تباہی آئے گی وہ اس کے لئے تباہی کا دن (یوم نحس) ہوگا۔ یعنی یہ نہیں کہ چونکہ وہ دن، نحس تھا اس لئے ان پر اس دن تباہی آئی۔ بلکہ یہ کہ جس دن ان پر تباہی آئی وہ دن ان کے لیے نحس ہوگیا۔ قومِ لوط کے سلسلہ میں بھی یہی کہا گیا ہے۔ (۷۷ : ۱۱)

۲۔ نہ ہی کوئی انسان منحوس ہوتا ہے۔ جب قومِ فرعون پر تباہیاں آئیں تو انہوں نے کہا کہ موسٰیؑ بڑا منحوس ہے۔ جب سے یہ آیا ہے ہم پر مصیبتوں پر مصیبتیں آرہی ہیں۔ اس پر خدا نے کہا کہ مصیبتیں (حضرت موسٰیؑ) کی وجہ سے

نہیں آ رہیں - یہ تو خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق آ رہی ہیں - (۱۳۱ - ۱۳۰ : ۷) - یہی بات حضرت صالح کے سلسلہ میں کہی گئی - (۴۷ : ۲۷) - اور "بستی والوں" کے سلسلہ میں بھی - (۱۹ - ۱۸ : ۳۶) -

۳- سورۂ الرحمٰن میں جہنم کے شعلوں کو نحاس کہا گیا ہے - (۳۵ : ۵۵)

۵- نزول

نَزَلَ کے عام معنی اوپر سے نیچے کی طرف آنے (اترنے) کے ہوتے ہیں - چنانچہ نزول، عروج کے مقابل میں آتا ہے - لیکن قرآن کریم میں یہ مادہ، عام طور نزولِ وحی کے لئے آیا ہے (جیسا کہ وحی کے عنوان میں ——— آپ کے سامنے آئے گا) وحی کے معنی ہیں وہ علم جو نبی کو براہِ راست خدا کی طرف سے ملتا تھا - یعنی وہ اس کی اپنی فکر کا پیدا کردہ نہیں ہوتا تھا - انسان کی فکر کے پیدا کردہ تصورات وخیالات، اس کے اندر سے باہر آئیں گے - یعنی ان میں (SUBJECTIVITY) ہوگی - اس کے برعکس وحی کا علم، انسان کو خارج سے عطا ہوتا ہے - یعنی اس میں (OBJECTIVITY) ہوتی ہے - اسی لئے اسے نزول سے تعبیر کیا گیا ہے - اندر سے باہر آنا نہیں، بلکہ باہر سے اندر آنا - اوپر سے نیچے اترنا -

اس اعتبار سے، وحی کے علاوہ، ان اشیائے فطرت کے لئے بھی نزول کا لفظ آتا ہے - جو انسان کو بلا مزد ومعاوضہ، بطورِ عطیہ، خدا کی طرف سے ملتی ہیں - مثلاً لوہے کے متعلق کہا ہے کہ "ہم نے اسے نازل کیا ہے" (۲۵ : ۵۷)

انزال اور تنزیل (نَزَّلَ) میں یہ فرق ہے کہ تنزیل آہستہ آہستہ اتارنے کو کہتے ہیں اور انزال میں یہ شرط نہیں - نیز تنزیل کے معنی کسی چیز کو اتار کر اسے ٹھیک مقام پر ترتیب سے رکھنے کے بھی ہیں - قرآن کریم کے لئے تنزیل (نَزَّلَ) بھی عام طور پر آیا ہے - اور اس سے یہی مراد ہے یعنی وحی کا علم، جو آہستہ آہستہ عطا کیا گیا اور پھر اسے نہایت ترتیب سے، ہر آیت کو اس کے ٹھیک مقام پر رکھا گیا -

مُنَزِّلٌ کے معنی اتارنے والا - اور مُنَزَّلٌ کے معنی اتارا ہوا - نَزْلَۃٌ - ایک مرتبہ اتارنا - نزیل - مہمان کو کہتے ہیں - مَنْزِلٌ - اترنے کی جگہ -

اس عنوان کے تابع، نزولِ وحی سے متعلقہ آیات کو بالخصوص سامنے لایا جائے گا کہ اس مادہ کی اہمیت کی یہی وجہ ہے -

نزولِ قرآن

۱۔ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ ۔ (۴ : ۱۰۵) ۔ (۴ : ۱۶۲) ۔ (۴ : ۱۶۶) ۔ (۵ : ۴۸) ۔ (۵ : ۴۹) ۔
(۵ : ۶۷ - ۶۸) ۔ (۷ : ۲) ۔ (۱۰ : ۹۴) ۔ (۱۶ : ۲۴) ۔ (۱۶ : ۳۰) ۔
(۲۹ : ۴۷) ۔ (۳۴ : ۶) ۔ (۳۹ : ۲)

۲۔ ما انزل علیک ۔ (۲ : ۲۳) ۔ (۸ : ۴۱) ۔ (۹ : ۹۷) ۔ (۱۸ : ۱) ۔

۳۔ نزولِ کتاب ۔ (۲ : ۱۷۶) ۔ (۳ : ۳) ۔ (۴ : ۱۱۳) ۔ (۴ : ۱۳۶) ۔ (۵ : ۱۰۱) ۔
(۶ : ۹۳) ۔ (۶ : ۱۵۶) ۔ (۷ : ۱۹۶) ۔ (۱۲ : ۲) ۔ (۱۳ : ۱) ۔ (۱۳ : ۳۷) ۔
(۱۴ : ۱) ۔ (۱۶ : ۶۴) ۔ (۱۶ : ۸۹) ۔ (۱۷ : ۸۲) ۔ (۱۸ : ۱) ۔ (۲۰ : ۲) ۔
(۲۰ : ۱۱۳) ۔ (۲۵ : ۶) ۔ (۲۹ : ۵۱) ۔ (۳۸ : ۲۹) ۔ (۳۹ : ۴۱) ۔ (۴۲ : ۱۵) ۔

۴۔ انزل الیکم ۔ (۴ : ۱۷۵) ۔ (۵ : ۵۹) ۔ (۶ : ۱۱۵) ۔ (۲۱ : ۱۰) ۔ (۲۹ : ۴۶) ۔
(۳۹ : ۵۵) ۔ (۶۵ : ۵) ۔ (۶۵ : ۱۰)

علیکم ۔ (۲ : ۱۰۵) ۔ (۲ : ۲۳۱) ۔ (۳ : ۷۱) ۔ (۴ : ۱۴۰) ۔ (۵ : ۶۸)

علینا ۔ (۲ : ۹۱) ۔ (۳ : ۸۳) ۔ (۱۷ : ۹۳) ۔ علیھم ۔ (۹ : ۶۴)

۵۔ ما انزل اللہ ۔ (۲ : ۲۳) ۔ (۲ : ۴۱) ۔ (۲ : ۹۱) ۔ (۲ : ۱۷۰) ۔ (۲ : ۱۷۴) ۔
(۳ : ۵۲) ۔ (۴ : ۴۷) ۔ (۴ : ۶۱) ۔ (۵ : ۴۴ - ۴۷) ۔ (۵ : ۴۹) ۔
(۵ : ۱۰۴) ۔ (۶ : ۹۲) ۔ (۶ : ۹۳) ۔ (۱۷ : ۱۰۵) ۔ (۳۱ : ۲۱) ۔ (۴۷ : ۹) ۔ (۴۷ : ۲۶)

۶۔ نزولِ سلطان ۔ (۳ : ۱۵۰) ۔ (۶ : ۸۲) ۔ (۷ : ۳۳) ۔ (۷ : ۷۱) ۔ (۱۲ : ۴۰) ۔
(۲۲ : ۷۱) ۔ (۳۰ : ۳۵) ۔ (۵۳ : ۲۳) ۔ (۷) ۔ أنزل الرحمٰن ۔ (۳۶ : ۱۵)

۸۔ مَا اُنْزِلَ ۔ (۲ : ۴) ۔ (۲ : ۱۳۶) ۔ (۲ : ۲۸۵) ۔ (۳ : ۱۹۸) ۔ (۴ : ۶۰) ۔
(۴ : ۱۶۲) ۔ (۵ : ۸۱) ۔ (۵ : ۸۳) ۔ (۶ : ۱۵۷) ۔ (۷ : ۳) ۔ (۱۱ : ۱۴) ۔
(۱۳ : ۱۹) ۔ (۱۳ : ۳۶) ۔ (۲۸ : ۸۷) ۔ (۴۶ : ۳۰)

۹۔ نزولِ قرآن ۔ رمضان میں ۔ (۲ : ۱۸۵) ۔ نور ۔ (۴ : ۱۷۵) ۔ (۷ : ۱۵۷) ۔ (۶۴ : ۸) ۔

فرقان - (۳ : ۳) - (۲۵ : ۱) - علیٰ جبلٍ - (۵۹ : ۲۱) - لیلۃ مبارکۃ - (۴۴ : ۳)
لیلۃ القدر - (۹۷ : ۱)

۱۰۔ الذکر - (۱۵ : ۶) - (۱۵ : ۹) - (۱۶ : ۴۴) - (۲۱ : ۵۰) - (۳۸ : ۸)

۱۱۔ انزال سورۃ - (۹ : ۸۶) - (۹ : ۱۲۴-۱۲۷) - (۲۲ : ۱۶) - (۴۷ : ۲۰)

۱۲۔ نزولِ آیت - (۲ : ۹۹) - (۶ : ۳۷) - (۲۴ : ۱) - (۲۴ : ۳۴) - (۲۴ : ۴۶) -
(۲۶ : ۴) - (۵۷ : ۹) - (۵۸ : ۵) - (۱۳) نزولِ بینات - (۲ : ۱۵۹)

۱۴۔ تنزیل - (۱۷ : ۱۰۶) - (۲۰ : ۳) - (۲۶ : ۱۹۲) - (۳۲ : ۲) - (۳۶ : ۵) -
(۳۹ : ۲) - (۴۰ : ۲) - (۴۱ : ۲) - (۴۵ : ۲) - (۵۶ : ۸۰) - (۷۶ : ۲۳)

۱۵۔ شیطان اسے لے کر نازل نہیں ہوئے - (۲۶ : ۲۱۰)

۱۶۔ ما نزل - (۱۶ : ۱۰۱) - (۴۷ : ۲) - (۵۷ : ۱۶)

۱۷۔ طریقِ نزولِ قرآن - روح الامین قلبِ نبوی پر لے کر نازل ہوا - عربی زبان میں (یعنی الفاظ کے ساتھ)۔
(۲ : ۹۸) - (۱۶ : ۲) - (۱۶ : ۱۰۲) - (۲۶ : ۱۹۳-۹۵)

شیطان نازل نہیں ہوئے - (۲۶ : ۲۱۰) - (۱۸) - احسن الحدیث - (۳۹ : ۲۳)

۱۹۔ اعتراض کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی سردار پر نازل کیوں نہیں ہوا - (۴۳ : ۳۱) - ایک ہی بار سارا قرآن کیوں نہیں نازل ہوجاتا - (۲۵ : ۳۲)

۲۰۔ اگر قرآن کسی عجمی پر نازل کیا جاتا تو انہیں اعتراض ہوتا - (۲۶ : ۱۹۸)

اشیائے فطرت کے لئے لفظ نزول

۱۔ بادلوں (سماء) سے پانی (بارش) نازل کیا - (۲ : ۲۲) - (۶ : ۱۰۰) - (۷ : ۵۷) - (۸ : ۱۱) -
(۱۰ : ۲۴) - (۱۳ : ۱۷) - (۱۴ : ۳۲) - (۱۵ : ۲۲) - (۱۶ : ۱۰) - (۱۶ : ۶۵) -
(۱۸ : ۴۵) - (۲۰ : ۵۳) - (۲۲ : ۵) - (۲۲ : ۶۳) - (۲۴ : ۴۲) - (۲۵ : ۴۸) -
(۲۷ : ۶۰) - (۲۹ : ۶۳) - (۳۰ : ۲۴) - (۳۰ : ۴۹) - (۳۱ : ۱۰) - (۳۱ : ۳۴) -
(۳۵ : ۲۷) - (۳۹ : ۲۱) - (۴۲ : ۲۸) - (۴۳ : ۱۱) - (۴۵ : ۵) - (۵۰ : ۹) -

(۵۶ : ۶۹) - (۷۸ : ۱۴)

۲- نزولِ رزق - (۱۰ : ۵۹) - (۴۰ : ۱۳) - (۴۵ : ۵) - بقدرمعلوم - (۱۵ : ۲۱) - (۴۲ : ۲۷)

۳- نزولِ انعام (مویشی) - (۳۹ : ۶) - (۴) - نزول لباس - (۷ : ۲۶)

۵- نزولِ حدید - (۵۷ : ۲۵) - (۶) نزول من و سلوی - دیکھئے "متفرق" ۱۱)

۷- حواریوں کی درخواست کہ ان پر مائدۃ من السماء نازل ہو - (۵ : ۱۱۲-۱۱۵)

۸- وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اس کی طرف چڑھتا ہے - (۵۷ : ۴)

دیگر کتبِ سماوی کا نزول

۱- ما انزل من قبلک - (۴ : ۱۳۶) - (۴ : ۱۶۲)

۲- نزولِ تورات و انجیل - (۳ : ۳) - (۳ : ۶۴) - (۳ : ۹۳) - (۵ : ۴۴) - (۵ : ۴۷) - (۶ : ۹۲)
وحیٔ حضرت موسیٰ کو بصائر کہا گیا - (۱۷ : ۱۰۲)

۳- مَا اُنزِلَ علینا - (۲ : ۹۱) - (۳ : ۸۳) - الیکم - (۵ : ۶۸)

۴- انبیا کے ساتھ کتاب نازل کی - (۲ : ۲۱۳) - تمام رسولوں کے ساتھ کتاب - (۵۷ : ۲۵)

نزولِ ملائکہ

۱- ایسے لشکر جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے - (۳ : ۱۲۳) - (۹ : ۲۶)

۲- اس (رسول) پر ملک نازل کیوں نہیں ہوتا؟ (۶ : ۸) - (۲۵ : ۷) - ہم پر ملائکہ کیوں نہیں نازل ہوئے (۲۵ : ۲۱)

۳- آیت نازل کیوں نہیں ہوتی - (۱۰ : ۲۰) - (۱۳ : ۷) - (۱۳ : ۲۷) - (۲۹ : ۵۰)

۴- مخالفین کا اعتراض کہ خدا نے ملائکہ کیوں نہیں نازل کئے - (۲۳ : ۲۴) - (۴۱ : ۱۴)

۵- نزول جنداً من السماء - (۳۶ : ۲۸) - (۶) - ایمان و استقامت سے نزولِ ملائکہ - (۴۱ : ۳۰)

۷- نزولِ شیاطین - (۲۶ : ۲۲۱-۲۲۲) - (۸) - لیلۃ القدر میں نزولِ ملائکہ اور الروح - (۹۷ : ۵)

۹- جس دن نزولِ ملائکہ ہوگا - (۲۵ : ۲۵) - (۱۰) - ملائکہ بالحق نازل ہوتے ہیں - (۱۵ : ۸)

۱۱- اگر ان پر ملائکہ بھی نازل ہو جائیں، یہ پھر بھی ایمان نہ لائیں - (۶ : ۱۱۲)

۱۲۔ اگر زمین پر فرشتے بستے تو ان کی طرف فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا۔ (۹۵ : ۱۷)

۱۳۔ ملائکہ ، روح (وحی) لے کر رسولوں پہ نازل ہوتے ہیں۔ (۲ : ۱۶)

۱۴۔ خدا خیر المنزلین ہے۔ (۵۹ : ۱۲) – (۲۹ : ۲۳)

متفرق

۱۔ نزول سکینت فی قلوب المؤمنین۔ (۲۶ : ۹) – (۴۰ : ۹) – (۴ : ۴۸) – (۱۸ : ۴۸) – (۲۶ : ۴۸)

(۲)۔ نزولِ امن (۱۵۴ : ۳)

۳۔ مفتری وہ ہے جو کہے کہ میں بھی نازل کر سکتا ہوں۔ (۹۳ : ۶)

۴۔ حواریوں کی استدعا کہ ہم پہ مائدۃ من السماء نازل کیا جائے۔ (۱۱۴ : ۵)

۵۔ اعتراض کہ رسول پہ کنز (خزانہ) نازل کیوں نہیں ہوتا۔ (۱۲ : ۱۱) – (۸ : ۲۵)

۶۔ ما انزل علی الملکین ببابل۔ (۱۰۲ : ۲) – (۷)۔ انزل کے معنی لپیٹ کر دینا۔ (۲۶ : ۳۳)

۸۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ جو کچھ تو اپنی طرف سے عطا کر دے (ما انزلت)۔ (۲۴ : ۲۸)

۹۔ مقتسمین پر نزول۔ (۹۰ : ۱۵) – (۱۰)۔ نزول رجزاً من السماء۔ (۵۹ : ۲) – (۳۴ : ۲۹)

(۱۱) من و سلویٰ کا نزول۔ (۵۷ : ۲) – (۱۶۰ : ۷) – (۸۰ : ۲۰)

۱۲۔ نزول حدید (فولاد)۔ (۲۵ : ۵۷) – (۱۳)۔ دعائے حضرت نوحؑ کہ خدا مبارک منزل پہ اتارے۔ (۲۹ : ۲۳)

۱۴۔ اعتراض کہ بنی بنائی کتاب آسمان سے اتار کر لاؤ۔ (۱۵۳ : ۴) – (۷ : ۶)۔ ہم پہ بھی کتاب اترنی چاہیے۔ (۹۳ : ۱۷)

۱۵۔ نزولِ عذاب۔ (۱۷۷ : ۳۷) – (۱۶)۔ کفار کا بیان کہ خدا نے کچھ نازل نہیں کیا۔ (۹ : ۶۷)

۱۷۔ نُزُل۔ مہمانی۔ (۱۹۷ : ۳) – (۱۰۲ : ۱۸) – (۱۰۷ : ۱۸) – (۱۹ : ۳۲) – (۶۲ : ۳۷) – (۳۲ : ۴۱)
(۵۶ : ۵۶) – (۹۳ : ۵۶)

۱۸۔ نزلۃ۔ ایک بار نازل ہونا۔ (۱۳ : ۵۳)

۱۹۔ ارض و سمٰوٰت میں خدا کا امر نازل ہوتا ہے۔ (۱۲ : ۶۵)

(۰)

۶۔ نسک

اس مادہ کے بنیادی معنی دھونے اور صاف کرنے کے ہیں۔ اس سے مراد کسی معاملہ کو درست اور صاف کر دینا ہوتا ہے۔ اسی سے اس کے معنی اچھا راستہ اختیار کر لینے کے آتے ہیں۔ نسک اس مقام کو کہتے ہیں جس کی طرف آنے جانے کے لوگ عادی ہو چکے ہوں۔ یہیں سے اس کے معنی رسوم و رواج اور طور طریق کے آتے ہیں۔ اور واجباتِ خداوندی کے بھی۔ لعض لغت میں نسکیۃ کے معنی ذبیحہ یا خون بھی آتے ہیں۔

۱۔ ہر قوم کے لئے زندگی کے مختلف طور طریقے یا رسوم و رواج ہیں۔ (۲۲ : ۳۴)۔ (۲۲ : ۶۷)

۲۔ دعائے ابراہیمیؑ کہ ہمیں ہمارے مناسک بتا دے۔ (۲ : ۱۲۸)

۳۔ مراسمِ حج کے سلسلہ میں صیام یا صدقہ یا نسک بطور فدیہ۔ یہاں اس سے مراد وہ شے ہوگی جسے اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا جائے۔ (۲ : ۱۹۶)۔ لعض اس سے مراد جانور ذبح کرنا لیتے ہیں۔

۴۔ حج کے مقتضیات کو مناسک کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (۲ : ۲۰۰)

۵۔ رسول اللہؐ کی زبانِ مبارک سے اعلان کہ میری صلوٰۃ۔ میرے نسک۔ میرا مرنا اور میرا جینا سب خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ہے۔ یہاں نسک سے مراد زندگی کے طور طریقے ہوں گے۔ (۶ : ۱۶۲)

۷۔ نصاریٰ (واحد نصرانی)

(حواری ۔ احبار و رھبان ۔ رھبانیت)

حضرت عیسیٰ کے متبعین کو قرآن کریم میں نصاریٰ کہہ کر پکارا گیا ہے جس کا واحد نصرانی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ ناصرہ گاؤں کے رہنے والے تھے۔ غالباً اس نسبت سے (یعنی مسیح ناصری کی نسبت سے) آپ کے پیروؤں کو نصرانی کہا گیا۔ ان میں سے جو السابقون الاولون تھے، انہیں قرآن نے حواری کہہ کر پکارا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ انجیل نے ان حواریوں (حضرت

مسیحؑ کے شاگردوں) کا عجیب کیریکٹر پیش کیا ہے۔ یعنی ان میں سے ایک نے (انجیل کے بیان کے مطابق) آپ کو چند سکوں کے عوض دشمن کے ہاتھ بیچ دیا۔ (انہیں سازش سے گرفتار کرا دیا) اور باقی گیارہ کے گیارہ آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لیکن قرآن کریم نے کہا ہے کہ وہ بڑے بلند کیریکٹر کے اصحاب تھے جو حضرت عیسےؑ کے مشن کی کامیابی کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ انسانوں کے خود ساختہ افسانوں اور خدا کی وحی میں کتنا فرق ہے!

نصاریٰ

۱۔ مسلمان کے گھر پیدا ہونے والے ہوں۔ یہودی ہوں یا نصاریٰ یا صابئین۔ کسے باشد۔ جو بھی قرآن کے دیئے ہوئے تصور کے مطابق خدا اور آخرت پہ ایمان لائے گا اور اعمالِ صالح کرے گا۔ (یعنی ایسے کام جنہیں قرآن صالح قرار دیتا ہے) اسے کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا۔ (۲ : ۶۲) – (۵ : ۶۹)۔ ان میں قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ (۱۷ : ۲۲)

۲۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جنت میں صرف یہود اور نصاریٰ ہی داخل ہو سکیں گے۔ یہ ان کی خوش فہمی ہے۔ (۲ : ۱۱۱) دعوےٰ کہ ہدایت انہی کے پاس ہے۔ (۲ : ۱۳۵)

۳۔ حالت ان کی یہ ہے کہ یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ سچے دین پہ نہیں۔ نصاریٰ یہودیوں کے متعلق یہی کچھ کہتے ہیں۔ اور تماشا یہ کہ دونوں کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ (۲ : ۱۱۳)

۴۔ یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کرو گے۔ (۲ : ۱۲۰)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد نہ یہود تھی نہ نصاریٰ۔ (۲ : ۱۴۰) – (۳ : ۶۶)

۶۔ نصاریٰ سے بھی خدا نے صحیح تعلیم پہ کاربند رہنے کا وعدہ لیا تھا لیکن وہ سب کچھ فراموش کر بیٹھے۔ اب ان (کے مختلف فرقوں) میں قیامت تک باہمی عداوت رہے گی۔ (۵ : ۱۴)

۷۔ یہود اور نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی چہیتی اولاد ہیں۔ (۵ : ۱۸)

۸۔ مسلمانو! تم یہود اور نصاریٰ کو کبھی اپنا دوست اور سرپرست نہ بنانا۔ وہ تمہارے خلاف ایک دوسرے کے دوست بن جائیں گے۔ تمہارے دوست اور بہی خواہ کبھی نہیں بنیں گے۔ (۵ : ۵۱)

۹۔ زمانۂ نزولِ قرآن میں، یہودی، مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے۔ البتہ عیسائی ان سے قریبی تعلقات رکھتے تھے۔

کیونکہ ان میں رہبان اور قسیسین تھے۔ ان لوگوں پر قرآن کی تعلیم کا اثر ہو جاتا تھا۔ اور ان میں سے بعض اسلام بھی لے آئے تھے۔ (۸۵-۸۲ : ۵)

۱۰۔ نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ مانتے تھے۔ (۳۰ : ۹)

۱۱۔ الوہیت مسیحؑ کے قائل کفر کے مرتکب ہیں۔ (۱۷ : ۵)۔ یہ شرک ہے۔ (۷۲ : ۵)۔ تثلیث کے قائل بھی کافر ہیں۔ (۱۷۱ : ۴)۔ (۷۳ : ۵)۔ حضرت مسیحؑ قیامت کے دن خدا سے کہہ دیں گے کہ یہ میری تعلیم نہیں۔ اسے انہوں نے میرے بعد خود ہی وضع کر لیا تھا۔ (۱۱۷-۱۱۶ : ۵)۔ یہ اپنے احبار و رہبان کو بھی رب مانتے تھے۔ (۳۱ : ۹)

۱۲۔ جب خدا نے حواریوں کو حضرت عیسےٰؑ کی وساطت سے حکم دیا کہ وہ ایمان لائیں تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لاتے ہیں اور مسلم ہیں۔ ان کی مائدۃ من السمآء کی درخواست بھی قبول کر لی گئی۔ (۱۱۵-۱۱۲ : ۵)۔ نیز دیکھئے (۱۵ نیچے)

۱۳۔ ان کے احبار و رہبان لوگوں کا مال حرام طور پر کھا جاتے ہیں۔ (۳۴ : ۹)۔ لوگوں کو بھی ایسا کرنے سے نہیں روکتے۔ (۶۳ : ۵)

۱۴۔ متبعین حضرت عیسےٰ نرم دل ہوتے تھے۔ انہوں نے مسلک رہبانیت خود ہی ایجاد کر لیا۔ خدا نے ان پر اسے فرض نہیں کیا تھا۔ اور پھر اسے نباہ بھی نہ سکے۔ (۲۷ : ۵۷)

۱۵۔ حضرت عیسےٰؑ نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کون خدا کی مدد کے لئے میرا ساتھ دیتا ہے۔ تو ان سب نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ان کے اس کردار کو مومنین کے لئے بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ (۵۲-۵۱ : ۳)۔ (۱۴ : ۶۱)

۱۶۔ احبار و رہبان یہودیوں کے بھی تھے اور عیسائیوں کے بھی۔ یہودیوں کے احبار اور ربانی تورات کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ (۴۴ : ۵)

۱۷۔ خدا کی اولاد کا عقیدہ شرک ہے۔ (۱۱۱ : ۱۷)۔ (۲ : ۲۵)۔ ایسا عقیدہ جس سے آسمان پھٹ پڑے۔ (۹۱-۹۰ : ۱۹)

نصر

(تائید۔امداد)

نصرت (مادہ ن۔ص۔ر)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی اس قسم کی مدد کرنا ہوتے ہیں جس طرح بارش، پیداوار کے لئے زمین کی مدد کرتی ہے۔ اس لئے بارش یا دور دراز سے آنے والے پانی کو نصرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز اس کے معنی کسی کو رزق پہنچانے کے بھی آتے ہیں۔

قرآن کریم نے کامیابی کے لئے فلاح کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی کھیتی کے پروان چڑھنے کے ہیں۔ کھیتی کے پروان چڑھنے کے لئے بارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن بارش سے بھی اسی کسان کی کھیتی پروان چڑھتی ہے جو قانون خداوندی کے مطابق زمین تیار کرے اور فصل کی پیدائش کے لئے محنت اور کوشش کرے۔ لہٰذا، ہر وہ محنت جو قانون خداوندی کے مطابق ہوگی، اس میں خدا کی نصرت شامل ہوگی۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص پانی کے بہاؤ کی طرف کشتی چلاتا ہے اس میں کم محنت سے کشتی کی رفتار تیز ہوگی۔ دوسرا شخص پانی کے بہاؤ کے خلاف کشتی چلاتا ہے۔ اس میں اُسے زور بھی زیادہ لگانا پڑے گا۔ اور کشتی کی رفتار (اس کے باوجود) کم رہے گی۔ پہلے شخص کے ساتھ "خدا کی نصرت" شامل تھی۔ دوسرا اس سے محروم تھا۔

قرآن کریم کی رُو سے خدا کے قوانین دو قسم کے ہیں۔ ایک طبیعی قوانین اور دوسرے اخلاقی قوانین، جنہیں مستقل اقدار کہتے ہیں۔ جو قوم اپنے معاملات میں ان دونوں قوانین کی متابعت کرتی ہے اس کی کوششوں کے نتائج محیر العقول ہوتے ہیں۔ اس سے انسان کی مضمر قوتیں اس انداز سے بیدار اور مشہود ہوتی ہیں کہ اور تو اور، وہ خود بھی شعوری طور پر ان کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اسی کو عام اصطلاح میں "تائیدِ غیبی" کہا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی اس تائید و نصرت کے ذرائع و مظاہر خود انسان کے دست و بازو ہوتے ہیں۔ کوئی فوق الفطرت قوتیں نہیں ہوتیں۔ طبیعی قوانین کے اتباع سے ان "ملائکہ" کی تائید حاصل ہوگی جو فطرت کی قوتوں کے انداز میں کام کرتے ہیں۔ اور اخلاقی قوانین کے اتباع سے ان "ملائکہ" کی تائید جو خود انسان کے اندر کارفرما ہیں۔

معاونت ہر قسم کی مدد کو کہتے ہیں، اور نصرت میں دفع مضرت کا پہلو خصوصیت سے نمایاں ہوتا ہے۔ اس لئے نصرت میں، اپنی حفاظت، مخالفین کی روک تھام، اور غلبہ کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے۔

انصار کے عام معنی "مدد کرنے والے" ہیں، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ اُن مدنی مسلمانوں کے لئے بولا گیا ہے، جنہوں نے، ابتدائے اسلام میں، مکہ سے آنے والے مہاجرین کو پناہ دی۔ اور ان کی ہر قسم کی امداد کی تھی۔

معاونت کے لئے دیکھئے عنوان استعانت

تائید کے معنی ہیں کسی کو تقویت دینا۔ سامانِ قوت بہم پہنچانا۔ قوانینِ خداوندی کے مطابق سعی و عمل سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اسے تائیدِ خداوندی کہا جاتا ہے۔ اس سے انسان کی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ اس کی قوتیں بہترین نتائج پیدا کرتی ہیں۔

نصرتِ خداوندی

۱۔ دنیا میں آسمانی انقلاب لانے والی جماعتوں کو ایسی شخصیتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کہ (رسول اور اس کے ساتھی) پکار اٹھتے ہیں کہ خدا کی نصرت کب آئے گی؟ ایسے صبر آزما حالات میں ان سے کہا جاتا ہے کہ گھبراؤ نہیں۔ خدا کی نصرت قریب ہے۔ (۲ : ۲۱۴) ۔ (۱۲ : ۱۱۰)

۲۔ خدا کی نصرت حاصل ہو جائے تو کامرانی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ (۳ : ۱۶۰)

۳۔ رسول اللہ اور جماعتِ مومنین سے خدا کی نصرت کا وعدہ جو فتحِ مکہ کی صورت میں پورا ہوا۔ (۳ : ۴۸) ۔ نیز غزوۂ حنین میں۔ (۹ : ۲۵) ۔ اور جنگِ بدر میں۔ (۳ : ۱۲) ۔ (۳ : ۱۲۲) ۔ (۹ : ۴۰)

۴۔ انبیاءِ سابقہ کو بھی خدا کی نصرت ملی جب انہیں لوگوں نے سخت تکالیف پہنچائیں۔ اور انہوں نے ان کا استقامت سے مقابلہ کیا۔ (۶ : ۳۴) ۔ (۳۷ : ۱۷۱-۱۷۲)

۵۔ حضرت نوحؑ کو نصرتِ خداوندی عطا ہوئی۔ (۲۱ : ۷۷)

۶۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور بنی اسرائیل کو نصرتِ خداوندی ملی۔ (۳۷ : ۱۱۴-۱۱۵)

۷۔ جماعتِ مومنین سے کہا کہ وہ وقت یاد کرو جب تم کمزور اور قلیل تھے۔ خدا نے تمہاری مدد کی اور تمہیں اس قدر کامیابیاں عطا کیں۔ (۸ : ۲۶)

۸۔ خدا نے رسول اللہ کو اپنی نصرت اور جماعتِ مومنین کے ساتھ تقویت دی۔ (۸ : ۶۲)

۹۔ نصرتِ خداوندی انسانوں کے ہاتھوں سے ملا کرتی ہے۔ مکہ کے مظلومین کی فریاد پر مدینہ کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ان کی مدد کے لئے جاؤ۔ (۴ : ۷۵)۔ انہیں انصار اللہ کہا جاتا ہے۔ (دیکھئے عنوان "انصار")

۱۰۔ رسول اللہؐ کی خدا سے دعا کہ واجعل لی من لدنک سلطانا نصیراً۔ (۸۰ : ۱۷)

۱۱۔ حضرت نوحؑ نے خدا سے فریاد کی کہ میں مغلوب ہو رہا ہوں ۔ میری مدد کر۔ (۱۰ : ۵۴)

۱۲۔ نصرتِ خداوندی سے ثابت قدمی حاصل ہو جاتی ہے ۔ (۷ : ۴۷)

۱۳۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا ۔ اور اگر وہ چھوڑ دے تو پھر کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا ۔ (۱۵۹ : ۳) — (۱۴) ۔ جس پر کوئی زیادتی ہو وہ اسی زیادتی کا اتنا ہی بدلہ لے سکتا ہے ۔ پھر جو سرکشی پر اتر آئے تو جس پر زیادتی ہوئی اس کی مدد خدا کرے گا۔ (۶۱ : ۲۲)

الناصر ۔ النصیر

۱۔ خدا کے سوا تمہارا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہو سکتا ۔ (۱۰۷ : ۲) — (۱۱۶ : ۹) — (۴۳ : ۱۸) — (۸۱ : ۲۸) — (۴۵ : ۵۱)

۲۔ اگر تم نے لوگوں کے خیالات کا اتباع کیا تو خدا کی ولایت و نصرت سے محروم ہو جاؤ گے۔ (۱۲۰ : ۲)

۳۔ بہترین سرپرست اور بہترین مددگار ۔ (۴۰ : ۸) — (۷۸ : ۲۲)

۴۔ خدا کی ولایت و نصرت کافی ہے ۔ (۴۵ : ۴) — (۳۱ : ۲۵)

۵۔ خدا خیر الناصرین ہے ۔ (۱۴۹ : ۳) — (۶) ۔ نصرت صرف خدا کی نصرت ہے ۔ (۱۲۶ : ۳) — (۱۰ : ۸)

نصرتِ خداوندی کیسے ملتی ہے

۱۔ مومنین کی مدد کرنا خدا پر فرض ہے ۔ (۴۷ : ۳۰) ۔ مرسلین کی بھی ۔ (۱۰۳ : ۱۰) — (۱۷۱-۱۷۲ : ۳۷) — (۵۱ : ۴۰)

۲۔ خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو نصرتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے ۔ اور جب یہ حاصل ہو جائے تو پھر کامیابیاں قریب آجاتی ہیں ۔ (۱۱-۱۳ : ۶۱)

۳۔ جو خدا کی مدد حاصل کرنا چاہے اسے وہ مدد مل سکتی ہے ۔ (۱۲ : ۳) — (۵ : ۳۰)

۴۔ جن مسلمانوں پر اس قدر مظالم ہوتے ہیں، انہیں اپنی حفاظت کے لئے جنگ کی اجازت دی جاتی ہے اور خدا انکی نصرت پر قادر ہے ۔ (۳۹ : ۲۲)

۵۔ ظالمین کا کوئی ولی اور نصیر نہیں ہوتا ۔ (۲۷۰ : ۲) — (۱۹۱ : ۳) — (۷۲ : ۵) — (۷۱ : ۲۲)

(۳۷ : ۲۵) – (۸ : ۴۲) – (۲۵ : ۷۱)

۶۔ جو لوگوں کے خیالات اور خواہشات کا اتباع شروع کر دے اسے نصرتِ خداوندی نہیں مل سکتی ۔ (۱۲۰ : ۲)

۷۔ منافقین کو کسی کی مدد نہیں مل سکتی ۔ (۱۴۵ : ۴)

۸۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے موقف پہ ثابت قدم نہ رہتے اور ذرا سا بھی مخالفین کی طرف جھک جاتے ، تو تمہیں سخت سزا دی جاتی اور اس کے خلاف تمہارا کوئی حامی و ناصر نہ ہوتا ۔ (۵، ۷۴ : ۱۷) ۔یہی مومنین سے کہا گیا۔ (۱۱۳ : ۱۱)

۹۔ اس میں عقیدہ یا آرزو کی کوئی بات نہیں ۔ جو بھی ناہمواریاں پیدا کرے گا اس کی سزا بھگتے گا ۔ اور پھر وہ خدا کے سوا کسی کو اپنا ولی و نصیر نہیں پائے گا یعنی اسے اگر مدد ملے گی تو اس صورت میں کہ وہ قوانینِ خداوندی کا اتباع کرے ۔
(۱۲۳ : ۴) – (۱۷۴ : ۴)

۱۰۔ جو اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوتا ۔ (۲۹ : ۳۰)

۱۱۔ جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے ۔یعنی اسے ثابت قدم رکھتا ہے ۔ (۴۰ : ۲۲) – (۷ : ۴۷)

۱۲۔ عذاب آجانے سے پہلے اگر قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جائے تو بچاؤ ہو سکتا ہے ۔ نتائج سامنے آجانے کے بعد کوئی مدد نہیں دے سکتا ۔ (۵۴ : ۳۹)

غیر خدائی قوتیں

۱۔ معبودانِ باطل تو اپنی مدد آپ بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ کسی اور کی مدد کریں ۔ (۱۹۲ – ۱۹۱ : ۷) – (۱۹۷ : ۷) –
(۴۳ : ۲۱) – (۱۹ : ۲۵) – (۹۳ : ۲۶) – (۷۵ : ۳۶)

۲۔ کتنی قومیں ہلاک ہو گئیں ۔ سو جنہیں وہ اپنا معبود سمجھتے تھے ۔ انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی ۔ (۲۸ : ۴۶)

۳۔ منافقین اور کفار کا دنیا میں کوئی ولی اور ناصر نہیں ہو گا ۔ (۲۲ : ۳) – (۹۰ : ۳) – (۱۴۵ : ۴) – (۷۴ : ۹)

۴۔ اللہ کے سوا کوئی ولی اور ناصر نہیں ہو سکتا ۔ (۲۱ : ۴۲)

۵۔ غیر خداوندی قوتوں کی اطاعت اختیار کرنا ظلم ہے ۔ ایسے ظالمین کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا ۔ (۷۱ : ۲۲)

۶۔ جو خدا کی نصرت سے محروم ہو جائے اس کا مددگار کوئی نہیں ہو سکتا ۔ (۵۲ : ۴)

۷۔ کفار ، نصرتِ خداوندی سے محروم رہ جاتے ہیں اور پھر دنیا میں ان کا کوئی ولی اور نصیر نہیں ہوتا ۔ (۶۵ – ۶۴ : ۳۳)
یعنی قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے جو تباہی ان پہ آتی ہے ، اس سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا ۔ یہ مطلب ہوتا ہے

یہ کہنے سے کہ ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوتا۔ (۳ : ۵۵) — (۲۹ : ۲۲) — (۲۹ : ۲۵) —
(۳۴ : ۴۵) — (۲۲ : ۴۸)

۸۔ خدا کے خلاف کوئی کسی کا حامی و ناصر نہیں ہو سکتا۔ (۱۷ : ۳۳)

۹۔ جو قومیں قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے سے ہلاک ہو جاتی ہیں۔ ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔ (۱۳ : ۴۷)

۱۰۔ مکافاتِ عمل کے خلاف کوئی کسی کا مددگار نہیں ہو سکتا۔ (۸۶ : ۱۰) ۔حتّٰی کہ اس وقت خدا بھی مدد نہیں کرتا۔
(۶۶ : ۲۳)۔

۱۱۔ غلط راستے پر چلنے والوں کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوتا۔ (۱۶ : ۲۷)

۱۲۔ جو اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہو سکتا۔ (۲۹ : ۳۰)

۱۳۔ خدا کے خلاف کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا۔ (۲۰ : ۶۷)

۱۴۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہی چھوڑ دے تو پھر تمہاری مدد کوئی نہیں کر سکتا۔ (۳ : ۱۵۹)

۱۵۔ کوئی قوم کتنی ہی بڑی قوتوں کی مالک ہو، قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی اسے خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ (۲۹ : ۴۰)

۱۶۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق ان غریب مومنوں کو دھتکار دوں تو اس سے مجھے جو خدا کی طرف سے سزا ملے گی مجھے اس سے کون بچا سکے گا۔ (۳۰ : ۱۱) ۔ایسا ہی حضرت صالحؑ نے کہا۔ (۶۳ : ۱۱)

۱۷۔ قانونِ مکافات کے خلاف کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ (۲ : ۴۸) — (۲ : ۸۶) — (۲ : ۱۲۳) —
(۴۳ : ۱۸) — (۳۹ : ۲۱) — (۴۱ : ۲۸) — (۲۵ : ۳۷) — (۱۶ : ۴۱) — (۴۶ : ۴۲) ——
(۴۱ : ۴۴) — (۴۶ : ۵۲) — (۳۵ : ۵۵) — (۲۵ : ۷۱)

۱۸۔ قارون پر جب تباہی آتی ہے تو کوئی اس کی مدد نہ کر سکا۔ نہ ہی وہ اپنے آپ کو اس تباہی سے بچا سکا۔ (۸۱ : ۲۸) — (۱۹) ۔ تم قوانینِ خداوندی سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دیکھ لو کہ کوئی بھی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ (۱۵ : ۲۲)

انصار ۔ انصار اللہ

۱۔ مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے دوست ہیں (۷۲ : ۸)

۲۔ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو تم ان کی امداد کرو بشرطیکہ یہ امداد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ جائے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔ (۲) : ۸)

۳۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون خدا کی مدد کرتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں۔ (۵۱ : ۳)۔ جماعتِ مومنین سے کہا کہ تم بھی اسی طرح خدا کے انصار بنو۔ (۱۴ : ۶۱)

۴۔ مہاجرین و انصار میں سے السابقون، ان سے اللہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ (۱۰۰ : ۹)۔ اللہ ان کی طرف اپنی رحمت سے لوٹ آیا۔ (۱۱۷ : ۹)

۵۔ مومنین رسول اللہؐ کی مدد کرتے ہیں اور انکے مشن کے لئے تقویت کا موجب بنتے ہیں۔ (۱۵۷ : ۷)۔ یہی عہد انبیاءؑ سابقہ نے اپنی امتوں سے لیا تھا۔ (۸۰ : ۳)

۶۔ جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ (۴۰ : ۲۲) - (۷ : ۴۷)

۷۔ جو خدا کی راہ میں ہجرت کرنے سے محتاج و نادار ہو جائیں، یہ لوگ امداد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خدا اور رسول کی مدد کی ہے۔ (۸ : ۵۹)

۸۔ خدا نے رسولوں اور کتابوں کے ساتھ شمشیر بھی بھیجی ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون خدا اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ (۲۵ : ۵۷)

تائید (تقویت پہنچانا)

۱۔ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی کی رو سے تقویت پہنچائی۔ (۸۷ : ۲) - (۲۵۳ : ۲) - (۱۱۰ : ۵)

۲۔ خدا نے رسول اللہؐ کو اپنی نصرت اور جماعتِ مومنین سے تقویت پہنچائی۔ (۶۲ : ۸)۔ خود جماعتِ مومنین کو بھی (۲۶ : ۸)

۳۔ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے خلاف تقویت پہنچائی۔ (۱۴ : ۶۱)

۴۔ خدا نے رسول اللہؐ کو ایسے لشکروں سے تقویت پہنچائی جو نظر نہیں آتے تھے۔ (۴۰ : ۹) - (۹ : ۳۳)

۵۔ مومنین کو خدا وحی (روح) سے تقویت پہنچاتا ہے۔ (۲۲ : ۵۸)

۶۔ جو چاہتا ہے اس کی خدا اپنی نصرت سے تائید کرتا ہے۔ (۱۲ : ۳)

۷۔ خدا نے جنگِ بدر میں ملائکہ سے مدد کی۔ (۱۲۳ : ۳) - (۱۲۴ : ۳)۔ ان سے مومنین کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو گیا اور کامیابی یقینی ہو گئی۔ (۱۲۵ : ۳) - (۹ : ۸)

جہاں تک طبیعی قوانین کا تعلق ہے - ان کے مطابق مومن و کافر، ہر ایک اپنی اپنی کوشش سے آگے بڑھ سکتا ہے - خدا کی امداد دونوں کو حاصل ہوتی ہے - (۲۰ : ۱۷) - لیکن جب یہ (کفار) اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اس سے ان کی تباہی آجاتی ہے - (۵۷ - ۵۶ : ۲۳) - اور کامیاب وہی ہوتے ہیں جو اس کے قوانین کے مطابق چلتے ہیں - (۶۱ - ۵۸ : ۲۳)

۹- بنی اسرائیل کی مدد، مال اور بیٹوں سے کی - (۶ : ۱۷)

۱۰- جنت کی نعماء کو مددِ خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے - (۲۲ : ۵۲)

۱۱- قومِ عاد کو مویشی اور اولاد اور دیگر ساز و سامان سے امداد دی - (۳۳ - ۱۳۲ : ۲۶) - قومِ نوح کو بھی (۱۱ : ۷۱)

متفرق

۱- منافقین کی یہ حالت ہے کہ خطرات کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں اور جب نصرتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں - (۱۰ : ۲۹)

۲- جب نصرتِ خداوندی مل جائے اور فتح حاصل ہو جائے تو یہ نہ سمجھ لو کہ بس اب تمہارا پروگرام مکمل ہو گیا - اس کے بعد نیا پروگرام شروع ہو گا جس کے لئے بڑی سعی و کاوش کی ضرورت ہو گی - (۳-۱ : ۱۱۰)

۳- مومنین، رسولؐ کی مدد کرتے ہیں اور اس کے مشن کو تقویت پہنچاتے ہیں - (۱۵۷ : ۷)

۴- رسول اللہؐ کی دعائیں کہ مجھے اپنی طرف سے حامی و مددگار عطا فرما - (۸۰ : ۱۷) - جماعتِ مومنین کی دعا - (۳ : ۱۴۶) - (۲ : ۲۸۶) - (۲ : ۲۵۰)

۵- مخالفین کہتے ہیں کہ رسولؐ اور اس کے ساتھیوں کی جماعت بہت کمزور ہے - ہم بڑے طاقتور ہیں اور ہمارے حامی بھی بہت ہیں - کہا کہ ذرا مقابلہ ہو جائے تو پتہ لگ جائے گا کہ کون کمزور ہے اور کس کے ساتھی زیادہ ہیں - (۷۲ : ۲۳) - (۶) - اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ظالم سے بدلہ لینے کے لئے مظلوم کی مدد کرے - (۱۷ : ۳۳)

۷- جس پر ظلم ہو وہ اگر اس کا بدلہ لے تو اس پر کوئی الزام نہیں - (۴۱ : ۴۲)

۸- کسی سے بدلہ لینے کے معنوں میں - (۲۲۷ : ۲۶) - (۴۷ : ۴۷) - غلبہ کے معنوں میں - (۱۴ : ۹) - (۳۹ : ۴۲)

۹- اہلِ کتاب اگر تمہارے مقابلہ کے لئے آئیں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا — (۳ : ۱۱۰) - (۵۹ : ۱۲)

١٠۔ حضرت نوحؑ نے نصرتِ خداوندی کے لئے دعا کی۔ (٢٦ : ٢٣) ۔ (٣٩ : ٢٣) ۔ (١٠ : ٥٤)

١١۔ حضرتِ لوطؑ کی دعا ۔ (٣٠ : ٢٩)

١٢۔ جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان کی مدد کرنے کی شرط ۔ (٧٢ : ٨)

٩۔ نعمت

(انعام)

مادہ (ن ۔ع ۔م) انسانی زندگی کے ہر پہلو کا خوشگوار، کشادہ، ملائم، آسودہ، بلند اور اذیت و تکلیف سے مبرّیٰ ہو جانا ۔ تر و تازگی ۔ شگفتگی ۔ شادابی ۔ سرفرازی حاصل ہونا ۔ نیز، قوم کی اجتماعیت اور باہمی اتفاق و ائتلاف کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔

انعاماتِ خداوندی کی تفصیل

١۔ قرآن کریم کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو انعاماتِ خداوندی حاصل ہوتے ہیں ۔ (٦ : ١)

٢۔ بنی اسرائیل کو انعاماتِ خداوندی کی یاد دلائی گئی (٤٠ : ٢) ۔ (٤٧ : ٢) ۔ (١٢٢ : ٢)

٣۔ اقوامِ عالم پر فضیلت حاصل ہونا، انعامِ خداوندی ہے ۔ (٤٧ : ٢) ۔ (١٢٢ : ٢)

٤ جس قوم کو انعاماتِ خداوندی حاصل ہوں اور وہ انہیں (اپنے غلط اعمال کی وجہ سے) ضائع کر دے تو یہ خدا کا عذاب ہوتا ہے ۔ (٢١١ : ٢) ۔ (٢٨ : ١٤)

٥ کعبہ (یعنی مرکزِ نظامِ خداوندی) کے ساتھ متمسک رہنے سے اتمامِ نعمت ہوگا ۔ (١٥٠ : ٢)

٦ ۔ خدا کی طرف سے ضابطۂ قوانین کا مل جانا، اور ان قوانین کی غرض و غایت اور علم و حکمت کا معلوم ہو جانا، خدا کا انعام ہے ۔ (٢٣١ : ٢)

٧۔ باہمی اتحاد، اتفاق ۔ ائتلاف، اخوت، محبت ۔ خدا کی نعمت ہے ۔ (١٠٢ : ٣)

٨۔ حق و صداقت کی خاطر جان دے دینے والے انعاماتِ خداوندی کے مستحق ہوتے ہیں ۔ (١٧٠ : ٣)

۹۔ میدانِ جنگ سے فاتح و منصور لوٹنا، انعامِ خداوندی ہے۔ (۳:۱۷۳) ۔ (۹ : ۳۳)

۱۰۔ خدا و رسول کی اطاعت سے، ان لوگوں کی رفاقت نصیب ہو جاتی ہے جن پر خدا کی نعمت ہوتی ہے۔ وہ انبیاء، صدیق شہداء اور صالحین ہیں۔ (۴ : ۶۹)

۱۱۔ اسلام، نعمتِ خداوندی ہے جس کا اتمام قرآن کریم میں آکر ہوا ہے۔ (۵ : ۳)

۱۲۔ تطہیرِ فکر و نظر کے علاوہ، جسمانی پاکیزگی بھی باعثِ انعامِ خداوندی ہے۔ (۵ : ۶)

۱۳۔ سمع و طاعت کا عہد، خدا کی نعمت ہے۔ (۵ : ۷)

۱۴۔ دشمن کی دست درازیوں سے محفوظ رہنا، خدا کا انعام ہے۔ (۵ : ۱۱)

۱۵۔ کسی قوم کو حضراتِ انبیاء کرام کی وساطت سے آسمانی راہ نمائی کا مل جانا۔ اور انہیں مملکت اور قوت کا حاصل ہو جانا، انعاماتِ خداوندی ہیں۔ (۵ : ۲۱)

۱۶۔ حضرت عیسٰی اور ان کی والدہ، پر انعاماتِ خداوندی سایہ فگن تھے۔ (۵ : ۱۱۰) ۔ (۴۳ : ۵۹)

۱۷۔ تمکن و قوت۔ شوکت و حشمت۔ انعاماتِ خداوندی ہیں۔ (۷ : ۶۹)

۱۸۔ خدا کسی قوم کی نعمتوں کو نہیں چھینتا تاوقتیکہ وہ قوم خود اپنے اندر ایسی نفسیاتی تبدیلیاں نہ پیدا کرلے جن سے وہ ان انعامات کی اہل نہ رہے۔ (۸ : ۵۳)

۱۹۔ آلِ یعقوب جن نعمائے خداوندی کی حامل تھی ان کے اہل حضرت یوسفؑ ہوئے۔ (۱۲ : ۶)

۲۰۔ مستبد قوتوں کے مظالم سے نجات مل جانا، نعمتِ خداوندی ہے۔ (۱۴ : ۶)

۲۱۔ قوم کے لیڈر، نعمائے خداوندی کا کفران کرتے ہیں اور اس طرح قوم کو تباہی کے جہنم میں دھکیل دیتے ہیں۔ (۱۴ : ۲۸)

۲۲۔ تم نعمائے خداوندی کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ (۱۴ : ۳۴) ۔ (۱۶ : ۱۸)

۲۳۔ اکتسابِ رزق (زیادہ رزق کمانے) کی استعداد، نعمتِ خداوندی ہے جو انسان کو بلا مزد و معاوضہ ملتی ہے۔ اس لئے اس استعداد کے ماحصل کو ذاتی ملکیت نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ (۱۶ : ۵۳) ۔ (۱۶ : ۷۱) ۔ یہ کفرانِ نعمت اور باطل پر ایمان ہے۔ (۱۶ : ۷۲)

لہ۔ آلآء کے معنی قدرت اور نعمت دونوں کے آتے ہیں۔ ہم نے اسے اسی عنوان میں درج کردیا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات پر یہ صرف قدرت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۲۴۔ طبیعی زندگی کے اسباب و وسائل نعمائے خداوندی ہیں - (۸۳ - ۷۸ : ۱۶) - (۲۱ : ۳۱)

۲۵۔ رزق کی فراوانی اور مرفہ الحالی ، خدا کی نعمت ہے - بھوک اور خوف اس کا عذاب ہے - (۱۱۲ : ۱۶)

۲۶۔ خوش حالی کے زمانے میں انسان، خدا فراموش ہوجاتا ہے - اور مصیبت کے وقت مایوس - (۱۰ : ۱۱) - (۸۳ : ۱۷)

(۸ : ۳۹) - (۵۱ : ۴۱) - (۲۷) - انبیاءِ کرام سب منعم علیہ تھے - (۵۸ : ۱۹)

۲۸۔ شوکتِ سلیمانیؑ ، خدا کی نعمت تھی - (۱۹ : ۲۷)

۲۹۔ سامانِ حفاظت (مغفرت) مل جانا ، انعامِ خداوندی ہے - (۱۷ : ۲۸)

۳۰۔ تسخیرِ ارض و سما ، اور آسمانی راہ نمائی ، نعمائے خداوندی ہیں - (باطن کی نعمتیں خدائی راہ نمائی سے حاصل ہوتی ہیں (۸۱ : ۱۷) (۲۰ : ۳۱) - (۱۳ - ۱۲ : ۴۳) - باطن کی نعمتوں سے مراد وہ آسمانی راہ نمائی ہے جس سے انسان کے قلب و نگاہ میں انقلاب واقع ہوجاتا ہے - (۳۱) - حضرت زیدؓ پر خدا اور رسولؐ کے انعامات تھے - (۳۷ : ۳۳)

۳۲۔ نوعِ انسان کے لئے سامانِ زیست ، نعمتِ خداوندی ہے - یعنی بلا مزد و معاوضہ ملا ہے - (۳ : ۳۵)

۳۳۔ دنیا میں معاشی فساد کی وجہ یہ ہے کہ جو چیزیں انسان کو خدا کی طرف سے بطور نعمت (بلا مزد و معاوضہ) ملی ہیں ، وہ ان کے متعلق بھی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس کی ہنر مندی کا نتیجہ ہیں - (۴۹ : ۳۹)

۳۴۔ انعاماتِ خداوندی کا شکریہ یہ ہے کہ انسان ایسے کام کرے جن سے اس کی اپنی ذات کی صلاحیتوں کی بھی نشو و نما ہو ، اور عالمگیر انسانیت کے بھی کام سنورتے جائیں (یعنی اعمالِ صالح) - (۱۵ : ۴۶)

۳۵۔ نبی اکرمؐ پر اتمامِ نعمت - (۲ : ۴۸) - (۳۶) - رُشد و ہدایت ، نعمتِ خداوندی ہے - (۸ : ۴۹)

۳۷۔ تباہی سے محفوظ رہنا نعمتِ خداوندی ہے - (۳۵ : ۵۴)

۳۸۔ جنت کی آسائشیں اور عظیم مملکت ، نعمائے خداوندی ہیں - (۲۰ : ۷۶)

۳۹۔ سورہ رحمٰن (۵۵) میں - فبای آلاءِ ربکما تکذبان - میں بعض مقامات پر اس کے معنی نعمت ہیں اور اکثر مقامات پر قدرت - (مضمون کے سیاق و سباق سے مفہوم واضح ہوجاتا ہے)

۴۰۔ عزت و تکریم اور کشائشِ رزق خدا کی نعمت ہے - (۱۵ : ۸۹)

۴۱۔ یہ نعمت چھنتی اس طرح ہے کہ معاشرہ ان لوگوں کی عزت و تکریم نہ کرے جو تنہا رہ جائیں - محتاجوں کے لئے سامانِ زیست مہیا نہ کرے - افراد ساری دولت سمیٹ کر اپنے لئے جمع کر لیں - (۲۰ - ۱۵ : ۸۹)

۴۲۔ صحیح راستے کا سامنے آجانا - مفلسی کے بعد رزق کی فراخی حاصل ہوجانا - تنہا رہ جانے کے بعد ، پناہ کا مل جانا - سب

نعمائے خداوندی ہیں جو حضورؐ پر ارزاں ہوئی تھیں، اور جن کے متعلق آپؐ سے کہا گیا کہ انہیں اپنے پیش نظر رکھا کرو۔ (۱۱-۵ : ۹۳) - (۴۳) - انسان کو جو کچھ خدا کی طرف سے بطور نعمت ملا ہے، اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس نے اسے کیسے صرف کیا تھا۔ (۱۳ : ۲۱) - (۸ : ۱۰۲)

۴۴۔ لوگوں کی راہ نمائی صحیح راستے کی طرف کرنے والے منعم علیہ ہوتے ہیں۔ (۲۳ : ۵)

۴۵۔ اہل جنت کے چہرے تر و تازہ (۸ : ۸۸)

۴۶۔ ہر قسم کی فارغ البالی۔ آسائش۔ مرفہ الحالی، نعمائے خداوندی ہیں۔ (۲۷ : ۴۴)

۴۷۔ مال و دولت نعمت خداوندی ہے۔ (۱۱ : ۷۳) - (۴۸) - شکر نعمت عبودیت خداوندی کا ثبوت ہے۔ (۱۴ : ۱۱۴)

۴۹۔ کسی قوم کو محکوم بنا کر اس کی پرورش کرنا۔ ارزانی نعمت نہیں۔ فرعون — بنی اسرائیل کے ساتھ ایسا ہی کرتا تھا (۲۲ : ۲۶)

۵۰۔ کفران نعمت اور باطل پر ایمان ایک ہی بات ہے۔ (۱۶ : ۷۲) - (۲۹ : ۶۷)

۵۱۔ عذاب جہنم سے محفوظ رہنا، نعمت خداوندی ہے۔ (۳۷ : ۵۷)

۵۲۔ حضورؐ نہ کاہن تھے نہ مجنون۔ یہ نعمت خداوندی تھی۔ (۲۹ : ۵۲) - (۶۸ : ۲)

۵۳۔ حضرت یونسؑ کا ہلاکت سے محفوظ رہنا انعام خداوندی تھا۔ (۴۹ : ۶۸)

۵۴۔ حضرت ابراہیمؑ نعمائے خداوندی کے شکر گزار تھے۔ (۱۲۱ : ۱۶)

۵۵۔ جنت زندگی میں نعمائے خداوندی۔ نعیم۔ (۶۵ : ۵) - (۲۱ : ۹) - (۹ : ۱۰) - (۵۶ : ۲۲) - (۸۵ : ۲۶) - (۸ : ۳۱) - (۴۳ : ۳۷) - (۱۷ : ۵۲) - (۱۲ : ۵۶) - (۸۹ : ۵۶) - (۳۴ : ۶۸) - (۳۸ : ۷۰) - (۱۳ : ۸۲) - (۲۲ : ۸۳)

نعمائے خداوندی کی تقسیم

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ نعمائے خداوندی میں کچھ تو ایسی ہیں جو خدا کی طرف سے تمام انسانوں کو بلا مزد و معاوضہ ملتی ہیں۔ مثلاً سامان رزق۔ بنیادی ضروریات زندگی۔ ان نعمائے خداوندی کو تمام انسانوں کی ضروریات کے لئے عام رہنا چاہیئے۔ ان پر کسی کی ذاتی ملکیت کا تصور ہی باطل ہے۔ قرآنی نظام معاشرہ کا فریضہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی تقسیم کا ایسا انتظام کرے کہ ان سے ہر ایک کی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور کوئی فرد کسی دوسرے کے راستے میں روک بن کر نہ بیٹھ جائے۔

دوسری قسم ان نعماء کی ہے۔ جو انسانی محنت اور کاوش سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً مملکت و حکومت۔ شوکت و ثروت

مرفہ الحالی و فارغ البالی وغیرہ - اگر کسی قوم کو یہ چیزیں حاصل ہیں اور وہ انہیں قوانینِ خداوندی (قرآنی تعلیم) کے مطابق صرف کرتی ہے - تو وہ قوم خدا کی منعم علیہ ہے - اگر اسے یہ کچھ حاصل نہیں تو وہ مغضوب علیہ ہے - یعنی خدا کے عذاب میں مبتلا ہے - یہ ایک ایسا محسوس معیار ہے جس کے مطابق ہم ہر وقت اپنا جائزہ لے سکتے اور محاسبہ کر سکتے ہیں -

یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی ہنگامی حادثہ کی وجہ سے کوئی قوم کچھ وقت کے لئے ان نعمتوں میں سے کسی سے محروم ہو جائے۔ لیکن ہنگامی طور پر ان سے محروم ہو جانا اور اسے خدا کے مقرب بندوں کی نشانی سمجھ لینا اور بات - خدا کے مقرب بندوں کو یہ نعماء حاصل ہوتی ہیں اور اگر کسی وقت ہنگامی طور پر یہ چھین جاتی ہیں - تو وہ ان کی بازیابی کے لئے انتہائی کوشش کرتے ہیں - محتاجی - محکومی - کمزوری - مفلسی - خوف - ہراس - پریشانی - خدا کے عذاب کی علامات ہیں -

—(-)—

۱- نَفْسٌ

نَفْسٌ - یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے - مثلاً

۱- کوئی شخص یا جان - جیسے وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا (۲ : ۷۲) - جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا - یا ایک جان کو ہلاک کر دیا۔

۲- خود - یا "اپنے آپ" کے معنوں میں جیسے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۲ : ۴۴) - تم دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو -

۳- اپنے لوگ - بھائی بند - جیسے وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ (۲ : ۸۴) - تم اپنے بھائی بندوں کو (اپنے لوگوں کو) اپنے گھروں سے باہر مت نکالو۔

۴- ہم جنس - جیسے وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (۱۶ : ۷۲)۔ خدا نے تم میں سے (یعنی تمہارے ہم جنس) تمہارے جوڑے بنائے -

۵- اولین جرثومۂ حیات (LIFE - CELL) جس سے زندگی کے ارتقائی سلسلہ کا آغاز ہوا - جیسے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (۴ : ۱) - اس نے تمہیں ایک جرثومۂ حیات سے پیدا کیا - (تفصیل کے دیکھئے عنوانات آدم انسان - ارتقاء)

۶۔ سورۂ آلِ عمران میں ہے۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۔ (۳ : ۲۷)۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تمہیں اپنے آپ (یا اپنی ذات) سے ڈراتا ہے۔ اس کے معنی ہیں خدا تمہیں اپنے قانونِ مکافاتِ عمل سے محتاط رہنے کے لئے کہتا ہے۔

۷۔ لیکن اس لفظ کے سب سے اہم معنی وہ ہیں جسے ہم انسانی ذات۔ یا خودی۔ یعنی (HUMAN PERSONALITY) کہتے ہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

انسانی زندگی کے دو تصورات ہیں۔ ایک یہ کہ انسان نام ہے اس کے طبیعی جسم کا جو سلسلۂ ارتقاء کی رُو سے اولین جرثومۂ حیات سے شروع ہو کر موجودہ پیکر تک پہنچا ہے۔ یہ ایک مشینری ہے جو طبیعی قوانین کے تابع سرگرم عمل رہتی ہے اور جب یہ چلنی بند ہو جائے گی تو انسان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اُسے مادی تصورِ حیات کہا جاتا ہے جس کی رُو سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

دوسرا تصورِ حیات یہ ہے کہ زندگی جب پیکرِ انسانی میں پہنچی تو یہاں اس میں ایک ایسی شے کا اضافہ ہوا جو نہ اس سے پہلے اس میں موجود تھی اور نہ ہی وہ طبیعی قوانین کی تخلیق تھی۔ اُسے خدا نے "روحنا" کہہ کر پکارا ہے۔ (دیکھئے عنوان روح)۔ یعنی الوہیاتی توانائی۔ اس کو انسانی ذات یا خودی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی سے انسان صاحبِ اختیار و ارادہ ہوتا ہے اور اپنے اعمال کا ذمہ دار۔ ذمہ دار ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے ہر عمل (حتیٰ کہ اس کے خیالات اور ارادہ تک) کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہوتا ہے۔ "اچھے اعمال" سے اس کی ذات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یعنی یہ نشوونما پاتی جاتی ہے اور "برے اعمال" سے یہ کمزور ہوتی جاتی ہے۔ موت سے انسان کا جسم تو منتشر ہو جاتا ہے۔ لیکن انسانی ذات فنا نہیں ہوتی۔ یہ آگے بھی جاتی ہے۔ اسے اُخروی زندگی یا حیاتِ آخرت کہتے ہیں۔ نشوونما یافتہ یا مستحکم ذات، زندگی کے اگلے (اور بلند) درجہ میں پہنچ جاتی ہے۔ اسے جنتی زندگی کہتے ہیں۔ اور غیر مستحکم ذات کی ترقی رک جاتی ہے۔ اسے مقامِ جہنم سے تعبیر کیا جاتا ہے (دیکھئے عنوانات جنت اور جہنم)۔ واضح رہے کہ انسانی ذات کے اندر اس بات کی صلاحیت نہیں کہ وہ خیرِ مطلق اور شرِ مطلق (ABSOLUTE GOOD AND EVIL) میں از خود تمیز کر سکے۔ یہ تمیز صرف وحی کی رُو سے ہو سکتی ہے۔ وحی جن امور کو خیر کہے انہیں "اچھے کام" کہا جائے گا۔ جن سے وہ روکے، وہ "برُے کام" کہلائیں گے۔ انسانی ذات صرف صاحبِ اختیار ہے۔ یعنی یہ اس کے اپنے فیصلے پر ہے کہ وہ خیر کو اختیار کرتی ہے یا شر کو۔ اور جب خیر و شر کی تمیز اس کے اندر نہیں تو جسے ضمیر کی آواز کہا جاتا ہے اس سے بھی یہ مراد نہیں کہ ضمیر کی آواز ہمیشہ خیر کی طرف دعوت دیتی ہے اور شر سے ملامت کرتی ہے۔ جس بات کو انسان اچھا یا برُا سمجھتا ہے اسی کو اس کی ضمیر اچھا یا برُا کہتی ہے۔ اور اگر وہ اچھے یا برُے کی تمیز وحی کی رو سے

نہیں کرتا تو پھر جن باتوں کو سوسائٹی اچھا سمجھتی ہے وہ اسے اچھا سمجھتا ہے اور جسے سوسائٹی معیوب قرار دیتی ہے وہ اسے مذموم خیال کرتا ہے ۔ اس کے ضمیر کی آواز، اس کے مطابق ہوتی ہے ۔ لہٰذا قابلِ اعتماد، وحی کا فیصلہ ہے نہ کہ انسانی ضمیر کا ۔ اور انسانی ذات اس کے اختیار و ارادہ کی قوت کا نام ہے ۔ یہ خیر و شر میں تمیز کرنے کی از خود صلاحیت نہیں رکھتی ۔

خدا کی ذات، مکمل ترین ذات ہے اور اگر یہ دیکھنا ہو کہ کسی شخص کی ذات میں کس قدر نشو و نما ہو رہی ہے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس میں (بحدِ بشریت) خدائی صفات کی کس حد تک نمود ہوتی ہے ۔ اس اعتبار سے، خدائی صفات، وہ خارجی معیار قرار پاتی ہے جس سے انسانی ذات کی نشو و نما ماپی جاسکتی ہے ۔ یاد رکھیئے کہ انسانی ذات، ذاتِ خداوندی کا حصہ نہیں کسی ذات کے حصے بخرے نہیں کئے جاسکتے ۔ انسانی ذات، خدا کی عطا کردہ قوت ہے یہ نظریات کہ انسانی ذات، ذاتِ خداوندی کا ایک حصہ ہے جو اپنی اصل یا کُل سے الگ ہو کر مادہ کی دلدل میں پھنس رہی ہے ۔ اسے اس دلدل سے نکال دینا تاکہ یہ پھر اپنی اصل سے جا کر مل جائے، مقصودِ انسانی ہے، اس قسم کے تمام نظریات خلاف قرآن ہیں اور دوسروں سے مستعار ۔ وحدت الوجود، ہمہ اوست وغیرہ انہی نظریات کا نام ہے ۔ اسی طرح تصوّف کے نظریہ کے مطابق "تزکیۂ نفس" بھی غیر قرآنی تصور ہے ۔ تزکیۂ نفس، قرآنی اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتا ہے نہ کہ نفس کشی کے لئے چلہ کشی اور ریاضات سے ۔ شعورِ خویش (SELF COSCIOUSNESS) اور حافظہ (MEMORY) انسانی ذات کی خصوصیات ہیں ۔ انسانی دماغ (BRAIN) وہ ذریعہ ہے جس سے انسانی ذات اپنی ان خصوصیات کا مظاہرہ کرتی ہے ۔ جیسے (مثال کے طور پر) ریڈیو سیٹ وہ ذریعہ ہے جس سے براڈکاسٹ کرنے والے کی آواز ہم تک پہنچتی ہے ۔ موت سے، وہ سب چیزیں جنہیں انسان "میری" کہتا ہے، یہاں رہ جاتی ہیں اور انسان کا "میں" (ذات) اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ آگے بڑھ جاتی ہے ۔ (دیکھئے عنوان آخرت)

زیرِ نظر عنوان میں، انہی آیات کو پیش کیا جائے گا جن میں نفسؔ کا لفظ انسانی ذات (یا ذاتِ خداوندی) کے لئے آیا ہے ۔ نَفَسؔ (ف کے زبر کے ساتھ) کے معنی سانس یا ہوا کے ہیں ۔ اس کی جمع اَنْفَاسؔ ہے ۔

انسانی ذات کی ذمہ داریاں ۔ قانونِ مکافاتِ عمل

۱۔ ہر نفس (ہر شخص) کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا ۔ اور کوئی ذات نہ کسی دوسری ذات کے کام آسکے گی نہ کے اعمال کا اثر اس پر مرتب ہوگا ۔ (۲ : ۴۸ ؛ ۱۲۳) ـ (۲ : ۲۸۱) ـ (۳ : ۲۵) ـ (۱۶۱ (۱۴ : ۵۱) ـ (۱۶ : ۱۱۱) ـ (۲۰ : ۱۵) ـ (۳۶ : ۵۴) ـ (۳۹ : ۷۰) ـ (۱۷ : (۴۵ : ۲۲) ـ (۷۴ : ۳۸)

۲۔ جس نفس نے جو کچھ بھی کیا ہوگا وہ اس دن اُسے اپنے سامنے پائے گا۔ (۳۰ : ۳) ۔ (۳۰ : ۱۰) ۔ (۸۱ : ۱۴) ۔ (۸۲ : ۵)

۳۔ انہیں قوانینِ خداوندی سے آگاہ کرتا رہ تاکہ کوئی نفس اپنے غلط اعمال کی وجہ سے تباہ نہ ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نفسِ انسانی (انسانی ذات) کو صحیح راستے کی طرف راہ نمائی خارج سے ملتی ہے۔ (۶ : ۷۰)

۴۔ ہر ذات (نفس) جو کچھ کرتی ہے اس کا اثر اس پر پڑتا ہے (۶ : ۱۶۴) [نیز دیکھئے اس عنوان کا باب "انسانی ذات کی خصوصیات)۔ (۵) کوئی ذات فدیہ دے کر چھوٹ نہیں سکے گی۔ (۵۴ : ۱۰)

۶۔ خدا نفسِ انسانی کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (۱۳ : ۳۳) ۔ (۷) ۔ وہاں ہر نفس ایک سائق اور شہید کے ساتھ آئے گا۔ (۲۱ : ۵۰)

۸۔ نفسِ انسانی کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت خیال رکھے کہ وہ کل کے لئے کیا بھیج رہا ہے۔ (۱۸ : ۵۹) ۔ ہر نفس جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور مؤخر کیا کیا ہے۔ (۵ : ۸۲)

۹۔ صحیح نظامِ زندگی میں کوئی نفس کسی دوسرے نفس پر کسی قسم کا اختیار و اقتدار نہیں رکھے گا۔ (۱۹ : ۸۲)

۱۰۔ ہر نفس پر ایک محافظ ہے۔ (۴ : ۸۶)

۱۱۔ انسان اگر مصیبتوں میں پھنستا ہے تو اس لئے کہ اس کی ذات وحی کی روشنی میں قدم نہیں اٹھاتی۔ وحی کی راہ نمائی میں قدم اٹھانے کا نتیجہ خوشگواریاں ہوتا ہے۔ (۷۹ : ۴)

۱۲۔ انسان سے کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ آپ پڑھ۔ تیری ذات آج خود تیرے خلاف حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔ (۱۳۰ : ۶) ۔ (۷ : ۳۷) ۔ (۱۴ : ۱۷) ۔ (۱۴ : ۷۵) ۔ (۵ : ۸۲)

۱۳۔ جس دن ہر نفس اپنے آپ سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔ (۱۱۱ : ۱۶)

۱۴۔ جو کچھ تمہارے دل (نفس) میں ہے اسے چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو۔ خدا اس کا حساب لے لے گا۔ (۲ : ۲۸۴) ۔ (۳۱ : ۱۱)

انسانی ذات اور اس کی خصوصیات

۱۔ جس دن ہر نفس (ہر شخص) اپنے نفس (اپنی ذات) سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔ (۱۱۱ : ۱۶)۔ یہ اور اس قسم کی دیگر آیات جن میں کہا گیا ہے کہ (مثلاً) وہ لوگ جو اپنے نفس پر زیادتی کرتے ہیں۔ یا جو غلط کام کرتا ہے اس کا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہے۔ وغیرہ۔ ان آیات میں غور طلب بات یہ ہے کہ "جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہے" میں "جو شخص" کون ہے جو برا کام کرتا ہے اور اس کا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہے۔ یوں سمجھ میں آتا ہے کہ یہ صرف بات کرنے کا انداز ہے ورنہ اچھے یا برے کام کی ذمہ دار تو انسانی ذات ہی ہے اور

اسی پر اس کے فیصلوں اور اعمال کا اثر پڑتا ہے۔ ان آیات میں یہی مفہوم موزوں نظر آتا ہے۔ ایسی آیات کے متعلق دوسرا عنوان "جس نے اپنی ذات پر ظلم کیا" بھی دیکھئے۔

۲۔ کوئی شخص (نفس) نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ (۳۴ : ۳۱) یعنی انسانی ذات مستقبل کا علم نہیں رکھ سکتی۔ یہ صرف وحی کر سکتی ہے۔ لہٰذا، مستقبل کی خبریں بتانے کا دعوے اور پیش گوئیاں کرنا، قرآنی تعلیم کے خلاف ہے (یہ صرف وحی کی رُو سے نبی کر سکتا تھا)۔

۳۔ کوئی ذات یہاں اُخروی زندگی کی کیفیات کا علم نہیں حاصل کر سکتی۔ (۱۷ : ۳۲)

۴۔ انسانی ذات اپنی راہ نمائی کے لئے وحی کی محتاج ہے۔ (۶۰ : ۶) — (۱۰۴ : ۶) — (۲۰۵ : ۷) — (۱۰۸ : ۱۰) — (۵۵-۵۶ : ۳۹) — (۵۳ : ۲۳)

۵۔ مذکورہ صدر شق ۵ کے سلسلہ میں قابلِ غور مقامات۔ جس شخص نے اپنی ذات (نفس) کو پست جذبات سے روکا۔ اس کا مقام جنت ہے۔ (۴۰ : ۷۹)۔ [نیز دیکھئے شق ۸]

۶۔ نفسِ انسانی، غیر نشوونما یافتہ شکل میں (ہر انسان کو) ملتا ہے۔ اس میں نشوونما پاکر استحکام حاصل کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے اور تخریبی اقدامات سے منتشر (DISINTEGRATE) ہو جانے کی صلاحیت بھی۔ اس کو قرآن نے تقوٰھا اور فجورھا سے تعبیر کیا ہے۔ (۷ : ۹۱)۔ اس آیت کے یہ معنی لینے کہ خدا نے فجور اور تقویٰ (غلط اور صحیح) کا علم، انسانی ذات کے اندر رکھ دیا ہے، حقیقت کے بھی خلاف ہے اور قرآنی تعلیم کے بھی خلاف۔ اگر اس کا علم انسانی ذات کے اندر موجود ہوتا تو انسان کو وحی کی راہ نمائی کی ضرورت ہی نہ پڑتی (جیسے دیگر اشیائے کائنات کہ جن کے اندر جبلی طور پر ضروری راہ نمائی رکھ دی گئی ہے، خارجی وحی کی محتاج نہیں ہوتیں)۔

۷۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (۲۸۶ : ۲) — (۴۲ : ۷) — (۶۲ : ۲۳) — (۶۵ : ۷)

ان آیات کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کسی شخص کو اس کی وسعت یا استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں ٹھہراتا۔ دوسرے یہ کہ خدا کی طرف سے انسانی ذات پر جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں تو ان سے مقصود، انسانی ذات کو مقید اور محبوس کرنا نہیں۔ ان پابندیوں سے اس کی وسعت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ مزید نشوونما حاصل کر لیتی ہے۔

۸۔ جو بھی جرم کرتا ہے وہ اپنی ذات کے خلاف جرم کرتا ہے۔ (۱۱۱ : ۴)۔ یعنی جرم کا ایک نقصان تو معاشرہ کو ہوتا ہے، لیکن اس کا بنیادی نقصان خود اس شخص کی اپنی ذات کو ہوتا ہے۔ یہ وہ نقصان ہے جس کی تلافی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اس کی تلافی یہ انسان خود ہی کر سکتا ہے۔ اس طرح کہ وہ ایسے کام کرے جس سے اس کی ذات میں زیادہ سے زیادہ استحکام

پیدا ہو جائے۔

خدا کی طرف سے بصائر آگئے۔ جو ان کی روشنی میں قدم اٹھاتا ہے اس کا فائدہ اس کی ذات کو ہوتا ہے۔ جو آنکھیں بند کر کے چلتا ہے اس کا نقصان بھی اسی کی ذات کو ہوتا ہے۔ (۲ : ۱۱۰) — (۲ : ۱۸۶) — (۲ : ۲۷۲) — (۶ : ۱۰۴) — (۱۰ : ۱۰۸) — (۱۷ : ۷) — (۱۷ : ۱۵) — (۲۷ : ۴۰) — (۲۷ : ۹۲) — (۲۹ : ۶) — (۳۰ : ۴۴) — (۳۱ : ۱۲) — (۳۵ : ۱۸) — (۳۹ : ۴۱) — (۴۱ : ۴۶) — (۴۵ : ۱۵) — (۴۷ : ۳۸) — (۴۸ : ۱۰) — (۵۹ : ۹) — (۶۴ : ۱۶) — (۷۳ : ۲۰) —

۹۔ جس قیمت پر انہوں نے اپنی ذات کو بیچ دیا وہ بہت بری تھی۔ (۲ : ۹۰) — (۲ : ۱۰۲)

۱۰۔ خدا کی راہ میں مال و دولت کھلا رکھنے سے نفسِ انسانی میں ثبات پیدا ہوتا ہے۔ (۲ : ۲۶۵) — (۱۸ : ۹۲)

۱۱۔ جنہوں نے اپنی ذات سے خیانت کر لی ہو ان کی طرف سے مت جھگڑو۔ (۴ : ۱۰۷)

۱۲۔ ان کی ذات (انفسھم) نے جو کچھ ان کے لئے آگے بھیجا ہے وہ بہت برا ہے۔ (۵ : ۸۰)

۱۳۔ جب تک کسی قوم کی نفسیات میں تبدیلی نہ ہو خارج میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (۸ : ۵۳) — (۱۳ : ۱۱)

۱۴۔ انسانی ذات کا کھو جانا سب سے بڑا عذاب ہے۔ (۹ : ۵۵) — (۹ : ۸۵) — خدا فراموشی کا نتیجہ خود فراموشی۔ (۵۹ : ۱۹)

۱۵۔ (بہ سلسلہ شق ۱ : ہٰذا)۔ وہ صداقت سے انکار کرتے تھے حالانکہ انفسھم اس کا یقین رکھتے تھے۔ (۲۷ : ۱۴)

جس نے اپنے نفس (ذات) پر ظلم کیا

جو سوال" انسانی ذات کی خصوصیات" کے باب میں اٹھایا گیا تھا اسے ایک مرتبہ پھر سامنے لایئے۔ قرآن کریم میں اس قبیل کی بہت سی آیات ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ "جس نے اپنی ذات (نفس) پر ظلم کیا....." اگر اسے عام محاورہ کے اعتبار سے یوں کہا جائے کہ "جس نے اپنے آپ پر ظلم کیا....." تو اس میں کوئی الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب ہم انسانی نفس یا ذات کو وہ شے تسلیم کر لیں جو تمام انسانی اعمال کی ذمہ دار ہے تو پھر یہ کہنا کہ "جس نے اپنی ذات پر ظلم کیا....." ایک ایسا سوال سامنے لاتا ہے جو بڑا مشکل اور غور طلب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح "ذات۔ یا نفس پر کون ظلم کرتا ہے"۔ یعنی ظلم کرنے والا کون ہے؟ ذیل کی آیات میں ایسا ہی کچھ کہا گیا ہے

۱۔ ملتِ ابراہیمی سے وہی شخص اعراض برت سکتا ہے جس نے اپنی ذات کے متعلق غور و فکر نہ کیا ہو۔ (۲ : ۱۳۰) - جو ایسا کرتا ہے، وہ اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے۔ (۲ : ۲۳۱)

٢- جو برائی کا کام کرتا ہے - یا اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے - پھر خدا سے حفاظت طلب کرتا ہے - اسے حفاظت مل سکتی ہے -
(۴ : ۱۱۰) - (۴ : ۶۴) - (۳ : ۱۳۴)

٣- ان میں وہ بھی ہیں جو اپنی ذات پر ظلم کرتے ہیں - (۳۲ : ۳۵) - (۱۱۳ : ۳۷)

۴- جس نے حدودِ خداوندی سے تجاوز کیا اس نے اپنی ذات پر ظلم کیا - (۱ : ۶۵)

۵- انی ظلمت نفسی (۴۴ : ۲۷) - (۱۶ : ۲۸) - ظلمنا انفسنا - (۲۳ : ۷)

٦- رسول اللہؐ کی زبان سے اعلان کرایا گیا کہ اگر میں غلط راستے پر چلتا ہوں تو اس کا وبال میری ذات پر پڑے گا - یا اس کی ذمہ داری میری ہوگی - (۵۰ : ۳۴)

۷- اے نوعِ انسان! تمہاری بغاوت خود تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہے - (۲۳ : ۱۰)

۸- ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا - انہوں نے خود اپنی ذات پر ظلم کیا - (۵۷ : ۲) - (۱۱۶ : ۳) - (۱۶۰ : ۷) -
(۷۰ : ۹) - (۴۴ : ۱۰) - (۱۰۱ : ۱۱) - (۳۳ : ۱۶) - (۱۱۸ : ۱۶) - (۴۰ : ۲۹) -
(۳۰ : ۹) - (۹) - جنہوں نے اپنی ذات پر ظلم کیا جب ملائکہ انہیں وفات دیتے ہیں تو ..... (۴ : ۹۷) - (۱۶ : ۲۸)

١٠- تکذیبِ آیات کرنے والے اپنی ذات پر ظلم کرتے ہیں - (۱۷۷ : ۷)

١١- اپنی ذات پر ظلم کرنے والے لوگوں کی بستیوں میں تم بس رہے ہو - (۴۵ : ۱۴) - وہ تباہ ہو جاتے ہیں - (۱۹ : ۳۴)

١٢- اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی ذات پر زیادتی کی ہے - میری رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ - (۵۳ : ۳۹)

اس قسم کی آیات سے ذہن ایک اور سمت کو منتقل ہو جاتا ہے - انسانی زندگی کی دو سطحیں ہیں - ایک طبعی یا حیوانی سطح جو طبعی قوانین کے تابع رہتی ہے - اس میں انسان، وحی کی راہ نمائی سے آزاد ہو کر اپنے ذہن اور جذبات کی رو سے اپنے لئے فیصلے کرتا ہے - یہ فیصلے مستقل اقدارِ خداوندی کے خلاف ہوتے ہیں تو ان کا تخریبی اثر اس کی ذات پر پڑتا ہے - اس کے لئے کہا گیا کہ وہ شخص اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے - دوسری سطح زندگی، انسانی سطح ہے جس میں انسان وحی کی راہ نمائی میں فیصلے کرتا ہے - یہ وہ فیصلے ہیں - جن سے اس کی ذات نشوونما حاصل کرتی ہے -

ایک زندگی منافقت کی ہے جس میں انسان، اقدارِ خداوندی سے سرکشی برتتا ہے لیکن ظاہر ایسا کرتا ہے کہ وہ اقدارِ خداوندی کا معترف اور پابند ہے - ایسی زندگی کو علم النفس کی اصطلاح میں (DUAL PERSONALITY) کہتے ہیں -

اس سلسلہ میں عنوانات - منافقت - دل کے امراض - سینے کے امراض وغیرہ بھی دیکھئے -

ذاتِ خداوندی کیلئے نفس کا لفظ

۱۔ خدا تمہیں اپنے نفس (ذات) سے محتاط رہنے کو کہتا ہے۔ یہاں نفسِ خداوندی سے مراد اس کا قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔ (۳۰ : ۳)

۲۔ خدا نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب قرار دے رکھا ہے۔ (۱۲ : ۶) ۔ (۵۴ : ۶) ۔ یعنی اپنے آپ پر۔

۳۔ اے موسٰیؑ! ہم نے تجھے اپنی ذات کے لئے چن لیا۔ (۴۱ : ۲۰) ۔ یعنی اپنے بلند پروگرام کی تکمیل کے لئے۔

اصل نقصان میں وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو نقصان پہنچایا

۱۔ قرآن کریم نے نقصانات دو طرح کے بتائے ہیں۔ ایک قسم ان نقصانات کی ہے جن کا تعلق انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔ اس قسم کا نفع نقصان ہر ایک' ایک دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ لیکن دوسری قسم کا نقصان وہ ہے جو انسان کی ذات کو پہنچتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اس قسم کا نقصان کوئی شخص کسی دوسرے کو نہیں پہنچا سکتا۔ یہ نقصان انسان خود ہی اپنی ذات کو پہنچاتا ہے۔ اور اس کی تلافی بھی وہ خود ہی کر سکتا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں۔ (۱۰۵ : ۵)

۲۔ جنہوں نے اپنی ذات کو نقصان پہنچایا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۲۰ : ۶)

۳۔ جن کا پلڑا ہلکا رہا' یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو نقصان پہنچایا۔ (۹ : ۷) ۔ (۱۰۳ : ۲۳)

۴۔ کتاب اللہ کو فراموش کر دینے والے (یا پس پشت ڈال دینے والے) اپنی ذات کو نقصان پہنچاتے ہیں (۵۳ : ۷)

۵۔ خدا کی راہ سے روکنے والے اور ان میں پیچیدگیاں پیدا کرنے والے اپنی ذات کو نقصان پہنچاتے ہیں اور آخر الامر یہ سب سے زیادہ گھاٹے میں رہیں گے۔ (۲۱ : ۱۱)

۶۔ اصل نقصان میں وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں رکھا۔ (۱۵ : ۳۹) ۔ (۹۵ : ۴۲) ۔ اس سلسلہ میں عنوان "خسران" بھی دیکھئے۔

انسانی ذات کی مختلف کیفیات

۱۔ سورۂ یوسف میں ہے کہ عزیز کی بیوی نے کہا کہ انسانی نفس' برائی کا حکم دیتا ہے۔ (۵۳ : ۱۲) ۔ یہاں سے نفسِ امارہ

کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ عزیزِ مصر کی بیوی کا قول ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر نفسِ انسانی، وحی کی روشنی میں فیصلے نہ کرے تو وہ غلط فیصلے بھی کر سکتی ہے۔ اسی کیفیت کو نفسِ امارہ کہا جائے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ نفس ہے ہی برائی کی طرف لے جانے والی چیز اس لئے اسے (تصوف کے نظریہ کی رُو سے) فنا کر دینا چاہیئے۔ نفس (انسانی ذات) بہت بڑی قوت کا نام ہے اور انسان اسی سے انسان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے اسے فنا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے وحی کی روشنی میں کام لینا چاہیئے۔ پھر وہ نفسِ امارہ نہیں رہتا۔

۲۔ نفسِ لوامہ (۲ : ۷۵) ۔ انسان جس بات کو معیوب سمجھتا ہے۔ اس پہ سرزنش کرنے والا جذبہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسانی ذات کے اندر صحیح یا غلط بات کو اختیار کرنے کی جو صلاحیتیں ہیں وہ (ایک بیدار ذات میں) باہمی کشمکش میں رہتی ہیں۔

۳۔ نفسِ مطمئنہ۔ انسانی ذات، قوانینِ خداوندی کے اتباع سے ایسا استحکام حاصل کر لیتی ہے۔ جس سے وہ زندگی کی اگلی ارتقائی منزل میں جانے کے قابل ہو جاتی ہے (اسے جنت کی زندگی کہا جاتا ہے) اس کی اس کیفیت کو نفسِ مطمئنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۲۷ : ۸۹)۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں اسے (BALANCED PERSONALITY) کہا جا سکتا ہے لیکن اس کا تصور، عام نفسیاتی تصور سے مختلف ہے۔

۴۔ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا نفس کیا وسوسہ انگیزیاں کرتا رہتا ہے۔ (۱۶ : ۵۰)

۵۔ سامری کا قول کہ اس طرح میرے نفس نے اس اقدام کو مجھے مزین کر کے دکھایا۔ (۹۶ : ۲۰)

۶۔ وہ اس پست راہ کا اتباع کرتے ہیں جدھر ان کا نفس انہیں لے جاتا ہے۔ (۲۳ : ۵۳)

۷۔ شیطان کہے گا کہ مجھے ملامت کیوں کرتے ہو۔ اپنے آپ (اپنی ذات) کو ملامت کرو۔ (۲۲ : ۱۴)

تزکیۂ ذات

انسانی ذات ہر انسانی بچے کو خدا کی طرف سے وہبی طور پہ ملتی ہے۔ اس کی نشوونما کرنا انسانی زندگی کا مقصود ہے۔ جس نے اس کی نشوونما کر لی وہ کامیاب ہو گیا۔ جس نے اسے دبائے رکھا وہ تباہ ہو گیا (۱۴ : ۸۷)۔ (۹ : ۹۱)

۱۔ خود فریبی میں نہ رہو کہ تمہاری ذات نشوونما پا رہی ہے۔ اس کے لئے اقدارِ خداوندی کو معیار قرار دو۔ (۴۹ : ۴)
(۵۳ : ۳۲)۔(۲۴ : ۲۱)

۲۔ رسول اللہ کا منصب تعلیم کتاب و حکمت سے جماعت مومنین کا تزکیۂ نفس کرنا تھا۔ (۲ : ۱۵۱) ۔ (۳ : ۱۶۴) ۔ (۲ : ۶۲) ۔ (۱۸ : ۷۹) ۔ (۷ ؛ ۳ : ۸۰)

۳۔ تزکیۂ نفس، ایتائے مال سے ہوتا ہے (۲ : ۲۶۵) ۔ (۹ : ۱۰۳) ۔ (۱۸ : ۹۲)

۴۔ ہرایک، اپنی اپنی ذات کا تزکیہ کر سکتا ہے ۔ (۳۵ : ۱۸) ۔ اسے جنت کی زندگی ملے گی ۔ (۲۰ : ۷۶) ۔ جس کی ذات کا تزکیہ نہیں ہوا ہو گا خدا اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں ۔ (۲ : ۱۷۴) ۔ (۳ : ۷۷)

متفرقات

۱۔ جہاں کہا گیا ہے کہ ہر "نفس" کو موت آئے گی وہاں اس سے مراد متنفس، یا ہر شخص ہے ۔ نہ کہ انسانی ذات ۔ (۳ : ۱۴۵) (۳ : ۱۶۸) ۔ (۳ : ۱۸۵) ۔ (۲۱ : ۳۵) ۔ (۲۹ : ۵۷) ۔ (۱۱ : ۶۳) ۔ سورہ تکویر میں ہے ۔ واذا النفوس زوجت (۸۱ : ۷)

۲۔ حضرت عیسٰیؑ کا قول کہ مجھے اس کا علم ہو سکتا ہے جو میرے دل میں ہے ۔ جو تیرے علم (نفسک) میں ہے اس کا مجھے علم نہیں ہو سکتا ۔ یہاں نفسِ خداوندی سے مراد، علم عنداللہ ہے ۔ خدا کا علم ۔ (۵ : ۱۱۶)

۳۔ تمہارا رب جانتا ہے کہ تمہارے نفوس میں کیا ہے ۔ (۲ : ۲۳۵) ۔ (۱۷ : ۲۵)

۴۔ خدا نیند اور موت کی حالت میں نفوس کو وفات دے دیتا ہے ۔ نیند سے بیداری پر اسے واپس لوٹا دیتا ہے اور موت کی صورت میں اسے روک لیتا ہے ۔ یہاں نفس سے مراد انسانی شعور ہے ۔ (۳۹ : ۴۲)

۵۔ جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جو نفسِ انسانی چاہے گا ۔ (۲۱ : ۱۰۲) ۔ (۴۱ : ۳۱) ۔ (۴۳ : ۷۱)

۶۔ ارض میں بھی آیات ہیں ۔ اور تم اپنی ذات (اپنے آپ) میں بھی غور و فکر کرو ۔ (۳۰ : ۸) ۔ (۴۱ : ۵۳) ۔ (۵۱ : ۲۱)

۷۔ خود ہی اس کے مدعی نہ بن جاؤ کہ ہماری ذات کی نشوونما ہو رہی ہے ۔ خدا جانتا ہے کہ کون متقی ہے (۴ : ۴۹) ۔ (۵۳ : ۳۲)

۸۔ کوئی واقعہ خواہ وہ زمین میں ہو (یعنی خارج میں) اور خواہ تمہاری ذات کے اندر وہ وقوع پذیر ہونے سے پہلے، کتاب (قانونِ خداوندی) میں ہوتا ہے ۔ یعنی ہر واقعہ قانونِ خداوندی کے مطابق سرزد ہوتا ہے ۔ (۵۷ : ۲۲)

۹۔ اطاعت یہ ہے کہ اپنی ذات میں بھی حکم کے خلاف گرانی محسوس نہ ہو ۔ (۴ : ۶۵)

۱۰۔ انسانی ذات، ربوبیتِ خداوندی کی شاہد ہے ۔ (۷ : ۱۷۲)

۱۱۔ وہ تین صحابہؓ جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے، خود ان کی ذات (انفسھم) ان کے لئے وبالِ جان بن گئی ۔ (۹ : ۱۱۸)

۱۲۔ غرور اور تکبر (باطل کی بنا پر بڑا بننا) نفسِ انسانی کی ایک کیفیت ہے۔ (۲۱ : ۲۵)

۱۳۔ وہ صداقت سے انکار کرتے تھے حالانکہ ان کے نفوس (انفسھم) اس کا یقین رکھتے تھے۔ (۱۴ : ۲۷)

۱۴۔ النفس و آفاق میں آیات اللہ (۵۳ : ۴۱)۔ اپنی ذات کے متعلق غور و بصیرت (۲۱ : ۵۱)۔ ہمارے زمانے میں علم النفس (سائیکالوجی) اس سمت کی طرف قدم اول ہے۔ لیکن چونکہ یہ اقدام، وحی کی روشنی میں نہیں کیا جا رہا ہے، اس لئے یہ علم، راستے میں رک جائے گا۔ بہرحال، یہ کوششیں، بہت سی مفید معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو رہی ہیں۔ این ہم غنیمت است۔ یہ بہرحال، ہمارے قدیم "روحانیت کے تصور" سے تو بہتر ہیں کہ وہ توہم پرستی سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ علم اور حقیقت تو خدا کی کتاب ہی ہے۔

۱۱۔ نفع نقصان

نفع، نقصان عام فہم الفاظ ہیں۔ نفع کے لئے تو یہی لفظ (نفع) قرآن میں آیا ہے۔ لیکن نقصان کے لئے "ضرر" کا لفظ آتا ہے۔ ایک لفظ خسران بھی ان معانی میں آتا ہے لیکن وہ درحقیقت خسارہ کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ اسے الگ عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں نفع، نقصان عام کاروباری اصطلاح کے طور پر ہی نہیں آیا بلکہ بڑے وسیع مفہوم کے لئے آیا ہے۔ اس میں انسان کی طبیعی (مادی) زندگی کی منفعت اور مضرت بھی شامل ہیں اور انسانی ذات کی منفعت اور مضرت بھی۔ بلکہ آخر الذکر پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے کیونکہ قرآن کی مرکزی تعلیم کا تعلق انسانی ذات سے ہے۔

۳۔ نفع یا نقصان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک اضافی، دوسری مطلق۔ اضافی سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی چیز ایک وقت یا ایک حالت میں نفع بخش ہوتی ہے اور دوسرے وقت میں نقصان رساں۔ مثلاً کھانا عام حالات میں منفعت بخش ہے لیکن سوءِ ہضم کی شکایت ہو تو وہی کھانا نقصان رساں ثابت ہو جائے گا۔ اس کے برعکس، فریب دہی بہرحال اور بہرجہت نقصان رساں ہے، کیونکہ اس سے انسانی ذات کا نقصان ہوتا ہے۔

۴۔ اکثر آیات میں یہ لکھا ملے گا کہ کسی شخص کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں۔ یہ صرف قانونِ مشیت کے مطابق واقع ہوتا ہے۔ "قانونِ مشیت" کے معنی ہیں، خدا کے مقرر کردہ قوانین۔ قرآن کے اس دعوے کا مفہوم حسبِ ذیل وضاحت

سے سمجھ میں آجائے گا۔

(i) آپ سنکھیا کھا جاتے ہیں تو اس کا ہلاکت آمیز اثر خدا کے قانونِ فطرت کی رو سے ہوتا ہے اس کے بعد اگر آپ کوئی ایسی دوا بروقت کھالیں جو اس کے اثر کا ازالہ کرسکے تو یہ نفع بھی خدا کے قانونِ فطرت ہی کی رُو سے ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو سنکھیا کسی دشمن نے کھلا دیا ہو، اور دوائی ڈاکٹر نے دی ہو۔ لیکن قرآن کریم ان دونوں صورتوں میں بھی یہی کہے گا کہ یہ نقصان یا نفع خدا کے قوانینِ فطرت کی رُو سے ہوا ہے۔ اگرچہ قوانینِ معاشرت کی رو سے اس کے ذمہ دار اشخاص ہی ہیں۔

(ii) انسانی ذات کو نفع یا نقصان کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچا سکتا۔ ایسا یہ متعلقہ فرد خود ہی کرتا ہے۔ یعنی انسان اپنی ذات کو ______ خود ہی نقصان پہنچاتا ہے اور خود ہی نفع۔ لیکن چونکہ ہوتا یہ بھی قوانینِ خداوندی کی رو سے ہے۔ یعنی اس کے قوانین کے اتباع سے انسانی ذات کو نفع پہنچتا ہے اور ان کی خلاف ورزی سے نقصان۔ اس لئے اس کی نسبت بھی قرآن میں قوانینِ مشیت کی طرف کی جاتی ہے۔

(iii) باقی رہا وہ نفع نقصان جو ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایک شخص کو دوسرے شخص یا اشخاص کے ہاتھوں پہنچتا ہے تو اس کا تعلق قانونِ عدل سے ہے۔ ناحق نقصان پہنچانے والے کو قرآن مجرم قرار دیتا ہے اور سزا کا مستوجب۔

(iv) یہ جو عقائد (یا توہمات) ہیں کہ فلاں حضرت صاحب کی بددعا یا ناراضگی سے فلاں نقصان ہوگیا اور ان کی دعا یا خوشنودی سے فلاں مراد مل گئی، تو قرآن اس عقیدہ کی سختی سے تردید کرتا ہے۔ اس قسم کا اقتدار اور اختیار کسی کو حاصل نہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ صاحب! ایسا ہوتا ہے۔ یہ ہمارا تجربہ ہے تو یہ صرف اثر لینے والے کی اپنی نفسیاتی کیفیت ہے جو ایسا کر دیتی ہے۔ اگر وہ "حضرت صاحب" کا معتقد نہ ہو۔ یعنی یہ ان کی بددعا یا ناراضگی کا کوئی اثر نہ لے۔ تو پھر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس مقام پر یہ چند اشارات کافی ہیں۔ تفصیل کے لئے تقدیر اور دعا کے عنوانات دیکھئے۔

۱۔ ذکر۔ یعنی قوانینِ خداوندی کا پیشِ نظر رکھنا، منفعت بخش ہوتا ہے

۱۔ ان کے سامنے قوانینِ خداوندی پیش کرتا رہ۔ اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ (۵۵ : ۵۱)۔(۴ : ۸۰)۔(۹ : ۸۰)۔

۲۔ جب غلط اعمال کا نتیجہ سامنے آجائے تو پھر کوئی شے نفع نہیں دے سکتی

۱۔ قومِ یونسؑ نے قبل از وقت توبہ کر لی تو ان کا ایمان ان کے لئے نفع بخش ثابت ہوگیا۔ (۹۸ : ۱۰)

۲۔ اس دن کسی کی شفاعت فائدہ مند ثابت نہیں ہوگی۔ (۱۲۳ : ۲)۔(۱۰۹ : ۲۰)۔(۲۳ : ۳۴)۔(۴۸ : ۷۴)

۲۔ قیامت میں بیوی بچے کچھ فائدہ نہیں دے سکیں گے۔ (۲۶ : ۸۸) ۔ (۶۰ : ۴) ۔ نہ ہی کسی کی معذرت۔ (۳۰ : ۵۷)
ایک دوسرے کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (۳۴ : ۴۲) ۔ قرین بھی نہیں۔ (۴۰ : ۵۲) ۔ (۴۳ : ۳۹)

۴۔ جب محسوس علامات سامنے آجائیں تو پھر ایمان فائدہ نہیں دے سکتا۔ (۶ : ۱۵۸) ۔ (۳۲ : ۲۹) ۔ (۴۰ : ۸۵)

۳۔ مادی منافع

۱۔ کشتیاں منفعت بخش ہیں۔ (۲ : ۱۶۴) ۔ (۲۳ : ۷۵)

۲۔ خمر اور میسرہ کا نقصان ان کے منافع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ (۲ : ۲۱۹)

۳۔ مویشی منفعت بخش ہیں (۱۶ : ۵) ۔ (۲۲ : ۳۳) ۔ (۲۳ : ۲۱) ۔ (۳۶ : ۷۳) ۔ (۴۰ : ۸۰)

۴۔ حدید (فولاد) میں لوگوں کے لئے سامان منفعت ہے۔ (۵۷ : ۲۵)

۵۔ لوگوں کو دعوت دو کہ وہ حج کے اجتماع میں آکر دیکھیں کہ ان کی منفعت کے لئے کیا کچھ کیا جا رہا ہے۔ (۲۲ : ۲۸)

۴۔ انسانی ذات کے لئے نفع بخش

۱۔ اس دن صادقین کو ان کا صدق نفع دے گا۔ (۵ : ۱۱۹)

۵۔ محو و ثبت کا اصول

۱۔ جو شے، جو نظریہ، جو نظام، جو عمل، عالمگیر انسانیت کے لئے نفع بخش ہو، وہی باقی رہ سکتا ہے۔ (۱۳ : ۱۷)

۶۔ نفع نقصان کا اختیار خدا کے سوا کسی کو نہیں

۱۔ ایسا سمجھنا شرک ہے۔ (۵ : ۷۶) ۔ (۶ : ۷۱) ۔ (۱۰ : ۱۸) ۔ (۱۰ : ۱۰۶) ۔ (۱۳ : ۱۶) ۔ (۱۷ : ۵۶) ۔ (۱۷ : ۷۶) ۔ (۲۰ : ۸۹) ۔ (۲۱ : ۶۶) ۔ (۲۲ : ۱۲) ۔ (۲۵ : ۵۵) ۔ (۲۶ : ۷۳) ۔ (۲۶ : ۸۳)

۲۔ اگر خدا نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ (۳۶ : ۲۳) ۔ (۳۹ : ۳۸) ۔ (۴۸ : ۱۱)

۳۔ معبودان باطل خود اپنے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ (۲۵ : ۳)

۴۔ جسے یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کے لئے نفع کے مقابلہ میں نقصان زیادہ پہنچاتا ہے۔ یعنی اس سے اگر انہیں کوئی مادی نفع ہو بھی تو اس سے ان کی ذات کا جو نقصان ہو جاتا ہے، وہ اس نفع سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ (۱۳ : ۲۲)

۵۔ خدا نقصان کو روک لے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور نفع کے دروازے کھول دے تو کوئی انہیں بند نہیں کر سکتا۔ (۱۷ : ۶) — (۱۰۷ : ۱۰) — (۶۲ : ۳۶)

۷۔ رسول اللہؐ

۱۔ ان سے کہہ دو کہ میں (تمہارے لئے تو ایک طرف) خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب قوانینِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۱۸۸ : ۷) — (۴۹ : ۱۰)

۲۔ میں تمہارے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (۲۱ : ۷۲)

مضرت

۱۔ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا ہی نقصان کرتے ہو

۱۔ اگر تم نے اپنی غلط روش نہ بدلی تو وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکو گے۔ (۳۹ : ۹) — (۵۷ : ۱۱)

۲۔ جو الٹے پاؤں پھر جائے وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (۱۴۴ : ۳) — (۷۶ — ۱۷۵ : ۳)

۳۔ کفر کرنے والے خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (۳۲ : ۴۷)

۲۔ لوگوں کی مضرت رسانیوں سے حفاظت

۱۔ اگر تم استقامت پذیر اور اطاعت کوش رہو گے تو مخالفین کی سازشیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ (۱۲۰ : ۳)

۲۔ تم اپنی ذات کی حفاظت کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر چلو گے تو غلط رو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ (۱۰۵ : ۵)

۳۔ اگر تم ان سے اعراض برت لو گے تو بھی یہ تمہارا کوئی نقصان نہیں کر سکیں گے۔ (۴۲ : ۵)

۴۔ جماعتِ مجاہدین کو دشمن معمولی تکلیف سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ (۱۱۱ : ۳) — (۱۱۳ : ۴)

۳۔ تکلیف میں انسان خدا کو پکارتا ہے

۱۔ تکلیف میں خدا کو پکارتا ہے اور وہ رفع ہوجاتی ہے تو پھر اُسے فراموش کردیتا ہے۔ (۱۲ : ۱۰) ۔ (۲۱ : ۱۰) ۔ (۱۰ : ۱۱) ۔ (۱۶ : ۵۳) ۔ (۱۶ : ۵۴) ۔ (۳۰ : ۳۳) ۔ (۳۹ : ۸) ۔ (۳۹ : ۴۹) ۔ (۴۱ : ۵۰)

۲۔ حضرت ایوبؑ نے تکلیف کے وقت خدا کو پکارا تو ان کی تکلیف رفع ہوگئی۔ (۲۱ : ۸۳ - ۸۴)

۴۔ تکلیف قانونِ خداوندی کی رو سے آتی ہے

۱۔ کوئی شریر النفس تمہیں، بجز قانونِ خداوندی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (۲ : ۱۰۲) ۔ (۱۰ : ۵۸)

۵۔ مضرات میں استقامت

۱۔ مومنین کا شیوہ ہے۔ (۲ : ۱۷۷) ۔ (۲ : ۲۱۴) ۔ (۳ : ۱۳۴)

۲۔ مضرتیں اور مصیبتیں خدا کے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا۔ (۲۷ : ۶۲)

۱۲۔ نفل

__النفل__ ۔ ہر وہ عمل جو واجب سے زائد ہو۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ تہجد (رات کا اٹھنا) نافلۃ لک (۱۷ : ۷۹) ہے۔ یعنی واجب پر اضافہ ۔ نفل کی جمع انفال ہے جس کے متعلق (۸ : ۱) میں حکم آیا ہے۔

۲۔ النافلۃ ۔ پوتے کو کہتے ہیں۔ (۲۱ : ۷۲)

__نوٹ__ ۔ یہ جو نماز میں فرض ۔ سنت ۔ نفل کی تخصیص و تقسیم ہے، قرآن کریم میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان صلوٰۃ۔

۱۳۔ نکاح

نکاح ایک معاہدہ ہے (۲۱ : ۴) جس کی رو سے، ایک مرد اور عورت، ان حقوق اور ذمہ داریوں کو قبول کرتے ہوئے جو اس باب میں قرآن نے عائد کی ہیں میاں بیوی کی حیثیت سے باہمی رفاقت کی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ نکاح کا لفظ بنیادی طور پر اس قسم کے عقد (معاہدہ) کے لئے آیا ہے۔ اگرچہ استعارۃً یہ لفظ مجامعت کے لئے بھی استعمال ہوجاتا ہے۔ چنانچہ (۳ : ۲۴) میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے۔ نکاح کے لئے کسی قسم کی رسم یا تقریب کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔

نکاح کی عمر

نکاح چونکہ ایک معاہدہ ہے اس لئے فریقین کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔ نابالغ کوئی معاہدہ کر ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم نے بالتصریح اس کے لئے عمر کا تعین نہیں کیا۔ بلوغت کی عمر، آب و ہوا کے لحاظ سے مختلف مقامات پر مختلف ہوسکتی ہے۔ اس کا تعین ہر ملک کی اسلامی حکومت خود کریگی۔ حسب ذیل آیات سے بلوغت کی شرط واضح ہوجاتی ہے۔

۱۔ سورۂ نساء میں ہے کہ تم یتیموں کے سرپرست بنے رہو حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (۶ : ۴) تاآنکہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔

۲۔ دوسری جگہ ہے۔ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ (۶ : ۱۵۳)۔ (۳۴ : ۱۷)۔ یعنی جب تک وہ جوانی کی عمر تک نہ پہنچ جائیں۔

ان دونوں مقامات کو سامنے رکھنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نکاح کی عمر، جوان ہوجانا ہے اس لئے قرآن کی رو سے، نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی ولی کے ذریعے نکاح کا سوال۔ قرآن میں اس کا بھی ذکر نہیں۔ ہاں، اگر کوئی عورت اپنے معاملات میں کسی کو اپنا مختار کار بنانا چاہے تو وہ ایسا کرسکتی ہے۔ (۲۳۶ : ۲) سے اس کی دلیل ملتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت میں بیدہٖ عقدۃ النکاح سے مراد عورت کا مختار کار ہے۔

باہمی رضامندی

معاہدۂ نکاح کے لئے باہمی رضامندی بنیادی شرط ہے۔ مردوں سے کہا کہ تم اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔ (۳ : ۴) اور عورتوں کے متعلق کہا کہ تمہارے لئے یہ قطعاً حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ (۱۹ : ۴)۔ اس سے عورت کی رضامندی واضح ہے۔

محرمات

حسبِ ذیل شکلوں میں باہمی نکاح نہیں ہو سکتا۔

۱۔ کسی مسلمان مرد یا عورت کا کسی مشرک عورت یا مرد سے نکاح جائز نہیں۔ (۲ : ۲۲۱)

۲۔ مسلمان مرد، اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ مسلمان عورتیں، کسی غیر مسلم سے شادی نہیں کر سکتیں۔ (۵ : ۵)

۳۔ ان مسلمان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جن کی تفصیل (۴ : ۲۲ - ۲۴) میں دی گئی ہے۔ یعنی حقیقی ماں۔ بیٹی۔ بہن پھوپھی۔ خالہ۔ بھتیجی۔ بھانجی۔ رضاعی ماں۔ رضاعی بہن۔ بیوی کی ماں۔ وہ سوتیلی لڑکی جس نے تمہاری نگہداشت میں پرورش پائی ہو بشرطیکہ تم نے اس کی ماں سے (بہ حیثیت اپنی بیوی کے) خلوت کی ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس لڑکی سے نکاح کی ممانعت نہیں۔ اور تمہارے صلبی بیٹے کی بیوی۔ نیز یہ کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں لے آؤ۔ (یہ بھی حرام ہے) اور سوتیلی ماں سے بھی نکاح حرام ہے۔ اور ان عورتوں سے بھی جو پہلے ہی کسی کے نکاح میں ہوں۔

(نوٹ:۔ قرآن نے کہا ہے کہ رضاعی بہن بھائیوں کی شادی نہیں ہو سکتی۔ نہ اس عورت سے جس کا دودھ پیا ہو۔ قرآن نے اس کی تصریح نہیں کی کہ رضاعت (دودھ پینے کی شرط کس طرح پوری ہوگی)

۴۔ اوپر (۴ : ۲۴) میں کہا گیا ہے کہ ان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جو پہلے ہی کسی کے نکاح میں ہوں۔ صدرِ اول کے خصوصی حالات کے پیشِ نظر اس حکم میں استثناء کیا گیا تھا۔ (۶۰ : ۱۰)

۵۔ عدت کے دوران بھی عورت سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ (دیکھئے عنوان "عدت")

۶۔ رسول اللہ کی ازواجِ مطہرات سے بھی نکاح حرام تھا۔ (۳۳ : ۵۳)

۷۔ رسول اللہ کے لئے نکاح کے خصوصی احکام۔ (۳۳ : ۵۰ - ۵۲)

۸۔ منہ بولے رشتے حقیقی رشتے نہیں بن جاتے۔ (۳۳ : ۴)

۹۔ معاشرہ کو چاہیئے کہ لوگوں کے نکاح کے لئے سہولتیں بہم پہنچائے۔ (۲۴ : ۳۲)

(قرآن کریم میں میاں اور بیوی دونوں کے لئے زوج کا لفظ آتا ہے۔ (دیکھئے عنوان زوج) لیکن بعض جگہ دیگر الفاظ بھی آئے ہیں۔ مثلاً خاوند کے لئے بعل۔ (۲ : ۲۲۸) - (۴ : ۱۲۸) - (۱۱ : ۷۲) - (۲۴ : ۳۱) - ایسا محاورۂ عرب کی رو سے کہا گیا ہے۔ اسی طرح بیویوں کے لئے نساء یا امرأۃ کے الفاظ۔ (۴ : ۱۲۸) - (۶۵ : ۱)

۱۰۔ ازدواجی زندگی بسر کرنا فریضۂ خداوندی نہیں۔ جو لوگ تجرد کی زندگی بسر کرنا چاہیں یا جن کے لئے نکاح کی صورت پیدا نہ

ہو سکے وہ ضبطِ نفس سے کام لیں۔ (۳۳ : ۲۴)

مباشرت

۱۔ ان حالتوں میں مباشرت منع ہے

(۱)۔ ایامِ حیض میں۔ (۲۲۲ : ۲)۔ (۲)۔ روزہ اور اعتکاف کی حالت میں۔ (۱۸۷ : ۲)

۲۔ قرآن کریم میں ہے کہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (۲۲۳ : ۲)۔ تمہاری بیویاں بمنزلہ تمہاری کھیتی کے ہیں۔ تم اپنی کھیتیوں میں اپنی منشاء کے مطابق (یعنی جب مناسب سمجھو) جاؤ۔ ظاہر ہے کہ کھیتی میں تخم ریزی کے لئے جایا جاتا ہے۔ جب تخم ریزی مقصود نہ ہو تو پھر کھیتی میں نہیں جایا جاتا۔

دوسری جگہ محصنین غیر مسافحین کہا ہے۔ (۲۴ : ۴)۔ یعنی نکاح سے مقصد مادۂ تولید کا بہا دینا (سفح) نہیں۔ اسے محفوظ کر دینا ہے۔

تعدّدِ ازواج

قرآن کریم میں وحدتِ زوج (یعنی ایک وقت میں ایک بیوی) کو بطور اصول بیان کیا گیا ہے۔ (۳ : ۴)۔ اگر بیوی سے نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو اسے طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بیوی لائی جا سکتی ہے۔ (۲۰ : ۴)۔ تفصیل طلاق کے عنوان میں دیکھئے۔

لیکن اگر کسی وقت معاشرہ میں ایسی صورت پیدا ہو جائے (مثلاً جنگ وغیرہ کی وجہ سے) جس کی رُو سے بیوہ عورتوں اور ناکتخدا جوان لڑکیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے اور ان کے مسئلہ کا اور کوئی اطمینان بخش حل نہ مل سکتا ہو، تو اسلامی حکومت، وحدتِ زوج کے اصول میں استثناء کر کے، اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ (چار تک) شادیاں کر لی جائیں۔ (۳ : ۴)۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مرد، ان بیویوں میں عدل کر سکے اور اتنے بڑے کنبہ کا بوجھ اٹھا سکے۔ (۳ : ۴)۔ عدل سے مقصود یہ ہے کہ وہ کسی ایک بیوی کی طرف یکسر نہ جھک جائے۔ (۱۲۹ : ۴)

۲۔ نزولِ قرآن کے وقت، عربوں کے ہاں لونڈیاں بھی تھیں۔ ان سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں عنوان "غلام اور لونڈیاں" نیز "مِلکِ یمین" دیکھئے۔

ازدواجی زندگی سے مقصد

ازدواجی زندگی سے مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی میں مودّت۔ رحمت اور سکینت پیدا ہو۔ اور اس طرح گھر کی زندگی امن وسکون کی جنت در آغوش زندگی ہو۔ (۲۱ : ۳۰) ۔ میاں بیوی کی مثال بدن اور لباس کی سی ہے کہ ان کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوتی۔ (۱۸۶ : ۲)

قرآن نے ان کے لئے زوج کا لفظ استعمال کیا ہے۔ زوج کے معنی صرف جوڑا نہیں۔ بلکہ ایسا جوڑا ہے جن میں ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہ ہو سکے۔ (دیکھئے عنوان زوج) — لہٰذا میاں بیوی ایسے ہونے چاہئیں جن میں سے ایک، دوسرے کی ذات کی تکمیل کا ذریعہ بن سکے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے مزاج۔ خیالات۔ معتقدات۔ نظریات۔ ذوق کی ہم آہنگی بنیادی شرط ہے۔ اس قسم کے جوڑے کی زندگی کو قرآن جنت کی زندگی کہہ کر پکارتا ہے۔ اور جہاں ایسی صورت نہ ہو، اسے جہنم کا عذاب۔ (۲۲۱ : ۲)

۲۔ جہاں تک حقوق اور ذمہ داریوں کا تعلق ہے، قرآن کریم نے کہا ہے کہ "جس قدر عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں اسی قدر ان کے حقوق ہیں" ہر ذمہ داری کے مقابلہ میں ایک حق۔ (۲۲۸ : ۲) — [مرد کو صرف ایک معاملہ میں عورت کے مقابلہ میں رعایت حاصل ہے۔ اور وہ یہ کہ اسے نکاح ثانی کے لئے عدت کی مدت نہیں گزارنی پڑتی۔ (۲۲۸ : ۲)

۳۔ عورت کو جو فرائض طبیعی طور پر ادا کرنے پڑتے ہیں، ان کے پیش نظر، تقسیم کار کی رُو سے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ (۳۴ : ۴) ۔ (لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت اکتسابِ دولت کر نہیں سکتی۔ اس کے لئے دیکھئے عنوان عورت)

۴۔ ازدواجی زندگی سے رشتوں میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے قرآن نے نسبی رشتوں کے علاوہ سسرال کے رشتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۵۴ : ۲۵)

۵۔ خاوند کے ترکہ میں بیوی کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ (دیکھئے عنوان ترکہ یا وراثت) نیز بیوہ کے لئے ایک سال کے "نان نفقہ" کی ذمہ داری مرد پر ہے اسے چاہیئے کہ اس کے لئے وصیت کر جائے۔ ہاں اگر عورت خود ہی کہیں اور چلی جائے تو پھر اس کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ (۲۴۰ : ۲)

۱۴۔ حضرت نوحؑ

قرآن کریم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر ملک (قریہ) اور ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے تھے۔ ان میں سے بعض کا خصوصی ذکر قرآن میں آیا ہے، اور باقیوں کا اس طرح ذکر نہیں آیا۔ جن رسولوں کا خصوصیت سے ذکر آیا ہے وہ سامی اقوام کی طرف مبعوث شدہ تھے جن سے زمانۂ نزولِ قرآن کی اولیں مخاطب قوم (عرب) پہلے سے شناسا تھے۔ قرآن میں اس سلسلہ کی ابتدا حضرت نوحؑ سے کی گئی ہے۔ (۴ : ۱۶۳)۔ لہٰذا، وہ جو ہمارے ہاں عام طور پر مشہور ہے کہ سب سے پہلے نبی (حضرت) آدمؑ تھے وہ صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں تو آدمؑ کی نبوت کا بھی خصوصیت سے ذکر نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان آدمؑ)

حضرت نوحؑ کی تعلیم

۱۔ باقی انبیاء حضرت نوحؑ کے بعد آئے تھے۔ (۴ : ۱۶۳)۔ (۶ : ۸۵)۔ (۱۰ : ۷۴)۔ (۵۷ : ۲۶-۲۷)۔ بنی اسرائیل قومِ نوح کی ذریت میں سے تھے۔ (۱۷ : ۳)۔ (۱۹ : ۵۸)

۲۔ ان کا زمانہ قومِ عاد سے پہلے کا ہے۔ (۷ : ۶۹)

۳۔ میں تم سے اجر نہیں مانگتا۔ (۱۰ : ۷۲)۔ (۱۱ : ۲۹)۔ (۲۶ : ۱۰۹)

۴۔ اللہ کے سوا کسی کی محکومیت اور اطاعت اختیار نہ کرو۔ (۱۱ : ۲۵-۲۶)۔ میرے پاس خزانے نہیں۔ نہ ہی میں ملکؑ ہوں۔ نہ غیب جانتا ہوں۔ (۷ : ۵۹)۔ (۱۱ : ۳۱-۳۵)۔ (۲۳ : ۲۳)

۵۔ اگر بیٹا بھی ایمان نہیں لایا تو وہ بھی اپنوں میں سے نہیں۔ تفصیلی گفتگو۔ (۱۱ : ۴۵-۴۷)۔ بیوی بھی۔ (۶۶ : ۱۰)

۶۔ فاتقوا اللّٰہ و اطیعون۔ (۲۶ : ۱۰۵-۱۱۰)۔ (۷۱ : ۱-۳)۔ (۷) حضرت نوحؑ سے میثاق۔ (۳۳ : ۷)

۸۔ قوم سے تفصیلی گفتگو۔ (۷۱ : ۱-۲۰)۔ (۹) آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ وغیرہ کو منتخب کیا۔ (۳ : ۳۳)

۱۰۔ حضرت نوحؑ کی عمر (یا زمانۂ رسالت) ساڑھے نو سو برس۔ (۲۹ : ۱۴)

۱۱۔ دین ایک ہی ہے جو حضرت نوحؑ سے لے کر آخر تک چلا آیا ہے۔ (۴۲ : ۱۳-۱۴)

قوم کی طرف سے مخالفت

۱۔ قوم کی طرف سے تکذیب ۔ (۳ : ۱۰)

۲۔ تمہارے متبعین نچلے طبقہ کے لوگ ہیں۔ انہیں دھتکار دو۔ حضرت نوحؑ کا جواب کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ کشتی بننے پر قوم کی طرف سے تمسخر۔ (۳۸ - ۲۷ : ۱۱) ؛ (۱۱۴-۱۱۱ : ۲۶)

۳۔ سرداران قوم کی طرف سے مخالفت۔ (۶۳-۶۰ : ۷) - (۲۵ - ۲۴ : ۲۳)

طوفان کشتی۔ مخالفین کی غرقابی

۱۔ قوم نوحؑ - عادؑ - ثمودؑ - قوم ابراہیمؑ - قوم مدین وغیرہ کی تباہی کا اجمالی ذکر۔ (۷۰ : ۹) - (۸۹ : ۱۱) - (۹ : ۱۴) - (۱۷ : ۱۷) - (۴۲ : ۲۲) - (۳۷ : ۲۵) - (۱۲ : ۳۸) - (۵ : ۴۰) - (۳۱ : ۴۰) - (۱۲ : ۵۰) - (۴۶ : ۵۱) - (۵۲ : ۵۳) - (۹ : ۵۴)

۲۔ مخالفت اور غرقابی ۔ (۷۳ - ۷۱ : ۱۰)

۳۔ خدا کی وحی کے مطابق اس کی زیر نگرانی کشتی۔ طوفان کا ابھرنا۔ کشتی میں ہر شے کے جوڑے رکھ لینا۔ کشتی کا تلاطم خیز موجوں میں تیرتے جانا۔ مخالفین کا ڈوب جانا۔ طوفان کا ختم جانا۔ (۴۸ - ۳۸ : ۱۱) - (۲۷-۳۱ : ۲۳) - (۴) - مخالفت اور غرقابی۔ (۶۴ : ۷) - (۱۱۹ - ۱۱۷ : ۲۶)

۵۔ اجمالی ذکر۔ (۱۵-۱۴ : ۲۹) - (۸۳ - ۷۵ : ۳۷)

۶۔ حضرت نوحؑ کی خدا سے فریاد اور قوم کی غرقابی۔ (۷۷ - ۷۶ : ۲۱) - (۲۸-۲۱ : ۷۱)

(۰)

۱۵۔ نُور (ضیاء)

نُور کے معنی روشنی ہیں۔ قرآن کریم نے اس لفظ کو ظلمات (تاریکیوں) کے مقابلہ میں لا کر اس کے معنی واضح کر دئیے ہیں۔ ضیاء کا لفظ بھی روشنی کے معنوں میں آتا ہے۔

۲۔ نور صرف مادی روشنی کے لئے نہیں آتا بلکہ فکر و بصیرت اور علم و عقل کی روشنی کے لئے بھی آتا ہے۔ خدا نے اپنی کتاب (قرآن مجید) کو بھی نور کہا ہے کہ یہ انسانوں کیلئے زندگی کی سیدھی راہ میں مشعلِ ہدایت بنتی ہے۔ واضح رہے کہ روشنی، اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی اور کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ فی ذاتہٖ روشن ہوتی ہے اور دوسروں کو روشنی عطا کرتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم اپنے معانی واضح کرنے کے لئے کسی خارجی سہارے کا محتاج نہیں (تفصیل قرآن کے عنوان میں ملیگی)۔

۳۔ سورۂ نور میں ہے اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض۔ (۳۵ : ۲۴)۔ یعنی ارض و سما میں جہاں بھی روشنی ہے وہ خدا کی عطا کردہ ہے۔ (یہاں مصدر بمعنی فاعل آیا ہے۔ یعنی روشنی عطا کرنے والا)۔ روشنی مادی ہو یا فکر و بصیرت کی روشنی، سب خدا کی عطا کردہ ہے۔ اور قرآن کی روشنی تو وہبی طور پر اس کی عطا کردہ ہے۔ اسی حقیقت کو اس آیت میں مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔

نور بمعنی عام (مادی) روشنی

۱۔ خدا نے ظلمات اور نور پیدا کئے۔ اس سے مجوسیوں کے اس عقیدہ کی تردید ہو گئی کہ روشنی (یزداں) اور تاریکی (اہرمن) دو مستقل بالذات قوتیں ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ (۱ : ۶)

۲۔ کیا تاریکی اور روشنی (ظلمات اور نور) برابر ہو سکتے ہیں؟ - (۱۶ : ۱۳)

۳۔ اللّٰہ کائنات کو نور عطا کرنے والا ہے۔ (۳۵ : ۲۴)

۴۔ خدا نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور بنایا۔ (۵ : ۱۰)۔ قمر کو نور اور شمس کو سراج بنایا۔ (۱۶ : ۲۵)۔(۱۶ : ۱)

۵۔ اگر خدا رات کو ہمیشہ کے لئے تاریک بنا دیتا تو وہ کون تھا جو تمہیں ضیا (روشنی) دے سکتا۔ (۷۱ : ۲۸)

نور بمعنی بصیرت و ہدایت کی روشنی

۱۔ اللّٰہ، مومنین کو ظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے۔ طاغوت لوگوں کو نور سے ظلمات کی طرف لے جاتا ہے (۲۵۷ : ۲)۔ خدا کی طرف سے یہ بات اس کی کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے ہوتی ہے۔ (۱۶ - ۱۵ : ۵)

۲۔ کیا ظلمات و نور برابر ہو سکتے ہیں! کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں۔ (۱۶ : ۱۳) – (۲۰ : ۳۵)

۳۔ حضرت موسٰیؑ سے کہا کہ فرعون کی طرف جاؤ اور اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لے آؤ۔ (۵ : ۱۴)۔ یہاں ظلمات سے مراد غیر اللّٰہ کی محکومی ہے اور نور سے مراد، قوانینِ خداوندی کے مطابق آزادی کی زندگی بسر کرنا۔ اب قرآن کریم کا منتہیٰ یہی ہے۔ (دیکھئے باب "قرآن کے لئے نور کا لفظ"۔)

۴۔ خدا اور اس کے ملائکہ مومنین پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں تاکہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف لے آئیں۔ (۴۳ : ۳۳)
۵۔ جس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہو جائے اس کے لئے نورٌ علی نور ہے۔ (۲۲ : ۳۹)
۶۔ اللہ کے نور سے زمین جگمگا اُٹھے گی۔ (۶۹ : ۳۹)

قرآن کریم کے لئے بالخصوص نور کا لفظ

۱۔ تمہاری طرف، خدا کے ہاں سے نور یعنی کتاب مبین آگئی۔ (۱۵ : ۵)۔ خدا اس کے ذریعے ظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے۔ (۱۶ : ۵)۔(۱ : ۱۴)۔(۹ : ۵۷)۔(۱۱ : ۶۵)
۲۔ رسول اللہ کے ساتھ نور (قرآن) نازل ہوا تھا۔ (۱۵۷ : ۷)۔(۸ : ۶۴)
۳۔ یہ مخالفین چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو بجھا دیں۔ لیکن یہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ (۳۲ : ۹)۔(۸ : ۶۱)
۴۔ اللہ آسمانوں اور زمین کو نور عطا کرنے والا ہے۔ کائنات میں یہ نورٌ مادی روشنی بھی ہے اور وہ ہدایت بھی جو ہر شے کے اندر از خود موجود ہے۔ اور انسانوں کے لئے نور قرآن کے اندر ہے جس کی مثال اگلی آیات میں دی گئی ہے۔ (۳۵ : ۲۴)
۵۔ جسے وحیِ خداوندی کا نور میسّر نہ ہو اسے کہیں نور نہیں مل سکتا۔ (۴۰ : ۲۴)
۶۔ جس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ ہو جائے اس کے لئے نورٌ علی نور ہے۔ (۲۲ : ۳۹)
۷۔ قرآن نور مبین ہے۔ (۱۷۴ : ۴)۔(۵۲ : ۴۲)
۸۔ کیا مردے، اور وہ شخص جسے زندگی عطا کر کے نور دے دیا جائے کہ وہ اسے لے کر دنیائے انسانیت میں چلے پھرے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (۱۲۲ : ۶)۔ مومنین کو ایسا ہی نور دیا گیا ہے۔ (۲۸ : ۵۷)
۹۔ کتابِ منیر۔ (۱۸۴ : ۳)۔(۸ : ۲۲)۔(۲۰ : ۳۱)۔(۲۵ : ۳۵)

کتبِ سابقہ

۱۔ تورات اور انجیل بھی اپنے وقتوں میں ہدایت اور نور کی حامل تھیں۔ (۴۶ ؛ ۴۴ : ۵)۔(۹۱ : ۶)
کتابِ حضرت موسٰیؑ کو ضیا بھی کہا گیا ہے۔ (۴۸ : ۲۱)

متفرقات

۱۔ قیامت میں اہلِ جہنم مومنین سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو۔ ہم تمہارے نور سے تھوڑا سا لے لیں؟ (۱۳ : ۵۷)
۲۔ اہلِ جنت کا نور ان کے آگے آگے جائے گا اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ ان کا نور مکمل ہو جائے۔ (۸ : ۶۶)۔ اس سے واضح ہے کہ اہلِ جنت کو مزید ارتقائی منازل طے کرنی ہونگی۔ جنت زندگی کا آخری مقام نہیں۔ (۱۲ : ۵۷)
۳۔ منافق کی مثال کہ اس نے تاریکی میں روشنی جلائی۔ جب ماحول روشن ہو گیا تو اس کی روشنی بجھ گئی۔ (۱۷ : ۲)
۴۔ رسول اللہ کو سراجاً منیرا کہا گیا ہے۔ (۴۶ : ۳۳)

(٠)

و

۱۔ والدین

ہمارے ہاں، والدین سے مراد صرف ماں باپ ہوتے ہیں۔ (والد۔ باپ، اور والدہ، ماں)۔ اور اولاد سے مراد صرف بیٹے بیٹیاں۔ لیکن عربی زبان میں والدین کا سلسلہ، ماں باپ سے اوپر بھی جاتا ہے۔ یعنی ان میں دادا، دادی۔ نانا، نانی اوپر تک سب شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اولاد میں پوتا، پوتی۔ نواسہ۔ نواسی۔ نیچے تک سب شامل ہوتے ہیں۔
۲۔ یہ جو ہمارے ہاں (اور دنیا کے ہر مذہب میں) مشہور رہے کہ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے۔ قرآن کریم اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیتا۔ بچہ، جب تک اس عمر تک نہ پہنچے جہاں وہ معاملات کے فیصلے خود کرنے کے قابل ہو، اس وقت تک تو اسے لامحالہ ماں باپ کے فیصلوں کے مطابق چلنا چاہیئے، لیکن جب وہ خود اپنے سنِ شعور کو پہنچ جائے تو پھر ماں باپ کے فیصلوں کی اطاعت اس پر فرض نہیں قرار پاسکتی۔ ماں باپ، بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ چکے یا پہنچ رہے ہوتے

ہیں، جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ وہاں انسان کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے۔ (۶۸ : ۳۶) - وہ عمر کا ارذل حصہ ہوتا ہے۔ (۵ : ۲۲) - وہاں انسان اپنا سابقہ علم بھی فراموش کر جاتا ہے۔ (۵ : ۲۲) - اس کے مقابلہ میں، نوجوان جدید صلاحیتوں کو لے کر ابھرتا ہے۔ پھر اس کے زمانے کے حالات بھی بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے اُسے ان لوگوں کے فیصلوں کا پابند بنا دینا، جن کے قویٰ، علم اور عقل کے متعلق قرآنی تصریحات اوپر بیان کی جا چکی ہیں، انسان کو جامد بنا دینے کے مرادف ہوگا۔ قرآن کی یہ تعلیم نہیں۔ اس کے نزدیک قابلِ تقلید اسوۂ حضرت ابراہیمؑ کا ہے، جنہوں نے اپنے باپ سے برملا کہہ دیا کہ وہ غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ اس لئے وہ اس کا حکم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ (۴۲ : ۱۹) - دیگر مقامات جن کی تفصیل عنوان ابراہیم میں ملے گی۔

۳۔ قرآن نے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی ہے۔ یعنی ان کی ان ضروریات کا پورا کرنا جنہیں بوجہ ضعیف العمری خود پورا کرنے کے قابل نہ رہے ہوں۔ نیز یہ بھی کہ ان سے درشتی سے پیش نہ آیا کرو۔ (اولاد کے حقوق و فرائض کے متعلق عنوان "اولاد" دیکھئے) - وراثت میں ماں باپ کے حصے کے متعلق عنوان وراثت دیکھئے۔

۴۔ قرآن کریم میں باپ کے لئے اب اور ماں کے لئے اُمّ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اور آباء بمعنی آباء و اجداد یا اسلاف۔ اس سلسلہ میں عنوان تقلید دیکھئے۔

والدین اور اولاد کا رشتہ

۱۔ اعمال اپنے اپنے ہیں۔ قانونِ مکافات کی رو سے، نہ ماں باپ اولاد کے کام آ سکتے ہیں نہ اولاد ماں باپ کے (۳۳ : ۳۱) - یہ رشتے طبعی اور تمدنی زندگی تک محدود ہیں۔ (۱۰ : ۳) - (۱۱۶ : ۳) - (۱۷ : ۵۸) (۳ : ۶۰) - (۳۵ : ۸۰)

۲۔ اولاد، تقربِ خداوندی کا موجب نہیں بن سکتی۔ (۳۷ : ۳۴)

۳۔ دیکھنا! اولاد کی جاذبیت تمہیں ذکر اللہ (قوانینِ خداوندی کی نگہداشت) سے غافل نہ کر دے۔ (۹ : ۶۳)

۴۔ ہمیشہ عدل پر قائم رہو خواہ ایسا کرنا تمہارے والدین کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ (۱۳۵ : ۴)

۵۔ اگر تمہارے آباء کفر کو زیادہ پسند کریں تو انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ (۲۳ : ۹) - (۲۲ : ۵۸)

۶۔ جنت میں وہی آباء داخل ہو سکیں گے جو صالح ہوں گے۔ (۲۳ : ۱۳) - محض کسی صالح کا باپ یا بیٹا ہونا اسے جنت کا مستحق نہیں بنا سکے گا۔ (۸ : ۴۰)

والدین کے فرائض

قرآنِ کریم نے بالتصریح والدین کو حکم نہیں دیا کہ تم اپنے بچوں کی پرورش کرو۔ اس لئے کہ بچوں کی پرورش تو ہر حیوان کا طبعی تقاضا ہے۔ ماں، بچے کو دودھ پلاتی ہے تو کسی خارجی حکم کی تکمیل میں ایسا نہیں کرتی۔ وہ اپنے داخلی تقاضا (مامتا) کے ماتحت ایسا کرتی ہے۔ البتہ اس نے اولاد سے حکماً کہا ہے کہ وہ والدین سے حسنِ سلوک کریں۔ یہ اس لئے کہ والدین سے حسنِ سلوک، حیوانات کا طبعی تقاضا نہیں۔ حیوانات تو، بچے ماں باپ کو پہچانتے تک نہیں۔ یہ انسانی تقاضا ہے جس کی تلقین ضروری تھی۔
والدین سے یہ ضرور کہا ہے کہ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ (۶ : ۱۵۱) - (۱۷ : ۳۱) - "قتل" میں جان سے مار ڈالنا بھی شامل ہوتا ہے اور کسی کو ذلیل کرنا بھی۔ اس حکمِ قرآنی میں دونوں باتیں شامل ہیں اور ان کا علاج ساتھ ہی یہ کہہ کر بتا دیا کہ نحن نرزقکم و ایاھم (۶ : ۱۵۲) - ان کے رزق کی اور خود تمہارے رزق کی ذمہ داری ہمارے سر پر ہے
خدا کی یہ ذمہ داری، اسلامی نظامِ مملکت پوری کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی رو سے امت کے بچوں کی پرورش اور تعلیم وغیرہ کی ذمہ داری انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ یہ ماں باپ کا انفرادی فریضہ نہیں۔ نظامِ مملکت کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

۲۔ اولاد کی خاطر بھی کوئی غلط کام نہ کرو۔ اس مقام پر اولاد فتنہ کا موجب بن جاتی ہے۔ (۸ : ۲۸) - (۶۴ : ۱۵)
بلکہ تمہاری دشمن ہوتی ہے۔ (۶۴ : ۱۴)

۳۔ مشرکین اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ (غالباً دیوی دیوتاؤں کے استھان پر اولاد کی قربانی سے مراد ہے)۔ (۶ : ۱۳۷)
یہ سخت نقصان رساں عمل ہے۔ (۶ : ۱۴۰) - اس کی ممانعت (۶۰ : ۱۲)

ماں

۱۔ جو لوگ جہالت سے، غصہ میں آ کر، بیوی کو ماں کہہ دیتے ہیں، اس سے وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی۔ ماں وہی ہے جس نے اسے جنم دیا ہے۔ ایسا کہہ دینے کا کفارہ دینا ہوتا ہے۔ (۵۸ : ۲-۳)

۲۔ مائیں دو سال تک بچوں کو دودھ پلائیں۔ (۲ : ۲۳۳) - (۳۱ : ۱۴)

۳۔ طلاق کی صورت میں بچے کی ماں کے حقوق وغیرہ کے سلسلہ میں متعلقہ عنوانات دیکھئے۔ (۲ : ۲۳۳)

۴۔ سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح حرام ہے۔ (۴ : ۲۲)

۵۔ تمہاری ماں نے تمہیں مشقت برداشت کر کے اپنے بطن میں رکھا۔ پھر دو سال تک دودھ پلایا۔ اس کے لئے خدا کا

اور والدین کا شکریہ ادا کرو۔ (۱۴ : ۳۱)

والدین سے حسنِ سلوک

۱۔ والدین سے احسان کرو۔ (۲ : ۸۳) ۔ (۲ : ۱۸۰) ۔ (۲ : ۲۱۵) ۔ (۴ : ۳۶) ۔ (۶ : ۱۵۲) ۔
(۱۷ : ۲۳) ۔ (۲۹ : ۸) ۔ (۳۱ : ۱۴) ۔ (۴۶ : ۱۵)

۲۔ خدا کا شکریہ اور والدین کا ———— (۱۹ : ۲۷) ۔ (۳۱ : ۱۴) ۔ (۴۶ : ۱۵)

۳۔ والدین کے خلاف سخت گیر اور سرکش نہیں ہونا چاہیئے ۔ (۱۹ : ۱۴) ۔ (۱۹ : ۳۲)

۴۔ والدین کی صحیح تعلیم سے (جو قرآن کے مطابق ہو) انکار کرنے والی اولاد ۔ (۱۷ : ۴۶)

۵۔ والدین کے لئے دعائے مغفرت (اس کا مفہوم 'دعا' اور مغفرت کے عنوانات میں دیکھئے) ۔ (۱۴ : ۴۱) ۔ (۲۸ : ۷۱)

۶۔ ماں باپ سے درشتی سے بات نہ کرو۔ (۱۷ : ۲۳) ۔ ان کے لئے خدا سے دعا کرو کہ وہ ان کی اسی نرمی سے پرورش کرے
جس طرح انہوں نے تمہاری بچپن میں پرورش کی تھی ۔ (۱۷ : ۲۳)

۷۔ ان کی تمام باتوں کی تو بے شک تعمیل کردو۔ لیکن اگر وہ شرک کرنے کو کہیں تو ان کی قطعاً اطاعت نہ کرو۔ (۲۹ : ۸) ۔
(۳۱ : ۱۵) ۔

متفرق

۱۔ تم نہیں کہہ سکتے کہ تمہارے آباء یا ابناء میں سے کون زیادہ نفع رساں ہے ۔ (۴ : ۱۱)

۲۔ تم اپنے آباء کے گھر سے کھا سکتے ہو۔ (۲۴ : ۶۱)

(:)

۲۔ وحدتِ انسانیت

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ شروع میں، تمام انسان ایک برادری کے افراد (امتِ واحدہ) تھے۔ پھر، ان کی مفاد پرستیوں کے ٹکراؤ سے ان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان اختلافات کے مٹانے کے لئے آسمانی رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا گیا ۔

اس سلسلہ کی تکمیل نزولِ قرآن سے ہوئی۔ اب قرآنی تعلیم کا منتہیٰ یہ ہے کہ تمام نوعِ انسان کو پھر سے امتِ واحدہ بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ پوری انسانیت کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ جو قرآن کی عطا کردہ راہ نمائی کی روشنی میں، انسانیت کو ایک عالمگیر برادری میں مربوط کرنے کے داعی ہوں۔ انہیں جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے وہ جو اپنی فراتی یا گروہ بندانہ مفاد پرستیوں کے پیشِ نظر انسانوں کو مختلف گروہوں اور قوموں میں منقسم رکھنے پر مصر ہوں۔ انہیں کافر کہا جائے گا۔ (۲ : ۲۴)۔ جماعتِ مومنین کا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ قرآنی تعلیم کو عام کرکے، انسانوں کے تفرقے مٹاتی چلی جائے اور اس طرح انہیں ایک برادری کے افراد بناتی جائے۔ اس کا عملی طریق یہ ہوگا کہ وہ ایک ضابطۂ حیات (یعنی قرآن کریم) کو اپنے تمام اختلافی معاملات میں سندِ آخر (فائنل اتھارٹی) تسلیم کریں۔ اور اس اتھارٹی کو عملاً نافذ کرنے والے ایک مرکز کے تابع رہیں۔ اس مرکز کی ہیئت کیا ہوگی، اسے یہ لوگ باہمی مشورہ سے طے کریں گے۔ اس مرکز کی وحدت کا محسوس نشان، کعبہ ہے۔ اور اس برادری کے اجتماعات کو حج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (اس سلسلہ میں عنوانات "اسلامی نظام، حج، کعبہ" فرقہ بندی، اختلاف قرآن، رب، عالمین وغیرہ۔ دیکھئے)

امتِ واحدہ

۱۔ تمام انسان امتِ واحدہ تھے۔ انہوں نے باہمی اختلافات پیدا کر لئے۔ (۱۹ : ۱۰)۔ ان اختلافات کو مٹانے کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے۔ اور ان کے ساتھ ضابطۂ حیات بھیجا گیا تاکہ وہ اس کی روشنی میں لوگوں کے اختلافی معاملات کا فیصلہ کریں۔ (۲ : ۲۱۳) — (۲۵ : ۵۷)

۲۔ تمام انسانوں کی تخلیق نفسِ واحدہ سے۔ (۱ : ۴)۔ سب کے لئے ایک ہی طریقِ تخلیق (فطرت)۔ (۳۰ : ۳۰)۔ تمہاری تخلیق اور اور بعث نفسِ واحدہ کی طرح ہے۔ (۲۸ : ۳۱)

۳۔ جس نے ایک جان کو بھی ناحق تلف کر دیا اس نے گویا تمام نوعِ انسانی کو ہلاک کر دیا۔ جس نے ایک جان بھی بچالی اس نے گویا تمام نوعِ انسانی کو حیات عطا کر دی۔ (۳۲ : ۵)

۴۔ حیوانات یا دیگر اشیائے کائنات میں اختلافات نہیں ہوتے۔ لیکن ان کی یہ وحدت بالارادہ نہیں۔ مجبوری کی ہے۔ انسانوں میں اس طرح وحدت پیدا کرنا مقصود نہیں۔ یہ سوچ سمجھ کر، اپنے اختیار و ارادہ سے ایک برادری کے افراد بنیں۔ (۱۹-۱۱۸ : ۱۱)

۵۔ بقا اس نظریۂ حیات اور اس نظام کے لئے ہے جو تمام نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہو۔ (۱۷ : ۱۳)

۶۔ اگر تمام انسانوں کو امتِ واحدہ میں متشکل کرنا مقصود نہ ہوتا تو دولت کو انبار در انبار چند افراد (کفار) کے پاس مرکوز

ہونے دیا جاتا۔ (۳۳ : ۴۳)

۷۔ شعوب و قبائل محض باہمی تعارف کے لئے ہیں۔ تخلیقِ انسانی میں یہ تفریق نہیں۔ وجۂ تکریم ذاتی کیرکیٹر ہے (۱۳ : ۴۹)

۸۔ امتِ واحدہ کی تشکیل اس دور میں ہوگی جب تمام انسان، خدا کی ربوبیتِ عالمینی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے (۲ : ۸۳)
اور اس طرح لوگ جوق در جوق دینِ خداوندی میں داخل ہو جائیں گے۔ (۳ : ۱۱۰)

۹۔ جنہیں علاء کا خدا نے حکم دیا ہے انہیں ٹکڑے ٹکڑے مت کرو۔ (۲۷ : ۲) ۔ (۲۵ ; ۲۱ : ۱۳)

۱۰۔ اختلافِ رنگ اور زبان، اہلِ علم کے لئے اس حقیقت تک پہنچنے کی نشانیاں ہیں۔ اور بس۔ (۲۲ : ۳۰)۔ ورنہ تخلیق سب کی ایک ہی مادہ سے ہوئی ہے۔ (۱۹ : ۳۰)۔ یہ محض طبیعی زندگی (یعنی جسم) کے اختلافات ہیں جو حیوانات میں بھی ہیں (۲۸ : ۳۵)۔ انسانی سطح پر زندگی کا معیار اس سے بلند ہو جاتا ہے۔ اس کی رُو سے مدارج کا تعین جوہر ذاتی کی رُو سے ہوتا ہے۔ (۱۹ : ۴۶)

۱۱۔ پیشے وجۂ اختلاف و باعثِ تفریق نہیں ہو سکتے۔ (۲۹-۲۷ : ۱۱) ۔ (۱۱۴ - ۱۱۱ : ۲۶)

۱۲۔ تمام انسان (ابنِ آدم) یکساں واجب التکریم ہیں۔ (۷۰ : ۱۷)

قرآن اور رسول اللہ تمام نوعِ انسان کے لئے

۱۔ مومنین کو امتِ وسطاً بنایا تاکہ یہ تمام نوعِ انسان کے اعمال کی نگرانی کریں۔ (۱۴۳ : ۲) ۔ (۷۸ : ۲۲)۔ دنیا میں فساد برپا نہ ہونے دیں۔ (۲۵۱ : ۲) ۔ (۱۱۰ : ۳) ۔ (۱۲۲ : ۶) ۔ (۴۰ : ۲۲)

۲۔ قرآن تمام نوعِ انسان کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ (۱۸۵ : ۲)۔ (۱۳۷ : ۳) ۔ (۱۷۵ : ۴) ۔ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ نوعِ انسانی کے معاملات کا تصفیہ کیا جائے۔ (۱۰۵ : ۴) ۔ (۵۷ : ۱۰)۔ (۱۰۸ : ۱۰) ۔ (۱ : ۱۴) ۔ (۵۲ : ۱۴) ۔ (۴۴ : ۱۶) ۔ (۸۹ : ۱۷) ۔ (۵۴ : ۱۸)۔ (۲۸ : ۴۳) ۔ (۳۹ : ۲۷) ۔ (۳۹ : ۴۱) ۔ (۲۰ : ۴۵)
ذکر للعالمین۔ (۹۱ : ۶) ۔ (۱۰۴ : ۱۲) ۔ (۱ : ۲۵) ۔ (۳۸ : ۸۷) ۔ (۶۸ : ۵۲)

۳۔ تمام نوعِ انسان کی طرف رسول۔ (۱۶۰ : ۴) ۔ (۱۵۸ : ۷) ۔ (۴۹ : ۲۲) ۔ (۲۸ : ۳۴)
رحمت للعالمین۔ (۱۰۷ : ۲۱)

تمام نوعِ انسان کا ایک رب اور معبود

۱۔ اے نوعِ انسان! تم اس ایک رب کی محکومیت اختیار کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (۲ : ۲۱)۔ (۲۲ : ۱)۔ (۳۱ : ۳۳)۔ (۲)۔ رب الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ (۱۱۴ : ۱-۳)۔ (۳)۔ رب العالمین۔ (۱ : ۲)

۲۔ مشرق و مغرب میں تم کہیں بھی ہو، وہاں خدا موجود ہو گا۔ (۲ : ۱۱۵)۔ مشرق و مغرب اس کے ہیں۔ (۲ : ۱۴۲) وہ رب المشرق والمغرب ہے۔ (۲۶ : ۲۸)۔ (۷۳ : ۹)۔ رب المشرقین والمغربین۔ (۵۵ : ۱۷) رب المشارق (۳۷ : ۵)۔ رب المشارق والمغارب۔ (۷۰ : ۴۰)

نسلی امتیاز کا تصور باطل ہے

۱۔ حضرت نوحؑ سے کہا گیا کہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کے کام اچھے نہیں۔ (۱۱ : ۴۵-۴۶)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد سے کہہ دیا کہ اگر آپ خدا کی ابدی صداقتوں پر ایمان نہیں رکھتے تو میرا آپ سے کوئی واسطہ نہیں۔ (۶ : ۷۵)۔ پوری قوم سے قطع تعلق۔ (۶۰ : ۴)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ کو نوعِ انسانی کی امامت کا منصب عطا ہوا۔ آپ نے کہا کہ کیا میری ذریت کو بھی یہی مقام حاصل رہے گا جواب ملا کہ ہمارا یہ وعدہ ظالمین کے لئے نہیں خواہ وہ کسی کی اولاد میں بھی کیوں نہ ہوں۔ (۲ : ۱۲۴)۔ چنانچہ ان میں سے اچھے بھی تھے اور برے بھی۔ محض ذریتِ ابراہیمی (یعنی حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہونا) ان کے لئے وجۂ اختصاص نہیں ہو سکا۔ (۳۷ : ۱۱۳)

۴۔ جنت کا حصول اپنے اپنے اعمال کی بنا پہ ہو گا۔ کسی کے ساتھ حسب نسب کی نسبت کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ (۱۳ : ۲۳)۔ (۴۰ : ۸)۔ (۵۲ : ۲۱)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس باب میں دو ٹوک بات کہہ دی کہ جو میرے پیچھے چلتا ہے وہ میرا ہے۔ جو اس راستے پر نہیں چلتا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی دینِ قیم ہے۔ (۱۴ : ۳۶)

۶۔ قرآن کا فیصلہ۔ اگر ماں باپ۔ بیوی بچے۔ خویش و اقارب میں سے کوئی بھی ایمان سے زیادہ عزیز ہو گیا تو ایسے شخص کا اسلام سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ (۹ : ۲۳-۲۴)۔ (۵۸ : ۲۲)

ایمان وجۂ مواخات

۱۔ اس نئی برادری کی وجۂ جامعیت ایمان ہوگا۔ اس سے مختلف نسلوں، وطنوں، رنگوں والے انسان باہمی بھائی بھائی بن جائیں گے۔ (۳ : ۱۰۲) ۔ یہ جنتی زندگی کی کیفیت ہے۔ (۴۷ : ۱۵)

۲۔ مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (۵ : ۳۳) ۔ (۱۰ : ۴۹) ۔ موجودہ بھی اور وہ بھی جو گزر چکے۔ (۱۰ : ۵۹)

۳۔ یہ برادری ایسی ہے کہ ایک بھائی خود تنگی میں گزارہ کر لیتا ہے لیکن اپنے بھائی کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا ہے۔ (۹ : ۵۹)

۴۔ یہ رحماء بینھم ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ نہایت محبت کے تعلقات رکھنے والے (۴۸ : ۲۹) انہیں کبھی ایک دوسرے کو ایذا نہیں دینی چاہیئے۔ (۵۸ : ۳۳) ۔ اور ایک دوسرے کو بالارادہ قتل کر دینا تو سیدھا جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ (۴ : ۹۲-۹۳) ۔ [لہٰذا یہ سمجھنا کہ صحابہؓ میں باہمی لڑائیاں ہوئی تھیں۔ مسخ شدہ تاریخ کی افسانہ طرازیاں ہیں[۱]۔] مومنین میں اگر کبھی باہمی اختلاف پیدا ہو جائے تو ان کے نظام (حکومت) کا فریضہ ہے کہ ان میں فوراً مصالحت کرا دے۔ (۹ : ۴۹)

۵۔ اسلام میں قومیت کی تشکیل ایمان کے اشتراک کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس معیار کے مطابق دنیا میں دو ہی قومیں آباد ہیں۔ یعنی مومن اور کافر (مسلم اور غیر مسلم)۔ (۲ : ۶۴)

---(٠)---

۲۔ وحی

وحی کے لغوی معنی ہیں۔

۱۔ نہایت تیز اشارہ۔ الوحیٰ۔ جلدی کرنا۔ تیزی کرنا۔

۲۔ کتابت۔ (لکھنا)۔ الوحیُ۔ لکھی ہوئی چیز۔　(۳)۔ حکم کرنا۔ حکم دینا۔

۴۔ ہر وہ شے جسے کوئی کسی دوسرے تک پہنچا دے خواہ اس کے پہنچانے کا طریقہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

---

[۱]۔ تفصیل کے لئے میری کتاب "شاہکارِ رسالت" دیکھئے

لیکن اس کے اصطلاحی معنی ہیں، خدا کی طرف سے کسی انسان کو براہِ راست علم حاصل ہونا ۔ یعنی ایسا علم جس میں اس انسان کی اپنی عقل و فکر کا کوئی دخل نہ ہو۔ اسے منزل من اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس علم کا علم صرف حضرات انبیاءؑ تک مخصوص تھا اسے وحی کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا خدا کے کلام سے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ (وحی) لغوی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور اصطلاحی معنوں میں بھی۔ اصطلاحی معنوں میں جو وحی حضرات انبیاء کرام کو ملتی تھی اس کی کنہ و حقیقت کو غیر از نبی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ نہ ہی کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ نبی کو وہ علم کس طرح ملتا تھا یہ سلسلہ حضور نبی اکرمؐ کی ذات پر ختم ہو گیا۔ اب کسی انسان کو خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل نہیں ہو سکتا ۔ خواہ اس کا نام وحی رکھ لیا جائے یا کشف و الہام، خدا سے ہمکلامی یا مبشرات ۔ ختمِ نبوت کے بعد اس قسم کے علم حاصل ہونے کے امکان کا تصور، نبوت کے بند کردہ دروازہ کو کھولنے کے مرادف ہے۔

جو وحی نبی اکرمؐ کو عطا ہوئی تھی وہ بتمامہٖ قرآن کریم کے اندر اپنی اصلی اور غیر محرف شکل میں محفوظ ہے۔ نہ اس وحی کا کوئی ایک لفظ بھی قرآن کے اندر درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ نہ ہی قرآن کے باہر وہ کہیں اور جگہ ہے۔ اس وحی کی ایک ہی قسم تھی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس وحی کی دو قسمیں تھیں۔ ایک وحی جلی یا وحی متلو، جو قرآن کے اندر ہے اور دوسری وحی خفی یا وحی غیر متلو، جو قرآن سے باہر ہے۔ اس تقسیم کی کوئی سند قرآن سے نہیں ملتی۔ یہ تصور غیر قرآنی ہے۔

۲۔ واضح رہے کہ انبیاء پر جو وحی نازل ہوتی تھی۔ اس کے الفاظ بھی خدا کی طرف سے ہوتے تھے۔ یہ نہیں کہ محض ایک خیال ان کے دل میں ڈال دیا جاتا تھا۔ جس کا اظہار وہ اپنے الفاظ میں کرتے تھے۔ کوئی خیال بغیر الفاظ کے دل میں آ ہی نہیں سکتا۔ یہ نفسیاتی ناممکنات میں سے ہے۔ لہٰذا 'وحی غیر متلو' کا تصور ہی غلط ہے۔

(اس سلسلہ میں عنوانات مثل قرآن ۔ نبی ۔ رسول ۔ نزول ۔ الہام بھی دیکھئے۔)

۳۔ اشیائے کائنات اپنے فرائضِ حیات، جبلی تقاضوں کی رو سے سرانجام دیتے ہیں۔ انہیں بھی وحی سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً شہد کی مکھی کی طرف وحی۔

رسولؐ اللہ کی طرف وحی

۱۔ اس طرح تیرے رب نے تیری طرف اس پر حکمت (قرآن) کو وحی کیا۔ (۱۷ : ۳۹)

۲۔ رسولؐ اللہ کی طرف اور انبیائے سابقہ کی طرف وحی کہ شرک نہ کریں۔ (۳۹ : ۶۵)

۳۔ جو وحی تیری طرف کی جاتی ہے اس سے متمسک رہو۔ (۴۳ : ۴۳)

۴۔ کہو کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ صحرانوردوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا تھا۔ (۷۲ : ۱)

۵۔ جو وحی تیری طرف کی جاتی ہے اس کا اتباع کرو۔ (۶ : ۵۰) – (۶ : ۱۰۶) – (۷ : ۲۰۳) – (۱۰ : ۱۵) – (۱۰ : ۱۰۹) – (۳۳ : ۲)

۶۔ جو کتاب تیری طرف وحی کی جا رہی ہے اسے پیش کرو (یا اس کا اتباع کرو۔ تلاوت) – (۱۸ : ۲۷) – (۲۹ : ۴۵)

۷۔ کہو کہ جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں، میں بجز ان چار چیزوں کے اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ (۶ : ۱۴۶)

۸۔ خدا نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کرنا مطلوب تھا۔ (۵۳ : ۱۰)

۹۔ میری طرف یہ قرآن وحی ہوا ہے تاکہ میں تمہیں بھی، اور جن تک یہ پہنچے انہیں بھی، اس کے ذریعے ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کروں۔ (۶ : ۱۹)

۱۰۔ جو وحی تیری طرف کی گئی ہے اسے اپنی قوم کے سامنے پیش کرو۔ (۱۳ : ۳۰) – (۲۹ : ۴۵)

۱۱۔ اگر خدا کی مشیت ہوتی تو وہ اس وحی کو لے جاتا اور حضور کچھ بھی نہ کر سکتے۔ (یہ بھی اس حقیقت کی دلیل ہے کہ وحی، رسول کی اپنی فکر کی پیدا کردہ نہیں ہوتی تھی)۔ (۱۷ : ۸۶)

۱۲۔ خدا نے تیری طرف وحی کی (جس طرح انبیاء سابقہ کی طرف دین بھیجا تھا)۔ (۳۵ : ۳۱) – (۴۲ : ۳) – (۴۲ : ۱۳)

۱۳۔ مخالفین کی سازش کہ حضور کو وحی کی طرف سے بہکا دیں تاکہ آپ خدا کے خلاف افتری کریں۔ (۱۷ : ۷۳)

۱۴۔ کیا لوگوں کو اس پہ تعجب ہو رہا ہے کہ انہی میں سے ایک انسان پہ کیوں وحی کی گئی ہے۔ (۱۰ : ۲)

۱۵۔ اسی طرح وحی جس طرح انبیاء سابقہ کی طرف وحی کی گئی تھی۔ (۴ : ۱۶۳)

۱۶۔ رسول اللہ کی طرف وحی کہ اتباعِ ملتِ ابراہیمی کریں۔ (۱۶ : ۱۲۳)

۱۷۔ حضور کی طرف قرآناً عربیاً وحی کیا گیا۔ (۶ : ۱۹) – (۱۲ : ۳) – (۳۳ : ۳۱) – (۴۲ : ۷)

۱۸۔ انسانوں کے ساتھ کلام خداوندی کے تین طریقے۔ اسی طرح حضورؐ کی طرف وحی کی گئی۔ اس سے پہلے حضورؐ جانتے ہی نہیں تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا۔ (۴۲ : ۵۱-۵۲)

۱۹۔ رسول کا پیغام اس کی اپنی فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ وحی ہوتی ہے۔ (۵۳ : ۳-۴)

۲۰۔ ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں وحی کے ذریعے آگاہ کرتا ہوں۔ (۲۱ : ۴۵)

۲۱۔ قرآن کے معاملہ میں جب تک اس کی وحی پوری نہ ہو جائے، جلدی مت کرو۔ (۲۰ : ۱۱۴)

۲۲۔ کہو کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ اس فرق کے ساتھ کہ میری طرف وحی ہوتی ہے۔ (۱۸ : ۱۱۰) – (۴۱ : ۶)

۲۳۔ میری طرف وحی ہوتی ہے کہ میں نذیر مبین ہوں۔ (۱۰۸ : ۲۱) ۔ (۷۰ : ۳۸)
۲۴۔ تو لوگوں کے طعنوں سے ڈر کر وحی کو ترک نہیں کر سکتا۔ (۱۲ : ۱۱)
۲۵۔ پس اگر ہدایت پر ہوں تو وحی کی رو سے ہوں۔ اور غلطی کرتا ہوں تو وہ میرے اپنے فیصلے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (۵۰ : ۳۴)
۲۶۔ غیب کے امور وحی کے ذریعے بتائے جاتے تھے۔ (۴۴ : ۳) ۔ (۴۹ : ۱۱) ۔ (۱۰۲ : ۱۲)
۲۷۔ ساری وحی متلو تھی۔ (۴۵ : ۲۹)

دیگر انبیاؑ کی طرف وحی

۱۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے خدا کی طرف سے وحی نہ ہو اور وہ کہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے۔ (۹۴ : ۶)
۲۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ نے کہا کہ خدا نے ہماری طرف وحی کی ہے۔ (۸۷ : ۱۰) ۔ (۴۸ : ۲۰)
۳۔ رسولوں کی طرف وحی کہ خدا ظالمین کو ہلاک کر دے گا (۱۳ : ۱۴) ۔ (۴) ۔ حضرت نوحؑ کی طرف وحی۔ (۳۶ : ۱۱)
۵۔ رسول اللہؐ کی طرف اسی طرح وحی کی گئی تھی جس طرح انبیائے سابقہ کی طرف وحی کی گئی تھی۔ (۱۶۳ : ۴)
۶۔ حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی۔ (۱۱۷ : ۷) ۔ (۱۶۰ : ۷) ۔ (۸۷ : ۱۰) ۔ (۱۳ : ۲۰) ۔ (۷۷ : ۲۰)
(۵۲ : ۲۶) ۔ (۶۳ : ۲۶)
۷۔ حضرت نوحؑ کی طرف وحی کہ خدا کی زیر نگرانی کشتی بنائیں۔ (۳۷ : ۱۱) ۔ (۲۷ : ۲۳)
۸۔ حضرت یوسفؑ کی طرف وحی۔ (۱۵ : ۱۲) ۔ (۹) ۔ تمام انبیاء کی طرف وحی۔ (۷۳ : ۲۱)
۱۰۔ تمام رسولوں کی طرف یہی وحی کیا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (۲۵ : ۲۱)

نزولِ وحی کا طریقہ

۱۔ جبریلؑ، قلبِ نبوی پر وحی نازل کرتا تھا۔ (۹۷ : ۲) ۔ روح القدس۔ (۱۰۲ : ۱۶) ۔ ملائکہ۔ (۲ : ۱۶)
روح الامین علیٰ قلبکؐ۔ (۱۹۴ : ۲۶) ۔ شیاطین نازل نہیں ہوتے تھے۔ (۲۱۰ : ۲۶)
۲۔ وحی خود خدا سے ملتی تھی۔ (۶ : ۲۷)
۳۔ اسے خدا سکھاتا تھا۔ (۵ : ۵۳) ۔ (۱-۲ : ۵۵) ۔ (۴ : ۸۷)
۴۔ یہ وحی رسول کی زبان سے لوگوں تک پہنچتی تھی۔ اس اعتبار سے اسے قولِ رسول کہا گیا۔ (۱۹ : ۸۱)

۵۔ لیلۃ القدر میں نزولِ وحی۔ (۹۷ : ۱-۲)

۶۔ تلاوۃ علیک۔ (۲۵۲ : ۲)۔ (۵۷ : ۳)۔ (۱۰۶ : ۳)۔ (۶ : ۴۵)

اعتراضات

۱۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے براہِ راست ہم کلام کیوں نہیں ہوتا۔ (۱۱۸ : ۲)

۲۔ اس شخص پر وحی کیوں نازل ہوتی ہے؟ (۸ : ۳۸)

عام انسانوں کے لئے وحی کا لفظ (لغوی معنوں میں)

۱۔ حضرت زکریاؑ نے لوگوں سے کہا (اشارہ سے کہا) کہ تم اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں مشغول رہو۔ (۱۱ : ۱۹)

۲۔ خدا نے حواریوں کی طرف وحی کی (یعنی حضرت عیسےٰؑ کی وساطت سے یہ حکم بھیجا) کہ...... (۱۱۱ : ۵)

۳۔ اُمِ موسےٰؑ کی طرف وحی (یعنی خدا کا حکم جو کسی کی وساطت سے اس کی طرف پہنچایا گیا)۔ (۳۸ : ۲۰)۔ (۷ : ۲۸)

۴۔ شیاطین الجن والانس ایک دوسرے کی طرف وحی کرتے ہیں۔ (اشارے کرتے ہیں۔ باتیں پہنچاتے ہیں)۔ (۱۱۳ : ۶)

۵۔ شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی کرتے ہیں (اکساتے ہیں) کہ وہ تجھ سے جھگڑیں۔ (۱۲۲ : ۶)

۶۔ رسول دوسروں تک خدا کا حکم پہنچاتا ہے اسے بھی یوحیٰ کہا گیا ہے۔ (۵۲ : ۴۲)

خارجی کائنات میں وحی (یعنی جبلت یا قوانینِ فطرت)

۱۔ زمین کی طرف وحی۔ (۵ : ۹۹) (۲)۔ شہد کی مکھی کی طرف وحی۔ (۱۲ : ۴۱)

۳۔ تمام سماء (اجرامِ فلکی) کی طرف وحی۔ (۱۲ : ۴۱)

ملائکہ کی طرف وحی

۱۔ خدا نے ملائکہ کی طرف وحی کی کہ وہ مومنوں کی مدد کریں۔ (۱۲ : ۸)

متفرق

۱۔ خدا کے، بندوں کے ساتھ کلام کرنے کے تین طریقے۔ دو طریقے انبیاء کے ساتھ کلام کرنے کے۔ یعنی بذریعہ وحی۔ یا بذریعہ کلام (جیسے حضرت موسےٰؑ کے ساتھ) اور تیسرا طریقہ غیر انبیاء کے ساتھ ہم کلامی کا۔ یہ طریقہ یہ ہے کہ خدا کی جو وحی رسول کی طرف آئی ہو، رسول وہ وحی دوسروں تک پہنچا دے۔ اس طرح خدا عام لوگوں سے بھی باتیں کرنے لگتا ہے۔ (۴۲ : ۵۱ - ۵۲) - کوئی انسان خدا سے بات نہیں کر سکتا۔ انبیاء سے بھی خدا بات کرتا تھا۔ یعنی ابتدا خدا کی طرف سے ہوتی تھی۔ اسی لیے یہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ جب جی چاہے خدا سے باتیں کرنے لگ جائے۔

۲۔ وحی، فکرِ انسانی کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ (۵۳ : ۳ - ۴)

۳۔ ان سے کہو کہ میں اگر صحیح راستے پر ہوں تو وحی کی وجہ سے ہوں۔ اور اگر مجھ سے کبھی غلطی ہوتی ہے تو وہ میرے اپنے فیصلے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (۳۴ : ۵۰)

۴۔ وحی کے لئے خدا خود کسی کو منتخب کرتا تھا۔ (۲ : ۹۰) - (۲ : ۱۰۵) - (۳ : ۷۳) - (۱۴ : ۱۱) - (۱۶ : ۲) - (۲۰ : ۱۳) - (۲۲ : ۷۵) - (۴۰ : ۱۵)

۵۔ نبی، وحی سے پہلے جانتا تک نہیں تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ (۴۲ : ۵۲)

۶۔ وحی کو العلم کہا گیا ہے۔ (۲ : ۱۲۰)

۷۔ جن کی طرف وحی بھیجی گئی تھی وہ سب رجالؔ تھے۔ (۱۲ : ۱۰۹) - (۱۶ : ۴۳) - (۲۱ : ۷) - اور عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ (۲۱ : ۷ - ۸)

۸۔ اس سے ظالم کون ہوگا کہ جس پر وحی نازل نہ ہوتی ہو اور وہ کہے کہ مجھے وحی ملتی ہے۔ یا یہ کہے کہ میں بھی اسی قرآن کی مانند پیش کر سکتا ہوں۔ (۶ : ۹۳)

(۰)

کلام ۔ کلمہ

وحی کے لئے چونکہ کلام کا لفظ بھی آیا ہے اس لئے اس ضمن میں متعلقہ آیات بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ خدا انسان سے کلام کرتا ہے۔ (انسان خدا سے کلام نہیں کر سکتا۔ یعنی کلام کی ابتدا خدا کی طرف سے ہوتی ہے)۔۔۔۔
(۵۱ : ۴۲)۔۔۔۔ (۲) خدا کے کلام کرنے کے تین طریقے۔ (۵۱ : ۴۲)

۳۔ خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ (نظروں سے اوجھل رہ کر)۔ (۱۶۴ : ۴)۔ (۱۴۳ : ۷)

۴۔ قیامت میں روح اور ملائکہ میں سے وہی کلام کر سکے گا جسے خدا اجازت دے۔ (۱۰۵ : ۱۱)۔ (۳۸ : ۷۸)

۵۔ رسولوں میں سے وہ بھی ہیں جن سے خدا نے کلام کیا۔ (۲۵۳ : ۲)

۶۔ کفار کہتے ہیں کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ (۱۱۸ : ۲)

۷۔ کتمانِ حقیقت کرنے والوں سے خدا قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا۔ (۱۷۴ : ۲)۔ (۷۷ : ۳)

۸۔ کلام اللہ۔ (۷۵ : ۲)۔ (۶ : ۹)۔ (۱۵ : ۴۸)۔ تحریفِ کلمات (۴۶ : ۴)۔ (۱۳ : ۵)۔ (۴۱ : ۵)

۹۔ حضرت موسیٰؑ کو رسالات و کلام کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ (۱۴۴ : ۷)

۱۰۔ **کلمات اللہ** ۔ لا انتہا ہیں۔ (۱۰۹ : ۱۸)۔ (۲۷ : ۳۱)

آدم نے رب سے کلمات سیکھے۔ (۳۷ : ۲)

(حضرت) ابراہیمؑ کی چند کلمات سے ابتلا کی۔ (۱۲۴ : ۲)

(حضرت) مریم نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی۔ (۱۲ : ۶۶)

۱۱۔ لا مبدل لکلمات اللہ۔ (۳۴ : ۶)۔ (۱۱۶ : ۶)۔ (۶۴ : ۱۰)۔ (۲۷ : ۱۸)

۱۲۔ یحق الحق بکلمات اللہ۔ (۷ : ۸)۔ (۸۲ : ۱۰)۔ (۲۴ : ۴۲)

۱۳۔ خدا اور اس کے کلمات پر ایمان۔ (۱۵۸ : ۷)

۱۴۔ تمت کلمت ربک۔ (۱۱۶ : ۶)۔ (۱۳۷ : ۷)۔ (۱۱۹ : ۱۱)

۱۵۔ **حقت علیھم کلمۃ اللہ**۔ (۱۹ : ۱۰)۔ (۳۳ : ۱۰)۔ (۹۶ : ۱۰)۔ (۱۱۰ : ۱۱)۔ (۱۲۹ : ۲۰)
(۱۷۱ : ۳۷)۔ (۱۹ : ۳۹)۔ (۷۱ : ۳۹)۔ (۶ : ۴۰)۔ (۴۵ : ۴۱)۔ (۱۴ : ۴۲)۔ (۲۱ : ۴۲)

۱۶۔ خدا کا کلمہ بلند۔ کفر کا کلمہ مغلوب۔ (۴۰ : ۹)۔ الکلم الطیب بلند ہوتا ہے۔ (۱۰ : ۳۵)

۱۷۔ کلمۃ التقویٰ۔ (۲۶ : ۴۸)۔ کلمہ طیبہ۔ کلمہ خبیثہ۔ (۲۴-۲۵ : ۱۴)۔ کلمۃ باقیہ۔ (۲۸ : ۴۳)۔
کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔ (۶۳ : ۳)۔ (۱۸)۔ حضرت یحییٰؑ۔ کلمت اللہ کے مصدق تھے۔ (۳۸ : ۳)۔
حضرت مریم کو بشارتِ کلمہ۔ (۴۴ : ۳)۔ حضرت عیسیٰؑ کلمۃ۔ (۱۷۱ : ۴)

۴۔ وراثت۔ترکہ

مادہ کے لحاظ سے اس لفظ (ورث) کے معنی مالک ہونے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالےٰ کے متعلق ہے کہ میراث السمٰوٰت والارض اسی کی ہے۔ (۱۸۰ : ۳)۔ لیکن عام استعمال کی رُو سے، اس کے معنی، کسی کے بعد، کسی کا 'وارث' ہونے کے ہیں۔ جیسے ایک قوم کی تباہی کے بعد، اس کی جگہ دوسری قوم کا آجانا۔ (۲۷ : ۳۳)۔ یا متوفی کے ترکہ کا وارث ہونا۔ زیرِ نظر عنوان میں اسی وراثت کے متعلق لکھا جائے گا۔

۲۔ قرآن کی رُو سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے ترکہ کے متعلق وصیت کرے۔ (دیکھئے عنوان "وصیت") لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ کسی شخص کو وصیت کا موقعہ نہ مل سکے۔ یا اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد کچھ بچ جائے تو پھر یہ مال، قرآن میں بیان کردہ حصّوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ قرآن میں جہاں حصّے مقرر کئے گئے ہیں، ہر مقام پر اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ تقسیم متوفی کا قرضہ چکا دینے اور وصیت پوری کر دینے کے بعد عمل میں آئے گی۔ (۱۲-۱۱ : ۴)

۳۔ قرآن کریم نے بعض وارثوں کے حصّے خود مقرر کر دئے ہیں (مثلاً ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ۱/۶۔ تفصیل آگے آئے گی)۔ اور بعض کے متعلق صرف اصول بیان کیا ہے۔ (مثلاً یہ کہ مذکر کا حصّہ دو مونث کے برابر)۔ تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ان وارثوں کے حصّے الگ کر لئے جائیں جن کے حصّے قرآن نے مقرر کر دئے ہیں اور بقایا ترکہ اس اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

۴۔ تقسیم وراثت کے سلسلہ میں قرآن میں ایک اصطلاح کلالہ کی بھی آتی ہے۔ کلالہ سے مراد ہوتی ہے ایسا شخص جو لاولد وفات پا جائے۔ لیکن بہن بھائی ہوں۔ (۱۲ : ۴)۔ (۱۷۷ : ۴)۔ وراثت میں حصّوں کے اعتبار سے کلالہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جس کے ماں باپ (یا ان میں سے کوئی ایک) زندہ ہو۔ اور دوسرا وہ جس کے ماں باپ بھی نہ ہوں۔ اب حصوں کی طرف آئیے۔

۵۔ قرآن کی رو سے، وراثت کے حصے حسب ذیل ہیں۔

(۱)۔ اگر متوفی کی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوہ کا حصّہ (۱/۴) ہوگا۔ اگر متوفی کی اولاد ہو تو اس کی بیوہ کا حصّہ (۱/۸) ہوگا۔ (۱۲ : ۴)

(۲)۔ اگر بیوی فوت ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو خاوند کا حصہ (۱/۲) ہوگا۔ اگر اس کی اولاد ہو تو خاوند کا حصہ

(۱/۶) ہوگا۔ (۱۲ : ۴)

(۳)۔ اگر متوفی کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصّہ (۱/۶) ہوگا۔ (۱۱ : ۴)

(۴)۔ اگر متوفی کے اولاد نہ ہو: اور وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کا حصہ (۱/۳) ہوگا (اور باپ کا بقایا ۲/۳)۔
لیکن اگر متوفی کے بہن بھائی بھی ہوں (کلالہ) تو پھر ماں کا حصّہ (۱/۶) ہوگا۔ (۱۱ : ۴)
(بھائیوں یا بھائی بہنوں کو کیا ملے گا اس کا ذکر آگے آتا ہے۔)

(۵)۔ اگر متوفی لاولد ہو (کلالہ) اور اس کے ماں باپ بھی ہوں اور بہن بھائی بھی تو:۔

ا۔ اگر ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کا حصّہ (۱/۶) ہوگا۔ (۱۲ : ۴)

ب۔ اگر بھائی بہنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو سب (۱/۳) میں شریک ہوں گے۔ (۱۲ : ۴)
(بھائی کا حصّہ بہن سے دوگنا کا اصول کارفرما ہوگا)

۶۔ اگر متوفی کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ (کلالہ کی دوسری قسم) تو

ا۔ اگر متوفی مرد ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو اس کا حصّہ (۱/۲) ہوگا۔ (۱۷۶ : ۴)

ب۔ اگر ایک کے بجائے دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ (۲/۳) ہوگا۔ (دو سے زیادہ بہنوں کا بھی یہی حصہ ہوگا)۔ (۱۷۶ : ۴) — (ج)۔ اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو سارا ترکہ انہی کا ہوگا اور ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ کا اصول کارفرما ہوگا۔ (۱۷۶ : ۴)

(د) اگر متوفیہ عورت ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا بھائی ہوگا۔ (۱۷۶ : ۴)

۷۔ اولاد

متعین حصّے نکالنے کے بعد، بقایا کی تقسیم۔ اگر صرف بیٹے ہوں تو

(۱) ایک ہی لڑکا ہو تو سارا۔ (۲)۔ ایک سے زیادہ لڑکے برابر برابر تقسیم کرلیں گے۔

(۳)۔ اگر صرف بیٹیاں ہوں تو — ایک ہی بیٹی ہو تو (۱/۲)۔ بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو (۲/۳) میں سب شریک۔

(۴)۔ لڑکے اور لڑکیاں مخلوط ہوں تو ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔ (۱۱ : ۴)

۶۔ اگر تقسیم ترکہ کے وقت ایسے لوگ بھی موجود ہوں جن کا ترکہ میں کوئی حصہ نہ ہو لیکن وہ مستحق امداد ہوں تو (عدالت) انہیں بھی ان کی دلجوئی کے لئے کچھ دے سکتی ہے۔ (۸ : ۴)

۷۔ مقرر حصّے تقسیم کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ (۷ : ۴) — (۹ : ۴)

۸۔ یہ حدود اللہ ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے اسلامی مملکت جزئی قواعد خود متعین کرے گی۔ (۴ : ۱۳)

۹۔ اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہو۔ یا مندرجہ بالا اصولوں کے مطابق تقسیم کے بعد کچھ بچ جائے تو وہ مملکت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

۱۰۔ "معاشی نظام" کے عنوان میں آپ دیکھیں گے کہ جب وہ نظام اپنی تکمیل کو پہنچے گا تو اس میں (ذاتی استعمال کی اشیاء وغیرہ کے سوا) دولت یا جائداد کی شکل میں ترکہ باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے ترکہ یا وصیت وغیرہ کے احکام کا تعلق عبوری دَور سے ہے جب ہنوز قرآن کا معاشی نظام زیرِ تکمیل ہو۔ اس دور میں بھی، قرآن نے اس ذہنیت کی سخت مذمت کی ہے جس کی رُو سے ایک شخص سارے کا سارا ترکہ اپنے لئے سمیٹ کر بیٹھ جائے۔ (۸۹ : ۱۹)۔ قرآن درحقیقت، محنت کرنا سکھاتا ہے۔ بیٹھے بٹھائے دولت یا جائیداد کا مالک بن جانا اس کے نزدیک نظامِ سرمایہ داری کا پیدا کردہ تصوّر ہے جو قرآن کے معاشی نظام کی ضد ہے۔

یتیم پوتے کی وراثت

وراثت کے سلسلہ میں ایک اہم نکتہ کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ہمارے ہاں والد صرف باپ کو کہتے ہیں اور ولد (اولاد) صرف بیٹے بیٹیوں کو۔ لیکن عربی زبان میں (اور قرآن کریم کی رُو سے) والد میں باپ۔ دادا۔ پردادا (اوپر تک) سب شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ولد میں بیٹا۔ پوتا۔ پرپوتا (نیچے تک) شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن میں جہاں والد کا حصہ بیان ہوا ہے، اگر متوفی کا والد (باپ) مرچکا ہو، تو اس کی جگہ اس کا دادا وہی حصہ لے گا۔ اسی طرح جہاں ولد (بیٹے۔ بیٹی) کا حصہ مذکور ہے، اگر متوفی کا بیٹا پہلے مرچکا ہو، تو اس کا حصہ اس کے پوتے کو مل جائے گا۔ اسے ذیل کی مثال کی رُو سے سمجھئے۔

زید
|
عمر
|
رشید

زید کی وفات پر، ترکہ کا حصہ اس کے بیٹے عمر کو ملیگا۔ لیکن اگر عمر، زید کی زندگی میں مرگیا تھا تو جو حصہ عمر کو (اگر وہ زندہ ہوتا) ملتا وہ حصہ اب رشید کو مل جائیگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یتیم پوتے کو اپنے دادا کے ترکہ میں سے وہ حصہ

مل جائے گا جو اس کے مرحوم باپ کو ملتا۔ اگر رشید، زید سے پہلے مر جائے تو اس کے ترکہ میں سے جو حصہ عمر کو جانا تھا وہ اس کے دادا زید کو مل جائے گا۔

نوٹ: ترکہ اور عصبیت کے متعلق ہمارا مروجہ قانون (خواہ وہ شرعی ہو یا ملکی) قرآن کے مطابق نہیں۔

۵۔ وزن میزان

کائنات کا سارا نظام، عدل کی بنیادوں پہ استوار ہے۔ اسے قرآن کریم نے صحیح صحیح وزن سے تعبیر کیا ہے۔ اور جس طریق وتنظیم سے یہ وزن برقرار رہتا ہے، اسے میزان کہہ کر پکارا گیا ہے۔ عدل (یا توازن برقرار رکھنے) کے مختلف گوشے ہیں۔ مثلاً

۱۔ نظامِ کائنات کا دار و مدار صحیح توازن و تناسب پہ ہے۔ اگر اس میں کہیں ذرا سا بھی توازن بگڑ جائے تو سارا نظام تہس نہس ہو جائے۔

۲۔ معاشرہ کے قیام کا دار و مدار، قانونِ خداوندی کے احترام اور تنفیذ پہ ہے۔ اگر اس کے توازن میں فرق آجائے تو معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ خود انسان کی اپنی زندگی اور اس کے نظامِ ارتقاء کا دار و مدار، قانونِ مکافات پہ ہے یعنی یہ کہ انسان کا ہر عمل نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ اسے بھی وزن اور میزان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۔ قرآن کریم نے ماپ تول کے صحیح رکھنے پہ بڑا زور دیا ہے۔ اس سے مراد صرف دکاندار کا ترازو نہیں۔ اس سے مفہوم معاشی عدل ہے، جس کا دائرہ بڑا وسیع ہے تفصیل اس کی "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔

نظامِ کائنات میں توازن

۱۔ خدا نے کائنات میں میزان کھڑی کر رکھی ہے۔ (۵۵ : ۷)

۲۔ ہر شے موزون (صحیح صحیح توازن لئے ہوئے) پیدا کی گئی ہے۔ (۱۵ : ۱۹)

معاشی عدل (صحیح ماپ تول) کی تاکید

۱۔ مطففین سب سے بڑے مجرم ہیں ۔ یہ معاشی عدل بگاڑتے ہیں ۔ (۲ - ۱ : ۸۳)

۲۔ قومِ مدین (حضرت شعیبؑ کی قوم) کا یہی طریق تھا جس کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئی ۔ (۸۵ : ۷)
(۸۵ - ۸۴ : ۱۱) - (۸۲ - ۱۸۱ : ۲۶)

۳۔ ماپ تول (معاشی عدل) صحیح رکھنے کی تاکید ۔ (۱۵۳ : ۶) - (۳۵ : ۱۷) - (۹-۸ : ۵۵)

قانونِ مکافاتِ عمل (میزانِ قیامت)

۱۔ وزن بالحق ہو گا ۔ جس کا (تعمیری) پلڑہ بھاری ہو گا ، اسے خوشگواریاں حاصل ہوں گی ۔ جس کا وہ پلڑا ہلکا ہو گا ، وہ تباہی کے جہنم میں جائے گا ۔ (۹-۸ : ۷) - (۴۷ : ۲۱) - (۱۰۳ - ۱۰۲ : ۲۳) - (۸-۶ : ۱۰۱)

۲۔ صرف طبیعی زندگی کو زندگی سمجھنے والوں کے اعمال رائگاں جائیں گے ان کیلئے میزان تک کھڑی کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی ۔ (۱۰۵ : ۱۸)

نظامِ عدل (میزان) منزل من اللہ

۱۔ خدا نے الکتاب اور المیزان ، حق کے ساتھ نازل کیں ۔ (۱۷ : ۴۲) ۔ اور ان کے ساتھ شمشیرِ خارہ شگاف ۔ تاکہ لوگوں میں میزانِ عدل قائم رکھی جاسکے ۔ (۲۵ : ۵۷)

(۰)

۶۔ وسوسہ

وسوسہ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں نہایت خفیف سی آواز ۔ شکاری دبے پاؤں چلتا ہے تاکہ اس کے پاؤں کی آہٹ سے جانور بدک نہ جائے ۔ اس سے وسوسہ کا مفہوم نکھر کر سامنے آجاتا ہے ۔ یہ وساوس ، مفسد اور متفنی لوگ بھی پیدا کرتے ہیں ۔ انہیں ، عصرِ حاضر کی اصطلاح میں (WHISPERING CAMPAIGN) کہتے ہیں ۔ اور خود انسان کے اپنے جذبات بھی اس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا کرتے رہتے ہیں ۔ جن سے عزمِ راسخ میں کمزوری لاحق

ہو جائے۔ یہ نفسیاتی عمل کہلائے گا۔ قرآن کریم نے ان ہر دو انواعِ وساوس سے محتاط رہنے کی تاکید کی ہے۔ (نفسیاتی عمل کی وضاحت کے لئے "شیطان"۔ "ابلیس"۔ "جذبات" (ہویٰ) کے عنوانات دیکھئے۔ انہیں مخفی قوتیں (جنات) بھی کہا گیا ہے۔

نفسیاتی عوامل سے وسوسہ انگیزی

۱۔ شیطان نے آدم اور اس کی بیوی کے دل میں وسوسہ پیدا کر دیا۔ (۷ : ۲۰) - (۲۰ : ۱۲۰)

۲۔ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کا نفس کس قسم کے وساوس پیدا کرتا رہتا ہے۔ (۵۰ : ۱۶)

انسانی وسوسہ انگیزیاں

۱۔ جنات اور الناس، لوگوں کے دل میں وساوس پیدا کرتے ہیں۔ (جنات اور ناس کے مفہوم کے لئے عنوان جنّ دیکھئے۔) (۱۱۴ : ۴)

۲۔ یہ خناس۔ یعنی چپکے سے دبے پاؤں آکر، کان میں کچھ پھونکنے اور پھر اسی طرح دبے پاؤں واپس چلے جانے والے (۱۱۴ : ۴)

۳۔ اس وسوسہ انگیزی سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کا عزمِ مصمم کمزور پڑ جائے۔ (۱۱۳ : ۴)

۴۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان قوانینِ خداوندی کے حصار میں پناہ لے لے۔ (۱۱۳ : ۱) - (۱۱۴ : ۱)

۷۔ وسیلہ

وسیلہ۔ ہمارے ہاں تو لفظ وسیلہ کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی ذریعہ یا واسطہ۔ لیکن عربی زبان میں اس کے معنی اور بھی ہیں یعنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا۔ منزلت۔ مقام۔ مرتبہ۔ درجہ۔ قرب۔ تعلق۔ یہ تمام معانی اس لفظ میں شامل ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ صرف دو جگہ آیا ہے۔ (۵ : ۳۵) اور (۱۷ : ۵۷) میں۔

(۵ : ۳۵) میں ہے۔ "اے ایمان والو! تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور اس کی طرف "وسیلہ" طلب کرو۔" یعنی اس کی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" اس آیت میں لفظ وسیلہ کا غلط مفہوم لے کر اس پر "پیری مریدی" کی ایسی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے جو قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے ایک وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ وسیلہ پیر ہوتا ہے۔ پیر کے بغیر خدا تک پہنچا ہی نہیں جا سکتا۔

یہ عقیدہ، قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ قرآن کی رُو سے، انسان اور خدا کا براہِ راست تعلق قائم ہوتا ہے۔ یعنی جب انسان خدا کے احکام اور قوانین کی اطاعت کرتا ہے تو اس کا تعلق خدا سے قائم ہو جاتا ہے۔ یہ تعلق حاکم اور محکوم۔ عبد اور معبود کا ہوتا ہے۔ اس کے لئے کسی درمیانی واسطہ، ذریعہ یا وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ خدا نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ "اے رسولؐ! جب میرے بندے تجھ سے میری بابت سوال کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں ان کے قریب ہوں اور ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ (۲ : ۱۸۶)۔ اس پکار کے بعد خدا انسان کا مرشد (ہدایت دینے والا) بن جاتا ہے۔ (۲ : ۱۸۶)۔ اس کے سوا کوئی مرشد نہیں ہو سکتا۔ (۱۸ : ۱۷)

آیت (۵ : ۳۵) کے معنی واضح ہیں۔ یعنی خدا کے مقرب ہونے، اس کے ہاں مرتبہ پانے اور مدارج بلند حاصل کرنے کی طلب و جستجو کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور اس کی راہ میں جہاد (جدوجہد) کرو۔ اس سے تمہیں اپنے مقصد پیشِ نظر میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ بات صاف ہے۔

باقی رہے وہ لوگ جو خدا تک پہنچنے کے لئے انسانوں کو وسیلہ یا ذریعہ قرار دیتے ہیں تو قرآن کریم میں ہے کہ جنہیں یہ خدا کا مقرب سمجھ کر وسیلہ بناتے ہیں، وہ خود خدا کے ہاں مرتبہ اور مدارجِ بلندی کی طلب و آرزو رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو خود قربِ خداوندی کا متلاشی اور طالب ہو، اسے قربِ خداوندی کا وسیلہ یا ذریعہ سمجھنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ (۱۷ : ۵۷)

حقیقت یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی نگاہوں سے قرآن اوجھل ہوا اور اسلامی نظام یا اسلامی مملکت کی جگہ انسانوں کے نظام اور حکومت نے لے لی۔ تو اسلام کا صحیح تصور ان کی نگاہوں سے غائب ہو گیا اور انہوں نے اس قسم کے غیر قرآنی تصورات و عقائد دوسروں سے مستعار لے کر، انہیں جزوِ اسلام، بلکہ عینِ اسلام، بنا لیا۔ تصوف، اور اس کے تضمنات، سب غیروں سے مستعار لئے ہوئے نظریات ہیں۔ (تفصیل کے لئے میری کتاب "شاہکارِ رسالت" کا آخری باب ملاحظہ کیجئے)

—(٠)—

۸۔ وصیّت

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے ترکہ کے متعلق (اگر اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے تو) وصیت کرے۔ یہ حکم ایسا تاکیدی ہے کہ ایک ہی آیت میں دو مرتبہ اس کی تاکید کی گئی ہے۔ وصیّت کے لئے نہ تو یہ کہا گیا ہے کہ اتنے حصّے کے لئے وصیّت

کی جاسکتی ہے اس سے زیادہ کے لئے نہیں۔ نہ ہی یہ کہ فلاں کے لئے کی جاسکتی ہے اور فلاں کے لئے نہیں۔ ہر شخص اپنے پورے ترکہ کے متعلق جس (یا جس جس) کے حق میں چاہے وصیت کرسکتا ہے۔ (۱۸۰ : ۲)

۲۔ اس حکم کی اہمیت کے پیش نظر، قرآن کریم نے اس کے لئے شہادت وغیرہ کی تفصیل بھی خود ہی بیان کردی ہے۔ (۱۰۸-۱۰۶ : ۵)

۳۔ اگر کوئی سمجھے کہ کسی کی وصیت میں کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو وہ ان میں مصالحت کی کوشش کرے۔ (۱۸۲-۱۸۱ : ۲)

۴۔ وصیت پورے ترکہ کے متعلق ہونی چاہیئے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ ترکہ کا کوئی حصہ وصیت سے باقی رہ جائے (یا مرنے والا کسی وجہ سے وصیت کر نہ سکا ہو۔) تو پھر ترکہ کی تقسیم، وراثت سے متعلق قرآنی احکام کی رو سے کی جائے گی۔ (۱۲-۱۱ : ۴) — (۵)۔ بیوہ کے لئے (ترکہ میں حصہ کے علاوہ) سال بھر کی کفالت کی وصیت بھی ضروری ہے۔ (۲۴۰ : ۲)

ترکہ اور وراثت کے متعلق ہمارا مروجہ قانون (خواہ وہ شرعی قانون ہو یا ملکی) قرآن کے مطابق نہیں۔

۹۔ وضو — تیمّم

وضو کا لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اور تیمم کے معنی قصد کرنے کے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ ہمارے ہاں مبادیات صلوٰۃ کے لئے بطور اصطلاح استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن میں اس سلسلہ میں حسب ذیل احکام آئے ہیں۔

۱۔ جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہرے۔ کہنیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو۔ اور سر کا مسح کرلیا کرو۔ یعنی اسے پونچھ لیا کرو۔ اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو اپنے آپ کو پاک کرلیا کرو۔ لیکن اگر تم مریض ہو۔ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آئے۔ یا عورت کے پاس ہو کر۔ اور پانی موجود نہ ہو تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرو۔ اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھ پونچھ لو۔ (۶ : ۵)

۲۔ حالتِ جنابت میں صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ۔ تاآنکہ غسل نہ کرو۔ لیکن اگر تم مریض ہو۔ یا سفر میں۔ یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہو۔ یا عورت کے پاس سے۔ اور پانی موجود نہ ہو۔ تو تم پاکیزہ مٹی کا قصد کرو اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کو پونچھ لو۔ (۴۳ : ۴)

۱۰۔ وقـر

الوقر۔ کان کے بھاری پن (ثقلِ سماعت) یا سماعت کا بالکل جاتے رہنا۔ ان معانی کے لئے یہ لفظ قرآن کریم میں متعدد مقامات میں آیا ہے۔ (۶ : ۲۵) ۔ (۱۷ : ۴۶) ۔ (۱۸ : ۵۷) ۔ (۷ : ۳۱) ۔ (۵ : ۴۱) ۔ (۴۴ : ۴۱)

۲۔ وقار کے معنی بھاری بھرکم ہونا۔ سنجیدگی۔ عظمت۔ قرآن کریم میں ہے کہ تم خدا سے وقار کے طالب کیوں نہیں ہوتے۔ (۷۱ : ۱۳)۔ لہٰذا زندگی کا باوقار ہونا شعارِ خداوندی میں سے ہے۔

۳۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم رسول اللہؐ (کے پروگرام) کو باوقار بناؤ۔ (۹ : ۴۸)

۴۔ سورۂ ذاریات میں فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا آیا ہے (۵۱ : ۲)۔ یعنی زندگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے والی جماعتیں۔

(٠)

۱۱۔ ولی (ولایت۔ اولیاء)

اس مادہ (و۔ل۔ی) کے بنیادی معنی کسی کے قریب ہونا ہیں۔ اس جہت سے ولی دوست کو کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنی غلبہ واقتدار، حکومت وسطوت اور محافظت اور سرپرستی کے بھی ہیں۔

۲۔ قرآن کریم کی رو سے خدا اور بندے کا تعلق باہمی رفاقت کا ہے۔ اس رفاقت کے معنی یہ ہیں کہ انسان، خدا کے احکام وقوانین کی اطاعت کرتا ہے تو اس کی تائید ونصرت (ان قوانین کے ثمرات ونتائج کی شکل میں) انسان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ یوں خدا انسان کا ولی بن جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، جب انسان کو خدا کا ولی کہا جائے گا تو اس کے معنی ہوں گے۔ خدا کے قوانین کی اطاعت کرنے والا۔ اس کے کائناتی پروگرام کو بروئے کار لانے والا۔ اور جب خدا کو انسان کا ولی کہیں گے تو اس کے معنی ہوں گے، انسانی اعمال کے ثمرات عطا کرنے والا۔ یا اس کا کارفرما اور سرپرست۔ حاکم اور محافظ۔ جس کے غلبہ وتسلط (یعنی احاطۂ قوانین) سے باہر نہ جایا جا سکے۔ اس مفہوم کے لئے مولیٰ کا لفظ آیا ہے۔

۳۔ قرآن کی رو سے اولیاء اللہ (خدا کے دلیوں) کا کوئی خاص گروہ نہیں ہوتا۔ تمام مومن، اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ یہ جو ہم میں خاص خاص انسانوں کو اولیاء اللہ سمجھا جاتا ہے، اور ان کی خصوصیت، فوق الفطرت کرامات کا ظہور قرار دی جاتی ہیں، تو یہ تصور غیر قرآنی ہے اور دوسرے مذاہب سے مستعار لیا ہوا۔ بالخصوص، عیسائیوں کے طریق رہبانیت کے حامل، (SAINTS) کا عکس۔ مختصر سن رکھیے کہ قرآن کی رُو سے جس طرح ولی المؤمنین ہونا خدا کی صفت ہے، اسی طرح ولی اللہ ہونا ہر مومن کی صفت ہے۔ یعنی ہر مومن، ولی اللہ ہوتا ہے۔

۴۔ انسان ایک دوسرے کے اولیاء (دوست) ہو سکتے ہیں۔ مومن، کن لوگوں کو اپنا دوست بنا سکتا ہے؟ اسے قرآن کریم نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس کے لئے عنوان "دوستی" ملاحظہ کیجئے۔ زیر نظر عنوان کو خدا اور بندے کی ولایت تک محدود رکھا گیا ہے۔

۵۔ انسان غلط روش اختیار کرے تو وہ خدا کی ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ پھر اسے حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غلط روش کو چھوڑ کر صحیح روش اختیار کرے۔ یہ مفہوم ہے ان آیات کا جن میں کہا گیا ہے کہ (مثلاً) غلط روش پر چلنے والوں کا خدا کے سوا کوئی ولی اور نصیر نہیں۔

۶۔ یہ مادہ اور بھی بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن ان کا تعلق زیر نظر موضوع سے نہیں۔ اس لئے وہ آیات یہاں درج نہیں کی گئیں۔

خدا مومنین کا ولی ہے۔ مولیٰ ہے

۱۔ وہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ (۲۵۷ : ۲) — (۶۸ : ۳)
۲۔ خدا متقین کا ولی ہے۔ (۱۹ : ۴۵) — صالحین کا۔ (۱۹۶ : ۷)
۳۔ تمہارا ولی خدا، رسولؐ اور جماعتِ مومنین ہے۔ یہاں ولایت کے معنی رفاقت کے ہیں۔ سرپرستی، حاکمیت اور مولائیت کے نہیں، کیونکہ ان معنوں میں خدا کے سوا کوئی اور ولی نہیں ہو سکتا۔ (۵۵ : ۵)
۴۔ مومنین کا اعتراف و اعلان۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ (۱۵۵ : ۷) — (۴۱ : ۳۴)
۵۔ خدا مومنین کا، ان کے اعمال کی بنا پر، ولی ہے۔ (۱۲۷ : ۶)
۶۔ خدا، دنیا اور آخرت میں ولی ہے۔ (۱۰۱ : ۱۲) — (۷)۔ میدانِ جنگ میں ولی۔ (۱۲۲ : ۳)
۷۔ اولیاء اللہ کو خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ یہ مومنین اور متقین کی خصوصیت ہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی خوشگوار لیاں

ہیں اور آخرت میں بھی - یہ خدا کا غیر متبدل قانون ہے - لہٰذا اولیاء اللہ کی ایک محسوس علامت یہ ہے کہ ان کی اس دنیا کی زندگی سرفرازیوں اور کامیابی کی زندگی ہو - یہ خدا کا غیر متبدل قانون ہے - یہی مومنین کی علامت ہے - (۶۴-۶۲ : ۱۰)

۹- خدا تمہارا مولیٰ ہے - بہترین مولیٰ اور بہترین نصیر - (۱۵۰ : ۳) - (۴۰ : ۸) - (۷۸ : ۲۲) - (۲ : ۶۶) - (۱۰)- مومنین کی پکار - انت مولانا - تو ہی ہمارا مولا ہے - (۲۸۶ : ۲)-(۵۱ : ۹)- ان آیات سے سمجھ لیجئے کہ خدا کے سوا کسی اور کو (مولانا) یا (مولوی) کہنا، انسان کو کہاں پہنچا دیتا ہے !

(۱۱) خدا، جبریل اور مومنین، رسول اللہ کے مولیٰ تھے - ظاہر ہے کہ جن معنوں میں خدا مولا ہوتا ہے، جبریل اور مومنین ان معنوں میں مولیٰ نہیں ہو سکتے - لہذا، جبریل اور مومنین کے مولیٰ ہونے کے معنی دوست اور مددگار کے ہیں - اور خدا کے مولیٰ ہونے کے معنی آقا اور سرپرست کے - یا یہاں مولیٰ کے معنی رفیق کے ہیں - اس صورت میں، خدا - جبریل اور مومنین سب مولیٰ ہو سکتے ہیں - (۶۶ : ۴)

۱۲- خدا مولائے حقیقی ہے - (۶۲ : ۶) - (۳۰ : ۱۰)

۱۳- اتباعِ کتاب اللہ سے خدا مومنین کا ولی ہوتا ہے - (۳ : ۷) - (۳۷ : ۱۳)

مومن، خدا کے ولی ہیں - اولیاء اللہ

۱- اس ولایت کے یہ معنی نہیں کہ خدا کو کسی ضعف یا عجز کی وجہ سے کسی سہارے کی ضرورت ہے - مومنین کا خدا کا ولی ہونا خود مومنین کے فائدے کے لئے ہے - (۱۱۱ : ۱۷)

۲- اولیاء اللہ کو خوف و حزن نہیں ہوتا - انہی کو مومنین اور متقین کہا جاتا ہے - ان کی دنیا بھی خوشگوار ہوتی ہے - اور آخرت بھی - یہ خدا کا غیر متبدل قانون ہے - (۶۴-۶۲ : ۱۰)

۳- اولیاء اللہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ موت کی تمنا کرتے ہیں - یعنی خدا کی راہ میں جان دینے کے متمنی - (۶ : ۶۲)

۴- جو لوگ کہہ دیں کہ خدا ہمارا رب ہے، اور پھر اس پر استقامت سے کھڑے ہو جائیں - تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو ان سے کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے ولی ہیں اور آخرت میں بھی - اور تمہیں جنت کی بشارت دیتے ہیں - (۳۲-۳۰ : ۴۱)

ولایت بمعنی سرپرستی، حکومت صرف خدا کے لئے ہے۔ وہی مولیٰ ہے

۱۔ خدا کے سوا تمہارا کوئی ولی اور نصیر نہیں۔ (۲ : ۱۰۷) — (۲ : ۱۲۰) — (۹ : ۷۴) — (۹ : ۱۱۶)-(۲۹ : ۲۲)-
(۴۲ : ۳۱) — (۴۲ : ۴۶)

۲۔ خدا کے سوا کوئی اور شفیع نہیں۔ (۶ : ۵۱) — (۶ : ۷۰) — (۳۲ : ۴)۔

۳۔ کوئی ولی اور واقی نہیں۔ (۱۳ : ۳۷)

۴۔ غلبہ۔ تسلط۔ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ ان معانی میں خدا کے سوا کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ (۱۱ : ۲۰)-(۱۸ : ۲۶)

۵۔ خدا، ولی الحمید ہے۔ (۴۲ : ۲۸) — (۶)۔ خدا کی ولایت اور نصرت کافی ہے۔ (۴ : ۴۵)

۷۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ تم ان کفار کی طرف ذرا نہ جھکنا۔ خدا کے سوا تمہارا ولی کوئی نہیں۔ (۱۱ : ۱۱۳)

۸۔ اللہ کے سوا کوئی ولی کسی کے کام نہیں آ سکے گا۔ (۴۵ : ۱۰) - ۹۔ ولایت فی الحقیقت خدا کے لئے ہے۔ (۱۸ : ۴۴)

غیر اللہ کو ان معانی میں ولی یا مولیٰ سمجھنا شرک ہے

۱۔ کیا انہوں نے غیر اللہ کو اپنا ولی سمجھ رکھا ہے۔ ولی صرف خدا ہے۔ (۴۲ : ۹)

۲۔ جس نے شیطان کو اپنا ولی بنا لیا وہ تباہ ہو گیا۔ (۲ : ۲۵۷) — (۴ : ۱۱۹) — (۶ : ۱۲۱) — (۷ : ۲۷)—
(۷ : ۳۰)—(۱۶ : ۶۳) — (۱۸ : ۵۰)

۳۔ ان سے کہو کہ کیا میں غیر اللہ کو اپنا ولی بنا لوں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ (۶ : ۱۴)

۴۔ خدا کی کتاب کا اتباع کرو۔ اس کے سوا اولیاء کا اتباع نہ کرو۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کے ولی بنانے سے مراد ہے اس کی کتاب کا اتباع کرنا۔ اور غیر اللہ کو ولی بنانے کا مطلب ہے کتاب اللہ کو چھوڑ کر ان کا اتباع کرنا۔ (۷ : ۳)—
(۱۳ : ۳۷)— (۵)۔ یہ غیر اللہ کو اپنا ولی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے لئے بھی نفع و نقصان کا اقتدار نہیں رکھتے۔
(۱۳ : ۱۶)— (۶)۔ خدا کے بندوں کو اپنا ولی سمجھ لینا کفر ہے۔ (۱۸ : ۱۰۲)

۷۔ قیامت میں یہ (معبودانِ باطل) خود اس سے انکار کریں گے۔ (۱۸ : ۲۵)

ملاز

۸۔ غیر اللہ کو اپنا اولیاء سمجھنے والوں کی مثال تارِ عنکبوت کی سی ہے۔ (۲۹ : ۴۱)

۹۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انہیں اس لئے اپنے اولیاء بناتے ہیں کہ ان کے ذریعے ہمیں خدا کا تقرب حاصل ہو جائے۔ یہ عقیدہ ۱)-

باطل اور کفر کا ہے - خدا کا تقرب (احکامِ الٰہیہ کی اطاعت سے) براہِ راست حاصل ہو سکتا ہے - اس کے لئے کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت نہیں - (۳ : ۳۹)

۱۰- ان لوگوں کے اعمال پر خدا کڑی نگاہ رکھتا ہے - (۶ : ۴۲)

۱۱- غیراللہ، بدترین مولیٰ اور بدترین نصیر ہوتے ہیں - (۱۳ : ۲۲)

۱۲- قیامت کے دن کوئی مولیٰ کسی مولیٰ کے کام نہیں آ سکے گا - (مفہوم تابع و متبوع سے ہے - یا عام دوست سے) (۴۱ : ۴۴)

جن کا کوئی ولی (محافظ - سرپرست) نہیں ہو سکتا

۱- ظالمین کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۸ : ۴۲)

۲- غلط راہوں پر چلنے والوں کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۱۷ : ۱۸) - (۴۴ : ۴۴) - نہ ولی نہ مرشد - (۱۷ : ۹۷) - (۱۱ : ۱۹ - ۲۰)

۳- غلط اعمال کے مرتکب کا خدا کے سوا کوئی ولی نہیں - (۴ : ۱۲۳) - (۴ : ۱۷۳)

۴- منافقین کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۱۷ : ۳۲) - (۵) - اہلِ جہنم کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۶۵ : ۳۳)

۶- جو داعیٔ الی اللہ کی دعوت پر لبیک نہیں کہتا، اس کا خدا کے سوا کوئی ولی نہیں ہو سکتا - (۳۲ : ۴۶)

۷- کفار کا کوئی مولیٰ نہیں ہو سکتا - (۱۱ : ۴۷)

متفرقات

۱- نبی اکرمؐ، مومنین کے لئے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں - (۶ : ۳۳)

(٠)

۱۲- وھاب

وھب کے معنی ہیں بلا مزد و معاوضہ عطا کر دینا - یہیں سے خدا کی ایک صفت الوھاب آئی ہے - (۸ : ۳) - (۳۸ : ۳۵) - (۳۸ : ۹)

۲۔ مومنوں کو دعا سکھائی گئی ہے کہ ھب لنا من لدنک رحمۃ ۔ ہمیں اپنی رحمت عطا فرما ۔ (۸ : ۳) ۔ ازواج اور اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے کی دعا ۔ یہ بھی خدا کی موہبت سے ہے ۔ (۷۴ : ۲۵)

۳۔ اولاد کے لئے موہبت آیا ہے ۔ (مثلاً) حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے سلسلہ میں (۸۴ : ۶) ۔ (۳۹ : ۱۴) ۔ (۴۹-۵۰ : ۱۹) (۷۲ : ۲۱) ۔ (۲۷ : ۲۹) ۔ اور حضرت زکریاؑ کے بیٹے کے سلسلہ میں ۔ (۳۸ : ۳) ۔ (۵ : ۱۹) ۔ (۹۰ : ۲۱) ۔ حضرت داؤدؑ کو حضرت سلیمانؑ جیسا بیٹا ملنے کے سلسلہ میں ۔ (۳۰ : ۳۸)

۴۔ عام اولاد کے سلسلہ میں ۔ (۴۹ : ۴۲) ۔ یعنی بیٹے یا بیٹیاں عطا کرنے کے سلسلہ میں ۔

۵۔ حضرت مریمؑ کو بیٹا عطا کر دینے کے لئے ۔ (۱۹ : ۱۹)

۶۔ حضرت موسیٰؑ کو حضرت ہارونؑ جیسا بھائی مل جانا موہبت خداوندی تھی ۔ (۵۳ : ۱۹)

۷۔ حضرت ایوبؑ کے اہل و عیال اور رفقا کا دوبارہ مل جانا موہبت خداوندی تھا ۔ (۴۳ : ۳۸)

۸۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ خدا نے مجھے حکم عطا فرمایا اور رسول بنایا ۔ یہ اس کی موہبت ہے ۔ (۲۱ : ۲۶) ۔ نبوت تو خالصتہً موہبت خداوندی ہے جس میں کسی کے کسب و ہنر کا کوئی دخل نہیں ۔ (دیکھئے عنوان نبوت) ۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی ایسا ہی کہا ۔ (۸۳ : ۲۶)

حضرت سلیمانؑ نے بےمثل مملکت ملنے کی دعا مانگی ۔ (۳۵ : ۳۸)

۹۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کے وقت کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں ۔ وہ مجھے منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ بتا دے گا ۔ اس کے بعد دعا مانگی کہ انہیں صالح اولاد عطا ہو تو خدا نے بیٹے کی بشارت دی ۔ (۱۰۰-۹۸ : ۳۷) ۔

۱۰۔ رسول اللہ کی ایک بیوی نے ہبہ کے طور پر آپ سے نکاح کیا تھا ۔ (۵۰ : ۳۳) ۔ تفصیل رسولؐ کے عنوان میں دیکھئے ۔

(نوٹ :۔ فقہ میں ہبہ سے مراد ایسا عطیہ ہے جو بلا قیمت دیا جائے)

(۰)

۸) ۔

ہار از انداز

۱۰ : ۹) ۔

ھ

۱۔ ہاروت و ماروت

یہودیوں نے جو افسانے تراشیں رکھے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ خدا نے بابل میں دو فرشتے بھیجے تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے اور انہیں شرک کی تعلیم دیتے تھے۔ قرآن کریم نے اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ سب خرافات ہیں۔ نہ خدا نے کوئی ایسے فرشتے بھیجے۔ نہ انہیں جادو سکھایا۔ (۲ : ۱۰۲)

قرآن کریم میں ان کا ذکر اسی ایک مقام پر آیا ہے۔

(-)

۲۔ ہجرت

رسول کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ وحیٔ خداوندی کے مطابق نظام متشکل کرے۔ اس کے لئے وہ پہلے اس سرزمین میں کوشش کرتا ہے۔ جس میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ دیکھے کہ وہاں کی فضا اس کے لئے سازگار نہیں، تو وہ، پاؤں توڑ کر وہیں بیٹھا نہیں رہتا۔ وہ کسی ایسی سرزمین کی طرف چلا جاتا ہے۔ جہاں کا ماحول اس کے مشن کے لئے زیادہ سازگار ہوتا ہے۔ اسے اصطلاح میں ہجرت کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی کسی چیز کو چھوڑ کر اس سے الگ ہو جانا ہیں۔ اس ہجرت میں صرف وطن چھوڑنا ہی مقصود نہیں ہوتا۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے جو کچھ بھی چھوڑنا پڑے، وہ وسیع معانی کے اعتبار سے، ہجرت کے اندر آجائے گا۔

قرآن کریم سے مترشح ہوتا ہے کہ قریب قریب ہر رسول کو ہجرت کرنی پڑی۔ حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ میں تو لفظ بھی یہی (انی مھاجرٌ الی ربی - ۲۹:۲۶) آیا ہے۔ دوسری جگہ اسے ذاہب الی ربی کہا گیا ہے۔ (۳۷ : ۹۹)۔ لیکن اس

عمل نے ایک متعین پروگرام کی شکل نبیٔ اکرمؐ کے مثن میں اختیار کی جب حضورؐ اور آپ کے رفقاؓ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے اور آتے رہے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے ان آنے والوں کی اسقدر امداد کی کہ قرآن نے انہیں انصار کہہ پکارا۔ چنانچہ وہ مہاجرین اور انصار اسی نسبت سے پکارے گئے ہیں۔

مہاجرین کے مدارج

۱۔ مہاجرین رحمتِ خداوندی کے امیدوار تھے۔ (۲ : ۲۱۸)

۲۔ ان کی سیّئات دور کر دی گئی تھیں۔ (۳ : ۱۹۵)

۳۔ مہاجرین اور مجاہدین کے درجات بلند۔ ان کے لئے جنت کی بشارت۔ (۹ : ۲۰-۲۲)

۴۔ جنہوں نے ظلم اٹھا کر ہجرت کی انہیں دنیا میں بھی اچھی پناہ ملے گی اور آخرت میں بھی اجرِ کبیر۔ (۱۶ : ۴۱)-(۱۶:۱۱۰)

۵۔ ہجرت کرنے والے قتل ہو جائیں یا مر جائیں انہیں رزقِ حسنہ ملے گا۔ (۴ : ۱۰۰)-(۲۲ : ۵۸)

۶۔ مہاجرین میں سے جن کی تم مدد کرتے تھے۔ ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی امداد سے دست کش نہیں ہونا چاہیئے۔ (واقعۂ افک کے بعد یہ حکم آیا تھا)۔ (۲۴ : ۲۲)

۷۔ مالِ فے میں سے ضرورت مند مہاجرین کا حصہ۔ (۵۹ : ۸)

مہاجرین و انصار

۱۔ انصارِ مدینہ نے بڑی خندہ پیشانی سے مہاجرین کا استقبال کیا۔ اور خود تنگی میں گذارہ کر کے ان کی ضروریات کو اپنے اوپر ترجیح دی۔ (۵۹ : ۹)

۲۔ مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے دوست اور سرپرست ہیں۔ (۸ : ۷۲)

۳۔ مہاجر و انصار دونوں مومنِ حقا (سچے اور سچے مومن) ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔ اور جنہوں نے بعد میں ہجرت کی وہ بھی انہی میں شامل ہیں۔ (۸ : ۷۴-۷۵)

۴۔ مہاجر و انصار بے شک بھائی بھائی ہیں لیکن قانون کی رو سے ان کی حیثیت اولوالارحام کی نہیں۔ (۸ : ۷۵)-(۹ : ۳۳)۔ (۵)۔ ہجرت میں سابقت کرنے والے اور انصار، اور ان کا اتباع کرنے والے حسن کارانہ انداز سے ان سب سے خدا راضی ہو گیا۔ اور وہ خدا سے راضی ہو گئے۔ ان کے لئے جنت تیار کر دی گئی ہے (۹ : ۱۰۰)۔

(ضمناً - قبل از فتح مکہ اور بعد فتح انفاق اور جہاد کرنے والوں میں فرق (۱۰ : ۵۷) میں بیان ہوا ہے۔ لیکن وعدہٴ حسنیٰ سب کے لئے ہے)

۶- مہاجرین اور انصار نے ساعتِ عسرۃ میں حضورؐ کا اتباع کیا۔ خدا ان کی طرف پلٹ آیا۔ (۹ : ۱۱۷)

ہجرت کا عمومی ذکر

۱- حضورؐ کے ساتھ ہجرت کرکے آنے والی خواتین - (۵۰ : ۳۳)

۲- جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان سے ولایت کا معاملہ نہیں رکھا جاسکتا۔ جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔ البتہ اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد مانگیں تو ان کی مدد کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس قوم کے خلاف نہ ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہوچکا ہے (۸ : ۷۲) - (۴ : ۸۹)

۳- ہجرت نہ کرنے والوں پر موت کے وقت عذاب۔ ان سے کہا جائے گا کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی۔ جو تم معذوری ظاہر کرتے ہو کہ ہم کیا کرتے، ہم ضعیف و ناتواں تھے۔ تم دوسری جگہ ہجرت کرکے کیوں نہ چلے گئے۔ (۴ : ۹۷)

۴- ہجرت کرنے والے کو زمین میں وسیع جائے پناہ اور وسائل لاانتہا مل جائیں گے - (۴ : ۱۰۰)

۵- ہجرت کرکے آنے والی عورتوں کا امتحان کرلیا کرو - (۶۰ : ۱۰)

۲- ہدایت

ھدایت - اس مادہ (ھ - د - ی) کے بنیادی معنی ہوتے ہیں واضح، نمایاں اور روشن ہونا - چنانچہ اس چٹان کو جو پانی میں ابھری ہوئی دور سے نظر آجائے - ھَادِیَۃ" کہتے ہیں، لہذا ہدایت سے مراد ایسی راہ نمائی ہے جو نہایت واضح اور روشن ہو۔ اس میں کسی قسم کا ابہام یا التباس، الجھاؤ یا پیچیدگی نہ ہو -

اس کے دوسرے معنی کسی کے آگے آگے چلنا ہیں۔ اس سے اس کا مفہوم راہ نمائی ہوتا ہے۔ یعنی راستہ دکھانے والا خود آگے آگے چل کر راستہ دکھاتا ہے -

۲- خدا نے کائنات کو پیدا کیا تو ہر شے کو بتا دیا کہ اس کی منزلِ مقصود کونسی ہے اور اس تک پہنچنے کا راستہ کونسا.

اشیائے کائنات میں یہ ہدایت، ان کے اندر رکھ دی گئی - اسے ان اشیاء کی فطرت یا جبلت کہا جاتا ہے - لیکن انسان کے اندر یہ راہ نمائی نہیں رکھی گئی - اسے یہ راہ نمائی وحی کے ذریعے عطا کی گئی جو عام انسانوں تک حضرات انبیاکرام کے ذریعے پہنچی - ختم نبوت کے بعد، یہ راہ نمائی خدا کی کتاب (قرآن مجید) کے اندر محفوظ ہے - اب انسانوں کے لئے ہدایت یہی ہے - اس کے سوا کوئی اور ہدایت نہیں - اگر انسانی عقل سے اس راہ نمائی کی روشنی میں کام لیا جائے تو انسان نہایت امن و سلامتی سے منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے -

۳- ہدایت خدا نے عطا کر دی - اب یہ انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے کہ وہ اس کے مطابق چلے یا کوئی اور راستہ اختیار کرلے - "کوئی اور راستہ اختیار کرنے" کو ضلالت یا گمراہی کہا جاتا ہے - "ضلالت" کو ہم نے الگ عنوان کے تحت لکھا ہے -

۴- بعض آیات سے ایسا متبادر ہوگا کہ "خدا جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے" یہ مفہوم قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کی رُو سے سیدھے راستے پر چلنے یا اُسے چھوڑ دینے کی ذمہ داری انسان پر ہے اور یہی اس کی وہ ذمہ داری ہے جس کی بنا پر وہ اپنے اعمال کا جواب دِہ قرار پاتا ہے - یعنی اسے اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں - اس قسم کی آیات کے صحیح مفہوم کے لئے "مشیت اور تقدیر" کے عنوانات دیکھنے چاہئیں[۱] - زیرِ نظر عنوان میں ہم ان آیات کو بلا تشریح درج کر دیں گے -

۵- رسولؐ کا فریضہ، ہدایتِ خداوندی کو لوگوں تک پہنچا دینا تھا - انہیں زبردستی راستے پر لگا دینا اس کی ذمہ داری نہیں تھی - ھُدیٰ کے معنی راستے کو پہچنوا دینا - واضح کر دینا، ہوتے ہیں - حضورؐ کے بعد، قرآن کریم کے معلّمین کا بھی یہی فریضہ ہے -

۶- بعض آیات میں کہا گیا ہے کہ مثلاً کافرین - ظالمین - فاسقین وغیرہ کو ہدایت نہیں ملتی - اس کے معنی نہیں کہ ان لوگوں پر ہدایت کے راستے بند ہیں - اس قسم کی آیات سے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی قوم ظلم و ستم اور جور و استبداد کی روش چھوڑنے پر تیار نہ ہو، اور یہ چاہے کہ اس کے باوجود اسے ہدایت حاصل ہو جائے تو ایسا ہونا ناممکن ہے - اگر کوئی چاہے کہ وہ چلتا تو رہے مشرق کی طرف لیکن پہنچ جائے اس منزل پر جو مغرب کی طرف واقع ہے، تو ایسا نہیں ہو سکے گا - اسے یہ طے کرنا ہوگا کہ اگر وہ مطمئن ہو گیا کہ منزلِ مقصود مغرب کی جانب ہے تو وہ اپنا رخ مغرب کی طرف کرے گا - اس ذہنیت کے ساتھ بات سمجھنے پر آمادہ ہو جانے والے کے لئے اس بات کا امکان ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرلے -

---

ص۱- مسئلہ تقدیر و مشیت کی تفصیلی بحث میری تصنیف "کتاب التقدیر" میں ملے گی -

۷۔ "خدا کی طرف سے ہدایت ملتی ہے" سے مراد یہ ہے کہ خدا نے ہدایت، قرآن کے اندر دے دی ہے۔ اب جس نے ہدایت حاصل کرنی ہے، قرآن سے حاصل کرے۔

ہدایت خدا کی طرف سے ملتی ہے

۱۔ تحویلِ قبلہ ان لوگوں پر گراں نہیں گزرا جنہیں خدا نے ہدایت دی تھی۔ (۲ : ۱۴۳)

۲۔ خدا، ان لوگوں کو جو ایمان لائیں، ہدایت دیتا ہے جس سے ان کے اختلافات ختم ہو جائیں۔ (۲ : ۲۱۳)

۳۔ خدا نے ہر شے کو پیدا کیا اور اسے ہدایت دی۔ (۲۰ : ۵۰) - (۲۶ : ۷۸) - (۸۷ : ۳) - (۹۲ : ۱۲)

۴۔ خدا نے آدمؑ کی توبہ قبول کی اور اسے ہدایت دی۔ (۲۰ : ۱۲۲)

۵۔ خدا نے جو تمہیں ہدایت دی ہے تو اس کی قدردانی کرو۔ (۲ : ۱۸۵) - اس کا کلمہ بلند کرو۔ (۲۲ : ۳۷)

۶۔ احکامِ حج کے بعد کہا کہ جس طرح اللہ نے تمہیں ہدایت دی ہے اس کے مطابق اس کا ذکر کرو۔ (۲ : ۱۹۸)

۷۔ ہدایت دینا خدا کا احسان ہے۔ (۴۹ : ۱۷)

۸۔ حقیقی ہدایت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملے۔ (۲ : ۱۲۰) - (۳ : ۷۲) - (۶ : ۷۱) - (۷ : ۱۷۸) - (۱۷ : ۹۷) - (۱۸ : ۱۷) - (۹) - اہلِ جنت کہیں گے کہ خدا نے ہماری راہ نمائی اس کی طرف کر دی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ (۷ : ۴۳)

۱۰۔ باطل پرست پیشوایانِ مذاہب اپنے متبعین سے جہنم میں کہیں گے کہ اگر اللہ ہماری ہدایت کرتا تو ہم تمہاری بھی ہدایت کرتے۔ (۱۴ : ۲۱)

۱۱۔ مومنین کی دعائیں کہ ہدایت ملنے کے بعد ہمارے دل بے راہ رَو نہ ہو جائیں۔ (۳ : ۸)

۱۲۔ اگر یہ منافق، خلوص اختیار کر لیتے ہم انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتے۔ (۴ : ۶۸)

۱۳۔ جسے اس کی طرف سے ہدایت نہ ملے اسے کوئی سیدھے راستے پر نہیں چلا سکتا۔ (۴ : ۸۸) - (۷ : ۱۸۶) - (۱۳ : ۳۳) - (۳۰ : ۲۹) - (۳۹ : ۲۳) - (۳۹ : ۳۶) - (۴۰ : ۳۳)

۱۴۔ اے رسولؐ! ایسا نہیں کہ جسے تو پسند کرے وہ ضرور ہدایت کی راہ اختیار کر لے۔ ہدایت قانونِ مشیت کے مطابق ملتی ہے۔ (۲۸ : ۵۶)

۱۵۔ جسے خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ (۳۹ : ۳۷)

۱۶۔ جو خدا پہ ایمان لاتا ہے۔ اس کے قلب کو خدا ایسی راہ نمائی دے دیتا ہے۔ جس سے وہ مصائب سے بچ جاتا ہے۔ (۱۱ : ۶۴)

۱۷۔ حق — کی طرف ہدایت صرف خدا کرتا ہے۔ معبودانِ باطل نہیں۔ (۳۵ : ۱۰)۔ اس لیے اتباع صرف خدا کی طرف سے عطا کردہ حق کا کرنا چاہیے۔ (۳۵ : ۱۰)

۱۸۔ خدا حق کی بات کہتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ (۴ : ۳۳)۔ (۲ : ۳۳)

۱۹۔ خدا اقوامِ سابقہ کی سرگزشتوں سے عبرت دلاتا ہے۔ (۲۶ : ۳)

۲۰۔ خدا سے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کی آرزو کرتے رہنا چاہیے۔ (۲۴ : ۱۸)

۲۱۔ جب بنی اسرائیل سمندر کے کنارے پہنچ گئے تو حضرت موسےٰؑ نے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ خدا ہماری راہ نمائی کرے گا۔

(۲۶ : ۶۲)۔ (۲۲)۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کے وقت کہا کہ خدا میری راہ نمائی کریگا۔ (۳۷ : ۹۹)۔ (۲۷ : ۴۳)

۲۳۔ حضرت موسےٰؑ نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا کہ خدا میری راہ نمائی کرے گا۔ (۲۲ : ۲۸)

۲۴۔ اہلِ جنت کی صراطِ حمید کی طرف راہ نمائی۔ (۲۴ : ۲۲)

۲۵۔ ہدایت وحی کے ذریعے ملتی تھی۔ اب بھی وحی (قرآن) ہی کے اندر ہے۔ (۵۰ : ۳۴)

۲۶۔ یہودی یا نصرانی ہو جانے سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ ہدایت خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ (۲ : ۷۳)۔ (۳۷۔ ۱۳۵ : ۳)۔

۲۷۔ اہلِ جنت کا تشکرانہ اعتراف کہ اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے۔ (۴۳ : ۷)

۲۸۔ خدا کی ہدایت کافی ہے۔ (۳۱ : ۲۵)

۲۹۔ خدا نے بنی آدم سے کہہ دیا کہ میری طرف سے ہدایت آئے گی۔ جو اس کا اتباع کرے گا وہ خوف و حزن سے مامون رہے گا۔ (۳۸ : ۲)۔ (۱۲۳ : ۲۰)۔ (۳۰) تمام انبیاء کی طرف ہدایت آتی رہی تھی۔ (۸۹ : ۶)

۳۱۔ خدا، قرآن کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ (۲۳ : ۳۹)۔

۳۲۔ ان کے خدا کی طرف سے ہدایت آگئی۔ (۲۳ : ۵۳)۔ (۳۳)۔ ہدایت دینا خدا کے ذمے ہے۔ (۱۲ : ۹۲)

۳۴۔ خدا نے ہدایت بھیجی۔ تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ اگر ہماری طرف ہدایت آتی تو ہم اس کے مطابق چلتے۔ (۱۵۸ : ۶)۔ (۴۲ : ۳۵)

۳۵۔ ہدایت پہ وہی ہے جو خدا کی عطا کردہ ہدایت کو اختیار کیے ہوئے ہے۔ (۱۶۸ : ۷)۔ (۹۷ : ۱۷)۔ (۱۷ : ۱۸) (۴۲ : ۳۵)

ہدایت اور مشیت

۱۔ خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (۲ : ۱۴۲)۔ (۲ : ۲۱۳)۔ (۶ : ۸۹)۔ (۱۰ : ۲۵)۔ (۲۴ : ۴۶)

۲۔ خدا کی مشیت میں ہوتا تو وہ تمام انسانوں کو جبراً راہِ راست پر چلاتا۔ (۶ : ۳۵)۔ (۶ : ۱۴۹)۔ (۱۳ : ۳۱)۔ (۱۶ : ۹)۔ (۳۲ : ۱۳)

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے کہا کہ ہدایت تیری مشیت کے مطابق ملتی ہے۔ (۷ : ۱۵۵)

۴۔ اے رسولؐ! یہ ضروری نہیں کہ جسے تو پسند کرے وہ ضرور ہدایت اختیار کرلے۔ یہ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۲۸ : ۵۶)۔ یہ رسول کی ذمہ داری ہی نہیں۔ (۲ : ۲۷۲)

۵۔ من یشاء کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو گمراہ رہنا چاہے، وہ گمراہ رہتا ہے۔ جو ہدایت لینا چاہے اسے ہدایت مل جاتی ہے۔ اس قسم کی آیات دوسرے عنوان میں دیکھئے جہاں کہا گیا ہے کہ جو ہدایت حاصل کرنا چاہے، اسے ہدایت مل جاتی ہے۔

۶۔ خدا ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا شرحِ صدر کردیتا ہے۔ (۶ : ۱۲۵)۔ تشریح کے لئے دیکھئے عنوان تقدیر۔

جو چاہے ہدایت حاصل اور اختیار کرلے

۱۔ عذاب آنے سے پہلے کتاب اللہ کا اتباع کرلو تاکہ بعد میں تم یہ نہ کہو کہ اگر خدا ہماری ہدایت کرتا تو ہم بھی متقین میں سے ہوتے۔ (۳۹ : ۵۷)

۲۔ ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے۔ اب اس کا جی چاہے تو اسے اختیار کرلے۔ جی چاہے اس سے انکار کردے۔ (۱۸ : ۲۹)۔ (۷۶ : ۳)۔ (۹۰ : ۱۰)

۳۔ خدا نے قومِ ثمود کو ہدایت دی لیکن انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی۔ (۴۱ : ۱۷)

۴۔ قومِ فرعون کے مردِ مومن نے اپنی قوم سے کہا کہ میرا اتباع کرو۔ میں تمہیں صحیح راستے پر لے چلوں گا — (۴۰ : ۲۹)۔ (۴۰ : ۳۸)

۵۔ جو اندھا پن بیٹھے اسے، اے رسولؐ! تو کیسے ہدایت دے سکتا ہے۔ (۱۰ : ۴۳)۔ (۲۷ : ۸۱) — (۳۰ : ۵۳)۔ (۴۳ : ۴۰)

۶۔ جو جدوجہد کرے اسے خدا اپنی طرف لے جانے والے راستوں کی راہ نمائی کر دیتا ہے۔ (۶۹ : ۲۹)

۷۔ جو اتباعِ رضوان اللہ کرے اسے سلامتی کے راستوں کی طرف راہ نمائی مل جاتی ہے۔ (۱۶ : ۵)

۸۔ جو اس کی طرف رجوع کرے اسے ہدایت ملتی ہے۔ (۲۷ : ۱۳) - (۱۳ : ۴۲)

۹۔ من یشاء کے معنی۔ جو ہدایت لینا چاہے اسے ہدایت مل جاتی ہے۔ جو گمراہ رہنا چاہے وہ گمراہ رہتا ہے۔ (۲۷ : ۱۳)
(۴ : ۱۴) - (۹۳ : ۱۶) - (۱۶ : ۲۲) - (۳۵ : ۲۴) - (۴۶ : ۲۴) ———
(۸ : ۳۵) - (۲۳ : ۳۹) - (۳۱ : ۷۴)

۱۰۔ جو غلط راستہ اختیار کرے اسے غلط راستے پر چلایا جاتا ہے۔ (۵ : ۶۱)

۱۱۔ خدا، ایمان کی بنا پر ہدایت دیتا ہے۔ (۹ : ۱۰) - (۵۴ : ۲۲)

۱۲۔ فی سبیل اللہ جنگ کرنے والوں کو۔ (۴-۵ : ۴۷) - (۱۳) - مومنین کی دعا - اھدنا الصراط المستقیم - (۶ : ۱)

۱۴۔ اعتصام باللہ سے صراط مستقیم کی طرف ہدایت۔ (۱۰۰ : ۳)

۱۵۔ جو قرآن سے ہدایت حاصل کرے گا۔ اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ (۱۰۸ : ۱۰) - جو غلط راستہ اختیار کرے گا، اس کا
نقصان بھی اسی کو ہوگا۔ (۱۵ : ۱۷) - (۹۲ : ۲۷) - (۴۱ : ۳۹)

۱۶۔ جو توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ عملِ صالح کرے۔ پھر صحیح راستے پر چلے۔ اس کے لئے مغفرت ہے۔ (۸۲ : ۲۰)

۱۷۔ اگر یہ (اہلِ کتاب) اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ صحیح راستے پر چل سکیں گے۔ (۱۳۷ : ۲)

۱۸۔ اگر یہ اپنا سرِ تسلیم خم کر دیں تو پھر صحیح راستے پر ہوں گے۔ اگر اعراض برتیں تو تمہاری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ (۲۰ : ۳)

۱۹۔ صحیح راستے پر چلنے والوں کی ہدایت خدا زیادہ کر دیتا ہے۔ (۷۶ : ۱۹) - یعنی جو صحیح راستے پر چلتا ہے اس کے سامنے مزید
کشادگی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ (۱۷ : ۴۷)

۲۰۔ تم اپنی ذات کا خیال رکھو۔ اگر تم سیدھے راستے پر چلو گے تو غلط راستے پر چلنے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا
سکے گا۔ (۱۰۵ : ۵)

۲۱۔ جو راستہ کے خطرات سے بچ کر چلنا چاہے۔ متقین۔ قرآن اس کے لئے ہدایت ہے۔ (۲ : ۲)

۲۲۔ مومنین کی خصوصیات بیان کر کے کہا کہ یہ لوگ ہدایت پر ہیں۔ (۵ : ۲) - (۵ : ۳۱)

۲۳۔ قرآن مومنین کے لئے ہدایت ہے۔ (۹۷ : ۲)

۲۴۔ ثمود کی طرف ہدایت بھیجی تھی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ (۱۷ : ۴۱)

۲۵۔ راہِ خدا میں تکالیف برداشت کرنے والے اور جانیں دیدینے والے۔ ہدایت پر ہیں۔ (۱۵۷ : ۲)

۲۶۔ ایمان والے۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنے والے۔ ہدایت یافتہ ہیں۔ (۱۸ : ۹)

۲۷۔ قانونِ مکافات سے انکار کرنے والے ہدایت یافتہ نہیں۔ (۴۵ : ۱۰)

ہدایت قرآن کریم کے اندر ہے۔ کتبِ سابقہ میں بھی ہدایت ہوتی تھی

۱۔ ہدایت کتاب اللہ کے اتباع میں ہے۔ (۵۷ : ۳۹)۔ یہی حق ہے۔ (۳۵ : ۱۰) ۔ (۲۳ : ۳۹)

۲۔ نیک نیت قرآن سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ بدنیت اور غلط بیں اس سے ضلالت خریدتے ہیں۔ (۲۶ : ۲)

۳۔ یہ قرآن اسی راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو اقوم ہے۔ (۹ : ۱۷)

۴۔ آیاتِ بینات سے ہدایت۔ (۱۵۷ : ۶) ۔ (۵۲ : ۷)۔ (۲۰۳ : ۷) ۔ (۶۴ : ۱۶)۔ (۸۹ : ۱۶)۔
(۱۰۲ : ۱۶) ۔ (۱۶ : ۲۲)

۵۔ یہ نور علیٰ نور ہے۔ اس کے ذریعے خدا ہدایت دیتا ہے۔ (۳۵ : ۲۴)

۶۔ قرآن حق کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (۵۷ : ۱۰) ۔ (۱۱۱ : ۱۲) ۔ (۳۰ : ۴۶) ۔ (۲ : ۷۲)

۷۔ یہ نور ہے۔ برہان ہے۔ اس کے ساتھ اعتصام سے ہدایت ملتی ہے۔ (۱۷۴ - ۱۷۵ : ۴) ۔ (۱۶ : ۵)

۸۔ الحق خدا کی طرف سے آگیا جو ہدایت حاصل کرنا چاہے، حاصل کرلے۔ (۱۰۸ : ۱۰) ۔ (۲۹ : ۱۸) ۔ (۴۱ : ۳۹)

۹۔ رسول کو ہدایت وحی کے ذریعے ملتی تھی۔ (۵۰ : ۳۴)

۱۰۔ کتابِ موسیٰؑ میں بھی (اپنے وقت میں) ہدایت تھی۔ (۵۳ : ۲) ۔ (۴۹ : ۲۳) ۔ انجیل میں بھی۔ (۴ : ۳)
(۴۴ - ۴۶ : ۵) ۔ (۹۱ : ۶) ۔ (۱۵۴ : ۶) ۔ (۱۵۴ : ۷) ۔ (۲ : ۱۷) ۔ (۲۳ : ۳۲) ۔ (۵۳ : ۴۰)
(۵۴ : ۴۰) ۔ (۱۱)۔ خدا تبیینِ آیات کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاسکو۔ (۱۰۳ : ۳)

۱۲۔ قرآن کریم سے ہدایت ملتی ہے۔ (۲ : ۲۷) ۔ (۷۷ : ۲۷) ۔ (۹۲ : ۲۷) ۔ (۴۳ : ۲۸)

۱۳۔ قرآن ان کے لئے ہدایت ہے جو راستے کے خطرات سے بچ کر چلنا چاہیں۔ متقین۔ (۲ : ۲)

۱۴۔ قرآن جو قلبِ نبوی پر نازل ہوا، ہدایت ہے۔ (۹۷ : ۲)

۱۵۔ ہدایت قرآن میں ہے۔ [اسے چھپانا باعثِ لعنتِ خداوندی ہے]۔ (۱۵۹ : ۲) ۔ (۱۸۵ : ۲) ۔ (۱۳۸ : ۳)
(۱۱۵ : ۴) ۔ (۳ : ۳۱)

۱۶۔ قرآن مصدق ہے کتبِ سابقہ کا۔ اور ہدایت ہے متقین کے لئے۔ (۴۶ : ۵)
۱۷۔ قرآن، ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے۔ (۴۴ : ۴۱) — (۲۰ ; ۱۱ : ۴۵)

مومنین دوسروں کو بھی ہدایت دیتے ہیں

۱۔ قوم فرعون کا مردِ مومن ۔ (۲۹ : ۴۰) - (۳۸ : ۴۰)
۲۔ قومِ موسےٰؑ کے آئمہ، حق کے ساتھ ہدایت دیتے تھے اور اس کے مطابق عدل کرتے تھے۔ (۱۵۹ : ۷)-(۱۸۱ : ۷) (۷۳ : ۲۱)—(۲۴ : ۳۲)۔
۳۔ اگر تم مشرکین کو ہدایت کی طرف دعوت دو تو وہ کبھی تمہارا اتباع نہیں کریں گے۔ (۱۹۳ : ۷)-(۱۹۸ : ۷)

ہدایت رسولوں کے ذریعے ملتی تھی

۱۔ خدا نے اپنے تمام رسولوں کو ہدایت دی تھی۔ انہی کے راستے (یعنی خدا کی ہدایت) پر چلنا چاہیئے۔ (۸۴ : ۶)۔ (۸۸ : ۶) — (۹۰ :۶) — (۱۲ : ۱۴) — (۵۸ : ۱۹)
۲۔ رسول اللہ تلاشِ حقیقت میں سرگرداں تھے تو خدا نے انہیں ہدایت دی۔ (۷۱ : ۶) — (۱۶۱ : ۶) (۲ : ۴۸)—(۷ : ۹۳)
۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا نے مجھے ہدایت دی ہے۔ (۷۷ : ۶) - (۸۰ : ۶)
۴۔ (حضرت) موسےٰؑ اور ہارونؑ کو ہدایت دی۔ (۱۱۸ : ۳۷)
۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ میرا اتباع کرو۔ میں تمہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دوں گا۔ (۴۳ : ۱۹)
۶۔ حضرت موسےٰؑ نے فرعون سے کہا کہ میں تمہاری راہ نمائی خدا کے راستے کی طرف کر دوں گا۔ (۱۹ : ۷۹)
۷۔ لیکن یہ نہیں تھا کہ رسول جسے چاہتا راہِ راست پر لے آتا۔ وہ خدا کی ہدایت لوگوں تک پہنچا دیتا تھا۔ ہدایت قانونِ مشیت کے مطابق حاصل ہوتی تھی۔ (۳۷ : ۱۶) — (۵۶ : ۲۸)۔ یہ رسول کی ذمہ داری ہی نہیں تھی (۲۷۲ : ۲)
۸۔ رسول، اپنے کسب وہنر سے خدا سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ خدا اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا اس منصب کے لئے منتخب کر لیتا۔ وہ رسول، خدا سے وحی پا کر لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا۔ (۱۳ : ۴۲)-(۵۲ ، ۴۲)
۹۔ لوگ کہتے تھے کہ کیا ایک بشر ہمیں ہدایت دے گا؟ (۶ : ۶۴)

۱۰۔ جھگڑا کرنے والے اپنا مقدمہ حضرت داؤدؑ کے پاس لے کر آئے اور کہا کہ ہماری راہ نمائی صحیح راستے کی طرف کر دیجئے۔
(۲۲ : ۳۸) — (۱۱)۔ رسول اللہؐ نے کہا کہ اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ وحی کی بدولت ہے۔ (۵۰ : ۳۴)۔
اور اگر غلطی کرتا ہوں تو وہ میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

۱۲۔ رسول کا فریضہ ہدایت کا پہنچا دینا ہے۔ اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو تم سیدھے راستے پر چل سکو گے۔ (۱۵۸ : ۷)۔
(۵۴ : ۲۴) — (۱۳)۔ رسول بھیج کر اتمام نعمت کیا تاکہ تم ہدایت پاسکو۔ (۱۵۰-۱۵۱ : ۲)

۱۴۔ خدا تبیین آیات کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پاسکو۔ (۱۰۳ : ۳)

۱۵۔ رسول اللہؐ کو ان لوگوں کی طرف بھیجا جن کی طرف اس سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا۔ (۳ : ۳۲)

۱۶۔ ہر قوم کی طرف ہادؔ (ہدایت دینے والا) بھیجا گیا۔ (۷ : ۱۳)

۱۷۔ خدا نے رسول کو ہدایت اور دین الحق دے کر بھیجا۔ (۳۳ : ۹)— (۲۸ : ۴۵)۔ (۹ : ۶۱)

۱۸۔ اے رسولؐ! تو لوگوں کو اپنے رب کی طرف دعوت دے۔ تو صراط مستقیم پر ہے۔ (۶۷ : ۲۲)

۱۹۔ خدا جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے۔ (۸۶-۸۵ : ۲۸)

۲۰۔ رسولوں کا اتباع کرو جو راہِ راست پر ہیں اور تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتے۔ (۲۱ : ۳۶)

ہدایت کسے نہیں مل سکتی

۱۔ جو پہلے ہی طے کرلے کہ مجھے ماننا ہی نہیں (کافر) اسے ہدایت نہیں مل سکتی۔ (۲۶۴ : ۲)۔ (۱۶۸ : ۴) —
(۶۷ : ۵) — (۳۷ : ۹)

۲۔ جو ظلم کی روش نہ چھوڑنا چاہے اسے ہدایت نہیں مل سکتی۔ (۲۵۸ : ۲)۔ (۸۶ : ۳) — (۵۱ : ۵)۔
(۱۴۴ : ۶)—(۱۹ : ۹)—(۱۰۹ : ۹)—(۱۰ : ۴۶)—(۶۱ : ۷)—(۵ : ۶۲)

۳۔ جو ایمان کے بعد کفر اختیار کرے۔ (۸۶ : ۳)—(۱۳۷ : ۴)—(۲۵ : ۴۷)

۴۔ قوم فاسقین کو ہدایت نہیں ملتی۔ (۱۰۸ : ۵)—(۲۴ : ۹)—(۸۰ : ۹)۔(۶۱ : ۵)—(۶ : ۶۳)

۵۔ جو گمراہ رہنا چاہے اسے ہدایت نہیں ملتی۔ (۳۷ : ۱۶)

۶۔ جو آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو ترجیح دے، وہ کافر ہے۔ اسے ہدایت نہیں مل سکتی۔ (۱۰۷ : ۱۶)

۷۔ جو وحی کی روشنی کے بغیر اپنے جذبات کا اتباع کئے چلا جائے۔ وہ سب سے زیادہ گمراہ ہے۔ انہی کو ظالم کہتے ہیں

(۵۰ : ۲۸) — (۲۳ : ۴۵)

۸۔ کاذب کفار کو نہیں مل سکتی۔ (۳ : ۳۹) — مسرف کذاب کو نہیں۔ (۲۸ : ۴۰)

۹۔ جو آیات اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰۴ : ۱۶) — (۱۰) — آیات اللہ سے اعراض برتنے والوں کو۔ (۱۸ : ۵۷)

۱۱۔ قرآن کو اِفکِ قدیم کہنے والے۔ (۱۱ : ۴۶)

۱۲۔ جو اسلاف کی اندھی تقلید کرتا رہے۔ (۲ : ۱۷۰) — (۵ : ۱۰۴) — (۲۲ : ۳۳) — (۲۴ : ۴۳)

۱۳۔ شیطان جن کے برے اعمال کو مزین بنا کر دکھا دے۔ (۲۴ : ۲۷) — (۱۴) — شرک کرنے والوں کو۔ (۹۲-۹۴ : ۲۸)

۱۵۔ لوگوں کے خوف سے ہدایت کی طرف نہ آنے والے۔ (۵۷ : ۲۸)

۱۶۔ تبیانِ حقیقت کے بعد رسول کی مخالفت کرنے والے۔ (۳۲ : ۴۷)

ہدایت برعکس ضلالت

۱۔ ایک فریق ہدایت پر ایک ضلالت پر۔ (۷ : ۳۰) — (۳۶ : ۱۶)

۲۔ فرعون نے اپنی قوم کو ضلالت پر چلایا۔ ہدایت پر نہیں۔ (۷۹ : ۲۰)

۳۔ خدا نے ہدایت دی۔ اس سے قبل تم ضلالت پر تھے۔ (۱۹۸ : ۲)

۴۔ قوم ثمود کو خدا نے ہدایت دی۔ لیکن انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی۔ (۱۷ : ۴۱)

۵۔ جو خدا کی ہدایت پر نہ ہو وہ ضلالت پر ہوتا ہے۔ (۸۸ : ۴) — (۱۷۸ : ۷) — (۱۷ : ۱۸)

۶۔ جسے خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ (۳۷ : ۳۹)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر مجھے خدا ہدایت نہ دیتا تو میں ضلالت پر ہوتا۔ (۷۷ : ۶)

۸۔ جسے خدا کی ہدایت نہ ملے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ (۲۹ : ۳۰)

۹۔ خدا جانتا ہے کہ کون صحیح راستے پر چلتا ہے اور کون غلط پر۔ (۳۰ : ۵۳)

۱۰۔ اگر تم ہدایت پر ہو گے تو ضلالت میں مبتلا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ (۱۰۵ : ۵)

۱۱۔ جنہوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدی ان کی تجارت منفعت بخش ثابت نہ ہوئی۔ (۱۶ : ۲) — (۱۷۵ : ۲)

۱۲۔ اوندھے منہ چلنے والا، اور سر اٹھا کر چلنے والا۔ (۲۲ : ۶۷)

۱۳۔ بہت سے ہدایت یافتہ ہیں۔ بہت سے فاسق ہیں۔ (۲۶ : ۵۷)

۱۴۔ شیطان کی راہوں پر چل رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔ (۳۰ : ۷) - (۴۷ : ۴۳)

۱۵۔ لوگوں کے جذبات کا اتباع کرنے والا ضلالت پر ہوتا ہے۔ ہدایت پر نہیں۔ (۵۶ : ۶)

۱۶۔ خدا جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون ضلالت پر۔ (۱۱۷ : ۶) - (۱۲۵ : ۱۶) - (۵۶ : ۲۸) - (۷ : ۶۸)

۱۷۔ مذہبی پیشواؤں کی توہم پرستیوں کے قائل ضلالت پر ہیں۔ ہدایت پر نہیں۔ (۱۴۰ : ۶)

متفرقات

۱۔ طبعی ذرائع (ستاروں وغیرہ) کے ذریعے راہ نمائی کو بھی خدا کی عطا کردہ ہدایت کہا گیا ہے۔ (۹۷ : ۶) - (۱۵ : ۱۶) - (۳۱ : ۲۱) - (۶۳ : ۲۷) - (۱۰ : ۴۳)

۲۔ میدانِ جنگ میں فتح و نصرت سے بھی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ملتی ہے۔ (۲۰ : ۴۸)

۳۔ شیطان جہنم کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ (۴ : ۲۲)

۴۔ رسول اللہ سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ تھوڑی دیر انتظار کرو۔ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون صحیح راستے پر چلتا تھا۔ (۱۳۵ : ۲۰) - (۵)۔ کعبہ مرکزِ ہدایت ہے۔ (۹۶ : ۳)

۶۔ اتباعِ ہدایت کرنے والے کے لئے نوید امن و سلامتی ہے۔ (۴۷ : ۲۰)

۷۔ بغیرِ علم و ہدایت خدا کے بارے میں جھگڑنے والے۔ (۸ : ۲۲) - (۲۰ : ۳۱)

۸۔ تم اپنی اپنی شاکلت کے مطابق کام کرتے جاؤ۔ خدا جانتا ہے کہ تم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ (۸۴ : ۱۷)

۴۔ ہلاکت

۱۔ مادہ کے اعتبار سے ہلاکت کے معنی ٹوٹ جانے یا گر پڑنے کے ہوتے ہیں۔ استعمال کی رو سے یہ لفظ کبھی تو کسی شے کے بالکل مٹ جانے، ختم ہو جاتے، انسان کے مر جانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور کبھی کمزوری اور زوال کے لئے۔ افراد کی طرح قوموں کی ہلاکت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد یا تو وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے اور یا از سرِ نو قوت حاصل کر کے ابھر زندہ ہو جاتی ہے۔

اس کے زوال آمادہ اور بالکل فنا ہوجاتے ، دونوں کے لئے ہلاکت کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔

۲۔ قوموں کی صورت میں ہلاکت کے معنی تباہی اور بربادی لئے جائیں تو بات واضح ہوجاتی ہے ۔ قوموں کے عروج و زوال کے سلسلہ میں دیگر متعلقہ عنوانات بھی دیکھئے ۔

۳۔ قرآن کریم میں ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (۲۸ : ۸۸) ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ کائنات ایک دن معدوم ہو جائے گی اور صرف خدا کی ذات باقی رہ جائے گی ۔ اس میں شبہ نہیں کہ کائنات مخلوق ہے اس لئے ابدی نہیں ۔ لیکن اس آیت (نیز ۲۶ - ۲۷ : ۵۵) میں ھَالِکٌ کے معنی یہ ہیں کہ کائنات کی ہر شے کی توانائی کم ہوتی جا رہی ہے ۔ بس صرف ایک خدا کی ذات (یا اس کی متعین کردہ مستقل اقدار) ہیں جو تغیر آشنا نہیں ۔

قانون فنا و بقا (زوال و عروج)

۱۔ یہاں دھاندلی نہیں ۔ عروج و زوال اور فنا و بقا کے لئے قوانین مقرر ہیں ۔ انہی قوانین کے مطابق قومیں ابھرتی اور مٹتی ہیں ۔ (۴۲ : ۸)

۲۔ ہلاکتِ امم کے لئے ایسے قوانین مقرر ہیں جن کا انسان کو علم دے دیا گیا ہے ۔ (۴ : ۱۵)

۳۔ قومیں آہستہ آہستہ اپنی آخری تباہی تک پہنچتی ہیں ۔ (۷ : ۱۸۲) ۔ (۱۸ : ۵۹) ۔ (۴۴ : ۶۸)

۴۔ جب مترفین (دوسروں کی کمائی پر عیش کرنے والے) فسق میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو قوم کی تباہی آجاتی ہے ۔ (۱۷ : ۱۶) ۔ (۵) ۔ اگر کوئی قوم مصلح ہو تو اسے یونہی دھاندلی سے ہلاک نہیں کر دیا جاتا ۔ (۱۱۷ : ۱۱)

۶۔ لوگ غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں ۔ (۶ : ۲۶)

۷۔ صرف ظالم قوم ہلاک ہوتی ہے ۔ (۶ : ۴۷) اور فاسق قوم ۔ (۴۶ : ۳۵)

ہلاکتِ اقوام

۱۔ نظامِ سرمایہ داری کی حامل اقوام ، قوت و ثروت کے باوجود ، ہلاک ہوگئیں ۔ (۶ : ۶) ۔ (۴۷ : ۱۹) ۔ (۲۰ : ۱۲۸) (۲۸ : ۵۸) ۔ (۲۸ : ۷۷ - ۷۸) ۔ (۳۲ : ۲۶) ۔ (۳۶ : ۳۱) ۔ (۳۸ : ۳) ۔ (۴۳ : ۸) ۔ (۴۶ : ۲۷) ۔ (۵۰ : ۳۶) ۔ (۵۴ : ۵۱)

۲۔ عادِ اولیٰ بھی ہلاک ہوگئی ۔ (۵۰ : ۵۳) ۔ (۶ : ۶۹) ۔ قومِ نوح کے بعد اقوام کی تباہی ۔ (۱۷ : ۱۷) ۔

قومِ ثمود کی ہلاکت۔ (۵ : ۶۹)

۳۔ جو قوم محض دنیاوی زندگی ہی کو مقصودِ حیات سمجھے اور مستقل اقدار کا خیال نہ رکھے، وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ (۱۱۶ : ۳)

۴۔ قومیں ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوتی ہیں۔ (۵-۴ : ۷) — (۱۳ : ۱۰) — (۱۳ : ۱۴) — (۵۹ : ۱۸) — (۴۵ : ۲۲) — (۵۹ : ۲۸)

۵۔ ایسی ہلاکت جس کے بعد ان کے محسوس نشانات بھی باقی نہ رہیں۔ (۹۸ : ۱۹)

۶۔ ہلاکت مسرفین کی ہوتی ہے۔ (۹ : ۲۱)

۷۔ تباہی سے پہلے قوموں کو آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ جس راستے پر تم چل رہے ہو یہ خطرناک ہے۔ (۱۳۱ : ۶) - (۱۴۴ : ۲۰) (۲۰۸ : ۲۶) — اس کے مرکزی مقام میں رسول بھیجا جاتا تھا۔ (۵۹ : ۲۸) - اتمامِ حجت کے لئے۔ (۱۴۴ : ۷)

۸۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے قوموں کی تباہی۔ (۴۳ : ۲۸)

۹۔ جو قومیں ابدی صداقتوں پر ایمان نہ لائیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۶ : ۲۱) - (۱۳۹ : ۲۶)

۱۰۔ قومیں اسطرح بھی تباہ ہوتی ہیں کہ ان میں بازآفرینی یا نشاۃِ ثانیہ کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ (۹۵ : ۲۱) — [اگلی آیت کا مطلب، مفہوم القرآن میں ملے گا۔]

۱۱۔ قومیں اپنے جرائم کی وجہ سے ہلاک ہوتی ہیں۔ (۶ : ۶) - (۵۴ : ۸) - (۵۹ : ۱۸) - (۳۷ : ۴۴)

۱۲۔ ہلاک ہونے والی قوموں کا خدا حامی و مددگار نہیں ہوتا۔ (۲۲ : ۴۸) - (۱۳) - قومِ لوط کی تباہی - (۳۱ : ۲۹)

۱۴۔ کوئی قوم ایسی نہیں جسے یومِ قیامت سے پہلے تباہ نہ کر دیا جائے یا سخت عذاب نہ دیا جائے۔ (۵۸ : ۱۷)

۱۵۔ قومِ فرعون نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی تکذیب کی اور تباہ ہو گئی۔ (۴۸ : ۲۳)

۱۶۔ لیڈر قوموں کو، کفرانِ نعمت کی وجہ سے جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۲۸ : ۱۴)

۱۷۔ اس طرح ہلاکت کہ قوم واپس ہی نہ آسکے۔ (۳۱ : ۳۶)

قانونِ استبدال و استخلاف

۱۔ قومیں اپنے جرائم کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں اور ان کی جگہ دوسری قوموں نے لے لی۔ (۶ : ۶) — (۵۷ : ۱۱) — (۴۲-۴۱ : ۲۳) — (۱۷-۱۶ : ۷۷)

۲۔ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم اس لئے لائی جاتی ہے کہ دیکھیں وہ کیسے کام کرتی ہے۔ (۱۲۹ : ۷) - (۱۴ : ۱۰)

۳۔ قوموں کی ہلاکت و استخلاف کا بڑا دلنشین اور عبرت آمیز منظر۔ (۱۵ - ۱۱ : ۲۱)

۴۔ جماعتِ مومنین سے بھی کہا گیا کہ اگر تم جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم لے لے گی۔ (۳۹ : ۹) - اگر انفاق نہ کرو گے تو بھی دوسری قوم آجائے گی۔ (۱۹۵ : ۲) - (۳۸ : ۴۷)

۵۔ خدا اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہیں مٹا کر تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لا سکتا ہے۔ جس طرح اس نے تمہیں ایک سابقہ قوم کی ذریت سے پیدا کیا تھا۔ (۱۳۴ : ۶)

متفرقات

۱۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ اپنے مخالفین سے کہہ دو کہ (بفرضِ محال) میں اور میرے ساتھی اگر تباہ بھی ہو جائیں (جیسا کہ تم چاہتے ہو) تو بھی تم تباہی سے نہیں بچ سکتے۔ تمہاری تباہی تو تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ہماری زندگی اور موت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (۲۸ : ۶۷)

۲۔ مفسدین کو غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ حرث اور نسل کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ (۲۰۵ : ۲)

۳۔ حیاتِ آخرت کے منکرین کہتے ہیں کہ ہم صرف گردشِ زمانہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (۲۴ : ۴۵)

۴۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ - (۸۸ : ۲۸)

۵۔ انفاق فی سبیل اللہ کرو، اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی کی طرف مت لے جاؤ۔ (۱۹۵ : ۲)

۶۔ اگر خدا کی مشیت میں ہو۔ تو وہ پوری نوعِ انسان کو لے جائے اور اس کی جگہ ایک اور مخلوق لے آئے۔ (۱۶ : ۳۵)

(۰)

۵۔ ہویٰ

اس مادہ (ھ - و - ی) کے بنیادی معنی ہیں: (۱) کسی شے کا اوپر سے نیچے گرنا۔ محض گرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور (۲) خالی ہونا۔ پھر اس کے مجازی معنی کسی کی طرف مائل ہونے یا جھک جانے کے کئے گئے۔

نیچے کی طرف گرنے سے پستی کا مفہوم سامنے آیا تو یہ لفظ انسان کے ان جذبات اور خواہشات کے لئے بولا جانے لگا جو اسے شرفِ انسانیت کی بلندیوں سے گرا کر، ذلت کی پستیوں میں گرا دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ، ان معنوں میں عام

طور پر آیا ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح انسان میں عقل وشعور۔ فہم وادراک یا طاقت اور قوت، مختلف صلاحیتیں، اسی طرح جذبات بھی ایک صلاحیت کے مظہر ہوتے ہیں اور یہ صلاحیت بڑی اہم ہے اس لئے کہ انسانی عمل (کام) کے محرک اس کے جذبات ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے، جس طرح عقل وشعور یا دولت وقوت بذاتِ خویش، مقبوح یا قابلِ نفرت نہیں، اسی طرح جذبات بھی بجائے خویش قابلِ نفرت نہیں۔ ان صلاحیتوں کو اگر اقدارِ خداوندی کے تابع صرف میں لایا جائے تو ان کے نتائج تعمیری ہوتے ہیں اور یہ سراپا مستحسن۔ لیکن اگر انہیں، ان اقدار کے تابع نہ رکھا جائے تو ان کا نتیجہ تخریبی ہوتا ہے، اور یہ اس طرح قابلِ مذمت قرار پا جاتے ہیں۔ اس قسم کے سرکش جذبات کو عملِ شیطان قرار دیا گیا ہے۔ انہی جذبات (ھویٰ) کے اتباع کا نتیجہ وہ جہنمی زندگی ہے جسے هَاوِيَةٌ (۱۱-۹ : ۱۰۱) کہہ کر پکارا گیا ہے۔

(سرکش جذبات کی مزید تفصیل کے لئے عنوان شیطان اور انڈکس میں "جذبات" کا عنوان بھی دیکھئے۔)

پستی میں گر جانا۔ عذابِ جہنم کا مستحق ہو جانا۔ تباہ ہو جانا

۱۔ جس پر خدا کا غضب وارد ہو گیا، وہ پستیوں میں گر گیا اور تباہ ہو گیا۔ (۸۱ : ۲۰)

۲۔ ویران شدہ بستیاں جنہیں تباہ کر دیا گیا۔ (۵۳ : ۵۳)

نیچے گرنے کے معنوں میں

۱۔ ستارہ، جب وہ نیچے جاتا یا غروب ہو جاتا ہے۔ (۱ : ۵۳)

۲۔ مشرک کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پرکاہ کو ہوا اڑائے اڑائے پھرے اور دور جا کر گرا دے۔ (۳۱ : ۲۲)

مائل ہونا یا پسند کرنا

۱۔ جب کوئی ایسا رسول آیا، جسے مخالفین ناپسند کرتے تھے تو .... (۸۷ : ۲) ۔ (۷۰ : ۵)

۲۔ یہ لوگ اپنے قیاسات کا اتباع کرتے ہیں یا اس کا جسے ان کا نفس پسند کرے۔ (۲۳ : ۵۳)

۳۔ دعائے ابراہیمی کہ خدا لوگوں کے دلوں کو خادمینِ کعبہ (ان کی اولاد) کی طرف مائل کر دے۔ (۳۷ : ۱۴)

پست جذبات کا اتباع کرنا۔ یا ایسے لوگوں کا اتباع کرنا

۱۔ جن لوگوں کو شیطان ان کے پست جذبات کا مطیع بنا دے۔ (۱۷۶ : ۷)

۲۔ جس نے اپنے آپ کو پست جذبات سے باز رکھا۔ اس کا مقام جنت ہے۔ (۴۰ : ۷۹)

۳۔ ہم چاہتے تھے کہ قرآن کے ذریعے انسان کو بلندیوں کی طرف لے جائیں لیکن وہ اپنے پست جذبات کا اتباع کر کے زمین کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ (۱۷۶ : ۷)

۴۔ اس کی اطاعت مت کرو جو قوانینِ خداوندی کو پس پشت ڈال کر اپنے پست جذبات کا اتباع کرتا ہے۔ (۲۸ : ۱۸) ۔ (۵)۔ جو اپنے پست جذبات کا اتباع کرتا ہے وہ تمہیں راہِ خداوندی سے بہکا نہ دے۔ وہ تباہ ہو جائے گا۔ (۱۶ : ۲۰)

۵۔ جو اپنے پست جذبات کا اتباع کرتا ہے وہ تمہیں راہ خداوندی سے بہکا نہ دے۔ وہ تباہ ہو جائیگا۔ (۲۰:۱۶)

۶۔ کیا تو نے اسے بھی دیکھا جو اپنے پست جذبات کا اتباع کئے جاتا ہے۔ اے رسول! تجھے اس پر نگران نہیں بنایا گیا۔ (۴۳ : ۲۵)

۷۔ جب جذبات غالب آجائیں تو عقل و شعور کی صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں اور وہ علم کے باوجود گمراہ ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو کون صحیح راستے پر لا سکتا ہے۔ (۲۳ : ۴۵)۔ (۱۶ : ۴۷)

۸۔ ایسی قوم کے خیالات و خواہشات کا اتباع مت کرو جو خود بھی گمراہ ہوئی اور اس نے اوروں کو بھی گمراہ کر دیا (۷۷ : ۵)

۹۔ ان کا اتباع مت کرو جنہوں نے قوانینِ خداوندی کی تکذیب کی۔ (۱۵۰ : ۶)۔ (۳ : ۵۴)

۱۰۔ ایسے لوگوں کے خیالات کا اتباع مت کرو جنہیں علم نہیں۔ (آیت کے موضوع سے مترشح ہوتا ہے کہ علم سے مراد وحیٔ خداوندی ہے۔ (۱۸ : ۴۵)

۱۱۔ اے رسولؐ! ان مشرکین سے کہدو کہ اگر میں نے تمہاری روش کا اتباع کیا تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ (۵۶ : ۶)

۱۲۔ اگر تم نے العلم (وحی) آجانے کے بعد ان کے خیالات کا اتباع کر لیا تو خدا تمہارا ولی اور ناصر نہیں رہے گا۔ (۱۲۰ : ۲)۔ (۱۴۵ : ۲)۔ (۳۷ : ۱۳)

۱۳۔ الحق آجانے کے بعد ان کے خیالات کا اتباع مت کرو۔ (۴۸ : ۵)۔ (۱۵ : ۴۲)

اپنے خیالات اور خواہشات کے پیچھے چلنا

۱۔ اپنی خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ وہ تمہیں عدل کرنے سے باز رکھیں۔ (۱۳۵ : ۴)

۲۔ لوگوں کے فیصلے حق کے ساتھ کرو۔ اور اپنی خواہشات کا اتباع مت کرو۔ یہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گی۔ (۴۹ : ۵) – (۲۶ : ۳۸)

۳۔ رسول، خدا کی وحی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ اس میں اس کی اپنی خواہشات یا فکر کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یعنی وحی ایک خارجی حقیقت ہوتی ہے۔ جس میں رسول کی داخلی کیفیات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ما ینطق عن الھوی۔ (۳ : ۵۳)

اتباعِ جذبات بلا علم و ہدایت

۱۔ اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو بغیر ہدایت خداوندی اپنے جذبات کا اتباع کرتا ہے۔ (۵۰ : ۲۸)۔ اس سے واضح ہے کہ ہدایتِ خداوندی کے تابع جذبات کا اتباع، گمراہ نہیں کرتا۔ (۲۹ : ۳۰)

۲۔ بلا علم، اپنے خیالات اور خواہشات کی رُو سے دوسروں کو گمراہ کرنے والے۔ (۱۱۹ : ۶)

متفرق

۱۔ اگر الحق لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگ جائے تو کائنات میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ (۷۱ : ۲۳)

۲۔ جو وحی کی آواز پر لبیک نہیں کہتا سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔ (۵۰ : ۲۸)

۳۔ جو بیّنہ پر ہو وہ اور جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور اس کے غلط اعمال اسے مزین بن کر دکھائی دیں، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (۱۴ : ۴۷)

۴۔ شکست خوردہ بھگوڑوں کے دل جرأت و بسالت سے خالی ہو رہے تھے۔ (۴۳ : ۱۴)

۵۔ جس کا بھلائیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا، اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہو گا۔ (۹ : ۱۰۱)

۶۔ نوٹ: ۔عرب جب زمین اور آسمان کے درمیان خلا دیکھتے تھے تو خالی ہونے کی جہت سے اسے ھواء کہتے تھے۔ یہیں سے ہوا (بمعنی AIR) عام ہو گیا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ان معنوں میں نہیں آیا۔

ی

۱- یاس (نا امیدی)

قرآن کریم میں ناامیدی کے لئے یاسؔ اور قنوطؔ دونوں مادے آئے ہیں۔ بعض اہلِ لغت کا خیال ہے کہ یاسؔ عمومی معنوں میں آتا ہے اور قنوطؔ میں ناامیدی کی شدت ہوتی ہے۔

ہندوؤں کے ہاں، ہر انسانی بچہ اپنے سابقہ جنم کے اعمال کے مطابق اپنا مقدر لے کر پیدا ہوتا ہے جسے وہ اپنے موجودہ جنم میں بدل نہیں سکتا۔ عیسائیوں کے ہاں ہر انسانی بچہ اپنے اولین ماں باپ کے گناہوں کا بوجھ لے کر پیدا ہوتا ہے جس سے وہ کسی طرح رستگاری حاصل نہیں کر سکتا۔ (بجز حضرت مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لانے کے)۔ یہودیوں کے ہاں گناہوں کی سزا سے بچنے (یعنی توبہ) کا تصور نہیں۔ عصرِ حاضر کے پیدا کردہ تصورات میں، مارکس کے نظریۂ تاریخ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی رُو سے، انسان، تاریخ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے جنہیں وہ توڑ ہی نہیں سکتا۔ علم النفس کے ماہرین کے خیال کے مطابق، ہر انسان نے جو کچھ بننا ہوتا ہے وہ اپنے بچپن میں بن چکتا ہے۔ اس لئے وہ بڑا ہو کر ان زنجیروں سے نجات حاصل کر ہی نہیں سکتا۔

قرآنِ کریم نے جبر کی ان تمام زنجیروں کو توڑ ڈالا اور کہا کہ انسان آزاد پیدا ہوتا ہے۔ اسے قوتِ ارادی اس قدر مضبوط دی گئی ہے کہ اگر وہ اسے صحیح طریق پر استعمال کرے تو کوئی زنجیر ایسی نہیں ہوتی جسے وہ توڑ نہ سکے۔ اسی لئے قرآن، انسان کو بار بار تاکید کرتا ہے کہ وہ کبھی مایوس نہ ہو۔ حالات کتنے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں، وہ ان پر قابو پا لینے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ انسان جب اپنے آپ کو مجبور اور بے بس تصور کر لیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم اس کے یکسر خلاف ہے وہ مایوسی کو کفر (یعنی انسان کا اپنے مقام سے انکار کرنا) قرار دیتا ہے۔ قرآن، زندگی کا جواب ہاںؔ سے دیتا ہے۔ نہیںؔ سے نہیں۔

۲۔ یاسؔ (کے مادہ) کے معنی، علم حاصل کرنا بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی مجازی ہوتے ہیں اور ہمارے زیرِ نظر موضوع سے خارج۔ (تفصیل کے لئے لغات القرآن دیکھئے)

یاس (ناامیدی)

۱۔ جو لوگ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل سے انکار کرتے ہیں، خدا کی رحمت سے مایوس ہو سکتے ہیں۔ اس کے معنی واضح ہیں کہ رحمتِ خداوندی، انسانی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے اور انسان میں جب تک عمل کی قوت اور صلاحیت باقی ہے، اسے خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ (۲۳ : ۲۹)

۲۔ جن لوگوں پر خدا کا غضب ہو وہ مستقبل کی طرف سے ناامید ہوتے ہیں۔ (۱۳ : ۶۰)

۳۔ رحمتِ خداوندی سے کفار ہی ناامید ہو سکتے ہیں۔ (۸۷ : ۱۲)

۴۔ حالات کی ناساعدت سے وقتی طور پر گھبرا جانے کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ ایسے لمحات خدا کے رسولوں پر بھی آجاتے تھے۔ (۱۱۰ : ۱۲)

۵۔ انسان جلدی سے خوش ہو جاتا ہے اور جلدی سے مایوس۔ (۹ : ۱۱) - (۸۳ : ۱۷) - (۴۹ : ۴۱)

۶۔ مایوسی کے بعد رحمتِ خداوندی بارش کی شکل میں۔ (۲۸ : ۴۲)

۷۔ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اس کے قوانین کی رُو سے، ہر لغزش کے نقصان سے حفاظت کا سامان مل سکتا ہے۔ (۵۳ : ۳۹) - خدا کی رحمت سے وہی مایوس ہوتے ہیں جو غلط راہوں پر چلتے رہتے ہیں۔ (۵۶ : ۱۵) یا یہ کہ جن کے سامنے کشاد کی راہ نہیں ہوتی۔

۸۔ انسان اپنے ہاتھوں مصیبت لاتا ہے اور پھر مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ (۳۶ : ۳۰)

۹۔ مغضوب علیہ، آخرت سے مایوس ہوتا ہے جس طرح کفار، مُردوں سے مایوس ہوتے ہیں۔ (۱۳ : ۶۰)

۱۰۔ دین کی تکمیل پر مخالفین کی مایوسی۔ (۳ : ۵)

۲۔ یتیم

یتیم کے بنیادی معنی ہیں، ایسا شخص جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے۔ جس کا کوئی ساتھی نہ ہو جس کا کوئی سہارا نہ ہو۔ کوئی آسرا نہ ہو۔ کوئی یار و مددگار نہ ہو، خواہ وہ کتنی ہی عمر کا کیوں نہ ہو۔ لیکن عام طور پر اس کے معنی وہ بچہ ہیں جس کے ماں باپ مرگئے ہوں۔ اس اعتبار سے لڑکا سنِ بلوغت تک پہنچنے تک یتیم کہلاتا ہے لیکن لڑکی کی جب تک شادی نہ ہو جائے وہ یتیم کہلائے گی۔ نیز بیوہ عورتوں کو بھی یتامیٰ کہا جاتا ہے (۴ : ۳) اور (۴ : ۱۲۷) میں یتامیٰ کا لفظ اس قسم کی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے آیا ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے، یہ صورتِ حال بڑی ہی دردناک اور تاسف انگیز ہے کہ کوئی شخص اس بھری دنیا میں اپنے آپ کو تنہا (بے آسرا) محسوس کرے۔ قرآن کریم ایسے لوگوں کی خبر گیری کے لئے بڑی تاکید کرتا ہے۔ خبرگیری ہی نہیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ ان کی عزت بھی کرو تاکہ ان میں احساسِ کمتری نہ پیدا ہونے پائے۔ اسی طرح یتیم بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت بھی اس انداز سے ہونی چاہیئے کہ ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ یتیم بچوں کو جس طرح یتیم خانوں میں رکھ کر خیرات کے ٹکڑوں پر پالا جاتا ہے۔ اس سے ان کا شرفِ انسانیت ذبح ہو جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس قوم میں حالت یہ ہو وہ ذلیل ہو جاتی ہے۔ (۸۹ : ۱۷)۔ ان کی پرورش، تعلیم و تربیت کا باعزت انتظام کرنا، اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

بے سہارا تنہا رہ جانے والے لوگ

۱۔ جس معاشرہ میں یتیموں کی عزت نہ ہوتی ہو وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ (۸۹ : ۱۷)

۲۔ یتیم کو دھتکار دمت (۹۳ : ۹)۔ جو ایسا کرتا ہے وہ دین کی تکذیب کرتا ہے۔ (۱۰۷ : ۲)

۳۔ وہ شخص جو ہزاروں انسانوں کے قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا پاتا ہو۔ (۱۵ : ۹۰)

۴۔ یتیموں کی روٹی کا انتظام۔ (۷۶ : ۸)

یتیم بچے

۱۔ یتیم جب تک جوان نہ ہو جائیں ان کے مال و متاع کا بطریقِ احسن انتظام کرو۔ (۴ : ۲) ـ (۴ : ۶) ـ (۶ : ۱۵۲) (۱۷ : ۳۴) ـ (۲) ۔ یتیموں کی اصلاح کرو۔ (۲ : ۲۲۰)

۳۔ ترکہ کی تقسیم کے وقت ایسے یتیم موجود ہوں جن کا ترکہ میں حصہ نہیں، تو انہیں بھی کچھ دے دو۔ (۴ : ۸)

۴۔ یتیموں کا مال کھا جانے والے۔ (۴ : ۱۰) ـ (۵) ۔ یتیموں کے ساتھ انصاف ۔ (۴ : ۱۲۷)

۶۔ مالِ غنیمت میں یتیموں کا حق۔ (۸ : ۴۱) ۔ انفال میں ۔ (۵۹ : ۷)

۷۔ یتیم پوتے کی وراثت کے لئے عنوان " وراثت " دیکھئے ۔

یتیموں کے رزق کا انتظام کرو

۱۔ اس شق میں یتیم بچے اور بے سہارا افراد سب آ سکتے ہیں ۔ (۷۶ : ۸)

۲۔ یتیموں کے ساتھ احسان ۔ (۲ : ۸۳) ـ (۴ : ۳۶) ـ (۳) ـ ان کی مالی امداد ـ (۲ : ۱۷۷) ـ (۲ : ۲۱۵)

یتیم لڑکیاں ۔ بیوہ عورتیں

۱۔ ان سے نکاح ـ (۴ : ۳) ـ (۴ : ۱۲۷)

متفرقات

۱۔ رسولؐ اللہ یتیم رہ گئے تھے ۔ خدا نے آپ کے لئے پناہ کا انتظام کیا۔ (۹۳ : ۶)

۲۔ واقعہ حضرت موسیٰؑ اور مردِ بزرگ میں دو یتیم بچوں کی دیوار کا قصہ ۔ (۱۸ : ۸۲)

۲۔ یثرب

مدینہ منورہ کا قدیمی نام ۔ (۳۳ : ۱۳)

۴۔ یوم (جمع ایام)

ہمارے ہاں یوم کے معنی ایک دن کے ہوتے ہیں۔ عربوں کے ہاں، اس لفظ کے معنی، ایک دن کے علاوہ، مطلقاً وقت، زمانہ اور دَور کے بھی ہوتے ہیں۔ نیز حکومت اور دولت کے بھی۔ وہ تاریخ کے اہم اور ناقابلِ فراموش واقعات کے لئے ایام کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

یوم کے ساتھ اِذٍ کا اضافہ کر کے اسے یَوْمَئِذٍ بنا دیتے ہیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں "جس وقت" جس زمانے میں۔ جس دَور میں۔

قرآن کریم میں یوم کا لفظ اس کثرت سے آیا ہے کہ یہاں ان تمام آیات کا درج کرنا مشکل ہے۔ نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ اس عنوان کے تحت صرف ان آیات کو درج کیا جائے گا جن میں یہ لفظ مختلف معانی میں آیا ہے۔

یوم بمعنی چوبیس گھنٹے کا ایک دن یا صبح سے شام تک کا دن کا وقفہ

۱۔ حج کے ایام میں یومین کا ذکر آیا ہے۔ اس کے معنی عام دن کے ہیں۔ (۲۰۳ : ۲)

۲۔ روزوں کو دوسرے دنوں میں پورا کرنے کا حکم۔ (۱۸۴ : ۲) - (۱۹۶ : ۲)

۳۔ حج کے گنتی کے دن۔ (۲۰۳ : ۲) - (۴)۔ روزے گنتی کے دنوں میں۔ (۱۸۴ : ۲)

یَوْمَئِذٍ - اُس وقت

۱۔ تو اُس وقت مجرموں کو دیکھے گا ۔۔۔۔۔۔ (۴۹ : ۱۴)

۲۔ اس دَور میں حکومت ساری خدا کی ہوگی۔ (۱۹ : ۸۲)

ایام

۱۔ یہ زمانے کی گردش (ایام) ہے۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ (۱۴۰ : ۳)

۲۔ اقوامِ سابقہ کی تاریخ۔ (۱۰۲ : ۱۰)

۳۔ تخلیقِ کائنات چھ ایّام (ادوار) میں ہوئی۔ (دیکھئے عنوان۔ یوم بمعنی مدّت)

۴۔ ایام اللہ۔تاریخ کے وہ ناقابلِ فراموش واقعات جن میں انقلابِ خداوندی برپا ہوا۔ (۵ : ۱۴)۔(۱۴ : ۴۵)

۵۔ فصلوں کے چار موسم۔ (۱۰ : ۴۱)

یوم بمعنی مُدّت۔زمانہ۔وقفہ۔دَور۔ایک (STAGE) وغیرہ

۱۔ مالک یوم الدین۔ (۴ : ۱) ——— ۲۔ یوم آلآخر۔ (۸ : ۲)

۳۔ یوم القیامۃ (۸۵ : ۲) ——— یوم یبعثون۔ (۱۴ : ۷)

۴۔ یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ۔ (۲۵۴ : ۲)۔۵۔ یوم لا ریب فیہ۔ (۹ : ۳)

۶۔ آج کے دن (یعنی اس دَور میں) تمہارے لئے خدا نے دین کی تکمیل کر دی۔ (۳ : ۵)

۷۔ جس وقت (یوم) خدا کسی شے سے کہتا ہے کہ ہو جا' تو وہ ہو جاتی ہے۔ (۷۳ : ۶)

۸۔ یوم الحج الاکبر۔ اس کے معنی زمانہ بھی ہو سکتے ہیں اور دن بھی۔ (۳ : ۹)

۹۔ تخلیقِ کائنات کے وقت (یوم)۔ (۳۶ : ۹)

۱۰۔ جس زمانے میں یہ زمین بدل جائے گی۔آسمان بدل جائے گا۔ (۴۸ : ۱۴)

۱۱۔ خدا کا ایک ایک دن تمہارے حساب و شمار کے مطابق ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے۔ (۵ : ۳۲)۔اور پچاس پچاس ہزار سال کا۔ (۴ : ۷۰)

۱۲۔ کل یوم ھو فی شان۔ (۲۹ : ۵۵)۔ وہ ہر آن میں ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔یا کائنات کی ہر شے کے تقاضے مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں۔

۱۳۔ یوم الجمعۃ۔جمعہ کا دن۔یا اجتماع کے وقت۔ (۹ : ۶۲)

۱۴۔ جس دور (یوم) میں نوعِ انسان خدا کی عالمگیر ربوبیت کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی۔ (۶ : ۸۳)

۱۵۔ یومئذ۔جس وقت تم پر یہ کچھ گزر رہا ہو گا۔ (۱۰۳ : ۲۱)۔انہی معنوں میں یومئذ بھی آیا ہے۔ (۷ : ۵۱)

۱۶۔ خدا نے ارض کو یومین میں تخلیق کیا اور سمٰوٰت کو بھی۔ (۱۲ تا ۹ : ۴۱)۔ فی ستۃ ایام چھ "دنوں" میں۔یعنی مختلف ادوار (PERIODS) میں۔ (۵۴ : ۷)۔(۳ : ۱۰)۔(۷ : ۱۱)۔(۵۹ : ۲۵)۔(۴ : ۳۲)۔(۴ : ۵۷)۔(۳۸ : ۵۰)

۵۔ (حضرت) یحییٰؑ

قرآن کریم میں حضرت یحییٰؑ کے کوائف حیات تفصیلاً بیان نہیں ہوئے۔صرف اجمالی تذکرہ ہے۔آپ کے والد حضرت زکریاؑ نے بیٹے کی پیدائش کی دعا مانگی۔یہ بیٹا ان کے ہاں کبرسنی میں پیدا ہوا۔

حضرت زکریاؑ کی دعا اور حضرت یحییٰؑ کی پیدائش

حضرت زکریاؑ کی دعا اور حضرت یحییٰؑ کی خصوصیات۔ (۳۸-۳۷ : ۳) - (۷ : ۱۹) - (۹۰ : ۲۱)۔

حضرت یحییٰؑ نبی تھے۔ (۳۸ : ۳) - (۸۵ : ۶) - (۱۲ : ۱۹)

دیگر خصوصیات۔ (۱۵-۱۳ : ۱۹) - (۳۸-۳۷ : ۳)

(-)

۶۔ (حضرت) یسعؑ

قرآن کریم میں دو مقامات پر آپ کا نام ' زمرۂ انبیاء میں آیا ہے۔اس سے زیادہ قرآن میں کچھ نہیں آیا۔وہ دو مقام یہ ہیں۔ (۸۶ : ۶) - (۴۸ : ۳۸)

(-)

۷۔ یاجوج وماجوج

یاجوج وماجوج کا ذکر ' ذوالقرنین کے ضمن میں تفصیل سے آچکا ہے۔وہاں دیکھا جائے۔حوالے کے لئے یہ آیات دیکھئے۔ (۹۴ : ۱۸) - (۹۶ : ۲۱)

(-)

۸۔ (حضرت) یعقوبؑ

قرآن کریم میں سلسلۂ انبیاء کرام میں حضرت یعقوبؑ کا بھی ذکر آتا ہے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے، حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے اور حضرت یوسفؑ کے والد تھے۔ اسرآئیل آپ کا لقب تھا اور اسی نسبت سے آپ کی ذریت (نسل) کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے قرآن میں آپ کے کوائفِ حیات تفصیل سے بیان نہیں ہوئے۔ صرف اجمالی تذکرہ آیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے۔ یعنی آپ کے پوتے

۱۔ حضرت ابراہیم کو اسحٰقؑ، اور ان کے مادراء، یعقوب عطا ہوئے جوان کے پوتے تھے۔ (۸۵ : ۶) ۔ (۷۱ : ۱۱)۔ (۴۹ : ۱۹) ۔ (۷۲ : ۲۱) ۔ (۲۷ : ۲۹)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو عبودیتِ خداوندی کی تاکید کی۔ (۱۳۲ : ۲)

حضرت یوسفؑ کے والد

۱۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ میں اپنے آبار حضرت یعقوبؑ، اسحٰقؑ اور ابراہیمؑ کی ملت کا اتباع کرتا ہوں۔ (۳۸ : ۱۲)

۲۔ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے یوسفؑ سے کہا کہ اپنا خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ (۶-۵ : ۱۲)

۳۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے اطمینان کی خاطر بیٹوں سے کہا کہ مصر جانا تو ایک ہی دروازے سے شہر کے اندر داخل نہ ہونا۔ (۶۸-۶۷ : ۱۲)

۴۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو عبودیتِ خداوندی کی تاکید کی۔ (۱۳۳ : ۲)

آپ پر وحی نازل ہوتی تھی جس پر ایمان لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے

۱۔ زمرۂ انبیاء میں آپ کا ذکر۔ اور آپ کی وحی پر ایمان لانے کی تاکید۔ یعنی اس بات پر ایمان لانے کی کہ آپ پر اپنے وقت میں خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی۔ (۱۳۶ : ۲) ۔ (۸۴ : ۳) ۔ (۱۶۳ : ۴)

۲۔ وہ خدا کے بندوں میں سے تھے۔ (۴۵ : ۳۸)

۳۔ وہ یہود اور نصاریٰ کی گروہ بندیوں میں شامل نہیں تھے۔ (۲ : ۱۴۰)

حضرت زکریاؑ کی دُعا

حضرت زکریاؑ نے بیٹے کی پیدائش کی دعا مانگی تاکہ وہ آلِ یعقوب کی تعلیم کا وارث ہو۔ (۱۹ : ۶)

اسرائیل

۱۔ آپ کا لقب اسرائیل تھا۔ آپ کی ذریت میں انبیاء ہوئے۔ (۱۹ : ۵۸)

۲۔ اسرائیل نے کسی شے کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا۔ یہ زمانۂ قبل از تورات کا ذکر ہے۔ کیونکہ کتبِ تورات کا آغاز حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے ہوا تھا۔ (۳ : ۹۲)

―(-)―

۹۔ یقین

یقین۔ شک کی ضد ہے۔ یعنی شک کے زائل ہو جانے کے بعد، علم و تحقیق کے ساتھ کسی معاملہ کا پایۂ ثبوت تک پہنچ جانا۔ یہ مومنین کی بنیادی خصوصیت ہے کہ ان کا ایمان یقین کے درجہ تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (۲ : ۴) - (۲۷ : ۳) - (۳۱ : ۴)۔ سورۂ رعد میں ہے کہ خدا اپنی آیات کو واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم لقاءِ رب پر یقین لے آؤ۔ (۱۳ : ۲)

۲۔ یقین بمقابلہ ظن۔ (۴ : ۱۵۷) - (۴۵ : ۳۲)

۳۔ آیاتِ خداوندی۔ یعنی مشاہداتِ فطرت سے یقین۔

(۱)۔ حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت السمٰوٰت و الارض کا مشاہدہ کرایا گیا تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ (۶ : ۷۵)

(۲)۔ تخلیقِ خداوندی میں یقین رکھنے والی قوم کے لئے آیات۔ (۴۵ : ۴)

(۳)۔ کفار کے متعلق کہا کہ کیا ارض و سما کو انہوں نے تخلیق کیا ہے جو انہیں احکامِ خداوندی پر یقین نہیں آتا۔ (۵۲ : ۳۶)

(۴)۔ زمین میں، یقین رکھنے والوں کے لئے آیات۔ (۵۱ : ۲۰)

(۵) حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ میرا خدا، رب السمٰوٰت والارض ہے - اگر تم اس پر یقین کرو تو...... (۲۶ : ۲۴)

۴ - قرآن، رب السمٰوٰت والارض کی طرف سے ہے - اگر تم اس پر یقین کرو تو.... (۷ : ۴۴)

(۱)- یہ یقین رکھنے والوں کے لئے رحمت ہے - (۲۰ : ۴۵)

(۲)- خدا نے اپنی آیات کی وضاحت کر دی ہے اس قوم کے لئے جو یقین کرے - (۱۱۸ : ۲)

(۳)- یقین کرنے والی قوم کے لئے خدا سے بڑھ کر کون حکم ہو سکتا ہے - (۵۰ : ۵)

(۴)- لوگ آیاتِ خداوندی پر یقین نہیں رکھتے - (۸۲ : ۲۷)

۵- بنی اسرائیل میں ایسے لوگ تھے جو وحیٔ خداوندی کے متعلق ہدایت دیتے تھے - اور آیاتِ خداوندی پر یقین رکھتے تھے - (۲۴ : ۳۲) - (۶)- قرآن کی متشابہ آیات، اہلِ کتاب کے لئے وجۂ یقین ہو سکتی ہیں - (۳۱ : ۷۴)

۷- اہلِ فرعون حضرت موسیٰؑ کی پیش کردہ صداقت پر دل میں تو یقین رکھتے تھے - لیکن پندارِ نفس کی خاطر اس سے انکار کئے چلے جاتے تھے - (۱۴ : ۲۷)

۸- رسول اللہ سے کہا گیا کہ خدا کے وعدے سچے ہیں - آخر الامر تم کامیاب ہو کر رہو گے - جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ چاہتے ہیں کہ آپ متذبذب ہو کر استقامت چھوڑ دیں - ایسا نہ کرنا - (۶۰ : ۳۰)

۹- حضرت سلیمانؑ کے فرستادہ نے آکر کہا کہ میں ملکۂ سبا کے متعلق یقینی خبر لایا ہوں - (۲۲ : ۲۷)

۱۰- موت کو بھی یقین کہا گیا ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر یقینی چیز اور کون سی ہو سکتی ہے - رسول اللہ سے کہا گیا کہ تم خدا کی اطاعت و محکومیت مسلسل اختیار کئے جاؤ - حتیٰ کہ تمہیں الیقین آجائے (۹۹ : ۱۵) - اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم مرتے دم تک ایسے ہی رہو - یعنی ساری زندگی اس پر گامزن رہو - جیسا کہ (۱۰۱ : ۳) میں کہا گیا ہے اور یہ معنی بھی کہ جب تک وہ نتیجہ سامنے نہ آجائے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ یقینی ہے -

(۲)- اہلِ جہنم کہیں گے کہ ہم آخرت کی تکذیب کرتے رہے تاآنکہ ہمیں الیقین آگئی - یہاں اس کے معنی موت معلوم ہوتے ہیں - (۴۷ : ۷۴)

۱۱- اہلِ جہنم خدا سے کہیں گے کہ ہم نے اب سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور یقین آگیا ہے - اب ہمیں دنیا میں واپس بھیج اور دیکھ کہ ہم کس طرح اچھے کام کرتے ہیں - (۱۲ : ۳۲)

۱۲- جہنم کا عذاب حق الیقین ہے - (۹۵ : ۵۶) - (۵۱ : ۶۹) - پہلے یہ علم الیقین تھا - پھر آنکھوں سے دیکھا تو عین الیقین ہو گیا - (۷ - ۵ : ۱۰۲)

۱۰۔ (حضرت) یوسفؑ

آپ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے تھے۔آپ وہ منفرد شخصیت ہیں جن کا تذکار جلیل، پوری تفاصیل کے ساتھ، قرآن کریم کی ایک طویل سورت میں مربوط شکل میں سامنے لایا گیا ہے، اور اس میں آپ کے انفرادی کردار اور جوہر ذاتی کا نمایاں ذکر ہے۔ قرآن کریم نے عفت وعصمت کو بلند ترین اقدار میں شمار کیا اور اس کی حفاظت پر بڑا زور دیا ہے۔ اس کی عملی مثال کے لئے مردوں میں سے حضرت یوسفؑ اور عورتوں میں سے حضرت مریمؑ کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ باقی رہے آپ کے جوہر ذاتی، سو ان کا مظاہرہ اسوقت ہوا، جب آپ نے مملکتِ مصر کا نظم ونسق سنبھالا۔ چونکہ آپ کا تذکرہ سورۂ یوسف (۱۲) میں پورے تسلسل سے آیا ہے اس لئے الگ آیات کے حوالے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ اس سورت کے علاوہ جہاں آپ کا تذکرہ آیا ہے، ان حوالوں کو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۱۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے تھے۔ (۶ : ۸۵)۔اس آیت میں آپ کا نام انبیاء کرام کے زمرہ میں آیا ہے۔

۲۔ دربارِ فرعون کے مردمومن نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے جو نہایت بصیرت افروز تقریر کی تھی۔اس کے ضمن میں اس نے کہا تھا کہ اس سے پہلے (حضرت) یوسفؑ تمہاری طرف واضح دلائل لے کر آئے لیکن تم نے ان کی صداقت کے بارے میں شک کیا اور جب وہ وفات پا گئے تو تم مطمئن ہوگئے کہ اب کوئی خدا کا رسول نہیں آئے گا۔ (۴۰ : ۳۴)

۱۱۔ (حضرت) یونسؑ

آپ انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ان کا عبرانی نام یوناہ تھا جو عربی زبان میں آکر یونسؔ ہوگیا۔ تورات میں ان کا صحیفہ، "کتابِ یوناہ" کے نام سے موجود ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ ۸۰۰ ق م کے قریب تھا۔ قرآن میں آپ کے متعلق ایک واقعہ مذکور ہے۔یعنی آپ نے یہ خیال کرکے کہ آپ کی قوم ایمان نہیں لائے گی، وہاں سے ہجرت اختیار کی۔لیکن یہ اقدام قبل از وقت تھا۔ بعد میں آپ کی قوم ایمان لے آئی۔ آپ ایک کشتی میں سوار ہوئے جو ڈوب گئی اور ایک بہت بڑی مچھلی (ویل وغیرہ) نے آپ کو اپنے جبڑوں میں دبوچ لیا لیکن آپ نے اس سے چھٹکارا حاصل کرلیا اور

تیر کر ساحل پر آگئے۔ اسی واقعہ کی نسبت سے آپ کو کہیں ذو النون کہا گیا ہے ۔ (۲۱ : ۸۷) - اور کہیں صاحب الحوت کہہ کر۔ (۶۸ : ۴۸)

۱- آپ سلسلۂ مرسلین میں سے تھے۔ (۴ : ۱۶۳) - (۶ : ۸۶) - (۳۷ : ۱۳۹) - (۳۷ : ۱۴۷)

۲- آپ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ (۲۱ : ۸۷) - اور ایک بھری ہوئی کشتی میں بیٹھ گئے۔ (۳۷ : ۱۴۰) ایک مچھلی نے انہیں دبوچ لیا۔ (۲۱ : ۸۷-۸۸) - (۳۷ : ۱۴۲) - وہاں سے وہ محفوظ باہر آگئے۔ (۲۱ : ۸۷-۸۸) (۳۷ : ۱۴۳-۱۴۵) - ساحل پر آپ رُو بصحت ہو گئے۔ (۳۷ : ۱۴۶)

۳- ان کی قوم ایمان لے آئی۔ (۳۷ : ۱۴۸) - (۱۰ : ۹۸)

۴- رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپؐ، صاحب الحوت کی طرح جلد بازی نہ کرنا۔ (۶۸ : ۴۸)

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

(اقبالؒ)